

**BROWN
BOOK ONLY**

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224164

UNIVERSAL
LIBRARY

हिन्दी घर

ہندی گھر

کलچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر۔۔۔ پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی اپنی من-پسند کتابوں کے لیے ہمیں لکھیں۔

کلیچر پر ہر طرح کی کتابیں ملنے کا ایک بڑا کیندر۔۔۔ پاٹک ہندی، اردو، انگریزی کی من پسند کتابوں کے لئے ہمیں لکھیں۔

ہماری نئی کتابیں

ہماری نئی کتابیں

مہاتما گاندھی کی وصیت

مہاتما گاندھی کی وصیت

(ہندی اور اردو میں)

(ہندی اور اردو میں)

لکچر—گاندھی کی وصیت

لکچر—گاندھی کی وصیت

پروان: شری منظر علی سوختہ

پروان: شری منظر علی سوختہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

صفحہ 225، قیمت دو روپیہ

—:—:—

—:—:—

گاندھی بابا

گاندھی بابا

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

(بچوں کے لیے بہت دلچسپ کتاب)

لکچر—گاندھی بابا

لکچر—گاندھی بابا

پروان: پرنسپل جواہر لال نہرو

پروان: پرنسپل جواہر لال نہرو

موتی کاغذ: موتی کاغذ، بہت سی رنگین تصویریں

موتی کاغذ: موتی کاغذ، بہت سی رنگین تصویریں

دাম دو روپیہ

دাম دو روپیہ

—:—:—

—:—:—

پرنسپل جواہر لال نہرو کی لکھی کتابیں

پرنسپل جواہر لال نہرو کی لکھی کتابیں

گیتا اور کورن

گیتا اور کورن

275 صفحہ، دাম دو روپیہ

275 صفحہ، دام دو روپیہ

ہندو مسلم ایکتا

ہندو مسلم ایکتا

100 صفحہ، دام دو روپیہ

100 صفحہ، دام دو روپیہ

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبق

مہاتما گاندھی کے ولیدان سے سبق

قیمت بارہ آنے

قیمت بارہ آنے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

قیمت چار آنے

قیمت چار آنے

بنگل اور اُس سے سبق

بنگل اور اُس سے سبق

قیمت دو آنے

قیمت دو آنے

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

ہندوستانی کلیچر سوسائٹی

145 مٹھانجی ایلاہاباد

145 مٹھانجی ایلاہاباد

सांस्कृतिक साहित्य

ساڻسڪوٽڪ ساھتية

हजरत मोहम्मद और इस्लाम

लेखक—एडिडन मुन्दरलाल, मूल्य—तीन रुपया
इस्लाम के पैगम्बर के सम्बन्ध में भारतीय भाषाओं में इस से
सुन्दर कोई दूसरी पुस्तक नहीं

हजरत ईसा और ईसाई धर्म

लेखक—एडिडन मुन्दरलाल, मूल्य—डेढ़ रुपया

महात्मा ज़रथुस्त्र और ईरानी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

यहूदी धर्म और सामी संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन मिस्र की सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

सुमेर बाबुल और अशुरिया की प्राचीन संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

प्राचीन यूनानी सभ्यता और संस्कृति

लेखक—विश्वम्भरनाथ पांडे, कीमत—दो रुपया

गंगा से गोमती तक

(प्रगतिशील कहानी संग्रह)

लेखक—श्री मुजीब रिजवी, कीमत—दो रुपया

आग और आंसू

(भावपूर्ण सामाजिक कहानियाँ)

लेखक—डाक्टर अरुन हुसैन रायपुरी, कीमत—डेढ़ रुपया

कुरान और धार्मिक मतभेद

लेखक—मौलाना अबुलकलाम आजाद, कीमत—डेढ़ रुपया

भंकार

(प्रगतिशील कविताओं का संग्रह)

लेखक—रघुपति सहाय किराक, कीमत—तीन रुपया

حضرت محمد اور اسلام

ایک کتاب—ہفت سائڈز الاچ
اسلام کے پیغمبر کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

حضرت عیسیٰ اور عیسائی دھرم

ایک کتاب—ہفت سائڈز الاچ
عیسائی دھرم کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

مہاتما زر تھستور اور ایرانی سنسکرتی

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
زر تھستور کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

یہودی دھرم اور سامی سنسکرتی

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
یہودی دھرم کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

پراچین مصر کی سبھیتا اور سنسکرتی

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
مصر کی سبھیتا کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

سومیر بابل اور اسوریائی پراچین سنسکرتی

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
سومیر بابل اور اسوریائی کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

پراچین یونانی سبھیتا اور سنسکرتی

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
یونانی سبھیتا کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

گنگا سے گوتمی تک

(پروگریس ٹیل کہانی سٹوری)

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
گنگا سے گوتمی تک کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

آگ اور آنسو

(بہاؤ پورن سماجک کہانیاں)

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
آگ اور آنسو کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

قرآن اور دھارمک متبھید

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
قرآن اور دھارمک متبھید کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

جھنکار

(پروگریس ٹیل کہانی سٹوری)

ایک کتاب—دو سائڈز الاچ
جھنکار کے متعلق میں بارہ بارہ کتابوں میں اس سے
سارے کوئی دوسری کتاب نہیں

میلنے کا پتا

ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مٹریگنج، ایلاہاباد

کو छोڑکر نئے یار کے ساتھ भाग जाय. इस तरह के अनेकों लोग हैं मगर इनमें कुछ का जिक्र मिसाल के तौर पर किया गया है कि हमारे साधन का चुनाव—कार्यकर्ता—भात्री सर्वोदय कार्यक्रम के रास्ते में रुकावट न डाले.

जब गान्धी जी ने सत्याग्रहियों के लिये एक आम मांग की तो उन्होंने कचेहरियां, कालेज और स्कूल छुड़वाये, ये सब न सिर्फ सर्वोदय समाज में न थे बल्कि 'सर्वोदय के विरोधी' थे और उनके बन्द होने से सर्वोदय की प्रगति हुई. मैं यहां इसका जिक्र कर दूँ कि जब जब गान्धी जी ने आन्दोलन शुरू किये मुझे हर बार गान्धी जी से साफ आदेश मिले कि मैं जिस फर्ज को पूरा करने में लगा हुआ हूँ उसे न छोड़ूँ. "गिरफ्तार होने न जाओ न कोई कानून शिकनी करो. अगर तुम अपना फर्ज मुनासिब तरीके से अदा करोगे तो वे तुम्हें गिरफ्तार करने के लिये मजबूर हो जायेंगे." मैंने न कभी कानून शिकनी की और न गिरफ्तार होने गया. और फिर भी मैं सात मर्तबा जेल गया. अगर सर्वोदय समाज रचना के लिये हमारा जीवन अर्पित है तो हमें किसी भी परिस्थिति में अपनी जिम्मेवारी की जगह छोड़कर न भागना चाहिये. किसी कार्यक्रम में लक्ष्य मुक़रर करने से ज्यादा जोश पैदा होता है और तब इस किस्म की बातें होती हैं. हमें ऐसे प्रलोभनों से बचना चाहिये.

सर्वोदय में न कोई छोटा है न बड़ा. भंगी का काम भी अगर सच्ची सर्वोदय भावना से किया जाय तो उसकी अहमियत किसी भी काम के बराबर है. असली चीज अहिंसा है. उससे बढ़कर अहम और कोई चीज नहीं.

—जे. सी. कुमारप्पा

کو چھوڑ کر نئے یار کے ساتھ بھاگ جائے. اس طرح کے انیکوں لوگ ہیں مگر ان کچھ کا ذکر مثال کے طور پر کیا گیا ہے کہ ہمارے ساधन کا چناؤ—کارہ کرتا—ہائی سرورڈے کارہ کرم کے راستے میں رکاوت نہ ڈالے.

جب گاندھی جی نے سत्याگراہیوں کے لئے ایک عام مانگ کی تو انہوں نے 'کچہریاں'، کالج اور اسکول چھوڑائے، یہ سب نہ صرف سرورڈے سماج میں نہ تھے بلکہ 'سرورڈے کے ورورڈے' تھے اور انکے ہند ہونے سے سرورڈے کی پرگتی ہوئی. میں یہاں ایسا ذکر کر دوں کہ جب جب گاندھی جی نے آندولن شروع کیئے مجھے ہر بار گاندھی جی سے صاف آدیش ملے کہ میں جس فرض کو پورا کرنے میں لگا ہوا ہوں اُسے نہ چھوڑوں. "گرفتار ہونے نہ چاؤ نہ کرئی قانون شکنی کرو. اگر تم اپنا فرض مناسب طریقے سے ادا کر گے تو وہ تمہیں گرفتار کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے." میں نے نہ کبھی قانون شکنی کی اور نہ گرفتار ہونے گیا. اور پھر بھی میں سات مرتبہ جیل گیا. اگر سرورڈے سماج رچنا کے لئے ہمارا جیون اربت ہے تو ہمیں کسی بھی پرستہتی میں اپنی ذمہ داری کی جگہ چھوڑ کر نہ بھاگنا چاہیئے. کسی کارہ کرم میں لکش مقدر کرنے سے زیادہ جوش و خروش پیدا ہونا ہے اور تب اس قسم کی باتیں ہوتی ہیں. ہمیں ایسے پرلوہوں سے بچنا چاہئے.

سرورڈے میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا. بھنگی کا کام بھی اگر سچی سرورڈے بھارتا سے کیا جائے تو اُسکی اہمیت کسی بھی کام کے برابر ہے. اصلی چیز اغنسا ہے. اُس سے بھڑہ کر اہم اور کوئی چیز نہیں.

—جے. سی. کمارپا

بات نہیں ہے کہ ایک بڑے کسان سے بیوی لیکر آئے چھوٹے نژاد میں بانٹ کر دیکتی گت کسانوں کو دے دیا جائے۔ زمین کو جوڑنے والے کو کچھ دوشوں کے لئے پٹے پر دینا چاہیئے اور آٹے کلم کی سادھائی کے ساتھ چیان بین کرنی چاہیئے۔ اس کلم کے لئے بھی کاریکرتناں کی تعلیم کے لئے کرسی کا لجن کی ضرورت ہے۔

3. لوگ شانتی پورک زمین پر اپنے سوامتو کو چور دیں اسکے لئے انہیں سمجھانے بھانے کی ضرورت ہے۔ سمجھانے بھانے اور لوگوں کے دلوں کو بدلنے کے لئے بھی ہمیں کاریکرتناں کی ضرورت ہوگی۔ اس کمش کرنے کے لئے قرینڈ کاریکرتنا ہمارا سادھن ہے۔ اس بات کے لئے بھی ہمیں کرسی کا لجن کی ضرورت ہے۔

اس سکتچہت وشایشن سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یوجنا کی سہیتا کا سارا دارومدار کاریکرتنا پر ہے۔ وہ اور وسار پر زیادہ توجہ دینے سے ہم ہنسنا کی طرف بڑھیں گے۔ کمش اور نشا نے ہنسناک یوجنا کے انگ ہیں۔

چونکہ کاریکرتنا ہمارے سادھن ہیں اسلئے سمسپا لی جز اس بات میں ہے کہ کیسے انہیں پایا جائے۔ مرجودہ سنسپاؤں میں جو لوگ کلم کر رہے ہیں ان سے شفا کر انہیں اس کلم میں لگانے کا ارادہ ہنسنا ہے۔

چونکہ کاریکرتنا ہمارا سادھن ہے اسلئے سمسپا لی جز اس بات میں ہے کہ کیسے انہیں پایا جائے۔ مرجودہ سنسپاؤں میں جو لوگ کلم کر رہے ہیں ان سے شفا کر انہیں اس کلم میں لگانے کا ارادہ ہنسنا ہے۔

اس بات کو صاف کرنے کے لئے اس بات کی اجازت ہوئی جائے کہ میں دو ایک نمایاں مثالیں دوں کہ ہواویش نے کارن اپنی زمعداریوں کی جگہیں چھوٹ کر مرجودہ ضرورت کی پورنی میں لک لئے (مجھے وشواس ہے کہ سمبندیت دیکتی مجھے چھپا کریں گے)۔ جیوں دان کی ہکار پر شرمیتی آشدایں آریہ ناٹھم آدرچت سے آگے بڑھیں اور ہودرن آندولن کے لئے انہوں نے اپنی سولائیں آرہت کر دیں۔ کیا یہ مناسب بات ہوئی؟ کیا انکا جیوں پہلے سے ہی بنیادی تعلیم کے لئے آرہت نہیں تھا؟

نئی تعلیم سروردے سماج رچنا کا ایک انگ ہے۔ جبکہ سروردے سماج رچنا میں ہودرن کا مہندہ آسکے آرتھک، ساماجک اور راجنیتک چھیتروں سے ہے۔ بھاری ناگزروں کی رچنا میں بنیادی تعلیم سانسکرتک اور ادھوانک انشدان ہے۔ کون زیادہ ضروری ہے؟ بنیادی تعلیم کا کام چھوڑ کر ہوددان میں لکنا دراصل ایک پیچھا ہوا قدم ہے۔ بائبل کے لفظوں کو اگر ہم استعمال کریں تو یہ ہوگا کہ: "بچوں کی روٹی لیکر انہیں کتوں کے آگے پھینکنا مناسب نہیں ہے۔" اسی طرح سے شری شنکر راؤ دیو اور شری انا صاحب سہسربدے جو سرو سوا سنگھ میں ضروری جگہوں پر کلم کر رہے تھے اپنا کام چھوڑ کر ہوددان کے کام میں لگ گئے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کی پتھی اپنے دواہت پتی

بھودان : ساध्य और साधन

بھودان : سادھیہ اور سادھن

अहिंसक समाज रचना में हमेशा जागरूक रहने की जरूरत है. इस बात को सदा याद रखना चाहिये कि हमारे साध्य और साधन क्या हैं. साध्य पर जरा ज्यादा जोर देने का नतीजा यह होगा कि मोह पैदा होगा और मोह से हिंसा पैदा होती है. भूदान आन्दोलन चूँकि सर्वोदय समाज रचना की एक जोरदार कोशिश है. इसलिये हमें उसके हर पहलू की होशियारी से जांच करनी चाहिये. उसके साध्य और साधनों को अलग करके हमेशा इस बात पर निगाह रखनी चाहिये कि हमारा उनकी तरफ क्या खड़ा हो.

भूदान के साध्य (ends) और साधनों (means) का हम इस प्रकार वर्गीकरण कर सकते हैं :

(1) आर्थिक—साध्य :—गरीबी को दूर करना.

साधन :—जमीन का मुनासिब बटवारा और उचित पैदावार.

(2) सामाजिक—साध्य :—सम्पत्ति का स्वामी व्यक्ति के बजाय समाज को बनाना.

साधन :—सम्पत्ति का फिर से वितरण.

(3) राजनैतिक—साध्य :—अहिंसक उपायों से भूमि का स्वामित्व बदलना. (भूमि हीनों को भूमि का स्वामी बनाना).

साधन :—समझा बुझा कर लोगों के विचारों और दृष्टि कोण को बदलना.

साध्य को समझने के लिये सफाई से देखने की जरूरत है. अगर हम मुनासिब साधन बरतेंगे तो साध्य अपने आप ठीक रहेंगे.

इसलिये हम यहां साधनों के सम्बन्ध में ही विचार करेंगे :

1. भूमि का उचित इस्तेमाल करके ही हम गरीबी को दूर कर सकते हैं. जब हम नियात यानी बाहर भेजने के लिये या मिलों के लिये माल का उत्पादन करते हैं तो हम बेकारी को बढ़ाते हैं, गरीबी को बढ़ाते हैं और मुसीबतों को बढ़ाते हैं. इसलिये हमें स्वावलम्बन के उसूल को सामने रखकर मुकामी जरूरतों को पूरा करने के लिहाज से पैदावार पर जोर देना चाहिये. किसानों और कार्यकर्ताओं को इस कार्यक्रम की तफ़सील पर तालीम देने के लिये कृषि कालेजों और प्रदर्शन केंद्रों की हमें बेहद जरूरत है.

2. इस समय खेतों के मालिक व्यक्तिगत लोग हैं. हमें इसमें तब्दीली करनी है. भूमि किसी की जाती मिलकीयत नहीं होनी चाहिये, चाहे छोटी हो या बड़ी. यह कोई मुनासिब

अहंस्क साज रचना में हमेशा जागरूक रहने की ضرورت है. इस बात को सदा याद रखना चाहिये कि हमारे साध्य और साधन क्या हैं. साध्य पर जरा ज्यादा जोर देने का नतीजा यह होगा कि मोह पैदा होगा और मोह से हिंसा पैदा होती है. भूदान आन्दोलन चूँकि सर्वोदय समाज रचना की एक जोरदार कोशिश है. इसलिये हमें उसके हर पहलू की होशियारी से जांच करनी चाहिये. उसके साध्य और साधनों को अलग करके हमेशा इस बात पर निगाह रखनी चाहिये कि हमारा उनकी तरफ क्या खड़ा हो.

भूदान के साध्य (ends) और साधनों (means) का हम इस प्रकार वर्गीकरण कर सकते हैं :

(1) आर्थिक—साध्य :—गरीबी को दूर करना.

साधन :—जमीन का मुनासिब बटवारा और उचित पैदावार.

(2) सामाजिक—साध्य :—सम्पत्ति का स्वामी व्यक्ति के बजाय समाज को बनाना.

साधन :—सम्पत्ति का फिर से वितरण.

(3) राजनैतिक—साध्य :—अहिंसक उपायों से भूमि का स्वामित्व बदलना. (भूमि हीनों को भूमि का स्वामी बनाना).

साधन :—समझा बुझा कर लोगों के विचारों और दृष्टि कोण को बदलना.

साध्य को समझने के लिये सफाई से देखने की जरूरत है. अगर हम मुनासिब साधन बरतेंगे तो साध्य अपने आप ठीक रहेंगे.

इसलिये हम यहां साधनों के सम्बन्ध में ही विचार करेंगे :

1. भूमि का उचित इस्तेमाल करके ही हम गरीबी को दूर कर सकते हैं. जब हम नियात यानी बाहर भेजने के लिये या मिलों के लिये माल का उत्पादन करते हैं तो हम बेकारी को बढ़ाते हैं, गरीबी को बढ़ाते हैं और मुसीबतों को बढ़ाते हैं. इसलिये हमें स्वावलम्बन के उसूल को सामने रखकर मुकामी जरूरतों को पूरा करने के लिहाज से पैदावार पर जोर देना चाहिये. किसानों और कार्यकर्ताओं को इस कार्यक्रम की तफ़सील पर तालीम देने के लिये कृषि कालेजों और प्रदर्शन केंद्रों की हमें बेहद जरूरत है.

2. इस समय खेतों के मालिक व्यक्तिगत लोग हैं. हमें इसमें तब्दीली करनी है. भूमि किसी की जाती मिलकीयत नहीं होनी चाहिये, चाहे छोटी हो या बड़ी. यह कोई मुनासिब

دونوں প্রধান منٹریوں نے یہ ویسواں پریکٹ کیا کہ روس اور भारत دونوں کے بیچ کلچر، آرٹیک، تجارتی، سائنسی اور تکنیکی سپیڈ اور لین لین بڑا ہوتا رہے گا۔ کچھ دن پہلے جو تجارتی سمجھوتہ روس اور भारत کے بیچ ہوا تھا اس کی اور جو وعدہ دولت کا کیا گیا خانہ भारत میں کھڑا کرنے کا روس نے کیا ہے۔ ان دونوں کی بھی سراہنا کی گئی۔ دونوں پریشان منٹریوں کو روساں نے اس طرح ملکر کام کرنے سے روس اور भारत دونوں کا بھلا ہوگا۔

دونوں প্রধান منٹریوں نے اپنے اپنے اس ملین پر خوشی ظاہر کی اور پکا ویسواں ظاہر کیا کہ ان دونوں دیشوں اور ان کی جنتا کے بیچ پریم اور درستی بڑھتی رہے گی جس سے دنیا کی امن تحریک کو بہت بڑی شکتی ملے گی۔

پریشان منٹری بلکہفین اور پریشان منٹری جولبرال نہرو گاہ اعلان دنیا کی تمام پیٹھ ڈیڑھ اور کمزور قوموں کے دلوں کو سامنے اور آشا سے بھر دیا، نومی آزادی کی تحریکوں کو ہر جگہ بڑھاوا دیا اور جنگ کے خطرے سے دنیا کو بچانے میں بہت بڑا کام کرے گا۔ دنیا کے امن کے لئے سب سے بڑی ضرورت اسی چیز کی ہے کہ کوئی کسی دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دے۔ سب اپنے اپنے گھروں میں آزاد اور باہر دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ ملکر پریم اور امن کے ساتھ رہیں۔ کسی دیش میں کسی دوسرے دیش کے فوجی آڈے نہ ہوں۔ کوئی کسی دیش کے دو دلوں میں سے کسی ایک کو اپنی فوجوں یا جنگی ہیزوں سے مدد نہ دے۔ دنیا کی فوجی اور جنگی قوتیں۔ سب سب کے ہیلے میں اپنا بیلا سمجھیں۔ سب کی آزادی میں اپنی آزادی اور سب کی بہبودی میں اپنی بہبودی۔ اس میں ہم کالے یا گورے، ایشیا یا یورپ، یورپ یا چین، کمونسٹ یا غیر کمونسٹ کا کوئی فرق نہیں کرتے۔ دنیا کے اس حالت تک پہنچنے کے لئے آج سب سے بڑی ضرورت اسی چیز کی ہے کہ یہ تین بڑے ملک—روس، چین اور هندستان—جس کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں اور جن میں دنیا کی آڈے سے زیادہ آبادی رہتی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ ملکر آزادی، برابری اور انسانی بھائی چارے کے نام پر کھڑے ہوں۔ دنیا کے امن اور سب کے ہیلے کی یہی سب سے بڑی گارنٹی ہو سکتی ہے۔ ہم روس اور هندستان دونوں دیشوں، عمان کی جنتا اور عمان کی سرکاروں کو اس تاریخی اعلان پر دل سے بددلی دیتے ہیں۔

دونوں پریشان مंत्रیوں نے یہ راہ بھی ظاہر کی کہ بارجود اور کی سب باتوں کے اندر اشتراک نہ تو کئی کارن خاص کر ایشیا میں ابھی تک موجود ہیں۔ انہوں نے یہ اُمید ظاہر کی کہ نئے چینی جن راج کا تائیوان یعنی فارموسا پر جو جائز حق ہے وہ اُسے شانتی کے آپاؤں سے مل سکے گا۔ دونوں نے اپنا یہ وشواس بھی دہرایا کہ نئے چینی جن راج کو یوان-ار یعنی سنیٹک راشٹر سنگھ میں لینے سے کچھ قوموں کا لگاتار انکار کرنا دنیا کی بہت سی مصیبتوں کی جڑ ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ نئے چینی جن راج کو یو - این - ار میں مناسب جگہ ملنے پر ہی یو - این - ار کا ادھیکار پکا اور اُس کا کام پورا ہو سکتا ہے۔

ہند چین کی بابت جنیوا کانفرنس کے فیصلوں کی سراہنا کرتے ہوئے دونوں پریشان مंत्रیوں نے ان فیصلوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کے لئے اپنی دونوں کی خاص ذمہ داری کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ کچھ لوگوں کی نئی حرکتوں سے اُس عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا ہو جائے گا۔ انہوں نے اُن سب سرکاروں پر جن کا ہند چین کے معاملے سے کچھ سمبندہ ہے زور دیا کہ وہ اس معاملے میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کریں تاکہ ہند چین کے سمبندہ میں جنیوا کانفرنس کے فیصلے کامیاب ہو سکیں۔ انہوں نے خاص کر اِس بات پر زور دیا کہ ہند چین میں جہاں جہاں چنڈاؤ ہونے والے ہیں وہاں وہاں سب سرکاروں کا فرض ہے کہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ جنیوا کے فیصلوں پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے نہ پائے۔

دونوں پریشان مंत्रیوں نے یہ ویچار پرکٹ کیا کہ اگرچہ ہند چین کے ہتھیار اور جنگ کے سامان، معمولی اور ایٹمی، تیار کرتے ہیں مگر انہوں نے انڈیا کے اندر ایک دوسرے سے تو اور آتشیں ہتھیار چاہتا جا رہا ہے جس سے قوموں کے وہ سادھن جو جنگ کو اور پرانے میں خرچ ہونے چاہئیں بچ جائیں۔ انہوں نے تیاروں میں خرچ ہو رہے ہیں۔ اِس لئے دونوں پریشان مंत्रیوں کی رائے ہے کہ نیوکلیئر اور تھرمو نیوکلیئر ہتھیاروں (ایٹم بم ہائڈروجن بم وغیرہ) کے تیار کرنے، اُن کے تجربے کرنے اور اُن کے استعمال کرنے پر پوری پوری روک لگادی جاوے اور ساتھ ہی معمولی ہتھیاروں اور لڑائی کے سامان میں بھی سب ملکوں کے اندر ایک ساتھ زبردست کمی کی جاوے اور اُن باتوں پر عمل کرانے کے لئے ایک مضبوط انٹراشرٹیہ سنگٹھ قائم کیا جاوے۔ جنگ کے ہتھیاروں کی اِس منافی اور روک تھام کے لئے سرویت روس کی حال کی تجویزوں کی طرف بھی دنیا کا دھیان دلایا گیا ہے۔

دونوں پریشان مंत्रیوں نے یہ راہ بھی ظاہر کی کہ بارجود اور کی سب باتوں کے اندر اشتراک نہ تو کئی کارن خاص کر ایشیا میں ابھی تک موجود ہیں۔ انہوں نے یہ اُمید ظاہر کی کہ نئے چینی جن راج کا تائیوان یعنی فارموسا پر جو جائز حق ہے وہ اُسے شانتی کے آپاؤں سے مل سکے گا۔ دونوں نے اپنا یہ وشواس بھی دہرایا کہ نئے چینی جن راج کو یوان-ار یعنی سنیٹک راشٹر سنگھ میں لینے سے کچھ قوموں کا لگاتار انکار کرنا دنیا کی بہت سی مصیبتوں کی جڑ ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ نئے چینی جن راج کو یو - این - ار میں مناسب جگہ ملنے پر ہی یو - این - ار کا ادھیکار پکا اور اُس کا کام پورا ہو سکتا ہے۔

ہند چین کی بابت جنیوا کانفرنس کے فیصلوں کی سراہنا کرتے ہوئے دونوں پریشان مंत्रیوں نے ان فیصلوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کے لئے اپنی دونوں کی خاص ذمہ داری کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ کچھ لوگوں کی نئی حرکتوں سے اُس عمل درآمد میں رکاوٹیں پیدا ہو جائے گا۔ انہوں نے اُن سب سرکاروں پر جن کا ہند چین کے معاملے سے کچھ سمبندہ ہے زور دیا کہ وہ اس معاملے میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کریں تاکہ ہند چین کے سمبندہ میں جنیوا کانفرنس کے فیصلے کامیاب ہو سکیں۔ انہوں نے خاص کر اِس بات پر زور دیا کہ ہند چین میں جہاں جہاں چنڈاؤ ہونے والے ہیں وہاں وہاں سب سرکاروں کا فرض ہے کہ اس بات کی پوری کوشش کریں کہ جنیوا کے فیصلوں پر عمل کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے نہ پائے۔

دونوں پریشان مंत्रیوں نے یہ ویچار پرکٹ کیا کہ اگرچہ ہند چین کے ہتھیار اور جنگ کے سامان، معمولی اور ایٹمی، تیار کرتے ہیں مگر انہوں نے انڈیا کے اندر ایک دوسرے سے تو اور آتشیں ہتھیار چاہتا جا رہا ہے جس سے قوموں کے وہ سادھن جو جنگ کو اور پرانے میں خرچ ہونے چاہئیں بچ جائیں۔ انہوں نے تیاروں میں خرچ ہو رہے ہیں۔ اِس لئے دونوں پریشان مंत्रیوں کی رائے ہے کہ نیوکلیئر اور تھرمو نیوکلیئر ہتھیاروں (ایٹم بم ہائڈروجن بم وغیرہ) کے تیار کرنے، اُن کے تجربے کرنے اور اُن کے استعمال کرنے پر پوری پوری روک لگادی جاوے اور ساتھ ہی معمولی ہتھیاروں اور لڑائی کے سامان میں بھی سب ملکوں کے اندر ایک ساتھ زبردست کمی کی جاوے اور اُن باتوں پر عمل کرانے کے لئے ایک مضبوط انٹراشرٹیہ سنگٹھ قائم کیا جاوے۔ جنگ کے ہتھیاروں کی اِس منافی اور روک تھام کے لئے سرویت روس کی حال کی تجویزوں کی طرف بھی دنیا کا دھیان دلایا گیا ہے۔

اور ایک دوسرے کو ٹیک ٹیک سمجھنے کی پکی ہینڈوں پر قائم ہے اور قائم رہے گا۔

دونوں نے پانچ شیل کے مشہور پانچ سدھانتوں پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ جن شدیں میں یہ پانچ سدھانت اعلان کے اندر دفترانہ نگہ میں وہ یہ ہیں :—

(1) ایک دوسرے کے देशوں کی اخوندتہ اور کامیل آجاءدی کی ہرجت کرنا۔

(2) کسی کا دوسرے پر ہملہ نہ کرنا۔

(3) کسی کا دوسرے کے اندر رونی ماملوں میں کسی وجہ سے بھی آجائے وہ وجہ آرہیک ہو یا راج ٹینک وچاروں یا آدرشوں سمنددی کسی طرح کا دخل نہ دینا۔

(4) براہری اور ایک دوسرے کے فائدے کو ہمیشہ نگاہ میں رکھنا اور۔

(5) امن کے ساتھ مل کر رہنا۔

دونوں پر دھمان منتزہوں نے یہ پکا رشواس پرکٹ کیا کہ دنیا ہی قوموں کے دماغوں سے ایک دوسرے کے تر اور پے اعتباری کو مقابلے اور قوموں قوموں کے بیچ کے ایسی نڈاؤ کو کم کرنے کے کی سب سے بڑی آمیز اسی بات پر ہے کہ سب قومیں ایک دوسرے کے ساتھ سمجھتہ رکھنے میں ان اصولوں پر عمل کریں۔

دونوں نے یہ بھی کہا کہ شانتی کی جو فضا سب کے ان اصولوں پر عمل کرنے سے پیدا ہوگی اس فضا میں ہی آجکل کے انڈرلڈوہ سوالوں کا حل ایسی سمجھتوں اور شانتی کے طریقوں سے ممکن ہو سکتا ہے۔

دونوں پر دھمان منتزہوں نے یہ اعلان کیا کہ دنیا کے بہت سے حصوں میں چینی اور کمزور قوموں کے دلوں میں دوسری طاقتوں سے جو تر بیٹھا ہوا ہے اسے دور کرنا ضروری ہے اور اسے دور کرنے کا طریقہ ہی مل کر رہنے کے ان ہی پانچ اصولوں پر عمل کرنا ہے۔

دونوں پر دھمان منتزہوں نے اپریل سن 1955 کی وائیٹنگ کی ایشین انڈین کانفرنس اور اس کے فیصلوں کی سرانجامی کی اور یہ رائے ظاہر کی کہ اس کانفرنس کے فیصلوں سے دنیا کی شانتی کو بہت ہی مدد ملے گی۔

دونوں نے ان باتوں پر خوشی ظاہر کی کہ پوربی اور دکھن پوربی ایشیا میں نڈاؤ کم ہو رہا ہے، یورپ میں آسٹریا ایک اگھنڈ اور آزاد دیش مان لیا گیا ہے، سوویت روس اور یوگوسلاویا میں پور سے پریم سمجھتہ قائم ہو گیا ہے اور اس ایشیائی زمانے میں جگہ کے خطروں کو لک بیگ سب دیشوں کے لوگ پوری طرح متحسوس کرتے آئے ہیں۔

دونوں نے پانچ شیل کے مشہور پانچ سدھانتوں پر اپنی رضامندی ظاہر کی۔ جن شدیں میں یہ پانچ سدھانت اعلان کے اندر دفترانہ نگہ میں وہ یہ ہیں :—

(1) ایک دوسرے کے دیشوں کی اگھنڈا اور کمال آزادی کی عزت کرنا۔

(2) کسی کا دوسرے پر حملہ نہ کرنا۔

(3) کسی کا دوسرے کے اندر رونی معاملوں میں کسی وجہ سے بھی آجائے وہ وجہ آرہیک ہو یا راج ٹینک وچاروں یا آدرشوں سمنددی کسی طرح کا دخل نہ دینا۔

(4) براہری اور ایک دوسرے کے فائدے کو ہمیشہ نگاہ میں رکھنا اور۔

(5) امن کے ساتھ مل کر رہنا۔

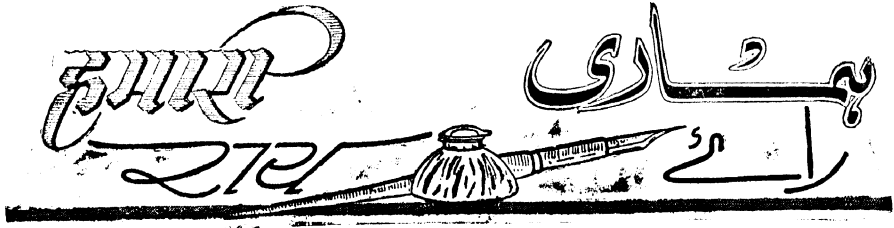
دونوں پر دھمان منتزہوں نے یہ پکا رشواس پرکٹ کیا کہ دنیا ہی قوموں کے دماغوں سے ایک دوسرے کے تر اور پے اعتباری کو مقابلے اور قوموں قوموں کے بیچ کے ایسی نڈاؤ کو کم کرنے کے کی سب سے بڑی آمیز اسی بات پر ہے کہ سب قومیں ایک دوسرے کے ساتھ سمجھتہ رکھنے میں ان اصولوں پر عمل کریں۔

دونوں نے یہ بھی کہا کہ شانتی کی جو فضا سب کے ان اصولوں پر عمل کرنے سے پیدا ہوگی اس فضا میں ہی آجکل کے انڈرلڈوہ سوالوں کا حل ایسی سمجھتوں اور شانتی کے طریقوں سے ممکن ہو سکتا ہے۔

دونوں پر دھمان منتزہوں نے یہ اعلان کیا کہ دنیا کے بہت سے حصوں میں چینی اور کمزور قوموں کے دلوں میں دوسری طاقتوں سے جو تر بیٹھا ہوا ہے اسے دور کرنا ضروری ہے اور اسے دور کرنے کا طریقہ ہی مل کر رہنے کے ان ہی پانچ اصولوں پر عمل کرنا ہے۔

دونوں پر دھمان منتزہوں نے اپریل سن 1955 کی وائیٹنگ کی ایشین انڈین کانفرنس اور اس کے فیصلوں کی سرانجامی کی اور یہ رائے ظاہر کی کہ اس کانفرنس کے فیصلوں سے دنیا کی شانتی کو بہت ہی مدد ملے گی۔

دونوں نے ان باتوں پر خوشی ظاہر کی کہ پوربی اور دکھن پوربی ایشیا میں نڈاؤ کم ہو رہا ہے، یورپ میں آسٹریا ایک اگھنڈ اور آزاد دیش مان لیا گیا ہے، سوویت روس اور یوگوسلاویا میں پور سے پریم سمجھتہ قائم ہو گیا ہے اور اس ایشیائی زمانے میں جگہ کے خطروں کو لک بیگ سب دیشوں کے لوگ پوری طرح متحسوس کرتے آئے ہیں۔



روس، چین اور ہندوستان

روس، چین اور ہندوستان

آج کل کی حالت میں روس، چین اور ہندوستان کی دوستی نہ کیوں ان تینوں دیشوں کی بھائی، بھوئی اور سلامتی کے لئے ہی ضروری ہے بلکہ دنیا کے دوسرے دیشوں، خاص کر ایشیا اور افریقہ کے پچھڑے ہوئے دیشوں کی آزادی، ترقی اور سلامتی کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ چین کے پردھان منتری شری چاؤ : این - لائی کے بھارت آئے اور بھارت کے پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کے چین جانے نے چین اور بھارت کی دوستی کو آئندہ کال کے لئے یکہ کر دیا اور دونوں دیشوں کی کروڑوں جنتا کے دلوں میں پریم اور ایقتا کی وہ سدبارنائیں جگادیں جنھوں نے دنیا کی پچھڑی ہوئی قوموں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ حال میں پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کا جس پریم، آئساد، آئنگ، جوش اور خلوص کے ساتھ روس کی کروڑوں جنتا نے جگہ جگہ سراگت کیا اس کی خبریں دنیا بھر کے اخباروں میں چھپ چکی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جگہ نہیں آئیک جگہ روسی جنتا کے پریم کو دیکھ کر جوالہ لال جی کی آنکھوں سے آنسو چپک پڑے۔ اُن کے روس چھوڑنے سے پہلے روس کے پردھان منتری مارتل بلگینن اور بھارت کے پردھان منتری جوالہ لال نہرو کے دستخط سے جو اعلان دنیا بھر کے اخباروں میں شائع ہوا ہے وہ ہماری رائے میں ابھی تک اس صدی کا سب سے بڑا تاریخی اعلان ہے۔ اس اعلان کی خاص خاص باتیں یہ ہیں :—

پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کے روس کی راجدھانی ماسکو میں رہنے کے دنوں میں پردھان منتری شری بلگینن اور روسی سرکار دوسرے مہمبروں کے ساتھ دونوں دیشوں کے آپسی سمبندہ اور دنیا کی آجکل کی اقتر راشیہ استیتی پر جوالہ لال جی کی آئیک بار خوب دل کھول کر اور دوستانہ گفتگ سے باتیں ہوئیں۔

دونوں پردھان منتریوں نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ سوویت روس اور ہندوستان کے بیچ سمبندہ دوستی اور

آج کل کی حالت میں روس، چین اور ہندوستان کی دوستی نہ کیوں ان تینوں دیشوں کی بھائی، بھوئی اور سلامتی کے لئے ہی ضروری ہے بلکہ دنیا کے دوسرے دیشوں، خاص کر ایشیا اور افریقہ کے پچھڑے ہوئے دیشوں کی آزادی، ترقی اور سلامتی کے لئے بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ چین کے پردھان منتری شری چاؤ : این - لائی کے بھارت آئے اور بھارت کے پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کے چین جانے نے چین اور بھارت کی دوستی کو آئندہ کال کے لئے یکہ کر دیا اور دونوں دیشوں کی کروڑوں جنتا کے دلوں میں پریم اور ایقتا کی وہ سدبارنائیں جگادیں جنھوں نے دنیا کی پچھڑی ہوئی قوموں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ حال میں پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کا جس پریم، آئساد، آئنگ، جوش اور خلوص کے ساتھ روس کی کروڑوں جنتا نے جگہ جگہ سراگت کیا اس کی خبریں دنیا بھر کے اخباروں میں چھپ چکی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جگہ نہیں آئیک جگہ روسی جنتا کے پریم کو دیکھ کر جوالہ لال جی کی آنکھوں سے آنسو چپک پڑے۔ اُن کے روس چھوڑنے سے پہلے روس کے پردھان منتری مارتل بلگینن اور بھارت کے پردھان منتری جوالہ لال نہرو کے دستخط سے جو اعلان دنیا بھر کے اخباروں میں شائع ہوا ہے وہ ہماری رائے میں ابھی تک اس صدی کا سب سے بڑا تاریخی اعلان ہے۔ اس اعلان کی خاص خاص باتیں یہ ہیں :—

پردھان منتری شری جوالہ لال نہرو کے روس کی راجدھانی ماسکو میں رہنے کے دنوں میں پردھان منتری شری بلگینن اور روسی سرکار دوسرے مہمبروں کے ساتھ دونوں دیشوں کے آپسی سمبندہ اور دنیا کی آجکل کی اقتر راشیہ استیتی پر جوالہ لال جی کی آئیک بار خوب دل کھول کر اور دوستانہ گفتگ سے باتیں ہوئیں۔

دونوں پردھان منتریوں نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ سوویت روس اور ہندوستان کے بیچ سمبندہ دوستی اور

سات अध्याय हैं—खानपान, पहनावा, खेती, उद्योग धन्धे, व्यापार और व्यवसाय. सब पर सर्वोदय की दृष्टि से विचार किया गया है.

दूसरी पुस्तक में सर्वोदय के उम्तूलों से शोषण हीन समाज व्यवस्था कैसे क्रायम की जा सकती है और उसे क्रायम में लाने के लिये सर्वोदयवादी राज व्यवस्था कैसे क्रायम हो सकती है इस पर विस्तार से विचार किया गया है. पुस्तक चार खंडों में है. पहला खंड है राजनीति और गान्धी जी, दूसरा खंड है—सर्वोदय में समाज का आदर्श, तीसरे खंड में है—सर्वोदय में राज्य का स्वरूप और चौथे खंड में है—सर्वोदय में राज्य गठन. पुस्तक में दिये हुये लेखक के विचार मनन करने योग्य हैं.

तीसरी पुस्तक में लेखक ने सर्वोदय विचार धारा के प्रचार के लिये जो यात्रा की उसका वर्णन है.

‘चौथी पुस्तक प्राकृतिक चिकित्सा ही क्यों’ में कुछ रोगियों का जिक्र है जो मेडन स्नान, कटि स्नान, मिट्टी और पानी की पट्टी के इलाज से अच्छे हुये. आखरी 24 सकों में प्राकृतिक चिकित्सा के सिद्धान्तों की चर्चा की गई है.

पाँचवीं पुस्तक में 290 सकों में भारत के विधान की विस्तार से चर्चा की गई है और पचास सकों में सर्वोदय की दृष्टि से उसकी आलोचना की गई है.

छठवीं पुस्तक में भूदान, एक ही वर्ग—श्रमिक वर्ग, ग्रामोद्योग, मर्यादित यंत्रोद्योग, व्यापार—संस्थागत आदि नियमों पर सर्वोदय की दृष्टि से विचार किया गया है.

मेरा साहित्यिक जीवन

लेखक श्री भगवान दास केला; छापने वाले—ऊपर के वही, दाम तीन रुपये, सके 268.

केला जी शिक्षक, लेखक, साहित्य सेवी, समाज सेवी, सभी कुछ रहे हैं. अपने विचारों और अनुभवों को उन्होंने दर्जनो पुस्तकों द्वारा पाठकों को उपहार में दिया है. उनके विचारों के पीछे जो जीवन दर्शन है उस पर उनकी इस आत्मकथा से काफी रोशनी पड़ती है. साहित्यिकों के लिये यह पुस्तक प्रोत्साहन देने वाली है.

—वि. ना. पा.

سات ادھیائے ہیں—کیاں پان، پہناوا، کھیتی، اڈیوگ دھندھ، واپار اور دیوسائے. سب پر سروردے کی درشٹی سے وچار کیا گیا ہے.

دوسری پستک میں سروردے کے اصولوں سے شوشن ہوں سماج ویستھا کیسے قائم کی جا سکتی ہے اور اسے عمل میں لانے کے لئے سروردے والی راج ویستھا کیسے قائم کی جا سکتی ہے اس پر وستار سے وچار کیا گیا ہے. پستک چار کھنڈوں میں ہے پہلا کھنڈ ہے راج نیستی اور گاندھی جی، دوسرا کھنڈ ہے—سروردے دے میں سماج کا آدرش. تیسرے کھنڈ میں ہے—سروردے میں راجیہ کا سرورپ اور چوتھے کھنڈ میں ہے—سروردے میں راجیہ، گتین پستک میں دئے ہوئے لیکچر کے وچار منن کرنے دیوکتے ہوں.

تیسری پستک میں لیکچر نے سروردے وچار دھارا کے پرچار کے لئے جو یاترا کی اسکا ورنن ہے.

چوتھی پستک پرانترک چکتسا سی کیوں، مہن کچھ روگیوں کا ذکر ہے جو مہن انسان، کئی انسان، مٹی اور پانی کی پٹی کے علاج سے اچھے ہوئے آخری 24 صحنوں میں پرانترک چکتسا کے سیدھانتوں کی وچار چا کی گئی ہے.

پانچویں پستک میں 290 صحنوں میں بھارت کے ودھان کی وستار سے وچار کی گئی ہے اور پچاس صحنوں میں سروردے کی روشنی سے اسکو آلو چنا کی گئی ہے.

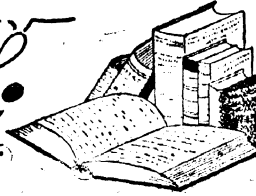
چیتھویں پستک میں بھودان، ایک سی ورگ—شرمک ورگ، گرامادیوگ مریادت یفترونوگ، ویا پامسنستھاگات آوی وشیوں پر سروردے کی درشٹی سے وچار کیا گیا ہے.

میرا سائنک جیون

لیکچر شری بھوان داس کیلا؛ چاپنے والے اوپر کے وہی؛ دالم—تین روپے؛ صفے—268 کیلاچی شکشک؛ لیکچر؛ صاعنت سی؛ سماج سیوں سیدی کچھ دھ نہیں. اپنے وچاروں اور انویوں کو آنوونے درجنوں پستکوں کے درار پانکھوں کو اہار میں دا ہے. آنکے وچاروں کے پیچھے جو جیون درشن ہے اسیبر آنکی اس آتم کتا سے کافی روشنی پڑتی ہے. سائنکوں کے لئے یہ پستک کافی پروتسافن دینے والی ہے.

وی۔ نا۔ پا

کتابیں



کتابیں

(1) सर्वोदय दैनिक जीवन में

लिखने वाले—भगवानदास केला; छापने वाले—भारतीय ग्रन्थ माला, दारागंज; दाम—छै आना. सका—42;

(2) राज्य व्यवस्था सर्वोदय दृष्टि से

लिखने वाले—छापने वाले—वही; दाम डेढ़ रुपया. सका—160;

(3) मेरी सर्वोदय यात्रा

लिखने वाले—छापने वाले—वही; दाम सात आना. सका—84;

(4) प्राकृतिक चिकित्सा ही क्यों ?

लिखने वाले—छापने वाले—वही; दाम पांच आना. सका—83;

(5) भारतीय शासन

लिखने वाले—छापने वाले—वही; दाम तीन रुपया. सका—340;

(6) आर्थिक क्रान्ति के आवश्यक कदम

लिखने वाले—जवाहर लाल जैन; छापने वाले—ऊपर के, दाम सात आने; सका—56;

इन छै किताबों में पांच के लिखने वाले—श्री भगवानदास केला हैं और छठवीं के श्री जवाहर लाल जैन. सभी पुस्तकें गान्धी जी की सर्वोदय विचार धारा को सामने रख कर लिखी गई हैं और अपने उसूलों की जोरदार समर्थक हैं. केला जी अपने आप में एक संस्था हैं. हिन्दी साहित्य को उनकी देन समोपयोगी; कीमती और बहुल है.

पहली पुस्तक रोजमर्रा की जिनदगी में सर्वोदय उसूलों के अमल पर रोशनी डालती है. इस छोटी सी पुस्तक के

(1) سروے دینک جیون

لکھنے والے—بھگوان داس کےلا; چھاپنے والے—بھارتیہ گرنتھ مالہ دارا گنج; دام—چھ آنہ. صفحہ—24;

(2) راجیہ ووستھا سروے درشتی سے

لکھنے والے—چھاپنے والے—وہی; دام دیڑھ روپیہ. صفحہ—160

(3) راجیہ سرووں ے یاترا

لکھنے والے—چھاپنے والے—وہی; دام سات آنہ. صفحہ—84.

(4) پواکرتک چکیتسا ہی کیوں

لکھنے والے—چھاپنے والے—وہی; دام پانچ آنہ. صفحہ—83.

(5) بھارت شاشن

لکھنے والے—چھاپنے والے—وہی دام تین روپیہ. صفحہ—340.

(6) آرتھک کوانتک کے اوشیک قدم

لکھنے والے—جواہر لال جین; چھاپنے والے—اوپر کے دام سات آنہ; صفحہ—56.

ان چھ کتابوں میں پانچ کے لکھنے والے—شری بھگوان داس کےلا ہیں اور چھٹیوں کے شری جواہر لال جین. سبھی پستکیں گاندھی جی کی سروودے وچار دھارا کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہیں اور اپنے اصولوں کی زوردار سمروٹھک ہیں. کےلا جی اپنے آپ میں ایک سنسٹھا ہیں. ہندی ساہتیہ کو انکی دین سمروپوگی; قومتی اور بھولیہ ہے.

پہلی پستک روزمرہ کی زندگی میں سروودے اصولوں کے عمل پر روشنی ڈالتی ہے. اس چھوٹی سی پستک کے

کक्षा میں گئی اور بیہوشی کا مہرہ سمجھاتے ہوئے ہندی وہاگ کے پچاس سے ادھک ودیارتھیوں کو اور چینی ادھکاریوں کو مٹھائی کھلائی۔ اُس دن کا درشیکہ بھی یاد رہیگا۔ لڑکے ہیں تو بڑے بڑے لیکن ایسے ناپچ زانچ کر مٹھائی کھا رہے تھے مانو چھوٹے بچے ہوں اور سب ہی ودیارتھیوں نے الگ الگ آکر منجھے دوڑوں ہاتھوں سے پکڑ کر کندھے پر سر رکھ کر وشواس دلایا کہ وہ سب مہرے چھوٹے بھائی بہن ہیں۔ یہاں کے ودیارتھی اننی جلدی سے منجھے اُننا سنہرے کرتے لکھیں گے اُس کی تو کلپنا بھی نہیں تھی۔ اُس طرح دیوالی اور بیہوشی کا مہرہ بہت اچھی طرح ہنسی خوشی کٹ گئی۔

ککشا میں گئی اور بیہوشی کا مہرہ سمجھاتے ہوئے ہندی وہاگ کے پچاس سے ادھک ودیارتھیوں کو اور چینی ادھکاریوں کو مٹھائی کھلائی۔ اُس دن کا درشیکہ بھی یاد رہیگا۔ لڑکے ہیں تو بڑے بڑے لیکن ایسے ناپچ زانچ کر مٹھائی کھا رہے تھے مانو چھوٹے بچے ہوں اور سب ہی ودیارتھیوں نے الگ الگ آکر منجھے دوڑوں ہاتھوں سے پکڑ کر کندھے پر سر رکھ کر وشواس دلایا کہ وہ سب مہرے چھوٹے بھائی بہن ہیں۔ یہاں کے ودیارتھی اننی جلدی سے منجھے اُننا سنہرے کرتے لکھیں گے اُس کی تو کلپنا بھی نہیں تھی۔ اُس طرح دیوالی اور بیہوشی کا مہرہ بہت اچھی طرح ہنسی خوشی کٹ گئی۔

“.....ہمارے ساینے جو کھڑے ہو رہا ہے،
 اسے ہم دیکھ رہے ہیں۔ آٹے کی چھوٹی چھوٹی ملیں ہاتھ
 کی چکیوں کو، تیل کی ملیں گاؤں کی تھمکی
 کو اور شکر کی ملیں گڑ بنانے کے دیہاتی سادھنوں
 وغیرہ کو مٹھائی جارہیں ہیں۔ دیہات والے کنگال ہو
 رہے ہیں اور دھنی لوگ مالدار بن رہے ہیں۔
 اُگر کافی اعلیٰ عرصے تک یہی سلسلہ چلتا رہا
 تو اور کسی جتن بغیر ہی دیہاتوں کا نشان ہو
 جائیگا۔

.....ہمارے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے، اُسے
 ہم دیکھ رہے ہیں۔ آٹے کی چھوٹی چھوٹی ملیں ہاتھ
 کی چکیوں کو، تیل کی ملیں گاؤں کی تھمکی
 کو اور شکر کی ملیں گڑ بنانے کے دیہاتی سادھنوں
 وغیرہ کو مٹھائی جارہیں ہیں۔ دیہات والے کنگال ہو
 رہے ہیں اور دھنی لوگ مالدار بن رہے ہیں۔
 اُگر کافی اعلیٰ عرصے تک یہی سلسلہ چلتا رہا
 تو اور کسی جتن بغیر ہی دیہاتوں کا نشان ہو
 جائیگا۔

—مہاتما گاندھی—

مہاتما گاندھی

خول گیا ہے اور پھر سے بھارت چین مل رہے ہیں مانو صدیوں سے بچھڑے ہوئے دو بھائی پھر گھل مل رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے بھاشنوں سے یہاں پر بہت اچھا اثر پیدا ہوا ہے اور ہم لوگ آشا کرتے ہیں کہ ایک دن ضرور پھر شانتی کے لئے ہی نہیں بلکہ راج نینک، سامراج، سانسکرتک اور دیوبازک چھیتروں میں بھی بھارت اور چین ایک سنیکت مورچہ قائم کریں گے جس سے کہ ایشیا کی جنتا کو سامراج واد، پونجی واد، اپنیو شواد اور سامنت واد جیسے ایہیشاویں سے صدیوں کے لئے مکتی مل جائے گی۔

ہم لوگوں کی عزت یہاں پہلے تو تھی ہی پر پنڈت جی کے آنے سے اور بھی بڑھ گئی ہے۔ ایک دن چین کے شہنشاہ منترئی نے ہمیں دعوت دی اور بہت دیر تک ہم سے ہمارے وہاں کے جہڑوں کے بارے میں باتیں کیں۔ اس کے علاوہ جب بھی کوئی بھارتیہ ہمہماں پیننگ وشو دیالنے آتا ہے جیسے کہ کلکتہ کے میٹرو شری مکھڑ جی آئے تھے تب ہم لوگوں کو خاص طور سے بابت چہیت کرتے اور وشو دیالنے کا حال بتانے کے لئے تمنتوت کہا جاتا ہے۔ ہم لوگ آشا کرتے ہیں کہ بھوشہ میں یہاں اور ادھک سترہا میں بھارتیہ آئیں گے اور اھر دشا میں بھارت چین کی دوستی کا کام زیادہ سے زیادہ آگے بڑھے گا۔

ابھی ابھی ہملوگ ایک سنیما نام دیکھ کر لڑتے ہیں جس میں پنڈت جی کے پیننگ میں سواگت کا درشہ دکھایا گیا ہے۔ ابھی پوری ریل تو تیار نہیں ہوئی، صوف ہوائی آدے پر سواگت والا بھاگ دکھایا گیا۔ آشا ہے کچھ دنوں میں پوری ریل تیار ہو جائیگی۔ ہملوگ بڑی اُنسٹا سے اُسکی پرتیشا کر رہے ہیں۔ یہ ریل بھارت میں بھی دکھائی جائیگی۔

تاریخ 27 کو نہرو جی واپس گئے اور تاریخ 28 کو بھی بدیادوئج۔ دیوالی کے دن دوئج دہرہ میں میڑی کشا کے 30 سے ادھک ودیار تھی یکایک ہمارے کھانے کے سمے آگئے اور دیوالی کی بدھائییاں دینے لگے۔ دیوالی کا دن تھا، طرح کی چیزیں بنوائیں تھیں۔ اور سب تو ختم ہو گئیں تھیں، انت میں کھانے کے لئے گاجر کا حلہ بیچ رہا تھا، وہ بھی ہمارے حصے کا کھانے ہی والے تھے کہ وہ لوگ ادھکے اور ”متھائی کھائیں گے“ متھائی کھائیں گے“ چلائے لگے۔ غنیمت تھی کہ میڑے ہی کشا کے ودیار تھی تھے۔ کسی طرح تھوڑا تھوڑا حلہ سب کو دیا اور وندہ کیا کہ متھائی پھر کھائیں گے۔ ہنستے کودتے ودیار تھی واپس چلے گئے۔ طبیعت بہت خرس ہوئی۔ اس کے بعد تاریخ 28 کو دوئج کے دن پانچوں کشاؤں کے ودیار تھیں کے لئے میں نے بیجا دوئج کے ایلکھ میں پانچ بڑے بڑے پھٹ متھائیوں کے خریدے اور ایک پھٹ الگ سے خریدا چینی ادھائیوں کے لئے۔ اس دن یہاں ورما جی، مختار اور راجیش کو ٹیکا لگایا اور سوچی کا حلہ کھلایا۔ اُس دن میڑی کلس تو تھی ہی، متھائی لے کر میں

”بتانا سیکھ لیا“ وہ بہت پرہیزگار ہوئے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک انڈیا جی مجھے سے بات کرتی رہیں۔ پیننگ وشنیائیہ کے بارے میں انہوں نے دیکھ کر گھٹ کیا کہ سب سے نہیں ملا، کارپورم ادھک ریست رہا۔ ہم لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپ دوبارہ چھن آئیے تب تک ہمارے سیکڑوں ویدیا رہی آپ سے ہندی میں بات کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اس پر انہوں نے بہت خوشی ظاہر کی اور پھر ہاتھ ملا کر ہم لوگ واپس آگئے۔ ہاں، پندت جی نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے چین میں چار چینی شبد سیکھ لئے ہیں—سنی ہار (آپ کیسے ہیں) چاؤ—چی—این (پھر ملینگے) انٹرن (بہاریہ) اور—وان—سوء (زندہ باد)۔

تاریخ 27 کو صبح ہم لوگ انہیں بڈا کرتے پھر ہوائی اڈے پر گئے۔ اس دن تو صرف چھ ہونے لوگ ہی جا پاتے تھے جن میں ہم لوگ بھی شامل تھے۔ اس دن ہوائی اڈے پر ایک اور تعجب بات ہوئی۔ بیت کے دلائی لاما اور پنچن لاما سے ہم نے خوب باتیں کیں۔ بیت کی عجیب و غریب پوشاک میں یہ دونوں بالکل نوجوان نیتا بڑے اچھے لگ رہے تھے اور سب لوگوں سے خوب باتیں کر رہے تھے۔ 8 بجے پندت جی مرورے لئے، نوجوی سلامی لی اور پھر ایک بدائی کا چھوٹا سا ہواشن دیا۔ اس کے بعد سب سے ہانہ ملام ہوائی جہاز میں چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہوائی جہاز ہمارے سرورں پر منڈرائے لگا۔ سب لوگ ہوائی اڈے پر کھڑے ساتھ ہلاکر ایپرواں کرتے رہے اور اُن کا جہاز نان کنگ شنگائی کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے۔ پیننگ سے نان کنگ شنگائی ہینگچو ہوتے ہوئے کئیوں اور دھان سے تاریخ 29 کو بھارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ چینی جتنا نے ہر جگہ، پندت نہرو کا جو شاندار سواگت کیا وہ چین کے انہاس میں ایک انوبھی یادگار رہے گی۔ بہت بڑھ پڑنے لوگوں نے، جنہیں کہ پنجاب 70 برسوں سے نیٹائیں کے سواگت دیکھنے کا اوسر ملا ہے۔ ہمیں بتایا کہ انہوں نے پیننگ میں کسی بھی دیکتی کا اس طرح سواگت ہوتے نہیں دیکھا۔

پندت نہرو تو بھارت پہنچ گئے، لیکن یہاں کی کڑوڑوں جتنا اور روز روز اُن کے بارے میں طرح طرح کے سنسرمیوں دوران انہیں اپنے پاس ہی پائی ہے۔ چیٹر میں ماؤ کیبھی کسی بھوج وغیرہ میں شامل نہیں ہوتے اور بہت کم مہمانوں سے ملنے جلتے ہیں۔ لیکن بھارتی راجدوت شری راگھون دوران دئے گئے بھوج میں ماؤتسے تشریف لائے۔ اس کے علاوہ پندت نہرو کے نواس کال میں کئی بار ماؤ-نہرو کی بھیئت ہوئی اور دیر دیر تک بات چیت ہوئی۔ پنجاب سے سو سال سے سامراج وادی طاقتوں نے بھارت - چین درمیان دیشوں نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اس لئے ہم بھارتیہ اور چینیزوں کا ایک درسے کے دیش میں آنا جانا ہند سا ہو گیا تھا۔ اب پھر یہ دروازہ

تاریخ 27 کو صبح ہم لوگ انہیں بڈا کرتے پھر ہوائی اڈے پر گئے۔ اس دن تو صرف چھ ہونے لوگ ہی جا پاتے تھے جن میں ہم لوگ بھی شامل تھے۔ اس دن ہوائی اڈے پر ایک اور تعجب بات ہوئی۔ بیت کے دلائی لاما اور پنچن لاما سے ہم نے خوب باتیں کیں۔ بیت کی عجیب و غریب پوشاک میں یہ دونوں بالکل نوجوان نیتا بڑے اچھے لگ رہے تھے اور سب لوگوں سے خوب باتیں کر رہے تھے۔ 8 بجے پندت جی مرورے لئے، نوجوی سلامی لی اور پھر ایک بدائی کا چھوٹا سا ہواشن دیا۔ اس کے بعد سب سے ہانہ ملام ہوائی جہاز میں چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہوائی جہاز ہمارے سرورں پر منڈرائے لگا۔ سب لوگ ہوائی اڈے پر کھڑے ساتھ ہلاکر ایپرواں کرتے رہے اور اُن کا جہاز نان کنگ شنگائی کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہے۔ پیننگ سے نان کنگ شنگائی ہینگچو ہوتے ہوئے کئیوں اور دھان سے تاریخ 29 کو بھارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ چینی جتنا نے ہر جگہ، پندت نہرو کا جو شاندار سواگت کیا وہ چین کے انہاس میں ایک انوبھی یادگار رہے گی۔ بہت بڑھ پڑنے لوگوں نے، جنہیں کہ پنجاب 70 برسوں سے نیٹائیں کے سواگت دیکھنے کا اوسر ملا ہے۔ ہمیں بتایا کہ انہوں نے پیننگ میں کسی بھی دیکتی کا اس طرح سواگت ہوتے نہیں دیکھا۔

پندت نہرو تو بھارت پہنچ گئے، لیکن یہاں کی کڑوڑوں جتنا اور روز روز اُن کے بارے میں طرح طرح کے سنسرمیوں دوران انہیں اپنے پاس ہی پائی ہے۔ چیٹر میں ماؤ کیبھی کسی بھوج وغیرہ میں شامل نہیں ہوتے اور بہت کم مہمانوں سے ملنے جلتے ہیں۔ لیکن بھارتی راجدوت شری راگھون دوران دئے گئے بھوج میں ماؤتسے تشریف لائے۔ اس کے علاوہ پندت نہرو کے نواس کال میں کئی بار ماؤ-نہرو کی بھیئت ہوئی اور دیر دیر تک بات چیت ہوئی۔ پنجاب سے سو سال سے سامراج وادی طاقتوں نے بھارت - چین درمیان دیشوں نے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ اس لئے ہم بھارتیہ اور چینیزوں کا ایک درسے کے دیش میں آنا جانا ہند سا ہو گیا تھا۔ اب پھر یہ دروازہ

سیلاوا اور اس دن پنڈت جی کے स्वागत کے उपलक्ष में चीनियों द्वारा गाया गया. संस्कृत के कठिन शब्दों का शुद्ध उच्चारण और मधुरलय के साथ बन्दे मातरम गीत सुनकर پنڈت जी के साथ बाले सभी भारतीय आश्चर्य चकित रह गये. बाद में एम्बेयी वालों ने हमें घेर लिया और बड़ी देर तक दर्शित करते रहे कि आखिर बन्दे मातरम जैसा कठिन गीत चीनियों ने कैसे सीख लिया ? इत्फाक से हम लोग अपने साथ लता मंगेशकर द्वारा गाये हुए बन्दे मातरम का रिकार्ड लेते आये थे जिससे सिखाने में बड़ी मदद मिली.

उस दिन की मीटिंग खतम होने के बाद घंटे भर तक हम लोग पंडित जी के दल के साथ साथ सुनयात सेन पार्क में किये गये नाच समारोहों, गाणों और खेल कूद में भाग लेते रहे लेकिन सीधे बात चीत करने का अवसर उस दिन भी नहीं मिला क्योंकि चीनी नेता चाउ-एन-लाइ वगैरा स्वयं पंडित जी को समारोहों की बातें बतला रहे थे. शाम हो गई थी. पार्क के पेड़ों पर रंग बिरंगी विजली बत्तियां जगमगा रही थीं मीटिंग खतम होने के बाद हजारों लोग सैकड़ों दलों में बिभक्त हो कर नाच नाच कर भारत चीन मैत्री के लिये अपनी खुशी जाहिर कर रहे थे. हम में से हर एक ने सहस्रस किया कि हम चीन में भारत के कराड़ों लोगों के प्रतिनिधि हैं. सात बजे पंडित जी को चेअरमैन माओ से मिलना था इसलिये वे चाउ-एन-लाइ के साथ खाना हो गये. हम लोग नौ बजे रात तक पार्क में घूमते रहे.

इसके बाद पंडित मुहंरू सुकडेन और पोर्टआर्थर व डायरिन देखने चले गये. तारीख 26 को पेकिंग वापस आये. उस दिन पंडित जी ने चीनी नेताओं के सम्मान में पेकिंग होटल में एक बड़ा भारी भोज दिया. हम लोग भी खास तौर पर आमंत्रित थे. इस भोज में भी चाउ-एन-लाइ, जू-ते, ल्यू शान - ची, मैडम सुनयात सेन वगैरा बड़े बड़े नेता शामिल थे और लगभग 800 व्यक्ति आमंत्रित थे. पेकिंग होटल के सजे हुए हाल में दावत का इन्तजाम था. हाल चारों ओर से विजलियों से जगमगा था. इत्फाक की बात कि उस दिन दिवाली थी. हम लोग बहुत खुश थे कि घर से इतनी दूर होते हुए भी हमारी दिवाली अच्छी रही. उसी दिन किंदवई साहब की मृत्यु का दुख समाचार पहुंचा. पंडित जी ने उस दिन भोज के अपने भाषण में किंदवई साहब का हृदय स्पर्षी उल्लेख भी किया. इसी कारण उस दिन के अन्य छोटे मोटे कार्यक्रम नहीं किये गये. उस दिन तो भोज खतम होने पर पंडित जी से सीधे बात चीत करने का मौका मिल गया. वे हम से काफी देर तक बात करते रहे. हमारे यहां आने के बारे में, हमारे यहां के जीवन के बारे में और हमारे यहां के अनुभवा के बारे में. पंडित जी ने मुझ से पूछा कि चीनी भाषा कितनी सीखली है, मैंने जब बताया कि काम चलाने भर को बोल लेती हूं तो खुश होकर कहा "अच्छा!

सकहाया और अُس دن پنڈت جی کے سواگت کے اولیکش میں چھٹیوں دوران گایا گیا. سنسکرت کے کٹین شبدوں کا شدہ اُچارن اور مدھولے کے ساتھ بندے ماترم گیت سن کر پنڈت جی کے ساتھ والے سبھی بیارتیہ آشچریہ چکت رہ گئے. بعد میں ایمبسی والوں نے تعین گیدر لیا اور بی دیرتک دریانت کرتے رہے کہ آخیر بندے ماترم جیسا کٹین گیت چینیں نے کیسے سیکھ لیا ؟ اتفاق سے ہم لوگ اپنے ساتھ لٹا منکیشکر دوران گائے ہوئے بندے ماترم کا ریکارڈ لیتے آئے تھے جس سے سکھانے میں بڑی مدد ملی .

اُس دن کی میٹنگ ختم ہونے کے بعد گھنٹے بھر تک ہم لوگ پنڈت جی کے دل کے ساتھ ساتھ سن یات سین پارک میں کٹے گئے ناچ سماروہوں، گانوں اور کیپل کون میں بھاگ لیتے رہے، لیکن سیدھے بات چیت کرنے کا اوسر اُس دن بھی نہیں ملا کیونکہ چینی نیٹا چاؤ-این-لائی وغیرہ سویم پنڈت جی کو سماروہوں کی بانیں بٹلرھے تھے. شام ہوگئی تھی . پارک کے پیڑوں پر رنگ برنگی بجلی کی بتیاں جگمگا رہی تھیں میٹنگ ختم ہونے کے بعد ہزاروں لوگ سیکڑوں داروں میں ودیہکت ہوکر ناچ ناچ کر بھارت چین میٹری کے لئے اپنی خوش طامو کر رہے تھے . ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کیا کہ ہم چین میں بھارت کے کرڑوں لوگوں کے پرتیغشی تھیں . سات بجے پنڈت جی کو چیترمین ماؤ سے ملنا تھا اس لئے وہ چاؤ-این-لائی کے ساتھ روانہ ہوگئے . ہم لوگ نو بجے رات تک پارک میں گھومتے رہے .

اس کے بعد پنڈت نہرو مکڈین اور پورٹآرتھر و ڈایرین دیکھنے لیے گئے . تاریخ 26 کو پیکنگ واپس آئے . اُس دن پنڈت جی نے چینی فیڈراٹن کے سمعان میں پیکنگ سٹریٹ میں ایک بڑا بھاری بیوج دیا . ہم لوگ بھی خاص طور پر آنترت تھے . اُس بیوج میں بھی چلو - این - لائی چوتے، نیرو، شان، چی، میژم سن-یات-سین وغیرہ بڑے بڑے نیٹا شامل تھے. اور لگ بھگ 800 روکتی عام آنترت تھے اور پیکنگ ہوٹل کے سجدے ہوئے ہال میں دعوت کا انتظام تھا . سال چاروں اور سے بچٹیوں سے جگمگتا تھا. اتفاق کی بات تھی کہ اُس دن دیوالی تھی. ہم لوگ بہت خوش تھے کہ آپ لوگوں سے اتنی دور ہوتے ہوئے بھی ہماری دیوالی اچھی رہی. اس دن فدوئی سانسب کی مرتبو کا دیکھ سماچا، پہنچا. پنڈت جی نے اُس دن بیوج کے اپنے بھاشن میں فدوئی صاحب کا ہر دے اسپرشی اولیکہ بھی کیا اسی کزن اُس دن کے انیہ چھوٹے موٹے کاریہ کرم نہیں کئے گئے . اُس دن تو بیوج ختم ہونے پر پنڈت جی سے سیدھے بات چیت کرنے کا موقع مل گیا . وہ ہم سے کافی دیر تک بات کرتے رہے۔ سمارے یہاں آنے کے بارے میں، ہمارے یہاں کے جندوں کے بارے میں اور ہمارے یہاں کے انبوہوں کے بارے میں . پنڈت جی نے مجھ سے پوچھا کہ چینی بھاشا کتنی سیکھ لی ہے ؟ میں نے جب بتایا کہ کم چلائے بھر کو بول لیتا ہوں تو خوش ہو کر کہاں " اچھا !

کے ان دونوں مہان لوگوں کا اہمبادن کیا۔ نہرہ جی کو تو پeking کی جنملا نے پہلی بار دیکھا ہی ساتھ ہی ساتھ بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ چائو - این - لائی کو بھی انہوں نے صاف صاف پہلی بار دیکھا۔

اس کے بعد نہرہ کا پeking میں وسعت کرکے شروع ہو گیا۔ چینی نیتازوں سے امبی لمبی بات چیت اور باتی سے میں پeking کی خاص خاص چیزوں کو دیکھنے کا کارہ کوم ہم لوگ روز اخبار میں پڑتے رہے۔ ہمیں معلوم تھا کہ پंडت جی پeking یونیورسٹی میں دیکھے آئیے۔ اس لئے ہم لوگوں نے ان سے ملنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ اس کے بعد ان کا کارہ کوم اتنا آدھک وسعت رہا کہ وہ کسی کو بھی الگ سے سے نہیں دے سکے۔ یہاں تک کہ باہر سے آئے ہوئے بہانوں تک سے الگ سے نہیں مل پائے۔ بعد میں ان کا پروگرام کچھ بدل دیا گیا اور وہ لمبی لمبی بات چیتوں کے کارن پeking و شیدیا لیب بھی نہ آسکے۔ ان کے سواکٹ میں پeking کے فاکٹوں کی آواز سے بات سین پارک میں ایک بڑی بیاری عام سنیا ہوئی جس میں 00 ایک 00 ہزار لوگ آؤ سواکٹ تھے۔ اس دن پeking مٹنگ میں جانے کے لئے ہمیں خاص طور سے نمائندوں 1000 ہم سب ایک گھنٹہ پہلے مٹنگ میں پہنچے اور سب سے آگے بیٹھے گئے۔ اس دن بھی پارک کے پھانک سے سبھا منیج تک فزائوں انہوں نے ہمارا بڑا سندر سواکٹ کیا۔ ہوائی آئے، پڑ جانے کے سے تو ہم لوگ مڑو پڑ تھے لیکن پارک کے پھانک سے منیج تک پھیل ہی گئے۔ لگ بھگ ایک فزائوں یا کچھ زیادہ، اتنا راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ ہمارے لئے لوگوں کی فزائوں ہمارے منہ کے آگے سمیٹ بیچ رہی تھیں کہ اپنے منہ تو بچانے کی کوشش کرنی پڑتی تھی۔ اس طرح کے سواکٹ کی تو ہم کبھی کبھار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ پہلی بار ہمیں اپنے بیازینے ہوئے پڑ گرو ہوا۔ اور یہ سوچ کر اور خوشی ہوئی کہ مجھے چین آئے اور یہ سب دیکھنے کا موقع ملا۔ اس دن بھی پंडت جی نے بڑی دیر تک ہندی میں پھانٹن دیا جس کا انہوں ہندی سے چینی میں کیا گیا۔ سواکٹ کرتے ہوئے پeking کے میٹر نے چینی میں پھانٹن دیا جس کا انہوں چینی سے ہندی میں کر سنایا گیا چینی سے ہندی انہوں کرنے والی ہمارے ہی وہ پھانک کی ایک لڑکی چینی گئی تھی جس نے بہت اچھے طریقے سے اپنا کام کیا۔ پंडت جی نے بڑے دھیان سے چینی لڑکی کے منہ سے ہندی سنی اور ان کے چہرے سے ظاہر تھا کہ وہ خوش ہوئے اسی مٹنگ میں ان کے سواکٹ میں چینی فزائوں اور نو یونیورسٹی میں مل کر بندے مائرم گیت گایا۔ پंडت جی کے آگے کے ہفتے پھر پہلے پeking کی Music Academy کے پردھان ہمارے پاس آئے تھے اور چار دن تک ہمارے ساتھ ہندے مائرم گان کے شیدوں کے آچان اور ان کی دعوتی و راگ کا اہمبادن کرتے رہے تھے۔ پھر وہی راگ انہوں نے اپنی ایکٹو می کے سندسوں کے

ہتھاوی بی جمایا تھو۔ اقمبھسی کی لوگ تو ساڈھ گیارہ بجے آئے، ہم لوگ نو بجے ہی پہنچ گئے تھے۔ نو بجے تک 10 ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہو چکے تھے۔ پنڈت نہرو کا ہوائی جہاز 12.15 پر دکھائی دیا۔ اُس کے پہلے تو ہم جگہ جگہ جاکر جنتا کے کوتوال دہوں سوالوں کا جواب دیتے رہے۔ ہمارے ودیارتھی تو ہمارے ساتھ تھے ہی اس لئے بھاشا سمبندھی کوئی کٹھنائی نہیں ہوئی۔ چینی پٹرکروں نے پنڈت نہرو کے آئے کے بارے میں ہماری رائے پوچھی۔ ہم لوگ بہت خوش تھے اور بھارتیہ پوشاک میں ہزاروں نو نارویوں کا دھیان آکڑشت کئے ہوئے تھے۔ ایم بیسی کے بھارتیہ سجن گن سب یورپیہ دیش میں تھے۔ اس لئے ان کی اور لوگوں کا دھیان نہیں گیا۔ جو دوسرے بھارتیہ آئے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ہم لوگ کھڑے تو ہو گئے پر ہمارا من اپنے ودیارتھیوں کے ساتھ تھا۔ پنڈت نہرو کے ہوائی جہاز کو اُڑے دیکھتے ہی بہت زور سے نعرے لگاتے شروع ہو گئے۔ چینی نیٹا پردھان ملتری چور۔ این۔ لائی، میڈم سن ریات سین، دلائلی لاما آدی بہت پہلے سے ہوائی آتے پر آگئے تھے اور آزادی سے گھوم گھوم کر سب سے خوب ہنس بول رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ اس طرح اتنی آزادی کے ساتھ ہنسنا بولنا بھی یہاں کے لئے نئی چیز ہے۔

ہوائی جہاز سے اُتر کر پنڈت نہرو نے نوجی سلمی لی۔ اس کے بعد چینی بڑے بڑے نیٹاؤں، راج دوتوں وغیرہ سے ہاتھ ملایا۔ پھر ہندی میں بھاشن دیا جس کا انواد چینی میں کر دیا گیا۔ اس دن موسم تو بہت اچھا تھا۔ دھونپ نکلی تھی۔ لیکن ہوا تیز چل رہی تھی۔ بھاشن کے بعد پنڈت نہرو باری باری سے سواکت کرنے والے دلوں سے ملے۔ سارا ہوائی اڈا نعروں سے گونج رہا تھا۔ ہمارے ودیارتھی نے ہم سے اورودہ کیا کہ ہم اپنے وہاگ کا پرپیچے پنڈت نہرو سے کرا دیں۔ اس لئے جب پنڈت جی پینگ وشودیالیہ کے لوگوں کے پاس پہنچے تب ہم لوگ بھی بڑھکران میں شامل ہو گئے۔ پنڈت جی کے آئے پر ہم لوگوں نے انہیں ہندی وہاگ کے بارے میں بتایا۔ ہندی کے ودیارتھیوں کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ ہم نے انہیں پینگ وشودیالیہ میں آنے کا نمندرن دیا۔ انہوں نے اور چاؤ - این - لائی تنہا اندرا جی نے ہم ہانچوں ادھیایوں سے ہاتھ ملایا اور ہم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوشی ظاہر کی۔ اسی بیچ میں میں نے وشودی اندرا گاندھی سے بھی کچھ باتیں کیں۔ اُس تمام ہو شلے کے بیچ کوئی خاص بات کرنا تو سمیہو نہیں تھا۔ پر ہم سے پرپیچے ہوجانے کا ہی ہم سب کو آند ہوا۔ اس کے بعد پنڈت جی اور چاؤ - این - لائی ایک ساتھ موٹر میں کھڑے ہو کر ہوائی آتے کے باہر گئے۔ اس طرح سے کھلی مرٹر میں کھلے عام چاؤ - این - لائی پہلی بار پینگ میں نکلے۔ لاکھوں جنتا نے زور شور سے ایشیا

Indians کے دل میں شامل ہو کر स्वागत करें व पीकिंग विश्वविद्यालय के विद्यार्थियों के साथ न खड़े हों. यह बात वैसे तो हम लोग न मानते पर विश्वविद्यालय की ओर से प्राथना की जाने पर हमने स्वीकार कर लिया. आप समझ सकते हैं कि चीनी विद्यार्थियों के साथ हवाई अड्डे तक जाने और उनके साथ वहां खड़े होने में जो श्रेय व उत्साह मिलता वह किसी दूसरी जगह मिलना संभव न था. हमने निश्चय किया कि जायंगे तो विद्यार्थियों के साथ पर हवाई अड्डे पर खड़े हो जायंगे Overseas Indians के दल के साथ. सारे चीन से भारतीय आकर पीकिंग में जमा हो गये थे फिर भी उनकी कुल तादाद 10-12 ही थी. शांघाई से भारतीय नहीं आये थे क्योंकि पंडित नेहरू का शांघाई जाने का भी प्रोग्राम था. वहां 200 भारतीय हैं. 19 तारीख को सुबह 8 बजे हम हवाई अड्डे के लिये रवाना हुए. हमारी इच्छा न होते हुए भी हमारे लिये खास तौर पर एक मोटर का प्रबंध किया गया. यहां पहली मई और पहली अक्टूबर के अलावा पढ़ाई की और छुट्टियां नहीं होतीं. पहली बार नेहरू जी के आगमन के उपलक्ष में पेकिंग की सब शिक्षण संस्थाएं बंद रहीं. उस दिन का दृश्य तो कभी भुलाया नहीं जा सकता. पंडित नेहरू का स्वागत तो पीछे हुआ हवाई अड्डे जाते समय हम लोगों का इतना जोरदार स्वागत हुआ मानों सारा आयोजन हमारे ही लिये किया गया हो. भारतीय पोशाक पहिने हुए हमें मोटर में बैठा देखकर सड़क के दोनों किनारों पर खड़े हज़ारों आदमी ताली बजा बजा कर "भारत चीन मैत्री जिन्दाबाद", "शान्ति जिन्दाबाद", के नारे लगा कर खूब उछल कूद रहे थे. उस दिन तो दो लाख से ज्यादा आदमी सड़क के किनारे पर मुबह से खड़े थे. आपको यह जानकर आश्चर्य होगा कि इस तरह से खुले आम यहां पहले किसी का भी स्वागत नहीं किया गया. आम तौर से नेता लोग आते हैं तो चीन के बड़े बड़े नेता उनके स्वागत के लिये मेहमानों सहित पेकिंग होटल चले जाते हैं जो यहां मेहमानों को ठहराने के लिये खास जगह है. आम जनता को तो अखबार पढ़कर ही मालूम हो पाता है कि कोई विदेशी नेता पेकिंग में आया है और चीनी नेतागणों के दर्शन तो साल में सिर्फ दो बार होते हैं—पहली मई और पहली अक्टूबर को जब कि वह कक्षर में खड़े हो कर जनता का स्वागत करते हैं. अब की बार यह सारे नियम टूट गये या यों कहिये कि पंडित नेहरू के आने के बाद से यहां स्वागत का नया रिवाज शुरू हो गया. उस दिन हवाई अड्डे पर 10 हज़ार से ज्यादा आदमी मौजूद थे. व्यवस्था बनाए रखने के उद्देश्य से इससे ज्यादा आदमियों को अड्डे के बाहर सड़कों के किनारे बहुत दूर तक खड़े रहना पड़ा. उस दिन भारतीय और चीनी भंडों से हवाई अड्डा खूब सज्जा गया था. बहुत से विदेशी प्रतिनिधि व राजदूत

Indians के दल में शामिल हो कर स्वागत करें व पीकिंग विश्वविद्यालय के विद्यार्थियों के साथ न खड़े हों. यह बात वैसे तो हम लोग न मानते पर विश्वविद्यालय की ओर से प्राथना की जाने पर हमने स्वीकार कर लिया. आप समझ सकते हैं कि चीनी विद्यार्थियों के साथ हवाई अड्डे तक जाने और उनके साथ वहां खड़े होने में जो श्रेय व उत्साह मिलता वह किसी दूसरी जगह मिलना संभव न था. हमने निश्चय किया कि जायंगे तो विद्यार्थियों के साथ पर हवाई अड्डे पर खड़े हो जायंगे Overseas Indians के दल के साथ. सारे चीन से भारतीय आकर पीकिंग में जमा हो गये थे फिर भी उनकी कुल तादाद 10-12 ही थी. शांघाई से भारतीय नहीं आये थे क्योंकि पंडित नेहरू का शांघाई जाने का भी प्रोग्राम था. वहां 200 भारतीय हैं. 19 तारीख को सुबह 8 बजे हम हवाई अड्डे के लिये रवाना हुए. हमारी इच्छा न होते हुए भी हमारे लिये खास तौर पर एक मोटर का प्रबंध किया गया. यहां पहली मई और पहली अक्टूबर के अलावा पढ़ाई की और छुट्टियां नहीं होतीं. पहली बार नेहरू जी के आगमन के उपलक्ष में पेकिंग की सब शिक्षण संस्थाएं बंद रहीं. उस दिन का दृश्य तो कभी भुलाया नहीं जा सकता. पंडित नेहरू का स्वागत तो पीछे हुआ हवाई अड्डे जाते समय हम लोगों का इतना जोरदार स्वागत हुआ मानों सारा आयोजन हमारे ही लिये किया गया हो. भारतीय पोशाक पहिने हुए हमें मोटर में बैठा देखकर सड़क के दोनों किनारों पर खड़े हज़ारों आदमी ताली बजा बजा कर "भारत चीन मैत्री जिन्दाबाद", "शान्ति जिन्दाबाद", के नारे लगा कर खूब उछल कूद रहे थे. उस दिन तो दो लाख से ज्यादा आदमी सड़क के किनारे पर मुबह से खड़े थे. आपको यह जानकर आश्चर्य होगा कि इस तरह से खुले आम यहां पहले किसी का भी स्वागत नहीं किया गया. आम तौर से नेता लोग आते हैं तो चीन के बड़े बड़े नेता उनके स्वागत के लिये मेहमानों सहित पेकिंग होटल चले जाते हैं जो यहां मेहमानों को ठहराने के लिये खास जगह है. आम जनता को तो अखबार पढ़कर ही मालूम हो पाता है कि कोई विदेशी नेता पेकिंग में आया है और चीनी नेतागणों के दर्शन तो साल में सिर्फ दो बार होते हैं—पहली मई और पहली अक्टूबर को जब कि वह कक्षर में खड़े हो कर जनता का स्वागत करते हैं. अब की बार यह सारे नियम टूट गये या यों कहिये कि पंडित नेहरू के आने के बाद से यहां स्वागत का नया रिवाज शुरू हो गया. उस दिन हवाई अड्डे पर 10 हज़ार से ज्यादा आदमी मौजूद थे. व्यवस्था बनाए रखने के उद्देश्य से इससे ज्यादा आदमियों को अड्डे के बाहर सड़कों के किनारे बहुत दूर तक खड़े रहना पड़ा. उस दिन भारतीय और चीनी भंडों से हवाई अड्डा खूब सज्जा गया था. बहुत से विदेशी प्रतिनिधि व राजदूत

श्रीमती प्रभा प्रसाद

(लेक्चरर, हिन्दी विभाग, पीकिंग विश्वविद्यालय)

[श्रीमती प्रभादेवी पहली भारतीय महिला हैं जो पीकिंग विश्वविद्यालय में हिन्दी की शिक्षक हैं. पंडित नेहरू जब चीन गये यह उस समय वे उनके स्वागत का वर्णन है—एडीटर]

पंडित नेहरू के आने की तैयारी और उनके यहां रहने के दिनों में व्यस्त कार्य-क्रम रहा. 15 अक्टूबर को नेहरू जी भारत से चल दिये थे यह खबर यहां मिलते ही हमारे विद्यार्थियों में हमारे प्रति जो प्यार उमड़ा उसे पत्र में लिखना कठिन है. कक्षा शुरू होने से पहले ही वे मेरे पास आ जाते थे तरह तरह के सवाल करते थे. मेरे साथ ही घर से क्वास तक जाते थे और फिर क्वास खतम होने पर साथ ही घर तक पहुंचाने भी आते थे. उन्हें इस बात की बड़ी बेचैनी थी कि कहीं ऐसा न हो कि अधिक व्यस्त रहने के कारण पंडित जी उन्हें मुलाकात न दे सकें. पंडित नेहरू कैसी टोपी लगाते हैं, कैसे हंस्टे हैं, कैसे खाना खाते हैं, क्या वह भी बहुत दूध पीते हैं, विद्यार्थियों से मिलना पसंद करते हैं कि नहीं, जल्दी नाराज तो नहीं हो जाते, हम कैसे उनसे मिल सकते हैं, आप किसी तरह हमारा परिचय उनसे करा दीजियेगा. हम सिर्फ एक बार उन्हें देखना चाहते हैं, उनके साथ शांति जिंदावाद का नारा लगाना चाहते हैं, वह एशिया के बहुत बड़े नेता हैं, उनके आने से भारत चीन मैत्री पक्की हो जायगी, आप अपने साथ हमें भी भारत ले चलियेगा? इत्यादि इत्यादि बातों का जवाब देते देते नाक में दम हो गया. इंदिरा गांधी के बारे में उन्हें नहीं मालूम था, धीरे धीरे खबर आई कि पंडित नेहरू केन्टन पहुंच गये और 50 हजार आदिमियों ने हवाई अड्डे पर उनका स्वागत किया. इसके बाद मालूम हुआ कि वह उच्छांग (हैं कौ) पहुंच गये. उसी रास्ते से जिस रास्ते हम लोग आये थे. वहां इतनी ज्यादा भीड़ थी कि उनकी मोटर एक घंटे तक आगे बढ़ ही नहीं सकी. 18 तारीख को हमें खबर मिली कि 19 को 12 बजे पंडित जी पीकिंग के हवाई अड्डे पर पहुंच जायेंगे. आप को तो मालूम ही है कि यहां पर हम पांच भारतीय शिक्षक हैं और एक व्यापारी हैं. एमबेसी वालों ने हमारे विश्वविद्यालय से प्रार्थना की कि भारतीय अध्यापक कृपा करके Overseas

श्रीमती प्रभा प्रसाद, ایم۔ اے۔

(لیکچرر، ہندی، وپہاگ، پیکنگ، وشرودیاہیہ)

[سری مئی پر بہا دیوی پہلی بھارتی مہیلا ہیں جو پیکنگ وشرودیاہیہ میں ہندی کی شیکھک ہیں۔ پندت نہرو جب چین گئے تھے اُس سے اُن کے سواکت کا ورٹن ہے۔]

پندت نہرو کے آنے کے تیاری اور اُن کے یہاں رہنے کے دنوں میں دست کار بہ کم رہا. 15 اکتوبر کو نہرو جی بھارت سے چل دیئے تھے یہ خبر یہاں ملنے ہی ہمارے ویدیاہیہ میں ہمارے پڑی جو پیدار اُمتر اُسے پتر میں لکھا تھوں ہے. کچھا شوریہ ہونے سے پہلے ہی وہ میرے پاس آجاتے تھے طرح طرح کے سوال کرتے تھے. میرے ساتھ ہی گیر سے کلس تک جاتے تھے اور کلس ختم ہونے پر ساتھ ہی گھر تک پہنچاتے بھی آتے. انہیں اُس بات کی بڑی بے چینی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھک وپست رہنے کے کارن پندت جی انہیں ملازمت دے سکیں. پندت نہرو کیسی ٹوپی لگاتے ہیں. کیسے ہنستے ہیں، کیسے کھا نا کھاتے ہیں، کیا وہ بھی بہت دودھ پیتے ہیں، ویدیاہیہ میں سے ملنا پسند کرتے ہیں کہ نہیں، چکی ناراض تو نہیں ہوجاتے، ہم کیسے اُن سے مل سکتے ہیں، آپ کسی طرح ہمارا پرچھنے اُن سے کرادیجئے گا. ہم صرف ایک بار انہیں دیکھنا چاہتے ہیں، اُن کے ساتھ شانتی زندہ باد کا نارا لگانا چاہتے ہیں، وہ ایشیا کے بہت بڑے فیٹا ہیں، اُن کے آنے سے بھارت چین میں تری پکی ہو جائے گی، آپ اپنے ساتھ ہمیں بھی بھارت لے جائے گا؟ انیادی انیادی باتوں کا جواب دیتے دیتے ناک میں دم ہوگیا. اندرا گاندھی کے بارے میں نہیں معلوم تھا، دھیرے دھیرے خبر آئی کہ پندت نہرو کیکنٹن پہنچ گئے اور 50 ہزار آدمیوں نے ہوائی اڈے پر اُن کا سواکت کیا. اُس کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اچھانگ (ہیں کر) پہنچ گئے. اُسی راستے سے جس راستے ہم لوگ آئے تھے. وہاں اپنی زیادہ بھیڑ تھی کہ اُن کی موٹر ایک گنٹے تک آگے بڑھ ہی نہیں سکی 18 تاریخ کو ہمیں خبر ملی کہ 19 کو 12 بجے پندت جی پیکنگ کے ہوائی اڈے پر پہنچ جائینگے. آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ یہاں پر ہم پانچ بھارتیہ شیکھک ہیں اور ایک بیاپاری ہیں. ایم ہسی والوں نے ہمارے وشرودیاہیہ سے پراوتھنا کی کہ بھارتیہ ادھیپک کرپا کر کے Overseas

آتما پر پالا مار دیا ہے وہاں انہیں اپنے ہی دیس میں اپنے طریقہ سے ترقی کرنے میں بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

آج افریقیہ نواسیوں کے نیتاؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جاتی اور سنسکرتک و شیشتاؤں کا ادھیں کریں، اُن میں جو استھائی مولوں کی باتیں نہیں اور جن سے اُنکے جیوں کو سندر بنانے میں مدد ملے گی، اُن سے چپٹے رہیں، اپنے اوپر وشواس رکھیں، اپنے بھوشیہ کے اوپر وشواس رکھیں، اُن میں جو پہلے کمیاں تھیں انہیں آج کے زمانے میں اور بھوشیہ میں دور کرنے کی کوشش کریں، ایشیا، یورپ اور امریکہ کی سنسکرتوں کی جن خوبیوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا دنیاوی فائدہ ہوگا اور اُن کی بددھک اور اُدھیانمک ترقی ہوگی اور پچھلی صدیوں میں انہیں لے جو اُننتی کی تھی اُس طرح کی اُننتی وہ پھر کر سکیں اِس میں انہیں سہایتا دیں گی، اُن کو وہ پوری طرح سوچنا کریں۔ ایشور کرے اُنہیں پیڑت لوگوں کی طرح پیڑت ادریقہ واسیوں کی آرت پکار صرف یہ نہ ہو کہ—اے ایشور! اے ایشور! کیا تو میری گوہار نہ سننے کا! بلکہ وہ ایک اُمید سے بھری اور اعتقاد پیدا کرنے والی عبادت ہو! اور پوردرگار کی رحمت اُن پر برے جو کسی ایک قوم کا پوردرگار نہیں ہے اور جس کے اِنلے نام نہیں جتنی کہ رہائیں اور یہ وہ کسی ایک گروہ کا پوردرگار ہے جو سمجھتا ہے کہ اللہ کی سب نعمتیں صرف اُس کے لیئے ہیں بلکہ جو سب انسانوں کا پوردرگار ہے چاہے اُن کا رنگ یا مذہب کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اِسا سرو دیابی پرماتما ادریقہ نواسیوں کو ترقی کی منزل پر پہنچنے اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں مدد دے۔

آج افریقیہ نواسیوں کے نیتاؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جاتی اور سنسکرتک و شیشتاؤں کا ادھیں کریں، اُن میں جو استھائی مولوں کی باتیں نہیں اور جن سے اُنکے جیوں کو سندر بنانے میں مدد ملے گی، اُن سے چپٹے رہیں، اپنے اوپر وشواس رکھیں، اپنے بھوشیہ کے اوپر وشواس رکھیں، اُن میں جو پہلے کمیاں تھیں انہیں آج کے زمانے میں اور بھوشیہ میں دور کرنے کی کوشش کریں، ایشیا، یورپ اور امریکہ کی سنسکرتوں کی جن خوبیوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا دنیاوی فائدہ ہوگا اور اُن کی بددھک اور اُدھیانمک ترقی ہوگی اور پچھلی صدیوں میں انہیں لے جو اُننتی کی تھی اُس طرح کی اُننتی وہ پھر کر سکیں اِس میں انہیں سہایتا دیں گی، اُن کو وہ پوری طرح سوچنا کریں۔ ایشور کرے اُنہیں پیڑت لوگوں کی طرح پیڑت ادریقہ واسیوں کی آرت پکار صرف یہ نہ ہو کہ—اے ایشور! اے ایشور! کیا تو میری گوہار نہ سننے کا! بلکہ وہ ایک اُمید سے بھری اور اعتقاد پیدا کرنے والی عبادت ہو! اور پوردرگار کی رحمت اُن پر برے جو کسی ایک قوم کا پوردرگار نہیں ہے اور جس کے اِنلے نام نہیں جتنی کہ رہائیں اور یہ وہ کسی ایک گروہ کا پوردرگار ہے جو سمجھتا ہے کہ اللہ کی سب نعمتیں صرف اُس کے لیئے ہیں بلکہ جو سب انسانوں کا پوردرگار ہے چاہے اُن کا رنگ یا مذہب کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اِسا سرو دیابی پرماتما ادریقہ نواسیوں کو ترقی کی منزل پر پہنچنے اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں مدد دے۔

آج افریقیہ نواسیوں کے نیتاؤں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی جاتی اور سنسکرتک و شیشتاؤں کا ادھیں کریں، اُن میں جو استھائی مولوں کی باتیں نہیں اور جن سے اُنکے جیوں کو سندر بنانے میں مدد ملے گی، اُن سے چپٹے رہیں، اپنے اوپر وشواس رکھیں، اپنے بھوشیہ کے اوپر وشواس رکھیں، اُن میں جو پہلے کمیاں تھیں انہیں آج کے زمانے میں اور بھوشیہ میں دور کرنے کی کوشش کریں، ایشیا، یورپ اور امریکہ کی سنسکرتوں کی جن خوبیوں سے وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا دنیاوی فائدہ ہوگا اور اُن کی بددھک اور اُدھیانمک ترقی ہوگی اور پچھلی صدیوں میں انہیں لے جو اُننتی کی تھی اُس طرح کی اُننتی وہ پھر کر سکیں اِس میں انہیں سہایتا دیں گی، اُن کو وہ پوری طرح سوچنا کریں۔ ایشور کرے اُنہیں پیڑت لوگوں کی طرح پیڑت ادریقہ واسیوں کی آرت پکار صرف یہ نہ ہو کہ—اے ایشور! اے ایشور! کیا تو میری گوہار نہ سننے کا! بلکہ وہ ایک اُمید سے بھری اور اعتقاد پیدا کرنے والی عبادت ہو! اور پوردرگار کی رحمت اُن پر برے جو کسی ایک قوم کا پوردرگار نہیں ہے اور جس کے اِنلے نام نہیں جتنی کہ رہائیں اور یہ وہ کسی ایک گروہ کا پوردرگار ہے جو سمجھتا ہے کہ اللہ کی سب نعمتیں صرف اُس کے لیئے ہیں بلکہ جو سب انسانوں کا پوردرگار ہے چاہے اُن کا رنگ یا مذہب کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ اِسا سرو دیابی پرماتما ادریقہ نواسیوں کو ترقی کی منزل پر پہنچنے اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں مدد دے۔

جو رات اور دن ایک بار آیت کی اور چلے جائے
ہیں، وہ پھر کبھی واپس نہیں آئے، جو منشی پاپ
کرنا ہے، اُس کے وہ رات دن بالکل نشیمل جاتے
ہیں۔

—مہاویہر سوامی

—مہاویہر سوامی

جون 55'

پیشیہ گوئی کر سکتا تھا کہ مدھیہ اور اُتری یورپ کے چمڑے سے بدن ڈکنے والے اور نیلے رنگ سے جیسم رنگنے والے جنگلی لوگ، جو اپنے دیوتاؤں کو انسانوں کی بلی چڑھا کر سمنٹ کیا کرتے تھے—آج کے جرمن، سِلٹ اور سلاو لوگ—موجوہ سہیٹا کے علمبردار بنیں گے؟

آتم سمان کی باونا

جب تک اُکریکا نیواسیہ ویشیتا میں ایکٹا کو ساگر کرے والی مانو سہیٹا کی قطار میں شامل نہ ہوں گے تب تک سور کی ایکٹا پیدا نہ ہوگی۔ بہت سی ایسی قومیں جن میں مادہ ہے اور جنہوں نے بہت کچھ کر دکھایا ہے، مانو سہیٹا کی سمونٹا اور ویشیتا کو اپنی سوغات دینے سے وینچت رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اُتر اور دکن امریکہ کی بہت سی قومیں کے نام لیئے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کی پراچین تہذیب یافتہ قومیں میں شمار کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر میکسو کے ناہوا قبیلوں کے لوگ (ٹائیٹیک، اریٹیک اور دوسرے) میکسیک، زہورٹیک، اوتومی اور میکسو کی دوسری قومیں اور میکسو اور گوٹے مالا کے مایا لوگ، کولمبیا کے چیوچاس، دکن امریکہ کے انڈین چیپتر کے ٹوٹیچو اور ایمازا پالیٹیشیا کے لوگ اور امریکہ اور اوسٹریا کے دو سمونوں کے لوگ جنہیں اپنے بزرگوں کی کبریٰ کی کہانی ورثہ میں ملی ہے۔ مانو سہیٹا کو اگر ان جانیوں کی دماغی خوبیاں حاصل ہوتیں تو اس کے گزناموں میں چارچاند لکتے۔ ان میں سے بہت سی قومیں یا تو مٹ گئیں یا ان کی خصوصیتیں ختم ہوگئیں۔ لیکن اُدریقہ نواسیہ اب بھی جیوت میں اور جاگرت ہے اور اگر مانو سہیٹا کے سمونیت سنگیت میں اُس کا سور بھی شامل کرنا ہے تو اُسے اُس کا کوہی آتم سمان واپس کرنا ہوگا۔ اُسے یہ محسوس کرنا ہوگا کہ اُس کی پراچین اُنتی کچھ معمولی نہیں تھی اور اگر اُس کا اپنے اندر وشواس جاگ جائے تو اب بھی وہ مانو سہیٹا کی ترقی میں اپنا بھی شاندار بیگ دان دے سکتا ہے۔

جلی پورتنی تصویر کی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے تے ان سامراجیوں کے نظارے گوم جاتے ہیں جنہیں اُدریقہ نواسیہوں نے قائم کئے تھے اور جن کی سہیٹا دیس کی سانسکرت اور آرٹھک پوسٹہیوں کے انوکول تھی—ناگر اور سینیکل ندیوں کے کنارے گہنا کا سامراجیہ، گہنا کے بعد مندنکیں یا مالی سامراج، نگر علاقے میں سنگونی، ماسی اور دوسرے راج، عیسائیوں اور مسلمانوں سے پہلے پچھمی اُدریقہ کی مسکرتی نے اُس چیپتر میں اُشچریہ جنگ کلا کرتوں کو جنم دیا؛ چودھویں اور

آتم سمان کی باونا

جب تک اُدریقہ نواسیہ ویشیتا میں ایکٹا کو ساگر کرے والی مانو سہیٹا کی قطار میں شامل نہ ہوں گے تب تک سور کی ایکٹا پیدا نہ ہوگی۔ بہت سی ایسی قومیں جن میں مادہ ہے اور جنہوں نے بہت کچھ کر دکھایا ہے، مانو سہیٹا کی سمونٹا اور ویشیتا کو اپنی سوغات دینے سے وینچت رہے ہیں۔ اس سلسلے میں اُتر اور دکن امریکہ کی بہت سی قومیں کے نام لیئے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کی پراچین تہذیب یافتہ قومیں میں شمار کی جاتی تھیں۔ مثال کے طور پر میکسو کے ناہوا قبیلوں کے لوگ (ٹائیٹیک، اریٹیک اور دوسرے) میکسیک، زہورٹیک، اوتومی اور میکسو کی دوسری قومیں اور میکسو اور گوٹے مالا کے مایا لوگ، کولمبیا کے چیوچاس، دکن امریکہ کے انڈین چیپتر کے ٹوٹیچو اور ایمازا پالیٹیشیا کے لوگ اور امریکہ اور اوسٹریا کے دو سمونوں کے لوگ جنہیں اپنے بزرگوں کی کبریٰ کی کہانی ورثہ میں ملی ہے۔ مانو سہیٹا کو اگر ان جانیوں کی دماغی خوبیاں حاصل ہوتیں تو اس کے گزناموں میں چارچاند لکتے۔ ان میں سے بہت سی قومیں یا تو مٹ گئیں یا ان کی خصوصیتیں ختم ہوگئیں۔ لیکن اُدریقہ نواسیہ اب بھی جیوت میں اور جاگرت ہے اور اگر مانو سہیٹا کے سمونیت سنگیت میں اُس کا سور بھی شامل کرنا ہے تو اُسے اُس کا کوہی آتم سمان واپس کرنا ہوگا۔ اُسے یہ محسوس کرنا ہوگا کہ اُس کی پراچین اُنتی کچھ معمولی نہیں تھی اور اگر اُس کا اپنے اندر وشواس جاگ جائے تو اب بھی وہ مانو سہیٹا کی ترقی میں اپنا بھی شاندار بیگ دان دے سکتا ہے۔

جلی پورتنی تصویر کی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے تے ان سامراجیوں کے نظارے گوم جاتے ہیں جنہیں اُدریقہ نواسیہوں نے قائم کئے تھے اور جن کی سہیٹا دیس کی سانسکرت اور آرٹھک پوسٹہیوں کے انوکول تھی—ناگر اور سینیکل ندیوں کے کنارے گہنا کا سامراجیہ، گہنا کے بعد مندنکیں یا مالی سامراج، نگر علاقے میں سنگونی، ماسی اور دوسرے راج، عیسائیوں اور مسلمانوں سے پہلے پچھمی اُدریقہ کی مسکرتی نے اُس چیپتر میں اُشچریہ جنگ کلا کرتوں کو جنم دیا؛ چودھویں اور

تہذیب یافتہ قوموں میں جن میں موجودہ یورپین قوموں کے پرکھے بھی شامل تھے، زندہ آدمیوں کی قربانی کا رواج تھا۔ لیکن جنگلی قوموں کے موثر وشواسوں کے مطابق مانوہلی اتنی دیتھس نہیں ہے جتنا دھرم کے نام پر سپہیہ اور عیسائی یورپ کا مانوہلی کا رواج۔ مثال کے طور پر رومن کیتھولک کے "انکوئیڈیشن" یا مذہبی عمل اور شروع موجودہ زمانے اور منجیلے زمانے میں یورپ کے زیادہ تر عیسائی ملکوں میں "ڈائنوں" (۹) کے زندہ جلانے کا رواج تھا۔ اس کے مطابق ہزاروں آدمی جن کا تصور محض 'ننا تھا کہ وہ عیسائی مذہب کی دوسرے شاخ کے مذہبی عقیدوں پر وشواس نہیں کرتے تھے۔ اور جن کے خلاف یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ جادو کے بل پر یہ اصلی عیسائیوں کو صیغہ راستے سے وہ بہانے جھوٹے مذہبی راستے پر لیجانے کی کوشش کرتے ہیں، دھیمی دھیمی آگ پر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اور یہ سب مانوہلیات کی ان صدیوں کے دوران میں ہو رہا تھا۔ جن میں کہا جاتا ہے کہ انسان نے ترقی کی بہت سی منزلوں طے کیں۔ جو لوگ مذہبی معاملوں اور سماجک معاملوں میں اذیتہ نویسیوں کی برہنہ اور حیوانیت پر لعنت بھیجتے ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت عیسیٰ نے کہا ہے کہ انہیں دوسرے کی آنکھوں کا ٹل دکھائی دیتا ہے۔ مگر اپنی آنکھوں کا لٹھا نہیں دکھائی دیتا۔

لیکن یوگ-भावना آخیرکار کام کر رہی ہے۔ آधुनिक युग के मानव इतिहास की सबसे खास घटना यह है कि अफ्रीका निवासी भी अब सोते से जाग गया है। वह अपनी नींद की खुमारी दूर कर रहा है। वह जातियों और देशों की श्रेणी में अपनी मुनासिब जगह हासिल करने के लिये बेचैन हो रहा है। उसने यह सबक पश्चिम के लोगों से सीखा है। इसमें कोई शक नहीं कि यह सचाई अनुग्रह के साथ क़ुबूल करनी पड़ेगी कि यद्यपि पश्चिम के ज्यादातर लोग अफ्रीका वालों को लूटने, उनका शोषण करने और बदनाम करने गये, लेकिन उन्होंने पश्चिम वालों में अफ्रीका वालों को अपने कुछ सच्चे दोस्त और हित चिन्तक भी मिले। सदियों के अत्याचारों, शोषण और शलत क़हमियों के बन्धनों से मुक्त होकर अफ्रीका निवासी इस हालत में आयेगा कि वह मानव उन्नति में अपना भी उचित योगदान दे। क़ुदरत ने उसे जो खूबियाँ अता की हैं उनके जरिये वह इस परिस्थिति में होगा कि वह मानव समाज को सुखी बना सके। कोई नहीं जानता कि क़ुदरत, क्रिस्मत या ईश्वर ने हमारे लिये क्या योजना बना रखी है। ढाई हजार बरस पहले या दो हजार बरस पहले सुसभ्य यूनान या रोम में कौन इस बात पर विश्वास कर सकता था या

تہذیب یافتہ قوموں میں جن میں موجودہ یورپین قوموں کے پرکھے بھی شامل تھے، زندہ آدمیوں کی قربانی کا رواج تھا۔ لیکن جنگلی قوموں کے موثر وشواسوں کے مطابق مانوہلی اتنی دیتھس نہیں ہے جتنا دھرم کے نام پر سپہیہ اور عیسائی یورپ کا مانوہلی کا رواج۔ مثال کے طور پر رومن کیتھولک کے "انکوئیڈیشن" یا مذہبی عمل اور شروع موجودہ زمانے اور منجیلے زمانے میں یورپ کے زیادہ تر عیسائی ملکوں میں "ڈائنوں" (۹) کے زندہ جلانے کا رواج تھا۔ اس کے مطابق ہزاروں آدمی جن کا تصور محض 'ننا تھا کہ وہ عیسائی مذہب کی دوسرے شاخ کے مذہبی عقیدوں پر وشواس نہیں کرتے تھے۔ اور جن کے خلاف یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ جادو کے بل پر یہ اصلی عیسائیوں کو صیغہ راستے سے وہ بہانے جھوٹے مذہبی راستے پر لیجانے کی کوشش کرتے ہیں، دھیمی دھیمی آگ پر زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ اور یہ سب مانوہلیات کی ان صدیوں کے دوران میں ہو رہا تھا۔ جن میں کہا جاتا ہے کہ انسان نے ترقی کی بہت سی منزلوں طے کیں۔ جو لوگ مذہبی معاملوں اور سماجک معاملوں میں اذیتہ نویسیوں کی برہنہ اور حیوانیت پر لعنت بھیجتے ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت عیسیٰ نے کہا ہے کہ انہیں دوسرے کی آنکھوں کا ٹل دکھائی دیتا ہے۔ مگر اپنی آنکھوں کا لٹھا نہیں دکھائی دیتا۔

لیکن یوگ-भावना آخرکار کام کر رہی ہے۔ آधुनिक युग के मानव इतिहास की सबसे खास घटना यह है कि अफ्रीका निवासी भी अब सोते से जाग गया है। वह अपनी नींद की खुमारी दूर कर रहा है। वह जातियों और देशों की श्रेणी में अपनी मुनासिब जगह हासिल करने के लिये बेचैन हो रहा है। उसने यह सबक पश्चिम के लोगों से सीखा है। इसमें कोई शक नहीं कि यह सचाई अनुग्रह के साथ क़ुबूल करनी पड़ेगी कि यद्यपि पश्चिम के ज्यादातर लोग अफ्रीका वालों को लूटने, उनका शोषण करने और बदनाम करने गये, लेकिन उन्होंने पश्चिम वालों में अफ्रीका वालों को अपने कुछ सच्चे दोस्त और हित चिन्तक भी मिले। सदियों के अत्याचारों, शोषण और शलत क़हमियों के बन्धनों से मुक्त होकर अफ्रीका निवासी इस हालत में आयेगा कि वह मानव उन्नति में अपना भी उचित योगदान दे। क़ुदरत ने उसे जो खूबियाँ अता की हैं उनके जरिये वह इस परिस्थिति में होगा कि वह मानव समाज को सुखी बना सके। कोई नहीं जानता कि क़ुदरत, क्रिस्मत या ईश्वर ने हमारे लिये क्या योजना बना रखी है। ढाई हजार बरस पहले या दो हजार बरस पहले सुसभ्य यूनान या रोम में कौन इस बात पर विश्वास कर सकता था या

साहित्य को भी उसने अपनी स्वाभाविकता सादगी से प्रभावित किया है। सभ्यता के माप दण्ड में वह आदिमयुग और सभ्य युग के चौराहे पर खड़ा है। आदिवासी जीवन के रहस्यों से उसका सम्पर्क है, धार्मिक विश्वास का उसके पास बाहुल्य है। इस सबसे वह साहित्य को धनी बनाता है।

उसे अवसर नहीं मिला

अफ्रीका के काले आदिमियों को अपनी शक्ति को पहचानने और तरक्की की ऊंची मंजिल तक पहुँचने का अब तक मौका नहीं मिला। अफ्रीका का अब तक जा भी अवर पड़ा है वह नुमाया तौर पर अमरीका में उसकी गुलाम आबादी के सबब पड़ा। फिर भी अपनी कला में—खास तौर पर मूर्तिकला की अद्भुत परम्पराओं में, जिनका सम्बन्ध उसकी पशु पूजा के विश्वास के साथ है—लकड़ी की कलापूर्ण खुदाइयों में, हाथी दांत की कला में, पत्थर की मूर्तियों के गढ़ने में कांसे की मूर्तियाँ बनाने में, मिट्टी के माडल तैयार करने में उसने प्रसिद्धि पाई है। अफ्रीका के भीतरी मध्य भाग में ठेठ अफ्रीकी लोगों में गुफाओं और चट्टानों पर उसकी प्रागैतिहासिक चित्र कला में, उत्तर और दक्षिण में, उसके सादगी से भरी कच्ची भोपड़ियों के निर्माण में अफ्रीका निवासी ने आज की दुनिया के लिये भी कला की एक नई उदार शैली, और रेखाओं का सुन्दर इस्तेमाल करने की कला दी है। पिछली सदियों में नील के पठार में उसने जिस उन्नत निर्माण कला का प्रदर्शन किया है उससे वह अपनी कला की शक्ति को पहचानने लगा है।

अफ्रीकी मानव परिवार की सबसे अधिक तिरस्कृत सन्तान है। उसके साथ बेहद बदसलूकियाँ की गई हैं। अब भी ऐसे कुछ लोग हैं जो उसे गरीबी, दासता और अज्ञान के बन्धनों में बांधे रखना चाहते हैं जिससे एक ओर तो वह उसका लड़ बैल की तरह शोषण कर सकें और दूसरी ओर अपनी आत्मा और अपने विवेक को भी साफ़ रख सकें। गृहस्थ और सामाजिक जीवन के दायरे में अफ्रीका में जो पारस्परिक सहयोग और मधुर एकरसता है (अफ्रीकी महिलायें मेहनती और स्वामिभक्त होती हैं और उनमें आदि जीवन की एक सादगी होती है और वे अफ्रीका के गृहस्थ जीवन का बुनियाद होती हैं) उसे भी समझने की कोशिश नहीं की गई और चूँकि पश्चिमी सामाजिक जीवन के तरीकों से अफ्रीकी सामाजिक जीवन के तरीके भिन्न हैं इसलिये उसकी सरोपा निन्दा की जाती है और उसे 'भूढ़ धर्मियों की बर्बर चालें' समझा जाता है।

यह सही है कि अफ्रीका में कुछ कबीलों में मानव बलिदान उनके धार्मिक विश्वास का अङ्ग समझा जाता था। लेकिन यह इनसानों की बलि चढ़ाने का रिवाज महज अफ्रीकियों की ही विशेषता नहीं थी। दुनिया की ज्यादातर

सामंती को भी उसने अपनी स्वाभाविक सादगी से प्रभावित किया है। सभ्यता के माप दण्ड में वह आदिमयुग और सभ्य युग के चौराहे पर खड़ा है। आदिवासी जीवन के रहस्यों से उसका सम्पर्क है, धार्मिक विश्वास का उसके पास बाहुल्य है। इस सब से वह साहित्य को धनी बनाता है।

असे अवसर नहीं मिला

अफ्रीका के काले आदिमियों को अपनी शक्ति को पहचानने और तरक्की की ऊंची मंजिल तक पहुँचने का अब तक मौका नहीं मिला। अफ्रीका का अब तक जा भी अवर पड़ा है वह नुमाया तौर पर अमरीका में उसकी गुलाम आबादी के सबब पड़ा। फिर भी अपनी कला में—खास तौर पर मूर्तिकला की अद्भुत परम्पराओं में, जिनका सम्बन्ध उसकी पशु पूजा के विश्वास के साथ है—लकड़ी की कलापूर्ण खुदाइयों में, हाथी दांत की कला में, पत्थर की मूर्तियों के गढ़ने में कांसे की मूर्तियाँ बनाने में, मिट्टी के माडल तैयार करने में उसने प्रसिद्धि पाई है। अफ्रीका के भीतरी मध्य भाग में ठेठ अफ्रीकी लोगों में गुफाओं और चट्टानों पर उसकी प्रागैतिहासिक चित्र कला में, उत्तर और दक्षिण में, उसके सादगी से भरी कच्ची भोपड़ियों के निर्माण में अफ्रीका निवासी ने आज की दुनिया के लिये भी कला की एक नई उदार शैली, और रेखाओं का सुन्दर इस्तेमाल करने की कला दी है। पिछली सदियों में नील के पठार में उसने जिस उन्नत निर्माण कला का प्रदर्शन किया है उससे वह अपनी कला की शक्ति को पहचानने लगा है।

अफ्रीका की मानव परिवार की सबसे अधिक तिरस्कृत सन्तान है। उसके साथ बेहद बदसलूकियाँ की गई हैं। अब भी ऐसे कुछ लोग हैं जो उसे गरीबी, दासता और अज्ञान के बन्धनों में बांधे रखना चाहते हैं जिससे एक ओर तो वह उसका लड़ बैल की तरह शोषण कर सकें और दूसरी ओर अपनी आत्मा और अपने विवेक को भी साफ़ रख सकें। गृहस्थ और सामाजिक जीवन के दायरे में अफ्रीका में जो पारस्परिक सहयोग और मधुर एकरसता है (अफ्रीकी महिलायें मेहनती और उनमें आदि जीवन की एक सादगी होती है और वे अफ्रीका के गृहस्थ जीवन का बुनियाद होती हैं) उसे भी समझने की कोशिश नहीं की गई और चूँकि पश्चिमी सामाजिक जीवन के तरीकों से अफ्रीकी सामाजिक जीवन के तरीके भिन्न हैं इसलिये उसकी सरोपा निन्दा की जाती है और उसे 'भूढ़ धर्मियों की बर्बर चालें' समझा जाता है।

यह सही है कि अफ्रीका में कुछ कबीलों में मानव बलिदान उनके धार्मिक विश्वास का अङ्ग समझा जाता था। लेकिन यह इनसानों की बलि चढ़ाने का रिवाज महज अफ्रीकियों की ही विशेषता नहीं थी। दुनिया की ज्यादातर

گئے۔ بعد میں وہ یا تو ان جانچیں میں دل مل گئے جو ان کے بعد آئیں یا مست گئے اور یا دکن بھارت یا اندمان کے ناپوٹوں میں چھوٹے چھوٹے قبیلوں کے رہنے میں اب بھی باقی ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اب تک یا اُس زمانے کے تھے جب کہانا اکٹھا کرنے کی تلاش میں لوگ گھومتے تھے۔ اُس لئے ان کی سبوتا کے کوئی نشان باقی نہیں رہا گئے۔

افریقہ اور دنیا

لیکن ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ اُن کے کچھ مذہبی عقیدے اور آچر و چار اب بھی اُن لوگوں کے مذہبی و شواہد اور دھارمک پوجاؤں کی بنیادیں تھیں جن سے پہلے اُنہوں نے اندریکے اندریکے لوگوں سے سمجھ لیا تھا۔

دو ہزار برس پہلے اچرج سے بھر کر رومن کہا کرتے تھے—'افریقہ میں رہتی ہے عیشہ کچھ نہ کچھ نویتا'۔ پراچین سائنس دانوں کے ساتھ ساتھ رومن افریقہ کی وراثت، پراچینت، اجنیت، اور پراپ ایٹاسکتا سے آکشت ہوئے۔ مصر افریقہ کا ہی حصہ ہے اور مصر کے دکن میں نویتا ہے اور کالا ہنڈلیٹھ ہے جو اب تک یورپیوں کے لئے ایک اکیات بونہاک ہے اور جس سے ایشیا کی پراچین قوموں کا بھی پرچہ نہیں تھا! حالانکہ کارٹیجینی سولے حضرت عیسیٰ سے چھ برس پہلے آٹالٹک سے لگتا تک سمورے پچھمی افریقہ کے ٹٹ کی کھوج کی تھی۔ یہ بنی کہا جاتا ہے کہ مصری پیروئے (فرعان) نیچو نے فحشی ہوچوؤں کو عیسیٰ سے ساٹھ صدی پہلے افریقہ کی پرکشن کے لئے بھیجا تھا جو لال ساگر کے پوربی کنارے سے روانہ ہوئے۔ اور پورے افریقہ کی پرکمر کرنے جیروانقر اور اتر افریقہ سے ہوتے ہوئے مصر لوٹے۔

میشنریوں جو اس 'انڈیپ' کو روشن کرنے گئے تھے سمجھتے تھے کہ اپنے دنیاویوں مذہبی وچاروں اور اپنے برہنیت (واجبوں کے سبب اذیتیں اکیان اور موزہ چاروں کے اندھکار میں غوطہ کھا رہا ہے، اور جیسا کہ یہ مشنری سمجھتے ہیں، عیسوی کھیسیت کا مذہب ہی اس کا ادھار کر سکتا ہے۔ اذیتوں کی طرف اسلام کے چڑکاروں—عربوں، برہنوں یا نو مسلم اذیتوں کا، رویہ بھی یہی تھا۔

افریقا کا رھنما

جمنانے کے نئے دور کا یہ تکاڑا ہے کہ ہم افریقا کے ترقی اپنے رکنے میں تبدیلی کریں۔ مثال کے طور پر افریقہ کے خاص پہلوں پودھوں کو لیں۔ کچھ خاص طرح کے پیوں پودے اور جانور جو دنیا میں اور کہیں نہیں ملتے۔ اور جن کا جنم افریقہ کی ہی سر زمین پر ہوا، اب تک افریقہ میں ملتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے افریقہ، جہاں کی سر زمین میں قدرت نے اپنا روپ بکھیرا ہے، نوپنا اور متنت دانجسمی کا کیندر ہے۔ وہاں کے پیڑ اور پودے بھی عجیب قسم کے ہیں۔ تپایا کھجور 'ہاڑباہ'، کولانت، گوند کے پودے—ان کے علاوہ کچھ ایسے پیڑ پودے جو اس زمانے سے پہلے کے ہیں جب دھرتی کے بھیرے سے جوالہمی پڑتی تھی اور جلنے ہوئے لڑا کے تغیروں نے زمین کی سطح کے اوپر کے سب پیڑ پودوں کو برباد کر دیا تھا۔ افریقہ کے ہاتھی اور گینتے، جل ہاتھی (ہیپوپوتامس)، چرائے، زبرا، ارکابی، کوا، گنو، شیر، ببر، انسانوں کی طرح کے ہیوم کا یہ بندر گویلا اور شہنچی افریقہ کی ویشستا ہیں۔ ان کے علاوہ خد افریقہ کا نواسی—وہاں کا مانو، اس کی جسمانی اور دماغی ویشستا—کالا رنگ، شمشکی شالی اور اڈوگی، ہنس مکھ اور سادگی کی صورت اور قدرت کے ساتھ ایک رس—یہ اس کی خاصیتیں ہیں جو اسے مانوؤں کی دنیا میں ایک خاص جگہ دیتی ہیں۔ جو لوگ اسے قریب سے دیکھتے ہیں ان کے لئے وہ پسند اور پکار کی وسو ہے۔

نیمو یا افریقہ کا کالا آدمی انسانوں کے تین گروہوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے دو گروہ ہیں—گورے یا کوہ کالی (جن میں گینٹوئے رنگ کی جاتیاں بھی شامل ہیں) اور پہلے یا منگولی (جن میں امریکہ کے ریڈ انڈین جو پہلی جاتیوں ہی کی شاخ ہیں)۔ دنیا میں جب انسانی نسلوں کی شروعات ہوئی اس سٹے گوری جاتیوں کے انسانوں کے وکس کرم میں، کہا جاتا ہے کہ، کالی جاتیوں کے خون کے مشن نے تیز خمر کا کلم کیا۔

جیسا کہ انسانی نسلوں کی ودیا کے جانکار ودوانوں نے پتہ لگایا ہے۔ ہمارے دیش میں ایتھاسک یگ سے پہلے افریقی فیکرو آئے اور دیش کے ایک بڑے بھاگ میں بس

زمانہ کے نئے دور کا یہ تقاضہ ہے کہ ہم افریقہ کے طرف اپنے روئے میں تبدیلی کریں۔ مثال کے طور پر افریقہ کے خاص پہلوں پودوں کو لیں۔ کچھ خاص طرح کے پیوں پودے اور جانور جو دنیا میں اور کہیں نہیں ملتے۔ اور جن کا جنم افریقہ کی ہی سر زمین پر ہوا، اب تک افریقہ میں ملتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے افریقہ، جہاں کی سر زمین میں قدرت نے اپنا روپ بکھیرا ہے، نوپنا اور متنت دانجسمی کا کیندر ہے۔ وہاں کے پیڑ اور پودے بھی عجیب قسم کے ہیں۔ تپایا کھجور 'ہاڑباہ'، کولانت، گوند کے پودے—ان کے علاوہ کچھ ایسے پیڑ پودے جو اس زمانے سے پہلے کے ہیں جب دھرتی کے بھیرے سے جوالہمی پڑتی تھی اور جلنے ہوئے لڑا کے تغیروں نے زمین کی سطح کے اوپر کے سب پیڑ پودوں کو برباد کر دیا تھا۔ افریقہ کے ہاتھی اور گینتے، جل ہاتھی (ہیپوپوتامس)، چرائے، زبرا، ارکابی، کوا، گنو، شیر، ببر، انسانوں کی طرح کے ہیوم کا یہ بندر گویلا اور شہنچی افریقہ کی ویشستا ہیں۔ ان کے علاوہ خد افریقہ کا نواسی—وہاں کا مانو، اس کی جسمانی اور دماغی ویشستا—کالا رنگ، شمشکی شالی اور اڈوگی، ہنس مکھ اور سادگی کی صورت اور قدرت کے ساتھ ایک رس—یہ اس کی خاصیتیں ہیں جو اسے مانوؤں کی دنیا میں ایک خاص جگہ دیتی ہیں۔ جو لوگ اسے قریب سے دیکھتے ہیں ان کے لئے وہ پسند اور پکار کی وسو ہے۔

نیمو یا افریقہ کا کالا آدمی انسانوں کے تین گروہوں میں سے ایک ہے۔ دوسرے دو گروہ ہیں—گورے یا کوہ کالی (جن میں گینٹوئے رنگ کی جاتیاں بھی شامل ہیں) اور پہلے یا منگولی (جن میں امریکہ کے ریڈ انڈین جو پہلی جاتیوں ہی کی شاخ ہیں)۔ دنیا میں جب انسانی نسلوں کی شروعات ہوئی اس سٹے گوری جاتیوں کے انسانوں کے وکس کرم میں، کہا جاتا ہے کہ، کالی جاتیوں کے خون کے مشن نے تیز خمر کا کلم کیا۔

جیسا کہ انسانی نسلوں کی ودیا کے جانکار ودوانوں نے پتہ لگایا ہے۔ ہمارے دیش میں ایتھاسک یگ سے پہلے افریقی فیکرو آئے اور دیش کے ایک بڑے بھاگ میں بس

ڈاکٹر سونیت کمار چٹر جی ایم. اے. ڈی. لیٹ.

ڈاکٹر سونیت کمار چٹر جی ایم. اے. ڈی. لیٹ.

[لکھک کلککتا یونیورسٹی کے کمپریٹو فاکیلا جی کے پروفیسر ایڈیٹنگ سوسائٹی کے ایڈیٹر، ویسٹ بنگال لکھک کونسل کے سہاٹی ہیں۔ یہ لکھک رام کرشن مشن انسٹیٹیوٹ آف کلچر میں ڈیپٹے ہوئے ان کے بھاشہ—'پچھمی افریقہ کے لوگ اور ان کی سسکرتی' پر آدھارت ہے۔ مول لکھک انگریزی میں تھا۔ نیچے کرپتا کی لائینوں کا انرواد خود لکھک کا کیا ہوا ہے۔]

[لکھک کلککتا یونیورسٹی کے کمپریٹو فاکیلا جی کے پروفیسر ایڈیٹنگ سوسائٹی کے ایڈیٹر، ویسٹ بنگال لکھک کونسل کے سہاٹی ہیں۔ یہ لکھک رام کرشن مشن انسٹیٹیوٹ آف کلچر میں ڈیپٹے ہوئے ان کے بھاشہ—'پچھمی افریقہ کے لوگ اور ان کی سسکرتی' پر آدھارت ہے۔ مول لکھک انگریزی میں تھا۔ نیچے کرپتا کی لائینوں کا انرواد خود لکھک کا کیا ہوا ہے۔]

آंधारे ते भय करिना—

आंधार आभि बासि भालो.

आंधार देखले मने पड़े,

श्यामा मा मोर एमनि कालो.

भयेर आकार देखले परे,

डाकि आमार श्यामा मा रे,

आंधार माफे (भयेर माफे) देखले जे पाइ

मायेर राक्खा पायेर आलो. *

अफ्रीका को 'श्याम महाद्वीप' कहा गया है, अभी थोड़े समय पहले तक यूरोप और एशिया के लोगों के लिये वह एक अंधेरा और अज्ञात महादेश था लेकिन यूरोपियन लोगों की जिज्ञासा और अरबों और यूरोपियनों के फैलाव और शोषण की भावना की बदौलत अफ्रीका का कोना कोना घनिष्ठ परिचय की और रोशनी से जगमग कर रहा है. अफ्रीका को 'काला' भी कहा जाता था क्योंकि वहां के निवासी, बाद के अरब हमलावरों और उत्तर के हमाटिक लोगों को छोड़ कर) काले हैं—गहरे काले रंग से लेकर हलके काले रंग के—जिनकी अपनी खूबसूरती है और जिसकी कद्र बाहर के लोग नहीं कर पाते. जयादातर क्रिस्तानी

आंधारे ते भये करिना—

आंधार आमी बासी भालो.

आंधार देखले मने पड़े,

श्यामा मा मोर एमनि कालो.

भयेर आकार देखले परे,

डाकि आमार श्यामा मा रे,

आंधार माफे (भयेर माफे) देखले जे पाइ

मायेर राक्खा पायेर आलो. *

अफ्रीका को 'श्याम महाद्वीप' कहा गया है, अभी थोड़े समय पहले तक यूरोप और एशिया के लोगों के लिये वह एक अंधेरा और अज्ञात महादेश था लेकिन यूरोपियन लोगों की जिज्ञासा और अरबों और यूरोपियनों के फैलाव और शोषण की भावना की बदौलत अफ्रीका का कोना कोना घनिष्ठ परिचय की और रोशनी से जगमग कर रहा है. अफ्रीका को 'काला' भी कहा जाता था क्योंकि वहां के निवासी, बाद के अरब हमलावरों और उत्तर के हमाटिक लोगों को छोड़ कर) काले हैं—गहरे काले रंग से लेकर हलके काले रंग के—जिनकी अपनी खूबसूरती है और जिसकी कद्र बाहर के लोग नहीं कर पाते. जयादातर क्रिस्तानी

अफ्रीका को 'श्याम महाद्वीप' कहा गया है. अभी थोड़े सप्ते पहले तक यूरोप और एशिया के लोगों के लिये वह एक अंधेरा और अज्ञात महादेश था लेकिन यूरोपियन लोगों की जिज्ञासा और अरबों और यूरोपियनों के फैलाव और शोषण की भावना की बदौलत अफ्रीका का कोना कोना घनिष्ठ परिचय की और रोशनी से जगमग कर रहा है. अफ्रीका को 'काला' भी कहा जाता था क्योंकि वहां के निवासी, बाद के अरब हमलावरों और उत्तर के हमाटिक लोगों को छोड़ कर) काले हैं—गहरे काले रंग से लेकर हलके काले रंग के—जिनकी अपनी खूबसूरती है और जिसकी कद्र बाहर के लोग नहीं कर पाते. जयादातर क्रिस्तानी

●मैं अंधेरे से नहीं डरता—

मैं अंधेरे को प्यार करता हूँ.

अंधेरा देखते ही मन में आता है,

मेरी मां काली ! इसी तरह सांवले रंग की हैं.

डर की शकल देखने के बाद,

पुकारता हूँ 'ओ मा काली !'

अंधेरे के बीच में, डर के बीच में देखता हूँ,

मां के पैरों के महावर का प्रकाश.

●मैं अंधेरे से नहीं डरता—

मैं अंधेरे को प्यार करता हूँ.

अंधेरा देखते ही मन में आता है,

मेरी मां काली ! इसी तरह सांवले रंग की हैं.

डर की शकल देखने के बाद,

पुकारता हूँ 'ओ मा काली !'

अंधेरे के बीच में, डर के बीच में देखता हूँ,

मां के पैरों के महावर का प्रकाश.

चीन کے پुरانے کیلاसरک व्यक्तिवाद کو "یاंग چو" کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں "ہر ایک اپنے کو سمجھالے" اور سماجवाद کو کہا کرتے تھے "میہ تہہ" یعنی سب سے ایک برابر پریم کرو۔ ان دونوں اصولوں کو ملا کر ہی سچا سماج سنگتوں ہو سکتا ہے، یہ دونوں مل کر ہی دھرتی پر مضبوط اور ٹکاو "امن" قائم کر سکتے ہیں، کیونکہ ان سے ہی لوگوں میں ایک دوسرے کے بھلے کی اچھا جاگ سکتی ہے۔ اس طرح کے اللہ کے بندے ہی لوگوں میں ایک دوسرے کے بھلے کی اچھا پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں دو باتیں کرنی ہونگی۔ پہلی یہ کہ سب الگ الگ دھرموں کی بنیادی ایمنا اور ان کی بنیادی سچائیوں کو سامنے لا کر ان کے ماننے والوں میں ایک دوسرے کے ساتھ پریم اور ایک دوسرے کا آدر پیدا کریں۔ اور دوسری یہ ہے کہ سب دھرموں کے نیچے کے روپ میں دنیا کو یہ بتاویں کہ سچے سماج سنگتوں کے اصول کیا ہونے چاہئیں جن پر چل کر سب لوگوں کی جائز ضرورتیں اور جائز اچھائیں پوری ہو سکیں، ہر ایک کو ٹھیک ٹھیک کام اور ٹھیک ٹھیک مزدوری مل سکے، ہر کام کے لئے ٹھیک ٹھیک آدمی مل سکیں، اور ہمارے سماج کی یہ اتنی بڑی مشین اس طرح چل سکے کہ کسی کے اوپر مناسب سے زیادہ بوجھ نہ ہو، کوئی بھوکا، تنگا یا بنا گھر کے نہ رہے اور سب کا سب طرح بھلا اور سب کی ترقی ہو۔

اے دنیا کے سائنسدانوں! سب سے بھاری ذمہ داری تمہارے اوپر ہے! تم ہی گویا کا پتہ لگاتے ہو اور اسے پہنچاتے ہو۔ وہ گویا دنیا کے بھلے کے لئے کام میں آنا چاہئے۔ لیکن اس سے وہ دنیا کے بڑے کے لئے کام میں لایا جا رہا ہے! اس لئے اپنی مادی سائنس کو روحانی سائنس سے روشن کرو۔ اپنی سائنس کے ساتھ پروگرام کی پکی پہاڑی کو ملا دو! سب مل جاؤ! لوگوں کو دیکھا دو کہ سماج سنگتوں کا ٹھیک طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ تم نے اگر اپنا یہ فرض پورا نہ کیا تو مائو سماج مٹ سکتا ہے! اور بدی تم نے اپنا یہ فرض پورا کر لیا تو مائو سماج بچ سکتا ہے، جی سکتا ہے اور سب شانتی اور سکھ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

اے دنیا کے سائنسدانوں! سب سے بھاری ذمہ داری تمہارے اوپر ہے! تم ہی گویا کا پتہ لگاتے ہو اور اسے پہنچاتے ہو۔ وہ گویا دنیا کے بھلے کے لئے کام میں آنا چاہئے۔ لیکن اس سے وہ دنیا کے بڑے کے لئے کام میں لایا جا رہا ہے! اس لئے اپنی مادی سائنس کو روحانی سائنس سے روشن کرو۔ اپنی سائنس کے ساتھ پروگرام کی پکی پہاڑی کو ملا دو! سب مل جاؤ! لوگوں کو دیکھا دو کہ سماج سنگتوں کا ٹھیک طریقہ کیا ہو سکتا ہے۔ تم نے اگر اپنا یہ فرض پورا نہ کیا تو مائو سماج مٹ سکتا ہے! اور بدی تم نے اپنا یہ فرض پورا کر لیا تو مائو سماج بچ سکتا ہے، جی سکتا ہے اور سب شانتی اور سکھ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔

کے کانون بنائیں تاکہ دوسرے ان پر چلیں۔ نیک اور سمجھدار لوگ ہی نیک اور سمجھ کے قانون بنا سکتے ہیں، اور ایسے قانونوں سے ہی دنیا کا بہا ہو سکتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ جب اس طرح کے خدا کے بندے دنیا میں کافی ہوجائیں تو قانونوں اور قانونی لوگوں کی ضرورت ہی بہت کم رہ جاتی ہے۔ نیک یعنی اخلاقی قانون جو ہمارے دلوں میں لکھ رہے ہیں باہر کے کتابی قانونوں کو انارشیک بنا دیتے ہیں۔ جس طرح بیماری کو پہلے ہی سے روکنا بیماری آجانے پر علاج کرنے سے کہیں اچھا ہے اسی طرح قانون سازی سے تعلیم کہیں زیادہ ضروری ہے۔ اندر کے سپاہی سے جو چیز نکلتی ہے وہ باہر کے در یا دباؤ سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔ اس لئے تعلیم کا مول بہت اہم ہے۔ تعلیم دینے والوں کا مشن بڑا اونچا مشن ہے، سچا برہمن، سچا مولوی، اور سچا رہی ہی، یعنی جنم سے اپنے کو برہمن، مولوی یا رہی مانتے والا نہیں بلکہ اپنی قابلیت اور اپنے چلن سے برہمن، مولوی یا رب کا سچا سیوک ہی یعنی کیول وہ آدمی ہی جس نے اس بات کو سمجھ لیا ہے، کہ ایک ہی پرماندا ایک ہی اللہ، سب کے گھر کے اندر موجود ہے، کیول ایسے آدمی کو ہی تعلیم کا کلم اور قانون بنانے کا کام سورد ہونا چاہئے۔ یہ دونوں ذمہ داریاں بڑی پاک ذمہ داریاں ہیں۔

اسی دیش کے لوگ سمجھیں اور خوشحال رہ سکتے ہیں جس دیش میں اس طرح کے سچے برہمن، مولوی یا رہی کافی ہوں، جو اچھے سے اچھے ارتھوں میں اپنی باتوں سے اور اپنی مثال سے دونوں سے لوگوں کو ٹھیک تعلیم دے سکیں، وہ لوگ نہیں جنہوں نے دھرم یا مذہب کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور آدمیوں آدمیوں کے بیچ بھید بھاؤ اور نفرتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے دیش میں ہی سچی سماج وادی سپہینا (Socialistic Civilisation) پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے دیش میں ہی لوگ بیچ کے سہارے راستے پر چلیں گے اور سب کو ادھک سے ادھک سہ ملے گا۔ تب ہی لوگ اس طرح کی باتوں کو سمجھیں گے جیسے بائبل کا یہ کہنا کہ ”کوئی آدمی کیول اپنے لئے نہیں چیتا“ ہم سب ایک دوسرے کے انگ ہیں... ایشر نے دھرتی کی سطح پر رھنے والی سب قوموں کو ایک خوں سے بنایا ہے، یا وید کا یہ کہنا کہ ”سب آدمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی سمند ہے جیسا“ سر ہاتھ، پوت اور ٹانگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ، یا قرآن کا یہ کہنا کہ ”سب جاندار اللہ کا کنبہ ہیں“ یا شیخ سعدی کا یہ کہنا کہ ”آدم کی سب اولاد ایک دوسرے کے ہاتھ پیروں کی طرح ہیں۔“ تب ہی ویکٹی واد اور سماج واد یعنی انڈیوینجیولزم اور سوشلزم میں سچا سمند یعنی میل ہوگا۔

جس دیش میں اس طرح کے سچے برہمن، مولوی یا رہی کافی ہوں، جو اچھے سے اچھے ارتھوں میں اپنی باتوں سے اور اپنی مثال سے دونوں سے لوگوں کو ٹھیک تعلیم دے سکیں، وہ لوگ نہیں جنہوں نے دھرم یا مذہب کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور آدمیوں آدمیوں کے بیچ بھید بھاؤ اور نفرتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے دیش میں ہی سچی سماج وادی سپہینا (Socialistic Civilisation) پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے دیش میں ہی لوگ بیچ کے سہارے راستے پر چلیں گے اور سب کو ادھک سے ادھک سہ ملے گا۔ تب ہی لوگ اس طرح کی باتوں کو سمجھیں گے جیسے بائبل کا یہ کہنا کہ ”کوئی آدمی کیول اپنے لئے نہیں چیتا“ ہم سب ایک دوسرے کے انگ ہیں... ایشر نے دھرتی کی سطح پر رھنے والی سب قوموں کو ایک خوں سے بنایا ہے، یا وید کا یہ کہنا کہ ”سب آدمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی سمند ہے جیسا“ سر ہاتھ، پوت اور ٹانگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ، یا قرآن کا یہ کہنا کہ ”سب جاندار اللہ کا کنبہ ہیں“ یا شیخ سعدی کا یہ کہنا کہ ”آدم کی سب اولاد ایک دوسرے کے ہاتھ پیروں کی طرح ہیں۔“ تب ہی ویکٹی واد اور سماج واد یعنی انڈیوینجیولزم اور سوشلزم میں سچا سمند یعنی میل ہوگا۔

جس دیش میں اس طرح کے سچے برہمن، مولوی یا رہی کافی ہوں، جو اچھے سے اچھے ارتھوں میں اپنی باتوں سے اور اپنی مثال سے دونوں سے لوگوں کو ٹھیک تعلیم دے سکیں، وہ لوگ نہیں جنہوں نے دھرم یا مذہب کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور آدمیوں آدمیوں کے بیچ بھید بھاؤ اور نفرتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کے دیش میں ہی سچی سماج وادی سپہینا (Socialistic Civilisation) پیدا ہو سکتی ہے۔ ایسے دیش میں ہی لوگ بیچ کے سہارے راستے پر چلیں گے اور سب کو ادھک سے ادھک سہ ملے گا۔ تب ہی لوگ اس طرح کی باتوں کو سمجھیں گے جیسے بائبل کا یہ کہنا کہ ”کوئی آدمی کیول اپنے لئے نہیں چیتا“ ہم سب ایک دوسرے کے انگ ہیں... ایشر نے دھرتی کی سطح پر رھنے والی سب قوموں کو ایک خوں سے بنایا ہے، یا وید کا یہ کہنا کہ ”سب آدمیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی سمند ہے جیسا“ سر ہاتھ، پوت اور ٹانگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ، یا قرآن کا یہ کہنا کہ ”سب جاندار اللہ کا کنبہ ہیں“ یا شیخ سعدی کا یہ کہنا کہ ”آدم کی سب اولاد ایک دوسرے کے ہاتھ پیروں کی طرح ہیں۔“ تب ہی ویکٹی واد اور سماج واد یعنی انڈیوینجیولزم اور سوشلزم میں سچا سمند یعنی میل ہوگا۔

دُنیا کے अध्यापक، विद्वान लोग और साईसदां अगर बटकर अपने कर्ष को पूरा करने के लिए खड़े हो जावें तो राजकाजी नेताओं की सब बुराइयां उन पर से इस तरह झड़ जावें जिस तरह तूफान के आने पर दरखतों के पुराने पत्ते झड़कर गिर पड़ते हैं।

योरूप के इतिहास से पता लगता है कि ईसाई धर्म के पादरी लोग जब जब नेक, निस्वार्थ और सच्चे रहे हैं तब तब उन्होंने अन्यायी राजाओं के जुल्म से दुनिया को बचाया है। इसके खिलाफ जब जब पादरियों में ईसानी शकल के अन्दर शैतान पैदा हो गए हैं जैसा कि 'इनक्विजिटर' थे तब तब जालिम बादशाहों के साथ मिलकर उन्होंने धरती को कंपा दिया है। तब तब अनेक राष्ट्रों और करोड़ों ईसानों की आह आसमान तक पहुंची है और अल्लाह की तरफ से बदला पाखंडी पुरोहितों और जालिम राजाओं दोनों के सर पर दूदा है। प्राचीन भारत में ऋषियों ने अनेक बार बुरे राजाओं को दंड दिया है और मिठा भी डाला है। इसलाम की तारीख में नेक और खुदापरस्त आलिमों ने अकसर सुलतानों और बादशाहों के जुल्मों को रोक दिया है। ईसाई धर्म के अन्दर भी बड़े बड़े बहादुर सुधारक और शहीद हो चुके हैं जिन्होंने अपने आत्मबल से बड़े बड़े बादशाहों से टक्कर ली। यहूदियों में भी जेरेमिया जैसे नबी हुए हैं जिन्होंने अपने समय के जालिमों का मुकाबला किया।

आजकल के अध्यापकों और साईसदानों को चाहिए कि अपने पाक मिशन के लिए खड़े हो जावें। उन्हें चाहिए कि धन और दुनिया के ऐश आराम की चाह को अपने अन्दर से मिटा डालें। ज्ञान और परोपकार की क्रीमत धन नहीं है, प्रेम और मान है, सौं बाप अपने बच्चों से जो प्रेम करते हैं और उनके लिए जो कुरबानियां करते हैं उसकी क्रीमत क्या उन्हें धन के रूप में अदा की जा सकती है ?

क्रान में लिखा है :—

“बड़ी से बड़ी इज्जत उनको मिलनी चाहिए जो अल्लाह से डरते हैं और लोगों से प्रेम करते हैं। जो सबसे नेक है वही अल्लाह के सबसे नजदीक है।”

अध्यापक को चाहिए कि अपनी जिन्दगी की जरूरतों को कम से कम रखे और कम से कम जरूरतों के पूरा होने में संतोष माने। उसे चाहिए कि जान बूझ कर और अपनी मरखी से गरीबों की सी जिन्दगी बसर करे। तब उसके अन्दर के तप और जोहद की आग यानी उसका आत्मबल बढ़ता और चमकता चला जायगा। सब नेक आदमी उसे प्यार करेंगे और उसका आदर करेंगे। सब बुरे आदमी उससे डरेंगे और उसके असर से धीरे धीरे अपने को बदलेंगे। लोभी और खुदशरार लोग भी उसे देखकर शरमावेंगे और अपने ऊपर क़ाबू हासिल करना सीखेंगे। ऐसे आदमियों से लोग प्रार्थना करेंगे कि वे अच्छे और समझदारी

दुनिया के अध्यापक و دواں لوگ اور سائنس داں اگر دیکھ کر اپنے فرض کو پورا کرنے کے لئے کچھ بھجائیں تو راج کچی فریڈاؤں کی سب پرانیاں ان پر سے اس طرح جھڑ جائیں جس طرح طوفان کے آنے پر درختوں کے پرلے پتے جھڑ کر پڑتے ہیں۔

یورپ کے انھیں سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی دھرم کے پادری لوگ جب جب نیک نسلوانہ اور سچے رہے ہیں تب تب انھوں نے انسانی راجاؤں کے ظلم سے دنیا کو بچایا ہے۔ اس کے خلاف جب جب پادریوں میں انسانی شکل کے اندر شیطان پیدا ہوگئے ہیں جیسا کہ 'انکویئر' پتہ تب تب ظالم بادشاہوں کے ساتھ مل کر انھوں نے دھرمی کو کاٹنا دیا ہے۔ تب تب انھیں راشٹروں اور کورڑوں انسانوں کی آہ آسمان تک پہنچتی ہے اور اللہ کی طرف سے بدلہ پاگھنڈی پروہتوں اور ظالم راجاؤں دھرموں کے سر پر ٹوڑا ہے۔ پراچین ہیئت میں دشمنوں نے انھیں بار بار راجاؤں کو دھڑ دیا ہے اور مٹا بھی ڈالا ہے۔ اہلیم کی تاریخ میں نیک اور خدا پرست علموں نے اثر سلطنتوں اور بادشاہوں کے ظلموں کو روک دیا ہے۔ عیسائی دھرم کے اندر بھی بڑے بڑے بہادر سدھارک اور شہید ہوچکے ہیں جنھوں نے اپنے آدمبل سے بڑے بڑے بادشاہوں سے ٹکر لی ہے۔ یہودیوں میں بھی جیریمیا جیسے نبی ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے سمہ کے ظلموں کا مقابلہ کیا۔

آجکل کے ادھیاپکوں اور سائنسدانوں کو چاہئے کہ اپنے پاک مشن کے لئے کچھ بھجائیں۔ انھیں چاہئے کہ دھن اور دنیا کے عیش و آرام کی چاہ کو اپنے اندر سے مٹا ڈالیں۔ گمان اور پروہکار کی قیمت دھن نہیں ہے، پریم اور مان ہے۔ ماں باپ اپنے بچوں سے جو پریم کرتے ہیں اور ان کے لئے قربانیاں کرتے ہیں اس کی قیمت کیا انھیں دھن کے روپ میں ادا کی جاسکتی ہے ؟

قرآن میں لکھا ہے :—

”ہی سے بڑی عزت ان کو مائی چاہئے جو اللہ سے قرتے ہیں اور لوگوں سے پریم کرتے ہیں۔ جو سب سے نیک ہے وہی اللہ کے سب سے نزدیک ہے۔“

ادھیاپک کو چاہئے کہ اپنی زندگی کی ضرورتوں کو کم سے کم رکھے اور کم سے کم ضرورتوں کو پورا ہونے میں سنووش مالے۔ اسے چاہئے کہ جان بوجھ کر اپنی مرضی سے غریبوں کی سی زندگی بسر کرے۔ تب اس کے اندر کے تب اور زہد کی آگ یعنی اس کا اتم بل بھگتا اور چمکتا چلا جائیگا۔ سب نیک آدمی اسے پیار کریں گے اور اس کا آدر کریں گے۔ سب سے بڑے آدمی اس سے قرتیں گے اور اس کے اثر سے دھیرے دھیرے اپنے کو بدلیں گے۔ لوبی اور خردغرض لوگ بھی اسے دیکھ کر شرمایں گے اور اپنے اوپر قابو حاصل کرنا سیکھیں گے۔ ایسے آدمیوں سے لوگ پوراھٹا کریں گے کہ وہ اچھے اور سمجھداری

اسلم یانی ج्ञान एक शक्ति होती है. अध्यायक के पास इस्म होता है. उसमें वह शक्ति होती है कि लोगों के दिलों और दिमागों को नेकी की तरफ ले जाय या बदी की तरफ. राजा के पास तलवार होती है. वह अधिक से अधिक आदमी के जिस्म को काबू में कर सकता है. अध्यायक और पुनारी की शक्ति राजा की शक्ति से बढ़कर होती है इसीलिए पाखंडी और भूटे पंडे पुरोहित और मुल्ला पादरी बुरे से बुरे राजाओं और बादशाहों से ज्यादा नुकसान कर सकते हैं. सीधे या टेढ़े, कम या बहुत, बिना पंडे पुरोहितों की मदद के राजाओं का जुल्म चल ही नहीं सकता. धर्म और राजनीति अगर आदमी के भले के लिए मिल जावें तो जमीन पर स्वर्ग ला सकते हैं. यही दोनों अगर लोगों को गुलाम बनाने और उन्हें चूसने के लिये मिल जावें तो इस धरती को नरक बना देते हैं. रुहानी शक्ति यानी आत्म-बल राजशक्ति को काबू में कर सकती है और जिधर चाहे मोड़ सकती है.

वेद में लिखा है कि :—

“विद्या (साईस) किसी ब्राह्मण (ज्ञानी) के पास गई और कहने लगी कि मेरी रक्षा करो और मुझे एक पाक अमानत की तरह बचा कर रखो. मुझे उन लोगों को मत दो जिनके मन में खोट है, जिनके दिलों में टेढ़ापन है, जिन्हें अपने ऊपर काबू नहीं है, जो धर्मडी हैं, जालिम हैं, लोभी हैं, विलासी हैं और दूसरों से शैरियत बरतते हैं. मुझे केवल ऐसे आदमियों को दो जो नेक और پاک हैं, सबका भला चाहते हैं और सबके भले के काम करते हैं. मुझे केवल उन्हीं को दो तब मेरी शक्ति बढ़ेगी और मैं दुनिया का भला कर सकूंगी !”

मनुस्मृति में लिखा है कि :—

“विद्या की शक्ति यानी आत्मा की शक्ति और राज शक्ति यानी कौजी शक्ति दोनों को एक दूसरे की जरूरत है. इनमें से कोई दूसरे के बिना फलफूल नहीं सकती. पर यदि कौजी शक्ति जुल्म के रास्ते पर चलने लगे और विद्या की शक्ति को अपने साधन बनाने लगे तो विद्वान का धर्म हो जाता है कि राज शक्ति को रोके और ठीक तरफ चलावे. विद्या में ऐसा करने की शक्ति है. क्योंकि विद्या ही राज के हथियारों और साज सामान को बनाती है. जो बिद्या हथियारों को बनाती है वही उन्हें तोड़कर खतम भी कर सकती है.”

शुक्रनीति में लिखा है कि :—

“जब क्षत्री लोग जिनके हाथों में तलवार है यह देखते हैं कि ब्राह्मण यानी अस्त्रालाह वाले अपने धर्म पर बटे हुए हैं तब वे डर जाते हैं और खुद भी अपने सच्चे धर्म से इधर उधर नहीं भटक पाते. इसलिए ज्ञानी और ईश्वर भक्त लोगों को चाहिये कि दुनिया को ठीक रखने के लिए खुद तप यानी रियाजत में लगे रहें.”

علم یعنی گیان ایک شکتی ہے. ادھیایک کے پاس علم ہوتا ہے. اس میں وہ شکتی ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں اور دماغوں کی نیکی کی طرف لیچائے یا بدی کی طرف. راجہ کے پاس تلوار ہوتی ہے. وہ ادھک سے ادھک آدمی کے جسم کو قابو میں کر سکتا ہے. ادھیایک اور پجاری کی شکتی راجہ کی شکتی سے بڑھ کر ہوتی ہے اسی لئے پاکھندی اور جیوٹے بندے پرورہت اور ملا پادری بڑے سے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں سے زیادہ نقصان کر سکتے ہیں. سیدھے یا ٹھڑھے، کم یا بہت بنا پندے پرورہتوں کی مدد کے راجاؤں کا ظلم چل ہی نہیں سکتا. دھرم اور راج نیکی اگر آدمی کے ہلے کے لئے مل جاویں تو راجوں پر سو رنگ لاسکتے ہیں. یہی درجنوں اگر لوگوں کو ظلم بنائے اور چوسے کے لئے مل جاویں تو اس دھرتی کو ترک بنا دیتے ہیں. روحانی شکتی یعنی آتم بل راج شکتی کو قابو میں کر سکتی ہے اور جادو چاہے سوز سکتی ہے.

وید میں لکھا ہے کہ :—

”ودیا (سائنس) کسی برہمن (گیانی) کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ میری رکشا کرو اور مجھے پاک امانت کی طرح بچاؤ رکھو. مجھے ان لوگوں کو مت دو جن کے من میں کھوٹ ہے، جن کے دلوں میں تیرہا ہیں، جنہیں اپنے اوپر قابو نہیں ہے، جو گھمنڈی ہیں، ظالم ہیں، لڑبھی ہیں، ولسی ہیں اور دوسروں سے غیوریت برتتے ہیں. مجھے کیول ایسے آدمیوں کو دو جو نیک اور پاک ہیں، سب کا بھلا چاہتے ہیں اور سب کے ہلے کے کام کرتے ہیں. مجھے کیول انہیں کو دو. تب میری شکتی بڑھیکے اور میں اس دنیا کا بھلا کر سکوں گی !”

مٹوسمرتی میں لکھا ہے کہ :—

”ودیا کی شکتی یعنی آتما کی شکتی اور راج شکتی یعنی نوجی شکتی درجنوں کو ایک دوسرے کی ضرورت ہے. ان میں سے کوئی دوسرے کے بنا پہل پہل نہیں سکتی. پر بدی نوجی شکتی ظالم کے راستہ پر چلنے لگے اور ودیا کی شکتی کو اپنا سادمن بنانے لگے تو ودوان کا دھرم ہو جاتا ہے کہ راج شکتی کو روکے اور ٹھیک طرف چلاوے. ودیا میں ایسا کرنے کی شکتی ہے کیونکہ ودیا ہی راج کے ہتھیاروں اور ساز و سامان کو بناتی ہے. جو ودیا ہتھیاروں کو بناتی ہے وہی انہیں توڑ کر ختم بھی کر سکتی ہے.”

شکر نیٹی میں لکھا ہے کہ :—

”جب چھتری لوگ جن کے ہاتھوں میں تلوار ہے یہ دیکھتے ہیں کہ برہمن یعنی اللہ والہ اپنے دھرم پر دتے ہوئے ہیں تب وہ تر جاتے ہیں اور خود بھی اپنے سچے دھرم سے ادھر ادھر نہیں بھٹک پاتے. اس لئے گیانی اور ایشور بھکت لوگوں کا چاہئے کہ دنیا کو ٹھیک رکھنے کے لئے خود تپ یعنی ریاضت میں لگے رہیں.”

चलना चाहिये, जो राजा या हाकिम इस तरह की पाप की चीजों से धन कमाता है उसकी बाबत मनुस्मृति में लिखा है कि :—

“जो तालीम देने वाला लोभी और पापी राजाओं से धन लेकर पढ़ाता है वह इस तरह के राजाओं की बुराई उनके सामने प्रगट नहीं कर सकता और इसीलिये खुद भी नरक में जाता है और राजा को भी नरक में ढकेलता है.”

सूफी कहता है कि :—

“बूँ दिहद क़ाज़ी बदिल रिश्वत करार
कै शानासद ज़ालिम अज मज़लूम ज़ार”

यानी अगर क़ाज़ी ही अपने दिल के अन्दर रिश्वत को जगह दे दे तो फिर ज़ालिम और मज़लूम में फ़रक कौन कर सकता है ?

जो तालीम देने वाला मास्टर या अध्यापक जुल्म और बुराई को बढ़ाता है वह आगे की तमाम नस्लों को खराब करता है और सारे देश और सारी सभ्यता को बरबादी की तरफ़ ले जाता है, अध्यापक को कोई काम ऐसा नहीं करना चाहिये जिससे उसे किसी दरजे तक भी और किसी तरह भी अपनी आज़ादी, अपने आत्मा और अपनी ज़मीर का बेचना पड़े. अध्यापक के ऊपर सब से बड़ी ज़िम्मेदारी है. वह सारे देश को बना सकता है या भिटा सकता है. वह इन्सानी सभ्यता को चमका सकता है या ख़तम कर सकता है.

मुहम्मद साहब की एक मशहूर हदीस है :—

जब आलिम नेकी के रास्ते से हट जाते हैं तो सारा आलम ग़लत रास्ते पर पड़ जाता है.”

गीता में लिखा है कि :—

“बड़ा या समझदार आदमी जो कुछ करता है बाकी सब लोग उसी की नक़ल करते हैं, वह जिस चीज़ को ठीक करार दे देता है दुनिया उसी पर चलती है.”

इंजील में लिखा है :—

“क्या अंधे अंधों को रास्ता दिखा सकते हैं ? क्या वे दोनों खंदक में नहीं गिरेंगे ?”

उपनिषद में लिखा है कि :—

“जो अभाग लोग अंधेरे में पड़े हुए हैं लेकिन खुद अपने को धीर और पंडित मानते हैं और अपनी पंडिताई के घमंड में हैं वे एक गढ़े से दूसरे गढ़े में गिरते रहते हैं, जिस तरह वह अंधे लोग गिरते हैं जिन्हें अंधे रास्ता दिखा रहे हों !”

मुहम्मद साहब की एक हदीस है :—

“दुनिया के लोग अपने बादशाहों के दीन पर जाते हैं.”

ठीक इसी मानी की एक मशहूर संस्कृत कहावत है :—

“यथा राजा तथा प्रजा.”

चलना चाहिये. जो राजा या हाकिम इस तरह की पाप की चीजों से धन कमाता है उसकी बाबत मनुस्मृति में लिखा है कि :—

“जो तालीम देने वाला लोभी और पापी राजाओं से धन लेकर पढ़ाता है वह इस तरह के राजाओं की बुराई उनके सामने प्रगट नहीं कर सकता और इसीलिये खुद भी नरक में जाता है और राजा को भी नरक में ढकेलता है.”

सूफी कहता है कि :—

“जून देद قاضی بدل رشوت قرار
کے شناسد ظالم از مظلوم زار”

یعنی اگر قاضی ہی اپنے دل کے اندر رشوت کو جگہ دیدے

تو پھر ظالم اور مظلوم میں فرق کون کر سکتا ہے ؟

جس تعلیم دینے والا ماسٹر یا ادھیاپک ظلم اور برائی کو بڑھاتا ہے وہ اگے کی تمام نسلوں کو خراب کرتا ہے اور سارے دیش اور ساری سبھیتا کو ہر بادبی کی طرف لیچانا ہے ادھیاپک کو کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہیے جس سے اے کسی درجہ تک بھی اور کسی طرح بھی اپنی آزادی اپنی آتما اور اپنے ضمیر کو بیچنا پڑے. ادھیاپک کے اوپر سب سے بڑی ذمہ داری ہے. وہ سارے دیش کو بنا سکتا ہے یا مٹا سکتا ہے. وہ انسانی سبھیتا کو چمکا سکتا ہے یا ختم کر سکتا ہے.

محمّد صاحب کی ایک مشہور حدیث ہے :—

“جب عالم نیکی کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں تو سارا عالم غلط راستے پر پڑ جاتا ہے.”

گیٹا میں لکھا ہے کہ :—

“بڑا یا سمجھدار آدمی جو کچھ کرتا ہے باقی سب لوگ اسی کی نقل کرتے ہیں. وہ جس چیز کو ٹھیک قرار دیدیتا ہے دنیا اسی پر چلتی ہے.”

انجیل میں لکھا ہے :—

“کیا اندھے اندھوں کو راستہ دکھا سکتے ہیں ؟ کیا وہ دونوں خندق میں نہیں گرے گی ؟”

آپنشد میں لکھا ہے کہ :—

“جو ابھانے لوگ اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں لیکن خود اپنے کو دھیر اور پخت مانتے ہیں اور اپنی پختائی کے گھمنڈ میں ہیں وہ ایک گڑھے سے دوسرے گڑھے میں گرے رہتے ہیں جس طرح وہ اندھے لوگ گرتے ہیں جنہیں اندھے راستہ دکھا رہے ہوں !”

محمّد صاحب کی ایک حدیث ہے :—

“دنیا کے لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر جاتے ہیں.”

ٹھیک اسی معنی کی ایک مشہور سنسکرت کہاوت ہے :—

“یتھا راجہ تنھا پرجا.”

میلکیات نہ سمجھیں، سب کی ملکیت سمجھیں۔ لوگ راج جو کرتے ہیں ان کا کام ہے کہ راج کرتے ہوئے بھی اپنی خردی کو اوپر آئے نہ دیں۔ جو لوگ دیش کو یا مانو سماج کو بڑھانے اور ترقی کرنے میں مدد دیتے ہیں ان کا فرض ہے کہ خود کسی پر حاوی ہونے کی کوشش نہ کریں۔ یہی کام دونوں اور ادھیاپکوں کا ہے۔

ادھیاپک کو چاہئے کہ وہ کسی دوسرے کا محتاج نہ ہو، اُس کا جیون سادے سے سادہ ہو، وہ اپنی طہمت سے آزاد ہو اور پھر بھی اپنے کو چھوٹے سے چھوٹا سمجھے اُس کا دل پریم سے بھرا ہو اور وہ پریم ہی کا پرچارک ہو۔ یہی ایسا ہوگا تو اُس کی مثال کو دیکھ کر اور اُس کی روحانی طاقت یعنی اُس کے آتم بل کو دیکھ کر اُنہیں سے اُنہیں حاکم بھی ہرائی کرنے سے تریں گے اور بچے رہیں گے۔ جہاں بھی وہ کھڑا ہو جائیگا وہاں نیکی اور پروگرام ہی دکھائی دیں گے۔ کسی ادھیاپک یا سمپادک کو کسی بڑے آدمی سے تنخواہ یا مدد نہیں لینا چاہئے۔ سب دھرموں کی کتابیں اِس بارے میں ہمیں سادہ نشان کرتی رہی ہیں۔

منوسمرتی میں لکھا ہے:—

”جتنی طرح کی پائیاں ہیں اُن میں سب سے بڑھ کر پائی پیسے کی پائی ہے۔ جو پیسے کے معاملے میں پاک ہے وہی سچے مچے پاک ہے۔ مٹی اور پانی سے مل کر بار بار بدن دھونے والا پاک نہیں ہے۔“

ایک صوفی نے کہا ہے:—

”جب لالچ بیچ میں آگئی تو ہنر چھپ گیا، جب خردی بیچ میں آگئی تو خدا اوجھل ہو گیا۔ ان کے آئے سے سیکڑوں پردے دل سے اُٹھ اُٹھ کر اُنکے کے اوپر پڑ جاتے ہیں۔“

ویدانت کے شیدوں میں مایا (خواہش) دو کم کرتی ہے، ایک ”آدرن“ یعنی ہماری اُنکے پر پردہ ڈال دینا اور دوسرا ”دکشیپ“ یعنی ہمارے دل اور دماغ کو سب طرف سے ہٹا کر اپنی اُسی اچھا کو پورا کرنے کی طرف لگا دینا۔ آدرن کا علاج ہے ”ویراگ“ یعنی دنیاوی خواہشوں کی طرف سے بے تعلق ہو جانا۔ اِسی کو مجانبیت کہتے ہیں۔ دکشیپ کا علاج ہے ”ابھیناس“ یعنی مشق۔ اِسے منازلت بھی کہتے ہیں۔ اُنہیں کو اخلاص اور جہاد بھی کہا جاسکتا ہے۔

گورو، آچاریہ، ادھیاپک، پیر، معلم اور اطالیق کا فرض ہے کہ اپنے اندر کے اخلاص میں ذوق آئے نہ دے اور خدمت خاق کو ہی اپنی سب سے بڑی عبادت سمجھے۔ اُسے چاہئے کہ حق یعنی سچائی سے کبھی ہال بھر بھی ادھر ادھر نہ ہے۔ دماغی پھل کی پرکھ اُس کی مالی یعنی آرتھک جڑ سے ہوتی ہے۔ اِسی ائمہ کسی دیش کا بھی تعلیم کا خوج شراپ جیسی چیزوں کے ٹسکیوں سے نہیں

منوسمیت میں لکھا ہے:—

”جیتانی तरह کی پاکیاں ہیں انمیں سب سے بڑھ کر پاکی پैसे کی پاکی ہے۔ جو پैसे کے मामले میں پاک ہے وہی سچمطح پاک ہے۔ میٹری اور پانی سے مل ملکر بار بار بدن دھونے والا پاک نہیں ہے۔“

ایک سونہی نے کہا ہے:

”جب لالچ بچ میں آگئی تو ہنر چھپ گیا، جب خردی بچ میں آگئی تو خدا اوجھل ہو گیا۔ ان کے آئے سے سیکڑوں پردے دل سے اُٹھ اُٹھ کر اُنکے کے اوپر پڑ جاتے ہیں۔“

ویدانت کے شبدوں میں مایا (خواہش) دو کام کرتی ہے، ایک ”آواہرణ“ یعنی ہماری آواہر पर परदा डाल देना और दूसरा ”विचेप“ یعنی हमारे दिल और दिमाग को सब तरफ से हटा कर अपनी उसी इच्छा को पूरा करने की तरफ लगा देना۔ आवाहरण का इलाज है ”वैराग्य“ یعنی दुनियावी रुवाहिशों की तरफ से चेताल्लुक हो जाना۔ इसी को मुजानबत कहते हैं। विचेप का इलाज है ”आपस“ یعنی मरक़۔ इसे मुनाजलत भी कहते हैं۔ इन्हीं को इखलास और जिहाद भी कहा जा सकता है۔

गुरु, आलार्थ, अध्यापक, पीर, मौलिसम और अतालीक़ का कर्ज है कि अपने अन्वर के इखलास में करक आने न दे और खिदमत खलक को ही अपनी सब से बड़ी इबादत समझे. उसे चाहिये कि हक़ यानी सच्चाई से कभी बाल भर भी इधर उधर न हिले. दिमागी फल की परख उसकी माली यानी आर्थिक जड़ से होती है. इसलिये किसी देश का भी तालीम का खर्च शराव जैसी चीजों के टैक्सों से नहीं

हो। स्वराज का मतलब यही है कि हमारे अन्दर का ऊँचा 'स्व' यानी ऊँचा आपा हम सब पर राज करता हो। जो लोग अपने देश में ऐसा सच्चा स्वराज चाहते हैं और उसे कायम रखना चाहते हैं उनका पहला फर्ज यह है कि देश की सारी जनता के अन्दर सब मर्दों, औरतों, बड़ों और छोटों के अन्दर उस बड़ी आत्मा को जगावें ताकि सब सबके भले में ही अपना भला देखें, तब ही सचमुच सबका सुख मिल सकता है।

इस नेक और जरूरी काम की शुरुआत हमें तालीम से ही करनी चाहिये, हमारी तालीमगाहें हमारे सब स्कूल और कॉलेज सचमुच 'देवालय' यानी 'खानए खुदा' होने चाहियें। तालीम से उतर कर यह जिम्मेवारी हमारे अखबारों पर है क्योंकि अखबार भी जनता की तालीम का एक बहुत बड़ा साधन है।

इसलिए जिन लोगों के सिपुर्द तालीम का काम है, चाहे स्कूलों और कॉलेजों के अध्यापक और चाहे अखबारों के एडिटर, उनके लिये जरूरी है कि वे ऊँचे मानी में ईश्वर प्रेमी हों यानी यह कि उन्हें सबके अन्दर एक ही ईश्वर अल्लाह का जलवा काम करता हुआ दिखाई देता हो। उनके अन्दर तप यानी रियाजत और इखलास यानी निस्वार्थता होनी चाहिये, उनमें विद्या यानी इल्म और ज्ञान यानी इरफान होना चाहिये, तब ही वे पहले अपने अन्दर रहानी बराबरी (Equality), भाईचारा (Fraternity) और आजादी (Liberty) पैदा करके जनता को वह तालीम और वह नेक जानकारी दे सकेंगे जिससे जनता के अन्दर सच्ची बराबरी, सच्चा भाईचारा और सच्ची आजादी पैदा हो सके।

चीनी महात्मा लाओत्से ने अपनी किताब "ताओ तेह किंग" में लिखा है :—

"सब चीजें उसी एक परमात्मा से पैदा होती हैं, उससे सबको खराक मिलती है, उसी की शक्ति सबको रूप देती है, वही सबको कमाल तक पहुँचाती है, वही सबकी रक्षा करती है, उसके काम करने के ढंग से हमें तीन सबक मिलते हैं, अव्यल यह कि हम सब चीजें और सब तरह का माल पैदा करें लेकिन किसी चीज या किसी माल को अपना न समझें, दूसरा यह कि सब काम करें लेकिन अपनी खुदी को ऊपर आने न दें, और तीसरा यह कि सबको बढ़ावें पर किसी पर हावी होने की इच्छा न करें, परमात्मा सब चीजों को प्यार करता है और चलाता है पर आप कहीं दिखाई नहीं देता, न अपनी मिस्किन्त जताता है।"

ऊपर के शब्दों में हमारी बड़ी आत्मा का यानी हमारे उस आपे का जिसे हम इन्सान का बड़ा आपा कहते हैं पूरा बयान आ गया, जो लोग मुल्क में धन दौलत पैदा करें उनका फर्ज है कि धन दौलत पैदा करते हुए भी उसे अपनी

हों, सूरज का مطلب यही है कि हमारे अन्दर का ऊँचा 'स्व' यानी ऊँचा आपा हम सब पर राज करता हो, जो लोग अपने देश में ऐसा सच्चा स्वराज चाहते हैं और उसे कायम रखना चाहते हैं उनका पहला फर्ज यह है कि देश की सारी जनता के अन्दर सब मर्दों, औरतों, बड़ों और छोटों के अन्दर उस बड़ी आत्मा को जगावें ताकि सब सबके भले में ही अपना भला देखें, तब ही सचमुच सबका सुख मिल सकता है।

इस निक और जरूरी काम की शुरुआत हमें तालीम से ही करनी चाहिये, हमारी तालीमगाहें हमारे सब स्कूल और कॉलेज सचमुच 'देवालय' यानी 'खानए खुदा' होने चाहियें, तालीम से उतर कर यह जिम्मेवारी हमारे अखबारों पर है क्योंकि अखबार भी जनता की तालीम का एक बहुत बड़ा साधन है।

इस लक्ष्य को प्राप्त करने के लिए हमें तालीम का काम है, चाहे स्कूलों और कॉलेजों के अध्यापक और चाहे अखबारों के एडिटर, उनके लिये जरूरी है कि वे ऊँचे मानी में ईश्वर प्रेमी हों यानी यह कि उन्हें सबके अन्दर एक ही ईश्वर अल्लाह का जलवा काम करता हुआ दिखाई देता हो। उनके अन्दर तप यानी रियाजत और इखलास यानी निस्वार्थता होनी चाहिये, उनमें विद्या यानी इल्म और ज्ञान यानी इरफान होना चाहिये, तब ही वे पहले अपने अन्दर रहानी बराबरी (Equality), भाईचारा (Fraternity) और आजादी (Liberty) पैदा करके जनता को वह तालीम और वह नेक जानकारी दे सकेंगे जिससे जनता के अन्दर सच्ची बराबरी, सच्चा भाईचारा और सच्ची आजादी पैदा हो सके।

चीनी महान्ता लौत्से ने अपनी किताब "ताओ तेह किंग" में लिखा है :—

"सब चीजें उसी एक परमात्मा से पैदा होती हैं, उससे सबको खराक मिलती है, उसी की शक्ति सबको रूप देती है, वही सबको कमाल तक पहुँचाती है, वही सबकी रक्षा करती है, उसके काम करने के ढंग से हमें तीन सबक मिलते हैं, अव्यल यह कि हम सब चीजें और सब तरह का माल पैदा करें लेकिन किसी चीज या किसी माल को अपना न समझें, दूसरा यह कि सब काम करें लेकिन अपनी खुदी को ऊपर आने न दें, और तीसरा यह कि सबको बढ़ावें पर किसी पर हावी होने की इच्छा न करें, परमात्मा सब चीजों को प्यार करता है और चलाता है पर आप कहीं दिखाई नहीं देता, न अपनी मिस्किन्त जताता है।"

ऊपर के शब्दों में हमारी बड़ी आत्मा का यानी हमारे उस आपे का जिसे हम इन्सान का बड़ा आपा कहते हैं पूरा बयान आ गया, जो लोग मुल्क में धन दौलत पैदा करें उनका फर्ज है कि धन दौलत पैदा करते हुए भी उसे अपनी

اور زندگی کی ساری ضروری چیزیں اور آدمی کو آرام پہنچانے والی چیزیں سب میں برابر کی ہٹی ہوئی ہوں۔ سب کو سبھی رکھنے اور سب کو آرام پہنچانے میں ہی ہر ایک کے دل کو سب سے بڑی راحت ملے۔ اگر یہ بڑی آتما ہمارے راج کالج کو چلائے لگے تو کوئی آدمی اپنی پارٹی کے لئے کلم نہ کرے، سب سب کے لئے کلم کریں۔ جب ہمیں سب کا بھلا دیکھنا ہو، سب کے ساتھ نیٹھے کرتا ہو، سب کا ایک برابر ہت کرنا ہو تو پارٹیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ پارٹیاں وہیں بنتی ہیں جہاں یا تو ہمارے آرتھک ہمت ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوں اور یا ہمارے دھرم یا سمورادلے ایک دوسرے سے ٹکر لیتے ہوں۔ اسی طرح اگر ہماری دوکانوں، بازاروں، کارخانوں، واپار منڈیوں، پولیس چوکیوں، نوچوں، کچہریوں، میونسپلٹیوں، اسپتالوں، جہازوں اور ریلوں میں اور جہاں کہیں آدمیوں کو آدمیوں سے واسطہ پڑتا ہے اسی بڑی آتما کا راج ہو تو ہر جگہ سب لوگ ایمانداری سے، نرمی کے ساتھ، ہمدردی کے ساتھ اور سب کا بھلا چیتنے ہوئے اپنے اپنے فرائض کو ادا کریں۔ اگر یہ بڑی آتما عوامی قانون سنہڑوں میں قانون بنانے والوں کے اندر جاگی رہتی ہو تو ہمارے سب قانون نیک، دوراندیشی کے اور سب کا بھلا کرنے والے ہوں۔ تب ہم ہر قانون کے بنانے میں سب طبیعتوں اور سب پیشوں اور سب جماعتوں کے لوگوں کا ایک سا خیال رکھیں۔ ہماری یہ بڑی آتما بدی ہمارے بچوں کی تعلیم میں ہمارے ودوانوں اور ادھیاتیوں کی رہنمائی کر سکے تو نئی پڑھی کے لوگوں کو ٹھیک ٹھیک تعلیم مل سکے اور سب لوگوں کے سب کلم بہت جلدی درست ہو جاویں۔

جن لوگوں میں یہ بڑی آتما جاگ گئی ہے یعنی جنہوں نے سب کے اندر اپنے کو اور اپنے اندر سب کو اور کھٹ کھٹ میں سمائے ہوئے ایک آتما کو جان لیا ہے وہی بے غرض، بے لاگ، پروپکری، اور سچے سچے عقلمند ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے مرد اور عورت سب سے مان اور آدر پانے کے حقدار ہوتے ہیں۔ قدرتی طور پر سب ان پر بھروسہ کریں گے، وہی قوم کے سچے نمائندے ہوں گے، کیونکہ انسان کے اندر جو سب سے اچھے بھاء ہیں وہی ان کے اندر جاگے ہوئے ہوں گے۔ جہاں کہیں اور جس دیش میں بھی اس طرح کے آرنچے آدمی حکومت کریں گے، انتظام کریں گے، قانون بنائیں گے اور لوگوں کی رہنمائی کریں گے وہیں سچا رام راج سمجھنا چاہئے، وہیں حکومت الہی ہے کیونکہ وہاں نیکیوں اور نیکی کا راج ہے۔

یہ ضروری ہے کہ تعلیم کے اور قانون بنانے کے مہدانوں میں کم سے کم ان دو جگہ ایسی طرح کے لوگوں کا بول بالا ہو اور انہیں کی آواز پر سب چلیں

یہ ضروری ہے کہ تعلیم کے اور قانون بنانے کے مہدانوں میں کم سے کم ان دو جگہ ایسی طرح کے لوگوں کا بول بالا ہو اور انہیں کی آواز پر سب چلیں

डाक्टर भगवानदास

ڈاکٹر بھگوان داس

दुनिया की सब धार्मिक किताबों में इस धरती के ऊपर रामराज की स्थापना या आसमानी हकूमत या हकूमते इलाही के क्रायम होने की चर्चा की गई है, सच यह है कि आदमी के अन्दर दो आपे हैं, एक उसका छोटा आपा और दूसरा बड़ा आपा, छोटा आपा उस आदमी का आपा है जो अपने आपको अपने शक्सी वजूद तक मद्द्द समझता है, बड़ा आपा उस आदमी का आपा है जिसने दुनिया के सब लोगों के आपे के साथ अपने आपे की एकता को अनुभव कर लिया है, इस तरह के लोग ही अपने छोटे आपे को जीत कर सचमुच आत्म विजयी, अपने ऊपर क्रावू रखने वाले, नेक, परोपकारी, तजरबेकार और बुद्धिमान कहला सकते हैं, इस जमीन पर रामराज का मतलब इसी बड़े आपे का राज यानी उन लोगों का राज है जिनके अन्दर यह बड़ी आत्मा जाग चुकी है, यही सच्चा 'स्वराज' है, मनुस्मृति में लिखा है :—

सर्व भूतेषु चात्मानम्
सर्व भूतानि चात्मनि
समं पश्यन् आत्मयाजी
स्वराज्यं अधिगच्छति

—यानी जो आदमी सब प्राणियों के अन्दर अपनी आत्मा को और अपने अन्दर सब प्राणियों का एक बराबर देखता है और इस बड़ी आत्मा के लिये अपनी छोटी आत्मा को कुरबान कर देता है वही 'स्वराज' को हासिल करता है,

इस अन्दर के स्वराज से ही बाहर का स्वराज पैदा हो सकता है,

इस ऊपर की छोटी सी बात में सारी मानव समस्याओं, सब इन्सानि मुश्किलों का हल मौजूद है, और वही एक हल हो सकता है, अगर हमारे घरेलू जीवन में इसी बड़ी आत्मा का राज हो तो हमारा घरेलू जीवन सुख से भर जावे, तब दूसरों का सुखी रखना हमारा फर्ज हो जावे और प्रेम हमारा सबसे बड़ा उत्सूज, अगर यही बड़ी आत्मा आर्थिक मैदान में मानव समाज को चलाने लगे तो कोई आदमी अपनी खुदगारजी के लिये या लोभ में आकर अपने लिये धन जमा न करे, हर आदमी अपनी सारी धन संपत्ति को सबकी चीज समझे, उसे सबके भले के लिये खर्च करे

दुनिया की सब देहामक किताबों में इस धरती के ऊपर रामराज की स्थापना या आसमानी हकूमत या हकूमते इलाही के क्रायम होने की चर्चा की गई है, सच यह है कि आदमी के अन्दर दो आपे हैं, एक उसका छोटा आपा और दूसरा बड़ा आपा, छोटा आपा उस आदमी का आपा है जो अपने आपको अपने शक्सी वजूद तक मद्द्द समझता है, बड़ा आपा उस आदमी का आपा है जिसने दुनिया के सब लोगों के आपे के साथ अपने आपे की एकता को अनुभव कर लिया है, इस तरह के लोग ही अपने छोटे आपे को जीत कर सचमुच आत्म विजयी, अपने ऊपर क्रावू रखने वाले, नेक, परोपकारी, तजरबेकार और बुद्धिमान कहला सकते हैं, इस जमीन पर रामराज का मतलब इसी बड़े आपे का राज यानी उन लोगों का राज है जिनके अन्दर यह बड़ी आत्मा जाग चुकी है, यही सच्चा 'स्वराज' है, मनुस्मृति में लिखा है :—

सर्व भूतेषु चात्मानम्
सर्व भूतानि चात्मनि
समं पश्यन् आत्मयाजी
स्वराज्यं अधिगच्छति

—یعنی جو آدمی سب پرانیوں کے اندر اپنی آتما کو اور اپنے اندر سب پرانیوں کو ایک برابر دیکھتا ہے اور اس بڑی آتما کے لئے اپنی چھوٹی آتما کو قربان کردیتا ہے وہی 'سوراج' کو حاصل کرتا ہے,

اس اندر کے سوراج سے ہی باہر کا سوراج پیدا ہو سکتا ہے,

اس اوپر کی چھوٹی سی بات میں ساری مسائل، سب انسانی مشکلات کا حل موجود ہے، اور وہی ایک حل ہو سکتا ہے، اگر ہمارے گھریلو جہوں میں اسی بڑی آتما کا راج ہو تو ہمارا گھریلو جہوں سے بھر جائے، تب دوسروں کو سبھی رکھنا ہمارا فرض ہو جائے اور پریم ہمارا سب سے بڑا اصول، اگر یہی بڑی آتما آرتھک میدان میں مانو سماج کو چلانے لے تو کوئی آدمی اپنی خود غرضی کے لئے یا لوبہ میں آکر اپنے لئے دھن جمع نہ کرے، ہر آدمی اپنی ساری دھن سمیٹی کر سب کی چیز سمجھے، اسے سب کے ہلے کے لئے خرچ کرے

جس سے دیشوں کے آپسی سمبندھ ٹھیک ٹھیک رہ سکیں گے۔
پھر وشو میں تناؤ کم ہو جائیگا اور اس کی پوری آمید ہے کہ
یورپ اور پچھم کی باقی سمسیائیں آپسی بات چیت سے حل
ہوسکیں گی۔“

پنج شیل اُن سب مردوں، عورتوں اور بچوں کا سمرتھن
چاہتا ہے جو اپنا اور سب کا جیون سکھی بنانے کے لئے اپنے سے
اور شکتی کو لگانا چاہتے ہیں۔ یہ سدھانت بدی نکلا اُنکر
اشتریبہ سدھانت بنائے گئے تو وشو کی جنتا شانتی، سہیوگ،
درستی اور سکھ سے اپنا جیون بتا سکے گی۔

جس سے دیشوں کے آپسی سمبندھ ٹھیک ٹھیک رہ سکیں گے۔
پھر وشو میں تناؤ کم ہو جائیگا اور اس کی پوری آمید ہے کہ
یورپ اور پچھم کی باقی سمسیائیں آپسی بات چیت سے حل
ہوسکیں گی۔“

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

PRICE

BY PANDIT SUNDARLAL

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

”کچھ سامراجی طاقتوں نے اپنے آدھیں دیشوں کی جنتا کو شکشا اور سنسکرتی کے بنیادی ادھیکار دینے سے بھی انکار کر دیا ہے، جس سے اُن کے ویکتو (شخصیت) کے وکس میں رکاوٹ پڑتی ہے، اور جو ایشیا و افریقہ کی جنتا کے ہیج سانسکرتک سمبندھوں کو روکتا ہے۔“

اِس سیمین میں آرٹھک، سانسکرتک اور راجنئیتک وشیشوں پر ایک رائے سے پرستار پاس ہوئے ہیں ناٹہ ہوشیہ میں ہر میدان میں ایشیائی ادبیتی ملکوں کے سمبندھ قائم رہ سکیں اور بڑھیں۔

ایک اور فائدہ جو اِس بانڈونگ سیمین سے ہوا ہے وہ ہے آپسی غلط فہمیوں، شکوں اور من مٹاؤ کا کم ہونا اور ایک دوسرے کو سمجھنا، جو من مٹاؤ سامراج وادین کے ایشیائی ملکوں کے اندر پیدا کرنے سے وہ بڑی حد تک جاتے رہے۔ اِس کا سب سے سندھ ثروت پاکستان کے پردھان منڈری محمد علی کا تلکے کا 27 اپریل سن 1955 کا بیان ہے۔ اُنہوں نے تلکے میں پریس سمودانڈوں کے سامنے کہا:—

”چین کے پردھان منتری چاؤ - این - لائی سے ملانے کے بعد میں نے اُن کے بارے میں اپنا وچار بدل دیا ہے..... چاؤ این - لائی مجھے بہت پریہ ہیں۔ اُن کی امن پسندی پر اور دنیا کی سمسیاؤں کو شانتی پرورک سمجھوتے کے ساتھ سلجھانے کی اُن کی ہارڈک اچھا پر مجھے پورا وشواس شوکھا ہے۔“

شوی نہرو نے اِس سیمین کی سبھلتا پر بولتے ہوئے کہا:—

”ایشیائی ادبیتی سیمین نے جو ایکٹا حاصل کی اُس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ایک انوکھا سیمین تھا۔“

پنجشلی اور دنیا کا امن

شوی نہرو نے اِس سیمین کی سبھلتا پر بولتے ہوئے کہا:—

”ایشیائی ادبیتی سیمین نے جو ایکٹا حاصل کی اُس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ایک انوکھا سیمین تھا۔“

پنجشلی بہترین انسانیت اور اُونچے وچاروں کی اُجھ ہے۔ ویسے بھی یہ سدھانت اُن دیشوں میں سمبندھ قائم کرتے ہیں جن میں منشاء جاتی کی ادھکتر آبادی رہتی ہے۔ ہم جو اُن سدھانتوں کا پرچار کرتے ہیں یہ مانتے ہیں کہ اُن کا اثر ہماری سیما سے بھی پرے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پکی بات ہے کہ اُن سدھانتوں کو منظور کرنے والوں اور اُن پر چلنے والوں کی تعداد لگانا بڑھتی جاتی ہے۔ اِس کے لئے ہر امن پسند آدمی کو سچی کوشش کرنی چاہئے۔

”یہی سب انہیں مان لیں تو اُن پانچ سدھانتوں کو بہت سے سوال طے کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکے گا

”کچھ سامراجی طاقتوں نے اپنے آدھیں دیشوں کی جنتا کو شکشا اور سنسکرتی کے بنیادی ادھیکار دینے سے بھی انکار کر دیا ہے، جس سے اُن کے ویکتو (شخصیت) کے وکس میں رکاوٹ پڑتی ہے، اور جو ایشیا و افریقہ کی جنتا کے ہیج سانسکرتک سمبندھوں کو روکتا ہے۔“

اِس سیمین میں آرٹھک، سانسکرتک اور راجنئیتک وشیشوں پر ایک رائے سے پرستار پاس ہوئے ہیں ناٹہ ہوشیہ میں ہر میدان میں ایشیائی ادبیتی ملکوں کے سمبندھ قائم رہ سکیں اور بڑھیں۔

ایک اور فائدہ جو اِس بانڈونگ سیمین سے ہوا ہے وہ ہے آپسی غلط فہمیوں، شکوں اور من مٹاؤ کا کم ہونا اور ایک دوسرے کو سمجھنا، جو من مٹاؤ سامراج وادین کے ایشیائی ملکوں کے اندر پیدا کرنے سے وہ بڑی حد تک جاتے رہے۔ اِس کا سب سے سندھ ثروت پاکستان کے پردھان منڈری محمد علی کا تلکے کا 27 اپریل سن 1955 کا بیان ہے۔ اُنہوں نے تلکے میں پریس سمودانڈوں کے سامنے کہا:—

”چین کے پردھان منتری چاؤ - این - لائی سے ملانے کے بعد میں نے اُن کے بارے میں اپنا وچار بدل دیا ہے..... چاؤ این - لائی مجھے بہت پریہ ہیں۔ اُن کی امن پسندی پر اور دنیا کی سمسیاؤں کو شانتی پرورک سمجھوتے کے ساتھ سلجھانے کی اُن کی ہارڈک اچھا پر مجھے پورا وشواس شوکھا ہے۔“

شوی نہرو نے اِس سیمین کی سبھلتا پر بولتے ہوئے کہا:—

”ایشیائی ادبیتی سیمین نے جو ایکٹا حاصل کی اُس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ یہ ایک انوکھا سیمین تھا۔“

پنج شیل اور دنیا کا امن

جن رادی چین کی اُپ پردھان میڈم سونگ - چنگ - لنگ (شریمتی سن - یات - سن) نے پنج شیل کا مہم بتاتے ہوئے ایک لیکچر میں کہا ہے:—

”پنج شیل بہترین انسانیت اور اُونچے وچاروں کی اُجھ ہے۔ ویسے بھی یہ سدھانت اُن دیشوں میں سمبندھ قائم کرتے ہیں جن میں منشاء جاتی کی ادھکتر آبادی رہتی ہے۔ ہم جو اُن سدھانتوں کا پرچار کرتے ہیں یہ مانتے ہیں کہ اُن کا اثر ہماری سیما سے بھی پرے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پکی بات ہے کہ اُن سدھانتوں کو منظور کرنے والوں اور اُن پر چلنے والوں کی تعداد لگانا بڑھتی جاتی ہے۔ اِس کے لئے ہر امن پسند آدمی کو سچی کوشش کرنی چاہئے۔

”یہی سب انہیں مان لیں تو اُن پانچ سدھانتوں کو بہت سے سوال طے کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکے گا

میں بھی اپنے ایجنٹ بھیج کر کانفرنس کو آسپہل بنانے کا ہوسک پرتین کیا تھا ۔

پردھان منتری چاؤ-پن-لارڈ نے اس کانفرنس میں بولتے ہوئے کہا :—”شری نہرو سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ بریتین کے پرنسپل منتری سر اینتھنی آڈن کو شانتی پورک سانہ سانہ رہنے کے یہ پانچ سدھانت منظور ہیں ۔ بدی یہ سچ ہے تو میں انکالڈن کے ساتھ بھی سنیکیت بیان پر ویسے ہی دستخط کرنے کو تیار ہوں جیسے میں نے ہندستان اور برہما کے ساتھ کئے ہیں ۔“

امریکی سامراج وادیوں کی دست اندازی کے باوجود ہانڈونگ کانفرنس پوری طرح کامیاب ہوئی اور سامراج وادیوں کو وہاں ایک زبردست دھکا پہونچا ۔

ہانڈونگ سمیلن کے بعد 29 دیشوں کا ایک مت سے جو اعلان نکلا اُس میں پنچ شیل کے یہ پانچوں اصول پوری طرح شامل اور سوئکار کر لے گئے ہیں ۔ یہ اعلان دنیا کے سب اخباروں میں چھپ چکا ہے ۔

چین کے پردھان منتری چاؤ - این - لائی نے ہانڈونگ سمیلن سے واپس آکر جاکارتا میں کہا کہ ہانڈونگ سمیلن کا اعلان پنچ شیل کا ہی نیا ایڈیشن ہے ۔

30 اپریل کو بھارت کی پارلیمنٹ میں ہانڈونگ کانفرنس پر بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا :—

”ہانڈونگ میں ویرش شانتی اور سہیوگ پر جو اعلان نکلا ہے اُس میں ہمیں پانچ شیل کے پانچوں اصول پوری طرح شامل ملتے ہیں اور اُن کے علاوہ نہضت ملتی ہے جو اُن پانچوں اصولوں کو اور زیادہ مضبوط کردیتی ہے..... ہمیں خوش ہونے کے لئے کافی وجہ ہے کہ ہانڈونگ کانفرنس نے جس میں دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی کے نمائندے شامل تھے، یہ اعلان کر دیا ہے کہ اگر دنیا میں امن قائم رکھنا ہے اور راشٹروں راشٹروں کے بیچ سہیوگ حاصل کرنا ہے تو دنیا کے دیشوں کے آپسی سمبندھ انہیں اصولوں پر قائم ہونے چاہئیں ۔“

اُس سمیلن میں سب سے بڑی جیت ایکتا کی ہوئی ۔ سبھی ایشیائی افریقی ملکوں کے پرنسپل منتریوں نے سب پرستاروں کو ایک رائے سے پاس کیا ۔

اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

اُس میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

اُس میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

اُس میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

اُس میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

اُس میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کے خلاف پرستار سامراج وادیوں کے لئے ایک زبردست چٹوٹی ہے ۔ اُس پرستار میں کہا گیا ہے :—

”ایشیا اور افریقہ کے ملکوں کا یہ سمیلن اُس سچائی کو سونھار کرنا ہے کہ ایشیا کے بہت سے حصوں میں اُنیوینش واد (دوسروں کی غلامی) کی موجودگی، چاہے جس شکل میں ہو، نہ کھول ہمارے سانسکرتک سہیوگ کو روکتی ہے بلکہ وہاں کی چٹنا کی راشٹریہ سنسکرتیوں کو بھی کچلتی ہے ۔

के बाद मैंने देखा कि चाउ-नेहरू के संयुक्त बयान पर जापानी जनता में इतना जोश था कि मैं उसे बयान नहीं कर सकता. सब देशों के नर नारी आज भारत चीन की दोस्ती और पञ्चशील को अमन की एक मात्र उम्मीद समझते हैं."

कलकत्ते की हिन्दू चीन मैत्री कान्फ्ररेन्स

21 अप्रैल से 24 अप्रैल सन 1955 तक कलकत्ते में भारत-चीन मैत्री संघ की एक कुल-हिन्दू कान्फरेन्स हुई थी जिसमें पीकिंग के चीन-भारत मैत्री संघ की तरफ से भी एक प्रतिनिधि मंडल आया था और दिल्ली के चीनी राजदूत जनरल यू-चांग ने भी हिस्सा लिया था। कलकत्ते की उस भारत-चीन मैत्री कान्फरेन्स ने भी पञ्चशील के पांचों सिद्धान्तों को दुनिया के सब देशों के भिलकर शान्तिपूर्वक रहने का आचार ऐजान किया, और इन्हीं की रोशनी में दिल्ली की एशियाई कान्फरेन्स की तरह अमरीका से मांग की कि वह अपनी जौजै ताइवान (फारमूसा) से हटा ले और ताइवान को जनवादी चीन के हवाले कर दे। कलकत्ता कान्फरेन्स ने यह भी पास किया कि क्या-काई-शेक के नुमाइन्दे को चीन के नाम पर यू० एन० ऑ० में बैठने का कोई हक नहीं है और उसे वहां से हटाकर जनवादी चीन के नुमाइन्दे को उसकी जगह दी जानी चाहिये, और कोई देश किसी दूसरे देश के अन्दर के मामलों में दखल न दे।

बाडिंग एशियाई अक्रीकी कान्फरेन्स

18 अपरैल से 24 अपरैल तक के एशियाई अफ़रीकी बांडुंग सम्मेलन में इन्डोनेशिया के प्रधान मंत्री ने 'पंचशील' का समर्थन करते हुए कहा :—

“पञ्चशूल” की यह आलोचना की जाती है कि संयुक्त राष्ट्र संघ के घोषणा-पत्र (एलान) में ये सब सिद्धान्त आगए, इसलिये इसकी कोई अलग आवश्यकता नहीं है, या फिर ये घोषणा-पत्र के अनुसार नहीं हैं.....यह भी कहा जाता है कि ये कम्यूनिस्टों की उपज हैं. पर ये सिद्धान्त हम सब से गहरा सम्बन्ध रखते हैं. दुर्भाग्य से इन सिद्धान्तों के बारे में बहुत सी ग़लतफ़हमियाँ हैं. यह इसलिये हैं क्योंकि ये सिद्धान्त एशिया और अफ़्रीका के उन नेताओं ने निकाले हैं जिनको अभी तक असलियत से परे सपनों की दुनिया में बसने वाले कहा जाता है. असलियत से परे सपनों की दुनिया में बसने वाले कौन हैं ? क्या वे लोग हैं जो इन सिद्धान्तों पर विश्वास करते हैं, या वे लोग हैं जो इस तरह के मायाजाल को फैलाते हैं कि ऐटम और हाइड्रोजन बम ही दुनिया में शान्ति कायम कर सकते हैं ?”

जाहिर है कि इन सिद्धान्तों के खिलाफ वही साम्राज-वादी हैं जो ऐटम और हाइड्रोजन बम की दौड़ में दुनिया को तबाह करना चाहते हैं, और जिन्होंने इस बाबुंग सम्मेलन

کے بعد میں نے دیکھا کہ چار نوروں کے سنیکٹ بیان پر جاہلی جنتا میں اتنا جوش تھا کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ سب دشوں کے نرنمای آج تجارت چوں کی درستی اور بھج شیل کو امن کی ایک ہاتھ آمین سمجھتے ہیں۔“

دلالت کی ہند چہن میتی گائرنس

21 اپریل سے 24 اپریل سن 1975 تک کالٹے میں بھارت چین میٹری سٹو کی ایک کل - بغداد کانفرنس عبوی قبی جس میں بھنگ کے چین - بھارت میٹرو سٹو کی طرف سے بی ایک پروفیڈھی منزل آیا تھا اور دلی کے چینی راجدوت جنرل یو- آنک نے بھی حصہ لیا تھا۔ کالٹے کی اس بھارت - چین میٹری کانفرنس نے بھی پنچ شیل کے ہانسچین سدماستوں کو دنیا کے سب دیشوں کے ملکر شانتی ہو، یک رفیع کا اعلان کیا، اور انہیں کی روشنی میں دلی کی ایشیائی کانفرنس کی طرح امریکہ سے متانگ کی کہ وہ اپنی فوجیں تائیوان (ہارموس) سے ہٹے اور تائیوان کو اپنی چین کے حواء کر دے۔ کالٹے کانفرنس نے یہ بھی پاس کیا کہ چین کالی شیک کے نمائندے کو چین کے نام پر یو- این-او- چین بقیقہ کا کوئی حق نہیں ہے اور کہ وہ رعایا سے چھڑ جائے، اسی چین کے نمائندے کو اس کی جگہ دی جائے چھڑنے، اور کوئی دیش کسی دوسرے دیش کے اندر کے معاملوں میں دخل نہ دے۔

باندونگ ایشیائی افریقی کانفرنس

18 اپریل سے 24 اپریل تک کے ایشیائی انٹرویٹی باندھونگ
سمیلیں میں انڈونیشیا کے پردیسان منتری نے 'پنچ شیل' کا سموتوں
کے دھوئے کہا :—

”بیچ شیل کی یہ آلوچنا کی جانی تھے کہ سفیقت راشدر سنگ کے گوشاپتر (اٹلن) میں یہ سب سدھانت آئے، اس لئے اس کی کوئی الگ آرشٹنا نہیں تھی۔ یا پھر یہ گوشاپتر کے انوسار نہیں تھیں..... یہ بنی کہا جاتا ہے کہ یہ کیونستوں کی آچھ تھیں۔ یہ بڑے سدھانت نام سب سے گہرا سمجھ رکھتے تھیں۔ دیکھا کہ یہ سے ان سدھانتوں کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں تھیں۔ یہ اس لئے تھیں کیونکہ یہ سدھانت ایشیا اور افریقہ کے اُن نیٹائوں نے نکالے تھیں جن کو ابھی تک اصلیت سے پرے سٹھوں کی دنیا میں بسنے والے کہا جاتا ہے۔ اصلیت سے پرے سٹھوں کی دنیا میں بسنے والے کون تھے؟ کیا یہ لوگ تھیں جو اُن سدھانتوں پر ورشاس کرتے تھیں؟ یا وہ لوگ تھیں جو اس طرح کے مایا جال کو پھیلانے تھے کہ ایتھم اور سائدرجن ہم ہی دنیا میں شانتی قائم کرسکتے تھیں؟“

ظاہر ہے کہ ان سدھانتوں کے خلاف وحی ساراج وادی
ہیں جو ایٹم اور ہائڈروجن بم کی درز میں دنیا کو تباہ
کرنا چاہتے ہیں اور جنہوں نے اِس باندھننگ سمیٹیں

رہے ہیں۔ اسی لئے وشو شانتی پریشد، کل بھارت شانتی پریشد اور ہر دیہ میں وہاں کی مقامی شانتی پریشد سب نے لگانا ان سدھانتوں کا پرچار کیا ہے۔ وشو شانتی پریشد کے قائم ہونے کے سبب پریشد کے پریسیڈنٹ پروفیسر جولیو کیوری نے نیچے لکھے سدھانتوں پر شانتی آندولن کی روپ دیکھا قائم کی تھی:—

(1) وشو یعنی دنیا میں ایک ایک سامراجک ویسٹہاؤس والے دیہ شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہ سکتے ہیں۔

(2) رائیوں کے بیچ سب متبہید آپسی بات چیت اور سمجھوتے سے اور سب کی منظوری سے طے ہونے چاہئے۔

(3) کسی بھی دیہ کے اندر کے معاملے اور متبہید کیوں وہاں کے لوگوں کے گردلو معاملے ہیں جن میں کسی باہر والے کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔

وشو شانتی آندولن کے شروع سے ہی وشو شانتی پریشد نے ان سدھانتوں کے پرچار اور منظوری کے لئے دنیا بھر میں آندولن کیا۔ یہ سدھانت پانچ شیل سے ملتے جلتے ہیں۔

وشو شانتی آندولن نے سب دیہوں کی مکمل آزادی اور انہن کی رکشا کے لئے آواز اٹھائی۔ اس نے کسی دیہ پر کسی دوسرے دیہ کے حملے کا ہمیشہ وردہ کیا۔

وشو شانتی آندولن نے ایسی تمام سدھانتیں اور گٹ بندنیوں کا ہمیشہ وردہ کیا جو ایک طاقتور راشٹر دباؤ دال کر یا دھمکی دے کر دوسرے راشٹروں پر اپنا راج ٹیک آرتھک یا فوجی اثر قائم کرنے کے لئے کرنا چاہتا ہے۔

کل بھارت شانتی پریشد نے ان سدھانتوں کو پورے بھارت میں جڈتا تک پہنچانے کے لئے لگانا کام کیا ہے۔

کل بھارت شانتی پریشد ایقہ اور ہائڈروجن بموں کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھاتی رہی ہے اور ان ہنسک ہتھیاروں کے بند کرانے کے لئے لاہوں کی تعداد میں جڈتا سے دستخط کرانی رہی ہے۔

وشو شانتی پریشد نے اپنی نومبر 1954 کی بیٹک میں چؤ - نہرو کے ان پانچ سدھانتوں کا پوری طرح سمرتھن کیا اور دیہ دیہ میں اس کا پرچار کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

جاپان کی شانتی پریشد کے پریسیڈنٹ پروسد دیہ بھکت پروفیسر اکیو - اواما (Prof. Ikuo-Oyama) نے کہا ہے:—

”جاپان کی جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

راہ میں جڈتا نے پانچ شیل کو اشیا کی شانتی اور وشو شانتی اور سرکشا کی ایک روشنی کے روپ میں سوئکار کر لیا ہے۔ کئی ہفتہ پورے جاپان کا دورہ کرتے

سंयुक्त राष्ट्र संघ में बैठने का च्यांग-काई-शेक के नुमाइन्दे को कोई हक नहीं है, उसे वहां से हटाकर जनवादी चीन के संरूपे नुमाइन्दे को उसकी जगह दी जानी चाहिए, फिलिस्तीन में अरबों के साथ जुलूम और उनके देश में गैरों की मदा-खलत बन्द होनी चाहिए, वगैरा वगैरा.

विल्ली के इस एशियाई सम्मेलन में पूरबी बंगाल के संयुक्त मोर्चे और पाकिस्तानी प्रतिनिधि मंडल के नेता मौलाना भाशानी ने कहा था :—

“मेरी मातृ-भूमि के हाकिम ‘इन्सुवन पूरबी एशियाई सुरक्षा संस्था (S. E. A. D. O.)’ में शामिल हो गये हैं जिसकी एशिया के अधिकतर मुल्कों ने निन्दा की है. साम्राजवादी जहां भी युद्ध का जाल फैलाते हैं चाहे वह फ्रौजी समझौता हो या गठबंधन, वहां जनतंत्र का चिरारा बुझ जाता है और युद्ध का खतरा बढ़ जाता है.

“एशिया के देश युद्ध नहीं चाहते. युद्ध की नीति और इनसानी खुराहाली साथ साथ नहीं चल सकती. आपको इन दोनों में से एक को चुनना पड़ेगा. क्या ही अच्छा हो कि मेरा देश पाकिस्तान पंचशील को स्वीकार करले. यदि मेरा देश पंचशील को मान ले तो मैं आसानी से कल्पना कर सकता हूँ कि भारत और पाकिस्तान के सब झगड़े जो अभी तक नहीं सुलभ बहुत जल्दी सुलभ जाएंगे.

“मैं आशा करता हूँ कि आपामी एशियाई अकरीकी बांडुंग कान्फरेंस (18 से 24 अप्रैल सन 1955) में आने वाले सब राष्ट्र पंचशील के उसूलों को स्वीकार कर लेंगे. मैं यह भी उम्मीद करता हूँ कि एशिया और अकरीका के देश पंचशील को कारामद बनाने के लिए आवश्यक कदम उठाएंगे.”

इसी एशियाई सम्मेलन में बोलते हुए जनवादी चीन के वाइस चेयरमैन को-मो-जो ने कहा था :—

“चीन की जनता को इस बात का अभिमान है कि सब राष्ट्रों के शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों की पहल कदमी करने वाले दो मुल्कों में से एक चीन है. हमारी यह हार्दिक इच्छा है कि साथ साथ मिलकर रहने की बुनियाद पर एशिया और तमाम दुनिया के मुल्कों से हम प्रेम कायम करें. हम पूरी तरह विश्वास करते हैं कि पंचशील के सिद्धान्तों पर ही अन्तर्राष्ट्रीय संबंधों को ठीक ठीक कायम किया जा सकता है और मजबूती के साथ आगे बढ़ाया जा सकता है. पर कुछ देशों के शासक शांति पूर्वक साथ साथ रहने के बिलकुल खिलाफ हैं. अमरीकी राज मंत्री जान फोस्टर बलेस को इसमें भी ‘एक नई चाल’ और ‘खतरा’ दिखाई देता है.”

विश्व शान्ति आन्दोलन

पंचशील और विश्व शांति दोनों एक ही तस्वीर के दो

सलिकत राश्ट्र संघ में بیٹنے کا چیانگ کائی شیو کے نمائندے کو کوئی حق نہیں ہے، اُسے وہاں سے ہٹا کر جن وادی چین کے سچے نمائندے کو اُس کی جگہ دی جانی چاہئے، فلسطین میں عربوں کے ساتھ ظلم اور اُن کے دیس میں غیروں کی مداخلت بند ہوئی چاہئے، وغیرہ وغیرہ.

دلی کے اِس ایشیائی سمیلن میں پوری بنگال کے سلیکٹ مورچے اور پاکستانی پوتیندھی، مڈل کے نہتا مولانا بیہاشانی نے کہا تھا :—

”موری ماتریمی کے حاکم ‘ڈکن پوری ایشیائی سرکشا سنسٹیا (S.E.A.D.O.)’ میں شامل ہو گئے ہیں جس کی ایشاکے ادھکتر ملکوں نے نندا کی ہے. سامراج وادی جہاں بھی یدھ کا جال بپلائے ہیں چاہے وہ فوجی سمجھوتہ ہو یا گٹھ بندھن، وہاں جن تنتر کا چراغ بجے جاتا ہے اور یدھ کا خطروہ بڑھ جاتا ہے.

”ایشیا کے دیس یدھ نہیں چاہتے. یدھ کی نہتی اور انسانی خوشحالی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی. آپ کو ان دوتوں میں سے ایک کو چننا پڑیگا. کیا ہی اچھا ہو کہ میرا دیس پاکستان پنج شیل کو سوئکار کرلے. یدی میرا دیس پنج شیل کو مان لے تو میں آسانی سے کلپنا کر سکتا ہوں کہ بھارت اور پاکستان کے سب جیکڑے جو ابھی تک نہیں سلجھے بہت جلدی سلجھ جائیں گے.

”میں آشا کرتا ہوں کہ آگمی ایشیائی اڈریقی بانڈونگ کانفرنس (18 سے 24 اپریل سن 1955) میں آنے والے سب راشٹر پنج شیل کے اصراوں کو سوئکار کرلیں گے. میں یہ بھی امید کرتا ہوں کہ ایشیا اور اڈریقی کے دیس پنج شیل کو کارآمد بنانے کے لئے آرشیف قدم اٹھائیں گے.”

اِسی ایشیائی سمیلن میں بولتے ہوئے جن وادی چین کے وائس چیئرمین کو- مو- جو نے کہا تھا :—

”چین کی جنتا کو اِس بات کا ابھیمان ہے کہ سب راشٹروں کے شانتی پوروک ساتھ ساتھ چانچ سدھانتوں کی پہل قدمی کرلے والے دو ملکوں میں سے ایک چین ہے. ہماری یہ ہارڈک اچھا ہے کہ ساتھ ساتھ ماکر رہنے کی بنیاد پر ایشیا اور تمام دنیا کے ملکوں سے ہم پریم قائم کریں. ہم پوری طرح وشولس کرتے ہیں کہ پنج شیل کے سدھانتوں پر ہی انتر راشٹریہ سمبندھوں کو ٹھیک ٹھیک قائم کیا جاسکتا ہے اور مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکتا ہے. پر کچھ دیسوں کے شاسک شانتی پوروک ساتھ ساتھ رہنے کے بالکل خلاف ہیں. امریکی راج مڈروی جان فوسٹر دلس کو اِس میں بھی ‘ایک نئی چال’ اور خطروہ’ دکھائی دیتا ہے.”

وشوشانتی آندولن

پنج شیل اور وشوشانتی دونوں ایک ہی تصویر کے دو

سیّدانوں کی ہر سکر ساراہنا کی ہے۔ لندن کے پتر ”ڈیلی ہیرالڈ“ نے لکھا ہے:— ”ایٹھاس 1954 کا سال چاڈ-نہر کی دلیلی بات بیت کے لیے سدا یاد کیا جانیگا۔“ ایسی طرح انڈونیشیا، برہما، جاپان، بھاداد جیسی انیک جگہوں کے اخیاروں نے اپنے اپنے سماجی لیکھوں میں پنچ شیل کی پرشسا کی ہے۔ روس کے دینک پتر ”برادرا“ نے لکھا ہے:— ”اس مہں کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے اچھے پانچ سدھانت بدی ایشیا اور دوسرے ملکوں نے اپنالے تو بدھ کا خطورہ کم ہو جائیگا، انکر راشقوبہ تناؤ کم کرنے میں مدد ملے گی اور ملکوں ملکوں کے بیچ ملکر رھنے اور ملکر کم کرنے کی سدھاؤنا بڑھ جائیگی۔“

شری نہر نے بڑے زوردار شہوں مہں کہا تھا:—

”انترراشتریی سامسایاؤں کو شانتی کے ساٹھ سولہانے کی باہنا رخنہ والا ایسا کوئی راٹ نہی جو ان پانچ سیّدانوں سے سہمت نہ ہو۔ آج سنسار میں دقتیں اس لئے پیدا ہو گئی ہیں کیونکہ ایک دیش دوسرے دیش پر حکومت کرنا ہے اور ایک دوسرے کے معاملوں مہں دستاندازی کی جاتی ہے۔“

پراہان منتری چاڈ-پن-لارڈ نے پنچشیل پر بولتے ہر کہا تا:—

”ان پانچ سیّدانوں کے آہار پر دنییا کے تمام راٹ شانتیپربک ساٹھ ساٹھ رھ سکتے ہں؛ چاہے وہ سولک ڈوٹے ہوں یا بڑے، بولبان ہوں یا کمزور، اور انکی چاہے کوڈ بھی ساماجیک وکسٹھا ہو۔ ہر راٹ کی جناتا کی کسری آہادی اور ساد کسلسے کے اخیکار کا ہمیں آادر کرنا چاہیے۔ یادی دنییا کے سب راٹ ان سیّدانوں کی بونیاد پر اپنے سبب کاام کر لے تو کوئی دوسرے پر ہملا نہی کر سکےگا، اور دنییا کے سب راٹ سب سب شانتی سے ساٹھ ساٹھ رھنے لگے۔“

دلیلی کی ایشیائی کانفرنس

6 اپریل سے 10 اپریل 1955 تک دلیلی مہں ایک بڑی رور سکراری ایشیائی کانفرنس ہرڈی تھی جس مہں ہارت، پاکستان، لکا، برما، ہند-چین، انڈونیشیا، چین، کوریا، جاپان، ایشیائی روس، سیریا اور دوسرے ارب دسوں کو ملاکر 18 دیشوں کے 200 نوماہندوں نے ہسسا لیا تا۔ کانفرنس نے ایک رای سے یہ تاجبیز پاس کی کی دنییا کے اور آاس کر ایشیا کے سب دسوں کے آپسی سبب پنچشیل کے پانچ سونہرے اسولوں پر ہی قائم ہونے چاہئیں۔ پنچ شیل کے ان اسولوں کی روشنی مہں ہی کانفرنس نے اس طرح کے پرستار بھی پاس کئے کہ ہند چین میں ہلے دیش کی دستاندازی بند ہونی چاہئے، تائوان (فارموسا) سے امریکہ کو اپنا جہازی ہیزا اور اپنی فوجیں ہٹا کر فائی، ان اور آس پاس کے سب تاپو جن وادی چین کے حوالے کر دینے چاہئیں، چین کی طرف سے

سدھانتوں کی ہر سکر ساراہنا کی ہے۔ لندن کے پتر ”ڈیلی ہیرالڈ“ نے لکھا ہے:— ”ایٹھاس میں 1954 کا سال چاڈ نہر کی دلی بات چیت کے لئے سدا یاد کیا جائیگا۔“ ایسی طرح انڈونیشیا، برہما، جاپان، بھاداد جیسی انیک جگہوں کے اخیاروں نے اپنے اپنے سماجی لیکھوں میں پنچ شیل کی پرشسا کی ہے۔ روس کے دینک پتر ”برادرا“ نے لکھا ہے:— ”اس مہں کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے اچھے پانچ سدھانت بدی ایشیا اور دوسرے ملکوں نے اپنالے تو بدھ کا خطورہ کم ہو جائیگا، انکر راشقوبہ تناؤ کم کرنے میں مدد ملے گی اور ملکوں کے بیچ ملکر رھنے اور ملکر کم کرنے کی سدھاؤنا بڑھ جائیگی۔“

شری نہر نے بڑے زوردار شہوں مہں کہا تھا:—

”ان پانچ سدھانتوں کے آہار پر دنیا کے تمام راٹ شانتی پورک سانے ساٹھ رھ سکتے ہیں، چاہے وہ ملک چھوٹے ہوں یا بڑے، بولبان ہوں یا کمزور، اور ان کی چاہے کچھ بھی ساماجک دیوستھا ہو۔ ہر راٹ کی جنتا کی قومی آزادی اور خود فیصلے کے ادھکار کا ہمیں آدر کرنا چاہئے۔ بدی دنیا کے سب راٹ ان سدھانتوں کی بنیاد پر اپنے سبب قائم کر لیں تو کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کر سکےگا، اور دنیا کے سب راٹ سب سب شانتی سے سانے ساٹھ رھنے لگیں گے۔“

دلی کی ایشیائی کانفرنس

4 اپریل سے 10 اپریل 1955 تک دلی میں ایک بہت بڑی غیر سرکاری ایشیائی کانفرنس ہوئی تھی جس میں بھارت، پاکستان، لکا، برہما، ہند چین، انڈونیشیا، چین، کوریا، جاپان، ایشیائی روس، سیریا اور دوسرے عرب دیشوں کو ملاکر 18 دیشوں کے 200 نمائندوں نے حصہ لیا تھا۔ کانفرنس نے ایک رائے سے یہ تجویز پاس کی کہ دنیا کے اور خاص کر ایشیا کے سب دیشوں کے آپسی سمبندہ پنچ شیل کے پانچ سنہرے اصولوں پر ہی قائم ہونے چاہئیں۔ پنچ شیل کے ان اصولوں کی روشنی میں ہی کانفرنس نے اس طرح کے پرستار بھی پاس کئے کہ ہند چین میں ہلے دیش کی دستاندازی بند ہونی چاہئے، تائوان (فارموسا) سے امریکہ کو اپنا جہازی ہیزا اور اپنی فوجیں ہٹا کر فائی، ان اور آس پاس کے سب تاپو جن وادی چین کے حوالے کر دینے چاہئیں، چین کی طرف سے

سंयुक्त राष्ट्र संघ में बैठने का क्यांग-काई-शेक के नुमाइन्दे को कोई हक नहीं है, उसे वहां से हटाकर जनवादी चीन के सच्चे नुमाइन्दे को उसकी जगह दी जानी चाहिए, फिलिस्तीन में अरबों के साथ जुलूम और उनके देश में तैरों की मदा-खलत बन्द होनी चाहिए, वगैरा वगैरा.

दिल्ली के इस एशियाई सम्मेलन में पूरबी बंगाल के संयुक्त मोर्चे और पाकिस्तानी प्रतिनिधि मंडल के नेता मौलाना भाशानी ने कहा था :—

‘मेरी मातृ-भूमि के हाकिम ‘क्विनन पूरबी एशियाई सुरक्षा संस्था (S. E. A. D. O.)’ में शामिल हो गये हैं जिसकी एशिया के अधिकतर मुल्कों ने निन्दा की है. साम्राजवादी जहां भी युद्ध का जाल फैलाते हैं चाहे वह फ्रोंजी समझौता हो या गठबंधन, वहां जनतंत्र का चिरारा बुझ जाता है और युद्ध का खतरा बढ़ जाता है.

“एशिया के देश युद्ध नहीं चाहते. युद्ध की नीति और इनसानी खुराहाली साथ साथ नहीं चल सकती. आपको इन दोनों में से एक को चुनना पड़ेगा. क्या ही अच्छा हो कि मेरा देश पाकिस्तान पंचशील को स्वीकार करले. यदि मेरा देश पंचशील को मान ले तो मैं आसानी से कल्पना कर सकता हूँ कि भारत और पाकिस्तान के सब झगड़े जो अभी तक नहीं सुलभ बहुत जल्दी सुलभ जाएंगे.

“मैं आशा करता हूँ कि आगामी एशियाई अकरीकी बांडुंग कान्फरेंस (18 से 24 अप्रैल सन 1955) में आने वाले सब राष्ट्र पंचशील के उसूलों को स्वीकार कर लेंगे. मैं यह भी उम्मीद करता हूँ कि एशिया और अकरीका के देश पंचशील को कारामद बनाने के लिए आवश्यक कदम उठाएंगे.”

इसी एशियाई सम्मेलन में बोलते हुए जनवादी चीन के वाइस चैयरमैन को-मो-जो ने कहा था :—

“चीन की जनता को इस बात का अभिमान है कि सब राष्ट्रों के शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों की पहल कदमी करने वाले दो मुल्कों में से एक चीन है. हमारी यह हार्दिक इच्छा है कि साथ साथ मिलकर रहने की बुनियाद पर एशिया और तमाम दुनिया के मुल्कों से हम प्रेम कायम करें. हम पूरी तरह विश्वास करते हैं कि पंचशील के सिद्धान्तों पर ही अन्तर्राष्ट्रीय संबंधों को ठीक ठीक कायम किया जा सकता है और मजबूती के साथ आगे बढ़ाया जा सकता है. पर कुछ देशों के शासक शांति पूर्वक साथ साथ रहने के बिल्कुल खिलाफ हैं. अमरीकी राज मंत्री जान फोस्टर डलेस को इसमें भी ‘एक नई चाल’ और ‘खतरा’ दिखाई देता है.”

विश्व शान्ति आन्दोलन

पंचशील और विश्व शांति दोनों एक ही तसवीर के दो

स्लोक, राश्ट्र संघ में बैठने का क्यांग-काई-शेक के नुमाइन्दे को कोई हक नहीं है, उसे वहां से हटाकर जनवादी चीन के सच्चे नुमाइन्दे को उसकी जगह दी जानी चाहिए, फिलिस्तीन में अरबों के साथ जुलूम और उनके देश में तैरों की मदा-खलत बन्द होनी चाहिए, वगैरा वगैरा.

दली के इस अیشियाई समेलन में पूरबी बंगाल के संयुक्त मोर्चे और पाकिस्तानी प्रतिनिधि मंडल के नेता मौलाना भाशानी ने कहा था :—

“मेरी मातृभूमि के हाक ‘दक्खन पूरबी अیشियाई सुरक्षा संस्था (S.E.A.D.O.)’ में शामिल हो गये हैं. साम्राजवादी जहां भी युद्ध का जाल फैलाते हैं चाहे वह फ्रोंजी समझौता हो या गठबंधन, वहां जनतंत्र का चिरारा बुझ जाता है और युद्ध का खतरा बढ़ जाता है.

“अیشिया के देश युद्ध नहीं चाहते. युद्ध की नीति और इनसानी खुराहाली साथ साथ नहीं चल सकती. आपको इन दोनों में से एक को चुनना पड़ेगा. क्या ही अच्छा हो कि मेरा देश पाकिस्तान पंचशील को स्वीकार करले. यदि मेरा देश पंचशील को मान ले तो मैं आसानी से कल्पना कर सकता हूँ कि भारत और पाकिस्तान के सब झगड़े जो अभी तक नहीं सुलभ बहुत जल्दी सुलभ जाएंगे.

“मैं आशा करता हूँ कि आगामी एशियाई अकरीकी बांडुंग कान्फरेंस (18 से 24 अप्रैल सन 1955) में आने वाले सब राष्ट्र पंचशील के उसूलों को स्वीकार कर लेंगे. मैं यह भी उम्मीद करता हूँ कि एशिया और अकरीका के देश पंचशील को कारामद बनाने के लिए आवश्यक कदम उठाएंगे.”

इसी अیشियाई समेलन में बोलते हुए जनवादी चीन के वाइस चैयरमैन को-मो-जो ने कहा था :—

“चीन की जनता को इस बात का अभिमान है कि सब राष्ट्रों के शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों की पहल कदमी करने वाले दो मुल्कों में से एक चीन है. हमारी यह हार्दिक इच्छा है कि साथ साथ मिलकर रहने की बुनियाद पर एशिया और तमाम दुनिया के मुल्कों से हम प्रेम कायम करें. हम पूरी तरह विश्वास करते हैं कि पंचशील के सिद्धान्तों पर ही अन्तर्राष्ट्रीय संबंधों को ठीक ठीक कायम किया जा सकता है और मजबूती के साथ आगे बढ़ाया जा सकता है. पर कुछ देशों के शासक शांति पूर्वक साथ साथ रहने के बिल्कुल खिलाफ हैं. अमरीकी राज मंत्री जान फोस्टर डलेस को इसमें भी ‘एक नई चाल’ और ‘खतरा’ दिखाई देता है.”

शुशान्ति आंदोलन

पंच शील اور وشوشانتي دونوں ایک ہی تصویر کے دو

سیّدانّتوں کی ہر سبک ساراہنا کی ہے۔ لہٰذا کے پتر ”ڈیلی ہیرالڈ“ نے لکھا ہے :— ”ایٹھاس 1954 کا سال چاڈ-نہر کی دلیلی بات چیت کے لیے سدا یاد کیا جائیگا۔“ اسی طرح انڈونیشیا، برہما، جاپان، ہندو جیسی انیک جگہوں کے اخباروں نے اپنے اپنے سہما کی لیکھوں میں پنچ شیل کی پرشسا کی ہے۔ روس کے دینک پتر ”برادر“ نے لکھا ہے :— ”اس مہن کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے آچے پانچ سہماںت یدی ایشیا اور دوسرے ملکوں نے اپنالے تو بدھ کا خطوہ کم ہو جائیگا، انٹر راشقوبہ تناؤ کم کرے میں مدد ملے گی اور ملکوں ملکوں کے بیچ ملکر رھنے اور ملکر کام کرے کی سہماؤنا بڑھ جائیگی۔“

شوری نہرو نے بڑے زوردار شدوں میں کہا تھا :—

”انتر راشقوبہ سہماؤں کو شانتی کے ساتھ سلجھانے کی بھاونا رکھنے والا ایسا کوئی راشق نہیں جو ان پانچ سہماںتوں سے سہمت نہ ہو۔ آج سنسار میں دقتیں ایں لہٰذا پیدا ہو گئی ہیں کیونکہ ایک دیہ دوسرے دیش پر حکومت کرتا ہے اور ایک دوسرے کے معاملوں میں دست اندازی کی جاتی ہے۔“

پرانان مंत्री چاڈ-ہین-لارڈ نے پंचशीل پر بولتے हुए

کھا تھا :—

”ہاں پانچ سیّدانّتوں کے आधार پر دُنیا کے تمام راشق شانتیपूर्वک ساتھ ساتھ رہ سکتے ہیں؛ چاہے وہ ملک छोटे ہوں یا بڑے، بلبان ہوں یا کمزور، اور انکی چاہے کچھ بھی सामाजिक व्यवस्था ہو۔ ہر راشق کی जनता کی क़ौमी आजादी और खुद फैसले کے अधिकार का हमें आदर करना चाहिए۔ यदि दुनिया के सब राष्ट्र इन सिّدانّتों की बुनियाद पर अपने संबंध कायम कर लें तो कोई दूसरे पर हमला नहीं कर सकेगा، और दुनिया के सब राष्ट्र सचमुच शान्ति से साथ ساتھ रहने लगेंगे۔“

دिल्ली کی ایشیائی کانفرنس

6 اپریل سے 10 اپریل 1955 تک دلیلی میں ایک बहुत بڑی غیر سرکاری ایشیائی کانفرنس ہوئی تھی جسमें भारत، پاکستان، لنگا، برما، ہند-چین، انڈونیشیا، چین، کوریا، جاپان، ایشیائی روس، سیریا اور دوسرے عرب देशों को मिलाकर 200 मुमाइندوں ने हिस्सा लिया था۔ کانفرنس نے ایک رای سے यह तजवीज़ पास की कि दुनिया के और खास कर अیشیا के सब देशों के आपसी संबंध पंचशील के पांच सुनहरे असूलों पर ही कायम होने चाहिए۔ पंचशील के इन असूलों की रोशनी में ही کانفرنस ने इस तरह के प्रस्ताव भी पास किए कि हिनद-चीन में बाहर के देशों की दस्तन्दाजी बन्द होनी चाहिए، ताइवान (फारموسا) से अमरीका को अपना जहाजी बेड़ा और अपनी क़ौजे हटाकर ताइवान और खास पास के सब टापू जनवादी चीन के हवाले कर देने चाहिए، चीन की तरफ से

سدهاتوں کی ہر سبک ساراہنا کی ہے۔ لندن کے پتر ”ڈیلی ہیرالڈ“ نے لکھا ہے :— ”ایٹھاس میں 1954 کا سال چاڈ نہرو کی دلی بات چیت کے لئے سدا یاد کیا جائیگا۔“ اسی طرح انڈونیشیا، برہما، جاپان، ہندو جیسی انیک جگہوں کے اخباروں نے اپنے اپنے سہما کی لیکھوں میں پنچ شیل کی پرشسا کی ہے۔ روس کے دینک پتر ”برادر“ نے لکھا ہے :— ”اس مہن کوئی شک نہیں کہ یہ سب سے آچے پانچ سہماںت یدی ایشیا اور دوسرے ملکوں نے اپنالے تو بدھ کا خطوہ کم ہو جائیگا، انٹر راشقوبہ تناؤ کم کرے میں مدد ملے گی اور ملکوں ملکوں کے بیچ ملکر رھنے اور ملکر کام کرے کی سہماؤنا بڑھ جائیگی۔“

شوری نہرو نے بڑے زوردار شدوں میں کہا تھا :—

”انتر راشقوبہ سہماؤں کو شانتی کے ساتھ سلجھانے کی بھاونا رکھنے والا ایسا کوئی راشق نہیں جو ان پانچ سہماںتوں سے سہمت نہ ہو۔ آج سنسار میں دقتیں ایں لہٰذا پیدا ہو گئی ہیں کیونکہ ایک دیہ دوسرے دیش پر حکومت کرتا ہے اور ایک دوسرے کے معاملوں میں دست اندازی کی جاتی ہے۔“

پردھان منتری چاڈ این - لائی نے پنچ شیل پر بولتے ہوئے کہا تھا :—

”ان پانچ سہماںتوں کے آدھار پر دنیا کے تمام راشق شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہ سکتے ہیں؛ چاہے وہ ملک چھوٹے ہوں یا بڑے، بلوان ہوں یا کمزور اور ان کی چاہے کچھ بھی ساماجک دیوستھا ہو۔ ہر راشق کی جنتا کی قومی آزادی اور خود فیصلے کے ادھیکار کا ہمیں اکر کرنا چائے۔ یدی دنیا کے سب راشق ان سہماںتوں کی بنیاد پر اپنے سمبند قائم کر لیں تو کوئی دوسرے پر حملہ نہیں کر سکے گا، اور دنیا کے سب راشق سچ سچ شانتی سے ساتھ ساتھ رھنے لگیں گے۔“

دلی کی ایشیائی کانفرنس

4 اپریل سے 10 اپریل 1955 تک دلی میں ایک بہت بڑی غیر سرکاری ایشیائی کانفرنس ہوئی تھی جس میں بھارت، پاکستان، لنگا، برہما، ہند چین، انڈونیشیا، چین، کوریا، جاپان، ایشیائی روس، سیریا اور دوسرے عرب دیشوں کو ملاکر 18 دیشوں کے 200 نمائندوں نے حصہ لیا تھا۔ کانفرنس نے ایک رائے سے یہ تجویز پاس کی کہ دنیا کے اور خاص کر ایشیا کے سب دیشوں کے آپسی سمبند پنچ شیل کے پانچ سنہرے اصولوں پر ہی قائم ہونے چاہئیں۔ پنچ شیل کے ان اصولوں کی روشنی میں ہی کانفرنس نے اس طرح کے پرستار بھی پاس کئے کہ ہند چین میں باہر کے دیشوں کی دست اندازی بند ہونی چاہئے، تائیوان (فارموسا) سے امریکہ کو اپنا جہازی بیڑا اور اپنی فوجیں ہٹا کر فانی، ان اور اُس پاس کے سب ٹاپو چین والی چین کے حوالے کر دینے چاہئیں، چین کی طرف سے

اب انہوں نے دوسرے طریقے نکالے تھے۔ وہ فوجی سنگھٹن بناتے تھے اور کچھ ایشیائی دیشوں کو لالچ دے کر اپنے گٹ میں ملا کر چاہتے تھے۔ بدیٰ ان فوجی سمجھوتوں کو ہم دہائی سے دیکھیں تو ان سنگھٹنوں میں آنے کے بعد ان دیشوں کو اپنی آزادی نیاک دینی پڑتی ہے۔

اس طرح کے دو سب سے بڑے فوجی سنگھٹن 'سی' اور 'ناٹو' کہلاتے ہیں۔ سی ٹو کا ارتھ ہے دیکھیں پوری ایشیائی دیشوں کا سنگھٹن۔ ناٹو کا ارتھ ہے آئر لائنڈ تک شکستوں کا سنگھٹن۔ کہا جاتا ہے کہ یہ فوجی سنگھٹن ساموہک سرکشا کے لئے ہیں۔ ساموہک سرکشا کا ارتھ ہے کہ بدیٰ 'سی' کے ایک راشٹر سیام پر کوئی حملہ ہونا ہے تو سی ٹو نامک فوجی گٹ کے سارے راشٹروں کو اس کی سہائتا کرنی پڑے گی۔ سہائتا کیسے کی جائے یہ امریکی سرکار طے کرے گی۔ اور جو سینا شدرو کا مقابلہ کرے گی اس کی کمان امریکہ کے ہاتھ میں رہے گی، اور وہ راشٹر کھوپتلی بنکر امریکہ کے اشاروں پر ناکچاں۔ ان فوجی گٹ بندوں کا کیوں یہ مطلب ہے کہ ایشیا والوں کو ایشیا والوں سے لڑا جاتا ہے اور اپنا مطلب سہہ کیا جائے۔ ان چ لوں کو دیکھل کرنے کا طریقہ پنچ شیل ہے۔

بھارت میں انگریز بھی طرح طرح کی سندھیاں کرچکے تھے۔ وہ ہمارے راجوں کو ایک دوسرے سے لڑاتے تھے۔ کسی ایک کے مگر بنکر دوسرے کو پورا جت کرتے تھے اور پور دونوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ انہیں گراہ تھے کہ کسی بھی لڑائی میں بدیٰ ایک طرف خالی انگریز تھے اور دوسری طرف خالی ہندوستانی نو انگریزوں کو کبھی بھی وجہ نہیں ملی۔ اس لئے انگریز ہندوستانوں کے ساتھ ملکر ہندوستانیوں کو ہراتے تھے۔ ٹییک یہی نیتی آج امریکی ایشیا میں چلا رہے ہیں۔ اس نیتی کا کھنڈن کیوں پنچ شیل کر سکتا ہے۔

اس طرح پنچ شیل شکاری 'سرکشا' شانتی اور وکس کے لئے سب سے آرشیک ہے۔ 18 اپریل سے 24 اپریل سن 1955 تک انڈونیشیا کے باندونگ شہر میں 29 ایشیائی اور افریقی راشٹروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کی راج نیتک سمیتی میں بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا تھا کہ:—

اس طرح پنچ شیل شکاری 'سرکشا' شانتی اور وکس کے لئے سب سے آرشیک ہے۔ 18 اپریل سے 24 اپریل سن 1955 تک انڈونیشیا کے باندونگ شہر میں 29 ایشیائی اور افریقی راشٹروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کی راج نیتک سمیتی میں بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا تھا کہ:—

اس طرح پنچ شیل شکاری 'سرکشا' شانتی اور وکس کے لئے سب سے آرشیک ہے۔ 18 اپریل سے 24 اپریل سن 1955 تک انڈونیشیا کے باندونگ شہر میں 29 ایشیائی اور افریقی راشٹروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کی راج نیتک سمیتی میں بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا تھا کہ:—

”ایڈوہس واد (دوسرے دیشوں کی غلامی) کا سب سے بڑا کشک اور سہرتک 'ناٹو' ہے..... پنچیم کے ناٹو راشٹروں نے گوآ میں بھارت کو نیچا دکھانے کا پرہتن کرکے سب سے بڑی بدتمیزی کا ثبوت دیا ہے..... بدیٰ ناٹو کی گٹ فہ ہو تو اُتری افریقہ کے دیش آج آزاد ہو جائیں۔“

پنچ شیل پر دنیا کی رائے

سبھی ملکوں کی امن پسند جنٹا نے پنچ شیل کے پانچ

بھارت میں آرمیج بھی طرح طرح کی سंधियाں کر چکے ہیں۔ وہ ہمارے راجاؤں کو ایک دوسرے سے لڑاتے تھے۔ کسی ایک کے میتر بنکر دوسرے کو پرا جیت کرتے تھے اور پھر دونوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ انہیں گراہ تھے کہ کسی بھی لڑائی میں بدیٰ ایک طرف خالی انگریز تھے اور دوسری طرف خالی ہندوستانی نو انگریزوں کو کبھی بھی وجہ نہیں ملی۔ اس لئے انگریز ہندوستانوں کے ساتھ ملکر ہندوستانیوں کو ہراتے تھے۔ ٹییک یہی نیتی آج امریکی ایشیا میں چلا رہے ہیں۔ اس نیتی کا کھنڈن کیوں پنچ شیل کر سکتا ہے۔

اس طرح پنچ شیل شکاری 'سرکشا' شانتی اور وکس کے لئے سب سے آرشیک ہے۔ 18 اپریل سے 24 اپریل سن 1955 تک انڈونیشیا کے باندونگ شہر میں 29 ایشیائی اور افریقی راشٹروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کی راج نیتک سمیتی میں بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا تھا کہ:—

اس طرح پنچ شیل شکاری 'سرکشا' شانتی اور وکس کے لئے سب سے آرشیک ہے۔ 18 اپریل سے 24 اپریل سن 1955 تک انڈونیشیا کے باندونگ شہر میں 29 ایشیائی اور افریقی راشٹروں کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کی راج نیتک سمیتی میں بولتے ہوئے شری نہرو نے کہا تھا کہ:—

”اوپنیشنل واد (دوسرے دیشوں کی غلامی) کا سب سے بڑا کشک اور سہرتک 'ناٹو' ہے..... پنچیم کے ناٹو راشٹروں نے گوآ میں بھارت کو نیچا دکھانے کا پرہتن کرکے سب سے بڑی بدتمیزی کا ثبوت دیا ہے..... بدیٰ ناٹو کی گٹ فہ ہو تو اُتری افریقہ کے دیش آج آزاد ہو جائیں۔“

پنچشیل پر دنیا کی رای

سبھی ملکوں کی امن پسند جنٹا نے پنچ شیل کے پانچ

سانڈ کی धूसر سونکر شہر سے جا کر کہا کہ سانڈ آپ
اسے مہمانہً ویکتی کو چنوتی دے رہا ہے اور کبھی سانڈ کے
پاس جا کر شہر کی گزرجاں کا سانڈ کا اہممان بتایا۔
دونوں چکر میں آ جاے اور لڑ بڑے۔ اسی طرح سامراج وادی اور ان کے پتھو کبھی
ہم سے کہتے ہیں کہ چین دوسرے ایشیائی دیشوں کو کھانڈیا اور
کبھی پاکستان اور لٹا سے کہتے ہیں کہ بھارت تمہیں ہم کو کھانڈیا۔
اس سارے بھرم کو ختم کرنے کا ایک ماتر راستہ پنیج شیل ہے۔

کچھ سامراج وادی ایشیا کے دیشوں میں جن تنتر (ڈیموکریسی)
کی رکشا کے لئے زمین آسمان ایک ٹٹے دے رہے ہیں۔ یہ سوال
آٹھا ہے کہ آزاد دیشوں میں ہی جن تنتر کی رکشا کرنے کا بھار وہ
کیوں اپنے سر اڑھ رہے ہیں؟ جو دیش ابھی تک ان کے آدھیں
ہیں انہیں آزاد کر کے وہ وہاں جن تنتر قائم کیوں نہیں کرتے؟
ملا یا کو آزادی کیوں نہیں دی جاتی؟ پچھمی ایشیا کے دیشوں
سے یہ لوگ اپنا دیرا نڈا کیوں نہیں اٹھائے جاتے؟ اذیتہ میں
جن تنتر کے سدھانتوں کا کلا اٹکھیں وہ کیوں کر رہے ہیں؟
نارموسا میں کیا انہوں نے سچ مچ جن تنتر قائم کر رکھا ہے؟
دھنی کوریا میں سنگمیری کی سرکار کیا جن تنتر کے
سدھانتوں پر قائم ہے؟ ٹاپائٹ اور سیام کے جن تنتروں کا حال
بھی کھل چکا ہے۔ ان دیشوں پر قبضہ جمانے رکھنے کے لئے کس
طرح امریکی اپنے پتھوں کو قائم رکھتے ہیں؟ یہ اب کسی سے چھپا
نہیں ہے۔ پاکستان میں امریکہ کے قدم آتے ہی جن تنتر کے ساتھ
جو سلوک ہوا وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ سچ یہ
ہے کہ جن تنتر کی دھنائی ان لوگوں کے لئے کیوں ایک چال
ہے جس کی آڑ میں وہ شکار ٹھیلنا چاہتے ہیں۔ ان کے یہ
ناپاک منصوبے خاک میں ملائے کا ایک ماتر راستہ پنیج شیل کے
اصول ہیں۔

سامراجیوں کی فوجی گٹ بندیاں

ان سامراجیوں کو ایشیا کے دیشوں سے اپنے کارخانوں کے لئے
کچا مال چاہئے، سستے مزدور چاہئیں اور اپنا تیار مال بیچنے
کے لئے منڈیاں چاہئیں۔ اپنا کام بنانے کے لئے وہ لڑائی چھڑنا
چاہتے ہیں۔ یہ لڑائی ہو ایشیا ایشیا والوں میں! لڑائی میں
وہ مہنگے داموں اپنے ہتھیار بیچیں اور پھر ہمیں اپنا عالم بنا
سکیں! کوریا میں انہوں نے لڑائی چھڑی۔ انہوں نے اپیل کی
کہ ایشیائی دیشوں کی فوجیں کوریا میں لڑنے جائیں۔ یہ انہیں
سپہلتا نہ ملی۔ جب کپول ان کے اپنے بھولے بھالے نوجوان ہی
کوریا میں مرتے چلے گئے تو انہوں نے لڑائی بند کر دی۔ ہند چین
میں بھی انہوں نے طائت آزمائے دیکھ لیا۔ وہاں کے بدھ میں بھی
وہ ایشیا والوں کی لاشوں پر اپنے یس کا محل نہیں کھڑا کر سکے۔

سامراجیوں کی فوجی گٹ بندیاں

ان سامراجیوں کو ایشیا کے دیشوں سے اپنے کارخانوں کے لئے
کچا مال چاہئے، سستے مزدور چاہئیں اور اپنا تیار مال بیچنے
کے لئے منڈیاں چاہئیں۔ اپنا کام بنانے کے لئے وہ لڑائی چھڑنا
چاہتے ہیں۔ یہ لڑائی ہو ایشیا ایشیا والوں میں! لڑائی میں
وہ مہنگے داموں اپنے ہتھیار بیچیں اور پھر ہمیں اپنا عالم بنا
سکیں! کوریا میں انہوں نے لڑائی چھڑی۔ انہوں نے اپیل کی
کہ ایشیائی دیشوں کی فوجیں کوریا میں لڑنے جائیں۔ یہ انہیں
سپہلتا نہ ملی۔ جب کپول ان کے اپنے بھولے بھالے نوجوان ہی
کوریا میں مرتے چلے گئے تو انہوں نے لڑائی بند کر دی۔ ہند چین
میں بھی انہوں نے طائت آزمائے دیکھ لیا۔ وہاں کے بدھ میں بھی
وہ ایشیا والوں کی لاشوں پر اپنے یس کا محل نہیں کھڑا کر سکے۔

اپنی آزادی قائم رکھ سکتے ہیں، جو دیکھ ابھی تک دوسروں کے غلام ہیں وہ غلامی سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، ایشیا کے سب دیش ایک دوسرے کے نمٹ آکر ایکٹا کی قدر میں مضبوطی سے بندھ سکتے ہیں اور پورے مہادھپ میں وہ شانتی قائم ہو سکتی ہے جس کے بغیر ایشیا کی پوری شکتی نورمان یعنی تعمیری کاموں کی طرف نہیں لگ سکتی۔ ایشیا اب سیکڑوں برس کی غلامی کے بعد جاگ رہا ہے۔ جب ہم ایشیا کے جاگرن کی بات کرتے ہیں تو اُن سامراجیوں کا چتر ہمارے سامنے سمجھو ہو اُٹھتا ہے جو اب تک ہمیں اپنے چنگل میں جکڑے ہوئے تھے۔ اُن کی شکتی کم آشیہ ہو گئی ہے پر اُن کی سامراج لاسا ابھی مٹی نہیں ہے۔ وہ بھی اپنے کو الگ الگ کمزور پائر ایک ساتھ مل گئے ہیں اور اپنی ساموہک شکتی سے ہمیں پھر سے قبضے میں کرنا اور قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کے پاس دھن ہے، سادھن ہیں، ایٹم بم ہیں، زبردست سینائیں ہیں۔ اُن کی سازشیں کیلے طار پر ہمارے چاروں طرف جاری ہیں۔ یدی ہم ہوشیار نہ رہے تو پھر صدیوں کے لئے غلام بن جانے کا قدر ہے۔ اپنی سالمتی کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار ایک ہی ہے اور وہ ہماری 'ایکٹا'۔ اس طرح کیسے ہو اِس کا مارگ دشن پنچ شیل کرنا ہے۔ اِس طرح ایٹم بموں کے مقابلے کے لئے پنچ شیل ہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

اب ہمیں دوسرے مہادھپ کے بعد کی حالت پر ایک نگاہ ڈال لینی چاہئے۔ اُن دس برس کا اُنہاس ہمیں بتاتا ہے کہ ایشیا کے سب دیشوں کی آزادی ایک سوت میں بندھی ہوئی ہے۔ بھارت کو چھوڑنے سے پہلے انگریزوں نے برہما یا لٹکا کو نہیں چھوڑا۔ قچ اور فرانسیسی بھی انگریزوں کے بھارت چھوڑنے کے بعد ہی اپنے کو بے بس اُنوہو کرنے لگے۔ ہماری سب کی غلامی اور آزادی ایک دوسرے سے بندھی ہوئی ہے۔ یدی ہم میں سے کوئی پھر سے غلام ہوتا ہے تو ہم سب کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ آج بھی جیسے جیسے ایشیا کے بڑے دیش سامراجیوں سے نانا توڑتے جاتے ہیں ویسے ویسے ہی دوسرے دیش بھی اُن سے اپنا دامن بچا رہے ہیں۔ ایشیا کے سب سے بڑے دو دیش چین اور بھارت ہیں۔ اُن دونوں کے کارن دوسرے دیشوں کو ساہس ملتا ہے اور وہ اپنے بندھن کاٹنے میں اپنے کو نس سہانے محسوس نہیں کرتے۔ یدی ایشیا کو پھر سے غلام بننے نہیں دینا ہے تو بھارت اور چین کو اپنی آزادی کی بھی رکشا کرنی ہوگی۔ اور پورے ایشیا کو بھی غلامی سے بچانے رکھنا ہوگا۔ اِس کا راستہ پنچ شیل کے سوا دوسرا نہیں ہے۔

پنچھی سامراج وادی چپ نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک چنگل میں ایک شیر اور ایک سانڈ رشتے تھے۔ دونوں میں دوستی تھی۔ ایک سبار کو اُن کی یہ دوستی نہیں بھائی۔ اسنے کبھی

اپنی آزادی قائم رکھ سکتے ہیں، جو دیکھ ابھی تک دوسروں کے غلام ہیں وہ غلامی سے چھٹکارا پا سکتے ہیں، ایشیا کے سب دیش ایک دوسرے کے نمٹ آکر ایکٹا کی قدر میں مضبوطی سے بندھ سکتے ہیں اور پورے مہادھپ میں وہ شانتی قائم ہو سکتی ہے جس کے بغیر ایشیا کی پوری شکتی نورمان یعنی تعمیری کاموں کی طرف نہیں لگ سکتی۔ ایشیا اب سیکڑوں برس کی غلامی کے بعد جاگ رہا ہے۔ جب ہم ایشیا کے جاگرن کی بات کرتے ہیں تو اُن سامراجیوں کا چتر ہمارے سامنے سمجھو ہو اُٹھتا ہے جو اب تک ہمیں اپنے چنگل میں جکڑے ہوئے تھے۔ اُن کی شکتی کم آشیہ ہو گئی ہے پر اُن کی سامراج لاسا ابھی مٹی نہیں ہے۔ وہ بھی اپنے کو الگ الگ کمزور پائر ایک ساتھ مل گئے ہیں اور اپنی ساموہک شکتی سے ہمیں پھر سے قبضے میں کرنا اور قبضے میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کے پاس دھن ہے، سادھن ہیں، ایٹم بم ہیں، زبردست سینائیں ہیں۔ اُن کی سازشیں کیلے طار پر ہمارے چاروں طرف جاری ہیں۔ یدی ہم ہوشیار نہ رہے تو پھر صدیوں کے لئے غلام بن جانے کا قدر ہے۔ اپنی سالمتی کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑا ہتھیار ایک ہی ہے اور وہ ہماری 'ایکٹا'۔ اس طرح کیسے ہو اِس کا مارگ دشن پنچ شیل کرنا ہے۔ اِس طرح ایٹم بموں کے مقابلے کے لئے پنچ شیل ہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

اب ہمیں دوسرے مہادھپ کے بعد کی حالت پر ایک نگاہ ڈال لینی چاہئے۔ اُن دس برس کا اُنہاس ہمیں بتاتا ہے کہ ایشیا کے سب دیشوں کی آزادی ایک سوت میں بندھی ہوئی ہے۔ بھارت کو چھوڑنے سے پہلے انگریزوں نے برہما یا لٹکا کو نہیں چھوڑا۔ قچ اور فرانسیسی بھی انگریزوں کے بھارت چھوڑنے کے بعد ہی اپنے کو بے بس اُنوہو کرنے لگے۔ ہماری سب کی غلامی اور آزادی ایک دوسرے سے بندھی ہوئی ہے۔ یدی ہم میں سے کوئی پھر سے غلام ہوتا ہے تو ہم سب کی آزادی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ آج بھی جیسے جیسے ایشیا کے بڑے دیش سامراجیوں سے نانا توڑتے جاتے ہیں ویسے ویسے ہی دوسرے دیش بھی اُن سے اپنا دامن بچا رہے ہیں۔ ایشیا کے سب سے بڑے دو دیش چین اور بھارت ہیں۔ اُن دونوں کے کارن دوسرے دیشوں کو ساہس ملتا ہے اور وہ اپنے بندھن کاٹنے میں اپنے کو نس سہانے محسوس نہیں کرتے۔ یدی ایشیا کو پھر سے غلام بننے نہیں دینا ہے تو بھارت اور چین کو اپنی آزادی کی بھی رکشا کرنی ہوگی۔ اور پورے ایشیا کو بھی غلامی سے بچانے رکھنا ہوگا۔ اِس کا راستہ پنچ شیل کے سوا دوسرا نہیں ہے۔

پنچھی سامراج وادی چپ نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک چنگل میں ایک شیر اور ایک سانڈ رشتے تھے۔ دونوں میں دوستی تھی۔ ایک سبار کو اُن کی یہ دوستی نہیں بھائی۔ اسنے کبھی

مंत्रیوں نے دونوں देशوں کے آپسی مسئلوں پر صاف صاف بات بات چیت کی۔

”2—دونوں प्रधान مंत्रیوں نے اس بات کی دوبارہ پوچھ کی کہ وہ دنیا میں اور خاص طور پر انہیں پوری ایشیا میں شانتی قائم کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ انہوں نے یہ اہم ظاہر کیا کہ ہند چین میں شانتی قائم کرنے کے سوال پر چنوا میں جو بات چیت چل رہی ہے اس کا سنٹوش جنگ فیصلہ ہو جائیگا۔“

”3—چین اور بھارت کے سمندر کے بارے میں جن سدھانتوں پر سمجھوتا ہوا تھا وہ یہ ہیں:—

”(1) ایک دوسرے کے دیشوں کی اکھنڈتا اور مکمل آزادی کا ادر کرنا۔

”(2) کسی دوسرے پر حملہ نہ کرنا۔

”(3) کسی دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دینا۔

”(4) برابری اور ایک دوسرے کے ہت کا خیال رکھنا۔

”(5) شانتیपूर्वک ساآ ساآ رآنا۔

”دونوں प्रधान مंत्री اس بات پر سہمات ہیں کہ یہ سیدھانت چین اور برما کے سہمبندوں میں بھی پڑھ پرورشک ہونے چاہئیں۔ بدی ان سہمبندوں کو تمام دیش مان لیں تو الگ الگ ساماآک، راجنیک یا آرٹک ووسٹہا رکھنے والے سب دیش ساآ ساآ ملکر ر سکینے اور حملے کے تر یا دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل کی دہمکی کی آک تسلی اور ایک دوسرے پر وشواس کی آیتنا آئے گی۔“

”4—پردہان مंत्रीوں نے اس بات کی پھر سے پوچھ کی کہ ہر دیش کی آیتنا کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ دوسرے دیشوں کی مداخلت کے بنا اپنی راج ووسٹہا اور ساماآک ووسٹہا کو اپنی مرضی سے طے کر سکے۔ کرانتی باہر سے نہیں لادی جا سکتی۔ پر کسی دیش کی آیتنا اپنی آچھا سے آیسوی بھی ووسٹہا اپنے لئے قائم کرنا چاہے کسی دوسرے دیش کو اس میں دخل دینے کی بالکل اجازت نہیں ہونی چاہئے۔“

”5—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”6—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”7—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”8—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”9—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”10—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”11—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”12—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”13—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”14—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”15—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”16—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”17—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”18—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

”19—دونوں پردہان مंत्री اس بات میں سہمات ہیں کہ ہر دیشوں میں نزدیکی رشتہ قائم ہونا چاہئے تاکہ دونوں دیشوں کے بیچ دوستانہ سہوگ کو اور مضبوط کیا جا سکے۔ ساری بات آیت متنا پردہان اور پردہان ہوتی ہے۔ دونوں پردہان مंत्री ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آسر کی سراہنا کرتے ہیں اور اسے شانتی کے لئے مددگار سمجھتے ہیں۔“

ایشیا کی اہمات

ایشیا کی اہمات

پنچ شہل پر چاکر ہی ایشیا کے آزاد دیش

चाउ-नेहरू बात चीत ने दुनिया में आशा की एक नई लहर पैदा कर दी. हाल کے برسوں میں انتر راشٹریتہ میدان میں ہوتا بڑا کام کوئی نہیں ہوا تھا. اس نگاہ سے چاؤ - نہرو سمیلن جیٹو میں بڑے طاقتوں کے سمیلن سے کہیں ادھک بہتروں تھا.

پورے وشو نے اس چاؤ - نہرو ملن کی سراغدا کی ہے. اس سراغدا کے کارن یہ ہیں :-

سب سے پہلے یہ ملن کےل دو پردھان منتریتوں کا ملن نہیں تھا، یہ ان دو ملن کے پردھان منتریتوں کا ملن تھا جن کی آبادی سارے سنسار کی آبادی کی اک بنگ آدھی ہے.

دوسرے یہ ملن ایسے دو دیشوں کا ملن تھا جنکی آرتیک، سامجک اور راج ٹینک دوستوٹھن الگ الگ تھیں.

تیسرے اس بیٹس سے اک نشچیت سمجھوتا ہوا جس کا سمبندھ کھل دونوں دیشوں کی دوستی سے بھی نہیں ہے بلکہ جو دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے اک بڑا سادھن ہو سکتا ہے.

چوتھ اور انت میں اس سمجھوتے نے پورے وشو کی جنتا کو اک نیا راستہ دکھایا. چارے راستہ اک دوسرے پر اوشاس اور فوجی گٹھ بندھنوں کا راستہ نہیں ہے اور نہ دنیا کی جنتا کو اک الگ الگ اٹھاروں میں بانٹ کر دیش بڑھانے کا راستہ ہے. یہ راستہ ساری دنیا کی جنتا کو اک دور میں باندھنے کا راستہ ہے. اس سے سارے انتر راشٹریتہ جوڑنے شانتی سے حل کئے جا سکتے ہیں. یہ وہ راستہ ہے جو راشٹروں کی موجودہ سیمٹوں کو سونگار کرتا ہے اور سب دیشوں کو اس بات کی تسلی دیتا ہے کہ ان کے اندرونی معاملوں میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا. یہ وہ راستہ ہے جو براہروی اور پرسپر سہانتا کی بنیاد پر قائم ہے اور سب کے شانتی پروگ سانہ ساز، متحر، بھلے کے سدھانت کو سرورچیتہ مانتا ہے.

برعما میں چاؤ - این - لائی

برما میں چاؤ-این-لارڈ

برما کے प्रधान منتری یو ن کی داوت پر چین کے प्रधान منتری چاؤ-این-لارڈ 29 جون کو برما کی راجधानی رینگن پٹھوے. وہاں انکا سرکار اور جنتا دونوں کی طرف سے شاندار स्वागत ہوا. وہاں بھی دونوں प्रधान منتریتوں کا یہی پنج سدھانتوں پر سمجھوتا ہوا. 29 جون 1954 کو چین اور برما کے प्रधान منتریتوں نے ملکر نیچے لکھا بیان نکالا :-

"1—جنوا دی چین کے प्रधान منتری چاؤ-این-لارڈ برما راج سنج کے प्रधान منتری یو ن کے بولاوے پر جنیوا سے پینگ جاتے راستے میں دو دن کے لئے برما کی راجधानی رینگن میں ٹھہرے. اس تھوڑے سمے میں دونوں پردھان

چاؤ - نہرو بات چیت نے دنیا میں آشا کی اک نئی لہر پیدا کردی. حال کے برسوں میں انتر راشٹریتہ میدان میں ہوتا بڑا کام کوئی نہیں ہوا تھا. اس نگاہ سے چاؤ - نہرو سمیلن جیٹو میں بڑے طاقتوں کے سمیلن سے کہیں ادھک بہتروں تھا.

پورے وشو نے اس چاؤ - نہرو ملن کی سراغدا کی ہے. اس سراغدا کے کارن یہ ہیں :-

سب سے پہلے یہ ملن کےل دو پردھان منتریتوں کا ملن نہیں تھا، یہ ان دو ملن کے پردھان منتریتوں کا ملن تھا جن کی آبادی سارے سنسار کی آبادی کی اک بنگ آدھی ہے.

دوسرے یہ ملن ایسے دو دیشوں کا ملن تھا جنکی آرتیک، سامجک اور راج ٹینک دوستوٹھن الگ الگ تھیں.

تیسرے اس بیٹس سے اک نشچیت سمجھوتا ہوا جس کا سمبندھ کھل دونوں دیشوں کی دوستی سے بھی نہیں ہے بلکہ جو دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے اک بڑا سادھن ہو سکتا ہے.

چوتھ اور انت میں اس سمجھوتے نے پورے وشو کی جنتا کو اک نیا راستہ دکھایا. چارے راستہ اک دوسرے پر اوشاس اور فوجی گٹھ بندھنوں کا راستہ نہیں ہے اور نہ دنیا کی جنتا کو اک الگ الگ اٹھاروں میں بانٹ کر دیش بڑھانے کا راستہ ہے. یہ راستہ ساری دنیا کی جنتا کو اک دور میں باندھنے کا راستہ ہے. اس سے سارے انتر راشٹریتہ جوڑنے شانتی سے حل کئے جا سکتے ہیں. یہ وہ راستہ ہے جو راشٹروں کی موجودہ سیمٹوں کو سونگار کرتا ہے اور سب دیشوں کو اس بات کی تسلی دیتا ہے کہ ان کے اندرونی معاملوں میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا. یہ وہ راستہ ہے جو براہروی اور پرسپر سہانتا کی بنیاد پر قائم ہے اور سب کے شانتی پروگ سانہ ساز، متحر، بھلے کے سدھانت کو سرورچیتہ مانتا ہے.

برعما میں چاؤ - این - لائی

برما کے प्रधान منتری یو ن کی داوت پر چین کے प्रधान منتری چاؤ-این-لارڈ 29 جون کو برما کی راجधानی رینگن پٹھوے. وہاں ان کا سرکار اور جنتا دونوں کی طرف سے شاندار स्वागत ہوا. وہاں بھی دونوں پردھان منتریتوں کا یہی پنج سدھانتوں پر سمجھوتا ہوا. 29 جون 1954 کو چین اور برما کے پردھان منتریتوں نے ملکر نیچے لکھا بیان نکالا :-

"1—جنوا دی چین کے پردھان منتری چاؤ - این - لائی برعما راج سنج کے پردھان منتری یو ن کے بولاوے پر جنیوا سے پینگ جاتے راستے میں دو دن کے لئے برعما کی راجधानی رینگن میں ٹھہرے. اس تھوڑے سمے میں دونوں پردھان

5—**پہلے** مंत्रیوں نے **خاس** تہر سے **یہ** **آشا** **پاک** **کے** **یہ** **سیدھان** **ہند** **چین** **کی** **سمیٹاؤں** **کو** **حل** **کرنے** **میں** **کام** **آسا** **سکے**۔ وہاں کے راج کچی سمیٹاؤں کے آدیش یہ ہونا چاہئے کہ سب دیش ملک آزاد جن تتر راجدوں کی طرح شانتی اور پریم کے ساتھ رہ سکیں، جس سے وہ دوسری ہمارے کی شکتیوں کی لڑائیوں کے لئے استعمال نہ ٹمے جاسکیں اور دیشی دخل اندازی کے چنک میں نہ پھنسیں۔ اس سے ان ملکوں میں آتموشواس بڑھوگا اور آپس میں اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ دوستانہ سمبندھ کی بھارت مضبوط ہوگی۔ ان اوپر لئے سہانوں کو اپنے سے شانتی کا میدان قائم کرنے میں سہانتا ملے گی اور پڑوسیوں کے انوسار اس کے پھیلنے کو بڑھایا جاسکے گا۔ اس طرح دیش کے موقعے کم ہو جائینگے اور تمام دنیا میں شانتی کو بل ملے گا۔

6—**پہلے** مंत्रیوں نے **بھارت** **اور** **چین** **کی** **دوستی** **میں** **آپنا** **ویشواس** **جاہیر** **کیا** **اور** **یہ** **ویشواس** **بھی** **جاہیر** **کیا** **کی** **یہ** **دوستی** **سلسار** **میں** **شانتی** **کایم** **کرنے** **اور** **آپنے** **آپنے** **دیشوں** **کی** **اور** **ایشیا** **کے** **دوسرے** **ملکوں** **کی** **دوستی** **میں** **مدد** **دینی**۔

7—**دوئوں** **پڑھان** **مंत्रیوں** **کی** **یہ** **بات** **چیت** **ایشیا** **کی** **سمیٹاؤں** **کو** **آچھی** **طرح** **سمیٹنے** **اور** **شانتی** **اور** **سہیوگ** **کی** **کوششوں** **کو** **آگے** **بڑھانے** **اور** **دنیا** **کے** **دوسرے** **ملکوں** **کی** **اسی** **طرح** **کی** **سمیٹاؤں** **کو** **ساجانے** **کے** **وچار** **کو** **سامنے** **رکھ کر** **کی** **کئی** **کئی**۔

8—**دوئوں** **پڑھان** **مंत्रیوں** **کی** **یہ** **بات** **پر** **پوری** **تہد** **سہمت** **ہیں** **کہ** **دوئوں** **ملکوں** **میں** **ایک** **نزدیکی** **رشتہ** **قائم** **کیا** **جائے** **تاکہ** **وہ** **ایک** **دوسرے** **کو** **پوری** **طرح** **سمیٹنے** **کی** **گمان** **کوششیں** **کرتے** **رہیں**۔ انہوں نے ایک دوسرے سے ملنے کے اس شہ آوسر کی سرانغا کی اور وچاروں کی آدلا بدلی سے دوئوں میں وشوشانتی کے لئے سہیوگ کی بھارت اور ٹیک ٹیک سمیٹے پینا ہوئی۔ (28 جون سن 1954)

اس سنیٹ بیان کے علاوہ چین کے پڑھان مंत्री چاؤ - این - لائی نے آل انڈیا ریڈیو پر بولتے ہوئے کہا تھا—”ان سہانوں پر ہمارا یہ سمیٹنا رشتہوں کے چکرے آپسی بہت چیت سے سلجھانے کا ایک بہت اچھا آدالہ ہے۔ پڑھان مंत्री شری نہرو سے موری جو بہت چیت ہوئی اس کے دوران میں ہم دوئوں نے اس بات پر وچار کیا کہ اوپر کے سہانوں کو ایشیا اور سارے سنسار کے موجودہ رشتہ سمبندھوں پر لاگو کرنا چاہئے۔ مجھے پورا وشواس ہے کہ بھارت اور چین کی ملی جلی کوشش ایشیا اور تمام دنیا کو شانتی کے لئے ایک بہت بڑی دین ہوگی۔“

لڑائی بند ہونے کے بارے میں جنیوا کی بات چیت میں کچھ سہولت ملی ہے۔ انہیں اس بات کی پوری اُمید ہے کہ یہ کوششیں نکتہ ہوشیہ میں آہستہ آہستہ کامیاب ہوں گی اور اس علاقے کی راجنیتک مسئلوں کا سمجھوتا ہو جائیگا۔

”2—دونوں प्रधान منٹریوں کی بات چیت کا یہ مقصد تھا کہ جنیوا دوسرے آستانوں پر شانتی پررں فیصلوں کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، انہیں جتنا ہوسکے مدد دی جائے۔“

”انکا मुख्य उद्देश यह था कि अमन कायम करने के लिये एक दूसरे के दृष्टिकोण को समझते हुए एक दूसरे की और दूसरे मुल्कों की मदद से किसी सही नतीजे पर पहुंचा जाय۔“

”3—حال میں چین اور भारत में एक समझौता हुआ है जो कुछ निश्चित सिद्धांतों पर कायम है۔ यह सिद्धांत दोनوں देशों के बीच सम्बन्धों के पथ प्रदर्शक हैं۔ वे सिद्धांत ये हैं:—

”1—एक दूसरे के देशों की अखंडता और मुकम्मिल आजादी का आदर करना۔

”2—किसी दूसरे पर हमला न करना۔

”3—किसी दूसरे के अंदरूनी मामलों में दखल न देना۔

”4—बराबरी और एक दूसरे के हित का खयाल रखना۔

”5—शांति पूर्वक साथ साथ रहना۔

”दोनوں प्रधान منٹریوں نے ان सिद्धांतों की फिर से पुष्टि की और यह महसूस किया कि एशिया के और दुनिया के दूसरे मुल्कों के आपसी सम्बन्धों में भी इनको लागू किया जाय यदि अलग अलग देशों के अलावा अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्धों में भी आम तौर पर इन सिद्धांतों को ही लागू किया जाय तो यह शांति और सुरक्षा की सबसे मजबूत बुनियाद होगे۔ तब आज जो एक दूसरे से डर और शक की भावनाएं मौजूद हैं वह विश्वास की भावना में बदल जायंगी۔“

”4—دونوں प्रधान منٹریوں نے اس بات کو स्वीकार किया कि एशिया और दुनिया के अलग अलग हिस्सों में अलग अलग समाजी और राजकाजी शासन व्यवस्थाएं हैं۔ पर यदि ऊपर लिखे सिद्धांतों को लिया जाय और उन पर अमल किया जाय और एक दूसरे के अंदरूनी मामलों में दखल न दिया जाय तो यह फरक अमन के रास्ते में रुकावट नहीं हो सकते۔ हर देश की अखंडता और मुकम्मिल आजादी का आदर और एक दूसरे पर हमला न करने के सिद्धांत को मानने से देशों के बीच दोस्ताना सम्बन्ध और शांतिपूर्वक साथ साथ रहना संभव हो सकेगा۔ यह राष्ट्रों राष्ट्रों के बीच आपसी तनाव को कम करेगा और शांति का बातावरण कायम करने में मदद देगा۔“

”2—دونوں پردھان منٹریوں کی بات چیت کا یہ مقصد تھا کہ جنیوا دوسرے آستانوں پر شانتی پررں فیصلوں کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، انہیں جتنا ہوسکے مدد دی جائے۔“

”ان کا مقصد یہ تھا کہ امن قائم کرنے کے لئے ایک دوسرے کے دشمنی کو سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کی اور دوسرے ملکوں کی مدد سے کسی صحیح نتیجے پر پہنچا جائے۔“

”3—حال میں چین اور भारत میں ایک سمجھوتا ہوا ہے جو کچھ نشیجست سدھانتوں پر قائم ہے۔ یہ سدھانت دونوں دیشوں کے بیچ سمبندھوں کے پتہ پردرشدک ہیں۔ دے سدھانت یہ ہیں:—

”(1) ایک دوسرے کے دیشوں کی اکھنڈتا اور مکمل آزادی کا آدر کرنا۔

”(2) کسی دوسرے پر حملہ نہ کرنا۔

”(3) کسی دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دینا۔

”(4) ہر اداری اور ایک دوسرے کے ہت کا خیال رکھنا۔

”(5) شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہنا۔

”دونوں پردھان منٹریوں نے ان سدھانتوں کی پھر سے پشٹی کی اور یہ متسوس کیا کہ ایشیا کے اور دنیا کے دوسرے ملکوں کے آپسی سمبندھوں میں بھی ان کو لاگو کیا جائے۔ یہی الگ الگ دیشوں کے علاوہ انتزراشتقریہ سمبندھوں میں بھی عام طور پر ان سدھانتوں کو ہی لاگو کیا جائے تو یہ شانتی اور سدکشا کی سب سے مضبوط بقیاد ہونگے۔ تب آج جو ایک دوسرے سے ڈر اور شک کی بیانونائیں موجود ہیں وہ دشواری کی بیانونا میں بدل جائیگی۔“

”4—دونوں پردھان منٹریوں نے اس بات کو سوچا کہ ایشیا اور دنیا کے الگ الگ حصوں میں الگ الگ سماجی اور راجکلی شامیں دیوستائیں ہوں۔ پر یہی ادیر لکھے سدھانتوں کو مان لیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دیا جائے تو یہ فرق امن کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہوسکتے۔ ہر دیش کی اکھنڈتا اور مکمل آزادی کا آدر اور ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کے سدھانت کو ماننے سے دیشوں کے بیچ دوستانہ سمبندھ اور شانتی پرورک ساتھ ساتھ رہنا سمبھو ہوسکے گا۔ یہ راشٹروں راشٹروں کے بیچ آپسی تناک کو کم کرے گا اور شانتی کا واتاررں قائم کرنے میں مدد دیگا۔“

کناڈا، فلیپائنس، ترکی، گریس، نیدرلینڈ، کیمبیا آئی 19 کنڈا، فلیپائنس، ترکی، گریس، نیدرلینڈ، کیمبیا آئی 19

دیشوں کے پرنسپلین کو بھی بلایا گیا تھا۔

جنیوا کانفرنس میں نئے چین کے پرنسپلین جیو-این-لائی نے ہند-چین میں شانتی قائم کرنے کے لئے بہترین سہانیت پیش کئے جن کا سب پر اثر ہوا۔ کچھ سالہ جدوجہدوں کے بعد بھارت کی ہندوستان کی کانفرنس کو اسپہل کر دیا جائے۔ پرنسپلین کی کانفرنس کی ہنگامہ آمیز کے منتری جان ڈائیس کی چکہ برٹین کے ودیش منتری اینٹھنی آڈن کے ہاتھ میں تھی۔

جنیوا کانفرنس میں ہندوستان سے کوئی پرنسپلین نہیں بلایا گیا تھا۔ پھر بھی اس کے مہتم کو سمجھتے ہوئے بھارت سرکار نے شری کرشن مینن کو وہاں بھیج دیا تھا۔ شری کرشن مینن جنیوا میں کئی بار چین کے پرنسپلین جیو-این-لائی سے ملے اور بھارت کے دہشتیوں سے انہیں جانکاری کرائے رہے۔ کانفرنس خوب سہل رہی، ہند چین کی لڑائی بند ہو گئی۔ آنت میں بھارت کے پرنسپلین جیو-این-لائی نے چین کے پرنسپلین جیو-این-لائی کو دلی آئے کی دعوت دی۔

چائو-این-لائی 25 جون کو دلی پہونچ گئے۔

بھارت میں چائو-این-لائی -

بھارت میں چائو-این-لائی

بھارت کی راجधानی میں چین کے پرنسپلین کا جناتا اور سرکار کی طرف سے جو شاندار स्वागत हुआ उसे बयान नहीं किया जा सकता. चाउ-ऐन-लाई के स्वागत के लिये लोग सुबह 5 बजे से हवाई अड्डे पर जमा होने शुरू हो गये थे. पूरा हवाई अड्डा "हिन्द चीनी भाई भाई!!" के नारों से गूँज उठा था. जब चाऊ ताजमहल देखने के लिये आगे पहुँचे तो वहाँ भी बीस हजार जनता ने उनका शानदार स्वागत किया.

चाउ-ऐन-लाई और जवाहरलाल नेहरू ने भारत और चीन के आपसी मसलों पर बात चीत की. तीन दिन की बात चीत के बाद दोनों प्रधान मंत्रियों ने नीचे लिखा संयुक्त बयान निकाला :-

"1-जनवादी चीन के प्रधान मंत्री चाउ-ऐन-लाई भारत के प्रधान मंत्री जवाहरलाल नेहरू के निमंत्रण पर दिल्ली आये. वह दिल्ली में तीन दिन ठहरे. इस थोड़े से समय में दोनों प्रधान-मंत्रियों ने चीन और भारत के आपसी मसलों पर विचार किया. खास तौर पर उन्होंने दक्खिनी पूरबी एशिया की शान्ति और हिन्द चीन के विषय में जनेवा کانفرنस में जो बात चीत चल रही थी उस पर बात की. हिंद चीन की हालत एशिया और विश्व की शान्ति के लिये एक खास अहमियत रखती है. दोनों प्रधान मंत्रियों की यह विली ख्वाहिश है कि जनेवा कॉन्फरेंस में जो कोशिश हो रही है वह कामयाब हो. दोनों इस बात से संतुष्ट हैं कि

भारत की राजधानी में چین کے پرنسپلین جیو-این-لائی اور سرکار کی طرف سے جو شاندار स्वागत ہوا اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چائو-این-لائی کے स्वागत کے لئے لوگ صبح 5 بجے سے ہوائی اڈے پر جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ پورا ہوائی اڈا "ہندی-چینی بھائی بھائی!!" کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ جب چائو تاج محل دیکھنے کے لئے آگے پہونچے تو وہاں بھی بوس ہزار جنٹا نے ان کا شاندار स्वागत کیا۔

چائو-این-لائی اور جواہر لال نہرو نے بھارت اور چین کے آپسی مسلوں پر بات چیت کی۔ تین دن کی بات چیت کے بعد دونوں پرنسپلینوں نے نیچے لکھا سنگیت بیان نکالا :-

"1-جنوادی چین کے پرنسپلین جیو-این-لائی بھارت کے پرنسپلین جیو-این-لائی نے ہندوستان میں شانتی قائم کرنے کے لئے بہترین سہانیت پیش کی۔ کچھ سالہ جدوجہدوں کے بعد بھارت کی ہندوستان کی کانفرنس کو اسپہل کر دیا جائے۔ پرنسپلین کی کانفرنس کی ہنگامہ آمیز کے منتری جان ڈائیس کی چکہ برٹین کے ودیش منتری اینٹھنی آڈن کے ہاتھ میں تھی۔

شانتي کرایم رہے تو یہی دولت پیلڈے دیشوں کے ویکاس کے لیے کام میں لائی جا سکتی ہے۔

پنجشیل کے سمर्थن میں ہمارا بھینپ لپا ہے۔ ہر ہارتواسی کا کرتب ہے کہ وہ پنجشیل کا سفل بنانے میں پورا سہیوگ دے۔

‘پنجشیل’ ہمارے دشا کا بھت پورانا شبد ہے۔ ہیندو، جنن اور بولڈ تینوں دموں کی کیتاہوں میں نیچے لیکھی پاچ نکیکوں کو ‘پنج شیل’ کا نام دیا گیا ہے:— (1) کسی کو تکلیف ن دینا، (2) کبی کھٹ ن بولنا، (3) کسی دسارے کا مال ن لینا، (4) اپنی ہندریوں پر کابو رکھنا، اور (5) دن سंपत्ति جمان ن کرنا۔ پنجشیل کے یہ پورانے پاچوں سیدھانت آادمی آادمی کے بیک ویکار کے لیے تھے۔ نئے ‘پنجشیل’ کے ہندوں سے ملاتے جلاتے پاچوں سیدھانت دیشوں اور راشٹروں کے بیک آپاسی ویکار کے لیے ہیں۔ اسلیے پنجشیل کا مھت ویکار اور انکا دایرا آب بڈ گیا ہے۔ چین، ہڈونیشیا، برما جسے پورانے بولڈ دیشوں میں بھی یہ شبد ہارت ہی کی طرح کام میں آتا تھا۔ ہارت اور چین کی داسٹی سے پنجشیل کا اک نیا ہتھاس پرامب ہوتا ہے۔

سب سے پلے ہارت اور چین کے بیک تبت کو لے کر ایک واپاری سندھی ہوئی جو انہیں پاچ سہانتوں پر کی گئی۔ یہ سندھی اپریل 1914 میں ہوئی۔ اس کے دو مہینے بعد یہ سہانت چین اور ہندستان کی دوسری کی ہنیا درار دئے گئے۔

شری نہرو نے لوکسما میں اپنے آلوچوں کو اتر دیتے ہوئے کہا تھا:—‘‘تبت کے علائقے کے بارے میں ہماری سارکار نے چین کی سارکار کے ساٹھ جو واپاری سندی کی ہے اور جن سہانتوں پر: کی ہے اُن کی مثال دنیا میں ابھی تک کہیں نہیں ملتی۔ ویش منڈی کی حیثیت سے اپنے پورے سہ میں میں نے اس سے بہتر کام نہیں کیا۔ یہ سندھی اور اس کے سہانت دنیا کے سب دیشوں کے لئے ایک سبق ہیں۔‘‘

جننوا کانفرنس

اس سمہ ہارت اور سنسار کی جننا شانتی کے لئے آندولن کر رہی تھی۔ ہند چین کی لڑائی کے خلاف اور فرانس کی سرکار کے ردہ جگہ جگہ آواز اُٹھ رہی تھی۔ جننا بڑے بڑے راشٹروں سے، مانگ کر رہی تھی کہ وہ ملکر بیٹھیں اور ہند چین اور کوریا میں لڑائی بند کرنے کا کوئی آپانے نکالیں۔ پل سرورپ پاچ بڑے راشٹر روس، امریکہ، فرانس، برٹین اور نئے چین کی جننوا میں ایک کانفرنس ہوئی۔ اُن کے علاوہ اُتری و دھنی کوریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ،

شانتي قائم رہے تو یہی دولت پیلڈے دیشوں کے ویکاس کے لئے کام میں لائی جا سکتی ہے۔

پنج شیل کے سمर्थن میں ہمارا بھوشہ چڑھا ہے۔ ہر ہارت واسی کا کرتبہ ہے کہ وہ پنج شیل کو سہیل بنانے میں پورا سہیوگ دے۔

‘پنج شیل’ ہمارے دیش کا بہت پوران شبد ہے۔ ہندو، چین اور بولڈ تینوں دیشوں کی کتابوں میں نیچے لکھی پاچ نکیکوں کو، ‘پنج شیل’ کا نام دیا گیا ہے:— (1) کسی کو تکلیف نہ دینا، (2) کبی جوت نہ بولنا (3) کسی دوسرے کا مال نہ لینا (4) اپنی آندریوں پر قابو رکھنا اور (5) دھن سंपत्ति جمع نہ کرنا۔ پنج شیل کے یہ پورانے پاچوں سہانت آدمی آدمی کے بیک ویکار کے لئے تھے۔ نئے ‘پنج شیل’ کے انہیں سے ملاتے جلاتے پاچوں سہانت دیشوں اور راشٹروں کے بیک آپاسی ویکار کے لئے ہیں۔ اس لئے پنج شیل کا مہت اور اُن کا دائرہ اب بڑھ گیا ہے۔ چین، آندونیشیا، برما جسے پورانے بولڈ دیشوں میں بھی یہ شبد ہارت ہی کی طرح کام میں آتا تھا۔ ہارت اور چین کی دوستی سے پنج شیل کا ایک نیا اٹھاس پرامب ہوتا ہے۔

سب سے پلے ہارت اور چین کے بیک تبت کو لے کر ایک واپاری سندھی ہوئی جو انہیں پاچ سہانتوں پر کی گئی۔ یہ سندھی اپریل 1914 میں ہوئی۔ اس کے دو مہینے بعد یہ سہانت چین اور ہندستان کی دوسری کی ہنیا درار دئے گئے۔

شری نہرو نے لوک سبھا میں اپنے آلوچوں کو اتر دیتے ہوئے کہا تھا:—‘‘تبت کے علائقے کے بارے میں ہماری سرکار نے چین کی سرکار کے ساٹھ جو واپاری سندی کی ہے اور جن سہانتوں پر: کی ہے اُن کی مثال دنیا میں ابھی تک کہیں نہیں ملتی۔ ویش منڈی کی حیثیت سے اپنے پورے سہ میں میں نے اس سے بہتر کام نہیں کیا۔ یہ سندھی اور اس کے سہانت دنیا کے سب دیشوں کے لئے ایک سبق ہیں۔‘‘

جننوا کانفرنس

اس سمہ ہارت اور سنسار کی جننا شانتی کے لئے آندولن کر رہی تھی۔ ہند چین کی لڑائی کے خلاف اور فرانس کی سرکار کے ردہ جگہ جگہ آواز اُٹھ رہی تھی۔ جننا بڑے بڑے راشٹروں سے، مانگ کر رہی تھی کہ وہ ملکر بیٹھیں اور ہند چین اور کوریا میں لڑائی بند کرنے کا کوئی آپانے نکالیں۔ پل سرورپ پاچ بڑے راشٹر روس، امریکہ، فرانس، برٹین اور نئے چین کی جننوا میں ایک کانفرنس ہوئی۔ اُن کے علاوہ اُتری و دھنی کوریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ،

رہنے پر निर्भर है. हम स्वभाव से ही अमन पसन्द हैं. इसीलिये हम शान्ति कायम करने की कोशिश को बड़े से बड़े कामों में सबसे पहले रखते हैं.”

यह समझना गलत है कि भारतवासियों को विश्व युद्ध के सम्बन्ध में चिन्ता करने की जरूरत नहीं है. केवल तटस्थ रहने से अब अपनी रक्षा नहीं हो सकती. एटम बम से निकलने वाली रेडियाई लहरों की कोई हद नहीं है और तटस्थ और लड़ाकुओं में वह कोई फरक नहीं करती.

भारत पर तरह तरह के एतराज हो रहे हैं और उसे तटस्थता (गैरजानिबदारी) से डिगाने के लिये दबाव डाले जा रहे हैं. पाकिस्तान में, लंका में और भारत के उन हिस्सों में जो विदेशियों के आधीन हैं क्राजी अड्डे बनाकर हमारे देश को क्राजी जालों से घेरा जा रहा है. इन अड्डों के कारण हम पर दबाव पड़ता है और हमारे लिये डर पैदा होता है. दूसरे शक्तिशाली देशों की “आर्थिक सहायता” उस दैवी प्रकोप (क्रहरे इलाही) के समान है जो सदा सर पर मंडलाता रहता है. पाकिस्तान और पुर्तगाली बस्तियां लड़ाई के लिये तैयार की जा रही हैं.

हिन्द चीन के समझौते में एक बड़ा हिस्सा लेने के लिये हम मजबूर कर दिये गये. जैसे जैसे दिन बीतेगे भारत को एक निश्चित रख तमाम अन्तर्राष्ट्रीय सवालों पर लेना पड़ेगा, उसे अगुवाई भी करनी पड़ेगी, खास तौर से उन सवालों पर जो एशिया की समस्याओं और राष्ट्रों की आजादी से सम्बन्ध रखते हैं. उन सवालों पर तो भारत को आगे बढ़ कर भाग लेना ही पड़ेगा और एक पक्का रास्ता अपनाना होगा.

बिलकुल अलग थलग रहना अब सम्भव नहीं है. जोड़ तोड़ की लड़ाई हमारी सीमा तक आ पहुँची है. दिन प्रति दिन शान्ति स्थापना का भार भारत के कंधों पर बढ़ता जा रहा है.

जिन लोगों के हाथों में हकूमत है उन पर ही सारा भार छोड़ देना ठीक नहीं है. हमारे देश में जनता की आवाज में क्या शक्ति है, इस पर जोर देने की आवश्यकता है.

शान्ति के लिये जो ये पांच सिद्धान्त तय किये गये हैं उनका समर्थन हमारी अधिक से अधिक जनता करे, यही हमारे सामने आज सवाल है. इन सिद्धान्तों के समर्थन का मतलब यह है कि एशियाई देशों के बीच फूट डालने और उनको गुलाम बनाने के जो प्रयत्न हो रहे हैं उन्हें विफल किया जाए और भारत की दोस्ती एशिया के दूसरे देशों और खासकर हमारे सबसे बड़े पड़ोसी चीन के साथ मजबूत की जाय, और आपस में मेल और एका बढाया जाय, जनता की मेहनत से जो दौलत पैदा होती है उससे हथियार बनाकर उसका दुरुपयोग किया जाता है. यदि

रहने पर निर्भर है. हम सहाय से ही अमन पसन्द हैं. इसीलिये हम शान्ति कायम करने की कोशिश को बड़े से बड़े कामों में सबसे पहले रखते हैं.”

یہ سمجھنا غلط ہے کہ بھارت واسیوں کو وشو یدہ کے سمبندھ میں چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے . کیول تنستہ رہنے سے اب اپنی رक्षा نہیں ہوسکتی . ایقہ ہم سے نکلنے والی ریڈیائی لہروں کی کوئی حد نہیں ہے اور تنستہ اور لڑاکوں میں وہ کوئی فرق نہیں کرتیں .

بھارت پر طرح طرح کے اعتراض ہو رہے ہیں اور اُسے تنستہا (غیر جانب داری) سے ڈگالے کے لئے دباؤ ڈالے جا رہے ہیں . پاکستان میں، لٹکا میں اور بھارت کے اُن حصوں میں جو ودیشیوں کے اذقیں ہیں فوجی آڈے بناکر ہمارے دیش کو فوجی جالوں سے گھیرا جا رہا ہے . اِن آڈوں کے کان ہم پر دباؤ پڑتا ہے اور ہمارے لئے تر پیدا ہوتا ہے . دوسرے شکتی شالی دیشوں کی “اقتصادی سہائتا” اُس دہوی پروکوپ (تہراہول) کے سمان ہے جو سدا سر پر منذ لاذا رہتا ہے . پاکستان اور پر نکالی ہستیاں لڑائی کے لئے تیار کی جا رہی ہیں .

ہند-چین کے سمجھوتے میں ایک ہواخصہ لینے کے لئے ہم مجبور کر دیئے گئے . جیسے جیسے دن بیتےگے بھارت کو ایک نشچت رخ تمام انڈر لاشٹریہ سواں پر لینا پڑےگا، اُسے اگوائی بھی کرنی پڑے گی، خاص طور سے اُن سواں پر جو ایشیا کی سمسٹاؤں اور راشٹروں کی آزادی سے سمبندھ رکھتے ہیں . اُن سواں پر تو بھارت کو آگے بڑھ کر بھاگ لینا ہی پڑےگا اور ایک بکا راستہ اپنانا ہوگا .

ہائل الگ تھاک رہنا اب سمبہ نہیں ہے . جوڑ تڑ کی لڑائی ہماری سیما تک آہونچتی ہے . دن پرتی دن شانتی اسٹاپنا کا بھار بھارت کے کندھوں پر بڑھتا جا رہا ہے .

جن لوگوں کے ہاتھوں میں حکومت ہے اُن پر ہی سارا بھار چھوڑ دینا ٹھیک نہیں ہے . ہمارے دیش میں چنتا کی آواز میں کیا شکتی ہے، اِس پر زور دینے کی آوشیکتا ہے .

شانتی کے لئے جو یہ پانچ مدھانت طے کئے گئے ہیں اُن کا سمرتھن ہماری ادھک سے ادھک چنتا کرے، یہی ہمارے سامنے آج سوال ہے . اِن مدھانتوں کے سمرتھن کا مطلب یہ ہے کہ ایشیائی دیشوں کے بیچ پھوٹ ڈالنے اور اُن کو غم بنانے کے جو پربتیں ہو رہے ہیں انھیں وہیل کیا جائے اور بھارت کی دوستی ایشیا کے دوسرے دیشوں اور خلصکر ہمارے سب سے بڑے پڑوسی چین کے ساتھ مضبوط کی جائے، اور آپس میں مول اور ایکٹا بڑھایا جائے . چنتا کی مدھنت سے جو دوات پیدا ہوتی ہے اُس سے ہتیار بناکر اُس کا دراپہرگ کیا جاتا ہے . بدی

چوتھا সিّدھانت یہ ہے کہ سب دیس دوسرے کو برابر سمجھیں اور ایک دوسرے کے ہمت کا دھیان رکھیں۔ یہ بھی بہت اوشیک سدھانت ہے۔ نتیجہ دیس دوسروں کو سہانتا دینے کے نام پر اُن کی ساری آرتھک وبوستھا پر قبضہ کر بیٹھتے ہیں اور ناجائز ناقدہ آٹھانے کے ائمہ طرح طرح کی مداخلت کرتے ہیں۔ جب تک سب دیس ایک دوسرے کو برابر نہیں سمجھیں گے اور ایک دوسرے کے ہمت کا دھیان نہیں رکھیں گے تب تک شانتی نہیں ہو سکتی۔

پانچواں سیّدھانت یہ ہے کہ اہلگ اہلگ آرتھک یا راجنئیک وبھتھا والے دیس ایک دوسرے کو میتانے کی کوشش کیے بینا ساٹھ ساٹھ اہمن سے رھ سکتے ہیں۔ اچھے رچار نہ لڑائی سے پھیلے ہیں، نہ پھیلینگے۔ جن کے رچار کمزور ہوتے ہیں وہی لڑائی اور مارپیٹ پر اُتر آتے ہیں۔ جو رچار جس حد تک لوگوں کا ہمت کر سکتا ہے اُسی حد تک لوگوں کا ہمت کر سکتا ہے اُسی حد تک وہ ہلاؤں ہوتا ہے۔ رچاروں کا کش عام جنگا کا ہمت کرنا ہے۔ پھر چیکڑا کسی ہمت کا؟ سب سے کسی کوئی پر سب رچار اپنے اپنا جوتے، سچے، ہلاؤں یا کمزور سدھ ہوجائینگے۔ اِس لٹے پنج شیل تمام اُن کوششوں کو برا کہتا ہے جو کسی رچار یا کسی خاص وبوستھا کو ختم کرنے کے لٹے کی جاتی ہیں۔

یہ پانچویں سدھانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور پانچوں کو ایک ساٹھ مان کر ہی دنیا کا بھلا کیا جاسکتا ہے۔

پرنھان منتری جواہر لال نہرو نے پارلیامینٹ میں کہا تھا— ”یہ پانچ سدھانت وشو کو ایشیا کا چیلنج ہیں۔ ہم ہر دیس کو یہ ہمت بتا دینا چاہتے ہیں کہ اُسے کہنا ہے کہ وہ اِن سدھانتوں کو مانتا ہے یا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کہنے کی اُن میں ہمت ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو دیس ہیں ایمانداری سے شانتی چاہتے ہیں وہ اِن سدھانتوں کو سونکار دے گی۔ اِس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“

پنج شیل ایک کسوٹی ہے جس پر کس کس ہر دیس کو پرکھا جا سکتا ہے کہ وہ شانتی کے پکھ میں ہے یا یوڈ کے پکھ میں۔ تو شانتی کایم کرنے کا داوا سبھی کرتے ہیں پر پنج شیل وہ منتر ہے جو سب کا نقاب اُتار دیتا ہے۔

پنج شیل اور بھارت

سوال ہوتا ہے کہ آخر بھارت کو پنج شیل سے کیا لایہ؟ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بھارت نہ کسی دیس پر قبضہ چمانے کا اچھک ہے اور نہ اُس کا کہیں سامراجیت ہے۔ پھر بھارت اپنی شکتی راشٹر نرمان سے ہٹاکر اِس طرف کھوں لگائے؟ اِس کا جواب پنڈت جواہر لال نے ایک جگہ بہت صاف دیا ہے— ”ہمارے دیس کی اور ایشیا کے دوسرے دیسوں کی اُنڈتی کا بھوشیہ بنایا شانتی قائم

پرنھان منتری جواہر لال نہرو نے پارلیامینٹ میں کہا تھا— ”یہ پانچ سدھانت وشو کو ایشیا کا چیلنج ہیں۔ ہم ہر دیس کو یہ ہمت بتا دینا چاہتے ہیں کہ اُسے کہنا ہے کہ وہ اِن سدھانتوں کو مانتا ہے یا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کہنے کی اُن میں ہمت ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو دیس ہیں ایمانداری سے شانتی چاہتے ہیں وہ اِن سدھانتوں کو سونکار دے گی۔ اِس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“

پنج شیل ایک کسوٹی ہے جس پر کس کو پرکھا جاسکتا ہے کہ وہ شانتی کے پکھ میں ہے یا یوڈ کے پکھ میں۔ یوں تو شانتی قائم کرنے کا دعویٰ سبھی کرتے ہیں، پر پنج شیل وہ منتر ہے جو سب کا نقاب اُتار دیتا ہے۔

یہ پانچویں سدھانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور پانچوں کو ایک ساٹھ مان کر ہی دنیا کا بھلا کیا جاسکتا ہے۔

پرنھان منتری جواہر لال نہرو نے پارلیامینٹ میں کہا تھا— ”یہ پانچ سدھانت وشو کو ایشیا کا چیلنج ہیں۔ ہم ہر دیس کو یہ ہمت بتا دینا چاہتے ہیں کہ اُسے کہنا ہے کہ وہ اِن سدھانتوں کو مانتا ہے یا نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کہنے کی اُن میں ہمت ہو۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو دیس ہیں ایمانداری سے شانتی چاہتے ہیں وہ اِن سدھانتوں کو سونکار دے گی۔ اِس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔“

پنج شیل ایک کسوٹی ہے جس پر کس کو پرکھا جاسکتا ہے کہ وہ شانتی کے پکھ میں ہے یا یوڈ کے پکھ میں۔ یوں تو شانتی قائم کرنے کا دعویٰ سبھی کرتے ہیں، پر پنج شیل وہ منتر ہے جو سب کا نقاب اُتار دیتا ہے۔

پنج شیل اور بھارت

سوال ہوتا ہے کہ آخر بھارت کو پنج شیل سے کیا لایہ؟ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بھارت نہ کسی دیس پر قبضہ چمانے کا اچھک ہے اور نہ اُس کا کہیں سامراجیت ہے۔ پھر بھارت اپنی شکتی راشٹر نرمان سے ہٹاکر اِس طرف کھوں لگائے؟ اِس کا جواب پنڈت جواہر لال نے ایک جگہ بہت صاف دیا ہے— ”ہمارے دیس کی اور ایشیا کے دوسرے دیسوں کی اُنڈتی کا بھوشیہ بنایا شانتی قائم

آج کے زمانے کی پھر پھر پانچ شیل ہے۔ ساتھ ساتھ وہ زندہ رہیں گے، الگ رہے تو مت جائیں گے۔ اس ایکٹ کا نام ہی 'پانچ شیل' ہے۔

ایشیا سے باہر کے کچھ دیش 'پانچ شیل' سے اس طرح تہے ہیں جیسے وہ کوئی بھیانک ہم ہو۔ پانچ شیل ہتھیار ضرور ہے کتو لڑائی کرنے کا ہتھیار نہیں، لڑائی روکنے کا ہتھیار ہے۔ 'پانچ شیل' کے پانچ سدھانت یہ ہیں :—

1—ایک دوسرے کے دیشوں کی اگھنڈتا اور مکمل آزادی کا ادب کرنا۔

2—کسی دوسرے پر ہملا نہ کرنا۔

3—کسی دوسرے کے اہم دھرونی ماملوں میں دخل نہ دینا۔

4—برابری اور ایک دوسرے کے ہت کا خیال رکھنا۔

5—شانیتپربھ کا ساتھ ساتھ رہنا۔

یہ پانچ سدھانت ساری دنیا کو اہم دہان دیتے ہیں۔ بدی ساری دنیا ان سدھانتوں کو مان لے تو دنیا سے تہ اور لڑائی ختم ہو جائیں۔

ان میں پہلا سدھانت سب دیشوں کی پوری آزادی کو وشو شانتی کے لئے ضروری ماننا ہے۔ جب تک کچھ راشٹر دوسرے راشٹروں پر قبضہ جمانے رہیں گے تب تک دنیا میں شانتی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے پانچ شیل کو ماننے کے لئے ہر راشٹر کو دوسرے راشٹروں کی بھومی سے اپنا قبضہ اٹھا لینا پڑے گا۔

دوسرا سدھانت حملے کے تہ کو راشٹروں کے دل سے دور کرنا ہے۔ تہ ہی لڑائی کی جڑ ہے۔ اسی کے کارن سب راشٹر اپنی شکتی ہتھیار اٹھا کرنے میں لگتے ہیں۔ بدی سارے راشٹر سچے دل سے اس طرح کا اعلان کر دیں تو دنیا میں شانتی آسانی سے قائم ہو سکتی ہے۔

تیسرا سدھانت بھی صاف ہے۔ بدی کچھ راشٹر دوسرے راشٹروں کے معاملوں میں دخل دینے کے پے چینی ہر گھسیں۔ دخل دینا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ کسی دیش میں یا اُس کے اید گرد نوجی آفہ بنانے اُس کی نیہتی پر اثر ڈالنا بھی دخل دینا ہے۔ باہر کے دیشوں کے ساتھ نوجی سنگٹھن یا سمجھوتے بھی اسی طرح کی مداخلت ہیں۔ اس کے علاوہ اربوں ڈالر بھاکر آج دوسرے دیشوں میں جاسوس تیار کئے جا رہے ہیں اور ان دیشوں کی سرکاروں کو اپنی نیہتی بدلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کی ہر مداخلت کو یہ سدھانت برا بتاتا ہے۔ کس دیش میں کیسی سرکار ہو یا کیسے انہیں قانون ہو، یہ طے کرنے کا ادھیکار اُس دیش کی جنتا کو ہی ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ اُرتھک یا راج نیتک وبوستھا الگ الگ ہونے کے کارن انڈر راشٹریہ سمبندھ خراب نہیں ہونے چاہئیں۔

آج کے زمانے کی پھر پھر پانچ شیل ہے۔ ساتھ ساتھ وہ زندہ رہیں گے، الگ رہے تو مت جائیں گے۔ اس ایکٹ کا نام ہی 'پانچ شیل' ہے۔

ایشیا سے باہر کے کچھ دیش 'پانچ شیل' سے اس طرح تہے ہیں جیسے وہ کوئی بھیانک ہم ہو۔ پانچ شیل ہتھیار ضرور ہے کتو لڑائی کرنے کا ہتھیار نہیں، لڑائی روکنے کا ہتھیار ہے۔ 'پانچ شیل' کے پانچ سدھانت یہ ہیں :—

1—ایک دوسرے کے دیشوں کی اگھنڈتا اور مکمل آزادی کا ادب کرنا۔

2—کسی دوسرے پر حملہ نہ کرنا۔

3—کسی دوسرے کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دینا۔

4—برابری اور ایک دوسرے کے ہمت کا خیال رکھنا۔

5—شانیتپربھ کا ساتھ ساتھ رہنا۔

یہ پانچ سدھانت ساری دنیا کو اہم دہان دیتے ہیں۔ بدی ساری دنیا ان سدھانتوں کو مان لے تو دنیا سے تہ اور لڑائی ختم ہو جائیں۔

ان میں پہلا سدھانت سب دیشوں کی پوری آزادی کو وشو شانتی کے لئے ضروری ماننا ہے۔ جب تک کچھ راشٹر دوسرے راشٹروں پر قبضہ جمانے رہیں گے تب تک دنیا میں شانتی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے پانچ شیل کو ماننے کے لئے ہر راشٹر کو دوسرے راشٹروں کی بھومی سے اپنا قبضہ اٹھا لینا پڑے گا۔

دوسرا سدھانت حملے کے تہ کو راشٹروں کے دل سے دور کرنا ہے۔ تہ ہی لڑائی کی جڑ ہے۔ اسی کے کارن سب راشٹر اپنی شکتی ہتھیار اٹھا کرنے میں لگتے ہیں۔ بدی سارے راشٹر سچے دل سے اس طرح کا اعلان کر دیں تو دنیا میں شانتی آسانی سے قائم ہو سکتی ہے۔

تیسرا سدھانت بھی صاف ہے۔ بدی کچھ راشٹر دوسرے راشٹروں کے معاملوں میں دخل دینے کے پے چینی ہر گھسیں۔ دخل دینا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ کسی دیش میں یا اُس کے اید گرد نوجی آفہ بنانے اُس کی نیہتی پر اثر ڈالنا بھی دخل دینا ہے۔ باہر کے دیشوں کے ساتھ نوجی سنگٹھن یا سمجھوتے بھی اسی طرح کی مداخلت ہیں۔ اس کے علاوہ اربوں ڈالر بھاکر آج دوسرے دیشوں میں جاسوس تیار کئے جا رہے ہیں اور ان دیشوں کی سرکاروں کو اپنی نیہتی بدلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کی ہر مداخلت کو یہ سدھانت برا بتاتا ہے۔ کس دیش میں کیسی سرکار ہو یا کیسے انہیں قانون ہو، یہ طے کرنے کا ادھیکار اُس دیش کی جنتا کو ہی ہے۔ اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ اُرتھک یا راج نیتک وبوستھا الگ الگ ہونے کے کارن انڈر راشٹریہ سمبندھ خراب نہیں ہونے چاہئیں۔

کا हाथ कहीं रह गया, किसी की टांग कहीं कट कर जा पड़ी. जो मर गये, अच्छे रहे. जो बचे, उनकी दशा देखी नहीं जा सकती थी. यह "तजुरबा" फिर जापान से कुछ ही दूर एक टापू पर दोहराया गया. हजारों एशियाई मछवे फिर किसी की लालसा की भेंट चढ़ गये ! इस तरह एशिया को दो बार यह भयानक मौत का नाच देखा ना पड़ा.

इन मौत के सौभाग्यों को इसीलिये एशिया ने चेतावनी दी. 'पंच शील' वही चेतावनी है.

एशिया की सरजमीन पर अनेक सभ्यताएं जन्मीं और फूली फलीं. एशिया ने ही यूरोप को ईसा से सैकड़ों बरस पहले वह 'मित्र-धर्म' दिया था जो एक बार सारे यूरोप में फैल गया था और जिसने यूरोप को पहली बार नेकी और बंदी का फरक सिखाया. एशिया ने ही दुनिया को राम, कृष्ण, जगतुरत, मूसा, बुद्ध, कंगफूसे, ईसा और मुहम्मद दिये. एशिया का सितारा भी कभी हजारों साल चमक चुका है. एशिया ने ही यूरोप वालों को वह पतलून और हैट पहनाये जो दोनों चीन की देन हैं. एशिया ने ही सबसे पहले मनोरंजन के लिये बारूद ईजाद की. उसे उस समय क्या मालूम था कि कुछ जातियां इससे वह गोली बनाएंगी जो एशिया ही के खिलाफ चलाई जाएगी. एशिया ने ही वह "हिन्दसे" यूरोप को दिये जिनके बिना विज्ञान की उन्नति हो ही नहीं सकती थी. फिर एक नौद का भोंका आया. एशिया सो गया, उसकी परम्परा सो गई, उसकी किस्मत सो गई ! उसने अपने पराये का फरक भुला दिया. बाहर की कुछ जातियों ने उसकी जमीन पर जगह जगह अपना कब्जा जमा ल .

पर आज एशिया फिर से जाग रहा है. उसने आज अंगड़ाई ली है. सदियों की जंजीरें टूट रही हैं. एशिया उभर रहा है. एशिया को इस नव जागरण का अन्त करने के लिये शान्ति के दुश्मन तरह तरह के जाल लेकर दौड़ रहे हैं. एशिया अब सब कुछ समझता है. उसने अपने शत्रुओं को चेतावनी दी है ! यही चेतावनी 'पंच शील' है.

पंचशील और उसके उद्गल

'पंचशील' एशियाई देशों की एकता का चिह्न है. पंच-शील हमारी दोस्ती को पक्का करता है. पंचतंत्र में एक कहानी है :—किसी शिकारी ने जाल फैलाकर उस पर दाने बिखरा दिये. चिड़ियों का एक दल उधर से गुजरा. दानों की लालच में वह जाल पर उतरा और फंस गया. सब निराशा में डूबकर शिकारी का इन्तजार करने लगीं, पर एक कौबे ने उन्हें हिम्मत दिलाई. वह सब एक साथ जोर लगा कर जाल समेत उड़ गई ! शिकारी मुंह ताकता रह गया !

का हाथ कहीं रहे, किसी की टांग कहीं कट कर जा पड़ी. जो मर गये, अच्छे रहे. जो बचे, उनकी दशा देखी नहीं जा सकती थी. यह "तजुरबा" फिर जापान से कुछ ही दूर एक टापू पर दोहराया गया. हजारों एशियाई मछवे फिर किसी की लालसा की भेंट चढ़ गये ! इस तरह एशिया को दो बार यह भयानक मौत का नाच देखा पड़ा .

ان موت کے سوانگروں کو اسی لئے ایشیا نے چیتاؤنی دی. 'پنج شیل' وہی چیتاؤنی ہے .

ایشیا کی سر زمین پر انیک سہیبتانیوں جنمیں اور بھولی پھلیں . ایشیا نے ہی یورپ کو عیسوی سے سیکڑوں برس پہلے وہ "متر دھرم" دیا تھا جو ایک بار سارے یورپ میں پھیل گیا تھا اور جس نے یورپ کو پہلی بار لکھی اور بھلی کا فرق سکھایا . ایشیا نے ہی 'دُنیا کو رام' کرشن' رزشت' موسیٰ بدہ' نمک دوتسے عیسوی اور محمد دیے . ایشیا کا ستارا بھی کبھی ہزاروں سال چمک چکا ہے . ایشیا نے ہی یورپ والوں کو وہ پتالوں اور ہیٹ پہنائے جو دونوں چین کی دین ہیں . ایشیا نے ہی سب سے پہلے منورنجن کے لئے بارود ایجاد کی . اُسے اُس سے کیا معلوم تھا کہ کچھ جانیوں اس سے وہ گولی بدلتی جو ایشیا ہی کے خلاف چلائی جائیگی . ایشیا نے ہی وہ "نقدسے" یورپ کو دئے جن کے بنا وگیاں کی اُننتی ہو گی نہیں سکتی تھی . پور ایک نیند کا جھونکا آیا . ایشیا سو گیا . اُس کی پرہیزا سو گئی ! اُس کی قسمت سو گئی ! اُس نے اپنے پرانے کا فرق بیلا دیا . باہر کی کچھ جانیوں نے اُس کی زمین پر جگہ جگہ اپنا قبضہ جما لیا .

پر آج ایشیا پور سے جاگ رہا ہے . اُس نے آج انگریزی کی صدیوں کی زمینیں ٹوٹ رہی ہیں . ایشیا ابھر رہا ہے . ایشیا کے اُس نوجوان کا انت کرنے کے لئے شانتی کے دشمن طرح طرح کے جال لیکر دوڑ رہے ہیں . ایشیا اب سب کچھ سمجھتا ہے . اُس نے اپنے شত্রوں کو چیتاؤنی دی ہے ! یہی چیتاؤنی 'پنج شیل' ہے .

پنج شیل اور اُس کے اصول

'پنج شیل' ایشیائی دیشوں کی ایکتا کا چنہ ہے . پنج شیل ہماری دوستی کو پکا کرتا ہے. پنج تندر میں ایک کہانی ہے :— کسی شکاری نے جال پھلائے اُس پر دانے بکھرا دیے . چڑیوں کا ایک دل اُکھو سے گذرا . دانوں کی لالچ میں وہ جال پر اُترا اور پھنس گیا . سب نراشا میں ڈوب کر شکاری کا انتظار کرنے لگیں ! پر ایک کوبے نے انہیں ہمت دلائی . وہ سب ایک ساتھ زور لگا کر جال سمیت اُڑ گئیں ! شکاری منہ تانکا رہ گیا !

ش्री ओम प्रकाश 'मंत्री'

شری اوم پرکاش 'منتري'

एटम शक्ति और एशिया का नव जागरण

ایٹم شکتی اور ایشیا کا نوجاگرن

"पंचशील सारे संसार को एक चैलेंज (चुनौती) है" —जवाहरलाल नेहरू.

"پنج شیل سارے سنسار کو ایک چیلینج (چنونی) ہے!" —جواہر لال نہرو.

जवाहरलाल नेहरू ही के शब्दों में इस युग की दो सबसे बड़ी वेन ये हैं:—एक ऐटम शक्ति का आबिष्कार और दूसरे एशिया का नव जागरण. यह दोनों ही अपने अपने ढंग से संसार को चैलेंज दे रहे हैं.

جواہر لال نہرو ہی کے شब्दوں میں اس یگ کی دو سب سے بڑی دین یہ ہیں:—ایک ایٹم شکتی کا آشکار اور دوسرے ایشیا کا نوجاگرن. یہ دونوں ہی اپنے اپنے قہنگ سے سنسار کو چیلینج دے رہے ہیں.

हर चीज का सदुपयोग और दुरुपयोग दोनों होते हैं, पर ऐटम शक्ति का मामला सबसे गहरा है. इसके सदुपयोग से दुनिया की हालत बदल सकती है—रेगिस्तान लहलहाते खेत बन सकते हैं, बंजर जमीन से अनाज पैदा हो सकता है, करोड़ों भूखों को रोटी मिल सकती है, माताओं के लिये धोतियां बुनी जा सकती हैं, बहनों के लिये सुन्दर आंचल तैयार किये जा सकते हैं, दुनिया चैन के हिंदोले में झूल सकती है, हर चीज अस्ानी से मिल सकती है, हर चीज सस्ती हो सकती है, रोग और महामारियां नष्ट की जा सकती हैं, दुनिया का नक्शा बदल सकता है, आदमी सच्चे अर्थों में खुद अपना भाग्य विधाता बन सकता है. दूसरी तरफ इस शक्ति का दुरुपयोग सारी मनुष्य जाति को ही जड़ मूल से खतम कर सकता है, संसार के बड़े से बड़े वैज्ञानिक ऐटम शक्ति के दुरुपयोग के भयानक नतीजों का समय समय पर दुनिया क सामने रखते रहे हैं. इस शक्ति का पहला दुरुपयोग जापान के नगर हीरोशीमा और फिर नागासाकी पर हुआ था, जिससे देखने वाले ही नहीं, सुनने वाले भी कांप उठे थे. जो हुआ वह थोड़े से में यह था:—

ہر چیز کا سد اُپیوگ اور در اُپیوگ دونوں ہوتے ہیں، پر ایٹم شکتی کا معاملہ سب سے گہرا ہے. اس کے سد اُپیوگ سے دنیا کی حالت بدل سکتی ہے—ریگستان لہلہاتے کھیت بن سکتے ہیں، بے زرخیز زمین سے اناج پیدا ہو سکتا ہے، کروڑوں بھوکوں کو روٹی مل سکتی ہے، مائیں کے لئے دھوئیاں بنی جاسکتی ہیں، بہنوں کے لئے سندر آنچل تیار کئے جاسکتے ہیں، دنیا چین کے ہندولہ میں جھول سکتی ہے، ہر چیز آسانی سے مل سکتی ہے، ہر چیز سستی ہو سکتی ہے، روگ اور مہاماریاں نشت کی جاسکتی ہیں، دنیا کا نقشہ بدل سکتا ہے، آدمی سچے اُرتھوں میں خود اپنا بھاگیدہ ودغلا بن سکتا ہے. دوسری طرف اس شکتی کا در اُپیوگ ساری منشیہ جاتی کو ہی جز مول سے ختم کر سکتا ہے. سنسار کے بڑے سے بڑے ویکانک ایٹم شکتی کے در اُپیوگ کے بھیانک نتیجوں کو سمے سمے پر دنیا کے سامنے رکھتے رہے ہیں. اس شکتی کا پہلا در اُپیوگ جاپان کے نگر ہیرو شیا اور ہیرو ناگاساکی پر ہوا تھا، جس سے دیکھنے والے ہی نہیں، سننے والے بھی کانپ اُٹھتے تھے. جو ہوا وہ تہوڑے سے میں یہ تھا:—

ऐटम बम गिरते ही एक विस्फोट हुआ. धूल उठ उठ कर आसमान पर छांने लगी. लाखों मील के अन्दर हर जानदार चीज मौत के मुंह में जा पड़ी—चौपाए, चिड़ियां, पेड़, पौधे सभी नष्ट हो गये. लोग तड़प तड़प कर मर रहे थे और कोई मुंह में पानी डालने वाला नहीं था! बम के गिरते ही सारे वातावरण में भयंकर गरमी पैदा हो गई. लोगों के शरीर पर छाले पड़ गये. सब बेतहाशा नदी की बालू की तरफ भागे. एक ही जगह उन्हें तसल्ली मिल सकती थी और वह नदी की गरम बालू थी. तपती रेत पर लोग तड़प रहे थे, "पानी! पानी!" चिल्ला रहे थे. किसी

ایٹم بم گرتے ہی ایک وسیہوت ہوا. دھول اُٹھ اُٹھ کر آسمان پر چھانے لگی. لاکھوں میل کے اندر ہر جاندار چیز موت کے منہ میں جا پڑی—چوپائے، چڑیاں، پےڑے، پودے، سبھی نشت ہو گئے. لوگ تڑپ تڑپ کر مر رہے تھے اور کوئی منہ میں پانی ڈالنے والا نہیں تھا! بم کے گرتے ہی سارے وائارن میں بھینکر گرمی پیدا ہو گئی. لوگوں کے شریر پر چھالے پڑ گئے. سب بے تہاشا ندی کی بالو کی طرف بھاگے. ایک ہی جگہ انہیں تسلی مل سکتی تھی اور وہ ندی کی گرم بالو تھی. تپتی ریت پہ لوگ تڑپ رہے تھے "پانی! پانی!" چلا رہے تھے. کسی

بالوں کو ایشیا والوں سے لڑانے کا کچھ پچھمی راشٹروں کا ناپاک ارادہ ناکام ہو جائیگا اور وہ اپنا سامنے لڑ کر رہ جائیگا۔ ہمیں یقین ہے کہ چینی جنتا کی طرح دوسرے دیشوں کے لوگ بھی پوری طرح چاہتے ہیں کہ جاپانی جنتا کی یہ مانگ پوری ہو۔ برہادی کے ہتھیاروں کے آپہوگ کے وردہ آندولن کرنے میں جاپانی جنتا نے حال میں زبردست کامیابی حاصل کی ہے۔ ایسے ہتھیاروں کے آپہوگ کے خلاف لگ بھگ دو کروڑ نفیس لاکھ جاپانیوں نے دستخط کئے ہیں۔ جاپانی جنتا بہادری سے شانتی کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ ہم اس کی اس کوشش کے سمان میں سر جگاتے ہیں۔

بنگاکا میں آج ایک سمیلن ہوا تھا۔ یہ سمیلن شانتی قائم کرنے کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد لڑائی کی تیاریاں کرنا تھا، اس سمیلن کی مہمان نوازی کا بہار تھائی لینڈ کے سر تھا۔ ویدیسی غلامی کے آدھیں تھائی لینڈ کے نولسی پس رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پوری آشا ہے کہ تھائی لینڈ کے نیٹا اور وہاں کی جنتا اس سچائی کو سمجھ جائیگی کہ اپنی زمین پر ویدیسیوں کے فوجی آڈے قائم کرانے اور ویدیسی شکتیوں کے بنائے مارگ پر ویدیسی نیٹی پکی کرنے سے تھائی لینڈ کی سونکشا نہیں ہوسکتی۔ ایشیائی دیشوں کے ویشال پرپور میں شامل ہوکر ہی تھائی لینڈ کی سونکشا ہوسکتی ہے۔

بنگاکا میں آج ایک سمیلن ہوا تھا۔ یہ سمیلن شانتی قائم کرنے کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد لڑائی کی تیاریاں کرنا تھا، اس سمیلن کی مہمان نوازی کا بہار تھائی لینڈ کے سر تھا۔ ویدیسی غلامی کے آدھیں تھائی لینڈ کے نولسی پس رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پوری آشا ہے کہ تھائی لینڈ کے نیٹا اور وہاں کی جنتا اس سچائی کو سمجھ جائیگی کہ اپنی زمین پر ویدیسیوں کے فوجی آڈے قائم کرانے اور ویدیسی شکتیوں کے بنائے مارگ پر ویدیسی نیٹی پکی کرنے سے تھائی لینڈ کی سونکشا نہیں ہوسکتی۔ ایشیائی دیشوں کے ویشال پرپور میں شامل ہوکر ہی تھائی لینڈ کی سونکشا ہوسکتی ہے۔

بنگاکا میں آج ایک سمیلن ہوا تھا۔ یہ سمیلن شانتی قائم کرنے کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد لڑائی کی تیاریاں کرنا تھا، اس سمیلن کی مہمان نوازی کا بہار تھائی لینڈ کے سر تھا۔ ویدیسی غلامی کے آدھیں تھائی لینڈ کے نولسی پس رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پوری آشا ہے کہ تھائی لینڈ کے نیٹا اور وہاں کی جنتا اس سچائی کو سمجھ جائیگی کہ اپنی زمین پر ویدیسیوں کے فوجی آڈے قائم کرانے اور ویدیسی شکتیوں کے بنائے مارگ پر ویدیسی نیٹی پکی کرنے سے تھائی لینڈ کی سونکشا نہیں ہوسکتی۔ ایشیائی دیشوں کے ویشال پرپور میں شامل ہوکر ہی تھائی لینڈ کی سونکشا ہوسکتی ہے۔

بنگاکا میں آج ایک سمیلن ہوا تھا۔ یہ سمیلن شانتی قائم کرنے کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد لڑائی کی تیاریاں کرنا تھا، اس سمیلن کی مہمان نوازی کا بہار تھائی لینڈ کے سر تھا۔ ویدیسی غلامی کے آدھیں تھائی لینڈ کے نولسی پس رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پوری آشا ہے کہ تھائی لینڈ کے نیٹا اور وہاں کی جنتا اس سچائی کو سمجھ جائیگی کہ اپنی زمین پر ویدیسیوں کے فوجی آڈے قائم کرانے اور ویدیسی شکتیوں کے بنائے مارگ پر ویدیسی نیٹی پکی کرنے سے تھائی لینڈ کی سونکشا نہیں ہوسکتی۔ ایشیائی دیشوں کے ویشال پرپور میں شامل ہوکر ہی تھائی لینڈ کی سونکشا ہوسکتی ہے۔

بنگاکا میں آج ایک سمیلن ہوا تھا۔ یہ سمیلن شانتی قائم کرنے کے لئے نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد لڑائی کی تیاریاں کرنا تھا، اس سمیلن کی مہمان نوازی کا بہار تھائی لینڈ کے سر تھا۔ ویدیسی غلامی کے آدھیں تھائی لینڈ کے نولسی پس رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے۔ ہمیں پوری آشا ہے کہ تھائی لینڈ کے نیٹا اور وہاں کی جنتا اس سچائی کو سمجھ جائیگی کہ اپنی زمین پر ویدیسیوں کے فوجی آڈے قائم کرانے اور ویدیسی شکتیوں کے بنائے مارگ پر ویدیسی نیٹی پکی کرنے سے تھائی لینڈ کی سونکشا نہیں ہوسکتی۔ ایشیائی دیشوں کے ویشال پرپور میں شامل ہوکر ہی تھائی لینڈ کی سونکشا ہوسکتی ہے۔

ایشیا کی ایکتا زندہ باد! یہی ہم سب کی پرارتھنا ہے۔

ایشیا کی ایکتا جیندا باد! یہی ہم سب کی پرارتھنا

سوناएं निकल जाएं. 6 फरवरी को हमारे भारती दोस्तों ने "ताइवान छोड़ो दिन" मनाया था. हम दिल से इस भावना की कद्र करते हैं.

मैं यह भी कह दूँ कि ताइवान की समस्या पर विचार करने और उसका हल ढूँढ़ने के लिये दस देशों का सम्मेलन बुलाने के सुझाव से चीनी जनता सहमत हो सकती है. यह दस देश यह होंगे :—भारत, रूस, बर्मा, बरतानिया, फ्रांस, चीन, इन्डोनीशिया, लंका, अमरीका और पाकिस्तान. सवाल उठ सकता है कि इस सम्मेलन में च्यांग-काई-शेक और उनके गुरगें क्यों शामिल नहीं हो सकते ? हमारा जवाब यह है: च्यांग-काई-शेक और उनके गुरगें अमरीकी सरकार की एक कठपुतली के सिवा कुछ नहीं हैं. फिर इनसे बात चीत क्यों की जाए ? हम सीधे सीधे अमरीकियों से ही बात क्यों न करें ? इसलिये जब कभी अमरीकी राजी होंगे और नेकनीयती से ऐसे सम्मेलन में आयेंगे तो हम उनसे बात कर लेंगे. हम सदा इस पक्ष के समर्थक हैं कि सारे अन्तर्राष्ट्रीय झगड़े आपस में बात चीत करके शान्तिपूर्ण ढंग से हल किये जाएं. यही तो हमने पांगमुमजाम और फिर जनेवा में किया है. हमें विश्वास है कि शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों, पंचशील, के आधार पर न केवल ताइवान की ही समस्या हल हो सकती है बल्कि सारी अन्तर्राष्ट्रीय समस्याएं हल की जा सकती हैं.

कुछ दिनों पहले प्रधान मंत्री नेहरू ने ठीक ही कहा था:—“पंचशील दुनिया के देशों को एशिया की एक चुनौती है और हर देश को इस चुनौती का उत्तर देना है”..... आइये हम पृष्ठें कि अमरीकी सरकार दूसरे देशों पर आक्रमण करेगी या नहीं ? वह दूसरे राष्ट्रों के मामलों में हस्तक्षेप करेगी या नहीं ?

जापानियों की मांग है कि चीन और जापान में अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्ध कायम हों. मुझे विश्वास है कि यह भावना दिन बदिन बढ़ती जा रही है और यह मांग जोर पकड़ रही है. जापानी जनता की इस मांग से चीनी जनता को पूरी हमदर्दी है और उनकी कामना है कि यह मांग पूरी हो. चीन और जापान के बीच सम्बन्ध कायम होने के रास्ते में रोड़ा कौन है ? निरसंदेह न तो जापान ही इस रास्ते में बाधा खड़ा करता है और न चीन ही रोड़ा अटकाता है. यह तो अमरीका की ही सरकार है जो जापानी सरकार पर दबाव डाल कर जापानी जनता की इस मांग को पूरी होने से रोकती है. चीनी जनता को पूरा विश्वास है कि जब जापान विदेशी जुए को उतार फेंकेगा, आर्थिक और राजनैतिक आजादी हासिल कर लेगा और तमाम एशियाई देशों से दोस्ताना सम्बन्ध कायम कर लेगा तो जापान में फिर से क्रांती शासन को जन्म देने और एशिया

सैनानों निकल जाएंगे. 6 फरवरी को हमारे भारती दोस्तों ने "ताइवान छोड़ो दिन" मनाया था. हम दिल से इस भावना की कद्र करते हैं.

मैं यह भी कह दूँ कि ताइवान की समस्या पर विचार करने और उसका हल ढूँढ़ने के लिये दस देशों का सम्मेलन बुलाने के सुझाव से चीनी जनता सहमत हो सकती है. यह दस देश यह होंगे :—भारत, रूस, बर्मा, बरतानिया, फ्रांस, चीन, इन्डोनीशिया, लंका, अमरीका और पाकिस्तान. सवाल उठ सकता है कि इस सम्मेलन में च्यांग-काई-शेक और उनके गुरगें क्यों शामिल नहीं हो सकते ? हमारा जवाब यह है: च्यांग-काई-शेक और उनके गुरगें अमरीकी सरकार की एक कठपुतली के सिवा कुछ नहीं हैं. फिर इनसे बात चीत क्यों की जाए ? हम सीधे सीधे अमरीकियों से ही बात क्यों न करें ? इसलिये जब कभी अमरीकी राजी होंगे और नेकनीयती से ऐसे सम्मेलन में आयेंगे तो हम उनसे बात कर लेंगे. हम सदा इस पक्ष के समर्थक हैं कि सारे अन्तर्राष्ट्रीय झगड़े आपस में बात चीत करके शान्तिपूर्ण ढंग से हल किये जाएं. यही तो हमने पांगमुमजाम और फिर जनेवा में किया है. हमें विश्वास है कि शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों, पंचशील, के आधार पर न केवल ताइवान की ही समस्या हल हो सकती है बल्कि सारी अन्तर्राष्ट्रीय समस्याएं हल की जा सकती हैं.

कुछ दिनों पहले प्रधान मंत्री नेहरू ने ठीक ही कहा था:—“पंचशील दुनिया के देशों को एशिया की एक चुनौती है और हर देश को इस चुनौती का उत्तर देना है”..... आइये हम पृष्ठें कि अमरीकी सरकार दूसरे देशों पर आक्रमण करेगी या नहीं ? वह दूसरे राष्ट्रों के मामलों में हस्तक्षेप करेगी या नहीं ?

जापानियों की मांग है कि चीन और जापान में अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्ध कायम हों. मुझे विश्वास है कि यह भावना दिन बदिन बढ़ती जा रही है और यह मांग जोर पकड़ रही है. जापानी जनता की इस मांग से चीनी जनता को पूरी हमदर्दी है और उनकी कामना है कि यह मांग पूरी हो. चीन और जापान के बीच सम्बन्ध कायम होने के रास्ते में रोड़ा कौन है ? निरसंदेह न तो जापान ही इस रास्ते में बाधा खड़ा करता है और न चीन ही रोड़ा अटकाता है. यह तो अमरीका की ही सरकार है जो जापानी सरकार पर दबाव डाल कर जापानी जनता की इस मांग को पूरी होने से रोकती है. चीनी जनता को पूरा विश्वास है कि जब जापान विदेशी जुए को उतार फेंकेगा, आर्थिक और राजनैतिक आजादी हासिल कर लेगा और तमाम एशियाई देशों से दोस्ताना सम्बन्ध कायम कर लेगा तो जापान में फिर से क्रांती शासन को जन्म देने और एशिया

لगातार संघर्ष کے بعد اُنت میں ہم نے اپنے دیہی کو آزاد کرایا ہے۔ ہم اپنی دومی خودمختاری اور آزادی کو اب بھی ہرپ نہیں ہونے دینگے۔

کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی نیت پاک ہے، جو سمجھ ہمدرد نہیں اور اپنے دوست ہیں، لیکن لڑائی کا خطرہ سامنے کھڑا دیکھ کر دشمن کے سامنے جھکے گا جن کے من میں وچار پیدا ہوتا ہے، ان کے کہنے کے انوسار شانتی اور سورکشا کی خاطر حملہ آور کے سامنے جھک جانا عقلمندی ہے۔ ان کو منصوص ہوتا ہے کہ نائیپوں کی سمسیا کو حل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ”دو چین“ بنا دئے جائیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان دوستوں نے نائیپوں کی سمسیا کے اصلی روپ کو غلط سمجھا ہے اور اس لئے سمسیا کی خاص کڑی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ امریکی ”دیکو ریکو“ میں نائیپوں دوسرا ”چین“ نہیں ہے۔ نائیپوں اس طرح سیدھے سیدھے امریکہ سے ملنے کے لئے ایک آمیدوار ریاست ہے۔ چین کی زمین اور ایشیا کے مہادیپ پر حملہ کرنے کے لئے جو تین سوچے باندھے ہیں ان میں سے ایک نائیپوں ہے۔ امریکہ نے وہاں اپنے آدے تو بنا ہی لئے ہیں۔ اگر ہم در کے سامنے جھک جائیں اور اپنے بیوشہ کو در کی ویدی پر چڑھا دیں تو نتیجہ شیکھر ہی سامنے آجائے گا جس ہتوارے کو ”دو چین“ کہا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی جگہ کوئی بھی چین باقی نہ رہ جائے گا۔

کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی نیت پاک ہے، جو سمجھ ہمدرد نہیں اور اپنے دوست ہیں، لیکن لڑائی کا خطرہ سامنے کھڑا دیکھ کر دشمن کے سامنے جھکے گا جن کے من میں وچار پیدا ہوتا ہے، ان کے کہنے کے انوسار شانتی اور سورکشا کی خاطر حملہ آور کے سامنے جھک جانا عقلمندی ہے۔ ان کو منصوص ہوتا ہے کہ نائیپوں کی سمسیا کو حل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ”دو چین“ بنا دئے جائیں۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان دوستوں نے نائیپوں کی سمسیا کے اصلی روپ کو غلط سمجھا ہے اور اس لئے سمسیا کی خاص کڑی ان کی آنکھوں سے اوجھل ہے۔ امریکی ”دیکو ریکو“ میں نائیپوں دوسرا ”چین“ نہیں ہے۔ نائیپوں اس طرح سیدھے سیدھے امریکہ سے ملنے کے لئے ایک آمیدوار ریاست ہے۔ چین کی زمین اور ایشیا کے مہادیپ پر حملہ کرنے کے لئے جو تین سوچے باندھے ہیں ان میں سے ایک نائیپوں ہے۔ امریکہ نے وہاں اپنے آدے تو بنا ہی لئے ہیں۔ اگر ہم در کے سامنے جھک جائیں اور اپنے بیوشہ کو در کی ویدی پر چڑھا دیں تو نتیجہ شیکھر ہی سامنے آجائے گا جس ہتوارے کو ”دو چین“ کہا جاتا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی جگہ کوئی بھی چین باقی نہ رہ جائے گا۔

ہمارے پرانے دھند آئوہو نے ہمیں کوئی سبق سکھایا ہے یا نہیں؟ میونینچ میں چندمہر لائن نے جس فیتی پر عمل کیا تھا اس نے کارن سارا یورپ نازیوں کا غلہ ٹھوکیا۔ 1931 میں جاپانیوں کے حملے کے سمجھ چیلنگ کاٹی شیک نے مہ بلہ نہ کرنے کی جو فیتی اپنائی اس کی وجہ سے ایک بار لگ بھگ سارا چین ہاب سے نکل گیا۔ اس طرح کی فیتی کا اثر ایک دیش یا ایک مہادیپ تک ہی سمیت نہیں رہا۔ دنیا کے کونے کونے میں اس فیتی کا پربہاؤ پڑا ہے۔

واشنگٹن کی لڑائی کی دفعہکوں کے سامنے اسی لئے چینی جنتا سر نہیں جگمگائی۔ اپنی دومی سورکشا کے لئے ہی نائیپوں کو ہمیں آزاد نہیں کرنا ہے، بلکہ ایشیا میں اور سنسار میں شانتی نام رہنے کے لئے نائیپوں کو آزاد کرنا ضروری ہے۔

ہمیں آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ہم چینی لوگ لڑائی پسند لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ شانتی پورن تھنگ سے نائیپوں کی سمسیا کو حل کرنے سے ہم انکار نہیں کرتے۔ 1949 میں چین کی راجدھانی پینگ شانتی پورن تھنگ سے ہی آزاد کرائی گئی تھی۔ لیکن اس سمسیا کو شانتی پورن تھنگ سے حل کرنے کے لئے جو چیز بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نائیپوں سے امریکی

ہمارے پورے دھند آئوہو نے ہمیں کوئی سبق سکھایا ہے یا نہیں؟ میونینچ میں چندمہر لائن نے جس فیتی پر عمل کیا تھا اس نے کارن سارا یورپ نازیوں کا غلہ ٹھوکیا۔ 1931 میں جاپانیوں کے حملے کے سمجھ چیلنگ کاٹی شیک نے مہ بلہ نہ کرنے کی جو فیتی اپنائی اس کی وجہ سے ایک بار لگ بھگ سارا چین ہاب سے نکل گیا۔ اس طرح کی فیتی کا اثر ایک دیش یا ایک مہادیپ تک ہی سمیت نہیں رہا۔ دنیا کے کونے کونے میں اس فیتی کا پربہاؤ پڑا ہے۔

واشنگٹن کی لڑائی کی دفعہکوں کے سامنے اسی لئے چینی جنتا سر نہیں جگمگائی۔ اپنی دومی سورکشا کے لئے ہی نائیپوں کو ہمیں آزاد نہیں کرنا ہے، بلکہ ایشیا میں اور سنسار میں شانتی نام رہنے کے لئے نائیپوں کو آزاد کرنا ضروری ہے۔

ہمیں آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ ہم چینی لوگ لڑائی پسند لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ شانتی پورن تھنگ سے نائیپوں کی سمسیا کو حل کرنے سے ہم انکار نہیں کرتے۔ 1949 میں چین کی راجدھانی پینگ شانتی پورن تھنگ سے ہی آزاد کرائی گئی تھی۔ لیکن اس سمسیا کو شانتی پورن تھنگ سے حل کرنے کے لئے جو چیز بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نائیپوں سے امریکی

نے چین کے खिलाف جا بھارنا کدھم وٹا اے۔ وندھنے یھ بھم فہلایا ہے کہ دूर पूरब में फैले अन्तराष्ट्रीय तनाव का कारन यह है कि चीनियों ने ताइवान पर हमला कर दिया है. लेकिन असलियत सीधी सादी है और आसानी से समझ में आती है. दुनिया भर में फैले मौजूदा अन्तराष्ट्रीय तनाव का असली कारन अमरीका की औपनिवेशिक लालसा, कौजी कबचा और लड़ाई की धमकी की नीति है.

سوال اٹھتا ہے کہ ایشیا اور ساری دنیا میں کس نے تناؤ پیدا کر رکھا ہے؟ سنفکت راج امریکہ نے یہ تناؤ پیدا کر رکھا ہے. امریکہ کی چہتر چھایا میں ایشیا اور دنیا کے راشقروں کو ظلم بنانے کا سامراجیوں کا پڑین ہی آجکل کے اंतर راشتریہ تناؤ کا ایک مانر کارن ہے.

پو گالی حکومت سے گوا کو بھارت ولسی آزاد کرانا چاہتے ہیں. ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ چینی جتنا پوری طرح ان کے ساتھ ہے. مجھے یہ وشواس ہے کہ ایشیا کے دوسرے شانتی پڑمی دیش بھی بھارت واسین کا سمرتھن کرتے ہوں. لیکن اس کے خلف گوا میں فوجی اقدے قائم کرنے کی نیت سے پرتگال والوں کے ساتھ امریکی سرکار نے فوجی گٹ بندی کا ایک نیا سمجھوتہ کیا ہے. آندونیشیا کی جتنا پچھی ایرین کو دچوں کے چنٹل سے آزاد کرانا چاہتی ہے. ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ ایشیا جینی جتنا پوری طرح ان کے ساتھ ہے. مجھے یہ وشواس ہے کہ ایشیا کے دوسرے شانتی پڑمی راشقرو آندونیشیا واسین کا سمرتھن کرتے ہیں. لیکن پچھی ایرین میں فوجی اقدے بنانے دینے کے عیوض مہر امریکی سرکار دچ شاسن کا سمرتھن کرتی ہے.

یہ صاف ہے کہ مکمل آزادی کی ہماری مانگ اور سامراجیوں کے نام نہاد اندھکار ایک دوسرے کے ورودھ ہیں. سوال یہ ہے کہ سامراجیوں کی خاطر ہم اپنی جائز مانگ کو چھوڑ دیں یا نہ چھوڑیں؟

ہمیں معلوم ہے کہ اپنے چوٹھ اندھکاروں کی رکشا کے لئے سامراجی ہم کو اپنی لڑائی کی دھمکی دینے سے بھی نہیں چوکنے. سوال یہ ہے کہ اس تر سے ہم اپنے سدھانتوں کو چھوڑ دیں یا نہ چھوڑیں؟

چینی جتنا کا پکشن تھوڑے میں یہ ہے اور صاف ہے. ہم پےحد اچھک ہیں کہ شانتی قائم رہے لیکن ہم اپنی زمین کا کسی کو نظرانہ دیکر شانتی کی بھیک نہیں مانگیں گے. لڑائی کا ورودھ ہمارا پکا ارادہ ہے. لیکن لڑائی چھڑنے کی کسی کی دھمکیوں سے ہم ڈرتے والہ نہیں ہیں. یہ میں بتاؤں کہ ہماری موجودہ پڑھی اور ہمارے باپ داداؤں کی پڑھی سامراجیوں کی ظلم زیادتی اور دھمکیوں کی چھایا میں پئی ہے. سو سال کے لمحہ اور

چینی जनता के लिये जरूरी है कि वह ताइवान को आजाद कराए ताकि वह अपनी प्रादेशिक अखंडता को बाहरी हमलों से बचा सके. ताइवान को आजाद कराना हमारा ऐसा ही कर्तव्य है जैसा भारत में गोआ को मिलाना हमारे भारतीय दोस्तों का कर्तव्य है और पच्छिमी ईरियन को आजाद कराना हमारे इन्डोनिशियाई मित्रों का कर्त्तव्य है. जब हम अपना कर्त्तव्य पूरा करने के लिये उठेंगे तो हमलावरों से तो हमें टकराना ही होगा. पिछले दिसम्बर में अमरीकी सरकार ने क्यांग-काई-शेक से आपसी सुरक्षा के लिये एक समझौता किया है. ताइवान के दौरे कानूनी कबजे को कानूनी बनाने का यह ढंग है. पिछली जनवरी में श्री आइजेनहावर ने राष्ट्र की सुरक्षा के नाम पर अमरीकी कांग्रेस से मांग की कि उन्हें अधिकार दिया जावे कि ताइवान में वह अमरीकी हित की रक्षा कर सकें! अमरीकी हित की रक्षा वह उस जगह करना चाहते हैं जो अमरीका के साहिल से दस हजार किलोमीटर दूर है! उनकी सेना जो हमले करती रहती है उसे वह कभी नहीं रोकते और चीनी जनता को जहरीले और बरबादी के हथियारों के उपयोग की धमकी देते हैं. 24 जनवरी को अमरीकी कांग्रेस को जो सन्देश उन्होंने भेजा था उसमें कहा है कि अगर ताइवान अमरीकी असर में नहीं रहता है तो "पच्छिमी प्रशान्त महासागर में टापुओं की जंजीर टूट जाएगी."

आइये हम पूछें कि अमरीकी युद्ध प्रेमियों की यह जालिमाना और जाबिराना हरकतें क्या दुनिया की आंखों को साफ दिखाई नहीं देती. लोकसभा के सामने 31 मार्च को भाषण देते हुए प्रधान-मंत्री नेहरू ने इशर ठोक इशारा किया था कि यह चालें आम-समझ, दलील और नैतिकता यानी इजलाफ़ सब का बिलकुल उल्लंघन करती हैं.

लेकिन अमरीका के युद्ध प्रेमियों की बिलकुल दूसरी ही समझ है और वह दूसरी ही दलील मानते हैं. नैतिकता की तो उनसे बात करना ही फ़ज़ल है. उनकी समझ और उनकी दलील को समझने के लिये सिकके का दूसरा खंड देखना पड़ेगा. जो चीज रक्षा कही जाती है असल में वह उपद्रव है. जिसको शान्ति का नाम दिया जाता है वह लड़ाई है. जिसे सुरक्षा की संज्ञा दी जाती है असल में वह आक्रमण है. 'तोड़ फोड़ की रोक' का नाम जिसे दिया जाता है वह दूसरे राष्ट्रों के अन्दरूनी मामलों में दखल देने के सिवा और कुछ नहीं है. आर्थिक सहायता भी अपने मतलब के अनुसार अन्त में आर्थिक मदाखलत का रूप धारण कर लेती है. इस पर तुरा यह है कि अमरीका के युद्ध प्रेमी और भविष्य के युद्ध प्रेरक दूसरे देशों को हमलावर बताते हैं. उनकी दलील के अनुसार कोरिया वालों ने कोरिया पर हमला किया, वियतनाम वालों ने वियतनाम पर आक्रमण किया और चीनियों

चीनी जनता के लिये जरूरी है कि वह ताइवान को आजाद कराए ताकि वह अपनी प्रादेशिक अखंडता को बाहरी हमलों से बचा सके. ताइवान को आजाद कराना हमारा ऐसा ही कर्तव्य है जैसा भारत में गोआ को मिलाना हमारे भारतीय दोस्तों का कर्तव्य है और पच्छिमी ईरियन को आजाद कराना हमारे इन्डोनिशियाई मित्रों का कर्त्तव्य है. जब हम अपना कर्त्तव्य पूरा करने के लिये उठेंगे तो हमलावरों से तो हमें टकराना ही होगा. पिछले दिसम्बर में अमरीकी सरकार ने क्यांग-काई-शेक से आपसी सुरक्षा के लिये एक समझौता किया है. ताइवान के दौरे कानूनी कबजे को कानूनी बनाने का यह ढंग है. पिछली जनवरी में श्री आइजेनहावर ने राष्ट्र की सुरक्षा के नाम पर अमरीकी कांग्रेस से मांग की कि उन्हें अधिकार दिया जावे कि ताइवान में वह अमरीकी हित की रक्षा कर सकें! अमरीकी हित की रक्षा वह उस जगह करना चाहते हैं जो अमरीका के साहिल से दस हजार किलोमीटर दूर है! उनकी सेना जो हमले करती रहती है उसे वह कभी नहीं रोकते और चीनी जनता को जहरीले और बरबादी के हथियारों के उपयोग की धमकी देते हैं. 24 जनवरी को अमरीकी कांग्रेस को जो सन्देश उन्होंने भेजा था उसमें कहा है कि अगर ताइवान अमरीकी असर में नहीं रहता है तो "पच्छिमी प्रशान्त महासागर में टापुओं की जंजीर टूट जाएगी."

आइये हम पूछें कि अमरीकी युद्ध प्रेमियों की यह जालिमाना और जाबिराना हरकतें क्या दुनिया की आंखों को साफ दिखाई नहीं देती. लोकसभा के सामने 31 मार्च को भाषण देते हुए प्रधान-मंत्री नेहरू ने इशर ठोक इशारा किया था कि यह चालें आम-समझ, दलील और नैतिकता यानी इजलाफ़ सब का बिलकुल उल्लंघन करती हैं.

लेकिन अमरीके के युद्ध प्रेमियों की बिलकुल दूसरी ही समझ है और वह दूसरी ही दलील मानते हैं. नैतिकता की तो उनसे बात करना ही फ़ज़ल है. उनकी समझ और उनकी दलील को समझने के लिये सिकके का दूसरा खंड देखना पड़ेगा. जो चीज रक्षा कही जाती है असल में वह उपद्रव है. जिसको शान्ति का नाम दिया जाता है असल में वह लड़ाई है. जिसे सुरक्षा की संज्ञा दी जाती है असल में वह आक्रमण है. 'तोड़ फोड़ की रोक' का नाम जिसे दिया जाता है वह दूसरे राष्ट्रों के अन्दरूनी मामलों में दखल देने के सिवा और कुछ नहीं है. आर्थिक सहायता भी अपने मतलब के अनुसार अन्त में आर्थिक मदाखलत का रूप धारण कर लेती है. इस पर तुरा यह है कि अमरीका के युद्ध प्रेमी और भविष्य के युद्ध प्रेरक दूसरे देशों को हमलावर बताते हैं. उनकी दलील के अनुसार कोरिया वालों ने कोरिया पर हमला किया, वियतनाम वालों ने वियतनाम पर आक्रमण किया और चीनियों

کے اندرونی معاملوں میں دخل نہ دینے کی نیتی اپناتے ہیں، امریکا دوسرے देशوں کے معاملوں میں دخل دینے سے کسی طرح نہیں رکتا۔ جبکہ ہم چاہتے ہیں کہ سارے راسختر ہوابر سمجھے جائیں اور ایک دوسرے کے ہمت کا خیال رکھیں، امریکہ اپنی اجاراداری قائم رکھنا چاہتا ہے اور دوسرے देशوں کے ہمت کو صاف نقصان پہنچاتے ہوئے ان کے چاروں طرف کھلے گھبرا داتا ہے۔ مختصر یہ کہ جب ہم چاہتے ہیں کہ سارے راسختر شافقی پروک ساتھ ساتھ رہ سکیں، امریکہ ایک کے بعد دوسرا فوجی گت بنا رہا ہے تاتہ وہ یورپ والوں کو یورپ والوں سے اور ایشیا والوں کو ایشیا والوں سے 'اڑا سہ' اس طرح راسختروں راسختروں کے ہیچ دشمنی کو اور ہوا دی جا رہی ہے اور یہ سب کیوں امریکی اجاراداریوں کی منافع خوری کے اٹھ کیا جا رہا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ راسختر کے یدہ پرمی گروہ پرشانت مہا ساگو کو ایک امریکی جہیل سمجھتے ہیں۔ آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور امریکہ کے بیچ اور امریکہ اور جاپان کے بیچ پروسور سورکشا کے نام پر جو سمجھوتے 1951 میں ہونے لگے ہیں ان کے ادھار پر امریکہ نے آسٹریلیا، نیوزیلینڈ اور جاپان میں اپنے آن گنت فوجی اڈے قائم کر لئے ہیں۔ جولائی 1953 میں منجور فوکر راسختر کے یدہ پرمیوں نے کوریا میں لڑائی بند کرنے کے سمجھوتے پر دستخط کئے۔ لیکن تین مہینے بھی نہیں بیتے تھے کہ اپنے تھے پتلی منکمفری سے آپسی سورکشا کے نام پر انہوں نے ایک ایک سمجھوتہ کر لیا۔ اس طرح دہلی کوریا پر آئشجوت سبک نے اپنا قبضہ جمانے رکھنے کے لئے انہوں نے راستہ صاف کر لیا۔ اس کے بعد بھی وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس کمیشن کو ہی توڑ دیا جائے جسکا نام "تدستھ راسختروں کا سلاہکار کمیशन" ہے اور جو سمجھوتے کا امین ہے۔

ظاہر ہے کہ امن پسند جنتا کے اٹھ جو ہائیں خوشی کی ہیں امریکہ کے یدہ پرمیوں کے اٹھ وہی ہائیں دکھائی ہیں۔

ہند چین میں لڑائی بند کرانے کے لئے پچھلی جولائی میں جنیوا میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر دستخط کرنے سے امریکہ نے کیوں انکار ہی نہیں کر دیا بلکہ دہیں پورپ ایشیا کی رکشا کے نام پر فوجی سنگتیں کھڑا کر دیا۔ اس سنگتوں میں آٹھ دہشوں نے بھاگ لیا پر ان میں تین ہی دہش ہیں جن کا وجود ایشیا میں ہے۔ ابھی حال میں اس سنگتوں کی ایک بیٹھک ہنگاک میں ہوئی تھی۔ ڈائیس صاحب نے کلام کھلا اعلان کیا کہ اس بیٹھک کا مقصد اس سنگتوں کے مذہب میں لڑائی کے دانت چرنا تھا۔

ہند چین میں لڑائی بند کرانے کے لئے پچھلی جولائی میں جنیوا میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر دستخط کرنے سے امریکہ نے کیوں انکار ہی نہیں کر دیا بلکہ دہیں پورپ ایشیا کی رکشا کے نام پر فوجی سنگتیں کھڑا کر دیا۔ اس سنگتوں میں آٹھ دہشوں نے بھاگ لیا پر ان میں تین ہی دہش ہیں جن کا وجود ایشیا میں ہے۔ ابھی حال میں اس سنگتوں کی ایک بیٹھک ہنگاک میں ہوئی تھی۔ ڈائیس صاحب نے کلام کھلا اعلان کیا کہ اس بیٹھک کا مقصد اس سنگتوں کے مذہب میں لڑائی کے دانت چرنا تھا۔

ہند چین میں لڑائی بند کرانے کے لئے پچھلی جولائی میں جنیوا میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر دستخط کرنے سے امریکہ نے کیوں انکار ہی نہیں کر دیا بلکہ دہیں پورپ ایشیا کی رکشا کے نام پر فوجی سنگتیں کھڑا کر دیا۔ اس سنگتوں میں آٹھ دہشوں نے بھاگ لیا پر ان میں تین ہی دہش ہیں جن کا وجود ایشیا میں ہے۔ ابھی حال میں اس سنگتوں کی ایک بیٹھک ہنگاک میں ہوئی تھی۔ ڈائیس صاحب نے کلام کھلا اعلان کیا کہ اس بیٹھک کا مقصد اس سنگتوں کے مذہب میں لڑائی کے دانت چرنا تھا۔

ہند چین میں لڑائی بند کرانے کے لئے پچھلی جولائی میں جنیوا میں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس پر دستخط کرنے سے امریکہ نے کیوں انکار ہی نہیں کر دیا بلکہ دہیں پورپ ایشیا کی رکشا کے نام پر فوجی سنگتیں کھڑا کر دیا۔ اس سنگتوں میں آٹھ دہشوں نے بھاگ لیا پر ان میں تین ہی دہش ہیں جن کا وجود ایشیا میں ہے۔ ابھی حال میں اس سنگتوں کی ایک بیٹھک ہنگاک میں ہوئی تھی۔ ڈائیس صاحب نے کلام کھلا اعلان کیا کہ اس بیٹھک کا مقصد اس سنگتوں کے مذہب میں لڑائی کے دانت چرنا تھا۔

امریکا کے بظہار چمبرز کی پتریکا "نیشنلس بزنس" کے جنوری انک میں شری ڈاليس نے کہا ہے کہ "شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنا (Peaceful co-existence) نئے شبدوں کی دھوکے کی تھی ہے۔" انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "ان شبدوں پر لکھ رکھنی چاہئے، یہ وہ شدہ ہے جس سے ہوشیار رہنا ہے۔" جولائی کے "نیو ایس۔ نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کے دوسرے انک میں یہ لکھا گیا تھا کہ شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنے کا وچار "امریکہ کے شلشکوں کے لئے زہر ہے۔"

آئیے ہم پوچھیں کہ سنسار بھر کی شانتی پرمی جنتا جس کی مانگ کر رہی ہے اُس کی شری ڈاليس اِس بھانک روپ سے ننذا کہوں کر رہے ہیں؟ جواب سیدھا سادہ ہے، شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنے کا وچار اُس "بل کی نیتی (Policy of Strength)" اور "نہی اُپننیشیک نیتی (New Colonial policy)" کے بیلکول خلیاک ہے جسے وارشیگٹن کے سکتاधीश चला रहे हैं۔ پیللے विश्व युद्ध ने अमरीका को नुकसान नहीं पहुंचाया बल्कि इसके खिलाफ अमरीका को लड़ाई से जबरदस्त मुनाफा हुआ जिससे अमरीका की इजारादारी बढ़ी और औद्योगिक तरक्की भी हुई، चूँकि उस समय ऐटम बम और हाइड्रोजन बम जैसे बरबादी के हथियारों का बनाना केवल अमरीका के हाथ में था، अमरीका और उसकी पिट्ट सरकारों को अपने इन हथियारों पर भरोसा था और विश्व के नेता बनने की उनमें इच्छा थी۔ पच्छिमी जरमनी को हथियारों से लैस करने में वह लगे रहे۔ एशिया में औपनिवेशिक शासन यानी दूसरों की गुलामी फिर से वापस लाने के लिये उन्होंने क्रदम उठाए।

सच यह है कि आज की जैसी हालत कभी भी हमारे सामने नहीं थी। लगभग 50 देशों में अमरीका ने अपने हवाई, समन्दरी और कौजी अड्डे क्रायम कर लिये हैं। यह अड्डे दुनिया भर में फैले हुए हैं। लगभग आठ सौ कौजी अड्डे तो उनके केवल जापान ही में हैं। दूसरे शब्दों में हर 460 वर्ग किलोमीटर के रकबे में एक अमरीकी अड्डा जापान में मौजूद है। किलीपाइन, थाइलैंड और दूसरे एशियाई देशों में भी अमरीका ने अपने कौजी अड्डे बना रखे हैं।

इसीलिये अमरीका की नीति शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों के खिलाफ है। जबकि हम यह मांग करते हैं कि एक दूसरे की मुकम्मिल आजादी का आदर हो, अमरीका अपने स्वभाव के अनुसार दूसरे राष्टों की आजादी हड़प रहा है। जबकि हम यह मांग करते हैं कि सब देशों की अखंडता का सम्मान हो, अमरीका का दूसरे देशों की जमीन पर कब्जा जारी है। जबकि हम एक दूसरे

امریکہ کے بیویار چمبرز کی پتریکا "نیشنلس بزنس" کے جنوری انک میں شری ڈاليس نے کہا ہے کہ "شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنا (Peaceful co-existence) نئے شبدوں کی دھوکے کی تھی ہے۔" انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ "ان شبدوں پر لکھ رکھنی چاہئے، یہ وہ شدہ ہے جس سے ہوشیار رہنا ہے۔" جولائی کے "نیو ایس۔ نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کے دوسرے انک میں یہ لکھا گیا تھا کہ شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنے کا وچار "امریکہ کے شلشکوں کے لئے زہر ہے۔"

آئیے ہم پوچھیں کہ سنسار بھر کی شانتی پرمی جنتا جس کی مانگ کر رہی ہے اُس کی شری ڈاليس اِس بھانک روپ سے ننذا کہوں کر رہے ہیں؟ جواب سیدھا سادہ ہے، شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنے کا وچار اُس "بل کی نیتی (Policy of Strength)" اور "نہی اُپننیشیک نیتی (New Colonial policy)" کے بیلکول خلیاک ہے جسے وارشیگٹن کے سکتاधीश चला रहे हैं۔ पیلलے विश्व युद्ध ने अमरीका को नुकसान नहीं पहुंचाया बल्कि इसके खिलाफ अमरीका को लड़ाई से जबरदस्त मुनाफा हुआ जिससे अमरीका की इजारादारी बढ़ी और औद्योगिक तरक्की भी हुई، चूँकि उस समय ऐटम बम और हाइड्रोजन बम जैसे बरबादी के हथियारों का बनाना केवल अमरीका के हाथ में था، अमरीका और उसकी पिट्ट सरकारों को अपने इन हथियारों पर भरोसा था और विश्व के नेता बनने की उनमें इच्छा थी۔ पच्छिमी जरमनी को हथियारों से लैस करने में वह लगे रहे۔ एशिया में औपनिवेशिक शासन यानी दूसरों की गुलामी फिर से वापस लाने के लिये उन्होंने क्रदम उठाए।

سچ یہ ہے کہ آج کی سی جیسی حالت کبھی پہلی ہمارے سامنے نہیں تھی۔ لگ بھگ 50 دیشوں میں امریکہ نے اپنے ہوائی، سمندری اور فرجی اڈے قائم کر لئے ہوں۔ یہ اڈے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لگ بھگ آٹھ سو فرجی اڈے تو ان کے کپول جاپان ہی میں ہیں۔ دوسرے شبدوں میں ہر 460 ورگ کیلومیٹر کے رقبہ میں ایک امریکی اڈا جاپان میں موجود ہے۔ فلپائن، تھائی لینڈ اور دوسرے ایشیائی دیشوں میں بھی امریکہ نے اپنے فرجی اڈے بنا رکھے ہیں۔

اُس لئے امریکہ کی نیتی شانتی پوروك ساتھ ساتھ رہنے کے پانچ سہانوں کے خلاف ہے۔ جب کہ ہم یہ مانگ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی مکمل آزادی کا آدر ہو، امریکہ اپنے سوہاؤ کے انہسار دوسرے راشٹروں کی آزادی ہڑپ رہا ہے۔ جبکہ ہم یہ مانگ کرتے ہیں کہ سب دیشوں کی آئندتا کا سمان ہو، امریکہ کا دوسرے دیشوں کی زمین پر قبضہ جاری ہے۔ جبکہ ہم ایک دوسرے

ہائی کو. مو. جو.

ہائی کو. مو. جو.

[چین کے واہس چیرمین شری کو. مو. جو. چینی قیادیکشن ڈیلیگیشن کے नेता होکر दिल्ली एशियाई کانفرنس में आए थे. वे जो वहाँ के बोले उस नीचे लिखे हिस्सों से एशिया की समस्या पर बहुत अच्छी रोशनी पड़ती है—एडीटर.]

शान्ति के साथ सब देशों के साथ साथ रहने के पांच सिद्धान्तों को चलाने वालों में एक चीन है, इसका चीनी जनता को गर्व है.

नए जनवादी चीन का जिस दिन जन्म हुआ उसी दिन एक दूसरे की मुकम्मिल आजादी और एक दूसरे के देश की आखंडता के आदर और सबकी भलाई और बराबरी के आधार पर दूसरे देशों से सम्बन्ध कायम करने का ऐलान कर दिया था. हमने अब तक तेईस देशों से परस्पर राजनैतिक सम्बन्ध कायम कर लिये हैं, और तीन और देशों से इसी तरह के सम्बन्ध कायम करने की हम तजवीज कर रहे हैं. इस से भी अधिक देशों से हमारे आर्थिक और सांस्कृतिक सम्बन्ध कायम हो चुके हैं.

जून 1950 में जब जनवादी कोरिया पर हमला हुआ और अमरीकियों ने हमारे प्रान्त फारमोसा पर कब्जा जमा लिया तो सारे एशिया में जिस आग के फैल जाने का खतरा था उसे बुझाने के लिये और हमलावरों को पीछे हटाने के लिये, हमने कोरिया की जनता का साथ दिया.

पिछली जुलाई में और राष्ट्रों के साथ साथ जनेवा कान्फरेन्स में हिन्द-चीनी समझौता करा कर अन्तर्राष्ट्रीय तनाव को कम करने का हमने भरसक जतन किया. एशिया के उस इलाके में आठ साल से जो लड़ाई हो रही थी उस का इस तरह अन्त हो गया. यह वह ठोस कदम हैं जो हमारी शान्तिपूर्ण नीति को जाहिर करते हैं.

हमारी यह उत्कट इच्छा है कि हम शान्तिपूर्वक औरों के साथ साथ रहने के लिये पंचशील की बुनियाद पर एशिया के तमाम देशों और संसार के सब राष्ट्रों से राज-नैतिक सम्बन्ध कायम करें. हमें पूरा विश्वास है कि इन पांच सिद्धान्तों पर अमल करने से ठीक ठीक अन्तर्राष्ट्रीय सम्बन्ध कायम हो सकते हैं, वह ठोस बनाए जा सकते हैं और उन्हें आगे बढ़ाया जा सकता है.

लेकिन कुछ देशों के हाकिम शान्तिपूर्वक साथ साथ रहने के इन सिद्धान्तों के चार बिरोधी हैं.

[چین کے واہس چیرمین شری کو. مو. جو. چینی قیادیکشن ڈیلیگیشن کے नेता ہو کر دلی ایشیائی کانفرنس میں آئے تھے. وہ جو وہاں ہوئے اُس کے نیچے لکھے حصوں سے ایشیا کی سمسیا پر بہت اچھی روشنی پڑتی ہے —ایڈیٹر.]

شانتی کے ساتھ سب دیشوں کے ساتھ ساتھ رہنے کے پانچ سدھانتوں کو چلانے والوں میں ایک چین ہے، اِس کا چینی جنتا کو گرو ہے .

نئے جن وادی چین کا جس دن جنم ہوا اُسی دن ایک دوسرے کی مکمل آزادی اور ایک دوسرے کے دیش کی اہمڈتا کے اور سب کی بھلائی اور برابری کے ادھار پر دوسرے دیشوں سے سمبند قائم کرنے کا عہدہ اعلان کر دیا تھا . ہنہ اب تک تیئیس دیشوں سے پرسہر راج ٹینک سمبندہ قائم کر لیئے ہیں، اور تین اور دیشوں سے اِسی طرح کے سمبندہ قائم کرنے کی ہم تجویز کر رہے ہیں . اُس سے بھی ادھک دیشوں سے ہمارے آرتھک اور سانسکرتک سمبندہ قائم ہو چکے ہیں .

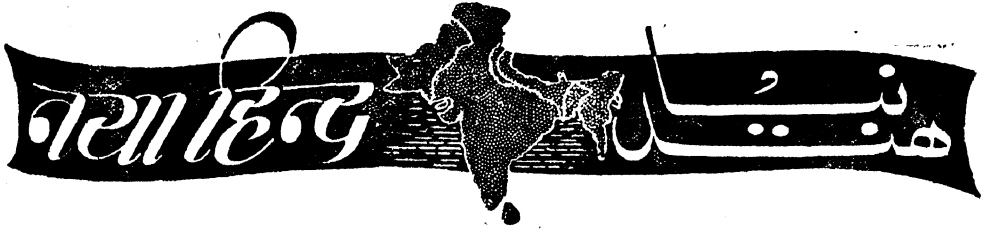
جون 1950 میں جب جن وادی کوریا پر حملہ ہوا اور امریکیوں نے ہمارے پرانت فارموسا پر قبضہ جما لیا تو سارے ایشیا میں جس آگ کے پھیل جانے کا خطرہ تھا اُسے بجھانے کے لئے اور حملہ آوروں کو پیچھے ہٹانے کے لئے، ہم نے کوریا کی جنتا کا ساتھ دیا .

پچھلی جولائی میں اور راشٹروں کے ساتھ ساتھ جینیوا کانفرنس میں ہند چینی سمجھوتہ کراکر اُتر راشٹری تناؤ کو کم کرنے کا عہدہ پورسک کتا کیا . ایشیا کے اُس علاقے میں آٹھ سال سے جو لڑائی ہو رہی تھی اُس کا اِس طرح اُنت ہو گیا . یہ وہ ٹھوس قدم ہیں جو ہماری شانتی دورن نیکی کو ظاہر کرتے ہیں .

ہماری یہ اُتھک اچھا ہے کہ ہم شانتی پوروک اوروں کے ساتھ ساتھ رہنے کے لئے پنج شیل کی بلیاد پر ایشیا کے تمام دیشوں اور سنسار کے سب راشٹروں سے راج ٹینک سمبندہ قائم کریں . ہمیں پورا وشواس ہے کہ اِن پانچ سدھانتوں پر عمل کرنے سے ٹھیک ٹھیک اُتر راشٹریہ سمبندہ قائم ہو سکتے ہوں، وہ ٹھوس بنائے جا سکتے ہیں اور اُنہیں آگے بڑھایا جا سکتا ہے .

لیکن کچھ دیشوں کے حاکم شانتی پوروک ساتھ ساتھ رہنے کے اِن سدھانتوں کے گور وروغی ہیں .

کیا کس سے	صفحہ سفا	کس سے
1. ایشیا کی समस्या —ہارڈ کوو موو جوو	355	1. ایشیا کی مسیما —پہائی کوو موو جوو
2. پشیشیل اور ایشیا —شری آوم پرکاش 'منتری'	364	2. پنچ شیل اور ایشیا —شری اوم پرکاش 'منتری'
3. سچا سماجवाद —ڈاکٹر بگوانواس	385	3. سچا سماجواد —ڈاکٹر بگوانواس
4. افریقا —ڈاکٹر سونیوکومار چائرچی ام. اے. ڈی. لٹ.	394	4. افریقہ —ڈاکٹر سونیوکومار چائرچی ایم. اے. ڈی. لٹ.
5. چین میں پڈیت نہہرو —شریمئی پرما پرساد	402	5. چین میں پڈیت نہہرو —شریمئی پرما پرساد
6. کوب کیتابوں	410	6. کوب کیتابوں
7. ہمارا رای— روس چین اور ہندوستان—سندرلال; بھوان ساہی اور ساہن—شری جے. سی. کومارپا.	412	7. ہمارا رائے— روس چین اور ہندوستان—سندرلال; بھوان ساہی اور ساہن—شری جے. سی. کومارپا.



نمبر 6 نمبر 6 جلد 19 جلد 19

جون 1955 جون

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈیگنج، ایلاہاباد

145 مڈی گنج، الہ آباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundar Lal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیاحمد

Osmania University Library,
HYDERABAD (DECCAN)

اس نمبر کے खाاس لےکھ

اس نمبر کے خاص لیکھ

ایشیا کی समस्या

ایشیا کی سمسیا

—भाई को. मो. जो.

—بھائی کو. مو. जो.

14 JUL 1955

सचवा समाजवाद

سچا سماج واد

—डाक्टर भगवानदान

—ڈاکٹر بھگوان داس

अफरीका

افریقہ

—डाक्टर सुनीलकुमार चैटरजी

—ڈاکٹر سنیلت کمار چٹرजी

एम. ए., बी. लिट.

ایم. اے. بی. لیٹ.

पंचशील और एशिया

پنج شیل اور ایشیا

—भाई श्रीमप्रकाश 'मंत्री'

—بھائی اوم پرکاش 'منتری'

चीन में पंडित नेहरू

چین میں پنڈت نہرو

—श्रीमती प्रभा प्रसाद

—شریمتی پرہیا پرساد

इसके अलावा

اسکے علاوہ

कहानी, स्केच, समालोचना, हमारी राय आदि

کہانی، اسکیچ، سمالوچنا، ہماری رائے آدی

دستان کی کلتچر سوسائٹی، ہلاہاہاڈ



دستان کی کلتچر سوسائٹی، ہلاہاہاڈ

جون 1955

ایسی کسی بھی جنگی سازش میں شامل ہونے سے جیسے جنگجواہر گاندھیوں کے توسط سے اور افریقہ والے cannon fodder کی طرح استعمال کیے جاسکیں۔ آج ان کی پہلائی اسی میں ہے کہ وہ نرمیاں یا تاملی میں لگیں اور نرمیاں کا کام بھی پورا ہو سکتا ہے جبکہ دنیا میں شانتی ہو اور دنیا میں شانتی بھی قائم رہ سکتی ہے جب ایشیا اور افریقہ کی قومیں یورپ اور امریکہ کے جنگ باز سامراجیہ بادلوں کے لڑائی کا چارہ بننے سے انکار کر دیں۔

اس نقطہ نظر سے بالڈنگ سمیلن نے دنیا کی شانتی کو مضبوط پھیلانے پر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے غیر جانبداری یعنی Neutrality کا نعرہ چھوڑ کر شانتی کے نعرے کو militant یعنی جنگی روپ دیا ہے۔ اس میں دو رائے ہو ہی نہیں سکتیں کہ بالڈنگ سمیلن نے لڑائی کے خوفناک ہتھیاروں، جس کی آہٹوں کے کوثر میں دھنکے ہوئے ایتھم اور ہائڈروجن بم جڑے ہوئے ہیں، دھکا مار کر برسوں پیچھے تھکیل دیا۔ دنیا کے ہر شانتی دانی کا مستحکم ایشیا اور افریقہ کے ان شانتی کے پھاروں کے لئے عزت کے ساتھ چھپکا۔

—وشومبر ناتھ پانڈے

ہندو کوڈ بیل

پچھلے بھادرا 18 مئی کو ہندو کوڈ بیل قانون کی شکل میں ہمارے دیش میں لاگو کر دیا گیا۔ ایک شوہر کی ایک بیوی کے رواج کو اب قانونی رتبہ حاصل ہو گیا۔ بہو رواج کا رواج اس پرہر زمانے کی یادگار ہے جب عورتیں مال غنیمت سمجھی جاتی تھیں اور ان کی جائداد کی طرح خرید فروخت یا بدلول ہو سکتی تھی۔ یہ میں پرورشوں کے مارے جانے پر وجہنا کو پرالجت کی استریاں بھی مل جاتی تھیں جو پھر ادھک سے ادھک سنگتائیں پیدا کر کے لڑائی کی دوسری فصل تیار کرنے کا کام دیتی تھیں۔

آج سنا کے بگ میں پرش کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ استریوں کو اسی پرہر بگ کی یادگار سمجھے۔ انہیں سماج میں برابر کا حق حاصل ہونا ہی ہے۔ انہیں آرتھک درستی سے پرشوں کے سکھ (پہرائے) ہونا ہی ہے۔ استری اور پرش سماج رچی گئی کے دو بھوں کی طرح ہیں جن پر سماج کی پرگنی بانٹا آگے بڑھتی ہے۔ وہ اُس مکتی پنچھی کے دونوں تھنوں کے سمان ہیں جن کے سپارہ وہ ساتوں آسمان کے چکر لگتا ہے۔ ایک پیہہ اگر کمزور رہا یا ایک تینا اگر بیکار رہا تو سماج کی پرگنی تھپ رہ جاتی۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے بزرگوں اور مہاپرشوں نے استری کے آدر کرنے کی ہدایت دی ہے مگر وہ ہدایت آج پوتھوں میں بند پڑی تھی۔ اس قانون دورا اُس ہدایت کو آج پھر سے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

—وشومبر ناتھ پانڈے

تو فوراً کر ہی سکتا ہے کہ انہوں کے ساتھ پر سے ڈاکے ہٹانے سے ٹکٹ اگلے کی ضرورت نہ ہے۔ بینورسل پوسٹل یونین کے 91 ملکوں میں سے 76 نے انہوں کو یہ چھوٹ دے رکھی ہے، جن 15 ملکوں نے ابھی تک یہ چھوٹ نہیں دی بدقسمتی سے ایک ان میں سے ہندوستان بھی ہے۔“ (اسٹیفن)۔

—شوشیہر ناتھ پانڈے

ہاؤنگ سمملن

ایشیا اور افریقا کے ملکوں کا پہلا سمملن جس شان اور کامیابی کے ساتھ پورا ہوا اُس نے انہماں میں ایک نیا وزن کھولا ہے۔ یورپ کی تہذیب اور کلچر کی یہ خاصیت ہے کہ وہ دودھتا میں ایکٹا کے درشن کرتی ہے۔ طرح طرح سے اپنے ملکوں میں حکومت کرنے والے دیش اس سمملن میں اکتفا ہوئے اور باوجود ایشیا اور افریقہ کے دشمنوں کی کوششوں کے انہوں نے سارے فیصلے ایک رائے سے کئے۔ انہوں نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ جہاں تک سامراجیت کا سوال ہے ایشیا اور افریقہ کے ملک اُسے سخت ناپسند کرتے ہیں اور اپنے دیش کی جتا کا یہ ادھیکار سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے پسند کا حکومت کا طریقہ اپنے دیش میں چلانے کے لئے آزاد ہے۔

باوجود ترکی، پاکستان، فلپائن اور لنکا کے پرزیدنٹوں کی امریکہ پرستی کے سمملن کو پوری کامیابی حاصل ہوئی اور سب سے بڑی بات جو رہی وہ یہ کہ چاؤ اور کمیونسٹ چین کے طرف ان ملکوں کی بھی ظاہرہ دوستانہ طرز عمل۔ امریکی کوششیں نے جو نقشہ کھینچا تھا وہ یہ کہ کچھ نئے پکتلیوں کے ذریعہ ہندوستان اور خاص کر شری نہرو کی تہی اچھالنا۔ مگر ہندوستان اور نہرو کو نیچا دکھانے کی کوشش میں انہوں نے چاؤ اور چین کو بانسوں اچھال دیا۔ اسی کو کہتے ہیں—

’جانو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے‘

پچھلی سامراجیت وادیوں نے اٹارہویں صدی میں جو سب سے بڑی ایجاد کی تھی وہ بھاپ کے انجن کی تھیں بلکہ اُس بات کی کہ ایشیا اور افریقہ کی تہوں کو اپنے سامراجیت و ستار کے لئے بھارے کے سینک بنا کر کس طرح نہ صرف دوسرے ملکوں کے خلاف بلکہ خود اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی ایجاد کے استعمال سے یورپ اور ایشیا کے قریب قریب سب ملک پچھلی سامراجیت وادیوں کی گرونت میں آگئے اور اپنی آرتیک (اختصاصی)، راجنیتک (سیاسی) اور نیتک (اخلاقی) آزادی کھو بیٹھے۔

اب چکر نے اٹا کھونا شروع کیا ہے۔ آج ایشیا کے ملک پھر سے اپنی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی آزادی سر فیصدی حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ آج ایشیا اور افریقہ کے ملک انگار کر رہے ہیں

پچھلی سامراجیت وادیوں نے اٹارہویں صدی میں جو سب سے بڑی ایجاد کی تھی وہ بھاپ کے انجن کی تھیں بلکہ اُس بات کی کہ ایشیا اور افریقہ کی تہوں کو اپنے سامراجیت و ستار کے لئے بھارے کے سینک بنا کر کس طرح نہ صرف دوسرے ملکوں کے خلاف بلکہ خود اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی ایجاد کے استعمال سے یورپ اور ایشیا کے قریب قریب سب ملک پچھلی سامراجیت وادیوں کی گرونت میں آگئے اور اپنی آرتیک (اختصاصی)، راجنیتک (سیاسی) اور نیتک (اخلاقی) آزادی کھو بیٹھے۔

آج بھاپ نے اٹا کھونا شروع کیا ہے۔ آج ایشیا کے ملک پھر سے اپنی سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی آزادی سر فیصدی حاصل کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔ آج ایشیا اور افریقہ کے ملک انگار کر رہے ہیں

تیار ہے۔ ان میں سے کم سے کم پانچ لاکھ انڈیوں کی تالیف کا کام ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے۔ باقی لوگ بڑی عمر میں جاکر انڈیوں کی روشنی کو دیکھیں۔ 14 برس کی عمر تک کے اندھے بالوں کی تعداد قریب چالیس ہزار ہے لیکن ہندوستان میں انڈیوں کے کئی اسکولوں کی تعداد صرف 50 ہے جہاں محض 1600 بچے تعلیم پاتے ہیں۔

اس ملک میں انڈیوں کی تعلیم کے سلسلے میں سب سے عمدہ سہولتیں دہرادون میں ہے جہاں جوان انڈیوں کو کام سکھائے جاتے ہیں اور جہاں ایک بڑی چھاپاخانہ ہے جہاں انڈیوں کے پڑھنے کی کتابیں چھپتی ہیں۔ اسی سہولت کو مرکزی سرکار کی مدد سے بڑھانے کی योजना بن رہی ہے۔ اس योजना کے تحت ایک بڑا اسکول کھولے گا، انڈیوں کی تربیت کا ٹریننگ سینٹر کھولے گا، انڈیوں کی تربیت کا ایک چلتی پھرتی بڑی لائبریری قائم کی جائے گی۔ دہرادون انسٹیٹیوٹ میں مرکزی سرکار کی دی ہوئی قریب قریب پوری رقم خرچ ہو جاتی ہے۔ سن 1954-55 میں مرکزی سرکار نے کل ساڑھے تین لاکھ روپیہ انڈیوں کی تعلیم کے لئے رکھا تھا۔ یہ رقم بہت تیزی سے ختم ہو گئی تھی۔ اس معاملے میں کچھ غلطی نہیں تھی۔ بیٹھی کی سرکار کی شک تعریف کی جاسکتی ہے اس کے اس فیصلے پر کہ ہر پڑھنے والے اندھے ویدارتھی کو وہ تیس روپیہ مہینہ وظیفہ دینی۔

دنیا میں انڈیوں کا سب سے پہلا اسکول 171 برس پہلے ویلینگٹن ہائیو نے پیرس میں کھولا تھا۔ تب سے انڈیوں کی تعلیم کے طریقے میں کافی سدھار ہوا ہے۔ اس دشا میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل کام لونی بڑی ہے کیا جو خود اٹھا تھا۔ اس کے نام سے انڈیوں کی پڑھائی کی کتابیں ہی بڑی کتابیں کہلاتے ہیں جن میں اُپری ہوئی چھاپائی ہوئی ہے اور جسے انڈیوں سے ٹھول کر اندھے بچے پڑھتے ہیں۔ آجکل اس سمینڈہ میں پائے گاڈ پر بلاسٹک سیانی سے چھپی کتابیں یا بلاسٹک گاڈ پر چھپی کتابیں پر انڈیوں کی پڑھائی کے تجربے چل رہے ہیں۔

انڈیوں کے کام سیکھ جانے کے بعد جو سب سے بڑی رکاوٹ ان کے راستے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں کوئی نوکری نہ ملے۔ انہیں روزگار اور نوکری ملنے کی برابر کی سہولتیں نہ حاصل ہوں تب تک انہیں انڈیوں کی ہی ورک شاپ جیسی روزگار کی جگہ بنانا انہیں کام پر لگانا ہوتا ہے۔ دوسری پینچاسہ بوجنا میں اس قسم کی ورک شاپوں کی گنتاؤں رکھی جائیں گی۔ ”ایسی ایک تجویز سن 1945 میں بھی کی گئی تھی۔ انڈیوں کو پینچاسہ دینے کی تجویز کے پورا ہونے میں ابھی کافی وقت لگے گا لیکن ہندوستان ایک کام

دنیا میں انڈیوں کا سب سے پہلا اسکول 171 برس پہلے ویلینگٹن ہائیو نے پیرس میں کھولا تھا۔ تب سے انڈیوں کی تعلیم کے طریقے میں کافی سدھار ہوا ہے۔ اس دشا میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل کام لونی بڑی ہے کیا جو خود اٹھا تھا۔ اس کے نام سے انڈیوں کی پڑھائی کی کتابیں ہی بڑی کتابیں کہلاتے ہیں جن میں اُپری ہوئی چھاپائی ہوئی ہے اور جسے انڈیوں سے ٹھول کر اندھے بچے پڑھتے ہیں۔ آجکل اس سمینڈہ میں پائے گاڈ پر بلاسٹک سیانی سے چھپی کتابیں یا بلاسٹک گاڈ پر چھپی کتابیں پر انڈیوں کی پڑھائی کے تجربے چل رہے ہیں۔

انڈیوں کے کام سیکھ جانے کے بعد جو سب سے بڑی رکاوٹ ان کے راستے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں کوئی نوکری نہ ملے۔ انہیں روزگار اور نوکری ملنے کی برابر کی سہولتیں نہ حاصل ہوں تب تک انہیں انڈیوں کی ہی ورک شاپ جیسی روزگار کی جگہ بنانا انہیں کام پر لگانا ہوتا ہے۔ دوسری پینچاسہ بوجنا میں اس قسم کی ورک شاپوں کی گنتاؤں رکھی جائیں گی۔ ”ایسی ایک تجویز سن 1945 میں بھی کی گئی تھی۔ انڈیوں کو پینچاسہ دینے کی تجویز کے پورا ہونے میں ابھی کافی وقت لگے گا لیکن ہندوستان ایک کام

اس گرو اور ششیا نے ملکر اندھیرے میں روشنی ڈھونڈی، کس طرح انہوں نے اندھوں کے لئے تعلیم کے دروازے کھولے، کس طرح انہوں نے اُنہیں سے اُنہیں دیو کو نابینوں کے لئے آسان بنا دیا اور کس طرح نیرتھینوں کی نامید زندگی کو انہوں نے اُسا اور اُمدہوں سے بہرہ دیا۔

ڈاکٹر ہیلن کالر نے اپنی عمر کے 75 برس حال ہی میں پورے کیے ہیں۔ 50 برس سے بڑا ہوا انہوں نے اپنی زبان کی خاموشی کے ساتھ، اپنے گونگے پن کے ساتھ، جدوجہد کیا اور اپنی آواز پر قابو پایا۔ وہ کہتی ہیں— ”میری آواز میٹھی نہیں ہے مگر میں نے اپنے سنوں کو اپنے سروں کے ٹوٹے پنکھوں پر بیٹھا کر کلنا کی آڑوں میں گھمایا ہے۔ میری ٹوٹی پھوٹی آواز نے میرے روم روم میں وہ طمانت بھری ہے جس سے میں اپنی بیکسی کے ساتھ کامیاب لڑائی لڑ سکوں اور یہ سمجھ سکوں کہ انسان کی کوششوں میں کتنی تپ اور گہرائی ہوتی ہے اور نامہدیں کتنی مایوسی سے بھری ہوتی ہیں۔“

کمری ہیلن نے عمر رکاوٹ کو پختہ ارادے اور ہمت کے ساتھ پار کیا۔ اب وہ ناؤ کھینے، گھر سواری کرنے، سائیکل پر چڑھنے میں ہوشیار ہو گئیں۔ ٹینیس اور دوسرے کھیلوں کی کھیلوں سے سنا سکتی تھیں۔ بیس بیس کی عمر میں وہ رنڈ کلف کالج میں بھرتی ہوئیں۔ کالج کے انہیں میں بیٹھ پہلا موقع تھا جب ایک گونگا، بھرا اور اندھا دیکھنے والے کالج میں بھرتی ہوا۔ لیکن باوجود ان تینوں ٹھکانوں کے ہیلن نے سن 1904 میں 24 برس کی عمر میں کالج سے بی۔ اے۔ پاس کیا۔ اب ہیلن کی کیرئیر کالج کی چار دیواری پار کر کے سارے امریکہ، یورپ اور دنیا کے کونے میں پہنچتی شروع ہوئی۔ اندھوں، بہروں اور گونگوں کو ایک مسیحا ملا جو کہ انکی خاموش آواز کو چاروں اور پہنچا سکتا تھا، جو اُن کی نرلشا کو اُسا میں بدل سکتا تھا، جو اُن کی دل کی کیفیت کو پر اثر لفظوں میں بیان کر سکتا تھا، جو دنیا کو اُن کی سمسیاؤں سے واقف کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر ہیلن نے اندھوں، گونگوں اور بہروں کے مسئلے کو لیکر پانچ دفعہ ساری دنیا کا دورا کیا اور اب وہ ہندستان، برما، پاکستان، تائیوان اور انکا کے چالیس ہزار مہل کے دورے کے لئے نکلی ہیں۔ جو روشنی آج انہوں نے نیرتھ انسانیت کے لئے جلائی ہے وہ کبھی بجھ نہیں سکتی۔

ہمیں ہندستان میں ڈاکٹر ہیلن کا سواگت سماروہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ کتنے ڈاکٹر ہیلن کا واسطو آکر تو تب سمجھا جائیگا جب اس دیش کے اندھوں کی حالت کو اور زیادہ بہتر بنانے کے عملی قدم اُٹے۔ جاہل، دس برس پہلے کے انڈیا میں انہوں کی تعداد بیس لاکھ تھی—یعنی کل دنیا کے اندھوں کی ایک

ڈاکٹر ہیلن کالر نے اپنی عمر کے 75 برس حال ہی میں پورے کیے ہیں۔ 50 برس سے زیادہ انہوں نے اپنی زبان کی خاموشی کے ساتھ، اپنے گونگے پن کے ساتھ، جدوجہد کیا اور اپنی آواز پر قابو پایا۔ وہ کہتی ہیں— ”میری آواز میٹھی نہیں ہے مگر میں نے اپنے سنوں کو اپنے سروں کے ٹوٹے پنکھوں پر بیٹھا کر کلنا کی آڑوں میں گھمایا ہے۔ میری ٹوٹی پھوٹی آواز نے میرے روم روم میں وہ طمانت بھری ہے جس سے میں اپنی بیکسی کے ساتھ کامیاب لڑائی لڑ سکوں اور یہ سمجھ سکوں کہ انسان کی کوششوں میں کتنی تپ اور گہرائی ہوتی ہے اور نامہدیں کتنی مایوسی سے بھری ہوتی ہیں۔“

کمری ہیلن نے عمر رکاوٹ کو پختہ ارادے اور ہمت کے ساتھ پار کیا۔ اب وہ ناؤ کھینے، گھر سواری کرنے، سائیکل پر چڑھنے میں ہوشیار ہو گئیں۔ ٹینیس اور دوسرے کھیلوں کی کھیلوں سے سنا سکتی تھیں۔ بیس بیس کی عمر میں وہ رنڈ کلف کالج میں بھرتی ہوئیں۔ کالج کے انہیں میں بیٹھ پہلا موقع تھا جب ایک گونگا، بھرا اور اندھا دیکھنے والے کالج میں بھرتی ہوا۔ لیکن باوجود ان تینوں ٹھکانوں کے ہیلن نے سن 1904 میں 24 برس کی عمر میں کالج سے بی۔ اے۔ پاس کیا۔ اب ہیلن کی کیرئیر کالج کی چار دیواری پار کر کے سارے امریکہ، یورپ اور دنیا کے کونے میں پہنچتی شروع ہوئی۔ اندھوں، بہروں اور گونگوں کو ایک مسیحا ملا جو کہ انکی خاموش آواز کو چاروں اور پہنچا سکتا تھا، جو اُن کی نرلشا کو اُسا میں بدل سکتا تھا، جو اُن کی دل کی کیفیت کو پر اثر لفظوں میں بیان کر سکتا تھا، جو دنیا کو اُن کی سمسیاؤں سے واقف کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر ہیلن نے اندھوں، گونگوں اور بہروں کے مسئلے کو لیکر پانچ دفعہ ساری دنیا کا دورا کیا اور اب وہ ہندستان، برما، پاکستان، تائیوان اور انکا کے چالیس ہزار مہل کے دورے کے لئے نکلی ہیں۔ جو روشنی آج انہوں نے نیرتھ انسانیت کے لئے جلائی ہے وہ کبھی بجھ نہیں سکتی۔

ہمیں ہندستان میں ڈاکٹر ہیلن کا سواگت سماروہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔ کتنے ڈاکٹر ہیلن کا واسطو آکر تو تب سمجھا جائیگا جب اس دیش کے اندھوں کی حالت کو اور زیادہ بہتر بنانے کے عملی قدم اُٹے۔ جاہل، دس برس پہلے کے انڈیا میں انہوں کی تعداد بیس لاکھ تھی—یعنی کل دنیا کے اندھوں کی ایک

کو اہمیت دی جاتی رہے گی تب تک دنیا کا چھٹکارا ان جنگوں سے نہیں ہو سکتا۔ یہ بات ناممکن ہے کہ ہتھیار بندی دھیرے دھیرے کم کرتے کرتے ختم کی جا سکتی ہے۔ یا تو دنیا سے ہتھیار یکبارگی مٹا دیئے جائیں گے یا پھر بالکل ہی نہ مٹیں گے۔ جب تک فوجیں برقرار ہیں تب تک چھوٹی سے چھوٹی جنگاوی بھی جنگ کی آگ کو بھڑکا سکتی ہے۔ جب پریم اور شانتی کی اہمیت سمجھیں گے تب ہی دنیا ترقی کی ایک نئی منزل پر پہنچے گی۔ ترقی کے اس شہر پر پہنچ کر مائٹو سسٹن جنگ کو اپنے بزرگوں کا ایک حیوانی کوکرتیہ سمجھیں گی۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے انسانوں کی تعداد آج تھوڑی ہے لیکن انہیں کی بڑھتی ہوئی طاقت اس بات کا فیصلہ کرے گی کہ انسانی قوم کب تک ہنس اور نفرت کے اس خوفناک اندھکار میں دھکے کھاتے پڑے رہے گی جسے کچھ از بے لوگ آج اپنا آدرش سمجھ رہے ہیں۔“

پچھلے بڑے جنگ کے سلسلے میں پُروردن آواز کے ساتھ آئنسٹین نے کہا تھا—”آج ہمنا آئم باں کائی ثابت نہیں ہوا۔ آج کروڑوں انسان مرنے ہو کر جنگ کے بے ہنگم تماشے کو دیکھ رہے ہیں۔ جو لوگ شانتی مٹنے طریقوں کو دنیا کے لئے کلیان کاری سمجھتے ہیں وہ بھی ہنس کے ساتھ سمجھوتے کو ایک سیاسی دور اندیشی سمجھ رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ دور اندیشی انسانیت کے ساتھ کیا ہوا ایک ایسا بے ہنگم جرم ہے جو ناقابل معافی ہے۔ لیکن چونکہ ہم خود انسان ہیں اس لئے مانوتا سے مایوس ہونے میں ہمارا کلیان نہیں۔ آج یہی یہ بڑی آشا کی بات ہے کہ گاندھی جیسا وینکی مانوتا کو خون کے دلدل سے باہر نکالنے کی انتہک کوششیں کر رہا ہے۔“

آئنسٹین کی مائت سے ن سرفے دینیا کا سب سے بڑا وائیکانک آئم کہا بلکہ شانتی اور پریم کا ایک زبردست ہجاری چل بسا۔ موت نے آئنسٹین کی جو جگہ خالی کی ہے اس کے آسانی سے بھرے کی کوئی اہمیت دکھائی نہیں دیتی۔

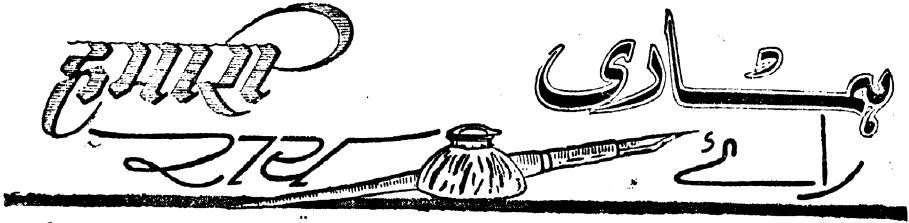
—وشومہر نانہ پانڈے

اندھوں کی مسیحا—ہمایون کیلر

پچھلے تین مہینے سے ڈاکٹر ہیلن کیلر ہندوستان میں گھوم گھوم کر اس دیہے کے اندھوں کو اہمیت کا ایک پیغام دے رہی ہیں۔ وہ انسان کی محدود (اپریٹ) اہمیت اپنی نجی زندگی کو سامنے رکھ کر بیان کر رہی ہیں۔ اپنے جنم کے بعد 19 مہینوں تک وہ ایک سادھان ششو کی طرح تھیں۔ پھر انہیں یلایک نیز بخار آیا اور وہ اندھی، بہری اور گونگی بن گئیں۔ ماں باپ کو سخت صدمہ پہونچا۔ سن 1887 میں چھ برس کی عمر میں انہوں نے ہیلن کو ایک اندھی ششکھک مس سلویان کے سپرد کر دیا۔ انسانیت کے لئے یہ ایک دلچسپ کہانی ہے کہ کس طرح

विश्वशान्ति और युद्धों के बारे में आइन्स्टीन ने लिखा है—“आज दुनिया का करीब करीब हर मूलक संसार व्यापारिक जंग की तैयारी में लगा है, एक वजह जङ्ग खत्म हाती है और दूसरी की तैयारी शुरू हो जाती है। जब तक चन्द राजनीतिज्ञ दुनिया की किस्मत की रहनुमाई करते रहेंगे, जब तक क्रोधी गुस्सूर की परिस्थित हाती रहेगी, जब तक जङ्ग की भावना

و شو شانتی اور یدھوں کے بارے میں اُنستقین نے لکھا ہے۔ ”اُج دنیا کا دروب ہو قروب ہو ماک سنسار وناہی جنگ کی تیاری میں لگا ہے۔ ایک بڑی جنگ حتم ہوئی ہے اور دوسری کی تیاری شروع ہو جاتی ہے۔ جب تک چاند راجدیکہ دنیا کی دست کی غصائی دیر رہے گی، جب تک قومی غرور کی پرستش ہوئی ہے، جب تک جنگ کی تیاریاں



آلبرٹ آئنسٹین

18 اپریل سن 55 کو ریڈیو نے ساری دنیا کو یہ پورے پورے اطلاع دی کہ قریب 76 برس کی عمر میں اُس دن دنیا کے مشہور ریڈیائی (سائنسدان) ڈاکٹر آلبرٹ آئنسٹین کی موت ہو گئی۔ ڈاکٹر آئنسٹین کی موت سے جو جگہ خالی ہوئی اسے آسانی سے نہیں بھرا جا سکتا۔ وہ محض ایک سائنسدان ہی نہیں تھے بلکہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آجکل کی سائنس کی کھوجوں کے لیے سب سے بڑے سرور تھے۔ گزرت میں سائیکس واد (Theory of Relativity) کی کھوج انہوں نے کی ہوئی ہے۔ ایٹمک کھوجوں کو مورت روپ دینے میں اُن کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ انہیں سن 1921 میں نوبل پرائز دیا گیا۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ دنیا میں سائنس کی ترقی پر جن دو ریڈیائوں میں انقلابی اثر ڈالا اُن میں ایک کاپرنیکس تھا اور دوسرا آئنسٹین۔

آئنسٹین کا جنم 14 مارچ 1879ء میں آئسلی میں ہوا، سوئٹزرلینڈ، آسٹریا میں تھا۔ کٹھنیت سے وہ جرمن تھا۔ سن 1933 میں نازیوں کے فیلڈ کے ساتھ ساتھ آئنسٹین کو اپنے پد سے ہٹایا گیا۔ ان کی قومیت ضبط کر لی گئی۔ اُس پر دنیا کے 34 ممالک نے انہیں اپنے دھرم کی قومیت اور شہر دینے کی دعوت دی۔ آئنسٹین پہلے آئسلی میں جا کر رہے اور بعد میں امریکہ چلے گئے۔ سن 1940 میں وہ پرنسٹن میں سائنس کے پروفیسر کے پد پر مقرر ہوئے۔

جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں آئنسٹین جرمن تھے۔ کنتو اپنے دھرم کی جرمن جنتا کی گوارت دیکھ کر جنتا کے اوپر سے اُن کا دشمنی سا اُٹھ گیا تھا۔ سن 1941 میں انہوں نے لکھا تھا: ”بڑے جنتا کو 1 دن کے اندر اخباروں کے ذریعہ اپنا اُکسایا جا سکتا ہے کہ وہ ریڈیائی گروہوں کی زبیل خدوہوں کے لئے اپنا اور دوسروں کا خون بہانے کو تیار ہو سکتی ہے۔ ذاتی حق کی اُس سے بڑی دوسری مثال اور کون ہو سکتی ہے کہ لوگ جبراً دھرمی تعلیم کے آگے سر جھکا دیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی اِس سہیلتا کے ناش کی پیشینگونی کرے تو اِس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟“

آئنسٹین

آئنسٹین کا جنم 14 مارچ سن 1379 عیسوی میں آلم، برٹین برگ، آسٹریا میں ہوا تھا۔ قومیت سے وہ جرمن یہودی تھے۔ سن 1933 میں نازیوں کے ساتھ ساتھ آئنسٹین کو اپنے پد سے ہٹایا گیا۔ اُن کی قومیت ضبط کر لی گئی۔ اُس پر دنیا کے 34 ممالک نے انہیں اپنے دھرم کی قومیت اور شہر دینے کی دعوت دی۔ آئنسٹین پہلے آئسلی میں جا کر رہے اور بعد میں امریکہ چلے گئے۔ سن 1940 میں وہ پرنسٹن میں سائنس کے پروفیسر کے پد پر مقرر ہوئے۔

جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں آئنسٹین جرمن تھے۔ کنتو اپنے دھرم کی جرمن جنتا کی گوارت دیکھ کر جنتا کے اوپر سے اُن کا دشمنی سا اُٹھ گیا تھا۔ سن 1941 میں انہوں نے لکھا تھا: ”بڑے جنتا کو 1 دن کے اندر اخباروں کے ذریعہ اپنا اُکسایا جا سکتا ہے کہ وہ ریڈیائی گروہوں کی زبیل خدوہوں کے لئے اپنا اور دوسروں کا خون بہانے کو تیار ہو سکتی ہے۔ ذاتی حق کی اُس سے بڑی دوسری مثال اور کون ہو سکتی ہے کہ لوگ جبراً دھرمی تعلیم کے آگے سر جھکا دیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی اِس سہیلتا کے ناش کی پیشینگونی کرے تو اِس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟“

लेखक के मुताबिक हिन्दी और उर्दू दोनों की एक ही शुरूआत थी. लेखक के शब्द हैं—“लगभग 18वीं सदी के अन्त तक ‘उर्दू’ शब्द का प्रयोग (इन्तेमाल) भाषा (जबान) के अर्थ में नहीं मिलता, उसकी जगह ‘रेखता’ या ‘हिन्दी’ वो ही शब्द कवियों की जबान पर चढ़े थे... 15वीं शताब्दी के आरम्भ से. कुछ पहले उर्दू का शब्द भी भाषा के अर्थ में बोला जाने लगा. उसी समय से यूरोपियन लेखकों ने इसे हिन्दुस्तानी कहना भी आरम्भ किया.”

दूसरे अध्याय में लेखक ने दक्षिण भारत में उर्दू जबान की तरक्की की तारीख दी है. जिस तरह उत्तर में खुसरो का नाम मराहूर है उसी तरह दक्षिण में बन्दा नवाज गेसू दराज का नाम मराहूर है. उनकी शायरी का एक नमूना देखें:—

“नबी कहै तहकीक के दरमियान ते सत्रह हजार पदें,
उजियाले के, हौर अधियारे के, अगर उसमें ते एक पर्दा उठ जाये तो उसकी आंच ते मैं जलू.”

15वीं सदी में दक्खिन भारत के शाह मीरान जी के एक उर्दू पद का नमूना देखें—

केते ज्ञान भगत बैरागी केते मूर्ख गंवार,

एक जिन एक मानस कीता एक पुरुष एक नार.

मीरान जी के पुत्र बुरहाउदीन का एक उर्दू पद है—

यह रूप प्रगट आप छिपाया कोई न पाया अन्त,

माया मोह में सब जग बांध्या क्योंकर सूखे पन्त.

लेखक बली को उर्दू का पहला कवि नहीं मानता, वह उन्हें दक्खिन भारत का एक बड़ा कवि मानता है जिनकी जबान बोल चाल की जबान के करीब थी.

तीसरे अध्याय में 18वीं सदी में दिल्ली के उर्दू शायरों के हालात लेखक ने बयान किये हैं. चौथे अध्याय में अब्बी और उर्दू साहित्य का चर्चा है. पांचवें अध्याय में नजीर अकबराबादी की खास तौर पर चर्चा की गई है. अध्याय छे में दिल्ली के शायरों के आखरी दौर की चर्चा है. इनमें जौक, रालिब और बहादुर शाह ‘जफर’ का नाम खास तौर पर लिया गया है. सातवें अध्याय में उर्दू गद्य (नस्र) के विकास पर रोशनी डाली गई है. इनमें शुरूर की मराहूर रचना ‘फिसानए अजायब’ की खास तौर पर चर्चा की गई है. आठवां अध्याय इस जमाने की शुरूआत से पहले के गद्य और पद्य का जिक्र करता है. फिर लेखक ने पचास सकों में नये उर्दू अदब का तजक़िरा किया है. आखरी अध्याय में उर्दू के भविष्य की चर्चा की गई है. इसमें मौजूदा नये उर्दू शायरों और गद्य लेखकों का संक्षिप्त चर्चा है. आखीर में कुछ पारिभाषिक शब्द और किताबों की फेहरिस्त दी है जिनसे इस किताब के लिखने में मदद ली गई है.

—विश्वम्भरनाथ पांडे

लिकेक के مطابق हندی और اردو دونوں کی ایک ہی شروعات تھی. لیکیک کے شدت ہیں—“اگ بیگ 18ویں صدی کے انت تک ‘اردو’ شبد کا پروک (استعمال) بیہا (زبان) کے اربہ میں نہیں ملتا، اُس کی جگہ ‘ریختہ’ یا ‘ہندی’ دو ہی شدتوں کی زبان پر چڑھے تھے... 19ویں شتাবدی کے ارمیہ سے. کچھ پہلے اردو کا شبد بھی بیہا کے اربہ میں بولا جانے لگا. اُسی سمے سے یورپین لیکیکر نے اسے ہندستانی کہنا بھی ارمیہ کیا.”

دوسرے ادبیات میں لیکیک نے دکن بھارت میں اردو زبان کی ترقی کی تاریخ دی ہے. جس طرح اُتر میں خسرو کا نام مشہور ہے اُسی طرح دکن میں باندہ نواز گیسو دراز کا نام مشہور ہے. اُن کی شاعری کا ایک نمونہ دیتے ہیں—

“نہی کہہ تحقیق کے درمیان تے ستر ہزار پردے
اُجیالے کے، ہور اندھیالے کے، اگر اُس میں تے ایک پردا اُٹ جائے تو اُس کی آنچ تے میں جالوں.”

15ویں صدی میں دکن بھارت کے شاہ میران جی کے ایک اردو پد کا نمونہ دیتے ہیں—

دیتے گیان بیگت ویراگی کیہے مرزہ گوار،

ایکجن ایک مانس کیتا ایک پروش ایک ناز.

میران جی کے پتربرغان الدین کا ایک اردو پد ہے—

یہ روپ پروگت آپ چھوایا کوئی نہ پایا انت،

مایا مرد میں سب جگہ اندھیا کیونہ رسوجہ پنت.

لیکیک دلی کو اردو کا پہلا کوی نہیں مانتا، وہ انہیں دکن بھارت کا ایک بڑا کوی مانتا ہے جن کی زبان بول چال کی زبان کے قریب تھی.

تیسرے ادبیات میں 18ویں صدی میں دلی کے اردو شاعروں کے حالات لیکیک نے بیان کئے ہیں. چوتھے ادبیات میں اردشی اور اردو سافیک کا چرچا ہے. پانچویں ادبیات میں نظائر ادب آبادی کی خاص طور پر چرچا کی گئی ہے. ادبیات چھ میں دلی کے شاعروں کے آخری دور کی چرچا ہے. ان میں ذوق غالب اور بہادر شاہ ‘ظفر’ کا نام خاص طور پر لیا گیا ہے. ساتویں ادبیات میں اردو گدیہ (نثر) کے وکس پر روشنی ڈالی گئی ہے. ان میں شروع کی مشہور چچا ‘نسا’ عجیب کی خاص طور پر چرچا کی گئی ہے. آٹھواں ادبیات اس زمانے کی شروعات سے پہلے کے گدیہ اور پدیہ کا ذکر کرتا ہے. پھر لیکیک نے پچاس صدیوں میں نئے اردو ادب کا تذکرہ کیا ہے. آخری ادبیات میں اردو کے بھوشیہ کی چرچا کی گئی ہے. اس میں موجودہ نئے اردو شاعروں اور گدیہ لیکیکوں کا سنجیدہ چرچا ہے. آخر میں کچھ پریہ شک شد اور اُن کتابوں کی فہرست دی ہے جن سے اس کتاب کے لکھنے میں مدد لی گئی ہے.

—وشوہر ناتھ پانڈے

کستوربا گاندھی ٹرسٹ کا سارا کام انکے سپرد ہو گیا جس کا مقصد تھا گلوں کی بہنوں کے لئے گرام سیوکائیں تیار کرنا۔

باپا کا असली नाम था असृतलाल ठक्कर, लेकिन आदर और प्यार से लोग उन्हें ठक्कर बापा कहा करते थे. अपने काम के सिलसिले में ठक्कर बापा को पूर्वी अफ्रीका में भी रहना पड़ा और वहां के लोगों के रहन सहन और रस्म रिवाजों का उन्हें नजदीक से देखने का मौका मिला. हिन्दुस्तान में रह कर उनके मन में सेवा की तड़प उठी तो वह स्वर्गीय गांधी के सम्पर्क में आये.

ठक्कर बापा ने लोहाणा जाति की घोघारी शाखा में जन्म लिया था. सन 1910 में वे ऐसे प्रीति भोज में शामिल हुये जिसमें दो हरिजन भी थे. जाति पंचायत ने उन्हें जवाब देने के लिये तलब किया. वृन्ध स्वरूप उन्हें 150 रुपया जुर्माना देना पड़ा और अनिवार्य प्रायश्चित्त करना पड़ा. उस घटना ने उनके दिल को खूब मथा और नतीजा यह हुआ कि वे भीलों, आदिवासियों और हरिजनों के महान सेवक बन गये.

अकाल पीड़ितों, हरिजनों और आदिवासियों की सेवा में समाज सेवकों के सामने जो कठिनाइयाँ आती हैं बापा के इस जीवन प्रसंग से उनपर काफ़ी रोशनी पड़ती है. बापा का यह जीवन चरित्र बहुत ही दिलचस्प और शिक्षाप्रद है. प्रत्येक समाज सेवी को यह पुस्तक जरूर पढ़नी चाहिये.

पांचवीं किताब 'हरिजन सेवकों के लिये' गांधी जी के लेखों का संग्रह है. ये उन समाज सेवकों को रास्ता दिखाने के लिये हैं जिन्होंने हरिजन सेवा को अपनी जिन्दगी का मकसद बना लिया है. गांधी जी के लेखों का यह संग्रह बड़े महत्व का है.

उर्दू साहित्य का इतिहास

लिखने वाले—सैयद एहतिशाम हुसेन, शायी करने वाले—अब्दुल मने तरक़्की-ए-उर्दू (हिन्द) अलीगढ़; सन्—360 (डिमाइ); हिन्दी लिपि; कीमत सात रुपये चार आने.

पुस्तक संस्कृताई हिन्दी में लिखी गई है और 11 अध्यायों में बंटी है. पहले अध्याय में उर्दू ज़बान के जनम और बचपन का हाल है. लेखक के मुताबिक उर्दू को पहले 'हिन्दवी', 'हिन्दुई', 'दक्नी' या 'दखनी' नाम से पुकारा जाता था. लेखक के मुताबिक इस ज़बान की दायाबेल खिलजियों और तुग़लकों के वक्त्र में पड़ी. यही ज़माना अमीर खुसरो का ज़माना था. और अमीर खुसरो की यह ज़बान उस वक्त्र की उर्दू थी—

गोरी सावे सेज पर, और मुख पर डारे केस,
चल खुसरो घर आपने, दैन भई सब देस.

कस्तورबा गंधी ٹرسٹ کا سارا کام انکے سپرد ہو گیا جس کا مقصد تھا گلوں کی بہنوں کے لئے گرام سیوکائیں تیار کرنا۔

باپا کا اصلی نام تھا امرت لعل ٹھکر، لیکن آدم اور پیار سے لوگ انھیں ٹھکر باپا کہا کرتے تھے۔ اپنے کام کے سلسلے میں ٹھکر باپا کو پوربی افریقہ میں بھی رہنا پڑا اور وہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور رسم رواجوں کو انھیں نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ہندستان میں رہ کر ان کے من میں سیوا کی تڑپ اُٹھی تو وہ سرگیتھ کے سمپرک میں آئے۔

ٹھکر باپا کے لہانا جاتی کی گھوگھاری شاخ میں جنم لیا تھا۔ سن 1910 میں وہ ایسے پرنی بھوج میں شامل ہوئے جس میں دو ہریجن بھی تھے۔ جاتیہ پنچایت نے انھیں جواب دینے کے لئے طلب کیا۔ دند سرپ انھیں 150 روپیہ جرمانہ دینا پڑا اور انیوارہ پر اشچیت کرنا پڑا۔ اُس گھٹنا نے اُن کے دل کو خوب مٹھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھیلوں، آدی واسیوں اور ہریجنوں کے مہان سیوک بن گئے۔

اکال ہیڈتوں، ہریجنوں اور آدی واسیوں کی سیوا میں سماج سیوکوں کے سامنے جو گھٹناں آتی ہیں باپا کے اِس جیون پر سنگ سے اُن پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ باپا کا یہ جیون چرت بہت ہی دلچسپ اور شکشا پرد ہے۔ ہر نیک سماج سیوی کو یہ پستک ضرور پڑھنی چاہئے۔

پانچویں کتاب 'ہریجن سیوکوں کے لئے' گاندھی جی کے لیکچر کا سنگرہ ہے۔ یہ اُن سماج سیوکوں کو راستہ دکھانے کے لئے ہیں جنہوں نے ہریجن سیوا کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ گاندھی جی کے لیکچر کا یہ سنگرہ بڑے مہتمم کا ہے۔

اُردو ساہتیہ کا اقباس

لکھنے والا—سید احتشام حسین؛ شائع کرنے والا—انجمن ترقی اُردو (عند) علیگڑھ؛ صفحہ—360 (دیمائی)؛ ہندی لپی؛ قیمت سات روپے چار آنے۔

پستک سنسکرتانی ہندی میں لکھی گئی ہے اور 11 ادھیائوں میں بنتی ہے۔ پہلے ادھیائے میں اُردو زبان کے جنم اور بچپن کا حال ہے۔ لکھک کے مطابق اُردو کو پہلے 'ہندوی'، 'ہندوئی'، 'دکنی' یا 'دکھنی' نام سے پکارا جاتا تھا۔ لکھک کے مطابق اِس زبان کی داغ بیل خلیجیوں اور تغلقوں کے وقت میں پڑی۔ یہی زمانہ امیر خسرو کا زمانہ تھا۔ اور امیر خسرو کی یہ زبان اُس وقت کی اُردو تھی—

گوری سورے سیج پر، اور مکہ پر ڈارے کوس،
چل خسرو گھر اپنے، دین بھی سب دیس۔

جیندگی پر کیا تعمیری اثر ڈالا اُس کی چھاننی ہمیں اِس کتاب میں حد گاندھی جی کے شہدوں میں ملتی ہے۔ اِس نقطہ نظر سے یہ نڈب سیاست کے دہکاروں کے لئے اپنی اہم جگہ رکھتی ہے۔

دوسری کتاب 'با اور باپو کی شیتل جھایا میں' مनु بڈن کی لکھی ہوئی ہے۔ کبابی منو کی یہ تیسری کتاب ہے۔ اِس کے پہلے 'باپو—سوری مل' اور 'دکھتے کا چمکا: نام کی دو کتابیں چھاپ چکی ہیں۔ منو رشتے میں گاندھی جی کی پڑتی ہیں اور 1942ء سے گاندھی جی کے بلیدان کے دن تک ان کے ساتھ رہیں۔ اِس کتاب میں منو نے بڑے سرن اور سواہاروک طریقے سے با اور باپو کے ساتھ اپنے سنسمرنوں کی جہانکیاں بڈھ کی ہیں۔ اِنہ سواہاروک روپ سے بول چال کی طرح پستک لکھی گئی ہے، ایک بار اُتار بنا پورا نئے رچنے کا سن نہیں کرتا۔ باپو اور با کے بارے میں اِس کتاب کے پختوں میں بڑے سنسمرن ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں۔

تیسری کتاب 'باپو' گاندھی بھکت شری رام ناتھ چوہدری کی لکھی ہے۔ شری چوہدری راجستھان کے پرسدھ کارہ کرتا رہے ہیں اور انہوں برس تک چوہدری دہاتی باپو کے ساتھ رہے ہیں۔ ساہرمئی میں اور سیوا گرام میں ہی۔ اِس کتاب میں شری رام ناتھ چوہدری نے باپو کے ساتھ اپنے لمحے ساتھ کی 285 باتیں درج کی ہیں۔ اُن کی دھرم پختی شریعتی انجنا دی ہے باپو اور با کے ساتھ ہی 14 دلچسپ اور شگجپا پور جہانکیاں بڈھ کی ہیں۔ گاندھی جی کے جیون پرسنگ پڑ اُن کے جیون عمل پڑ اُن کے وچاروں پڑ، اُن کے اُصول اور آدرشوں پڑ، اُن کے ساد من اور سادھنا پڑ بڑی سندر روشنی پڑتی ہے۔ پستک گاندھی جی کے جیون پڑیچے کی درشتی سے قیمتی ہے۔

چوتھی کتاب کانتی لال شاہ کی لکھی ہوئی 'ٹھکر بابا' ہے۔ ٹھکر بابا کا یہ جیون چرت سادھنی ساہتیک جیون چرت بھاک کو بڑے حد تک پورا کرتا ہے۔ ٹھکر بابا نے لمبی 81 برس کی زندگی پائی۔ 46 برس سے بعد کا اُن کا سارا جیون سیوا اور خدمت کا جیون تھا۔ 34 برس تک اُنہوں نے سراج کی اُتورت سیوا کی اور 81 برس کی عمر میں دنیا سے ہدا لی۔

ٹھکر بابا کا جنم ہیاؤ نکمر (سوراشٹر) میں ہوا تھا۔ پیشے سے وہ انجینئر تھے۔ کئی جگہ رہنے کے بعد بمبئی کارپوریشن میں وہ سینیٹری انجینئر کے پد پر نیکمٹ ہوئے۔ وہیں سے نوکری چھوڑ کر سیوا کے کام میں لگ گئے۔ بھیلوں کی سیوا پہلے جئی۔ بعد میں سمست آدراسیوں تک اُنکی سیوا کا چھینر پیدل گیا۔ گاندھی جی کے وہ گہرے دوستوں میں سے تھے۔ اِس ائمہ ندرتی طور پر ہرینجن سیوا کے کام کی بڑی ذمہ داری ٹھکر بابا نے سنبھالی۔ بعد میں

دوسری کتاب 'با اور باپو کی شیتل جھایا میں' منو بڈن کی لکھی ہوئی ہے۔ کبابی منو کی یہ تیسری کتاب ہے۔ اِس کے پہلے 'باپو—سوری مل' اور 'دکھتے کا چمکا: نام کی دو کتابیں چھاپ چکی ہیں۔ منو رشتے میں گاندھی جی کی پڑتی ہیں اور 1942ء سے گاندھی جی کے بلیدان کے دن تک ان کے ساتھ رہیں۔ اِس کتاب میں منو نے بڑے سرن اور سواہاروک طریقے سے با اور باپو کے ساتھ اپنے سنسمرنوں کی جہانکیاں بڈھ کی ہیں۔ اِنہ سواہاروک روپ سے بول چال کی طرح پستک لکھی گئی ہے، ایک بار اُتار بنا پورا نئے رچنے کا سن نہیں کرتا۔ باپو اور با کے بارے میں اِس کتاب کے پختوں میں بڑے سنسمرن ہمیں پڑھنے کو ملتے ہیں۔

تیسری کتاب 'باپو' گاندھی بھکت شری رام ناتھ چوہدری کی لکھی ہے۔ شری چوہدری راجستھان کے پرسدھ کارہ کرتا رہے ہیں اور انہوں برس تک چوہدری دہاتی باپو کے ساتھ رہے ہیں۔ ساہرمئی میں اور سیوا گرام میں ہی۔ اِس کتاب میں شری رام ناتھ چوہدری نے باپو کے ساتھ اپنے لمحے ساتھ کی 285 باتیں درج کی ہیں۔ اُن کی دھرم پختی شریعتی انجنا دی ہے باپو اور با کے ساتھ ہی 14 دلچسپ اور شگجپا پور جہانکیاں بڈھ کی ہیں۔ گاندھی جی کے جیون پرسنگ پڑ اُن کے جیون عمل پڑ اُن کے وچاروں پڑ، اُن کے اُصول اور آدرشوں پڑ، اُن کے ساد من اور سادھنا پڑ بڑی سندر روشنی پڑتی ہے۔ پستک گاندھی جی کے جیون پڑیچے کی درشتی سے قیمتی ہے۔

چوتھی کتاب کانتی لال شاہ کی لکھی ہوئی 'ٹھکر بابا' ہے۔ ٹھکر بابا کا یہ جیون چرت سادھنی ساہتیک جیون چرت بھاک کو بڑے حد تک پورا کرتا ہے۔ ٹھکر بابا نے لمبی 81 برس کی زندگی پائی۔ 46 برس سے بعد کا اُن کا سارا جیون سیوا اور خدمت کا جیون تھا۔ 34 برس تک اُنہوں نے سراج کی اُتورت سیوا کی اور 81 برس کی عمر میں دنیا سے ہدا لی۔

ٹھکر بابا کا جنم ہیاؤ نکمر (سوراشٹر) میں ہوا تھا۔ پیشے سے وہ انجینئر تھے۔ کئی جگہ رہنے کے بعد بمبئی کارپوریشن میں وہ سینیٹری انجینئر کے پد پر نیکمٹ ہوئے۔ وہیں سے نوکری چھوڑ کر سیوا کے کام میں لگ گئے۔ بھیلوں کی سیوا پہلے جئی۔ بعد میں سمست آدراسیوں تک اُنکی سیوا کا چھینر پیدل گیا۔ گاندھی جی کے وہ گہرے دوستوں میں سے تھے۔ اِس ائمہ ندرتی طور پر ہرینجن سیوا کے کام کی بڑی ذمہ داری ٹھکر بابا نے سنبھالی۔ بعد میں

کتابیں

(1) گوگلے (مرے راجنیتک گرو)

لیکھنے والے—گاندھی جی؛ छापने वाले—नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; सके—64; दाम—एक रुपया.

(2) बा और बापू की शीतल छाया में

लिखने वाली—कुमारी मनु बहन गान्धी; छापने वाले—नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; सके—212; दाम—ढाई रुपया.

(3) बापू (मैंने क्या देखा और क्या समझा ?)

लिखने वाले—रामनारायण चौधरी; छापने वाले—नव जीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; सके—224; डिमाई साइज; दाम—तीन रुपये.

(4) ठक्कर बापा

लिखने वाले—कान्तिनाथ शाह; छापने वाले—ठक्कर बापा स्मारक समिति, दिल्ली; मिलने का पता—नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; सके—456; डिमाई साइज जिल्द वाली; दाम—पांच रुपया.

(5) हरिजन सेवकों के लिये

लिखने वाले—गान्धी जी; छापने वाले—नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; दाम—छै आने.

गान्धी साहित्य से तात्लुक रखने वाली ये पांच क्रीमती किताबें हाल में छपकर निकली हैं. छपाई, सफाई इन सबकी बहुत अच्छी है. पहली किताब गोखले खुद गान्धी जी के लेखों का संग्रह (मजमुआ) है. इसका पहला, दूसरा, पांचवां, आठवां और नवां मजमून गान्धी जी की 'आत्म कथा' से लिया गया है. तीसरा, चौथा, छठा और सातवां मजमून 'दक्षिण अफ्रीका का सत्याग्रह' से लिया गया है. किताब की शकल में यह मजमून पहली दफा गुजराती में सन '50 में निकल चुके हैं. यह उसका हिन्दी तरजुमा है.

गोखले की न सिर्फ हिन्दुस्तान की सियासी जिन्दगी में क्या जगह थी बल्कि उनकी शक्तियत ने गान्धी जी की

(1) गोखले (मैंने र राजनितक गुरु)

लेखने वाले—गान्धी जी; छापने वाले—नोजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; صفحہ—64; दाम—एक रुपيه .

(2) बा और बापू की शीतल छाया में

लेखने वाली—कुमारी मनु बहन गान्धी; छापने वाले—नोजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; صفحہ—242; दाम—तेहائی रुपيه .

(3) बापू (मैंने क्या देखा और क्या समझा ?)

लेखने वाले—राम नारायण चौधरी; छापने वाले—नोजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; صفحہ—224; तमी सान्ज; दाम—तीन रुपيه .

(4) ठक्कर बापा

लेखने वाले—कान्ति लाल शाह; छापने वाले—ठक्कर बापा स्मारक समिति, दली; मिले का पते—नोजीवन प्रकाशन मन्दिर अहमदाबाद; صفحہ—456 तमाँ सान्ज जल्द वाली; दाम—पान्ज रुपيه .

(5) हरिजन सेवकों के लिये

लेखने वाले—गान्धी जी; छापने वाले—नोजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; दाम—छे आने .

गान्धी सलतिये से तعلق रक्ने वाली ये पान्ज तिमती कताबिं हाल मीं छपेबांर नकली हिं. छपेबाँ, सलतिये इन सप की बेत अछी है. पहली कताब गोखले खुद गान्धी जी के लीखेन का सङ्क (मजमुआ) है. इस का पहला, दूसरा, पान्जवाँ, आठवाँ और नवाँ मजमुन गान्धी जी की 'आत्म कथा' से लिया गया है. तीसरा, चौथा, छठा और सातवाँ मजमुन 'दक्षिण अफ्रीका का सत्याग्रह' से लिया गया है. कताब की शकल मीं ये मजमुन पहली दल्ले गजराती मीं सन '50 मीं नकल किये हिं. ये अस का हन्दी तरजुमा है .

गोखले की न सिर्फ हिन्दुस्तान की सियासी जिन्दगी मीं क्या जगह थी बल्कि उनकी शक्तियत ने गान्धी जी की

سौंदर्य के सामने प्रभुत्व तो भीगी बिल्ली बन जाता है. आसुरी शक्ति भी सौंदर्य के सामने सिर मुका देती है.”

(काया कल्प)

“नौका पर बैठे हुए जल विहार करते समय हम जिन चट्टानों को घातक समझते हैं, और चाहते हैं कि कोई इन्हें खोदकर फेंक देता, उन्हीं से नौका टूट जाने पर हम चिमट जाते हैं.”

(गोदान)

“सत्य की एक चिनगारी असत्य के एक पहाड़ को भस्म कर सकती है.”

(गोदान)

भाषा सौंदर्य—

“वातावरण में वज्रयंत्र की-सी कुंठा भरी हुई थी.”

(गोदान)

“मालती बाहर से तितली है, भीतर से मधुमक्खी.”

(गोदान)

“सूर्य के तेज से अभिभूत होकर वृक्षों ने अपना पसार समेट लिया था.”

(गोदान)

“शंकर के कपड़े पहले भी त्याग की चरम सीमा तक पहुंच चुके थे अब वह प्रकृति की न्यूनतम रेखाओं में आबद्ध हो गये.”

(सबा सेर गेहूँ)

सरल वर्णन शैली का नमूना—

“.....तीनों आदमी भीड़ चीरते हुए मिल के सामने जा पहुंचे. देखा तो अग्नि का एक सागर आकाश में उमड़ रहा था. अग्नि की उन्मत्त लहरें एक पर एक, दांत पीसती थीं, जीभ लपकाती थीं, जैसे आकाश को भी निगल जायेंगी. उस अग्नि समुद्र के नीचे ऐसा धुआं छाया था, मानो सावन की घटा कालिख में नहाकर नीचे उतर आई हो. उसके ऊपर जैसे आग का थरथराता हुआ, उबलता हुआ, हिमालय खड़ा था. अहाते में लाखों आदमियों की भीड़ थी, पुलिस भी थी, फायर ब्रिगेड भी, सेवा समितियों के सेवक भी, पर सबके सब आग की भीषणता से मानो शिथिल हो गये हों. फायर ब्रिगेड के छँटे उस अग्नि सागर में जाकर जैसे बुझ जाते थे. ईंटें जल रही थीं, लोहे के गर्डर जल रहे थे और पिघली हुई शक्कर के परनाले चारों तरफ बह रहे थे. और तो और जमीन से भी ज्वाला निकल रही थी.”

(गोदान)

इस प्रकार सरल भाषा में, जनता की भाषा में, सरल और प्रवाह पूर्ण शैली में लिखा गया साहित्य—जैसा प्रेमचन्द ने लिखा—बहुत कम दिखाई देता है. हम चाहते हैं कि लोग अधिक से अधिक प्रेमचन्द साहित्य को पढ़ें और उसकी सरलता व स्वाभाविकता को अपमायें.

“سوندریہ کے سامنے پرہیز تو بھیگی ہلی بن جاتا ہے . آسوری شکتی بھی سوندریہ کے سامنے سرجھکا دیتی ہے . (کایا کल्प)

نوکا پر بیٹھے ہوئے جل و ہار کرتے سمہ ہم جن چٹانوں کو ٹھٹھک سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی انہیں کھردر کر پھینک دیتا، انہیں سے نوکا ٹوٹ جالے پر ہم چمٹ جاتے ہیں.”

(گودان)

پہاشا سوندریہ—

“وانارزن میں شریتر کی سی کونگھا پھری ہوئی تھی.”

(گودان)

“مالتی باہر سے تلی ہے، بھیتر سے محو مکی.”

(گودان)

“سوندریہ کے تیج سے آہو پوت ہو کر درختوں نے اپنا پسا رسوٹ کیا تھا.”

(گودان)

“شکر کے کپڑے پہلے بھی تھاک کی چوم سیما تک پہنچ چکے تھے اب وہ پکڑتی کی ٹیہنٹم دیکھائیں میں آبد ہو گئے.”

(سوا سیر گہوؤں)

سرل ورنن شیلی کا نمونہ—

“.....نیلیوں آدمی بھیڑ چیرتے ہوئے مل کے ساتھ جا پہنچے. دیکھا تو اگلی کا ایک ساگر آکاش میں اُڑ رہا تھا. اگلی کی اُمت لہریں ایک پر ایک دانٹ پیستی تھیں، جیہ لگاتی تھیں، جیسے آکاش کو بھی نکل جائیں گی. ان اگلی سمندر کے نیچے ایسا دغواں چھایا تھا، مانو سارن کی گیتا کا لہ میں نہا کر لیاچے اتر آئی ہو. اس کے اوپر جیسے آگ کا تھنرانا ہوا، ابلتا ہو ہمالہ کھڑا تھا. اُحاطے میں لاکھوں آدمیوں کی بھیڑ تھی، پولس بھی تھی، فائر بریڈ بھی، سیوا سمیٹیوں کے سیوک بھی، پر سب کے سب آگ کی بھیشتنا سے مانو شہیل ہو گئے ہوں. فائر بریڈ نے چھینٹے اس اگلی ساگر میں جا کر جیسے بجھ جاتے تھے. اینٹیں جل رہی تھیں، لوہے کے گرڈر جل رہے تھے اور پگھلی ہوئی شکر کے پڑناے چاروں طرف بھ رہے تھے. اور تو اور زمین سے بھی جواں نکل رہی تھی.”

(گودان)

اس پروکار سرل پہاشا میں، جلتا کی پہاشا میں، سرل اور پروار ورنن شیلی میں لکھا گیا سافتیہ—جیسا پریم چند نے لکھا—بہت کم دکھائی دیتا ہے. ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ادھک سے ادھک پریم چند سافتیہ کو پڑھیں اور اس کی سرلتا و سواہاؤن کو اپنائیں.

جا سکتا تھا۔ پلنڈت جی کی یہی کیا کم کڑاا تھی کہ وہ بھونگی کو اپنے گلوں میں بٹسے رہے تھے۔“

وینگ کے اور نمونے دیکھئے۔

”ان کے منی کے اونچے سنگاروں کا دھونس نہ ہوا تھا۔ پوپڑا، مگاری، ٹرانجیٹا اور انیچار کو وہ تلقیداری کی شوہا اور عیب داب کا نام دے کر اپنی آتما کو سندشت نہ کر سکتے تھے۔ اور یہی ان کی سب سے بڑی ہار تھی۔“ (گردان)

”مانا دین کو کئی سو روپے خراج کر کے بعد ائت میں کاشی کے پلنڈتوں نے پھر سے براہمن بنا دیا تھا..... مانا دین کو شدہ گوہر اور گر موٹر کھانا پھنا پڑا۔ گوہر سے اس کا من پوتر ہو گیا۔ موٹر سے اس کی آتما میں آشوچتا کے کٹاں مر گئے۔“ (گردان)

”سہیہا کیوں ہنر کے ساتھ عیب کر کے کا نام ہے۔ آپ بڑے سے ہوا کم کریں، لیکن اگر آپ اس پر پردہ ڈال سکتے ہیں، تو آپ سہیہہ ہیں، سچے ہیں، جنگلہوں ہیں۔ اگر آپ میں یہ صفت نہیں، تو آپ اسہیہہ ہیں، گنوار ہیں، بدعاشی ہیں۔ یہی سہیہہ کا رھسیہہ ہے۔“ (سہیہہ کا رھسیہہ)

(سہیہہ کا رھسیہہ)

”بویڈم“ کہانی میں بویڈم مہاشیہ آگے چل کر کہتے ہیں :-

”میرے چاچا ساہب کو جواہی میں ایک چماارین سے تالٹلڑا ہو گیا تھا۔ اسے دو بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ چماارین لڑکی کو گود میں چھوڑ کر مر گئی۔ تب سے ان دونوں بچوں کی مڑہ یہاں وہی حالت تھی، جو یڈیموں کی ہوتی ہے۔ کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ انکو کھانے کو بھی نہ ملتا۔ بیچارے ٹوکروں کے ساتھ کھاتے اور باہر چھوڑتے تھے۔ پڑے رہتے تھے۔ جناب، مجھے یہ نہ دیکھا گیا۔ میں نے انہیں اپنے مسترخوان پر کھلایا اور اب یہی کھاتا ہوں۔ گھر میں کھرام میچ کیا۔ جسے دیکھتے مجھے پر تیوریاں بدل دھا، مگر میں نے پرواہ نہ کی۔ آخر میں وہ بھی تو ہمارا ہی خون۔ اس لٹے میں موزم کھاتا ہوں۔“ (بوزم)

”گردان“ میں ہوری کی پتلی دھنیا کہتی ہے۔ ”یہ ہتھیارے گلوں کے مکھیا ہیں، غریبوں کے خون چرمتے راہ۔ سوں بیاج، ڈوڑھی سوائی، نذر نظر آنے، گوس گھاس جیسے بھی ہو، غریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج چائے۔ چہل چالے سے سوراج نہ ملیگا۔ سوراج، لیگا دھوم سے، نیٹے سے۔“

بوزم چند ساحلیہ میں سیکڑوں سندر سندر سویتکیاں ملتی ہیں۔ نمونے کے لٹے ہم تین چار ہی نیچے دے رہے ہیں۔

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

بوزم، کہانی میں بوزم مہاشیہ آگے چل کر کہتے ہیں :-

”میرے چاچا صاحب کو چوائی میں ایک چماارین سے تالٹلڑا ہو گیا تھا۔ اسے دو بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ چماارین لڑکی کو گود میں چھوڑ کر مر گئی۔ تب سے ان دونوں بچوں کی مڑہ یہاں وہی حالت تھی، جو یڈیموں کی ہوتی ہے۔ کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ انکو کھانے کو بھی نہ ملتا۔ بیچارے ٹوکروں کے ساتھ کھاتے اور باہر چھوڑتے تھے۔ پڑے رہتے تھے۔ جناب، مجھے یہ نہ دیکھا گیا۔ میں نے انہیں اپنے مسترخوان پر کھلایا اور اب یہی کھاتا ہوں۔ گھر میں کھرام میچ کیا۔ جسے دیکھتے مجھے پر تیوریاں بدل دھا، مگر میں نے پرواہ نہ کی۔ آخر میں وہ بھی تو ہمارا ہی خون۔ اس لٹے میں موزم کھاتا ہوں۔“ (بوزم)

”گردان“ میں ہوری کی پتلی دھنیا کہتی ہے۔ ”یہ ہتھیارے گلوں کے مکھیا ہیں، غریبوں کے خون چرمتے راہ۔ سوں بیاج، ڈوڑھی سوائی، نذر نظر آنے، گوس گھاس جیسے بھی ہو، غریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج چائے۔ چہل چالے سے سوراج نہ ملیگا۔ سوراج، لیگا دھوم سے، نیٹے سے۔“

بوزم چند ساحلیہ میں سیکڑوں سندر سندر سویتکیاں ملتی ہیں۔ نمونے کے لٹے ہم تین چار ہی نیچے دے رہے ہیں۔

”پاپ اگنی کا وہ کڑھ ہے، جو آذر اور مان، ساس اور دھیرہ کو چھن بھر میں چاکر بھس کر دیتا ہے۔“ (وردان)

डाइरेक्टर، مینسٹر، ایڈیٹر، پالیسی، فارم، ہال، پبلیک، مینسٹر، لیگ، ڈیپارٹمنٹ، پریکٹس، ایکوہی، بیکر، بجز، ہجارج آفیس۔

एक इक्के वाले की भाषा देखिये—

“घर कहाँ है हुजूर; जहाँ पक्क रहूँ, वहीं घर है, जब घर था, तब था. अब तो बेघर, बेघर, बेघर हूँ और सबसे बड़ी बात यह कि बेघर हूँ. तक्रदीर ने पर काट लिए. लड्डरा बनाकर छोड़ दिया. मेरे दादा नवाबी में चकलेदार थे, हुजूर, सात जिले के मालिक, जिसे चाहें तो पदम कर दें, फांसी पर लटका दें. सूरज निकलने के पहले लाखों की थैलियां नजर चढ़ जाती थी हुजूर!.....” (तगादा)

मुसलमान पात्रों के मुख से क्या सुन्दर और चलती हुई उद्गुलवाई है—

“.....मैं जिन्दगी को कुछ और समझता हूँ, पर मुझे इजाजत नहीं है कि पांचों वक्फ की नमाज पढ़ सकूँ. मेरे वालिद हैं. चचा हैं. दोनों साहब पहर रात से पहर रात तक काम में मसरूफ रहते हैं. रात दिन हिसाब-किताब, नका मुकसान, मन्दी तेजी के सिवाय और कोई चिन्क ही नहीं होता, गोया खुदा के बन्दे न हूए इस दौलत के बन्दे हुए.”
..... (बीडम)

प्रेमचन्द ने अपनी रचनाओं में यहां वहां व्यंग का भी अच्छा पुट दिया है. देखिये—

“.....चौधरी साहब के तीन सुयोग्य पुत्र थे. बड़े लडके बितान एक सुशिक्षित मनुष्य थे. डाकिये के रजिस्टर पर दस्तखत कर लेते थे.....कभी कभी सिगरेट भी पीते, जिससे उनका गौरव बढ़ता था.” (शंखनाद)

“.....गांव के जमादार पंडित उदयभानु पान्डे के दाने भूनेने पड़ते उस दिन उसे भूखे ही सो रहना पड़ता था. पंडित जी उससे बेगार में दाने ही न भुनवाते थे, उसे उनके घर का पानी भी भरना पड़ता था और कभी-कभी इस हेतु से भी भाड़ बन्द रहता था. वह पंडित जी के गांव में रहती थी, इसलिए उन्हें उससे सभी प्रकार की बेगार लेने का पूरा अधिकार था. इसे अन्याय नहीं कहा जा सकता. अन्याय केवल इतना था कि वह सूखी बेगार लेते थे. उनकी धारणा थी कि जब खाने ही को दिया गया, तो बेगार कैसी. किसान को पूरा अधिकार है कि विलों को दिन भर जोतने के बाद शाम को खूटे से भूखा बांध दे. यदि यह ऐसा नहीं करता, तो यह उसकी दयालुता नहीं है. केवल अपनी हितचिन्ता है. पंडित जी को इसकी बहुत चिन्ता न थी क्योंकि एक तो भुनगी दो एक दिन भूखी रहने से मर नहीं सकती थी; और यदि दैवयोग से मर भी जाती, तो उसकी जगह दूसरा गोंड बड़ी आसानी से बसाया

कॉन्ट्रिब्यूटर, मॉडल, इक्विपमेंट, पालिसी, फार्म, हॉल, पब्लिक, मॅन्सटर, लिग, डीपार्टमेंट, प्रैक्टिस, अक्वोही, बैक, बजट, हजार्ज ऑफिस—
ایک یکے والے کی بھاشا دیکھئے—

”گھر کہاں ہے ہجور; جہاں پڑ رہوں، وہیں گھر ہے. جب گھر تھا، تب تھا. اب تو بے گھر ہے گھر ہے دروں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بے گھر ہوں. تقدیر نے پرکٹ لئے. لڈورا ہٹا کر چھوڑ دیا. میرے دادا نوابی میں چلے دار تھے، ہجور، سات چلے کے مالک، جسے چاہیں تو پدم کر دیں، فانسے پر لٹکا دیں، سورج نکلنے کے لئے انہوں کی تھیلیاں نثار چڑھ جاتی تھیں ہجور!.....” (تگادا)

مسلمان ہماروں کے منہ سے کیا سنکر اور چلتی ہوئی اردو بولاتی ہے—

“.....میں زندگی کو کچھ سمجھتا ہوں، پر مجھے اجازت نہیں ہے کہ پانچویں وقت کی نماز پڑھ سکوں. میرے والد ہیں. چچا ہیں. دونوں صاحب ہر رات سے پھر رات تک کام میں مصروف رہتے ہیں. رات دن حساب کتاب، نفع نقصان، مندی تیزی کے سولے اور دوئی ذکر ہی نہیں ہوتا، گویا خدا کے بندے نہ ہوں اس دولت کے بندے ہوں.”
..... (بوزم)

پرمچند نے اپنی رچناؤں میں یہاں وہاں وینگ کا بھی اچھا پٹ دیا ہے.

“.....چندری صاحب کے تین سیوک پتر تھے. بڑے لڑکے ہوتان ایک سوشت مشدہ تھے، دانہ کے رجسٹر پر دستخط کر لیتے تھے.....کبھی کبھی سگریٹ بھی پیتے، جس سے ان کا گورر بڑھتا تھا.” (شنگھ ناد)

“.....گاؤں کے زمیندار پنڈت اڈھے بھان پانڈے کے دالے بھونڈے پڑتے اُس دن اُسے بھوکے پی سوتے رہنا پڑتا تھا. پنڈت جی اُس سے بیگار میں دالے ہی نہ پھناتے تھے، ان کے گھر کا پانی بھی بھرتا پڑتا تھا اور کبھی دیہی اُس جیتو سے بھی ہار بند رہتا تھا. وہ پنڈت جی کے گلوں میں رہتی تھی، اُس نے انہیں اُس سے سبھی پڑکر کی بیگار لینے کا پورا اہمیکار کیا. اُسے اُنیائے نہیں کہا جاسکتا. اُنیائے کیول اُندا تھا کہ وہ سوکھی بیگار لیتے تھے. ان کی دھارنا تھی کہ جب کھانے کی ہو دیا گیا، تو بیگار کیسی؟ انسان تو پورا اہمیکار ہے کہ بیل کو دن بھر جوتنے کے بعد شام کو کھونٹے سے بیوکا باندھ دے. بدی بے ایسا نہیں کرتا، تو ہم اُس کی دیانت نہیں ہے، دیول اپنی ہت چٹتا ہے. پنڈت جی کو اُس کی ہت چٹنا نہ تھی کیونکہ، ایک تو بیونگی، ایک دن بیونگی رہنے سے مرنے نہیں سکتی تھی، اور بدی دیونگی سے ہسایا

پرمچند نے अपनी भाषा को "हिन्दुस्तानी" भाषा कहा है. श्रीमती शिवरानी प्रेमचन्द ने अपनी पुस्तक "प्रेमचन्द: घर में" में उनसे इस विषय में हुई बातचीत का इस प्रकार व्योमग दिया है. प्रेमचन्द महात्मा गांधी से बातचीत कर वर्षों से लौटे थे. बोले—महात्मा गांधी हिन्दू-मुसलमानों की एकता चाहते हैं, तो मैं भी हिन्दी और उर्दू को मिला कर हिन्दु-स्तानी बनाना चाहता हूँ.

शिवरानी—आप कैसे बनाते हैं हिन्दुस्तानी ?

आप बोले—जो कुछ मैं लिखता हूँ, वह हिन्दुस्तानी में लिखता हूँ.

शिवरानी—तो आपके लिखने से हिन्दुस्तानी हो गई ?

आप बोले—जिसको हिन्दू मुसलमान दोनों मानें, जिसको आम जनता समझे, वह है हिन्दुस्तानी. और मेरा खयाल है कि राष्ट्रभाषा जब कभी बनेगी, तो वह हिन्दी-उर्दू का मिलाकर.

प्रेमचन्द जनता के साहित्यिक थे, जनता के लिए और जनता की ही भाषा में लिखते थे. स्वाभाविक रूप से गांव, कसबे और शहर के लोग जिस भाषा को बोलते और समझते हैं, उसी भाषा में उन्होंने अपनी कहानियों और उपन्यासों में वार्तालाप बताया है. जिस प्रकार उन्होंने अपनी रचनाओं में साम्प्रदायिक भावना का विरोध किया है, वैसे ही अपनी भाषा का भी साम्प्रदायिक भावना से दूर रखा है. उनका हिन्दी और उर्दू दोनों भाषाओं पर अधिकार था; किन्तु उन्होंने अपनी भाषा में फ़ारसी, अरबी या संस्कृत के भारी भरकम शब्दों का स्थान नहीं दिया. इससे उलटे ग़ौरव शब्दों और कहावतों को, जो कि जनता में व्याप्त हो हो गये हैं, उन्होंने बड़ी स्वाभाविकता और प्रेम से स्थान दिया है.

कुछ उदाहरण देखिये—“गोरू आते होंगे.”

“सांभ की बेला है..... (अलग्याम्मा).

“उसी बांह गहरे की लाज तो निभा रहे हो.” (घासवाली).

“लेखा जौ-जौ, बखसीस सौ-सौ”. (सवा सेर गेहूँ)

प्रेमचन्द ने अनेक घरलू और ठेठ शब्दों का भी उपयोग किया है. जैसे—जस (यश), हेठी, पहलौठी, लड़का, बूड़ी बातें, मुह जाहेंगे, अठवारा, बरोठा, गाई, अँतरे दिन, दानो जून, बखा, रजा, हेटा, बौड़ा, मनावन, उड़कू हकनाहक, पुछतार, भक्कड़ (भक्की) आदि. खरवाट, असनान-पूजा, चोंचाल, पुरवा, चरनी, पबितार ब्रह्मन, चमरवा, गोई (बैल-जोड़ी), तान-मेहने, धुक्का-रुजीहत, नियाव (न्याय).

उन्होंने हिन्दी में चल-निकले अंग्रेजी शब्दों का भी काफ़ी प्रयोग किया है. जैसे—स्पीच, चार्ज, अपील, सेक्रेटरी, प्रोमाम, वॉटिंग, एजेंट, काउंसल, फ़ीस, नोट, कम्पनी,

परिम चन्द نے اپنی بھاشا کو ”ہندستانی“ بھاشا کہا ہے . شریعتی شہورانی پریم چند نے اپنی یسٹک ”پریم چند : گھر میں“ میں ان سے اُس مشے میں ہونی بات چیت کا اِس پرکار بیورا دیا ہے . پریم چند مہاتما گاندھی سے بات چیت کر وردھا سے لوٹے تھے . بولے—مہاتما گاندھی ہندو مسلمانوں کی ایکتا چاہتے ہیں، تو میں بھی ہندی اور اردو کو ملا کر ہندستانی بنانا چاہتا ہوں .

شہورانی—آپ کیسے بناتے ہیں ہندستانی ؟

آپ بولے—جو کچھ میں لکھتا ہوں، وہ ہندستانی میں لکھتا ہوں .

شہورانی—تو آپ کے لکھنے سے ہندستانی ہوگئی ؟

آپ بولے—جس کو ہندو مسلمان دونوں مانیں، جس کو عام جنتا سمجھے، وہ ہے ہندستانی . اور میرا خیال ہے کہ راشٹر بھاشا جب کبھی بنے گی، تو وہ ہندی اردو کو لا کر .

پریم چند جنتا کے سادگت تھے، جنتا کے لئے اور جنتا کی ہی بھاشا میں لکھتے تھے . سواہارو روپ سے گاؤں، نصہ اور شہر کے لوگ جس بھاشا کو بولتے اور سمجھتے ہیں، اُسی بھاشا میں اُنہوں نے اپنی کہانیوں اور اُنیہاسوں میں وارنالاپ بتایا ہے . جس پرکار اُنہوں نے اپنی رچناؤں میں سامہردانک بھاؤنا کا وردہ کیا ہے، ویسے ہی اپنی بھاشا کو بھی سامہردانک بھاؤنا سے دور رکھا ہے . اور ان کا ہندی اور اردو دونوں بھاشاؤں پر اندھکڑ تپاؤ کدو اُنہوں نے اپنی بھاشا میں فارسی، عربی یا سنسکرت کے بھاری بھوکم شبدوں کو استہان نہیں دیا . اِس سے آتمے گنوار شبدوں اور کہاوتوں کو، جو کہ جنتا میں ویایت ہوگئے ہیں، اُنہوں نے بڑی سواہاروکتا اور پریم سے استہان دیا ہے .

کچھ اُداہرن دیکھیے—”گورو آتے ہونگے“

”سانچہ کی بیلا ہے . (الکوچیا)

”اُسی ہانہ گہرے کی لچ تو نہا رہے ہو .“ (گھاس والی).

”لکھا جو جو، بکھیس سو سو .“ (سواسیر گیہوں) .

پریم چند نے انیک گہرلو اور تھیلے شبدوں کا بھی اُبیوک کیا ہے . جیسے—جس (یس)، ہیلے، پہلوتھی لڑکا، بوزی ہاتیں، منہ جوہیں گے، افوارا، ہررتھا، گوئی، اُترے دن، دونوں جون، برکھا . رجا، ہرٹا، ہورا، سناون، اُرنکو، حک نالک، پوچتر، جہمڑ (جیکی) آدمی، کھلوات، اسٹان پوجا، چونچال، پورا، چرنی، پونر بلنن، چہروا، گرنیں (بیل جہوی)، تالے مہنے، نکا نچہعت، نیای (نیلے) .

اُنہوں نے ہندی میں چل نکلے انگریزی شبدوں کا بھی کافی پربوک کیا ہے . (جیسے—اسہیج، چارج، اپیل، سکرٹری، پروگرام، روٹنگ، ایجنٹ، کونسل، فیس، فورٹ، کمپنی)

رام کیشور 'پاشا'

رام کشور 'پاشا'

پرمچند کی رचनाؤں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کم پڑی-لیکھی साधारण जनता भी उन्हें पढ़कर समझ सकती है. उनकी भाषा में उर्दू और हिन्दी के प्रचलित शब्दों का उपयोग ही अधिक किया गया है, और कहावतें, मुहावरों का भी उपयुक्त स्थान पर उपयोग किया गया है. यह वह भाषा है जो उत्तर-भारत, बिहार, मध्यभारत, अजमेर-मारवाड़, विंध्य-प्रदेश, मध्यप्रदेश तथा राजपूताने के अधिकांश भागों में अधिकांशतः बोली या समझी जाती है. छोटे-छोटे और सरल वाक्यों में अपनी बात कह देना उनकी विशेषता है. अपनी रचनाओं में मानव-सम्बन्धों, प्रकृति, समाज, राजनीति आदि के बारे में कई जगह उन्होंने महत्वपूर्ण उक्तियाँ कही हैं, जो स्पष्ट ही उनके अनुभवों के आधार पर उनके दिमाग की उपज हैं. ये कथन चिरकाल तक के लिए सत्य हैं; मानव के सुख-दुखों के साथ लगे हुए हैं. जब तक मानव-समाज की स्थापना नये आदर्शों, नये मूल्यों पर नहीं होगी—जिसमें सबका भला, सब का उदय होगा—तब तक प्रेमचन्द की उक्तियाँ सच्ची बनी रहेंगी. कुछ उक्तियाँ दर्शन के और मानव-हृदय के रहस्यों को सरल व सीधे शब्दों में पाठकों के सामने खोल देने वाली हैं.

प्रेमचन्द ने जिस समय हिन्दी-साहित्य-क्षेत्र में प्रवेश किया था, उस समय हिन्दी भाषा बन रही थी. उसके प्राकृत रूप में तेजी के साथ परिवर्तन और सुधार हो रहे थे. नये नये प्रभाव हिन्दी पर पड़ रहे थे, उसका क्षेत्र बढ़ रहा था और उसे अपना कर्तव्य पूरा करने में कठिनाई प्रतीत हो रही थी.

प्रेमचन्द की प्रारंभिक रचनाओं में भाषा का एक अजीब सम्मिश्रण दिखाई पड़ता है—जोकि आगे आने वाली मिली जुली भाषा-शैली की सूचना देता है. यह शैली लोकप्रिय हुई और इसने हिन्दी भाषा के भावी विकास की राह दिखाई. हिन्दी-उर्दू की इस मिश्रित शैली को सन 1921 के आंदोलन से बल मिला, क्योंकि उस समय यह महसूस किया जाने लगा था कि जन-समाज के साथ साहित्य का संपर्क स्थापित करने के लिए ऐसी ही चलती हुई भाषा की आवश्यकता है. हिन्दी भाषा का क्षेत्र अब संकुचित न रहा और इस नव-युग का प्रतिनिधित्व प्रेमचन्द को मिला. वे ज्यों-ज्यों लिखते गये, त्यों-त्यों यह शैली अधिकाधिक परिमार्जित, सरल और स्वाभाविक होती गई.

पर्म چند کی چٹاؤں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کم پڑی لکھی سادہان چٹا بھی انہیں پڑھ کر سمجھ سکتی ہے. اُن کی بھاشا میں اردو اور ہندی کے پرچلت شبدوں کا اُپدوک ہی ادھک کیا گیا ہے، اور کہاوتیں، متھاوَرں کا بھی اُپدوک استھاوان پر اُپدوک کیا گیا ہے. یہ وہ بھاشا ہے جو اُتر بھارت، بھارت، مدھیہ بھارت، اجمیر مارواڑ، وندھیہ پردیش، مدھیہ پردیش، نتھا اجمیرنانہ کے ادھیکاش بھیاگوں میں ادھیکالاشتہ بولی یا سمجھی جاتی ہے. چھوٹے چھوٹے اور سرل واکیوں میں اپنی بات کہ دینا ان کی روشیتھا ہے. اپنی چٹاؤں میں مانو. سمبندھوں، پرکرتی، سماج، راج نییتی اُدی کے بارے میں کئی جگہ اُنہوں نے مہتو پورن اُنڈیاں کہی ہیں، جو اسبشت ہی ان کے انوبیوں کے آدھار پر ان کے دماغ کی ایج ہیں. یہ کتھن چوکال تک کے اُٹھ سکتے ہیں؛ مانو کے سٹھ دکھوں کے ساتھ لٹھ ہوئے ہیں. جب تک مانو سماج کی استھاپنا نہ ادرشوں، نہ موابیوں پر نہیں ہوگی—جس میں سب کا بھلا، سب کا اُدی ہوگا—تب تک پرم چند کی اُنکیاں سچی بنی رہیں گی. کچھ اُنکیاں दर्शन کے اور مانو ہردے کے رھسوں کو سرل و سیدھے شبدوں میں پاٹیکوں کے سامنے کھول دینے والی ہیں.

پرم چند نے جس سٹھ ہندی سافیتیہ چہیتر میں پردیش کیا تھا، اُس سٹھ ہندی بھاشا بن رہی تھی. اِس کے پردارت روپ میں تیزی کے ساتھ پردورتن اور سدھار ہو رہے تھے. نہ نئے پردیو، ہندی پر پڑ رہے تھے، اُس کا چہیتر بڑھ رہا تھا اور اُسے اپنا کرتوبہ پورا کرنے میں تھڈائی پرتیت ہو رہی تھی.

پرم چند کی پرارمیک چٹاؤں میں بھاشا کا ایک عجیب سمشرن دکھائی پڑتا ہے—جو کہ اُگے اُگے والی ملی جلی بھاشا شیلی کی سرچٹا دیتا ہے. یہ شیلی اوک پرے ہوئی اور اِس نے ہندی بھاشا کے بھاری وکس کی راہ دکھائی. ہندی اردو کی اُس مشرت شیلی کو سن 1921 کے اُنڈولن سے بل ملا، کیونکہ اُس سٹھ یہ محسوس کیا جاتے لگا تھا کہ جن سماج کے ساتھ -انفیتھ کا سمپرک استھاپت کرنے کے اُٹھ ایسی ہی چلتی ہوئی بھاشا کی اُرشیتھتا ہے. ہندی بھاشا کا چہیتر اب سنکوجت نہ رہا، اور اِس نویگ کا پردرشتو پرم چند کو ملا. وہ چھوٹ چھوٹ لکھ لکھ تیوں تیوں یہ شیلی ادھکالھک پریمارجت سرل اور سولہارک ہوئی کئی.

उसे पकड़ने की सब ने कोशिश की. उन्होंने उसे घेर लिया. लेकिन जितने लोग वहाँ बढ़ते जाते थे उतना ही उस मेंसे का क्रोध बढ़ता जाता था. अपने साँगों से उसने लोगों पर हमला किया. कई लोग बायल हुए फिर भी उसे काबू में न ला सके.

खराकिसमती से उसी समय एक चरवाहा दौड़ा हुआ आया. लोगों ने देखा कि वह बिलकुल नौजवान है, लेकिन बड़े बूढ़ों की तरह बात करता है. उसने कहा—“तुम सब बुद्धू हो.” परे आत्म विश्वास के साथ, जैसे कुछ हुआ ही न हो, वह मुस्कराता हुआ मेंसे की तरफ बढ़ा. एक मूठ घास उसके हाथ में थी. पहले उसने सामने से उसे घास दिखाई. फिर पीछे जाकर उसके पुट्टे पर हाथ फेरा. शीघ्र ही वह सीधा साधा बन गया. चरवाहा उसकी पीठ पर चढ़ गया और खुशी से चिल्ला चिल्ला कर धीरे धीरे वह उसे घर हँका ले गया. लोगों ने इतमीनान का सांस लिया और शरमा कर खीकार किया—“यह सच है कि हम सब के सब बुद्धू थे !”

दूसरों को काबू में करने के लिये जितने साधन हैं उनमें एक सब से असरदार, खुशामद है. मैं यह नहीं चाहता कि आप खुशामद करना शुरू कर दें बल्कि कहने का मतलब यह है कि आप खुद खुशामद से बचे रहें.

जिस तरह बबूल के पेड़ पर आम नहीं लग सकते; मिच के पौधे पर गुलाब के फूल नहीं आ सकते; उसी तरह बुरे कामों का नतीजा कभी सुखकर नहीं हो सकता.

—अज्ञात

अब पकड़े की सब ने कोशिश की. उन्होंने उसे घेर लिया. लेकिन जितने लोग वहाँ बढ़ते जाते थे उतना ही उस मेंसे का क्रोध बढ़ता जाता था. अपने साँगों से उसने लोगों पर हमला किया. कई लोग बायल हुए. फिर भी उसे काबू में न ला सके.

खुश नसती से उसी. सहे. एक चरवाहा दौड़ा हुआ आया. लोगों ने देखा कि वह बिलकुल नौजवान है, लेकिन बड़े बूढ़ों की तरह बात करता है. उसने कहा—“तुम सब बुद्धू हो.” परे आत्म विश्वास के साथ, जैसे कुछ हुआ ही न हो, वह मुस्कराता हुआ मेंसे की तरफ बढ़ा. एक मूठ घास उसके हाथ में थी. पहले उसने सामने से उसे घास दिखाई. फिर पीछे जाकर उसके पुट्टे पर हाथ फेरा. शीघ्र ही वह सीधा साधा बन गया. चरवाहा उसकी पीठ पर चढ़ गया और खुशी से चिल्ला चिल्ला कर धीरे धीरे वह उसे घर हँका ले गया. लोगों ने इतमीनान का सांस लिया और शरमा कर खीकार किया—“यह सच है कि हम सब के सब बुद्धू थे !”

दूसरों को काबू में करने के लिये जितने साधन हैं उनमें एक सब से असरदार, खुशामद है. मैं यह नहीं चाहता कि आप खुशामद करना शुरू कर दें बल्कि कहने का मतलब यह है कि आप खुद खुशामद से बचे रहें.

जिस तरह बबूल के पेड़ पर आम नहीं लग सकते; मिच के पौधे पर गुलाब के फूल नहीं आ सकते; उसी तरह बुरे कामों का नतीजा कभी सुखकर नहीं हो सकता.

—अज्ञात

دھूल نہ دے इसके लिये सांप ने एक कानून बनाया और खुद खरगोश के पास उसका ऐलान करने गया.

उसने कहा—“सुनो! यदि बिना खटखटाए और इजाजत लिये मैं तुम्हारे घर में घुस पड़ूँ तो तुम्हें अधिकार है कि तुम मुझसे आकर शिकायत करो.”

सांप ने इस कानून का ऐलान कर दिया. पर उसे शंका बनी रही कि खरगोश में कानून की इतनी समझ है या नहीं, और उसे यह भी डर था कि खरगोश इतनी जल्दी अपने में आत्म विश्वास पैदा कर सकेगा या नहीं. इसलिये उसने निश्चय किया कि वह खरगोश की परीक्षा ले.

जान बूझ कर बिना खटखटाए सांप तेजी से खरगोश के बिल में घुस पड़ा और एक बच्चे को काट खाया. फिर जल्दी ही बाहर निकल आया और दरवाजे पर बैठकर इस बात की प्रतीक्षा करने लगा कि खरगोश आकर उससे शिकायत करे.

बहुत देर तक सांप राह जोहता रहा. खरगोश नहीं आया. हर मिनट सांप का गुस्सा बढ़ रहा था. वह दोबारा खरगोश के घर में घुसा. वहां खरगोश उमने मिल गया. सांप ने उसे खूब डांटा और कहा—“तुमने कानून का पालन क्यों नहीं किया?”

खरगोश ने जवाब दिया—“महाशय! आप मुझसे किस कानून का पालन चाहते हैं? मैं किसकी किससे शिकायत करूँ?”

सांप ने कहा—“मेरे खिलाफ मुझसे शिकायत न करने का साहस तुमने कैसे किया?”

खरगोश ने जवाब दिया—“अभी आप ही मुजरिम थे और अब आप ही जज भी हैं. आप ही बताइये कि किस मुलजिम को मैं पकड़ूँ और किस जज से न्याय की अपील करूँ?”

सांप का गुस्सा क्रावू से बाहर हो गया. उसने फुंकारा और एक दफा में ही सांप खरगोश का निगत गया.

खरगोश को हड़प कर जमाने के बाद सांप ने एक आम ऐलान किया—“जिस तरह से मैंने इस बार खरगोश को मारा है वह उन तरीकों से बिल्कुल अलग है जिनसे मैं पहले खरगोशों को मारा करता था. इस बार कानून के अनुसार मैंने उसे मारा है. गिरफ्तारी से लेकर सजा तक सारी कार्रवाई पूरे कानूनी ढंग से की गई है.”

(5)

गुस्तैल मैसा और नौजवान चरवाहा

एक मैसा अपने गुस्से के लिये बदनाम था. एक दफा भड़क जाने पर वह जो न कर डाले थोड़ा था. एक दिन वह सनक गया और रस्सी तुड़ाकर खेत में चारों तरफ पागल की तरह दौड़ने लगा. उसने फसल का सत्यानाश कर दिया.

داخل نہ دے اس کے لئے سانپ نے ایک قانون بنایا اور خود خرگوش کے پاس اس کا اعلان کر کے گیا .

اُس نے کہا۔ ”سنو! بدی بنا کہتہہائے اور اجازت لئے میں تمہارے گھر میں گھس پڑوں تو تمہیں ادھیکار ہے کہ تم مجھ سے آکر شکایت کرو۔“

سانپ نے اس قانون کا اعلان کر دیا . ہر اُسے شکا بلی رہی کہ خرگوش میں قانون کی اتنی سمجھ ہے یا نہیں، اور اُسے یہ بھی ڈر تھا کہ خرگوش اتنی جلدی اپنے میں اتموشواس پیدا کر سکے گا یا نہیں . اس لئے اُس نے نشچے کیا کہ وہ خرگوش کی پربتسا لے .

جان بوجھ کر بنا کہتہہائے سانپ تیزی سے خرگوش کے بل میں گھس پڑا اور ایک بچے کو کاٹ کیا . پھر جلدی ہی باہر نکل آیا اور دروازے پر بیٹھ کر اس بات کی پربتسا کرنے لگا کہ خرگوش آکر اُس سے شکایت کرے .

بہت دیر تک سانپ راہ جوہتا رہا . خرگوش نہیں آیا . غو منشا سانپ کا غصہ بڑھ رہا تھا . وہ دوبارہ خرگوش کے گھر میں گھسا . وہاں خرگوش اُسے مل گیا . سانپ نے اُسے خوب ڈانٹا اور کہا۔ ”تم نے قانون کا پالن کیوں نہیں کیا؟“

خرگوش نے جواب دیا۔۔ ”مہاشے! آپ مجھ سے کس قانون کا پالن چاہتے ہوں؟ میں کس کی کس سے شکایت کروں؟“

سانپ نے کہا۔ ”میرے خلاف مجھ سے شکایت نہ کر کے سالس نم نے کیسے کیا؟“

خرگوش نے جواب دیا۔ ”ابھی آپ ہی مجرم تھے اور اب آپ ہی جج بنے ہیں . آپ ہی بتائیے کہ کس ملزم کو میں پکڑوں اور کس جج سے نیائے کی اپیل کروں؟“

سانپ کا غصہ ناو سے باہر ہو گیا . اُس نے پھکارا اور ایک دغے میں ہی سانپ خرگوش کو نکل گیا .

خرگوش کو ہڑپ کر ڈالنے کے بعد سانپ نے ایک عام اعلان کیا۔ ”جس طرح سے میں نے اس بار خرگوش کو مارا ہے وہ ان طریقوں سے بالکل الگ ہے جن سے میں پہلے خرگوشوں کو مارا کرتا تھا . اس بار قانون کے انوسار میں نے اُسے مارا ہے . گرفتاری سے لے کر سزا تک ساری کارروائی پورے قانونی دغےنگ سے کی گئی ہے۔“

(5)

غصیل بینسا اور نوجوان چرواہا

ایک بینسا اپنے غصے کے لئے بدنام تھا . ایک دغے بھڑک جانے پر وہ جو نہ گردانہ تھرتا تھا . ایک دن وہ سنک گیا اور رسی تڑاؤ کھیت میں چاروں طرف پاگل کی طرح دوڑنے لگا . اُس نے فصل کا ستیاناش کر دیا .

وہ اس وقت نے کہا—”میں آپ کا سواگت کرتی ہوں، بھائی
آجائے۔ کبھی کبھار ہی بدترجی ادھر آ نکلتے ہیں۔ ایسے
مہمانوں کا سنگار ہمارے بھاگیہ میں کہاں!“

اس کے گھر پہنچ کر لومڑی اور بھڑیہ نے ایک ایک
چوڑے آٹا۔ بندر نے ایک تھالی بھر کر چھمپھیاں کھائیں، لیکن اُن
کی تسلی نہیں ہوئی۔

لومڑی اور بھڑیہ نے پوچھا—”کیا آپ کے گھر میں کئی
بھڑے بھی ہیں؟ ایک بھڑے چار چوڑوں کے برابر ہے۔“

بندر نے کہا—”کیا کچھ مونگ پھلی ہوئی؟ مجھے اسی
صالح کی سسکی چیزیں پسند ہیں۔“

دہاتی عورت نے کہا—”میرے پاس ایک بھڑے بھی ہے
اور مونگ پھلی ہی ہوں آپ لوگ خوشی سے انہیں کھاتے ہیں۔“

لومڑی اور بھڑیہ مل کر زور سے بھڑے کھا گئے۔ بندر نے آٹے
توڑی مونگ پھلی صاف کر دیں۔ باقی آٹے توڑی اُس نے
اپنے چہرے میں اُنڈیل لی۔ اُس پر بھی لومڑی اور بھڑیہ کی
تسلی نہیں ہوئی وہ بولے:

”کیا کوئی سویر تمہارے پاس ہے؟ ذرا مزہ بدلنا چاہتے
ہیں۔“

بندر نے کہا—”کچھ چسٹ نہ ہوں تو لاؤ۔“
دہاتی عورت نے کہا—”میرے پاس ایک سویر ہے۔ اُس پر خوب
چربی لگی ہے! میں خود ہی پوچھنے جا رہی تھی کہ
آپ لوگ اُس کا آئندہ لیں۔ میرے پاس چسٹ نہ بھی
ہیں۔“

لومڑی اور بھڑیہ مل کر پورا سویر چٹ کر گئے۔ چسٹ نہ
بندر کو بہت اچھے لگے۔ آٹے وہ کھا گیا اور آٹے اُس نے اپنے
چہرے میں ڈال لئے۔ بھڑیہ اور لومڑی کا پیٹ بھر بھی نہیں
بہرا۔ اُس سے وہ ناک بھوں چڑھا رہے تھے۔ انہوں نے حکم
دیا—”تمہارے کھانے کے لئے اپنی گائے حاضر کرو۔“

بندر نے کہا—”میرے لئے کچھ آخرت لاؤ۔“

گائے لینے کے لئے دہاتی گئی اور ساتھ میں کچھ آخرت بھی لائی۔
لیکن گائے چٹ کر جانے کے بعد بھی لومڑی اور بھڑیہ کا
پیٹ نہیں بھرا۔ بندر نے بھی کچھ اور چیزیں کھانے کی اچھا
پرکھ کی۔

انہوں نے پوچھا—”اب اِس کے علاوہ تمہارے پاس اور کیا
کیا ہے؟“

دہاتی عورت نے کہا—”میرے پاس ایک چنڑ اور دُقی ہے۔“ اُس
کے ساتھ میں لکڑی پھارنے کی کلڑی تھی۔ اُس کا مڑا بھی اُس
نے اُن تینوں کو چکھا دیا۔

بھڑیہ اور لومڑی بندر دہاتی کے گھر سے زندہ واپس
نہیں گئے۔

(4)

سانپ اور خرگوش

سانپ اپنے گھر میں آزادی سے رہ سکتا ہے اور کوئی

(4)

سانپ اور خرگوش

خرگوش اپنے گھر میں آزادی سے رہ سکتا ہے اور کوئی

لےکین ماسم بھڑا اپنی ماں سے بھت پرم کرتا था. वस ने सर हिलाया और कहा—“नहीं! मां! मैं तुम्हें नहीं छोड़ूँगा. तुम्हें कष्ट भेलन पड़ेगा. मां, मुझे इसी तरह अपने पीछे चलने दो. मुझे विश्वास है कि मुझे देख देखकर तुम दुख के मार को कम महसूस करोगी.”

वसकी मां बहुत खुश हुई और उसने उसे साथ रहने की इजाजत दे दी. लेकिन बार बार गाय उसे ताकती रही. गाय को डर था कि कहीं बहड़ा गिर न पड़े, या बहुत तेज न दौड़ने लगे, या पीछे न छूट जाय. इसलिये वह तेज न चल सकी और हमेशा के मुकाबले में काम में ढिलाई हुई. किसान इससे बहुत असन्तुष्ट हुआ और तेज चलाने के लिये वह बार बार उसे मारता था. इस तरह पहले से कहीं ज्यादा गाय को मार खानी पड़ी. आखिर उसने फिर बहड़े से कहा—“मैरे लाडले बेटे! अगर तुम्हें सचमुच अपनी मां से प्यार है तो तुम्हें यहां से चला जा ताकि मुझे इतनी मार न खानी पड़े. तेरी बजह से जितनी ज्यादा मार मुझ पर पड़ी है उसकी गिनती नहीं हो सकती!”

दोस्तो! जज्बात यानी भावनाओं के बहुत से बेकार रूप हैं. वह रूप हमें बहुत प्यारे हो सकते हैं लेकिन उनसे पीछा छुड़ाना हमारे लिये बहुत अच्छा है.

(3)

भेड़िया, लोमड़ी, बन्दर और एक देहातिन

एक भेड़िये और एक लोमड़ी ने दो ऊँचे सरकारी अफसरों का रूप धारण किया और एक बन्दर वर्दी पहन कर उनका अरदली बन गया. लोगों में अभी तक पुरानी नेक आदतें हैं या नहीं, यह देखने के लिये तीनों एक साथ चल पड़े.

मुश्किल से अभी उन्होंने जंगल छोड़ा होगा कि घाटी में उन्हें एक देहातिन दिखाई पड़ी. भेड़िये ने कहा—“हमें अपनी जाँच पड़ताल शुरू कर देनी चाहिये. मैं पूरे विश्वास से कह सकता हूँ कि यह औरत ईमानदार है. यह हमें धोका नहीं देगी.”

लोमड़ी बोली—“जब कभी मैं लेख लिखती हूँ तो सदा इस बात पर जोर देती हूँ कि ईमानदारी एक ऐसा गुण है जिसका हर किसी में होना बहुत जरूरी है.”

बन्दर ने आवाज लगाई—“बहुत खूब! बहुत खूब!”

भेड़िया और बन्दर आगे बढ़े और बोले—“दे नेक महिला! क्या तुम्हारे घर में मुर्गी के बच्चे हैं? अधिक मात्रा में हमें उनकी जरूरत नहीं है, वस हममें हर एक को एक एक चूड़ा दे दो.”

बन्दर ने कहा—“मैं शाकाहारी हूँ. थोड़ी सी फलियों से मेरा काम चल जायेगा.”

लेकिन معصوم بھڑا اپنی ماں سے بہت پریم کرتا تھا . اُس نے سو ہلایا اور کہا—“نہیں! ماں! میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا . تمہیں کشت چھیلنا پڑے گا . ماں، مجھے اسی طرح اپنے پیچھے چلنے دو . مجھے وشواس ہے کہ مجھے دیکھ دیکھ کر تم دہ کے مہار کو کم محسوس کر دو گی .”

اُس کی ماں بہت خوش ہوئی اور اُس نے اُسے ساتھ رکھنے کی اجازت دے دی . لیکن بار بار اُسے ناگنی رہی . لگے کہ تو تڑپا کہ کہیں بھڑا گر نہ پڑے یا بہت تیز نہ دوڑے لگے یا پیچھے نہ چھوٹ جائے . اُس لگے وہ تیز نہ چل سکی اور ہمیشہ کے مقابلے میں کام میں کوتاہی ہوئی . کسان اُس سے بہت استغشٹ ہوا اور تیز چالے کے لگے وہ بار بار اُسے مارتا تھا . اُس طرح پہلے سے کہیں زیادہ لگے کو مار کھانی پڑی . آخر اُس نے ہار بھڑے سے کہا :—“میرے لڑا لے بیٹے ! اگر تجھے سچے سچ اپنی ماں سے پیار ہے تو تو یہاں سے چلا جا تاکہ مجھے اتنی مار نہ کھانی پڑے . تیری وجہ سے جتنی زیادہ مار مجھے پر پڑی ہے اُس کی گنتی نہیں ہو سکتی !”

دوستو! جذبات یعنی بھڑائیاں کے بہت سے بھکار روپ ہیں . وہ رہب ہمیں بہت پیارے ہو سکتے ہیں لیکن اُن سے پیچھا چھوڑنا ہمارے لئے بہت اچھا ہے .

(3)

بھڑیا، لومڑی، بندر اور ایک دیہاتی

ایک بھڑیہ اور ایک لومڑی نے دو اونچے سرکاری افسروں کا روپ دھارن کیا اور ایک بندر وردی پہنکر اُن کا اردلی بن گیا . لوگوں میں ابھی تک پرانی نیک عادتیں ہیں یا نہیں یہ دیکھنے کے لئے تینوں ایک ساتھ چل پڑے .

مشکل سے ابھی انھوں نے جنگل چھوڑا ہوگا کہ گھاٹی میں انھیں ایک دیہاتی دیہاتی پڑی . بھڑیہ نے کہا—“ہمیں اپنی جانچ پڑتال شروع کر دینی چاہئے . میں ہوزے وشواس سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ عورت ایماندار ہے . یہ ہمیں دھوکا نہیں دے گی .”

لومڑی ہوئی—“جب کبھی میں لیکھ لکھتی ہوں تو سدا اِس بات پر زور دیتی ہوں کہ ایمانداری ایک ایسا گن ہے جس کا ہر کسی میں ہونا بہت ضروری ہے .”

بندر نے آواز لگائی—“بہت خوب! بہت خوب!”

بھڑیا اور بندر آگے بڑھے اور بولے—“اے نیک مہیلا! کیا تمہارے گھر میں مرغی کے بچے ہیں؟ ان مک ماترا میں ہمیں اُن کی ضرورت نہیں ہے، بس ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک چوڑہ دے دو .”

بندر نے کہا—“میں شاکھاری ہوں . توڑی سی پھلوں سے مہرا کام چل جائے گا .”

گای اور اسکی رسی

گائے اور اُس کی رسی

ایک آدمی کے گھر ایک گائے اور ایک کتا دونوں بے ہوش تھے۔ ایک دن انہوں نے صلاح کی کہ شام کو دونوں اٹھ کر گھر سے باہر نکلے۔ ان کا وچار تھا کہ بہت دور پہاڑوں میں چلے جائیں اور وہاں آزادی سے رہیں۔

سچہوتے کے انتہا شام کو کتا آیا اور اپنے تئز دانتوں سے جلدی جلدی اُس نے رسی کے اُس حصے کو کاٹنا شروع کیا جو گائے کے نچھام میں بندھا ہوا تھا۔ لیکن گائے نے اُسے فوراً روک دیا اور بولی۔ ”یہاں سے مہری رسی نہ کاٹو۔ اِس کے بجائے کھولنے سے اِسے کھول دو، کیونکہ یہ بہت اچھی رسی ہے۔ میرے پاس کوئی دوسری سمیٹی نہیں ہے۔ میں اِس رسی کو ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔“ جیسا گائے نے چاہا ویسا ہی کتے نے کیا اور کھولنے سے رسی کھولنے کی کوشش شروع کر دی، تاکہ رسی گائے کے نچھام میں بندھی لٹکتی رہے اور وہ اپنے ساتھ لے جا سکے۔ پھر دونوں دروازے کی طرف چبھتے اور ساتھ ساتھ باہر نکلے۔

سب سے پہلے گائے نے رسی کے اُس حصے کو کاٹنا شروع کیا جو گائے کے نچھام میں بندھا ہوا تھا۔ لیکن گائے نے اُسے فوراً روک دیا اور بولی۔ ”یہاں سے مہری رسی نہ کاٹو۔ اِس کے بجائے کھولنے سے اِسے کھول دو، کیونکہ یہ بہت اچھی رسی ہے۔ میرے پاس کوئی دوسری سمیٹی نہیں ہے۔ میں اِس رسی کو ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔“ جیسا گائے نے چاہا ویسا ہی کتے نے کیا اور کھولنے سے رسی کھولنے کی کوشش شروع کر دی، تاکہ رسی گائے کے نچھام میں بندھی لٹکتی رہے اور وہ اپنے ساتھ لے جا سکے۔ پھر دونوں دروازے کی طرف چبھتے اور ساتھ ساتھ باہر نکلے۔

کتا کافی دور نکل گیا، لیکن گائے کی رسی سڑک کے کنارے کے ایک پتھر سے اٹک گئی اور گائے کو پیچ میں ہی رک جانا پڑا۔ مالک دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ گائے کو پکڑنا اُس کے لئے آسان ہو گیا، اور وہ اُسے پکڑ کر گھر واپس لے گیا۔ گائے نے اب من ہی من کہا۔ ”میرا ایک ہی دروازہ تھا کہ میں اِس رسی کو ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ سمیٹی سے چپقلے کے کارن ہی میرے ساتھ کتے کو پکڑ پکڑا کر لے گیا۔“

گائے نے اب من ہی من کہا۔ ”میرا ایک ہی دروازہ تھا کہ میں اِس رسی کو ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ سمیٹی سے چپقلے کے کارن ہی میرے ساتھ کتے کو پکڑ پکڑا کر لے گیا۔“

گائے نے اب من ہی من کہا۔ ”میرا ایک ہی دروازہ تھا کہ میں اِس رسی کو ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ سمیٹی سے چپقلے کے کارن ہی میرے ساتھ کتے کو پکڑ پکڑا کر لے گیا۔“

گای اور اسکا بھڑکا

گائے اور اُس کا بچھڑا

بہشت کے ایک سہارے دن ایک کسان اپنی گائے کو ہل جوتنے کے لیے خेत میں لے گیا۔ پیچھے پیچھے بھڑکا ہوا گائے کا بچھڑا بھی چلا آیا۔ جب گائے ہل میں جت گئی اور کلم شروع کرنے کا لمحہ آیا تو اُس نے بچھڑے سے کہا۔ ”جا میرے محلے آ جا۔ پاس والی چراگاہ میں جا کر کھل کر۔“

بہشت کے ایک سہارے دن ایک کسان اپنی گائے کو ہل جوتنے کے لیے کھیت میں لے گیا۔ پیچھے پیچھے بھڑکا ہوا گائے کا بچھڑا بھی چلا آیا۔ جب گائے ہل میں جت گئی اور کلم شروع کرنے کا لمحہ آیا تو اُس نے بچھڑے سے کہا۔ ”جا میرے محلے آ جا۔ پاس والی چراگاہ میں جا کر کھل کر۔“

خیرات (دان) کے بارے میں...

پہانمبر سے لوگوں نے پوچھا—“کس چیز کا دان
آپکا سب سے अधिक पसन्द है ?” उन्होंने जवाब दिया—
“पानी का.”

(इन्ने मुसय्यब, अबूदाऊद)

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“खैरात देकर तुम्हें
खुश होना चाहिये, क्योंकि मुसीबत खैरात की दीवार को
कभी नहीं फाँदती.”

(अली, रबीन)

मुहम्मद साहब ने कहा कि—“जो आदमी तुम से मांगता
है, चाहे वह घोड़े पर ही सवार होकर क्यों न आया हो,
उसकी बात को तुम सुनो क्योंकि इसका उसे हक है.”

(अली, अबूदाऊद)

मुहम्मद साहब ने कहा कि :—“जब खुदा ने जमीन
बनाई तो वह हिल रही थी और कांप रही थी. तब खुदा ने
उस पर अटल पहाड़ पैदा कर दिये और जमीन स्थिर हो
गई. पहाड़ की ताकत से फरिश्ते चकित रह गये और
बोले—‘ऐ मालिक ! क्या तूने पहाड़ से भी अधिक शक्ति
वाली कोई चीज पैदा की है ?’ अल्लाह ने जवाब दिया—
‘हां, लोहा, क्योंकि वह पहाड़ को तोड़ डालता है.’ फरिश्तों
ने कहा—‘क्या तूने लोहे से भी अधिक मजबूत कोई चीज
पैदा की है ?’ खुदा ने कहा—‘हां, आग, क्योंकि वह लोहे
को गला देती है.’ उन्होंने फिर पूछा—‘क्या तूने आग से
भी अधिक शक्ति वाली कोई चीज पैदा की है ?’ खुदा
ने कहा—‘हां ! पानी, क्योंकि वह आग को ठन्डा कर देता
है.’ फरिश्तों ने पूछा—‘क्या पानी से भी अधिक शक्ति वाली
कोई चीज तूने पैदा की है ?’ खुदा ने कहा—‘हां ! हवा,
क्योंकि वह पानी में बहाव पैदा कर देती है.’ उन लोगों ने
पूछा—‘क्या तूने हवा से भी अधिक शक्ति वाली कोई चीज
पैदा की है ?’ खुदा ने कहा—‘हां, इनसान, उस समय
हवा से भी अधिक शक्ति शाली हाता है जब वह दाढ़ने
हाथ से खैरात देता है और अपने बाएं हाथ को खबर तक
नहीं होने देता.”

(अनस, तिरमिजी)

خیرات (دان) کے بارے میں.....

پہانمبر سے لوگوں نے پوچھا—“کس چیز کا دان
آپ سے ادھک پسند ہے ؟” انہوں نے جواب دیا—
“پانی کا.”

(ابن مصلب، ابوداؤد)

محمد صاحب نے کہا کہ :—“خیرات دے کر تمہیں
خوش ہونا چاہیے، کیونکہ مصیبت خیرات کی دیوار کو
نہیں پھاندتی.”

(علی، رزین)

محمد صاحب نے کہا کہ :—“جو آدمی تم سے مانگتا
ہے، چاہے وہ گھوڑے پر ہی سوار ہو کر کیوں نہ آئے، اُس کی
بات کو تم سنو کیونکہ اُس کا اُسے حق ہے.”

(علی، ابوداؤد)

محمد صاحب نے کہا کہ :—“جب خدا نے زمین بنائی
تو وہ ہل رہی تھی اور کانپ رہی تھی. تب خدا نے اُس پر
اتل پہاڑ پیدا کر دیئے اور زمین استوار ہو گئی. پہاڑ کی طاقت
سے فرشتے چمک رہ گئے اور بولے—‘اے مالک ! کیا تو نے پہاڑ
سے بھی ادھک شکتی والی کوئی چیز پیدا کی ہے؟’ اللہ نے جواب
دیا—‘ہاں، لہا، کیونکہ وہ پہاڑ کو توڑ ڈالتا ہے؛ فرشتوں نے کہا
—‘کیا تو نے لہے سے بھی ادھک مضبوط کوئی چیز پیدا کی
ہے ؟’ خدا نے کہا—‘ہاں، آگ، کیونکہ وہ لہے کو گلا دیتی ہے.’
انہوں نے پھر پوچھا—‘کیا تو نے آگ سے بھی ادھک شکتی والی
کوئی چیز پیدا کی ہے ؟’ خدا نے کہا—‘ہاں پانی، کیونکہ وہ
آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے؛ فرشتوں نے پوچھا—‘کیا پانی سے بھی
ادھک شکتی والی کوئی چیز تو نے پیدا کی ہے؟’ خدا نے کہا—
‘ہاں، ہوا، کیونکہ وہ پانی میں بہاؤ پیدا کر دیتی ہے.’ ان لوگوں
نے پوچھا—‘کیا تو نے ہوا سے بھی ادھک شکتی والی کوئی چیز
پیدا کی ہے؟’ خدا نے کہا—‘ہاں، انسان، اُس سے ہوا سے بھی
ادھک شکتی شالی ہوتا ہے جب وہ داھنے غاتہ سے خیرات دیتا
ہے اور بائیں ہاتھ کو خبر تک نہیں ہولے دیتا.”

(انس، ترمذی)

”ون ساधनों का खैरात करना सब से अच्छा है जिन سے غریبوں کی روزی چلتی ہے؛ یہ خیرات تمہیں اُس سے شروع کرنی چاہئے جو تمہارے رشتہ داروں میں سے ہو۔“

(अबू ہریرہ، अबू داؤد)

پیرامبر سے لوگوں نے پوچھا کہ :—”سب سے اچھی خیرات کون سی ہے ؟“ ”محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا :—”وَسَمَى خَيْرَاتِكُمْ سَبْعَ شَيْءٍ : اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْأُولَى ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْثَوْنَى ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلثَلَاثِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلرَّابِعِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْخَامِسِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(अबू ہریرہ، بخاری، مسالیم، अबू داؤد، نساہ)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(अबू داؤد، अबू داؤد)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابن عباس، ترمذی)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابن عباس، بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ساد بن ابیہ، ابوداؤد، نساہ)

”اُن سادھنوں کا خیرات کرنا سب سے اچھا ہے جن سے غریبوں کی روزی چلتی ہے؛ یہ خیرات تمہیں اُس سے شروع کرنی چاہئے جو تمہارے رشتہ داروں میں سے ہو۔“

(ابوہریرہ، ابوداؤد)

پیرامبر سے لوگوں نے پوچھا کہ :—”سب سے اچھی خیرات کون سی ہے ؟“ ”محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْأُولَى ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْثَوْنَى ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلثَلَاثِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلرَّابِعِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْخَامِسِيَّةُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ ، اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابوہریرہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابوسعید، ابوداؤد)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابن عباس، ترمذی)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(ابن عباس، بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ :—”اَلْجَاهِلِيَّةُ اَلْاِسْتِثْنَاءُ“

(سعید بن عبیدہ، ابوداؤد، نسائی)

یہ ہے کہ تمہارے ہر عمل کا نیک بدلہ ہم کو ملے گا۔

(ابو ہریرہؓ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

محمد صاحب نے کہا کہ: ”خدا کہتا ہے کہ ”تم خیرات میں خرچ کرو اور میں تم کو اور دنیا - خدا کے دونوں ہاتھوں سے بھرے ہیں، دن رات خرچ کرنے پر بھی اُس کے دھن میں کوئی کمی نہیں آتی، کہی تم نے اُس پر سوچا ہے؟ جب سے اُس نے زمین اور آسمان کو بنایا ہے تب سے اُس نے کتنا خرچ کیا ہوگا؟ پھر بھی اصابت یہ ہے کہ جو کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے اُس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔“

(ابو ہریرہؓ، بخاری، مسلم، ترمذی)

محمد صاحب نے ایک بار کہا: ”اللہ تم سے کہتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! تمہاری ضرورت سے زیادہ جو دھن تمہارے پاس ہے اُسے اپنے خاتہ کے دوسروں کو دے ڈالنا تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اُس دھن کو اپنے پاس رکھنا تمہارے لئے برا ہے، اگر کھانے پینے کے لئے تمہیں ضرورت ہو مل جاتا ہے تو وہ تمہارے لئے کافی ہے!۔ دیکھ سہ اُس آدمی سے شروع کرو جو تمہارا شکر ادا کرے۔“

(ابو ہریرہؓ، مسلم، ترمذی)

کسی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”تو اُسے اپنے اوپر خرچ کر ڈالو۔“ اُس آدمی نے کہا: ”میرے پاس اُس کے علاوہ ایک دینار اور ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اُسے اپنے بچوں کو دے دو۔“ اُس نے کہا: ”میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے۔“ محمد صاحب نے کہا: ”اُسے اپنی بیوی کو دے دو۔“ اُس نے کہا: ”میرے پاس ابھی ایک اور دینار ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اُسے اُن لوگوں کو دے دو جو تمہارے سہارے ہیں۔“ اُس آدمی نے کہا: ”میرے پاس پھر بھی ایک دینار بچتا ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اب جیسے تم تمہیک سمجھو یہ دینار اُسے دے دو۔“

(ابو ہریرہؓ، ابوداؤد، نسائی)

محمد صاحب نے کہا کہ: ”خیرات سے خدا کا حصہ لیتا ہو جاتا ہے۔“

(ابو ہریرہؓ، ترمذی)

پیغمبر سے کسی نے پوچھا کہ: ”کس طرح کی خیرات اچھی ہوتی ہے؟“ محمد صاحب نے جواب دیا: —

محمد صاحب نے کہا کہ: ”خدا کہتا ہے کہ ”تم خیرات میں خرچ کرو اور میں تم کو اور دنیا - خدا کے دونوں ہاتھوں سے بھرے ہیں، دن رات خرچ کرنے پر بھی اُس کے دھن میں کوئی کمی نہیں آتی، کہی تم نے اُس پر سوچا ہے؟ جب سے اُس نے زمین اور آسمان کو بنایا ہے تب سے اُس نے کتنا خرچ کیا ہوگا؟ پھر بھی اصابت یہ ہے کہ جو کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے اُس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔“

(ابو ہریرہؓ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی)

محمد صاحب نے ایک بار کہا: ”اللہ تم سے کہتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! تمہاری ضرورت سے زیادہ جو دھن تمہارے پاس ہے اُسے اپنے خاتہ کے دوسروں کو دے ڈالنا تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اُس دھن کو اپنے پاس رکھنا تمہارے لئے برا ہے، اگر کھانے پینے کے لئے تمہیں ضرورت ہو مل جاتا ہے تو وہ تمہارے لئے کافی ہے!۔ دیکھ سہ اُس آدمی سے شروع کرو جو تمہارا شکر ادا کرے۔“

(ابو ہریرہؓ، بخاری، مسلم، ترمذی)

کسی نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”تو اُسے اپنے اوپر خرچ کر ڈالو۔“ اُس آدمی نے کہا: ”میرے پاس اُس کے علاوہ ایک دینار اور ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اُسے اپنے بچوں کو دے دو۔“ اُس نے کہا: ”میرے پاس ایک دینار اور بھی ہے۔“ محمد صاحب نے کہا: ”اُسے اپنی بیوی کو دے دو۔“ اُس نے کہا: ”میرے پاس ابھی ایک اور دینار ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اُسے اُن لوگوں کو دے دو جو تمہارے سہارے ہیں۔“ اُس آدمی نے کہا: ”میرے پاس پھر بھی ایک دینار بچتا ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اب جیسے تم تمہیک سمجھو یہ دینار اُسے دے دو۔“

(ابو ہریرہؓ، ابوداؤد، نسائی)

محمد صاحب نے کہا کہ: ”خیرات سے خدا کا حصہ لیتا ہو جاتا ہے۔“

(ابو ہریرہؓ، ترمذی)

پیغمبر سے کسی نے پوچھا کہ: ”کس طرح کی خیرات اچھی ہوتی ہے؟“ محمد صاحب نے جواب دیا: —

(ابو ہریرہؓ، ترمذی)

پیغمبر سے کسی نے پوچھا کہ: ”کس طرح کی خیرات اچھی ہوتی ہے؟“ محمد صاحب نے جواب دیا: —

خیرات (دان) کے بارے میں محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

خیرات (دان) کے بارے میں محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

انوارک—محمد صاحب رضوی

انوارک—محمد صاحب رضوی

محمد صاحب نے کہا:—”خیرات دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔“ لوگوں نے پوچھا—”اگر اس فرض کو پورا کرنے کے لئے کسی کے پاس سادھن نہ ہوں تو؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”ایسے آدمی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کر کے اپنا بھی کام چھوڑ دینا چاہئے اور اسی میں سے خیرات بھی کرنی چاہئے۔“ پھر کسی نے پوچھا—”اگر وہ ایسا نہ کر سکے یا کام کرنے کے قابل ہی نہ ہو تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا:—”تب اسے ضرور مسندوں اور دیکھیں کی جس طرح ہو سہانتا کرنی چاہئے۔“ لوگوں نے پوچھا—”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا—”تب اسے دوسروں کو نیکی کرنے کی نصیحت کرنی چاہئے۔“ لوگوں نے کہا—”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا—”تب اسے خود ہر برائی سے بچنا چاہئے، کیونکہ سچے مچے برائی سے بچنا ہی اس کا خیرات بنتا ہے۔“

محمد صاحب نے کہا:—”خیرات دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔“ لوگوں نے پوچھا—”اگر اس فرض کو پورا کرنے کے لئے کسی کے پاس سادھن نہ ہوں تو؟“ پیغمبر نے جواب دیا—”ایسے آدمی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے کام کر کے اپنا بھی کام چھوڑ دینا چاہئے اور اسی میں سے خیرات بھی کرنی چاہئے۔“ پھر کسی نے پوچھا—”اگر وہ ایسا نہ کر سکے یا کام کرنے کے قابل ہی نہ ہو تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا:—”تب اسے ضرور مسندوں اور دیکھیں کی جس طرح ہو سہانتا کرنی چاہئے۔“ لوگوں نے پوچھا—”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا—”تب اسے دوسروں کو نیکی کرنے کی نصیحت کرنی چاہئے۔“ لوگوں نے کہا—”اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو؟“ محمد صاحب نے جواب دیا—”تب اسے خود ہر برائی سے بچنا چاہئے، کیونکہ سچے مچے برائی سے بچنا ہی اس کا خیرات بنتا ہے۔“

(ابو موسیٰ اشعری، بخاری، مسلم)

(ابو موسیٰ اشعری، بخاری، مسلم)

محمد صاحب نے ایک بار کہا کہ:—”ہر نیک کام خیرات ہے۔“

محمد صاحب نے ایک بار کہا کہ:—”ہر نیک کام خیرات ہے۔“

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

(بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

پیغمبر نے کہا کہ:—”اپنے کسی بھائی کو دیکھ کر مسکراتا خیرات ہے؛ نیکی کرنے کی نصیحت کرنا خیرات ہے؛ برائی سے منع کرنا خیرات ہے؛ کسی فتنی جگہ پر کسی کو صحیح راستہ بتا دینا خیرات ہے؛ اس آدمی کی سہانتا کرنا جس کی آنکھوں میں خرابی ہے خیرات ہے؛ راستے سے پتھر، کاٹے، ہڈیاں وغیرہ ہٹانا خیرات ہے؛ اپنی بالائی کا پانی اپنے بھائی کی بالائی میں اُنڈیلنا خیرات ہے۔“

پیغمبر نے کہا کہ:—”اپنے کسی بھائی کو دیکھ کر مسکراتا خیرات ہے؛ نیکی کرنے کی نصیحت کرنا خیرات ہے؛ برائی سے منع کرنا خیرات ہے؛ کسی فتنی جگہ پر کسی کو صحیح راستہ بتا دینا خیرات ہے؛ اس آدمی کی سہانتا کرنا جس کی آنکھوں میں خرابی ہے خیرات ہے؛ راستے سے پتھر، کاٹے، ہڈیاں وغیرہ ہٹانا خیرات ہے؛ اپنی بالائی کا پانی اپنے بھائی کی بالائی میں اُنڈیلنا خیرات ہے۔“

(ابوداؤد، ترمذی)

(ابوداؤد، ترمذی)

محمد صاحب نے کہا کہ:—”نیک کام کے لیے نسیہت کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا خیرات ہے۔“

محمد صاحب نے کہا کہ:—”نیک کام کے لئے نصیحت کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا خیرات ہے۔“

(ابوداؤد، مسلم)

(ابوداؤد، مسلم)

क्या राग है क्या लैकारी है एक वज्द का आलम तारी है
जो सुर है प्रेम कटारी है जो जरम है जरमकारी है
एहसासे खुदी का हूर हुआ इरफान से विल मामूर हुआ
यकरंग प्रेमी प्रीतम हैं अब परदए हायल दूर हुआ।

नयम 'अच्छूत उद्धार' में कहते हैं, जबकि रामचन्द्र जी
बनबास की हालत में घूमते हुए सबरी के भोंपड़े में
पहुँचते हैं और सबरी प्रेम के साथ उनके सामने झूटे बेर
रखती है :—

भगवान ने अखलासो मदारात को देखा
बारकतए दीदार के जखधात को देखा
कुछ जात को देखा न कुछ औकात को देखा
देखा तो फ़क़त प्रेम की सौगात को देखा
डूबे हुए थे बेर सुहृवत के जो रस में
खुद प्रेम के सागर भी हुए प्रेम के बस में
है रस्म सुहृवत की जमाने में निराली
भक्ती कभी तासीर से रहती नहीं खाली
मन्चूर किया राम ने यह तुहकए आली
बुनियाद जहां में पतित उद्धार की डाली
ऐ कारा! अच्छूतो का गले हम भी लगा लें
इस प्रेम के अफ़साने का आदर्श बना लें।

कيا راگ ہے کیا لے کاری ہے اک وجد کا عالم طاری ہے
جو سر ہے پریم کٹاری ہے جو زخم ہے زخم کری ہے
احساس خودی کا ہور ہوا عرفان سے دل معمور ہوا
یک رنگ پریمی پریم میں اب پردے حائل دور ہوا

نظم 'اچھوت اُدھار' میں کہتے ہیں، جبکہ رام چندر جی
بن باس کی حالت میں گھومتے ہوئے سبّری کے جھوپڑے میں
پہونچتے ہیں اور سبّری پریم کے ساتھ اُن کے سامنے جھوٹے بیو
رکھتی ہے :—

بھگوان نے اخلص و مدارات کو دیکھا
وارفتہ دیدار کے جذبات کو دیکھا
کچھ ذات کو دیکھا نہ کچھ اوقات کو دیکھا
دیکھا تو فقط پریم کی سوغات کو دیکھا
دوبہ ہوئے تھے بیو محبت کے جو رس میں
خود پریم کے ساگر میں بھی ہوئے پریم کے بس میں
ہے رسم محبت کی زمانے میں نرالی
بھگتی کبھی تاثیر سے رہتی نہیں خالی
منظور کیا رام نے یہ تحفہ عالی
بنیاد جہاں میں پتت اُدھار کی ڈالی
اے کاش! اچھوتیں کو گلے ہم بھی لگائیں
اس پریم کے انسانے کو آدرش بنالیں

मसकन = निवासस्थान. असलाफ = पूर्वज. दौरे

कुइन = प्राचीन काल. फिरदौस = स्वर्ग. अजमते गुज़िस्ता =
बीता हुआ बहपन. अमी = रक्षक. धरोहर = रखने वाला.
जाहो जलाल = शानो शौकत. तहनीशी = छुगा हुआ. एजाजे
हक़नुमाई = सच्चाई को दिखाने का चमत्कार. रंगे मजाज =
ऊपरी रंग. मद्धे सना = स्तुति में लगी हुई. दस्तेना जुक = कामल
हाथ. नयमा आराई = गीत गाना. तारी = छाया हुआ. एहसासे
खुदी = अहमभाव. इरफान = ज्ञान. मामूर = भरा हुआ.
हायल = बीच का. अखलास = हृदय की शुद्धता. सुदारात =
सज्जनता. बारकतए दीदार = दर्शन में डूबा हुआ.
सौगात = भेंट. तुहकए आली = अच्छी भेंट. पतित उद्धार =
गिरे हुआ को ऊपर उठाना.

مسکن = نواس استھان. اسلاف = پورج. دورکن = پراچین
کال. فردوس = سورگ. عظمت گذشتہ = بیٹا ہوا بڑوں. امین =
رکشک. دھروہر = رکھنے والا. جاہ و جلال = شان و شوکت.
تہ نشیں = چڑھا ہوا. اعجاز حق مانی = سچائی کو دہانے کا چنگار.
رنگ مجاز = اودی رنگ. محترنا = استغنی میں لگی ہوئی. دست
بازک = کامل ہاتھ. نیمہ آرائی = گیت گانا. طاری = چھپا ہوا.
احساس خربی = اہم بہاؤ. عرفان = گمان. معمور = بھرا ہوا.
حائل = بیچ کا. اخلص = مردے کی شدھتا. مدارات = سچھتا
وارفتہ دیدار = درشن من دربا ہوا. سوغات = بھینٹ. تحفہ عالی =
اچھی بھینٹ. پتت اُدھار = گرے ہوؤں کو اوپر اُٹھانا.

وہیٰ ہندی کو کیا کھڑ دے سکتی ہے

انکے کھڑ شہر سولاہیجا ہوں، کیندگی کے سوتاٹلیک ایک
بارہ میں کہتے ہیں :-

کرنا ہوں بیان سنئے بیان ہستی

کھڑ بھی نہیں کھڑ بھی نہیں شان ہستی

اس ساٹس کی بنیاد ہی کہا ہے، بسمل

کندہ یہ ہوا کے ہے مکن ہستی

شاہید سوتاٹلیک کی تارا کا بیان ان شہروں میں کوسے
ہستی پیراہے میں کیا ہے :-

سود سے سونے آئے ہیں وہ خانہ دل میں رہتے ہیں
آجائیں نظر تو ہم جانیں کھڑ کے لئے سب کھڑ ہیں
نظروں کو نظر آئے جو نہیں تو ہم یہی دل سے کھڑ ہیں
اس پردہ میں کھڑ پردہ ہے وہ پردہ میں کیوں رہتے ہیں
اس سوچ میں ہیں اس فکر میں اس فکر میں ہیں دنیاوالہ
وہ عالم کیسا عالم ہے جس عالم میں وہ رہتے ہیں
چھپنے کو چھپیں سر پردوں میں اس چھپنے کیا ہوتا ہے
وہ تھوڑے نکالیں ان کو جو کھوج میں ان کے رہتے ہیں

سورجی مہاراج بھادور 'بکر' دھلوی 'وہ' کے چوٹی
کے شایروں میں گھرے ہیں، وہ چکرکست کی طرح عالم جوانی میں ہی چل
میں گذرے ہیں، وہ چکست کی طرح عالم جوانی میں ہی چل
بسے، ان کی نظموں کے مجسمہ 'مطلع انوار' میں سماجی
تاریخی اور مذہبی نظامیں ہندوستانی روایتوں کی لچاوب مثالیں
ہیں، گو ان کی زبان سادہ نہیں ہے پھر یہی ان کے موضوع
ایسے بلند ہیں کہ وہ سب نظامیں اردو ادب کے بہترین سرمایہ
میں جگہ پائیں گی، آج کا ہندی سافیتہ اگر انہیں اپنا لہ کا
تو اس میں اور وسعت پیدا ہوگی اور اس کا حسن دوبالا
ہوگا، ان کی نظموں میں سے چند شعر یہاں دیئے جاتے ہیں :-

مسکن ہے تو قدیمی اسلاف کا شمارہ
دام رہے ہیں دیرے صدیوں ترے کنارے
تھا شاندار کیسا دور کہیں ہمارا
فردوس بر زمین تھا گویا وطن ہمارا
ہے نیچو کو یاد اب تک وہ داستان ہماری
لہروں تری ورق ہیں تاریخ کی ہماری
تو عظمت گزشتہ کی آج تک امیں ہے
جاہ و جلال تیرے پہلو میں نہ نشیں ہے
وحدانیت کا نیمہ موجوں کے ساز میں ہے
انجاز حق نمائی رنگ معجز میں ہے

نظم میرا بائی میں بھکتی اور پریم ملا حظہ کیجئے :-

بھوکا کوشن کے مندر میں ہے محد ثنا میرا بائی
اک ہیں ہے دست نازک میں لب ولف نیمہ آرائی

भी हिन्दी के विद्यार्थियों और अदीबों को शाने कलाम (शोज) शोरेंबयान (बल), सलासत (सरलता) की तहसील (प्राप्ति) के लिये उर्दू शायरों और मुसन्निफों के आस्ताने पर जाना होगा.....हिन्दी के विद्यार्थी और अहले कलाम हिन्दी के उस हिस्से में जो सिर्फ उर्दू ही में पाया जाता है दर्जे कमाल हासिल करंगे तब जाकर हिन्दी अपने सारे हितचिंतकों की शुभ आशाएं पूरी कर सकेगी."

अब मैं उर्दू शायरों के कलाम के चन्द नमूने पेश करता हूँ जिसमें हिन्दी रसम रिवाज और खयालात की तसवीर मिलती हैं और ज़बान भी साफ़ है. उर्दू शायरी के हर एक दौर में हिन्दुस्तानी रिवायतों और रहन सहन की नज़्क़ाशी उर्दू शायरों ने की है. नज़ीर अकबराबादी ने तो ख़ालिस हिन्दुस्तानी रहन सहन और कलचर पर लम्बी नज़्में लिखी हैं जो उनकी कुल्लियात में भी पढ़ी हैं. कुछ शेर पुराने दौर के शायरों के निचे दिये जाते हैं—
जिनमें हिन्दी के शब्द और विचार मुलाहिज़ा कीजिये :—
जुदाई के जमाने की, सज़न ! क्या ज़ियादती कहिये
कि उस ज़ालिम की हम पर जो पड़ी गुज़री सो जुग बीती.

(आवरु)

साँवरा मुखड़ा, रसीले नयन, अलबेली है चाल
 ऐसे प्यारे पर 'फुरा' क्योंकर न दीवाना बनू.
 (फुरा)

भरे मांगों में सेंचुर और सन्दल

गुलाबी मद भरी आंखों में काजल

सुमायां पान की होंटों पे सुर्खी

महावर पात्र में हाथों में मेंहदी.

भोजपा जमाने के उर्दू शायरों में मजहबूबी रियायतों का प्यादा गहरा असर है. यह बात इससे जाहिर होती है कि बहुत से शाह्रों ने रामायण, महाभारत, गीता वगैरा मजहबूबी किताबों के तरजुमे उर्दू नज़्म में किये और मजहबूबी शाखसियतों पर नज़्म लिखीं. इस सिलसिले में मेहर, सुरूर, तालिब इलाहाबादी, नानक लखनवी के कारनामे खास तौर पर चरचा के क़ाबिल हैं. चकबस्त की ऐसी ही नज़्मों में 'रामायण का सीन' बहुत कामयाब नज़्म है. अलावा इसके हज़ीज़ जालंधरी, इन्द्रजीत शर्मा, मक़बूल हुसैन अहमदपुरी, शौक़ क़िद्वर्दी, अज़ममुल्ला की नज़्मों जो उर्दू रिसालों में शायी हो चुकी हैं या हाती हैं अक्सर हिन्दुस्तानी कलचर, माहौल (बातावरण) और बिचारों की तर्ज़मान और सादा ज़बान रखती हैं. इसी सिलसिले में विश्वसिल इलाहाबादी की शायरी भी खास तौर पर क़ाबिले चिक्र है. उन्होंने खूद भी अपनी ज़बान की बातत कहा है :—

सहल लिख लिखके यह क्या अच्छा तमाशा कर दिया
हज़रते बिसमिल ने तो उर्दू को भाषा कर दिया.

یہی ہندی کے دیباچہ نویس اور ادیبوں کو شای کلام (اوج) و زور بولن (بل) سلاست (سرلتا) کی تحصیل (پروائی) کے لئے اردو شاعروں اور مصنفوں کے آستانہ پر جاتا رہا..... ہندی کے دیباچہ نویس اور اہل قلم ہندی کے اُس حصہ میں جو صرف اردو ہی میں پایا جاتا ہے درجہ کمال حاصل کرینگے تب چاکر ہندی اپنے سارے ہتچکتوں کی شاہ آشاہیں پوری کر سکے گی۔“

اب میں اردو شاعروں کے قلم کے جلد نمونے پیش کرتا ہوں جس میں ہندی رسم و رواج اور خیالات کی تصویریں ماثلی ہیں اور زبان بھی سادہ ہے۔ اردو شاعری کے ہر ایک درجہ میں ہندوستانی روایتیں اور رہن سہن کی نقاشی اردو شاعروں نے کی ہے۔ نظموں اور اُردو اُردو کے خالص ہندوستانی رہن سہن اور کلچر پر ایسی نظمیں لکھی ہیں جو اُن کی کلیات میں بہری پڑی ہیں۔ کچھ شعر پڑھنے کے درجہ کے شاعروں کے نیچے دیئے جاتے ہیں جن میں ہندی کے شبد اور وچار ملاحظہ کیجئے:—

جدائی کے زمانے کی، سجن! کیا زیادتی کہہ
کہ اُس ظالم کی ہم نے جو گھڑی گزری سو جگ بیٹی
(آہرو)

سانسور! مکھڑا، رسالے نہیں، البتہی ہے چال
ایسے پیارے پر 'نعل' کہوں کر نہ دیوانہ بنوں۔
(نعل)

بہرے مانگوں میں سیندم اور صندل
گلابی مددھری آنکھوں میں کاجل
نمایاں پان کی ہرنتوں پہ سرخی
مہار پاؤں میں ہاتھوں میں منہدی ۔

موجودہ زمانے کے اردو شاعروں میں مذہبی روایتوں کا زیادہ بڑھا اُتر ہے۔ یہ بات اِس سے ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سے شاعروں نے رامائن، مہابھارت، گیتا وغیرہ مذہبی کتابوں کے ترجمہ اردو نظم میں نئے اور مذہبی شخصیتوں پر نظامیں لکھیں۔ اِس سلسلے میں مہر، سرور، طالب از آدنی، نازک لکھنوی کے کارنامہ خاص طور پر چرچا کے قابل ہیں۔ چکیبست کی ایسی ہی نظموں میں ”رامائن کا سین“ بہت کامیاب نظم ہے۔ علاوہ اِس کے حفیظ جالندھری، انور جہت شرمہ، مقبول حسین احمد پوری، شوق قدوسی، عظمت اللہ کی نظمیں جو اردو سالوں میں شائع ہو چکی ہیں یا ہوتی ہیں انظر ہندستان کیچور“ ماحول (وائازوں) اور وچاروں کی ترجمان اور سادہ زبان رکھتی ہیں۔ اِس سلسلے میں بسمل اکبر آبادی کی شاعری بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انھوں نے خود بھی اپنی زبان کی بابت کہا ہے:—

سہل لکھ لکھ کے یہ کیا اچھا تماشا کر دیا
حضرت ہسملی نے تو اردو کو بہاشا کر دیا۔

उन्होंने इसमें खबसूरी, जोर, और फैलाव पैदा किया है। उर्दू हिन्दुस्तान ही में बनी और इस मुल्क के कलचर के बनाने में इसका बड़ा हिस्सा है। वह न किसी एक गरोह की ही ज़बान है और न किसी एक जगह की ही। यह ज़बान हमेशा आम लोगों के विचारों और भावों का प्रकट करती रही और मुल्की धारों से सेराब होती रही। इसकी रंगों में जनता की जिन्दगी का खून बहता है। यही कारण है कि हिन्दुस्तान के लगभग सभी हिस्सों में यह समझी और बोली जाती है। इसकी फुलवारी में सैर करने से ही यह साबित हो सकता है कि जहाँ उसने चन्द विदेशी ज़ेवर अपनाए हैं वहाँ मुल्की भांतियों से भी बनी संवरी है। यह इसी ज़बान का शानदार कारनामा है कि उसने बाज़ारी शब्दों, महावशों, औरतों की ज़बान के बहुत से नरम व नाज़ुक अस्त्रख (शैलियों), कहावतों को अदब का लिबास पहनाया और उनको अच्छी सांसाइटी में रिवाज दिया।

यहां हम उर्दू के मशहूर अदीब बाबू रघुपति सहाय किराऊ के उस खत का कुछ हिस्सा पेश करते हैं जो उन्होंने अग्रेजी में अखबार 'लीडर', 8 नवम्बर, सन' 38 में शायी कराया था. वह कहते हैं :—

“उर्दू की अहमियत तो इस से जाहिर होती है कि हम उर्दू अदब की किसी मशहूर किताब को चाहे वह नज्म की हो या नज़्म की जुज़न, या कुल्लियन (किसी हिस्से को या कुल को) सामन रखकर उससे ग़ैर मुल्की शब्दों का ख़ारिज कर दें ता उसमें हम कां ठेठ हिन्दी के शब्द उतनी बड़ी हिन्दी की किताब के बराबर ही नहों दुगने बल्कि चार या पांच गुने ज्यादा मिलेंगे, यही वजह है कि हिन्दी के मुकाबले में उर्दू जनता की बोली से अधिक निकट है बावजूद इसके कि उसमें बहुत से फ़ारसी और अरबी के शब्द शामिल हैं, इसके ख़िलाफ़ हिंदी में आम तौर पर 60 से लेकर 50 फ़ीसदी तक शुद्ध सस्कृत के शब्द हाते हैं और 40 से लेकर 10 फ़ीसदी तक ठेठ हिंदी के, दूसरे शब्दों में यूँ समझिय कि उर्दू मुश्किल है 75 फ़ीसदी ठेठ हिन्दी शब्दों से और हिंदी सिर्फ़ 25 फ़ीसदी ठेठ हिन्दी शब्दों से।”

आगे चलकर वह लिखते हैं :—“उर्दू जवान के बानियों की दूरअदेशी ने शुद्ध हिंदी के हजारों शब्द, निकरे, महावरे, कहावतें, अक़वाल वगैरा बढ़ी खूबी से बना डाले क्योंकि वह यह समझते थे कि इसके बगैर जवान मुर्दा रहेगी। इसका नतीजा है कि उर्दू की असली, अद्बी, ख़ाबियां हिन्दी के उन्हीं महावरों और तर्जमाय अदा (शैलियों) से जाहिर होती हैं। अरबी व फ़ारसी शब्दों का दखल इसमें नाम को ही है।”

आखीर में वह हिंदी वालों को मशविरा देते हैं :—
“जुमलों की तरकीब का सवाल एक अहम सवाल है. यहां

اُنہوں نے اِس میں خوب دُستی، زور اور پھیلاؤ پیدا کیا ہے۔ اُردو ہندستان ہی میں بنی اور اِس ملک کے کلچر کے منانے میں اِس کا بڑا حصہ ہے۔ وہ نہ کسی ایک گروہ کی ہی زبان ہے اور نہ کسی ایک جگہ کی ہی۔ یہ زبان ہمیشہ عام لوگوں کے وچاروں اور بھانوں کو پُرکٹ کرتی رہی اور ملکی دھاروں سے سرباز ہوتی رہی۔ اِس کی رگوں میں چنتا کی زندگی کا خون بہتا ہے۔ یہی کارن ہے کہ ہندستان کے لگ بھگ سبھی حصوں میں یہ سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اِس کی پداواری میں سیر کرنے سے ہی یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ جہاں اُس نے چند ودیشی زبور اپنالے تھے وہاں ملکی مرقعوں سے بھی بنی سمجھی ہے۔ یہ اِسی زبان کا شاندار کارنامہ ہے کہ اُس نے بازارِ شدیدوں، متحارروں، عیروں کی زبان کے بہت سے نرم و نازک اصول (شیلیوں) کھاوتوں کو ادب کا لباس پہنایا اور اُن کو اچھی سوسائٹی میں رواں دیا۔

یہاں ہم اردو کے مشہور ادیب بابو دھوبتی سہانی فراتی کے اُس خط کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے انگریزی میں اخبار ’لنڈر‘ 8 نومبر سن 1938ء میں شائع کرایا تھا۔ وہ کہتے ہیں:—

آردو کی اہمیت تو اس سے ظاہر ہوئی ہے کہ ہم آردو ادب کی نئی مشہور کتاب کو چاہے وہ نظام کی ہو یا نثر کی چڑا، یا کلیاً (کسی حصہ کو یا نل کو) سامنے رکھ کر اس سے غور ملکی شدوں کو خارج کردیں تو اس میں ہم کو تھپتھپانندی کے شدید آئنی بڑی ہندی کی کتاب کے برابر ہی نہیں دیکھتے بلکہ چار یا پانچ گنے زیادہ ملیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی کے مقابلے میں آردو جتنا کی بولی سے آدھک نکتہ ہے ہارچودہ اس کے ۶ اُس میں بہت سے فارسی اور عربی کے شدید شامل ہیں۔ اس کے خلاف ہندی میں عام طور پر 60 سے لیکر ۷0 فیصدی تک شدہ سنسکرت کے شدید ہوتے ہیں اور 40 سے لیکر 10 فیصدی تک تھپتھپانندی کے۔ دوسرے شدوں میں یوں سمجھئے کہ آردو مرکب ہندی ہے 7۰ فیصدی تھپتھپانندی شدوں سے اور ہندی صرف 2۰ فیصدی تھپتھپانندی شدوں سے۔

اُنکے چلکر وہ کہتے ہیں:— ”اُردو زبان کے بانہوں کی دور اندیشی نے شہہ ہندی کے ہزاروں شہد‘ نقرے‘ محاورے‘ کہاوتیں‘ اقوال وغیرہ بڑی خوبی سے بنا ڈالے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر زبان مرنا دھیکی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ اُردو کی اصلی‘ ادبی خوبیاں ہندی کے انھیں محاوروں اور طرزِ مانے آدا (شعلایں) کے علاوہ ہوتی تھیں۔ عربی و فارسی شہدوں کا دخل اس میں نام کر ہی ہے۔“

آخر میں وہ ہنسی والوں کو مشورہ دیتے ہیں :-
”حملوں کے ترکیب کا سوال بھی ایک اہم سوال ہے : یہاں

श्री नरमहीन अहमद एम० ए०

شہرِ نجم الدین احمد ایم۔ اے

इस लेख की गरज उर्दू की कुछ खसूसियतों की तरफ ध्यान दिलाना है। वैसे तो जो चीज जितना ही नजदीक होती है उसकी तरफ से उतनी ही लापरवाही बरती जाती है। जवान की तरफ भी हमारा यही रवैया है। हम इसके जरिये जिन्दगी के बहुत अहम काम अन्जाम देते हैं। खयाल व जज्बात (भावों) की परवरिश और इल्म व इरफान (ज्ञान) की बुलन्दी तय करते हैं। मगर यह नहीं जानते कि जवान किस तरह बनती और तरक्की करती है, और हमारी जिन्दगी और कलचर को किस तरह बनाती और संवारती है। उर्दू जवान की पैदाइश हिन्दुस्तान की तारीख का एक यादगार कारनामा है। पर इस समय सिर्फ इस जवान की चन्द खसूसियतों का जिक्र किया जायेगा।

सब से पहला सवाल उर्दू जवान में फारसी या अरबी लफ्जों की मिलावट का है। यह सब के तजरबे की बात है कि जब हम अंग्रेजी जवान सीखते और उसमें महारत पैदा करना चाहते हैं तो अपनी निजी बातचीत में भी अंग्रेजी शब्द लाने लगते हैं क्योंकि वह हमारे नए विचारों को आसानी से जाहिर कर देते हैं। कभी कभी इसमें अपनी इल्मियत दिखाने का खयाल भी छुया रहता है, क्योंकि यह भी हमसान की तबियत का तकाजा है। इसी तरह उस जमाने में जब फारसी जवान सरकार और दफ्तर की जवान थी और उसका जानना बड़ी बात समझा जाता था, इस देश के निवासी जब फारसी को अपनाने लगे तो अपनी निजी बात चीत में फारसी के शब्द लाने लगे। उस वक़्त के हालात के लिए ऐसा होना कुदरती और जरूरी भी था।

फारसी अरबी शब्दों के अलावा दूसरी विदेशी जवानों के शब्द भी उर्दू में मौजूद हैं। जब यह जवान बनी देशी विदेशी का सवाल ही न था। मसलन पुर्तगाल के लोग तिजारत के सिलसिले में कितनी ही चीजें लाए जो हिन्दुस्तानी जिन्दगी का हिस्सा बन गईं। उनके नाम हमारी जवान में इस तरह घुल मिल गए कि आज वह विदेशी मालूम ही नहीं होते। कुछ ऐसे नाम यह हैं:—तम्बाकू, साबूदाना, कीता, साया, मेज, नीलाम, अंग्रेज, गुन्डा, तौलया, साबुन, सन्तरा पुर्तगाली जवान के शब्द हैं।

उर्दू प्राकृत भाषा से ही बनी और उसका ढांचा हिन्दी जवान ही है। जो फारसी अरबी के शब्द इसमें शामिल हैं

اس لہجہ کی غرض اُردو کی کچھ خصوصیتوں کی طرف دھیان دلانا ہے۔ ویسے تو جو چیز جتنا ہی نزدیک ہوتی ہے اس کی طرف سے اتنی ہی لاپرواہی ہرٹی جاتی ہے۔ زبان کی طرف بھی ہمارا یہی رویہ ہے۔ ہم اس کے ذریعہ زندگی کے بہت اہم کام انجام دیتے ہیں۔ خیال و جذبات (بھاؤں) کی پرورش اور عام و عرفان (گہان) کی بلندی طے کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ زبان کس طرح بنتی اور ترقی کرتی ہے۔ اور ہماری زندگی اور کلچر کو کس طرح بناتی اور سوارتی ہے۔ اُردو زبان کی پیدائش ہندستان کی تاریخ کا ایک یادگار کارنامہ ہے۔ پر اس سمے صرف اس زبان کی چند خصوصیتوں کا ذکر کیا جائیگا۔

سب سے پہلا سوال اُردو زبان میں فارسی یا عربی لفظوں کی ملاوٹ کا ہے۔ یہ سب کے تجربے کی بات ہے کہ جب ہم انگریزی زبان سیکھتے اور اس میں مہارت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی نجی بات چیت میں بھی انگریزی شبد لائے لگتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے نئے وچاروں کو آسانی سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ کبھی کبھی اس میں اپنی اہمیت دہانے کا خیال بھی چہا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ بھی انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے۔ اسی طرح اس زمانے میں جب فارسی زبان سرکار اور دفتر کی زبان تھی اور اس کا جاننا بڑی ہمت سمجھا جاتا تھا۔ اس دیہے کے نواسی جب فارسی کو اپنانے لگے تو اپنی نجی بات چیت میں فارسی کے شبد لائے لگے۔ اس وقت کے حالات کے لئے ایسا ہونا قدرتی اور ضروری بھی تھا۔

فارسی عربی شبدوں کے علاوہ دوسری بدیشی زبانوں کے شبد بھی اُردو میں موجود ہیں۔ جب یہ زبان بنی بدیشی و بدیشی کا سوال ہی نہ تھا۔ مثلاً پرتگال کے لوگ تجارت کے سلسلے میں کتنی ہی چیزیں لائے جو ہندستانی زندگی کا حصہ بن گئیں۔ ان کے نام ہماری زبان میں اس طرح گھل مل گئے کہ آج وہ بدیشی معلوم ہی نہیں ہوتے۔ نیچے ایسے نام یہ ہیں:—تباکو، سابودانہ، فیتہ، سایہ، میز، نیلام، انگریز، غذا، تولیہ، صابن، سونکرو پرتگالی زبان کے شبد ہیں۔

اُردو پراکرت بھاشا سے ہی بنی اور اس کا ڈھانچہ ہندی زبان ہی ہے۔ جو فارسی عربی کے شبد اس میں شامل ہیں

से संबंध रखने वाली. जब वहां विक्रत नहीं हुई तो यहां विक्रत क्यों होती ?

यह कहकर पुरानी बात का रोना नहीं रोना है, जो हो चुका, वह हो चुका. लोग उससे सबक लें, उससे पाठ सीखें और अपने हृदय को मजबूत बनायें और राष्ट्रीय स्वरूप वाली हिन्दी को अपनाकर वही कांतिकर डालें जो अब तक नहीं हो पाई. राष्ट्र शब्द में भी नेशन शब्द का पूरा भाव नहीं आता. राष्ट्र की जगह नेशन शब्द अपना लिया जाय तो बुरा नहीं. उर्दू का क़ौम शब्द जात के मानी में आने लगा. वह भी कमजोर पड़ गया. इस्टरनेशनल की जगह अंतर क़ौमी शब्द खासा जम जाता है पर इतने से काम नहीं चलता. नेशन शब्द के लिए कोई ख़ोरदार शब्द देना ही पड़ेगा. अगर 'जनमन' शब्द अपना लिया जाय तो कैसा हो—इस पर विचार किया जा सकता है. इससे जनमनी, जनमना, जनमनीयत, जनमनीयता आदि अनेक शब्द बन सकते हैं. मुश्किल सिर्फ़ यही है कि हिन्दुस्तान की जनता न क़ौमी नेशन थी और न आज नेशन है. यह जनता हिन्दू मुसलमान तो हो सकती है, नेशन बनना इसके लिए अभी भी दुष्कर है. इसका कोई नेशनल त्थौहार ही नहीं. यह किसी नेशनल काम के लिए मरना ही नहीं जानती. यह तो भारत का सौभाग्य ही है कि इने गिने मनचलों ने हिन्दुस्तान को आज़ाद करा दिया. नेशन बनने के लिए नेशनल भाषा ज़रूरी है. हिन्दी अगर राष्ट्रीय भाषा होने का दावा रखती है तो वह उस समय तक पक्की दावेदार नहीं हो सकती जब तक हर भाषाभाषी उसके लिए प्राणदान न दे, फिर चाहे उनकी तादाद कितनी ही कम क्यों न हो.

इस बलिदान के बिना हिन्दी का स्वरूप न तय हो सकेगा, न समझ में आ सकेगा, न खिल सकेगा. नेशन बनने के लिए राष्ट्रभाषा का स्वरूप खिल उठना बहुत ज़रूरी है और राष्ट्रभाषा का स्वरूप खिल उठने के लिए उसे वही असीम और खुला मैदान देना ज़रूरी है जो उसे वर्तमान स्वरूप के पहले मिला हुआ था.

سے سبندہ رکھنے والی . جب وہاں وقت نہیں ہوئی تو یہاں وقت کیوں ہوتی ؟

یہ کہہ کر پرانی بات کا رونا نہیں روتا ہے . جو ہو چکا، وہ ہو چکا . لوگ اُس سے سبق لیں، اُس سے ہاتھ سیکیں اور اپنے ہر دم کو مضبوط بنائیں اور راشٹر یہ سروٲ والی ہندی کو اپنا کر وہی کرائتی دوتا لیں جو اب تک نہیں ہو پائی . راشٹر شد میں بھی نیشن شد کا پورا پہاؤ نہیں آتا . راشٹر کی جگہ نیشن شد اپنا لیا جائے تو برا نہیں . اُردو کا قوم شد جات کے معنی میں آئے گا . وہ بھی کمزور پڑ گیا . انٹرنیشنل کی جگہ اंतर قومی شد خاصہ جم جاتا ہے پر اتنے سے کام نہیں چلتا . نیشن شد کے لئے کوئی زوردار شد دینا ہی پڑیگا . اگر 'جن من' شد اپنا لیا جائے تو کیسا ہو—اُس پر وچار کیا جاسکتا ہے . اِس سے جن منی، جنمنا جن منیت، جن منیتا آدی انیک شد بن سکتے ہیں . مشکل صرف یہی ہے کہ ہندستان کی چلتا نہ کیہی نیشن تھی، اور نہ آج نیشن ہے . یہ جاتا ہندو مسلمان تو ہوسکتی ہے، نیشن بننا اُس کے لئے اب بھی دشکر ہے . اِس کا کوئی نیشنل تمہار ہی نہیں . یہ کسی نیشنل کام کے لئے مڑنا ہی نہیں جانتی . یہ تو بہارت کا سہاکیہ ہی ہے کہ اِلے گئے منچاوں نے ہندستان کو آزاد کرادیا . نیشن بننے کے لئے نیشنل پہاشا ضروری ہے . ہندی اگر راشٹریتہ پہاشا ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے تو وہ اُس سمے تک پکی دعوبدار نہیں ہوسکتی جب تک ہر پہاشا پہاشی اُس کے لئے ٲران دان نہ دے، پور چاہے اُن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو .

اِس بلیدان کے ہذا ہندی کا سروٲ نہ طے ہوسکیگا، نہ سمجھ میں آسکیگا، نہ کھل سکیگا . نیشن بننے کے لئے راشٹر پہاشا کا سروٲ کھل اُٹنا بہت ضروری ہے . اور راشٹر پہاشا کا سروٲ کھل اُٹنے کے لئے اُسے وہی اسیم اور کھلا میدان دینا ضروری ہے جو اُسے ورتمان سروٲ کے پہلے ملا ہوا تھا .

समझ में न आनेवाली भाषा, बिना रोशनी की लालटेन है.

سمجھ میں نہ آنے والی پہاشا، بنا روشنی کی

لاٲین ہے .

—अज्ञात

—اگیاٲ

ہنگڑے کھڑے کر دیے۔ کوئی کوئی تو ہندی کی جگہ संस्कृत की आबाज उठानے لगे !! धर पाकिस्तान में भी अरबी की बात चल पड़ी. इससे अंग्रेजी ने कायदा उठाया और वह पाकिस्तान तथा हिंदुस्तान के सिर पर आज दिन तक लड़ी हुई है.

संविधान में दरवाजा खुला है. आज भी हिन्दी अगर अपने 'स्वरूप' को अपना ले तो अंग्रेजी से कई गुनी बलवाली बन सकती है, उसे आसानी से ऐसे उड़ा सकती है जिस तरह से बच्चा साबुन के बुलबुले को. इसके लिए उसे शब्द गढ़ने की भी जरूरत नहीं. आख शब्द करके सब पारिभाषिक अंग्रेजी शब्द अपना लेने से ही काम बन जाता है. पर उन शब्दों को उन्हीं बने बनाए रूप में अपनाना चाहिये जो रूप उन्हें कारखानों में मजदूरों ने दिया है. उसे वह सब उर्दू शब्द भी अपना लेने चाहिये जो गांव गांव में फैल चुके हैं जैसे—पुलिस, टिकट, सिगल (सिगनल), टेसन (स्टेशन), रेल, मजदूर, डाकघर, रेवेन्यू, पेरिंग (इयर रिंग), फारम (फॉर्म), आबकारी, कचहरी, मुन्शी, तहसीलदार, दीवान, नमूना, बाजार, किताब, लायक, लगान सालाना, सरकारी, हिस्सा, जेल, रेडियो, मनीआर्डर (मनीऑर्डर), इंजन (एंजिन) गाई, क्लोरिन, प्रोटीन, ऐसेटिक ऐसिड, पोर्टेसिल, कैलारी, कार्ट (कार्ड), प्रोटोन, ऐम्पीयर, वोल्ट आदि आदि.

व्याकरण के मामले में सब सूबों या राज्यों को छूट दे देनी चाहिये कि वह खास खास मामलों को छोड़कर बाकी मामलों में लिंग की परवाह बिल्कुल न करें. व्याकरण की भ्रंश में न पड़ें. जहां उन्हें हिन्दी शब्द न सूझें फट प्रांतीय शब्द लिख दें. इसी तरह के कुछ और नियमों के साथ कल से ही हिन्दी अंग्रेजी की जगह ले सकती है. अंग्रेजी जो हमारे सिर पर लड़ी हुई है उसमें आपसी भगड़ा तो कारण है ही, एक कारण और भी हुआ. हिन्दुस्तान आजाद तो हो गया, अंग्रेज चले गये, हकूमत भारतियों के हाथ में आ गई पर हुआ यह सब समझते से. क्रांति कहां हुई ? कारण यह है कि क्रांति का प्रणेता गांधी आजादी मिलने के बाद बहुत जल्द चल बसा और उसके अभाव में हम और क्रांति खुद अंधेरे में भटक गये. अगर क्रांति का प्रणेता जिंदा रहता तो अब तक क्रांति हो गई होती और अंग्रेजी हिन्दुस्तान में न रह सकती और अपने आप हिन्दी यानी हिन्दुस्तानी हकूमत के सब काम संभाल लेती और इस तरह राष्ट्रभाषा के स्वरूप के भगड़े खड़े न होते.

नेता जी की आजाद हिन्द कौज में देश भर के आदमी थे. उनका काम अगर हिन्दुस्तानी से चल गया तो हमारा क्यों नहीं चल सकता ? आजाद हिन्द कौजें तो ऐसे देश में भी काम कर रही थीं जहां की बोली न हिन्दी थी न हिन्दी

जैक्रे क्रेडिट. कौन कौन तो हندی की जैक्रे सिक्रे की आजाद क्रेडिट !! इधर पाकिस्तान में भी अरबी की बात चल पड़ी. اس سے انگریزی نے ناکہ اٹھایا اور وہ پاکستان تھا ہندستان کے سر پر آج دن تک لڑی ہوئی ہے.

سہوچان میں دروازہ کھلا ہے. آج بھی ہندی اگر اپنے 'سروپ' کو اپنا لے تو انگریزی سے کئی گنی بل والی بن سکتی ہے، آج آسانی سے ایسے آڑا سکتی ہے جس طرح سے بچہ صابن کے بلبلے کو. اس کے لئے آجے شبد گچھے کی بھی ضرورت نہیں. آجے بند کر کے سب دیرپا شک انگریزی شبد اپنا لینے سے ہی کام بن جاتا ہے. پر ان شبدوں کو انہیں بٹے بنائے روپ میں اپنانا چاہئے جو روپ انہیں کارخانوں میں مزدوروں نے دیا ہے. آجے وہ سب آڑا شبد بھی اپنا لینے چاہئیں جو گڑوں گڑوں میں پھیل چکے ہیں جیسے—پولیس، ٹکٹ، سنکل (سنگل)، ٹیسن (اسٹیشن)، ریل، مزدور، ڈاکگھر، ریونیو، ایرنگ (ایئرنگ) فارم (فارم) آبکاری، کچہری، منشی، تحصیلدار، دیوان، نمونہ، بازار، کتاب، لابی، لٹن، سالانہ، سرکاری، حصہ، چیل، ریڈیو، منی آڈر، منی آرڈر، انجن، اینجن (گرن)، کلون، پروٹین، اسٹیک ایسڈ، پروٹینیل، کلوری کارٹ (کارڈ) پروٹون، امپیر، ووٹ آئی آئی.

ویاکرن کے معاملے میں سب صوبوں یا ریاستوں کو چھوٹ دے دینی چاہئے کہ وہ خاص خاص معاملوں کو چھوڑ کر باقی معاملوں میں لنگ کی پرواہ بالکل نہ کریں. ریاکرن کی جھنجھٹ میں نہ پڑیں. جہاں انہیں ہندی شبد انہیں نہ سوجھے پھٹ پڑاں وہ شبد لھ دیں. اسی طرح کے کچھ اور ٹیموں کے ساتھ کل سے ہی ہندی انگریزی کی جگہ لے سکتی ہے. انگریزی جو ہمارے سر پر لڑی ہوئی ہے اس میں آپسی جھگڑا تو کارن ہے ہی، ایک کارن اور بھی ہوا. ہندستان آزاد تو ہو گیا، انگریز چلے گئے، حکومت بھارتیوں کے ہاتھ میں آگئی پر ہوا یہ سب سمجھوتے سے. کرائتی کہاں ہوئی ؟ کارن یہ ہے کرائتی کا پریتا گاندھی آزادی ملنے کے بعد بہت جلد چل بسا اور اس کے آہٹا میں ہم اور کرائتی خود اندھیرے میں بھٹک گئے. اگر کرائتی کا پریتا زندہ رہتا تو اب تک کرائتی ہوگئی ہوئی اور انگریزی ہندستان میں نہ رہسکتی اور اپنے آپ ہندی یعنی ہندستانی حکومت کے سب کام سنہال لیتی اور اس طرح راشٹر بھاشا کے سروپ کے جھگڑے کھڑے نہ ہوتے.

نہتا جی کی آزاد ہند نوج میں دیش بھر کے آدمی تھے. اُن کا کلم اگر ہندستانی سے چل گیا تو ہمارا کیوں نہیں چل سکتا ؟ آزاد ہند نوجیں تو ایسے دیش میں بھی کلم کو رہی تھیں جہاں کی بولی نہ ہندی تھی نہ ہندی

जब कोई भाषा एक शब्द अपना लेती है तब उसे यह कहना कि वह दूसरी भाषा का शब्द है, उस शब्द के साथ अन्याय करना है. दोरी और रोटी को पुर्तगाली शब्द बताना भूल नहीं तो और क्या है ? आज ता वह ठेठ हिंदी शब्द हैं, कभी रहे होंगे पुर्तगाली. मेगो शब्द को हम अंग्रेजी शब्द कहते हैं और अंग्रेजी डिक्शनरी बताती है कि यह हिंदुस्तानी शब्द है. बल्खिन में आम को मंगूफलम् कहते हैं. यही मंगू अंग्रेजी डिक्शनरी में मेगो बन गया. जो जो विदेशी शब्द हिंदी ने अपना लिए उनको आत्मसात कर लिया वह अब हिंदी के हो गये. जिसको इन शब्दों के बाइकाट की सूझती है उसकी बुद्धि पर हमें तरस आता है.

अंग्रेजी के अंक 1, 2, 3, 4.....9, 0 सब अंग्रेजी में अरबी अंक माने जाते हैं, क्योंकि अंग्रेजों ने उनको अरब वालों से सीखा. अरब में यही एक, दो, तीन.....हिंदी से कहाते हैं, क्योंकि अरबों ने इन्हें हिंदी से सीखा. हिंदुस्तान की यह देन मामूली देन नहीं है. अब अंग्रेजी के 1, 2, 3,सारी दुनिया में फैलकर अंतर्राष्ट्रीय बन गए हैं. विधान ने यह पास भी कर दिया है कि इन अंतर्राष्ट्रीय अंकों को अंतर्राष्ट्रीय रूप के साथ सारा हिंदुस्तान अपना ले. पर हिंदी भाषाभाषी हैं कि अंग्रेजी अपनी खिद पर. एक तरह से ये अंक हिंदुस्तान के कोने कोने में पहुंच चुके. गणित की किताबों में हिंदी अंक न रहकर यह अंतर्राष्ट्रीय अंक ही रहने लगे हैं फिर भी इस पर बाद विवाद चल रहा है. भाषा का 'स्वरूप' भी उस समय तक अपना सच्चा रूप न ले पायेगा जब तक यह छोटी मोटी कमियाँ हिंदी भाषाभाषियों से दूर नहीं होतीं.

हिंदी भाषाभाषी अगर थोड़े उदार होते तो स्वराज्य के साथ ही साथ अंग्रेजों के साथ अंग्रेजी भी लड़ गई होती और उसकी जगह आज हिंदुस्तानी होती. पर हिंदी-हिंदुस्तानी और उर्दू-हिंदुस्तानी के मगड़ने ने अंग्रेजी को हमारे सिर पर लादे रखा और इन मगड़ों टंटों के साथ न जाने यह कब तक लदी रहेगी.

हिंदुस्तान में बहुत कम समझी जाने वाली और नाम मात्र के लिए लिखने में काम आनेवाली अंग्रेजी अगर मुरालों की बादशाही खत्म होने के दूसरे दिन से ही हिंदुस्तानी सरकार की दफ्तरी भाषा बनकर हिंदुस्तान पर राज कर सकती है और चैन की बंसी बजा सकती है तो वही काम 16 अगस्त सन 1947 को हिंदी क्यों नहीं कर सकती थी, जबकि वह सारे देश में समझी जाती थी और हिंदुस्तान की आधी आबादी उसकी लिखावट को भी जानती थी ? यह सिर्फ इसी वजह से न हो सका कि हम उस समय आपस में सिर फोड़ने में लगे थे और महात्मा गांधी की बात सुनने के लिए तैयार न थे. जब चरा दम लिया तब भाषा के दूसरे

जब कौन भाषा एक शब्द अपना लेती है तब उसे यह कहना कि वह दूसरी भाषा का शब्द है, उस शब्द के साथ अन्याय करना है. दोरी और रोटी को पुर्तगाली शब्द बताना भूल नहीं तो और क्या है ? आज ता वह ठेठ हिंदी शब्द हैं, कभी रहे होंगे पुर्तगाली. मेगो शब्द को हम अंग्रेजी शब्द कहते हैं और अंग्रेजी डिक्शनरी बताती है कि यह हिंदुस्तानी शब्द है. बल्खिन में आम को मंगूफलम् कहते हैं. यही मंगू अंग्रेजी डिक्शनरी में मेगो बन गया. जो जो विदेशी शब्द हिंदी ने अपना लिए उनको आत्मसात कर लिया वह अब हिंदी के हो गये. जिसको इन शब्दों के बाइकाट की सूझती है उसकी बुद्धि पर हमें तरस आता है.

अंग्रेजी के अंक 1, 2, 3, 4.....9, 0 सब अंग्रेजी में अरबी अंक माने जाते हैं, क्योंकि अंग्रेजों ने उनको अरब वालों से सीखा. अरब में यही एक, दो, तीन.....हिंदी से कहाते हैं, क्योंकि अरबों ने इन्हें हिंदी से सीखा. हिंदुस्तान की यह देन मामूली देन नहीं है. अब अंग्रेजी के 1, 2, 3,सारी दुनिया में फैलकर अंतर्राष्ट्रीय बन गए हैं. विधान ने यह पास भी कर दिया है कि इन अंतर्राष्ट्रीय अंकों को अंतर्राष्ट्रीय रूप के साथ सारा हिंदुस्तान अपना ले. पर हिंदी भाषाभाषी हैं कि अंग्रेजी अपनी खिद पर. एक तरह से ये अंक हिंदुस्तान के कोने कोने में पहुंच चुके. गणित की किताबों में हिंदी अंक न रहकर यह अंतर्राष्ट्रीय अंक ही रहने लगे हैं फिर भी इस पर बाद विवाद चल रहा है. भाषा का 'स्वरूप' भी उस समय तक अपना सच्चा रूप न ले पायेगा जब तक यह छोटी मोटी कमियाँ हिंदी भाषाभाषियों से दूर नहीं होतीं.

हिंदी भाषाभाषी अगर थोड़े उदार होते तो स्वराज्य के साथ ही साथ अंग्रेजों के साथ अंग्रेजी भी लड़ गई होती और उसकी जगह आज हिंदुस्तानी होती. पर हिंदी-हिंदुस्तानी और उर्दू-हिंदुस्तानी के मगड़ने ने अंग्रेजी को हमारे सिर पर लादे रखा और इन मगड़ों टंटों के साथ न जाने यह कब तक लदी रहेगी.

एक बार एयरकन्डीशन्ड डब्बे में बैठे हुए कुछ पंडित 'एयरकन्डीशन्ड' के लिए हिन्दी शब्द ढूँढ रहे थे. घंटों मराज्य मारने पर भी वे ऐसा शब्द न खोज पाये जिस पर सब सहमत हो जाते. पर जैसे ही वह गाड़ी से नीचे उतरे और जैसे ही उन्होंने अपने चार बरस के बच्चे से किसी मामूली चीज के लिए पूछा कि वह कहाँ गई तो वह जवाब देता है— "वह तो ठंडीगाड़ी में वहीं गिर गई." पंडित एक दूसरे का मुँह ताकने लगे. बच्चे के पास उस 'एयरकन्डीशन्ड डब्बे' का शब्द हिन्दी के स्वरूप के अनुसार बना बनाया तैयार था.

जिस तरह आदमी पुरा बना है वैसे ही हर भाषा अपने आप में पूरी है. बंद करने से वही भाषा अपूरी हो जाती है. अंग्रेजी की डिक्शनरी का शायद ही कोई ऐसा सका मिले जिसमें दो चार हिन्दुस्तानी शब्द न हों. मगर होंगे वही जो अंग्रेजों को बोलने में आसान पड़ें और जो उसी के मुकाबले के अंग्रेजी शब्द से हर तरह छोटे और सुगम हों.

हिन्दी का 'स्वरूप' अंग्रेजी राज्य के समय की बनी हुई किताबों में बहुत कम देखने को मिलेगा. इसका कारण यह है कि हिन्दी में उन दिनों जितनी किताबें लिखी गईं वह अधिकतर उर्दू को बाइकाट करके लिखी गईं. बाइकाट पॉलिसी का यह नतीजा हुआ कि हिन्दी के सब मुहावरे उर्दू वालों के हिस्से में आगये और हिन्दी वालों के लिए कुछ न बच रहे. अब हिन्दी का 'स्वरूप' कहाँ गया ? हिन्दी का स्वरूप देखने को मिलेगा उर्दू में, पर वहाँ वह मौलवियों की मदद से अरबी फारसी शब्दों के ढेर में छिप गया. हिन्दी में भी हिन्दी के स्वरूप के दर्शन हो सकते हैं पर वह सब मिलेगा पद्य पुस्तकों में. जितने हिंदी कवि हुए हैं उनमें से किसी को पद जाइये. और तो और मुसलमान कवि रसखान को ले लीजिये. उसके कवित्त में जो 'स्वरूप' लिए हुए हिंदी मिलेगी वह अंग्रेजों के जमाने की हिंदी की गद्य पुस्तकों में नहीं मिलेगी. फारसी अरबी का आवरण हटाकर अगर उर्दू की गद्य पुस्तकें पढ़ी जायं तो हिंदी का स्वरूप वहाँ भी देखने को मिल जायेगा. रसखान के ये रस भरे शब्द देखिये—

कहालों सयानी चंद हाथन छिपायवो
आजहाँ निहारो वीर, निपट कलिंदी तीर
दाऊनको दाऊन ते मुख मुसकायवो
दोनों परें पड़ियाँ, दाऊन लेत हैं बलैया
इन्हें भूल गई गइयाँ, उन गागर उठावो ॥

चांद को हाथ से छिपाना मुहावरा है. बलैयाँ लेना मुहावरा है. भूल गई गइयाँ, मुहावरा है. यह सब मुहावरे उर्दू में मिलेंगे. और तो और, मुहावरा शब्द के लिए विशुद्ध हिंदी की दुहाई देने वालों के पास दूसरा शब्द भी नहीं है. आश्चर्य है इन्होंने "मुहावरा" का बाइकाट नहीं किया !! मुहावरा तो अरबी शब्द है.

ایک بار ایر کنڈیشنڈ ڈبے میں بیٹھے ہوئے کچھ پندت 'ایر کنڈیشنڈ' کے لئے ہندی شبد ڈھونڈ رہے تھے. گھنٹوں مریز مارنے پر بھی وہ ایسا شبد نہ کھوج پائے جس پر سب سہمت ہو جاتے. پر جسے ہی وہ گاڑی سے نیچے اترے اور جسے ہی انہوں نے اپنے چار برس کے بچے سے کسی معمولی چیز کے لئے پوچھا کہ وہ کہاں گئی تو وہ جواب دیتا ہے—"وہ تو ٹھنڈی گاڑی میں وہیں گر گئی." پندت ایک دوسرے کا منہ تاکنے لگے. بچے کے پاس اس 'ایر کنڈیشنڈ ڈبے' کا شبد ہندی کے سرورپ کے انوسار بنا بنایا تیار تھا.

جس طرح آدمی پورا بنا ہے ویسے ہی ہر بھاشا اپنے آپ میں پوری ہے. بند کرنے سے وہی بھاشا ادھوری ہو جاتی ہے. انگریزی کی ڈکشنری کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ملے جس میں دو چار ہندستانی شبد نہ ہوں. مگر ہوں گے وہی جو انگریزوں کو بولنے میں آسان پڑیں اور جو اُسی کے مقابلے کے انگریزی شبد سے ہر طرح چھوٹے اور سہم ہوں.

ہندی کا سرورپ انگریزی راجیہ کے سمے کی بنی ہوئی کتابوں میں بہت کم دیکھنے کو ملیگا. اس کا کارن یہ ہے کہ ہندی میں اُن دنوں جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ ادھکتر اُردو کو بائیکاٹ کرکے لکھی گئیں. بائیکاٹ پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندی کے سب محاورے اُردو والوں کے حصے میں آگئے اور ہندی والوں کے لئے کچھ نہ بچ رہا. اب ہندی کا 'سرورپ' کہاں کیا ؟ ہندی کا سرورپ دیکھنے کو ملیگا اُردو میں, پر وہاں وہ مولویوں کی مدد سے عربی فارسی کے تفسیر میں چھپ گیا. ہندی میں بھی ہندی کے سرورپ کے دشمن ہوسکتے ہوں پر وہ سب ملیگا پدیہ پستکوں میں. جتنے ہندی کوئی ہونے میں اُن میں سے کسی کو پڑے جائے. اور تو اور مسلمان کوئی رسکھان کو لے لیجئے. اُس کے کیت میں جو 'سرورپ' لگے ہوئے ہندی ملے گی وہ انگریزوں کے زمانے کی ہندی کی گدیہ پستکوں میں نہیں ملے گی. فارسی عربی کا اُردو ہٹاؤ اگر اُردو کی گدیہ پستکیں پڑھی جائیں تو ہندی کا سرورپ وہاں بھی دیکھنے کو مل جائیگا. رسکھان کے یہ رس بھرے شبد دیکھئے—

کہالوں سیانی چند غائبان چھپائو
آج ہوں تہارو دیو. نہٹ کلندی تیر
دوروں کو دوروں تے مکھ مسکایو
دوروں پریں پیاں, دوڑ لیت میں بلیاں
انہیں بھول گئی گڈیاں, اُن لاگڑ آٹھائو.

چاند کو ہاتھ سے چھپانا محاورہ ہے. بلیاں لینا محاورہ ہے. بھول گئی گڈیاں, محاورہ ہے. یہ سب محاورے اُردو میں ملیں گے. اور تو اور, محاورے شبد کے لئے وشبہ ہندی کی دوہائی دینے والوں کے پاس دوسرا شبد ہی نہیں ہے. اُشجہ یہ ہے انہوں نے 'محاورہ' کا بائیکاٹ نہیں کیا !! محاورہ تو عربی شبد ہے.

लिये फारसी पढ़ना जरूरी हो गया; अरबी की जानकारी जरूरी हो गई. इधर हिन्दी का वह रूप दिया जिसके लिये संस्कृत पढ़ना जरूरी हो गया. आज जिस तरह की हिन्दी चल रही है और राष्ट्रभाषा का जो रूप हमारे सामने आ रहा है वह ऐसा ही है जो बगैर दूसरी भाषा को सीखे पूरा पूरा नहीं समझा जा सकता और यही कहलाता है भाषा के स्वरूप को बिगाड़ना.

भाषा के स्वरूप के बने रहने में सब से बड़ा फायदा यह है कि वह सरल बनी रहेगी, लोकशाही के काम की होगी. उसके फैलने में सुभीता होगा. नेताओं के पैदा करने में तो वह पूरी तरह ऐसी फलदायक सिद्ध होगी, जैसे हरियाली के पैदा करने में बरसात. सन 1921 में कांग्रेस ने जैसे ही अंगरेजी की जकड़ को ढीला किया वैसे ही हिन्दी ने सारे हिन्दुस्तान पर अपनी हुकूमत जमा दी और तीन महीने के अन्दर बारह बारह बरस के लड़के जगह जगह नेता बन बैठे और राजनीतिक मामलों में ऐसे ऊँचे दर्जे के व्याख्यान देने लगे जितने ऊँचे दर्जे के व्याख्यान वह प्रेजुएट भी नहीं दे सकते थे जो बरसों से कांग्रेस की सेवा करते आ रहे थे. अगर गांधी जी ने हिन्दी को यह छूट न दी होती तो क्या कुछ ही महीनों में देश के कोने कोने में स्वराज की बात फैलाई जा सकती थी? सन 1921 में साल भर में स्वराज देने की प्रतिज्ञा गांधी जी ने की थी. इसके लिये जरूरी था कि हिन्दी का 'स्वरूप' कायम रखा जाये, नहीं तो साल भर में किसी और दूसरी भाषा के जरिये से स्वराज शब्द भी हिन्दुस्तान के कोने कोने में नहीं पहुँचाया जा सकता था.

पंजाबियों ने टाइपिस्ट के लिए शब्द बनाया है—टपटपिया. यह है पंजाबी भाषा का स्वरूप. कितना छोटा और मीठा शब्द बना! गहरा सोचने पर यह तरीका यह भी बताता है कि हमारे ऋषि मुनि इसी तरह शब्द बनाते थे. संस्कृत की बहुत सी धातुएं इसी तरह बनीं. यही हाल लेटिन और ग्रीक का है और यही हाल हिन्दी का है. हिन्दी के शब्द काका, बाबा, चाचा, दादा, नाना कितने आसान और प्यारे शब्द हैं. ऐसे मालूम हाते हैं मानों किसी बच्चे ने बनाए हों और अजब नही ये बच्चों ही के बनाए हुए हों. हमारे बच्चे बिना सिखाये पानी को पापा कहने ही तो लगते हैं! पंजाबी का 'टपटपिया' शब्द भी हिन्दी वाले अपनानें तो कितना अच्छा हो. पर जिन पंडितों के सिरों में पंडिताऊ शब्दों ने ही जगह ले रखी है वह इस 'टपटपिया' शब्द को कब पास फटकने देंगे?

पंजाबियों का 'शॉर्ट हैन्ड' के लिये शब्द है 'खिचिमिचि'. पर हिन्दी में शॉर्ट हैन्ड के लिए है संस्कृत से उधार लिया शीशलिपि, आशुलिपि, हस्तलाघव इत्यादि!

لئے فارسی پڑھنا ضروری ہو گیا؛ عربی کی جانکاری ضروری ہو گئی. ادھر ہندی کو وہ روپ دیا جس کے لئے سنسکرت پڑھنا ضروری ہو گیا. آج جس طرح کی ہندی چل رہی ہے اور راشتر بهاشا کا جو روپ ہمارے سامنے آ رہا ہے وہ ایسا ہی ہے جو بغیر دوسری بهاشا کو سمجھ پورا پورا نہیں سمجھا جاسکتا اور یہی کہلانا ہے بهاشا کے سروپ کو بگاڑنا.

بهاشا کے سروپ کے بنے رہنے میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ سول بنی رہے گی، لوگ شاہی کے کام کی ہوگی. اُس کے پھیلنے میں سوبھیتا ہوگا. نیتائوں کے پیدا کرنے میں تو وہ پوری طرح ایسی پھل دانک سند ہوگی، جسے ہریالی کے پیدا کرنے میں ہرسات. سن 1921 میں کانگریس نے جیسے ہی انگریزی کے چکر کو ڈھیلہ کیا ویسے ہی ہندی نے سارے ہندوستان پر اپنی حکومت جما دی اور تین مہینے کے اندر بارہ بارہ برس کے لڑکے جگہ جگہ نوجوا بن بیٹھے اور راجنیتک معاملوں میں ایسے اونچے درجے کے دیکھان دینے لگے جتنے اُنچے درجے کے دیباہیان و گرجھوٹ بھی نہیں دے سکتے تھے جو پوسن کے کانگریس کی سیوا کرتے آ رہے تھے. اگر گاندھی جی نے ہندی کو یہ چھوٹ نہ دی ہوتی تو کیا کچھ ہی مہینوں میں دیش کے کونے کونے میں سوراج کی بات پھیلانی جا سکتی تھی؟ سن 1921 میں سال بھر میں سوراج دینے کی پرنٹریاں گاندھی جی نے کی تھیں. اُس کے لئے ضروری تھا کہ ہندی کا 'سروپ' قائم رہنا چاہئے. نہیں تو سال بھر میں کسی اور دوسری بهاشا کے ذریعہ سے سوراج شدید بھی ہندوستان کے کونے کونے میں نہیں پہونچا جا سکتا تھا.

پنجابیوں نے ٹائپسٹ کے لئے شبد بنایا ہے—ٹپ ٹپیا. یہ ہے پنجابی بهاشا کا سروپ. کتنا چھوٹا اور میٹھا شبد بنا! گہرا سوچنے پر یہ طریقہ یہ بھی بتا ہے کہ ہمارے رشی مہن اسی طرح شبد بناتے تھے. سنسکرت کی بہت سی دھاتوں میں اسی طرح بنیں. یہی حال لیٹن اور گریک کا ہے اور یہی حال ہندی کا ہے. ہندی کے شبد 'کاا', 'بابا', 'چاچا', 'دادا' اتنا کٹے آسان اور پیارے شبد نہیں. ایسے معلوم ہوتے ہیں مانو کسی بچے نے بگئے ہوں اور عجب نہیں یہ بچوں ہی کے بگئے ہوتے ہوں. ہمارے بچے ہذا سکھانے پانی کو پاپا کہنے ہی تو لگتے ہیں! پنجابی کا 'ٹپ ٹپیا' شبد بھی ہندی والے اُنڈالیں تو کتنا اچھا ہو. ہر جن پنڈتوں کے سروں میں پنڈتاؤ شبدوں نے ہی چکے لے رکھی ہے وہ اِس 'ٹپ ٹپیا' شبد کو کب پاس پھٹکے دینگے؟

پنجابیوں کا 'شارٹ ہینڈ' کے لئے شبد ہے 'لہچی لہچی'. پر ہندی میں شارٹ ہینڈ کے لئے ہے سنسکرت سے اُٹھار لیا شکر لہچی، اشو لہچی، ہست لہجو اٹھادی!

(پرتیبہ) کی مدد سے ایک معلوم نہیں کیا جاتا ہے اور مول شبد کے روپ کو بگڑنے نہیں دیتے۔ ایسی صفت سنسکرت بھاشا کو پراپت ہے۔ پس وہ سنسکرت پر مکھ ہوگئے اور انہوں نے اس کی مدد سے سمودھان گڑھ ڈالا۔ انہیں یہ تک یاد نہ رہا کہ سمودھان میں ہی ایک ایسی دھارا موجود ہے جو انہیں ایسا کرنے سے روکتی ہے !! انوادکوں سے اس ہندی میں انواد چلا گیا تھا جو آخر بھارت میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اور انواد ہوا اس بھاشا میں جو نہیں بولی سمجھی نہیں جاتی !!

یہ پختاؤ بھاشا اگر سمودھان تک ہی سمیت رہتی تو کچھ برا نہ ہوتا۔ یہ تو پالی کی طرح ہر چیز میں اپنے پاؤں بڑھانے لگی اور جو سمودھان میں ہی تھیک تھیک نہ سمائی تھی وہ راشٹر بھاشا بن کر دیہ میں سامنے کی سوچنے لگی۔ یہ ایک طرح سے ہندی بھاشا کے سروپ پر ہی اکھٹ کرنا تھا۔

پانیانی نے سنسکرت کے لیے व्याकरण رचा ہے، شब्द نہیں گدے ہیں۔ व्याकरण شब्द نہیں گدا کرتے۔ وہ تو سیکر ان نیاموں کو شکٹا کر دتے ہیں جو کسی باہا میں کام آ رہے ہیں۔ अनुवादक बैसा नहीं करता। उसे कहीं कहाँ शब्द बनाने भी पड़ते हैं। उसे चाहिये कि वह उसी भाषा के शब्द भंडार और नियमों से काम ले जिस भाषा में उसे अनुवाद करने के लिये कहा जाये। संविधान के बारे में ऐसा नहीं हुआ। अनुवाद हिन्दी में किया गया, मद्द संस्कृत शब्दों और संस्कृत व्याकरण से ली गई। यह भाषा के साथ जबरदस्त अन्याय हो गया। हो गया तो, हो गया, पर इससे भी बड़ी मुश्किल यह हा गई कि अन्याय खुद समय का नियम बन बैठा और अब हिन्दी भाषा 'स्वरूप' को ही छोड़, 'पर रूप' लेकर कुरूप बनने पर उतर आई। फिर तो भाषा के स्वरूप का सवाल छिड़ना ही था।

किसी भाषा के स्वरूप को बनाये रखने के लिये यह बहुत जरूरी है कि जो विदेशी शब्द अपनाये जायें या जो भी शब्द बाहर से लिये जायें वह सब के सब आकार प्रकार और ध्वनि में ऐसे तो हो ही जायें जो उस भाषा में पराये होकर न चमकें, नहीं तो वह कांटे की तरह खटकेंगे। दूसरे यह भी खयाल रखना पड़ेगा कि विदेशी शब्द विदेशी व्याकरण लेकर तो नहीं घुस गये ? क्योंकि ऐसा होने से भाषा का स्वरूप तो बिगड़ेगा ही, भाषा क्लिष्ट भी हो जायेगी।

राष्ट्रभाषा का स्वरूप बनाये रखने के लिये यह भी जरूरी है कि भाषा ऐसी न होने पाये जिसे सीखने के लिये कोई दूसरी भाषा और सीखनी पड़े। अंगरेजों ने हिन्दुस्तानी भाषा के साथ यही तो जुल्म किया। एक ओर उन्होंने उर्दू खड़ी की और उसका वह रूप दिया जिसका समझने के

یہ پختاؤ بھاشا اگر سمودھان تک ہی سمیت رہتی تو کچھ برا نہ ہوتا۔ یہ تو پالی کی طرح ہر چیز میں اپنے پاؤں بڑھانے لگی اور جو سمودھان میں ہی تھیک تھیک نہ سمائی تھی وہ راشٹر بھاشا بن کر دیہ میں سامنے کی سوچنے لگی۔ یہ ایک طرح سے ہندی بھاشا کے سروپ پر ہی اکھٹ کرنا تھا۔

پانیانی نے سنسکرت کے لئے व्याकरण रचा है, शब्द नहीं गदें हैं। व्याकरण शब्द नहीं गदा करते। वह तो सिर्फ़ उन नियमों को इकट्ठा कर देते हैं जो किसी भाषा में काम आ रहे हैं। अनुवादक बैसा नहीं करता। उसे कहीं कहाँ शब्द बनाने भी पड़ते हैं। उसे चाहिये कि वह उसी भाषा के शब्द भंडार और नियमों से काम ले जिस भाषा में उसे अनुवाद करने के लिये कहा जाये। संविधान के बारे में ऐसा नहीं हुआ। अनुवाद हिन्दी में किया गया, मद्द संस्कृत शब्दों और संस्कृत व्याकरण से ली गई। यह भाषा के साथ जबरदस्त अन्याय हो गया। हो गया तो, हो गया, पर इससे भी बड़ी मुश्किल यह हा गई कि अन्याय खुद समय का नियम बन बैठा और अब हिन्दी भाषा 'स्वरूप' को ही छोड़, 'पर रूप' लेकर कुरूप बनने पर उतर आई। फिर तो भाषा के स्वरूप का सवाल छिड़ना ही था।

کسی بھاشا کے سروپ کو بنانے رکھنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ جو ودیشی شبد اپنائے جائیں یا جو ہی شبد باہر سے لئے جائیں وہ سب کے سب آکر پروکار اور ودیشی میں ایسے تو ہو ہی جائیں جو اس بھاشا میں نہ لگے ہو کہ نہ چمکے، نہیں تو وہ کاٹھے کی طرح کھٹکےں گے۔ دوسرے یہ بھی خیال رکھنا پڑے گا کہ ودیشی شبد ودیشی ویاکرن لیکر تو نہیں گھس گئے ؟ کیونکہ ایسا ہونے سے بھاشا کا سروپ تو بگڑے گا ہی، بھاشا کلمٹ ہی ہو جائیگی۔

راشٹر بھاشا کا سروپ بنانے رکھنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بھاشا ایسی نہ ہونی چاہئے جسے سیکھنے کے لئے کوئی دوسری بھاشا اور سیکھنی پڑے۔ انگریزوں نے ہندوستانی بھاشا کے ساتھ یہی تو ظلم کیا۔ ایک اور انہوں نے اردو بھاشی کی۔ اور اس کو وہ روپ دیا جسکو سمجھنے کے

یہ پختاؤ بھاشا اگر سمودھان تک ہی سمیت رہتی تو کچھ برا نہ ہوتا۔ یہ تو پالی کی طرح ہر چیز میں اپنے پاؤں بڑھانے لگی اور جو سمودھان میں ہی تھیک تھیک نہ سمائی تھی وہ راشٹر بھاشا بن کر دیہ میں سامنے کی سوچنے لگی۔ یہ ایک طرح سے ہندی بھاشا کے سروپ پر ہی اکھٹ کرنا تھا۔

संविधान बेवक़्त बना। यही हाल पार्लिमेन्ट का हुआ। वह भी बेवक़्त बनी पर ऐसा हुये बिना हिन्दुस्तान आजाद भी नहीं हो सकता था, जिस तरह दांत साफ़ करने के लिये दांतों को और काला करना पड़ता है, जिस तरह बरतनों को साफ़ करने के लिये उनको मटियाना पड़ता है उसी तरह हिन्दुस्तानियों को अंगरेजों के राज की गन्दगी दूर करने के लिये इन संविधान और पार्लियामेन्ट से काम लेना पड़ा। हिन्दुस्तान का संविधान यानी हिन्दुस्तान की जनता का संविधान अंगरेजी में कैसा ? हिन्दुस्तान की किसी भाषा में होना चाहिये था। हिन्दुस्तान में एक भाषा ऐसी थी जो थोड़ी बहुत हर जगह समझी जाती थी। पार्लिमेन्ट के उन इने गिने लोगों के लिये, जो उस भाषा को नहीं समझते थे, अंगरेजी में अनुवाद करके समझाया जा सकता था। पर यह सीधा रास्ता न अपनाकर अंगरेजी में संविधान रचकर देढ़ा रास्ता क्यों अपनाया गया ? इसका जवाब सीधा सादा है। हम भारतवासियों की गर्दन बर्तानिया के पंजे में फंसी हुई थी। संविधान उतना हमें समझाने के लिये नहीं बना जितना उस बर्तानिया के समझाने के लिये जिसके पंजे में हमारी गर्दन थी।

अगर हमारा संविधान हिन्दी में तैयार हुआ होता तो भाषा के स्वरूप का सवाल ही न उठता। यह सवाल तो उठाया उस अनुवाद ने जो अंगरेजी के कांस्टीट्यूशन का सरकार की तरफ से किया गया। अंगरेजी का कांस्टीट्यूशन सामने आते ही पंडितों की बाछें खिल गयीं और उन्होंने ऐसी तरकीब निकाल ली कि वह रात सलत जो कुछ भी लिख दें वेद वाक्य की तरह प्रमाण माना जाये, इसलिये उन्होंने ऐसी भाषा का सहारा लिया जिसे पार्लिमेन्ट का शायद ही कोई मेम्बर ठीक ठीक समझता हो। कुछ लोगों का यह कहना है कि जिसने संविधान हिन्दी में अनुवाद किया है वह अगर उसी अनुवादित हिन्दी से फिर से अंगरेजी में अनुवाद करके दिखला दे तो वह हज़ारों की शत लगाने के लिये तैयार हैं ! हमारा यह खयाल है कि उनकी इस चुनौती को अनुवादक स्वीकार करने के लिये तैयार नहीं।

बी०बी०सी० से एक बार किसी फ़्रान्सीसी डा़मा का हिन्दी अनुवाद ब्राह्मकास्ट हुआ था। अनुवादक का दावा था कि वह उस डा़मा के सब रूपों को हिन्दुस्तानी में निभायेगा। यहां तक कि अनुप्रास की सुन्दरता को भी हाथ से नहीं जाने देगा। दो एक हफ्ते उसने अच्छा निभाया पर आगे उसे हार माननी पड़ी और खालिस हिन्दुस्तानी का सहारा लेना पड़ा। संविधान के अनुवादकों के सामने भी एक ऐसी ही टेढ़ी बात आ गई और वह थी अंगरेजी शब्दों की यह खूबी कि वह प्रिफ़िक्स (उपसर्ग) और सफ़िक्स

समोहान पे वक़्त बना। यही हाल पार्लियामेन्ट का हुआ। वह भी बेवक़्त बनी पर ऐसा हुये बिना हिन्दुस्तान आजाद भी नहीं हो सकता था, जिस तरह दांत साफ़ करने के लिये दांतों को और काला करना पड़ता है, जिस तरह बरतनों को साफ़ करने के लिये उनको मटियाना पड़ता है उसी तरह हिन्दुस्तानियों को अंगरेजों के राज की गन्दगी दूर करने के लिये इन संविधान और पार्लियामेन्ट से काम लेना पड़ा। हिन्दुस्तान का संविधान यानी हिन्दुस्तान की जनता का संविधान अंगरेजी में कैसा ? हिन्दुस्तान की किसी भाषा में होना चाहिये था। हिन्दुस्तान में एक भाषा ऐसी थी जो थोड़ी बहुत हर जगह समझी जाती थी। पार्लिमेन्ट के उन इने गिने लोगों के लिये, जो उस भाषा को नहीं समझते थे, अंगरेजी में अनुवाद करके समझाया जा सकता था। पर यह सीधा रास्ता न अपनाकर अंगरेजी में संविधान रचकर देढ़ा रास्ता क्यों अपनाया गया ? इसका जवाब सीधा सादा है। हम भारतवासियों की गर्दन बर्तानिया के पंजे में फंसी हुई थी। संविधान उतना हमें समझाने के लिये नहीं बना जितना उस बर्तानिया के समझाने के लिये जिसके पंजे में हमारी गर्दन थी।

अगर हमारा संविधान हिन्दी में तैयार हुआ होता तो भाषा के स्वरूप का सवाल ही न उठता। यह सवाल तो उठाया उस अनुवाद ने जो अंगरेजी के कांस्टीट्यूशन का सरकार की तरफ से किया गया। अंगरेजी का कांस्टीट्यूशन सामने आते ही पंडितों की बाछें खिल गयीं और उन्होंने ऐसी तरकीब निकाल ली कि वह रात सलत जो कुछ भी लिख दें वेद वाक्य की तरह प्रमाण माना जाये, इसलिये उन्होंने ऐसी भाषा का सहारा लिया जिसे पार्लिमेन्ट का शायद ही कोई मेम्बर ठीक ठीक समझता हो। कुछ लोगों का यह कहना है कि जिसने संविधान हिन्दी में अनुवाद किया है वह अगर उसी अनुवादित हिन्दी से फिर से अंगरेजी में अनुवाद करके दिखला दे तो वह हज़ारों की शत लगाने के लिये तैयार हैं ! हमारा यह खयाल है कि उनकी इस चुनौती को अनुवादक स्वीकार करने के लिये तैयार नहीं।

बी० बी० सी० से एक बार किसी फ़्रान्सीसी डा़मा का हिन्दी अनुवाद ब्राह्मकास्ट हुआ था। अनुवादक का दावा था कि वह उस डा़मा के सब रूपों को हिन्दुस्तानी में निभायेगा। यहां तक कि अनुप्रास की सुन्दरता को भी हाथ से नहीं जाने देगा। दो एक हफ्ते उसने अच्छा निभाया पर आगे उसे हार माननी पड़ी और खालिस हिन्दुस्तानी का सहारा लेना पड़ा। संविधान के अनुवादकों के सामने भी एक ऐसी ही टेढ़ी बात आ गई और वह थी अंगरेजी शब्दों की यह खूबी कि वह प्रिफ़िक्स (उपसर्ग) और सफ़िक्स

जितनी वह मराठी में चमकती है उतनी श्रीरों में नहीं। हिन्दी में भी यह खासियत थी तभी तो रामायण में दो सौ पचास फारसी शब्द इस तरह समा गये जिस तरह आटे में नमक, कि वह रस देते हैं पर अपना अस्तित्व खोये हुये हैं। हिन्दी की यह खासियत उन लोगों ने खो दी जो शब्द और उच्चारण की शुद्धता पर जोर देने लगे। जब भाई को 'भ्राता', भानजे को 'भगनिज' और देवर को 'द्विवर' कहने की बीमारी चल पड़ेगी तो हिन्दी न जाने क्या रूप ले लेगी !

राष्ट्र भाषा का जो स्वरूप सारे हिन्दुस्तान में फैला वह यूँ ही नहीं फैल गया। हिन्दी में लिखी अगर सब किताबें इकट्ठा की जायें और उनके आधार पर कोई व्याकरण तैयार किया जाये तो हज़ार पंडित भी हज़ार बरस की उमर लेकर हज़ार बरस में तैयार नहीं कर सकते। हिन्दी का लिंग भेद और हिन्दी के विशेषण बनाने की रीतियाँ कुछ ऐसी हैं जो व्याकरण बनाते समय क़ायू से बाहर हो जाती हैं। यह हमारे शब्द नहीं हैं। उन व्याकरण बनाने वालों के शब्द हैं जिन्होंने इस काम में अपनी उन्नति बिता दी है। हिन्दी की यह, चाहे इसे आज़ादी कहाँ, चाहे उच्छृङ्खलता, ऐसी चीज़ है जो हिन्दी के फैलने में बड़ी सहायक साबित हुई। तारा के पत्तों का ले लीजिये, इक्का, डुरी, तिरी, चौवा, पंजा, छक्का, सत्ता, अट्ठा, नहला, दहला—दस तक का कोई पचा व्याकरण के क़ायदे से नही बना। नहला, दहला साफ़ फ़ारसी शब्द हैं। इसे छोड़िये, पंजी के दूसरे रूँ लाजिये—इक्की, दुक्की, तिसकी, चौको, पंजी, छक्की, सत्ता, अट्ठी, नहली, दहली, इक्की और भी कई रूप हैं। छक्की चौसर में जाकर छक्की बन गई है। इक्का 'पी' बन गया है। कहीं कहीं नहला, नौवा बोला जाता है और फिर लुप्त। यह एक इन सब रूपों का भी बिना सिखाये बच बच इतना जल्दी साख लेते हैं कि सब दाँत तले उगली दबाते रह जाते हैं। विदेशी जहाँ हिन्दी का व्याकरण देखकर घबराता है वहाँ हिन्दी भाषियों में रहकर हिन्दी साखन में सुख मानता है और बड़ी जल्दी साख जाता है। यह हम अन्दाज़े से नहीं कह रहे। यह कुछ चीनियों, अमरीकियों और रूसियों के शब्द हैं और हैं कुछ यूरोपवासियों के शब्द। उन्हीं का कहना है कि हिन्दी बाली तो है आसान पर हिन्दी व्याकरण मुश्किल।

असल में राष्ट्रभाषा की लोकशाही सिफ़त बनाये रखने के लिये हर एक आदमी का यह धर्म होना चाहिये कि वह उसके स्वरूप का ध्यान रखे. वह किसी तरह भी उसके "अपने रूप" को न बिगड़ने दे.

भाषा के स्वरूप को लेकर जो एक बड़ा तूफान खड़ा हो गया है उसका कारण है हिन्दुस्तान का संविधान और उससे भी बढ़कर दूसरा कारण है हिन्दुस्तान की पार्लिमेन्ट.

جتنی وہ مراٹھی میں چمکتی ہے اتنی اردو میں نہیں۔ ہندی میں بھی یہ خاصیت تھی تبھی تو رامائن میں دو سو پچاس فارسی شبد اس طرح سما گئے جس طرح آٹے میں نمک، کہ وہ اس دیتے ہیں پر اپنا استگو کہوئے ہوئے ہیں۔ ہندی کی یہ خاصیت اُن لوگوں نے کہو دی جو شبد اور اچار کی شدھنا پر زور دیتے آئے۔ جب بھائی نو، بھراتا، بھانجے کو 'بھگ نبھ' اور دبیر کو 'دبیرور' کہتے کی بیماری چل پڑے گی تو ہندی نہ جانے کیا روپ لے لیگی !

راشتر بھاشا کا جو سروپ سارے ہندستان میں پھیلا رہا ہے یونہی نہیں پھیل گیا۔ ہندی میں لکھی اگر سب کتابیں اکتھا کی جائیں اور ان کے آدھار پر کوئی ویاکرن تیار کیا جائے تو ہزار پخت بھی ہزار برس کی عمر لے کر ہزار برس میں تیار نہیں کر سکتے۔ ہندی کا لنگ بھد اور ہندی کے وشیش بنانے کی ریتیاں کچھ ایسی ہیں جو ویاکرن بنانے سے قابو سے باہر ہو جاتی ہیں۔ میں۔ یہ ہمارے شبد نہیں ہیں۔ ان ویاکرن بنانے والوں کے شبد ہیں جنہوں نے اس کام میں اپنی عمر بٹا دی ہے۔ ہندی کی یہ، چاہے اسے آزادی کہو، چاہے اچھوتہ نہلا، ایسی چیز ہے جو ہندی کے پھیلنے میں بڑی سہانک ثابت ہوئی۔ ناش کے پتوں کو لے لیجئے۔ 'کا، 'تری، 'چرا، پنچہ، چھکا، ستا، اٹھا، نہلا، دھلا۔ دس تک کا کوئی پتہ ویاکرن کے قاعدہ سے نہیں بنا۔ نہلا، دھلا، صاف فارسی شبد ہیں۔ اسے چھوڑ، انہوں نے دوسرے روپ لیجئے۔ آئی، دہی، تکی، چوکی، پنچے، چکی، ستی، اٹھی، نہلی، دہلی۔ اس نے اور بھی کئی روپ ہیں۔ چکی چوسر میں جاکر چھوڑی بن گئی ہے۔ 'کا، 'پو، بن گیا ہے۔ کہیں کہیں نہلا، نوا، بولا جانا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ان سب روپوں کو بھی بنا سکتے ہیں۔ اتنی جلدی سیکھ لیتے ہیں کہ سب دانت تلے انکئی دباؤ رہ جاتے ہیں۔ ودیشی جہاں ہندی کا ویاکرن دیکھ کر کھجورانا ہے وہاں ہندی بھاشوں میں رہ کر ہندی سیکھنے میں سیکھ مانتا ہے اور بڑی جلدی سیکھ جاتا ہے۔ یہ ہم آوازہ سے نہیں کہہ رہے۔ یہ کچھ چینہوں، امریکیوں اور روسوں کے شبد ہیں اور میں کچھ یورپ واسیوں کے شبد۔ انہیں کا کہنا ہے کہ ہندی ہولی تو ہے آسان پر ہندی ویاکرن مشکل۔

اصل میں راشٹر پھشا کی لوک شاہی صفت بنائے رکھنے کے لئے ہر ایک آدمی کا یہ دھرم ہونا چاہئے کہ وہ اُس کے سروپ کا دھیان رکھے۔ وہ کسی طرح بھی اُس کے ”اپنے روپ“ کو نہ بگڑے نہ۔

بہاشا کے سرورپ کو لیکر جو ایک بڑا طوفان کھڑا ہو گیا ہے اُس کا کارن ہے ہندستان کا سمودھان اور اُس سے یہ کہ دوسرا کارن ہے ہندستان کی پارلیامینٹ۔

मानते हैं। किसी भाषा में दूसरी भाषा के शब्दों का बाहुल्य देखकर यह कह बैठना भी गलत है कि वह भाषा उस भाषा से निकली है, जिस तरह आदिमियों के हाथ पांव जानवरों से न मिलने की वजह से हम उनको अलग मानते हैं वैसे ही भाषा का व्याकरण यह तय कर देता है कि उसका उस भाषा से निकास है या नहीं है जिस भाषा के शब्दों का बाहुल्य उसमें है।

हिन्दी भाषा का व्याकरण संस्कृत भाषा से मेल नहीं खाता—हिन्दी में दो लिंग, संस्कृत में तीन, हिन्दी में दो वचन संस्कृत में तीन, हिन्दी कर्तृवाच्य प्रधान, संस्कृत कर्मवाच्य प्रधान, हिन्दी अस्मादास प्रधान, संस्कृत समास प्रधान और समास विशेषता वाली, हिन्दी की क्रिया में लिंग विचार, संस्कृत की लिंग रहित, इत्यादि, इत्यादि।

थोड़े शब्दों में हिन्दी का व्याकरण संस्कृत से मेल नहीं खाता, इसलिए हिन्दी संस्कृत से निकली हुई भाषा नहीं, यह स्वतंत्र भाषा है, यह कितनी पुरानी है—यह शोध का विषय है, उस भाषा का क्या नाम था जाँ इस तरह का रूप लेकर हिन्दु-स्तानी हिन्दो बन गई—सब्र के साथ खोज करने से पता लग सकता है, हमारी यह बात अगर साध हो जाये तो हिन्दी को संस्कृतमय बनाने की बात लोगों को फिर न सुमे और राष्ट्रभाषा के स्वरूप का बखेड़ा एकदम कम हो जाये,

आज अगर किसी तरह हिन्दी भाषा का वह रूप जो अंग्रेजों के न आने की सूरत में हिन्दुस्तानी जनता अपने आप तैयार करती, सामने रखा जा सके तो वह इतना भोंडा जंचे कि आज के हिन्दी भक्त एक स्वर से चिल्ला उठें—“रोको, रोको; यह गंवारू भाषा है。” पर इस लोकशाही के युग में राष्ट्रभाषा ऐसा रूप लेकर रहेगी जिससे बहुतां को नाक भौं सिकोड़ने पड़ेंगे। तभी तो वह अपनी सच्ची जगह ले सकेगी। वृषे छिपे क्या आज इस बात पर नाक भौं नहीं सिक्कते कि अमीरों के साथ गरीब भी संसद की कुरसी पर बैठे होते हैं और विद्वानों के साथ अपढ़ भी बिराजमान रहते हैं, कुलीनों के साथ इतर लोग, कुलीनी की अकड़ लेकर बैठते हैं ? जिस तरह और विभागों में लोकशाही की जरूरत है ठीक उसी तरह और उससे कहीं ज्यादा, भाषा के मामले में लोकशाही जरूरी है। लोकशाही का अर्थ ही है—सरलता, सादगी, ईमानदारी, भलमनसी, भाईवंदी। भाषा में यही सब बातें सुगमता, व्याकरण की सरलता, रिजुता, देश भर के शब्दों का मेल—नाम पाते हैं।

मराठी में एक विशेषता है कि वह दूसरी भाषा के शब्दों को अपनाकर ऐसा रूप दे लेती है कि हर एक के लिये यह आसान काम नहीं रह जाता कि वह जल्दी से उस विदेशी शब्द को पकड़ सके. यह खासियत हिन्दुस्तान की गुजराती, पंजाबी इत्यादि और भाषाओं में भी है. पर

مانتے ہیں۔ کسی بھاشا دوسری بھاشا کے شدیدوں کا باعولوبہ دیکھ کر یہ کہ بیہتینا بھی غلط ہی کہ وہ بھاشا اس بھاشا سے نکلی ہے۔ جس طرح آدمیوں کے ہاتھ پاؤں جانوروں سے نہ ملنے کی وجہ سے ہم ان کو الگ مانتے ہیں ویسے ہی بھاشا کا ویاکرن یہ طے کر دیتا ہے کہ اُس کا اُس بھاشا سے نکلس ہے یا نہیں ہے جس بھاشا کے شدیدوں کا باعولوبہ اس میں ہے۔

ہندی بھاشا کا ویاکرن سنسکرت بھاشا سے میل نہیں کھاتا۔
—ہندی میں دو لنگ، سنکرت میں تین، ہندی میں دو وچن
سنسکرت میں نہیں، ہندی کتوبہ واجیہ پردھان، سنسکرت کرم
واجیہ پردھان، ہندی اساس پردھان، سنسکرت اساس پردھان
اور اساس شیشٹا، والی، ہندی کی کربا میں لنگ وچا،
سنسکرت کی کربا لنگ رھت، آنیادی آنیادی ۔

تہذیب و تمدن میں ہندی کا ویاہرن سنسکرت سے ملتا ہے۔ اس لئے ہندی سنسکرت سے نکلی ہوئی ہوا ہے۔ یہ سنسکرت ہوا ہے۔ یہ کتنی پرانی ہے۔ یہ شہرہ کاوش ہے۔ اس ہوا کا کیا نام تھا جو اس طرح کا روپ لیکر ہندوستانی ہوا بن گئی۔ صدر کے ساتھ ہوا کے لئے لگ سکتا ہے۔ ہمارے ہاں بات کا صاف ہوجانے تو ہندی کو سنسکرت سے بنانے کی بات لوگوں کو پھر نہ سوجھے اور راجندر ہوا کے سرور کا پیکر ایک دم ہوجائے۔

آج کسی طرح ہندی بھاشا کا وہ روپ جو انگریزوں کے نہ آنے کی ضرورت میں سندستانی جتنا اپنے آپ تیز کرتی، سامنے رکھا جاسکے تو وہ اتنا ہیوندرا جنچے کہ آج کے ہندی بھکت ایک سو سے چلا اٹھوں۔ ”روکو، رکو، یہ گنوار بھاشا ہے۔“ پر اس لوک شافی کے یک میں رشتہ بھاشا ایسا روپ لے کر رہی جس سے بہتوں کو ناک بھوں سکڑنے پڑیں گے۔ تبھی تو وہ اپنی سچی جگہ اہ سکے گی۔ دیر چھبہ کیا آج اس بہت پر ناک بھوں نہیں سکڑتے کہ امیروں کے ساتھ غریب بھی سندس کی کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں اور دروازوں کے ساتھ ایڑہ بھی دراجمان رہتے ہیں، کھینوں کے ساتھ اتر لوگ کلیفوں کی اکر لے کر، بیقیہتہ ہیں؟ جس طرح اور دیہاتوں میں لوک شافی کی ضرورت ہے، تئیک اسی طرح اور اُس سے کہیں زیادہ، بھاشا کے معاملے میں لوک شافی ضروری ہے۔ لوک شافی کا ارتہ ہی ہے۔ سرفا، سادگی، ایمانداری، ہوامنسی، بھائی بندی۔ بھاشا میں یہی سب بائیں سمکتا، ویاکرن کی سرلتا، رجوتا، دیہیہ پر کے شدوں کا میل—نام پاتے ہیں۔

مراتھی میں ایک ویشٹا ہے کہ وہ دوسری بھاشا کے
شیدوں کو اپنا کہ ایسا روپ دے لیتی ہے کہ ہر ایک کے
لئے یہ آسان کلم نہیں رہ جاتا کہ وہ جلدی سے
اُس ودیشی شید کو پکڑ سکے۔ یہ خاصیت ہندستان کی
'گجراتی' پنجابی اتھادی اور بھاشوں میں بھی ہے۔ پر

स्वरूप के साथ तो अन्याय करते ही है, संस्कृत, फ़ारसी, अरबी, अंग्रेजी के साथ भी अन्याय करते हैं।

आज जनता का एक हिस्सा राष्ट्रभाषा के स्वरूप को संस्कृत मिश्रित बनाना चाहता है। पर संस्कृत के बहुत से विद्वान संस्कृत मिश्रित हिंदी को नापसंद करते हैं। पटना में तुलसी-जयंती के अवसर पर संस्कृत के एक प्रोफेसर ने एक निमंत्रण पत्र की खिल्ली उड़ाते हुए कहा—“उस निमंत्रण पत्र में लिखा था—‘आपकी उपस्थिति प्रार्थनीय है,’ इसका तो यह मतलब हुआ कि मेरी उपस्थिति इस योग्य है कि मुझसे उपस्थित रहने की प्रार्थना की जाये, बताइये मुझे बुलाया कहा गया?” इस तरह की शिकायतें दक्षिणी पंडितों को तो बेहद हैं, उनका कहना है—“उपन्यास” का अर्थ ‘Novel’ कहाँ से बन गया? ऐसे ही मराठी वालों से कोई यदि यह पूछ बैठे कि आपकी कितनी ‘शिक्षा’ हुई है तो वह चिढ़कर यही कहेगा कि—‘मैं बीस बार जेल गया हूँ, आपको मतलब?’ मराठी में ‘शिक्षा’ के मानी हैं ‘सजा’ या दंड.

हिन्दी भाषा का स्वरूप एक है और एक ही रहेगा, वही सुरूप समझा जायेगा, स्वरूप का बिगाड़ना ही कुरूप समझा जायेगा, हम ऊपर कह आये हैं कि हिन्दी भाषा-भाषी जब कोई ऐसी भाषा सीख लेते हैं जो हिन्दी के स्वरूप से मेल नहीं खाती तो वह हिन्दी के स्वरूप को ऐसा रूप देते हैं कि वह सुरूप नहीं रह जाता, उनके कान भी ऐसे हो जाते हैं कि उनको हर शब्द गंवार जचने लगता है, अंग्रेजों के जमाने में हर अंग्रेजी पढ़े लिखे को हिन्दी का पंडित गंवार ही जंचता था, उनकी नजरों में तो वेद का मर्मज्ञ पंडित भी कुछ नहीं जंचता था और यही हाल था अरबी फ़ारसी के आलिमों का, वह भी अंग्रेजी पढ़े की नजरों में अपढ़ ही समझे जाते थे, कभी कभी तो कुपड़ भी मान लिए जाते थे, आज भी एक हवा चल पड़ी है कि संस्कृत का पंडित हिन्दी पढ़े लिखों को अपढ़ ही समझता है और जब जब मौका मिलता है वह हिन्दी के स्वरूप को संस्कृत का जामा पहनाकर बिगाड़ता रहता है, उसी के बल पर वह कहैया के वजन पर बने शब्द ‘लिसैया’ को खिल्ली उड़ाता है और ‘लेखक’ को बहुत महत्व पूर्ण शब्द समझता है, उसे यह मालूम ही नहीं कि जबलपुर की एक सरकारी बेचनेवाली औरत ने एक पंडित जी को उसे ‘बहन’ की जगह ‘भगिनी’ कहने पर इतनी बुरी तरह रूठकारा था कि वह अपने को संमाल न सके, पंडितों को यह नहीं मालूम कि जो ‘पूज्यपाद’ शब्द उन्हें सुहाता है वह गांववालों को ‘पंडिताऊ’ जंचता है, यह याद रहे कि जिस तरह भोडे शब्दों के लिए पंडितों ने ‘गंवार’ शब्द गढ़ रखा है वैसे ही गांव वालों ने भोडे शब्द के लिए ‘पंडिताऊ’ शब्द गढ़ रखा है, गांववाले ‘पूज्यपाद’ शब्द को भोडा शब्द

सुरूप के साथ तो अन्याय करते ही हैं, संस्कृत, फ़ारसी, अरबी, अंग्रेजी के साथ भी अन्याय करते हैं.

आज जتنا का एक حصّہ راشٹر بھاشا کے سرورپ کو سنسکرت مشرت بٹانا چاہتا ہے، پر سنسکرت کے بہت سے ودوان سنسکرت مشرت ہندی کو ناپسند کرتے ہیں، پٹنہ میں تاسی جیلٹی کے اوسر پر سنسکرت کے ایک پروفیسر نے ایک نینمترون پتر کی کھلی آڑاٹے ہوئے کہا—اُس نینمترون پتر میں لکھا تھا—“آپ کی اُستہتی پڑانہیہ ہے، اُس کا تو یہ مطلب ہوا کہ مہری اُستہتی اِس یوگیہ ہے کہ مجھ سے اُستہت رہنے کی پڑارٹنا کی جائے، بٹاٹے مجھے بلایا کہاں گیا؟“ اِس طرح کی شکایتیں دہلی پنڈتوں کو تو پڑچدے ہیں، ان کا کہنا ہے—“اُپنیاں” کا ارتھ ‘Novel’ کہاں سے بن گیا؟ ایسے ہی مراٹھی والوں سے کوئی بیدی یہ پوچھ بیٹھے کہ آپ کی کتنی ‘سکچھا’ ہوئی ہے تو وہ چڑے کر یہی کہیگا کہ—‘میں بیس بار جیل گیا ہوں آپ کو مطلب؟ مراٹھی میں ‘سکچھا’ کے معنی ہیں ‘سزا’ یا دند.

ہندی بھاشا کا سرورپ ایک ہے اور ایک ہی رہیگا، وہی سرورپ سمجھا جائیگا، سرورپ کو بگاڑنا ہی کورورپ سمجھا جائیگا، ہم اُپر کہ آئے ہیں کہ ہندی بھاشا جب کوئی ایسی بھاشا سمجھ لیتے ہیں جو ہندی کے سرورپ سے میل نہیں کھاتی تو وہ ہندی کے سرورپ کو ایسا روپ دیتے ہیں کہ وہ سرورپ نہیں رہ جاتا، ان کے کان ہی ایسے ہو جاتے ہیں کہ اُن کو ہر شدت گوارو جچنے لگتا ہے، انگریزوں کے زمانے میں ہر انگریزی پڑھے لکھے کو ہندی کا پنڈت گوارو ہی جچتا تھا، اُن کی نظاروں میں تو وید کا مرمک یہ پنڈت بھی کچھ نہیں جچتا تھا اور یہی حال تھا عربی، فارسی کے عالموں کا، وہ بھی انگریزی پڑھے کی نظاروں میں اُپرہ ہی سمجھے جاتے تھے، کبھی کبھی تو کوپڑہ بھی مان لئے جاتے تھے، آج بھی ایک ہوا چل پڑی ہے، کہ سنسکرت کا پنڈت ہندی پڑھے لکھوں کو اُپرہ ہی سمجھتا ہے اور جب جب موقع ملتا ہے وہ ہندی کے سرورپ کو سنسکرت کا جامہ پہناکر بگاڑتا رہتا ہے، اُسی کی بل پر وہ کھپا کے دزن پر دم شد لکھا، کی کھلی آڑاٹا ہے اور ‘لکھک’ کو بہت مہتوروں شد سمجھتا ہے، اُسے یہ معلوم ہی نہیں کجبلور کی ایک ترکاری بیچنے والی عورت نے ایک پنڈت جی کو آئے، کئی جکھ ‘بھگنی’ کہنے پر اتنی بڑی طرح پٹکارا تھا کہ وہ اپنے کو سنہال نہ سکے، پنڈت جی کو یہ نہیں معلوم کی جو پوچھ پاد شد انہیں سرھانا ہے وہ گلے والوں کو ‘پنڈتاؤ’ جچتا ہے، یہ یاد رہے جس طرح ہونڈے شدوں کے لئے پنڈتوں نے ‘گوارو’ شد کرکھ رکھا ہے ویسے ہی گلے والوں نے ہونڈے شد کے لئے پنڈتاؤ شد کرکھ رکھا ہے، گلے والے ‘پوچھ پاد’ شد کو ہونڈا شد

जायेंगे कृष्ण और गृहस्थी, पढ़ें जायेंगे 'किरण, कुरुष' और 'गिरस्थी, गृहस्थी' और जनता बोलेगी इन्हें कुरुष और ग्रस्थी या गिरस्थी. इसी तरह इ, ई, उ, ऊ पर भी अब कुछ विद्वानों का मत है कि वे इ, ई, उ, ऊ के रूप में लिखे जायें. Basic English की तरह यदि Basic Hindi तैयार करना हो तो इ, ई, उ, ऊ समुच्च अक्षरों की संख्या बढ़ाने के सिवाय किसी काम के नहीं.

गांव वालों को घिसे घिसाये पत्थर सुघड़ मालूम होते हैं। तभी तो वह शालिग्राम की बटिया पूजते हैं। पंडितों को नुकीले पत्थर पसंद आते हैं तभी तो वह तरह तरह की मूर्तियां गढ़ते हैं। शब्दों के उच्चारण में जितना मुँह को ताड़ना मोड़ना पड़ेगा उतना ही पंडित का पसंद आयेगा और उतना ही वह साधारण आदमी को नापसंद होगा और जो शब्द जितना सीधा सादा होगा उतना ही पंडित को अरुचिकर होगा। थोड़े से शब्दों में पंडित क्लिष्टता प्रिय है और साधारण मनुष्य सरलता प्रिय। पंडित की क्लिष्टता प्रियता एरिस्टोफेसी को जन्म देती है जिसको उच्चकुलशाही या कुलीनशाही कहा जा सकता है। पंडित चाहे या न चाहे उससे भाषा में जो सुधार होगा वह ऐसा ही होगा जो भाषा में कुलीनशाही का महल खड़ा कर दे। उसे शब्द भी क्लिष्ट ही सूझेंगे। वह इसी में भाषा का अत्यान समझता है। वह यह समझता ही नहीं कि वह जाने अनजाने भाषा के स्वरूप की गर्दन मरोड़ रहा है।

किसी भाषा में दूसरी भाषा के व्याकरण का प्रत्यक्ष या अप्रत्यक्ष रूप से प्रवेश कर देना भाषा की गर्दन मरोड़ना ही है, पंजाबी भाषा ने किताब के लिए अंग्रेजी भाषा का 'बुक' शब्द अपनाया पर उसका बहुवचन वह 'बुक्कां' कहते हैं। अगर वह बुक का बहुवचन 'बुक्क' अपना लें तो पंजाबी भाषा की गर्दन मरोड़ने के गुनाहवार समझे जायेंगे

गांववाले सब भाषाओं से शब्द लेते हैं पर उसकी नोकें घिस डालते हैं। उन्होंने 'कलकटर' को अपनाया पर कर दिया उसे 'कलकट्टर'। अब यह हो गया शुद्ध हिन्दी शब्द। उन्होंने अपनाया 'सुपरिन्टेंडेंट' और कर दिया उसे 'सुपरडेंट' या सिपिंडेंट और बना लिया उसे डेंट हिंदी शब्द। असल में गांववाले भाषा के स्वरूप को नहीं बिगाड़ने देते। वे भाषा के स्वरूप को मांजकर डुगुना चमका देते हैं, जबकि पंडित लोग भाषा के स्वरूप को और बिगाड़ देते हैं। उस पर दूसरी भाषा के परत जमाकर लोगों के सामने पेश करते हैं, जिससे वह 'स्वरूप' लिए हुए हिन्दी नहीं रह जाती बल्कि पर रूप लिए हुए वह भाषा बन जाती है जिसका रूप हिन्दी पर बहाया गया होता है। तब वह भाषा भी स्वयं शुद्ध न रहकर भोंड़ी बन जाती है। पंडित लोग हिंदी को अंग्रेजी, संस्कृत, फ़ारसी, अरबी या और कोई जामा पहनाकर हिंदी के

جائیں گے، "ڈشوز"، اور گرسٹھی پڑھے جائیں گے کرشن "کوشن"، اور
گرسٹھی، "گرسٹھی" اور جتنا ہوا کی انہیں کرشن
اور گرسٹھی یا گرسٹھی۔ ایسی طرح ای، "ای"، او،
بھی اب کچھ دواؤں کا نام ہے رے ای، "ای"، او
رودپ میں لکھ جائیں Basic English طرح دی
Hindi تیار کرنا ہو تو ای، "ای"، او سچ میچ
انکھوں کی سنکھیا بڑھانے کے سوائے کسی کام کے نہیں ۔

گڑوں والوں کو گھیسے گھاسے پتھر سیکڑے معلوم ہوتے تھے۔ تبھی تو وہ شالک رام کی بقیہ پوچھتے تھے۔ پنڈتوں کو نرکیٹے پتھر پسند آتے ہیں نہیں تو وہ طرح طرح کی مورتیاں کرتے ہیں۔ شبدر کے اچان میں جتنا منہ تو توڑنا موزوں پڑیگا اتنا ہی پنڈت کو پسند آئیگا اور اتنا ہی وہ سادھارن آدمی کو ناپسند ہوگا اور جو شبدر جتنا سیدھا سادا ہوگا اتنا ہی پنڈت کو اور پیکر ہوگا۔ توڑے سے شبدر میں پنڈت کشتا پڑے ہیں اور سادھارن مندریہ سرلا پڑے۔ پنڈت کی کاشتتا پڑتا ایسے کو کرسی کو جنم دیتی ہے جس کو اوج کل شاہی یا کلین شاہی کہا جاسکتا ہے۔ پنڈت چاہے یا نہ چاہے اُس سے بے پاشا میں جو سدھار ہوگا وہ ایسا ہی ہوگا جو بے پاشا میں کلین شاہی کا مصل تھا۔ کدو کا۔ اُسے شبد بھی کشت ہے سوچیں گے۔ وہ ایسی میں بے پاشا کا اُنہاں سمجھتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے نہیں کہ وہ جاتے انجانے بے پاشا کے سرورپ کی گردن مرز رہا ہے۔

کسی بھاشا میں دوسری بھاشا کے ویارن کا پرتیکھ یا آپرتیکھ روپ سے یرویش کردینا بھاشا کی گردن مرزوتا ہی ہ۔ پنجابی بھاشا نے کتاب کے لئے انگریزی بھاشا کا 'بک' شد اپنا؛ پر اُس کا ہوچین وہ 'بکال' کہتے تھیں۔ اگر وہ بک کا بھوپچن 'بکس' اپانیا تو پنجابی بھاشا کی گردن مرزوتے کے گناہگار سمجھے جائیں گے۔

گائے والے سب بھاشاؤں سے شدید لیتے ہیں پُر اُن کی نوکیلی
گیس ڈالتے ہیں۔ انہوں نے 'کَلتَقَر' کو اِبنایا پُر کر دیا اُسے 'کَلتَقَر'۔
اب یہ ہو گیا شدہ ہندی شدید۔ انہوں نے اِبنایا 'سُہریتَمَندِیَنٹ'
اور کر دیا اُسے 'سُہریتَمَنت' یا سیمین تَمَنت اور بنایا اُسے تھیٹ
ہندی شدید۔ اَصَل میں گائے والے بھاشا کے سُروپ کو نہیں
پکڑتے دیتے۔ وہ بھاشا کے سُروپ کو مانعِ کُر دوگنا چمکا دیتے ہیں،
جب کہ پَنڈت لوگ بھاشا کے سُروپ کو اُر بگاڑ دیتے ہیں۔
اُس پُر دوسری بھاشا کے پُرت چماکر لوگوں کے سامنے پیش
کرتے ہیں، جس سے وہ 'سُروپ' لٹے ہوئے ہندی نہیں رہ جاتی
بلکہ 'پُروپ' لٹے ہوئے وہ بھاشا بن جاتی ہے جس کا روپ
ہندی پُر چڑھا گیا ہوتا ہے۔ تب وہ بھاشا بھی سو منہ شدہ نہ
رہ کر بھونڈی بن جاتی ہے۔ پَنڈت لوگ ہندی کو اَنگریزی،
سنسکرت، فارسی، عربی یا اور کوئی جامہ پہنا کر ہندی کے

से दार्पण तरफ चलने लगते हैं तो उनकी भाषा अपने आप संस्कृत की तरफ मुंह कर बैठती है। रोमन में हिन्दी लिखते समय अंगरेजी के शब्द जितना शुद्ध रूप लेंगे उतना शुद्ध रूप वह उस समय नहीं लेंगे जब हिन्दी, उर्दू या नागरी लिखावट में लिखे जायेंगे।

इस से पता चलता है कि लिखावट किस तरह भाषा के स्वरूप को फैलाने और बदलने में मददगार होती है और कब क्यों वही लिखावट उसके प्रचार को रोक रखने का काम करने लगती है। हां, यह ठीक है कि अभ्यास में इस अस्तर को बहुत कम किया जा सकता है और बिलकुल खत्म भी किया जा सकता है।

राष्ट्रभाषा का स्वरूप कैसा है और कैसा हो—

स्वरूप शब्द का अर्थ है “अपना रूप”। अपने रूप दो नहीं हो सकते। हाँ, किसी चीज के रूप रंग को दो आदमी दो अलग अलग शब्दों से पुकार सकते हैं, जिस तरह पानी को एक जल कह सकता है और दूसरा नीर। इससे स्वरूप में कोई भेद नहीं आता। राष्ट्रभाषा के स्वरूप में कोई मतभेद है ही नहीं। मतभेद है शब्दों के रूप में। शब्दों के रूप के आधार पर भाषा का स्वरूप बदल जाने का भय है। तब राष्ट्रभाषा का स्वरूप सुरुप, न रहकर कुरूप भी हो सकता है। सुरुप कुरूप सापेक्ष शब्द हैं। हो सकता है जिसे एक सुरुप कहता है उसे दूसरा सुरुप कहे और जिसे दूसरा सुरुप कहता है उसे पहला कुरूप कहे।

कुछ शब्द हैं जो पंडितों की नजर में गंवारू यानी कुरूप जंचते हैं, पर वही गंवारू और कुरूप शब्द गांव वालों को बड़े भले और सुन्दर मालूम होते हैं। कृष्ण का नाम कन्हैया गांव वालों को जितना शिष्ट, सुन्दर और प्यारा मालूम होता है उतना कृष्ण नहीं।

कृष्ण का तो वे उच्चारण भी ठीक ठीक नहीं कर सकते। मूर्धन्य व का उच्चारण तो अब पंडित भी भूल गये हैं। वह बाला कहीं नहीं जाता, लिखा भर जाता है। बालकों को उसका उच्चारण समझाने के लिए किसी के पास कोई साधन नहीं है। बालक से इसके उच्चारण के बारे में पिंड छुड़ाने के लिये ‘पेट चिरा श’ कहने के सिवाय कोई उपाय नहीं। यही हाल ‘अ’ का है और यही ‘ज्ञ’ का है। उ, लू तो वेद की पोथियों में खड़ी खड़ी हिंदी का तमाशा देख रही हैं। ऋ का भी कुछ यही हाल है। बच रही ऋ। वह ऋषि और ऋण जैसे शब्दों के साथ जुड़ी है। विंध्या के उत्तर में पंडितों के लिए वह ‘रि’ हो गई है और विंध्या के दक्षिण में पंडितों के लिए ‘रू’ बन गई है। काशी में लिखा जाता है ऋषि, पढ़ा जाता है रशि। यही महाराष्ट्र और त्रिबेन्द्रम में लिखा जायगा ऋषि पर पढ़ा जायगा रशि। “कृष्ण” का तो इससे भी अजीब हाल है और यही हाल है “गृद्धस्थी” का। यह लिखे

हैं दार्पण तरफ चलने लगे हैं तो उनकी भाषा अपने आप संस्कृत की तरफ मुंह कर बैठती है। रोमन में हिन्दी लिखते समय अंगरेजी के शब्द जितना शुद्ध रूप लेंगे उतना शुद्ध रूप वह उस समय नहीं लेंगे जब हिन्दी, उर्दू या नागरी लिखावट में लिखे जायेंगे।

इस से पता चलता है कि लिखावट किस तरह भाषा के स्वरूप को फैलाने और बदलने में मददगार होती है और कब क्यों वही लिखावट उसके प्रचार को रोक रखने का काम करने लगती है। हां, यह ठीक है कि अभ्यास में इस अस्तर को बहुत कम किया जा सकता है और बिलकुल खत्म भी किया जा सकता है।

राष्ट्र भाषा का स्वरूप कैसा है और कैसा हो—

स्वरूप शब्द का अर्थ है “अपना रूप”। अपने रूप दो नहीं हो सकते। हाँ, किसी चीज के रूप रंग को दो आदमी दो अलग अलग शब्दों से पुकार सकते हैं, जिस तरह पानी को एक जल कह सकता है और दूसरा नीर। इससे स्वरूप में कोई भेद नहीं आता। राष्ट्रभाषा के स्वरूप में कोई मतभेद है ही नहीं। मतभेद है शब्दों के रूप में। शब्दों के रूप के आधार पर भाषा का स्वरूप बदल जाने का भय है। तब राष्ट्रभाषा का स्वरूप सुरुप, न रहकर कुरूप भी हो सकता है। सुरुप कुरूप सापेक्ष शब्द हैं। हो सकता है जिसे एक सुरुप कहता है उसे दूसरा सुरुप कहे और जिसे दूसरा सुरुप कहता है उसे पहला कुरूप कहे।

कुछ शब्द हैं जो पंडितों की नजर में गंवारू यानी कुरूप जंचते हैं, पर वही गंवारू और कुरूप शब्द गांव वालों को बड़े भले और सुन्दर मालूम होते हैं। कृष्ण का नाम कन्हैया गांव वालों को जितना शिष्ट, सुन्दर और प्यारा मालूम होता है उतना कृष्ण नहीं।

कृष्ण का तो वे उच्चारण भी ठीक ठीक नहीं कर सकते। मूर्धन्य व का उच्चारण तो अब पंडित भी भूल गये हैं। वह बाला कहीं नहीं जाता, लिखा भर जाता है। बालकों को उसका उच्चारण समझाने के लिए किसी के पास कोई साधन नहीं है। बालक से इसके उच्चारण के बारे में पिंड छुड़ाने के लिये ‘पेट चिरा श’ कहने के सिवाय कोई उपाय नहीं। यही हाल ‘अ’ का है और यही ‘ज्ञ’ का है। उ, लू तो वेद की पोथियों में खड़ी खड़ी हिंदी का तमाशा देख रही हैं। ऋ का भी कुछ यही हाल है। बच रही ऋ। वह ऋषि और ऋण जैसे शब्दों के साथ जुड़ी है। विंध्या के उत्तर में पंडितों के लिए वह ‘रि’ हो गई है और विंध्या के दक्षिण में पंडितों के लिए ‘रू’ बन गई है। काशी में लिखा जाता है ऋषि, पढ़ा जाता है रशि। यही महाराष्ट्र और त्रिबेन्द्रम में लिखा जायगा ऋषि पर पढ़ा जायगा रशि। “कृष्ण” का तो इससे भी अजीब हाल है और यही हाल है “गृद्धस्थी” का। यह लिखे

जो लोग हिन्दी और उर्दू दोनों अच्छी तरह जानते हैं वे जब उर्दू का कलम उठाते हैं और बायें से बाईं तरफ चलते हैं तो उनकी भाषा अपने आप फ़ारसी की तरफ चल देती है और जब हिन्दी पर कलम उठाते हैं और बायें

جو لوگ ہندی اور اردو دونوں اچھی طرح جانتے ہیں وہ جب اردو کا قلم اٹھاتے ہیں اور دایں سے بائیں طرف چلتے ہیں تو ان کی بیادشا اپنے آپ فارسی کی طرف چل دیتی ہے اور جب ہندی پر قلم اٹھاتے ہیں اور بائیں

आज की हालत देख कर हमारी यह कहने की हिम्मत नहीं होती कि रोमन लिखावट अपना लेने से हिन्दुस्तान पर बहुत बड़ी आफत आ जायेगी या हिन्दुस्तान उन्नति की दौड़ में बहुत पीछे पड़ जायेगा। तुरकी, जहां रोमन लिखावट गांव तक इतनी नहीं पहुंची थी जितनी पहुंचनी चाहिये, उसे अपनाकर उन्नति की दौड़ में कुछ आगे ही बढ़ गया तब फिर हिन्दुस्तान उसे अपनाकर कैसे पीछे रह सकता है जबकि अंगरेजी के छत्तीसों अक्षर और दसों अंक हिन्दुस्तान के कोने कोने में पहुंच चुके हैं और उन अक्षरों व अंकों पर बच्चों से बूढ़ों तक की नजर सुबह से शाम तक अनेक बार पड़ती रहती है ? अंगरेजी प्रभाव को हम कौसें या सराहें उसने यह तो किया दो है कि हमारे बच्चों की रचि अंगरेजी अक्षरों की तरफ नागरी अक्षरों से कुछ जियादा नहीं है तो कम भी नहीं है, उसी तरह अंगरेजी प्रभाव ने एक विषय यह भी बोया है कि हिन्दू बच्चे की रचि उर्दू अक्षरों की तरफ दिन ब दिन कम होती जा रही है और नागरी अक्षरों की तरफ बढ़ती जा रही है और मुसलमान बच्चों की रचि उर्दू अक्षरों की तरफ बढ़ती जा रही है और नागरी अक्षरों की ओर से घटती जा रही है। इसका नतीजा यह हो रहा है कि हिन्दू बच्चे हिन्दी की फ़िक्र में ठेठ संस्कृत को अपना रहे हैं और मुसलमान बच्चे उर्दू की फ़िक्र में ठेठ कारसी को, और यह दोनों बातें राष्ट्रभाषा के लिये घातक हैं। हिन्दू बच्चों की तरह मुसलमान बच्चे भी अंगरेजी अक्षरों में अपना नाम लिख कर जितना अभिमान अनुभव करते हैं उतना उर्दू अक्षरों में लिख कर नहीं। हमारे बच्चे करें भी क्या ? वह जिस बातारण में पले हैं वहां अंगरेजी अक्षरों का राज था।

लिखावट राष्ट्रभाषा के स्वरूप के फैलाने में बड़ी मददगार होती है। अंगरेजी फैलाने में रोमन अक्षर बड़े काम के साबित हो रहे हैं। हिन्दुस्तान की हर भाषा की किताब रोमन अक्षरों में मिल सकती है। हिन्दुस्तान ही नहीं, दुनिया की हर भाषा की किताब रोमन अक्षरों में मिल सकती है। फिर अंगरेजी भाषा क्यों न फैले ?

पचास बरस पहले की एक किताब हमारे देखने में आई जो हिन्दी भाषा और नागरी लिपि में छपी हुई है, और पद्यात्मक है, यह अङ्गरेजी कोष की किताब अलीगढ़ के किसी छापेखाने में छपी है, उसमें से कुछ पद्य हम नीचे दे रहे हैं :—

फादर बाप, मदर है माई,
सिस्टर बहन, ब्रदर है भाई.
डाटर बेटी, सन है बेटा,
यंगर छोटा, एल्डर जेटा.

इस ढंग की अंगरेजी किताबें बहुत मिलेंगी. हिन्दुओं का

आज की हालत देख कर हमारी यह कहने की हिम्मत नहीं होती कि रोमन लिखावट अपना लेने से हिन्दुस्तान पर बहुत बड़ी आफत आ जायेगी या हिन्दुस्तान उन्नति की दौड़ में बहुत पीछे पड़ जायेगा। तुरकी, जहां रोमन लिखावट गांव तक इतनी नहीं पहुंची थी जितनी पहुंचनी चाहिये, उसे अपनाकर उन्नति की दौड़ में कुछ आगे ही बढ़ गया तब फिर हिन्दुस्तान उसे अपनाकर कैसे पीछे रह सकता है जबकि अंगरेजी के छत्तीसों अक्षर और दसों अंक हिन्दुस्तान के कोने कोने में पहुंच चुके हैं और उन अक्षरों व अंकों पर बच्चों से बूढ़ों तक की नजर सुबह से शाम तक अनेक बार पड़ती रहती है ? अंगरेजी प्रभाव को हम कौसें या सराहें उसने यह तो किया दो है कि हमारे बच्चों की रचि अंगरेजी अक्षरों की तरफ नागरी अक्षरों से कुछ जियादा नहीं है तो कम भी नहीं है, उसी तरह अंगरेजी प्रभाव ने एक विषय यह भी बोया है कि हिन्दू बच्चे की रचि उर्दू अक्षरों की तरफ दिन ब दिन कम होती जा रही है और नागरी अक्षरों की तरफ बढ़ती जा रही है और मुसलमान बच्चों की रचि उर्दू अक्षरों की तरफ बढ़ती जा रही है और नागरी अक्षरों की ओर से घटती जा रही है। इसका नतीजा यह हो रहा है कि हिन्दू बच्चे हिन्दी की फ़िक्र में ठेठ संस्कृत को अपना रहे हैं और मुसलमान बच्चे उर्दू की फ़िक्र में ठेठ कारसी को, और यह दोनों बातें राष्ट्रभाषा के लिये घातक हैं। हिन्दू बच्चों की तरह मुसलमान बच्चे भी अंगरेजी अक्षरों में अपना नाम लिख कर जितना अभिमान अनुभव करते हैं उतना उर्दू अक्षरों में लिख कर नहीं। हमारे बच्चे करें भी क्या ? वह जिस बातारण में पले हैं वहां अंगरेजी अक्षरों का राज था।

लिखावट राष्ट्रभाषा के स्वरूप के फैलाने में बड़ी मददगार होती है। अंगरेजी फैलाने में रोमन अक्षर बड़े काम के साबित हो रहे हैं। हिन्दुस्तान की हर भाषा की किताब रोमन अक्षरों में मिल सकती है। हिन्दुस्तान ही नहीं, दुनिया की हर भाषा की किताब रोमन अक्षरों में मिल सकती है। फिर अंगरेजी भाषा क्यों न फैले ?

पचास बरस पहले की एक किताब हमारे देखने में आई जो हिन्दी भाषा और नागरी लिपि में छपी हुई है, और पद्यात्मक है, यह अङ्गरेजी कोष की किताब अलीगढ़ के किसी छापेखाने में छपी है, उसमें से कुछ पद्य हम नीचे दे रहे हैं :—

फादर बाप, मदर है माई,
सिस्टर बहन, ब्रदर है भाई.
डाटर बेटी, सन है बेटा,
यंगर छोटा, एल्डर जेटा.

इसी ढंग की अंगरेजी किताबें बहुत मिलेंगी. हिन्दुओं का

कर हममें से कुछ को एक कैप में और कुछ को दूसरे कैप में फेंक रहे हैं।

तीस चौतीस बरस के बाद उन्हीं अंगरेजों ने चालाक हथ की मदद से देश भर के लिये एक राजनीतिक संगठन की नींव डाली और उसका नाम रखा—“इन्डियन नेशनल कांग्रेस” यह न तो सारे हिन्दुस्तानियों के लिये बनाई गयी थी और न इसलिये बनाई गई थी कि हिन्दुस्तानी कोई ऐसी ताकत हासिल करें जिससे वह अपने देश का अंगरेजों के पंजों से छुड़ा सकें। तभी तो इस कांग्रेस का सब काम अंगरेजी में होता था और सन 1920 की दिसम्बर तक अंगरेजी में होता रहा।

अंगरेजी कुधात की बनी इन्डियन नेशनल कांग्रेस हिन्दुस्तानी पारस महात्मा गांधी को छूकर सन 1921 में मध्य प्रदेश का शहर नागपुर में सुधात बन गई और फिर इसका बहुत सा काम उस भाषा में होने लगा जिसे राष्ट्र भाषा कहा जा रहा है। यह भाषा सन 1921 में उसी असली रूप में दुनिया के सामने आई जिसका बचपन यूरोपवासियों ने उस वक्त देखा था जब वह हिन्दुस्तान के किनारे लगे थे।

राष्ट्रभाषा स्वरूप और लिखावट—

राष्ट्रपिता महात्मा गांधी जीते जी हिन्दी उर्दू दोनों लिखावटों पर जोर देते रहे। उनके सामने रोमन लिपि अपनाने का सवाल भी आया था पर उन्होंने उसको कुछ इस तरह दुतकारा माना ऐसा सवाल रखने वाला कोई मुनाह कर रहा हो। यह बात हम उनसे सुनी हुई कह रहे हैं जिन्होंने उस दुतकार को अपने काना सुना। उन्हां का यह कहना है कि यह ठीक ठीक नहीं कहा जा सकता कि जो राष्ट्रपिता रोमन का दुतकार रहे थे वह उसे अपनाने के लिये कभी राजी न होते। हो सकता है राजी हो जाते। दो लिखावटों पर जोर दे कर गांधी जी राष्ट्रभाषा हिन्दी की नदी के दो मजबूत किनारे बना देना चाहते थे जिससे उस नदी में वह पानी तो आ न पाये जिस नदी में नहीं आना चाहिये और बाढ़ का वह पानी सबका सब आ जाये या जियादा से जियादा आ जाये। जिस नदी में आना चाहिये। यही वह दो किनारे हैं जो राष्ट्रभाषा हिन्दी का एक तरफ संस्कृत की आर भटकने से रोकते हैं और दूसरी तरफ फारसी अरबी की आर भटकने से। संभव है आगे चलकर यह दोनों किनारे एक ही लिखावट के बनने लगें।

रोमन लिखावट अगर तुरकी में अपने पांव जमा सकती है और फल फूल सकती है तो हिन्दुस्तान में फल फूल न सके यह तो नहीं कहा जा सकता। हां, यह हो सकता है कि इमली के पेड़ की तरह फल देने में बहुत बरस लगा दे जिस जोखम के लिये देश इस समय तैयार नहीं है।

کر ہم میں سے کچھ کو ایک کیمپ میں اور کچھ کو دوسرے کیمپ میں بھیج رکھے ہیں۔

تیس چونتیس برس کے بعد انہیں انگریزوں نے چالاک ہونم کی مدد سے دیش بھر کے لئے ایک راجنیتک سنگتوں کی نیو ڈالی اور اس کا نام رکھا—”انڈین نیشنل کانگریس“۔ یہ نہ تو سارے ہندوستانیوں کے لئے بنائی گئی تھی اور نہ اس لئے بنائی گئی تھی کہ ہندوستانی کوئی ایسی طاقت حاصل کریں جس سے وہ اپنے دیش کو انگریزوں کے پنجوں سے چھڑا سکیں۔ تبھی تو اس کانگریس کا سب کام انگریزی میں ہوتا تھا اور سن 1920 کی دسمبر تک انگریزی میں ہوتا رہا۔

انگریزی کونہات کی بنی انڈین نیشنل کانگریس ہندوستانی پارس مہاتما گاندھی کو چھو کر سن 1921 میں مدیہ پردیش کے شہر ناگپور میں سودھات بن گئی اور پھر اس کا بہت سا کام اس پھاشا میں ہونے لگا جسے راشتر بهاشا کہا جارہا ہے۔ یہ ہمیشہ سن 1921 میں اسی اصلی روپ میں دنیا کے سامنے آئی جسکا بچپن یورپ واسیوں نے اُس وقت دیکھا تھا جب وہ ہندوستان کے کنارے آئے تھے۔

راشتر بهاشا سرورپ اور لکھاوت

راشتر پتا مہاتما گاندھی جیتے جی ہندی اردو دونوں لکھاوتوں پر زور دیتے رہے۔ ان کے سامنے رومن لپی ایلنے کا سوال بھی آیا تھا پر انہوں نے اُس کو کچھ اس طرح دنگرا ماتو ایسا سوال رکھنے والا کوئی گناہ کر رہا ہو۔ یہ بات ہم اُن سے سنی ہوئی کہ رہے تھیں جنہوں نے اُس دنگار کو اپنے کانوں سے سنا۔ انہیں کا یہ کہنا ہے کہ یہ ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جا سکتا کہ جو راشتر پتا رومن کو دنگار رہے تھے وہ اُسے ایلنے کے لئے کبھی راضی نہ ہوئے۔ ہو سکتا ہے راضی ہو جاتے۔ دو لکھاوتوں پر زور دے کر گاندھی جی راشتر بهاشا ہندی کی ندی کے دو مضبوط کنارے بنا دینا چاہتے تھے جس سے اُس ندی میں وہ پانی تو نہ بہنے جیسے ندی میں نہیں آنا چاہئے اور بازہ کا وہ پانی سب کا سب آ جائے یا زیادہ سے زیادہ آ جائے جسے ندی میں آنا چاہئے۔ یہی وہ دو کنارے تھے جو راشتر بهاشا ہندی کو ایک طرف سنسکرت کی اور بھٹکنے سے روکتے تھے اور دوسری طرف فارسی عربی کی اور بھٹکنے سے۔ سمجھو کہ اُکے چل کر یہ دونوں کنارے ایک ہی لکھاوت کے بننے لگیں۔

رومن لکھاوت اگر ترکی میں اپنے پاؤں جما سکتی ہے اور پھل پھول سکتی ہے تو ہندوستان میں پھل پھول نہ سکے یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں، یہ ہو سکتا ہے کہ املی کے پیر کی طرح پھل دینے میں بہت برس لگادے جس جوکھم کے لئے دیش اس سمے تیار نہیں ہے۔

سامنا جاتا تھا۔ کیتا بھر شہد اس ہندوستانی بولی کا ہے جو ہندی اور اردو کے سمجھت میل سے بنی تھی اور ہر جگہ سمجھی اور بولی جاتی تھی، اور پستکالیہ سنسکرت کا تسلسلہ ہے۔

کولکٹہ کے کورٹ ولیلیام کالےج میں جو جو भाषाएं पढ़ाई जाती थीं उनमें हिन्दी उर्दू نام की कोई भाषा नहीं मिलती۔ हाں, बंगला इत्यादि भाषा के साथ साथ इस देश की एक भाषा और पढ़ाई जाती थी जिसका नाम था 'हिन्दुस्तानी'۔ यह भाषा हर अंगरेज के लिये या हर विदेशी के लिये जरूरी होनी चाहिये थी और जरूरी थी भी। हिन्दु-स्तानी जाने बिना हिन्दुस्तान भर में विदेशियों का काम नहीं चल सकता था। यह वही भाषा थी जिसका सारा शब्द भंडार आज भी "शब्द सागर" में मौजूद है। यही वह हिन्दुस्तानी थी जो नागरी और उर्दू दोनों लिखावटों में आसानी से लिखी और पढ़ी जा सकती थी। यही हिन्दुस्तानी विदेशी राज्य की फूटनीति से बचकर जहां जहां जीती रही और रूखा सूखा खाकर बढ़ती रही, वहां वहां वह आज तक अपना पुराना शब्द भंडार तो लिये है ही, हजारों नये शब्द भी उसने अपना लिये हैं। उन शब्दों में—अंगरेजी, फ्रेंच, पुर्तगाली, यूनानी, तुर्की इत्यादि के शब्द और वह शब्द भी शामिल हैं जो उसने बड़े प्यार से हिन्दुस्तान के उन प्रांतों से अपनाये जिन्होंने उसका स्वागत किया।

ऊपर हमने एक वाक्य इस्तेमाल किया है—"विदेशी राज की फूटनीति"। सचमुच अंगरेजों ने हिन्दुस्तान में फूट डालने की रास्ते से संस्कृत और अरबी के अलग अलग कालेज खोले और हिन्दी उर्दू नाम से दो भाषाएं चलाई। असम से एक मुसलमानों का सिर मढ़कर उसका उनकी धर्म भाषा मनवाया और दूसरा हिन्दुओं का सिर मढ़कर उसका उनकी धर्म भाषा। इतना ही नहीं, उन्होंने कुछ ऐसी जादू की लकड़ी कट्टर हिन्दुओं और कट्टर मुसलमानों के सिर पर फेंका कि हिन्दुस्तान से अंगरेजी राज उठ जाने के बाद आज भी उसका असर उनके सिर से उतर नहीं पा रहा है।

जिस फार्ट विलियम कालेज ने एक भाषा हिन्दुस्तानी का प्रचार किया उसी ने फूटनीति लाठे में माले के इशारे पर लल्लू लाल मिश्र से उस हिन्दी में "प्रेमसागर" लिखवाया और उस उर्दू में इन्शा अल्ला खां से "चहार खरेबारा" लिखवाई जा हिन्दी और उर्दू इस देश भर में कही भी बाली नहीं जाती थी। अंगरेजों की यह फूटनीति सफल हुई। उर्दू मुसलमानों की धर्म भाषा बन बैठी और हिन्दी हिन्दुओं की "हिन्दू, हिन्दी, हिन्दुस्तान" के नारे चल पड़े। राष्ट्रभाषा हिन्दी का असली और एक रूप हिन्दुस्तानी, दा रुत लेकर हर जगह खड़ा हो गया और साफ मालूम होने लगा कि वह दोनों रूप हम हिन्दुस्तानियों को पकड़ पकड़

समझा जाना था। کتاب ہر شہد اس ہندستانی بولی کا ہے جو ہندی اور اردو کے سمجھت میل سے بنی تھی اور ہر جگہ سمجھی اور بولی جاتی تھی، اور پستکالیہ سنسکرت کا تسلسلہ ہے۔

کولکٹہ کے کورٹ ولیلیام کالےج میں جو جو भाषाएं पढ़ाई जाती थीं उनमें हिन्दी उर्दू नाम की कोई भाषा नहीं मिलती۔ हाں, बंगला इत्यादि भाषा के साथ साथ इस देश की एक भाषा और पढ़ाई जाती थी जिसका नाम था 'हिन्दुस्तानी'۔ यह भाषा हर अंगरेज के लिये या हर विदेशी के लिये जरूरी होनी चाहिये थी और जरूरी थी भी। हिन्दु-स्तानी जाने बिना हिन्दुस्तान भर में विदेशियों का काम नहीं चल सकता था। यह वही भाषा थी जिसका सारा शब्द भंडार आज भी "शब्द सागर" में मौजूद है। यही वह हिन्दुस्तानी थी जो नागरी और उर्दू दोनों लिखावटों में आसानी से लिखी और पढ़ी जा सकती थी। यही हिन्दुस्तानी विदेशी राज्य की फूटनीति से बचकर जहां जहां जीती रही और रूखा सूखा खाकर बढ़ती रही, वहां वहां वह आज तक अपना पुराना शब्द भंडार तो लिये है ही, हजारों नये शब्द भी उसने अपना लिये हैं। उन शब्दों में—अंगरेजी, फ्रेंच, पुर्तगाली, यूनानी, तुर्की इत्यादि के शब्द और वह शब्द भी शामिल हैं जो उसने बड़े प्यार से हिन्दुस्तान के उन प्रांतों से अपनाये जिन्होंने उसका स्वागत किया।

اوپر ہم نے ایک واکیہ استعمال کیا ہے—"ویدیشی راج کی پھوٹ نییتی"۔ ہندستان میں پھوٹ ڈالنے کی غرض سے سنسکرت اور عربی الگ الگ کالج کھولے اور ہندی اردو نام سے دو پھانیاں چلائیں جس میں سے ایک مسلمانوں کے سر مزہ کر اُس کو اُن کی دھرم پھانسا منویا اور دوسری ہندوؤں کے سر مزہ کر اُس کو اُن کی دھرم پھانسا۔ اتنا ہی نہیں اُنہوں نے لچھہ ایسی جادو کی لکڑی بکڑی ہندوؤں اور کٹر مسلمانوں کے سر پر پھیری کہ ہندستان سے انگریزی راج اُٹھ جانے کے بعد آج بھی اُس کا اثر اُن کے سر سے اُتر نہیں پا رہا ہے۔

جس نورث ولیم کالےج نے ایک پھانسا ہندستانی کا پرچار کیا اُس نے ٹوٹ نیٹیکو لرن میگلے کے اشارے پر لالہ مصر سے اُس ہندی میں "پریم سکر" لکھوا یا اور اُس اردو میں انشا اللہ خاں سے "چہاردریش" لکھوائی جو ہندی اور اردو اس دھن بھر میں کہیں بھی بولی نہیں جاتی تھیں۔ انگریزوں کی یہ پھوٹ نییتی سہیل ہوئی۔ اردو مسلمانوں کی دھرم پھانسا بن بھی اور ہندی ہندوؤں کی "ہندو" ہندی "ہندستان" کے نعرے چل پڑے! راشٹر پھانسا ہندی کا اصلی اور ایک روپ ہندستانی، دو روپ لیکر ہر جگہ پھڑا ہو گیا اور صاف معلوم ہونے لگا کہ وہ دونوں روپ ہم ہندستانیوں کو پکڑ پکڑ

हिन्द के साथ ही साथ इस देश को ईरान वाले हिन्दुस्तान कहने लगे, ईरान की बोली ईरानी या फारसी में "स्तान", के मानी हैं "स्थान", "हिन्दुओं का स्थान" वहां हिन्दुस्तान बन गया और यहां की बोली हिन्दुस्तानी बन गई, यहां के निवासी हिन्दुस्तानी हो गये, इसी हिन्द से हिन्द के निवासी हिन्दू हो गये, इसी से हिन्दुस्तान के सब धर्मों का नाम विदेशियों की नजरों में एक 'हिन्दू धर्म' से पुकारा जाने लगा.

कुछ हिन्दी लेखकों को हिन्दुस्तान शब्द में विदेशीपन की गंध आती है, इसलिये वे हिन्दुस्तान न लिख कर हिन्दु-स्थान लिखते हैं और कहते हैं, किसी किसी का हिन्द शब्द में भी अरबियत की गंध आती है इसलिये वह हिन्दी भाषा को हिन्दी नहीं कहना चाहते, वह उसे भारत के नाम पर भारती नाम देना चाहते हैं, पर उनके रास्ते में हिन्दुस्तान का संविधान आ खड़ा होता है, उसने जिस भाषा को सरकार की दफ्तरी भाषा बताया है उसका नाम हिन्दी माना है और संविधान में वेद-वाक्य से कम बदलाव करना हम-शुमा का काम नहीं, इसलिये हिन्दी नाम टिका हुआ है.

दो शब्दों में हमारी राष्ट्रभाषा का हिन्दी नाम अरबी भाषा का है और अगर उसे हिन्दुस्तानी कहें तो वह फारसी का हो जायगा, रहेगा फिर भी विदेशी, हम केवल यह कहना चाहते हैं कि नाम भेद काम के सुभीते भर के लिये होता है, व्याकरण ने नाम की परिभाषा करते वक़्त साफ़ बताया है कि नामकरण में अर्थ पर ध्यान नहीं दिया जाता, नाम पूनमचंद और हैं काले, नाम भूपतिशाह और हैं भिखमंगे, नाम नारंगी और हैं रंगी हुई, फिर भी भाषा का नाम देश के नाम पर होने से सुभीता होता है, नाम पर वाद विवाद ही न चलता अगर हमारे सिरों में भड़काने वालों ने भड़क पैदा न की होती, आये दिन घर घर में बच्चे पैदा होते हैं और उनके नाम आसानी से रख लिये जाते हैं.

अब हम इस राष्ट्रभाषा का स्वरूप क्या था इसे गहराई से देखें, अंगरेज था अंगरेजों से पहले जितने यूरप वाले हिन्दुस्तान के किनारे लगे उन्हें यहां एक भाषा ऐसी जरूर मिली जो थोड़ी बहुत हर जगह समझी जाती थी, उसका कुछ नाम भी मिला और नाम वही मिला जिस से यह देश अंकित था, वह नाम था हिन्दुस्तान और देश भर की जो एक बोली मिली वह थी हिन्दुस्तानी, इस बात का लिखित प्रमाण फोर्ट विलियम कालेज की वह मोहर है जो कालेज के पुस्तकालय की पुस्तकों पर छापी जाती थी, उस मोहर पर बंगला लिपि में लिखा था—पुस्तकालय, लेकिन नागरी और फारसी दोनों लिपियों में लिखा था "किताब घर" इससे माफ़ूम होता है कि "किताब घर" हिन्दुस्तान के कोने कोने में उस समय कम से कम "पुस्तकालय" से कहीं ज्यादा

हिन्द के साथ ही साथ इस देश को ईरान वाले हिन्दुस्तान कहने लगे, ईरान की बोली ईरानी या फारसी में "स्तान", के मानी हैं "स्थान", "हिन्दुओं का स्थान" वहां हिन्दुस्तान बन गया और यहां की बोली हिन्दुस्तानी बन गई, यहां के निवासी हिन्दुस्तानी हो गये, इसी हिन्द से हिन्द के निवासी हिन्दू हो गये, इसी से हिन्दुस्तान के सब धर्मों का नाम विदेशियों की नजरों में एक 'हिन्दू धर्म' से पुकारा जाने लगा.

कच्चे हिन्दी लेखकों को हिन्दुस्तान शब्द में विदेशीपन की गंध आती है, इसलिये वे हिन्दुस्तान न लिख कर हिन्दु-स्थान लिखते हैं और कहते हैं, किसी किसी का हिन्द शब्द में भी अरबियत की गंध आती है इसलिये वह हिन्दी भाषा को हिन्दी नहीं कहना चाहते, वह उसे भारत के नाम पर भारती नाम देना चाहते हैं, पर उनके रास्ते में हिन्दुस्तान का संविधान आ खड़ा होता है, उसने जिस भाषा को सरकार की दफ्तरी भाषा बताया है उसका नाम हिन्दी माना है और संविधान में वेद-वाक्य से कम बदलाव करना हम-शुमा का काम नहीं, इसलिये हिन्दी नाम टिका हुआ है.

दो शब्दों में हमारी राष्ट्रभाषा का हिन्दी नाम अरबी भाषा का है और अगर उसे हिन्दुस्तानी कहें तो वह फारसी का हो जायगा, रहेगा फिर भी विदेशी, हम केवल यह कहना चाहते हैं कि नाम भेद काम के सुभीते भर के लिये होता है, व्याकरण ने नाम की परिभाषा करते वक़्त साफ़ बताया है कि नामकरण में अर्थ पर ध्यान नहीं दिया जाता, नाम पूनमचंद और हैं काले, नाम भूपतिशाह और हैं भिखमंगे, नाम नारंगी और हैं रंगी हुई, फिर भी भाषा का नाम देश के नाम पर होने से सुभीता होता है, नाम पर वाद विवाद ही न चलता अगर हमारे सिरों में भड़काने वालों ने भड़क पैदा न की होती, आये दिन घर घर में बच्चे पैदा होते हैं और उनके नाम आसानी से रख लिये जाते हैं.

अब हम इस राष्ट्रभाषा का स्वरूप क्या था इसे गहराई से देखें, अंगरेज था अंगरेजों से पहले जितने यूरप वाले हिन्दुस्तान के किनारे लगे उन्हें यहां एक भाषा ऐसी जरूर मिली जो थोड़ी बहुत हर जगह समझी जाती थी, उसका कुछ नाम भी मिला और नाम वही मिला जिस से यह देश अंकित था, वह नाम था हिन्दुस्तान और देश भर की जो एक बोली मिली वह थी हिन्दुस्तानी, इस बात का लिखित प्रमाण फोर्ट विलियम कालेज की वह मोहर है जो कालेज के पुस्तकालय की पुस्तकों पर छापी जाती थी, उस मोहर पर बंगला लिपि में लिखा था—पुस्तकालय, लेकिन नागरी और फारसी दोनों लिपियों में लिखा था "किताब घर" इससे माफ़ूम होता है कि "किताब घर" हिन्दुस्तान के कोने कोने में उस समय कम से कम "पुस्तकालय" से कहीं ज्यादा

अरब वाले आम तौर से 'स' को 'ह' में बदल देते हैं। यही हाल यूनानियों का है। इसलिये हमारे देश में बहनेवाली सिंधु नदी का नाम पर हमारा देश यूनानियों और अरबों के लिए "हिंदु" देश हुआ, फिर "हिंदु" देश हुआ। वही "हिंद" हो गया। पश्चिम में कहीं कहीं यह इंडु और इंडिया है। यही नाम उन अंगरेजों ने अपनाया जा सन 1947 तक इस देश के राजा थे। आज भी हमारे विज्ञान में हमारे देश का सिर्फ भारत नहीं लिखा गया, वहां लिखा गया है "भारत यानी इंडिया।"

عرب والے عالم سے 'س' کو 'ہ' میں بدل دیتے ہیں۔ یہی حال یونانیوں کا ہے۔ اس لئے ہمارے دیش میں بہنے والی سندھ ندی کے نام پر ہمارا دیش یونانیوں اور عربوں کے لئے "ہندو"، دیش ہوا، پھر "ہندو" دیش ہوا۔ وہی "ہند" ہوگا۔ پچھم مہں کہیں کہیں یہ اندر اور نکد اڑدے۔ یہی نام انگریزوں نے اپنا یا جسو سن 1947 تک اس دیش کے راجت ہے۔ آج بھی ہمارے ودھان مہں ہمارے دیش کو صرف بھارت نہیں لکھا، وہاں لکھا گیا ہے بھارت یعنی انڈیا۔

भाई मिश्रीलाल जैन

بھائی مشری لعل جین

[नीचे के निबन्ध पर श्री मिश्रीलाल जैन को मध्य प्रदेश इंटर कालीजिएट ऐसे कम्पीटीशन में सरकार से पहला इनाम २५०) रु० का मिला है—एडीटर]

[نیچے کے تبندہ پر شری مشری لعل جین کو مध्यہ پردہش انٹر کالجیٹ ایسے کمپٹیشن میں سرکار سے پہلا انعام 250 روپے کا ملا ہے—ایڈیٹر]

❀

❀

❀

❀

❀

❀

राष्ट्रभाषा का स्वरूप क्या था—

यदि राष्ट्र शब्द का अर्थ किसी देश की वह जनता है जो एक राज्य के नीचे अपना जीवन बिता रही हो तो इन अर्थों में भारत यानी हिन्दुस्तान कभी राष्ट्र नहीं रहा।

यदि राष्ट्र शब्द का अर्थ किसी देश की वह जनता है जो सब रूप से एक हो और अपने ही प्रतिनिधियों द्वारा शासित की जा रही हो तो इन अर्थों में भी हिन्दुस्तान कभी राष्ट्र नहीं रहा।

हिन्दुस्तान बहुत बड़ा देश है। इसे उपमहाद्वीप कहा जाता है। आज भी हिन्दुस्तान हुकूमत के लिहाज से भारत और पाकिस्तान दो हिस्सों में बंटा हुआ है। ऐसी हालत भी हिन्दुस्तान की अब से पहले कभी नहीं रही। जब यह देश किसी तरह राष्ट्र नहीं रहा तब इसकी कोई राष्ट्रभाषा कैसे होती ? फिर भी आज इसमें एक ऐसी भाषा मौजूद है जो थोड़ी बहुत देश के कोने कोने में समझी जाती है। अगर कोई विदेशी यहां आ जाय तो वह उस एक भाषा के सहारे सारे देश में घूम सकता है, भारत और पाकिस्तान दोनों में आसानी से उसी एक भाषा से काम चल सकता है।

इस देश में राष्ट्रभाषा रही हो या न रही हो, ऐसी एक भाषा जरूर थी और आज भी है जो सब जगह समझी जाती थी। यह कब से थी और इसने कब क्या क्या रूप लिए यह ठीक ठीक नहीं कहा जा सकता। हो सकता है कि रूप के साथ इसके नाम भी बदले हों। आज जिस भाषा को राष्ट्रभाषा होने का सौभाग्य प्राप्त है उसके भी दौ सौ बरस के अन्दर अन्दर कई नाम रह चुके हैं, जैसे—हिन्दवी, हिंदुस्थानी, हिंदुस्थानी इत्यादि।

भाषाओं के नाम ज्यादातर देश के नाम पर होते हैं जैसे—रूसी, चीनी, जापानी, जर्मन, फ्रेंच, इत्यादि। भारत में भी अनेक भाषाओं के नाम देशों या प्रदेशों के नाम पर पड़े हैं जैसे—बंगाली, उड़िया, मद्रासी, गुजराती, मराठी इत्यादि। कुछ ऐसी भाषाएं भी हैं जिनके नाम देश या

راشتر بهاشا کا سروپ کیا تھا۔

یہی راشتر شبد کا ارتھ کسی دیش کی وہ جنتا ہے جو ایک راجہ کے نیچے جیون بتا رہی ہو تو ان ارتھوں میں بھارت یعنی ہندستان کبھی راشتر نہیں رہا۔

یہی راشتر شبد کا ارتھ کسی دیش کی وہ جنتا ہے جو سب روپ سے ایک ہو اور اپنے ہی پرتی ندھیوں دورا شاست کی جا رہی ہو تو ان ارتھوں میں بھی ہندستان کبھی راشتر نہیں رہا۔

ہندستان بہت بڑا دیش ہے۔ اسے آپ مہادیپ کہا جاتا ہے۔ آج بھی ہندستان حکومت کے لحاظ سے بھارت اور پاکستان دو حصوں میں بٹتا ہوا ہے۔ ایسی حالت بھی ہندستان کی اب سے پہلے کبھی نہیں رہی۔ جب یہ دیش کسی طرح راشتر نہیں رہا تب اس کی کوئی راشتر بهاشا کیسے ہوتی ؟ پھر بھی آج اس میں ایک ایسی بهاشا موجود ہے جو تھوڑی بہت دیش کے کونے کونے میں سمجھی جاتی ہے۔ اگر کوئی ودیشی یہاں آجائے تو وہ اس ایک بهاشا کے سہارے سارے دیش میں گھوم سکتا ہے، بھارت اور پاکستان دونوں میں آسانی سے اسی ایک بهاشا سے کام چل سکتا ہے۔

اس دیش میں راشتر بهاشا رہی ہو یا نہ رہی ہو، ایسی ایک بهاشا ضرور تھی اور آج بھی ہے جو سب جگہ سمجھی جاتی تھی۔ یہ کب سے تھی اور اس نے کب کیا کیا روپ لئے یہ ٹیک ٹیک نہیں کہا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے کہ روپ کے ساتھ اس کے نام بھی بدلے ہوں۔ آج جس بهاشا کو راشتر بهاشا ہونے کا سوبھاگیت پر اپیت ہے اس کے بھی دو سو برس کے اندر اندر کئی نام رہ چکے ہیں، جیسے—ہندوی، ہندستانی، ہندستہانی انیادی۔

بهاشاؤں کے نام زیادہتر دیش کے نام پر ہوتے ہیں جیسے —روس، چینی، جاپانی، جرمن، فرنیچ انیادی۔ بھارت میں بھی انیک بهاشاؤں کے نام دیشوں یا پردیشوں کے نام پر پڑے ہیں جیسے—بنگالی، اڑیا، مدراسی، گجراتی، مرانہی انیادی۔ کچھ ایسی بهاشائیں بھی ہیں جن کے نام دیش یا

مچھی چیخوں کو سبکے ساتھ ملکر اپنے آپ کو بچانے کے لیے سے
ہاٹ کر یہ راستا جاتا ہے۔ دوسرے سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بچانے کے لیے
کے لیے جی بڑھانے کے پورے تہیاریں آج ہم اس نئے وقت
پہنچا دیا ہے۔ ہم اگر ہم دیوار
کی لہجہ نہیں پڑھ سکتے اور اپنے طریقوں کو سمجھنے کی مانگ
کے انوسار نہیں ڈالیں تو مانو سہینا پانچ سال بھی زندہ نہیں رہ
سکتی۔ آجکل کی اسٹیج لے جو تہہ پہنا دیا ہے اس کی رو میں
ہمیں نہیں پہنچا چاہئے۔ تہہ دل اور دماغ سے ہمیں اس پر
سوچنا چاہئے۔ انسانیت کو اور خود اپنے کو بچانے کا اب یہی سہ
ہے۔ ہائپر جین ہم بنائے والے راشٹر جب تک اپنے آرتھک ڈیٹا
کو جڑ سے ہڈیوں سے نہیں ہٹاتے تب تک دوسرے ان راشٹروں
کو جو ان بھانک ہتھیاروں کے استعمال کے سچے معرور دہی
ہیں، ان ضدی راشٹروں کے ساتھ اسہدوگ کرنا چاہئے اور پورے
زور سے اپنے درود کا پندرشن کرنا چاہئے۔

کیا ہم بھارت میں یہ نہیں کر سکتے، کیا اپنی دوسری
پنچاس لاکھ یوجنا کو اس آوارہ پر نہیں ہٹا سکتے کہ جس میں
یدھ اور چھوٹے ٹکڑے کی سہولت نہ رہے اور ہم ایک ملے جلے
پرہوار میں ایک ساتھ رہنے والے بھائیوں کی طرح ساتھ ساتھ رہ
سکیں؟ بھوکا ہمیں اس اسٹیج سے لڑنے کے لئے روشنی
آہستہ آہستہ طاقوت اور بدھی بردان کریں۔ کیا ہمارے سامنے کوئی
ایسی چیز نہیں ہے جس سے امید کی ایک کرن مل سکے؟

کیا ہم بھارت میں یہ نہیں کر سکتے، کیا اپنی دوسری
پنچاس لاکھ یوجنا کو اس آوارہ پر نہیں ہٹا سکتے کہ جس میں
یدھ اور چھوٹے ٹکڑے کی سہولت نہ رہے اور ہم ایک ملے جلے
پرہوار میں ایک ساتھ رہنے والے بھائیوں کی طرح ساتھ ساتھ رہ
سکیں؟ بھوکا ہمیں اس اسٹیج سے لڑنے کے لئے روشنی
آہستہ آہستہ طاقوت اور بدھی بردان کریں۔ کیا ہمارے سامنے کوئی
ایسی چیز نہیں ہے جس سے امید کی ایک کرن مل سکے؟

کیا ہم بھارت میں یہ نہیں کر سکتے، کیا اپنی دوسری
پنچاس لاکھ یوجنا کو اس آوارہ پر نہیں ہٹا سکتے کہ جس میں
یدھ اور چھوٹے ٹکڑے کی سہولت نہ رہے اور ہم ایک ملے جلے
پرہوار میں ایک ساتھ رہنے والے بھائیوں کی طرح ساتھ ساتھ رہ
سکیں؟ بھوکا ہمیں اس اسٹیج سے لڑنے کے لئے روشنی
آہستہ آہستہ طاقوت اور بدھی بردان کریں۔ کیا ہمارے سامنے کوئی
ایسی چیز نہیں ہے جس سے امید کی ایک کرن مل سکے؟

میں جانتا ہوں کہ میرے اندر بہت سے پریم ہیں۔
پر پریم کی تو سیما ہی نہیں ہوتی۔ میں یہ بھی جانتا
ہوں کہ میرا پریم اسیم نہیں ہے۔ میں سانپ کے ساتھ
کہاں کھیل سکتا ہوں؟ جو افسانہ مورتی ہو اس کے سامنے
سانپ بھی ہٹتا ہو جاتا ہے۔ مجھے اس پر پورا پورا
شواہد ہے۔

میں جانتا ہوں کہ میرے اندر بہت سے پریم ہیں۔
پر پریم کی تو سیما ہی نہیں ہوتی۔ میں یہ بھی جانتا
ہوں کہ میرا پریم اسیم نہیں ہے۔ میں سانپ کے ساتھ
کہاں کھیل سکتا ہوں؟ جو افسانہ مورتی ہو اس کے سامنے
سانپ بھی ہٹتا ہو جاتا ہے۔ مجھے اس پر پورا پورا
شواہد ہے۔

—گاندھی

—گاندھی

ہمیں اس کارن کو ہٹانا پڑے گا جس سے یہ تر پیدا ہوتا ہے۔ اس سارے تر کی جز اس آرتھک تھانچے میں ہے جسے ابھی تک دونوں دلوں نے اپنا رکھا ہے۔ پونجی والی و سستا تو ہنسنا پر قائم ہی ہے۔ پر پونجی واد ہی کی ایک قسم آجل کا روسی کمیونزم بھی ہے۔ وہ ہے ملکی پونجی واد (State Capitalism) روس خود کہتا ہے کہ آجل کی سماجی استھتی سے نکل کر وہ کمیونزم کی طرف بڑھے گا۔ ہمارے دیش کے کرن دھار بھی کچھ کچھ اسی راشتری پونجی واد کی طرف بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ بدی سے ہم نیکی نہیں پا سکتے۔ سامراج کی ہنسا کا رخ اُن کی طرف ہوتا ہے جن کو وہ چوستا ہے، جبکہ راشتری پونجی واد کی ہنسا کا حملہ پونجی والہ ویکتیں اور آدیوگ پتیں پر ہوتا ہے۔ اس طرح کے پونجی واد کو راجیکہ یا سرکاری پونجی واد بھی کہ سکتے ہیں اور جب سرکاری پونجی پتیں میں جو اپنے کو راشتریہ کہتے ہیں وہ سب دوش پیدا ہو جاتے ہیں جو معمولی پونجی پتوں میں اور اس کا آپہاس ہم ابھی سے اپنے دیش میں بھی دیکھ سکتے ہیں تو دیش کی معمولی جنتا کے لئے یہ پونجی واد ویسا ہی ناشکر ہو جاتا ہے جیسا دوسرا پونجی واد۔ آجل کی ان دونوں ووسٹھاؤں میں جو ہنسا چبھی ہوئی ہے وہ آج ہانڈروجن بموں کے روپ میں پراکشنا کو پہونچ چکی ہے۔ اور یہ سے کات چھانٹ کر کے ہم اس طرح کے روگ کو اچھا نہیں کر سکتے۔ یہ سچھاؤ رکھا گیا ہے کہ کسی طرح کوئی ایک آگے بڑھے، اپنے ہتیار کم کر دے اور اپنے ہانڈروجن بم ختم کر دے۔ یہ سچھاؤ بڑی نیکی نیتی سے کیا گیا ہے پر اس تتر پر یہ دھیان نہیں دیتا کہ ہانڈروجن بم ہوا میں اپنے آپ پیدا نہیں ہو گیا ہے بلکہ وہ آجل کے آرتھک تھانچے کے وکس کا ایک ضروری روپ اور اُس کا ایک انگ ہے۔ یہ ساری ووسٹھا ہی ادھارمک ہے اور ہانڈروجن بم اُسی کی پیداوار ہے۔ آدیو علاج برائی کو دور نہیں کرے گا۔ ہمارے آرتھک تھانچے کے پیچھے جو منورونی کلم کرتی ہے اسے جز مول سے اُٹارنا پڑے گا۔

اس کے لئے گاندھی جی نے راستہ دکھایا ہے۔ وہ ہے سرورودے کا راستہ۔ اس راستے کو کیول شیدوں میں نہیں بتایا جا سکتا۔ ہمارا دیش اُس پر عمل کرے، تب ہی ہم دنیا کو یہ راستہ دکھا سکتے ہیں۔ یہ راستہ راج شکتی اور دھن شکتی دونوں کو کچھ ہاتھوں میں جمع ہونے دینے (centralization) کے بجائے انہیں ادھک سے ادھک اور سب میں بانٹ دینے (decentralisation) کا راستہ ہے۔ انت میں یہ پونجی واد اور راج دونوں کو ختم کرنے کا راستہ ہے۔ یہی جنتا کا سچا راج ہو سکتا ہے۔ یہی سچا کمیونزم کہ جا سکتا ہے اور یہی اصلی گاندھی واد ہے۔ سواولمن، اپنے پر قابو اور زندگی کی

ہمیں اس کارن کو ہٹانا پڑے گا جس سے یہ تر پیدا ہوتا ہے۔ اس سارے تر کی جز اس آرتھک تھانچے میں ہے جسے ابھی تک دونوں دلوں نے اپنا رکھا ہے۔ پونجی والی و سستا تو ہنسنا پر قائم ہی ہے۔ پر پونجی واد ہی کی ایک قسم آجل کا روسی کمیونزم بھی ہے۔ وہ ہے ملکی پونجی واد (State Capitalism) روس خود کہتا ہے کہ آجل کی سماجی استھتی سے نکل کر وہ کمیونزم کی طرف بڑھے گا۔ ہمارے دیش کے کرن دھار بھی کچھ کچھ اسی راشتری پونجی واد کی طرف بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ بدی سے ہم نیکی نہیں پا سکتے۔ سامراج کی ہنسا کا رخ اُن کی طرف ہوتا ہے جن کو وہ چوستا ہے، جبکہ راشتری پونجی واد کی ہنسا کا حملہ پونجی والہ ویکتیں اور آدیوگ پتیں پر ہوتا ہے۔ اس طرح کے پونجی واد کو راجیکہ یا سرکاری پونجی واد بھی کہ سکتے ہیں اور جب سرکاری پونجی پتیں میں جو اپنے کو راشتریہ کہتے ہیں وہ سب دوش پیدا ہو جاتے ہیں جو معمولی پونجی پتوں میں اور اس کا آپہاس ہم ابھی سے اپنے دیش میں بھی دیکھ سکتے ہیں تو دیش کی معمولی جنتا کے لئے یہ پونجی واد ویسا ہی ناشکر ہو جاتا ہے جیسا دوسرا پونجی واد۔ آجل کی ان دونوں ووسٹھاؤں میں جو ہنسا چبھی ہوئی ہے وہ آج ہانڈروجن بموں کے روپ میں پراکشنا کو پہونچ چکی ہے۔ اور یہ سے کات چھانٹ کر کے ہم اس طرح کے روگ کو اچھا نہیں کر سکتے۔ یہ سچھاؤ رکھا گیا ہے کہ کسی طرح کوئی ایک آگے بڑھے، اپنے ہتیار کم کر دے اور اپنے ہانڈروجن بم ختم کر دے۔ یہ سچھاؤ بڑی نیکی نیتی سے کیا گیا ہے پر اس تتر پر یہ دھیان نہیں دیتا کہ ہانڈروجن بم ہوا میں اپنے آپ پیدا نہیں ہو گیا ہے بلکہ وہ آجل کے آرتھک تھانچے کے وکس کا ایک ضروری روپ اور اُس کا ایک انگ ہے۔ یہ ساری ووسٹھا ہی ادھارمک ہے اور ہانڈروجن بم اُسی کی پیداوار ہے۔ آدیو علاج برائی کو دور نہیں کرے گا۔ ہمارے آرتھک تھانچے کے پیچھے جو منورونی کلم کرتی ہے اسے جز مول سے اُٹارنا پڑے گا۔

اس کے لئے گاندھی جی نے راستہ دکھایا ہے۔ وہ ہے سرورودے کا راستہ۔ اس راستے کو کیول شیدوں میں نہیں بتایا جا سکتا۔ ہمارا دیش اُس پر عمل کرے، تب ہی ہم دنیا کو یہ راستہ دکھا سکتے ہیں۔ یہ راستہ راج شکتی اور دھن شکتی دونوں کو کچھ ہاتھوں میں جمع ہونے دینے (centralization) کے بجائے انہیں ادھک سے ادھک اور سب میں بانٹ دینے (decentralisation) کا راستہ ہے۔ انت میں یہ پونجی واد اور راج دونوں کو ختم کرنے کا راستہ ہے۔ یہی جنتا کا سچا راج ہو سکتا ہے۔ یہی سچا کمیونزم کہ جا سکتا ہے اور یہی اصلی گاندھی واد ہے۔ سواولمن، اپنے پر قابو اور زندگی کی

ہے جو کہل امریکی نیٹی کو آگے بڑھاتی ہے۔ اس طرح اس کا اثر بھی دنیا سے ختم ہو گیا ہے۔

کمیونزم آج کل امریکی اور روسیوں کے درمیان چلتا ہے اور چونکہ شاموں پر بڑی پرحشی سے چوت کرتا ہے۔ کمیونزم کے تیزی سے بڑھتے ہوئے اثر کے گھیرے کے چاروں طرف امریکہ ایک ہنسک ہانڈہ سکٹھت کرنے کے لئے تھم کلا میدان میں اتر آیا ہے۔

امریکہ اور روس دونوں نے آپسی جھگڑوں کا نپٹار کرنے کے شانتی کے طریقوں کو چھوڑ رکھا ہے اور اب دونوں ہنسا کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔ امریکہ نے کوریا سے لے کر، جاپان سے ہوتے ہوئے فارموسا تک اور اس کے آگے دھکےں پورب ایشیا، پاکستان، عراق، ترکی، آسٹریلیا، پیچمی جرمنی اور برطانیہ تک ایک جال بھیل رکھا ہے اور ابھوت پور ہنسا کے لئے ایک دیوار کھڑی کر لی ہے۔ اپنے اس جال کی رکشا کے لئے وہ جاپان اور پیچمی جرمنی کو نئے نئے زھریلے ہتھیاروں سے لیس کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور گھیرے کے چاروں طرف اپنے فوجی آڈے قائم کر رہا ہے۔ برطانیہ تر رہا ہے کہ جب لڑائی پورے زور شور سے آگے بڑھ گی تو انٹالیڈت اسپائلے رہ جائے گا۔ اس لئے اپنے جزیرے کی سرکشا کے لئے امریکہ کی ٹیک نیٹی پر زور دینے کے بجائے برطانیہ اپنی سرکشا کا بہار خود سنبھالنا چاہتا ہے۔ اس نے طے کر لیا ہے کہ وہ خود ہائڈروجن بموں سے پوری طرح لیس ہو کر میدان میں کودے گا۔ ایشیا میں امریکہ نے فارموسا کو اپنے آگے بڑھنے کا سادھن بنایا ہے۔ چیانگ - کائی - شیک تو کیول ایک کٹھنٹی ہے۔ اسے ایک منٹ کے لئے بھی امریکی سہائتا نہ ملے اگر امریکی ہت کے لئے وہ فائدے مند سدھ نہ ہو۔ یہی نہیں کہ یہ گٹھ بندھن ایک دوسرے کے لئے سودھاجنک ہے بلکہ یہ کہ نہ ایک کو اور نہ دوسرے کو ٹھور۔ اسی لئے ایک بے تکہ اور بے معنی آغار پر امریکہ - یو - این - او۔ میں فارموسا کی ممبری کا سمرنھن کر رہا ہے۔

دنیا کو پوری طرح مٹا ڈالنے والے نئے نئے ہتھیاروں کے یہ تینوں ممالک ایک دوسرے سے ڈرے ہوئے ہیں اور اس ڈر کے واداروں کے کان دنیا ہنسا کی بارہ میں غوطے کھا رہی ہے۔

جن لوگوں پر تر کا یہ بھوت سوار ہے ان کے ہاتھوں میں دنیا کی سبھت کی قسمت سرکشت سمجھنا ایک بڑی بیول ہے۔ ضرورت کے وقت وہ کیا کو بیٹھیں گے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ایک دوسرے سے ہات چیت کرنے اور ایک دوسرے کے پکش کو سمجھنے کا سم بیت چکا۔ ایک ہی راستہ اب باقی ہے۔ ایسے دیس جن میں کسی کا پکشات نہیں ہے بیچ بچاؤ کریں اور وہ دیس مثال پیش کرے جو خود تر سے بوٹھلا نہیں گیا ہے۔

دنیا کو پوری طرح مٹا ڈالنے والے نئے نئے ہتھیاروں کے یہ تینوں ممالک ایک دوسرے سے ڈرے ہوئے ہیں اور اس ڈر کے واداروں کے کان دنیا ہنسا کی بارہ میں غوطے کھا رہی ہے۔ جن لوگوں پر تر کا یہ بھوت سوار ہے ان کے ہاتھوں میں دنیا کی سبھت کی قسمت سرکشت سمجھنا ایک بڑی بیول ہے۔ ضرورت کے وقت وہ کیا کو بیٹھیں گے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ایک دوسرے سے ہات چیت کرنے اور ایک دوسرے کے پکش کو سمجھنے کا سم بیت چکا۔ ایک ہی راستہ اب باقی ہے۔ ایسے دیس جن میں کسی کا پکشات نہیں ہے بیچ بچاؤ کریں اور وہ دیس مثال پیش کرے جو خود تر سے بوٹھلا نہیں گیا ہے۔

كا كؤڈ ڈسسا لءكر "كلفاءكارى راء" (Welfare State) كے راء مں اءغلنڈ مں اسے لااء كر ديا. كؤڈ هء اك اس آكان كى روكنم مں وء سكال رءء. اءمريكى نك اءپنى پؤجى كے بل رر آو سىككا اور كؤآا ڈونيا رر آما ركا هء اسے آو وءنم كے ڈر كے كارن اءمريكا كى ساءنم سمآنم كى سارى ناكك آاوى رهى هء. وء آينا كيسى سمآئم كے اور پورى ترء ڈك كر اس آكان سم اءكر لنم كى كوششا كر رءا هء. وء بيلكول آبارا آا هء اسسے اءق هء ڈر كم كى ناآوك اور آكارناك ررسيآئم پءا هو اءى هء. آىآو كے اءآم راء كا وء اءك هى ناءى پا رءا هء. ڈر نم اسكى آاآو رر ررءا ڈال ديا هء. وء اسنا نااؤمبء هو آا هء كى اس نءى شاكى كو آتام كرنم كى كوششا مں وء اءپنى سارى ناكك لااا دنم كا آيار هء. اس وئش وياپى اسسا سم آو سيآا پءا هاوى اسسم آوء اءمريكا كو ملى آاآار هانا پءىاا، اسكى اسه آيننا هى ناءى.

سامتاواء كو آينءا رخنم كے ليمم كؤڈ اءشاااa

اسكے وااء اءمريكا كے پريسىااa

اس كوششا كے بىكل هومم رر اءمريكا نم آاا آم كے آاريمم ڈونيا مں سمآئم كارنم اور اس ترء سب آااa

كا كؤء آصم لءكر "كلىاا كارىاا" (Welfare State) كے راء مم اءغلنڈ مم اسے لاء كر ديا. كؤء اك اس آكان كو روكنم مم وء سكال رءء. اءمريكى نم اءپنى پؤجى كے بل رر آو سكا اور اءصم دنيا رر آما ركا هء اسے آو وءنم كے ڈر كے كارن اءمريكا كى ساءنم سمآنم كى سارى ناكك آاوى رهى هء. وء آينا كيسى سمآئم كے اور پورى ترء ڈك كر اس آكان سم اءكر لنم كى كوششا كر رءا هء. وء بالكل كؤبرا كيا هء آس سم اءك اك اءصم كى نارك اور آكارناك ررسيآئم پءا هوئى هء. آس مں اس كى آنكم رر ررء اال ديا هء. وء اءنا ناآموم هوئى هء كى اس نئى شاكى كو آام كرم كى كوششا مم وء اءپنى سارى طائا لااا دنم كو آيار هء. اس وءوورابى اسسا سم آو اسآئم پءا هوئى اس سم آوء اءمريكا كو بهى لاآار هونا پءىاا، اس كى اسه آيننا هى نمم. سامتاواء كو رءءم ركمم كے لئم كؤء اءشااa

اس كوششا كے وئل هومم رر اءمريكا نم بااآم كے اءصم دنيا مم سمآئم كرمم اور اس طرا سب آاااa

ڈاکٹر جے. سی. کمارپا

ڈاکٹر جے. سی. کمارپا

جیون کی اہلگ اہلگ منجلیوں پر ہمیں اپنے اندر کی کوئی نہ کوئی ایسی اچھی یا بری شکتی راستہ بتاتی رہتی ہے جو ہمارے سب کلموں پر قابو رکھتی ہے۔ کبھی یرم ہمیں اندھا کر کے اُٹے لے چلتا ہے، کبھی کسی مہان شکتی کی بھکتی کے کارن ہم اپنے کو پوری طرح اُس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں، اور کبھی گھونا اور غصے کی زبردست پروریتوں سے ہر کام میں ہم پرہیات رکھتے ہیں۔ آج جو چیز دنیا پرچھائی ہوئی ہے وہ ہے ڈر۔ امریکہ میں جو زبردست شکتی امریکہ کی ودیش نیٹی کا سچا جان کر رہی ہے وہ ہے روس کا ڈر۔ دوسروں کو مٹانے والی چیچوں پر وہ بنا سوچے سمجھے دھن گٹا رہے ہیں۔ امریکی پونجی پٹیوں کی اننت دھن لالسا تک کو اِس ڈر نے ایک بار دبا دیا ہے۔

ہر کسی کے ساتھ "بیروک اور منمانی تاجرات" کے پیتے پیتا سیدھانت پر امریکا نے اہمل کیا اور اسی کا نام "آجادی" رکھا۔ امریکا کی آর্থیک وبصھا کا اہثار ہی اس پر ہے کی نئیوں کی چننتا کیے وینا دوسروں سے بیروک جاجج نا جاجج کایدا اٹھایا جاپے اور اُنہیں جس طرح ہو سکتے جوسا جاپے۔ جب تک روس ماہرکس والی پروگرام لے کر دنیا کے سامنے نہیں آیا اور اُس نے "سامجک نیٹے" قائم کرنے کی طرف دنیا کو موڑنے کی کوشش نہیں کی تب تک اِس معاملے میں امریکہ کی موج تہی۔ روس کی نئی وچار دھارا کا زور ورو دھی شکتیوں کو ختم کرنے پر تھا۔ اِس سے پہلے دنیا غریب چوس پونجی پٹیوں یا چونک شاموں کے رحم کرم پر تہی۔ اب ایک طانت پیدا ہوگئی جس نے اپنی ضرورت کی ہر چیز کو منمانی شرطوں پر دوسروں سے حاصل کرنے کے پونجی پٹیوں کے ادھیکار کو چیلنج دیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ دنیا کو "اٹ پلٹ کر دینے والی" اِس نئی وچار دھارا نے سوویت کمیونزم کے روپ میں عملی جامے پہنایا۔ یہ نئے تھنگ کی سامجک ورسٹھا روس کی سیمائوں کو پار کر چاروں طرف پھیلنے لگی۔ ایک کے بعد دوسرے دیشوں نے اِسے اپنایا۔ انگریز کت نیٹی کے شطرنج کے پرانے کھلاڑی تھے۔ جب انہوں نے اِس شکتی کو بڑھتے دیکھا تو اِس نئی ناؤ کے پال سے ہوا نکال دینے کے لئے اور اپنے بہانے کے مزدوروں کی تسلی کے لئے انہوں نے اِس پروگرام

کا کچھ حصہ لیکر "کल्याणकारी राज" (Welfare State) کے رُپ مے انگلینڈ مے ایسے لاگو کر دیا۔ کچھ حد تک ایس تکران کو راکنے مے بھ سافل رہے۔ امریکا نے اپنی پُجی کے بل پر جو سیککا اور ککچا دُنیا پر جما رها ہے اُسے آوا بٹھنے کے دھ کے کارن امریکا کی سوانے سامانے کی ساری ناکرت جاتی رھی ہے۔ بھ بیا کسی سامانے کے اور پوری طرح قننر ایس طرہان سے نکر لینے کی کوشش کر رها ہے۔ وہ بالکل کبیرا گیا ہے جس سے ایک حد درجے کی نارک اور خطرناک پرستیتی پیدا ہو گئی ہے۔ چیزوں کے اچت رُپ کو وہ دیکھ ہی نہیں پا رها ہے۔ دھ نے اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ وہ انفا ناموں ہو گیا ہے کہ ایس نئی شکتی کو ختم کرنے کی کوشش مین وہ اپنی ساری طانت لگا دینے کو تیار ہے۔ ایس دشواری ہی ہنسا سے جو استیتی پیدا ہوئی اُس سے خود امریکہ کو بھی لاچار ہونا پڑے گا۔ ایس کی اُسے چننا ہی نہیں۔ سامنتوان کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ دشابیدیوں پہلے زار

الکونڈر نے یورپ کے 'سب راجاؤں کا ویا نا دھرمک گٹھ بندھن' نام سے ایک سنگتھن بنایا تھا۔ لہن ایک تو وہ راجا ایک دوسرے پر ہورسے نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف سازش کرتے رھتے تھے۔ دوسرے ایس سنگتھن کے پیچھے یورپ کی چننا نہیں تھی۔ ایس لئے بنا کچھ کرے دھرے ہی وہ سنگتھن مر گیا۔ اُس کے بعد امریکہ کے پریسیڈنٹ ڈیرو ولسن آئے۔ راشٹر سنگھ کے نام سے تمام راشٹروں کو ایک سوت مین باندھنے کا آنکھوں نے سہنا دیکھا۔ اُن کے دیش کی چننا نے ہی اُن کا سمرتھن نہیں کیا۔ انگریزوں نے راشٹر سنگھ کی مشینری کے ذریعہ دنیا کی نیتی پر نابو رکھنے اور ایس سنگتھن کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنے کا آسان راستہ نکال لیا۔ دنیا کی چننا کو بلا دیا گیا۔ وہ سنگتھن اُونچی کوت نیتی کا شطرنج بن گیا۔ چننا کا سمرتھن نہ ہونے کے کارن اُس کا بھی دھی انت ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

اُس کوشش کے ویل ہونے پر امریکہ نے باتچیت کے ذریعہ دنیا مین سمجھوتہ کرانے اور ایس طرح سب جھکے نئے ختم کرنے کی نئی کوشش ہو۔ این۔ او۔ نام سے شروع کی۔ یہاں چھوٹے راشٹروں کی رائے کو یا تو مہتو ہی نہیں دیا گیا اور یا بڑے راشٹروں نے اُن پر اپنی رائے تھوپ دی۔ عمل مین یہ نئی سنستھا سوویت کمیونزم کی بارہ کو روکنے کے لئے امریکی سمرراج کا ایک سادھن بن کر رہ گئی۔ پروگرام بنانے سمے امریکہ کے مت پر ہی ادھک دھیان دیا جانے لگا۔ دھیرے دھیرے برطانیہ کا اثر ایس سنستھا پر سے جاتا رها۔ آجکل یہ ایک ایسی سنستھا

کا کچھ حصہ لیکر "کلیان کاری راج" (Welfare State) کے رُپ مے انگلینڈ مے ایسے لاگو کر دیا۔ کچھ حد تک ایس طوان کو روکنے مین وہ سہل رھے۔ امریکہ نے اپنی پونجی کے بل پر جو سکتہ اور بھنہ دنیا پر جما رکھا ہے اُسے کھو بیٹھنے کے دھ کے کارن امریکہ کی سوچنے سمجھنے کی ساری طانت جاتی رھی ہے۔ وہ بنا کسی سمجھوتے کے اور پوری طرح قننر ایس طرہان سے نکر لینے کی کوشش کر رها ہے۔ وہ بالکل کبیرا گیا ہے جس سے ایک حد درجے کی نارک اور خطرناک پرستیتی پیدا ہو گئی ہے۔ چیزوں کے اچت رُپ کو وہ دیکھ ہی نہیں پا رها ہے۔ دھ نے اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ وہ انفا ناموں ہو گیا ہے کہ ایس نئی شکتی کو ختم کرنے کی کوشش مین وہ اپنی ساری طانت لگا دینے کو تیار ہے۔ ایس دشواری ہی ہنسا سے جو استیتی پیدا ہوئی اُس سے خود امریکہ کو بھی لاچار ہونا پڑے گا۔ ایس کی اُسے چننا ہی نہیں۔ سامنتوان کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ دشابیدیوں پہلے زار

الکونڈر نے یورپ کے 'سب راجاؤں کا ویا نا دھرمک گٹھ بندھن' نام سے ایک سنگتھن بنایا تھا۔ لہن ایک تو وہ راجا ایک دوسرے پر ہورسے نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف سازش کرتے رھتے تھے۔ دوسرے ایس سنگتھن کے پیچھے یورپ کی چننا نہیں تھی۔ ایس لئے بنا کچھ کرے دھرے ہی وہ سنگتھن مر گیا۔ اُس کے بعد امریکہ کے پریسیڈنٹ ڈیرو ولسن آئے۔ راشٹر سنگھ کے نام سے تمام راشٹروں کو ایک سوت مین باندھنے کا آنکھوں نے سہنا دیکھا۔ اُن کے دیش کی چننا نے ہی اُن کا سمرتھن نہیں کیا۔ انگریزوں نے راشٹر سنگھ کی مشینری کے ذریعہ دنیا کی نیتی پر نابو رکھنے اور ایس سنگتھن کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنے کا آسان راستہ نکال لیا۔ دنیا کی چننا کو بلا دیا گیا۔ وہ سنگتھن اُونچی کوت نیتی کا شطرنج بن گیا۔ چننا کا سمرتھن نہ ہونے کے کارن اُس کا بھی دھی انت ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

اُس کوشش کے ویل ہونے پر امریکہ نے باتچیت کے ذریعہ دنیا مین سمجھوتہ کرانے اور ایس طرح سب جھکے نئے ختم کرنے کی نئی کوشش ہو۔ این۔ او۔ نام سے شروع کی۔ یہاں چھوٹے راشٹروں کی رائے کو یا تو مہتو ہی نہیں دیا گیا اور یا بڑے راشٹروں نے اُن پر اپنی رائے تھوپ دی۔ عمل مین یہ نئی سنستھا سوویت کمیونزم کی بارہ کو روکنے کے لئے امریکی سمرراج کا ایک سادھن بن کر رہ گئی۔ پروگرام بنانے سمے امریکہ کے مت پر ہی ادھک دھیان دیا جانے لگا۔ دھیرے دھیرے برطانیہ کا اثر ایس سنستھا پر سے جاتا رها۔ آجکل یہ ایک ایسی سنستھا

ڈاکٹر جے. سی. कुमारپا

ڈاکٹر جے. سی. کماریا

جیون کی اہلگ اہلگ منجیلوں پر ہمیں اپنے اندر کی کوئی نہ کوئی ایسی اچھی یا ہری شکتی راستہ بتاتی رہتی ہے جو ہمارے سب کلموں پر قابو رکھتی ہے۔ کبھی پریم ہمیں اندھا کر کے اُٹے لے چلتا ہے، کبھی کسی مہان شکتی کی بھکتی کے کارن ہم اپنے کو پوری طرح اُس کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں، اور کبھی گونا اور غصے کی زبردست پروریتوں سے ہر کام میں ہم پرہیز کرتے ہیں۔ آج جو چیز دنیا پر چھائی ہوئی ہے وہ ہے تدر۔ امریکہ میں جو زبردست شکتی امریکہ کی ودیش نیکی کا سناچان کر رہی ہے وہ ہے روس کا تدر۔ دوسروں کو مٹانے والی چیزوں پر وہ بنا سوچے سمجھے دھن گنوا رہے ہیں۔ امریکی ہونجی پتیوں کی اننت دھن لالسا تک کو اِس تدر نے ایک بار دبا دیا ہے۔

ہر کسی کے ساتھ ”پرورک اور منمانی تجارت“ کے پتھے سدھانت پر امریکہ نے عمل کیا اور اُسی کا نام ”آزادی“ رکھا۔ امریکہ کی آرتھک ویسٹھا کا آدھار ہی اِس پر ہے کہ امریکہ کی آرتھک ویسٹھا کا آدھار ہی اُس پر ہے کہ نئی نیکیوں کی چٹنا کٹے بنا دوسروں سے پرورک جائز ناچائز فائدہ اُٹھایا جاوے اور اُنہیں جس طرح ہوسکے چوسا جاوے۔ جب تک روس مارکس والی پرورگرام لے کر دنیا کے سامنے نہیں آیا اور اُس نے ”سامجک نیٹھے“ قائم کرنے کی طرف دنیا کو موڑنے کی کوشش نہیں کی تب تک اِس معاملے میں امریکہ کی مروج تھی۔ روس کی نئی وچار دھارا کا زور ورو دھنی شکتیوں کو ختم کرنے پر تھا۔ اِس سے پہلے دنیا غریب چوس ہونجی پتیوں یا چونک شاہوں کے رحم کرم پر تھی۔ اب ایک طانت پیدا ہوگئی جس نے اپنی ضرورت کی ہر چیز کو منمانی شرطوں پر دوسروں سے حاصل کرنے کے ہونجی پتیوں کے ادھیکار کو چیلنج دیا۔ سب سے ہری بات یہ ہوئی کہ دنیا کو ”اٹ پلٹ کر دینے والی“ اِس نئی وچار دھارا نے سوویت کمیونزم کے روپ میں عملی جامہ پہنایا۔ یہ نئے تھنگ کی سامجک ویسٹھا روس کی سیمائوں کو پار کر چاروں طرف پھیلنے لگی۔ ایک کے بعد دوسرے دشمن نے اِسے اپنایا۔ انگریز کت نیکی کے شطرنج کے پرانے کھلاڑی تھے۔ جب اُنہوں نے اِس شکتی کو بڑھتہ دیکھا تو اِس نئی ناؤ کے پال سے ہوا نکال دینے کے لئے اور اپنے بہانے کے مزدوروں کی تسلی کے لئے اُنہوں نے اِس پرورگرام

انجیل میں لکھا ہے :-

”إشور نے آدمی کو اپنی ہی صورت پر بنایا۔“

وہی آدمی کو اپنی ہی صورت پر بنایا۔“

”یہ جیو برعہ ہی ہے کوئی غیر نہیں۔“

قرآن میں لکھا ہے :-

”خود اللہ کی فطرت پر آدمی کی فطرت بھائی گئی ہے۔“

آج سے لگ بھگ تیس برس پہلے جب ہمارے انگریز حاکموں کی جاؤں اور ہماری اپنی نادانی کے کارخانہ میں ہندو مسلم جھگڑے جگہ جگہ رہے تھے اس سے ایک سچے دل والے مسلمان شاعر نے ایک بڑی سندر نظام ہندوں، مسلمانوں اور سب کے لئے لکھی تھی۔ ہماری رائے ہے کہ ہر ہندوستانی اسکول اور کالج کی پڑھائی کی کتابوں میں یہ پڑھائی اور سچی نظام ہندی چاہئے اور دیش کے سب بچوں کو یاد کرائی جانی چاہئے۔ وہ نظام یہ ہے :-

تو رام کہو یا رھیم کہو، دونوں کی غرض اللہ سے ہے،
تو شکر کہو یا پرم کہو، مطلب تو اسی کی چاہ سے ہے۔
تو دھرم کہو یا دین کہو، مقصد تو اسی کی راہ سے ہے،
تو سالک ہو یا بگھی ہو، منشا تو دل آگاہ سے ہے
کیوں لڑنا ہے مرنے بندے، یہ تیری خام خیالی ہے،
ہے پیر کی جز تو ایک وہی، ہر مذہب ایک ایک ذالی ہے!

بنواؤ شواہ یا مسجد ہے ایک وہی چونا ہے وہی،
معمار وہی مزدور وہی، مٹی ہے وہی گرا ہے وہی۔

تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے، نانوس کا بھی منشا ہے وہی،
تم جن کو نمازیں کہتے ہو، ہے غنڈہ کے لئے ہوجا ہے وہی۔
پھر لڑنے سے کیا حاصل ہے، ذرہ ہو تم نادان نہیں،
جو بھائی پہ دوزخے غرا کر وہ ہوسکتا انسان نہیں!

کیا ذل و غارت خونریزی، تعریف یہی ایمان کی ہے؟
کیا آپس میں لڑ کر مرنا، تعلیم یہی قرآن کی ہے؟
انصاف کرو تفسیر یہی، کیا ویدوں کے فرمان کی ہے؟
کیا سچ مچ یہ خرنجاری ہی، اعلیٰ خصات انسان کی ہے؟
تم ایسے بڑے اعمال پہ اپنے، کچھ تو خدا سے شرم کرو!
پھر جو بنا رکھا تم نے، اس دل کو ذرا تو نرم کرو!

بناؤ شواہ یا مسجد ہے ایک وہی چونا ہے وہی،
معمار وہی مزدور وہی، مٹی ہے وہی گرا ہے وہی۔
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے، نانوس کا بھی منشا ہے وہی،
تم جن کو نمازیں کہتے ہو، ہے غنڈہ کے لئے ہوجا ہے وہی۔
پھر لڑنے سے کیا حاصل ہے، ذرہ ہو تم نادان نہیں،
جو بھائی پہ دوزخے غرا کر وہ ہوسکتا انسان نہیں!

بنواؤ شواہ یا مسجد ہے ایک وہی چونا ہے وہی،
معمار وہی مزدور وہی، مٹی ہے وہی گرا ہے وہی۔
تکبیر کا جو کچھ مطلب ہے، نانوس کا بھی منشا ہے وہی،
تم جن کو نمازیں کہتے ہو، ہے غنڈہ کے لئے ہوجا ہے وہی۔
پھر لڑنے سے کیا حاصل ہے، ذرہ ہو تم نادان نہیں،
جو بھائی پہ دوزخے غرا کر وہ ہوسکتا انسان نہیں!

یانی—رہ کے لیے نہ کوئی ہندو ہے نہ کوئی مسلمان، نہ کوئی ترک نہ کوئی عرب، نہ کوئی ایرانی اور نہ کوئی عیسائی، نہ کوئی نسل، نہ کوئی جات اور نہ کوئی فرقہ۔ روح کے لیے بس سچ ہے اور نیکی۔

ہمارا دھرم یا مہدھ ہمارے چہروں پر اس مسکراہٹ کی شکل میں دکھائی دینا چاہئے جو دوسروں کے دلوں کو جیت لے۔ ہمارے بدن پر وہ سنہرے گہنے کی طرح چمکنا چاہئے۔ مذہب کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ ہمارا اپنا دل خوشی سے بھرا ہوا ہو اور ہمیں دیکھنے سے اسے سب لوگوں کے دل خوشی سے بھر جائیں۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ دھرم مذہب کے نام پر ہماری ناک بیوں چڑھی ہوئی ہو اور جو ہمیں دیکھے ہم سے بچ کر بھاگے۔ دھرم یا مذہب دوسروں کو ترانے والا ہتھیار نہیں ہونا چاہئے اس سے نہ ہمارے اندر تیرا پریمی پیدا ہو اور نہ ہمیں دیکھ کر دوسروں کے اندر تیرا پریمی پیدا ہو۔ مذہب دل کی چیز ہے۔ دل ہی میں اس کی خاص جگہ ہونی چاہئے۔ سب کی سیوا، پریم اور نیکی اس کے رہنے والے چاہئیں۔ مذہب مطلق پر یا چہرے پر سائن بورڈ پر یا نام بیٹوں کی طرح دکھانے کے لیے نہیں ہونا چاہئے۔ سر پر، ہونٹوں پر یا ٹیڑی پر، بال رکھنے یا لٹانے کے طرح طرح کے تھکنے یا الگ الگ طرح کے چھاپوں، بارن یا بیڑوں میں مذہب کا وہ دکھانا نہیں ہونا چاہئے جس سے کیوں اپنا اشتہار ہو اور ایک دوسرے سے جدا ہو اور انھیں چمکے۔ پرکرتی یعنی قدرت ہر نئے پیدا ہونے والے چہرے پر انسانیت بلکہ الہیت (برہمتو) کی مہر لگا کر پیدا کرتی ہے۔ کوئی بچہ ہندو، مسلمان، پارسی یا عیسائی نشانی لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ نہ الگ الگ نشان بعد میں ہم لوگ گڑھ کر ہر بچے پر چپکا دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی خاص زمانے میں، خاص حالات میں اور خاص جگہوں پر ان کی ضرورت اور ان سے ناندہ رہا ہو۔ پڑ آج ان چیزوں پر ضد کرنا ادب و درشتا یعنی تواتر اندیشی ہی ہے اور سب کی برابری کا کارن بھی۔

محمد صاحب نے کہا ہے:—

”جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب کیوں اسی ایک اللہ کو تسلیم کرتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔“

”مہابھارت میں لکھا ہے:—

”برہمہ نے شروع میں اس ساری دنیا کو بنایا تھا اس لیے سب جاندار اسی برہمہ کی اولاد ہیں۔“

محمد صاحب کی مشہور حدیث ہے:—

”اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ ہر انسان کی صورت رحمان کی صورت ہے۔“

محمد صاحب نے کہا ہے:—

”جیتنے والے بچے پیدا ہوتے ہیں وہ سب کے سب ایک اللہ کو تسلیم کرتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔“

مہابھارت میں لکھا ہے:—

”برہمہ نے شروع میں اس ساری دنیا کو بنایا تھا اس لیے سب جاندار اسی برہمہ کی اولاد ہیں۔“

محمد صاحب کی مشہور حدیث ہے:—

”اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔ ہر انسان کی صورت رحمان کی صورت ہے۔“

सनातन धर्म' यानी उसी पुराने 'इस्लाम' का एक नया रूप होगा जिसे वेदों में 'सनातन धर्म' और कुरान में 'दीन-ए-क़ायम' कहा गया है. अन्दर की रूढ़ि वही पुरानी और ऊपर की शकल जमाने की ज़रूरत के अनुसार नई. उस नए मजहब में साइन्स और मजहब दोनों मिलकर एक हो जायेंगे. साइन्स फिर मजहब की साइन्स होगी और मजहब साइन्सी मजहब होगा. जड़ और चेतन, रूढ़ और माहा फिर एक ही हकीकत के दो पहलू दिखाई देंगे. तब जाकर हम इन्सान की चिन्दगी की एकता और भरपूरता का आनन्द ले सकेंगे. यह एक बुनियादी सचाई है जिसे दुनिया के सब लोगों को और खासकर हिन्दुस्तान के हिन्दुओं और मुसलमानों को अच्छी तरह समझ लेना है.

श्री कृष्ण ने गीता में कहा है :—

“ये पार्थ (यानी अर्जुन !) दुनिया में लोग चारों तरफ़ से जितने रास्तों पर चलते हैं वह सब रास्ते आख़ीर में मुझ तक ही पहुँच जाते हैं.”

मुहम्मद साहब की एक हदीस है :—

“दुनिया में जितनी रूहें हैं अल्लाह तक पहुँचने के उतने ही रास्ते हैं.”

इन्जील में लिखा है :—

“न कोई यहूदी है न कोई यूनानी, न कोई गुलाम है न कोई आज़ाद, न कोई पुरुष है न कोई स्त्री, ईसा मसीह में तुम सब एक हो.”

शंकराचार्य ने लिखा है :—

“आत्मा का न कोई वर्ण है, न कोई उसकी जात है, न कोई उसका आश्रम, आचार या धर्म है. वह एक ही है. वही सब में है. वही शिव है. वही मैं हूँ.”

हकीम सनाई ने कहा है :—

“रूढ़ की चिन्दगी अक़ल और इल्म से है, रूढ़ में न कोई पारसी है और न कोई ताजी.”

इसी खयाल को मौलाना जलालुद्दीन रूमी ने इस तरह कहा है :—

“रूढ़ बा अक़ल अस्त बा इल्म अस्त या

रूढ़ रा बा ताजी ओ तुरकी चे कार.”

दुनिया भर के मुसलमान मौलाना रूम को बड़ी इज्जत की निगाह से देखते हैं. उनकी खास किताब मसनवी 'पहलवी यानी फ़ारसी ज़बान में क़ुरआन' कही जाती है. हमारे देश के मशहूर शायर सर मुहम्मद इक़बाल ने मौलाना रूम का जिक्र करते हुए कहा है :— “उन्होंने पहलवी हरफ़ों में क़ुरान लिख डाला.” हम मौलाना रूम के शब्दों को थोड़ा सा बदल कर कह सकते हैं :—

“रूढ़ रा बा हिन्दुओ मुस्लिम चे कार.”

سنان دهرم، یعنی اُسی دینِ اسلام کا ایک نیا روپ ہوگا جسے دہدوں میں 'سنانِ دهرم' اور قرآن میں 'دینِ اقیام' کہا گیا ہے. اندر کی روح دینی پرانی اور اوپر کی شکل زمانے کی ضرورت کے अनुसार نئی. اُس نئے مذہب میں سائنس اور مذہب دونوں ملکر ایک ہو جائیں گے. سائنس پھر مذہبی سائنس ہوگی اور مذہب سائنسی مذہب ہوگا. جڑ اور چیتن، روح اور مادہ پھر ایک ہی حقیقت کے دو پہلو دکھائی دیں گے. تب جا کر ہم انسانی زندگی کی ایک اور پہلو کا آند لے سکیں گے. یہ ایک بنیادی سچائی ہے جسے دنیا کے سب لوگوں کو اور خاص کر ہندستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو اچھی طرح سمجھ لینا ہے.

شری کرشن نے گیتا میں کہا ہے :—

“اے پارث (یعنی ارجن !) دنیا میں لوگ چاروں طرف سے جتنے راستوں پر چلتے ہیں وہ سب راستے آخر میں مجھ تک ہی پہنچ جاتے ہیں.”

محمد صاحب کی ایک حدیث ہے :—

“دنیا میں جتنی روہیں ہیں اللہ تک پہنچنے کے اتنے ہی راستے ہیں.”

انجیل میں لکھا ہے :—

“نہ کوئی یہودی ہے نہ کوئی یونانی نہ کوئی غلام ہے نہ کوئی آزاد. نہ کوئی پرش ہے نہ کوئی استری. عیسیٰ مسیح میں تم سب ایک ہو.”

شंकराचार्य ने लिखा है :—

“आत्मा का न कोई वर्ण है, न कोई उसकी जात है, न कोई उसका आश्रम, आचार या धर्म है. वह एक ही है. वही सब में है. वही शिव है. वही मैं हूँ.”

हकीम سناई نے کہا ہے :—

“روح کی چیندگی عقل اور علم سے ہے، روح میں نہ کوئی پارسی ہے اور نہ کوئی تاجی.”

اسی خیال کو مولانا جلال الدین رومی نے اس طرح کہا ہے :—

“روح با عقل است یا علم است یا

روح را با تاجی و ترک کی چه کار.”

دنیا بھر کے مسلمان مولانا روم کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں. اُن کی خاص کتاب مثنوی 'پہلوی یعنی فارسی زبان میں قرآن' کہی جاتی ہے. ہمارے دیہے کے مشہور شاعر سر محمد اقبال نے مولانا روم کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے :— “انہوں نے پہلوی حرفوں میں قرآن لکھ ڈالا.” ہم مولانا روم کے شبدوں کو تھوڑا سا بدل کر کہہ سکتے ہیں :—

“روح را با ہندو و مسلم چه کار.”

افغانستان، ایران، ترکی، عرب، مصر اور افریقہ کو اپنی جہاتی اسے لگائے ہوئے ہے۔ یہودی دھرم اور عیسائی دھرم کے ماننے والے فلسطین اور یورپ کو بھی وہ ساتھ لٹے ہوئے ہے۔ اس کے ایک کنگڈم پر بودہ مت ہے تو دوسرے کنگڈم پر مسلم ترکستان۔ زرتشتی دھرم کے ماننے والے پارسی اب دنیا میں بہت ہی کم رہ گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں ان میں سے ادھک تر تیرہ سو برس سے اسی دیش کے دکن پہچم کو اپنا گھر بنائے ہوئے ہیں۔ زرتشتی دھرم کی کتاب ”گائٹھن“ وید ہی کی ایک شاخ ہے اور ایسی بھاشہ میں لکھی ہوئی ہے جو ویدک سنسکرت کا ایک دوسرا روپ ہے۔ ہندستان کے دکن میں ہندستانی یہودیوں کی بھی ایک بہت اچھی بستی ہے جس کی آبادی اب کئی ہزار رہ گئی ہے۔ جہاں تک عیسائی دھرم کا سبندہ ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پرلوک سدھارنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ان کے بارہ مشہور چیلوں میں سے ایک سٹیمٹامس خود ہندستان آئے تھے اور انھوں نے اسی دیش کے دکن پوربی کنارے پر عیسائی دھرم کا بیج بویا تھا۔ آج ہندستان کی عیسائی آبادی یوں کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ مٹھی بھر ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جو کہیں باہر جاکر بس گئے تھے، باقی ہندوؤں، جینیوں اور سکھوں کا دنیا میں ہندستان کے سوا اور کوئی گھر ہے ہی نہیں۔ یہ دیش سات کروڑ سے اوپر مسلمانوں کی جنم بومی ہے۔ بودہ دھرم یہیں پیدا ہوا اور اُس کے شروع کے سب تیرتھ اسی دیش میں تھے۔ کنفیوشیس دھرم، تاؤ دھرم اور شنتو دھرم تینوں بودہ دھرم کے اندر ملکر لگ بھگ اسی میں سما گئے تھے۔

بنارس کے پاس سارناتھ میں، جہاں महात्मा बुद्ध ने आज से ढाई हजार बरस पहले अपने धर्म का उपदेश देना शुरू किया था, पिछले कुछ बरसों के अन्दर पुराने अशोक स्तूप के पास एक बहुत बड़ा नया बौद्ध मन्दिर तामीर किया गया है। जापानी चित्रकारों ने उसकी दीवारों को चित्रों से सजाया है, एक और बड़ा मन्दिर वहाँ पर ही एक चीनी सज्जन ने बनवाया है, भारत के हिन्दू और बरमा के बौद्ध वानों ने वहाँ धर्मशालाएं बनवाई हैं जहाँ सब जाकर ठहर सकते हैं, इस तरह की और भी धर्मशालाएं बनती जा रही हैं, बौद्ध भिक्षुओं और विद्यार्थियों की एक पूरी बस्ती वहाँ आबाद हो गई है और बढ़ती जा रही है, बनारस में, जो हिन्दू धर्म का खास गह्वारा है, पुराने हिन्दू मन्दिरों के साथ साथ बहुत सी मुस्लिम मसजिदें, जैन मन्दिर, ईसाई गिरजे और सिख संगत पास पास मौजूद हैं, इस तरह दुनिया के सब मजहब इस देश के अन्दर एक जगह जमा हैं, मालूम होता है कि एक नए आलमगीर वैज्ञानिक यानी साइन्सी मजहब को जन्म देना और रूप देना भी हिन्दु-स्तान ही के लिये बदा है, यह नया धर्म उसी पुराने 'सत्य

بنارستان، ایران، ترکی، عرب، مصر اور افریقہ کو اپنی جہاتی اسے لگائے ہوئے ہے۔ یہودی دھرم اور عیسائی دھرم کے ماننے والے فلسطین اور یورپ کو بھی وہ ساتھ لٹے ہوئے ہے۔ اس کے ایک کنگڈم پر بودہ مت ہے تو دوسرے کنگڈم پر مسلم ترکستان۔ زرتشتی دھرم کے ماننے والے پارسی اب دنیا میں بہت ہی کم رہ گئے ہیں اور جو رہ گئے ہیں ان میں سے ادھک تر تیرہ سو برس سے اسی دیش کے دکن پہچم کو اپنا گھر بنائے ہوئے ہیں۔ زرتشتی دھرم کی کتاب ”گائٹھن“ وید ہی کی ایک شاخ ہے اور ایسی بھاشہ میں لکھی ہوئی ہے جو ویدک سنسکرت کا ایک دوسرا روپ ہے۔ ہندستان کے دکن میں ہندستانی یہودیوں کی بھی ایک بہت اچھی بستی ہے جس کی آبادی اب کئی ہزار رہ گئی ہے۔ جہاں تک عیسائی دھرم کا سبندہ ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے پرلوک سدھارنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد ان کے بارہ مشہور چیلوں میں سے ایک سٹیمٹامس خود ہندستان آئے تھے اور انھوں نے اسی دیش کے دکن پوربی کنارے پر عیسائی دھرم کا بیج بویا تھا۔ آج ہندستان کی عیسائی آبادی یوں کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ مٹھی بھر ایسے لوگوں کو چھوڑ کر جو کہیں باہر جاکر بس گئے تھے، باقی ہندوؤں، جینیوں اور سکھوں کا دنیا میں ہندستان کے سوا اور کوئی گھر ہے ہی نہیں۔ یہ دیش سات کروڑ سے اوپر مسلمانوں کی جنم بومی ہے۔ بودہ دھرم یہیں پیدا ہوا اور اُس کے شروع کے سب تیرتھ اسی دیش میں تھے۔ کنفیوشیس دھرم، تاؤ دھرم اور شنتو دھرم تینوں بودہ دھرم کے اندر ملکر لگ بھگ اسی میں سما گئے تھے۔

بنارس کے پاس سارناتھ میں، جہاں महात्मा बुद्ध ने आज से ढाई हजार बरस पहले अपने धर्म का उपदेश देना शुरू किया था, पिछले कुछ बरसों के अन्दर पुराने अशोक स्तूप के पास एक बहुत बड़ा नया बौद्ध मन्दिर तामीर किया गया है। जापानी चित्रकारों ने उसकी दीवारों को चित्रों से सजाया है, एक और बड़ा मन्दिर वहाँ पर ही एक चीनी सज्जन ने बनवाया है, भारत के हिन्दू और बरमा के बौद्ध वानों ने वहाँ धर्मशालाएं बनवाई हैं जहाँ सब जाकर ठहर सकते हैं, इस तरह की और भी धर्मशालाएं बनती जा रही हैं, बौद्ध भिक्षुओं और विद्यार्थियों की एक पूरी बस्ती वहाँ आबाद हो गई है और बढ़ती जा रही है, बनारस में, जो हिन्दू धर्म का खास गह्वारा है, पुराने हिन्दू मन्दिरों के साथ साथ बहुत सी मुस्लिम मसजिदें, जैन मन्दिर, ईसाई गिरजे और सिख संगत पास पास मौजूद हैं, इस तरह दुनिया के सब मजहब इस देश के अन्दर एक जगह जमा हैं, मालूम होता है कि एक नए आलमगीर वैज्ञानिक यानी साइन्सी मजहब को जन्म देना और रूप देना भी हिन्दु-स्तान ही के लिये बदा है, यह नया धर्म उसी पुराने 'सत्य

की राजनीति और अर्थनीति के नाम पर लड़ाइयां उस समय की मजहब के नाम पर लड़ाइयों से कहीं ज्यादा खौफनाक हैं। इन लड़ाई भगड़ों के अन्दर अन्दर एक दूसरे से नकरतों की जो आग धक्क रही है वह वैसी की वैसी ही है। आजकल की इन लड़ाइयों में एक तरफ हद्द वरजे धन का लोभ, दूसरों को नेस्त नाबूद कर देने की तैयारी और जिस्मानी ऐश की वह चाह है जो देश भक्ति और क्रौम-परस्ती का जामा पहने हुए है। और अपने को 'इन्डिजिउएलइज्म' यानी व्यक्तिवाद कहती है। और दूसरी तरफ वह साम्यवाद (कम्युनिज्म) या समाजवाद (सोशलइज्म) है जो दुनिया के धन दौलत में सब के साथ मिलकर बराबर का हिस्सा बटाना चाहता है। इस निगाह से इस साम्यवाद या समाजवाद की जड़ें सचमुच रूहानी और धार्मिक हैं। लेकिन अभी तक उसे खुद अपने इस रूप का ठीक ठीक पता नहीं है। अभी तक वह अंधरे में टटोल रहा है, तजुबे कर रहा है और गलतियां कर रहा है। इन गलतियों का कारण यह है कि अभी तक उसकी निगाहें ग़लत तरफ हैं। उसे अभी तक सच्चे और टिकाऊ समाज संगठन का भेद नहीं मिला, वह यह नहीं समझा कि राजनीति (पालिटिक्स) की जड़ें अर्थनीति (इकोनॉमिक्स) में होती हैं, अर्थनीति की जड़ें हमारे घरलू रहन सहन में होती हैं, इस घरलू रहन सहन की जड़ें हमारे दिल के भावों और विमारा के विचारों और आदर्शों में होती हैं, और इन सब की जड़ें दर्शन शास्त्र यानी ज़िन्दगी के फलसफे में होती हैं। और यह दर्शन शास्त्र जब पक्का और पूरा होता है तो यही रूहानी मजहब यानी उस अनन्त जीवन की अध्यात्म विद्या होता है जिसके अन्दर सब साइन्सें, सब विद्याएं और सब हुनर समा जाते हैं।

लेकिन हिन्दुस्तान के अन्दर मजहबी और ग़ैर मजहबी, दीनी और दुनियावी, साम्प्रदायिक, राजनीतिक और आर्थिक सब तरह के फगड़े और सब तरह की समस्याएं एक दूसरे में गुथी हुई हैं। मालूम होता है हिन्दुस्तान के लिये ही यह बदा है कि वह इन सब समस्याओं के लिये या तो एक ऐसा हल निकाले जिस से यह सब हल हो जावे और या इस कोशिश में मिट जावे। आज दुनिया में जितने बड़े बड़े मजहब ज़िन्दा हैं वह सब एशिया ही में ही पैदा हुए। पूरब और पच्छिम का, नए जमाने और पुराने जमाने का, एशिया एक खास संगम है। सन 1930 और सन 1931 ईसवी के दिसम्बर-जनवरी में हिन्दुस्तान के अन्दर बनारस में पहली कुल एशियाई एजुकेशन कांफरेंस हुई थी। यह देश एशिया के ठीक बीचों बीच है। यह अपने एक हाथ से बौद्ध धर्म, शिन्तो धर्म, ताओ धर्म और कनफ़ुशियस धर्म के मानने वाले बरमा, चीन और जापान को अपने साथ चिपटाए हुए है और दूसरे हाथ से इस्लाम धर्म के मानने वाले

की राज नीति और अर्थ नीति के नाम पर लड़ाइयां उस समय की मजहब के नाम पर लड़ाइयों से कहीं ज्यादा खौफनाक हैं। इन लड़ाइयों के अन्दर अन्दर एक दूसरे से नकरतों की जो आग धक्क रही है वह वैसी की वैसी ही है। आजकल की इन लड़ाइयों में एक तरफ हद्द वरजे धन का लोभ, दूसरों को नेस्त नाबूद कर देने की तैयारी और जिस्मानी ऐश की वह चाह है जो देश भक्ति और क्रौम-परस्ती का जामा पहने हुए है। और अपने को 'इन्डिजिउएलइज्म' यानी व्यक्तिवाद कहती है। और दूसरी तरफ वह साम्यवाद (कम्युनिज्म) या समाजवाद (सोशलइज्म) है जो दुनिया के धन दौलत में सब के साथ मिलकर बराबर का हिस्सा बटाना चाहता है। इस निगाह से इस साम्यवाद या समाजवाद की जड़ें सचमुच रूहानी और धार्मिक हैं। लेकिन अभी तक उसे खुद अपने इस रूप का ठीक ठीक पता नहीं है। अभी तक वह अंधरे में टटोल रहा है, तजुबे कर रहा है और गलतियां कर रहा है। इन गलतियों का कारण यह है कि अभी तक उसकी निगाहें ग़लत तरफ हैं। उसे अभी तक सच्चे और टिकाऊ समाज संगठन का भेद नहीं मिला, वह यह नहीं समझा कि राजनीति (पालिटिक्स) की जड़ें अर्थनीति (इकोनॉमिक्स) में होती हैं, अर्थनीति की जड़ें हमारे घरलू रहन सहन में होती हैं, इस घरलू रहन सहन की जड़ें हमारे दिल के भावों और विमारा के विचारों और आदर्शों में होती हैं, और इन सब की जड़ें दर्शन शास्त्र यानी ज़िन्दगी के फलसफे में होती हैं। और यह दर्शन शास्त्र जब पक्का और पूरा होता है तो यही रूहानी मजहब यानी उस अनन्त जीवन की अध्यात्म विद्या होता है जिसके अन्दर सब साइन्सें, सब विद्याएं और सब हुनर समा जाते हैं।

लेकिन हिन्दुस्तान के अन्दर मजहबी और ग़ैर मजहबी, दीनी और दुनियावी, साम्प्रदायिक, राजनीतिक और आर्थिक सब तरह के फगड़े और सब तरह की समस्याएं एक दूसरे में गुथी हुई हैं। मालूम होता है हिन्दुस्तान के लिये ही यह बदा है कि वह इन सब समस्याओं के लिये या तो एक ऐसा हल निकाले जिस से यह सब हल हो जावे और या इस कोशिश में मिट जावे। आज दुनिया में जितने बड़े बड़े मजहब ज़िन्दा हैं वह सब एशिया ही में ही पैदा हुए। पूरब और पच्छिम का, नए जमाने और पुराने जमाने का, एशिया एक खास संगम है। सन 1930 और सन 1931 ईसवी के दिसम्बर-जनवरी में हिन्दुस्तान के अन्दर बनारस में पहली कुल एशियाई एजुकेशन कांफरेंस हुई थी। यह देश एशिया के ठीक बीचों बीच है। यह अपने एक हाथ से बौद्ध धर्म, शिन्तो धर्म, ताओ धर्म और कनफ़ुशियस धर्म के मानने वाले बरमा, चीन और जापान को अपने साथ चिपटाए हुए है और दूसरे हाथ से इस्लाम धर्म के मानने वाले

بناوٹ جھڑی ہیں۔ رنج اور خوشی، نافرست اور پرم، مہارور شہتان اور رھمدیل ہرور کا بوٹا۔ ہسی ترھ پارسی ځرمم مں اھرمن اور سپیتم، وبتا اور دئی، سور اور اسور، پاپاٹما اور پونیاٹما، شہتان اور فررشتہ، جیندگی اور مویت، اپنا اور پاپنا اور پں آٹما، شیطان اور فرشتہ، زندگی اور موت، اپنا اور پاپنا، یہ سب دنیا میں لازم ملزوم ہیں۔ ایک کے ساتھ دوسرے کا ہونا ضروری ہے۔ اسی اصول پر مذہب بھی اپنے اونچے مقام سے نیچے گرتا ہے۔ اصلی اور ضروری باتوں سے تھ کر وہ بناوٹی اور غیر ضروری چیزوں میں پھنس جاتا ہے۔ یہاں تک کہ گندے اندہ وشواس اور ظالمانہ ریت رواج اُس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں کو ملانے کے بجائے وہ انہیں اور پھانے لگاتا ہے۔ دھرتی دو امن قائم کرنے اور لوگوں میں ایک دوسرے سے پریم پیدا کرنے کی جگہ مذہب ایک دوسرے کو قتل کرنے اور تکلیف پہنچانے پر اُتر آتا ہے۔ کچھ دہن تک یہی ہوتا رہا ہے۔ پھر حالت بدلتی ہے۔ آدمی کا دل بدلتا ہے۔ اُس میں پچھتاوا چاکتا ہے۔ مذہب میں سدھار ہوتا ہے۔ روح وہی رہتی ہے پر اوپر کا روپ یا جسم بدل جاتا ہے۔ انسان پھر سے پیدا ہوتا ہے، وہ اوپر اُٹھتا ہے۔ آدم گناہ کرتا ہے، اُسوی بھدھن میں پڑتا ہے، اھنکار کی بیڑیاں اپنے اوپر لپٹا ہے، خودی، غصہ اور شہوت کے قابو میں آ جاتا ہے اور یہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ اپنی اِس چھوٹی خودی کو مار کر وہ پھر اوپر اُٹھے اور نجات یعنی موکش حاصل کرے۔ اسی کو فنا فی اللہ ہو جانا یعنی بھمہ نروان کہتے ہیں۔ تب روح کو وہ رتبہ حاصل ہوتا ہے، وہ شانتی پر اُپرت ہوتی ہے جو سک اور دیک، نفرت اور پریم جیسی ہر طرح کی دوٹی سے الگ اور اُپر ہے۔

جہاں تک ہمیں دنیا کا، خاص کر بیچ کے زمانے کا، اُنہاس معلوم ہے وہاں تک یورپ میں اور پچھم میں دونوں جگہ مذہب کے نام پر لڑائی جھگڑے ہوتے رہے ہیں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے بیچ سلیمی لڑائیوں (کروسیڈس) کے زمانے میں اور اُس کے بعد اور خود عیسائی دھرم کے اندر الگ الگ سمپرداؤں کے بیچ اُن مذہبی جھگڑوں نے، جو انکئیو زیشن کہلاتی تھیں، کیول دھارمک مستبہد کے کارن لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا یا زندہ جلا دیا۔ مذہب کے نام پر وہ سب کارنامے یاد کر کے آدمی کانپ اُٹھتا ہے۔ یورپ میں اب کچھ دہنوں سے کیتھک، پروٹسٹنٹ جھگڑے نہیں ہو رہے ہیں۔ لیکن یورپ ابھی تک اُن جھگڑوں سے پوری طرح آزاد بھی نہیں ہے۔ سن 1921 عیسوی میں آزاد آئرش حکومت (آئرش فری اسٹیٹ) کے انکلیڈ سے ٹوٹ کر الگ ہو جانے کا کارن ایک بڑے درجے تک یہی مذہبی فرق تھا، انکلیڈ پروٹسٹنٹ ہے اور آئرلینڈ کیتھک۔ سارے یورپ کے اندر وہ براہی پہلے دھارمک یا سمپرڈانٹ تھی تو اب راجنیک اور آرٹھک ہے اور آجکل

ये दोनों जानवर उस स्थान के कुछ आदिम जातियों के कुल-देवता थे. लेकिन वे लोग जो वहां के जमींदार थे अपने को परम्परागत क्षत्रिय भेनी का कहते थे और उन्होंने नया “जाति” सूचक शब्द भी अपना लिया. ठीक इसी तरह बङ्गाल की पूर्वी पहाड़ियों में टिपरा और मनीपूर के राजवंश हैं, जो अपने को क्षत्रिय कहते हैं और आजकल राजपूतों से ही अपना नाता गोता रखते हैं. इसी सबब आज के हिन्दुस्तान में राजपूत और क्षत्रिय (बालने में छत्री) एक ही माइनों में इस्तेमाल होते हैं.

یہ دونوں جانور اُس استہان کے کچھ آدم جاتیوں کے کلدیوتا تھے. لیکن وہ لوگ جو وہاں کے زمیندار تھے اپنے کو پریمبراکت چترہ شریلی کا کہتے تھے اور انہوں نے نیا ”جاتی“ سوچک شد بھی اپنا لیا. ٹھیک اسی طرح بنگال کی پوری پہاڑیوں میں ٹپرا اور منی پور کے راج وندش ہیں، جو اپنے کو چترہ کہتے ہیں اور آجکل راجپوتوں سے ہی اپنا ناتا گونا رکھتے ہیں. اسی سبب آج کے ہندوستان میں راجپوت اور چترہ (بالنے میں خत्री) ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں.

अमन और प्रेम का एक ही रास्ता

अमन اور प्रेम का ایک ہی راستہ

डाक्टर भगवानदास

(ڈاکٹر بھگوان داس)

धर्म या मजहब की एक ही गरज है और वह यह है कि लोगों के दिलों को एक दूसरे के साथ और अल्लाह के साथ मिलाया जावे. धर्म का कमाल यानी पूरापन इस बात के समझ लेने में है कि एक ही आत्मा सब के अन्दर है और वही अल्लाह है, और इसीलिये सब की सेवा ही अल्लाह की इबादत है.

इन्जील में लिखा है:—“पूरे दिल के साथ ईश्वर से प्रेम करो और अपनी ही तरह अपने पड़ोसी से प्रेम करो.” इसमें यह शामिल है कि अपने अन्दर मौजूद आत्मा ही परम आत्मा यानी ईश्वर है.

पर यह सारी कायनात यानी सृष्टि दुई पर कायम है और दो-दो विरोधी चीजों से बनी है. वजूद की सुई बराबर दोनों तरफ के दो सिरों के बीच में चक्कर काटती रहती है. इसीलिये हमें अनेक में एक यानी कसरत में बहदत की भलक मिलती रहती है. इसी को ‘बहदत दर जात’ यानी परम तत्व में एकता और ‘कसरत दर सिफात’ यानी गुणों और धर्मों में अनेकता कहते हैं. हकीकत एक है और उसके गुण यानी सिफात अनगिनत हैं. ऊपरी धर्म बहुत से हैं, धर्मों एक है. अनेकता के अन्दर बिगाड़ का हाना भी लाजमी है. व्यापकता और हकीकत को चमकाने के लिये खुदी और

دھرم یا مذہب کی ایک ہی غرض ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اور اللہ کے ساتھ ملایا جائے. دھرم کا کمال یعنی پورا پورا اس بات کے سمجھ لینے میں ہے کہ ایک ہی آتما سب کے اندر ہے اور وہی اللہ ہے، اور اسی لئے سب کی سیوا ہی اللہ کی عبادت ہے.

انجیل میں لکھا ہے:—”پورے دل کے ساتھ ایشور سے پریم کرو اور اپنی ہی طرح اپنے پڑوسی سے پریم کرو.“ اس میں یہ شامل ہے کہ اپنے اندر موجود آتما ہی پریم آتما یعنی ایشور ہے.

پر یہ ساری کائنات یعنی سرشتی دنی پر قائم ہے اور دو دو ورودی چیزوں سے بنی ہے. وجود کی سونی برابر دونوں طرف کے دو سروں کے بیچ میں چکر لگتی رہتی ہے. اس لئے ہمیں انیک مبی ایک یعنی کثرت میں وحدت کی جھلک ملتی رہتی ہے. اسی کو ‘وحدت در ذات’ یعنی پریم نتو میں ایکتا اور ‘کثرت در صفات’ یعنی گنوں اور دھرموں میں انیکتا کہتے ہیں. حقیقت ایک ہے اور اس کے گن یعنی صفات آنکستت ہیں. اوپری دھرم بہت سے ہیں دھرمی ایک ہے. انیکتا کے اندر بگاڑ کا ہونا بھی لازمی ہے. وہابیت اور حقیقت کو چمکانے کے لئے خودی اور

ब्रह्मणों ने ब्रह्मन्यवाद के नाम पर तमाम लड़ाकू जातियों को एक नये क्षत्रिय वर्ण में शामिल करने के लिये शुद्ध आन्दोलन चलाया, क्योंकि उन्हें अपने काम के लिये मददगारों की जरूरत थी. इसलिये जब तक ब्राह्मणवादी धर्म का बोलबाला रहा, जितने भी विदेशी या आदिम निवासी थे सभी क्षत्री वर्ण में शामिल कर लिये गये और उनके लिये नई नई वंशावलियां बना ली गईं. इस तरह उन नये क्षत्रियों ने अपनी जाति को पश्चिमी और मध्य भारत की सरहदों तक महदूद रखा. यी वैद्य ने खुद इस बात को माना है कि पंजाब राजपूत क्षत्रीलों की केहरिस्त से अलग था, क्योंकि इस पर मुसलमानों का कब्जा हो चुका था, या ऐसा भी हो सकता है कि उस समय बौद्ध राजे उस सूबे में राज कर रहे थे. वहां कोई न कोई ऐसी अड़चन जरूर रही होगी, जिससे पंजाब के नये क्षत्रिय इस संगठन आन्दोलन में शामिल न हो सके. पूरब में मगध और बंगाल में बौद्ध पालों का उस समय राज था, और इसलिये यह आन्दोलन उन प्रदेशों में न घुस सका. दक्षिण में राज और बल्लाल पहिले से ही उस पद तक पहुंच चुके थे. इस प्रकार इस क्षेत्र में रहने वाली लड़ाकू लोगों की शासक भ्रेणी क्षत्रिय बन गई और उन्हें “राजपूत” का नया नाम मिला. इसी कारन गुजरा, जाट और अहीर जनता, जो कि शासक अनेी में नहीं थी, क्षत्रिय वर्न में शामिल न हो सकी, हालांकि इनसानी नस्ल के जानकार आलिम इनमें और राजपूतों में बहुत नजदीकीपन पाते हैं.

जब राजपूत नाम बाइज्जत हो गया और राजपूतों की बहादुरी के सबब उस नाम में बड़प्पन और इज्जत हाने लगी ता दूसरे लोगों ने भी, जो धीरे-धीरे क्षत्रिय वर्ग में शामिल होना चाहते थे, अपने नाम के आगे राजपूत लफ्ज जोड़ लिया. इस प्रकार छोटा नागपूर में हम नाग-वंशी और गो-वंशी राजपूतों को पाते हैं. ये लोग अपने को सांप (नाग) और गाय (गो)* के वंश का कहते हैं. यह साफ है कि

برہمہنوں نے براہمن واد کے نام پر تمام لڑاکو جاہلوں کو ایک نئے چھتریہ ورن میں شامل کرنے کے لئے شہدی آندولن چلایا، کیونکہ انہیں اپنے کام کے لئے مددگاروں کی ضرورت تھی۔ اس لئے جب تک براہمن وادی دھرم کا بول بالا رہا، جتنے بھی وندیشی یا آدم فواسی تھے سبھی چھتری ورن میں شامل کر لئے گئے اور ان کے لئے نئی نئی وندشالیاں بنائی گئیں۔ اس طرح اُن نئے چھتریوں نے اپنی جاتی کو پچھمی اور مدھیہ بھارت کی سرحدوں تک محدود رکھا۔ شری ویدیتہ نے خود اس بات کو مانا ہے کہ پنجاب راجپوت قبیلوں کی نہرست سے الگ تھا، کیونکہ اس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا، یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اُس سے بوندہ راجے اس صوبے میں راج کر رہے تھے۔ وہاں کوئی نہ کوئی ایسی اڑچن ضرور رہی ہوگی جس سے پنجاب کے نئے چھتری اس سنگھن آندولن میں شامل نہ ہو سکے۔ پورب میں مکندہ اور بنگال میں بوندہ پاہوں کا اُس سے راج تھا۔ اس لئے یہ آندولن اُن بدیشیوں میں نہ گھس سکا۔ دکن میں راجو اور بلال پہلے سے ہی اس بد پر پہنچ چکے تھے۔ اس پرکار اس چھتریہ میں رہنے والی لڑاکو لوگوں کی شاکس شرنی چھتری ہی گئی اور انہیں ”راجپوت“ کا نیا نام ملا۔ اسی کارن گرجر، جات اور اہیر جتنا، جو کہ شاکس شرنی میں نہیں تھے، چھتریہ ورن میں شامل نہ ہو سکی، حالانکہ انسانی نسل کے چاکلہ عالم ان میں اور راجپوتوں میں بہت نزدیکی پاتے ہیں۔

جب راجپوت نام ہائزت ہو گیا اور راجپوتوں کی بہادری کے سبب اُس نام میں بیزین اور عزت ہونے لگی تو دوسرے لوگوں نے بھی، جو دھرمے دھرمے چھتری درن میں شامل ہونا چاہتے تھے، اپنے نام کے آگے راجپوت لفظ جوڑ لیا۔ اُس پرکار چھترٹا ناگپور میں ہم ناگ ونشی اور گروونشی راجپوتوں کو پاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے کو سانپ (ناگ) پائے (گٹو) * کے ونش کا کہتے ہیں۔ یہ صاف ہے کہ

❖—पञ्जाब के मैदानों के राजपूतों के जाति नाम, जो ज्यादातर मुसलमान हो गये हैं, बड़ी हैं जाँक राजपूताना और गंगा के द्वाबे के राजपूतों के हैं। इसका मतलब यह हुआ कि इन जगहों से लोग पञ्जाब में चले आये थे। इस सूबे की पूरबी पहाड़ियों के राजपूत राजपूताना के राजपूतों से नाची भेनी के समझे जाते हैं। यानी वे दूसरी जाति के हैं। उनकी जाति का ठीक ठीक पता अभी तक नहीं चला है, क्योंकि अभी तक उनकी खोज नहीं हो पायी है। श्वेडसन कहता है कि इस स्थान का राजपूत शब्द पेरो का सूचक है (P. 362).

ۛ پنجاب کے مہدائوں کے راجپوتوں کے جانی نام، جو زیادہ تر مسلمان ہو گئے ہیں، وہی ہیں جو کہ راجپوتانہ اور گنگا کے دواپے کے راجپوتوں کے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ ان جگہوں سے لوگ پنجاب میں چلے آئے تھے۔ اس صوبے کی پوری پہاڑیوں کے راجپوت راجپوتانہ راجپوتوں سے نیچے شہرینی کے سمجھے جاتے ہیں۔ یعنی وہ دوسری جاتی کے ہیں۔ ان کی جاتی کا ٹھیک ٹھیک پتہ ابی تک نہیں چلا ہے، لیونکہ ابھی تک ان کا کھوج نہیں ہو پایا ہے، ایتقسن ہتا ہے کہ اس استہان کا راجپوت شد بدیشہ کا سوچک ہے (P. 36).

*—Risley—Tribes and castes of Bengal—Ethnographic glossary, Vol I. PP.

ہوئے ہندوستان میں بسے، وہ بڑی طرح سے ہندوستانی ہو گئے۔ क्षत्रिय राजाओं سے ان لوگوں کے بیواہوں سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کے بھی شاہک چھتریہ راجاؤں کے برابر ہی کے ہوا کرتے تھے۔ اس لئے اگر وہ ہندوؤں کے مساوات دھارمک شدہ کرنا کے بعد چھتریہ بن گئے، تو ان کی حیثیت سے ہندوؤں میں شامل کر لئے گئے۔ تو ہمیں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

ان تمام باتوں پر विचार کر لینے کے بعد، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ شک، ہن اور دوسرے ویدیشی جو کہ ہندوستان میں بس گئے، وہ ہندو دھرم کے پیروکار شامل کر لئے گئے اور جس جس وزن میں گئے ایسی میں وہیں نگہوں کی حیثیت سے سما گئے۔ ہندو دھرم چاروں نے اصولی نقطہ نظر سے انہیں شہر کی شہر میں رکھا تھا، لیکن ہم تو انہیں ہندو اور چھتریہ راجاؤں کے یہاں شادی کرتے ہوئے پاتے ہیں! اس پرکار نظر پڑتی دھرم کے کاغذی دھارمک فیملوں اور جہوں کے دھرم میں ہم اتنے پاتے ہیں۔

ان باتوں کو دیکھ کر یہ ممکن معلوم پڑتا ہے کہ

ہن ہندوستان میں بسے، وہ بڑی طرح سے ہندوستانی ہو گئے۔ چھتریہ راجاؤں سے ان لوگوں کے دھرم سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کے بھی شاہک چھتریہ راجاؤں کے برابر ہی کے ہوا کرتے تھے۔ اس لئے اگر وہ ہندوؤں کے مساوات دھارمک شدہ کرنا کے بعد چھتریہ بن گئے، تو ان کی حیثیت سے ہندوؤں میں شامل کر لئے گئے۔ تو ہمیں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

ان تمام باتوں پر विचार کر لینے کے بعد، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ شک، ہن اور دوسرے ویدیشی جو کہ ہندوستان میں بس گئے، وہ ہندو دھرم کے پیروکار شامل کر لئے گئے اور جس جس وزن میں گئے ایسی میں وہیں نگہوں کی حیثیت سے سما گئے۔ ہندو دھرم چاروں نے اصولی نقطہ نظر سے انہیں شہر کی شہر میں رکھا تھا، لیکن ہم تو انہیں ہندو اور چھتریہ راجاؤں کے یہاں شادی کرتے ہوئے پاتے ہیں! اس پرکار نظر پڑتی دھرم کے کاغذی دھارمک فیملوں اور جہوں کے دھرم میں ہم اتنے پاتے ہیں۔

†-विष्णु पुराण में [4।3।1-21] उन विदेशियों की चर्चा है जा अयोध्या में बस गये और क्षत्रिय बन गये और जिन्होंने ब्राह्मणों से ब्राह्मण्यवादी पूजा विधियाँ संपादित कराईं. (Bd iii, 48, 29-47, J. R. A. S. 1919 pp. 358—6) बाद में सगर ने, तालजंघ हैहयों को हराया और अयोध्या को फिर से जीता (Bd. iii, 48-49, 10) उन्होंने विदेशी कबीलों को खत्म करने का पक्का इरादा कर लिया लेकिन इनकी प्रार्थना पर वशिष्ठ मध्यस्थ बने और सगर ने उनकी जान बख्श दी. लेकिन सगर ने धार्मिक और राजनीतिक नजर से उन्हें नीचे गिराया.” (Pargiter, pp. 269-270)

†-विष्णु पुराण میں [4।3।1-21] ان ویدیشیوں کی چرچا ہے جو اُردھیا میں بس گئے اور چھتریہ بن گئے اور جنہوں نے ہندوؤں سے براہمنیہ وادی پوجا دھرم سمیاد کروائیں. (Bd iii, 48, 29-47, J. R. A. S. 1919 pp. 358—6) بعد میں سگر نے، تال جَنگھ ہایوں کو ہرا یا اور اُردھیا کو پھر سے جیتا (Bd. iii, 48, 49, 10) انہوں نے ویدیشی فیملوں کو ختم کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ لیکن ان کی پُرا رتھنا پر وشٹہ مڈھیسٹہ نے اُن کی جان بخش دی۔ لیکن سگر نے دھارمک اور راجنیتک نظر سے انہیں نیچے گرایا۔“ (Pargiter, pp. 269-270)

श्रीजायसवाल ने भी बनारस के सिद्धियन क्षत्रप बनसफर के उन वंशजों की चर्चा की है, जो बुन्देलखण्ड में रहते थे. वे कहते हैं, “उनको नीच कुल का समझा जाता था. वे राजपूत घरानों में मुश्किल से शादी कर पाते थे और आज भी वे नीची श्रेणी के समझे जाते हैं. उन्हीं के नाम से बुन्देलखण्ड में बनफरी बोली बोली जाती है. “History of India” in J. B. O R. S. Vol. XIX मध्य भारत में एक राजपूत जाति बनफोड़ है, जो लेखक की खोजों के अनुसार राजपूतों से अन्तर-विवाह मुश्किल से कर पाते थे. महोबा के मध्यकालीन राजपूत वीर—आल्हा और उदल बनाफर राजपूत थे लेकिन उनका नीचा स्थान किन्हीं और वजहों से है.

शरी جیسوال نے بھی بنارس کے سیدیں چھتریہ بنسفر کے ان وندیشیوں کی چرچا کی ہے، جو بندیلکھنڈ میں رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں، ”ان کو نیچے تل کا سمجھا جاتا تھا۔ وہ راجپوت گھرانوں میں مشکل سے شادی کر پاتے تھے اور آج بھی دے نیچے شہرینی کے سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں کے نام سے بندیلکھنڈ میں بنافری بولی جاتی ہے۔ “History of India” in J. B. O. R. S. Vol. XIX مध्य भारत में एक राजपूत जाति बनफोड़ है, जो लेखक की खोजों के अनुसार राजपूतों से अन्तर-विवाह मुश्किल से कर पاتے थे. महोबा के मध्यकालीन राजपूत वीर—आल्हा और उदल बनाफर राजपूत थे लेकिन उनका नीचा स्थान किन्हीं और वजहों से है.

s—Vide Manu X—43-44, Patanjali 2. 4. 10.

پورائے چھترہوں سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ * تماشہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے چھترہ اپنے نام کے آگے سنہ (بولنے میں سنہ) شبن کو جڑتے ہیں۔ اس لئے چھترہ پرودہ سنہ اور اُن کے سجاتیہ لوگوں کے راجپوت سنہوں کے پرودہ ہونے میں کوئی آشچریہ کی بات نہیں ہے۔

اب ہم کچھ راجپوتوں کے ”ہن“ سنسکرت کے سوال پر وچار کریں گے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے تاق لے ہی پہلے یہ بتایا کہ راجپوتوں میں ”ہن“ نام کا ایک قبیلہ ہے۔ لیکن شری ویدیک اس بات کو یہ کہہ کر کثرت دیتے ہیں کہ راجپوت قبیلے کی سوچی میں ”ہن“ نہیں ”ہول“ ہے۔ * آگے دے کہتے ہیں ”مسلمانوں کے پرودہ ہونے اور ہولوں کا نام آنا ہے۔ (Tod's Rajasthan by Crooke, Vol. 1, P. 290) ہول ہول سے الگ چھترہوں میں ایک قبیلہ تھا۔ S آگے پھر دے کہتے ہیں ”کار پال چت میں (اس کی رچنا چندر گہر والا نے 1008-1130 عیسوی میں کی تھی) چھترہوں کے کچھ راج لوگوں کی سوچی میں ہن بھی ہیں۔ †۔ راسو کی سوچی میں اسے ہول کہا گیا ہے۔ ‡ آگے چل کر دے کہتے ہیں ”لیکھوں سے چھترہ راجاؤں کا ہن راجکارپوں سے بیاہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ § گیارہویں صدی میں کل چریوں کے شاسک کرن دیو نے ہن راج کارمی اولاد دیوی سے شادی کی (وکر دیو چرت)۔

اس طرح سن 530 عیسوی میں پنجہمی بھارت سے یشو دھرمین دوارا مہرکل کے ہرا دیئے جانے اور نکال دیئے جانے کے بعد بھی ہنوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ 9-10 صدیوں میں ہم بنگال کے پال راجاؤں کے ہارے کے سہارے کے روپ میں ہن کا نام پاتے ہیں۔ *

ایسا لگتا ہے کہ وہ ہندوستان بھر میں گھومتے رہتے تھے اور وہیں راجاؤں کے یہاں فوجوں میں کام کیا کرتے تھے۔ ان راجاؤں میں یہ بات نو مان ہی لی گئی ہے کہ جو

پورائے چھترہوں سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ * تماشہ یہ ہے کہ یہ تمام نئے چھترہ اپنے نام کے آگے سنہ (بولنے میں سنہ) شبن کو جڑتے ہیں۔ اس لئے چھترہ پرودہ سنہ اور اُن کے سجاتیہ لوگوں کے راجپوت سنہوں کے پرودہ ہونے میں کوئی آشچریہ کی بات نہیں ہے۔

اب ہم کچھ راجپوتوں کے ”ہن“ سنسکرت کے سوال پر وچار کریں گے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے تاق لے ہی پہلے یہ بتایا کہ راجپوتوں میں ”ہن“ نام کا ایک قبیلہ ہے۔ لیکن شری ویدیک اس بات کو یہ کہہ کر کثرت دیتے ہیں کہ راجپوت قبیلے کی سوچی میں ”ہن“ نہیں ”ہول“ ہے۔ * آگے دے کہتے ہیں ”مسلمانوں کے پرودہ ہونے اور ہولوں کا نام آنا ہے۔ (Tod's Rajasthan by Crooke, Vol. 1, P. 290) ہول ہول سے الگ چھترہوں میں ایک قبیلہ تھا۔ S آگے پھر دے کہتے ہیں ”کار پال چت میں (اس کی رچنا چندر گہر والا نے 1008-1130 عیسوی میں کی تھی) چھترہوں کے کچھ راج لوگوں کی سوچی میں ہن بھی ہیں۔ †۔ راسو کی سوچی میں اسے ہول کہا گیا ہے۔ ‡ آگے چل کر دے کہتے ہیں ”لیکھوں سے چھترہ راجاؤں کا ہن راجکارپوں سے بیاہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ § گیارہویں صدی میں کل چریوں کے شاسک کرن دیو نے ہن راج کارمی اولاد دیوی سے شادی کی (وکر دیو چرت)۔

اس طرح سن 530 عیسوی میں پنجہمی بھارت سے یشو دھرمین دوارا مہرکل کے ہرا دیئے جانے اور نکال دیئے جانے کے بعد بھی ہنوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ 9-10 صدیوں میں ہم بنگال کے پال راجاؤں کے ہارے کے سہارے کے روپ میں ہن کا نام پاتے ہیں۔ *

ایسا لگتا ہے کہ وہ ہندوستان بھر میں گھومتے رہتے تھے اور وہیں راجاؤں کے یہاں فوجوں میں کام کیا کرتے تھے۔ ان راجاؤں میں یہ بات نو مان ہی لی گئی ہے کہ جو

*—उत्तर बंगाल के काँच कबीले ने हिन्दू होने के बाद राजवंशी-शासक कुलों से सम्बन्धित नाम धारण कर लिया.

आजकल वे अपने को क्षत्रिय कहते हैं. राजन्य शब्द प्राचीन और राजपूत वर्तमान इतिहास के शब्द हैं. इसलिये उन्हें नये शब्द की जरूरत थी. सब तो यह है कि इस नये नाम का वही अर्थ है जो कि दूसरे शब्दों का है.

*—अनुर बंगाल के कुंज कबीले ने हन्दु होने के बाद राज वंशी शासक कुलों से सम्बन्धित नाम धारण कर लिया. आजकल वे अपने को चहत्रि कहते हैं. राजन्य शब्द प्राचीन और राजपूत वर्तमान इतिहास के शब्द हैं. इसलिये उन्हें नये शब्द की जरूरत थी. सब तो यह है कि इस नये नाम का वही अर्थ है जो कि दूसरे शब्दों का है.

§—Vaidya, Vol. IV, 23-26.

§—Ibid.

†—मल्लिनाथ, कालिदास के रघुवंशम् की टीका के चौदहवें अध्याय में इन्हें क्षत्रिय बताते हैं.

‡—मल्लिनाथ, कालिदास के रघुवंशम् की टीका के चौदहवें अध्याय में इन्हें क्षत्रिय बताते हैं.

§—Vaidya, Vol. 111, P. 37.

§—Ibid Vol. 11, P. 26.

*—Vide Pala inscriptions published in Epigraphica Indica.

हमेशा कहता है कि बर्ण गुणों के अनुसार बनते हैं (गीता)। बर्ण की बुनियाद कर्म है, इसलिये हिन्दू समाज में ऐसी कोई चीज नहीं है, जिससे कि परम्परागत बर्णों में एक नया दल समाज के लिये किये हुये कर्म के आधार पर तैयार किया जाये।

अब हम राजपूतों के विदेशी होने के सवाल पर आते हैं। हमने कहा है कि मानवतत्व वेत्ता यह नहीं मानते कि राजपूतों का विकास सिधियनों से हुआ। लेकिन हम यह देखते हैं कि ब्राह्मणों ने पश्चिमी भारत में दूसरी जातियों के लोगों को क्षत्री बनाया था और इन क्षत्रियों के खानदानी पार्थियन या शक हिन्दू नाम के थे।[‡] इस कुत्त के आखरी लोग रुद्र सिंह तीसरे थे। खन्डहरों की खोजों से पता चलता है कि शकों और बहुत से यवनों ने ब्राह्मण्यवाद स्वीकार कर लिया था।* यह साफ है कि शक क्षत्रियों ने ब्राह्मण्यवाद स्वीकार कर लिया क्योंकि ब्राह्मण राजा पुलमई ने वस्तन के पोते क्षत्रप रुद्र दामा की लड़की से शादी की।[†] इतिहास बताता है कि चन्द्रगुप्त दूसरे ने 328 ईसवी में इस शाही खानदान का खत्म किया। लेकिन इसका अर्थ यह नहीं कि दो सौ बरसों से जितने भी शक इस साम्राज्य में रहते थे सभी खत्म कर दिये गये, इतिहास भी इसकी गवाही नहीं देता। रुद्र सिंह तीसरे तो जरूर खत्म कर दिये गये, लेकिन बहुत से पुराने बसने वालों के सिंह नामधारी ब्राह्मण वंशज रह गये थे। उसी शक साम्राज्य की सीमा के ठीक भीतर वह यज्ञ हुआ था, फिर बाद में हम देखते हैं कि गुर्जर प्रतिहारों ने भी अपनी राजधानी उसी खित्ते में बनाई। तो यह कोई आश्चर्य की बात नहीं होगी कि ब्राह्मणों ने, जैनों और बौद्धों के खिलाफ अपने लड़ने वालों को कट्टर हिन्दू व्यवस्था के दूसरे बर्णों में पहुँचाने के लिये एक आधार के रूप में मजहबी इजाजत दे दी! इसलिये यह कोई नामुमकिन बात नहीं है कि बहुत से शक और गुर्जर कबीले की शासक श्रेणी के लोग क्षत्रिय बन गये और उन्हें "राजपूत" की नई उपाधि मिली। यह नया नाम उन्हें

कहता है कि वरुण कर्ण के अनुसार बन्ते हैं (गीता) ।
 वरुण की बुनियाद कर्म है, अतः लैहन्दो सजा में ऐसी
 कौन चीज नहीं है, जिस से के प्रमोराकत वरुणों में एक
 नया दल सजा के लैह क्लैह कर्म के आधार पर तैयार किया
 जाये ।

अब हम राजपूतों के विदेशी होने के सवाल पर आते हैं। हमने कहा है कि मानवतत्व वेत्ता यह नहीं मानते कि राजपूतों का विकास सिधियनों से हुआ। लेकिन हम यह देखते हैं कि ब्राह्मणों ने पश्चिमी भारत में दूसरी जातियों के लोगों को क्षत्री बनाया था और इन क्षत्रियों के खानदानी पार्थियन या शक हिन्दू नाम के थे।[‡] इस कुत्त के आखरी लोग रुद्र सिंह तीसरे थे। खन्डहरों की खोजों से पता चलता है कि शकों और बहुत से यवनों ने ब्राह्मण्यवाद स्वीकार कर लिया था।* यह साफ है कि शक क्षत्रियों ने ब्राह्मण्यवाद स्वीकार कर लिया क्योंकि ब्राह्मण राजा पुलमई ने वस्तन के पोते क्षत्रप रुद्र दामा की लड़की से शादी की।[†] इतिहास बताता है कि चन्द्रगुप्त दूसरे ने 328 ईसवी में इस शाही खानदान का खत्म किया। लेकिन इसका अर्थ यह नहीं कि दो सौ बरसों से जितने भी शक इस साम्राज्य में रहते थे सभी खत्म कर दिये गये, इतिहास भी इसकी गवाही नहीं देता। रुद्र सिंह तीसरे तो जरूर खत्म कर दिये गये, लेकिन बहुत से पुराने बसने वालों के सिंह नामधारी ब्राह्मण वंशज रह गये थे। उसी शक साम्राज्य की सीमा के ठीक भीतर वह यज्ञ हुआ था, फिर बाद में हम देखते हैं कि गुर्जर प्रतिहारों ने भी अपनी राजधानी उसी खित्ते में बनाई। तो यह कोई आश्चर्य की बात नहीं होगी कि ब्राह्मणों ने, जैनों और बौद्धों के खिलाफ अपने लड़ने वालों को कट्टर हिन्दू व्यवस्था के दूसरे बर्णों में पहुँचाने के लिये एक आधार के रूप में मजहबी इजाजत दे दी! इसलिये यह कोई नामुमकिन बात नहीं है कि बहुत से शक और गुर्जर कबीले की शासक श्रेणी के लोग क्षत्रिय बन गये और उन्हें "राजपूत" की नई उपाधि मिली। यह नया नाम उन्हें

‡—H. C. Rai Chaudhari: Political History of ancient India. pp. 33, 38-39.

*—देखिये—हेलेनिस्टिक राज्य के हेलेनिस्टिक राजदूत—जिसने कि अपना नाम "परम नागवन हे लयदारा" रख था—का बनाया गौरा स्तम्भ

(देखिये—लेनिस्टर के लेनिस्टर राजदूत जिसने कि अपना नाम "परम नागवन हे लयदारा" रख था—का बनाया गौरा स्तम्भ)

Vincent Smith, Early History of India;—also vide Ep. In lica Vol. VI The Inscriptions in the Caves of Nasik No 10 12, 13.

†—H. C. Rai Chaudhari ap, cit, pp. 339, 383-384.

ہے۔ B جو اس دھرا دھام پر اس وقت ابھرتا تھا جب سورج کل لپٹ ہو گیا۔ C کہا جاتا ہے کہ پرمار وشنو مانی کے کردار سے پیدا ہوئے۔ D چھوٹا یا چھوٹا راجہ سلیمت 'بھولیا' کے اہلیک میں دس گوتوں کے ویر اتھوا براہمن کہے گئے ہیں۔ E آہو پہاڑ کے لوگ دس گوتوں کے اہلیک میں یہ کہا گیا ہے کہ سورج کل اور چندر کل نشت ہو جانے پر دس رشی نے ایک نوجوی جاتی کا فرمان کیا۔ یہ تھا چوہرمان کل ! F ان لیکھوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ پراچین چھتری درن کے اندر مدھیہ بگ میں نئی بھرتی ہوئی ہے۔ اس طرح یہ صاف ہے کہ پرانے زمانے میں ایک 'سنگتھن' اور شدھی آندوان ضرور ہوا جس سے چھتریہ راجاؤں کی ایک نئی دھارا نکلی، جنہیں راجپوت کہتے ہیں۔ 'ایکسٹن' پلکین اسٹیشن گزٹیر (Pulkian States Gazetteer) سے ایک ادھر دیکھے ہیں، جس میں کہا گیا ہے کہ "چندر دس کی مختلف شاخائیں—ہن گوجر (ہن گوجر)، کچھڑ، شہکار، کھاپ، ایک ہی جگہ سے نکلے ہیں۔ ہن انہیں مہاشہ نے مسٹر ولسن کا حوالہ دیا ہے، جو کہتے ہیں کہ راجپوتوں کی گوجر، ہن گوجر جاتی اکثر ساتھ ہی پائی جاتی ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہن گوجروں کا سبب گوجروں سے وہی ہے، جو خان زادوں کا مہیوں سے ہے، اور جو زیادہ تر راجپوتوں کا جاتوں سے ہے۔" § یعنی شامک شری میں پہنچ جانے کے کارن یہ عام جنتا سے آگ ہو گئے اور ان سے کسی پرکار کا سبب نہیں ماننے۔ اور یہی، پنجاب میں نہا میں، وہیں گوجر جاتیاں اپنے کو اسبشت طور سے راجپوت کل کا کہتی ہیں۔

اس پرکار مختلف جاتیں ہوتی ہیں۔ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ گوجروں (اکل کے گوجر) آ۔ مختلف راجپوت جاتوں میں، نسلی تعلق ہے۔ اس لیے، ہن دوراویک کے ذریعے شدھی اور شدہ ورگوں کا پرماراگت چھتریہ درن میں شامل ہونا من گھڑت کہانی نہیں ہے، خاص طور سے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو سماج آج کے ہندستان میں وہیں استھانوں پر دس کلم کر رہا ہے۔ § ہندو دھرم ہمیشہ راجپوت کل کا کہتی ہیں۔

اس پرکار مختلف جاتیں ہوتی ہیں۔ اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ گوجروں (اکل کے گوجر) آ۔ مختلف راجپوت جاتوں میں، نسلی تعلق ہے۔ اس لیے، ہن دوراویک کے ذریعے شدھی اور شدہ ورگوں کا پرماراگت چھتریہ درن میں شامل ہونا من گھڑت کہانی نہیں ہے، خاص طور سے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندو سماج آج کے ہندستان میں وہیں استھانوں پر دس کلم کر رہا ہے۔ § ہندو دھرم ہمیشہ راجپوت کل کا کہتی ہیں۔

B—Ep. Ind. Vol. XII PP. 10 FF.

C—Indian antiquary Vol. XVIV P. 11.

D—Ep. Ind. Vol. IX, No. 2 P. 11.

E—1. R. A. S. B. Vol. LV P. i 1, P. 4.

F—Ep. Ind. Vol IX No. 44-D-P.F.

—“پنجاب اور سیما پرائن کی جاتیاں اور کھیلوں کا کوشا۔” پرلواکواسی سر ڈی۔ ڈیوٹسن کے پنجاب کی مہرٹم شماری کی رپورٹ کے आधार پر.

* ”پنجاب اور سیما پرائن کی جاتیاں اور کھیلوں کا کوشا۔” پرلواکواسی سر ڈی۔ ڈیوٹسن کے پنجاب کی مہرٹم شماری کی رپورٹ کے आधार پر.

§—Ibid. PP. 310, 312.

§—Ibid.

—یہاں ہمیں بھوہ دارشنگ آرپدیو کی بات یاد آجاتی کہ براہمن تو کسی کو بھی چھتریہ میں بدل دیتے ہیں.

§ یہاں ہمیں بھوہ دارشنگ آرپدیو کی بات یاد آجاتی کہ براہمن تو کسی کو بھی چھتریہ میں بدل دیتے ہیں.

جبکہ उत्तरी भारत ब्रिटिश ईस्ट इण्डिया कंपनी کے ہاتھوں میں چلا گیا اور راجپوتوں نے ہی اس کی پرکھنا شروع کر لی تب کرنل ٹاڈ راجدھت کی ہستی سے راجپوت ریاستوں میں ہجے گئے۔ انہوں نے اپنے راجپوتانہ کے اس پرنام میں مؤرخین راجپوت کنبوں کی کہانیاں اور پرستاروں کا اندھین کیا اور اس کے پھل سرور سنسار کو عجیب و غریب سماچار دیا کہ راجپوت پراچین حملہ آوروں سندھوں اور ہونوں کے خاندان سے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دنیا کو یہ بھی بتایا کہ ابو پہار پر برہمنوں کے نایکوں کے فرمان کرنے کے لئے برہمنوں نے ایک بیکہ بھی کیا تھا۔ یہی ”اگنی کل“ کے راجپوتوں کے جنم کی پرستہ کہانی ہے۔ یہی یہ کہانی بار بار ہر جگہ دہرائی جاتی ہے اور راجپوتوں کے ویشی ہونے کا حق یا خلف ترک بھی پیش کئے جاتے ہیں۔

شری ویدیک کہتے ہیں ”بیکہ کی یہ تھا“ چند ہندوئی دورا لکھے پرتیوی راج راسو میں صرف شاعرانہ آڑاں ہے۔ لیکن اس کتاب کا وزن ہمیں نیمروہ مندر کے جین اہلیکوں میں ملتا ہے۔ اس پرمارگت تھا کی سچائی پر اور باہری گویاں بھی مل سکتی ہیں۔

اگنی کل راجپوتوں میں ایک پری ہار جاتی بھی ہے اور شری ہندارڈ نے ثابت کیا ہے کہ پری ہار اور پرتی ہار ایک ہی ہیں، اور ہم نے پرتی ہاروں کو گرجروں کی ایک شاخا مانا ہے۔ اس لئے سوال اٹھتا ہے کہ کب سے گرجر قبیلہ ویدک چھتریہ بن گیا؟ یہی انہماکار آگے کہتے ہیں۔ کہ سولنکی (چالوکیہ) چوہان (چوہان) اور پرمار جو اگنی کل والوں کی سوچی ہوئی کرتے ہیں، مول روت سے گرجروں کی ہی شاخا ہیں۔ اس میں ہونس (Hoesule) توہر اور کچھولوں کو بھی جوڑنا چاہتے ہیں۔

پرتی لکھاوت (پورا - لپی) سمینڈھی A (epigraphy) ہرجر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ میوار کے گہرٹ، آندوی پور کے ناگر برہمن، گہرٹ کے رنچج تھ۔ انہوں نے (Atpure) کے اہلیکوں میں آتے۔ ”ہیدیو“ اور ”وہرل نندن“ کہا گیا ہے۔ ان کا وچ روپ (Vaijayope) گہرٹ ہے۔ یہ گہرٹ ناگر برہمنوں میں ملتا ہے۔ چانسو (Chatsu) اہلیکوں میں گہرٹ بلادیہ کو ہرجم - چھروت کہا گیا

♣—دیکھو ونسینٹ اسمتھ۔ ہندارڈ ویدیہ آئی۔ ماتونٹو شاستری اس معاملے میں انہماکوں سے ہیں وچار رکھتے ہیں۔

♣—Vide Epi. Ind Vol. VIII P. 201.

♣—Bhandarkar, J. R. A. S. 1905 PP. 1-4, 31-32.

♣—Ibid.

♣—Bhandarkar I. R. A. S. 1905 PP. 1-4, 31-32.

A—N. C. Vasu, History of kawsupa.

क्षत्रिय बना दिया।” लेकिन अब भी मरहटों जाति का सामाजिक स्थान क्या हिन्दू वर्णाश्रम व्यवस्थाके भीतर है यह सबाल बहस तलब है। अब भी मरहटों को ब्राह्मणों ने जाति की हैसियत से क्षत्रिय नहीं माना है। क्षत्रीयपन के दावे का सबाल तब उठा जब कि शिवाजी के नीचे मरहटे एक आजाद कौम की तरह तरक्की कर चुके, कुनबी खेतिहर जो कि शूद्र माना जाता है, जब लड़ाकू मरहटा बन गया और उसने शिवाजी की नेताशाही में एक आजाद राज्य की स्थापना की, तब उसने प्राचीन क्षत्रिय जाति का सदस्य होने का दावा किया। लेकिन दक्षिण के ब्राह्मण शिवाजी के उत्थान के पहिले उसी प्रदेश में बहुत शक्तिशाली थे और शिवाजी के मरने के बाद इन्होंने ही राजनीतिक अधिकारों को हड़प लिया।

इस तरह हम देखते हैं कि एक कशमकश के बाद ही मरहटे ऊंचा दरजा पा सके थे। लेकिन शिवाजी के बाद के जमाने में उन्हें शासक और लड़ाकू ब्राह्मणों से सामाजिक संघर्ष (जद्दोजेहद) करना पड़ा, जिसके फलस्वरूप उनकी सामाजिक स्थिति कमजोर पड़ गई। उधर जहां तक राजपूतों का मामला है, उनकी सामाजिक स्थिति उनकी राजनीतिक शक्ति के कारन बनी रही। इसलिये ब्राह्मणों ने उसे स्वीकार भी किया।

अब हम राजपूतों की तरक्की के सबाल को लेंगे। शरीर (जिस्म) विज्ञान की नजर से (Somatologically) हमने यह देख लिया है कि ये एक ही कुल के नहीं हैं। यह साफ है कि अलग अलग जातियों ने मिल कर राजपूत जाति का निर्माण किया; इनमें सब से अधिक संख्या उन लोगों की है, जो आजकल दूसरी जातियों में पाये जाते हैं। इसी कारन वे दूसरे हिन्दुस्तानियों से अलग नहीं किये जा सकते।* इसलिये यह नहीं कहा जा सकता कि वे अलग से एक खास गिराह हैं। अगर ऐसा है तो हमें उनके बारे में और अधिक विस्तार (त.क.सील) से छान बीन करनी चाहिये।

चेतरी बना दिया।” लेकिन अब भी मरहटे जाति का सामाजिक स्थान क्या हिन्दू वर्णाश्रम व्यवस्थाके भीतर है यह सबाल बहस तलब है। अब भी मरहटों को ब्राह्मणों ने जाति की हैसियत से क्षत्रिय नहीं माना है। क्षत्रीयपन के दावे का सबाल तब उठा जब कि शिवाजी के नीचे मरहटे एक आजाद कौम की तरह तरक्की कर चुके, कुनबी खेतिहर जो कि शूद्र माना जाता है, जब लड़ाकू मरहटा बन गया और उसने शिवाजी की नेताशाही में एक आजाद राज्य की स्थापना की, तब उसने प्राचीन क्षत्रिय जाति का सदस्य होने का दावा किया। लेकिन दक्षिण के ब्राह्मण शिवाजी के उत्थान के पहिले उसी प्रदेश में बहुत शक्तिशाली थे और शिवाजी के मरने के बाद इन्होंने ही राजनीतिक अधिकारों को हड़प लिया।

इस तरह हम देखते हैं कि एक कशमकश के बाद ही मरहटे ऊंचा दरजा पा सके थे। लेकिन शिवाजी के बाद के जमाने में उन्हें शासक और लड़ाकू ब्राह्मणों से सामाजिक संघर्ष (जद्दोजेहद) करना पड़ा, जिसके फलस्वरूप उनकी सामाजिक स्थिति कमजोर पड़ गई। उधर जहां तक राजपूतों का मामला है, उनकी सामाजिक स्थिति उनकी राजनीतिक शक्ति के कारन बनी रही। इसलिये ब्राह्मणों ने उसे स्वीकार भी किया।

अब हम राजपूतों की तरक्की के सबाल को लेंगे। शरीर (जिस्म) विज्ञान की नजर से (Somatologically) हमने यह देख लिया है कि ये एक ही कुल के नहीं हैं। यह साफ है कि अलग अलग जातियों ने मिल कर राजपूत जाति का निर्माण किया; इनमें सब से अधिक संख्या उन लोगों की है, जो आजकल दूसरी जातियों में पाये जाते हैं। इसी कारन वे दूसरे हिन्दुस्तानियों से अलग नहीं किये जा सकते।* इसलिये यह नहीं कहा जा सकता कि वे अलग से एक खास गिराह हैं। अगर ऐसा है तो हमें उनके बारे में और अधिक विस्तार (त.क.सील) से छान बीन करनी चाहिये।

†—J. N. Sarkar, ‘Shivaji and his times.’ pp. 84-85. शिवाजी की वंशावली के विवाद के बारे में पाठकों का मि. सरकार, बैच, एस. एन. सेन, बी. के. राजवाड़े और सरदेसाई के लेखों का पढ़ना चाहिये।

J. N. Sarkar, ‘Shivaji and his times.’ pp 84-85 †
पाठकों को सूक्ष्म सरकार, विदी, आर. एस. एन. सेन, बी. के. राजवाड़े और सरदेसाई के लेखों को पढ़ना चाहिये।

‡—ऐसा लगता है कि यू० पी० के कुनबी खेतिहरों, दक्षिण के कुनबियों और लड़ाकू मरहटा कुनबियों में जाति गत सम्बन्ध है। देखिये Risley—‘People of India.’

‡ इसी लता है कि बी. पी. के कुनबी खेतिहरों, दक्षिण के कुनबियों और लड़ाकू मरहटा कुनबियों में जाति गत सम्बन्ध है। देखिये Risley—‘People of India.’

दिक्रै—‘People of India.’

*—डाक्टर गुहा “हिन्दुस्तान के लोगों की जातिगत समता” के बारे में 1931 की मर्दुमशुमारी बताते हुये कहते हैं कि बंगाल के बोदों का बंगाल के बाहर की दूसरी जातियों में मरहटों और राजपूतों से क्यावा गहरा सम्बन्ध है। पृष्ठ 7.

* डाक्टर गुहा “हिन्दुस्तान के लोगों की जातिगत समता” के बारे में 1931 की मर्दुमशुमारी बताते हुये कहते हैं कि बंगाल के बोदों का बंगाल के बाहर की दूसरी जातियों में मरहटों और राजपूतों से क्यावा गहरा सम्बन्ध है। पृष्ठ 7.

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دونوں ایک ہی نسل کے (Biotypes) ہیں اور جیسا کہ ہم کہیں کہ چکے ہیں اندو آریں نسل کی بات کہنا غلط ہے۔ اس لئے پراچین چھتریہ، آج کے راجپوت اور مرہٹے ایک ہی جاتی کے نہیں کہہ جاسکتے۔ گوتروں اور پوروں کے ایک ہوجانے سے جاتی بھی ایک نہیں ہو جاتی، کیونکہ دوسری جاتیوں کے گوتروں بھی وہی ہوتے ہیں۔ گوتروں کے بدلے جاسکتے ہیں اور نئے گوتروں اپنے آپ بھی جاسکتے ہیں۔ آج دن بھی ہندوستان میں ایسا ہوتا ہے۔

دکھین کے مرہٹے ہمیشہ شہر مانے گئے ہیں، حالانکہ کچھ امیر کلوں نے اپنے گوتروں کا خاندانی کہنہ کا گرو دکھایا ہے۔ چونکہ وہ راجپوتوں کے خاندانی ہیں، اس لئے وہ پراچین چھتریوں میں گئے جاسکتے ہیں انہوں نے ان کے مندرجہ ذیل حالات بیان کیے ہیں۔ ویدیکہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم ان کی اس بات پر وشواس کر لیں۔ یہ سوال مرہٹے سامراجیہ کے سنسکرتیاہک شیوا جی کی راج گدی کے سبب سامنے آیا تھا۔ جیسا کہ شری یدوناہ سرکار کہتے ہیں، ”شیوا جی اور ان کے سسر گائیکواڑ مرہٹے انہوں نے چھتری جاتی کے لوگ تھے۔ شیوا جی کو ان براہمنوں کے ذریعہ اپنی یہ بے عزتی بہت اگڑتی تھی، جن کی دیکھنا اور بڑھتی کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی لگادی تھی۔ چونکہ براہمنوں نے شیوا جی کو شہر ہی ماننے کی حد کی، اس لئے مجبور ہو کر انہیں گائیکواڑ کے نیوا اور براہمنوں کے گھمنٹ کے شکار بالاجی راجی کے ہاتھوں میں چلا جانا پڑا۔ بالاجی قدرتی طور پر اپنے مالک کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے اور انہوں نے شیوا جی کو سامراجک تھار سے اونچا اٹھانے کے لئے کوشش کی۔ جس نے شیوا جی کو شہر

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دونوں ایک ہی نسل کے (Biotypes) ہیں اور جیسا کہ ہم کہیں کہ چکے ہیں اندو آریں نسل کی بات کہنا غلط ہے۔ اس لئے پراچین چھتریہ، آج کے راجپوت اور مرہٹے ایک ہی جاتی کے نہیں کہہ جاسکتے۔ گوتروں اور پوروں کے ایک ہوجانے سے جاتی بھی ایک نہیں ہو جاتی، کیونکہ دوسری جاتیوں کے گوتروں بھی وہی ہوتے ہیں۔ گوتروں کے بدلے جاسکتے ہیں اور نئے گوتروں اپنے آپ بھی جاسکتے ہیں۔ آج دن بھی ہندوستان میں ایسا ہوتا ہے۔

دکھین کے مرہٹے ہمیشہ شہر مانے گئے ہیں، حالانکہ کچھ امیر کلوں نے اپنے گوتروں کا خاندانی کہنہ کا گرو دکھایا ہے۔ چونکہ وہ راجپوتوں کے خاندانی ہیں، اس لئے وہ پراچین چھتریوں میں گئے جاسکتے ہیں انہوں نے ان کے مندرجہ ذیل حالات بیان کیے ہیں۔ ویدیکہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم ان کی اس بات پر وشواس کر لیں۔ یہ سوال مرہٹے سامراجیہ کے سنسکرتیاہک شیوا جی کی راج گدی کے سبب سامنے آیا تھا۔ جیسا کہ شری یدوناہ سرکار کہتے ہیں، ”شیوا جی اور ان کے سسر گائیکواڑ مرہٹے انہوں نے چھتری جاتی کے لوگ تھے۔ شیوا جی کو ان براہمنوں کے ذریعہ اپنی یہ بے عزتی بہت اگڑتی تھی، جن کی دیکھنا اور بڑھتی کے لئے انہوں نے اپنی ساری زندگی لگادی تھی۔ چونکہ براہمنوں نے شیوا جی کو شہر ہی ماننے کی حد کی، اس لئے مجبور ہو کر انہیں گائیکواڑ کے نیوا اور براہمنوں کے گھمنٹ کے شکار بالاجی راجی کے ہاتھوں میں چلا جانا پڑا۔ بالاجی قدرتی طور پر اپنے مالک کے ساتھ ہمدردی رکھتے تھے اور انہوں نے شیوا جی کو سامراجک تھار سے اونچا اٹھانے کے لئے کوشش کی۔ جس نے شیوا جی کو شہر

—بھال کی تمام ہندو جاتیوں کے براہمن گوتروں اور اس کے ساتھ کے پور ہاتھ ہیں۔ لیکن اس سے وہ براہمن نہیں ہو جاتے۔

—بھال کی تمام ہندو جاتیوں کے براہمن گوتروں اور اس کے ساتھ کے پور ہاتھ ہیں۔ لیکن اس سے وہ براہمن نہیں ہو جاتے۔

—سنسکرت کی ویدک کہانی کو دیکھئے۔ جسے وشواسترو نے گود لیا تھا تب اسے وشواسترو کے گوتروں کو بھی گوتروں کر لیا۔ اسی پرکار ہر روز ہندوستان میں لوگ اپنے گوتروں بدل رہے ہیں۔ یہ سماجک اور دھارمک پرہیزوں کے دوارا بھی اپنے گوتروں بدل رہے ہیں، جیسا کہ دکھین بھارت کے لنگائٹوں نے کیا ہے۔

—سنسکرت کی ویدک کہانی کو دیکھئے۔ جسے وشواسترو نے گود لیا تھا تب اسے وشواسترو کے گوتروں کو بھی گوتروں کر لیا۔ اسی پرکار ہر روز ہندوستان میں لوگ اپنے گوتروں بدل رہے ہیں۔ یہ سماجک اور دھارمک پرہیزوں کے دوارا بھی اپنے گوتروں بدل رہے ہیں، جیسا کہ دکھین بھارت کے لنگائٹوں نے کیا ہے۔

—ایسا ہو سکتا ہے کہ کچھ پرانے مرہٹے راج وندھ راجپوتوں سے آئے ہوں، لیکن اس سے وہ انہوں ساری جاتی چھتریہ نہیں ہو جاتے۔

इजाजत नहीं थी. वैद्य के मुताबिक ऐसा इसलिये हुआ कि वे "आर्य जाति" के शुद्ध क्षत्रिय थे. तो अब हम इन क्षत्रियों के निकास की खानबीन करें.

राजपूतों का असली निकास

श्री वैद्य की राय है कि 'हम आसानी से यह मान सकते हैं कि राजपूत वैदिक क्षत्रियों के खानदान से हैं'† और उन्होंने वेदों के गोत्र और प्रवरों को क्लायम रखा है.‡ इसी तरह से वे सांचते हैं कि मराठा जाति भी प्राचीन वैदिक वंशी हैं. मरहटों के बारे में बताते हुये श्री वैद्य कहते हैं, "ये बरार और दक्षिण में बसने वाले आर्य चन्द्र कुल के हैं.§

कदीम और पाक खानदानी होने के दावे को सही मानने के लिये इन जातियों के स्त्री पुरुषों के जिस्म की बनावट की परीक्षा करनी होगी. राजपूतों के बारे में हमने जो आंकड़े इकट्ठा किये हैं उसका नतीजा हम देख चुके हैं. जहां तक मरहटों का सवाल है, हड्डन कहता है कि मराठा क्षत्रियों का ग्राम तौर से मस्तक-मान 78.3 और नाक मान 81.0 रहता है और सुकुमसले मराठों का औसतन 82.2 कपाल-मान और 74.0 नासिका मान रखता है. यानी पहिले वाले मझौले माथे और मझौली नाक वाले होते हैं. (mesocephalmesorrhinian) और दूसरे गोल-माथे और मझौली नाक वाले (brachycephal-mesorrhiniar) होते हैं.

इस तरह हम एक ही जाति के भीतर फर्क पाते हैं. इससे यह साफ् हां जाता है कि वे एक बंरा के नहां हैं. आजकल के इनसानी नस्लों के जानकार विद्वान बताते हैं कि बम्बई अहाते में रहने वालों में गोल खांड़ी वाले "युरेशीयाटिक" या "आर-मेन-इन" खून वाले लोग मिलते हैं. फिर अभी हाल में हिन्दुस्तान की इनसानी नस्लों के बारे में जारिगार्ट निकली है, उसमें सुखतलिफ सूचों की जातियों के अन्तर-सम्बन्धों की चर्चा है. उसमें कहा गया है कि पश्चिमी हिन्दुस्तान और उत्तरी हिन्दुस्तान के लोगों की मिलावट के बहुत कम सबूत मिलते हैं * आगे चलकर उसी रिपोर्ट में कहा गया है कि, मरहटों और बंगाल के पादों (एक अछूत जाति) में बहुत गहरा तात्त्विक है.†

इस तरह हम यह नहीं कह सकते कि जिस्म की बनावट के मुकद्दे नजर से राजपूत और मरहटो एक हैं. उनके लिये

इजाजत नहीं थी. विद्वे के مطابق ऐसा इस लम्हें हो के वे "आर्यजाति" के शुद्ध क्षत्रिय थे. तो अब हम इन क्षत्रियों के निकास की खानबीन करें.

राजपूतों का असली निकास

श्री वैद्य की राय है कि "हम आसानी से यह मान सकते हैं कि राजपूत वैदिक क्षत्रियों के खानदान से हैं"‡ और उन्होंने वेदों के गोत्र और प्रवरों को क्लायम रखा है.‡ इसी तरह से वे सांचते हैं कि मराठा जाति भी प्राचीन वैदिक वंशी हैं. मरहटों के बारे में बताते हुये श्री वैद्य कहते हैं, "ये बरार और दक्षिण में बसने वाले आर्य चन्द्र कुल के हैं.§

इस तरह हम एक ही जाति के भीतर फर्क पाते हैं. इससे यह साफ् हां जाता है कि वे एक बंरा के नहां हैं. आजकल के इनसानी नस्लों के जानकार विद्वान बताते हैं कि बम्बई अहाते में रहने वालों में गोल खांड़ी वाले "युरेशीयाटिक" या "आर-मेन-इन" खून वाले लोग मिलते हैं. फिर अभी हाल में हिन्दुस्तान की इनसानी नस्लों के बारे में जारिगार्ट निकली है, उसमें सुखतलिफ सूचों की जातियों के अन्तर-सम्बन्धों की चर्चा है. उसमें कहा गया है कि पश्चिमी हिन्दुस्तान और उत्तरी हिन्दुस्तान के लोगों की मिलावट के बहुत कम सबूत मिलते हैं * आगे चलकर उसी रिपोर्ट में कहा गया है कि, मरहटों और बंगाल के पादों (एक अछूत जाति) में बहुत गहरा तात्त्विक है.†

इस तरह हम यह नहीं कह सकते कि जिस्म की बनावट के मुकद्दे नजर से राजपूत और मरहटो एक हैं. उनके लिये

†—Vaidya Vol. IV, PP. 49-50.

‡—Ibid.

§—Vol. I, P. 80.

¶—Haddon—The Races of Man, PP. 107-111.

*—Census of India 1931, Vol. 1, India, Pr. III Ethnographical by B. S. Guha.

†—Ibid.

भारत के क्षत्री शासक कुलों के साथ लगातार उनका विवाह-सम्बन्ध रहा है।” आगे चलकर श्री वैद्य कहते हैं कि बंगाल के सेन इस सूची के बाहर हैं क्योंकि, जैसा कि उनका विचार है, उस समय तक सेनों का असर बंगाल में कायम नहीं हुआ था; लेकिन वह समय आया जब कि इन लोगों ने अपना सम्बन्ध मरहटों से तोड़ लिया। नतीजे में इस काल के बाद, मरहटा क्षत्रिय जिसमें शिलाहारस भी शामिल थे— (रासो के 36 राज्य कुलों में इनकी चर्चा है)—अलग से एक समुदाय अथवा उपजाति बन गये और इनमें भी 16 मरहटा कुलों की गिनती हुई। इन लोगों का शादी व्याह अथ इन्हीं 16 कुलों में हो सकता था।”

इस तरह प्राचीन (कदीम) आन्ध्रों में भी क्षत्रिय हैं जो ‘राज’ और ‘बल्लाल’ कहे जाते हैं। उनका अपना एक समुदाय है। फिर हिन्दुस्तान के दूर दक्खिन में कुछ खानदान हैं, जो अपने को क्षत्रिय तो कहते हैं, लेकिन रहते सब से अलग हैं। बङ्गाल में, ग्यारहवीं अथवा बारहवीं सदी के आखीर में हमें ऐसे सेन मिलते हैं, जो अपने को ‘करनाट ब्रह्म-क्षत्रिय’* कहते हैं। इसका अर्थ यह हुआ कि मूल रूप से ये लोग कर्नाट (दक्षिण भारत) से सम्बन्ध रखते थे, ये लोग ब्राह्मण थे और इन्होंने क्षत्रियों का पेशा अख्तियार कर लिया था। इन्होंने चालुक्यों से शादी-व्याह भी किया था।† आनन्द भट्ट के ‘बल्लाल चरित’ में, जो 11वीं सदी में लिखा गया था, बङ्गाल के ब्रह्म-क्षत्रियों और राजपूतों की चर्चा मिलती है। ‘शेख शुभोदय’ एक नई खोजी हुई संस्कृत किताब है, जिसका लेखक लक्ष्मण सेन का प्रसिद्ध मन्त्री हलायुध माना जाता है। लेकिन आलोचक इसे उस वक्त का मानते हैं जब कि टोडरमल ने बंगाल की भूमि की जांच पड़ताल की थी। इस ग्रन्थ में “राजपुत्र” जाति का जिक्र मिलता है। फिर, “प्रेम बिलास” में, जो 17वीं सदी में लिखे हुये बंगाल के वैष्णव साहित्य का एक जुद्ध है, ऐसे ब्रह्म-क्षत्रियों की चर्चा मिलती है, जो पद्मा नदी के किनार रहा करते थे। उन पालों की भी चर्चा नहीं मिलती, जो मगध (बिहार) में उस समय राज करते थे और जो बहुत असें से क्षत्रियों से व्याह-शादी करते आये हैं।

इस तरह यह साफ है कि राजपूतों ने अपना एक ऐसा गिरोह बना लिया था, जिसमें बाहर वालों के आने की

भारत के चित्तरी शासक कुलों के साथ लगातार उनका विवाह-सम्बन्ध रहा है।” आगे चलकर श्री वैद्य कहते हैं कि बंगाल के सेन इस सूची के बाहर हैं क्योंकि, जैसा कि उनका विचार है, उस समय तक सेनों का असर बंगाल में कायम नहीं हुआ था; लेकिन वह समय आया जब कि इन लोगों ने अपना सम्बन्ध मरहटों से तोड़ लिया। नतीजे में इस काल के बाद, मरहटा क्षत्रिय जिसमें शिलाहारस भी शामिल थे— (रासो के 36 राज्य कुलों में इनकी चर्चा है)—अलग से एक समुदाय अथवा उपजाति बन गये और इनमें भी 16 मरहटा कुलों की गिनती हुई। इन लोगों का शादी व्याह अथ इन्हीं 16 कुलों में हो सकता था।”

इसी तरह प्राचीन (कदीम) आन्ध्रों में भी क्षत्रिय हैं जो ‘राज’ और ‘बल्लाल’ कहे जाते हैं। उनका अपना एक समुदाय है। फिर हिन्दुस्तान के दूर दक्खिन में कुछ खानदान हैं, जो अपने को क्षत्रिय तो कहते हैं, लेकिन रहते सब से अलग हैं। बङ्गाल में, ग्यारहवीं अथवा बारहवीं सदी के आखीर में हमें ऐसे सेन मिलते हैं, जो अपने को ‘करनाट ब्रह्म-क्षत्रिय’* कहते हैं। इसका अर्थ यह हुआ कि मूल रूप से ये लोग कर्नाट (दक्षिण भारत) से सम्बन्ध रखते थे, ये लोग ब्राह्मण थे और इन्होंने क्षत्रियों का पेशा अख्तियार कर लिया था। इन्होंने चालुक्यों से शादी-व्याह भी किया था।† आनन्द भट्ट के ‘बल्लाल चरित’ में, जो 11वीं सदी में लिखा गया था, बङ्गाल के ब्रह्म-क्षत्रियों और राजपूतों की चर्चा मिलती है। ‘शेख शुभोदय’ एक नई खोजी हुई संस्कृत किताब है, जिसका लेखक लक्ष्मण सेन का प्रसिद्ध मन्त्री हलायुध माना जाता है। लेकिन आलोचक इसे उस वक्त का मानते हैं जब कि टोडरमल ने बंगाल की भूमि की जांच पड़ताल की थी। इस ग्रन्थ में “राजपुत्र” जाति का जिक्र मिलता है। फिर, “प्रेम बिलास” में, जो 17वीं सदी में लिखे हुये बंगाल के वैष्णव साहित्य का एक जुद्ध है, ऐसे ब्रह्म-क्षत्रियों की चर्चा मिलती है, जो पद्मा नदी के किनार रहा करते थे। उन पालों की भी चर्चा नहीं मिलती, जो मगध (बिहार) में उस समय राज करते थे और जो बहुत असें से क्षत्रियों से व्याह-शादी करते आये हैं।

इस तरह यह साफ है कि राजपूतों ने अपना एक ऐसा गिरोह बना लिया था, जिसमें बाहर वालों के आने की

*—Vaidya, Vol. III, PP. 383-384, 385.

†—N. G. Mazumdar—“Inscription of Bengal,” Vol. III vide Madhainagar grant of Samant Sena,” P. 44.

†—लक्ष्मण सेन की मां चालुक्य राजकुमारी थी राजकुमारी की मां चालुक्य राजकुमारी थी (Tarpanidighi plate), Vide Mazumdar, P. 144.

से गिरोह हिन्दुस्तान के मुसलमान हिस्सों में हैं, जो अपने को ऊँचे क्षत्रिय कहते हैं और समाज में ये लोग भी वही काम करते हैं, यानी वे भी कौजी पेशे के हैं, फिर भी वे राजपूत नहीं हैं। इसलिये हमें राजपूतों के बारे में खान-बान करनी चाहिये।

हर्षवर्द्धन की मीत के बाद के काल में हमें बहुत से ऐसे लेख मिलते हैं, जिसमें अफसरों की सूची में “राजपुत्र” शब्द का प्रयोग है। लेकिन ऐसा लगता है कि यह किसी पद की उपाधि है, किसी जाति का सूचक नहीं है। नहीं तो यह शब्द बङ्गाल और दक्षिण भारत के शिलालेखों में न मिलता। इस शब्द का अर्थ ‘राजा का लड़का’ भी है। देशी बाली में, उत्तरी बिहार में इस शब्द को खुराब मायनों में इस्तेमाल किया जाता है और “ब्रह्मवैवर्त पुराण” तथा “बल्लाल चरित” में राजपूत अथवा क्षत्री को ब्राह्मण और क्षत्रियों का वर्ण-संकर कहा गया है। लेकिन यह शब्द शुरू चाहे जैसे भी हुआ हो, रियासतों के शासक होने के नाते इनका आदर बहुत था। श्री वैद्य कहते हैं, “शुरू में तो वे ब्राह्मणों से भी ऊँचे माने जाते थे। इसके पहिले की सदी के अरब यात्रियों ने जिन राजपूतों के ऊँचे स्थान का जिक्र किया है उसकी चर्चा अलबेरूनी—जो देखी हुई बातों से अधिक हिन्दू शास्त्रों की बात कहता है, नहीं करता। लेकिन वे हर तरह से ब्राह्मणों के बराबर माने जाते थे, जैसा कि अलबेरूनी खुद मानता है “उनका स्थान ब्राह्मणों से बहुत नीचे नहीं है。”[†] आजकल के जानकार यह जानते हैं कि राजपूताना में, जहाँ अब भी राजपूत सामन्तवादी ढंग से राज करते हैं, राजपूत सबसे ऊँची जाति है।

यह पहिले ही कहा जा चुका है कि राजपूतों के समाज में बाहरी लोग पैठ नहीं सकते। इन 36 कुलों अथवा कबीलों का एक ऐसा समाज था, जिसमें बाहर वालों के घुसने की गुंजाइश नहीं थी, और ये लोग आपस में ही व्याह-शादी कर सकते थे। श्री वैद्य कहते हैं, “साधारण तौर से राजपूत या हिन्दुस्तान के शासक कुलों ने (1100 ई० के करीब) जो शुद्ध क्षत्रिय थे, उन राज्य घरानों का मिला कर अपने को एक उपजाति में बांट लिया। पंजाब चूँकि उस समय मुसलमान हुकूमत में था, इसलिये कुहरती था कि वह इस श्रेणी में शामिल न किया जाता। दूसरी वजहों से हिमालय-वर्ती कुल इसमें शामिल नहीं किये गये, दक्षिण भारत के शासक कुल भी इसमें शामिल नहीं किये गये, क्योंकि वे शुद्ध आर्य जाति और क्षत्रिय घराने के नहीं माने जाते थे। महाराष्ट्र के क्षत्रिय घराने शामिल कर लिये गये, क्योंकि उत्तरी

से गुरो हन्दुस्तान के مختلف حصوں میں ہیں، جو اپنے کو اونچے چھتریہ کہتے ہیں اور سماج میں یہ لوگ بھی وہی کام کرتے ہیں، یعنی وہ بھی نوچی پیشے کے ہیں، پھر بھی وہ راجپوت نہیں ہیں۔ اس لئے ہمیں راجپوتوں کے بارے میں کھان-बान کرنی چاہیے۔

हरषवर्द्धन की मीत के बाद के काल में हमें बहुत से ऐसे लेख मिलते हैं, जिसमें अफसरों की सूची में “राजपुत्र” शब्द का प्रयोग है। लेकिन ऐसा लगता है कि यह किसी पद की उपाधि है, किसी जाति का सूचक नहीं है। नहीं तो यह शब्द बङ्गाल और दक्षिण भारत के शिलालेखों में न मिलता। इस शब्द का अर्थ ‘राजा का लड़का’ भी है। देशी बाली में, उत्तरी बिहार में इस शब्द को खुराब मायनों में इस्तेमाल किया जाता है और “ब्रह्मवैवर्त पुराण” तथा “बल्लाल चरित” में राजपूत अथवा क्षत्री को ब्राह्मण और क्षत्रियों का वर्ण-संकर कहा गया है। लेकिन यह शब्द शुरू चाहे जैसे भी हुआ हो, रियासतों के शासक होने के नाते इनका आदर बहुत था। श्री वैद्य कहते हैं, “शुरू में तो वे ब्राह्मणों से भी ऊँचे माने जाते थे। इसके पहिले की सदी के अरब यात्रियों ने जिन राजपूतों के ऊँचे स्थान का जिक्र किया है उसकी चर्चा अलबेरूनी—जो देखी हुई बातों से अधिक हिन्दू शास्त्रों की बात कहता है, नहीं करता। लेकिन वे हर तरह से ब्राह्मणों के बराबर माने जाते थे, जैसा कि अलबेरूनी खुद मानता है “उनका स्थान ब्राह्मणों से बहुत नीचे नहीं है。”[†] आजकल के जानकार यह जानते हैं कि राजपूताना में, जहाँ अब भी राजपूत सामन्तवादी ढंग से राज करते हैं, राजपूत सबसे ऊँची जाति है।

ये पहिले ही कहा जा चुका है कि राजपूतों के समाज में बाहरी लोग पैठ नहीं सकते। इन 36 कुलों अथवा कबीलों का एक ऐसा समाज था, जिसमें बाहर वालों के घुसने की गुंजाइश नहीं थी, और ये लोग आपस में ही व्याह-शादी कर सकते थे। श्री वैद्य कहते हैं, “साधारण तौर से राजपूत या हिन्दुस्तान के शासक कुलों ने (1100 ई० के करीब) जो शुद्ध क्षत्रिय थे, उन राज्य घरानों का मिला कर अपने को एक उपजाति में बांट लिया। पंजाब चूँकि उस समय मुसलमान हुकूमत में था, इसलिये कुहरती था कि वह इस श्रेणी में शामिल न किया जाता। दूसरी वजहों से हिमालय-वर्ती कुल इसमें शामिल नहीं किये गये, दक्षिण भारत के शासक कुल भी इसमें शामिल नहीं किये गये, क्योंकि वे शुद्ध आर्य जाति और क्षत्रिय घराने के नहीं माने जाते थे। महाराष्ट्र के क्षत्रिय घराने शामिल कर लिये गये, क्योंकि उत्तरी

†—Vaidya—History of Mediaeval Hindu India, Vol. III PP. 383-384.

‡—Vaidya, Vol. III PP. 383-384, 385.

राजपूतों का दौर

राजपूतوں کا دور

डाक्टर भूपेन्द्रनाथ दत्त

ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

हर्षवर्धन की मीन के बाद के जमाने से मुहम्मद बिन गोरी के सन 1192 ई० के हमले तक, राजपूतों का दौर हिन्दुस्तान के सामाजिक इतिहास का एक दिग्दर्शक अध्याय है। पालों, गुर्जर-प्रतिहारों और राष्ट्रकुटों की शक्ति के कमजोर होने के बाद हमें बहुत से ऐसे कर्त्तव्य मिलते हैं, जो अपने को क्षत्रिय कहते थे। ये सारे उत्तरी हिन्दुस्तान में छटे छाटे राज कायम कर रहे थे, ये कबीले नस्ली भगड़ों और नस्ली सम्बन्धों के रिवाज का मानते थे, सम्मान, पद और उपाधियों को इनमें खास गुन माना जाता था, फिर—जन्म और जाति के गर्व की भावना भी उनके अन्दर बहुत मजबूत थी। एक तानाशाह शासक कबीले का राजा होता था और हर एक सिपाही लुटेरों की तरह का होता था और हर एक कबीले के खादानी भांड-घराने हुआ करते थे, जो उनकी वीरता के गीत गाया करते, थोड़े में प्राचीन कबीलों का जमाना वापस आ गया था, आगे चलकर राजपूत अपने साथ निखरा हुआ सामन्तवाद भी ले आये, उनकी सामन्तवादी राजनीति और उनके लगातार कबाइली भगड़ों ने उनका एक हो जाना और एक कौम बन जाना नामुमकिन कर दिया, इसलिये मुसलमानों के हमले के साथ-साथ एक एक करके राजपूत रियासतों का खात्मा हो गया, उनके खात्मे के साथ ही उत्तरी हिन्दुस्तान के हिन्दुओं की आजादी भी चली गई।

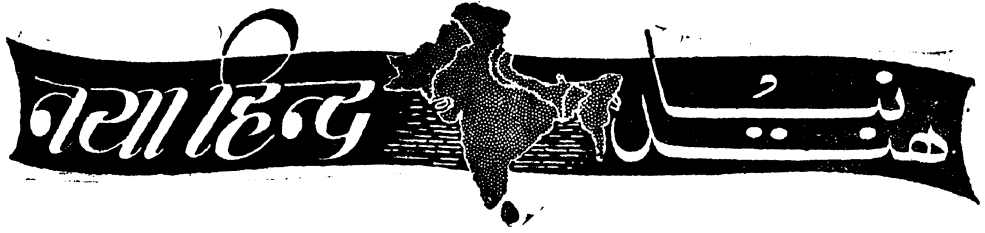
प्राचीन भारतीय साहित्य (अद्व) में राजपूत नाम नहीं मिलता, हमने देखा है कि वैदिक काल में “राजन्य” लक्ष्य का प्रयोग होता था, बाद में वर्ण बताने के लिये क्षत्रिय शब्द का इस्तेमाल होने लगा था, लेकिन इसी समय से हम राजपूतों का नाम सुनने लगते हैं, “राजपूत” संस्कृत के “राजपुत्र”—राजा का लड़का—लक्ष्य का बोला जाने वाला रूप है, इसलिये इसका भी अर्थ वही है जो वैदिक शब्द “राजन्य” का है, लेकिन यह और “क्षत्रिय” के लिये बोला जाने वाला “क्षत्री” शब्द एक नहीं है, एक राजपूत क्षत्री अथवा “क्षत्रिय” तो है, लेकिन साथ ही वह कुछ और भी है, वह बिल्कुल साफ और दूसरों से अलग एक समाज का सदस्य भी है, वह चन्द्रराजरासो में वर्णित 36 कुलों का है, इसका मतलब यह हुआ कि इस पुस्तक में जिन 36 कुलों को गिनाया गया है वही सच्चे राजपूत हैं और उन्हीं में आपस में शाही-न्याह हो सकता है, इन कुलों के बाहर भी बहुत

हरण वरुण की मृत के बाद के जमाने से मुहम्मद बिन गोरी के सन 1192 ई० के हमले तक, राजपूतों का दौर हिन्दुस्तान के सामाजिक इतिहास का एक दिग्दर्शक अध्याय है। पालों, गुर्जर-प्रतिहारों और राष्ट्रकुटों की शक्ति के कमजोर होने के बाद हमें बहुत से ऐसे कर्त्तव्य मिलते हैं, जो अपने को क्षत्रिय कहते थे, ये सारे उत्तरी हिन्दुस्तान में छटे छाटे राज कायम कर रहे थे, ये कबीले नस्ली भगड़ों और नस्ली सम्बन्धों के रिवाज का मानते थे, सम्मान, पद और उपाधियों को इनमें खास गुन माना जाता था, फिर—जन्म और जाति के गर्व की भावना भी उनके अन्दर बहुत मजबूत थी। एक तानाशाह शासक कबीले का राजा होता था और हर एक सिपाही लुटेरों की तरह का होता था और हर एक कबीले के खादानी भांड-घराने हुआ करते थे, जो उनकी वीरता के गीत गाया करते, थोड़े में प्राचीन कबीलों का जमाना वापस आ गया था, आगे चलकर राजपूत अपने साथ निखरा हुआ सामन्तवाद भी ले आये, उनकी सामन्तवादी राजनीति और उनके लगातार कबाइली भगड़ों ने उनका एक हो जाना और एक कौम बन जाना नामुमकिन कर दिया, उनके खात्मे के साथ ही उत्तरी हिन्दुस्तान के हिन्दुओं की आजादी भी चली गई।

प्राचीन भारतीय साहित्य (अद्व) में राजपूत नाम नहीं मिलता, हमने देखा है कि वैदिक काल में “राजन्य” लक्ष्य का प्रयोग होता था, बाद में वर्ण बताने के लिये क्षत्रिय शब्द का इस्तेमाल होने लगा था, लेकिन इसी समय से हम राजपूतों का नाम सुनने लगते हैं, “राजपूत” संस्कृत के “राजपुत्र”—राजा का लड़का—लक्ष्य का बोला जाने वाला रूप है, इसलिये इसका भी अर्थ वही है जो वैदिक शब्द “राजन्य” का है, लेकिन यह और “क्षत्रिय” के लिये बोला जाने वाला “क्षत्री” शब्द एक नहीं है, एक राजपूत क्षत्री अथवा “क्षत्रिय” तो है, लेकिन साथ ही वह कुछ और भी है, वह बिल्कुल साफ और दूसरों से अलग एक समाज का सदस्य भी है, वह चन्द्रराजरासो में वर्णित 36 कुलों का है, इसका मतलब यह हुआ कि इस पुस्तक में जिन 36 कुलों को गिनाया गया है वही सच्चे राजपूत हैं और उन्हीं में आपस में शाही-न्याह हो सकता है, इन कुलों के बाहर भी बहुत

مئی 1955 مई

<u>یا کس سے</u>	<u>صفحہ</u>	<u>کیا کس سے</u>
1. راجپوتوں کا دور		1. راجپوتوں کا دور
—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت	281	—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت
2. अमन और प्रेम का एक ही रास्ता		2. امن اور پریم کا ایک ہی راستہ
—ڈاکٹر भगवानदास	293	—ڈاکٹر بھگوان داس
3. डर की छाया और आशा की एक किरन		3. ڈر کی چھایا اور آشا کی ایک کرن
—ڈاکٹر जे. सी. कुमारप्पा	300	—ڈاکٹر جے . سی . کمارپا
4. राष्ट्रभाषा का स्वरूप		4. راشٹر بھاشا کا سروپ
—भाई मिश्रीलाल जैन	305	—بھائی مشری لال جین
5. उर्दू हिन्दी को क्या कुछ दे सकती है		5. اردو ہندی کو کیا کچھ دے سکتی ہے
—نصرتیہ احمد ام. ع.	324	—نجم الدین احمد ایم . اے .
6. खैरात (दान) के बारे में मुहम्मद साहब की कुछ हदीसें		6. خیرات (دان) کے بارے میں محمد صاحب کی کچھ حدیثیں
—अनुवादक—मुजीब रिजवी	329	—انوادک—محب رضوی
7. आजकल की कुछ छोटी चीनी कहानियां		7. آجکل کی کچھ چھوٹی چینی کہانیاں
—अनुवादक—मुजीब रिजवी	334	—انوادک—محب رضوی
8. प्रेमचन्द की भाषा		8. پریم چند کی بھاشا
—राम किशोर 'पाशा'	339	—رام کشر 'پاشا'
9. कुछ कितानें	344	9. کچھ کتابیں
10. हमारी राय—	318	10. ہماری رائے—
अल्बर्ट आइन्स्टीन—विश्वम्भरनाथ पांडे;		अल्बर्ट आइन्स्टीन—विश्वम्भरनाथ पांडे;
अन्धों की मसीहा—हेलेन केलर—विश्वम्भर-		अन्धों की मसीहा—हेलेन केलर—विश्वम्भर-
नाथ पांडे; बाडुंग सम्मेलन—विश्वम्भरनाथ		नाथ पांडे; बाडुंग सम्मेलन—विश्वम्भरनाथ
पांडे; हिन्दू कोड बिल—विश्वम्भरनाथ पांडे.		पांडे; हिन्दू कोड बिल—विश्वम्भरनाथ पांडे.
		अल्बर्ट आइन्स्टीन—विश्वम्भरनाथ पांडे;
		अन्धों की मसीहा—हेलेन केलर—विश्वम्भर-
		नाथ पांडे; बाडुंग सम्मेलन—विश्वम्भरनाथ
		पांडे; हिन्दू कोड बिल—विश्वम्भरनाथ पांडे.



نمبر 5 نمبر جلد 19 جیلد

مئی 1955 مई

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہینڈوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈیگن، ایلہاہاواڈ

145 مئی گنج، الہ آباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حصار

اس نمبر کے خاص ہیکہ لکھنے والے اس نمبر کے گواہ

راہنمون کا دور

—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

—ڈاکٹر بیویندر ناتھ دت

امین اور پرم کا ایک ہی راستہ

—ڈاکٹر بھگوان داس

—امین اور پرم کا ایک ہی راستہ

—ڈاکٹر بھگوان داس

در کی چھایا اور آشا کی ایک کرن

—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا

—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا

راہنمون کا دور

—بھائی میشری لال جین

—اشقر بیہاشا کا سروپ

خیرات (دان) کے بارے میں حد نہیں

—انوار اک

—انوار اک

اس کے علاوہ

—انوار اک

کھانی، سکہ، سمالوچنا، ہماری رات آدی

—انوار اک

دستیانی کپڑوں سے بنی، الہ آباد



مئی 1955

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

नाम किताब	लेखक	वाम	लेखक	नाम किताब
1. शेर-ओ-शाहरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	शरी अयोध्या प्रसाद गोयलीय	1. शेर और शाहरी
2. शेर-ओ-सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	शरी बनारसी दास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	शरी जगदीश चन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण साद जैन	6 0 0	शरी नारायण प्रसाद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पथ चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	शरी शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पथ चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	शरी कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0	शरी बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0	शरी बरचन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर राम कुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	शरी तन्मय बुखारिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0	शरी भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सर्वोदय अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	शरी भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बुष्ट, श्री भगवानदास केला	2 0 0	शरी दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. श्री गजाधर प्रसाद, एम्बुष्ट, श्री भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	श्री भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	शरी भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	शरी दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानो
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. मारने की हिम्मत !
28. सलोना सच	"	0 8 0	"	28. सलोना सच
29. मेरे छाथी	"	1 0 0	"	29. मेरे छाथी

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, मुहूर्तगंज, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, मुहूर्तगंज, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'

अपनी भूल की सजा कभी कभी खूद ही दे लेता है. शीपांसन में सिर नीचे हाता है और पांव ऊपर.

‘सर्वोदयवादी’ जब यह कहता है कि वह राजा और रंक दोनों का उदय चाहता है, तब वह यही बताता है कि उसका राजा, रंक से ही एकदुआ करता है, ‘फिर ‘सर्वोदय समाज’ बर्गहीन हुआ या नहीं ?

‘सर्वोदयवादी’ उस वक़्त बर्ग सहित भी है जब वह राजा का जलूस निकालता है और रंक के कंधों पर उसके सिंहासन का भार रखता है. पर वह क्या करे ? प्रकृति ने आदमी का सिर, आदमी के कंधों पर बनाया है.

रही शासन की बात. तो वह शासन, शासन नहीं, जो शासितों को अखरता न हो. सिर का शासन किसी अंग को नहीं अखरता. आदमी जब सिर से कोई भूल कर बैठता है तो अपने हाथों से अपना सिर पीट लेता है.

सर्वोदयवादियों का आध्यात्मिक शासन ऐसा ही होगा. वह किसी को अखरेगा नहीं.

‘कुमारी जी’ ने भगवान को लेकर अनोखी बातें कह डाली हैं. बेचारा भगवान आजकल सभी का शिकार बना हुआ है. भगवान को समझदारों का शिकार बनने की जरूरत नहीं. भगवान के हज़ारों नाम पहिले से ही हैं. बीसवीं सदी ने उसी भगवान को कुछ और नाम दिये हैं. बीसवीं सदी कहती है, गर्भा ईश्वर है, गति ईश्वर है, आकार ईश्वर है, शून्य तो बहुत पहिले से ही ईश्वर है. बीसवीं सदी के विचारक कहते हैं, ईमानदारी ईश्वर है. सर्वोदयवादियों के गुरु जी का कहना है, सत्य ही ‘ईश्वर’ है. अब अगर भगवान की जगह ‘सत्य’ लिख दिया जाये तो ‘कुमारी जी’ को कोई शिक्षायात नहीं रहनी चाहिये.

मार कर खा जाते हैं

शङ्का :—लाल बुभुक्षुड, राज-पुरोहित, राजगद्दी, यह सब ‘कुमारी जी’ की अपनी सूझ है. हम इन्हें ठीक माने लेते हैं.

समाधान :—राजगद्दी का दिया जाना कोई बड़ी बात नहीं और सरकार के दृष्टिकोण से बहुत अच्छी चीज़ और जरूरी चीज़ है. पर यह गद्दी विनाबा जी ने स्वीकार कब की ? कर भी लेते तो बुरा क्या था ? गिरि जी अब तक ‘लेबर’ की गद्दी सम्भाले हुए थे. जब देखा कि वे ‘लेबर’ का भला नहीं कर सकते तब गद्दी छोड़ दी. उनके साथी अब तक गद्दी से चिपके हुए हैं. जो चिपके हुए हैं वे बुरा कर रहे हैं. अहिंसावादी और सर्वोदयवादी उसूल ही यह है कि हर एक से मदद ले लेना अगर वह उसके उसूलों के अनुसार मदद दें. कम्युनिस्ट बेरिया से मदद लेते रहे. उसे गद्दी भी दे रखी थी. पर जब उसूलों से गिरा तब गद्दी छीन ली गई और वहां भेज दिया गया जहां से लौट कर आना नहीं हाता.

—म. भगवानदीन

अपनी बूढ़ों की सजा कभी कभी खुद ही दे लेता है. शीपांसन में सिर नीचे हाता है और पांव ऊपर.

‘सर्वोदयवादी’ जब यह कहता है कि वह राजा और रंक दोनों का उदय चाहता है, तब वह यही बताता है कि उसका राजा, रंक से ही एकदुआ करता है, ‘फिर ‘सर्वोदय समाज’ बर्गहीन हुआ या नहीं ?

‘सर्वोदयवादी’ उस वक़्त बर्ग सहित भी है जब वह राजा का जलूस निकालता है और रंक के कंधों पर उसके सिंहासन का भार रखता है. पर वह क्या करे ? प्रकृति ने आदमी का सिर, आदमी के कंधों पर बनाया है.

रही शासन की बात. तो वह शासन, शासन नहीं, जो शासितों को अखरता न हो. सिर का शासन किसी अंग को नहीं अखरता. आदमी जब सिर से कोई भूल कर बैठता है तो अपने हाथों से अपना सिर पीट लेता है.

सर्वोदयवादियों का आध्यात्मिक शासन ऐसा ही होगा. वह किसी को अखरेगा नहीं.

‘कुमारी जी’ ने भगवान को लेकर अनोखी बातें कह डाली हैं. बेचारा भगवान आजकल सभी का शिकार बना हुआ है. भगवान को समझदारों का शिकार बनने की जरूरत नहीं. भगवान के हज़ारों नाम पहिले से ही हैं. बीसवीं सदी ने उसी भगवान को कुछ और नाम दिये हैं. बीसवीं सदी कहती है, गर्भा ईश्वर है, गति ईश्वर है, आकार ईश्वर है, शून्य तो बहुत पहिले से ही ईश्वर है. बीसवीं सदी के विचारक कहते हैं, ईमानदारी ईश्वर है. सर्वोदयवादियों के गुरु जी का कहना है, सत्य ही ‘ईश्वर’ है. अब अगर भगवान की जगह ‘सत्य’ लिख दिया जाये तो ‘कुमारी जी’ को कोई शिक्षायात नहीं रहनी चाहिये.

मारकर खा जाते हैं

शङ्का :—लाल बुभुक्षुड, राज-पुरोहित, राजगद्दी, यह सब ‘कुमारी जी’ की अपनी सूझ है. हम इन्हें ठीक माने लेते हैं.

समाधान :—राजगद्दी का दिया जाना कोई बड़ी बात नहीं और सरकार के दृष्टिकोण से बहुत अच्छी चीज़ और जरूरी चीज़ है. पर यह गद्दी विनाबा जी ने स्वीकार कब की ? कर भी लेते तो बुरा क्या था ? गिरि जी अब तक ‘लेबर’ की गद्दी सम्भाले हुए थे. जब देखा कि वे ‘लेबर’ का भला नहीं कर सकते तब गद्दी छोड़ दी. उनके साथी अब तक गद्दी से चिपके हुए हैं. जो चिपके हुए हैं वे बुरा कर रहे हैं. अहिंसावादी और सर्वोदयवादी उसूल ही यह है कि हर एक से मदद ले लेना अगर वह उसके उसूलों के अनुसार मदद दें. कम्युनिस्ट बेरिया से मदद लेते रहे. उसे गद्दी भी दे रखी थी. पर जब उसूलों से गिरा तब गद्दी छीन ली गई और वहां भेज दिया गया जहां से लौट कर आना नहीं हाता.

—म. भगवानदीन

لیئے کمر بستہ ہے۔ اگر فارموسا سے امریکہ اپنی فوجیں ہٹائے تو سب منکھل آج ہی گور ہو سکتے ہیں۔

پنڈت نہرو کوریبا اور آندو - چائنا میں ورام سندھی قائم کرنے کا پش کما چکے ہیں۔ آشا ہے کہ اس معاملے میں وہ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں گے اور کوئی بات اسی نہ ہوئے دیں گے جس سے فارموسا پر امریکی سیناؤں کا دھم قبول کر لیا جائے۔

ڈاکٹر جگدیش چندر جین

‘سर्वोदय, भूदान और हृदय परिवर्तन’

‘سर्वوदے’ کے ’نیا ہند‘ میں ’کماری سرورج اگروال‘ کے نام سے ایک لیکچر تھا جس کا شوشک بھی تھا جو اوپر دیا ہوا ہے۔ اس لیکچر کا حوالہ دیتے ہوئے سنگم نے اپنے طرف سے کچھ شدت جڑے ہیں۔ ’نیا ہند‘ کا ہم سے سبب بندہ ہے اس لئے اس سلسلے میں ہمیں کچھ لکھنا پڑ رہا ہے۔

’کماری جی‘ کا کہنا ہے ’سروودے‘ درشن والے سب کا آدے چاہتے ہیں۔ سب میں ’راجا‘ ’رنگ‘ دونوں شامل ہیں۔ انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ’سروودے‘ والے کہتے ہیں کہ ان کے سماج میں نہ کوئی ورگ نہ شاسن، یہ پروا پر ورتہ کیسا؟

پروا پروودے کو ترک شاعر نے ’دوشیز‘ مانا ہے۔ پر گاندھی جی اسے بھوشن مانتے تھے۔ گاندھی جی کی طرح ہم بھی اسے ’بھوشن‘ مانتے ہیں۔

ان دو باتوں میں (1) ہم راجا اور رنگ سب کا آدے چاہتے ہیں، (2) ہمارے سماج میں نہ ورگ ہوگا نہ شاسن، ہمیں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جو ایک دوسرے سے بچ رہی ہو۔

’کماری جی‘ کا لیکچر کہتا ہے کہ ان کا جنکاؤ ’کمپوزم‘ کی طرف ہے۔ ’سروودے‘ کی طرح ’کمپوزم‘ بھی یہی کہتا ہے کہ نہ اس میں ورگ ہونے نہ شاسن۔ پر کیا ’روس‘ اور ’چین‘ کا راجہ ’ورگ‘ اور شاسن نہیں ہے؟

اس پر تو شنکا کا جواب ’سماج وادی‘ یعنی ’کمپوزسٹ‘ اس پرکار دیتا ہے کہ یہ ان کا ’آدیش‘ ہے۔ وہ اپنی بیچ کی اوستھا میں سے گزر رہے ہیں، اس لئے وہاں ورگ اور شاسن ہیں۔ کمپوزسٹ بھی جواب ’ونرباجی‘ کی طرف سے کیوں نہیں سوچ لینا کہ ’سروودے‘ بھی اپنی بیچ کی اوستھا سے گزر رہا ہے۔ بیچ کی کیا، شروع کی اوستھا گزر رہا ہے۔ پھر اس میں یہ کمی رہنا ہی چاہئے۔

’راجا‘ ’رنگ‘ راجا کی دہ کے دو انگ ہیں۔ سر پر آدمی کے دہ کے دو انگ ہیں۔ جیسے سر پر میں ورگ کی کاہنا تھوتھی ہے، ویسے ہی راجا اور رنگ کی کلپنا تھوتھی ہے۔

سر اگر پر کی اور سے بے پروا کرتا ہے اور پر کو کچھ ہو جاتا ہے، تو سر کو بھی تکلیف آتھانی پڑتی ہے۔ راجا بھی رنگ کی طرف سے بے پروا ہو کر تکلیف سے نہیں بچ سکتا۔ سب سے پر راجا اپنے کٹے کا دند بھونکتے رہے ہیں۔ ٹھوکر پاؤں کھانا ہے، پھرتا ہے سر۔ سر

’سروودے‘ کے ’نیا ہند‘ میں ’کماری سرورج اگروال‘ کے نام سے ایک لیکچر تھا جس کا شوشک بھی تھا جو اوپر دیا ہوا ہے۔ اس لیکچر کا حوالہ دیتے ہوئے سنگم نے اپنے طرف سے کچھ شدت جڑے ہیں۔ ’نیا ہند‘ کا ہم سے سبب بندہ ہے اس لئے اس سلسلے میں ہمیں کچھ لکھنا پڑ رہا ہے۔

’کماری جی‘ کا کہنا ہے ’سروودے‘ درشن والے سب کا آدے چاہتے ہیں۔ سب میں ’راجا‘ ’رنگ‘ دونوں شامل ہیں۔ انہیں کا یہ کہنا ہے کہ ’سروودے‘ والے کہتے ہیں کہ ان کے سماج میں نہ کوئی ورگ نہ شاسن، یہ پروا پر ورتہ کیسا؟

پروا پروودے کو ترک شاعر نے ’دوشیز‘ مانا ہے۔ پر گاندھی جی اسے بھوشن مانتے تھے۔ گاندھی جی کی طرح ہم بھی اسے ’بھوشن‘ مانتے ہیں۔

ان دو باتوں میں (1) ہم راجا اور رنگ سب کا آدے چاہتے ہیں، (2) ہمارے سماج میں نہ ورگ ہوگا نہ شاسن، ہمیں کوئی ایسی بات نہیں معلوم ہوتی جو ایک دوسرے سے بچ رہی ہو۔

’کماری جی‘ کا لیکچر کہتا ہے کہ ان کا جنکاؤ ’کمپوزم‘ کی طرف ہے۔ ’سروودے‘ کی طرح ’کمپوزم‘ بھی یہی کہتا ہے کہ نہ اس میں ورگ ہونے نہ شاسن۔ پر کیا ’روس‘ اور ’چین‘ کا راجہ ’ورگ‘ اور شاسن نہیں ہے؟

اس پر تو شنکا کا جواب ’سماج وادی‘ یعنی ’کمپوزسٹ‘ اس پرکار دیتا ہے کہ یہ ان کا ’آدیش‘ ہے۔ وہ اپنی بیچ کی اوستھا میں سے گزر رہے ہیں، اس لئے وہاں ورگ اور شاسن ہیں۔ کمپوزسٹ بھی جواب ’ونرباجی‘ کی طرف سے کیوں نہیں سوچ لینا کہ ’سروودے‘ بھی اپنی بیچ کی اوستھا سے گزر رہا ہے۔ بیچ کی کیا، شروع کی اوستھا گزر رہا ہے۔ پھر اس میں یہ کمی رہنا ہی چاہئے۔

’راجا‘ ’رنگ‘ راجا کی دہ کے دو انگ ہیں۔ سر پر آدمی کے دہ کے دو انگ ہیں۔ جیسے سر پر میں ورگ کی کاہنا تھوتھی ہے، ویسے ہی راجا اور رنگ کی کلپنا تھوتھی ہے۔

سر اگر پر کی اور سے بے پروا کرتا ہے اور پر کو کچھ ہو جاتا ہے، تو سر کو بھی تکلیف آتھانی پڑتی ہے۔ راجا بھی رنگ کی طرف سے بے پروا ہو کر تکلیف سے نہیں بچ سکتا۔ سب سے پر راجا اپنے کٹے کا دند بھونکتے رہے ہیں۔ ٹھوکر پاؤں کھانا ہے، پھرتا ہے سر۔ سر

کو چین سے الگ ماننے کا اعلان کر دیا ہے۔ برٹش وڈیش منتری ایڈن نے پارلیمنٹ میں کہہ دیا کہ اس صدی میں فارموسا پر چین کا اختیار کبھی نہیں رہا۔ پر دماں منتری چرچل نے بھی اعلان کیا ہے کہ ان ڈپلومس پر چین کا اثر کبھی نہیں مانا گیا۔ یہ بھی سچا پرکشتہ ہوا ہے کہ برٹش چین سے آکرہ کر رہے کہ اگر وہ سوئٹجہا پریش کی دولت دہول کرے اور یدہ بند کر دے تو امریکہ سے کہ سن کر وہ آئے ٹوئٹورے اور مانسو آدی دست ورنی دیوں کو دلائے کی کوشش کرے گا۔ اس پرکار برٹش اپنے سبھی داؤں پیئج کھیل رہا ہے۔

اندرونی معاملوں میں دخل

چین کا کہا ہے کہ امریکی سینکوں کی چہتر چھایا میں جو آئے دن کوہمکنانگی دوجیں چین کی مکہبی بیومی پر حملہ کرتی رہتی ہیں۔ تنہا دارموسا میں اپنی سیلڈن کو نعمیات کرے امریکہ جو چین کے اکثر معاملوں میں دخل دے رہا ہے اس کے بارے میں ہو۔ این۔ او انکلی تک نہیں اٹھاتا، جب کہ اپنی بیومی کی حفاظت کے لئے یدی چینی سیناتیں فارموسا کی اور دم رہتی ہیں تو چین کو حملہ اور اعلان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ 6 ہزار میل دور کے ٹاپوں پر چین کا قبضہ ہو جانے سے اگر امریکہ اپنی سرنچہا خطرے میں سمجھتا ہے تو چین کی مکہبی بیومی سے چھہ ہی میل دور کے ٹاپوں پر امریکہ کا قبضہ ہونا لیا چین کے لئے خطرناک نہیں تھا جانیگا ؟

امریکہ وشم استہتی میں

دراسل فارموسا کے سبب خود امریکہ بڑے سنگت میں پھنس گیا ہے۔ اُسے امید تھی کہ اُس کے مٹر راشٹر اس سلسلے میں اُس کی مدد کریں گے، لیکن وہ سہیل نہیں ہوتیں اور اکیلے یدہ کرنے کے لئے وہ کسی حالت میں تیار نہیں۔ فارموسا کے سمبندہ میں امریکہ کی اس قفل مل نیتی کو دیکھ کر ہی شاید فارموسا کی کوہمکنانگی پارٹی کے پترے یہاں تک دیا ہے۔ ”ہمیں امریکیوں پر بہت زیادہ اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔“

فراموسا چین کا آگ

پچھلے دنوں جفوا میں جو کانفرنس ہوئی تھی اُس سے صاف ہو چکا ہے کہ جین شانتی چلنا ہے، جنگ نہیں۔ اگر وہ یدہ کے لئے لانت ہوتا تو وہ کسی بھی حالت میں امریکہ کی فوجوں کو اپنے سمدری دست کے پاس نہیں آئے دیتا—چلئے پھر وہ ہومندانگ سینا کو استہا ندرت کر کے بہانے ہی ہو۔ فارموسا پر چین کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ گواہ ہندستان کا۔ جیسے ہندستان کی جنتا گوا کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے اسی پرکار چینی جنتا فارموسا کو منت کرانے کے

فوجی राष्ट्र संघ में चीन की 60 करोड़ जनता का प्रतिनिधित्व
फारمूसा की सुट्टी भर सरकार कर रही है !

भिन्न राष्ट्रों से आशा

अमरीका को यह भी उम्मीद थी कि जरूरत पड़ने पर
ब्रिटेन, फ्रान्स आदि भिन्न राष्ट्र फारमूसा की रक्षा में
उसकी मदद करेंगे, लेकिन चीनी तट के नजदीकी टापुओं
की ओर चीन का बढ़ता देख जब चांग ने अमरीका से
खास मदद की अपील की तो ब्रिटेन आदि अमरीका के
दोस्त मुक्तों ने साफ इन्कार कर दिया कि कोरिया की भांति
अब वे अपनी सेनाओं को युद्ध में कटने के लिये नहीं भेजेंगे।
अभी हाल में अमरीका के ज्वाइंट चीफ स्टाफ के सदर
एडमिरल आर्थर रेडफोर्ड तथा अमरीका के दूर पूर्व के
कमान्डर जनरल जान हल का ब्रिटेन ने कह दिया है कि
फारमूसा में लड़ाई छिड़ जाने पर सातवें बेड़े को युद्ध-सामग्री
आदि के लिये हांग-कांग पर निर्भर नहीं रहना चाहिये। हांग-
कांग के "मार्निंग पोस्ट" ने लिखा है "अमरीका की
निगाह कम्युनिज्म पर नहीं बल्कि एशिया पर है", तथा
"समुद्री तटों के द्वीपों और फारमूसा पर चीनी हमले का
ऐलान करना अमरीका का एक भद्रा प्रापेगेन्डा है." इन सब
बातों से पता चलता है कि ब्रिटेन अमरीका को नीयत पर
शुबहा करने लगा है. अभी हाल में चांग-काई-शेक ने जो
फारमूसा में 'युद्ध स्थिति' का ऐलान किया है उसकी तुलना-
चीनी करते हुए हांग-कांग के ब्रिटिश अधिकारियों ने कहा
है—“फारमूसा को तटस्थ घोषित करने से पहले अमरीका
को चाहिये कि चांग-काई-शेक को तटस्थ घोषित करे.”
(टाइम्स आफ इन्डिया, न्यू सर्विस, हांग-कांग) 5 फरवरी
1955 का समाचार).

‘सीटो’ सम्मेलन

दक्षिण-पूर्वी एशिया को उपनिवेश बनाये रखने के तौर-
तरीकों के बारे में साम्राजियों में जो मतभेद हो गये हैं उन्हें
सुलभाने के लिये 23 फरवरी, 1955 को बैंकाक में 'सीटो'
सम्मेलन बुलाया गया है. इसी प्रकार 'नीटो' सम्मेलन
का भी आयोजन किया जा रहा है जिससे दक्षिण वियतनाम,
लाओस, कम्बोडिया, थाईलैण्ड आदि देशों के साथ जापान
और दक्षिण कोरिया को भी शामिल करके चीन के खिलाफ
कोई संयुक्त मोर्चा तैयार किया जा सके. शायद इसीलिये
अमरीका फारमोसा युद्ध सम्बन्धी मामले को दलाता जा
रहा है.

ब्रिटेन की दुरंगी चाल

ब्रिटेन हमेशा की तरह अपनी दुरंगी चाल चल रहा
है. वह युद्ध में अमरीका का साथ देने से डरता है, लेकिन
साथ ही अमरीका को खरा करने के लिये उसने फारमूसा

सैनिकता राश्ट्र संघ में चीन की 60 करोड़ जनता का प्रति-
निधित्व फारमूसा की सुट्टी भर सरकार कर रही है !

मैटर राश्ट्रों से आशा

अमरीका को ये भी उम्मीद थी कि जरूरत पड़ने पर
फ्रान्स आदि मैटर राश्ट्र फारमूसा की रक्षा में
उसकी मदद करेंगे, लेकिन चीनी तट के नजदीकी टापुओं
की ओर चीन का बढ़ता देख जब चांग ने अमरीका से
खास मदद की अपील की तो ब्रिटेन आदि अमरीका के
दोस्त मुक्तों ने साफ इन्कार कर दिया कि कोरिया की भांति
अब वे अपनी सेनाओं को युद्ध में कटने के लिये नहीं भेजेंगे।
अभी हाल में अमरीका के ज्वाइंट चीफ स्टाफ के सदर
एडमिरल आर्थर रेडफोर्ड तथा अमरीका के दूर पूर्व के
कमान्डर जनरल जान हल का ब्रिटेन ने कह दिया है कि
फारमूसा में लड़ाई छिड़ जाने पर सातवें बेड़े को युद्ध-सामग्री
आदि के लिये हांग-कांग पर निर्भर नहीं रहना चाहिये। हांग-
कांग के "मार्निंग पोस्ट" ने लिखा है "अमरीका की
निगाह कम्युनिज्म पर नहीं बल्कि एशिया पर है", तथा
"समुद्री तटों के द्वीपों और फारमूसा पर चीनी हमले का
ऐलान करना अमरीका का एक भद्रा प्रापेगेन्डा है." इन सब
बातों से पता चलता है कि ब्रिटेन अमरीका को नीयत पर
शुबहा करने लगा है. अभी हाल में चांग-काई-शेक ने जो
फारमूसा में 'युद्ध स्थिति' का ऐलान किया है उसकी तुलना-
चीनी करते हुए हांग-कांग के ब्रिटिश अधिकारियों ने कहा
है—“फारमूसा को तटस्थ घोषित करने से पहले अमरीका
को चाहिये कि चांग-काई-शेक को तटस्थ घोषित करे.”
(टाइम्स आफ इन्डिया, न्यू सर्विस, हांग-कांग) 5 फरवरी
1955 का समाचार).

‘सीटो’ सम्मेलन

दक्षिण-पूर्वी एशिया को उपनिवेश बनाये रखने के तौर-
तरीकों के बारे में साम्राजियों में जो मतभेद हो गये हैं उन्हें
सुलभाने के लिये 23 फरवरी, 1955 को बैंकाक में 'सीटो'
सम्मेलन बुलाया गया है. इसी प्रकार 'नीटो' सम्मेलन
का भी आयोजन किया जा रहा है जिससे दक्षिण वियतनाम,
लाओस, कम्बोडिया, थाईलैण्ड आदि देशों के साथ जापान
और दक्षिण कोरिया को भी शामिल करके चीन के खिलाफ
कोई संयुक्त मोर्चा तैयार किया जा सके. शायद इसीलिये
अमरीका फारमोसा युद्ध सम्बन्धी मामले को दलाता जा
रहा है.

दक्षिण की दुरंगी चाल

दक्षिण हमेशा की तरह अपनी दुरंगी चाल चल रहा
है. वह युद्ध में अमरीका का साथ देने से डरता है, लेकिन
साथ ही अमरीका को खरा करने के लिये उसने फारमूसा

پر جا پھڑکا ہے اور اس طرح چانگ کی سیناؤں کو ہٹانے میں مدد دینے کے بہانے وہ کافی سمے تک چینی سمدر تھ پر چکر لگاتے رہا !

کویت کی رक्षा

امریکی حال میں چانگ-کارڈ-شوک نے چین کی मुख्य भूमि पर हमला करने को फिर से धमकी देते हुए ताचेन से हटाई हुई सेनाओं को क्वेनोय और मात्सु में लाकर रखने की जा चाहिए जाहिर की है उससे हालत और भी गंभीर हो जाती है. उस हालत में अमरीका की फौजें चीन की मुख्य भूमि से सर्फ पांच मील के फासले पर रह जायेंगी (क्वे-माय द्वीप समूह अमोय प्रान्त से सर्फ पांच मील दूर है). नानचो द्वीप समूह की रक्षा के लिये भी चांग ने अमरीका से मांग की है, राष्ट्रपति आइजन हावर ने इसमीनान दिलाया है कि यदि ताचेन, नानची और मात्सु द्वीप समूहों की नहीं तो कुछ खास हालतों में अमरीका का क्वेनोय की हफा जत तो करनी होगी.

विराम-संधि की मांग

ईर्यांगरान नामक द्वीप पर चीनियों के अधिकार हो जाने से वारिंगटन में काफी प्रतिक्रिया हुई जान पड़ती है. डलेस और आइजन हावर ने अपने बयानों में यू. एन. आ. के मातहत फारमूसा युद्ध में विराम-संधि की मांग की है. इस सम्बन्ध में न्यूयौलैण्ड ने सुरक्षा परिषद में प्रस्ताव रखा है कि चीन और फारमूसा में युद्ध बन्द कराने पर विचार किया जाये और इस विचार विनमय में भाग लेने क लिये चीन को भी द्वातर दी जाये. लेकिन सोवियत रूस ने इस प्रस्ताव का विरोध करते हुए कहा है कि चीन ने जा अपनी भूमि पर अमरीकी हमले की शिकायत की है, पहले उसकी सुनवाई की जाये. अपने प्रति-प्रस्ताव में उससे बताया है कि चीनी ससुद्र में से चीनी सेनाओं के अतिरिक्त अन्य सब सेनायें हटा ली जायें. चीन के प्रधान-मंत्री चाऊ-एन-लाई ने न्यूयौलैण्ड क प्रस्ताव पर विचार-विनमय के लिये अपना प्रतानाध भेजने से इन्कार कर सावधित रूस क दी प्रस्ताव का समर्थन किया है और वह भी तब जबकि चांग-कार्ड-शोक के प्रतिनिधि को सुरक्षा परिषद में से हटा दिया जाये.

चीन का प्रतिनिधित्व क्यों नहीं ?

दरअसल चान से चांग-कार्ड-शोक के भाग कर आने पर भी अमरीका समझता रहा कि फारमूसा में बैठे बैठे चांग अमरीकी सहायता से चीन पर फिर स कब्जा कर सकेगा. इसी आशा से अमरीका उसे काफी मदद देता रहा और उसने चीन की पीकिंग सरकार का मान्यता नहीं दी. अन्य राष्ट्रों से भी उसने यश अनुरोध किया कि वे चांग की सरकार का ही 'कानून द्वारा स्थापित' सरकार मानें. इसीलिये

पर जा पड़ता है और इस तरह चानग की सेनाओं को हटाने में मदद देने के बहाने वह काफी समे तक चینی سمدر तھ پر چکر لگاتے رہا !

کویت کی رक्षा

امریکی حال میں چانگ-کارڈ-شوک نے چین کی मुख्य भूमि पर हमला करने को फिर से धमकी देते हुए ताचेन से हटाई हुई सेनाओं को क्वेनोय और मात्सु में लाकर रखने की जा चाहिए जाहिर की है उससे हालत और भी गंभीर हो जाती है. उस हालत में अमरीका की फौजें चीन की मुख्य भूमि से सर्फ पांच मील के फासले पर रह जायेंगी (क्वे-माय द्वीप समूह अमोय प्रान्त से सर्फ पांच मील दूर है). नानचो द्वीप समूह की रक्षा के लिये भी चांग ने अमरीका से मांग की है, राष्ट्रपति आइजन हावर ने इसमीनान दिलाया है कि यदि ताचेन, नानची और मात्सु द्वीप समूहों की नहीं तो कुछ खास हालतों में अमरीका का क्वेनोय की हफा जत तो करनी होगी.

ورام سندھی کی مانگ

اینگلینڈ شان نامک دیپ پر چینوں کے اندیکار ہو جانے سے واشنگٹن میں کافی پرتی کرنا ہوئی جان پڑتی ہے. ڈالیس اور آرن ہاور نے اپنے بیانات میں یو. این. او. کے ماتحت فارموسا دیپ میں ورام سندھی کی مانگ کی ہے. اس سمندھ میں نیوزی لینڈ نے سرچھیا پریشد میں پرستار رہا ہے کہ چین اور فارموسا میں دیپ بند کرکے دیپ پر وچار کیا جائے اور اس وچار ونامے میں ہواک لینے کے لئے چین کو بھی دعوت دی جائے. لیکن سوویت روس نے اس پرستار کا وردہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ چین نے جو اپنی بیومی پر امریکی حملے کی شکایت کی ہے، پہلے اس کی سرائی کی جائے. اپنے پرتی پرستار میں اس نے بتایا ہے کہ چین سمدر میں سے چینی سیناؤں کے انبرکت انیہ سب سیناؤں ہٹائی جائیں. چین کے پردخان منتری جاپ. این. ای. نے نیوزی لینڈ کے پرستار پر وچار ونامے کے لئے اپنا پرتی ندھی بیہیچنے سے انکار کر سوویت روس کے ہی پرستار کا سمرتن دیا ہے اور وہ بھی تب جب کہ چانگ-کارڈ-شوک کے پرتی ندھی کو سرچھیا پریشد میں سے ہٹا دیا جائے.

چین کا پرتی ندھتو کیوں نہیں ؟

دراصل چین سے چانگ-کارڈ-شوک کے ہواک کر آنے پر بھی امریکہ سمجھتا رہا کہ فارموسا میں دیپ بند کرکے چانگ امریکی سپاندا سے چین پر پور سے قبضہ کر سکے گا. اسی آشا سے امریکہ اسے کافی مدد دیتا رہا ہے اور اس نے چین کی پیکنگ سرکار کو مانیتا نہیں دی. انیہ راشٹروں سے بھی اس نے ہی انورودہ دیا ہے کہ وہ چانگ کی سرکار کو ہی قانون دوارا اسبابت سرکار مانیں. اسی لئے

لوگوں کا چین میں स्वागत کیا جاتے گا جو اس کے ساتھ ساتھ تین دنوں کے لیے تھے۔ چین اس بات کو بار بار کہتا آیا ہے کہ امریکہ 'ایشیا ایشیا کے خلاف' اپنی پورے نیکی کو عمل میں لانے کے لئے فارموسا کو ادا بنانے کے لئے یورپ کے دیشوں پر حملہ کرنے کے لئے ایشیا کی شانتی کو خطرے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے چینی سمندر تھ پر اپنا ساتوں بھڑا نعت کیا ہے۔ 1950 سے لے کر اب تک وہ یہ دھماکا جمل پوت آدمی نوجی سہلنے کے روپ میں چانگ - کائی - شیک کو ارب ڈالر کی مدد دے چکا ہے۔ اس کے سوائے امریکی ہوائی جہازوں نے چین کے خلاف بمباریاں کی ہیں؛ نوکریں، کوانگ چین اور چیکینگ پر انہوں نے کوسنگانگ سیناؤں نے کئی حملے کیے ہیں۔ اس پرکار امریکی جہازوں نے غیر قانونی قہنگ سے برٹین، تسمارک، ناروے آدمی دیشوں کے جہازوں کو پکڑ لیا ہے۔

انہ دیپ سموہ

فارموسا (توان) اور پائسکاڈورس (پنگو) دیپوں کے اٹلاوا چینی سمندر تھ کے پاس اور مئی ڈیوٹے-ماتے دیپ سموہ ہیں۔ انہیں تاچین، نانچی، مانسو اور کومائے دیپ سموہ کی موجودہ جنگی خطرے کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت ہے۔ چینی سمندر تھ سے سٹے ہونے کے لیے دیپ سموہ 400 میل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فارموسا کی حفاظت کے لیے ان کا کوئی خاص مہتمو نہیں ہے۔ لیکن ان پر دیشوں سے چین کی مہتمو بہت بڑی آسانی سے حملہ کیا جاسکتا ہے۔

تاچین دیپ سموہ

18 جنوری، 1955 کو چینی سناؤں نے جیس ڈیکیاں شان دیپ پر کڑوا کیا ہے۔ وہ تاچین دیپ سموہ کا ہی ایک اہم ہے۔ تاچین ساٹ ڈیوٹے-ڈیوٹے دیپوں کا سموہ ہے جو چیکینگ پرانت سے 12-15 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کومینگاں کی کڑی تہاوت ہے اور امریکی رینڈر لگے ہوئے ہیں جس سے کہ شہمائی اور فینگ چو کی چینی سیناؤں کی پکڑی دہی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ لیکن اکیٹانگ شان، جو تاچین سے صرف سات میل کی دوری پر ہے، کی وجہ سے بد کوسنگانگ فوجوں کا تاچین پر دخل بنانے کا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لئے جیسا کہ ابھی حال کے سماچاروں سے معلوم ہوتا ہے اس دیپ سموہ کو امریکی بیڑے کی سونکچیتا میں خالی کیا جا رہا ہے۔ اسی سونکچیتا سندھی کے مطابق دیکر جالنے تو امریکہ صرف فارموسا اور پینگورس دیپوں کی رکچیتا کا ہی زمسوار ہے، لیکن اب اس طرح وہ اپنے بیڑے کو چینی سمندر میں اتار کر چین کی مہتمو بہت سے انہ نزدیک پورنچ چین کو چنوتی دے رہا ہے۔ اب تک تو وہ ڈالر تہا استر - شستروں سے ہی چانگ کی مدد کرتا آیا ہے لیکن اب وہ خرد اپنی سیناؤں سے سچت ہو چینی سمندر تھ

لوگوں کا چین میں स्वागत کیا جاتے گا جو اس کے ساتھ ساتھ تین دنوں کے لیے تھے۔ چین اس بات کو بار بار کہتا آیا ہے کہ امریکہ 'ایشیا ایشیا کے خلاف' اپنی پورے نیکی کو عمل میں لانے کے لئے فارموسا کو ادا بنانے کے لئے یورپ کے دیشوں پر حملہ کرنے کے لئے ایشیا کی شانتی کو خطرے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اسی لئے اس نے چینی سمندر تھ پر اپنا ساتوں بھڑا نعت کیا ہے۔ 1950 سے لے کر اب تک وہ یہ دھماکا جمل پوت آدمی نوجی سہلنے کے روپ میں چانگ - کائی - شیک کو ارب ڈالر کی مدد دے چکا ہے۔ اس کے سوائے امریکی ہوائی جہازوں نے چین کے خلاف بمباریاں کی ہیں؛ نوکریں، کوانگ چین اور چیکینگ پر انہوں نے کوسنگانگ سیناؤں نے کئی حملے کیے ہیں۔ اس پرکار امریکی جہازوں نے غیر قانونی قہنگ سے برٹین، تسمارک، ناروے آدمی دیشوں کے جہازوں کو پکڑ لیا ہے۔

انہ دیپ سموہ

فارموسا (توان) اور پینگورس کوسنگانگ (پینگو) دیپوں کے علاوہ چینی سمندر تھ کے پاس اور بھی چھوٹے موٹے دیپ سموہ ہیں۔ ان میں ناچین، نانچی، مانسو اور کومائے دیپ سموہ کی موجودہ جنگی خطرے کے نقطہ نظر سے خاص اہمیت ہے۔ چینی سمندر تھ سے سٹے ہونے کے لیے دیپ سموہ 400 میل میں پھیلے ہوئے ہیں۔ فارموسا کی حفاظت کے لیے ان کا کوئی خاص مہتمو نہیں ہے۔ لیکن ان پر دیشوں سے چین کی مہتمو بہت بڑی آسانی سے حملہ کیا جاسکتا ہے۔

تاچین دیپ سموہ

18 جنوری سن 1955 کو چینی سیناؤں نے جس اکیٹانگ شان دیپ پر قبضہ کیا ہے وہ تاچین دیپ سموہ کا ہی ایک اہم ہے۔ تاچین سات ڈیوٹے-ڈیوٹے دیپوں کا سموہ ہے جو چیکینگ پرانت سے 12-15 میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کوسنگانگ کی فوجیں تعینات ہیں اور امریکی رینڈر لگے ہوئے ہیں جس سے کہ شہمائی اور فینگ چو کی چینی سیناؤں کی پکڑی دہی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ لیکن اکیٹانگ شان، جو تاچین سے صرف سات میل کی دوری پر ہے، کی وجہ سے بد کوسنگانگ فوجوں کا تاچین پر دخل بنانے کا ناممکن ہو گیا ہے۔ اس لئے جیسا کہ ابھی حال کے سماچاروں سے معلوم ہوتا ہے اس دیپ سموہ کو امریکی بیڑے کی سونکچیتا میں خالی کیا جا رہا ہے۔ اسی سونکچیتا سندھی کے مطابق دیکر جالنے تو امریکہ صرف فارموسا اور پینگورس دیپوں کی رکچیتا کا ہی زمسوار ہے، لیکن اب اس طرح وہ اپنے بیڑے کو چینی سمندر میں اتار کر چین کی مہتمو بہت سے انہ نزدیک پورنچ چین کو چنوتی دے رہا ہے۔ اب تک تو وہ ڈالر تہا استر - شستروں سے ہی چانگ کی مدد کرتا آیا ہے لیکن اب وہ خرد اپنی سیناؤں سے سچت ہو چینی سمندر تھ

मंचूरिया, तैवान और पैसका डोस टापू—उनको चीन को लौटा दिया जायगा. सन 1945 में पाट्सडम-पेलान पर दस्तखत करते हुए सोवियत संघ ने भी इस समझौते को माना.

चांग फ़ारमोसा में

1949 में चीन को मुक्ति-युद्ध (जंगे निजात) में कामयाबी मिलने के बाद दुनिया का नक्शा ही बदल गया, चांग-काई-शेक को भागकर फारमोसा में शरण लेनी पड़ी। यहां की जनता को वह विश्वास दिलाता रहा कि शीघ्र ही वह चीन की मुख्य भूमि पर फ़तह हासिल कर उसका स्वामी बनेगा,

अमरीका का फ़ारमोसा पर अधिकार

5 जनवरी, 1950 को अमरीकी राष्ट्रपति ट्रूमन ने बयान दिया था—“26 जुलाई, 1945 के पाट्सडम ऐलान पर अमरीका ने भी दस्तखत किये थे जिसमें यह ऐलान किया गया था कि क्राहिरा के ऐलान की शर्तों पर अमल किया जायेगा. इस ऐलान की शर्तों को जापान ने हथियार रखने के समय माना था.....गत चार वर्षों से अमरीका और मित्र राष्ट्र इस द्वीप पर चीन की सत्ता को मंजूर करते आये हैं.” लेकिन फिर भी 27 जुन, 1950 को कारभासा की रक्षा के बहाने अमरीका ने वहाँ अपना सातवाँ वेड़ा उतार दिया. मैक आर्थर ने तो साफ कह दिया—तैवान एक न डूबनेवाला हवाई जहाजों और पनडुब्बियों का अड्डा है, जिसके बल पर अमरीका अपनी जल और हवाई सेनाओं की मदद से ब्लाडीवोस्कट से लेकर सिंगापुर तक एशिया के हर एक बन्दरगाह पर अपना असर कायम कर सकता है.” आगे चलकर 1953 के शुरू में अमरीकी राष्ट्रपति आइजन हावर ने यहाँ तक कह दिया कि अमरीका चांग-काई-शेक के चीन की मुख्य भूमि पर हमला करने में कोई बाधा न डालेगा. अमरीका मानता है—

ताइवान को संयुक्तराष्ट्र के हवाले कर दिया जाय; या

उसे तटस्थ रखा जाय; या

उसकी आजाद हस्ती मंजूर कर ली जाये.

साफ़ है कि अमरीका अब कारमोसा पर चीन की सत्ता मंजूर नहीं करना चाहता जिसको वह अब तक मानता आया है, दूर असल कारमोसा का सवाल चीन का निजी सवाल है, उसमें राष्ट्र संघ या किसी दूसरे मुल्क का दखल देने का क्या हक है ?

फ़ारमोसा की आज़ादी का ऐलान

22 अगस्त, 1954 को चीन के सभी राजनीतिक दलों, जन-संगठनों और जनता की सलाहकार समिति ने कारमासा को आजाद करने का ऐलान किया है। इस ऐलान में कहा गया है कि 'सिफे एक चांग-काई-शेक को छोड़कर' उन सभी

منچوریا، تیان اور پیکا قورس ٹاپ۔ اُن کو چین کو لوٹا دیا جائیگا۔ سن 1945 میں پوندم - اعلان پر دستخط کرتے ہوئے سویت سنکھ نے بھی اِس سمجھوتے کو مانا۔

چانگ فارموسا میں

سن 1949 میں چین کو مکتی دے (چنگ نعت) میں کامیابی ملنے کے بعد دنیا کا نقشہ ہی بدل گیا۔ چانگ - کائی - شیک کو بھاگ کر فارمسا میں شرن یعنی ڈی۔ جی۔ یہاں کی جتنا کہ وہ وراثت دلاتا رہا کہ شیکھر ہے وہ چین کی مکہ بھومی پر فتح حاصل کر اُس کا سوامی بنے گا۔

امریکہ کا فارموسا پرو ادھیکار

5 جنوری، 1950 کو امریکی راشٹریتی ٹرومن نے بیان دیا تھا—”26 جولائی 1945 کی پوسٹم اعلان پر امریکہ نے بھی دستخط کئے تھے جس میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ قاہرہ کے اعلان کی شرطوں پر عمل کیا جائیگا۔ اِس اعلان کی شرطوں کو چاروں نے نظر رکھنے کے سمے ماننا تھا... مگر چار ورشوں سے امریکہ اور مترو راشٹر اس دپ پر چین کی ستہ کو منظور کرتے آئے تھیں۔“ لیکن پھر بھی 27 جون، 1950 کو فارموسا کی رکچہا کے بنائے امریکہ نے وہاں اپنا ساتواں بیڑا اُتار دیا۔ میک آرٹھر نے صاف کہ دیا—تباہیوں ایک نہ دہانے والا ہوائی جہازوں اور ہنڈبوں کا آڈا ہے، جس کے بل پر امریکہ اپنی جل اور ہوائی سینڈاں کی مدد سے وائیو اسٹک سے لیکو سنڈاپور تک ایشیا کے ہر ایک ہندوگرہ پر اپنا اثر فام کر سکتا ہے۔“ اگے چل کر 1953 کے شروع میں امریکی راشٹریتی انژن ہاور نے یہاں تک کہ دنیا کے امریکہ چانگ-کانی-شیک کے چین کی عقیقہ عیسائی پر حملہ کرنے میں کوئی ہادہ نہ ڈالے گا۔ امریکہ مانتا ہے—

اُسے نڈھستہ رکھا جائے؟ یا،

اُس کی آزاد ہستی منظور کرای جائے۔

صاف ہے کہ امریکہ، اب، ایبوسا پر چین کی سخت منظر نہیں
 کرنا چاہتا جس پر وہ اب ملک ماننا آیا ہے۔ دراصل ایبوسا
 کا سوال چین کا نجی سوال ہے، اس میں راسخو سنکو یا کسی
 دوسرے ملک کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟

فارموسا کی آزادی کا اعلان

22 اگست 1954 کو چین کے سپہی راجنیتک داؤں، جن سنگتوں اور چنٹا کی ملاحکار سمیتی نے فارموسا کو آزاد کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس اعلان میں کہا گیا ہے کہ صرف ایک چانگ کانگ - شیک کو چھوڑ کر، اُن سپہی

और कपूर के तेल की मांग यहां से पूरी होती है। इसके सिवाय, यहां कोयला, तेल, गंधक सोने आदि की खानें हैं। कीलुंग और काओशिंग यहां के बन्दरगाह हैं जो व्यापार के बड़े केन्द्र हैं।

जनसंख्या

कारमोसा की जनसंख्या १० लाख है। इनमें 90% चीनी हैं जिनके पूर्वज समय समय पर फूकिन और क्वांगुंग प्रान्तों से यहां आते रहे हैं। बाक़ी 3% कारोआन नामक अल्प-संख्यक जातियों के लोग बसते हैं जा क्वांगुंग, हैनान, सुमात्रा, बोरनिओ, फ़िलिपाइन्स आदि स्थानों से आकर यहां बस गये थे।

प्राचीन इतिहास

इतिहास से मालूम होता है कि ईसवी सन की तीसरी सदी में चीन के लोग कारमोसा पहुंच चुके थे। थांग काल (सन 618-705) का मशहूर विद्वान् शिह धीयेन वू अपने समस्त परिवार के साथ यहां आकर रहने लगा था। इस विद्वान् ने अपने काव्य में कारमोसा का सुन्दर वर्णन किया है।

सत्रहवीं सदी के शुरू में योरप वालों की निगाह इस द्वीप पर पड़ी। सन 1626 में स्पेन की सेनाओं ने उत्तर पूर्वी कारमोसा पर क़ब्ज़ा कर लिया और 16 वर्ष तक उनका राज्य कायम रहा। इस समय से कारमोसा तैवान के नाम से पुकारा जाने लगा। इन्हीं दिनों फूकिन का निवासी ज़ेंग-चीह-लुंग अपने 3,000 सगे संबंधियों को लेकर यहां रहने लगा। आगे चलकर जब मंचु राजाओं ने चीन पर हमला किया तो उसके पुत्र ने बड़ी वीरता से शत्रु सेनाओं का समाना किया।

जापानी हमला

सन 1874 में कारमोसा पर जापानी सेना का हमला हुआ। उसके बाद सन 1894 में जब जापान ने चीन पर धावा किया तो चीन के युद्ध में हार जाने के कारन कारमोसा जापानियों के हाथ में पहुंच गया। धीरे-धीरे इस द्वीप पर जापानियों का असर बढ़ता गया और सन 1895 में 1945 के बीच जापानियों की तादाद यहां 3,20,000 तक पहुंच गई! पचास वर्ष के इस लम्बे दौर में कारमोसा की जनता ने जापानी हाकिमों के खिलाफ़ कई बराबतें कीं लेकिन सब को कुचल दिया गया।

दूसरे युद्ध के बाद

दूसरे युद्ध के बाद अन्तर्राष्ट्रीय हालतें बदल गईं। 3 सितम्बर, 1943 का जापान के आत्म समर्पण के बाद 1 दिसम्बर 1946 के काहिरा के ऐलान में—जिस पर चीन, अमरीका और ब्रिटेन ने दस्तखत किये थे—यह मंचूर किया गया कि चीन के जिन हिस्सों को जापान ने हड़प लिया है—यानी

और कपूर के तेल की मांग यहां से पूरी होती है। इसके सिवाय, यहां कोयला, तेल, गंधक सोने आदि की खानें हैं। कीलुंग और काओशिंग यहां के बन्दरगाह हैं जो व्यापार के बड़े केन्द्र हैं।

जनसंख्या

कारमोसा की जनसंख्या 80 लाख है। इनमें 90% चीनी हैं जिनके पूर्वज समय समय पर फूकिन और क्वांगुंग प्रान्तों से यहां आते रहे हैं। बाक़ी 3% क्वांगुंग नामक अल्प-संख्यक जातियों के लोग बसते हैं जो क्वांगुंग, हैनान, सुमात्रा, बोरनिओ, फ़िलिपाइन्स आदि स्थानों से आकर यहां बस गये थे।

प्राचीन इतिहास

इतिहास से मालूम होता है कि ईसवी सन की तीसरी सदी में चीन के लोग कारमोसा पहुंच चुके थे। थांग काल (सन 618-705) का मशहूर विद्वान् शिह धीयेन वू अपने समस्त परिवार के साथ यहां आकर रहने लगा था। इस विद्वान् ने अपने काव्य में कारमोसा का सुन्दर वर्णन किया है।

सत्रहवीं सदी के शुरू में योरप वालों की निगाह इस द्वीप पर पड़ी। सन 1626 में स्पेन की सेनाओं ने उत्तर पूर्वी कारमोसा पर क़ब्ज़ा कर लिया और 16 वर्ष तक उनका राज्य कायम रहा। इस समय से कारमोसा तैवान के नाम से पुकारा जाने लगा। इन्हीं दिनों फूकिन का निवासी ज़ेंग-चीह-लुंग अपने 3,000 सगे संबंधियों को लेकर यहां रहने लगा। आगे चलकर जब मंचु राजाओं ने चीन पर हमला किया तो उसके पुत्र ने बड़ी वीरता से शत्रु सेनाओं का समाना किया।

जापानी हमला

सन 1874 में कारमोसा पर जापानी सेना का हमला हुआ। उसके बाद सन 1894 में जब जापान ने चीन पर धावा किया तो चीन के युद्ध में हार जाने के कारन कारमोसा जापानियों के हाथ में पहुंच गया। धीरे-धीरे इस द्वीप पर जापानियों का असर बढ़ता गया और सन 1895 में 1945 के बीच जापानियों की तादाद यहां 3,20,000 तक पहुंच गई! पचास वर्ष के इस लम्बे दौर में कारमोसा की जनता ने जापानी हाकिमों के खिलाफ़ कई बराबतें कीं लेकिन सब को कुचल दिया गया।

दूसरे युद्ध के बाद

दूसरे युद्ध के बाद अन्तर्राष्ट्रीय हालतें बदल गईं। 3 सितम्बर 1945 का जापान के आत्म समर्पण के बाद 1 दिसम्बर 1946 के काहिरा के ऐलान में—जिस पर चीन, अमरीका और ब्रिटेन ने दस्तखत किये थे—यह मंचूर किया गया कि चीन के जिन हिस्सों को जापान ने हड़प लिया है—यानी

فراموسا میں جنگی گوتائیں

ساری دنیا کی آنکھیں آج فراموسا پر لگی ہوئی ہیں۔ سائگاؤں، ہانگ کانگ، منیلا، بئیرا دूर पूरब के नगरों में जंगी घटायें उमड़ रही हैं۔ गली-सुहल्लों और सड़कों पर इकट्ठा बरी हुई जनता सोच रही है—क्या तीसरा विश्व युद्ध होगा ? क्या इस युद्ध में एटम बमों का इस्तेमाल किया जायेगा ? क्या इस विश्व संहारकारी युद्ध-संकट को किसी प्रकार टाला नहीं जा सकता ? इस संकट के लिये कौन जिम्मेवार है ?

अमरीका की तैयारियाँ

पिछले साल इन्डो-चाइना के डीन-बीन-कू-जंग को क़तल करने के लिये संयुक्त राष्ट्र अमरीका ने बड़े बड़े जंगी जहाज़ टांगकिंग की खाड़ी में उतार दिये थे, लेकिन इस बार और भी भयंकर तैयारियों की जा रही हैं, हांगकांग के 'टाइम्स ऑफ इन्डिया' के संवाददाता के मुताबिक अनुराक्ति तथा जंग के दूसरे खौफनाक हथियारों से लैस 100 अमरीकी जंगी जहाज़ों का विशाल बेड़ा फ़ारमोसा की हिकाज़त के लिये चीन के समुद्र तट पर आ पहुँचा है, इसके सिवाय पाँच विमानवाही पोत 400 से अधिक बममार हवाई जहाज़, 6 क्रूज़र, 500 ध्वंसक जहाज़ तथा अनेकों तारपीडो नौकायें और पनडुब्बियाँ आदि बहुत-सी सामग्री एकत्रित की जा चुकी हैं, ओकिनावा और फिलिपाइन्स से जल और हवाई सेनायों भी फ़ारमोसा आ गई हैं,

अवसरवादी चाँ न-काई-शेक

अमरीकी कौजी ताकत पर जीवित रहने वाला चांग इस अवसर की ताक में है कि किसी तरह अमरीका और कम्युनिस्ट चीन की सेनाओं में किसी तरह ठन जाये, लेकिन अमरीकी सेनापति कोरिया युद्ध में चीनी सिपाहियों का रण-कौशल देख चुके हैं, इसलिये अब की बार वे इतनी जल्दी उनसे उलझना नहीं चाहते,

फ़ारमोसा का महत्व

फ़ारमोसा (तैवान) दक्षिण-पूर्वी चीन में मुख्य भूमि से 150 मील दूर पर चीन का सबसे बड़ा द्वीप और सब से छोटा प्रान्त है, क़ुकिन प्रान्त से यहां की सुन्दर पर्वत शृङ्खलायें दिखाई देती हैं जो उत्तर से दक्षिण तक 236 मील तक फैली हुई हैं, 14,000 वर्ग मील में फैला हुआ यह टापू अपने क़दवरी रूप और हरे-भरे प्रदेशों के सबब मशहूर है, इसीलिये सन 1590 में पोर्चुगीज़ लोगों ने इसे इल्हा फ़ारमोसा (सुन्दर द्वीप) नाम दिया था, यहां की भूमि में चावल, गन्ना, चाय, अनन्नास, केला और शकर-कन्द बहुतायत से पैदा होते हैं, यहां के जंगलों में कपूर और देबदार आदि के बूझ उगते हैं, दुनिया की 70% कपूर

फ़ारमोसा में جنگی گوتائیں

ساری دنیا کی آنکھیں آج فراموسا پر لگی ہوئی ہیں۔ سائگاؤں، ہانگ کانگ، منیلا وغیرہ دور پورب کے نگروں میں جنگی گوتائیں اُتر رہی ہیں۔ گلی سڑکوں اور سڑکوں پر اکٹھا قری ہوئی جنتا سوچ رہی ہے—کیا تیسرا شویدہ ہوگا ? کیا اس یدہ میں ایٹم بموں کا استعمال کیا جائیگا ? کیا اس وشو سنگھارکاری یدہ سنکٹ کو کسی پرکار ٹالا نہیں جاسکتا ? اس سنکٹ کے لئے کون ذمہوار ہے ?

امریکہ کی تیاریاں

پچھلے سال انڈو چائنا کے قین - بین - ڈو جنگ کو ختم کرنے کے سنیکٹ راشٹر امریکہ نے بڑے بڑے جنگی جہاز ٹانگ کنگ کی کھاری میں اُتار دیئے تھے۔ لیکن اس بار اور بھی بھینکر تیاریاں کی جا رہی ہیں، ہانگ کانگ کے 'ٹائمز آف انڈیا' کے سوادادان کے مطابق اوشکتی نتہا جنگ کے دوسرے خوفناک ہتھیاروں سے لیس 100 امریکی جنگی جہازوں کا وشال بھڑا فراموسا کی حفاظت کے لئے چین کے سنڈر ٹٹ پر آہونچا ہے۔ اس کے سولے پانچ ویمان والی پوت، 400 سے اندھک بیمار ہوائی جہاز، 6 کرورز، 500 دھونسک جہاز تہا انیکوں تاریدتو نوکائیں اور پنڈبیاں آدی بہت سی سامگری ایقترت کی جا چکی ہیں۔ اوکی نارا اور فاٹانس سے جل اور ہوائی سیٹائوں بھی فراموسا آ گئی ہیں۔

اوسروالسی چانگ گلی شیک

امریکی فوجی طاقت پر جیوت رخنہ والا چانگ اس اوسر کی تاک میں ہے کہ کسی طرح امریکہ اور کمونسٹ چین کی سیناؤں میں کسی طرح تھن جائے، لیکن امریکی سیناپتی کوریا یدہ میں چینی سپاہیوں کا بن کوشل دیکھ چکے ہیں، اس لئے اب کی بار وہ اتنی جلدی ان سے آکھٹا نہیں چاہتے۔

فاموسا کا مہتو

فاموسا (تینان) دکجینی دوربی چین میں مکھیہ بتومی سے 100 میل دور پر چین کا سب سے بڑا دیپ اور سب سے چھوٹا پرانت ہے۔ نوکی پرانت سے یہاں کی سنڈر پوت شرنکھلائیں دکھائی دیتی ہیں جو اُتر سے دکوں تک 236 میل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ 14,000 درگ میل میں پھیلا ہوا یہ ٹاپو اپنے قدرتی روپ اور روع بڑے پودشوں کے سبب مشہور ہے۔ اے لئے سن 1590 میں پرتگیز لوگوں نے اسے اپنا فراموسا (سندر دیپ) نام دیا تھا۔ یہاں کی بومی میں چاول، گنا، چائے، انڈنس، کیلا اور شکرقد بہتایت سے پیدا ہوتے ہیں، یہاں کے جنگلوں میں کپور اور دیوار اسی کے درکچہ آکھتے ہیں، دنیا کی 70% کپور

र मुझे कितनी चोट लगती है जब मैं देखता हूँ कि मेरे लये लोगों की जानें जाती हैं ! जब मैं यह देखता हूँ कि जो लोग मुझे प्यार करते हैं वह उसी प्यार के नाम पर जंग के लये हथियार तैयार करते हैं तो मैं शरमा जाता हूँ और मुझे रहसूस हांता है कि मैं कितना तुच्छ और निकम्मा हूँ !

अभी बहुत सी बातें हैं जिन्हें देखकर मुझे अंदाजा होता है कि अभी कितना काम करने का बाक़ी है—स्कूलों में सब लड़कों लड़कियों के लिये काफ़ी जगह तक नहीं है ! गिरजे खाली और सूने पड़े हुए हैं ! घरेलू जीवन दुकड़े दुकड़े है !

जब मैं किसी जगह पर यह साइनबोर्ड देखता हूँ कि—“केवल गोरे रंग के लोगों के लिये” या जब मैं किसी घर में घर की इन्जील पर गढ़े जमी हुई देखता हूँ तो मैं कांप उठता हूँ !

तब मैं हैरान हो जाता हूँ कि मैं लोगों को यह किस तरह समझाऊँ कि मैं कोई दस्ताना नहीं हूँ जिसे ठंडे हाथ पर पहना जा सके. या मैं कोई बिजली का सुइच नहीं हूँ जिसे आदमी जब चाहे दबा कर बुझा दे और फिर जब चाहे जला ले. इसके खिलाफ मैं तभी तक ज़िन्दा रह सकता हूँ जब तक कि आदमियों में यह सच्ची लगन हो कि वह अपने सब पड़ोसियों के साथ सुख और शान्ति से रह सकें !

फिर भी मैं बार बार खुशी और आशा से भर जाता हूँ ! लाखों नौजवान रोज़ खड़े होकर अपने क़ौमी भंडे, अपने देश और अपने भगवान की वफ़ादारी की प्रतिज्ञा करते हैं.

गालियों के कानों में, नाई की दूकानों पर और मकानों के पिछवाड़े लोग दां दो, तीन तीन क गिरोहों में जमा होकर आजादी के साथ मुल्क की राजनीति पर और हकूमत के बारे में अपने विचार प्रगट करते हैं और खुली बहस करते हैं.

छै करोड़ दस लाख आदमी चुनाव के दिनों में जमा होते हैं और अपने विचारों और अपनी राय के अनुसार वोट देते हैं.

तब मैं महसूस करता हूँ कि अभी निराशा होने का कोई कारन नहीं. मैं देखता हूँ कि दुनिया का भविष्य धरती के ऊपर एक काले बादल की तरह नहीं छा रहा है. मैं जानता हूँ कि लोग अमन और खुशहाली के साथ मिलकर रहेंगे और एक न एक दिन यह दुनिया सचमुच ‘एक’ होगी.

क्योंकि मैं लोगों की ज़िन्दगी का एक हिस्सा बन गया हूँ, और जब तक लोगों के दिल हैं, दिमाग हैं और उनमें रुढ़ हैं तब तक मैं ज़िन्दा रहूँगा, क्योंकि मैं जन राज हूँ !

सोलह बरस के अमरीकी लड़के क्लिप एम. मैकाय की इस आवाज को हम अमरीकी क़ौम के दिल की आवाज समझते हैं, और उस पर खुशी से ‘तथास्तु !’ कहते हैं. ओश्म ! ऐमन ! आमीन !

14. 3. '55

—सुन्दरलाल

पर मुझे कत्नी चोट लगी है जब मैं देखता हूँ कि मेरे लूँ लोगों की जानें जाती हैं ! जब मैं यह देखता हूँ कि जो लोग मुझे प्यार करते हैं वह उसी प्यार के नाम पर जंग के लूँ हथियार तैयार करते हैं तो मैं शरमा जाता हूँ और मुझे महसूस होता है कि मैं कितना तुच्छ और निकम्मा हूँ !

अभी बहुत सी बातें हैं जिन्हें देखकर मुझे अंदाजा होता है कि अभी कितना काम करने का बाक़ी है—स्कूलों में सब लड़कों लड़कियों के लिये काफ़ी जगह तक नहीं है ! गिरजे खाली और सूने पड़े हुए हैं ! घरेलू जीवन दुकड़े दुकड़े है !

जब मैं किसी जगह पर यह साइनबोर्ड देखता हूँ कि—“केवल गोरे रंग के लोगों के लिये” या जब मैं किसी घर में घर की इन्जील पर गढ़े जमी हुई देखता हूँ तो मैं कांप उठता हूँ !

तब मैं हैरान हो जाता हूँ कि मैं लोगों को यह किस तरह समझाऊँ कि मैं कोई दस्ताना नहीं हूँ जिसे ठंडे हाथ पर पहना जा सके. या मैं कोई बिजली का सुइच नहीं हूँ जिसे आदमी जब चाहे दबा कर बुझा दे और फिर जब चाहे जला ले. इसके खिलाफ मैं तभी तक ज़िन्दा रह सकता हूँ जब तक कि आदमियों में यह सच्ची लगन हो कि वह अपने सब पड़ोसियों के साथ सुख और शान्ति से रह सकें !

फिर भी मैं बार बार खुशी और आशा से भर जाता हूँ ! लाखों नौजवान रोज़ खड़े होकर अपने क़ौमी भंडे, अपने देश और अपने भगवान की वफ़ादारी की प्रतिज्ञा करते हैं.

गालियों के कानों में, नाई की दूकानों पर और मकानों के पिछवाड़े लोग दां दो, तीन तीन क गिरोहों में जमा होकर आजादी के साथ मुल्क की राजनीति पर और हकूमत के बारे में अपने विचार प्रगट करते हैं और खुली बहस करते हैं.

छै करोड़ दस लाख आदमी चुनाव के दिनों में जमा होते हैं और अपने विचारों और अपनी राय के अनुसार वोट देते हैं.

तब मैं महसूस करता हूँ कि अभी निराशा होने का कोई कारन नहीं. मैं देखता हूँ कि दुनिया का भविष्य धरती के ऊपर एक काले बादल की तरह नहीं छा रहा है. मैं जानता हूँ कि लोग अमन और खुशहाली के साथ मिलकर रहेंगे और एक न एक दिन यह दुनिया सचमुच ‘एक’ होगी.

क्योंकि मैं लोगों की ज़िन्दगी का एक हिस्सा बन गया हूँ, और जब तक लोगों के दिल हैं, दिमाग हैं और उनमें रुढ़ हैं तब तक मैं ज़िन्दा रहूँगा, क्योंकि मैं जन राज हूँ !

सोलह बरस के अमरीकी लड़के क्लिप एम. मैकाय की इस आवाज को हम अमरीकी क़ौम के दिल की आवाज समझते हैं, और उस पर खुशी से ‘तथास्तु !’ कहते हैं. ओश्म ! ऐमन ! आमीन !

—सुन्दरलाल

14. 3. '55

اھلسا، ایکتا، سچی آزادی اور سب کی خوشحالی کی طرف بڑھ رہی ہے۔

امریکی لڑکے کا لہجہ یہ ہے:—

میں جن راج (ڈیموکریسی) یعنی جنتا راج کی طرف سے بول رہا ہوں۔

میں جن راج یعنی جنتا کا راج ہوں۔ سویم بھوکوں نے لوگوں کے دلوں میں میرا بیج بویا تھا۔ دھیرے دھیرے مجھے میں اکوا پھوٹا۔ دنیا میں جب ظلم اور دہ پھیلے ہوئے تھے تب مجھے میں شاخیں نکلیں۔

کچھ لوگوں نے مجھے کیڑوں کے تھڑے دانوں کا دھم سمجھا۔ لیکن دوسروں کے دماغوں میں میں ایک سہنا بن گیا۔ انھیں میری دھن لگ گئی۔

یونان میں ایتھنس کے لوگوں نے مجھے پرکھا۔ افلاطون اور ارسطو نے مجھ پر اپنی عقل درزائی۔ روم کے سمراٹوں (سیزرس) نے مجھے مٹانا چاہا۔ یورپ کے بیچ کے زمانے کے بادشاہوں اور سامنتی سرداروں نے مجھے بیڑوں تلے روندنا !

انبارہویں صدی عیسوی میں ایک نوجوان دیش (امریکہ) میں، جہاں لوگ سچی آزادی کی فوج میں تھے اور اُس کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے، میں عملی شکل میں دعائی دینے لگا۔

پورے دو سو برس سے یہ دیش میرا گہوارہ ہے۔

واشنگٹن (ڈی۔ سی.) کی اونچی اونچی شاندار عمارتوں میں اور مسی سٹی نئی کے کنارے کنارے اُن چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک فنبہ رہتا ہے میں رہ رہا ہوں۔ ہر امریکی اسکول کے کدروں میں میں پھولتا پھلتا رہا ہوں۔ میں اُن سنڈر ہرے پھرے پارکوں میں رہتا ہوں جن میں کنبے کے دے آزادی کے سانہ آرام کرتے ہیں اور پھیلے ہیں۔ میں اخباروں کے اُن دفتروں میں رہتا ہوں جہاں ایڈیٹر لوگ اپنے اپنے دن کے سمپادگی لیکہ تیار کرتے ہیں۔ میں چٹاؤں کے اُن استھانوں میں رہتا ہوں جہاں لوگ ووٹ دے کر خود اپنے فیٹا چنتے ہیں۔

میں پرانی بدبودار کتابوں کے پلوں کے اندر بند نہیں رہ سکا، اور نہ میں کسی بند شیشے کے کیس کے اندر پھیکے پڑے ہوئے کاغذ پر چوٹکار رہ سکا۔

جہاں کہیں وہ انسان ہیں جو مجھے کھچتے ہیں وہاں میں آوشیہ ہوتا ہوں۔

لیکن جن لوگوں کی میں سیوا کرتا ہوں اُن کی عملی زندگیوں کا اگر میں انگ نہ بن سکوں تو میں کیوں ایک نکما شید بن کر رہ جاؤنگا !

دنیا بھر میں لوگ اُنے دن میرے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرتے ہیں۔ بہت بار لوگوں نے اپنی جانیں قربان کردی ہیں اس لئے کہ میں زندہ رہ سکوں۔

ہماری آواز

امریکی جنٹا کا دل

امریکہ میں دیش بھر کے ہائی اسکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ہر سال ایک 'مقابلہ' ہوتا ہے، جس میں لاکھوں لڑکے اور لڑکیاں نمبندہ لکھر بھیجتے ہیں اور سب سے اچھے نمبندہ لکھنے والوں کو انعام دیئے جاتے ہیں۔ وہ 'مقابلہ' اُس دیش کی کچھ ساروجنک سنسٹھاؤں کی اور سے کرایا جاتا ہے۔ سن 1954 میں اُس مقابلے میں دس لاکھ سے اوپر لڑکوں اور لڑکیوں نے نمبندہ لکھ کر بھیجے تھے۔ اُن میں سے چار کو پانچ پانچ سو ڈالر کا انعام دیا گیا تھا۔ مضمون تھا—”میں جن راج (ڈیموکریسی) کی طرف سے بولتا ہوں۔“ جن چار نمبندہوں پر انعام دیا گیا اُن میں سے ایک کا ہندی انوواد ہم نیچے دے رہے ہیں۔ انوواد چہاں تک ہو سکا لفظی نیا گیا ہے۔ یہ لیکھ امریکی کی کنسلس ریاست کے کسی ہائی اسکول کے ایک سولہ برس کے لڑکے 'فلپ ایم۔ میکائے' کا لکھا ہوا ہے۔ اُس نمبندہ کو ہم بڑی خوشی کے ساتھ ”نیا ہند“ میں کیول اِس لئے دے رہے ہیں کیونکہ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی سرکار کے نیچے کچھ بھی کہیں یا کریں امریکی جنٹا کا دل ویسا ہی صاف، بڑا اور مانو پریم سے بھرا ہوا ہے جیسا دنیا کے دوسرے دیشوں کی جنٹا کا دل۔ دنیا کے سامراج پریمی سمجھے جانے والے دیشوں میں بھی—اور ایسے دیش ایک دو انڈیوں پر گئے جا سکتے ہیں—ایسے لڑکوں کی گنتی بہت ہی کم ہے اور گہنتی جا رہی ہے جو تھیک بے تھیک سمجھتے ہیں کہ اُن کا نفع نقصان دوسرے دیشوں کے لوگوں کے نفع نقصان سے بالکل الگ ہے اور دونوں میں وہ تکرر ہے جیسے دور نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا بھر کے اندر عام جنٹا اپنی ایکتا کو تیزی کے ساتھ انوبہو کرتی جا رہی ہے۔ اُسے سب کے نائدے میں اپنا فائدہ اور سب کے نقصان میں اپنا نقصان دکھائی دینے لگا ہے۔ اُسے کالے گورے کا بھیج بڑا لگتا ہے، وہ جنگ اور جنگ کی تیاریوں کے خلاف ہے۔ اِس میں کوئی سندھ نہیں کہ آجکل کے کالے بادل چھٹانے والے ہیں اور دنیا کافی تیزی کے ساتھ اور پکے طور پر امن

امریکہ میں دیش بھر کے ہائی اسکولوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ہر سال ایک 'مقابلہ' ہوتا ہے، جس میں لاکھوں لڑکے اور لڑکیاں نمبندہ لکھر بھیجتے ہیں اور سب سے اچھے نمبندہ لکھنے والوں کو انعام دیئے جاتے ہیں۔ وہ 'مقابلہ' اُس دیش کی کچھ ساروجنک سنسٹھاؤں کی اور سے کرایا جاتا ہے۔ سن 1954 میں اُس مقابلے میں دس لاکھ سے اوپر لڑکوں اور لڑکیوں نے نمبندہ لکھ کر بھیجے تھے۔ اُن میں سے چار کو پانچ پانچ سو ڈالر کا انعام دیا گیا تھا۔ مضمون تھا—”میں جن راج (ڈیموکریسی) کی طرف سے بولتا ہوں۔“ جن چار نمبندہوں پر انعام دیا گیا اُن میں سے ایک کا ہندی انوواد ہم نیچے دے رہے ہیں۔ انوواد چہاں تک ہو سکا لفظی نیا گیا ہے۔ یہ لیکھ امریکی کی کنسلس ریاست کے کسی ہائی اسکول کے ایک سولہ برس کے لڑکے 'فلپ ایم۔ میکائے' کا لکھا ہوا ہے۔ اُس نمبندہ کو ہم بڑی خوشی کے ساتھ ”نیا ہند“ میں کیول اِس لئے دے رہے ہیں کیونکہ اِس سے پتہ چلتا ہے کہ امریکی سرکار کے نیچے کچھ بھی کہیں یا کریں امریکی جنٹا کا دل ویسا ہی صاف، بڑا اور مانو پریم سے بھرا ہوا ہے جیسا دنیا کے دوسرے دیشوں کی جنٹا کا دل۔ دنیا کے سامراج پریمی سمجھے جانے والے دیشوں میں بھی—اور ایسے دیش ایک دو انڈیوں پر گئے جا سکتے ہیں—ایسے لڑکوں کی گنتی بہت ہی کم ہے اور گہنتی جا رہی ہے جو تھیک بے تھیک سمجھتے ہیں کہ اُن کا نفع نقصان دوسرے دیشوں کے لوگوں کے نفع نقصان سے بالکل الگ ہے اور دونوں میں وہ تکرر ہے جیسے دور نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا بھر کے اندر عام جنٹا اپنی ایکتا کو تیزی کے ساتھ انوبہو کرتی جا رہی ہے۔ اُسے سب کے نائدے میں اپنا فائدہ اور سب کے نقصان میں اپنا نقصان دکھائی دینے لگا ہے۔ اُسے کالے گورے کا بھیج بڑا لگتا ہے، وہ جنگ اور جنگ کی تیاریوں کے خلاف ہے۔ اِس میں کوئی سندھ نہیں کہ آجکل کے کالے بادل چھٹانے والے ہیں اور دنیا کافی تیزی کے ساتھ اور پکے طور پر امن

देश की आजादी के लिये उनकी कोशिशों, हिन्दुओं को मुसलमानों से और मुसलमानों को हिन्दुओं से लड़ाने, हिन्दु-स्तानियों के कैरेक्टर को बरबाद करने और सारी हिन्दुस्तानी क्रौम को नीचा दिखाने की अंगरेजी चालों, अंगरेजों के जरिये हिन्दुस्तान की खुली लूट, ईस्ट इन्डिया कम्पनी का असली रूप, अंगरेजों के आने से पहले हिन्दुस्तान की सनअत्ती, माली, तिजारती, राजकाजी, समाजी, मजहबी और तालीमी हालत, और डेढ़ सौ बरस की अंगरेजी हकूमत में एक प्लैन के साथ इन सब चीजों की बरबादी, कदम कदम पर अंगरेजों का अपनी संधियों और अहदनामों को तोड़ना, इस देश में आजादी की तहरीक का श्रीगणेश और शुरू से आखिर तक उस तहरीक का इतिहास, सन 1857 के स्वाधीनता संग्राम के दिलचस्प पहलू, इन्डियन नेशनल कांग्रेस की स्थापना, दूसरे देशों में अंगरेजों की साजिशें, खिलाफत की तहरीक, रेशमी खतों की तहरीक, रूस, तुर्की अफगानिस्तान और हिन्दुस्तान के पुराने सम्बन्ध, हिन्दुस्तानी देश भक्तों के दूसरे देशों में कारनामे, अमीर अमानुल्ला का असली कैरेक्टर, रॉलट रिपोर्ट, महात्मा गांधी की तहरीक के अजीब अजीब पहलू, अंगरेजी खुकिया पुलिस की करतूतें बगैरा बगैरा सैकड़ों अत्यन्त दिलचस्प और शिक्षाप्रद विषयों पर एक किताब के अन्दर सामग्री चाहते हैं तो शायद इससे बढ़कर किताब नहीं मिल सकती. वीस अलग अलग किताबों के पढ़ने से आपको जो जानकारी मिल सकती है वह इस एक किताब के पढ़ने से मिल जायगी. इस पर तारीफ यह कि हर बात बेलाग होकर, सचाई, इन्साफ और सनद के साथ कही गई है. हमारी राय में कोई ऐसा उर्दू पढ़ा हिन्दुस्तानी नहीं हाना चाहिये जो अपने देश के बारे में कुछ भी जानना चाहता हो और जो इस किताब को न पढ़े. देश की कोई लाइब्रेरी नहीं होनी चाहिये जिसमें यह किताब न हो. भाषा अगर इससे आसान और आम कदम होती तो किताब कहीं अधिक लोगों को फायदा पहुंचा सकती थी.

मिलने का पता :—अलजमीयत बुक डिपो—दक्तर जमीयत उलमाए हिन्द, गली कासिम जान; देहली-6 या क्रौमी किताब घर देवबन्द, जिला सहारनपुर.

17. 3. '55

सुन्दरलाल

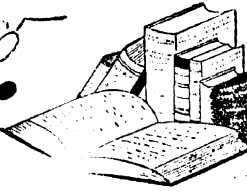
دیش کی آزادی کے لئے اُن کی کوششوں، ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے لڑانے، ہندوستانیوں کے کیڑے کو برباد کرنے اور ساری ہندوستانی قوم کو نیچا دکھانے کی انگریزی چالوں، انگریزوں کے ذریعہ ہندوستان کی کُلی لُٹ، اِیسٹ انڈیا کمپنی کا اصلی روپ، انگریزوں کے آنے سے پہلے ہندوستان کی صنعتی، مالی، تجارتی، راج کچی، سماجی، مذہبی اور تعلیمی حالت، اور دیکھ سو برس کی انگریزی حکومت میں ایک پلین کے ساتھ اِن سب چیزوں کی بربادی، قدیم قدم پر انگریزوں کا اپنی سندھیوں اور عہد ناموں کو توڑنا، اِس دیش میں آزادی کی تحریک کا شری گیش اور شروع سے آخر تک اُس تحریک کا اہلس، سن 1857 کے سوانقینتا سنگرام کے دلچسپ پہلو، انڈین نیشنل کانگریس کی لستاپنا، دوسرے دیشوں میں انگریزوں کی سازشیں، خلافت کی تحریک، رشمی خطوں کی تحریک، روس، ترکی، افغانستان اور ہندوستان کے پرانے سمبندھ، ہندوستانی دیش بکتنوں کے دوسرے دیشوں میں کارنامے، امیر امان اللہ کا اصلی کیڑے، روات، رپورت، مہاتما گاندھی کی تحریک کے عجیب عجیب پہلو، انگریزی خفیہ پولیس کی کرتوتیں وغیرہ وغیرہ، سیکڑوں اتھنیت دلچسپ اور شکشا پرورشیں پر ایک کتاب کے اندر سامگری چاغتے ہئیں تو شاید اِس سے بڑھ کر کتاب نہیں مل سکتی. بیس الگ الگ کتابوں کے پڑھنے سے آپ کو جو جانکاری مل سکتی ہے وہ اِس ایک کتاب کے پڑھنے سے مل جائے گی. اِس پر تعریف یہ کہ ہر بات پر لاگ ہو کر سچائی، انصاف اور سند کے ساتھ کہی گئی ہے. ہماری رائے میں کوئی ایسا اُردو پڑھا ہندوستانی نہیں ہونا چاہئے جو اپنے دیش کے بارے میں کچھ بھی جاننا چاہتا ہو اور جو اُس کتاب کو نہ پڑھے. دیش کی کوئی لائبریری نہیں ہونی چاہئے جس میں یہ کتاب نہ ہو. بھاشا اگر اِس سے آسان اور عام نہم ہوتی تو کتاب نہیں ادھک لوگوں کو فائدہ پہونچا سکتی تھی.

ملنے کا پتہ :—الجمعة بک ڈپو، داکٹر جمیعۃ علماء ہند، گلی فاسم جان دہلی - 6 یا قومی کتاب گھر دیوبند، ضلع سہارن پور.

—سندرلال

17. 3. '55

کیتاویں



کستائیں

”نکڑشہ ہیات“

لےکھک—مؤلانا ہوسین اہمد مدنی؛ لپپ اور باپا —زرد؛ دا جلد؛ رائل اٹھپہجی؛ کول سکے—لگامگ سات سؤ؛ جلدیں کپڑے کی سندر اور مچھوٹا؛ کاغذ؛ لٹھاہی؛ چھپائی بہت چھپائی بہت؛ کرمات دونوں جلدوں کی—سارے دس روپیہ .

جمیہت اولما کے سدر مؤلانا ہوسین اہمد مدنی کا نام دہش ہر مں مشہور ہے۔ ہندوستان کی آجادی کی جگ مں شرو سے آخیر تک انہوں نے آگے آگے حصہ لیا اور ہر طرح کی مصیبتیں چھیلیں . سن 1942 مں نینئ سنٹرل جیل کے اندر وہ اور ہم ساتھ ساتھ تھے . وہ آزادی کے ان پرکھے ہوئے بہادر سپاہیوں مں سے ہیں جو جتنی بار آک مں ڈالے گئے اُننی بار ہی کھڑے سونے کی طرح دمکتے ہوئے باور آئے . نرفہوارانہ ذہنیت کے زبردست دشمن، ہندو مسلم اتحاد کے بکے حامی، سچے محب وطن، دیش کی آزادی کے دلدادہ مؤلانا حسین احمد مدنی نے جب سے ہوش سنبھالا تب سے لکر دیش کے آزاد ہونے تک ان کے جیوں کی ایک ایک گھڑی مانونا کی سیوا اور دیش کی آزادی کی کششوں مں ہی بیتی . یہ کتاب ان کے اپنے ہاتھ سے لکھی آب تک کی جیوں کہانی ہے . ایسے آدمی کی جیوں کہانی کا یوں بھی دلچسپ اور شکشا پرد ہونا لازمی تھا . پر اِس کتاب کا اِس سے بہی بڑھ کر پہلو یہ ہے کہ جیسا جمعیۃ علماء کے سکرٹری مؤلانا حفص الرحمن نے کتاب کے شروع مں لکھا ہے—”یہ کتاب کیول ودوان لیکھ کی جیوں کہانی ہی نہیں ہے بلکہ ہندستان مں انگریزوں کے آنے سے لکر انگریزی راج کے انت ہونے تک سب خاص خاص گھنٹاؤں کا سکرہ ہے . انگریزی راج کی ان پولیٹیکل چالوں اور راج کچی چھل نریوں کا یہ انسائیکلو پیڈیا ہے جنہوں نے اِس دیش کو ایک بار تباہ کر ڈالا تھا .“

اگر آپ ایک سچے، وشواسی مسلمان گھراے مں پیدا ہونے آدمی کی شروع سے شکشا دیکشا، اسلام کی اصلی روح، مکہ اور مدینہ کے دلچسپ حالات، مسلمان عالموں کا شروع سے انگریزی راج کی طرف رخ،

جمعیۃ علماء کے صدر مؤلانا حسین احمد مدنی کا نام دیش ہر مں مشہور ہے . ہندستان کی آزادی کی جنگ مں شروع سے آخیر تک انہوں نے آگے آگے حصہ لیا اور ہر طرح کی مصیبتیں چھیلیں . سن 1942 مں نینئ سنٹرل جیل کے اندر وہ اور ہم ساتھ ساتھ تھے . وہ آزادی کے ان پرکھے ہوئے بہادر سپاہیوں مں سے ہیں جو جتنی بار آک مں ڈالے گئے اُننی بار ہی کھڑے سونے کی طرح دمکتے ہوئے باور آئے . نرفہوارانہ ذہنیت کے زبردست دشمن، ہندو مسلم اتحاد کے بکے حامی، سچے محب وطن، دیش کی آزادی کے دلدادہ مؤلانا حسین احمد مدنی نے جب سے ہوش سنبھالا تب سے لکر دیش کے آزاد ہونے تک ان کے جیوں کی ایک ایک گھڑی مانونا کی سیوا اور دیش کی آزادی کی کششوں مں ہی بیتی . یہ کتاب ان کے اپنے ہاتھ سے لکھی آب تک کی جیوں کہانی ہے . ایسے آدمی کی جیوں کہانی کا یوں بھی دلچسپ اور شکشا پرد ہونا لازمی تھا . پر اِس کتاب کا اِس سے بہی بڑھ کر پہلو یہ ہے کہ جیسا جمعیۃ علماء کے سکرٹری مؤلانا حفص الرحمن نے کتاب کے شروع مں لکھا ہے—”یہ کتاب کیول ودوان لیکھ کی جیوں کہانی ہی نہیں ہے بلکہ ہندستان مں انگریزوں کے آنے سے لکر انگریزی راج کے انت ہونے تک سب خاص خاص گھنٹاؤں کا سکرہ ہے . انگریزی راج کی ان پولیٹیکل چالوں اور راج کچی چھل نریوں کا یہ انسائیکلو پیڈیا ہے جنہوں نے اِس دیش کو ایک بار تباہ کر ڈالا تھا .“

اگر آپ ایک سچے، وشواسی مسلمان گھراے مں پیدا ہونے آدمی کی شروع سے شکشا دیکشا، اسلام کی اصلی روح، مکہ اور مدینہ کے دلچسپ حالات، مسلمان عالموں کا شروع سے انگریزی راج کی طرف رخ،

व आखिर में कैसी खतरनाक साबित हुई, उस मुक्ते नजर से भी यह एक समझने जैसी तारीखी घटना है। उस समय तो सर सैयद अहमद के मन में सिरफ अपनी धर्मजाति की पिछड़ी हुई दशा दूर करने का सेवा भाव था। लेकिन बाद के जमाने में नई पीढ़ी के नये भाव आये, नये कारण मिले, नई नीतियां चलीं। इनके साथ सारा चित्र पलट गया। यह बात आज आजादी के दौर में कई तरह से महसूस हो रही है। लेकिन यह सब असर 1857-युग के दौर में नहीं आता। लेकिन यह लिखना चाहिये कि उसके जन्माक्षर इस समय लिखे गये।

राज्यक्षेत्र विचार

आखिर में राज्यक्षेत्र भी नये असर के नीचे आया। मुगलों के दरबारी ढंग की राज्य प्रणाली के बदले नये अंग्रेजी ढंग की राज्यनीति निखरने लगी। पार्लियामेंट, लोकमत इत्यादि विचार पैदा हुये।

सरकारी नौकरियों में देश के लोग समान दर्जे से जायेंगे तो बड़ा भारी फायदा होगा, और हमारे लोगों के राज्य सम्बन्धी कार्य अच्छे और अधिक ज्ञान पूर्वक और प्रेम से कर सकेंगे ऐसा खयाल उत्पन्न हुआ। नौकरियों का स्वदेशीकरण—एक ज्ञान पूर्वक मांगने जैसी राजकीय बात प्रतीत हुई। उस समय आई. सी. एस. होना यह भी एक देश भक्ति जैसी चीज महसूस हुई हां तो उसमें ताज्जुब की बात नहीं है।

क्रौमियत का एक नया मजहब बना। लोगों की शिक्षा देश के प्रश्नों के बारे में होती चाहिये, अंग्रेजों को उसके बारे में समझकर राज्य कारोबार में सुधार कराने चाहियें, ये खयाल नये अंग्रेजी पढ़े हुये देश प्रेमी युवकों में पैदा हुए। राज्यकारोबार पर नजर रखने का कार्य वे देश सेवा समझ कर अपने आप करने लगे। यह सब चिंतन प्रजा के सामने रखने के लिये भिन्न भिन्न संस्थाओं और अखबार वगैरा की स्थापना होने लगी। संक्षेप में कहें तो नये राजकीय दौर को समझने की कोशिशें अपने आप शुरू हुईं।

1857 से 1885 के युग की इन सब बातों का संमय रूप से देखते हुए, एक बात यह साबित होती है कि देश में नया दौर शुरू हुआ। उसके साथ क्रम मिलाने के लिये प्रजा ने भी नया नजरिया और नई ताकत हासिल की। क्रौमियत के नये बीज लगे और फौरन इन बीजों ने दरख्तों का रूप ले लिया। 1857 से 1885 के युग की अव्यवस्था तथा नीति ऐक्य का अभाव दूर हुआ और नई नीति के पहलुओं को क़बूल किया जाने लगा।

इस दौर की छानबीन और अध्ययन का विचार अब हमारे देश में खूब होना चाहिये। देश की नई ज़िन्दगी का यह सवेरा था। उसके संविनायक बल और उसके पुरस्कर्ता हमारे लिये बड़ी भारी पूंजी हैं। नई पीढ़ी के लिये वह शक्ति का सोना है। इसकी छानबीन और अध्ययन की ह.इ.शुद्ध एवं सात्विक जरूरत होती चाहिये।

وے آخر میں کیسی خطرناک ثابت ہوئیں؛ اُس نقطہ نظر سے بھی یہ ایک سمجھنے جیسی تاریخی گھٹنا ہے۔ اُس سمے تو سر سید احمد کے من میں صرف اپنی دھرم جاتی کی پیچڑی ہوئی دشا دور کرنے کا سیوا بھاؤ تھا۔ لیکن بعد کے زمانے میں نئی پیڑھی کے نئے بھاؤ آئے، نئے کارن ملے، نئی نیٹیاں چلیں۔ ان کے ساتھ سارا چتر پلٹ گیا۔ یہ بات آج آزادی کے دور میں کئی طرح سے محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن یہ سب اثر 1857 یگ کے دور میں نہیں آتا۔ لیکن یہ لکھنا چاہئے کہ اُس کے جمناکچہر اِس سمے لکھ گئے۔

راجہ چیترا وچار

آخر میں راجہ چیترا بھی نئے اثر کے نیچے آیا۔ مغلوں کے درباری تھنک کی راجہ پر نئی کے بدلے نئے انگریزی تھنک کی راجہ، فرتی نکرے لگی۔ پارلیامنت، لوک مت انیادی وچار پیدا ہوئے۔

سرکاری نوکریوں میں دیش کے لوگ سمان درجے سے چائیئے تو بڑا بھاری فائدہ ہوگا، اور ہمارے لوگوں کے راجہ سمبندھی کاربہ اچھے اور ادھک گیان پرورک اور پرزم سے کرسکیں گے ایسا خیال اُنھن ہوا۔ نوکریوں کا سودیشی کرن—ایک گیان پرورک مانگئے جیسی راجہ، جات پرڈیت ہوئی۔ اُس سمے آئی. سی. ایس. ہونا بہ بھی ایک دیش بھکتی جیسی چیز محسوس ہوئی ہو تو اُس میں تعجب کی بات نہیں ہے۔

قومیت کا ایک نیا مذہب بنا۔ لوگوں کی شکشا دیش کے پوشوں کے بارے میں ہوئی چائے، انگریزوں کو اُس کے بارے میں سمجھا کر راجہ کاروبار میں سدھار کرانے چائیئے، یہ خیال نئے انگریزی پرھے ہوئے دیش پریمی یوکوں میں پیدا ہوا۔ راجہ کاروبار پر نظر رکھنے کا کاربہ وہ دیش سیوا سمجھ کر اپنے آپ کرنے لگے۔ یہ سب چائن پرچا کے سامنے رکھنے کے لئے ہیں بہن سنسپٹاؤں اور اخبار وغیرہ کی استپائیڈ ہونے لگی۔ سانچہ پم میں کہیں تو نئے راجہ دور کو سمجھنے کی کوششیں اپنے آپ شروع ہوئیں۔

1857 سے 1885 کے یگ کی اِن سب باتوں کو سمکر روپ سے دیکھتے ہوئے ایک بات یہ ثابت ہوئی ہے کہ دیش میں نیا دور شروع ہوا۔ اُس کے ساتھ تعم ملانے کے لئے پرچا نے بھی نیا نطہ پر اور نئی طانت حمل کی۔ قومیت کے نئے بیج لگے اور فوراً ان بیجوں نے درختوں کا روپ لے لیا۔ 1857 سے 1885 کے یگ کی اوزبستا تھا نیتئی، یکہ کا ابھاؤ دور ہوا اور نئی نیتئی کے پہلوں کو قبول کیا جانے لگا۔

اِس دور کی چیان بین اور ادھن کا وچار اب ہمارے دیش میں خوب ہوتا چائے دیش کی نئی زندگی کا یہ سویرا تھا۔ اُس کے سمودھیک بل اور اُس کے پرسکرنا ہمارے لئے بڑی باری پونجی ہیں۔ نئی پیڑھی کے لئے وہ شکتی کا سونا ہے۔ اِس کی چیان بین اور ادھن کی درشتی شدہ ایوم ساتوک ضرور ہونی چاہئے۔

جاہلی پانٹی کے بھید بھاؤں کا تباہ، انیادی انیک چیزیں اس مہادیہ میں جہنم میں سمجھ گنگا کے سمان پیدا ہونیں؛ اور ان کی مہان شکلی اور تہیچ اتنا زیادہ تھا کہ جہنم نے اُدھرتک شکشا پر اپت کی تھی ایسے رویگانند کو بھی یرمھنس نے اپنی طرف کھینچا . بنگال میں کیشو چندر سین، دیونندر ناتھ وغیرہ مہم سناچ وادیوں کے زمانے میں بھی اس مہا گنگا کا پرواہ دوروں روپ سے آگے بڑھا اور دیش میں سب جگہ اس کے جل سے سنجائی ہونے لگی . ان دوروں پرواہوں کا اثر سناچ چھتر میں بھاری تھا .

ادیوگ اور آرٹھک چھتر کے موافق اس چھتر میں بھی 1885 کے بعد کے یک میں، اٹھل بھارتیہ ساماچک پریشد جیسی سنسٹھا نے جنم لیا .

ودیا چھتر

ودیا چھتر میں بھی دھیان دینہ بوکھ سدھار ہوتے جاتے تھے . یونیورسٹیوں میں انگریزی کی پڑھائی تو ہوتی تھی . اس کے ساتھ پرلچین بھاشاؤں کا اٹھیس بھی شروع ہوا . سنسکرت، فارسی، عربی نئے تنگ سے پڑھائی جانے لگیں . پرانی شاستری پڑھتی اور پانے شالوں کا مہتمم ہونے لگا . اس کا اثر دیش کی بھاشاؤں پر پڑنے لگا . سادی دیشی بھاشاؤں میں ان پرلچین بھاشاؤں کے شدوں اور پڑیوں کی بھرمار ہونے لگی . دوسری اور انگریزی نے بھی انز دانا شروع کیا .

پڑھائی سے نوکریاں حاصل کرنے کی قابلیت بھی آئے لگی . ودیا بھاس کرنے کے لئے ولایت جانا شروع ہوا . نئی ودیاؤں کے پندت بھی تیار ہونے لگے . ان کی ناما ولی بھی دیکھنی چاہئے . خاص طور پر تین پرانت—بمبئی، مدراس، بنگال—جہاں پہلی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں، وہاں یہ خاص طور پر دیکھنے کو ملتا ہے .

علیگڑھ کی مسلم ہاچل

زمانے کے اس دور میں سر سید احمد خاں نے علیگڑھ کو مرکز بناکر مسلمانوں میں تعلیم کی ایک نئی دھارا بھائی . بلوے میں مسلمانوں پر انگریزوں کو شبہ ہوا کہ یہ قوم مولفانی ہے . اس شبہ کو دور کرنے کے لئے سر سید نے خاص کوشش کی . دوسری اور انھوں نے مسلمانوں کی قدیم جز پڑتوں کو دور کیا، اور نئی انگریزی تعلیم داخل کرنے کی کوشش شروع کی . علیگڑھ یونیورسٹی اسی کا نتیجہ ہے .

اس تخیل کے آرو بازو آدو زبان کا بھی وکس ہوتا گیا . حافی، انبال، شبلی ادنی لیکھک اس سلسلہ میں یاد آتے ہیں، اس وچار دھارا کا ادھین اور اس کی چھان بین کرنی چاہئے . اس دور میں نرٹوارانہ خیال کا زہریلا بیج نہیں تھا یہ تھیک ہے؛ لیکن ایک چھوٹی سی بھنتا کو لیکر آگے بڑھنے سے، ایک سوتے سے جو دو الگ الگ دھارائیں نکلیں

ویجا چتر

ویجا چتر میں بھی دھیان دینہ یوگیاں ہوتے جاتے تھے . یونیورسٹیوں میں انگریزی کی پڑھائی تو ہوتی تھی . اس کے ساتھ پرلچین بھاشاؤں کا اٹھیس بھی شروع ہوا . سنسکرت، فارسی، عربی نئے تنگ سے پڑھائی جانے لگیں . پرانی شاستری پڑھتی اور پانے شالوں کا مہتمم ہونے لگا . اس کا اثر دیش کی بھاشاؤں پر پڑنے لگا . سادی دیشی بھاشاؤں میں ان پرلچین بھاشاؤں کے شدوں اور پڑیوں کی بھرمار ہونے لگی . دوسری اور انگریزی نے بھی انز دانا شروع کیا .

پڑھائی سے نوکریاں حاصل کرنے کی قابلیت بھی آئے لگی . ودیا بھاس کرنے کے لئے ولایت جانا شروع ہوا . نئی ودیاؤں کے پندت بھی تیار ہونے لگے . ان کی ناما ولی بھی دیکھنی چاہئے . خاص طور پر تین پرانت—بمبئی، مدراس، بنگال—جہاں پہلی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں، وہاں یہ خاص طور پر دیکھنے کو ملتا ہے .

آلہیگڈ کی موسلیم ہلچل

زمانے کے اس دور میں سر سید احمد خاں نے علیگڑھ کو مرکز بناکر مسلمانوں میں تعلیم کی ایک نئی دھارا بھائی . بلوے میں مسلمانوں پر انگریزوں کو شبہ ہوا کہ یہ قوم مولفانی ہے . اس شبہ کو دور کرنے کے لئے سر سید نے خاص کوشش کی . دوسری اور انھوں نے مسلمانوں کی قدیم جز پڑتوں کو دور کیا، اور نئی انگریزی تعلیم داخل کرنے کی کوشش شروع کی . علیگڑھ یونیورسٹی اسی کا نتیجہ ہے .

اس تخیل کے آرو بازو آدو زبان کا بھی وکس ہوتا گیا . حافی، انبال، شبلی ادنی لیکھک اس سلسلہ میں یاد آتے ہیں، اس وچار دھارا کا ادھین اور اس کی چھان بین کرنی چاہئے . اس دور میں نرٹوارانہ خیال کا زہریلا بیج نہیں تھا یہ تھیک ہے؛ لیکن ایک چھوٹی سی بھنتا کو لیکر آگے بڑھنے سے، ایک سوتے سے جو دو الگ الگ دھارائیں نکلیں

اس دور میں فیرکےوارانا خال کا جھریلا بیج نہیں تھا یہ تھیک ہے؛ لیکن ایک چھوٹی سی بھنتا کو لیکر آگے بڑھنے سے، ایک سوتے سے جو دو الگ الگ دھارائیں نکلیں

इस महाप्रयाण का अस्तर जीवन के सभी अंगों पर पहुँचा. किसी नये रास्ते पर जाना है, ऐसा भाव प्रजा की ऊँच श्रेणी के लोगों में पैदा होने लगा. उनके जरिये अपनी रुचि, क्राबलियत और ताकत के मुताबिक नये विचारों को सेया जाने लगा. जैसा कि—

आर्थिक क्षेत्र में नये विचार

आर्थिक क्षेत्र में देखें. श्री रमेशचंद्र दत्त, दादाभाई नवरोजी, तथा न्यायमूर्ति रानाडे ने इसके बारे में गहराई से सोचना शुरू किया. 'ड्रे ईन' वाद—अपने देश की संपत्ति अग्रेश्व राज्यनीति के कारन कम होती जा रही है, और उसकी उल्टी धारा बह रही है—यह विचार इस युग में हमारे नेताओं ने पेश किया रेल आर्या. लेकिन खेती और कृहत के बारे में दुख का अनुभव हुआ.

देश के उद्योग धन्दे मरने लगे और भुखमरी तथा गरीबी अपने पैर जमाने लगी.

ये खयाल लम्बे और गहरे सोच विचार के नतीजे की शकल में पेश हुए और आज वे पुस्तकाकार में देखने को मिलते हैं. खास बात तो यह है कि नये जमाने के नये उद्योगों की नींव डालने वाले हिस्मत वाले उद्योगवादी भी पैदा हुए. देश का वख-उद्योग इस काल में शुरू हुआ. श्री जमशेद जी टाटा, और रणछोड़ भाई 'रेटियावाला' इस युग के मशहूर और नुमायां हस्तियां हैं.

इन विचारों से ही इस युग के अन्त में ईसवी 1885 के बाद कुल हिन्द उद्योग और आर्थिक परिपद जैसी संस्था की रचना हुई.

समाज सुधार क्षेत्र

इस फ्रेडरिस्ट में लेने के क्राबिल एक और सामाजिक क्षेत्र है. नये मजहबी विचार ने हिन्दू समाज में कई एक उदार भावों को प्रेरणा दी. जैसे कि जाति प्रथा की कूप मंडूकता, छुआछूत की अधार्मिकता, औरतों की इज्जत का भाव, विवाह-शादी आदि प्रथाओं में सुधार की भावना वगैरा. परदेश गमन, विधवा विवाह, स्त्री शिक्षा, छुआछूत का नाश, जातियों का त्याग, इत्यादि समाज सुधार इस युग में पैदा हुए. इस क्षेत्र में आर्य समाज ने बहुत काम किया.

देश का हित सोचने वाले हर एक महान पुरुष ने इस युग में ऐसा महसूस किया कि हिन्दुस्तान में नये विचारों को दाखिल करने की जरूरत है. यह विचार खास तौर पर अग्रेश्वी विद्याओं से पैदा हुआ. लेकिन आ समाज ने हिन्दू धर्म से प्रेरना ली यह ध्यान देने योग्य बात है. परमहंस की बात भी ऐसी ही थी. दयानन्द सरस्वतों के मुकाबले में परमहंस कुछ पढ़े नहीं थे. हमारे देश की जनता में जो परम उदार धर्म दृष्टि और जीवन भावना थी, वह उनके द्वारा प्रगट हुई. सर्वधर्म समभाव, सेवा के जरिये साधना, स्त्री सम्मान,

इस महाप्रयाण का अस्तर जीवन के सभी अंगों पर पहुँचा. किसी नये रास्ते पर जाना है, ऐसा भाव प्रजा की ऊँच श्रेणी के लोगों में पैदा होने लगा. उनके जरिये अपनी रुचि, क्राबलियत और ताकत के मुताबिक नये विचारों को सेया जाने लगा. जैसा कि—

आर्थिक क्षेत्र में नये विचार

आर्थिक क्षेत्र में देखें. श्री रमेशचंद्र दत्त, दादाभाई नवरोजी, तथा न्यायमूर्ति रानाडे ने इसके बारे में गहराई से सोचना शुरू किया. 'ड्रे ईन' वाद—अपने देश की संपत्ति अग्रेश्व राज्यनीति के कारन कम होती जा रही है, और उसकी उल्टी धारा बह रही है—यह विचार इस युग में हमारे नेताओं ने पेश किया. लेकिन खेती और कृहत के बारे में दुख का अनुभव हुआ.

देश के उद्योग धन्दे मरने लगे और भुखमरी तथा गरीबी अपने पैर जमाने लगी.

ये खयाल लम्बे और गहरे सोच विचार के नतीजे की शकल में पेश हुए और आज वे पुस्तकाकार में देखने को मिलते हैं. खास बात तो यह है कि नये जमाने के नये उद्योगों की नींव डालने वाले हिस्मत वाले उद्योगवादी भी पैदा हुए. देश का वख-उद्योग इस काल में शुरू हुआ. श्री जमशेद जी टाटा, और रणछोड़ भाई 'रेटियावाला' इस युग के मशहूर और नुमायां हस्तियां हैं.

इन विचारों से ही इस युग के अन्त में ईसवी 1885 के बाद कुल हिन्द उद्योग और आर्थिक परिपद जैसी संस्था की रचना हुयी थी.

समाज सुधार क्षेत्र

इस फ्रेडरिस्ट में लेने के क्राबिल एक और सामाजिक क्षेत्र है. नये मजहबी विचार ने हिन्दू समाज में कई एक उदार भावों को प्रेरणा दी. जैसे कि जाति प्रथा की कूप मंडूकता, छुआछूत की अधार्मिकता, औरतों की इज्जत का भाव, विवाह-शादी आदि प्रथाओं में सुधार की भावना वगैरा. परदेश गमन, विधवा विवाह, स्त्री शिक्षा, छुआछूत का नाश, जातियों का त्याग, इत्यादि समाज सुधार इस युग में पैदा हुए. इस क्षेत्र में आर्य समाज ने बहुत काम किया.

देश का हित सोचने वाले हर एक महान पुरुष ने इस युग में ऐसा महसूस किया कि हिन्दुस्तान में नये विचारों को दाखिल करने की जरूरत है. यह विचार खास तौर पर अग्रेश्वी विद्याओं से पैदा हुआ. लेकिन आ समाज ने हिन्दू धर्म से प्रेरना ली यह ध्यान देने योग्य बात है. परमहंस की बात भी ऐसी ही थी. दयानन्द सरस्वतों के मुकाबले में परमहंस कुछ पढ़े नहीं थे. हमारे देश की जनता में जो परम उदार धर्म दृष्टि और जीवन भावना थी, वह उनके द्वारा प्रगट हुयी. सर्वधर्म समभाव, सेवा के जरिये साधना, स्त्री सम्मान,

راجا رامموहन راي से गांधी जी

(1857-1885)

راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی

(1857-1885)

श्री मगनभाई देसाई

अनुवादक—श्री कनुभाई ना. पटेल

شہری مکن بیانی دیسانی

انوارادک—شہری کنو بیانی نا. پٹیل

نہی جیندگی کا سبورا

एक तरह से देखें तो यह जमाना आजादी की बुनियादी नींव का जमाना माना जा सकता है. उस समय जो मनोमंथन हुआ, उसके नवनीत स्वरूप सन 1885 में राष्ट्रीय महासभा कांग्रेस का जन्म हुआ. हमारी कौमी जिन्दगी के सब सीधों में यह मनोमंथन हुए थे, और उसके मंथन कारों के नाम हमारे मौजूदा जमाने के महान राष्ट्र पुरुषों की हैसियत से इतिहास में दर्ज हैं.

इस युग की शुरुआत अंग्रेज हुकमरानों ने एक और से हथियारबन्दी का कानून बनाकर और दूसरी ओर से अंग्रेजी विश्वविद्यालयों का कायम करके किया. नये कर लगाये गये और नयी राज्य व्यवस्था भी कायम की गई. और उसके साथ-साथ—कौन जानता है कि रियाया हिन्दू कब क्या कर बैठे—ऐसा एक डर भी अपने मन में जमा लिया. इस वजह से बेपेताशारी और बंदोबस्त का राज्य-मानस नयी नीति की तमहीद की शकल में बना ऐसा कहा जा सकता है.

रचनात्मक (तामोरी) सुधारवाद का जन्म

फौरन उस समय के लिये तो क्रान्ति की बलवती भावना दब गई. दबो हुई आग जैसा हुआ हागा उसे भी उभरने में समय लगा. हिसक क्रान्ति के इस मानस का 1885 के युग में साफ गिनने की जरूरत हा, ऐसा जाहिर नहीं होता.

लेकिन जिसे रचनात्मक सुधारवाद कहा जा सके वह नवविधान देश के विविध क्षेत्रों में पैदा हुआ. उसके पराक्रमी पुरस्कर्ता इस जमाने के मशहूर नेता हैं, जिनकी समग्र विचार शक्ति इस रचनात्मक सुधारवाद को जन्म देने वाली साबित हुई.

मजहबी दायरे में नई तामोरी

मजहबी दायरे में देखें तो (1) ब्रह्म समाज का विकास तथा प्रार्थना समाज का उदय (ईसवी 1800), (2) आर्य समाज का उदय (ईसवी 1875) तथा विकास, (3) थियोसोफी और हिन्दू धर्म की तरफ नया नजरिया, तथा (4) रामकृष्ण परमहंस की जीवन दृष्टि. ये सब जोरदार कोशिशें उस जमाने की हैं.

نہی زندگی کا سبورا

ایک طرح سے دیکھیں تو یہ زمانہ زندگی کی بنیادی نیو کا زمانہ مانا جا سکتا ہے. اس سے جو مفہوم نہیں ہوا، اس کے نوعیت سرورپ سن 1885 میں راتھریہ مہاسبا کانگریس کا جنم ہوا. شعاری نوعی زندگی کے سب صیغوں میں یہ مفہوم نہیں ہوئے تھے، اور اس کے منتہی کاروں کے نام عمارے موجودہ زمانے کے مہان راتھر پرشوں کی حیثیت سے انہاس میں درج نہیں.

اس بگ کی شروعات اٹھ بڑ حکمرانوں نے ایک اور سے نتیجہ بندی کا قانون بنا کر اور دوسری اور سے انگریزی و شوروں الوں کو قائم کر کے کیا. نئے کر لگائے گئے اور نئی راج ویستیا بھی قائم کی گئی. اور اس کے ساتھ ساتھ—کون جانتا ہے کہ رعایا عقد دے کیا کر بیٹھے—ایسا ایک تر بھی اپنے من میں جما لیا. اس وجہ سے پرانتہاری اور بندوبست کا راجیہ مانس: نئی نیکی کی تمہید کی شکل میں بنا ایسا کہا جا سکتا ہے.

رچنانک (نعمیری) سدھار واد کا جنم

نوراً اس سے لے کر لوانتی کی بلونی بھاؤنا دے گئی. دہی ہوئی آک جیسا کنجہ ہوا ہوگا آے بھی ایہڑے میں سے لگا. نھسک برانتی کے اس مانس کو سن 1850 کے بگ میں صاف کنے کی ضرورت ہو، ایسا ظاہر نہیں ہوتا.

لیکن جسے رچنانک سدھار واد کہا جا سکے وہ نورودمان دیش کے دودھ پینڈروں میں پیدا ہوا. اس کے پرادرمی پرسکوتا اس زمانے کے مشہور نیتا عین. جن کی سمکر وچار سرشتی اس رچنانک سدھار واد کو جنم دینے والی ثابت ہوئی.

منجھی دائرے میں نئی نعمیر

منجھی دائرے میں دیکھیں تو (1) برہم سماج کا و س نتا پرانتھا سماج کا اوردے (عیسوی 1860) (2) آریہ سماج کا اوردے (عیسوی 1875) (3) تہا وکاس (3) تہدوسنی اور غندو دہرم کی طرف نیا نظریہ (تہا (4) رام کرشن پریم نفس کی جیون دہشتی یہ سب زہر دار کوڈیشیں اس زمانے کی ہیں.

ہو سکے اور اعلیٰ انصروں میں ان کی رسانی ہو سکے۔ کچھ لوگ پردے کے گزروں کے قائل نہیں ہیں لیکن پردے داروں سے وہ قہرے ہوں اور محض ایسی جگہ وہ پردہ ہٹاتے ہیں جہاں ان کی زیادہ نقطہ چینی نہ ہو۔ نئے اور پرانے وچاروں میں سامانجسیہ پیدا کرنے میں جو جھجک ہوتی ہے وہی جھجک آج پردے کا ادھار بنی ہوئی ہے۔ پرانی حالتوں میں پرورش پائے ہوئے مرد اور عورتوں آج اپنے کو نئی وچار دھارا میں مجبوراً بہتے پا رہے ہوں۔ نئی آزادی کے فرضوں سے ناواقف وہ اپنے کو عجیب و غریب کیفیت میں پاتے ہیں۔ نئے وچاروں کے لئے ان کے پاس شکشا - دیکشا کی تیاری نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بعض وقت نئے سدھاروں کے پروگ ناکام اور وپل ہوجاتے ہیں، گھر میں پریم کا دھاکا ٹوٹ جاتا ہے اور پتی پتنی میں مندرمالیہ کی دیکھا کھچ جاتی ہے۔

جہاں تک مردوں اور عورتوں کا ساधारण सम्बन्ध है उस पर इन असफल प्रयोगों का और भी बुरा असर पड़ता है। ऐसे मर्द, जिनकी औरतें पर्दे में रहती हैं और जिनका यह विश्वास है कि पर्दे के भीतर ही स्त्री का सतीत्व सुरक्षित रह सकता है, जिन मर्दों के अपने अन्दर आत्म-संयम का कोई निश्चित स्टैण्डर्ड नहीं है, जब वे ऐसी औरतों से मिलते हैं जिन्होंने पर्दे से बाहर निकल कर अपनी आजादी हासिल कर ली है, तो वे उनके सम्बन्ध में अपने शक और श्रुवहे की कहानियां हजार कानों में दुहराते फिरते हैं। अपनी बीवियों को पर्दे में रखनेवाले मर्द कभी भी आजाद औरतों की सब्जी इफ्जत नहीं कर सकते। बहरहाल औरतों को इस तरह के मर्दों की आलोचना और उनकी फैलाई हुई बद-नामियों का मुकाबला करना पड़ेगा। हर सूरत में आजादी अपनी क्रीमत तो मांगती ही है।

جہاں تک مردوں اور عورتوں کا ساধারণ सम्बन्ध है उस पर इन असफल प्रयोगों का और भी बुरा असर पड़ता है। ऐसे मर्द, जिनकी औरतें पर्दे में रहती हैं और जिनका यह विश्वास है कि पर्दे के भीतर ही स्त्री का सतीत्व सुरक्षित रह सकता है, जिन मर्दों के अपने अन्दर आत्म-संयम का कोई निश्चित स्टैण्डर्ड नहीं है, जब वे ऐसी औरतों से मिलते हैं जिन्होंने पर्दे से बाहर निकल कर अपनी आजादी हासिल कर ली है, तो वे उनके सम्बन्ध में अपने शक और श्रुवहे की कहानियां हजार कानों में दुहराते फिरते हैं। अपनी बीवियों को पर्दे में रखनेवाले मर्द कभी भी आजाद औरतों की सब्जी इफ्जत नहीं कर सकते। बहरहाल औरतों को इस तरह के मर्दों की आलोचना और उनकी फैलाई हुई बद-नामियों का मुकाबला करना पड़ेगा। हर सूरत में आजादी अपनी क्रीमत तो मांगती ही है।

ایک غلام جسے اپنی غلامی کا علم ہے اور وہ اپنی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش نہیں کرتا تو وہ جانور کے سامان ہے۔

—گاندھی

एक गुलाम जिसे अपनी गुलामी का इल्म है और वह अपनी गुलामी की जंजीरों के तोड़ने की कोशिश नहीं करता तो वह जानवर के समान है।

—गान्धी

کے لیے ٹوس विश्वासों की जरूरत है. बाहरी बचाव के ऐसे साधन पैदा करने चाहियें जिसमें यह कह सकना मुमकिन हो—“मरदों की इस पीढ़ी ने अपनी सामाजिक सत्ता से अपने पैसों के जोर पर अपनी जिन्दगी में किसी औरत को अपनी असमत बेचने के लिये मजबूर नहीं किया और औरतों की यह पीढ़ी है जिसने सिवाय प्रेम के और किसी कारन बश किसी मर्द के निकट कभी भी अपने जीवन में आत्म समर्पण नहीं किया.”

परदा प्रथा के जारी रहने की चाहे जो वजह हों, रिवाज और मजहब चाहे जितना उसका समर्थन करते हों, सवाल उठता है कि क्या उसका किसी भी शकल में जारी रखना मुनासिब और जायज है ? परदे से चूँकि नैतिक समस्याएं हल नहीं हुई हैं लिहाजा वह नैतिक दृष्टि से किसी तरह जायज नहीं हो सकता. परदे ने समाज की दुनियावी तरक्की का भी रोका है, लिहाजा वह दुनियावी नुस्ते नजर से भी जायज नहीं है. हमें यह बताया जाता है कि बाज समाजों में जहां परदा नहीं है वहां के व्यक्तियों का कितना भयंकर पतन हुआ है. मगर हमें यह नहीं बताया जाता कि अधिकांश परदा-रहित समाजों में लोगों ने अभूतपूर्व उन्नति की है जो परदे के सबब मुमकिन न हो सकती थी.

सभ्य दुनिया ने परदे की सख्त मुखालफत की है. हिन्दुस्तान के अन्दर की किजा भी परदे के खिलाफ है. आज-कल की दुनिया में कोई मुल्क अपने को और अपने विचारों को दुनिया से अलग करके नहीं रह सकता.

हिन्दुस्तान के मर्दों के दिमागों ने यहां की औरतों की निस्वत बाहरी दुनिया के आन्दोलनों से कहीं ज्यादा असर कुबूल किया है. मर्द ही एक तरह से औरतों की आजादी के प्रचारक हैं. चाहे पच्छिम हों और चाहे पूरब हों जब तक औरतें रोटी-कपड़ों के लिये मरदों पर निर्भर हैं तब तक उन्हें मर्दों के स्टैंडर्ड से ही रहना पड़ेगा. मौजूदा जमाने के मर्दों को महज इस बात से सन्तोश नहीं है कि उनकी बीवियां उनकी पाशाविक वासनाओं को तृप्त करती हैं और उनकी जायज औलादों की मां बनती हैं. लिहाजा औरतों को ज्यादा उदार शिक्षा दी जा रही है कि वे बेहतर क्रिस्म की बीवियां बन सकें और उनके अन्दर आकर्षण भी हो और वे लाजशीला भी हों और साथ ही साथ वे बेहतर मांयें भी बन सकें. कुछ बहादुर बहनों ने शिक्षा की वास्तविक भावना से प्रेरित होकर अपने अन्दर व्यक्तिगत क्षमता पैदा की है और आज वे स्त्री-पुरुष के अन्दर सच्ची समता का प्रचार और संगठन कर रही हैं.

इन बाहरी हमलों से परदे का नैतिक ढांचा खस्ता हो रहा है. परदे के कुछ बहुत बड़े हामी इसलिये परदा छोड़ रहे हैं ताकि नये समाज में उन्हें महत्व और हतबहा हासिल

के लिये हमें शौचालयों की ضرورت है. बागरी बچाऊ के ایسے سادھن پیدا کرنے چاہئے جس میں یہ کم سکنا مشکل ہو—”مردوں کی اس پیڑھی نے اپنی سامانچک سٹا سے اپنے پیسوں کے زور پر اپنی زندگی میں کسی عورت کو اپنی عصمت بیچنے کے لئے مجبور نہیں کیا اور عورتوں کی یہ پیڑھی ہے جس نے سوائے پریم کے اور کسی کارن وش کسی مرد کے نکٹ کبھی بھی اپنے جینوں میں اتم سرپین نہیں کیا.”

پردہ پہننا ہی جاری رکھنے کی چاہے جو وجہ ہو، رواج اور مذہب چاہے جتنا اس کا سہرا بن کر رہے، سوال اُٹھتا ہے کہ کیا اس کا کسی بھی شکل میں جاری رکھنا مناسب اور جائز ہے ؟ پردے سے چونکہ نیتک سمسایاں حل نہیں ہوئی ہیں لہذا وہ نیتک درشتی سے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا . پردے نے سماج کی دنیاوی ترقی کو بھی روکا ہے. لہذا وہ دنیاوی نیتلہ نظر سے بھی جائز نہیں ہے . میں یہ بتایا جاتا ہے کہ بعض سماجوں میں جہاں پردہ نہیں ہے وہاں کے ویکٹوں کا کتنا بھی کم پتن ہوا ہے . مگر ہمیں یہ نہیں بتایا جاتا کہ ادھیکانہش پردہ - رشت سماجوں میں لوگوں نے ابھوت پرور انتی کی ہے جو پردے کے سبب ممکن نہ ہو سکتی تھی .

سببہ دنیا نے پردے کی سخت مخالفت کی ہے . غدرستان کے اندر کی نفا بھی پردے کے خلاف ہے . آجکل دنیا میں کوئی ملک اپنے کو اور اپنے وچاروں کو دنیا سے الگ کر کے نہیں رہ سکتا .

غدرستان کے مردوں کے دماغوں نے یہاں کی عورتوں کی نسبت ، باغری دنیا کے آندولنوں سے کیسا زیادہ اثر قبول کیا ہے . مرد ہی ایک طرح سے عورتوں کی آزادی کے پرچارک ہیں . چاہے بچہم ہو اور چاہے پوربھو جب تک عورتیں روٹی کپڑوں کے لئے سے مردوں پر زبردیر نہیں تب تک انہیں مردوں کے اسٹینڈرڈ سے ہی رہنا پڑے گا . موجودہ زمانے کے مردوں کو محض اس بات سے سفتوش نہیں ہے کہ ان کی بیویاں پشووک و اسٹاؤں کو ترقیت کرتی نہیں اور ان کی جائز اولادوں کی ماں بنتی نہیں . لہذا عورتوں کو زیادہ آدار کشادہ دی جا رہی ہے کہ وہ بہتر قسم کی بیویاں بن سکیں اور ان کے اندر آکشن بھی ہو اور وہ لاج شیلہ بھی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ وہ بہتر ماٹیں بھی بن سکیں . کچھ بہادر بہنوں نے کشکا کی واسٹوک بھاڑنا سے پروبوت ہو کر اپنے اندر ویکتی گت شمتا پیدا کی ہے اور آج وہ اسٹوری پوش کے اندر سچی سمتا کا پرچار ار سنگٹھن کر رہی ہیں .

ان باغری حملوں سے پردے کا نیتک دماغ بھستہ ہو رہا ہے . پردے کے کچھ بہت بڑے حامی اس لئے پردا چھوڑ رہے ہیں نانہ بننے سماج میں انہیں مہتو اور رتبہ حاصل

میں چد سکن۔ فیر شادیوں میں لڑکیوں کی अपनी پسند کا کاई سवाल नहीं۔ شادی का तो बालदैन एक जरूरी गुनाह समझते हैं। जिनका परदे में एतकाद है वे औरतों का यदि गुनाह मुजसमा न समझेंगे तो और क्या समझेंगे ? औरतों के साथ जा भी सम्पर्क हो और बाहे जिस शख में हा खुदापरस्त मदों के नजदीक वह शर्मनाक है। शरीफ मर्द कही अपने मुह से शادی की बात कह सकते हैं और शادی के बाद उनके गुनाहों का नतीजा जा ओलाद होती है, कहीं उनका खिक कर सकते हैं !

इनसानी जजबात का कहां तक खून किया जा सकता है ? औरतों को जबरदस्ती इस तरह दबाने का नतीजा यह है कि हमारी सन्तानें दिमागी तौर पर आज कमजोर हैं, जिस्मानी तौर पर बीमारियों का घर हैं, न उनके अन्दर कोई अशुशासन है, न बच्चों का लालन-पालन ही वैज्ञानिक ढंग से हाता है, और न घरों के अन्दर सौन्दर्य और एकरसता है। आजकल के घर तो भड़े रिवाजों और दकिया-नूसी परम्पराओं के अड्डे हैं।

नतीजा यह है कि सारे वातावरण में फालिज का सा असर है। मरदों के हाथ में पैसा है, लिहाजा उन्होंने इस जहरीली हवा से अपने को बचाने का रास्ता निकाल लिया है। उन्होंने औरतों को दो वर्गों में बांट दिया है। एक वर्ग में उनकी बीवियां, माएं और बेटियां हैं जिनकी दुर्मत की पहरे-दारी करना वे अपना पाक कर्ज समझते हैं। और दूसरे वर्ग में जमान की ठुकराई हुई वे गरीब अबलाएं हैं, जिनके मर्द पैसों से हुस्त और असमत खरीदते हैं और जिनसे अपने पाप की ज्वाला को सुलगाते हैं। यह परदे का कितना भीषण रूप है जिसने वेश्याओं को समाज के मरदों की संस्कृति का पैमाना बना रखा है।

मरदों की इस घोर अनैतिकता, उनके पाप और उनके गुनाहों पर तहजीब का मुलम्मा फेर दिया गया है। मरदों के गुनाहों को—“ऊह ! इसमें क्या रखा है, यह तो सब मर्द करते ही हैं” कहकर ढाल दिया जाता है, या बर्दाश्त किया जाता है लेकिन औरतें यदि वही गुनाह करती हैं तो उनके लिये वह एक भयंकर जुर्म हो जाता है; जिसके लिये न सिर्फ उन्हें कानूनी सजा मिलनी चाहिये बल्कि समाज का कर्ज है कि वह उन्हें लात मारकर बाहर निकाल दे। मरदों को किसी “नतीजे” से डरने की जरूरत नहीं है और दुनिया उसी गुनाह को गुनाह समझती है जिस गुनाह का काई ‘नतीजा’ होता है।

सदाचार के इसी भूटे रबन्धे ने परदे के मन्डे का ऊंचा खड़ा कर रखा है और यही परदा प्रथा की नैतिक कमजोरी है। भूटे विश्वास सदाचार का आधार नहीं बन सकते, न नकारात्मक विश्वास ही उसका आधार बन सकते हैं। सदाचार

में चह सकिन۔ پھر شادیوں میں لڑکیوں کی اپنی پسند کا کوئی سوال نہیں۔ شادی کو تو والدین ایک ضروری گناہ سمجھتے ہیں۔ جن کا پردے میں اعتقاد ہے وہ عورتوں کو بدی گناہ مجسمہ نہ سمجھیں گے تو اور کیا سمجھیں گے ? عورتوں کے ساتھ جو بھی سپرک ہو اور چاہے جس شکل میں ہو خدا پرست مردوں کے نزدیک وہ شرمناک ہے۔ شریف مرد کہیں اپنے منہ سے شادی کی بات کہہ سکتے ہیں اور شادی کے بعد ان کے گناہوں کا نتیجہ جو اولاد ہوتی ہے، نہیں ان کا ذکر کر سکتے ہیں !

انسانی جذبات کا ڈھان تک خون کیا جا سکتا ہے ? عورتوں کو زبردستی اس طرح دبانے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ستائیں دماغی طور پر آج کمزور ہیں، جسمانی طور پر بیماروں کا گھر ہیں، نہ ان کے اندر کوئی انشاسن ہے، نہ بچوں کا لالہ پالنے ہی دیکھناک ڈھنگ سے ہوتا ہے، اور نہ گھروں کے اندر سندرہ اور ایک ایرکستا ہے۔ آجکل کے گھر تو بھدے رواجوں اور دقیاؤسی پر مہروں کے آدے ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ سارے رتاروں میں فالج کا سا اثر ہے۔ مردوں کے فاقے میں پیسے ہے، لہذا انہوں نے اس زہریلی ہوا سے اپنے کو بچانے کا راستہ نکال لیا ہے۔ انہوں نے عورتوں کو دو ورگوں میں بانٹ دیا ہے۔ ایک ورگ میں ان کی بیویاں، مانیں اور بیٹیاں ہیں جن کی حرمت کی پربرداری کرنا وہ اپنا پاک فرض سمجھتے ہیں۔ اور دوسرے ورگ۔ میں زمانے کی تھکرائی ہوئی وہ غریب اہلائیں ہیں جن کے مرد پیسوں سے حسن اور عصمت خریدتے ہیں اور جن سے اپنے پاپ کی جولا سلگاتے ہیں۔ یہ پردے کا کتنا بھیشتقرورپ ہے جس نے ویشیائوں کو سچا کے مردوں کی سنسکرتی کا پیمانہ بنا رکھا ہے۔

مردوں کی اس گہور انیتکتا، ان کے پاپ اور ان کے گناہوں پر تہذیب کا ملمع پھر دیا گیا ہے۔ مردوں کے گناہوں کو—“اوہ ! اس میں کیا رکا ہے، یہ تو سب مرد کرتے ہی ہیں” کہہ کر ڈال دیا جاتا ہے یا برداشت کیا جاتا ہے لیکن عورتیں بدی وہی گناہ کرتی ہیں تو ان کے لئے وہ ایک بھیشتقرورپ ہے جس کے لئے نہ صرف انہیں قانونی سرا ملنی چاہئے بلکہ سماج کا فرض ہے کہ وہ انہیں لات مار کر باہر نکال دے۔ مردوں کو کسی “نتیجہ” سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اور دنیا اسی گناہ کو گناہ سمجھتی ہے جس کا، کا کوئی نتیجہ ہوتا ہے۔

سدچار کے اسی جھوٹے روپے نے پردے کے جھنڈے کو اونچا کھڑا کر رکھا ہے اور یہی پردہ پرہیز نینک کمزوری ہے۔ جھوٹے وشواس سدچار کا ادھار نہیں بن سکتے نہ نکارانک وشواس ہی اس کا ادھار بن سکتے ہیں۔ سدچار

भी उस वक़्त तक मां बाप पर भार होती हैं जब तक उन्हें किसी खाबन्द के सुपुर्द नहीं कर दिया जाता।

बहुत से लोग इस बात की मुखालफ़त करते हैं कि 'औरतों' आर्थिक क्षेत्र में मरदों के साथ होड़ लगायें। इसकी जो कुछ प्रतिक्रिया पच्छिम के मुल्कों में हुई है उसकी हमारे सामने वे मिसाल पेश करते हैं। हिन्दुस्तान में अभी अरस-ए-दराज तक इस होड़ की गुआइश नहीं है चूँकि यहां औरतों और मरदों के कार्य क्षेत्र अलग अलग हैं। पच्छिम में भी इस होड़ के कोई मानी नहीं हैं क्योंकि वहां औरतों और मरदों की मजदूरी में बेहद फ़र्क है। हाँ इससे वहां औरतों और मरद मजदूरों के बीच में काफी ईर्ष्या और लड़ाई भगड़े रहते हैं। औरतों के काम करने के विरोधी सदियों पुरानी और सड़ी हुई दक्कियानूसी दलीलों को निकाल कर हमारे सामने पेश करते हैं कि 'औरतें' तो जनानखाने की शोभा हैं और उनका कार्य-क्षेत्र घर-गिरस्ती है। फ़ासिस्ट इटली और नात्सी जर्मनी ने तो औरतों को जबर्दस्ती घर के अन्दर ढकेल दिया था लेकिन इससे इन मुल्कों में भी बेकारी की समस्या हल नहीं हुई। इससे कोई बड़ा फ़र्क नहीं पड़ता कि बेकारों में औरतें हैं या मरदें।

गरीबी और मुक़लसी ने परदे की बुराइयों को और ज्यादा नुमायां कर दिया है। अमीर अपनी औरतों को जनानखाने में बन्द रखकर भी उन्हें ताज़ा हवा खिला सकते हैं मगर उन शरीफ़ गरीबों का क्या हो जा बिलों में रहते हैं ? हिन्दुस्तानी शहरों की तंग गलियों की अंधेरी काठरियां में रहना और फिर ऊपर से परदे की सजा ! अमीरों की नक़ल करने में इन गरीब औरतों को अपनी सेहत, अपनी तन्दुरुस्ती और अपनी ज़िन्दगी तक क़ौमत न देनी पड़ती है। परदे की इस दर्दनाक क़ौमत का तख़मीना सरकारी रिपोर्टों में आप देख लीजिये। अमीरों और गरीबों के लिये ज़िन्दगी एकसां नहीं है। यहां तक कि दोनों के लिये नेकचलनी तक के क़ायदे भी दो तरह के हैं।

परदे की वजह से राजनीति और आर्थिक क्षेत्र में औरतों का कोई महत्व नहीं रह गया। उनकी चहल-पहल का दायरा महज़ घर गिरस्ती ही रह गया है। लेकिन घर गिरस्ती में भी औरतें अपने आपको खुद मुखतार नहीं समझ सकतीं। इसकी दो वजहें हैं—(1) औरतें आर्थिक नज़र से मरदों का मुँह जाहती हैं और (2) पूरबी विचार-धारा के अनुसार हर मरद अपने आपको औरतों से कहीं ज्यादा बेहतर समझता है। बचपन से ही औरतों के दिमाग में यह चीज़ भर दी जाती है कि 'उन्हें' मरद तभी अच्छा समझेंगे जब वे अपने आपको नेक बेटी, नेक बीबी और नेक मां साबित करेंगी। लड़कियों को महज़ इसलिये अहमियत दी जाती है जिसमें वे आसानी से शादी के बाज़ार

भी अस وقت तक मां बाप पर भार होती हैं जब तक उन्हें किसी खाबन्द के सुपुर्द नहीं कर दिया जाता।

बेहत से लोग इस बात की مخالफ़त करते हैं कि 'औरतें' आर्थिक क्षेत्र में मरदों के साथ होड़ लगायें। इसकी जो कुछ प्रतिक्रिया पच्छिम के मुल्कों में हुई है उसकी हमारे सामने वे मिसाल पेश करते हैं। हिन्दुस्तान में अभी अरस-ए-दराज तक इस होड़ की गुआइश नहीं है चूँकि यहां औरतों और मरदों के कार्य क्षेत्र अलग अलग हैं। पच्छिम में भी इस होड़ के कोई मानी नहीं हैं क्योंकि वहां औरतों और मरदों की मजदूरी में बेहद फ़र्क है। हाँ इससे वहां औरतों और मरद मजदूरों के बीच में काफी ईर्ष्या और लड़ाई भगड़े रहते हैं। औरतों के काम करने के विरोधी सदियों पुरानी और सड़ी हुई दक्कियानूसी दलीलों को निकाल कर हमारे सामने पेश करते हैं कि 'औरतें' तो जनानखाने की शोभा हैं और उनका कार्य-क्षेत्र घर-गिरस्ती है। फ़ासिस्ट इटली और नात्सी जर्मनी ने तो औरतों को जबर्दस्ती घर के अन्दर ढकेल दिया था लेकिन इससे इन मुल्कों में भी बेकारी की समस्या हल नहीं हुई। इससे कोई बड़ा फ़र्क नहीं पड़ता कि बेकारों में औरतें हैं या मरदें।

गरीबी और मुक़लसी ने परदे की बुराइयों को और ज्यादा नुमायां कर दिया है। अमीर अपनी औरतों को जनानखाने में बन्द रखकर भी उन्हें ताज़ा हवा खिला सकते हैं मगर उन शरीफ़ गरीबों का क्या हो जा बिलों में रहते हैं ? हिन्दुस्तानी शहरों की तंग गलियों की अंधेरी काठरियां में रहना और फिर ऊपर से परदे की सजा ! अमीरों की नक़ल करने में इन गरीब औरतों को अपनी सेहत, अपनी तन्दुरुस्ती और अपनी ज़िन्दगी तक क़ौमत न देनी पड़ती है। परदे की इस दर्दनाक क़ौमत का तख़मीना सरकारी रिपोर्टों में आप देख लीजिये। अमीरों और गरीबों के लिये ज़िन्दगी एकसां नहीं है। यहां तक कि दोनों के लिये नेकचलनी तक के क़ायदे भी दो तरह के हैं।

परदे की वजह से राजनीति और आर्थिक क्षेत्र में औरतों का कोई महत्व नहीं रह गया। उनकी चहल-पहल का दायरा महज़ घर गिरस्ती ही रह गया है। लेकिन घर गिरस्ती में भी औरतें अपने आपको खुद मुखतार नहीं समझ सकतीं। इसकी दो वजहें हैं—(1) औरतें आर्थिक नज़र से मरदों का मुँह जाहती हैं और (2) पूरबी विचार-धारा के अनुसार हर मरद अपने आपको औरतों से कहीं ज्यादा बेहतर समझता है। बचपन से ही औरतों के दिमाग में यह चीज़ भर दी जाती है कि 'उन्हें' मरद तभी अच्छा समझेंगे जब वे अपने आपको नेक बेटी, नेक बीबी और नेक मां साबित करेंगी। लड़कियों को महज़ इसलिये अहमियत दी जाती है जिसमें वे आसानी से शादी के बाज़ार

پردہ ہندوستان کی اورتوں کی راجنیتیک ترکرکی میں سبب سے بڑی رکاوٹ رہا ہے۔ نئے بیधान میں انہیں مرادوں کے برابر راجنیتیک اختیار دیے گئے ہیں۔ ان اختیاروں کی اس سمیت کہ وہ کسی قومیت نہیں جب تک عورتیں عملی راجنیت سے علیحدہ ہیں اور جب تک وہ ناگزیر کے فرض اور اپنے حقوق سے بے خبر ہیں۔ محض ووٹ دینے کا حق مل جائے سے انہیں راجنیتیک اختیار نہیں مل گئے۔ ووٹ کی اہمیت تب ہے جب اسے خود مختار طریقے سے اور آزادی سے استعمال کیا جائے۔ جن نئے راجنیتیک تعلیم کو ضروری سمجھتا ہے اور پردے میں رہنے والی عورتوں کو راجنیتیک تعلیم نہیں مل سکتی۔ پردے کی وجہ سے محض چند عورتیں راجنیتیک سسٹماں اور دعاؤں سہاؤں میں کوروز عورتوں کی نمائندگی کا قماشہ کر رہی ہیں۔

پردہ نشین عورتوں کے ووٹ کا طریقہ بھی ایسا ہے جس میں بے حد وٹ اور روپیہ خراب ہوتا ہے۔ چاروں طرف کی آب و ہوا اور ووٹ کے طریقے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورتیں سبکدوش راجنیتیک وٹاؤں میں پھنس جاتی ہیں اور استثنائے اور ذاتی معاملوں سے اوپر نہیں اٹھ پاتیں۔ آجکل کے زمانے میں اس سے زیادہ بدتر چیز اور کیا ہو سکتی ہے؟ ویکٹائیک کھچوں اور یادایات کے سادھن کے سبب آجکل چھوٹی سے چھوٹی بلیت بھی وشوہابی اہمیت اختیار کرلی ہے۔ اسی لئے آجکل کے راجنیتیک اصولوں میں ایک انٹروڈکشن درستی نوٹ ہوتا ہے اور آجکل کی راجنیتیک سماج کے سوجے تھانچے کو پھر سے گڑھ کا پروگرام لیکر چلتی ہے۔

عورتوں کی حال کی جاگرتی نے پردے کو اور ان کی علیحدگی کو بہت کچھ کم کیا ہے۔ سٹیٹوگرو آندولنوں کا سبب میں نمایاں نظارہ یہ رہا ہے کہ ہندوستانی عورتوں نے زنانخانے سے باہر نکل کر اپنے مردوں کے ساتھ اس میں سادس پورن حصہ لیا ہے۔ ان بہنوں نے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ عورتیں بھی عملی راجنیت میں کئی پراثر ہو سکتی ہیں۔

آرتھک نقطہ نظر سے پردے نے ہندوستانی زندگی کا استر کاٹی نیچا کر رکھا ہے۔ پردے کی وجہ سے ایک بہت بڑی جن سنگھیا جو مردوں کو کمانے میں مدد دے سکتی تھی بے کار اور نکمی ہے۔ مزدور عورتوں کو چھوڑ کر جو پردہ نہیں رکھتیں عورتوں کو اپنی روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ یا تو کھوپلو نوکرائی کا کام کریں، یا دھالیوں کا کام کریں اور یا شیکھکلاؤں کا کام کریں۔ پھر ان پیشوں کے اندر بے شمار گنجائش بھی نہیں ہے۔ اس لئے زیادہ تر عورتیں اپنے مردوں کے اوپر ایک آرتھک بھار ہیں۔ خاندانی عورتیں اگر وہ امیر ہیں تو کام کرنے کو حقاقت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ وہ

उसी तरह मंभले जमाने के केन्द्र बने हुये हैं. नतीजा यह है कि समाज में आज भी कोई औरत अपने को महकूज नहीं समझती. जो समाज भ्रान्त की बन्दिशों में चलता है उसमें इस बात की जरूरत ही क्या कि औरत की खास तौर पर हिकाजत की जाय. जमाने की आबोहवा में लोगों की बेतना परवरिश पाती है. इस बेतना के अन्दर जितना भी नैतिक (इखलाकी) और अध्यात्मिक (रुहानी) अंश है उसी के बल पर समाज में औरतों की सब में अच्छी हिकाजत हो सकती है.

इसलाम के जिन सामाजिक और धार्मिक कायदों ने परदे को महकूज जायज करार दिया वे इस मध्य कालीन जमाने के कायदे हैं जब समाज की समस्याएं दूसरे क्रिस्म की थीं. जमाने की रविरा को देखते हुए वक्तन-कवक्तन मुखतलिफ उलमाओं ने इसलामी हिदायतों पर अपनी अपनी राय दी है. नतीजा यह है कि कुरान की एक ही आयत पर एक दूसरे के खिलाफ अनेक काय हैं. सब में ज्यादा दकिया-नूसी राय के मुताबिक परदे का अर्थ है मरदों और औरतों की कतई अलहदगी. इन लोगों की राय के मुताबिक औरतों का महकूज उन्हीं मर्द रिश्तेदारों के आगे निकलना जायज है जिनसे शरीयत की रू से उनकी शादी कतई नामुमकिन है. कुछ लोगों की राय में औरतें जनानखाने से बाहर निकल सकती हैं वशतकि वे पूरी तरह से ढकी मुंदी हों. कुछ मौलवी साहबान उन्हें हाथ पैर और मुंह खुला रखने का इजाजत देते हैं. ये मुखतलिफ रायें यह जाहिर करती हैं कि वक्तन-कवक्तन औरतों की तरफ मरदों के कमोवेश कितने बुराई के भाव रहे हैं. ये मरदों की नैतिक शक्ति (इखलाकी ताकत) के पैमाने हैं.

लेकिन परदे के चलन में आर्थिक (इकतसादी) स्थिति का भी निर्णायक हाथ रहा है. जहां जहां यह महसूस हुआ है कि औरतें मरदों की तरह ही आर्थिक लाभ की हेतु बन सकती हैं वहां वहां उनमें परदे का रिवाज नहीं है. औरतें बाहर निकल कर कमाई करती हैं और घर गिरस्ती का आधा भार बंटाती हैं. लेकिन परदे का रिवाज उन औरतें के बावजूद प्रचलित हुआ. गरीब मजदूर औरतों का समाज में कोई खास असर तो होता नहीं.

सामन्तशाही समाज में परदे का रिवाज क्यों फैला यह बात समझी जा सकती है. औरतों की समाज में कोई अहमियत न थी और न जनता की राय की ही कोई कद्र थी. लेकिन जो मुस्क जनतन्त्र (जम्हूरियत) का दावा करते हैं उनमें परदे का रिवाज एक मुश्कल है. परदा मानव समाज के आधे हिस्से की आजादी और उनके हक़ छीन लेता है. मौजूदा हुकूमतें नागरिकों से बनती हैं, वे जुदागाना हितों वाली औरतों और मरदों से नहीं बनती.

اسی طرح منجیلے زمانے کے کیندر بنے ہوئے ہیں . نتیجہ یہ ہے کہ سماج میں آج بھی کوئی عورت اپنے کو محفوظ نہیں سمجھتی . جو سماج قانون کی بندشوں میں چلتا ہے اُس میں اس بات کی ضرورت ہی کیا کہ عورتوں کی خاص طور پر حفاظت کی جائے . زمانے کی آب و ہوا میں لوگوں کی چیتنا پرورش پاتی ہے . اس چیتنا کے اندر جتنا بھی نیتک (اخلاقی) اور ادھیاتمک (روحانی) انش ہے اُسی کے بل پر سماج میں عورتوں کی سب میں اچھی حفاظت ہوسکتی ہے .

اسلام کے جن سماجک اور دھارمک فاعدن نے پردے کو مذہباً جائز قرار دیا وہ اس مذہبہ کالین زمانے کے فاعدے ہیں جب سماج کی سسٹمائیں دوسرے قسم کی تھیں ، زمانے کی روش کو دیکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً مختلف عامائوں نے اسلامی ہدائتوں پر اپنی اپنی رائے دی ہے . نتیجہ یہ ہے کہ قرآن کی ایک ہی آیت پر ایک دوسرے کے خلاف انیک راہیں ہیں . سب میں زیادہ دیکھائرسی رائے کے مطابق پردے کا ارتہ ہے مردوں اور عورتوں کی قطعی علیحدگی . ان لوگوں کی رائے کے مطابق عورتوں کا محض انہیں مرد رشتہ داروں کے آگے نکلا جائز ہے جن سے شریعت کی رو سے اُن کی شادی قطعی ناممکن ہے . کچھ لوگوں کی رائے میں عورتیں ژانانخانے سے باہر نکل سکتی ہیں بشرطیکہ وہ پوری طرح سے ڈھکی منڈی ہوں . کچھ مولوی صاحبان اُنہیں ہاتھ پیر اور منہ ٹھار رکھنے کی اجازت دیتے ہیں . یہ مختلف رائیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وقتاً فوقتاً عورتوں کی طرف مردوں کے کم و بیش کتنے برائی کے بھاؤ رہے ہیں . یہ مردوں کی نیتک شکتی (اخلاقی طاقت) کے پیمانے ہیں .

لیکن پردے کے چلن میں اُرتیک (اقتصادی) استھیتی کا بھی اثرناک ہاتھ رہا ہے . جہاں جہاں یہ محسوس ہوا ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح ہی اُرتیک لائے کی ہیتو بن سکتی ہیں وہاں وہاں اُن میں پردے کا رواج نہیں ہے . عورتیں باہر نکل کر کمائی کرتی ہیں اور گھو گھسائی کا ادھا بار بٹھاتی ہیں . لیکن پردے کا رواج اُن عورتوں کے باوجود پرچلت ہوا . غریب مزدور عورتوں کا سماج میں کوئی خاص اثر تو ہوتا نہیں .

سامنت شاعی سماج میں پردے کا رواج کیوں پھیلا یہ بات سمجھی جاسکتی ہے . عورتوں کی سماج میں کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ جتنا کی رائے کی ہی کوئی قدر تھی . لیکن جو ملک جن تتر (جمہوریت) کا دعویٰ کرتے ہیں اُس میں پردے کا رواج ایک معہہ ہے . پردے مانو سماج کے آدھے حصے کی آزادی اور اُن کے حقوق چھین لیتا ہے . موجودہ حکومتیں ناگروں سے بنتی ہیں ، وہ جداگانہ گھروں والی عورتوں اور مردوں سے نہیں بنتیں .

ہیں۔ عرب لے پر زور دیتے ہیں، ترک اور ایرانی سور مادھوریہ پر زور دیتے ہیں اور پروڈیوسر شوہتری کے انہماک—”انہماک—بھارت کی ہندی سنگیت پر نالی ان سب پر زور دیتی ہے اور وہ عرب، ایرانی اور مدحہ، ایشیائی سنگیت پر نالیوں کی سمونے ہے۔ وہ دیانک بھارتیہ سنسکرتی کی زبردست مہاں کرنے والی پروڈیوسر کی پرہیزگار ہے۔ الغزالی کے مطابق سنگیت اپنے اسپریش سے انسان کی دلی خواہشوں اور سوتی ہوئی بھاونوں کو جگا دیتا ہے۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو چیتنا اور مرجھائی ہوئی نفس کو آویجنا دیتا ہے اور یہی کیفیت انسان کا غیب سے پرہیز کرانی ہے اور اگیتیہ کو اُس کے نکتہ گیتہ بناتی ہے۔“

ہیں۔ عرب لے پر زور دیتے ہیں، ترک اور ایرانی سور مادھوریہ پر زور دیتے ہیں اور پروڈیوسر شوہتری کے انہماک—”انہماک—بھارت کی ہندی سنگیت پر نالی ان سب پر زور دیتی ہے اور وہ عرب، ایرانی اور مدحہ، ایشیائی سنگیت پر نالیوں کی سمونے ہے۔ وہ دیانک بھارتیہ سنسکرتی کی زبردست مہاں کرنے والی پروڈیوسر کی پرہیزگار ہے۔ الغزالی کے مطابق سنگیت اپنے اسپریش سے انسان کی دلی خواہشوں اور سوتی ہوئی بھاونوں کو جگا دیتا ہے۔ وہ تھکے ہوئے دماغ کو چیتنا اور مرجھائی ہوئی نفس کو آویجنا دیتا ہے اور یہی کیفیت انسان کا غیب سے پرہیز کرانی ہے اور اگیتیہ کو اُس کے نکتہ گیتہ بناتی ہے۔“

ننانختانے کی قیدی

ننانختانے کی قیدی

شرمیتی عطیہ حبیب اللہ

شرمیتی عطیہ حبیب اللہ

چاروں اور اس بات کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ ہندستان کو منجھلے زمانے کی حالتوں سے نکال کر یہاں نئے زمانے کی فضا پیدا کی جائے۔ اس کیفیت کو پیدا کرنے میں سب میں بڑی روکاوٹ عورتوں کا پردہ اور علیحدگی ہے۔

چاروں اور اس بات کی کوششیں ہو رہی ہیں کہ ہندستان کو منجھلے زمانے کی حالتوں سے نکال کر یہاں نئے زمانے کی فضا پیدا کی جائے۔ اس کیفیت کو پیدا کرنے میں سب میں بڑی روکاوٹ عورتوں کا پردہ اور علیحدگی ہے۔

شکاربوں، لڑائیوں اور خانہ بدوش قبیلوں میں عورتوں کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لڑکوں کو پیدا کرنے اور اپنے مردوں کی آرام آسائش کا خیال رکھیں۔ وہ قیمتی اسباب کی طرح سمجھی جاتی تھیں اور ڈانٹوں سے ان کی ہوشیاری سے حفاظت کی جاتی تھی۔ بعد میں یورپ کے ملکوں میں سوہچہ چاری شامکوں اور سامنت شامی سماج کے سبب ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج پڑا۔ شادیوں کے علاوہ عورتوں کو رکھل ہٹا کر رکھنے کا بھی رواج چلا۔ ان دونوں وجہوں سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کو حفاظت کہیں الگ رکھا جائے۔ عورتوں کی اسی علیحدگی کی بھاونوں نے بعد میں پردے کی وہ گھبر صورت اختیار کی جو آج ہمارے سامنے ہے۔

شکاربوں، لڑائیوں اور خانہ بدوش قبیلوں میں عورتوں کی اہمیت صرف اتنی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لڑکوں کو پیدا کرنے اور اپنے مردوں کی آرام آسائش کا خیال رکھیں۔ وہ قیمتی اسباب کی طرح سمجھی جاتی تھیں اور ڈانٹوں سے ان کی ہوشیاری سے حفاظت کی جاتی تھی۔ بعد میں یورپ کے ملکوں میں سوہچہ چاری شامکوں اور سامنت شامی سماج کے سبب ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج پڑا۔ شادیوں کے علاوہ عورتوں کو رکھل ہٹا کر رکھنے کا بھی رواج چلا۔ ان دونوں وجہوں سے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ عورتوں کو حفاظت کہیں الگ رکھا جائے۔ عورتوں کی اسی علیحدگی کی بھاونوں نے بعد میں پردے کی وہ گھبر صورت اختیار کی جو آج ہمارے سامنے ہے۔

باوجود نئے زمانے کی تالیف کے مردوں کے اندر سے وہ سوہچہ چاری رتی کم نہیں ہوئی ہے۔ وہ دماغی طور سے

रोगों की दवा बताया है और संगीत के तिव्वी पहलू पर विस्तार से लिखा है.†

यूरोपीय संगीत पर अरबी संगीत ने काफी असर डाला है. अरबी में संगीत का वैज्ञानिक नाम 'म्यूज़िकी' है और इसी से अंग्रेजी का 'म्यूज़िक' लपक बना है. मशहूर दार्शनिक राज़र बेकन (मीत 1280 ईस्वी) ने यूरोपीय संगीत पर अरब संगीत का क़र्ज़ स्वीकार किया है.*

संगीत की ईरानी, अरबी और तूरानी मिलावट मुसलमानों के साथ साथ भारत आयी. मुसलम काल में भारतीय संगीत पर इस नये आये हुये संगीत का काफी असर पड़ा. के दरबार में विविध रागों का क्रम और स्थान मुकर्रर हुआ. 'भैरों', 'सरस राग', 'भैरवी', 'परच', 'कलंगड़ा', 'साहनी', 'सिन्ध', 'पीलू', आदि राग धार्मिक भजनों के लिये बरते जाने लगे और 'दरबारी', 'मालकोष', 'सहामा', 'मल्हार', 'दुर्गा', आदि राग दरबार में गाये जाने लगे. अरबी ईरानी और भारतीय संगीत के समन्वय से ही मौजूदा भारतीय संगीत का जन्म हुआ. मुगलों के समय में ही उत्तर और दक्षिण भारत के संगीत का मेल हुआ. सम्राट अकबर और बीजापुर के सुलतान इब्राहीम आदिल शाह दानों संगीत क धनी थे और दानों का संगीत की बारीकियों का खूब ज्ञान था. अकबर ने क़रीब 200 इरानी रागों का तालबद्ध करवाया और आदिलशाह ने कई नये राग निकाले. संगीत पर लिखी हुई आदिलशाह की 'नौरस' नामक पुस्तक प्रसिद्ध है. कर्नाटकी संगीत पर आदिलशाह का बेहद असर पड़ा. उसके अनन्क रागों का कर्नाटक के संगीतज्ञों ने अपना लिया. खालियर का रहने वाला प्रसिद्ध गायक तानसेन अकबर के नौरत्नों में से था. तानसेन और सूरदास गहरे दास्तों में से थे. अकबर के दरबार में अनेक अरब, ईरानी, तुर्क और हिन्दू गवय्ये थे. अकबर और आदिलशाह दानों के दरबार भारतीय दरबार थे. आदिलशाह खुद विद्यादायिनी मां सरस्वती का पुजारी था.‡

विविध देशों के सत्तकों या Notations पर इन दरबारों में अनेक रागों का तरतीब देने का काशिश की गई. ये विविध सप्तक इस प्रकार हैं—

भारतीय—स, रे, ग, म, प, ध, नी,
यूरोपीय—डो, रे, मी, फ, सात, ला, सि,
ईरानी—यक, दो, से, चार, पंज, राष, हफ्त,
अरबी—मीम, फे, साद, लाम, सीन, दाल, रे.

अरबी संगीत में अलाप के तीव्र स्वर को 'आली', मध्यम स्वर को 'वस्ति' और मन्द स्वर को 'सअलि' कहते

रोगों की दवा बताया है और संगीत के तिव्वी पहलू पर विस्तार से लिखा है.†

यूरोपीय संगीत पर अरबी संगीत ने काफी असर डाला है. अरबी में संगीत का वैज्ञानिक नाम 'म्यूज़िकी' है और इसी से अंग्रेजी का 'म्यूज़िक' लपक बना है. मशहूर दार्शनिक राज़र बेकन (मीत 1280 ईस्वी) ने यूरोपीय संगीत पर अरब संगीत का क़र्ज़ स्वीकार किया है.*

संगीत की ईरानी, अरबी और तूरानी मिलावट मुसलमानों के साथ साथ भारत आयी. मुसलम काल में भारतीय संगीत पर इस नये आये हुये संगीत का काफी असर पड़ा. के दरबार में विविध रागों का क्रम और स्थान मुकर्रर हुआ. 'भैरों', 'सरस राग', 'भैरवी', 'परच', 'कलंगड़ा', 'साहनी', 'सिन्ध', 'पीलू', आदि राग धार्मिक भजनों के लिये बरते जाने लगे और 'दरबारी', 'मालकोष', 'सहामा', 'मल्हार', 'दुर्गा', आदि राग दरबार में गाये जाने लगे. अरबी ईरानी और भारतीय संगीत के समन्वय से ही मौजूदा भारतीय संगीत का जन्म हुआ. मुगलों के समय में ही उत्तर और दक्षिण भारत के संगीत का मेल हुआ. सम्राट अकबर और बीजापुर के सुलतान इब्राहीम आदिल शाह दानों संगीत क धनी थे और दानों का संगीत की बारीकियों का खूब ज्ञान था. अकबर ने क़रीब 200 इरानी रागों का तालबद्ध करवाया और आदिलशाह ने कई नये राग निकाले. संगीत पर लिखी हुई आदिलशाह की 'नौरस' नामक पुस्तक प्रसिद्ध है. कर्नाटकी संगीत पर आदिलशाह का बेहद असर पड़ा. उसके अनन्क रागों का कर्नाटक के संगीतज्ञों ने अपना लिया. खालियर का रहने वाला प्रसिद्ध गायक तानसेन अकबर के नौरत्नों में से था. तानसेन और सूरदास गहरे दास्तों में से थे. अकबर के दरबार में अनेक अरब, ईरानी, तुर्क और हिन्दू गवय्ये थे. अकबर और आदिलशाह दानों के दरबार भारतीय दरबार थे. आदिलशाह खुद विद्यादायिनी मां सरस्वती का पुजारी था.‡

विविध देशों के सत्तकों या Notations पर इन दरबारों में अनेक रागों का तरतीब देने की कोशिश की गئی. ये वद्वे सप्तक लस प्रकार हैं—

भारतीय—स, रे, ग, म, प, ध, नी,
यूरोपीय—डो, रे, मी, फ, सात, ला, सि,
ईरानी—यक, दो, से, चार, पंज, राष, हफ्त,
अरबी—मीम, फे, साद, लाम, सीन, दाल, रे.

अरबी संगीत में अलाप के तीव्र स्वर को 'आली', मध्यम स्वर को 'वस्ति' और मन्द स्वर को 'सअलि' कहते

†—The Extreme Need, by Al-Nuwairi (Translation).

*—History of Islamic Culture, p. 390.

‡—Outlines of Islamic Culture, by A. M. A. Shushtery, Vol. 1.

پانچویں یا آٹھویں دھڑ پر لای کو دوہراتے تھے اور اس تہی کے کو بے 'تکریب' کہتے تھے۔ گانے کے ساتھ ساتھ جو باجے ہوتے تھے، ان میں 'عود' (ستار کے قسم کا ایک ہاجا)، 'تنبور' (تنبورے کی طرح کا ہاجا)، 'کانون' (سراود کی طرح کا ہاجا، جو آرمینین میجراب سے ہجایا جاتا تھا)، 'طبل'، 'تف' اور 'تدیب' خاص تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہاجے ہوتے تھے، لیکن وہ گانے کے پلے یا گانے کے بعد ہجائے جاتے تھے۔ عربی زبان میں پرشمار ہاجوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے تہزوں کی بھی چرچا ہے۔ ممکن نہیں۔ ہاجوں کے بنانے میں عربوں کی ہوگنا بلا کی سیمہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس سمبندھ میں عربی میں بہت سے گرتے ہیں۔ صیبل جیسے کئی شہر اپنے ہاجوں کے لئے مشہور تھے۔

اسلام سے پہلے ہیرا اور راسسان کے درباروں میں عربی سنگیت پر ایرانی اور یونانی سنگیت کی چھاپ صاف دکھائی دیتی ہے۔ یونان کے مشہور ویگیانک پانیٹھا گور کا بنایا ہوا 'سور' ان درباروں میں اور الحجاز میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ساتویں صدی کے اخیر میں عربوں نے پرسدھ سنگیت کی بنیاد پر اپنی سنگیت کی نئی پرزائی عمل میں لائی شروع کی۔ اس پرزائی میں عرب، یونانی اور ایرانی تہیوں پرزالیوں کا سمشرن تھا۔ اس کے سمبندھ میں قائم ہے۔ پی۔ این۔ لینڈ لکھتے ہیں— "ایرانی اور یونانی سنگیت پرزالیوں نے عربوں کی راسقریہ سنگیت پرزالی کو نشٹ نہیں کیا، بلکہ عرب سنگیت کی خاصیت کو قائم رکھ کر یہ اس پر نام کی طرح لگ گئیں۔ سنگیت کی یہ پرزائی بغداد کے پتن تک برابر چلتی رہی۔ دوسری اور عرب سنگیت نے یونانی اور ایرانی سنگیت پرزالیوں پر اثر ڈالا۔"

کھڑ موسلمان 'گیت کو شریہ لیہاج سے آتھوئیت سممکتے ہیں، لیکن سقہیوں اور درویشوں کی سمپردایہ' سنگیت کو اذان کا سااھن سممکتی ہیں۔ سنگیت سے ہی 'ہال' (ہکتی-ونماؤ) پءا ہاتا ہے اور 'ہال' آرمین میں گتیت ہتا ہے۔ پرسدھ آراب اارائیک آلال-ہاجاالی لیختا ہے— "ہال من کی ہہ ہالوت ہے جو سنگیت سونکر پءا ہاتی ہے۔" ہاجاالی نے لیختا ہے کہ کھران پءدکر نہیں ہلتیک سنگیت سے 'ہال' پءا ہوتا ہے اور اس کے لیئے وسنے سات ہجہ گناتے ہیں۔ آلالکندی لیختا ہے— "کھڑ لوگوں کے لیئے سنگیت شراب کی طرح ہے اور کھڑ کے لئے غذا کی طرح۔" رشرہکیات جیم آہن سینا نے سنگیت کو انیک

پانچویں یا آٹھویں ٹوٹ پر لے کو دوہراتے تھے اور اس طریقہ کو وہ 'تقریب' کہتے تھے۔ گانے کے ساتھ ساتھ جو ہاجے ہوتے تھے، ان میں 'عود' (ستار کے قسم کا ایک ہاجا)، 'تنبور' (تنبورے کی طرح کا ہاجا)، 'کانون' (سراود کی طرح کا ہاجا، جو آرمینین میجراب سے ہجایا جاتا تھا)، 'طبل'، 'تف' اور 'تدیب' خاص تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ہاجے ہوتے تھے، لیکن وہ گانے کے پلے یا گانے کے بعد ہجائے جاتے تھے۔ عربی زبان میں پرشمار ہاجوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے تہزوں کی بھی چرچا ہے۔ ممکن نہیں۔ ہاجوں کے بنانے میں عربوں کی ہوگنا بلا کی سیمہ تک پہنچ گئی تھی۔ اس سمبندھ میں عربی میں بہت سے گرتے ہیں۔ صیبل جیسے کئی شہر اپنے ہاجوں کے لئے مشہور تھے۔

اسلام سے پہلے ہیرا اور راسسان کے درباروں میں عربی سنگیت پر ایرانی اور یونانی سنگیت کی چھاپ صاف دکھائی دیتی ہے۔ یونان کے مشہور ویگیانک پانیٹھا گور کا بنایا ہوا 'سور' ان درباروں میں اور الحجاز میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ساتویں صدی کے اخیر میں عربوں نے پرسدھ سنگیت کی بنیاد پر اپنی سنگیت کی نئی پرزائی عمل میں لائی شروع کی۔ اس پرزائی میں عرب، یونانی اور ایرانی تہیوں پرزالیوں کا سمشرن تھا۔ اس کے سمبندھ میں قائم ہے۔ پی۔ این۔ لینڈ لکھتے ہیں— "ایرانی اور یونانی سنگیت پرزالیوں نے عربوں کی راسقریہ سنگیت پرزالی کو نشٹ نہیں کیا، بلکہ عرب سنگیت کی خاصیت کو قائم رکھ کر یہ اس پر نام کی طرح لگ گئیں۔ سنگیت کی یہ پرزائی بغداد کے پتن تک برابر چلتی رہی۔ دوسری اور عرب سنگیت نے یونانی اور ایرانی سنگیت پرزالیوں پر اثر ڈالا۔"

تکر مسلمان سنگیت کو شرعی لحاظ سے انوچ سمجھتے ہیں، لیکن صوفیوں اور درویشوں کی سمپردائیں سنگیت کو دھیان کا سااھن سمجھتی ہیں۔ سنگیت سے ہی 'حال' (بھکتی-ونماؤ) پیدا ہوتا ہے اور 'حال' آرمین میں گتیت ہتا ہے۔ پرسدھ عرب اارائیک الفزالی لکھتا ہے— "حال من کی وہ ہالت ہے جو سنگیت سکر پءا ہوتی ہے۔" غزالی نے لہا ہے کہ قرآن پرفکر نہیں بلکہ سنگیت سے 'حال' پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے اس نے سات رچہیں گنائی ہیں۔ آلالکندی لکھتا ہے— "کھڑ لوگوں کے لئے سنگیت شراب کی طرح ہے اور کھڑ کے لئے غذا کی طرح۔" رشرہکیات جیم آہن سینا نے سنگیت کو انیک

—Meadows of Gold—Al-Isfahani (Translation).

*—Arab Music—Dr G. P. N. Land, P. 169.

—Al-Ghazzali, Vol. II.

—Ibid, Vol. II.

—The Essentials of Knowledge in Music, P. 384.

گان-وِیڈا پَر اَرَبی باشا مَں سَکھوں ہِی کِتاوَن لِکھی گئی ہُئیں۔ اَرَبی کِتاوَن مَں سَگِیت کَے ہَر پھلُ پَر رَشاہی ڈالی گئی ہُئیں۔ سَگِیت کا اِہاس، گِیتوں کا سَکَلن (مَجموعہ)، باجوں کی قِسمیں، سَکِیت کا شِری پھلُ، سَکِیت کا رِوحانی پھلُ، مشہور گونڈیوں کَے جِیون چَرت اُدی۔ * سَکِیت پَر اَرَبی کَے سب سَے مہان اَل-اِسْفاہانی (موت 957 عیسوی) اور اَل-اِسْفاہانی (موت 967 عیسوی) سَمفے جاتے ہُئیں۔ اَل-اِسْفاہانی نے اَرَب سَگِیت کَی شُروء کَے اِہاس پَر اُپنے مَرنِیوں مَں کاکِی رَشاہی ڈالی ہُئی اُور اَل-اِسْفاہانی نے 21 جِلدوں مَں اَرَبی گِیتوں کا سَمفہ نِکالا ہُئی۔ اَل-اِسْفاہانی نے اَرَبی کَے سب سَے مہان اَل-اِسْفاہانی (موت 957 عیسوی) اور اَل-اِسْفاہانی (موت 967 عیسوی) سَمفے جاتے ہُئیں۔ اَل-اِسْفاہانی نے اَرَب سَکِیت کَی شُروء کَے اِہاس پَر اُپنے مَرنِیوں مَں کاکِی رَشاہی ڈالی ہُئی اُور اَل-اِسْفاہانی نے 21 جِلدوں مَں اَرَبی گِیتوں کا سَمفہ نِکالا ہُئی۔ اَل-اِسْفاہانی نے اَرَب سَکِیت کَی شُروء کَے اِہاس پَر اُپنے مَرنِیوں مَں کاکِی رَشاہی ڈالی ہُئی اُور اَل-اِسْفاہانی نے 21 جِلدوں مَں اَرَبی گِیتوں کا سَمفہ نِکالا ہُئی۔

یُو تو اَرَب مَں گانے اُور بجانے دونوں ہِی کا پَچار تھا، لَکین اَرَب جَننا خالی باجے سَے گانے کو جَیادا پَسند کَرتی تھی اُور سَمفہ سَکتی تھی۔ اِس کی اِک وجہ یہ تھی ہوسکتی تھی کہ گِیت سَے اُنہیں سدا سَے زودست پَرم تھا اُور باجے شِری نقطہ نظر سَے زبان سَے عزت سَے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ گانوں مَں ’قصیدہ‘ بہت عام فہم تھا۔ قصیدے کَے چوتھے چوتھے رَپ تھے، جنہیں ’قُطعہ‘ کہا جاتا تھا۔ قُطعہ کَے ظُور ’نَزول‘ (پَرم گِیت) اور ’مَوال‘، یہی تھے۔ بعد مَیں ’رَجل‘ اور ’مَوالِ شاہ‘ کا بھی پَچار ہوا۔ * گِیت کَے سَورں کو لے کَے ساتھ سَپتک مَیں گونٹھا جاتا تھا۔ اِس سَپتک کو اَرَبی مَیں ’عَالیقہ‘ کہا جاتا تھا۔ لیکن اُجکل سَکِیت مَیں جو سَور اور تال کی اِکٹا تھی، اُس سَے اَرَب گونٹھے رَافِ نہ تھے۔ تالیقہ کی جگہ وے چوتھے

یوں نو اَرَب مَیں گانے اور بجانے دونوں ہی کا پَچار تھا۔ لیکن اَرَب جَننا خالی باجے سَے گانے کو زبان سَے پسند کَرتی تھی اُور سَمفہ سَکتی تھی۔ اِس کی اِک وجہ یہ تھی ہوسکتی تھی کہ گِیت سَے اُنہیں سدا سَے زودست پَرم تھا اُور باجے شِری نقطہ نظر سَے زبان سَے عزت سَے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ گانوں مَں ’قصیدہ‘ بہت عام فہم تھا۔ قصیدے کَے چوتھے چوتھے رَپ تھے، جنہیں ’قُطعہ‘ کہا جاتا تھا۔ قُطعہ کَے ظُور ’نَزول‘ (پَرم گِیت) اور ’مَوال‘، یہی تھے۔ بعد مَیں ’رَجل‘ اور ’مَوالِ شاہ‘ کا بھی پَچار ہوا۔ * گِیت کَے سَورں کو لے کَے ساتھ سَپتک مَیں گونٹھا جاتا تھا۔ اِس سَپتک کو اَرَبی مَیں ’عَالیقہ‘ کہا جاتا تھا۔ لیکن اُجکل سَکِیت مَیں جو سَور اور تال کی اِکٹا تھی، اُس سَے اَرَب گونٹھے رَافِ نہ تھے۔ تالیقہ کی جگہ وے چوتھے

*—Music—by H. G. Farmer, P. 7.

†—Great Book of Songs, (Translation) Al-Isfahani (Introduction).

‡—Unique Necklace—Ibn Abd Rabbihi.

§—Legacy of Islam—Edited by Sir T. W. Arnold; p. 358-59.

کارण تھے، جن میں 550-600 عیسوی کے بیچ میں ترکوں اور ساسانیوں کے ہاتھوں سفید ہنوں کی ہار، شری ہرش کے پتا پر ہونے والی دہائی کی دس نکتوں جو انہوں نے ہنوں، گاندھار، سندھ، گرجر اور ماوراء کے راجاؤں پر حاصل کیں اور خود شری ہرش کے 20 برس کے سینک حملے تھے، جن سے ہند سکندر و اسٹیون کی ایک ہیڈ جاوا پہنچی۔ اگر ان کارٹوں میں ہم نیچے لکے کارن اور چور دیں، تو سندھ اور گجرات سے جاوا پرواس کی بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

(1) ساتویں صدی کے دوران میں ترکوں اور عربوں کے حملے۔

(2) مگدھ سے بامیہا تک سن 645-650 میں تیرہویں اور نیاپالی فرجوں کی کامیابی۔

(3) سینھ کے بؤدھ سہارا کے گدی سے یتار کر اس کے برامین منتری چھپے کا گدی پر بیٹھنا اور جائزوں کے ساتھ اس کا طالعمانہ برتاؤ۔

آٹھویں صدی عیسوی میں بنگال سے بھی پرواسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس لئے جاوا پہنچی چونکہ نپتی سینا نے بنگال کو فتح کر لیا تھا۔ نویں صدی میں بہت سے بھارتیہ ہونہوں نے بھی جاوا میں جا کر شری لی۔ جاوا کے پرواسی بھارتیوں کی کہانی جاوا-بھارتیہ کلاکاروں نے سنگ تراش کی چھینی کی مدد سے پتھروں پر نقش کر دی ہے جو ہمیشہ زندہ رہیگی اور ہم میں انماہیمان پیدا کرتی رہے گی۔ پتھر کی ان ریکھاؤں میں گجراتی راجاؤں کے جہازی سفر کے بڑے سندر اور صاف چتر کدے ہوئے ہیں۔ سنکڑ سے چلابہ والے ایک بھارتیہ جہاز میں ہی چوتھی صدی کے انت اور پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں مشہور چینی یادہی فلیڈلیان نے دوسرے 200 یا تریوں کے ساتھ جاوا تک یا تار کی تھی۔* فلیڈلیان کے موزیم میں بھی جاوا کے بھارتیہ جہازوں کے بڑے سندر چتر موجود ہیں۔

(1) ساتویں صدی کے دوران میں ترکوں اور عربوں کے حملے۔

(2) مگدھ سے بامیہا تک سن 645-650 میں تیرہویں اور نیاپالی فرجوں کی کامیابی۔

(3) سینھ کے بؤدھ سہارا کے گدی سے یتار کر اس کے برامین منتری چھپے کا گدی پر بیٹھنا اور جائزوں کے ساتھ اس کا طالعمانہ برتاؤ۔

آٹھویں صدی عیسوی میں بنگال سے بھی پرواسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس لئے جاوا پہنچی چونکہ نپتی سینا نے بنگال کو فتح کر لیا تھا۔ نویں صدی میں بہت سے بھارتیہ ہونہوں نے بھی جاوا میں جا کر شری لی۔ جاوا کے پرواسی بھارتیوں کی کہانی جاوا-بھارتیہ کلاکاروں نے سنگ تراش کی چھینی کی مدد سے پتھروں پر نقش کر دی ہے جو ہمیشہ زندہ رہیگی اور ہم میں انماہیمان پیدا کرتی رہے گی۔ پتھر کی ان ریکھاؤں میں گجراتی راجاؤں کے جہازی سفر کے بڑے سندر اور صاف چتر کدے ہوئے ہیں۔ سنکڑ سے چلابہ والے ایک بھارتیہ جہاز میں ہی چوتھی صدی کے انت اور پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں مشہور چینی یادہی فلیڈلیان نے دوسرے 200 یا تریوں کے ساتھ جاوا تک یا تار کی تھی۔* فلیڈلیان کے موزیم میں بھی جاوا کے بھارتیہ جہازوں کے بڑے سندر چتر موجود ہیں۔

آٹھویں صدی عیسوی میں بنگال سے بھی پرواسیوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس لئے جاوا پہنچی چونکہ نپتی سینا نے بنگال کو فتح کر لیا تھا۔ نویں صدی میں بہت سے بھارتیہ ہونہوں نے بھی جاوا میں جا کر شری لی۔ جاوا کے پرواسی بھارتیوں کی کہانی جاوا-بھارتیہ کلاکاروں نے سنگ تراش کی چھینی کی مدد سے پتھروں پر نقش کر دی ہے جو ہمیشہ زندہ رہیگی اور ہم میں انماہیمان پیدا کرتی رہے گی۔ پتھر کی ان ریکھاؤں میں گجراتی راجاؤں کے جہازی سفر کے بڑے سندر اور صاف چتر کدے ہوئے ہیں۔ سنکڑ سے چلابہ والے ایک بھارتیہ جہاز میں ہی چوتھی صدی کے انت اور پانچویں صدی عیسوی کے شروع میں مشہور چینی یادہی فلیڈلیان نے دوسرے 200 یا تریوں کے ساتھ جاوا تک یا تار کی تھی۔* فلیڈلیان کے موزیم میں بھی جاوا کے بھارتیہ جہازوں کے بڑے سندر چتر موجود ہیں۔

*—Reinand's-Memoire Sur L' Inde, 170, 176.

*—Beal, Buddhist Records, Vol. II, p. 269.

बसाया。”† टैबर्नियर लिखता है—“बंगाल की खाड़ी में मछलीपटनम् ही ऐसी जगह है जहां से भारतीय जहाज पूर्व की ओर बंगाल, अराकान, पगु, सियाम, सुमात्रा, कोचिन, चीन और मल्लिका और पश्चिम की ओर होरमुज, मोरवा और मडागास्कर जाते थे。”‡ जावा के उल्लेखों से भी कलिंग और जावा के सम्बन्ध का पता चलता है.§ डाक्टर भन्डारकर भी इसकी तसदीक करते हैं.*

जावा की प्राचीन किंवदन्तियों के मुताबिक भारत के पश्चिमी तट से यानी गुजरात से भी लोग वहां जाकर बसे। इस किंवदन्ति के अनुसार अजीसक नामक गुजरात का एक शक्तिशाली राजा सन 75 ईसवी में जावा पहुँचा, लेकिन किसी महामारी के सबब उसे शीघ्र ही वापस लौट आना पड़ा। सम्भव है यह कहानी उत्तर भारत के सक राजाओं के साथ जावा के प्राचीन राजवंश का सम्बन्ध जोड़ने के लिये गढ़ी गई हो। जावा के इतिहास में एक दूसरी कामयाब गुजराती कोशिश का जिक्र मिलता है, जब सन 603 ईसवी में गुजरात के एक राजा ने अपने बेटे को 5000 लोगों के साथ जिनमें किसान, कारीगर, वैद्य और लेखक शामिल थे, 6 बड़े जहाजों और 10 छोटे जहाजों में भरकर जावा भेजा.** यह गुजराती बड़ा जावा के पश्चिमी तट पर उतरा और वहां उन्होंने ‘मैदांग कामुलन’ नामक नगर बसाया। बेटे ने और आदमी भेजने के लिये लिखा। इस बार राजा ने 2000 आदमी भेजे, जिनमें संगत राश और पीतल का काम करने वाले शामिल थे। शीघ्र ही गुजरात और दूसरे देशों के साथ जावा की जबरदस्त त्तिजारत शुरू हो गयी। इन गुजरातियों ने वहां मन्दिरों की नींव रखी, जो बाद में ‘प्राणबानम’ और ‘बोरोबुदुर’ मन्दिर के नाम से मशहूर हुये। एशियाई बौद्ध कला के ये सुन्दरतम नमूने हैं।

गुजरात के ये बौद्ध सक, जाहिर है, उस समय गुजरात छोड़कर जावा में जाकर बसे जब चन्द्रगुप्त दूसरे ने सौराष्ट्र और काठियावाड़ पर कब्जा करके बौद्ध धर्म की जगह ब्राह्मण धर्म की स्थापना की।†† सक प्रवासियों के साथ बौद्ध-कला भी अपनी खूबियाँ लेकर जावा पहुँची, जहां बोरोबुदुर की तामीरीकला में वह अपने सुन्दरतम रूप में जाहिर हुई।‡‡ उत्तर भारतीयों के इस जावा प्रवास की और भी कई

बसा। “†† टैबर्नियर लिखता है—“बंगाल की खाड़ी में मछलीपटनम् ही ऐसी जगह है जहां से भारतीय जहाज पूर्व की ओर बंगाल, अराकान, पगु, सियाम, सुमात्रा, कोचिन, चीन और पश्चिम की ओर होरमुज, मोरवा, मडागास्कर जाते थे。”‡ जावा के उल्लेखों से भी कलिंग और जावा के सम्बन्ध का पता चलता है.§ डाक्टर भन्डारकर भी इसकी तसदीक करते हैं.*

जावा की प्राचीन किंवदन्तियों के मुताबिक भारत के पश्चिमी तट से यानी गुजरात से भी लोग वहां जाकर बसे। इस किंवदन्ति के अनुसार अजीसक नामक गुजरात का एक शक्तिशाली राजा सन 75 ईसवी में जावा पहुँचा, लेकिन किसी महामारी के सबब उसे शीघ्र ही वापस लौट आना पड़ा। सम्भव है यह कहानी उत्तर भारत के सक राजाओं के साथ जावा के प्राचीन राजवंश का सम्बन्ध जोड़ने के लिये गढ़ी गई हो। जावा के इतिहास में एक दूसरी कामयाब गुजराती कोशिश का जिक्र मिलता है, जब सन 603 ईसवी में गुजरात के एक राजा ने अपने बेटे को 5000 लोगों के साथ जिनमें किसान, कारीगर, वैद्य और लेखक शामिल थे, 6 बड़े जहाजों और 10 छोटे जहाजों में भरकर जावा भेजा.** यह गुजराती बड़ा जावा के पश्चिमी तट पर उतरा और वहां उन्होंने ‘मैदांग कामुलन’ नामक नगर बसाया। बेटे ने और आदमी भेजने के लिये लिखा। इस बार राजा ने 2000 आदमी भेजे, जिनमें संगत राश और पीतल का काम करने वाले शामिल थे। शीघ्र ही गुजरात और दूसरे देशों के साथ जावा की जबरदस्त त्तिजारत शुरू हो गयी। इन गुजरातियों ने वहां मन्दिरों की नींव रखी, जो बाद में ‘प्राणबानम’ और ‘बोरोबुदुर’ मन्दिर के नाम से मशहूर हुये। एशियाई बौद्ध कला के ये सुन्दरतम नमूने हैं।

गुजरात के ये बौद्ध सक, जाहिर है, उस समय गुजरात छोड़कर जावा में जाकर बसे जब चन्द्रगुप्त दूसरे ने सौराष्ट्र और काठियावाड़ पर कब्जा करके बौद्ध धर्म की जगह ब्राह्मण धर्म की स्थापना की।†† सक प्रवासियों के साथ बौद्ध-कला भी अपनी खूबियाँ लेकर जावा पहुँची, जहां बोरोबुदुर की तामीरीकला में वह अपने सुन्दरतम रूप में जाहिर हुई।‡‡ उत्तर भारतीयों के इस जावा प्रवास की और भी कई

‡—Indian Architecture, p. 103.

†—Ball's Translation, 1, 174.

†—Indian Antiquary, V. 314; VI, 356.

*—Journal of Bombay Branch of R. A. S. XVII.

**—History of Java—by Sir Stamford Raffles, Vol. II, p. 82.

†† Early History of India—by V. A. Smith pp. 186-87.

‡‡—Indian Sculpture and Painting—by E. B. Havell, p. 113.

डाक्टर राधाकुमुद मुकर्जी, एम० ए०, पी-एच० डी०

ڈاکٹر رادھا کمد مکرجی، ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔

بंगाल की खाड़ी से परे बृहत्तर (बसीअ) भारत के फैलाव का श्रेय छोटे से कलिंग देश को है। कलिंग के प्राचीन इतिहास को बहुत कम लोग जानते हैं। वास्तव में भारत के कौमी कारनामों में जावा का उपनिवेश (नवाबादी) एक बड़ी अहम घटना है और यह कितने दुख की बात है कि भारतीय इतिहास में इस महत्वपूर्ण घटना को कोई चर्चा नहीं मिलती।

ईस्वी सदी के 7 वें बरस में कलिंग देश से हिन्दू मल्लाहों का एक जत्था निकला और बंगाल की खाड़ी का पार कर हिम्मत के साथ बेअन्त हिन्द महासागर को चीरता हुआ जावा के टापू पर जा लगा। वहां इन नाविकों ने भारतीय उपनिवेश की स्थापना की, नगर और शहर बसाये और अपनी मातृभूमि के साथ व्यापार सम्बन्ध कायम किया, जो सदियों तक चलता रहा। जावा के इस भारतीय उपनिवेश के सम्बन्ध में इतिहास लेखक एलफिन्स्टन लिखता है—

“जावा का इतिहास इस बात की साफ गवाही देता है कि कलिंग देश के हिन्दू इस द्वीप में आकर उतरे, यहां के निवासियों का सभ्य बनाया और ईसा के 7 वें साल से अपना पहला सम्बन्ध सन शुरू करके अपने ज्ञान की तिथि निश्चित की। जावा के असंख्य खन्डहर इस घटना की तसदीक करते हैं। हालांकि जावा की बालचाल की जवान भलाया है, फिर भी धार्मिक, राजनैतिक और ऐतिहासिक ग्रन्थ और अनक उल्लेखों की जवान संस्कृत की ही एक वंटी है। चौथी सदी ईस्वी के एक प्रसिद्ध चीनी यात्री फाहियान ने लिखा है कि उस समय जावा के निवासा सब हिन्दू थे और यह यात्री जिन जहाजों से गंगा से सिंहल और सिंहल से जावा और जावा से चीन गया, उसके सब मल्लाह हिन्दू धर्म के अनुयायी थे。”

कर्मरूसन लिखता है—“अमरावती के शानदार खन्डहरों से यह ज़ाहिर होता है कि कृष्णा और गोदावरी के मुहानों से आकर उत्तर और पश्चिमोत्तर भारत के बौद्धों ने पगु, कम्बोज और आखिर में जावा के टापू का आ कर

بنگل کی کھڑی سے پرے برہتر (وسیع) بھارت کے پھیلاؤ کا شروع چھوٹے سے کلنگ دیش کو ہے۔ کلنگ کے پراچین انہاس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ راستو میں بھارت کے قومی کارناموں میں جاوا کا اپنیویش ایک بڑی اہم گھٹنا ہے اور یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ بھارتیہ انہاس میں اس مہتمیوزن گھٹنا کی کوئی چرچا نہیں ملتی۔

عیسوی صدی کے 75 ویں برس میں کلنگ دیش سے ہندو ملاحوں کا ایک جتھا نکلا اور بنگال کی کھڑی کو پار کر ہمت کے ساتھ بے انت ہند مہا ساگر کو چھوڑا ہوا جاوا کے ٹاپو پر جا لگا۔ وہاں ان نادروں نے بھارتیہ اپنیویش کی استھاپنا کی، فکر اور شہر بسائے اور اپنی ماتریمومی کے ساتھ ویاپار سمبندھ قائم کیا، جو صدیوں تک چلتا رہا۔ جاوا کے اس بھارتیہ اپنیویش نے سمبندھ میں انہاس لیکھ ایلفنستون لکھتا ہے—

”جاوا کا انہاس اس بات کی صاف گواہی دیتا ہے کہ کلنگ دیش کے ہندو اس دوپ میں آ کر اترے، یہاں کے ٹراسیوں کو سبھتہ بنایا اور عیسوی کے 75 ویں سال سے اپنا پہلا سمبیت سن شروع کر کے اپنے آنے کی تہی نشیبت کی۔ جاوا کے استکھتہ کھنڈر اس گھٹنا کی تصدیق کرتے ہیں۔ حالانکہ جاوا کی بول چال کی زبان ملایا ہے، پور بھی دھارمک، راجنیتک اور ایٹھاسک گرتے اور انیک آئیکوں کی زبان سنسکرت کی ہی ایک بیٹی ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کے ایک پرسدھ چینی رتزی ناہیان نے لکھا ہے کہ اُس سے جاوا کے ٹولس سب ہندو تھے اور یہ یانزی جن جہازوں سے گنگا سے سنکھل اور سنکھل سے جاوا پر جاوا سے چین گیا، اُس کے سب ملاح ہندو دھرم کے انوائی تھے۔“

نورگیوسن لکھتا ہے—”امراوتی کے شاندار پھنڈروں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کرشنا اور گوداوری کے مہانوں سے آ کر اتر اور پشچم اتر بھارت کے بردھوں نے یکو، کمبوج اور آخر میں جاوا کے ٹاپو کو آ کر

انوسار رالت ہے۔ ٹاڈ کے समय سے यह रालतकहमी चली आती है. भूरी आंखों वाले और लाल डाढ़ी वाले असी या यूएची लोग जो तुखारियों के शासक वगे थे सांवले रंग के जाटों के बाप दादा नहीं थे. हम ऊपर देख चुके हैं कि नामों के उच्चारन में भी किस तरह रालतियां हुई हैं. जाट लोग असी कौम से नहीं हैं, न लम्बी खोपड़ी वाले, छांटी नाक वाले और गेहुआं रंग वाले गूजर तानार खजुरों की औलाद हैं, और न राजपूत लोगों का निकास शक कौम से है. इन कौमों के निकास की खांज हमें हिन्दुस्तान ही में करनी होगी. इसमें शक नहीं कि मध्य एशिया सेइनसनों के जो गिराह हिन्दुस्तान में आकर बसते गये वे यहां की हिन्दू आवादी में रल-मिल कर एक हो गये. लेकिन इनकी तादाद यहां के लोगों के मुकाबले में बहुत ही कम थी. दरअरल शक और कुशान कौम के लोग शकस्तान यानी शीस्तान और अक्रानिस्तान में ही बस गये थे. आजकल के अक्रानों में से बहुतों के चेदरे मादरे जाहिर करते हैं कि वे शक और कुशान कौमों से हैं. मशहूर विद्वान हालोमी ने शक कौम के एक हिस्से को बलीताई नाम दिया है. अन्दाजा लगाया जाता है कि बलतिस्तान के बलीता लोग वही बलीताई कौम के हैं. ❀

انوسار غلط ہے. ٹاڈ کے سمے سے یہ غلط فہمی چلی آتی ہے. بھوری آنکھوں والے اور لال ڈاڑھی والے اُرسی یا یوایچی لوگ جو تخاریوں کے شاکس ونگ تھے سانولے رنگ کے جانوں کے باپ دادا نہیں تھے. ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ ناموں کے اُچارن میں بھی کس طرح غلطیاں ہوئی تھیں. جات لوگ اُرسی قوم سے نہیں تھیں نہ لمبی کھنڈی والے، چھوٹی ناک والے اور گہواں رنگ والے گوجراتانار خوجروں کی اولاد ہیں، اور نہ راجپوت لوگوں کا نیکاس شک قوم سے ہے. ان قوموں کی نیکاس کی کوج ہمیں ہندوستان ہی میں کرنی ہوگی. اِس میں شک نہیں کہ مدھیہ ایشیا سے انسانوں کے جو گروہ ہندوستان میں آکر بستے گئے وہ یہاں کی ہندو آبادی میں رل مل کر ایک ہو گئے. لیکن اِن کی تعداد یہاں کے لوگوں کے مقابلے میں بہت ہی کم تھی. دراصل شک اور کشن قوم کے لوگ شکستان یعنی شیشستان اور افغانستان میں ہی بس گئے تھے. آجکل کے افغانوں میں سے بہتوں کے چہرے مہرے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ شک اور کشن قوموں سے ہیں. مشہور ودوان ہالومی نے شک قوم کے ایک حصے کو بلی تونی نام دیا ہے. اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بلتستان کے بلیتا لوگ وہی بلیتونی قوم کے تھیں. ❀

❀—Haddon, Races of Man, pp. 114-115.

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

“CHINA TODAY”

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...bringing to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

فیلے: ‡ گیفریڈا رگری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”آجکل کے پامیر علاقے کے چوڑی کھوڑی والے لوگوں میں یورپین چہرے مہرے کے لوگ کافی ملتے ہیں اور نکل مکن کے رنگستان میں جو پرانے باشندے ابھی تک موجود ہیں ان میں بھی ایسی تھنک کے لوگ ہیں“ اور آگے چل کر وہی ودوان لکھتا ہے کہ ”ان چیزوں کو اگر غیر جانب ہو کر دیکھا جائے تو کہنا پڑتا ہے کہ ایشیا کے گورے رنگ کے لوگ ویسے ہی پورے پورے آریہ نسل کے ہیں جیسے یورپ کے گورے لوگ اور پرانچین سمے میں شاید اس سے بھی زیادہ تھے۔“

اس طرح یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مذہبیہ ایشیا کے سب سے پرانے باشندے اسی نسل کے تھے جس نسل کی دوسری اینڈورپین قومیں ہیں۔ مشہور ودوان جوائس (Joyce) نے لکھا ہے کہ پوری ترکستان میں نکل کی مکن میں رہنے والی قوم یعنی وہاں کے پرانے باشندے ابھی تک ایرانی نسل کے ہیں۔ اس کے بعد یورپ سے تاتاریوں کا حملہ ہوا۔ یونڈیجر (Uiger) ترکوں نے سب سے پہلے ایشیا کے اس حصے پر ترکوں کا پرہاؤ جمایا۔ اس کے بعد مسلمان عربوں نے اس دیش پر حملہ کیا۔ ترک لوگ مسلمان ہو گئے۔ ترکوں کا اثر اور زیادہ بڑھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے لوگ جو ملی ہوئی یونانی بھارتیہ سپہیتا کو ماننے والے تھے اور جو آریہ، ہاشا بولتے تھے مٹنے چلے گئے۔ سب سے انت میں چنگیز خاں کا حملہ ہوا جس نے ایک بار اس سارے دیش کو ویران کر دیا۔

سارانش یہ کہ مانو جاتی وگیاں کے ادھیکانکس ودوانوں کی یہ رائے ہے کہ مذہبیہ ایشیا ہی اینڈورپین پھانٹنیں یا آریہ پھانٹنیں بولنے والی قوموں کا آدی استہان ہے۔ یہیں سے پیدا ہو کر یہ لوگ سب دیشوں میں پھیلے۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ اس علاقے کے سب سے پرانے باشندے لمبی کھوڑی والے تھے اور بعد میں یورپ سے آکر چوڑی کھوڑی والے لوگ یہاں بسنے آئے اور پرانے باشندوں میں رل مل گئی، آجکل ایشیا کے اس حصے میں زیادہ تر چوڑی کھوڑی والے لوگ ہی رہتے ہیں، جن میں کچھ ایرانی ہیں اور کچھ ترکمان یعنی ترک ہیں۔ پھر آذرانی اور نجینکو این دونوں ودوانوں نے ناپ کر بتایا ہے کہ ایرانی ہاشا بولنے والے تازک لوگوں میں بھی ابھی تک لمبی کھوڑی والے لوگ موجود ہیں۔ لیکن اوڈیز ترکوں کے سمے میں مذہبیہ ایشیا میں ترکی قوم کا اثر ہی زیادہ ہے۔ انت میں ہم یہ کم دینا چاہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ ”ہندستان کے راجپوتوں، گوجروں اور جاٹوں کا نکاس مذہبیہ ایشیا سے ہے“ مانو جاتی وگیاں کے

‡—Eickstedt, op. cit., Gulffrida Ruggeri, The First Outline of a Systematic Anthropology translated by H. Chakladar.

¶—Gulffrida Ruggeri, op. cit., pp. 33-35, Ibid, op. cit.

लेकिन इन सब विद्वानों का जवाब एक ही बात से दिया जा सकता है. वह यह कि इतिहास में कहीं भी इसका जिक्र नहीं मिलता कि यूरोप के कोई लोग कभी मध्य एशिया में आकर बसे हों. न इस और उनकी किसी यात्रा का कहीं हाल मिलता है. इसके खिलाफ इतिहास में बार बार इस बात का जिक्र आता है कि समय समय पर इनसानों के गिरोहों ने एशिया से जा जाकर यूरोप के कुछ-तुल्य देशों पर हमला किया और उन्हें आबाद किया. मशहूर इतिहास लेखक एडवर्ड मेयर, मानव जाति विज्ञान विचारार्थ इन्सटेट और भाषा विज्ञान शास्त्री क्रिस्ट सब इस बात पर एक राय हैं. ❀

कुदरती तौर पर अब यह सबाल पैदा होता है कि मध्य एशिया में यह गोरे रंग के लोग यानी गोरे रंग के सुनहरी या बहुत हलके रंग के बालों वाले और भूरी या नीली आंखों वाले लोग कहां से आकर बसे ? यूआइज़ च्वांग ने अपनी पुस्तक में लिखा है कि उसे अपनी यात्रा में मध्य एशिया में इस तरह के लोग मिले थे. आजकल के विद्वान यात्री भी लिखते हैं कि ठीक यूरॉपियन चेहरे मोहर वाले इसी तरह के लोग मध्य एशिया के इस इलाके में अब भी रहते हैं. जर्मन वैज्ञानिक श्वार्ज़ ने लिखा है कि इस इलाके के ईरानी बोलने वाले लोग ठीक इसी तरह के गोरे हैं. इसी बिना पर श्वाज़ ने यह राय ज़ाहिर की है कि मध्य एशिया आर्य नसल के लोगों का आदि स्थान यानी असली बतन है.

इसके अलावा उजवाल्की, औरैलस्टीन इत्यादि बहुत से विद्वान खोजियों ने बयान किया है कि इस तरह के रंग और इसी तरह के बालों और आंखों वाले लोग तमाम मध्य एशिया में मिलते हैं, और साइबेरिया की कुछ तातार क्रोमों में भी इसी तरह के लोग पाये जाते हैं। पिछले महायुद्ध के बाद जाकेल्सन ब्राडस्की ने जां बड़ी बड़ी खाजें का हैं उनसे मालूम हुआ है कि दक्खिन पच्छमी साइबेरिया में भी इसी रंग ढंग की एक तातारी क्रोम रहती है। येनुस्सी तातारी भी इसी रंग ढंग और चेहर मोहरे के हैं। डेनिकर ने लिखा है कि साइबेरिया के सब से शुरू के बाशिन्दे लम्बी खोपड़ी वाले यूरोपियन चेहर मोहरे के थे। इस सब से ईक्स्टेड और गिरीडा रगेरी जैसे विद्वान वैज्ञानिकों ने यह नतीजा निकाला है कि इस तरह के गोरे रंग के आदमी शुरू में उत्तर पच्छमी एशिया ही में पैदा हुए और वहीं से सब जगह

لہکن اُن سب دروانوں کا جواب ایک ہی بات سے دیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ انہاس میں کہیں بھی اِس کا ذکر نہیں ملتا کہ یورپ کے کوئی لوگ کبھی مدیہ ایشیا میں آکر بسے ہوں۔ نہ اِس اور اُن کی کسی بات کا نہیں حال ملتا ہے اِس کے خلف انہاس میں بار بار اِس بات کا ذکر آتا ہے کہ سب سے پہلے پر اِنسانوں کے گروہ نے ایشیا سے جا جا کر یورپ کے مختلف دیشوں پر حملہ کیا اور انہیں آباد کیا۔ مشہور انہاس لیکک ایڈورڈ میٹر، مانوجاتی وگیان وشارد ایکسٹیت اور بھاشا وگیان شامتری فیسٹ سب اِس بات پر ایک رائے ہیں۔

قدرتی طور پر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدھیہ ایشیا میں یہ گورے رنگ کے لوگ یعنی گورے رنگ کے سفیدی یا بہت ہلکے رنگ کے بالوں والے اور بھڑی یا نیلی آنکھوں والے لوگ کہاں سے آکر بسے؟ یوں چونکہ نے اپنی دستک میں لکھا ہے کہ، اُسے اپنی باتوں میں مدھیہ ایشیا میں اِس طرح کے لوگ ملتے تھے۔ آجکل کے ودوان یا مری بھی لکھتے ہیں کہ ٹھیک ہوزین چہرے مہرے والے اِسی طرح کے لوگ مدھیہ ایشیا کے اِس علاقے میں اب بھی رہتے ہیں۔ جرمن ویکمانک شوارز نے لکھا ہے کہ اِس علاقے کے اِیرانی بولنے والے لوگ ٹھیک اِسی طرح کے گورے ہیں۔ اِسی ہذا پر شوارز نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ مدھیہ ایشیا آریہ نسل کے لوگوں کا آدی استہان یعنی اصل وطن ہے۔ *

اِس کے علاوہ 'آزاد لائی' اور بیلستین ایندائی بہت سے درواں کھوجیں نے بیان کیا ہے کہ اِس طرح کے رنگ اور اِسی طرح کے بالوں اور آنکھوں والے لوگ تمام مدھیہ ایشیا میں ملتے ہیں اور سانچیریا کی کچھ تانار قوموں میں بھی اِسی طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ پچھلے مہابند کے بعد جانیاسن برآفسکی نے جو بڑی بڑی کھوجیں کی ہیں اُن سے معلوم ہوا ہے کہ جنوبی پچھمی سانچیریا میں بھی اِسی رنگ دھنگ کی ایک قانونی قوم رہتی ہے۔ اِنے نسی قانونی ہی اِسی رنگ دھنگ اور چہرے مہرے کے ہیں۔ تینکر نے کہا ہے کہ سانچیریا کے سب سے شروع کے باشندے لمبی ٹھوڑی اور بڑے بڑے چہرے مہرے کے تھے، اِس سب سے اینسٹید اور کھڈا ٹھوڑی جیسے درواں ویکیانکوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اِس طرح کے گرے رنگ آدمی شروع میں اُتر پچھمی ایشیا ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں سے سب جگہ

*—Mayer, Geschichte des Altertums, pp. 861-890 Eickstedt, Rassenkunde und Rassengeschichte der Menschheit, pp. 167-281 Feist, Indo-Germanen und Germanen, p. 1 1.

*—F. O. Schwarz, "Turkesten", die wiege der Indo-germanen voelker.

†—Deniker, *Les Races et les Peuples de la Terre*, p. 424.

پچھمی سرحد سے خدہ زار کر باہر کر دیا اور یہ لوگ وہاں سے نکل کر آنت میں فرغانہ میں آکر بسے اور وہاں انہوں نے نہیا قوم کے لوگوں پر فتح حاصل کی۔

یہ نہیا ہی تزاری قوم کے لوگ تھے۔ ان میں سے تھوڑے سے کینانگ کے آئے۔ ان میں بس گئے اور چھوٹی بولیچی قوم کہلائے۔ ہوسکتا ہے کہ تزاریستان میں سب سے پرانا راجہ انہیں کا قائم ہوا ہو۔ اس کے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ کشن لوگ گاندھار اور کابل کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ کشن ہی کیوشن یا کوشی یا کوشو بھی کہلاتے تھے۔ نہیا یا تزاری لوگوں نے انہیں پوربی ترکستان کے اتر سے کھدیز کر نکال دیا۔ وہاں سے نکل کر یہ لوگ اتر پچھمی بھارت میں گھس آئے۔ اس طرح گروہ کے گروہ پینچے سے بھدیزے جاتے رہے اور ہندستان کی اتر پچھمی سرحد کے اندر یا خراسان کے راستے ایران میں اور یا یورپ کی طرف بڑھتے رہے۔ اس طرح ایک دوسرے کے بعد الگ الگ قومیں تیزی کے ساتھ ہندستان کی سرحد کے اندر گھس گئیں۔ ہندستانی ودواتوں کو ان کی اصل نسل کی چھان بین کا موقع نہ مل سکا۔ کوئی آئینہ نگاہ نہیں کہ آگے چل کر ہندستان کے لوگوں نے مذہبی ایشیا کی سبھی قوموں کو ایک 'تورسک' (Tursuk) نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

کوشی یا کوشو قوم کی بابت ابھی تک کچھ ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چل سکا۔ بھارتیہ پڑاتوں میں 'شک دویپ' اور 'کوشا دویپ' دونوں کا ذکر آتا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی کوشی ہو۔

کوشی یا کوشو قوم کی بابت ابھی تک کچھ ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چل سکا۔ بھارتیہ پڑاتوں میں 'شک دویپ' اور 'کوشا دویپ' دونوں کا ذکر آتا ہے۔ ممکن ہے یہ وہی کوشی ہو۔ ایک یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس بھارتی قوم کی اولی اور اول ذواتوں والی بولیچی اسی قوم کا نکاس کہاں سے ہے۔ یعنی وہ کس نسل کے تھے؟ اور۔ فرینکے کا کہنا ہے کہ مذہبی ایشیا کے کشن یا کشن لوگ جن کا چینی کتابوں میں ذکر آتا ہے گورے رنگ کے تھے۔ چینی کتابوں میں یہ نہیں لکھا کہ ان کی آنکھیں بھڑکی نہیں اور ان کے بال لال یا سنہرے تھے۔ لیکن کچھ یورپین ودواتوں کا کہنا ہے کہ یہ کشن لوگ گورے رنگ کے تھے اور اتر یورپ ہی سے آئے تھے اور یہی بولیچی کہلاتے تھے۔ اگسٹا یونیورسٹی کے پروفیسر کارپینٹیر کا کہنا ہے کہ یہ کشن لوگ چوڑی کھڑکی والے سیلٹس تھے جو گال لوگوں کے حملے کے وقت یورپ سے بھاگ کر ادرہ چلے آئے تھے۔ پوکورنی کا کہنا ہے کہ یہ لوگ تھریسا (یونان) اور فریڈیا کی قومیں تھیں۔ وہ پہاڑی قومیں جنکی دوسی ودواتوں نے کھوج کی ہے اصل میں 'یورپ' کے ایپس پہاڑ کی رانے والی تھی۔

§—J. Charpentier in F. D. M. G., Vol. Lxxi, p.347.

آجکل کی چین کی राजधानی پیکنگ کے اندر 'یوچی' پڑا جاتا ہے، دو ہزار سال پہلے اسی شہد-چنھ کا اچارن (تلہفکول) بیلکول دوسرا था. जे० मारकार्टे की राय है कि इस शब्द-चिन्ह का सब से पुराना उच्चारन 'जैतसी' या 'ज्योयतसी' था. उसका यह भी ख्याल है कि इसी नाम को स्ट्रेबो ने 'असी' और पाम्पियस ट्रागस ने 'असिअन' लिखा है. जापानी उसे जेतसु या ज्वात्सु कहते थे. आ. फ्रेन्के की राय है कि इसका पुराना उच्चारन 'नेजुएत्सी' था. इसी तरह बदलते बदलते यह विद्वान आजकल के यूची लब्ज को यूनानी 'सीदियन' के साथ जा मिलते हैं. यह लब्ज आम तौर पर मध्य एशिया की उस जमाने की सब जातियों के लिए इस्तेमाल किया जाता है.

असि नाम का पता हाल में प्रोफ़ेसर सीज ने लगाया है. एफ० डबल्यु० म्यूलर की राय है कि जिस चीनी शब्द को आजकल 'यूची' पड़ा जाता है उसे ही दो हजार साल पहले असी पड़ा जाता था. आंटा फ्रेन्के चीनी ज़बान के एक दूसरे बहुत बड़े विद्वान हैं. उनको भी यही राय है कि यूची और असी एक ही शब्द हैं और एक ही क्रौम को जाहिर करते हैं. अगर हम चीनी भाषा के इन विद्वानों की बात ठीक मान लें तो इससे तुखारियों की समस्या, इन्डा-यूरोपियन समस्या, और एक दर्जे तक भारतीय समस्या को हल करने में बड़ी मदद मिलती है और उस पर नई राशानी पड़ जाती है.

अब सवाल यह रह जाता है कि तुखारी क्रौम और क्यूसन क्रौम में क्या तात्त्विक है? चीनी इतिहासज्ञ म्यूलर का कहना है कि पुराने तुर्क जिस भाषा को तौक्सरी भाषा कहा करते थे उसी को आजकल के विद्वान तुखारी 'अ' कहते हैं. इन पुराने तुर्कों को डईजर भी कहते हैं. तुर्फान में डईजर क्रौम की एक हाथ की लिखी चीज मिली है जिस में एक दूसरी किताब 'दस कर्म बुद्ध अवदान माला' के बारे में लिखा है कि उसका क्यूसन भाषा से तुखारी में अनुवाद किया गया और तुखारी से तुर्की में. इससे पता चलता है कि यह किताब क्यूसन सरहद से तुखारिस्तान गई, और वहां से तुर्कों के पास गई. यहाँ पर यह साफ़ दिखाई देता है कि तुखारी लोग दूसरे थे और क्यूसन लोग दूसरे थे. इन क्यूसन लोगों को ही भारत में 'कुशन' कहा गया है. म्यूलर का कहना है कि कुशन लोगों के देश का नाम क्यूसन था और वह देश गान्धार और काबुल का इलाका था. स्टैन्लीना की यह भी राय है कि गान्धार ही कुशन क्रौम की राजधानी थी. इस सब से हमें पता चलता है कि हूण लोगों ने यूची क्रौम के लोगों को चीन की

अजकल की चीन की राजधानी पीकिंग के अन्दर 'यूची' पڑा جاتا है، دو هزار سال پہلے اسی شہد چنھ کا اچارن بالکل دوسرا تھا. جے مارکارٹ کی رائے ہے کہ اس شہد چنھ کا سب سے پرانا اچارن (تلہفکول) 'جیتسی' یا 'جیویتسی' تھا. اُس کا یہ بھی خیال ہے کہ اسی نام کو اسٹریبو نے 'اسی' اور پامپیس ٹراگس نے 'اسین' لکھا ہے. جاپانی اُسے جیتسو یا جوائسو کہتے تھے. آونریکو کی رائے ہے کہ اِس کا پرانا اچارن 'نیجیویتسی' تھا. اسی طرح بدلتے بدلتے یہ دونوں آجکل کے یوچی لفظ کو یونانی 'سیدین' کے ساتھ جا ملاتے ہیں. یہ لفظ عام طور پر مدھیہ ایشیا کی اُس زمانے کی سب جاتیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے.

اسی نام کا پتہ حال میں پروفیسر سیج نے لگایا ہے. ایف. ڈبلیو. میوار نے رائے ہے کہ جس چینی شہد کو آجکل یوچی پڑا جاتا ہے اُسے ہی دو ہزار سال پہلے اسی پڑا جاتا تھا. آونریکو چینی زبان کے ایک دوسرے بہت بڑے ودوان ہیں. اُن کی بی بی بھی رائے ہے کہ یوچی اور اسی ایک ہی شہد ہیں اور ایک ہی قوم کو ظاہر کرتے ہیں. اگر ہم چینی بھاشا کے ان ودوانوں کی بات ٹھیک مان لیں تو اِس سے تنخاریوں کی سمسیا 'آندرو یورپین سمسیا' اور یک درجے تک بھارتیہ سمسیا کو حل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور اُس پر نئی روشنی پڑ جاتی ہے.

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ تنخاری قوم اور کیوسن قوم میں کیا تعلق ہے؟ چینی اُنہاسکیہ مہوار کا کہنا ہے کہ پرانے ترک جس بھاشا کو نوکسوی بھاشا کہا کرتے تھے اُس کو آجکل کے ودوان تنخاری 'انگ' کہتے ہیں. ان پرانے ترکوں کو ڈیجیر بھی کہتے ہیں. ترخان میں ڈیجیر قوم کی ایک عاتق کی لکھی چیز ملی ہے جس میں ایک دوسری کتاب 'دس کرم بدھ اودان مالا' کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس کا کیوسن بھاشا سے تنخاری میں اثر واد کیا گیا اور تنخاری سے ترکی میں. اِس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب کیوسن سرحد سے تنخارستان گئی. اور وہاں سے ترکوں کے پاس گئی. یہاں پر یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ تنخاری لوگ دوسرے تھے اور کیوسن لوگ دوسرے تھے. ان کیوسن لوگوں کو ہی بھارت میں 'کشن' کہا گیا ہے. مہوار کا کہنا ہے کہ کشن لوگوں کے دیش کا نام کیوسن تھا اور وہ دیش گاندھار او کابل کا علاقہ تھا. اسٹینلینو کی یہ بھی رائے ہے کہ گندھار ہی کشن قوم کی راجدھانی تھی. اِس سب سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ هن لوگوں نے یوچی قوم کے لوگوں کو چین کی

†—Eranshahr, p. 206.

§—O. Francke, op. cit, p. 23 f.

ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم اُن کے شاسک ورگ کی کچھ کھوج کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے شاسک ورگ کے لوگ اُرسی (Arsi) کہلاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے انہیں کو یونانی انہاس لیکٹک اسٹریبنو اسیانی یا اسیٹی کہہ پکارتا ہے۔ جرمنی کے کچھ ودوانوں کا خیال ہے کہ یہ اُرسی لوگ انڈو یورپین تھے۔ چینی انہاس کی پستکوں میں جس قوم کو یوایچی کہا گیا ہے بہت دنوں تک وہ اور تنخاری ایک ہی قوم سمجھے جاتے رہے۔ چینی کرتہ شیکی (Schike) § میں لکھا ہے—ہینکنو (ہن) نیم کے راجا مردک (مکرو) نے سن 379: عیسوی پور میں چین کے سمرات کو سوچنا دی کہ میں نے یوایچی قوم کو مٹا دیا ہے۔ ہن راجہ لوشوانگ نے یوایچی قوم کے راجہ کو مار مار کر اُس کی کھوپڑی کا پیٹھ کا پیالہ بنا رکھا تھا۔ شروع میں یوایچی قوم کے لوگ چین کی پچھلی سرحد پر تنہوانگ اور کیلیں پہاڑوں کے بیچ میں رہتے تھے۔ ہونکنو کی اِس وجہ کے بعد یہ لوگ اُچکل روسی ترکستان میں فرغانہ نامک علاقے کے اُس پار جا کر بس گئے اور انہک پیچیم میں بڑھ کر اُنہوں نے بہیا قوم کے لوگوں کو وجئے کیا اور اُنہیں اپنی پرچا بنا لیا۔ اِس سہ سے وہ آکسنس ندی کے اُتر میں رہتے رہے اور وہیں اُن کی راجدھانی تھی۔ اِن میں سے تھوڑے سے لوگ جو آگے نہ بڑھ پائے تھے دکن کے پہاڑوں میں کیہ ننگ علاقے میں بس گئے تھے۔ یہ لوگ بعد میں 'چھوٹی یوایچی' کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ لوگ تنہوانگ کے دکن سے لیکر پامیر تک کی پہاڑیوں میں دوسری تبتی قوموں کے ساتھ رہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قدیم تنخاری راجہ کے قائم کرنے والے بھی لوگ تھے۔ کیونسینٹ اِسٹمہ اور اِسٹین کونو کے انوسا اِس چھوٹی یوایچی قوم کے لوگوں نے ہی گندھار دیش کے اندر جسے اُچکل گندھار کہتے تھے پرشور میں اپنی راجدھانی قائم کی تھی۔ پرشور ہی اُچکل پیشاور کہلاتا ہے۔

کچھ ودوانوں کا یہ خیال ہے کہ تنخاری لوگ اور تہیا قوم کے لوگ جنہیں یوایچی نے وجئے کیا اور تہیا قوم کے لوگ جنہیں یوایچی نے وجئے کیا ایک ہی تھے۔ اگر یہ بات سچ ہے تو یوایچی قوم کی بابت ہمیں کچھ نئی کھوج کرنی پڑے گی۔ § اِس کے لئے ہمیں چینی پہاڑ کی خاصیت کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔ وہ یہ کہ چینی لپی میں اَشتر نہیں ہیں بلکہ کئی ہزار شد چھ ہیں۔ اِس لئے ابھی تک ایک ہی چینی لکھارت کو چین کے الگ الگ صوبوں میں الگ الگ طرح پڑھا جاتا ہے۔ چینی لپی کے ودوان ہمیں بتاتے ہیں کہ جس چھ کو

ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم اُن کے شاسک ورگ کی کچھ کھوج کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے شاسک ورگ کے لوگ اُرسی (Arsi) کہلاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے انہیں کو یونانی انہاس لیکٹک اسٹریبنو اسیانی یا اسیٹی کہہ پکارتا ہے۔ جرمنی کے کچھ ودوانوں کا خیال ہے کہ یہ اُرسی لوگ انڈو یورپین تھے۔ چینی انہاس کی پستکوں میں جس قوم کو یوایچی کہا گیا ہے بہت دنوں تک وہ اور تنخاری ایک ہی قوم سمجھے جاتے رہے۔ چینی کرتہ شیکی (Schike) § میں لکھا ہے—ہینکنو (ہن) نیم کے راجا مردک (مکرو) نے سن 379: عیسوی پور میں چین کے سمرات کو سوچنا دی کہ میں نے یوایچی قوم کو مٹا دیا ہے۔ ہن راجہ لوشوانگ نے یوایچی قوم کے راجہ کو مار مار کر اُس کی کھوپڑی کا پیٹھ کا پیالہ بنا رکھا تھا۔ شروع میں یوایچی قوم کے لوگ چین کی پچھلی سرحد پر تنہوانگ اور کیلیں پہاڑوں کے بیچ میں رہتے تھے۔ ہونکنو کی اِس وجہ کے بعد یہ لوگ اُچکل روسی ترکستان میں فرغانہ نامک علاقے کے اُس پار جا کر بس گئے اور انہک پیچیم میں بڑھ کر اُنہوں نے بہیا قوم کے لوگوں کو وجئے کیا اور اُنہیں اپنی پرچا بنا لیا۔ اِس سہ سے وہ آکسنس ندی کے اُتر میں رہتے رہے اور وہیں اُن کی راجدھانی تھی۔ اِن میں سے تھوڑے سے لوگ جو آگے نہ بڑھ پائے تھے دکن کے پہاڑوں میں کیہ ننگ علاقے میں بس گئے تھے۔ یہ لوگ بعد میں 'چھوٹی یوایچی' کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ لوگ تنہوانگ کے دکن سے لیکر پامیر تک کی پہاڑیوں میں دوسری تبتی قوموں کے ساتھ رہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ قدیم تنخاری راجہ کے قائم کرنے والے بھی لوگ تھے۔ کیونسینٹ اِسٹمہ اور اِسٹین کونو کے انوسا اِس چھوٹی یوایچی قوم کے لوگوں نے ہی گندھار دیش کے اندر جسے اُچکل گندھار کہتے تھے پرشور میں اپنی راجدھانی قائم کی تھی۔ پرشور ہی اُچکل پیشاور کہلاتا ہے۔

§—F. W. K. Mueller द्वारा अनुवादित Toxri and Kuisan p. 571.

§—Feist, op. cit., p. 119.

†—Smith E 1'1 4, 264 Know Corpus 11, 1 lxxvi.

ہیں، اس لئے تجارتی قوم کے لوگ مدھیہ یورپ یا اتر یورپ سے چلکر کارپیتھین پہاڑ کو پار کر کے مدھیہ ایشیا میں پہنچے ہونگے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تجارتی پیشا میں ایک بہت بڑی تعداد ایسی پیشاؤں کے شدوں کی بھی ہے، جن کا انڈو-یورپین پیشاؤں سے سمبند نہیں ہے۔ یہ بات تھوری بہت سب اندر یورپین پیشاؤں کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اس سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تجارتی لوگوں کے سفر کے دنوں میں تکل مکان (Takla Makan) کے رینگستان میں ان کے آباد ہونے سے پہلے بہت سی دوسری قوموں کے لوگ ان میں رل مل کر کھپ گئے ہونگے، کیونکہ اس سفر میں بھی انہیں بہت بڑا سمبیت گیا ہوگا۔ چینی انہاس میں تجارتی لوگوں کا ذکر پہلے پہل 'وی' (Wei) راج کل کے دنوں میں چھٹی صدی عیسوی میں ملتا ہے۔ چینی پیشا میں ان لوگوں کو تو - شک - (Tu-Hue-Lo) کورین پیشا میں توہرا (Tohoro) اور جاپانی میں توکرا (Tokora) کہتے تھے۔ ان کا ملک تھارستان تیانشان پہاڑ کے اوپر نامک جگہ کے اتر میں چین سے چم کی اور تھا۔ اسی پہاڑ کے پاس یورپ کے کوچیوں کو تجارتی زبان کی ہاتھ کی لکھی کتابیں ملی ہیں۔ لیکن اُس سے بھی پہلے کا تھارستان نام کے دنوں میں تھا اور اُس حق نامی جگہ کے یورپ میں تھا جس سے شوکر چینی باتری یوآن چوانگ وہاں پہنچا تھا۔ یوآن چوانگ نے اپنی کتاب 'سی - جوئے - کی' (دن چربا کی زہرت) میں لکھا ہے کہ کینی پہلے جبکہ تھارستان ان لوگوں کے شہروں کی دیواروں تک پہنچا چلا گیا تو یہ لوگ اُس علاقے کو چھوڑ کر پلے کے دوسرے علاقے میں جا بسے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے سوکھ جانے کی وجہ سے یہ لوگ نئی سو سال پہلے تھارستان کی طرف چلے گئے تھے۔ پرانی چینی کتابیں میں ان لوگوں کا ذکر تانیا یا تانیا قوم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چینیوں کے مطابق تانیا قوم کے لوگ تھار اور ویلاری لوگ تھے اور ان کے شہروں کے الگ الگ سردار یا راجا ہوتے تھے جو ان پر حکومت کرتے تھے۔ یورپی توکستان کے اتر میں ان لوگوں نے وہاں کے زیادہ پڑنے باشندوں 'نوشی' یا 'کوشو' کو وہاں سے کھینچ کر ان کی جگہ لے لی تھی۔†

تاتاری قوم کی ایک شاخ کی زبان یا تارا کا حال

\$—Feist, op. cit.

*—J. Marquart, Eranshahr p. 200.

‡—O. Francke, Zur Kenntniss der Tuerkvoelker und Skythen Zentralasiens p. 28.

†—J. Marquart, Voelkstum der Komanen, p. 641 f.

جو ختن میں بولی جاتی تھی۔ جرمی کے کچھ کوجیوں کو وہاں پر سلسکرت کے تتر ویاہن کا ایک پناک ملا ہے جو اس سے برلن کے ایٹھالاجیکل عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس کی لپی ہنگا لپی سے بہت ملتی ہوئی ہے۔ بدھ دھرم کے علاوہ 'مانی' دھرم اور عیسائی دھرم کے ماننے والے ہی وہاں موجود تھے۔ یہودی دھرم کے ماننے والے بھی تھے۔ روسی مدھیہ ایشیا میں ابھی تک بہت سے یہودی موجود ہیں۔ اس علاقے کی کھدائی میں جو چیزیں ملی ہیں ان سے ثابت ہے کہ وہ لوگ چترکلا (The publications of Professor Gruenwede of Berlin)۔ भारतीय किताबों से पता चलता है कि सम्राट अशोक ने अपने यहां के उन विद्वानों को, जिन्होंने अशोक के पुत्र कुनाल की आंखें निकाल ली थीं, जलावतन करके मध्य एशिया भेज दिया था।† यूआन च्वांग के सफरनामा‡ में लिखा है कि सातवां सदी ईसवी में साक्य कुल के राजा उस देश के कुछ हिस्सों में शासन करते थे। इन सब से जाहिर है कि पुराने जमाने में एशिया के उस हिस्से में हिन्दुस्तानियों की काफी बड़ी बस्ती आबाद थी.§ पूर्वीय तुर्किस्तान के इन बेद्व तहजीबयाफता लोगों के बारे में अभी बहुत खोज की जरूरत है। तुर्फान में उनकी कुछ हाथ की लिखी किताबें भी मिली हैं। यूरोप के विद्वान इन किताबों की छान بین कर रहे हैं। उम्मीद है कि एक न एक दिन इन किताबों से एशिया के हिस्से की खोई हुई संस्कृति और उसके साथ ही साथ तिब्बत के लामा धर्म दोनों पर नई रोशनी पड़ेगी।

हम ऊपर कह चुके हैं कि एशिया के बीच के इस हिस्से को तौक्सरिस्तान या तुखारिस्तान कहा जाता था और वहाँ के लोगों को तौक्सरी क्रौम या तुखारिस्तानी क्रौम या तुखारी कहते थे। हम यह भी कह चुके हैं कि तौक्सरी भाषा पच्छिमी यूरोप की भाषाओं से या इन्डो यूरोपियन भाषाओं से मिलती हुई है। इस भाषा के दो रूप हैं—तुखारी अ, तुखारी ब, इनके कुछ शब्द हम यहां देते हैं। तुखारी उन में सौ का कौन्त (Koont) कहते हैं, और तुखारी ब में कैन्त (Kaent) लातीनी में सेन्तम (Centum) यूनानी में इक्सातीन और पुरानी हिन्दुस्तानी जवान में शतम, सालमन मखली को तुखारी बमी लक्स (Laks) कहते हैं और जर्मन भाषा में लैक्स (Lacks)। इससे जर्मनी के कुछ विद्वानों ने, जैसे पोकोनी और एफ० डब्ल्यू० के० म्यूलर, यह राय कायम की है कि चूकि सालमन मखली उन नदियों में मिलती है जो यूरोप के उत्तरी समुद्र में गिरती

جو ختن میں بولی جاتی تھی۔ جرمی کے کچھ کوجیوں کو وہاں پر سلسکرت کے تتر ویاہن کا ایک پناک ملا ہے جو اس سے برلن کے ایٹھالاجیکل عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس کی لپی ہنگا لپی سے بہت ملتی ہوئی ہے۔ بدھ دھرم کے علاوہ 'مانی' دھرم اور عیسائی دھرم کے ماننے والے ہی وہاں موجود تھے۔ یہودی دھرم کے ماننے والے بھی تھے۔ روسی مدھیہ ایشیا میں ابھی تک بہت سے یہودی موجود ہیں۔ اس علاقے کی کھدائی میں جو چیزیں ملی ہیں ان سے ثابت ہے کہ وہ لوگ چترکلا (The publications of Professor Gruenwede of Berlin)۔ भारतीय किताबों से पता चलता है कि सम्राट अशोक ने अपने यहां के उन विद्वानों को, जिन्होंने अशोक के पुत्र कुनाल की आंखें निकाल ली थीं, जलावतन करके मध्य एशिया भेज दिया था।† यूआन च्वांग के सफरनामा‡ में लिखा है कि सातवां सदी ईसवी में साक्य कुल के राजा उस देश के कुछ हिस्सों में शासन करते थे। इन सब से जाहिर है कि पुराने जमाने में एशिया के उस हिस्से में हिन्दुस्तानियों की काफी बड़ी बस्ती आबाद थी.§ पूर्वीय तुर्किस्तान के इन बेद्व तहजीबयाफता लोगों के बारे में अभी बहुत खोज की जरूरत है। तुर्फान में उनकी कुछ हाथ की लिखी किताबें भी मिली हैं। यूरोप के विद्वान इन किताबों की छान بین कर रहे हैं। उम्मीद है कि एक न एक दिन इन किताबों से एशिया के हिस्से की खोई हुई संस्कृति और उसके साथ ही साथ तिब्बत के लामा धर्म दोनों पर नई रोशनी पड़ेगी।

ہم اوپر کہ چکے ہیں کہ ایشیا کے بچ کے اس حصے کو توکسرستان یا تھارستان کہا جاتا تھا اور وہیں کے لوگوں کو توکسری قوم یا تھارستانی قوم یا تھاری کہتے تھے۔ ہم یہ بھی کہ چکے ہیں کہ توکسری پشاش پچھمی یورپ کی پشاشوں سے یا انڈو یورپین پشاشوں سے ملتی ہوئی ہے۔ اس پشاش کے دو روپ ہیں—تھاری الف، تھاری ب۔ ان کے کچھ شدید ہم یہاں دیتے ہیں۔ تھاری اُن میں سو کو کونٹ (Koont) کہتے ہیں، اور تھاری ب میں کینٹ (Kaent) لاطینی میں سینٹم (Centum) یونانی میں ایکسائین اور پرانی ہندستانی زبان میں شتم۔ سالمن مچھلی کو تھاری بمی لکس (Laks) کہتے ہیں اور جرمن پشاش میں لیکس (Lacks)۔ اس سے جرمنی کے کچھ ودوانوں نے، جیسے پوکونی اور ایف۔ ڈبلیو۔ کے۔ مڈلر، یہ رائے قائم کی ہے کہ چونکہ سالمن مچھلی اُن ندیوں میں ملتی ہے جو یورپ کے اُتری سمندر میں گرتی

†—श्री जयचन्द्र नारङ्ग, भारतीय इतिहास की रूप रेखा जिल्द 2 सपह 132-561.

‡—Yuan-chwang's travels, translated by Watters, 1905.

§—Jayachandra Narong, Ibid.

شوری جہ چندر نارنگ، بھارتیہ انہاس کی روپ ریکھا جلد 2 صفحہ 132-561.

یہ اور اسی بات کا صاف صاف سمर्थن توران کی ان زیادہ تر کھوپڑیوں سے بھی ہوتا ہے، جو صاف ملی جلی نسل کی کھوپڑیاں ہیں۔ پھر بران کے ایٹھالاجیکل عجائبات مگر میں بولچچی قوم کے لوگوں کے جو چتر رکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ موٹے تازے شہر کے اور طرطے کی سی لمبی ناک والے تھے۔

ان کی آنکھیں بھری تھیں لیکن آنکھوں کی بناوٹ منکولین تھی اور داؤنی کے بال لال رنگ کے تھے۔ گرگ سنبٹا کے گولک کھنڈ میں کالی یوں کی بہت لپا ہے کہ اس کی ڈانسی کے بال لال تھے۔ اس طرح، میں، سیدیں قوم اور بولچچی قوم دونوں کی کھوپڑیوں آدمی سے یہی پتہ چلتا ہے کہ سب لوگ ملی جلی نسل کے لوگ تھے۔

لیکن ان لوگوں کی بولی آئندہ یورپین بولی تھی، یعنی اسی طرح کی بولی تھی جس طرح کی یونانی، لاطینی، سیلتک اور پیرٹنک بیٹاشائیں تھیں، اور جانیسن سینٹم گروپ کی (Centum group) بیٹاشائیں کہا جاتا ہے۔ اس سے دھوکے میں پڑ کر کچھ ویدوانوں نے جو اس بات کے پکشیاتی تھے کہ آریہ لوگ پورو آریہاسک سہ میں جرمنی اور اس کے اس پاس کے پردیش سے نکل کر سارے یورپ اور ایشیا میں پھیلے، یہ انہوں نے کیا کہ ناکسری قوم کے لوگ بھی شروع میں جرمنی ہی کے رشتہ والے تھے جو کسی بہت پرانے دور میں یورپ سے آ کر چین کی سرحد پر مدینہ ایشیا میں بس گئے تھے۔ لیکن بعد کی کھوجوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہی ناکسری بیٹاشا اور سینٹم گروپ کی بیٹاشائیں کی بنیاد ایک ہی تھی، پھر یہی ناکسری لوگوں کی بیٹاشا ان کی نسل کی طرح ایک بہت ہی ملی جلی بیٹاشا تھی اور بہت سی بیٹاشائیں کے میل سے بنی تھی۔

ان لوگوں کی بابت اور جن جن باتوں کا پتہ چلا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ ان میں شلک واک کے لوگ ارسی (Arzi) کہلاتے تھے (سنسکرت کتابوں میں انہیں رسک کہا گیا ہے) اور ان کا مذہب، بودہ تھا۔ وہ بودہ دھرم کی مہایان سمپرندائے کے ماننے والے تھے۔ ہارنیر، چینی، اور ایرانی سنسکرتوں کا یہ دیش سنگم استہان تھا۔ اسی لئے اس زمانے کے ناکسرستان (مقدونہ ایشیا) کے رشتہ والے بہت ہی اونچے درجے کے سوسپہیہ اور سنسکرت لوگ تھے۔ پتہ چلا ہے کہ اس دیش میں اس زمانے میں بہت سی بیٹاشائیں بولی جاتی تھیں، جن میں ایک خاص ہندستانی بیٹاشا بھی تھی،

†—Klaatsch, Morphologische, Studien zur Rassen Diagnostik der Turfan Schsedel pp. 1-47.

‡—Peist, Indermanund Germanen.

*—श्री जयचन्द नारङ्ग, भारतीय इतिहास की रूप शयी जे چند नारङ्ग, भारتيہ انہاس کی روپ رکھا جلد ۵۵

ہلی۔

इसके बाद उन क्रौमों का जमाना आता है जिन्हें हम ताक्सीस्तान के ऐतिहासिक वाशिन्ने कह सकते हैं। पूर्वी तुर्किस्तान में, जिसे आजकल सिन्क्याङ्ग कहते हैं, एक जगह तुर्फान (Turfan) है। किसी जमाने में इस इलाके के लोग बौद्ध थे। जर्मनी के कुछ इतिहासखोजी उन पुरानी बौद्ध बस्तियों के खंडहरों और बचे खुचे निशानों की खोज में वहां पहुंचे। ये लोग वहां से बहुत सा चीजें लाये जिनमें कुछ आदिमियों की खोपड़ियां भी हैं। बेस्लो विश्वविद्यालय के स्वीडिश प्रोफेसर क्लास ने इन खोपड़ियों का इन्तहा न किया है। उन्होंने लिखा है कि—“भावों से भरे हुये जो खजाने हमें यहां मिले हैं उनके चूरे मोहरें और ढांचे से साफ मालूम होता है कि उस जमाने की यहां की आबादी मिला जुली नसलों और क्रौमों की आबादी थी। इनमें कहीं कहीं साफ मंगोल क्रौम के से चूरे मोहरें मिलते हैं, और कहीं कहीं उन्हीं के पास और उन्हीं में हिले मिले सुन्दर सुहावने गारे रंग और सुनहरे बालों वाले लोगों के चेहरे मोहरे मिलते हैं, जिनकी लम्बी नाकें थीं और जिनकी आंखों में चिन्तन की गम्भीरता मौजूद थी।तुर्फान में जो चीजें मिली हैं उनकी वैज्ञानिक परीक्षा से साफ पता चलता है कि वहां की आबादी में और लोगों की नसलें तरह तरह का मेल था। इनमें कई तरह की अलामतें बिलकुल साफ अलग अलग दिखाई देती हैं और कुछ एक दूसरे में मिल जुल गई हैं।” अन्त में उन्होंने लिखा है कि “ऐतिहासिक चीजों की खोज से सुझे यह पता चलता है कि यहां के लोग मिली जुली नसल के

[illegible]

§—Encyclopaedia Britanica, Vol. XVII, p. 565, 1929.

پروفسر سرگی کے مطابق لمبی کھوپڑیاں تھیں۔ لمبی کھوپڑیاں پرانے زمانے میں ان قوموں کی ہوتی تھیں، جو بتحیرہ روم یعنی بحر مدھیہ ساگر کے آس پاس رہتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بھرہرہم والی اور لمبی کھوپڑی والی نسل کے لوگ بہت پرانے زمانے میں مدھیہ ایشیا کے اس علاقے میں رہتے تھے۔ بچپن کے گہرے میں بند کر کے دنوں تک جانے کا رواج بھی بتحیرہ روم کے آس پاس کئی پرانی قوموں میں ملتا ہے، مذکورہ قوم کے لوگوں میں اور پرانے یونانیوں یعنی ایٹینس کے لوگوں میں۔ اس مضمون کا لیکچر سن 1914 میں خود یونان میں موجود تھا اور اس کے سامنے ایٹینس نگر میں ایک پرانے شہر کی کھدائی کے سہ ایک گہرے کے اندر دنوں کیا ہوا بچے کا پتھر ملا تھا۔ ہندوستان کے کچھ حصوں میں بھی ہمیں ہڈیوں میں یہ رواج ملتا ہے کہ چھ برس تک کی عمر کے بچے جلانے نہیں جاتے بلکہ یا تو زمین میں دنوں کر دیئے جاتے ہیں اور یا گہرے میں بند کر کے گاڑ دیئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جسے ہم ایشیا کا ایتھلسک زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا میں رہنے والے خانہ بدوش لوگوں کو اس زمانے کے ایرانی 'شک' کہتے تھے اور یونانی 'سیدین' کہتے تھے۔ ان شروع کے بدین لوگوں کی کھوپڑیوں کے بارے میں ای۔ ایچ۔ سنس لکھتا ہے کہ ان میں الگ الگ لوگوں کی الگ طرح کی کھوپڑیاں ملتی ہیں۔ اور یہ سب سیدین قوم ہی کے تھے۔ سب سے آخر کے دنوں میں چرنومیک نامک جگہ پر پانچ کھوپڑیاں ملی ہیں، جن پر (K. E. Von Beer in A. S. H.) نے بھرس کی ہے۔ ان پانچ کھوپڑیوں میں سے دو چوڑی قسم کی ہیں، دو لمبی قسم کی اور ایک منحنیہ قسم کی ہے۔ اسی طرح کزنٹ ہارنس رور نے اپنی کتاب 'اسمبلا' میں کچھ کھوپڑیوں کی تصویریں دی ہیں جو منگولین شکل کی معلوم ہوتی ہیں، اور کچھ ایسی ہیں جو صاف یورپین قوموں کی سی کھوپڑیاں ہیں۔ (Som II brig XXVI, XXX) پروفسر آناٹون بارادانو بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سیدین قوم کی ہڈیوں میں زیادہ تر کھوپڑیاں لمبے ڈھنگ کی ملتی ہیں اور کبھی کبھی کوئی کوئی کھوپڑی منگولین ڈھنگ کی ملتی ہے۔ ان کی یہ بھی رائے ہے کہ شک قوم کے زمانے میں وہاں کے لوگوں کی کھوپڑیاں دن پر دن عام طور پر چھوٹی اور چوڑی ہوتی جا رہی تھیں یعنی ان کی لمبائی اور چوڑائی تدریج تدریج بڑا ہوتی جا رہی تھی۔ (Congress International Anthropologie,

پروفسر سرگی کے مطابق لمبی کھوپڑیاں تھیں۔ لمبی کھوپڑیاں پرانے زمانے میں ان قوموں کی ہوتی تھیں، جو بتحیرہ روم یعنی بحر مدھیہ ساگر کے آس پاس رہتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی بھرہرہم والی اور لمبی کھوپڑی والی نسل کے لوگ بہت پرانے زمانے میں مدھیہ ایشیا کے اس علاقے میں رہتے تھے۔ بچپن کے گہرے میں بند کر کے دنوں تک جانے کا رواج بھی بتحیرہ روم کے آس پاس کئی پرانی قوموں میں ملتا ہے، مذکورہ قوم کے لوگوں میں اور پرانے یونانیوں یعنی ایٹینس کے لوگوں میں۔ اس مضمون کا لیکچر سن 1914 میں خود یونان میں موجود تھا اور اس کے سامنے ایٹینس نگر میں ایک پرانے شہر کی کھدائی کے سہ ایک گہرے کے اندر دنوں کیا ہوا بچے کا پتھر ملا تھا۔ ہندوستان کے کچھ حصوں میں بھی ہمیں ہڈیوں میں یہ رواج ملتا ہے کہ چھ برس تک کی عمر کے بچے جلانے نہیں جاتے بلکہ یا تو زمین میں دنوں کر دیئے جاتے ہیں اور یا گہرے میں بند کر کے گاڑ دیئے جاتے ہیں۔

اس کے بعد وہ زمانہ آتا ہے جسے ہم ایشیا کا ایتھلسک زمانہ کہہ سکتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا میں رہنے والے خانہ بدوش لوگوں کو اس زمانے کے ایرانی 'شک' کہتے تھے اور یونانی 'سیدین' کہتے تھے۔ ان شروع کے بدین لوگوں کی کھوپڑیوں کے بارے میں ای۔ ایچ۔ سنس لکھتا ہے کہ ان میں الگ الگ لوگوں کی الگ طرح کی کھوپڑیاں ملتی ہیں۔ اور یہ سب سیدین قوم ہی کے تھے۔ سب سے آخر کے دنوں میں چرنومیک نامک جگہ پر پانچ کھوپڑیاں ملی ہیں، جن پر (K. E. Von Beer in A. S. H.) نے بھرس کی ہے۔ ان پانچ کھوپڑیوں میں سے دو چوڑی قسم کی ہیں، دو لمبی قسم کی اور ایک منحنیہ قسم کی ہے۔ اسی طرح کزنٹ ہارنس رور نے اپنی کتاب 'اسمبلا' میں کچھ کھوپڑیوں کی تصویریں دی ہیں جو منگولین شکل کی معلوم ہوتی ہیں، اور کچھ ایسی ہیں جو صاف یورپین قوموں کی سی کھوپڑیاں ہیں۔ (Som II brig XXVI, XXX) پروفسر آناٹون بارادانو بھی اسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ سیدین قوم کی ہڈیوں میں زیادہ تر کھوپڑیاں لمبے ڈھنگ کی ملتی ہیں اور کبھی کبھی کوئی کوئی کھوپڑی منگولین ڈھنگ کی ملتی ہے۔ ان کی یہ بھی رائے ہے کہ شک قوم کے زمانے میں وہاں کے لوگوں کی کھوپڑیاں دن پر دن عام طور پر چھوٹی اور چوڑی ہوتی جا رہی تھیں یعنی ان کی لمبائی اور چوڑائی تدریج تدریج بڑا ہوتی جا رہی تھی۔ (Congress International Anthropologie,

مسلم سنسار آج تک نہیں پنپ پایا۔ سب سے انت میں مدھیہ ایشیا پر روسیوں کا حملہ ہوا۔ اس حملے کی وجہ سے اُس دیہ کے رہنے والوں کے دھڑوں اور طریقوں میں اس سمے بھی پھر ایک خاص طرح کا پورتن ہو رہا ہے۔ ان سب نئی نئی قوموں کے آنے سے اُن حملوں کی پوری چھاپ مدھیہ ایشیا کے باشندوں کی زندگی پر پڑی رہی ہے۔

حال کے زمانے تک یہ ایک فیشن رہا ہے کہ مدھیہ ایشیا کے سب لوگوں کو 'ترک' کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب لوگ تاتاری قوم کے ہیں۔ بیچ کے زمانے میں ہمارے دیہ میں ایشیا کے اِس حصے کے ہر باشندے کو 'ترک' کہا جاتا تھا۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے شروع کے یورپین ودرائوں نے بھی یہی غلطی کی۔ ان لوگوں نے سیدین یعنی شک قوم کے لوگوں کو 'یوایچی قوم کے لوگوں کو' ایتھاسک یعنی اصلی ترکوں کو' اور مغلوں کو' سب کو ہی ترک سمجھا اور اِسی غلط فہمی میں ہندستان کے باشندوں کی نسل اور نکاس کا بھی فیصلہ کر ڈالا۔ اِسی غلط فہمی میں وہ راجپوتوں کو 'شک' سمجھے، جاتوں کو 'یوایچی' سمجھے اور گجراتوں کو 'حضر' سمجھے۔ یہی غلطی ہندستانیوں کے دماغوں میں بھی گھر کر گئی ہے اور ہمارے دیہ کے ودوان ویدواکھے سمجھکر اِسے طوطہ کی طرح دہراتے رہے ہیں۔

مدھیہ ایشیا کی قوموں کی اصل نسل کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ہمیں اُن کے جسموں کی بناوٹ اور پرانے انہاس کی کھوج دونوں سے مدد لینی ہوگی۔ اِس سلسلے میں ابھی تک بہت ہی کم کھوج ہوئی ہے پھر بھی جو کچھ ہوئی ہے اُس کا سار ہم یہاں دے دیتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا کے علاقے میں اُن پرانے شہروں کے کھنڈر ملے ہیں جو شاید عیسوی سے دو یا تین ہزار سال پہلے کے ہیں۔ ان کھنڈروں کی ڈاکٹر پمپلی نے بہت کھوج کی ہے اور اُس پر "ایکسپلوریشنس ان ترکستان" نام کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کھوجوں اور کتابوں کی مدد سے ودرائوں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جو سہیقتائیں اِس دیہ میں پھیل چکی ہیں اُن میں سب سے پرانی سہیقتا اُس زمانے کی ہے جبکہ آدمی لوہے کی جگہ پتھر کے اوزار استعمال کیا کرتا تھا۔ اِس پرانی سہیقتا کا سبب ایشیا کوچک کی ایتھاسک سمے سے پہلے کی کوبن، تھریک اور کین کی سہیقتا سے تھا۔ علاقوں میں جو چھوٹے ملی ہیں اُن میں پڑوسر سرگی کو ایک درجہ سونہ بچکا پتھر ملا ہے جسے گڑے میں بند کر کے دتن کیا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ کچھ اور بچوں کی کھڑیاں ملی ہیں جو

مسلم سنسار آج تک نہیں پنپ پایا۔ سب سے انت میں مدھیہ ایشیا پر روسیوں کا حملہ ہوا۔ اس حملے کی وجہ سے اُس دیہ کے رہنے والوں کے دھڑوں اور طریقوں میں اس سمے بھی پھر ایک خاص طرح کا پورتن ہو رہا ہے۔ ان سب نئی نئی قوموں کے آنے سے اُن حملوں کی پوری چھاپ مدھیہ ایشیا کے باشندوں کی زندگی پر پڑی رہی ہے۔

حال کے زمانے تک یہ ایک فیشن رہا ہے کہ مدھیہ ایشیا کے سب لوگوں کو 'ترک' کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ سب لوگ تاتاری قوم کے ہیں۔ بیچ کے زمانے میں ہمارے دیہ میں ایشیا کے اِس حصے کے ہر باشندے کو 'ترک' کہا جاتا تھا۔ اُنیسویں صدی عیسوی کے شروع کے یورپین ودرائوں نے بھی یہی غلطی کی۔ ان لوگوں نے سیدین یعنی شک قوم کے لوگوں کو 'یوایچی قوم کے لوگوں کو' ایتھاسک یعنی اصلی ترکوں کو' اور مغلوں کو' سب کو ہی ترک سمجھا اور اِسی غلط فہمی میں ہندستان کے باشندوں کی نسل اور نکاس کا بھی فیصلہ کر ڈالا۔ اِسی غلط فہمی میں وہ راجپوتوں کو 'شک' سمجھے، جاتوں کو 'یوایچی' سمجھے اور گجراتوں کو 'حضر' سمجھے۔ یہی غلطی ہندستانیوں کے دماغوں میں بھی گھر کر گئی ہے اور ہمارے دیہ کے ودوان ویدواکھے سمجھکر اِسے طوطہ کی طرح دہراتے رہے ہیں۔

مدھیہ ایشیا کی قوموں کی اصل نسل کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے ہمیں اُن کے جسموں کی بناوٹ اور پرانے انہاس کی کھوج دونوں سے مدد لینی ہوگی۔ اِس سلسلے میں ابھی تک بہت ہی کم کھوج ہوئی ہے پھر بھی جو کچھ ہوئی ہے اُس کا سار ہم یہاں دے دیتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا کے علاقے میں اُن پرانے شہروں کے کھنڈر ملے ہیں جو شاید عیسوی سے دو یا تین ہزار سال پہلے کے ہیں۔ ان کھنڈروں کی ڈاکٹر پمپلی نے بہت کھوج کی ہے اور اُس پر "ایکسپلوریشنس ان ترکستان" نام کی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کھوجوں اور کتابوں کی مدد سے ودرائوں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ جو سہیقتائیں اِس دیہ میں پھیل چکی ہیں اُن میں سب سے پرانی سہیقتا اُس زمانے کی ہے جبکہ آدمی لوہے کی جگہ پتھر کے اوزار استعمال کیا کرتا تھا۔ اِس پرانی سہیقتا کا سبب ایشیا کوچک کی ایتھاسک سمے سے پہلے کی کوبن، تھریک اور کین کی سہیقتا سے تھا۔ علاقوں میں جو چھوٹے ملی ہیں اُن میں پڑوسر سرگی کو ایک درجہ سونہ بچکا پتھر ملا ہے جسے گڑے میں بند کر کے دتن کیا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ کچھ اور بچوں کی کھڑیاں ملی ہیں جو

جب تک ہم یہ نہ سمجھ لیں کہ ایشیا کے بیچ کے اور پنجابی حصے کی رینگے والی قوموں کا نکاس کہاں سے ہے تب تک ہم ہندستان کے رینگے والوں کی نسلوں اور نکاس کو ٹیک ٹیک نہ سمجھ سکتے۔ اس لئے ہم پہلے مدھیہ ایشیا کی بات کرتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا کی آبادی ہمیشہ بدلتی رہی ہے۔ ایشیا کے اس حصے کا نام بھی سہ سہ سے بدلتا رہا ہے۔ پراچین حکمرانی (Achaemenian) کال کے ایرانی اسے شک لوگوں (Achaemenian) کال کے ایرانی اسے شک لوگوں کی بیڑی کہتے تھے۔ یہ شک لوگ ایرانی زبان بولتے تھے اور آفریقا چلایا یعنی خاندان بدیش لوگ تھے۔ وہ ایران خاص سے باہر رینگے تھے۔ ایرانی انہیں 'دانا' بھی کہتے تھے۔ بدش بدوٹوں کا خیال ہے کہ اس 'دانا' سی بدش سے بدش 'داس' اور 'داس' بنے ہیں اور یہ بدش آریوں کے ساتھ ساتھ بدش میں آئے۔ بہت دنوں بعد جب یورپ سے آ کر یوچی قوم (Yuechi) کے لوگ مدھیہ ایشیا کے اس حصے میں بسنے اور حکومت کرنے لگے تو اس علاقہ کے پوری حصے کا نام ناکسرتان پڑ گیا۔ ناکسرتان میں یہاں کے لوگوں کو 'تشار' یا 'توتار' کہتے تھے۔ اس وقت سے لے کر جب تک کہ یورپ سے آ کر ترکوں نے اس دیش پر حملہ نہیں کیا تب تک اس دیش کا یہی نام رہا۔ محمود غزنوی کے سہ میں بھی اس کا یہی نام تھا۔ محمود اپنے ناکسرتان دیشوں کو قابو میں کرنے کے لئے یہاں سے اپنی فوج کے ہندوستانی سپاہی بھیجا کرتا تھا۔ 15 ویں صدی عیسوی تک اس ناکسرتان دیم کے لوگوں کا پوری ترکستان میں اپنا الگ لسیکتو (دش) تھا اور اپنی اک سنسکرتی تھی۔ پوری ترکستان کے ترک نامک بدش میں بدش چترگری اور بدش لاکے بہت سے نمونے ملے ہیں۔ جو اس سہ جرمنی میں بدش کے ایتھانا - لاجیکل تجذب گھر اور یورپ کے کچھ اور تجذب گھروں میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان عربوں نے ایران سے آ کر اس دیش پر حملہ کیا۔ ترک مسلمان ہونے اور مدھیہ ایشیا اور وہاں کے رینگے والوں کا سارا رنگ دنگ بدل گیا۔ تب سے یہ سب لوگ ترک کہلانے لگے اور ان کی پرانی سپہیتا بڑھان ہو گئی۔ اس کے بعد مہل چنگیز خاں کا وہ پینکر حملہ ہوا جس کی لوٹ مار اور بربادیوں سے

جب تک ہم یہ نہ سمجھ لیں کہ ایشیا کے بیچ کے اور پنجابی حصے کی رینگے والی قوموں کا نکاس کہاں سے ہے تب تک ہم ہندستان کے رینگے والوں کی نسلوں اور نکاس کو ٹیک ٹیک نہ سمجھ سکتے۔ اس لئے ہم پہلے مدھیہ ایشیا کی بات کرتے ہیں۔ مدھیہ ایشیا کی آبادی ہمیشہ بدلتی رہی ہے۔ ایشیا کے اس حصے کا نام بھی سہ سہ سے بدلتا رہا ہے۔ پراچین حکمرانی (Achaemenian) کال کے ایرانی اسے شک لوگوں (Achaemenian) کال کے ایرانی اسے شک لوگوں کی بیڑی کہتے تھے۔ یہ شک لوگ ایرانی زبان بولتے تھے اور آفریقا چلایا یعنی خاندان بدیش لوگ تھے۔ وہ ایران خاص سے باہر رینگے تھے۔ ایرانی انہیں 'دانا' بھی کہتے تھے۔ بدش بدوٹوں کا خیال ہے کہ اس 'دانا' سی بدش سے بدش 'داس' اور 'داس' بنے ہیں اور یہ بدش آریوں کے ساتھ ساتھ بدش میں آئے۔ بہت دنوں بعد جب یورپ سے آ کر یوچی قوم (Yuechi) کے لوگ مدھیہ ایشیا کے اس حصے میں بسنے اور حکومت کرنے لگے تو اس علاقہ کے پوری حصے کا نام ناکسرتان پڑ گیا۔ ناکسرتان میں یہاں کے لوگوں کو 'تشار' یا 'توتار' کہتے تھے۔ اس وقت سے لے کر جب تک کہ یورپ سے آ کر ترکوں نے اس دیش پر حملہ نہیں کیا تب تک اس دیش کا یہی نام رہا۔ محمود غزنوی کے سہ میں بھی اس کا یہی نام تھا۔ محمود اپنے ناکسرتان دیشوں کو قابو میں کرنے کے لئے یہاں سے اپنی فوج کے ہندوستانی سپاہی بھیجا کرتا تھا۔ 15 ویں صدی عیسوی تک اس ناکسرتان دیم کے لوگوں کا پوری ترکستان میں اپنا الگ لسیکتو (دش) تھا اور اپنی اک سنسکرتی تھی۔ پوری ترکستان کے ترک نامک بدش میں بدش چترگری اور بدش لاکے بہت سے نمونے ملے ہیں۔ جو اس سہ جرمنی میں بدش کے ایتھانا - لاجیکل تجذب گھر اور یورپ کے کچھ اور تجذب گھروں میں رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد مسلمان عربوں نے ایران سے آ کر اس دیش پر حملہ کیا۔ ترک مسلمان ہونے اور مدھیہ ایشیا اور وہاں کے رینگے والوں کا سارا رنگ دنگ بدل گیا۔ تب سے یہ سب لوگ ترک کہلانے لگے اور ان کی پرانی سپہیتا بڑھان ہو گئی۔ اس کے بعد مہل چنگیز خاں کا وہ پینکر حملہ ہوا جس کی لوٹ مار اور بربادیوں سے

گلاب جل کی صراحیوں آدی۔ ایران کی قدرتی فریسکو تصویروں کو تاج اور شامچہائی محلوں میں پتلی کاری کے روپ میں جیوں کا تیسوں آثار دیا گیا ہے۔ پتلی کاری کی ایرانی اور عربی استائیل یہاں پہلے سے جاری تھیں اور اٹالینوں سے ہندستان میں کو پتلی کاری کا طریقہ سیکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ رھا دلی کے دیوان عام میں فلورینس کی پتلی کاری کا نمونہ—ہیویل کی رائے میں وہ پینل پورا کا پورا اٹلی سے بنکر آیا اور استھانیہ کاریکروں نے اُسے جیوں کا تیسوں دیوار میں بیٹھا دیا۔ عارفیس کی اکیلی تصور اپنے آپ کوئی بات ثابت نہیں کرتی۔ ممکن ہے وہ سمرات کے خریدی ہو۔ پھر پتلی کاری کی قدوائں ہرگز اٹالین نہیں ہے۔ وہ صاف ایرانی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ویشی کاریک پتلی کاری کے لئے قیمتی پتھر کاٹنے کے واسطے مقرر کئے گئے ہوں۔ لیکن اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اٹالینوں نے کوئی نئی کلا داخل کی ہو۔ اٹالین سنگتراشوں کا جڑیا ہونا ضروری نہیں ہے۔ جب تک اُس بات کے کوئی نشیحت آیکہ نہ ہوں اسے سوچیکار کرنا ترک پورتر نہیں ہے۔

شاہجہاں کے وکتر میں پتلی کاری کی کلا خاص طور پر آगरا، دہلی اور لاہور میں ہاتھ سے بنائی گئی تھی۔ یہ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔

شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔

شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔

شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔ شاہجہاں کے زمانے میں ایرانی کلا کا پھول پرچار ہو گیا تھا۔

آپوگری کلاؤں کی جنمینی ہے آواشیکتا، لالت کلاؤں کی ہے ویلاسیتا۔ پہلی پیدائش ہندو سے اور دوسری پرتیہا سے۔

—شوپنہور

آپوگری کلاؤں کی جنمینی ہے آواشیکتا، لالت کلاؤں کی ہے ویلاسیتا۔ پہلی پیدائش ہندو سے اور دوسری پرتیہا سے۔

—شوپنہور

کا کہنا ہے کہ 'انگریز باغ' کی کلپنا اٹالین کلپنا ہے اور وہ لکھتا ہے— "دلی میں شہنشاہ کی انگریز باغ کی بچکاری اور آگرہ اور لاہور کی اسی طرح کی بچکاری کا تعلق اٹلی کے انگریزوں کے ساتھ کون نہیں جڑنا چاہئے؟" یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہی بچکاری بھارت کی پرانی کتا ہوتی تو اس پر کچھ پرانی ہدائیں ہوتیں۔ ان ہدایتوں کا ابتداء یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ ویدیشی کتا ہے۔ یہ دلیل دی جاتی ہے کہ بچکاری کی کتا بھارت میں یکایک ایجاد ہو کر اتنی جلد اتنی ترقی نہیں کر سکتی تھی۔

پروفیسر تاج کے بارے میں لکھتا ہے کہ شہنشاہ فرانس کی کتا کو مات کرنا چاہتا تھا۔ کی ٹیرنیئر لکھتا ہے کہ شہنشاہ کی منشا تھی کہ دلی کے دوان خاص کا موزیک کا کام اتنا ہی قیمتی اور خوبصورت ہو جتنا اٹلی میں گرینڈ ڈیرک کے گرجے کا ہے۔

ظاہر اسلئے میں یہ دلیوں، جو یہاں سنچھپ میں دی گئی ہیں، بڑی زوردار معلوم ہوتی ہیں اور اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ بچکاری کی کتا اٹالینوں دوارا بھارت میں شروع کی گئی۔ لیکن ان دلیوں کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔

مزل کال کا جو ایٹمبک لکھتا ہے اس میں کہیں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ تاج اور دوسری جگہوں کا بچکاری کا کام ویدیشیوں کے ذریعے کرنا کیا ہے۔ اس کے خلاف چورمٹی لال، چوہے لال، منو لال، مانوڑ سنگھ آدی ہندو بچکاریوں، جڑوں اور کاریگروں کے نام مزل آلیوں میں درج ہیں جو بڑی بڑی فنکاروں پر تاج بنانے کے لئے مقرر تھے۔

یہ فرض کرنا بالکل غلط ہوگا کہ بچکاری اور پتھروں کی نقاشی میرالوں سے پہلے بھارت میں ہی نہیں۔ ہندو 17ویں صدی کے پتھر کے ایک جہن مندر کا ذکر کرتا ہے جس میں تنق کی بچکاری کا کام موجود تھا۔ سر جان مارشل مانڈو میں اس سے بھی پہلے ہی بچکاری کا ذکر کرتے ہیں۔ آؤدےپر ہنن شہزادہ خرم کے لئے سن 1616 میں جو جگ مندر متحل مغایا گیا اس میں بھی خوبصورت بچکاری کا کام کیا گیا تھا۔

مزل تعمیری کتا میں بچکاری کا کام دراصل مول روپ سے ایرانی ہے۔ اس میں اٹالین اثر کی بات دھونڈنا ایک دور کی سوچہ ہے۔ اس نقاشی کی پشاور ہومی سب ایرانی ہے—سرو کے پتھر، پھلوں کے گملے، پھل، شراب کے پیالے،

*—J. U. P. H. S. 111, p. 157.

§—Bernier : Travels, p. 298.

‡—Tavernier : Travels, 1, 93-99.

⌘—Annual Report A. S. India 1904-05, p. 5.

डाक्टर नन्दलाल चैटर्जी, एम० ए०, पी-एच० डी०, डी० लिट०

‘क्या मुग़ल निर्माण (तामीर) कला पर इटली का असर पड़ा था?’ इसके पक्ष और विपक्ष में अकसर ऐतिहासिक बहस उठाई जाती है। स्मिथ, बर्गस, कर्गुसन, रेवरेंड एच० होस्टेन और कई दूसरे इतिहासज्ञों का कहना है कि मुग़ल इमारतों में पच्चीकारी की कला की शुरुआत मुग़ल दरबार में रहने वाले इटालियन कलाकारों ने की,

कहा जाता है कि आगरा और दिल्ली की पच्चीकारी की कुछ डिजाइनें उस जमाने की फ्लोरेन्स की कला से मिलती जुलती हैं। इसलिये यह अन्दाजा लगाया जाता है कि इन्हें फ्लोरेन्स के कलाकारों ने बनाया होगा। विनसेन्ट ए० स्मिथ लिखता है—“ताजमहल के अन्दर जो जालीदार रेलिंग है (ऊपर की नकली कब्र के चारों तरफ) वह शाहजहाँ के समय की कला का सबसे उम्दा नमूना है। इस कला का पैटर्न एशियाई कला के मुकाबले में इटली का नवजागरण-कला से ज्यादा मिलता है。” सर जान मार्शल भी, जो इस दलील के खिलाफ हैं कि ताज का नक्शा इटालियनों का बनाया हुआ है, इस राय के हैं कि इस जालीदार रेलिंग की पैटर्न पर फ्लोरेन्टाइन कला का असर दिखाई देता है।

दिल्ली में (दीवाने आम में) आरफ़िअस (प्राचीन यूनान का एक अद्भुत गायक) की वायलिन बजती हुई और पशु पक्षियों से घिरी हुई जा तसवीर है, वह भी इटालियन चित्रकार की बनाई हुई बताई जाती है और यह समझा जाता है कि अमर इटालियन चित्रकार रफ़ाएल की इस अपूर्व तसवीर को चित्रित करने के लिये कुछ इटालियन कलाकार मुक़र्रर किये गये थे, चित्रों के इस पेनल में आरफ़िअस की यूनानी और रोमी कहानी चित्रित है, इसलिये इसे भारतीय निर्माण कला पर इटालियन असर का ज़बर-दस्त सबूत कहकर पेश किया जाता है, यहां तक कि सर सय्यद अहमद खां ने भी अपनी किताब 'अबरे सनादीद' में यह कुबूल किया है—“चूँकि सिर्फ़ यूरोपियन ही इस चित्र से परिचित थे इसलिये बिलाशक इस बात को कहा जा सकता है कि शाहजहान की किले के तय्यार करने में जा कारीगर लगे हुए थे उनमें इटली से आये हुए यूरोपियन कारीगर भी थे,” महल के अन्दर हमामों में जा मोज़ेक

داکٹر نند لال چندرجی، ایم. اے، پی. ایچ. تی، تی. اے.

’کیا مہل نرمانو؟‘ (تعمیر) کلا پر اقلی کا اثر پڑا تھا؟‘ اس کے پکش اور پنکش میں اکثر ایسا شک بحث اُٹھانی جاتی ہے۔ ’اسمعیل‘، ’ہوگس‘، ’زیرینڈ ایچ۔‘، ’ہوسٹین اور کئی دوسرے انہاسکیوں کا کہنا ہے کہ مہل عمارتوں میں پختی کاری کی کلا کی شروعات مہل دربار میں بغیر والے اٹھائیں کلاکوں نے کی۔

کہا جاتا کہ نگہ اور دلی کی بچی گاری کی کچھ تھیلے اُن کے
اُس زمانے کی ٹیوٹریس کی کلا سے ملتی جلتی تھیں۔ اِس لئے یہ
اندازہ لگایا جاتا ہے کہ انہیں ٹیوٹریس کے کلاؤں سے بنایا گیا ہوگا۔
رہنمائی ہے۔ اِسے لکھتا ہے—’تاج محل کے اندر جو جالیدار
رہلنگ ہے (اور کی نقلی قبر کے چاروں طرف) وہ شہنشاہوں
کے سٹے کی کلا کا سب سے عمدہ نمونہ ہے۔ اُس کلا کا پتھر
ایشانی کلا کے مقابلے میں اتلی کی ٹیوٹریس کی کلا سے زیادہ ملتا ہے۔‘
سر جان مارشل بھی، جو اِس دلی کے خلاف تھیں کہ تاج
کا نقشہ اِٹالینوں کا بنایا ہوا ہے، اِس رائے کے عین کے اِس جالیدار
رہلنگ کی پتھر کی ٹیوٹریس کی کلا کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

دلی میں (دہوانِ عام میں) : غازیس (پہاچیں یونان کا ایک اہمیت لایک) کی والدین بھائی ہوئی اور پیشوکیوں سے گھومی ہوئی جو تصویر ہے، وہ بھی اٹالین چترکار کی بنائی ہوئی بتائی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ امر اٹالین چترکار ریٹائل کی اس اپورو تصویر کو چترت کرنے کے لئے کچھ اٹالین کلار مقرر لئے گئے تھے۔ چتروں کے اس ریٹائل میں غازیس کی یونانی اور رومی کہانی چترت ہے۔ اس لئے اسے پہاچیں نورافز کلا پر اٹالین اثر کا زبردست ثبوت کہہ کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب ”اہرنگاند“ میں یہ تنوای کیا ہے—”چونکہ صرف یورپین ہی اس چتر سے پرہیت تھے اس لئے بالمشک اس بات کو کہا جاسکتا ہے کہ شاہجہانی قلع کے تیار کرنے میں جو کارگر لکے ہوئے تھے ان میں اتلی سے آئے ہوئے یورپین کارگر بھی تھے۔“ محل کے اندر حماموں میں جو موزیک

याद भी नहीं आती. 1948-49 के तिलगाना किसान विद्रोह ने सिखाया: हर काश्तकार का जमीन पर हक है. लेकिन हमारे परशुराम पड़े हैं सीलिंग बनाने के फेर में—वह भी बीस-बीस एकड़ की—सो भी ऐसे उपजाऊ इलाक़े में जैसे गोदावरी और कृष्णा का डेल्टा—जिससे कि बे-जमीन को तो तिल भर भी जमीन नहीं मिल सकती. इस तरह पर सब परशुराम—चाहे वह किसी भी ख़ाल के क्यों न हों—अपना ही रंग जमाना चाहते हैं, और हमेशा के लिये ग़द्दी पर बरकरार रहना चाहते हैं.

भला लक्ष्मणों को यह कैसे बर्दाश्त हो ? ज़रा देखिये तो हमारी यूनिवर्सिटियों को. अगर हमारे वाइस चांसलरों और प्रोफ़ेसरों का बस चले तो जन्म जन्म तक अंग्रेज़ी में ही पढ़ें पढ़ाये, ज्यादा से ज्यादा तनख़ाह लेकर कम से कम घंटे लैक्चर दें और शरीर श्रम के तौर पर सुई में डोरा भी न डालें. 1947 के बाद से देश का पटवारी, पुलिस सिपाही और किसान पहले के मुक़ाबले आगे बढ़ा है, लेकिन यह विद्वान मंडली इंच भर भी खिसकने को राजी नहीं है. देश के जीवन में दैक्यानुसी और लकीर की फ़क़ीरी करने वाले हिस्से का अजीब नमूना हैं. वह पढ़ाये गे गुलीवर्ज ट्रेवल्स और वासवैल्ज जानसन, लेकिन न कबीर, न बंकिमचंद्र, न ज्ञानदेव, न तिरुक्कुरल. अंग्रेज़ी साहित्य के महत्व को हम कम नहीं करते, उसकी क़दर हम ख़ूब करते हैं, लेकिन क्या वह मातृभाषा के साहित्य की जगह ले सकता है ? न लेना चाहिये, न ले ही सकता है.

आजकल के ज़माने में जब सारे आलम में शरीर-श्रम की इज्जत पर जोर दिया जा रहा है, तब भी हमारी यूनिवर्सिटियों और कालिजों में शरीर-श्रम ही नहीं सिखलाया जाता. फिर वाइस चांसलर हो या प्रिंसिपल—चाहे वह कुंवारा है या उस पर थोड़ा ही बोझ है—ऐसे हर प्रोफ़ेसर या टीचर से—चाहे प्रोफ़ेसरों और टीचरों के बड़े बड़े कुटुम्ब हों और कितनी भी ज़िम्मेदारी उन पर क्यों न हा—ऊंची तलब दी जाती है. हमारे यह ऊंचे ऊंचे विद्यालय क्या हैं ?—माना आर्थिक विषमता के, शरीर-श्रम-हीनता के और मातृ-भाषा-वैर के सनातन अड्डे हैं. ऐसी हालत में अगर हमारे लक्ष्मणों का तैरा आजाये और यह सब बर्दाश्त न हा सके तो क्या ताज्जुब है ? हमें ताज्जुब तो सचमुच यह है कि किस धीरज से वह पेश आ रहे हैं. किसी और देश की बात हाती तो या तो शिक्षकों को रास्ता दिखाते या शिक्षा संस्था को ही आग लगा देते. लेकिन वह ऐसा नहीं करके, ज़लत खा रहे हैं. यह देश की पुरानी आध्यात्मिक संस्कृति का, अपनी खानदानों का नतीजा है जो इन पर ब्रेक लगाये हुए है.

यही रंग दूसरे दायरों में है. लोगों की सेहत जितनी ज्यादा सुधरती है, डाक्टर उतना ही घबड़ाते हैं. लोग आपस

याद भी नहीं आती. 1948-49 के तिलगाना किसान विद्रोह ने सिखाया: हर काश्तकार का जमीन पर हक है. लेकिन हमारे परशुराम पड़े हैं सीलिंग बनाने के फेर में—वह भी बीस-बीस एकड़ की—सो भी ऐसे उपजाऊ इलाक़े में जैसे गोदावरी और कृष्णा का डेल्टा—जिससे कि बे-जमीन को तो तिल भर भी जमीन नहीं मिल सकती. इस तरह पर सब परशुराम—चाहे वह किसी भी ख़ाल के क्यों न हों—अपना ही रंग जमाना चाहते हैं, और हमेशा के लिये ग़द्दी पर बरकरार रहना चाहते हैं.

भला लक्ष्मणों को यह कैसे बर्दाश्त हो ? ज़रा देखिये तो हमारी यूनिवर्सिटियों को. अगर हमारे वाइस चांसलरों और प्रोफ़ेसरों का बस चले तो जन्म जन्म तक अंग्रेज़ी में ही पढ़ें पढ़ाये, ज्यादा से ज्यादा तनख़ाह लेकर कम से कम घंटे लैक्चर दें और शरीर श्रम के तौर पर सुई में डोरा भी न डालें. 1947 के बाद से देश का पटवारी, पुलिस सिपाही और किसान पहले के मुक़ाबले आगे बढ़ा है, लेकिन यह विद्वान मंडली इंच भर भी खिसकने को राजी नहीं है. देश के जीवन में दैक्यानुसी और लकीर की फ़क़ीरी करने वाले हिस्से का अजीब नमूना हैं. वह पढ़ाये गे गुलीवर्ज ट्रेवल्स और वासवैल्ज जानसन, लेकिन न कबीर, न बंकिमचंद्र, न ज्ञानदेव, न तिरुक्कुरल. अंग्रेज़ी साहित्य के महत्व को हम कम नहीं करते, उसकी क़दर हम ख़ूब करते हैं, लेकिन क्या वह मातृभाषा के साहित्य की जगह ले सकता है ? न लेना चाहिये, न ले ही सकता है.

आजकल के ज़माने में जब सारे आलम में शरीर-श्रम की इज्जत पर जोर दिया जा रहा है, तब भी हमारी यूनिवर्सिटियों और कालिजों में शरीर-श्रम ही नहीं सिखलाया जाता. फिर वाइस चांसलर हो या प्रिंसिपल—चाहे वह कुंवारा है या उस पर थोड़ा ही बोझ है—ऐसे हर प्रोफ़ेसर या टीचर से—चाहे प्रोफ़ेसरों और टीचरों के बड़े बड़े कुटुम्ब हों और कितनी भी ज़िम्मेदारी उन पर क्यों न हा—ऊंची तलब दी जाती है. हमारे यह ऊंचे ऊंचे विद्यालय क्या हैं ?—माना आर्थिक विषमता के, शरीर-श्रम-हीनता के और मातृ-भाषा-वैर के सनातन अड्डे हैं. ऐसी हालत में अगर हमारे लक्ष्मणों का तैरा आजाये और यह सब बर्दाश्त न हा सके तो क्या ताज्जुब है ? हमें ताज्जुब तो सचमुच यह है कि किस धीरज से वह पेश आ रहे हैं. किसी और देश की बात हाती तो या तो शिक्षकों को रास्ता दिखाते या शिक्षा संस्था को ही आग लगा देते. लेकिन वह ऐसा नहीं करके, ज़लत खा रहे हैं. यह देश की पुरानी आध्यात्मिक संस्कृति का, अपनी खानदानों का नतीजा है जो इन पर ब्रेक लगाये हुए है.

यही रंग दूसरे दायरों में है. लोगों की सेहत जितनी ज्यादा सुधरती है, डाक्टर उतना ही घबड़ाते हैं. लोग आपस

نوجوان اور بزرگ

एक सच्चे क्रान्ति दर्शी की तरह. तुलसीदास राम से कहलाते हैं :

राम मात्र लघु नाम हमारा
परसु सहित बड़ नाम तोहारा

यह तो हद हो गई. परशुराम दोनों का मानो खात्मा ही कर देंगे. राम को दया आती है और ठंडे वचन कह कर परशुराम का गुस्सा शान्त किया. एकदम से परशुराम की आंखें खुल गई. वह राम को प्रणाम करते हैं और चुपचाप चले जाते हैं.

अब यह परशुराम कौन ? बीते युग या जाने वाले जमाने के नेता या अवतार ! यह लक्ष्मण कौन ? आधुनिक विश्वविद्यालय का एक नौजवान जिसे मौजूदा हालत से भयानक असंतोष है ! और राम कौन ? नये युग या आने वाले जमाने के नेता या अवतार ! परशुराम के गुस्से का कारण यह था कि वह नये युग या नये नेता को नहीं पहचान रहे थे. वह इसी घमंड में थे कि मेरा ही जमाना सतत चल रहा है. लेकिन जिस पल पर उन्हें होश आया, उनका लक्ष्मण के साथ व्यवहार बदल गया और वह नौ-दो-न्यारह हो गये.

ठीक यही सूरत आज है. हमारे नेता, पदाधिकारी, राज्यकर्ता या सत्ताधारी अभी अपनी पुरानी दुनिया में ही हैं. वह यह नहीं देख रहे हैं कि वह जनाना खरम हुआ और नया आया है. इसी वजह से वह पुरानी, गई-गुजरी और निकम्मी मान्यताओं से चिपके हुए हैं. ऊपर से यह भी चाहते हैं कि हमारे लक्ष्मण भी उन्हीं से चिपके रहें. मगर जमाने की धारा तो तेजी से आगे बढ़ती जा रही है, और उस धारा के साथ लक्ष्मणों को बहना चाहिये, और वह बह भी रहे हैं. इस पर हमारे परशुराम बुजुर्ग और भी नाराज होते हैं और ऐसी आंखें दिखाते हैं मानो सब लक्ष्मणों को ही नेस्त नाबूद कर देंगे.

कौन कौन सी हैं वह मान्यतायें जिनको हमारे पुराने परशुराम छाड़ते नहीं ?—चाहे वह कांग्रेस में हों या प्रजा समाजवादी पार्टी या कांम्युनिस्ट या जनसंघ या किसी भी पार्टी में ? हम यह जाहिर करना चाहेंगे कि यह परशुराम हमें हर एक पार्टी में मिलते हैं. फ्रांस की क्रान्ति ने एक मंत्र सिखाया: भाईचारा, बराबरी और आजादी. लेकिन इन परशुरामों के जीवन में यह तीनों ही गायब हैं. रूस की क्रान्ति ने दूसरा मंत्र सिखाया: मजदूरों का हो राज. लेकिन यह परशुराम अपनी ही तानाशाही बघारते हैं और अपनी पार्टी या देश पर अपना ही राब जमाना चाहते हैं. हिन्दु-स्तान का इतिहास जरा ले. कराची कांग्रेस ने एक मंत्र दिया: बुनियादी अधिकार सबका और ऊंची से ऊंची तनखा पांच सौ. लेकिन हमारे परशुरामों को इसकी मानो

नوجوان اور بزرگ

ایک سچے کرائنتی درشی کی طرح. تلسی داس رام سے کہلاتے ہیں :

رام ماتر لکھو نام ہمارا
پرسو سہت بڑنام توہارا

یہ تو حد ہوگئی. پرشرام دونوں کا مانو خاتمہ ہی کر دینگے. رام کو دیا آتی ہے اور ٹھنڈے وچن کہہ کر پرشرام کا غصہ شانت کیا. ایکدم سے پرشرام کی آنکھیں کھل گئیں. وہ رام کو پرنام کرتے ہیں اور چپ چاپ چلے جاتے ہیں.

اب یہ پرشرام کون ؟ بیتہ یگ یا جانے والے زمانے کے نیتا یا اوتار ! یہ لکشمی کون ؟ آدھونک وشوودالیہ کا ایک نوجوان جسے موجودہ حالت سے بیگانگ استنوش ہے ! اور رام کون ؟ نئے یگ یا آنے والے زمانے کے نیتا یا اوتار ! پرشرام کے غصے کا کڑنہ یہ تھا کہ وہ نئے یگ یا نئے نیتا کو نہیں پہچان رہے تھے. وہ اسی گھمڈ میں تھے کہ میرا ہی زمانہ ست سست چل رہا ہے. لیکن جس پل پر انہیں ہوش آیا، ان کا لکشمی کے ساتھ ویسوار بدل گیا اور وہ نو دو گیارہ ہو گئے.

ٹھیک یہی صورت آج ہے. ہمارے نیتا، پداधिकारी، راجیہ کرنا یا ستلا دھاری ابھی اپنی پرانی دنیا میں ہی ہیں. وہ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ وہ زمانہ ختم ہوا اور نیا آیا ہے. اسی وجہ سے وہ پرانی، کٹی گزری اور نکمی مانیتاؤں سے چپکے ہوئے ہیں. اوپر سے یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہمارے لکشمی بھی انہیں سے چپکے رہیں. مگر زمانے کی دھارا تو تیزی سے آگے بڑھتی جا رہی ہے، اور اُس دھارا کے ساتھ لکشمیوں کو بھنا چاہئے، اور وہ ہم بھی رہے ہیں. اس پر ہمارے پرشرام بزرگ اور بھی ناراض ہوتے ہیں اور ایسی آنکھیں دکھاتے ہیں مانو سب لکشمیوں کو ہی نہست ناہود کر دینگے.

کون کون سی ہیں وہ مانیتائیں جن کو ہمارے پرانے پرشرام چھوڑتے نہیں ؟—چاہے وہ کانگریس میں ہوں یا پرچا سماجوالی بڑی میں یا کمیونسٹ یا جن سٹک یا کسی بھی پارٹی میں ؟ ہم یہ ظاہر کرنا چاہینگے کہ یہ پرشرام ہمیں ہر ایک پارٹی میں ملتے ہیں. فرانسیس کی کرائنتی نے ایک منتر سکھایا : بھائی چارہ، برابر اور آزادی. لیکن ان پرشراموں کے جیون میں یہ تینوں ہی غائب ہیں. روس کی کرائنتی نے دوسرا منتر سکھایا : مزدوروں کا ہو راج. لیکن یہ پرشرام اپنی ہی تانا شاہی بگارتے ہیں اور اپنی پارٹی یا دیش پر اپنا ہی رعب جمانا چاہتے ہیں. ہندستان کا ایتھاس ذرا لیں. کراچی کانگریس نے ایک منتر دیا : بھائی اڈھیکار سب کو اور اونچی سے اونچی تنخواہ پانچ سو. لیکن ہمارے پرشراموں کو اس کی مانو

سुरेश رامभाई

سریش رام بھائی

جب سے ہمارے देश سے اجماع ہو گیا، ہمارے بوجھوں کو ہماری نوجوان بھائی بہنوں پر بہت خفا رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں کوئی 'ویسٹا' نہیں ہے، کوئی 'سٹیم' نہیں ہے، اور کوئی 'انوشاسن' نہیں ہے۔ شکشا و بھاگ کے اونچے سے اونچے اداکاری بی بی اس طرح کے لالچوں لگایا کرتے ہیں۔ شاید انکی باتوں سے ایسا چھلکتا ہے کہ کوئی جادو نوجوانوں پر چڑھ گیا ہے۔ 15 اگست سن 1947 تک جو نیک، سیدھے سادے، آگیاں لگی تھے، 16 اگست سن 1947 سے وہ ایسے بدل گئے کہ پہچانے نہیں جاتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی اگھاننا بڑھ رہی ہے۔ انہیں تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔ نوجوان ان سے دور بھاگتا ہے، اور دروں کے بیچ ایک کھائی سی ہنسی چلی جا رہی ہے۔ کل ملا کر پرینام یہ ہوتا ہے کہ دیش کی ترقی رکتی ہے، زندگی کا مزا اور شان ختم ہو رہی ہے۔ بھارت کی شکل بھینٹ لگتی ہے۔

لیکن اس حالت کے لئے ذمہ دار کون ہیں—نوجوان یا بزرگ؟ پر ہم اس سوال کو اس طرح سے دیکھنا غلط مانتے ہیں، کیونکہ آج کے بزرگ کل کے نوجوان ہیں اور آج کے نوجوان کل کے بزرگ ہیں۔ اپنے ہی ساتھ کھارو کرنا کون پسند کرے گا؟ دوسرے یہ چیز کوئی نئی یا انوکھی نہیں ہے۔

ایک مثال لیں۔ راجہ جنگ کے اُس مذهب میں شیوجی کا دھنش ٹوٹا پڑا ہے۔ اچانک پہنچے پرشورام۔ دھنش پر نگاہ پڑی کہ آپ سے باغ غوگٹے۔ لکشمی لگا بناتے ان کا مذاق:

بھو دھنشین تو رہیں لڑکائیں

کہیں نہ اسی رس کیلہ گوسائیں

تب تو پرشورام کے غصے کا تھکانہ نہیں رہا۔ لکشمی غصے اور بولے:

پونی پونی موشی دکھایہ کوٹھارو

چہت آڑاں پھونک پھارو

اب تو لکشمی کی خیریت نہیں ہے۔ پرشورام مانو اس کا کام ہی تمام کر دینگے۔ لیکن جتنا ہی پرشورام بکڑے ہیں اتنا ہی لکشمی ان کو تنگ کرتا ہے اور رام بھی من ہی من مسکراتے ہوئے یہ نازک دیکھ رہے ہیں۔ آخر ان سے بھی نہ رہا گیا اور انہوں نے بھی چٹکی لی

پونی پونی موشی دکھایہ کوٹھارو

چہت آڑاں پھونک پھارو

اب تو لکشمی کی خیریت نہیں ہے۔ پرشورام مانو اس کا کام ہی تمام کر دینگے۔ لیکن جتنا ہی پرشورام بکڑے ہیں اتنا ہی لکشمی ان کو تنگ کرتا ہے اور رام بھی من ہی من مسکراتے ہوئے یہ نازک دیکھ رہے ہیں۔ آخر ان سے بھی نہ رہا گیا اور انہوں نے بھی چٹکی لی

वह है 'खुद शनासी' यानी अपने को पहचानना. हम भंवर की तरह उसकी तलाश में अपने चारों तरफ चक्कर लगाते रहते हैं."

“यह जिस्म एक दरिया है, इसके अन्दर दिल एक सीपी है, हक उस सीपी के अन्दर का मोती है, बहादुर वही है जो इस दरिया में गोता लगाकर उसमें से उस मोती को निकाल लावे।”

“अपने होंठों का बन्द करो, अपनी आंखों को बन्द करो, अपने कानों को बन्द करो, अगर फिर भी तुम्हें अपने अन्दर हक्क की सूरत दिखाई न दे तो हम पर हंस लेना.”

दुनिया के शोर गुल से अपने को अन्दर खींचना ही अपने दिल की गुफाओं में अल्लाह को खोजना और उसका दीदार हासिल करना है.

योग सूत्रों में लिखा है :-

“जब आदमी की सब इन्द्रियां यानी उसके सब हवास बाहर की तमाम चीजों से अपने कां खींच लेते हैं तब इन सब इन्द्रियों के पीछे आदमी का जो चित्त यानी हारा है वह अपने अन्दर की तरफ मुड़ता है, यानी जब आदमी के मन की सब हरकतें बन्द हो जाती हैं और मन पूरी तरह शान्त और निश्चल हो जाता है तब उसकी आत्मा अपने को देख पाती है, तब वह देखती है कि सब कुछ वही वह है और कुछ कहीं है ही नहीं, देश और काल यानी मकान और जमान तब मिट जाते हैं, हरकत खत्म हो जाती है, और आदमी की आत्मा सब की आत्मा यानी परम आत्मा या रुहेकुल के साथ मिलकर एक हो जाती है, तब कोई गौर नहीं रह जाता।”

وہ ہے 'خود شناسی' یعنی اپنے کو پہچاننا۔ ہم بھور کی طرح اُس کی تلاش میں اپنے چاروں طرف چکر لگاتے رہتے ہیں۔“

”یہ جسم ایک دریا ہے۔ اس کے اندر دال ایک سیپہی ہے۔ حق اُس سیپہی کے اندر کا مورتی ہے۔ ببادر وہی ہے جو اُس دریا میں غوطہ کھا کر اس میں سے اُس مورتی کو نکال لے۔“

”اپنے ہونٹوں کو بند کرو، اپنی آنکھوں کو بند کرو، اپنے کانوں کو بند کرو، اگر پھر بھی تمہیں اپنے اندر حق کی صورت دکھائی نہ دے تو ہم پر ہنس لینا۔“

دنیا کے شور و غل سے اپنے کو اندر کھینچنا ہی اپنے دل کی گہاؤں میں اللہ کو کھوجنا اور اُس کا دیدار حاصل کرنا ہے۔

یوگ سوتروں میں لکھا ہے:—

”جب آدمی کی سب انہریاں یعنی اُس کے سب حواس باہر کی تمام چیزوں سے اپنے کو بچھین لیتے ہیں تب ان سب انہریوں کے پیچھے آدمی کا جو حقیقت یعنی سوش ہے وہ اپنے اندر کی طرف مڑتا ہے۔ یعنی جب آدمی کے من کی سب حرکتیں بند ہو جاتی ہیں اور من پوری طرح شانت اور نشجیل ہو جاتا ہے تب اُس کی آتما اپنے ذہن پر پانی ہے۔ تب وہ دیکھتی ہے کہ سب کچھ وہی وہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔ شی نہیں۔ دُش اور کل یعنی مکان اور زمان تب مٹ جاتے ہیں۔ حریت ختم ہو جاتی ہے۔ اور آدمی کی آتما سب کی آتما یعنی پریم آتما یا روح کل کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتی ہے۔ تب کوئی غیر نہیں رہ جاتا۔“

इनसान धर्म के लिये जोर शोर की चर्चा करेगा,
गीत गायेगा, नाचेगा, धर्म पर बड़ी बड़ी पुस्तके
लिखेगा, लेख लिखेगा, धर्म के लिये जूनी लड़ाईयां
लड़ेगा, मरेगा, मारेगा, सब कुछ करेगा मगर जीवन
में धर्म उतार कर स्वयं धार्मिक पुरुष—धर्मात्मा—न
बनेगा !

—सत्यभक्त

انسان دھرم کے لئے زور و زبر کی چرچا کرے گا۔ گیت
 گانے گا۔ ناچے گا۔ دھوم بڑ بڑی بڑی ہستکیں اٹکے گا۔ لیکھ لیکھا
 دھرم کے لئے جھنڈی اڑائیاں لڑے گا، مرے گا، مارے گا۔ سب کچھ
 کرے گا مگر جیوں میں دھرم اُتار کر سوہم دھارمک پوروش —
 دھرماتما نہ بنے گا !

—ستاپ، بھکت

مکارا کا، مٹا ہوا، ہال، دیوار، بزد، مٹا ہوا بھوہا۔
جسے ہم دھان یا مٹا ہوا کہتے ہیں۔ اسی کو چینی بویڈ
مٹا ہوا میں 'وان' اور جاپان میں 'چین' کہتے ہیں۔

یوگا سوتوں میں لکھا ہے کہ آدھی جس چیز کا دھان
کرتا ہے، جس پر دل لگتا ہے، وہی وہ ہوجاتا ہے۔

آخر میں سب مذہب یہی کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے
وہی ہے، 'ہمہ اوست' اور سورم کہو آدم برحقہ، دونوں کے یہی
معنی ہیں۔ اب چونکہ انسان اپنی اصل حقیقت میں اسی
اللہ سے ہے اور وہی ہے اسی لئے انسانی سماج کی خدمت ہی
بھوکان کی سہا ہے اور یہی اللہ کی عبادت ہے۔

انجیل میں لکھا ہے :—

”جو نے کسی کو کسی سے چھوٹے جاندار کے ساتھ
کی ہے وہ تم نے اللہ کے ساتھ کی۔“

بھاگوت میں لکھا ہے :—

”جو نے کسی کو کسی سے چھوٹے جاندار کے ساتھ
کی ہے وہ تم نے اللہ کے ساتھ کی۔“

”یہ کہنے کے لئے—یہ کہنے کے لئے—

”سنتوہم جنہوہی دھیمان—تدےہی ہر پوجنم“

یانی—جس طرح بھی ہو سکتے ہیں سمجھدار آدمی کو
چاہیے کہ جس پرانی کے بھی دل کو ہو سکتے ہیں سمجھدار آدمی کو
تسلسلی پڑنا ہے۔ یہی ہر پوجا ہے۔

سورہی کہتا ہے :—

”اگر تو اللہ کا دیدار حاصل کرنا چاہتا ہے تو انسان کی
صورت کو دیکھ، اُس کے اندر تجھے اللہ یعنی حق کی ذات صاف
عکسیتی ہوئی دکھائی دے گی۔“

ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

بھاگوت میں لکھا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

سورہی کہتا ہے :—

”وجود کے اس سمندر میں صرف ایک ہی موتی ہے اور

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—

”ایک اور سورہی کہتا ہے :—
”شکل انسان میں خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
چاند بادل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا“

پر اپنے کُرج سے انسان راہِ فیل نہیں ہو سکتا۔
محمّد صاحب

”کوشش کرنا میرا کام ہے، کامیابی ناکامیابی
عانت ہے۔“

سُفّی کھتا ہے:—

”تیرے کاموں کا असल करने वाला तेरे इस कारखाने
के अन्दर छिपा हुआ है، तू अगर कारखाने के अन्दर जाए
तो उसे साफ़ देख लेगा۔ वही तेरे काम बनाने वाला है۔ वह
तेरे सब कामों में मौजूद है۔ इसलिये अपने कामों के नतीजों
की बाबत तेरा फ़िक्र करना केवल तेरी एक बीमारी है۔“

गीता में लिखा है:—

”बेलाग होकर तू हमेशा अपने कर्ज को पूरा करने में
लगा रह, इस तरह अगर तू ईश्वर के हाथों में केवल एक
औजार का काम देता रहेगा तो तू उस परम पुरुष परम
आत्मा को पाजायगा۔“

सब मजहब हमें यह बताते हैं कि वह ईश्वर जो सब
आत्माओं की आत्मा है और जो सब के घट में मौजूद है
वही हक है، वही सुन्दर और प्यारा है और वही सारी नेकी
है۔ हिन्दू کتابوں में ’सत्यम्, शिवम्, सुन्दरम्’ के यही मानी
हैं۔ उस ’हक’ को हमें जानना और पहचानना चाहिये۔ उस
’सुन्दर’ और प्यारे की तरफ हमें अपने दिल को लगाना
चाहिये۔ उसके नजदीक पहुँचने के लिये हमें हर तरह से
दूसरों के साथ ’नेकी’ करनी चाहिये۔ सत्यम्, शिवम्, और
सुन्दरम्, को ही सत्यम्, हितम् और प्रियम् भी कहते हैं۔
سُفّی لاگ ان ہی تینوں کو ’موجود’ مانو اور ’مکسود’
کھتے ہیں۔ سُفّی کھتا ہے—”لا موجود، ایلاہ، لا مانو
ایلاہ، لا مکسود ایلاہ۔“ یانی اس ایک کے سوا ن
کوئی ہک ہے نہ کوئی پیارا ہے اور نہ کوئی پُجا ہوا
ہکدار ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سب مہذبوں کا سار
یانی سب کی असल हकीकत एक है۔ वह हकीकत उसी एक ईश्वर
अस्ताह سے है और उसके मुताबिक चलकर ही इन्सान
फिर अस्ताह तक पहुँच सकता है۔ इसी रास्ते का नाम
”योग“ यानी ”सलूक“ है। अलग अलग मजहबों में इस
रास्ते को अलग अलग नाम दिये गए हैं। पर रास्ता एक है۔
हिन्दुओं की सन्ध्या और उपासना में, मुसलमानों की नमाज
में और ईसाइयों की दुआ में सबमें इस रास्ते के बीज मौजूद
हैं। इस रास्ते के बहुत से निशान हैं। इन निशानों को मुकाम
भी कहते हैं। इन में कुछ यह हैं:—यम, नियम, तप, चित्त
प्रसादन, चित्त परिक्रम, आसन, प्राणायाम, प्रत्याहार, ध्यान,
धारणा, निर्विकल्प, समाधी—या سُफ़ी शब्दों में तहजी-
वुमस, तसकीयए दिल, नवस कुशी, रियाज़त, तनकीयए
क्लब, तिक्र, फिक्र, मुजाहेदा, अशराल, हव्सदम, मुराक्केबा,

پر اپنے فرض سے انسان عادل نہیں ہو سکتا۔ محمد صاحب
کی ایک حدیث ہے:—

”کوشش کرنا میرا کام ہے، کامیابی ناکامیابی
عانت ہے۔“

سُفّی کھتا ہے:—

”تیرے کاموں کا اصل کرنے والا تیرے اس کارخانے کے اندر
چھپا ہوا ہے، تو اگر کارخانے کے اندر جائے تو اُسے صاف دیکھ
گا۔ وہی تیرے کلم بنانے والا ہے۔ وہ تیرے سب کاموں میں
موجود ہے۔ اس لئے اپنے کاموں کے نتیجوں کی بابت تیرا فک
کرنا کیوں تیری ایک بیماری ہے۔“

گیتا میں لکھا ہے:—

”بے لاگ ہو کر تو ہمیشہ اپنے فرض کو پورا کرنے میں لا
گا۔ اس طرح اگر تو ایشور کے ہاتھوں میں کیول ایک اوزار کا
کلم دیتا رہے گا تو اُس پر ہمیشہ پرہش درم آتا ہو جائیگا۔“

سب مذہب ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ وہ ایشور جو سب
آتماؤں کی آتما ہے اور جو سب کے گھٹ میں موجود ہے وہی
حق ہے، وہی سند اور پیارا ہے اور وہی ساری نیکی ہے۔
کتابوں میں ’ستیم‘، ’شیم‘، ’سندرم‘ کے یہی معنی ہیں۔
اُس ’حق‘ کو ہمیں جاننا اور پہچاننا چاہئے۔ اُس ’سندرم’
اور پیارے کی طرف ہمیں اپنے دل کو لگانا چاہئے۔ اُس کے نزدیک
پہنچنے کے لئے ہمیں ہر طرح سے دوسروں کے ساتھ ’نیکی’
کونی چاہئے۔ ستیم، شیم اور سندرم کو ہی ستیم، شیم اور
ہیم کہتے ہیں۔ مرنی لوگ ان ہی نیکیوں کو ’موجود‘، ’معبود’
اور ’مقصود‘ کہتے ہیں۔ سُفّی کھتا ہے کہ—”لا موجود اللہ ہو،
لامعبود اللہ ہو، لامقصود اللہ ہو۔“ یعنی اُس ایک کے سوا نہ کوئی
حق ہے نہ کوئی پیارا ہے اور نہ کوئی پوجا عزادت کا حقدار ہے۔

اُس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سب مذہبوں کا سار
یانی اصل حقیقت ایک ہے۔ وہ حقیقت اُسی ایک ایشور
اللہ ہے اور اُس کے مطابق چل کر ہی انسان پیر اللہ تک
پہنچ سکتا ہے۔ اُسی راستے کا نام ”بُوک“ یعنی ”سلوک“
ہے۔ ایک ایک مذہب میں اُس راستے کو ایک ایک نام
دینے گئے ہیں۔ پر راستہ ایک ہے۔ ہندوؤں کی سندھیا اور
آپاسنا میں، مسلمانوں کی نماز میں اور عیسائیوں کی دعا میں
سب میں اُس راستے کے بیج موجود ہیں۔ اُس راستے کے بہت
سے نشان ہیں۔ ان نشانوں کو مقام بھی کہتے ہیں۔ ان میں
کچھ یہ ہیں:—یم، نیم، تپ، چت، پرساں، چت پریکرم،
آسن، پرانایام، پرتیاہار، دھیان، دھارنا، نرو کپ، سادھی—
یا سُفّی شہدوں میں تہذیب النفس، تصفیۃ دل، نفس کشی،
ریاضت، ناقۃ قلب، ذکر، فک، مجاہدۃ اشغال، جس دم مراد ہے،

سُکھی کھتا ہے :—

”جو اپنے کو جاگنا دھڑا سمجھتا ہے وہ سچ سچ سوچا ہوا ہے۔ اُس کا جاگنا اُس کے سونے سے بدتر ہے۔ اپنی چھوٹی خردی سے سونا ہی اصلی جاگنا اور اصلی ہوشیاری ہے۔ اِس ہوش کا سمجھنے والا وہی ہو سکتا ہے جو اپنی خردی کی طرف سے بے ہوش ہے۔ لیکن زبان کی بات سمجھنے وہ جس کے کان میں“

”بہر سوں میرا دِل مِٹھ سے جھان کے پھالے کی مانگ کرتا رہا، گھر سے اُس چیخ کی خواہش کرتا رہا جو خود اُس کے اندر موجود تھی۔“

”اِس سنانے کا میل بھی ہے جو مالک ہوتے ہوئے سب کی غلامی کرتا ہے اور سب کی سیوا میں لگا رہتا ہے۔ اِسی میں آدمی کا کمال ہے۔“

محمد صاحب کی ایک حدیث ہے :—

”افضل الاشغال خدمت الناس“

یانی—سب سے بدکردار شغال (یوگ) آدمی کی سیوا ہے۔

سب دھرموں کے ماننے والے کبھی کبھی یہ سمجھ کر اپنے کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ ہم نے اپنے کو پوری طرح ایشور اللہ پر چھوڑ رکھا ہے جو کچھ کرنا ہے وہی کرنا ہے۔ ہم ایشور کے ہاتھ میں کیوں ایک کپڑے پتلی ہیں۔ یہ سمجھ کر وہ بڑے سے بڑے کاموں میں پڑے پڑے ہیں۔ اپنے اصلی فرض اور اصلی دین دھرم کی طرف سے بے پروا اور غافل رہتے ہیں۔ یہ دھوکہ بڑا زبردست دھوکہ ہے۔ ہر کام ایک کارن یعنی سبب ہے اور ہر کارن کا کاربہ یعنی ہر سبب کا نتیجہ ہوتا لازمی ہے۔ ہم میں سے کوئی اپنے کاموں کے نتیجے سے نہیں بچ سکتا۔ اگر ہم کوئی کام کرنے پر مجبور ہیں تو ہمیں اُس کام کا نتیجہ بھگتنے کے لئے ہی مجبور ہونا پڑے گا۔ سب دھرموں نے ہمیں اِس دھوکے سے بچانے کی کوشش کی ہے۔ جب کسی کام کے کرتے ہوئے ہمیں یل بھر کے اٹھ بھی یہ محسوس ہو کہ ہم وہ کریں یا نہ کریں یا وہ کریں تو ہمیں اپنے فیصلے کے نتیجے کو بھگتنے کے لئے ہی تیار رہنا چاہئے۔

انجیل میں لکھا ہے :—

”کل کی مت سوچو، جو فرض آج اِس سہ پہر کے سامنے ہے اُسے اپنی پوری شکتی لگا کر پورا کرو۔“

گیتا میں لکھا ہے :—

”ایشور سب جانداروں کے دلوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ وہی سب کو چلا رہا ہے۔ اے ارجن ! تو اپنے کسی فرض سے غافل نہ ہو۔ کیوں اپنے کاموں کے نتیجے کی پروا نہ کر۔“

لگ بھگ انہیں شبدوں میں قرآن میں کہا گیا ہے :—

”سب جانداروں کے دل اُس رحمان کی انگلیوں پر

ہیں۔“

لگ بھگ انہیں شبدوں میں کورن میں کہا گیا ہے :—

”سب جانداروں کے دل اُس رحمان کی انگلیوں پر ہیں۔“

“ہجڑا کو جانا کیا ہے؟ अपनी खुदी से दूर भागना. और जाना कहाँ है? उस रुहेकुल की तरफ जो सबके अन्दर और सब रहनुमाओं की रहनुमा है.”

भागवत में लिखा है :—

“दरियाओं के पानी से तीर्थ नहीं होता और न मिट्टी पत्थर के देवता देवता हैं. इनके जरिये तेरे दिल की सहाई में एक जमाना बीत जायगा. पर जो नेक लोग हैं उनके दर्शन करने से ही तू पाक हो जायगा क्योंकि उनका दिल ही भगवान का सिंहासन है.”

बौद्ध किताब धम्मपद में लिखा है :—

“आत्मा ही आत्मा का मालिक और रक्षक है, और कोई रक्षक नहीं है. जिस किसी ने अपनी आत्मा को पा लिया उसे वह रक्षक मिल गया जिससे बढ़कर फिर कोई रक्षक नहीं.”

गीता में ईश्वर कहता है :—

“नासमभ लोग मेरे उस वज्र की तरफ से बेपरवाही करते हैं जो सब आदमियों के जिस्म के अन्दर है. वह यह नहीं जानते कि मैं ही सब प्राणियों के अन्दर और सबकी जान हूँ”

“आदमी को चाहिये कि अपनी आत्मा से अपनी आत्मा का उद्धार करे यानी अपनी छाँटी खुदी को ऊपर उठाकर सर्व आत्मा यानी सबके आपे में फना कर दे. अपनी आत्मा को गिरने न दे. सबका आया ही सारे देवता हैं. जो कुछ है सब इसी बड़े आपे के अन्दर है.” (गीता और मनुस्मृति)

कहा जाता है कि बुद्ध भगवान के मुँह से जो आखरी शब्द निकले वह यह थे :—

“तुम्हारी आत्मा के अन्दर जो रोशनी है उसी रोशनी में चलो. अपने से बाहर कोई और रोशनी तलाश न करो. आत्मा की ही शरण में आओ और किसी की शरण न ढूँढ़ो. और जितने बाहर के देवता आदि हैं वह सब आने जाने हैं. अमर केवल तुम्हारे अन्दर का सर्वआत्मा है. इसे याद रखो और होशियारी और सावधानी के साथ अपने अन्दर के उस अमर रहनुमा को पीछे चलो.”

कबीर साहब ने इसी खयाल को अपने शब्दों में यूँ प्रकट किया है :—

“घट घट रमता राम रमैया, कटुक बचन मत बोल रे ! तोहे राम मिलेंगे.

“रंग मडल में (यानी अपने अन्दर) दीप बरत है. आसन से मत डोल रे तोहे राम मिलेंगे.”

गीता में कहा गया है :—

“और सब प्राणियों के लिये जो रात है संयमी यानी बाहोश आदमी उसी में जागता है और जिसमें सब प्राणी जागते हैं वह साहबे नज़र मुनि के लिये रात है.”

“حج کو جانا کیا ہے؟ اپنی خردی سے دور بھاگنا. اور جانا کہاں ہے؟ اس روح کی طرف جو سب کے اندر اور سب رھنماؤں کی رھنما ہے.”

بھاگوت میں لکھا ہے :—

“دریاؤں کے پانی سے تیرے نہیں ہوتا اور نہ مٹی پتھر کے دیونا دیونا نہیں. ان کے ذریعہ تیرے دل کی صفائی میں ایک زمانہ بیت جائیگا. پر جو نیک لوگ ہیں ان کے درشن کرنے سے ہی تو پاک ہو جائیگا کیونکہ انکا دل ہی بھگوان کا سنگاسن ہے.”

بہدہ کتاب دھرمپد میں لکھا ہے :—

“آتما ہی آتما کا مالک اور رکشک ہے, اور کوئی رکشک نہیں ہے. جس کسی نے اپنی آتما کو پالیا اسے وہ رکشک مل گیا جس سے بڑھ کر بڑھ کوئی رکشک نہیں.”

گیتا میں ایشور کہتا ہے :—

“ناسمجہ لوگ میرے اس وجود کی طرف سے بے پرواہی کرتے ہیں جو سب آدمیوں کے جسم کے اندر ہے. وہ یہ نہیں جانتے کہ میں ہی سب پرانیوں کے اندر اور سب کی جان ہوں.”

“آدمی کو چاہئے کہ اپنی آتما سے اپنی آتما کا اُدھار کرے یعنی اپنی چھوٹی خودی کو اوپر اُٹھا کر سرو آتما یعنی سب کے آپے میں فنا کر دے. اپنی آتما کو گرنے نہ دے. سب کا آپا ہی سارے دیوتا ہیں. جو کچھ ہے سب اسی بڑے آپے کے اندر ہے.” (گیتا اور مनुسمرتی).

کہا جاتا ہے کہ بدھ بھگوان کے منہ سے جو آخری شبد نکلے وہ یہ تھے :—

“تمہاری آتما کے اندر جو روشنی ہے اُسی روشنی میں چلو. اپنے سے باہر کوئی اور روشنی تلاش نہ کرو. آتما کی ہی شرن میں آؤ اور کسی کی شرن نہ ڈھونڈو. اور جتنے باہر کے دیوتا آدی ہیں وہ سب آئے جاتے ہیں. امر کیوں تمہارے اندر کا سرو آتما ہے. اسے یاد رکھو اور ہوشیاری اور سادھانی کے ساتھ اپنے اندر کے اس امر رھنما کے پیچھے چلو.”

کبیر صاحب نے اُسی خیال کو اپنے شبدوں میں یوں پرکٹ کیا ہے :—

“گھٹ گھٹ رمتا رام رمیا, کٹک بچن مت بول رہ ! توہے رام ملیں گے.

رنگ مکھ میں (یعنی اپنے اندر) دیپ برت ہے. آسن سے مت ڈول رہ توہے رام ملیں گے.”

گیتا میں کہا گیا ہے :—

“اور سب پرانیوں کے لئے جو رات ہے سنیمی یعنی باہوش آدمی اُسی میں جاگتا ہے اور جس میں سب پرانی جاگتے ہیں وہ صاحب نظر منی کے لئے رات ہے.”

منورمیت میں لکھا ہے :-

”جو آادہی دینیا کے موڈ کو छोड़ देता है और यह अहद कर लेता है कि वह किसी के दिल में अपने से डर पैदा होने नहीं देगा, उसको भी फिर किसी चीज का डर नहीं रह सकता. सब लोक यानी सारे आलम फिर अपनी पूरी शान के साथ उसके सामने खुल जाते हैं.“

गीता में لکھا ہے :-

”जिस आदमी से दुनिया में कोई डर नहीं खाता और जो खुद किसी से डर नहीं खाता, जो घमंड, डर, घबराहट तीनों से ऊपर है वही भगवान का प्यारा है.“

پراچین میس کے مجاہد کا آدھ کوئی ماننے والا نہیں رہا. اس پورانے مجاہد کی پاک کتاب ”پارلوق واسیوں کی کتاب“ (دی بک آف دی ڈیڈ) میں لکھا ہے کہ آادہی کے مرنے کے بعد جب اس کی روح ہم راج کے سامنے جاتی ہے تو اسے یہ کہہ کر قابل ہونا چاہئے کہ ”میں نے کبھی کسی کو نہیں رلا یا.“

سُوبی کہتا ہے :-

”نمازے جاہیداں کھو سو جود آست

نمازے آاشیکاں تر کے ب جود آست.“

یانی—جاہیداں (ریت رواج کے ماننے والوں) کی نماز خدے ہونا اور سجدے میں گھسنا ہے، اور آاشیکاں کی نماز اپنی خدہ کی میدانا ہے.

انجیل میں لکھا ہے :-

”اور جب تم دے مانگو تو اُن پاکیزوں کی طرح نہ کرو جو عام پوجا گھروں میں اور گلیوں کے کونوں میں کھڑے ہو کر دے مانگنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ اُنہیں دیکھیں.... تم جب دے مانگو تو ناممچہ لوگوں کی طرح فضل کے فقرے نہ دھراؤ. وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بہت بولیں تو اُن کی بات ضرور سنی جائیگی.... تم اپنی کورتی میں جاؤ اور جب دروازہ اندر سے بند کرلو تب اکیلے میں اُس پر پوتا پوتا سے دے مانگو جو داؤں کے اندر رہتا ہے....“

”ن کھل ختانا کرانے میں ہے اور نہ کچھ ختنہ نہ کرانے میں ہے. سب کچھ اسی میں ہے کہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں تم ایشور کی آگیاؤں کو مانو.“

سُوبی کہتا ہے :-

”ہے دل! دوسروں کے دلوں کا تواک (پرکشا) کر کیونکہ ہر کیونکہ ہر دلوں کے اندر ایک کعبہ چھپا ہوا ہے. وہ جو پتھر کا کعبہ ہے اُسے تو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور یہ جو داؤں کے اندر کا کعبہ ہے اسے خرد خدا نے بنایا ہے.“

منورمیت میں لکھا ہے :-

”جو اُسی دنیا کے موڈ کو छोड़ देता है और यह अहद कर लेता है कि वह किसी के दिल में अपने से डर पैदा होने नहीं देगा, उसको भी फिर किसी चीज का डर नहीं रह सकता. सब लोक यानी सारे आलम फिर अपनी पूरी शान के साथ उसके सामने खुल जाते हैं.“

گیتا میں لکھا ہے :-

”जिस आदमी से दुनिया में कोई डर नहीं खाता और जो खुद किसी से डर नहीं खाता, जो घमंड, डर, घबराहट तीनों से ऊपर है वही भगवान का प्यारा है.“

پراچین مصر کے مذہب کا اب کوئی ماننے والا نہیں رہا. اُس پرانے مذہب کی پاک کتاب ”پارلوق واسیوں کی کتاب“ (دی بک آف دی ڈیڈ) میں لکھا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد جب اس کی روح ہم راج کے سامنے جاتی ہے تو اسے یہ کہہ کر قابل ہونا چاہئے کہ ”میں نے کبھی کسی کو نہیں رلا یا.“

صوبی کہتا ہے :-

”نماز زاهدان قد و سجد است

نماز عاشقان ترک وجود است“

یعنی—زاهدوں (ریت رواج کے ماننے والوں) کی نماز کھڑے ہونا اور سجدے میں گھسنا ہے، اور عاشقوں کی نماز اپنی خدہ کی میدانا ہے.

انجیل میں لکھا ہے :-

”اور جب تم دے مانگو تو اُن پاکیزوں کی طرح نہ کرو جو عام پوجا گھروں میں اور گلیوں کے کونوں میں کھڑے ہو کر دے مانگنا پسند کرتے ہیں تاکہ لوگ اُنہیں دیکھیں.... تم جب دے مانگو تو ناممچہ لوگوں کی طرح فضل کے فقرے نہ دھراؤ. وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر بہت بولیں تو اُن کی بات ضرور سنی جائیگی.... تم اپنی کورتی میں جاؤ اور جب دروازہ اندر سے بند کرلو تب اکیلے میں اُس پر پوتا پوتا سے دے مانگو جو داؤں کے اندر رہتا ہے....“

”ن کچھ ختنہ نہ کرانے میں ہے اور نہ کچھ ختنہ نہ کرانے میں ہے. سب کچھ اسی میں ہے کہ دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں تم ایشور کی آگیاؤں کو مانو.“

صوبی کہتا ہے :-

”آے دل! دوسروں کے دلوں کا طواک (پرکشا) کر کیونکہ ہر دلوں کے اندر ایک کعبہ چھپا ہوا ہے. وہ جو پتھر کا کعبہ ہے اُسے تو حضرت ابراہیم نے بنایا تھا اور یہ جو داؤں کے اندر کا کعبہ ہے اسے خرد خدا نے بنایا ہے.“

“سکڑوں کتابوں اور سکڑوں برکتوں کا آگاہ میں ڈال دے اور اپنی جان اور اپنے دل کو اپنے دادار یعنی پریم کی طرف لگا دے۔”

“سب یہ ہے کہ خود تू ہی سب کتابوں کی ماں ہے، اپنے اندر ہی اپنی کتابوں کو خود اپنے اندر پڑھ لے۔ تو دل خود ایک مانی سے مری ہوئے ‘لویہ महफूज’ (سुरक्षित पाटी) है जो कुछ भी तू चाहता है वह तुझे उस पाटी से मिल सकता है.”

उपनिषद् में लिखा है:—

“सब विद्याओं का भंडार आदमी का दिल है.”

मनुस्मृति में लिखा है:—

“अपने अन्दर ध्यान से देखो ! सब दुरुस्ती और सब गलती तुम्हारे ही अन्दर है. जो आदमी सब कुछ अपने ही अन्दर देख लेता है वह फिर अधर्म यानी बुराई नहीं करता. सब देवता तुम्हारे ही अन्दर हैं. जो कुछ हा तुम ही हो. सब तुम में है.”

“जो आदमी सब प्राणियों की सेवा करके सबकी आत्मा को अपनी आत्मा, अपने अन्दर सबको और सबके अन्दर अपने का देख लेता है, उसका दुई का परदा हट जाता है और वह शुद्ध अद्वैत (यानी तौहीदे जाती), भाव अद्वैत (यानी तौहीदे सिफाती) और क्रिया अद्वैत (यानी तौहीदे अफआली) तीनों तरह की तौहीद की हकीकत का जान जाता है.”

‘लौहे महफूज’ अल्लाह का वह हाफ़्ज़ा यानी स्मृति है जिस में भूत, भविष्य, और वर्तमान तीनों हमेशा के लिये मौजूद हैं. इसी का संस्कृत में चित्रगुप्त कहते हैं. जो अल्लाह बिज है वही यम है. जो अल्लाह का है वही अन्तरयामी है. महत् बुद्धि के जो मानी हैं वही अवलेकुल के हैं. नए नए इल्म हम इसीलिये ईजाद कर सकते हैं क्योंकि हमारी आत्मा के अन्दर वह सब पहले से और हमेशा से मौजूद हैं. अपने अन्दर के उसी समन्दर में से हम कंकरियां और जवाहर निकाल निकाल कर बाहर फेंकते रहते हैं. इसीलिये ज्ञान यानी मारफ़त का रास्ता और भक्ति यानी इश्क का रास्ता और कर्म (नेक आभाल) यानी ख़िदमत ख़ल्क का रास्ता सब एक दूसरे में बन्दे हुए हैं और सब एक हैं.

कुरआन में लिखा है:—

“सब से बढ़कर ‘इमान’ यह है कि सब आदमी तुम्हारे हाथों में अपने को सुरक्षित (महफूज) महसूस करें. सब से आला ‘इसलाम’ यह है कि तुम्हारी ज़बान और तुम्हारे हाथों से सब बे खटके और सलामत रहे.”

इन्ज़ील में लिखा है:—

“सच्चा और कामिल प्रेम डर को दिल से निकाल कर बाहर फेंक देता है.”

“سیکڑوں کتابوں اور سیکڑوں برکتوں کو آگ میں ڈال دے اور اپنی جان اور اپنے دل کو اپنے دادار یعنی پریم کی طرف لگا دے.”

”سب یہ ہے کہ خود تو ہی سب کتابوں کی ماں ہے، اپنے اندر ہی کتابوں کو خود اپنے اندر پڑھ لے۔ تو دل خود ایک مانی سے مری ہوئے ‘لویہ महफूज’ (سुरक्षित पाटी) है जो कुछ भी तू चाहता है वह तुझे उस पाटी से मिल सकता है.”

अपनिषद् में लिखा है:—

”सब विद्याओं का भंडार आदमी का दिल है.”

मनुस्मृति में लिखा है:—

”अपने अन्दर ध्यान से देखो ! सब दुरुस्ती और सब गलती तुम्हारे ही अन्दर है. जो आदमी सब कुछ अपने ही अन्दर देख लेता है वह फिर अधर्म यानी बुराई नहीं करता. सब देवता तुम्हारे ही अन्दर हैं. जो कुछ हा तुम ही हो. सब तुम में है.”

”जो आदमी सब प्राणियों की सेवा करके सबकी आत्मा को अपनी आत्मा, अपने अन्दर सबको और सबके अन्दर अपने का देख लेता है, उसका दुई का परदा हट जाता है और वह शुद्ध अद्वैत (यानी तौहीदे जाती), भाव अद्वैत (यानी तौहीदे सिफाती) और क्रिया अद्वैत (यानी तौहीदे अफआली) तीनों तरह की तौहीद की हकीकत का जान जाता है.”

”لوح محفوظ“ اللہ کا وہ حافظہ یعنی سمرتی ہے جس میں بیوت، نبوت، اور دو زمان تینوں ہمیشہ کے لئے موجود ہیں. اسی کو سنسکرت میں چترگپت کہتے ہیں. جو القابض ہے وہی یم ہے. جو اشکور ہے وہی انتریامی ہے. مہیت بدعی کے جو معنی ہیں وہی عقل ثل کے ہیں. نئے نئے نام اسی لئے ایجاد کر سکتے ہیں کیونکہ ہماری آتما کے اندر وہ سب پہلے سے اور ہمیشہ سے موجود ہیں. اپنے اندر کے اسی سمندر میں سے ہم ککڑیاں اور جواہر نکال نکال کر باہر پھینکتے رہتے ہیں. اسی لئے گواں یعنی معرّفت کا راستہ اور پھکتی یعنی عشق کا راستہ اور کرم (نیک اعمال) یعنی خدمت خلق کا راستہ سب ایک دوسرے میں بندھے ہوئے ہیں اور سب ایک ہیں.

قرآن میں لکھا ہے:—

”سب سے بڑھ کر ایمان یہ ہے کہ سب آدمی تمہارے ہاتھوں میں اپنے کو سرکشت (محفوظ) محسوس کریں. سب سے اعلیٰ ‘اسلام’ یہ ہے کہ تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھوں سے سب بے گنہگار اور سلامت رہیں.”

انجیل میں لکھا ہے:—

”سچا اور کامل پریم دھرم کو دل سے نکال کر باہر پھینک دیتا ہے.”

ہوتا ہے دانے کو بھوسے سے الگ کر کے بھوسے کو دूर फेंक دیتا ہے۔"

مولانا روم نے کہا ہے :—

“اگر تُو مارکُت یا نی جان کے راج (رُشہ) کو جاننا چاہتا ہے تو تُو کے چاہیے کی لفظوں کو ڈھونڈ کر مانی کی तरک جا۔"

ایک اور جگہ مولانا روم نے کہا ہے :—

“تُو اگر کُرْآن کو اسی तरह پڑھتا رہے گا اور اسی طرح مطلب اسی तरह मतलब करता رہے گا تو تُو اسلام کی ساری ریتوں کا مِٹا ڈالے گا۔"

مولانا روم کا ایک اور مشہور شعر ہے :—

“میں نے کُرْآن میں سے مَرْج نکال لیا ہے اور ہڈیوں کو توں کے سامنے فेंک دی ہے۔"

مہاراجت میں لکھا ہے :—

“وہوں کو دنیا کے اٹھارے اور پورے یعنی اب تک کے پرمپراگت گیل کی روشنی میں پڑھنا چاہئے۔ کم سمجھ آدمی سے وید بھی یہ سوچ کر دیتا ہے کہ یہ آدمی میرے اعلیٰ مطلب کو خطا کر دے گا۔"

“وہوں کو (گرامر) جاننے والوں کو چاہئے کہ سمجھدار بڑے لوگوں کی باتوں کا بہت باریکی کے ساتھ اُتر نہ کریں۔ جو لوگ سمجھدار ہیں وہ شدوں پر اُتار دینا نہیں دیتے جتنا اُن کے اندر چاہے ہوئے وچار اور اُترنے پر۔"

اُن کے اندر چاہے ہوئے وچار اور اُترنے پر۔"

ایک صوفی کہتا ہے :—

“ہے اپنے سینے میں اُس سے رائد جو دُت واعظ کتب مہن ہے۔"

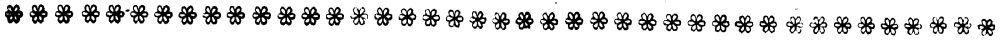
دوسرے صوفیوں کا کہنا ہے :—

“تُو کتابوں اور رسموں میں خدا کو نہیں پہنکتا۔ اپنے دل کی کتاب کو پڑھ کیونکہ اُس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔"

“تُو کتابوں اور رسموں میں خدا کو نہیں پا سکتا۔ اپنے دل کی کتاب کو پڑھ کیونکہ اُس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔"

کتابوں کے شब्दوں میں نہ اُجھو، اصل مطلب کی طرف جاؤ

کتابوں کے شब्दوں میں نہ اُجھو، اصل مطلب کی طرف جاؤ



ڈاکٹر بھگوانداس

ڈاکٹر بھگوان داس

ہر مچھب میں کم-سممک اور سواہی آادمی ہمیشہ اُپری ریت رواجوں اور طرح طرح کی رسموں پر ہی زور دیتے رہتے ہیں اور انہیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی مذہبی کتابوں کا ہی اسی طرح مطلب لگاتے ہیں اور ان کے عجیب عجیب معنی کرتے ہیں۔ دنیا کے سب مہارشیوں اور مذہبی رہنماؤں نے اسی طرح کے غلط معنی کرتے والوں اور غلط مطلب نکالنے والوں سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ہمیں کسی بھی کتاب کے کیول شبدوں کی طرف نہیں اُس کی روح کی طرف جانا چاہئے۔ قرآن میں لکھا ہے:—

”اس کتاب میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جو ’محکمات‘ یعنی بنیادی اور صاف صاف حکم ہیں۔ وہی اِس کتاب کی جز ہیں۔ باقی آیتیں ’متشابہات‘ یعنی بطور تشبیہ یا مثال کے کہی گئی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں نجی ہے وہ اُس حصہ پر چلتے ہیں جو تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے، اُس سے فتنہ یعنی جکڑے ہوئے کرتے ہیں اور طرح طرح سے اُس کی تاویل کرتے ہیں، یعنی اُس کے چببہ غورنے معنی نکالتے ہیں۔ لیکن اُس کے چببہ غورنے معنی سوا اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔“ (3-7)

گیتا میں لکھا ہے:—

”جو لوگ ویدوں کے ریت رواجوں اور رسموں میں ہی لگے رہتے ہیں، اُس کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سب کچھ ہے اور اِس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں وہ سچ منہ کچھ نہیں جانتے۔“

اُپنیشد میں لکھا ہے:—

”سممکدار آادمی کو چاہیے کہ اس ایک سچائی کی کھوج کی کھوج کرے جس سے اصلی گیان ملتا ہے اور بہت سے شبدوں کے جھجھک میں نہ پڑے کیونکہ یہ شبدوں کا جھجھک کیول اپنی زبان کو بھٹاتا ہے۔“

ایک اور جگہ اُپنیشد میں لکھا ہے:—

”سممکدار آادمی کو چاہیے کہ اُس ایک سچائی کی کھوج کرے جس سے اصلی گیان ملتا ہے اور بہت سے شبدوں کے جھجھک میں نہ پڑے کیونکہ یہ شبدوں کا جھجھک کیول اپنی زبان کو بھٹاتا ہے۔“

”اس کتاب میں کچھ آیتیں ایسی ہیں جو ’محکمات‘ یعنی بنیادی اور صاف صاف حکم ہیں۔ وہی اِس کتاب کی جز ہیں۔ باقی آیتیں ’متشابہات‘ یعنی بطور تشبیہ یا مثال کے کہی گئی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں نجی ہے وہ اُس حصہ پر چلتے ہیں جو تشبیہ کے طور پر کہا گیا ہے، اُس سے فتنہ یعنی جکڑے ہوئے کرتے ہیں اور طرح طرح سے اُس کی تاویل کرتے ہیں، یعنی اُس کے چببہ غورنے معنی نکالتے ہیں۔ لیکن اُس کے چببہ غورنے معنی سوا اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔“ (3-7)

گیتا میں لکھا ہے:—

”جو لوگ ویدوں کے ریت رواجوں اور رسموں میں ہی لگے رہتے ہیں، اُس کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی سب کچھ ہے اور اِس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں وہ سچ منہ کچھ نہیں جانتے۔“

اُپنیشد میں لکھا ہے:—

”سممکدار آادمی کو چاہیے کہ اُس ایک سچائی کی کھوج کرے جس سے اصلی گیان ملتا ہے اور بہت سے شبدوں کے جھجھک میں نہ پڑے کیونکہ یہ شبدوں کا جھجھک کیول اپنی زبان کو بھٹاتا ہے۔“

ایک اور جگہ اُپنیشد میں لکھا ہے:—

”سممکدار آادمی کو چاہیے کہ اُس ایک سچائی کی کھوج کرے جس سے اصلی گیان ملتا ہے اور بہت سے شبدوں کے جھجھک میں نہ پڑے کیونکہ یہ شبدوں کا جھجھک کیول اپنی زبان کو بھٹاتا ہے۔“

اپریل 1955ء

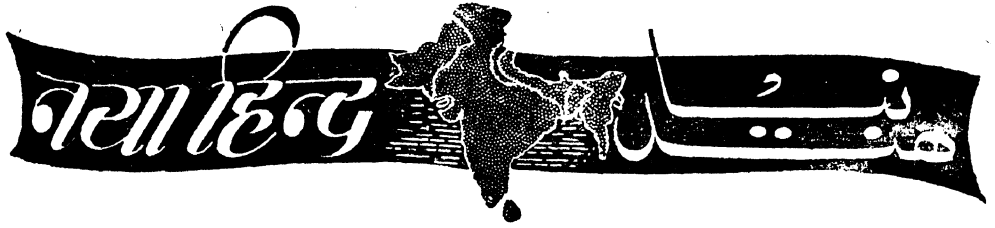
کیا کس سے

سفا

کيا کيم سے

1. کیتاویں کے شبدوں میں ن اعلیٰ، اعلیٰ
ماتلاب کی طرف جاؤ
—ڈاکٹر بھگوانداس 217
 2. نوجوان اور بزرگ
—سربش رام بھائی 226
 3. مغللوں کی ہمارت بنانے کی کلا
—ڈاکٹر نندلال چٹرجی
ام. ا. پی۔اچ. ڈی.، ڈی. لٹڈ. 231
 4. ہندوستان کے باشندوں کا نکاس
—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت 235
 5. جاوا : پراچین ہمارت کا اُپنیوہی
—ڈاکٹر رادھا کومد مکر جی
ام. ا. پی۔اچ. ڈی. 248
 6. عربی گان ویدا اور ہندوستان
—شومبہر ناتھ پانڈے 251
 7. زناتہ خالی کی قیدی
—شوبہتی عطیہ حبیب اللہ 254
 8. راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی (1857-1885)
—شری مگن بھائی دیسائی 261
 9. کچھ کیتاویں 266
 10. ہماری رائے— 268
- امریکی جنتا کا دل—پنڈت سندرلال؛ فارموسا میں
جنگی گھمٹائیں—شری جگدیش چندر جین؛
سرودھ، ہودان اور ہردے پرزورتن—شری ایم .
بھگول دیں .
- امریکی جنتا کا دل—پنڈت سندرلال؛ فارموسا میں
جنگی گھمٹائیں—شری جگدیش چندر جین؛
سرودھ، ہودان اور ہردے پرزورتن—شری ایم .
بھگول دیں .
- امریکی جنتا کا دل—پنڈت سندرلال؛ فارموسا میں
جنگی گھمٹائیں—شری جگدیش چندر جین؛
سرودھ، ہودان اور ہردے پرزورتن—شری ایم .
بھگول دیں .

امریکی جنتا کا دل—پنڈت سندرلال؛
فارموسا میں جنگی گھمٹائیں—شری جگدیش چندر جین؛
سرودھ، ہودان اور ہردے پرزورتن—شری ایم .
بھگول دیں .



نمبر 4 نمبر 19 جلد 19 جلد

اپریل 1955 اپریل

ہندوستانی کلچر سوسائٹی
145 مڈل گنج، الہ آباد
145 مڈل گنج، الہ آباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا جہان

27 APR 1955

FEDERAL UNIVERSITY LIBRARY
HYDERABAD (DECCAN)

اس نمبر کے खास लेख

اس نمبر کے خاص ليکھ

کتابوں کے رانوں میں...

کتابوں کے شبديں ميں...

—ڈاکٹر بھگوان داس

—ڈاکٹر بھگوان داس

میرالوں کی ہمارت بنانے کی کلا

میں کی عمارت بنانے کی کلا

—ڈاکٹر نندلال چٹرجی

—ڈاکٹر نند لال چٹرجی

جاوا : प्राचीन भारत का उपनिवेश

جاوا : پرچین بھارت کا اپنیویش

—ڈاکٹر راधाकुमुद मुकर्जी

—ڈاکٹر رادھا کد مکر جی

अरबी गान-विद्या और हिन्दुस्तान

عربی گان و دیا اور ہندستان

—विरवम्भरनाथ पांडे

—ویرومبر ناتھ پانڈے

राजा राम मोहन राय से गांधी जी

راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی

—श्री भगन भाई देसाई

—شہی مکن بھائی دیسائی

اس کے اٹلاوا

اس کے علاوہ

کھانی، سکوچ، سمالوچنا، ہماری راي آادي

کھانی، اسکیچ، سمالوچنا، ہماری رائے آدی

ہندستانی کلاچر سوسائٹی، ہلاہلاہاد



سوسائٹی، ہلاہلاہاد

اپریل 1955

اپریل

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

नोट:—ये किताबें صرف हिन्दी में हैं.

नाम किताब	लेखक	दाम	लोक	नाम किताब
1. शेर और शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	शरी अयोध्या प्रसाद गोयली	1. शेर और शायरी
2. शेर और सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास वतुर्वेदी	3 0 0	शरी बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	शरी जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण साद जैन	6 0 0	शरी नारायण साद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पंच चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	शरी शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पंच चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के सारे घरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	शरी कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के सारे घरती के फूल
11. मुक्ति दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0	शरी वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बरचन	4 0 0	शरी बरचन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुजूरिया	2 8 0	शरी तन्मय बुजूरिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0	शरी भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और जनता	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और जनता
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सर्वव्यापक अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सर्वव्यापक अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	शरी भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिषुष्ट, भगवानदास केला	2 0 0	शरी दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अम्बिषुष्ट, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	शरी भगवानदास केला श्री दयाशंकर दुबे	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र संबल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	शरी दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र संबल शासन
26. जवानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानो
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. मारने की हिम्मत !
28. सलौना सच	"	0 8 0	"	28. सलौना सच
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी

मिलने का पता—

मेनेजर 'नया हिन्द'

145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद-3.

मेनेजर 'नया हिन्द'

145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद-3.

रेलवे बजट के आंकड़ों और दूसरी बातों में हम नहीं जायेगे, इतना साफ है कि अगर रेलवे की आमदनी जिस रकतार से बढ़ रही है, खर्च उससे कहीं ज्यादा रकतार से बढ़ रहा है, यानी रेलवे का बजट बनाने वाले उसके इन्तजाम पर पूरी तरह हावी नहीं हैं और चीज उनके क़ाबू के बाहर खिसक रही है। 1952-53 में रेलवे की आमदनी और खर्च में जहाँ 5.5 का अनुपात था, 1953-54 में वह घटकर 4.2 रह गया। यह एक ख़तरनाक पहलू है जिसपर सरकार को ध्यान देना चाहिये।

जैसा हमने शुरू में ही कहा हम नहीं जानते कि "सोशलिस्टिक पैटर्न" का पूरा मतलब क्या है। लेकिन ऊपर जो कहा है उससे यह जरूर साफ़ है कि श्री लालबहादुर शास्त्री जैसे कोमल-दिल और तरक्की-पसन्द मिनिस्टर के बजट से दुखिया और खुशिया को तुकसान होगा और फायदा होगा सुखिया का और सुखिया को जो फायदा होगा सो हवा में से नहीं दुखिया और सुखिया के पेट काट कोट कर, क्या हमारी सरकार समाजवादी ढांचे ऐसे ही आधार पर—गरीबों को नोच-नोच कर और अमीरों को सहला-सहला कर—खड़ा करने जा रही है ?

7. 3. '55

—सुरेश रामबाई

रेलवे बजट के आंकड़ों और दूसरी बातों में हम नहीं जानेंगे। इतना साफ़ है कि अगर रेलवे की आमदनी जिस रकतार से बढ़ रही है, खर्च उससे कहीं ज्यादा रकतार से बढ़ रहा है, यानी रेलवे का बजट बनाने वाले उसके इन्तजाम पर पूरी तरह हावी नहीं हैं और चीज उनके क़ाबू के बाहर खिसक रही है। 1952-53 में रेलवे की आमदनी और खर्च में जहाँ 5.5 का अनुपात था, 1953-54 में वह घटकर 4.2 रह गया। यह एक ख़तरनाक पहलू है जिसपर सरकार को ध्यान देना चाहिये।

जिसामें ले शुरू में ही कहा हम नहीं जानते कि "सोशलिस्टिक पैटर्न" का पूरा मतलब क्या है। लेकिन ऊपर जो कहा है उससे यह जरूर साफ़ है कि श्री लालबहादुर शास्त्री जैसे कोमल-दिल और तरक्की-पसन्द मिनिस्टर के बजट से दुखिया और खुशिया को तुकसान होगा और फायदा होगा सुखिया का और सुखिया को जो फायदा होगा सो हवा में से नहीं दुखिया और सुखिया के पेट काट कोट कर, क्या हमारी सरकार समाजवादी ढांचे ऐसे ही आधार पर—गरीबों को नोच-नोच कर और अमीरों को सहला-सहला कर—खड़ा करने जा रही है ?

—सुरेश रामबाई

7. 3. '55

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

PRICE

Rs. 7 8 0

BY PANDIT SUNDARLAL

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China now and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

ٹھٹھ پُجیبا دی منوٹھتی ہئ۔ اسسے جبردست چوٹ پھوچھی
خوٹے خوٹے دھوگ دھنوں پر خوٹے کاریگروں یا کارخانوں
یا व्यापारियों پر۔

سباری گاڑی کے کیراے پر ہم فیر آئیے۔ ایسا बहुत
کم ہوتا ہے کی لکھے موسافیر کو پورا ٹکٹ شروع میں ہی
میل جاتے۔ ہاں، اگر کالکٹا، بمبئی، مدراس یا دہلی
جانا ہو یا ان شہروں سے جانا ہو تب تو بات دوسری ہے۔
لےکین ہمیں یکنی ہے کی بھار کے چمپارن جیلے کے چکیا
سٹیشن سے کوئی آدھی ڈرائنگ روم کے کولن جیلے میں پونے
لور کا ٹکٹ مانگو تو باوؤ ہنکار کر دےگا۔ سوچکر کا ہی
ٹکٹ دےگا یا बहुत دھڑا تو مدراس کا۔ اسکے مانے ہیں کی
موسافیر کو دوسرا ٹکٹ فیر آگے خریدنا ہونگا اور
لکھے کاسلے کی جو ریاہت ہے اسسے وہ مہرسم رہ
جائےگا۔

اس سلسلے میں ہم ایک آپ بیتی سناتے ہیں۔ اسی
فہری کے چوتھے ہفتے میں ہمیں الہ آباد سے جانا تھا چار
پور روت جو آریسے کے ٹکٹ ضاع ہوئے۔ بابو نے کہا کہ کھڑکور
تک کا ٹکٹ ملےگا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس ایسٹرن ریلوے
ٹائم ٹیبل ہے، آپ اس سے ناملہ دیکھ کر چار پور روت تک کا
ٹکٹ بنا دیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ریلوے ٹائم ٹیبل
کے میں ہمیں یقین نہیں۔ ہم یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ پر
ہم نے اصرار جاری رکھا۔ بابو نے ایک نہ سنی۔ جبکہ مارکر
ہمکو کھڑکور تک کا ٹکٹ لینا پڑا ورنہ گارنٹی بھی نہیں
ملنے والی تھی۔ جب یہ حالت ہم کو بھگتی پڑی تو معمولی
امنے مسافر کی کیا درگت ہوگی، ہم اچھی طرح سمجھ
سکتے ہیں۔

ریلوے منسٹر نے یہ بھی کہا بتایا جاتا ہے کہ کرائے
پر محصول میں جو یہ فرق آئوں نے کیا تو وششفہ
ڈیپارٹمنٹ کے سبھاؤ پر جو روس آدی گیا تھا۔ کہاں
روس اور امریکہ اور کہاں ہم! ان دونوں ماکرن
میں ہی زمین زیادہ ہے اور آبادی کم۔ ہندستان
میں ٹیک آلتی صورت ہے—زمین کم اور آبادی زیادہ۔
لیکن ہمارے وشیشکھ لوگ اس بنیادی بات کو ہی بھول
جاتے ہیں اور روس یا امریکہ کا طرز یا وہاں کا
آرتھاسسٹر ہم پر لانا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے
کہ پچھم کی نقل کریں، ریلوے منسٹر سیدھا
سادا راستہ اختیار کرستے ہیں کہ میل میل کا کرایہ
ایک۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ریلوے منسٹر بڑا
ہردیشی اور ہمت والا ہوگا جو یہ کہ سکے کہ
آپ تیسرے درجے کے کرائے میں کمی کر دی گئی
ہے اور کرائے کی در ایکسی رہیگی۔ ہمارا خیال
ہے کہ اس سے آمد رنت بھی بڑھیک اور آمدنی
بھی بڑھیک۔ لیکن ہمارے ریلوے منسٹر نے
یہ کچھ نہ کرکے وہی پرانا، دھنلوس، پونجی
والی طریقہ اپنایا کہ دکھیا اور سکھیا پر ہی
چوت کرو۔

اس سلسلے میں ہم ایک آپ بیتی سناتے ہیں۔ اسی
فہری کے چوتھے ہفتے میں ہمیں الہ آباد سے جانا تھا چار
پور روت جو آریسے کے ٹکٹ ضاع ہوئے۔ بابو نے کہا کہ کھڑکور
تک کا ٹکٹ ملےگا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس ایسٹرن ریلوے
ٹائم ٹیبل ہے، آپ اس سے ناملہ دیکھ کر چار پور روت تک کا
ٹکٹ بنا دیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ریلوے ٹائم ٹیبل
کے میں ہمیں یقین نہیں۔ ہم یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ پر
ہم نے اصرار جاری رکھا۔ بابو نے ایک نہ سنی۔ جبکہ مارکر
ہمکو کھڑکور تک کا ٹکٹ لینا پڑا ورنہ گارنٹی بھی نہیں
ملنے والی تھی۔ جب یہ حالت ہم کو بھگتی پڑی تو معمولی
امنے مسافر کی کیا درگت ہوگی، ہم اچھی طرح سمجھ
سکتے ہیں۔

ریلوے منسٹر نے یہ بھی کہا بتایا جاتا ہے کہ کرائے
پر محصول میں جو یہ فرق آئوں نے کیا تو وششفہ
ڈیپارٹمنٹ کے سبھاؤ پر جو روس آدی گیا تھا۔ کہاں
روس اور امریکہ اور کہاں ہم! ان دونوں ماکرن
میں ہی زمین زیادہ ہے اور آبادی کم۔ ہندستان
میں ٹیک آلتی صورت ہے—زمین کم اور آبادی زیادہ۔
لیکن ہمارے وشیشکھ لوگ اس بنیادی بات کو ہی بھول
جاتے ہیں اور روس یا امریکہ کا طرز یا وہاں کا
آرتھاسسٹر ہم پر لانا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے
کہ پچھم کی نقل کریں، ریلوے منسٹر سیدھا
سادا راستہ اختیار کرستے ہیں کہ میل میل کا کرایہ
ایک۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ریلوے منسٹر بڑا
ہردیشی اور ہمت والا ہوگا جو یہ کہ سکے کہ
آپ تیسرے درجے کے کرائے میں کمی کر دی گئی
ہے اور کرائے کی در ایکسی رہیگی۔ ہمارا خیال
ہے کہ اس سے آمد رنت بھی بڑھیک اور آمدنی
بھی بڑھیک۔ لیکن ہمارے ریلوے منسٹر نے
یہ کچھ نہ کرکے وہی پرانا، دھنلوس، پونجی
والی طریقہ اپنایا کہ دکھیا اور سکھیا پر ہی
چوت کرو۔

اس سلسلے میں ہم ایک آپ بیتی سناتے ہیں۔ اسی
فہری کے چوتھے ہفتے میں ہمیں الہ آباد سے جانا تھا چار
پور روت جو آریسے کے ٹکٹ ضاع ہوئے۔ بابو نے کہا کہ کھڑکور
تک کا ٹکٹ ملےگا۔ ہم نے کہا کہ ہمارے پاس ایسٹرن ریلوے
ٹائم ٹیبل ہے، آپ اس سے ناملہ دیکھ کر چار پور روت تک کا
ٹکٹ بنا دیجئے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ریلوے ٹائم ٹیبل
کے میں ہمیں یقین نہیں۔ ہم یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ پر
ہم نے اصرار جاری رکھا۔ بابو نے ایک نہ سنی۔ جبکہ مارکر
ہمکو کھڑکور تک کا ٹکٹ لینا پڑا ورنہ گارنٹی بھی نہیں
ملنے والی تھی۔ جب یہ حالت ہم کو بھگتی پڑی تو معمولی
امنے مسافر کی کیا درگت ہوگی، ہم اچھی طرح سمجھ
سکتے ہیں۔

ریلوے منسٹر نے یہ بھی کہا بتایا جاتا ہے کہ کرائے
پر محصول میں جو یہ فرق آئوں نے کیا تو وششفہ
ڈیپارٹمنٹ کے سبھاؤ پر جو روس آدی گیا تھا۔ کہاں
روس اور امریکہ اور کہاں ہم! ان دونوں ماکرن
میں ہی زمین زیادہ ہے اور آبادی کم۔ ہندستان
میں ٹیک آلتی صورت ہے—زمین کم اور آبادی زیادہ۔
لیکن ہمارے وشیشکھ لوگ اس بنیادی بات کو ہی بھول
جاتے ہیں اور روس یا امریکہ کا طرز یا وہاں کا
آرتھاسسٹر ہم پر لانا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے
کہ پچھم کی نقل کریں، ریلوے منسٹر سیدھا
سادا راستہ اختیار کرستے ہیں کہ میل میل کا کرایہ
ایک۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ریلوے منسٹر بڑا
ہردیشی اور ہمت والا ہوگا جو یہ کہ سکے کہ
آپ تیسرے درجے کے کرائے میں کمی کر دی گئی
ہے اور کرائے کی در ایکسی رہیگی۔ ہمارا خیال
ہے کہ اس سے آمد رنت بھی بڑھیک اور آمدنی
بھی بڑھیک۔ لیکن ہمارے ریلوے منسٹر نے
یہ کچھ نہ کرکے وہی پرانا، دھنلوس، پونجی
والی طریقہ اپنایا کہ دکھیا اور سکھیا پر ہی
چوت کرو۔

تیسرے درجے والے مسافر لاکھوں ایسے ہیں جو 'سواگت' یا 'ودائی' کے 'الس' میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نئے سچاؤ سوچتے وقت ریلوے منسٹر نے بھوکھیا اور دکھیا ز کا دھیان نہیں رکھ کر سکیا کا زیادہ دھیان رکھا۔

جب ہم مالگادی کے نئے کرایوں کو دیکھتے ہیں تب تو ہمارا یہ خیال ایک دم پکا ہو جاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ معمولی کشتکار یا کاریگر یا چھوٹے ویاپاری کو اپنا مال نزدیک ہی بیچنا پڑتا ہے۔ تین سو میل سے کم سو اب آئے زیادہ کرایہ چکانا پڑیگا۔ مثال کے طور پر فیص آباد میں چلائے لوگ۔ کھڑا ہتے ہیں۔ وہ کھڑا آس پاس بکا کرنا ہے۔ 'آب آباد' کا زور، 'لکھنؤ' بنارس وغیرہ۔ یہ سب جگہیں فیص آباد سے تین سو میل سے کم پر ہیں۔ لہذا محصول زیادہ لگایا اور ہنکر کا مال مہنگا ہو جائیگا۔ مل کے مقابلے میں آج وہ دہستہ ہی نہیں تک پاتا ہے کل اور نہیں تھوہ سکتا۔ یہی نہیں، ریلوے منسٹر نے ایک کمال یہ کیا ہے کہ بیس من سے کم کے بوجہ پر سرچارج دو آٹھ روپیہ بڑھا دیا! اور کم سے کم محصول ایک روپیہ کی بجائے تیرہ روپیہ کر دیا!! ظاہر ہے کہ ماہوں یا ہڑے ویاپاری جب اپنا مال بیچتے ہیں تو ٹنوں میں ہوتا ہے لیکن چھوٹے لوگوں کا تو من، پانچ من، دس من، حد بیس من! پر ان کے اوپر ہی سرچارج لگا دیا گیا۔ اگر کل مال پچاس چارے وہ بیس من کا ہو یا بیس تن کلسر چارج لگنا تب تو سمجھ میں کچھ آتا کہ بیانی! ریلوے آمدنی بڑھانے کی غرض سے ایسا کر رہی ہے۔ لیکن بیس من سے کم پر سرچارج لگانا ایک دم زیادتی ہے، ناانصافی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر نزدیک—300 میل کے اندر—کہیں جانا ہو تو سواری گاڑی کا کرایہ زیادہ ہو گیا۔ مال گاڑی کا محصول بھی زیادہ ہو گیا۔ اسے ہم سرکار کا پکشتان کے متوہ کیا سمجھ سکتے ہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ چنار کے آدمی کو اپنے برتن مرزاپور—اپنے ضلع میں ہی—بیچنا ہے تو زیادہ خرچ کرنا پڑیگا۔ لیکن احمد آباد کی مل والوں کو اپنا کھڑا چنار بیچنا ہو تو کم خرچ پڑیگا۔ رئیس کے ساتھ طرنداری اور غریب کے ساتھ یہ بھوکھیا؟ یہ تو سودیشی دھرم کی پہرانا کے بیہ خلاف ہے کہ میں پڑوسی کی خدمت کرنا چاہوں تو گھانا اُٹھانا پڑے اور دور—بہت دور—رہنے والے کی خدمت کروں تو نزع رہے! دوسرا ایسی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو چیز یہاں پیدا ہوتی ہے اس کے آس پاس میں وہ مہنگی ہوگی، دور سستی ہوگی! یہ

تیسرے درجے والے مسافر لاکھوں ایسے ہیں جو 'سواگت' یا 'ودائی' کے 'الس' میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نئے سچاؤ سوچتے وقت ریلوے منسٹر نے بھوکھیا اور دکھیا ز کا دھیان نہیں رکھ کر سکیا کا زیادہ دھیان رکھا۔

جب ہم مال گاڑی کے نئے کرایوں کو دیکھتے ہیں تب تو ہمارا یہ خیال ایک دم پکا ہو جاتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ معمولی کشتکار یا کاریگر یا چھوٹے ویاپاری کو اپنا مال نزدیک ہی بیچنا پڑتا ہے۔ تین سو میل سے کم سو اب آئے زیادہ کرایہ چکانا پڑیگا۔ مثال کے طور پر فیص آباد میں چلائے لوگ۔ کھڑا ہتے ہیں۔ وہ کھڑا آس پاس بکا کرنا ہے۔ 'آب آباد' کا زور، 'لکھنؤ' بنارس وغیرہ۔ یہ سب جگہیں فیص آباد سے تین سو میل سے کم پر ہیں۔ لہذا محصول زیادہ لگایا اور ہنکر کا مال مہنگا ہو جائیگا۔ مل کے مقابلے میں آج وہ دہستہ ہی نہیں تک پاتا ہے کل اور نہیں تھوہ سکتا۔ یہی نہیں، ریلوے منسٹر نے ایک کمال یہ کیا ہے کہ بیس من سے کم کے بوجہ پر سرچارج دو آٹھ روپیہ بڑھا دیا! اور کم سے کم محصول ایک روپیہ کی بجائے تیرہ روپیہ کر دیا!! ظاہر ہے کہ ماہوں یا ہڑے ویاپاری جب اپنا مال بیچتے ہیں تو ٹنوں میں ہوتا ہے لیکن چھوٹے لوگوں کا تو من، پانچ من، دس من، حد بیس من! پر ان کے اوپر ہی سرچارج لگا دیا گیا۔ اگر کل مال پچاس چارے وہ بیس من کا ہو یا بیس تن کلسر چارج لگنا تب تو سمجھ میں کچھ آتا کہ بیانی! ریلوے آمدنی بڑھانے کی غرض سے ایسا کر رہی ہے۔ لیکن بیس من سے کم پر سرچارج لگانا ایک دم زیادتی ہے، ناانصافی ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر نزدیک—300 میل کے اندر—کہیں جانا ہو تو سواری گاڑی کا کرایہ زیادہ ہو گیا۔ مال گاڑی کا محصول بھی زیادہ ہو گیا۔ اسے ہم سرکار کا پکشتان کے متوہ کیا سمجھ سکتے ہیں؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ چنار کے آدمی کو اپنے برتن مرزاپور—اپنے ضلع میں ہی—بیچنا ہے تو زیادہ خرچ کرنا پڑیگا۔ لیکن احمد آباد کی مل والوں کو اپنا کھڑا چنار بیچنا ہو تو کم خرچ پڑیگا۔ رئیس کے ساتھ طرنداری اور غریب کے ساتھ یہ بھوکھیا؟ یہ تو سودیشی دھرم کی پہرانا کے بیہ خلاف ہے کہ میں پڑوسی کی خدمت کرنا چاہوں تو گھانا اُٹھانا پڑے اور دور—بہت دور—رہنے والے کی خدمت کروں تو نزع رہے! دوسرا ایسی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو چیز یہاں پیدا ہوتی ہے اس کے آس پاس میں وہ مہنگی ہوگی، دور سستی ہوگی! یہ

ہے۔ اس لمبا سڑک کے آگے پھر ٹھیک دیکھتا ہے۔ ریلوے منسٹر کا یہ نوکس ڈیڑھ میل لگتا ہے۔ اس لئے ڈیڑھ سو میل سے کم سفر کرنے والے کو زیادہ کرایہ دینا پڑے گا۔ 10 سے 300 میل تک جو جائیگا اس سے کوئی بیشی کرایہ نہیں لیا جائیگا لیکن ڈیڑھ سو میل کا کرایہ تو زیادہ دینا ہی ہوگا۔ مگر 300 میل سے اوپر جو سفر کریں گے انہیں معمولی سواری گاڑی پر کرائے میں آدھی پانی فی میل کی اور ڈاک گاڑی پر ایک پانی فی میل کی چھوٹ دی جائیگی۔ لیکن چونکہ ڈیڑھ سو میل کا بیشی دام دینا ہی ہوگا اس لئے کرائے میں کمی 3+0 میل (ڈاک یا ایکسپریس گاڑی) یا 3+10 میل (عامی گاڑی) سے مل سکیگی۔

ریلے کے کاراجاں خود بتاتے ہیں کہ ریلوے کے مسافروں کا آسٹریٹ سفر تیس میل کا ہوتا ہے۔ آج 30 میل کے پندرہ سولہ آئے دینا پڑتے ہیں۔ لیکن پہلی ایڈریل سے آٹھ پانی یعنی تین پیسے اور دینا پڑے گا۔ دوسرے لفظوں میں تین پیسے روٹے کے سیل ٹیکس کی بجائے ریل ٹیکس لگ گیا! اور اس بیشی کرائے کا اثر لگ بھگ نوے پرتیشت مسافروں پر پڑے گا۔ اس طرح ریلوے منسٹر نے بھوکھیا اور دکھیا کو سہولیت دینے کے بجائے آٹھ نئی چوٹ کی۔

اب ذرا سکھیا کو لیں۔ یہ بڑے لوگ یا تو ہوا-فاؤس دے میں چلا کرتے ہیں یا پہلے دوسرے درجوں میں۔ بتایا گیا ہے کہ ہوا-فاؤس دے والوں کو اب 300 میل تک کے سفر کے لئے چار پانی فی میل اور 300 میل کے اوپر دو پانی فی میل بیشی دینا پڑے گا۔ لیکن سولے والی سیٹ کے جو پانچ روپے آئے جاتے تھے وہ چھڑ دئے گئے۔ یعنی 300 میل کے سفر کے لئے 1200 پانی بیشی نہ لیکر محض 240 پانی زیادہ لی جائیگی—یعنی ایک پانی فی میل بھی بڑھوتری سکھیا پر نہیں کی گئی۔ پھر، یہ کون نہیں جانتا کہ ہوا-فاؤس اور پہلے درجے کے ڈیڑھ سو میل سفر کرنے والے زیادہ تر لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو سفر کا خرچہ یا تو سرکار سے ملتا ہے، یا کسی کمپنی سے یا کسی ساروجنک سنسٹا سے۔ ہمیں شہ ہے کہ پانچ فیصدی سے بھی زیادہ لوگ ان اونچے والے درجوں میں اپنے نجی خرچ سے چلتے ہیں۔ ہمیں یہ یقین ہے کہ اگر ریلوے ان ہوا-فاؤس اور پہلے درجے کا کرایہ دگڑا کر دے، تب بھی یہ لوگ ان میں چلنے کے ہی۔ اگر ریلوے منسٹر ایسا کرنے کی ہمت کریں تو سہجے ان کی آمدنی بہت گنی بڑھ سکتی ہے۔ ہاں، ہوسکتا ہے کہ ہوا-فاؤس دے میں نہ چلکر کچھ لوگ ہوائی جہاز سے چلتے ہوں۔ لیکن اس کے دام میں بھی تو فرق کی گئی گنجائش ہے۔

پلیٹ فارم ٹکٹ کا دام دو آنے سے گھٹکر ایک آنہ ہوا کرے گا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ایک شٹل ہے سکھیا لوگوں کا یا کچھ لوگوں کا نشن ہے۔

پلیٹ فارم ٹکٹ کا دام دو آنے سے گھٹکر ایک آنہ ہوا کرے گا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ایک شٹل ہے سکھیا لوگوں کا یا کچھ لوگوں کا نشن ہے۔

پلیٹ فارم ٹکٹ کا دام دو آنے سے گھٹکر ایک آنہ ہوا کرے گا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ایک شٹل ہے سکھیا لوگوں کا یا کچھ لوگوں کا نشن ہے۔

پلیٹ فارم ٹکٹ کا دام دو آنے سے گھٹکر ایک آنہ ہوا کرے گا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ایک شٹل ہے سکھیا لوگوں کا یا کچھ لوگوں کا نشن ہے۔

پلیٹ فارم ٹکٹ کا دام دو آنے سے گھٹکر ایک آنہ ہوا کرے گا۔ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پلیٹ فارم ٹکٹ ایک شٹل ہے سکھیا لوگوں کا یا کچھ لوگوں کا نشن ہے۔

روس کے ساتھ ساتھ ہی ایٹمی ہتھیاروں کو ختم کرنے پر تیار نہیں ہے۔ آج امریکہ کی ساری پالیسی کا आधार ایٹم بم ہے۔ وہ ایٹم بم کو ہی اپنی شکتی سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ایٹم بم کے بل بوتے پر وہ روس کو جیکالے گا۔ دنیا کی معصوم جنتا کا کیا حال ہوگا اس کی آئے پرواہ نہیں۔ یورپ میں یہ خیال بھی زور پکڑ رہا ہے کہ ایٹمی لڑائی میں روس کا نقصان کم ہوگا لیکن برطانیہ، فرانس، ہالینڈ اور بیلجیئم جیسے دیشوں کا تختہ الٹ جائے گا۔ انگلینڈ کے ویکٹوریوں کا کہنا ہے کہ دو نہیں تو زیادہ سے زیادہ ایٹم بم انگلینڈ کو سدا کے لئے ختم کر دینگے۔ یورپ کی جنتا اسی لئے بہت پریشان ہے۔ آشا ہے کہ امریکی جنتا بھی ایٹم بم کی پھیلتا کو محسوس کرے گی اور ہر صورت سے اپنی سرکار کو مجبور کرے گی کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں کو بالکل ختم کر دے، دوسرے ہتھیاروں میں کمی کرے، دنیا بھر میں پھیلے اپنے فوجی اڈوں کو توڑ دے اور سنسار میں پھیلی اپنی فوجوں کو واپس بلا لے۔ اسی میں دنیا کا تلبان ہے اور خود امریکہ کا بھی پھل ہے۔

1-3-55

—موجیب ریخوی

رےلے بجزٹ پر اک نجر

آجکل سرکاری ہلکوں میں آرمیجی کے تین لفظ بہت چلے رہے ہیں: development یعنی وکاس، Welfare State یعنی کल्याنکاری ریاست اور socialistic pattern یعنی سماجواادی ڈانچا۔ آج یہ لفظ آرمیجی کے ہیں۔ اسلئے باریکی کے ساتھ انکا سولہ آنا اور سہی متلےب وہی سمبھکتے ہیں۔ انکی ماتر باپا آرمیجی ہے یا بہت ہد تک آرمیجی ہے۔ ہم جیسے لوگ تو مہجھ آندا آنا لگا سکتے ہیں۔ لیکن اک بات ہم آچھی ترھ جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ جیسے مکان جب بنتا ہے تو بنیاد سے ہی بننا ہے، اسی طرح وکاس، ہوا، تلبان کاری راجیہ، ہوا یا سماج وادی تہانچہ، ہوا، اُس میں ہلی پرواہ نیچے کے لوگوں کی یعنی غریبوں کی ہونی چاہئے۔ ہمارے یہاں کھات بھی ہے۔ پہلے ہو گیا، پھر دکھیا اور پاچھ سکیا۔ اس نظر سے ہم ذرا ریلوے بجزٹ کو دیکھنا چاہتے ہیں جو 19 فروری کو پارلیامنٹ میں ریلوے منسٹر شری لال بہادر شاستری نے پیش کیا۔

اپنی بجزٹ اسپیک میں ریلوے منسٹر نے کہا کہ آج جو چالو کرایہ مسافر گاڑی اور مال گاڑی کا ہے اُس میں دوربین کے تھنگ پر فرق کیا جائیگا۔ دوربین کی خوبی ہے کہ بہت نزدیک کا اُسے نہیں دیکھتا۔ ایک خاص امبانی ہوتی ہے۔ جیسے نوکس کہتے ہیں۔ جب اُسے صاف دیکھتا

—موجیب ریخوی

1.3.55

ریلوے بجزٹ پر ایک نظر

آجکل سرکاری ہلکوں میں انگریزی کے تین لفظ بہت چلے رہے ہیں: development یعنی وکاس، Welfare State یعنی کल्याنکاری ریاست اور socialistic pattern یعنی سماج وادی تہانچہ۔ اب یہ لفظ انگریزی کے ہیں اس لئے باریکی کے ساتھ انکا سولہ آنا اور صحیح مطالب وہی سمجھ سکتے ہیں جنکی ماتر پینشا انگریزی ہے یا بہت حد تک انگریزی ہے۔ ہم جیسے لوگ تو محض اندازہ لگا سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ جیسے مکان جب بنتا ہے تو بنیاد سے ہی بننا ہے، اسی طرح وکاس، ہوا، تلبان کاری راجیہ، ہوا یا سماج وادی تہانچہ، ہوا، اُس میں ہلی پرواہ نیچے کے لوگوں کی یعنی غریبوں کی ہونی چاہئے۔ ہمارے یہاں کھات بھی ہے۔ پہلے ہو گیا، پھر دکھیا اور پاچھ سکیا۔ اس نظر سے ہم ذرا ریلوے بجزٹ کو دیکھنا چاہتے ہیں جو 19 فروری کو پارلیامنٹ میں ریلوے منسٹر شری لال بہادر شاستری نے پیش کیا۔

اپنی بجزٹ اسپیک میں ریلوے منسٹر نے کہا کہ آج جو چالو کرایہ مسافر گاڑی اور مال گاڑی کا ہے اُس میں دوربین کے تھنگ پر فرق کیا جائیگا۔ دوربین کی خوبی ہے کہ بہت نزدیک کا اُسے نہیں دیکھتا۔ ایک خاص امبانی ہوتی ہے۔ جیسے نوکس کہتے ہیں۔ جب اُسے صاف دیکھتا

اس میں امریکی سرکار کی پالیسی کو ہر طرح مدد دے گا اور اس کے لئے کام کرے گا۔

دور دور اور امریکا

26 فروری کو ڈیلس سٹارک نے سٹارک کی راجधानی بنگاکاک میں کہا ہے کہ :—

”دور دور میں امریکا کے چار سو سمنڈری بیڑے ہیں، تین لاکھ سمنڈری کڑیج ہے، تین لاکھ تھل سنا ہے اور ہوائی جہاز ہوائی جہاز کے تیس اسکوائرڈین ہیں۔“

28 فروری کے اخباروں میں خبر چھپی ہے کہ دور دور کی اپنی فوجوں کو امریکا نے ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔ اب وہ ایٹمی ہتھیاروں کو توپ بندوق، معمولی گولوں جیسا ہی ہتھیار سمجھتا ہے۔

ساتھ ہی یہ خبر آئی ہے :—واشنگٹن میں آئیڈیون ہاؤس سے اخبارداروں نے پوچھا ہے کہ ایٹمی ہتھیار کے تجربے کیا بند کر دیئے جائیں گے؟ انہوں نے صاف کہا کہ ”ہرگز نہیں۔“ ایٹمی ہتھیاروں اور دوسرے ہتھیاروں میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ اگر ہر دور ہتھیاروں پر روک لگائی جائے گی تو ایٹمی ہتھیار پر بھی روک لگے گی، نہیں تو نہیں۔

ایسی صورت میں ایٹمی ہتھیاروں کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اس کے حل نہ ہونے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، یہ دنیا کے سامنے صاف ہے۔

کسی ایٹمی ہتھیار معمولی ہتھیاروں جیسے ہی ہیں

کسی ایٹمی ہتھیاروں اور دوسرے ہتھیاروں میں سب سے فرق نہیں ہے؟ یو۔ این۔ او۔ میں امریکی نمائندے لاج صاحب کا یہ ترک کیا ٹھیک ہے کہ آئی چاہے بندوق کی گولی سے مرے اور چاہے ایٹم بم سے، بات ایک ہی ہے؟ دیکھانوں کی بات اگر صحیح ہے اور جن خطروں کی طرف وہ جنتا کا دھیان دلاتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو پھر یہ ماننا ہی پڑے گا کہ ایٹم بم دوسرے ہتھیاروں سے بالکل الگ ہے۔ ایسے ہی ایٹمی ہتھیار اور دوسرے ہتھیاروں کا فرق صاف ہے۔ دوسرے ہتھیاروں کا کام توڑنے سے لوگوں کی جان لینے پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ایٹمی ہتھیار اننگت بے گناہ لوگوں کی جان بھی لیتے ہیں اور اپنا اثر پڑھیں تک کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

ہتھیار تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف ہتھیار کے کام آتے ہیں جیسے ڈیال وغیرہ، دوسرے وہ جو مارنے کے کام آتے ہیں جیسے تارپیڈو یا بندوق وغیرہ اور تیسرے وہ ہتھیار جو مارنے کے کام بھی آتے ہیں اور ہتھیار کے کام بھی آتے ہیں جیسے تلوار، جہاز یا اور دوسرے اسی طرح کے ہتھیار۔ مارنے اور ہتھیاروں کا کام

ساتھ ہی یہ خبر آئی ہے :—واشنگٹن میں آئیڈیون ہاؤس سے اخبارداروں نے پوچھا ہے کہ ایٹمی ہتھیار کے تجربے کیا بند کر دیئے جائیں گے؟ انہوں نے صاف کہا کہ ”ہرگز نہیں۔“ ایٹمی ہتھیاروں اور دوسرے ہتھیاروں میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ اگر ہر دور ہتھیاروں پر روک لگائی جائے گی تو ایٹمی ہتھیار پر بھی روک لگے گی، نہیں تو نہیں۔

دور دور اور امریکا

28 فروری کے اخباروں میں خبر چھپی ہے کہ دور دور کی اپنی فوجوں کو امریکا نے ایٹمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا ہے۔ اب وہ ایٹمی ہتھیاروں کو توپ بندوق، معمولی گولوں جیسا ہی ہتھیار سمجھتا ہے۔

ساتھ ہی یہ خبر آئی ہے :—واشنگٹن میں آئیڈیون ہاؤس سے اخبارداروں نے پوچھا ہے کہ ایٹمی ہتھیار کے تجربے کیا بند کر دیئے جائیں گے؟ انہوں نے صاف کہا کہ ”ہرگز نہیں۔“ ایٹمی ہتھیاروں اور دوسرے ہتھیاروں میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ اگر ہر دور ہتھیاروں پر روک لگائی جائے گی تو ایٹمی ہتھیار پر بھی روک لگے گی، نہیں تو نہیں۔

ایسی صورت میں ایٹمی ہتھیاروں کا مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ اس کے حل نہ ہونے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، یہ دنیا کے سامنے صاف ہے۔

کسی ایٹمی ہتھیار معمولی ہتھیاروں جیسے ہی ہیں

کسی ایٹمی ہتھیاروں اور دوسرے ہتھیاروں میں سب سے فرق نہیں ہے؟ یو۔ این۔ او۔ میں امریکی نمائندے لاج صاحب کا یہ ترک کیا ٹھیک ہے کہ آئی چاہے بندوق کی گولی سے مرے اور چاہے ایٹم بم سے، بات ایک ہی ہے؟ دیکھانوں کی بات اگر صحیح ہے اور جن خطروں کی طرف وہ جنتا کا دھیان دلاتے ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو پھر یہ ماننا ہی پڑے گا کہ ایٹم بم دوسرے ہتھیاروں سے بالکل الگ ہے۔ ایسے ہی ایٹمی ہتھیار اور دوسرے ہتھیاروں کا فرق صاف ہے۔ دوسرے ہتھیاروں کا کام توڑنے سے لوگوں کی جان لینے پر ختم ہو جاتا ہے لیکن ایٹمی ہتھیار اننگت بے گناہ لوگوں کی جان بھی لیتے ہیں اور اپنا اثر پڑھیں تک کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔

ہتھیار تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو صرف ہتھیار کے کام آتے ہیں جیسے ڈیال وغیرہ، دوسرے وہ جو مارنے کے کام آتے ہیں جیسے تارپیڈو یا بندوق وغیرہ اور تیسرے وہ ہتھیار جو مارنے کے کام بھی آتے ہیں اور ہتھیار کے کام بھی آتے ہیں جیسے تلوار، جہاز یا اور دوسرے اسی طرح کے ہتھیار۔ مارنے اور ہتھیاروں کا کام

نننانہ ہزار ڈالر سالانہ امریکہ خرچ کرتا ہے۔ ان لوگوں پر امریکہ کی تیرہ لاکھ ستر ہزار نوچ موجود ہے۔ امریکہ کے اندر بھی سولہ لاکھ دو ہزار نوچ موجود ہے۔ ان دونوں گنتیوں کا فرق دھپان دینے کی چیز ہے۔ نوچی سپاہیوں کے علاوہ ایک لاکھ ستر ہزار۔ غیر نوچی امریکن دوسرے ملکوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو لاکھ آٹھارہ ہزار ایسے امریکن ہیں جو دوسری سرکاروں کے ادھین و دیہوں میں کام کرتے ہیں۔ امریکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار جوملوں کو جرمن سکے میں تنخواہ دیتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گور سے زیادہ باہر اپنے دیہ کی ”رکشا“ کے لئے امریکن کم کر رہے ہیں۔

ویدیشوں میں امریکی جاسوس

آخر یہ غیر نوچی امریکی ویدیشوں میں کیا کرتے ہیں ؟ اسے تو بیرونی دھرم پرچار، شکشا و ستار وغیرہ کا باتا یہ دھارن کئے رہتے ہیں پر ان میں سے زیادہ تر کا خاص کام جاسوسی ہے۔ انکلیٹنڈ میں ایک ”آپوزر سروس“ ہے۔ اس کی ایک خبر 27 فروری کے ”ہندستان ٹائمس“ میں چھپی ہے۔ فارموسا میں ”سٹرین انٹر پرائز انکوریوشن“ نام کی ایک سنسٹھا ہے۔ اس کے مالک امریکی ہیں اور ”اس کا دفتر چانگ - کائی - شیک کے نوٹس استھان سے ملا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سے چانگ - کائی - شیک پر نظر رکھی جاتی ہے کہ کہیں وہ کمیونسٹوں سے مل نہ جائیں۔ اس سنسٹھا کو حال میں دو سو پچانو لاکھ فرانسیس ملا تھا۔ ایک چینی انسبر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ وہ جانتا تھا کہ پورے فارموسا میں بھی دو سو پچانو نہیں ہیں“ پھر اتنے پچانو کی لے کی اجازت کہیں دی گئی ؟ اس نے کچھ شور مچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن چیک سے وہ نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ اس سنسٹھا نے نام سوئی نامی جگہ پر ”سبوتاژ“ یعنی توڑ پھوڑ سکھانے کے لئے ایک اسکول کھول رکھا ہے۔ اب اس سنسٹھا کا بیہ کھل گیا ہے۔ امریکی جاسوسی چال کا یہ ایک حصہ ہے۔ کہتے ہیں اس کو امریکی پوچھنی پتھوں سے اس سارے کام کے لئے روپیہ ملتا تھا۔ اب یہ سنسٹھا کھلم کھلا امریکی ٹیوری کمانڈ کے ادھین کر لی گئی ہے۔

دوسرے دیشوں میں امریکی سرکار کی جاسوسی کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عیسائی دھرم پرچار کے ماتھے پر بھی وہ ایک کلنگ کا ٹیٹا بن گئی ہے۔ پنڈت سند لال جی کی حال کی یورپ یانرا میں ایک بہت ہی ذمہ دار امریکی عیسائی پادری نے ان سے کہا کہ آجکل کسی امریکی عیسائی مشنری کو ویدیش جانے کے لئے پاسپورٹ اس وقت تک نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہ اس مضمون کے عہدنامے پر دستخط نہ کر دے کہ جس ملک میں وہ جائے گا

نننانہ ہزار ڈالر سالانہ امریکہ خرچ کرتا ہے۔ ان لوگوں پر امریکہ کی تیرہ لاکھ ستر ہزار نوچ موجود ہے۔ امریکہ کے اندر بھی سولہ لاکھ دو ہزار نوچ موجود ہے۔ ان دونوں گنتیوں کا فرق دھپان دینے کی چیز ہے۔ نوچی سپاہیوں کے علاوہ ایک لاکھ ستر ہزار۔ غیر نوچی امریکن دوسرے ملکوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو لاکھ آٹھارہ ہزار ایسے امریکن ہیں جو دوسری سرکاروں کے ادھین و دیہوں میں کام کرتے ہیں۔ امریکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار جوملوں کو جرمن سکے میں تنخواہ دیتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گور سے زیادہ باہر اپنے دیہ کی ”رکشا“ کے لئے امریکن کم کر رہے ہیں۔

ویدیشوں میں امریکی جاسوس

آخر یہ غیر نوچی امریکی ویدیشوں میں کیا کرتے ہیں ؟ اسے تو بیرونی دھرم پرچار، شکشا و ستار وغیرہ کا باتا یہ دھارن کئے رہتے ہیں پر ان میں سے زیادہ تر کا خاص کام جاسوسی ہے۔ انکلیٹنڈ میں ایک ”آپوزر سروس“ ہے۔ اس کی ایک خبر 27 فروری کے ”ہندستان ٹائمس“ میں چھپی ہے۔ فارموسا میں ”سٹرین انٹر پرائز انکوریوشن“ نام کی ایک سنسٹھا ہے۔ اس کے مالک امریکی ہیں اور ”اس کا دفتر چانگ - کائی - شیک کے نوٹس استھان سے ملا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں سے چانگ - کائی - شیک پر نظر رکھی جاتی ہے کہ کہیں وہ کمیونسٹوں سے مل نہ جائیں۔ اس سنسٹھا کو حال میں دو سو پچانو لاکھ فرانسیس ملا تھا۔ ایک چینی انسبر کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ وہ جانتا تھا کہ پورے فارموسا میں بھی دو سو پچانو نہیں ہیں“ پھر اتنے پچانو کی لے کی اجازت کہیں دی گئی ؟ اس نے کچھ شور مچایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن چیک سے وہ نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ اس سنسٹھا نے نام سوئی نامی جگہ پر ”سبوتاژ“ یعنی توڑ پھوڑ سکھانے کے لئے ایک اسکول کھول رکھا ہے۔ اب اس سنسٹھا کا بیہ کھل گیا ہے۔ امریکی جاسوسی چال کا یہ ایک حصہ ہے۔ کہتے ہیں اس کو امریکی پوچھنی پتھوں سے اس سارے کام کے لئے روپیہ ملتا تھا۔ اب یہ سنسٹھا کھلم کھلا امریکی ٹیوری کمانڈ کے ادھین کر لی گئی ہے۔

دوسرے دیشوں میں امریکی سرکار کی جاسوسی کی حد یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عیسائی دھرم پرچار کے ماتھے پر بھی وہ ایک کلنگ کا ٹیٹا بن گئی ہے۔ پنڈت سند لال جی کی حال کی یورپ یانرا میں ایک بہت ہی ذمہ دار امریکی عیسائی پادری نے ان سے کہا کہ آجکل کسی امریکی عیسائی مشنری کو ویدیش جانے کے لئے پاسپورٹ اس وقت تک نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہ اس مضمون کے عہدنامے پر دستخط نہ کر دے کہ جس ملک میں وہ جائے گا

सोवियत रूस के सुभाष पर तरह तरह की बातें कही गई हैं। बरतानिया वालों ने कहा कि इस सुभाष में कोई नई बात नहीं। कही गई। रूस यह सब बातें पहले भी कह चुका है। सिर्फ एक नई बात है और यह कह कि इस बार एक खास तरीका दे दी गई है कि उस दिन जितनी कौज और जितने हथियार हैं वे दोगे आखिरी माने जायं।

रूस के सुंभाव पर अमरीकियों की राय

अमरीका के बड़े बड़े राजकाजियों और बड़े बड़े अखबारों की राय का निचोड़ यह है :

1—रूस का यह केवल प्रोपेगण्डा है. इसमें कोई जान नहीं है.

2—अमरीका के पास ऐटमी हथियार बहुत ज्यादा हैं। इसीलिये रूस डरता है, अगर लड़ाई अब तक नहीं छिड़ी तो इसका कारन यह है कि अमरीका के पास ऐटमी हथियारों की ताकत है, अगर यह हथियार खत्म हुए तो रूस हमला कर देगा।

3—रूस चाहता है कि पच्छिमी जर्मनी की फौजी ताकत न बढ़ने पाए। अगर हमने रूस के सुभाव को मान लिया तो हम जर्मनी को हथियार से लैस नहीं कर पाएंगे, इसीलिये रूस ने आखरी तारीख पहली जनवरी रखी है क्योंकि अभी तक पेरिस सम्मेलित को सब शर्तों ने मान्यता नहीं दी और जर्मनी को हथियार सुहैया नहीं किये जा सके।

4—पेटम हथियार रूतम होने पर हम कमजोर हो जायेंगे. गैर पेटमी लड़ाई में जीत या हार बहुत कुछ फ़ौजों की तादाद पर निर्भर होती है. उस में हम रूस और चीन का मुकाबला नहीं कर सकते.

प्रश्न उठता है कि किस को किस से खतरा है, अमरीकी सरकार कहती है कि रूस योरोप और अमरीका को हड़प कर जाएगा, इस डर से हम अपने हथियार बढ़ा रहे हैं, रूस वाले कहते हैं कि अमरीका वाले हमारे चारों तरफ फौजी जाल बिछाए हुए हैं, हमें इन्से खतरा है, अगर यह फौजी जाल हट जाए तो हम इतमीनान से रचनात्मक कामों में लग सकें, क्या रूस की फौज अमरीका और इंग्लैंड या फ्रांस के चारों तरफ पड़ी है? क्या रूस ने चारों तरफ फौजी अडे क्रायम कर रखे हैं?

विदेशों में अमरीकी फ़ौजी जाल

कोई भी अमरीकी रूस पर यह दोष नहीं लगाता, लेकिन दूसरी तरफ, अमरीका वाले खुद अपनी फौजी ताकत का प्रचार करते हैं और रूस के खतरे को सच साबित करते हैं, अभी हाल में 'न्यूयार्क टाइम्स' में नीचे दिया ब्योरा छपा है :—

अपने देश से बाहर दुनिया भर में अमरीका के 950 फौजी अड़े हैं। इन अड़ों पर साठ करोड़, सोलह लाख,

سوویٹ روس کے سچھوڑ پر طرح طرح کی باتیں کہی گئی
 تھیں۔ برطانیہ والوں نے کہا کہ اس سچھوڑ میں کوئی نئی بات
 نہیں کہی گئی۔ روس یہ سب باتیں پہلے ہی کہ چکا ہے۔
 صرف ایک نئی بات ہے اور وہ یہ کہ اس بار ایک خاص
 تاریخ دے دی گئی ہے کہ اُس دن جتنی فوج اور جتنے ہتیار
 ہیں وہ آخری مالے جائیں۔

روس کے سبھاؤ پر امریکیوں کی رائے

امریکہ کے بڑے بڑے راج کاجیوں اور بڑے بڑے اخباروں کی رائے کانچوڑیہ ہے :

1- روس کا یہ کیول پروپگنڈہ ہے۔ اس میں کوئی جان نہیں ہے۔

2۔ امریکہ کے پاس ایٹمی ہتھیار بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے روس ترہا ہے۔ اگر لڑائی اب تک نہیں چھڑی تو اس کا کلان یہ ہے کہ امریکہ کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی طاقت ہے۔ اگر یہ ہتھیار ختم ہوئے تو روس حد درجہ کا۔

3۔ روس چلنا ہے کہ پیچھے جرمنی کی فوجی طاقت نہ بڑھنے پائے۔ اگر ہم نے روس کے سمجھوتہ کو مان لیا تو ہم جرمنی کو ہتھیار سے ایس نہیں کوبائیں گے۔ اسی لئے روس نے آخری تاریخ پہلی جنوری رکھی ہے کیونکہ ابھی تک پورس سمجھوتے کو سب راشٹروں نے ماننا نہیں دی اور جرمنی کو ہتھیار مہیا نہیں کئے جائے۔

۱۔ ایٹمی ہتھیار ختم ہونے پر ہم کمزور ہو جائیں گے۔ غیر ایٹمی لڑائی میں جیت یا ہار بہت کچھ فوجوں کی تعداد پر فربہ ہوتی ہے اُس میں ہم دوس اور چین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

پوشن اُٹھتا ہے کہ کس کو کس سے خطرہ ہے۔ امریکی سرکار کہتی ہے کہ روس یورپ اور امریکہ کو روپ کرچکا ہے۔ اس قدر سے ہم اپنے ہتھیار بڑھا رہے ہیں۔ روس والے کہتے ہیں کہ امریکہ والے ہمارے چاروں طرف فوجی جال بچھائے ہوئے ہیں، ہمیں ان سے خطرہ ہے۔ اگر یہ فوجی جال ہٹ جائیں تو ہم اطمینان سے رچنانک کلاں میں لگ سکیں۔ کیا روس کی فوجیں امریکہ اور انٹلیجنٹ یا فرانسیس کے چاروں طرف پڑی ہیں؟ کیا روس نے چاروں طرف فوجی آئے قائم کر رکھے ہیں؟

وڈیشن مہن امریکی فوجی جال

کوئی بھی امریکی درس پر یہ دوش نہیں لگاتا۔ لیکن دوسری طرف امریکہ والے خود اپنی فوجی طاقت کا پرچار کرتے ہیں اور درس کے خطرے کو سچ ثابت کرتے ہیں۔ ابھی حال میں ’نہنہارک ٹائمس‘ میں نیٹو کے دیا بدورا چبھا ہے: —

اپنے دیس سے باہر دنیا بھر میں امریکہ کے 950
 فرجی اقامت ہیں۔ ان اقامتوں پر ساٹھ کروڑ سولہ لاکھ

سات ہزار ورج میل میں ریڈیو ایٹمو لہریں پھیل جاتی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ریڈیو ایٹمو لہریں ہوا میں مل کر وسیعوت کی جگہ سے ہزاروں میل کی پائرا طے کرتی ہیں اور سارے رابو منزل کو وشیلہ بناتی ہیں۔ دوسری طرف کہا گیا ہے کہ ایک انسان جتنی ریڈیو ایٹمو لہریں برداشت کر سکتا ہے اُس سے کم ریڈیو ایٹمو لہریں ان تجربوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ پتہ نہیں کہ امریکی سرکار کے ہاتھ کے یہ کتھنلی ویکٹانک خود دھوکے میں ہیں یا جان بوجہ کر جنتا کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں !

ایک طرف ایٹمی ہتھیاروں کو ختم کرنے کی بات ہو رہی ہے اور دوسری طرف برطانیہ نے 17 فروری کو اعلان کیا ہے کہ وہ بھی ایٹم اور ہائڈروجن بم قیام کرائے گا۔ رہی سہی امید کو ایک تھیس اور اکی ۔

ایٹم بم کے خاتمے کے لیے روس کا سوभाव

19 فروری کو روسی ریڈیو نے روسی سرکار کی طرف سے نیچے لکھے سوभाव رلے :

1—جیتنے ہی ایٹم یا ہائڈروجن بم کسی بھی راشٹر کے پاس ہوں، ون سبکو برবাদ کر دیا जाए۔ ایٹمی شاکت سیرک رचनात्मक कामوں में लगाई जाए۔

2—1 جنوری سن 1955 کو جس راشٹر کے پاس جیتنی فوج تھی اور اُس کے پاس جتنے ہتھیار تھے، اُس سے زیادہ فوج یا ہتھیار کسی دیش میں نہ بڑھائے جائیں۔ سن 1955 کے فوجی بجٹ کو آخری مان لیا जाए اور فوجی خرچ کبھی بھی اس سے زیادہ نہ کیا جائے۔

3—ہن کسٹلوں پر دیکھ رلے کرنے اور امل کرانے کا کام ایک انٹروشرڈی کمیशन کے سپرد کیا जाए۔

4—دुनिया کی تمام जनता को ऐटमी हथियारों से खतरा है۔ दुनिया के सब लोग चाहते हैं कि हथियारों और फौजों में कमी हो۔ इसलिये दुनिया भर के राश्ट्रों की एक कानفرنस की जाए जिसका उद्देश्य हो सब तरह के हथियारों में कमी करना और उनपर रोक लगाना۔ इस कानفرنस को यू۔ एन۔ आ. के मेम्बर राश्ट्रों तक ही सीमित न रखा जाए बल्कि दुनिया के हर राश्ट्र को इसमें बुलाया जाए۔

एक तरफ़ रुस के यह सुभाब हैं और दूसरी तरफ़ अमरीका के सेक्रेटरी डलेस साहब को संधियों और अहदनामों पर विश्वास ही नहीं है। 17 फरवरी को एक सभा में उन्होंने कहा :—

“यह समझ लेना खतरनाक है कि सिरक संधियां और अहदनामे ही हमारी उस भारी जिम्मेदारी को हलका कर देंगे जो शान्ति कायम करने के सम्बन्ध में हमारे कर्धों पर आ पड़ी है।”

سات هزار ورج ميل میں ریڈیو ایٹمو لہریں پھیل جاتی ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ریڈیو ایٹمو لہریں ہوا میں مل کر وسیعوت کی جگہ سے ہزاروں میل کی پائرا طے کرتی ہیں اور سارے رابو منزل کو وشیلہ بناتی ہیں۔ دوسری طرف کہا گیا ہے کہ ایک انسان جتنی ریڈیو ایٹمو لہریں برداشت کر سکتا ہے اُس سے کم ریڈیو ایٹمو لہریں ان تجربوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ پتہ نہیں کہ امریکی سرکار کے ہاتھ کے یہ کتھنلی ویکٹانک خود دھوکے میں ہیں یا جان بوجہ کر جنتا کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں !

ایک طرف ایٹمی ہتھیاروں کو ختم کرنے کی بات ہو رہی ہے اور دوسری طرف برطانیہ نے 17 فروری کو اعلان کیا ہے کہ وہ بھی ایٹم اور ہائڈروجن بم قیام کرائے گا۔ رہی سہی امید کو ایک تھیس اور اکی ۔

ایٹم بم کے خاتمے کے لئے روس کا سوभाव

19 فروری کو روسی ریڈیو نے روسی سرکار کی طرف سے نیچے لکھے سوभाव رلے :

1—جیتنے ہی ایٹم یا ہائڈروجن بم کسی بھی راشٹر کے پاس ہوں، اُن سب کو برباد کر دیا جائے۔ ایٹمی شکتی صرف رچڈانمک کاموں میں لگائی جائے۔

2—پہلی جنوری سن 1955 کو جس راشٹر کے پاس جتنی فوج تھی اور اُس کے پاس جتنے ہتھیار تھے، اُس سے زیادہ فوج یا ہتھیار کسی دیش میں نہ بڑھائے جائیں۔ سن 1955 کے فوجی بجٹ کو آخری مان لیا جائے اور فوجی خرچ کبھی بھی اس سے زیادہ نہ کیا جائے۔

3—ان فیصاوں پر دیکھ رلے کرنے اور عمل کرانے کا کام ایک انٹر راشٹری کمییشن کے سپرد کیا جائے۔

4—دुनिया کی تمام जनता को ऐटमी हथियारों से खतरा है۔ दुनिया के सब लोग चाहते हैं कि हथियारों और फौजों में कमी हो۔ इसलिये दुनिया भर के राश्ट्रों की एक कानفرنस की जाए जिसका उद्देश्य हो सब तरह के हथियारों में कमी करना और उनपर रोक लगाना۔ इस कानفرنस को यू۔ एन۔ आ. के मेम्बर राश्ट्रों तक ही सीमित न रखा जाए बल्कि दुनिया के हर राश्ट्र को इसमें बुलाया जाए۔

ایک طرف روس کے یہ سوभाव ہیں اور دوسری طرف امریکہ کے سکرٹری ڈانس صاحب کو سندھیوں اور عہدناموں پر وشواس ہی نہیں ہے۔ 17 فروری کو ایک سبھا میں انھوں نے کہا :—

”یہ سمجھ لینا خطرناک ہے کہ صرف سندھیاں اور عہدنامے ہی ہماری اُس پہاری ذمہداری کو ہلکا کر دیں گے جو شانتی قائم کرنے کے سہیندہ میں ہمارے کنڈھوں پر آ پڑی ہے۔“

امریکا اور ایٹمی ہتھیار

9 فروری سن 1955 کو روس کی سوپریم سوویٹ نے اپنی سرکار کو آدیش دیا کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں پر وٹ لگائے، فوجی طاقت کو کم کرنے اور ایٹمی شکی کو دچھناٹک لکھوں میں لگائے کے سمبندھ میں دوسرے راشٹروں سے بات چیت کرے اور اس معاملے میں سمجھوتہ کرنے پر انہیں راضی کرے۔ روس کی طرف سے اس طرح کے سچھاؤ بڑے ہی آتے رہے ہیں۔ یو۔ این۔ آر۔ کی نویں جنرل اسمبلی کے سامنے بھی روس نے اس طرح کے سچھاؤ رکھے تھے لیکن اُن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

امریکا میں ایٹم بم کے تجزیے

دنیا کی جنٹا آشا بھی نگاہوں سے بڑے راشٹروں کی طرف دیکھنے لگی۔ اُمدید تھی کہ اس بار ضرور کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے گی۔ لیکن 13 روری کو امریکا نے اعلان کیا کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں میں نپ ایٹمی ہتھیاروں کرنے جا رہا ہے۔ اسی بیان میں کہا گیا کہ اب تک 32 ایٹم بم تیار کیے گئے ہیں۔ تیسرا ہتھیار بم نیواہا میں فیکا جالغا اور چار مہینے تک یہ تیار کیے چلتے رہے۔ ان چار مہینوں میں گیارہ دنہ تجزیہ کیا جائے گا۔

دنیا کی جنٹا میں عام طور سے اور امریکی جنٹا میں خاص طور سے اس اعلان سے پچینی کی لہر درز گئی۔ اسی اعلان کے ساتھ ساتھ امریکا کے ایٹمی شکی کمیشن کے رپورٹ بھی جنٹا کے سامنے آئی۔ اسی رپورٹ کے انٹرسا تجزیہ کے طور پر جو ایٹم اور ہائڈروجن بم چھوڑے جاتے ہیں اُن کا انسان اور جانوروں دونوں پر ہیانک اثر پڑتا ہے۔ خاص طور سے نئے پیدا ہونے والے بچوں کی تندرستی اور اُن کے جسموں پر اس کا پڑھاؤ گہرا ہوتا ہے۔ اس طرح کی رپورٹیں جنٹا کے لئے نہیں ہوتیں اور نہ ہی انہیں جنٹا کی جانکاری کے لئے چھاپا جاتا ہے۔ لیکن جنٹا کے اندر پچینی اس حد تک بڑھ گئی کہ امریکی سرکار کے سامنے در ہی راستہ رہ گئے۔ ایک یہ کہ ایٹم بم کا تجربہ بند کر دیا جائے یا دوسرے یہ کہ کسی طرح جنٹا کی پچینی اور تخریم کیا جائے۔ ایٹم بم کے تجربہ کو چھوڑنا سرکار کو اچت نہیں معلوم ہوا۔ اُس نے جنٹا کو بہلانے کی کوشش شروع کی۔ اُنزورنے اپنے بیان میں کہا کہ ہم ایٹم رپورٹ کو اس لئے چھوڑا رہے ہیں کہ جنٹا کے دل میں جو تر بیٹھ گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ اس رپورٹ میں ایک طرف ہیانک اثروں کا ذکر ہے اور دوسری طرف جنٹا کو نہ کرنے کا اُپدیش دیا گیا ہے۔ ایک طرف یہ کہا گیا ہے کہ ایک ایٹم بم کے پڑنے سے

دنیا کی جنٹا آشا بھی نگاہوں سے بڑے راشٹروں کی طرف دیکھنے لگی۔ اُمدید تھی کہ اس بار ضرور کوئی نہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے گی۔ لیکن 13 فروری کو امریکا نے اعلان کیا کہ وہ ایٹمی ہتھیاروں میں نپ ایٹمی ہتھیاروں کرنے جا رہا ہے۔ اسی بیان میں کہا گیا کہ اب تک 32 ایٹم بم تیار کیے گئے ہیں۔ تیسرا ہتھیار بم نیواہا میں فیکا جالغا اور چار مہینے تک یہ تیار کیے چلتے رہے۔ ان چار مہینوں میں گیارہ دنہ تجزیہ کیا جائے گا۔

دنیا کی جنٹا میں عام طور سے اور امریکی جنٹا میں خاص طور سے اس اعلان سے پچینی کی لہر درز گئی۔ اسی اعلان کے ساتھ ساتھ امریکا کے ایٹمی شکی کمیشن کے رپورٹ بھی جنٹا کے سامنے آئی۔ اسی رپورٹ کے انٹرسا تجزیہ کے طور پر جو ایٹم اور ہائڈروجن بم چھوڑے جاتے ہیں اُن کا انسان اور جانوروں دونوں پر ہیانک اثر پڑتا ہے۔ خاص طور سے نئے پیدا ہونے والے بچوں کی تندرستی اور اُن کے جسموں پر اس کا پڑھاؤ گہرا ہوتا ہے۔ اس طرح کی رپورٹیں جنٹا کے لئے نہیں ہوتیں اور نہ ہی انہیں جنٹا کی جانکاری کے لئے چھاپا جاتا ہے۔ لیکن جنٹا کے اندر پچینی اس حد تک بڑھ گئی کہ امریکی سرکار کے سامنے در ہی راستہ رہ گئے۔ ایک یہ کہ ایٹم بم کا تجربہ بند کر دیا جائے یا دوسرے یہ کہ کسی طرح جنٹا کی پچینی اور تخریم کیا جائے۔ ایٹم بم کے تجربہ کو چھوڑنا سرکار کو اچت نہیں معلوم ہوا۔ اُس نے جنٹا کو بہلانے کی کوشش شروع کی۔ اُنزورنے اپنے بیان میں کہا کہ ہم ایٹم رپورٹ کو اس لئے چھوڑا رہے ہیں کہ جنٹا کے دل میں جو تر بیٹھ گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ اس رپورٹ میں ایک طرف ہیانک اثروں کا ذکر ہے اور دوسری طرف جنٹا کو نہ کرنے کا اُپدیش دیا گیا ہے۔ ایک طرف یہ کہا گیا ہے کہ ایک ایٹم بم کے پڑنے سے

بجٹ اور رینگ روغن پر ان کی قیمت کے حساب سے 10 فی صدی پیداوار ٹیکس لگایا گیا ہے۔ سستی سگریٹوں کو چھوٹ دے کر مہنگی سگریٹوں کو اور بھی مہنگا بنایا گیا ہے۔ کپڑے کے باہر جانے کے ٹیکس کو کم کر کے چائے کا مہسولہ بڑھا دیا گیا ہے۔ واپس دینے کی دے دی گئی ہے تو آواہٹوں پر ٹیکس کا بھار بڑھایا گیا ہے۔ چار آدمیوں کے پڑبوار کو راحت دے کر 7500 روپیہ سالانہ سے ادھک آمدنی والوں پر ٹیکس کا بھار بڑھایا گیا ہے۔ اس طرح کٹریوٹ کر کے عام جنتا کی آنکھوں میں دھواں جھونکنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ٹیکسوں کی یہ بڑھتی اس بچت کے ساتھ سمپت ہونے والی نہیں ہے۔ شری دیپس مکہ نے یہ بہت صاف شدوں میں کہ دیا ہے کہ انہیں اتنا سم نہیں مل سکا کہ وہ: مٹھائی کمیٹیشن کی ساری سفارشات پر غور کر کے ٹیکسوں کے بڑھانے کا پورا انتظام کر سکتے۔ جلدی ہی ان پر غور کر کے، ان پر عمل کرنے اور ٹیکسوں کو اور ادھک بڑھانے کی بات بھی صاف شدوں میں کہ دی گئی ہے۔ اس لئے غریب لوگوں کو اور ادھک ٹیکسوں کے نئے بھار کو اٹھانے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہئے۔ سارے بچت کو دیکھنے سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ بچت جنتا بچت نہیں پونجی پتی بچت ہے۔ بچت تیار کرنے والوں کی نگاہ میں گاؤں کے لوگوں یا عام غریب جنتا کا ہٹ اتنا نہیں ہے جتنا بڑے لوگوں، پونجی پتوں اور مل مالکوں کا ہٹ اور سرکار کی آمدنی بڑھانا۔

سماج والی آدرش کی ہتیا

آردی میں کانگریس نے جس سماج والی آدرش کو اٹھ ادھک اٹسہ کے ساتھ منظور کیا ہے اس کی ان دہنوں ہی بچتوں میں اور صوبوں کے بچتوں میں نہیں کندنہ ہی دیکھ نہیں پڑتی۔ سماج والی آدرش کا مطلب جو بھی کیا جاتا ہو، لیکن یہ مانا جاتا ہے کہ اس میں غریب اور عام جنتا کو ٹیکسوں کے بھار سے ادھک سے ادھک راحت دی جانی چاہئے اور راشٹر کی سمپتی کا اس کو ادھک سے ادھک لاپہ ملنا چاہئے۔ ایسا ان میں سے کسی بھی بچت میں نہیں کیا گیا ہے۔ درنوں ہی بچتوں میں غریب کی چمکی ہوئی پیتھ پر اور بھی ادھک بار لگ دیا گیا ہے۔

شری دیپس مکہ نے مانا ہے کہ کھیتی اور کارخانوں کی پیداوار بڑھنے سے بھی پہلی پنچسالہ یोजना سے پروردگاری پر کچھ بھی قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کے لئے دوسری پنچسالہ یोजना میں کوشش کی جائے گی۔ انہی ہی غنیمت ہے کہ اس ناکامیابی کو اپنے منہ سے خود ہی سرکار کر لیا گیا ہے۔ پدی کانگریس نے سچائی اور ایمانداری سے اس آدرش کو سوینکار کیا ہے تو اس کا کچھ تو ابھاس صوبوں کے اور کینڈر کے ان بچتوں سے اوشہ ملنا چاہئے تھا۔

ٹیکسوں کی یہ بڑھتی اس بچت کے ساتھ سمپت ہونے والی نہیں ہے۔ شری دیپس مکہ نے یہ بہت صاف شدوں میں کہ دیا ہے کہ انہیں اتنا سم نہیں مل سکا کہ وہ: مٹھائی کمیٹیشن کی ساری سفارشات پر غور کر کے ٹیکسوں کے بڑھانے کا پورا انتظام کر سکتے۔ جلدی ہی ان پر غور کر کے، ان پر عمل کرنے اور ٹیکسوں کو اور ادھک بڑھانے کی بات بھی صاف شدوں میں کہ دی گئی ہے۔ اس لئے غریب لوگوں کو اور ادھک ٹیکسوں کے نئے بھار کو اٹھانے کے لئے ابھی سے تیار رہنا چاہئے۔ سارے بچت کو دیکھنے سے یہ صاف ہو جاتا ہے کہ بچت جنتا بچت نہیں پونجی پتی بچت ہے۔ بچت تیار کرنے والوں کی نگاہ میں گاؤں کے لوگوں یا عام غریب جنتا کا ہٹ اتنا نہیں ہے جتنا بڑے لوگوں، پونجی پتوں اور مل مالکوں کا ہٹ اور سرکار کی آمدنی بڑھانا۔

سماج والی آدرش کی ہتیا

آبادی میں کانگریس نے جس سماج والی آدرش کو اٹھ ادھک اٹسہ کے ساتھ منظور کیا ہے اس کی ان دہنوں ہی بچتوں میں اور صوبوں کے بچتوں میں نہیں کندنہ ہی دیکھ نہیں پڑتی۔ سماج والی آدرش کا مطلب جو بھی کیا جاتا ہو، لیکن یہ مانا جاتا ہے کہ اس میں غریب اور عام جنتا کو ٹیکسوں کے بھار سے ادھک سے ادھک راحت دی جانی چاہئے اور راشٹر کی سمپتی کا اس کو ادھک سے ادھک لاپہ ملنا چاہئے۔ ایسا ان میں سے کسی بھی بچت میں نہیں کیا گیا ہے۔ درنوں ہی بچتوں میں غریب کی چمکی ہوئی پیتھ پر اور بھی ادھک بار لگ دیا گیا ہے۔

شری دیپس مکہ نے مانا ہے کہ کھیتی اور کارخانوں کی پیداوار بڑھنے سے بھی پہلی پنچسالہ یोजना سے پروردگاری پر کچھ بھی قابو نہیں پایا جاسکا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کے لئے دوسری پنچسالہ یोजना میں کوشش کی جائے گی۔ انہی ہی غنیمت ہے کہ اس ناکامیابی کو اپنے منہ سے خود ہی سرکار کر لیا گیا ہے۔ پدی کانگریس نے سچائی اور ایمانداری سے اس آدرش کو سوینکار کیا ہے تو اس کا کچھ تو ابھاس صوبوں کے اور کینڈر کے ان بچتوں سے اوشہ ملنا چاہئے تھا۔

करते होंगे. अधिकतर गरीब जनता छोटे सफर करने वाली ही होती है. 151 से 300 मील तक या अधिक सफर करने वाले ज्यादातर मध्य वर्ग के और धनी वर्ग के ही लोग होते हैं. इस तरह राहत तो मिलेगी बड़े लोगों को और धनी वर्ग को और किराये की दर में बढ़ती का भार पड़ेगा गरीब जनता पर. इसी तरह माल की दुलाई में पूरे वैगन पर खाने के सामान और केमिकल खादों पर और लम्बी दूरी पर छूट का फायदा भी किसी गरीब किसान या मजदूर को न मिलकर अमीर और मिल मालिकों या व्यापारियों का ही मिलेगा. आम जनता के लिये छोटे पारसलों पर कम से कम महसूल एक रुपये से डेढ़ रुपये कर दिया गया है और मामूली दर में दो आना रुपया बढ़ा दिया गया है. इस बढ़ती का सारा बोझ भी आम गरीब जनता पर ही अधिक पड़ेगा.

प्लेटफार्म टिकट दो आने से एक आना कर दिया गया है. उसका चलन आम तौर पर उन बड़े स्टेशनों पर ही है जहाँ पढ़े लिखे लोग या बड़े लोग अधिक रहते हैं. छोटे स्टेशनों पर इनका चलन नहीं है. इसलिये इस छूट का लाभ भी पढ़े लिखे लोगों या बड़े लोगों का ही अधिक मिलेगा. गांव की जनता को इससे कोई लाभ नहीं. रेलवे बजट की दूसरी रियायतें भी इसी तरह की हैं. ये बिल्कुल साफ है कि रेलवे का बजट आम जनता को सामने न रखकर केवल शहरियों, बड़े लोगों और पूंजीपतियों को सामने रखकर, उनके खर्च को कम करने और सरकार की आमदनी को बढ़ाने के विचार से ही तैयार किया गया है.

आम बजट में भी ऐसा ही किया गया है और आड़ ली गई है उस कमीशन की जो पिछले अर्थमंत्री डाक्टर जान मथाई की सदारत में टैक्सों के बारे में छानबीन करने के लिये कायम किया गया था, उसकी रिपोर्ट बजट के साथ ही शाया की गई है. उसने जो रास्ता बना दिया उसपर श्री चिन्तामणि देशमुख ने पैर बढ़ाया है. इस यही जाहिर होता है कि कमीशन टैक्स बढ़ाने की तजवीजों सोचने के मतलब से ही बिठलाया गया था और जो कुछ भी किया गया है वह सोच विचार कर बनाई हुई योजना के तहत किया गया है.

कृषिमंत्री ने दो ही दिन पहले चीनी के भाव घटाने की आशा दिलाई थी, पर अर्थमंत्री ने विदेशी चीनी पर महसूल बढ़ाकर और देशी चीनी की पैदावार पर नया टैक्स बिठाकर चीनी का भाव दो पैसे सेर बढ़ा दिया. इसी तरह टैक्स बढ़ाकर कपड़े की कीमत भी दो पैसे गज बढ़ा दी. कुछ चीजों पर से टैक्सों में कमी करके ऊनी कपड़े, सीने की मशीनें, बिजली के पंखे, बिजली के लट्टू, बिजली की ट्यूब, बिजली की स्टोरज बेटरियां, बिजली की ड्राई बेटरियां, अखबारी कागज के अलावा दूसरे कागज, गत्ते

करते होंगे. अदक तर गरीब जन्ता चोठे सफर करने वाली हों होती है. 151 से 300 मील तक या अदक सफर करने वाले त्रिधारे तर मधुधरे वर्ग के और धनी वर्ग के ही लोग होते हैं. इस तरा राहत तो मिलेगी बड़े लोगों को और धनी वर्ग को और किराये की दर में बढ़ती का भार पड़ेगा गरीब जनता पर. इसी तरा माल की दुलाई में पूरे वैगन पर खाने के सामान और केमिकल खादों पर और लम्बी दूरी पर छूट का फायदा भी किसी गरीब किसान या मजदूर को न मिलकर अमीर और मिल मालिकों या व्यापारियों का ही मिलेगा. आम जनता के लिये छोटे पारसलों पर कम से कम महसूल एक रुपये से डेढ़ रुपये कर दिया गया है और मामूली दर में दो आना रुपया बढ़ा दिया गया है. इस बढ़ती का सारा बोझ भी आम गरीब जनता पर ही अधिक पड़ेगा.

प्लेटफार्म टिकट दो आने से एक आना कर दिया गया है. उसका चलन आम तौर पर उन बड़े स्टेशनों पर ही है जहाँ पढ़े लिखे लोग या बड़े लोग अधिक रहते हैं. छोटे स्टेशनों पर इनका चलन नहीं है. इसलिये इस छूट का लाभ भी पढ़े लिखे लोगों या बड़े लोगों का ही अधिक मिलेगा. गांव की जनता को इससे कोई लाभ नहीं. रेलवे बजट की दूसरी रियायतें भी इसी तरह की हैं. ये बिल्कुल साफ है कि रेलवे का बजट आम जनता को सामने न रखकर केवल शहरियों, बड़े लोगों और पूंजीपतियों को सामने रखकर, उनके खर्च को कम करने और सरकार की आमदनी को बढ़ाने के विचार से ही तैयार किया गया है.

आम बजट में भी ऐसा ही किया गया है और आड़ ली गई है उस कमीशन की जो पिछले अर्थमंत्री डाक्टर जान मथाई की सदारत में टैक्सों के बारे में छानबीन करने के लिये कायम किया गया था, उसकी रिपोर्ट बजट के साथ ही शाया की गई है. उसने जो रास्ता बना दिया उसपर श्री चिन्तामणि देशमुख ने पैर बढ़ाया है. इस यही जाहिर होता है कि कमीशन टैक्स बढ़ाने की तजवीजों सोचने के मतलब से ही बिठलाया गया था और जो कुछ भी किया गया है वह सोच विचार कर बनाई हुई योजना के तहत किया गया है.

कृषिमंत्री ने दो ही दिन पहले चीनी के भाव घटाने की आशा दिलाई थी, पर अर्थमंत्री ने विदेशी चीनी पर महसूल बढ़ाकर और देशी चीनी की पैदावार पर नया टैक्स बिठाकर चीनी का भाव दो पैसे सेर बढ़ा दिया. इसी तरह टैक्स बढ़ाकर कपड़े की कीमत भी दो पैसे गज बढ़ा दी. कुछ चीजों पर से टैक्सों में कमी करके ऊनी कपड़े, सीने की मशीनें, बिजली के पंखे, बिजली के लट्टू, बिजली की ट्यूब, बिजली की स्टोरज बेटरियां, बिजली की ड्राई बेटरियां, अखबारी कागज के अलावा दूसरे कागज, गत्ते

घाटा ही घाटा दिखायाग या है. सब सूबों को मिला कर इस साल में बिकास योजनाओं पर दो अरब से कुछ ज्यादा खर्च किया जा रहा है.

भारत सरकार के रेलवे बजट में साल की कुल आमदनी 292 करोड़ से ऊपर कूटी गई है. इसमें से रेलवे का कुल खर्च 214 करोड़ निकाल कर और बाक़ी में से 35 करोड़ ट्रट फंड में डालकर रेलवे को 43 करोड़ से ऊपर की बचत होती है. इस 43 करोड़ में से 36 करोड़ भारत सरकार के खर्च के लिये देने के बाद भी रेलवे के पास लगभग 8 करोड़ फालतू बचे रहते हैं. खर्च जो बेतहाशा बढ़ा है वह अलग रहा.

आम बजट में 30 करोड़ का घाटा दिखाकर इक्कीस बाईस करोड़ का घाटा नये टैक्स लगा कर पूरा कर लिया गया है. 54-55 के बजट में आमदनी चार अरब, इक्यावन करोड़, तिहत्तर लाख; खर्च चार अरब सरसठ करोड़ नौ लाख, घाटा पन्द्रह करोड़ छत्तीस लाख कूता गया था. उसमें अर्ध पन्द्रह करोड़ की जगह केवल पांच करोड़ घाटा होने की इम्मीद है. एक ही साल में चार अरब सरसठ करोड़ का खर्च करीब करीब पांच अरब तक पहुंच गया. 55-56 के बजट में आमदनी चार अरब इक्यावन करोड़ से बढ़कर चार अरब अड़सठ करोड़ तक पहुंच गई है. लेकिन खर्च के बढ़ जाने से तीस करोड़ सत्तरह लाख का घाटा रह जाने का अन्दाज़ा किया गया है. उसके लिये नये टैक्स लगा कर लगभग बाईस करोड़ की नई आमदनी का इन्तज़ाम कर लिया गया है. फिर भी आठ करोड़ सैतालीस लाख का घाटा पूरा किये बिना ही बजट को छोड़ दिया गया है.

नये टैक्स

रेलवे बजट और आम बजट दोनों में ही नये टैक्स लगाये गये हैं और पुराने टैक्सों में कतरब्योंत भी की गई है. इस कतरब्योंत की वजह से ही दोनों बजटों को जादूगरों का खेल कहना चाहिये. रेलवे बजट यदि छोटे जादूगर का छोटा खेल है, तो आम बजट बड़े जादूगर का बड़ा खेल. अक्सस तो यह है कि रेलवे बजट में रेलवे के टिकट और भाड़े की दरों में बढ़ती करके भी यह दिखाने की कोशिश की गई है कि जनता पर कोई भार नहीं डाला गया. रेलवे सफ़र और माल भेजने की दूरी को तीन भागों में बांटा गया है. 150 मील तक सफ़र करने वालों के लिये रेलवे के टिकट की दर बढ़ा दी गई है. 151 से 300 मील तक सफ़र करने वालों के लिये किराये की दर पुरानी ही रहने दी गई है. 300 मील से ऊपर सफ़र करने वालों के लिये किराये की दर कम कर दी गई है. हम यह नहीं भूल सकते कि हमारे गरीब मुल्क में ज्यादातर रोज़ाना सफ़र करने वाले वे गरीब लोग हैं जो मुश्किल से कभी डेढ़ सौ या उससे अधिक मील का सफ़र

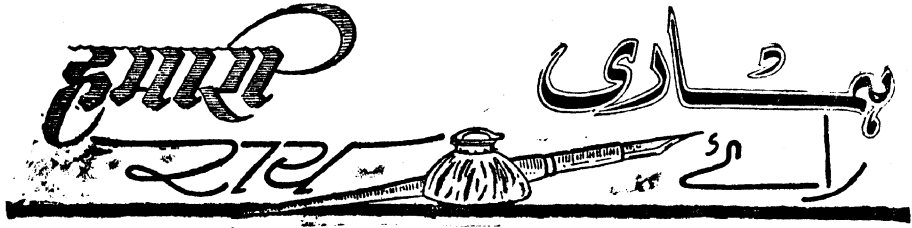
क़ाता ही क़ाता दक़ाया गया है. सब सूबों को मिला कर इस साल में बिकास योजनाओं पर दो अरब से कुछ ज्यादा खर्च किया जा रहा है.

भारत सरकार के रेलवे बजट में साल की कुल आमदनी 292 करोड़ से ऊपर कूटी गئی है. इस में से रेलवे का कुल खर्च 214 करोड़ निकाल कर और बाक़ी में से 35 करोड़ ट्रट फंड में डालकर रेलवे को 43 करोड़ से ऊपर की बचत होती है. इस 43 करोड़ में से 36 करोड़ भारत सरकार के खर्च के लिये देने के बाद भी रेलवे के पास लगभग 8 करोड़ फालतू बचे रहते हैं. खर्च जो बेतहाशा बढ़ा है वह अलग रहा.

عام بھٹ میں 30 کروڑ کا کھٹا دکھا کر اکیس بائیس کروڑ کا کھٹا نمٹے ٹیکس لگا کر پورا کر لیا گیا ہے. 54-55 کے بھٹ میں آمدنی چار ارب، اکیاون کروڑ، تھتر لاکھ؛ خرچ چار ارب سرسٹھ کروڑ، نولاکھ؛ کھٹا پندرہ کروڑ چھتیس لاکھ کونا گیا تھا. اُس میں اب پندرہ کروڑ کی جگہ کیول پانچ کروڑ کھٹا ہونے کی اُمید ہے. ایک ہی سال میں چار ارب سرسٹھ کروڑ کا خرچ قریب قریب پانچ ارب تک پہنچ گیا. 55-56 کے بھٹ میں آمدنی چار ارب اکیاون کروڑ سے بڑھ کر چار ارب ارسٹھ کروڑ تک پہنچ گئی ہے. لیکن خرچ کے بڑھ جانے سے ٹیکس کروڑ سترہ لاکھ کا کھٹا رہ جانے کا اندازہ کیا گیا ہے. اُس کے ائمہ نمٹے ٹیکس لگا کر لگ بھگ بائیس کروڑ کی نئی آمدنی کا انتظام کر لیا گیا ہے. پھر بھی آٹھ کروڑ سینتالیس لاکھ کا کھٹا پورا نہ بنا ہی بھٹ کو چھوڑ دیا گیا ہے.

نئے ٹیکس

ریلوے بھٹ اور عام بھٹ دونوں میں ہی نئے ٹیکس لگانے گئے ہیں اور پرانے ٹیکسوں میں کتربونیٹ بھی کی گئی ہے. اِس کتربونیٹ کی وجہ سے ہی دونوں بھٹوں کو جادوگروں کا کیل کہنا چاہئے. ریلوے بھٹ میں چھوٹے جادوگر کا چھوٹا کیل ہے، تو عام بھٹ بڑے جادوگر کا بڑا کیل. انسوس تو یہ ہے کہ ریلوے بھٹ میں ریلوے کے ٹکٹ اور بیازے کی دروں میں بڑھتی کر کے بھی یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ جتنا زر کوئی بھار نہیں ڈالا گیا. ریلوے سفر اور مال بھرجنے کی دوری کو تین بھاگوں میں بانٹا گیا ہے. 150 مایل تک سفر کرنے والوں کے لئے ریلوے کے ٹکٹ کی در بڑھا دی گئی ہے. 151 سے 300 مایل تک سفر کرنے والوں کے لئے کرائے کی در پرانی ہی رہنے دی گئی ہے. 300 مایل سے اوپر سفر کرنے والوں کے لئے کرائے کی در کم کر دی گئی ہے. ہم یہ نہیں بھول سکتے کہ ہمارے غریب ملک میں زیادہ تر روزانہ سفر کرنے والے وہ غریب لوگ ہیں جو مشکل سے کبھی تیرہ سو یا اُس سے ادھک مایل کا سفر



घाटे के बजट

फरवरी के महीने में सुबों की सरकारों और भारत सरकार के बजट पेश किये जाते हैं. बहुत से सुबों के और भारत सरकार के बजट पेश किये जा चुके हैं. बाकी बजट भी अगले 15 दिनों में पेश कर दिये जायेंगे. अब तक के बजटों में बम्बई सुबे के अलावा बाकी सभी सुबों के और केन्द्र के बजट में भी घाटा दिखाया गया है. घाटा जिस शकल में दिखाया गया है, उससे ऐसा मालूम होता है जैसे कि वह किसी खास मकसद से दिखलाया गया हो. यह घाटा इतना भी नहीं है जिसको आसानी से पूरा नहीं किया जा सकता था. अधिकतर सुबों में घाटे को पूरा करने की कोई खास कोशिश नहीं की गई है और यह यकीन दिलाया गया है कि खर्च में कमी करके उसको साल के आखिर में बराबर कर दिया जायगा. किसी भी सुबे में इसी बजह से कोई नये टैक्स नहीं लगाये गये. केवल मद्रास में घाटे को पूरा करने के लिये लगान पर दो आना रुपया सरचार्ज, तम्बाकू पर बिक्री टैक्स और इनके सिवा कुछ दूसरे टैक्स भी लगाये गये हैं. किसी भी सुबे में जनता को कोई रिआयत या राहत नहीं दी गई है, सिवाय इसके कि मद्रास में मिडल तक की पढ़ाई उन बच्चों के लिये मुफ्त कर दी गई है जिनके मां बाप की आमदनी सालाना 1200 रुपया या इससे कम है और मध्य भारत में लड़कियों की पढ़ाई हाई स्कूल तक मुफ्त कर दी गई है. मध्य भारत में रोडवेज के किराये में भी डेढ़ पाई की मील की कमी की गई है.

आजकल के अर्थशास्त्री घाटे का बजट पेश करने में ही कामयाबी मानते हैं. हमारे देश में पंचसाला योजना के कारन भी घाटे का बजट पेश करना अधिक मुनासिब समझा गया है. इसकी एक बजह यह भी है कि बजट में घाटा दिखाकर ही विकास योजनाओं पर अधिक से अधिक खर्च किया जा सकता है और उस खर्च की आलोचना करने वालों का मुंह बन्द किया जा सकता है. यह पंचसाला योजना का पांचवा साल है. इसलिये भी सब बजटों में

گھاتے کے بجٹ

نروزی کے مہینہ میں صوبوں کی سرکاروں اور بھارت کے بجٹ پیش کئے جاتے ہیں. بہت سے صوبوں کے اور بھارت سرکار کے بجٹ پیش کئے جا چکے ہیں. باقی بجٹ بھی اگلے 15 دنوں میں پیش کر دینے جائیں گے. اب تک کے بجٹوں میں بمبئی صوبے کے علاوہ باقی سبھی صوبوں کے اور کھنڈر کے بجٹ میں بھی گھاتا دکھایا گیا ہے. گھاتا جس شکل میں دکھایا گیا ہے، اُس سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ وہ کسی خاص مقصد سے دکھایا گیا ہو. یہ گھاتا اتنا ہی نہیں ہے جس کو آسانی سے پورا نہیں کیا جا سکتا تھا. ادھک تر صوبوں میں گھاتے کو پورا کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی ہے اور یہ یقین دلایا گیا ہے کہ خرچ میں کمی کر کے اُس کو سال کے آخر میں برابر کر دیا جائے گا. کسی بھی صوبے میں ایسی وجہ سے کوئی نئے ٹیکس نہیں لگائے گئے. کیوں مدراس میں گھاتہ کو پورا کرنے کے لئے لگان پر دو آئے روپیہ سرچارج، تمباکو پر بکری ٹیکس اور ان کے سوا کچھ دوسرے ٹیکس بھی لگائے گئے ہیں. کسی بھی صوبے میں جنتا کو کوئی رعایت یا راحت نہیں دی گئی ہے، سوائے اس کے کہ مدراس میں متل تک کی پڑھائی اُن بچوں کے لئے مفت کر دی گئی ہے جن کے ماں باپ کی آمدنی سالانہ 1200 روپیہ یا اس سے کم ہے. اور مدھیہ بھارت میں لڑکیوں کی پڑھائی ہائی اسکول تک مفت کر دی گئی ہے. مدھیہ بھارت میں رورٹریز کے کرائے میں بھی تیرہ پائی فی مہل کی کمی کی گئی ہے.

آجکل کے اर्थ شاستری گھاتے کا بجٹ پیش کرنے میں ہی کامیابی مانتے ہیں. ہمارے دیس میں پانچسالہ یوجنا کے کارن بھی گھاتے کا بجٹ پیش کرنا ادھک مناسب سمجھا گیا ہے. اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بجٹ میں گھاتا دکھا کر ہی وٹس یوجناؤں پر ادھک سے ادھک خرچ کیا جاسکتا ہے اور اُس خرچ کی آلوچنا کرنے والوں کا منہ بند کیا جا سکتا ہے. یہ پانچسالہ یوجنا کا پانچواں سال ہے. اس لئے بھی سب بجٹوں میں

پاس آیا۔ اُس کے پاس ایک دری تھی اور اُس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے اُس نے دری سے تھک رکھا تھا۔ اُس نے کہا — ”اے اللہ کے رسول! جب میں آپ کے پاس آ رہا تھا تو پیڑوں کے ایک چھت کے بیچ سے میں گزرا۔ مجھے وہاں چیزیں کے بچوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے انہیں پکڑ لیا۔ بچوں کی ماں میرے چاروں طرف پھرتی رہی۔ میں نے بچوں پر سے دری ہٹا دی اور ماں اُن کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ تب میں نے اُن سب کو اپنی دری میں لپیٹ لیا۔ جن بچوں کو میں نے پکڑا ہے وہ یہ ہیں۔“ پیغمبر نے کہا — ”انہیں تم نیچے اتارو۔“ اُس نے اُن بچوں کو نیچے رک دیا۔ ماں بچوں کے ساتھ رہی اور کسی طرح اُن سے الگ نہ ہوئی۔ پیغمبر نے اپنے صحابہوں سے کہا — ”اپنے بچوں کے ساتھ ماں کا یہ پریم دیکھ کر کیا تم لوگوں کو آشچہریہ ہو رہا ہے؟“ انہوں نے کہا — ”ہاں اے اللہ کے رسول!“ پیغمبر نے کہا — ”قسم اُس ذات پاک کی جس نے میرے گھٹ میں سچائی کو جگہ دی ہے! اُن بچوں کی ماں سے کہیں زیادہ اللہ اپنے بندوں سے پریم کرتا ہے۔ اُن سب کو لے کر تم اُسی جگہ واپس جاؤ اور انہیں وہیں چھوڑ دو، جہاں سے تم نے انہیں پکڑا ہے۔ اُن کی ماں کو یہی سہاہہ جاؤ اور وہیں چھوڑ دو۔“ تب وہ آدمی اُن سب کو لے کر واپس چلا گیا۔“ (ابوداؤد)

ایک اور حدیث ہے کہ:—

”ایک چڑیا کے گھونسلے سے کسی نے بچہ اُتار دیا۔“

اس پر محمد صاحب نے اُن آندوں کو گھونسلے میں واپس کھرا دیا۔“ (بخاری)

”بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں ابو ہریرہ کے حوالے سے یہ حدیث درج ہے، محمد صاحب نے ایک بار کہا کہ:—

”پچھلے پیغمبروں میں سے ایک کو کسی چیتنی نے کاٹ لیا۔ اُس پر اُس پیغمبر نے اُن چیتنیوں کے گھر یعنی بل کو بلا دینے کا حکم دے دیا۔ اللہ نے اُس پیغمبر پر رحمت بھیجی مانی اُسے اپنے گھٹ میں اللہ کی یہ آواز سنائی دی۔“ اگر ایک چیتنی نے تمہیں کاٹ لیا تو تم نے اُن کی قوم کی قوم کو جلا لا! اُن میں یہی تمہاری ہی طرح جان تھی۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح اپنے اللہ کی حمد یعنی استغیٰ گاۓ تھا۔“

جابر نے بیان کیا ہے کہ:—

”محمد صاحب کے پاس سے ایک آدمی ایک گدھا لے کر آیا۔ اُس گدھے کا منہ دغا ہوا تھا۔ پیغمبر نے یہ دیکھ کر کہا— ”خدا کا قہر (شاہ) اُس پر جس نے اُس گدھے کو دغا دیا!“ محمد صاحب نے کسی بھی جانور کے منہ پر مارنے یا اُسے داغنے سے منع کیا ہے۔“ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

”محمد صاحب کے پاس سے ایک آدمی ایک گدھا لے کر آیا۔ اُس گدھے کا منہ دغا ہوا تھا۔ پیغمبر نے یہ دیکھ کر کہا— ”خدا کا قہر (شاہ) اُس پر جس نے اُس گدھے کو دغا دیا!“ محمد صاحب نے کسی بھی جانور کے منہ پر مارنے یا اُسے داغنے سے منع کیا ہے۔“ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

मुहम्मद साहब ने फिर कहा कि :—“इस जानवर के साथ जिसका खुदा ने तुम्हें मालिक बनाया है बुरा सलूक करते हुए क्या तुम खुदा के खौफ से नहीं डरते ? यह ऊँट मुझसे शिकायत कर रहा है कि तुम इसको सताते हो और इतना काम लेते हो कि इसे थका देते हो।” (अबूदाऊद)

यात्रा में जानवरों को आराम पहुँचाने और उनके खाने पीने का ठीक ठीक प्रबन्ध करने पर मुहम्मद साहब बहुत जोर दिया करते थे। खालिद बिन मदन का बयान है कि मुहम्मद साहब ने एक दिन लोगों से कहा :—

“सचमुच अल्लाह दयालु है और वह उससे प्रेम करता है जो दूसरों पर दया करता है, अल्लाह ऐसे ही आदमी से खुश होता है और उसी की सहायता करता है, अल्लाह जुल्म करने वालों की मदद नहीं करता, इसलिये जब तुम बेजबान जानवरों पर सवारी करो तो जहाँ बह रुकना चाहें वहाँ ही उन्हें रोक दो, और अगर तुम्हारा रास्ता कंकरीली और बंजर ज़मीन पर से हो तो अपने साथ जानवरों के लिये काफ़ी पानी लेकर चलो, और तुम्हें चाहिये कि रात को सफ़र करो क्योंकि दिन के मुकाबले रात को तुम दोनों ज्यादा आराम से सफ़र कर सकते हो.” (मालिक)

अबू दुरैरा का बयान है कि मुहम्मद साहब ने एक बार लोगों से कहा कि—“अपने जानवरों की पीठ को खड़ा होने के लिये खूबतरा न बनाओ। अल्लाह ने उन्हें तुम्हारी मदद के लिये पैदा किया है ताकि तुम दूर दूर के देशों में जा सको जहाँ बघैर इन जानवरों की सहायता के पहुँचने में तुम्हें बड़ी मुशकिलें मिलनी पड़तीं।” (अबूदाऊद)

चिड़ियों को पकड़ने, उनको सताने, उनके अन्डे घोंसलों से उठाने और उनके बच्चों को पकड़ने को मुहम्मद साहब ने मना किया है। अबदुर्रहमान का बयान है कि उसका बाप अबदुल्ला कहा करता था कि :—

“हम लोग एक दिन मुहम्मद साहब के साथ सकर कर रहे थे. एक छोटी सी चिड़िया पर हमारी निगाह गई. उसके साथ दो बच्चे थे. हमने दोनों बच्चों को पकड़ लिया. उनकी माँ चारों तरफ फड़फड़ाने लगी. इतने में मुहम्मद साहब आ गए. उन्होंने यह देखकर कहा :—‘इसके बच्चों को पकड़ कर इसे किसने दुख पहुंचाया है ? इसके बच्चों को इसे लौटा दो.’ हमने चींटियों के एक बिल को भी आग लगा दी थी. मुहम्मद साहब ने जब उसे देखा तो पूछा कि :—‘इसे किसने जलाया है ?’ हमने कहा :—‘यह काम हम लोगों ने किया है.’ पैरामबर ने कहा :—‘उस अल्लाह के सिवा जो आग का मालिक है किसी को यह हक नहीं है कि किसी दूसरे को आग में जलने की सजा दे.’” (अबुदाऊद)

आमिर का एक बयान है जो अबूदाऊद में मुहम्मद बिन इसहाक की ज़बानी दर्ज है. आमिर कहता है कि :—

“हम लोग पैगम्बर के साथ थे जब एक आदमी उनके

محمد صاحب نے پھر کہا کہ: ’’اِس جانور کے ساتھ جس کا خدا نے تمہیں مالک بنایا ہے برا سلوک کرتے ہوئے کیا تم خدا کے خوف سے نہیں قترے؟ یہ ارادتِ متبعہ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اِس کو ستاتے ہو اور انذا کلم لیتے ہو کہ اِسے تھکا دیتے ہو۔‘‘ (ابوداؤد)

یانا میں جاتوروں کو آرام پہنچانے اور اُن کے کھانے پینے کا ٹھیک ترتیب پر بندھ کر نے پر محمد صاحب بہت زور دیا کرتے تھے۔ خالد بن معدن کا بیان ہے کہ محمد صاحب نے ایک دن لوگوں سے کہا:—

”سچ مچ اللہ دیا لہ اور اُس سے پوچھ کرنا ہے جو دوسروں پر دیا کرتا ہے، اللہ ایسے ہی آدمی سے خوش ہوتا ہے اور اُسی کی سہانگیاں کرتا ہے۔ اللہ ظالم کرنے والوں کی مدد نہیں کرتا۔ اِس لئے جب تم بے زبان جانوروں پر سوار کر دو تو جلیں وہ رکنا چاہیں وہاں ہی اُنہیں روک دو۔ اور اگر تمہارا راستہ ٹکڑیوں اور بچھڑے زمین پر سے ہو تو اپنے ساتھ جانوروں کے لئے کافی چارائے کو چارو اور تمہیں چاغفہ کے رات کو سفر کر کر کھینچے دن کے مقابلے رات کو تم دونوں زیادہ آرام سے سفر کر سکتے ہو۔“ (مالک)

ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ محمد صاحب نے ایک بار لوگوں سے کہا کہ: ”اپنے جاتوروں کی پیٹو کو کپڑا ہونے کے لئے چھوڑو نہ بناؤ۔ اللہ نے انہیں تمہاری مدد کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ تم دوزخ کے دیشوں میں جا سکو جہاں بغیر ان جاتوروں کی سہارا دے کے پہنچنے میں تمہیں بڑی مشکلیں جھیلنی پڑیں۔“ (ابو داؤد)

چیزوں کے پکڑنے، اُن کو ستانے، اُن کے انڈے گھونسلوں سے اُٹھانے اور اُن کے بچوں کو پکڑنے کو محمد صاحب نے منع کیا ہے۔ عبدالرحمن کا بیان ہے کہ اُس کا باپ عبداللہ کہا کرتا تھا کہ: —

”ہم لوگ ایک دن محمد صاحب کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی چوڑا ہر ہماری نگاہ گئی۔ اُس کے ساتھ دو بچے تھے۔ ہم نے درجنوں بچوں کو بکڑ لیا۔ اُن کی ماں چاروں طرف پتھر پھرانے لگی۔ اتنے میں محمد صاحب آ گئے۔ انہوں نے یہ دیکھ کر کہا: ”اِس کے بچوں کو بکڑ کر اِسے کس نے دیا؟ پہنچایا ہے؟ اِس کے بچوں کو اسے لوٹا دو۔“ ہم نے چیتھنوں کے ایک بل کو بھی آگ لگا دی تھی۔ محمد صاحب نے جب اُسے دیکھا تو ہچکا کہ: ”اِسے کس نے چلایا ہے؟“ ہم نے کہا: ”یہ کام ہم لوگوں نے کیا ہے۔“ پیغمبر نے کہا: ”اُس اللہ کے سوا جو آگ کا مالک ہے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو آگ میں جلنے کی سزا دے۔“

(ابو داؤد)

عمر کا ایک بیان ہے جو اردو ادب میں محمد بن اسحاق کی زبانی درج ہے۔ عمر کہتا ہے کہ: —

”ہم لوگ پیغمبر کے ساتھ تھے جب ایک آدمی اُن کے

اپنے من میں کہا: — ’جس طرح کی پیلس مجھے سنا رہی تھی اسی طرح کی پیلس سے بچیں ہوکر یہ کتا بھی پانی کے اسی سوتے کے پاس آیا ہے، وہ آدمی دربارہ کاؤں میں گھسا اور اپنے چوتے میں پانی بھر کر چوتے کو منہ سے تھامے ہوئے دھو نکلا اور اُس نے اُس کتے کو پانی پلایا۔ محمد صاحب نے یہ سن کر کہا کہ: — ’اُس آدمی کے اِس کام سے خوش ہوکر اللہ نے اُس کے گناہ مٹا کر دیئے، لوگوں نے پوچھا کہ: — ’اے رسول! کیا ہمارے اُس سارک کا بھی انعام ملے گا جو ہم پشوروں کے ساتھ کرتے ہیں؟‘ پیغمبر نے کہا کہ: — ’ہماری ہر اُس نیکی کا انعام ملے گا جو ہم کسی بھی جاندار کے ساتھ کرتے ہیں۔‘ (’بخاری‘، ’مسلم‘، ’ابوداؤد‘، ’ماک‘)

محمد صاحب گھوڑوں سے بہت پیار کرتے تھے، ابو ہریرہ کی ایک حدیث ہے کہ: —

”گھوڑوں کو بھی محمد صاحب پیار سے گھوڑا کہا کرتے تھے۔“ (’ابوداؤد‘)

آبہ بن عبدالاسلمی نے لکھا ہے کہ محمد صاحب نے لوگوں سے کہا کہ: —

”گھوڑے کی چوڑی مت کاٹو کیونکہ اُس سے گھوڑے کی شویا ہے، اور نہ اُس کی ایال کاٹو کیونکہ اِس سے گھوڑا اپنی رکشا کرتا ہے، نہ اُس کی دم کاٹو کیونکہ اُس سے وہ اپنی مکھیاں آزادا ہے۔“ (’ابوداؤد‘)

پتھولی بن سعید کا کہنا ہے کہ: —

”ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ محمد صاحب اپنی چادر سے اپنے گھوڑے کا منہ پونچھ رہے ہیں۔ جب لوگوں نے اُن سے وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ: — ’اللہ نے رات میرے گھوڑے کے سمبندھ میں مجھے تادیب کی ہے۔‘ (’ماک‘)

عرب میں گھوڑا کم لوگ رکھتے تھے لیکن اُرنٹ عام طریقہ سے سب لوگوں کے پاس ہوتے تھے۔ محمد صاحب کی پتنی عائشہ کا بیان ہے: —

”میں ایک دن ایک اُرنٹ پر سوار تھی۔ اُسے قابو میں کرنے کے لئے میں نے اُس کی نکیل زور سے کھینچی۔ اِس پر پیغمبر نے مجھ سے کہا کہ: — ’تمہارا فرض ہے کہ تم جانور کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔‘

عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا ہے کہ: —

”ایک بار محمد صاحب ایک انصاری کے باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک اُرنٹ محمد صاحب کے پاس آ کر بری طرح سنسنے لگا۔ اُرنٹ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ محمد صاحب اُرنٹ کے پاس گئے اور اُنہوں نے اُس کے سر کو تھپتھپایا۔ اُرنٹ کو ڈھارس ہوئی۔ پیغمبر نے پوچھا کہ: — ’اِس اُرنٹ کا مالک کون ہے؟‘ ایک نوجوان انصاری نے جواب دیا: — ’اے اللہ کے رسول! یہ اُرنٹ میرا ہے۔‘

یہ دیکھ کر اُن سے کہا—”بے زبان پشوں کو گھائل مت کرو۔“

ابن عباس کا بیان ہے کہ محمد صاحب نے ایک جگہ کہا کہ:—

”اُن چغڑوں کو اپنے تئوں کا نشانہ نہ بناؤ جو جاندار ہیں۔“ (مسلم، ترمذی، نسائی)

ابن عمر اور ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ:—

”کسی عورت نے ایک ہائی کو باندھ دیا یہاں تک کہ وہ بندھ بندھ بھوک سے مر گئی۔ نہ تو اُس نے اُسے کھانا دیا اور نہ ہی اُسے کھولا کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھر سکتی۔“

محمد صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اُس عورت کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔“ (بخاری، مسلم)

ابن عمر اور ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ:—

”کسی عورت نے ایک بیللی کو باंध دیا یہاں تک کہ وہ باندھ باندھ بھوک سے مر गई۔ نہ تو उसने उसे खाना दिया और نہ ही उसे खोला कि वह कीड़े मकोड़े खाकर अपना पेट भर सकती۔“

جابر نے بیان کیا ہے کہ:—

”کسی بی جاندار کو باندھ کر مارنے سے محمد صاحب نے منع کیا ہے۔“ (مسلم)

ابن عباس کا بیان ہے کہ:—

”کسی بھی جاندار کو باंध کر مارنے سے محمد صاحب نے منع کیا ہے۔“ (مسلم)

ابن عباس کا بیان ہے کہ:—

”کسی بھی جاندار کو باंध کر مارنے سے محمد صاحب نے منع کیا ہے۔“ (ابوداؤد اور ترمذی)

ابو ہریرہ کے حوالے سے محمد صاحب کی ایک حدیث ہے کہ:—

”کسی عورت نے ایک بیللی میں بکری گئی۔ اُسے سزا ملنے والی تھی۔ اُنہ میں وہ ایک کنویں کے پاس سے جا رہی تھی۔ وہاں اُس نے ایک کتے کو دیکھا۔ کتا پیاس سے تڑپ رہا تھا۔ اُس کی زبان باہر نکل آئی تھی۔ مارے پیاس کے وہ مرنے کے قریب تھا۔ یہ دیکھ کر اُس عورت نے اپنا چھوٹا سا جوتا اُٹارا اور اُسے اپنی چادر سے باندھ کر کنویں میں اُٹکایا۔ اِس طرح کنویں سے پانی نکال کر اُس نے اُس کو پلایا اور اُس کی جان بچائی۔“

محمد صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اُس کا پہلا قصور معاف کر دیا۔ کسی نے پوچھا—”اے پیغمبر! تو کیا جانوروں کے ساتھ جو ہم ساوک کریں گے اُس کا بھی بدلہ ہمیں ملے گا؟“

محمد صاحب نے جواب دیا—”اُن سب کے ساتھ نیکی کرنے کا ہمیں بدلہ ملے گا جن میں دل ہے اور جو سگہ دیکھ متحسرس کرتے ہیں۔“ (بخاری، مسلم)

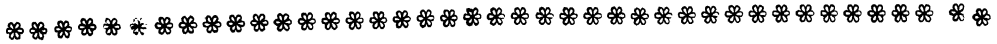
اسی طرح کی ایک دوسری حدیث ابو ہریرہ کی زبانی یہ ملتی ہے:—

”ایک بار ایک آدمی کو چلتے چلتے سخت پیاس لگی۔ اُس کو ایک کتا ملا۔ جس میں اُس نے اپنی پیاس بجھائی۔ باہر آئے پر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے پیاس سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اُس آدمی نے

”ایک بار ایک آدمی کو چلتے چلتے سخت پیاس لگی۔ اُس کو ایک کتا ملا۔ جس میں اُس نے اپنی پیاس بجھائی۔ باہر آئے پر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے پیاس سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اُس آدمی نے

”ایک بار ایک آدمی کو چلتے چلتے سخت پیاس لگی۔ اُس کو ایک کتا ملا۔ جس میں اُس نے اپنی پیاس بجھائی۔ باہر آئے پر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے پیاس سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اُس آدمی نے

”ایک بار ایک آدمی کو چلتے چلتے سخت پیاس لگی۔ اُس کو ایک کتا ملا۔ جس میں اُس نے اپنی پیاس بجھائی۔ باہر آئے پر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے پیاس سے مٹی چاٹ رہا ہے۔ اُس آدمی نے



شرعی معجزات رضوی

شرعی معجزات رضوی

محمد صاحب کے جیون کی گھنٹائیں جو کتابوں میں لکھی ہوئی ملتی ہیں حدیثیں کہلاتی ہیں۔ ان کتابوں میں جو خاص طور پر مستند یعنی پرماںک مانی جاتی ہیں:— بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابو عبد اللہ۔ نیچے کی حدیثیں آدھکتر انہیں میں سے لی گئی ہیں۔

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:—

جب کوئی آس پاس نہ رہا تو بندر نے ایک تختہ لیکر دیا۔ میں بہا دیا اور اُس کے پیچھے خود پانی میں کھد پڑا۔ لیکن دریا بہت گہرا تھا اور دھارا بھی تیز تھی اور وہ کوئی اچھا تیراک بھی نہ تھا۔ وہ تختہ سے چپٹ گیا اور کنارے لگنے کی کوشش میں ماتہ پیر مارنے لگا۔ بیچ دمرازے میں پڑ کر تختہ اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بہنے لگے۔ کئی وہ اوپر ہوتا اور کبھی تختہ اوپر ہوتا۔ دونوں باری باری ڈوبتے اُترتے رہے۔ ساری کوششوں کے بعد بھی کنارے تک پہنچنے کا اُسے کوئی راستہ نہ ملا۔ چونکہ وہ پانی بہت ہی گیا تھا اس لئے انت میں اُس نے تختہ کو چھوڑ دیا۔ وہ نہ میں بہتو گیا اور مر گیا۔

اُس سے متحہ یاد آگیا کہ سارے سامراج، ادبی اپنی چال بازیوں پر زبردست بیروس رکھتے ہیں۔ جس دیش میں وہ گھسنے کا ارادہ کرتے ہیں اُسے اپنی میں تھکیل دیتے ہیں اور پھر پانی سے نکال لانے کے لئے کوشش شروع کرتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ اُس چال سے وہ اُس دیش پر قبضہ کر لیں گے۔ پر بہت سی زبردست اور کڑی کوششوں کے بعد انہیں اُس دیش کو چھوڑنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی وہ اُسے خود چھوڑ بھی نہیں پاتے بلکہ خود ہی ہتسکر ڈوب مرتے ہیں۔

(5)

ہیوزیا اور لکڑہارا

ایک ہیوزیہ نے سنا کہ کوئی لکڑہارا پہاڑ پر آ رہا ہے۔ اُس نے ایک کوہتا بھائی جس میں اُس نے اپنی نیکی کا ورثہ کیا:—

”اُس ہار میں دماغی لڑائی لڑو گا۔ کیوں طاقت کے بل پر یدہ نہیں کروں گا۔“

”کیونکہ میں ودوان ہیوزیا ہوں۔“

”پہلے میں اُس کے ہتھیار رکھو لوں گا۔“

”اور پھر میں اُس کا صنایا کر دوں گا۔“

اُس لئے وہ اپنے کپڑوں کے بل موڑتی بن کر اُس طرح بیٹھ گیا جیسے کئی لکڑی کا بڑا کندہ ہو اور موڑنے کی تاک میں رہا۔

جانی ہی لکڑہارا وہاں آ پہنچا۔ اُس نے پہاڑ پر ایک نگاہ ڈالی اور ایک فی البدیہہ گیت یعنی اشو کوہتا رچ ڈالی:—

”بھا ! رہاں جو ایک لکڑی کا کندا ہے

”دور سے وہ کندے جیسا معلوم ہوتا ہے

”اور نزدیک سے بھی کندہ دکھائی پڑتا ہے

”کیا اچھا ہو کہ اپنی نگہاری سے میں اسے چیر ڈالوں !

”اور اُس کی چیلین کو ادھر ادھر چبھتے دیں !“

جب ہیوزیہ نے یہ گیت سنا تو وہ بہاک نٹا۔

دشمن کی چال کا یہ نڈا پہوڑ دینا ہی اُس کی چالوں کو

نکما کر دینا ہے۔

”آہا ہا ! وہاں جو ایک لکڑی کا کندا ہے

”دور سے وہ کندے جیسا معلوم ہوتا ہے

”اور نزدیک سے بھی کندہ دکھائی پڑتا ہے

”کیا اچھا ہو کہ اپنی نگہاری سے میں اسے چیر ڈالوں !

”اور اُس کی چیلین کو ادھر ادھر چبھتے دیں !“

جب ہیوزیہ نے یہ گیت سنا تو وہ بہاک نٹا۔

دشمن کی چال کا یہ نڈا پہوڑ دینا ہی اُس کی چالوں کو

نکما کر دینا ہے۔

شروع کر دیا اور بیگار کر کے راجا کی सेवा کی۔ بھڑیوں کا راجا اپنے ساتھ بسترہ بھی نہیں لایا تھا۔ اور نہ ہی اُس کے پاس بدلانے کے لئے کپڑے تھے۔ اُس لئے خرگوشوں نے بھاری مانتا میں ٹھالیں اور سمور اٹھا کر کے راجا کو بھیجتے کیں۔ کھانے پینے کا بھی کوئی پر بندہ کر کے راجا وہاں نہیں آئے تھے۔ لیکن خوش قسمتی سے خرگوشوں کے مانس کی وہاں ہر سال بھوتانت رہتی تھی۔ کھڑے کھڑے وہیں مانس بھی حاصل کر لیا گیا۔ پیسے دینے کی ضرورت نہیں تھی، تھلائی کا خرچ بھی بچ گیا۔

تھوڑے ہی دنوں میں حالت بدل گئی۔ سو اگت کے نعروں کی جگہ دل کو چھوٹے والی سسکیاں سنائی دینے لگیں۔ خرگوشوں کی تعداد بھیانک روپ سے کم ہونے لگی، اور اُن کی نسل کے مت جائے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ نہایت یہاں تک پہنچتی کہ اُن کے بڑے بڑے قابل پر تیندھی بھی نہ بچ سکے۔ لیکن تھے یہ لوگ بہت سرجہ بچ گئے۔ اُنہوں نے اپنے اپنے کان کھڑے کئے اور بہت تڑپہ تلا کر کے کہا:—

”ہتھنہ ہوشیار ہو کر بھی ہم لوگوں نے پہلے سے سمجھ سے کیوں نہ کام لیا؟“

مُجھ سے سچمُجھ ہن کاویل خراجوہوں سے ہمدردی ہے۔ باسٹب میں یہ بدقسمتی تھی کہ یہ پُرانا اور سیدھا سادا اُصول وقت پر اُن کی سمجھ میں نہ آیا:—

جو مان اور پریشنا ظالموں اور حملہ آوروں سے ملتی ہے اُس کے بدلے جتنا کو دکھ ہی دکھ بھوگنا پڑتا ہے۔

(4)

(4)

بندر اور تخرتا

بندر اور تخرتا

کسی دریا کے کنارے تخرتوں کا تعمیر لگا ہوا تھا۔ اُنہیں بکری کے لئے شہر تک لے جانے کے واسطے ایک ناؤ کی پریشنا ہو رہی تھی۔ ایک بندر کے دل میں اُمانگ اُڑتی کہ ایک تخرتہ ہتیا کر اُسے طرح طرح سے کم میں لاؤں۔ اُس نے سوچا کہ ایک تخرتہ کسی طرح اُڑا جائے۔ وہ بولا—”میں ایک تخرتہ تو نہیں چلاؤں گا، کیونکہ اُس کے لئے خطرہ مول لینا ٹھیک نہیں۔ میں آسانی سے ایک تخرتہ اُڑا سکتا ہوں لیکن لوگ مجھ سے چور کہیں گے، اور یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اچھا یہ ہوگا کہ میں اُس سے کسی پریشنا کریں جب ادھر ادھر کوئی آدمی نہ رہ جائے، اور تب ایک تخرتہ کھینچ کر دریا میں پھینک دوں۔ پھر اُسے پکڑنے کے لئے پانی میں کود پڑوں اور نکال لاؤں۔ ظاہر ہے کہ اِس طرح تخرتہ ایک ایسی چیز سمجھی جائے گی جسے میں نے خود دریا سے نکالا ہے اور کوئی بھی کچھ کم سن نہ سمجھے گا۔ ایسا کرنا آسان بھی ہوگا اور اُچت بھی!“

کسی دریا کے کنارے تخرتوں کا تعمیر لگا ہوا تھا۔ اُنہیں بکری کے لئے شہر تک لے جانے کے واسطے ایک ناؤ کی پریشنا ہو رہی تھی۔ ایک بندر کے دل میں اُمانگ اُڑتی کہ ایک تخرتہ ہتیا کر اُسے طرح طرح سے کم میں لاؤں۔ اُس نے سوچا کہ ایک تخرتہ کسی طرح اُڑا جائے۔ وہ بولا—”میں ایک تخرتہ تو نہیں چلاؤں گا، کیونکہ اُس کے لئے خطرہ مول لینا ٹھیک نہیں۔ میں آسانی سے ایک تخرتہ اُڑا سکتا ہوں لیکن لوگ مجھ سے چور کہیں گے، اور یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اچھا یہ ہوگا کہ میں اُس سے کسی پریشنا کریں جب ادھر ادھر کوئی آدمی نہ رہ جائے، اور تب ایک تخرتہ کھینچ کر دریا میں پھینک دوں۔ پھر اُسے پکڑنے کے لئے پانی میں کود پڑوں اور نکال لاؤں۔ ظاہر ہے کہ اِس طرح تخرتہ ایک ایسی چیز سمجھی جائے گی جسے میں نے خود دریا سے نکالا ہے اور کوئی بھی کچھ کم سن نہ سمجھے گا۔ ایسا کرنا آسان بھی ہوگا اور اُچت بھی!“

और पूरी ताकत से टर टर करने लगा. मेंडक की टर टर से सांप की हिम्मत बंधी, गुस्से से तमतमाकर वह आगे बढ़ा और बीच सबक पर लेट गया ताकि गाड़ी का रास्ता रोक ले और उसे बढ़ने न दे. बदकिस्मती से देखते देखते सांप गाड़ी के नीचे आ गया और कुचल कर मर गया. लेकिन मेंडक को इसका पता न चला और वह पूरी ताकत से टर टर करता ही रहा.

यहां तक कि चिड़ियों का एक मुन्ड वहां उतरा और सांप को चट कर गया. रन भूमि साफ हो गई. फिर भी मेंडक टर टर करता ही रहा. चिड़ियां जितना जितना इस टर टर को सुनती थीं उतना ही उनका गुस्सा बढ़ता था. उन्होंने सोचा—“आओ अब इसे भी हड़प कर जाय, यह शैतान खाहमखाह शोर मचा रहा है!” चिड़ियां मेंडक को चिन्दा ही खा गईं. उन्होंने मेंडक को कोई जंगी मुजरिम ठहरा कर ऐसा नहीं किया. बल्कि केवल इस क्रूरती उसूल पर अमल किया कि :—

इन्साफ को ठुकरा कर चलने वाले जालिमों के साथ साथ सब शैतानी शोर गौरी और उनकी तारीफी शायरी का भी अन्त होना चाहिये.

(3)

खरगोश

एक पहाड़ी पर कुछ खरगोश रहते थे. उन्होंने एक दिन सुना कि भेड़ियों के पहाड़ का राजा उनके यहां आने वाला है. वह खुशी से नाचने लगे. किसी राजा का उनके यहां आना उनके लिये बड़ी इफ्तख की बात थी.

वह अपने अपने बिलों से निकल आए ताकि यह खुराखबरी एक दूसरे को सुनाए, राजा के लिये शाहाना स्वागत की तैयारी करें और उसकी शान में ऐसा उत्सव करें जैसा इससे पहले कभी न हुआ हो. उनका कहना था कि—“यह इतिहासिक अवसर है, और हमारे बाल बच्चों के लिये यह अनन्त आनन्द के द्वार खोल देगा!”

सचमुच भेड़ियों का राजा वहां आया, अपने बूढ़ों को सहारा दिये और बच्चों को गोद में लिये सबके सब खरगोश रास्ते के दोनों तरफ पैर जमा कर खड़े हो गए. उन्होंने राजा को दुआएं दीं और खुशी के आंसुओं से छलछलाती आंखें उन्होंने राजा के रास्ते में बिछा दीं. राजा ने भी सर के इशारे से उनका अभिवादन किया और उनका डर दूर करने के लिये एक ऐलान जारी किया.

पर जब स्वागत की सारी रसमें अदा हो चुकीं तो भेड़ियों के राजा ने ऐलान किया कि “मैं यहां अपने ठहरने के लिये एक बंगला बनवाना चाहता हूँ क्योंकि यह जगह बहुत अच्छी है.” फौरन खरगोशों ने अपने घरों को उजाड़ना

और पुरी طاقت से त्रु त्रु करने लगा. मेंडक की त्रु त्रु से सानप की हمت बन्दही, गस्से से तमा कर दे आके ब्रहा और बिच्चे स्रुक पुरी लीट गिया ताके लाडी का रास्ते रुक ले और आसे ब्रह्मे नु दे. बदस्मती से दिक्ते दिक्ते सानप लाडी के निच्चे आ गिया और क्चल कर मर गिया. लिक्न मेंडक को इस का पत्ते नु चला और दे पुरी طاत्त से त्रु त्रु करना ही रहा.

यहां तक के चिड़ों का अिक जह्द वहां अत्रा और सानप को चट कर गिया. रन भूमि सफ हुगुनी. पुर भी मेंडक त्रु त्रु करता ही रहा. चिड़ियां जितना जितना इस त्रु त्रु को सुन्ती त्हीं अन्ना ही अं का गस्से ब्रह्मा त्हा. अंत्हों ले सर्जा—”ओ अब असे भी ह्रप कर जाँय, ये शैटान ख्वाह मुख्वा शुर म्चा रहा है!” चिड़ियां मेंडक को रुन्दे ही क्हा ग्गिय. अंत्हों ले मेंडक को कुन्ी जङ्गी म्जरु त्हरा कर अिसा न्हीं क्िया. बल्के क्ियाल इस क्दुरती असूल पुर अल क्िया के :—

अन्साफ को ठुकरा कर चल्ने वाले जालमों के साने साने सप शैटानी शुर गुन्गे और अं की तरिफी शायरी का भी अन्त हुना चाहिये.

(3)

खरगोश

अिक पहाडी पुर कच्चे खरगोश रहते थे. अंत्हों ले अिक दन सना के भेडियों के पहाड का राजा अं के यहाँ आने वाला है. दे खुशी से नाचने लगे. कुसी राजा का अं के यहाँ आना अं के ल्हे बडी अुत् की बात त्ही.

दे अिने अिने भलों से नल आने ताके ये खुशखुबरी अिक दुसरे को सनाने, राजा के ल्हे शाहाने सुागत की तैयारी करिय और अस की शान में अिसा असु करिय जिसा अस से पहले क्भी नु हुा हु. अं का क्हना त्हा कुन्—”ये अ्हासक असुर है, और हमारे बाल बच्चों के ल्हे ये अन्त अन्द के दुार क्हर दिगा!”

सच्चे मच् भेडियों का राजा वहाँ आया. अिने बुरहों को सपारा दित्ने और बच्चों को गुद में ल्हे सप के सप खरगोश रास्ते के दुओन तरफ पिर जमा कर क्हरे हुगुने. अंत्हों ले राजा को दान्तिन दिन और खुशी के असुओं से च्हेलचलती अंत्हीं अंत्हों ले राजा के रास्ते में बिच्चा दिन. राजा ले भी मर के अिशारे से अं का अ्हादन क्िया और अं का त्रु दुर करने के ल्हे अिक अलान जारी क्िया.

पु जब सुागत की सारी रसिय अदा हुा क्हीं तु भेडियों के राजा ले अलान क्िया के ”में यहाँ अपने ठहरने के ल्हे अिक बङ्गले बनाना चल्ता हूँ कुण्के ये जङ्गे बेत अ्ची है.” दुरा खरगोश ले अिने ग्हरों को अ्जाना



अनुवादक—मुजीब रिजवी

افسوادک—محبوب رضوی

(1)

(1)

कुंवा और दरिया

वह दिन लट्ट गए जब कुंवां दरिया के मामलों में दखल नहीं दे सकना था ! एक दरिया के पास ही एक कुंवा था. कुंवे ने दरिया पर बोली कसनी शुरू की :

“तुम इधर से उधर तक कीचड़ में लतपत हो और तुम्हारे जीवन की बाग तुम्हारे हाथों में नहीं है, दिन भर बड़बड़ाते रहते हो, और बहते चले जाते हो—यह भी कोई जिन्दगी है ! मेरी तरह तुम्हें गम्भीर, अचल और रेत कीचड़ से बिलकुल पाक हाना चाहिये. मैं सारे दिन एक खिड़की से नीले आकाश पर आँखें जमाए रहता हूँ और दुनिया के रहस्य का ज्ञान पराप्त किया करता हूँ—जीवन का यही एक ठीक मार्ग है.”

अब वह दिन भी नहीं रहे जब दरिया कुंवे के मामलों में दज़ल नहीं दे सकता था. कीचड़ भरे दरिया ने सर उठाया और आकाश की तरफ ऊपर बढ़ता चला गया. यहां तक कि गरज गरज कर उसने किनारों को तोड़ दिया और आस पास के सारे इलाके को पानी से भर दिया. कुंवे की लकड़ी की जुगत को भी वह बढ़ा ले गया. बस, कुंवां अपने गम्भीर और अडिग वजूद को लेकर दरिया की बढ़ती हुई बाढ़ की भेंट चढ़ गया.

(2)

नवक्रारची मेंढक

माल से लड़ी एक गाड़ी सड़क से गुजरने वाली थी. एक सांप ने उसका रास्ता रोकना चाहा. पर लड़ी गाड़ी को रोकना कोई आसान काम न था. इसलिये सांप ने एक मेंढक से सहयोग की प्रार्थना की और कहा :—“यह मारचा खबरदस्त है, चुपचाप इसका सर कर लेना मुमकिन नहीं है. इसलिये तुम जैसे एक होशियार नक्काशची की मुझे जरूरत है.”

मेंढक बहुत खुश हुआ. जब गाड़ी नजदीक पहुंची तो मेंढक जितना अपने को फूला सकता था उसने फूला लिया

मार्च '५५

(192)

کنواں اور دریا

وہ دن آد گئے جب کنواں دریا کے معاملوں میں دخل نہیں دے سکتا تھا ! ایک دریا کے پاس ہی ایک کنواں تھا ۔ کنویں نے دریا پر بولی کسفی شروع کی :

”تم ادھر سے ادھر تک کیچڑے میں لت پت ہو اور تمہارے جبین کی باگ تمہارے ہاتھوں میں نہیں ہے، دن بھر بڑبڑاتے رہتے ہو، ہتھ چلے جاتے ہو— یہ بچی کوئی زندگی ہے! میری طرح تمہیں گمبھیر، اچل اور رست کیچڑے سے بالکل پاک ہونا چاہئے۔ میں سارے دن ایک ٹھوکی سے نیلے آکشی پر آنے لہیں جتانے رہتا ہوں اور دنیا کے رھسہ کا گویا پراپت کیا کر رہوں — جبین کا یہی ایک ٹھیک مارگ ہے۔“

اب وہ دن بھی نہیں رہے جب دریا کنویں کے معاملوں میں داخل نہیں دے سکتا تھا۔ کیچڑ بھرے دریا نے سر اٹھایا اور اُگلے کی طرف اوپر کو بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ گرج گرج کر اُس نے کانروں کو توڑ دیا اور اُس پاس کے سارے علاقے کو پانی سے بھر دیا۔ کنویں کی لکڑی کی جکت کو بھی وہ بہا لے گیا۔ بس کنواں اپنے گھیرے اور آذگ وجود کو لے کر دریا کی بڑھتی ہوئی بازو کی بھیمنت چوتھ گیا۔

(2)

نقارچی میزندک

مال سے لدی ایک گڑی سڑک سے گزرنے والی تھی۔ ایک صاحب نے اُس کا راستہ روکنا چاہا۔ پو لدی گڑی نو روکنا کڑی آسان کام نہ تھا۔ اِس لئے صاحب نے ایک میڈک سے سہولت کی درخواست کی اور کہا: ”یہ مورچہ زبردست ہے“ چپ چاپ اُس کا سر ڈالینا ممکن نہیں ہے۔ اِس لئے تم جیسے ایک ہرشیاہ تقاریبی کی مجھے ضرورت ہے۔“

میںڈک بہت خوش ہوا۔ جب گڑی نزدیک پہنچی تو میںڈک جتنا اُنے کو بڑھ سکتا تھا اس نے بڑھ لیا

'55 4

یہی اور وہ یہ ہے کہ چینی ہر چہ چیز کا استعمال اپنی دستکاریوں میں کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مٹی کو اپنی تلا سے سونا بنا دیتے ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔

چین میں باری ۱۹۵۰ء سے پندرہ ۱۹۶۰ء تک رہے ہیں۔ ہاتھ کی جگہ مشین لے رہی ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ چین کی سرکار اپنی پورانی دستکاریوں کی طرف بھی پورا دھیان دے رہی ہے۔ سرکار کلا اور شلپ کو بڑھانے میں ترہ ترہ سے سہاۃتہ دیتی ہے :—

(۱) بڑے ۱۹۵۰ء میں جو چتر اور رڼگ استمال ہوتے ہیں ان کے جانکار ان کلونٹوں اور دستکاروں کو صلاح مشورہ دیتے ہیں جس سے ہاتھ کی تلا کا رنگ روپ نکھرتا ہے اور نئی نئی تکنیک اور نئے نئے چتروں کا استعمال ہونے لگتا ہے۔

(۲) چین کی نئی سرکار اپنے کلاۋنٹوں اور دستکاروں کی دھن سے بھی سہاۃتہ کرتی ہے۔

(۳) سرکار اس بات کی بھبھاستھا کرتی ہے کہ ضرورت کا کچا مال ان کاریگروں اور کلونٹوں کو آسانی سے مل سکے۔

(۴) ان کلونٹوں اور دستکاروں کی بنائی ہوئی چیزوں کو بڑھانے اور اُس کے لئے بازار پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی سرکار پر ہے اور وہ اسے ہر طرح سے پورا کرتی ہے۔ کلونٹوں نے اب جگہ جگہ اپنے کو آہستہ آہستہ پھیلانے شروع کر دی ہے۔ سرکار اس طرح کی سنسٹاؤں کو دل کھول کر مدد دیتی ہے۔

نمائش چہ نوروی سے پندرہ نوروی تک رہی۔ روز مرد عورتوں کی بھیڑ لگی رھتی تھی۔ ایک ایک دن میں چار ہزار آدمی تک اس نمائش کو دیکھنے آئے۔ اس بھیڑ کو دیکھ کر ایک بات ضرور کہہ سکتی تھی : واہ واہ کے والے تو بہت تھے۔ لیکن ہمارے دیش کے ان کاریگروں کا دھن پتہ نہ تھا جو خود ایسی چیزیں بناتے ہیں اور جو ان چیزوں کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ ہماری سرکار کو چاہئے کہ وہ اپنے یہاں کے کاریگروں کو باواکر ایسی نمائشیں دکھائے اور ایسی نمائش ان ٹالٹوں میں انڈر کرداتی رھے جہاں پر ہمارے کاریگر اچھی خاصی تعداد میں بستے ہوں۔

تھی اور وہ یہ ہے کہ چینی ہر چہ چیز کا استعمال اپنی دستکاریوں میں کرتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ مٹی کو اپنی تلا سے سونا بنا دیتے ہیں تو بیجا نہ ہوگا۔

چین میں باری ۱۹۵۰ء سے پندرہ ۱۹۶۰ء تک رہے ہیں۔ ہاتھ کی جگہ مشین لے رہی ہے۔ لیکن خوشی کی بات ہے کہ چین کی سرکار اپنی پورانی دستکاریوں کی طرف بھی پورا دھیان دے رہی ہے۔ سرکار کلا اور شلپ کو بڑھانے میں ترہ ترہ سے سہاۃتہ دیتی ہے :—

(۱) بڑے ۱۹۵۰ء میں جو چتر اور رڼگ استمال ہوتے ہیں ان کے جانکار ان کلونٹوں اور دستکاروں کو صلاح مشورہ دیتے ہیں جس سے ہاتھ کی تلا کا رنگ روپ نکھرتا ہے اور نئی نئی تکنیک اور نئے نئے چتروں کا استعمال ہونے لگتا ہے۔

(۲) چین کی نئی سرکار اپنے کلاۋنٹوں اور دستکاروں کی دھن سے بھی سہاۃتہ کرتی ہے۔

(۳) سرکار اس بات کی بھبھاستھا کرتی ہے کہ ضرورت کا کچا مال ان کاریگروں اور کلونٹوں کو آسانی سے مل سکے۔

(۴) ان کلونٹوں اور دستکاروں کی بنائی ہوئی چیزوں کو بڑھانے اور اُس کے لئے بازار پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی سرکار پر ہے اور وہ اسے ہر طرح سے پورا کرتی ہے۔ کلونٹوں نے اب جگہ جگہ اپنے کو آہستہ آہستہ پھیلانے شروع کر دی ہے۔ سرکار اس طرح کی سنسٹاؤں کو دل کھول کر مدد دیتی ہے۔

نمائش چہ نوروی سے پندرہ نوروی تک رہی۔ روز مرد عورتوں کی بھیڑ لگی رھتی تھی۔ ایک ایک دن میں چار ہزار آدمی تک اس نمائش کو دیکھنے آئے۔ اس بھیڑ کو دیکھ کر ایک بات ضرور کہہ سکتی تھی : واہ واہ کے والے تو بہت تھے۔ لیکن ہمارے دیش کے ان کاریگروں کا دھن پتہ نہ تھا جو خود ایسی چیزیں بناتے ہیں اور جو ان چیزوں کو دیکھ کر بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ ہماری سرکار کو چاہئے کہ وہ اپنے یہاں کے کاریگروں کو باواکر ایسی نمائشیں دکھائے اور ایسی نمائش ان ٹالٹوں میں انڈر کرداتی رھے جہاں پر ہمارے کاریگر اچھی خاصی تعداد میں بستے ہوں۔

سدی میں چین کی یہ کلا بہت مشہور ہوئی۔ ہاتھی دانت پر نقاشی اپنی زانگت اور تفصیل کے لئے مشہور ہے۔ چھوٹی چھوٹی تفصیل پر نقاشی کا دھیان رہتا ہے۔ نمائش میں ہاتھی دانت کی ایک کشتی تھی۔ اس کشتی میں چھوٹی سے چھوٹی تفصیل دکھائی گئی ہے۔ قریب ڈھائی فٹ لمبی کشتی پر 18 آدمی بیٹھے دکھائی پڑتے ہیں۔ نقاشی بے حد باریک ہے۔ پینٹنگ کینٹن اور شنگھائی اس طرح کی نقاشی کے کیڈر ہیں۔ ہاتھی دانت کی نقاشی پر چینی رنگ بھی بھرتے ہیں۔ رنگ اور بالوں کا ایسا میل بیٹھاتے ہیں کہ بالکل اصل معلوم ہوتے ہیں۔

مٹی کے کھلونے

مٹی کی خیلوئیں
گاؤں میں کسان جب کام سے خالی ہوتے ہیں تو مٹی کے کھلونے بناتے ہیں۔ ان کھلونوں کو وہ رنگتے بھی ہیں۔ قدرت سے رنگ مل دینا چینیوں کا ہی حصہ ہے۔ مٹی کے کھلو ہمارے یہاں بھی بنتے ہیں لیکن ان کا رنگ شاید اتنا اچھا نہیں ہو پاتا۔ کھلونوں کو دیکھ کر چینی چنٹا کی چنٹا کا پتہ چلتا ہے۔ وہ اپنے پرانے کوبوں، اپنے دیروں اور دیش بھکتوں کی صورتیں مٹی سے بناتے ہیں۔ نمائش میں ایک لڑکی کی صورتی بھی جس کا نام 'لی-وان' ہے، اسے جاپانیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس صورتی کے ہاؤ کے دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ موت سے بالکل نہیں ڈرتی۔

نمائش میں مٹی کی بنی ایک کوی کی بھی صورتی تھی جس کا نام 'لی-وان' تھا۔ یہ دو مانی کوی تھا لیکن دیش بھکتی اس میں ٹوٹ کوٹ کر بیوی تھی۔ اس کی کوتا کی 'چھو' بھکتیوں کا انہوں نے یہ :

”چاند کو اشارہ کر کے میں“ شراب کے پیالے کو اس کی طرف بڑھاتا ہوں۔ یہاں ہم تین ہیں جو ساتھ ساتھ اس کا آئند لے رہے ہیں—چاند، کوہ اور پیالے میں کوی کی پرچھائیں۔“

اور چینی

آٹے اور چاول سے گڑیا بنانے کا چین میں بہت رواج ہے۔ ان گڑیوں کو طرح طرح سے سجایا جاتا ہے۔ ان گڑیوں کا آدھار کوئی نہ کوئی لوک کتھا ہوتی ہے۔ ان گڑیوں کو بنانے کے لئے ہڈی کے ایک پن اور ایک چھوٹے سے برش کی ضرورت پڑتی ہے۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے یہ گڈے گڑیاں تیار کئے جاتے ہیں۔ سولے چاندنی کے برتنوں پر نقاشی ہوتی ہے۔ لیکن نمائش میں جزائی کا کلم دکھائی نہیں پڑا۔

ان چیزوں کو بنانے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو بیٹھوسوں سے بھی تم کرتے آئے ہیں۔ ان کی جیوگا کیول دستکاری پر نہرہور ہے۔ دوسرے وہ مرد اور عورتیں جو گڑوں میں رتھے ہیں اور فرصت کے سہے ایسی چیزیں بنایا کرتے ہیں۔ نمائش دیکھ کر ایک بات صاف دکھائی پڑتی

نومادہ میں مٹی کی بنی ایک کوی کی بھی صورتی تھی جس کا نام 'لی-وان' تھا۔ یہ دو مانی کوی تھا لیکن دیش بھکتی اس میں ٹوٹ کوٹ کر بیوی تھی۔ اس کی کوتا کی 'چھو' بھکتیوں کا انہوں نے یہ :

”چاند کو اشارہ کر کے، میں شراب کے پیالے کو उसکی طرف بڑھاتا ہوں۔ یہاں ہم تین ہیں جو ساتھ ساتھ اس کا آئند لے رہے ہیں—چاند، کوہ اور پیالے میں کوی کی پرچھائیں۔“

اور چیچے

آٹے اور چاول سے گڑیا بنانے کا چین میں بہت رواج ہے۔ ان گڑیوں کو طرح طرح سے سجایا جاتا ہے۔ ان گڑیوں کا آدھار کوئی نہ کوئی لوک کتھا ہوتی ہے۔ ان گڑیوں کو بنانے کے لئے ہڈی کے ایک پن اور ایک چھوٹے سے برش کی ضرورت پڑتی ہے۔ بچوں کے کھیلنے کے لئے یہ گڈے گڑیاں تیار کئے جاتے ہیں۔ سولے چاندنی کے برتنوں پر نقاشی ہوتی ہے۔ لیکن نمائش میں جزائی کا کلم دکھائی نہیں پڑا۔

ان چیزوں کو بنانے والے دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو بیٹھوسوں سے بھی تم کرتے آئے ہیں۔ ان کی جیوگا کیول دستکاری پر نہرہور ہے۔ دوسرے وہ مرد اور عورتیں جو گڑوں میں رتھے ہیں اور فرصت کے سہے ایسی چیزیں بنایا کرتے ہیں۔ نمائش دیکھ کر ایک بات صاف دکھائی پڑتی

نومادہ میں مٹی کی بنی ایک کوی کی بھی صورتی تھی جس کا نام 'لی-وان' تھا۔ یہ دو مانی کوی تھا لیکن دیش بھکتی اس میں ٹوٹ کوٹ کر بیوی تھی۔ اس کی کوتا کی 'چھو' بھکتیوں کا انہوں نے یہ :

پردارن هر جگه اور هر तरह سے करते हैं. नुमाइश में इस तरह की बुनाई के बहुत से नमूने थे. यह चीजों राजमरा के इस्तेमाल की थी. इन की बारीक बुनाई और इन पर तरह तरह के रंग सुन्दरता को बढ़ा देते हैं और देखते ही मन चाहने लगता है कि आदमी इन मामूली चीजों से घर सजा ले. टाकरियां थीं, थैले थे, डलवे थे और बहुत सी चीजें थीं. उन सब चीजों के बीच पंखों की कमी खलती थी. हिन्दु-स्तान में पंखे बहुत अच्छे अच्छे बुने जाते हैं. चीन में पंखे का रिवाज न हो यह बात नहीं है. हाथी दांत और सन्दल के बारीक कारीगरी के चीनी पंखे दुनिया भर में मशहूर हैं, फिर न जाने चीन में हमारे यहां की तरह के पंखे बुने क्यों नहीं जाते ?

इस नुमाइश में एक चीज नई थी. हिन्दुस्तान में सीकों से चपले नहीं बुनी जातीं. यह कला चीनियां से सीखने की है. यह सुन्दर की सुन्दर होती हैं और मजबूत की मजबूत.

खुदाई

चीन में लकड़ी पर खुदाई होती है, फीरोजे पर खुदाई होती है, पत्थर पर खुदाई होती है और हाथी दांत पर खुदाई होती है. लकड़ी पर खुदाई करके लोग अपने घरों का सजाते हैं. लकड़ी पर बहुत बारीक खुदाई होती है. आम तौर पर चिड़ियों, जानवरों और आदमियों की शकलें लकड़ी पर खोदी जाती हैं, घर भी बनाए जाते हैं और कभी कभी किसी लोक कथा को भी लकड़ी की छाती पर खोद दिया जाता है. नुमाइश में इस तरह की खुदाई का एक बड़ा अच्छा नमूना मौजूद था. इसकी तफसील और जिस खूबी से खुदाई की गई थी उसका सम्बन्ध देखने से ही है.

फीरोजे पर खुदाई करने का खास केंद्र पीकिंग है. नरम और उम्दा पत्थर की छाती पर कलाकार अपनी कल्पना उतार के रख देता है. खुदाई बहुत बारीक की जाती है. इस पर ज्यादातर फूल पत्तियां बनाई जाती हैं.

ईसा से हजार साल पहले से चीन में पत्थर पर खुदाई की जाती है. तरह तरह के पत्थरों पर खुदाई करने में चीनी बहुत होशियार हैं. तीन तरह की नक्काशी पत्थरों पर की जाती है—एक पत्थर की तह के अन्दर, दूसरी कुछ पत्थर के बाहर कुछ पत्थर के अन्दर, तीसरी केवल ऊपर उभरी हुई. पत्थरों पर भी शकलें और फूल पत्ती बनाने का रिवाज है. नुमाइश में एक फूलदान था जो समूचा एक पत्थर का टुकड़ा था. इसका गोला करके बरतन की शकल दी गई थी. उस बरतन पर नक्काशी की गई थी. पत्थर पर नक्काशी करते समय प्रकृति से मिलते जुलते रंग वाले पत्थरों को काम में लाया जाता है.

ईसा से पन्द्रह सोलह सौ साल पहले से चीन में हाथी-दांत और हड्डी पर नक्काशी करने का रिवाज है. अठारहवीं

परदर्शन हर जगह और हर तरह से करते हैं. नुमाइश में इस तरह की बुनाई के बहुत से नमूने थे. यह चीजों राजमरा के इस्तेमाल की थी. इन की बारीक बुनाई और इन पर तरह तरह के रंग सुन्दरता को बढ़ा देते हैं और देखते ही मन चाहने लगता है कि आदमी इन मामूली चीजों से घर सजा ले. टाकरियां थीं, थैले थे, डलवे थे और बहुत सी चीजें थीं. उन सब चीजों के बीच पंखों की कमी खलती थी. हिन्दु-स्तान में पंखे बहुत अच्छे अच्छे बुने जाते हैं. चीन में पंखे का रिवाज न हो यह बात नहीं है. हाथी दांत और सन्दल के बारीक कारीगरी के चीनी पंखे दुनिया भर में मशहूर हैं, फिर न जाने चीन में हमारे यहां की तरह के पंखे बुने क्यों नहीं जाते ?

इस नुमाइश में एक चीज नई थी. हिन्दुस्तान में सीकों से चपले नहीं बुनी जातीं. यह कला चीनियां से सीखने की है. यह सुन्दर की सुन्दर होती हैं और मजबूत की मजबूत.

कुदाई

चीन में लकड़ी पर खुदाई होती है, फीरोजे पर खुदाई होती है, पत्थर पर खुदाई होती है और हाथी दांत पर खुदाई होती है. लकड़ी पर खुदाई करके लोग अपने घरों का सजाते हैं. लकड़ी पर बहुत बारीक खुदाई होती है. आम तौर पर चिड़ियों, जानवरों और आदमियों की शकलें लकड़ी पर खोदी जाती हैं, घर भी बनाए जाते हैं और कभी कभी किसी लोक कथा को भी लकड़ी की छाती पर खोद दिया जाता है. नुमाइश में इस तरह की खुदाई का एक बड़ा अच्छा नमूना मौजूद था. इसकी तफसील और जिस खूबी से खुदाई की गई थी उसका सम्बन्ध देखने से ही है.

फीरोजे पर खुदाई करने का खास केंद्र पीकिंग है. नरम और उम्दा पत्थर की छाती पर कलाकार अपनी कल्पना उतार के रख देता है. खुदाई बहुत बारीक की जाती है. इस पर ज्यादातर फूल पत्तियां बनाई जाती हैं.

ईसा से हजार साल पहले से चीन में पत्थर पर खुदाई की जाती है. तरह तरह के पत्थरों पर खुदाई करने में चीनी बहुत होशियार हैं. तीन तरह की नक्काशी पत्थरों पर की जाती है—एक पत्थर की तह के अन्दर, दूसरी कुछ पत्थर के बाहर कुछ पत्थर के अन्दर, तीसरी केवल ऊपर उभरी हुई. पत्थरों पर भी शकलें और फूल पत्ती बनाने का रिवाज है. नुमाइश में एक फूलदान था जो समूचा एक पत्थर का टुकड़ा था. इसका गोला करके बरतन की शकल दी गई थी. उस बरतन पर नक्काशी की गई थी. पत्थर पर नक्काशी करते समय प्रकृति से मिलते जुलते रंग वाले पत्थरों को काम में लाया जाता है.

ईसा से पन्द्रह सोलह सौ साल पहले से चीन में हाथी-दांत और हड्डी पर नक्काशी करने का रिवाज है. अठारहवीं

था कि शायद हिन्दुस्तान इस मैदान में चीन से आगे है। मक्खी, मछली, चिड़ियां और रोबमरो दिखाई पड़ने वाली चीजों के ठपे छपाई के लिये इस्तेमाल होते हैं। रजाई और सर पर बांधने के लिये परखन्डों वगैरह के लिये यह कपड़े काम में आते हैं।

कालीन

पीकिंग और तेन्तसिन में बहुत अच्छे कालीन बनते हैं। इन दो जगहों के अलावा शेन्शी, सिन्कियांग, मंगोलिया और तिब्बत में भी कालीन बनते हैं। कालीन दो तरह से बुने जाते हैं—एक हाथ के करघे से और दूसरे कूशिया से। करघे से जो कालीन बनते हैं वह ज्यादा चलते हैं, उनकी बुनाई बहुत गठी होती है। कूशिया से जो कालीन बनते हैं उनमें मेहनत कम लगती है और कच्चा माल कम खर्च होता है।

लाख और मुलम्मे का काम

23 सौ साल पहले भी चीन में लाख से खूबसूरत चीजें बनती थीं। इनमें आम तौर पर काले पर लाल रंग से नक्काशी की जाती है और लाल पर काले रंग से। पहले लाख से महात्मा बुद्ध की मूर्तियां बनाई जाती थीं। बारहवीं और सोलहवीं सदी के बीच लाख पर सोने चांदी के तारों से नक्काशी करने का रिवाज जोर पकड़ गया। लाख की चीजों इस तरह बनती हैं—पहले एक ढांचा तैयार किया जाता है। ढांचा मिट्टी का, या लकड़ी का, या लोहे का, या पीतल का होता है। इस ढांचे पर लाख की कई तह चढ़ाई जाती हैं। उसके बाद इस पर बारीक नक्काशी की जाती है। नक्काशी उस समय की जाती है जब लाख पूरी तरह सूखी न हो। लुमाइश में एक लम्बा चौड़ा फूलदान था। उस पर लाल रंग से नक्काशी की गई थी। नक्काशी इतनी बारीक थी कि देखकर ताज्जुब होता था।

लुमाइश में एक टी सेट भी था। यह लाख का और इसी-लिये बहुत ही हलका था। यह टी सेट देखने की चीज थी। इसके बनाने का तरीका यह है: पहले मिट्टी का ढांचा बनाया जाता है, उस ढांचे पर लाख पोती जाती है। फिर इस पर रेशम या पेटव के कपड़े लपेटे जाते हैं। कपड़े तब तक लपेटते जाते हैं जब तक कि लाख में कड़ाई नहीं आ जाती और वह ढांचे के रूप को अपना नहीं लेती। तब ढांचे को निकाल लिया जाता है और फिर लाख की कई तह उसके अन्दर और बाहर चढ़ाई जाती हैं। आखिर में इस पर नक्काशी की जाती है और पालिश चढ़ाई जाती है। यह काम बहुत मेहनत का और बहुत नाजुक है।

बुनाई

चीनियों के हाथ जो चीज भी लग जाती है उससे वह सुन्दर चीजें बना लेते हैं, चाहे बांस हों और चाहे फूस, चाहे घास के तिनके हों और चाहे मूँज, वह अपनी कला का

तना के शायद हस्तगतान इस میدان میں چین سے آگے ہے۔ مکھی، مچھلی، چڑیاں اور روزمرہ دکھائی پڑنے والی چیزوں کے تھپے چھپائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ رضائی اور سر پر باندھنے کے لئے پرکھنڈوں وغیرہ کے لئے یہ کپڑے کام میں آتے ہیں۔

قالین

پیکنگ اور تینت-سن میں بہت اچھے قالین بنتے ہیں۔ ان دونوں جگہوں کے علاوہ شینشی، سن-ہیانگ، منگولیا اور تبت میں بھی قالین بنتے ہیں۔ قالین دو طرح سے بنے جاتے ہیں—ایک ہاتھ کے کرگھے سے اور دوسرے کروشیا سے۔ کرگھے سے جو قالین بنتے ہیں وہ زیادہ چلتے ہیں۔ ان کی بنائی بہت گہٹی ہوتی ہے۔ کروشیا سے جو قالین بنتے ہیں ان میں محنت کم لگتی ہے اور کچھا مالا کم خرچ ہوتا ہے۔

لاٹھ اور ملمع کا کام

تینیس سو سال پہلے بھی چین میں لاٹھ سے خوبصورت چیزیں بنتی تھیں۔ ان میں عام طور پر کالے پر لال رنگ سے نقاشی کی جاتی ہے اور لال پر کالے رنگ سے۔ پہلے لاٹھ سے مہاتما بدھ کی صورتیاں بنائی جاتی تھیں۔ بارہویں اور سولہویں صدی کے بیچ لاٹھ پر سولے چاندی کے تاروں سے نقاشی کرنے کا رواج زور پکڑ گیا۔ لاٹھ کی چیزیں اس طرح بنتی تھیں—پہلے ایک قہمانچہ تیار کیا جاتا ہے۔ قہمانچہ مٹی کا، یا لکڑی کا، یا لہے کا، یا پیتل کا ہوتا ہے۔ اس قہمانچہ پر لاٹھ کی کٹی تھ چڑھائی جاتی تھیں۔ اُس کے بعد اس پر باریک نقاشی کی جاتی ہے۔ نقاشی اُس سے کی جاتی ہے جب لاٹھ پوری طرح سوکے نہ ہو۔ نمائش میں ایک لمبا چوڑا پھل دان تھا۔ اس پر لال رنگ سے نقاشی کی گئی تھی۔ نقاشی اتنی باریک تھی کہ دیکھ کر تعجب ہوتا تھا۔

نمائش میں ٹی سیٹ بھی تھا۔ یہ تھ سیٹ دکھنے کی چیز تھی۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے: پہلے مٹی کا قہمانچہ بنایا جاتا ہے، اُس قہمانچہ پر لاٹھ پوتی جاتی ہے۔ پھر اس پر ریشم یا پتھر کے کپڑے لپیٹے جاتے ہیں۔ کپڑے تب تک لپیٹے جاتے ہیں جب تک کہ لاٹھ میں کڑائی نہیں آجانی اور وہ قہمانچہ کے روپ کو اپنا نہیں لیتی۔ تب قہمانچہ کو نکال لیا جاتا ہے اور پھر لاٹھ کی کٹی تھ اُس کے اندر اور باہر چڑھائی جاتی تھیں۔ آخر میں اس پر نقاشی کی جاتی ہے اور باس چڑھائی جاتی ہے۔ یہ کام بہت محنت کا اور بہت نازک ہے۔

بیانی

چینوں کے ہاتھ جو چیز بھی ایک جاتی ہے اُس سے وہ سندس چیزیں بنالیتے ہیں۔ چائے بانس ہو اور چائے پھوس، چائے گھاس کے تنکے ہوں اور چائے مونج، وہ اپنی کلا کا

हरा रंग यहां की बनी चीजों में सुन्दरता पैदा कर देता है. फूलदान और शीशे की दूसरी चीजें भी बनती हैं और उन पर खूबसूरत नक्काशी की जाती है.

रेशम

माना जाता है कि चीन दुनिया का पहला देश है जहां रेशम के कीड़े पाले गए और रेशम के धागों की गुन्डी बनाई गई. पुरानी खुदाइयों में कमखाब के टुकड़े अक्सर मिलते हैं. हांगचाव, सुचाव, नानकिन, चेंगटु ऐसे इलाके हैं जहां कमखाब तैयार किया जाता है. यहां के रंग विरंगे रेशमी थान नुमाइश की शोभा बढ़ा रहे थे.

रेशमी गालीचे

चीनी गालीचे हाथ के बुने रेशम के छोटे छोटे टुकड़े मालूम होते हैं. इन गालीचों में ताने की जगह सफेद रेशम के धागे इस्तेमाल होते हैं, वाने में कई कई रंग के धागे लगाए जाते हैं. छोटी छोटी हिरकियों की मदद से तरह तरह के छाप बुने जाते हैं. इस गालीचों की एक विशेषता यह है कि ये दोनों तरफ से एक ही से दिखाई देते हैं. इनमें उलटा सीधा नहीं होता. गालीचे पहले पहल होपी प्रान्त के तिंगशेन नामी स्थान पर बनने शुरू हुए थे. आजकल सुचाव गालीचे की बुनाई का सब से बड़ा केन्द्र है. इन गालीचों पर बने चित्र और उनका रंग आंखों को आकर्षित किये बिना नहीं रहता. यह चित्र राजमरी के जीवन के होते हैं और उनमें कुदरती रंग भरे जाते हैं.

कशीदाकारी

चीनी महिलाएं कशीदाकारी में बहुत होशियार होती हैं. सातवीं सदी में ही कपड़ों पर कढ़ाई का रिवाज शुरू हो गया था. गयारहवीं सदी के बाद कशीदाकारी दो तरह से बढ़ी—एक तो ताशकों, लिहाफों, पहनने के कपड़ों, तकिये के गिलाफों पर कढ़ाई के रूप में और दूसरे मराहूर आदिमियों वगैरह के चित्रों को धागे और सुई की मदद से कपड़े पर उतारने के रूप में. इस तरह का काम चांगशा और सुचाव में होता है. सुचाव में कशीदाकारों की बहुत बड़ी आबादी है और वहां इस तरह की चीजें बेहद बनती हैं. इस नुमाइश में कई तसवीरें थीं जो हाथ से काढ़ी गई थीं. यह कला शायद अभी हमारे देश में नहीं है.

ठप्पे का काम

हमारे देश में हजारों कारीगर ठप्पे से छपाई करते हैं, वह छोपे कहलाते हैं. इसी तरह चीन में भी होता है. पहले लकड़ी पर खाका खोदा जाता है और फिर उस ठप्पे से कपड़ा छपा जाता है. चीन में दो तरह की छपाई होती है—एक सफेद कपड़े पर नीली छपाई और दूसरे नीले कपड़े पर सफेद छपाई. हिन्दुस्तान में तरह तरह की छपाई की जाती है. इस नुमाइश में ठप्पों के कामों को देखकर मालूम होता

हوا रंग یہاں کی بنی چیزوں میں سندرنا پیدا کر دیتا ہے. پھول دان اور شیشے کی دوسری چیزیں بھی بنتی ہیں اور ان پر خوبصورت نقاشی کی جاتی ہے.

ریشم

مانا جاتا ہے کہ چین دنیا کا پہلا دیش ہے جہاں ریشم کے کیڑے پالے گئے اور ریشم کے دھاگوں کی گنئی بنائی گئی. پرانی کھدائوں میں کھنڈ کے ٹکڑے انڈر ملے ہیں. ٹانگ - چاو ' سوچاو' نانکن' چینگٹو ایسے علاقے ہیں جہاں کھنڈ تیار کیا جاتا ہے. یہاں کے رنگ برنگے ریشمی تھان تھان نمائش کی شوبھا بڑھا رہے تھے.

ریشمی گالیچے

چینی گالیچے ٹانگ کے بنے ریشم کے چوڑے چوڑے ٹکڑے معلوم ہوتے ہیں. ان گالیچوں میں تانے کی جگہ سفید ریشم کے دھاگے استعمال ہوتے ہیں. تانے میں کئی کئی رنگ کے دھاگے لگائے جاتے ہیں. چھوٹی چھوٹی ہیرکیوں کی مدد سے طرح طرح کے چھاپ بنے جاتے ہیں. ان گالیچوں کی ایک ویشیتا یہ ہے کہ یہ دونوں طرف سے ایک ہی سے دکھائی دیتے ہیں. ان میں آٹا سفید، نمائش نہیں ہوتا. گالیچے پہلے پہل سوپی پرنسٹ کے تنگ شین نامی استھان پر بننے شروع ہوئے تھے. آجکل سوچاو گالیچے کی بنائی کا سب سے بڑا کیندر ہے. ان گالیچوں پر بنے چتر اور ان کا رنگ آنکھوں کو آکڑشت کئے بغیر نہیں رہتا. یہ چتر روزمرہ کے چیزوں کے ہوتے ہیں اور ان میں قدرتی رنگ بھرے جاتے ہیں.

کشیده کاری

چینی مرہٹلاہیں کشیدہ کاری میں بہت شوقیاد ہوتی ہیں. ساتویں صدی میں ہی کیڑوں پر کھنڈی کا رواج شروع ہوگیا تھا. گیارہویں صدی کے بعد کشیدہ کاری دو طرح سے بڑھی—ایک نو ٹشکوں، لٹاٹوں، پہننے کے کپڑوں، ٹکے کے ٹانگوں پر کھنڈی کے روپ میں اور دوسرے مشہور آدمیوں وغیرہ کے چتروں کو دھاگے اور سوئی کی مدد سے کیڑے پر اٹارنے کے روپ میں. اس طرح کا کام ٹانگ - شا اور سوچاو میں ہوتا ہے. سوچاو میں کشیدہ کاری کی بہت بڑی آبادی ہے اور وہاں اس طرح کی چیزیں بے حد بنتی ہیں. اس نمائش میں کئی تصویروں تھیں جو ٹانگ سے کشی گئی تھیں. یہ کلا شاید اپنی شمارے دیش میں نہیں ہے.

ٹپے کا کام

ہمارے دیش میں ہزاروں کاریگر ٹپے سے چھاپی کرتے ہیں وہ چھپے کہلاتے ہیں. اسی طرح چین میں بھی ہوتا ہے. پہلے لکڑی پر خاکہ کھودا جاتا ہے اور پھر اس ٹپے سے کپڑا چھاپا جاتا ہے. چین میں دو طرح کی چھپائی ہوتی ہے—ایک سفید کیڑے پر نیلی چھپائی اور دوسری نیلے کیڑے پر سفید چھپائی. ہندستان میں طرح طرح کی چھپائی کی جاتی ہے. اس نمائش میں ٹپوں کے کاموں کو دیکھ کر معلوم ہوتا

سے اس میٹری کی 'چیجے' بن رہی ہیں، چودھویں صدی سے یہ جگہ جگہ مूर्تی کلا کے لیے بہت مشہور ہے۔ ان مورتیوں میں دیش، بھوشا اور بھاؤ بھنگما جس خوبی سے دکھائے جاتے ہیں اُس کی جتنی سراہنا کی جائے کم ہے۔ نزاکت کے ساتھ شان بھی ان مورتیوں سے ٹھکتی ہے۔ یہاں کی مورتیوں پر رنگ نہیں ہوتا۔ یہ بالکل سفید ہوتی ہیں۔ لیکن ان پر پالش بہت اچھی ہوتی ہے۔ نمائش میں کئی مورتیوں کے بیچ ایک مورتی "دیونکیا" کی تھی۔ دیونکیا ہاتھوں میں پتھر لے کر چاروں طرف بکھرا رہی ہے۔ اُس کے کپڑوں کے ایک ایک موڑ کو بہت صفائی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس طرح کی خوبصورت مورتیاں ہندوستان میں کم ملتی ہیں۔ یہاں بھی نئی چینی سرکار نے دو سرکاری فیکٹوریاں کھول دی ہیں تاکہ لاکھوں کو کم ملے اور کلا کی ترقی ہو۔

بچہ چین کے ہونان پرانت میں یو شیون نامی جگہ پر بھی چینی مٹی کی چیزیں بنتی ہیں۔ آسمانی رنگ پر لال رنگ کے چتر یہاں کی چیزوں پر دکھائی پڑتے ہیں۔ نمائش میں یہاں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں، کھلونے، مٹی کے جادو اور چیزیاں موجود نہیں۔ کلا کے لیے یہ جگہ، بارہویں صدی سے مشہور ہے۔

کمبہ کاری

کومبکاری

نوماہش میں میٹری کے برتنوں کو دیکھ کر دو باتیں درشکوں کا دھیان اپنی طرف کھینچتی تھیں: ایک رنگ دوسرے چترکاری۔ چتر، پتلی اور جانوروں کے ہیں، رنگ اِس خوبی سے جوئے گئے تھیں کہ چیزیں ہو بہو دیکھنے میں آتی ہیں۔ بڑبڑوں کا ایک چورا اِس نمائش میں پرورش کیا گیا تھا جس کے روپ اور رنگ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے سچے میچ کے بڈیروں کی مٹی بنا کر رکھ دی گئی ہو۔ گھڑوں پر لکڑیوں سے چتر بنائے اور خاص کر پوراٹک تلوؤں کے چتر بنائے کا بھی رواج ہے۔

شین - شونی نام کی جگہ، پو ذرا سخت مٹی ملتی ہے۔ یہ جگہ دیکھ چیں میں ہے۔ اِس مٹی کے بناے برتنوں کو تھونکے پر دھات کی سی چھنکار پیدا ہوتی ہے۔ یہاں برتنوں پر چتر اُتارنے کا طریقہ یہ ہے: پہلے طرح طرح کے برتن بنا لئے جاتے ہیں، پھر ان پر چتر بنائے جاتے ہیں اور اوپر سے پاشن کر دی جاتی ہے۔ پاشن سے چتروں میں چمک آ جاتی ہے۔

دیکھ چیں کے شاننگ پرانت میں ایک جگہ پوشان ہے۔ یہاں کی کمبہ کاری صدیوں سے مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر روزمرہ کے استعمال کے برتن بننے ہیں۔ یہاں کے رنگوں میں بڑی چمک ہوتی ہے۔ پندرھویں صدی سے یہاں شیشے کی چیزیں بن رہی ہیں۔ کھلونے اور چھوٹی بڑی مورتیاں بھی بنتی ہیں۔ ان پر رنگ بھی کیا جاتا ہے۔ گہرا بادامی، نیلا اور

دیکھ چیں کے شاننگ پرانت میں ایک جگہ پوشان ہے۔ یہاں کی کمبہ کاری صدیوں سے مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر روزمرہ کے استعمال کے برتن بننے ہیں۔ یہاں کے رنگوں میں بڑی چمک ہوتی ہے۔ پندرھویں صدی سے یہاں شیشے کی چیزیں بن رہی ہیں۔ کھلونے اور چھوٹی بڑی مورتیاں بھی بنتی ہیں۔ ان پر رنگ بھی کیا جاتا ہے۔ گہرا بادامی، نیلا اور

دیکھ چیں کے ہونان پرانت میں یو شیون نامی جگہ پر بھی چینی مٹی کی چیزیں بنتی ہیں۔ آسمانی رنگ پر لال رنگ کے چتر یہاں کی چیزوں پر دکھائی پڑتے ہیں۔ نمائش میں یہاں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں، کھلونے، مٹی کے جادو اور چیزیاں موجود نہیں۔ کلا کے لیے یہ جگہ، بارہویں صدی سے مشہور ہے۔

شین - شونی نام کی جگہ، پو ذرا سخت مٹی ملتی ہے۔ یہ جگہ دیکھ چیں میں ہے۔ اِس مٹی کے بناے برتنوں کو تھونکے پر دھات کی سی چھنکار پیدا ہوتی ہے۔ یہاں برتنوں پر چتر اُتارنے کا طریقہ یہ ہے: پہلے طرح طرح کے برتن بنا لئے جاتے ہیں، پھر ان پر چتر بنائے جاتے ہیں اور اوپر سے پاشن کر دی جاتی ہے۔ پاشن سے چتروں میں چمک آ جاتی ہے۔

دیکھ چیں کے شاننگ پرانت میں ایک جگہ پوشان ہے۔ یہاں کی کمبہ کاری صدیوں سے مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر روزمرہ کے استعمال کے برتن بننے ہیں۔ یہاں کے رنگوں میں بڑی چمک ہوتی ہے۔ پندرھویں صدی سے یہاں شیشے کی چیزیں بن رہی ہیں۔ کھلونے اور چھوٹی بڑی مورتیاں بھی بنتی ہیں۔ ان پر رنگ بھی کیا جاتا ہے۔ گہرا بادامی، نیلا اور

دیکھ چیں کے شاننگ پرانت میں ایک جگہ پوشان ہے۔ یہاں کی کمبہ کاری صدیوں سے مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر روزمرہ کے استعمال کے برتن بننے ہیں۔ یہاں کے رنگوں میں بڑی چمک ہوتی ہے۔ پندرھویں صدی سے یہاں شیشے کی چیزیں بن رہی ہیں۔ کھلونے اور چھوٹی بڑی مورتیاں بھی بنتی ہیں۔ ان پر رنگ بھی کیا جاتا ہے۔ گہرا بادامی، نیلا اور

سب نہی یانی हाल کی بنی हुई थीं पर उनमें वही पुरानी आत्मा झलक रही थीं. चीन ने दूसरे देशों से सीखा जरूर है लेकिन अपनी परम्परा में उस सीख को ढाल लिया है. सारी नुमाइश को देखकर यह असर पड़ता था कि शिल्प के मैदान में चीन और हिन्दुस्तान बहुत मिलते जुलते हैं. दोनों की कला में पौराणिक कथाओं का पुट साफ दिखाई पड़ता है. जंगल, पहाड़, दरिया और जंगली जानवरों को रंगों और तागों की मदद से तरह तरह के रूप में ढालना दोनों जगह की कला का प्रधान अंग है. दोनों में इतना मेल है कि हंगरी की एक महिला दरशक को दिल्ली में यह कहना पड़ा :—“अगर मुझे यह पता न होता कि यह चीनी नुमाइश है और यहां दो एक मूर्तियां चीनी शकल सूत्र की दिखाई न पड़तीं तो मैं इस नुमाइश को यकीनन हिन्दु-स्तानी शिल्प कला की नुमाइश समझ बैठती.”

चीनी मिट्टी की चीजें

चार हजार साल पहले चीन में चीनी मिट्टी के ऐसे बरतन बनते थे जिनपर रंग किया जाता था और फिर काले और लाल रंग से लकीरें खींचकर उनका खूबसूरत बनाया जाता था. ईसा से डेढ़ हजार बरस पहले चीन में ऐसे बरतन बनने लगे थे जिनका रंग हरयाली लिये या हलका पीला होता था. इसके बाद बरतन बनाने की कला में और तरक्की हुई. सेवर ताव के बजाए बरतनों का खर ताव देकर कड़ा बनाया जाने लगा. ईसा के जन्म के बाद बरतनों पर नीले रंग का रिवाज चला. सातवीं सदी ईसवी के बाद सफेद पालिश के बरतन बनने लगे. चीनी मिट्टी की चीजों की तजारत दसवीं सदी ईसवी में बहुत बढ़ी. चीन में यह सामान ईरान, हिन्दुस्तान, जापान और कुछ यورपी देशों को भी भेजा जाता था.

चीन के अलग अलग हिस्सों में अलग अलग तरह की चीजें बनती हैं. बीच चीन के कयांगसी सूबे में एक जगह चिंग-ते-चिन है. यहाँ सन 1004 ईसवी में चीनी मिट्टी की चीजें बननी शुरू हुईं. किसी जमाने में चीन में सब से अच्छा चीनी मिट्टी का सामान यहीं बनता था. यहाँ तरह तरह की पालिशें इंजाद हुईं और तरह तरह के रंग एक साथ इस्तेमाल किये जाने लगे. आजकल की सरकार ने यहां दो नई फैक्टरियां खोली हैं जिन में कलावन्तों और कारी-गरों को बुला बुला कर एक साथ रखा गया जिस से उन्हें एक दूसरे से सलाह करने और अपनी अपनी कला को तरक्की देने का एक नया और अनोखा मौका मिला. ज्ञान और काम मिल कर ही आगे बढ़ते हैं और दुनिया का भला करते हैं. इस पर चीन में काफी ध्यान दिया जाता है.

दक्खिन चीन के फोकिन प्रान्त में एक जगह थोवा है. यहां तीन तरह की चीनी मिट्टी हाती है. यहां नौ सौ साल

सब नئی یعنی حال کی بنی ہوئی نہیں پر اُن میں وہی پرانی آنما جھلک رہی تھی. چین نے دوسرے देशوں سے سیکھا ضرور ہے لیکن اپنی پریمپرا میں اُس سیکھ کو ڈھال لیا ہے. ساری نمائش کو دیکھ کر یہ اثر پڑتا تھا کہ شاہ کے میدان میں چین اور ہندوستان بہت ملتے جلتے تھیں. دونوں کی تلا میں پورائیک کٹھڑوں کا پست صاف دکھائی پڑتا ہے. جنگل، پہاڑ، دریا اور جنگلی جانوروں کو رنگوں اور تاگوں کی مدد سے طرح طرح کے روپ میں ڈھالنا دونوں جگہ کی تلا کا پردھان انگ ہے. دونوں میں اتنا میل ہے کہ ہنگری کی ایک مہیلا درشک کو دلی میں یہ کہتا پڑا :—“اگر مجھے یہ پتہ نہ ہوتا کہ یہ چینی نمائش ہے اور یہاں دو ایک صورتیاں چینی شکل صورت کی دکھائی نہ پڑتیں تو میں اِس نمائش کو یقیناً سندستانی شاہ تلا کی نمائش سمجھ بیٹھتی.”

چینی مٹی کی چیزیں

چار ہزار سال پہلے چین میں چینی مٹی کے ایسے برتن بننے لگے جن پر رنگ کیا جاتا تھا اور پتہ کالے اور لال رنگ سے لکھریں کیونچ کر اُن کو خوبصورت بنایا جاتا تھا. عیسوی سے پہلے ہزار برس پہلے چین میں ایسے برتن بننے لگے جن کا رنگ ہریالی لگے یا ہلکا پیلا ہوتا تھا. اِس کے بعد برتن بنانے کی تلا میں اور ترقی ہوئی. سمورائے کے بجائے برتنوں کو کھڑا دے کر کڑا بنایا جانے لگا. عیسوی کے جنم کے بعد برتنوں پر نیلے رنگ کا رواج چلا. ساتویں صدی عیسوی کے بعد سنوید پالش کے برتن بننے لگے. چینی مٹی کی چیزوں کی تجارت دسویں صدی عیسوی میں بہت بڑھی. چین سے بہ سامان ایران، سندستان، جاپان اور کچھ یورپی دیشز کو بھی بھیجا جاتا تھا.

چین کے ایک ایک حصوں میں ایک ایک طرح کی چیزیں ہوتی تھیں. بیچ چین کے کیانگسی صوبے میں ایک جگہ جنگ - تے - چن ہے. یہاں سن 1004 عیسوی میں چینی مٹی کی چیزیں بننے شروع ہوئیں. کسی زمانے میں چین میں سب سے اچھا چینی مٹی کا سامان یہیں بنتا تھا. یہاں طرح طرح کی پالشیں ایجاد ہوئیں اور طرح طرح کے رنگ ایک ساتھ استعمال کیے جانے لگے. آجکل کی سرکار نے یہاں دو نئی فیکٹریاں کھولی ہیں جن میں آلاتوں اور کاریگروں کو بلا بلا کر ایک ساتھ رکھا گیا جس سے آئندہ ایک دوسرے سے علاج کرنے اور اپنی اپنی تلا کو ترقی دینے کا ایک نیا اور انوکھا موقع ملا. گیان اور کلم مل کر ہی آگے بڑھتے ہیں اور دنیا کا بھلا کرتے ہیں. اِس پر چین میں کافی دھیان دیا جاتا ہے.

دکن چین کے ٹوکی پرانت میں ایک جگہ تیووا ہے. یہاں تین طرح کی چینی مٹی ہوتی ہے. یہاں نو سو سال

سوسائٹی) کی داہت پر کوئی تھی۔ آل انڈیا فائن آرٹ اینڈ کرافٹس سوسائٹی نے اپنے مکان میں اس کا انتظام کیا۔ پردہ نشینی میں سجاوٹ کا کام چینی دوناؤس کے کرم چارپوں نے کیا۔ باہر رنگ برنگے ریشمی چھندے لکڑی کی سفید بلیوں پر لہرا رہے تھے۔ ان میں سنہری کرچیں لگی ہوئی تھیں جو ان کی شوہیا بڑھاتی تھیں۔ ہوا میں جب یہ چھندے اپنی بلیوں کی دھڑکی پر پیڑھڑاتے تھے تو رنگوں کا میل دیکھ کر آنکھیں بھنس پڑتی تھیں۔ سامنے ایک پلیٹ فارم تھا جس کی چھت چینی ڈھنگ سے بنی تھی۔ اس پلیٹ فارم کے ایک طرف لال کپڑے پر پانچ ستارے چمک رہے تھے اور دوسری طرف کیسری، سفید اور ہری پتھوں پر اشوک چکر تھا۔ رات کو بجلی کی روشنی یہاں سماں باندھ دیتی تھی۔

اندر گیسٹے ہی موٹے موٹے سنہرے اشکروں میں ہفت جواہر لاں نبرو کا یہ شہیدہ سندس پڑھنے کو ملتا تھا:—”مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آل انڈیا فائن آرٹ اینڈ کرافٹس سوسائٹی چینی کلا اور شلپ کی پردہ نشینی کر رہی ہے۔ بہت پہلوؤں سے اس کا سواگت ہونا چاہیے۔ چینی کلا کی پرمہرا بڑی مہان ہے۔ چین کی بہت سی کلا کرچیوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے اور ہم ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہ جان کر خاص طور سے دلچسپی پڑ جاتی ہے کہ پچھلے برسوں میں چینی سرکار نے وہاں کی کلا اور شلپ کو بہت پورے ساتھ دیا ہے۔ اس طرح کی نمائش کے کلائمک مولیہ کے علاوہ اس کا سواگت ہم اس لئے بھی کرتے ہیں کیونکہ اس سے بھارت اور چین کی جتنا کہ بیچ دوستی بڑھتی ہے۔ میری کامنا ہے کہ یہ نمائش پوری طرح کامیاب ہو اور مجھے آشا ہے کہ بہت سے لوگ اسے دیکھنے جائیں گے۔“

چار بڑے بڑے کمروں میں لگ بھگ ایک ہزار چھڑیں سجی ہوئی تھیں۔ چینی مٹی کے برتن، چینی مٹی کی دوسری چھڑیں، مورتیاں، آٹے کی بہرنگی گڑیاں، مٹی کے پتلے، گہڑے، پودان، شیشے کے کھالوے، ریشم کے رنگ برنگے پھول، چڑیاں اور جانور، سندس ریشمی کپڑے، ساتھ کے کشودے، کروشیا کی بنائی جھار، ٹھیک کا کام، فالین، ملمع اور لاکھ کا کام، بانس، مرنج اور سینکوں سے بنی روزمرہ کے استعمال کی چھڑیں، لکڑی، فیروڑے، پتھر اور ہاتھی ناٹ کی کھدائی، چاندی، سونے کے برتن اور گہنے، لکڑی پر سولے چاندی کے تاروں کا کام وغیرہ وغیرہ: یہ ساری چھڑیں ایک ساتھ دیکھنے کو مانتی تھیں: چھڑیں چین کے الگ الگ بھاگوں سے اٹھا کی گئی تھیں اور سب مل کر چینی کلا اور شلپ کی تصویر پوری کردیتی تھیں۔

چینی کلا اور شلپ کا इतिहास बहुत पुराना है. लगभग चार हजार साल से चीन में कला तरक्की करती जा रही है. इस सुमाइश में जो चीजें दिखाई गई थीं वह

اندر گیسٹے ہی موٹے موٹے سنہرے اشکروں میں ہفت جواہر لاں نبرو کا یہ شہیدہ سندس پڑھنے کو ملتا تھا:—”مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آل انڈیا فائن آرٹ اینڈ کرافٹس سوسائٹی چینی کلا اور شلپ کی پردہ نشینی کر رہی ہے۔ بہت پہلوؤں سے اس کا سواگت ہونا چاہیے۔ چینی کلا کی پرمہرا بڑی مہان ہے۔ چین کی بہت سی کلا کرچیوں کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے اور ہم ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ یہ جان کر خاص طور سے دلچسپی پڑ جاتی ہے کہ پچھلے برسوں میں چینی سرکار نے وہاں کی کلا اور شلپ کو بہت پورے ساتھ دیا ہے۔ اس طرح کی نمائش کے کلائمک مولیہ کے علاوہ اس کا سواگت ہم اس لئے بھی کرتے ہیں کیونکہ اس سے بھارت اور چین کی جتنا کہ بیچ دوستی بڑھتی ہے۔ میری کامنا ہے کہ یہ نمائش پوری طرح کامیاب ہو اور مجھے آشا ہے کہ بہت سے لوگ اسے دیکھنے جائیں گے۔“

چار بڑے بڑے کمروں میں لگ بھگ ایک ہزار چھڑیں سجی ہوئی تھیں۔ چینی مٹی کے برتن، چینی مٹی کی دوسری چھڑیں، مورتیاں، آٹے کی بہرنگی گڑیاں، مٹی کے پتلے، گہڑے، پودان، شیشے کے کھالوے، ریشم کے رنگ برنگے پھول، چڑیاں اور جانور، سندس ریشمی کپڑے، ساتھ کے کشودے، کروشیا کی بنائی جھار، ٹھیک کا کام، فالین، ملمع اور لاکھ کا کام، بانس، مرنج اور سینکوں سے بنی روزمرہ کے استعمال کی چھڑیں، لکڑی، فیروڑے، پتھر اور ہاتھی ناٹ کی کھدائی، چاندی، سونے کے برتن اور گہنے، لکڑی پر سولے چاندی کے تاروں کا کام وغیرہ وغیرہ: یہ ساری چھڑیں ایک ساتھ دیکھنے کو مانتی تھیں: چھڑیں چین کے الگ الگ بھاگوں سے اٹھا کی گئی تھیں اور سب مل کر چینی کلا اور شلپ کی تصویر پوری کردیتی تھیں۔

چینی کلا اور شلپ کا इतिहास बहुत पुराना है. लगभग चार हजार साल से चीन में कला तरक्की करती जा रही है. इस सुमाइश में जो चीजें दिखाई गई थीं वह

شری منجیب رضوی

شری منجیب رضوی

پانچ فروری کی شام کو دلی میں چینی کلا اور شاپ نمائش کا اُنکھائی کرتے ہوئے آپ راشٹر پتی ڈاکٹر رادھا کوشن نے کہا۔ ”دلیا کی قدر“ کلا سے پریم اور آزادی کی چاہ : یہ تینوں سنسکرتی کا نیچر تھیں . فوجی اور راج کاجی تھانچے اور شاشن دوسرے ایسی بنیادی اور اصل ”سنسکرتی“ کی کیول رکشا کے لئے عورت تھیں . ”اُنہوں نے اِس وجہ کا سمجھتے کرتے ہوئے بتایا۔ ”پہلی اڑائی کے سیمے آکسپورٹ ہونے پر سکتی کے ایک پروفیسر سے لوگوں نے پوچھا۔ ”آکسپورٹ میں بیٹھے آپ کیا کر رہے تھیں جبکہ کلا اور سنسکرتی کے لئے ٹرانس میں لوگ لڑ رہے تھیں ؟“ اُس نے جواب دیا : ”میں سنی وہ سنسکرتی سوں جس کے لئے وہ وہاں لڑ رہے تھیں اور جانیں دے رہے تھیں .“ بچے اندر اور باہر دونوں کو سندر بنانا سنسکرتی ہے . اگر منشیہ کو اندر سے سندر بنانے کا سہرا دہوں ، بیغمیروں اور اوتاروں کو دیا جا سکتا ہے تو جیوں کے باہری روپ کو سکرے اور سندر بنانے کا شریئے کلا اور کلاوتوں کو ہے . جب ہم دنیا کے کلاوتوں کی دہوں کو آئیکہ نہی تو چینی کلاوت کے ہر میدان میں ہمیں پیش پیش دیکھائی پڑے . چینی کلا کی پرمیہا بہت پرانی ہے . اُس کا ادھار ہے : جیوں روپی گدستے کو ٹھٹھنے خوبصورت پہلوں سے سجدانا اور منشیہ کی ہدفی کا فرتور وکس کرنا . چین نے اپنی اِس پرمیہا کو بہت سے طوفانوں سے بچایا ہے اور آج یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ چینی کلا کا تھمنا ہوا دیا نئی چینی سکر کی چپتر چھاپا میں پور ہوری شان سے جھنگالے گا ہے .

راج کاجی اور فوجی دوستی اک بلبلہ ہے . آج کے دوست کل کے دشمن ہو جاتے ہیں . لیکن جو دوستی کلا اور سنسکرتی کے اُن پران پر قائم ہوتی ہے وہ بہت دیر میں ڈوٹتی ہے . ڈاکٹر رادھا کوشن نے کہا۔ ”لوگ اُن طریقوں کی چرچا کرتے ہیں جن پر امریکہ اور کاناڈا جیسے دو آزاد ملکوں کا سمبندہ قائم ہے . پر یہاں دوستی کی اُس سے کہیں بڑی مثال موجود ہے . یہ دوستی صدوں سے دلی آ رہی ہے .“

دوسرے دیشوں سے دلچسپی سمبندہ قائم کرنے کے لئے چین میں ایک سوسائٹی ہے جس نے یہ نمائش اُن انڈیا فائن آرٹ اینڈ کراپٹس سوسائٹی (کال ہند کلا شاپ

پانچ فروری کی شام کو دلی میں چینی کلا اور شاپ نمائش کا اُنکھائی کرتے ہوئے آپ راشٹر پتی ڈاکٹر رادھا کوشن نے کہا۔ ”دلیا کی قدر“ کلا سے پریم اور آزادی کی چاہ : یہ تینوں سنسکرتی کا نیچر تھیں . فوجی اور راج کاجی تھانچے اور شاشن دوسرے ایسی بنیادی اور اصل ”سنسکرتی“ کی کیول رکشا کے لئے عورت تھیں . ”اُنہوں نے اِس وجہ کا سمجھتے کرتے ہوئے بتایا۔ ”پہلی اڑائی کے سیمے آکسپورٹ ہونے پر سکتی کے ایک پروفیسر سے لوگوں نے پوچھا۔ ”آکسپورٹ میں بیٹھے آپ کیا کر رہے تھیں جبکہ کلا اور سنسکرتی کے لئے ٹرانس میں لوگ لڑ رہے تھیں ؟“ اُس نے جواب دیا : ”میں سنی وہ سنسکرتی سوں جس کے لئے وہ وہاں لڑ رہے تھیں اور جانیں دے رہے تھیں .“ بچے اندر اور باہر دونوں کو سندر بنانا سنسکرتی ہے . اگر منشیہ کو اندر سے سندر بنانے کا سہرا دہوں ، بیغمیروں اور اوتاروں کو دیا جا سکتا ہے تو جیوں کے باہری روپ کو سکرے اور سندر بنانے کا شریئے کلا اور کلاوتوں کو ہے . جب ہم دنیا کے کلاوتوں کی دہوں کو آئیکہ نہی تو چینی کلاوت کے ہر میدان میں ہمیں پیش پیش دیکھائی پڑے . چینی کلا کی پرمیہا بہت پرانی ہے . اُس کا ادھار ہے : جیوں روپی گدستے کو ٹھٹھنے خوبصورت پہلوں سے سجدانا اور منشیہ کی ہدفی کا فرتور وکس کرنا . چین نے اپنی اِس پرمیہا کو بہت سے طوفانوں سے بچایا ہے اور آج یہ دیکھ کر خوشی ہوئی ہے کہ چینی کلا کا تھمنا ہوا دیا نئی چینی سکر کی چپتر چھاپا میں پور ہوری شان سے جھنگالے گا ہے .

راج کاجی اور فوجی دوستی اک بلبلہ ہے . آج کے دوست کل کے دشمن ہو جاتے ہیں . لیکن جو دوستی کلا اور سنسکرتی کے اُن پران پر قائم ہوتی ہے وہ بہت دیر میں ڈوٹتی ہے . ڈاکٹر رادھا کوشن نے کہا۔ ”لوگ اُن طریقوں کی چرچا کرتے ہیں جن پر امریکہ اور کاناڈا جیسے دو آزاد ملکوں کا سمبندہ قائم ہے . پر یہاں دوستی کی اُس سے کہیں بڑی مثال موجود ہے . یہ دوستی صدوں سے دلی آ رہی ہے .“

دوسرے دیشوں سے دلچسپی سمبندہ قائم کرنے کے لئے چین میں ایک سوسائٹی ہے جس نے یہ نمائش اُن انڈیا فائن آرٹ اینڈ کراپٹس سوسائٹی (کال ہند کلا شاپ

کے परिமானوں کی दृष्टि سے श्रेष्ठ मीनारें हैं. चीन में मसजिदों में केवल मुअज्जिन के लिये एक छोटी मीनार होती है. चौदहवीं और पन्द्रहवीं सदी की काहिरा की मीनारों ने इटली की रेनासां डिजाइनों की और यूरोप के, बाद में निर्मित टावरों और रैम्पों पर काफ़ी असर डाला.

एलिजबेथ के समय से और उसके बाद भी इङ्गलिस्तान की इमारतों में कॉर्निस के पास या कमरों के निचले हिस्सों में जो लेस की पैटर्न के बेल-वूटों का इस्तेमाल शुरू हुआ, अङ्गरेजी में उसे 'अरेबेस्क' (Arabesque) कहते हैं. इस एक चीज से पता चलता है कि मध्य युग के अरबों ने इङ्गलिस्तान की निर्माण-कला को सुन्दर बनाने में जाहिरा हिस्सा लिया.

यूरोप में और दुनिया के दूसरे हिस्सों में जिस नोकीली मेहराब (Pointed arch) का रिवाज शुरू हुआ यह कहने के लिये काफ़ी प्रमाण हैं कि इसका उद्गम शाम और दूसरे मुस्कों की इसलामी इमारतों से है. यूरोप की 'ओगी' मेहराबें और 'ट्यूडर' मेहराबें तो साफ़ साफ़ मुसलम मेहराबों की नकलें हैं. अर्ध चन्द्राकार और पंखुड़ियांदार मेहराबें गो इसलाम का भारत की देन हैं ताहम यूरोप ने इनकी नकल इसलामी इमारतों से ही की. खिड़कियों के आस पास और फ़श पर ज्यामिति की रेखायें बनाने का रिवाज भी यूरोप में इसलामी निर्माण-कला के प्रभाव से फैला. आधुनिक इमारतों में कमरों की सीलिंग में जो थालीनुमा गोल डिजाइन होती है और ज्यामिति की शकलों के रूप में जो कटी हुई जालियां बनाई जाती हैं वे भी शुरू की मसजिदों की यादगार हैं. गाथिक इमारतों में स्तम्भों के कोनों के पास जो जुड़े हुये बान के आकार की धनियां इस्तेमाल की जाती हैं और जो गाथिक निर्माण कला के इतिहास में अत्यन्त महत्वपूर्ण समझी जाती हैं आठवीं और नवीं सदी की मुसलम इमारतों की नकल हैं. दीवारों पर बेल वूटे और उमरी हुई कॉर्निस का रिवाज इराक़ में प्रचलित था, यही चीजें बाद में गाथिक निर्माण कला का एक खास अङ्ग बन गईं.

लकड़ी के जालीदार परदे जिन्हें अरबी में 'मशराबिया' कहते हैं, मकानों में जनानखाने के परदे के काम में या मसजिदों में परदे के तौर पर इस्तेमाल किये जाते थे. बाद में इङ्गलिस्तान में इनकी खूब नकलें शुरू हुईं.

अरबों ने ज्यामिति के अपने अथाह ज्ञान के कारन, दुनिया के अनेक प्राचीन देशों के संसर्ग में आने के कारन और अपनी जिज्ञासु प्रवृत्ति के कारन निर्माण-कला का एक ऐसा सुन्दर और उपयोगी समन्वय तैयार किया जिसकी छाप आम तौर पर आधुनिक निर्माण-कला पर और विशेषकर यूरोप की निर्माण-कला पर हमें स्पष्ट दिखाई देती है.

के प्रिमानों की दृष्टि से श्रेष्ठ मीनारें हैं. चीन में मसजिदों में केवल मुअज्जिन के लिये एक छोटी मीनार होती है. चौदहवीं और पन्द्रहवीं सदी की काहिरा की मीनारों ने इटली की रेनासां डिजाइनों की और यूरोप के, बाद में निर्मित टावरों और रैम्पों पर काफ़ी असर डाला.

एलिजबेथ के समे से और अूस के बाद भी इङ्गलिस्तान की इमारतों में कॉर्निस के पास या कमरों के निचले हिस्सों में जो लेस की पैटर्न के बेल-वूटों का इस्तेमाल शुरू हुआ, अङ्गरेजी में उसे 'अरेबेस्क' (Arabesque) कहते हैं. इस एक चीज से पता चलता है कि मध्य युग के अरबों ने इङ्गलिस्तान की निर्माण-कला को सुन्दर बनाने में जाहिरा हिस्सा लिया.

यूरोप में और दुनिया के दूसरे हिस्सों में जिस नोकीली मेहराब (Pointed arch) का रिवाज शुरू हुआ यह कहने के लिये काफ़ी प्रमाण हैं कि इसका उद्गम शाम और दूसरे मुस्कों की इसलामी इमारतों से है. यूरोप की 'ओगी' मेहराबें और 'ट्यूडर' मेहराबें तो साफ़ साफ़ मुसलम मेहराबों की नकलें हैं. अर्ध चन्द्राकार और पंखुड़ियांदार मेहराबें गो इसलाम का भारत की देन हैं ताहम यूरोप ने इनकी नकल इसलामी इमारतों से ही की. खिड़कियों के आस पास और फ़श पर ज्यामिति की रेखायें बनाने का रिवाज भी यूरोप में इसलामी निर्माण-कला के प्रभाव से फैला. आधुनिक इमारतों में कमरों की सीलिंग में जो थालीनुमा गोल डिजाइन होती है और ज्यामिति की शकलों के रूप में जो कटी हुई जालियां बनाई जाती हैं वे भी शुरू की मसजिदों की यादगार हैं. गाथिक इमारतों में स्तम्भों के कोनों के पास जो जुड़े हुये बान के आकार की धनियां इस्तेमाल की जाती हैं और जो गाथिक निर्माण कला के इतिहास में अत्यन्त महत्वपूर्ण समझी जाती हैं आठवीं और नवीं सदी की मुसलम इमारतों की नकल हैं. दीवारों पर बेल वूटे और उमरी हुई कॉर्निस का रिवाज इराक़ में प्रचलित था, यही चीजें बाद में गाथिक निर्माण कला का एक खास अङ्ग बन गईं.

लकड़ी के जालीदार परदे जिन्हें अरबी में 'मशराबिया' कहते हैं, मकानों में जनानखाने के परदे के काम में या मसजिदों में परदे के तौर पर इस्तेमाल किये जाते थे. बाद में इङ्गलिस्तान में इनकी खूब नकलें शुरू हुईं.

अरबों ने ज्यामिति के अपने अथाह ज्ञान के कारन, दुनिया के अनेक प्राचीन देशों के संसर्ग में आने के कारन और अपनी जिज्ञासु प्रवृत्ति के कारन निर्माण-कला का एक ऐसा सुन्दर और उपयोगी समन्वय तैयार किया जिसकी छाप आम तौर पर आधुनिक निर्माण-कला पर और विशेषकर यूरोप की निर्माण-कला पर हमें स्पष्ट दिखाई देती है.

(4) توحید تاملیر-کلا اور

(5) भारतीय पठान-मुगल तामीर-कला.

किसी भी देश की भौगोलिक हालतों से निर्माण-कला का रूहानी ताल्लुक होता है. धर्म एक हद तक ही उसपर असर डालता है. उसमें जीवन और रूप रंग भरने वाली देश की कुदरती हालत ही है. भारत घने बनो, फूल-पत्तियों, पर्वतों, नदियों, घाटियों और वादियों का देश है. इसीलिये यहां की निर्माण-कला में विशालता के साथ साथ बाहुल्यता और विविधता भी है. मन्दिर का कोना कोना आपका मूर्तियों, फूल पत्तियों और वंशुरे से लदा मिलेगा. इसके विपरीत अब एक रेगिस्तान है, जिधर देव्या उधर विस्तृत नीला आसमान और असीम रेगिस्तान. मसजिदों की निर्माण-कल्पना पर भी इसी भौगोलिक स्थिति का असर साफ दिखई देता है. मरुस्थल की छाप मसजिद की साफ़ सपाट लेकिन व्यापक असर डालने वाली बनावट पर आपका मिलेगी.

इसलाम दुनिया के अनेकों सभ्य से सभ्य और उन्नत देशों में गया. अपने साथ साथ वह निर्माण-कला के बुनियादी उसूल भी ले गया. यह भी सही है कि दुनिया के विविध देशों में इसलामी तामीरों में एक व्यापक एकता और साम्य भी दिखई देता है; किन्तु यह सब होते हुए भी भिन्न की इसलामी निर्माण-कला, ईरान की इसलामी निर्माण-कला और भारत की इसलामी निर्माण-कला मूल रूप से भिन्न, ईरानी, स्पेनी, चीनी और भारतीय है. इन समस्त देशों की बुनियादी निर्माण-कलाओं ने इसलामी निर्माण-कला पर बेहद असर डाला. निर्माण-कला की स्थानीय परम्परायें इसलामी तामीरों पर पूरी तरह हावी हो गईं.

शुरू शुरू में सीधी सादी जामा मसजिदों का रिवाज चला. उसके बाद गुम्बद वाली मसजिदें बननी शुरू हुईं. इसके बाद बारहवां सदी में क्यूनिफ़र्म शकल की मदरसा मसजिदों का काफी प्रचार हुआ. बाद में गुम्बद मुसलिम निर्माण-कला का एक दिलचस्प और जरूरी अङ्ग बन गया. काहिरा में उभरे हुये गुम्बद, ईरान और तुर्किस्तान में गोल गुम्बद और क्रुस्तुनतुनिया की मसजिदों में बाइजन्टाइन शकल के नीचे गुम्बदों का रिवाज था. गुम्बदों की बाहरी सजावट का तरीका भी जगह जगह भिन्न भिन्न प्रकार का था. 1 वीं सदी में भिन्न की पत्थर की गुम्बदों पर लेस के पैटर्न की खुदाई और पच्चीकारी होती थी. ईरानी गुम्बदों के ऊपर चमकदार टाइलें लगाई जाती थीं.

इसलामी मीनारों की बनावट में भी बेहद खूबसूरती बढ़ी. क्रुतुब मीनार भारतीय निर्माण कला के समन्वय के कारन संसार की सब से शानदार मीनार समझी जाती है. लाहौर की शाही मसजिद की मीनारें, दिल्ली की जामा मसजिद की मीनारें, औरङ्गाबाद की मीनारें और आगरे की मोती मसजिद की मीनारें कला, सौन्दर्य और ज्यामिति

(4) ترکی تعمیری کلا اور

(5) بھارتیہ پٹھان میغل تعمیری کلا .

کسی بھی دیش کی بیوگولک حالتوں سے نورمان کلا کا روحانی تعلق ہوتا ہے . دھرم ایک حد تک ہی اس پر اثر ڈالتا ہے . اس میں جیوں اور روپ رنگ بھرلے والی دیش کی قدرتی حالت ہی ہے . بھارت گہنے بنوں ' پھول پٹیوں ' پرتوں ' ندیوں ' گھاٹیوں ' اور وادیوں کا دیش ہے ' اسی لئے یہاں کی نورمان کلا میں وشالٹا کے ساتھ ساتھ باہمیافت اور وردنتا بھی ہے . مندر کا کونہ کونہ آپ کو سورجیوں ' پھول پٹیوں اور کنوڑے سے لدا ملے گا . اس کے وزیت عاب ایک ریگستان ہے ' جدھر دیکھو ادھر وسرت نیلا آسمان اور اسیم ریگستان . مسجیدوں کی نورمان کلہا پر بھی اسی بیوگولک استھتی کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے . مرواستھل کی چیاپ مسجید کی صاف سپاٹ لیکن ویاپک اثر ڈالنے والی بناوٹ پر آپ کو ملے گی .

اسلام دنیا کے انیکوں سبیت سے سبیت اور اُمت دیشوں میں گیا . اپنے ساتھ ساتھ وہ نورمان کلا کے بنیادی اصول بھی لے گیا . یہ بھی صحیح ہے کہ دنیا کے وردہ دیشوں میں اسلامی تعمیری میں ایک ویاپک ایکتا اور سامیہ بھی دکھائی دیتا ہے ' کنتو یہ سب حقوتے ہوئے بھی مصر کی اسلامی نورمان کلا ' ایران کی اسلامی نورمان کلا اور بھارت کی اسلامی نورمان کلا مول روپ سے مصری ' ایرانی ' اسپینی ' چینی اور بھارتیہ ہے . ان سمست دیشوں کی بنیادی نورمان کلارن نے اسلامی نورمان کلا پر پحد اثر ڈالا . نورمان کلا کی استانیہ پرمیڈانیس اسلامی تعمیریوں پر پوری طرح حاوی ہو گئیں .

شروع شروع میں سیدھی سادی جامع مسجیدوں کا رواج چلا . اس کے بعد گنبد والی مسجیدوں بننی شروع ہوئیں . اس کے بعد بارھویں صدی میں کیونی فارم شکل کی مدرسہ مسجیدوں کا کافی پرچار ہوا . بعد میں گنبد مسالم نورمان کلا کا ایک دلچسپ اور ضروری انگ بن گیا . فاخرہ میں اہیرے ہوئے گنبد ' ایران اور ترکستان میں گول گنبد اور فستاطی کی مسجیدوں میں بائیونٹائن شکل کے نیچے گنبدوں کا رواج تھا . گنبدوں کی باغری سجاوٹ کا طریقہ بھی جگہ جگہ بہن بہن پر کار کا تھا . 15ویں صدی میں مصر کی پتھر کی گنبدوں پر لیس کے پیٹرن کی کھدائی اور پنچکاری ہرئی تھی . ایرانی گنبدوں کے اوپر چکمدار ٹائیلیں لٹائی جاتی تھیں .

اسلامی میناروں کی بناوٹ میں بھی پحد خوبصورتی بڑھی . قطب مینار بھارتیہ نورمان کلا کے سمنویہ کے کارن سنسار کی سب سے شاندار مینار سمجھی جاتی ہے . لاہور کی شاغی مسجد کی میناریں ' دلی کی جامع مسجد کی میناریں ' اورنگ آباد کی میناریں اور آگرہ کی موتی مسجد کی میناریں 'لا سوندریہ اور جیلانی

میں تामीر ہڈے، یوں تو اسلام کے پہلے کی عمارتوں میں بھی نال سما مہدراؤں کا رواج تھا لیکن بعد میں وہ خاص اسلامی چیز بن گئی۔

مسجد میں پہلے پہل مینار کی تामीر موزجین کے کچی جگہ سے آجنان دینے کے خیال سے شروع ہوئی، شروع شروع کی مسجدوں میں صرف ایک ہی چھوٹی مینار ہوتی تھی۔ اونچی اونچی چار میناروں کا رواج تو بہت بعد میں پڑا۔ سب میں پرانی مینار نیونس کے قریب 'قنروان' کی مسجد کی مینار ہے۔ یہ مسجد خلاۃ حشام (سن 714-721) کے وقت میں بنی تھی۔ اسپین میں کارڈوبا کی بڑی میناروں والی مسجد کی تعمیر سن 786 میں شروع ہوئی۔

سامرو کی مسجد بڑی اور تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں بہت بڑا صحن، مکے کی طرف قبضہ اور ایک بہت چوڑا برآمدہ ہے۔ صحن کے تینوں اور کئی چوڑے پورٹیکو ہیں۔ مسجد کے باہر چاروں طرف جو اینٹوں کا گھبرا ہے، اس میں چاروں کونوں میں گول قار نہیں۔ مسجد کی دیواریں دیوار میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں کی ایک قطار ہے۔ ان کھڑکیوں کے اوپر کا حصہ آدھے چاند کی شکل کا ہے۔ کئی کھڑکیاں پھول کی پتھریوں کی شکل کی ہیں۔ نرمان کلا کے یہ نمونے کارڈوبا کی مسجد میں بھی ملتے ہیں۔ مشہور کلا پارکھی - ای - بی - ہول کے مطابق اسلام کو کلا کے یہ نمونے بدھ ہیئت کی دین ہیں۔ *

طوان کی مسجد کی تعمیر سن 876 میں شروع ہوئی۔ مسجد کی باہر کی دیواریں بہت اونچی اور بے حد چوڑی ہیں۔ یہ دیواریں اسورین قلعے کی دیواریں سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ 1500 برس بعد اسورین نرمان کلا کے اس اثر کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

شام اور مصر کی سینک نرمان کلا نے بھی اسلامی نرمان کلا پر کئی اثر ڈالا۔ ان میں تلے کا سمکون پروجیک مارگ مکھیہ تھا۔ دشمن کے پھانک کے بیوتھر گوس آنے پر ہی سمکون پروجیک مارگ ہولے کے سبب وہ قلعے کے بیوتھری حتے میں سیدھا گولہ باری نہ کر سکتا تھا۔ روم یا بائوٹھنائی سینک ریشیکوں کو اس طرح کے پروجیک مارگوں کا گیان نہ تھا۔ ان دنوں کے قلعوں کے تمام پھانک ایک ہی سیدھ میں ہوتے تھے۔ ان پھانکوں کے بیچ کی زمین 'پراپوگنا کلم' کہلاتی تھی۔ اس طرح کے پروجیک مارگوں کی تعمیر پہلے بغداد میں آٹھویں صدی میں شروع ہوئی۔ بغداد کے قلعوں کی دیواریں اور پروجیک مارگوں کی نقش بعد میں ونیس کے محفلوں میں بھی ہوئی۔

اسلامی تعمیر لاگو ہم پانچ خاص حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

1) شام اور مصری تعمیر کلا
2) اسپین اور مراکو کی تعمیر کلا
3) ایرانی تعمیر کلا

شام اور مصر کی سینک نرمان کلا نے بھی اسلامی نرمان کلا پر کئی اثر ڈالا۔ ان میں تلے کا سمکون پروجیک مارگ مکھیہ تھا۔ دشمن کے پھانک کے بیوتھر گوس آنے پر ہی سمکون پروجیک مارگ ہولے کے سبب وہ قلعے کے بیوتھری حتے میں سیدھا گولہ باری نہ کر سکتا تھا۔ روم یا بائوٹھنائی سینک ریشیکوں کو اس طرح کے پروجیک مارگوں کا گیان نہ تھا۔ ان دنوں کے قلعوں کے تمام پھانک ایک ہی سیدھ میں ہوتے تھے۔ ان پھانکوں کے بیچ کی زمین 'پراپوگنا کلم' کہلاتی تھی۔ اس طرح کے پروجیک مارگوں کی تعمیر پہلے بغداد میں آٹھویں صدی میں شروع ہوئی۔ بغداد کے قلعوں کی دیواریں اور پروجیک مارگوں کی نقش بعد میں ونیس کے محفلوں میں بھی ہوئی۔

اسلامی تعمیر لاگو ہم پانچ خاص حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

1) شام اور مصری تعمیر کلا
2) اسپین اور مراکو کی تعمیر کلا
3) ایرانی تعمیر کلا

اسلامی تعمیر لاگو ہم پانچ خاص حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

اسلامی تعمیر لاگو ہم پانچ خاص حصوں میں بانٹ سکتے ہیں۔

- 1) شام اور مصری تعمیر کلا،
- 2) اسپین اور مراکو کی تعمیر کلا،
- 3) ایرانی تعمیر کلا،

* E. B. Havell—Indian Architecture, 2 nd. Edition, London 1927, pp. 85—6.

सीढ़ियों के ऊपर एक चौकोर चबूतरा बनाया गया जो तीनों ओर से लकड़ी के कटघरे से घिरा हुआ था, यही मिम्बर था, अब तक इमाम कतार के पास ही खड़ा होकर नमाज़ पढ़ाया करता था, मिम्बर के ऊपर उसके सब से ऊंचा खड़े होने पर नुक्ताचीनियां हुई, यह खबर मदीने में खलीफा हजरत उमर के पास पहुंची, अन्न से जवाब तलबी हुई, अन्न ने अपनी बकालत में कहा कि दुश्मनों के मुस्क में कालिलों के खंजर से अपनी हिफाजत के लिये ही यह कटघरा बनाया गया है, और अगर खलीफा को नार्मजर हो तो इसे गिरा दिया जाय, बात उमर की समझ में आ गई और उसने मिम्बर की इजाजत दे दी, और अब तो मिम्बर हिफाजत के लिये खास चीज नहीं बल्कि मसजिदों का एक जरूरी जुज बन गया है,

शुरू की मसजिदों में भीनारें न होती थीं, कहा जाता है भीनारों का रिवाज सातवीं सदी के आखीर में शुरू हुआ, शुरू शुरू में मसजिद में क़िबले को खास तौर पर इंगित करने वाली मेहराब भी न होती थी, मेहराब का रिवाज भी बहुत बाद में पड़ा, इस तरह मदीने की पहली मसजिद की तामीर के 90-90 बरस के अन्दर अनेकों चीजें जड़कर मसजिदों का जरूरी जुज बन गई, इसी समय के करीब अल-ईवान का भी निर्माण होने लगा, सहन के पास बुजूर करने के लिये जा पानी की जगह होती है उसे अल-ईवान कहते हैं, सातवीं सदी से लेकर अब तक मसजिद की निर्माण-कला की यही चन्द जरूरी चीजें रही हैं,

सन 639 ईसवी में फिलस्तीन पर अरबों का कब्जा हुआ, यरुसलम के ईसाई पादरी की प्रार्थना पर खुद उमर के नेतृत्व में अरब दौड़ें यरुसलम में दाखिल हुई, इस खास काम के लिये उमर मदीने से चलकर यरुसलम आये थे, यरुसलम में उमर ने जिस जगह नमाज़ पढ़ी थी उमर की यादगार में उस जगह बाद में एक मसजिद बन गई, सातवीं सदी के आखरी बरसों में इसी मसजिद के पास एक नई शानदार मसजिद बनाई गई, अब तक की बनी हुई तमाम मसजिदों में यह मसजिद सब में आलीशान और सब में विशाल थी, इसे लोग 'चट्टानी गुम्बद' (Dome of the Rock) भी कहते थे, अरबी में इस मसजिद को 'कुव्वत-उल-सखराह' कहा जाता था, यह ठोस पत्थर की बनी हुई एक महान इमारत थी, इस्लामी इतिहास के मुताबिक यह मसजिद 'मशहद' यानी सक्षी की जगह है, अपनी पैगम्बरी के दिनों में इसी जगह से हजरत मुहम्मद ने 'मेराज' यानी स्वर्ग की सदेह यात्रा की थी, श्रद्धालु यात्री यहां आकर इस मसजिद की परिक्रमा करते हैं,

इस्लामी तामीरी कला के इतिहास में इस मसजिद के बाद ही गुम्बदों और घोंघे की नाल की शह्र की मेहराबों का रिवाज चला, 'कुव्वत-उल-सखराह' की मसजिद के बाद आठवीं सदी के शुरू में एक दूसरी विशाल मसजिद दमश्क

सिरीयों के ओर एक चोकर चबूतरा बनाया गया जो तीनों ओर से लकड़ी के कटघरे से घिरा हुआ था, यही मिम्बर था, अब तक इमाम कतार के पास ही खड़ा होकर नमाज़ पढ़ाया करता था, मिम्बर के ऊपर उसके सब से ऊंचा खड़े होने पर नुक्ताचीनियां हुई, यह खबर मदीने में खलीफा हजरत उमर के पास पहुंची, अन्न से जवाब तलबी हुई, अन्न ने अपनी बकालत में कहा कि दुश्मनों के मुस्क में कालिलों के खंजर से अपनी हिफाजत के लिये ही यह कटघरा बनाया गया है, और अगर खलीफा को नार्मजर हो तो इसे गिरा दिया जाय, बात उमर की समझ में आ गई और उसने मिम्बर की इजाजत दे दी, और अब तो मिम्बर हिफाजत के लिये खास चीज नहीं बल्कि मसजिदों का एक जरूरी जुज बन गया है,

शुरु की मसजिदों में भीनारें न होती थीं, कहा जाता है भीनारों का रिवाज सातवीं सदी के आखीर में शुरू हुआ, शुरू शुरू में मसजिद में क़िबले को खास तौर पर इंगित करने वाली मेहराब भी न होती थी, मेहराब का रिवाज भी बहुत बाद में पड़ा, इस तरह मदीने की पहली मसजिद की तामीर के 90-90 बरस के अन्दर अनेकों चीजें जड़कर मसजिदों का जरूरी जुज बन गई, इसी समय के करीब अल-ईवान का भी निर्माण होने लगा, सहन के पास बुजूर करने के लिये जा पानी की जगह होती है उसे अल-ईवान कहते हैं, सातवीं सदी से लेकर अब तक मसजिद की निर्माण-कला की यही चन्द जरूरी चीजें रही हैं,

इस्लामी तामीरी कला के इतिहास में इस मसजिद के बाद ही गुम्बदों और घोंघे की नाल की शह्र की मेहराबों का रिवाज चला, 'कुव्वत-उल-सखराह' की मसजिद के बाद आठवीं सदी के शुरू में एक दूसरी विशाल मसजिद दमश्क

وِشِوِصْمِرِناثِ پاڈے

وِشِوِصْمِرِناثِ پاڈے

اسلام کے نام پر نیماں-کلا کا سب سے پہلا نمانا وہ مسجداں ہوں جن کو سن 622 عیسوی میں حضرت محمد نے مدینہ میں بنوائی تھیں۔ یہی مسجداں دنیا کی سب سے پہلی مسجداں مانی جاتی ہیں اور اسی کو نمونہ مان کر بعد میں ساری مسجداں بنیں۔ یہ مسجداں کیا تھیں ایک چوکور گھرا ہوا صحن تھا جس کی دواڑیں اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کی چھت کھجور کے تنوں اور تہنیوں پر مٹی پاتکر بنائی گئی تھی۔ جب تک محمد صاحب زندہ رہے انہوں نے مدینہ کے اس پاس کوئی مسجداں نہیں بنائی دی۔ انہیں بنا اطلاع دیئے مدینہ شہر کے باہر لوگوں نے جب ایک مسجداں بنائی تو وہ ناراض ہوئے اور اس مسجداں کو گروا دیا۔ ان کا حکم تھا کہ ایک مسجداں کے ہوتے ہوئے اس پاس دوسری مسجداں نہیں بننی چاہئے۔

عراق میں کوفہ کا شہر عرب مسلمانوں کی نوآبادی تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو جماعت کی نماز کے لئے ایک مسجداں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سے تک عربوں نے ایران میں خسرو کی بادشاہت کو آٹ پلٹ دیا تھا۔ ایرانی سمرات کے سنگ مرمر کے محل و جیناں کے قدیم پر دوزانو پڑے تھے۔ لوگوں کا خیال ہوا کہ کوفہ کی مسجداں و جیناں کی شان کے مطابق ہی بننی چاہئے۔ پھر مسجداں محض نماز ادا کرنے ہی کی جگہ نہ تھی، وہ حکومت کرنے کا کیندر بھی تھی، راجنیتک معاملوں کا وہیں ہتھکڑیاں کیا جاتا تھا، بچوں کے پڑھنے کا مدرسہ بھی وہیں ہوتا تھا اور نینک اور اخلاقی شقیں کی چرچا بھی وہیں ہوا کرتی تھی۔ غرض یہ کہ مسجداں اسلامی جینوں کا کیندر ہوتی تھیں۔ جب سن 639 عیسوی میں کوفہ کی مسجداں بنی تو اس کی چھت دھواں سنگ مرمر کے ستونوں پر کھڑی کی گئی۔ یہ سنگ مرمر شہر کے ایرانی راجاؤں کے محلوں سے لایا گیا تھا۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے خیال سے ایک مسجداں سن 612 عیسوی میں فوستات (مصر) میں بنائی گئی، وجینا عربوں کی ایدراجت سیناؤں نے امر کے سینا پتو میں مصر سے رومن ستہ کو اٹھڑکر وہاں عرب چھتیاں پہرایا تھا۔ یہ مسجداں چوکور تھیں مگر اس میں صحن نہ تھا۔ اب تک کسی مسجداں میں امام کے لئے ممبر نہ ہوتا تھا۔ پہلی دفعہ فوستات کی مسجداں میں ممبر بنایا گیا۔ نمازیوں کی نظاروں سے تھورا آگے چھوٹا سا تین

اسلام کے نام پر نیماں-کلا کا سب سے پہلا نمانا وہ مسجداں ہوں جن کو سن 622 عیسوی میں حضرت محمد نے مدینہ میں بنوائی تھیں۔ یہی مسجداں دنیا کی سب سے پہلی مسجداں مانی جاتی ہیں اور اسی کو نمونہ مان کر بعد میں ساری مسجداں بنیں۔ یہ مسجداں کیا تھیں ایک چوکور گھرا ہوا صحن تھا جس کی دواڑیں اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ اس کی چھت کھجور کے تنوں اور تہنیوں پر مٹی پاتکر بنائی گئی تھی۔ جب تک محمد صاحب زندہ رہے انہوں نے مدینہ کے اس پاس کوئی مسجداں نہیں بنائی دی۔ انہیں بنا اطلاع دیئے مدینہ شہر کے باہر لوگوں نے جب ایک مسجداں بنائی تو وہ ناراض ہوئے اور اس مسجداں کو گروا دیا۔ ان کا حکم تھا کہ ایک مسجداں کے ہوتے ہوئے اس پاس دوسری مسجداں نہیں بننی چاہئے۔

عراق میں کوفہ کا شہر عرب مسلمانوں کی نوآبادی تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کو جماعت کی نماز کے لئے ایک مسجداں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سے تک عربوں نے ایران میں خسرو کی بادشاہت کو آٹ پلٹ دیا تھا۔ ایرانی سمرات کے سنگ مرمر کے محل و جیناں کے قدیم پر دوزانو پڑے تھے۔ لوگوں کا خیال ہوا کہ کوفہ کی مسجداں و جیناں کی شان کے مطابق ہی بننی چاہئے۔ پھر مسجداں محض نماز ادا کرنے ہی کی جگہ نہ تھی، وہ حکومت کرنے کا کیندر بھی تھی، راجنیتک معاملوں کا وہیں ہتھکڑیاں کیا جاتا تھا، بچوں کے پڑھنے کا مدرسہ بھی وہیں ہوتا تھا اور نینک اور اخلاقی شقیں کی چرچا بھی وہیں ہوا کرتی تھی۔ غرض یہ کہ مسجداں اسلامی جینوں کا کیندر ہوتی تھیں۔ جب سن 639 عیسوی میں کوفہ کی مسجداں بنی تو اس کی چھت دھواں سنگ مرمر کے ستونوں پر کھڑی کی گئی۔ یہ سنگ مرمر شہر کے ایرانی راجاؤں کے محلوں سے لایا گیا تھا۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے خیال سے ایک مسجداں سن 612 عیسوی میں فوستات (مصر) میں بنائی گئی، وجینا عربوں کی ایدراجت سیناؤں نے امر کے سینا پتو میں مصر سے رومن ستہ کو اٹھڑکر وہاں عرب چھتیاں پہرایا تھا۔ یہ مسجداں چوکور تھیں مگر اس میں صحن نہ تھا۔ اب تک کسی مسجداں میں امام کے لئے ممبر نہ ہوتا تھا۔ پہلی دفعہ فوستات کی مسجداں میں ممبر بنایا گیا۔ نمازیوں کی نظاروں سے تھورا آگے چھوٹا سا تین

جینکی کول سمپتی دو سئ دیرہم یا اسسے کم ہو کوئی ججییا نہئی لیاا جاتا تا۔ اکر دیرہم کرریب پاچ آناے کے برابار ہاتا تا۔

ہیندوستان مں ہئ جئ رئر مسالیم مسالمان بادشاہئ کئ کؤجؤ مں ہرئی ہا جاتے تے انسے کہئ ججییا نہئی لیاا جاتا تا۔

[کیتابولخیراج کے اسوسار ججییا آام تئیر ار اس ااسااب سں لیاا جاتا تا—آمرئوں سں 48 دیرہم، یااں کرریب 15 رپاا سالانا، آوسات درجے کے لؤگؤں سں 24 دیرہم، یااں کرریب ساڈے ساا رپاا آئیر واکئ لؤگؤں سں جئسے کارؤگار وائرا سں 12 دیرہم، یااں پؤئے چار رپاا سالانا، ججییا مں نکرڈ کے ونااا تیاارات کا سامان، مبرئی آئیر سڈاا جئسئ آئئں ہئ لئ جئ سکرئی آئں، سیرک سؤآر، راراب آئیر مرڈا جانور دئنے کئ مسامانیات آئں۔ کئسئ ہئ ارم کے ارارہئؤں آئیر مڈنؤں سں ججییا نہئی لیاا جاتا تا۔ آابو یسؤک لیااتا ہئ کئ ججییا جما کرنے والے آرانسؤں کا آاساا ہیداات آئ کئ اناکئ وسؤلئ مں کئسئ سں کئسئ کرسم کئ سکرئی ن کررے۔ اسکے آلااا اااا آام تئیر ار ججییا مسالمانؤں سں نہئی لیاا جاتا تا لئکئ ار ہئ مسالیم ایتهااس مں دانؤں ترڈ کئ مئساللے کاا کئ ملئئئ ہئ —اکر اس آانا کا جئ رئر مسالیم کؤجئ آئدمات سں انکار نہئی کررے تے انسے کہئ ججییا نہئی لیاا جاتا تا آئیر دؤئرئ اس بات کئ کئ جئ مسالمان کؤجئ آئدمات سں انکار کررے تے انسے ہئ اناکئ ترڈ ججییا وسؤل کئیا جاتا تا جئس ترڈ رئر مسالمانؤں سں۔ مئسال کے تئیر ار مئس مں وهاں کے مسالمانؤں نں کؤجئ آئدمات سں وری کئیے جانے کئ درآاساا کئ تئ انسے ونااا کؤجئ آئدمات کے ججییا وسؤل کئیا جانے لگا۔ اس ترڈ کئ مئساللے ہئ ملئئئ ہئ جئنمں رئر مسالمانؤں نں مسالیم کؤجئ کئ سیرک اس ترڈ کئ کؤئ آئدمات کئ، جئسے انہں پانی پٹؤچانا، تئ انسے ججییا نہئی لیاا جاتا تا۔

ہمں اڈ ہئ یااا رآنا اااہئیے کئ اس واک تک سؤوک رانؤ آمرؤں کا کؤ رئااسئٹے ائسئ ہئ جئنمں سار والیا مرڈؤں کے لئیے کؤجئ آئدمات لاجئئ ہئ، آئیر جئ لؤا اس آئدمات سں وری ہائا اااہئے ہئ انسے کؤجئ کے آرآے کے لئیے کؤ آااا کؤڈ سالانا آئکس لئ لیاا جاتا ہئ۔

—سماااا

آن کئ کل سمپتی دو سو درہم یا اس سں کم ہو کوئی جزیہ نہئیں لیاا جاتا تا۔ ائک درہم دریب پاچ آئے کے برابر ہوتا تا۔

نقداان مئیں بیئ جئ رئر مسالیم مسالمان بادشاہوں کئ نؤجؤں مئیں برئی ہا جاتے تے ان سں بیئ جزیہ نہئیں لیاا جاتا تا۔

[کتااالآراج کے انوسار جزیہ نام ار ار اس آاساب سں لیاا جاتا تا—امروں سں 48 درہم، یعنی ٹرب 15 روپیہ سالانہ، اوساا درجے کے لؤگؤں سں 24 درہم، یعنی دریب ساڈے سات روپے اور بائی لؤگؤں سں جئسے کرریب وئیرے سں 12 درہم، یعنی پٹے چار روپیہ سالانہ، جزیہ مئیں نقا کے بچائے تجارت کا سامان، مویشئ اور سوانیاں جئسئ چیزئیں بیئ لئ جئ سکرئی نہئیں صرف سور، شراب اور مرڈے جانور دئنے ئی مانعت تئں۔ کئسئ بیئ درہم کے دروختؤں اور مہنتؤں سں جزیہ نہئیں لیاا جاتا تا۔ اؤو یوسف لکاتا ہئ کئ جزیہ جمع کرنے والے آانسروں کو آاص ردايت تئں کئ اس کئ وصولئ مئیں کئسئ سں کئسئ قسم کئ سآآئ نں کرئں۔ اس کے آلاو اڈئئ نام ار ار جزیہ مسالمانؤں سں نہئیں لیاا جاتا تا لئکئ رئر بیئ مسالیم انہاس مئیں دونؤں ارآ کے مئالئں کائئ ملئئ نہئیں—ائک اس بات کئ جئ رئر مسالیم فؤجئ آدمت سں انکار نہئیں کررے تے ان سں بیئ جزیہ نہئیں لیاا جاتا تا اور درسئ اس بات کئ کئ جئ مسالیم فؤجئ آدمت سں انکار کررے تے ان سں بیئ ائسئ ارآ جزیہ وصول کئیا جاتا تا جس ارآ رئر مسالمانؤں سں۔ مئال کے ار ار رر مآر مئیں وهاں کے مسالمانؤں نں فؤجئ آدمت سں برئ کٹے جاتے کئ درآاسات کئ تئ ان سں بچائے فؤجئ آدمت کے جزیہ وصول کئیا جاتے لگا۔ اس ارآ کئ مئالئیں بیئ ملئئ نہئیں کئ جئ مئیں رئر مسالمانؤں نں مسالیم فؤجئ کئ صرف اس ارآ کئ کوئی آدمت کئ جئسے آئئیں پائئ پؤنچا، تئ ان سں جزیہ نہئیں لیاا جاتا تا۔

مئیں یہ بیئ یاا رکناا چائے کئ اس وئت تک سؤوک رانؤ امرئ کے کئ رئاسئیں ائسئ رئں جئ مئیں سب بالغ مرڈؤں کے لئے فؤجئ آدمت لازئ ہئ۔ ار جئ لؤگ اس آدمت سں برئ ہوتا چائے ہئ ان سں فؤج کے آرآ کے لئے ئی اڈئ کچھ سالانہ آئکس لئ لیاا جاتا ہئ۔

—سماااا

بہت دنوں بعد خلیفہ واقعی بلا عیسیٰ کے زمانے میں غلطی سے اُن پر جزیہ لگا دیا گیا۔ انہوں نے خلیفہ سے شکایت کی۔ پھر سے فوراً اُن کا جزیہ ہٹا دیا گیا۔ خلیفہ عمر کے زمانے میں بھی جو ضمی یعنی غیر مسلم فوج میں کام کرنا منظور کر لیتے تھے اُن سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ خلیفہ عمر ہی کے زمانے میں اُرمینیہ کے غیر مسلم سیناپتی کے ساتھ یہ سندی کی گئی تھی۔ ”اس شرط کے اوپر صلح کی جانی ہے۔ جب کہی کسی سے جنگ ہوگی یا اور کوئی ضرورت ہوگی تو آپ مسلمانوں کا ساتھ دینگے۔ اس شرط پر آپ سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ لیکن جو کوئی بھی گھر پر رہنا چاہے وہ آذربائیجان کے لوگوں کی طرح اپنے گھر پر رہے اور جزیہ دیدے۔“ چارچہ اور دوسرے دیشوں کے غیر مسلمانوں کے ساتھ جو سندھیاں کی گئیں اُن میں لکھا ہے۔ ”اگر ہم کسی ضمی (غیر مسلم) سے لڑائی میں مدد لینے تو اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔۔۔۔۔ جن سے جزیہ لیا جاتا ہے اس کے بدلے میں ہم اُن کی بہتر اور باہر کے شتروں سے حفاظت کرنے کے لئے زعمدار ہونگے۔ اگر ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکیں گے تو جزیہ کا دھن تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔ جو لوگ فوج میں بھرتی ہونے کو تیار ہیں وہ ہمیشہ جزیہ دینے سے بری رہیں گے۔“

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ جزیہ سے جو کچھ روپیہ وصول ہوتا تھا وہ فوج کے لئے سامان خریدنے میں، سرحدوں کی حفاظت میں اور قلع بندی کرنے میں خرچ ہوتا تھا۔ اگر کچھ ان سے بچتا تھا تو وہ پلوں، ٹھہروں، اور مدرسوں پر خرچ ہوتا تھا۔ جزیہ کی بابت ایک آرڈیننس تھا جسے ’صدقہ‘ کہتے تھے۔ ’صدقہ‘ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، غیر مسلمانوں سے نہیں۔ اس کے صدقہ کا روپیہ غریبوں اور محتاجوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان غریبوں اور محتاجوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ *

حضرت شبلی نے دکھایا ہے کہ جزیہ عام طور پر ہر آدمی سے تمنائی فرینک سالانہ سے لے کر نو فرینک سالانہ تک لیا جاتا تھا اور مسلم اٹھاس پھر میں کیے بھی کسی سے تیس فرینک سالانہ سے زیادہ جزیہ نہیں لیا گیا۔ کسی بھی لکھتی یا کروڑ پتی سے بھی کیے اس سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا۔ ایک فرینک اچکل کے قریب قریب دس آنے کے برابر ہوتا ہے۔ عربوں سے 20 برس سے نیچے عمر کے اور 50 برس سے اوپر عمر کے آدمیوں سے؛ اباہجوں، لنگڑوں، لولوں، پاگلوں، اندھوں اور اُن غریب لوگوں سے

* کتاب الفرائض، لکھیکہ امام ابو یوسف؛ پرشہ 72۔

حضرت شبلی نے لکھا ہے کہ جزیہ سے جو کچھ روپیہ وصول ہوتا تھا وہ فوج کے لئے سامان خریدنے میں، سرحدوں کی حفاظت میں اور قلع بندی کرنے میں خرچ ہوتا تھا۔ اگر کچھ ان سے بچتا تھا تو وہ پلوں، ٹھہروں، اور مدرسوں پر خرچ ہوتا تھا۔ جزیہ کی بابت ایک آرڈیننس تھا جسے ’صدقہ‘ کہتے تھے۔ ’صدقہ‘ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، غیر مسلمانوں سے نہیں۔ اس کے صدقہ کا روپیہ غریبوں اور محتاجوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان غریبوں اور محتاجوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ *

حضرت شبلی نے لکھا ہے کہ جزیہ سے جو کچھ روپیہ وصول ہوتا تھا وہ فوج کے لئے سامان خریدنے میں، سرحدوں کی حفاظت میں اور قلع بندی کرنے میں خرچ ہوتا تھا۔ اگر کچھ ان سے بچتا تھا تو وہ پلوں، ٹھہروں، اور مدرسوں پر خرچ ہوتا تھا۔ جزیہ کی بابت ایک آرڈیننس تھا جسے ’صدقہ‘ کہتے تھے۔ ’صدقہ‘ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، غیر مسلمانوں سے نہیں۔ اس کے صدقہ کا روپیہ غریبوں اور محتاجوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان غریبوں اور محتاجوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ *

حضرت شبلی نے لکھا ہے کہ جزیہ سے جو کچھ روپیہ وصول ہوتا تھا وہ فوج کے لئے سامان خریدنے میں، سرحدوں کی حفاظت میں اور قلع بندی کرنے میں خرچ ہوتا تھا۔ اگر کچھ ان سے بچتا تھا تو وہ پلوں، ٹھہروں، اور مدرسوں پر خرچ ہوتا تھا۔ جزیہ کی بابت ایک آرڈیننس تھا جسے ’صدقہ‘ کہتے تھے۔ ’صدقہ‘ صرف مسلمانوں سے لیا جاتا تھا، غیر مسلمانوں سے نہیں۔ اس کے صدقہ کا روپیہ غریبوں اور محتاجوں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ان غریبوں اور محتاجوں میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ *

* ’فیسٹول-خیراج‘—لکھیکہ امام ابو یوسف؛ پرشہ 72۔

ایک سندھی میں عواتی کے لوگوں نے لکھا ہے۔ ”ہم نے خالد سے جس جزیہ کو دینے کا وعدہ کیا تھا اُسے ہم نے ادا کر دیا ہے اس شرط پر کہ اگر کوئی مسلمان بھی یا کسی دوسری قوم کے لوگ ہمیں کسی طرح کا نقصان پہنچانا چاہیں گے تو مسلمان چمات اور اُن کے افسر ہماری اِس سلمتی کے لئے ذمہ دار ہوں گے۔“

یہ عہدنامے اور سمجھوتے بالکل صاف ہیں۔ اُس زمانے کے انتہاس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اِس طرح کے عہدنامے اور آپسی سمجھوتے محض رسی کے ٹوکے کی چیزیں نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ دونوں دہش اُن پر سجائی سے عمل کرتے تھے۔

اِس سجائی کی شام (سیریا) کے انتہاس میں ایک بڑی سنگرم مثال ملتی ہے۔ دو مسلمان سینیائی ابو ایدہ اور جراح رومی سیناؤں کے مقابلے میں ماک پر ماک جیتنے چلے جا رہے تھے۔ روم کے سمراٹ ہرکل نے ایک بہت بڑی نئی سینا جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ دونوں مسلمان سینا پتھوں نے روم کی اِس نئی سینا کا مقابلہ کرنے میں اپنے کو اسمرتہ پایا۔ انہوں نے جتنا دن اِس وقت تک وہاں کے غیر مسلمانوں سے بطور جزیہ کے وصول کیا تھا اُس کی ایک ایک پائی آئیں واپس کر دی۔ مسلمان سینا پتھوں کے فرماؤں میں یہ شدت آتے ہیں۔ ”جب کبھی جو کچھ جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے وہ جن سے لیا گیا ہے انہیں ترنت واپس کر دیا جاوے گا۔ انہیں کم دیا جاوے کہ ہم نے یہ دھن تم سے اِس شرط پر لیا تھا کہ تم تمہارے شتروں سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ لیکن اب حالات ایسے ہیں کہ تم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتے۔“

اُس دہش کے غیر مسلمان جو اِدک ترعیسانی تھے بہت خوش تھے اور انہوں نے اپنے ان مسلم حاکموں کو آشوروں دینے ہوئے ان سے کہا۔ ”اشور کرے کہ تمہارے ترنوں کا شاسن ہو، سے آپ ہی کے ہاتھوں میں آجاوے۔ اگر آپ کی جگہ روم دلتے ہوئے تو دے کہی ہمیں ایک پیسہ بھی واپس نہ دیتے، بلکہ جو کچھ تمہارے پاس رہا سہا ہے وہ اُسے بھی ہم سے چھین لیتے۔“

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جو غیر مسلمان اپنے مسلم شاسکوں کے ماتحت فوج میں بھرتی ہونا سوچکر کر لیتے تھے انہوں جزیہ سے اُسی طرح بڑی رکھا جاتا تھا جس طرح مسلمانوں کو۔ اِس کی کچھ مثالیں یہاں دی جاتی ہیں۔ خلیفہ حضرت عثمان کے زمانے میں حدیب بن مسلمہ نے ذراجماع کے دیش کو فتح کیا۔ وہاں کی غیر مسلم رعایا نے فوج میں بھرتی ہونا سوچکر کر لیا۔ اُن سے کسی طرح کا جزیہ نہیں لیا گیا۔

ایک سندھ میں عواتی کے لوگوں نے لکھا ہے۔ ”ہم نے خالد سے جس جزیہ کو دینے کا وعدہ کیا تھا اُسے ہم نے ادا کر دیا ہے اس شرط پر کہ اگر کوئی مسلمان بھی یا کسی دوسری قوم کے لوگ ہمیں کسی طرح کا نقصان پہنچانا چاہیں گے تو مسلمان چمات اور اُن کے افسر ہماری اِس سلمتی کے لئے ذمہ دار ہوں گے۔“

یہ عہدنامے اور سمجھوتے بالکل صاف ہیں۔ اُس زمانے کے انتہاس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اِس طرح کے عہدنامے اور آپسی سمجھوتے محض رسی کے ٹوکے کی چیزیں نہیں سمجھے جاتے تھے بلکہ دونوں دہش اُن پر سجائی سے عمل کرتے تھے۔

اِس سجائی کی شام (سیریا) کے انتہاس میں ایک بڑی سنگرم مثال ملتی ہے۔ دو مسلمان سینیائی ابو ایدہ اور جراح رومی سیناؤں کے مقابلے میں ماک پر ماک جیتنے چلے جا رہے تھے۔ روم کے سمراٹ ہرکل نے ایک بہت بڑی نئی سینا جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ دونوں مسلمان سینا پتھوں نے روم کی اِس نئی سینا کا مقابلہ کرنے میں اپنے کو اسمرتہ پایا۔ انہوں نے جتنا دن اِس وقت تک وہاں کے غیر مسلمانوں سے بطور جزیہ کے وصول کیا تھا اُس کی ایک ایک پائی آئیں واپس کر دی۔ مسلمان سینا پتھوں کے فرماؤں میں یہ شدت آتے ہیں۔ ”جب کبھی جو کچھ جزیہ اور خراج وصول کیا گیا ہے وہ جن سے لیا گیا ہے انہیں ترنت واپس کر دیا جاوے گا۔ انہیں کم دیا جاوے کہ ہم نے یہ دھن تم سے اِس شرط پر لیا تھا کہ تم تمہارے شتروں سے تمہاری حفاظت کریں گے۔ لیکن اب حالات ایسے ہیں کہ تم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتے۔“

اُس دہش کے غیر مسلمان جو اِدک ترعیسانی تھے بہت خوش تھے اور انہوں نے اپنے ان مسلم حاکموں کو آشوروں دینے ہوئے ان سے کہا۔ ”اشور کرے کہ تمہارے ترنوں کا شاسن ہو، سے آپ ہی کے ہاتھوں میں آجاوے۔ اگر آپ کی جگہ روم دلتے ہوئے تو دے کہی ہمیں ایک پیسہ بھی واپس نہ دیتے، بلکہ جو کچھ تمہارے پاس رہا سہا ہے وہ اُسے بھی ہم سے چھین لیتے۔“

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جو غیر مسلمان اپنے مسلم شاسکوں کے ماتحت فوج میں بھرتی ہونا سوچکر کر لیتے تھے انہوں جزیہ سے اُسی طرح بڑی رکھا جاتا تھا جس طرح مسلمانوں کو۔ اِس کی کچھ مثالیں یہاں دی جاتی ہیں۔ خلیفہ حضرت عثمان کے زمانے میں حدیب بن مسلمہ نے ذراجماع کے دیش کو فتح کیا۔ وہاں کی غیر مسلم رعایا نے فوج میں بھرتی ہونا سوچکر کر لیا۔ اُن سے کسی طرح کا جزیہ نہیں لیا گیا۔

पड़ने पर .कौज में भरती होने के लिये तय्यार हो जाते थे उनसे जजिया नाम का कोई टैक्स नहीं लिया जाता था. मराहूर मुसलिम विद्वान शिबली ने जजिये पर एक छोटी सी किताब लिखी है जिस में उन्होंने जजिया शब्द की व्युत्पत्ति और उसके इतिहास पर खासी अच्छी बहस की है.

हजरत मुहम्मद और पहले चार खलीफाओं ने जिन्हें 'खुलफाये राशिदीन' कहा जाता है गैर मुसलिम रियासतों के साथ जो जो सन्धियों की उनमें यह साफ, लिखा है कि गैर मुसलिम रिआया या गैर मुसलिम रियासतों से उनके जान माल की हिफाजत के बदले में जजिया लिया जावेगा. हजरत मुहम्मद ने मुसलमान बादशाहों की गैर मुसलिम रिआया के बारे में जो फरमान लिखे हैं, उनमें ये शब्द साफ आते हैं—“उनकी हिफाजत करना मुसलमानों का फर्ज है. उनके दुशमनों से उन्हें बचना हमारा फर्ज है.” खलीफा उमर ने अपनी मृत्यु से पहले जो हिदायतें मुसलमानों को दीं उनमें एक यह थी कि गैर मुसलिम रिआया के जान माल की हिफाजत मुसलमानों का फर्ज है. अल्लामा शिबली ने अपनी किताब में मुसलमानों और गैर मुसलमानों के बीच इस तरह की बहुत सी सन्धियों की नकल दी है जिनमें मुसलमानों के इस फज और उसके बदले में उनके जजिया वसूल करने के हक इन दोनों का जिक्र है. सन 12 हिजरी में खालिद इब्न वलीद ने गैर मुसलमानों के साथ जो सन्धि की उसमें ये शब्द आते हैं—“सलूबा बिन नस्सोमा और आपके कबीले वालों के साथ मैंने जजिया लेने और आपकी हिफाजत करने का अहदनामा किया है. इसलिये आपकी हिफाजत करना और आपके जान माल की सलामती हमारा फर्ज है. जब तक हम अपने इस फर्ज को पूरा करेंगे तब तक ही हमें जजिया लेने का हक है. अगर हम यह फर्ज पूरा न कर सकेंगे तो हमें जजिया लेने का कोई हक न होगा.”*

अरब और इराक के बहुत से मुसलिम हाकिमों ने वहां के गैर मुसलमानों के साथ समय समय पर बहुत से अहदनामे किये. पैगम्बर-ए-इस्लाम के कई एक साथियों ने भी जो सहाबा कहलाते हैं इस तरह के अहदनामों पर दस्तखत किये. इन अहदनामों में साफ लिखा है, ‘जब तक जजिया बराबर लिया जाता रहेगा गैर मुसलमानों की हर तरह से हिफाजत की जिम्मेवारी मुसलमानों पर होगी.’ इन अहदनामों में एक बात और भी बदकर है. इनमें लिखा है कि अगर वहां के गैर मुसलमान बाहर की किसी कौम के साथ कोई समझौता करेंगे तो मुसलमान हाकिम उन समझौतों को मानेंगे और बाहर की जिन कौमों को भी यह गैर मुसलमान मदद देना चाहेंगे या उनकी रक्षा करना चाहेंगे मुसलिम हाकिम अपने देश में उन्हें पनाह देंगे.

पूरे पर फज में भरती होने के लू तयार हो जाते थे उन से जजिये नाम का कौन टैक्स नहीं लिया जाता था. मशहूर मुसलिम विद्वान शिबली ने जजिये पर एक छोटी सी किताब लिखी है जिस में उन्होंने जजिया शब्द की व्युत्पत्ति और उसके इतिहास पर खासी अच्छी बहस की है.

حضرت محمد اور پہلے چار خلیفوں نے جنہیں ‘خلفاء راشدین’ کہا جاتا ہے غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ جو جو سندھیاں کیں ان میں یہ صاف لکھا ہے کہ غیر مسلم رعایا یا غیر مسلم ریاستوں سے ان کے جان مال کی حفاظت کے بدلے میں جزیہ لیا جاوے گا. حضرت محمد نے مسلمان بادشاہوں کی غیر مسلم رعایا کے بارے میں جو فرمان لکھے ہیں ان میں یہ شد صاف آتے ہیں—“ان کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا فرض ہے.” ان کے دشمنوں سے انہیں بچانا ہمارا فرض ہے.” خلیفہ عمر نے اپنی مکتوب سے پہلے جو ہدائیتیں مسلمانوں کو دیں ان میں ایک یہ تھی کہ غیر مسلم رعایا کے جان مال کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے. علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے بیچ اس طرح کی بہت سی سندھیاں کی نقل دی ہیں جن میں مسلمانوں کے اس فرض اور اس کے بدلے میں ان کے جزیہ وصول کرنے کے حق ان دونوں کا ذکر ہے. سن 12 ہجری میں خالد بن ولید نے غیر مسلمانوں کے ساتھ جو سندھی کی اس میں یہ شد آتے ہیں—“سلوبابن نستمہ اور آپ کے قبیلہ والوں کے ساتھ میں نے جزیہ لینے اور آپ کی حفاظت کرنے کا عہدنامہ کیا ہے. اس لئے آپ کی حفاظت کرنا اور آپ کے جان و مال کی سلاستی ہمارا فرض ہے. جب تک ہم اپنے اس فرض کو پورا کریں گے تب تک ہی ہمیں جزیہ لینے کا حق ہے. اگر ہم یہ فرض پورا نہ کر سکیں گے تو ہمیں جزیہ لینے کا کوئی حق نہ ہوگا.”*

عرب اور عراق کے بہت سے مسلم حاکموں نے وہاں کے غیر مسلمانوں کے ساتھ سے سے پر بہت سے عہدنامے کئے. پیغمبر اسلام کے کئی ایک ساتھیوں نے بھی جو صحابہ کہلاتے ہیں اس طرح کے عہدناموں پر دستخط کئے. ان عہدناموں میں صاف لکھا ہے ‘جب تک جزیہ برابر لیا جاتا رہیگا غیر مسلمانوں کی ہر طرح سے حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہوگی.’ ان عہدناموں میں ایک بات اور بھی بڑھکر ہے. ان میں لکھا ہے کہ اگر وہاں کے غیر مسلمان باہر کی کسی قوم کے ساتھ کوئی سمجھوتا کریں گے تو مسلمان حاکم ان سمجھوتوں کو مانیں گے اور باہر کی جن قوموں کو بھی یہ غیر مسلمان مدد دینا چاہیں گے یا ان کی رक्षा کرنا چاہیں گے مسلم حاکم اپنے دیش میں انہیں پناہ دیں گے.

* Vide Tabain Annals—Edited by Rosegarten Vol. II. P. 48.

श्री हमीद हसन बी० ए० एल-एल० बी०

شری حمید حسن بی . اے . ایل ایل . ہی .

आम तौर पर समझा जाता है कि जज़िया एक जावि-राना टैक्स था जो मुसलिम राज में ग़ैर मुसलमानों से ज़बरदस्ती लिया जाता था. ग़ैर मुसलमानों के ऊपर इस्लाम का यह एक अन्याय था. लेकिन न परदे का रिवाज़, जिसे आजकल इतना बुरा भला कहा जाता है, इस्लाम के साथ दुनिया में आया और न जज़िया पहले पहल इस्लाम ने बसल किया.

इसलाम की पैदायश से बहुत पहले ईरान की उन्नति के दिनों में जजिया नाम का टैक्स उस देश में मौजूद था. ईरान के मराहूर बादशाह नौशेरवां आदिल के जमाने में जो जरतुरती धर्म का मानने वाला था और उससे पहले भी जजिये का ईरान में आम रिवाज था. नौशेरवां ने अपनी फौज के अफसरों और सिपाहियों को जजिया माफ कर दिया था. जजिया अरबी शब्द नहीं है. यह एक ईरानी शब्द है जो बाद में अरबी भाषा में भी शामिल हो गया. इसका मतलब यह था कि जरूरत पड़ने पर अपने देश की रक्षा के लिये फौज में भरती होना हर मजबूत जिस्म वाले आदमी का फर्ज है. जो फौज में भरती हो जाते थे उनसे जजिया नहीं लिया जाता था. लेकिन जो भरती होने से इनकार करते थे उनसे इस सेवा के बदले में कुछ नियत सालाना टैक्स ले लिया जाता था. इसी टैक्स का नाम ईरान में जजिया था. इसलाम की पैदायश के दिनों में मुहम्मद साहब ने यह नियम बना दिया कि देश की रक्षा के लिये कभी भी जरूरत पड़ने पर फौज में भरती होना हर मुसलमान का फर्ज है. सिर्फ मुसलिम मद्रसों के अध्यापक और कुछ खास पेशेवाले इससे बरी थे. जो गैर मुसलिम लोग मुसलमानों के राज में रहते थे उनकी जान माल की हिफाजत करना मुसलिम बादशाह का फर्ज माना जाता था. लेकिन उन्हें जबरदस्ती फौज में भरती करने की इसलाम ने कभी इजाजत नहीं दी. अक्सर गैर मुसलिम क़बीलों के लोग मुसलमान बादशाहों की फौजों में भरती होना पसन्द भी नहीं करते थे. इसलिये क़ुदरती तौर पर जो गैर मुसलिम जरूरत पड़ने पर भी फौज में भरती होने से इनकार करते थे उनसे उनकी रक्षा के बदले में थोड़ा सा मुकर्रिरा टैक्स ले लिया जाता था जिसे जजिया कहते थे. मुसलमान बादशाहों ने जजिये का शब्द और उसका रिवाज दोनों जरतुरती ईरानियों से सीखे. इसके साथ ही जो गैर मुसलिम क़बीले भी जरूरत

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جزیہ ایک جابروانہ ٹیکس تھا جو مسلم راج مہن غیر مسلمانوں سے زبردستی لیا جاتا تھا۔ غیر مسلمانوں کے اوپر اسلام کا یہ ایک انیتا تھا۔ لیکن نہ پردے کا رواج، جسے آجکل اتنا برا بھلا کہا جاتا ہے، اسلام کے ساتھ دنیا میں آیا اور نہ جزیہ پہلے پہل اسلام نے وصول کیا۔

اسلام کی پیدائش سے بہت پہلے ایران کی اُنتی کے دنوں میں جزیرہ نام کا تیکس اُس دیش میں مچوچ تھا۔ ایران کے مشہور بادشاہ نوشیرواں عادل کے زمانے میں جو زرتشتی دھرم کا ماننے والا تھا اور اُس سے پہلے یہی جزیرے کا ایران میں عام رواج تھا۔ نوشیرواں نے اپنی فوج کے انیسروں اور سپاہیوں کو جزیرہ معاف کر دیا تھا۔ جزیرہ عربی شہد نہیں ہے۔ یہ ایک ایرانی شہد ہے جو ہمد میں عربی پشاشا میں بھی شامل ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ضرورت پڑنے پر اپنے دیش کی رکشا کے لئے فوج میں بھرتی ہونا ہو مضبوط جسم والا آدمی کا فرض ہے۔ جو قوج میں بھرتی ہو جاتے تھے اُن سے جزیرہ نہیں لیا جاتا تھا۔ لیکن جو بھرتی ہونے سے انکار کرتے تھے اُن سے اس سیوا کے بدلے میں کچھ قیمت سالانہ تیکس لے لیا جاتا تھا۔ اسی تیکس کا نام ایران میں جزیرہ تھا۔ اسلام کی پیدائش نے دنوں میں محمد صاحب نے یہ نیم بنا دیا کہ دیش کی رکشا کے لئے کبھی بھی ضرورت پڑنے پر فوج میں بھرتی ہونا ہو مسلمان کا فرض ہے۔ صرف مسلم مدرسوں کے اٹھاپنک اور کچھ خاص خاص پیشہ والے اس سے بری تھے۔ جو غیر مسلم لوگ مسلمانوں کے راج میں رہتے تھے اُن کی جان مال کی حفاظت کرنا مسام بادشاہ کا فرض مانا جاتا تھا۔ لیکن انہیں زبردستی فوج میں بھرتی کرنے کی اسلام نے کبھی اجازت نہیں دی۔ اکثر غیر مسلم قبیلوں کے لوگ مسلمان بادشاہوں کی فوجوں میں بھرتی ہونا پسند بھی نہیں کرتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر جو غیر مسلم ضرورت پڑنے پر بھی فوج میں بھرتی ہونے سے انکار کرتے تھے اُن سے اُن کی رکشا کے بدلے میں تھوڑا سا مقررہ تیکس لے لیا جاتا تھا جسے جزیرہ کہتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں نے جزیرہ کا شہد اور اُس کا رواج دنوں زرتشتی ایرانیوں سے سیکھا۔ اِس کے ساتھ ہی جو غیر مسلم قبیلے بھی ضرورت

نے روحانی اتحاد کے چار اظہر کئے۔ مثال کے طور پر ہم ان میں سے کچھ یہاں دیتے ہیں۔ 'گلشن راز' کے لیکٹر شہاب الدین محمد شبستری، جن کی 1320 عیسوی میں موت ہوئی، مرزئی پوچھا اور اسلام کے فرق کو بتلاؤ ہوئے کہتے ہیں:—

بت اینجا مظهر عشق اُرسُت وحدت
 بود ز نثار بستی عقد خدمت
 چون کفر و دین بود قائم به هستی
 شود توحید عین بت پرستی
 چون اشیا هست هستی را مظهر
 ازل جمله بے بت نبُشد آخر
 مسلمان گو بدانسته که بت چیست
 بدانسته که دین در بت دَستِست
 وگر مشرک ؛ بت آگاه گشته
 کجا در دین خود گمراه گشته
 ندید او از بت الا خالق ظا هر
 بدین علت شد بتی شرک کار
 تو هم گر از و نه بینی حق پنهان
 باشم اندر نه خواندنت مسلمان

مورتی اِس دنیا میں پرہم اور اُدویت کو پرگٹ کرنے والی ہے۔ اور جیوؤ باتدھن کا مطلب سیوا کا پرن کرنا ہے۔ چرننہ کفر اور دین (ہندو اور مسلم دھرم) دونوں ہی دنیا کے اسیکتو دھرم پر قائم ہیں اِس لئے توحد (اُدویت دھرم) مورتی پوجن کا اصلی تہو ہے۔ چرننہ جکت کی ساری وستوئیں اسیکتو کو پرگٹ کرتی ہیں، اِن سب ہی وستوؤں میں مورتی بھی ایک رستہ ہے۔ اگر مسلمان جانتا کہ مورتی سچ مچ کیا ہے، تو سچ جانا کہ مورتی پوجا ہی دھرم ہے۔ اور اگر مورتی پوجنے والا مورتی کی اصلیت جانتا تو وہ اپنے دھرم سے نہ ہچکلا۔ اُس نے مورتی میں کیول باہری قدرت کو دیکھا اور اِس سبب اُس نے ایشور کو نہ پہچانا اور کٹر ہوا۔ تو یہی اگر اُس مہن ستیہ کو چسپا ہوا نہیں دیکھتا تو تھوہ بھی شرع (دھرم شاستر) کے حساب سے مسلمان نہیں کہیں گے۔

مرزا جاں جانش مظہر جن کا جنم 1699 عیسوی میں ہوا اپنے ایک پتر میں ہندو دھرم کے بے میں بوں لکھتے ہیں :—
بت پرستی و این عمل منہایت بہ ذکر رابہت دارک کہ معمول صوفیہ است، و این معنی مناسبت . یہ عقیدہ کنار عرب نہ دارک کہ آنها بتان را متصرف بلذات کہ کنند نہ آلائے تصوف الہول .

مورنی پوجا اُس پروگ سے سامنا کرکتی ہے جسے ذکر
راہتہ (ماتے والا دھیان) کہتے ہیں۔ یہ پروگ صوفیوں کا
ممول (اھیاس) ہے۔ اِس ارثہ میں مورنی پوجا کا کوئی
سمیلہ کار عربوں کے مت سے نہیں ہے کیونکہ عرب مورنیوں
کو خود ہمتیمان مانتے تھے نہ کہ ایشور کی شکتی کے ذریعہ۔

करमाते हैं 'परम प्रकाशित सत्य का तत्व न इस्म से पाया जा सकता है और न दृष्टि से.'

"हकीकतें हक्रे सुबहान न दर इस्म गुंजद वन दर अयान."

दोनों ही ब्रह्म के जगत-रूप में बदलने को विकार कहते हैं और इसकी कई सीढ़ियाँ मानते हैं. इस क्रम का लक्षण उस गूढ़ अद्वैत में नाम और रूप या इस्म और सिकात का पैदा हो जाना है. दोनों ही मानते हैं कि जगत का बाहुल्य उसकी इच्छा का फल है. उपनिषद् में आया है:—

"उसने सोचा कि अब मुझे जगत की रचना करना चाहिए."

हदीस में आया है, "कुन्तो कनज़न मखफीयन काहबबतो अन उरिफो फखलकत्तो अल खल्को."

मैं एक छिपा हुआ खजाना था, फिर मैंने इच्छा की कि लोग मुझे जानें. इसलिये मैंने सृष्टि की रचना की."

वेदान्त और तसव्वुफ दोनों ही इनसान को परमेश्वर का खास कृपापात्र मानते हैं, क्योंकि उन दोनों के मुताबिक इनसान की बुद्धि या कलब चेतन (खुदा) और जड़ (प्रकृति, दुनिया) के मिलने की जगह है. जहाँ हिन्दू मनो-वैज्ञानिक इस प्रकृति में सत्व, रजस और तमस तीन गुण पाते हैं वहाँ राजाली भी उसमें इद्राक (सत्व), क्रुदरत (रजस), और शहबत-ओ-राजब (तमस) यह तीन तत्व बतलाते हैं.

इसी तरह रूह के फिर खुदा में फना हो जाने के बारे में दोनों सम्प्रदायों के एक से विचार हैं. एक ही रास्ते से दोनों एक ही मंजिल पर पहुँचते हैं. दोनों ही में समान संयम है, समान गुणों की जरूरत है, और दोनों के अनुभव एकसाँ हैं. रास्ते की मंजिलें और अवस्थाएँ एक ही हैं. सिर्फ नामों का फर्क है. मामूली से मामूली आदमी से यह बात नहीं छिप सकती कि दोनों सम्प्रदायों के विचार और मकसद एक हैं. अगर परमात्मा की कृपा और प्रसाद की एक तरफ जरूरत है तो दूसरी तरफ भी उतना ही जरूरी है कि उसका फ़ैज और लुफ़ हो. न तो हिन्दू बिना गुरु के इस पवित्र यात्रा को पूरा कर सकता है और न मुसलिम पीर या मुरशिद के बग़ैर; और दोनों ही दशाओं में शिश्य या मुगीद का गुरु पर पूरा पूरा आसरा होना चाहिये. परमार्थतः प्रेम या इश्क़े हकीकती की ताकत ही दोनों को रास्ते पर चलने के लिए प्रेरित करती है.

जब तसव्वुफ और वेदान्त हिन्दुस्तान की ज़मीन पर मिले तो इन्होंने दोनों हिन्दू और मुसलमानों में, ईश्वर की तलाश करने वाले लोगों के दिलों में जोश भरा. दोनों में इतनी साफ़ साफ़ समानताएँ थीं कि दोनों ही ने उन्हें पहिचान कर अपना लिया. दोनों सूफी और सन्तों ने मालूम कर लिया कि उनके मकसद और साधन एकसाँ हैं. आपस के इसी मिलाप से विचार की वह गहरी धारा वह निकली, जो मंमले ज़माने के हिन्दुस्तान की कलचर की बुनियाद बनी, इस ज़माने के अनेकों मजहबी नेताओं और सुधारकों

फ़र्माते हैं 'य़म پرکشت ستيه کا تنو نہ علم سے پایا جا سکتا ہے اور نہ درشتی سے.'

"حقیقت حق صبحان نہ در علم گنج و نہ در عیان."

दुनों ही برہم کے جگت روپ میں بدلنے کو وکار کہتے ہیں اور اُس کی کئی سیڑھیاں مانتے ہیں. اِس کرم کا لکشن اُس گزہ ادویت میں نام اور روپ یا اِس اور صفت کا پیدا ہو جانا ہے. دونوں ہی مانتے ہیں کہ جگت کا باہولہ اُسکی اچھا کا پھل ہے. اُپنشد میں آیا ہے:—

'اُس نے سوچا کہ اب مجھے جگت کی رچنا کرنا چاہئے.'
حدیث میں آیا ہے, "کتو کنزن مخفین فاجتو عم اورینو فاخلتو تم خالقو."

'میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا' پھر میں نے اچھا کی کہ لوگ مجھے جانیں. اِسی لئے میں نے سرشتی کی رچنا کی.'

ویدانت اور تصوف دونوں ہی انسان کو پریشور کا خاص کرپا پاتر مانتے ہیں, کرونک اُن دونوں کے مطابق انسان کی بدهی یا قلب چیتن (خدا) اور جڑ (پرکرتی, دنیا) کے ملنے کی جگہ ہے. جہاں ہندو منو ویکیانک اِس پرکرتی میں ستو, رجس اور تمس تین گن پاتے ہیں وہاں غزالی بھی اُس میں ادراک (ستو), قدرت (رجس), اور شہوت و نصب (تمس) یہ تین قوت بتاتے ہیں.

اِسی طرح روح کے پھر خدا میں فنا ہو جانے کے بارے میں دونوں سمپرदाيوں کے ایک سے وچار ہیں. ایک ہی راستے سے دونوں ایک ہی منزل پر پہونچتے ہیں. دونوں ہی میں سمان سنیم ہے, سمان گزوں کی ضرورت ہے, اور دونوں کے اُنویہو یکساں ہیں. راستے کی منزلیں اور اُرسپانیں ایک ہی ہیں صرف ناموں کا فرق ہے. معمولی سے معمولی آدمی سے یہ بات نہیں چھپ سکتی کہ دونوں سمپرदाيوں کے وچار اور مقصد ایک ہیں. اگر ہرمانا کی کرپا اور پرساک کی ایک طرف ضرورت ہے تو دوسری طرف بھی اُنکا ہی ضروری ہے کہ اُس کا فیض اور لطف ہو. نہ تو ہندو بنا کر کے اِس پوتر پاترا کو پورا کر سکتا ہے اور نہ مسلم پیر یا مرشد کے بغیر; اور دونوں ہی دشائوں میں ششیہ یا مرید کا گرو پر پورا پورا آسرا ہونا چاہئے. ہرمارتہ یوم یا عشق حقیقی کی طانت ہی دونوں کو راستے پر چلنے کے لئے پڑورت کرتی ہے.

جب تصوف اور ویدانت ہندستان کی زمین پر ملے تو انہوں نے دونوں ہندو اور مسلمانوں میں, ایشور کی تلاش کرنے والے لوگوں کے دلوں میں جوش پیدا. دونوں میں اتنی صاف صاف سماتتائیں تھیں کہ دونوں ہی نے انہیں پہچان کر اپنا لیا. دونوں صوفی اور سنتوں نے معام کر لیا کہ اُن کے مقصد اور ساڈھن یکساں ہیں. آپس کے اِسی ملاپ سے وچار کی وہ گہری دھارا بہ نکلی, جو منجھلے زمانے کے ہندستان کی کچر کی بنیاد بنی. اِس زمانے کے انہیں مذہبی نیٹائوں اور سدھارکوں

رُخ پرماٹما کو پڑھ جاتی ہے اور اسکی یاत्रا پوری ہو جاتی ہے۔

یہی یاत्रا جسے 'تریکرا' کہتے ہیں ایک संयम ہے، جسکے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کو 'مُجاہدِدا' (अभ्यास) اور دوسرے کو 'मराक़बा' (ध्यान) کہتے ہیں۔ مُجاہدِدا یا अभ्यास کا ध्येय दिल की सफ़ाई (तज़کیّا یا نَفَس) ہے اور इसमें शरّیّات کے नियमों، विधि और निशों का मानना है। दूसरे हिस्से के अन्दर जिस्मानी और दिमागी क्रियायें हैं जिन्हें ज़िक्र (ध्यान) कहते हैं। ज़िक्र (ध्यान) की कई क्रियाएँ हैं، इनमें जली ख़नी बहुत मशहूर हैं। इन क्रियाओं के लिए खास खास आसन हैं और इनके साथ साथ प्राणायाम (हव्से दम) भी किया जाता है जिसमें ईश्वर का परम नाम 'ला इला इल-अल्लाह' जपा जाता है। यह क्रियाएँ एक गूढ़ प्रभाव पैदा करती हैं जिसमें अन-देखे रज़ और अनसुने शब्द दिखाई और सुनाई देते हैं। मौलाना रुम इसी की तरफ़ इशारा करते हैं और कहते हैं—“दर लबश कुलस्त व दर दिल आवाज़ए. لب खमोश व दिल پور آواز آوازए” होंट पर ताला लगा है, और दिल में एक नाद है, होंट चुपचाप हैं लेकिन दिल नाद से भरा है।

इस्लामी रहस्यवाद के विकास का बयान यहीं ख़त्म हो जाना चाहिये. क्योंकि इसके बाद वाले इतिहास में हमें इससे आगे और कोई नए विचार नहीं मिलते. इसलिए अब यहां पर वेदान्त और तसव्वुक दोनों में क्या समानता है यह जानने के लिये दोनों की तुलना करना चाहिये. सब से पहिले हम हज़ान के उसूलों को लें. वेदान्त और तसव्वुक दोनों ही मानते हैं कि विद्या दो प्रकार की होती है, एक का विषय सत्य है दूसरी का जगत. एक अपना है और दूसरी परा, एक दीनी और दूसरी दुनियावी. पहली तरह की विद्या का मक़सद अपने को जानना, आत्म-प्राप्ति है यानी 'साक्षात्कार' या 'मुशाहदा', 'अनुभव'—'समाधि' 'बज़्द' 'जमा-उल-जमा'—यानी परमानन्दमय अनुभव इसके साधन हैं. 'अभ्यास' या 'रियाज़त' 'योग' या 'ज़िक्र' 'संयम' और 'ध्यान' या 'मुजाहदा' और 'मराक़बा' आदि दिमागी साधन इसके रास्ते हैं.

दोनों ही मत उस पूर्ण 'तद्' 'हू' 'धातु' 'ज्ञात' को एकसां मानते हैं. हिन्दू और मुसलमान दोनों की दृष्टि से वह दूर से दूर और पास से पास है. वह परम या सुतलक़; सत्यस्य सत्यम या हकीक़त-उल-हक़ायक़, ज्योतिषम-ज्योति या नूरुल-अला-नूरिन; सर्व व्यापी या सुहीत है. दोनों मानते हैं कि सिर्फ़ बुद्धि या अक़ल के ज़रिए इसका बोध नहीं हो सकता. जहाँ एक ओर उपनिशद् कहते हैं कि "बह न मन से, न बाणी से और न आंखों से पाया जा सकता है, न तत्र चक्षुर्गच्छति न बाग्गच्छति नो मना" वहां जामी साहब

روح پرماٹما کو پہنچ جاتی ہے اور اُسکی یاत्रا پوری ہو جاتی ہے.

یہی یاत्रا جیسے 'طریقہ' کہتے ہیں ایک سنیم ہے جس کے دو حصے ہیں. پہلے حصے کو 'مجاہدہ' (ابھیاَس) اور دوسرے کو 'مراقبہ' (دھیان) کہتے ہیں. مجاہدہ یا ابھیاَس کا دھیئتہ دل کی صفائی (تذکیّے ناس) ہے اور اِس میں شریعت کے نہیں، ودھی اور نشیہوں کو ماننا ہے. دوسرے حصے کے اندر جسمانی اور دماغی کربائیں ہیں جنہیں ذکر (دھیان) کہتے ہیں. ذکر (دھیان) کی کئی قسمیں ہیں. ان میں جلی خفی بہت مشہور ہیں. ان کربائیوں کے لئے خاص خاص آسن ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ پراسایام (حبس دم) بھی کیا جاتا ہے حبس میں ایشور کا پر دم نام 'لاالہ الاہ' چھا جاتا ہے. یہ کربائیں ایک گورہ پر پہاؤ پیدا کرتی ہیں جس میں ان دیکھ رنگ اور ان سنے شبد دکھائی اور سنائی دیتے ہیں. مولانا روم اِسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں—“درلبش نعل است و دردل آواز ہے. لب خموش و دل پر از آواز ہے” ہونٹ پر تالا لگا ہے، اور دل میں ایک ناہ ہے، ہونٹ چپ چاپ ہیں لیکن دل ناہ سے بھرا ہے.

اسلامی رہسہ، واد کے وکس کا بیان یہں ختم ہو جانا چاہئے. کیونکہ اِس کے بعد والے اُنہاس میں ہمیں اِس سے آگے اور کڑی نیے وچار نہیں ملے. اِس لئے اب یہاں پر ویدانت اور تصوف دونوں میں کیا سمانتا ہے یہ جاننے کے لئے دونوں کی تُلنا کرنا چاہئے. سب سے پہلے ہم گیان کے اَصواو کو لیں. ویدانت اور تصوف دونوں ہی مانتے ہیں کہ ودیا دو پرکار کی ہوتی ہے، ایک کا رشتہ ستیہ ہے دوسری کا جکت. ایک اُپر ہے اور دوسری پُر، ایک دینی اور دوسری دنیادی. پہلی طرح کی ودیا کا مقصد اپنے کو جاننا، آتم پر اپنی ہے یعنی 'ساکشا نکار' یا 'مشاہدہ' 'انزہو'—'سامدھی' 'وجد' 'جمع الجمع'—یعنی پرمانند میں انزہو اِس کے سادھن ہیں. 'ابھیاَس' یا 'ریاضت' 'یوگ' یا 'ذکر' 'سنیم' اور 'دھیان' یا 'مجاہدہ' اور 'مراقبہ' آدمی دماغی سادھن اِس کے راستے ہیں.

دونوں ہی مت اُس پورن 'تد' 'ہو' 'دھاتو' 'ذات' کو یکساں مانتے ہیں. ہندو اور مسلمان دونوں کی درشتی سے وہ دور سے دور اور پاس سے پاس ہے. وہ پر دم یا ملتی؛ ستیہ ستیم یا حقیقت الحقائق، جیننشم جیوتی یا نورن انورن؛ سروپایی یا محیط ہے. دونوں مانتے ہیں کہ صرف بدھی یا عقل کے ذریعہ اِس کا بوند نہیں ہو سکتا. جہاں ایک اور اُشند کہتے ہیں کہ "وہ نہ من سے، نہ وانی سے اور نہ آنکھوں سے پایا جا سکتا ہے" نہ تو چکھر کچھتی نہ وانگچھتی نو منا، وہاں جامی صاحب

का था, 14 वीं सदी के आखिरी हिस्से में फारस में रहता था. ऐसा मालूम होता है कि उसने जवानी में हिन्दुस्तान की यात्रा की थी. उसका फलसफा ज्यादातर इन्हें अरबी के ही उसूलों से मिलता जुलता है, इसलिए उसके यहां बयान करने की कोई जरूरत नहीं. जहां तक पूर्ण ब्रह्म का अपने शुद्ध अन्तर्जगत से जिसे जीली काला बादल (अल-अमा) कहता है, बाहरी दुनिया के अनगिनत रूपों में बदलने (अवतरण) का विषय है, जीली और इन्हें अरबी के मत यक्सा हैं. लेकिन गुनों वाली दुनिया किस तरह फिर शुद्ध और सरल तत्व में लौट जाती है—इस पर भी जीली विचार प्रकट करता है, और सत असत के चक्र को पूरा करता है. इस चक्र के बीचों बीच आदमी की जगह है, क्योंकि उसकी आत्मा एक ओर ब्रह्म और दूसरी ओर त्रुदरत से मिल जाती है.

आदमी सत और असत के बीच में पुल बांधता है. आत्मा में सत्ता के सारे गुण एक हो जाते हैं इसलिए उसके जरिये बहुत्व में फंसा हुआ एक अपने एकत्व के बारे में सचेत हो जाता है. जिस मनुष्य में इस एकत्व के ज्ञान का उदय हो जाता है वह इन्साने कामिल, पूर्ण पुरुष (परम हंस) कहलाता है. इस ज्ञान के उदय की तीन अवस्थाएं हैं—नाम की ज्योति, गुनों की ज्योति और तत्व की ज्योति. यह अवस्थाएं ब्रह्म के प्रकृति में उतरने की तीन मंजिलें हैं. इन्हें अहदिय्यत (एकता), हुविग्यत (तदीयता) और अनिय्यत (अस्मदीयता) के नामों से पुकारते हैं.

बाद के सूफी लेखकों ने इन अवस्थाओं के दूसरे नाम रखे हैं. जैसे साधारण चेतना की अवस्था को नासूत कहते हैं और इससे आगे वाली तीन अवस्थाओं को मलकूत, जब्रूत और लाहूत नाम देते हैं. मलकूत अवस्था में जो चेतना होती है उसकी सपने से तुलना की गई है. इसको सूक्ष्म जगत और अमिट रूपों का जगत भी मानते हैं. दूसरी अवस्था बेखुदी या तल्लीनता की है जो सुषुप्ति के समान है. यह वह गहरी नींद है जिसमें सपने नहीं दिखाई देते. सब से ऊंची अवस्था सत्य, तत्व और एकत्व की अवस्था है. इन हालतों की मनोवैज्ञानिक विशेषताओं की जांच करें तो मालूम होता है कि मन के विशयों का धीरे धीरे इस तरह नाश होता है कि आखिर में एक हालत ऐसी आ जाती है जब चेतना में कोई भी दूसरी वस्तु न रहकर वह अकेली रह जाती है. पहली अवस्था वह है जिसमें विशयी, विशय और उन दोनों के आपस के सम्बन्ध मौजूद रहते हैं; दूसरी वह है जिसमें विशयी और विशय रह जाते हैं, सम्बन्ध टूट जाते हैं, और आखिरी वह है जिसमें सिर्फ विशयी ही रह जाता है, विशयों का अन्त हो जाता है. यह फना (मोक्ष) की मुखलिफ सीढ़ियां हैं जिन पर चढ़कर

का था, 14 वीं सदी के अखरी हिस्से में फारस में रहता था. ऐसा मालूम होता है कि उसने जवानी में हिन्दुस्तान की यात्रा की थी. उसका फलसफा ज्यादातर इन्हें अरबी के ही उसूलों से मिलता जुलता है, इसलिए उसके यहां बयान करने की कोई जरूरत नहीं. जहां तक पूर्ण ब्रह्म का अपने शुद्ध अन्तर्जगत से जिसे जीली काला बादल (अल-अमा) कहता है, बाहरी दुनिया के अनगिनत रूपों में बदलने (अवतरण) का विषय है, जीली और इन्हें अरबी के मत यक्सा हैं. लेकिन गुनों वाली दुनिया किस तरह फिर शुद्ध और सरल तत्व में लौट जाती है—इस पर भी जीली विचार प्रकट करता है, और सत असत के चक्र को पूरा करता है. इस चक्र के बीचों बीच आदमी की जगह है, क्योंकि उसकी आत्मा एक ओर ब्रह्म और दूसरी ओर त्रुदरत से मिल जाती है.

आदमी सत और असत के बीच में पुल बांधता है. आत्मा में सत्ता के सारे गुण एक हो जाते हैं इसलिए उसके जरिये बहुत्व में फंसा हुआ एक अपने एकत्व के बारे में सचेत हो जाता है. जिस मनुष्य में इस एकत्व के ज्ञान का उदय हो जाता है वह इन्साने कामिल, पूर्ण पुरुष (परम हंस) कहलाता है. इस ज्ञान के उदय की तीन अवस्थाएं हैं—नाम की ज्योति, गुनों की ज्योति और तत्व की ज्योति. यह अवस्थाएं ब्रह्म के प्रकृति में उतरने की तीन मंजिलें हैं. इन्हें अहदिय्यत (एकता), हुविग्यत (तदीयता) और अनिय्यत (अस्मदीयता) के नामों से पुकारते हैं.

बाद के सूफी लेखकों ने इन अवस्थाओं के दूसरे नाम रखे हैं. जैसे साधारण चेतना की अवस्था को नासूत कहते हैं और इससे आगे वाली तीन अवस्थाओं को मलकूत, जब्रूत और लाहूत नाम देते हैं. मलकूत अवस्था में जो चेतना होती है उसकी सपने से तुलना की गई है. इसको सूक्ष्म जगत और अमिट रूपों का जगत भी मानते हैं. दूसरी अवस्था बेखुदी या तल्लीनता की है जो सुषुप्ति के समान है. यह वह गहरी नींद है जिसमें सपने नहीं दिखाई देते. सब से ऊंची अवस्था सत्य, तत्व और एकत्व की अवस्था है. इन हालतों की मनोवैज्ञानिक विशेषताओं की जांच करें तो मालूम होता है कि मन के विशयों का धीरे धीरे इस तरह नाश होता है कि आखिर में एक हालत ऐसी आ जाती है जब चेतना में कोई भी दूसरी वस्तु न रहकर वह अकेली रह जाती है. पहली अवस्था वह है जिसमें विशयी, विशय और उन दोनों के आपस के सम्बन्ध मौजूद रहते हैं; दूसरी वह है जिसमें विशयी और विशय रह जाते हैं, सम्बन्ध टूट जाते हैं, और आखिरी वह है जिसमें सिर्फ विशयी ही रह जाता है, विशयों का अन्त हो जाता है. यह फना (मोक्ष) की मुखलिफ सीढ़ियां हैं जिन पर चढ़कर

ماخوذ ہو جائے کہ وہی سنیہ ہے، جبکہ یہ کہا جاتا ہے کہ "اُس کے سنان کوئی چیز نہیں ہے" تو اُس کے طایزج یا پرا روپ سے مطلب ہے، اور جب کہا جاتا ہے کہ وہی سنیہ اور دیکھنے والا ہے، ہوالاسی ہوالبصور، تو اُس کی 'تشیخ' یا انتر وپایی اوستہا سے مطلب ہے۔ جہاں ایک اور وہ عقل کے پڑے ہے وہاں دوسری اور وہ اپنے کو حبل البرید یعنی گردن کی نازی سے بھی پاس بتاتا ہے۔

اسی لئے پرست کا بیان صرف ایسے ہی لفظوں میں کیا جا سکتا ہے جو آپس میں وردہی (متوال) ہوں۔ لیکن اگر وہ پرست سپورن ہے تو اُس کا مقرر (نیت) روپ بھی ہونا چاہئے۔ دھما تَد کا وکس اسی نیت روپ سے سمجھ رکھنا ہے۔

پرورتی کا سدھانت ایشور کے نیت روپ سے بندھا ہے۔ اس سے سرشتی کے وکس کرم کا پتہ چلتا ہے۔ اِس وکس کی پانچ حالتیں ہیں۔ پہلی حالت وحدت یعنی پورن ایکیہ یا ادویت کی ہے جس میں بالیہ جکت اور انترجکت باعل ایک ہوتے ہیں۔ دوسری حالت وہ ہے جس میں ایکیہ ثوت جاتا ہے اور انتر جکت (بطون) اور ایکنو کا سامنا ہوتا ہے۔ اِس کو وحدت کہتے ہیں۔ اِس کے بعد عہدیت یعنی پتو میں ایکنو والی حالت آتی ہے، اِس حالت میں گنوں (صدات) میں تتو اور تتو میں گن پرکت ہو جاتے ہیں۔ چوتھی حالت وہ ہے جب دچار (عیان) آتے ہوئے ہیں اور آخری وہ جبکہ روپ (اجسام) پیدا ہوتے ہیں۔ منشیوں، چیزوں اور جکت کے اِس پہلو کے پیچھے، دراصل، ایک ہی تتو ہے، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے، "اے لوگو! اپنے رب کا آذر کرو، جس نے ایک پران سے ساری خلقت کو پیدا کیا۔" "یا اہل النسل انکبوا ربکم، الہی خالقکم من نفسی واحدا۔"

باہری جکت کے سہیاد کے بارے میں ابن عربی نے عجیب وچار ظاہر کیے ہیں۔ "نفسو الحکم" میں وہ کہتے ہیں کہ انسان اور خدا کا تعلق یدارتہ اور اُس کی پرچہ نہیں کا سا ہے، اور انسان کی زندگی سہنے کے سمان ہے۔ اور یہی کئی وشدوں پر ابن عربی کے وچار بالکل موافک تھے۔ مثال کے طور پر مورثی پوجا کے بارے میں اُن کا وردہ سادھارن روپ سے کہے جاتے۔ والہ متوں سے بہن دچاروں پر منحصر تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہر پوجا کی چیز میں، چاہے وہ پتھر، پتھر یا کچھ بھی کیوں نہ ہو، ایشور یا اُس کے گنوں کا پرکش ہوتا ہے، لیکن آپاسنا کے یہ سادھن ایشور کو ایک ہی وستو میں محدود کر دیتے ہیں اور اُس کی اصلی سپورنتا اور ایکنو نکال دیتے ہیں جو تھیک نہیں۔ (نص روحانی)۔

عبدالکریم جیلی جو ابن عربی کے ہی پیروار ہیں

اِس لئے پرست کا بیان صرف ایسے ہی لفظوں میں کیا جا سکتا ہے جو آپس میں وردہی (متوال) ہوں۔ لیکن اگر وہ پرست سپورن ہے تو اُس کا مقرر (نیت) روپ بھی ہونا چاہئے۔ دھما تَد کا وکس اسی نیت روپ سے سمجھ رکھنا ہے۔

پرورتی کا سدھانت ایشور کے نیت روپ سے بندھا ہے۔ اس سے سرشتی کے وکس کرم کا پتہ چلتا ہے۔ اِس وکس کی پانچ حالتیں ہیں۔ پہلی حالت وحدت یعنی پورن ایکیہ یا ادویت کی ہے جس میں بالیہ جکت اور انترجکت باعل ایک ہوتے ہیں۔ دوسری حالت وہ ہے جس میں ایکیہ ثوت جاتا ہے اور انتر جکت (بطون) اور ایکنو کا سامنا ہوتا ہے۔ اِس کو وحدت کہتے ہیں۔ اِس کے بعد عہدیت یعنی پتو میں ایکنو والی حالت آتی ہے، اِس حالت میں گنوں (صدات) میں تتو اور تتو میں گن پرکت ہو جاتے ہیں۔ چوتھی حالت وہ ہے جب دچار (عیان) آتے ہوئے ہیں اور آخری وہ جبکہ روپ (اجسام) پیدا ہوتے ہیں۔ منشیوں، چیزوں اور جکت کے اِس پہلو کے پیچھے، دراصل، ایک ہی تتو ہے، جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے، "اے لوگو! اپنے رب کا آذر کرو، جس نے ایک پران سے ساری خلقت کو پیدا کیا۔" "یا اہل النسل انکبوا ربکم، الہی خالقکم من نفسی واحدا۔"

باہری جکت کے سہیاد کے بارے میں ابن عربی نے عجیب وچار ظاہر کیے ہیں۔ "نفسو الحکم" میں وہ کہتے ہیں کہ انسان اور خدا کا تعلق یدارتہ اور اُس کی پرچہ نہیں کا سا ہے، اور انسان کی زندگی سہنے کے سمان ہے۔ اور یہی کئی وشدوں پر ابن عربی کے وچار بالکل موافک تھے۔ مثال کے طور پر مورثی پوجا کے بارے میں اُن کا وردہ سادھارن روپ سے کہے جاتے۔ والہ متوں سے بہن دچاروں پر منحصر تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہر پوجا کی چیز میں، چاہے وہ پتھر، پتھر یا کچھ بھی کیوں نہ ہو، ایشور یا اُس کے گنوں کا پرکش ہوتا ہے، لیکن آپاسنا کے یہ سادھن ایشور کو ایک ہی وستو میں محدود کر دیتے ہیں اور اُس کی اصلی سپورنتا اور ایکنو نکال دیتے ہیں جو تھیک نہیں۔ (نص روحانی)۔

ابندول کریم جیلی جو ابن عربی کے ہی پیروار ہیں

‘इंसानी गुणों के बादलों को हटा कर, ऊँचे और विशुद्ध ईश्वर के परम सत्य रूपी सूरज को प्रकाश करना ही तजल्ली (आत्मा की ज्योति) है। यह प्रकाश तीन प्रकार का है—(1)—तजल्ली-ए-जात—ईश्वर के तत्व का प्रकाश—(2)—तजल्ली-ए-सिफात—उसके गुणों का प्रकाश और (3)—तजल्ली-ए-अफ़्आल—उसके कार्यों का प्रकाश। पहली अवस्था को मुशाहदा, दूसरी को मुकाशफ़ा, और तीसरी को मुहाजरा कहते हैं। मुशाहदा की सबसे ऊँची अवस्था वह है जब कि देखने वाला (द्रष्टा) देखी गई वस्तु (दृष्ट) में अपने को मिला देता है।

परमात्मा और मनुष्य के सम्बन्ध को बतला कर सुहरावर्षी सुफ़ियों के रीति रिवाज, शिष्टाचार और आदर सत्कार पर अपने विचार जाहिर करते हैं। इसके बाद वह उनके फ़रायजों और सद्गुण को बतलाते हैं, अख़ीर में आख़री मक़सद तक पहुँचने के लिये रास्ते की मंजिलें और अवस्थाएँ बयान करते हैं। उनके मत के मुताबिक़ यह बहुत जरूरी है कि शरियत धर्म में बताए गए नियत कर्म (विधि) किए जाएँ और जिन कामों को करने से मना किया गया है (निषेध) वे न किए जाएँ। मसलन पाँच फ़र्ज़ अवश्य करने चाहिये। सद्गुणों में वे सच, धीरज, विनय, उदारता, मित्रता, क्षमा, स्नेह और प्रेम पर जोर देते हैं। पश्चात्ताप, तप, त्याग, दीनता, समर्पण, कृतज्ञता, भय, आशा, ईश्वर में विश्वास और उसकी इच्छा का पालन—यह सब उस राह की मंजिलें हैं। इन सब सिकावों से युक्त सूफी ईश्वर प्रेम और आकर्षण की मूलतलिक़ अवस्थाओं का तजल्हा करता है और आख़री में फना व बक्का (मोक्ष) के मंजिले मक़सूद पर पहुँच जाता है।

इब्न अरबी जो ‘शेख़-उल-अकबर’ के नाम से मशहूर हैं, सुहरावर्षी से छोटे लेकिन उनके समकालीन थे। उनका जन्म स्पेन देश के मुरचिया स्थान में सन 1165 ईस्वी में हुआ लेकिन वह अपने जीवन को बिताने के लिये पूर्वी देशों में आये और कई मुल्कों का सफ़र करते हुए दमिश्क़ में बस गए। सन 1240 ईस्वी में उन्होंने चोला छोड़ा।

ईश्वरी तत्व की खोज के साथ उनका फलसफ़ा शुरू होता है। उनका विचार है कि ईश्वर को न तो केवल सबके परे (तन्ज़ीह) और न सिर्फ़ सबके अन्दर (तशबीह) माना जा सकता है, क्योंकि वह दोनों ही है। क़ुरान का कहना है “हूउल अव्वल हूउल आख़िर हूउल बातिन हूउल जाहिर।”

‘वह सबसे पहिला और सब के आख़िर है; वह अन्दर वाला है, और बाहर वाला भी। यह भी कहा गया है “सनरीहुम आयतना फ़िलाफ़ाकि व अन्फ़सहुं हत्ता यतबीन लहुं इन्नहुलहक़”’ ‘मैं आसमान में और उनके प्रानों में अपने चिह्नों को जाहिर करूँगा ताकि उनको साफ़ साफ़

‘इंसानी गुणों के बादलों को हटकर, ऊँचे और विशुद्ध ईश्वर के परम सत्य रूपी सूरज को प्रकाश करना ही तजल्ली (आत्मा की ज्योति) है। यह प्रकाश तीन प्रकार का है—(1)—तजल्ली-ए-जात—ईश्वर के तत्व का प्रकाश—(2)—तजल्ली-ए-सिफात—उसके गुणों का प्रकाश और (3)—तजल्ली-ए-अफ़्आल—उसके कार्यों का प्रकाश। पहली अवस्था को मुशाहदा, दूसरी को मुकाशफ़ा, और तीसरी को मुहाजरा कहते हैं। मुशाहदा की सबसे ऊँची अवस्था वह है जब कि देखने वाला (द्रष्टा) देखी गई वस्तु (दृष्ट) में अपने को मिला देता है।

परमात्मा और मनुष्य के सम्बन्ध को बतला कर सुहरावर्षी सुफ़ियों के रीति रिवाज, शिष्टाचार और आदर सत्कार पर अपने विचार जाहिर करते हैं। इसके बाद वह उनके फ़रायजों और सद्गुण को बतलाते हैं, अख़ीर में आख़री मक़सद तक पहुँचने के लिये रास्ते की मंजिलें और अवस्थाएँ बयान करते हैं। उनके मत के मुताबिक़ यह बहुत जरूरी है कि शरियत धर्म में बताए गए नियत कर्म (विधि) किए जाएँ और जिन कामों को करने से मना किया गया है (निषेध) वे न किए जाएँ। मसलन पाँच फ़र्ज़ अवश्य करने चाहिये। सद्गुणों में वे सच, धीरज, विनय, उदारता, मित्रता, क्षमा, स्नेह और प्रेम पर जोर देते हैं। पश्चात्ताप, तप, त्याग, दीनता, समर्पण, कृतज्ञता, भय, आशा, ईश्वर में विश्वास और उसकी इच्छा का पालन—यह सब उस राह की मंजिलें हैं। इन सब सिकावों से युक्त सूफी ईश्वर प्रेम और आकर्षण की मूलतलिक़ अवस्थाओं का तजल्हा करता है और आख़री में फना व बक्का (मोक्ष) के मंजिले मक़सूद पर पहुँच जाता है।

अबिनी जो ‘शेख़-उल-अकबर’ के नाम से मशहूर हैं, सुहरावर्षी से छोटे लेकिन उनके समकालीन थे। उनका जन्म स्पेन देश के मुरचिया स्थान में सन 1165 ईस्वी में हुआ लेकिन वह अपने जीवन को बिताने के लिये पूर्वी देशों में आये और कई मुल्कों का सफ़र करते हुए दमिश्क़ में बस गए। सन 1240 ईस्वी में उन्होंने चोला छोड़ा।

ईश्वरी तत्व की खोज के साथ उनका फलसफ़ा शुरू होता है। उनका विचार है कि ईश्वर को न तो केवल सबके परे (तन्ज़ीह) और न सिर्फ़ सबके अन्दर (तशबीह) माना जा सकता है, क्योंकि वह दोनों ही है। क़ुरान का कहना है “हूउल अव्वल हूउल आख़िर हूउल बातिन हूउल जाहिर।”

‘वह सबसे पहिला और सब के आख़िर है; वह अन्दर वाला है, और बाहर वाला भी। यह भी कहा गया है “सनरीहुम आयतना फ़िलाफ़ाकि व अन्फ़सहुं हत्ता यतबीन लहुं इन्नहुलहक़”’ ‘मैं आसमान में और उनके प्रानों में अपने चिह्नों को जाहिर करूँगा ताकि उनको साफ़ साफ़

ہے کہ ایندروں اور عقل سے حاصل (اندرا کی، حسی، عقلی) تجربہ، علم یا گیان سے جدا ہے۔ اس آئوہر کے دو پہلو ہیں—ایک عقل ہدایت یعنی ہانے والے کے بارے میں جانکاری اور دوسرا عقل معاش، بنانی ہوئی چیزوں کی جانکاری، علم تھن طرح کا ہے۔ (1) علم توحید، یہ گیان کہ ایشور ایک ہے (2) علم معارف—خدا کے کھوں کا گیان؛ اور (3) علم شریعت—خدا کے حکموں کا گیان۔ لیکن اس علم کے بھی پڑے ایک بھیتری دیتی ہے جسے معارف دیتے ہیں ”معارف عبادت ازہار شناختن علوم مفصل درصورت تفصیل۔“ (دیتی اُس جاننے کا نام ہے جو گیانوں میں معمولی اور غیر معمولی کی پہچان سے حاصل ہوتی ہے)۔ وہ بتلاتے ہیں کہ بھیتری دیتی (معرفت) سادھی (وجد) سے ملتی ہے، اور اسی لئے زبان میں طاقت نہیں کہ وہ اُسے بیان کر سکے۔ تجربہ اور گیان اُس کے لئے کیول بھوکا (دیانے) کے سمان ہیں۔ اُس لئے علم کے بغیر دیتی (معرفت) ناممکن ہے، اور علم دیتی کے بنا ایک بوجھا ہے۔ سب سے اُونچی دیتی (معرفت)، معرفت الہی (ایشور کی دیتی) ہے، جو آتما کی پہچان پر تریور کرتی ہے۔

کہا ہے—”من عرفانیہ عرفا رہی۔“

”جو آتما میں دیتی رکھتا ہے وہی پرما آتما کو پہچانتا ہے۔“

ایشور کیا ہے، اُس کا منشیہ سے کیا سمبندھ ہے—اُس پر سہارودی کے وچار اُن کے علم اور معرفت (گیان اور دیتی) کے سدھانتوں میں شامل ہیں۔ اُن کے وچار سے خدا پورن ست اور شدہ تتو ہے جو گن اور تعریفوں سے پڑے ہے۔ ”الہ، عہد، صمد، منزوع از والدو ولد، و معونت و مدن، و مقدس از شبہہ و نظیر و وزر و مشیر۔“

خدا ایک اور سائن ہے۔ اُس کا نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ خود اُس سے ہی کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اُس کو نہ کوئی مدد دیتا ہے اور نہ وہ کسی کی مدد چاہتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی ثانی ہے، نہ کوئی اُس کے سمان ہے، نہ کوئی اُس کا سہائتا دینے والا وزر ہے اور نہ کوئی صلاح دینے والا منتوی! دیہ، کال، گن، آکر، ستھیا، پریمان وغیرہ سے اُسے کوئی سمبندھ نہیں۔ وہ دلیل، تجربے، اندرہ گیان، اور قیاس آبی سے اپراپہ اُن سے دور اور آزاد ہے۔ ”ہرچہ در عقل و ذہن و حواس و قیاس گنجند ذات خداوند سبحان از ان منظر و مقدس است۔“

لیکن یہ پورن چیتنا وہ چمکتا دمکتا نتیجہ ہے جو ہمیشہ کے لئے چمپا نہیں رہ سکتا۔ سہارودی کا بیان ہے—”مراد از تجلی انکشاف شمس حقیقت حق است، تعلی و تقدس از غیوم صفات بشری و غیبت اُن۔“

”جو آتما میں دیتی رکھتا ہے وہی پرما آتما کو پہچانتا ہے۔“

ایشور کیا ہے، اسکا منوشی سے کیا سمبندھ ہے—اس پر سہارا وادی کے وچار انکے علم اور ماریفت (جنان اور دیتی) کے سیدھانتوں میں شامل ہیں۔ انکے وچار سے خدا پورن ست اور شدہ تتو ہے جو گن اور تعریفوں سے پڑے ہے۔ ”الہ، عہد، صمد، منزوع از والدو ولد، و معونت و مدن، و مقدس از شبہہ و نظیر و وزر و مشیر۔“

خدا ایک اور سائن ہے۔ اُس کا نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ خود اُس سے ہی کوئی پیدا ہوتا ہے۔ اُس کو نہ کوئی مدد دیتا ہے اور نہ وہ کسی کی مدد چاہتا ہے۔ نہ اُس کا کوئی ثانی ہے، نہ کوئی اُس کے سمان ہے، نہ کوئی اُس کا سہائتا دینے والا وزر ہے اور نہ کوئی صلاح دینے والا منتوی! دیہ، کال، گن، آکر، ستھیا، پریمان وغیرہ سے اُسے کوئی سمبندھ نہیں۔ وہ دلیل، تجربے، اندرہ گیان، اور قیاس آبی سے اپراپہ اُن سے دور اور آزاد ہے۔ ”ہرچہ در عقل و ذہن و حواس و قیاس گنجند ذات خداوند سبحان از ان منظر و مقدس است۔“

لیکن یہ پورن چیتنا وہ چمکتا دمکتا نتیجہ ہے جو ہمیشہ کے لئے چمپا نہیں رہ سکتا۔ سہارودی کا بیان ہے—”مراد از تجلی انکشاف شمس حقیقت حق است، تعلی و تقدس از غیوم صفات بشری و غیبت اُن۔“

सकता है. एक तो जमीन की सतह पर नालियां खोदकर किसी दूसरे कुंड से इसमें पानी लाया जा सकता है या फिर उसी कुएं की तह की जमीन को इतना और खोदा जाय कि अन्दरूनी सोते से खुद बखुद फूटकर पानी ऊपर आ जाय. दूसरी तरह का आया हुआ पानी पहिली तरह से आए हुए पानी के मुकाबले में ज्यादा साफ़ और ज्यादा अदृढ़ होगा. ठीक इसी तरह इनसान का मन (क्लब) एक कुआं है, नालियां पांच इन्ड्रियां, और उनके द्वारा लाया गया पानी, तजरुबे (प्रत्यक्ष ज्ञान) पर आश्रित ज्ञान की तरह है. लेकिन दूसरे तरह का ज्ञान वह है जो छिपे हुए सोते से कुएं की तह की मट्टी के हट जाने पर अपने आप निकल आता है. यह वह सीधा ज्ञान है जो लौहे-महफूज (सुरक्षित पट्टी) पर लिखा हुआ है, और यह उस दैवी सत् का ज्ञान है जो ईश्वर की दया से खोजने वाले की आत्मा को रोशन करता है.

दूसरी मिसाल—एक राजा से कहा गया कि रोमन और चीनी बड़े अच्छे चित्रकार हैं. उन दोनों की चतुराई की तुलना करने की गरज से राजा ने अपने कमरे की एक दीवार चीनी कलाकारों और सामने वाली रोमन कलाकारों को दी. दोनों के बीच में एक पर्दा डाल दिया गया. रोमन लोगों ने तरह तरह के रङ्ग इकट्ठे किए. लेकिन चीनियों ने बिला किसी रंग के ही अपना काम शुरू किया. जब दोनों ने अपना काम खतम कर लिया तो उनकी चित्रकारी का मुआयना करने के लिए राजा बुलाया गया. रोमन लोगों की सुन्दर तस्वीरों को देखकर राजा बहुत ही खुश हुआ और फिर चीनियों की दीवार की ओर मुड़ा जिस पर कोई भी रंग इस्तेमाल नहीं किया गया था. राजा ने अचरज से पूछा 'तस्वीर कहाँ है?' तब चीनियों ने बीच का पर्दा हटा दिया और रोमन चित्र की सारी सुन्दरता की परछाई उस चीनी दीवार पर पड़ी. इतना ही नहीं बल्कि चीनियों ने अपनी दीवार पर ऐसी अद्भुत पालिश की थी कि परछाई असली तस्वीर से भी कहीं खूबसूरत लगी और उसकी जगमगाहट के सामने असली तस्वीर फीकी पड़ गई.

ईश्वर के भक्त इन चीनियों की तरह से ही हैं. वे अपने दिल के आइने के इस तरह शुद्ध और निर्मल कर लेते हैं कि सनातन सत्य उसमें अपने पूरे प्रकाश के साथ चमकने लगता है, लेकिन पोथी पढ़ने वाले पण्डित रोम वालों की तरह से हैं; उनका ध्यान सिर्फ बाहरी दुनिया की शोभा तक ही सीमित (महदूद) रहता है.

इस्लामी रहस्यवाद के फलसफे की तरक्की में शहाबुद्दीन सुहरावर्दी (1145—1234 ईस्वी) ने बड़ा भारी हिस्सा लिया. इस विषय पर उनकी लिखी हुई पुस्तक 'अवारिकुल मखारिफ़' एक सुकन्मिल ग्रन्थ है. सुहरावर्दी ने इस्मा' के फर्क को और भी भली भाँति से जाँचा है. उन्होंने बतलाया

सकता है. एक तो जमीन की सतह पर नालियां खोदकर किसी दूसरे कुंड से इसमें पानी लाया जा सकता है या फिर उसी कुएं की तह की जमीन को इतना और खोदा जाय कि अन्दरूनी सोते से खुद बखुद फूटकर पानी ऊपर आ जाय. दूसरी तरह का आया हुआ पानी पहिली तरह से आए हुए पानी के मुकाबले में ज्यादा साफ़ और ज्यादा अदृढ़ होगा. ठीक इसी तरह इनसान का मन (क्लब) एक कुआं है, नालियां पांच इन्ड्रियां, और उनके द्वारा लाया गया पानी, तजरुबे (प्रत्यक्ष ज्ञान) पर आश्रित ज्ञान की तरह है. लेकिन दूसरे तरह का ज्ञान वह है जो छिपे हुए सोते से कुएं की तह की मट्टी के हट जाने पर अपने आप निकल आता है. यह वह सीधा ज्ञान है जो लौहे-महफूज (सुरक्षित पट्टी) पर लिखा हुआ है, और यह उस दैवी सत् का ज्ञान है जो ईश्वर की दया से खोजने वाले की आत्मा को रोशन करता है.

दूसरी म्ताल—एक राजा से कहा गया कि रोमन और चीनी बड़े अच्छे चित्रकार हैं. उन दोनों की चतुराई की तुलना करने की गरज से राजा ने अपने कमरे की एक दीवार चीनी कलाकारों और सामने वाली रोमन कलाकारों को दी. दोनों के बीच में एक पर्दा डाल दिया गया. रोमन लोगों ने तरह तरह के रङ्ग इकट्ठे किए. लेकिन चीनियों ने बिला किसी रंग के ही अपना काम शुरू किया. जब दोनों ने अपना काम खतम कर लिया तो उनकी चित्रकारी का मुआयना करने के लिए राजा बुलाया गया. रोमन लोगों की सुन्दर तस्वीरों को देखकर राजा बहुत ही खुश हुआ और फिर चीनियों की दीवार की ओर मुड़ा जिस पर कोई भी रंग इस्तेमाल नहीं किया गया था. राजा ने अचरज से पूछा 'तस्वीर कहाँ है?' तब चीनियों ने बीच का पर्दा हटा दिया और रोमन चित्र की सारी सुन्दरता की परछाई उस चीनी दीवार पर पड़ी. इतना ही नहीं बल्कि चीनियों ने अपनी दीवार पर ऐसी अद्भुत पालिश की थी कि परछाई असली तस्वीर से भी कहीं खूबसूरत लगी और उसकी जगमगाहट के सामने असली तस्वीर फीकी पड़ गई.

ईश्वर के भक्त इन चीनियों की तरह से ही हैं. वे अपने दिल के आइने के इस तरह शुद्ध और निर्मल कर लेते हैं कि सनातन सत्य उसमें अपने पूरे प्रकाश के साथ चमकने लगता है, लेकिन पोथी पढ़ने वाले पण्डित रोम वालों की तरह से हैं; उनका ध्यान सिर्फ बाहरी दुनिया की शोभा तक ही सीमित (महदूद) रहता है.

इस्लामी रहस्यवाद के फलसफे की तरक्की में शहाबुद्दीन सुहरावर्दी (1145—1234 ईस्वी) ने बड़ा भारी हिस्सा लिया. इस विषय पर उनकी लिखी हुई पुस्तक 'अवारिकुल मखारिफ़' एक सुकन्मिल ग्रन्थ है. सुहरावर्दी ने इस्मा' के फर्क को और भी भली भाँति से जाँचा है. उन्होंने बतलाया

विचार-धारा पर काफ़ी सोच विचार किया था, उनको अरब के दार्शनिकों में सबसे मौलिक मानता है। इन्होंने इस्लामी फ़लसफ़े पर यूनान का जो असर पड़ा था उसको इस तरह से उखाड़ कर फेंक दिया कि वह पूरब में फिर न पनप सका।

ग़ज़ाली का जन्म 1066 ईस्वी में तूस नामक जगह में हुआ था, उन्होंने अपना जीवन एक धर्मशास्त्री और भाष्यकार की हैसियत से शुरू किया लेकिन बाद में फ़लसफ़े की ओर उनका मन झुका। बग़दाद के मराहूर निज़ामिया कालिज के बह प्रोफ़ेसर मुकर्रर किए गये। कुछ समय के बाद उनके दिमाग में एक इन्क़लाब हुआ और उनकी आत्मा में उथल पुथल मची। फ़लसफ़े की तरफ़ से विश्वास हट गया और वह नास्तिक हो गए। अपनी जगह से इस्तीफ़ा देकर उन्होंने तपस्या के द्वारा शान्ति हासिल की। मक्का आदि तीर्थ स्थानों की यात्रा करके उन्होंने ध्यान (सिक) में मन लगाया। आखिरकार उनकी परेशान आत्मा को शान्ति मिली। वह नेशापुर वापिस आए और वहां कालिज में पढ़ाने लगे। इसके थोड़े ही समय बाद वह अपने जन्म स्थान तूस लौटे जहां सन 1111 ईस्वी में उनका देहान्त हो गया।

‘इल्हा-उल-उलूम’ ग़ज़ाली का सब से उत्तम रचनात्मक ग्रंथ है। इसमें उन्होंने धर्म और फ़लसफ़ा सम्बन्धी सब मसलों पर गौर किया है। ज्ञान या इल्म के बारे में उनका कहना है कि यह दो प्रकार का है—अक़ली यानी अक़ल या बुद्धि से सम्बन्ध रखने वाला और दीनी यानी रुह से सम्बन्ध रखने वाला। पहिले तरह का इल्म वैज्ञानिक इल्म है और आखों देखे सम्बुत, दलील और अध्ययन इसके हासिल करने के साधन हैं। एक ओर औषधशास्त्र (तिब), गणित ज्योमेट्री, ज्योतिष शास्त्र और दूसरी ओर धर्मशास्त्र, नीतिशास्त्र तथा व्याकरण आदि इसकी शाखाएं हैं। दूसरी तरह का ज्ञान इल्मे मकाशिका यानी आत्मा के साक्षात्कार का ज्ञान है। इसका मकसद उस ईश्वर को हासिल करना है जिसके सिवा सब असत् है। यह मनुष्य को सारे फ़ंदों से छुड़कर सत् का साक्षात्कार कराता है। मन (ख़ातिर) में चञ्चलता पैदा करने वाली इन्द्रियों को स्थिर करना, हृदय की शुद्धि (तजकिया-ए-नफ़स) और गूढ़ तत्वों पर जितन (मराक़्बा और मकाराका) इसके लिए पहली शर्त है। पहली तरह के दुनियावी इल्म की सचाई अनिश्चित है, लेकिन आत्मिक ज्ञान की निश्चित, क्योंकि यह सचमुच ईश्वर ही का सामना करा देता है। पहिली तरह का ज्ञान दूसरी तरह के ज्ञान से नीचे दर्जे का है, इसलिए जब तक यह दूसरे तरह के ज्ञान के विकास में साधक है तब तक तो ठीक है बरना बिल्कुल बेकार।

इन दोनों प्रकार के ज्ञानों के बीच में फ़र्क़ दिखलाने के लिए ग़ज़ाली ने दो मिसालें दी हैं। पहिली—किसी खेत में एक कुआं खोदा गया। इसमें पानी दो तरह से भरा जा

पूरा देगा। पर क़ाय सोज़ पूरा किया था, उन को अरब के दार्शनिकों में सब से मौलिक मानता है। इन्होंने इस्लामी फ़लसफ़े पर यूनान का जो असर पड़ा था उसको इस तरह से उखाड़ कर फेंक दिया कि वह पूरब में फिर न पनप सका।

ग़ज़ाली का जन्म 1066 ईस्वी में तूस नामक जगह में हुआ था, उन्होंने अपना जीवन एक धर्मशास्त्री और भाष्यकार की हैसियत से शुरू किया लेकिन बाद में फ़लसफ़े की ओर उनका मन झुका। बग़दाद के मराहूर निज़ामिया कालिज के बह प्रोफ़ेसर मुकर्रर किए गये। कुछ समय के बाद उनके दिमाग में एक इन्क़लाब हुआ और उनकी आत्मा में उथल पुथल मची। फ़लसफ़े की तरफ़ से विश्वास हट गया और वह नास्तिक हो गए। अपनी जगह से इस्तीफ़ा देकर उन्होंने तपस्या के द्वारा शान्ति हासिल की। मक्का आदि तीर्थ स्थानों की यात्रा करके उन्होंने ध्यान (सिक) में मन लगाया। आखिरकार उनकी परेशान आत्मा को शान्ति मिली। वह नेशापुर वापिस आए और वहां कालिज में पढ़ाने लगे। इसके थोड़े ही समय बाद वह अपने जन्म स्थान तूस लौटे जहां सन 1111 ईस्वी में उनका देहान्त हो गया।

‘इल्हा-उल-उलूम’ ग़ज़ाली का सब से उत्तम रचनात्मक ग्रंथ है। इसमें उन्होंने धर्म और फ़लसफ़ा सम्बन्धी सब मसलों पर गौर किया है। ज्ञान या इल्म के बारे में उनका कहना है कि यह दो प्रकार का है—अक़ली यानी अक़ल या बुद्धि से सम्बन्ध रखने वाला और दीनी यानी रुह से सम्बन्ध रखने वाला। पहिले तरह का इल्म वैज्ञानिक इल्म है और आखों देखे सम्बुत, दलील और अध्ययन इसके हासिल करने के साधन हैं। एक ओर औषधशास्त्र (तिब), गणित ज्योमेट्री, ज्योतिष शास्त्र और दूसरी ओर धर्मशास्त्र, नीतिशास्त्र तथा व्याकरण आदि इसकी शाखाएं हैं। दूसरी तरह का ज्ञान इल्मे मकाशिका यानी आत्मा के साक्षात्कार का ज्ञान है। इसका मकसद उस ईश्वर को हासिल करना है जिसके सिवा सब असत् है। यह मनुष्य को सारे फ़ंदों से छुड़कर सत् का साक्षात्कार कराता है। मन (ख़ातिर) में चञ्चलता पैदा करने वाली इन्द्रियों को स्थिर करना, हृदय की शुद्धि (तजकिया-ए-नफ़स) और गूढ़ तत्वों पर जितन (मराक़्बा और मकाराका) इसके लिए पहली शर्त है। पहली तरह के दुनियावी इल्म की सचाई अनिश्चित है, लेकिन आत्मिक ज्ञान की निश्चित, क्योंकि यह सचमुच ईश्वर ही का सामना करा देता है। पहिली तरह का ज्ञान दूसरी तरह के ज्ञान से नीचे दर्जे का है, इसलिए जब तक यह दूसरे तरह के ज्ञान के विकास में साधक है तब तक तो ठीक है बरना बिल्कुल बेकार।

इन दोनों प्रकार के ज्ञानों के बीच में फ़र्क़ दिखलाने के लिए ग़ज़ाली ने दो मिसालें दी हैं। पहिली—किसी खेत में एक कुआं खोदा गया। इसमें पानी दो तरह से भरा जा

लेखक—डाक्टर ताराचन्द

लिकھ—ڈاکٹر تارا چند

अनुवादक—विश्वम्भरनाथ पांडे

انورادک—وشومبیر ناتھ پانڈے

रामानुज का समय हमें अपने इतिहास के उस जमाने में ले आता है जबकि उत्तरी हिन्दुस्तान इस्लाम के असर में आ चुकता है और हिन्दू धर्म में इस्लामी विचार और संस्कार मिलने लगते हैं। लेकिन इसके साथ ही साथ इस्लाम धर्म भी हिन्दू-शास्त्र और दर्शन के तरीकों और कथानों को जच करता है जिससे दोनों एक दूसरे के करीब आ जाते हैं। इसलिए, इन दोनों का मेल जोल किस तरह शुरू हुआ यह जानना बहुत जरूरी है।

तसव्वुफ या इस्लामी रहस्यवाद की नींव कुरान के उपदेशों पर ही रखी गई है। सूफी सम्प्रदाय अपने सिद्धों की चरितावली हजरत मुहम्मद से ही शुरू करते हैं और उनमें से बहुत से हजरत अली को उनका पहला खलीफा मानते हैं। यहां पर सूफी धर्म के शुरू जमाने के चर्चों की कोई जरूरत नहीं, लेकिन मन्सूर-उल-दुल्लाज, जिनका जन्म 858 ईस्वी में ईरान में इस्तख के पास तूर नामक गांव में हुआ था, के बारे में कुछ कहना जरूरी है। उनकी जीवनी से मालूम होता है कि वह हिन्दुस्तान में आकर गुजरात और काश्मीर में ठहरे थे और फिर उसके बाद खुरासान गए। अखीर में बगदाद जाकर रहने लगे और वहीं पर उपदेश देने लगे। इनके विचार पुराने खालवाले लोगों को पसन्द न आए और इन्हें दाऊद-उल-इस्लहानी ने जो जाहिरिया सम्प्रदाय के आलिम थे उनके खिलाफ फतवा दे दिया। बखीर के सामने मुकद्दमा हुआ और 922 ईस्वी में उनको फांसी दी गई। मन्सूर के इस ऐलान से कि 'मैं' और 'हक' एक ही है (अनलहक) उस वक्त भी जनता पर काफी असर पड़ा। इसी के साथ उनकी राय, कि हज बग़ीरा पांचों फख़्जों की जगह और संस्कार ले सकते हैं, बड़ी बहस-मुबाहि़सा का सबब बनी। मन्सूर की शिक्षा थी कि ईश्वर (खुदा) सृष्टि की सारी सीमाओं के परे है और ईश्वर और आदमी की रूह दोनों अखीर में एक हो जाते हैं। इस उसूल को 'हुलूल लाहूत फ़ी अन्नासूत' कहते हैं।

मन्सूर के 200 साल बाद इमाम मुहम्मद ग़ज़ाली हुए। उनको 'हुज्जत-उल-इस्लाम' यानी 'इस्लाम का सबूत' कहा जाता है और वे मुसलमानों में सबसे ऊंचे दर्जे के पंडित समझे जाते हैं। फ़ांसीसी लेखकरेनां, जिसने मुसलिम

रामानुज का सै हमें अपने इतिहास के उस जमाने में ले आता है जबकि उत्तरी हिन्दुस्तान इस्लाम के असर में आ चुकता है और हिन्दू धर्म में इस्लामी विचार और संस्कार मिलने लगते हैं। लेकिन इसके साथ ही साथ इस्लाम धर्म भी हिन्दू-शास्त्र और दर्शन के तरीकों और कथानों को जच करता है जिससे दोनों एक दूसरे के करीब आ जाते हैं। इसलिए, इन दोनों का मेल जोल किस तरह शुरू हुआ यह जानना बहुत जरूरी है।

तसव्वुफ या इस्लामी रहस्यवाद की नींव कुरान के उपदेशों पर ही रखी गई है। सूफी सम्प्रदाय अपने सिद्धों की चरितावली हजरत मुहम्मद से ही शुरू करते हैं और उनमें से बहुत से हजरत अली को उनका पहला खलीफा मानते हैं। यहां पर सूफी धर्म के शुरू जमाने के चर्चों की कोई जरूरत नहीं, लेकिन मन्सूर-उल-दुल्लाज, जिनका जन्म 858 ईस्वी में ईरान में इस्तख के पास तूर नामक गांव में हुआ था, के बारे में कुछ कहना जरूरी है। उनकी जीवनी से मालूम होता है कि वह हिन्दुस्तान में आकर गुजरात और काश्मीर में ठहरे थे और फिर उसके बाद खुरासान गए। अखीर में बगदाद जाकर रहने लगे और वहीं पर उपदेश देने लगे। इनके विचार पुराने खालवाले लोगों को पसन्द न आए और इन्हें दाऊद-उल-इस्लहानी ने जो जाहिरिया सम्प्रदाय के आलिम थे उनके खिलाफ फतवा दे दिया। बखीर के सामने मुकद्दमा हुआ और 922 ईस्वी में उनको फांसी दी गई। मन्सूर के इस ऐलान से कि 'मैं' और 'हक' एक ही है (अनलहक) उस वक्त भी जनता पर काफी असर पड़ा। इसी के साथ उनकी राय, कि हज बग़ीरा पांचों फख़्जों की जगह और संस्कार ले सकते हैं, बड़ी बहस-मुबाहि़सा का सबब बनी। मन्सूर की शिक्षा थी कि ईश्वर (खुदा) सृष्टि की सारी सीमाओं के परे है और ईश्वर और आदमी की रूह दोनों अखीर में एक हो जाते हैं। इस उसूल को 'हुलूल लाहूत फ़ी अन्नासूत' कहते हैं।

मन्सूर के 200 साल बाद इमाम मुहम्मद ग़ज़ाली हुए। उनको 'हुज्जत-उल-इस्लाम' यानी 'इस्लाम का सबूत' कहा जाता है और वे मुसलमानों में सबसे ऊंचे दर्जे के पंडित समझे जाते हैं। फ़ांसीसी लेखकरेनां, जिसने मुसलिम

सकता. सन्यास से भी आदमी सिद्धि यानी कमाल हासिल नहीं कर सकता. असली ब्रह्म की शान्ति जहाँ की हासिल होती है जो हमेशा सबकी भलाई के कामों में लगे रहते हैं."

पारसी धर्म की किताब "पतीत परोमानी" में एक सच्चा दीनदार आदमी ईश्वर से प्रार्थना करता है कि :—

"अगर मैंने इन्सानो समाज के भाईचारे के खिलाफ अपने बाप, अपनी माँ, अपनी बहन, अपने भाई, अपनी स्त्री या अपने बच्चों के साथ कोई गुनाह किया हो, या अपने 'गुरू', अपने 'भाग दर्शक', अपने किसी रिश्तेदार या अपने किसी जान पहचान वाले के साथ कोई गलत बरताव किया हो, या अपने शहर वालों, अपने सामीदारों, अपने पड़ोसियों, अपने गांव वालों या अपने नौकरों किसी के साथ भी गलत बरताव किया हो तो तुम्हें उसका दुख और पछतावा है और मैं ऐ ईश्वर ! तुम्हें प्रार्थना करता हूँ कि तू मुझे माफ कर दे."

आखीर में हम सूफी साहित्य से "अबु बिन अधम" नाम की मशहूर सुन्दर कविता का अनुवाद नीचे देते हैं :—

"अधम का बेटा अबु—उल्लाह उसकी नसल को बढ़ावे !

"एक दिन रात को शान्ति के गहरे सपने से चौंक कर उठा !

"उसके कमरे में चान्दनी छिटकी हुई थी.

"बह चान्दनी कमरे की शोभा को इस तरह बढ़ा रही थी जिस तरह खिले हुए नरगिस के फूल.

"उस चान्दनी में अबु ने देखा कि एक फरिश्ता सोने की एक किताब लिखे उसमें कुछ लिख रहा है.

"मन की सच्ची शान्ति ने अधम के बेटे को निडर बना दिया था.

"उसने उस फरिश्ते से पूछा—'तुम क्या लिख रहे हो ?'

"फरिश्ते ने अपना सिर उठाया और बड़े मिठास से अबु की तरफ देख कर जबाब दिया.

"मैं उन सब के नाम लिख रहा हूँ जो ईश्वर से प्रेम करते हैं."

"अबु ने फिर पूछा—'क्या मेरा नाम उनमें है ?'

"फरिश्ते ने जबाब दिया—'नहीं ! तुम्हारा नाम उनमें नहीं है."

"अबु ने फिर धीरे से लेकिन खूब खूश होकर कहा—'तब मैं तुमसे प्रार्थना करता हूँ कि मेरा नाम उन लोगों में लिख लो जो अपने भाई इन्सानों से प्रेम करते हैं."

"फरिश्ते ने लिख लिया और वह गुम हो गया.

"अगली रात फरिश्ता फिर आया और उसके नूर से अबु फिर जाग उठा.

"फरिश्ते ने अबु को अब उन लोगों के नाम लिखे हुए दिखाए जो ईश्वर से प्रेम करते हैं और जिन्हें ईश्वर की बरकतें हासिल हैं.

"अब ! अबु बिन अधम का नाम उनमें सब से ऊपर था."

सकता. सन्यास से भी आदमी सद्दी یعنی कمال हासिल नहीं कर सकता. असली ब्रह्म की शान्ति जहाँ की हासिल होती है जो हमेशा सबकी भलाई के कामों में लगे रहते हैं."

पारसी धर्म की किताब "पतीत परोमानी" में एक सच्चा दीनदार आदमी ईश्वर से प्रार्थना करता है कि :—

"अगर मैंने इन्सानो समाज के भाईचारे के खिलाफ अपने बाप, अपनी माँ, अपनी बहन, अपने भाई, अपनी स्त्री या अपने बच्चों के साथ कोई गुनाह किया हो, या अपने 'गुरू', अपने 'भाग दर्शक', अपने किसी रिश्तेदार या अपने किसी जान पहचान वाले के साथ कोई गलत बरताव किया हो, या अपने शहर वालों, अपने सामीदारों, अपने पड़ोसियों, अपने गांव वालों या अपने नौकरों किसी के साथ भी गलत बरताव किया हो तो तुम्हें उसका दुख और पछतावा है और मैं ऐ ईश्वर ! तुम्हें प्रार्थना करता हूँ कि तू मुझे माफ कर दे."

आखीर में हम सूफी साहित्य से "अबु बिन अधम" नाम की मशहूर सुन्दर कविता का अनुवाद नीचे देते हैं :—

"अधम का बेटा अबु—उल्लाह उसकी नसल को बढ़ावे !

"एक दिन रात को शान्ति के गहरे सपने से चौंक कर उठा .

"अस के कमरे में चान्दनी छिटकी हुयी थी .

"वे चान्दनी कमरे की शोभा को इस तरह बढ़ा रही थी जिस तरह खिले हुये नरगिस के फूल .

"अस चान्दनी में अबु ने देखा के एक फरिश्ते सुने की एक क्ताब लै अस में लिखे ले रहा है .

"मन की सच्ची शान्ति ने अधम के बेटे को नडर बना दिया था .

"अस ने अस फरिश्ते से पूछा—'तु क्या लिख रहे हो ?'

"फरिश्ते ने अपना सर उठाया और बडे मिठास से अबु की तरफ

दिखे के जबाब दिया .

"में उन सब के नाम लिख रहा हूँ जो ईश्वर से प्रेम करते हैं."

"अबु ने फिर पूछा—'क्या मेरा नाम उन में है ?'

"फरिश्ते ने जबाब दिया—'नहीं ! तुम्हारा नाम उन में नहीं है."

"अबु ने फिर धीरे से लेकिन खूब खूश हो के कहा—'तब मैं तुमसे प्रार्थना करता हूँ के मेरा नाम उन लोगों में लिख लो जो अपने भाई इन्सानों से प्रेम करते हैं."

"फरिश्ते ने लिख लिया और वह गुम हो गया .

"अगली रात फरिश्ता फिर आया और उसके नूर से अबु फिर जाग उठा .

"फरिश्ते ने अबु को अब उन लोगों के नाम लिखे हुये दिखाए जो ईश्वर से प्रेम करते हैं और जिन्हें ईश्वर की बरकतें हासिल हैं."

"अब ! अबु बिन अधम का नाम उन में सब से ऊपर था."

”ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے“

पारसी किताब गाथा में लिखा है :-

“दूसरों की तरफ अपना फर्ज पूरा करने और नेक काम करने के रास्ते को पकड़ो, जो आदमी दूसरों के साथ नेकी करना छोड़ देता है वह धोके में है, उसका अपना भला कभी नहीं हो सकता।”

यहूदी किताब मिशाना में लिखा है :—

“आदमी के लिये असली चीज किताबें पढ़ना नहीं है.
असली चीज है दूसरों के साथ नेकी करना.”

कबीर साहब ने कहा है :—

“पोथी पढ़ पढ़ जग मुन्ना पंडित भया न कोय

ढाई अछर "प्रेम" के पढ़े सो पंडित होय

इन्जील में ईश्वर कहता है :-

“जो आदमी अपने फर्ज की तरफ से अपने कान बन्द कर लेता है उसकी प्रार्थना भी नफरत की चीज है.....

जब तुम अपने हाथ प्रार्थना के लिये फैलाओगे तो मैं तुम्हारी तरफ से अपनी आंखें फेर लूंगा, और जब तुम बार बार प्रार्थना करोगे तो मैं कान बन्द कर लूंगा, इसलिये कि तुम्हारे हाथ अपने भाइयों के खून से रंगे हुए हों।”

हिन्दू पुराण में लिखा है कि :—

“रुद्राक्ष के दाने या तुलसी की माला पहरना या माथे पर तीन रंग का तिलक लगाना, शरीर पर भस्म का मलना, तीर्थों की यात्रा करना, बड़ी बड़ी नदियों में स्नान करना, आग में हवन और यज्ञ करना, जप करना और मन्त्रों में जाकर देवता के दर्शन करना, यह सब मिलकर भी आदमी को पाक नहीं कर सकते, जिस तरह कि दूसरे प्राणियों की सेवा और दूसरों की भलाई के कामों में लगा रहना उसे पाक करता है।”

इन्जील में लिखा है :—

“हर वह आदमी जो ईश्वर ईश्वर चिल्लाता रहता है स्वर्ग के राज में दाखिल नहीं हो सकता, ईश्वर के राज में वही दाखिल होगा जो उस पिता परमेश्वर का हुकुम मानता है.....ईश्वर कहता है कि जो लोग दूसरों पर जुल्म करते हैं उनसे मैं यह कहूंगा कि जाओ मुझसे दूर रहा, मैं तुम्हें नहीं जानता.”

सूफ़ी कहता है कि :—

“अगर मैं यह देखूँ कि एक अन्धा बेचारा जा रहा है और कुशां सामने है और फिर मैं खामोश बैठा रहूँ तो मैं गुनहगार हूँ।”

चीनी ताश्त्रो धर्म की किताब में लिखा है कि :—

“अपनी अकल और अपने ज्ञान से दूसरों को फायदा पहुंचाना ही सच्ची अकलमन्दी है, अपनी दौलत दूसरे जरूरतमन्दों में बांटना एक नेक काम है.”

गीता में लिखा है :-

“दुनिया में काम न करने से आदमी ऊंचा नहीं उठ

پارسی کتاب گنہا میں لکھا ہے :-

”دوسروں کی طرف اپنا فرض پورا کرنے اور نیک کام کرنے کے راستہ کو پکڑو۔ جو آدمی دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا چھوڑ دیتا ہے وہ دھوکے میں ہے۔ اُس کا اپنا دینا کبھی نہیں ہو سکتا۔“

یہودی کتاب مشنا میں لکھا ہے :—

” آدمی کے لئے اصلی چیز کتابیں پڑھنا نہیں ہے۔ اصلی چیز
 ہے دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا۔“

کبیر صاحب نے کہا ہے:—

”یوتھی پڑھ پڑھ جگ موا پندت بھیا نہ کوئے

”تھائی اکچھر ”پریم“ کے پڑھے سو پنڈت ہوئے

انجیل میں ایشور کہتا ہے :-

”جو آدمی اپنے فرض کی طرف سے اپنے کان بند کر لیتا ہے اُس کی پرارتہا بھی نفرت کی چیز ہے..... جب تم اپنے ہاتھ پرارتہا کے لئے پھیلانگے تو میں تمہاری طرف سے اپنی آنکھیں میسر لیتا، اور جب تم بار بار پرارتہا کرنا کرنا تو میں کان بند کر لیتا، اِس لئے کہ تمہارے ہاتھ اپنے بھانپوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔“

ہندو پران میں لکھا ہے کہ :—

”دردِ اکھ“ کے دالے یا تلسی کی مالا پہرنا یا مٹھے پر تھن رنگ کا نلک لگانا، شوہر پر ہوسم کا ملنا، قیڑتوں کی یا قرآ کرنا، ہڑی ہڑی نڈبوں میں اُٹھان کرنا، آگ میں ہون اور دیکھ کرنا، یہ سب جب کرنا اور مندروں میں جا کر دھونا کے دشمن کرنا، یہ سب مل کر بھی آدمی کو پاک نہیں کر سکتے جس طرح کہ دوسرے پرانسیں کی سیوا اور دوسروں کی پہلانی کے کاموں میں لگا رہا اُسے پاک کرنا ہے۔“

—: انجیل میں لکھا ہے :—

”ہر وہ آدمی جو ایبورو ایبورو چلاتا رہتا ہے سو رگ کے راج میں داخل نہیں ہو سکتا، ایبورو کے راج میں وہی داخل ہوگا جو اُس پتا پر ایبورو کا حتم مانتا ہے..... ایبورو کہتا ہے کہ جو لوگ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اُن سے میں یہ کہوں گا کہ جاؤ مجھ سے دور رہو میں تمہیں نہیں جانتا۔“

صوفی کہتا ہے کہ: —

”اگر میں یہ دیکھوں کہ ایک اندھا بیچارا جا رہا ہے اور کنواں سامنے ہے اور پھر میں خاموش بیٹھا رہوں تو میں گنہگار ہوں۔“

چینی تاؤ دھرم کی کتاب میں لکھا ہے کہ: —

”اپنی عقل اور اپنے گمیاں سے دوسروں کو فائدہ پہنچانا ہی سچی عقلمندی ہے، اپنی دولت دوسرے ضرورت مندوں میں بانٹنا ایک نیک کام ہے۔“

گیتا میں لکھا ہے :—

”دنیا میں کام نہ کرنے سے آدمی اُونچا نہیں اُٹھ

بہتوں میں بھی سارے انسانی سماج کو ایک جیسم بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ :—

”جو لوگ دیکھ پڑھتے پڑھتے ہیں وہ سب اس ایک جیسم کا منہ ہیں، جو دوسروں کی رکشا کرتے ہیں وہ اس جیسم کے بازو ہیں، جو اپنے اور سب کے لئے دھن کاتے ہیں وہ دھڑ ہیں اور جو کیول سیوا کے کاموں میں لگے ہیں وہ اس جیسم کے پیر ہیں۔“

صوفی کہتا ہے :—

”بنی آدم آجائے یک دیگار آند
کی در آفقیںش از یک جویہر آند
چو از بے ب دہر آبارد روجگار
دیگار از بے ہا را ن ماند کرار
تو کج مہنات دیگراں بے نامی
ن شاید کی نامت نہند آدمی۔“

یانی—آدم کی اولاد یاںی سب انسان ایک جیسم ہیں اور سب ایک دوسرے کے ہاتھ پیر ہیں، کیوںکہ سب کی پیدائش ایک ہی اصل سے ہے۔ अगर بدن کے ایک آنگ میں درد ہو تو باقی حصے آرام سے نہیں رہ سکتے۔ جو آدمی دوسروں کے دکھ درد سے دکھی نہیں ہوتا اور انہیں آرام پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔“

ایک اور صوفی نے کہا ہے :—

”ایک فکریر کیکھی خانکراہ میں دوسرے فکریروں کے ساتھ رہتا تھا۔ پر وہ دیکھ کر کہتا تھا۔ خانکراہ کے کایوؤں کی توڑکر وہ خانکراہ سے نکل پڑا اور ایک مہر سے میں جا کر بچوں کو پڑانے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ خانکراہ کی عبادت کرنے والوں اور لڑکے پڑانے والوں میں تو نے کیا فرق دیکھا کہ تم نے اس طریقہ کو چھوڑ کر یہ کلم اختیار کر لیا ؟ اُس نے جواب دیا کہ جب سمندر میں بارہ آتی ہے تو خانقاہ کے رہنے والے اپنے اپنے کبلوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بچے پڑھانے والے توبہ ہوئے انسانوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ایک اور صوفی نے کہا ہے :—

”اللہ تک پہنچنے کا راستہ سوائے خدیت خلق کے نہیں ہے۔ مالا لہ کر اللہ کا نام رتہ سے یا نماز پڑھنے سے یا گزری آواز لینے سے اللہ نہیں ملتا۔“

محمد صاحب کی ایک مشہور حدیث ہے :—

”اللہ تک پہنچنے کا راستہ سوائے خدیت خلق کے نہیں ہے۔ مالا لہ کر اللہ کا نام رتہ سے یا نماز پڑھنے سے یا گزری آواز لینے سے اللہ نہیں ملتا۔“

”محمد صاحب کی ایک مشہور حدیث ہے :—
”کیول کوشش کرنا میرا کلم ہے کامیابی ناکامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔“

یہی دھار انہیں شدوں میں بار بار کہتا کے اندر آیا ہے۔

”بنی آدم انشاء یک دیگر آند
کہ در آفرینش ز یک چوہر آند
چون عفوے بہ درد آورد روزگار
دیگر عفوہا را نہ ماند قرار
تو کز محنت دیگران بے غمی
نہ شمع کہ نامت نہند آدمی۔“

یعنی—آدم کی اولاد یعنی سب انسان ایک جیسم ہیں اور سب ایک دوسرے کے ہاتھ پیر ہیں، کیوںکہ سب کی پیدائش ایک ہی اصل سے ہے۔ اگر بدن کے ایک انگ میں درد ہو تو باقی حصے آرام سے نہیں رہ سکتے۔ جو آدمی دوسروں کے دکھ درد سے دکھی نہیں ہوتا اور انہیں آرام پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا وہ انسان کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔“

ایک اور صوفی نے کہا ہے :—

”ایک فقیر کسی خانقاہ میں دوسرے فقیروں کے ساتھ رہتا تھا۔ پیر وہ دل والا تھا۔ خانقاہ کے قاعدوں کو تیر کہ وہ خانقاہ سے نکل پڑا اور ایک مدرسہ میں جا کر بچوں کو پڑانے لگا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اللہ کی عبادت کرنے والوں اور لڑکے پڑھانے والوں میں تم نے کیا فرق دیکھا کہ تم نے اس طریقہ کو چھوڑ کر یہ کلم اختیار کر لیا ؟ اُس نے جواب دیا کہ جب سمندر میں بارہ آتی ہے تو خانقاہ کے رہنے والے اپنے اپنے کبلوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بچے پڑھانے والے توبہ ہوئے انسانوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ایک اور صوفی نے کہا ہے :—

”اللہ تک پہنچنے کا راستہ سوائے خدیت خلق کے نہیں ہے۔ مالا لہ کر اللہ کا نام رتہ سے یا نماز پڑھنے سے یا گزری آواز لینے سے اللہ نہیں ملتا۔“

محمد صاحب کی ایک مشہور حدیث ہے :—

”کیول کوشش کرنا میرا کلم ہے کامیابی ناکامیابی اللہ کے ہاتھ ہے۔“

یہی دھار انہیں شدوں میں بار بار کہتا کے اندر آیا ہے۔

“हजारों काबों से एक दिल बेहतर है”

यह है कि तुम यतीमों और बेवाओं के पास जाकर उनके दुख को दूर करो और अपने को दुनिया की बुराइयों से बचाए रखो। ऐ मेरे भाइयो ! जो आदमी यह कहे कि मैं ईश्वर में और धर्म में विश्वास रखता हूँ, पर उसके काम अच्छे न हों उसे उस विश्वास से क्या फायदा ! उसका विश्वास उसे नहीं बचा सकेगा, विश्वास कामों से पूरा होता है, जिस तरह शरीर बिना आत्मा के मुर्दा है इसी तरह विश्वास बिना अच्छे कामों के मुर्दा है।”

यहूदियों में खतने का रिवाज था, इस रिवाज की तरफ इशारा करते हुए इन्जील में लिखा है कि:—

“खतना कराना या न कराना कोई बात नहीं, बात असली यही है कि ईश्वर की आज्ञाओं को माना जावे।”

“जो नेकी में करना चाहता हूँ वह नहीं कर पाता और जिस बुराई से मैं बचना चाहता हूँ वह मैं कर डालता हूँ।”

इसी से मिलता हुआ विचार महाभारत में यून प्रगट किया गया है:—

“मैं जानता हूँ कि मेरा धर्म क्या है, फिर भी मैं उसकी तरफ नहीं जा पाता, मैं जानता हूँ कि अधर्म क्या है, फिर भी मैं उधर को झुकता हूँ !!

इन्जील में लिखा है:—

“क्या हम सब का बनाने वाला एक ही ईश्वर नहीं है ? तब फिर कोई आदमी अपने भाई दूसरे आदमी के साथ दगा कैसे कर सकता है.... जिस तरह जिस्म एक होता है और उसके अलग अलग अंग यानी हाथ पैर वगैरह होते हैं इसी तरह हम सब एक जिस्म हैं और हम सब उसी जिस्म के अलग अलग अंग हैं, चाहे यहूदी हों या यौर यहूदी, चाहे गुलाम हों या आजाद, जिस्म के अलग अलग अंगों से अलग अलग काम भी लिया जाता है, ईश्वर एक है और हर एक से उसकी योग्यता के अनुसार काम लेता है, ईश्वर एक है, आत्मा एक है, वही घट घट में मौजूद है, एक का दुख सबका दुख है, एक का मान सब का मान है, यही ईश्वर की आज्ञा है कि जो कोई ईश्वर से प्रेम करे वह अपने भाई आदमी से प्रेम करे।”

बौद्ध धर्म के एक ग्रन्थ में लिखा है:—

“जो कोई अपने बाएं हाथ को मैले से गन्दा होने देता है और उसे अपने दाहिने हाथ की मदद से ठीक ठीक नहीं धोता वह बहुत जल्दी अपने शरीर के सब अंगों को नापाक कर लेगा, सब अंग मिल कर ही तो शरीर हैं, हम सब इनसान कुल इनसानी शरीर के अंग हैं, हर अंग को चाहिये कि वह हर दूसरे अंग का ध्यान रखे और उसकी सेवा करता रहे।”

चीनी ग्रन्थ ‘ली-की’ में लिखा है:—

“हमें अपने जीवन में दूसरों के काम आना चाहिये।”

“हजारों कमलों से एक दिल बेहतर है”

ये है कि तुम यतीमों और बेवाओं के पास जाकर उनके दुख को दूर करो और अपने को दुनिया की बुराइयों से बचाए रखो। ऐ मेरे भाइयो ! जो आदमी यह कहे कि मैं ईश्वर में और धर्म में विश्वास रखता हूँ, पर उसके काम अच्छे न हों उसे उस विश्वास से क्या फायदा ! उसका विश्वास उसे नहीं बचा सकेगा, विश्वास कामों से पूरा होता है, जिस तरह शरीर बिना आत्मा के मुर्दा है इसी तरह विश्वास बिना अच्छे कामों के मुर्दा है।”

यहूदियों में खतने का रिवाज था, इस रिवाज की तरफ इशारा करते हुए इन्जील में लिखा है कि:—

“खतने कराना या न कराना कोई बात नहीं, बात اصلی یہی ہے کہ ایشور کی आज्ञاؤں کو مانا جاوے۔”

“جو نیکی میں کرنا چاہتا ہوں وہ نہیں کر پاتا اور جس برائی سے میں بچنا چاہتا ہوں وہ میں کر ڈالتا ہوں۔”

ایسی سے ملتا ہوا وچار مہابھارت میں یوں پرکٹ گیا ہے:—

”میں جانتا ہوں کہ میرا دھرم کیا ہے، پھر بھی میں اُس کی طرف نہیں جا پتا، میں جانتا ہوں کہ اُدھرم کیا ہے، پھر بھی میں اُدھرم کو چھٹتا ہوں۔“

انجیل میں لکھا ہے:—

”کہ: ہم سب کا بنانے والا ایک ہی ایشور نہیں ہے ؟ تب پھر کوئی آدمی اپنے بیٹائی دوسرے آدمی کے ساتھ دغا کیسے کر سکتا ہے جس طرح جسم ایک ہوتا ہے اور اُس کے اگ انگ انگ یعنی ہاتھ، پیر وغیرہ ہوتے ہیں اسی طرح ہم سب ایک جسم ہیں اور ہم سب اسی جسم کے اگ انگ انگ ہیں، چاہے یہودی ہوں یا غیر یہودی، چاہے غلام ہوں یا آزاد، جسم کے اگ انگ انگوں سے اگ انگ کلم بھی لیا جاتا ہے، ایشور ایک ہے اور ہر ایک سے اُس کی پوکتا کے انوسار کلم لیتا ہے، ایشور ایک ہے، آتما ایک ہے، وہی گھٹ گھٹ میں موجود ہے، ایک کا دنگ سب کا دنگ ہے، ایک کا مان سب کا مان ہے، یہی ایشور کی آگیاں ہے کہ جو کوئی ایشور سے پریم کرے وہ اپنے بیٹائی آدمی سے پریم کرے۔“

برہم دھرم کے ایک گرنٹھ میں لکھا ہے:—

”جو کوئی اپنے بائیں ہاتھ کو مالے سے گندہ ہونے دیتا ہے اور اُسے اپنے داہنے ہاتھ کی مدد سے ٹھیک ٹھیک نہیں دھوتا وہ بہت جلدی اپنے شریروں کے سب انگوں کو ناپاک کر لے گا، سب انگ مل کر ہی تو شریروں ہیں، ہم سب انسان کل انسانی شریروں کے انگ ہیں، ہر انگ کو چاہئے کہ وہ ہر دوسرے انگ کا دھیان رکھے اور اُسکی سیوا کرنا رکھے۔“

چینی گرنٹھ لی-کی میں لکھا ہے:—

”ہمیں اپنے جیوں میں دوسروں کے کام آنا چاہئے۔“

مہابھارت میں لکھا ہے :—

مہااھارٹ مں لکھا ے :—

“तपस् तीर्थम् क्षमा तीर्थम् तीर्थमि इन्द्रिय निग्रहः
“सर्व भूत दया तीर्थम् ध्यानम् तीर्थम् अनुत्तमम्
“एतानिपंच तीर्थानि सत्यम् शष्पम् प्रकीर्तितम्
“देहे तिष्ठन्ति सर्वस्य तेषु स्नानम् समाचरेत्
“दानम् तीर्थम् दमस्तीर्थम् सन्तोषस्तीर्थम् उच्यते
“ब्रह्मचर्यम् परम् तीर्थम् तीर्थम् च प्रियवादिता
“ज्ञानम् तीर्थम् धृतिस्तीर्थम् तपस्तीर्थम् मुदाहृतम्
“तीर्थानामपि तत्तीर्थम् विशुद्धिर्मनसः परा.”

यानी—तप यानी रियाजत एक तीर्थ है, क्षमा यानी दूसरों के क्रूरों को माफ कर देना एक तीर्थ है, अपनी इन्द्रियों को क्राबू में रखना एक तीर्थ है, सब प्राणियों पर दया करना तीर्थ है, ईश्वर में ध्यान लगाना बहुत अच्छा तीर्थ है, यह पांचों पांच तीर्थ हैं और सच बोलना छटा तीर्थ है, यह सब तीर्थ सब आदमियों के जिस्म के अन्दर मौजूद हैं, आदमी को इन्हीं तीर्थों में अच्छी तरह नहाना चाहिये, दूसरों को दान देना तीर्थ है, दम यानी अपने नक्स पर क्राबू रखना तीर्थ है, संतोषा यानी क़नाअत करना तीर्थ है, ब्रह्मचर्य यानी नेक चलन रहना बहुत बड़ा तीर्थ है, सबसे भीटे बोलना तीर्थ है, ज्ञान यानी मार्फत तीर्थ है, धीरज रखना यानी सन्न करना तीर्थ है, और इन सब तीर्थों का भी तीर्थ यह है कि आदमी अपने मन को पाक रखे.

बौद्ध धर्म की किताब धम्म पद में लिखा है :—

“नंगे रहना, सिर पर लम्बी लम्बी जटाएं रखना, बदन पर मिट्टी और भभूत मलना, बड़े बड़े उपवास करना, चट्टानों पर सोना और तरह तरह से अपने बदन को तकलीफें देना, यह सब चीजें ऐ दोस्त! तुझे पाक नहीं कर सकती जब तक कि तू अपने दिल को सब नापाक खाहिशों से खाली न कर ले, जटाओं से और मृगछाला ओढ़ने से क्या लाभ, जबकि तेरे अन्दर पापों ने घर बना रखा है, तू बाहर के शरीर को पाक करने की कोशिश करता है, धर्म का असली रास्ता यह नहीं है, धर्म का असली रास्ता है अपने दिल को पापों और बुरी इच्छाओं से पाक रखना.”

मनुस्मृति में लिखा है :—

“वेदों का पढ़ना, तपस्या करना, यज्ञ करना, त्याग करना, यम और नियमों का पालन करना, दान देना, इनमें से कोई काम उस आदमी का भला नहीं कर सकता जिसके दिल के अन्दर बुराई मौजूद है.”

इन्जील में लिखा है :—

“मुबारक है वह आदमी जो लोभ और मोह के क्राबू में नहीं आता, क्योंकि जब वह ईश्वर के सामने जाएगा तो उसे ओवन का वह ताज मिलेगा जिसका ईश्वर ने अपने भेषियों से वादा किया है, पाक धर्म जो ईश्वर को प्यारा है

“तपस तीर्थम् शमा तीर्थम् तीर्थम् इन्द्रिय निग्रहः
“सर्व भूत दया तीर्थम् ध्यानम् तीर्थम् अनुत्तमम्
“एतानिपंच तीर्थानि सत्यम् शष्पम् प्रकीर्तितम्
“देहे तिष्ठन्ति सर्वस्य तेषु स्नानम् समाचरेत्
“दानम् तीर्थम् दमस्तीर्थम् सन्तोषस्तीर्थम् उच्यते
“ब्रह्मचर्यम् परम् तीर्थम् तीर्थम् च प्रियवादिता
“ज्ञानम् तीर्थम् धृतिस्तीर्थम् तपस्तीर्थम् मुदाहृतम्
“तीर्थानामपि तत्तीर्थम् विशुद्धिर्मनसः परा.”

یعنی—تپ یعنی ریاضت ایک تیرتھ ہے، شما یعنی دوسروں کے قصوروں کو معاف کر دینا ایک تیرتھ ہے، اپنی اندریوں کو قابو میں رکھنا ایک تیرتھ ہے، سب پرانیوں پر دیا کرنا تیرتھ ہے، ایشور میں دھیان لگانا بہت اچھا تیرتھ ہے، یہ پانچوں پانچ تیرتھ ہیں اور سچ بولنا چٹھا تیرتھ ہے، یہ سب تیرتھ سب آدمیوں کے جسم کے اندر موجود ہیں، آدمیوں کو انہیں تیرتھوں میں اچھی طرح نہانا چاہئے، دوسروں کو دان دینا تیرتھ ہے، دم یعنی اپنے نفس پر قابو رکھنا تیرتھ ہے، سنتوش یعنی قناعت کرنا تیرتھ ہے، برہمچریہ یعنی نیک چلن رکھنا بہت بڑا تیرتھ ہے، سب سے مہنگے بولنا تیرتھ ہے، گیان یعنی معرفت تیرتھ ہے، دھیج رکھنا، یعنی صبر کرنا تیرتھ ہے، اور ان سب تیرتھوں کا بھی تیرتھ ہے کہ آدمی اپنے من کو پاک رکھے.

ہودہ دھرم کی کتاب دھم پد میں لکھا ہے :—

“نگے رہنا، سر پر لمبی لمبی جٹائیں رکھنا، بدن پر مٹی اور بھہوت ملنا، بڑے بڑے اُپواس کرنا، چٹانوں پر سونا اور طرح طرح سے اپنے بدن کو تکلیفیں دینا، یہ سب چیزیں اے دوست! تجھے پاک نہیں کر سکتیں جب تک کہ تو اپنے دل کو سب ناپاک خواہشوں سے خالی نہ کر لے، جٹاؤں سے اور مرگ چھالا اوڑھنے سے کیا لاؤ، جبکہ تیرے اندر پاپوں نے گھر بنا رکھا ہے، تو باہر کے شریر کو پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے دھرم کا اصلی راستہ یہ نہیں ہے، دھرم کا اصلی راستہ ہے اپنے دل کو پاپوں اور بڑی اچھاؤں سے پاک رکھنا.”

منوسمرتی میں لکھا ہے :—

“وہدس کا پڑھنا، تپسیا کرنا، یگیہ کرنا، تیاگ کرنا، یم اور نیسوں کا پالنا کرنا، دان دینا، ان میں سے کوئی کام اُس آدمی کا بھلا نہیں کر سکتا جس کے دل کے اندر بڑائی موجود ہے.”

انجیل میں لکھا ہے :—

“مبارک ہے وہ آدمی جو لوہ اور مہ کے قابو میں نہیں آتا، کیونکہ جب وہ ایشور کے سامنے جائے گا تو اُسے جیوں کا وہ تاج ملے گا جس کا ایشور نے اپنے پریمیوں سے وعدہ کیا ہے، پاک دھرم جو ایشور کو پیارا ہے

”ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے“

मुहम्मद साहब की एक मशहूर हदीस है :—

“सय्यदुल क़ौम खादिमुल क़ौम” यानी—क़ौम का सरदार वही है जो क़ौम की सब से ज़ियादा ख़िदमत करता है.

चीनी ग्रन्थ ताओ-तेह-किंग में लिखा है :—

“जो लोग बड़ा बनना चाहते हैं उन्हें चाहिये कि सबसे छोटे बनकर रहें और सब की सेवा करें.”

इन्जील में लिखा है :—

“जो लोग दीन यानी मुन्कसिर मिजाज हैं वही धरती के मालिक होंगे, स्वर्ग का राज उन्हीं को मिलेगा.....तुम में से जो कोई सरदार बनना चाहे उसे चाहिये कि सब की सेवा करे, जो कोई तुम में बड़ा बनना चाहता है उसे चाहिये कि सब की खिदमत करे.....जो कोई अपने को ऊंचा मानेगा वह नीचे गिरेगा और जो कोई अपने को नीचा करके चलेगा उसे ऊंचा उठाया जायगा.....तुम में जो सब से बड़ा है वही तुम सब का सेवक होगा जो तुम में सब से बड़ा है उसे चाहिये कि सब से छोटा होकर रहे, और जो सरदार है उसे चाहिये कि सब का सेवक बनकर रहे.”

कुरआन में लिखा है :—

“अल्लाह के स से नजदीक और उसकी निगाह में सबसे बड़ा वही है जो तुम सब में दूसरों के साथ सब से ज्यादा नेकी करता है।”

मनुस्मृति में लिखा है :—

“सच्चा ब्राह्मण आदर सम्मान से हमेशा इस तरह भागता है जिस तरह ज़हर के कांटे से और अपमान और निरादर का इस तरह स्वागत करता है जिस तरह अमृत का।”

सूफी कहता है :—

“ब एहसान आसूदा करदन दिले
बेह अज अल्क रकअत बहर मंजिल
दल बदस्त आवर कि हज्जे अकबर अस्त
अज हजारं काबा यक दिल बेहतर अस्त
दिल गुजरगाहे जलीले अकबर अस्त
काबा बुतगाहे खलीले आजर अस्त.”

यानी—किसी एक आदमी के साथ भी नेकी करके उसके दिल को खुश करना ज्यादा अच्छा है। बनिस्बत इसके कि आदमी काबे की हज्ज को जाए और हर मंजिल पर एक एक हज़ार रकअत नमाज़ पढ़ता जाए, दूसरे के दिल को अपने हाथ में ले क्योंकि यही सब से बड़ा हज्ज है, हज़ारों काबों से एक दिल बढ़कर है, आदमी का दिल खुद अल्लाह के आने जाने की जगह है जब कि वह पथर का काबा केवल आज़र के बेटे खलील यानी हज़रत इबराहीम का बनाया हुआ है।

مجموعہ صاحب کی ایک مشہور حدیث ہے: —

”سہد القوم خادم القوم“ یعنی ستون کا سردار وہی ہے جو قوم کی سب سے زیادہ خدمت کرتا ہے۔“

چینی گرفتہ قاز - نہ - کنگ میں لکھا ہے :-

”جنو لوگ بڑا بننا چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ سب سے چھوٹے بن کر رہیں اور سب کی سیوا کریں۔“

—: انجیل میں لکھا ہے —:

”جو لوگ دین یعنی منکر و مزاح ہیں وہی دھرتی کے ماک ہوئے، سرگ کا راج انہیں کو ملے گا۔۔۔ تم میں سے جو کوئی سردار بننا چاہے اُسے چاہئے کہ سب کی سیوا کرے، جو کوئی تم میں بڑا بننا چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ سب کی خدمت کرے۔۔۔۔۔ جو کوئی اپنے کو اُرنچا مانے گا وہ نیچے گرے گا اور جو کوئی اپنے کو نیچا کر کے چلے گا اُسے اُرنچا اُٹھانا چاہئے۔۔۔۔۔ تم میں جو سب سے بڑا ہے وہی تم سب کا سیوک ہوگا۔۔۔۔۔ جو تم میں سب سے بڑا ہے اُسے چاہئے کہ سب سے چھوٹا ہو کر رہے، اور جو سردار ہے اُسے چاہئے کہ سب کا سیوک بن کر رہے۔“

قرآن میں لکھا ہے : —

”اللہ کے سب سے نزدیک اور اُس کی نگاہ میں سب سے بڑا وہی ہے جو تم سب میں دوسروں کے ساتھ سب سے زیادہ فیضی کرتا ہے۔“

منوسمرتی میں لکھا ہے:—

”سچا براہمن آدمِ سماں سے ہمیشہ اِس طرح بھاگتا ہے جس طرح زہر کے کاٹھے سے، اور آپمان اور نرادر کا اِس طرح سواگت کرنا ہے جس طرح امّرت کا۔“

صوفی کہتا ہے: —

”بہ، احسانِ آسودہ کردن دلی

بہ از آلف رکعت بہ ہر منزلے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از هزاران کعبه یک دل بهتر است

دل گذرگاه جایل اکبر است

کعبه، بیتگاه خلیل (از) است.

یعنی کسی ایک آدمی کے ساتھ بھی نیکی کر کے اُس کے
 دل کو خوش کرنا زیادہ اچھا ہے ہنسیت اِس کے کہ آدمی
 کبہ کی حج کو جائے اور ہر منزل پر ایک ایک ہزار رکعت
 نماز پڑھتا جائے۔ دوسرے کے دل کو اپنے ہاتھ میں لے کیونکہ یہی
 سب سے بڑا حج ہے، ہزاروں کعبوں سے ایک دل بڑھ کر ہے۔
 آدمی کا دل خود اللہ کے آنے جانے کی جگہ ہے جب کہ وہ
 پتھر کا کعبہ کہوں آؤں گے بیتہ خلیل یعنی حضرت ابراہیم کا بنایا
 ہوا ہے۔

ہندو کتاب نرکت میں لکھا ہے :—

”جس آدمی کو سب ویں زبانوں کی یاد ہیں اور جو ان کے آرتھوں کو نہیں جانتا وہ ایک لکڑی کے کندے کی طرح ہے جس پر بوجھ لدا ہوا ہے۔ اور جو آرتھ کو بھی جانتا ہے اور اپنے اُس گیان کے اُنوسار نیک کام کرتا ہے وہ اُن پاپوں سے بچتا ہوا جو اُس کو باندھتے اور نیچے کھینچتے ہیں سورگ کو پُر اپت کرتا ہے۔“

ویشنو سمرتی میں لکھا ہے :—

”سب ویوں کو ان کے چھوٹے انکوں سمیت دینی کوئی آدمی بڑی محنت کے ساتھ بی بی پڑھ لے کر اُس کے کام اچھے نہ ہوں تو ویں اُسے نہیں بچا سکتے۔ مرنے کے سبب ویں اُسے اِس طرح چھوڑ کر چلے جائینگے جس طرح چڑیا کے بچے بڑے ہونے پر گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔“

گیتا میں لکھا ہے :—

”جیون کے اس چکر کو جو ایشور نے چلا دیا ہے جو آدمی اُس کی ٹیک چلنے میں مدد نہیں دیتا یعنی دوسروں کے ساتھ نیکی نہیں کرتا، وہ ارجن ! وہ پاپ کرتا ہے اور اُس کا جیون اُس کا جیون بے کار ہے۔“

بودھ گرتھ دھرم پدم میں لکھا ہے :—

”جو آدمی ویوں کی سب باتوں کو بہت کرنا ہے، اور دوسروں کے ساتھ نیکی نہیں کرتا وہ اُس نا سبب آدمی کی طرح ہے جو دوسرے کی گایوں کو بار بار گنتا ہے، لیکن جیسے ایک پھول دھرتی میں نہیں ملتا۔“

منو سمرتی میں لکھا ہے :—

”نیک کام کرنا ہی سب سے بڑا دھرم ہے۔ سب ویوں اور آدمیوں کی یہی تالیف ہے۔ اِس لیے سب آدمیوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اُن کی ریتوں سے بڑا کر لیں اور اُسے ویں نہ کر سکیں، اور جو نیک کام کرتا رہتا ہے اُسے جیون کے سب اچھے فائدے ملتے ہیں۔“

مہا بھارت میں لکھا ہے :—

”بڑے پڑھنے والے اور پڑھنے والے اور سب لوگ جو بڑی بڑی کتابوں کے کیوں شد پڑھتے رہتے ہیں اور اُنہیں پر بحث کرتے رہتے ہیں وہ سب ایک ہی عادت میں پھنسے ہوئے اور مورکھ ہیں۔ فلتت وہی ہے جو دوسروں کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔“

صوفی کہتا ہے کہ :—

”چاہے تم نے کتنا بھی علم پڑھا ہو اگر تمہارے کام نیک نہیں ہیں تو تم جاہل ہو۔ تب تم ایک ایسے جانور کی طرح ہو جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے، جو نہ سچائی کو جانتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے۔“

ہندو کتاب نرکت میں لکھا ہے :—

”جس آدمی کو سب ویں زبانوں کی یاد ہیں اور جو ان کے آرتھوں کو نہیں جانتا وہ ایک لکڑی کے کندے کی طرح ہے جس پر بوجھ لدا ہوا ہے۔ اور جو آرتھ کو بھی جانتا ہے اور اپنے اُس گیان کے اُنوسار نیک کام کرتا ہے وہ اُن پاپوں سے بچتا ہوا جو اُس کو باندھتے اور نیچے کھینچتے ہیں سورگ کو پُر اپت کرتا ہے۔“

ویشنو سمرتی میں لکھا ہے :—

”سب ویوں کو ان کے چھوٹے انکوں سمیت دینی کوئی آدمی بڑی محنت کے ساتھ بی بی پڑھ لے کر اُس کے کام اچھے نہ ہوں تو ویں اُسے نہیں بچا سکتے۔ مرنے کے سبب ویں اُسے اِس طرح چھوڑ کر چلے جائینگے جس طرح چڑیا کے بچے بڑے ہونے پر گھونسلے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔“

گیتا میں لکھا ہے :—

”جیون کے اُس چکر کو جو ایشور نے چلا دیا ہے جو آدمی اُس کی ٹیک چلنے میں مدد نہیں دیتا یعنی دوسروں کے ساتھ نیکی نہیں کرتا، وہ ارجن ! وہ پاپ کرتا ہے اور اُس کا جیون اُس کا جیون بے کار ہے۔“

بودھ گرتھ دھرم پدم میں لکھا ہے :—

”جو آدمی ویوں کی سب باتوں کو بہت کرنا ہے، اور دوسروں کے ساتھ نیکی نہیں کرتا وہ اُس نا سبب آدمی کی طرح ہے جو دوسرے کی گایوں کو بار بار گنتا ہے، لیکن جیسے ایک پھول دھرتی میں نہیں ملتا۔“

منو سمرتی میں لکھا ہے :—

”نیک کام کرنا ہی سب سے بڑا دھرم ہے۔ سب ویوں اور آدمیوں کی یہی تالیف ہے۔ اِس لیے سب آدمیوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو اُن کی ریتوں سے بڑا کر لیں اور اُسے ویں نہ کر سکیں، اور جو نیک کام کرتا رہتا ہے اُسے جیون کے سب اچھے فائدے ملتے ہیں۔“

مہا بھارت میں لکھا ہے :—

”بڑے پڑھنے والے اور پڑھنے والے اور سب لوگ جو بڑی بڑی کتابوں کے کیوں شد پڑھتے رہتے ہیں اور اُنہیں پر بحث کرتے رہتے ہیں وہ سب ایک ہی عادت میں پھنسے ہوئے اور مورکھ ہیں۔ فلتت وہی ہے جو دوسروں کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔“

صوفی کہتا ہے کہ :—

”چاہے تم نے کتنا بھی علم پڑھا ہو اگر تمہارے کام نیک نہیں ہیں تو تم جاہل ہو۔ تب تم ایک ایسے جانور کی طرح ہو جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے، جو نہ سچائی کو جانتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے۔“

“ہزاروں کاموں سے ایک دِل بے ہتھر ہے”

“ہزاروں کاموں سے ایک دِل بے ہتھر ہے”

جو شہد بھی میرے منہ سے نکلے وہی اُس کا نام ہے، جو کچھ بھی میں سانسوں وہی سمیرن یعنی اُس کی یاد ہے، جو کچھ بھی میں کھاؤں پیوں وہ سب اُس کی پوجا یعنی عبادت ہے، گھر اور جنگل دونوں کو میں ایک برابر دیکھتا ہوں، دوشی کا خیال ہی میں نے اپنے دِل سے نکال دیا ہے۔

پرانے مصری دھرم میں موت کے دیوتا کو ‘اوسیرس’ کہا گیا ہے۔ ہندوؤں میں اُسے یمراج کہتے ہیں۔ قرآن میں اللہ کے اُسی روپ کا نام اَنبَیَاس ہے۔ جو روحیں پرگناہ اور پاک ہوتی ہیں اُنہیں بھی موت کے بعد اوسیرس نام سے پکارا جاتا ہے۔ پراچین مصر کی مشہور کتاب ‘بک آف دی ڈیٹی’ میں لکھا ہے:—

“اوسیرس کو جانے دو۔ تو م دیکھ رہے ہو کہ وہ بے گناہ ہے..... وہ زمین پر سچائی سے دعا، اُس نے سچا ہی کھانا کھایا..... اسیلئے ایشور نے اُس کا سواکت کیا..... اُس نے اللہ کے بیوکوں کو کھانا کھلایا، اللہ کے پیاسوں کو پانی پلایا اور اللہ کے ننکوں کو کپڑا پہنایا۔”

‘پانترے دانم’ یعنی حقدار کو دان دینا، ‘ان دانم’ یعنی بیوکوں کو کھانا کھلانا، ‘دندا دانم’ یعنی بے برےوں کو بدعنوانی، ان تینوں کاموں کی بھارت کے دھرم گرنٹھوں میں بار بار تعریف کی گئی ہے اور یہ سب کے لئے فرض بنائے گئے ہیں۔

اوسیرس کو جانے دو۔ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ بے گناہ ہے..... وہ زمین پر سچائی سے دعا، اُس نے سچا ہی کھانا کھایا..... اسیلئے ایشور نے اُس کا سواکت کیا..... اُس نے اللہ کے بیوکوں کو کھانا کھلایا، اللہ کے پیاسوں کو پانی پلایا اور اللہ کے ننکوں کو کپڑا پہنایا۔

‘پانترے دانم’ یعنی حقدار کو دان دینا، ‘ان دانم’ یعنی بیوکوں کو کھانا کھلانا، ‘دندا دانم’ یعنی بے برےوں کو بدعنوانی، ان تینوں کاموں کی بھارت کے دھرم گرنٹھوں میں بار بار تعریف کی گئی ہے اور یہ سب کے لئے فرض بنائے گئے ہیں۔

اللہ کے عشق یعنی بھکتی کا آئند لینا اور اپنے آپ کو ایشور کے آ رہن کر دینا ہی کلنی نہیں ہے۔ جو آدمی خود آزاد ہو گیا ہو اُس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اُن لوگوں کے لئے جو ابھی تک غلام ہیں یعنی طرح طرح کی دنیوی لچھاؤں کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اُن کے لئے خادم کی طرح کام کرے۔ اُسے اپنے رات دن کے کاموں میں اِس بات کو سمجھنا اور اِس پر عمل کرنا چاہئے کہ ساری مائو جاتی بلکہ سب جاندار ایک ہی بہت بڑی بڑلداری ہیں جس کا کوئی انت نہیں۔ سچا گیان اور سچا بھکتی دونوں پتی پتنی کی طرح ہیں۔ پریدی اُن دونوں سے اچھے کاموں یعنی نیک اعمال کے بچے پیدا نہ ہوں تو یہ دونوں نیکے اور بائو ہیں۔ دھارمک وشواس اور سائنسی عقل بنا نیک کاموں کے نیک ہی نہیں برے ہیں۔ نیک کام ہی آدمی کے دھارمک وشواس کے گواہ ہوتے ہیں۔ آدمی کے دِل کا عقیدہ وہی ہے جس کے اُسوار وہ کام کرتا ہے۔ اصلی وشواس شہدوں سے ثابت نہیں ہوتا کاموں سے ثابت ہوتا ہے۔ وشواس کا ثبوت شہدوں کا خون ہوتا ہے، وہی وشواس کا اصل بیج ہوتا ہے۔

انجیل میں لکھا ہے:—

انجیل میں لکھا ہے:—

“تم اُنہیں اُن کے پھلوں یعنی کاموں سے پہچانو گے۔”

“تم اُنہیں اُن کے پھلوں یعنی کاموں سے پہچانو گے۔”

बचालूंगा, तू किन्तु मत कर, हे अर्जुन ! अच्छी तरह समझ ले कि मेरा भक्त कभी नष्ट नहीं होता.”

“तू जो कुछ करे, जो कुछ खावे, जो कुछ आहुति दे, जो कुछ दान दे, जो कुछ तपस्या करे, ऐ अर्जुन ! सब मुझे अर्पण कर.”

इन्जील में लिखा है :—

“ऐ वह सब लोगो जो थक गए हो और जिन के दिलों पर चिन्ताओं का बोझ है, मेरे पास आओ. मैं तुम्हें आराम पहुँचाऊँगा.....पूरे दिल से ईश्वर से प्रेम करो.....हम जियें तो ईश्वर के लिये और मरें तो ईश्वर के लिये, इसलिये हम चाहे जियें और चाहे मरें हम ईश्वर के हैं.....तुम चाहे खाओ और चाहे पियो और चाहे कुछ भी काम करो, जो करो सब ईश्वर के लिये और उसी की शान के लिये करो.”

इब्रत ईसा ने कहा है कि :—

“ऐ वह लोगो जिन पर मेरे पिता की बरकतें हैं, ईश्वर के राज के वारिस बनो.....क्योंकि जब मैं भूखा था तुम ने मुझे खाना दिया, जब मैं प्यासा था तुम ने मुझे पानी दिया.....मैं नंगा था और तुमने मुझे कपड़े पहनाए.” (मत्ती की इन्जील)

चीन के महात्मा लाओ-त्से ने लिखा है :—

“तोओ यानी धर्म का रास्ता यही है कि हम अपने लिये या अपने को सामने रखकर कोई काम न करें, हम जो काम करें उनमें नतीजों को चिन्ता न करें, खावे और स्वाद की फिक्र न करें, छोटी चीज को बड़ी और बड़ी को छोटी समझें, और कोई हमें मुकसान पहुँचावे तो उसका बदला नेकी से दे” (लाओ-त्से-किंग)

पारसी धर्म की किताब गाथा में लिखा है :—

“ऐ मजदा यानी ईश्वर ! जरतुश्त अपनी तन और अपनी आत्मा तुम्हें अर्पण करता है.....नेक काम करने वाला जो कुछ भी करता है, ऐ ईश्वर ! सब तेरे ही लिये करता है.”

फकीर साहब ने इस हालत को “सहज समाधि” कहा है और इसे इन शब्दों में बयान किया है :—

“जहं जहं डोलौ सो परिकरमा, जो कुछ करौं सो सेवा जब सोवौं तब करौं दण्डवत, पूजौं और न देवा कहौं सो नाम सुनौं सो सुमिरन खावौं पिचौं सो पूजा गिरह उजाड़ एक सम लेखौं भाव मिटावौं दूजा.”

यानी—मैं जहां जहां भी बलू वही भगवान की परिक्रमा यानी तबाफ है, मैं जो कुछ भी करूँ वही ईश्वर की सेवा यानी खिदमत है, मैं जब भी सोऊँ मेरा सोना उसकी दंडवत यानी सिजदा है, मैं किसी और देवी देवता को नहीं पूजता.

बचा लो ! तू नरक मत कर, हे अर्जुन ! अच्युत तरह समझ ले कि मेरा भक्त कभी नष्ट नहीं होता.”

“तू जो कुछ करे, जो कुछ खावे, जो कुछ आहुति दे, जो कुछ दान दे, जो कुछ तपस्या करे, ऐ अर्जुन ! सब मुझे अर्पण कर.”

इन्जील में लिखा है :—

“ऐ वह सब लोगो जो थक गए हो और जिन के दिलों पर चिन्ताओं का बोझ है, मेरे पास आओ. मैं तुम्हें आराम पहुँचाऊँगा.....पूरे दिल से ईश्वर से प्रेम करो.....हम जियें तो ईश्वर के लिये और मरें तो ईश्वर के लिये, इसलिये हम चाहे जियें और चाहे मरें हम ईश्वर के हैं.....तुम चाहे खाओ और चाहे पियो और चाहे कुछ भी काम करो, जो करो सब ईश्वर के लिये और उसी की शान के लिये करो.”

इब्रत ईसा ने कहा है कि :—

“ऐ वह सब लोगो जिन पर मेरे पिता की बरकतें हैं, ईश्वर के राज के वारिस बनो.....क्योंकि जब मैं भूखा था तुम ने मुझे खाना दिया, जब मैं प्यासा था तुम ने मुझे पानी दिया.....मैं नंगा था और तुमने मुझे कपड़े पहनाए.” (मत्ती की इन्जील)

चीन के महात्मा लाओ-त्से ने लिखा है :—

“तोओ यानी धर्म का रास्ता यही है कि हम अपने लिये या अपने को सामने रखकर कोई काम न करें, हम जो काम करें उनमें नतीजों को चिन्ता न करें, खावे और स्वाद की फिक्र न करें, छोटी चीज को बड़ी और बड़ी को छोटी समझें, और कोई हमें मुकसान पहुँचावे तो उसका बदला नेकी से दे” (लाओ-त्से-किंग)

पारसी धर्म की किताब गाथा में लिखा है :—

“ऐ मजदा यानी ईश्वर ! जरतुश्त अपनी तन और अपनी आत्मा तुम्हें अर्पण करता है.....नेक काम करने वाला जो कुछ भी करता है, ऐ ईश्वर ! सब तेरे ही लिये करता है.”

फकीर साहब ने इस हालत को “सहज समाधि” कहा है और इसे इन शब्दों में बयान किया है :—

“जहं जहं डोलौ सो परिकरमा, जो कुछ करौं सो सेवा जब सोवौं तब करौं दण्डवत, पूजौं और न देवा कहौं सो नाम सुनौं सो सुमिरन खावौं पिचौं सो पूजा गिरह उजाड़ एक सम लेखौं भाव मिटावौं दूजा.”

यानी—मैं जहां जहां भी बलू वही भगवान की परिक्रमा यानी तबाफ है, मैं जो कुछ भी करूँ वही ईश्वर की सेवा यानी खिदमत है, मैं जब भी सोऊँ मेरा सोना उसकी दंडवत यानी सिजदा है, मैं किसी और देवी देवता को नहीं पूजता.

“ہزاروں کاہوں سے ایک دل بہتر ہے”

“ہزاروں محبوں سے ایک دل بہتر ہے”

ڈاکٹر بگوانداس

ڈاکٹر بیگوان داس

اس سے پہلے کے ایک لکھ میں ہم کہ چکے ہیں کہ الگ الگ دھرموں کی خاص خاص کتابوں کو اگر ہم اصل زبان میں ایک دوسرے سے ملا کر پڑھیں تو ہمیں ان سب کے اندر ایک ہی سے وچار اور ایک ہی پریتم کا پیارا منہوا دکھائی دے گا۔ بہت پرستی انہی کی آتما پر بیڑیوں کا کلم کرتی ہے۔ پر بہت پرستی سے بھی ادھک خطرناک بیڑیاں وند پرستی، قرآن پرستی، اور انجیل پرستی ہیں۔ دھرم کے معاملے میں میرا تیرا اور اھنکار یعنی خودی ویسی ہی بری اور خطرناک ہیں جیسی ہمارے آئے دن کے برتاؤ میں۔

اس خودی سے اوپر اُٹھنے کا ایک طریقہ دنیا کے بڑے بڑے مہاپیشوں نے ہمیں بتایا ہے کہ ہم سب کلم اُس روح کل یعنی پرَم آتما کے نام پر اُسی کی راہ میں اور اُسی کو اُردن کر کے کرہں جو سب کے اندر ہے۔ یہ مان کر کرہں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اُسی کی مرضی ہے، اُسی کی اگیال ہے۔ تب ہی حضرت عیسیٰ کا یہ، واکہ—”ایسور! تیری اچھا پوری ہو، مڈری فہیق“ دھیرے دھیرے ہمارے جیوں کا آوشیک آنگ بن سکتا ہے۔ کیول اسی طرح ہم اپنی آتما کو اُس پرَم آتما کے ساتھ ملا کر ایک کرسکیں گے۔ اور یہ ایکنا ہمارے پریم، ہماری عبادت اور ہمارے سب چھوٹے بڑے کاموں میں چمک اُٹھگی۔ تب ہی ہمارے اندر حق کا ظہور ہوگا۔

قرآن میں لکھا ہے کہ،

”غریبوں، یتیموں اور قیدیوں کو کیول اللہ کے لئے اور اُسی کی محبت کے نام پر کھانا دو۔ اپنے لئے کسی طرح کا انعام یا بدلا نہ چاہو، شکرہ کی بھی اچھا نہ کرو۔“

اور لکھا ہے کہ :-

”مڈری سب دعائیں، مڈری قربانیاں، میرا جیوں اور مڈری موت سب اُسی اللہ کے لئے ہیں جو سب دنیاؤں کا مالک ہے۔“

”ہم پورے دل سے اُسی اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں، وہی ہماری سب سے اچھی پناہ، ہمارا آشرے ہے۔“

گیتا میں ایشور نے کہا ہے :-

”مجھ میں اپنے من کو لگا، مجھ سے پریم کر، مڈرے ہی لئے قربانی کر، مجھے نمسکار کر، میں تجھے سب پاؤں سے

کُورآنان میں لکھا ہے کہ :-

”میریاں، یاتیماں اور کھدیاؤں کو کہبل اُتلاہ کے لیخے اور اُسی کی مہدبت کے نام پر خانا دو۔ اپنے لیخے کسی तरह کا اناام یا بدلا ن چاہو، شکرے کی بھی اُتلاہ ن کرو۔“

اور لکھا ہے کہ :-

”میری سب دُآراپ، میری کُوربانیاں، میرا جیون اور میری موت سب اُسی اُتلاہ کے لیخے ہیں جو سب دُنیاؤں کا مالک ہے۔“

”ہم پورے دل سے اُسی اُتلاہ پر بھروسا کرتے ہیں، وہی ہماری سب سے اُتلاہ پناہ، ہمارا اُتلاہ ہے۔“

گیتا میں ایشور نے کہا ہے :-

”مجھ میں اپنے من کو لگا، مجھ سے پریم کر، میرے ہی لئے قربانی کر، مجھے نمسکار کر، میں تجھے سب پاؤں سے

کٲا کس سے	صفحہ سکا	کٲا کس سے
1. ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے	153	1. ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے —ڈاکٹر بھگوانداس
2. بیدانت اور تصوف	163	2. بیدانت اور تصوف —لیکھک ڈاکٹر تارا چند —انوارادک وشومبھر ناتھ پانڈے
3. جڳیا : اٲتہاس اور اعلیت	173	3. جڳیا : اٲتہاس اور اعلیت —شری حمید حسن بی. اے. ایل ایل. بی.
4. اسلامی تاملری کلا کے اُصول	178	4. اسلامی تاملری کلا کے اُصول —وشومبھر ناتھ پانڈے
5. دلی میں چینی کلا کی نمائش	183	5. دلی میں چینی کلا کی نمائش —شری معجب رضوی
6. آجکل کی کچھ چھوٹی چینی کہانیاں	192	6. آجکل کی کچھ چھوٹی چینی کہانیاں —انوارادک شری معجب رضوی
7. محمد صاحب کا جانوروں سے پریم	196	7. محمد صاحب کا جانوروں سے پریم شری معجب رضوی
8. ہماری رائے—	201	8. ہماری رائے—
ځاٹے کے بځٹ—سٲٲدےٲ ٲیٲالکار؛		گہائے کے بځٹ—ستیه دیودیانکار؛ امریکہ اور
امریکا اور اٲٹمی ہٲیٲار—مُجیب ریڳوی،		ایٲمی ہٲیار—مُجیب رضی؛ ریلوے بځٹ
رےلٲے بځٹ پر اک نڳر—سُرهش رامبائی.		پر ایک نظر—سُرهش رام بھائی .



نمبر 3 نمبر 19 جلد 19 جلد

مارچ 1955ء

ہندوستانی کلچر سوسائٹی
ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مڈلینج، ایلاہاباد

145 مڈلینج، ایلاہاباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Pandit Sundarlal

Bishambhar Nath Pande

Editor-in-Charge

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Ramblhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حیدر

Osmania University Library,
HYDERABAD (INDIA)

28 MAR 1955

اس نمبر کے خاص ليکھ

”ہزاروں کابو سے ایک ديل بهتر ہے“

—ڈاکٹر بگوانداس

—ڈاکٹر يھوان داس

वेदान्त और तसवुफ

ويدانت اور تصوف

—विश्वम्भरनाथ पांडे

—وشومبھر ناتھ پانڈے

जजिया : इतिहास और असलियत

جزیه : اتھاس اور اصلیت

—श्री हमीद हसन

—شہری حمید حسن

आजकल की कुछ छोटी चीनी कहानियां

آجکل کی کچھ چھوٹی چینی کہانیاں

—अनुवाद—मुजीब रिजवी

—اتھوادک—محبیب رضوی

मोहम्मद साहब का जानवरों से प्रेम

محمد صاحب کا جانوروں سے پریم

—श्री मुजीब रिजवी

—شہری محبیب رضوی

इसके अलावा

اسکے علاوہ

कहानी, स्केच, समालोचना, हमारी राय आदि

کہانی، اسکچ، سمالوچنا، ہماری رائے آدی

ہندوستانی کلتچر سوسائٹی، ہلاہا، ہلاہا



ہندوستانی کلتچر سوسائٹی، ہلاہا، ہلاہا

مارچ 1955

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

हमारे यहां मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

नोट:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

नाम किताब	लेखक	खाम	लेखक	नाम किताब
1. शेर और शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयली	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयली	1. शेर और शायरी
2. शेर और सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियां
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण साद जैन	6 0 0	श्री नारायण साद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पथ चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पथ चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. सुक्ति दूत	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	0 0	श्री बीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. सुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन	4 0 0	श्री बच्चन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	श्री तन्मय बुखारिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अधशास्त्र	श्री भगवानदास केला	0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय अधशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सदीय अर्थ व्यवस्था	"	1 8 0	"	21. सदीय अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियां	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियां
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी.	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी.	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला	1 8 0	गजाधर प्रसाद, अम्बिष्ट, भगवानदास केला	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवानो	महात्मा महाबानदीन	3 0 0	महात्मा महाबानदीन	26. जवानो
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. मारने की हिम्मत !
28. सलीना सच	"	0 8 0	"	28. सलीना सच
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'
140, मुद्रोगंज, इलाहाबाद-3.

मैनेजर 'नया हिन्द'
140, मुद्रोगंज, इलाहाबाद-3.

کے باہر رہنے کی پوری آزادی ہو۔ اس درخان کے مطابق وشو
اچھے کے مانتے صرف ایک جل، اسپتال اور ہوائی سینا ہوگی۔
مختلف دیشوں کی بھرتی سرکشا کے لئے پولس کے چھوٹے چھوٹے
دستے بھی بھیجئے، لیکن اُن کے ہتھیار معمولی درجے کے ہونگے۔ وشو
راجہ راجنیک انکلی کے آدرش پر چلے گا۔ جب تک ہمارا
مقتد جنگ کو روکنا ہے تب تک یہ بات معمولی ہے کہ سینا کی
انکلی ایک دیش کی ہے، اتہوا دیشوں کے سموہ کی ہے یا وشو ویابی
سنک کی ہے۔ اس کا خاص مقتد سنسار کو بھاری مہا دینہ سے
بچانا ہوگا۔

سوال اُٹھ سکتا ہے کہ کیا اس سرکار کے منمانا کرنے کا خطرہ ہے ؟ نہاں ! ہے لیکن پہلا یہ کہ خطرے کے سامنے اس خطرے کی کوئی قیمت نہیں ہے ۔ ایتھ ہم کے خطرے کے آگے وشو سرکار کی منمانی کا خطرہ کوئی بڑا خطرہ نہیں رہتا ۔ اگر سمجھوتے سے اس طرح کی وشو سرکار میں جانی ہے تو وہ دنیا کے لئے بہت سی فائدے مند ثابت ہوگی ۔ ورنہ ہر جنگ سے ایک خاص خاص طاقتور بن جاتا ہے اور اپنی حیوانی طاقت کے لیے دنیا کی ایک بڑی آبادی کو اپنی مرضی کے مطابق چاٹنے کو مجبور کرنا ہے ۔ اچ مانو سسلیاؤں تو وشو سرکار کے مطابق ذریعے حل کیا جاسکتا ہے ۔ یہ تسلی کی بات ہے کہ وچاروں لوگوں وشو سرکار کی ہوجنا کہ نہ تو ذہنی کا اعلیٰ معتد مانتے نہیں ۔

بہت سے لوگ رشو سرکار کے اوپر اور اُس کی استوراشقویہ سینک اکائی کے اوپر اِس نقطہ نظر سے اعتراض کر سکتے ہیں کہ بیوشیہ میں اُس کے فالسٹ بن جانے کا خطرہ ہے۔ بیشک یہ خطرہ ہے، لیکن اگر اِس میں خرابہ ہے تو یہ اُس خدشہ کے سامنے کیچہ بی نہیں ہے جو انڈرلشقویہ آراجکتا قائم رہنے سے پیدا ہوگا۔

کنڈو وٹو راجہ کی استقامتاً نبھی ممکن ہو سکتی ہے جب مختلف ملک اپنے آدمی غور اپنے اپنے اپنے شک کو چیت سکیں۔ اگر دنیا کے ملک ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو مائو زائوس ویکیانک یک کا دور بہت چھوٹا سمجھا جائیگا اور مائو کو پندر سے اپنے ایک کے پڑھوں کے سامان کند مول پیل کہا کر گھبراؤں میں رضا پڑے گا۔

اُس سے انسان ترقی اور بڑائی کے چہرے پر کچھ ہے۔
اُسے دو میں سے ایک راستہ چننا ہے۔ — مہمان سگھ کا راستہ یا
بھینگر سروناش کا راستہ۔ یہ اُس کے اوپر ہے کہ وہ کون سا
راستہ چنے!

— وشومہدور منانہ بانڈے

کی گئی، لیکن کسی سفوفی جنگ کے لئے یہ نہیں پہنچے۔ آج
راہنماؤں کے مروجہ چہرے اسے قبول کر رہے ہیں کہ جنگ
کو روکنے کے لئے اب تک کوئی طریقہ نہیں نکلا جا سکا۔ انسانی
بیولوں اور بیوتیفوں کا جو لہجہ لکھا چڑھا اُن کے سامنے ہے
اُسے دیکھتے ہوئے وہ نہ شجیت رہے کہ وہ دوسری
جنگ ہو کر ہی رہے گی؟ ہاں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ
کب ہو۔ مہان شکستوں کے پیچھے دیکھ کر دیکھ کر
کر دینا بہت آسان ہے۔ یہ بڑے دھم کی بات ہے کہ دنیا کی
راجنیتی آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، وہ مر جاتا پسند
کریں گے لیکن عقل کے ساتھ جیتنا پسند نہیں کریں گے۔ وشو
کے راستے میں آج سب سے بڑی رکاوٹ راشنریتا ثابت ہو
رہی ہے اور اس رکاوٹ کو ایتھم ہم کا خطروہ بھی ختم نہیں
کر پایا۔

تیسرا مہادہ ایتھم ہم کو لے کر لڑا جاتا ہے تو
سंसार میں جو کچھ بھی کھیلتی ہے، وہ سب برباد ہو جائے گا۔ سنگت
سورگ میں بھی سمیٹوہ قائم نہ رہ سکیں گی۔ ریجینانک اور ریجینانکوں
کی انوسنہان شالیں سب سے پہلے برباد کی جائیں گی اور
انت میں ایتھم ہم بنائے والا یا کسی پورک کا ویکیاک دیکھ لڑے
والا کوئی انسان جیتو نہ بیج پائے گا۔ اس تیسرے مہادہ
کے بعد سمیٹوہ کچھ صدیوں تک ہمیں سمیٹوہ لیکن مقابلے
تن کہیں زیادہ شانتی پورن زندگی بنانے کا موقع ملے۔

پروفیسر اہرت اُن اسٹین نے اپنے ایک بیان میں حال
میں کہا ہے: اگر ایتھم ہم کی لڑائی ہوئی تو دنیا کے دو - تہائی
انسان کال کے کال میں چلے جائیں گے۔ ایسی حالت میں ایک
ہی طریقہ ہے جو دنیا کو سورنانش سے بچا سکتا ہے اور وہ ہے
وشو سرگ کی استہانہ۔ سنسار کے سبھی دیشوں کو اور خاص کر
امریکہ، سوویت یونین اور انکلیڈن کو اپنی سینک ونوسٹھا اور
اسٹر شستر اور اپنی سینانیں اس وشو راجیہ کے سپرد کر دینی
ہوئیگی۔ جن دیشوں کے پاس اُنہم ہم بنائے کا بھید ہے اُنہیں
یہ بھید بھی اس اکل وشو سرگ کے حوالے کر دینا ہوگا۔ سوویت
یونین، امریکہ اور بھارت کے ایک ایک پرتیندی لے کر ایک
دھان پرتیش بنائی جا سکتی ہے۔ بھارت کا پرتیندی اس
لئے ضروری ہے کہ بھارت شانتی کا اگھنڈ آپسک ہے۔ ان تینوں
دیشوں کے وچار دھاروں کے سمنوہ سے ہی وشو سرگ کا سرو
ناتیہ ودفان بن سکتا ہے۔ جب یہ تین بڑے دیش قابل
سہانگی کی مدت سے اس طرح وشو سرگ کا دھان بنا لیں
تب ان چھوٹے چھوٹے ملکوں کو شامل ہونے کا ٹیونا دیں۔ شامل
کرنے میں اُن کے اڈر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈال جائے۔ اگر وہ
نہ شامل ہوں چاہیں تب بھی اپنے کو پوری طرح سورکشت
اڈر ہر سوہیہا کا ادھیکاری سمجھیں۔ اُنہیں وشو سرگ

کی گئی، لیکن کسی سفوفی جنگ کے لئے یہ نہیں پہنچے۔ آج
راہنماؤں کے مروجہ چہرے اسے قبول کر رہے ہیں کہ جنگ
کو روکنے کے لئے اب تک کوئی طریقہ نہیں نکلا جا سکا۔ انسانی
بیولوں اور بیوتیفوں کا جو لہجہ لکھا چڑھا اُن کے سامنے ہے
اُسے دیکھتے ہوئے وہ نہ شجیت رہے کہ وہ دوسری
جنگ ہو کر ہی رہے گی؟ ہاں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ
کب ہو۔ مہان شکستوں کے پیچھے دیکھ کر دیکھ کر
کر دینا بہت آسان ہے۔ یہ بڑے دھم کی بات ہے کہ دنیا کی
راجنیتی آج جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے، وہ مر جاتا پسند
کریں گے لیکن عقل کے ساتھ جیتنا پسند نہیں کریں گے۔ وشو
کے راستے میں آج سب سے بڑی رکاوٹ راشنریتا ثابت ہو
رہی ہے اور اس رکاوٹ کو ایتھم ہم کا خطروہ بھی ختم نہیں
کر پایا۔

تیسرا مہادہ ایتھم ہم کو لے کر لڑا جاتا ہے تو
سंसार میں جو کچھ بھی کھیلتی ہے، وہ سب برباد ہو جائے گا۔ سنگت
سورگ میں بھی سمیٹوہ قائم نہ رہ سکیں گی۔ ریجینانک اور ریجینانکوں
کی انوسنہان شالیں سب سے پہلے برباد کی جائیں گی اور
انت میں ایتھم ہم بنائے والا یا کسی پورک کا ویکیاک دیکھ لڑے
والا کوئی انسان جیتو نہ بیج پائے گا۔ اس تیسرے مہادہ
کے بعد سمیٹوہ کچھ صدیوں تک ہمیں سمیٹوہ لیکن مقابلے
تن کہیں زیادہ شانتی پورن زندگی بنانے کا موقع ملے۔

پروفیسر اہرت اُن اسٹین نے اپنے ایک بیان میں حال
میں کہا ہے: اگر ایتھم ہم کی لڑائی ہوئی تو دنیا کے دو - تہائی
انسان کال کے کال میں چلے جائیں گے۔ ایسی حالت میں ایک
ہی طریقہ ہے جو دنیا کو سورنانش سے بچا سکتا ہے اور وہ ہے
وشو سرگ کی استہانہ۔ سنسار کے سبھی دیشوں کو اور خاص کر
امریکہ، سوویت یونین اور انکلیڈن کو اپنی سینک ونوسٹھا اور
اسٹر شستر اور اپنی سینانیں اس وشو راجیہ کے سپرد کر دینی
ہوئیگی۔ جن دیشوں کے پاس اُنہم ہم بنائے کا بھید ہے اُنہیں
یہ بھید بھی اس اکل وشو سرگ کے حوالے کر دینا ہوگا۔ سوویت
یونین، امریکہ اور بھارت کے ایک ایک پرتیندی لے کر ایک
دھان پرتیش بنائی جا سکتی ہے۔ بھارت کا پرتیندی اس
لئے ضروری ہے کہ بھارت شانتی کا اگھنڈ آپسک ہے۔ ان تینوں
دیشوں کے وچار دھاروں کے سمنوہ سے ہی وشو سرگ کا سرو
ناتیہ ودفان بن سکتا ہے۔ جب یہ تین بڑے دیش قابل
سہانگی کی مدت سے اس طرح وشو سرگ کا دھان بنا لیں
تب ان چھوٹے چھوٹے ملکوں کو شامل ہونے کا ٹیونا دیں۔ شامل
کرنے میں اُن کے اڈر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈال جائے۔ اگر وہ
نہ شامل ہوں چاہیں تب بھی اپنے کو پوری طرح سورکشت
اڈر ہر سوہیہا کا ادھیکاری سمجھیں۔ اُنہیں وشو سرگ

کے باہر رہنے کی پوری آزادی ہو۔ اس بیधान کے متاویکٹ ویشہ راجہ کے ماتحت سرف اءک جلا، سٹال اور ہواہر سنا ہوگی۔ مختلف دیہوں کی بیہتری سرفکا کے لئے پولس کے چھوٹے چھوٹے دستے بھی رہینگے، لیکن اُن کے ہتیار معمولی درجے کے ہونگے۔ وشو راجہ راجنیکٹ اگنی کے آدش پر چلے گا۔ جب تک ہمارا متصد جنگ کو روکنا ہے تب تک یہ بات معمولی ہے کہ سینا کی اگنی ایک دیہ کی ہے، اتہوا دیہوں کے سموہ کی ہے یا وشو ویاپی سنگ کی ہے۔ اُس کا خص متصد سنسار کو بھاوی مہا دیہ سے بچانا ہوگا۔

سوال اُٹھ سکتا ہے کہ کیا اس سرکار کے منمانا کرنے کا خطرہ ہے؟ ہاں، ہے لیکن مہاوی یوڈ کے ختہرے کے سامنے اس ختہرے کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ایٹم بم کے خطرے کے آگے وشو سرکار کی منمانی کا خطرہ کوئی بڑا خطرہ نہیں رہتا۔ اگر سمجھوتے سے اس طرح کی وشو سرکار بن جاتی ہے تو وہ دنیا کے لئے بہت ہی فائدے مند ثابت ہوگی۔ ورنہ ہر جنگ سے ایک خاص مالک طاقتور بن جاتا ہے اور وہ اپنی حیوانی طاقت سے دنیا کی ایک بڑی آبادی کو اپنی مرضی کے مطابق چالنے کو مجبور کرتا ہے۔ آج مانو سمسایوں تو وشو سرکار کے ہی ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ یہ نسلی کی بات ہے کہ وچاروان لوگ وشو سرکار کی بوجنا کو منرو بری کا اعلیٰ متصد مانتے ہیں۔

بہت سے لوگ وشو سرکار کے اوپر اور اُس کی استوراشقریہ سینک اگنی کے اوپر اس نقطہ نظر سے اعتراض کر سکتے ہیں کہ بیوشیہ میں اُس کے فلسفہ بن چالے کا خطرہ ہے۔ بیشک یہ خطرہ ہے ہی، لیکن اگر اس میں خطرہ ہے تو یہ اُس خطرے کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے جو اندرراشقریہ آراجکتا قائم رہنے سے پیدا ہوگا۔

کتنے وشو راجہ کی استقامت نہیں ممکن ہو سکتی ہے جب مختلف ملک اپنا قومی غرور اپنے اوپر اپنے شک کو جیت سکیں۔ اگر دنیا کے ملک ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے تو مانو انہاس میں ویکیانک بگ کا دور بہت چھوٹا سمجھا جائیگا اور مانو کو پیر سے اپنے آدہ بگ کے پرکھوں کے سامان کند مول پھل کیا کر گھیلوں میں رہنا پڑے گا۔

اس سے انسان قری اور بربادی کے چڑاھے پر کھڑا ہے۔ اُسے دو میں سے ایک راستہ چننا ہے—مہان سکھ کا راستہ یا بیہنگ سرونش کا راستہ۔ یہ اُس کے اوپر ہے کہ وہ کون سا راستہ چنے!

—ویشہمہرناٹھ پاڈے

—وشومہرناٹھ پاڈے

کی گاہے، لیکن کسی سنگین جنگ کی وجہ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ آج
 کی جنگوں کے سوجھ بوجھ اسے قبول کر رہے ہیں کہ جنگ
 کو روکنے کے لئے اب تک کوئی طریقہ نہیں نکالا جا سکا۔ انسانی
 بیولوں اور بیوتوں کا جو لمبا لیگا چوکھا اُن کے سامنے ہے
 اسے دیکھتے ہوئے وہ شجستہ رہے کہ اسے دیکھنے میں کہ تیسری
 جنگ ہو کر ہی رہے گی۔ ہاں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ
 کب ہو۔ مہان شکستوں کے بیچ یدہ روکنے کی کاغذی بیجنا تیار
 کر دینا بہت آسان ہے۔ یہ بڑے دھم کی بات ہے کہ دنیا کی
 راجنیتی آج جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے، وہ مر جاتا پسند
 کوہنہ لیکن عقل کے ساتھ جینا پسند نہیں کریں گے۔ وشو شانتی
 کے راستے میں آج سب سے بڑی رکاوٹ راشٹریتا ثابت ہو
 رہی ہے اور اس رکاوٹ کو ایٹم بم کا خطرہ بھی ختم نہیں
 کر پایا۔

تیسرا مہادیدہ ایٹم بم کو لے کر لڑا جاتا ہے تو
 संसार میں جو کچھ بھی قیمتی ہے، وہ سب برباد ہو جائے گا۔ سنگتھ
 سرکاریں بھی سمیٹوئے قائم نہ رہ سکیں گی۔ ویکٹائک اور ویکٹائکوں
 کی انوسندھان شالیں سب سے پہلے برباد کی جائیں گی اور
 انت میں ایٹم بم بنانے والا کسی پروگرام کو ویکٹائک یدہ لڑنے
 والا کوئی انسان جیوت نہ بچے پائے گا۔ اس تیسرے مہادیدہ
 کے بعد سمیٹوئے کچھ صدیوں تک ہمیں اسپیہ، لیکن مقابلے
 تن کہیں زیادہ شانتی پورن زندگی بنانے کا موتمہ ملے۔

پروفیسر البرٹ آئن اسٹین نے اپنے ایک بیان میں حال
 میں کہا ہے : اگر ایٹم بم کی لڑائی ہوئی تو دنیا کے دو - تہائی
 انسان کال کے گال میں چلے جائیں گے۔ ایسی حالت میں ایک
 ہی طریقہ ہے جو دنیا کو سرونش سے بچا سکتا ہے اور وہ ہے
 وشو سرکار کی استھاپنا۔ سلسار کے سبھی دیشوں کو اور خاص کر
 امریکہ، سوویت یونین اور انکلیفٹ کو اپنی سینک وبوسٹھا اور
 اسٹر شسٹر اور اپنی سینانیں اس وشو راجیہ کے سپرد کر دینی
 ہونگی۔ جن دیشوں کے پاس آٹو بم بنانے کا ہیڈ ہے انہیں
 یہ ہیڈ بھی اس اکل وشو سرکار کے حوالے کر دینا ہوگا۔ سوویت
 یونین، امریکہ اور بھارت کے ایک ایک پرنڈی لے کر ایک
 رندھاں پرنڈ بٹائی جاسکتی ہے۔ بھارت کا پرنڈی لے اس
 لئے ضروری ہے کہ بھارت شانتی کا اگنڈ آپلسک ہے۔ ان تینوں
 دیشوں کے وچار دھاراؤں کے سمنوئے سے ہی وشو سرکار کا سرو
 ماتیمہ دھغان بن سکتا ہے۔ جب یہ تین بڑے دیش قابل
 سہائوں کی مدد سے اس طرح وشو سرکار کا دھغان بنا لیں
 تب ان چھوٹے چھوٹے ملکوں کو شامل کرنے کا ٹیونا دیں۔ شامل
 کرنے میں اُن کے اوپر کسی طرح کا دباؤ نہ ڈالا جائے۔ اگر وہ
 نہ شامل ہوتا چاہیں تب بھی اپنے کو پوری طرح سرونکشت
 اور فخر سونڈھا کا اومیکاری سمجھیں۔ انہیں وشو سرکار

آج ہر ملک کے وچاروں و بیتی تیسری جنگ کے پھینکے ہوئے ہیں۔ ایتھم اور ہائڈروجن بم قیامت کی شکل میں ساری دنیا کی آواز دہکا رہے ہیں لیکن دنیا کو اس سے بچانے کے لئے جتنی شہر میں اپنے راجنٹیک ڈیولپمنٹ میں تبدیلی کرنا چاہئے اُنہ شہر ہم وہ تبدیلی نہیں کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آج طرح طرح کے سچھو لوگوں کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا ایک سمجھوتہ ہونا چاہئے کہ جن دہشوں کے پاس ایتھم اور ہائڈروجن بم ہیں وہ بدم کے سے اُن کا استعمال نہ کریں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا امریکہ نے ناٹو طاقتوں کا ایتھم بم نہیں دے دیا ہے؟ جس سے مہارید شروع ہوگا ان بموں کا استعمال کرنے کا لالچ لوگ روک نہ سکیں گے۔ ایک دوسرا سچھو ہے کہ ان بموں کو ادھک پھینک بنانے کے بارے میں جو ویکٹیک چاہیں جاری ہے انہیں روک دیا جائے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ یہ ایک نشیہ ستیہ ہے کہ ہیروشما اور ناگاساکی کے اوپر جو ایتھم بم پھینکے گئے تھے اُن سے پچیس ہزار گنا زیادہ خطرناک بم بنائے جا چکے ہیں اور کوئی بھی انٹر راشقربہ سمجھوتہ ان پھینکے ہوئے کی تیاری کو نہیں روک سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اُمید ہے کہ ہیشہ میں بدم کو اس لئے روکا جا سکیگا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ان بموں سے سنسار کی تہذیب اور کچھ کا ناس ہو جائیگا۔ لیکن ہمارا پچھلے تجربہ ہم میں ایسی اُمید پیدا نہیں کرتا۔ ہارڈن کی ایجنٹ سے لیکر ایتھم بم کی ایجنٹ تک جب بھی نئے نئے خونخاک استر شستر بنے کچھ نہ کچھ ناسمجھ آدمیوں نے اس لئے اُن کا سراکت کیا کہ اس سے بدم کی سبھارنا کم ہو جائیگی، لیکن کیا کبھی ان بدم آدمیوں کی اُمید سچ ثابت ہوئی؟ اس کے برعکس بدم میں ادھک سے ادھک پھینکنا ہی آتی گئی۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ بدم کو روکنے کی صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کوئی ایک دل پر حد طاقتور ہو جائے۔ لیکن کیا یہ ایتھم بم کے زمانے میں ممکن ہے؟ ایسی کچھ دن پہلے امریکہ کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ اُس کے پاس ہائڈروجن بموں کا ایک ذخیرہ ہے، لیکن ایسی سوپریم سوویت پارلیمنٹ میں فارین منسٹر مرلوٹو نے اعلان کیا کہ روس کے پاس امریکہ کے مقابلے میں ہائڈروجن بم کا کبھی بڑا ذخیرہ ہے۔

دوسرے مہارید کی حمایتی کے بعد یو۔ این۔ او۔ نے جنگ کو روکنے کی نئی کوششوں کی ہیں۔ کئی بار دیپش ممبریں کا سبھان کیا۔ استھانی سمجھوتہ پر بحث

آج ہر ملک کے وچاروں و بیتی تیسری جنگ کے پھینکے ہوئے ہیں۔ ایتھم اور ہائڈروجن بم قیامت کی شکل میں ساری دنیا کی آواز دہکا رہے ہیں لیکن دنیا کو اس سے بچانے کے لئے جتنی شہر میں اپنے راجنٹیک ڈیولپمنٹ میں تبدیلی کرنا چاہئے اُنہ شہر ہم وہ تبدیلی نہیں کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں آج طرح طرح کے سچھو لوگوں کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا ایک سمجھوتہ ہونا چاہئے کہ جن دہشوں کے پاس ایتھم اور ہائڈروجن بم ہیں وہ بدم کے سے اُن کا استعمال نہ کریں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا امریکہ نے ناٹو طاقتوں کا ایتھم بم نہیں دے دیا ہے؟ جس سے مہارید شروع ہوگا ان بموں کا استعمال کرنے کا لالچ لوگ روک نہ سکیں گے۔ ایک دوسرا سچھو ہے کہ ان بموں کو ادھک پھینک بنانے کے بارے میں جو ویکٹیک چاہیں جاری ہے انہیں روک دیا جائے۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ یہ ایک نشیہ ستیہ ہے کہ ہیروشما اور ناگاساکی کے اوپر جو ایتھم بم پھینکے گئے تھے اُن سے پچیس ہزار گنا زیادہ خطرناک بم بنائے جا چکے ہیں اور کوئی بھی انٹر راشقربہ سمجھوتہ ان پھینکے ہوئے کی تیاری کو نہیں روک سکتا۔

کچھ لوگوں کو یہ اُمید ہے کہ ہیشہ میں بدم کو اس لئے روکا جا سکیگا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ان بموں سے سنسار کی تہذیب اور کچھ کا ناس ہو جائیگا۔ لیکن ہمارا پچھلے تجربہ ہم میں ایسی اُمید پیدا نہیں کرتا۔ ہارڈن کی ایجنٹ سے لیکر ایتھم بم کی ایجنٹ تک جب بھی نئے نئے خونخاک استر شستر بنے کچھ نہ کچھ ناسمجھ آدمیوں نے اس لئے اُن کا سراکت کیا کہ اس سے بدم کی سبھارنا کم ہو جائیگی، لیکن کیا کبھی ان بدم آدمیوں کی اُمید سچ ثابت ہوئی؟ اس کے برعکس بدم میں ادھک سے ادھک پھینکنا ہی آتی گئی۔

کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ بدم کو روکنے کی صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ کوئی ایک دل پر حد طاقتور ہو جائے۔ لیکن کیا یہ ایتھم بم کے زمانے میں ممکن ہے؟ ایسی کچھ دن پہلے امریکہ کو اس بات کا دعویٰ تھا کہ اُس کے پاس ہائڈروجن بموں کا ایک ذخیرہ ہے، لیکن ایسی سوپریم سوویت پارلیمنٹ میں فارین منسٹر مرلوٹو نے اعلان کیا کہ روس کے پاس امریکہ کے مقابلے میں ہائڈروجن بم کا کبھی بڑا ذخیرہ ہے۔

دوسرے مہارید کی حمایتی کے بعد یو۔ این۔ او۔ نے جنگ کو روکنے کی نئی کوششوں کی ہیں۔ کئی بار دیپش ممبریں کا سبھان کیا۔ استھانی سمجھوتہ پر بحث

دینے والوں کے لیے بھاری ہتھیاروں کے بغیر، انسانیوں کے ہاتھ کھڑے ہونے کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ بیچارہ جگت میں اس کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ بیچارہ جگت میں اس کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ بیچارہ جگت میں اس کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔

دوسری جنگ کے خاتمہ ہوتے ہی، دوسروں نے تیسری لڑائی کی آوازیں سننی شروع کر دی تھیں۔ پہلے یہ آواز ہلکی تھی، پھر دھڑلے دھڑلے اس کی تیزی سے آسمان گونج اٹھا اور گونج کالم بادلوں کی چھایا بڑھتی جا رہی تھی۔ آج دنیا کا ہر شخص اپنے دل میں یہ سوچتا ہے کہ کیا سچے سچے تیسری لڑائی کے نشانے بچنے والے ہیں۔ بو، این، او، کے آؤں اب بھی ساری دنیا کو گھیر رہے ہیں۔ اسی لئے بھارت جیسے دیش جو اس سے ٹکراتے ہوئے ہیں، توہنی ہوئی دنیا کے لئے تنکا بھی ایک سپارہ بن سکتا ہے۔ یہ بھی آٹا لکی ہے کہ سنسار کے دیشوں کے بیچ میں ایشیا اور آفریقہ کے دیشوں کو ایک باہر سے جکھ ملیتی اور دنیا سے سامراجیہوان کا خانا ہوا اور سامراجیہوان کے مٹنے کی لڑائی کا لالچ بھی مٹ جائیگا۔ لیکن جیسی حالت اس سے ہے اور جس طرح ہری طائفہ اپنی سیکھ تھاپیں کر رہی ہے اور جس قدرے پر چل رہی ہیں اور جس طرح وہاں بدھ دنیا کی پوجا ہو رہی ہے اس سے ایک ہی نتیجہ سمجھ میں آتا ہے کہ تیسرا مہادیہ بھی کچھ سیمے کے لئے مل سکتا ہے، لیکن دین سوہر تیسرے مہادیہ کے بادل بنا رہے چھٹینکے نہیں۔

اس بیچارہ دارا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا کو استھانی شانتی کی استھانی کو درستی میں رکھتے ہوئے یہ اٹھ کرنا ہی پروکا ہے جنگ ایک حیوانی اور ظالمانہ وحشت ہے۔ آسمان کے ساتوں پردوں پر اس کا انہاس خون اور آگ سے دیا گیا ہے۔ مائے سہیتا کے لئے ایک ایمان ہے۔ جنگ کا مطلب ہے گھاتوں کی گڑھیں، مہا بازی سے گھاتیں مصوم عورتوں اور بچوں کی چھتیں اور ہوسوں کے بعد جنگ کے خاتمہ پر ہزاروں سیکھوں اور آؤں کا اندھ، لڑے لڑکے اور بچپنوں سے خون نہونگے ہونے، پائل خطوں کی دیراوروں سے سر گراؤں ہوئے دکھائی دینا۔ آج مصوم انسانیت کی آتما کو سامراجیہوانی راہنہنیکوں کے ہاتھوں سے چھونڈ کر اس بات کا اٹھ کرنا ہوا کہ دنیا کے سب جرموں میں بدھ لہک سب سے خوفناک جرم ہے۔

دوسری جنگ کے خاتمہ ہوتے ہی، دوسروں نے تیسری لڑائی کی آوازیں سننی شروع کر دی تھیں۔ پہلے یہ آواز ہلکی تھی، پھر دھڑلے دھڑلے اس کی تیزی سے آسمان گونج اٹھا اور گونج کالم بادلوں کی چھایا بڑھتی جا رہی تھی۔ آج دنیا کا ہر شخص اپنے دل میں یہ سوچتا ہے کہ کیا سچے سچے تیسری لڑائی کے نشانے بچنے والے ہیں۔ بو، این، او، کے آؤں اب بھی ساری دنیا کو گھیر رہے ہیں۔ اسی لئے بھارت جیسے دیش جو اس سے ٹکراتے ہوئے ہیں، توہنی ہوئی دنیا کے لئے تنکا بھی ایک سپارہ بن سکتا ہے۔ یہ بھی آٹا لکی ہے کہ سنسار کے دیشوں کے بیچ میں ایشیا اور آفریقہ کے دیشوں کو ایک باہر سے جکھ ملیتی اور دنیا سے سامراجیہوان کا خانا ہوا اور سامراجیہوان کے مٹنے کی لڑائی کا لالچ بھی مٹ جائیگا۔ لیکن جیسی حالت اس سے ہے اور جس طرح ہری طائفہ اپنی سیکھ تھاپیں کر رہی ہے اور جس قدرے پر چل رہی ہیں اور جس طرح وہاں بدھ دنیا کی پوجا ہو رہی ہے اس سے ایک ہی نتیجہ سمجھ میں آتا ہے کہ تیسرا مہادیہ بھی کچھ سیمے کے لئے مل سکتا ہے، لیکن دین سوہر تیسرے مہادیہ کے بادل بنا رہے چھٹینکے نہیں۔

دوسری جنگ کے خاتمہ ہوتے ہی، دوسروں نے تیسری لڑائی کی آوازیں سننی شروع کر دی تھیں۔ پہلے یہ آواز ہلکی تھی، پھر دھڑلے دھڑلے اس کی تیزی سے آسمان گونج اٹھا اور گونج کالم بادلوں کی چھایا بڑھتی جا رہی تھی۔ آج دنیا کا ہر شخص اپنے دل میں یہ سوچتا ہے کہ کیا سچے سچے تیسری لڑائی کے نشانے بچنے والے ہیں۔ بو، این، او، کے آؤں اب بھی ساری دنیا کو گھیر رہے ہیں۔ اسی لئے بھارت جیسے دیش جو اس سے ٹکراتے ہوئے ہیں، توہنی ہوئی دنیا کے لئے تنکا بھی ایک سپارہ بن سکتا ہے۔ یہ بھی آٹا لکی ہے کہ سنسار کے دیشوں کے بیچ میں ایشیا اور آفریقہ کے دیشوں کو ایک باہر سے جکھ ملیتی اور دنیا سے سامراجیہوان کا خانا ہوا اور سامراجیہوان کے مٹنے کی لڑائی کا لالچ بھی مٹ جائیگا۔ لیکن جیسی حالت اس سے ہے اور جس طرح ہری طائفہ اپنی سیکھ تھاپیں کر رہی ہے اور جس قدرے پر چل رہی ہیں اور جس طرح وہاں بدھ دنیا کی پوجا ہو رہی ہے اس سے ایک ہی نتیجہ سمجھ میں آتا ہے کہ تیسرا مہادیہ بھی کچھ سیمے کے لئے مل سکتا ہے، لیکن دین سوہر تیسرے مہادیہ کے بادل بنا رہے چھٹینکے نہیں۔

اس بیچارہ دارا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ دنیا کو استھانی شانتی کی استھانی کو درستی میں رکھتے ہوئے یہ اٹھ کرنا ہی پروکا ہے جنگ ایک حیوانی اور ظالمانہ وحشت ہے۔ آسمان کے ساتوں پردوں پر اس کا انہاس خون اور آگ سے دیا گیا ہے۔ مائے سہیتا کے لئے ایک ایمان ہے۔ جنگ کا مطلب ہے گھاتوں کی گڑھیں، مہا بازی سے گھاتیں مصوم عورتوں اور بچوں کی چھتیں اور ہوسوں کے بعد جنگ کے خاتمہ پر ہزاروں سیکھوں اور آؤں کا اندھ، لڑے لڑکے اور بچپنوں سے خون نہونگے ہونے، پائل خطوں کی دیراوروں سے سر گراؤں ہوئے دکھائی دینا۔ آج مصوم انسانیت کی آتما کو سامراجیہوانی راہنہنیکوں کے ہاتھوں سے چھونڈ کر اس بات کا اٹھ کرنا ہوا کہ دنیا کے سب جرموں میں بدھ لہک سب سے خوفناک جرم ہے۔

جس میں کسی باہر والے کو دخل دینے کا کسی طرح کا کوئی حق نہیں ہے۔

(3) امریکی سرکار کو چاہیے کہ اپنا جہاز بیڑا اور اپنی فوجیں فوراً فارموسا سے ہٹا لے تاکہ چین کی سرکار اور وہاں کی جنتا آزادی کے ساتھ بنا کسی طرح کی باہر کی مداخلت کے اپنے گھریلو جیکڑے کو جس طرح چاہے طے کر سکے۔

ہمیں پورا وشواس ہے کہ ہندستان کی جنتا بنا بیہود بھاؤ کے ان دونوں سوالوں پر جب اور جہاں موقع ملے گا اپنی صاف صاف آواز اُٹھاتی کرے گی۔ ایک یہ کہ جہاں تک ممکن ہو جنگ نہ ہو اور اگر ہو تو اس میں اپنی ہتھیاروں کا استعمال نہ ہونے پارے اور دوسری یہ کہ امریکہ کی سرکار فارموسا سے اپنی فوجوں کو ہٹالے اور آئندہ کوئی کسی دوسرے کے گھریلو معاملے میں دخل نہ دے۔

6. 2. '55

— سندھ لال

— سندھ لال

6. 2. '55

یٹم بام اور ویشو سرکار

یٹم بام اور ویشو سرکار

یونائیٹڈ نیشنز کی اسمبلی ویشو شانتی کے لئے جو کوششیں کر رہی ہے اُس کے نتیجوں کے بارے میں دنیا کے وچاردان لوگوں کے دلوں میں ایک سندھید سا پیدا ہو گیا ہے۔ مقرر راشٹروں کے بید میں جیتنے کی جتنی سہیادنا تھی اُس سے کہیں کم آج شانتی کی سہیادنا دکھائی دے رہی ہے۔ دنیا کے ہت چٹکن کو بید کے نتیجے کی جتنی جنتا نہ تھی اُنہی اُنہیں شانتی کے نتیجے کی جنتا ہو اُنہی ہے۔ آج کی انٹراشٹریہ راجنیتی کے نینوں پردھان کینڈوں—راشٹن، لندن اور ماسکو—تسمیں یہ شہ کی ہونا واپت ہے۔ ایک دوسرے کی طرف سندھید ہونے کے سبب آج دنیا کے بڑے بڑے ملک سر سے ہڈ تک اپنے کو ہتیار سے لاد رہے ہیں۔ اُن کے دل ایک دوسرے کی طرف خوفناک شہے اور نفرت سے بھر گئے ہیں۔ دنیا کے سبھی مرد، عورت اور بچوں کو ایک بھیہنکر آنت اپنے سامنے دکھائی دے رہی ہے۔ اندھی شان، بڑی کے جوہرے ابھیمان اور اُتھک ہاتھی کے بے لگ بیک ہر ملک کے شاسکوں کے دماغ میں گھر کر لیا ہے۔ جیہن کا ایسا درشن، جو دچے اور ادھیکار میں بیہود کو بڑھاتا ہے، جو بید کو دھرم بنا دیتا ہے، جو دیکھتی کو سینک پرشاک میں سجاکر آئے دیش بہت کہتا ہے اور جو نفل اور ظلم کو پوت اور آدار کو توبہ بتاتا ہے، اِس سچے آنتی کر رہا ہے۔ آج اُن لوگوں کے لئے کو نانونی شہنچے میں جو کسی دیکھتی کے گھر میں آک لادیں یا کسی دیکھتی کو نفل کردیں، لیکن شہر کے شہر چلے

کھلائی تھی پوری ہمدردی رکھتی تھی۔ ایک ایک گاؤں نے اس آجادی چین کجج کا سواگت کیا اور اُس کا ساتھ دیا۔ تین برس کی اُس آزادی جنگ کی تاریخ دنیا بھر کے دیہی بھگتوں کے لئے نور سے پڑنے کی چیز ہے۔ پیچھے ہٹتے ہٹتے چینانگ - کائی - شیک اور اُس کی بچی کھچی فوج نے فارموسا کے قاپو میں پناہ لی۔ امریکی جل سینا یہاں دیہی گھاتک چینانگ - کائی - شیک کی رکشا اور سپاہیوں کے لئے پہنچ گئی۔ ماؤتسے تنگ کی فوج کے پاس ایسی اٹلی جل سینا نہیں تھی کہ وہ ہاتھ کے ہاتھ فارموسا کو بھی چینانگ - کائی - شیک سے چھڑا لے۔ انہیں چین کے باقی دیہی کو بھی پھر سے آباد کرنا تھا۔ ان چار برس کے اندر جس طرح ماؤ - تسے تنگ اور اُن کی سرکار نے اپنے سے پہلے کے ویران اور ظلم چین کو آزاد اور پھر سے آباد کر کے خوشحال بنایا ہے اُس کی کہانی آج دنیا بھر میں پھیل چکی ہے۔ لیکن اِس تمام سہ میں نئے چین کی سرکار برابر یہ محسوس کرتی رہی کہ غیروں کے ہاتھوں میں فارموسا چین کی چھاتی پر ہمیشہ کے لئے ایک خنجر کی طرح ہے۔ حل میں اُنہوں نے ایک ایک کر فارموسا کے اُس پاس کے ڈپوؤں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ کئی چھوٹے بڑے قاپو وہ لے بھی چکے ہیں۔ پر وہ خواہ مخواہ امریکہ سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اُس لئے اُنہوں نے امریکہ سے مانگ کی ہے کہ وہ اپنی فوجیں فارموسا اور اُس کے اُس پاس سے ہٹا لے۔ امریکی سرکار اِس سے انکار کر رہی ہے۔ معاملہ ٹھیک اِس سہ نہیں پڑا ہوا ہے۔ ٹھیک آج کے دن فارموسا دنیا بھر میں سب سے بڑی خطرے کی جگہ دکھائی دیتا ہے۔ کل کیا ہوا کون جانتے۔ ہم اوپر کہ چکے ہیں کہ ہمیں آج سے آجہ نئیجوں کی آشا رکھتے ہوئے برے سے برے نتیجوں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہمیں وہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ فارموسا میں امریکی جہازی بیڑے اور امریکی فوجوں کا رہنا کپول نئے چین ہی کی چھاتی پر نہیں بھارت کی چھاتی پر اور سارے ایشیا کی چھاتی کے اوپر ایک خنجر کی طرح ہے۔ ایک کی غلطی میں ہم سب کی غلطی اور ایک کی آزادی میں ہم سب کی آزادی ہے۔ خاص کر اُس معاملے میں اپنے پرانے اور پیارے بڑوسی چین کی غلطی میں ہماری غلطی اور چین کی آزادی میں ہماری آزادی ہے۔ یہ سب ہم بہت تول کر اور پوری ذمہ داری کے ساتھ چاروں طرف کے حالات کو دیکھ کر رہے ہیں۔

فارموسا کے معاملے میں ہماری بے لوث سادہ ہے اور وہ یہ ہے:—

(1) فارموسا اور اُس کے اُس پاس کے سب قاپو چین کا حصہ ہیں۔ چینی قومی جسم کے انگ ہیں۔

(2) نئے چین کی سرکار اور چینانگ - کائی - شیک کے گروہ کے بیچ کا جھگڑا چین کا ایک گھریلو جھگڑا ہے۔

فارموسا کے معاملے میں ہماری بے لوث سادہ ہے اور وہ یہ ہے:—

(1) فارموسا اور اُس کے اُس پاس کے سب قاپو چین کا حصہ ہیں، چینی قومی جسم کے انگ ہیں۔

(2) نئے چین کی سرکار اور چینانگ - کائی - شیک کے گروہ کے بیچ کا جھگڑا چین کا ایک گھریلو جھگڑا ہے۔

ایک مبادی کبھی جرمنوں کو جرمنوں سے اور پچھلی یورپ کے لوگوں کو پوربی یورپ کے لوگوں سے لڑانے کی سوچنا ہے۔ کبھی آئندہ چائنا میں نساد کھڑے کرتا ہے، کبھی کوئی دہانا لے کر برٹش نیپولین کے لوگوں کی آزادی چھیننا چاہتا ہے، کبھی گوٹہ ملا کے دھن پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کبھی دھن کو آئر کوریا سے لڑا کر آئر کوریا کی کانٹوں کو ہتھیانا چاہتا ہے، کبھی فارموسا کو چین سے الگ کر کے دیس ٹھانک چینگ - کائی - شیک کی آڑ میں جب موقع ملے چن چن کو پھر سے غلام بنانے کی سوچنا ہے، کبھی کلکتہ میں اپنے فوجی آتے بنانا چاہتا ہے، کبھی آذربائیجان میں وہاں کے پرانے اصلی باشندوں کو اپنے قہور چرالے کے لئے زندہ رکھ کر اس مہادیپ کی دین سمیٹی کو ہمیشہ کے لئے اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ مبادی کبھی بھی پھوڑے کی شکل میں نمودار ہو اور نہیں ہی پھوڑے، جب تک پوری دنیا کا جسم اس مواد سے پاک نہیں ہوتا، تب تک دنیا کا کوئی ملک اور کسی ملک کی جتنا اس خطرے سے بچتی نہیں کہی جا سکتی۔ اپنی طاقت کو بڑھانے کا خاص ذریعہ ان لوگوں کے لئے جنگ ہے۔ دنیا دو بڑی بڑی جنگوں کی پروردہ کو دیکھ چکی ہے۔ تیسری جنگ سے جو پروردہ ہو سکتی ہے اس کا گمان کر کے بھی دل کلپ اٹھتا ہے، اسی لئے ضرورت ہے کہ دنیا کے سب ملکوں کی جتنا ملکر جہاں تک ممکن ہو سکے جنگ نہ ہونے دے، اور اگر ساری کرشمہ کرنے پر بھی جنگ ہو تو اپنے دلوں کو اس مصیبت کا سامنا کرنے کے لئے مضبوط کر لے۔ وینا کی سیبا میں چینی نائنٹیس نے بڑی سندرنا کے ساتھ کہا تھا کہ—ہماری ایستہی نون ہائوں میں ہے۔ پہلی یہ کہ ہم جنگ نہیں چاہتے، دوسری یہ کہ ہم جنگ سے نہیں ترے، تیسری یہ کہ ہم سب کو ملکر رہنا ہے۔

ایک ایسے سیمے جب نام یہ نوٹ لہ رہے ہیں انسانی قوم کے جسم کے اس پیرلے مواد کا سب سے اندک زور ہماری آئر پوربی سیمہ کے اس پار فارموسا کے ڈیو پور دیکھا دینا ہے۔ چینی لارگ فارموسا کو "تائیوان" کہتے ہیں۔ فارموسا اور اس کے آس پاس کے سب قاپو چین کا انگ ہیں۔ سن 1946 سے لے کر سن 1949 تک تین برس جب ماؤتسے تنگ کے اعدین چین کی کمیونسٹ فوج اور چینگ - کائی - شیک کی فوج میں جنگ رہی امریکہ کی سرکار نے زبردستی ہر طرح سے چینگ - کائی - شیک کو مدد دی۔ باوجود اس مدد کے چینگ - کائی - شیک کی فوجیں برابر ہارتی اور پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ کارن بالکل صاف تھا۔ چینگ - کائی - شیک کی فوجوں نے وڈیشیوں کے ساتھ ملکر ملک کو وڈیان کر رکھا تھا۔ دیس کی ساری جتنا آئر کمیونسٹ فوجوں کے ساتھ جو "آزاد چین فوج"

ایک مبادی کبھی جرمنوں کو جرمنوں سے اور پچھلی یورپ کے لوگوں کو پوربی یورپ کے لوگوں سے لڑانے کی سوچنا ہے، کبھی آئندہ چائنا میں نساد کھڑے کرتا ہے، کبھی کوئی دہانا لے کر برٹش نیپولین کے لوگوں کی آزادی چھیننا چاہتا ہے، کبھی گوٹہ ملا کے دھن پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کبھی دھن کو آئر کوریا سے لڑا کر آئر کوریا کی کانٹوں کو ہتھیانا چاہتا ہے، کبھی فارموسا کو چین سے الگ کر کے دیس ٹھانک چینگ - کائی - شیک کی آڑ میں جب موقع ملے چن چن کو پھر سے غلام بنانے کی سوچنا ہے، کبھی کلکتہ میں اپنے فوجی آتے بنانا چاہتا ہے، کبھی آذربائیجان میں وہاں کے پرانے اصلی باشندوں کو اپنے قہور چرالے کے لئے زندہ رکھ کر اس مہادیپ کی دین سمیٹی کو ہمیشہ کے لئے اپنے قابو میں کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ مبادی کبھی بھی پھوڑے کی شکل میں نمودار ہو اور نہیں ہی پھوڑے، جب تک پوری دنیا کا جسم اس مواد سے پاک نہیں ہوتا، تب تک دنیا کا کوئی ملک اور کسی ملک کی جتنا اس خطرے سے بچتی نہیں کہی جا سکتی۔ اپنی طاقت کو بڑھانے کا خاص ذریعہ ان لوگوں کے لئے جنگ ہے۔ دنیا دو بڑی بڑی جنگوں کی پروردہ کو دیکھ چکی ہے۔ تیسری جنگ سے جو پروردہ ہو سکتی ہے اس کا گمان کر کے بھی دل کلپ اٹھتا ہے، اسی لئے ضرورت ہے کہ دنیا کے سب ملکوں کی جتنا ملکر جہاں تک ممکن ہو سکے جنگ نہ ہونے دے، اور اگر ساری کرشمہ کرنے پر بھی جنگ ہو تو اپنے دلوں کو اس مصیبت کا سامنا کرنے کے لئے مضبوط کر لے۔ وینا کی سیبا میں چینی نائنٹیس نے بڑی سندرنا کے ساتھ کہا تھا کہ—ہماری ایستہی نون ہائوں میں ہے۔ پہلی یہ کہ ہم جنگ نہیں چاہتے، دوسری یہ کہ ہم جنگ سے نہیں ترے، تیسری یہ کہ ہم سب کو ملکر رہنا ہے۔

ایک ایسے سیمے جب نام یہ نوٹ لہ رہے ہیں انسانی قوم کے جسم کے اس پیرلے مواد کا سب سے اندک زور ہماری آئر پوربی سیمہ کے اس پار فارموسا کے ڈیو پور دیکھا دینا ہے۔ چینی لارگ فارموسا کو "تائیوان" کہتے ہیں۔ فارموسا اور اس کے آس پاس کے سب قاپو چین کا انگ ہیں۔ سن 1946 سے لے کر سن 1949 تک تین برس جب ماؤتسے تنگ کے اعدین چین کی کمیونسٹ فوج اور چینگ - کائی - شیک کی فوج میں جنگ رہی امریکہ کی سرکار نے زبردستی ہر طرح سے چینگ - کائی - شیک کو مدد دی۔ باوجود اس مدد کے چینگ - کائی - شیک کی فوجیں برابر ہارتی اور پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ کارن بالکل صاف تھا۔ چینگ - کائی - شیک کی فوجوں نے وڈیشیوں کے ساتھ ملکر ملک کو وڈیان کر رکھا تھا۔ دیس کی ساری جتنا آئر کمیونسٹ فوجوں کے ساتھ جو "آزاد چین فوج"

ہمارے سامنے کام یہ ہے کہ جو مصیبتیں جو تباہی اور جو بربادی پہلی جنگ سے پیدا ہو سکتی ہیں ان سے دنیا کو بچایا جاوے اور دنیا کی سب قوموں کو اپنی اپنی آزاد زندگی بسر کرنے، اپنے اپنے دیہوں کے دینی دولت کو بڑھانے اور ملکر سب کی سلامتی اور سب کی خوشحالی میں ایک دوسرے کو مدد دینے کا پورا پورا موقع دیا جاوے۔“

سہما نے ایک خاص اپیل یورپ کی जनता کے نام جاری کی جسमें جرمنی کے دو ٹکڑے کیے جانے، پچھم جرمنی کے گروہ کے ہاتھوں ہتیار بند کیے جانے اور ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا کڑا اور روک دیا گیا، اور صاف اعلان کر دیا گیا کہ ”یورپ کے لوگ اس گناہ کو ہرگز نہ کریں گے۔“ اس اپیل میں یہ بھی صاف کر دیا گیا ہے کہ خود پچھم جرمنی کی جتنا اس طرح ہتیاروں سے لیس کیے جانے کے خلاف ہے اور جرمنی کے دونوں حصوں کی علم جتنا ملنا چاہتی ہے اور پھر سے اپنے سارے ملک کو ایک کر کے دنیا کے سارے ملکوں کی جتنا کے ساتھ شانتی سے رہنا چاہتی ہے۔

پچھمی یورپ کو جنگ سے خطرہ

انگلینڈ، فرانس، بیلجیئم اور ہالینڈ کی जनता اور ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں۔ ان سب بڑے بڑے کینڈروں کو بالکل مٹا دینے کے لئے ہاتھ یا اٹھک سے اٹھک دس ہم ہالینڈ کے بڑے کینڈروں کو ختم کر جائے گی۔ فرانس کے بڑے کینڈروں اور بیلجیم اور ہالینڈ کے بڑے کینڈروں کو ختم کر دینے کے لئے اس سے بھی کم بموں کی ضرورت پڑے گی۔ باقی بچے ہوئے لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر اس آنت کا جو اثر ہوگا وہ الگ رہا۔“

فارموسا
سہما نے اپنی دلی کو جب یورپ والوں کو یورپ والوں سے لڑانا اور یورپ میں آگ لگانا بھی اتنا آسان دکھائی نہ دیا تو معلوم ہوتا ہے نگاہوں پر ایک بار ایشیا کی طرف گئیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مانو سماج کے شہر میں سماج پریم کا یہ ایک ہی زہریلا مواد ہے جو کبھی ایک جگہ پھوڑے کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی دوسری جگہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی

فراموسا

سہما نے اپنی دلی کو جب یورپ والوں کو یورپ والوں سے لڑانا اور یورپ میں آگ لگانا بھی اتنا آسان دکھائی نہ دیا تو معلوم ہوتا ہے نگاہوں پر ایک بار ایشیا کی طرف گئیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مانو سماج کے شہر میں سماج پریم کا یہ ایک ہی زہریلا مواد ہے جو کبھی ایک جگہ پھوڑے کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی دوسری جگہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی

سہما نے ایک خاص اپیل یورپ کی जनता کے نام جاری کی جس میں جرمنی کے دو ٹکڑے کیے جانے، پچھم جرمنی کے گروہ کے ہاتھوں ہتیار بند کیے جانے اور ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کا کڑا اور روک دیا گیا، اور صاف اعلان کر دیا گیا کہ ”یورپ کے لوگ اس گناہ کو ہرگز نہ کریں گے۔“ اس اپیل میں یہ بھی صاف کر دیا گیا ہے کہ خود پچھم جرمنی کی جتنا اس طرح ہتیاروں سے لیس کیے جانے کے خلاف ہے اور جرمنی کے دونوں حصوں کی علم جتنا ملنا چاہتی ہے اور پھر سے اپنے سارے ملک کو ایک کر کے دنیا کے سارے ملکوں کی جتنا کے ساتھ شانتی سے رہنا چاہتی ہے۔

پچھمی یورپ کو جنگ سے خطرہ

انگلینڈ، فرانس، بیلجیئم اور ہالینڈ کی जनता اور ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں۔ ان سب بڑے بڑے کینڈروں کو بالکل مٹا دینے کے لئے ہاتھ یا اٹھک سے اٹھک دس ہم ہالینڈ کے بڑے کینڈروں کو ختم کر جائے گی۔ فرانس کے بڑے کینڈروں اور بیلجیم اور ہالینڈ کے بڑے کینڈروں کو ختم کر دینے کے لئے اس سے بھی کم بموں کی ضرورت پڑے گی۔ باقی بچے ہوئے لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر اس آنت کا جو اثر ہوگا وہ الگ رہا۔“

فارموسا
سہما نے اپنی دلی کو جب یورپ والوں کو یورپ والوں سے لڑانا اور یورپ میں آگ لگانا بھی اتنا آسان دکھائی نہ دیا تو معلوم ہوتا ہے نگاہوں پر ایک بار ایشیا کی طرف گئیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مانو سماج کے شہر میں سماج پریم کا یہ ایک ہی زہریلا مواد ہے جو کبھی ایک جگہ پھوڑے کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی دوسری جگہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی

فارموسا

سہما نے اپنی دلی کو جب یورپ والوں کو یورپ والوں سے لڑانا اور یورپ میں آگ لگانا بھی اتنا آسان دکھائی نہ دیا تو معلوم ہوتا ہے نگاہوں پر ایک بار ایشیا کی طرف گئیں۔ سچی بات یہ ہے کہ مانو سماج کے شہر میں سماج پریم کا یہ ایک ہی زہریلا مواد ہے جو کبھی ایک جگہ پھوڑے کی شکل میں دکھائی دیتا ہے اور کبھی دوسری جگہ پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی

بھولوں کی رक्षा کے لیے چین اور روس دونوں کے ساتھ ہندوستان کا ہاتھ ملکا کر کھڑا ہے اور کھڑا رہے گا۔“

آخر میں ہم نے کہا کہ: — ”بھارت کو وشواس ہے کہ آجکل کے بدل چھوٹے اور آپکی یہ شاندار سپہا اپنا اور نچا اڈھن پورا کرے گی، دنیا کی شانتی، ترقی اور خوشحالی قائم رہے گی اور اسی کے ذریعہ دنیا کی سب قوموں کی ایکٹا چمک اٹھے گی۔ ہندوستان دل سے چاہتا ہے کہ ایٹم بم جیسے انسانی قتل عام کے ہتھیاروں کا استعمال بند کر دیا جاوے اور جہاں تک ممکن ہو دنیا جنگ سے بچتی رہے۔ پر اس کے ساتھ ہی اگر دنیا کو اس اگنی پریشا میں سے نکلنا ہی پڑے تو ہندوستان ذرا بھی اس سے بے ہیبت نہیں ہے۔ آپ سب کے ساتھ وہ اس آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے، کیونکہ ہندوستان کو وشواس ہے کہ دنیا کی جنتا کی شکتی کے سامنے آخر میں کوئی تہتیار یا کوئی ظم نہیں ٹھہر سکتا۔ ہم اس مصیبت سے بچنے اور دنیا کو بچانے کی ہر سک کوشش کریں گے۔ لیکن اگر ہمیں اس مصیبت سے گزرنا ہی پڑا تو ہمیں یہ بھی وشواس ہے کہ دنیا کی جنتا اس آزمائش میں سے اسی طرح چمکتی ہوئی باہر آئے گی جس طرح آگ میں سے سونہ، ظلموں میں سے سچائی یا صلیب پر سے حضرت عیسیٰ۔“

ویٹنا کے کچھ پرستار

ویٹنا کی سما نے جو پرستار اپنی 19 تاریخی کی बैठک میں پاس کیے انہیں اور باتوں کے ساتھ کہا گیا ہے کہ: —

”دنیا کی جنتا پھلے تاجر سے اچھی طرح جانتی ہے کہ (Bloes) میں بانٹ دینے، اپنا اپنا بول اور اپنی اپنی ڈھانچیاں بڑھانے اور اپنے اپنے آپریٹری امور مانوں کا پورا کرنے کے لیے جگہ کرنے کی اس پالیسی کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ مالی آراجکوا، باربادی، گراؤبی اور لڑائی بڑھے۔ دنیا کی یہ امن تھراؤک دنیا کی جنتا سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ان نئے خطروں کی اہمیت کو سمجھے اور جس طرح یہی ہو اپنے کو ان سے بچانے کی کوشش کرے۔ دنیا کے لوگ اگر مل کر کوشش کریں تو وہ ان الگ الگ اٹھاروں کی پالیسی کو ختم کر سکیں گے۔ وہ دونوں طرف کی سرگروں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ شانتی کے ساتھ ایک دوسرے سے بات چیت کریں، ہتھیاروں کو الگ کر دیں اور ایٹم کی فنی شکتی کو کھول دینا کے چنانچہ کاموں اور سب کی پہلانی کے لئے استعمال کریں۔ مانو ساج چپ چاپ ایٹمی جنگ کی آگ میں تمکلا جانا کھارا نہیں کرے گا۔“

”دنیا کی جنتا پھلے تاجر سے اچھی طرح جانتی ہے کہ (Bloes) میں بانٹ دینے، اپنا اپنا بول اور اپنی اپنی ڈھانچیاں بڑھانے اور اپنے اپنے آپریٹری امور مانوں کا پورا کرنے کے لیے جگہ کرنے کی اس پالیسی کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ مالی آراجکوا، باربادی، گراؤبی اور لڑائی بڑھے۔ دنیا کی یہ امن تھراؤک دنیا کی جنتا سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ان نئے خطروں کی اہمیت کو سمجھے اور جس طرح یہی ہو اپنے کو ان سے بچانے کی کوشش کرے۔ دنیا کے لوگ اگر مل کر کوشش کریں تو وہ ان الگ الگ اٹھاروں کی پالیسی کو ختم کر سکیں گے۔ وہ دونوں طرف کی سرگروں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ شانتی کے ساتھ ایک دوسرے سے بات چیت کریں، ہتھیاروں کو الگ کر دیں اور ایٹم کی فنی شکتی کو کھول دینا کے چنانچہ کاموں اور سب کی پہلانی کے لئے استعمال کریں۔ مانو ساج چپ چاپ ایٹمی جنگ کی آگ میں تمکلا جانا کھارا نہیں کرے گا۔“

”دنیا کی جنتا پھلے تاجر سے اچھی طرح جانتی ہے کہ (Bloes) میں بانٹ دینے، اپنا اپنا بول اور اپنی اپنی ڈھانچیاں بڑھانے اور اپنے اپنے آپریٹری امور مانوں کا پورا کرنے کے لیے جگہ کرنے کی اس پالیسی کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ مالی آراجکوا، باربادی، گراؤبی اور لڑائی بڑھے۔ دنیا کی یہ امن تھراؤک دنیا کی جنتا سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ان نئے خطروں کی اہمیت کو سمجھے اور جس طرح یہی ہو اپنے کو ان سے بچانے کی کوشش کرے۔ دنیا کے لوگ اگر مل کر کوشش کریں تو وہ ان الگ الگ اٹھاروں کی پالیسی کو ختم کر سکیں گے۔ وہ دونوں طرف کی سرگروں کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ شانتی کے ساتھ ایک دوسرے سے بات چیت کریں، ہتھیاروں کو الگ کر دیں اور ایٹم کی فنی شکتی کو کھول دینا کے چنانچہ کاموں اور سب کی پہلانی کے لئے استعمال کریں۔ مانو ساج چپ چاپ ایٹمی جنگ کی آگ میں تمکلا جانا کھارا نہیں کرے گا۔“

ویٹنا کے کچھ پرستار

ویٹنا کی سما نے جو پرستار اپنی 19 تاریخی کی बैठک میں پاس کیے انہیں اور باتوں کے ساتھ کہا گیا ہے کہ: —

‘کچلکچرے بے تے کی کہانی’ اور ‘خوئے دھڑ بھڑ کی کہانی’ ہندوستانیوں کی اچھی لگتی ہیں اور ان کے دلوں میں ان کے ایک خاص اثر پیدا کرتی ہیں۔ یہ بات دھیان دینے کی ہے کہ انگریزی راج کے خلاف لڑنے کے دنوں میں اور جب سے ہم نے آزادی حاصل کی ہے تب سے اب تک ہندوستانیوں اور انگریزوں کے بیچ ایک دوسرے سے نفرت یا ایک دوسرے کی بڑائی اتنی کم دکھائی دی ہے۔ ہم انگریزی راج سے نفرت کرتے تھے۔ ہم اُسے شیطانی راج مانتے تھے۔ پراس کے باوجود ہم انگریزوں سے بھاگتے تھے اور انگریز قوم میں جو بہت سے اچھے اچھے گن ہیں ان کی ہمارے دل میں قدر ہے اور ہمیشہ رہی۔“

آج کل کی سمسیوں کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ:—

‘ہتھیار باند لڑائی میں بھی چڑوں کی کچھ حد ہوتی ہے۔ ہمارے سارے ہتھیار باند لڑائی میں ہیں اور ان سب ہتھیار باند لڑائی میں جن میں ہندوستان نے حصہ لیا آپ کو سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں ملیں گی جن میں اگر دونوں لڑنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ سے تاور گر گئی تو سامنے کے بہادر نے اُس سے تک کے لئے اپنا ہاتھ روک لیا جب تک کہ پہلے سپاہی نے اپنی تاور پھر سے نہ سنبھال لی۔ نتیجے اور بے گناہ لوگوں پر حملہ کرنا ہم کاپڑا سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُس میں نیچتا اور دشمنی کی گندہ آتی ہے۔ ہر ہندوستانی سمجھتا ہے کہ جو لوگ ٹھنڈے ٹھنڈے ہتھیار بے گناہ اور نہایت مردوں، عورتوں اور بچوں، یہاں تک کہ چارباہوں پر لیتے ہوئے بیماروں اور ماؤں کی گرد میں ہمتے ہوئے بچوں کو قتل کرنے کی تجویزیں کر سکتے ہیں وہ مذہب یعنی سپہی، کلائے یا انسان سمجھے جانے کے بھی حقدار نہیں ہیں۔ آدمی کے اندر اس طرح کے شیطانی رجحانوں کو دیکھ کر بھارت کے لوگ دکھ اور غصہ سے بھر جاتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو بھی نیک کو شیں آپ انسانی خود کشی کے ان رجحانوں کو روکنے اور دنیا کی شانتی اور خوشحالی کو بچانے کے لئے کر رہے ہیں اور کرینگے ان کوششوں میں سمرچا بھارت آپ کے ساتھ ہے اور سدا آپ کے ساتھ رہے گا۔“

بھارت، چین اور روس کے بڑھتے ہوئے سمبندھوں اور دونوں طرف سے قریبی کششوں کے آنے جانے کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ:—

”ہمیں پورا وشواس ہے کہ چین اور روس دونوں اس چاہتے ہیں، جنگ نہیں چاہتے۔ ہمیں وشواس ہے کہ وہ دونوں اُن دیش کے ساتھ جن کا راج لاجی یا مالی سنگتوں اُن سے نہیں ملتا، امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے معاملے میں زبردستی دخل دینا نہیں چاہتے۔ اسی لئے ان دونوں

آج کل کی سمسیوں کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ:—

”ہتھیار باند لڑائی میں بھی چڑوں کی کچھ حد ہوتی ہے۔ ہمارے سارے ہتھیار باند لڑائی میں ہیں اور ان سب ہتھیار باند لڑائی میں جن میں ہندوستان نے حصہ لیا آپ کو سیکڑوں اور ہزاروں مثالیں ملیں گی جن میں اگر دونوں لڑنے والوں میں سے ایک کے ہاتھ سے تاور گر گئی تو سامنے کے بہادر نے اُس سے تک کے لئے اپنا ہاتھ روک لیا جب تک کہ پہلے سپاہی نے اپنی تاور پھر سے نہ سنبھال لی۔ نتیجے اور بے گناہ لوگوں پر حملہ کرنا ہم کاپڑا سمجھتے ہیں۔ ہمیں اُس میں نیچتا اور دشمنی کی گندہ آتی ہے۔ ہر ہندوستانی سمجھتا ہے کہ جو لوگ ٹھنڈے ٹھنڈے ہتھیار بے گناہ اور نہایت مردوں، عورتوں اور بچوں، یہاں تک کہ چارباہوں پر لیتے ہوئے بیماروں اور ماؤں کی گرد میں ہمتے ہوئے بچوں کو قتل کرنے کی تجویزیں کر سکتے ہیں وہ مذہب یعنی سپہی، کلائے یا انسان سمجھے جانے کے بھی حقدار نہیں ہیں۔ آدمی کے اندر اس طرح کے شیطانی رجحانوں کو دیکھ کر بھارت کے لوگ دکھ اور غصہ سے بھر جاتے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو بھی نیک کو شیں آپ انسانی خود کشی کے ان رجحانوں کو روکنے اور دنیا کی شانتی اور خوشحالی کو بچانے کے لئے کر رہے ہیں اور کرینگے ان کوششوں میں سمرچا بھارت آپ کے ساتھ ہے اور سدا آپ کے ساتھ رہے گا۔“

بھارت، چین اور روس کے بڑھتے ہوئے سمبندھوں اور دونوں طرف سے قریبی کششوں کے آنے جانے کی چرچا کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ:—

”ہمیں پورا وشواس ہے کہ چین اور روس دونوں اس چاہتے ہیں، جنگ نہیں چاہتے۔ ہمیں وشواس ہے کہ وہ دونوں اُن دیش کے ساتھ جن کا راج لاجی یا مالی سنگتوں اُن سے نہیں ملتا، امن سے رہنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے کے معاملے میں زبردستی دخل دینا نہیں چاہتے۔ اسی لئے ان دونوں

دیتے ہیں۔ پہلے یہ ہے کہ سارا مانو سماج ایک کنبہ ہے (روسو دیکھو کتبیم) اور ہم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرنا چاہیے جیسا ایک کنبہ کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہمارے پرانے ریشوں نے سارے انسانی سماج کی تولد ایک شہر یعنی ایک جسم کے ساتھ کی ہے جس کے ہم سب ہاتھ پیر وغیرہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر ہاتھ یا پیر میں درد ہو تو سر آرام سے نہیں رہ سکتا۔ ہمارا دوسرا اصول یہ ہے، اور یہ پہلے اصول سے ہی صاف نکلتا ہے، کہ ہمیں کسی دوسرے کو تکلیف نہیں دینی چاہیے (اگلسا)۔ اس صدی کے شروع میں ہمارے مہان نیتا مہاتما گاندھی کا سامنے آنا اور ہندوستان کا اُن کی آئوگی رہنمائی میں اگلسا کے ذریعہ ویدیشی راج سے آزادی کے ائمہ لڑنا کوئی اچانک بات نہیں تھی۔ اُن کی جڑیں ہمارے اگلسا میں، ہماری آؤنچی سے آؤنچی پرہیزوں میں اور ہمارے جیون میں گہری گئی ہوئی تھیں۔ میں بڑی نرمنا کے ساتھ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ دوسرے دیشوں کے ہمارے ساتھی ہندوستان کی آزادی کی لڑائی کے اگلسا کو دنا دینے سے رائے قائم کیے اور ہمدردی کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ قدرتی طور پر ہندوستان جنگ کو پسند نہیں کرنا۔ ہم یوں بھی جنگ کے خلاف ہیں اور ملکوں ملکوں کے بیچ کے جھگڑے طے کرنے کے لئے ہم جنگ کو ہرگز اچھا طریقہ نہیں مانتے۔“

بھارت سرکار کی ان کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے جو وہ ملکوں ملکوں کے بیچ کے جھگڑوں کو ایسی بات چیت سے طے کرانے کے لئے کرتی تھی، نے کہا کہ۔ ”بھارت کو اس بات کا پکا وشواس ہے کہ دنیا کے سب جھگڑے چائے وہ راج لکھی ہوں، مالی ہوں یا کوئی اور شانتی کے ساتھ بات چیت کر کے طے کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ نام میں گئی صبر ہو اور ہمارے دلوں میں نیکی ہو۔“

ہم نے یہ بھی کہا کہ :-

”میں نے ہندوستان کی جو رائے آپ کے سامنے رکھی ہے اُس سے ایک اور نتیجہ اپنے آپ نکلتا ہے اور وہ بہت اہم ہے۔ ہم بوائی اور بوائی کرنے والے میں صاف فرق کرتے ہیں۔ ہمیں بوائی سے نفرت ہے پر بوائی کرنے والے سے ہم پیار کرتے ہیں۔ ہمیں اُس میں کوئی بات آنوکی یا پسر پروردہی دکھائی نہیں دیتی۔ ہمارے کنبہ کا اگر کوئی آدمی جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتا ہے تو ہم میں سے کوئی اُس سے نفرت نہیں کرنا۔ اُس کے دوزیت اُس کے روگ کے کارن ہم اُسے اور بھی ادھک پیار کرتے ہیں، اُس کی سیوا کرتے ہیں اور اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔ تب پھر اگر کوئی ہمارا بیانی کسی نینک یعنی اخلاقی بیماری کا شکار ہو جائے تو ہم اُس کے ساتھ دوسری طرح کا برتاؤ کریں ؟ انجیل کے اندر

ہم نے یہ بھی کہا کہ :-
”میں نے ہندوستان کی جو راہ آپ کے سامنے رکھی ہے اس سے ایک اور نتیجہ اپنے آپ نکلتا ہے اور وہ بہت اہم ہے۔ ہم بوائی اور بوائی کرنے والے میں صاف فرق کرتے ہیں۔ ہمیں بوائی سے نفرت ہے پر بوائی کرنے والے سے ہم پیار کرتے ہیں۔ ہمیں اُس میں کوئی بات آنوکی یا پسر پروردہی دکھائی نہیں دیتی۔ ہمارے کنبہ کا اگر کوئی آدمی جسمانی طور پر بیمار پڑ جاتا ہے تو ہم میں سے کوئی اُس سے نفرت نہیں کرنا۔ اُس کے دوزیت اُس کے روگ کے کارن ہم اُسے اور بھی ادھک پیار کرتے ہیں، اُس کی سیوا کرتے ہیں اور اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔ تب پھر اگر کوئی ہمارا بیانی کسی نینک یعنی اخلاقی بیماری کا شکار ہو جائے تو ہم اُس کے ساتھ دوسری طرح کا برتاؤ کریں ؟ انجیل کے اندر

भाशन में नाटो कौन्सिल के उस फैसले की तरफ बैठक का ध्यान दिलाया और दुनिया के लोगों से अपील की कि बड़ इस खतरे से मानव जाति को बचाने के लिये अपनी आवाज बुलन्द करें.

बैठक में सब फैसले एक राय से किये गए. 19 जनवरी की बैठक में इन पंक्तियों के लेखक की सदरत में यह तय हुआ कि नीचे लिखी अपील के ऊपर सब मुल्कों के अधिक से अधिक आदमियों के दस्तखत कराए जायें ताकि दुनिया के करोड़ों बेगुनाह इनसानों को इस आफत से बचाने के लिये हवा तय्यार हो सके और साम्राज प्रेमियों का दिल बदल सके. अपील का मसौदा यह है :—

“ऐटमी लड़ाई की तय्यारियों के खिलाफ अपील”

“आज कुछ सरकारें ऐटम बमों की लड़ाई छेड़ देने की तय्यारियां कर रही हैं.

“वह लोगों से यह मनवाने की कोशिश कर रही हैं कि ऐटम बमों की लड़ाई जरूरी है.

“इस तरह के हथियारों के उपयोग का नतीजा आखीर में एक दूसरे को मिटा डालना होगा.

“हम ऐलान करते हैं कि जो सरकार ऐटमी हथियारों की लड़ाई छेड़ेगी उस पर से लोगों का ऐतबार बिल्कुल जाता रहेगा और दुनिया के सब लोग और सब क्रौमें उस पर लानत भेजेगी.

“अब और हमेशा हम उनका विरोध करेंगे जो ऐटमी लड़ाई की तय्यारी और उसकी व्यवस्था करेंगे.

“हम जोरों के साथ यह मांग करते हैं कि ऐटमी हथियारों के जितने अस्त्रार जहां भी मौजूद हों उन सब को नष्ट कर दिया जावे और आगे के लिये इस तरह के हथियारों का बनाया जाना एकदम बन्द कर दिया जाये.”

वीयना की बैठक में यह भी तय हुआ कि मई सन 1955 में फिनलैन्ड की राजधानी हिलसिन्की में तमाम मुल्कों के और हर राजकाजी विचार के इस तरह के लोगों की एक बहुत बड़ी सभा (World Assembly) की जावे जो जंग के खिलाफ और शान्ति के हक में हों, ताकि सब मिलकर इस सारी हालत पर गौर करें और दुनिया को ऐटमी जंग के भयंकर नतीजों से बचाने की कोशिश करें.

भारत की स्थिति

19 जनवरी की बैठक में इस मामले पर अपने देश की स्थिति को बताते हुए हमने अपने भाशन में कहा कि :—

“भारत परम्परा से शान्ति का उपासक है. हमारे हजारों बरस के इतिहास में, हमारे सारे जीवन और सारे साहित्य में, दो उसूल सबसे अधिक चमकते हुए दिखाई

पैशान में नाटो कौन्सिल के अस فیصلے کی طرف بیتھک کا دھیان دلایا اور دنیا کے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اس خطرے سے مانو جانے کو بچانے کے لئے اپنی آواز بلند کریں .

بیتھک میں سب فیصلے ایک رائے سے کئے گئے. 19 جنوری کی بیتھک میں ان پینکٹیوں کے لیکھ کی صدارت میں یہ طے ہوا کہ نیچے لکھی اپیل کے اوپر سب ملکوں کے ادھک سے ادھک آدمیوں کے دستخط کرانے چاہئیں تاکہ دنیا کے کروڑوں پر گناہ انسانوں کو اس آفت سے بچانے کے لئے ہوا تیار ہو سکے اور سامراج پریمیوں کا دل بدل سکے . اپیل کا مسودہ یہ ہے :—

“ایٹمی لڑائی کی تیاریوں کے خلاف اپیل”

“آج کچھ سرکاری اہم میں کی لڑائی چھیڑ دینے کی تیاریاں کر رہی ہیں .

“وہ لوگوں سے یہ منوانے کی کوشش کر رہی ہیں کہ ایٹم بوم کی لڑائی ضروری ہے .

“اس طرح کے ہتیاروں کے اڈیوگ کا نتیجہ آخر میں ایک دوسرے کو مٹا ڈالنا ہوگا .

“ہم اعلان کرتے ہیں کہ جو سرکار ایٹمی ہتیاروں کی لڑائی چھیڑے گی اس پر سے لوگوں کا اعتبار بالکل جاتا رہگا اور دنیا کے سب لوگ اور سب قومیں اس پر لعنت بھیجیں گی .

“اب اور ہمیشہ ہم ان کا وردہ کرینگے جو ایٹمی لڑائی کی تیاری اور اس کی ویوسٹا کرینگے .

“ہم زوروں کے ساتھ یہ مانگ کرتے ہیں کہ ایٹمی ہتیاروں کے جتنے امدار جہاں بھی موجود ہوں ان سب کو نشت کردیا جاوے اور آگے کے لئے اس طرح کے ہتیاروں کا بنایا جانا ایکدم بند کردیا جائے .”

وینا کی بیتھک میں یہ ہی طے ہوا کہ مئی سن 1955 میں فن لینڈ کی راجدھانی ہلسنکی میں تمام ملکوں کے اور ہر راج لاجی وچار کے اس طرح کے لوگوں کی ایک بہت بڑی سبھا (World Assembly) کی جاوے جو جنگ کے خلاف اور شانتی کے حق میں ہوں، تاکہ سب ملک اس ساری حالت پر غور کریں اور دنیا کو ایٹمی جنگ کے بھیںکر نتیجوں سے بچانے کی کوشش کریں .

بھارت کی استھتی

19 جنوری کی بیتھک میں اس معاملے پر اپنے دیس کی استھتی کو بتاتے ہوئے ہم نے اپنے پراشن میں کہا کہ :—

“بھارت پرہمرا سے شانتی کا اڑاسک ہے . ہمارے ہزاروں برس کے انتہاس میں، ہمارے سارے جیوں اور سارے ساعیہ میں، دو اصول سب سے ادھک چمکتے ہوئے دکھائی

تھ ہوا کہ یورپ میں یا ایشیا میں ایٹم بم اور ہائیڈرو-
جن بم کی لڑائی چھیڑ دینے کے لیے امریکا کی सरकार
کو اپنے دوسرے ساتھیوں یا نی انگلینڈ، فرانس وغیرہ کی
सरकारों سے सलाह करने की जरूरत न होगी. अमरीका की
सरकार को पूरा अधिकार है कि दुनिया में जब जहाँ ठीक
समय पर इस तरह के बमों की लड़ाई शुरू कर दे.

इसके साथ मानी यह है कि अगर एशिया के लोगों
को एशिया के लोगों से आसानी के साथ नहीं लड़ाया जा
सकता तो यूरोप के लोगों को यूरोप के लोगों से लड़ाकर ही
अपना मतलब पूरा किया जाय.

विना की शान्ति सभा

इस पर यूरोप के अमनपसन्द लोगों के अन्दर जिन्हें
अपने बाल बच्चे और घरबार प्यारे हैं एक तहलका मच
गया. 17, 18 और 19 जनवरी सन 1955 को आस्ट्रिया
की राजधानी विना में वर्ल्ड कौन्सिल आफ पीस (दुनिया
भर के क्रौमों की अमन कौन्सिल) की व्यूरो यानी वरकिंग
कमेटी की एक जरूरी बैठक बुलाई गई. उस बैठक में
इंगलैंड, फ्रांस, इटली, पच्छिमी जर्मनी, पूर्वी जर्मनी,
बेल्जियम, हालैंड, सुइजरलैंड जैसे यूरोप के देशों के
अलावा रूस, चीन, भारत, जापान, इन्डोनीशिया, ब्रह्मा,
टर्की, ईरान, कैनेडा, आस्ट्रेलिया, दक्खिन अमरीका के
देश, वगैरह वगैरह यानी एक अमरीका को छोड़कर दुनिया
के लगभग सब देशों के नुमाइन्दे मौजूद थे. इन पक्षियों
का लेखक भी विना की उस बैठक में मौजूद था.

विना की बैठक में इस बात पर गौर किया गया कि
एटम बमों की उस लड़ाई के नतीजे जिसकी यह साम्राज
प्रेमी तजवीज कर रहे हैं कितने भयंकर हो सकते हैं. इस
तरह के खतरनाक बम दोनों दलों के पास काफी तादाद में
मौजूद हैं. इनमें से कुछ नए बम ऐसे हैं जो उस बम के
मुक्ताबले में, जो दस साल पहले जापान के शहर हीरोशिमा
पर फेंका गया था, पच्चीस हजार गुना ज्यादा ताकतवर
हैं. सब मुल्कों के बड़े से बड़े साइन्सदानों की राय है कि
अगर इस तरह की लड़ाई एक बार छिड़ गई तो वह "दोनों
तरफ से आत्महत्या" (Mutual Suicide) की लड़ाई
होगी, और मुमकिन है कि उसके नतीजे की शकल में तमाम
इन्सानियत दुनिया से नेस्त नाबूद हो जावे. यह भी
मुमकिन है कि ऐसी लड़ाई से हमारी इस धरती टुकड़े हो
जावे और कोई जानदार इस पर न बच सके.

वर्ल्ड कौन्सिल आफ पीस के प्रेसीडेंट प्रोफेसर जूलियो
क्यूरी ने, जो इस समय दुनिया की पाक से पाक और
महान से महान आत्माओं में से हैं, जिनका दिल मानव
जाति के प्रेम से लबाबल भरा हुआ है, और जो खुद दुनिया
के बड़े से बड़े साइन्सदानों में गिने जाते हैं, अपने शुरू

के लक्ष्य को यूरप में या अशिया में अयूम अर हायड्रोजन
बम की लड़ाई चھیڑ دینے کے لئے امریکہ کی सरकार کو اپنے دوسرے
ساتھیوں یعنی انگلینڈ، فرانس وغیرہ کی सरकारوں سے صلاح کرنے
کی ضرورت نہ ہوگی. امریکہ کی सरकार کو پورا اندھیکار ہے کہ
دنیا میں جب جہاں ٹھیک سمجھے اس طرح کے بमों کی
लڑائی شروع کر دے.

اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر ایشیا کے لوگوں کو ایشیا
کے لوگوں سے آسانی کے ساتھ نہیں لڑایا جاسکتا تو یورپ
کے لوگوں کو یورپ کے لوگوں سے لڑکر ہی اپنا مطلب پورا
کیا جائے

وینا کی شانتی سभा

اس پر یورپ کے امن پسند لوگوں کے اندر جنہیں اپنے بال
بچے اور گھر بار پیارے ہیں ایک تھلکہ مچ گیا. 17، 18 اور 19
جنوری سن 1955 کو آسٹریا کی (اجدھانی ورلڈ کونسل
آف پیس) دنیا بھر کے قوموں کی امن کونسل) کی بیورو یعنی
ورکنگ کمیٹی کی ایک ضروری بیٹھک بلائی گئی. اس بیٹھک میں
انگلینڈ، فرانس، اٹلی، جیمینی جرمنی، پورنی جرمنی، بلجیم،
ہالینڈ، سوئزرلینڈ جیسے یورپ کے دیشوں کے علاوہ روس، چین، بھارت،
جاپان، انڈونیشیا، برہما، ترکی، ایران، کینیڈا، آسٹریلیا، دھین
امریکہ کے دیش وغیرہ وغیرہ یعنی ایک امریکہ کو چھوڑ کر دنیا
کے لگ بھگ سب دیشوں کے نمائندے موجود تھے. ان پکتنیں
کا لیٹھک بھی وینا کی اس بیٹھک میں موجود تھا.

وینا کی بیٹھک میں اس بات پر غور کیا گیا کہ ایٹم بموں
کی اس لڑائی کے نتیجے جس کی یہ سامراج پریمی تجویز
کر رہے ہیں کتنے ہوشکتے ہیں. اس طرح کے خطرناک ہم
دشوں داؤں کے پاس کئی تعداد میں موجود ہیں. ان میں
سے کچھ نئے ہم ایسے ہیں جو اس بم کے مقابلے میں، جو دس
سال پہلے جاپان کے شہر ہیروشما پر پھینکا گیا تھا، پچیس ہزار
گنا زیادہ طاقتور ہیں. سب ملکوں کے بڑے سے بڑے سائنس
دانوں کی رائے ہے کہ اگر اس طرح کی لڑائی ایک بار چھڑ گئی
تو وہ "دونوں طرف سے آتم ہتیا" (Mutual Suicide)
کی لڑائی ہوگی، اور ممکن ہے کہ اس کے نتیجے کی شکل میں
تمام انسانی نسل دنیا سے نیست نابود ہو جاوے. یہ بھی
ممکن ہے کہ ایسی لڑائی سے ہماری اس دھرتی کے تکرے ہو
جاویں اور کوئی جاندار اس پر نہ بچ سکے.

ورلڈ کونسل آف پیس کے پریسیڈنٹ پروفیسر جولیو
کوری نے، جو اس سمہ دنیا کی پاک سے پاک اور
مہان سے مہان آدماء میں سے ہیں، جن کا دل مانو جانی
کے پریم سے لبااب بھرا ہوا ہے، اور جو خود دنیا کے بڑے
سے بڑے سائنس دانوں میں گنے جاتے ہیں، اپنے شروع کے

ابھی چار دن ہوئے ایشیا کے کچھ دیہاتوں خاص کر فارموسا، کوریا، جاپان، فلپائن، نیوزی لینڈ، اور آسٹریلیا کے ساتھ ایک فوجی سمجھوتے کر کے امریکہ کی سرکار نے اس مہادیپ کے اندر اپنا ایک زبردست فوجی سنگتوں کھڑا کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہ کوشش ہوا تو جلد ہی یہ فوجی حاکموں نے کچھ شہروں میں گھنٹہ بھر کے لیے ”ایشیا والوں کو ایشیا والوں سے لڑا کر“ اپنا مطالبہ پورا کر دیا۔ چال بہت پرانی ہے۔ پر اب زمانہ بدلتا ہے۔ اس کھلی آواز کے خلاف دیکھتے ہی ایشیا کے لوگ چونکے ہوئے۔ ایشیائی قوموں کی کانفرنسیں ہوئیں، ہو رہی ہیں اور ہونے جارہی ہیں۔ ہندوستان اور چین نے ایکٹ کے پانچ سہرے اصولوں کا اعلان کر کے آپس میں دوستی کا سمجھوتا کیا۔ یہ پانچ اصول بہت سیدھے سادھے ہیں:— ایک دوسرے کی آزادی اور سلامتی کا آدر کرنا، ایک دوسرے کے اندر کے معاملوں میں کسی طرح کا دخل نہ دینا، مل کر رہنا، دوسرے پر حملہ نہ کرنا اور آپسی تجارت وغیرہ میں وہ طریقہ برتنا جو دونوں کو منظور ہو اور جس سے دونوں کا فائدہ ہو۔ انہیں اصولوں پر ایشیا کی سب قومیں ایک ہوتی جارہی ہیں۔ یہ اصول دنیا کے سب ملکوں کے لیے ملکر امن سے رہنے کے بنیادی اور سب کے لیے کے اصول ہیں۔ دکھائی دینے لگا کہ ایشیا کے لوگوں کو ایشیا کے لوگوں سے مل کر اپنا آسان نہیں ہے۔

سامراج پریمیوں نے اب دوسری طرف دھیان دیا۔ جس طرح کا فوجی سنگتوں اس گٹ نے کچھ ایشیائی دیہاتوں کے ساتھ سمجھوتے کر کے کھڑا کیا ہے جیسے ”سیڈو“ (S.E.A.T.O.)، کہا جاتا ہے اسی طرح کا ایک دوسرا فوجی سنگتوں انہوں نے پچھلی یورپ اور امریکا کے کچھ ملکوں کو مل کر کھڑا کیا ہے جسے ”ناٹو“ (N.A.T.O.) کہا جاتا ہے۔ اس ناٹو کونسل کی ایک बैठک دسمبر سن 1954 میں پیرس میں ہوئی۔ جرمنی کے دو ہڈے کیے جا چکے ہیں—ایک پچھلی جرمنی جس میں امریکا کا بول بالا ہے اور دوسرا پوری جرمنی جو روس کے اثر میں ہے۔ پیرس کی کونسل نے طے کیا کہ پچھلی جرمنی کو اچھی طرح ہتھیاروں اور فوجوں سے لیس کیا جائے اور ناٹو سنگتوں کے اندر جن جن ملکوں کی فوجیں شامل ہیں ان سب کو اندھیکار دیا جائے کہ وہ ایٹم بم اور ہائڈروجن بم لڑائی میں استعمال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہ بھی طے ہوا کہ ان سب فوجوں کو ایٹم بم اور ہائڈروجن بم مہیا کر دئے جائیں۔ معلوم ہوا کہ پیرس اور ایشیا میں دونوں جگہ یہاں تک کہ فارموسا، کوریا اور جاپان میں امریکی فوجوں کے پاس اس طرح کے خطرناک ہتھیار کافی تعداد میں پہنچ چکے ہیں۔ یہ بھی

ابھی چار دن ہوئے ایشیا کے کچھ دیہاتوں خاص کر فارموسا، کوریا، جاپان، فلپائن، نیوزی لینڈ، اور آسٹریلیا کے ساتھ ایک فوجی سمجھوتے کر کے امریکہ کی سرکار نے اس مہادیپ کے اندر اپنا ایک زبردست فوجی سنگتوں کھڑا کرنے کی کوشش شروع کی۔ یہ کوشش ہوا تو جلد ہی یہ فوجی حاکموں نے کچھ شہروں میں گھنٹہ بھر کے لیے ”ایشیا والوں کو ایشیا والوں سے لڑا کر“ اپنا مطالبہ پورا کر دیا۔ چال بہت پرانی ہے۔ پر اب زمانہ بدلتا ہے۔ اس کھلی آواز کے خلاف دیکھتے ہی ایشیا کے لوگ چونکے ہوئے۔ ایشیائی قوموں کی کانفرنسیں ہوئیں، ہو رہی ہیں اور ہونے جارہی ہیں۔ ہندوستان اور چین نے ایکٹ کے پانچ سہرے اصولوں کا اعلان کر کے آپس میں دوستی کا سمجھوتا کیا۔ یہ پانچ اصول بہت سیدھے سادھے ہیں:— ایک دوسرے کی آزادی اور سلامتی کا آدر کرنا، ایک دوسرے کے اندر کے معاملوں میں کسی طرح کا دخل نہ دینا، مل کر رہنا، دوسرے پر حملہ نہ کرنا اور آپسی تجارت وغیرہ میں وہ طریقہ برتنا جو دونوں کو منظور ہو اور جس سے دونوں کا فائدہ ہو۔ انہیں اصولوں پر ایشیا کی سب قومیں ایک ہوتی جارہی ہیں۔ یہ اصول دنیا کے سب ملکوں کے لیے ملکر امن سے رہنے کے بنیادی اور سب کے لیے کے اصول ہیں۔ دکھائی دینے لگا کہ ایشیا کے لوگوں کو ایشیا کے لوگوں سے مل کر اپنا آسان نہیں ہے۔



سامراج پرمی دل اور اُس کی چاہیں

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

سامراج پرمی دل اور اُس کی چاہیں

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

ایک طرف ایشیا اور افریقہ کی پرانی قومیں اور وہ دوسری قومیں جو کچھ عرصہ سے غیروں کی راج لاجی یا تجارتی غلامی میں دی ہوئی تھیں آزاد ہونے اور پہلے پہلے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں، اور دوسری طرف پچھم کی کچھ قوموں کے کچھ پڑوسی بٹی دل جن کی سامراج کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے یا جن کی دوسروں کو چرس کو موٹا ہونے کی لالسا ابھی مٹی نہیں ہے جگہ جگہ اپنی اس لالسا کو پورا کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ ہے تہڑے سے شیدوں میں اس وقت کی دنیا کی حالت کا انچور۔

سुन्दर नमूने हमें इसमें मिलते हैं. शाही सैनिकों, मिनिस्ट्रों, सरकारी अफसरों, सबके चरित्र पर सुन्दर रोशनी पड़ती है.

‘दि गेनेरल लिगिंग माउन्टेन्स’ पुनसेक का लिखा है. इसमें क्रान्ति विरोधी शक्तियों का किस तरह दमन किया गया यह चित्रित किया गया है. ‘व्हीट’ (गेहू) और ‘दि ओल्ड रोफर्ड’ (बुढ़ा चरबाहा) बड़े सुन्दर रेखाचित्र हैं. सम्पादकीय केवल दो सफे का है और लेखों का परिचय देता है.

इसी नम्बर में कुछ सुन्दर चित्र भी हैं. ‘आन दि वे होम (वापस घर जाते हुये) और ‘फारेस्ट’ (वन) सुन्दर और भावपूर्ण तिरंगे चित्र हैं. ‘याकों का क्राफला’ यकरंगा लेकिन पुरअसर चित्र है.

चाइनीष लिटरेचर अंग्रेजी भाशा भाशियों को आधुनिक और पुरातन दोनों तरह के साहित्य और चित्रों से परिचय कराने का उत्तम माध्यम है. हमें उम्मीद है इसका स्टैंडर्ड बराबर इसी तरह ऊंचा रहेगा.

—विरवम्भरनाथ पांडे

سندر نمونے ہمیں اِس میں ملتے ہیں. شاهی سینیکیوں، منسٹروں، سرکاری افسروں، سب کے چرتر پر سندر روشنی پڑتی ہے.

‘دی گولڈن کھلنگ مارنٹھنس’ پن سیک‘ کا لکھا ہے. اِس میں کرانٹی وورڈھی شکتیوں کا کس طرح دمن کیا گیا یہ چترت کیا گیا ہے. ‘وہف’ (گہوں) اور ‘دی اولڈ شوہرڈ’ (بوڑھا چرواہا) بڑے سندر ریکھا چتر ہیں. سمپادکی، کیول دو صفحے کا ہے اور لیکھوں کا پریچھے دیتا ہے.

اِسی نمبر میں کچھ سندر چتر بھی ہیں. ‘آن دی رے ہم’ (واپس گھر جاتے ہوئے) اور ‘فاریسٹ’ (وں) سندر اور بھائیوں ترنگے چتر ہیں. ‘یاکوں کا فافلا’ یکرنگا لیکن پرائٹر چتر ہیں.

چائیز لٹریچر انگریزی بھاشا بھاشیوں کو آدھونک اور پرانی دونوں طرح کے ساہتیہ اور چتروں سے پریچھے کرانے کا اتم مادھم ہے. ہمیں اُمید ہے اِس کا اِسٹینڈرڈ برابر اِسی طرح اُرتھچا رہے گا.

—وشومبھار ناتھ پانڈے

हजरत अयूब सुसलमानों के एक बहुत माने हुए बली हुए हैं. वह बड़े दयालु थे. उनके सीने में जरुम हो गये थे और उनमें कीड़े पड़ गये थे. एक रोज आप मदीने में एक स्थान पर खड़े हुए थे कि चन्द कीड़े जरुम से निकलकर जमीन पर गिर पड़े. तब आपने उन कीड़ों को जमीन से उठाकर दुबारा अपने जरुम में रख लिया. लोगों के पूछने पर हजरत ने फरमाया— “कुदरत ने इन कीड़ों की खुराक यही दी है, अलहदा होने पर मर जायेंगे. जब हम किसी में जान नहीं डाल सकते, तब हमें उनकी जान लेने का क्या हक है ?”

حضرت ایوب مسلمانوں کے ایک بہت مانے ہوئے والی ہوئے ہیں. وہ بڑے دیاالو تھے. اُن کے سینے میں زخم ہوگئے تھے اور اُن میں کیڑے پڑگئے تھے. ایک روز آپ مدینہ میں ایک استھان پر کھڑے ہوئے تھے کہ چند کیڑے زخم سے نکل کر زمین پر گر پڑے. تب آپ نے اُن کیڑوں کو زمین سے اُٹھا کر دوبارہ اپنے زخم میں رکھ لیا. لوگوں کے پوچھنے پر حضرت نے فرمایا— “قدرت نے اِن کیڑوں کی خوراک یہیں دی ہے، علیحدہ ہوئے پر مَر جائیں گے. جب ہم کسی میں جان نہیں ڈال سکتے، تب ہمیں اُن کی جان لینے کا کیا حق ہے ؟”

کتابچہ

چائیز لٹریچر (4-1954)

چائیز لٹریچر (4-1954)

آگرےزی زبان کا چینی تہا۔ ایڈیٹر ماؤ تن؛ صفحہ—
205؛ ملنے کا پتہ—نارین لنگویج پریس، 26 کو—ہوئی—چہہ،
پینگ، چائنا؛ قیمت—لکھی نہیں۔

آگرےزی زبان میں اس چینی تہا رسالے کا چوتھا نمبر
ہمارے سامنے ہے۔ چہائی صغائی اس کی بیحد سندر ہے۔
کف عمده لگایا گیا ہے۔

اس نمبر میں ’دی لائف آف دی اسکالرس‘ (دوانوں
کی زندگی) اور ’دی پیلےس آف ڈرنل یوٹ‘ (آمر یون
کا محل) کے مشہور اور جنگ، تزو اور ہونگ-شینگ کے
لکھے ہوئے ہیں۔ سن 1954 میں پہلے لیکھ کی 200 ویں
اور دوسری کی 250 ویں مرتبہ تھی مٹائی گئی۔ دونوں
لیکھوں کا جنم اس سے ہوا جب مانچو-شاسن کے اندر
جذبات پر طرح طرح کے ظلم اور انیادار ہو رہے تھے۔ راجیہ دور
بنائے ہوئے دم وداؤن کے لئے ایک شکنجے کا کام دے رہے
تھے۔ اصلی ودواؤن کی کوئی قیمت نہ تھی۔ ودواؤن کا آتم
سمان گھٹ گھٹ کر ختم ہو رہا تھا۔ نقلی ودواؤن کا ملمع
چڑھا کر جاہل پیش پیش تھے۔ معطلوں میں عیش و عشرت
کا ہول ہلا تھا۔ چارس اور ہاس ولس چلتے تھے۔ راجیہ دور
کی سندریاں، آچے سے آچے کاؤں کی داسی کے روپ میں
محل میں لائی جاتی تھیں۔ سمرات کی کرپا درشتی جس
پر ہو جاتی تھی اسے ’کنکھیل‘ (Concubine) کا رتبہ
دیا جاتا تھا۔ اس کے لئے وہ خود اور اس کا پرہیز
سمرات کی کرپیکتا جاتا تھا۔ اسے سمرات کا
مہمان پریم، کم کر ورثن کیا گیا ہے۔ کنکھیل رجناؤں
میں؟ ہے۔ اس زمانے کے چینی سامراج ریتی رواجوں
کی جھانکیاں ان میں ملتی ہیں۔ پیلےس آف دی ڈرنل یوٹ
کے لیکھ میں اونچے درجے کی کوٹو شکتی ہے۔ کویتا کے کچھ

ایسی کو عیسیٰ ابشور کی حکومت کہتے تھے، ایسی کو گاندھی جی نے رام راجہ کہا۔ ایسی کو رنوبا جی شاسن مکت سماج کہتے ہیں۔ ایس سماج کی طرف جتنا ہم زیادہ بڑھتے ہوں آگنی ہی رشو شانتی مضبوط اور تانم کا روپ لیتی ہے اور رشو شانتی کے لٹو چو نچا سماج مندر پنے گا اُس کی دیواریں گراموں روگ کی ہی ہو سکتی ہیں۔

صبح اُٹھ کر دیکھا تو سب سے پہلے سنہرے حرفوں
میں اسی کا نام ڈائری میں درج تھا !

है। उसी चीज को महात्मा गान्धी जी ने ट्रस्टीशिप या थातीदारी के सिद्धान्त के तौर पर पेश किया। उस चीज को अमली जामा पहनाने के लिये सन्त विनोबा ने भूदान-यज्ञ का कार्यक्रम हमारे सामने रखा है। जमीन ही या सम्पत्ति, इन पर निजी मालकियत अब किसी एक व्यक्ति की नहीं रहनी चाहिये, न सरकार की ही रहनी चाहिये। चीजों पर मालकियत समाज की हो, और सम्पत्ति फुटबाल की गेन्द की तरह समाज में लुढ़कती रहे, एक हाथ से दूसरे हाथ में आती जाती रहे। यानी जिस तरह परिवार के अन्दर सम्पत्ति की मालकियत नहीं होती, उसी तरह समाज के अन्दर भी सम्पत्ति की निजी मालकियत नहीं रहनी चाहिये। जो चीज है वह समाज की। व्यक्ति अपनी जरूरत के मुताबिक एक ट्रस्टी के तौर पर उसका इस्तेमाल कर सकता है।

ग्रामोद्योग और विश्वशान्ति का बोली और दामन का साथ है, लेकिन आज जरूरत न होने पर आगे के लिये उसका संग्रह नहीं करेगा। संग्रह समाज में होगा, व्यक्ति में नहीं। इसके लिये फिर यह जरूरी होगा कि हर व्यक्ति मेहनत करे। यह नहीं कि कुछ लोग मेहनत ही करते रहें और कुछ लोग उस मेहनत का मज्जा लेते रहें। सभी मेहनत करेंगे और सभी उसका मज्जा लेंगे। चाहे प्राक्सेर हो, चाहे वैज्ञानिक, चाहे जज, चाहे राज्यकर्ता, चाहे साबैजनीक कार्यकर्ता, हर किसी को उत्पादक शरीर श्रम कर्ज समझकर करना होगा। शरीर श्रम को एक सामाजिक नित्य कर्म का रूप मिलेगा। वह समाज धर्म बनेगा। व्यक्ति श्रम परायण होगा और उसकी सारी सेवा समाज के लिये अर्पित होगी। प्रसाद के रूप में जो कुछ समाज से उसे मिलेगा, वह उसे ग्रहण करेगा। अगर यह नहीं होता है तो दुखी दुखी ही रहेंगे और अशान्ति बढ़ती जायगी।

निजी मालकियत खतम हो और हर कोई कुछ न कुछ उत्पादक श्रम करे, दूसरे शब्दों में अपनी बुनियादी जरूरतों में हर आदमी जहां तक हो सके खुद मुस्ततार हो। हर घर या हर गांव स्वावलम्बी हो, दूसरों का कम से कम मोहताज हो। जितना स्वावलम्बन बढ़ेगा उतनी ही शान्ति बढ़ेगी। जब गांव गांव अपने पैरों पर खड़े होंगे तो खाना कपड़ा जैसी बुनियादी चीजों के लिये बड़े बड़े कारखानों की जरूरत नहीं रहेगी। हर गांव इसमें खुद काफी होगा। यह बिना ग्रामोद्योग के नामुमकिन है। अब तक ग्रामोद्योग बहुत कुछ लाचारी के रूप में दुनिया में चले। लेकिन विज्ञान बता रहा है कि आगे ग्रामोद्योग इसलिये चलने चाहिये कि दुनिया में शान्ति कायम हो और मनुष्य जिन्दा रह सके। बुनियादी जरूरतों के लिये बड़े बड़े कारखानों के दिन लद गये। इधियारबन्दी के दिन लद गये। हिफाजत के लिये फौजी

है। अस्। चिज को मेहनत गान्धी जी ने ट्रस्टीशिप या थातीदारी के सिद्धान्त के तौर पर पेश किया। उस चीज को अमली जामा पहनाने के लिये सन्त विनोबा ने भूदान-यज्ञ का कार्यक्रम हमारे सामने रखा है। जमीन ही या सम्पत्ति, इन पर निजी मालकियत अब किसी एक व्यक्ति की नहीं रहनी चाहिये, न सरकार की ही रहनी चाहिये। चीजों पर मालकियत समाज की हो, और सम्पत्ति फुटबाल की गेन्द की तरह समाज में लुढ़कती रहे, एक हाथ से दूसरे हाथ में आती जाती रहे। यानी जिस तरह परिवार के अन्दर सम्पत्ति की मालकियत नहीं होती, उसी तरह समाज के अन्दर भी सम्पत्ति की निजी मालकियत नहीं रहनी चाहिये। जो चीज है वह समाज की। व्यक्ति अपनी जरूरत के मुताबिक एक ट्रस्टी के तौर पर उसका इस्तेमाल कर सकता है।

ग्रामोद्योग और विश्वशान्ति का बोली और दामन का साथ है, लेकिन आज जरूरत न होने पर आगे के लिये उसका संग्रह नहीं करेगा। संग्रह समाज में होगा, व्यक्ति में नहीं। इसके लिये फिर यह जरूरी होगा कि हर व्यक्ति मेहनत करे। यह नहीं कि कुछ लोग मेहनत ही करते रहें और कुछ लोग उस मेहनत का मज्जा लेते रहें। सभी मेहनत करेंगे और सभी उसका मज्जा लेंगे। चाहे प्राक्सेर हो, चाहे वैज्ञानिक, चाहे जज, चाहे राज्यकर्ता, चाहे साबैजनीक कार्यकर्ता, हर किसी को उत्पादक शरीर श्रम कर्ज समझकर करना होगा। शरीर श्रम को एक सामाजिक नित्य कर्म का रूप मिलेगा। वह समाज धर्म बनेगा। व्यक्ति श्रम परायण होगा और उसकी सारी सेवा समाज के लिये अर्पित होगी। प्रसाद के रूप में जो कुछ समाज से उसे मिलेगा, वह उसे ग्रहण करेगा। अगर यह नहीं होता है तो दुखी दुखी ही रहेंगे और अशान्ति बढ़ती जायगी।

निजी मालकियत खतम हो और हर कोई कुछ न कुछ उत्पादक श्रम करे, दूसरे शब्दों में अपनी बुनियादी जरूरतों में हर आदमी जहां तक हो सके खुद मुस्ततार हो। हर घर या हर गांव स्वावलम्बी हो, दूसरों का कम से कम मोहताज हो। जितना स्वावलम्बन बढ़ेगा उतनी ही शान्ति बढ़ेगी। जब गांव गांव अपने पैरों पर खड़े होंगे तो खाना कपड़ा जैसी बुनियादी चीजों के लिये बड़े बड़े कारखानों की जरूरत नहीं रहेगी। हर गांव इसमें खुद काफी होगा। यह बिना ग्रामोद्योग के नामुमकिन है। अब तक ग्रामोद्योग बहुत कुछ लाचारी के रूप में दुनिया में चले। लेकिन विज्ञान बता रहा है कि आगे ग्रामोद्योग इसलिये चलने चाहिये कि दुनिया में शान्ति कायम हो और मनुष्य जिन्दा रह सके। बुनियादी जरूरतों के लिये बड़े बड़े कारखानों के दिन लद गये। इधियारबन्दी के दिन लद गये। हिफाजत के लिये फौजी

उद्योग अब खतम कर दिये जायें ? या विज्ञान जो तरक्की कर रहा है उससे मुह मोड़कर पीछे की ओर हटा जाये. पीछे की तरफ न हटने की जरूरत है न हटाया जा सकता है. विज्ञान डंक की चोट पर बता रहा है कि जब भौगोलिक रूप से दुनिया एक परिवार बनी है तो सामाजिक रूप से भी दुनिया को एक परिवार बनना चाहिये. इसलिये जो गुण और मूल्य परिवार के अन्दर मान्य हैं उनको समाज के अन्दर भी मान्यता मिलनी चाहिये. अगर उन गुणों और मूल्यों से परिवार के अन्दर आनन्द रहता है तो फिर समाज के अन्दर क्यों नहीं रहेगा ?

परिवार की दो खास खूबियाँ हैं. एक वो यह कि परिवार के अन्दर निजी मालकियत नहीं होती. परिवार में सुख और दुख बांट लिया जाता है. परिवार में किसी भी सदस्य की कमाई क्यों न हो उसमें सब सदस्य शरीक होते हैं. दूसरी यह है कि परिवार में हर कोई दूसरे की खातिर मर मिटना चाहता है. यह भावना काम करती है कि घर में दूसरे को पहले मिल जाये पीछे मुझे मिले. माता घर में सब से ज्यादा काम करती है लेकिन सबसे बाद में खाती है. बच्चे सबसे कम कमाई करते हैं लेकिन सबसे पहले खाते हैं. बाप की भी यही कोशिश रहती है कि किस तरह बच्चे मुझसे ज्यादा बढ़ चढ़ जायें. परिवार के अन्दर हर चीज सब के लिये है. ऐसा नहीं होता कि अगर उसमें आठ आदमी हैं तो छे ख़ा पी लें और दो को उस वक़्त तक भूका रखा जाये जब तक पैदावार या आमदनी काफ़ी न हो. अगर कम है तो सब लोग कम खायेंगे. अगर ज्यादा है तो सब लोग ज्यादा खायेंगे. लेकिन घर के बाहर आकर समाज के अन्दर हम क्या देखते हैं ? बिल्कुल उलटा नज़रा है. हर चीज पर मालकियत का रोब जमाया जाता है. हर किसी की यह काशिश रहती है कि मुझे पहले मिले, और दूसरों का बाद में. इसी का नतीजा है कि विज्ञान जितने सुख और वैभव का आविष्कार करता जाता है, उतने ही वह चन्द गिने चुने लोगों के हाथ में पहुँचता जाता है, और ज्यादा से ज्यादा लोग उससे वंचित होते जाते हैं, और देश देश की सरकारें दूसरे देशों को तरह तरह की चीज़ों के लिये तरसानी और अपने पर आधारित रखवाना चाहती हैं. इस तरह विज्ञान सत्ता के बस में खेल रहा है, और दुनिया में गरीबी और अशान्ति फैल रही है.

यह हालत अगर ज्यादा दिनों चलती रही तो विज्ञान मनुष्य जाति को ही मिटा डालेगा. हिन्सा और विज्ञान के संयोग से दुनिया का नाश ही होने वाला है. समय आ गया है कि इस पर गहराई से विचार किया जाय और ठीक रास्ते की तरफ़ दुनिया चले. वह रास्ता बही है जो सब धर्मों के सन्तों, साधुओं और पैगम्बरों ने हमेशा से बताया. जो बात उन्होंने बताई उसी की तरफ़ विज्ञान इशारा कर रहा

ادیوگ اب ختم کر دئے جائیں ؟ یا دگیان جو ترقی کر رہا ہے اُس سے منہ مڑ کر پیچھے کی اُور ہٹا جائے ؟ پیچھے کی طرف نہ ہٹنے کی ضرورت ہے نہ ہٹایا جاسکتا ہے . دگیان ڈنکے کی چوٹ پر بتا رہا ہے کہ جب ہیرگوگک روپ سے دنیا ایک پریوار بنی ہے تو سماجک روپ سے بھی دنیا کو ایک پریوار بننا چاہئے . اِس لئے جو گن اور مولیہ پریوار کے اندر مانیتھ ہیں اُن کو سماج کے اندر بھی مانیتھ ماننی چاہئے . اگر اُن گنوں اور مولیوں سے پریوار کے اندر آئند رہتا ہے تو پھر سماج کے اندر کیوں نہیں بھیگا ؟

پریوار کی دو خاص خوبیوں ہیں . ایک تو یہ کہ پریوار کے اندر نجی مالکیت نہیں ہوتی . پریوار میں سب کے ہر بات لیا جاتا ہے . پریوار میں کسی بھی سدسیہ کی کمائی کیوں نہ ہو اُس میں سب سدسیہ شریک ہوتے ہیں . دوسری یہ ہے کہ پریوار میں ہر کوئی دوسرے کی خاطر مومتنا چاہتا ہے . یہ بھانڈا کلم کرتی ہے کہ گھر میں دوسرے کو پہلے مل جائے پیچھے مجھے ملے . ماتا گھر میں سب سے زیادہ کام کرتی ہے لیکن سب سے بعد میں کمائی ہے . بچے سب سے کم کمائی کرتے ہیں لیکن سب سے پہلے کھاتے ہیں . باپ کی بھی یہی کوشش رہتی ہے کہ کس طرح بچے مجھ سے زیادہ بڑے چوتھے جائیں . پریوار کے اندر ہر چیز سب کے لئے ہے . ایسا نہیں ہونا کہ اگر اُس میں آٹھ آدمی ہیں تو چھ کھا پی لیں اور دو کو اُس وقت تک بھوکا رکھا جائے جب تک پیدلوار یا آمدنی کافی نہ ہو . اگر کم ہے تو سب لوگ کم کھائینگے . اگر زیادہ ہے تو سب لوگ زیادہ کھائینگے . لیکن گھر کے باغیر اُس سماج کے اندر ہم کیا دیکھتے ہیں ؟ بالکل اُلٹا نقشہ ہے . ہر چیز پر مالکیت کا رعب چمایا جاتا ہے . ہر کسی کی یہ کوشش رہتی ہے کہ مجھے پہلے ملے اور دوسرے کو بعد میں . اِسی کا نتیجہ ہے کہ دگیان جتنے سبھ اور ویبھو کا اوشکار کرتا جاتا ہے ، اُننے ہی وہ چند گنے گنے لوگوں کے ہاتھ میں پہونچتا جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اُس سے ورنجیت ہوتے جاتے ہیں ، اور دیش دیش کی سرکاریں دوسرے دیشوں کو طرح طرح کی چیزوں کے لئے ترسانا اور اپنے پر آمدھارت رکھوانا چاہتی ہیں . اِس طرح دگیان ستن کے بس میں کھول رہا ہے اور دنیا میں غریبی اور اُشانتی پھول رہی ہے .

یہ حالت اگر زیادہ دنوں چلتی رہی تو دگیان ماشیہ جاتی کو ہی مٹا دے گا . ہنسا اور دگیان کے سٹیوگ سے دنیا کا نالش ہی ہونے والا ہے . سبھ آ گیا ہے کہ اِس پر گہرائی سے دجار کیا جائے اور تھیک راستہ کی طرف دنیا چلے . وہ راستہ وہی ہے جو سب دھرموں کے ستنوں ، سادھوؤں اور پیغمبروں نے ہمیشہ سے بتایا . جو بات انہیں نے بتائی اُسی کی طرف دگیان اِشارہ کر رہا

رہی ہے، فوج پر خرچہ بڑھ رہا ہے۔ ساधारण नागरिक को फौजी तालीम देने की कोशिश हो रही है. बल्कि एक सूरत में देखें तो हमारी हालत और भी गई बीती है. पिछले तीन सौ, चार सौ बरस से इंगलैण्ड के अन्दर देश के अन्दरूनी मामलों में कमी भी वहां की सरकार को गोली नहीं चलानी पड़ी है. लेकिन हिन्दुस्तान को आजाद हुये अभी आठ बरस भी पूरे नहीं हुये हैं. मगर हर साल ही कहीं न कहीं, किसी न किसी मामले पर पुलिस को गोली चलानी पड़ती है. इसलिये बुनियादी तौर पर हिन्दुस्तान की सरकार भी हथियार की ताकत की पाबन्द बनी हुई है.

हथियार जब बढ़ते हैं तब केन्द्रीय सरकार की ताकत और भी मजबूत हो जाती है. हथियारों के नाम पर सरकारें खमान्य जीवन के अनेक पहलुओं पर ज्यादा से ज्यादा कब्जा जमा लेती हैं. दुनिया भर में आज हर देश के अन्दर वहां की सरकार, वहां की जनता पर पहले से कहीं ज्यादा हावी है. जब केन्द्र के हाथ में दिन दुगुनी रात चौगुनी सत्ता आती जाती है तो देश के आर्थिक मामलों में इसका नियंत्रण अपने आप ही बढ़ता जाता है. वहां के उद्योग, वहां के कल कारखाने, वहां की अनाज की पैदावार और उसका बंटवारा, वहां का खानपान तक सरकार के हाथ में आजाता है. आज अगर अमरीका की सरकार चाहे तो अपने लोगों को एक प्याला चाय या रोटी के टुकड़े के लिये तरस सकती है. इंगलैण्ड की सरकार चाहे तो अपने यहां के लोगों को एक एक इंच कपड़े के लिये हिरान कर सकती है. खुश-क्रिस्मती से हिन्दुस्तान में हालत अभी इस दर्जे तक नहीं गिरी है. जब सरकार के हाथ में देश का व्यापार और उद्योग धन्दे आते हैं तो उसका लाजमी नतीजा यह होता है कि घर घर और गांव गांव चलने वाले धन्दे खतम हो जाते हैं. छोटे छोटे, अपने बल पर खड़े होने वाले कारीगर बेकार हो जाते हैं. उन्हें या तो बड़े बड़े कारखानों में काम करना होता है जहां उन्हें बैल से ऊंचा दरजा नहीं मिलता, या फिर अपने घर बेकार, मुहताज पड़े रहते हैं. इसलिये दुनिया में जितना ज्यादा केन्द्रीकरण होता जाता है उतना ही उद्योगीकरण बढ़ता जाता है, और उतने ही प्रामोद्योग नष्ट होते जाते हैं. हम कह सकते हैं कि जिस माशा में प्रामोद्योग मिटते हैं उतना केन्द्रीकरण बढ़ता है और उस माशा में विश्व शान्ति के लिये खतरा बढ़ता है और डर फैलता जाता है.

यह वर्वनाक दृश्य हर मुल्क में देखने को मिलता है. आज वही देश कुछ थोड़े सुखी हैं जहां बड़े बड़े उद्योग कम तादाद में हैं. उन्हीं देशों के लोगों के दिल में कुछ शान्ति है जो अपने उद्योग खूद कर लेते हैं और बाहरवालों का मुद्द नहीं ताकते. तो सवाल पैदा होता है कि क्या बड़े

वही है, नुज پر خرچہ بڑھ رہا ہے. سادھان ناگرک کو فوجی تعلیم دینے کی کوشش ہو رہی ہے. بلکہ ایک صورت میں دیکھیں تو ہماری حالت اور بھی گئی بیٹی ہے. پچھلے تین سو، چار سو برس سے انگلینڈ کے اندر دیش کے اندرونی معاملوں میں دیہی بھی وہاں کی سرکر کو گولی نہیں چلائی پڑی ہے. لیکن هندستان کو آزاد ہوئے ابھی آٹھ برس بھی پورے نہیں ہوئے ہیں. مگر ہر سال ہی کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی معاملہ پر پولس کو گولی چلائی پڑتی ہے. اس لئے بنیادی طور پر هندستان کی سرکر بھی ہتھیار کی طاقت کی پابند بنی ہوئی ہے.

ہتھیار جب بڑھتے ہیں تب کیندریہ سرکر کی طاقت اور بھی مضبوط ہوجاتی ہے. ہتھیاروں کے نام پر سرکاریں سامانیہ جہوں کے انیک پہلوں پر زیادہ سے زیادہ قبضہ جما لیتی ہیں. دنیا بھر میں آج ہر دیش کے اندر وہاں کی سرکر، وہاں کی جنتا پر بے سے کہیں زیادہ حاوی ہے. جب کیندر کے ہاتھ میں دن درگی رات چوکنی سستا آتی جاتی ہے تو دیش کے آرٹیک معاملوں میں اس کا نینڈن اپنے آپ ہی بڑتا جاتا ہے. وہاں کے اڈیوگ، وہاں کے کل کارخانے، وہاں کی اناج کی پیداوار اور اس کا بٹوارہ، وہاں کا کھان پان تک سرکر کے ہاتھ میں آجاتا ہے. آج اگر امریکہ کی سرکر چاہے تو اپنے لوگوں کو ایک پیالہ چائے یا روٹی کے تکرے کے لئے ترسا سکتی ہے. انگلینڈ کی سرکر چاہے تو اپنے یہاں کے لوگوں کو ایک ایک انچ کپڑے کے لئے حیران کر سکتی ہے. خوش قسمتی سے هندستان میں حالت ابھی اس درجہ تک نہیں گری ہے. جب سرکر کے ہاتھ میں دیش کا ویاپار اور اڈیوگ دھندسے آتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گھر گھر اور گاؤں گاؤں چلنے والے دھندسے ختم ہو جاتے ہیں. چھوٹے چھوٹے، اپنے بل پر کڑے ہونے والے کاربکر بیکار ہو جاتے ہیں. انہیں یا تو بڑے بڑے کارخانوں میں کم کرنا ہوتا ہے جہاں انہیں بیل سے اونچا درجہ نہیں ملتا، یا پھر اپنے گھر بیکار، محتاج پڑے رہتے ہیں. اس لئے دنیا میں جتنا زیادہ کیندریکرن ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اڈیوگیکرن بڑھتا جاتا ہے، اور اُنہی ہی گراموڈیوگ نشت ہوتے جاتے ہیں. ہم کہ سکتے ہیں کہ جس ماترا میں گراموڈیوگ مٹتے ہیں اتنا کیندریکرن بڑھتا ہے اور اس ماترا میں وشوانتی کے لئے خطرہ بڑھتا ہے اور تر پھیلنا جاتا ہے.

یہ دردناک درشہ ہر ملک میں دیکھنے کو ملتا ہے. آج وہی دیش کچھ تھوڑے سکھی ہیں جہاں بڑے بڑے اڈیوگ کم تعداد میں ہیں. انہیں دیشوں کے لوگوں کے دل میں کچھ شانتی ہے جو اپنے اڈیوگ خود کرلیتے ہیں اور باہر والوں کا منہ نہیں تاکتے. تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بڑے

था ? अगर था तो यह सोचकर कुछ सन्तोष होता है कि अगरचे बौद्ध धर्म के धार्मिक पहलू को झाड़णों के कर्ममान्ड और रूढ़ियों के जंगल में चारों तरफ से ढक दिया था फिर भी राजनैतिक क्षेत्र में बौद्ध धर्म की जड़ें दूर दूर तक गहरी पहुँच गई थीं. बौद्ध धर्म ने हिन्दू समाज में इन्सानियत पैदा की. बौद्ध धर्म ने भारतीय राजनीति से कौटिल्य की कुसुधि को इस तरह बाहर कर दिया, जिस तरह किसी का भूत झाड़ा जाता है. लेकिन राजनीति में कौटिल्य बार बार पैदा होते रहते हैं और दिखाई देते रहते हैं. यूरोप में कौटिल्य ने एशियैवेली के रूप में जन्म लिया, विज्ञान के सूक्ष्म परों के उपर इसी भावना ने फिर से एशिया में प्रवेश किया. कौटिल्य की भावना फिर हमारे राजनैतिक जीवन पर क्राबू ह्रासिल कर रही है और करेगी, जब तक कि बुद्ध जैसी ही कोई महान आत्मा आकर हमारी उससे रक्षा न करे.

تھا؟ اگر تھا تو یہ سوچ کر کچھ سنکھو ہوتا ہے کہ اگرچہ بدھ دھرم کے دھارمک پہلو کو براہمنوں کے کرم کاٹدے اور روزنہوں کے جنکلی میں چاروں طرف سے تحک دیا تھا پھر بھی راجنیتک چھیتر میں بدھ دھرم کی جڑیں دور دور تک کھری پہنچ گئی تھیں۔ بدھ دھرم نے ہندو سماج میں انسانییت پیدا کی۔ بدھ دھرم نے ہمارے راجنیتی سے کوئیلہ کی کوبھی کو اس طرح باہر کر دیا، جس طرح کسی کا ہیوت جھاڑ جاتا ہے۔ لیکن راجنیتی میں کوئیلہ بار بار پیدا ہوتے رہتے ہیں اور دکھائی دیتے رہتے ہیں۔ یوہ کوئیلہ نے مشیہ ولی کے روپ میں جنم لیا، وگیان کے سوسکھم یوں کے اوپر اسی ہواؤنے سے پھر سے ایشیا میں پرویش کیا۔ کوئیلہ کی ہونا پھر ہمارے راجنیتک جیون پر قابو حاصل کر رہی ہے اور کرے گی، جب تک کہ بدھ جیسی ہی کوئی مہان آنا آ کر ہماری اُس سے رکشا نہ کرے۔

ग्रामोद्योग और विश्वशान्ति

گراموں یوگ اور وشوشانتی

श्री सुरेशराम भाई

شری سریش رام بھائی

विज्ञान ने इस धरती को एक परिवार बना दिया है, बहुत्तर घंटे के अन्दर हम किसी सिर से दूसरे सिर तक पहुँच सकते हैं, लेकिन फिर भी आपस में एक दूसरे का डर बना है, शायद इतिहास भर में दुनिया में कभी भी इतना डर नहीं छाया हुआ था जितना कि आज है, बड़ी अजीब बात है, विज्ञान ने एक से एक बढ़कर करामातें दिखाई हैं, खाना, कपड़ा और जीवन के दूसरे साधन जितने आज हासिल हैं, उतने कभी नहीं थे, फिर भी इतना डर ! इतनी बे ऐतबारी ! यही सबब है कि सभी देशों में फ़ोरों से हथियार बढ़ाये जा रहे हैं, जितना बड़ा देश उतनी बड़ी हथियारबन्दी, जो छोटे देश हैं वह भी ज़रूरत से ज्यादा हथियार रखने की तमन्ना रखते हैं, अगर खुद हथियार बना नहीं पाते तो दूसरे देशों से मांगते हैं, इस तरह दुनिया बड़े बड़े गुटों में बंट गई है, सभी छोटे बड़े राष्ट्र इन दो में से एक गुट में शामिल हो गये हैं, हां, कुछ हिन्दुस्तान जैसे भी है जो इनसे अलग रहकर एक तीसरा हलका बनाना चाहते हैं जो लड़ाई से दूर रहे, लेकिन हिन्दुस्तान में भी दूसरे देशों की तरह हथियारबन्दी बढ़

دگیان نے اِس دھرتی کو ایک پردیوار بنا دیا ہے۔ بہتر گھنٹے کے اندر ہم کسی سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے سکتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپس میں ایک دوسرے کا قہر بنا رہے۔ شاید اِنہماں پھر میں دنیا میں کہی بھی اُننا قہر نہیں چھایا ہوا تھا جتنا کہ آج ہے۔ بڑی عجیب بات ہے۔ دگیان نے ایک سے ایک بڑھکر کراماتیں دکھائی ہیں۔ کہانا، کھڑا اور جیون کے دوسرے سامنے جتنے آج حاصل ہیں اُنکے کہی نہیں تھے۔ پھر بھی اُننا قہر! اُننی پے اعتباری! یہی سبب ہے کہ سبھی دیشوں میں زوروں سے ہتیار پھرنے جا رہے ہیں۔ جتنا برا دیش اُننی بڑی ہتیار بندی۔ جو چھوٹے دیش ہیں وہ بھی ضرورت سے زیادہ ہتیار رکھنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ اگر خود ہتیار بنا نہیں پاتے تو دوسرے دیشوں سے مانگتے ہیں۔ اِس طرح دنیا بڑے بڑے ملکوں میں ہفت گئی ہے۔ سبھی چھوٹے بڑے راشٹر اُن دو میں سے ایک گیسے ہیں شامل ہوئے ہیں۔ اُنکے کچھ ہنستان جیسے بھی ہیں جو اُن سے الگ رہ کر اہان تھسرا حلقہ بنانا چاہتے ہیں جو لڑائی سے دور رہے۔ لیکن ہنستان میں ہم دوسرے دیشوں کی طرح ہتیار بندی پھر

سमय से दिखाई देना शुरू हो गया. इन चीजों के होते हुये फाहियान की पुस्तक में हिन्दू धर्म और बौद्ध धर्म के कोई आपसी भागडे दिखाई नहीं देते तो क्या आश्चर्य है. क्योंकि उस समय तक बौद्ध धर्म इतना बदल गया था कि वह हिन्दू धर्म ही का एक ऐसा विचित्र और अप्राकृतिक रूप रह गया था जिसे देखकर हिन्दू धर्म के पुनरुद्धार के समय में भी ब्राह्मण लोग हँसते थे और नफरत दिखाते थे.

अन्धविश्वासों का जो घना जंगल शुरू के बोधिवृक्ष के चारों तरफ उग खड़ा हुआ था, उससे बाहर निकलकर उस स्वतन्त्र वायुमण्डल में प्रवेश करना, जिसका खाका फाहियान ने खींचा है, बड़ा सुखद मालूम होता है. गुप्त सम्राटों के जमाने में राजनैतिक जीवन की जो सब से खास चीज मालूम होती है आजादी थी. फाहियान का अपना बयान इतना चमकता हुआ है कि उसे उसी के शब्दों में देना ठीक होगा. वह लिखता है—“लोग सुखी और खुशहाल हैं. न किसी की रजिस्त्री होती है और न राज की तरफ से किसी तरह की रोक थाम है. सिर्फ जो लोग राजा की जमीन जाते हैं वे जो कुछ उस जमीन से मुनाफा कमाते हैं उस पर लगान अदा कर देते हैं. जो जाना चाहते हैं जा सकते हैं. जो ठहरना चाहें ठहर सकते हैं. राजा की तरफ से किसी को शारीरिक दण्ड नहीं दिया जाता. मुजरिमों पर उनके जुर्म के अनुसार केवल जुर्माना ले लिया जाता है, यहां तक कि राज के खिलाफ बगावत करने वाले से भी. अगर वह दूसरी बार वही जुम करे तब सिर्फ दाहिना हाथ काट लिया जाता है. देश भर में कोई किसी जानदार की हिंसा नहीं करता, न कोई शराब पीता है, न कोई प्याज या लहसुन खाता है. लेकिन चांडालों को बस्ती से अलग रखा जाता है. चांडाल एक तरह के पतित लोग होते हैं.” वास्तव में वह एक आदर्श सामाजिक व्यवस्था थी, जिसमें एक मात्र कलंक की चीज चांडालों का अस्तित्व था. इस शान और करीब करीब आदर्श शासन की उस फौलादी स्वेच्छा शासन के साथ तुलना करनी चाहिये जिसका कौटिल्य ने समर्थन किया है. इस तरह की तुलना से हमें समाजवाद और व्यक्तिवाद का वह भेद जो युगों से चला आ रहा है साफ दिखाई देने लगता है. कौटिल्य एक ऐसे समाज का चित्र हमारे सामने पेश करता है “जनता को पीस देने वाली नौकरशाही के प्राणनाशक फौलादी पंजे के अन्दर जिसका दम घुट रहा था.” पांच सदियों गुजर जाने के बाद एक ऐसी शासन पद्धति देखने को मिलती है जहां क्यादा से ज्यादा राजनैतिक क्षमता और उसके साथ व्यक्ति की स्वतन्त्रता में कम से कम हस्तक्षेप दोनों मिले हुये दिखाई देते हैं. क्या वह बौद्ध धर्म जो राजर्षि अशोक ने इतनी दया के साथ दुनिया के सामने रखा इस तब्दीली की वजह नहीं

سے سے دکھائی دینا شروع ہو گیا. ان چیزوں کے ہوتے ہوئے فاہیجان کی پستک میں ہندو دھرم اور بودھ دھرم کے کوئی آپسی جھگڑے دکھائی نہیں دیتے تو کیا شجرہ ہے. کیونکہ اُس سے تک بودھ دھرم اُننا بدل گیا تھا کہ وہ ہندو دھرم ہی کا ایک ایسا وچتر اور اپراکرتک روپ رہ گیا تھا جسے دیکھکر ہندو دھرم کے پندروہار کے سے میں بھی براہمن لوگ ہنستے تھے اور نفرت دکھاتے تھے.

اندھ و شواسوں کا جو گھنا جنگل شروع کے بودھی و رکشہ کے چاروں طرف اُگ کھڑا ہوا تھا، اُس سے باہر نکل کر اُس سوتنتر و ابرمندان میں پرورش کرنا، جسکا خاکہ فاہیجان نے کھینچا ہے، بڑا سونگد معلوم ہوتا ہے. گھٹ سمرائوں کے زمانے میں راجنیتک جیوں کی جو سب سے خاص چیز معلوم ہوتی ہے آزادی تھی. فاہیجان کا اپنا بیان اُننا چمکتا ہوا ہے کہ اُسے اُس کے شبدوں میں دینا ٹھیک ہوگا. وہ لکھتا ہے — “لوگ سکھی اور خوشحال ہیں. نہ کسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور نہ راج کی طرف سے کسی طرح کی روک تھام ہے. صرف جو لوگ راجہ کی زمین جوتے ہیں وہ جو کچھ اُس زمین سے منافع کاتے ہیں اُس پر لگان ادا کر دیتے ہیں. جو جانا چاہتے ہیں جا سکتے ہیں. جو ٹھہرنا چاہیں ٹھہر سکتے ہیں. راجہ کی طرف سے کسی کو شاریک دند نہیں دیا جاتا. مجرموں پر اُن کے جرم کے انوسار کیول جرماتہ لایا جاتا ہے. یہاں تک کہ راج کے خلاف بغاوت کرنے والے سے بھی. اگر وہ دوسری بار وہی جرم کرے تب صرف داہنا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے. دیش بھر میں کوئی کسی جاندار کی ہنسنا نہیں کرنا، نہ کوئی شراب پیتا ہے، نہ کوئی پیاز یا لہسن کھاتا ہے. لیکن چانڈالوں کو بستی سے الگ کیا جاتا ہے. چانڈال ایک طرح کے پتت لوگ ہوتے ہیں.” اُسٹو میں وہ ایک آدرش ساماچک و بوسٹا تھی، جس میں ایک مانر کلنک کی چیز چانڈالوں کا اُسٹو تھا. اُس شان اور قریب قریب آدرش شائن کی اُس نوالی سونچیا شائن کے ساتھ تو انا کرنی چاہتے جس کا کوئی نہ سمرتن کیا ہے. اِس طرح کی تولنا سے ہمیں سماج دان اور ویکتی وان کا وہ بھید جو یکس سے چلا آ رہا ہے صاف دکھائی دیتا لگتا ہے. کوئی ایک ایسے سماج کا چتر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے ”جنتا کو پیس دینے والی نوکر شاعی کے پردان ناشک نوالی پنچے کے اندر جس کا دم گھٹ رہا تھا،” پانچ صدیاں گذر چالے اُن کے بعد ایک ایسی شائن پدھتی دیکھنے کو ملتی ہے جہاں زیادہ سے زیادہ راجنیتک چیمتا اور اُس کے ساتھ ویکتی کی سوتنترتا میں کم سے کم ہستشپ دوتوں لے ہوئے دکھائی دیتے ہیں. کیا وہ بڑھ دھرم جو راجرشی اشوک نے اِنی دنیا کے ساتھ دینا کے ساتھ رکھا تبدیلی کی وجہ نہیں

اس طرح کے دھرمک سامراجیہ کا رھسیہ چاننے کے لئے بھی ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فاضل کے اپنے بیانیوں سے ہی ہمیں اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ بدھ دھرم کے اندر یہ چیز قدرتی اور مولک تھی۔ بھوکاں بدھ نے جو سب سے بڑا کام کیا وہ یہی تھا کہ انہوں نے اپنے بھیتری گیان کی نئی مدد کو ہندو دھرم کی پرانی دوتلوں میں ڈالا۔ لیکن یہ مدد اتنی تیز تھی، اس کا اثر اتنا جادو بھرا تھا کہ اس نے اندھ دوشلوں اور روزھیوں کے اُس سب رھے سے کچرے کو جو صدیوں کے براہمن - پرہتو نے ان دوتلوں میں جمع کر دیا تھا باہر نکال کر پھینک دیا۔ دوسرے شدیوں میں بدھ نے ہندو دھرم کا بحیثیت ایک دھرم کے ورودہ نہیں کیا، بلکہ براہمنوں نے جس دھرم کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا اُس کا ورورہ کیا۔ براہمنوں نے بھی اس کا بدلہ لیا۔ دھیرے دھیرے انہوں نے بدھ دھرم پر وار کیا۔ اُسے اپنے قابو میں کیا، اُس کے اندر مروتی پوجا اور اُس کے ساتھ چنے والی بھڑانا کو داخل کر لیا، بدھ دھرم کے شدہ پرارہبک تیج کو روزھیوں کے دال سے ڈھک دیا، اُسے اتنی چترائی کے ساتھ نورا اور مرزوا کہ فاضل کے سہے کا بدھ دھرم سائن ہندو دھرم کے سب رھسیہ آجروں کے گہرا روا دکھائی دیتا تھا، یہاں تک کہ سویم بھوکاں ہندو دیوتاؤں میں سے ایک دکھائی دینے لگتے ہیں جنہیں برہما نے اپنا سندھیہ دے کر دنیا میں بھیجا تھا۔ بدھ دھرم کا روپ کہاں سے کہاں پہنچا۔ سہے نے اُس سے کس طرح بدلہ لیا۔ بدھ نے بالکل صاف صاف شدیوں میں — ”جادو، تونے، شکن، پریشکا، پھلت، دیوتاؤں کے نام پر ہلی، چنتر منتر“ جسی چیزوں کی زبردست منائی کی تھی۔ لیکن فاضل جس بدھ دھرم کا ہمیں حال سنانا ہے اُس میں یہ سب چمکنا بھرے ہوئے ہیں۔ سویم بدھ کے پد چنوں کے، اُن کے کھوڑی کی، اُن کے دانتوں کی، اُن کے پیندان کی، اُن کے دند کشن کی، سب کی پوجا ہوتی تھی۔ جہاں کہیں بدھ بھوکاں نے اپنے گیلے کپڑے سٹھائے یا اپنے کبھی منڈرائے یا پیر کے تاخروں کلائے وہیں ایک استوپ کھڑا ہو گیا۔ چینی بھاشا میں تشلا کا ارتھ ”سز منڈوانا“ ہے۔ تشلا کا نام تشلا اس لئے پڑا کیونکہ کہا جاتا تھا کہ وہاں پر بدھ نے ایک بھوکے باگ کو آمار بونچائے کے لئے اپنا شریر دے دیا تھا! بدھ بھوکاں اپنی مانا کو، جو مر چکی تھیں، اپنا دھرم سمجھائے کے لئے تین مہینے سرگ میں جا کر رھے تھے۔ جب وہاں سے اترے تو پہلے پہل کیشیا میں قدم رکھا، اِس لئے وہ ایک تیرتہ بن گیا، ایدوہیا کے باہر ایک جگہ ہے جہاں بدھ بھوکاں نے دتوں کے کے اُسے زمین میں گڑ دیا تھا اور وہ دتوں اُسی چن اے ایک دس فٹ اونچا فرخت بن گئی۔ ہمارس میں بدھ نے جن لوگوں کو اپنا دھرم سمجھایا، اُس میں سے پانچ سو آندھوں کو اُسی

का आचार-व्यवहार और बौद्ध धर्म का जनता पर सुन्दर प्रभाव था. अगर आचार-व्यवहार से अनुश्रव योग्य और स्वयं होता है, तो इन चीजों ने जरूर ही पुनर्जनन भारत के भिक्षुओं और सन्यासियों को क्रांति और उत्थान बनाया था. फाहियान लिखता है—“गोमति के विहार में भिक्षुओं का आचार व्यवहार बहुत गम्भीर रहता है. वे अपनी पूजा और ध्यान में मग्न रहते हैं. वे निर्विकल्पक के मुताबिक व्यवस्था के साथ बैठते हैं. वे खरा भी शोरमाल नहीं करते क्यादातर व्रत मौन रहते हैं. वे अपने भिक्षुपात्र को नहीं भरत न परोसने वालों से ज्यादा खाना मांगते हैं. जब किसी चीज की जरूरत होती है तो हाथ के इशारे से मांगते हैं.” राजाओं का आचार-व्यवहार, उनके तौर तरीके उस जमाने में उतने ही निर्दोष समझे जाते थे, जितने साधुओं और भिक्षुओं के. फाहियान को यह देखकर बड़ी ही तसल्ली हुई कि राजा लोग साधुओं और भिक्षुओं की बड़ी इज्जत करते थे. “जब ये लोग बौद्ध भिक्षुओं को कोई चीज भेंट करते हैं, तो अपने मुकुट पर से उतार लेते हैं और जब उन्हें खाना खिलाते हैं, तो अपने बाल बच्चों और खास खास दरबारियों समेत सामने खड़े रहते हैं. खाना हो चुकने के बाद वे जमीन पर खुद फर्श बिछा कर प्रधान भिक्षु की तरफ मुंह करके बैठ जाते हैं. इन लोगों के सामने वे चौकियों या किसी ऊंची चीज पर बैठने का साहस नहीं कर सकते.” बौद्धकाल का यह बयान इसलिये और भी महत्व का है क्योंकि फाहियान गुप्त साम्राज्य के समय भारत आया था. अङ्गरेज इतिहासकार बड़े खूश होकर उस काल को—“हिन्दू प्रतिक्रिया का समय कहते हैं.” कम से कम जहां तक फाहियान के लिखे हुये बयानों का सम्बन्ध है न हमें किसी प्रतिक्रिया की कोई निशानी मिलती है और न बौद्ध धर्मावलम्बियों को किसी तरह की तकलीफें दिये जाने का शिक मिलता है.” फाहियान यह भी साफ लिखता है कि उन दिनों अयोध्या में और उसके आस पास कट्टर हिन्दू धर्म के मानने वाले मौजूद थे. एक जगह उसने लिखा है कि—“यहां पर 96 अथर्व सम्प्रदायों के लोग मौजूद हैं जो सब के सब भौतिक संसार (माही दुनिया) को सत्य मानते हैं.” लेकिन एक ऐसे ईश्वर की कल्पना जो एक खास सम्प्रदाय के लोगों से बाहर दूसरी सम्प्रदायों के इष्ट-देवों को ईर्ष्या की दृष्टि से देखता हो, जिसे अङ्गरेजी में “A jealous god” कहते हैं, इस तरह की कोई कल्पना ही वास्तव में पार्श्वीय कल्पना है. इस तरह की कोई कल्पना या मजहबी तंगनजरी हमें समुद्रगुप्त और विक्रमादित्य के उन शासनकालों में भी बिलकुल दिखाई नहीं देती, जिन शासनकालों में हमें उत्तर भारत के अन्दर हिन्दू कला और हिन्दू संस्कृति का आश्चर्यजनक पुनरुद्धार देखने को मिलता है.

کا آچار دیھار اور بوندھنم کا جھنڈا پر سنہرے ڈھیریاں
تھا۔ اگر آچار دیھار سے منشیہ ہوگئے اور اُٹھ ہوتا ہے تو
ان چیزوں نے ضرور ہی پڑائی بھارت کے بھگتوں اور سنیسیوں
کو قابل اور اُٹھ بڑیا تھا۔ ناھیان لکھتا ہے—”گہمتی کے دیھار
میں بھگتوں کا آچار دیھار بہت گہمیر رھتا ہے۔ دے اپنی پوجا
اور دیھان میں مکن رھتے ہیں۔ دے نشجیت کرم کے مطابق
بوسپتا کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ دے ذرا بھی شور غل نہیں کرتے۔
زیادہ تر وقت مون رھتے ہیں۔ دے اپنے بھگتپانڈتوں کو نہیں بھرتے
نہ پڑوسنے والوں سے زیادہ کھانا مانگتے ہیں۔“ جب کسی چیز
کی ضرورت ہوتی ہے تو ہاتھ کے اشارے سے مانگتے ہیں۔“
راجاؤں کا آچار دیھار، ان کے طور طریقہ اُس زمانے میں
اتنے ہی نرندیش سمجھے جاتے تھے جتنے سادھوؤں
اور بھگتوں کے۔ ناھیان کو یہ دیکھ کر بڑی ہی قسلی ہوئی کہ
راجا لوگ سادھوؤں اور بھگتوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ”جب
یہ لوگ بردہ بھگتوں کو کوئی چیز بھیجتے کرتے ہیں، تو اپنے
مکت سر سے آثار لیتے ہیں اور جب انھیں کھانا کھاتے ہیں،
تو اپنے بال بچوں اور خاص خاص خدایوں سے مت سانسے
کھڑے رھتے ہیں۔ کھانا ہو چھانے کے بعد دے زمین پر خود
فرس بیچھا کر پردھان بھگو کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔
اِن لوگوں کے سامنے دے چوکھیں یا کسی اورنچی چیز پر بیٹھنے
کا ماحس نہیں کر سکتے۔“ بوندھنم کا یہ بیان اِس لئے اور
بھی مہتمم کا ہے کیونکہ ناھیان گہمت سامراجیہ کے سہم بھارت
آیا تھا۔ انگریز۔ انہاسٹار بڑے خوش ہو کر اُس کال کو—
”ہندو پڑوسیہ کا سہم کہتے ہیں۔“ کم سے کم جہاں تک
ناھیان کے لئے ہونے بیانوں کا سمبندھ ہے نہ ہمیں کسی
پڑوسیہ کی کوئی نشانی ملتی ہے اور نہ بوندھنم لیسویں کو
کسی طرح کی تکلیف دے دینے والے کا ذکر ملتا ہے۔ ناھیان
بہ بھی سادھنہ ہے کہ ان دنوں ایدھیا میں اور اُس کے
اُس پاس کٹر ہندو ہندو کے منہ والے موجود تھے۔ ایک
جگہ اُس نے لکھا ہے کہ—”یہاں پر 96 ایدھیا سمپڑایوں کے
لوگ موجود ہیں جو سب کے سب بھرتک سنسار (مادی
دنیا) کو ستیہ مانتے ہیں۔“ یکن ایسے ایشور کی کلنا جو
ایک خاص سمپڑائے کے لوگوں سے باہر دوسری سمپڑایوں کے
اشتم دیوں کی ایشور کی دشتی سے دیکھتا ہو، جسے انگریزوں
میں ”A jealous god“ کہتے ہیں، اِس طرح کی کوئی کلنا
ہو راستو میں پاشچاتیہ سمپڑائیوں کی کوئی کلنا یا
مذہبی تنگ نظریہ نہیں سمپڑائیوں کے ہوتے اور دھرمادیہ کے اِس
کالوں میں ہی بالکل دکھائی نہیں دیتی، جن شاسن کا اُس میں
ہمیں اثر بھارت کے اندر ہندو اور ہندو سفیرکرتی کا اَشجریہ
چاکر بڈر دیھار دیکھنے کو ملتا ہے۔

سُرخی ہندوں کے علاوہ کئی راستہ دکھانے والا نہ ملتا؛“ چاہے ہندوؤں پہلو کی برہمنی چوٹیاں ہوں۔“ جہاں ان کا قدم رکھنے کی جگہ نہ ہوتی اور انہوں میں اندھیرا چھا جاتا،“ اور چاہے سندر کی لہریں ہوں،“ جو جرجرتی ہوئی آتے کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور پین چپڑتیں، جن میں بڑے بڑے گھڑیاں اور سمدی جیو چنٹو کاویں کرتے۔“ ان سب آنتوں میں فاضیان کے سامنے ایک ہی مقصد ہوتا کی گہاں کی مشعل کو اور دھرم کی سچائی بھاننا کو اُسے اپنے دیس ”بھاری دنیا“ میں یعنی چین اے جانا ہے۔ ”اُس کی آتما کی بیہوشی جیوتی ہی اُداس گھڑیوں میں اُسے دھارس بندھاتی اور راستہ دکھاتی تھی۔“

فائیان کے لئے چین راستو میں ”بھاری دنیا“ نہا۔ بھارت میں بوجھ دھرم کا جو گورو تھا اور جو پرنا تھی اُس کی تولنا میں چین بھاری دنیا ہی تھا۔ افغانستان سے لے کر گنگا کے دھانے تک، جہاں فائیان دو برس تک بوجھ سوتوں کا اددھیں اور بوجھ مورتوں کا دیکھائیں کرتا رہا، سارا دیس بوجھ مٹیوں اور دھاروں کے جال سے گونٹا پڑا تھا۔ بوجھ دھرم کے کچھ پرانے کیندر (مرکز) ضرور پیچھے پڑ گئے تھے۔ مثال کے طور پر بوجھ کی جنم بیہوشی کُل وستو کے سمبندھ میں فاضیان لکھتا ہے۔ ”کپل وستو میں نہ راجہ رہ گیا ہے نہ چنٹا۔ ساری نگری کیندر اور ویران ہو گئی ہے، محض کچھ پجاری اور قریب دس پرہوار دھان رہتے ہیں۔ راستہ میں شیر اور جنگلی ہاتھیوں کے حملے کا خوف رہتا ہے۔“ فاضیان لکھتا ہے۔ ”کپل وستو جانے والے یاتریوں کو خطرے سے بہت بچ کر جانا چاہئے۔“ کوشی نگر جہاں بیگوان بدھ تروان کو پرانیت ہوئے ایسی طرح ویران پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آشوک کے بعد کی صدیوں میں بدھ دھرم دھیرے دھیرے اپنی جنم بیہوشی چھوڑ کر ادھک اُنز میں کیندیری بیوت ہو گیا تھا۔ افغانستان میں اُس سیمے کم سے کم تین ہزار بوجھ بیکھو رہے تھے۔ سرحد میں ہنو کا ضلع بدھ دھرم کا کیندر تھا، جہاں بوجھ مٹیوں اور دھاروں میں ہزاروں بوجھ بیکھو اور سفیلیں رھتے تھے۔ یہ سب کے سب ”ہینڈیان“ کے ماننے والے تھے۔ ختن میں ”گومتی“ نامک ایک بہت بڑا دھار تھا۔ پیشاور میں سمرات کشک کا ایک پگودا (بوجھ مندر) تھا جو ”چار سو فٹ اُونچا تھا جس میں طرح طرح کے بیل بوٹے“ پتھی کاری اور سنہ کلم بنا ہوا تھا۔ یہ پگودا یاتریوں کے لئے بڑا دل کھینچنے والی چیز تھی۔ فائیان کے مطابق۔ ”دنیا کے سب پگوداؤں میں پیشاور کا یہ پگودا سب میں بڑا اور سب میں عالیشان ہے۔“ لیکن جس چیز نے دھیان کو سب میں ادھک کھینچا وہ یہ مٹھ، دھار اور مندر نہیں تھے بلکہ بوجھ بیکھوں کا اُنچے درجے

جو وہ اپنی اُس پرائن (قدیم) یاत्रا میں بازس کی پتھریں اور ریشم پر لہ کر چھوڑ گیا ہے، جس کی اُس یاत्रا کے سامنے آج کی ہنر کے اٹلانٹک کی ہوائی یاत्रا پہنچی اور معمولی معلوم ہوتی ہے۔ فاہیجان کی وہ یاत्रا ہمیں آج کی اپنی جلدبازی کی اُپھوگتا پہنچنے کو مجبور کرتی ہے۔

فاہیجان کی یاत्रا اب ن سے ऐसा مالوم ہوتا ہے کہ یاत्रا کے شروع میں اُس کے ساتھ کچھ تھوڑے سے ساتری ہیں، تھے۔ کم سے کم اُن کا کارا شہر تک ساتھ رہا۔ کارا شہر روسی ترکستان کے پاس کہیں رہا ہوگا۔ وہاں کے باشندے ”طبیعیوں کے خونخوار اور لجنہوں کے طرف اپنے برتاؤ میں اتنے کمینے“ تھے کہ فاہیجان کے تین ساتھیوں نے واپس چین لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہوئی چنگ نام کا ایک چوتھا ساتھی ”سفید کورہ“ کی ہرنیلی چوڑیوں پر فاہیجان کے ہاتھوں میں ہی موت کا شکار ہوا۔ وہاں اُتنی تہذیبی ”نہ دانت کٹ کٹاتے تھے اور سارا بدن تھوڑے لپکتا تھا۔“ صرف ایک ساتھی فاہیجان کے ساتھ بھارت پہنچا؛ لیکن یہاں آکر جو اس نے ہردہ دھرم کی شان دیکھی اور اُس کی تولنا میں اُسے اپنے دیش میں ہودہ دھرم کی خلت اُتنی ہیچ معلوم ہوئی کہ اُس نے بھارت میں رہ کر ہی نروان حاصل کرنے کی سادھنا کا فیصلہ کیا۔ فاہیجان کے سامنے ایک مہان مشن تھا۔ بڑی سے بڑی آفتیں اور بڑے سے بڑے آکڑش اُسے اپنے مقصد سے ڈگا نہ سکتے تھے۔ اُسے تو واپس چین پہنچ کر اپنے دیش میں ہودہ دھرم کی بنیادوں کو مضبوط کرنا تھا۔ اُس کے راستے میں زبردست رکاوٹیں تھیں۔ یاत्रا کے شروع میں ہی کوئی کے ہزاروں میل لمبے چوڑے ریگستان کو پار کرنے کا سوال تھا۔ فاہیجان لکھتا ہے—”کوئی کے ریگستان میں نہ آسمان میں پرندے تھے نہ دھرتی پر جانور۔ گرم گرم ہوا چاروں اور بیوت کی طرح ہڈیہاتی پھرتی تھی“ جس کے مقابلے کے معنی تھے—”روت!“

اتر بھارت کے ہرنیلے پہاڑ کوئی کے ریگستان سے کچھ کم خطرناک نہ تھے، بارہاں مہینے، سردی اور گرمی میں جن کی چوٹیاں نٹوں ہرن سے ڈھکی رہتی ہیں۔ فاہیجان کا ایسا وشواس تھا کہ اُن چوٹیوں پر—”خودناک جنتو، رھتے ہیں جو نہرا سے چھڑے پر زھربلی ہوا کی پھنگار مارتے ہیں اور جن کے نتھنوں سے بارش“ ہرن اور پتھر ہرنیلے لکھتے ہیں۔“ فاہیجان لکھتا ہے—”اُن جنتوں سے دس ہزار آدمیوں میں سے کہیں ایک بچ کر نکل پاتا ہے۔“ فاہیجان بچ کر نکل آیا، لیکن وہ ایسا ونسا بازی تو نہیں تھا۔ اُس کے دل میں وشواس کی ایک ایسی زبردست آگ تھی جو پہاڑوں کو ہلا سکتی تھی، چلے پتھریں ریگستان ہوتا—”جہاں پہلے بھگتے یاत्रیوں کی

جہاں اپنی اُس پرائن (قدیم) یاत्रا میں بازس کی پتھریں اور ریشم پر لہ کر چھوڑ گیا ہے، جس کی اُس یاत्रا کے سامنے آج کی ہنر کے اٹلانٹک کی ہوائی یاत्रا پہنچی اور معمولی معلوم ہوتی ہے۔ فاہیجان کی وہ یاत्रا ہمیں آج کی اپنی جلدبازی کی اُپھوگتا پہنچنے کو مجبور کرتی ہے۔

فاہیجان کی یاत्रا اب ن سے ऐसा مالوم ہوتا ہے کہ یاत्रا کے شروع میں اُس کے ساتھ کچھ تھوڑے سے ساتری ہیں، تھے۔ کم سے کم اُن کا کارا شہر تک ساتھ رہا۔ کارا شہر روسی ترکستان کے پاس کہیں رہا ہوگا۔ وہاں کے باشندے ”طبیعیوں کے خونخوار اور لجنہوں کے طرف اپنے برتاؤ میں اتنے کمینے“ تھے کہ فاہیجان کے تین ساتھیوں نے واپس چین لوٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ ہوئی چنگ نام کا ایک چوتھا ساتھی ”سفید کورہ“ کی ہرنیلی چوڑیوں پر فاہیجان کے ہاتھوں میں ہی موت کا شکار ہوا۔ وہاں اُتنی تہذیبی ”نہ دانت کٹ کٹاتے تھے اور سارا بدن تھوڑے لپکتا تھا۔“ صرف ایک ساتھی فاہیجان کے ساتھ بھارت پہنچا؛ لیکن یہاں آکر جو اس نے ہردہ دھرم کی شان دیکھی اور اُس کی تولنا میں اُسے اپنے دیش میں ہودہ دھرم کی خلت اُتنی ہیچ معلوم ہوئی کہ اُس نے بھارت میں رہ کر ہی نروان حاصل کرنے کی سادھنا کا فیصلہ کیا۔ فاہیجان کے سامنے ایک مہان مشن تھا۔ بڑی سے بڑی آفتیں اور بڑے سے بڑے آکڑش اُسے اپنے مقصد سے ڈگا نہ سکتے تھے۔ اُسے تو واپس چین پہنچ کر اپنے دیش میں ہودہ دھرم کی بنیادوں کو مضبوط کرنا تھا۔ اُس کے راستے میں زبردست رکاوٹیں تھیں۔ یاत्रا کے شروع میں ہی کوئی کے ہزاروں میل لمبے چوڑے ریگستان کو پار کرنے کا سوال تھا۔ فاہیجان لکھتا ہے—”کوئی کے ریگستان میں نہ آسمان میں پرندے تھے نہ دھرتی پر جانور۔ گرم گرم ہوا چاروں اور بیوت کی طرح ہڈیہاتی پھرتی تھی“ جس کے مقابلے کے معنی تھے—”روت!“

اتر بھارت کے ہرنیلے پہاڑ کوئی کے ریگستان سے کچھ کم خطرناک نہ تھے، بارہاں مہینے، سردی اور گرمی میں جن کی چوٹیاں نٹوں ہرن سے ڈھکی رہتی ہیں۔ فاہیجان کا ایسا وشواس تھا کہ اُن چوٹیوں پر—”خودناک جنتو، رھتے ہیں جو نہرا سے چھڑے پر زھربلی ہوا کی پھنگار مارتے ہیں اور جن کے نتھنوں سے بارش“ ہرن اور پتھر ہرنیلے لکھتے ہیں۔“ فاہیجان لکھتا ہے—”اُن جنتوں سے دس ہزار آدمیوں میں سے کہیں ایک بچ کر نکل پاتا ہے۔“ فاہیجان بچ کر نکل آیا، لیکن وہ ایسا ونسا بازی تو نہیں تھا۔ اُس کے دل میں وشواس کی ایک ایسی زبردست آگ تھی جو پہاڑوں کو ہلا سکتی تھی، چلے پتھریں ریگستان ہوتا—”جہاں پہلے بھگتے یاत्रیوں کی

شہری کے . پی . ایس . مینن ' آئی . سی . ایس .

بھاپ اور پیغورل سے چلنے والی سواروں کے زمانے میں آج
بچھارے گھوڑے کی کوئی قدر ہی نہیں رہ گئی۔ ریلوے ٹرین
اور موٹر کار بھی اب ہوائی پڑے لگیں۔ ہوائی اُڑان کا اب زمانہ
آگیا ہے۔ پلاک مارٹ سیکڑوں میل کی دوری ناپ لی جاتی ہے۔
اِس تیز رفتار زمانے میں جب ہم مہان چینی یاत्री فائیاں
کی یاترا کے ورق اُبتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ دس
ہزار میل کی یاترا، اور وہ بھی پیدل، کھسے پوری کی گئی ہوگی!
فائیاں چوتھی صدی کا مشہور چینی ہونہ بیکھو تھا۔ اُس کی
ہمارت یاترا کی وجہ چینی ہونہوں کے لئے یہاں سے ہونہ دفرم
گرتھوں کا لے جانا تھا۔ اُس کی مہان یاترا گیان کی کھوج اور
ستھ کی شودھ میں تھی۔ مدھیہ چین سے وہ پیدل روانہ ہوا۔
گوہی کے خوفناک ریگستان اور ہندوکش کی ہرنیلی ہرورت
شرینوں کو پار کرنا ہوا وہ پیدل ہنگال کی کھازی تک آیا اور
وہاں سے جہاز دوارا لنکا اور جاوا کی یاترا کرتے ہوئے وہ واپس
چین پہنچا۔ اُس کی سمدرد یاترا پیدل یاترا سے بھی کہیں
زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ فائیاں کی اِس یاترا میں 15
ہوس لگے، جن میں سے 9 ہوس چلنے میں بیتے اور باقی پرتھہ
میں۔ وہ اپنی یادار میں کم سے کم تیس ملکوں کے بیچ سے
ہوکر گذرا۔ وہ اپنی یاترا کی سختی اور اکیلے پن کے بارے میں
لکھتا ہے—”یاترا میں ہمیں صرف اپنی ہی پرچھنائیں دکھائی
دیتی تھیں اور جسے دیکھ کر ہمارا دل آداسی سے بھر جاتا تھا۔“
اپنے دیس کی ٹیس اُس کے اِن شہیدوں سے ظاہر ہوتی ہے—
”جب میں نے لنکا میں دیکھا کہ ایک ویاپاری ریشمی چینی
پتکا بھوان ہونہ کی پرتھما پر پھینٹ چڑھا ہوا ہے، تو میرا دل
بھرا آیا اور مہری آ۔ یہیں اُنسوں سے بھر گئیں۔“ اگر فائیاں آج
اِس بیسویں صدی میں پیدا ہوا ہوتا، تو اُس نے اپنی یاترا
اور ہی طرح سے کی ہوتی۔ وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنے گھر
چانگان سے ہوائی جہاز سے روانہ ہوا ہوتا، اُسام کے کسی ہوائی
اُتے پر اُس نے دوپہر کو بھونچ کیا ہونا اور رات کے کھانے کے
وقت کلکتہ پہونچ گیا ہوتا، اُس نے امریکن طریقہ سے اپنی ہمارت
یاترا پر ایک ہسٹک بھی لکھی ہوتی جسہ ہم ’ماقرن یاترا‘ ورنس
کہہ سکتے تھے۔ لیکن اُس کا یہ ورنس اُس ورنس سے کتنا بھی ہونا

رہا ہوں۔ میرا بوجھ کچھ اس انداز سے چلتا اور مڑتا تھا کہ مائیں اُسے پتہ تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ دھیرے دھیرے دھوئیں کا ایک غبار نظر آنے لگا۔ اُس کے بعد دھیمے پڑتے ہوئے انگاروں کی لو مجھے دکھائی دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص الاؤ کے پاس لیٹا ہے۔ حالانکہ مجھے اُس کی شکل نہیں دکھائی دے رہی تھی پھر بھی مجھے دھواں تھا کہ یہی ہمارا شکار ہے۔ بڑی سترکتا سے میں نے اُسے بڑھنا شروع کیا۔ جب الاؤ صرف سو گز رہ گیا تو میں نے اُسے دیکھا کہ وہ شخص آگ کی آواز پر کئے زمین پر داغی کر رہا تھا۔ اُس کا گھوڑا پلٹ ہی چکا تھا۔ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے اُس شخص کو دیکھا ہے۔ راستہ میں میں سہنا دیکھ رہا تھا۔ سہنے میں ہی گھوڑے سے اُتر کر میں اُس شخص کی اور پیدل دپے پاؤں بڑھا۔ پھر مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں آگٹ پا کر وہ بھاگ نہ جائے۔ میں نے رائٹل سنبھالی اور اُسے نشانہ بنا کر گھوڑا دبایا۔ ’دھانئیں‘ کی آواز چاروں اور گونج گئی۔ میں چونک پڑا اور میرا سہنا ٹوٹ گیا۔ تب سے میں خود حیران ہوں کہ میں کیسے یہاں پہنچا۔“

”بات ابی میں نے ختم ہی کی تھی کہ میرے ساتھیوں کی نگاہیں تیز پڑتے ہوئے الاؤ کی آواز گئیں۔ اُنہوں کے سامنے سچے سچے ایک آگ کی تقریری جل رہی تھی اور دھیمی پڑتی ہوئی جواہر کی پچھلی لو میں وہاں سچے سچے ایک آدمی کی آگنی لپٹی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ساتھیوں نے پورے سے آگے بڑھ کر اُسے گھیر لیا۔ لیکن آگٹ پا کر بھی وہ آدمی اُس سے مس نہیں ہوا۔ رائٹل سنبھالے لوگ اُس کے بالکل پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ اُس دیکھتی کی چھانی پر کچھ کالا سا دھبہ دکھائی دے رہا تھا۔ لوگوں نے جب پچھلی پڑتی ہوئی چاندنی کی طرف اُس کا منہ کیا تو اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ پہچان ہے۔ اُس کے دل پر بولایت ہے جو پرورش مارگ کھلا چھوڑ دیا تھا اُسی سے لال چھوڑنے کی روانی کے ساتھ اُس کے دل پر بہ چمکے تھے۔“

”میں اُس شخص کو پہچانتا نہیں تھا لیکن میرے دوسرے ساتھی اُس گھڑے معجز سے پوری طرح واقف تھے۔ اور جیسی مجھے اُمید تھی دراصل اُس شخص کی کوہپڑی میرے دیکھنا تک پیدوگوں میں بہت کلرگر ثابت ہوئی۔“

غلام اور آزاد میں یہی فرق ہے کہ غلام مرنے کے لئے جیتا ہے اور آزاد جینے کے لئے مرنے کی زندگی کے برابر ہے مگر آزاد کی موت بھی زندگی ہے۔

— اگہات —

— آزاد —

”ناچ سماریہ میں میرے اس طرح اول جلیل داخل ہوئے
میں کو خاصی دلی چوٹ پہنچی۔ بعد میں مجھے
بتایا گیا کہ کئی مہلایں چھچھ پڑیں اور ایک یا دو کو تو غش
آ گیا۔ لوکاچار کے زور سے میرا آجڑن دیکھ کر ساتھی حیرت میں
تھے۔ ان کا کچھ سے تو مہلایں کی زخمی ہواؤں کو شانت کرنے
میں گیا اور اس کے بعد انہیں میری فکر ہوئی۔ اتنے میں کسی نے
گھوڑے کی ٹاپ سنی۔“ میرے ساتھی فوراً اصلیل کے اور لپکے۔
انہیں معاملہ نازک معلوم ہونے لگا۔

”اور میرا کبھی پتا نہ تھا۔ ابستابل کا دروازہ
خولا ہوا تھا۔ نہ وہاں میرا چوڑا تھا، نہ اس کی جینز اور نہ
لگام۔ ساتھیوں نے جلدی جلدی اپنے اپنے گھوڑے کسے۔
انہیں پریشانی یہ تھی کہ مجھے کھوجنے دے کدھر جائے۔ مانا
میں رائٹل سے لیس تھا پھر بھی آسٹریلیا کی کئی جہازیں
کی بھول بھلوں میں پھنس کر نکل سکتا مذاق نہ تھا۔ میری
ممکن بدقسمتی کی کلپنا کر کے ساتھی ذکر سے بھر اُٹھے۔

”چتردشی کا چاند چاروں اور اپنی جیوتسا بکھیر
رہا تھا۔ ہوا جوں ہی کھدڑت کا دھڑکا ڈھانے کی کوشش
کرتی بادل کے دو ایک ٹکڑے کے سامنے اس طرح آ جاتے مٹو قدرت
شما کر گھوڑوں پر پردے ڈال رہی ہو۔ اگر اور دوسرا موقع ہوتا
تو یہ گھوڑے خاصی مزیدار رہتی۔ کتنا اس سے سر پڑ کر ڈھونڈتے
کھوج سے ساتھیوں کو بے حد پریشانی تھی۔ وہ پریشان سے تھے
کہ اچانک انہیں پاس ہی سے کھن رائٹل چھوڑنے کی آواز
سنائی دی۔ آواز کو انداز کر کے گھوڑے کے منہ انہوں نے ادھر
ہی پھیر دیئے۔ ایز لکی اور گھوڑے ہوا میں ٹپرنے لگے۔ تھوڑی
دور ہو انہیں ہلکا دھواں آسمان کی اور اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔
ساتھی اُسی اور بڑھے۔ تھوڑی دور اور چل کر انہیں بھیتی
”اُئی آک کی پھینکی لو درختوں کے جھرمٹ میں آنکھیں مچھولی
کھیلتی دکھائی دی۔ ساتھیوں نے سترک ہو کر آگے بڑھنا شروع
کیا۔ اتنے میں میں انہیں ننگے پیر اپنے سفید سیاہنگ سوت
میں کھڑا دکھائی دیا۔ میرا گھوڑا بھی پاس ہی کھڑا تھا۔
میری آنکھیں بالکل کھلی ہوئی تھیں اور میری رائٹل سے
دھوئیں کی آخری سانسیں نکل رہی تھیں۔ آگ کی تھوڑی
اور مجھ میں قریب 60 گز کا فاصلہ تھا۔

”ساتھیوں نے مجھے گھیر کر ایک ساتھ سوال کرتے شروع
کر دیئے۔ جو کچھ میں جانتا تھا میں نے انہیں سناتا شروع
کر دیا۔“ رات جلدی ہی میں سولے چلا گیا تھا۔ دن بھر کا
تھکا تھا اس لئے نیند نے فوراً ہی مجھے اپنے دامن میں سمیٹ
لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک سہانا دیکھنا شروع کیا۔ دماغ
اُسی گز کے خیال سے بھرا ہوا تھا۔ سہلے میں میں نے
دیکھا کہ چاندنی رات میں میں گھوڑے پر اس کا پیچھا کر

”اور میرا کبھی پتا نہ تھا۔ ابستابل کا دروازہ
خولا ہوا تھا۔ نہ وہاں میرا چوڑا تھا، نہ اس کی جینز اور نہ
لگام۔ ساتھیوں نے جلدی جلدی اپنے اپنے گھوڑے کسے۔
انہیں پریشانی یہ تھی کہ مجھے کھوجنے دے کدھر جائے۔ مانا
میں رائٹل سے لیس تھا پھر بھی آسٹریلیا کی کئی جہازیں
کی بھول بھلوں میں پھنس کر نکل سکتا مذاق نہ تھا۔ میری
ممکن بدقسمتی کی کلپنا کر کے ساتھی ذکر سے بھر اُٹھے۔

”چتردشی کا چاند چاروں اور اپنی جیوتسا بکھیر
رہا تھا۔ ہوا جوں ہی کھدڑت کا دھڑکا ڈھانے کی کوشش
کرتی بادل کے دو ایک ٹکڑے کے سامنے اس طرح آ جاتے مٹو قدرت
شما کر گھوڑوں پر پردے ڈال رہی ہو۔ اگر اور دوسرا موقع ہوتا
تو یہ گھوڑے خاصی مزیدار رہتی۔ کتنا اس سے سر پڑ کر ڈھونڈتے
کھوج سے ساتھیوں کو بے حد پریشانی تھی۔ وہ پریشان سے تھے
کہ اچانک انہیں پاس ہی سے کھن رائٹل چھوڑنے کی آواز
سنائی دی۔ آواز کو انداز کر کے گھوڑے کے منہ انہوں نے ادھر
ہی پھیر دیئے۔ ایز لکی اور گھوڑے ہوا میں ٹپرنے لگے۔ تھوڑی
دور ہو انہیں ہلکا دھواں آسمان کی اور اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔
ساتھی اُسی اور بڑھے۔ تھوڑی دور اور چل کر انہیں بھیتی
”اُئی آک کی پھینکی لو درختوں کے جھرمٹ میں آنکھیں مچھولی
کھیلتی دکھائی دی۔ ساتھیوں نے سترک ہو کر آگے بڑھنا شروع
کیا۔ اتنے میں میں انہیں ننگے پیر اپنے سفید سیاہنگ سوت
میں کھڑا دکھائی دیا۔ میرا گھوڑا بھی پاس ہی کھڑا تھا۔
میری آنکھیں بالکل کھلی ہوئی تھیں اور میری رائٹل سے
دھوئیں کی آخری سانسیں نکل رہی تھیں۔ آگ کی تھوڑی
اور مجھ میں قریب 60 گز کا فاصلہ تھا۔

”ساتھیوں نے مجھے گھیر کر ایک ساتھ سوال کرتے شروع
کر دیئے۔ جو کچھ میں جانتا تھا میں نے انہیں سناتا شروع
کر دیا۔“ رات جلدی ہی میں سولے چلا گیا تھا۔ دن بھر کا
تھکا تھا اس لئے نیند نے فوراً ہی مجھے اپنے دامن میں سمیٹ
لیا۔ اس کے بعد میں نے ایک سہانا دیکھنا شروع کیا۔ دماغ
اُسی گز کے خیال سے بھرا ہوا تھا۔ سہلے میں میں نے
دیکھا کہ چاندنی رات میں میں گھوڑے پر اس کا پیچھا کر

परेशान हो गई और आम लोगों के दिल दहल गये. इस पर कुछ बहादुर और साहसी लोगों ने फैसला किया कि एक दल संगठित करके इन नाहनजार गोरे को, जिन्दा या सुर्दा, किसी तरह पकड़ कर लाया जाय. मेरे दिल में उस अम्रेज की खोपड़ी पाने का कोई खास लालच न था; हालांकि अनुसन्धान में ऐसी खोपड़ी बड़ी कीमती और काम की साबित हो सकती थी. इसलिये कुछ तो दिल बहलाव के ऊयाल से और कुछ वैज्ञानिक प्रयोग के उद्देश्य से मैं भी स्वयंसेवकों के इस दल में भरती हो गया.

“और वह गोरा भी खासा मुजरिम था. उसने हमें खूब ही छकाया. बाल बाल वह हमारे पंजे से बचकर निकल जाता. वहां के जंगलों और पहाड़ों से वह पूरी तरह वाकिफ था. चुड़सवारी और निशानेबाजी में सचमुच उसका कोई सानी न था. अजब कैफियत थी उसकी—यह आया और वह गया और हम मुंह ताकते रह जाते थे. वह सारी कहानी सुनाकर मैं तुम्हें बेजार न करूंगा. उस मानव नाटक के अन्तिम दृश्य का ही जिक्र करूंगा.

“ज्यों ही हमें उसके पते की सूचना मिलती हम फौरन उसकी तलारा में रवाना होते. हमतों हमने एक दिन से ज्यादा किसी जगह आराम नहीं किया. जिस शहर में हम ठहरते वहां के धनी मानी हमारी दावतें करते और अपने बढ़िया घोड़े हमारे हवाले कर देते. पीछा करते हुये एक दिन हम ऐलिससिंग नामक एक पहाड़ी नगर में पहुँचे. नगर के मेयर की आलीशान कोठी के सामने हमारे घोड़े रुके. कोठी के भीतर किसी सिलसिले में मेहमानों की खातिर तबाजो हो रही थी. हालांकि हम लोग काफ़ी तादाद में थे फिर भी घर की मालकिन ने दिल से हमारा स्वागत किया. रात के भोजन के बाद नाच और संगीत का समां बंधा. मुझे खुद नाच से कोई शौक नहीं. मेरी सारी जिन्दगी प्रकृति की उपासना में ही बीती है और मैंने कुदरत के खुले सके पढ़ने में ही उम्र काटी है. गृहशामी से छुट्टी लेकर मैं सोने चला गया. सारा दिन घोड़े की पीठ पर ही कटा था. जैसे ही लेटा, गहरी नींद तारी हो गई.

“इसके बाद जो कुछ मैंने अपने साथियों से सुना, वही तुम्हें सुना रहा हूँ. लोग नाच रंग और शराब में डूबे हुए थे. पियानो की मधुर गति बिठोवन के एक गीत पर ताल भर रही थी. नवयुवक और युवतियां कमर में हाथ डाले कोरस दुहरा रहे थे कि सहसा स्लीपिंग डेस में ही मैं उस मजमे में हाथ में राइफल लिये बाखिल हुआ और कमरे से निकल सकान के पीछे अस्तबल की ओर गया. सर मेरा पीछे की ओर मुका हुआ था और आखिं उस तरह खुली हुई थी कि मानो पास की चीजों से बेखबर मैं बहुत दूर दौब की कोई चीज देख रहा हूँ—

परिशान होगी और आम लोगों के दिल दहल गئے. اس پر کچھ بہادر اور سلسلی لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ایک دل سنگتہت کر کے اس ناسنجار گورے کو، زندہ یا مردہ، کسی طرح پکڑ کر لایا جائے . میرے دل میں اس انکرپو کی کھوپڑی پانے کا کوئی خاص لالچ نہ تھا، حالانکہ انوسنڈھان میں ایسی کوپڑی بڑی قیمتی اور کام کی ثابت ہو سکتی تھی . اس لئے کچھ تو دل بہلاؤ کے خیال سے اور کچھ وگیاٹک پرویوگ کے ادیش سے میں بھی سویم سیوکوں کے اس دل میں بیترتی ہو گیا .

” اور وہ گورا بھی خاصہ مجرم تھا . اس نے ہمیں خوب ہی چھکایا . بال بال وہ ہمارے پانچے سے بچ کر نکل جاتا . وہاں کے جنگلوں اور پہاڑوں سے وہ پوری طرح واقف تھا . گھوڑ سواری اور نشانہ بازی میں سچ سچ میچ اس کا کوئی ثانی نہ تھا . تعجب کیفیت تھی اس کی—یہ آیا اور وہ گیا اور ہم منہ ناکتے رہ جاتے تھے . وہ ساری کہانی سنا کر میں تمہیں یہ یزار نہ کروں گا . اس مالاو ناک کے انتم دیشہ کا ہی ذکر کرونگا .

” جنوں ہی ہمیں اُن کے پتے کی سوچنا ملتی ہم فوراً اُس کی تلاش میں روانہ ہوئے . ہفتوں ہم نے ایک دن سے زیادہ کسی جگہ آرام نہیں کیا . جس شہر میں ہم تھہرتے وہاں کے دھنی مانی ہماری دعوتیں کرتے اور اپنے بڑھیا گھوڑے ہمارے حوالہ کر دیتے . پیچھا کرتے ہوئے ایک دن ہم ایلس اسپرنگ نامک ایک پہاڑی نگر میں پہونچے . نگر کے میئر کی عایشان کوئٹی کے سامنے ہمارے گھوڑے رکے . کوئٹی کے بیڈر کسی سلسلے میں مہانوں کی خاطر توافع مہرہی تھی . حالانکہ ہم لوگ کافی تعداد میں تھے پور بھی گھر کی مالکن نے دل سے ہمارا سواگت کیا . رات کے پہونچنے کے بعد ناچ اور سنگیت کا سماں بندھا . مجھے خود ناچ سے کوئی شوق نہیں . میری ساری زندگی پڑکوتی کی اُباسنا میں ہی بیتی ہے اور میں نے قدرت کے کپے صحتہ پڑھنے میں ہی عمر کاٹی ہے . گرہ سولمی سے چپٹی لہ کر میں سونے چلا گیا . سارا دن گھوڑے کی پیٹھ پر ہی کٹا تھا . جیسے ہی لیٹا، کھری نیند طاری ہو گئی .

” اس کے بعد جو کچھ میں نے اپنے ساتھیوں سے سنا، وہی تمہیں سنا رہا ہوں . لوگ ناچ رنگ اور شراب میں قردے ہوئے تھے . پیانو کی مدھر گئی بٹھورن کے ایک گیت پر تال بھر رہی تھی . ٹویوک اور برتیاں کمر میں ہاتھ ڈالے کورس دھرا رہے تھے کہ سہسا سلیپنگ ڈریس میں ہی میں اس مجمع میں ہاتھ میں رائفل لئے داخل ہوا اور کمرے سے نکل مکان کے پیچھے اصطبل کی اور گیا . سر مہرا پیچھے کی اور چھکا ہوا تھا اور آٹھیں اس طرح کھلی مرنی تھیں کہ مانو پس کی چھڑوں سے بے خبر میں بہت دور غیب کی کوئی چیز دیکھ رہا ہوں .

बाने बुनते रहते थे। कभी कभी अपभ्रान्त की तरह अन्धधुंध और तूफान नाराहस्तगी बरतने लगते थे बरना पूरे बरस भर मन्द मन्द बायु मील के जल को गुब्बारी करती रहती थी। लहरें जलबायु को गलबांही देने के लिये मुजायें फैलाती थीं तो बायु बल खाती हुई किनारे की ओर सघन कुंजों में भाग जाती थी। मील का नीला जल किनारे के चारों ओर पीली पीली रेत के फैलाव में ऐसा लगता था मानो पुष्कराज के बीचों बीच किसी ने नीलम जड़ दिया हो। मील के एक किनारे गहरे लाल पत्थर की पहाड़ियां धन्वों की तरह फैली हुई थीं और इन पहाड़ियों के पास कांस के सफेद घने उगे फूल ऐसे लगते थे मानो क्रुदरत के महावर लगे पैरों में पायजब पड़ी हों। सूर्य की पहली किरनों के संजुल प्रभात में हज्जारों जलचर तट की रेत पर संख, सीपी और घोंघों का कबच पहने इस तरह फिरते थे मानों मील की रानी के बाड़ीगाईं पैरेड कर रहे हों।

“मील के चारों ओर फैले हुये हरे भरे जंगल मील से कुछ कम सुहावने न थे। शोभनीय वृक्ष, कुसुमित झाड़ियां, फूलों के भार से लदी लतायें और नाजुक फर्मे अपने बिखरे हुये रूप में भी बेहद सुन्दर लगते थे। मैंगोलिया के सफेद फूल सुनहले रङ्ग के बड़े बड़े सुरजमुखी, खुराबू से तर मेरोजा, तारिकाओं की तरह खिली हुई यूथिका और मनहर नील गुम्फा आस्ट्रेलिया के इस मर्मस्थल को मन्विभोर किये रहते थे। हवा के ज़र्रे ज़र्रे में खुराबू समाई रहती थी। इन सघन कुंजों के पीछे बादाम और अखरोट, सेब और नारपाती, नारियल और साबुदाने के दरख्त बेतरतीब खड़े हुये थे और इनसे परे छोटी छोटी पहाड़ियां घावड़ा, सागवान और शीशम के दरख्तों का भार लादे बाफिल पड़ी हुई थीं।

“जाने कैसे क्रुदरत का यह मनोरम प्राणस्थल सुबह के टूटे हुये सपने की तरह यकायक मिट गया। दानव रेगिस्तान सारी हरियाली निगल कर तीन हज्जार मील के फैलाव की यह अद्भुत जल राशि पी गया। इस रेगिस्तान की छान बिन करते हुये मुझे कई आश्चर्यजनक तजरुबे हुये। अपनी इसी खोज में आबादी से क़रीब एक हज्जार मील दूर मैं एक दुर्घटना में फंस गया। एक बीहड़ और ख़तरनाक पहाड़ी से छतरते हुये ख़ड से गिर कर मैंने अपनी दानों टांगें तोड़ लीं। बदकिस्मती से मैं बिलकुल अकेला था। मुझे अपना खाना भी जुटाना पड़ता और अपनी दूदी टांगों को भी अपने पीछे चसीटना पड़ता। ख़ुदा जाने कैसे सारा रास्ता तय करके मैं वापस आबादी में पहुँचा। पूरी तरह ठीक होने में मुझे महीनों लग गये। अच्छा होकर जी बहलाने के लिये मैं सामाजिक राग रंग में लग गया।

“इसी समय एक गोरे मुजरिम के कारनामों से आस्ट्रेलिया में सड़लका मचा हुआ था। सरकार और पुलिस दोनों

पहले बन्दे रहते थे। कभी कभी अपभ्रान्त की तरह अन्धधुंध और तूफान नाराहस्तगी बरतने लगते थे बरना पूरे बरस भर मन्द मन्द बायु मील के जल को गुब्बारी करती रहती थी। लहरें जलबायु को गलबांही देने के लिये मुजायें फैलाती थीं तो बायु बल खाती हुई किनारे की ओर सघन कुंजों में भाग जाती थी। मील का नीला जल किनारे के चारों ओर पीली पीली रेत के फैलाव में ऐसा लगता था मानो पुष्कराज के बीचों बीच किसी ने नीलम जड़ दिया हो। मील के एक किनारे गहरे लाल पत्थर की पहाड़ियां धन्वों की तरह फैली हुई थीं और इन पहाड़ियों के पास कांस के सफेद घने उगे फूल ऐसे लगते थे मानो क्रुदरत के महावर लगे पैरों में पायजब पड़ी हों। सूर्य की पहली किरनों के संजुल प्रभात में हज्जारों जलचर तट की रेत पर संख, सीपी और घोंघों का कबच पहने इस तरह फिरते थे मानों मील की रानी के बाड़ीगाईं पैरेड कर रहे हों।

“जाने कैसे क्रुदरत का यह मनोरम प्राणस्थल सुबह के टूटे हुये सपने की तरह यकायक मिट गया। दानव रेगिस्तान सारी हरियाली निगल कर तीन हज्जार मील के फैलाव की यह अद्भुत जल राशि पी गया। इस रेगिस्तान की छान बिन करते हुये मुझे कई आश्चर्यजनक तजरुबे हुये। अपनी इसी खोज में आबादी से क़रीब एक हज्जार मील दूर मैं एक दुर्घटना में फंस गया। एक बीहड़ और ख़तरनाक पहाड़ी से छतरते हुये ख़ड से गिर कर मैंने अपनी दानों टांगें तोड़ लीं। बदकिस्मती से मैं बिलकुल अकेला था। मुझे अपना खाना भी जुटाना पड़ता और अपनी दूदी टांगों को भी अपने पीछे चसीटना पड़ता। ख़ुदा जाने कैसे सारा रास्ता तय करके मैं वापस आबादी में पहुँचा। पूरी तरह ठीक होने में मुझे महीनों लग गये। अच्छा होकर जी बहलाने के लिये मैं सामाजिक राग रंग में लग गया।

“जाने कैसे क्रुदरत का यह मनोरम प्राणस्थल सुबह के टूटे हुये सपने की तरह यकायक मिट गया। दानव रेगिस्तान सारी हरियाली निगल कर तीन हज्जार मील के फैलाव की यह अद्भुत जल राशि पी गया। इस रेगिस्तान की छान बिन करते हुये मुझे कई आश्चर्यजनक तजरुबे हुये। अपनी इसी खोज में आबादी से क़रीब एक हज्जार मील दूर मैं एक दुर्घटना में फंस गया। एक बीहड़ और ख़तरनाक पहाड़ी से छतरते हुये ख़ड से गिर कर मैंने अपनी दानों टांगें तोड़ लीं। बदकिस्मती से मैं बिलकुल अकेला था। मुझे अपना खाना भी जुटाना पड़ता और अपनी दूदी टांगों को भी अपने पीछे चसीटना पड़ता। ख़ुदा जाने कैसे सारा रास्ता तय करके मैं वापस आबादी में पहुँचा। पूरी तरह ठीक होने में मुझे महीनों लग गये। अच्छा होकर जी बहलाने के लिये मैं सामाजिक राग रंग में लग गया।

“इसी समय एक गोरे मुजरिम के कारनामों से आस्ट्रेलिया में सड़लका मचा हुआ था। सरकार और पुलिस दोनों

جیہاں پاپوچا کی جاتیں کا مूल نکاسا مائلنےشیا کے داہوآں سے ہوا ہے اور اصل میں دیکھنی سمندر کی ساری جاتیں کا مول سوتا اسی طرح ایک ہے جس طرح یورپ اور ایشیا میں پھیلی ہوئی آریہ جاتیں کا ۔

ہری سلیسلے میں پروکسیر افسر اپنی سپن یاترا کا بھی شکر کرتے تھے۔ وہاں کا دیکھ میں ایک سپنیز کی کوہڑی نے انہیں پیچھا لپایا تھا۔ وکست کوہڑیوں کو جیوت دیہ سے جدا دیکھنے کی خواہش کے پیچھے پروکسیر کی کوئی کالاک ہاؤنا نہ تھی۔ وہ تو مارو جاتی شاستر کے وشیشکیتھے تھے اور کرن جالے کسی آدم کل میں کپالوں کے بیلکرو میں ہی اس شاستر کی نیو پڑی ہو۔ اُس سپنیز کی تندرستی دنوں دن بگڑتی جارہی تھی۔ پروکسیر کے پاس اُنکا وقت نہ تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک وہاں ٹھہر سکتے! وہ اس پریشانی میں تھے کہ مہت کی دھیمی چال کو اُس کے پرانوں میں کس طرح تیز کیا جائے۔ پروکسیر کو پتہ چلا کہ اس کوہڑی کے مالک کا ایک عیش اور دروچاری بھتیجا ہے۔ پروکسیر نے اُس کے ساتھ اپنی دوستی بڑھائی اور باتوں باتوں میں اُسے سچایا کہ اُس کے چچا کی حالت بہت مازک ہے اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اپنے بارے میں انہوں نے اُسے بتایا کہ وہ انسانوں کی بھائی کے لئے ویکیانک چکانین میں لگے ہوئے ہیں۔ بھتیجے کے ساتھ یہ سودا طے ہوا کہ چچا کے مرنے پر اسے چار سو روپے دیئے جائیں گے اور اُس کے عیوض میں بھتیجا اپنے چچا کی کوہڑی پروکسیر کے حوالے کر دے گا۔ اس سودے کے بعد ایک دن سنا گیا کہ چچا کی اچانک موت ہوگئی۔ وعدے کے مطابق بھتیجے کو ساری رزم چکائی گئی۔ مگر وہ جو بھتیجا تھا، زندگی میں اس کے کوئی اصول ہی نہ تھے۔ رزم لے کر اُس نے پروکسیر کو انکڑھا دکھایا اور اپنے چچا کو دفن دیا۔

کس طرح اپنی رقم کی پائی پائی پروکسیر نے اُس سے وصول کر لی یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ مگر اس سب میں ایک دوسری ہی گھٹنا تمہیں سنائے دیتا تھا۔ پروکسیر کی ہی یہ کہی ہوئی ہے اور انہیں کے شبدوں میں تمہیں جیوں کی تپوں میں اسے سنا رہا ہوں۔

”میں اس سب سے اُن بچی کھچی جاتوں کا پتہ لگانے میں مصروف تھا جو مٹی جارہی ہیں۔ آج اسٹریلیا کے ٹھیک سرماسٹل میں ہزاروں میل لمبا چوڑا ریگستان ہے۔ لیکن کسی زمانے میں یہیں تین ہزار میل کے پھیلاؤ میں مہیقہ پانی کی ایک ہیجند خوشما جھیل تھی۔ اُس کے چاروں اور لاکھوں پیر تھے جن پر کروڑوں پرند نلرو کرتے رہتے تھے۔ اوپر صاف نیلے آسمان کا چندوبا ننا رہتا تھا اور سورہہ بگڑاں دن میں 16 گھنٹے اپنی کرنیں کے تالے

اور پاپوچا کی جاتیں کا مूल نکاسا مائلنےشیا کے ٹاپوں سے ہوا ہے اور اصل میں دیکھنی سمندر کی ساری جاتیں کا مول سوتا اسی طرح ایک ہے جس طرح یورپ اور ایشیا میں پھیلی ہوئی آریہ جاتیں کا ۔

اسی سلسلے میں پروکسیر اکثر اپنی اسپن یاترا کا بھی ذکر کرتے تھے۔ وہاں کلڈ میں ایک اسپنیز کی کوہڑی نے انہیں پیچھا لپایا تھا۔ وکست کوہڑیوں کو جیوت دیہ سے جدا دیکھنے کی خواہش کے پیچھے پروکسیر کی کوئی کالاک ہاؤنا نہ تھی۔ وہ تو مارو جاتی شاستر کے وشیشکیتھے تھے اور کرن جالے کسی آدم کل میں کپالوں کے بیلکرو میں ہی اس شاستر کی نیو پڑی ہو۔ اُس سپنیز کی تندرستی دنوں دن بگڑتی جارہی تھی۔ پروکسیر کے پاس اُنکا وقت نہ تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک وہاں ٹھہر سکتے! وہ اس پریشانی میں تھے کہ مہت کی دھیمی چال کو اُس کے پرانوں میں کس طرح تیز کیا جائے۔ پروکسیر کو پتہ چلا کہ اس کوہڑی کے مالک کا ایک عیش اور دروچاری بھتیجا ہے۔ پروکسیر نے اُس کے ساتھ اپنی دوستی بڑھائی اور باتوں باتوں میں اُسے سچایا کہ اُس کے چچا کی حالت بہت مازک ہے اور اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اپنے بارے میں انہوں نے اُسے بتایا کہ وہ انسانوں کی بھائی کے لئے ویکیانک چکانین میں لگے ہوئے ہیں۔ بھتیجے کے ساتھ یہ سودا طے ہوا کہ چچا کے مرنے پر اسے چار سو روپے دیئے جائیں گے اور اُس کے عیوض میں بھتیجا اپنے چچا کی کوہڑی پروکسیر کے حوالے کر دے گا۔ اس سودے کے بعد ایک دن سنا گیا کہ چچا کی اچانک موت ہوگئی۔ وعدے کے مطابق بھتیجے کو ساری رزم چکائی گئی۔ مگر وہ جو بھتیجا تھا، زندگی میں اس کے کوئی اصول ہی نہ تھے۔ رزم لے کر اُس نے پروکسیر کو انکڑھا دکھایا اور اپنے چچا کو دفن دیا۔

کس طرح اپنی رقم کی پائی پائی پروکسیر نے اُس سے وصول کر لی یہ بھی ایک دلچسپ قصہ ہے۔ مگر اس سب میں ایک دوسری ہی گھٹنا تمہیں سنائے دیتا تھا۔ پروکسیر کی ہی یہ کہی ہوئی ہے اور انہیں کے شبدوں میں تمہیں جیوں کی تپوں میں اسے سنا رہا ہوں۔

”میں اس سب سے اُن بچی کھچی جاتوں کا پتہ لگانے میں مصروف تھا جو مٹی جارہی ہیں۔ آج اسٹریلیا کے ٹھیک سرماسٹل میں ہزاروں میل لمبا چوڑا ریگستان ہے۔ لیکن کسی زمانے میں یہیں تین ہزار میل کے پھیلاؤ میں مہیقہ پانی کی ایک ہیجند خوشما جھیل تھی۔ اُس کے چاروں اور لاکھوں پیر تھے جن پر کروڑوں پرند نلرو کرتے رہتے تھے۔ اوپر صاف نیلے آسمان کا چندوبا ننا رہتا تھا اور سورہہ بگڑاں دن میں 16 گھنٹے اپنی کرنیں کے تالے

जो बाक्रप्ता मैं तुन्हें सुनाने जा रहा हूँ उसकी सच्चाई का मैं खिम्मा नहीं लेता. न यह मेरी गद्दी हुई है और न मैंने इसे सीधा इसके गढ़ने वाले से ही सुना है. मुमकिन है यह गंगा-जमुनी बनकर मेरे पास पहुँची हो. इसके मूल रचयिता एक वैज्ञानिक थे जो अपने गम्भीर अनुसन्धानों के बीच जी बहलाने के लिये कमी कमी गप भाड़ लिया करते थे. क्रुदुरत के सनातन तत्व सदा ही उनकी आंखों के सामने रहते थे और इसलिये उनके यह छोटे मोटे गप जीवन की अटपटी यात्रा के महज विराम चिह्न थे. उनकी कल्पना रोमांस के तारों को छू कर, अचरज भरे राग और ऐसे ऐसे असर पैदा करती थी जो सम्भावना (मुमकिनता) से परे होते थे.

लोग प्रोफ़ेसर को खट्ती समझते; लेकिन अपने क्रिसम के खजिन्यों में भी प्रोफ़ेसर का दरजा बहुत ऊंचा था। कहां के वे असली रहने वाले हैं, इसका किसी को पता न था। और उससे कुछ पछुता भी फ़िज़ूल था। उनके जवाब सत्या-सत्य की विभाजक रेखा पर झूमते हुये उतरते थे। उनके चारों ओर सन्देह की लकीर बराबर बढ़ती ही जाती थी। कैसे, कहां से, और क्यों आस्ट्रेलिया में आकर ब रहे, इस पर भीते हुये जमाने की गहरी परत पड़ चुकी थी, हां, यह बात सभी जानते थे कि प्रोफ़ेसर मानव जाति शास्त्र (anthropology) के विशेषज्ञ थे।

जब मैं उनसे पहली बार मिला उस वक़्त उनके साथ एक पापुअन लड़का रहता था, इतना काला था वह कि कोयले के टुकड़े से उस पर सफेद निशान बनाया जा सकता था, प्रोफेसर बड़े प्यार से उस बच्चे के सर पर हाथ फेरते और उसे तन्दुरुस्त और बड़े होने का अशीर्वाद देते थे, लड़का होशियार था और वे समझते थे कि पचीसा लांपकर उसकी खोपड़ी पूरी तरह विकसित हो जायगी, प्रोफेसर को उस दिन का इन्तज़ार था जब इस पापुअन की विकसित खोपड़ी हाथ में लेकर वह उसकी अन्दर बाहर से जांच कर सकेंगे,

उनके अनुसन्धान घर में टेबुल पर आस्ट्रेलिया, न्यूगिनि, मलाया और सुमात्रा के झाड़िमवासियों की कई खांपड़ियां रखी थीं। इस लड़के की खांपड़ी से उनकी तुलना करके प्रोफ़ेसर यह साबित करना चाहते थे कि इन देशों

جو راتوں میں نہیں سنائے جا رہا ہوں اُس کی سچائی کا
میں ذمہ نہیں لیتا۔ نہ یہ میری گڑھی ہوئی ہے اور نہ میں نے
اسے سیدھا اس کے گھٹنے والے سے ہی سنا ہے۔ ممکن ہے یہ گٹکا
جمنی بن کر میرے پاس پہنچتی ہو۔ اُس کے مول رچتا ایک
ویکٹاک تھے جو اپنے گھمبیر انوسندھانوں کے بیچ جی بھالے کے لئے
کبھی کبھی جہاز لگا لیا کرتے تھے۔ قدرت کے سناتن تھو سدا۔ ہی
ان کی آنکھوں کے سامنے رہتے تھے اور اس لئے اُن کے یہ چھوٹے
مڑھے گپچھپوں کی اٹھتی یا تار کے محض ورام چاہتے تھے۔ اُن کی
کلپنا رومانس کے تاروں کو چھوکر، اچرچ بھرے زاگ اور ایسے
ایسے اثر پیدا کرتی تھی جو سمبھوانا (ممکنات) سے پرے ہوتے
تھے۔

لوگ پروفیسر کو خطی سمجھتے؛ لیکن اپنے قسم کے خطیوں میں بھی پروفیسر کا درجہ بہت اُونچا تھا۔ کہاں کے دے اصلی رہنے والے ہیں، اس کا کسی کو پتہ نہ تھا۔ اور ان سے کچھ پوچھنا بھی فضول تھا۔ ان کے جواب سٹالین کی دیکھنا پر جھمکتے ہوئے اُترتے تھے۔ ان کے چاروں اور سدھ کی لکھو پر برابر بڑھتی ہی جاتی تھی۔ کیسے، کہاں سے، اور کیوں آسٹریلیا میں آکر رہے؟ اس پر بیٹے ہوئے زمانے کا گہری پرت پڑچکی تھی۔ ہاں، یہ بات سبھی جانتے تھے کہ پروفیسر مانو جاتی شاسٹر (anthropology) کے ویشیکہ تھے۔

جب میں اُن سے پہلی بار ملا اس وقت اُن کے ساتھ ایک پایون لڑکا رہتا تھا۔ اتنا کالا تھا وہ کہ کوئلے کے ٹکڑے سے اُس پر سفید نشان بنایا جاسکتا تھا۔ پروفیسر بڑے پیار سے اُس بچے کے سر پر ہاتھ پھیڑتے اور اُسے تندرست اور بڑے ہونے کا اُشہاد دیتے تھے۔ لڑکا ہوشیار تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ بچہ بسا لاکھ کر اُس کی کھوپڑی پوری طرح دکست ہو جاتی، پروفیسر کو اُس دن کا انتظار تھا جب اُس پایون کی دکست کھوپڑی ہاتھ میں لے کر وہ اُس کی انڈر باہر سے جانچ کر سکیں گے۔

اُن کے افسردہ خان گھر میں ٹیبل پر آسٹریلیا،
نیپونگی، ملا، اور سوہاترا کے آدیواسیوں کی کئی کھوپڑیاں
دھکی تھیں۔ اُس لڑکے کی کھوپڑی سے اُن کی تولدا
کرنے پر دھنسر پہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ان دیہاتوں

कितना सुन्दर विचार और पहचान है ! मुसलमानों के लिए 'पराय' 'विदेशी' आदि शब्दों को लगा कर उन्हें दूसरा मानने की कल्पना भी नहीं उठ सकती ! मन को मूस कर यानी मस कर (बरा में कर), और साहिब के रख— (आत्मोन्मुख) होकर, जो ज्ञान मुसल्ला गाह— (केवल ज्ञान को प्राप्त कर), टिक जाता है—सिद्ध हो जाता है, वही मुसलमान है. हिन्दू मुसलिम भेद पर वे कहते हैं—

“मन की द्विविधा मान कर, भये एक सों दोय !”

बनारसीदास जी की नजर में हिन्दू और मुसलमानों की लड़ाई उन दो भाइयों के समान थी जो अपने खेत में अलसी और जवस बोने के लिए लड़ रहे थे, पर वस्तु वास्तव में एक ही थी. वह लड़ाई ज्ञानी 'द्विभाशिया' के मिलने पर तत्काल शान्त हो गई.

बनारसीदास हिन्दू मुसलिम विभेद पर कहते हैं—

एक रूप हिन्दू तुरुक, दूजी दशान कोय ।

मन की द्विविधा मान कर, भये एक सों दोय ॥

दोऊ भूले भरम में, करें वचन की टेक ।

‘राम-राम’ हिन्दू कहें, तुर्क ‘सलामालेक’ ॥

इनके पुस्तक बांचिये, वेहू पढ़े कितेव ।

एक वस्तु के नाम द्वय, जैसे शोभा, जेब ॥

तिन को द्विविधा-जे लखें, रंग विरंगी चाम ।

मेरे नैनन देखिये, घट-घट अन्तर राम ॥

आज यदि लोग बनारसीदास जी की आंखों से देखने की तकलीफ करें तो, उन्हें साफ़ दिखाई देगा कि यह सब भेदाभेद 'मन की द्विविधा मान कर' ही पैदा हुआ और उसी के चक्कर में फंस मतुरय भ्रम में भूल कर भेद-भाव पर अड़ा हुआ है.

कितना सुन्दर विचार और पहचान है ! मुसलमानों के लिए 'पराय' 'विदेशी' आदि शब्दों को लगा कर उन्हें दूसरा मानने की कल्पना भी नहीं उठ सकती ! मन को मूस कर यानी मस कर (बरा में कर), और साहिब के रख— (आत्मोन्मुख) होकर, जो ज्ञान मुसल्ला गाह— (केवल ज्ञान को प्राप्त कर), टिक जाता है—सिद्ध हो जाता है, वही मुसलमान है. हिन्दू मुसलिम भेद पर वे कहते हैं—

“मन की द्विविधा मान कर, भये एक सों दोय !”

बनारसीदास जी की नजर में हिन्दू और मुसलमानों की लड़ाई उन दो भाइयों के समान थी जो अपने खेत में अलसी और जवस बोने के लिए लड़ रहे थे, पर वस्तु वास्तव में एक ही थी. वह लड़ाई ज्ञानी 'द्विभाशिया' के मिलने पर तत्काल शान्त हो गई.

बनारसीदास हिन्दू मुसलिम विभेद पर कहते हैं—

एक रूप हिन्दू तुरुक, दूजी दशान कोय ।

मन की द्विविधा मान कर, भये एक सों दोय .

दोऊ भूले भरम में, करें वचन की टेक ।

‘राम-राम’ हिन्दू कहें, तुर्क ‘सलामालेक’ ॥

इनके पुस्तक बांचिये, वेहू पढ़े कितेव ।

एक वस्तु के नाम द्वय, जैसे शोभा, जेब .

तिन को द्विविधा-जे लखें, रंग विरंगी चाम ।

मेरे नैनन देखिये, घट-घट अन्तर राम .

आज यदि लोग बनारसीदास जी की आंखों से देखने की तकलीफ करें तो, उन्हें साफ़ दिखाई देगा कि यह सब भेदाभेद 'मन की द्विविधा मान कर' ही पैदा हुआ और उसी के चक्कर में फंस मतुरय भ्रम में भूल कर भेद-भाव पर अड़ा हुआ है.

कवि लिखने के लिये तब तक कलम नहीं उठाता जब तक उसकी स्थायी प्रेम की आहों से शराबोर नहीं हो जाती.

—शेक्सपियर

कवि लिखने के लिये तब तक कलम नहीं उठाता जब तक उसकी स्थायी प्रेम की आहों से शराबोर नहीं हो जाती.

—शेक्सपियर

अकबर के समकालीन जैन कवि बनारसीदास

اکبر کے समکالین جین کوی بنارسی داس

श्री जमनालाल जैन

شری جمنا لال جین

कवि शेखर बनारसीदास जी ने भी अपने ढंग से हिन्दू मुसलमान समस्या पर धार्मिक निगाह से रोशनी डाली है। बनारसीदास जी जिस जमाने में जीवित थे, उस समय सम्राट अकबर का शासन सूर्य चमक रहा था। सम्राट अकबर से उन्हें बेहद प्रेम था। जब संवत् 1662 विक्रम में अकबर की मौत हुई तब उस समाचार को सुन बनारसीदास सुधिहीन होकर गिर पड़े और लहलुहान हो गए थे—

अकसमात बनारसी, सुनि 'अकबर कौ काल,
सीढ़ी परि बैठ्यो हुतो, भयौ भरमचित चाल।

आइ तबाला गिरि परयौ, सक्यौ न आपा राखि,
फूटि भाल लोहू चल्थौ, कहयौ 'देव' मुख भाखि।

लागी चोट पखान की, भयौ गृहांगन लाल,
हाइ ! हाइ ! सब करि उठे, मात तात बेहाल।

‘प्रेम की पीर’ का सच्चा अनुभव करने वाले ऐसे ही लोग हुआ करते हैं जो अपने जीवन को भी संकट में डाल देते हैं। प्रेम की पीर का जिक्र करना कुछ और है और उसको अमल में उतार कर अनुभव करना कुछ और ! पहिली कला है, दूसरी सजीव पीड़ा !

हिन्दी-साहित्य के लिए यह बड़े गौरव की बात है कि कवि बनारसीदास ने भी अपने विचार हिन्दू मुस्लिम समन्वय पर जाहिर किए हैं। अगरचे उन्होंने बहुत ही थोड़े में—अति संक्षेप में—अपने विचारों को लिखा है, परन्तु उनमें जो गहरा मतलब, ऊंची भावनाएँ और जो गहरी सचाई छिपी हुई है, वह सिर्फ अनुभव करने की ही बीज है। फिर, उनके सम्बन्ध में इस बात को नहीं भूलना चाहिए कि वे एक शुद्ध ‘जैन’ कवि थे। जैन कवि यद्यपि शुद्ध मानवता और नैतिकता के कवि रहे हैं, तथापि वे साम्प्रदायिकता के लिए अति से अधिक बदनाम भी रहे हैं और हैं। ऐसी हालत में यदि बनारसीदास जैसे फक्कड़ शिरोमणि कवि राष्ट्रीय समस्या पर ‘कुछ भी’ कहता है तो, वह गौरव की वस्तु हो जाती है। कविवर ने मुसलमान की पहचान बताते हुए कहा है कि—

जो मन मूसे आपनो, साहिब के रुख होय,
ज्ञान मुसल्ला गह टिकै, मुसलमान है सोय।

कوی شیخوہ بنارسی داس جی نے بھی اپنے دھنگ سے ہندو مسلمان سمسیا پر دھارمک نگاہ سے روشنی ڈالی ہے۔ بنارسی داس جی جس زمانے میں جیوت تھے، اُس سے سمرات اکبر کا شاسن سرریہ چمک رہا تھا۔ سمرات اکبر سے انہیں بے حد پریم تھا۔ جب سموت 1662 دکر میں اکبر کی موت ہوئی تب اُس سماچار کو سن بنارسی داس سدھی ہین ہوکر گر پڑے اور لہولہان ہو گئے تھے—

اکسمات بانارسی، سنی اکبر کو کال،

سیڑھی پر بیٹھو ہوتو، بھئو ہرمچیت چال۔

آئی تبالہ گر پرتو، سکھو نہ آیا راکھ،

پھرتی بھال لہو چلثو، کہیو 'دیو' مکھ بھاگ۔

لاگی چوت پکھان کی، بھئو گرهانگن لال،

ہائے ! ہائے ! سب کری آٹھ، مات تات پے حال۔

‘پریم کی پیڑ’ کا سچا انوبھو کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں جو اپنے جینوں کو بھی سنگت میں ڈال دیتے ہیں ! پریم کی پیڑ کا ذکر کرنا کچھ اور ہے اور اُس کو عمل میں آنا کر انوبھو کرنا کچھ اور۔ پہلی نلا ہے، دوسری سچو پیڑ !

ہندی سادھتہ کے لئے یہ بڑے گورور کی بات ہے کہ کوی بنارسی داس نے بھی اپنے وچار ہندو مسلم سنوئے پر ظاہر کئے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے بہت ہی تھوڑے میں—اُنی سنگچھپ میں—اپنے وچاروں کو لکھا ہے، پرتو اُن میں جو گہرا مطلب، اُونچی بھاؤنائیں اور جو گہری سچائی چھپی ہوئی ہے، وہ صرب انوبھو کرنے کی ہی۔ چڑ ہے۔ پھر، اُن کے سمبندھ میں اِس بات کو نہیں بھولنا چاہئے کہ وہ ایک شدہ ‘جین’ کوی تھے۔ جین کوی یدھی شدہ ماتنات اور نیکنتا کے ‘کوی رہے ہین’، تنہابی وہ سامہردائنتا کے لہم اتی سے ادھک بدنام بھی رہے ہین اور ہین۔ ایسی حالت میں یدی بنارسی داس جیسا پیکر شرومنی کوی راشتریہ سمسیا پر ‘کچھ یی’ کہتا ہے تو، وہ گورور کی وستو ہو جاتی ہے۔ کوبر لے مسلمان کی پہچان بتاتے ہوئے کہا ہے کہ—

جو من موئے اکتو صاحب کے رکھ ہوئے،

کہان موسلا گم تھے، مسلمان ہے سوئے۔

سارا (ساگر), راکھ (راجپوت), پایک (پیادا),
 ڈانوک (تیر-ہندراج), بستی (ہندی), سہتی, مائلی
 آدی.

تاریخ کیوجہاں میں، جو چودھویں صدی میں لکھی
 گئی تھی، ہندی شبدوں کی بہرہ مار ہے۔ ان میں سے چند ایک
 سن لکھتے: مندا (منڈی), سونہار (اندھار), لادی (سامان
 (سامان ہونے والا), منڈل (پالکی), منڈل (جلسہ).

سیرالولیا میں، جو اسی زمانے کی کتاب ہے، ہندی کے
 کئی شبد آئے ہیں، جیسے: لاکھن، بھاگی (قیدخانہ)

یہ فہرست اتنی لمبی ہو سکتی ہے کہ پائیک پڑھتے پڑھتے
 اُٹنا جائیگا۔ مطلب یہ ہے کہ فارسی اور ہندی میں شاکس
 شاکس کا نانا نہ تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کا اثر قبول کیا،
 ہاں، اس سے پہلے شبدوں کو اپنے اپنے سانچوں میں ڈھال لیا۔
 ہندی جس طرح ’ز‘ اور ’ق‘ کو ضم نہ کر سکتی تھی، فارسی
 ’ت‘، ’ق‘، ’ز‘ کی تاب نہ لا سکتی تھی۔

مغل بادشاہوں کے زمانے میں تو ہندوستانی فارسی پر ہندی
 کا رنگ چھ گیا تھا۔ شاعروں کے درباری کو ابوطالب کلیم کے
 کچھ مصرعوں میں ہندی کی گہلاوت دیکھتے:

منا ہر بادۂ تمبولیاں دل...
 جھڑنے شستہ ڈھوبی چہ گویم...
 بھٹانے راجپوتو شہزادہ...
 چہ چہر شولہ شامِ اُست بے دود...
 کے بڑے مائلی را ہر نیگارم...

فارسی ویا کون کا اٹل فہم ہے کہ سندھی کیوں فارسی
 شبدوں میں ہی ہو سکتی ہے۔ پر ’چروکے دشن‘ جیسی
 ترکیبیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ بہت سے ہندی متعارف
 بھی فارسی میں گہل مل گئے، جیسے: بیڑا، تمبول، گرفت
 (بیڑا اُٹھانا)

اَللّٰہ رے ہستی شاعر
 کربھ سونے کا آواز شبنم کی

اَللّٰہ رے ہستی شاعر
 قلب غنچہ کا آنکھ شبنم کی

—جگر—

—جگر—

بیلان اور نئے نئے کل کارخانے دنیا کی راکل کو اس तरह بدل رہے ہیں کہ ساری دنیا تیزی کے ساتھ ایک ارتھک اکائی بنی جارہی ہے۔ مانوجاتی کا بیوشیہ تب ہی سندر اور جیوتو مئے ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم 'وسودھو کتمیم' کے ہاتھ کو—سمپورن مانو جاتی کی ایکتا کی سچائی کو—پوری طرح دل میں اُتار لیں۔

دیکھیں اور نئے نئے کل کارخانے دنیا کی شکل کو اس طرح بدل رہے ہیں کہ ساری دنیا تیزی کے ساتھ ایک ارتھک اکائی بنی جارہی ہے۔ مانوجاتی کا بیوشیہ تب ہی سندر اور جیوتو مئے ہو سکتا ہے۔ جبکہ ہم 'وسودھو کتمیم' کے ہاتھ کو—سمپورن مانو جاتی کی ایکتا کی سچائی کو—پوری طرح دل میں اُتار لیں۔

فارسی پر ہندی کا اثر

فارسی پر ہندی کا اثر

مولوی سراج الدین آذر

مولوی سراج الدین آذر

تورک اور مغال جب ہندوستان میں آئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے اور ہندوستانیوں کے کلچر میں کوئی سمانتا نہیں۔ دونوں بول چال، رنگ-دنگ، رہن-سہن میں ایک دوسرے سے بالکل الگ تھے۔ پھر بھی دھیرے دھیرے انہوں نے ایک دوسرے پر جیسا گہرا اثر ڈالا، وہ اس بات کی دلیل ہے کہ قوموں اپنی خاصیتوں کو الگ الگ خانوں میں نہیں بند کر سکتیں۔ اس آہستہ آہستہ کی ایک مثال ہندی پر فارسی کا اثر فارسی پر ہندی کا اثر ہے۔

فارسی میں ہندی شبدوں کی ملاوت: محدود غزنیوں کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ اس یک کے بڑے بڑے کوہوں اور (یکہوں) جیسے فردوسی، عنصری، ذروخی، اسدی اور صناعی— نے ان ہندی شبدوں کا استعمال کیا ہے:

فارسی میں ہندی شبدوں کی ملاوت: محدود غزنیوں کے زمانے سے شروع ہو گئی تھی۔ اس یک کے بڑے بڑے کوہوں اور (یکہوں) جیسے فردوسی، عنصری، ذروخی، اسدی اور صناعی— نے ان ہندی شبدوں کا استعمال کیا ہے:

کوئال، نوہار (دھار)، کنار (کڑ)، چندن اور پانی۔

کوئال، نوہار (دھار)، کنار (کڑ)، چندن اور پانی۔ غزنی گہرائے کے شاہ مصعد کے سماکین کوئی روئی نے دند (دند)، جوہر اور جت (جانت) کا استعمال کیا ہے۔

غزنی گہرائے کے شاہ مصعد کے سماکین کوئی روئی نے دند (دند)، جوہر اور جت (جانت) کا استعمال کیا ہے۔ مصعد سعد سلیمان کے یہاں ہندی کے یہ شبد ملتے ہیں—

مصعد سعد سلیمان کے یہاں ہندی کے یہ شبد ملتے ہیں— کھ (تخت)، مارامار، برشگال (ورشا گال)۔

کھ (تخت)، مارامار، برشگال (ورشا گال)۔ تاج الدین رضا نے 'سیر' اور 'من' کا پڑیوگ کیا ہے۔

تاج الدین رضا نے 'سیر' اور 'من' کا پڑیوگ کیا ہے۔ طبقات ناصری تیرہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔

طبقات ناصری تیرہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ اس میں ہندی کے یہ شبد ملتے ہیں: سیل (شلا) لک (لا)۔

اس میں ہندی کے یہ شبد ملتے ہیں: سیل (شلا) لک (لا)۔ امیر خسرو کی فارسی میں ہندی کی پت ملنا کوئی عجیب بات نہیں۔ ان میں سے کچھ کی ہانگی دیکھئے:

امیر خسرو کی فارسی میں ہندی کی پت ملنا کوئی عجیب بات نہیں۔ ان میں سے کچھ کی ہانگی دیکھئے:

किया जा रहा है. दुनिया के बड़े से बड़े वैज्ञानिक मस्तिष्क इसमें लगे हुये हैं. इस खोज का नतीजा भावी युद्धों पर कितना भयंकर पड़ सकता है इसकी कल्पना करते हुए अमरीका की कारनेगी इन्स्टिट्यूट के प्रेजिडेंट ने हाल में कहा था—“अणु की छिंदी हुई शक्ति इन क्षुद्र-दृष्टि राज-नीतिज्ञों के हाथों में सभ्यता के लिये नरक की आग साबित होगी.”

इन बातों से पता चलता है कि मनुष्य शायद प्रकृति की रोशनी में बढ़ने और उस ‘सत्यम् शिवम् सुन्दरम्’ के प्रेम में अपनी आत्मा को विकसित करने के बजाय फिर हजारों वर्षों पहले की जंगली हालत को लौटना चाहता है. केवल यह कहने से काम न चलेगा कि विज्ञान का उपयोग भलाई और बुराई दोनों के लिये किया जा सकता है. हर समझदार मनुष्य को बड़ी गहराई से इस बात पर विचार करना होगा कि विज्ञान के जरिये सभ्यता की उन्नति बजाय बढ़ने के रुक क्यों गई? वैज्ञानिक लोग इन बुरे नतीजों की जिम्मेवारी से थक नहीं सकते. हर देश के शिक्षितों को अब यह समझ लेना होगा कि—“मानव जाति को केवल उन्नति के साधन दे देना ही काफी नहीं है, इससे कहीं ज्यादा जरूरी यह है कि उन्हें इन साधनों का ठीक ठीक इस्तेमाल करना सिखाया जावे.”

हमारी पीढ़ी तक के आदमी बुरी तरह नाकामयाब रहे. 25 साल के अन्दर दो महायुद्ध हो चुके, अभी तीसरे की सम्भावना है या नहीं, यह कौन कह सकता है? इस छोटी सी पृथ्वी की सारी आबादी एक भयंकर तूफान में फंसी हुई है. विवेक और बुद्धिमत्ता संसार से मिटती हुई दिखाई दे रही हैं. इनसान दिन पर दिन फिर से दरिद्र होता जा रहा है. इस आफत का कोई न कोई हल निकालना होगा. हिन्दुस्तान में महात्मा गान्धी ने इस आफत से निकलने के एक रास्ते की तरफ संकेत किया है. उनका कहना है कि अहिंसात्मक रह कर, जान बूझ कर अपने ऊपर कष्ट लेना और कष्ट सहना ही इस आफत से बचने का एक मात्र उपाय है. इस तरह के कष्ट सहन द्वारा ही दुनिया के सब आदमियों और सब कौमों में सामाजिक और राजनैतिक समता और न्याय कायम हो सकता है. दूसरे लोग हमें दूसरी तरह के हल भी सुझा रहे हैं.

लड़ाई के बाद दुनिया के पुनर्निर्माण की तजवीजें बन रही हैं. किन्तु इन तजवीजों से उस समय तक कोई लाभ नहीं हो सकता जब तक हमारे व्यवहार के उसूल बजाय सारी मनुष्य जाति की भलाई के अपने अपने राष्ट्र का हित और अपना अपना लाभ हैं, या जब तक कि हमारी मुख्य संचालक शक्ति खुदशराजी है. एक देश से दूसरे देश के आने जाने के साधन कितनी-तेजी के साथ बढ़ते जा रहे हैं,

किया जा रहा है. दुनिया के बड़े से बड़े वैज्ञानिक मस्तिष्क इसमें लगे हुये हैं. इस खोज का नतीजा भावी युद्धों पर कितना भयंकर पड़ सकता है इसकी कल्पना करते हुए अमरीका की कारनेगी इन्स्टिट्यूट के प्रेजिडेंट ने हाल में कहा था—“अणु की छिंदी हुई शक्ति इन क्षुद्र-दृष्टि राज-नीतिज्ञों के हाथों में सभ्यता के लिये नरक की आग साबित होगी.”

इन बातों से पता चलता है कि मनुष्य शायद प्रकृति की रोशनी में बढ़ने और उस ‘सत्यम् शिवम् सुन्दरम्’ के प्रेम में अपनी आत्मा को विकसित करने के बजाय फिर हजारों वर्षों पहले की जंगली हालत को लौटना चाहता है. केवल यह कहने से काम न चलेगा कि विज्ञान का उपयोग भलाई और बुराई दोनों के लिये किया जा सकता है. हर समझदार मनुष्य को बड़ी गहराई से इस बात पर विचार करना होगा कि विज्ञान के जरिये सभ्यता की उन्नति बजाय बढ़ने के रुक क्यों गई? वैज्ञानिक लोग इन बुरे नतीजों की जिम्मेवारी से थक नहीं सकते. हर देश के शिक्षितों को अब यह समझ लेना होगा कि—“मानव जाति को केवल उन्नति के साधन दे देना ही काफी नहीं है, इससे कहीं ज्यादा जरूरी यह है कि उन्हें इन साधनों का ठीक ठीक इस्तेमाल करना सिखाया जावे.”

हमारी पीढ़ी तक के आदमी बुरी तरह नाकामयाब रहे. 25 साल के अन्दर दो महायुद्ध हो चुके, अभी तीसरे की सम्भावना है या नहीं, यह कौन कह सकता है? इस छोटी सी पृथ्वी की सारी आबादी एक भयंकर तूफान में फंसी हुई है. विवेक और बुद्धिमत्ता संसार से मिटती हुई दिखाई दे रही हैं. इनसान दिन पर दिन फिर से दरिद्र होता जा रहा है. इस आफत का कोई न कोई हल निकालना होगा. हिन्दुस्तान में महात्मा गान्धी ने इस आफत से निकलने के एक रास्ते की तरफ संकेत किया है. उनका कहना है कि अहिंसात्मक रह कर, जान बूझ कर अपने ऊपर कष्ट लेना और कष्ट सहना ही इस आफत से बचने का एक मात्र उपाय है. इस तरह के कष्ट सहन द्वारा ही दुनिया के सब आदमियों और सब कौमों में सामाजिक और राजनैतिक समता और न्याय कायम हो सकता है. दूसरे लोग हमें दूसरी तरह के हल भी सुझा रहे हैं.

लड़ाई के बाद दुनिया के पुनर्निर्माण की तजवीजें बन रही हैं. किन्तु इन तजवीजों से उस समय तक कोई लाभ नहीं हो सकता जब तक हमारे व्यवहार के उसूल बजाय सारी मनुष्य जाति की भलाई के अपने अपने राष्ट्र का हित और अपना अपना लाभ हैं, या जब तक कि हमारी मुख्य संचालक शक्ति खुदशराजी है. एक देश से दूसरे देश के आने जाने के साधन कितनी-तेजी के साथ बढ़ते जा रहे हैं,

لیا۔ اس حصے کا نام اب 'سلفنیلامائڈ' پڑا۔ اس کے بعد لندن کے ایک اسپتال نے عورتوں کی کئی طرح کی بیماریوں پر 'سلفنیلامائڈ' کو آزمایا۔ جا پے کے بعد جو عام طور پر عورتوں کو بشارت ہو جاتا ہے اس میں یہ دوا بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس بیماری سے موتوں کی تعداد ایک دم 25 فیصدی گہٹ گئی۔ پھر کئی ملکوں میں اور جگہ جگہ کی ہسپتالوں نے کئی طرح سے اس دوا کے تجربے کیے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ڈاکٹر سے اور ڈاکٹر دیکر کے آخری تجربوں کے نتیجے کی شکل میں اس سے نیم دنیا کے لئے ایک بہت اچھی اور اچھڑا دوا مل گئی ہے۔ بمبئی کی حیدر علی انسٹیٹیوٹ کے کرنل سوکھ اور ڈاکٹر دیکر نے اسی سے 'سلفنیلامائڈ' نام کی ایک اچھڑا دوا پلیگ کے بیماروں کے لئے کھوج نکالی ہے۔ امریکہ میں 'ہیسیلری' پیدائش کے لئے اسی سے 'سلفنیلامائڈ' نام کی ایک بہت کارگر دوا تیار کی گئی ہے۔ ان سب باتوں سے ثابت ہے کہ دیکر کی نظر اور اس کا سارا کلم اثر و اشتراف ہے۔ بیوگن، جتنی 'نسل' دھرم اور سمجھاؤ کی سب دیواروں کو توڑنے میں دیکر ہمارے سب سے زیادہ مدد دیتا ہے۔

لیکن یہ سب تصویر کا صرف ایک پہلو ہے۔ آج دنیا کے بہت سے لوگ یہ دیکھ کر کہ دیکر کی شکتی اور اس کے زبردست اختیار لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کا قتل عام کرتے اور انہیں ظلم ہانکے کے لئے کام میں لائے جا سکتے ہیں، دیکر پر بڑے بڑے آکسپکٹ کر رہے ہیں اور اس کی اور ادھک نفرتی سے بیٹھے بھیٹ رہے ہیں۔ ان کے دہرے درجے تک سچے ہیں۔ لوگوں کا شواہس ہے کہ دیکر نے سہیڈا کے ساتھ وشواہیات کیا ہے۔ پچھلے مہادیہ کے بعد ہی سنسار کے شاسکوں نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ آگے کے بدھوں میں دجے بڑی بڑی سیناؤں پر تربیر نہیں ہے بلکہ اس بات پر تربیر ہے کہ کس کے دلس کتنے زیادہ مائو ہتیا کے دیکر انک سادھن ہیں۔ ہر دیش میں یہ آواز سنائی دینے لگی ہے کہ دیکر کا سب سے بڑا کام لڑائی جیتنے میں مدد دینا ہے۔ نتیجہ ہوا زہریلی گیسوں اور طرح طرح کے گئے ہموں کی ایجاد اور ایسی توپیں جو 90 میل کے فاصلے سے نئی کئی تین کے پھینکر گولہ پینک سکتی ہیں۔ سن 1919 کی سنڈھی سے کسی کو سترش نہ ہوا۔ ہر ملک میں نئے دھ کی تیاری ہونے لگی۔ سیکڑوں اور ہزاروں دیکر انک طرح طرح کی دھ کی سامگری تیار کرنے میں لگ گئے۔ آجکل کی سینا مشینوں کی سینا کے بجائے مشینوں کی سینا دھ کی دہی ہے۔ ابی اس سمجھ میں اور دیکر چکا ہوں ایک چھوٹے سے انو کے اندر جو اپار شکتی چھپی ہوئی ہے اُسے باہر نکالنے اور اُسے کام لینے کی کوشش میں اٹھا دھن خرچ

کر رہی ہے۔ اس کے بعد لندن کے ایک اسپتال نے عورتوں کی کئی طرح کی بیماریوں پر 'سلفنیلامائڈ' کو آزمایا۔ جا پے کے بعد جو عام طور پر عورتوں کو بشارت ہو جاتا ہے اس میں یہ دوا بہت مفید ثابت ہوئی۔ اس بیماری سے موتوں کی تعداد ایک دم 25 فیصدی گہٹ گئی۔ پھر کئی ملکوں میں اور جگہ جگہ کی ہسپتالوں نے کئی طرح سے اس دوا کے تجربے کیے۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ڈاکٹر سے اور ڈاکٹر دیکر کے آخری تجربوں کے نتیجے کی شکل میں اس سے نیم دنیا کے لئے ایک بہت اچھی اور اچھڑا دوا مل گئی ہے۔ بمبئی کی حیدر علی انسٹیٹیوٹ کے کرنل سوکھ اور ڈاکٹر دیکر نے اسی سے 'سلفنیلامائڈ' نام کی ایک اچھڑا دوا پلیگ کے بیماروں کے لئے کھوج نکالی ہے۔ امریکہ میں 'ہیسیلری' پیدائش کے لئے اسی سے 'سلفنیلامائڈ' نام کی ایک بہت کارگر دوا تیار کی گئی ہے۔ ان سب باتوں سے ثابت ہے کہ دیکر کی نظر اور اس کا سارا کلم اثر و اشتراف ہے۔ بیوگن، جتنی 'نسل' دھرم اور سمجھاؤ کی سب دیواروں کو توڑنے میں دیکر ہمارے سب سے زیادہ مدد دیتا ہے۔

برابر تہی کے ساتھ گدیوں کرتا رہتا ہے۔ اس کے لئے کے مختلف حصوں کو جو طائفوں اکٹھا کئے رکھتی ہیں اور اسی کے اندر کی جو ودیعت شکستیاں ان حصوں کو ایک دوسرے سے دور پھینکنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں، ان دونوں طرح کی شکستوں میں برابر کشمکش جاری رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب باہر سے بڑی تیزی کے ساتھ نیوٹران کو اسی کے اندر میں دھنسا دیا گیا تو وہ ہندوؤں کے گھوڑے کا سا کام کرتا ہے اور اسی نفع سے کوئی نہ ایک وزن کے دو ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ ان میں ایک ٹکڑا بیدار اور لینتھن کی طرح کا ہوتا ہے اور ایک دوسری طرح کا۔ اس کے بعد یہ سب باتیں اٹھانے کے لئے کو پار کر کے امریکہ پہنچیں۔ کولمبیا وٹو وڈیالہ میں اور پروفیسر لارنس کی اس پرویوگ شالا میں، جو 'سائیکلو ٹران' کی ایجاد کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے، یہ تجربے کے لئے سے دھڑلے گئے اور اُن کے ہتھکڑے گئے۔ اس ساری کھوج سے ابھی تک سب سے اچھلک وچتر بات یہ نکلی کہ یورینیم کے اٹو کے ٹوٹنے سے کتنی زبردست شکتی پیدا ہو سکتی ہے اور اسے توڑنا اور اسی شکتی سے کام لینا آدمی کے بس کی بات ہے۔ ایک گرم یورینیم کو اس طرح توڑنے سے ٹھیک اتنی شکتی پیدا ہو سکتی ہے اور آدمی کے کام آ سکتی ہے جتنی دو ٹن کوئلہ جلتے سے۔

اسی طرح سے ایک دوسری مثال اس دس برس کے اندر کی اس حیرت انگیز دوا کی ایجاد ہے جسے 'سلیپ ٹیبلٹ' کہتے ہیں۔ یہ دوا جو انسانی قوم کے لئے ایک بڑی نابت ہوئی ہے، جس طرح سے ایجاد ہوئی ہے اس میں دشوں کی ایک ایک سرحدوں اور اُن کے ایک ایک جھنڈوں کا سارا فوق مٹ گیا۔ سب سے پہلے اس کا پتہ جرمنی میں لگا اور وہ بڑی بڑے ایک عجیب ذہن کے 'رنگوں کے ادیب' ڈیوڈ ڈیوڈے اور اُن کے تجربوں کے سمجھنے میں۔ وہاں اس دوا کو 'پروٹوسل' نام دیا گیا۔ سن 1935 میں جرمن ویکرینک ڈاکٹر ڈیوڈ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ چھوٹے پر اس کے تجربے کئے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نے اپنے تجربوں کے نتیجوں کو پرکاشت کیا۔ اُن سے پتہ چلا کہ کمال کی سوچ کی اس بیماری میں جسے 'ایری سپلس' کہتے ہیں، پروٹوسل نصب کے کام کی چیز ہے اور اس بیماری کا بڑا پکا علاج ہے۔ اسی پر ڈاکٹر ڈیوڈ کو میڈیسن میں نوبل پریسٹار ملا۔ وہ اسی کے پوری طرح حقدار تھے۔ اُس نے بعد میں پروس انسٹیٹیوٹ نے اسی معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انہوں نے خوب کھوج کر کے اور طرح طرح کے تجربے کر کے پتہ چلا کہ پروٹوسل کا سارا اچھا اثر اُس کے کیوں ایک خاص حصے میں سمیت ہے، انہوں نے اسی حصے کو باقی پروٹوسل سے الگ کر

برابر تہی کے ساتھ گدیوں کرتا رہتا ہے۔ اس کے لئے کے مختلف حصوں کو جو طائفوں اکٹھا کئے رکھتی ہیں اور اسی کے اندر کی جو ودیعت شکستیاں ان حصوں کو ایک دوسرے سے دور پھینکنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں، ان دونوں طرح کی شکستوں میں برابر کشمکش جاری رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب باہر سے بڑی تیزی کے ساتھ نیوٹران کو اسی کے اندر میں دھنسا دیا گیا تو وہ ہندوؤں کے گھوڑے کا سا کام کرتا ہے اور اسی نفع سے کوئی نہ ایک وزن کے دو ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔ ان میں ایک ٹکڑا بیدار اور لینتھن کی طرح کا ہوتا ہے اور ایک دوسری طرح کا۔ اس کے بعد یہ سب باتیں اٹھانے کے لئے کو پار کر کے امریکہ پہنچیں۔ کولمبیا وٹو وڈیالہ میں اور پروفیسر لارنس کی اس پرویوگ شالا میں، جو 'سائیکلو ٹران' کی ایجاد کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہے، یہ تجربے کے لئے سے دھڑلے گئے اور اُن کے ہتھکڑے گئے۔ اس ساری کھوج سے ابھی تک سب سے اچھلک وچتر بات یہ نکلی کہ یورینیم کے اٹو کے ٹوٹنے سے کتنی زبردست شکتی پیدا ہو سکتی ہے اور اسے توڑنا اور اسی شکتی سے کام لینا آدمی کے بس کی بات ہے۔ ایک گرم یورینیم کو اس طرح توڑنے سے ٹھیک اتنی شکتی پیدا ہو سکتی ہے اور آدمی کے کام آ سکتی ہے جتنی دو ٹن کوئلہ جلتے سے۔

اسی طرح سے ایک دوسری مثال اس دس برس کے اندر کی اس حیرت انگیز دوا کی ایجاد ہے جسے 'سلیپ ٹیبلٹ' کہتے ہیں۔ یہ دوا جو انسانی قوم کے لئے ایک بڑی نابت ہوئی ہے، جس طرح سے ایجاد ہوئی ہے اس میں دشوں کی ایک ایک سرحدوں اور اُن کے ایک ایک جھنڈوں کا سارا فوق مٹ گیا۔ سب سے پہلے اس کا پتہ جرمنی میں لگا اور وہ بڑی بڑے ایک عجیب ذہن کے 'رنگوں کے ادیب' ڈیوڈ ڈیوڈے اور اُن کے تجربوں کے سمجھنے میں۔ وہاں اس دوا کو 'پروٹوسل' نام دیا گیا۔ سن 1935 میں جرمن ویکرینک ڈاکٹر ڈیوڈ نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ چھوٹے پر اس کے تجربے کئے۔ ڈاکٹر ڈیوڈ نے اپنے تجربوں کے نتیجوں کو پرکاشت کیا۔ اُن سے پتہ چلا کہ کمال کی سوچ کی اس بیماری میں جسے 'ایری سپلس' کہتے ہیں، پروٹوسل نصب کے کام کی چیز ہے اور اس بیماری کا بڑا پکا علاج ہے۔ اسی پر ڈاکٹر ڈیوڈ کو میڈیسن میں نوبل پریسٹار ملا۔ وہ اسی کے پوری طرح حقدار تھے۔ اُس نے بعد میں پروس انسٹیٹیوٹ نے اسی معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ انہوں نے خوب کھوج کر کے اور طرح طرح کے تجربے کر کے پتہ چلا کہ پروٹوسل کا سارا اچھا اثر اُس کے کیوں ایک خاص حصے میں سمیت ہے، انہوں نے اسی حصے کو باقی پروٹوسل سے الگ کر

فکڑ کر سکتا ہے اور نہ ایک لاکھ بولٹ کی بجلی کی شکتی۔ ان انٹوں کا ٹرنڈ اپنے ہی ڈنگ سے اور خود بخود ہوتا ہے۔ اس لئے جو شکتی ان کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے اسے ہم انسان ایسی اپنے کسی کام میں نہیں لے سکتے یا بہت ہی کم اور مشکل سے لے سکتے ہیں۔ سن 1938 میں یہ دیکھا گیا کہ یہ بھاری انٹ ایک نئی طرح سے بھی توڑے جاسکتے ہیں۔ روم کے وگیان ویتا فرمی نے اس پر سوچا اور تجربے کیے۔ یورینیم کا انٹ پرکرتی میں سب سے بھاری انٹ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا ایٹمی وزن 238 تھا۔ فرمی نے بجلی کا ایک اور انٹ جسے ہم 'نیوٹران' کہتے ہیں یورینیم کے انٹ کے اندر دھنسا کر کی کوشش کی۔ وگیان کی اب تک کی ایجادوں نے فرمی کے لئے راستہ کھول دیا۔ وگیان میں جنہیں ہم انٹ کہتے ہیں اور جو انہیں سے دکھائی نہیں دے سکتے ان میں سے ایک ایک انٹ پورے ایک ایک سورجیت کے سامان ہوتا ہے۔ جس طرح ایک سورجیت کے اندر بیج میں ایک بڑا سوربہ ہے جس میں گرم (Positive) بجلی ہوتی ہے، اُس کے چاروں طرف ایک طرح کی ہوا ہوتی ہے جس میں پرتیوی، چاند جیسے نرم (Negative) بجلی والے چھوٹے چھوٹے گڑے ہوتے ہیں، اسی طرح ہر ادرشت انٹ کے اندر بیج میں ایک بڑی چیز گرم بجلی والی اور اس کے چاروں طرف ہوا میں اذریک چھوٹی چھوٹی چیزیں نرم بجلی والی ہوتی ہیں۔ وشال سورجیت اور ادرشت انٹ دونوں کا روپ بالکل ایک ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ دونوں میں ہوا کی نرمی باری کینڈر کی گرمی کا سنتوں کرتی رہتی ہے۔ اس طرح پر وہ نیوٹران جو بڑی تیزی کے ساتھ دھنسیا گیا یورینیم کے کینڈر میں سما گیا۔ فرمی نے اپنے پریوگوں سے معلوم کیا کہ اس کریا کے اندر ایسے نئے نئے ڈنگ کے انٹ بن گئے جو یورینیم کے انٹ سے باری تھے۔ فرمی کے بعد ہرلن کے وگیان ویتا حین (Hahn) نے آٹے کے تجربے کیے۔ جنہیں شاید دنیا کا اس خاص ویشے میں سب سے بڑا وگیان ویتا ہے۔ حین کے تجربوں سے پتہ لگا کہ یورینیم کے انٹ کو توڑنے کی اس کریا میں یورینیم کی طرح کی دھاتوں کے انٹ بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد پیرس کی پرسدہ وگیانک میڈم کوری نے ہمیں یہ دکھایا کہ لینتھم نامک ایک نادر قسم کی مٹی میں جو خاصیتیں ہیں وہ یورینم سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ اس کے بعد کاپین ہیگن (ڈنمارک) کے وگیانک ڈاکٹر ہور نے پھر اس بات کی کھوج شروع کی کہ کثرت کے حساب سے یورینیم کا انٹ کہاں تک اچل ہے۔ انہوں نے اب تک کی مانتا کو قاطع ثابت کرتے ہوئے ہمیں پہلی بار یہ بتایا کہ یورینیم کے انٹ کا بھاری کینڈر اچل ہونے کے بجائے

فکڑ کر سکتا ہے اور نہ ایک لاکھ بولٹ کی بجلی کی شکتی۔ ان انٹوں کا ٹرنڈ اپنے ہی ڈنگ سے اور خود بخود ہوتا ہے۔ اس لئے جو شکتی ان کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے اسے ہم انسان ایسی اپنے کسی کام میں نہیں لے سکتے یا بہت ہی کم اور مشکل سے لے سکتے ہیں۔ سن 1938 میں یہ دیکھا گیا کہ یہ بھاری انٹ ایک نئی طرح سے بھی توڑے جاسکتے ہیں۔ روم کے وگیان ویتا فرمی نے اس پر سوچا اور تجربے کیے۔ یورینیم کا انٹ پرکرتی میں سب سے بھاری انٹ سمجھا جاتا تھا۔ اس کا ایٹمی وزن 238 تھا۔ فرمی نے بجلی کا ایک اور انٹ جسے ہم 'نیوٹران' کہتے ہیں یورینیم کے انٹ کے اندر دھنسا کر کی کوشش کی۔ وگیان کی اب تک کی ایجادوں نے فرمی کے لئے راستہ کھول دیا۔ وگیان میں جنہیں ہم انٹ کہتے ہیں اور جو انہیں سے دکھائی نہیں دے سکتے ان میں سے ایک ایک انٹ پورے ایک ایک سورجیت کے سامان ہوتا ہے۔ جس طرح ایک سورجیت کے اندر بیج میں ایک بڑا سوربہ ہے جس میں گرم (Positive) بجلی ہوتی ہے، اُس کے چاروں طرف ایک طرح کی ہوا ہوتی ہے جس میں پرتیوی، چاند جیسے نرم (Negative) بجلی والے چھوٹے چھوٹے گڑے ہوتے ہیں، اسی طرح ہر ادرشت انٹ کے اندر بیج میں ایک بڑی چیز گرم بجلی والی اور اس کے چاروں طرف ہوا میں اذریک چھوٹی چھوٹی چیزیں نرم بجلی والی ہوتی ہیں۔ وشال سورجیت اور ادرشت انٹ دونوں کا روپ بالکل ایک ہے۔ دونوں ایک دوسرے کی نقل ہیں۔ دونوں میں ہوا کی نرمی باری کینڈر کی گرمی کا سنتوں کرتی رہتی ہے۔ اس طرح پر وہ نیوٹران جو بڑی تیزی کے ساتھ دھنسیا گیا یورینیم کے کینڈر میں سما گیا۔ فرمی نے اپنے پریوگوں سے معلوم کیا کہ اس کریا کے اندر ایسے نئے نئے ڈنگ کے انٹ بن گئے جو یورینیم کے انٹ سے باری تھے۔ فرمی کے بعد ہرلن کے وگیان ویتا حین (Hahn) نے آٹے کے تجربے کیے۔ جنہیں شاید دنیا کا اس خاص ویشے میں سب سے بڑا وگیان ویتا ہے۔ حین کے تجربوں سے پتہ لگا کہ یورینیم کے انٹ کو توڑنے کی اس کریا میں یورینیم کی طرح کی دھاتوں کے انٹ بن جاتے ہیں۔ اس کے بعد پیرس کی پرسدہ وگیانک میڈم کوری نے ہمیں یہ دکھایا کہ لینتھم نامک ایک نادر قسم کی مٹی میں جو خاصیتیں ہیں وہ یورینم سے بہت ملتی جلتی ہیں۔ اس کے بعد کاپین ہیگن (ڈنمارک) کے وگیانک ڈاکٹر ہور نے پھر اس بات کی کھوج شروع کی کہ کثرت کے حساب سے یورینیم کا انٹ کہاں تک اچل ہے۔ انہوں نے اب تک کی مانتا کو قاطع ثابت کرتے ہوئے ہمیں پہلی بار یہ بتایا کہ یورینیم کے انٹ کا بھاری کینڈر اچل ہونے کے بجائے

موت ستیہ کی ہوتی ہے۔ وگیان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ یدھ کے زمانے میں بھی مانسک ایمانداری کا پالن نہ کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وگیان ہمیں دافرج سکھاتا ہے، ہمیں پکشیات رھت بنانا ہے۔ وہ ہمیں جیت سے نتیجہ پر پہنچنے سے روکتا ہے۔ وہ کاہنا اور سندھ درنوں کو قیمتی سمجھتا ہے اور درنوں کے مہتو پر زور دیتا ہے۔ بیاؤکنا اور پکشیات سے بڑی اِس دنیا میں وہ ہمیں پروانوں کو تولنا سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کو گمراہ کرنے والے پرچار کے خلاف ایک گارنٹی ہے۔ وگیان ہی اِس طرح کا نپائے بکت جنمت تیار کرسکتا ہے جو ہماری راجنیتک اور سماجک سب برائیوں کو دور کرسکے۔ وگیانک ورتی کے اوپر ہی جن نتفر کا ہوشیہ نربہر ہے۔

موت سستیہ کی ہوتی ہے۔ وگیان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ یدھ کے زمانے میں بھی مانسک ایمانداری کا پالن نہ کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وگیان ہمیں دافرج سکھاتا ہے، ہمیں پکشیات رھت بنانا ہے۔ وہ ہمیں جیت سے نتیجہ پر پہنچنے سے روکتا ہے۔ وہ کاہنا اور سندھ درنوں کو قیمتی سمجھتا ہے اور درنوں کے مہتو پر زور دیتا ہے۔ بیاؤکنا اور پکشیات سے بڑی اِس دنیا میں وہ ہمیں پروانوں کو تولنا سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کو گمراہ کرنے والے پرچار کے خلاف ایک گارنٹی ہے۔ وگیان ہی اِس طرح کا نپائے بکت جنمت تیار کرسکتا ہے جو ہماری راجنیتک اور سماجک سب برائیوں کو دور کرسکے۔ وگیانک ورتی کے اوپر ہی جن نتفر کا ہوشیہ نربہر ہے۔

موت سستیہ کی ہوتی ہے۔ وگیان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ یدھ کے زمانے میں بھی مانسک ایمانداری کا پالن نہ کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وگیان ہمیں دافرج سکھاتا ہے، ہمیں پکشیات رھت بنانا ہے۔ وہ ہمیں جیت سے نتیجہ پر پہنچنے سے روکتا ہے۔ وہ کاہنا اور سندھ درنوں کو قیمتی سمجھتا ہے اور درنوں کے مہتو پر زور دیتا ہے۔ بیاؤکنا اور پکشیات سے بڑی اِس دنیا میں وہ ہمیں پروانوں کو تولنا سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کو گمراہ کرنے والے پرچار کے خلاف ایک گارنٹی ہے۔ وگیان ہی اِس طرح کا نپائے بکت جنمت تیار کرسکتا ہے جو ہماری راجنیتک اور سماجک سب برائیوں کو دور کرسکے۔ وگیانک ورتی کے اوپر ہی جن نتفر کا ہوشیہ نربہر ہے۔

موت سستیہ کی ہوتی ہے۔ وگیان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ یدھ کے زمانے میں بھی مانسک ایمانداری کا پالن نہ کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وگیان ہمیں دافرج سکھاتا ہے، ہمیں پکشیات رھت بنانا ہے۔ وہ ہمیں جیت سے نتیجہ پر پہنچنے سے روکتا ہے۔ وہ کاہنا اور سندھ درنوں کو قیمتی سمجھتا ہے اور درنوں کے مہتو پر زور دیتا ہے۔ بیاؤکنا اور پکشیات سے بڑی اِس دنیا میں وہ ہمیں پروانوں کو تولنا سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کو گمراہ کرنے والے پرچار کے خلاف ایک گارنٹی ہے۔ وگیان ہی اِس طرح کا نپائے بکت جنمت تیار کرسکتا ہے جو ہماری راجنیتک اور سماجک سب برائیوں کو دور کرسکے۔ وگیانک ورتی کے اوپر ہی جن نتفر کا ہوشیہ نربہر ہے۔

موت سستیہ کی ہوتی ہے۔ وگیان ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ یدھ کے زمانے میں بھی مانسک ایمانداری کا پالن نہ کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ وگیان ہمیں دافرج سکھاتا ہے، ہمیں پکشیات رھت بنانا ہے۔ وہ ہمیں جیت سے نتیجہ پر پہنچنے سے روکتا ہے۔ وہ کاہنا اور سندھ درنوں کو قیمتی سمجھتا ہے اور درنوں کے مہتو پر زور دیتا ہے۔ بیاؤکنا اور پکشیات سے بڑی اِس دنیا میں وہ ہمیں پروانوں کو تولنا سکھاتا ہے۔ وہ دنیا کو گمراہ کرنے والے پرچار کے خلاف ایک گارنٹی ہے۔ وگیان ہی اِس طرح کا نپائے بکت جنمت تیار کرسکتا ہے جو ہماری راجنیتک اور سماجک سب برائیوں کو دور کرسکے۔ وگیانک ورتی کے اوپر ہی جن نتفر کا ہوشیہ نربہر ہے۔

डाक्टर सर ज्ञानचन्द्र घोष डी. एस-सी., एफ. एन. आई.

आज दुनिया में साइन्स की जो तरक्की दिखाई दे रही है उसके पीछे आदमी की अत्यन्तम सृजन-बुद्धि और उसका अपार श्रम है. विज्ञान एक पद्धति है, एक विश्वास (एतकाद) है, एक सिद्धांत (उसूल) है. वह ऐसी नयी तुली देख भाल, खोजों और तजर्हों का एक तरीका और एक सिलसिला है जो पूरी ईमानदारी के साथ दर्ज किये जाते हैं. विज्ञान को यह विश्वास है कि सत्य की खोज की जा सकती है और सत्य खोज करने योग्य है.

मानव समस्याओं के हल करने में विज्ञान का यह पहलू अक्सर नजर अन्दाज कर दिया जाता है. विज्ञान का अपना एक टेकनीक है, एक तरीका है और उसकी अपनी बेहतरीन मर्यादाएँ हैं. अगर इन्सान के व्यवहार के दूसरे मैदानों में कठिनाइयों के हल करने के लिए इस वैज्ञानिक टेकनीक को काम में लाया जाने लगे तो दुनिया की हालत बहुत बेहतर हो सकती है. किसी भी समस्या के सामने आ जाने पर वैज्ञानिक करता क्या है? वह उस समस्या से ताल्लुक रखने वाली तमाम युक्तिपूर्ण (मुदल्लल) बातों की फेहरिस्त बनाता है. उसमें वह हर दलील के गुण और दोषों की छानबीन करता है. बड़े धीरज के साथ वह उन सब दलीलों की छान बीन और उनका वर्गीकरण करता है. इसी वर्गीकरण में वह उनमें आपसी ताल्लुक खोजता है. इसके बाद उन सब बातों में एक सिलसिला जोड़ने के लिए वह एक निर्देशक सिद्धांत फर्ज कर लेता है. फिर नये नये प्रयोग करके वह इस सिद्धांत की सच्चाई की जांच करता है और नई हकीकतों की रोशनी में वह इस काल्पनिक सिद्धांत में तब्दीली करता है या उसे बेकार समझ कर छोड़ देता है. उसके सारे प्रयोगों का सार यह है कि जब तक नई नई सच्चाइयाँ खुलती रहें वह नतीजे पर पहुँचने से रुका रहता है और मानसिक ईमानदारी के साथ लगातार अपनी दलीलों की छान बीन और परख करता रहता है, और उन्हें सत्य की कसौटी पर कसता रहता है.

वैज्ञानिक खोज मनुष्य में एक तरह का मानसिक अनुशासन पैदा करती है. उससे आदमी को पक्षपात छोड़ कर ईमानदारी के साथ खोज करने की आदत पड़ती है. आज दुनिया को भ्रम में डालने वाली जो अनेक समस्याएँ खड़ी हो गई हैं उनके हल करने में यह मानसिक अनुशासन बहुत कुछ मदद दे सकता है. लोम कहते हैं कि युद्ध में पहली

दंज़र सर ग़ियान ज़ंज़र ग़ोश त़ी. अ़स. सी. अ़फ़. अ़न. अ़ई. अ़ज् दुऩिया म़ी स़ाइऩ्स क़ी ज़ो तरक्क़ी दिख़ाई दे ऱही है उसक़े पीछ़े आदमी क़ी अत्यन्तम सृजन-बुद्धि और उसका अपार श्रम है. विज्ञान एक पद्धति है, एक विश्वास (एतकाद) है, एक सिद्धांत (उसूल) है. वह ऐसी नयी तुली देख भाल, खोजों और तजर्हों का एक तरीका और एक सिलसिला है जो पूरी ईमानदारी के साथ दर्ज किये जाते हैं. विज्ञान को यह विश्वास है कि सत्य की खोज की जा सकती है और सत्य खोज करने योग्य है.

मानव समस्याओं के हल करने में विज्ञान का यह पहलू अक्सर नजर अन्दाज कर दिया जाता है. विज्ञान का अपना एक टेकनीक है, एक तरीका है और उसकी अपनी बेहतरीन मर्यादाएँ हैं. अगर इन्सान के व्यवहार के दूसरे मैदानों में कठिनाइयों के हल करने के लिए इस वैज्ञानिक टेकनीक को काम में लाया जाने लगे तो दुनिया की हालत बहुत बेहतर हो सकती है. किसी भी समस्या के सामने आ जाने पर वैज्ञानिक करता क्या है? वह उस समस्या से ताल्लुक रखने वाली तमाम युक्तिपूर्ण (मुदल्लल) बातों की फेहरिस्त बनाता है. उसमें वह हर दलील के गुण और दोषों की छानबीन करता है. बड़े धीरज के साथ वह उन सब दलीलों की छान बीन और उनका वर्गीकरण करता है. इसी वर्गीकरण में वह उनमें आपसी ताल्लुक खोजता है. इसके बाद उन सब बातों में एक सिलसिला जोड़ने के लिए वह एक निर्देशक सिद्धांत फर्ज कर लेता है. फिर नये नये प्रयोग करके वह इस सिद्धांत की सच्चाई की जांच करता है और नई हकीकतों की रोशनी में वह इस काल्पनिक सिद्धांत में तब्दीली करता है या उसे बेकार समझ कर छोड़ देता है. उसके सारे प्रयोगों का सार यह है कि जब तक नई नई सच्चाइयाँ खुलती रहें वह नतीजे पर पहुँचने से रुका रहता है और मानसिक ईमानदारी के साथ लगातार अपनी दलीलों की छान बीन और परख करता रहता है, और उन्हें सत्य की कसौटी पर कसता रहता है.

वैज्ञानिक खोज मनुष्य में एक तरह का मानसिक अनुशासन पैदा करती है. उससे आदमी को पक्षपात छोड़ कर ईमानदारी के साथ खोज करने की आदत पड़ती है. आज दुनिया को भ्रम में डालने वाली जो अनेक समस्याएँ खड़ी हो गई हैं उनके हल करने में यह मानसिक अनुशासन बहुत कुछ मदद दे सकता है. लोम कहते हैं कि युद्ध में पहली

پدے' تب ہمیں اپنے آپ الگ الگ چہروں کے اندر
 ایک ہی دوست کا پیارا چہرہ دکھائی دے جائے گا۔
 فارسی کی مشہور کتاب مامقیدہ میں بار بار سندر شبدوں میں
 کہا گیا ہے—

یہ ہیں تب ہمیں اپنے آپ الگ الگ چہروں کے اندر
 ایک ہی دوست کا پیارا چہرہ دکھائی دے جائے گا۔
 فارسی کی مشہور کتاب مامقیدہ میں بار بار سندر شبدوں میں
 کہا گیا ہے—

کی بچرمانے دل مہر کی جڑ دوست
 ہرچہ بینی بدان کی مظهر اوست

کہ بہ چشمان دل میں جز دوست
 ہرچہ بینی بدان کی مظهر اوست

یانی اپنے دل کی آواز سے سیوا دوست کے اور
 کھ مٹ دے۔ جو مہ تو مہ دکھائی دے ہے اسے جان لے کی
 بھ اسی ایک پیارے کا روپ ہے۔

یعنی اپنے دل کی آواز سے سوائے دوست کے اور کچھ
 دیکھ۔ جو بھی تجھے دکھائی دیتا ہے اسے جان لے کہ وہ اسی
 ایک پیارے کا روپ ہے۔

700 PAGES,
 32 ILLUSTRATIONS
 2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of man and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

ملا رہے ہیں۔ مامولی جنم کے دلوں میں اس ایک جہد جہد بھاری آتما کی جانت اکر اسے اچھی سمجھتی ہے کہ جنتا خود ہی آسانی سے ملے کر لیتی ہے کہ کس ریت رواج کو اور ہے اور کس کو اُتار پھینکتے۔ جنتا یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیتی ہے کہ آخر کس سب ریت رواجوں کے پیچھے آتما ایک ہی ہے اور جس کا من صاف ہو اُسے اور ہی ریت رواجوں کے فرق میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شادی اور نام رکھنے کے چپے رہنے سے جو انیما اور انیما اور انیما ہوتا ہے اسے دیکھ کر ہی دنیا کو اس سے بچانے کے لیے دنیا میں ہمیشہ نئے نئے راہ دکھانے والے آتے رہے ہیں۔ عیسائی دھرم میں پروٹسٹنٹ دھرم کی بنیاد اسی طرح پڑی۔ ویدک دھرم کی اسی گراؤ کی وجہ سے بوندہ دھرم پیدا ہوا۔ جین دھرم، شنگر کا ادھرم، رامانند، چیتن اور تلوسی داس کی بھکتی، گورو نانک کا سکھ مت اور سوامی دیانند کی آریہ سماج سب بنیادیں اسی طرح کی لہریں تھیں۔ اسلام میں بھی سکھوں، صوفی، وہابی، بہائی، قادیانی وغیرہ وغیرہ اصل میں ہمیں اسی خطرے سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ یوگ سوتر میں شدید اور ارنہ کا فرق کرنے پر بہت ادھک زور دیا گیا ہے۔ سقراط نے بھی اپنی کتابوں میں یہی تعلیم دی ہے۔ وہ لوگوں سے بار بار سوال کر کے یہی جاننے اور بتانے کی کوشش کیا کرتا تھا کہ ان کے شدیدوں کے پیچھے مطالب کیا ہے۔ وہ انہیں سمجھاتا تھا کہ لوگ اکثر شدیدوں کے معنی یا تو اُتے کرتے لگتے ہیں اور یا اُن کے دماغ میں کپڑے شد ہی شد رہ جاتے ہیں، معنی کوئی رکھنے نہیں۔

انجیل میں لکھا ہے—”شدیدوں پر مت چپکے، شد آدمی کو مار ڈالتے ہیں، معنی کی طرف جاؤ، اُسی سے تمہیں امر جیوں ملے گا۔“

”ہارمانس کی چیزوں کو آتما یعنی روح کی آنکھوں سے دیکھو، یہ نہ کرو کہ اُتے آتما کی چیزوں کو ہارمانس کی آنکھوں سے دیکھو۔“

اس نیک اور قیمتی صلاح پر ہم چلیں تو ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور اُس کی جگہ ایک دوسرے سے پیار کرنا سیکھ لیں۔ یہ پیار کرنا ہی سب مذہبوں کا اصل اصول اور سب کا اصلی مقصد ہے۔ دنیا کے شیشے کے اندر سے ہمیں روحانی چیزوں کے عکس کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شدیدوں کی پوجا یا کسی ایک زبان کے شدیدوں کی پوجا بت پرستی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے بچنے کا ایک اچھا طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم کئی کئی مذہبی زبانوں کو سمجھیں اور الگ الگ مذہبی کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے ملنے ہوئے انہیں

شدیدوں اور نام رکھنے کے چپے رہنے سے جو انیما اور انیما ہوتا ہے اسے دیکھ کر ہی دنیا کو اس سے بچانے کے لیے دنیا میں ہمیشہ نئے نئے راہ دکھانے والے آتے رہے ہیں۔ عیسائی دھرم میں پروٹسٹنٹ دھرم کی بنیاد اسی طرح پڑی۔ ویدک دھرم کی اسی گراؤ کی وجہ سے بوندہ دھرم پیدا ہوا۔ جین دھرم، شنگر کا ادھرم، رامانند، چیتن اور تلوسی داس کی بھکتی، گورو نانک کا سکھ مت اور سوامی دیانند کی آریہ سماج سب بنیادیں اسی طرح کی لہریں تھیں۔ اسلام میں بھی سکھوں، صوفی، وہابی، بہائی، قادیانی وغیرہ وغیرہ اصل میں ہمیں اسی خطرے سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ یوگ سوتر میں شدید اور ارنہ کا فرق کرنے پر بہت ادھک زور دیا گیا ہے۔ سقراط نے بھی اپنی کتابوں میں یہی تعلیم دی ہے۔ وہ لوگوں سے بار بار سوال کر کے یہی جاننے اور بتانے کی کوشش کیا کرتا تھا کہ ان کے شدیدوں کے پیچھے مطالب کیا ہے۔ وہ انہیں سمجھاتا تھا کہ لوگ اکثر شدیدوں کے معنی یا تو اُتے کرتے لگتے ہیں اور یا اُن کے دماغ میں کپڑے شد ہی شد رہ جاتے ہیں، معنی کوئی رکھنے نہیں۔

انجیل میں لکھا ہے—”شدیدوں پر مت چپکے، شد آدمی کو مار ڈالتے ہیں، معنی کی طرف جاؤ، اُسی سے تمہیں امر جیوں ملے گا۔“

”ہارمانس کی چیزوں کو آتما یعنی روح کی آنکھوں سے دیکھو، یہ نہ کرو کہ اُتے آتما کی چیزوں کو ہارمانس کی آنکھوں سے دیکھو۔“

اس نیک اور قیمتی صلاح پر ہم چلیں تو ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور اُس کی جگہ ایک دوسرے سے پیار کرنا سیکھ لیں۔ یہ پیار کرنا ہی سب مذہبوں کا اصل اصول اور سب کا اصلی مقصد ہے۔ دنیا کے شیشے کے اندر سے ہمیں روحانی چیزوں کے عکس کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شدیدوں کی پوجا یا کسی ایک زبان کے شدیدوں کی پوجا بت پرستی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے بچنے کا ایک اچھا طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم کئی کئی مذہبی زبانوں کو سمجھیں اور الگ الگ مذہبی کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے ملنے ہوئے انہیں

اس نیک اور قیمتی صلاح پر ہم چلیں تو ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا چھوڑ دیں اور اُس کی جگہ ایک دوسرے سے پیار کرنا سیکھ لیں۔ یہ پیار کرنا ہی سب مذہبوں کا اصل اصول اور سب کا اصلی مقصد ہے۔ دنیا کے شیشے کے اندر سے ہمیں روحانی چیزوں کے عکس کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ شدیدوں کی پوجا یا کسی ایک زبان کے شدیدوں کی پوجا بت پرستی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے بچنے کا ایک اچھا طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم کئی کئی مذہبی زبانوں کو سمجھیں اور الگ الگ مذہبی کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک دوسرے سے ملنے ہوئے انہیں

خود اپنے کو मिटाती रहती हैं। कभी तो अलग अलग लोग अलग अलग शब्दों का उपयोग करते हैं पर उन शब्दों से उनका मतलब एक ही होता है। केवल वह एक दूसरे को समझ नहीं पाते या दिलों में बिहँ पैदा हो जाने से यानी उनके दिलों पर शौतान का शल्वा पैदा हो जाने से जबरदस्ती एक दूसरे को उल्टा समझते रहते हैं। दुनिया में जितने भाड़े और फिसाद होते हैं लगभग सबकी वजह यही होती है कि हम शब्दों के पीछे या शब्दों से आगे बढ़कर असलियत को या तो समझ नहीं पाते या समझने के लिये तैयार नहीं होते। मौलाना रूम ने अपनी मराहूर किताब मसनवी में बार बार कहा है—“लغویوں میں मत فہم، مانی کی طرف جا۔” राजनीति में भी जब जब लोग कामयाबी के साथ मिल जुल कर भागड़ों को तै करना चाहते हैं और शान्ति या अमन कायम करना चाहते हैं तब तब उन्हें यही करना पड़ता है कि बार बार बैठकर मेहनत के साथ एक दूसरे की बात सुनें और एक दूसरे के मतलब समझें और समझावें। शलत समझने का मतलब ही न समझना है। शलत समझने से ही आदमी एक दूसरे का दुश्मन बनता है। फिर हर वह आदमी जिसकी बोली या ढंग हमसे अलग है हमें अपना दुश्मन दिखाई देने लगता है।

यही हाल उन लोगों का है जो दुनिया के ज़िस्मानी रोगों को अच्छा करने का दावा करते हैं। दुनिया के रूझानी डाक्टरों की तरह यह ज़िस्मानी डाक्टर भी एक दूसरे से लड़ते रहते हैं और अधिकतर केवल शब्दों पर लड़ते रहते हैं और एक दूसरे को नफरत की निगाह से देखते हैं। इनमें से अक्सर में भी रोगों को अच्छा करने की इच्छा इतना जोरदार नहीं होती जितनी अपने अपने ढंग और अपने अपने इलाज के तरीके को चिपटे रहने की जिद्द। हर एक के अपने अपने शब्द होते हैं। ऐलोपैथिक डाक्टर अपने शब्द बोलता है, होम्योपैथ अपने शब्द, हकीम अपने शब्द और वैद अपने। हर एक को अपने ही शब्द ठीक मालूम होते हैं और वही प्यारे मालूम होते हैं। पर जबकि यह अपने मोटे मोटे शब्दों के जाल में फंसे रहते हैं और उन्हीं पर लड़ते रहते हैं, मामूली अनपढ़ आदमी भी यह जान जाता है कि उसे किस डाक्टर, हकीम या वैद से फायदा होगा। वह बेहतर जानता है कि कौन अधिक अच्छा करता है और कौन अधिक मारता है। वह उनके शब्दों के धोके में नहीं आता। वह यह भी जानता है कि किस रोग में उसे किस से अधिक फायदा हो सकता है और सब से फायदा उठा लेता है। आखिरकार डाक्टर, हकीम या वैद सब उसी मामूली आदमी की ही तो पैदाइश हैं। वही उन्हें खिलाता, पिलाता और चलाता है। इसी तरह धर्म मजहब के मामलों में शब्दों के जंजाल में फंसे हुए मौलवी, पंडित और पादरी

खुद अपने को मताती रहती हैं। कभी तो एक एक लोग एक एक शब्दों का अर्थ निकालते हैं पर उन शब्दों से उनका मतलब एक ही होता है। केवल वह एक दूसरे को समझ नहीं पाते या दिलों में बिहँ पैदा हो जाने से यानी उनके दिलों पर शौतान का शल्वा पैदा हो जाने से जबरदस्ती एक दूसरे को उल्टा समझते रहते हैं। दुनिया में जितने भाड़े और फिसाद होते हैं लगभग सबकी वजह यही होती है कि हम शब्दों के पीछे या शब्दों से आगे बढ़कर असलियत को या तो समझ नहीं पाते या समझने के लिये तैयार नहीं होते। मौलाना रूम ने अपनी मराहूर किताब मसनवी में बार बार कहा है—“लغویوں میں मत فہم، مانی کی طرف جا۔” राजनीति में भी जब जब लोग कामयाबी के साथ मिल जुल कर भागड़ों को तै करना चाहते हैं और शान्ति या अमन कायम करना चाहते हैं तब तब उन्हें यही करना पड़ता है कि बार बार बैठकर मेहनत के साथ एक दूसरे की बात सुनें और एक दूसरे के मतलब समझें और समझावें। शलत समझने का मतलब ही न समझना है। शलत समझने से ही आदमी एक दूसरे का दुश्मन बनता है। फिर हर वह आदमी जिसकी बोली या ढंग हमसे अलग है हमें अपना दुश्मन दिखाई देने लगता है।

यही हाल उन लोगों का है जो दुनिया के ज़िस्मानी रोगों को अच्छा करने का दावा करते हैं। दुनिया के रूझानी डाक्टरों की तरह यह ज़िस्मानी डाक्टर भी एक दूसरे से लड़ते रहते हैं और अधिकतर केवल शब्दों पर लड़ते रहते हैं और एक दूसरे को नफरत की निगाह से देखते हैं। इनमें से अक्सर में भी रोगों को अच्छा करने की इच्छा इतना जोरदार नहीं होती जितनी अपने अपने ढंग और अपने अपने इलाज के तरीके को चिपटे रहने की जिद्द। हर एक के अपने अपने शब्द होते हैं। ऐलोपैथिक डाक्टर अपने शब्द बोलता है, होम्योपैथ अपने शब्द, हकीम अपने शब्द और वैद अपने। हर एक को अपने ही शब्द ठीक मालूम होते हैं और वही प्यारे मालूम होते हैं। पर जबकि यह अपने मोटे मोटे शब्दों के जाल में फंसे रहते हैं, मामूली अनपढ़ आदमी भी यह जान जाता है कि उसे किस डाक्टर, हकीम या वैद से फायदा होगा। वह बेहतर जानता है कि कौन अधिक अच्छा करता है और कौन अधिक मारता है। वह उनके शब्दों के धोके में नहीं आता। वह यह भी जानता है कि किस रोग में उसे किस से अधिक फायदा हो सकता है और सब से फायदा उठा लेता है। आखिरकार डाक्टर, हकीम या वैद सब उसी मामूली आदमी की ही तो पैदाइश हैं। वही उन्हें खिलाता, पिलाता और चलाता है। इसी तरह धर्म मजहब के मामलों में शब्दों के जंजाल में फंसे हुए मौलवी, पंडित और पादरी

موت، نیکی اور بدمی یا اچلا اور اندھیرا۔ ہمارے اندر کی خودی کے اس طرح کے پہیلا بڑے بڑے دشمن کی سائنچک اور نہ تک ہوا کو گندہ گردیتے ہیں اور قوموں کے دلوں اور دماغوں کو گند اور کھیر بنا دیتے ہیں۔ ہفتی ٹامس نے اپنی کتاب 'دی اسٹوری آف ہیومن ریس' میں لکھا ہے کہ کیول عیسائی پادریوں کی اکیاں پر ایک کروڑ سے اوپر انسان سمے سے پر زندہ چلا دیتے گئے۔ یہ کثرت کیول ایک مذہب کے نام پر ہوئی۔ دوسرے مذہبوں کے نام پر جو اس طرح کے باپ ہوئے ہیں، اور کم یا زیادہ سب مذہبوں کے نام پر ہوئے ہیں، ان کا حساب کسی نے نہیں لگایا۔

اس طرح وہ سندر اور سنجیدہ ریتراج جو آدمی کے دل کو دنیا سے کھینچ کر ایک اللہ میں لگا دینے کے لئے ہڈے گئے تھے وہی رواج ایک دوسرے کے خلاف تواریں کھینچنے کا کلن بن جاتے ہیں اور آدمی کو آدمی سے قتل کرواتے ہیں جبکہ وہ مذہب میں اور ان مذہبوں میں بھی جو سب سے ادھک کٹر سمجھے جاتے ہیں، مذہب کے معاملے میں ہو طرح کی زبردستی کو صاف صاف شدوں میں منع کیا گیا ہے۔

قرآن میں صاف لکھا ہے:—
”واذکر فی الدین“

یعنی دین کے معاملے میں کسی کے ساتھ کسی طرح کی زبردستی نہیں ہونی چاہئے۔
قرآن میں لکھا ہے:—”تدبرا دین تمہارے لئے اور میرا دین میرے لئے۔“

قرآن میں ایمان والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ—
”لوگوں کو اپنے رب کے راستے پر لاؤ، مسجدی کے شدوں کے ساتھ اور نرم اور مہربانی باتوں کے ساتھ۔“
قرآن میں یہ چیز بھی صاف صاف اور بار بار کہی گئی ہے کہ—

ہر قوم کے لئے ہم نے ایک الگ شرح اور منہاج یعنی الگ الگ ریتراج بنا دیتے ہیں جن پر چل کر وہ اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ اگر چاہتا تو سب کو ایک امت یعنی ایک قوم بنا دیتا۔ پر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے سب لوگوں کو چاہئے کہ جو راستہ انہیں بتا دیا گیا ہے اُس پر چلیں اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے ہوتے کی کوشش کریں۔ کوئی دوسرے پر ہنسے نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس پر تم ہنس رہے ہو وہ تم سے اچھا ہو۔“

شدوں کی کیا اپنا ہے۔ شدوں اور طرح طرح کے نعروں سے بڑے بڑے نیک کام بھی ہوجاتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ یعنی باپ بی بی۔ بڑے بڑے ہلوے، دنکے، نساں اور جنگ شدوں سے ہی ہوتے ہیں۔ غلط نعروں سے قومیں کی قومیں پیڑھیں تک دھوکے میں پڑی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو اور

ہوران میں ساک لکھا ہے:—

”لا شکاہ فی دین“

یانی دین کے معاملے میں کسی کے ساتھ کسی طرح کی زبردستی نہیں ہونی چاہیے۔

ہوران میں لکھا ہے—”تومہارا دین تومہارے لیے ہے اور میرا دین میرے لیے۔“

ہوران میں ایمان والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ—

”لوگوں کو اپنے رب کے راستے پر لاؤ، سمجھداری کے شادوں کے ساتھ اور نرم اور مہربانی باتوں کے ساتھ۔“

ہوران میں یہ چیز بھی ساک ساک اور بار بار کہی گئی ہے کہ—

”ہر کرم کے لیے ہم نے الگ الگ شریعہ اور منہاج یعنی الگ الگ ریتراج بنا دیے ہیں جن پر چل کر وہ اللہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اللہ اگر چاہتا تو سب کو ایک امت یعنی ایک قوم بنا دیتا۔ پر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے سب لوگوں کو چاہئے کہ جو راستہ انہیں بتا دیا گیا ہے اُس پر چلیں اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے ہوتے کی کوشش کریں۔ کوئی دوسرے پر ہنسے نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس پر تم ہنس رہے ہو وہ تم سے اچھا ہو۔“

شدوں کی کیا اپنا ہے۔ شدوں اور طرح طرح کے نعروں سے بڑے بڑے نیک کام بھی ہوجاتے ہیں اور بڑے بڑے گناہ یعنی باپ بی بی۔ بڑے بڑے ہلوے، دنکے، نساں اور جنگ شدوں سے ہی ہوتے ہیں۔ غلط نعروں سے قومیں کی قومیں پیڑھیں تک دھوکے میں پڑی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو اور

पिछले एक लेख में हम दिखा चुके हैं कि ज्ञान यानी मार्फत के रास्ते पर चलने वालों की राह में सब से बड़ा खतरा यह होता है कि वह अपने छोटे से आपे को यानी अपनी निजी आत्मा को ही असल आत्मा समझ बैठते हैं और यह भूल जाते हैं कि यह उनकी आत्मा एक छोटी सी आत्मा है, केवल एक धोका है। और असल आत्मा यानी असली आपा वही सर्व आत्मा यानी रुहे कुल है जो घट घट के अन्दर और सब के अन्दर है। इसी तरह जो लोग भक्ति यानी इशक के रास्ते पर चलते हैं उन से सब से बड़ी गलती यह होती है कि वह अपने से बाहर किसी एक पीर, गुरीद, गुरु, आचार्य, पोप, या किसी एक छोटे से देवी देवता को ही परम आत्मा या कुल मालिक समझ बैठते हैं। बेअन्त या अनन्त को हर सीमित यानी महदूद वजूद के अन्दर देखने की कोशिश करना बिल्कुल ठीक और सराहनीय है लेकिन महदूद को बेहद या बेअन्त समझ बैठना गलती और धोका है। इसी तरह जो लोग कर्मकाण्ड की राह पर चलते हैं यानी जो श्रेय और भिनहाज पर चलकर अपने हीनी कर्ज को पूरा करना चाहते हैं उनसे सबसे बड़ी गलती यह होती है कि वह अक्सर अपनी खास तरह की रस्मों, अपनी खास पूजा विधि, अपने संस्कारों और अपने रीत रिवाजों को ही सबके लिये सब जगह और सब हालतों में ठीक और जरूरी मान बैठते हैं। वह अपने रीत रिवाजों से इस बुरी तरह चिपकते हैं कि उन्हें अपने ही रिवाज ठीक और सबके रिवाज गलत दिखाई देने लगते हैं। असलियत से भटक कर वह नाम रूप में फंस जाते हैं।

गौर से देखा जाये तो इन तीनों रास्तों की यह तीनों तरह की गलतियाँ एक ही जड़ से पैदा होती हैं। वह जड़ है हमारे अन्दर की लुब्ध, हमारा अहंकार, यह अहंकार ही सब रीतानों का बाधशाह है। हमारी यह तीनों तरह की गलतियाँ इसी के तीन रूप हैं। जबरदस्ती दूसरों को अपने मजहब में लाना, अन्धी तबलीग और अन्धी शुद्धि दूसरी तरह के रीत रिवाजों के मानने वालों को हैरिटिक, काफिर या मलेच्छ कहकर मार बालना, या खिन्दा जला देना और धर्म मजहब के नाम पर जंग हमारे अन्दर की इसी रीतानियत के नतीजे हैं। हम अगर समझें तो धर्म और युद्ध यानी मजहब और जंग इनमें कोई वास्ता ही नहीं हो सकता। यह एक दूसरे के वैसे ही विरुद्ध होते हैं जैसे सब और

पिछले एक लेख में हम दिखा चुके हैं कि ग्यान یعنی معرفت کے راستے پر چلنے والوں کی راہ میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے چھوٹے سے آپے کو یعنی اپنی نجی آتما کو ہی اصل آتما سمجھ بیٹھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ اُن کی آتما ایک چھوٹی سی آتما ہے، کیوں ایک دھوکا ہے۔ اور اصل آتما یعنی اصلی آپا وہی سروآتما یعنی روح کل ہے جو گہت گہت کے اندر اور سب کے اندر ہے۔ اسی طرح جو لوگ بھکتی یعنی عشق کے راستے پر چلتے ہیں اُن سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے باہر کسی ایک پیر، مرشد، گرو، آچاریہ، پوپ، یا کسی ایک چھوٹے سے دیوی دیوتا کو ہی پریم آتما یا کل مالک سمجھ بیٹھتے ہیں۔ پرانت یا انت کو ہر سیمت یعنی محدود و مجرد کے اندر دیکھنے کی کوشش کرنا بالکل ٹھیک اور سراہنہ ہے لیکن محدود کو پرحد یا پرانت سمجھ بیٹھنا غلطی اور دھوکا ہے۔ اسی طرح جو لوگ کرمکند کی راہ پر چلتے ہیں یعنی جو شرع اور منہاج پر چل کر اپنے دینی فرض کو پورا کرنا چاہتے ہیں اُن سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوتی ہے کہ وہ اکثر اپنی خاص طرح کی رسموں، اپنی خاص پرچا ودھی، اپنے سنسکاروں اور اپنے ریترواجوں کو ہی سب کے لئے سب جگہ اور سب حالتوں میں ٹھیک اور ضروری مان بیٹھتے ہیں۔ وہ اپنے ریترواجوں سے اس بڑی طرح چپکے ہیں کہ انہیں اپنے ہی رواج ٹھیک اور سب کے رواج غلط دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اصلیت سے پھٹک کر وہ نام روپ میں پھنس جاتے ہیں۔

غور سے دیکھا جائے تو ان تینوں راستوں کی یہ تینوں طرح کی غلطیاں ایک ہی جڑ سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ جڑ ہے ہمارے اندر کی خبثی، ہمارا اھنکار۔ یہ اھنکار ہی سب شیطانوں کا بادشاہ ہے۔ ہماری یہ تینوں طرح کی غلطیاں اسی کے تین روپ ہیں۔ زبردستی دوسروں کو اپنے مذہب میں لانا، اندھی تبلیغ اور اندھی شہدی، دوسری طرح کے ریترواجوں کے ماننے والوں کو مہربنگ، کافر یا ملیج کہ کر مار ڈالنا، یا زندہ جگہ دنیا اور دہوم مذہب کے نام پر جنگ ہمارے اندر کی اسی شیطانیت کے نتیجے ہیں۔ ہم اگر سمجھیں تو دہوم اور بدھ یعنی مذہب اور جنگ ان میں کوئی واسطہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک دوسرے کے ویسے ہی وردہ ہوتے ہیں جیسے سچ اور

میرا ہادیوں اور کرمکانش سے بھرا کر ہافیکس نے
کہا ہے—

کارا می گویمو آج گشتہ دل شادم
بندہ ہرکرمو آج ہرہا جہاں آجادم
نستہ ہر لہوہ دلمہ جوشہ اعلیٰ کے کامتہ یار
بہ کونم ہرہا دیگار یاد نہادہ اعلیٰ

یانی—میں ساہ ساہ کہتا ہوں اور اپنی بات کے
کہنے سے میرا دل خرا ہے، میں ہرکرم کا بندہ ہوں اور
دونوں جہان سے آجادم ہوں، میرے دل کی تھکتی ہر سیواہ
نہرے مینتہم کے چنہہ رپہ * اعلیٰ کے اور کوہیہ آکسر
لیکھا ہوا نہیہ، میں کیا کہوں میرے اعلیٰ نے اور کوہیہ
آکسر لیکھا ہی نہیہ !

اس تہہ کی کویتاہوں کا آنہک ہار آس آس
سنانہ ہالوں کے دلوں ہر چمکاریکہ آسر ہواہ ہے، کمری
کمری کہل ایک شہر سنانہ لوگوں کی موتیہ میہ ہو گئیہ
ہیں اور جن لوگوں ہر ان لوگوں کے آسر ہویہ ہیں وہ
ہمہشا کوہیہ کمزور دلمہ یا کمزور دلمہ کے انسان
می نہ ہیہ، میں کہل ایک مینالہ دنگا، ایران کے مہارہ
سنتہ شلہ آلیہ ہجیہ نے اپنے جیہن چرتہ میں
لیکھا ہے—

“ایک دین رات کو میں کچھ دوستوں کے ساہ ہار
بٹھا ہوا ہا، آجانک مجھے کہرا ’حال‘ آ گیا، ساری رات
میری اسی میں گذر گئی، اُس حالت کو بیان کر سکا
ناممکن ہے، وہ حالت قریب قریب موت کی حالت
سے مینلہیہ ہئیہ، میری یہ حالہ ان دوستوں میں سے
ایک کے منہ سے یہ شعر سن کر ہونی تھی—

“ہمہشاہ بھیا تا دہر چمن ساہم پور ہمانا را
تو شامو گل را دہا کون، من بولبولہا ہرہانا را
یانی—“ہے میرے پریتم (ہرہالہ) آج کی رات
آہ تافیک ہار میں چلکر ہم ہرہم کے ہمانہ کو
لہالہہ ہر سکہ، تو شامو اور گل کو جلاہ ڈالہ اور
میں بولبولہا اور ہرہانہ کو شامو دے۔”

* سوامی رامتیرتھ ایک ہڈیہ ماسیکہ ہٹریکا نکالاہ
کرتہ ہیہ جسکا نام ’اعلیٰ‘ ہا اور جسکے ڈاٹلہ
ہجہ ہر لیکھا رہتا ہا—“ہرہکو اعلیٰ تہرے دہکارہ،
ہانیہ سیواہ ایک اعلیٰ کے ہرہے کسی کی آکسر نہیہ ہے۔

—سہپادک

† ہلاہاہاد کے مہارہ سکیہ مہالانا مہامہمد ہوسنہ
کی موت آجہمہر میں اعلیٰ کے موتیہ ہر کڑوالیہ کا ایک شہر
سنتہ سنتہ ہیہ،

—سہپادک

مردہ روزہوں اور کرم کات سے کہرا کر ہانتہ لے گیا ہے—

فاہ می گویم و از کفہ خود دل شادم
ہلدہ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
نہستہ ہرلوحہ دلمہ جزافہ فاستہ یار
چہ کم حرفہ دگر یاد نہادہ اعلیٰ

یعنی—میں صاف صاف کہتا ہوں اور اپنی بات کے کہنے
سے میرا دل خوش ہے، میں عشق کا بندہ ہوں اور دونوں
جہان سے آزاد ہوں، میرے دل کی تھکتی ہر سیواہ
نہرے مینتہم کے چنہہ رپہ * اعلیٰ کے اور کوہیہ آکسر
لیکھا ہوا نہیہ، میں کیا کہوں میرے اعلیٰ نے اور کوہیہ
آکسر لیکھا ہی نہیہ !

اس طرح کی کویتاہوں کا انیک ہار خاص خاص سنہ والوں
کے دلوں ہر چمکاریکہ اثر ہوا ہے، کبیہ کبیہ کہل ایک شعر
سن کر لوگوں کی موتیہ میہ ہو گئیہ ہیں اور جن لوگوں ہر ان
لوگوں کے اثر ہوئے ہوں وہ ہمہشا کوہیہ کمزور دل یا کمزور
دماغ کے انسان ہیہ نہ تھے، میں کہل ایک مینالہ دنگا،
ایران کے مشہور سنتہ شیعہ علیہ حزمہ نے اپنے جیہن چرتہ میں
لیکھا ہے—

”ایک دین رات کو میں کچھ دوستوں کے ساہ باہ میں
ہٹھا ہوا ہا، آجانک مجھے کہرا ’حال‘ آ گیا، ساری رات
میری اسی میں گذر گئی، اُس حالت کو بیان کر سکا
ناممکن ہے، وہ حالت قریب قریب موت کی حالت
سے ملتی ہوئی تھی، میری یہ حالت ان دوستوں میں سے
ایک کے منہ سے یہ شعر سن کر ہونی تھی—

امشب بیا تا دہر چمن سازم ہر ہمانہ را
تو شمع دگر را داغ کن من بلبلہا ہرہانہ را
یعنی—”اے میرے پریتم (ہرہالہ) آج کی رات
ناہ باہ میں چل کر ہم ہرہم کے ہمانہ کو لہالہہ ہر سکہ، تو
شمع اور گل کو جلاہ ڈالہ اور میں بلبلہا اور ہرہانہ کو
شامو دے۔“

* سوامی رامتیرتھ ایک اردو ماسک ہٹریکا نکالتے تھے
جس کا نام ’الف‘ تہا اور جس کے ٹائلہ ہجہ ہر لکھا رہتا
تہا—”کوہیہ تیرے دہکارہ، یعنی سوائے ایک الف کے
کسی کی ضرورت نہیہ ہے۔

—سہپادک

† الہ آباد کے مشہور صوفی مولانا محمد حسین کی موت
آجہمہر عرس کے موقع ہر قوالیہ کا ایک شعر سنتے سنتے ہی
ہونی تھی۔

—سہپادک

यानी—कारीगर अपने कारखाने के अन्दर छुपा हुआ है, तू कारखाने के अन्दर जा तो तू उसे साफ़ साफ़ देख लेगा !

हकीम सनाई का उपदेश है—

‘तलब’ ऐ आशिकाने खुश रहतार !
तलब ऐ शाहिदाने शीरीकार !
दर जहां शाहिदे व मा फारिया !
दर क़दह जर्रे व मा हुशियार !
खेज ता जान-बरूप बेनिशीनम,
बादे ई खाकतूद-ग़दर !
पसब जारोबे ‘ला’ फरो रुबम,
कौकब अज सकके गुम्बदे दव्वार !
ता ज खुद बिरानवद न अज मनो तो
‘लैयमन इस्मल्को !’ बाहिद उल क़दहार

अर्थात्—ऐ नेक चलन प्रेमियो, दूढ़ो ! ऐ मीठे स्वर वाले प्रीतमो, खुशी मनाओ ! हमारा प्रीतम इसी जहान में मौजूद है और हमारे दिल सूने पड़े हैं ! प्याले में शराब का घूट मौजूद है, और हमारा होश कायम है ! उठो और अपने मुंह के पानी (अहम भाव) से खाक के इस ग़दर ढेर (पृथ्वी) को दबा दो ! ‘नेस्ती’ (ईश्वर के अतिरिक्त) और कुछ है ही नहीं ! की झाड़ू लेकर, आसमान के इस घूमने वाले गुम्बद की छत से सब तारों को बुहार फेंको ! ताकि वह एकमेवाद्वितीय, सर्वशक्तिमान परमेश्वर खुद अपने कानों से यह आवाज सुने—‘इस सबका मालिक कौन है ?’ मेरे और तुम्हारे कानों से नहीं !

ईरान का मशहूर सन्त कवि हाफ़िज़ इन शब्दों में मृत्यु का आह्वान करता है—

खुर्रम आं रोच कर्ज़ी मंज़िले वीरां बेरवम
राहते जां तलबम वज पए जानां बेरवम
ब हवादारिये ऊज़रां सिफ़त रक्तस कुनम
न लबे चरमए सुशदि दरख़शां बेरवम

यानी—मुबारक वह दिन होगा जिस दिन मैं इस उजड़ी हुई सराय से जाऊंगा, उस दिन मैं रूहानी सुख की खोज करता हुआ अपने प्रीतम को ढूढ़ंगा. हवा के अन्दर एक ज़र्रे की तरह नाचता हुआ, मैं उस चमकते हुए सूर्य के प्रेम की रोशनी में नाचता हुआ, अपने उस प्रीतम तक जा पहुंचूंगा !

ॐ आख़री लाइन में क़ुरान के इस वाक्य की ओर इशारा है कि प्रलय के बाद जब सब सृष्टि मिट जायेगी तो शैव से आवाज आयेगी—‘इस सबका मालिक कौन है.

—लेखक.

یعنی—کارکنان اپنے کارخانہ کے اندر چھپا ہوا ہے، تو کارخانے کے اندر جاتا تو اُسے صاف صاف دیکھ لیتا !

حکیم صناعی کا اُپدیش ہے—

‘طالب’ اے عاشقانِ خوش رفتار !
طالب اے شامدانِ شیریں کار !
در جہاں شامدے و ما فارغ !
در فحج جرنے و ما ہشیار !
خیز تا زان بروائے بندشیم
باد این خاک تونہ غدار
پسب جاروب ‘لا’ فرو رویم
کوکب از شفق گید دوار
تا ز خون بشنود نہ از من و تو
‘لیمن الملو !’ واحدالتبار

ارتباط—اے نیک چلن پریمو، توفیقو ! اے میٹھے سر وائے پریتمو، خوشی مناؤ ! ہمارا پریتم اسی جہان میں موجود ہے اور ہمارے دل سوئے پڑے ہیں ! پیالے میں شراب کا گھرنٹ موجود ہے اور ہمارا ہر ش ذرّہ ! اُٹھو اور اپنے منہ کے پانی (اہم بھاؤ) سے خاک کے اس غدار تعمیر (پرندہ) کو دبا دو ! ‘نہستی’ (ایشور کے انکرت اور کچھ ہے ہی نہیں) کی جھڑو لے کر، آسمان کے اس گھومنے والے گمب کی چھت سے سب تاروں کو بہار پیٹو ! تاکہ وہ ایکموا دویتیم، سروشکیم، پریشور خود اپنے کانوں سے یہ آواز سنے—‘اس سب کا مالک کون ہے ?’ میرے اور تمہارے کانوں سے نہیں !

ایران کا مشہور سنت کوئی حافظ ان سب شبدوں میں مرتبو کا آہواں کرتا ہے—

خرم آن روز کوین منزل ویراں بروم
راحت جاں طلم و ز پئے جانان بروم
با ہوا دارنی او ذرہ صفت رقتس کنم
نہ لب چشم خورشید درخشاں بروم

یعنی—مبارک وہ دن ہوگا جس دن میں اس اُجڑی ہوئی سرائے سے جاؤں گا، اُس دن میں روحانی سکھ کی کھوج کرتا ہوا اپنے پریتم کو توفیقوں کا ہوا کے اندر ایک ذرّہ کی طرح ناچتا ہوا، میں اُس چمکے ہوئے سورج کے پریم کی روشنی میں ناچتا ہوا، اپنے اُس پریتم تک جا پہنچوں گا !

ې آخری لائن میں قرآن کے اس واقعہ کی اور اشارہ ہے کہ پرے کے بعد جب سب سرشتی مٹ جائے گی تو غیب سے آواز آئےگی—‘اس سب کا مالک کون ہے.

—لیکھک.

میلانا جلالالدین رومی جب اپنی سچا اور کثرت کے شاعر پر ہے، اس وقت انہوں نے صوفیوں کے شاعروں میں "دنیا کو لات مار دی تھی۔" حکیم صناعی کی دہشت لکھا ہے کہ غزنی کے بادشاہ سلطان بہرام شاہ نے حکیم صناعی کی قابلیت اور دنیاپرستی کا قائل ہو کر اپنی بہن سے ان کی شادی کرنی چاہی اور اس کے ساتھ انہیں بہت سا دھن، خطاب اور دربار میں اونچا عہدہ دینا چاہا۔ حکیم صناعی چوتھی عمر میں ہی دنیا چھوڑ چکے تھے۔ انہوں نے سلطان کی اس تجویز کا جواب دیا—

من نہ مردے زن و زور و جالم
با خدا گر کنم و گر خواهم
گر تو تاجم دہی و احسانم
با سر تو کے تاج نستالم

من ن مرده زنو زورو جاہم
باخودا گر کنم و گر خواہم
گر تو تاجم دہی و احسانم
با سرے تو کے تاج نستالنم
یانی—میں بھ مرد نہیں ہوں کی قسم سے یا دھن سے، یا پدوی سے کوئی سمجھ نہ رکھوں! خدا کی قسم! مجھے ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے، اگر تم مجھے اپنا تاج ہی دے دو اور مجھ پر احسان کرو، تو تمہارے سر کی قسم میں ہرگز نہ لوں گا۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ اس طرح کے کویں نے کبھی بھی کسی دنیوی آدمی کی تعریف یا نندا میں کویتا نہیں لکھی۔ ان کی کویتائیں دارشاک و چاروں اور روحانی تجربوں کا ایک خزانہ ہیں۔ جس طرح سنگیت کو سمجھنے کے لئے آدمی کو اپنا کان سدھانا پڑتا ہے اسی طرح ان صوفیوں کو سمجھنے اور ان کا پورا آئند لینے کے لئے مشقیہ کو اپنی روح اور اپنے دل کو خاص طرح سے سادھنا پڑتا ہے۔

حضرت علی نے ایک جگہ لکھا ہے—

دواؤ کی دنیا کا و ماشرع
دواؤ کی دنیا و ما تبسر
وتبع اموات کی جرم صغیر
و دنیا تو عالم انبیر
وانت کتاب المبعین الذی
یہ آہ رفیقی بڑھال مضمیر

یعنی—اے انسان! تیرا علاج تیرے ہی اندر ہے اور تجھے نہیں معلوم! تیری بیماری کی چیزیں تیرے ہی اندر ہیں اور تجھے دکھائی نہیں دیتیں! اور کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو اس دنیا میں ایک چوٹی سی چیز ہے؟ لیکن تیرے اندر یہ مہان دنیا اپنی ہوئی پڑی ہے۔ تو ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس کے اکرشروں کو پڑھ کر سب چھپے ہوئے رہسے کھل جاتے ہیں!

مولانا جلال الدین رومی نے کہا ہے—

کارکن در کارم باشد نہیں
تو برو در کارم پیش عیاں

کارکن در کارگاہ باہاد نہاں
تو بیرو در کارگاہ بینش آہاں!

سौन्दर्य तो रहता ही है; लेकिन उसके साथ साथ सीप को भी रगड़ रगड़ कर इतना चमका दिया जाता है कि सीप भी खुद मोती दिखाई देने लगती है. इटली के कवि दान्ते का नरक का चित्र, और बहिरत की वह तसवीर, जिसमें सुन्दर सुन्दर बाग लगे हुए हैं, नहरें बह रही हैं और बड़ी बड़ी काली काली आंखों वाले स्त्री और पुरुष बसते हैं, जिनकी जवानी कभी खत्म नहीं हो सकती; ये सब कविता की इसी दूसरी अवस्था के नमूने हैं. दुनिया के ज्यादातर कवि इसी अवस्था के कवि हैं. अरबी और फारसी में भी इसके नमूने भरے पड़े हैं. मैं सिर्फ एक मिसال دूंगा. ایرانی کवि سلیمان ساویجی لکھتا ہے—

دُرِ دُرِجے دُورِ اُکریکے لُبتِ نازِ دے جَاں نِیہاد
جینسے اُجڑیچَ یاکتِ بجاوے نِیہاں نِیہاد
کُھلے چلالِ بَرِ دُرے آں دُرِجے اُبدِ لُبت
خالالتِ جے اُمبَرِ اُمامد-اُو-مُوہرے بَرَاں نِیہاد

یانی—تیرے لالہ ہوئیں نے جان کے رُخِ چائے کو موتیوں (دانتوں) کے پیتارے کے اندر دھکا دیا تو سے رُخ دیا ہے. اتنے کِرماتی جُہر کو اسی تہہ ڈیبا کر رُخنا چاہیے. اُس پیتارے کے دھکن پر تیرے لہوں نے لالوں کا ایک تالا لگا دیا ہے اور تیرے عینری تل نے اُس تالے پر ایک چھوٹی سی مہر لگا دی ہے.

اسی طرح کی مثالیں ایک زمانے کی عربی کوبتا میں سے بھی دی جا سکتی ہیں.

اس کے بعد کوبتا کا تیسرا زمانہ آتا ہے. یہ زمانہ کوبتا کی پروغاستہا کا ہے اور کلا کی درشتی سے سب سے زیادہ اُغیت کا ہے.

اس اوستہا میں کوبتا شدیوں اور انکاروں سے اُپر اُٹے جاتی ہیں. معلوم ہوتا ہے اُس نے اپنے اُردش کو پراپت کر لیا. کوبتا اب انسان کی اُس چھوٹی سی خوبی اور سانسارک جہوں سے اُپر اُٹے جاتی ہے. وہ روحانیت میں غوطے لگائے لگتی ہے. بہشت کے سکھ اُسے اب تچہ اور نکے معلوم ہونے لگتے ہیں. قدرتی طور پر روزیہوں، کرم کاندوں اور اُندہ پرمو، اُڑن سے اُسے اب نفرت ہونے لگتی ہے. دنیا شاعر پر طرح طرح کے الزام لگانی ہے لیکن شاعر اُس کی خاک پرواہ نہیں کرتا. وہ اب محض شاعر نہیں ہے. وہ درشتا ہے، سنت ہے. کوبتا اُس کے دل سے نکلتی ہے، دماغ سے نہیں. اُس میں بچلی کی سی طالت ہوتی ہے. لوگ اُسے سمجھتے کم ہیں، لیکن پسند سب کرتے ہیں. حضرت محمد صاحب کے داماد حضرت علی، شیخ عبدالقادر جیلانی، حافظ شمس طبریز، مولانا جلال الدین رومی، حکیم صنای، جامی، فرید الدین عطار سب اُسی شریفی کے کوی ہیں. ان لوگوں کے پُلوٹ اور پاک جیوں نے انہیں کو ان کا گردیدہ بنا رکھا تھا.

یعنی—تیرے لالہ ہوئیں نے جان کے خزانے کو موتیوں (دانتوں) کے پیتارے کے اندر حفاظت سے رکھ دیا ہے. اتنے قیامت جُہر کو اسی طرح چھپا کر رکھنا چاہئے. اُس پیتارے کے دھکن پر تیرے لہوں نے لالوں کا ایک تالا لگا دیا ہے اور تیرے عینری تل نے اُس تالے پر ایک چھوٹی سی مہر لگا دی ہے.

اسی طرح کی مثالیں ایک زمانے کی عربی کوبتا میں سے بھی دی جا سکتی ہیں.

اُس کے بعد کوبتا کا تیسرا زمانہ آتا ہے. یہ زمانہ کوبتا کی پروغاستہا کا ہے اور کلا کی درشتی سے سب سے زیادہ اُغیت کا ہے.

اسی طرح کی مثالیں ایک زمانے کی عربی کوبتا میں سے بھی دی جا سکتی ہیں.

اُس کے بعد کوبتا کا تیسرا زمانہ آتا ہے. یہ زمانہ کوبتا کی پروغاستہا کا ہے اور کلا کی درشتی سے سب سے زیادہ اُغیت کا ہے.

اس اوستہا میں کوبتا شدیوں اور انکاروں سے اُپر اُٹے جاتی ہیں. معلوم ہوتا ہے اُس نے اپنے اُردش کو پراپت کر لیا. کوبتا اب انسان کی اُس چھوٹی سی خوبی اور سانسارک جہوں سے اُپر اُٹے جاتی ہے. وہ روحانیت میں غوطے لگائے لگتی ہے. بہشت کے سکھ اُسے اب تچہ اور نکے معلوم ہونے لگتے ہیں. قدرتی طور پر روزیہوں، کرم کاندوں اور اُندہ پرمو، اُڑن سے اُسے اب نفرت ہونے لگتی ہے. دنیا شاعر پر طرح طرح کے الزام لگانی ہے لیکن شاعر اُس کی خاک پرواہ نہیں کرتا. وہ اب محض شاعر نہیں ہے. وہ درشتا ہے، سنت ہے. کوبتا اُس کے دل سے نکلتی ہے، دماغ سے نہیں. اُس میں بچلی کی سی طالت ہوتی ہے. لوگ اُسے سمجھتے کم ہیں، لیکن پسند سب کرتے ہیں. حضرت محمد صاحب کے داماد حضرت علی، شیخ عبدالقادر جیلانی، حافظ شمس طبریز، مولانا جلال الدین رومی، حکیم صنای، جامی، فرید الدین عطار سب اُسی شریفی کے کوی ہیں. ان لوگوں کے پُلوٹ اور پاک جیوں نے انہیں کو ان کا گردیدہ بنا رکھا تھا.

ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل علی ایم . اے . پی . ایچ . تی

ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل علی ایم . اے . پی . ایچ . تی

ب ن مودے نیشائے ز جمال درست لیکن
دو جہاں ہم برآید سر شور و شر ندرام

ب ن مودے نیشائے ز جمال درست لیکن
دو جہاں ہم برآید سر شور و شر ندرام

یعنی—میں اپنے پریم کے روپ کی ایک جھلک دوسروں کو دکھا دیتا . لیکن تر یہ ہے کہ ایک جھلک ہی سے دوسروں جہاں درہم برہم ہو جاویں گے اور وہ شور و شر اٹھے گا کہ جس کا کوئی انت نہ ہوگا .

یعنی—میں اپنے پریم کے روپ کی ایک جھلک دوسروں کو دکھا دیتا . لیکن تر یہ ہے کہ ایک جھلک ہی سے دوسروں جہاں درہم برہم ہو جاویں گے اور وہ شور و شر اٹھے گا کہ جس کا کوئی انت نہ ہوگا .

چترکاری، مورتی گڑھے، گھر بنانے اور سنگیت کی طرح شاعری میں بھی آدمی کا ذماغ پوری سادھنا اور پوری سادھنا کے آدرش کو چتر کرنے اور سائنسٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے . جس طرح آدمی کی زندگی تین خاص خانیں ہوتی ہیں—بچپن، جوانی اور ادھیڑ—اسی طرح آدمی کے آدرش کی بھی تین حالتیں ہوتی ہیں . ہر دیش کی شاعری کو ان تینوں حالتوں میں سے ہو کر نکلتا پڑتا ہے .

چترکاری، مورتی گڑھے، گھر بنانے اور سنگیت کی طرح شاعری میں بھی آدمی کا ذماغ پوری سادھنا اور پوری سادھنا کے آدرش کو چتر کرنے اور سائنسٹ کرنے کی کوشش کرتا ہے . جس طرح آدمی کی زندگی تین خاص خانیں ہوتی ہیں—بچپن، جوانی اور ادھیڑ—اسی طرح آدمی کے آدرش کی بھی تین حالتیں ہوتی ہیں . ہر دیش کی شاعری کو ان تینوں حالتوں میں سے ہو کر نکلتا پڑتا ہے .

پہلی अवस्था में शायरी बहुत सीधी सादी होती है. कवि अपने समय के नैतिक आदर्शों को चित्रित करने की कोशिश करता है—जैसे बहादुरी, कैयारी, धीरज, बुद्धिमत्ता वगैरह. इस्लाम से पहिले के कुछ अरब कवि और ईरान के फिर्दौसी, अनसारी वगैरह इसी तरह के कवि थे. इन कवियों की कविताएं बिल्कुल सीधी सादी हैं. उनमें किसी तरह की बनाबट नहीं. जो कवि के दिल में है वही उसकी कलम से निकलता है. फिर्दौसी की नीचे लिखी लाइन इसकी एक मिसाल है—

پہلی अवस्था میں شاعری بہت سیدھی سادی ہوتی ہے. کوی اپنے سم کے نزدیک آدرشوں کو چتر کرنے کی کوشش کرتا ہے—جیسے بہادری، فیاغی، دھیرج، بدھیمتا وغیرہ . اسلام سے پہلے کے کچھ عرب کوی اور ایران کے فردوسی، انصاری وغیرہ اسی طرح کے کوی تھے . ان کوہوں کی کوہتاہیں بالکل سیدھی سادی ہیں . ان میں کسی طرح کی بناوت نہیں . جو کوی کے دل میں ہے وہی اُس کی قلم سے نکلتا ہے . فردوسی کی نیچے لکھی لائن اس کی ایک مثال ہے—

خداوند بالا و پستی توئی
ندانم چه ای، هرچه هستی توئی

خداوند بالا و پستی توئی
ندانم چه ای، هرچه هستی توئی

یعنی—ہے ایشور اس لوک کا اور سورگ لوک کا تو ہی ماک ہے، مجھے نہیں معلوم کہ تو کیا ہے، لیکن جو کچھ بھی تو ہو، تو ہے ضرور .

یعنی—ہے ایشور اس لوک کا اور سورگ لوک کا تو ہی ماک ہے، مجھے نہیں معلوم کہ تو کیا ہے، لیکن جو کچھ بھی تو ہو، تو ہے ضرور .

دوسری अवस्था कविता की जवानी की अवस्था है. कविता में अब पेचीदगी आने लगती है. उसकी खबसूरती बढ़ती है. उसमें खुदी उभरने लगती है. चुने चुने शब्द, चुने चुने वाक्य, उपमायें, अलंकार और इस्तआरे, इन सब की भरमार होने लगती है. इस अवस्था में कवि सब से ज्यादा प्रेम के गीत गाता है, कोई सूक्ष्म प्रेम नहीं, बल्कि कुदरत और उसके ठोस पदार्थों के साथ जीता जागता प्रेम. इस अवस्था में इखलाकी मयार (नैतिक आदर्श) यानी मोती का

دوسری अवस्था کویتا کی جوانی کی अवस्था ہے . کویتا میں اب پیچیدگی آئے لگتی ہے . اُس کی خوبصورتی بڑھتی ہے . اُس میں خودی اُبڑنے لگتی ہے . چنے چنے شبد، چنے چنے واکیہ، اُپمانیں، انکار اور استعارے، ان سب کی، ہرمار ہونے لگتی ہے . اس اوستھا میں کوی سب سے زیادہ پریم کے گوت گنا ہے، کوئی سوکشم پریم نہیں، بلکہ قدرت اور اُس کے ترؤس پدارتھوں کے ساتھ چیتا جاگتا پریم . اس اوستھا میں اخلاقی معیار (نہتک آدرش) یعنی موتی کا

”اس ایمپیریشن ایکٹ کے مطابق کیتھولک سمپرڈائے کے لوگوں کو پارلیمنٹ کے دہنوں ہاؤسوں کے ممبر چنے جانے کی، اور بہت تھوڑے سے عہدوں کو چھوڑ کر اور سب مقاصد اور دہشی عہدوں پر مقرر ہونے کی اجازت ہو گئی۔ اس طرف اب بہت کم کام باقی رہ گیا۔ لیکن یہودیوں کو سن 1858 تک پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی اجازت نہ تھی، اور نہ سن 1871 تک سوائے انگریزوں کی پروٹیسٹنٹ سمپرڈائے کے دوسری کسی سمپرڈائے کے لوگ یونیورسٹیوں میں اسی آزادی سے پڑھ سکتے تھے۔

فرانس کے ایک فیلاسفر نے اپنی पुस्तک ”مارکس اور لیلیس“ میں بالکل ٹھیک لکھا ہے—

”رومن سامراجیہ سے بڑا سامراجیہ اب تک کوئی نہیں ہوا۔ اس سامراجیہ کے دو بڑے بڑے اور پرشہنشا کے پاتر سمراٹ اینٹونینس پاپس اور مارکس اور لیلیس تھے۔ سنسار کے انتہاس میں اتنے یوگہ اور بدعلمان سمراٹوں کی صرف ایک ہی مثال اور ملتی ہے جس میں شاہی تخت پر بیٹھنے والے آدمیوں کو بھی بدعزمتی رشتہ میں ملتی تھی۔ یہ مثال تین مہاں مغل سمراٹوں کی ہے—بابر، ہمایوں اور اکبر۔ ان میں سے آخری سمراٹ اکبر میں اور مارکس اور لیلیس میں انیک باتوں میں لشجریہ جنگ سمانتا تھی۔“

”اس ایمپیریشن ایکٹ کے مطابق کیتھولک سمپرڈائے کے لوگوں کو پارلیمنٹ کے دہنوں ہاؤسوں کے ممبر چنے جانے کی، اور بہت تھوڑے سے عہدوں کو چھوڑ کر اور سب مقاصد اور دہشی عہدوں پر مقرر ہونے کی اجازت ہو گئی۔ اس طرف اب بہت کم کام باقی رہ گیا۔ لیکن یہودیوں کو سن 1858 تک پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی اجازت نہ تھی، اور نہ سن 1871 تک سوائے انگریزوں کی پروٹیسٹنٹ سمپرڈائے کے دوسری کسی سمپرڈائے کے لوگ یونیورسٹیوں میں اسی آزادی سے پڑھ سکتے تھے۔

فرانس کے ایک فیلاسفر نے اپنی पुस्तک ”مارکس اور لیلیس“ میں بالکل ٹھیک لکھا ہے—

”رومن سامراجیہ سے بڑا سامراجیہ اب تک کوئی نہیں ہوا۔ اس سامراجیہ کے دو بڑے بڑے اور پرشہنشا کے پاتر سمراٹ اینٹونینس پاپس اور مارکس اور لیلیس تھے۔ سنسار کے انتہاس میں اتنے یوگہ اور بدعلمان سمراٹوں کی صرف ایک ہی مثال اور ملتی ہے جس میں شاہی تخت پر بیٹھنے والے آدمیوں کو بھی بدعزمتی رشتہ میں ملتی تھی۔ یہ مثال تین مہاں مغل سمراٹوں کی ہے—بابر، ہمایوں اور اکبر۔ ان میں سے آخری سمراٹ اکبر میں اور مارکس اور لیلیس میں انیک باتوں میں لشجریہ جنگ سمانتا تھی۔“

جو آشیقتا سے اندک دولت رکھتا کرنا ہے وہ چوری کرتا ہے اور چوری کا دھن کچا پارہ ہے۔ وہ بچ نہیں سکتا۔ انت میں وہ چوری کی ملکیت نہ رکھتی۔ ایسا وشواس رکھ اپنے اندک آباؤ ہمیں کرتے ہی جاتا چلتے۔

—گاندھی

جو آشیقتا سے اندک دولت رکھتا کرنا ہے وہ چوری کرتا ہے اور چوری کا دھن کچا پارہ ہے۔ وہ بچ نہیں سکتا۔ انت میں وہ چوری کی ملکیت نہ رکھتی۔ ایسا وشواس رکھ اپنے اندک آباؤ ہمیں کرتے ہی جاتا چلتے۔

—گاندھی

* یہ ایک لیکچر کی पुस्तک ”Life and Experiences“ کی دوسری جلد کے ایک اہم حصے کا حصہ ہے۔

”بچہ لوگ سپہ سالاروں کے سامنے ہونا چاہتے تھے، بہت سے شامل ہو رہے تھے۔ اس پر بادشاہ فلپ (98-155) نے ان کے ساتھ بڑی ظالمانہ جنگ شروع کر دی، جو تیس برس تک جاری رہی۔ فلپ نے نئے سپہ سالاروں کو مقابلہ کا فیصلہ کر لیا اور مرتے وقت تک اس جنگ کو جاری رکھا۔ اس نے حکم دے دیا کہ جو آدمی بھی نئے سپہ سالاروں کے اصولوں کو غلط سمجھے اور نہ ماننے سے انکار کر دے اُسے زندہ چلا دیا جائے۔ اس بات کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ لوگ کتنے تھے۔ اس حکم کے مطابق کتنے چلائے گئے۔ لیکن ڈیوک آف ایلبرا نے ایک بار بڑے گھمبازانہ انداز میں کہا تھا کہ اپنے شاہنشاہ کے پانچ یا چھ برس کے اندر میں نے خرد اٹھارہ ہزار سے اوپر آدمیوں کو اس طرح شادی کے ساتھ جلا دیا۔“

اس بھینکر پرستہی کے مقابلہ میں ہندوستان کی حالت بہت زیادہ اچھی اور بہتر معلوم ہوتی ہے۔ مگر بار کے سمندر تک پر مسلمانوں کے حملے کا اثر نہیں ہو سکا۔ وہاں کے ہندو راجا کی ادارت کی ہم تعریف کئے بنا نہیں رہ سکتے۔ عیسائی کی پہلی یا دوسری صدی میں سیریا سے کچھ عیسائی کوچیں اور تروانکر میں آ کر آئے۔ وہاں کے ہندو راجا نے ان کا سواگت کیا، ان کی مہمان نوازی کی اور انہیں بنا کسی طرح کی روک ٹوک کے اپنے دھرم کو ماننے اور اُس پر چلتے رہنے کی پوری اجازت دی۔

اس کے خلاف اسی سے انگریزوں میں نہ صرف رومن کیتھولک سپہ سالاروں کے لوگوں کو بلکہ اُن پروٹیسٹینٹوں تک کو جو خاص خاص دھرمک اصولوں کو ماننے سے انکار کرتے تھے، خاص خاص عہدوں اور ادائیگیوں سے قاصر بنا دیا گیا تھا، جس سے انہیں خاصی آسودہ سہنی پڑتی تھی۔

جارج برٹن ایڈمز کی ”کالسنٹی ٹروشنل ہسٹری آف انگریز“ (19) میں لکھا ہے—

”چارلس دوسرے کے زمانے میں جو ’ڈسٹ ایکٹ‘ پاس ہوا، اُس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی رومن کیتھولک کسی سرکاری عہدے پر نہ رہ سکے۔ اس کے لئے ایک ایسی کسوٹی مقرر کی گئی، جس سے کوئی بچ نہ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی سرکاری عہدار اگر چہ چھپایا رومن کیتھولک ہوتا تھا، تو اسے قیلے طور پر اُس کا اعلان کرنا پڑ جاتا تھا۔“

آخر کار سن 1828 میں ”ڈسٹ ایکٹ“ رد کیا گیا۔ اگلے سال ’کیتھولک ایمپرنسیشن ایکٹ‘ پاس کیا گیا جو اور بھی زیادہ مہنگا کا تھا۔

جارج برٹن ایڈمز کی ”کالسنٹی ٹروشنل ہسٹری آف انگریز“ (19) میں لکھا ہے—

”چارلس دوسرے کے زمانے میں جو ’ڈسٹ ایکٹ‘ پاس ہوا، اُس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی رومن کیتھولک کسی سرکاری عہدے پر نہ رہ سکے۔ اس کے لئے ایک ایسی کسوٹی مقرر کی گئی، جس سے کوئی بچ نہ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی سرکاری عہدار اگر چہ چھپایا رومن کیتھولک ہوتا تھا، تو اسے قیلے طور پر اُس کا اعلان کرنا پڑ جاتا تھا۔“

جارج برٹن ایڈمز کی ”کالسنٹی ٹروشنل ہسٹری آف انگریز“ (19) میں لکھا ہے—

”چارلس دوسرے کے زمانے میں جو ’ڈسٹ ایکٹ‘ پاس ہوا، اُس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی رومن کیتھولک کسی سرکاری عہدے پر نہ رہ سکے۔ اس کے لئے ایک ایسی کسوٹی مقرر کی گئی، جس سے کوئی بچ نہ سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی بھی سرکاری عہدار اگر چہ چھپایا رومن کیتھولک ہوتا تھا، تو اسے قیلے طور پر اُس کا اعلان کرنا پڑ جاتا تھا۔“

آخر کار سن 1828 میں ”ڈسٹ ایکٹ“ رد کیا گیا۔ اگلے سال ’کیتھولک ایمپرنسیشن ایکٹ‘ پاس کیا گیا جو اور بھی زیادہ مہنگا کا تھا۔

آخر کار سن 1828 میں ”ڈسٹ ایکٹ“ رد کیا گیا۔ اگلے سال ’کیتھولک ایمپرنسیشن ایکٹ‘ پاس کیا گیا جو اور بھی زیادہ مہنگا کا تھا۔

گدھا بھان سیधे अपने खेत से लाकर चढ़ा देता है. सुख दुख दोनों में इस सन्त की समाधि का लोगों के जीवन के साथ एक आस और गहरा तात्त्विक रहता है."

टेलर अपनी पुस्तक "टोपीग्रही आफ् ढाका" (1840, सफा 257) में लिखता है—"मजहबी मजहबे हिन्दू और मुसलमानों में शायद ही कभी देखने में आते हों. दोनों धर्मों के लोग पूरे प्रेम और मेल जोल के साथ रहते हैं. ज्यादातर हिन्दू और मुसलमान भेद भाव से इतना ऊपर उठ गए हैं कि वह एक ही हुक्मे से पीते हैं."

धार्मिक उदारता के मामले में हिन्दुस्तान और यूरोप का मुकाबला बहुत ही आखें खोलने वाला है. थोड़े दिनों पहले तक का यूरोप का सारा इतिहास मजहब के नाम पर निस्सन्देह बहुत ही शर्मनाक किस्म के अन्यायों का इतिहास है. सलीबी (क्रुसेड) लड़ाइयों में पीटर दी हरमिट जैसे पापों और पादरियों के कृत्यों और आग उगलने वाले शापों से जोरा में आकर लाखों यूरोपियन क्रुसेडरों ने अपने घरों और बाल बच्चों से सदा के लिए अलग होकर उन दिनों के सफर की नाकामिले बयान मुसीबतों को सहते हुए हजरत ईसा की क़ज़्र को उन मुसलमानों से बचाने की काशिरा की जिन्हें वह 'इन्फिडल' या नास्तिक कहते थे; इतना ही नहीं, सिर्फ़ धार्मिक विश्वासों के फ़रक के कारन यूरोप भर में सदियों बह भयंकर आपसी लड़ाइयां जारी रहीं, जिनमें देश के देश बीरान हो गए और यूरोप का सारा नक़शा खून से रंग गया. आइये यूरोप के बादशाहों का ठीक उसी ज़माने के हिन्दुस्तान के बादशाहों के साथ मुकाबला करें.

बकल अपनी किताब "हिस्ट्री आफ् सिविलीजेशन" में लिखता है—

"अपनी हकूमत के आख़री दिनों में चार्ल्स पांचवां बड़े घमण्ड के साथ यह कहा करता था कि मैंने अपने देश के मुकाबले में हमेशा अपने धर्म को तरजीह दी और मेरी सब से पहली और सब से जबरदस्त खाहिश हमेशा यही रही कि ईसाई धर्म के हितों को कायम रखा जावे. लोकन्ट्रीज़ में दूसरी सभ्यताओं के लोगों के खिलाफ़ उसने जो जो कारवाइयां कीं, उनसे जाहिर होता है कि वह अपने धर्म को फैलाने के लिए कितने जोश के साथ काम करता था. उस ज़माने के विश्वस्त लेखकों के मुताबिक उसके शासन-काल में नीदरलैन्ड्स के अन्दर पचास हजार से लेकर एक लाख आदमी तक सिर्फ़ अपने मजहबी एतकादों (धार्मिक विश्वासों) के कारन मारे गए. 1520 और 1650 के बीच में उसने बहुत से नए क़ानून इस मतलब से जारी किये कि जिन लोगों पर यह जुर्म साबित हो जावे कि वह बादशाह के मजहबी उसूलों को नहीं मानते, उन्हें या तो क़तल कर दिया जावे, या चिन्दा जला दिया जावे और या चिन्दा क़मीन में गाड़ दिया जावे."

कहा दھان سیدھے اپنے کہنت سے لاکر چڑھا دیتا ہے. سم دکن دونوں میں اس سنت کی سادھی کا لوگوں کے جیوں کے ساتھ ایک خاص اور گہرا تعلق رہتا ہے."

ٹیلر اپنی بک ٹوپوگرافی آف ڈھاکا (1840, صفحہ 257) میں لکھتا ہے—"مذہبی جھگڑے ہندو اور مسلمانوں میں شایین ہی کبھی دیکھنے میں آتے ہوں. دونوں دھرموں کے لوگ پورے پریم اور میل جزل کے ساتھ رہتے ہیں. زیادہ تر ہندو اور مسلمان بھد بھاؤ سے اتنا اوپر اٹھ گئے ہیں کہ وہ ایک ہی حق سے پیتے ہیں."

دھارمک ادارتا کے معاملہ میں ہندستان اور یورپ کا مقابلہ بہت ہی آنکھیں کھولنے والا ہے. تھوڑے دنوں پہلے تک کا یورپ کا سارا انہاس مذہب کے نام پر نسنڈیہ بہت ہی شرمناک قسم کے انیابیوں کا انہاس ہے. صلیبی (کروسڈ) لڑائیوں میں پٹر دی ہرمٹ جیسے پیروں اور پادریوں کے فتنوں اور آگ اگلنے والے شایوں سے جوش میں آ کر لاکھوں یورپین کروسڈروں نے اپنے گھروں اور بال بچوں سے سدا کے لئے الگ ہو کر ان دنوں کے ستر کی ناپا بل بیان مصدبتوں کو سہتم ہوئے حضرت عیسیٰ کی قبر کو ان مسلمانوں سے بچانے کی کوشش کی. جنہیں وہ 'انفٹل' یا ناستک کہتے تھے. اننا ہی نہیں صرف دھارمک دشواہوں کے فرق کے کارن یورپ بھر میں صدیوں وہ بھیئیر آہیسی لڑائیاں جاری رہیں جن میں دہش کے دہش دیوان ہو گئے اور یورپ کا سارا نقشہ خون سے رنگ گیا. آئیے یورپ کے بادشاہوں کا تھیک اسی زمانے کے ہندستان کے بادشاہوں کے ساتھ مقابلہ کریں.

بکل اپنی کتاب "ہسٹری آف سولیزیشن" میں لکھتا ہے—

"اپنی حکومت کے آخری دنوں میں چارلس پانچواں بڑے گھمڈ کے ساتھ یہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اپنے دہش کے مقابلہ میں ہمیشہ اپنے دھرم کو ترجیح دی اور میری سب سے پہلی اور سب سے زبردست خواہش یہی رہی کہ عیسائی دھرم کے عتوں کو قائم رکھا جاوے. لوکنٹریز میں دوسری سہ دایوں کے لوگوں کے خلف اُس نے جو جو کارروائیاں کیں، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے دھرم کو پھیلتے کے لئے کتنے جوش کے ساتھ کام کرتا تھا. اُس زمانے کے دشوہست لیکھوں کے مطابق اُس کے شاسن کل میں نیڈرلینڈس کے اندر پچاس ہزار سے لے کر ایک لاکھ آدمی تک صرف اپنے مذہبی اعتقادوں (دھارمک وچاروں) کے کارن مارے گئے. 1520 اور 1650 کے بیچ میں اُس نے بہت سے نئے قانون اس مطلب سے جاری کئے کہ جن لوگوں پر یہ جرم ثابت ہو جاوے کہ وہ بادشاہ کے مذہبی اصولوں کو نہیں مانتے، انہیں یا تو قتل کر دیا جاوے، یا زندہ کر دیا جاوے اور یا زندہ زمین میں گڑ دیا جاوے."

اور جات پانت کے گھور ہندھنوں سے اُپر اُٹھ کر کل انسانوں کی ستم اور مانو پرانی کی مہتا کا اُپدیش دیا۔ رامانج کا انڈیائی رامائن اُنچھی جاتی کا براہمن تھا۔ اُس نے ہندی میں سب ذاتوں کے لوگوں کو جہاں تک کہ چماروں اور انتہیجوں کو بھی سرام کی پہنتی کا اُپدیش دیا۔ اُن کے شاگردوں میں سب سے مہان ریداس اور کبیر تھے۔ کبیر جاتی کا جولاہا تھا۔ کبیر نے اُپدیش دیا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا خدا ایک ہے۔ رام اور رحیم میں کوئی اتار نہیں ہے اور اصل میں سب دھرم برابر ہیں۔ مہاراشٹر میں نام دتو نے مراٹھی پھاشا میں اُپدیش دیا کہ ہندوؤں کا ایشور اور مسلمانوں کا اللہ ایک ہی ہے۔ نام دتو اور براہمن سنت ایکٹانہ دونوں پوری آزادی کے ساتھ انتہیجوں سے ملتے جلتے تھے اور منشیہ ماتر کی پورتن اور مہتا کا اُپدیش دیتے تھے۔ بنگال کے باؤل جک، جکے گھوم کر یہ اُپدیش دے رہے تھے کہ منشیہ منشیہ ہے اور سب جاتی بھیدوں اور دھرم بھیدوں سے اُپر ہے۔ چیتینہ نے ہندیا میں اور بنگال بھر میں پہنتی کے سوتے بھائے اور منشیہ کی ستم کا اُپدیش دیا۔ چیتینہ کے شاگردوں میں انیک مسلمان تھے۔ اُتر بھارت میں ولہیاچاریہ نے زینشو سپردائے قائم کی۔ نانک نے اُپدیش دیا کہ اسلام اور ہندو دھرم دونوں میں ستم ایک برابر مل سکتا ہے۔ نانک نے جات پانت کے بھیدوں کو توڑا اور سب کے ساتھ پریم اور اُگرتا کا پڑچار کیا۔ نانک کے چیلوں میں بھی بہت سے مسلمان تھے۔“

سچ یہ ہے کہ ہندو مسلم بھید بھاؤ حال ہی کی گچی ہوئی یا پیدا کی ہوئی چیز ہے۔ اُنیسویں صدی میں اس کا پتہ نہ تھا۔ میرے اپنے لکھن کی بات ہے کہ ہمارے یہاں جب دگرا پوجا ہوتی تھی تو میرے باپ، میرے بابا اور میرے پردہا گنے پور کے ناصیروں کو یادراؤں میں شامل ہونے کے لئے دوت دیا کرتے تھے اور دے لوگ ہمیشہ ہمارے نمٹن پر آتے تھے اور دگرا کی باتراؤں میں شریک ہوتے تھے۔ گدے پور کا گلوں ہمارے اپنے گلوں کے پاس تھا۔ یہی حال بنگال بھر میں سب جکے تھا۔ دھرموں بڑے بڑے دھرموں کے لوگوں میں پوری طرح مل جول اور پریم کا تعلق تھا۔

بریدائے برت نے اپنی پستک ”دی رومانس آف این ایسٹرن کویٹل“ میں سن 1906 کے آپسی پریم کو این شدوں میں بیان کیا ہے—

”شیخ محمد یوسف کی سادھی پر ہندو بھی سر نواتے ہیں۔ یہی کسی رعیت کو اپنے فصل کے اچھے نہ ہونے کا تر ہوتا ہے تو مٹی پر ناچ لا کر چھانٹا ہے۔ کسی کا بچہ بیمار ہوتا ہے یا ڈنگر بیمار ہوتا ہے تو سادھی پر آکر مننت ماننا ہے۔ یہی اصل خرب اچھی ہوتی ہے تو کسان شکر کے طور پر ایک

جئےلے-بٹ نے اپنی پستک ”دی رومانس آف این ایسٹرن کویٹل“ میں سن 1906 کے آپسی پریم کو این شدوں میں بیان کیا ہے—

”شوخ محمد یوسف کی سادھی پر ہندو بھی سر نواتے ہیں۔ یہی کسی رعیت کو اپنے فصل کے اچھے نہ ہونے کا تر ہوتا ہے تو مٹی پر ناچ لا کر چھانٹا ہے۔ کسی کا بچہ بیمار ہوتا ہے یا ڈنگر بیمار ہوتا ہے تو سادھی پر آکر مننت ماننا ہے۔ یہی اصل خرب اچھی ہوتی ہے تو کسان شکر کے طور پر ایک

ही धार्मिक उदारता की नीति का पालन किया और अपनी सल्तनत के कारोबार में हिन्दुओं के सहयोग की कद्र की। लेकिन यह दिखाया जा चुका है कि अलाउद्दीन खिलजी के जमाने से लेकर कभी किसी भी हिन्दू को अपने धार्मिक विश्वासों के कारण किसी तरह की हानि नहीं सहनी पड़ी, न उसके नागरिक अधिकारों में क़रक़ पड़ा।

हिन्दुस्तान पर शुरू जमाने से विदेशी हमले होते रहे थे, लेकिन अक्सर होता यह था कि विदेशी हमलावर पूरी तरह हिन्दू समाज के अन्दर रल मिल कर एक हो जाते थे। यही हाल शकों का हुआ, लेकिन मुसलमान हमलावर इस तरह मिलकर एक न हो सकते थे। इसकी वजह बयान करते हुये के० पी० मित्र ने अपनी "इन्डियन हिस्ट्री फार मैट्रिकुलेशन" (सफ़ा 115-16) में लिखा है कि—

“मुसलिम सभ्यता एक अलग और अपने ही ढंग की चीज़ थी, वह जल्दी से हिन्दू सभ्यता में मिलकर एक न हो सकती थी। मुसलमान बादशाह अपनी लड़ाइयों को जेहाद समझते थे, उन्होंने मन्दिरों को तोड़ा, हिन्दुओं को मुसलमान बनाया और उनको सताया। लेकिन धीरे धीरे दोनों मजहबों के लोगों में उदारता और प्रेम के भाव जागने लगे। मुसलिम बादशाहों ने हिन्दुओं को अपनी वजीर बनाया, हिन्दू सरदारों की मदद ली, हिन्दू स्त्रियों से शादियाँ कीं और हिन्दू साहित्य खासकर देशी भाशाओं के साहित्य का संरक्षण किया और उसे तरक्की दी। विजयनगर के हिन्दू राजाओं ने मुसलिम सिपाहियों को अपनी सेनाओं में भर्ती किया; उन्हें जागीरें दीं, उनके लिये मसजिदें बनवाई और उनके धार्मिक विश्वासों का मान रखा। इसी तरह मुसलिम सुलतानों ने हिन्दू सिपाहियों को अपनी क़ौजों में नौकर रखा। लड़ाई के मैदानों में हिन्दुओं और मुसलमानों के मेल जोल से दोनों की जवानें भी मिलती चली गईं; इसी मेल जोल से उर्दू ज़बान पैदा हुई। कश्मीर के मुसलमान बादशाह जैनुल आबदीन ने अपने राज के बड़े बड़े ओहदों पर हिन्दुओं को मुक़र्रर किया और धार्मिक उदारता से काम लिया। इसी तरह बंगाल का हुसेनशाह भी उदार विचारों का शासक था। इन सब लोगों ने देशी भाशाओं को खूब बढ़ाया। संस्कृत व्याकरण के बन्धनों से मुक्त होकर बङ्गला भाशा का स्वतन्त्रता के साथ बढ़ना और फलना फलना एक बड़े दर्जे तक हुसेन शाह और नसरत शाह के संरक्षण का नतीजा है। वर्तमान बंगला उनकी ऋणी है। कृत्तिवास की बंगला रामायन और काशीदास का महाभारत बंगालियों के घर घर में मिलते हैं। विद्यापति और चंडीदास जैसे कवियों ने उन्हीं के संरक्षण में अपने गीत-काव्य गाये।

“विश्व प्रेम के पुजारी सुधारकों ने सब धर्म मजहबों के सार का प्रचार किया और धर्म की सड़ी गली रुदियों

ही दारुमक आदरता की नित्य का पालन किया और अपनी सल्तनत के कारोबार में हिन्दुओं के सहयोग की कद्र की। लेकिन यह दिखाया जा चुका है कि अलाउद्दीन खिलजी के जमाने से लेकर कभी किसी भी हिन्दू को अपने धार्मिक विश्वासों के कारण किसी तरह की हानि नहीं सहनी पड़ी, न उसके नागरिक अधिकारों में क़रक़ पड़ा।

हिन्दुस्तान पर शुरू जमाने से विदेशी हमले होते रहे थे, लेकिन अक्सर होता यह था कि विदेशी हमलावर पूरी तरह हिन्दू समाज के अन्दर रल मिल कर एक हो जाते थे। यही हाल शकों का हुआ, लेकिन मुसलमान हमलावर इस तरह मिलकर एक न हो सकते थे। इसकी वजह बयान करते हुये के० पी० मित्र ने अपनी "इन्डियन हिस्ट्री फार मैट्रिकुलेशन" (सफ़ा 115-16) में लिखा है कि—

“मुसलिम सभ्यता एक अलग और अपने ही ढंग की चीज़ थी, वह जल्दी से हिन्दू सभ्यता में मिलकर एक न हो सकती थी। मुसलमान बादशाह अपनी लड़ाइयों को जेहाद समझते थे, उन्होंने मन्दिरों को तोड़ा, हिन्दुओं को मुसलमान बनाया और उनको सताया। लेकिन धीरे धीरे दोनों मजहबों के लोगों में उदारता और प्रेम के भाव जागने लगे। मुसलिम बादशाहों ने हिन्दुओं को अपनी वजीर बनाया, हिन्दू सरदारों की मदद ली, हिन्दू स्त्रियों से शादियाँ कीं और हिन्दू साहित्य खासकर देशी भाशाओं के साहित्य का संरक्षण किया और उसे तरक्की दी। विजयनगर के हिन्दू राजाओं ने मुसलिम सिपाहियों को अपनी सेनाओं में भर्ती किया; उन्हें जागीरें दीं, उनके लिये मसजिदें बनवाई और उनके धार्मिक विश्वासों का मान रखा। इसी तरह मुसलिम सुलतानों ने हिन्दू सिपाहियों को अपनी क़ौजों में नौकर रखा। लड़ाई के मैदानों में हिन्दुओं और मुसलमानों के मेल जोल से दोनों की जवानें भी मिलती चली गईं; इसी मेल जोल से उर्दू ज़बान पैदा हुई। कश्मीर के मुसलमान बादशाह जैनुल आबदीन ने अपने राज के बड़े बड़े ओहदों पर हिन्दुओं को मुक़र्रर किया और धार्मिक उदारता से काम लिया। इसी तरह बंगाल का हुसेनशाह भी उदार विचारों का शासक था। इन सब लोगों ने देशी भाशाओं को खूब बढ़ाया। संस्कृत व्याकरण के बन्धनों से मुक्त होकर बङ्गला भाशा का स्वतन्त्रता के साथ बढ़ना और फलना फलना एक बड़े दर्जे तक हुसेन शाह और नसरत शाह के संरक्षण का नतीजा है। वर्तमान बंगला उनकी ऋणी है। कृत्तिवास की बंगला रामायन और काशीदास का महाभारत बंगालियों के घर घर में मिलते हैं। विद्यापति और चंडीदास जैसे कवियों ने उन्हीं के संरक्षण में अपने गीत-काव्य गाये।

“विश्व प्रेम के पुजारी सुधारकों ने सब धर्म मजहबों के सार का प्रचार किया और धर्म की सड़ी गली रुदियों

نندلال سوبے کا سب سے بڑا سناپتی تھا۔ راجہ جانی رام علی وردی خاں کا سب سے عیباری منتری تھا۔ اُس کے دونوں لڑکے راجہ دربار رام اور راجہ رام نرائن اُن سے ہی اونچے اونچے پدوں پر مقرر تھے۔ مال کے محکموں میں چمن رائے، ویرودت، کیرتی چند، امرت رائے، چنٹا منتری داس اور گوکل چند سرورج پدوں پر تھے۔ کچھ دنوں بعد ڈھاکہ کا راجہ راجو بہت چھوٹی سے حیثیت سے ترقی کرتے کرتے نائب صوبہ دار کے عہدے پر پہنچ گیا۔ دوسرے حکمرانوں کے ساتھ پتر وپوہار یا بات چیت کرنے کے لئے راجارام کو پورے اختیار ملے ہوتے تھے۔ دیوان مانک چند اور امیدرام دونوں دربار کے استعفیہ تھے۔ کیول مال اور خزانے کے محکموں میں ہی نہیں، بلکہ سینا پتیوں کی حیثیت سے بھی ہندوؤں کا بڑا مان تھا۔ دربار رام، مانک چند، موہن لال اور شیم سندر نے لڑائی کے میدانوں میں بڑی بڑی ویرتا دکھائی۔ مہکم نے اپنی پستک ”کلیو“ (جلد 1 صفحہ 254) میں لکھا ہے کہ جس سے میرجہڑ اپنی بہت بڑی سینا بہت سراج الدولہ کو چھوڑ کر ہٹ جانے کے لئے راضی ہو گیا، اُس پد کے سے ایک بنگالی ہندو موہن لال اور ایک بنگالی مسلمان میر مدن نے آخر دم تک سراج الدولہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دونوں اپنی اپنی سیناؤں سے ویرتا کے ساتھ انت تک لڑتے رہے، اگرچہ ان سب سے بھی سراج الدولہ کی قسمت نہ پات سکی۔

سچ یہ ہے کہ نواب علی وردی خاں کو جتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں وہ سب اپنے مسلمان امیروں کے وشواس گھٹات اور اُن کی دغا کے سبب جھیلنی پڑیں۔ یہ مسلمان سردار مرائیوں کے ساتھ مل کر علی وردی خاں کو دھوکا دینے میں ذرا بھی سکوچ نہ کرتے تھے۔ یہ بالکل سچی گھٹنا ہے کہ اُس زمانے کے بنگال میں فرقہ پرستی یا دھارمک بھید بھاؤ کا کہیں نشان بھی دکھنڈھے سے نہیں ملتا۔ لوگ صرف اپنے نجی ہائی لائ کو ہی دیکھتے تھے اور اُس کے مطابق چلتے تھے۔ انہاس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ 13 ویں صدی عیسوی سے لے کر دہاس کی لڑائی تک مسلم شاسن کال میں بنگال کے ہندوؤں کو کبھی بھی یہ محسوس کرنے کا موقع نہیں ملا کہ اُن کے اوپر کسی ویشی کی حکومت تھی۔ یہ بھی ایک خاص بات ہے کہ صرف ایک وزیریم کے راجہ کو چھوڑ کر بنگال کے اور سب بڑے بڑے زمیندار ہندو تھے۔ بنگال گرنٹ کے ”نوابی عمل“ کا لپیکھ کالی پرسن بینر جی لکھتا ہے کہ کل زمینداروں کا صرف 16 واں حصہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔

بھارت کے انہاس کو سرسری نگاہ سے دیکھنے والا آدمی یہ سمجھتا ہوگا کہ صرف شہنشاہ اکبر نے

نندلال سوبے کا سب سے بڑا سناپتی تھا۔ راجہ جانی رام علی وردی خاں کا سب سے عیباری منتری تھا۔ اُس کے دونوں لڑکے راجہ دربار رام اور راجہ رام نرائن اُن سے ہی اونچے اونچے پدوں پر مقرر تھے۔ مال کے محکموں میں چمن رائے، ویرودت، کیرتی چند، امرت رائے، چنٹا منتری داس اور گوکل چند سرورج پدوں پر تھے۔ کچھ دنوں بعد ڈھاکہ کا راجہ راجو بہت چھوٹی سے حیثیت سے ترقی کرتے کرتے نائب صوبہ دار کے عہدے پر پہنچ گیا۔ دوسرے حکمرانوں کے ساتھ پتر وپوہار یا بات چیت کرنے کے لئے راجارام کو پورے اختیار ملے ہوتے تھے۔ دیوان مانک چند اور امیدرام دونوں دربار کے استعفیہ تھے۔ کیول مال اور خزانے کے محکموں میں ہی نہیں، بلکہ سینا پتیوں کی حیثیت سے بھی ہندوؤں کا بڑا مان تھا۔ دربار رام، مانک چند، موہن لال اور شیم سندر نے لڑائی کے میدانوں میں بڑی بڑی ویرتا دکھائی۔ مہکم نے اپنی پستک ”کلیو“ (جلد 1 صفحہ 254) میں لکھا ہے کہ جس سے میرجہڑ اپنی بہت بڑی سینا بہت سراج الدولہ کو چھوڑ کر ہٹ جانے کے لئے راضی ہو گیا، اُس پد کے سے ایک بنگالی ہندو موہن لال اور ایک بنگالی مسلمان میر مدن نے آخر دم تک سراج الدولہ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ دونوں اپنی اپنی سیناؤں سے ویرتا کے ساتھ انت تک لڑتے رہے، اگرچہ ان سب سے بھی سراج الدولہ کی قسمت نہ پات سکی۔

سچ یہ ہے کہ نواب علی وردی خاں کو جتنی مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں وہ سب اپنے مسلمان امیروں کے وشواس گھٹات اور اُن کی دغا کے سبب جھیلنی پڑیں۔ یہ مسلمان سردار مرائیوں کے ساتھ مل کر علی وردی خاں کو دھوکا دینے میں ذرا بھی سکوچ نہ کرتے تھے۔ یہ بالکل سچی گھٹنا ہے کہ اُس زمانے کے بنگال میں فرقہ پرستی یا دھارمک بھید بھاؤ کا کہیں نشان بھی دکھنڈھے سے نہیں ملتا۔ لوگ صرف اپنے نجی ہائی لائ کو ہی دیکھتے تھے اور اُس کے مطابق چلتے تھے۔ انہاس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ 13 ویں صدی عیسوی سے لے کر دہاس کی لڑائی تک مسلم شاسن کال میں بنگال کے ہندوؤں کو کبھی بھی یہ محسوس کرنے کا موقع نہیں ملا کہ اُن کے اوپر کسی ویشی کی حکومت تھی۔ یہ بھی ایک خاص بات ہے کہ صرف ایک وزیریم کے راجہ کو چھوڑ کر بنگال کے اور سب بڑے بڑے زمیندار ہندو تھے۔ بنگال گرنٹ کے ”نوابی عمل“ کا لپیکھ کالی پرسن بینر جی لکھتا ہے کہ کل زمینداروں کا صرف 16 واں حصہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا۔

بھارت کے انہاس کو سرسری نگاہ سے دیکھنے والا آدمی یہ سمجھتا ہوگا کہ صرف شہنشاہ اکبر نے

لیئے، مسلمان بادشاہ ان سب کے خلاف ہندوؤں سے کام لیتے تھے۔ یہ بھاؤ دلی کے بڑے سے بڑے شکتی شالی سمراتوں سے لیکر چھوٹے سے چھوٹے مسلمان سرداروں تک سب میں موجود تھا۔ ایسی کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کا دھن اور ان کی قابلیت بھی اپنا اثر ڈالتی تھی۔ بہت کچھ تک انہیں کارنوں سے ہندستان میں مسلم حکومت آسانی سے قائم ہو سکی اور اتنے دنوں تک چلتی رہی۔ راج کے بدل جانے سے سوائے ہندو مہاراجاؤں اور ان کے خاص خاص آدمیوں کے اور کسی پر کوئی خاص اثر نہ پڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے راجے اور سردار ہندو مہاراجہ کی جگہ مسلمان بادشاہ کو اپنا ادھیرواچ ماننے لگے تھے اور خراج دینے لگے تھے۔ اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اندر ان کی حیثیت اور ان کے سب ادھیرواچ قریب قریب جیسے کے تھے۔

”ہندو بچیوں اور عکسروں کو اپنے ہندو अधिराज की सेवा میں رہنے سے شایعہ اوتنا فریاد نہ تھا، جیتنا کسی نیکمے اور بیلانی مرگا अधिराज की सेवा میں رہنے سے۔ بھائی ماملوں میں سب کو پوری آجادی تھی۔ ہندوؤں کے پراچین رواجوں میں، جن کی وہ بڑی قدر کرتے تھے، بہت کم دخل دیا جاتا تھا، بلکہ بالکل دخل نہیں دیا جاتا تھا۔ دوسری باتوں میں یہ لوگ آپس میں اتنے بڑھ ہوئے تھے، ان کی اتنی الگ الگ ذاتیں اور برادریاں تھیں کہ یہ اپنے وجیتاؤں کو باہر نکالنے کے لئے ملکر کوشش نہ کرتے تھے اور مسلمان وجیتاؤں نے کئی وجہوں اور طرح طرح کے مطلب سے سوائے نام مازے کے अधिराज ہونے کے حکومت کے قریب قریب سب ادھیرواچ انہیں کے ہاتھوں میں رہنے دئے۔“

مورشد قلی خان نے، جس زمانہ میں وہ بنگال کے اندر اورنگزیب کا وائسرائے تھا، اپنے مال کے سب انسر اور وزیر و شوست ہندو ہی مقرر کئے۔ وہ سب باتوں میں اپنے ان ہندو صلاحکاروں کی رائے سے ہی کام کرتا تھا۔ ان میں خاص درباریائے، بھوتی رائے، کشور رائے، جسونت رائے اور دھونندن تھے۔ بریڈلے برٹ نے لکھا ہے کہ مورشد قلی خان کا وزیر جسونت رائے بہت بدھمان شاک تھا اور مال اور خزانے کے محکموں کا بہت زبردست جانکار تھا، دیہی کی تجارت کو بڑھانے کی اس نے اپنی شکتی بھر کوشش کی۔ مورشد قلی خان نے اونچے سے اونچے نوجی عہدے بھی ہندوؤں ہی کو دے رکھے تھے۔ لاہوری مل اور دلیپ سنگھ اُس کے مشہور زبردست سینپائی تھے۔ زمینداروں میں سے رام جیوں، دیا رام اور دھو رام سب پر بہت اعتمادی کے سینک عہدوں پر رہ چکے تھے۔

مورشد قلی خان نے، جس زمانہ میں وہ بنگال کے اندر اورنگزیب کا وائسرائے تھا، اپنے مال کے سب انسر اور وزیر و شوست ہندو ہی مقرر کئے۔ وہ سب باتوں میں اپنے ان ہندو صلاحکاروں کی رائے سے ہی کام کرتا تھا۔ ان میں خاص درباریائے، بھوتی رائے، کشور رائے، جسونت رائے اور دھونندن تھے۔ بریڈلے برٹ نے لکھا ہے کہ مورشد قلی خان کا وزیر جسونت رائے بہت بدھمان شاک تھا اور مال اور خزانے کے محکموں کا بہت زبردست جانکار تھا، دیہی کی تجارت کو بڑھانے کی اس نے اپنی شکتی بھر کوشش کی۔ مورشد قلی خان نے اونچے سے اونچے نوجی عہدے بھی ہندوؤں ہی کو دے رکھے تھے۔ لاہوری مل اور دلیپ سنگھ اُس کے مشہور زبردست سینپائی تھے۔ زمینداروں میں سے رام جیوں، دیا رام اور دھو رام سب پر بہت اعتمادی کے سینک عہدوں پر رہ چکے تھے۔

مورشد قلی خان نے، جس زمانہ میں وہ بنگال کے اندر اورنگزیب کا وائسرائے تھا، اپنے مال کے سب انسر اور وزیر و شوست ہندو ہی مقرر کئے۔ وہ سب باتوں میں اپنے ان ہندو صلاحکاروں کی رائے سے ہی کام کرتا تھا۔ ان میں خاص درباریائے، بھوتی رائے، کشور رائے، جسونت رائے اور دھونندن تھے۔ بریڈلے برٹ نے لکھا ہے کہ مورشد قلی خان کا وزیر جسونت رائے بہت بدھمان شاک تھا اور مال اور خزانے کے محکموں کا بہت زبردست جانکار تھا، دیہی کی تجارت کو بڑھانے کی اس نے اپنی شکتی بھر کوشش کی۔ مورشد قلی خان نے اونچے سے اونچے نوجی عہدے بھی ہندوؤں ہی کو دے رکھے تھے۔ لاہوری مل اور دلیپ سنگھ اُس کے مشہور زبردست سینپائی تھے۔ زمینداروں میں سے رام جیوں، دیا رام اور دھو رام سب پر بہت اعتمادی کے سینک عہدوں پر رہ چکے تھے۔

مورشد قلی خان نے، جس زمانہ میں وہ بنگال کے اندر اورنگزیب کا وائسرائے تھا، اپنے مال کے سب انسر اور وزیر و شوست ہندو ہی مقرر کئے۔ وہ سب باتوں میں اپنے ان ہندو صلاحکاروں کی رائے سے ہی کام کرتا تھا۔ ان میں خاص درباریائے، بھوتی رائے، کشور رائے، جسونت رائے اور دھونندن تھے۔ بریڈلے برٹ نے لکھا ہے کہ مورشد قلی خان کا وزیر جسونت رائے بہت بدھمان شاک تھا اور مال اور خزانے کے محکموں کا بہت زبردست جانکار تھا، دیہی کی تجارت کو بڑھانے کی اس نے اپنی شکتی بھر کوشش کی۔ مورشد قلی خان نے اونچے سے اونچے نوجی عہدے بھی ہندوؤں ہی کو دے رکھے تھے۔ لاہوری مل اور دلیپ سنگھ اُس کے مشہور زبردست سینپائی تھے۔ زمینداروں میں سے رام جیوں، دیا رام اور دھو رام سب پر بہت اعتمادی کے سینک عہدوں پر رہ چکے تھے۔

نواب علی وردی خان کے شروع کے زمانے میں ایک ہندو

نواب علی وردی خان کے شروع کے زمانے میں ایک ہندو

بڑے سرکشک تھے۔ دہلیاتی نے اپنے امرکاویہ میں ان میں سے ایک کا یہی گن کیا ہے۔ بنگال میں ان دنوں زمینداروں کی قریب قریب وہی حالت تھی جو منچلے زمانے کے یورپ میں وہاں کے فیوڈل سامنتوں کی۔ مسلمان بادشاہوں نے بنگال کے مشہور ”بارہ منہوں“ سے نیت سالانہ خراج لیکر انہیں بائبل آزاد چھوڑ رکھا تھا اور جب بھی مہل یا پٹھان حکومت میں کوئی کمزوری آتی تھی تو یہ خراج بھی بند ہو جاتا تھا۔ دیش کے بھیڑیوں شلشن میں ان 12 بنگالی سامنتوں کے ساتھ کسی طرح کا دخل نہیں تھا۔

لوگوں میں جو آپسی جھگڑے یا مقدمے ہوتے تھے، وہ زیادہ تر درجنوں ترقی کے چٹے ہوئے پنچوں کے ذریعہ حل کر دئے جاتے تھے۔ بہت چھوٹے چھوٹے مقدمے لوگوں کی پنچایت کے سامنے پیش ہو جاتے تھے اور پنچایت کا فیصلہ آخری ہوتا تھا۔

ان 12 سامنتوں میں سے زیادہ تر ہندو تھے۔ مہاجر جنرل سر جان مہلکم نے اپنی پستک ”دی لائف آف رابرٹ گلیو“ (1836ء، جلد 1) میں لکھا ہے—

”جب ان ہندو راجاؤں کے अधिकार مسلمانان بادشاہوں کے ہاتھوں میں آگئے، تو دیوانی اور مال کے محکموں کا پورا انتظام اور دیش کے بھیڑیوں شلشن کی وہ سب باریکدیں اور چھوٹے موٹے انتظام، جن پر حکومت کی مشین کا ٹھیک ٹھیک چلنا ہمیشہ منحصر ہوتا ہے، قریب قریب سب انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہے، جن کے ہاتھوں میں مسلمانوں کے آنے کے پہلے وہ چکے تھے۔ خزانہ کا سب سے بڑا حاکم کوئی نہ کوئی ہندو ہوتا تھا، جو کبھی وزیر کہلاتا تھا، اور کبھی نایب۔ اس وزیر یا نایب کا ہی دیش کے امیر سے امیر سلوکاروں اور دغوانوں ہندوؤں سے سمبندھ ہوتا تھا۔“

”جب ان ہندو راجاؤں کے अधिकार مسلمانان بادشاہوں کے ہاتھوں میں آگئے، تو دیوانی اور مال کے محکموں کا پورا انتظام اور دیش کے بھیڑیوں شلشن کی وہ سب باریکدیں اور چھوٹے موٹے انتظام، جن پر حکومت کی مشین کا ٹھیک ٹھیک چلنا ہمیشہ منحصر ہوتا ہے، قریب قریب سب انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں رہے، جن کے ہاتھوں میں مسلمانوں کے آنے کے پہلے وہ چکے تھے۔ خزانہ کا سب سے بڑا حاکم کوئی نہ کوئی ہندو ہوتا تھا، جو کبھی وزیر کہلاتا تھا، اور کبھی نایب۔ اس وزیر یا نایب کا ہی دیش کے امیر سے امیر سلوکاروں اور دغوانوں ہندوؤں سے سمبندھ ہوتا تھا۔“

ایک بہت ہوشیار اور حاضر جواب مسلمان بادشاہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے ہم مذہب مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو انیسروں اور مہنچوروں کو کیوں اتنا زیادہ پسند کرتے ہیں؟ اس نے جواب دیا—”مسلمان چپقلی کی طرح ہوتا ہے، اس میں جو چیز ذاتی جائے، زیادہ تر فوراً باہر نکل آتی ہے۔ ہندو اسپینج کی طرح ہوتا ہے، اس میں جو ڈالا جائے سب سا جانا ہے اور ضرورت کے وقت دہالے سے پھر نکل آتا ہے۔“

اور یہی باتیں تھیں، جن کے سبب سے مسلمان بادشاہ اور نواب اپنے دربار میں اور اپنی فوجوں میں درجنوں جگہ ہندوؤں کو مقرر کرتے تھے اور انہیں بڑھاتے تھے۔ ان بادشاہوں اور نوابوں کے اپنے رشکدار خدپرست ہوتے تھے اور بغاوت کرتے رہتے تھے۔ یہی حال مسلمان سرداروں اور ان کے انویاں میں کا تھا۔ ان سب کو دہانہ رکھنے کے

کभी दिलेर खां को इन राजपूतों के पीछे पीछे खाना किया. लेकिन जितनी बेतबारी उसे इन हिन्दू सरदारों की थी, उससे ज्यादा बेतबारी शहजादे मोअज्जम, अकबर और अपने दूसरे बेटों की थी. वह हमेशा इस बात से डरता रहता था कि उसके बेटे कहीं उसी की नकल न कर बैठें, औरंगजेब के मरने के बाद मोगल बादशाह तेजी के साथ टुकड़े टुकड़े होने लगी और उसी तेजी के साथ स्वाधीन राजाओं की हैसियत या मुसलमान हुक्मरानों के मातहत सेनापतियों की हैसियत से, देश के शासन में हिन्दुओं का बल बढ़ता चला गया.

हिन्दुओं की उदारता की एक मिसाल हम पारसियों की दे सकते हैं. ये लोग उन पुराने ईरानियों की औलाद हैं, जो आठवीं सदी ईस्वी में, जब अरबों ने ईरान को जीत लिया तो हिन्दुस्तान में जाकर बस गए. ये लोग सबसे पहले गुजरात के समुद्र तट पर संजन नामक जगह पर आकर ठहरे थे. वहां के हिन्दू राजाओं ने इनका बड़े मान और इज्जत के साथ स्वागत किया.

हिन्दुओं की बहादुरी उदारता की बहुत सी मिसालें दी जा सकती हैं. उनमें से एक यह है—औरंगजेब के लड़के मुहम्मद अकबर ने अपने बाप के खिलाफ बगावत करके राजपूतों की मदद से तख्त पर कब्जा करना चाहा. उसकी कोशिश नाकाम रही, लेकिन राजपूत सरदार दुर्गादास अपने को तरह तरह के खतरों में डालकर भी उस अभाग्य शहजादे को बड़ी बहादुरी के साथ राजा शम्भू जी मरहठे के दरबार तक अपने साथ ले गया. औरंगजेब अपने पोते और अपनी पोती दोनों को अपने पास बुला लेना चाहता था, उसे दुर्गादास से समझौता करना पड़ा. जदुनाथ सरकार ने अपनी पुस्तक 'औरंगजेब' (जिल्द 5, सफा 281-3) में इस घटना को इन साफ साफ शब्दों में बयान किया है—

“मोहम्मद अकबर का दुधमुहां बेटा बुलन्द अख्तर और उसकी बेटी सफीयतुन्निसा दोनों मारवाड़ में अकबर के राठौर दोस्तों के पास रह गए थे. ये दोनों बच्चे इतने कम उमर थे कि भाग बीड़ की तकलीफों को बर्दाश्त न कर सकते थे, इसलिये दुर्गादास ने सन 1681 में उन्हें एक ऐसी बेनाम जगह में, जहां किसी का भी पहुंचना मुश्किल था, गिरधर जोशी नामक एक ब्राह्मण के सुपुर्द कर दिया. सन 1681 से सन 1696 तक ये दोनों बालक वहीं रहते रहे और न सिर्फ उनकी तन्दुरुस्ती और उनके सदाचार का ही पूरा पूरा खयाल रखा गया, बल्कि इसलाम मजहब की भी उन्हें पूरी पूरी तालीम दी जाती रही.”

अपने घर के नजदीक बंगाल में हम देखते हैं कि यहां भी उस जमाने में फिरकापरस्ती देखने को नहीं मिलती. बंगाल के खुदमुल्ता पठान मुलतान बंगला भाशा के बहुत

कभी दलैर खान को इन राजपूतों के पीछे पीछे खाना दिया. लेकिन जितनी बेतबारी उसे इन हिन्दू सरदारों की थी, उससे ज्यादा बेतबारी शहजादे मोअज्जम, अकबर और अपने दूसरे बेटों की थी. वह हमेशा इस बात से डरता रहता था कि उसके बेटे कहीं उसी की नकल न कर बैठें. औरंगजेब के मरने के बाद मोगल बादशाहत तेजी के साथ टुकड़े टुकड़े होने लगी और उसी तेजी के साथ स्वाधीन राजाओं की हैसियत या मुसलमान हुक्मरानों के मातहत सेनापतियों की हैसियत से, देश के शासन में हिन्दुओं का बल बढ़ता चला गया.

हिन्दुओं की उदारता की एक मिसाल हम पारसियों की दे सकते हैं. ये लोग उन पुराने ईरानियों की औलाद हैं, जो आठवीं सदी ईस्वी में, जब अरबों ने ईरान को जीत लिया तो हिन्दुस्तान में जाकर बस गए. ये लोग सबसे पहले गुजरात के समुद्र तट पर संजन नामक जगह पर आकर ठहरे थे. वहां के हिन्दू राजाओं ने इनका बड़े मान और इज्जत के साथ स्वागत किया.

हिन्दुओं की बहादुरी उदारता की बहुत सी मिसालें दी जा सकती हैं. उनमें से एक यह है—औरंगजेब के लड़के मुहम्मद अकबर ने अपने बाप के खिलाफ बगावत करके राजपूतों की मदद से तख्त पर कब्जा करना चाहा. उसकी कोशिश नाकाम रही, लेकिन राजपूत सरदार दुर्गादास अपने को तरह तरह के खतरों में डालकर भी उस अभाग्य शहजादे को बड़ी बहादुरी के साथ राजा शम्भू जी मरहठे के दरबार तक अपने साथ ले गया. औरंगजेब अपने पोते और अपनी पोती दोनों को अपने पास बुला लेना चाहता था, उसे दुर्गादास से समझौता करना पड़ा. जदुनाथ सरकार ने अपनी पुस्तक 'औरंगजेब' (जिल्द 5, सफा 281-3) में इस घटना को इन साफ साफ शब्दों में बयान किया है—

“मोहम्मद अकबर का दुधमुहां बेटा बुलन्द अख्तर और उसकी बेटी सफीयतुन्निसा दोनों मारवाड़ में अकबर के राठौर दोस्तों के पास रह गए थे. ये दोनों बच्चे इतने कम उमर थे कि भाग बीड़ की तकलीफों को बर्दाश्त न कर सकते थे, इसलिये दुर्गादास ने सन 1681 में उन्हें एक ऐसी बेनाम जगह में, जहां किसी का भी पहुंचना मुश्किल था, गिरधर जोशी नामक एक ब्राह्मण के सुपुर्द कर दिया. सन 1681 से सन 1696 तक ये दोनों बालक वहीं रहते रहे और न सिर्फ उनकी तन्दुरुस्ती और उनके सदाचार का ही पूरा पूरा खयाल रखा गया, बल्कि इसलाम मजहब की भी उन्हें पूरी पूरी तालीम दी जाती रही.”

अपने घर के नजदीक बंगाल में हम देखते हैं कि यहां भी उस जमाने में फिरकापरस्ती देखने को नहीं मिलती. बंगाल के खुदमुल्ता पठान मुलतान बंगला भाशा के बहुत

اس کے جیسوں کے ہوتے ہوئے ہی ہم نے سلطنت کو دھکے دھکے دیئے تو وہ کہتا تھا۔

سمرات اورنگزیب 1659 عیسوی سے 1707 عیسوی تک دلی کے تخت پر رہا۔ اورنگزیب کے زمانے میں بھی سامراجیت کے اندر بڑی بڑی دہکوں کے عہدے ہندوں کو ملے ہوئے تھے۔ ہنگال میں مرشد قلی خان اورنگزیب کا وائسرائے تھا۔ مرشد قلی خان کے مناصبت دہلی کے محکمے کے تمام بڑے بڑے عہدے صرف ہندوں ہی کے ہاتھوں میں تھے۔ ہندوں کا ان پر ایکادھیہ تھا۔ بڑے بڑے فوجی عہدے بھی ہندوں کو ملے ہوئے تھے۔ اگر مثل سمرات کی پرکرتی کے اندر ہندوں سے نفرت ہوتی تو وہ اپنے وائسرائے کو اس سے روک دیتا، بلکہ ایسا کرنے کے لئے اسے ڈانٹتا۔ دلی دربار کے اندر بھی مال کے محکمے کا اصلی کرتا دھرتا اور سب سے بڑا انسر ہندو تھا۔

جذوناہ سرکار نے اپنی کتاب ”اورنگزیب“ (جلد 3 پرشہ) (جلد 72) میں لکھا ہے—

”اس پر بھی جب جعفر خان وزیر اعظم بنایا گیا اور جب تک تخت کے لئے لڑائیاں ہوتی رہیں وہی وزیر اعظم رہا، اس تمام سے میں مال کے محکمے کی اصلی حکومت اور سارا انتظام بڑھے اور تجربہ کار نایب دیوان رگھوناتھ پتھی کے ہاتھوں میں رہا۔ دیوان رگھوناتھ (رام-اے-رایاں) کہلاتا تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اورنگزیب نے دیوانی کے اس عارضی انتظام کو جاری رکھا اور 15 جون سن 1658 کو دیوان رگھوناتھ کو راجا کا خطاب دیکر دربار کے امور میں شامل کر لیا۔ راجا رگھوناتھ نہایت ایماندار، محنتی، اپنے کاروبار میں ہوشیار اور راج کے کاروبار کے لئے اساندارن، بوگتا رکھنے والا آدمی تھا۔“

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے اپنے تعصب اور اپنی انوڈارتا سے اپنی ہندو دنیا کو ناراض کر لیا۔ لیکن الفنسٹن نے اپنی ”ہسٹری آف انڈیا“ میں لکھا ہے کہ اورنگزیب کی حکومت میں بھی—

”یہ پتہ نہیں چلتا کہ کسی ایک ہندو کو ہی اپنے مذہب کی وجہ سے موت کی سزا یا قید کی سزا یا مالی سزا برداشت کرنی پڑی ہو یا کسی ایک شخص سے بھی کبھی اپنے پرکوں کے مذہب پر کلمے عمل کرنے کے لئے جواب طلب کیا گیا ہو۔“

”اورنگزیب کو جب شوالی کے خلاف فوج بھیجی گئی تو اس نے راجپوت سردار جسونت سنگھ اور اس کے بعد جے سنگھ کو اس کام کے لئے بھیجا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اورنگزیب ارشواؤں سے بھراؤں کا تھا اور اس نے کبھی

کبھی نہ نہیں چلتا کہ کسی ایک ہندو کو ہی اپنے مذہب کی وجہ سے موت کی سزا یا قید کی سزا یا مالی سزا برداشت کرنی پڑی ہو یا کسی ایک شخص سے بھی کبھی اپنے پرکوں کے مذہب پر کلمے عمل کرنے کے لئے جواب طلب کیا گیا ہو۔“

جذوناہ سرکار نے اپنی کتاب ”اورنگزیب“ (جلد 3 پرشہ) (جلد 72) میں لکھا ہے—

”اس پر ہی جب جعفر خان وزیر اعظم بنایا گیا اور جب تک تخت کے لئے لڑائیاں ہوتی رہیں وہی وزیر اعظم رہا، اس تمام سے میں مال کے محکمے کی اصلی حکومت اور سارا انتظام بڑھے اور تجربہ کار نایب دیوان رگھوناتھ پتھی کے ہاتھوں میں رہا۔ دیوان رگھوناتھ (رام-اے-رایاں) کہلاتا تھا۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد اورنگزیب نے دیوانی کے اس عارضی انتظام کو جاری رکھا اور 15 جون سن 1658 کو دیوان رگھوناتھ کو راجا کا خطاب دیکر دربار کے امور میں شامل کر لیا۔ راجا رگھوناتھ نہایت ایماندار، محنتی، اپنے کاروبار میں ہوشیار اور راج کے کاروبار کے لئے اساندارن، بوگتا رکھنے والا آدمی تھا۔“

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے اپنے تعصب اور اپنی انوڈارتا سے اپنی ہندو دنیا کو ناراض کر لیا۔ لیکن الفنسٹن نے اپنی ”ہسٹری آف انڈیا“ میں لکھا ہے کہ اورنگزیب کی حکومت میں بھی—

”یہ پتہ نہیں چلتا کہ کسی ایک ہندو کو ہی اپنے مذہب کی وجہ سے موت کی سزا یا قید کی سزا یا مالی سزا برداشت کرنی پڑی ہو یا کسی ایک شخص سے بھی کبھی اپنے پرکوں کے مذہب پر کلمے عمل کرنے کے لئے جواب طلب کیا گیا ہو۔“

”اورنگزیب کو جب شوالی کے خلاف فوج بھیجی گئی تو اس نے راجپوت سردار جسونت سنگھ اور اس کے بعد جے سنگھ کو اس کام کے لئے بھیجا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اورنگزیب ارشواؤں سے بھراؤں کا تھا اور اس نے کبھی

کبھی نہ نہیں چلتا کہ کسی ایک ہندو کو ہی اپنے مذہب کی وجہ سے موت کی سزا یا قید کی سزا یا مالی سزا برداشت کرنی پڑی ہو یا کسی ایک شخص سے بھی کبھی اپنے پرکوں کے مذہب پر کلمے عمل کرنے کے لئے جواب طلب کیا گیا ہو۔“

अजीब मालूम होगी, लेकिन बात यही है कि साम्प्रदायिकता अभी हाल की पैदावार है और राजनैतिक राज्य को पूरा करने के लिये उसे बढ़ाया गया.

एलफिंस्टन ने अपनी 'हिस्ट्री आफ़ इन्डिया' में लिखा है—

“हिन्दुओं को कुछ नाचीज़ समझा जाता था, लेकिन उन्हें दुश्मन नहीं समझा जाता था. उन्हें ज़िज़िया देना होता था और उनसे कुछ और भेद भाव भी था, लेकिन उनके अपने धर्म के पालन करने में किसी तरह की रुकावट नहीं थी, न उन्हें इसके लिये कोई तकलीफ़ दी जाती थी. बहुत से हिन्दुओं का ज़िक्र कौजी सेनापतियों की हैसियत से आता है. ये लोग शायद ज़मींदार होते थे, जो अपने अपने यहां की फ़ौजों के नायक बनकर आते थे, मुमकिन है कि वे बाद-शाह के मुकर्रर किये हुए अफसर न रहे हों; लेकिन इसमें कोई शक नहीं कि दीवानी के मोहकमों में और खासकर माल और खज़ाने के मोहकमों में बहुत से हिन्दू बड़े बड़े ओहदों पर मुकर्रर थे... सुबारक खिलजी ने सन 1317 से सन 1321 तक हुकूमत की. उसके ज़माने में दरबार और हुकूमत का सारा रंग ढंग ही हिन्दू था.

“शेरशाह की फ़ौज में हिन्दुओं को बड़े बड़े ओहदे दिये जाते थे. शेरशाह की यह नीति उसके शुरू के दिनों से ही चली आती थी. उसके अच्छे से अच्छे सेनापतियों में से एक ब्रह्मजीत गौड़ था. चौसा और बिलामम की लड़ाई के बाद ब्रह्मजीत गौड़ को हुमायूँ का पीछा करने के लिये भेजा गया था. इतिहास से पता चलता है कि इससे बहुत पहले हिन्दू महमूद राजनी के ज़माने में भी सुसलमान सेना के अफसर मुकर्रर किये जाते थे.

“शेरशाह पहला आदमी था, जिसने एक ऐसा भारतीय साम्राज्य क़ायम करने की कोशिश की जो सारी भारतीय जनता की हमदर्दी के सहारे क़ायम था.” इतिहास लेखक कीन लिखता है कि “इस पठान की हुकूमत से जितनी बुद्धिमत्ता प्रकट होती है, उतनी किसी भी दूसरी हुकूमत में जाहिर नहीं होती. अंग्रेज़ी हुकूमत में भी उतनी बुद्धिमत्ता दिखाई नहीं देती.”

“मोहम्मद आदिलशाह ने (15५3 ई०) अपनी हुकूमत का सारा कारोबार हेमू नाम के एक हिन्दू को सौंप रखा था. हेमू किसी समय एक छोटा सा दुकानदार रह चुका था और कहा जाता है कि देखने में वह और भी प्यारा छोटा और मामूली सा मालूम होता था. लेकिन इन सब बाहरी कमियों के होते हुए भी हेमू में वह योग्यता थी और उसके दिमाग में इतनी ताक़त थी कि दरबार के अभिमानी और युद्ध प्रेमी सरदारों और अमीरों के बीच में वह अपने बड़प्पन को क़ायम रख सकता था, और बादशाह की बेवक़फ़ियों और

عجیب معلوم ہوئی، لیکن بات یہی ہے کہ سامپردائیکتا ابھی حال کی پیداوار ہے اور راجنیتک غرض کو پورا کرنے کے لئے اُسے بڑھایا گیا .

الفنستن نے اپنی ہسٹری آف انڈیا میں لکھا ہے—

“ہندوں کو کچھ ناچیز سمجھا جاتا تھا، لیکن انہیں دشمن نہیں سمجھا جاتا تھا . انہیں جزیہ دینا ہوتا تھا اور اُن سے کچھ اور بھید بھاؤ بھی تھا، لیکن اُن کے اپنے دھرم کے پالن کرنے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں تھی، نہ انہیں اُس کے لئے کوئی تکلیف دی جاتی تھی . بہت سے ہندوں کا ذکر فوجی سیناپاتیوں کی حیثیت سے آتا ہے . یہ لوگ شاید زمیندار ہوتے تھے، جو اپنے اپنے یہاں کی فوجوں کے نایک بنکر آتے تھے، ممکن ہے کہ وہ بادشاہ کے مقرر کئے ہوئے انسپر نہ رہے ہوں، لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ دیوانی کے محکموں میں اور خاصکر مال اور خزانے کے محکموں میں بہت سے ہندو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر تھے مبارک خلیجی نے سن 1317 سے سن 1321 تک حکومت کی . اُس کے زمانے میں دربار اور حکومت کا سارا رنگ قہنگ ہی ہندو تھا .

“شیر شاہ کی فوج میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے . شیر شاہ کی یہ نییّت اُس کے شروع کے دنوں سے ہی چلی آتی تھی . اُس کے اچھے سے اچھے سیناپاتیوں میں سے ایک برہمچیت گور تھا. چونسہ اور بلگرام کی لڑائی کے بعد برہمچیت گور کو ہماریں کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا . انہاس سے پتہ چلتا ہے کہ اِس سے بہت پہلے ہندو محترم غزنی کے زمانے میں بھی مسلمان سینا کے انسپر مقرر کئے جاتے تھے .

“شیر شاہ پہلے آدمی تھا، جس نے ایک ایسا بیارتیہ سامراجیہ قائم کرنے کی کوشش کی جو ساری بیارتیہ جلتا کی ہمدردی کے سہارے قائم تھا . ” انہاس لیکھک کہتے ہیں کہ “اِس پٹھان کی حکومت سے جتنی بدھیمتا پرکٹ ہوئی ہے، اُننی کسی بھی دوسری حکومت میں ظاہر نہیں ہوئی. انگریزی حکومت میں بھی اُننی بدھیمت دکھائی نہیں دیتی .”

“محمد غزالی شاہ نے (1553 عیسوی) اپنی حکومت کا سارا کاروبار ہیروں نام کے ایک ہندو کو سونپ رکھا تھا . ہمیں کسی سہمے ایک چھوٹا سا درکار رہ چکا تھا اور کہا جاتا ہے کہ دیکھنے میں وہ اور بھی زیادہ چھوٹا اور معمولی سا معلوم ہوتا تھا . لیکن اِن سب باہری کموں کے ہوتے ہوئے بھی ہیروں میں وہ یوکتا تھی اور اُس کے دماغ میں اتنی طانت تھی کہ دربار کے اہم مقامی اور بیحد پریسی سرداروں اور امیروں کے بیچ میں وہ اپنے بڑپن کو قائم رکھ سکتا تھا، اور بادشاہ کی بیوقوفیوں اور

بیسویں صدی سے پہلے کا بھارت

بیسویں صدی سے پہلے کا بھارت



سورگیتھ آچاریہ پر پہلے چند رائے

سورگیتھ آچاریہ پر پہلے چند رائے

الغنتسن اپنی بستانک میں لکھتا ہے—

الغنتسن اپنی بستانک میں لکھتا ہے—

”علاءالدین خلجی 1295 عیسوی سے 1314 عیسوی تک دلی کا سلطان تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مذہب کا ایک کی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مذہب صرف آدمی کی نجی زندگی کی چیز ہے، بلکہ سچ پوچھنے تو گھر میں بیٹیکر من بھاؤ کی چیز ہے۔“

”علاءالدین خلجی 1295 عیسوی سے 1314 عیسوی تک دلی کا سلطان تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ مذہب کا ایک کی حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ مذہب صرف آدمی کی نجی زندگی کی چیز ہے، بلکہ سچ پوچھنے تو گھر میں بیٹیکر من بھاؤ کی چیز ہے۔“

چھ سو برس بعد بیسویں صدی کے شروع میں لینن کہا کرتا تھا—”مذہب لوگوں کی انیم ہے۔“ کمال پاشا کی رائے تھی کہ—”جس طرح جوالہبھی پہاڑ سے نکلے ہوا رانہ کا تھیر خوب مونا اور کڑا ہوکر نیچے کی دھدھکتی ہوئی آگ کو دفاع دیتا ہے، اسی طرح مذہب ساری قوم کی دھدھکتی ہوئی آتما کو تھنکے اور دباؤ رکھتا ہے۔“—”(گرے ولف“ آرم اسٹرائک صحتہ 241.)

چھ سو برس بعد بیسویں صدی کے شروع میں لینن کہا کرتا تھا—”مذہب لوگوں کی انیم ہے۔“ کمال پاشا کی رائے تھی کہ—”جس طرح جوالہبھی پہاڑ سے نکلے ہوا رانہ کا تھیر خوب مونا اور کڑا ہوکر نیچے کی دھدھکتی ہوئی آگ کو دفاع دیتا ہے، اسی طرح مذہب ساری قوم کی دھدھکتی ہوئی آتما کو تھنکے اور دباؤ رکھتا ہے۔“—”(گرے ولف“ آرم اسٹرائک صحتہ 241.)

کے قاتنوں نے اپنی بستانک ”شیر شاہ“ میں لکھا ہے—”شیر شاہ (1542-45) کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کا سارا کاروبار مذہب کو بالکل الگ رکھ کر چلایا جاوے، حکومت کا مذہب سے کوئی سمبندھ نہ رہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ مذہب کا لوگوں کے سامانجک یا ساروجنک جیون سے کوئی تعلق نہیں، مذہب ہر آدمی کی اپنی چیز ہے، جس کا تعلق صرف اُس کی نجی زندگی سے ہے۔“

کے قاتنوں نے اپنی بستانک ”شیر شاہ“ میں لکھا ہے—”شیر شاہ (1542-45) کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کا سارا کاروبار مذہب کو بالکل الگ رکھ کر چلایا جاوے، حکومت کا مذہب سے کوئی سمبندھ نہ رہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ مذہب کا لوگوں کے سامانجک یا ساروجنک جیون سے کوئی تعلق نہیں، مذہب ہر آدمی کی اپنی چیز ہے، جس کا تعلق صرف اُس کی نجی زندگی سے ہے۔“

گرائٹ ڈف نے اپنی ”ہستری آف دی مرہٹا“ میں لکھا ہے کہ—”سن 1739 میں جب نادر شاہ کا حملہ ہوا تو پشوا ہاجی راؤ نے اپنے راج بڑھانے آئی کی سب تجویزوں کو روک دیا اور کہا کہ ہمارے آپسی جھگڑے اب سب بے معنی ہیں، ہندستان بھر میں صرف ایک ہی دشمن ہے.....ہندوؤں اور مسلمانوں سب کو دکن کی سب طاقتوں کو، ایک جگہ مل جانا چاہیے۔“

گرائٹ ڈف نے اپنی ”ہستری آف دی مرہٹا“ میں لکھا ہے کہ—”سن 1739 میں جب نادر شاہ کا حملہ ہوا تو پشوا ہاجی راؤ نے اپنے راج بڑھانے آئی کی سب تجویزوں کو روک دیا اور کہا کہ ہمارے آپسی جھگڑے اب سب بے معنی ہیں، ہندستان بھر میں صرف ایک ہی دشمن ہے.....ہندوؤں اور مسلمانوں سب کو دکن کی سب طاقتوں کو، ایک جگہ مل جانا چاہیے۔“

چوتھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی حکومت نہ صرف اُتر بھارت میں بلکہ دکن میں بھی خاصی اچھی طرح جم گئی تھی۔ اُس سے لیکر بیسویں صدی کے شروع تک 600 برس کے ہندستان کے انہاس سے یہ ظاہر ہے کہ اُس تمام سے میں اُس دیش کے اُنٹر سامورداکتا یا پانڈہ پرستی کا کہیں شاید نام بھی نہ تھا۔ یہ بات

چوتھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں کی حکومت نہ صرف اُتر بھارت میں بلکہ دکن میں بھی خاصی اچھی طرح جم گئی تھی۔ اُس سے لیکر بیسویں صدی کے شروع تک 600 برس کے ہندستان کے انہاس سے یہ ظاہر ہے کہ اُس تمام سے میں اُس دیش کے اُنٹر سامورداکتا یا پانڈہ پرستی کا کہیں شاید نام بھی نہ تھا۔ یہ بات

اب رہا پورے شہر کو دفن کرنے کا رواج سو یہ رواج بھی ویدک آریوں میں ایک سہ موجود تھا۔ شہر ہراہمن میں قبر کے استعمال کے بارے میں لکھا ہے۔ ”یہ بالکل ٹھیک آدمی جتنی لمبی بنائی چاہئے، تاکہ اس میں کسی دوسرے کے لئے جگہ نہ رہے، اور موتی سے تھنک کر درہنوں طرف کنارا بنا لینا چاہئے۔“ (13.8.1, 2, 9, 12) پھر اسے پتھروں سے گھیر دینا چاہئے۔“ (13.8.1, 2, 9, 12) انہیں سے پتہ چلتا ہے کہ اور بہت سے دیشوں اور دوسری سہیلتاؤں میں بھی پہلے گرنے کا رواج رہا ہے اور پھر دھیرے دھیرے چلنے کا رواج پڑا ہے۔“

موہن جو۔ دڑو اور ہڑپہ کی کھدائی اور چیزوں کا ذکر بھی ویدوں میں ملتا ہے۔ اداہرن کے لئے رگ وید میں ’اٹالکا‘ یعنی اینٹ کی حوبلی کا ذکر آتا ہے۔ سینڈھو ندی کی سہیلتا کے دوسرے دھارمک رواجوں کے بارے میں خرد سرجان مارشل نے لکھا ہے۔ ”ان میں سے بہت سے مذہبی اعتقاد ویدک کال کے پچھلے حصے میں اور ویدوں کے بعد کے سنسکرت سامکیتہ میں ملتے ہیں۔ جو۔ دڑو اور ہڑپہ میں جتنی دھارمک تھنک کی چیزیں ملی ہیں، وہ خاص طور پر ہندستانی معلوم ہوتی ہیں۔“ آجکل عام لوگ جسے ہندو دھرم کہتے ہیں، اس کی قریب قریب سب باتیں سینڈھو ندی کی سہیلتا میں ملتی ہیں۔ ’سوسیتا‘ کا چنہ درہنوں جگہ ملتا ہے۔ ویدک دیوتاؤں سورہ، اگنی، سوم اور اداہرن کی پرچا سے سمبندھ رکھنے والی سب گویاں اور روزہاں اس نئی سہیلتا میں ملی ہیں۔

موہن جو۔ دڑو اور ہڑپہ میں منشیوں کی جو کھوپڑیاں ملی ہیں، ان تک کے بارے میں ودانوں اور وشیشیکوں کا مت ہے کہ ٹھیک اسی طرح کی کھوپڑیاں ہم آج کل کے ہندستان کے رھنے والے اپنے کندھوں کے اوپر لئے پرتے ہیں۔

ساراںش یہ کہ ویدک کال کی سنسکرتی اور سینڈھو ندی کے کنارے کے لوگوں کی سنسکرتی اور آجکل کی ہندستانی سنسکرتی تینوں کوئی الگ الگ ایک دوسرے سے بے سلسلہ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ، وہ سنسکرتی کا ایک ہی دھارا ہے جو غزروں برس پہلے سے لے کر آج تک بہتی چلی آ رہی ہے اور جس میں سہ اور پرستہتی کے پیچہ کے مطابق سنسار کی اور سب چیزوں کی طرح تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

موہن جو۔ دڑو اور ہڑپہ کی کھدائی اور چیزوں کا ذکر بھی ویدوں میں ملتا ہے۔ اداہرن کے لئے رگ وید میں ’اٹالکا‘ یعنی اینٹ کی حوبلی کا ذکر آتا ہے۔ سینڈھو ندی کی سہیلتا کے دوسرے دھارمک رواجوں کے بارے میں خرد سرجان مارشل نے لکھا ہے۔ ”ان میں سے بہت سے مذہبی اعتقاد ویدک کال کے پچھلے حصے میں اور ویدوں کے بعد کے سنسکرت سامکیتہ میں ملتے ہیں۔ جو۔ دڑو اور ہڑپہ میں جتنی دھارمک تھنک کی چیزیں ملی ہیں، وہ خاص طور پر ہندستانی معلوم ہوتی ہیں۔“ آجکل عام لوگ جسے ہندو دھرم کہتے ہیں، اس کی قریب قریب سب باتیں سینڈھو ندی کی سہیلتا میں ملتی ہیں۔ ’سوسیتا‘ کا چنہ درہنوں جگہ ملتا ہے۔ ویدک دیوتاؤں سورہ، اگنی، سوم اور اداہرن کی پرچا سے سمبندھ رکھنے والی سب گویاں اور روزہاں اس نئی سہیلتا میں ملی ہیں۔

موہن جو۔ دڑو اور ہڑپہ میں منشیوں کی جو کھوپڑیاں ملی ہیں، ان تک کے بارے میں ودانوں اور وشیشیکوں کا مت ہے کہ ٹھیک اسی طرح کی کھوپڑیاں ہم آج کل کے ہندستان کے رھنے والے اپنے کندھوں کے اوپر لئے پرتے ہیں۔

ساراںش یہ کہ ویدک کال کی سنسکرتی اور سینڈھو ندی کے کنارے کے لوگوں کی سنسکرتی اور آجکل کی ہندستانی سنسکرتی تینوں کوئی الگ الگ ایک دوسرے سے بے سلسلہ چیزیں نہیں ہیں، بلکہ، وہ سنسکرتی کا ایک ہی دھارا ہے جو غزروں برس پہلے سے لے کر آج تک بہتی چلی آ رہی ہے اور جس میں سہ اور پرستہتی کے پیچہ کے مطابق سنسار کی اور سب چیزوں کی طرح تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔

ہوئے ہیں انیادی۔ شری کے۔ این۔ دیکھتے نے اپنی پستک ”دی ہسٹریک سولائزیشن آف دی انڈس ویلی“ میں لکھا ہے کہ اس چیز کو میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اُس زمانے کے وشواس (اعتقادوں) کے مطابق مرنے کے بعد منشیہ کی کیا کیا گئی ہوتی تھی۔ رگ وید کے انوسار موت کے دیوتا یم کے ساتھ دو کتے دھتے ہیں (رگ وید 10-16-10-12)۔ رگ وید ہی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ویدک کال میں مردے کے پاس تیر اور کمان رک دینے کا رواج تھا۔ (رگ وید 10,18,9) ویدک کال میں لوگوں کو وشواس تھا کہ—”جیندا انسانوں کا کچھ ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ مرنے کے لیے دوسری دنیا میں راستہ کا فرض ہے کہ وہ مردے منشیہ کے لئے دوسری دنیا میں راستہ تیار کر دیں“ یم کے راجیہ میں اُن کی مہان یا تار کے لئے کھانے پینے کا سامان اُن کے ساتھ رک دیں اور راستے کی نندوں کو باز کرنے کا اُن کے لئے انتظام کر دیں۔ ”انکرانتی“ یا ”وینتری“ گائے سے یہ کم لیا جاتا تھا۔ لوگ اکثر مرنے سے پہلے خرد برہمن کو گئے دان دے دیتے تھے یا اُن کے پتر دے دیتے تھے۔ یہی کم ”انسترنی گائے“ سے لیا جاتا تھا۔ یہ گائے اُنہی کے ساتھ ساتھ لے جاتی جاتی تھی۔ پھر اُس کے انگ انگ اک کر کے مردے کے انکوں پر رک دیتے جاتے تھے۔ اُس کے گردے مردے کے ہاتھوں میں دے دیتے جاتے تھے اور کم دیا جاتا تھا کہ یہ گردے یم کے کتوں کے کھانے کے لئے ہیں“ وغیرہ۔

ہڑپپا کے برتنوں پر جو بیلوں کی سی شاخیں ہیں، وہ معلوم ہوتا ہے ”وینتری“ اور ”انسترنی“ ہیں۔ (رگ وید، 10,16,7) میں، ”اشوالین گرہ سوتر“ (4,3) میں، ”ایترہ برہمن“ (3,8) میں، ”پتہرے برہمن“ (25,7,30)، ان سب میں ”انسترنی گائے“ کا ذکر آتا ہے۔ اور رامائی (4,4,65) میں، ”مہاہارت (2,373,3,605,4,418) اور ہری ونش (7736,9511) میں ”وینتری“ کا ذکر آتا ہے۔ رگ وید میں ”اِس سبندھ میں اگنی کا آہوان کرتے ہوئے لکھا ہے—

”ہے جات ویدس یہ بکر تمہارا بھاگ ہے، اسے جلا دو۔ تمہاری تیز لوٹ، تمہاری چمک دمک اسے جلا ڈالے، اور اِس مردہ آدمی کو پوتر اُسائے کے لوگ تک پہنچا دو۔“ (10,16,4)۔

اِس بکرے کے بھی انگ انگ اک کر کے لاش کے اوپر رک دیتے جاتے تھے۔ رگ وید کے اِسی منزل کے دوسرے منتروں میں انیتشت کویا کی اور سب تھمیلین دی ہوئی ہیں۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

ہڑپپا کے کچھ برتنوں میں بہت چھوٹے بچوں کی لاشیں بھی ملی ہیں۔ ہندوں میں آج تک کہیں کہیں چھوٹے بچوں کو ہاتھن میں بند کر کے دھن کرنے کا رواج موجود ہے۔ مدھیہ ایشیا کی کھانڈیوں میں بھی اِس طرح کا رواج ملتا ہے۔

“उदीतः” अर्थात् मुर्दे को बाहर छोड़ देना और जानवरों को खाने देना (18. 2. 34).

‘बृहदारन्यक उपनिषद्’ में याज्ञवल्क्य ने साकल से बात करते हुए कहा है—“हे अहर्लिक, जब विल हमारे जिस्म को छोड़कर कहीं और चला जाता है, तब समझ रखो कि कुत्ते उस शरीर को खाते हैं, पक्षी उसके टुकड़े टुकड़े करते हैं, हृदय के न होने के कारन शरीर का यह अन्त होता है.” (अध्याय 3 ब्राह्मण, 10, 25). जाहिर है कि उस जमाने में मुरदा शरीर को पशुओं और पक्षियों के खाने के लिए छोड़ देने का रिवाज भी था, और उसके कुछ दिनों बाद बची हुई हड्डियों को जमा करके दफन कर देने का रिवाज पड़ा. उसी उपनिषद् में लिखा है कि जब याज्ञवल्क्य ने साकल को हरा दिया और साकल का सिर कटकर गिर पड़ा, तो साकल के शागिर्द साकल की हड्डियां जमा करके अन्त्येष्टि क्रिया के लिए ले गये रास्ते में ‘दस्युओं’ ने उन पर हमला किया और उन हड्डियों को ‘रत्न’ समझ कर छीन ले गये. (309, 26).

‘कौशीतकी अरण्यक’ में और ‘अथर्ववेद’ में (18. 2. 19) दोनों में अन्त्येष्टि क्रिया के मन्त्र दिये हुए हैं और सारी विधि मौजूद है. एक मन्त्र (80.3) उस समय पढ़ा जाता था, जब मरने वाले मनुष्य का चारपाई से उतार कर जमीन पर रखते थे. दूसरा मन्त्र (80.38) उस समय पढ़ा जाता था, जब लाश को गाड़ी या अर्था से उतार कर चिता पर रखते थे, और तीसरा मन्त्र (82-33) उस समय पढ़ा जाता था, जब बची हुई हड्डियों वाला बर्तन जमीन में गाड़ा जाता था. इस तरह जिन रिवाजों का पता सिन्धु में चलता है, वह ही सब रिवाज वैदिक काल में मौजूद थे.

मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की खुदाइयों से पता चलता है कि वहां धातुओं में सबसे ज्यादा तांबे का उपयोग होता था. ऋग्वेद में भी तांबे के बर्तनों का काफी जिक्र मिलता है, खासकर यज्ञ के लिए तांबे के बर्तन ही सबसे पवित्र समझे जाते थे, और यह विचार हिन्दुओं में आज तक चला आता है.

हड़प्पा में कुछ बर्तन ऐसे भी मिले हैं, जिनमें दोनों तरफ कुछ चित्र बने हुए हैं. इन चित्रों में बीच में बैल की सी शकल के जानवर हैं. एक आदमी बैल के गले में रस्सी डाले हुये है. रस्सी का एक सिरा उसके हाथ में है और दूसरा पांव के नीचे. आदमी के बायें हाथ में तीर कमान है. यह बर्तन वे हैं, जिनमें रखकर मुर्दों की हड्डियां गाड़ी गई थीं. एक तरफ एक कुत्ता है, जो एक जानवर की दुम अपने मुँह में पकड़े हुये है. एक और तरफ एक बड़ा बकरा बना हुआ है, जिसके बड़े बड़े सींगों पर त्रिशूल बने

“उदीतः” अर्थात् मरदे को बाहर छोड़ देना और जानवरों को खाने देना (18. 2. 34).

‘बृहदारन्यक उपनिषद्’ में याज्ञवल्क्य ने साकल से बात करते हुये कहा है—“हे अहर्लिक, जब विल हमारे जिस्म को छोड़कर कहीं और चला जाता है, तब समझ रखो कि कुत्ते उस शरीर को खाते हैं, पक्षी उसके टुकड़े टुकड़े करते हैं, हृदय के न होने के कारन शरीर का यह अन्त होता है.” (अध्याय 3 ब्राह्मण, 10, 25). जाहिर है कि उस जमाने में मुरदा शरीर को पशुओं और पक्षियों के खाने के लिए छोड़ देने का रिवाज भी था, और उसके कुछ दिनों बाद बची हुई हड्डियों को जमा करके दफन कर देने का रिवाज पड़ा. उसी उपनिषद् में लिखा है कि जब याज्ञवल्क्य ने साकल को हरा दिया और साकल का सिर कटकर गिर पड़ा, तो साकल के शागिर्द साकल की हड्डियां जमा करके अन्त्येष्टि क्रिया के लिए ले गये रास्ते में ‘दस्युओं’ ने उन पर हमला किया और उन हड्डियों को ‘रत्न’ समझ कर छीन ले गये. (309, 26).

‘कौशीतकी अरण्यक’ में और ‘अथर्ववेद’ में (18. 2. 19) दोनों में अन्त्येष्टि क्रिया के मन्त्र दिये हुए हैं और सारी विधि मौजूद है. एक मन्त्र (80.3) उस समय पढ़ा जाता था, जब मरने वाले मनुष्य को चारपाई से उतार कर जमीन पर रखते थे. दूसरा मन्त्र (80.38) उस समय पढ़ा जाता था, जब लाश को गाड़ी या अर्था से उतार कर चिता पर रखते थे, और तीसरा मन्त्र (82-33) उस समय पढ़ा जाता था, जब बची हुई हड्डियों वाला बर्तन जमीन में गाड़ा जाता था. इस तरह जिन रिवाजों का पता सिन्धु में चलता है, वह ही सब रिवाज वैदिक काल में मौजूद थे.

मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की खुदाइयों से पता चलता है कि वहां धातुओं में सबसे ज्यादा तांबे का उपयोग होता था. ऋग्वेद में भी तांबे के बर्तनों का काफी जिक्र मिलता है, खासकर यज्ञ के लिए तांबे के बर्तन ही सबसे पवित्र समझे जाते थे, और यह विचार हिन्दुओं में आज तक चला आता है.

हड़प्पा में कुछ बर्तन ऐसे भी मिले हैं, जिनमें दोनों तरफ कुछ चित्र बने हुए हैं. इन चित्रों में बीच में बैल की सी शकल के जानवर हैं. एक आदमी बैल के गले में रस्सी डाले हुये है. रस्सी का एक सिरा उसके हाथ में है और दूसरा पांव के नीचे. आदमी के बायें हाथ में तीर कमान है. यह बर्तन वे हैं, जिनमें रखकर मुर्दों की हड्डियां गाड़ी गई थीं. एक तरफ एक कुत्ता है, जो एक जानवर की दुम अपने मुँह में पकड़े हुये है. एक और तरफ एक बड़ा बकरा बना हुआ है, जिसके बड़े बड़े सींगों पर त्रिशूल बने

کی اس سبب سے چلتا ہے، انہیں کا پتہ بدوں میں بھی چلتا ہے، اور یہ دونوں سیٹائیں الگ الگ نہیں بلکہ ایک تھیں۔ بدھ کے شوہر کے ساتھ بھی یہی کیا گیا تھا، پہلے دہاہ کرک اور پچھلے جگہ جگہ ہندوں کا برتنوں میں رک کر گاڑا جاتا۔

‘امبی پوران’ میں لکھا ہے کہ مورتی کو پورا نہیں جلاتا بلکہ ہڈیاں بچ جاتی ہیں۔ اور مورتیوں کو چاہیے کہ چوتھے دن چھتری، پانچویں دن ویشیہ، ساتویں دن شڈ، نویں دن آستھیاں کو جما کرکے برتن میں رکھ کر گاڑا جائے (‘امبی پوران’ 158-18, 50)۔

بنگال میں ابھی تک کبھی کبھی جہاں ‘رغونندن سٹوٹی’ نہیں چلتی، یہی کیا جاتا ہے اور کچھ پوجا پاٹھ کے ساتھ چوتھے دن آستھیاں لگڑی جاتی ہیں۔

ہڈیوں میں آستھیوں کی ہڈیوں کے ساتھ جانوروں کی بھی ہڈیاں ملی ہیں۔ آستھیوں میں لکھا ہے—

अजो भगस्तपसा त तपस्व त ते शोचि-
स्तपु त ते अर्चिः। यास्ते शिवास्तु न्यो
जातवेद स्ताभि य हैनं सुकृतासुलोकम्

—‘آستھی’ 10. 16. 4

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بکرا پرالوک میں مورتی کو راستا دیکھانے کے لیے ساتھ ساتھ جلا دیا جاتا تھا۔ آستھیوں میں لکھا ہے کہ سواروں کا ایک بیل مورت منشیہ کے ساتھ لے لے دیا جاتا تھا کہ پرالوک میں منشیہ اُس پر سوار ہو کر جاسکے (‘Vedic Index Vol. 1 p. 9’)

ساراںہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

سارائنہ یہ کہ ہڈیوں کے ساتھ ساتھ کچھ جانوروں کی ہڈیوں کا ملنا کوئی آچر کی بات نہیں ہے اور نہ اس سے یہ دو تہذیبیں الگ الگ تہذیبیں ثابت ہوتی ہیں۔

नेत्नां धृष्टा इरमा जह पाणो दधृशिवक्ष्यन पर्यङ्कायते.—
ऋग्वेद 10. 16. 7

यत्नी—हे, मृत मनुष्य! गाय की खाल को आग की लपेटों से बचने के लिये कबच की तरह ओढ़े रहो. बहुत काफ़ी चरबी तुम्हारे ऊपर लपेट दी गई है, इसकी वजह से प्रचण्ड अग्नि, जो तुम्हें जबरदस्ती जला डालना चाहती है, सब अंगों को नहीं लपेट पायेगी.

इस ऋचा से दोनों रिवाजों का पता चलता है, एक यह कि मुर्दे को जलाने से पहले गाय की खाल में लपेट दिया जाता था और दूसरा यह कि सारे शरीर को जला कर राख नहीं किया जाता था.

इसी से अगली ऋचा में लिखा है—“हे अग्नि, इस चमचे को खराब न करना, सोम पीने वाले देवता इससे प्रसन्न होंगे. देवताओं के पीने के लिये यह चमचा रख दिया गया है.” इससे पता चलता है कि चिता के अन्दर दूसरी दुनिया में मृत मनुष्य के काम आने के लिए बर्तन और दूसरी चीजें भी रख दी जाती थीं. चिता के पास ही एक और आग जला दी जाती थी, जिसमें होम किया जाता था और पत्र के जरिये देवताओं और पितरों तक खाना पहुँचाया जाता था (10. 6, 9. 12).

अथर्ववेद में लिखा है—“हे अग्नि, मृत मनुष्य पर दया करते हुए इसे जलाना, बहुत अधिक न जला डालना, शरीर को जलाकर स्वप्न न कर देना” (अथर्ववेद 18, 6).

अथर्ववेद में मुर्दे के साथ बकरे के जलाये जाने का भी जिक्र आता है. लिखा है—“यह बकरा तपस का हिस्सा है, इसे जला देना” (18. 2, 8).

‘अश्वलायन गृह्य सूत्रों में अन्त्येष्टि की पूरी तफ़सील दी हुई है और लिखा है कि मरने के दसवें दिन एक बर्तन के अन्दर हड्डियाँ जमा कर ली जाती थीं, मर्दे की एक तरह के बर्तन में और खी की दूसरी तरह के बर्तन में. और लिखा है कि—“हड्डियों को अंगूठे और चौथी उंगली से एक एक करके उठाना चाहिए और एक एक करके बर्तन में इस तरह रखना चाहिए कि आवाज न होने पावे. पहले पैरों की हड्डियाँ रखनी चाहिए और आखिर में सिर की. अच्छी तरह जमा करके और छाज से फटक कर हड्डियों के बर्तन को एक गढ़े में गाड़ देना चाहिए और उस पर यह मन्त्र पढ़ना चाहिए..... बर्तन को ढककर उस पर मिट्टी डालकर फिर यह मन्त्र पढ़ना चाहिए..... फिर बिना पीछे मुड़कर देखे चला आना चाहिए और जल में नहा कर मृत मनुष्य का श्राद्ध करना चाहिए (4. 5. 1, 2, 5-10).

माहन-जो-बड़ा में भी जो बर्तन मिले हैं, उनमें मुर्दों की जली हुई हड्डियाँ ही हैं, बिना जला शरीर नहीं. जाहिर है कि अन्त्येष्टि क्रिया के जिन जिन रिवाजों का पता सिंधु

فیرام گهرشو، ارما جهرشانو دهرشوشین پرنیکاہے—رگ وید
10. 16. 7

یعنی—ہے مورت منشیہ! گائے کی کھال کو آگ کی لپٹوں سے بچنے کے لئے کوچ کی طرح اڑھ رہو. بہت کافی چربی تمہارے اوپر لپیٹ دی گئی ہے، اس کی وجہ سے پرچند آگنی، جو تمہیں زبردستی جلا ڈالنا چاہتی ہے، سب انگوں کو نہیں لپیٹ پائے گی.

اس رچا سے دونوں رواجوں کا پتہ چلتا ہے، ایک یہ کہ مردے کو جلانے سے پہلے گائے کی کھال میں لپیٹ دیا جاتا تھا اور دوسرا یہ کہ سارے شریر کو جلا کر راکھ نہیں کیا جاتا تھا.

اسی سے اگلی رچا میں لکھا ہے—“ہے آگنی، اس چمچے کو خراب نہ کرنا، سوم پینے والے دیوتا اس سے پرسن ہونگے. دیوتاؤں کے پینے کے لئے یہ چمچہ رکھ دیا گیا ہے.” اس سے پتہ چلتا ہے کہ چتا کے اندر دوسری دنیا میں مورت منشیہ کے کام آنے کے لئے برتن اور دوسری چیزیں بھی رکھ دی جاتی تھیں. چتا کے پاس ہی ایک اور آگ جلا دی جاتی تھی، جس میں ہوم کیا جاتا تھا اور پتر کے ذریعہ دیوتاؤں اور پتروں تک کھانا پہونچایا جاتا تھا (0. 16, 9. 12).

انہرو وید میں لکھا ہے—“ہے آگنی مورت منشیہ پر دیا کرتے ہوئے اسے جلاتا، بہت ادھک نہ جلا ڈالنا، شریر کو جلا کر ختم نہ کر دینا” (انہرو وید 18, 6).

انہرو وید میں مردے کے ساتھ بکرے کے جلانے کا بھی ذکر آتا ہے. لکھا ہے—“یہ بکرا تپس کا حصہ ہے، اسے جلا دینا.” (18. 2, 8).

‘اشوالین گریہ سوترون میں انٹیشت کی پوری تفصیل دی ہوئی ہے اور لکھا ہے کہ مرنے کے دسویں دن ایک برتن کے اندر ہڈیاں جمع کر لی جاتی تھیں، مرد کی ایک طرح کے برتن میں اور استری کی دوسری طرح کے برتن میں. اور لکھا ہے کہ—“ہڈیوں کو انگوٹھے اور چوتھی انگلی سے ایک ایک کر کے اٹھانا چاہئے اور ایک ایک کر کے برتن میں اس طرح رکھنا چاہئے کہ آواز نہ ہونے پڑے. پہلے پدروں کی ہڈیاں رکھنی چاہئے اور آخر میں سر کی. اچنی طرح جمع کر کے اور چھاج سے پتک کر ہڈیوں کے برتن کو ایک گڑھ میں گاڑ دینا چاہئے اور اُس پر یہ منتر پڑھنا چاہئے..... برتن کو ڈھنک کر اُس پر مٹی ڈال کر پھر یہ منتر پڑھنا چاہئے..... پھر بنا پیچھے مڑ کر دیکھ جلا آنا چاہئے اور جل میں تمہارے مورت منشیہ کا شراڈھ کرنا چاہئے (4. 5. 1, 2, 5-10).

مومن - جو - دڑو میں بھی جو برتن ملے ہیں، ان میں مردوں کی جالی ہوئی ہڈیاں ہی ہیں، بنا جلا شریر نہیں. ظاہر ہے کہ انٹیشت کریا کے جن جن رواجوں کا پتہ سندھو

मिले हैं, जिनमें आदमी की जली हुई हड्डियाँ और राख मौजूद हैं, और उसके साथ साथ कुछ बर्तनों में जली हुई या बे जली हुई चीजें हैं, या और ऐसी चीजें हैं, जिनकी बाबत यह समझा जाता था कि वे अगली दुनिया में भरे हुए आदमी के काम आर्येंगी।* मार्शल साइब ने लिखा है कि—
“कहीं कहीं यह भी रिखा जाता था कि मुर्दों को पहले जंगली जानवरों के सामने रख दिया जाता था, और फिर उनके खाने से जो कुछ बच जाता था उसे गाड़ दिया जाता था। हड़प्पा में शरीर के सिर्फ कुछ हिस्से दफन किये हुए ही मिले हैं। कुछ मिसालें पूरे शरीर के दफन करने की भी मिली हैं, लेकिन बहुत ही कम।

अब हमें यह देखना है कि वैदिक काल में मुर्दे की अन्त्येष्टि क्रिया के क्या क्या रिवाज थे। ऋग्वेद से पता चलता है कि उस जमाने में दोनों रिवाज थे 'अन अग्नि दग्ध' और 'अग्नि दग्ध'। पूरे शरीर को बिना जलाये जमीन में गाड़ देने का रिवाज भी ऋग्वेद में मिलता है। (ऋग्वेद 10, 18, 11) 'शतपथ ब्राह्मण से पता चलता है कि ब्राह्मण ग्रन्थों के समय भी यह रिवाज मौजूद था (13.8. 1.9) ऋग्वेद की एक ऋचा है—“हे पृथ्वी इस मुर्दे को इस तरह अपने अन्दर लेपेट लो जिस तरह माता अपने बच्चे को अपने आंचल में लेपेट लेती है,... हे मृत पुरुष मैंने तुम्हारे चारों तरफ मिट्टी ढाल दी है, तुम्हें इससे चांट न लगे, इसमें मैंने पत्थर का बर्तन खाने के लिए रख दिया है” (ऋग्वेद 10, 18, 10-13) ऋग्वेद में मुर्दे को जलाने के भी रिवाज का जिक्र आता है. एक जगह लिखा है—

मैनमग्ने विदद्दो माभि शोचो मास्य त्वच विक्षिपो मा
 शरीरम् । यदा शृतं कृण्वो जातवेदोऽथेमेमं प्रहितुता
 पितृभ्यः.— ऋग्वेद 10. 16. 1

यानी—हे अग्नि ! इसे जलाकर बिल्कुल ही स्रुतम न कर देना, न इसे तकलीफ देना, और न इसकी त्वचा या शरीर के टुकड़ों को इधर उधर बखेरना.

इस तरह ऋग्वेद में गाड़ने और जलाने दोनों के रिवाज मिलते हैं। पहले शुरू में गाड़ने का रिवाज था और बाद में जलाने का रिवाज चल पड़ा। यह भी साफ पता चलता है कि पूरा शरीर नहीं जला डाला जाता था, विन्टरनिज ने भी लिखा है कि अधिक पुराने समय में हिन्दुस्तान में गाड़ने का रिवाज ही आम था। आजकल हिन्दुओं में सिर्फ सन्यासियों का और बहुत छोटे बच्चों को गाड़ा जाता है। किसी किसी बीमारी में जैसे चेचक की बीमारी में भी गाड़ने का रिवाज है, ऋग्वेद का एक और मन्त्र है—

अनेर्वर्म परि शोभिव्यर्थस्व संप्रेणुस्व पी व सा मेदसा च

ماتھے ہیں، جن میں آدمیوں کی چلی ہوئی ہڈیاں اور راکھ موجود ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ برتنوں میں چلی ہوئی یا بے چلی ہوئی چیزیں ہیں، یا اور ایسی چیزیں ہیں جن کی بہت یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ اگلی دنیا میں مرے ہوئے آدمی کے کام آئیں گی۔

مارشل صاحب نے لکھا ہے کہ— ”کہیں کہیں یہ بھی رواج تھا کہ مردے کو پہلے جنگلی جانوروں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اور پھر ان کے کھانے سے جو کچھ بچ جاتا تھا اُسے گھر دیا جاتا تھا۔ ہڑپا میں شہر کے صرف کچھ حصے دفن کئے ہوئے ملے ہیں۔ کچھ مثالیں پورے شہر کے دفن کرنے کی بھی ملی ہیں، لیکن بہت ہی کم۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ویدک کال میں مردے کی انٹیمٹ کریا کے کیا کیا رواج تھے۔ رگ وید سے پتہ چلتا ہے کہ اُس زمانے میں درہن رواج تھے، ان اگنی دگھ، اور ’اگنی دگھ‘۔ پورے شہر کو بنا چلئے زمین میں گڑ دینے کا رواج بھی رگ وید میں ملتا ہے۔ (رگ وید 10:18.11)

’بشت پتہ براہمن سے پتہ چلتا ہے کہ براہمن گزرتھوں کے سے بھی یہی رواج موجود تھا۔ (13.8.1.9) رگ وید کی ایک رچا ہے— ”ہے پڑھو ایس مردے کو ایس طرح اپنے اندر لپیٹ لو جس طرح مانا اپنے بچے کو اپنے آنچل میں لپیٹ لیتی ہے“.... ہے مرن پڑھ میں نے تمہارے چاروں طرف مٹی ڈال دی ہے، تمہیں اس سے چوت نہ لکے۔ ایس میں نے پتھر کا برتن کھانے کے اٹھ رکھ دیا ہے“ (رگ وید 10:18.10-13)

رگ وید میں مردے کو چلنے کے بھی رواج کا ذکر آتا ہے۔ ایک جگہ کہا ہے—

میں مکے و نمو مایہی شوچو ماسیہ توج وکچپو ما شریوم .
 یدا شرنٹ کرنو جات وید تھے من پڑھوتا پترہیہ :—رگ وید
 10.16.1

یعنی۔ اگلی ! اسے جلا کر بالکل ہی ختم نہ کر دینا،
نہ اسے تکلیف دینا، اور نہ اس کی توجہ یا شریک کے گھڑوں کو
ادھر ادھر بکھینا۔

اس طرح رگ وید میں گزرتے اور چلتے دنوں کے رواج ملتے ہیں۔ پہلے شروع میں گزرتے کا رواج تھا اور بعد میں چلتے کا رواج چل پڑا۔ یہ بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ پورا شریہ نہیں چلا ڈالا جاتا تھا۔ وندر تیزنے نے بھی لکھا ہے کہ ادھک پرانے سہہ میں ہندستان میں گزرتے کا رواج ہی عام تھا۔ آجکل ہندوؤں میں صرف سہاسیوں کو اور بہت چھوٹے بچوں کو گزرا جتنا ہے۔ کسی کسی بیماری میں جیسے چھچک کی بیماری میں بھی گزرتے کا رواج ہے۔ رگ وید کا ایک اور منظر ہے—

انہرومیں پڑیشو بہیم مرلیسو سم پورورزنس پی وس مہنسا چہ

(9.112.2). उस जमाने के लोग खाने पीने के लिए भी लकड़ी और पत्थर के बर्तन काम में लाते थे (ऋग्वेद 965.6; 10.75.3; 10.101.10). उस जमाने के वैदिक भार्य लोहे का इस्तेमाल नहीं जानते थे. 'तैत्तिरीय ब्राह्मण' बाद का लिखा हुआ है. उसमें भी हजामत बनाने के लिये तांबे के उस्तुरे का जिक्र आता है (10.5) ऋग्वेद की छान बिन करने से पता चलता है कि उस जमाने में पत्थर, लकड़ी तांबा, कांसा और चमड़े के बर्तन और औजार ही काम में आते थे. कम से कम ऋग्वेद का जमाना लोहे के इस्तेमाल का जमाना नहीं था.

दूसरा सवाल दोनों सभ्यताओं के समय का है. सिंधु की सभ्यता के समय का अन्दाजा ईसा से तीन चार हजार साल पहले का किया जाता है. मैक्समूलर का अन्दाजा था कि ऋग्वेद का समय ईसा से 1500 साल पहले का था. लेकिन मैक्समूलर ने खुद साक साक लिखा है कि यह मध्य अन्दाजा है जो गलत हो सकता है (मैक्समूलर—ए हिस्ट्री आफ एनशियन्ट संस्कृत लिटरेचर, सफा 434, 435). और कुछ दिनों की खोज के बाद एक दूसरे विद्वान विन्टर-नीत्ज ने राय दी है कि—“कोई पक्के तौर पर यह नहीं कह सकता कि वेदों की ऋचायें ईसा से 1000 साल पहले लिखी गई थी या 1500 साल पहले, या 2000 साल पहले या 3,000 साल पहले.* बाल गंगाधर तिलक ने गणित के हिसाब से साबित करने की कोशिश की कि कम से कम कुछ वैदिक ऋचायें ईसा से 6000 साल पहले की हैं. जैकोबी ने ईसा से 4500 साल पहले वैदिक सभ्यता का जमाना बताया है. इस सब से यह साबित होता है कि मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की सभ्यता का समय वैदिक सभ्यता से पहले का नहीं है. कम से कम दोनों का एक ही जमाना है.

तीसरी बात, जिससे सिंधु की उस सभ्यता और वैदिक सभ्यता के एक होने या अलग अलग होने का अन्दाजा लगाया जा सकता है, वह दोनों में मुर्दों की अन्त्येष्टि किया का ढङ्ग है. मार्शल साहब का कहना है कि दोनों के ढङ्ग बिल्कुल अलग अलग थे; लेकिन असलियत इस के खिलाफ है. मार्शल साहब ही के मुताबिक सिंधु की सभ्यता में हमें तीन तरह की अन्त्येष्टि किया मिलती है. (1) पूरा शरीर जमीन में गाड़ देना, (2) शरीर का कुछ हिस्सा जमीन में गाड़ देना और (3) लाश को पहले जलाकर फिर बचे खूबे हिस्से को गाड़ देना. मार्शल साहब लिखते हैं कि—“जहां तक पता चला है, वहां तक यही मामूला होता है कि सिंधु की सभ्यता की तरफ़की के दिनों में सब से ज्यादा आम रिवाज जलाने का था. खुदाई में इस तरह के बड़े बड़े बर्तन

(9.112.2). उस जमाने के लोग कूले पिले के लोहे की बर्तन और पत्थर के बर्तन काम में लाते थे. (रुग विद 965.6; 10.75.3; 10.101.10). उस जमाने के वैदिक भार्य लोहे का इस्तेमाल नहीं जानते थे. 'तैत्तिरीय ब्राह्मण' बाद का लिखा हुआ है. उसमें भी हजामत बनाने के लिये तांबे के उस्तुरे का जिक्र आता है (10.5) ऋग्वेद की छान बिन करने से पता चलता है कि उस जमाने में पत्थर, लकड़ी तांबा, कांसा और चमड़े के बर्तन और औजार ही काम में आते थे. कम से कम ऋग्वेद का जमाना लोहे के इस्तेमाल का जमाना नहीं था.

दूसरा सवाल दोनों सभ्यताओं के समय का है. सिंधु की सभ्यता के समय का अन्दाजा ईसा से तीन चार हजार साल पहले का किया जाता है. मैक्समूलर का अन्दाजा था कि ऋग्वेद का समय ईसा से 1500 साल पहले का था. लेकिन मैक्समूलर ने खुद साक साक लिखा है कि यह मध्य अन्दाजा है जो गलत हो सकता है (मैक्समूलर—ए हिस्ट्री आफ एनशियन्ट संस्कृत लिटरेचर, सफा 434, 435). और कुछ दिनों की खोज के बाद एक दूसरे विद्वान विन्टर-नीत्ज ने राय दी है कि—“कोई पक्के तौर पर यह नहीं कह सकता कि वेदों की ऋचायें ईसा से 1000 साल पहले लिखी गई थी या 1500 साल पहले, या 2000 साल पहले या 3,000 साल पहले.* बाल गंगाधर तिलक ने गणित के हिसाब से साबित करने की कोशिश की कि कम से कम कुछ वैदिक ऋचायें ईसा से 6000 साल पहले की हैं. जैकोबी ने ईसा से 4500 साल पहले वैदिक सभ्यता का जमाना बताया है. इस सब से यह साबित होता है कि मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की सभ्यता का समय वैदिक सभ्यता से पहले का नहीं है. कम से कम दोनों का एक ही जमाना है.

तीसरी बात, जिससे सिंधु की उस सभ्यता और वैदिक सभ्यता के एक होने या अलग अलग होने का अन्दाजा लगाया जा सकता है, वह दोनों में मुर्दों की अन्त्येष्टि किया का ढङ्ग है. मार्शल साहब का कहना है कि दोनों के ढङ्ग बिल्कुल अलग अलग थे; लेकिन असलियत इस के खिलाफ है. मार्शल साहब ही के मुताबिक सिंधु की सभ्यता में हमें तीन तरह की अन्त्येष्टि किया मिलती है. (1) पूरा शरीर जमीन में गाड़ देना, (2) शरीर का कुछ हिस्सा जमीन में गाड़ देना और (3) लाश को पहले जलाकर फिर बचे खूबे हिस्से को गाड़ देना. मार्शल साहब लिखते हैं कि—“जहां तक पता चला है, वहां तक यही मामूला होता है कि सिंधु की सभ्यता की तरफ़की के दिनों में सब से ज्यादा आम रिवाज जलाने का था. खुदाई में इस तरह के बड़े बड़े बर्तन

में अवैदिक विचारों और सम्प्रदायों का जोर था। इसी के साथ साथ बौद्ध और जैन प्रचारकों ने उसी देश के लोगों को आर्य कहकर बयान किया है। इससे साबित है कि 'आर्य' शब्द खास गुनों या खास संस्कृति का नाम था, जाति का नहीं।

बौद्धों ने तो इस शब्द को और भी ऊँचा पहुँचाया। उसे सांस्कृतिक (कल्चरी) से बढ़ा कर अध्यात्मिक (रूहानी) कर दिया। बौद्ध ग्रन्थों और शिला लेखों के मुताबिक "आर्य" वह है, जो अपनी वासनाओं या देश की रुढ़ियों और रस्म रिवाजों का दास नहीं है और जो अपने को खुद समझ कर चलता है। *

सम्राट चन्द्रगुप्त के प्रधान मन्त्री कौटिल्य ने अपने अर्थ-शास्त्र में आर्य शब्द को राजनैतिक (सियासी) अर्थों में इस्तेमाल किया है। शूद्र को उसने 'आर्यप्रात' अर्थात् जन्म से आर्य कहा है। (अध्याय 13-181) वह लिखता है कि—“जो आदमी किसी दास को घोखा देकर उसका धन लेगा या एक आर्य की हैसियत से उस दास के जो हक हैं, उनसे उसे वंचित (महरूम) करेगा (आर्य भाव अपहरन्ता) उस पर उससे आधा जुर्माना किया जायगा, जितना उस आदमी पर जो किसी आर्य की स्वतन्त्रता छीने।” (अध्याय 13-182)। और आगे चलकर “जो आदमी अपने को बेचकर किसी का दास बन जायगा, उसकी सन्तान आर्य ही होगी।” और “कोई दास अगर अपनी दासता की क्रीमत अदा कर देगा, तो उसी समय से वह फिर आर्य हो जायगा (अर्थ शास्त्र सफा 222-224, डाक्टर शाम शास्त्री का अनुवाद)। यहां पर यह बात साफ है कि आर्य शब्द 'ब्रेष्ठ' और 'सभ्य' (मुहफ़ज़ाब) के अर्थों में उपयोग होते होते राजनैतिक अर्थों में भी आने लगा, क़रीब क़रीब उन्हीं अर्थों में, जिनमें अंग्रेजी शब्द 'सिटीजन' आता है।

सर जान मार्शल की राय है कि ईसा से तीन चार हजार साल पहले की सिन्धु की सभ्यता वैदिक सभ्यता से ऊँचे दर्जे की और बिलकुल एक अलग सभ्यता थी। लेकिन मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की खुदाई में जो चीजें निकली हैं, उनका अगर ऋग्वेद के समय की सभ्यता से मुकाबला किया जावे, तो दोनों में काफी समानता दिखाई देती है। दोनों एक मालूम होती हैं। हम यहां एक दो मोटी मोटी बातें बयान करेंगे।

सिन्धु की सभ्यता के बारे में अभी तक पता चला है कि वह लोग लोहे का इस्तेमाल नहीं जानते थे और प्यादातर लकड़ी, पत्थर, कांसा घौरह के औजार ही काम में लाते थे। ऋग्वेद में उन दिनों पत्थर के नोकदार तीरों के इस्तेमाल होने का साफ जिक्र मिलता है

में ओदक प्यारों और समुद्रांनों का ज़ोर था। इसी के साथ साथ बौद्ध और जैन प्रचारकों ने उसी देश के लोगों को आर्य कहकर बयान किया है। इससे साबित है कि 'आर्य' शब्द खास गुनों या खास संस्कृति का नाम था, जाति का नहीं।

बौद्धों ने तो इस शब्द को और भी ऊँचा पहुँचाया। उसे सांस्कृतिक (कल्चरी) से बढ़ा कर अध्यात्मिक (रूहानी) कर दिया। बौद्ध ग्रन्थों और शिला लेखों के मुताबिक "आर्य" वह है, जो अपनी वासनाओं या देश की रुढ़ियों और रस्म रिवाजों का दास नहीं है और जो अपने को खुद समझ कर चलता है। *

सम्राट चन्द्रगुप्त के प्रधान मन्त्री कौटिल्य ने अपने अर्थ-शास्त्र में आर्य शब्द को राजनैतिक (सियासी) अर्थों में इस्तेमाल किया है। शूद्र को उसने 'आर्यप्रात' अर्थात् जन्म से आर्य कहा है। (अध्याय 13-181) वह लिखता है कि—“जो आदमी किसी दास को घोखा देकर उसका धन लेगा या एक आर्य की हैसियत से उस दास के जो हक हैं, उनसे उसे वंचित (महरूम) करेगा (आर्य भाव अपहरन्ता) उस पर उससे आधा जुर्माना किया जायगा, जितना उस आदमी पर जो किसी आर्य की स्वतन्त्रता छीने।” (अध्याय 13-182)। और आगे चलकर “जो आदमी अपने को बेचकर किसी का दास बन जायगा, उसकी सन्तान आर्य ही होगी।” और “कोई दास अगर अपनी दासता की क्रीमत अदा कर देगा, तो उसी समय से वह फिर आर्य हो जायगा (अर्थ शास्त्र सफा 222-224, डाक्टर शाम शास्त्री का अनुवाद)। यहां पर यह बात साफ है कि आर्य शब्द 'ब्रेष्ठ' और 'सभ्य' (मुहफ़ज़ाब) के अर्थों में उपयोग होते होते राजनैतिक अर्थों में भी आने लगा, क़रीब क़रीब उन्हीं अर्थों में, जिनमें अंग्रेजी शब्द 'सिटीजन' आता है।

सर जान मार्शल की राय है कि ईसा से तीन चार हजार साल पहले की सिन्धु की सभ्यता वैदिक सभ्यता से ऊँचे दर्जे की और बिलकुल एक अलग सभ्यता थी। लेकिन मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा की खुदाई में जो चीजें निकली हैं, उनका अगर ऋग्वेद के समय की सभ्यता से मुकाबला किया जावे, तो दोनों में काफी समानता दिखाई देती है। दोनों एक मालूम होती हैं। हम यहां एक दो मोटी मोटी बातें बयान करेंगे।

सिन्धु की सभ्यता के बारे में अभी तक पता चला है कि वह लोग लोहे का इस्तेमाल नहीं जानते थे और प्यादातर लकड़ी, पत्थर, कांसा घौरह के औजार ही काम में लाते थे। ऋग्वेद में उन दिनों पत्थर के नोकदार तीरों के इस्तेमाल होने का साफ जिक्र मिलता है

महाभारत के द्रोण पर्व में दुर्योधन ने सिन्धराज की बात न मानने पर अपने को 'अनाय' कहकर धिक्कारा है। सभा पर्व में द्रौपदी ने यह शिकायत की है कि 'अनाय' लोगों ने युधिष्ठिर को बहका कर उससे जुआ खिलवा दिया। गीता में श्रीकृष्ण ने अर्जुन की कमजोरी को 'अनाय' कह कर बुरा कहा है। संस्कृत नाटकों में छोटे छोटे लोग बड़े बड़े लोगों को 'आय' कहकर पुकारते हैं, पत्नि अपने पति को 'आय पुत्र' कहकर पुकारती है। ब्राह्मण लोग अपने धर्म को सदा 'आय धर्म' कहते थे। बौद्ध लोग अपने धर्म को 'आय पथ' कहते थे।

वेदों के समय में अलग अलग कुलों या कबीलों के अलग अलग नाम थे। लेकिन सब कुलों के समूह का कोई एक नाम नहीं था। आय शब्द तो इस जाति या समूह के अर्थों में आता ही नहीं था। जैसे भरत कुल के लोगों को ऋग्वेद में 'भरतम् जनम्' (3.53. 12) कहा है। सिकन्दर के हमले के समय तक इस देश में यही रिवाज था। अफ़ग़ानिस्तान और पंजाब के रहने वालों को मिलाकर यूनानी लेखकों ने 'इन्डियन' कहकर पुकारा है। इन्डियन या हिन्दू इन दोनों में से कोई भी लفظ इस देश का नहीं है। ईरानी सम्राट द्वारा के शिला लेख में सिन्धु नदी के आस पास के बाशिन्दों को 'हिन्दु' लिखा है। ईरानी लोग सिन्धु नदी के इलाक़े को 'हिन्द' कहा करते थे, इसी से बाद में 'हिन्दु' बना। आज तक अरब लोग हिन्दुस्तान के हिन्दू और मुसलमानों सब को 'हिन्दी' कहकर पुकारते हैं और तुर्क लोग 'हिन्दली' कहकर पुकारते हैं। ईरानी हिन्द से यूनानी इन्ड और इन्डिया बने। उसी से अंग्रेजी इन्डियन (Indian), जर्मन इन्डियन (Indien) फ्रेंच हिन्दू (Hindou) और आजकल के यूनानियों का इन्दु (Indou) शब्द बने।

इस तरह अफ़ग़ानिस्तान से लेकर उत्तर भारत के मैदानों तक के सब रहने वालों का उस समय तक कोई एक नाम नहीं था। मौर्य साम्राज्य के बाद 'मानव धर्म शास्त्र' में हिमालय से लेकर बिन्ध्या तक के सारे देश का नाम 'आर्या-वर्त' रक्खा गया। पुरानों में इस देश का नाम भरत के नाम पर भारतवर्ष मिलता है। पुरानों में और बौद्ध पुस्तकों में इस देश का जम्बु द्वीप नाम भी मिलता है। जम्बु वृक्ष का नाम है। लेकिन पुरानों के लिखे जाने के समय का ठीक ठीक पता नहीं चलता। स्मृतियों में आर्यावर्त उस देश को कहा गया है, जिसमें ब्राह्मण लोग वे रोक टोक वनीश्रम धर्म का पालन कर सकते हैं।

आर्य शब्द का अर्थ कभी भी कोई खास जाति नहीं लिखा गया, इसका पता इस बात से भी चलता है कि यास्क ने 'निरुक्त' में मगध के राज्य को 'अनार्य जनपद' कहा है, क्योंकि महावीर और बुद्ध वगैरह के पहले से मगध

महाभारत के दुर्योधन में सिन्धु राज की बात ने मानने पर अपने को 'अनाय' कह कर धिक्कारा है। सभा पर्व में द्रौपदी ने यह शिकायत की है कि 'अनाय' लोगों ने युधिष्ठिर को बहका कर उससे जुआ खिलवा दिया। गीता में श्रीकृष्ण ने अर्जुन की कमजोरी को 'अनाय' कह कर बुरा कहा है। संस्कृत नाटकों में छोटे छोटे लोग बड़े बड़े लोगों को 'आय' कहकर पुकारते हैं, पत्नि अपने पति को 'आय पुत्र' कहकर पुकारती है। ब्राह्मण लोग अपने धर्म को सदा 'आय धर्म' कहते थे। बौद्ध लोग अपने धर्म को 'आय पथ' कहते थे।

वेदों के समय में अलग अलग कुलों या कबीलों के अलग अलग नाम थे। लेकिन सब कुलों के समूह का कोई एक नाम नहीं था। आय शब्द तो इस जाति या समूह के अर्थों में आता ही नहीं था। जैसे भरत कुल के लोगों को ऋग्वेद में 'भरतम् जनम्' (3.53. 12) कहा है। सिकन्दर के हमले के समय तक इस देश में यही रिवाज था। अफ़ग़ानिस्तान और पंजाब के रहने वालों को मिलाकर यूनानी लेखकों ने 'इन्डियन' कहकर पुकारा है। इन्डियन या हिन्दू इन दोनों में से कोई भी लفظ इस देश का नहीं है। ईरानी सम्राट द्वारा के शिला लेख में सिन्धु नदी के आस पास के बाशिन्दों को 'हिन्दु' लिखा है। ईरानी लोग सिन्धु नदी के इलाक़े को 'हिन्द' कहा करते थे, इसी से बाद में 'हिन्दु' बना। आज तक अरब लोग हिन्दुस्तान के हिन्दू और मुसलमानों सब को 'हिन्दी' कहकर पुकारते हैं और तुर्क लोग 'हिन्दली' कहकर पुकारते हैं। ईरानी हिन्द से यूनानी इन्ड और इन्डिया बने। उसी से अंग्रेजी इन्डियन (Indian), जर्मन इन्डियन (Indien) फ्रेंच हिन्दू (Hindou) और आजकल के यूनानियों का इन्दु (Indou) शब्द बने।

इस तरह अफ़ग़ानिस्तान से लेकर उत्तर भारत के मैदानों तक के सब रहने वालों का उस समय तक कोई एक नाम नहीं था। मौर्य साम्राज्य के बाद 'मानव धर्म शास्त्र' में हिमालय से लेकर बिन्ध्या तक के सारे देश का नाम 'आर्या-वर्त' रक्खा गया। पुरानों में इस देश का नाम भरत के नाम पर भारतवर्ष मिलता है। पुरानों में और बौद्ध पुस्तकों में इस देश का जम्बु द्वीप नाम भी मिलता है। जम्बु वृक्ष का नाम है। लेकिन पुरानों के लिखे जाने के समय का ठीक ठीक पता नहीं चलता। स्मृतियों में आर्यावर्त उस देश को कहा गया है, जिसमें ब्राह्मण लोग वे रोक टोक वनीश्रम धर्म का पालन कर सकते हैं।

आर्य शब्द का अर्थ कभी भी कोई खास जाति नहीं लिखा गया, इसका पता इस बात से भी चलता है कि यास्क ने 'निरुक्त' में मगध के राज्य को 'अनार्य जनपद' कहा है, क्योंकि महावीर और बुद्ध वगैरह के पहले से मगध

वैदिक साहित्य (अदब) में या संस्कृत साहित्य में 'आर्य' किसी खास नसल या जाति का नाम नहीं है। यूरोप वालों के सुताबिक 'आर्य' कौम के लोगों के बाल सुनहरे रंग के होते थे। लेकिन वैदिक साहित्य में जगह जगह उस समय के ब्राह्मणों के 'काले बालों' का जिक्र आता है। सच यह है कि जिन लोगों को आर्य कहा जाता है, वे अगर कहीं बाहर से भी इस देश में आए तब भी वे जिन देशों में होकर आए, वहाँ के पुराने बाशिन्दों से मिलते जुलते और उनसे व्याह-शादी करते हुए आये। जब वे यहाँ पहुँचे तो वे दुनिया की और जातियों से अलग कोई एक खास जाति नहीं रह गये थे। सर जान मार्शल ने भी लिखा है कि—“जहाँ तक इतिहास से पता चलता है सिन्ध और पंजाब के लोगों में बहुत सी जातियाँ मिली हुई थीं, और हमें यह मानने के लिये कोई सबब नहीं दिखाई देता कि इससे पहले के जमाने में भी यहाँ के सब लोग किसी एक अलग नसल के रहे हों।” असल में 'आर्य' शब्द से मुराद एक खास सभ्यता या एक खास संस्कृति से है, किसी खास जाति से नहीं। इस तरह की हर सभ्यता में कई अलग अलग जातियों के लोग सामाजिक और आर्थिक वजहों से मिल कर रहने लगते हैं और फिर रत्न मिल कर एक हो जाते हैं। यही हाल आर्यों का था। एक सभ्यता, एक संस्कृति या एक जवान होना अलग बात है, और एक नसल या जाति होना दूसरी बात है। इसके अलावा जहाँ जहाँ पुराने आर्यों की हड्डियाँ मिली हैं, उनमें लम्बी खोपड़ी वाले और चौड़ी खोपड़ी वाले दोनों तरह के लोग मिलते हैं और इनके बीच के मिले जुले भी मिलते हैं।

अब हम यह देखेंगे कि पुराने संस्कृत साहित्य में 'आर्य' शब्द किन अर्थों में आया है। मेरा कहना है कि जाति के अर्थों में यह शब्द कहीं आया ही नहीं। यह शब्द जहाँ भी आया है 'सभ्य', 'शिष्ट', 'भेद', 'उदार' आदि माइनों में आया है। महीषर के सुताबिक आर्य शब्द का अर्थ पहले वैश्य होता था। 'वाजसनेय संहिता' और 'शतपथ ब्राह्मण' में भी यह शब्द इन्हीं अर्थों में इस्तेमाल हुआ है। और अधिक शुरु में आर्य शब्द का अर्थ 'किसान' होता था। इन्हीं अर्थों में वेदों में 'शूरायो' समास आता है। ऋग्वेद में (1.51.8) ऊपर के तीन वर्तों के लोगों को 'आर्य' कहा गया है। आर्यों का उलटा 'दास' है (1.51.89)। कहीं कहीं यह शब्द सिर्फ वैश्य के लिये भी आया है। आम तौर पर ऋग्वेद में आर्य शब्द का अर्थ होता है 'ईमानदार', 'दयावान', 'नेक', 'स्वामी', 'सभ्य', (ऋग्वेद 1.13.8. 4.30.18.3; 34.9)। वेदों के बाद संस्कृत साहित्य में भी यह शब्द इसी तरह के अर्थों में आता है, खास जाति के अर्थ में कहीं नहीं आता। रामायण में राक्षस इन्द्रजीत ने जहाँ अपने चचा विभीषण को उसकी दगा के लिये मजबूमत (ताड़ना) की है, वहाँ उसे 'अनार्य' कहा गया है।

विदक साहित्य (अदब) में या सांस्कृत साहित्य में 'आर्य' किसी खास नسل या जाति का नाम नहीं है। यूरप वालों के مطابق 'आर्य' قوم के लोगों के बाल सुनहरे रंग के होते थे। लेकिन विदक साहित्य में जगह जगह उस समय के ब्राह्मणों के 'काले बालों' का जिक्र आता है। सच यह है कि जिन लोगों को आर्य कहा जाता है, वे अगर कहीं बाहर से भी इस देश में आए तब भी वे जिन देशों में होकर आए, वहाँ के पुराने बाशिन्दों से मिलते जुलते और उनसे व्याह-शादी करते हुए आये। जब वे यहाँ पहुँचे तो वे दुनिया की और जातियों से अलग कोई एक खास जाति नहीं रह गये थे। सर जान मार्शल ने भी लिखा है कि—“जहाँ तक इतिहास से पता चलता है सिन्ध और पंजाब के लोगों में बहुत सी जातियाँ मिली हुई थीं, और हमें यह मानने के लिये कोई सबब नहीं दिखाई देता कि इससे पहले के जमाने में भी यहाँ के सब लोग किसी एक अलग नसल के रहे हों।” असल में 'आर्य' शब्द से मुराद एक खास सभ्यता या एक खास संस्कृति से है, किसी खास जाति से नहीं। इस तरह की हर सभ्यता में कई अलग अलग जातियों के लोग सामाजिक और आर्थिक वजहों से मिल कर रहने लगते हैं और फिर रत्न मिल कर एक हो जाते हैं। यही हाल आर्यों का था। एक सभ्यता, एक संस्कृति या एक जवान होना अलग बात है, और एक नसल या जाति होना दूसरी बात है। इसके अलावा जहाँ जहाँ पुराने आर्यों की हड्डियाँ मिली हैं, उनमें लम्बी खोपड़ी वाले और चौड़ी खोपड़ी वाले दोनों तरह के लोग मिलते हैं और इनके बीच के मिले जुले भी मिलते हैं।

अब हम यह देखेंगे कि पुराने संस्कृत साहित्य में 'आर्य' शब्द किन अर्थों में आया है। मेरा कहना है कि जाति के अर्थों में यह शब्द कहीं आया ही नहीं। यह शब्द जहाँ भी आया है 'सभ्य', 'शिष्ट', 'भेद', 'उदार' आदि माइनों में आया है। महीषर के सुताबिक आर्य शब्द का अर्थ पहले वैश्य होता था। 'वाजसनेय संहिता' और 'शतपथ ब्राह्मण' में भी यह शब्द इन्हीं अर्थों में इस्तेमाल हुआ है। और अधिक शुरु में आर्य शब्द का अर्थ 'किसान' होता था। इन्हीं अर्थों में वेदों में 'शूरायो' समास आता है। ऋग्वेद में (1.51.8) ऊपर के तीन वर्तों के लोगों को 'आर्य' कहा गया है। आर्यों का उलटा 'दास' है (1.51.89)। कहीं कहीं यह शब्द सिर्फ वैश्य के लिये भी आया है। आम तौर पर ऋग्वेद में आर्य शब्द का अर्थ होता है 'ईमानदार', 'दयावान', 'नेक', 'स्वामी', 'सभ्य', (ऋग्वेद 1.13.8. 4.30.18.3; 34.9)। वेदों के बाद संस्कृत साहित्य में भी यह शब्द इसी तरह के अर्थों में आता है, खास जाति के अर्थ में कहीं नहीं आता। रामायण में राक्षस इन्द्रजीत ने जहाँ अपने चचा विभीषण को उसकी दगा के लिये मजबूमत (ताड़ना) की है, वहाँ उसे 'अनार्य' कहा गया है।

ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت

سینڈھ کے انڈر موہن-جو-دڑوہ میں اور پنجاب کے انڈر ہڑپپا میں جو نئی کھدائیاں ہوئی ہیں، اُن سے ہندستان کی پرانی سبھیتا اور سنسکرتی پر نئی روشنی پڑی ہے۔ دنیا کے ودوان انت میں کن نتیجوں پر پہنچیں گے، یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ سر جان مارشل نے، جو اِس ودیا کے سب سے بڑے جانکار سمجھے جاتے ہیں، اپنی 'پستک' موہن۔ جو۔ دڑوہ اینڈ انڈس ویلی سولیزیشن' میں لکھا ہے کہ اِس علاقہ میں آریوں کے آئے سے پہلے، یعنی عیسوی سے تین چار ہزار سال پہلے، جو لوگ رہتے تھے ان کی سبھیتا اور اُن کی سنسکرتی بہت ہی اونچے درجے کی تھی۔ اُن کے مکان یکی اینٹوں کے اور کئی کئی منزلیں ہوتے تھے، اُن کی گلیاں، بازار اور شہر بڑے خوبصورت بنائے ہوئے تھے، شہروں میں قندوسنی اور صفائی کا بہت اچھا انتظام تھا وغیرہ۔ اِس کے بعد جو آریہ لوگ وہاں پہنچے، ان کی سنسکرتی اُن سے بہت کم درجے کی تھی، یہاں تک کی شروع میں اُن کے مکان کچے گارے کے ہوتے تھے وغیرہ؛ اور سنڈھو کی پرانی سبھیتا اور آریہ سبھیتا یہ دونوں در الگ الگ سبھیتائیں تھیں۔

سنڈھ کے انڈر موہن۔ جو۔ دڑوہ میں اور پنجاب کے انڈر ہڑپپا میں جو نئی کھدائیاں ہوئی ہیں، اُن سے ہندستان کی پرانی سبھیتا اور سنسکرتی پر نئی روشنی پڑی ہے۔ دنیا کے ودوان انت میں کن نتیجوں پر پہنچیں گے، یہ ابھی نہیں کہا جا سکتا۔ سر جان مارشل نے، جو اِس ودیا کے سب سے بڑے جانکار سمجھے جاتے ہیں، اپنی 'پستک' موہن۔ جو۔ دڑوہ اینڈ انڈس ویلی سولیزیشن' میں لکھا ہے کہ اِس علاقہ میں آریوں کے آئے سے پہلے، یعنی عیسوی سے تین چار ہزار سال پہلے، جو لوگ رہتے تھے ان کی سبھیتا اور اُن کی سنسکرتی بہت ہی اونچے درجے کی تھی۔ اُن کے مکان یکی اینٹوں کے اور کئی کئی منزلیں ہوتے تھے، اُن کی گلیاں، بازار اور شہر بڑے خوبصورت بنائے ہوئے تھے، شہروں میں قندوسنی اور صفائی کا بہت اچھا انتظام تھا وغیرہ۔ اِس کے بعد جو آریہ لوگ وہاں پہنچے، ان کی سنسکرتی اُن سے بہت کم درجے کی تھی، یہاں تک کی شروع میں اُن کے مکان کچے گارے کے ہوتے تھے وغیرہ؛ اور سنڈھو کی پرانی سبھیتا اور آریہ سبھیتا یہ دونوں در الگ الگ سبھیتائیں تھیں۔

سر جان مارشل کی اس راہ کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ دنیا کے جو لوگ، خاص کر یورپ کے جو لوگ، اپنے کو آریہ جتنی کم کر اور دنیا کو سب سے پہلے سبھیتہ بنانے والا بتا کر، اِس کا گھمنڈ کیا کرتے تھے، اُنکا گھمنڈ کچھ ہلکا پڑ گیا۔ یورپ کے ودوانوں میں یہ خیال اتنا بڑھ گیا تھا اور ابھی تک اتنا بڑھا ہوا ہے کہ انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی آدی الگ الگ دیشوں کے ودوان یہ ثابت کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ آریہ جاتی کے لوگ سب سے پہلے انہیں کے دیش میں پیدا ہوئے اور وہیں سے دنیا بھر میں پھیل کر انہوں نے دنیا کو سبھیتہ بنایا۔ گوکہ دنیا کے زیادہ تر ودوانوں کا یہی مت ہے کہ آریہ جاتی کے لوگ پہلے پہل مدیہ ایشیا میں پیدا ہوئے اور وہاں سے سب جگہ پھیلے۔

سر جان مارشل کی اس راہ کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ دنیا کے جو لوگ، خاص کر یورپ کے جو لوگ، اپنے کو آریہ جتنی کم کر اور دنیا کو سب سے پہلے سبھیتہ بنانے والا بتا کر، اِس کا گھمنڈ کیا کرتے تھے، اُنکا گھمنڈ کچھ ہلکا پڑ گیا۔ یورپ کے ودوانوں میں یہ خیال اتنا بڑھ گیا تھا اور ابھی تک اتنا بڑھا ہوا ہے کہ انگلستان، جرمنی، فرانس، اٹلی آدی الگ الگ دیشوں کے ودوان یہ ثابت کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ آریہ جاتی کے لوگ سب سے پہلے انہیں کے دیش میں پیدا ہوئے اور وہیں سے دنیا بھر میں پھیل کر انہوں نے دنیا کو سبھیتہ بنایا۔ گوکہ دنیا کے زیادہ تر ودوانوں کا یہی مت ہے کہ آریہ جاتی کے لوگ پہلے پہل مدیہ ایشیا میں پیدا ہوئے اور وہاں سے سب جگہ پھیلے۔

جو ہو، ہم یہاں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ 'آریہ' شبد کسی خاص نسل کے لوگوں یا کسی خاص جاتی کا واچک نہیں ہے اور نہ کسی خاص نسل کے لوگوں کو اس بات کا گھمنڈ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہی دنیا کو سب سے پہلے سبھیتہ بنایا۔

جو ہو، ہم یہاں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ 'آریہ' شبد کسی خاص نسل کے لوگوں یا کسی خاص جاتی کا واچک نہیں ہے اور نہ کسی خاص نسل کے لوگوں کو اس بات کا گھمنڈ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ہی دنیا کو سب سے پہلے سبھیتہ بنایا۔

فروری 1955 فروری

کتاب سے

صفحہ نمبر

کتاب سے

1. سیندھو سہیٹا بنام ویدک سہیٹا
— ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت 75
2. بیسویں صدی سے پہلے کا بھارت
— سر گیتھ آچاریہ پریہلہ چندر رائے 86
3. عربی اور فارسی شاعری کی ایک جھلک
— ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل علی ایم. اے، بی۔ ایچ. تی. 93
4. شبد اور اترہ
— ڈاکٹر بھگوانداس 103
5. وگیاں اور آندھونک جیون
— ڈاکٹر سر گھان چندر گھوش تی. ایس. سی. ایف. این. آئی. 108
6. فارسی پر ہندی کا اثر
— مولوی سراج الدین آذر 114
7. اکبر کے سماجی جین کوی ہناری داس
— شری جمن لال جین 116
8. محض قیاس (کہانی)
— وشومبھر ناتھ پانڈے 118
9. ناہیان کی بھارت باترا
— شری کے. پی. ایس. مینن، آر. سی. ایس. 124
10. گرامو دیوگ اور وشو شانتی
— سریش رام پھائی 130
11. کچھ کتابیں
— ہماری رائے 135
12. ہمارے رائے
— سامراج پریسی دال اور اُس کی چالیں
پنڈت سلندر لال؛ ایتم ہم اور وشو سرکار— وشومبھر ناتھ پانڈے . 137
1. سیندھو سہیٹا بنام ویدک سہیٹا
— ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت 75
2. بیسویں صدی سے پہلے کا بھارت
— سر گیتھ آچاریہ پریہلہ چندر رائے 86
3. عربی اور فارسی شاعری کی ایک جھلک
— ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل علی ایم. اے، بی۔ ایچ. تی. 93
4. شبد اور اترہ
— ڈاکٹر بھگوانداس 103
5. وگیاں اور آندھونک جیون
— ڈاکٹر سر گھان چندر گھوش تی. ایس. سی. ایف. این. آئی. 108
6. فارسی پر ہندی کا اثر
— مولوی سراج الدین آذر 114
7. اکبر کے سماجی جین کوی ہناری داس
— شری جمن لال جین 116
8. محض قیاس (کہانی)
— وشومبھر ناتھ پانڈے 118
9. ناہیان کی بھارت باترا
— شری کے. پی. ایس. مینن، آر. سی. ایس. 124
10. گرامو دیوگ اور وشو شانتی
— سریش رام پھائی 130
11. کچھ کتابیں
— ہماری رائے 135
12. ہمارے رائے
— سامراج پریسی دال اور اُس کی چالیں
پنڈت سلندر لال؛ ایتم ہم اور وشو سرکار— وشومبھر ناتھ پانڈے . 137

سامراج پریسی دال اور اُس کی چالیں
پنڈت سلندر لال؛ ایتم ہم اور وشو سرکار— وشومبھر
ناتھ پانڈے .



نمبر 2 نمبر 19 جلد 19 جلد

فروری 1955 .فروری

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 مودیگنج، ایلہاواہ

145، مٹی گنج، ایلہاواہ

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Advisory Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Chief Editor

Pandit Sundarlal

Editor

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا چاند

Osmania University Library
HYDERABAD (DECCAN.)

26 FEB 1955

اس نمبر کے خاص لکھ

- سینو سہیلتا بنام ویدک سہیلتا
— ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت —
ہیسویں صدی سے پہلے کا भारत
— سرفیہ آچاریہ پرنسپل رائے —
عربی اور فارسی شاعری کی ایک جھلک
— ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل علی —
شبد اور آرتھ
— ڈاکٹر بھگوان داس —
فارسی پر ہندی کا اثر
— مولوی سراج الدین آذر —
اکبر کے سماکالین جین نویں فارسی داس
— شری جمن لال جین —
اس کے اڑاوا
— شری جمن لال جین —
کھانی، سکے، سمالاتوچنا، ہماری رات آدی
— شری جمن لال جین —

دستان کی رسونائی آباد

فروری 1955

इसके मुताबिक बहुत कुछ बुनियादी काम हिस्ट्री रिकार्ड कमीशन और उसकी रीजनल अनुसन्धान कमेटियों ने कर लिया है। पुरातत्त्व से भी हमें भारत के प्राचीन और मध्य-युग का इतिहास समझने में काफी सहायता मिलती है। पुरातत्त्व (archaeology) इतिहास का लंगोटिया साथी है। तारीखी वाक्यात पुरातत्त्व की रोशनी में ज्यादा साफ़ दिखाई देने लगते हैं। पुरातत्त्व के सिलसिले में अभी बेरा-क्रमित खानगीन बाकी है। अभी तक हम मोहन-जो-दड़ो और हड़प्पा के शिलालेख तक पहुँचने में कामयाब नहीं हो सके। चित्रकला, निर्माणकला और मूर्तिकला से इतिहास लिखने में जो मदद मिल सकती है वह पूरी तरह नहीं ली गई। मानव विज्ञान शास्त्र, लुब्धक विद्या, पौराणिक कहानियाँ और मानव शास्त्र के अध्ययन से भी इतिहास लिखने में बहुत बड़ी सहायता मिलती है।

हमारे मुलक में इस सिलसिले में कई संस्थाएँ बड़ा भीमती काम कर रही हैं। इनमें रायल एशियाटिक सोसाइटी, भारत इतिहासिक संशोधक मण्डल, भन्धारकर ओरियन्टल रिसर्च इन्स्टिट्यूट, बिहार, उड़ीसा, आन्ध्र और करनाटक की हिस्टारिकल रिसर्च सोसाइटीज, उत्तरप्रदेश, पंजाब, महाकोशल और कलकत्ते की हिस्ट्री सोसाइटीज, कामरूप अनुसन्धान समिति, बंगीब साहित्य परिषद, बारीन्द्र रिसर्च सोसाइटी, महाबोध सोसाइटी, इन्डियन सोसाइटी आफ ओरियन्टल आर्ट, इन्डियन रिसर्च इन्स्टिट्यूट, रामकृष्ण मिशन इन्स्टिट्यूट आफ कल्चर, बेंकटेश्वर ओरियन्टल इन्स्टिट्यूट, न्युमेसमैटिक सोसाइटी, भारतीय इतिहास परिषद, इन्डियन हिस्ट्री कांग्रेस, इन्डियन हिस्टारिकल-रिकार्ड्स कमीशन, गांधी संस्कृति केन्द्र आदि संस्थाएँ प्रमुख हैं।

—विश्वम्भरनाथ पांडे

اِس کے متعلق بہت کچھ بنیادی کام ہسٹری ریکارڈ کمیشن اور اُس کی ریجنل انوسنڈھان کمیٹیاں نے کر لیا ہے۔ پورانتو سے یہی ہمیں بھارت کے پراچین اور مذہبیات کا اِنہاس سمجھنے میں کافی سہاوتا ملتی ہے۔ پورانتو (archaeology) اِنہاس کا لنگوتھا ساتھی ہے۔ تاریخی و اِنعات پورانتو کی روشنی میں زیادہ صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پورانتو کے سلسلے میں ابھی بھی قیمت چھل نہیں گئی ہے۔ ابھی تک ہم مہن - جو - دزو اور ہڑپا کے شالیک تک پھلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ چتر کا، فرمان کا اور مورتی کا سے اِنہاس لکھنے میں جو مدد مل سکتی ہے وہ پوری طرح نہیں لی گئی۔ مانو و گیان شاستر، ٹرونش و دیا، پورا ک کہانیاں، اور مانو شاستر کے ادھیں سے بھی اِنہاس لکھنے میں بہت بڑی سہاوتا ملتی ہے۔

ہمارے ملک میں اِس سلسلے میں کئی سنسٹھانیں بڑا قیمتی کام کر رہی ہیں۔ ان میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی، بھارت اِنہاسک سائنسٹیک ہینڈل، ہینڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ، بار، اُرسا، آندھ اور کرناٹک کی ہسٹاریکل ریسرچ سوسائٹیز، اُترپردیش، پنجاب، مہاکوशल اور کلکتہ کی ہسٹری سوسائٹیز، کم روپ، انوسنڈھان سمیٹی، بنکیہ سائنس پریشد، ویریندر ریسرچ سوسائٹی، مہابودھ سوسائٹی، انڈین سوسائٹی آف اورینٹل آرٹ، انڈین ریسرچ انسٹیٹیوٹ، رام کرشن مشن انسٹیٹیوٹ آف کلچر، ویکلیشر اورینٹل انسٹیٹیوٹ، نیومیسیمٹک سوسائٹی، بھارتیہ اِنہاس پریشد، انڈین ہسٹری کانگریس، انڈین ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن، گاندھی سنسکرتی کینڈر آدی سنسٹھانیں پریمک ہیں۔

—وشوہر ناتھ پانتھ

इस भरती पर जानदार चीजें रहती हैं, आदमी की नसल को यहां रहते हुये त्रयीव तीस हजार बरस हो गये. सर जेम्स जीन्स की यह भी राय है कि हमारी यह धरती अभी दस लाख बरस और चल सकती है.

हमारी हिस्ट्री का यही अनोखापन है कि हम, जहां तक हमसे हो सकता है, पीछे जाने की कोशिश करते हैं क्योंकि जितनी तब्दीलियां और उलटफेर दुनिया में हुये हैं हम उन सब को समझना चाहते हैं. हमारे जमाने की सबसे बड़ी और सबसे चमकती हुई बात तब्दीली है. पुराने जमाने की बाबत जो कुछ सामग्री हमारे पास मौजूद है उससे पता चलता है कि उस जमाने में और भी बड़ी बड़ी तब्दीलियां हुई हैं. पर इन सब तब्दीलियों के अन्दर से हमें इतिहास की एक लगातार धारा, एक अटूट सिलसिला साफ नजर आता है जिससे हमारा और पिछले जमाने के लोगों का नाता जुड़ जाता है. उसी अटूटपन की वजह से हम उन लोगों के विलों और विभागों को थोड़ा बहुत समझ सकते हैं. उनकी दुनिया हमारी दुनिया से अलग दुनिया थी. फिर भी अलग अलग जमानों की यह सब दुनियायें एक ढोर में बंधी हुई हैं. हिस्ट्री की कुंजी इन्हीं दो लफ्जों में है—तब्दीली और अटूटपन.

आज सवाल यह है कि हम अपने मुक्त की नई हिस्ट्री की शुरुआत कहाँ से करें. तारीख के विद्वान उसे अलग-अलग हिस्सों से शुरू करते हैं—Ancient, Mediaeval और Modern. हम जिस हिन्दुस्तान को जानते हैं वह हमारे जमाने का है. जिन लोगों को हम अच्छी तरह जानते हैं वह हम खुद हैं. हम जो हिस्ट्री बना सकते हैं वह इसी सामग्री और इन्हीं काराजों, सिक्कों, इमारतों, हड्डियों और दूसरी पुरानी चीजों से बना सकते हैं जो हम तक पहुंच पाई हैं. जिसे हम बीता जमाना कहते हैं उसका सब मसाला और गबाहियां आज हमारे चारों तरफ जमा हैं. ऐसी हालत में सब से अच्छा यही मालूम होता है कि हम अपने इस जमाने से शुरू करके पीछे को हटते हुये हिस्ट्री के शुरू तक पहुंचने की कोशिश करें.

जहां तक इतिहास की सामग्री का सवाल है नैशनल आर्वाइव, नैशनल लाइब्रेरी, मुस्तलिफ सुबों में सरकारी रिकार्ड, देशी राजाओं और मठों में एकत्रित सामग्री महत्वपूर्ण हैं. विदेशों की बहुत सी लाइब्रेरियों में बेराकीमत भारतीय रिकार्ड मौजूद हैं. लेकिन गौर सरकारी रिकार्ड, जिनका थोड़ा सा हिस्सा हमारे सामने आया है, सरकारी रिकार्डों से भी ज्यादा कीमती साबित हो सकते हैं. सरकारी रिकार्डों में बहुत सी घटनाओं का अथूरा बयान मिलता है जो निजी रोजनामचों, चिट्ठी पत्रियों, बयानों या दूसरे निजी कारावाचों से पूरा हो सकता है.

इस धरती पर जानदार चीजें रहती हैं. आदमी की नसल को यहां रहते हुये त्रयीव तीस हजार बरस हो गये. सर जेम्स जीन्स की यह भी राय है कि हमारी यह धरती अभी दस लाख बरस और चल सकती है.

हमारी हस्तरी का यही अनोखापन है कि हम, जहां तक हमसे हो सकता है, पीछे जाने की कोशिश करते हैं क्योंकि जितनी तब्दीलियां और उलटफेर दुनिया में हुये हैं हम उन सब को समझना चाहते हैं. हमारे जमाने की सबसे बड़ी और सबसे चमकती हुई बात तब्दीली है. पुराने जमाने की बाबत जो कुछ सामग्री हमारे पास मौजूद है उससे पता चलता है कि उस जमाने में और भी बड़ी बड़ी तब्दीलियां हुई हैं. पर इन सब तब्दीलियों के अन्दर से हमें इतिहास की एक लगातार धारा, एक अटूट सिलसिला साफ नजर आता है जिससे हमारा और पिछले जमाने के लोगों का नाता जुड़ जाता है. उसी अटूटपन की वजह से हम उन लोगों के विलों और विभागों को थोड़ा बहुत समझ सकते हैं. उनकी दुनिया हमारी दुनिया से अलग दुनिया थी. फिर भी अलग अलग जमानों की यह सब दुनियायें एक ढोर में बंधी हुई हैं. हिस्ट्री की कुंजी इन्हीं दो लफ्जों में है—तब्दीली और अटूटपन.

आज सवाल यह है कि हम अपने मुक्त की नई हिस्ट्री की शुरुआत कहाँ से करें. तारीख के विद्वान उसे अलग-अलग हिस्सों से शुरू करते हैं—Ancient, Mediaeval और Modern. हम जिस हिन्दुस्तान को जानते हैं वह हमारे जमाने का है. जिन लोगों को हम अच्छी तरह जानते हैं वह हम खुद हैं. हम जो हिस्ट्री बना सकते हैं वह इसी सामग्री और इन्हीं काराजों, सिक्कों, इमारतों, हड्डियों और दूसरी पुरानी चीजों से बना सकते हैं. जिसे हम बीता जमाना कहते हैं उसका सब मसाला और गबाहियां आज हमारे चारों तरफ जमा हैं. ऐसी हालत में सब से अच्छा यही मालूम होता है कि हम अपने इस जमाने से शुरू करके पीछे को हटते हुये हिस्ट्री के शुरू तक पहुंचने की कोशिश करें.

जहां तक इतिहास की सामग्री का सवाल है नैशनल आर्वाइव, नैशनल लाइब्रेरी, मुस्तलिफ सुबों में सरकारी रिकार्ड, देशी राजाओं और मठों में एकत्रित सामग्री महत्वपूर्ण हैं. विदेशों की बहुत सी लाइब्रेरियों में बेराकीमत भारतीय रिकार्ड मौजूद हैं. लेकिन गौर सरकारी रिकार्ड, जिनका थोड़ा सा हिस्सा हमारे सामने आया है, सरकारी रिकार्डों से भी ज्यादा कीमती साबित हो सकते हैं. सरकारी रिकार्डों में बहुत सी घटनाओं का अथूरा बयान मिलता है जो निजी रोजनामचों, चिट्ठी पत्रियों, बयानों या दूसरे निजी कारावाचों से पूरा हो सकता है.

سیفہر بننے کے لیے نہیں۔ ہمیں آفسوس ہے جب ہم گاندھی جی کے اصولوں پر لوگوں کو کس کو دیکھتے ہیں تو ابھی تک چاروں اور محض صفر ہی صفر نظر آتے ہیں۔ لیکن مایوس ہونے کی بات نہیں۔ گاندھی جی کے ارشوں میں رہنا جیسے سناج وادی اپنی طاقت کو دسیوں، سیکڑوں اور ہزاروں گنا بڑھاتے ہوئے بھارت میں سچے سناج وادی کی داغ بیل ڈالتے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔

—بشبر ناتھ پانڈے

ایتھاس کی نئی سامگری

پچھلے مہینے احمد آباد میں کل ہند ہسٹری کانگریس کا اجلاس ہوا تھا۔ اور باتوں کے ساتھ اس نے ایتھاس (تاریخ) کے اندھین کے لئے ایتھاس کی سامگری کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے پر زور دیا تاکہ تاریخی چھان بین کے کام میں آسانی ہو۔

ہسٹری کانگریس کے یہ اجلاس ہر سال ہوتے ہیں جن میں ایتھاس کی چھان بین پر ہر سال نئی روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ہمارے دیش کے ایتھاس کے ودوان پچھلی چوتھائی صدی سے اس بات کی زوردار کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے دیش کے ایتھاس کی—پورانے ایتھاس کی، سلسلہوار کڑیاں ایکٹا کی جائز۔ اس جمانے کے اندر پچھلے ایتھاس کی سامگری کی جائز۔ اس جمانے کے ساتھ بڑی ہے کہ جیسی پہلے کبھی نہیں بڑھی تھی۔ آج سے 50 برس پہلے ایتھاس کے ایسے ودوان تھے جو سمجھتے تھے کہ کل ایتھاس حضرت عیسیٰ سے چار ہزار برس پہلے شروع ہوتا تھا۔ پر اب یہ زمانہ پورا لمبا ہوتا جاتا ہے۔ قریب قریب ہر سال پورے ایتھاس کی کچھ کرنے والے کسی نہ کسی ایسی پرانی سہیتا کو کھود کر ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں کہ جس کا پہلے سے ہمیں گمان بھی نہیں رہتا۔ ان پورے شہروں اور پرانی سہیتا کو کھود کر نکالنے والوں کے علاوہ جب ہم زمین کے اندر کی چیزوں کا پتہ لگانے والوں، اعمیوں اور جانوروں کی پرانی نسلوں کا پتہ لگانے والوں اور دوسرے طرح طرح کے سائنس والوں کی کوششوں اور ایجادوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پہلے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہماری ہسٹری ہزاروں برس پہلے سے شروع ہوئی چاہئے اور ہر ہم دھورے دھورے لاکھوں برس پہلے تک پہنچ جاتے ہیں، یہاں تک کہ ہمارا سر چکرانے لگتا ہے۔ ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جتنا ہم سمجھتے تھے ہسٹری اس سے کہیں لمبی اور پرانی چیز ہے۔

ہسٹری میں ہم کتنا پیچھے جا سکتے ہیں؟ ہماری اس جمانے کی عمر کا اندازہ قریب قریب دو ارب برس کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قریب 80 کروڑ برس سے

پچھلے مہینے احمد آباد میں کل ہند ہسٹری کانگریس کا اجلاس ہوا تھا۔ اور باتوں کے ساتھ اس نے ایتھاس (تاریخ) کے اندھین کے لئے ایتھاس کی سامگری کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے پر زور دیا تاکہ تاریخی چھان بین کے کام میں آسانی ہو۔

ایتھاس کی نئی سامگری

پچھلے مہینے احمد آباد میں کل ہند ہسٹری کانگریس کا اجلاس ہوا تھا۔ اور باتوں کے ساتھ اس نے ایتھاس (تاریخ) کے اندھین کے لئے ایتھاس کی سامگری کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے پر زور دیا تاکہ تاریخی چھان بین کے کام میں آسانی ہو۔

ہسٹری میں ہم کتنا پیچھے جا سکتے ہیں؟ ہماری اس جمانے کی عمر کا اندازہ قریب قریب دو ارب برس کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قریب 80 کروڑ برس سے

”کوئی اساتھ سے ساتھ کو نہیں پاسکتا۔ ساتھ کو پانے کے لیے ہمیشہ ساتھ کا آچارن کرنا ہی ہوگا۔ کیا اھلسا اور ساتھ کی جاکھی ہے؟ نہیں۔ ساتھ میں اھلسا چھوٹی ہوئی ہے اور اھلسا میں ساتھ۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ اھلسا اور ساتھ ایک ہی سمے کے دو رخ ہیں۔ درنوں کی قیمت ایک ہی ہے۔ کیول پڑھنے میں ہی فرق ہے۔ ایک طرف اھلسا ہے دوسری طرف ساتھ۔ جہاں تک میں جانتا ہوں دنیا میں کوئی بھی ایسا دیش نہیں ہے جو پوری طرح سماج والی ہو۔ میرے بتائے ہوئے سادھنوں کے بنا ایسا سماج قائم کرنا ناممکن ہے۔“

ہم گاندھی جی کے یہ بیچار بڑی بینصرتا کے ساتھ کامپرس جنوں کے سوچنے-بیچارنے کے لیے پشا کرتے ہیں۔ سماج-واڈ کا سرفک پستاو پاس کر دینے سے مملک میں سماجواڈ کی بونیاڈ نہیں پڈ جائیگی۔ وہ تہی پڈیگی جب راستا دیکھنےوالے اھلوانےوالے اھلوانا اپنی اھلسا میں اھلسا کے اھلسوں پر اھمل کرانے لگیں تہی ہر سرفک کے ساتھ انکی کرمات دس گونی بڈتی جائیگی۔ سونھلی بڈیڈاری اھلدلیوں، پراڈیوٹ سیکرٹریوں، ڈیلکس کاروں، سٹیلوں اور ہوائی سرفوں کی تڈک بڈک کے بیچ میں ڈیک کس جگھ سماجواڈ اھلوانا ہاگا یہ ہم نہیں سمک رہے۔ سن 1938 میں گاندھی جی نے کامپرس کے بڈیروں کو دیداوت دتے ہوئے لکھا تا کیں انھیں تیسرے درجے میں سرفر کرنا اھلیے تاکہ وہ جناتا کے سمپک میں رہیں۔ انھیں سرفری موٹروں کو سرف سرفی کاموں کے لئے استعمال کرنا اھلیے۔ غیر سرفری کام کے وقت انھیں کرانے کی سارفیاں استعمال کرنا اھلیے۔ انھیں کوئی بی بی ایسا کام نہیں کرنا اھلیے جس سے ان کے اور جنتا کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی ہو جائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ کامپرس نے ایک سادگی کمیتی مقرر کی تھی جس نے یہ سبھاؤ دئے ہیں کہ درنوں کی زندگی میں جو تڑک پھوک آگئی ہے اُس سے جنتا اور ان کی زندگی میں ایک کھائی سی پیدا ہوگئی ہے۔ اِس کرانی کو بھرنے کے لئے پھر سے سادگی کے مہار قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ سبھاؤ میں تنخواہ کم کرنے، بڑھیا موٹروں نے استعمال کرنے اور سادگی لالے پر زور دیا گیا ہے۔

جہاں ایک اور کامپرس واوں سے ہمارا یہ سوال ہے وہاں دوسری اور وامپشی دلوں سے بھی ہمارا اوردو ہے کہ سماجواڈ یا سامیواڈ کو انھوں نے اپنی زندگی میں کتنا اُٹا ا؟ وہ خرد ایک ہونے یا محض صفر ہی ہیں؟ اُن کے جیوں میں سادگی، سچائی اور اھلسا نے کتنا کھو پڈایا ہے؟ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر دیش واسپوں کو امیدیں دلا رہے ہیں مگر گاندھی جی کی بھائی ہوئی کسوفی پو جنتا انھیں کس کر دیکھ گی اور تب اُن کے ساتھ قیمت کو دس گنا کرنے کی خواہش لیکر ساتھ ہوئی محض

”کوئی اساتھ سے ساتھ کو نہیں پاسکتا۔ ساتھ کو پانے کے لیے ہمیشہ ساتھ کا آچارن کرنا ہی ہوگا۔ کیا اھلسا اور ساتھ کی جاکھی ہے؟ نہیں۔ ساتھ میں اھلسا چھوٹی ہوئی ہے اور اھلسا میں ساتھ۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ اھلسا اور ساتھ ایک ہی سمے کے دو رخ ہیں۔ درنوں کی قیمت ایک ہی ہے۔ کیول پڑھنے میں ہی فرق ہے۔ ایک طرف اھلسا ہے دوسری طرف ساتھ۔ جہاں تک میں جانتا ہوں دنیا میں کوئی بھی ایسا دیش نہیں ہے جو پوری طرح سماج والی ہو۔ میرے بتائے ہوئے سادھنوں کے بنا ایسا سماج قائم کرنا ناممکن ہے۔“

ہم گاندھی جی کے یہ وچار بڑی وسرتا کے ساتھ کامپرس جنوں کے سوچنے-وچارنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ سماجواڈ کا صرف پستاو پاس کر دینے سے ماک میں سماجواڈ کی بنیاد نہیں پڑ جائیگی۔ وہ تہی پڑیگی جب راستہ دیکھنے والے اگرا اپنی زندگی میں اُس کے اھلوں پر عمل کرنے لگیں تہی ہر صفر کے ساتھ اُن کی قیمت دس گنی بڑھتی جائیگی۔ سبھاؤ دیشی-دشلی اردلوں، پراڈیوٹ سرفریروں، تیلیکس کاروں، سٹیلوں اور ہوائی سرفوں کی تڑک پھوک کے بیچ میں ٹھیک کس جگھ سماجواڈ شروع ہوگا یہ ہم نہیں سمک رہے۔ سن 1938 میں گاندھی جی نے کامپرس کے وڈیروں کو ہدایت دیتے ہوئے لکھا تھا کہ انھیں تیسرے درجے میں صفر کرنا اھلیے تاکہ وہ جنتا کے سمپک میں رہیں۔ انھیں سرفری موٹروں کو صرف سرفری کاموں کے لئے استعمال کرنا اھلیے۔ غیر سرفری کام کے وقت انھیں کرانے کی سارفیاں استعمال کرنا اھلیے۔ انھیں کوئی بی بی ایسا کام نہیں کرنا اھلیے جس سے اُن کے اور جنتا کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی ہو جائے۔

ہمیں خوشی ہے کہ کامپرس نے ایک سادگی کمیتی مقرر کی تھی جس نے یہ سبھاؤ دئے ہیں کہ درنوں کی زندگی میں جو تڑک پھوک آگئی ہے اُس سے جنتا اور اُن کی زندگی میں ایک کھائی سی پیدا ہوگئی ہے۔ اِس کرانی کو بھرنے کے لئے پھر سے سادگی کے مہار قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ سبھاؤ میں تنخواہ کم کرنے، بڑھیا موٹروں نے استعمال کرنے اور سادگی لالے پر زور دیا گیا ہے۔

جہاں ایک اور کامپرس واوں سے ہمارا یہ سوال ہے وہاں دوسری اور وامپشی دلوں سے بھی ہمارا اوردو ہے کہ سماجواڈ یا سامیواڈ کو انھوں نے اپنی زندگی میں کتنا اُٹا ا؟ وہ خرد ایک ہونے یا محض صفر ہی ہیں؟ اُن کے جیوں میں سادگی، سچائی اور اھلسا نے کتنا کھو پڈایا ہے؟ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر دیش واسپوں کو امیدیں دلا رہے ہیں مگر گاندھی جی کی بھائی ہوئی کسوفی پو جنتا انھیں کس کر دیکھ گی اور تب اُن کے ساتھ قیمت کو دس گنا کرنے کی خواہش لیکر ساتھ ہوئی محض

ہم یہاں ہریجن کے سپاڈک اور کانگریس کے نیتاؤں اور کارکنوں کا دھیان پڑچہ مہاتما گاندھی کی سماج-وادی کی دیکھا کی اور دلانا چاہتے ہیں۔ گاندھی جی نے 6 جولائی سن 1947 کو دہلی سے 'سماج وادی کون' سرخی سے لکھا تھا :-

”سماجवाद एक सुन्दर शब्द है, जहाँ तक मैं जानता हूँ समाजवाद में समाज के सारे मेम्बर बराबर होते हैं, न कोई नीचा और न कोई ऊँचा, किसी आदमी के शरीर में सिर इसलिये ऊँचा नहीं है कि वह सब से ऊपर है और पांव के तलवे इसलिये नीचे नहीं हैं कि वह जमीन को छूते हैं, जिस तरह इनसान के बिस्स के तमाम हिस्से बराबर हैं वसी तरह समाज रूपी शरीर के सभी अंग बराबर हैं, यही समाजवाद है।

”इस वाद में राजा और प्रजा, धनी और गरीब, मालिक और मजदूर सब बराबर हैं। इस तरह समाजवाद यानी अद्वैतवाद, उसमें दुई या भेदभाव की गुंजाइश ही नहीं है।

”सारी दुनिया के समाज पर नजर डालें तो हम देखेंगे कि हर जगह दुई है, एकता या अद्वैत कहीं नाम को भी नहीं दिखाई देता, यह आदमी ऊँचा है, वह आदमी नीचा है, यह हिन्दू है वह मुसलमान है, तीसरा ईसाई है, चौथा पारसी है, पांचवां सिख है, छठा यहूदी है, इनमें बहुत सी अजातियां हैं, मेरे अद्वैतवाद में यह सब एक हो जाते हैं, एकता में समा जाते हैं।

”इस वाद तक पहुँचने के लिये हम एक दूसरे की तरफ ताकते न बैठें, जब तक सारे लोग समाजवादी न बन जायें, तब तक हम कोई हलचल न करें, अपनी खिन्दगी में फेर-फार करके हम महज तकरीर देते रहें, पार्टियां बनाते रहें और बाज पक्षी की तरह जहाँ शिकार मिल जाय वहाँ उस पर दूट पड़ें, यह समाजवाद हरगिज नहीं है, समाजवाद जैसी शानदार चीज मझप मारने से हम से दूर हो जाने वाली है।

”समाजवाद की शुरूआत पहले समाजवादी से होती है, अगर एक भी ऐसा समाजवादी हो, तो उस पर सिकर बढ़ाये जा सकते हैं, पहले सिकर से उसकी क्रीमत दस गुनी हो जायगी, इसके बाद बढ़ाया जाने वाला हर सिकर पहले की तादाद को दस गुनी बढ़ाता जायगा, लेकिन अगर पहला सिकर ही हो तो उसके आगे कितने ही सिकर क्यों न बढ़ाये जायें उनकी क्रीमत सिकर ही रहेगी, सिकरों के लिखने में मेहनत और कागज की बरबादी ही होगी।

”यह समाजवाद बकी शुद्ध चीज है, राजा को मार कर राजा और प्रजा एक से नहीं बन सकेंगे, मालिक का सिर काट कर मजदूर मालिक नहीं हो सकेंगे, यही बात सब पर लागू की जा सकती है।

”समाज واد ایک سندر شد ہے, جہاں تک میں جانتا ہوں سماج واد میں سماج کے سارے میمبر برابر ہوتے ہیں, نہ کوئی نیچا اور نہ کوئی اونچا, کسی آدمی کے شریر میں سر اس لئے اونچا نہیں ہے کہ وہ سب سے اوپر ہے اور پاؤں کے تلوے اس لئے نیچے نہیں ہیں کہ وہ زمین کو چھوتے ہیں, جس طرح انسان کے جسم کے تمام حصے برابر ہیں اسی طرح سماج روپی شریر کے سبھی اناں برابر ہیں, یہی سماج واد ہے۔

”اس واد میں راجا اور پرچا, دھنی اور غریب, مالک اور مزدور سب برابر ہیں, اس طرح سماج واد یعنی ادویت واد, اس میں دوئی یا بید بھاڑ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

”ساری دنیا کے سماج پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ہر جگہ دوئی ہے, ایکتا یا ادویت کبھی نام کو بھی نہیں دکھائی دیتا, یہ آدمی اونچا ہے, وہ آدمی نیچا ہے, یہ ہندو ہے وہ مسلمان ہے, تیسرا عیسائی ہے, چوتھا پارسی ہے, پانچواں سکھ ہے, چھٹا یہودی ہے, ان میں بھی بہت سی آپجائیاں ہیں, میوے ادویت واد میں سب ایک ہو جاتے ہیں, ایکتا میں سا جاتے ہیں۔

”اس واد تک پہنچنے کے لئے ہم ایک دوسرے کی طرف تاکتے نہ بیٹھیں, جب تک سارے لوگ سماج وادی نہ بن جائیں, تب تک ہم کوئی ہل چل نہ کریں, اپنی زندگی میں پیڑ پھاڑ کر کے ہم مکش تقریر دیتے رہیں, پارٹیاں بناتے رہیں اور باز پکشی کی طرح جہاں شکار مل جائے وہاں اُس پر توت پڑیں, یہ سماج واد ہرگز نہیں ہے, سماج واد جیسی شاندار چیز چوڑے مارے سے ہم سے دُور ہو جانے والی ہے۔

”سماج واد کی شروعات پہلے سماج وادی سے ہوتی ہے, اگر ایک بھی ایسا سماج وادی ہو, تو اُس پر ستر ہزارے جا سکتے ہیں, پہلے صفر سے اُس کی قیمت دس گنی ہو جائے گی, اس کے بعد بڑھایا جائے والا ہر صفر پہلے کی تعداد کو دس گنی بڑھاتا جائے گا, لیکن اگر پہلا صفر ہی ہو تو اُس کے آگے کتنے ہی صفر کبھی نہ بڑھائے جائیں اُس کی قیمت صفر ہی رہے گی, صفر کے لکھنے میں محنت اور کٹھ کی بربادی ہی ہوگی۔

”یہ سماج واد بڑی شدہ چیز ہے, راجا کو مار کر راجا اور پرچا ایک سے نہیں بن سکیں گے, مالک کا سر کاٹ کر مزدور مالک نہیں ہو سکیں گے, یہی بات سب پر لاگو کی جا سکتی ہے۔

ہمیں خوراء ہے کہ سوائے فلپائن کے سببى ملك همدردى کے ساتھ اس دعوت نامہ پر غير كو ره هیں . ايشيا اور اذريقه کے یہ 25 ملك جن كى آبادى دنيا كى دو - تهاى هوى هے . ايك زبردست شائى مورچے كا كم ديں گے . چين ، هند - ايشيا ، هند - چين ، اور جاپان ايك طرف ، ايران ، مصر ، عرق ، سمرقندى عرب اور يمن دوسرى طرف يورپ اور امريكه كى سامراجيهرادى نيتى سے ستائے هونے هیں . ايشيا اور يورپ كى كروزها كروز جنتا سامراجيهوانديں كى نيتى کے كلن آج انكشا ، يهوك ، ننگ ، بيمارى اور بيمارى كا شكار هے . آج ان دهرنوں مهادرهينوں کے نيتاؤں كا فرض هے كه وه قيصه ارب سے زباده انسان کے بهيوں كا استر اوتنجا اوتهاين ، انهيں ننگ اور يهوك سے بهائين اور انسانى زندگى كى ضرورى نعمتيں ان کے لئے بهى مهيا كريں .

اس نقطه نظر سے به ايفرېشين كاترئرس پچيرے هونے خطه كو آگے بهانے كا ايك زبردست عملى قدم هے . دوسرى اور اگر به ملك به بهى فيصله كريں كه انهيں شهنشاهتيوں كى خوفناك جنتوں سے اپنے كو نايحهده ركهنا هے نو اس ميں كسى كو خيرائى نه هونى چاهيے . تيسرى جنگ كو روكنه كا اس سے زبردست طريقه كوئى دسررا نهين هے كه ايشيا اور اذريقه کے نواسى گهرے سامراجيهوانديں سے صاف صاف به دم ديں كه هم تمهارى كسى لوانى ميں جنگى - چاره (Cannon-fodder) كا كم نه دينگے .

خورى كى بات هے كه يذت جواهر لال کے بيان کے مطابق نمترت ملهون ميں سے زبادهتر کے كاترئرس ميں شامل هونے کے لئے رضامندى ديهے والے جواب آچك هیں . سارى دنيا داكسيى کے ساتھ اس كاترئرس کے فصول كا راسته ديته گى .

—بشبر نات پانده—

سماج وادى ويوستها كى اور

كاتريس كى اوازى (مدراس) !جلس نے لوك كلاينكارى راج ويوستها كى جكه اپنا مقصد بدل كر سماج والى ويوستها كر ليا . مهاتما گاندهى دوارا سنسها پت پتر 'هريجن' نے اس پر شروع ميں هى نقطه چينى كرتے هونے لكها تھا كه اپنے لكش كو اس سستم طريقه سے كاتريس كو نهين بدلنا چاهيے . دو - ايك ترمهين ، جو كاتريس كا لكش 'سرورده' ركهنا چلعتى نهين كر گئیں . مولانا آزاد نے تقرير كرتے هونے به كها كه بذات خود نظروں كى كوئى اهميت نهين هوتى . سماج واد کے اندر سرورده كى بهى پورى كنجايش هے .

سماج وادى ويوستها كى اور

كاتريس كى اوازى (مدراس) !جلس نے لوك كلاينكارى راج ويوستها كى جكه اپنا مقصد بدل كر سماج والى ويوستها كر ليا . مهاتما گاندهى دوارا سنسها پت پتر 'هريجن' نے اس پر شروع ميں هى نقطه چينى كرتے هونے لكها تھا كه اپنے لكش كو اس سستم طريقه سے كاتريس كو نهين بدلنا چاهيے . دو - ايك ترمهين ، جو كاتريس كا لكش 'سرورده' ركهنا چلعتى نهين كر گئیں . مولانا آزاد نے تقرير كرتے هونے به كها كه بذات خود نظروں كى كوئى اهميت نهين هوتى . سماج واد کے اندر سرورده كى بهى پورى كنجايش هے .

سامراجیہ والی حکمران اور پونجی شاہ اپنی خود غرضیوں کی پوری میں آج دنیا کو مہت کی خندق میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب جتنا ان کے ہیکارے میں آکر جنگ کو 'مناسب اور صرف ایک راستہ' سمجھتی تھی۔ آج شانتی کا مورچہ ساری دنیا میں بلند پکڑ رہا ہے۔ چاروں اور سے شانتی کے چٹے گیت سنائی دیتے ہیں۔ دنیا سمجھ گئی ہے کہ تھیلی شاہ اور سامراجیہ شاہ اُس کی بیڑیوں کو اُکسا کر انہیں 'لڑائی کے چارے' کی طرح استعمال کرتے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وہ سیکھ آج پوری اہمیت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے کہ جو لوگ تلوار سے جینیں گے وہ تلوار سے ہی مٹ جائیں گے۔ کیا بیگانہ بدہ نے ہی دوسرے لفظوں میں اسے نہیں کہا کہ—

نفرت نفرت سے شانت نہ ہوگی۔
غصہ غصہ سے شانت نہ ہوگا۔
دشمنی دشمنی سے شانت نہ ہوگی۔
نفرت غصہ اور دشمنی پریم سے ہی شانت ہونگی۔

گاندھی جی نے ہی ہمیں زوردار اور عملی طریقے سے اسی بات کی تعلیم دی۔ آج شانتی کا مورچہ ہمیں پریم اور اہنساتک طریقے سے مضبوط کرنا ہے تاکہ جنگ باز ہی اس بات کی شکایت نہ کرسکیں کہ شانتی وادوں کے شانتی کے نعرے کے پیچھے نفرت اور دُشمنی ہے۔

—وشومیر ناتھ پانڈے

سچ تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی وہ سیکھ آج پوری اہمیت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے کہ جو لوگ تلوار سے جینیں گے وہ تلوار سے ہی مٹ جائیں گے۔ کیا بیگانہ بدہ نے ہی دوسرے لفظوں میں اسے نہیں کہا کہ—

نفرت نافرمت سے شانت نہ ہوگی!
غورسا غورسے سے شانت نہ ہوگا!
دُشمنی دُشمنی سے شانت نہ ہوگی!

نفرت، غورسا اور دُشمنی پریم سے ہی شانت ہوگی۔
گاندھی جی نے ہی ہمیں زوردار اور عملی طریقے سے اسی بات کی تعلیم دی۔ آج شانتی کا مورچہ ہمیں پریم اور اہنساتک طریقے سے مضبوط کرنا ہے تاکہ جنگ باز ہی اس بات کی شکایت نہ کرسکیں کہ شانتی وادوں کے شانتی کے نعرے کے پیچھے نفرت اور دُشمنی ہے۔

—بیرشمبرناٹھ پانڈے

ایفرو-ایشیائی کانفرنس

دیسمبر کے آخری ہفتے میں انڈونیشیا کی راجधानی جاکارتا کے قریب بونگوور میں ہندوستان، پاکستان، لٹکا، برما اور انڈونیشیا کے پرधानمंत्रیوں کا ایک سمملن ہوا۔ پانچوں پرانہ منسٹروں نے ایشیا اور افریقہ کی بہتری، بھائی اور فائدہ کے لحاظ سے اس بات پر غور کیا کہ کیوں نہ افریقہ اور ایشیا کے 25 ملکوں کا ایک بڑا سمملن بلایا جائے جس میں افریقہ اور ایشیائی ملکوں کی آزادی اور ان کی سمسٹیاں پر وچار کیا جائے۔ یہ تجویز پانچوں ملکوں کے پرانہ منسٹروں نے ایک رائے سے منظور کی۔ یہ بھی فیصلہ کیا کہ چین، جاپان، مصر، عرب ملک، فلپائن، نیپال وغیرہ سب ملکوں کو اس سمملن میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ نمائندت ملکوں میں صرف فلسطین کی یہودی ریاست چھوڑ دی گئی ہے اور دکن افریقہ کو بھی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ دونوں ملکوں کو دعوت نہ دینے کی وجہیں بالکل صاف ہوں۔ دکن افریقہ ی گری حکومت کو ایشیا اور افریقہ کے گھنہونے پلے اور اتوالہ رنگ سے سخت نفرت ہے اور یہودی راج کے جس لوح کے تعلقات بھی عرب ملکوں سے ہیں اس سے اُسے دعوت دینے میں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے۔

ایفرو-ایشیائی کانفرنس

دیسمبر کے آخری ہفتے میں انڈونیشیا کی راجधानی جاکارتا کے قریب بونگوور میں ہندوستان، پاکستان، لٹکا، برما اور انڈونیشیا کے پرधानمंत्रیوں کا ایک سمملن ہوا۔ پانچوں پرانہ منسٹروں نے ایشیا اور افریقہ کی بہتری، بھائی اور فائدہ کے لحاظ سے اس بات پر غور کیا کہ کیوں نہ افریقہ اور ایشیا کے 25 ملکوں کا ایک بڑا سمملن بلایا جائے جس میں افریقہ اور ایشیائی ملکوں کی آزادی اور ان کی سمسٹیاں پر وچار کیا جائے۔ یہ تجویز پانچوں ملکوں کے پرانہ منسٹروں نے ایک رائے سے منظور کی۔ یہ بھی فیصلہ کیا کہ چین، جاپان، مصر، عرب ملک، فلپائن، نیپال وغیرہ سب ملکوں کو اس سمملن میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے۔ نمائندت ملکوں میں صرف فلسطین کی یہودی ریاست چھوڑ دی گئی ہے اور دکن افریقہ کو بھی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔ دونوں ملکوں کو دعوت نہ دینے کی وجہیں بالکل صاف ہوں۔ دکن افریقہ ی گری حکومت کو ایشیا اور افریقہ کے گھنہونے پلے اور اتوالہ رنگ سے سخت نفرت ہے اور یہودی راج کے جس لوح کے تعلقات بھی عرب ملکوں سے ہیں اس سے اُسے دعوت دینے میں ایک الجھن پیدا ہوتی ہے۔

ہی دنیا کے سب عوامی چارز نکلتے ہیں اور ان دیشوں میں تیل اور پٹرول کے ساگر بیڑے پڑے ہیں۔ امریکہ نے سعودی عرب سے پٹرول کا ٹیکا لیا ہے۔ فلسطین میں وہ یہودیوں کو پوری طرح بسانا چاہتا ہے۔ ترکی اور یونان کو قرض دے کر، ایران اور پاکستان کو روپیہ دے کر امریکہ اپنا غایتی ان ریاستوں پر رکھنا چاہتا ہے جس سے وہاں روس کا اثر نہ ہو سکے۔ روس بھی کب چپ بیٹھ سکتا ہے۔ اس کی بچت اسی میں ہے کہ اس حصے میں اس کے بیڑی کا اثر نہ ہو۔ پرشانت میں ہی اس سے جو قلعہ بندی ہو رہی ہے، جس طرح امریکہ پرشانت کے جزیروں میں اپنا اثر جما رہا ہے، اس سے شانتی اور صلح کے آثار کم اور آگے آنے والی کلمہ لڑائی اور مارکات کے لکچین زیادہ دیکھ رہے ہیں۔

اس طرح اگر ہم اپنے چاروں طرف نگاہ ڈرائیں تو ہم کو جان پڑے گا کہ امریکی شہنشاہیت آج حملہ آور طریقوں سے دنیا کی شانتی کو برباد کرنا چاہتی ہے۔ دوسری اور افریقہ اور سودر پورو کی قومیں آج اپنی آزادی کو پراپت کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ لیکن اب تک جن بڑی طاقتوں نے ان کو اپنے پیروں تلے کپٹل رکھا ہے اور جو ان غریبوں کی غریبی سے ہی امریز بنی بیٹھی ہیں، وہ ان کو آزاد نہیں ہرنے دینا چاہتیں۔ سامراجیت کی دیاس اور آزادی کی بیوکی کی ٹکر لڑائی کے جنم کا پہلا کارن ہے۔

آج جنگ روکنے کی کچھ شرطیں یہ ہیں—

(1) ترہ ترہ کے ڈنگ سے دھکومت چلانے والے ملک اس بات پر راجی ہوں کہ کسی دوسرے ملک کی راجکازی نیلی میں کسی دوسرے ملک کو دخل دینے کا کوئی دھک نہیں۔ اک دوسرے کے خلیاف سماجی جیندگی کے तरीکے والے بھی دنیا میں امن سے رہ سکتے ہیں۔

(2) افریقہ اور ایشیا کے غلام ملکوں کو پوری طرح آزاد کیا جائے اور پچھڑے ہونے ملکوں کی آرٹیک اور سماجی بہتری کے لئے سب ملک مل کر مدد دے۔

(3) ہر ملک کی جناتا میں اس بات کا زوردار پرچار کیا جائے کہ آئینہ لڑائیوں میں سب میں زیادہ مرن اور ہرادی پے گناہ جنتا کی ہی ہونی ہے۔ لڑائی کے نتیجے میں کسی ملک کو بھی فائدہ نہیں پہونچتا۔ چنانچہ جنگی مورچوں کے مقابلے میں شانتی کے مورچوں کو مضبوط بنانے میں جنتا پوری پوری مدد دے۔

(4) ملکوں کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں آپسی فیصلے کی کسوٹی جنگ کو نہ بنائیں گے۔

(5) ہائیڈروجن اور اٹم بوم بنانے پر دیر سبھر بندش۔

آج جنگ روکنے کی کچھ شرطیں یہ ہیں—

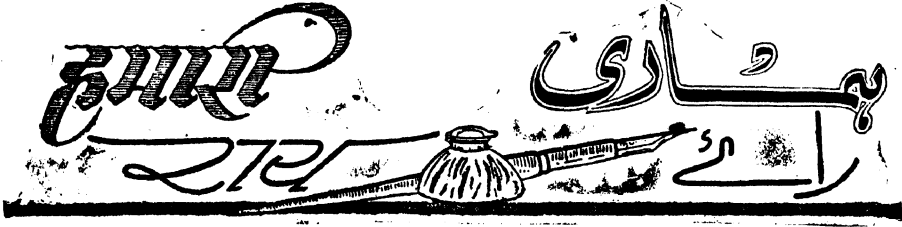
(1) طرح طرح کے ڈنگ سے حکومت چلانے والے ملک اس بات پر راضی ہوں کہ کسی دوسرے ملک کی راجکازی نہتی میں کسی دوسرے ملک کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ ایک دوسرے کے خلف سماجی زندگی کے طریقے والے بھی دنیا میں امن سے رہ سکتے ہیں۔

(2) افریقہ اور ایشیا کے غلام ملکوں کو پوری طرح آزاد کیا جائے اور پچھڑے ہونے ملکوں کی آرٹیک اور سماجی بہتری کے لئے سب ملک مل کر مدد دیں۔

(3) ہر ملک کی جنتا میں اس بات کا زوردار پرچار کیا جائے کہ آئینہ لڑائیوں میں سب میں زیادہ مرن اور ہرادی پے گناہ جنتا کی ہی ہونی ہے۔ لڑائی کے نتیجے میں کسی ملک کو بھی فائدہ نہیں پہونچتا۔ چنانچہ جنگی مورچوں کے مقابلے میں شانتی کے مورچوں کو مضبوط بنانے میں جنتا پوری پوری مدد دے۔

(4) ملکوں کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کسی بھی صورت میں آپسی فیصلے کی کسوٹی جنگ کو نہ بنائیں گے۔

(5) ہائیڈروجن اور اٹم بوم بنانے پر دیر سبھر بندش۔



اٹم اور ہائیڈروجن بم بنانا شانتی مورچا

30 دسمبر کو جاکارتا سے بولتے ہوئے پंडित جواہر-
لال نہرو نے اٹم اور ہائیڈروجن بموں کے خاتمے سے
دنیا کو آغاہ کرتے ہوئے کہا—”اگر اٹم اور
ہائیڈروجن بموں کے فٹنے کے پयोग باند نہ کیے گئے تو
آسامان جھریلی ہواؤں سے भर जायगा और सबकी
खिन्दगी खतरे में हो जायगी. हम जानते हैं कि जंगों के
मुताल्लिक आजकल साइन्स वाले क्या कहते हैं ? फ्रान्स
के किजिक्स के नोबुल इनाम पाने वाले प्रिन्स लुइ दे ब्रागी
ने दूसरे वैज्ञानिकों की राय को दोहराते हुये कहा है कि छे
या सात अटम बमों के फूटने से हवायें जहरीली हो जायगी
और दुनिया के रहने वालों के लिये नुकसानवह साबित
होंगी.” पंडित नेहरू ने आगे कहा कि “रेडियो एक्टिव
किरणें दुनिया के वातावरण को जहरीला कर देंगी और
उसका नतीजा यह भी हो सकता है कि इनसानी क्रौम नेस्त
नाबूद हो जाय.”

उसी दिन हुबली में बोलते हुये हिन्दुस्तान के मशहूर
साइन्सदा डाक्टर चन्द्रशेखर व्यंकट रमन ने कहा कि
”अगर वह सब ताकतें जिनके पास अटम बम हैं अटम की
लड़ाई से एक दूसरे को नेस्त नाबूद कर दें तो दुनिया की
इसमें बेहतरी हो जाय. हां दुनिया को दोबारा जन्म लेना
पड़ेगा.”

पहली लड़ाई के खत्म होते ही दूरदेशों ने दूसरी लड़ाई
का साया देखना शुरू कर दिया था. यह बात किसी से
छिपी न थी कि वरसाई के सुलहनामे में ही आगली लड़ाई
के बीज मौजूद थे. अब दूसरी लड़ाई की तोपों की आवाज
अभी मुशकिल से धीमी हो पाई है कि फिर तीसरी लड़ाई के
नगाड़े लोगों को बजते सुनाई देने लगे हैं. वैसे इस बात
पर एतबार नहीं होता कि हिरोशिमा और स्टालिनग्राद के
बाद इतनी जल्दी आदमी का कलेजा पत्थर का हो जायेगा
कि वह तीसरी लड़ाई की तैयारी करने लगे. यू. एन. ओ.
को बने भी आठ बरस बीत चुके. सारी दुनिया उस पर

ایٹم اور ہائیڈروجن بم بنانا شانتی مورچہ

30 دسمبر کو جاکارتا سے بولتے ہوئے پندت جواہر لال نہرو
نے ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے خطرے سے دنیا کو آگاہ کرتے ہوئے
کہا—”اگر ایٹم اور ہائیڈروجن بموں کے پھوٹنے کے پریوگ بند نہ
کئے گئے تو آسمان زہریلی ہواؤں سے بھر جائیگا اور سب کی زندگی
خطرے میں ہوجائیگی. ہم جانتے ہیں کہ جنگوں کے متعلق
آجکل سائنس والے کیا کہتے ہیں ؟ فرانس کے ٹوکس کے ٹوبل
انعام پانے والے پرنس لوی دے براگی نے دوسرے ویکیانوں کی
راے کو دہراتے ہوئے کہا ہے کہ چھ یا سات ایٹم بموں کے پھوٹنے سے
ہوائیں زہریلی ہو جائیں گی اور دنیا کے رہنے والوں کے لئے نقصان
دہ ثابت ہونگی.” پندت نہرو نے آگے کہا کہ ”ریڈیو ایٹم کرنیں
دنیا کے وائرون کو زہریلا کردینگی اور اُس کا نتیجہ یہ بھی ہو
سکتا ہے کہ انسانی قوم نیست نابود ہو جائے.”

اُسی دن ہبلی میں بولتے ہوئے ہندستان کے مشہور سائنسدان
ڈاکٹر چندر شیکھر وینکت رمن نے کہا کہ ”اگر وہ سب طاقتیں
جن کے پاس ایٹم بم ہیں ایٹم کی لڑائی سے ایک دوسرے کو
نیست نابود کردیں تو دنیا کی اس میں بہتری ہوجائے.
ہاں دنیا کو دو بارہ جنم لینا پڑیگا.”

پہلی لڑائی کے ختم ہوتے ہی دوراندیشوں نے دوسری لڑائی
کا سایہ دیکھنا شروع کر دیا تھا. یہ بات کسی سے چھپی نہ تھی
کہ رسائی کے صلحنامے میں ہی اگلی لڑائی کے بیج موجود تھے.
اب دوسری لڑائی کی توپوں کی آواز ابھی مشکل سے دھیمی
ہو پائی ہے کہ پھر تیسری لڑائی کے نگاڑے لوگوں کو بچتے سنائی
دینے لگے ہیں. ویسے اس بات پر اعتبار نہیں ہوتا کہ ہروشیما
اور اسٹالین گراڈ کے بعد انہی جلدی آدمی کا نلیچہ پتھر کا ہو
جائیگا کہ وہ تیسری لڑائی کی تیاری کرنے لگے. یو. این. او.
کو بلے بھی آٹھ برس بیت چکے. ساری دنیا اُس پر



अमरीका और इंगलिस्तान ने जर्मनी को फिर से हथियार बन्द करने का फैसला किया है ।
 लोरेक | इंगलिस्तान ने जर्मनी को फिर से हथियार बन्द करने का फैसला किया है ।

وہ سے سکتا سے سکتا جیسمانی تکلیفوں دیتے ہیں مگر اُن کرنے کے لیے اس کے لب مانو بنے ہی نہیں۔ اس کے جسم سے خون رس رس کر بہ سکتا ہے مگر نوالہی آتما سے آہ نہیں نکل سکتی۔

موت کا پاکر ساتھیوں کی مدد سے تہہ-کو اپنے غایل جیسم کو بستی دیا دھوا باگلا ہے۔ ساتھیوں سے ملتا ہے اور کام کرنے والوں کی اگلی کراتار میں فیر سے شامل ہوتا ہے۔

پورا اپنیاس ایک 'بار ڈاگری' کے تانے بانے میں دھنسا گیا ہے۔ بدلتی ہوئی حالات میں چینی کسان کس طرح اپنے کو نئی حالتوں اور نئے خیالوں کے مطابق ڈالتے ہیں، کس طرح کرائی کو کامیاب بنانے میں وہ رسد سے ماؤ کی مدد دیتے ہیں، کس طرح بدلتی ہوئی پریشیاں چین کے سماجی زندگی پر اپنا اثر ڈالتی ہیں اور کس طرح ایک سے ایک بڑے کو ذرا بڑوں کی مثالیں پیش کرتی ہیں۔ یہ سب اپنیاسکار نے اپنے سیدھے سادے کنتو سہج طرز پر بیان کیا ہے۔

پورا اپنیاس نئے چین کی اُپرستی دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہے۔ اپنیاس میں ان حالات کا ذکر ہے جب ایک سہیل کرائی کے لئے سہیل چل رہا تھا۔ کوئٹنگ اپنی آخری لڑائی لڑ رہا تھا۔ لیکن اپنیاس کے اس چتر میں یہی کرائی کی کامیابی کی ایک نشجست اُمید چھپی ہوئی تھی۔ ایک لڑکے نے کرائی کی سہیل پر اور ہی اُسرانے لکھے ہیں۔ اس اُسرانے سے اُس کی منشا یہ دکھانے کی ہے کہ ماؤ کی کامیابی کے پیچھے چین کی کروڑوں جنتا کا، چین کے کسانوں کا تیاگ اور ہلیدان ہے جس کی وجہ سے کرائی سہیل ہوئی۔

اپنیاس دلچسپ ہے اور اُس میں ایک روایتی ہے۔ چھپائی صفا بہت عمدہ ہے۔

—ویربمبھرناتھ پانڈے

اپنے سخت سے سخت جسمانی تکلیفیں دیتے ہیں مگر اُن کرنے کے لئے اُس کے لب مانو بنے ہی نہیں۔ اس کے جسم سے خون رس رس کر بہ سکتا ہے مگر نوالہی آتما سے آہ نہیں نکل سکتی۔

موت کا پاکر ساتھیوں کی مدد سے تہہ-کو اپنے غایل جیسم کو بستی دیا دھوا باگلا ہے۔ ساتھیوں سے ملتا ہے اور کام کرنے والوں کی اگلی کراتار میں فیر سے شامل ہوتا ہے۔

پورا اپنیاس ایک 'بار ڈاگری' کے تانے بانے میں دھنسا گیا ہے۔ بدلتی ہوئی حالتوں میں چینی کسان کس طرح اپنے کو نئی حالتوں اور نئے خیالوں کے مطابق ڈالتے ہیں، کس طرح کرائی کو کامیاب بنانے میں وہ رسد سے ماؤ کی مدد دیتے ہیں، کس طرح بدلتی ہوئی پریشیاں چین کے سماجی زندگی پر اپنا اثر ڈالتی ہیں اور کس طرح ایک سے ایک بڑے کو ذرا بڑوں کی مثالیں پیش کرتی ہیں۔ یہ سب اپنیاسکار نے اپنے سیدھے سادے کنتو سہج طرز پر بیان کیا ہے۔

پورا اپنیاس نئے چین کی اُپرستی دیکھ کر حیرت میں مبتلا ہے۔ اپنیاس میں ان حالات کا ذکر ہے جب ایک سہیل کرائی کے لئے سہیل چل رہا تھا۔ کوئٹنگ اپنی آخری لڑائی لڑ رہا تھا۔ لیکن اپنیاس کے اس چتر میں یہی کرائی کی کامیابی کی ایک نشجست اُمید چھپی ہوئی تھی۔ ایک لڑکے نے کرائی کی سہیل پر اور ہی اُسرانے لکھے ہیں۔ اس اُسرانے سے اُس کی منشا یہ دکھانے کی ہے کہ ماؤ کی کامیابی کے پیچھے چین کی کروڑوں جنتا کا، چین کے کسانوں کا تیاگ اور ہلیدان ہے جس کی وجہ سے کرائی سہیل ہوئی۔

اپنیاس دلچسپ ہے اور اُس میں ایک روایتی ہے۔ چھپائی صفا بہت عمدہ ہے۔

—ویربمبھرناتھ پانڈے

کتابیں

وال آف براؤن

انگریزی زبان میں لکھا ہوا اُنیٹاس (انسائٹ) — لکھنے والے لیو چنگ؛ چنانچہ والے — نابینا، لیٹو بیچ پریس، پکنگ، 1954؛ صفحے 283 ڈیمارڈ سائڈز۔

مूल उपन्यास चीनी زبان में लिखा गया था. यह उसका अंग्रेजी तर्जुमा सिडनी शैपरो का किया हुआ है. वाल आफ ब्राउन् का हिन्दी में तर्जुमा होगा—कांसे की दीवार. कांसे की दीवार की सफाई देते हुये चीन के प्रेजी-डेन्ट माओ ने कहा था—“साथियो, कांसे की असली दीवार क्या है? वह जनता है, करोड़ों की तादाद में, जो दिल से और सचमुच क्रान्ति की कन्द्र करते हैं. वही कांसे की असली दीवार है. कोई ताकत इस दीवार को नहीं तोड़ सकती. यह अमेच दीवार है. प्रतिक्रान्ति भी इसे नहीं तोड़ सकती.....”

लेखक ने माओ की इस तक्ररीर से ही अपने अफसाने का नाम ‘वाल आफ ब्राउन्’ कांसे की दीवार चुना. उपन्यास का मुख्य नायक शिह-तेह-कु एक कम्युनिस्ट नौजवान है. वह मशहूर कम्युनिस्ट सेना एट्थ रूट आर्मी में घायलों को उठाने का काम करता है. अफसरों ने उसकी जाफिशानी से काम करने की तारीफ की और उसे इनाम दिये. कम्युनिस्ट और कुओमिनतांग सेनाओं का युद्ध चलता है. कुओमिनतांग सेना रसद चाहती है. वह गांवों पर धावे बोलती है. गांव वाले कम्युनिस्ट सेना को रसद पहुंचाते हैं. उनके बड़े बड़े क्राफिले निकलते हैं. तेह-कु उन्हें रास्ता दिखाता और दुश्मनों की बमबारी से आगाह करता हुआ चलता है. वह एक आदर्श जांबाज कम्युनिस्ट कार्यकर्ता है. न वह मौत से डरता है न जुल्मों से. वह किसानों को आगाह करने में अपनी जान से खेलता है. अन्त में दुश्मन उसे गिरफ्तार करते हैं.

वाल ऑफ ब्राउन्

انگریزی زبان میں لکھا ہوا اُنیٹاس (انسائٹ) — لکھنے والے لیو چنگ؛ چنانچہ والے — نابینا، لیٹو بیچ پریس، پکنگ، 1954؛ صفحے 283 ڈیمارڈ سائڈز۔

مول اُنیٹاس چینی زبان میں لکھا گیا تھا۔ یہ اُس کا انگریزی ترجمہ سدنی شپپرو کا کیا ہوا ہے۔ وال آف براؤن کا ہندی ترجمہ ہوا—کانسے کی دیوار۔ کانسے کی دیوار کی صفائی دیتے ہوئے چین کے پریزیڈنٹ ماؤ نے کہا تھا—”ساتھیو، کانسے کی اصلی دیوار کیا ہے؟ وہ جتنا ہے، کروڑوں کی تعداد میں جو دل سے اور سچ سچ کرانٹی کی قدر کرتے ہیں۔ وہی کانسے کی اصلی دیوار ہیں۔ کوئی طاقت اِس دیوار کو نہیں توڑ سکتی۔ یہ اُپیدیدہ دیوار ہے۔ پرتی کرانٹی بھی اِسے نہیں توڑ سکتی.....“

لیکھک نے ماؤ کی اِس تقریر سے ہی اپنے افسانے کا نام ‘وال آف براؤن’ کانسے کی دیوار چنا۔ اُنیٹاس کا مکھیت نایک شہ۔ تھم۔ نو ایک کمیونسٹ نوجوان ہے۔ وہ مشہور کمیونسٹ سینا ایٹھ روت آرمی میں گھایلوں کو اُٹھانے کا کام کرتا ہے۔ افسروں نے اُس کی جانفشانی سے کام کرنے کی تعریف کی اور اُسے انعام دئے۔ کمیونسٹ اور کوؤمنٹانگ سہناؤں کا بدھ چلتا ہے۔ کوؤمنٹانگ سینا رسد چاہتی ہے۔ وہ گلوں پر دھارے بولتی ہے۔ گلوں والے کمیونسٹ سینا کو رسد پہنچاتے ہیں۔ اُن کے ہڑے ہڑے فائیلے نکلتے ہیں۔ نہ۔ نو انہیں رستہ دکھانا اور دشمنوں کی بمباری سے آگاہ کرنا ہوا چلتا ہے۔ وہ ایک آدمی جوانباز کمیونسٹ کرید کرتا ہے۔ نہ وہ موت سے قرتا ہے نہ ظلموں سے۔ وہ کسانوں کو آگاہ کرنے میں اپنی جان سے کھیلتا ہے۔ انت میں دشمن اُسے گرفتار کرتے ہیں۔

اوبھ کے شوقینوں نے اسے اور شوق کیا۔ کچھ نادانوں اور کچھ دانا دشمنوں نے انرا نقوی سے فائدہ اٹھایا اور زبان کا ایک دوسرا ہی طرز ایجاد کر ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک زبان کے دو تھنگ چل پڑے اور ان میں آپس میں کھینچ تان ہونے لگی۔ تاریخ کے پرانے دوروں پر دھیان دیجئے اور ان سے سمجھ لیجئے۔ ہر زمانے میں دو شکلیوں کا عمل دکھائی دیتا ہے— ایک طرف نرقوں، نسلوں، رسموں اور رواجوں کی بہتایت ہے تو دوسری طرف ایکتا کی طانت، جو انھیں ملا کر ایک سمیٹا پیدا کرتی ہے۔ ہر دور میں یہی عمل جاری رہا ہے۔ کثرت میں وحدت کا منشا ہوتا نظر آتا ہے۔ آج بھی وہی کشمکش ہے۔ ہندستان رقبہ اور آبادی میں ایک بہت بڑا دیس ہے۔ اس میں کئی نسلوں کے آدمی بستے ہیں، کئی ہی مذہب ہیں، کچھ کی جنم بومی ہندستان ہے، کچھ کی باہر کے دیس۔ ان کی ریتیں اور رسمیں الگ ہیں، روایتیں جدا ہیں، ذاتی قانون، دھرم کے ٹیکالے تیارے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ غوتے غوتے بھی ایک تاریخی قوت ہے جو کربوں کو چور کر ایک مضبوط رنجبیر تھال رہی ہے، معلوم نہیں کب سے، لیکن تاریخ کے زمانے سے بہت پہلے سے، قسمت کا یہی فیصلہ ہے۔

دنیا میں نہ کسی زمانے میں، نہ کسی ملک میں کوئی بھی راج بہت دن چلا ہے، جو ایک سماج کی بنیادوں پر نہ کر رہا ہو۔ ایک سماج کا آسرا ہمارے دلوں کا میل ملاپ ہے۔ دلوں میں محبت ایک دوسرے کے طریقوں، خیالوں اور بھائی کی عزت سے، اپنے میں سب دیش والوں کو اور سب دیش والوں میں اپنے کو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا سماج ملوں ہوگا، جسمیں ہندستان کے کل باشندے اچھی طرح سے اس ملوں سماج سے جو تہذیب پیدا ہوگی وہ ایک مشترکہ خاندان کی مشترکہ جائداد ہوگی۔ اس نئے سماج، نئی سمیٹا کی ضرورتوں کو ایک ملوں زبان ہی پورا کر سکتی ہے۔ یہ وہی زبان ہر سکتی ہے جو اپنے پردھوں کا آدر اور مہمانوں کا سواکت کرتی ہے۔ اسکا دیس کی کسی بولی سے بھر نہیں، لیکن اس پر کسی خاص فرقہ کا ٹیکا نہیں ہے۔ یہ زبان پرانی بھی ہے، نئی بھی۔ اس میں وہ دھونیاں ہیں جنہیں ہمارے کان ویدک کال سے سنتے چلے آئے ہیں اور وہ بھی جنہیں ہمارے بھائی تاریخ کے تفسرے دور میں اپنے ساتھ لائے۔ ہر اس کے قانون قائمہ اپنے ہیں اور یہ کبھی دوسری زبان کی حکومت ماننے کو تیار نہیں۔ یہ زبان بھولی فنکی نہیں، کیونکہ یہ لفظوں کے لئے سنسکرت، عربی، فارسی، انگریزی، سنہی سے خراج لے سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بھارت بھرا ہے۔ ہر اس کے آئینوالے ساتھ ساتھ کے سامنے اس کے پرانے کرنامے آج بھی بچے دکھائی دیں گے۔ جبکہ سورج کے سامنے سورج کے تارے۔

جہانوں کا رواج تھا۔ ایک زبان اور کچھ درجے کے لوگوں اور پڑھ لکھوں کی ہوتی تھی اور دوسری عام لوگوں، گاؤں والوں کی۔ پہلے دور کے پندتوں اور درباروں کی زبانیں سنسکرت تھیں۔ لیکن سادھارن آدمی دیس کے جدا جدا علاقوں میں الگ الگ بولتے تھے جو سیدھی سادھی اور آسان تھیں۔ دوسرے دور میں مذہبی پرچار کے لئے ہالی اور اوردھ ماگدھی کام میں آئے لیکن اور کچھ مہاراجاؤں نے ہالی کو سرکاری کام میں بھی استعمال کیا، لیکن بعد میں سنسکرت کا بول بالا ہوا اور پرکرتیں بولی تھولی ہوکر رہیں۔ کہیں مراٹھی پرکرت بولی جاتی تھی تو کہیں سورسینی اور کہیں مکدھی۔ تیسرا در آیا تو دلی کے ترک اور منزل سمراتوں نے فارسی کو دفتری زبان ٹھہرایا۔ آٹھویں صدی تک یہی حالت رہی۔ پڑھنے لکھنے میں ’ربی‘ فارسی اور سنسکرت کام میں آتی تھیں۔ پر ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد ہندستانی، ’برج‘ اوردھی، ’بنگلا‘ گجراتی، مراٹھی وغیرہ بھاشائیں بولتی تھیں۔ ان کی روچی اور سوہیاؤ کا یہی تقاضہ تھا کہ وہ اپنے ہیاؤ اور وچاروں کو انہوں کے ذریعہ ظاہر کریں۔ اس لئے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان دونوں مل کر ان بھاشاؤں کا سامعیتہ بناتے رہے۔

آٹھویں صدی سے تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ دلی پہل تو اس زمانے میں ہی پرانی لکیروں پر کام چلا۔ لیکن فارسی اور سنسکرت کی جگہ انگریزی زبان نے لی۔ پر جیسے جیسے سوردیشی اور سوراج کا زور پڑتا پر دیشی بھاشا کی طرف سے جی ہٹنے لگا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ دیش کی کونسی بھاشا اس لاتی ہے کہ اسے کل ہندی کی بولی مانا جائے۔ اس میں ایک یہ پہچ تھا کہ آزادی اور برابری کے زمانے میں عام اور خاص کی بولی اور بھاشا میں فرق نہیں ہوسکتا تھا اس لئے فارسی، سنسکرت نہ پڑھائی کا ذریعہ اور نہ سرکار دربار کے کاموں کے لئے کل دیش کی بھاشا مانتی جاسکتی تھی۔ یہ مزید کسی دیسی بولی کو ہی دبا جاسکتا ہے۔ دیکھا تو ہر صوبے کی اپنی زبان ہے اور اس میں اچھا خاصا ادب ہے۔ لیکن ان صوبائی زبانوں میں ایک ایسی ہے جس کا پھیلاؤ سب سے زیادہ ہے جس کی سیوا اتر ہی نہیں دھن میں بھی ہے۔ یہ زبان بہت پرانی ہے۔ چودھویں صدی سے آج تک لگاتار اس میں سامعیتہ تیار ہوتا رہا ہے۔ ہندستان کے سبھی مذہبوں نے اس میں پرچار کیا ہے اور سب نے اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔ آٹھارویں صدی کے شروع تک یہ زبان جس طرح بولی اور لکھی جاتی تھی وہ ایک ملا جلا طرز تھا۔ اس میں تھمہ ہندی کا تھمہ بھی تھا اور فارسی کا بھی چٹخارا۔ لیکن جب محمد شاہی دربار کا اثر پڑا تو اس کے طرز میں نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ ایرانی، ترائی، نیلے پرانے ولایتی امیروں کو یہ رنگ ایسا پھایا کہ انہوں نے پرانی زبان کو بدل ڈالا۔

جہانوں کا رواج تھا۔ ایک زبان اور کچھ درجے کے لوگوں اور پڑھ لکھوں کی ہوتی تھی اور دوسری عام لوگوں، گاؤں والوں کی۔ پہلے دور کے پندتوں اور درباروں کی زبانیں سنسکرت تھیں۔ لیکن سادھارن آدمی دیس کے جدا جدا علاقوں میں الگ الگ بولتے تھے جو سیدھی سادھی اور آسان تھیں۔ دوسرے دور میں مذہبی پرچار کے لئے ہالی اور اوردھ ماگدھی کام میں آئے لیکن اور کچھ مہاراجاؤں نے ہالی کو سرکاری کام میں بھی استعمال کیا، لیکن بعد میں سنسکرت کا بول بالا ہوا اور پرکرتیں بولی تھولی ہوکر رہیں۔ کہیں مراٹھی پرکرت بولی جاتی تھی تو کہیں سورسینی اور کہیں مکدھی۔ تیسرا در آیا تو دلی کے ترک اور منزل سمراتوں نے فارسی کو دفتری زبان ٹھہرایا۔ آٹھویں صدی تک یہی حالت رہی۔ پڑھنے لکھنے میں ’ربی‘ فارسی اور سنسکرت کام میں آتی تھیں۔ پر ہندوستانیوں کی بہت بڑی تعداد ہندستانی، ’برج‘ اوردھی، ’بنگلا‘ گجراتی، مراٹھی وغیرہ بھاشائیں بولتی تھیں۔ ان کی روچی اور سوہیاؤ کا یہی تقاضہ تھا کہ وہ اپنے ہیاؤ اور وچاروں کو انہوں کے ذریعہ ظاہر کریں۔ اس لئے اس زمانے میں ہندو اور مسلمان دونوں مل کر ان بھاشاؤں کا سامعیتہ بناتے رہے۔

آٹھویں صدی سے تاریخ کا نیا دور شروع ہوا۔ دلی پہل تو اس زمانے میں ہی پرانی لکیروں پر کام چلا۔ لیکن فارسی اور سنسکرت کی جگہ انگریزی زبان نے لی۔ پر جیسے جیسے سوردیشی اور سوراج کا زور پڑتا پر دیشی بھاشا کی طرف سے جی ہٹنے لگا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ دیش کی کونسی بھاشا اس لاتی ہے کہ اسے کل ہندی کی بولی مانا جائے۔ اس میں ایک یہ پہچ تھا کہ آزادی اور برابری کے زمانے میں عام اور خاص کی بولی اور بھاشا میں فرق نہیں ہوسکتا تھا اس لئے فارسی، سنسکرت نہ پڑھائی کا ذریعہ اور نہ سرکار دربار کے کاموں کے لئے کل دیش کی بھاشا مانتی جاسکتی تھی۔ یہ مزید کسی دیسی بولی کو ہی دبا جاسکتا ہے۔ دیکھا تو ہر صوبے کی اپنی زبان ہے اور اس میں اچھا خاصا ادب ہے۔ لیکن ان صوبائی زبانوں میں ایک ایسی ہے جس کا پھیلاؤ سب سے زیادہ ہے جس کی سیوا اتر ہی نہیں دھن میں بھی ہے۔ یہ زبان بہت پرانی ہے۔ چودھویں صدی سے آج تک لگاتار اس میں سامعیتہ تیار ہوتا رہا ہے۔ ہندستان کے سبھی مذہبوں نے اس میں پرچار کیا ہے اور سب نے اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے۔ آٹھارویں صدی کے شروع تک یہ زبان جس طرح بولی اور لکھی جاتی تھی وہ ایک ملا جلا طرز تھا۔ اس میں تھمہ ہندی کا تھمہ بھی تھا اور فارسی کا بھی چٹخارا۔ لیکن جب محمد شاہی دربار کا اثر پڑا تو اس کے طرز میں نیا رنگ پیدا ہو گیا۔ ایرانی، ترائی، نیلے پرانے ولایتی امیروں کو یہ رنگ ایسا پھایا کہ انہوں نے پرانی زبان کو بدل ڈالا۔

करता था, उसकी पैदावार उसके लिए काफी थी, उसकी जरूरतें कम और इनमें तब्दीलियां नहीं होती थीं, अब काफी नहीं. अब तमाम हिन्दुस्तान की एक मंडी है, जिस में दूर और पास के सब गांव लेन देन करते हैं. सारे देश का द्यूपार एक साख पर कायम है और कुल कारोबार हुन्डी पचें पर चलता है. कुदरत ने मुल्क में अपनी नियामतें इस तरह फैलाई हैं कि कोई हिन्सा बिना दूसरे हिस्सों की मदद के सुहाहाल नहीं रह सकता—कहीं गेहूँ उगता है तो कहीं चावल, कहीं नमक मिलता है तो कहीं लकड़ी, कोयला; कहीं लोहा निकलता है तो कहीं सोना; और सब मिलकर ही एक दूसरे की जरूरतों को पूरा कर सकते हैं.

समाजी जिन्दगी में भी इन्कलाब है. जात-पात का जोर घट रहा है. कबीलों और फिक्कों की ताकसीम तो गायब ही हो गई! आज कौन शरीफ है, कौन रज्जील? समाज में इज्जत और सरकार में ओहदे पाने के लिए न ब्राह्मण क्षत्री होने की जरूरत है, न सैयद और पठान. जनम और खानदान से कोई ऊंच नीच नहीं बनता. बराबरी का जमाना है. कानून के सामने सब बराबर हैं. मर्द ही नहीं औरतों में भी बराबरी की तलाश है. रहने सहने के तरीके बदल रहे हैं. हम एक से मकानों और बंगलों में रहते हैं, एकसां कर्नीचर इस्तेमाल करते हैं, एकसां लिबास पहनते हैं, एक ढंग से मेज कुर्सी पर कांटे छुरी की आदत डाल रहे हैं, चाय पीने में मक्खन तोरा का नास्ता करते हैं. बाहर ही नहीं, हमारे अन्दर का कर्नीचर भी बराबर है. योप की विद्याओं ने एशियाई इस्मों की जगह ले ली है. सोचने के ढंग गौतम और कनाद, इब्न रुशद और इब्न सीना से नहीं, कान्ट और हैगेल, न्यूटन और आइन्स्टाइन से सीखते हैं. हम मनु और अबु हनीफा की कतरब्यौत करते हैं.

यह जरूर है कि अभी हमारे मनों में अपनी तरफ से दुविधा है, अपने ऊपर पूरा भरोसा नहीं. हिन्दुस्तान के कुल बाशिन्दों को कन्धे मिलाकर खड़ा होना है. इनमें से किसी ने कंधा डाल दिया तो सब का काम बिगड़ जायगा.

आने वाले जमाने का तमद्दुन इन्हीं जरूरतों और बुनियादों पर खड़ा होगा. यह बारह खंभा जिन सुन्नतों के सहारे दुनिया की तेज और तुन्द आंधियों का सामना करेगा वह इस मुल्क के रहने वालों की जमाअतें हैं जो इस वक्त बिलखी हुई और सवास दिखाई देती हैं—लेकिन जल्द मिलेंगी और अपनी ताकत को पहचानेंगी. वह सभ्यता की ऐसी इम्मात बनायेंगी जिसके मुकाबले में पुराने महल मंद पड़ जायेंगे. जमाना इस नये तमद्दुन का बैचैनी के साथ इन्तजार कर रहा है.

इस नये समाज और नये तमद्दुन की जमान क्या होगी? आइए तारीख से मशिवरा करें, यह एक बड़े अचम्भे की बात है कि हमारे देश की तारीख के हर दौर में दो तरह की

क़ोता त्हा, अस् की पैदवार अस् के लै क़त्ती त्ही, अस् की ضرूरतें कम और इन में तब्दीलियां नहीं होती त्हीं, अब क़त्ती त्हीं. अब तमाम हन्दुस्तान की एक मन्दी है, जस में दूर और पास के सब क़ौल लैन देिन क़र्ते हैं. सारै दैश का द्यूपार एक साख पर क़ात है और क़ल करार हन्दी पचें पर चलता है. कुदरत ने माक में अपनी नेमतें इस तरह फैलाई हैं कि क़ोई हिन्सा बिना दूसरे हिस्सों की मदद के सुहाहाल नहीं रह सकता—कहीं गेहूँ उगता है तो कहीं चावल, कहीं नमक मिलता है तो कहीं लकड़ी, कोयला; कहीं लोहा निकलता है तो कहीं सोना; और सब मल कर ही एक दूसरे की ضرूरतों को पूरा करसकते हैं. समाजी रन्दी में भी इन्कलाब है. जात पानत का रूर क़ैत रहा है. क़बील और फ़िक्कों की तससिम तू ग़ैब ही होगी! अज क़ौन शुरैफ़ है, क़ौन रज़ील? समाज में इज्जत और सरकार में ओहदे पाने के लिए न ब्राह्मण क्षत्री होने की जरूरत है, न सैयद और पठान. जनम और खानदान से क़ोई ऊंच नीच नहीं बनता. बराबरी का जमाना है. कानून के सामने सब बराबर हैं. मर्द ही नहीं औरतों में भी बराबरी की तलाश है. रहने सहने के तरीके बदल रहे हैं. हम एक से मकानों और बंगलों में रहते हैं, एकसां कर्नीचर इस्तेमाल करते हैं, एकसां लिबास पहनते हैं, एक ढंग से मेज कुर्सी पर कांटे छुरी की आदत डाल रहे हैं, चाय पीने में मक्खन तोरा का नास्ता करते हैं. बाहर ही नहीं, हमारे अन्दर का कर्नीचर भी बराबर है. योप की विद्याओं ने एशियाई इस्मों की जगह ले ली है. सोचने के ढंग गौतम और कनाद, इब्न रुशद और इब्न सीना से नहीं, कान्ट और हैगेल, न्यूटन और आइन्स्टाइन से सीखते हैं. हम मनु और अबु हनीफा की कतरब्यौत करते हैं.

यह जरूर है कि अभी हमारे मनों में अपनी तरफ से दुविधा है, अपने ऊपर पूरा भरोसा नहीं. हिन्दुस्तान के कुल बाशिन्दों को कन्धे मिलाकर खड़ा होना है. इनमें से किसी ने कंधा डाल दिया तो सब का काम बिगड़ जायगा.

आने वाले जमाने का तमद्दुन इन्हीं जरूरतों और बुनियादों पर खड़ा होगा. यह बारह खंभा जिन सुन्नतों के सहारे दुनिया की तेज और तुन्द आंधियों का सामना करेगा वह इस मुल्क के रहने वालों की जमाअतें हैं जो इस वक्त बिलखी हुई और सवास दिखाई देती हैं—लेकिन जल्द मिलेंगी और अपनी ताकत को पहचानेंगी. वह सभ्यता की ऐसी इम्मात बनायेंगी जिसके मुकाबले में पुराने महल मंद पड़ जायेंगे. जमाना इस नये तमद्दुन का बैचैनी के साथ इन्तजार कर रहा है.

इस नये समाज और नये तमद्दुन की जमान क्या होगी? आइए तारीख से मशिवरा करें, यह एक बड़े अचम्भे की बात है कि हमारे देश की तारीख के हर दौर में दो तरह की

इस नये समाज और नये तमद्दुन की जमान क्या होगी? आइए तारीख से मशिवरा करें, यह एक बड़े अचम्भे की बात है कि हमारे देश की तारीख के हर दौर में दो तरह की

میلکھی اور پंडیتوں، سرکاری درباری اہلکاروں کو بھڑک کر جو سنسکرت، فارسی اور عربی سیکھتے تھے، ہائی سپیشل مسلمان ہندو بولیوں بولتے تھے اور انہیں میں اپنے دھار اور بھائی ظاہر کرتے تھے، ارد، ہرج، اودھی، بنگلہ، پنجابی بولیوں میں سنسکرت ہندو مسلمان شاعر ہوئے جن کے کارناموں سے ان کے خزانے مالا مال ہیں۔

भाषा, साहित्य और कला में किसी कौम की आत्मा का परतब दिखाई देता है. इससे इसके गुणों का और इसकी असलियत का पता लगता है. इनकी एकسانियत कौमी आत्मा की एकता को जाहिर करती है. यह एकता जिन्दगी के और अंगों में भी दिखाई देती है—मसलन् चाल चलन के उसूलों और सचाई के راستों की तलाश में. इन पर गौर करें तो बाबजूद मजहबी फरकों के एक गहरी समानता पाई जाती है. दुनिया की खाहिशों से दिल हटाना, जो कुछ मिल गया उस पर सब करना, आदमी आदमी से मुहब्बत करना—अल्लाह से लौ लगाना, जिन्होंने दुनिया को तज दिया है और अन्दरूनी शक्ति को पा लिया है उनका सत्संग करना, गुरु या पीर को राह दिखानेवाला मानना और उसकी इच्छात करना—यह ऐसे कयाल थे जो हिन्दुस्तान के सभी लोगों में मुस्तरिक थे. साधू-सन्तों और सूफी दरवेशों ने इस इश्क के मजहब, प्रेम के धर्म का प्रचार किया और कुल हिन्दुस्तान को भाईचारे के रिश्तों में बांध दिया. इनके दिलों में कैसी सफाई और हिम्मत थी. मुहम्मद अली कुतुब-शाह, जो गोलconda के बादशाह और अकबर के हमअसर थे, यां बेधड़क बयान करते हैं—कुफ़रीति क्या हूर इस्ताम रीति—हर एक रीति में इश्क का राज है. यह था इन चन्द सौ सालों में हाकिमों के तबक़े और गौर मजहब के लोगों की तबीयतों का मिलन. कबीर, नानक, दादू, तुकाराम, मुईउद्दीन, बाबा फरीद, रजब, और बहुतेरे हिन्दू और मुसलमानों ने इन्हीं विचारों को फैलाया है. इस तबियत से खूबसूरती के वे पुतले तैयार हुए जिनको देखकर आज भी हमारी रंगों का खून तेजी से बहने लगता है. इसी दिल से वे जन्मे पैदा हुए जिन्होंने हिन्दुस्तान से कुछ दिनों के लिए दुई को मिटा दिया.

अठारहवीं सदी के پुरे होते होते इस तमद्दुन ने भी دم तोड़ा. तारीख के तीन दौर खतम हो चुके थे. उसीसवीं सदी ने चौथे दौर का डौल डाला. आज हम तारीख के इस दौर में से गुजर रहे हैं. लेकिन अभी तो मंजिल की पहली सीढ़ियों पर ही हैं. इस भूल भुलझायों में आगे क्या है इसकी जांच उस धुंधले खाके से हो सकती है जो इस वक्त हमारी आंखों के سامने है. आज हिन्दुस्तान की आर्थिक जिन्दगी एक नये ढङ्ग पर चल रही है. दस्तकारी की जगह कारखाने ले रहे हैं. गांव की शान्त और सादा रवیش खतम हो चुकी. वह हालत जिसमें हर एक गांव अपने ऊपर आप भरोसा

مولوی اور پندتوں، سرکاری درباری عہدہ داروں کو چھوڑ کر جو سنسکرت، فارسی اور عربی سیکھتے تھے، ہائی سپیشل مسلمان ہندو بولیوں بولتے تھے اور انہیں میں اپنے دھار اور بھائی ظاہر کرتے تھے، ارد، ہرج، اودھی، بنگلہ، پنجابی بولیوں میں سنسکرت ہندو مسلمان شاعر ہوئے جن کے کارناموں سے ان کے خزانے مالا مال ہیں۔

پاشا، سادھو اور کلا میں کسی قوم کی آتما کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ اس سے اس کے گونوں کا اور اس کی اصلیت کا پتہ لگتا ہے۔ ان کی یکسانیت قومی آتما کی ایکتا کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ ایکتا زندگی کے اور انٹوں میں بھی دکھائی دیتی ہے—مثلاً چال چلن کے اصول اور سچائی کے راستوں کی تلاش میں۔ ان پر غور کریں تو باوجود مذہبی فرقوں کے ایک گہری سمانتا پائی جاتی ہے۔ دنیا کی خواہشوں سے دل ہٹانا، جو کچھ مل گیا اُس پر صبر کرنا، آدمی آدمی سے محبت کرنا—اللہ سے لہ لگانا، جنہوں نے دنیا کو تہج دیا ہے اور اندرونی شکتی کو پالیا ہے ان کا ست سنگ کرنا، گرو یا پیر کو راہ دکھانے والا ماننا اور اُس کی عزت کرنا—یہ ایسے خیال تھے جو ہندوستان کے سبھی لوگوں میں مشترک تھے۔ سادھو سنتوں اور صوفی درویشوں نے اس عشق کے مذہب، پریم کے دھرم کا پرچار کیا اور کل ہندوستان کو بھائی چارے کے رشتوں سے باندھ دیا۔ ان کے دلوں میں کیسی صفائی اور ہمت تھی۔ محمد علی قطب شاہ، جو گولکندا کے بادشاہ اور اکبر کے معاصر تھے، یوں پندھوک بیان کرتے ہیں—کنز ربی کیا، خور اسلام رہی—ہر ایک ریتی میں عشق کا راز ہے۔ یہ تھا ان چند سو سالوں میں حاکموں کا طبقہ اور غیر مذہب کے لوگوں کی طبیعتوں کا ملن۔ کبیر، نانک، دادو، تکارام، معین الدین، بابا فرید، رجب، اور بہتیرے ہندو اور مسلمانوں نے انہیں وچاروں کو پھیلایا ہے۔ اس طبیعت سے خوبصورتی کے وہ پتالے تیار ہوئے جن کو دیکھ کر آج بھی ہماری رگوں کا خون تیزی سے بہنے لگتا ہے۔ اسی دل سے وہ جذبے پیدا ہوئے جنہوں نے ہندوستان کے کچھ دنوں کے لئے درنی کو مٹا دیا۔

اٹھارہویں صدی کے پورے ہوتے ہوتے اس تمدن نے بھی دم توڑا۔ تاریخ کے تین دور ختم ہوچکے تھے۔ انیسویں صدی نے چوتھے دور کا ڈول ڈالا۔ آج ہم تاریخ کے اس دور میں سے گذر رہے ہیں۔ لیکن ابھی تو منزل کی پہلی سیڑھیوں پر ہی ہیں۔ اس بیول بلبلیاں میں آگے کیا ہے اس کی جانچ اُس دھندلے خاکے سے ہوسکتی ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ آج ہندوستان کی آرتھک زندگی ایک نئے ڈھنگ پر چل رہی ہے۔ دستکاری کی جگہ کارخانے لے رہے ہیں۔ گاؤں کی شانیت اور سادہ روش ختم ہوچکی، وہ حالت جس میں ہر ایک گلوں اپنے اوپر آپ بھروسہ

کرنا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کو پھیلانے والے اپنے بادشاہ اور فوجی کماندار نہیں تھے جتنے درویش، صوفی، مست قلندر تھے جنہیں راج درباروں سے سروکار نہ تھا۔ یہ اللہ والہ پریم کے متوالے، غریبوں یکساں اور دین دیکھوں کے ساتھی اور مہمد تھے۔ ان کے آپس کے برتاؤ کا اثر حاکموں پر بھی پڑا اور اس طرح مار دھار اور ترائے دھمکانے کی جگہ اچھے رشتے قائم ہوئے۔ دشمنی دوستی میں بدلی۔ ترک اپنے ساتھ اپنی سپہیتا لائے۔ ان کے سماج کا تقاضہ اور راج کا طریقہ راجپوتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ لیکن دغموں کا فرق اور زبانیں جدا جدا تھیں۔ اب تک جتنی قومیں ہندوستان میں آئی تھیں، ان کے مذہب کچھ اہمیت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن اسلام کی حیثیت اُن سے بالکل الگ تھی۔ اس کے اصول، پوجا پاتک، طریقے، قانون، رسمیں اور راج خاص تھے۔ اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کا گہرا اثر تھا۔ یہ آسان نہیں تھا کہ اسلام دوسرے مذہبوں میں گول جانا یا اُن کے دباؤ کو قبول کرتا۔ لیکن ہندوستان کی سرشتی ہی میں میل جول کا رگ ہے۔ یہ کہہ سکتا تھا کہ دو تہذیبیں ہندوستان میں ایک ساتھ رہیں اور بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں؟ ہندو اور اسلامی تہذیب نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رنگ بدلا۔ ہندوؤں کے پرانے طریقے باقیہ آج بھی مسلمانوں نے ہندو طریقوں کو اپنایا۔ ہندو اور مسلمانی ہندوؤں کا میل ہوا۔ دو علیحدہ دنیاویں ایک میں سمو گئیں۔ ایک نیا تمدن تیار ہوا۔ اس کے دلیاویں اور روحانی پہلوؤں پر دعیاں دیں تو اس کی یکسانیت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

خیندگی میں ہماری سب سے پہلی ضرورت خنانے پینے، کپڑا پھرنے اور رر ٹیکانے کی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے ہی کے لیے ہم خواتی باڈی، رندے، دسٹکاری، بنج-جیوار کرتے ہیں۔ آغار ہم اس ر: سؤ برش کی تاریخ پر نجر ڈالیں جو تہذیبیں سدی سے رخرم ہوئی ہیں تاں مالوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کے ررکے ہندو مسلمانوں میں یکساں ہے۔ ہم ایک ررھتے ہے، ایک سے کپڑے پہنتے ہے، ایک سے کھاتے ہے۔ ہمارے کھیل کود، دللگی، رھل رھل کے سامان یکساں ہے۔ خیندگی کی مریلوں کو ایک ساٹھ کاتے ہے اور ایک ہی ررر نہاتے ہے۔ بچوں کے ر:ام، لڑکے لڑکیوں کی بیار شادی، مرنے کے بعد شوک منائے کے طریقے ملتے جلتے ہے۔ اس زمانے میں ہندو اور مسلمانوں نے جو تصبریں کھینچیں، متعل، مقبرے، مندر اور مسجیدیں تعمیر کیں، راک راگیاں اپنیں، باجے ایجاد کئے، ان میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہ تھا، انے گئے

کرنا ہے۔ ہندوستان میں اسلام کو پھیلانے والے اپنے بادشاہ اور فوجی کماندار نہیں تھے جتنے درویش، صوفی، مست قلندر تھے جنہیں راج درباروں سے سروکار نہ تھا۔ یہ اللہ والہ پریم کے متوالے، غریبوں یکساں اور دین دیکھوں کے ساتھی اور مہمد تھے۔ ان کے آپس کے برتاؤ کا اثر حاکموں پر بھی پڑا اور اس طرح مار دھار اور ترائے دھمکانے کی جگہ اچھے رشتے قائم ہوئے۔ دشمنی دوستی میں بدلی۔ ترک اپنے ساتھ اپنی سپہیتا لائے۔ ان کے سماج کا تقاضہ اور راج کا طریقہ راجپوتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ لیکن دغموں کا فرق اور زبانیں جدا جدا تھیں۔ اب تک جتنی قومیں ہندوستان میں آئی تھیں، ان کے مذہب کچھ اہمیت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن اسلام کی حیثیت اُن سے بالکل الگ تھی۔ اس کے اصول، پوجا پاتک، طریقے، قانون، رسمیں اور راج خاص تھے۔ اور مسلمانوں کی زندگی پر ان کا گہرا اثر تھا۔ یہ آسان نہیں تھا کہ اسلام دوسرے مذہبوں میں گول جانا یا اُن کے دباؤ کو قبول کرتا۔ لیکن ہندوستان کی سرشتی ہی میں میل جول کا رگ ہے۔ یہ کہہ سکتا تھا کہ دو تہذیبیں ہندوستان میں ایک ساتھ رہیں اور بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں؟ ہندو اور اسلامی تہذیب نے ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رنگ بدلا۔ ہندوؤں کے پرانے طریقے باقیہ آج بھی مسلمانوں نے ہندو طریقوں کو اپنایا۔ ہندو اور مسلمانی ہندوؤں کا میل ہوا۔ دو علیحدہ دنیاویں ایک میں سمو گئیں۔ ایک نیا تمدن تیار ہوا۔ اس کے دلیاویں اور روحانی پہلوؤں پر دعیاں دیں تو اس کی یکسانیت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

زندگی میں ہماری سب سے پہلی ضرورت کھانے پینے، کپڑا پہننے اور گھر ٹیکانے کی ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے ہی کے لئے ہم کھیتی باڑی، دھندے، دستکاری، بنج بیویار کرتے ہیں۔ آگ ہم اس چہ سو ورش کی تاریخ پر نظر ڈالیں جو تہذیبیں صدی سے شروع ہو کر آئیںسیں تک ختم ہوئی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کے طریقے ہندو مسلمانوں میں یکساں تھے۔ ہم ایک طرح سے رھتے تھے، ایک سے کپڑے پہنتے تھے، ایک سے کھاتے تھے۔ ہمارے کھیل کود، دلکی، چہل پہل کے سامان یکساں تھے۔ زندگی کی منزلوں کو ایک ساتھ کاتے تھے اور ایک ہی طرح نہاتے تھے۔ بچوں کے جام، لڑکے لڑکیوں کی بیار شادی، مرنے کے بعد شوک منائے کے طریقے ملتے جلتے تھے۔ اس زمانے میں ہندو اور مسلمانوں نے جو تصبریں کھینچیں، متعل، مقبرے، مندر اور مسجیدیں تعمیر کیں، راک راگیاں اپنیں، باجے ایجاد کئے، ان میں ہندو مسلمان کا کوئی فرق نہ تھا، انے گئے

اور کنبیوں کی جزیں مضبوط، ایک سماج کے جنم کے لئے اہم اہم کی ضرورت تھی۔

تو بھی نروں کی کربیاں ذیلی ہو چکی تھیں اور ماہک کے بڑے بڑے علاقوں کو ایک ہی انتظام کے سلسلوں میں گتھے رہنے کی عادت پڑ رہی تھی۔ امن اور شانتی کا دائرہ بڑھ گیا تھا۔ دین دولت اور کاریگری میں انوکھی ترقی ہوئی تھی۔ بیوپار کی منڈیاں اور ساموکاری کی ساکھ کل دیس میں ہی نہیں، پردیسوں میں پھیل رہی تھی۔ کلا اور سالفٹیہ، فن اور ادب خوب چمک رہے تھے۔ آج بھی اُن کی آب و تاب ہماری آنکھوں کی چونڈیاتی ہیں۔ اچنتا کی تصویروں، ایلورا کے مندروں، سانچی اور سارناتھ، یوہرت اور امراتی کی مورتیوں، آشوک کی لاٹوں کی کاریگری کے سامنے دنیا کی کلا پانی بھرتی ہے۔ اِس زمانے کے گنی، ٹارنٹ اور پنڈت چین سے روم اور مصر تک اپنا جواب نہیں دیتے تھے۔ فلسفہ اور ادب میں اِن کے کارنامے سدا کے لئے زندہ ہیں۔ درشن، اِنہاس، قانون، سائنس اور مذہب کے ایسے دفرندہ عالم پیدا ہوئے، جن کا اِس دن تک علم کی دنیا میں قنکا بچتا ہے۔ جب تک آدمی کے دل میں ادب کی قدر ہے، تب تک کالیداس کا نام جیتا ہے۔ ہندو تمدن کے سورج کو چڑھنے اور آسمان کی چھت تک پہنچنے میں 12 صدیاں لگیں۔ اُس کی روشنی سے ہندستان میں چمکاہٹ اور پڑوس کے دشمن میں نور پھیلا۔ پُر دنیا کا فائدہ ہے کہ جوار کے بعد پٹانا، بڑھنے کے بعد گتھنے کا وقت آنا ہے۔ اُبار میں بھی سہ لکنا ہے۔ اورش و رش تک ہندو سہیتا کو راجپوتوں نے جیتا رکھا، لیکن آخر میں راجپوتوں کی نرکبندوں نے راج کی، بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ ذات پانت کے پیدائش بڑے کئے اور نگر ہوگئے کہ سماج میں شکتی باقی نہیں رہی۔ متوں کے بھیمپڑ اور کرم کاند کے جانجال سے آدمی گھبرا اُٹھا۔ بردہ اور جن، وشنو، شیو اور شاکت کے پجاری ایک دوسرے کے بیری ہوگئے۔ تاریخ نے ہندو سہیتا کا رت آٹ دیا اور ہندستان میں ایک نئے دور کی شروعات ہوئی۔

پہلے تو عربوں نے ساندہ کی وادی میں ہندو تہذیب کی ثروت کو آزمایا۔ پُر اب بھی اِس میں جان پانی تھی۔ اِس نے کچھ جگہ تو چھوڑی لیکن عربوں کو بہت آگے نہ بڑھنے دیا۔ 300 ورش بعد افغانستان کی طرف سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور بارہویں صدی کے آخر تک اندری ہندستان راجپوتوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ نئے قبیلوں، نئے دھرم اور نئے تمدن کا ہندستان میں داخلہ ہوا۔ راج پانت کی لالچ نے امہروں اور سرداروں، راجاؤں اور سامنتوں میں لڑائیاں کرائیں۔ لیکن اِسے اسلام اور ہندو دھرم کی لڑائی سمجھنا بڑی غلطی

تھا۔ دین دولت اور کاریگری میں انوکھی ترقی ہوئی تھی۔ بیوپار کی منڈیاں اور ساموکاری کی ساکھ کل دیس میں ہی نہیں، پردیسوں میں پھیل رہی تھی۔ کلا اور سالفٹیہ، فن اور ادب خوب چمک رہے تھے۔ آج بھی اُن کی آب و تاب ہماری آنکھوں کی چونڈیاتی ہیں۔ اچنتا کی تصویروں، ایلورا کے مندروں، سانچی اور سارناتھ، یوہرت اور امراتی کی مورتیوں، آشوک کی لاٹوں کی کاریگری کے سامنے دنیا کی کلا پانی بھرتی ہے۔ اِس زمانے کے گنی، ٹارنٹ اور پنڈت چین سے روم اور مصر تک اپنا جواب نہیں دیتے تھے۔ فلسفہ اور ادب میں اِن کے کارنامے سدا کے لئے زندہ ہیں۔ درشن، اِنہاس، قانون، سائنس اور مذہب کے ایسے دفرندہ عالم پیدا ہوئے، جن کا اِس دن تک علم کی دنیا میں قنکا بچتا ہے۔ جب تک آدمی کے دل میں ادب کی قدر ہے، تب تک کالیداس کا نام جیتا ہے۔ ہندو تمدن کے سورج کو چڑھنے اور آسمان کی چھت تک پہنچنے میں 12 صدیاں لگیں۔ اُس کی روشنی سے ہندستان میں چمکاہٹ اور پڑوس کے دشمن میں نور پھیلا۔

پہلے تو عربوں نے ساندہ کی وادی میں ہندو تہذیب کی ثروت کو آزمایا۔ پُر اب بھی اِس میں جان پانی تھی۔ اِس نے کچھ جگہ تو چھوڑی لیکن عربوں کو بہت آگے نہ بڑھنے دیا۔ 300 ورش بعد افغانستان کی طرف سے ترکوں کے حملے شروع ہوئے اور بارہویں صدی کے آخر تک اندری ہندستان راجپوتوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ نئے قبیلوں، نئے دھرم اور نئے تمدن کا ہندستان میں داخلہ ہوا۔ راج پانت کی لالچ نے امہروں اور سرداروں، راجاؤں اور سامنتوں میں لڑائیاں کرائیں۔ لیکن اِسے اسلام اور ہندو دھرم کی لڑائی سمجھنا بڑی غلطی

اندر کی سیر کی طرف چکی تھیں، سانس کو روک، بھان باندھ، اندریوں کو قابو میں کر، کمرے کے اگل قانون، آوا گمن کے اثرات، چکر سے چھٹکارا پانا، اس میں آدمی کی خیر سمجھتے تھے۔ ان کی زبان منہ میں قلابا زبیاں کھاتی تھیں، مرنی نالو کی چست کو چھوٹی، لہرائی، انہوں نے دھنیں نکالتی تھیں۔

ان دونوں دھاروں کے ملنے سے جو سبھتا پیدا ہوئی اس کا ویدوں اور برہمنوں میں پرچاراں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی بنیاد وہ سماج تھی، جو ذاتوں میں بنٹی ہوئی تھی۔ اتنی ہندستان میں اس قسم کی کتنی ہی سماجیں تھیں۔ ہر ایک کا انتظام اور راج الگ تھا۔ اور ان میں آپس میں لاک ذات رھتی تھی۔ ان راجوں میں سربرہ وشی اور چندریشی راجے حکومت کرتے تھے۔ ان فرقوں میں کوشلوں اور پوروں کا نام سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ایودھیا اور ہستناپور ان کے تمدن کے گہوارے تھے۔ رام اور کوشن جنہوں آج بھی ہم پریم اور ہنکتی سے یاد کرتے ہیں، اس سبھتا کے آدرش تھے۔ ایسی کرکے سے دشمن، فلسفہ کے وہ جواہر نکلے جو آئندہوں کے امر آبدیش میں جمع نہیں اور جن کی جیتی سے ہمارے دلوں میں روشنی ہے۔

ہزار ہزار ہزار ورش تک یہ ندی بڑے جوش خروش کے ساتھ بہتی رہی۔ پھر ایسی چال مدغم پڑی، اسکا نرمل جل گندا ہونے لگا۔ مہا بھارت کی بھابھک لڑائی کے بعد اس کی تہ گھاس پھوس سے بھر گئی۔ اب فراہی کی ضرورت ہوئی۔ وہ لوگ جنہوں نے اس تمدن کو ترقی دی تھی، یورپ اور دکن میں پھیل چکے تھے۔ ان میں نئے خونوں کی شروعات ہو چکی تھی۔ پرائی سماجیں زمانے کی تگڑوں سے گھس چکی تھیں۔ پڑنے راج مٹ چکے تھے۔ ہندستان انقلاب کے لئے تیار تھا۔ مہابویر اور گوتم بدھ نے پرائی دنیا کو پلٹ دیا اور اس نئی دنیا کا سدھیش دیا، جسکی زمین نئی اور آسمان نیا تھا۔ عیسیٰ سے 600 ورش پہلے ویدک بنیادوں پر نئی سبھتا کی عمارت بننی شروع ہوئی۔ اس کے ہر کھنڈ میں نئے اور پڑنے کا میل تھا۔ اس کا مصلحتہ ایشیا اور یورپ سے اکٹھا ہوا۔ ایران، یونان، اور روم، چین، توران اور خراسان سے اینٹ اور چوڑا لکڑی اور لوہا آیا۔ ان سب ملکوں سے آدمیوں کے گروہ کے گروہ تھت کے تھت ہندستان میں آئے، اور یہاں آ کر بسے۔ ان اور شک، کوشان اور بختری، جات اور گوجر سب نے یہاں پناہ لی۔ ان سے ہندستانی قبیلوں کی کھینچ تان ہوئی جس کا پہل ہندو تہذیب کے روپ میں دکھائی دیا۔ اس زمانے میں مہربوں، ست وائوں اور گھٹوں کے سامراج قائم ہوئے۔ پہلی مرتبہ یہ کوشش ہوئی کہ سارے دیس کو ایک چھتر کی چھایا میں لایا جائے۔ لیکن دیس کا پھیلا بہت تھا اور فرقوں

اندر کی سیر کی طرف چکی تھیں، سانس کو روک، بھان باندھ، اندریوں کو قابو میں کر، کمرے کے اگل قانون، آوا گمن کے اثرات، چکر سے چھٹکارا پانا، اس میں آدمی کی خیر سمجھتے تھے۔ ان کی زبان منہ میں قلابا زبیاں کھاتی تھیں، مرنی نالو کی چست کو چھوٹی، لہرائی، انہوں نے دھنیں نکالتی تھیں۔

ان دونوں دھاروں کے ملنے سے جو سبھتا پیدا ہوئی اس کا ویدوں اور برہمنوں میں پرچاراں دکھائی دیتا ہے۔ اس کی بنیاد وہ سماج تھی، جو ذاتوں میں بنٹی ہوئی تھی۔ اتنی ہندستان میں اس قسم کی کتنی ہی سماجیں تھیں۔ ہر ایک کا انتظام اور راج الگ تھا۔ اور ان میں آپس میں لاک ذات رھتی تھی۔ ان راجوں میں سربرہ وشی اور چندریشی راجے حکومت کرتے تھے۔ ان فرقوں میں کوشلوں اور پوروں کا نام سب سے زیادہ مشہور تھا۔ ایودھیا اور ہستناپور ان کے تمدن کے گہوارے تھے۔ رام اور کوشن جنہوں آج بھی ہم پریم اور ہنکتی سے یاد کرتے ہیں، اس سبھتا کے آدرش تھے۔ ایسی کرکے سے دشمن، فلسفہ کے وہ جواہر نکلے جو آئندہوں کے امر آبدیش میں جمع نہیں اور جن کی جیتی سے ہمارے دلوں میں روشنی ہے۔

ہندوستانی کلچر اور نیا سماج

ڈاکٹر تاراچند ام. اے. ڈی. فیل. (آکسن)

ڈاکٹر تارا چند ایم . اے . ڈی . فل . (آکسن)

ہمارا देश پुरانی لکریوں کو بھونچ کر نئے راستوں پر چل رہا ہے۔ یہ راہیں کدھر جاتی ہیں، اور ہمیں کہاں لے جائیں گی، ہر ایک کے دل میں اس کے سمجھنے اور جاننے کی خواہش ہے۔ پر ہم اپنے دیش کے آنے والے روپ کو اس طرح جان سکتے ہیں جب گئے زمانے کی تبدیلیوں کو جانیں۔ ہمارے جہوں کا چمکاؤ کس طرف ہے، ہمارے سماج کا کیسا سنگتہا بننے والا ہے، اور اس سماج کی سہیتا کس دھنگ کی ہوگی، اس سہیتا کی پشاشا کا کیسا روپ رنگ ہوگا، اس کے جاننے کے لئے ہمیں گذرے زمانے کی جانچ کرنی چاہیئے۔

آئیے ہندوستان کی تاریخ کے پتوں پر نگاہ ڈالیں۔ پہلے صفحہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ آریہ دیہی نے انڈیا میں کی گھائیوں سے اس دیش میں گھس رہے ہیں۔ وہ پنجاب کی ندیوں کے کنارے بستیاں ہساتے ہیں، اور گنگا، جمنا اور سرسوتی کی وادیاں میں پھیل جاتے ہیں۔ انڈی ہندوستان میں ان کی سماجی اور راج قائم ہوتے ہیں۔ آریوں اور ہندوستان کے پرانے نواسیوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ لیکن آخر، میں آریہ، دراوڑ اور منڈا نسلیں ایک دوسرے میں گھل جاتی ہیں اور اس سے ہندوستان کے پہلے تمدن کی داغ بیل پڑتی ہے۔

اس تمدن کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سہیتا کی دو دھاریں اس طرح سے مل گئی ہیں، جیسے گنگا اور جمنا کی ندیاں۔ آریوں کی نگاہ دنیا کے باہری رنگ روپ پر مہمت تھی۔ دھن دولت، دولت پوت کی چاہ ان کی طبیعتوں کو گنگائی تھی۔ یہ منچلے بہادر اور لڑاکے لوگ سچائی اور ندرتا کو آدمی کا اصلی جہیز مانتے تھے۔ گتہ ہاتھوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دل چونچال تھے۔ سہیتاں بڑھی ہوئی تھیں۔ یہ نہ دیوتاؤں سے ڈرتے تھے، نہ آدمیوں سے دہتے تھے؛ ہنس مکھ، کھلے دل اور آزاد تھے۔ ناچ گانے کے شوقین تھے۔ دیوی دیوتاؤں کے بچوں اور گیت بناتے اور گاتے تھے۔ ان کی پشاشا کرداری پر لچک دار اور رسائی تھی۔ ان کے خیال میں گہرائی اور دلیری تھی۔

ہندوستان کے پرانے نیا ساسی خلیتہ کا پشاشا کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں نرمی اور زمانے کے تھپڑوں کو سہنے کی عادت تھی۔ اس دیکھ بیوی دنیا سے منہ مرز، آنکھیں

ہمارا دیش پرانی لکریوں کو بھونچ کر نئے راستوں پر چل رہا ہے۔ یہ راہیں کدھر جاتی ہیں، اور ہمیں کہاں لے جائیں گی، ہر ایک کے دل میں اس کے سمجھنے اور جاننے کی خواہش ہے۔ پر ہم اپنے دیش کے آنے والے روپ کو اس طرح جان سکتے ہیں جب گئے زمانے کی تبدیلیوں کو جانیں۔ ہمارے جہوں کا چمکاؤ کس طرف ہے، ہمارے سماج کا کیسا سنگتہا بننے والا ہے، اور اس سماج کی سہیتا کس دھنگ کی ہوگی، اس سہیتا کی پشاشا کا کیسا روپ رنگ ہوگا، اس کے جاننے کے لئے ہمیں گذرے زمانے کی جانچ کرنی چاہیئے۔

آئیے ہندوستان کی تاریخ کے پتوں پر نگاہ ڈالیں۔ پہلے صفحہ پر ہم دیکھتے ہیں کہ آریہ دیہی نے انڈیا میں کی گھائیوں سے اس دیش میں گھس رہے ہیں۔ وہ پنجاب کی ندیوں کے کنارے بستیاں ہساتے ہیں، اور گنگا، جمنا اور سرسوتی کی وادیاں میں پھیل جاتے ہیں۔ انڈی ہندوستان میں ان کی سماجی اور راج قائم ہوتے ہیں۔ آریوں اور ہندوستان کے پرانے نواسیوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ لیکن آخر، میں آریہ، دراوڑ اور منڈا نسلیں ایک دوسرے میں گھل جاتی ہیں اور اس سے ہندوستان کے پہلے تمدن کی داغ بیل پڑتی ہے۔

اس تمدن کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سہیتا کی دو دھاریں اس طرح سے مل گئی ہیں، جیسے گنگا اور جمنا کی ندیاں۔ آریوں کی نگاہ دنیا کے باہری رنگ روپ پر مہمت تھی۔ دھن دولت، دولت پوت کی چاہ ان کی طبیعتوں کو گنگائی تھی۔ یہ منچلے بہادر اور لڑاکے لوگ سچائی اور ندرتا کو آدمی کا اصلی جہیز مانتے تھے۔ گتہ ہاتھوں کی زندگی بسر کرتے تھے۔ دل چونچال تھے۔ سہیتاں بڑھی ہوئی تھیں۔ یہ نہ دیوتاؤں سے ڈرتے تھے، نہ آدمیوں سے دہتے تھے؛ ہنس مکھ، کھلے دل اور آزاد تھے۔ ناچ گانے کے شوقین تھے۔ دیوی دیوتاؤں کے بچوں اور گیت بناتے اور گاتے تھے۔ ان کی پشاشا کرداری پر لچک دار اور رسائی تھی۔ ان کے خیال میں گہرائی اور دلیری تھی۔

ہندوستان کے پرانے نیا ساسی خلیتہ کا پشاشا کرتے تھے۔ ان کے مزاج میں نرمی اور زمانے کے تھپڑوں کو سہنے کی عادت تھی۔ اس دیکھ بیوی دنیا سے منہ مرز، آنکھیں

ہے۔ اس نے انت سے انکار کا نام ہی ناستکتا ہے۔ یہی ہماری محدود ہستی ہے۔

یورپ کے ایک ویدان نے کہا ہے کہ:—

”کسی مذہب کے انوکھپن یا خصوصیت کو سمجھنا تو ان چیزوں سے نہیں سمجھنا چاہئے جو اس مذہب میں دوسرے مذہبوں سے ملتی ہوئی ہیں۔ بلکہ اس چیز سے سمجھنا چاہئے جو ان ملتی جلتی چیزوں کے اوپر اس مذہب کی اپنی خاص مہر ہے۔“ بات سچ ہے اور ظاہر ہے۔ اگر ہم ہر مذہب کے انوکھپن کو ہی سمجھنا چاہیں تو سچے سچ ہمیں سب مذہبوں کو تھوڑ کر دیکھنا چاہئے اور مذہب مذہب کے فرق پر ہی زور دینا چاہئے، ایک سی باتوں پر نہیں۔ پر کیا سچے سچ ہمیں اس کی ضرورت ہے؟ کیا یہ اچھا ہے؟ کیا اس سے فائدہ ہے؟ کیا اس سے دنیا کا بھلا ہو سکتا ہے؟ ہر آدمی کا روپ رنگ ہر دوسرے آدمی سے الگ ہوتا ہے۔ اتھنا بیٹھنا اور سوچنے کے طریقے بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہر کدے کا اپنا اپنا ڈانگ ہوتا ہے۔ ہر قوم کا، ہر قبیلے کا۔ بہت سی باتوں میں سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ پر کیا ان الگ الگ باتوں پر زور دینا ضروری ہے اور مفید ہے؟ کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم ان الگ الگ فرقوں کو صرف سمجھ لیں اور گوارا کر لیں؟ ہر آدمی کی آواز الگ ہوتی ہے جس سے وہ آندھے میں بھی پہچانا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر دو آدمی ایک ہی بات کہیں تو کیا ہم ان کی آوازوں کے فرق کی وجہ سے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیں کہ ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے؟ دنیا کی آج کل کی حالت میں کیا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم فرقوں کو بالکل مثالے کی کوشش کریں۔ بالکل مثالے کی کوشش کرنا تو قدرت کے بھی خلاف ہوگا کیونکہ قدرت کے اندر کثرت میں وحدت اور اتھینا میں ہی ایکتا ہے۔ پر کیا میں اور تو، میرا کنبہ، میری نسل، میرا قبیلہ، میری قوم اور میرے رنگ کے لوگ، یہ سب آوازیں حد سے زیادہ نہیں بڑھ چکی ہیں؟ کیا اب اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اپنی مشترکہ انسانیت پر زور دیں؟ یہ سمجھیں کہ ہم سب انسان ہیں، سب آدم کی اولاد ہیں؟ کثرت میں وحدت دیکھنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ اسی نژاد کو چٹانے اور بڑھانے سے سماج، سماجی زندگی، سماجی سماج وان اور انسانی بھائی چارہ ممکن ہو سکتے ہیں۔ صوفی کہتا ہے:—

”جس کسی کے دل میں سچا کفر پیدا ہو گیا وہ پورے اس کے اوپر کے اہلکم سے بیزار ہو گیا۔ اوسے اس کی ضرورت نہیں رہی۔“

یہ فریب ٹھیک آتا ہے اس اونچی سچائی کا، اس بلند خیالی کا کہ سب سچائی، سب نیکی اور سب سندرتا اسی ایک آتما، پرمتا یا روح کل میں ہیں جو اصل "میں" ہوں۔ سچ مجھ سے اصل "میں" ہی دنیا کو بچا سکتا ہے۔ اس اونچی کھٹ کھٹ وہابی "میں" کا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے۔ لیکن یہ "میں" اور یہ مذہب تو سب مذہبوں کے اندر بھلا ہوا ہے۔ سب اسی سے قائم ہیں۔ اسی کے کارن یہ سب مذہب آدمی کے مددگار بن سکتے ہیں۔ یہی سب میں صلح کرانے والی چیز ہے۔ یہی سب کو اندھنے والا سنہرا دھگا ہے۔ یہ نہ ہو تو سب تکرے تکرے ہو جاتیں۔ اسی کو تو چگانا اور جاننا ہے۔ کھٹ کھٹ کے اندر وہابیک آتما سے بڑی اور کون چیز ہو سکتی ہے۔ یہی تو "میں" ہوں۔ اسی کے اندر تو ساری دنیا ہے۔ ہماری اس چھوٹی خودی سے زبان، چھوٹی کون سی چیز ہو سکتی ہے جو من دو من ہزار مانس تک محدود ہے اور برابر جنم، مرن، جوانی اور بڑھاپا، صحت اور بیماری کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے۔ پھر یہی یہ چھوٹی سی خودی اس پرانت لا محدود آتما کو اپنی بالشت سے ناپنے کی کوشش کرتی ہے! اُسکی یہ کوشش یہی ٹھیک ہی تو ہے کیونکہ آخر اصلیت میں یہ وہی ہے۔

ہماری آتما ہمارے سب اलग اलग مجاہدوں سے ऊपर और बड़ी है۔ यह इस बात से भी साबित है कि हर आदमी चाहे वह बड़ा विद्वान हो और चाहे बिल्कुल अनपढ़, जब चाहे अपनी अन्दर की आवाज पर अपना ऊपरी मजहब बदल सकता है और बदलता रहता है और उसकी जगह जिस मजहब को चाहे अख्तियार कर सकता है। इस से जाहिर है कि उसके अन्दर कोई चीज ऐसी है जो सब अलग अलग मजहबों से ऊंची और बालातर है। एक सूफी ने कहा है :—

वू हकीकत रा मुजव्वज हम तुई

ऐन हक ईनस्त ऐनुलहक तुई

यानी—वू कि असलियत को पहचानने वाला तूही है इसलिये ऐन सच यही है कि असली सच्चाई भी तूही है।

सूफी कहता है कि "उस्मुलकितायें" यानी "सब किताबों की वह मां जो अल्लाह के पास बताई जाती है आदमी की रूह ही है."

असल असलियत को समझने में यानी असल आत्मा को पहचानने में आदमी शालती इसलिये करता है कि उसने अपने को इस धोके में डाल रक्खा है कि वह यही सुडो भर हाड़, मांस और खून की पोतली है। बेअन्त यानी लामह-दूद को महदूद बनाकर वह महदूद को लामहदूद बनाने की कोशिश करता है। खुदा का उल्टा ही खुदी यानी रौतान है। मझ से हुंकार ही जीव है। सच्चाई की घदिया नकल भूट

یہ فریب ٹھیک آتا ہے اس اونچی سچائی کا، اس بلند خیالی کا کہ سب سچائی، سب نیکی اور سب سندرتا اسی ایک آتما، پرمتا یا روح کل میں ہیں جو اصل "میں" ہوں۔ سچ مجھ سے اصل "میں" ہی دنیا کو بچا سکتا ہے۔ اس اونچی کھٹ کھٹ وہابی "میں" کا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے۔ لیکن یہ "میں" اور یہ مذہب تو سب مذہبوں کے اندر بھلا ہوا ہے۔ سب اسی سے قائم ہیں۔ اسی کے کارن یہ سب مذہب آدمی کے مددگار بن سکتے ہیں۔ یہی سب میں صلح کرانے والی چیز ہے۔ یہی سب کو اندھنے والا سنہرا دھگا ہے۔ یہ نہ ہو تو سب تکرے تکرے ہو جاتیں۔ اسی کو تو چگانا اور جاننا ہے۔ کھٹ کھٹ کے اندر وہابیک آتما سے بڑی اور کون چیز ہو سکتی ہے۔ یہی تو "میں" ہوں۔ اسی کے اندر تو ساری دنیا ہے۔ ہماری اس چھوٹی خودی سے زبان، چھوٹی کون سی چیز ہو سکتی ہے جو من دو من ہزار مانس تک محدود ہے اور برابر جنم، مرن، جوانی اور بڑھاپا، صحت اور بیماری کے چکروں میں پھنسی رہتی ہے۔ پھر یہی یہ چھوٹی سی خودی اس پرانت لا محدود آتما کو اپنی بالشت سے ناپنے کی کوشش کرتی ہے! اُسکی یہ کوشش یہی ٹھیک ہی تو ہے کیونکہ آخر اصلیت میں یہ وہی ہے۔

ہماری آتما ہمارے سب اگ اگ مذہبوں سے اوپر اور بڑی ہے۔ یہ اس بات سے بھی ثابت ہے کہ ہر آدمی چاہے وہ بڑا ودوان ہو اور چاہے بالکل اُن پرہ، جب چاہے اپنی اندر کی آواز پر اپنا اوپری مذہب بدل سکتا ہے اور بدلتا رہتا ہے اور اُسکی جگہ جس مذہب کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس کے اندر کوئی چیز ایسی ہے جو سب اگ اگ مذہبوں سے اونچی اور بالا تر ہے۔ ایک صوفی نے کہا ہے :—

چوں حقیقت را مجوز ہم توئی

عین حق اینست عین الحق توئی

یعنی—چونکہ اصلیت کو پہچاننے والا تو ہی ہے اس لئے عین سچ یہی ہے کہ اصلی سچائی یہی تو ہے۔

صوفی کہتا ہے کہ "اُم الکتاب" یعنی "سب کتابوں کی وہ ماں جو اللہ کے پاس بتائی جاتی ہے اُسی کی روح" ہے۔

اصل اصلیت کو سمجھنے میں یعنی اصل آتما کو پہچاننے میں آدمی غلطی اس لئے کرتا ہے کہ اُس نے اپنے کو اس دعوے میں ڈال رکھا ہے کہ وہ یہی متبی پھر عاز مانس اور خوں کی بوٹلی ہے۔ پے انت یعنی لامحدود کو محدود بنا کر وہ محدود کو لامحدود بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ خدا کا آتما ہی خودی یعنی شیطان ہے۔ برہم سے انگڑھی جیو ہے۔ سچائی کی گھٹیا نقل جیوت

سب کو دہانا یا میدانا ضروری ہے!“ یہ لوگ اس خلی سچائی کو بھول جاتے ہیں کہ سب کے جسم ایک پرکرتی یا مادے کے بنے ہوئے ہیں اور سب کی آتماں یا روہیں ایک ہی پرما آتما یا رتھ کول سے نکلتی ہیں۔

اگر آپ مذہب کے ماننے والوں کے اس جھوٹے دعویٰ کے پیچھے ایک گہری سچائی چھپی ہے۔ ہر مذہب میں کچھ عام بنیادی باتیں ہوتی ہیں اور کچھ نہ کچھ خاص بات بھی ہوتی ہے۔ ہر مذہب کسی نہ کسی ایک خاص سچائی یا ایک خاص نیکی یا خاص طرح کے نیک کام پر زور دیتا ہے اور دوسری سچائیوں، دوسری نیکیوں اور دوسرے اچھے کاموں کی نسبت اُسے بھڑکھڑاتا ہے۔ یہ بات عام طور پر اُس خاص دیش، اُس خاص زمانے یا اُن خاص حالات کی وجہ سے ہوتی ہے جن میں وہ مذہب جنم لیتا ہے۔ مثال کے لئے ویدک دھرم میں گھٹ گھٹ میں رہنے والی ایک آتما، اور الگ الگ لوگوں کے الگ الگ فرضوں کے انوسار سراج کا سنگٹھن کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ یہودی دھرم میں ایشور کے کرے انصاف، اور ایشور میں وشواس کرنے والے لوگوں کی رکشا پر زور دیا گیا ہے۔ پارسی دھرم میں پاکیزگی، سچائی اور ایمانداری پر زور دیا گیا ہے۔ ہندو دھرم میں تیاگ اور دیا پر، عیسائی دھرم میں ہرائی کا بدلہ ہرائی سے نہ دینے پر، اور دوسروں کے لئے اپنے کو قربان کرنے پر، اسلام میں سب انسانوں کی برابرگی اور بھائی چارے پر اور ظلم کا مقابلہ کرنے پر وغیرہ وغیرہ۔ لیکن دھیرے دھیرے سب مذہبوں کی یہ خاص باتیں ایک عجیب شکل اختیار کر لیتی ہیں اور ہر مذہب کے لوگ یہ ماننے لگتے ہیں کہ اُن کے مذہب کو نام کرنے والا مہارشی ہی آدمی اور خدا کے بھیجے میں سناڑش کرنے والا یا نانا جوڑنے والا ہو سکتا ہے۔ جس آدمی کی وہ سفارش کردے وہی نجات پائے گا اور کوئی نجات نہیں پاسکتا اور نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔

جب آدمی ”میرا مذہب“ کہتا ہے تو اُس کے اس کہنے میں ایک اور سچائی چھپی ہوتی ہے جسے اگر وہ جان چارے تو وہ سچائی ہی اُس کے تانے کو پارس کی طرح چھوکر سونا کردے۔ آپسی جھگڑے کی جگہ آدمی پھر بڑی سے بڑی شانتی کے میدان میں پہنچ جاتا۔ ”میرا مذہب“ کا مطلب ہے ”میں کا مذہب، آتما کا مذہب، اُسی آتما کا جو سب کے اندر ہے، یعنی پرما آتما کا یا روح کل کا مذہب۔“

”میرا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے، جو میں مانتا ہوں وہی ٹھیک ہے، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے۔“ معمولی طور پر یہ زبردست دھوکا، یہ جھوٹا گھمنڈ، یہ پاگل پن، آدمی کی چھٹی خردی کا یہ ملایا جال،

”میرا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے، جو میں مانتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے۔“ معمولی طور پر یہ زبردست دھوکا، یہ جھوٹا گھمنڈ، یہ پاگل پن، آدمی کی چھٹی خردی کا یہ ملایا جال،

”میرا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے، جو میں مانتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے۔“ معمولی طور پر یہ زبردست دھوکا، یہ جھوٹا گھمنڈ، یہ پاگل پن، آدمی کی چھٹی خردی کا یہ ملایا جال،

”میرا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے، جو میں مانتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے۔“ معمولی طور پر یہ زبردست دھوکا، یہ جھوٹا گھمنڈ، یہ پاگل پن، آدمی کی چھٹی خردی کا یہ ملایا جال،

”میرا مذہب ہی اکیلا سچا مذہب ہے، جو میں مانتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک عمل ہے۔“ معمولی طور پر یہ زبردست دھوکا، یہ جھوٹا گھمنڈ، یہ پاگل پن، آدمی کی چھٹی خردی کا یہ ملایا جال،

انسانی بھائی چارے کا اصلی راستہ انساناںی भाईचारे का असली रास्ता

डाक्टर بھگوان داس

डाक्टर بھگوان داس

پچھلے لکھوں میں ہم دیکھا چکے ہیں کہ دنیا کے الگ الگ مذہبوں میں بہت سی بنیادی باتیں ایک سی ہیں۔ مذہبوں کی ان ملتی جلتی باتوں میں اچھی باتیں بھی ہیں اور بری باتیں بھی۔ اچھی باتوں کی بہت سی مثالیں ہم دے چکے ہیں۔ بری باتوں کی ایک خاص مثال یہ ہے کہ ہر مذہب کچھ دنوں چل کر سیکڑوں فرقوں، سامپردائیوں اور جماعتوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس کا کارن آدمی کے اندر کی وہ کمزوری ہے جسے ہم 'خودی' کہتے ہیں اور جو دھرم مذہب میں بھی اپنا رنگ لاتے بنا نہیں رہتی۔ ہر ایک اپنی ہی رائے کو ٹھیک سمجھتا ہے۔ لوگوں کے آپس جھگڑے ہیں ان فرقوں اور سامپردائیوں کے بننے میں بہت بڑا حصہ لیتے ہیں۔ اس سے بھی آدھک بری ایک بات یہ ہے کہ ہر مذہب کے اندر طرح طرح کے گت یعنی خلیہ فرقے اس طرح کے بھی پیدا ہوجاتے ہیں جنہیں جادو، دام مارگ اور شیطانی طاقتوں کی پوجا کہہ کر بیان کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے سامپردائیوں میں کہیں کہیں گندی رسمیں بھی چل پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ دبی: دوتاؤں کے نام پر آدمی کی قربانی اور معصوم بچوں کا قتل تک ہوئے لگتا ہے۔ اس طرح کے فرقوں اور رواجوں کی طرف ہمیں ہرادر نگاہ رکھنی چاہئے اور ان سے لڑنا چاہئے۔ ہر روشنی کے پیچھے کہیں نہ کہیں گہرا سایہ بھی ہوتا ہے۔ سنہ سے سنہ آدمی یا جانور اپنے جسم سے گندگی اور مل موڑ بھی نکالتا ہے۔ اچھی سے اچھی مشین کہیں نہ کہیں راکھ، فضلہ اور گندگی بھی باہر پھینکتی ہے۔ اس طرح کی چیزوں کو ہمیشہ صاف کرتے رہنے، پونچھتے رہنے اور دھوئے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر مذہب جب اپنی اصل اونچائی سے گر جاتا ہے اور جوڑے ملا، پروختوں اور گمراہ کرنے والے خود غرض رہنماؤں کے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے تو اُس کے ماننے والوں میں سے ہر ایک یہ کہنے لگتا ہے کہ:— "ایک میرا مذہب ہی سچا مذہب ہے" یہی ایک اصلی اور پرانا دھرم ہے۔ کم سے کم میرا یہ دھرم اور سب سے کم کبھی اچھا ہے۔ میرے مذہب کے ماننے والے ہی دھرماتما اور مومن ہیں اور دھرم کے ماننے والے ملیجے، کٹر اور پیگن ہیں۔ اور ان

پچھلے لکھوں میں ہم دیکھا چکے ہیں کہ دنیا کے الگ الگ مذہبوں میں بہت سی بنیادی باتیں ایک سی ہیں۔ مذہبوں کی ان ملتی جلتی باتوں میں اچھی باتیں بھی ہیں اور بری باتیں بھی۔ اچھی باتوں کی بہت سی مثالیں ہم دے چکے ہیں۔ بری باتوں کی ایک خاص مثال یہ ہے کہ ہر مذہب کچھ دنوں چل کر سیکڑوں فرقوں، سامپردائیوں اور جماعتوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس کا کارن آدمی کے اندر کی وہ کمزوری ہے جسے ہم 'خودی' کہتے ہیں اور جو دھرم مذہب میں بھی اپنا رنگ لاتے بنا نہیں رہتی۔ ہر ایک اپنی ہی رائے کو ٹھیک سمجھتا ہے۔ لوگوں کے آپس جھگڑے ہیں ان فرقوں اور سامپردائیوں کے بننے میں بہت بڑا حصہ لیتے ہیں۔ اس سے بھی آدھک بری ایک بات یہ ہے کہ ہر مذہب کے اندر طرح طرح کے گت یعنی خلیہ فرقے اس طرح کے بھی پیدا ہوجاتے ہیں جنہیں جادو، دام مارگ اور شیطانی طاقتوں کی پوجا کہہ کر بیان کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ اس طرح کے سامپردائیوں میں کہیں کہیں گندی رسمیں بھی چل پڑی ہیں۔ یہاں تک کہ دبی: دوتاؤں کے نام پر آدمی کی قربانی اور معصوم بچوں کا قتل تک ہوئے لگتا ہے۔ اس طرح کے فرقوں اور رواجوں کی طرف ہمیں ہرادر نگاہ رکھنی چاہئے اور ان سے لڑنا چاہئے۔ ہر روشنی کے پیچھے کہیں نہ کہیں گہرا سایہ بھی ہوتا ہے۔ سنہ سے سنہ آدمی یا جانور اپنے جسم سے گندگی اور مل موڑ بھی نکالتا ہے۔ اچھی سے اچھی مشین کہیں نہ کہیں راکھ، فضلہ اور گندگی بھی باہر پھینکتی ہے۔ اس طرح کی چیزوں کو ہمیشہ صاف کرتے رہنے، پونچھتے رہنے اور دھوئے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہر مذہب جب اپنی اصل اونچائی سے گر جاتا ہے اور جوڑے ملا، پروختوں اور گمراہ کرنے والے خود غرض رہنماؤں کے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے تو اُس کے ماننے والوں میں سے ہر ایک یہ کہنے لگتا ہے کہ:— "ایک میرا مذہب ہی سچا مذہب ہے" یہی ایک اصلی اور پرانا دھرم ہے۔ کم سے کم میرا یہ دھرم اور سب سے کم کبھی اچھا ہے۔ میرے مذہب کے ماننے والے ہی دھرماتما اور مومن ہیں اور دھرم کے ماننے والے ملیجے، کٹر اور پیگن ہیں۔ اور ان

آج کل کے دور میں پڑی اور وہ دھیمی دھیمی بولتا رہا، پر اتنے دھیمی نہیں کہ لوگ سن نہ سکیں :

”میرے بچوں نے جو چیز شروع کی، اس کو پورا کرنا میرا کرہیوہ ہے۔ اُن کو ہرگز یہ بات پسند نہ ہوئی کہ میں اپنے درد کو لے کر ایک کونے میں منہ چھپاتے پڑا رہوں۔ اس چیز کے لئے انہوں نے جان نہیں دی۔ اُن کے مر جانے سے جو کمی ہو گئی ہے، اب تک میں نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ مگر ہمارے نیتا لینن کی مرتبہ سے ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مجھ کو اپنے پچھلے زمانے کی جوابدہی کرنے کے لئے نہ کہو۔ آج سے ہماری نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔“

ذخار کے دل میں درد سے بھری ہوئی یادیں گھڑ رہی تھیں، اُس کے چہرے پر مانو بادل سا چھا گیا تھا۔ مگر اُس کا چہرہ نکھڑ تھا۔ لیکن جب اُس کو پارٹی میں لینے کے سمرتھن میں ہاتھوں کا ایک سمندر لہرایا تو اُس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور اُس کا پتہ بالوں والا سر گرد سے تن گیا۔

نئے لوگوں کو پارٹی میں لینے کی یہ کارروائی بہت رات گئے تک چلتی رہی۔ سب سے اچھے اور ایسے لوگ ہی لئے گئے، جنہیں سب لوگ جانتے تھے اور جن کی زندگیوں میں کہیں کوئی دھبہ نہ تھا۔

لینن کی مرتبہ نے لاہوں مزدوروں کو بولشویک بنایا۔ نیتا چلا گیا مگر پارٹی بدستور قائم رہی، اُس میں کہیں کوئی کمزوری نہیں آئی۔ کوئی درخت جس کی وشال جڑیں دھرتی میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوتی تھیں، اُس کے سرے کو اگر کات بی دیا جائے، تب بھی وہ مرنے نہیں۔

نئے لوگوں کو پارٹی میں لینے کی یہ کارروائی بہت رات گئے تک چلتی رہی۔ سب سے اچھے اور ایسے لوگ ہی لئے گئے، جنہیں سب لوگ جانتے تھے اور جن کی زندگیوں میں کہیں کوئی دھبہ نہ تھا۔

لینن کی مرتبہ نے لاہوں مزدوروں کو بولشویک بنایا۔ نیتا چلا گیا مگر پارٹی بدستور قائم رہی، اُس میں کہیں کوئی کمزوری نہیں آئی۔ کوئی درخت جس کی وشال جڑیں دھرتی میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوتی تھیں، اُس کے سرے کو اگر کات بی دیا جائے، تب بھی وہ مرنے نہیں۔

نئے لوگوں کو پارٹی میں لینے کی یہ کارروائی بہت رات گئے تک چلتی رہی۔ سب سے اچھے اور ایسے لوگ ہی لئے گئے، جنہیں سب لوگ جانتے تھے اور جن کی زندگیوں میں کہیں کوئی دھبہ نہ تھا۔

نئے لوگوں کو پارٹی میں لینے کی یہ کارروائی بہت رات گئے تک چلتی رہی۔ سب سے اچھے اور ایسے لوگ ہی لئے گئے، جنہیں سب لوگ جانتے تھے اور جن کی زندگیوں میں کہیں کوئی دھبہ نہ تھا۔

لینن کی مرتبہ نے لاہوں مزدوروں کو بولشویک بنایا۔ نیتا چلا گیا مگر پارٹی بدستور قائم رہی، اُس میں کہیں کوئی کمزوری نہیں آئی۔ کوئی درخت جس کی وشال جڑیں دھرتی میں مضبوطی کے ساتھ گڑی ہوتی تھیں، اُس کے سرے کو اگر کات بی دیا جائے، تب بھی وہ مرنے نہیں۔

ہے میری آتما ! تو اس طرح مت جی، جس طرح اب تک پرشاسا رشت ہو کر جیتی رہی ہے اور ہے آتما ! جب تو مرے، تب اس طرح مرے، مانو مری ہی نہیں۔

—سوتننوی

ہے میری آتما ! تو اس طرح مت جی، جس طرح اب تک پرشاسا رشت ہو کر جیتی رہی ہے اور ہے آتما ! جب تو مرے، تب اس طرح مرے، مانو مری ہی نہیں۔

—مکتبی

”کوئی سवाल؟“ سیروتینکو کی آواز نے شانتی کو بھنگ کیا۔

”اُپستھت لوگوں میں کھلبلی سی مچی، مگر کسی نے سپہائی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ تب ایک دائرہ میں جو سیدھے اپنے انجن سے چلا آ رہا تھا اور کالہ کی طرح کا ہو رہا تھا، تشچانک سور میں بولا:

”پوچھنے کو کیا ہے؟ ہم اُسے جانتے نہیں کیا؟ اُسے پارٹی میں لے لو اور کیا!“

لہار گلیا کا چہرہ گرمی اور آؤش سے لال ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی پٹی ہوئی آواز سے چلا کر کہا:

”یہ بالکل ٹھیک تشنگ کا کامرڈ ہے، کبھی غداری نہیں کرے گا۔ تم اُس پر بیروسہ کر سکتے ہو۔ روت لے لو سیروتینکو!“

”ہال کے پچھلے حصے میں سے، جہاں کوم سومول بیٹھے ہوئے تھے، اور جو اُس اندھیرے میں دکھائی نہیں دے رہا تھا، کوئی اُٹھا اور بولا:

”کامرڈ کورچاکن بلاڈین کے انہوں نے کیوں کسانوں جیون اپنایا ہے اور کیسے اُس کا میل مزدور مزدورنی کے ساتھ بٹھاتے ہیں؟“

”ہال میں ناراضگی کی ایک ہلکی سی بھنبھناہٹ پیدا ہوئی اور کسی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

”تم ایسے کیوں نہیں بولتے جس سے سیدھے سادے لوگ بھی تمہاری بات سمجھ سکیں؟ خوب وقت چنا تم نے بھی قابلیت بھگرنے کے لئے.....“

مگر آرٹیم نے جواب دینا شروع کر دیا تھا:

”یہ بالکل ٹھیک بات اُس نے پوچھی ہے کامرڈ۔ اُس نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ میں نے کسانوں جیون اپنا لیا ہے، مگر میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے مزدور دیونک کے ساتھ وشواس گھات نہیں کیا ہے۔ بہر حال آج سے وہ چیز ختم بھی ہو گئی۔ میں اپنے پرووار کو ریلوے یارڈ کے پاس اور لے آ رہا ہوں۔ یہی زیادہ اچھا رہیگا۔ وہ منحوس کھیت بہت دنوں سے مہرے گئے ہیں پھنستا رہا ہے۔“

ایک بار پھر آرٹیم کا دل کانپا جب اس نے اپنے سمروتن میں اُٹھ ہوئے ہاتھوں کے اُس جنگل کو دیکھا، اور سر اُٹھتا کر کے جب وہ آکر اپنی سیٹ پر بیٹھا تو اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اُڑا جا رہا ہو۔ اپنے پیچھے اُس نے سیروتینکو کو اعلان کرتے ہوئے سنا: ”سرو سستی سے پاس۔“

میں پر کوزا ہونے والا دوسرا آدمی پولینتاسکی کا پہلے کامرڈگار ذخار ہڈاک تھا۔ یہ خاموش طبیعت کا بڑبڑا آدمی خود بہت دنوں سے انجن ٹرانزپور تھا۔ اُس نے جب اپنی محتنت کی زندگی کا ورنہ ختم کیا اور کہانی کو اُس دن تک لے آیا، تو اُس کی

”کوئی سوال؟“ سیروتینکو کی آواز نے شانتی کو بھنگ کیا۔

”اُپستھت لوگوں میں کھلبلی سی مچی، مگر کسی نے سپہائی کی بات کا جواب نہیں دیا۔ تب ایک دائرہ میں جو سیدھے اپنے انجن سے چلا آ رہا تھا اور کالہ کی طرح کا ہو رہا تھا، تشچانک سور میں بولا:

”پوچھنے کو کیا ہے؟ ہم اُسے جانتے نہیں کیا؟ اُسے پارٹی میں لے لو اور کیا!“

لہار گلیا کا چہرہ گرمی اور آؤش سے لال ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنی پٹی ہوئی آواز سے چلا کر کہا:

”یہ بالکل ٹھیک تشنگ کا کامرڈ ہے، کبھی غداری نہیں کرے گا۔ تم اُس پر بیروسہ کر سکتے ہو۔ روت لے لو سیروتینکو!“

”ہال کے پچھلے حصے میں سے، جہاں کوم سومول بیٹھے ہوئے تھے، اور جو اُس اندھیرے میں دکھائی نہیں دے رہا تھا، کوئی اُٹھا اور بولا:

”کامرڈ کورچاکن بلاڈین کے انہوں نے کیوں کسانوں جیون اپنایا ہے اور کیسے اُس کا میل مزدور مزدورنی کے ساتھ بٹھاتے ہیں؟“

”ہال میں ناراضگی کی ایک ہلکی سی بھنبھناہٹ پیدا ہوئی اور کسی نے اعتراض کرتے ہوئے کہا:

”تم ایسے کیوں نہیں بولتے جس سے سیدھے سادے لوگ بھی تمہاری بات سمجھ سکیں؟ خوب وقت چنا تم نے بھی قابلیت بھگرنے کے لئے.....“

مگر آرٹیم نے جواب دینا شروع کر دیا تھا:

”یہ بالکل ٹھیک بات اُس نے پوچھی ہے کامرڈ۔ اُس نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ میں نے کسانوں جیون اپنا لیا ہے، مگر میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے مزدور دیونک کے ساتھ وشواس گھات نہیں کیا ہے۔ بہر حال آج سے وہ چیز ختم بھی ہو گئی۔ میں اپنے پرووار کو ریلوے یارڈ کے پاس اور لے آ رہا ہوں۔ یہی زیادہ اچھا رہیگا۔ وہ منحوس کھیت بہت دنوں سے مہرے گئے ہیں پھنستا رہا ہے۔“

ایک بار پھر آرٹیم کا دل کانپا جب اس نے اپنے سمروتن میں اُٹھ ہوئے ہاتھوں کے اُس جنگل کو دیکھا، اور سر اُٹھتا کر کے جب وہ آکر اپنی سیٹ پر بیٹھا تو اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اُڑا جا رہا ہو۔ اپنے پیچھے اُس نے سیروتینکو کو اعلان کرتے ہوئے سنا: ”سرو سستی سے پاس۔“

میں پر کوزا ہونے والا دوسرا آدمی پولینتاسکی کا پہلے کامرڈگار ذخار ہڈاک تھا۔ یہ خاموش طبیعت کا بڑبڑا آدمی خود بہت دنوں سے انجن ٹرانزپور تھا۔ اُس نے جب اپنی محتنت کی زندگی کا ورنہ ختم کیا اور کہانی کو اُس دن تک لے آیا، تو اُس کی

سنہ ۱۹۱۸ء کا سال تھا اور اس طرح مجھے ایک مہینے کے مددگار کا کام مل گیا۔ جہاں تک میرے موجودہ کام کا تعلق ہے، میں آٹھ سال سے یہاں کام کر رہا ہوں۔ اپنی بچپن کی زندگی کے بارے میں مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ یہاں کی مہری زندگی کے بارے میں آپ سب جانتے ہی ہیں۔

آرتھم نے اپنی ٹوپی سے ماٹھا پونچھا اور ایک لمبی ساٹس لی۔ ابھی تک اس نے خاص بات نہیں کہی تھی۔ اور اسی کو کہنا سب سے کچھ نہیں تھا، مگر کہنا تو تھا ہی۔ اور کوئی وہ انداز بہ سوال پوچھ بیٹھے، اس کے پہلے ہی کہنا تھا۔ لہذا اپنی گھنی بیہوشی میں بل ڈالتے ہوئے، اس نے اپنی کہانی کو جاری رکھا:

”تم سب کو مجھ سے یہ سوال پوچھنے کا حق ہے کہ میں کرائی کے پہلے دنوں میں بولشویک پارٹی میں کیوں نہیں شریک ہوا؟ آپ مجھ سے یہ سوال پوچھ سکتے ہیں۔ مگر میں اس کا کیا جواب دوں؟ ابھی میں بڑھا تو ہوا نہیں، تب نہیں تو اب سب۔ مگر سوال یہ ہے کہ اب تک مجھے یہ راستہ کیوں نہیں دکھائی دیا؟ میں سیدھے سیدھے بات کروں گا کیونکہ میرے پاس چھپانے کو کچھ نہیں۔ وہ راستہ ہمیں دکھائی نہیں دیا اور یہ ہماری ہی غلطی تھی۔ ہمیں ۱۹۱۸ء میں ہی اس راستہ کو پکڑنا چاہئے تھا جب ہم نے جرمنوں کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ملے جو کھڑائی نے بہت بار ہم سے یہی بات کہی۔ ۱۹۲۰ء میں آکر ہی میں نے پہلی بار رائفل اٹھائی۔ طوفان کے ختم ہونے پر اور شویت روسوں کو کالے ساگر میں ڈھکیل کر ہم لوگ گھر لوٹ آئے۔ اس کے بعد پھر پریوار، بچے..... میں گھر گرجستی میں ایک دم ولولہ مچا گیا۔ مگر اب جبکہ کامرےڈ لینن نہیں ہیں اور پارٹی نے ہم کو پکارا ہے، تو میں نے پچھلے مژدہ کی زندگی کو دیکھا ہے اور سمجھ رہا ہوں کہ اس میں کس چیز کی کمی تھی۔ اپنے راج کی حفاظت کرنا ہی کئی نہیں ہے، ہمیں لینن کی جگہ ایک بڑے پریوار کی طرح ایکٹائی کی مضبوط دور میں بندھ کر رہنا ہے تاکہ سوویت راج نولان کے پہاڑ کی طرح مضبوطی سے کھڑا رہے اور اسے کوئی ہلا نہیں سکے۔ ہم کو بولشویک بننا ہی ہے۔ یہی ہماری پارٹی ہے، یا میں جھوٹ کہتا ہوں؟“

انہیں سیدھے سادے شبدوں میں مگر گہری ایمانداری سے مہینے کے مددگار کا کام مل گیا اور جب اس کی بات ختم ہوئی تو جہاں اسے تھوڑی تھوڑی لچ بھی لگ رہی تھی کہ وہ کیسے وہ یوں دھار پڑا ہوا تھا، وہاں اسے یہ ہی محسوس ہوا کہ جیسے اس کے گلے پر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا اور اچھی طرح تن کے کپڑے ہوتے ہوئے وہ آگے والے سوالوں کا انتظار کرنے لگا۔

آرتھم نے اپنی بات کہی اور جب اس کی بات ختم ہوئی تو جہاں اسے تھوڑی تھوڑی لچ بھی لگ رہی تھی کہ وہ کیسے وہ یوں دھار پڑا ہوا تھا، وہاں اسے یہ ہی محسوس ہوا کہ جیسے اس کے گلے پر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا اور اچھی طرح تن کے کپڑے ہوتے ہوئے وہ آگے والے سوالوں کا انتظار کرنے لگا۔

انہیں سیدھے سادے شبدوں میں مگر گہری ایمانداری سے مہینے کے مددگار کا کام مل گیا اور جب اس کی بات ختم ہوئی تو جہاں اسے تھوڑی تھوڑی لچ بھی لگ رہی تھی کہ وہ کیسے وہ یوں دھار پڑا ہوا تھا، وہاں اسے یہ ہی محسوس ہوا کہ جیسے اس کے گلے پر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا اور اچھی طرح تن کے کپڑے ہوتے ہوئے وہ آگے والے سوالوں کا انتظار کرنے لگا۔

سال بڑا کر بتائی تھی۔ تین سال تک میں نے اُس جرمن کے لئے کام کیا مگر کوئی کام نہ سیکھ سکا کیونکہ مجھے گھر کی سیوا کرنے کے کام کرنے پڑتے تھے اور دور دور کو ورتکا لانی پڑتی تھی۔ میرا مالک بڑی طرح پیتا تھا۔ وہ مجھے کولہ اور لہا لے کے لئے بھی بھیجتا تھا!..... مالک نے تو مجھے بالکل غم ہی بنا دیا تھا: مجھے آلو چھیلنے پڑتے، برتن دھونے پڑتے، اکثر مار پڑتی اور خواہ مخواہ، کیونکہ اُن کو مارنے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اگر میں اپنی مالک کو خوش نہ کر سکتا تو وہ کس کر میرے منہ پر تپیز مارتی اور اُس کی حالت یہ تھی کہ اپنے بچے کے پیانے کے کڑے وہ ہمیشہ غصے میں بھری بیٹھی رہتی تھی۔ میں اُس سے بھاگ کر سڑک پر پہنچ جاتا، مگر کہاں جاتا، کس سے شکایت کرتا؟ میری ماں چالیس میل دور تھی اور پاس رکھ بھی تو نہیں سکتی تھی..... اور کارخانے میں بھی تو حالت کچھ بہتر نہ تھی۔ مالک کے بھائی اُس کے اینچارج تھے۔ بڑا سورتھا وہ آدمی۔ اُسے مجھ کو ننگ کرتے میں مڑا آتا تھا۔ کبھی وہ مجھ سے کہتا، 'اے چھوکرے، وہ واشتو آٹھلا' اور کونے میں بیٹھی کی طرف اشارہ کرتا۔ میں دروگر جانا اور واشتو آٹھلا لینا اور زر سے چھین پڑتا کیونکہ وہ تازہ تازہ بیٹی سے نکل کر پڑا ہوتا، اور گو کہ زمین پر پڑا ہوا وہ کالا نظر آتا، مگر چھوٹے ہی آگ لگ جاتی اور تب میں تو درد سے چیختا پڑا ہوتا اور اُس کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ جاتے۔ میں یہ تکلیف اور برداشت نہ کر سکا اور بھاگ کر اپنے گھر ماں کے پاس چلا گیا۔ مگر وہ سچے نہیں پاتی تھی کہ میرا وہ کیا بندوبست کرے، لہذا وہ مجھے پورے اسی جرمن کے یہاں لے گئی۔ مجھے یاد ہے، وہ پورے راستہ رونے لگی۔ کہیں تیسرے سال جا کر انھوں نے مجھے کچھ کچھ کام سکھانا شروع کیا، مگر مارپیٹ بدستور چلتی رہی۔ میں پورے بھاگ گیا اور اُس بار ستارہ کرنسٹانتی نوو پہنچا۔ وہاں مجھے ایک ساسینج کے کڑخانے میں کام مل گیا اور میں نے تین سال دینے دھونے کے پینچے برہان لئے۔ پھر ہمارے مالک نے جوئے کے پینچے کڑخانے کو برہان کر دیا، چار مہینے تک ہمیں ایک کڑی بیٹی دے دی اور غائب ہو گیا۔ اِس طرح میں اُس خندق میں سے نکلا۔ تب میں نے زمیریکا کی گڑی پکڑی اور وہاں کام ڈھونڈنے نکلا۔ سنیوک سے وہاں پر مجھے ایک ریلوے مزدور ملا جسے مجھ پر دیا آئی۔ جب میں نے اُس کو بتایا کہ میں تھوڑا بہت مینیک کے کام جانتا ہوں، تو وہ مجھ کو اپنے مالک کے پاس لے گیا اور بولا کہ یہ میرا بھتیجا ہے اور مجھے گم دینے کی سفارش کی۔ میرا ذلیل دل ایسا تھا کہ انھوں نے مجھے

जिससे इसकी आकृति बड़ी चुस्त-दुरुस्त नजर आ रही थी, जैसी छुटी के दिन अच्छे अच्छे कपड़ों के पहनने पर नजर आती है. आर्तम हाल की ओर मुड़ा और उसे एक परीचित स्त्री के चेहरे की झलक मिली. यह राजगीर की लड़की गालिना थी जो अपनी दक्षिण साथियों के साथ वहां बैठी हुई थी. वह उसे सहानुभूतिपूर्ण मुस्कराहट की आंखों से देख रही थी और उस मुस्कराहट में आर्तम ने समर्थन पाया, और और भी कुछ, जिसे शब्दों में रख सकना उसके लिये सम्भव न था.

उसने सिरोंतेंको को कहते सुना, “लोगों को अपने बारे में बतलाओ आर्तम !”

मगर आर्तम के लिये अपनी कहानी शुरू करना आसान न था. ऐसी बड़ी सभा में बोलने का वह आदी न था और उसने यकायक महसूस किया कि ज़िन्दगी ने जो कुछ उसके अन्दर भर दिया था, उन सब को व्यक्त करना उसकी शक्ति के बाहर था. शब्दों के लिये वह अटक रहा था और अपनी घबराहट के कारन ही बोलने में उसे और भी मुश्किल हो रही थी. इसके पहले उसने कभी ऐसा नहीं महसूस किया था. उसको इस बात की तीक्ष्ण चेतना थी कि वह किसी बड़े परिवर्तन के मोड़ पर खड़ा है, कि वह एक ऐसा क्रम उठाने जा रहा है जो उसकी कठोर ऐंठी हुई, छुटी हुई ज़िन्दगी में गरमाहट भर देगा और उसकी ज़िन्दगी फिर बेमानी न रह जायेगी.

आर्तम ने शुरू किया, “हम लोग चार आदमी थे.”

हाल में शान्ति थी. छः सौ लोग उत्सुकता से हुए इस टेढ़ी नाक वाले लम्बे मजदूर को सुन रहे थे, जिसकी आंखें घनी भवों के नीचे छिपी हुई थीं.

“मेरी मां अमीर लोगों के घरों में रसोई पकाया करती थी. मुझे अपने बाप की कुछ खास याद नहीं है, उसमें और मेरी मां में नहीं बनती थी. वह बहुत ज्यादा शराब पीता था. इसलिये मेरी मां को ही हम बच्चों की देखभाल करनी पड़ती थी. इतने लोगों के खाने का इन्तजाम करना उसके लिये आसान न था. सवेरे से लेकर रात तक वह बैल की तरह काम में जुटी रहती थी और इसके लिये उसे महीने में चार रुबल और खाना मिलता था. मैं इतना खुश-क्रिस्मत था कि मुझे दो साल स्कूल में पढ़ने का मौका मिला. उन्होंने मुझे पढ़ना सिखाया. मगर जब मैं नौ साल का हुआ तो मेरी मां के सामने इसके अलावा कोई रास्ता न था कि मुझे ले जाकर एक करखाने में भर्ती करा दे. तीन साल तक मैंने सिर्फ खाने पर काम किया..... उस कारखाने का मालिक फ्रेस्टर नाम का एक जर्मन था. पहिले वह मुझे लेना न चाहता था क्योंकि मैं बहुत छोटा था. मगर मैं बहुत तगड़ा था और फिर मेरी मां ने मेरी उम्र दो

जस में अंस की अकृति बड़ी चस्त - दस्त नजर आ रही थी, जिसी चैती के दन अचे अचे कपड़ों के पहनने पर नजर आती है. आर्तम हाल की ओर मुड़ा और उसे एक परीचित स्त्री के चेहरे की झलक मिली. यह राजगीर की लड़की गालिना थी जो अपनी दक्षिण साथियों के साथ वहां बैठी हुई थी. वह उसे सहानुभूतिपूर्ण मुस्कराहट की आंखों से देख रही थी और उस मुस्कराहट में आर्तम ने समर्थन पाया, और और भी कुछ, जिसे शब्दों में रख सकना उसके लिये सम्भव न था.

अंस ने सिरोंतेंको को कहते सुना, “लोगों को अपने बारे में बतलाओ आर्तम !”

मगर आर्तम के लिये अपनी कहानी शुरू करना आसान न था. ऐसी बड़ी सभा में बोलने का वह आदी न था और उसने यकायक महसूस किया कि ज़िन्दगी ने जो कुछ उसके अन्दर भर दिया था, उन सब को व्यक्त करना उसकी शक्ति के बाहर था. शब्दों के लिये वह अटक रहा था और अपनी घबराहट के कारन ही बोलने में उसे और भी मुश्किल हो रही थी. इसके पहले उसने कभी ऐसा नहीं महसूस किया था. उसको इस बात की तीक्ष्ण चेतना थी कि वह किसी बड़े परिवर्तन के मोड़ पर खड़ा है, कि वह एक ऐसा क्रम उठाने जा रहा है जो उसकी कठोर ऐंठी हुई, छुटी हुई ज़िन्दगी में गरमाहट भर देगा और उसकी ज़िन्दगी फिर बेमानी न रह जायेगी.

आर्तम ने शुरू किया, “हम लोग चार आदमी थे.”

हाल में शान्ति थी. छः सौ लोग उत्सुकता से हुए इस टेढ़ी नाक वाले लम्बे मजदूर को सुन रहे थे, जिसकी आंखें घनी भवों के नीचे छिपी हुई थीं.

“मेरी मां अमीर लोगों के घरों में रसोई पकाया करती थी. मुझे अपने बाप की कुछ खास याद नहीं है, उसमें और मेरी मां में नहीं बनती थी. वह बहुत ज्यादा शराब पीता था. इसलिये मेरी मां को ही हम बच्चों की देखभाल करनी पड़ती थी. इतने लोगों के खाने का इन्तजाम करना उसके लिये आसान न था. सवेरे से लेकर रात तक वह बैल की तरह काम में जुटी रहती थी और इसके लिये उसे महीने में चार रुबल और खाना मिलता था. मैं इतना खुश-क्रिस्मत था कि मुझे दो साल स्कूल में पढ़ने का मौका मिला. उन्होंने मुझे पढ़ना सिखाया. मगर जब मैं नौ साल का हुआ तो मेरी मां के सामने इसके अलावा कोई रास्ता न था कि मुझे ले जाकर एक करखाने में भर्ती करा दे. तीन साल तक मैंने सिर्फ खाने पर काम किया..... उस कारखाने का मालिक फ्रेस्टर नाम का एक जर्मन था. पहिले वह मुझे लेना न चाहता था क्योंकि मैं बहुत छोटा था. मगर मैं बहुत तगड़ा था और फिर मेरी मां ने मेरी उम्र दो

مگر پھر شانتی چھا گئی جسپ پولینتارسکی، جس کا نام سبھی میں سب سے پہلے تھا، آکر سب کے سامنے کھڑا ہوا۔

اپنی زندگی کی کہانی سناتے سمے اُس کے من میں جو ادویگ تھا، اُسکو وہ بڑھاپا آنجن ٹرائیور چھپا نہیں سکا۔

..... میں آپ کو کیا بھڑوں ساتھ! آپ سبھی جانتے ہیں کہ اُن دنوں میں ہم مزدوروں کی زندگی کیسی تھی۔ میں نے زندگی بھر ظلم کی طرح محنت کی، پھر بھی بڑھاپے میں آکر میں بھنگے کا بھنگا ہی رہا۔ جب کرانتی آئی تو مجھے یہ کہنے میں سنبھل نہیں رہے کہ میں اپنے کو گریہ کی پریشانیوں کے بوجھ سے دبا ہوا ایک بڑھاپا آدمی سمجھتا رہا اور پارٹی کے اندر نہیں آیا۔ اور گو کہ میں نے کبھی دشمن کا ساتھ نہیں دیا، پھر بھی خود سنبھل نہیں رہے کہ میں نے کم ہی بھاگ لیا۔ 1905 میں میں وارسا میں مرٹر کے کارخانے میں ہونال کیتی کا ممبر تھا اور بولشویکوں کے ساتھ تھا۔ تب میں چوں تھا اور مجھے میں لڑنے کی شکتی تھی۔ مگر اب اُن بیتی باتوں کو یاد کرنے سے کیا فائدہ؟ الچ کے مزے سے میرے دل پر بھاری دھکا لگا ہے، ہم نے اپنا درست اور ساتھی کھو دیا ہے اور آج یہ آخری بار میں اپنے بڑھے ہوئے کی بات کر رہا ہوں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ کیسے اپنی بات کہوں کیونکہ مجھے کبھی بھاشن دینا نہیں آیا۔ مگر میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ میرا راستہ بولشویکوں کا راستہ ہے، دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔“

اُس آنجن ٹرائیور نے اپنے بکے بالوں والے سر کو جھٹکا دیا اور اُس کی سفید بیڑوں کے نیچے اُس کی آنکھیں شروٹاؤں کو درخشا سے دیکھتی رہیں جسے اُن کے نیچے کا انتظار کر رہی ہوں۔

اُس چھوٹے سے بکے بالوں والے آدمی کی عرضی کے خلاف وروہ کی ایک بھی آواز نہیں اٹھی اور سب لوگوں نے دوت دیا۔ اِس دوت میں غیر پارٹی لوگوں کو بھی شریک کیا گیا۔

پولینتارسکی جسپ سپاہیتی منڈلی کی میز سے ہٹا تو وہ کمیونسٹ پارٹی کا ممبر تھا۔

ہر آدمی سمجھ رہا تھا کہ کوئی ایٹھلسک بات ہو رہی ہے۔ اب اُس آنجن ٹرائیور کی جگہ وشالکایہ آرتیم کھڑا تھا۔ اُس میٹنگ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنے ہاتھوں کا کیا کرے، لہذا وہ بار بار اپنی خوب بالوں والی نر کی ٹوپی کو تان رہا تھا۔ اُس کی بھیڑ کی کمال کی جاہت، جس کے سرے ایکدم گھس گئے تھے، کھلی ہوئی تھیں۔ مگر اُس کی بیوری نیچی ورنی کے گلے تک پہنچنے والے کالر میں پیتل کے دو بدن لگے ہوئے تھے،

تھی، حال کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے دو لمبے لمبے درخت ہرف کا لبادہ پہنے کھڑے تھے۔ مگر حال کے اندر انکیٹھیوں اور چھ سو لوگوں کی سانسوں کے کارن غونٹن محسوس ہو رہی تھی۔ یہ چھ سو لوگ پارٹی دوارا بلائی ہوئی اس شوک سبھا میں آئے تھے۔

حال میں کہیں بات چیت کی پہنچناہٹ نہیں تھی۔ گہرے درد نے لوگوں کی آوازیں روندھ دی تھیں۔ اور وہ ایک دوسرے سے دھیرے دھیرے پیس کر باتیں کر رہے تھے اور ان تمام سیکنڈوں لوگوں کی آنکھوں میں دیک اور چٹنا کے پھاؤ تھے۔ وہ ایک ایسی کشتی کے ملاح تھے جسکی پتھر چلانے والا طوفان میں ہی ان سے بچھڑ گیا تھا۔

بیورو کے ممبروں نے شانتی سے منبج پر آسن گھرن کیا۔ موٹے تکرے سروٹینکو نے سارڈھائی سے گھنٹی اٹھائی، دھیرے سے اس کو بجایا اور واپس میز پر رک دیا۔ اٹنے ہی سے حال میں شانتی چھا گئی۔

مکھیہ بھاشن کے بعد پارٹی سنگٹھن کا منتری سروٹینکو بولنے کے لئے اٹھا۔ اور یہی اس نے جو گھوشنا کی، وہ شوک سبھا کے لئے کچھ اسادھارن ہی تھی، مگر کسی کو اس سے آسجڑیہ نہیں ہوا۔

اس نے کہا، ”نئی مزدوروں نے اس سبھا سے مانگ کی جھک وہ پارٹی کی ممبری کی عرضی پر وچار کریں۔ اس عرضی پر سینٹیس سٹیٹیوں کے ہسٹاکشر ہیں۔“ اور اس نے وہ عرضی پڑھکر سنائی: ”دکچپن پچھم زبلاوے شپینٹوگا سٹیشن کی بولشویک پارٹی کے زبلاوے سنگٹھن کی سبھا میں۔“

”ہمارے نہتا کی مرٹینو ہمارے لئے پکار ہے کہ ہم بولشویک پارٹی میں شامل ہوں۔ اور ہم اس سبھا سے انزودہ کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر وچار کریں کہ ہم اینڈن کی پارٹی کے سدبہ ہونے کے یوگیتھ ہیں یا نہیں۔“

اس چھوٹے سے وکوتیہ پر دو کالم بھر کر ہسٹاکشر تھے۔ سروٹینکو نے انھیں پڑھ کر سنا دیا اور ہر نام کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا تھا تاکہ شروٹازن کو وہ نام یاد ہرجائے۔

”استانکار زگمڈتوویچ پولینتاسکی، انجن ڈارٹنور، چھتیس سال کی سروس۔“

”ہال میں سرٹھن کی دھونی گرنج گئی۔“

”آرتیم اندریلوچ کورچاکن، مکینک، سترہ سال کی سروس۔“

”زخار فلورویچ ہرجا، انجن ڈارٹنور، اکیس سال کی سروس۔“

منبج پر بیٹھا ہوا وہ آہی جیسے جیسے گٹلے ہاتھوں والے اور زبلاوے مزدوروں کی برادری کے پڑنے تہیہ ہونے لوگوں کا نام پکارنا جاتا تھا، ویسے ویسے حال میں شور بڑھتا جاتا تھا۔

”ہال میں کہیں بات چیت کی پہنچناہٹ نہیں تھی۔ گہرے درد نے لوگوں کی آوازیں روندھ دی تھیں۔ اور وہ ایک دوسرے سے دھیرے دھیرے پیس کر باتیں کر رہے تھے اور ان تمام سیکنڈوں لوگوں کی آنکھوں میں دیک اور چٹنا کے پھاؤ تھے۔ وہ ایک ایسی کشتی کے ملاح تھے جسکی پتھر چلانے والا طوفان میں ہی ان سے بچھڑ گیا تھا۔“

بیورو کے ممبروں نے شانتی سے منبج پر آسن گھرن کیا۔ موٹے تکرے سروٹینکو نے سارڈھائی سے گھنٹی اٹھائی، دھیرے سے اس کو بجایا اور واپس میز پر رک دیا۔ اٹنے ہی سے حال میں شانتی چھا گئی۔

مکھیہ بھاشن کے بعد پارٹی سنگٹھن کا منتری سروٹینکو بولنے کے لئے اٹھا۔ اور یہی اس نے جو گھوشنا کی، وہ شوک سبھا کے لئے کچھ اسادھارن ہی تھی، مگر کسی کو اس سے آسجڑیہ نہیں ہوا۔

اس نے کہا، ”نئی مزدوروں نے اس سبھا سے مانگ کی جھک وہ پارٹی کی ممبری کی عرضی پر وچار کریں۔ اس عرضی پر سینٹیس سٹیٹیوں کے ہسٹاکشر ہیں۔“ اور اس نے وہ عرضی پڑھکر سنائی: ”دکچپن پچھم زبلاوے شپینٹوگا سٹیشن کی بولشویک پارٹی کے زبلاوے سنگٹھن کی سبھا میں۔“

”ہمارے نہتا کی مرٹینو ہمارے لئے پکار ہے کہ ہم بولشویک پارٹی میں شامل ہوں۔ اور ہم اس سبھا سے انزودہ کرتے ہیں کہ وہ اس بات پر وچار کریں کہ ہم اینڈن کی پارٹی کے سدبہ ہونے کے یوگیتھ ہیں یا نہیں۔“

اس چھوٹے سے وکوتیہ پر دو کالم بھر کر ہسٹاکشر تھے۔ سروٹینکو نے انھیں پڑھ کر سنا دیا اور ہر نام کے بعد وہ تھوڑی دیر کے لئے رک جاتا تھا تاکہ شروٹازن کو وہ نام یاد ہرجائے۔

”استانکار زگمڈتوویچ پولینتاسکی، انجن ڈارٹنور، چھتیس سال کی سروس۔“

”ہال میں سرٹھن کی دھونی گرنج گئی۔“

”آرتیم اندریلوچ کورچاکن، مکینک، سترہ سال کی سروس۔“

”زخار فلورویچ ہرجا، انجن ڈارٹنور، اکیس سال کی سروس۔“

منبج پر بیٹھا ہوا وہ آہی جیسے جیسے گٹلے ہاتھوں والے اور زبلاوے مزدوروں کی برادری کے پڑنے تہیہ ہونے لوگوں کا نام پکارنا جاتا تھا، ویسے ویسے حال میں شور بڑھتا جاتا تھا۔

सही होगी. कुछ देर बाद उसने इस आदमी को पहचाना.
यह स्थानीय पार्टी संगठन का मन्त्री था.

इंजन की मरम्मत करने वाले मजदूर पिट में से कूद कर बाहर आये और उन्होंने मौन होकर उस आदमी की मौत की ख़बर सुनी जिसका नाम सारी दुनिया में गूँज रहा था.

फाटक के बाहर कहीं एक इंजन सीटी दे रहा था, जिसे सुनकर ये लोग कांप गये. इंजन की इस दर्द में डूबी हुई आवाज के बाद वैसी ही आवाज दूर पर एक और इंजन ने की, उसके बाद एक और ने. उनकी इस आवाज में बिजली घर के साइरेन ने योग दिया. साइरेन की आवाज बुलन्द और बम के उड़ते हुए छर्रों की तरह तेज और चुभने वाली थी. फिर ये आवाजें जरा देर बाद कीब के लिए रवाना होने वाली मुसाफिर गाड़ी के खूबसूरत “एस” इंजन की भारी गूंजती हुई आवाज में डब गई.

खुफिया का आदमी चौक गया जब रोपेलेवका-त्रासों एक्सप्रेस के पोलिश इंजन के ड्राइवर ने इंजनों की इन सीटियों का कानून जानने पर कान लगाकर उसको सुना और फिर धीरे धीरे अपना हाथ उठाकर सीटी की रस्सी को खींचा। वह जनता था कि यह आखिरी बार उसको ऐसा करने का मौका मिल रहा है, इसके बाद उसे फिर कभी यह गाड़ी चलाने को न मिलेगी, मगर उसके हाथ ने सीटी के तार को न छोड़ा और उसके इंजन की चीख ने पोलिश दूतों और कूट-नीतिज्ञों को चौंका कर उन्हें अपने नरम कोचों से उठा दिया।

रेलवे के श्रद्धाते में लोगों की भीड़ जमा थी. वे तमाम फाटकों के अन्दर चले आ रहे थे और जब वह विशाल इमारत ठसाठस भर गई, तो शोक सभा निस्तब्ध शान्ति के वातावरण में आरम्भ हुई. पार्टी की शेषतोवका एरिया कमिटी के मन्त्री, पुराने बोल्शेविक शराब्रिन ने तकरीर की.

“साथियो ! लेनिन, दुनिया भर के मजदूरों के नेता लेनिन मर गये. पार्टी की अप्रूपनीय क्षति हुई है, क्योंकि वह आदमी उठ गया जिसने बाल्शेविक पार्टी का निर्माण किया और उसको दुश्मनों के प्रति निर्मम होना सिखलाया . . . हमारी पार्टी और हमारे वर्ग के नेता की मृत्यु मजदूर वर्ग की सर्वोच्च सन्तानों के लिए एक पुकार है कि वे आकर हमारी पार्टी में शामिल हों

शोक संगीत की धुनें गूँज उठीं। वहाँ पर उपस्थित उन सैकड़ों लोगों ने अपनी टोपियां उतार लीं और वह आर्तमं जो पन्द्रह बरस से नहीं रोया था, उसको लगा कि जैसे दर्द से उसका गला घुट रहा है और उसके वे मजबूत चौड़े कंधे हिल उठे।

आदमियों की भीड़ के दबाव से रेलवे मजदूरों के क्लब की दीवारें भी मानो कराह रही थीं। बाहर बड़ी सख्त सर्दी

صحیح ہوگی۔ کچھ دیر بعد اس نے اس آدمی کو پہچانا۔ یہ
استہانیہ پارٹی سنگتوں کا مفتری تھا۔

انجمن کی مرمت کرنے والے مزدور ہٹ میں سے کود کر باہر آئے اور اُنہوں نے من ہو کر اُس آدمی کی موت کی خبر سنی جس کا نام ساری دنیا میں گونج رہا تھا ۔

پھانک کے باہر کہیں ایک انجن سیٹی دے رہا تھا، جسے
میں کر یہ لوگ کلاپ گئے۔ انجن کی اس درد میں قدیمی
ہوئی آواز کے بعد ویسی ہی آواز دور پر ایک اور انجن نے کی،
اس کے بعد ایک اور نے۔ ان کے اس آواز میں بجلی گھر کے
سائرن نے بوگ دیا۔ سائرن کی آواز بلند اور ہم کے اڑتے ہونے
چجروں کی طرح تیز اور چھیننے والی تھی۔ پھر یہ آوازیں ذرا
دور بعد کیوں کے لئے روانہ ہونے والی مسابروں کیوں کے خوبصورت
”ایس“ انجن کی بھاری گرجتی ہوئی آواز میں ڈوب گئیں۔

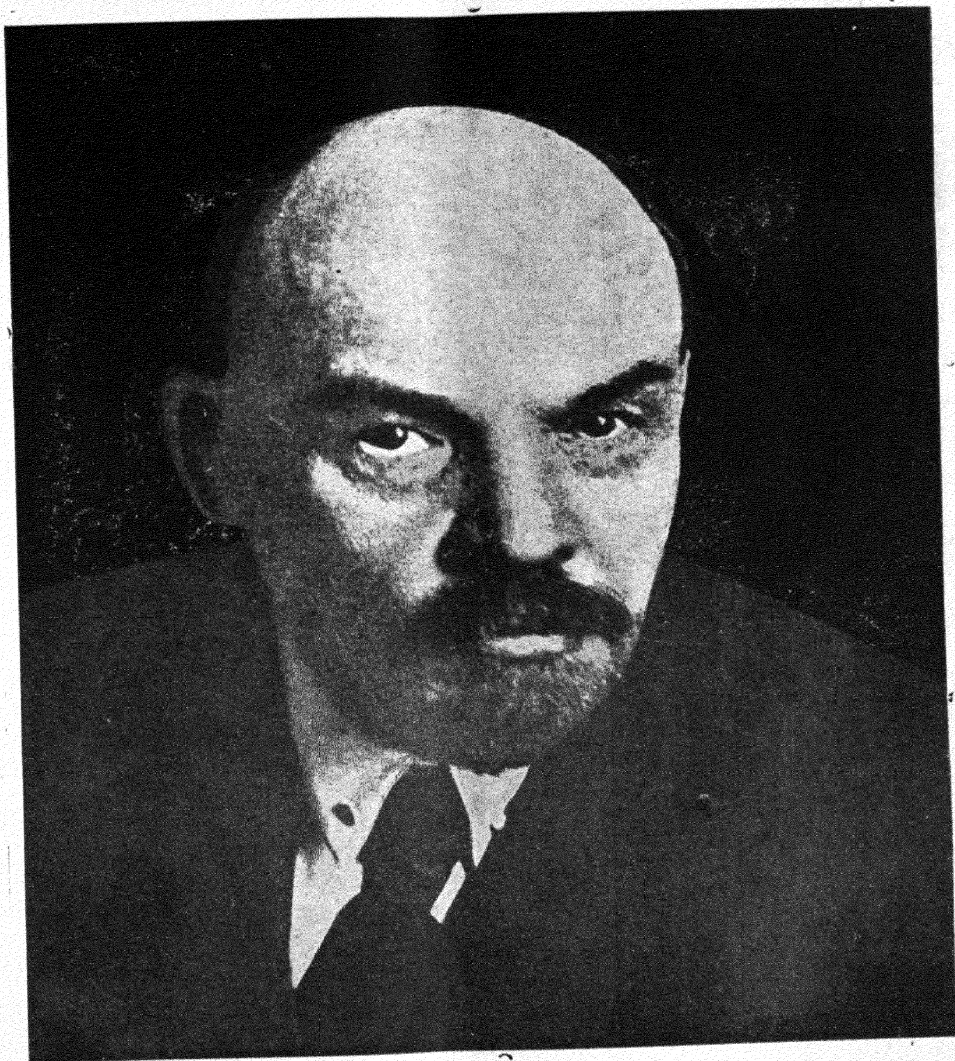
خزینہ کا آدمی چونک گیا جب شہر بیتوکا، وارسا اکسپریس کے پولش انجن کے ڈرائیور نے انجنوں کی ان سیٹوں کا کارن جاننے پر، کان لگا کر اس کو سنا اور پھر دھیرے دھیرے اپنا ہاتھ اٹھا کر سیٹی کی دسی کو کھینچا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ آخری بار اس کو ایسا کرنے کا موقع مل رہا ہے، اس کے بعد اُسے پھر کبھی یہ گڑی چلانے کا نہ ملے گی۔ مگر اس کے ہاتھ نے سیٹی کے تار کو نہ چھوڑا اور اس نے انجن کی چینیچ نے پولش دھڑوں اور کوٹ نیتھیوں کو چونکا کر انہیں اپنے نرم کوچوں سے اٹھا دیا۔

رباوی کے احاطے میں لوگوں کی بیہوش جمع تھی ۔ وہ تمام پھانسیوں کے اندر چلے آ رہے تھے اور جب وہ وہاں عمارتِ ترہاسات پہنچ گئے ، تو شریکِ سیما مستعدہ شانتی کے اناروں میں آرمیہ ہوئی۔ بائری کی شہ بدعتوں پر کیا کمیٹی کے مندری، پورے بولشیویک شراؤروں نے تقریر کی ۔

”ساتھیو! لینن، دنیا بھر کے مزدوروں کے نیتقا لینن مر گئے۔ پارٹی کی اپورنیہ چیتی ہوئی ہے، کیونکہ وہ آکسی اٹھ گیا جس نے بوشویک پارٹی کا نمران کیا اور اس کو دشمنوں نے پرتی نرمو ہونا سکایا۔۔۔۔۔ ہمارے لینن اور ہمارے ورگ کے نیتقا کی مرژیو مزدور ورگ کی سرورتم ستانوں کے لئے ایک پکار ہے کہ وہ آ کر ہمارے پارٹی میں شامل ہوں۔“

شوگ سنگیت کی حقین گونج اٹھیں ۔ وہاں پر اُسیستہ سیکڑوں لوگوں نے اپنی تڑپیاں اتار لیں اور وہ آرمیم جو پندرہ برس سے نہیں روپا تھا، اُس کو لگا کہ جیسے درد سے اُسکا کلا گھٹ رہا ہے اور اُس کے وہ مضبوط چوڑے کندھے ہل اٹے ۔

آدمیوں کی بھیڑ کے دباؤ سے دیلمے مزدوروں کے کلب کی
دبیز اریں بھی مانو کراہ رہی تھیں۔ باہر ہڑی سخت سردی



सोवियत रूस के जन्म दाता : लेनिन

سوییت روس کے جنم دانا لینن

ایلین لیون کی مڑتی ہو گئی۔ ”ہوڑا اچھل کر کھڑا ہو گیا، اس نے فیتے کو اٹھا لیا اور اس کو ایسے گھورتے لگا جیسے اس میں چھید کر دیتا۔ جس بات کا وشواس کرنے سے وہ انکار کر رہا تھا، اس پر گافز کے اس تکررے نے تصدیق کی مہر لگا دی تھی۔ اس کا چہرہ ایسا زرد پڑ گیا جیسے اس میں جان ہی باقی نہ ہو۔ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرف مڑا اور اس کی چیخ ان کے کانوں میں پڑی: ”لینن مر گئے!“

اس بھیانک مڑتی ہو گئی کی خبر نار گھر کے کپلے ہوئے دروازے میں سے نکلی اور آندھی کی طرح اسٹیشن میں پھیل گئی اور طوفان کے دھبوں پر سوار ہو کر ریل کی پٹریوں اور سوئچوں سے جا کر ڈگرائی اور ہرب کے طوفان کے ساتھ ساتھ ریلوے ورک شاپ کے ہرب سے دھمکے ہوئے پھانکوں کو چیرتی ہوئی اندر گیس گئی۔

مرمت کرنے والے کچھ مزدور پہلے سے ہی پٹ پر کھڑے ہوئے ایک انجن کی مرمت کر رہے تھے۔ ہوڑا پولیٹاوسکی خود اپنے انجن کے نیچے گیس کر ان جگہوں کو بتلا رہا تھا جن میں گڑبڑ تھی۔ زخار، ہرزاخ اور آرٹیم آشدان کی مڑی ہوئی لوہے کی سلاخوں کو سیدھا کر رہے تھے۔ زخار اس کو نہانی پر رکھتے ہوئے تھا اور آرٹیم ہتھوڑا چلا رہا تھا۔

زخار اندر ہو گیا تھا۔ پچلے کچھ سالوں نے اس کے ماتھے پر گہری چھریاں ڈال دی تھیں اور اس کی کپٹی کے بال کچھ سیدھ ہو چلے تھے۔ اس کی کمر جھک گئی تھی اور اس کی گڈے میں دھنسی ہوئی انہوں میں سیلفی تھی۔

دروازے میں کھڑے ہوئے کسی آدمی کی چھایا کرتی چہن بھر کے لئے دکھائی دی اور پھر رات کا اندھیرا اس کو نکل گیا۔ لوہے پر ہتھوڑوں کی چوڑوں نے اس کی پہلی چیخ کو دبو دیا، مگر جب وہ انجن پر کام کرتے ہوئے آدمیوں کے پاس پہنچا تو آرٹیم کے ہاتھ کا ہتھوڑا اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

”ساتھیو! لینن مر گئے!“

ہتھوڑا دھیرے دھیرے آرٹیم کے کندھے سے نیچے آ گیا اور اس کے ہاتھوں نے خاموشی سے اس کو نیچے کنکریٹ کے فرش پر رک دیا۔

”کیا ہوا؟ تم نے کیا کہا؟“ کہتے ہوئے آرٹیم نے یہ بھیانک خبر لائے والے آدمی کی چمڑے کی جاکٹ کو پاگل کی طرح جھٹکے سے پکڑ لیا۔

اور اس نے ہاتھ پکڑے ہوئے، ہرب سے دھمکے ہوئے، اپنی دھیمی، توٹی ہوئی آواز میں دھرائی:

”ہاں ساتھیو! لینن مر گئے!“

اور چونکہ اس آدمی نے بات دھیرے سے کہی تھی، اس لئے آرٹیم نے سمجھ لیا کہ یہ بھیانک خبر ضرور

”ساتھیو! لینن مر گئے!“

ہتھوڑا دھیرے دھیرے آرٹیم کے کندھے سے نیچے آ گیا اور اس کے ہاتھوں نے خاموشی سے اس کو نیچے کنکریٹ کے فرش پر رک دیا۔

”کیا ہوا؟ تم نے کیا کہا؟“ کہتے ہوئے آرٹیم نے یہ بھیانک خبر لائے والے آدمی کی چمڑے کی جاکٹ کو پاگل کی طرح جھٹکے سے پکڑ لیا۔

اور اس نے ہاتھ پکڑے ہوئے، ہرب سے دھمکے ہوئے، اپنی دھیمی، توٹی ہوئی آواز میں دھرائی:

”ہاں ساتھیو! لینن مر گئے!“

اور چونکہ اس آدمی نے بات دھیرے سے کہی تھی، اس لئے آرٹیم نے سمجھ لیا کہ یہ بھیانک خبر ضرور

پڑنے کے لیے، جنہیں اس نے بیچ میں ہی چھوڑ دیا تھا،
نیت کی طرف غائب ہوتا تھا۔

نار کی مشین نے یہ شدید لکھ لکھ:

”21 جنوری کی شام کو چوبیس بج کر پچاس منٹ پر“

نار بابو نے جلدی جلدی یہ شدید لکھ، نیت کو نیچے رکھ دیا اور اپنے سر کو عاتق پر تکا کر آگے کی بات سننے لگا۔

تار کی مشین نے یہ شہد لکھے تھے :
”21 جنوری کی شام کو 8 بج کر پچاس منٹ پر.....“

تار بابو نے جلدی جلدی یہ شہد لکھے، کھیت کو نیچے رکھ دیا اور اپنے سر کو عاتق پر تکا کر آگے کی بات سننے لگا۔

”کل گورگی میں موت ہو گئی.....“ دھیرے دھیرے اُس نے یہ شدید لکھنے پر آغاز دیا۔ اپنی لمبی زندگی میں اُس نے نہ جانے کتنے سندیش لکھے تھے، خوشی کے سندیش اور غم کے سندیش؛ کتنی بار دوسروں کے درد اور دوسروں کی خوشی کی خبر اُس نے سب سے پہلے سنی تھی! اپنے کام کے سلسلے میں اُس نے نہ جانے کب سے تار کے ان چھوٹے سندیشوں کے ارتعاش پر دھیان دینا چھوڑ دیا تھا، اُس کا تو کام بس اتنا تھا کہ دھڑکنوں کو پکڑے اور مشین کی طرح اُن کو کلڈ پر اُتار دے۔

یہ بھی کسی کی موت کی خبر تھی اور کسی کو اِس کی سوچنا ہی جا رہی تھی۔ تار بابو کو شروع کے وہ شدید ”سب کے لئے“ سب کے لئے“ بھول گئے۔ مشین نے ٹک ٹک کر کے ”ولادی میر ایچ“ لکھا اور بڑھتے تار بابو نے اُس کو اکثر میں اُتار دیا۔ اُس کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا، پس بڑھتی سی تھکن معلوم ہوئی۔ ”ولادی میر ایچ“ نام کا آدمی کہیں مر گیا اور کسی کو دکھ کی یہ خبر ملے گی، درد کی ایک چیخ کسی کے سینے سے نکلے گی، مگر اُس کو اِس سے کیا؟ مشین دیش - ذات - دیش - ذات بولتی جا رہی تھی۔ اپنی اُس سوچ پر دھڑکنوں میں سے تار بابو نے پہلا اکثر پکڑا اور اُسے تار کے نام پر لکھا۔ یہ انگریزی کا ”ایل“ تھا۔ پھر دوسرا اکثر آیا ”ای“۔ اُس کے بعد ہی اُس نے لکھا ”این“ پھر جلدی ہی چھوڑا ”انی“۔ پھر آخر اکثر لکھا ”این“۔

اُس کے بعد مشین نے روم دیا اور چھن پور کے لئے تار بابو کی آنکھیں اپنے لئے ہوئے شدید ”لینن“ پر تھم گئیں۔

مشین تھپتاتی رہی مگر اب وہ پُرچٹ نام تار بابو کی چیتنا میں داخل ہوا۔ اُس نے ایسا پھر اُس سندیش کے آخری شدید پر نگاہ ڈالی ”این“ کیا؟ این؟ تار کی ساری عبارت اُس کے من میں بجلی کی طرح کوندہ گئی۔ وہ تار کے نام کو گھورتا ہوا بیٹھا رہا اور اپنے کام کی ہتیس برس کی زندگی میں وہ پہلی بار اپنے لئے ہوئے شدید کا وشواس نہیں کر سکا۔

اُس نے نین ہار اُس لائن پر جلدی جلدی نگاہ ڈرائی، مگر وہ شدید ذرا بھی نہیں بدلے: ”ولادی میر

یہ اب کسی کی موت کی خبر تھی اور کسی کو اِس کی سوچنا ہی جا رہی تھی۔ تار بابو کے شروع کے وہ شدید ”سب کے لئے“ سب کے لئے“ بھول گئے۔ مشین نے ٹک ٹک کر کے ”ولادی میر ایچ“ لکھا اور بڑھتے تار بابو نے اُس کو اکثر میں اُتار دیا۔ اُس کے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا، پس بڑھتی سی تھکن معلوم ہوئی۔ ”ولادی میر ایچ“ نام کا آدمی کہیں مر گیا اور کسی کو دکھ کی یہ خبر ملے گی، درد کی ایک چیخ کسی کے سینے سے نکلے گی، مگر اُس کو اِس سے کیا؟ مشین دیش - ذات - دیش - ذات بولتی جا رہی تھی۔ اپنی اُس سوچ پر دھڑکنوں میں سے تار بابو نے پہلا اکثر پکڑا اور اُسے تار کے نام پر لکھا۔ یہ انگریزی کا ”ایل“ تھا۔ پھر دوسرا اکثر آیا ”ای“۔ اُس کے بعد ہی اُس نے لکھا ”این“ پھر جلدی ہی چھوڑا ”انی“۔ پھر آخر اکثر لکھا ”این“۔

اس کے بعد مشین نے روم دیا اور چھن پور کے لئے تار بابو کی آنکھیں اپنے لئے ہوئے شدید ”لینن“ پر تھم گئیں۔

مشین تھپتاتی رہی مگر اب وہ پُرچٹ نام تار بابو کی چیتنا میں داخل ہوا۔ اُس نے ایسا پھر اُس سندیش کے آخری شدید پر نگاہ ڈالی ”این“ کیا؟ این؟ تار کی ساری عبارت اُس کے من میں بجلی کی طرح کوندہ گئی۔ وہ تار کے نام کو گھورتا ہوا بیٹھا رہا اور اپنے کام کی ہتیس برس کی زندگی میں وہ پہلی بار اپنے لئے ہوئے شدید کا وشواس نہیں کر سکا۔

اُس نے نین ہار اُس لائن پر جلدی جلدی نگاہ ڈرائی، مگر وہ شدید ذرا بھی نہیں بدلے: ”ولادی میر

جب لینن کی موت کا اعلان ہوا जब लेनिन की मौत का ऐलान हुआ

لیکھک—نکولائی آسترووسکی؛ انیوواک—امرت رائے لےکھک—نیکولائی آستروووسکی؛ انیوواک—امرت رائے

بڑی سخت اور بے درد سڑکی سے سن 1924 کی شروعات ہوئی۔ جنوری کا برنامی پہلے برف سے ڈھکی ہوئی دھرتی پر جما ہوا تھا اور مہینے کے دوسرے پکارے میں آندھی اور طوفان کا زبردست زور تھا۔

دکھین-مشرقی ریلوے لائنیں برف سے ڈکی ہوئی تھیں۔ آدمی ہلائی ہوئی پراکٹک شکتیوں سے لڑ رہے تھے۔ برف کی صفائی کرنے والے پہاڑے برف کو کات کات کر ریل گاڑیوں کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ ٹیلیگراف کے تار برف کے بوجھ سے آندھی اور طوفان کے کراں ٹوٹے جا رہے تھے اور بارہ لائنوں میں سے تین کلم کر رہی تھیں—ایک آندو یورپیئن اور دو سرکاری لائنیں۔

شپتوبکا سٹیشن کے تار घर में तीन आले अनवरत खटखटा रहे थे, मगर उनकी भाशा ऐसी थी जो सिर्फ जान-कार आदमी की ही समझ में आ सकती थी.

آپرटर لڑکیاں अभी जवान थीं, मगर अभी उन्होंने बीस किलोमीटर से ज्यादा क्रीता न टपटपाया हांगा जब कि, उनके बगल का बुड्ढा तार बाबू दो सौ किलोमीटर से ज्यादा कर चुका था. अपने नौजवान साथियों की तरह उस बुड्ढे को तार से भेजा गया सन्देश समझने के लिए उस क्रीते को पढ़ना नहीं पड़ता था, न वह मुश्किल शब्दों और वाक्यांशों की ही पहली में उलझता था, और न उसके माथे पर झुर्रियां ही पड़ती थीं. उसका ढंग यह था कि शब्द पढ़ता जा रहा था और मशीन उसको टपटपाती जा रही थी. तभी उसके कान में शब्द पड़े, “सब के लिये, सब के लिए!”

“बर्फ साफ करने के बारे में कोई दूसरा सरकुलर होगा”, बुड्ढे तार बाबू ने उन शब्दों को लिखते हुए अपने मन में कहा. बाहर बर्फ का तूफान जोरों से चल रहा था जिससे बड़ी बड़ी बर्फ आकर खिड़की से टकराती थी. तार बाबू ने सोचा कि खिड़की पर कोई दस्तक दे रहा है. उसकी आंखें आवाज की ओर मुड़ गईं और वह छान भर के लिए खिड़की के शीशे पर बर्फ से बनी हुई आकृतियों को देखने लगा. कोई भी नक्काश पत्ती की ऐसी अच्छी नक्काशी न कर सकता था.

उसके बिचार धर धर बहने लगे और थोड़ी देर के लिए उसने तार के आले को सुनना बन्द कर दिया. मगर थोड़ी ही देर बाद उसने निगाह नीची की और उन शब्दों को

بڑی سخت اور بے درد سڑکی سے سن 1924 کی شروعات ہوئی۔ جنوری کا برنامی پہلے برف سے ڈھکی ہوئی دھرتی پر جما ہوا تھا اور مہینے کے دوسرے پکارے میں آندھی اور طوفان کا زبردست زور تھا۔

دکھین-پنجھی ریلوے لائنیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آدمی ہلائی ہوئی پراکٹک شکتیوں سے لڑ رہے تھے۔ برف کی صفائی کرنے والے پہاڑے برف کو کات کات کر ریل گاڑیوں کے لیے راستہ بنا رہے تھے۔ ٹیلیگراف کے تار برف کے بوجھ سے آندھی اور طوفان کے کراں ٹوٹے جا رہے تھے اور بارہ لائنوں میں سے تین کلم کر رہی تھیں—ایک آندو یورپیئن اور دو سرکاری لائنیں۔

شپتوبکا سٹیشن کے تار گھر میں تین آئے انورٹ ٹھہکتا رہے تھے، مگر اُن کی بھاشا ایسی تھی جو صرف جانکار آدمی کی ہی سمجھ میں آ سکتی تھی۔

آپرٹر لڑکیاں ابھی جوان تھیں، مگر ابھی انہوں نے بیس کلومیٹر سے زیادہ فیتہ نہ تپ تپایا ہوا جبکہ اُن کے بھل کا بوڑھا تار بابو دو سو کلومیٹر سے زیادہ کر چکا تھا۔ اپنے نوجوان ساتھیوں کی طرح اُس بڑھے کو تار سے بھینچا گیا سندیش سمجھنے کے لئے اُس فیتے کو پڑھنا نہیں پڑتا تھا، نہ وہ مشکل شدوں اور والٹائشوں کی ہی پہلی میں الجھتا تھا، اور نہ اُس کے ماننے پر جہریاں ہی پڑتی تھیں۔ اُس کا تھنگ یہ تھا کہ شدید پڑھتا جا رہا تھا اور مشین اُس کو تپتاتی جا رہی تھی۔ تبھی اُس کے کان میں شدید پڑے، ”سب کے لئے، سب کے لئے!“

”برف صاف کرنے کے بارے میں دوسرا سرکار ہوا“ بڑھے تار بابو نے اُن شدیدوں کو لکھتے ہوئے اپنے من میں کہا۔ باہر برف کا طوفان زوروں سے چل رہا تھا جس سے بڑی بڑی برف آکر کھڑکیوں سے ٹکراتی تھی۔ تار بابو نے سوچا کہ کھڑکی پر کوئی دستک دے رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں آواز کی اور مڑ گئیں اور وہ چھن بھر کے لئے کھڑکی کے شیشے پر برف سے بنی ہوئی آکرتیوں کو دیکھنے لگا۔ کوئی بھی نقاش پتی کی ایسی اچھی نقاشی نہ کر سکتا تھا۔

اُس کے دھار ادھر ادھر بہنے لگے اور تھوڑی دیر کے لئے اُس نے تار کے آئے کو سننا بند کر دیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد اُس نے نگاہ نیچی کی اور اُن شدیدوں کو

(बौद्ध मन्दिरों में रिवाज है कि पूजा के वक्त्र लोग तीन तरह की 'पनाह' लेते हैं और कहते हैं:—“मैं बुद्ध की शरण (पनाह) लेता हूँ, मैं धर्म की शरण लेता हूँ और मैं संघ (जमाअत) की शरण लेता हूँ.” चीनी बौद्ध मन्दिरों में लोग यह बात अपनी तरफ से भी कहते हैं और जानवरों की तरफ से भी कहते हैं, और यह कहकर कुछ पकड़े हुए जानवरों और पंछियों को रिहा कर देते हैं. इस रस्म में साफ़ पानी और किसी द्रव्य की हरी शाखें काम में लाई जाती हैं.)

“रिहाई की रस्म”

“साफ़ पानी की बूंदें

“हरी शाखों से टपकती हुईं

“कितनी अच्छी और ठंडी लगती हैं !

“सब सब तरह के दुखों से छुटकारा पाजाएं !

“सब ज्ञान (मारफ़त) के राजा बुद्ध की शरण में आ जाएं !”

इस संग्रह में ऐसी बहुत सी कविताएं हैं जो संस्कृत साहित्य की कविताओं से या जिनकी कहानी संस्कृत कहा-नियों से मिलती हुई हैं. एक कविता में रेशम का कपड़ा पहनने को भी रेशम के कीड़ों की हिंसा की वजह से बुरा कहा गया है. अहिंसा के सवाल पर भारत और चीन के विचारों की समता की दृष्टि से यह संग्रह बहुत ही अच्छा और कीमती है. हम चाहते हैं कि देश की हर अच्छी लाइब्रेरी में यह किताब रखी जाये.

—सुन्दरलाल

अहिंसा धर्म का तत्ताज्ञा है कि हम दूसरों को अधिक से अधिक सुविधाएं प्राप्त करा देने के लिये स्वयं अधिक से अधिक असुविधाएं सहें—यहां तक कि अपनी जान भी जोखम में डाल दें.

—महात्मा गांधी

(बुद्ध मन्दिरों में रिवाज है कि पूजा के वक्त्र लोग तीन तरह की 'पनाह' लेते हैं और कहते हैं:—“मैं बुद्ध की शरण (पनाह) लेता हूँ, मैं धर्म की शरण लेता हूँ और मैं संघ (जमाअत) की शरण लेता हूँ.” चीनी बौद्ध मन्दिरों में लोग यह बात अपनी तरफ से भी कहते हैं और जानवरों की तरफ से भी कहते हैं, और यह कहकर कुछ पकड़े हुए जानवरों और पंछियों को रिहा कर देते हैं. इस रस्म में साफ़ पानी और किसी द्रव्य की हरी शाखें काम में लाई जाती हैं.)

“रिहाई की रस्म”

“साफ़ पानी की बूंदें

“हरी शाखों से टपकती हुईं

“कितनी अच्छी और ठंडी लगती हैं !

“सब सब तरह के दुखों से छुटकारा पा जायें !

“सब ज्ञान (मार्फत) के राजा बुद्ध की शरण में आ जायें !”

इस संग्रह में ऐसी बहुत सी कविताएँ हैं जो संस्कृत साहित्य की कविताओं से या जिनकी कहानी संस्कृत कहा-नियों से मिलती हुई हैं. एक कविता में रेशम का कपड़ा पहनने को भी रेशम के कीड़ों की हिंसा की वजह से बुरा कहा गया है. अहिंसा के सवाल पर भारत और चीन के विचारों की समता की दृष्टि से यह संग्रह बहुत ही अच्छा और कीमती है. हम चाहते हैं कि देश की हर अच्छी लाइब्रेरी में यह किताब रखी जाये.

—सुन्दरलाल

अहिंसा धर्म का तत्ताज्ञा है कि हम दूसरों को अधिक से अधिक सुविधाएं प्राप्त करा देने के लिये स्वयं अधिक से अधिक असुविधाएं सहें—यहां तक कि अपनी जान भी जोखम में डाल दें.

—महात्मा गांधी

“جان ہر وقت خطرے میں ہے۔
 “کیونکہ دِل سب کے چیتے کے دل ہیں۔
 “میت کہو کہ دوسروں کا مانس چربلا اور طاقتور ہوتا ہے
 کہ اُس سے تمہارے بدن میں طانت آ جائے گی !
 “زندگی آتی جاتی ہے جیسے صبح کی اُوس !
 “ہمارے دلوں میں سب کے لئے دیا ہوئی چلتی ہے۔
 “آدمیوں میں اور جانوروں میں کسی میں بھی چیتے کا دل
 نہیں ہوتا چلتی ہے۔
 “چھوٹے اور بڑے سب جانوروں کی طرف اپنے اندر افسوس
 کی اونچی پہاڑی پیدا کرو۔“

(12)

“فوسلا کر بھاگ لے جانا“

“جس میں جان ہے اُس میں جینے کی خواہش بھی ہے۔
 “اس میں آدمی اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں۔
 “کسی کی جان لینا سب سے بڑا اُنیا ہے۔
 “کسی چنندا جانور کو کاٹنا سب سے
 دردناک ہے۔
 “کسی پانڈی کو پکڑ لو اور آدمی مارو میت
 “تو بھی وہ سہم کر اُدھ مرا ہو جاتا ہے۔
 “جب اُس کا گلا کاٹا جاتا ہے تب وہ درد سے تڑپتا ہے۔
 “آدمی جب اِس بات پر سوچے
 “تو کس کا دل گوارا کر سکتا ہے کہ وہ مانس کھائے۔“

(13)

“خانا پکانے کی پاک جگہ اور
 جانوروں کا کُتل“

“جیندا غریب جانوروں کو ستایا جاتا ہے اور کاٹا جاتا ہے۔
 “وہ پھڑپھڑاتے ہیں، تڑپتے ہیں اور آخر سانس نکال جاتا ہے۔
 “پھر اُن کے تکتے تکتے کئے جاتے ہیں۔
 “اُس کے بعد انہیں پکایا جاتا ہے، دیکھی میں بھوتا جاتا ہے۔
 “آدمی کیوں اپنی دعوت کے مزے کے لئے اُن پر یہ ظلم
 کرتا ہے۔
 “اور پھر آدمی کہتا ہے کہ اِس میں کوئی گناہ نہیں !
 “تو پھر بھوکا جاتے گناہ ہے کیا چیز !“

(9)

“लालच देकर मारना”

“वह आदमी पानी के किनारे फुरसत से बैठा हुआ
मछलियां फंसा रहा है.
“उसकी खुशी दूसरों की जान लेने में है !
“अपने दिल में वह यह महसूस नहीं करता
“कि मैं दूसरों का गला काट रहा हूँ.

(10)

“जानवर को काटना”

“जब किसी की उंगली पकड़ कर खोलते पानी में डबा
दी जाय
“तो उसे ऐसा लगता है कि उसका सारा बदन जल
रहा है.
“जब किसी के कर्हीं सुई चुभो दी जाय
“तो उसे ऐसा लगता है कि उसका सारा बदन टुकड़े
टुकड़े हुआ जा रहा है.
“जब कोई आदमी किसी जिन्दा मछली को काटने
लगता है तो वह मछली आदमी से रहम की
दरखास्त करती है !
“छुरी की तेज धार को देखकर मुरी का बच्चा सहम
जाता है !
“जाहिर है उन्हें भी तकलीफ होती है.
“पर बेरहम इन्सान यह सब देखता है और परवाह
नहीं करता !”

(11)

“मारने की कला”

“आदमी का सिर ऊपर को और आंखें दाएं बाएं को
होती हैं.
“जानवरों की आंखें नीचे को देखती हैं और उनके
बदन पीछे को होते हैं.
“आदमी बड़े बड़े हथियारों से बहादुरी के साथ
लड़ाइयां लड़ता है.
“जानवर केवल अपने दांतों और पंजों से लड़ते हैं.
“अफसोस ! यही दुनिया है.
“जीवन में श्रमन आमान कहीं नहीं !
“बस्ती में चीता आ जाता है तो लोग डर के मारे भागने
लगते हैं.

जनवरी '55

(9)

“लालच दे कर मारना”

“वह आदमी पानी के किनारे फुरसत से बैठा हुआ
मछलियां फंसा रहा है .
“अस की खुशी दूसरों की जान لینे में है !
“अपने दल में वह ये महसूस नहीं करता
“के में दूसरों का गला काट रहा हूँ .

(10)

“जानवर को काटना”

“जब किसी की अंगली पकड़ कर कोलते पानी में डबा
दी जाये
“तो उसे ऐसा लगता है के अस का सारा बदन जल रहा है .
“जब किसी के कहीं सुई चुभो दी जाये
“तो उसे ऐसा लगता है के अस का सारा बदन टुकड़े टुकड़े
हुआ जा रहा है .
“जब कौन आदमी किसी जिन्दा मछली को काटने लगता है तो
वह मछली आदमी से रहम की दरखास्त करती है !
“छुरी की तेज धार को देखकर मुरी का बच्चा सहम जाता है !
“जाहिर है अंनियों को तकलीफ होती है .
“पर ये रहम अंनसान ये सब देखता है और परवाह नहीं
करता !”

(11)

“मारने की कला”

“आदमी का सर ओपर को ओर आंखें दाएं बाएं को
होती हैं.
“जानवरों की आंखें नीचे को देखती हैं और उनके
बदन पीछे को होते हैं .
“आदमी बड़े बड़े हथियारों से बहादुरी के साथ लड़ाइयां
लड़ता है .
“जानवर कोल अपने दांतों ओर पंजों से लड़ते हैं .
“अंसूस ! येही दुनिया है .
“जियों में अंन आमान कहीं नहीं !
“बस्ती में चीता आ जाना है तो लुग डर के मारे भागने
लगते हैं .

(37)

जानवरी '55

“جنگوں کا کارن”

“ہمارے دلیوں میں نکرار کا سمندر دھلورے لے رہا ہے !
 “ہم پیڑی در پیڑی ایک دوسرے کو پکے हुए ماंस کے
 پ्याले खाते खिलाते देखते हैं !
 “अगर तुम दुनिया की जंगों का कारन जानना चाहते हो,
 “तो आधी रात के वक्त जानवर कटने की जगह जाकर
 उनकी दर्दनाक आवाजों को सुनो.”

“कैदी चिड़िया”

“किसी आदमी को पकड़कर कैद कर दिया जाय
 “तो वह दिन भर दुखी और उदास रहता है,
 “तब फिर वह पंखी जिसे
 “पिंजरे में बन्द कर दिया गया है
 “दिन भर क्या महसूस करता होगा ?
 “अगर आदमी पिंजरे के पंखी की आवाजों को प्रेम
 से और ध्यान लगाकर सुन सके,
 “तो उसका दिल चूर चूर हो जावे.
 “इसलिये उस पंखी को छोड़ दो और जहां वह चाहे
 आजादी के साथ उड़ने दो.”

“सबको अपनी जान प्यारी है”

“अगर तुम बहुत दिनों जीना चाहते हो तो मेरी बात
 ध्यान से सुनो.
 “जब भी कोई काम करो तो अच्छी तरह सोच विचार
 कर करो.
 “अगर तुम्हें अपनी जान प्यारी है तो तुम्हें चाहिये कि
 दूसरों की जान की भी हिकायत करो.
 “यही एक दूसरे की तरफ हमारा सच्चा धम यानी
 फर्ज है.
 “अगर तुम दूसरों की मुसीबत में उनके काम आओ
 “तो दूसरे भी तुम्हारे काम आवेंगे.”

“جنگوں کا کارن”

“ہمارے دلوں میں نفرت کا سمندر دھلورے لے رہا ہے !
 “ہم پیڑی در پیڑی ایک دوسرے کو پکے हुए ماंस کے
 پیالے کھاتے کھاتے دیکھتے ہیں
 “گر تم دنیا کی جنگوں کا کارن جاننا چاہتے ہو
 “تو ادھی رات کے وقت جانور کٹنے کی جگہ جا کر اُن کی
 دردناک آوازوں کو سنو .”

“قیدی چڑیا”

“کسی آدمی کو پکڑ کر قید کر دیا جائے
 “تو وہ دن بھر دکھی اور اُداس رہتا ہے،
 “تب پھر وہ پانچھی جیسے
 “پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے
 “دن بھر کیا محسوس کرتا ہوگا ؟
 “اگر آدمی پنجرے کے پانچھی کی آوازوں کو پریم سے اور
 دھیان لگا کر سن سکے،
 “تو اُس کا دل چور چور ہو جاوے .
 “اِس لئے اُس پانچھی کو چھوڑ دو اور جہاں وہ چاہے آزادی
 کے ساتھ اُڑنے دو .”

“سب کو اپنی جان پ्यاری ہے”

“اگر تم بہت دنوں جینا چاہتے ہو تو میری بات دھیان
 سے سنو .
 “جب بھی کوئی کام کرو تو اچھی طرح سوچ وچار کر کرو .
 “اگر تمہیں اپنی جان پ्यاری ہے تو تمہیں چاہئے کہ دوسروں
 کی جان کی بھی حفاظت کرو .
 “یہی ایک دوسرے کی طرف ہمارا سچا دھرم یعنی
 فرض ہے .
 “اگر تم دوسروں کی مصیبت میں اُن کے کام آؤ
 “تو دوسرے بھی تمہارے کام آویں گے .”

“इन बेजबान जानवरों को अपने प्यारों से बिछड़ने का
वैसा ही दुख होता है जैसा आदमी को.
“पर आदमी को अपना रोना दिखाई देता है, उनका
नहीं दिखाई देता !”

“ان بے زبان جانوروں کو اپنے پیاروں سے بچڑنے کا ویسا ہی
دکھ ہوتا ہے جیسا آدمی کو .
“پر آدمی کو اپنا رونا دکھائی دیتا ہے، اُن کا نہیں دکھائی
دیتا !”

(3)

“सबजी में ताक़त”

“सुबारक हैं वह लोग जो साग सबजी खाकर रहते हैं.
“क्योंकि उन्हें खाना भी अच्छा मिलता है और उनका
जमीर यानी अन्तर आत्मा भी गुनाह से پاک रहती है.
“बरसात के बाद की ओस जब खेतों में भर जाती है,
“तरह तरह की साग सबजियाँ फूलती और फलती हैं,
“हम पेट भरकर खा सकते हैं.
“हैरान हूँ कि लोग जानवरों का मांस क्यों खाते हैं !”

“سبزی میں طاقت”
“مبارک ہیں وہ لوگ جو ساگ سبزی کھا کر رہتے ہیں .
“کیونکہ انہیں کھانا بھی اچھا ملتا ہے اور اُن کا ضمیر یعنی
اُنتر آتما بھی گناہ سے پاک رہتی ہے .
“برسات کے بعد کی اُوس جب کھیتوں میں بھر جاتی ہے
“طرح طرح کی ساگ سبزیوں پھولتی اور پھلتی ہیں
“نعم دیت بہر کر کھا سکتے ہیں .
“حیران ہوں کہ لوگ جانوروں کا مانس کیوں کھاتے ہیں !”

(4)

“चिड़ियों का शिकार”

“कौन कहता है कि जानवरों में जान दूसरी तरह की है ?
“उनकी हड्डियाँ, उनका मांस और उनकी खाल सब
वैसी ही हैं जैसी हमारी.
“इसलिये हमें चाहिये कि दरख्तों के ऊपर बैठी चिड़ियों
का शिकार न करें.
“उनके घोंसलों के अन्दर उनके बच्चे अपनी माँओं के
लौटने का इन्तज़ार कर रहे हैं.”

“چڑیوں کا شکار”
“کون کہتا ہے کہ جانوروں میں جان دوسری طرح کی ہے?
“اُن کی ہڈیاں، اُن کا مانس اور اُن کی کھال سب ویسی
ہی ہیں جیسی ہماری .
“ایس لئے ہمیں چاہئے کہ درختوں کے اوپر بیٹھی چڑیوں کا
شکار نہ کریں .
“اُن کے گھونسلوں کے اندر اُن کے بچے اپنی ماؤں کے لوٹنے
کا انتظار کر رہے ہیں .”

(5)

(एक आदमी एक भेड़ को काटने के लिये खींचकर ले
जा रहा है. भेड़ के बच्चे जो बाड़े में बंद हैं कवि के शब्दों
में मां से कुछ कहते हैं.)

“मां ! हमें छोड़कर मत जाओ.”

“दुनिया में सबसे दर्दनाक चीज है
“मां का बच्चों से अलग किया जाना.
“मां बड़े दुख भरे दिल से बच्चों से अलग होती है
“और कहती है :—
“बच्चो ! मैं अब हमेशा के लिये तुम्हें छोड़कर जा रही हूँ.”

(5)
(ایک آدمی ایک بھیر کو کاٹنے کے لئے کھینچ کر لے جا رہا
ہے . بھیر کے بچے جو بارے میں بند تھیں کوی کے شبدوں میں
ماں سے کچھ کہتے تھیں)

“मां ! हमें छोड़कर मत जाओ.”

“دنیا میں سب سے دردناک چیز ہے
“ماں کا بچوں سے الگ کیا جانا .
“ماں بڑے دکھ بھرے دل سے بچوں سے الگ ہوتی ہے
“اور کہتی ہے :—
“بچو ! میں اب ہمیشہ کے لئے تمہیں چھوڑ کر جارہی ہوں.”

پرہیز کرنے والے ملتے نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں علم طور پر سب جانوروں کا مانس ملا جلا رہتا ہے اور مسلمانوں کو ایک خاص جانور کے مانس سے پرہیز ہے۔

ڈاکٹر رघوवीر کی اس विद्वत्पूर्ण کتاب سے مालूम ہوتا ہے کہ بौद्ध धर्म کے دوسرے विचारों के साथ साथ अहिंसा का विचार यानी निरामिष भोजन या मांस से परहेज करने का विचार भी भारत से चीन पहुंचा और वहां के कुछ लोगों, खासकर वहां के लेखकों और कवियों, पर इसका खासा असर पड़ा. अब हम इस किताब की कविताओं में से नमूने के तौर पर कुछ का हिन्दुस्तानी अनुवाद नीचे देते हैं.

❀ ❀ ❀

(1)

(लोग कुछ सूअर काटने के लिये ले जा रहे हैं, उन्हें देखकर यह कविता लिखी गई है.)

“हमारे मांस का मांस”

“इन सूअरों के भी जान है.

“इन के बदन भी उन्हीं पांच तत्वों (पानी, मिट्टी, आग, हवा और प्रकाश) से बने हैं जिन से हमारे बदन बने हैं.

“इनके दुख और इनकी बेबसी को देखकर,

“दिल दया से पानी पानी होने लगता है.

“अपनी बेजबान भाषा में

“यह आदमी से चिल्ला चिल्ला कर कह रहे हैं—

“दूसरे जानदारों की जान बचाओ. उन्हें मारो मत !

“आदमी अगर जानवरों का मांस न खावे

“तो आदमी आदमी में प्रेम बढ़ाने के लिये भी यह एक बहुत बड़ा कदम होगा.”

(2)

“दुखिया मां”

“जानरों में भी मां और बच्चों में प्रेम होता है.

“कुलिया अपने बच्चों की किस तरह हिकाजत करती है.

“गाय अपने बछड़े को कैसा चाहती है.

“सुरीं अपने बच्चों की किस तरह देख भाल करती है.

“मछली अपने बच्चों को रात दिन खतरे से बचाती रहती है.

“पर आदमी केवल अपनी ज़बान के सबाद के लिये

“बच्चों को मार कर मां से और मां को मारकर बच्चों से जुदा कर देता है.

پرہیز کرنے والے ملتے نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں علم طور پر سب جانوروں کا مانس ملا جلا رہتا ہے اور مسلمانوں کو ایک خاص جانور کے مانس سے پرہیز ہے۔

ڈاکٹر رघوवीر کی اس विद्वत्पूर्ण کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بודה دھرم کے دوسرے وچاروں کے ساتھ ساتھ अहिंसा का वचार یعنی निरामिष भोजन या मांस से परहेज करने का वचार भी भारत से चीन पहुंचा और वहां के कुछ लोगों, खासकर वहां के लेखकों और कवियों, पर इसका खासा असर पड़ा. अब हम इस किताब की कविताओं में से नमूने के तौर पर कुछ का हिन्दुस्तानी अनुवाद नीचे देते हैं.

❀ ❀ ❀

(1)

(لوگ کچھ سور کاتنے کے لئے لے جا رہے ہیں . انہیں دیکھ کر یہ کوئٹا لکھی گئی ہے.)

“ہمارے مانس کا مانس”

“ان سوروں کے بھی جان ہے .

“ان کے بدن ہی اُن ہی پانچ تئوں (پانی مٹی، آگ، ہوا اور پرکاش) سے بنے ہیں جن سے ہمارے بدن بنے ہیں .

“ان کے دیک اور ان کی بے بسی کو دیک کر،

“دل دیا سے پانی پانی ہونے لگتا ہے .

“اپنی بے زبان بیٹاشا میں

“بے آدمی سے چلا کر کہہ رہے ہیں—

“دوسرے جانداروں کی جان بچاؤ . انہیں مارو مت !

“آدمی اگر جانوروں کا مانس نہ کھاوے

“تو آدمی آدمی میں پریم بڑھانے کے لئے یہی ایک بہت

بڑا قدم ہوگا .”

(2)

“دکھیا ماں”

“جانوروں میں بھی ماں اور بچوں میں پریم ہوتا ہے .

“کٹیہا اپنے بچوں کی کس طرح حفاظت کرتی ہے .

“گائے اپنے بچہ کو کیسا چاگتی ہے .

“مرغی اپنے بچوں کی کس طرح دیکھ بھال کرتی ہے .

“مچھلی اپنے بچوں کو رات دن خطرے سے بچاتی رہتی ہے.

“پر آدمی کیوں اپنی زبان کے سوا کے لئے

“بچوں کو مارکر ماں سے اور ماں کو مارکر بچوں سے جدا کر دیتا ہے .

”अहिंसा पर चीनी कविताएं और तसवीरें”

सुन्दरलाल

”अहिंसा پر چینی کویتائیں اور تصویریں

سندر لال

नागपुर की इन्टरनेशनल एकेडमी आफ इन्डियन कलचर ने “चाइनीज पोएम्स ऐंड पिकचर्स आन अहिंसा” (अहिंसा पर चीनी कविताएं और तसवीरें) नाम से एक बड़े काम की और बड़ी सुन्दर किताब हाल में निकाली है. इस किताब में अहिंसा पर पचास चीनी कविताएं चीनी भाशा और सुन्दर चीनी अक्षरों में छपी हुई हैं. हर कविता के सामने वाले पन्ने पर उस कविता से सम्बन्ध रखने वाली एक तसवीर है. तसवीर भी चीनी चित्रकार की खींची हुई है. साथ साथ हर कविता का अंग्रेजी अनुवाद और संस्कृत अनुवाद भी दिया गया है. दोनों अनुवाद मशहूर विद्वान डाक्टर रघुवीर के किये हुए और बहुत ही अच्छे हैं. जिल्द बहुत सुन्दर है.

चीन के लोग आम तौर पर मांस खाते हैं और किसी खास जानवर के मांस से भी परहेज नहीं करते. मांस से परहेज करने वाले और केवल साग सबजी पर गुजारा करने वाले लोग भी वहां हैं. खासकर बौद्ध पुरोहितों और महंतों में इस तरह के लोग बहुत मिलते हैं. इनमें कुछ ऐसे भी हैं जो दूध को मांस में गुमार करते हैं और इसीलिये दूध और दूध से बनी चीजों से भी परहेज करते हैं. लेकिन इस तरह के लोगों की तादाद चीन भर में बहुत कम है. शायद हजारों में इक्का दुक्का हागी. हमारे देश में भी कुल मिलाकर मांस खाने वालों की तादाद न खाने वालों से बहुत ज्यादा है. पर चीन के मुकाबले में हमारे देश में मांस से परहेज करने वालों की तादाद भी बहुत ज्यादा है. चीन में बहुत से लोग ऐसे जरूर हैं जो कभी कभी मांस खाना छोड़ देते हैं या खास खास दिनों में मांस नहीं खाते. बहुत से पूर्णमाशी के दिन मांस नहीं खाते. बहुत से और खास खास मौकों और त्योहारों पर नहीं खाते. शंघाई में और पीकिंग में दोनों जगह इस तरह के भोजनालय और होटल मौजूद हैं जहां मांस नहीं पकता और बिना मांस का खाना आसानी से मिल सकता है. वहां आम तौर पर जिस जानवर से देश के किसी सूबे में खेती का काम लिया जाता है उसका मांस उस सूबे में नहीं खाया जाता. इस तरह पर कहीं गाय बैल के मांस से परहेज किया जाता है, कहीं मैंस के मांस से और कहीं ऊंट के मांस से बगौरा. उस देश में यह एक अजीब बात है कि वहां बहुत से मुसलमान मर्द और औरतें निरामिष भोजी यानी मांस से

नागपुर की इन्टरनेशनल एकेडमी ऑफ इन्डियन कलचर ने “चाइनीज पोएम्स ऐंड पिकचर्स ऑन अहिंसा” (अहिंसा पर चीनी कविताओं और तस्वीरों) नाम से एक बड़े काम की और बड़ी सुन्दर किताब हाल में निकाली है. इस किताब में पचास चीनी कविताओं चीनी भाषा और सुन्दर चीनी अक्षरों में छपी हुई हैं. हर कविता के सामने वाले पन्ने पर उस कविता से सम्बन्ध रखने वाली एक तस्वीर है. तस्वीर भी चीनी चित्रकार की खींची हुई है. साथ साथ हर कविता का अंग्रेजी अनुवाद और संस्कृत अनुवाद भी दिया गया है. दोनों अनुवाद मशहूर विद्वान डा. रघुवीर के किये हुए और बहुत ही अच्छे हैं. जिल्द बहुत सुन्दर है.

चीन के लोग आम طور پر مائس کھاتے ہیں اور کسی خاص جانور کے مائس سے بھی پرہیز نہیں کرتے. مائس سے پرہیز کرنے والے اور کیول ساگ سبزی پر گزارہ کرنے والے لوگ بھی وہاں ہیں. خاص کو بودہ پرہیزوں اور مہنتوں میں اس طرح کے لوگ بہت ملتے ہیں. ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو دودھ کو مائس میں شمار کرتے ہیں اور اسی لئے دودھ اور دودھ سے بنی چیزوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں. لیکن اس طرح کے لوگوں کی تعداد چین بھر میں بہت کم ہے. شاید ہزاروں میں ایک کا نمونہ. ہمارے देश میں بھی کل ملا کر مائس کھانے والوں کی تعداد نہ کھانے والوں سے بہت زیادہ ہے. پر چین کے مقابلے میں ہمارے देश میں مائس سے پرہیز کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے. چین میں بہت سے لوگ ایسے ضرور ہیں جو کوئی بھی مائس کھانا چھوڑ دیتے ہیں یا خاص خاص دنوں میں مائس نہیں کھاتے. بہت سے لوگ اپنی سالگرہ کے دن مائس نہیں کھاتے. بہت سے پورن مائس کے دن مائس نہیں کھاتے. بہت سے اور خاص خاص موقعوں اور تیواروں پر نہیں کھاتے. شانگھائی میں اور پیکنگ میں دونوں جگہ اس طرح کے بیوچنائیلے اور غول موجود ہیں جہاں مائس نہیں پکاتا اور بنا مائس کا کھانا آسانی سے مل سکتا ہے. وہاں عام طور پر جس جانور سے دیش کے کسی صوبے میں کھیتی کا کام لیا جاتا ہے اس کا مائس اس صوبے میں نہیں کھایا جاتا. اس طرح پر کہیں گائے بیل کے مائس سے پرہیز کیا جاتا ہے، کہیں بیہنس کے مائس سے اور کہیں اونٹ کے مائس سے وغیرہ. اس دیش میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ وہاں بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں نہر امیش بیوچی یعنی مائس سے

ऊपर तेज सूरज तड़क रहा था और उसके माथे का पसीना चू चू कर लाल मिट्टी पर कीच के लेसड़ बना रहा था.

میں غبارکار کدیلے غہرے سے باہر نیکلا۔ لےکین مہراںہے ہڑے آواہا میں ٲرہو۔ ایسا کے چرنوں میں ٲسکی یاہنا کی ٲرلیہنن ہراہار مہرے کانوں میں گونجی رہی.



آگلے رلہار کو سہرے ہنہرن سے ہلےکلے جانے والی ہس میں میں سہار ہڑا۔ سہہ کی تاہا ہہا ٲرررررر کرکے موٹر ہس کی ہلڑکیاں ہیر کر نیکل جاتی ہں۔ موٹر سہتال ہویڑی سڑک ٲر ہہاٹے کے ساہ ہویڑی رہی ہں.

ہس میں مہری ہہال میں ہی اک دہا-مورے ٲادری ہٹے ہڑے ہے جو آہالے ٲڑاہ ٲر آٲنا ہمہٲدہہ دہنے جا رہے ہے.

“ہہا یہ سہی ہے” مہنے ٲسے ٲڑا “کی ہن ٲندا سڑکوں کو نلہا ہلہیوں کی ہن-نہوں نے ہناہا ہے اور ہہا آٲ ہا سکتے ہں ہن گہوں کے ساہ کسا سلوک کیا جاتا ہے؟”

ٲسے ہرےت ہری نلہاوں سے مہری ترٲ دہا.

“ہمہ سہہہ نہاں مالہم” ٲسے آہلہی سے ہری سہکرہٹ کے ساہ کھا “ہہاکی ہمہ یہاں رہتے آہری سہرے ہے ہرے ہی تو ہڑے ہں!”

❖لہخ کے ہلڑوں اور سامہی کے لہیے میں ہری ہے ٲلہا۔ سٲاہکا کا آہہسانمدم ہں—لہخ.

اوپر تیز سورج ترک رہا تھا اور اُس کے ماتھے کا پسینہ چو چو کر لال مٹی پر کیچ کے لیسڑ بنا رہا تھا .

میں گہرا کر کٹیلے گہرے سے باہر نکلا لیکن بھرائی ہوئی آواز میں پرہو عہسوں کے چرنوں میں اُس کی ہاچنا کی ٲرتی دھونی ہراہر مہرے کانوں میں گونجتی رہی .

اگلے دروازہ کو سوہرے ہنہ ہرج سے ہلےکلے جانے والی ہس میں سوار ہوا . صہ کی تازہ ہوا نر - نر کرکے موٹر ہس کی گھڑکیاں ہیر کر نکل جاتی تہی . موٹر سہتال چوزی سڑک ٲر ہنہاٹے کے ساہ دوز رہی تہی .

ہس میں مہری ہہل میں ہی اک دیاسورتی ٲادری ہٹے ہڑے تہے جو اگلے ٲڑا ٲر آٲنا دہرم آٲدیش دہنے جا رہے تہے. “کیا یہ صہیہ ہے” مہنے نے اُن سے ٲوچا “کہ اُن عہدہ سڑکوں کو نلہو تہذہوں کے چہن گہیوں نے ہڈاہا ہے اور کیا آٲ ہتا سکتے ہں اُن گہیوں کے ساہ کیسا سلوک کیا جاتا ہے؟” اُس نے ہیرت ہہری نگاہوں سے مہری ٲارف دہکا .

“مہہ سہہ ہچ نہہن معلوم” اُس نے عاجزی سے ہہری مسکراہٹ کے ساہ کہا “کیونہہ مہہ یہاں رہتے آہی صہرے چہ ہرس ہی تو ہڑے ہں!”

❖ لہکے کے چہڑوں اور سہگری کے لٹے میں شری ہے. اہلہا سٲاہی راک کا آہسانمدم ہوں—لہکھ .

ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किताब में हज़रत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे लाजवाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायगा कि ईसाई धर्म की खास तालीम क्या है और हज़रत ईसा ने इंसान-इंसान की बराबरी, भाई चारे, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है.

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि

“हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और धर्म का मानने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़े...”

सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़, क़रीब सवा सौ सफे की किताबका दाम सिर्फ एक रुपया.

मिलने का पता.

बैनेजर, ‘नया हिन्द’, 145 मुद्दीगंज, इशाबाबाद.

عیسیٰ کا سندیش

لکھک —ڈاکٹر جے . سی . کمارپا.

آنوادک —سرهش رام بهائی.

اِس کتاب میں حضرت عہسوں کے سندیش کی ویاہہا ہرے لاجواب دہلگ سے کی گئی ہے کہ ٲوہلے والا ہوی آسانی سے یہ سمجھ جالہکا کہ مہسائی دہرم کی خاص تہلہم کیا ہے اور حضرت مہسوں نے انسان انسان کی ہراہر بہائی چارے، ٲرہم اور آہسا ٲر کتلا زور دہا ہے .

مہاتما گاندہی نے اِس کتاب کے بارے میں کہا ہے کہ “ہر آستک سے، چاہے وہ مہسائی ہو یا کسی اور دہرم کا ماتھے والا ہو، مہری سفارہں ہے کہ اِسے ٲوہے...”

سنددر جلد، ہوہیا کاغذ، قریب سوا سو صہفے کی کتاب کا دام صہرے اک روہہہ .

ملنے کا پتہ .

مہلہہہر، ‘نہا ہلد’ 145 مٹہی کدج، الہ آباد .

میں نے لڑکے کے پاس جا کر دیکھا، وہ اُنکے مرنے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”ہے پریمو! دیکھو! میرے چہرے کے ساتھ یہ لوگ کس طرح کا سلوک کر رہے ہیں!!“

زمین سے تین انچ اوپر اس کی کم لٹک رہی تھی۔ ہاتھ پیروں کی نیسین سرج گئی تھیں اور خن کا دور رک گیا تھا۔ اُس کی دیکھ اس کی ریزہ کی ہڈی کو مانو پھارے ڈال رہا تھا۔

پسینہ دھاروں دھار مانتے سے چہرہ تھا اور آنسوؤں کی ہونڈیں ٹپ ٹپ اس کی آنکھوں سے ڈھلک رہی تھیں۔

میں نے پوچھا۔ ”کب تک آپ انہیں اس طرح ’سٹاک‘ میں رکھتے ہیں؟“

وارتن نے جواب دیا۔ ”ایک وقت میں ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں۔ جب یہ ہوش ہو جاتے ہیں تب ہم انہیں کھول دیتے ہیں۔ جب یہ ہوش میں آکر ذرا سوئے ہوتے ہیں تو ہم انہیں پھر اسی طرح کس دیتے ہیں۔“

”اور اس نے تصور کیا تھا کیا؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ کھانے کے لئے نخرے کر رہا تھا۔“ وارتن نے طیش میں جواب دیا۔

”کیا بیٹوں کی سزا اس سے زیادہ باہر نہیں ہے؟“ میں نے پوچھا۔ وارتن نے جواب دیا۔ ”مجھے پتہ نہیں! اب جو کڑی سے کڑی سزا ہم دے سکتے ہیں وہ ’ریک‘ میں انہیں ڈرا‘نا دیتے ہیں۔“

میں سوچنے لگا یہ ”ریک“ میں ”تانا“ کیا بولا ہے!

جارجیا کی باگل کر دینے والی گرمی میں صبح سے شام تک اُنکے پریشم کرنے سے کبھی کبھی یہ نیکور قیدی بہریداروں کے طرح کی منتقلہ چینی کر بیٹھتے تھے۔ میرے سامنے ایک اسی طرح کی گھٹنا گئی اور اُس ’بدتمیز‘ قیدی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا دی گئی اور ہتھکڑی میں رسی باندھ کر اُسے ”ریک“ کے کھمبے کے پاس لایا گیا۔ اُسے تھخنوں سے کمر تک دھکیلا گیا اور گھرے وارتن کے حکم سے ہتھکڑی سے بندھی رسی خوب کھینچ کر اُس کے سامنے کے دوسرے کھمبے میں باندھ دی گئی۔

قیدی کا دھڑا آگے کھینچتا چلا گیا اور اُس کے دونوں ہاتھ کس گئے۔ وہ تکلیف کے مارے چیخنے لگا!

اُس کے دونوں پیٹے ہونے لگے ہاتھوں کے بیچ میں اُس کا سر لٹک گیا!

ادھر اُس کے ہاتھ گردن اور چہرے پر پسینے کی ہونڈیں پھر اُنہیں اور ادھر میرے سارے بدن میں سہریں درز گئی۔

اُس کے ہاتھ مانتو کندھوں پر سے اُٹھ کر رہے تھے۔

بدقسمت قیدی بھرائی آواز میں ”لاؤ جیجی کرائسٹ!“

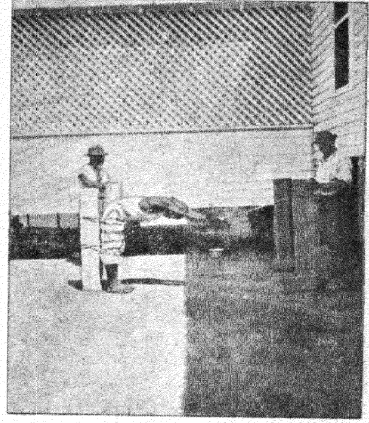
کی ٹیڈ لگے لگا۔

नया हिन्द



निग्रो युवक के हाथ पैर बांध कर कड़ी
धूप में जलती रेत पर डाल दिया गया है
निग्रो युवक के हाथ पैर बांध कर कड़ी
धूप में जलती रेत पर डाल दिया गया है

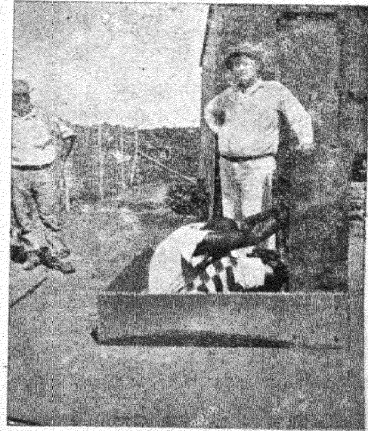
نیا ہند



स्टाक की सजा दी जा रही है
स्टाक کی سزا دی جا رہی ہے



एक निग्रो बन्धु को न्यूयार्क में पेड़ पर लिंच
किया गया था
एक निग्रो बन्धु को न्यूयार्क में पेड़ पर लिंच
किया गया था



रैक के शिकंजे में ताना जा रहा है
रैक के शिकंजे में ताना जा रहा है

कई सप्ताह बाद मैं सेमिनल काउन्टी कैम्प के स्टाकेड (कटीले बाड़े) में था, गरमी से तपी हुई हवा हमस बनकर मौसम का दम घोट रही थी. टीन की छत और लकड़ी के तख्तों की दीवारें तेज सूरज की तपिश से तप कर बैरकों को भट्टी में तब्दील कर रही थीं. दूटी हुई जाली के भीतर भोजनालय में थक की थक मक्खियाँ भिनभिना रही थीं और जंग लगे कटीले बाड़ों की चहारदीवारी अपनी बारीक परछाईं लाल मिट्टी पर फेंक रही थी कि जिसके दायरे में धूप की झुलस से बचने के लिये दुर्गा चींटियों की क़तारें बिल तलाश कर रही थीं.

इसी कड़कड़ाती धूप में हाथ पैर बंधा हुआ 16-17 बरस का एक बालक कैदी खम्भे से जकड़ा हुआ पड़ा था. उसकी आंखें बन्द थीं और उसका सर ज़मीन पर इस तरह लटक गया था मानो गर्दन की हड्डी टूट गयी हो.

मैंने उसके पास जाकर पूछा—“बच्चे! तुम्हें बहुत तकलीफ है ?”

प्यास से जले हाँठों को सूखी ज़बान से चाटकर गीला करते हुये उसने धीरे से आंखें खोलीं और फिर मीच लीं. मैंने बार्डन से पूछा—“इस लड़के ने क्या कुसूर किया था ?”

बार्डन ने कहा—“इसने उलटकर पहरेदार की बात का जवाब दिया था. आप यक़ीन रखिये,” बार्डन ने जोर देकर कहा, “जब ये लड़के बेहोश हो जाते हैं तो हम इन्हें खोल देते हैं.”

मैंने पूछा—“इन लोगों को सज़ा देने का क्या यही तरीक़ा है ?”

“नहीं, और दूसरी सज़ायें ‘स्टाक’ और ‘रैक’ की भी हैं,” बार्डन ने इत्तला के तौर पर कहा.

मैं मन में सोचने लगा तीन सौ बरस पहले मजहबूख़ ख़ूरेजियों के दिनों में यह “स्टाक” की सज़ा दी जाती थी. लकड़ी के फ़्रेम में मुजरिम के दोनों हाथ और दोनों पैर डाल कर बस दिये जाते थे. वह उसमें लटके लटके बेहोश हो जाता था. लेकिन वेस्टर् डिक्शनरी तक में लिखा है कि यह ख़ौफ़नाक सज़ा सौ बरस पहले हमेशा के लिये बन्द हो चुकी है, पर जब अरली काउन्टी स्टाकेड में मैंने एक 19 बरस के निमो लड़के को “स्टाक” में लटके देखा तो मेरे अचरज का ठिकाना न रहा. तीन सौ बरस पहले कम से कम मुजरिम को एक तख्ते पर बैठाकर स्टाक में कसा जाता था. पर तीन सौ बरस बाद इस सज़ा में इतनी तब्दीली हुई है कि हाथ पैर कस कर नीचे से तख्ता खींच लिया जाता है और कैदी अधर में लटकता रहता है !

क़ी सप्ताह बाद मैं सेमिनल काउन्टी कैम्प के स्टाकेड (कटीले बाड़े) में था. गरमी से तपी हुई हवा हमस बनकर मौसम का दम घोट रही थी. टीन की छत और लकड़ी के तख्तों की दीवारें तेज सूरज की तपिश से तप कर बैरकों को भट्टी में तब्दील कर रही थीं. दूटी हुई जाली के भीतर भोजनालय में थक की थक मक्खियाँ भिनभिना रही थीं और जंग लगे कटीले बाड़ों की चहारदीवारी अपनी बारीक परछाईं लाल मिट्टी पर फेंक रही थी कि जिसके दायरे में धूप की झुलस से बचने के लिये दुर्गा चींटियों की क़तारें बिल तलाश कर रही थीं.

इसी कड़कड़ाती धूप में हाथ पैर बंधा हुआ 16-17 बरस का एक बालक कैदी खम्भे से जकड़ा हुआ पड़ा था. उसकी आंखें बन्द थीं और उसका सर ज़मीन पर इस तरह लटक गया था मानो गर्दन की हड्डी टूट गयी हो.

मैंने उसके पास जाकर पूछा—“बच्चे! तुम्हें बहुत तकलीफ है ?”

प्यास से जले हाँठों को सूखी ज़बान से चाटकर गीला करते हुये उसने धीरे से आंखें खोलीं और फिर मीच लीं. मैंने बार्डन से पूछा—“इस लड़के ने क्या कुसूर किया था ?”

बार्डन ने कहा—“इसने उलटकर पहरेदार की बात का जवाब दिया था. आप यक़ीन रखिये,” बार्डन ने जोर देकर कहा, “जब ये लड़के बेहोश हो जाते हैं तो हम इन्हें खोल देते हैं.”

मैंने पूछा—“इन लोगों को सज़ा देने का क्या यही तरीक़ा है ?”

“नहीं, और दूसरी सज़ायें ‘स्टाक’ और ‘रैक’ की भी हैं,” बार्डन ने इत्तला के तौर पर कहा.

मैं मन में सोचने लगा तीन सौ बरस पहले मजहबूख़ ख़ूरेजियों के दिनों में यह “स्टाक” की सज़ा दी जाती थी. लकड़ी के फ़्रेम में मुजरिम के दोनों हाथ और दोनों पैर डाल कर बस दिये जाते थे. वह उसमें लटके लटके बेहोश हो जाता था. लेकिन वेस्टर् डिक्शनरी तक में लिखा है कि यह ख़ौफ़नाक सज़ा सौ बरस पहले हमेशा के लिये बन्द हो चुकी है, पर जब अरली काउन्टी स्टाकेड में मैंने एक 19 बरस के निमो लड़के को “स्टाक” में लटके देखा तो मेरे अचरज का ठिकाना न रहा. तीन सौ बरस पहले कम से कम मुजरिम को एक तख्ते पर बैठाकर स्टाक में कसा जाता था. पर तीन सौ बरस बाद इस सज़ा में इतनी तब्दीली हुई है कि हाथ पैर कस कर नीचे से तख्ता खींच लिया जाता है और कैदी अधर में लटकता रहता है !

بس—کرو ! بس—کرو ! بس—کرو ! یا خدا !

ہر “بس” پر بیلچہ میٹھی کے اندر ہنس جاتا تھا اور ہر “کرو” پر تھیلے کے ہیڈر پہنچ جاتا تھا ۔

ان بدقسمتوں کے اس گیت میں، کہ جنہیں موت یا نجات تک جینے اور آئینے کی سزا ملی تھی۔ ایک ایسی کسک اور دل کو پگھلا دینے والی ایک ایسی ٹیس تھی کہ جو برس پرانوں میں گیس کر لیجے میں آٹک کر رہ جاتی تھی—

ہے—پرہو ! ہے—پرہو ! بس—کرو ! ہے—پرہو !

بس—کرو ! ہے—پرہو ! ہے—پرہو ! بس—کرو !

جسم—ہوا ! چور—چور ! چور—چور ! جسم—ہوا !

ہے—پرہو ! بس—کرو ! ہے—پرہو ! بس—کرو !

وارن ویٹلے نے ہنسی کا ٹہکا لگا کر کہا—
”مستختو ! کیا تم لوگ اس سے اور ادھک جلدی جلدی گیت نہیں دھڑکا سکتے تاکہ کم زیادہ ہوسکے؟“

×

×

×

آٹلانٹا کے دہتر میں جو ڈاکٹری رپورٹیں پڑی تھیں ان میں درج تھا—

(1) کلارک کاؤنٹی کیمپ سٹاکہڈ کا نیپرو کائیدی بیل ہیرس 13 جون، سن 1931 کو چار گھنٹے کی بیماری کے بعد پانچ بجے شام کو مرگئی کے دورے سے مرگیا۔ (میں اچندھ سے سوچ رہا تھا کہ جلتی دہری میں صبح سے لیٹر شام تک بنا آرام کلم کرنے کی بیماری کا نام ہی کیا مرگئی ہے !!!).

(2) جارجیا کی سڈک بناتے ہوئے جارج جونسون نامک نیپرو کائیدی، 27 ورس، 5 فوٹ 10 1/2 انچ، وزن 161 پونڈ، 23 فروری، سن 1931 کو تین بجے صبح تپنق سے مر گیا !

(3) ٹیٹم کاؤنٹی چین - گینگ کا جارج نیل، 20 ورس، تیزاب، تارپین اور ساہون میلانکر پینے سے مر گیا ! (میں سوچنے لگا ہن جرجیری دہلیوں میں کام کرنے کی بنسبت موت کا خیال ان لوگوں کو کتنا اچھا لگتا تھا !).

آٹلانٹا کے دہتر میں قیدیوں کی موت کے ڈھیروں سرٹیفکیٹ خوبصورت موٹے لٹائوں میں لال فیتوں سے بڈھے ہوئے اور فینے سے تھائے ہوئے رکھے تھے جن میں مرگئی، تپنق، ہارت نیل، لو اور اسی طرح کی کئی بیماریوں کی خانہ پوری سے ایس، کیڑوں سے بھی گئی بیٹی موت کی فہائیاں درج پڑی تھیں ! اور دیش کے کونوں کتروں میں کلمے رنگ کی کچھ اٹھاگی مائیں، بھنیں اور بیویاں رو رو کر اپنی آنکھیں سجا رہی تھیں !

بس—کرو ! بس—کرو ! بس—کرو ! یا خدا !

ہر “بس” پر بیلچہ میٹھی کے اندر دھنس جاتا تھا اور ہر “کرو” پر تھیلے کے ہیڈر پہنچ جاتا تھا ۔

ان بدقسمتوں کے اس گیت میں، کہ جنہیں موت یا نجات تک جینے اور آئینے کی سزا ملی تھی۔ ایک ایسی کسک اور دل کو پگھلا دینے والی ایک ایسی ٹیس تھی کہ جو برس پرانوں میں گیس کر لیجے میں آٹک کر رہ جاتی تھی—

ہے—پرہو ! ہے—پرہو ! بس—کرو ! ہے—پرہو !

بس—کرو ! ہے—پرہو ! ہے—پرہو ! بس—کرو !

جسم—ہوا ! چور—چور ! چور—چور ! جسم—ہوا !

ہے—پرہو ! بس—کرو ! ہے—پرہو ! بس—کرو !

وارن ویٹلے نے ہنسی کا ٹہکا لگا کر کہا—
”مستختو ! کیا تم لوگ اس سے اور ادھک جلدی جلدی گیت نہیں دھڑکا سکتے تاکہ کم زیادہ ہوسکے؟“

×

×

×

آٹلانٹا کے دہتر میں جو ڈاکٹری رپورٹیں پڑی تھیں ان میں درج تھا—

(1) کلارک کاؤنٹی کیمپ سٹاکہڈ کا نیپرو کائیدی بیل ہیرس 13 جون، سن 1931 کو چار گھنٹے کی بیماری کے بعد پانچ بجے شام کو مرگئی کے دورے سے مرگیا۔ (میں اچندھ سے سوچ رہا تھا کہ جلتی دہری میں صبح سے لیٹر شام تک بنا آرام کلم کرنے کی بیماری کا نام ہی کیا مرگئی ہے !!!).

(2) جارجیا کی سڈک بناتے ہوئے جارج جونسون نامک نیپرو کائیدی، 27 ورس، اونچائی 5 فٹ 10 1/2 انچ، وزن 161 پونڈ، 23 فروری، سن 1931 کو تین بجے صبح تپنق سے مر گیا !

(3) ٹیٹم کاؤنٹی چین - گینگ کا جارج نیل، 20 ورس، تیزاب، تارپین اور ساہون میلانکر پینے سے مر گیا ! (میں سوچنے لگا ان رنجیری قویوں میں کام کرنے کی بنسبت موت کا خیال ان لوگوں کو کتنا اچھا لگتا تھا !).

آٹلانٹا کے دہتر میں قیدیوں کی موت کے ڈھیروں سرٹیفکیٹ خوبصورت موٹے لٹائوں میں لال فیتوں سے بڈھے ہوئے اور فینے سے تھائے ہوئے رکھے تھے جن میں مرگئی، تپنق، ہارت نیل، لو اور اسی طرح کی کئی بیماریوں کی خانہ پوری سے ایس، کیڑوں سے بھی گئی بیٹی موت کی فہائیاں درج پڑی تھیں ! اور دیش کے کونوں کتروں میں کلمے رنگ کی کچھ اٹھاگی مائیں، بھنیں اور بیویاں رو رو کر اپنی آنکھیں سجا رہی تھیں !

भरी पड़ी हैं ? क्या इन कारागारों में बीमारियों, चोटों और मौतों पर डाक्टरों की लम्बी लम्बी रिपोर्टें नहीं हैं ? क्या इन धूल से ढकी हुई फाइलों के भीतर निराशा जिन्दगियों की अनेक दर्दनाक कहानियाँ नहीं बन्द पड़ी हैं ?”

कमिश्नर जरा नरम होकर बोला—“हमारे पास पैसा कहाँ है ! सरकार हमें इतना कम पैसा देती है कि हमारे लिये सब कैम्पों की जांच पड़ताल कर सकना नामुमकिन है. हमारे दफ्तर में कैदियों के पास से शिकायतें आती हैं लेकिन पैसों की कमी से हम उनकी छानबीन नहीं कर सकते !”

मैंने कहा—“मैं आपके कैम्पों को देखना चाहता हूँ. क्या आप मुझे इसकी इजाजत देंगे ?”

कमिश्नर ने मुझे अनुमति-पत्र देते हुये कहा—“आप शौक से जाइये पर आप को हैवानी जुम देखने को न मिलेंगे !”

(3)

इसके कई दिनों बाद मैं जाँजिया की एक सड़क दुरुस्त करते हुए एक चैन-गैङ्ग के सामने खड़ा था. इस गैंग का बार्डन कालिज का निकला हुआ सी० एच० बीठले नामक एक नौजवान था. सड़क जगह जगह से टूटी हुई थी और उसके दोनों किनारों पर लाल कंकरीली मिट्टी के बहुत से ढेर लगे हुये थे, जिसे बेलचों से ठेलों में भर कर सड़क की टूटनों में गिराया जा रहा था. सारे बेलचे एक साथ ही मिट्टी के भीतर धँसते थे और एक साथ ही उठकर ठेलों के भीतर गिरते थे. एक सुर ताल के साथ कैदियों की कमर मुकती थी और उठती थी. कैदियों में से ही एक कामदार “हे जवान !” की धुन लगा रहा था और उसी की आवाज पर बेलचे उठते और गिरते थे. सूरज की तेज किरणें उनके नंगे बदन को भेद रही थीं और कभी कभी उन्हें मुँह खोलकर सांस लेने की कोशिश करनी पड़ती थी. उनके माथे और उनकी पीठ से पसीने की धारें बह रही थीं. उनका धारीदार जाँघिया गीला होकर बदन से चिपक गया था. वह मुकते और उठते थे; एक मिनट में चौदह बार मुकते और उठते थे. मिनट के बाद मिनट और घन्टे के बाद घन्टे गुजरते थे और वे उसी तरह जलती दोपहरी में, सुबह से शाम तक मुकते और उठते थे, मिनट में चौदह बार मुकते और उठते थे.

धूल उड़ उड़कर बादल बनकर हवा में छा रही थी और उनके नथनों, फेफड़ों और कानों में चादर की तर्हों की तरह लिपटी जा रही थी.

मेरे कानों में रह रहकर कैदियों के पुरदर्द गीत की धुन पड़ रही थी.

बेरी पड़ी हैं ? क्या इन कंधों में बीमारियों, चोटों और मौतों पर डाक्टरों की लम्बी लम्बी रिपोर्टें नहीं हैं ? क्या इन धूल से ढकी हुई फाइलों के भीतर निराशा जिन्दगियों की अनेक दर्दनाक कहानियाँ नहीं बन्द पड़ी हैं ?”

कमिश्नर जरा नरम होकर बोला—“हमारे पास पैसा कहाँ है ! सरकार हमें इतना कम पैसा देती है कि हमारे लिये सब कैम्पों की जांच पड़ताल कर सकना नामुमकिन है. हमारे दफ्तर में कैदियों के पास से शिकायतें आती हैं लेकिन पैसों की कमी से हम उनकी छानबीन नहीं कर सकते !”

मैंने कहा—“मैं आपके कैम्पों को देखना चाहता हूँ. क्या आप मुझे इसकी इजाजत देंगे ?”

कमिश्नर ने मुझे अनुमति-पत्र देते हुये कहा—“आप शौक से जाइये पर आप को हैवानी जुम देखने को न मिलेंगे !”

(3)

इस के कئی दिनों बाद मैं जाँजिया की एक सड़क दुरुस्त करते हुये एक चैन-गैङ्ग के सामने खड़ा था. इस गैंग का बार्डन कालिज का निकला हुआ सी० एच० बीठले नामक एक नौजवान था. सड़क जगह जगह से टूटी हुई थी और उसके दोनों किनारों पर लाल कंकरीली मिट्टी के बहुत से ढेर लगे हुये थे, जिसे बेलचों से ठेलों में भर कर सड़क की टूटनों में गिराया जा रहा था. सारे बेलचे एक साथ ही मिट्टी के भीतर धँसते थे और एक साथ ही उठकर ठेलों के भीतर गिरते थे. एक सुर ताल के साथ कैदियों की कमर मुकती थी और उठती थी. कैदियों में से ही एक कामदार “हे जवान !” की धुन लगा रहा था और उसी की आवाज पर बेलचे उठते और गिरते थे. सूरज की तेज किरणें उनके नंगे बदन को भेद रही थीं और कभी कभी उन्हें मुँह खोलकर सांस लेने की कोशिश करनी पड़ती थी. उनके माथे और उनकी पीठ से पसीने की धारें बह रही थीं. उनका धारीदार जाँघिया गीला होकर बदन से चिपक गया था. वह मुकते और उठते थे; एक मिनट में चौदह बार मुकते और उठते थे. मिनट के बाद मिनट और घन्टे के बाद घन्टे गुजरते थे और वे उसी तरह जलती दोपहरी में, सुबह से शाम तक मुकते और उठते थे, मिनट में चौदह बार मुकते और उठते थे.

धूल उड़ उड़कर बादल बनकर हवा में छा रही थी और उनके नथनों, फेफड़ों और कानों में चादर की तर्हों की तरह लिपटी जा रही थी.

मेरे कानों में रह रहकर कैदियों के पुरदर्द गीत की धुन पड़ रही थी.

مैं उठकर सामने के बैरक के दरवाजे के पास आया। दरवाजे के पास रखे हुये पेशाब के टब से उठती हुई भयङ्कर सड़ायन हवा के भोंके के साथ मेरे दिमाग में घुस गईं। मैं हटकर बैरक के बगल में टहलने लगा। धारीदार जांघिया पहने हुये निग्रो कैदियों की एक कतार जमीन पर चटाइयों पर लेटी हुई थी। फीकी रोशनी में पसीने की बूँदें रह रहकर उनकी नंगी छातियों पर चमक उठती थीं।

एक कैदी ने थके हुये हाथों से अपनी जांच खुजलाई, दूसरे ने कन्धे पर काटते हुये खटमल को हथेली से मसल दिया और एक, जिसकी आंखों में नींद नहीं थी, कोहनी पर सर रखे हुये उदास आंखों से शून्य में देख रहा था।

मैंने पहरेदार से पूछा—“आखिर इन लोगों ने ऐसा क्या कुसूर किया है जो इस तरह जंजीर में कसकर कटघरे में बन्द किये गये हैं?”

“यह कुछ न पूछिये! आवारागर्दी से लेकर ये लोग कतल तक के मुजरिम हैं!”

तीस दिन और तीस बरस के सजायावतों में कोई फर्क नहीं किया गया था। एक लड़का जो मुश्किल से 17 बरस का था अपने गरम माथे को बेड़ियों के ठंडे लोहे से सेहला रहा था; उसके बगल में रह रहकर दमे से खोंखता हुआ एक दुबला पतला बूढ़ा पड़ा हुआ था जो पचासे को पार कर चुका था।

पहरेदार ने कहा—“यह क्रातिल है!”

(2)

अमरीका में कैदियों के इन कैम्पों का इन्तजाम स्टेट प्रिजन कमीशन के द्वारा मुकर्रर वार्डन करते हैं। इस कमीशन में तीन मम्बर होते हैं जिन्हें छै बरस के लिये जनता चुनती है। कमीशन का हैड क्वार्टर अटलान्टा शहर में है जहां बहुत सी फाइलों और खतों के ढेर के बीच कमिशनर विवियन ई० स्टेनली बाजावता आफिस के समय बैठते हैं।

मिलने पर कहने लगे—“ये चेन-गैङ (जंजीरी टोलियां) अच्छी भी हैं और बुरी भी हैं। हम कोशिश कर रहे हैं कि बुरे कैदियों से जल्द से जल्द हमारा पिंड छूट जाये।”

मैंने पूछा—“सुना है कैदी बहुधा जान से मार डाले जाते हैं, हैबतनाक जुल्मों के, कुसूर में कभी कभी वार्डरों को भी बर्खास्त कर दिया जाता है?”

कमिशनर स्टेनली ने गुस्से से भरकर जवाब दिया—“आपको इन सब बातों से मतलब ? अपने कैदियों की देखभाल का काम हमारा है।”

मैंने आजिजी से कहा—“लेकिन क्या आपकी इन फाइलों में हैबानी जुल्मों के लिये कैदियों की शिकायतें नहीं

मैं अँधेरे सामने के बिरक के दरवाजे के पास आया। दरवाजे के पास रखे हुये पेशाब के टब से उठती हुयी भयङ्कर सड़ायन हवा के भोंके के साथ मेरे दिमाग में घुस गईं। मैं हटकर बैरक के बगल में टहलने लगा। धारीदार जांघिया पहने हुये निग्रो कैदियों की एक कतार जमीन पर चटाइयों पर लेटी हुई थी। फीकी रोशनी में पसीने की बूँदें रह रहकर उनकी नंगी छातियों पर चमक उठती थीं।

एक कैदी ने थके हुये हाथों से अपनी जांच खुजलाई, दूसरे ने कन्धे पर काटते हुये खटमल को हथेली से मसल दिया और एक, जिसकी आंखों में नींद नहीं थी, कोहनी पर सर रखे हुये उदास आंखों से शून्य में देख रहा था।

मैंने पहरेदार से पूछा—“आखिर इन लोगों ने ऐसा क्या कुसूर किया है जो इस तरह जंजीर में कसकर कटघरे में बन्द किये गये हैं?”

“यह कुछ न पूछिये! आवारागर्दी से लेकर ये लोग कतल तक के मुजरिम हैं!”

तीस दिन और तीस बरस के सजायावतों में कोई फर्क नहीं किया गया था। एक लड़का जो मुश्किल से 17 बरस का था अपने गरम माथे को बेड़ियों के ठंडे लोहे से सेहला रहा था; उसके बगल में रह रहकर दमे से खोंखता हुआ एक दुबला पतला बूढ़ा पड़ा हुआ था जो पचासे को पार कर चुका था।

पहरेदार ने कहा—“ये फाल है!”

(2)

अमेरिका में कैदियों के इन कैम्पों का इन्तजाम स्टेट प्रिजन कमीशन के द्वारा मुकर्रर वार्डन करते हैं। इस कमीशन में तीन मम्बर होते हैं जिन्हें छै बरस के लिये जनता चुनती है। कमीशन का हैड क्वार्टर अटलान्टा शहर में है जहां बहुत सी फाइलों और खतों के ढेर के बीच कमिशनर विवियन ई० स्टेनली बाजावता आफिस के समय बैठते हैं।

मिलने पर कहने लगे—“ये चेन-गैङ (जंजीरी टोलियां) अच्छी भी हैं और बुरी भी हैं। हम कोशिश कर रहे हैं कि बुरे कैदियों से जल्द से जल्द हमारा पिंड छूट जाये।”

मैंने पूछा—“सुना है कैदी बहुधा जान से मार डाले जाते हैं, हैबतनाक जुल्मों के, कुसूर में कभी कभी वार्डरों को भी बर्खास्त कर दिया जाता है?”

कमिशनर स्टेनली ने गुस्से से भरकर जवाब दिया—“आपको इन सब बातों से मतलब ? अपने कैदियों की देखभाल का काम हमारा है।”

मैंने आजिजी से कहा—“लेकिन क्या आपकी इन फाइलों में हैबानी जुल्मों के लिये कैदियों की शिकायतें नहीं

پیش کرتا تھا جب کہ بڑھ کر شاستری قرآن اور حدیث دونوں سے انکار کرتا تھا۔ اس کے بعد بحث خدا پرستی پر شروع ہو گئی اور بڑھ لاجواب ہونے لگا اور اس نے ہمارے شرم سے بچنے کے لئے کہتے ہیں: ایک دن اُس مسلمان مردان کو زہر دیکر مروا ڈالا۔ لیکن ناخوشگوار واقعہ ہے یہ دھرم چرچا رکی نہیں اور اُس زمانے کی کتابوں میں ان کے ایسے ذکر ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کی ملی جلی دھرم چرچا چلتی رہتی تھی۔*

وشو مبدھر ناتھ پاندے

بارش کا چاند رہا، کر کہے سے کی چادر ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چاندنی اُس کی ہونڈوں سے السائی آنکھوں کو دھو کر کتیلے ناروں سے گھبی ہوئی دنیا کی ایک درجن بیڑکوں پر کبھی کبھی اپنی اُس نگاہ ڈال لیتی تھی!

ایک بیڑک کے آگے لکڑی کی خستہ سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے
 ہم دھیمے سروں میں باتیں کر رہے تھے۔ رات کی خاموشی جب
 تب بیڑک کے پہنچنے سے اُٹھنے ہوئے خڑاڑوں سے تہت جاتی تھی۔
 ایسا لگتا تھا مانو کنگھروں میں بند جنگلی جانور غار پر رہے ہوں۔
 بیڑک کی دھندلیوں میں لٹکی ہوئی دو کلرٹی لائٹبلیں اپنے پڑمرد
 چہرے سے پھینکی پھلی روشنی چاروں اور پھینک رہی تھیں !

خراٹوں کے کپڑوں کو ایک ٹھکانے سے چھنکار اسی طرح سرنال میں ڈال دھننے کی کوشش کر رہی تھی، مانو بانسوں کی چھڑوں سے رگڑ کرنا کھانا کھانی بٹولا پشو جا رہا ہو !
”یہ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا ۔

”یہ مونیج کی چٹائیاں ہیں“ پھر دُار نے جواب دیا۔

”جب یہ لوگ کھوت بدلتے ہیں تو... آپ سمجھتے؟“

”ہاں“ میں نے کہا، ”اور یہ جھنگار؟“

”یہ اُن کی بیڑیوں میں پڑی ہوئی زنجیریں تھیں۔“

ایک منچہر بھینھانکر میڑی گرنن پڑ بیٹھ گیا . میں نے
 ہتھیلی سے اُسے دبوچ دیا . ایک مکھی بھینھانکر میڑی ناک کے
 چاروں اور گھومنے لگی !

اس لیکھ کے لکھنے میں سورگندہ مولوی ضیاء الدین کی پرکاشت
بستک سے مدد لی گئی ہے۔ — لیکھک

کے دربار میں جیوتیش اور ویدیک کے سب سے اُونچے پدوں پر ہندو پنڈت ہی مقرر تھے۔ مسلمانوں کے دلوں میں ہندستان کے گیان کی رہنمائی کی توجہ لینے کی، گیانی، دیوانی اور سرچن شیل بھارت کو جاننے کی بیحد چکیلا پیدا ہوئی۔ عرب کے ودوان گیان کے سچے آپسک تھے اور انکے تعداد میں عرب یا تری، ودوان، مورخ اور پورٹوک بھارت میں آ آ کر گیان کے اس اقوت بھندار سے ملا مال ٹونے لگے۔ قاروں الرشید کے وزیر ہروی برمنی نے ایک ودوان کو اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ ہندستان میں پرجلت وودہ دھرم، اور ہندستان کی جزی بوٹیوں کے بارے میں اپنی متصل رپورٹ پیش کرے۔ ابن انظلم کا کہنا ہے کہ اُس نے بتاریخ 349 ہجری کی الکندی کے ساتھ کی لکھی ہوئی اس رپورٹ کی ایک کاپی دیکھی ہے۔ ابن انظلم کے مطابق اس رپورٹ میں وہ رائے کی راجدھانی مہانگر کے دیومندوں اور ملتان اور بھارت کے وودہ دھرموں اور مت مانتروں کا بھی بیان تھا۔ ابن انظلم نے پوری کتاب کا خلاصہ بھی دیا ہے۔ جن مت مانتروں کا اس میں بیان ہے اُن میں سے کچھ یہ تھیں—مہاکالیا، آدیتھ، بیکتیا، چندر بیکتیا، وکرانتیا (جس کے انویائی زنجیر پھٹتے تھے)، گگا یا تریا، راج پتریا اور ایک اور ذرتہ جس کے ماننے والے لمبے بال رکھتے تھے، شراب سے پرورد کرتے تھے، اور عزروں سے بچتے تھے۔*

ہندوستان کے پشیمی کنارے میں جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی میلی جلی آواہادیاں اس زمانے میں گئی تھیں اور جس طرح دونوں فرقے ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے تھے اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے دھرم کی ادھیاتمک اور نئیک گھراڑیوں میں گولا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی یہ جیلاسا آپس کے گہرے تعلقات اور میل جول سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس زمانے کے ایک راجا کی باہت لکھا ہے کہ اس نے خلیقا ہارو—ار—رشیہ کو خت لکھ کر کسی ایسے مسلمان کو بھجئے کی درخواست کی جو راجا کے ہندو پنڈتوں سے مچھڑی بھس کر سکے۔ ایسی ہتھنا کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجا نے مسلمان ودوان کو اس لئے بلایا کہ وہ ایک ہودہ ترک شاستری سے ترک کر سکے۔ یہ صلیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلمان ودوان بھارت آیا، لیکن اُس ہودہ ترک شاستری کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوتی رہی۔ مسلمان نازک قرآن اور حدیث کو آخری سند کم کر

ہندوستان کے پچھمی کنارے میں جگہ جگہ ہندو مسلمانوں کی جس طرح کی میلی جلی آواہادیاں اس زمانے میں گئی تھیں اور جس طرح دونوں فرقے ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے تھے اس سے ظاہر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے دھرم کی ادھیاتمک اور نئیک گھراڑیوں میں گولا لگانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی یہ جیلاسا آپس کے گہرے تعلقات اور میل جول سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔

اس زمانے کے ایک راجا کی باہت لکھا ہے کہ اس نے خلیقا ہارو—ار—رشیہ کو خت لکھ کر کسی ایسے مسلمان کو بھجئے کی درخواست کی جو راجا کے ہندو پنڈتوں سے مچھڑی بھس کر سکے۔ ایسی ہتھنا کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجا نے مسلمان ودوان کو اس لئے بلایا کہ وہ ایک ہودہ ترک شاستری سے ترک کر سکے۔ یہ صلیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلمان ودوان بھارت آیا، لیکن اُس ہودہ ترک شاستری کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوتی رہی۔ مسلمان نازک قرآن اور حدیث کو آخری سند کم کر

اس زمانے کے ایک راجا کی باہت لکھا ہے کہ اس نے خلیقا ہارو—ار—رشیہ کو خت لکھ کر کسی ایسے مسلمان کو بھجئے کی درخواست کی جو راجا کے ہندو پنڈتوں سے مچھڑی بھس کر سکے۔ ایسی ہتھنا کا ایک دوسرا بیان یہ ہے کہ راجا نے مسلمان ودوان کو اس لئے بلایا کہ وہ ایک ہودہ ترک شاستری سے ترک کر سکے۔ یہ صلیح بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ مسلمان ودوان بھارت آیا، لیکن اُس ہودہ ترک شاستری کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ کئی دن تک بحث ہوتی رہی۔ مسلمان نازک قرآن اور حدیث کو آخری سند کم کر

* Fihrist, pp. 355-359.

† عرب اور ہند کے تعلقات۔

سے پرم کرنے اور ایک دوسرے کے دھرم کا زیادہ سے زیادہ گہاں حاصل کرنے کی خواہش بھی بڑھی۔ مثال کے طور پر مصنوعی لکھتا ہے—”تھمبات کا راجا مسلمانوں اور دوسرے مذہب والوں کے ساتھ جو اُس کے دربار میں آتے تھے، دھارمک وچاروں کا اداں برداں کرتا تھا۔“

اسی طرح سے بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ اُور کے راجا مہروگ نے، جس کا راجہ اُور نے اور نیچے کشمیر کے بیچ میں تھا، منصورہ کے راجا کو لکھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو ہندوی پشاشا میں اسلام کے اصولوں کو اُسے سمجھا سکے۔ منصورہ کے شاسک نے عبداللہ نامی ایک قابل شخص کو، جو تین برس تک منصورہ میں رہ چکا تھا، اور بھیجا۔ اس نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ کر کے روز راجا کو سناتا شروع کیا۔ راجا پر اُس کا گہرا اثر پڑا۔ اُس طرح کے اثر پڑنے اُس وقت قدرتی تھے۔ اُس کے بعد مسام دیشوں میں ہندوں کی آمدنیت شروع ہوئی اور دوتوں کے بیچ کے سامراجک تعلقات اور آدھک گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔ سلیمان لکھتا ہے—

”عراق کے بندگان سیراف میں بہت سے ہندو رہتے تھے اور جب کوئی عرب سوداگر اُن کی دعوت کرتا ہے تو اُن کی تعداد سو تک پہنچ جاتی ہے۔ اُن میں سے ہر شخص کا کپانا الگ الگ رکابیوں میں پرسا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کپاتا۔“ انہیں ہندوں کے متعلق بزرگ بن شہریار لکھتا ہے—

”یہ لوگ ہول چال کی عربی اس قدر صفائی سے اور دھارما پرواہ (فصاحت سے) بولتے تھے کہ ہمارے عام فاضل مولوی دنگ اور حیران رہ جاتے تھے۔ اُن لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملتانی تھے جو اُننٹ کال سے ہمارے ماٹوں کے ساتھ تجارت کرتے آئے تھے۔“

یہ لوگ ہول چال کی عربی اس قدر صفائی سے اور دھارما پرواہ (فصاحت سے) بولتے تھے کہ ہمارے عام فاضل مولوی دنگ اور حیران رہ جاتے تھے۔ اُن لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملتانی تھے جو اُننٹ کال سے ہمارے ماٹوں کے ساتھ تجارت کرتے آئے تھے۔“

اس تجارتی سمندے سے ہندستان مسام ملکوں کے گہرے مذاق میں آیا اور اسلامی دنیا پر اپنے گہاں (علم)، وگہاں (سائنس)، ادھیاتم اور دھرم کا اثر ڈال پایا۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ کلا اور وگہاں کے کپہوے بھی لے جاتے تھے۔

اس طرح سے بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ اُور کے راجا مہروگ نے، جس کا راجہ اُور نے اور نیچے کشمیر کے بیچ میں تھا، منصورہ کے راجا کو لکھا کہ وہ کسی ایسے آدمی کو بھیجے جو ہندوی پشاشا میں اسلام کے اصولوں کو اُسے سمجھا سکے۔ منصورہ کے شاسک نے عبداللہ نامی ایک قابل شخص کو، جو تین برس تک منصورہ میں رہ چکا تھا، اور بھیجا۔ اس نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ کر کے روز راجا کو سناتا شروع کیا۔ راجا پر اُس کا گہرا اثر پڑا۔ اُس طرح کے اثر پڑنے اُس وقت قدرتی تھے۔ اُس کے بعد مسام دیشوں میں ہندوں کی آمدنیت شروع ہوئی اور دوتوں کے بیچ کے سامراجک تعلقات اور آدھک گہرے اور دلچسپ ہوتے گئے۔ سلیمان لکھتا ہے—

”عراق کے بندگان سیراف میں بہت سے ہندو رہتے تھے اور جب کوئی عرب سوداگر اُن کی دعوت کرتا ہے تو اُن کی تعداد سو تک پہنچ جاتی ہے۔ اُن میں سے ہر شخص کا کپانا الگ الگ رکابیوں میں پرسا جاتا ہے کیونکہ ایک ہی رکابی میں کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں کپاتا۔“ انہیں ہندوں کے متعلق بزرگ بن شہریار لکھتا ہے—

”یہ لوگ ہول چال کی عربی اس قدر صفائی سے اور دھارما پرواہ (فصاحت سے) بولتے تھے کہ ہمارے عام فاضل مولوی دنگ اور حیران رہ جاتے تھے۔ اُن لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملتانی تھے جو اُننٹ کال سے ہمارے ماٹوں کے ساتھ تجارت کرتے آئے تھے۔“

یہ لوگ ہول چال کی عربی اس قدر صفائی سے اور دھارما پرواہ (فصاحت سے) بولتے تھے کہ ہمارے عام فاضل مولوی دنگ اور حیران رہ جاتے تھے۔ اُن لوگوں میں عام طور پر سندھی، گجراتی اور ملتانی تھے جو اُننٹ کال سے ہمارے ماٹوں کے ساتھ تجارت کرتے آئے تھے۔“

اس تجارتی سمندے سے ہندستان مسام ملکوں کے گہرے مذاق میں آیا اور اسلامی دنیا پر اپنے گہاں (علم)، وگہاں (سائنس)، ادھیاتم اور دھرم کا اثر ڈال پایا۔ عرب اور ایرانی سوداگر ہندستان سے تجارتی مال کے ساتھ ساتھ کلا اور وگہاں کے کپہوے بھی لے جاتے تھے۔

دوسری طرف عباسی خلیفوں کے دربار کی ماسک اُدارنا اور دھارمک میل جول سے کھنچ کر ہندو پنڈت بڑی تعداد میں ہنداد میں اُکٹھا ہوئے لکے۔ خلیفہ

* Muruj-uz-Zahab (Paris), Vol 1. pp. 253-54.

† Ajaib al-Hind, pp. 2-3.

‡ Voyage du Merchand Arb (Frrand), p. 139.

§ Ajaib-al-Hind, p.147.

ہے اور غور اُسے چھو نک نہیں گیا۔ شہر بار لکھتا ہے۔ ”یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلمانوں سے اتنا پرہم کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ اِنی ہمدردی رکھتے ہیں۔“ سلیمان سوداگر لکھتا ہے۔ ”راجا بلہر کی طرح راجا گجر یہی عربوں کے طرف دوستانہ برتاؤ رکھتا ہے۔“†

اُستاخری 951 عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ اُس کے بیوگول کے گرتے میں ہندوستان کا بیان ہے۔ اُستاخری نے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ اُستاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے کیندر قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم لیکنک کے مطابق اُن کیندروں میں اور ہندو اور مسلمانوں کے سامانک میل جول کے نتیجے میں ملے جلے رسم رواج اور دیوار کے ناندے بنتے جا رہے تھے۔ ابن خول لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے تھے اور ایک ہی فیشن کے بال سنوارتے تھے۔ مندر اور ملتان اور اُس پلس کے شہروں میں دونوں یکساں تری اور ساندی زبان بولتے تھے۔“‡ بھری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی تھیں۔“§ اُستاخری اور ابن خول لکھتے تھے کہ ہندو علاقوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنکڑ کے سبندہ میں لکھتا ہے کہ ”سنکڑ میں وہیں دھرموں کے انویائی بستے تھے اور سنکڑ کا راجا اُن مختلف دھرمیوں کو اپنے اپنے دھرم کے پالن کرنے کی اجازت دیتا ہے۔“¶

یہ صاف ہے کہ واپار کے کیندر اور اُن پر دان کے بی کیندر تھے۔ اُن میں خاص شہر خوار، مندر جہ، مندر اور چندور آتی تھیں۔ جو مسلمان اُن شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھاریوں میں اِس درجہ مل جل گئے کہ کچھ بھاریوں بعد اُن کا پہچانا جانا ہی ناممکن ہو گیا۔

اُن کے طرز پر رفتہ آچار وچار بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ اُن لوگوں کی ایک آگ ہی جماعت بن گئی جو پورے دکن میں بھارت میں پھیل گئی۔ اُن میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھا پہچا کرتی تھی۔

تجارتی سبندہ کے ساتھ ساتھ جیروں جیروں سانسکرتک (کلتوری) آادان پر دان بڑا تھیں اُنہیں بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جانتے، سبندہ اور ایک دوسرے

اُستاخری 951 عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ اُس کے بیوگول کے گرتے میں ہندوستان کا بیان ہے۔ اُستاخری نے سب سے پہلے ہندوستان کے ایک صوبہ سندھ کا نقشہ تیار کیا۔ اُستاخری کے وقت تک خاص خاص شہروں میں ہندو مسلم تجارت کے کیندر قائم ہو چکے تھے۔ ایک مسلم لیکنک کے مطابق اُن کیندروں میں اور ہندو اور مسلمانوں کے سامانک میل جول کے نتیجے میں ملے جلے رسم رواج اور دیوار کے ناندے بنتے جا رہے تھے۔ ابن خول لکھتا ہے۔ ”ملتان میں ہندو اور مسلمان ایک ہی سی پوشاک پہنتے تھے اور ایک ہی فیشن کے بال سنوارتے تھے۔ مندر اور ملتان اور اُس پلس کے شہروں میں دونوں یکساں تری اور ساندی زبان بولتے تھے۔“‡ بھری لکھتا ہے کہ۔ ”سندھ میں عربی، فارسی اور سندھی تینوں یکساں سمجھی جاتی تھیں۔“§ اُستاخری اور ابن خول لکھتے تھے کہ ہندو علاقوں میں مسلمان جگہ جگہ بس گئے تھے اور انہوں نے عبادت کے لئے مسجدیں تعمیر کر لی تھیں۔ سلیمان سوداگر سنکڑ کے سبندہ میں لکھتا ہے کہ ”سنکڑ میں وہیں دھرموں کے انویائی بستے تھے اور سنکڑ کا راجا اُن مختلف دھرمیوں کو اپنے اپنے دھرم کے پالن کرنے کی اجازت دیتا ہے۔“¶

یہ صاف ہے کہ واپار کے کیندر اور اُن پر دان کے بی کیندر تھے۔ اُن میں خاص شہر خوار، مندر جہ، مندر اور چندور آتی تھیں۔ جو مسلمان اُن شہروں میں بس گئے تھے وہ قوم کے عرب تھے۔ وہ بھاریوں میں اِس درجہ مل جل گئے کہ کچھ بھاریوں بعد اُن کا پہچانا جانا ہی ناممکن ہو گیا۔

اُن کے طرز پر رفتہ آچار وچار بالکل ہندوؤں جیسے ہو گئے۔ اُن لوگوں کی ایک آگ ہی جماعت بن گئی جو پورے دکن میں بھارت میں پھیل گئی۔ اُن میں سے ایک جماعت علی کو شو کا اوتار سمجھا پہچا کرتی تھی۔

تجارتی سبندہ کے ساتھ ساتھ جیروں جیروں سانسکرتک (کلتوری) آادان پر دان بڑا تھیں اُنہیں بھارتیوں اور عربوں میں ایک دوسرے کو جانتے، سبندہ اور ایک دوسرے

* Ibid, p. 481.

† Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.

‡ Ibn Hauqal (de Goeje), p. 232.

§ Ahsan ut-Taqasim, p. 482.

¶ Voyage du Merchant Sulayman (Paris), p. 119.

آنگرہجہ ایتھاسکار (موبارک) سر ویلیام میور
آکسوس کے ساتھ لکھتا ہے—

“یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ آبرو بیجنا (کاتھ)
جو رخصتیا ماتحت کیموں کے ساتھ برتتے تھے وہ ہندوستان
میں جاکر بیلکول ولت گیا۔ مندیروں کو آجوں کا آجوں
مہرکھ بھڑا دیا گیا اور مورتی-پوجا کی کوئی مہناہی
نہی گئی۔ جیسا کہ وہل نے لکھا ہے ’ہندستان کی لوائی دھرم بدھ یا جہاد نہیں رہ گئی
کیونکہ وہاں دھرم بدھ کے سوال ہی نہیں آٹھایا گیا۔‘ سندھ
میں اہل کی پرستش کے ساتھ ساتھ مورتیوں کی پوجا کی بھی
اجازت ہوگئی۔ اور اُس طرح باوجود اسلامی حکومت کے
بہارت ایک مورتی پوجک ملک بنا رہ گیا۔“*

جرمن ویدان وان کمرہ لکھتا ہے—

“سینھ میں آبرو کاسیم کی دھرم میں آبرو اس کے
باد بھی براہمنوں کا آبرو اور مان آجوں کا آجوں کا آجوں
رہا۔ آجمن کی مالوگجاری بھی 3 کسادی آجوں کی آجوں
جاری رہی گئی۔ ہندو آجوں کو خولی اناجرت بھی کہ وہ من-
مانے مندر بنوائے، موسلمانوں کے ساتھ آجوں کرے اور
نڈر ہوکر آجوں کی لیتے جو کھڑا موناکیم سمم
کرے۔“†

اس پر آسانی سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ان
حالوں کے اندر دونوں مہرکھ ایک دوسرے کی طرف بہت
درجہ تک ادا ہو گئے ہوں گے اور دونوں میں سنسکرتک
کایم ہوگا۔ لیکن سندھ ہی اکیلا ایسا صوبہ نہیں تھا جہاں
دھرم کے بیچ دھرماتک سہلجک دھرم چل رہا تھا۔ بہارت کے
تمام پنجابی کنارے کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر
دھرم رہ رہے تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے مطابق مسلمانوں اور
ہندوؤں میں بھید ہی چلا ہوگا تھا۔ بزرگ بن شہریار
صدی کے بہارت کے پنجابی تھ کے بارے میں اپنے نجی
نڈروں کے بل پر لکھتا ہے—”بکرور یا بکروروں کا فرقہ سنکھل کا
رہنے والا ہے۔ انہیں مسلمانوں سے مہرت ہے اور مسلمانوں کی طرف
بھید ادا نہیں۔“‡ ان بکروروں نے اسلام کے بارے میں
جانکاری حاصل کرنے کے لئے اپنا ایک پرتندھی عرب
یہ پرتندھی خلیفہ عمر کے سٹے عرب پہنچا۔ واپس
ہوئے مکران میں اُس کی مہرت ہوگئی لیکن اُس کا ایک
صحبہ سلامت سنکھل پہنچا اور وہاں اُس نے اسلام کے
بارے میں اپنی جانکاری لوگوں کو بتائی۔ اُس نے بتایا
کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا

انگریز ایتھاسکار (موبارک) سر ویلیام میور آکسوس کے ساتھ لکھتا ہے—

”یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عرب وچیتا (فانک)
روہ ماتحت قوموں کے ساتھ برتتے تھے وہ ہندستان میں جاکر
بالکل اٹ گیا۔ مندیروں کو جیوں کا آجوں محفوظ چھوڑ دیا گیا
اور مورتی پوجا کی کوئی مہناہی نہیں کی گئی۔ جیسا کہ وہل
نے لکھا ہے ’ہندستان کی لوائی دھرم بدھ یا جہاد نہیں رہ گئی
کیونکہ وہاں دھرم بدھ کے سوال ہی نہیں آٹھایا گیا۔‘ سندھ
میں اہل کی پرستش کے ساتھ ساتھ مورتیوں کی پوجا کی بھی
اجازت ہوگئی۔ اور اُس طرح باوجود اسلامی حکومت کے
بہارت ایک مورتی پوجک ملک بنا رہ گیا۔“*

جرمن ویدان وان کمرہ لکھتا ہے—

سندھ میں اہل انتم کی حکومت میں اور اُس کے بعد
دھرموں کا ادا اور مان جیوں کا آجوں قائم رہا۔ زمین کی
ماتحتاری بھی 3 فیصدی جیوں کی تھی جاری رہی گئی۔
ہندوؤں کو کھلی اجازت تھی کہ وہ منمانے مندر بنوائے، مسلمانوں
کے ساتھ دھرم کرے اور اُس طرح باوجود اسلامی حکومت کے
بہارت ایک مورتی پوجک ملک بنا رہ گیا۔“†

اس پر آسانی سے یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان
حالوں کے اندر دونوں مہرکھ ایک دوسرے کی طرف بہت
درجہ تک ادا ہو گئے ہوں گے اور دونوں میں سنسکرتک
کایم ہوگا۔ لیکن سندھ ہی اکیلا ایسا صوبہ نہیں تھا جہاں
دھرم کے بیچ دھرماتک سہلجک دھرم چل رہا تھا۔ بہارت کے
تمام پنجابی کنارے کے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل جل کر
دھرم رہ رہے تھے۔ مسلمان ہندوؤں کے مطابق مسلمانوں اور
ہندوؤں میں بھید ہی چلا ہوگا تھا۔ بزرگ بن شہریار
صدی کے بہارت کے پنجابی تھ کے بارے میں اپنے نجی
نڈروں کے بل پر لکھتا ہے—”بکرور یا بکروروں کا فرقہ سنکھل کا
رہنے والا ہے۔ انہیں مسلمانوں سے مہرت ہے اور مسلمانوں کی طرف
بھید ادا نہیں۔“‡ ان بکروروں نے اسلام کے بارے میں
جانکاری حاصل کرنے کے لئے اپنا ایک پرتندھی عرب
یہ پرتندھی خلیفہ عمر کے سٹے عرب پہنچا۔ واپس
ہوئے مکران میں اُس کی مہرت ہوگئی لیکن اُس کا ایک
صحبہ سلامت سنکھل پہنچا اور وہاں اُس نے اسلام کے
بارے میں اپنی جانکاری لوگوں کو بتائی۔ اُس نے بتایا
کہ مسلمانوں کا خلیفہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتا

* The Caliphate its Rise, Decline and Fall, by W. Muir, pp. 354-3: 5

† Islamic Culture, Vol. 1, No. 2, p. 205.

‡ Ajaib al-Hind (ed. P. A. Von Der Lith), p. 155.

(951 عیسوی)، مسعودی (945 عیسوی)، متاھر ابن طاهر، البرونی (999 عیسوی)، ابن بطوطہ (943 عیسوی)، حمد اللہ مصطفیٰ اس زمانے کے اور بعد کے دوسرے مسلمان اہلسنکرتوں نے اُس زمانے کے ہندوستان کے بارے میں بہت قیمتی تاریخی، تجارتی، جغولک اور سماجک جائگاری کی بائیں اپنی یستوں میں درج کی ہیں۔

عربوں کے زمانے کی عربی سنسکرتی نے یونانی اور یارنہ آریہ سنسکرتی سے ہی جنم لیا ہے۔ عرب عباسی سنسکرتی کا بلغوی زوچ حالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھا لیکن اُس کا ویکینٹک اور آدھیاتمک کیان، اُس کی ویدیک اور اُس کی تلامی پر گہرا یارنہ اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اُس کے عربی دھاتمک میں یارنہ آتما روشن شو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد یارنہ کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ یارنہ کی آدھیاتمک دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ یارنہ دشواریوں میں نکشلا میں ضرور مسلمان ویدارتی رہے ہوئے۔ کشمیر اُس زمانہ میں سنسکرتی کا خاص کیندر تھا جہاں ایرانی ہند ویدارتی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ عباسی کچر کو خلیفہ کے برمکی (ہند) وزیروں نے جو بڑھوا اور چینا دی وہ بلا شک تعریف کے قابل ہے۔ فانیوں اور تیانے کے متذہبوں کی حیثیت سے اور کلچری روشنی کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب راج کل اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ برمکی اُس سمنے ہند دھرم سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور یارنوں میں گہرا سانسکرتک سمبندہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی سنسکرتی نے کچلے دل سے یارنہ سنسکرتی کی دین کو دینوں سبوں سے سوڈکار دیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سینھ ویجی کیا تو انہوں نے دیکھا کہ دیش ہندوں اور براہمن شاسکوں میں ہوا ہے اور براہمن دھرمے دھرمے ہندوں کو پچارتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کے سنگرش میں ہندوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح عربوں کی سندھ وچنے کو آسان بنا دیا۔ سندھ وچنے کرنے کے بعد ابراہیم نے اعلان کیا کہ ”یارنوں کی ہی ایک اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر ہی عیساہوں کے گرجوں، یہودوں، سٹالوں اور ماگیوں کے آتھدوں کی طرح ہیں اور اُس طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی۔“ سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور یارنوں میں ایک ایسے مضبوط یارنہ قائم ہوگئی جس میں خلیفہ تک نے سندھ میں مندروں کو گرائے یا اسلام کے پرچار میں اجازت نہیں دی۔

آریہ سنسکرتی کا باہری رُپ ہالانکہ سیمٹک اور ایرانی تھا لیکن اُس کا ویکینٹک اور آدھیاتمک کیان، اُس کی ویدیک اور اُس کی تلامی پر گہرا یارنہ اور بعد میں یونانی اثر پڑا۔ اُس کے عربی دھاتمک میں یارنہ آتما روشن شو رہی تھی۔ سندھ کی فتح کے بعد یارنہ کی مالی دولت کے ساتھ ساتھ یارنہ کی آدھیاتمک دولت بھی خلیفہ کے دربار میں پہنچی۔ یارنہ دشواریوں میں نکشلا میں ضرور مسلمان ویدارتی رہے ہوئے۔ کشمیر اُس زمانہ میں سنسکرتی کا خاص کیندر تھا جہاں ایرانی ہند ویدارتی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ عباسی کچر کو خلیفہ کے برمکی (ہند) وزیروں نے جو بڑھوا اور چینا دی وہ بلا شک تعریف کے قابل ہے۔ فانیوں اور تیانے کے متذہبوں کی حیثیت سے اور کلچری روشنی کی حیثیت سے کوئی بھی ایرانی یا عرب راج کل اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ برمکی اُس سمنے ہند دھرم سے اسلام میں داخل ہوئے تھے اور انہیں کی کوشش سے عربوں اور یارنوں میں گہرا سانسکرتک سمبندہ قائم ہوا تھا۔ انہیں کی کوششوں سے اسلامی سنسکرتی نے کچلے دل سے یارنہ سنسکرتی کی دین کو دینوں سبوں سے سوڈکار دیا۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سینھ ویجی کیا تو انہوں نے دیکھا کہ دیش ہندوں اور براہمن شاسکوں میں ہوا ہے اور براہمن دھرمے دھرمے ہندوں کو پچارتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کے سنگرش میں ہندوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح عربوں کی سندھ وچنے کو آسان بنا دیا۔ سندھ وچنے کرنے کے بعد ابراہیم نے اعلان کیا کہ ”یارنوں کی ہی ایک اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر ہی عیساہوں کے گرجوں، یہودوں، سٹالوں اور ماگیوں کے آتھدوں کی طرح ہیں اور اُس طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی۔“ سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور یارنوں میں ایک ایسے مضبوط یارنہ قائم ہوگئی جس میں خلیفہ تک نے سندھ میں مندروں کو گرائے یا اسلام کے پرچار میں اجازت نہیں دی۔

جب مسلمانوں نے سن 707 عیسوی میں سینھ ویجی کیا تو انہوں نے دیکھا کہ دیش ہندوں اور براہمن شاسکوں میں ہوا ہے اور براہمن دھرمے دھرمے ہندوں کو پچارتے جا رہے ہیں۔ براہمنوں اور عربوں کے سنگرش میں ہندوں نے عربوں کا ساتھ دیا اور اس طرح عربوں کی سندھ وچنے کو آسان بنا دیا۔ سندھ وچنے کرنے کے بعد ابراہیم نے اعلان کیا کہ ”یارنوں کی ہی ایک اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور اُن کے مندر ہی عیساہوں کے گرجوں، یہودوں، سٹالوں اور ماگیوں کے آتھدوں کی طرح ہیں اور اُس طرح سے یہ لوگ اہل کتاب ہیں جس طرح سے عیسائی اور یہودی۔“ سندھ وچنے کے بعد سے ہی عربوں اور یارنوں میں ایک ایسے مضبوط یارنہ قائم ہوگئی جس میں خلیفہ تک نے سندھ میں مندروں کو گرائے یا اسلام کے پرچار میں اجازت نہیں دی۔

تھرہ پشا کی جاتی تھی۔ ان باتوں سے مسلمان ہندوستان کے اور زیادہ قریب آتے تھے اور اُسے اپنا پاک ملک سمجھ کر اُس سے محبت کرنے لگتے تھے۔ لوگ اُس وقت تک دُست کٹھن نہیں گڑھا کرتے جب تک کہ اُس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے کعبہ کو اپنا ہی دھرم مندر سمجھتے تھے۔ ایک زمانہ میں کعبہ، عرب اور عرب کے اُس پاس رہنے والے، سبھی دھرم مذہب والوں کا ایک پاک مرکز تھا۔ نیچے کے دیان کو ناممکن مانتے ہوئے بھی اُس سے حریت میں نہیں آنا چاہتے۔ برٹن لکھتا ہے—

”ہندو پندیت اس بات کو داہے کے ساتھ کہتے ہیں کہ مہاکے میں شِو اور پارِوَتی ‘کپوتیشِوَر’ اور ‘کپوتیشِوَری’ کے رُپ میں وِراجمان ہیں۔... کُछ لَکھکوں کا کھنا ہے کہ ہجرت مُحمّد کے سَمَی مہاکا کے دَشی دَواتِیاں میں لَکڑی میں خُدی دُڑی کپوتیشِوَر اور کپوتیشِوَری کی مُرتِیاں تھیں جِنہیں ہجرت اُلی نے پُراَمَبر کے کَنڈوں پَر چَڈھ کر نیچے گِرا دِیا تھا۔“*

بیلکُورڈ لَکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مہاکا اُتھوا ‘مُوتیشِوَر’ یا ‘مُوتیشِوَر’ میں جُا کَلا پَثر اُتھوا ‘سَنگ-پ-اُتھوَر’ ہے۔ وہ ‘مُوتیشِوَر’ بَگوان شِو کے اُتھوَر کا پَریک ہے۔ بَگوان شِو اور پارِوَتی نے اُتھوَر-ہجرت کے اُپنے مَکتوں میں مہاکا کے رُپ میں اُتھوَر لَیا تھا۔“†

وَلُورڈ لَکھتا ہے—

”ہندو کہتے ہیں کہ مہاکا اُتھو ‘مُوتیشِوَر’ یا ‘مُوتیشِوَر’ میں جُا کَلا پَثر اُتھو ‘سَنگ-پ-اُتھوَر’ ہے۔ وہ ‘مُوتیشِوَر’ بَگوان شِو کے اُتھوَر کا پَریک ہے۔ بَگوان شِو اور پارِوَتی نے اُتھوَر-ہجرت کے اُپنے مَکتوں میں مہاکا کے رُپ میں اُتھوَر لَیا تھا۔“†

اُس زمانے کے مسلمان یاتریوں اور مصنفوں نے بھارت کی اُس سے کی حالت کو اپنے گزرتوں میں درج کیا ہے۔ سندھ کے اُنہاس پر پہلا گزرتہ، ‘چَپچَہ - نامہ’ ہے، جو مَول رُپ میں عربی میں لکھا گیا۔ وہ مسام اُنہاسکوں کی سندھستان پر پہلی اُنہاس کی پُستک ہے ‘چَپچَہ - نامہ’ کے بعد ابن خُرداذبَیج نے سن 845 عیسوی میں ہندستان کے بَہرُورل پر ایک پُستک لکھی۔ ایک دُوسری پُستک ابوزَائد نے سن 916 عیسوی میں لکھی جس میں سَلیمان سَرداگر کی بھارت اور چین کی یاتراؤں کا بیان درج ہے۔ اُس میں ہندستان کی مذہبی اور سَماجک حَالتوں پر بہت کُئی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُسی زمانہ کا ایک دُوسرا اُنہاسکار ابوزَائد البَلخی (341 عیسوی) ہے جس نے ہندستان کے اُنہاس پر بہت مستند اور تفصیل سے لکھا ہے اور جس کا بعد کے لکھنے والے بھی سند کے طور پر حوالہ دیا ہے۔ اُن کے اُنرست ابن رستاق (903ع)، ابوزَلف (941 عیسوی)، استاخری

* Burton's Pilgrimage to Al-Madinah, Vol. 1, p. 174.

† AS. Soc. Vols. III and IV.

बापस लौटते हुये रास्ते में उसकी मौत हो गई. मरते समय चेरूमन ने मुसलमानों को शाही फरमान के जरिये मसजिदें बनाने की इजाजत दे दी. उसी के मुताबिक मलाबार में कई जगह मसजिदें बनाई गईं. बलाजूरी भी सन 842 ईसवी के क़रीब पश्चिमोत्तर भारत के एक राजा के इस्लाम कुबूल करने की घटना सुनाता है.* बुजर्ग बिन शहरयार और सौदागर सुलेमान, जो नववीं सदी में हिन्दुस्तान आये थे, लिखते हैं कि हिन्दुस्तान के राजाओं के दिलों में मुसलमानों की तरफ से बेहद सद्भावना मौजूद थी.

पता नहीं कैसे मुसलमानों के दिलों में यह विश्वास घर कर गया है कि इनसानी क़ौम के पहले पैगम्बर और पहले इनसान हज़रत आदम बहिश्त से निकाले जाने के बाद हिन्दुस्तान में सिंहलद्वीप में आकर उतरे, हिन्दुस्तान में ज़ांखुशबूदार फूल और जड़ी बूटी भरी पड़ी हैं वह हज़रत आदम ही बहिश्त के नन्दनवन से यहां लाये थे, जिस पत्थर पर हज़रत आदम उतरे उस पर उनके क़दमों का निशान आज तक मौजूद है, इसी पत्थर के निशान को सिंहल के बौद्ध भगवान् बुद्ध के क़दमों का निशान समझकर ताज़ीम करते हैं, बाद के मुसलिम लेखकों ने दूसरे देशों के मुकाबले में भारत के बड़पन पर इस बिना पर और ज़्यादा जोर दिया है कि हज़रत आदम मानव जाति के पहले पैगम्बर थे और अल्लाह ने अपना हुक्म सब से पहले उन्हीं को सुनाया और आदम चूँकि उस वक्त हिन्दुस्तान में थे इसलिये हिन्दुस्तान ही को सब से पहले अल्लाह का हुक्म सुनने का फ़ज़्र हो सकता है, मुमकिन है कि शायद इसीलिये इसलाम के पैगम्बर ने फ़रमाया है—“मैं हिन्दुस्तान से बढ़कर आई हुई अल्लाह के ज्ञान की मन्द मन्द सुगन्ध सूँघ रहा हूँ,” आम मुसलमानों के लिये हिन्दुस्तान की सरज़मीन की पाकीज़गी की यह आखिरी और ज़बर्दस्त दलील है, इस तरह की कहानियों क्यों शुरु हुई इसकी मैं वजह नहीं खोज सका लेकिन फिर भी ये भारत के मुसलमानों के आम विश्वास का जुजब बनी हुई हैं, पढ़े लिखे और समझदार लोग भी इन दन्त कथाओं को लफ़्ज़-बलफ़्ज़ सच मानते हैं.

इन्डन बतूता (1377 ईसवी) ने भी हज़रत आदम के इस पवित्र चरन-चिन्ह की ज़ियारत (यात्रा) की थी. इस चिन्ह को देखकर उसने लिखा है—“हज़रत आदम का यह पवित्र चर-चिन्ह एक ऊँचे काले पत्थर पर नक्श है. यह चिन्ह पत्थर पर इतना अंदर धंस गया है कि अब तक ज्यों का त्यों क़ायम है. यह निशान फ़ुत आठ फ़ुट लम्बा है.”¹ इस सच्चाई को साबित करने के लिये कि हिन्दुस्तान सब देशों का सिरमौर है इस तरह की दलीलें आख़री सबूत की

اور اس اوتھ ہوئے راستہ میں اس کی موت ہوگئی ۔ مرتے سہے
چیرمین نے مسلمانوں کو شامی فورمان کے ذریعہ مسجدیں بنانے کی
اجازت دے دی۔ اسی کے مطابق ملابار میں کئی جگہ مسجدیں
بنائی گئیں ۔ بلجوری ہی سن 812 عیسوی کے قریب پچھونو
پارٹ کے ایک راجا کے اسلام قبول کرنے کی جگہ سنا
ہے ۔ بزرگ بین شہریار اور سرداگر سلیمان جو نریم صی
میں مقدسستان آنے تھے لکھتے ہیں کہ مقدسستان کے راجائوں کے
دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے بیحد سذبہارنا موجوں

پتہ نہیں کیسے مسلمانوں کے دلوں میں یہ وشواس گہر کر گیا کہ انسانی قوم کے پہلے پیغمبر اور پہلے انسان حضرت آدم پرشت سے نکلے جانے کے بعد غنڈستان میں سنگول دہپ میں آکر آئے۔ غنڈستان میں جو خوشہدرد پھول اور جڑی بوٹی بیوی پتی تھیں وہ حضرت آدم ہی پرشت کے نندن بن سے بہاں لاتے تھے۔ جس پتھر پر حضرت آدم آئے اس پر ان کے قدموں کا نشان آج تک موجود ہے۔ اسی پتھر کے نشان کو سنگول کے بردہ پتھروں کے قدموں کا نشان سمجھ کر قوطیام کرتے تھیں۔ بعد کے مسام لیکھائوں نے دوسرے دلوں کے مقابلہ میں بیازت کے بڑے بن پر اس بنا پر اور زیادہ زور دیا ہے کہ حضرت آدم مانو جاتی کے پہلے پیغمبر تھے اور اہلہ نے اپنا حکم سب سے پہلے انہیں کی سنایا اور آدم چونکہ اس وقت غنڈستان میں تھے اس لیے غنڈستان ہی کو سب سے پہلے اہلہ کا حکم سننے کا دفتر بنو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ شاید اسی لئے اسلام کے پیغمبر نے فرمایا ہے۔ ”میں غنڈستان سے ہر کو آئی ہوئی اہلہ کے گہاں کی مند مند سنگدہ سرنگو رہا ہوں۔“ عام مسلمانوں کے لئے غنڈستان کی سر زمین کی داگنوں کی یہ آخری اور زبردست دہائی ہے۔ اس طرح کی کہانیاں کیوں شروع ہوئیں اس کی میں وجہ نہیں کیوں سکا لیکن پتہ ہے۔ یہ بیازت کے مسلمانوں کے علم وشواس کی جز بنی ہوئی ہیں۔ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہی ان دہنت کہانیاں کو لٹا - ہٹا - لٹا سچ مٹا لے سکتے ہیں۔

ابن بطوطہ (1377 عیسوی) نے بھی حضرت آدم کے اس پوتہ چن چن کی زیارت (زیارۃ) کی تھی ۔ اس چن چن کو دیکھ کر اُس نے کہا ہے۔ ” حضرت آدم کا یہ پوتہ چن چن - چن ایک اونچے قلعے پر ہمہ تن مشغول ہے ۔ یہ چن چن پتھر پر انکا اندر دفن کیا گیا ہے کہ اب تک جیوں کا بیوں قائم ہے ۔ یہ نشان سوا آٹھ ذلت لبا ہے ۔ اِس سچائی کو ثابت کرنے کے لئے کہ غنڈہ خان سب دشمنوں کا سرور ہے اس طرح ہی دلیلیں آخری ثبوت کی

* فتوح البلدان (لینن) پرشہ—446. 446. फुतूह अल—बलदान (लेडेन) पृष्ठ—446.

† Ibn Batuta (H. A. R. Gibb p. 295).

تیار کر کے خلیفہ کی خدمت میں پیش کی۔* اس بات کے بھی بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایران سے لکھ ہوئے ہندوستان کے عربوں کے ساتھ عرب واپاروں کا تجارتی سمبندھ قائم تھا اور وہ جاتوں اور مدروں سے پرہیزت تھے۔ چونکہ ہندوستان کے ان حصوں پر ایک سیمہ ایرانیوں کی حکومت تھی اس لئے ان حصوں کے ہندوستانی قبیلوں اور ایرانیوں کے بیچ نزدیکی تعلقات رہے ہوئے۔ جب ایران نے اسلام قبول کیا تو تجارتی سمبندھ کے ساتھ ساتھ یہ نزدیکی اور زیادہ بڑھی ہوئی۔ ایک بات ہمیں اور دعویٰ میں رکھنی چاہئے کہ ایک زمانے میں خراسان اور ترکستان تھا ایران میں بوندہ دھرم کا پیچ پرچار تھا اور بوندہ دھرم کے انویائی عراق، موصل اور شام کی سرحد تک پہلے ہوئے تھے۔ ان دیہیوں کے نواسیوں نے حالانکہ بوندہ دھرم کی جگہ اسلام سونکار کر لیا تھا پھر بھی ان کے دلوں میں ہندوستان کے لئے ایک محبت اور عزت کی پہاڑی ضرور رہی ہوگی۔

جبکہ آپس کے تعلقات بہت تیز تھے تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے آگے تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اُس کے پیچ قدر اور عزت کرتے لگے تھے۔ پرمان کے طرز پر ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور انویائیوں کی روایتیں لانا بہت لاف پیش کی جاتی نہیں۔ اُس طرح کی روایتوں پر توڑا بہت مت بیحد ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے سلفیہ میں ہندوستان کی پیچ قدر تھی۔

جس کے عرب سوداگروں نے گجرات کے بہار راجائیں اور ملبار کے سامری راجائیں کو اپنی طرف پیچد مہربانی اور دوستی سے بہار ہوا پایا۔ سمر کے کنارے کنارے آئیں اپنی بستیاں بسانے اور مسجدیں بنانے کی اجازت تھی۔ ان مسلمانوں نے غنڈو لڑکیوں سے بے شادی کی جن کی مالی جلی اولادیں ملبار میں ’مولہ‘ اور بون میں ’لہقیہ‘ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ یہی ہم ملبار کے راجا چیرومن پیرومل کے اسلام قبول کرنے کی عام فہم کہانی سونکار کر رہے ہیں۔ ہندوستان کی مسلمان نو آبادیوں کا سیمہ پیچد کی زندگی کے ہی قریب ماننا پڑے گا کہانی یہ ہے کہ عرب سوداگروں کا ایک جتھا سنگیل دیپ میں ’آدم کی چوٹی‘ کی یاٹرا کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ کرنگانور کے بندرگاہ میں راجا چیرومن پیرومل نے ان سوداگروں کا سواگت کیا۔ سوداگروں نے پیچمبر متحدہ دورا چاند کے تکرے کئے جانے کی کہانی راجا کو سنائی۔ راجا نے اسلام سونکار کر لیا اور چپ چاپ ان سوداگروں کے ساتھ مدینہ کی یاٹرا کی۔

جس کے آپس کے تعلقات بہت تیز تھے تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے آگے تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اُس کے پیچ قدر اور عزت کرتے لگے تھے۔ پرمان کے طرز پر ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور انویائیوں کی روایتیں لانا بہت لاف پیش کی جاتی نہیں۔ اُس طرح کی روایتوں پر توڑا بہت مت بیحد ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے سلفیہ میں ہندوستان کی پیچ قدر تھی۔

جس کے آپس کے تعلقات بہت تیز تھے تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے آگے تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اُس کے پیچ قدر اور عزت کرتے لگے تھے۔ پرمان کے طرز پر ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور انویائیوں کی روایتیں لانا بہت لاف پیش کی جاتی نہیں۔ اُس طرح کی روایتوں پر توڑا بہت مت بیحد ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے سلفیہ میں ہندوستان کی پیچ قدر تھی۔

جس کے آپس کے تعلقات بہت تیز تھے تب بھی مسلمان ہندوستان کو دنیا کا سب سے آگے تہذیب یافتہ ملک سمجھ کر اُس کے پیچ قدر اور عزت کرتے لگے تھے۔ پرمان کے طرز پر ہندوستان کی تعریف میں اسلام کے پیغمبر اور ان کے مشہور انویائیوں کی روایتیں لانا بہت لاف پیش کی جاتی نہیں۔ اُس طرح کی روایتوں پر توڑا بہت مت بیحد ہو سکتا ہے لیکن یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ شروع زمانے کے اسلام کے سلفیہ میں ہندوستان کی پیچ قدر تھی۔

ہندوؤں کے لیے جگا کر تیار کر دیا۔ یہ परिवर्तन अपने आप में कायदेमन्द या तुकसानदह हैं इसका कैसला मैं नहीं कर सकता, लेकिन इसमें कोई शक नहीं कि इस तद्दीली ने भारत की समाजी बुनियादों को ही बदल दिया. आर्यों के आगमन ने भारत की समाजी जिन्दगी को जिस तरह जड़ से हिला दिया था तुर्कों का हमला उससे थोड़ा ही कुछ कम रहा. लेकिन तुकान के बाद शान्ति लाज्भी है, भूकम्प के बाद तामीर जरूरी है. जब नदियों का सङ्गम होता है तो दोनों नदियों की धारायें गुजरते हुये टकराती हैं लेकिन औरन ही वे शान्ति होकर रल मिलकर एक धारा में बहने लग जाती हैं. प्रयाग के बाद गंगा जमुना की धारा में कोई कर्क नहीं रह जाता. उसी तरह हिन्दू और मुसलमान आपस में टकरा कर मुहब्बत के एक इनसानी संगम में मिले थे और फिर उनकी संस्कृतियां रल मिल कर भारतीय संस्कृति की अखण्ड धारा बनकर बहने लगी थीं कि जिस ने सनअत और हिरफत, कला और बिज्ञान, साहित्य और कविता, चित्रकला और मूर्तिकला सभी को सरसवज और हरा भरा कर दिया था. लेकिन हम कलचरी मेल जोल की, उस अखण्ड धारा को खण्ड खण्ड करने की, जमुना की धारा को गंगा की धारा से अलहदा करने की शर्मनाक कोशिश करने लगे.

भारत में तुर्कों के हमलों के तीन सौ बरस पहले मुसलमानों में भारत की महान सभ्यता और उसके ज्ञान के अगाध भण्डार को समझने और उसके तरक आदर प्रकट करने की लगातार कोशिश हो रही थी. भारत और अरब के बीच बहुत पुराने जमाने से तिजारती ताल्लुकात चले आ रहे थे लेकिन मौजूदा ताल्लुकात का सिरा हम उसी वक्त से जोड़ सकते हैं जब अरबों ने अपने पूर्वी साम्राज्य में तहजीब के नये नये मरकज कायम किये. खलीफा उमर के जमाने तक इसलामी दुनिया को हिन्दुस्तान के बारे में बहुत कम सच्ची जानकारी थी. हिन्दुस्तान के समुद्री किनारों के बारे में अरब और ईरानी मत्लाहों को थोड़ी बहुत वाक्रीयन थी और वे हिन्दुस्तान की तिजारती दौलत की तारीक के गीत गाया करते थे. जब खलीफा उमर ने एक अरब मत्लाह से हिन्दुस्तान के बारे में पूछा तो वह तारीफ के पुल बांधने लगा कि—”हिन्दुस्तान के दरिया मोतियों से भरे हैं और उसके पहाड़ों में हीरे जवाहरातों की खानें हैं और उसके पेड़ पौधे खुशबुओं से मुअत्तर हैं.” लेकिन हिन्दुस्तान के बारे में सही सही जानकारी हासिल करने की पहली कोशिश शायद खलीफा उसमान के जमाने में की गई. उसमान ने 624 और 664 ईसवी के बीच हकीम बिन जबाला को मुकर्रर किया कि वह पता लगाकर हिन्दुस्तान के बारे में सही सही खबरे खलीफा को दे. जबाला ने हिन्दुस्तान आ कर यहां के बारे में एक रिपोर्ट (Thaghar-al-Hind)

امیدوں کے لئے جگا کر تیار کر دیا. یہ परिवर्तन اپنے आप में कायदेमन्द या तुकसानदह हैं इसका कैसला मैं नहीं कर सकता, लेकिन इसमें कोई शक नहीं कि इस तद्दीली ने भारत की समाजी बुनियादों को ही बदल दिया. आर्यों के आगमन ने भारत की समाजी जिन्दगी को जिस तरह जड़ से हिला दिया था तुर्कों का हमला उससे थोड़ा ही कुछ कम रहा. लेकिन तुकान के बाद शान्ति लाज्भी है. भूकम्प के बाद तामीर जरूरी है. जब नदियों का सङ्गम होता है तो दोनों नदियों की धारायें गुजरते हुये टकराती हैं लेकिन औरन ही वे शान्ति होकर रल मिलकर एक धारा में बहने लग जाती हैं. प्रयाग के बाद गंगा जमुना की धारा में कोई कर्क नहीं रह जाता. उसी तरह हिन्दू और मुसलमान आपस में टकरा कर मुहब्बत के एक इनसानी संगम में मिले थे और फिर उनकी संस्कृतियां रल मिल कर भारतीय संस्कृति की अखण्ड धारा बनकर बहने लगी थीं कि जिस ने सनअत और हिरफत, कला और बिज्ञान, साहित्य और कविता, चित्रकला और मूर्तिकला सभी को सरसवज और हरा भरा कर दिया था. लेकिन हम कलचरी मेल जोल की, उस अखण्ड धारा को खण्ड खण्ड करने की, जमुना की धारा को गंगा की धारा से अलहदा करने की शर्मनाक कोशिश करने लगे.

भारत میں توर्کوں کے حملوں کے تین سو برس پہلے سے مسلمانوں میں بھارت کی مہان سہیبتا اور اُس کے دہان کے اگادہ ہندار کو سمجھنے اور اُس کے طرف آدر پرکٹ کرنے کی لگاتار کوشش ہو رہی تھیں. بھارت اور عرب کے بیچ بہت پرانے زمانے سے تیجارتی تعلقات چلے آ رہے تھے لیکن موجودہ تعلقات کا سرا ہم اسی وقت سے جوڑ سکتے ہیں جب عربوں نے اپنے پوری سامراجیہ میں تہذیب کے نئے نئے مرکز قائم کئے. خلیفہ عمر کے زمانے تک اسلامی دنیا کو ہندستان کے بارے میں بہت کم سچی جانکاری تھی. ہندستان کے سمندری کناروں کے بارے میں عرب اور ایرانی ملاحوں کو تیجاری بہت اہمیت تھی اور وہ ہندستان کی تیجارتی دہات کی تعریف کے گیت گایا کرتے تھے. جب خلیفہ عمر نے ایک عرب ملاح سے ہندستان کے بارے میں پوچھا تو وہ تعریف کے پل باندھنے لگا کہ—”ہندستان کے دریا مڑتوں سے بھرے ہیں اور اُس کے پہاڑوں میں سیرے جواہراتوں کی دہانیں ہیں اور اُس کے پہاڑ پونہ خوشبوؤں سے معتار ہیں.” لیکن ہندستان کے بارے میں صحیح صحیح جانکاری حاصل کرنے کی پہلی کوشش شاید خلیفہ عثمان کے زمانے میں کی گئی. عثمان نے 624 اور 664 عیسوی کے بیچ حکیم بن جبالہ کو مقرر کیا کہ وہ پتا لگا کر ہندستان کے بارے میں صحیح صحیح خبریں خلیفہ کو دے. جبالہ نے ہندستان آکر یہاں کے بارے میں ایک رپورٹ (Thaghar-al-Hind)

ہندو-مسلمانوں کے کلتوری میل-جول کی شروعات

ہندو مسلمانوں کے کلتوری میل جول کی شروعات

ڈاکٹر لاتیف دفتری ایم۔ اے، ڈی۔ اے، فیل۔

ڈاکٹر لطیف دفتری اے۔ ایم، سی، فل۔

توکنوں کے پंجاہ آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے کلتوری میل جول کی پہلی داہیل ملی چلی ہولی کے رور میں پڑی۔ ہندی اور ناسی لے ملکر اردو ہولی کو جنم دیا۔ ملی چلی ہولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں میل-جول کی خواہش ہماری سماجک، نئیک، اور دماغی زندگی کے ہر خطہ میں گہرائی کے ساتھ پرویش کر رہی تھی۔ اس ملی چلی چیتنا نے کلتوری میل جول کی گہری چھاپ ہماری ’لا‘ ہمارے سلامتہ اور ہمارے دھرم کے اوپر چھوڑی ہے۔

توکنوں کے پंجاہ آنے کے ایک صدی بعد ہی ہندو اور مسلمانوں کے کلتوری میل جول کی پہلی داہیل ملی چلی ہولی کے رور میں پڑی۔ ہندی اور ناسی لے ملکر اردو ہولی کو جنم دیا۔ ملی چلی ہولی کی پیدائش اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اس وقت تک ہندو اور مسلمانوں میں میل-جول کی خواہش ہماری سماجک، نئیک، اور دماغی زندگی کے ہر خطہ میں گہرائی کے ساتھ پرویش کر رہی تھی۔ اس ملی چلی چیتنا نے کلتوری میل جول کی گہری چھاپ ہماری ’لا‘ ہمارے سلامتہ اور ہمارے دھرم کے اوپر چھوڑی ہے۔

ہارٹ میں اس کلتوری میل جول کی چھاپ بین کی اب تک بہت تھوری کوشش کی گئی ہے۔ اس سمبندھ میں جو چند پستکیں پرکاشت تھیں ان میں مملوی سید سلیمان ندوی کی ’عرب اور ہند کے تعلقات‘ ڈاکٹر سی۔ آر۔ ہندارکر کی *The Slow Progress of Islam in India*, ڈاکٹر تاراچند کی *The Influence of Islam on Indian Culture* اور ایک یورپی ویڈان کی پستک *Scriptorum Arabum de Rebus Indicis loci et Opuscula Inedita* آدی مکیہ ہیں۔ پچلے سیکڑوں درس میں انیک مسلمان سنتوں، راجنیکوں اور ودانوں نے ہندستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملنے سے جو سمبندھیں پیدا ہوگئی تھیں ان کے برز یون حل کورجنے میں بہت سا چنتن اور متفن کیا ہے۔ ہزارہے ودانوں دوارا ان کوششوں کو جتنا مہتو دیا جانا چاہئے اتنا مہتو نہیں دیا گیا۔ مہتو دینا تو دور رہا دونوں سمبندھوں کے ودان انیتہاسک اور ہیرانت دلیوں دوارا ملی چلی ہوارنہ سسکرتی کو کھنڈ کھنڈ کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے داہوں کو ایک دوسرے سے پھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہندو اور مسلمانوں نے سیکڑوں برس تک جس پھارنہ سسکرتی کو اتنا سمدہ بنایا ہے انہیں کی اولاد آج شرمناک طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

ہارٹ میں اس کلتوری میل جول کی چھاپ بین کی اب تک بہت تھوری کوشش کی گئی ہے۔ اس سمبندھ میں جو چند پستکیں پرکاشت تھیں ان میں مملوی سید سلیمان ندوی کی ’عرب اور ہند کے تعلقات‘ ڈاکٹر سی۔ آر۔ ہندارکر کی *The Slow Progress of Islam in India*, ڈاکٹر تاراچند کی *The Influence of Islam on Indian Culture* اور ایک یورپی ویڈان کی پستک *Scriptorum Arabum de Rebus Indicis loci et Opuscula Inedita* آدی مکیہ ہیں۔ پچلے سیکڑوں درس میں انیک مسلمان سنتوں، راجنیکوں اور ودانوں نے ہندستان میں ہندو اور مسلمانوں کے ملنے سے جو سمبندھیں پیدا ہوگئی تھیں ان کے برز یون حل کورجنے میں بہت سا چنتن اور متفن کیا ہے۔ ہزارہے ودانوں دوارا ان کوششوں کو جتنا مہتو دیا جانا چاہئے اتنا مہتو نہیں دیا گیا۔ مہتو دینا تو دور رہا دونوں سمبندھوں کے ودان انیتہاسک اور ہیرانت دلیوں دوارا ملی چلی ہوارنہ سسکرتی کو کھنڈ کھنڈ کرنے کے اور ہندو اور مسلمانوں کے داہوں کو ایک دوسرے سے پھارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہندو اور مسلمانوں نے سیکڑوں برس تک جس پھارنہ سسکرتی کو اتنا سمدہ بنایا ہے انہیں کی اولاد آج شرمناک طریقوں سے اس کی دھجیاں اڑانے میں مشغول ہیں۔

توکنوں کا ہندوستان میں آنا ایک اتنا ہی عجیب و غریب تدرتی واقعہ ہے جتنا طرانیوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ مڈرانا! توکنوں نے آکر ہندوستان کو اس کی جڑوں تک ہلا دیا اور لوگوں کو چھپچھور کر نئی

توکنوں کا ہندوستان میں آنا ایک اتنا ہی عجیب و غریب تدرتی واقعہ ہے جتنا طرانیوں کا ایک جگہ سے دوسری جگہ مڈرانا! توکنوں نے آکر ہندوستان کو اس کی جڑوں تک ہلا دیا اور لوگوں کو چھپچھور کر نئی

ये उन्होंने पहले महायुद्ध के पहले भारत की यात्रा भी की थी. एक बार भारत के विशय में बातचीत होते समय हम ने सुभाया कि ऐसा मालूम होता है कि ब्रिटिश सरकार की मन्शा भारतीय ईसाइयों की मदद से एक तीसरी अल्पसंख्यक जनता की समस्या खड़ी करने की है. उन्होंने कहा कि यह सच है, तथा उस समय के भाग्य-विधाताओं ने, उनसे कहा कि उनकी यह योजना कि वह इन आदिम जातियों को ईसाई बना कर हिन्दुओं और मुसलमानों के मुकाबले में इन्हें तीसरी अल्प-संख्यक जनता बनाकर पेश करेंगे, जो लोग ईसाई हो गये वह रोमन लिपि में अपनी भाशा लिखना सीखते हैं तथा प्रत्येक प्रकार से अमरातीय बनते हैं. इनकी समस्या भविष्य के लिये एक जटिल समस्या है. अब समय आ गया है कि हमारे समाज शास्त्री, इतिहासज्ञ और राजनीतिज्ञ परिस्थिति पर संजीदगी से विचार करें. निश्चय ही इन जातियों के लिये एक मात्र उपाय यही है कि वह अपने पड़ोसियों की भांति भारतीय नागरिक बन जायें. वे किसी भी धर्म को चुन लें, इसकी अपेक्षा नहीं, किन्तु भारत की सांस्कृतिक तथा ऐतिहासिक उन्नति से उनका संबंध जोड़ना बहुत जरूरी है.

ते अन्यों ने डले महीदे के डले भारत की यात्रा भी की थी. एक बार भारत के विशय में बातचीत होते समय हम ने सुभाया कि ऐसा मालूम होता है कि ब्रिटिश सरकार की मन्शा भारतीय ईसाइयों की मदद से एक तीसरी अल्पसंख्यक जनता की समस्या खड़ी करने की है. उन्होंने कहा कि यह सच है, तथा उस समय के भाग्य-विधाताओं ने, उनसे कहा कि उनकी यह योजना कि वह इन आदिम जातियों को ईसाई बना कर हिन्दुओं और मुसलमानों के मुकाबले में इन्हें तीसरी अल्प-संख्यक जनता बनाकर पेश करेंगे, जो लोग ईसाई हो गये वह रोमन लिपि में अपनी भाशा लिखना सीखते हैं तथा प्रत्येक प्रकार से अमरातीय बनते हैं. इनकी समस्या भविष्य के लिये एक जटिल समस्या है. अब समय आ गया है कि हमारे समाज शास्त्री, इतिहासज्ञ और राजनीतिज्ञ परिस्थिति पर संजीदगी से विचार करें. निश्चय ही इन जातियों के लिये एक मात्र उपाय यही है कि वह अपने पड़ोसियों की भांति भारतीय नागरिक बन जायें. वे किसी भी धर्म को चुन लें, इसकी अपेक्षा नहीं, किन्तु भारत की सांस्कृतिक तथा ऐतिहासिक उन्नति से उनका संबंध जोड़ना बहुत जरूरी है.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

PRICE

BY PANDIT SUNDARLAL

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

رہا ہے۔ وہاں پر ہی ان آدم جاتیوں کو بازوں میں جنہیں 'جاتی-چوہتر' کہتے ہیں، بند رکھا جاتا ہے اور گوری جاتیوں کی سپہیتا اور دھوم سڑکار کو لیفے پر بھی لڑائیں بڑا دکھی جیوں بتانا پڑتا ہے۔ لیکنک نے امریکہ میں کنڈیا کی 'ارجیوا' (Ogibwa) جاتی کے سامان دکھی جاتی دوسری کوئی نہیں دیکھی۔ اُس جاتی کے منتری نے لیکنک کو بتایا کہ انہیں جیوں میں کرنی دسرا موٹہ ہی نہیں دیا جانا۔ جب کہ امریکہ کی اوڈیوگ سپہیتا تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے اور اُن کے پڑوسی سردھی کے ساگر میں غوطے لگا رہے ہیں، اور آڈوٹک سپہیتا کی ساری نعمتوں کا آپ بیوگ کر رہے ہیں، انہیں امریکہ کے بندے ہوئے یگ کے چٹو، روپ اُسی اوستہ میں رکھا جاتا رہا ہے۔

لیکنک بھارت ویش کی ان 'آدم' کہی جانے والی جاتیوں کی سمسیا اُس سے انگ ہے۔ وہ بھارتیہ جاتی کی ہی ایک انش ہے۔ وہ اُن جاتیوں کی نشانی ہے جو ابھی تک بھارتیہ سپہیتا کے نام سے پرسدہ سانسرتک سمونے میں ملائی نہیں جا سکے۔ ان جاتیوں کے لوگ سوسنسکوت بھارتیہ راشٹر کے پچھڑے ہوئے انگ ہیں۔ اگر بھارتیہ انہلس کے پردے پر انگریزوں کا آگمن نہ ہوتا تو یہ لوگ اب تک ہندو سماج میں مل گئے ہوتے۔ پروفیسر گھورے انہیں 'پچھڑے ہندو' کہتے ہیں۔

مختلف طاقتیں

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اِس طرح کے ہتھوڑے کے لئے انگ ایک طاقتیں کالم کر رہی ہیں۔ خود ہم میں سے بہت سے لوگ تنہا ہمارے ویدیشی شیہ چنکتک انہیں اُن بازوں میں جنہیں 'راشٹرہ پارک' کہا جائے گا بند رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم پہلے ہی امریکن آدم جاتیوں کی بری دشا کا حوالہ دے چکے ہیں۔ وہ وہیں سڑ رہے ہیں آخری امریکہ میں اُس پرکار کے ماثو دکھ کا نظارہ رومانچکاری ہے۔ اِس طرح سے بھارت کی ان 'آدم' کہی جانے والی جاتیوں کو 'راشٹرہ پارک' نام کے بازوں میں بند کر دینے سے جہاں وہ پراچین بھارت کی یادگار اور ویدیشوں کی اُنسک آئندہ کا نشانہ بن کر رہیں، اُن کی کوئی بھلائی نہیں ہوگی۔ پروفیسر گینڈگل اِس طرح آدم جاتیوں کی اِس بدنامی گئی سمسیا میں "نہیں اپاہیوں سے دیش کے شوشن" کا ادیش دیکھتے ہیں، جو کہ پچھم کا اوشکار ہے۔ اور یہ تو گوری جاتیوں کی پوسار نہتی تنہا سارے سنسار میں اڈیوگ کرائتی کے پوجار کے پیل سو روپ انہیں بہت سی سمسیاؤں میں سے صرف ایک ہے۔ (گھورے کی پستک کی بیومکا)۔ بہت دن پہلے جب لیکنک جرمنی میں ویدارتھی تھا، تو ڈاکٹر اوٹو سے اُس کا پرچہ ہوا، جو پہلے گاتینگن (Gottengin) اور پھر ماربرگ (Marburg) وشدیالیہ میں 'ادار-ہیسائی روشن' کے ادھیپک تھے۔ وہ بھارت کے متر

हिन्दू तथा अहिन्दू जातियों के अन्तर को घातक समझते थे. (रिपोर्ट पृ० 158). सर हर्बर्ट रिजले ने कहा था "हिन्दुत्व और पिछड़ी जातियों के धर्म के बीच कोई बारीक बंटवारा की रेखा नहीं खींची जा सकती. दोनों एक दूसरे में मिल गये हैं." (दि पीपुल आफ इण्डिया सेकण्ड एडिशन पृष्ठ 218, 133, 145). सर ई० ए० गेट ने कहा था "यह कहना बहुत ही कठिन है कि किसी स्टेज पर किसी आदमी को हिन्दू कहा जाय." (सेन्सस आफ इण्डिया 1911—जिल्द 1, भाग 1, पृ० 129-30). बिहार और उड़ीसा की 1921 की मधुमशुमारी के सुपरिन्टेण्डेंट मि० टेलेन्ट्स ने एक animist तथा एक हिन्दू के बीच फरक स्थापित करने में इस कठिनाई को मंजूर किया था. (सेन्सस आफ इण्डिया 1921—बिहार एन्ड उड़ीसा रिपोर्ट, पृ० 125). बम्बई की 1921 की मधुमशुमारी के सुपरिन्टेन्डेंट मि० सिजविक ने कहा था—

"अगली मधुमशुमारी में वह सब जो अभी animists में रखे गये हैं, हिन्दुओं के साथ मिला दिये जायें." (बम्बई रिपोर्ट, पृ० 67). सन 1931 में सेन्सस कमिशनर डा० जे० ए० हटन ने कहा था "हिन्दू धर्म तथा इन कबीलों के धर्मों के बीच बंटवारे की रेखा खींचना मुश्किल है, किन्तु इन परवर्ती लोगों को हिन्दुत्व में मिला लेना सरल है." (सेन्सस 1931, पृ० 391-417). इस तरह यह साफ देख पड़ता है कि ऐसा एक ताकतवर मत है, जो इन असभ्य कही जाने वाली जातियों तथा हिन्दू समाज को कुछ गिरोहों में एकजाइयत स्थापित करता है, और इन दोनों के बीच खींची गई किसी भी सीमा विभाजक रेखा को विल्कुल कृत्रिम मानता है.

ग़लत नामकरण

ऊपर की दलील को मानते हुए हमें यह महसूस होता है कि, 'जाति' शब्द से किया गया नामकरण ही ग़लत है. हम यह कह सकते हैं कि यह आदिम कहे जाने वाले वह भारतीय हैं जो पिछड़े रह गये हैं. यह उन मानवों के निशान हैं, जिन्हें आर्य नहीं बनाया गया था. यह कइना ग़लत है कि वह एक 'मिश्र जाति' की सन्तान हैं और इसलिये उन्हें सौतेली मां के से दुलार भरे बरताव की जरूरत है. दूसरी ओर उन्हें 'जाति क्षेत्रों' के बाड़ों में बन्द करके, उनके साथ अन्याय किया जा रहा है क्योंकि उन्हें अपने पड़ोसियों की सभ्यता सीखने का मौका नहीं दिया जाता. यह बिचित्र बात है कि उनमें से जो ईसाई या मुसलमान बन जाते हैं उन्हें अपने पैतृक-गृह को छोड़ने का मौका मिल जाता है, तथा शरीयत क़ानून और देश के क़ानूनों से फ़ायदा उठाने की सुविधा भी मिल जाती है.

ऐसा मालूम होता है उत्तरी अमरीका की तरह यहाँ भारत में भी उसी तरह की प्रणाली का व्यवहार किया जा

हन्दु तथा अहन्दु जातियों के अन्तर को ग़हातक समझते थे. (रिपोर्ट पृष्ठ 158). सर हर्बर्ट रिजले ने कहा था "हिन्दुत्व और पिछड़ी जातियों के धर्म के बीच कोई बारीक बंटवारा की रेखा नहीं खींची जा सकती. दोनों एक दूसरे में मिल गये हैं." (दि पीपुल आफ इण्डिया सेकण्ड एडिशन पृष्ठ 218, 133, 145). सर ई० ए० गेट ने कहा था "यह कहना बहुत ही कठिन है कि किसी स्टेज पर किसी आदमी को हिन्दू कहा जाय." (सेन्सस आफ इण्डिया 1911—जिल्द 1, भाग 1, पृ० 129-30). बिहार और उड़ीसा की 1921 की मधुमशुमारी के सुपरिन्टेण्डेंट मि० टेलेन्ट्स ने एक Animist तथा एक हिन्दू के बीच फरक स्थापित करने में इस कठिनाई को मंजूर किया था. (सेन्सस आफ इण्डिया 1921—बिहार एन्ड उड़ीसा रिपोर्ट, पृष्ठ 125). बम्बई की 1921 की मधुमशुमारी के सुपरिन्टेन्डेंट मि० सिजविक ने कहा था—

"अगली मधुमशुमारी में वह सब जो अभी Animists में रखे गये हैं, हिन्दुओं के साथ मिला दिये जायें." (बम्बई रिपोर्ट, पृष्ठ 67). सन 1931 में सेन्सस कमिशनर डा० जे० ए० हटन ने कहा था "हिन्दू धर्म तथा इन कबीलों के धर्मों के बीच बंटवारे की रेखा खींचना मुश्किल है, किन्तु इन परवर्ती लोगों को हिन्दुत्व में मिला लेना सरल है." (सेन्सस 1931, पृष्ठ 391-417). इस तरह यह साफ देख पड़ता है कि ऐसा एक ताकतवर मत है, जो इन असभ्य कही जाने वाली जातियों तथा हिन्दू समाज को कुछ गिरोहों में एकजाइयत स्थापित करता है, और इन दोनों के बीच खींची गई किसी भी सीमा विभाजक रेखा को बिल्कुल कृत्रिम मानता है.

غلط نام کردن

اوپر کی دلیل کو ماننے ہوئے ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ 'جاتی' شدید سے کیا گیا نام کرن ہی غلط ہے. ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آدم کہے جانے والے وہ بتاریفہ ہیں جو پیچھے رہ گئے ہیں. یہ اُن مانروں کے نشان ہیں جنہیں آریہ نہیں بنایا گیا تھا. یہ کہنا غلط ہے کہ وہ ایک 'میش جاتی' کی سنتان ہیں اور اس لئے انہیں سرتیلی ماں کے سے دلاور ہیرے برنار کی ضرورت ہے. دوسری اور اُنہیں 'جانبی چھیتروں' کے بازوں میں بند کر کے، ان کے ساتھ انبیاء کیا جا رہا ہے کیونکہ انہیں اپنے پڑوسوں کی سیرینا سیکنے کا موقع نہیں دیا جاتا. یہ رجحان ہوتا ہے کہ اُن میں سے جو عیسائی یا مسلمان بن جاتے ہیں انہیں اپنے پیترک - گرہ کو چھوڑنے کا موقع مل جاتا ہے' تھا شریعت ناموں اور دیش کے دنوں سے فائدہ اٹھانے کی سوبدھا بھی مل جاتی ہے.

ایسا معلوم ہوتا ہے اُتری امریکہ کی طرح یہاں بھارت میں بھی اسی طرح کی پرزائی کا دوبارہ کیا جا

دس اشرمبہ یکہ کئے تھے۔ دوسروں کو ان لیکوں میں 'وگنک' کہا گیا ہے جو پہلے دکنجن میں رہا کرتے تھے۔ یہ راجا اپنے آپ کو چھتریہ یا برہم - چھتریہ کہتے تھے تھا ان کے شاسن میں شیومت کا پرچار ہوا۔ اسی پرکار ہم دیکھتے ہیں کہ سات وگن سامراجیہ کے پتن کے بعد دکنجن میں 'کشمست' نام کی ایک دراوڑ جاتی شکتی شانی ہو گئی (دیکھو—دی - این - سرکار—سکسیس آف دی سات وگن، پرشہ 216)، تو اس مرتبہ کے مطابق دوسری ایسی ہی جاتیں (جنرل فستریکل کوارٹری—ستمبر 1940، پرشہ 566) ملتی ہیں۔ آج بھی ہم چیوٹا ناگپور میں ناگونی راجپوتوں کو پاتے ہیں، جو اپنا نکاس انہاسک نوناگ تھا گو وہشی راجپوتوں سے بتلاتے ہیں۔ ان کے سنگدہ پرکوں کی چٹایا ان کے ناموں اور ان کی پیدائش کی پرمرہ میں چٹبی ہے۔ آج بھی اسی پردیش میں آسیہ پوٹیاں تھا 'پومراج' جاتیں بھی اپنے آپ کو چھتریہ کہتی ہیں (دیکھو—رزلے—ڈرائس اینڈ کلسٹس آف بنگال)۔

برٹش راج میں

کینٹو اس प्रदेश میں برٹش راج کے ستھاپن ہونے ہی شدر جاتیوں کے وکاس اور ساماجک اترتی کا راسا رک گیا۔ وگن سंचर्ष کی वह कुदरती ताकत जो उन्हें आगे बढ़ा रही थी और जिसने उन्हें सामाजिक परम्परा में ऊंची जगह दिलाई थी، अब बेजान हो गई۔ आजकल उन्हें मध्य भारत की जंगली जातियाँ करार दे दिया गया है और उनके बारे में बहुत सी मनुष्य जाति-विज्ञान सम्बन्धी तथा सामाजिक कल्पनाएं गढ़ ली गई हैं। यह कहा जाता है कि वह हिन्दुओं के असर से दबी हुई हैं और उनकी जातियाँ खत्म होती जा रही हैं। इसलिये इन आदिम जातियों की, जिनका अपने पड़ोसियों से कोई तात्लुक नहीं है, जरूर हिकाजत की जानी चाहिये, इस कारन अब उन्हें वाडों में बन्द किया जा रहा है जिन्हें 'जाति-क्षेत्र (Tribal Area)' कहा जाता है, (छोटा नागपुर का कोल्हन जिला इसकी मिसाल है) जहां वह अपनी आजाद जिन्दगी बिता सकें। उनमें किसी वाहरी आदमी को घुसने नहीं दिया जाता था। बहुत से स्थानों में हिन्दू कार्यकर्ताओं को जाने नहीं दिया जाता था। दूसरी ओर, उनकी एक बहुत बड़ी तादाद पहले हिन्दू बन चुकी है और आज भी बन रही है, और उन्हें क्षत्रियों की पदवी हासिल है, जैसा कि प्रो० घूर ने भी साक्षी दी है (देखो—दि एवारजिनीज सो कार्ड, एण्ड देअर प्यूर)।

सरकार उनके साथ जिस प्रकार का व्यवहार करती है, उसके विशय में बहुत से वाद विवाद प्रचलित हैं। सन 1881 में भारत की मुदुमशुमारी के कमिस्तर मि० जे० बेन्स इन

दस اشومده یکہ کئے تھے۔ دوسروں کو ان لیکوں میں 'وگنک' کہا گیا ہے جو پہلے دکنجن میں رہا کرتے تھے۔ یہ راجا اپنے آپ کو چھتریہ یا برہم - چھتریہ کہتے تھے تھا ان کے شاسن میں شیومت کا پرچار ہوا۔ اسی پرکار ہم دیکھتے ہیں کہ سات وگن سامراجیہ کے پتن کے بعد دکنجن میں 'کشمست' نام کی ایک دراوڑ جاتی شکتی شانی ہو گئی (دیکھو—دی - این - سرکار—سکسیس آف دی سات وگن، پرشہ 216)، تو اس مرتبہ کے مطابق دوسری ایسی ہی جاتیں (جنرل فستریکل کوارٹری—ستمبر 1940، پرشہ 566) ملتی ہیں۔ آج بھی ہم چیوٹا ناگپور میں ناگونی راجپوتوں کو پاتے ہیں، جو اپنا نکاس انہاسک نوناگ تھا گو وہشی راجپوتوں سے بتلاتے ہیں۔ ان کے سنگدہ پرکوں کی چٹایا ان کے ناموں اور ان کی پیدائش کی پرمرہ میں چٹبی ہے۔ آج بھی اسی پردیش میں آسیہ پوٹیاں تھا 'پومراج' جاتیں بھی اپنے آپ کو چھتریہ کہتی ہیں (دیکھو—رزلے—ڈرائس اینڈ کلسٹس آف بنگال)۔

برٹش راج میں

کینٹو اس پردیش میں برٹش راج کے استھاپت ہوتے ہی شوہر جاتیوں کے وگن اور ساماجک اترتی کا راسا رک گیا۔ وگن سنگدہ کی وہ قدرتی طانت جو انہیں آگے بڑھا رہی تھی اور جس نے انہیں ساماجک پرمرہ میں اونچی جگہ دلائی تھی، اب بے جان ہو گئی۔ آجکل انہیں مدھیہ بھارت کی جنگلی جاتیں قرار دے دیا گیا ہے اور ان کے بارے میں بہت سی منشیہ جاتی - وگیاں سمبندھی تھیں ساماجک کاپٹائیں گزہ لی گئی ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں کے اثر سے دی ہوئی ہیں اور انکی جاتیاں ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ اس لئے ان آدم جاتیوں کی، جن کا اپنے پڑوسیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، ضرور حفاظت لی جانی چاہئے۔ اس کارن اب انہیں وگن میں بند کیا جا رہا ہے جنہیں 'جاتی-چھتریہ' (Tribal Area) کہا جاتا ہے (چھتریہ ناگپور کا کوہن ضلع اس کی مثال ہے) جہاں دے اپنی آزاد زندگی بنا سکیں۔ ان میں کسی بلوری آدمی کو گھسنے نہیں دیا جاتا تھا۔ بہت سے استھانوں میں ہندو کارپنکروٹوں کو جائے نہیں دیا جاتا تھا۔ دوسری اور ان کی ایک بہت بڑی تعداد پہلے ہندو بن چکی ہے اور آج بھی بن رہی ہے، اور انہیں چھتریوں کی پدوی حاصل ہے، جیسا کہ پروفیسر گورے نے بی ساجپی دی ہے (دیکھو—دی ایبارجینیج سیکانڈ اینڈ ڈیٹر فیوچر)۔

سرکار ان کے ساتھ جس پرکار کا دیوار کرتی ہے، اس کے وشے میں بہت سا دان - وراں پرچلت ہے۔ سن 1881 میں بھارت کی مردم شماری کے کمشنر مسٹر۔ جے۔ بیٹس این

कोटि को lift हासिल करना था. अगरचे इस समय में उनको ब्राह्मणों के समान कर्मकाण्ड के हक हासिल नहीं थे, फिर भी जाति के मुताबिक यह नियम बदलते रहते थे. बागही लोगों में भी ब्राह्मण हैं. बंगाल के बूनों और संथाल जातियों को भी ब्राह्मण पुरोहित-पुजारी मिलते हैं, और इसी तरह छोटा नागपुर के कुलीन कालों (होस) का भी! इससे आगे की तरक्की उन्हें मिलती है, जब कि उन्हें असन्-शूद्रों की कांति में मान लिया गया, और वे वर्णाश्रम-व्यवस्था में शामिल कर लिये गये. इस समय उनको ब्राह्मण-वर्ण के समान कर्मकाण्ड के हक हासिल हो गये. लेकिन इससे भी ज्यादा तरक्की उन्हें 'सन्-शूद्र' बन जाने पर मिली. इसके आगे की सीढ़ी तो फिर जाति की राजनैतिक और सामाजिक शक्ति के मुताबिक उनके क्षत्रिय या ब्राह्मण माने जाने पर सुनहसिर थी. कोई भी निश्चित विचारक इस बात से इन्कार नहीं कर सकता कि तरक्की का यह तरीका अनादि काल से हिन्दू समाज में चला आ रहा है. इस तरह हिन्दू-धर्म वर्णाश्रम समाज के बाहर से भी लोगों को कुदूल करता रहा है और मध्य भारत के जंगल तो प्राचीन समय से इस प्रकार के धर्म-परिवर्तन का स्थान रहे हैं. हिन्दू समाज के संकट काल में वे अन्त्यज और निम्न कोटि के शूद्र ही उसे बचाने के लिये आगे आये थे. जब यह लोग इस प्रकार शिखर पर पहुँच गये, तो कुदरतन उन्होंने ब्राह्मणों के सारे अन्धकार अपना लिये, और पुराहिनों ने महाकाव्यों से उनका वंशावली भी खोज निकाली. इस प्रकार हिन्दू समाज के 'चन्द्र वंशी' और 'सूर्य वंशी' क्षत्रिय राज्यों का इतिहास के मध्य-युग में निर्माण हुआ.

किन्तु बाहर के हमलों ने इस कुदरती तरक्की के तरीके में बाधा दी. शरीर-विज्ञान शास्त्री इवटसन ने जाटों तथा राजपूतों के रक्त-सम्बन्धों के बारे में कहा है कि पहले तो किसी कुटुम्ब या कबीले का सरदार अपने बाहुबल से या और किसी तरह से राजत्व के सिंहासन पर कब्जा करता था, और फिर उसके कुटुम्ब के लोग भी उसके साथ उस ऊँची श्रेणी में पहुँच जाते थे. लेकिन मुसलमानों के आक्रमणों के समय से राजत्व के इस तरीके में रुकावट हो गई (सिर्फ उत्तर भारत में ही). इसलिये और अधिक क्षत्रियों या राजपूतों का विकास नहीं हुआ. लेकिन मध्य और दक्षिणी भारत में हमें ऐसी बहुत सी जातियाँ मिलती हैं जिनकी पैदाइश संदिग्ध है और जिनमें अनार्य रक्त की मिलावट भी साफ है, जिन्होंने सातवाहनों के साम्राज्य के पतन के बाद राजत्व की सत्ता हासिल की. विश्णुपुराण में इस प्रदेश के नवनाग तथा विंध्यशक्ति कुलों का जिक्र है. उनमें से पहले का जिक्र एपीग्राफिक रेकार्ड्स में भी और शिलालेखों पर भी मिलता है, जिसमें उन्हें 'भारशिव' नाम दिया गया है, जिन्होंने गङ्गा की घाटी को जीत कर

कृत्ती को lift हासिल करना था. اگرچہ اس سے میں اُن کو براہمنوں کے سمان کرم کاڈ کے حق حاصل نہیں تھے، پھر بھی جاتی کے مطابق یہ نیام بدلتے رہتے تھے. باگھی لوگوں میں بھی براہمن تھیں. بنگال کے برہو اور سنگھال جاتیوں کو بھی براہمن پروہت— پنجابی ملتے تھے، اور اسی طرح چھوٹا ناگیور کے کلین گولوں (ہوس) کو بھی! اس سے آگے کی ترقی انہیں ملتی ہے، جبکہ انہیں اس وقت شہدوں کی کوئی میں مان لیا گیا، اور وہ درنا شرم دیوستیا میں شامل کر لئے گئے. اس سے اُن کو براہمن-ورن کے سمان کرم کاڈ کے حق حاصل ہو گئے. لیکن اس سے بھی زیادہ ترقی انہیں 'سنت-شودر' بن جانے پر ملی. اس کے آگے کی سیرجی تو پھر جاتی کی راج نینک اور سماجک شکتی کے مطابق اُن کے چوترب یا براہمن مانے جانے پر منحصر تھی. کوئی بھی نشوونگہ وچاک اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ترقی کا یہ طریقہ انڈی کال سے ہندو سماج میں چلا آ رہا ہے. اس طرح ہندو-ہندو سماج کے باہر سے بھی لوگوں کو قبول کرنا رہا ہے اور مدھیہ بھارت کے جنگل تو پراچین سے سے اس پرکار کے ہندو-پروہتوں کا استبان رہے تھیں. ہندو سماج کے سنگت کال میں وہ انتہیے اور ہمن کوئی کے شہدوں ہی سے ہجانے کے لئے آگے آئے تھے. جب یہ لوگ اس پرکار شہد پر پہنچ گئے، تو قدرتی آفتوں نے براہمنوں کے سارے آچار اپنا لئے اور پروہتوں نے مہاکاروں سے اُن کی ونشاپنی بھی کیچ نکالی. اس پرکار ہندو سماج کے 'چندر ونشی' اور 'سورب ونشی' چیتربہ راجیوں کا اُنہاس کے مدھیہ-یگ میں ارمین ہوا.

کتاب باہر کے حماسوں نے اس قدرتی ترقی کے طریقے میں باہمی دی. شہر-وگیاں شاستری اہت سن نے جاتوں دتیا راجپوتوں کے رکت سمبندھوں کے بارے میں کہا ہے کہ پہلے تو کسی قلمب یا قبیلے کا سردار اپنے باہنوں سے یا اور کسی طرح سے راجتو کے سانکلسن پر قبضہ کرنا تھا اور پھر اُس کے قلمب کے لوگ بھی اُس کے ساتھ اُس اور چچی شریفی میں پہنچ جاتے تھے. لیکن مسلمانوں کے آگرماتوں (حماسوں) کے سے سے راجتو کے اُس طریقے میں راکرت ہو گئی (صرف اُتر بھارت میں ہی). اس لئے اور ادھک چیتربوں یا راجپوتوں کا وکلس نہیں ہوا. لیکن مدھیہ اور دکن بھارت میں ہمیں ایسی بہت سی جاتیاں ملتیں تھیں جن کی پیدائش سنگت ہے اور جن میں انارہ رکت کی ملاوت بھی صاف ہے، جنہوں نے ساتواہنوں کے سامراجیہ کے پتن کے بعد راجتو کی سنا حاصل کی. وشنوبران میں اس پردش کے نوٹک تپا ونسقبہ شکتی کلس کا ذکر ہے. اُن میں سے پہلے کا ذکر ایپیکرامک راکلس میں بھی اور شیلالیکوں پر بھی ملتا ہے، جس میں انہیں 'بھارشو' نام دیا گیا ہے، جنہوں نے گنگا کی گھاٹی کو جیت کر

کھسکتا ہے۔ یہ سماجیہ وادی طاقتوں نتہا اینیوشک نیتی کی ہاں میں ہاں ملانے والا نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کا ایک خاص گروہ جو اپنے آپ کو پڑاچین قبائلوں کے آئندہ شوالوں اور جنگلی راجوں کے پنجے سے مکت کر کے نئے وٹاؤں اور نئی آئیڈینا سے اثر لینے میں سرفہرست ہو سکتا ہے۔ ان دوسرے گروہوں سے جو مانو جاتی کے آگے چلنے والے گروہ کے ساتھ قدم ملا کر چل نہیں سکتے ضرور ہی زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔ اسی سبب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ آدھک ترقی کر جاتے ہیں جب کہ باقی لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

جاتی یا کنبیوں کے بارے میں یہ ساধারণ मत बना لینے کے बाद ہمیں भारत کے इतिहास पर इसको परखना चाहिये۔ यह तो प्राचीन भारतीय साहित्य से अपने आप जाहिर है कि हमारे पूर्वज जानते थे कि अलग अलग तरह की संस्कृति के लोग देश में हैं। इसी कारण से याज्ञवल्क्य जैसे स्मृतिकारों ने राजाओं को जीती हुई जातियों के आचारों (देशाचार, लोकाचार) पर हमला करने की सलाह दी। इसी सूत्र का पकड़ कर शुक्र ने कहा कि मुकामी रीति रिवाजों का सम्मान करना चाहिये। जब कि उसके पहले गौतम जैसे स्मृतिकार ने यह भी कह दिया था कि मुकामी आचार (देश धर्म), कबीले अथवा जाति-गत आचार (जाति-धर्म) और कुटुम्ब के आचार (कुल धर्म) को प्रमान रूप में कबूल कर लेना चाहिये, यदि वे वेद-विरुद्ध न हों। (वैदिक रूट्स 9/20)।

इस तरह संस्कृति की कानून की पोथियों—स्मृतियों को देखते हुए हम इस नतीजे पर पहुँचते हैं कि ब्राह्मणों ने हमेशा मिलाने और संयोग (दूसरों को अपने में मिलाने) की नीति का पालन किया। वे अलग अलग वंश-गत गिरोहों के आचारों को जबरन नश्ट करने के हक में नहीं थे। इसका नतीजा यह हुआ कि हिन्दुओं के आचारों में अलहदगी बनी रही, जो आज भी एक प्रान्त से दूसरे प्रान्त में जाने पर मितती है। इसी सूत्र के आधार को लेकर, स्मृतियों तथा शास्त्रों ने 'वर्णाश्रम-धर्म' के सुताविक्र समाज का चार वर्णों में बांटा तथा 'अन्यज'ों को बाहर ही रहने दिया। यही मेदस (Medes or Made's) या मेदास (मनु और यम संहिता) तथा भील (Bhillas) (ब्रह्म वैवर्त पुराण) हैं। इस तरह वह लोग आज के आदिम निवासियों से भी अपरिचित नहीं थे। शास्त्रों के सुताविक्र सामाजिक परम्परा का सिलसिला इस प्रकार है—द्विज, सन्-शूद्र, असन्-शूद्र, अन्यज। हिन्दू समाज के इस निरन्तर विकास की छान बोन करने पर हमें मालूम होता है कि हिन्दू समाज में अन्यजों को जो पहली तरक्की हासिल हुई, वह उनका 'असन्' शूद्रों की सब से नीची

فیصلہ ہے۔ یہ سامراجیہ وادی طاقتوں نتہا اینیوشک نیتی کی ہاں میں ہاں ملانے والا نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کا ایک خاص گروہ جو اپنے آپ کو پڑاچین قبائلوں کے آئندہ شوالوں اور جنگلی راجوں کے پنجے سے مکت کر کے نئے وٹاؤں اور نئی آئیڈینا سے اثر لینے میں سرفہرست ہو سکتا ہے۔ ان دوسرے گروہوں سے جو مانو جاتی کے آگے چلنے والے گروہ کے ساتھ قدم ملا کر چل نہیں سکتے ضرور ہی زیادہ ترقی کر جاتا ہے۔ اسی سبب سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ آدھک ترقی کر جاتے ہیں جب کہ باقی لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں۔

جاتی یا قبیلوں کے بارے میں یہ سامان مت بنا لینے کے بعد ہمیں بھارت کے انہاس پر اس کو پرکھنا چاہئے۔ یہ تو پڑاچین بھارتیہ سلطنت سے اپنے آپ ظاہر ہے کہ ہمارے پوج جانتے تھے کہ الگ الگ طرح کی سنسکرتی کے لوگ دیس میں ہیں۔ اسی کارن سے بایکے واک جیسے اسمرتکاروں نے راجوں کو جیتی سوتی جاتیوں کے آچاروں (دیشاچار، لوکاچار) پر حملہ کرنے کی صلاح دی۔ اسی سوت کو پکڑ کر شکر نے کہا کہ مقامی ریتی راجوں کا سمان کرنا چاہئے۔ جب کہ اس کے پہلے گوتم جیسے اسمرتکار نے یہ بی کہدیا تھا کہ مقامی آچار (دیش دھرم) قبیلے آڑوا جاتی - گت آچار (جاتی - دھرم) اور کتمب کے آچار (کل دھرم) کو پرمان روپ میں قبول کر لینا چاہئے، ددی وہ وند ورنہ نہ ہوں۔ (ویدک روٹس 9/20)۔

اس طرح سنسکرتی کی قانون کی پوٹوں—اسمرفیوں کو دیکھتے ہوئے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ براہمنوں نے ہمیشہ ملاوت اور سنپوگ (دوسروں کو اپنے میں ملانے) کی نیتی کا پالن کیا۔ وہ الگ الگ دتس گت گروہوں کے آچاروں کو جبرن نشست کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غندوں کے آچاروں میں غلیبندگی بنی رہی، جو آج ہی ایک پرائنٹ سے دوسرے پرائنٹ میں چلے رہے ہیں۔ اسی سوت کے آثار کو لے کر 'اسمرفیوں نتہا شاستروں نے 'ورناشرم دھرم' کے مطابق سماج کو چار رتوں میں بانٹا تھا انتیجیوں، نو باغر می وغنے دیا۔ یہی میدس (Medes or Made's) یا میداس (منو اور یم سہنیتا) تھا بھیل (Bhillas) (بھوم وورت پڑان) ہیں۔ اس طرح وہ لوگ آج کے آدم نواسروں سے بھی ابرجت نہیں تھے۔ شاستروں کے مطابق سہلچک پرمہرا کا سلسلہ اس پرکار ہے—دوج، ست - شدر، است شدر، انتیج۔ غندو سماج کے اس نرنتر وکس کی چپان بین کرنے پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ غندو سماج میں انتیجیوں کو جو پہلی ترقی حاصل ہوئی، وہ ان کا 'است' شدروں کی سب سے نیچی

ایسے دماغی شرآ - کھنڈر ھیں جو، ایسا ظاہر ھوتا ھے کہ انہیں اگر قدرت نے سب کے لئے کچھ خاصیتوں سے سمیں کیا تھا، پھر بھی کرتیم روپ سے دباؤ ڈالکر اُن سے دوسرے کلم بھی لئے جاسکتے ھیں۔ اس سے ہم نے یہ سدھ کر دیا کہ کوئی بھی ایسی بالکل نہ بدلنے والی شرآ - شکلیں نہیں ھیں، اور دے صرف سمبندھ کرم سے ہی استور ھیں۔ یہ منورنچک بات ھے کہ برسوں کی مہنویوں کھوج کے یہ نتیجے ایک نرواست جرمیں پروفسر ایچین دلورا اس جانی - سدھانت کی کھوکھلی ستکا کے دکھارے کے لئے لکھی ھوئی ایک پستک میں اکتبا ھیں۔

("ماسکو نیوز" جون 4، 1943)۔ اس کھوج نے منشیہ کی بھارت میں وائورن کے پھٹاؤ پر زور دیا ھے۔ برلن یونیورسٹی کے منشیہ جانی - وگیان کے سورگیہ (مرحوم) پروفسر وان لوشین نے بھی اس بات پر زور دیا تھا کہ وائورن ہی جانی کو تھالتا ھے۔ امریکن سماج - وگیان کے پتا پروفسر لیسترفارڈ نے کہا ھے کہ دنیا کے نظریہ میں ھونے والی تبدیلی ایک جانی کو ہی بدل دیتی ھے (دیکھو - ایلنڈ شوشیلاجی)۔ اس سب کا مطالبہ ھے کہ ایک خاص گروہ یعنی "جانی" اگر اسے وستوں کے نئے مان دئے جائیں اور اس کے جیوں سمبندھی وچاروں میں تبدیلی کردی جائے، تو وہ اپنے آپ کو بدل دیتی ھے۔ دوسرے شدوں میں: یوں کہنے کے، کسی جانی کے منہ گیان کو بدلا جاسکتا ھے۔ انہوں نے اس بات کی بار بار سانشی دی ھے۔ اس طرح کی سب سے ائم تبدیلی آجکل یورپ اور ایشیا کے سویت یونین کی جانیوں میں ھو رہی ھے۔

ایس لئے یہ صاف ھے کہ منشیوں کے ایک خاص گروہ میں جسے جانی کے نام سے پکارا جاتا ھے، کوئی آپورتیں شیل پرہگت وشیشتائیں نہیں ھوتیں۔ "جانی" کی پڑی پھاشا اس پرکار کی جاسکتی ھے کہ "مانوں کا وہ خاص گروہ جو ایک ہی پرکار کے بننا سمبندھی ترانسسکریٹک بندھنوں سے بندھا ھے، یعنی ایک خاندانی اگٹی ھے۔ گروہ کے بھنڈر بیلے ہی الگ الگ (Biotypes) یعنی جانیہ خاصیتیں ھرسکتی ھیں۔ منش کرم سے پڑی طرح سے وشدہ اورن کا کوئی گروہ، یعنی جس میں ایک ہی پرکار کا رگت مشرن (Biotype) ھو، اس انساننی دنیا میں مشکل ھے۔

انتر جانیہ سمبندھوں کا طریقہ

انترجاتیاتی سمبندھوں کا तरीکڑا

آجکل کے سروریت کے منش - وگیان - شاستری کہتے ھیں کہ موجودہ جانیوں (یعنی مانو گروہ) پڑاچیں قبیلوں کے آپسی انتر جانیہ سمبندھوں خون کی ملاوت تھا آپسی سانسکریٹک اثروں سے بنی ھیں۔ انہوں نے صاف کہا ھے کہ کوئی ہی جانی "آونچی" یا "نچی" نہیں ھے۔ ("ماسکو نیوز" 1944 - جنوری 12)۔ یہ نشپکش وگیان کا

آجکل کے سوویت کے ونا-بھان-شاخکی کہتے ھیں کہ انترجاتیاتی سمبندھوں کا طریقہ انترجاتیاتی سمبندھوں کا طریقہ انترجاتیاتی سمبندھوں کا طریقہ انترجاتیاتی سمبندھوں کا طریقہ

بھارت پر اثر

اب ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ان سامراجیہ وادی وچار - دھاروں کا بھارت پر کیا اثر پڑا۔ ہم اپنا اُنہاس، سماج - وگیان اور منشیہ - جاتی - وگیان سب کچھ انگریز ویکانیوں کی آنکھوں سے دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ ہمیں یہ ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ ”ویدک کال کے لوگ گوری جاتیوں کی ایک شاخ تھے جو اُس گرم مہادیپ میں کہیں دور سے آئے تھے۔ آجکل ہم کو سکھایا جا رہا ہے کہ ویدوں کا یہ گوری جاتی، آدنی یورپ کی نارڈک جاتی یا دوسری کسی ٹھنڈے پرندیش میں نولس کرنے والی جاتی تھی۔ پھر ہمیں یہ ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم پرلچین بھارت کے یوریشین (ورن سنکر جاتی) ہیں - جس کا جنم نارڈک جاتی تھا بھارت کی کالی جاتیوں کے ملاوت سے ہوا ہے۔ نارڈک لوگوں کے عٹوہ، اِس کے پہل سرورپ، آج کے ہارنیوں کے ماترونش سے سمبندھ رکھنے والے نیکرو لوگوں کی کھوج سارے بھارت میں کی جا رہی ہے۔ سامراجیہ وادی اور اُن کے ایجنٹ وگیان کا ملمع چڑھا کر ان باتوں کو کہتے ہیں، اور ہم حیران ہو کر ”تھیک ہے“ کہہ دیتے ہیں۔

اِس طرح ہمارے پوروجوں نے اپنے لئے جو کچھ کہا ہے اُس کو ہمارے دماغ سے اُکار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بچپن سے ہی ہمیں ویکانگ سنہ کے اِس زمر کو پینے اور پینچنے پر مجبور کیا جاتا ہے، اور آج کچھ پیڑھیاں بیٹے ہی ہم انہیں بھارت کے سامراج اُنہاس کی ٹیک شروعات مان بیٹھے ہیں۔ لیکن موجودہ زمانے میں کچھ وردی سر بی سفاکی پڑ رہے ہیں۔ کچھ لوگ ویدک آدنیوں کے اِس نارڈک مول کی طرف سندھپ کرنے لگے ہیں؛ وہ گرجر - پرتی ہاروں کا مول خضر توڑیں کو راجوت تھا؛ جاتوں کا مول سوں کو تنہا سندھ گہائی کی سپہتا کے مول کو آویدک ماننے میں سکوچ کرنے لگے ہیں۔

جاتی گت وشدنتا

جاتی گت وشدنتا

دوسری اور خود یورپ کے ودوان آج ویکانک جاتیوں کی جاتم وشدنتا میں سندھپ کرنے لگے ہیں۔ پھر وہ نیا سدھانت، کہ (Glandular Secretion) گرنٹو - رس کوہیزی کی غدیوں کی بناوت پر اثر ڈالتے ہیں، منشیہ - شریر وگیان کی پرم پراگت مانیٹا کو چنوتی دے رہا ہے تنہا آخری طور پر لیٹن گراڈ کے ہالوو انسٹریگٹ کے ویکانکوں نے شریر کی دھمنیوں اور شرالجال کی خاصیت (ارتوات اپنے کو موقع کے مطابق دھال لینے کی طانت) سمبندھ برسوں کی کھوج کے بل پر ایسے نیکچے نکالے ہیں، جن کے بارے میں شریر - وگیان کے آچارہ پروفیسر پیڑ اُنکوں کا کہنا ہے کہ— ”اِس سوال پر کھوج کرنے سے ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ کچھ

دوسری اور خود یورپ کے ودوان آج ویکانک جاتیوں کی جاتم وشدنتا میں سندھپ کرنے لگے ہیں۔ پھر وہ نیا سدھانت، کہ (Glandular Secretion) گرنٹو - رس کوہیزی کی غدیوں کی بناوت پر اثر ڈالتے ہیں، منشیہ - شریر وگیان کی پرم پراگت مانیٹا کو چنوتی دے رہا ہے تنہا آخری طور پر لیٹن گراڈ کے ہالوو انسٹریگٹ کے ویکانکوں نے شریر کی دھمنیوں اور شرالجال کی خاصیت (ارتوات اپنے کو موقع کے مطابق دھال لینے کی طانت) سمبندھ برسوں کی کھوج کے بل پر ایسے نیکچے نکالے ہیں، جن کے بارے میں شریر - وگیان کے آچارہ پروفیسر پیڑ اُنکوں کا کہنا ہے کہ— ”اِس سوال پر کھوج کرنے سے ہمیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ کچھ

भाषा-विभागों में बंटते ही, यूरोप की जातियाँ अलग अलग राष्ट्रों के रूप में दिखाई देने लगीं, फ्रान्स की राज्य-क्रान्ति ने तो यूरोप की सामन्तशाही सभ्यता के ककरन में आखरी कील का काम किया, इस महान क्रान्ति के नारे थे मानव की साननता और आजादी, जाति, धर्म और वर्ग का कोई भेद इसमें माना नहीं गया, फ्रान्स की राज्य क्रान्ति का असर समूचे यूरोप पर पड़ा, और उन्नीसवीं सदी के राष्ट्रीय यूरोप का उदय उसी का नतीजा था, लेकिन उन्नीसवीं सदी के शुरू से ही कुछ देश अपने महाद्वीप के बाहर नवावादियाँ बनाने लग गये थे, इस युग के पहले भी हालैन्ड, इंगलैन्ड तथा फ्रान्स ने अमरीका, एशिया तथा दूसरे स्थानों में उपनिवेश बनाये थे, लेकिन वे गोलैन्ड के युद्धों के बाद तो आर्थिक जरूरतों ने यूरोप के देशों के पूँजीवादी वर्ग में यह भूमि की भूख तेजी से जगादी और दूसरी औद्योगिक क्रान्ति के बाद उद्योगवाद के उदय के साथ, ता उस महाद्वीप की, आर्थिक तुलने नज़र से उन्नत जातियों में, उपनिवेशों के लिये छीना झपटी और खींचावानी शुरू हो गई.

इस औद्योगिक पूँजीवादी श्रेणी के उसूलों ने यूरोपीय चेतना का नज़रिया ही बदल दिया, वह परिचयी यूरोप, जो अब तक मानव जाति की आजादी के लिये क्रान्तियों का घर था, उसकी विचार धारा पूँजीवाद से प्रभावित होकर साम्राज्यवाद से जकड़ गई, इस प्रकार औपनिवेशिक साम्राज्यों के उदय के साथ, इस औपनिवेशिक साम्राज्यवाद की जरूरतों का पूरा करने के लिये नये विचारों की परम्पराएं गढ़ी गईं, इन नई राजनैतिक तथा सामाजिक विचार धाराओं का मूल-मन्त्र था 'क्रौम' का सवाल, अब लोगों की पहचान उनके चमड़े, बालों, आँखों, रंग, सिर तथा नाक की बनावट से की जाने लगी, इसका नतीजा यह हुआ कि कुछ जातियों ऊँची मान ली गई तथा कुछ हीन और पिछड़ी हुई करार दे दी गईं, इसके अलावा उपनिवेशों के पराधीन लोगों का सदा काबू में रखने के लिये और बहुत से सिद्धान्त गढ़े जाने लगे, जैसे "क्रौमी कावलयत" "गोरी जातियों का बोम्ब", "जाति की परम्परागत पूँजी" वगैरा.

उन्नीसवीं सदी का आखरी हिस्सा इसी तरह के साम्राज्य-वादी हथियारों के प्रचार का काल था, जो वैज्ञानिक सच्चाइयों की शक्ल में हमारे सामने रखे जाते थे, आखरी में, हेगेल का यह विचार कि जर्मन जाति ही इनसानों में सबसे ऊँची है, मोर्चे पर लाया गया, इस सिद्धान्त के मुताबिक जर्मन जाति, यानी प्राचीन ट्यूटोनिक (Teutonic) की औलाद ही, प्राचीन आर्यों के उत्तराधिकारी और मानव जाति में सब से ऊँचे थे, इस 'जर्मनवाद' ने ही बाद में 'नारडिकवाद' का रूप लिया, जिसने बाद में 'हेरेनवालर'—अर्थात् स्वामी-जाति-सिद्धान्त का जामा पहना है.

बिशा-विभागों में बंटते ही, यूरोप की जातियाँ अलग अलग राष्ट्रों के रूप में दिखाई देने लगीं, फ्रान्स की राज्य-क्रान्ति ने तो यूरोप की सामन्तशाही सभ्यता के ककरन में आखरी कील का काम किया, इस महान क्रान्ति के नारे थे मानव की साननता और आजादी, जाति, धर्म और वर्ग का कोई भेद इसमें माना नहीं गया, फ्रान्स की राज्य क्रान्ति का असर समूचे यूरोप पर पड़ा, और उन्नीसवीं सदी के राष्ट्रीय यूरोप का उदय उसी का नतीजा था, लेकिन उन्नीसवीं सदी के शुरू से ही कुछ देश अपने महाद्वीप के बाहर नवावादियाँ बनाने लग गये थे, इस युग के पहले भी हालैन्ड, इंगलैन्ड तथा फ्रान्स ने अमरीका, एशिया तथा दूसरे स्थानों में उपनिवेश बनाये थे, लेकिन वे गोलैन्ड के युद्धों के बाद तो आर्थिक जरूरतों ने यूरोप के देशों के पूँजीवादी वर्ग में यह भूमि की भूख तेजी से जगादी और दूसरी औद्योगिक क्रान्ति के बाद उद्योगवाद के उदय के साथ, ता उस महाद्वीप की, आर्थिक तुलने नज़र से उन्नत जातियों में, उपनिवेशों के लिये छीना झपटी और खींचावानी शुरू हो गई.

इस औद्योगिक पूँजीवादी श्रेणी के उसूलों ने यूरोपीय चेतना का नज़रिया ही बदल दिया, वह परिचयी यूरोप, जो अब तक मानव जाति की आजादी के लिये क्रान्तियों का घर था, उसकी विचार धारा पूँजीवाद से प्रभावित होकर साम्राज्यवाद से जकड़ गई, इस प्रकार औपनिवेशिक साम्राज्यों के उदय के साथ, इस औपनिवेशिक साम्राज्यवाद की जरूरतों का पूरा करने के लिये नये विचारों की परम्पराएं गढ़ी गईं, इन नई राजनैतिक तथा सामाजिक विचार धाराओं का मूल-मन्त्र था 'क्रौम' का सवाल, अब लोगों की पहचान उनके चमड़े, बालों, आँखों, रंग, सिर तथा नाक की बनावट से की जाने लगी, इसका नतीजा यह हुआ कि कुछ जातियों ऊँची मान ली गई तथा कुछ हीन और पिछड़ी हुई करार दे दी गईं, इसके अलावा उपनिवेशों के पराधीन लोगों का सदा काबू में रखने के लिये और बहुत से सिद्धान्त गढ़े जाने लगे, जैसे "क्रौमी कावलयत" "गोरी जातियों का बोम्ब", "जाति की परम्परागत पूँजी" वगैरा.

उन्नीसवीं सदी का आखरी हिस्सा इसी तरह के साम्राज्य-वादी हथियारों के प्रचार का काल था, जो वैज्ञानिक सच्चाइयों की शक्ल में हमारे सामने रखे जाते थे, आखरी में, हेगेल का यह विचार कि जर्मन जाति ही इनसानों में सबसे ऊँची है, मोर्चे पर लाया गया, इस सिद्धान्त के मुताबिक जर्मन जाति, यानी प्राचीन ट्यूटोनिक (Teutonic) की औलाद ही, प्राचीन आर्यों के उत्तराधिकारी और मानव जाति में सब से ऊँचे थे, इस 'जर्मनवाद' ने ही बाद में 'नारडिकवाद' का रूप लिया, जिसने बाद में 'हेरेनवालर'—अर्थात् स्वामी-जाति-सिद्धान्त का जामा पहना है.

ڈاکٹر بھوپندرناث دت

ڈاکٹر بھوپندرناث دت

انسانی نسلوں کی سائنس سے پتا چلتا ہے کہ آدم مانو جانیوں کو جب اپنے قبیلے کے باہر کے آنتجان آدمیوں سے کام پڑتا تھا تو ان کو ان آدمیوں کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتے کی ضرورت ہوتی تھی کہ وہ ان کے اپنے قبیلے کا ہے یا نہیں۔

اسی سماجی تھا منوکیانک خیال نے پراچین ہندوؤں کو اپنے قومی سماج کو دوسروں سے علیحدہ کرنے کے لئے اپنے کو 'آریہ' نام سے ظاہر کرنے کا دھار دیا۔ پراچین پارسی لوگوں نے بھی اپنے تہا ایران کے باہر رہنے والے دوسرے لوگوں کے بیچ اسی طرح کا ایک انٹر رکھا اور انہیں 'دالہ' (Dahal) اور 'ساکل' (Sacal) نام سے پکارا۔ اسی طرح پراچین یہودیوں نے اپنے آپ کو اپنے فرقے یا سماج سے باہر والے لوگوں سے جو 'جینٹائلز' (Gentiles) کے نام سے پکارے جاتے تھے، اگ رکھا۔ اور اسی دھنگ سے پراچین گریک - نولسوں میں ہیلین کے خاندان والے اپنے کو 'تھیلیڈز' اور دوسروں کو 'بربر' (Barbarians) کہتے تھے۔

کسی اجنبی کو اپنے فرقے سے باہر سمجھنے کی یہ پہاڑنا آج تک موجود ہے؛ اور اس میں سندھ نہیں کہ ان کی زیادہ تر مصیبتوں کا سبب یہی اپنے سمولانے کے باہر کے لوگوں کو اجنبی سمجھنے کی پہاڑنا ہے۔

اسی پہاڑنا کے سبب پرانے دھرموں کے ایک الگ قومی آدگار بن گئے تھے۔ صرف اس گل میں جائز جب کہ سنسار میں بودھ، عیسائی تھا اسلام جسے سارویوم دھرموں کا جنم ہوا، تب ان کی سب کو ملانے اور آتمسات کرنے کی طاقت ہی ان کے ہیتموں یا پھرکاروں کی اس 'میرے' - 'تیرے' کی پہاڑنا کو کچھ سیما تک کم کر سکی۔ اس طرح کی چنتا - دھار کے پھل سرورپ دھرم قومیت کا آدگار بن گیا۔ اس نے لوگوں کو دوسروں کو اپنا بھائی ماننا سکھایا، لیکن صرف اسی دشا میں جب کہ وہ ایک ہی دھرم کے ماننے والے ہوں۔ پچھیمی ایشیا میں یہ پہاڑنا اب تک موجود ہے، اور کچھ حد تک یورپی یورپ میں بھی۔ ایک دھرم کے ذریعہ ایکٹا کی اس پہاڑنا کو لیکر منجیلے زمانے میں اور آج بھی یدھ اور قتل عام ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

دلشتر

لیکن یورپین سنسکرتی کے نئے جنم اور کرانتی کے یگ کے ساتھ، تہا جاتیوں کے مختلف راجیوں اور

لیکن یورپین سنسکرتی کے نئے جنم اور کرانتی کے یگ کے ساتھ، تہا جاتیوں کے مختلف راجیوں اور

सरमद का तीसरा अङ्गीदा यह था कि इस सर्वोच्च धर्म तक पहुँचने के लिये रूढ़ियों और परम्पराओं के बन्धनों को तोड़ना जरूरी है जो इनसान को अपने सड़े गले मजहबों से बांध रखती हैं और इसीलिये वे कहते हैं—

तर्क करदम चाराहाए जुमला अज मावाए खेश
नूरे हक रा दीदाअब अज जेर ता बालाए खेश
गर तु भी ख्वाही चुनी हमशां जुदा अज जाए खुद
ता बबीनी मजहरे हक जुम्ला सर ता पाए खेश
यानी—

“मैं सब रुद्धियों के साथ अपने सम्बन्ध का त्याग करता हूँ;
मैं अपने सर से पैर तक सत्य की रोशनी को देख रहा हूँ;
अगर तू मेरी ही तरह हो जाना चाहता है तो अपनी जगद्
छाड़ दे;
ताकि तू सत्य के ज़हर को मेरी ही तरह देख सके।”

सरमद का चौथी अक्कीदा यह था कि पैगम्बरों, अवतारों, और सब धर्मों के संस्थापकों के लिये उनके दिल में एकसां इज्जत थी. उन्होंने कृष्ण और मोहम्मद, राम और लक्ष्मन की एकसां तारीफ़ के गीत गये हैं, क्योंकि इन महापुरुषों ने एक ही सच्चाई का प्रचार किया है. सत्य एक ही है और च वह अलग अलग नाम रूपों में जाहार हुआ है. वे दांगी मुस्लाओं, पुराहितों, पांडितों और उपाध्यायों के खिलाफ़ थे जा जनता की धार्मिक भावनाओं से बेजा कायदा उठाते हैं. इनके बारे में सरमद कहते हैं—

यारां चे क्रदर राहे दोरंगी दारन्द
 मसहफ़ ब बगल दीने फिरंगी दारन्द
 पैवस्ता बहम चो माहरहाए शतरंज
 दरदिलहम किक्र खाना जंगी दारन्द

यानी—

“यार लोग किस कदर दोरंगी चाल चलते हैं! बगल में कुरान है और मजहब फिरंगियों का है! हमेशा शतरंज के मोहरों की तरह ये लागों को लड़ाने की तरकीबें सोचते रहते हैं।”

सरमद आने वाले ज़माने को देख सकते थे, उस समय का भारत उनकी शिक्षा पर चलने में लाचार था और शायद आज का भारत भी उनकी शिक्षा पर चलने में मजबूर है, लेकिन मज़हब इन्सानियत यानी प्रेम धर्म के जिन उसूलों का सरमद पेलान कर गये हैं उन उसूलों की पाक त्रिवेनी में आज स्नान करके ही इन्सानी दुनिया का निजात मिल सकती है।

سرمد کا تیسرا عقیدہ یہ تھا یہ اس سروجِ دہرم تک پہنچنے کے لئے روزیوں اور پرمہاؤں کے بندھنوں کو توڑنا ضروری ہے جو انسان کو اپنے سڑے گلے مذہبوں سے باندھ رکھتی ہیں اور اس لئے دے کہتے ہیں۔

ترک کردم چارہ ہائے جملہ از ماوانے خویش
سور حق را دیدہ ام از زیرتا بائے خویش
گر تو می خواہی چنین ہم شان جدا از جائے خود
تابہ بینی مظاہر حق جملہ سرنا بائے خویش

یعنی —

”میں روزیوں کے ساتھ اپنے سمبندہ کا تیاگ کرنا ہوں،
میں اپنے سر سے پیر تک مٹیہ کی روشنی کو دیکھ رہا ہوں،
اگر تو میری ہی طرح ہونا چاہتا ہے تو اپنی جگہ چھوڑ دے،
ناک تو ستیہ کے ظاہر کو میری ہی طرح دیکھ سکے۔“

سرمد کا چہنچہا تنیدہ بہ نیا کہ سب دھیمروں، اوتاروں اور سب دھرموں کے سنسپاہیوں کے لئے ان کے دل میں یکساں عزت تھی۔ انھوں نے کرشن اور محمد، رام اور لچھمن کی یکساں تعریف کے کیمت لئے ہیں۔ دیونئے ان مہاروشوں نے ایک ہی سچائی کا پرچار کیا ہے۔ ستیہ ایک ہی ہے اگرچہ وہ الگ الگ نام روپوں میں ظاہر ہوا ہے۔ وہ دیونگی ملاں پروھتوں، پنڈتوں اور ایدھیان کے خلاف تھے جو جنتا کی دھارمک پیرائناں سے بیچنا خاندا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں سرمد کہتے ہیں۔

يارلڻ ۽ قدر راه دورنگي ڏارند
مصحف به بعل دين فرامي ڏارند
پيوسته بهم ڇو مهرمانه شطرنج
در دلوم فخر حانه چمڪي ڏارند

یعنی —

”یار لوگ کس قدر دو رنگی چال چلتے ہیں! بغل میں قربان ہے اور مذہب فرنگیوں کا ہے! ہمیشہ شکارنچ کے مہروں کی طرح یہ لوگوں کو لالچ کی ترکیبیں سوچتے رہتے ہیں۔“

سرمد اُنے والے زمانے کو دیکھ سکتے تھے۔ اُس سے کائنات
 اُن کی شہنشاہی پر چلنے میں لاچار تھا اور شاید آج کائنات بھی
 اُن ہی شہنشاہی پر چلنے میں مجبور ہے لیکن مذہب انسانیت
 یعنی پریم دھرم کے جن اصولوں کا سرمد اٹھ کر کھڑے
 اُن اصولوں کی پاک تردینی میں آج انسان کرکے انسانی
 دنیا کو نہایت مل گیا ہے۔

ہمہوارا چیرا در پئے آو می گردی
سرمد اگر او خداست خود می آید

یانی—

“اے سرمد! اگر اس میں وہا ہے تو وہ خرد آئے گا،
اور اگر اس کا آنا منسلب ہے تو وہ خرد آئے گا،
نم رات دن اُسے کھوجتے کیوں بھٹکتے پھرتے ہو؟
اے سرمد! اگر وہ خدا ہے تو خود آئے گا۔“

سرمد کی اس اوپر کی رباعی میں تمام دھرم مذہبوں کا
سار نیچوڑ کر اکٹھا ہو گیا ہے۔ ہندو دھرم کا وشواس ہے کہ یکت
کے اشارے پر بہرمان جیتے ہیں، یہی اسلام کی رسپرٹ ہے اور
عیسائی دھرم کی ایسی بیڑنا کو مشہور انگریز رییسولڈی کو
نامسن نے اپنی پستک “Hound of Heaven” میں
ظاہر کیا ہے۔ اپنے اندر ہی خدا کے نر کو دیکھنا سب سے اونچا
مذہب ہے۔

سرمد اصولی آدمی تھے۔ وہ سچے اربوں میں سرودھرم
سمیادی تھے۔ اگر دھرم اونچی بیڑناؤں کا نام ہے تو وہ سر سے
پیر تک دھارمک تھے۔ ادب کی طرح وہ حکمت عمل نہیں
جانتے تھے۔ اُن کی کششوں کی قیمت متعین اداسک نہیں
ہے۔ اُن کی قیمت انصافنیک (اخلاقی) ہے اور بیارت کے
فرفہ پرستی کے سوال کے حل کرنے میں اُن کے دھارمک
سدھانتوں کا آج بھی سہلنا پڑووک آپرگ شو سکتا ہے۔ اس
نقطہ نظر سے اُن کے یہ دو سدھانت بہت مہتو پورن ہے—

(1) اُن کی دھارمک آداریا پتھوں اور فرفوں کے جھکڑوں
سے اوپر اُتکر سبھی دھرموں میں ایک سمان سچائی کے دشن
کرتی ہے۔ سرمد “ایک سوتھی اپنے کو آتش پرست، یہودی،
عیسائی، بت پرست اور مسلمان دیتے تھے۔“ انھوں نے سبھی
دھرموں کی مولک سچائی کو دیکھ لیا تھا۔

(2) انھیں سب دھرم مذہبوں کی ایکٹا میں وشواس
تھا۔ انھیں ابشور کی ایکٹا میں وشواس تھا اور وہ سب دھرموں
میں اُسی ایک ابشور کا ظہور دیکھتے تھے۔

دھرموں کے گورک دھندھے کی چھان بین کرتے ہوئے سرمد
کہتے ہیں—

عاشق و عشق بت و بت گر و عیارے کیت
کعبہ و دیر و مسجد ہمہجا تاریکیست
گر در آئی بہ چمن وحدت بکرنکی دیں
غورکن عاشق و معشوق و گل و خار یکریست

یعنی—

”پریتم اور پریم، موتی اور موتی گزفنے والا کون ہے؟
کعبہ، بت خانہ اور مسجد سب جگہ اندھیرا ہے!

اگر تو خدائی ایکٹا کے چمن میں آ کر دیکھے،
تو نوپنے گا کہ پریتم اور پریتما، پھول اور کالبے سب ایک ہی ہیں۔

نیا ہند

ہمہوارا چیرا در پئے آو می گردی
سرمد اگر او خداست خود می آید

یانی—

“اے سرمد! اگر اس میں وہا ہے تو وہ خرد آئے گا،
اور اگر اس کا آنا منسلب ہے تو وہ خرد آئے گا،
نم رات دن اُسے کھوجتے کیوں بھٹکتے پھرتے ہو؟
اے سرمد! اگر وہ خدا ہے تو خود آئے گا۔“

سرمد کی اس اوپر کی رباعی میں تمام دھرم مذہبوں کا
سار نیچوڑ کر اکٹھا ہو گیا ہے۔ ہندو دھرم کا وشواس ہے کہ یکت
کے اشارے پر بہرمان جیتے ہیں، یہی اسلام کی رسپرٹ ہے اور
عیسائی دھرم کی ایسی بیڑنا کو مشہور انگریز رییسولڈی کو
نامسن نے اپنی پستک “Hound of Heaven” میں
ظاہر کیا ہے۔ اپنے اندر ہی خدا کے نر کو دیکھنا سب سے اونچا
مذہب ہے۔

سرمد उसली आदमी थे. वे सच्चे अर्थों में सर्वधर्म
समभावी थे. अगर धर्म ऊंची भावनाओं का नाम है तो
वे सर से पैर तक धार्मिक थे. अकबर की तरह वे हिकमते अमल
नहीं जानते थे. उनकी कोशिशों की कीमत महज़ ऐतिहासिक
नहीं है. उनकी कीमत आध्यात्मिक (इखलाकी) है और
भारत के किरकापरस्ती के सवाल के हल करने में उनके
धार्मिक सिद्धान्तों का आज भी सफलतापूर्वक उपयोग हो
सकता है. इस नुस्ते नज़र से उनके यह दो सिद्धान्त बहुत
महत्वपूर्ण हैं.

(1) उनकी धार्मिक उदारता पन्थों और किरकों के
भगड़ों से ऊपर उठकर सभी धर्मों में एक समान सच्चाई
के दर्शन करती है. सरمد “एक साथ ही अपने को आतिरा-
परस्त, यहूदी, ईसाई, बुतपरस्त और मुसलमान कहते थे.”
उन्होंने सभी धर्मों की मौलिक सच्चाई को देख लिया था.

(2) उन्हें सब धर्म महव्यों की एकता में विश्वास
था. उन्हें ईश्वर की एकता में विश्वास था और वे सब धर्मों
में उसी एक ईश्वर का ज़हूर देखते थे.

धर्मों के गोरखधन्धे की छानबीन करते हुए सरمد
कहते हैं—

आशिको इश्क बुतो बुतगरो अय्यारे कीस्त
काबओ दैरो मसजिद हमजा तावीकीस्त
गर दर आई व चमन वददते यकरंगी थीं
गौर कुन आशिको माशूको गुलाखार यकीस्त

यानी—

“प्रियतम और प्रेम, मूर्ति और मूर्ति गढ़ने वाला कौन है ?
काबा, बुतखाना और मसजिद सब जगह अंधेरा है !
अगर तू खुदाई एकता के चमन में आकर देख;
तो तू पायेगा कि प्रियतम, फूल और काटे
सब एक ही हैं.

था और जन्नत की बादशाहत हासिल करना था. दुनिया की इस नाशमान बादशाहत से वह बहुत ऊंचा उठ गया था. काश सरمد की पेशीनगाई पूरी हो गई होती तो भारत की इन तीन सदियों का इतिहास सुनहरे हरकों में लिखा गया होता. भारतीय राष्ट्रीयता ने दारा के पतन के बाद सरمد की शहादत से जो जबरदस्त नुक्सान उठया उसका तखमीना आसानी से नहीं लगाया जा सकता. औरङ्गजेब ने मुलाओं के फुत्वे पर जाहिरा इस विना पर सरمد को मौत की सजा दी कि "वह इसलाम छोड़ कर दिगम्बर मुनि हो गये थे" पर दरअसल दारा के प्रति सरمد का प्रेम ही औरंगजेब की आंखों में खटक रहा था.

सरمد अनासक्त थे और सच्चे अर्थों में अपरिमही थे. जिसने लखूया रूपों की जायदाद गरीबों में तकसीम करवा दी हो उसे फिर चार गिरह लांघती से कोई लगाव रह सकता था ? जिसकी भावनायें बच्चों की तरह निर्मल हो गई हों उसमें कहीं इन्द्रिय-जनित जिन्सी वासनायें बाक्की रह सकती हैं ? जिसने प्रेम का चाला पहन लिया हो क्या उसे फिर तन ढकने के लिये कपड़ों की जरूरत रह जाती है ? सरمد के हृदय में देह-जनित शर्म की कोई गुञ्जाइश ही न रह गई थी और तभी वह औरंगजेब के सवाल करने पर गर्व के साथ अपने दिगम्बर वेश पर कहते हैं—

आंकस कि तुरा ताजे जहांवानी दाद
मारा हमा असबावे परीशानी दाद
पोशां लिबास हर केरा ऐबे दाद
बेऐब रा लिबासे उरियानी दाद

यानी—

“जिसने कि तुझे बादशाहत का ताज बरखा
उसी ने हमें परेशानियां बरखा;
जिस में उसने कुछ ऐव देखे उसे कपड़े पहनाये
और बे ऐवों का उसने दिगम्बरी का लिबास दिया.”

यों तो सरمد ने इसलाम की तारीक में भी बहुत कुछ कहा है लेकिन उनकी सब से सुन्दर रुवाईयें वही हैं जिस में उन्होंने इसलाम और हिन्दू धर्म का मेल जाल किया है. दोनों धर्मों की रुढ़ियों और कर्म कान्डों का छोड़कर उन्होंने दोनों धर्मों के बुनियादी उसूलों की भिलावट पर जोर दिया है. उन्हीं तत्त्वों के अन्दर उन्होंने अल्लाह के जहूर का दर्शन किया है. अल्लाह की दिवावटी परिस्थिती के बजाये अल्लाह की राह में साधना करने में ही उनका ऐतकाद था. अपनी राह की सच्चाई में इन्हें इतना असीम विश्वास था कि वे समझते थे कि ईश्वर अपने आप उनकी खबर लेगा. वे अपनी एक रुवाई में कहते हैं—

सरمد अगरश बकास्त रुद मी आयद
वर आमदनश बजास्त रुद मी आयद

تھا اور جنت کی بادشاہت حاصل کرنا تھا . دنیا کی اس ناہمانی بادشاہت سے وہ بہت اونچا اُٹھ گیا تھا . کش سرمد کی پیشینگوئی پوری ہوگئی غوثی تو بھارت کی ان تین صدیوں کا اہلس سنبڑے حروف میں لکھا گیا ہوا . بیارتیہ راجتانتا نے دارا کے پتی کے بعد سرمد کی شہادت سے جو زبردست نقصان اُٹایا اُس کا تسمیہ آسانی سے نہیں لگایا جاسکتا . اورنگزیب نے مسلمانوں کے فتویٰ پر ظفرہ اِس بنا پر سرمد کو موت کی سزا دی کہ ”وہ اسلام چھوڑ کر دگمبرنی ہو گئے تھے“ پر دراصل دارا کے پرتی سرمد کا پریم ہی اورنگزیب کی آنکھوں میں ٹپک رہا تھا .

سرمد آزادسکت تھے اور سچے اُرتیوں میں اپدیگر تھے . جس نے اکھوتیا ر پیوں کی چاندان غریبوں میں تقسیم کروادی ہو اُسے پتر چار گرہ لنگوئی سے لگاؤ رہ سکتا تھا؟ جس کی بیارتائیں بچوں کی طرح نرمول ہوگئیں ہوں اُس میں کہیں اندریہ - جنت (جنسی) واسنائیں باقی رہ سکتی ہیں؟ جس نے پریم کا چولا پہن لیا ہو کیا اُسے پتر تن ڈھکنے کے لئے کپڑوں کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ سرمد کے غورے میں دیہہ جنت شرم کی کوئی گنجائش ہی نہ رہ تھی تھی اور تین وہ اورنگزیب کے سوال کرنے پر گرو کے ساتھ اپنے دگمبر وش پر کہتے ہیں—

آنکس کہ ترا ناج جہانبانی داں
ملرا غمہ اسباب پردیشانی داں
پوشاں اہلس غورکرا غیبے داں
پے غیب را اہلس عربانی داں

یعنی—

”جس نے کہ تجھے بادشاہت کا ناج بخشا
اُس نے غم میں پردیشانیاں بخشیں .

جس میں اُس نے کچھ تیب دیکھ اُسے کوڑے پہنائے
اور بے تیبوں کو اُس نے دگمبری کا لباس دیا .“

یوں تو سرمد نے اسلام کی تعریف میں بھی بہت کچھ کہا ہے لیکن ان کی سب سے سندز ربائیاں وہی تھیں جن میں اُنہوں نے اسلام اور غندو دھرم کا میل جول کیا ہے . دونوں دھرموں کی رویتیں اور کرم کائناتوں کو چھوڑ کر اُنہوں نے دونوں دھرموں کے بنیادی اصولوں کی ملاوت پر زور دیا ہے . انہیں تنوں کے اندر اُنہوں نے اللہ کے ظہور کا दर्शन کیا ہے . اللہ کی دیباوتی پرستش کے بجائے اللہ کی راہ میں سادھنا کرنے میں ہی اُن کا اعتقاد تھا . اپنی راہ کی سچائی میں اُنہیں اتنا اُسیم وشولس تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ ایشور اپنے آپ اُن کی خبر لے گا . وہ اپنی ایک ربائی میں کہتے ہیں—

سرمد اگرش بداست خود می آید
ور آمدنش بجااست خود می آید

سرمد کے اس سوال سے بہت سے رُدیبادی مسلمانوں نے سرمد پر مूर्تی پوجک ہونے کا الزام لگا کر ان کی نیندا کی ہے اور سرمد کے بہت سے ہندو پرشمنوں نے انہیں ہندو سمجھ کر ان کی تعریف کی ہے۔ لیکن اصلیت یہ ہے کہ وہ نندا — استوتی دونوں سے بہت اُونچے اُتھ گئے تھے۔ ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے بنیادی اصول اُن کے روم روم میں پیوست تھے۔ انہیں اللہ اور رسول میں سچے سچ کوئی خطا نہیں دکھائی دی تھی کیونکہ انہوں نے سدا رسول کی تعریف ہی کی ہے۔ اُرپر کی رہائی میں آزاد خیالی کی روش چھلک ہے جو اُردن کے صربوں اور مشہور انگریزی کوئی شہلی کی کونیتاؤں میں ہمیں ملتی ہے۔ روزقیوں میں چکری ہوئی دنیا جس چیز کو دھرم کہتی ہے اُس کے مقابلے میں ان لوگوں نے اپنے آزاد مانو دھرم کو ’کنز‘ کہ کر پکارا ہے۔ ان کا دھرم روزقیوں سے بوجھل نہیں‘ پرم کا دھرم ہے۔ جب مولویوں نے سرمد پر ’دگہ رمنی‘ ہونے الزام لگایا تو سرمد نے جواب دیا —

شاہ شاہانِ نیم زائد چون تو عیال نیستم
ذوق و شوق و شور و شرم ایکن پریشان نیستم
بت پرستم کدیم از آل ایمان نیستم
سرے مسجد می روم اما مسلمان نیستم

یعنی —

”اے زائد میں راجہ شورش میں تیری طرح ننگا نہیں ہوں؛ میں ذوق و شوق اور شور و شرم میں تیری طرح پریشان نہیں ہوں؛ میں مورتی پوجک ہوں، کاذب قرآن ایمان والوں میں سے نہیں ہوں؛ میں مسجد کی طرف جا رہا ہوں پر میں مسلمان نہیں ہوں!“

سرمد ننگے پیکمنگوں کے بیچ جامع مسجد کی سیڑھیوں کو ہی اپنا گھر بنائے ہوئے تھے پر پھر بھی وہ روزقی — ارتھوں میں مسلمان نہیں تھے۔ وہ جامع مسجد میں بی بی اپنی بت پرستی لے جانا چاہتے تھے۔

دلی میں یوہار دارالشکوہ نے سرمد کا پرم پرورک سواکت کیا۔ دارا اُن کی ”پحدت کرتے تھے“ اور ”اُتراس دگہ رمنی کی سیوا میں حاضر ہوتے تھے۔“ سرمد اور سرمد کے مشہور ہندو یوگی درست لال داس کا دارا پر یہ اِنٹھا اثر پڑا جس کی بدولت دارا کی نظاروں سے ہندو اور مسلمان کا فرق مٹ گیا اور دارا کے گردے سے مانو پرم، مہذب تشق کی وہ دارا پھرتی جس نے بھارت کے سماجی آسمان کو یکرنگی بنادیا۔ دارا نے اپنی مشہور کتاب ”مجموعۃ البحریں“ (دو سمندروں کے سنگم) میں اسلامی صوفیوں اور ویدانتی ریشمیوں کا سفر میل جول کیا ہے۔ سرمد نے پیشینگوئی کی تھی کہ شاہجہاں کے بعد دارا ہندوستان کا بادشاہ ہوگا پر دارا کو تو شہیدوں کا بادشاہ بننا تھا، مذہب انسانیت کا رقیب بننا

شاہ شاہانِ نیم زائد چون تو عیال نیستم
ذوق و شوق و شور و شرم ایکن پریشان نیستم
بت پرستم کدیم از آل ایمان نیستم
سرے مسجد می روم اما مسلمان نیستم

یانی —

”اے زائد میں راجہ شورش میں تیری طرح ننگا نہیں ہوں؛ میں ذوق و شوق اور شور و شرم میں تیری طرح پریشان نہیں ہوں؛ میں مورتی پوجک ہوں، کاذب قرآن ایمان والوں میں سے نہیں ہوں؛ میں مسجد کی طرف جا رہا ہوں پر میں مسلمان نہیں ہوں!“

سرمد ننگے پیکمنگوں کے بیچ جامع مسجد کی سیڑھیوں کو ہی اپنا گھر بنا دیا۔ وہ روزقی — ارتھوں میں مسلمان نہیں تھے۔ وہ جامع مسجد میں بی بی اپنی بت پرستی لے جانا چاہتے تھے۔

دہلی میں یوہار دارالشکوہ نے سرمد کا پرم پرورک سواکت کیا۔ دارا اُن کی ”پحدت کرتے تھے“ اور ”اُتراس دگہ رمنی کی سیوا میں حاضر ہوتے تھے۔“ سرمد اور سرمد کے مشہور ہندو یوگی درست لال داس کا دارا پر یہ اِنٹھا اثر پڑا جس کی بدولت دارا کی نظاروں سے ہندو اور مسلمان کا فرق مٹ گیا اور دارا کے گردے سے مانو پرم، مہذب تشق کی وہ دارا پھرتی جس نے بھارت کے سماجی آسمان کو یکرنگی بنادیا۔ دارا نے اپنی مشہور کتاب ”مجموعۃ البحریں“ (دو سمندروں کے سنگم) میں اسلامی صوفیوں اور ویدانتی ریشمیوں کا سفر میل جول کیا ہے۔ سرمد نے پیشینگوئی کی تھی کہ شاہجہاں کے بعد دارا ہندوستان کا بادشاہ ہوگا پر دارا کو تو شہیدوں کا بادشاہ بننا تھا، مذہب انسانیت کا رقیب بننا

پریم-یوگی سرمد پریم-یوگی سرمد

پرو۔ موہمدمد اہلسان فاروقی ایم۔ اے۔

سرمد اسلام کے ایک مشہور اور بہت بڑے سنت ہوئے ہیں۔ شہنشاہ ایدر نے جس 'مذہب انسانی' (مانو دھرم) کی بنیادیں رکھیں، جس ہندو - مسلم ایکٹا کا پرچار کیا اور مختلف سنسکرتیوں کو جس ایک ہندوستانی کالج کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں اُس کی سب میں سندھ مثال ناج محل کے روپ میں ہے۔ اُسی یگ میں جب ہندو - مسلم ایکٹا کی پختہ بنیادیں پر رہی تھیں ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہندستان کے آسمان میں سنت سرمد کا اُدے ہوا۔

سرمد جنم سے یھدی ہے۔ اسلام قبول کرنے کے باء ایک سؤداگر کی ہئسیت سے وہ ایک ہنی تاجارہتی کافیلے سے ساہ ہندوستان آئے۔ سینہ میں ہڈا کا شہر اس جمانے میں ارباب ملکو کے ساہ ہندوستان کی تاجارہت کا ایک بھوٹ بڈا مہرکج تھا۔ جن دینوں سرمد ہڈا میں ہڈے ہوئے تھے انہیں دہوں اُن کی ایک نوجوان چین منی آئیے چند کے ساہ بیہت ہوئی۔ آئیے چند کے آئیڈیشن کا اُن پر اُنا گہرا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی تمام چاندان غریبوں میں بانٹ دی اور خود کہوں تک کو نیاک کو نکل دگمرومنی بکھر ہندو اور چین شاستروں کی گہری چہان دین اور کچھ کرنے میں لگ گئے۔ سرمد بچن سے غی سٹیہ کے کویچ ہے۔ یہودی دھرم 'نسانی دھرم' اسلام اور ایران کے صوفی دھرم کی انہوں نے گہری چہان دین کی تھی لیکن کسی سے یہی اُن کی اُنا کو تسلی نہیں مانی۔ بیاریہ اور چین - دشن کے آدھین نے سرمد کے دل میں گمان کی جوالا جلا دی۔ وہ ساگر اور نراک: کنز اور اسلام' پیغمبر اور انجیمن و رام کا سارا پیوں - پیوں کیے۔ اُن کا ہر دے پریم کے دھرم میں شراہور ہو گیا۔ وہ حیران ہو کر خود اپنے سے پوچھنے لگے—

سرمد بے جہاں سے نکو نام شدی
از مہذب کنز سوئے اسلام شدی
آخر چہ خطا دیدی بہ اللہ و رسول
سرگشتہ مرید انجمن و رام شدی

یانی—

“سرمد تُو نے دُنیا میں بھوٹ نام کما یا،
مچھوہ-کھوٹا ہو کر اسلام کی طرف آیا،
آخر تُو نے اہلہ اور رسول میں کیا خطا دیکھی،
کی اُنہیں ہو کر رام اور انجیمن کا بہکت ہو گیا؟”

پرو۔ موہمدمد اہلسان فاروقی ایم۔ اے۔

سرمد اسلام کے ایک مشہور اور بہت بڑے سنت ہوئے ہیں۔ شہنشاہ ایدر نے جس 'مذہب انسانی' (مانو دھرم) کی بنیادیں رکھیں، جس ہندو - مسلم ایکٹا کا پرچار کیا اور مختلف سنسکرتیوں کو جس ایک ہندوستانی کالج کے ساتھ ساتھ اسلامی دنیا میں اُس کی سب میں سندھ مثال ناج محل کے روپ میں ہے۔ اُسی یگ میں جب ہندو - مسلم ایکٹا کی پختہ بنیادیں پر رہی تھیں ایک چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہندستان کے آسمان میں سنت سرمد کا اُدے ہوا۔

سرمد جنم سے یہودی ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ایک سارا گہرا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی تمام چاندان غریبوں میں بانٹ دی اور خود کہوں تک کو نیاک کو نکل دگمرومنی بکھر ہندو اور چین شاستروں کی گہری چہان دین اور کچھ کرنے میں لگ گئے۔ سرمد بچن سے غی سٹیہ کے کویچ ہے۔ یہودی دھرم 'نسانی دھرم' اسلام اور ایران کے صوفی دھرم کی انہوں نے گہری چہان دین کی تھی لیکن کسی سے یہی اُن کی اُنا کو تسلی نہیں مانی۔ بیاریہ اور چین - دشن کے آدھین نے سرمد کے دل میں گمان کی جوالا جلا دی۔ وہ ساگر اور نراک: کنز اور اسلام' پیغمبر اور انجیمن و رام کا سارا پیوں - پیوں کیے۔ اُن کا ہر دے پریم کے دھرم میں شراہور ہو گیا۔ وہ حیران ہو کر خود اپنے سے پوچھنے لگے—

سرمد بے جہاں سے نکو نام شدی
از مہذب کنز سوئے اسلام شدی
آخر چہ خطا دیدی بہ اللہ و رسول
سرگشتہ مرید انجمن و رام شدی

یعنی—

“سرمد تُو نے دُنیا میں بہت نام کما یا،
مذہب کنز چھوڑ کر اسلام کی طرف آیا،
آخر تُو نے اللہ اور رسول میں کیا خطا دیکھی،
کہ اُنہیں چھوڑ کر رام اور انجیمن کا بہکت ہو گیا؟”

नया हिन्द

नया हندی

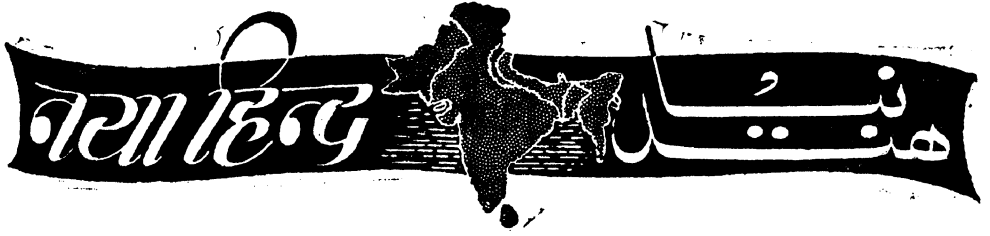


भगवान बुद्ध की शान्ति की अपील पर लड़ने वाले राजा अपने अपने हथियार डाल रहे हैं।
यहोमन बंदे की शान्ति की अपील पर लड़ने वाले राजा अपने अपने हथियार डाल रहे हैं।

1. پریم یوگی سرمد
—پروفیسر محمد احسان فاروقی ایم. اے. 1
2. بھارت کی پچھڑی ہرٹی جانہوں کا سوال
—ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت 6
3. ہندو مسلمانوں کے کلچری میل جول کی شروعات
—ڈاکٹر لطیف دفتری ایم. اے. ڈی. فل 16
4. چین گینگ (کہانی)
—شومبر ناتھ پانڈے 26
5. اھلسا پر چیلی کوئٹائیں اور تصویریں
—سندر لال 33
6. جب لہان کی موت کا اعلان ہوا—
—سنہ لائی آسٹروسکی 40
7. انسانی بھائی چارے کا اصلی راستہ
—ڈاکٹر بھگوانداس 51
8. ہندوستانی کلچر اور نیا سماج
—ڈاکٹر تاراچند 55
9. کچھ کتابیں
—شومبر ناتھ پانڈے 63
10. ہماری رائے— 65

ایٹم اور ہائیڈروجن بم بنانا شانتی
مورچا—بیربمبھرناتھ پانڈے؛ پ۔ ایشیائی
کانفرنس—بیربمبھرناتھ پانڈے؛ سماجی
ویبستھا کی اور—بیربمبھرناتھ پانڈے،
تاریخ کی نئی سامی—بیربمبھرناتھ پانڈے.

ایٹم اور ہائیڈروجن بم بنانا شانتی
مورچا—شومبر ناتھ پانڈے؛ ایٹم - ایشیائی
کانفرنس—شومبر ناتھ پانڈے؛ سماجی
ویبستھا کی اور—شومبر ناتھ پانڈے؛
تاریخ کی نئی سامی—شومبر ناتھ پانڈے.



نمبر 1 نمبر 19 جلد 19 جلد

جنوری 1955 جنوری

ہندوستانی کلچر سوسائٹی ہندوستانی کلچر سوسائٹی

145 سوڈیگن، ایلاہاباد

145، مہی گنج، الہ آباد

NAYA HIND

Monthly Journal of the Hindustani Culture Society

Editorial Advisory Board

Dr. Tara Chand M.A., D. Phil. (Oxon)

Mahatma Bhagwan Din

Dr. Syed Mahmud, M.A., Ph.D., Bar-at-Law

Chief Editor

Paudit Sundarlal

Editor

Bishambhar Nath Pande

Asst. Editors

Suresh Rambhai

Mujib Rizvi

Annual Subscription

Inland Rs. 6/-

Foreign Rs. 10/-

Single Copy As. /10/- only

Can be had from

Manager, NAYA HIND

145, MUTTHIGANJ, ALLAHABAD-3.

نیا حصار

اس نمبر کے خاص لیکھ

پرم یوگی سرمد

Osmania University Library

—پرو. مو. آر. فاروقی

بھارت کی پھلجڑی ہوئی جاتیوں

—ڈاکٹر بھوپندر ناथ دت

ہندو مسلمانوں کا کچھری میل...

—ڈاکٹر لالہ دھرتی

انسانی بھائی چارے کا اصلی راستہ

—ڈاکٹر بھگوان داس

ہندوستانی کھلچر اور نیا سماج

—ڈاکٹر تارا چند

اس کے علم

کہانی، لکچر، کونٹائین وغیرہ

کھانی، سکے، کھیلایئے بگیرہ

3 - FEB 1953



گنگا سے گومتی تک

... ”محبوب فی کہاں فی شہ شہ انکر شہ ملی
 بھی ہے . معموری پورا لکھا آدمی ایہیں بٹا کسی ای
 مدد کے سمجھ سکتا ہے . دلہا کے ساتھ بھانسا مہوں ویلک
 اور زہد ملی اس طرح ہے جس طرح اونچے پائے لے
 لیکھوں مہوں ملتی ہے .

اُن کہانیوں میں ہمارے بھی ہے، دُرُونا بھی ہے۔ دُورِیں
ہمستے ہمستے بھٹ میں ہل پھیلے، تو کُوں پوچھتے
پوچھ آپ کو سے اشدبھت وہ جاننا لگے۔ منجوب فی
کہانیاں عوامی دُورل پہاؤں نہیں چکانی ہوں، ہمیں اچھا
انسان بد ہی ہوں۔“

— فائز دام بلاس شومرا

... ” وہ (محبوب) مارگ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ سماج کو سنبھالنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ نہ تو کام لگتی چاہتے ہیں۔ اور ایسی نوکریاں نہ دے دیا کرتی پہلی خانہ ... یہ کہانیاں جگہ جگہ ادا دہان۔ سماج میں رونے والے انسانوں اور اُنہما چاروں کی طرف ٹھہر چکی ہیں... سنا کر کی کہانوں میں ایک سیدھی آدھی برسٹا ہے، جو اچھی لکھی ہے۔“

—جیدلاد کمار

ایک بھگ ملدی کے سبھی بڑے لڑکھوؤں نے "کلمہ" سے
 دوستی "کو سراہا ہے۔

’گلستا سے گومتی نک‘ مہیں 180 صفحے مہیں‘ نوبکا
سلبر ڈور‘ بومہا جلد‘ دام ڈوال دو روپے . جندی آرڈر
بھیجتے .

— ۵۵۵ — بحار زوالموت

— 422 6 11

ممنوعه مجر 'نہا ہند' 145: متھ، کٹیج الہ آباد.

ہندوستانی کلاچر سوسائٹی

ہندستانی کلاچر سوسائٹی

مکسـد—

مکسـد—

- (1) ایک ایسی ہندوستانی کلاچر کا بھانا، کھانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔
- (2) ایک کتاب خانہ کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔
- (3) پھاڑے، گھروں، کتاب خانوں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب ذمہ دار، جاتوں، بیرونیوں اور کٹرکوں میں آپس کا میل بھانا۔

- (1) ایک ایسی ہندوستانی کلاچر کا بھانا، کھانا اور پرچار کرنا جس میں سب ہندوستانی شامل ہوں۔
- (2) ایک کتاب خانہ کے لیے کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کا چھاپنا۔
- (3) پھاڑے، گھروں، کتاب خانوں، کانفرنسوں، لکچروں سے سب ذمہ دار، جاتوں، بیرونیوں اور کٹرکوں میں آپس کا میل بھانا۔

—: ۰ :—

—: ۰ :—

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—میں۰ ابدال مکی رجا؛
وائس پریسیڈنٹ—ڈا۰ بھوانداس اور ڈا۰ ابدال
ہکر۔ گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈا۰ بھوانداس؛
سکرٹری—پ۰ سندرلال۔

سوسائٹی کے پریسیڈنٹ—مسٹر عبدالحمید خواجہ؛
وائس پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھوانداس اور ڈاکٹر عبدالحمید۔
گورننگ باڈی کے پریسیڈنٹ—ڈاکٹر بھوانداس
سکرٹری— پلڈت سندرلال۔

گورننگ باڈی کے اور ممبر—

گورننگ باڈی کے اور ممبر—

ڈا۰ سید مہمود، ڈا۰ تاجاچند، مولوی سید
سولیمان ندوی، میں۰ منچر علی سولختا، شری بی۰ جی۰
خیر، پ۰ ویرامبر ناٹھ، مہاتما بھوانداس، سٹ پونم
چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش
پالہوال۔

ڈاکٹر سید محمود، ڈاکٹر تاجا چند، مولوی سید
سولیمان ندوی، مسٹر منظر علی سولختا، شری بی۰ جی۰
خیر، پلڈت بشمیر ناتھ، مہاتما بھوانداس، سٹ پونم
چند رائے، قاضی محمد عبدالغفار اور شری اوم پرکاش
پالہوال۔

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھیے—

ممبری کے قاعدوں کے لیے لکھیے—

سندرلال

سندرلال

سکرٹری، ہندوستانی کلاچر سوسائٹی،

سکرٹری، ہندوستانی کلاچر سوسائٹی،

145، سٹریٹ، ایلہا آباد۔

145، مٹھی گنج، ایلہا آباد۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی
فیس صرف ایک روپیہ کی ہوتی ہے۔ ”نہا ہند“ کے
جو گفک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ
دیلے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی
فیس دیلے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام
کی کتابیں لھنے پر ایک بار ایک روپیہ کم کوا سکیں گے۔

نوٹ—سوسائٹی کے نئے قاعدے کے انوسار ممبری کی
فیس صرف ایک روپیہ کی ہوتی ہے۔ ”نہا ہند“ کے
جو گفک ممبر بننا چاہیں ان کو صرف چھ روپیہ چلندہ
دیلے پر ہی ممبر بنا لیا جائیگا۔ الگ سے ممبری کی
فیس دیلے والے سوسائٹی کی نکلی ہوئی کوئی کتاب جو
ایک روپیہ دام کی ہوئی مفت لے سکیں گے یا زیادہ دام
کی کتابیں لھنے پر ایک بار ایک روپیہ کم کوا سکیں گے۔

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं.

نوٹ :- یہ کتابیں صرف ہندو میں ہیں ۔

[illegible]

मिथुने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

145, मुहरीगंज, इलाहाबाद-3

میں نے بھی "نہا ہند"

145 'میں کبھی' الہ آباد

झंकार

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'फिराक'

पिछले पन्द्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व फिराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप ए ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

“इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकारवास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय...”

23-2-52 —रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

“जहां तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं.”

6.3.52 —‘विशाल भारत’ कलकत्ता

“झंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रीत हैं.”

17-2-52 —‘नव भारत टाइम्स’ दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है.”

13-1-52 —‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

‘हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्रायल हैं यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है.”

8-5-52 —‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“झंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है”—‘नया समाज’ कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, उम्दा छपाई, दाम सिर्फ तीन रुपया. दस किताबों की एक साथ खरीदारी पर पचास की सदी कमीशन.

मिलने का पता—

मैनेजर ‘नया हिन्दू’ 145, सुदीगंज, इलाहाबाद.

ज्हेलक़

सम्पादक—हरी दलवीर ‘सहल’ फ़रक़

पिछले पंद्रह बरस से आज तक की उर्दू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उर्दू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उर्दू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व फिराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उर्दू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गुलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप ए ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

“इन कविताओं में अन्तराष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकारवास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उर्दू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय...”

23-2-52 —‘रोजाना’ लोकावणी’ जयपुर

“जहां तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं.”

6-3-52 —‘विशाल भारत’ कलकत्ता

“झंकार में प्रकाशित 72 उर्दू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से ओत प्रीत हैं.”

17-2-52 —‘नव भारत टाइम्स’ दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है.”

13-1-52 —‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

‘हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्रायल हैं यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है. कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है.”

8-5-52 —‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“झंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है”—‘नया समाज’ कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उर्दू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला. सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, उम्दा छपाई, दाम सिर्फ तीन रुपया. दस किताबों की एक साथ खरीदारी पर पचास की सदी कमीशन.

मिलने का पता—

मैनेजर ‘नया हिन्दू’ 145, सुदीगंज, इलाहाबाद.

مہاتما گاندھی کی بستی

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اپن دھانت سے کچھ غنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوک سبھا سلگھ مہن بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی۔ یہ دیش کے نام انکی آخری وصیت ہے اور سکی دیکھا گاندھی جی کے پر مہکت شری منظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سچھے اور ایمانے والے دیش کے لئے لکھے لوگوں مہن سے ایک مہن .

گاندھی واد کو سچھنے کے لئے اسکا پوچھا بہت ضروری ہے . 225 صفحے کی سندر جلد ہندمی دتاپ کی قیمت صرف دو روپے .

اھنساتمک انقلاب کا راستہ

لکھک—شری منظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پوچھ کر آپ کو پتہ چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح ان کے راستے پر چل کر اھنساتمک ڈنگ سے دیش میں انقلاب لایا جا سکتا ہے .

پنسیس پنے کی کتاب، دام سیرک چار آنے .

آج کے شہید

سموادک—شری رتن لال بسل

ان بھادوروں کی کہانیاں جنھوں نے ویدشی حاکموں کی فٹاई فوٹ کی آغا میں انسانییت کو بھسم ہوتے دیکھ کر ان کی بھی دیر نہ کی اور اُسے بچھانے کی کوشش مہن اپنی جان قربان کر دی . دام صرف ڈھائی روپے .

مسلم دیش بھکت

لکھک—شری رتن لال بسل

ان مسلمان دیش بھکتوں کے جیون کا حال جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ہندوستان اور ویدشوں مہن دھتے ہوئے بھارت مانا کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کی کوشش کی . کتاب بڑے دلچسپ ڈنگ سے لکھی گئی ہے . قیمت صرف ایک روپہ ہارے آنے .

ملنے کا پتہ—

مہنچر 'نہا ہند' 145، مہن لکچ، الہ آباد

میلانے کا پتہ—

مہنچر، 'نہا ہند' 145، سڈیگنچ، ہلاہا واد .

गांधी बाबा

लेखक—क्रुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम क्रुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (क्रुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, हार्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—दाम केवल दो रुपये।

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

ज़रीब सवा सी सफे की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया मिलाने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द'

145 मुहम्मदगंज, इलाहाबाद.

गान्धे बाबा

लेखक—कदमै जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

ये अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम क्रुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी। पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“उन्होंने (क्रुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है। वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझती। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कागज़ पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, हार्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफ्ती की मजबूत जिल्द—दाम केवल दो रुपये।

बिशा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सुझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

ज़रीब सवा सी सफे की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया मिलाने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द'

145 मुहम्मदगंज, इलाहाबाद.

مستشرق "نہا ہند" 145 مئی کلمج، الہ آباد

ہندوستانی کالچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالات میں گاہک کے فیمے ہوگا۔

ہندوستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالات میں گاہک کے فیمے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوراد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔ 'بھارت میں آنگرے کی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल آنگرے کی سے انورادیت۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے آधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज़. लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल साढ़े सात रुपय.

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوراد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔ 'بھارت میں آنگرے کی راج' کے لکھک پندت سندرلال دھارا مूल آنگرے کی سے انورادیت۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے آधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज़. लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल साढ़े सात रुपय.

فیرکا بندی پر باپو

सम्पादक—श्री श्रीकरन दास

इम पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस जहर को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज़. दो सौ सक्के. क्रीमत दोरुपया.

विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाकिक है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सक्के 25, दाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुट्टीगंज, इलाहाबाद.

فرتة بندی پر باپو

सम्पादक—श्री श्रीकरन दास

इस पुस्तक में सन 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिकता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस जहर को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज़. दो सौ सक्के. क्रीमत दोरुपया.

ونوبا کا سندیشن

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाकिक है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सक्के 25, दाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुट्टीगंज, इलाहाबाद.

من میں مہل تھا، وہ گالی دینے کے انداز میں بات کر رہے تھے۔... کیا دشمنوں کے علاوہ کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟..... جب تک میں میٹینک ہوں، تب تک ٹھیک۔ اگر کل کے روز میں..... منتری ہوجاؤں تو 'نانا شاہ' اور 'کوسی نونے والا' ہوجاؤں گا..... دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ وہ تمام لوگ جنہیں پارٹی نے سزا دی ہے، پارٹی سے لڑنے کے لئے ایک ہو گئے ہیں۔“

لیکھک نے ایک تار بابو کا چترن بڑا سندر کہا ہے—دھیرے دھیرے اُس نے یہ شدید کلڈ پر اُتار دیئے۔ اپنی اسی زندگی میں اُس نے نہ جانے کتنے سندیش لکھے تھے، خوشی کے سندیش اور غم کے سندیش، کتنی بار دوسروں کے درد اور دوسروں کی خوشی کی خبر اُسی نے سب سے پہلے سنی تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں اُس نے نہ جانے کب سے تار کے اُن چھوٹے سندیشوں کے ارتھ پر دھیان دینا چھوڑ دیا تھا، اُس کا کام تو بس اتنا تھا کہ دعوتیوں کو بکڑے اور مشین کی طرح اُن کو کلڈ پر اُتار دے۔“

ساروجنک کام کرنے والے اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑے کام کی نصیحت ہے۔ گورچاگن اپنے بھائی کو لکھتا ہے—”سیرے بھائی اب تم اپنی صحت کی فکر کرو۔ ہوتے سے بلقر اپنی طاقت کو خرچ نہ کرو کیونکہ صحت کی مرمت کی بھاری قیمت پارٹی کو چکانی پڑتی ہے۔“

خودکشی کے بارے میں لکھا ہے—”پستول کو رکھ دو اور کہی اُس کی بات کسی سے نہ کہنا۔ جیوں جب ناناہل برداشت ہو اُٹھے، تب بتی جینے کی کلا سیکھو۔“

پستک ایک اور سندر نصیحت کام کرنے والوں کو دیتی ہے—”ہم لوگ کہی کہی اپنی شکستوں کو بڑی طرح برباد کرتے ہیں، جس کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اب میں اُس بات کو سمجھ گیا ہوں کہ یہ دیرنا کی اتنی نشانی نہیں ہے جتنی ناناہلیت اور غیر زمہ داری کی۔ اب میں سمجھنے لگا ہوں کہ مجھے اپنی تندرستی کے بارے میں اتنی لاپرواہی بڑھانے کا حق نہ تھا۔“

بغیر اصولی لحاظ کے ہر چترن شیل پائیک کو یہ اُپنیاس ضرور پڑھنا چاہئے۔ انوار کی زبان سہل اور محاورہ دار ہے۔ چپٹائی، صفا ہی عمدہ ہے۔

—ویشوہر ناتھ پانڈے

لیکھک نے ایک تار بابو کا چترن بڑا سندر کہا ہے—دھیرے دھیرے اُس نے یہ شدید کلڈ پر اُتار دیئے۔ اپنی اسی زندگی میں اُس نے نہ جانے کتنے سندیش لکھے تھے، خوشی کے سندیش اور غم کے سندیش، کتنی بار دوسروں کے درد اور دوسروں کی خوشی کی خبر اُسی نے سب سے پہلے سنی تھی۔ اپنے کام کے سلسلے میں اُس نے نہ جانے کب سے تار کے اُن چھوٹے سندیشوں کے ارتھ پر دھیان دینا چھوڑ دیا تھا، اُس کا کام تو بس اتنا تھا کہ دعوتیوں کو بکڑے اور مشین کی طرح اُن کو کلڈ پر اُتار دے۔“

ساروجنک کام کرنے والے اپنی صحت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑے کام کی نصیحت ہے۔ گورچاگن اپنے بھائی کو لکھتا ہے—”سیرے بھائی اب تم اپنی صحت کی فکر کرو۔ ہوتے سے بلقر اپنی طاقت کو خرچ نہ کرو کیونکہ صحت کی مرمت کی بھاری قیمت پارٹی کو چکانی پڑتی ہے۔“

خودکشی کے بارے میں لکھا ہے—”پستول کو رکھ دو اور کہی اُس کی بات کسی سے نہ کہنا۔ جیوں جب ناناہل برداشت ہو اُٹھے، تب بتی جینے کی کلا سیکھو۔“

پستک ایک اور سندر نصیحت کام کرنے والوں کو دیتی ہے—”ہم لوگ کہی کہی اپنی شکستوں کو بڑی طرح برباد کرتے ہیں، جس کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اب میں اُس بات کو سمجھ گیا ہوں کہ یہ دیرنا کی اتنی نشانی نہیں ہے جتنی ناناہلیت اور غیر زمہ داری کی۔ اب میں سمجھنے لگا ہوں کہ مجھے اپنی تندرستی کے بارے میں اتنی لاپرواہی بڑھانے کا حق نہ تھا۔“

بغیر اصولی لحاظ کے ہر چترن شیل پائیک کو یہ اُپنیاس ضرور پڑھنا چاہئے۔ انوار کی زبان سہل اور محاورہ دار ہے۔ چپٹائی، صفا ہی عمدہ ہے۔

—ویشوہر ناتھ پانڈے

سے ڈھڑکتا ہے، خود ایک اُمری پولیش لڑکے کی ساجیش سے گिर پڑتا ہوتا ہے، جھڑتا ہے اور फिर رُسمی کم్యونیست نوجوانوں کی ٹولی میں भरती होता है, लड़ाई में हिस्सा लेता है, जरूमी होता है, फिर हिस्सा लेता है, बाल्योविक क्रान्ति सफल होती है. अब तामीरी कामों की बारी आती है. उसली समझ-बूझ और समाजी रहन सहन को चालने ढालने का बक्क आता है. नौजवान कोर्चागिन बढ़कर हिस्सा लेता है. कोर्चागिन और उसके दोस्त एक ऊंची इखलाक्री नैतिक जिन्दगी बसर करते हैं. समाज को सुखी बनाने के वे ऊंचे से ऊंचे ख्वाब देखते हैं. इनकलाबी जंग में वे जिस तरह मर मिटने को तैयार रहते हैं उसी तरह तामीरी कामों में, रेल की पटरियां बिछाने में, रेल यार्ड की सफाई करने में. उनके लिये क्रान्ति जिस तरह जंगी चीज है उसी तरह तामीरी भी.

उपन्यास के नारी पात्रों में तोनिया, रिता, ताय़ा, आना बोहार्ट, लिदिया पोलेविक़ का चित्रन ऊंची सतह पर किया गया है. उनके बयान में एक चरित्र की ऊंचाई मिलती है.

कोर्चागिन जिन्दगी की पुकार को सुनता है और आग और धुएँ से होकर निकलता है, उसका जिस्म छलनी छलनी हो जाता है मगर लेखक कहता है—“लाहा इसी तरह आग में तपकर कौलाद बनता है.”

कोर्चागिन एक बहुत ऊंचे उसूलों का कम्युनिस्ट नौजवान है. जिस कम्युनिस्ट समाज का वह सपना देखता है उस पर खुद पाबन्दी के साथ अमल करता है. वह सबसे पहले खुद अपने साथ बेरहमी से पेश आता है. सबसे पहले तोनिया नामक एक अमीरबादी से उसकी मुहब्बत होती है. दोनों एक दूसरे के करीब आते हैं. लेकिन जब शादी का सवाल आता है तो कोर्चागिन अपना फ़ैसला बदल देता है. वह कहता है—तुम गरीब से मुहब्बत कर सकती हो लेकिन गरीबी से मुहब्बत नहीं. आखीर में वह ताय़ा से शादी करता है मगर जिन्सी ख्वाहिश के लिये नहीं बल्कि एक बकादार साथी के लिये.

पुस्तक नई पाँदी की विचारधारा पर काफ़ी रोशनी डालती है. पार्टी के भीतर बहुमत और अल्पमत का सवाल आता है तो साथी तुझता कहता है—

“अगर आप बहुमत दल संगठित कर सकते हैं तो हमको भी अधिकार है कि हम अल्पमत दल संगठित करें.”

तब जवाब मिलता है—“रुसी कम्युनिस्ट पार्टी को फ़ोर् पालिमेंट नहीं है.”

हिन्दुस्तान की विरोधी पार्टियों के सीखने के लिये पुस्तक में बड़े काम की बातें हैं. पांफ़ातोब कहता है—“वे लोग... हमारे साथियों की तरह, संग संग लड़ने वालों की तरह नहीं बोल रहे थे. उनकी तक़रीरें दुश्मनों जैसी थीं, उनके

से चेज़ा था: खुद एक अमीर پولش लڑکے کی سازش سے گرفتار ہونا ہے، چھوٹتا ہے اور پھر روسی کمیونسٹ نوجوانوں کی ٹولی میں भरती ہوتا ہے، لڑائی میں حصہ لیتا ہے، زخمی ہوتا ہے، پھر حصہ لیتا ہے، پولشپوک کرانٹی سپہل ہوتی ہے. اب تعمیری کاموں کی باری آتی ہے. اصولی سمجھ بوجھ اور سماجی رہن سہن کو چالنے ڈھالنے کا وقت آتا ہے. نوجوان کوورچاگین بڑھکر حصہ لیتا ہے، کوورچاگین اور اُس کے دوست ایک اُونچی اخلاقی نینک زندگی بسر کرتے ہیں. سماج کو سکھی بنانے کے لئے اُونچے سے اُونچے خواب دیکھتے ہیں. انقلابی جنگ میں وہ جس طرح سرمائے کو تیار رکھتے ہیں اُسی طرح تعمیری کاموں میں ریل کی پٹریاں بچھانے میں، ریل یارڈ کی صفائی کرنے میں. اُن کے لئے کرانٹی جس طرح جنگی چیز ہے اُسی طرح تعمیری بھی.

اُپنیاں کے ناری پانڑوں میں توُنیا، ریتا، تایا، آناپہارت لایا، پولیونگ کا چترن اُونچی سطح پر کیا گیا ہے. اُن کے بیان میں ایک چتر کی اُونچائی ملتی ہے.

کوورچاگین زندگی کی پکار کو سنتا ہے اور تگ اور دھوئیں سے غور نکالتا ہے: اُس کا جسم چیلنی چیلنی ہوجاتا ہے مگر لپٹک کہتا ہے—“لہو! اُسی طرح اک میں تپ کر ٹول بنتا ہے.”

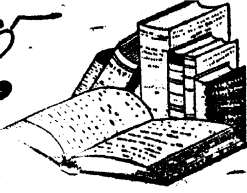
کوورچاگین ایک بہت اُونچے اصولوں کا کمیونسٹ نوجوان ہے. جس کمیونسٹ سماج کا وہ سینا دیکھتا ہے اُس پر خود پابندی کے ساتھ عمل کرنا ہے. وہ سب سے پہلے خود اپنے ساتھ بیرونی سے پیش آتا ہے. سب سے پہلے توُنیا نامک ایک اُمیرزادی سے اُس کی محبت ہوتی ہے. دونوں ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں. لیکن جب شادی کا سوال آتا ہے تو کوورچاگین اپنا دھول بدل دیتا ہے. وہ کہتا ہے—تم قریب سے محبت کر سکتی ہو لیکن غریبی سے محبت نہیں. آخر میں وہ تایا سے شادی کرتا ہے. مگر جیسی خواہش کے لئے نہیں بلکہ ایک ونداد ساتھی کے لئے.

ہسٹک نئی پیڑھی کی وجہ دھار پر کلنی روشنی ڈالتی ہے. پارٹی کے بیکر ہیمنٹ اور ایمنٹ کا سوال آتا ہے تو ساتھی متنا کہتا ہے—

”اگر آپ ہیمنٹ دال سنگھت کر سکتے ہیں تو ہم کو بھی اسیکار ہے کہ ہم ایمنٹ دال سنگھت کریں.“

تب جواب ملتا ہے—”روسی کمیونسٹ پارٹی کوئی پارلیمنٹ نہیں ہے.“

ہندستان کے روڈنی پارٹیوں کے سیکھنے کے لئے ہسٹک میں بڑے کام کی باتیں ہیں. پانڈکراو کہتا ہے—”وہ لوگ... ہمارے ساتھیوں کی طرح سنگ سنگ لڑنے والوں کی طرح نہیں بول رہے تھے. اُن کی تقریریں دشمنوں جیسی تھیں اُن کے



آگنی دیक्षा

آگنی دیक्षा

روسی زبان میں لکھنے والے—نیکولائی آسٹروفسکی؛
تर्जुमा کرنے والے—अमृत राय; छापने वाले—पीपुल्स
पब्लिशिंग हाउस लिमिटेड, आसफ अली रोड, नई दिल्ली;
क्रीमत—चार रुपया; सफे—47”.

यह उपन्यास रूसी लेखक निकोलाई आस्ट्रोवस्की का एक मशहूर उपन्यास है, लेखक सन 1944 में पैदा हुआ और 1936 में, सिर्फ 32 बरस की उम्र में, उसकी मौत हुई. रूसी क्रान्ति में 13-14 बरस की उम्र में वह शामिल हुआ और समझदार बहादुर लड़ाके की हैसियत से वह नई पीढ़ी के आगे आगे चला. लड़ाई में वह जितना बहादुर निकला उससे ज्यादा बहादुर वह तामीरी और रचनात्मक कामों में साबित हुआ. गोलियों के जख्म और रचनात्मक कामों की हड्डी तोड़ मेहनत ने उसे गठिया, लकवा और लम्बी बीमारी का शिकार बना दिया. सन 1930 में 26 बरस की उम्र में वह बिल्कुल अन्धा हो गया. महज इस ख्याल ने कि वह जिस्मानी बेबसी से अब रचनात्मक काम करने वालों की क़त्तार से हट गया उसे बेचैन कर दिया. वह बहादुर अन्धा लड़ाका अब शिक्षक और लेखक बना. उसका मौजूदा उपन्यास न सिर्फ सोवियत रूस को उसकी महान देन है बल्कि सारी दुनिया की नई पीढ़ी के निर्माताओं के लिये वह एक रास्ता दिखाने वाली रोशनी का काम देगा. सोवियत देश ने अपने इस बहादुर अन्धे पथ-प्रदर्शक को इस उपन्यास के लिये 'आर्डर आफ लेनिन' का तमगा भेंट किया और इस तरह सारे देश का अहसान जताया. मौजूदा उपन्यास के पढ़ने से यह पता चलेगा कि एक मामूली हैसियत का बालक किस तरह अपनी रौर मामूली शकसीयत बनाता है और अपने मुक्त के बड़प्पन को चार चांद लगाता है.

उपन्यास की कहानी में कोई खास पेचीदगी नहीं. सारी कहानी मुख्य नायक कोर्चागिन के इर्द गिर्द घूमती है. एक गरीब विधवा का छोटा बेटा, होटल में जूटी तरतरी मांजने वाला, सिर्फ दो जमात पढ़ा हुआ कोर्चागिन क्रान्ति का पहला पाठ पढ़ता है, अपने साथी और नेता को पुलिस के चुंगल

रूसी زبان میں لکھنے والے—نیکولائی آسٹروفسکی؛ ترجمہ کرنے والے—امرت رائے؛ چھاپنے والے—پپلس پبلشنگ ہاؤس لمیٹید؛ آصف علی روڈ، نئی دہلی؛ قیمت—چار روپے—سفہ 472 .

یہ آپنیاس روسی لیکھک نیکولائی آسٹروفسکی کا ایک مشہور آپنیاس ہے. لیکھک سن 1904 میں پیدا ہوا اور 1936 میں صرف 32 برس کی عمر میں اُس کی موت ہوئی. روسی کرائتی میں 13-14 برس کی عمر میں وہ شامل ہوا اور سمجھدار بہادر لڑاکے کی حیثیت سے وہ نئی پیدہ کی آگے آگے چلا. لڑائی میں وہ جتنا بہادر نکلا اُس سے زیادہ بہادر وہ تعمیری اور رچناٹک کاموں میں ثابت ہوا. گولفوں کے زخم اور رچناٹک کاموں کی ہڈی توڑ محنت نے اُسے گھٹیا، لقوی اور لدی بیماری کا شکار بنا دیا. سن 1930 میں 26 برس کی عمر میں وہ بالکل اندھا ہو گیا. محض اس خیال نے کہ وہ جسمانی بے بسی سے اب رچناٹک کام کرنیوالوں کی قطار سے ہٹ گیا اُسے بے چین کر دیا. وہ بہادر اندھا لڑاکا اب شک اور لیکھک بنا. اس کا موجودہ آپنیاس نہ صرف سوویت روس کو اُس کی مہربان دین ہے بلکہ ساری دنیا کی نئی پیدہ کی نورماؤں کے لئے وہ ایک راستہ دکھانے والی روشنی کا کام دے گا. سوویت دیش نے اپنے اس بہادر اندھے پتہ پرورشک کو اس آپنیاس کے لئے 'آرڈر آف لینن' کا تمغہ بھیجت کیا. اور اس طرح سارے دیش کا احسان جتایا. موجودہ آپنیاس کے پڑھنے سے یہ پتہ چلے گا کہ ایک معمولی حیثیت کا بالک کس طرح اپنی غیر معمولی شخصیت بناتا ہے اور اپنے ملک کے بڑپن کو چار چاند لگاتا ہے. آپنیاس کی کہانی میں کوئی خاص پیچیدگی نہیں. ساری کہانی مہربان نایک کورچاگین کے ارد گرد گھومتی ہے. ایک غریب وندھوا کا چھوٹا بیٹا، ہوٹل میں جوٹھی تشرتی مانجھے والا، صرف دو جملہت پڑھا ہوا کورچاگین کرائتی کا پہلا پاٹ پڑھتا ہے، اپنے ساتھی اور نیتا کو پولس کے چنگل

बाकिआत उन्हें अपने तर्ज में फर्क करने पर मजबूर कर रहे हैं.

आखिर में एक अर्ज और भी है. साइन्स वाले महज दिमागी काम करते हैं और उन्हें जिस्मानी काम से ज्यादा क़ीमती और आला समझते हैं. शायद वह यह मानते हैं कि जिस्मानी काम करने वाला इन्सान उनके मुक्काबिले में कहीं ज्यादा ग़याब गुज़रा है. यह क़्याल शलत है. साइन्स वालों को अपनी बिद्या या तालीम तो लगानी होगी मगर साइन्स का मोल पैसे में करने के मानी हैं उसे चन्द लोगों के हीथों में सौंप कर दुनिया की नव्वे फ़ीसदी आबादी को उससे महरुम रखनी. यह नाइन्साफी है. अगर साइन्स वाले की आह सरकार के खिलाफ़ जाती है, तो आम आदमी की आह साइन्स वालों के खिलाफ़ जाती है. अबाम से उनका ताल्लुक दूटा है. मजबूर हाकर उन्हें सरकार का मुंह देखना पड़ता है, जो मन मानी शर्तों पर उन्हें रखती है. हमारे हिन्दुस्तान के साइन्स वालों को तो इस तरह खास तौर से ध्यान देना चाहिये.

29. 11. '54

—सुरेश रामभाई

واقعات انہوں نے اپنے طرز میں فرق کرنے پر مجبور کر رکھے ہیں۔

آخر میں ایک عرض اور یہی ہے۔ سائنس والے محض دماغی کام کرتے ہیں اور اسے جسمانی کام سے زیادہ قیمتی اور ناپی سنجیتے ہیں۔ شاید وہ یہ مانتے ہیں کہ جسمانی کام کرنے والا انسان ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ گھرا ہے۔ یہ خیال غلط ہے۔ سائنس والوں کو اپنی دنیا یا تعلیم تو لگائی ہوگی مگر سائنس کا مول پستہ میں کرنے کے معنی ہیں اسے چند لوگوں کے ہاتھ میں سوئپرک دنیا کی نئے فیصدی آبادی کو اس سے محروم رکھنا۔ یہ ناانصافی ہے۔ اگر سائنس والے کی آہ سرکار کے خلاف جاتی ہے تو عام آدمی کی آہ سائنس والوں کے خلاف جاتی ہے۔ عوام سے ان کا تعلق ٹوٹتا ہے۔ مجبور ہوکر انہیں سرکار کا منہ دیکھنا پڑتا ہے جو منمائی۔ شرطوں پر انہیں رکھتی ہے۔ ہمارے ہندوستان کے سائنس والوں کو تو اس طرف خاص طور سے دھیان دینا چاہئے۔

—سریش رام پھانی

29 . 11 . '54

राजकुमारी अमृत कौर और सन्तति-नियमन

नीचे का पत्र हम बड़ी तसल्ली और खुशी के साथ
ज्यों का त्यों छाप रहे हैं। हमें दुःख है कि दैनिक पत्रों की
रिपोर्टों के कारन यह गलतफहमी पैदा हुई।

23. 12. 54

सुन्दरलाल
नई दिल्ली

20 दिसम्बर, 1954

प्रिय महोदय,

श्री अश्रुतलाल नानावटी जी ने 'नया हिन्द' के नवम्बर अङ्क में प्रकाशित 'अमरीका में मिस्टर मुहम्मद अली और राजकुमारी अश्रुत कौर' लेख की ओर राजकुमारी जी का ध्यान आकर्षित किया है, उन्होंने बताया कि अमरीका में राजकुमारी जी ने Mechanical Contraceptives के पक्ष में विचार व्यक्त किये ऐसा इस लेख में है, मन्त्रिणी जी को यह जानकर बड़ा आश्चर्य हुआ और उन्होंने कहा कि अगर इस तरह की रिपोर्ट उनके बारे में आपके पत्र में छपी है तो वह बिल्कुल निराधार है—उसमें कोई सचाई नहीं। वह सन्तति नियमन के लिये हमेशा पूज्य बापू का बताया हुआ संयम का मार्ग अपनाने को कहती हैं,

आपका

जयानन्द शर्मा
पर्सनल असिस्टेन्ट

راج کمار دی آموت کور اور
سنتیتی نیمن

نیچے کا پتہ ہم بڑی تسلی اور خوشی کے ساتھ جیوں کا تھیں
چھاپ رہے ہیں۔ ہمیں دکھ ہے کہ دیباک پتروں کی رپورٹوں کے
کارن یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔

23 . 12 . '54

سندبر لال

فنی دلی

20 دسمبر سن 1954ع

پریہ مہر سے،

شہی امرت لال فانارواڻي جي ٺهڻ لاءِ ”ڏيا هند“ ڪي نمبر اٽڪ
 ۾ پڻ ڳڻت آهين ڪه ۾ مسٽر محمد علي راج ڪماري ”امرت ڪور“
 لاءِ ڪي راج ڪماري جي ڪا دهياڻ آڪشت ڪيا هئا . انهن لاءِ
 پتيا ڪه آمريڪه ۾ راج ڪماري جي ٺهڻ لاءِ **Mechanical**
constraceptives ڪي ڪش ۾ وڃاڻ وڪت ڪي ايسا ايس لاءِ
 ۾ هئا . منترني جي ڪو به ڄاڻ ڪو پڻ آندڻ به هئا اور انهن لاءِ
 ڪها ڪه اڳر ايس طرح ڪي رپورٽ ان ڪي بارهه ۾ آپ ڪي پٽر
 ۾ ڇپي هئا ته توهه بالڪل نالغاب هئا—اُس ۾ ڪوئي سچائي
 ناهي . وه سنڪتي نيمن ڪي لاءِ هميشه ڇوچه ٻاڍو ڪا پتيا هئا
 سڦم ڪا مارڱ اڻان لاءِ نو ڪهي هئا .

آپ کا

جیانفد شرما
پرسنل آسٹرنٹ

خیلا کہ اس کا نام لگایا گیا، لیکن فیصلہ میں وہ یہ کہتا ہے کہ اگرچہ اس کے بعد بھی ان پر نکتاتی رکھی جاتی ہے۔ اس طرح سارا اور ان کے زہریلا ہو گیا ہے۔ امریکہ کی سرکار اور شاید دوسری سرکاریں بھی یہ سوچتی ہیں کہ سائنس دانوں کو دبا کر اپنا تابعدار رکھا جاسکتا ہے اور قوم کے نام پر، کچھ پیسے کا لالچ دیکر، ان سے جو چاہو کر لیا جاسکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ سائنس دان اس طرح دبا کر قابو میں رکھے جاسکیں، مگر دنیا ان کو سائنس کے مندر کا پتھاری ماننے سے انکار کریگی۔ وہ سائنس دان نہیں پیسہ خور کہلاتے گئے۔ جو اصلی اور سچے سائنس دان ہوگا وہ بلا کسی تر کے اپنی بات کہے گا اور اس کے لئے ہر مصیبت سہلے کو تیار ہوگا۔

مگر سرکاریں بھی دھوکے میں ہیں۔ وہ اس گمان میں ہیں کہ سائنس دانوں سے من مانا کام لیکر اپنے اپنے ملک کو مضبوط بنا لیں گی۔ لیکن جیسا کہ کپتان ہارٹ نے کہا ہے: "آج دنیا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ:

”ہماری ہیکذاخت کے لیے یونیاویہ چیز ہے ڈنڈا دینا، سب اور شانتی کے ساتھ مسائل پر سوچنے کی لیاکرت۔ ہماری ہیکذاخت کے لیے یونیاویہ سترے بھی تین ہیں—دوستی، غمناک جانا اور جلد بازی۔ ان تینوں کے ملنے سے ایسا جھگڑا ہو سکتا ہے جو کیا تباہ نہ کر دے۔“

آج دنیا کی راجدھانیوں کے سیکریٹریوں میں، مسدیدیوں کے گھروں میں ڈنڈا دینا، سب اور شانتی کی ہی کمی ہے۔ غصہ ان کی ناک پر ہی چڑھا ہے مانو، گھبراہٹ ہونے اور ترے ہونے تو وہ ہیں ہی، اور جلد بازی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ اگر اس کی روک تھام نہیں ہوتی ہے تو جو ہو جائے توڑا ہے۔

لیکن اس سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے۔ دیکھنا تو طاقت ہے جس سے اچھے اور برے دونوں طرح کے کام لئے جاسکتے ہیں۔ ضرورت ہے اس سے اچھا کام لینے والوں کی۔ اچھا کام لے کون؟ وہی لے سکتے ہیں جن کے دل میں قندک ہے، جن میں صبر ہے اور جو شانت ہوں۔ سائنس یا دیگر روپیہ ہانپتی پر آتم گیان کا انکھن رہے نہیں وہ قابو میں نہیں آسکتا۔ دیکھنا انسانی کی رفتار بڑھا سکتا ہے مگر کس طرف بڑھا جائے، یعنی دشا دیکھنے کا کام، آتم گیان ہی کریگا۔ لہذا ان دونوں کا میل ہی موجودہ حالت سے، موجودہ خطرہ سے دنیا کو بچ سکتا ہے۔

اس کے لئے بڑی بڑی ذمہ داری سائنس دانوں پر آتی ہے۔ آج وہ خود دیکھنا کے نشہ میں چور ہیں اور آتم گیان کا مانو وجود تک نہیں قبول کرتے۔ لیکن خدشہ کی بات ہے کہ سائنس کی کھوجیں اور دنیا کے

لیکن فیصلہ میں وہ یہ کہتا ہے کہ اگرچہ اس کے بعد بھی ان پر نکتاتی رکھی جاتی ہے۔ اس طرح سارا اور ان کے زہریلا ہو گیا ہے۔ امریکہ کی سرکار اور شاید دوسری سرکاریں بھی یہ سوچتی ہیں کہ سائنس دانوں کو دبا کر اپنا تابعدار رکھا جاسکتا ہے اور قوم کے نام پر، کچھ پیسے کا لالچ دیکر، ان سے جو چاہو کر لیا جاسکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ سائنس دان اس طرح دبا کر قابو میں رکھے جاسکیں، مگر دنیا ان کو سائنس کے مندر کا پتھاری ماننے سے انکار کریگی۔ وہ سائنس دان نہیں پیسہ خور کہلاتے گئے۔ جو اصلی اور سچے سائنس دان ہوگا وہ بلا کسی تر کے اپنی بات کہے گا اور اس کے لئے ہر مصیبت سہلے کو تیار ہوگا۔

مگر سرکاریں بھی دھوکے میں ہیں۔ وہ اس گمان میں ہیں کہ سائنس دانوں سے من مانا کام لیکر اپنے اپنے ملک کو مضبوط بنا لیں گی۔ لیکن جیسا کہ کپتان ہارٹ نے کہا ہے: آج دنیا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ:

”ہماری ہیکذاخت کے لیے یونیاویہ چیز ہے ڈنڈا دینا، سب اور شانتی کے ساتھ مسائل پر سوچنے کی لیاکرت۔ ہماری ہیکذاخت کے لیے یونیاویہ سترے بھی تین ہیں—دوستی، غمناک جانا اور جلد بازی۔ ان تینوں کے ملنے سے ایسا جھگڑا ہو سکتا ہے جو کیا تباہ نہ کر دے۔“

آج دنیا کی راجدھانیوں کے سیکریٹریوں میں، مسدیدیوں کے گھروں میں ڈنڈا دینا، سب اور شانتی کی ہی کمی ہے۔ غصہ ان کی ناک پر ہی چڑھا ہے مانو، گھبراہٹ ہونے اور ترے ہونے تو وہ ہیں ہی، اور جلد بازی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ اگر اس کی روک تھام نہیں ہوتی ہے تو جو ہو جائے توڑا ہے۔

لیکن اس سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے۔ دیکھنا تو طاقت ہے جس سے اچھے اور برے دونوں طرح کے کام لئے جاسکتے ہیں۔ ضرورت ہے اس سے اچھا کام لینے والوں کی۔ اچھا کام لے کون؟ وہی لے سکتے ہیں جن کے دل میں قندک ہے، جن میں صبر ہے اور جو شانت ہوں۔ سائنس یا دیگر روپیہ ہانپتی پر آتم گیان کا انکھن رہے نہیں وہ قابو میں نہیں آسکتا۔ دیکھنا انسانی کی رفتار بڑھا سکتا ہے مگر کس طرف بڑھا جائے، یعنی دشا دیکھنے کا کام، آتم گیان ہی کریگا۔ لہذا ان دونوں کا میل ہی موجودہ حالت سے، موجودہ خطرہ سے دنیا کو بچ سکتا ہے۔

اس کے لئے بڑی بڑی ذمہ داری سائنس دانوں پر آتی ہے۔ آج وہ خود دیکھنا کے نشہ میں چور ہیں اور آتم گیان کا مانو وجود تک نہیں قبول کرتے۔ لیکن خدشہ کی بات ہے کہ سائنس کی کھوجیں اور دنیا کے

کیا جا رہا ہو۔ وہ اتنی حد کو پہنچ گئی کہ کسی بھی آپریشن میں انسان کو ان کا برداشت کرنا ہی ناممکن ہو گیا۔ اور ایک موقیع پروفیسر آئنسٹائن کو یہاں تک اشارہ کرنا پڑا کہ امریکن سینیٹ کی انٹرنل سیکیورٹی کمیٹی (Internal Security Committee) یا اس طرح کی دوسری کمیٹی کے سامنے کسی بھی دماغدار آدمی کو بیان دینے سے انکار کر دینا چاہیئے۔

ٹھیک اسی پہلے جس یونیورسٹی میں پروفیسر آئنسٹائن پڑاتے تھے وہاں کی سائنس انسٹیٹیوٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر رابرٹ آپنہائمر تھے۔ ان کی سہاہت سے خیرا ہو کر امریکن سرکار نے انہیں ایٹامک انرجی کمیشن (Atomic Energy Commission) کا خاص مشیر مقرر کیا۔ لیکن جب ہانڈروجن بم بنا تو ان سے صلاح لی گئی کہ اس کے استعمال کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے اس کے استعمال کے خلاف رائے دی اور کہا کہ وہ بہت ہی خطرناک و تباہ کن ہے۔ ان کی یہ رائے امریکی سرکار کو پسند نہیں آئی اور اس نے انہیں کمیشن کے مشیر پر سے ہٹا دیا۔ لیکن آج بڑے بڑے نیوکلیر چنل اور سائنس دان ڈاکٹر آپنہائمر کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ انگریز کے سرنام انسٹیٹیوٹ لائل ہارٹ (Capt. Liddle Hart) کا کہنا ہے کہ ہانڈروجن بم کے بعد ”مکمل لائل“ اور ”جیت“ لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر اب کوئی ”لائل جیت“ کے خراب دیکھتا ہے یا اس طرح کی بات کرتا ہے تو ”مکمل بے بدلت بات“ کرتا ہے۔ اس سے اس کے اپنے ملک کو اور کل انسانی قوم کو خطرہ ہے۔ ”حال ہی میں جاپان کے نزدیک جو ہانڈروجن بم کا تجربہ کیا گیا اس سے نیویڈیٹ تک کے لوگ تر گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح کے تجربوں سے ہماری جان و مال کو اندیشہ ہے۔

ہانڈروجن بم سے کبھی زیادہ خطرناک چیز یہ ہے کہ ہانڈروجن بم کے بارے میں سائنس دانوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں نیڈریشن آف امریکن سائنسٹس نام کی جو جماعت ہے اس تک یہ پروڈیڈیٹ آؤن ہارور کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہیں تک دبایا جا رہا ہے اس کا پتہ اس صلاح سے ملتا ہے جو پروفیسر لائنس پلانک نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اوجھل یا مہذبورن بیوج نہ کریں۔ امریکہ میں مسٹر آؤن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروفیسر لائی مور کے

ہانڈروجن بم کے بارے میں سائنس دانوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں نیڈریشن آف امریکن سائنسٹس نام کی جو جماعت ہے اس تک یہ پروڈیڈیٹ آؤن ہارور کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہیں تک دبایا جا رہا ہے اس کا پتہ اس صلاح سے ملتا ہے جو پروفیسر لائنس پلانک نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اوجھل یا مہذبورن بیوج نہ کریں۔ امریکہ میں مسٹر آؤن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروفیسر لائی مور کے

ہانڈروجن بم کے بارے میں سائنس دانوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں نیڈریشن آف امریکن سائنسٹس نام کی جو جماعت ہے اس تک یہ پروڈیڈیٹ آؤن ہارور کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہیں تک دبایا جا رہا ہے اس کا پتہ اس صلاح سے ملتا ہے جو پروفیسر لائنس پلانک نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اوجھل یا مہذبورن بیوج نہ کریں۔ امریکہ میں مسٹر آؤن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروفیسر لائی مور کے

ہانڈروجن بم کے بارے میں سائنس دانوں کو رائے دینے کا موقع نہ دیا جائے یا سچی رائے دینے پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ امریکہ میں نیڈریشن آف امریکن سائنسٹس نام کی جو جماعت ہے اس تک یہ پروڈیڈیٹ آؤن ہارور کو لکھا ہے کہ کسی وفادار سائنس دان کو دلی رائے ظاہر کرنے پر نکال باہر کر دینا اپنی قوم کے لئے خطرناک ہے۔ امریکہ میں سائنس دانوں کو کہیں تک دبایا جا رہا ہے اس کا پتہ اس صلاح سے ملتا ہے جو پروفیسر لائنس پلانک نے اپنے دوستوں کو دی۔ انہوں نے کہا ہے کہ ”آپ اس بات کی احتیاط رکھیں کہ آپ کوئی زیادہ اوجھل یا مہذبورن بیوج نہ کریں۔ امریکہ میں مسٹر آؤن لائی مور کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ پروفیسر لائی مور کے

ایک ویکٹانک کی اہ !

آئنسٹائن آج ویجائن یا سائنس کی دنیا میں سب سے نمایاں ستارے سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہ کیول ویکٹانک ہی نہیں، بہت اہل اخلاق اور نیکتا والی ہستی ہیں۔ حال ہی میں ایک اخبار نویس نے ان سے ملاقات کی اور پوچھا کہ سائنس والوں یا دوسرے دماغدار لوگوں کے ساتھ امریکہ میں جس طرح پیش آیا جا رہا ہے اس پر آپ کی کیا رائے ہے؟ پروفیسر آئنسٹائن چپ رہے اور پھر کہا کہ ”اگر مجھے پھر سے جرمانی حاصل ہو تب میں اپنی روزی کمالی کے لئے ویکٹانک یا ٹیچر یا پروفیسر ہونا پسند نہیں کروں گا، بلکہ ایک مزدور ہونا چاہوں گا تاہم آجکل کی حالت میں جتنی بھی تیزی بہت آزادی حاصل ہے اس کا انویہو کر سکتے ہیں۔“

ان چند اظہار سے پروفیسر آئنسٹائن کے دل کا درد صاف صاف پتہ چلتا ہے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ آج کی دنیا میں اور خاص کر امریکہ میں وہ خیالی و دماغی آزادی حاصل نہیں ہے جس کی انہیں امید تھی یا جس کی کسی شریف آدمی کو امید ہونی چاہئے۔ آج سے قریب بیس برس پہلے پروفیسر آئنسٹائن اپنی جنم بھومی جرمنی سے امریکہ آئے تھے۔ جب ہٹلر کا جرمنی میں ہل بالا ہوا اور کسی بی بی یوڈی کا وہاں رہنا ناممکن ہو گیا تب انہوں نے اپنا ملک چھوڑا تھا اور امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی میں آکر بسے تھے۔

کسی خوشی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں بڑائی نہیں چل رہی ہے، کسی بی بی یوڈی دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا تر چھایا ہوا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں ہیکولن کی کرپا سے ہر طرح کی دولت موجد ہے، لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قدرتی ہیں اور دونوں کی سرکاریں ایک دوسرے کے دلف پرچار کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور آری و پیچھی ایشیا پر تر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منورہ ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نہایت آگے کے وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا ہو یا بچھا، نااعداری نہیں کرنا، تو اس کا ملک میں رہنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت کا شکار امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے ہونا پڑا ہے۔ ان سے طرح طرح کی صفائی لی جاتی ہے اور اس طرح لی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

کسی خوشی کی بات ہے کہ آج دنیا کے کسی حصہ میں بڑائی نہیں چل رہی ہے، کسی بی بی یوڈی دوسرے ملک کے خلاف مارچ نہیں کر رہی ہے۔ لیکن کسی بدقسمتی ہے کہ آج دنیا میں جتنا تر چھایا ہوا ہے اتنا شاید تاریخ کے کسی زمانہ میں نہیں تھا۔ امریکہ اور روس میں ہیکولن کی کرپا سے ہر طرح کی دولت موجد ہے، لیکن وہاں کی آبادیاں ایک دوسرے سے بہت قدرتی ہیں اور دونوں کی سرکاریں ایک دوسرے کے دلف پرچار کرتی ہیں کہ ایک کی وجہ سے دوسرے کو خطرہ ہے۔ اس طرح سارا یورپ، امریکہ اور آری و پیچھی ایشیا پر تر حاوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں آج آزاد خیالی منورہ ہوئی نہیں گئی ہے اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہاں تک نہایت آگے کے وہاں کی حکومت کی جو چپ چاپ جا ہو یا بچھا، نااعداری نہیں کرنا، تو اس کا ملک میں رہنا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس وقت کا شکار امریکہ کے سائنس دانوں کو خاص طور سے ہونا پڑا ہے۔ ان سے طرح طرح کی صفائی لی جاتی ہے اور اس طرح لی جاتی ہے مانو کسی چور یا ڈاکو سے جواب طلب

اپنی مملوں کی بنی چینی دوسرے اپنے سے زیادہ پیچھے ہوئے
دیشن میں بیچ کر پیسے کمانے کے ناپاک سامراجی پروپین کو
بی بی میں جیتنا چاہئے۔

(8) چای کے باغیچے جلدی سے جلدی ویدیشیوں کے
ہاتھوں سے لے لیتا ہم भारत सरकार کا فرض سمجھتے ہیں۔ ہم ڈاکٹر لودھیا سے سہمات ہیں کہ اگر معاوضے کے روپ میں یا کسی روپ میں
کچھ دینا ہی پڑ جائے تو کوئی عجز نہیں۔ ہمیں یہ بی
معاوضہ ہے کہ انگریزوں کا جتنا دین ان چائے کے باغیچوں میں
لگا ہے وہ سب بھارت ہی سے بلکہ بھارت کی لوت سے کرایا ہوا
دین ہے۔ ہم ان پرانے زخموں کو چیرنا نہیں چاہتے۔ پڑ لیں
غریب دیش سے اس طرح دین کا دینا اور اس کی غروب جتنا
کے ساتھ یہ بدسلوکی اب بند غونی چاہئے۔

اس دھندے کو آگے کے لئے چلانے کے دو ہی ذمہ دار
ہیں۔ ایک تو غور کسان اپنی چھوٹی سی زمین پر چائے
کے پودے اچھی طرح لگا سکتا ہے اور بالکل گہرولو ذمہ دار سے چائے
تیار کر کے بازار میں بیچ سکتا ہے۔ دوسرے آجکل کی صورت میں
یہ سارا دھندا اس طرح کی کلکٹرو فارمنگ یعنی مشترکہ کھیتی
کی شکل میں بڑی سائڈز سے چل سکتا ہے جس کا نمونہ ہم نے
روس کے کلکٹرو فارموں میں اچھی طرح دیکھا ہے۔ جو لوگ فارم
میں کام کریں وہی اس کے مالک، وہی اس کا سارا پرہیزہ
کرنے والے اور وہی منافع کے حقدار۔ سرکار کا کام کیوں ان کی
ضرورت کے آئسار ان کے کہنے پر ان کی مدد کر دینا ہے۔ یہی
راستہ ہے جس پر دھیرے دھیرے زمین اپنے بہت سے دھندوں
کو لیجانا ہے۔

سرکار نام کی چیز کا دنیا سے ختم ہونا

دنیا کی آدھتو سرکاریں آج اس کوشش میں ہیں کہ
آدھت سے آدھت دھندے، آدھت سے آدھت بیوپار اور آدھت
سے آدھت شنتی ان کے ہاتھوں میں رہے۔ یہ ذمہ دار جتنا کے
لئے بہت خطرناک ذمہ دار ہے۔ جس طرح پیسے کی شکتی
کہیں بھی ایک جگہ جمع ہونے کے بجائے سب آدمیوں میں
برابر کی بنتی رہے، اسی میں دنیا کا بڑا ہے، ویسے ہی دوسری
سب شکتیاں یہی زیادہ سے زیادہ لوگوں میں بٹتی رہیں یہی
اچھا ہے۔ جن خاص صورتوں میں کسی شکتی کا ایک جگہ
جمع ہونا ضروری ہوتا ہے وہی 'بی' جیسا ہم نے اوپر کہا ہے
پنچائتی ذمہ دار سے جتنا کے غائبوں میں ہی رہتی چاہئیں۔
سرکار سب سے اچھی وہی ہے جس کے ہاتھوں میں سب سے کم
آدھتکار ہوں، یعنی جسے سب سے کم شامس کرنا پڑے۔ جتنا کو
طاقتور بنانے کا یہی طریقہ ہے۔ جس آدھت کی طرف دنیا
کو جاتا ہے وہ سرکاروں کی طاقت کو بڑھاتا نہیں ہے، اسے دھیرے
دھیرے کم کر کے سرکار نام کی چیز کو دنیا سے ختم کرنا ہے۔

15. 12. '54

—سندھ لال

—سندھ لال

15. 12. '54

میں ہمیشہ اس طرح کی درگھٹناؤں کی سہارا رہے گی جیسی ابھی 10 دسمبر کو مدیہ پرندیش کی فہرٹوں چکی کھدان میں مالکوں یا مینجیروں کی لاپرواہی کے کارن ہو چکی ہے، جس میں کہا جاتا ہے پینسٹہ بے گناہ مزدوروں کی منت میں جان گئی۔ کرنل کے دھندے کو چلانے کے دو ہی ڈھنگ ہو سکتے ہیں۔ یا تو یہ کہ دیش کی سرکار اسے چلا دے اور یا جو آدھک اچھا ہے کہ پنچائتی ڈھنگ سے جتنے آدمی انجینیریوں اور ماہروں سے لیکر معمولی مزدور تک اس میں کام کرتے ہوں ان سب کی ہی وہ ملکیت ہو، انہیں کا سارا پرہندہ ہو اور وہی اس کے منافع کے حقدار ہوں۔ یہی ڈھنگ اصلی ڈھنگ ہے۔ اسی میں دیش اور جتنا کا اصلی بیلا ہے۔ جب تک سرکار اس طرح کے دھندے کو چلا دے تب تک یہی یہ مناسب ہے کہ چین کی طرح کھدان کا سارا انتظام کرنے والی کمیٹی میں آدھ آدمی سرکار کے ہوں اور آدھ کھدان میں کام کرنے والوں کے چنے ہوئے نمائندے۔

(2) چینی تیار کرنے کا ہندا ان ہندا میں سے ہے جینہے ہم گاؤں میں چرلے ڈنگ سے ہی چلانا ٹیک سمجھتے ہیں۔ جو لوگ ہمارے گاؤں کی زندگی سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ چینی کی ملوں نے ہمارے گاؤں کے کولہروں کے بیابار کو کس طرح برباد کر دیا اور لاکھوں آدمیوں کو بیکار کر دیا۔ سیکڑوں پچھلی ڈاکٹروں تک کی رائے ہے کہ آدمی کی تندرستی کے لئے ہانہ کی بنی ہوئی چینی مل کی بنی چینی سے کہیں اچھی ہوتی ہے۔ ہم نے لندن شہر کے اندر اس طرح کے رسٹورن دیکھے ہیں جن میں تندرستی کے خیال سے مل کی چینی کام میں نہیں لائی جاتی اور اس کی جگہ گڑ، ہانہ کی چینی اور راب تک کھانے کے لئے دی جاتی ہے۔ راب اور گڑ مل کی سہید چینی کے مقابلے میں کتنی آدھک مفید چیزیں ہیں اس پر کافی امریکی ڈاکٹروں کی کتابیں بازار میں پڑھنے کو مل سکتی ہیں۔ لیکن ہم اوپر کم چکے ہیں کہ سائنسی اندھ و شواس دھارمک اندھ و شواس سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ چینی کی ملوں نے ہمارے لاکھوں گاؤں والوں کا ایک ماتر پوشٹک آثار ان سے چھین لیا اور گنا پیدا کرنے والے لاکھوں کسانوں کو مل مالکوں کا آشربت اور غلام بنا ڈالا۔ گنا پیدا کرنے والے کسانوں کی آجکل کی مصیبتوں پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ چینی کی ملوں اور ہنسپتی بھی (3) کی ملوں دونوں اکثر ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ہمارے آجکل کے حاکم اور ان کے تلخوہ دار سائنسٹ کچھ بھی کہیں ہم ان دونوں کو جتنے کے لئے بربادی کی چیزیں مانتے ہیں۔ ہمارے یہ صاف رائے ہے کہ چینی بنانے کا کام گاؤں گاؤں میں کولہروں اور کھیتچیوں کے ذریعہ ہی ہونا چاہئے۔

کے لیے کاراج کا پرکھ کرنا، انہوں نے پوچھا کیا ایلاہاواہد میں کاراج نہیں ملتا؟ ہم نے جواب دیا—میلتا ہے لیکن میل کا بنا ہوا، میں ہاتھ کے بنے کاراج کا پرکھ کرنے آیا ہوں۔ گاंधी जी ने جواب दिया—“کاراج تو میل میں ہی بننا چاہیے، کمارا پنا یہاں کچھ کھانا ہے بناتے ہیں۔ میں اسے برا نہیں کہتا، پر کھانہ تو مل سے ہی بننا چاہیے۔ تم مل ہی کا کھانہ اپنی کتاب میں لگاؤ۔“ تھوڑی سی اور بات چیت کے بعد ہم اُن کی بات سمجھ گئے اور ”بھارت میں انگریزی راج“ میں مل کا ہی کھانہ لگایا گیا۔

یہ ہم نے کیوں ایک مثال دی ہے۔ ہاتھ سے جتنا کھانہ بن سکتے اور جتنا اچھا بن سکتے گاندھی جی اسے پسند کرتے تھے۔ پر کھانہ کی عام مانگ یا عام ضرورت وہ ملوں سے ہی پورا کرنا چاہتے تھے۔ چین میں ہی کھانے کی بڑی بڑی ملیں تھیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئے چین میں ہاتھ کا کھانہ اتنا ادھک اور اتنا اچھا بننا اور کھانا ہے کہ شاید اُس کا دسواں حصہ بھی بھارت میں نہیں بننا۔ شنگھائی کے بازار میں چٹنی لکھنے کے کھانے کے پختہ ادھکتر اور بڑھیا سے بڑھیا ہم نے ہاتھ کے کھانے کے ہی دیکھے۔ انہوں نے اپنی گھریلو آدمیوں کی ایک نشست میں بھی بڑھیا سے بڑھیا اور طرح طرح کے ہاتھ کے بنا کھانوں کے انبار ہمیں دکھائے۔ گاندھی جی مل کے کھانے اور ہاتھ کے کھانے دونوں میں ایک سمتوں یعنی سمجھداری کا بیانیہ رکھنا چاہتے تھے۔ خاص کر کھانے اور کپڑے سے سمجھداری رکھنے والے سب ضروری کھانے، ادھکتر گھریلو کھانے سے ہی چلانا چاہتے تھے۔ ہمارے آج کل کے شاسکوں کے اس کے خلاف چلنے کی کوششوں کا نتیجہ ہمیں اپنے گھریلو کھانوں کی بربادی اور کروڑوں آدمیوں کی بے ہمتی ہوئی بیکاری اور نائنہ کشی کی صورت میں صاف دکھائی دے رہا ہے۔

گاندھی جی کی زندگی میں اُن کے ٹرسٹی کے ناکام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی ٹرسٹی اپنا فرض پورا نہ کرے تو اسے उसے उसल نہیں بدال جاتا۔ رھا بینوہا جی کا سمپتیدان وہ کھلے ایک دلوں کو بدالنے کی کوشش ہے۔ وہ اُس سے دیش کو بدالنے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

کوئلہ، چینی اور چائے کے کھانوں پر ہماری رائے
جن تین کھانوں کی ڈاکٹر لوہیا نے چرچا کی ہے—
کوئلہ، چینی اور چائے اُن کی بابت ہماری رائے یہ ہے—

(1) کوئلے کی کھان کا کھانا بڑا نازک اور خطرناک کھانا ہے۔ یہ ایک دو آدمیوں کے بس کی چیز نہیں ہے۔ اسے بہت سے لوگ مل کر ہی چلا سکتے ہیں۔ پولیسی بیکوں کی نجی دیکھ ریکھ میں یہ کھانا چلایا جائے گا تو اُس

کو بڑی بڑی مशीنوں کے ساتھ سے بڑی آلامتوں کے ساتھ دی گئی ہے اور گاؤں کی یا گریلوں کے ساتھ ایک ایک سے ہونے والے آسپتھ یا آسپتھ کے ساتھ کی یادگار نظر آتی ہیں۔ ان کا پس چلے اور اگر ممکن ہو تو وہ اپنے بچوں کو پاؤں چلنا بیچھے سکھائیں اور سائیکل چلانا پڑے۔ ہم یہ بات بڑھا کر نہیں کر رہے ہیں۔ یورپ کے ایک بہت بڑے سائنس دان کی پیشین گوئی ہے کہ ”آج کل کی مشینی سہیتا بڑی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو دو ہزار برس کے بعد جو انسان پیدا ہونے لگے گا وہ پتھر میں انکلیاں نہیں ہوں گی، ان کے سر پر زندگی بھر بال یا منہ میں زندگی بھر دانت نہیں نکلیں گی، ان کی آنکھیں شروع سے پیشین گوئی کی مدد سے دیکھیں گی اور ان کے ہاتھ پیر چالنے پھرنے کے کام کے لئے ہوں گے۔“ ہم ہر طرح کی مشینوں کے خلاف نہیں ہیں۔

سائنس کی ترقی کی ہمارے دل میں دوسروں سے کم قدر نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سائنس دن دردن ترقی کرے، چوکنی ترقی کرے، ہمیں چاند اور تاروں تک آ کر لے جاوے اور سارے رشتہ کو ایک کر لے، سمجھنے میں اور اُس پر قابو حاصل کرنے میں ہمیں مدد دے۔ ہر آسمان میں اُڑنے والے ہوتے ہیں ہم زمین سے اپنا سمپرک توڑنا نہیں چاہتے۔ سائنس کی ترقی کے لئے ہزاروں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم اُسے اُس راستے پر چلنے دینا نہیں چاہتے جس پر وہ آدمی کے عقائد آدمی کے قتل کے ہتھیاروں کا انبار لگا دے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ سائنس آدمی کی سوانح کو سہارا دے، اُس کی آتم تربیت، پرکرتی کے ساتھ اُس کے سپرک اور اُس کی قدرتی شکلیوں کو برباد کر کے آگے بڑھے۔ ہم سائنس کو آدمی کا ظلم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، آدمی کو سائنس کا ظلم بننے دینا نہیں چاہتے۔ ہمیں انیسویں صدی کے جیسے اور بہت سے معاملوں میں اسی طرح اس معاملے میں بھی ملک کے بڑے لکھے لوگ گاندھی جی کو تھیک نہیں سمجھ پائے۔ گاندھی جی کیی بھی ہر طرح کی ملوں اور مشینوں کے خلاف نہیں تھے۔ وہ ملوں اور مشینوں کی بابت ہمارے بڑے لکھے لوگوں کے آئندہ وشواس کو توڑنا چاہتے تھے۔ یہ سائنسی آئندہ وشواس دھارمک آئندہ وشواسوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ اس سببندہ میں گاندھی جی کے رجحانوں کا ہمیں کلی اہمیت ہے۔

ہماری کتاب ”بھارت میں انگریزی راج“ کا دوسرا ایڈیشن 30 ہزار جلدوں کا چھپ رہا تھا۔ پہلا ایڈیشن چار ہزار جلدوں کا پہلے نکل چکا تھا۔ پہلے ایڈیشن میں جلد ہند کی تھی لیکن کلڈ مل کا دوسرے ایڈیشن کے لئے ہم نے سوچا کہ کلڈ مل بھی جلد کا لگایا جاوے۔ ہم کلڈ مل کا پڑاندہ کرنے کے لئے رہنما پہنچے۔ گاندھی جی سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کیسے آئے؟ ہم نے جواب دیا بھارت میں انگریزی راج کی تیس ہزار جلدوں

کی بڑی بڑی مशीنوں کے ساتھ سے بڑی آلامتوں کے ساتھ دی گئی ہے اور گاؤں کی یا گریلوں کے ساتھ ایک ایک سے ہونے والے آسپتھ یا آسپتھ کے ساتھ کی یادگار نظر آتی ہیں۔ ان کا پس چلے اور اگر ممکن ہو تو وہ اپنے بچوں کو پاؤں چلنا بیچھے سکھائیں اور سائیکل چلانا پڑے۔ ہم یہ بات بڑھا کر نہیں کر رہے ہیں۔ یورپ کے ایک بہت بڑے سائنس دان کی پیشین گوئی ہے کہ ”آج کل کی مشینی سہیتا بڑی اسی رفتار سے بڑھتی رہی تو دو ہزار برس کے بعد جو انسان پیدا ہونے لگے گا وہ پتھر میں انکلیاں نہیں ہوں گی، ان کے سر پر زندگی بھر بال یا منہ میں زندگی بھر دانت نہیں نکلیں گی، ان کی آنکھیں شروع سے پیشین گوئی کی مدد سے دیکھیں گی اور ان کے ہاتھ پیر چالنے پھرنے کے کام کے لئے ہوں گے۔“ ہم ہر طرح کی مشینوں کے خلاف نہیں ہیں۔

سائنس کی ترقی کی ہمارے دل میں دوسروں سے کم قدر نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سائنس دن دردن ترقی کرے، چوکنی ترقی کرے، ہمیں چاند اور تاروں تک آ کر لے جاوے اور سارے رشتہ کو ایک کر لے، سمجھنے میں اور اُس پر قابو حاصل کرنے میں ہمیں مدد دے۔ ہر آسمان میں اُڑنے والے ہوتے ہیں ہم زمین سے اپنا سمپرک توڑنا نہیں چاہتے۔ سائنس کی ترقی کے لئے ہزاروں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم اُسے اُس راستے پر چلنے دینا نہیں چاہتے جس پر وہ آدمی کے عقائد آدمی کے قتل کے ہتھیاروں کا انبار لگا دے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ سائنس آدمی کی سوانح کو سہارا دے، اُس کی آتم تربیت، پرکرتی کے ساتھ اُس کے سپرک اور اُس کی قدرتی شکلیوں کو برباد کر کے آگے بڑھے۔ ہم سائنس کو آدمی کا ظلم بنا کر رکھنا چاہتے ہیں، آدمی کو سائنس کا ظلم بننے دینا نہیں چاہتے۔ ہمیں انیسویں صدی کے جیسے اور بہت سے معاملوں میں اسی طرح اس معاملے میں بھی ملک کے بڑے لکھے لوگ گاندھی جی کو تھیک نہیں سمجھ پائے۔ گاندھی جی کیی بھی ہر طرح کی ملوں اور مشینوں کے خلاف نہیں تھے۔ وہ ملوں اور مشینوں کی بابت ہمارے بڑے لکھے لوگوں کے آئندہ وشواس کو توڑنا چاہتے تھے۔ یہ سائنسی آئندہ وشواس دھارمک آئندہ وشواسوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ اس سببندہ میں گاندھی جی کے رجحانوں کا ہمیں کلی اہمیت ہے۔

ہماری کتاب ”بھارت میں انگریزی راج“ کا دوسرا ایڈیشن 30 ہزار جلدوں کا چھپ رہا تھا۔ پہلا ایڈیشن چار ہزار جلدوں کا پہلے نکل چکا تھا۔ پہلے ایڈیشن میں جلد ہند کی تھی لیکن کلڈ مل کا دوسرے ایڈیشن کے لئے ہم نے سوچا کہ کلڈ مل بھی جلد کا لگایا جاوے۔ ہم کلڈ مل کا پڑاندہ کرنے کے لئے رہنما پہنچے۔ گاندھی جی سے بات چیت ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کیسے آئے؟ ہم نے جواب دیا بھارت میں انگریزی راج کی تیس ہزار جلدوں

گاंधीजी उन सब लोगों को जिनके पास बड़ी बड़ी पूँजियाँ, जमीनें या कारखाने थे इन सब चीजों का "ट्रस्टी" कहते थे. तो फिर वह उनका मालिक किसे मानते थे? जाहिर है वह मालिक मानते थे देश की जनता को. ट्रस्टी मालिक नहीं होता. असल मालिक उन्हीं ही बालिरा हो जावे या हालात बनल जावे" उसे हक है कि अपनी चीज ट्रस्टी से वापिस ले ले और खुद उसका इन्तजाम करे. गांधीजी के इस असल के मुताबिक जमींदार को या मिल मालिक कहलाने वाले को मुआवजा दिऐ जाने का कोई सवाल ही पैदा नहीं होता. ट्रस्टी की हैसियत से उसे ज्यादा से ज्यादा वह हक था कि जब तक चीज उसके ट्रस्ट में यानी उसके सिपुर्द थी तब तक उसके मुनाफे में से अपनी जरूरत के मुताबिक ले ले. साथ ही उसका वह भी कर्ज है कि जब असल मालिक चाहे और हालात इजाजत दे तो वह चीज बिना भिगाड़े या कम किये असल मालिक के सिपुर्द कर दे.

गांधीजी ने जिस समय ट्रस्टी का उसूल देश के सामने रक्खा था उस समय देश की जनता बिदेशी शासकों के खिलाफ आजादी की लड़ाई में लगी हुई थी. उस लड़ाई के खतम होने के बाद जनता को पूरा हक था और है कि अपनी चीज ट्रस्टी से वापिस लेकर जिस तरह ठीक समझे उसका इन्तजाम करे. जमींदारों से जमीनों के लेने में या बड़े बड़े उद्योगों पर कब्जा करने में हमें जो मुआवजे की या दूसरी दिक्कतें पड़ रही हैं उसकी बजह सिर्फ यह है कि देश के नेताओं ने गांधीजी के ट्रस्टी के उसूल को नहीं समझा या नहीं माना. कम्युनिस्ट कहलाने वाले देशों ने अपने यहां के हालात में से ही इस उसूल को ज्यादा अच्छी तरह समझा और उस पर अमल किया है. इसी लिये वह अपने आपने यहां की जनता के दुखों को ज्यादा आसानी से दूर कर सके और उनकी जरूरतों को पूरा कर सके.

शक्ति का बटवारा

इसके अलावा हम इन बातों में पैसे की शक्ति हो, या राज की शक्ति, या माल पैदा करने की शक्ति, किसी का भी बोझ से हाथों में जमा कर देने के हक में नहीं हैं. बड़े बड़े कल कारखानों का यानी इंडस्ट्रियलाइजेशन का खर्च एक हद से बढ़कर हमें इस गड्ढे में लाकर पटक देना है. अगर दुनिया की करोड़ों और अरबों जनता को खुसने से बचाना है और उन्हें सबमुब आजाद और खुशहाल देखना है तो हमें इन सब तरह की शक्तियों को ज्यादा दूर तक फैला देना होगा.

मशीनों और घरेलू धंदों पर गांधीजी

यह सवाल हमें बड़े बड़े कल कारखानों और घरेलू उद्योग धंदों के सबाल की लपक ले आता है. देश के अधिकतर बड़े मिले लोगों और हमारे अधिकतर शासकों

कहेंगे जी अं सب لوگوں کو جن کے پاس بڑی بڑی پونجیاں، زمینیں یا کارخانے تھے ان سب چیزوں کا "ٹرسٹی" کہتے تھے. تو پھر وہ اُن کا مالک کسے مانتے تھے؟ ظاہر ہے وہ مالک مانتے تھے دیش کی جنتا کو. ٹرسٹی مالک نہیں ہوتا. اصل مالک جیوں ہی بالغ عہد جاوے یا حالات بدل جاوے اُسے حق ہے کہ اپنی چیز ٹرسٹی سے واپس لے لے اور خود اُس کا انتظام کرے. ہر دہی جی کے اِس اصول کے مطابق زمیندار کو یا مل مالک کہلانے والے کو معارضہ دینے چالے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا. ٹرسٹی کی حیثیت سے اُسے زیادہ سے زیادہ یہ حق تھا کہ جب تک چیز اُس کے ٹرسٹ میں یعنی اُس کے سپرد تھی تب تک اُس کے منافع میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے لے. ساتھ ہی اُس کا یہ بھی فرض ہے کہ جب اصل مالک چالے اور حالات اجازت دیں تو وہ چیز بفا بفا بے یا کم گئے اصل مالک کے سپرد کردے.

گاندھی جی نے جس سے ٹرسٹی کا اصول دیش کے سامنے رکھا تھا اُس سے دیش کی جنتا ویدیشی شاسموں کے خلاف آزادی کی لڑائی میں اکی ہوئی تھی. اُس لڑائی کے ختم ہونے کے بعد جنتا کو پورا حق تھا اور ہے کہ اپنی چیز ٹرسٹی سے واپس لے کر جس طرح چیک سمجھے اُس کا انتظام کرے. زمینداروں سے زمینوں کے لینے میں یا بڑے بڑے اُدوگوں پر قبضہ کرنے میں زمین جو معارضے کی یا دوسری دنگتیں پڑ رہی ہیں اُس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دیش کے نرینوں نے گاندھی جی کے ٹرسٹی کے اصول کو نہیں سمجھا یا نہیں مانا. کمونسٹ کہلانے والے دیشوں نے اپنے یہاں کے حالات میں سے ہی اِس اصول کو زیادہ اچھی طرح سمجھا اور اُس پر عمل کیا ہے. اِسی لئے وہ اپنے اپنے یہاں کی جنتا کے دکھوں کو زیادہ آسانی سے دور کر سکے اور اُن کی ضرورتیں کو پورا کر سکے.

شکتی کا بٹوارا

اِس کے علاوہ ہم ان باتوں میں پیسے کی شکتی ہو، یا اُج کی شکتی، یا مالی پیدا کرنے کی شکتی، کسی کو بھی تھوڑے سے غائبوں میں جمع کرانے کے حق میں نہیں ہیں. بڑے بڑے کل کارخانوں کا یعنی انڈسٹریلائیزیشن کا خطا ایک حد سے بڑھ کر نہیں اِسی گدھے میں لاکر پٹک دینا ہے. اگر دنیا کی کروڑوں اور اربوں جنتا کو چستے سے بچاننا ہے اور انہیں سچے سچ آزاد اور خوشحال دیکھنا ہے تو ہمیں ان سب طرح کی شکتیوں کو زیادہ سے زیادہ دور تک پھولا دینا ہوگا.

مشینوں اور گھروں دنگتوں پر گاندھی جی

یہ سرائ ہمیں بڑے بڑے کل کارخانوں اور گھریلو اُدوگوں دنگتوں کے سوال کی طرف لے آتا ہے. دیش کے اکثر بڑے لکھ لوگوں اور ہمارے اکثر شاسموں

نیشنل لائسنس کرنا ٹیکاऊ ہلاک نہیں ہے

ڈاکٹر لوہیا نے اس ساری स्थिति کا جو ہلاک بٹایا ہے جسے وہ نیشنل لائسنس کرنا کہتے ہیں وہ ہماری رائے میں اس روم کا کوئی ٹیکاऊ علاج نہیں ہو سکتا۔ اس طرح کی باتوں میں ہم اکثر شدتوں کے جنجال میں پھنس جاتے ہیں اور شدت بھی وہ جو ہم نے پیڑپ کی کچھ کتابوں سے لے لی ہے، چاہے وہ ہمارے دیش کی اس سہ سے تھک کی حالت سے تھک ہو یا نہ پہلے ہو۔

خود اپنے پرائٹ کے اندر ہمیں معلوم ہے کہ پرانے زمینداروں کی جگہ سرکار کے آجائے سے کسانوں اور مصیبتوں گہتی نہیں ہیں، بڑھ گئی ہیں۔ بقایا کی ادائیگی میں کسان کو کھیتی کے پھل بیچنے کی ضرورت پہلے کہیں نہ ہوتی تھی۔ اب اسے وہ بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔ ہمارے جو جو بیرونی یا دھندلے لوگوں کے ہاتھوں سے نکل کر سرکار کے ہاتھوں میں آگئے ہیں ان میں عام طور پر لوگوں کی تلافی اور شکایتیں بڑھی ہیں۔ ہم آج مانیں یا کل، ان باتوں میں دیش کی جنتا کے دک نہ تک دور نہیں ہو سکتے جب تک ہمارا شلن نیچے سے اُپر تک ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں نہ ہو جو کم تغذیاء ہیں لیکن سادہ زندگی بسر کر سکیں، عام لوگوں کی طرح رہ سکیں اور ہر طرح کے بھوشن چار سے اُپر ہوں۔ مہانا گاندھی جب ہمارے وزیروں اور حاکموں کے سامنے خایفہ عمر کا آدرش پیش کرتے تھے تو ان کا بھی مطلب تھا۔ پورے ہمارے ان شاکسوں کو گاندھی جی کی باتوں عمل کے قابل معلوم نہیں ہوتی تھیں اور آج بھی ایسی ہی لگتی ہیں۔ نتیجہ انہوں کے سامنے ہے۔ علاج پھر وہی ہے جو گاندھی جی کہا کرتے تھے۔

گاندھی جی کا ٹرسٹی کا اصول

ہمیں دک ہے کہ گاندھی جی کے ٹرسٹی کے اصول کے سہجہ میں ہمارے بہت سے پڑھ لکھ بھائی گاندھی جی کو تھیک نہیں سمجھ پاتے۔

بات بہت سہجی ہے۔ ”کوئی ٹرسٹی“ اس چیز کا یا اس جائیداد کا جس کا وہ ”ٹرسٹی“ ہے مالک نہیں ہوتا۔ ٹرسٹی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مالک کوئی دوسرا ہے اور اس دوسرے کے نابالغ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ملک کے قانون نے یا خود اس مالک نے اس چیز یا جائیداد کا انتظام کچھ دنوں کے لئے کسی دوسرے کے سپرد کر دیا ہے جسے ”ٹرسٹی“ یعنی سپرددار کہا جاتا ہے۔ دنیا کے کسی ملک کے قانون کو بھی ہم دیکھیں، ٹرسٹی کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ وہ چیز ٹرسٹی کے پاس اور اس کے انتظام میں تب تک ہی رہ سکتی ہے جب تک اصلی مالک بالغ نہ ہو، یا جب تک وہ چاہے، یا جب تک وہ حالات نہ بدل جائیں جن کی وجہ سے ٹرسٹی مقرر کیا گیا تھا۔

گاندھی جی کا ٹرسٹی کا اصول

ہمیں دک ہے کہ گاندھی جی کے ٹرسٹی کے اصول کے سہجہ میں ہمارے بہت سے پڑھ لکھ بھائی گاندھی جی کو تھیک نہیں سمجھ پاتے۔

بات بہت سہجی ہے۔ ”کوئی ٹرسٹی“ اس چیز کا یا اس جائیداد کا جس کا وہ ”ٹرسٹی“ ہے مالک نہیں ہوتا۔ ٹرسٹی کے معنی ہی یہ ہیں کہ مالک کوئی دوسرا ہے اور اس دوسرے کے نابالغ ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ملک کے قانون نے یا خود اس مالک نے اس چیز یا جائیداد کا انتظام کچھ دنوں کے لئے کسی دوسرے کے سپرد کر دیا ہے جسے ”ٹرسٹی“ یعنی سپرددار کہا جاتا ہے۔ دنیا کے کسی ملک کے قانون کو بھی ہم دیکھیں، ٹرسٹی کے معنی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ وہ چیز ٹرسٹی کے پاس اور اس کے انتظام میں تب تک ہی رہ سکتی ہے جب تک اصلی مالک بالغ نہ ہو، یا جب تک وہ چاہے، یا جب تک وہ حالات نہ بدل جائیں جن کی وجہ سے ٹرسٹی مقرر کیا گیا تھا۔

کے جاگرتوں سے جاگرتوں، سچے اور त्यागी सेवकों में से हैं. हमारी कोयले की खदानों, चीना के कारखानों और चाय के बागों की जो हालत उन्होंने बताई है उसपर हमें संजीवनी से विचार करना चाहिये. जो बात डाक्टर लाहिया ने राजनीतिक पार्टियों की बाबत कही है वही हमारी आज-कल की सरकार के बारे में कही जा सकती है. भारत सरकार के खर्च का बहुत बड़ा हिस्सा मिल मालिकों की जेबों से आता है. सरकार का किसी न किसी दर्जे तक इन मिल मालिकों के अस्तर में रहना इसका कुदरती और लाजभी नतीजा है. सबूत हमें क्रम क्रम पर मिलते रहते हैं. देश के हाथ के कर्षणों की तरफ सरकार का जो बुनियादी रुख है वह इसी अस्तर का नतीजा है. हाल में बैंक मुलाजिमों के एवाड का बदला जाना भी उसी का एक नतीजा है. डाक्टर लाहिया चाहते हैं कि हमारी राजनीतिक पार्टियाँ आम जनता के पैसों से चले, पूंजीपतियों के पैसों से नहीं. हम उनसे पूरी तरह सहमत हैं. साथ ही यह भी जरूरी है कि हमारी सारी हकूमत आम जनता की गाड़ी कमाई के पैसों से चले, पूंजीपतियों के मुनाकों की हिरसे रसदी से नहीं. इसके यह मानी नहीं कि हम पूंजीपतियों को मन चाहे मुन के कमाने के लिये और अधिक आजाद कर दें और गरीब जनता पर बोझ और बढ़ा दें. इसके यह मानी हैं कि हम अपनी हकूमत का सारा ढाँचा, अपनी सारी राजनीतिक और आर्थिक व्यवस्था को इस तरह बदलें कि हमारी हकूमत और सारी मुत्की जिन्दगी जनता के हाथों में और उसी के अस्तर में हो.

कोयला, चीनी और चाय के धंदे

हमारी कोयले की खदानों में मजदूरों की जो गत होती है और चीनी के कारखानों में गन्ना पैदा करने वाले गरीब किसानों के साथ जो बुरा सलूक होता है, जिसमें मिल मालिकों के और हकूमत के दोनों के जुभाइन्दे शामिल रहते हैं, उसकी तफसील में हम यहां जाना नहीं चाहते.

आसाम के चाय के बागीचों की हालत हमने वहां जा कर अपनी आंखों से देखी है. वहां मजदूरों के साथ जो सलूक किया जाता है वह किसी सभ्य देश में जानवरों के साथ भी नहीं होना चाहिये. हमने वहां के मजदूरों के कार्टों में कोढ़ के बढ़े हुए रोगियों को दूसरे मजदूर औरतों और बच्चों के साथ एक ही फोठरी में रखे जाते देखा है. जब हमने वहां के बंगाली डाक्टर से इसकी शिकायत की तो उसने हमारे एतराफ को ठीक मानते हुये भी अपनी मजदूरी जाहिर की. आसाम के चाय के बागीचों में जाकर मालूम ही नहीं होता कि भारत का राज अंग्रेजों के हाथों से निकल कर हिन्दुस्तानियों के हाथों में आ गया है.

के जागرتों से जागرتों, सچے اور त्यागी सेवकों میں سے ہیں . ہماری کوئلے کی کھدائیوں، چینی کے کارخانوں اور چائے کے باغیچوں کی جو حالت انہوں نے بتائی ہے اُس پر ہمیں سمجھدیگی سے بچنا چاہئے . جو بات ڈاکٹر لاہیا نے راجنیتک پارٹیوں کی بابت کہی ہے وہی ہماری آجکل کی سرکار کے بارے میں کہی جا سکتی ہے . بھارت سرکار کے خرچ کا بہت بڑا حصہ مل مالکوں کی جیبوں سے آتا ہے . سرکار کا کسی نہ کسی درجہ تک ان مل مالکوں کے اُتر میں رہنا اس کا قدرتی اور لازمی نتیجہ ہے . ثبوت ہمیں قدم قدم پر ملتے رہتے ہیں . دیش کے ہاتھ کے کرگھوں کی طرف سرکار کا جو بنیادی رخ ہے وہ اسی اُتر کا نتیجہ ہے . حال میں بینک ملازموں کے ایوارڈ کا بدلا جانا بھی اسی کا ایک نتیجہ ہے . ڈاکٹر لاہیا چاہتے ہیں کہ ہماری راجنیتک پارٹیاں عام جنتا کے پیسے سے چلیں ، پونجی پتلیوں کے پیسوں سے نہیں . ہم اُن سے پوری طرح سممت ہیں . ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہماری ساری حکومت عام جنتا کی گڑی کمانی کے پیسوں سے چلے پونجی پتلیوں کے منافعوں کی حصہ رسانی سے نہیں . اِس کے یہ معنی نہیں کہ ہم پونجی پتلیوں کو منی چاہے منافع کمانے کے لئے اور انکے آزاد کر دیں اور غریب جنتا پر بوجھ اور بڑھادیں . اِس کے یہ معنی ہیں کہ ہم اپنی حکومت کا سارا ڈھانچا اپنی ساری راجنیتک اور آرٹیک دوستیا کو اِس طرح بدلیں کہ ہماری حکومت اور ساری ملکی زندگی جنتا کے ہاتھوں میں اور اُسی کے اُتر میں ہو .

کوئلہ، چینی اور چائے کے دھندے

ہماری کوئلے کی کھدائیوں میں مزدوروں کی جو گت ہوتی ہے اور چینی کے کارخانوں میں گنا پیدا کرنے والے غریب کسانوں کے ساتھ جو برا سلوک ہوتا ہے جس میں مل مالکوں کے اور حکومت کے دونوں کے نمائندے شامل رہتے ہیں، اس کی تفصیل میں ہم بیان جانا نہیں چاہتے.

آسام کے چائے کے باغیچوں کی حالت ہم نے وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے . وہاں مزدوروں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ کسی سہیہ دیش میں جانوروں کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہئے . ہم نے وہاں کے مزدوروں کے کارٹروں میں گڑھ کے بڑے ہوئے روگھوں کو دوسرے مزدور، عورتوں اور بچوں کے ساتھ ایک ہی کٹھری میں رکھے جاتے دیکھا ہے. جب ہم نے وہاں کے بنگالی ڈاکٹر سے اِس کی شکایت کی تو اُس نے ہمارے اعتراض کو نفیہ ماننے سے بھی اپنی معجوبی ظاہر کی . آسام کے چائے کے باغیچوں میں جا کر یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بھارت کا راج انگریزوں نے سائوں سے نکل کر غندستانوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے.

ڈاکٹر رام मनोहर लोहिया ने कहा कि यही हाल कांथल की खदानों का है. इनारी कांथल की खदानों से लगभग साढ़े तीन करोड़ टन कांथला हर साल पैदा होता है, जिस पर लगभग वही पन्द्रह करोड़ रुपया सालाना खदानों के मालिकों को मुनाफा होता है.

चाय के बागीचों का चिक्र करते हुए डॉक्टर लोहिया ने बताया कि हमारे देश के चाय के तीन-चौथाई बागीचों के मालिक अभी तक अंधे हैं. वही उनका इन्तजाम करते हैं. देश में हर साल लगभग 75 लाख मन चाय पैदा होती है. इन बागीचों में कुल पूंजी लगभग तीस करोड़ रुपया लगी हुई है, और इस पूंजी पर मुनाफा हर साल लगभग सौ करोड़ यानी एक अरब रुपये होता है. इस मुनाफे का बहुत थड़ा हिस्सा हर साल इंगलिस्तान चला जाता है. मुलाजिमों और दूसरे लोगों के रखने में जो तरफदारियां और रू-रियायतें की जाती हैं वह अलग.

इस सब हालत का इलाज वह यह बताते हैं कि यह सब धंदे 'नेशनलाइज' कर लिये जावे. नेशनलाइज करने के मानी हैं 'क्रौमियाना' यानी यह कि इन सब खदानों, कारखानों और बागीचों पर क्रौम (राष्ट्र) का यानी देश की सरकार का कब्जा हो जावे और सरकार ही उन्हें चलावे.

डॉक्टर लोहिया ने यह भी कहा कि नेशनलाइज करने में सबसे बड़ी रुकावट मुश्ताबजे का सवाल है और बड़ी बड़ी रकमें मुश्ताबजे में देकर नेशनलाइज करना बेमानी है.

डॉक्टर लोहिया की राय है कि इनमें से जो जो धंदे विदेशियों के हाथों में हैं उनके हिस्से सरकार को खुले बाजार में खरीद लेने चाहिये, या "कुछ मुनासिब मुश्ताबजा" देकर भी इन धंदों को विदेशियों के हाथों से ले लेना चाहिये. बाकी धंदों की बाबत उनकी राय है कि जिन थोड़े से बीच के तबके के लोगों की रोजी पर नेशनलाइज करने से अस्सर पड़े उनको थोड़ा बहुत मुश्ताबजा दिया जावे, औरों को मुश्ताबजा देने की जरूरत नहीं है.

डॉक्टर लोहिया ने यह भी कहा कि हम समाजवाद के जिस आदर्श की तरफ बढ़ना चाहते हैं उस तक गांधी जी के ट्रस्टीपन के उसूल या विनोबा जी के सम्पत्तिदान के उसूल से हम कभी नहीं पहुंच सकते. डॉक्टर लोहिया का कहना है कि गांधी जी भी ट्रस्टीपन के तजुबे में नाकाम रहे. डॉक्टर लोहिया की राय में ट्रस्टीपन और सम्पत्तिदान से वह अधूरे नतीजे पैदा होते हैं जिनसे सोशलिस्ट तहरीक का फायदे की जगह नुकसान होता है.

देश की राजनीति पर पूंजीपतियों का कब्जा

डॉक्टर राम मनोहर लोहिया की किसी राय से हम सहमत हों या न हों इसमें संदेह नहीं कि डॉक्टर लोहिया देश

डॉक्टर राम मनोहर लोहिया ने कहा कि यही हाल कोले की कदानों का है. हमारी कोले की कदानों से एक बिक साठे तिन करोड़ टन कोले हर साल पैदा होता है, जिस पर एक बिक वही पन्द्रह करोड़ रुपया सालाने कदानों के मालिकों को मुनाफा होता है.

चाले के बागिचों का ذکر करते हुये डॉक्टर लोहिया ने बताया कि हमारे देश के चाले के तीन चौथाई बागिचों के मालिक अभी तक अंगरेज हैं. वही उन का अन्तظام करते हैं. देश में हर साल एक बिक 75 लाख मन चाले पैदा होती है. इन बागिचों में कुल पूंजी लगभग तीस करोड़ रुपया लगी हुई है, और इस पूंजी पर मुनाफा हर साल लगभग सौ करोड़ यानी एक अरब रुपये होता है. इस मुनाफे का बहुत थड़ा हिस्सा हर साल इंगलिस्तान चला जाता है. मुलाजिमों और दूसरे लोगों के रखने में जो तरफदारियां और रू-रियायतें की जाती हैं वह अलग.

इस सब हालत का इलाज वे यह बताते हैं कि यह सब धंदे 'नेशनलाइज' कर लिये जावे. नेशनलाइज करने के मानी हैं 'क्रौमियाना' यानी यह कि इन सब खदानों, कारखानों और बागीचों पर क्रौम (राष्ट्र) का यानी देश की सरकार का कब्जा हो जावे और सरकार ही उन्हें चलावे.

डॉक्टर लोहिया ने यह भी कहा कि नेशनलाइज करने में सबसे बड़ी रुकावट मुश्ताबजे का सवाल है और बड़ी बड़ी रकमें मुश्ताबजे में देकर नेशनलाइज करना बेमानी है.

डॉक्टर लोहिया की राय है कि इनमें से जो जो धंदे विदेशियों के हाथों में हैं उनके हिस्से सरकार को खुले बाजार में खरीद लेने चाहिये, या "कुछ मुनासिब मुश्ताबजा" देकर भी इन धंदों को विदेशियों के हाथों से ले लेना चाहिये. बाकी धंदों की बाबत उनकी राय है कि जिन थोड़े से बीच के तबके के लोगों की रोजी पर नेशनलाइज करने से अस्सर पड़े उनको थोड़ा बहुत मुश्ताबजा दिया जावे, औरों को मुश्ताबजा देने की जरूरत नहीं है.

डॉक्टर लोहिया ने यह भी कहा कि हम समाजवाद के जिस आदर्श की तरफ बढ़ना चाहते हैं उस तक गांधी जी के ट्रस्टीपन के उसूल या विनोबा जी के सम्पत्तिदान के उसूल से हम कभी नहीं पहुंच सकते. डॉक्टर लोहिया का कहना है कि गांधी जी भी ट्रस्टीपन के तजुबे में नाकाम रहे. डॉक्टर लोहिया की राय में ट्रस्टीपन और सम्पत्तिदान से वह अधूरे नतीजे पैदा होते हैं जिनसे सोशलिस्ट तहरीक का फायदे की जगह नुकसान होता है.

देश की राजनीति पर पूंजीपतियों का कब्जा

डॉक्टर राम मनोहर लोहिया की किसी राय से हम सहमत हों या न हों इसमें संदेह नहीं कि डॉक्टर लोहिया देश

उन्होंने कहा कि हमारे पास पहाड़ी इलाक़े में भी दस बीघा ज़मीन है, उसका भी छठा हिस्सा भर लीजिये, हम दोनों पर अंगूठा एक साथ लगाएंगे, कार्यकर्ता ने दूसरा दानपत्र भरा, दोनों पर व्यावृद्ध ने अंगूठे लगाये, फिर खुशी खुशी अपने घर चले गये, कार्यकर्ता ने रात को वह दानपत्र हमें लाकर दिखाये।

X X X

[दो राज बाद—यही आदिवासियों का केन्द्र—पड़ाव बोरिया]

प्रार्थना प्रवचन के बाद बस्ती के कुछ मुसलमान भाइयों ने बाबा से कुछ विशेष सुनना चाहा, बाबा ने बड़ी ख़ुशी ख़ुशी उनकी बात मंज़ूर की, नज़दीक में ही एक भाई का घर था, उनके सहन में बाबा को ले जाया गया, वहां वह दस मिनट बोले, वहां से लौटकर पड़ाव पर आ रहे थे, रास्ते में संथाली भाई खड़े थे, उनमें से एक ने दोनों हाथ उठाकर कहा—

बाबा, ज़मीन लो, ज़मीन लो, हम ज़मीन देंगे,

बाबा दो क़दम आगे बढ़े कि दूसरे संथाली ने कहा—

ज़मीन लो, ज़मीन लो, बाबा ज़मीन लो,

बाबा ने कहा लाओ लाओ, सब मिल कर ज़मीन बांट लो, बटोरना बन्द करो, बांटना शुरू करो, साथ में चलनेवाले एक भाई से कहा कि इनके दानपत्र भरवा लिये जायें,

X X X

ज़मीन दो, ज़मीन दो इससे शुरुआत हुई, ज़मीन लो, ज़मीन लो अब यह सूत आ गई, इससे ज़्यादा और क्या हो सकता है ? अब सिर्फ़ हमारा और आपका, कार्यकर्ताओं का काम रह जाता है, कार्यकर्ता नहीं, हम यज्ञकर्ता कहेंगे, यज्ञकर्ता एक बार उठ खड़े हों तो देखते देखते यह यज्ञ सफल हो जाय, सारे देश में से ज़मीन की मिलकियत मिट जायगी, हर कहीं खेत गांव का और खेती किसान की हो, जब खेत गांव का और खेती किसान की हो गई, इस तरह प्रेम से हो गई, तब फिर कौन ऐसा सबाल है जो हम प्रेम की ताकत से, अपनी स्वतंत्र लोकाशिक्षे, अपने देश में हल नहीं कर लेगे ? तभी सच्चा स्वराज्य होगा, आमराज्य होगा, राम राज्य होगा,

अनेक ने कहा हमारे पास पहाड़ी इलाक़े में भी दस बीघा ज़मीन है, उसका भी छठा हिस्सा भर लीजिये, हम दोनों पर अंगूठा एक साथ लगाएंगे, कार्यकर्ता ने दूसरा दानपत्र भरा, दोनों पर व्यावृद्ध ने अंगूठे लगाये, फिर खुशी खुशी अपने घर चले गये, कार्यकर्ता ने रात को वह दानपत्र हमें लाकर दिखाये।

X X X

[दो रोज़ बाद—यही आदिवासियों का केन्द्र—पड़ाव बोरिया]

प्रार्थना प्रवचन के बाद बस्ती के कुछ मुसलमान भाइयों ने बाबा से कुछ विशेष सुनना चाहा, बाबा ने बड़ी ख़ुशी ख़ुशी उनकी बात मंज़ूर की, नज़दीक में ही एक भाई का घर था, उनके सहन में बाबा को ले जाया गया, वहां वह दस मिनट बोले, वहां से लौटकर पड़ाव पर आ रहे थे, रास्ते में संथाली भाई खड़े थे, उनमें से एक ने दोनों हाथ उठाकर कहा—

बाबा, ज़मीन लो, हम ज़मीन देंगे,

बाबा दो क़दम आगे बढ़े कि दूसरे संथाली ने कहा—

ज़मीन लो, ज़मीन लो, बाबा ज़मीन लो,

बाबा ने कहा लाओ लाओ, सब मिल कर ज़मीन बांट लो, बटोरना बन्द करो, बांटना शुरू करो, साथ में चलनेवाले एक भाई से कहा कि इनके दानपत्र भरवा लिये जायें,

X X X

ज़मीन दो, ज़मीन दो इससे शुरुआत हुई, ज़मीन लो, ज़मीन लो अब यह सूत आ गई, इससे ज़्यादा और क्या हो सकता है ? अब सिर्फ़ हमारा और आपका, कार्यकर्ताओं का काम रह जाता है, कार्यकर्ता नहीं, हम यज्ञकर्ता कहेंगे, यज्ञकर्ता एक बार उठ खड़े हों तो देखते देखते यह यज्ञ सफल हो जाय, सारे देश में से ज़मीन की मिलकियत मिट जायगी, हर कहीं खेत गांव का और खेती किसान की हो, जब खेत गांव का और खेती किसान की हो गई, इस तरह प्रेम से हो गई, तब फिर कौन ऐसा सबाल है जो हम प्रेम की ताकत से, अपनी स्वतंत्र लोकाशिक्षे, अपने देश में हल नहीं कर लेगे ? तभी सच्चा स्वराज्य होगा, आमराज्य होगा, राम राज्य होगा,

बिहार के दिल की गहराई में

सीता के साथ भूमिदान और राधा के साथ सम्पत्ति दान जोड़ना बहुत ही जेचने वाली बात है। कार्यकर्ताओं ने भी इस भजन को पकड़ लिया और अब यह जगह जगह सुनाई देता है। हमें नहीं मालूम कि देश के किसी और हिस्से में राम का नाम और भूमिदान का काम इस तरह भजन के रूप में बोले जाते हों। बिहार के पूर्निया जिले में जनता जनार्दन की तरफ से ही इस भजन का गाया जाना साफ साफ बताता है कि भूदान का मंत्र किस गहराई तक बिहार की धरती में जा पहुंचा है।

❀ ❀ ❀
[स्थाल परगना जिला-आदिवासियों का इलाका-पड़ाव लोहनडीया-तारीख 27 नवम्बर]

दोपहर के दो बजे के करीब कुछ कार्यकर्ता बाबा से मिले। उन्होंने बताया कि यहां आदिवासी भाई ज्यादातर रहते हैं। उनसे जमीन बहुत कम मिल रही है। उनका यह डर है कि हमारी जमीन लेकर पहाड़ियों में या दूसरे लोगों में बांट दी जायगी। बाबा ने कहा कि इसका मतलब है कि आप उन तक हमारा सन्देश ठीक से नहीं पहुंचा सके। हम नहीं समझते कि आदिवासी भाई इस चीज के खिलाफ क्यों जायेंगे। बिचारों को ठीक ठीक समझाने की जरूरत है।

प्राथम्यता हुई। उसके बाद बाबा ने बताया कि हम एक बीघा, दो बीघा, जमीन नहीं चाहते। बल्कि जमीन की मिलकियत ही मिटाना चाहते हैं। गांव में जितनी जमीन है वह गांव की समझी जाय। जैसे घर के अन्दर की हर चीज किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे घर की मानी जाती है और सब घरवाले उसका इस्तेमाल करते हैं, इसी तरह से जमीन किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे गांव की मानी जाय और गांव के लोग मिलकर, जैसा जिसकी जरूरत हो, उसी लिहाज से बांट दें। अब जमीन उसे ही मिलेगी जो खेती करेगा। हम यह भी चाहते हैं कि गांव के फाड़े गांव के बाहर नहीं जायें। जैसे घर के फाड़े गांव के बाहर नहीं जाते। अपने गांव के मामले में किसी बाहर वाले का दखल नहीं होना चाहिये।

इस तरह करीब आधे घंटे तक बाबा का प्रबचन हुआ। जब वह समाप्त हो गई तो बाबा पड़ाव के स्थान पर लौट आये। इस बीच मंच के पास एक व्यावृद्ध संयाल पहुंचा। वहां एक कार्यकर्ता कुछ माहिम बयान रहे थे। उसे उन वृद्ध ने पूछा कि क्या तुम्हारे पास दानपत्र है? हम दान लिखाना चाहते हैं। वह कार्यकर्ता दानपत्र भरने लगा। वृद्ध सज्जन ने बताया कि इनारे पास इस इलाके में 2 बीघा जमीन है, उसमें से दो बीघा लिख लीजिये। जब यह दानपत्र भर गया और वह अपना अंगूठा लगाने लगे तो उस ठहरा।

बहार के दिल की गहराई में

सिता के साथ भूमि दान और राधा के साथ सम्पत्ति दान जोड़ना बहुत ही जेचने वाली बात है। कार्यकर्ताओं ने भी इस भजन को पकड़ लिया और अब यह जगह जगह सुनाई देता है। हमें नहीं मालूम कि देश के किसी और हिस्से में राम का नाम और भूमिदान का काम इस तरह भजन के रूप में बोले जाते हों। बिहार के पूर्निया जिले में जनता जनार्दन की तरफ से ही इस भजन का गाया जाना साफ साफ बताता है कि भूदान का मंत्र किस गहराई तक बिहार की धरती में जा पहुंचा है।

❀ ❀ ❀
[सन्तुल परगने-शुआ-आदी-आसियों का-एला-पुआ लोहन-तारीख 27 नवम्बर]

दोपहर के दो बजे के करीब कुछ कार्यकर्ता बाबा से मिले। उन्होंने बताया कि यहां आदिवासी भाई ज्यादातर रहते हैं। उनसे जमीन बहुत कम मिल रही है। उनका यह डर है कि हमारी जमीन लेकर पहाड़ियों में या दूसरे लोगों में बांट दी जायगी। बाबा ने कहा कि इसका मतलब है कि आप उन तक हमारा सन्देश ठीक से नहीं पहुंचा सके। हम नहीं समझते कि आदिवासी भाई इस चीज के खिलाफ क्यों जायेंगे। बिचारों को ठीक ठीक समझाने की जरूरत है।

प्राथम्यता हुई। उसके बाद बाबा ने बताया कि हम एक बीघा, दो बीघा, जमीन नहीं चाहते। बल्कि जमीन की मिलकियत ही मिटाना चाहते हैं। गांव में जितनी जमीन है वह गांव की समझी जाय। जैसे घर के अन्दर की हर चीज किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे घर की मानी जाती है और सब घरवाले उसका इस्तेमाल करते हैं, इसी तरह से जमीन किसी एक व्यक्ति की न होकर सारे गांव की मानी जाय और गांव के लोग मिलकर, जैसा जिसकी जरूरत हो, उसी लिहाज से बांट दें। अब जमीन उसे ही मिलेगी जो खेती करेगा। हम यह भी चाहते हैं कि गांव के फाड़े गांव के बाहर नहीं जायें। जैसे घर के फाड़े गांव के बाहर नहीं जाते। अपने गांव के मामले में किसी बाहर वाले का दखल नहीं होना चाहिये।

इस तरह करीब आधे घंटे तक बाबा का प्रबचन हुआ। जब वह समाप्त हो गई तो बाबा पड़ाव के स्थान पर लौट आये। इस बीच मंच के पास एक व्यावृद्ध संयाल पहुंचा। वहां एक कार्यकर्ता कुछ माहिम बयान रहे थे। उसे उन वृद्ध ने पूछा कि क्या तुम्हारे पास दानपत्र है? हम दान लिखाना चाहते हैं। वह कार्यकर्ता दानपत्र भरने लगा। वृद्ध सज्जन ने बताया कि इनारे पास इस इलाके में 2 बीघा जमीन है, उसमें से दो बीघा लिख लीजिये। जब यह दानपत्र भर गया और वह अपना अंगूठा लगाने लगे तो उस ठहरा।

[پرنیٹا جیلا—کشانگج کا پڈا، تاریخ 6 نومبر]

ایک رہس اور شریف گھرانے کے مسلمان بھائی بابا سے ملے۔
آئے بابا نے اپنی مانگ ان کے سامنے رکھی۔

انہوں نے غورمورعہ خاص کل کی کل دینا منظور کیا—
لگ بیگ پانچ ہزار ایکڑ۔ بابا نے کہا کہ جوت کی زمین کا
میں چٹا حصہ چاہئے۔

وہ بھائی بولے کہ ہمارے یہاں مسلمانوں میں بہنوں کا بھی
حق ہے۔ ہم پانچ بھائی اور دو بہنیں ہیں۔

تم ہم آتھیں ہو جاتے ہیں اور آپ ہمیں آتھوں حصہ
دیجئے۔ ہمارا حق آپ کو منظور ہے نا؟

جی ہاں، یہ کر کر انہوں نے جوت کی زمین کا آتھوں
حصہ کا دان پتر ہو دیا۔ اس کے بعد کہنے لگے کہ آپ نے جو
کام آتھیا ہے ہمارے اسلام میں تو یہ فرض ملتا گیا ہے۔ آپ کی
مانگ حق کی مانگ ہے اور انشا اللہ ملک سے آپ نے جو
مانگ کی ہے وہ ضرور پوری ہوگی۔

X

X

X

X

X

X

[تاریخ 5 نومبر—سوکھ کا সময়۔]

بابا پرنیٹا جیلے میں ہی یاترا کر رہے تھے۔ نواواگج
پوٹھریا گاؤں سے کھنڈاں گاؤں کے پڈا پر جا رہے تھے۔
راستے میں جگہ جگہ گاؤں والوں نے स्वागत کیا۔ ایک
جگہ ہارمونیم اور ڈولک پر کچھ بھائی ایک آنکھ بھینچ کر رہے تھے۔

سیتا سیता राम बोलो,
सब कोई भूमिदान दे दो,
सीता सीता राम बोलो,
राधे राधे श्याम बोलो,
सब कोई भूमिदान दे दो,
सब कोई सम्पत्ति दान दे दो,
सीता सीता राम बोलो.

بابا یہ بھینچ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ پڈا پر پہنچ
کر کہنے لگے کہ شاستر میں کہا گیا ہے کہ ہم جو منہ دیے کر
آئے ہیں ان کو دو ہی کام کرنے ہیں—ایک تو بھوکاں کا نام لیا
جانے، دوسرا سراج کے لئے دان دینا چاہئے۔ یہ بھینچ سنت
جاری رہنا چاہئے، یہ بھینچ ہمیشہ ہی چلنا چاہئے، سنت
دیتے ہی رہنا چاہئے۔ جیسے کھانا روز کھاتے ہیں، ویسے دینا
بھی روز چاہئے۔

اُس کے بعد سے یہ بھینچ جگہ جگہ سنائی پڑنے لگا اور ایک
جگہ اس نے یہ روپ لیا—

सीता सीता राम बोलो,
सब कोई भूमिदान दे दो,
राधे राधे श्याम बोलो,
सब कोई सम्पत्ति दान दे दो.

सीता सीता राम बोलो,
सब कौनी भूमि दान दे दो,
सीता सीता राम बोलो,
राधे राधे श्याम बोलो,
सब कौनी भूमि दान दे दो,
सब कौनी सम्पत्ति दान दे दो,
सीता सीता राम बोलो.

بابا یہ بھینچ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ پڈا پر پہنچ
کر کہنے لگے کہ شاستر میں کہا گیا ہے کہ ہم جو منہ دیے کر
آئے ہیں ان کو دو ہی کام کرنے ہیں—ایک تو بھوکاں کا نام لیا
جانے، دوسرا سراج کے لئے دان دینا چاہئے۔ یہ بھینچ سنت
جاری رہنا چاہئے، یہ بھینچ ہمیشہ ہی چلنا چاہئے، سنت
دیتے ہی رہنا چاہئے۔ جیسے کھانا روز کھاتے ہیں، ویسے دینا
بھی روز چاہئے۔

اُس کے بعد سے یہ بھینچ جگہ جگہ سنائی پڑنے لگا اور ایک
جگہ اس نے یہ روپ لیا—

सीता सीता राम बोलो,
सब कौनी भूमि दान दे दो,
राधे राधे श्याम बोलो,
सब कौनी सम्पत्ति दान दे दो.

ایک ماہر بولے کہ بیہار یونیورسٹی والوں کا گھڑا ہوا ہے تو یہاں ہی نہیں؟

ایک بیانی بولے کہ یونیورسٹی والا گھڑا تو یہاں ہی نہیں؟ کانگریسی مہرہ کہنے لگے کہ بابا کے مہر سے کب کیا کیا سنا چلتے ہو؟ جو دینا ہو دو۔

کانگریسی مہرہ کہنے لگے کہ بابا کے مہر سے اب کیا کیا سنا چاہتے ہو؟ جو دینا ہو دو۔

بکریل صاحب نے کہا کہ ہمارے لوگوں کو ہمارے حصے کی جو زمین ہے اس میں سے کل کا چھٹا حصہ آپ کو دیتے۔ یہ ہم تینوں بیانی، جو ایک ہی خاندان کے ہیں، ایک ایک دیتے۔

بابا نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو کل پرہوار کا کم سے کم چھٹا حصہ چاہئے۔ لیکن آپ نے یہ بہار یونیورسٹی کا گھڑا لگا ہی لیا۔ باقی پرہوار کا چھٹا حصہ ہمیں کب ملے گا؟

کانگریسی بیانی نے جواب دیا وہ تو بابو جی اور چاچا جی صلاح کرینگے، سب گھر کے لوگ بیٹھیں گے اور تب جیسی رائے ہوگی ویسا کیا جائیگا۔ اس وقت تو ہم نے اپنے اپنے حصے کا چھٹا حصہ دیا ہے۔

اچھی بات ہے، بابا نے کہا۔ ہم اُمید کریں گے کہ جب آپ نے چھٹا دیا ہے تو اپنے بڑے بھائیوں سے بات کر کے کل پرہوار کا چھٹا حصہ تو ضرور دلائیے۔ لیکن یہ اس وقت جو آپ زمین دے رہے ہیں وہ سب جوت والی ہے نا؟

سماج وادی نوجوان نے کہا کہ آپ تو ہم نے آپ کو اپنا بیانی مان کر آپ کا حق دیا ہے۔ جب حق ملتا ہے تب تو اچھی بری سب چیزیں لینی ہوتی۔

بابا مسکراتے اور کہنے لگے کہ چلتے آپ نے ہمیں گھر میں جگہ تو دی۔ آپ نے ہمارا حق تو منظور کیا۔ لیکن ہم انصاف چاہتے ہیں۔ آپ یہ تو دیکھتے کہ جس غریب بیانی کو زمین دیتے ہیں اس کو ہی آپ کی سی طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے۔ تو زمین کے علاوہ گھر کی دوسری چیزوں میں بھی اُسے حصہ ملنا چاہئے۔ ہم آپ کے سب سے کمزور اور سب سے چھوٹے بیانی ہیں۔ چھوٹے بیانی کا دعویٰ تو اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یہ سن کر کانگریسی بیانی کچھ حیران سے نظر آئے۔ کہنے لگے کہ بابا آپ تو دغیرے دغیرے آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

تپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کوئی انیلے کی بات کہہ رہے ہیں؟ آپ کو کیا یہ برداشت ہوگا کہ آپ اچھی طرح کھاتے پیتے ہوں اور آپ کا بیانی کٹی گڈری حالت میں رہے؟ ہم کم سے کم یہ تو ضرور اُمید کریں گے کہ آپ جو ہمیں پرانی زمین دیتے ہیں وہ ایک بار تڑوا کر دیں گے۔

بابا کی یہ مانگ اُن بیانیوں نے منظور کی۔ اس طرح قریب سوا گھنٹے تک یہ ست سنگ رہا اور حق کے طور پر بابا کو چھٹا حصہ زمین دیکھی۔

بابا نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو کل پرہوار کا کم سے کم چھٹا حصہ چاہئے۔ لیکن آپ نے یہ بہار یونیورسٹی کا گھڑا لگا ہی لیا۔ باقی پرہوار کا چھٹا حصہ ہمیں کب ملے گا؟

کانگریسی بیانی نے جواب دیا وہ تو بابو جی اور چاچا جی صلاح کرینگے، سب گھر کے لوگ بیٹھیں گے اور تب جیسی رائے ہوگی ویسا کیا جائیگا۔ اس وقت تو ہم نے اپنے اپنے حصے کا چھٹا حصہ دیا ہے۔

اچھی بات ہے، بابا نے کہا۔ ہم اُمید کریں گے کہ جب آپ نے چھٹا دیا ہے تو اپنے بڑے بھائیوں سے بات کر کے کل پرہوار کا چھٹا حصہ تو ضرور دلائیے۔ لیکن یہ اس وقت جو آپ زمین دے رہے ہیں وہ سب جوت والی ہے نا؟

سماج وادی نوجوان نے کہا کہ آپ تو ہم نے آپ کو اپنا بیانی مان کر آپ کا حق دیا ہے۔ جب حق ملتا ہے تب تو اچھی بری سب چیزیں لینی ہوتی۔

بابا مسکراتے اور کہنے لگے کہ چلتے آپ نے ہمیں گھر میں جگہ تو دی۔ آپ نے ہمارا حق تو منظور کیا۔ لیکن ہم انصاف چاہتے ہیں۔ آپ یہ تو دیکھتے کہ جس غریب بیانی کو زمین دیتے ہیں اس کو ہی آپ کی سی طرح اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے۔ تو زمین کے علاوہ گھر کی دوسری چیزوں میں بھی اُسے حصہ ملنا چاہئے۔ ہم آپ کے سب سے کمزور اور سب سے چھوٹے بیانی ہیں۔ چھوٹے بیانی کا دعویٰ تو اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔

یہ سن کر کانگریسی بیانی کچھ حیران سے نظر آئے۔ کہنے لگے کہ بابا آپ تو دغیرے دغیرے آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں۔

تپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کوئی انیلے کی بات کہہ رہے ہیں؟ آپ کو کیا یہ برداشت ہوگا کہ آپ اچھی طرح کھاتے پیتے ہوں اور آپ کا بیانی کٹی گڈری حالت میں رہے؟ ہم کم سے کم یہ تو ضرور اُمید کریں گے کہ آپ جو ہمیں پرانی زمین دیتے ہیں وہ ایک بار تڑوا کر دیں گے۔

بابا کی یہ مانگ اُن بیانیوں نے منظور کی۔ اس طرح قریب سوا گھنٹے تک یہ ست سنگ رہا اور حق کے طور پر بابا کو چھٹا حصہ زمین دیکھی۔

वह सबकी सब आप हमें क्यों नहीं ले देते ? आपके पास बेकार पड़ी है, हमारे काम आजायेगी. हम तो यही कहते हैं कि गैरमजूरखा खास, अपनी कुल की कुल दे दीजिये और जोत के जमीन में से घर के भाई के नाते हमारा हक दे दीजिये.

कांग्रेसी भाई बोले कि आप उस परती जमीन को लेकर क्या कीजियेगा ? कहीं दरिया है, कहीं रेत है, कहीं कुछ. आप हमें वह सब दे तो दीजिये. जैसा होगा हम संभाल लेंगे.

वह तो नये कानून के मुताबिक अपने हाथ से चली जाने वाली है.

जब चली जाने वाली है, तब भी आप नहीं देते !

धीमी आवाज से वकील साहब बोले कि उसका मुआबज.....

बाबा ने कहा—यह आपने अब अपना दिल खोला. उसके मुआबजे में रुपया मिलेगा. इसी वजह से उस परती जमीन को भी पकड़े हुये हैं. ऐसा क्यों नहीं करते कि गैर-मजूरखा खास का जो मुआबज आपका मिले वह हमें दे दीजिये. ऐसा कई श्रीमानों ने किया भी है.

कांग्रेसी सज्जन बोले कि वह तो बड़े आदमी हैं. न हमारी उतनी हस्ती है और न घर वालों की ही इजाजत है.

यह आप जानिये. लेकिन गैरमजूरखा खास अगर आप दे देते हैं तो इसमें आपका कोई नुकसान नहीं होता.

इसके बाद थोड़ी देर सभी चुप रहे. वे लोग आपस में कुछ सलाह सी करने लगे. एक भाई बोले कि बाबा हम चारों अपने अपने हिस्से का छठा हिस्सा देने को राजी हैं.

बाबा इस पर हंसे और कहा आपका कौन सा गणित है ? पटना यूनिवर्सिटी का या बिहार यूनिवर्सिटी का ? यह सुनकर सब को अचरज हुआ और उनमें से एक ने पूछा कि यह दोनों गणित कौन कौन से हैं ?

बाबा ने बताया कि पटना यूनिवर्सिटी के पढ़े हुए एक वकील साहब हमें एक जगह मिले. उन्होंने हमें एक बीघा जमीन दान में दी और कहा कि छठे हिस्से से ज्यादा होती है. हमने उनसे पूछा कि यह कैसे ? ता कहने लगे कि हमारे घर में कुल 100 बीघा जमीन है. हम अपने पिता जी के चार लड़के हैं. हमारे पिता जी अभी जीवित हैं. तो हमारे कुल के हिस्से में 20 बीघा पड़ा. अब हमारे खुद के तीन लड़के हैं—एक हम और तीन वह. इस तरह हमारे हिस्से के भी चार हिस्से हो गए. हमारे पल्ले पांच बीघा ही जमीन पड़ी. उसमें का छठा हिस्सा न दे कर कुछ ज्यादा ही दिया.

यह सुन कर सभी लोग हंस पड़े.

बाबा बोले कि यह है आपका पटना यूनिवर्सिटी का गणित— 00 बीघा का छठा हिस्सा एक बीघा. तो बताइये कि आप हमें किस हिसाब से दे रहे हैं ?

वह सब की सब आप हमें क्यों नहीं ले दिये ? आप के पास पैसे का ढेर है, हमारे काम आजायेगी. हम तो यही कहते हैं कि गैरमजूरखा खास, अपनी कुल की कुल दे दीजिये और जोत के जमीन में से घर के भाई के नाते हमारा हक दे दीजिये.

कांग्रेसी भाई बोले कि आप उस परती जमीन को लेकर क्या कीजियेगा ? कहीं दरिया है, कहीं रेत है, कहीं कुछ. आप हमें वह सब दे तो दीजिये. जैसा होगा हम संभाल लेंगे.

वह तो नये कानून के मुताबिक अपने हाथ से चली जाने वाली है.

जब चली जाने वाली है, तब भी आप नहीं देते !

धीमी आवाज से वकील साहब बोले कि उसका मुआबज.....

बाबा ने कहा—यह आपने अब अपना दिल खोला. उसके मुआबजे में रुपया मिलेगा. इसी वजह से उस परती जमीन को भी पकड़े हुये हैं. ऐसा क्यों नहीं करते कि गैर-मजूरखा खास का जो मुआबज आपका मिले वह हमें दे दीजिये. ऐसा कई श्रीमानों ने किया भी है.

कांग्रेसी सज्जन बोले कि वह तो बड़े आदमी हैं. न हमारी उतनी हस्ती है और न घर वालों की ही इजाजत है.

यह आप जानिये. लेकिन गैरमजूरखा खास अगर आप दे देते हैं तो इसमें आपका कोई नुकसान नहीं होता.

इसके बाद थोड़ी देर सभी चुप रहे. वे लोग आपस में कुछ सलाह सी करने लगे. एक भाई बोले कि बाबा हम चारों अपने अपने हिस्से का छठा हिस्सा देने को राजी हैं.

बाबा इस पर हंसे और कहा आपका कौन सा गणित है ? पटना यूनिवर्सिटी का या बिहार यूनिवर्सिटी का ? यह सुनकर सब को अचरज हुआ और उनमें से एक ने पूछा कि यह दोनों गणित कौन कौन से हैं ?

बाबा ने बताया कि पटना यूनिवर्सिटी के पढ़े हुए एक वकील साहब हमें एक जगह मिले. उन्होंने हमें एक बीघा जमीन दान में दी और कहा कि छठे हिस्से से ज्यादा होती है. हमने उनसे पूछा कि यह कैसे ? ता कहने लगे कि हमारे घर में कुल 100 बीघा जमीन है. हम अपने पिता जी के चार लड़के हैं. हमारे पिता जी अभी जीवित हैं. तो हमारे कुल के हिस्से में 20 बीघा पड़ा. अब हमारे खुद के तीन लड़के हैं—एक हम और तीन वह. इस तरह हमारे हिस्से के भी चार हिस्से हो गए. हमारे पल्ले पांच बीघा ही जमीन पड़ी. उसमें का छठा हिस्सा न दे कर कुछ ज्यादा ही दिया.

यह सुन कर सभी लोग हंस पड़े.

बाबा बोले कि यह है आपका पटना यूनिवर्सिटी का गणित— 00 बीघा का छठा हिस्सा एक बीघा. तो बताइये कि आप हमें किस हिसाब से दे रहे हैं ?

कांग्रेसी सज्जन बोले कि वह तो बड़े आदमी हैं. न हमारी उतनी हस्ती है और न घर वालों की ही इजाजत है.

यह आप जानिये. लेकिन गैरमजूरखा खास अगर आप दे देते हैं तो इसमें आपका कोई नुकसान नहीं होता.

इसके बाद थोड़ी देर सभी चुप रहे. वे लोग आपस में कुछ सलाह सी करने लगे. एक भाई बोले कि बाबा हम चारों अपने अपने हिस्से का छठा हिस्सा देने को राजी हैं.

जमीन उसी के पास अब रहेगी जो खेती खुद करेगा. फिदाव उसी के पास रहेगी जो खुद पढ़ेगा. हम जानते हैं कि आप में से सब लोग आज खुद काम करने की हालत में नहीं हैं. हम आपको मुहलत देने का तैयार हैं. ज्यादा नहीं, चार पांच बरस की. इस बीच आप अपने लड़कों को तैयार कीजिये ताकि वह और खटने वाले मजदूरों के लड़के एक साथ मिल कर काम करें. फिर हम आपसे पूछना चाहते हैं कि जब आप बकालत करते हैं तो जमीन रख कर क्या कीजियेगा ?

बाबा की बात को टालते हुए वकील साहब ने कहा कि अभी लोग समझे नहीं हैं.

कांग्रेसी भाई कहने लगे कि बाबा हम देने को राजी भी हों, लेकिन घर के चुबुर्ग कहां मानते हैं, अपनी ऐसी गटी एक करके उन्होंने जमीन हासिल की है. अब उसे कैसे जाने दें ?

बाबा बोले कि हम इस बात में नहीं पड़ेगे कि आपके पास जमीनें किस तरह आयीं ? इस पिछली बातों में नहीं जाते. उससे न आपको फायदा है न किसी और को. लेकिन हम आप से तो यह जानना चाहेंगे कि आपकी प्रादेशिक कांग्रेस समिती ने 32 लाख एकड़ के लिये एक प्रस्ताव पास किया है, उसे दाहराया, तब आपका क्या फर्क हो जाता है ?

इस पर समाजवादी नौजवान बाले कि या सरकुलर ता आया ही करते हैं.

बाबा ने उनकी तरफ देखकर कहा कि आपके पार्टीवाले तो कहते हैं कि बाबा ने हमारा ही काम उठाया है. ता हम कहते हैं कि हमारे उठाने पर क्या आपने अपना काम बन्द कर दिया ? आप लाग ता बड़े वाचन है. आनक नता जय प्रकाश बाबू ने इस काम के लिये अंगार की. लेकिन आप जैसे अनुयायी हैं कि अपने नेता की बात सुनी अनुसुनी कर देते हैं.

प्रेजुएंट भाई बाले कि बाबा यह ता हांगा ही. क्योंकि आपको इस मांग से तो पहले अपने घर हा हाथ साफ करना पड़ता है.

हां, बाबा ने बड़े जोर से कहा. यह बात है. अगर खुद देना नहीं होता तो इनको भी कांग्रेस का प्रस्ताव मंजूर था और उनको भी प्रजा पार्टी का प्रस्ताव मंजूर था. यही हमारे काम और दूसरे के कामों में फर्क है.

वकील साहब ने कहा कि अच्छा, आज तो हमारा दानपत्र कबूल कर लीजिये, छठा हिस्सा बाद में पूरा करेंगे.

जब आप छठा हिस्सा देने को राजी हैं तो "शुभस्य शीघ्रम्." कब दोबारा आपके गांव में हमारा आना हांगा और कब आपसे भेंट होगी ?

जो बैस तो जमीन बहुतेरी बेकार पड़ी है, न उसका कोई हिस्सा है न फिदाव.

जमीन उसी के पास अब रहेगी जो खेती खुद करे. 8. कलब उसी के पास रहेगी जो खुद पढ़े. 8. हम जानते हैं कि आप में से सब लोग आज खुद काम करने की हालत में नहीं हैं. हम आपको मुहलत देने का तैयार हैं. ज्यादा नहीं, चार पांच बरस की. इस बीच आप अपने लड़कों को तैयार कीजिये ताकि वह और खटने वाले मजदूरों के लड़के एक साथ मिल कर काम करें. फिर हम आपसे पूछना चाहते हैं कि जब आप बकालत करते हैं तो जमीन रख कर क्या कीजियेगा ?

बाबा की बात को टालते हुए वकील साहब ने कहा कि अभी लोग समझे नहीं हैं.

कांग्रेसी भाई कहने लगे कि बाबा हम देने को राजी भी हों, लेकिन घर के चुबुर्ग कहां मानते हैं, अपनी ऐसी गटी एक करके उन्होंने जमीन हासिल की है. अब उसे कैसे जाने दें ?

बाबा बोले कि हम इस बात में नहीं पड़ेंगे कि आपके पास जमीनें किस तरह आयीं ? इस पिछली बातों में नहीं जाते. उससे न आपको फायदा है न किसी और को. लेकिन हम आप से तो यह जानना चाहेंगे कि आपकी प्रादेशिक कांग्रेस समिती ने 32 लाख एकड़ के लिये एक प्रस्ताव पास किया है, उसे दाहराया, तब आपका क्या फर्क हो जाता है ?

इस पर समाजवादी नौजवान बाले कि या सरकुलर तो आया ही करते हैं.

बाबा ने उनकी तरफ देखकर कहा कि आपके पार्टीवाले तो कहते हैं कि बाबा ने हमारा ही काम उठाया है. ता हम कहते हैं कि हमारे उठाने पर क्या आपने अपना काम बन्द कर दिया ? आप लाग ता बड़े वाचन है. आनक नता जय प्रकाश बाबू ने इस काम के लिये अंगार की. लेकिन आप जैसे अनुयायी हैं कि अपने नेता की बात सुनी अनुसुनी कर देते हैं.

प्रेजुएंट भाई बाले कि बाबा यह ता हांगा ही. क्योंकि आपको इस मांग से तो पहले अपने घर हा हाथ साफ करना पड़ता है.

हां, बाबा ने बड़े जोर से कहा. यह बात है. अगर खुद देना नहीं होता तो इनको भी कांग्रेस का प्रस्ताव मंजूर था और उनको भी प्रजा पार्टी का प्रस्ताव मंजूर था. यही हमारे काम और दूसरे के कामों में फर्क है.

वकील साहब ने कहा कि अच्छा, आज तो हमारा दानपत्र कबूल कर लीजिये, छठा हिस्सा बाद में पूरा करेंगे.

जब आप छठा हिस्सा देने को राजी हैं तो "शुभस्य शीघ्रम्." कब दोबारा आपके गांव में हमारा आना हांगा और कब आपसे भेंट होगी ?

जो बैस तो जमीन बहुतेरी बेकार पड़ी है, न उसका कोई हिस्सा है न फिदाव.

मेरे यहाँ यह कोई अदालत नहीं है जहाँ एक दूसरे की निन्दा की जाये. यह तो प्रेम का सत्संग है जहाँ हम अपने दिल की बात कहते हैं, अपने अपने दिल का मेल सब जाहिर करते हैं. मैं आपके सामने बहुत सी ऐसी मिसालें पेश कर सकता हूँ जिन्होंने छूटे की तो बात ही क्या, चौथा हिस्सा दिया है, आधा हिस्सा दिया है और बीसियों ऐसी मिसालें हैं जिन्होंने सब का सब दे दिया है. आप तीचे गिराने वाली मिसालों का ही अनुकरण क्यों करें ?

हमारा निवेदन है कि आज जो हमने दिया है वह कबूल किया जाये, बाकी आगे दिया जायेगा.

बाबा बोले हम चाहते हैं कि आप हमारी बात समझ लें. आप हमें अपने घर में दरिद्रनारायण के प्रतिनिधि के तौर पर जगह दीजिये. अगर आप घर में पांच भाई हैं तो हमें छठा हिस्सा दीजिये, तीन है तो चौथा, सात हैं तो आठवाँ, अकेले हैं तो बराबर का. लड़के बच्चों का हम शुमार नहीं करते, क्योंकि लड़के बच्चे सभी के होते हैं. यह हमारी धर्म की मांग है.

यह सुनकर वकील साहब जरा खामोश हुए और कुछ सोचने लगे. ग्रैजुएट बाबू ने कहा कि हमारा खुद का ही काम नहीं चलता, उधर सरकार भी तंग करने जा रही है.

उनकी बात पर जोर देते हुए वकील साहब कहने लगे कि अभी सिलॉग बनने जा रहा है. सिलॉग बनने पर आप-को जमीन कौन दे देगा ?

बाबा ने कहा यह तो हम जानते हैं. और आपकी अक्ल सरकारी कानून को बेकार बनाने में लगी हुई है. हैदराबाद का किस्सा है कि जब हम वहाँ घूमते थे वहाँ सरकार सिलॉग बनाने की सोचती थी. वह सोचती रही. इस बीच वहाँ के जमींदारों ने अपने लड़के, भाई, भतीजों के नाम जमीनें लिखा दीं. अब वहाँ शायद सौ सवा सौ एकड़ का कानून बना है. इसका बनना न बनना बराबर है. आपके विहार में भी सम्मिलित परिवारों को तोड़ा जा रहा है. घरवाले रिश्तेदारों के नाम से जमीनें लिखा रहे हैं. दो साल बाद या जब भी कानून आये तब सब जमीनें बँटी हुई मिलेंगी और उस कानून की एक नहीं चलेगी.

तो इसके यह माने हैं कि सरकार कानून किजूल में बना रही है.

यह तो आप हमसे ज्यादा बेहतर जानते होंगे. बाबा के लफ्ज सुन कर सब हँस पड़े. फिर बाबा ने कहा कि हमारी मांग की असलियत आप समझें नहीं. हम तो जमीन की मिल-कियत ही मिटा देना चाहते हैं. जमीन पर मालकी का दावा करना गलत है. ईश्वर के कानून के खिलाफ है. यही बात समझाने के लिये हम गांव गांव घूमते हैं. जैसे हवा, पानी और सूरज की रोशनी तो किसी की मिलकियत नहीं, वैसे ही जमीन पर किसी की मिलकियत नहीं रह सकती.

महोदय यहाँ ये कौनो عدالت नहीं है जहाँ एक दूसरे की लड़ाई की जाये. ये तो प्रेम का सत्संग है जहाँ हम अपने दिल की बात कहते हैं, अपने अपने दिल का मेल सब जाहिर करते हैं. मैं आपके सामने बहुत सी ऐसी मिसालें पेश कर सकता हूँ जिन्होंने छूटे की तो बात ही क्या, चौथा हिस्सा दिया है, आधा हिस्सा दिया है और बीसियों ऐसी मिसालें हैं जिन्होंने सब का सब दे दिया है. आप तीचे गिराने वाली बातों का अनुकरण क्यों करें ?

हमारा निवेदन है कि आज जो हमने दिया है वह कबूल किया जाये, बाकी आगे दिया जायेगा.

बाबा बोले कि हम चाहते हैं कि आप हमारी बात समझ लें. आप हमें अपने घर में दरिद्रनारायण के प्रतिनिधि के तौर पर जगह दीजिये. अगर आप घर में पांच भाई हैं तो हमें छठा हिस्सा दीजिये, तीन है तो चौथा, सात हैं तो आठवाँ, अकेले हैं तो बराबर का. लड़के बच्चों का हम शुमार नहीं करते, क्योंकि लड़के बच्चे सभी के होते हैं. यह हमारी धर्म की मांग है.

यह सुनकर वकील साहब जरा खामोश हुये और कुछ सोचने लगे. ग्रैजुएट बाबू ने कहा कि हमारा खुद का ही काम नहीं चलता, उधर सरकार भी तंग करने जा रही है.

उनकी बात पर जोर देते हुए वकील साहब कहने लगे कि अभी सिलॉग बनने जा रहा है. सिलॉग बनने पर आप-को जमीन कौन दे देगा ?

बाबा ने कहा यह तो हम जानते हैं. और आपकी अक्ल सरकारी कानून को बेकार बनाने में लगी हुयी है. हैदराबाद का किस्सा है कि जब हम वहाँ घूमते थे वहाँ सरकार सिलॉग बनाने की सोचती थी. वह सोचती रही. इस बीच वहाँ के जमींदारों ने अपने लड़के, भाई, भतीजों के नाम जमीनें लिखा दीं. अब वहाँ शायद सौ सवा सौ एकड़ का कानून बना है. इसका बनना न बनना बराबर है. आपके विहार में भी सम्मिलित परिवारों को तोड़ा जा रहा है. घरवाले रिश्तेदारों के नाम से जमीनें लिखा रहे हैं. दो साल बाद या जब भी कानून आये तब सब जमीनें बँटी हुयी मिलेंगी और उस कानून की एक नहीं चलेगी.

तो इसके यह माने हैं कि सरकार कानून किजूल में बना रही है.

यह तो आप हमसे ज्यादा बेहतर जानते होंगे. बाबा के लफ्ज सुन कर सब हँस पड़े. फिर बाबा ने कहा कि हमारी मांग की असलियत आप समझें नहीं. हम तो जमीन की मिल-कियत ही मिटा देना चाहते हैं. जमीन पर मालकी का दावा करना गलत है. ईश्वर के कानून के खिलाफ है. यही बात समझाने के लिये हम गांव गांव घूमते हैं. जैसे हवा, पानी और सूरज की रोशनी तो किसी की मिलकियत नहीं, वैसे ही जमीन पर किसी की मिलकियत नहीं रह सकती.

कि धर्म के चार चरन में से एक चरन, श्रद्धा तो अब भी हमारे देश में बलवान है। लेकिन बाक़ी तीनों—प्रेम, त्याग और श्रम—लुप्त पुख्ता हो रहे हैं। इसी वजह से हम अधर्म का धम समझने लगे हैं। और आनन्द स्वरूप सृष्टा, आनन्द स्वरूप सृष्टि होते हुए भी देश में दुख बढ़ा है। इसलिये हमें अपने धर्म को पूरी तौर पर पहचानना चाहिये।

प्रार्थना प्रवचन के बाद बाबा घूमने को निकलने वाले ही थे कि तीसरे पहर वाले भाई उनके पास आ पहुँचे। हाथ जोड़कर उन्होंने कहा कि हम आपसे कुछ कहना चाहते हैं। बाबा बोले कि कहिये, आप तो हमसे मिले भी थे।

जी हाँ, उस समय आपके दर्शन किये थे। आपका व्याख्यान सुनने के बाद मैं अब पांचवा हिस्सा पूरा कर देना चाहता हूँ, हमारे घर में हम चार हैं, आप पांचवे हो जाते हैं। छः बीघे का दान हम भर चुके हैं, दो बीघे का यह दानपत्र हाज़िर है।

वह दानपत्र उन्होंने बाबा के हाथ में दे दिया। बाबा ने उसे प्रेम पूर्वक स्वीकार किया। हँसते हुए बोले कि हमें उम्मीद है कि अब आप हमारे कार्यकर्ता हो गये, जिस निश्ठा से आप ने हमें दान दिया है आप दूसरों से भी दान हासिल करेंगे। उन भाई ने प्रनाम किया और चले गये। बाबा घूमने को निकल गये।

× × ×

[नवम्बर का महीना—सहरसा का ज़िला—एक छोटा लेकिन बड़ा समृद्ध गाँव]

उस गाँव की दो हजार बीघा ज़मीन में से करीब 3/4 दो परिवार में और बाक़ी गाँव के दूसरे लोगों के पास थी। उस परिवार वालों में से करीब 60 बीघे का दानपत्र भरा गया। बाबा के आदेश के अनुसार वह दानपत्र उनको वापिस कर दिया गया। रात को प्रार्थना के बाद वह भाई लोग बाबा के पास आये। उनमें से एक भाई भ्रैजपट थे। दूसरे वकील थे। तीसरे कांग्रेस के अच्छे कार्यकर्ता थे। चौथे की प्रजा समाजवादी पार्टी में बड़ी श्रद्धा थी। उन्होंने एक लिखित पत्र बाबा को दिया जिसमें कहा कि हमारा दानपत्र वापिस करके इस गाँव की जनता का अपमान किया गया है। दूसरे कार्यकर्ता भी मौजूद थे।

बाबा ने कहा कि सबसे पहले हम आप से कहना चाहते हैं कि हम किसी की बदनामी नहीं चाहते। हमें किसी की आबरू गिराना पसन्द नहीं। हम ऐसा काम चाहते हैं कि जिसमें प्रेम भाव पैदा हो और दिल जुड़े।

वकील भाई बोले कि हम भी यह चाहते हैं। लेकिन हमें दुख है कि हमारा दानपत्र वापिस कर दिया गया। अगर दूसरे के दानपत्र जो छठे हिस्से से कम के हैं, वह रख लिये गये हैं।

के दफ़्तर के चार चरन में से एक चरन, श्रद्धा तो अब भी हमारे देश में बलवान है। लेकिन बाक़ी तीनों—प्रेम, त्याग और श्रम—लुप्त पुख्ता हो रहे हैं। इसी वजह से हम अधर्म का धम समझने लगे हैं। और आनन्द स्वरूप सृष्टा, आनन्द स्वरूप सृष्टि होते हुए भी देश में दुख बढ़ा है। इसलिये हमें अपने धर्म को पूरी तौर पर पहचानना चाहिये।

प्राथमिक प्रवचन के बाद बाबा घूमने को निकलने वाले ही थे कि तीसरे पहर वाले भाई उनके पास आ पहुँचे। हाथ जोड़कर उन्होंने कहा कि हम आपसे कुछ कहना चाहते हैं। बाबा बोले कि कहिये, आप तो हमसे मिले भी थे।

जी हाँ, उस समय आपके दर्शन किये थे। आपका व्याख्यान सुनने के बाद मैं अब पांचवा हिस्सा पूरा कर देना चाहता हूँ, हमारे घर में हम चार हैं, आप पांचवे हो जाते हैं। छः बीघे का दान हम भर चुके हैं, दो बीघे का यह दानपत्र हाज़िर है।

वह दानपत्र उन्होंने बाबा के हाथ में दे दिया। बाबा ने उसे प्रेम पूर्वक स्वीकार किया। हँसते हुए बोले कि हमें उम्मीद है कि अब आप हमारे कार्यकर्ता हो गये, जिस निश्ठा से आप ने हमें दान दिया है आप दूसरों से भी दान हासिल करेंगे। उन भाई ने प्रनाम किया और चले गये। बाबा घूमने को निकल गये।

× × ×

[नोवंबर का महीना—सहरसा ज़िला—एक छोटा लेकिन बड़ा समृद्ध गाँव]

उस गाँव की दो हजार बीघा ज़मीन में से करीब 3/4 दो परिवार में और बाक़ी गाँव के दूसरे लोगों के पास थी। उस परिवार वालों में से करीब 60 बीघे का दानपत्र भरा गया। बाबा के आदेश के अनुसार वह दानपत्र उनको वापिस कर दिया गया। रात को प्रार्थना के बाद वह भाई लोग बाबा के पास आये। उनमें से एक भाई भ्रैजपट थे। दूसरे वकील थे। तीसरे कांग्रेस के अच्छे कार्यकर्ता थे। चौथे की प्रजा समाजवादी पार्टी में बड़ी श्रद्धा थी। उन्होंने एक लिखित पत्र बाबा को दिया जिसमें कहा कि हमारा दानपत्र वापिस करके इस गाँव की जनता का अपमान किया गया है। दूसरे कार्यकर्ता भी मौजूद थे।

बाबा ने कहा कि सबसे पहले हम आप से कहना चाहते हैं कि हम किसी की बदनामी नहीं चाहते। हमें किसी की आबरू गिराना पसन्द नहीं। हम ऐसा काम चाहते हैं कि जिसमें प्रेम भाव पैदा हो और दिल जुड़े।

वकील भाई बोले कि हम भी यह चाहते हैं। लेकिन हमें दुख है कि हमारा दानपत्र वापिस कर दिया गया। अगर दूसरे के दानपत्र जो छठे हिस्से से कम के हैं, वह रख लिये गये हैं।

बड़े भाई ने कहा कि सबी बीघा दे चुके हैं, डेढ़ ले लीजिये.

बाबा मुस्कराये और कहा कि यह तो आपने सच्ची का सा बाजार बना दिया. इस पर सभी हँस पड़े.

कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब यह डेढ़ दो क्या करते हैं ? छठा हिस्सा पूरा कीजिये और जनता जनार्दन का आशीर्वाद हासिल कीजिये.

उन भाई ने कहा कि अच्छा दो बीघा लेकर खतम कीजिये. उन्होंने दानपत्र बाबा के आगे बढ़ाया और उठने लगे.

बाबा ने दानपत्र उन्हीं को लौटाते हुये कहा कि आप कुशल सौदागर दिखाई पड़ते हैं. लेकिन हमें तो यह आपका सत्संग भिला है. हम ऐसी इसमें कोई बात नहीं करना चाहते हैं जो आपकी शान के खिलाफ हो.

कमरे में फिर खामोशी रही. कार्यकर्ता भाई बोले कि आप श्रीमान हैं और अब आधे बीघे की बात ही क्या है ? लेकिन वह दोनों टस से मस नहीं हुये. पर उनके चेहरे पर बहुत उदासी थी. दुख से गला भरा हुआ था. बाबा भी आंखें मूंद कर मानो समाधिस्थ बैठे हो.

थोड़ी देर बाद बड़े भाई ने कहा कि बाबा आप दानपत्र नहीं लेते हैं, हम घर क्या मुँह लेकर जायेंगे ? और भरी हुई आवाज से कहने लगे कि अब नहीं सहा जाता है. आप यह दो बीघे की भेंट ले ही लीजिये.

बाबा शान्त रहे और कुछ नहीं बोले. कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब जब आप इतने दुखी हैं तो जरा उन दुखियों का ध्यान कीजिये जिनका कोई पूछनहार नहीं.

बड़े भाई ने एक हिचकी सी ली और आंखों के तले कपड़े से मातो की बूंद पोछते हुए कहा कि अच्छा भगवन छठा हिस्सा आपका समर्पित है.

बाबा ने आंखें खोलीं और कहा कि ईश्वर आपको बल दे और दीन दुखियों की सेवा की सतत प्रेरणा दे.

इस प्रकार बड़े भाई ने, फिर छोटे भाई ने अपने अपने छठे हिस्से का दान कर दिया और बाबा से विदा ली.



करीब एक महीने बाद बाबा दरभंगा जिले के उत्तरी हिस्से में घूम रहे थे. चालीस एकड़वाले एक श्रीमान ने छै एकड़ का दानपत्र भरा. तीन बजे के करीब बाबा से मिलन आये. कहा कि मैंने आपका गीता प्रवचन पढ़ा है. मुझे उससे बहुत प्रेरणा हुई है. आज मैंने अपने लगभग छठे हिस्से का दानपत्र भरकर आपके कार्यालय में दे दिया है. बाबा ने जय जय कहकर उनके प्रमान स्वीकार किये. साढ़े तीन बजे प्रार्थना हुई. उसके बाद बाबा का प्रवचन हुआ. बाबा ने उस प्रवचन में चतुरपाद धर्म की व्याख्या की. उन्होंने कहा

बड़े भाई ने कहा कि सरा बिकवादे चके हैं, डेढ़ ले लीजिये. बाबा मुस्कराये और कहा कि ये तो आप के सन्तु का सा बाजार बना दिया. इस पर सभी हँस पड़े.

कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब ये डेढ़ दो क्या करते हैं ? छठा हिस्सा पूरा कीजिये और जनता जनार्दन का आशीर्वाद हासिल कीजिये.

उन भाई ने कहा कि अच्छा दो बीघा लेकर खतम कीजिये. उन्होंने दानपत्र बाबा के आगे बढ़ाया और उठने लगे.

बाबा ने दानपत्र उन्हीं को लौटाते हुये कहा कि आप कुशल सौदागर दिखाई पड़ते हैं. लेकिन हमें तो यह आपका सत्संग भिला है. हम ऐसी इसमें कोई बात नहीं करना चाहते हैं जो आपकी शान के खिलाफ हो.

कमरे में फिर खामोशी रही. कार्यकर्ता भाई बोले कि आप श्रीमान हैं और अब आधे बीघे की बात ही क्या है ? लेकिन वह दोनों टस से मस नहीं हुये. पर उनके चेहरे पर बहुत उदासी थी. दुख से गला भरा हुआ था. बाबा भी आंखें मूंद कर मानो समाधिस्थ बैठे हो.

थोड़ी देर बाद बड़े भाई ने कहा कि बाबा आप दानपत्र नहीं लेते हैं, हम घर क्या मुँह लेकर जायेंगे ? और भरी हुई आवाज से कहने लगे कि अब नहीं सहा जाता है. आप यह दो बीघे की भेंट ले ही लीजिये.

बाबा शान्त रहे और कुछ नहीं बोले. कार्यकर्ता भाई ने कहा कि अब जब आप इतने दुखी हैं तो जरा उन दुखियों का ध्यान कीजिये जिनका कोई पूछनहार नहीं.

बड़े भाई ने एक हिचकी सी ली और आंखों के तले कपड़े से मातो की बूंद पोछते हुए कहा कि अच्छा भगवन छठा हिस्सा आपका समर्पित है.

बाबा ने आंखें खोलीं और कहा कि ईश्वर आपको बल दे और दीन दुखियों की सेवा की सतत प्रेरणा दे.

इस प्रकार बड़े भाई ने, फिर छोटे भाई ने अपने अपने छठे हिस्से का दान कर दिया और बाबा से विदा ली.



करीब एक महीने बाद बाबा दरभंगा जिले के उत्तरी हिस्से में घूम रहे थे. चालीस एकड़वाले एक श्रीमान ने छै एकड़ का दानपत्र भरा. तीन बजे के करीब बाबा से मिलन आये. कहा कि मैंने आपका गीता प्रवचन पढ़ा है. मुझे उससे बहुत प्रेरणा हुई है. आज मैंने अपने लगभग छठे हिस्से का दानपत्र भरकर आपके कार्यालय में दे दिया है. बाबा ने जय जय कहकर उनके प्रमान स्वीकार किये. साढ़े तीन बजे प्रार्थना हुई. उसके बाद बाबा का प्रवचन हुआ. बाबा ने उस प्रवचन में चतुरपाद धर्म की व्याख्या की. उन्होंने कहा

لوگ بھی کہیں گے کہ نالے بابو صاحب نے بابا کو تھگ لیا۔ 15 بیگھا زمین تھی، اُس میں سے صرف سو ایکڑ دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ اِس طرح آپ کی چرچا ہو۔ آپ کی عزتی عین منظور نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اِس پر سوچیں اور پھر اپنی فستی کے مطابق دان دیں۔

تھوری دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ وہ دونوں بھائی، دوسرے شریامن اور کاریہ کرنا سب ہی چپ تھے۔ تب بابا نے اُن دونوں بیانیوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ پہلے یہ بتائیے کہ آپ دونوں الگ الگ کیوں ہو گئے؟

اُن بیانیوں کے چہرے پر ہوائی سی اڑ گئی۔ دھیمے سوز میں ایک نے کہا کہ گھر میں نہیں بگتی تھی۔

بابا بولے کہ ہم جانتے ہیں کہ آجکل ایسا بہت ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ دونوں 8 دل ایک تھا تو ایسے گھر میں بھی سمجھا سکتے تھے۔ یہ کذبہ توڑنے سے کیا فائدہ؟

دونوں بیانیوں کی آنکھوں سے ہنس آنسو گرنے کی ہی کسر رہ گئی۔ کمرے میں سنناٹا اور بھی بڑھ گیا۔

اُس سنناٹے کو بیدھتے ہوئے بابا نے بڑے بھائی سے پوچھا کہ آپ گھر میں کتنے پرانی ہیں؟

میں، مری استری اور ایک لڑکا جس کی عمر 16 برس کی ہے۔

تو ہم آپ کے گھر میں چوتھے ہوجاتے ہیں۔ اِس لئے ہمیں چوتھا حصہ ملنا چاہئے۔ کیا آپ ہمیں اپنے گھر میں بھائی کے طور پر نہیں لینے؟

اُن بیانی نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکایا اور کہا کہ اِس سے کون انکار کریگا؟ لیکن مرنہ نہیں چیتا۔ اِس لئے اِس وقت اتنا سوکار کریں، پھر آگے دیکھا جائیگا۔

بابا بولے کہ ہمیں تو اپنا حق چاہئے۔ اگر آپ ہمیں اپنے گھر میں جگہ نہیں دیتے تو ہم زبردستی کیسے کر سکتے ہیں؟

پھر وہ دوسرے بھائی کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ آپ کے گھر میں کتنے لوگ ہیں؟

میں اکیلا ہی ہوں۔

تب تو آپ اور ہم دو بیانی ہوجاتے ہیں اور ہمیں آدھا حصہ ملنا چاہئے۔

بڑے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چھوٹے نے جواب دیا کہ جو یہ دینکے وہی ہم دینکے۔

بابا نے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ دونوں ایک ہوجائیے۔ پھر اپنی تیس بیگھا زمین میں سے ہمیں پانچواں حصہ دیدیجئے۔

یہ سنا کر دونوں بیانیوں کی آنکھیں نیچنی ہو گئیں اور نہیں بولے۔ بابا نے کہا کہ ہم نے آپ کے آگے انصاف کی بات رکھ دی۔ اب آپ کو جیسا منظور ہو کریں۔

لوگ بھی کہیں گے کہ نالے بابو صاحب نے بابا کو تھگ لیا۔ 15 بیگھا زمین تھی، اُس میں سے صرف سو ایکڑ دیا۔ ہم نہیں جانتے کہ اِس طرح آپ کی چرچا ہو۔ آپ کی عزتی عین منظور نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اِس پر سوچیں اور پھر اپنی فستی کے مطابق دان دیں۔

تھوری دیر تک کمرے میں خاموشی رہی۔ وہ دونوں بھائی، دوسرے شریامن اور کاریہ کرنا سب ہی چپ تھے۔ تب بابا نے اُن دونوں بیانیوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ پہلے یہ بتائیے کہ آپ دونوں الگ الگ کیوں ہو گئے؟

اُن بیانیوں کے چہرے پر ہوائی سی اڑ گئی۔ دھیمے سوز میں ایک نے کہا کہ گھر میں نہیں بگتی تھی۔

بابا بولے کہ ہم جانتے ہیں کہ آجکل ایسا بہت ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ دونوں 8 دل ایک تھا تو ایسے گھر میں بھی سمجھا سکتے تھے۔ یہ کذبہ توڑنے سے کیا فائدہ؟

دونوں بیانیوں کی آنکھوں سے ہنس آنسو گرنے کی ہی کسر رہ گئی۔ کمرے میں سنناٹا اور بھی بڑھ گیا۔

اُس سنناٹے کو بیدھتے ہوئے بابا نے بڑے بھائی سے پوچھا کہ آپ گھر میں کتنے پرانی ہیں؟

میں، مری استری اور ایک لڑکا جس کی عمر 16 برس کی ہے۔

تو ہم آپ کے گھر میں چوتھے ہوجاتے ہیں۔ اِس لئے ہمیں چوتھا حصہ ملنا چاہئے۔ کیا آپ ہمیں اپنے گھر میں بھائی کے طور پر نہیں لینے؟

اُن بیانی نے ہاتھ جوڑ کر سر جھکایا اور کہا کہ اِس سے کون انکار کریگا؟ لیکن مرنہ نہیں چیتا۔ اِس لئے اِس وقت اتنا سوکار کریں، پھر آگے دیکھا جائیگا۔

بابا بولے کہ ہمیں تو اپنا حق چاہئے۔ اگر آپ ہمیں اپنے گھر میں جگہ نہیں دیتے تو ہم زبردستی کیسے کر سکتے ہیں؟

پھر وہ دوسرے بھائی کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا کہ آپ کے گھر میں کتنے لوگ ہیں؟

میں اکیلا ہی ہوں۔

تب تو آپ اور ہم دو بیانی ہوجاتے ہیں اور ہمیں آدھا حصہ ملنا چاہئے۔

بڑے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چھوٹے نے جواب دیا کہ جو یہ دینکے وہی ہم دینکے۔

بابا نے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ دونوں ایک ہوجائیے۔ پھر اپنی تیس بیگھا زمین میں سے ہمیں پانچواں حصہ دیدیجئے۔

یہ سنا کر دونوں بیانیوں کی آنکھیں نیچنی ہو گئیں اور نہیں بولے۔ بابا نے کہا کہ ہم نے آپ کے آگے انصاف کی بات رکھ دی۔ اب آپ کو جیسا منظور ہو کریں۔

श्रीमान ने एक नाम पेश किया। दूसरी तरफ वालों को वह मंजूर था। वह भाई भी वहीं बैठे थे। बाबा ने उनसे कहा कि जब दोनों पक्षवाले आपको पसन्द करते हैं तो हमें कोई ऐतराज नहीं। आप इस मामले की जांच करें और जब यह फैसला आप दंगे कि इन भाई (श्रीमान) ने अन्याय नहीं किया है तभी इनका दानपत्र कुबूल होगा। फिलहाल इनका दानपत्र आप अपने पास सम्भाल कर रख लीजिये।

वह दानपत्र उन भाई ने पंच के हवाले कर दिया, मानो सिर पर लदा हुआ मनो बोफ उतर गया।

❀ ❀ ❀

[सितम्बर का महीना—मुजफ्फरपुर जिले का एक गांव]

सुबह के दस बजे के करीब एक कार्यकर्ता ने डरते डरते बाबा के सामने पांच बीघा जमीन का एक दानपत्र रखा। दाता के पास 100 बीघा जमीन थी। उस भाई ने पूछा कि इस पर क्या आज्ञा है ?

पल भर के लिये बाबा शान्त रहे। फिर वह दानपत्र ले लिया। अपनी कलम उठाई। उस दानपत्र के पीछे यह लिखा —

“यह दान मालिक के पास जो जमीन है उस हिसाब से बहुत ही कम है। इसलिये अस्वीकृत किया जाता है।

—विनोबा”

यह लिख कर वह दानपत्र उन भाई के हवाले कर दिया। वह उसे लेकर लौट गए और दाता के पास पहुंचा दिया। हमारे कैम्प में एक सनसनी सी फैल गई कि बाबा ने आज से दानपत्र वापिस करना शुरू कर दिया।

दूसरे दिन 15-15 बीघा रखने वाले दो भाइयों ने सवा-सवा बीघे के दानपत्र भरे। वह दानपत्र वह दोनों भाई खुद ही लेकर पड़वा पर आए थे। कार्यकर्ता को शंका उठी और उन्होंने दोनों दाताओं से कह दिया कि आपके पास 15-15 बीघा जमीन है। ईश्वर की आपके ऊपर कृपा भी है। इसलिये हम आपसे ज्यादा की आशा करते हैं। छोटे हिस्से से कम लेने से हम मजबूर हैं। और वह दानपत्र वापिस कर दिये। इस तरह के कई एक मामले और थे। उन दाताओं को बड़ी तकलीफ हुई कि उनके दानपत्र वापिस क्यों कर दिये गए। उनकी भेंट क्यों ठुकरा दी गई। उन्होंने इच्छा जाहिर की कि हम बाबा से मिलना चाहते हैं। दो वजे का समय तय हुआ। कई श्रीमान लोगों से बाबा मिले।

उन दो भाइयों में से छोटे ने कहा कि महाराज हमने फूल पत्ती आपकी सेवा में अर्पित की थी। लेकिन हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि वह स्वीकार नहीं की गई। बाबा ने कहा कि हमें आपसे ज्यादा तकलीफ है। लेकिन हम आपसे कहना चाहते हैं कि अगर हम आपकी यह भेंट मंजूर कर लेते हैं, आपका यह प्रेम का दान रख लेते हैं तो

श्रीमान ने एक नाम पेश किया। दूसरी तरफ वालों को वह मंजूर था। वह भाई भी वहीं बैठे थे। बाबा ने उनसे कहा कि जब दोनों पक्षवाले आपको पसन्द करते हैं तो हमें कोई ऐतराज नहीं। आप इस मामले की जांच करें और जब यह फैसला आप दंगे कि इन भाई (श्रीमान) ने अन्याय नहीं किया है तभी इनका दानपत्र कुबूल होगा। फिलहाल इनका दानपत्र आप अपने पास सम्भाल कर रख लीजिये।

वह दान पत्र उन भाई ने पंच के हवाले कर दिया; मानो सर पर लदा हुआ मनो बोज़े अतर गया।

❀ ❀ ❀
[सितंबर का महीना—मुजफ्फरपुर जिले का एक गाँव]

सबके के दस बजे के करीब एक कार्यकर्ता ने दौड़ते दौड़ते बाबा के सामने पाँच बीघा जमीन का एक दान पत्र रखा। दाता के पास 100 बीघा जमीन थी। उस भाई ने पूछा कि इस पर क्या आज्ञा है ?

पल भर के लिये बाबा शान्त रहे। फिर वह दानपत्र ले लिया। अपनी कलम उठाई। उस दानपत्र के पीछे यह लिखा —

“यह दान मालिक के पास जो जमीन है उस हिसाब से बहुत ही कम है। इसलिये अस्वीकृत किया जाता है।

—विनोबा”

यह लिख कर वह दानपत्र उन भाई के हवाले कर दिया। वह उसे लेकर लौट गए और दाता के पास पहुंचा दिया। हमारे कैम्प में एक सनसनी सी फैल गई कि बाबा ने आज से दानपत्र वापिस करना शुरू कर दिया।

दूसरे दिन 15-15 बीघा रखने वाले दो भाइयों ने सवा-सवा बीघे के दानपत्र भरे। वह दानपत्र वह दोनों भाई खुद ही लेकर पड़वा पर आए थे। कार्यकर्ता को शंका उठी और उन्होंने दोनों दाताओं से कह दिया कि आपके पास 15-15 बीघा जमीन है। ईश्वर की आपके ऊपर कृपा भी है। इसलिये हम आपसे ज्यादा की आशा करते हैं। छोटे हिस्से से कम लेने से हम मजबूर हैं। और वह दानपत्र वापिस कर दिये। इस तरह के कई एक मामले और थे। उन दाताओं को बड़ी तकलीफ हुई कि उनके दानपत्र वापिस क्यों कर दिये गए। उनकी भेंट क्यों ठुकरा दी गई। उन्होंने इच्छा जाहिर की कि हम बाबा से मिलना चाहते हैं। दो वजे का समय तय हुआ। कई श्रीमान लोगों से बाबा मिले।

उन दो भाइयों में से छोटे ने कहा कि महाराज हमने फूल पत्ती आपकी सेवा में अर्पित की थी। लेकिन हमें बड़े दुख के साथ कहना पड़ता है कि वह स्वीकार नहीं की गई। बाबा ने कहा कि हमें आपसे ज्यादा तकलीफ है। लेकिन हम आपसे कहना चाहते हैं कि अगर हम आपकी यह भेंट मंजूर कर लेते हैं, आपका यह प्रेम का दान रख लेते हैं तो

और बाबा को दानपत्र पेश करने लगे. बाबा ने कहा कि हमें मालूम हुआ है कि आपने कुछ बेदखलियाँ की हैं. ऐसी हालत में हम आपसे दानपत्र कैसे लें ? वह करने लगे कि नहीं हुआ, यह सब रात की बात है. आप किसी से भी दरियाफ्त करा सकते हैं. बाबा ने कहा कि अब तो हम पड़ाव पर चल ही रहे हैं, यहाँ रास्ते में किस से पूछें ? इसलिये पड़ाव पर जाकर ही पूछा तब की जायेगी, और उसके बाद ही हम आपका दानपत्र ले सकेंगे.

दस बजे के करीब हम लोग हथौड़ी पहुँचे. नाव से उतरकर बाबा ने खुरकी पर क्रदम रखा ही था कि वह भाई कहने लगे—सरकार ! मेरा दानपत्र ले लिया जाये. बाबा ने उनके कंधे पर हाथ रखकर कहा कि देखिये हमने आपसे कह दिया कि आप के मामले में जानकारी हासिल करनी होगी. उसके बगैर आपका दानपत्र हम लेने से मजबूर हैं.

तो जब हुक्म हो मैं आपके पास अपनी बात बताने आ जाऊँ.

हम चाहते हैं कि जिनको आपके खिलाफ शिकायत हैं वह भी मौजूद रहें. इसलिये आप दोनों करीक शाम को साढ़े छै बजे प्रार्थना के बाद हमसे मिलें.

जिन भाई ने उन श्रीमान के बारे में शिकायत की थी उनसे भी यह कह दिया गया.

दिन में कई बार हमने देखा कि वह श्रीमान अपना दानपत्र लिए हुए इधर उधर घूमते थे. हमने उनको समझाया कि आप धीरज से काम लें, घबड़ाये की कोई बात नहीं. शाम को तो बाबा के सामने सब बात चीत हो ही जायेगी.

किसी तरह दिन बीता और शाम को साढ़े छै बजे आये. दोनों तरफ वाले भाई बाबा के पास पहुँच गये. बाबा ने कहा कि यह कोई कानून की अदालत नहीं है जिसमें एक दूसरे के खिलाफ आप शिकायत करें. यह प्रेम की सभा है, प्रेम की अदालत है जिसमें दोनों पक्षों को अपनी अपनी तरफ से जो गलती हुई हो उसे क्षुबूल करना है.

वह श्रीमान कहने लगे कि बाबा मेरे खिलाफ आरोप रात है. बाबा ने उनको टोकते हुए कहा कि हमने आपसे पहले ही कह दिया कि आपको सिर्फ अपनी गलती जो आपने की है वह सच्चे दिल से बता देनी है.

लेकिन दोनों तरफ वाले एक दूसरे की ही शिकायत करते थे. बाबा ने कहा कि तब तो आप का इन्साफ हम नहीं कर सकते. आखिर सभा का रंग बदला और दोनों ने अपनी अपनी करनी बयान की. यह सुनने के बाद बाबा ने कहा कि इसमें दोनों पक्षों की तरफ से ही थोड़ी थोड़ी गलती हुई है. हम चाहते हैं कि आप किसी आवामी का पंच मुकर्रर कर लें जा खास मोक़े पर जाकर पूरी तहकीकात कर लें. उसका फैसला आप दोनों को मान्य होना चाहिये.

और बाबा को दानपत्र पेश करने लगे. बाबा ने कहा कि हमें मालूम हुआ है कि आपने कुछ बेदखलियाँ की हैं. ऐसी हालत में हम आपसे दानपत्र कैसे लें ? वह करने लगे कि नहीं हुआ, यह सब रात की बात है. आप किसी से भी दरियाफ्त करा सकते हैं. बाबा ने कहा कि अब तो हम पड़ाव पर चल ही रहे हैं, यहाँ रास्ते में किस से पूछें ? इसलिये पड़ाव पर जाकर ही पूछा तब की जायेगी, और उसके बाद ही हम आपका दानपत्र ले सकेंगे.

दस बजे के करीब हम लोग हथौड़ी पहुँचे. नाव से उतरकर बाबा ने खुरकी पर क्रदम रखा ही था कि वह भाई कहने लगे—सरकार ! मेरा दानपत्र ले लिया जाये. बाबा ने उनके कंधे पर हाथ रखकर कहा कि देखिये हमने आपसे कह दिया कि आप के मामले में जानकारी हासिल करनी होगी. उसके बगैर आपका दानपत्र हम लेने से मजबूर हैं.

तो जब हुक्म हो मैं आपके पास अपनी बात बताने आ जाऊँ. हम चाहते हैं कि जिनको आपके खिलाफ शिकायत हैं वह भी मौजूद रहें. इसलिये आप दोनों करीक शाम को साढ़े छै बजे प्रार्थना के बाद हमसे मिलें.

जिन भाई ने उन श्रीमान के बारे में शिकायत की थी उनसे भी यह कह दिया गया.

दिन में कई बार हमने देखा कि वह श्रीमान अपना दानपत्र लिए हुए इधर उधर घूमते थे. हमने उनको समझाया कि आप धीरज से काम लें, घबड़ाये की कोई बात नहीं. शाम को तो बाबा के सामने सब बात चीत हो ही जायेगी.

किसी तरह दिन बीता और शाम को साढ़े छै बजे आये. दोनों तरफ वाले भाई बाबा के पास पहुँच गये. बाबा ने कहा कि यह कोई कानून की अदालत नहीं है जिसमें एक दूसरे के खिलाफ आप शिकायत करें. यह प्रेम की सभा है, प्रेम की अदालत है जिसमें दोनों पक्षों को अपनी अपनी तरफ से जो गलती हुई हो उसे क्षुबूल करना है.

वह श्रीमान कहने लगे कि बाबा मेरे खिलाफ आरोप रात है. बाबा ने उनको टोकते हुए कहा कि हमने आपसे पहले ही कह दिया कि आपको सिर्फ अपनी गलती जो आपने की है वह सच्चे दिल से बता देनी है.

लेकिन दोनों तरफ वाले एक दूसरे की ही शिकायत करते थे. बाबा ने कहा कि तब तो आप का इन्साफ हम नहीं कर सकते. आखिर सभा का रंग बदला और दोनों ने अपनी अपनी करनी बयान की. यह सुनने के बाद बाबा ने कहा कि इसमें दोनों पक्षों की तरफ से ही थोड़ी थोड़ी गलती हुई है. हम चाहते हैं कि आप किसी आवामी का पंच मुकर्रर कर लें जा खास मोक़े पर जाकर पूरी तहकीकात कर लें. उसका फैसला आप दोनों को मान्य होना चाहिये.

बिहार के दिल की गहराई में

(लेखक—सुरेश रामभाई)

14 सितम्बर सन 1952 को सन्त बिनोबा ने बिहार प्रदेश में भूदान-यज्ञ का मंत्र लेकर प्रवेश किया और आने वाली पहली जनवरी 1953 को वह बिहार से बिदा होकर बंगाल में प्रवेश करेंगे, बंगाल में 25 दिन बिताने के बाद उड़ीसा की भूमि पर कदम रखेंगे, इस तरह बिहार में उनका प्रवास दो साल और साढ़े तीन महीने का हो रहा है, शायद ही आधुनिक इतिहास में कोई ऐसी मिसाल मिले जब किसी भारत वासी ने बिहार में इस तरह पैदल घूम घूम कर युग धर्म का संदेश सुनाया हो, हमें याद आ रही है कि बुद्ध भगवान की और महावीर स्वामी की जिन्होंने बिहार में दिव्य ज्योति का साक्षात्कार किया था और फिर अपने धर्म का प्रचार किया, उनके बाद जगत गुरु शंकराचार्य सुदूर केरल से आये और अद्वैत ज्ञान का डड्डा बजाया, लेकिन उनके बाद से अब तक, खासकर विज्ञान की प्रगति के इस जमाने में, इस तरह निरन्तर घूम घूम कर सतत प्रचार करने की दूसरी मिसाल नहीं मिलती, इसका बिहार के मानस पर अजीब गरीब असर पड़ा है, लोक मानस के अन्दर बहुत गहराई तक वह पहुँच गया है, किसी भी आंकड़े से इसकी पैमाइश नहीं की जा सकती, लेकिन कुछ दिलदार और अनोखी घटनायें पिछले छै महीने में ऐसी हुई हैं जिससे उसका कुछ अन्दाजा किया जा सकता है, वैसे सब तो यह है कि इसका पूरा प्रभाव तो बरसों के बाद ही मालूम होगा,

अगस्त का महीना था और बाबा जिले के समस्तीपुर सबडिवीजन के बाढ़ पीड़ित क्षेत्र में घूम रहे थे, ऐसे ऐसे इलाकों में जाना हुआ जहाँ कोई भी सरकारी पदाधिकारी या सार्वजनिक कार्यकर्ता नहीं पहुँचा था, कोसी की भयानक बाढ़ ने जो तूफान डाला था उसके मुकाबले की चीज पिछले पचास साठ बरस में नहीं हुई थी, हमारी यात्रा कभी पैदल होती थी, कभी नाव में, अक्सर तो पानी में घूमना पड़ता था, एक दिन सुबह के समय नाव में बैठे हुये बाबा हथौड़ी नाम के एक काम को जा रहे थे, रास्ते में एक गाँव पड़ा, वहाँ के एक श्रीमान भाई दानपत्र देना चाहते थे, हमारी नाव में एक दूसरे भाई भी बैठे थे, उन्होंने बताया कि इन जमीन्दार ने अपने इलाक़े में बहुत ज्यादाती की है, कई किसानों को बेदखल किया है, कई किसानों के घर उजाड़ डाले हैं, बाबा यह चुपचाप सुनते रहे, थोड़ी देर बाद अपनी नाव में वह श्रीमान भी हमारी नाव के पास आ पहुँचे, बड़े उतावलेपन के साथ हमारी नाव में आ गये

बहार के दिल की गहराई में

(लेखक—सुरेश रामभाई)

14 सितम्बर सन 1952 को सन्त बिनोबा ने बिहार प्रदेश में भूदान-यज्ञ का मंत्र लेकर प्रवेश किया और आने वाली पहली जनवरी 1953 को वह बिहार से बिदा होकर बंगाल में प्रवेश करेंगे, बंगाल में 25 दिन बिताने के बाद उड़ीसा की भूमि पर कदम रखेंगे, इस तरह बिहार में उनका प्रवास दो साल और साढ़े तीन महीने का हो रहा है, शायद ही आधुनिक इतिहास में कोई ऐसी मिसाल मिले जब किसी भारत वासी ने बिहार में इस तरह पैदल घूम घूम कर युग धर्म का संदेश सुनाया हो, हमें याद आ रही है कि बुद्ध भगवान की और महावीर स्वामी की जिन्होंने बिहार में दिव्य ज्योति का साक्षात्कार किया था और फिर अपने धर्म का प्रचार किया, उनके बाद जगत गुरु शंकराचार्य सुदूर केरल से आये और अद्वैत ज्ञान का डड्डा बजाया, लेकिन उनके बाद से अब तक, खासकर विज्ञान की प्रगति के इस जमाने में, इस तरह निरन्तर घूम घूम कर सतत प्रचार करने की दूसरी मिसाल नहीं मिलती, इसका बिहार के मानस पर अजीब गरीब असर पड़ा है, लोक मानस के अन्दर बहुत गहराई तक वह पहुँच गया है, किसी भी आंकड़े से इसकी पैमाइश नहीं की जा सकती, लेकिन कुछ दिलदार और अनोखी घटनायें पिछले छै महीने में ऐसी हुई हैं जिससे उसका कुछ अन्दाजा किया जा सकता है, वैसे सब तो यह है कि इसका पूरा प्रभाव तो बरसों के बाद ही मालूम होगा,

अगस्त का महीना था और बाबा जिले के समस्तीपुर सबडिवीजन के बाढ़ पीड़ित क्षेत्र में घूम रहे थे, ऐसे ऐसे इलाकों में जाना हुआ जहाँ कोई भी सरकारी पदाधिकारी या सार्वजनिक कार्यकर्ता नहीं पहुँचा था, कोसी की भयानक बाढ़ ने जो तूफान डाला था उसके मुकाबले की चीज पिछले पचास साठ बरस में नहीं हुई थी, हमारी यात्रा कभी पैदल होती थी, कभी नाव में, अक्सर तो पानी में घूमना पड़ता था, एक दिन सुबह के समय नाव में बैठे हुये बाबा हथौड़ी नाम के एक काम को जा रहे थे, रास्ते में एक गाँव पड़ा, वहाँ के एक श्रीमान भाई दानपत्र देना चाहते थे, हमारी नाव में एक दूसरे भाई भी बैठे थे, उन्होंने बताया कि इन जमीन्दार ने अपने इलाक़े में बहुत ज्यादाती की है, कई किसानों को बेदखल किया है, कई किसानों के घर उजाड़ डाले हैं, बाबा यह चुपचाप सुनते रहे, थोड़ी देर बाद अपनी नाव में वह श्रीमान भी हमारी नाव के पास आ पहुँचे, बड़े उतावलेपन के साथ हमारी नाव में आ गये

کرتا ہوا وہاں سے نکلا۔ اس شور و شر کو دیکھ کر بہت ہکا اور کہنے لگا۔

”اول تو اس طرح کا سارا کام بڑی موزیکٹا کا ہے۔ کسی بدھیان نیتیکہ نے کہا ہے کہ جو دیش ہمیشہ شور و غل مچاتے رہتے ہیں اُن میں شانتی نہیں رہ سکتی۔ یہ یا تو ویدیش کی بیجا مداخلت اور شرارت ہے اور یا دیش کے اندر گھریلو جنگ ہے اور یا کم سے کم چائے کے پیالے میں طونان ہے۔ جو ہو بہت ہی بیوقوفی کی بات ہے!“

”دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے اس طرح ایک ساتھ مکر کام کرنے کی یہ نادت بڑی گندی عادت ہے! معلوم ہوتا ہے تمہاری سب کی گڑی پڑی سے اتر گئی ہے۔ سب شانتی بینگ ہو گئی ہے۔ شہر کے سب لوگ باغی ہو گئے ہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جو سب کی نمائندگی کر سکے! میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔“

وہ سانپ خود اپنے کو انٹر لشریہ پولیس والا سمجھتا تھا۔ راج نیتی کے علاوہ وہ سمجھتا تھا کہ دھرم اور انجیل کا پرچار کرنا بھی اُسی کا فرض ہے۔ وہ فوراً اُس درخت پر چڑھ گیا۔ اُس نے طے کر لیا کہ سب سے پہلے اس چھتے کو توڑ دیا جائے جو شہد کی مکھیا بنا رہی تھیں۔

پر ایک دم وہ سانپ پھر پیچھے کو لوٹا اور گرتا، پڑتا، پھسلتا زمین پر آگیا۔ شہد کی مکھیاں وہاں بھی اُس کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔ سانپ کو مجبور ہو کر جلدی سے ایک گھنی کانٹے دار چھاتی میں گھس جانا پڑا۔

لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ یہ زمانہ پروک سامراج وادی زبانیں کا زمانہ ہے۔ پر وہ یہ زمانہ بھی ہے جب سامراج وادیوں کو چاروں طرف اُلتی نلابازی کھانی پڑ رہی ہے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

نیتا کہ کوئی نجی مہرہ کاشا نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ اپنے لئے کچھ نہ چاہئے، نہ دھن، نہ ادھکر، نہ پد، نہ ہرگ، نہ آپہوگ۔ اور وہ ایشور کو دن میں چوبیس گھنٹے یاد رکھے۔

—گاہی

—گاہی

کی ساری خوشی—وہ لڑکی کی جو سمندر کو پیار کرتی تھی اور جسے سمندر پیار کرتا تھا—اور کسی نے نہیں اُسی سمندر نے چھین لی . ایک دن اپنے اُس پیارے مچھلیارے سے بیعت ہونے کے بعد جب وہ خوش خوش مسکرا رہی تھی، وہ نوجوان مچھلیارہ اپنی دونوں لپک سمندر میں جا رہا تھا اور لڑکی اُسے دیکھ رہی تھی، بیکار سمندر کی لہروں نے چلانگ لگائی اور دیکھتے دیکھتے سمندر کی ایک لہر اُس نوجوان مچھلیارے کو نکل گئی .

لڑکی اب دکھ میں ڈوب گئی . اُس کی ساری خوشی مٹی ہو گئی . جس سمندر کو دیکھ کر اُسے خوشی ہوتی تھی اُس کو دیکھ کر اب اُسے دکھ اور رنج ہوئے گا . اُس کی نظروں میں سمندر کی وہ سب چمک دکھ اور سندرنا اب بے پڑی ہو گئی . سمندر اسے اب اُن منا اور دکھی دکھائی دینے لگا .

اُس پر بھی عجیب بات یہ تھی کہ اب بھی وہ روز سمندر کو دیکھنے جاتی . اپنے دکھ کے کارن اُس نے سمندر کو کوسا، سمندر سے اُسے نفرت ہوئی پر بھی وہ سمندر کو چھو نہ سکی . سچ یہ ہے کہ جو مصیبت اُس پر توٹی تھی اُس کے کارن سمندر اُسے اب اور ہی پیارا لگنے لگا .

آخر کار ایک دن سمندر کی طرف دیکھتے دیکھتے اُس نے کہا—
”اے سمندر ! تم کیسے دیو کی طرح ہو ! کتنے وشال ہو ! میں تم سے ہی بے کیوں نہ بھڑوں ! دیکھو ہم میں کون جیتتا ہے !“ یہ کہہ کر وہ ایک دونگی لپک سمندر میں کود پڑی، یہاں تک کہ کچھ دنوں کے اندر ہی وہ ایک مقبوط، بکے سانپ لے رنگ کی مچھلیاں بن گئی .

اب جب وہ جوان لڑکی وہ سارے کام محنت کے ساتھ کرتے لگی جو نوجوان مچھلیارہ کیا کرتا تھا اور کھاری، طوفانی سمندر کے اندر پرچند لہروں پر سواری کسے لگی تو اُسے سمندر کے ساتھ وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا . اُسے اب اپنے اُس پیارے نوجوان مچھلیارے کے لئے بھی، جو اُس سے چھن چکا تھا، وہ انوکھا پیار محسوس ہونے لگا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا .

(5)

شہد کی مکھیاں اور سانپ

شاہد کی مکھیوں اور سانپ

جنگلی شاہد کی مکھیوں کا ایک جھنڈ ایک درخت کے اوپر رہنے کے لیے اپنا چھتا بنا رہا تھا . درخت کی شاخوں میں مکھیوں کا ڈھیر سے ڈھیر تیزی سے آجا رہی تھیں . گالی شور اور جوش تھا . سب بھینٹا رہی تھیں . جنگل کی ٹانگی بھنگ ہو رہی تھی . ایک سانپ جنگل کا مٹھنہ

جنگلی شاہد کی مکھیوں کا ایک جھنڈ ایک درخت کے اوپر رہنے کے لیے اپنا چھتا بنا رہا تھا . درخت کی شاخوں میں مکھیوں کا ڈھیر سے ڈھیر تیزی سے آجا رہی تھیں . گالی شور اور جوش تھا . سب بھینٹا رہی تھیں . جنگل کی ٹانگی بھنگ ہو رہی تھی . ایک سانپ جنگل کا مٹھنہ

بالوں کے نروں میں پیلے پیلے سمندر جیسے کیفیت بھی اسی طرح کے اک گانے سنائی دیتے تھے۔ اُس لڑکی کو اِس گانے میں ہوا آندنا تھا۔ اُسے اِس میں کوہِ ملتا، آدرا نا اور وشانتا تینوں دیکھائی دیتی تھیں۔ شام کے سمندر کے اِس گانے کو سنکر اُس کی سب چنتائیں کانور ہو جاتی تھیں۔ جب آسمان صاف، کھلا اور شانت ہوتا تو سمندر اتنا سندر لگتا اور اتنا چمکتا کہ اُسے دیکھ کر اُس لڑکی کو کسی سندر دیارے مکھڑے کی خوشی بھری مسروریت یاد آجاتی اور وہ سیرم سندر اور خوش دیکھائی دینے لگتی۔ اور جب طرناں آتے تو سمندر کے پرچند شور سے اُسے ذرا بھی تر نہ لگتا۔ اُس سے وہ اُسی طرح کنارے پر کڑی سمندر کے کوپ میں آند لیتی رہتی۔ معلوم ہوتا تھا کہ سمندری طرناؤں کا اُسے اتنا ہی شوق تھا جتنا بعض لڑکیوں کو طوفانی یوم کا ہوتا ہے۔

ساراংশ یہ کہ کڑی بھی سے ہو اور کیسا بھی موسم ہو سمندر کو دیکھ کر اُس لڑکی کو سدا ہوا آندنا تھا۔

یہ اِس کا ایک اور بھی گان تھا اور وہ گان قدرتی تھا اور ظاہر تھا۔ سب سے آندک سمندر اِس بات کو سمجھتا تھا کہ لڑکی کے دل میں ایک راز چھپا ہوا تھا۔ وہ لڑکی ایک نوجوان مچھلیارے لڑکے سے دیار کرتی تھی۔ وہ لڑکا ایک مضبوط بیچلوں اور چوڑی چہانی والا نوجوان تھا جس کا چہرہ ساہو لا اور جس کے ہونٹ لال رہتے تھے۔ اُس کے سارے بدن سے سمندر کے کوباری پائی اور سمندر کی ٹکڑا لٹ کی سکھنے آتی تھی۔ وہ ایک بکا سمندری ملاح تھا۔ وہ لڑکی اُسے دیار کرتی تھی۔

لڑکا اُسے روز سمندر کے کنارے ملا کرتا تھا۔ وہ دونوں سمندر کی تعریفیں کرتے، بالکل اُسی طرح مانو ایک دوسرے کے ساتھ اپنے یوم کی باتیں کر رہے تھے اور اُسی یوم کی تعریفیں کر رہے تھے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح کوئی بڑے راز نیاز کی باتیں آپس میں کر رہے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے کہتے— ”دیکھو، دیکھو، سمندر کسسا پیارا لگتا ہے، کس طرح مسکرا رہا ہے، گا رہا ہے اور قابضیاں کیا رہا ہے!“

بات کا نتیجہ یہ کہ وہ دونوں سمندر سے بھی دیار کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بھی دیار کرتے تھے۔ لڑکی بھی خوش تھی، وہ نوجوان مچھلیارے بھی خوش تھا، اور سمندر بھی خوش تھا۔

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

یہ نہ جانے کیا بات ہے کہ جسے دیکھ کر ہمیں خوب خوشی ہوتی ہے وہی اثر ہماری خوشی کا چور ساہبت ہوتا ہے۔ شاید ہی دنوں کے اندر اِس بھولی ایمندار لڑکی

لگی—”میرا بدن سب سے بڑھ گیا ہے۔ اب میں آرام کروں گی۔“
پر دیر تک آرام کرنے کے بعد بھی اُس میں پھر سے طانت نہ آئی۔
وہ اب اپنے کو نڈھال محسوس کرتے لگی۔ اُس کا بیٹا مضبوط
اور جوان عقاب تھا۔ وہ دور سے آ کر آیا۔ ماں کا یہ حال
دیکھ کر بیٹے نے آٹا اور ماں کی دیکھ بھال اور رکشا کے لئے اُس کے
پاس رہنے لگا۔ اب وہ ماں کو چھوڑ کر کہیں نہ جاتا۔ عجیب
بات یہ ہوئی کہ بیٹے کو اپنے پاس دیکھ کر ماں اور بھی کمزوری
محسوس کرتے لگی۔ اُس نے اپنے بیٹے سے کہا—”بیٹا! یہ
دھنگ ٹھیک نہیں، تم جتنے پریم سے مری دیکھ بھال میں لگے
رہتے ہو اُس سے مجھے اور بھی ادھک کمزوری اور ترکان معلوم
ہوتی ہے۔ اب بیٹا، دوسرا دھنگ آزمائے دیکھو۔ تم آسمان میں
اُڑو اور خوب اُڑنا چاہیے مڈلاؤ۔ میں تمہیں مڈلاؤ دیکھوں تو
میری ہمت کھلے۔“

اِس پر اُس کا بیٹا، وہ جوان عقاب، خوب اُڑنا چاہیے آزادی اور
بہادری کے ساتھ آسمان میں مڈلاؤ لگے گا۔ ماں کچھ دیر تک
شوق کے ساتھ اُسے دیکھتی رہی۔ پھر کسی نہ کسی طرح وہ اُڑ
کبڑی ہوئی اور خون آڑے لگی، اور اُنکے ہی زور سے اُڑنے لگی جتنے
زور سے اُس کا بیٹا اُڑ رہا تھا۔

اگر کوئی بڑھا آدمی چلنا پھرنا بھول گیا ہو تو سب سے
آسان طریقہ یہ ہے کہ نوجوانوں کے چلتے پھرتے دیکھے۔ پھر اُس بڑھے
کے دونوں پیر اپنے آپ چلتے لگیں گے۔ اِسی طرح جوانوں کی
بہادری کے نعرے سننا بھی بڑھے لوگوں کی تندرستی کے لئے بہت
اچھا ہوتا ہے۔ نوجوان آپ کے اُس پاس ہوں تو بڑھاپے سے کیا
توڑا بڑھاپے سے توڑو تب ہی ہے جب آپ نوجوانوں سے
بچتے ہوں، اُنہیں ناپسند کرتے ہوں اور اُنہیں اپنے سے دور
رکھتے ہوں۔

(4)

(4)

ایک مخیاریارن لڑکی اور سمندر

ایک جوان مخیاریارن لڑکی سمندر کے کنارے رہتی تھی۔ وہ
سمندر کو بہت پیار کرتی تھی۔ روز سمندر کے کنارے کھڑی ہو کر
دیر تک سمندر کو دیکھتی رہتی۔ کبھی بہت سویرے سمندر میں
اُٹھ پھل شروع ہونے سے پہلے وہ کنارے پر کھڑی دکھائی دیتی۔
اُس کے سامنے سورج کی شروع کی کرنوں میں ہنستے ہنستے
سمندر اپنی آنکھیں کھولتا۔ لڑکی کو سمندر کی یہ ہنسی بہت
پیاری لگتی۔ اُسے بالکل ایسا لگتا کہ کوئی حال میں پیدا ہوا
بچوں سا سمندر بچے پالنے میں اپنی آنکھیں کھول رہا ہے۔ کبھی
شام کو سمندر اپنی چھوٹی چھوٹی چمکتی ہوئی سنہری لہروں
کے نشے میں اِس طرح گن گناتا سنائی دیتا جس طرح
انڈر لوگ نہشے کی حالت میں گن گناتے ہیں۔ بڑے بڑے
کپتوں کی فصل جب بالکل پک جاتی ہے تو اپنی سنہری

बड़ी बहादुरी के साथ उसने एक खम्बे को अपने ऊपर संभाले रखा जिससे उसके बहुत से साथियों की जान बच गई, पर वह खुद वहीं वच कर मर गया।

बूढ़े बाप का दुख अब बहुत ही बढ़ गया। एक रात भर के अन्दर वह हृद से ज्यादा कमजोर और निढाल दिखाई देने लगा, पर अभी उसके एक बेटा और था, इसी से उसे कुछ तसल्ली थी। बूढ़े बाप के विचार अब कुछ बदले, उसने पक्का इरादा कर लिया कि—“अब मैं अपने इस सबसे छोटे बेटे को इस तरह बहादुर और निडर न बनने दूंगा, अब इस आखरी बेटे को खो बैठने का रंज मेरी बरदाश्त से बाहर की चीज है।”

उसने ठंडी सांस भरकर कहा—“मेरा यह बेटा कायर और निकम्मा रह जाय तो अच्छा, बजाय इसके कि उसकी बहादुरी और उसके गुणों के कारन मैं उस से भी हाथ धो बैदूँ।”

इसलिये बुढ़े ने उस आखरी बेटे को अपने साथ रखकर खुद तालीम देना शुरू किया, उसने उसे इस तरह रखा जिस तरह शायद कोई बूढ़ी औरत अपनी छोटीसी पोती का भी न रखती हो। वह लड़का सचमुच बाप का आश्वाकारी निकला, जैसा बाप चाहता था वैसा ही वह हो गया—डरपोक, स्वार्थी और निकम्मा, पर एक अजीब बात यह हुई कि अब थोड़े ही दिनों बाद उस बुढ़े बाप को इतना दुख हुआ और इतनी ग्लानि होने लगी जितनी उसे जीवन में पहले कभी नहीं हुई थी, अपनी गलती पर वह बार बार पछताता था, अपने उस बेटे से उसे नफरत होने लगी और उसे उस पर दया आने लगी, बुढ़े ने कहा,

“इस निकरमेपन से, इस सड़ियलपन से मुझे हमेशा चिढ़ रही है, पर अब स्वार्थ और मोह के वश मैं आकर मैंने खुद इस तीसरे बेटे का यह हाल कर डाला ! उसके जीने से क्या कायदा, जिसे न समन्दर डुबो सके न पहाड़ कुचल सके ?”

अब बूढ़े बाप के लिये सचमुच अपने उस बेटे से प्यार करना नामुमकिन हो गया, क्योंकि उसका प्यार केवल जबरदस्त लहरों वाले समन्दर, या ऊँचे अडिग पहाड़ और अपने दोनों बड़े बेटों जैसे साहसी आदमियों की तरफ ही जा सकता था। बूढ़े बाप के दिल में अब रंज और ग्लानि की कोई सीमा न रही, यह उसे आखरी दिनों के अपने गलत विचारों और अपने हाथों अपने सब से छोटे बेटे को बिगाड़ देने की सजा थी।

(8)

एक बूढ़ी चिड़िया और उसका बेटा

एक जवान उक्ताब पक्षी और उसकी माँ एक साथ रहते थे, माँ बहुत बूढ़ी हो गई थी, एक दिन कुछ देर तक उड़ने के बाद वह पहाड़ की एक कगार पर बैठ गई और कहने

बड़ी बहादुरी के साथे उस ने एक कहे के लिये ओर सनहा रक्हा
जस से अस के बत से सानियों की जान बच गली, पर
खुद गधियन दब कर मर गिया.

बुढ़े बाप का दुख अब बहुत ही बढ़ गया। एक रात भर के अन्दर वह हृद से ज्यादा कमजोर और निढाल दिखाई देने लगा, पर अभी उसके एक बेटा और था, इसी से उसे कुछ तसल्ली थी। बूढ़े बाप के विचार अब कुछ बदले, उसने पक्का इरादा कर लिया कि—“अब मैं अपने इस सबसे छोटे बेटे को इस तरह बहादुर और निडर न बनने दूंगा, अब इस आखरी बेटे को खो बैठने का रंज मेरी बरदाश्त से बाहर की चीज है।”

उसने ठंडी सांस भरकर कहा—“मेरा यह बेटा कायर और निकम्मा रह जाय तो अच्छा, बजाय इसके कि उसकी बहादुरी और उसके गुणों के कारन मैं उस से भी हाथ धो बैदूँ।”

इसलिये बुढ़े ने उस आखरी बेटे को अपने साथ रखकर खुद तालीम देना शुरू किया, उसने उसे इस तरह रखा जिस तरह शायद कोई बूढ़ी औरत अपनी छोटीसी पोती का भी न रखती हो। वह लड़का सचमुच बाप का आश्वाकारी निकला, जैसा बाप चाहता था वैसा ही वह हो गया—डरपोक, स्वार्थी और निकम्मा, पर एक अजीब बात यह हुई कि अब थोड़े ही दिनों बाद उस बुढ़े बाप को इतना दुख हुआ और इतनी ग्लानि होने लगी जितनी उसे जीवन में पहले कभी नहीं हुई थी, अपनी गलती पर वह बार बार पछताता था, अपने उस बेटे से उसे नफरत होने लगी और उसे उस पर दया आने लगी, बुढ़े ने कहा,

“इस निकरमेपन से, इस सड़ियलपन से मुझे हमेशा चिढ़ रही है, पर अब स्वार्थ और मोह के वश मैं आकर मैंने खुद इस तीसरे बेटे का यह हाल कर डाला ! उसके जीने से क्या कायदा, जिसे न समन्दर डुबो सके न पहाड़ कुचल सके ?”

अब बूढ़े बाप के लिये सचमुच अपने उस बेटे से प्यार करना नामुमकिन हो गया, क्योंकि उसका प्यार केवल जबरदस्त लहरों वाले समन्दर, या ऊँचे अडिग पहाड़ और अपने दोनों बड़े बेटों जैसे साहसी आदमियों की तरफ ही जा सकता था। बूढ़े बाप के दिल में अब रंज और ग्लानि की कोई सीमा न रही, यह उसे आखरी दिनों के अपने गलत विचारों और अपने हाथों अपने सब से छोटे बेटे को बिगाड़ देने की सजा थी।

(3)

एक बूढ़ी चिड़िया और उसका बेटा

एक जवान उक्ताब पक्षी और उसकी माँ एक साथ रहते थे, माँ बहुत बूढ़ी हो गई थी, एक दिन कुछ देर तक उड़ने के बाद वह पहाड़ की एक कगार पर बैठ गई और कहने

کی درخت جلدی ہی ختم ہو جائے گا۔ پر جب اُس نے درخت کی طرف دیکھا تو درخت ویسا کا ویسا ہی کھڑا تھا۔ سانپ کو کڑواہی آئی۔ اُس نے اور ادھک زور کے ساتھ درخت کو کسنا شروع کیا۔ پھر جب اُس نے درخت کو دیکھا تو درخت پھر ویسا کا ویسا ہی کھڑا تھا۔

سانپ کو اب اتنا ادھک کڑواہی آئی کہ درخت کو شراب دیتے ہوئے اُس نے کہا—”تم سمجھتے ہو کہ تمہارے اِس طرح کھڑے رہنے سے اور یہ سمجھتے ہو کہ آخر میں تمہک جاؤں گا تمہیں کوئی لایہ ہوگا؟“

سانپ نے طے کر لیا کہ اپنی چال میں تپہ رہ کر درخت کو گھوت کر مار ہی دینا ہے چاہے تنہی بھی دیر کیوں نہ لگے۔ اُس نے درخت کو اور کسا اور پل بھر کے لئے بھی کہیں ڈھیل آئے نہیں دی۔ اب اُسے بہت ادھک دیر تک انتظار کرنا نہ پڑا۔ یا تو شاید آخر کار سانپ ہی نے تپہ کر یہ طے کر لیا کہ جو تھوڑی سی شکتی مجھ میں باقی رہ گئی ہے اُسے اب اپنی ہی ریزہ کی ہڈی تڑلے میں خوج کر ڈالوں اور یا شاید درخت کا ٹٹا یکایک اور موٹا ہو گیا اور اُس نے سانپ کے ٹکڑے کر دیئے۔ جو بھی ہوا ہو، تھوڑی ہی دیر میں وہ سانپ ایک سڑی ہوئی رسی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔

(2)

بڑا آدمی اور اس کے تین بے

ایک بڑے آدمی کے تین بے تھے۔ سب سے بڑا بے بہت اچھا اچھا ملا تھا، ہمتی، بہادر، لرادے کا پکا اور جو فرض سامنے ہو اُسے پروا کرنے کے لئے جو کچھ کی پروا نہ کرنے والا۔ باپ اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ اپنے اُس بیٹے پر پھولا نہیں سماتا تھا۔ اُسے اپنے گھر کی آن سمجھتا تھا۔ پر ایک دن طوفان آیا اور سمندر کی تند لہریں اُس قدر بہادر بیٹے کو نکل گئیں۔

دوسرا بے بہت اچھا ایک کٹھن کی کھان میں کام کرتا تھا۔ وہ انھک اور محتنتی تھا۔ اپنے ساتھیوں سے وہ تہیں زیادہ مضبوط اور ہمتی تھا۔ اپنے ساتھیوں یا مٹروں کی مدد کرنے میں اُسے ہمیشہ آند آنا تھا۔ اِسی لئے کھان کے سب مزدور اور خاص کر نوجوان اُسے بہت چاہتے تھے اور اُس کی مٹروں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ باپ بھی اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ سب سے بڑے بیٹے کے مرنے کے بعد سے اِس دوسرے بیٹے کی طرف باپ کا پیار اور پڑھ گیا تھا۔ باپ کے من کو اُسے دیکھ کر بڑی شانتی ملتی تھی۔ اُسے وہ اب اپنے لئے بھوکاں ہی سب سے بڑی دین سمجھتا تھا۔ پر تھوڑے ہی دنوں میں اپنی بہادری اور اپنے سیوا بھاء کے گان ہی یہ دوسرا بے چل بسا۔ اُس دن وہ کھان میں کام کر رہا تھا کہ ایک کھمبا گر گیا اور کھان کی زمین نیچے کو دھس گئی۔

(2)

بڑا آدمی اور اُس کے تین بیٹے

ایک بڑے آدمی کے تین بیٹے تھے۔ سب سے بڑا بیٹا بہت اچھا ملا تھا، ہمتی، بہادر، لرادے کا پکا اور جو فرض سامنے ہو اُسے پروا کرنے کے لئے جو کچھ کی پروا نہ کرنے والا۔ باپ اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ اپنے اُس بیٹے پر پھولا نہیں سماتا تھا۔ اُسے اپنے گھر کی آن سمجھتا تھا۔ پر ایک دن طوفان آیا اور سمندر کی تند لہریں اُس قدر بہادر بیٹے کو نکل گئیں۔

دوسرا بے بہت اچھا ایک کٹھن کی کھان میں کام کرتا تھا۔ وہ انھک اور محتنتی تھا۔ اپنے ساتھیوں سے وہ تہیں زیادہ مضبوط اور ہمتی تھا۔ اپنے ساتھیوں یا مٹروں کی مدد کرنے میں اُسے ہمیشہ آند آنا تھا۔ اِسی لئے کھان کے سب مزدور اور خاص کر نوجوان اُسے بہت چاہتے تھے اور اُس کی مٹروں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ باپ بھی اُسے بہت پیار کرتا تھا۔ سب سے بڑے بیٹے کے مرنے کے بعد سے اِس دوسرے بیٹے کی طرف باپ کا پیار اور پڑھ گیا تھا۔ باپ کے من کو اُسے دیکھ کر بڑی شانتی ملتی تھی۔ اُسے وہ اب اپنے لئے بھوکاں ہی سب سے بڑی دین سمجھتا تھا۔ پر تھوڑے ہی دنوں میں اپنی بہادری اور اپنے سیوا بھاء کے گان ہی یہ دوسرا بے چل بسا۔ اُس دن وہ کھان میں کام کر رہا تھا کہ ایک کھمبا گر گیا اور کھان کی زمین نیچے کو دھس گئی۔

اور کہانیاں لکھی، سن 1952 میں وہ 'وین یی پاؤ' (Wen Yi Pao) نام کی پत्रیکا کا ایڈیٹر تھا۔ 'وین' کا اُردو ہے 'ساہتیہ'، 'ی' کا اُردو ہے 'کلا' اور 'پاؤ' کا اُردو ہے 'پتریکا'۔ گوت کی فینک کی کہانیاں 'کہانیاں'، 'فرامی'، 'نہندہ'، 'سنسرم اور تیکایاں چین میں کئی برسوں سے ہیں۔

یہاں جو پانچ کہانیاں ہم دے رہے ہیں ان میں پہلی "سانپ کی درخت کو گھومتے ہوئے مار ڈالنے کی کوشش" سب سے حال کی لکھی ہوئی ہے۔ امریکہ اور کچھ سامراج پریمی طاقتوں کی طرف سے نئے چین کا جو ہلاکت یعنی تجارتی ویشکار جاری ہے۔ یہ کہانی اُس بلائیڈ پر لکھی گئی ہے۔ "بدھا آدمی اور اُس کے تین بیٹے" اور "ایک ہرزئی چڑیا اور اُس کا بیٹا" دونوں کہانیاں چینی جتنا میں دم پھونکنے والی اور انہیں چین کے نئے آدرشوں کی طرف لے جانے والی کہانیاں ہیں۔ "ایک ہرزئی چڑیا اور اُس کا بیٹا" نام کی کہانی میں خاص کر بڑھے لوگوں کو کڑوتے چین کی طرف لانے کی کوشش کی گئی ہے، تو "ایک مچھلیاں لڑکی اور سمندر" میں مرجواؤں کو چین کا آدرش بتایا گیا ہے۔ اس چوٹی سی کہانی میں جوانوں کے دلوں کی قدرتی آہنگوں کے ساتھ ساتھ پرکشی کے پرزم اور چین کی گہمیت کا خاصہ سندھ بیان ہے۔ شہد کی مکیاں اور سانپ، یہی آج کی اندر رشتہ، راج تہیتی سے سمبندہ رکھتی ہے۔ ان چوٹی چوٹی کہانیوں سے نئے چین کی جتنا کی آہنگوں اور ان کے آتم وشواس پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ ان کہانیوں کا انمواد چینی سے انگریزی میں اور انگریزی سے سندھستانی میں کیا گیا ہے۔ [

* * * (1) * * *

سانپ کی درخت کو گھومتے ہوئے مار ڈالنے کی کوشش

ایک سانپ ایک درخت کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ خوب سوچ کر اُس نے ایک نئی اور زبردست چال نکال لی۔ سانپ بڑا ودوان تھا۔ اُس کی ودیا اس معاملے میں اُس کے بڑے کام آئی۔ اُس نے دیکھ رکھا تھا کہ بہت سے درختوں پر جب بیللیں اپٹ جاتی ہیں تو درخت نکما ہو کر مر جاتا ہے۔

سانپ نے سوچا—"ان بیلوں سے میں کبھی ایک موٹا اور مچھلے ہوں۔ اس لئے اگر میں اس درخت پر چاروں طرف سے اپٹ کر اُسے خوب کس لوں تو یہ درخت ایک دم گھٹ کر نہیں مرے گا تو کم سے کم دھیرے دھیرے سوکے کر تو مر ہی جائے گا۔"

یہ سوچ کر وہ سانپ اُس درخت پر چڑھا۔ درخت کے تانے پر چاروں طرف سے اپٹ کر اُس نے اُسے زوروں سے کس لیا۔ وہ اُسے اور زیادہ سے زیادہ کستا گیا، اُس امید میں

سانپ کی درخت کو گھومتے ہوئے مار ڈالنے کی کوشش

ایک سانپ ایک درخت کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ خوب سوچ کر اُس نے ایک نئی اور زبردست چال نکال لی۔ سانپ بڑا ودوان تھا۔ اُس کی ودیا اس معاملے میں اُس کے بڑے کام آئی۔ اُس نے دیکھ رکھا تھا کہ بہت سے درختوں پر جب بیللیں اپٹ جاتی ہیں تو درخت نکما ہو کر مر جاتا ہے۔

سانپ نے سوچا—"ان بیلوں سے میں کبھی ایک موٹا اور مچھلے ہوں۔ اس لئے اگر میں اس درخت پر چاروں طرف سے اپٹ کر اُسے خوب کس لوں تو یہ درخت ایک دم گھٹ کر نہیں مرے گا تو کم سے کم دھیرے دھیرے سوکے کر تو مر ہی جائے گا۔"

یہ سوچ کر وہ سانپ اُس درخت پر چڑھا۔ درخت کے تانے پر چاروں طرف سے اپٹ کر اُس نے اُسے زوروں سے کس لیا۔ وہ اُسے اور زیادہ سے زیادہ کستا گیا، اُس امید میں

कुछ चीनी छोटी कहानियां

(लेखक — केन शु-केन; अनुवादक — सुन्दरलाल)

[छोटी छोटी कहानियों के जरिये लोगों को शिक्षा देने का ढंग बहुत पुराना ढंग है। हजारों बरस से इस तरह की सैकड़ों ही सुन्दर कहानियां एशिया के सब देशों में चली आ रही हैं। चीन में भी यह रिवाज बहुत पुराना रिवाज है। नए चीन की तामीर करने वालों ने इस से पूरा पूरा फायदा उठाया। यहां हम नए चीन के एक चोटी के साहित्यकार केन शु-केन की इस तरह की पांच कहानियां दे रहे हैं।

केन शु-केन सन 1903 में चेकिआंग सूवे के यीवू इलाके के एक गांव में पैदा हुआ था। वह अनपढ़ किसान मां बाप का लड़का था। दस बरस की उम्र से सालह बरस की उम्र तक वह गांव के स्कूल में पढ़ता रहा और खाली समय में अपने मां बाप के साथ खेत में काम करता रहा। इसका बाद वह एक टीचर्स ट्रेनिंग स्कूल में पढ़ने लगा। विद्यार्थियों के एक आन्दोलन में भाग लेने के कारन वह ट्रेनिंग स्कूल से निकाल दिया गया। थोड़े दिनों बाद वह फिर हांगचाओ के एक नारमल स्कूल में भरती हो गया।

कुछ दिनों वह प्राइमरी स्कूल में पढ़ाता रहा। पर अधिकतर अपने आजाद क्रान्तिकारी विचारों के कारन उसे बेकारी में दिन बताने पड़े। वह जगह जगह घूमता रहा। उसका गुजारा कुछ मित्रों की सहायता से चलता था। लगभग बीस बरस की उम्र में उसने कुछ कविताएं लिखीं। सन 1910 में वह पीकिंग आ गया और प्राइवेट वच्चे पढ़ा कर अपना काम चलाता रहा। यहां उसने जापानी भाशा सीखी और सावित्य कला और साहित्य पर कुछ पुस्तकों का जापानी से चीनी में अनुवाद किया।

अब उसका ध्यान कम्युनिस्ट साहित्य की तरफ जाने लगा। लू शून् जैसे चीन के बड़े लेखकों के साथ मिल कर उसने कई साहित्य संस्थाओं के कायम करने में हिस्सा लिया। धीरे धीरे वह पूरी तरह देश की आजादी की लड़ाई में कूद पड़ा और 'लाल सेना' के इतिहास प्रसिद्ध 'लम्बे कूच' (लांग मार्च) में उस सेना के साथ था। जब वह फिर उस इलाके में आया जो अभी कुआमिनतांग पार्टी के अधीन था तो सन 1941 में पकड़ कर जेल में डाल दिया गया। जेल में भी उसने कई कविताएं लिखीं हैं जिन में उसने कुआमिनतांग के शासकों के अत्याचारों और उनके विदेशियों के हाथों में खेलने की तरफ अपने देश वीसियों का ध्यान दिलाया। सन 1942 में वह जेल से छूटा। इसके बाद उसने जनता में अपने विचार फैलाने के लिये बहुत से निबन्ध

कच्चे चिनी जेठूनी कहानियां

(लिखक — चिनींग शून् फेनग; अनुवादक — सुन्दरलाल)

[जेठूनी जेठूनी कहानियों के जरिये लोगों को शिक्षा देने का तेहक बहुत पुराना तेहक है। हजारों बरस से इस तरह की सैकड़ों ही सुन्दर कहानियां एशिया के सब देशों में चली आ रही हैं। चीन में भी यह रिवाज बहुत पुराना रिवाज है। नए चीन की तामीर करने वालों ने इस से पूरा पूरा फायदा उठाया। यहां हम नए चीन के एक चोटी के साहित्यकार केन शु-केन की इस तरह की पांच कहानियां दे रहे हैं।

फेनग शून् फेनग सन 1903 में चिनींग सूवे के यीवू इलाके के एक गांव में पैदा हुआ था। वह अनपढ़ किसान मां बाप का लड़का था। दस बरस की उम्र से सालह बरस की उम्र तक वह गांव के स्कूल में पढ़ता रहा और खाली समय में अपने मां बाप के साथ खेत में काम करता रहा। इसका बाद वह एक टीचर्स ट्रेनिंग स्कूल में पढ़ने लगा। विद्यार्थियों के एक आन्दोलन में भाग लेने के कारन वह ट्रेनिंग स्कूल से निकाल दिया गया। थोड़े दिनों बाद वह फिर हांगचाओ के एक नारमल स्कूल में भरती हो गया।

कुछ दिनों वह प्राइमरी स्कूल में पढ़ाता रहा। पर अधिकतर अपने आजाद क्रान्तिकारी विचारों के कारन उसे बेकारी में दिन बताने पड़े। वह जगह जगह घूमता रहा। उसका गुजारा कुछ मित्रों की सहायता से चलता था। लगभग बीस बरस की उम्र में उसने कुछ कविताएं लिखीं। सन 1910 में वह पीकिंग आ गया और प्राइवेट वच्चे पढ़ा कर अपना काम चलाता रहा। यहां उसने जापानी भाशा सीखी और सावित्य कला और साहित्य पर कुछ पुस्तकों का जापानी से चीनी में अनुवाद किया।

अब उसका ध्यान कम्युनिस्ट साहित्य की तरफ जाने लगा। लू शून् जैसे चीन के बड़े लेखकों के साथ मिल कर उसने कई साहित्य संस्थाओं के कायम करने में हिस्सा लिया। धीरे धीरे वह पूरी तरह देश की आजादी की लड़ाई में कूद पड़ा और 'लाल सेना' के इतिहास प्रसिद्ध 'लम्बे कूच' (लांग मार्च) में उस सेना के साथ था। जब वह फिर उस इलाके में आया जो अभी कुआमिनतांग पार्टी के अधीन था तो सन 1941 में पकड़ कर जेल में डाल दिया गया। जेल में भी उसने कई कविताएं लिखीं हैं जिन में उसने कुआमिनतांग के शासकों के अत्याचारों और उनके विदेशियों के हाथों में खेलने की तरफ अपने देश वीसियों का ध्यान दिलाया। सन 1942 में वह जेल से छूटा। इसके बाद उसने जनता में अपने विचार फैलाने के लिये बहुत से निबन्ध

महात्मा गांधी के शब्दों में—“दर अस्त चुराया हुआ न होने पर भी बेकार का सम्बन्ध चोरी का सा माल हो जाता है. परिग्रह का मतलब है संयम या इकट्ठा करना. परमात्मा परिग्रह नहीं करता. वह जरूरी चीजें रोज की रोज पैदा करता है. रोज के काम भर का राज पैदा करने के ईश्वरी नियम का हम पालन नहीं करते. इसीलिये दुनिया में बिश्वमत्ता और उससे होने वाले दुख भागते हैं. अमीरों के यहां चीजें खराब होती रहती हैं, दूसरी ओर उनकी तंगी में करोड़ों इन्सान भटकते फिरते हैं. अगर सब लोग अपनी जरूरत भर को ही इकट्ठा करें तो किसी का तंगी न हो और सबको तसल्ली रहे. आज तो करोड़पति अरबपति होने को छटपटाता है, उसे तसल्ली नहीं. अगर आज धनी अपना बेहद परिग्रह छोड़ दें तो समाज का भेद भाव दूर हो जाय.”

विनोबा कहते हैं कि “आज जो धन कमाता है, वह उसके साथ रोग और क्लिष्ट भी कमाता है. वह धन कमा कर बाल बच्चों, दोस्तों और पड़ोसियों के प्रेम को खो देता है. इसी से वह दुखी भी है. आज समाज में श्रीमान और गरीब दोनों दुखी हैं. इसलिये यह समाज खना हमें बदलनी ही होगी और इसके लिये हमें दान और अपरिग्रह के दायरे को ज्यादा से ज्यादा फैलाना होगा.”

आज तो मादीवाद (माहा परस्ती) का असर हमारी आंखों पर पड़ा है. सारी जिन्दगी का विकार, विशय और मजबूरी से भरी हुई है. रोटी का सवाल आज की सबसे बड़ी समस्या है. दान आज रास्ता भूल कर बेजान पड़ा है. सायनाचार्य ने रुद्र की व्याख्या (तरारीह) की है—

बुभुक्षमाणः रुद्ररूपेण अवतिष्ठते—

यानी भूखे लोग रुद्र ही के अवतार हैं. उनकी भूख बुभुक्षणे के लिये तरह तरह के कलसके और तरह तरह के राजनैतिक उसूल बन गये हैं. तरह तरह के बाद इसी रोटी की समस्या को सुलभाने के लिये भगीरथ के समान कोशिशें कर रहे हैं. संसार के धर्मों, उपनिशदों और गीता ने इसका एक ही इलाज बताया है और वह है ‘ईश्वरार्पण योग’—यानी सब श्रम और सब धन ईश्वर अस्ताह के नाम पर हो, सब जनता के फायदे के लिये हो, समाज के फायदे के लिये हो, व्यक्तिगत यानी जाती फायदे के लिये नहीं.

مہاتما گاندھی کے شبدوں میں—“دراصل چرایا ہوا نہ ہونے پر بھی بیکار کا سا مال ہو جاتا ہے . پریمہ کا مطلب ہے سنیم یا اکٹھا کرنا . پرمانا پریمہ نہیں کرتا . وہ ضروری چیزیں روز کی روز پیدا کرتا ہے . روز کے کام پر کا روز پیدا کرنے کے ایشوری نیم کا ہم پالن نہیں کرتے . اسی لئے دنیا میں وشماتا اور اُس سے ہونے والے دکھ بھوکتے ہیں . امدوں کے یہاں چیزیں خراب ہوتی . یعنی ہیں . دوسری اور اُن کی تنگی میں ’روزوں انسان بٹکتے پھرتے ہیں . اگر سب لوگ اپنی ضرورت پر تو ہی اکتفا کریں تو کسی کو تنگی نہ ہو اور سب کو تسلی رہے . آج تو کروڑ پتی ارب پتی ہونے کو چپٹپٹاتا ہے . اُسے تسلی نہیں . اگر آج دعنی اپنا پے حد پریمہ چھوڑ دین تو سماج کا بیحد بیمار دور ہو جائے .“

وینوبا کہتے ہیں کہ ” آج جو دھن کمانا ہے ، وہ اُس کے ساتھ روک اور نہ کر بھی کمانا ہے . وہ دھن کما کر مال بچوں ، دوستوں اور پڑوسوں کے پریم کو کیو دینا ہے . اسی سے وہ دیکھی بھی ہے . آج سماج میں شریمان اور غریب دونوں دیکھی ہیں . اِس لئے یہ سماج رچنا ہمیں بدلتی ہی ہوگی اور اُس کے لئے ہمیں دان اور اپریمہ کے نیپوری کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہوگا .“

آج تو مادی دان (مادی پرستی) کا اثر ہماری آنکھوں پر پڑا ہے . ساری زندگی وکر ، وشہ اور مجبوری سے بھری ہوئی ہے . روٹی کا سوال آج کی سب سے بڑی سمسیا ہے . دان آج راستہ بول کر پے جان پڑا ہے . سینا چارہ نے زدر کی دیکھا (تشریح) کی ہے—

بویہوشمانترا زدر روپینقر او تشبہتے—

یعنی بویہوشمانترا زدر کے ہی اوتار ہیں . اُن کی بویہوشمانترا کے لئے طرح طرح کے فلسفے اور طرح طرح کے راجنیتک اصول بن گئے ہیں . طرح طرح کے دان اسی روٹی کی سمسیا کو سلجھانے کے لئے بیکیرنہ کے سمان کوششیں کر رہے ہیں . سنسار کے دھرموں ، آپشدوں اور گیتا نے اِس کا ایک ہی علاج بتایا ہے اور وہ ہے ’ ایشورارپنہ یوگ ’—یعنی سب شرم اور سب دھن ایشور الہ کے نام پر . سب جنتا کے فائدے کے لئے ہو ، سماج کے فائدے کے لئے ہو . یعنی ذاتی کت یعنی فائدے کے لئے نہیں .

دھناواؤں اور دینہاؤں کے بیچ سیرک دانا ہی ایک جوڑنے والا رہ گیا ہے۔ آج دینہ بنانے کے بعد ہی دانا ممکن رہ گیا ہے۔ ایک دارشک کے شبدوں میں—”اگر غریبی مناسب بات نہیں ہے تو دانا کو بھی بڑھاوا نہیں دینا ہوگا۔ غریبی کو اگر دور دراز ہے تو دانا کی سندسپا کو بھی ہمیں اتنا پات صاف کرنا ہوگا کہ اُس میں دیا ہوا کے لئے گنجائش نہ رہ جائے۔ یہ دل کا ایسا سپہج اور لازمی دھرم ہو جائے جیسے بادلوں کا جل دانا۔ آج تو دینہ والا غریب پرور ہے اور لینے والا حقیر ہے۔ غریبی اور دانا کا یہ تعاقب انسان کی شان کو نہیں بڑھاتا۔ اُس سے اُلجھن بڑھتی ہے اور میل بڑھتا ہے۔ اِس لئے دانا کو اُس سطح پر پہنچانا ہوگا جہاں دینہ والے کو اپنے کو دانا ماننے کے غرور سے چھٹکارا ملے۔“

اِسی بیچار کو مشاہد سیریان دارشک خلیل جبران نے دوسرے شبدوں میں لکھا ہے۔ وہ بیخاری سے کہتے ہیں—”بیخاری! تو دینہ ہین بن کر بھیخ کیوں مانگتے ہو؟ دانی کی وداریا کو ہتھی اہمیت کیوں دتے ہو؟ توہاری غریبی میں بناوٹ نہی بےغی ہے۔ تو مجبور ہو۔ جس دان کے دینہ کو تم قبول کرتے ہو وہ دینہ والے کا نہیں ہے۔ وہ تو اُس کے پاس صرف دھروہر ہے۔ تمہیں بیک اِس لئے مانگنی پڑتی ہے جس میں اُس کے فرض کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ تم یوگنا۔ ایوگنا، ست پاتر۔ کو پاتر کی کسوٹی پر اِس لئے نہیں کیے جا سکتے کہ تمہارا آہوا قدرتی ہے۔ تم دان لے کر دانی پر اُپکار کرتے ہو چونکہ تم اُسے کرتوبہ کا راستہ دکھاتے ہو۔ اُسے دھروہر غریب لینے سے بچانے کا اُپکار تمہارا ہے۔ اِس لئے اے بیخاری! تم کیوں شرم کے بوجھ سے دپے جا رہے ہو؟ کیوں اپنے کو دینہ ہین مانتے ہو؟ ایسا کر کے کیا تم دانی کو اہمیت دینے اور اُسے پخت ہونے کا موقع نہیں دیتے؟ اِس لئے ہے بیخاری! دانی سے فرض سمجھ کر دان لو! شاستکی کے خیال سے احسان ہلے ہی ظاہر کرو پر اُپکار کے بوجھ سے پریشان نہ ہو!“

جس طرح ہم بیکہ میں اُرمی دیتے سے کہتے ہیں کہ—”اند رائے اِن نہ مم“—بہ میرا نہیں ہے، اِنر کے لئے ہے۔ اِس طرح آج جو ہم اُنہاں کرتے ہیں، چاہے وہ کھیتی میں ہو، چاہے فیکٹری میں، اُس کے بارے میں ہمیں کہنا چاہئے کہ—”سا جائے اِن، سمشتاے اِن، رشتراے اِن، نہ مم۔“ یہ سب میرے لئے نہیں ہے، سماج کے لئے ہے، سمشتی کے لئے ہے، اِشتر کے لئے ہے۔ اپنے پاس جو کچھ ہے وہ سب سماج کے حوالے کر دینا چاہئے۔ پھر سماج کی اور سے اپنی ضرورت کے مطابق جو کچھ ملے گا وہ اُمرت ہوگا۔

अर्थात्—जगत में जो कुछ जीवन है, वह ईश्वर का बसाया हुआ है. इसलिये उसके नाम से त्याग करके, तू यथा प्राप्त भागता जा. किसी के भी धन की तरह वासना न रख.

तुलसीदास जी ने इसी को दूसरे शब्दों में कहा है—
‘सम्पत्ति सब रघुवर की आही’, और सम्पत्ति जब सब रघुवर की ही है अर्थात् समाज के कायदे के लिये है तो सम्पत्ति की मिलकियत सिर्फ एक दूस्ती के रूप में ही रह जाती है और वह सम्पत्ति—“सब जन हिताय, सब जन सुखाय” के लिये ही खर्च की जा सकती है. महान पारसी सम्राट अशुशीरवा ने हिदायत दी थी कि मौत के बाद जब उसकी अर्थात् ले जाई जाय तो उसके दोनों हाथ अर्थात् के बाहर निकले रहें ताकि जनता देख ले कि इतना बड़ा सम्राट भी अनन्त यात्रा में आलो हाथ जा रहा है.

पैदावार सब मेहनत से ही होती है. इनसान साधन, सामग्री और श्रम के मेल से जिन्दगी की जरूरतों की तरह तरह की चीजों को पैदा करता है. श्रम और पैदावार के मेल के लिये सिक्के का जनम होता है. सिक्के को इसलिये लाया जाता है कि वह श्रम का वकादार चाकर होकर रहे, लेकिन हालतों के उलटफेर की वजह से श्रम ही सिक्के का तावेदार बन जाता है. जो बेधुमार कच्चा धरती का बेटा अपने पसीने के बल खेतों में उपजाता है, खानों से निकालता है, कारखानों में तैयार करता है उस पर बजाय श्रमिक का अधिकार होने के लक्ष्मीपुत्रों का अधिकार हो जाता है. नतीजा यह होता है कि समाज अमीरों और गरीबों में बंट जाता है. अनाज की खतियों में अनाज पड़े पड़े घुनता रहता है और करोड़ों इन्सान दाने दाने को मोहताज रहते हैं. गोदामों में कपड़े की लाखों गांठें पड़ी सड़ती रहती हैं और करोड़ों इन्सान ठण्ड से ठिठुरते रहते हैं. दिन बदिन नंगों और भिखमंगों की अनगिनत कतारें बढ़ती जाती हैं. आज दुनिया में लोभ और परिग्रह का राज है. परिग्रह की हिकायत के लिये राज तरह तरह के कानून बनाते हैं. उगनिशद की एक कहानी में राजा कहता है कि “मेरे राज में न तो कोई चोर है और न कंजूस. धन संग्रह ही चोरी को उकसावा देता है. दरअसल कंजूस ही चोर का पिता है.” उपनिशद का यह राजा बड़े पते की बात कहता है. लेकिन आज क्या हो रहा है ? चोर को तो हम जेल भेजते हैं, लेकिन चोरों के पिता पूंजीशाह को हम मुक्त रखते हैं. बेतहजीब-याकता शरीक की शक्ल में समाज में घूमते हैं, उनकी औरतें अपनी दौलत का, अपने जगमग जवाहरातों का दरिद्र नारायणों के बीच में गंगा प्रदर्शन करते हैं ! यह कैसा न्याय है ? गीता ने भी परिग्रही (धनवाले) को ही चोर कहा है, लेकिन आज लोग गीता को भी नहीं मानते.

अर्थात्, जगत में जो कुछ जीवन है, वह ईश्वर का बसाया हुआ है. इसलिये उसके नाम से त्याग करके, तू यथा प्राप्त भागता जा. किसी के भी धन की तरह वासना न रख.

तुलसीदास जी ने इसी को दूसरे शब्दों में कहा है—
‘सम्पत्ति सब रघुवर की आही’, और सम्पत्ति जब सब रघुवर की ही है अर्थात् समाज के कायदे के लिये है तो सम्पत्ति की मिलकियत सिर्फ एक दूस्ती के रूप में ही रह जाती है और वह सम्पत्ति—“सब जन हिताय, सब जन सुखाय” के लिये ही खर्च की जा सकती है. महान पारसी सम्राट अशुशीरवा ने हिदायत दी थी कि मौत के बाद जब उसकी अर्थात् ले जाई जाय तो उसके दोनों हाथ अर्थात् के बाहर निकले रहें ताकि जनता देख ले कि इतना बड़ा सम्राट भी अनन्त यात्रा में आलो हाथ जा रहा है.

पैदावार सब मेहनत से ही होती है. इनसान साधन, सामग्री और श्रम के मेल से जिन्दगी की जरूरतों की तरह तरह की चीजों को पैदा करता है. श्रम और पैदावार के मेल के लिये सिक्के का जनम होता है. सिक्के को इसलिये लाया जाता है कि वह श्रम का वकादार चाकर होकर रहे, लेकिन हालतों के उलटफेर की वजह से श्रम ही सिक्के का तावेदार बन जाता है. जो बेधुमार कच्चा धरती का बेटा अपने पसीने के बल खेतों में उपजाता है, खानों से निकालता है, कारखानों में तैयार करता है उस पर बजाय श्रमिक का अधिकार होने के लक्ष्मीपुत्रों का अधिकार हो जाता है. नतीजा यह होता है कि समाज अमीरों और गरीबों में बंट जाता है. अनाज की खतियों में अनाज पड़े पड़े घुनता रहता है और करोड़ों इन्सान दाने दाने को मोहताज रहते हैं. गोदामों में कपड़े की लाखों गांठें पड़ी सड़ती रहती हैं और करोड़ों इन्सान ठण्ड से ठिठुरते रहते हैं. दिन बदिन नंगों और भिखमंगों की अनगिनत कतारें बढ़ती जाती हैं. आज दुनिया में लोभ और परिग्रह का राज है. परिग्रह की हिकायत के लिये राज तरह तरह के कानून बनाते हैं. उगनिशद की एक कहानी में राजा कहता है कि “मेरे राज में न तो कोई चोर है और न कंजूस. धन संग्रह ही चोरी को उकसावा देता है. दरअसल कंजूस ही चोर का पिता है.” उपनिशद का यह राजा बड़े पते की बात कहता है. लेकिन आज क्या हो रहा है ? चोर को तो हम जेल भेजते हैं, लेकिन चोरों के पिता पूंजीशाह को हम मुक्त रखते हैं. बेतहजीब-याकता शरीक की शक्ल में समाज में घूमते हैं, उनकी औरतें अपनी दौलत का, अपने जगमग जवाहरातों का दरिद्र नारायणों के बीच में गंगा प्रदर्शन करते हैं ! यह कैसा न्याय है ? गीता ने भी परिग्रही (धनवाले) को ही चोर कहा है, लेकिन आज लोग गीता को भी नहीं मानते.

तू उसे खाना देता तो मुझे उसके साथ देखता ? मेरे एक घन्ड़े ने तुझसे पानी मांगा और तूने उसे पानी नहीं दिया. अगर तू उसे पानी दे देता तो सचमुच मुझे उसके पास पाता !”

कुगुरा में लिखा है कि—“धर्म या नेकी इसमें नहीं है कि तुमने अपने मुह नमाज के वक़्त पूरब के तरफ़ कर लिये या पच्छिम की तरफ़. धर्म यह है कि आदमी अल्लाह को माने, कर्मों के फल को माने, फ़रिश्तों को माने, सब मजहबी किताबों और सब नबियों या रसूलों को माने, अल्लाह के प्रेम के नाते यानी उसके नाम पर अपने माल और दौलत में से अपने नातेदारों को, यतीमों को, जरूरतमंदों को, रास्ता चलतों को और याचकों को दान दे और गुलामों को आज़ाद कराने में अपनी दौलत खर्च करे, अल्लाह से दुआ मांगता रहे, ज़कात यानी अपने कुल माल का कम से कम चालीसवां हिस्सा हर साल अल्लाह के नाम पर गरीबों को ख़ैरात देता रहे” आदि.

एक बार मुहम्मद साहब सफ़र से लौट कर मदीने आये. वह सीधे अपनी बेटी फ़ातमा से मिलने उसके घर गये. मकान में दो चीज़ें नई थीं—एक दरवाज़े पर लटका हुआ रेशमी धरदा और फ़ातमा के हाथों में चांदी के कड़े. देखते ही मुहम्मद साहब उल्टे पांव लौट आये और मसजिद में बैठकर रोने लगे. फ़ातमा ने अपने बेटे हसन को यह पूछने के लिये भेजा कि नाना इतनी जल्दी क्यों लौट गये. मोहम्मद साहब ने नवासे से कहा कि “मैं यह देख कर शरमा गया कि मसजिद में लोग भूखे बैठे हों और मेरी बेटी चांदी के कड़े पहने और रेशम के परदे लटकाये.” हसन ने मां से जाकर कहा. फ़ातमा ने तुरन्त कड़ों को तोड़कर उसी रेशम के टुकड़े में बांध कर वाप के पास भेज दिया. मुहम्मद साहब ने खुश होकर उन्हें बेचकर रोटियां मंगाईं और गरीबों में बांट दीं. फिर फ़ातमा के पास जाकर कहा कि “अब तू सचमुच मेरी बेटी है.”

पुरानों में अनेकों दानवीरों का ज़िक्र आता है जिन्होंने अपनी सारी दौलत दान में देकर अपरिमह का व्रत लिया. सन्नात हरी शेर पांचवें साल प्रयाग आकर त्रिवेनी के तट पर अपने शाली खजाने का एक एक पैसा गरीबों में बांट दिया करते थे. आख़ीर में सिर्फ़ एक कोपीन रह जाती थी. तब अपनी बहन राज्यश्री से अंगोछा दान मांग कर वह कोपीन भी दान कर देते थे. समाज की सम्पत्ति इस तरह फिर समाज में वापस चली जाती थी.

पुराने जमाने के मजहबी लोग अगर सम्पत्ति का भोग भी करते थे तो वह बेतौल होकर ईश्वर प्रसाद की तरह. ईशावास्योपनिषद् में इसी भाव को उपनिषद्कार ने बड़े सुन्दर ढंग से कहा है—

ईसावास्यमिदं सर्वं यत्किंच जगत्यां जगत् ।

त्येन त्यक्तेन भुञ्जीथा मा गृधः कस्य स्वद्धनम् ॥

तो असे कहाँ देता तो मुझे असे के साथे देखता ? मिरे एक बन्दे ने तजे से पानी मांगा और तो ने असे पानी नही दिया !

अगर तो असे पानी दे देता तो सच मीज मुझे असे के पास पाता !

फ़ोर्न मीज लका है क—“देहम या नैकी असे मीज नही है के तम ने अपने मने नमाज के वक़्त पूरब के तरफ़ कुराई या पच्छिम की तरफ़. देहम ये है के अदमी अल्ले को माने, कर्मन के फल को माने, फ़रिश्तों को माने, सब मजहबी कताबों और सब नबीयों या रसूलों को माने, अल्ले के प्रेम के नाते यानी असे के नाम पर अपने माल और दौलत मीज से अपने नातेदारों को, यतीमों को, जरूरतमंदों को, रास्ता चलतों को और याचकों को दान दे और गुलामों को आज़ाद कुराई मीज अपनी दौलत खर्ज कुरे, अल्ले से दूआ मांगता रहे, ज़कात यानी अपने कुल माल का कम से कम चालीसवां हिस्सा हर साल अल्ले के नाम पर गरीबों को ख़ैरात देता रहे, अदी.

अिक बार मुहम्मद साहब सफ़र से लौट कर मदीने आये. वह सीधे अपनी बेटी फ़ातमा से मिलने असे के घर मीज. मकान मीज दो चीज़ें नई मीज—अिक दरवाज़े पर लटका हुआ रेशमी धरदा और फ़ातमा के हाथों मीज चांदी के कड़े. देखते मीज मुहम्मद साहब अल्ले पाँव लौट आये और मसजिद मीज बैठकर रोने लगे. फ़ातमा ने अपने बेटे हसन को यह पूछने के लिये भेजा कि नाना इतनी जल्दी क्यों लौट गये. मोहम्मद साहब ने नवासे से कहा कि “मैं यह देख कर शरमा गया कि मसजिद मीज लोग भूखे बैठे हों और मेरी बेटी चांदी के कड़े पहने और रेशम के परदे लटकाये.” हसन ने मां से जाकर कहा. फ़ातमा ने तुरन्त कड़ों को तोड़कर उसी रेशम के टुकड़े मीज बांध कर वाप के पास भेज दिया. मुहम्मद साहब ने खुश होकर उन्हें बेचकर रोटियां मंगाईं और गरीबों मीज बांट दीं. फिर फ़ातमा के पास जाकर कहा कि “अब तू सचमुच मेरी बेटी है.”

पुरानों मीज अनेकों दान वीरों का ड़क़र आता है जिनहों ने अपनी सारी दौलत दान मीज देकर अपरिमह का व्रत लिया. सन्नात हरी शेर पांचवें साल प्रयाग आकर त्रिवेनी के तट पर अपने शाली खजाने का एक एक पैसा गरीबों मीज बांट दिया करते थे. आख़ीर मीज सिर्फ़ एक कोपीन रह जाती थी. तब अपनी बहन राज्यश्री से अंगोछा दान मांग कर वह कोपीन भी दान कर देते थे. समाज की सम्पत्ति इस तरह फिर समाज मीज वापस चली जाती थी.

पुराने जमाने के मजहबी लोग अगर सम्पत्ति का भोग भी करते थे तो वह बेतौल होकर ईश्वर प्रसाद की तरह. ईशावास्योपनिषद् मीज इसी भाव को उपनिषद्कार ने बड़े सुन्दर ढंग से कहा है—

ईसावास्यमिदं सर्वं यत्किंच जगत्यां जगत् ।

त्येन त्यक्तेन भुञ्जीथा मा गृधः कस्य स्वद्धनम् ॥

सहज है पर धनवानों का ईश्वर के राज में दाखिल होना
नामुमकिन है."

जैनों के चौबीसवें तीर्थङ्कर भगवान महावीर दीक्षित होना चाहते थे, लेकिन उन्होंने ऐसा महसूस हुआ कि करोड़ों और अरबों की दीलत की उनकी मिलकियत उनकी दीक्षा में सबसे बड़ी रुकावट है, आचारांग सूत्र के मुताबिक, उन्होंने मुनि-दीक्षा के खयाल को एक साल के लिये मुलतवी कर दिया, उस एक बरस में उन्होंने अपना सब धन और दीलत दरिद्रनारायनों में बांट दिया और तब दीक्षा ली, दीक्षा लेने के बाद भी उनके दिल में दया की धारा बहती रहती थी, एक गरीब ब्राह्मन के दुःख से भरकर वे उसे अपनी एक बची खुची चादर भी दे डालते हैं,

इसलाम के पैगम्बर हज़रत मुहम्मद भी अपरिग्रह की जीती जागती मिसाल थे. अपनी मौत से एक दिन पहले उन्होंने अपनी बीवी हज़रत आयशा से कहा—“अपने पास बिलकुल पैसा न रखो, जो कुछ कहीं बचा कर रख छोड़ा हो तो उसे गरीबों में बांट दो.” आयशा ने कहाँ से किसी वज्रत के लिये छै सोने के दीनार अपने पास चुपके से बचा कर रख छोड़े थे. थोड़ी देर बाद मुहम्मद साहब ने फिर कहा कि जो कुछ हो मुझे दे दो.” आयशा ने वही छै सोने के दीनार मुहम्मद साहब के हाथ पर लाकर गिन-दिये. मुहम्मद साहब ने उसी दम हुक्म दिया कि उन्हें कुछ गरीब कुटुम्बों में बांट दिया जाय. ऐसा ही किया गया. इस पर मुहम्मद साहब ने कहा—“अब मुझे शांति मिली. सबमुच अच्छा नहीं था कि मैं अपने अल्लाह से मिलने जाऊँ और यह सोना मेरी मिलकियत रहे.”

इस्लाम के मुताबिक मरने के बाद अल्लाह पूछेगा—
 “ऐ आदमी के बेटे ! मैं बीमार था और तू मुझे देखने नहीं
 आया ?” आदमी कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! मैं तुम्हें देखने
 के लिये कैसे आ सकता था, तू तो सारे जहान का मालिक
 है.” अल्लाह फिर पूछेगा—“ऐ आदमी के बेटे मैंने तुम्हें
 खाना मांगा था और तूने मुझे खाना नहीं दिया ?” आदमी
 कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! तू तो सारे जहान का पालनहार
 है मैं तुम्हें खाना कैसे दे सकता था ?” अल्लाह पूछेगा—
 “ऐ आदमी के बेटे ! मैंने तुम्हें पानी मांगा और तूने मुझ
 पानी नहीं दिया ?” आदमी कहेगा—“ऐ मेरे रब्ब ! मैं
 तुम्हें कैसे पानी दे सकता था तू तो सारी दुनिया का मालिक
 है.”

और तब अल्लाह जवाब देगा—“क्या तुमने मालूम नहीं था कि मेरा एक बन्दा बीमार था, तु उसे देखने नहीं गया ! क्या तुमने यह मालूम नहीं था कि अग्रर तु उसे देखने जाना तो सचमुच मुझे उसके पास पाता ! क्या तुमने मालूम नहीं था कि मेरे एक बन्दे ने तुमको खाना मांगा था और तुने उसे खाना नहीं दिया ? क्या तु नहीं जानता था कि अग्रर

سہنج ہے پر دستوانوں کا ایشور کے راج میں داخل ہونا
ناممکن ہے۔“

جینوں کے چودہ برسوں تین تینکر بیگوان مہارو دیکھت
ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اُنہیں محسوس ہوا کہ کروڑوں اور اربوں
کی دولت کی اُن کی ملکیت اُن کی دیکھچا میں سب سے بڑی
بگڑت ہے۔ اُچارانگ سوٹر کے مطابق، منی اُنہوں نے دیکھچا کے
خیال کو ایک سال کے لئے ملتوی کر دیا۔ اُس ایک برس میں
انہوں نے اپنا سب دھن اور دولت دہرہ نرائیوں میں بانٹ
دیا اور سب دیکھچالی۔ دیکھچا لینے کے بعد بھی اُن کے دل میں
دیا کی مقدار بہتی رہتی تھی۔ ایک غریب ہولمیں کے دکھ سے
بہرہ ور اُسے اپنی ایک بچی کچھی چادر بھی دے قائلے ہیں۔
اسلام کے پیغمبر حضرت محمد بھی اُپر بگڑہ کی جیتی جاگتی
مائل تھے۔ اپنی مہرت سے ایک دن پہلے اُنہوں نے اپنی بی بی
حضرت عائشہ سے کہا—”اپنے پاس بالکل پیسہ نہ رکھو، جو کچھ
کہیں بچا کر رکھ چھوڑا ہو تو اُسے غریبوں میں بانٹ دو۔“ عائشہ
نے کہیں سے کسی رخت کے لئے چھ سوئے کے دینار اپنے پاس چھپکے
سے بچا کر رکھ چھوڑے تھے۔ تیزوی دیر بعد محمد صاحب نے پھر
کہا کہ جو کچھ تم مجھے دے دو۔“ عائشہ نے وہی چھ سوئے کے دینار
محمد صاحب کے شانہ پر لا کر گن دیئے۔ محمد صاحب نے اُسی
دم حکم دیا کہ انہیں کچھ غریب کتیموں میں بانٹ دیا جائے۔
ایسا ہی کیا گیا۔ اُس پر محمد صاحب نے کہا—”اب مجھے
شانہتی ملی۔ سچ مجھ اچھا نہیں تھا کہ میں اپنے اللہ سے ملنے
جائوں اور یہ سونا میری ملکیت رہے۔“

اسلام کے مطابق مرنے کے بعد اللہ پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے! میں بیمار تھا اور تو مجھ دیکھنے نہیں آیا؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب! میں تجھے دیکھنے کے لئے کیسے آسکتا تھا، تو تو سارے جہان کا مالک ہے۔“ اللہ پھر پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہیں دیا؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب! تو تو سارے جہان کا مالک تھے میں بیمار تھے میں تجھے بتاتا کیسے دے سکتا تھا؟“ اللہ پوچھے گا۔ ”اے آدمی کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں دیا؟“ آدمی کہے گا۔ ”اے میرے رب! میں تجھے دینے والی دے سکتا تھا تو تو سارے دنیا کا مالک ہے۔“

اور نبی اللہ جواب دینا: ”کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا ایک بندہ بیمار تھا، تو اُسے دیکھنے نہیں گیا! کیا تجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اُسے دیکھنے جاتا تو سچ میں مجھے اُس کے پاس پاتا! کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے ایک بندے نے تجھے کھانا مانگا تھا اور تو نے اُسے کھانا نہیں دیا! کیا تو نہیں جانتا تھا کہ اگر

दान کی بर्थ नीति

(विश्वम्भरनाथ पांडे)

आज देश में चारों ओर तरह तरह کے دانوں کی चर्चा سناई देती ہے—आत्मदान، विद्यादान، श्रमदान، भूदान، सम्पत्तिदान और जीवनदान आदि. जिस समाज में अमीर गरीब का बोलबाला हो, दान की वहाँ एक खास अहमियत होती है. दौलत के असम बंटवारे को दान के जरिये बराबर करने की कोशिश की जाती है.

दान की यह परम्परा कोई नई नहीं है. हर धर्म ने उसे मुक्ति (निजात) की जरूरी शर्त बताया है. पानी की तरह धन भी अगर एक जगह इकट्ठा रहेगा तो वह सड़ान पैदा करेगा—रूहानी सड़ान. धर्म गुरुओं ने उपदेश दिया कि जिस तरह आसमान सूरज की तपिश से पृथ्वी का जल इकट्ठा करता है और फिर बादलों के जरिये बारिश से उस जल को फिर से पृथ्वी को वापस कर देता है उसी तरह समाज में भी अलग अलग आदमियों के जरिये कमाई हुई पूँजी को दान द्वारा फिर सब के हित में बांट देना चाहिये. मजहबी पैगम्बरों ने हमें बताया है कि आत्मा का परमात्मा में मिलना ही ज़िन्दगी का सब से बड़ा मक़सद है और इस मक़सद के हासिल करने में सबसे बड़ी बाधा धन है.

एक बार हज़रत ईसा के पास एक नौजवान धनी आया और बोला—“सद् गुरु! निजात हासिल करने के लिये मुझे किस तरह का व्यवहार करना चाहिये?” हज़रत ईसा ने जवाब दिया—“तुम मुझे सद् गुरु क्यों कहते हो? सिर्फ़ एक ईश्वर ही सत्य है; लेकिन अगर तुम ज़िन्दगी में सत्य का दर्शन करना ही चाहते हो तो ईश्वर की आज्ञाओं का पालन करो?” इस पर नौजवान ने पूछा—“ईश्वर की वे आज्ञायें कौन सी हैं?” हज़रत ईसा ने जवाब दिया—“क़त्ल न करना, व्यभिचार न करना, मां बाप की इज़्ज़त करना, और पड़ोसी से मुहब्बत करना.” इस पर नौजवान ने कहा—“मैं इन सब नियमों का पालन बचपन से ही करता आया हूँ. अब मुझ में किस बात की कमी है?” हज़रत ईसा ने जवाब दिया—“अगर तुम बेवफ़ा होना चाहते हो तो जाकर अपनी सारी दौलत बेचकर उसे गरीबों में दान कर दो. ऐसा करने से तुम्हें अल्लाह का ख़जाना मिलेगा. तब मेरे पास आकर मेरे चले बनना.” हज़रत ईसा की यह बात सुनकर वह नौजवान नाउम्मीद होकर वहाँ से चला गया. उसका मन धन दौलत में रमा हुआ था. तब हज़रत ईसा ने अपने चेलों से कहा—“मैं कहता हूँ कि धनवानों का जन्नत में दाख़िल होना मुश्किल है. ऊंट का सुई के नाके से निकल सकना

दान की अर्थ नीति

(رشوه‌روانہ پانڈے)

آج دیش میں چاروں اور طرح طرح کے دانوں کی چرچا سنائی دیتی ہے—آتمदान، ویدادان، شرمदान، بھदान، سمپتیदान اور جیونदान آدی. جس سماج میں امیر غریب کا بول بالا ہو، ان کی وہاں ایک خاص اہمیت ہوتی ہے. دولت کے اسم بقولارے کو دان کے ذریعہ برابر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے. دان کی یہ پرہیزا کوئی نئی نہیں ہے. ہر دھرم نے اسے مکتی (نجات) کی ضروری شرط بتایا ہے. پانی کی طرح دھن بھی اگر ایک جگہ اکٹھا رہے تو وہ سڑان پیدا کریگا—روحانی سڑان. دھرم گروں نے اُنہیں دیا کی جس طرح آسمان سورج کی تہ سے پرتھی کا چل اکٹھا کرتا ہے اور پھر بادلوں کے ذریعہ بارش سے اُس چل کو پھر سے پرتھی کو واپس کردیتا ہے اُسی طرح سماج میں بھی الگ الگ آدمیوں کے ذریعہ کٹائی ہوئی پونجی کو دان دوارا پھر سب کے ہت میں بانٹ دینا چاہئے. مذہبی پیغمبروں نے ہمیں بتایا ہے کہ آتما کا پرمانا میں ملن ہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے اور اُس مقصد کے حاصل کرنے میں سب سے بڑی بادشا دھن ہے.

ایک بار حضرت عیسیٰ کے پاس ایک نوجوان دھنی آیا اور بولا—”سّد کرو! نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کس طرح کا بیوہار کرنا چاہئے؟“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا. ”مجھے سّد گرو کہیں کہتے ہو؟ صرف ایک ایشور ہی سکتی ہے؛ لیکن اگر تم زندگی میں سکتی کا درشن کرنا ہی چاہتے ہو تو ایشور کی آکھوں کا پالن کرو.“ اُس پر نوجوان نے پوچھا—”ایشور کی وے آکھائیں کرن سی ہیں؟“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا—”قتل نہ کرنا، بیہچارہ کرنا، ماں باپ کی عزت کرنا، اور پڑوسی سے محبت کرنا.“ اُس پر نوجوان نے کہا—”میں ان سب نیمرن کا پالن بچپن ہی سے کرتا آیا ہوں. اب مجھے میں کس بات کی چاہئے؟“ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا—”اگر تم بے داغ ہونا چاہتے ہو تو جاؤ اپنی ساری دولت بیچ کر اُسے غریبوں میں دان کردو. ایسا کرنے سے تمہیں اللہ کا خزانہ ملے گا. تب میرے پاس آکر میرے چلے بننا. حضرت عیسیٰ کی یہ بات سن کر وہ نوجوان ناامید ہو کر وہاں سے چلا گیا. اُس کا من دھن دولت میں رہا ہوا تھا. تب حضرت عیسیٰ نے اپنے چلوں سے کہا—”میں کہتا ہوں کہ دھنواؤں کا جنت میں داخل ہونا مشکل ہے، اُونٹ کا سوئی کے ناکے سے نل سنا

बोली तामिल और मलयालम से ज्यादा द्रावड़ी रंग लिये हुए है तो उसके मानी यह जरूरी नहीं निकलते कि हम में द्रावड़ी खून भी ज्यादा है. साथ ही यह भी मानना पड़ता है कि खून का थोड़ा बहुत असर बोली पर पड़ ही जाता है. मुझे कोई मद्रासी बोली नहीं आती और न मुझे असल द्रावड़ी ज़बान का इल्म है. इसलिये मेरे पास एक ही माप रह जाता है जिससे अंदाज़ा लगाया जा सके कि खड़ी बोली द्रावड़ी ज्यादा है या तामिल. यह माप इ है. यह मैं मानता हूँ कि यह माप कुछ बहुत अच्छा नहीं, लेकिन जो है उसे इस्तेमाल तो करना चाहिये. मेरे ख्याल में जितने लफ्ज़ आम घरों की खड़ी बोली में इ वाले हैं और किसी बोली में नहीं. पंजाबी, सिंधी, राजस्थानी, ब्रज, अवधी, गुजराती, मरहटी, बिहारी, बंगाली की बावत तो मैं अपने इल्म से कह सकता हूँ. तामिल, कन्नड़, मलयालम वगैरा का इल्म नहीं. उन से मुकाबिला करने के लिये मैंने यह लम्बी फेहरिस्त तैयार की है ताकि वह अपनी ज़बान की ऐसी फेहरिस्त बनाएं और जांच सकें.

बोली तमिल और मलयालम से ज्यादा द्रावड़ी रंग लिये हुए है तो उस के मानी यह जरूरी नहीं निकलते कि हम में द्रावड़ी खून भी ज्यादा है. साथ ही यह भी मानना पड़ता है कि खून का थोड़ा बहुत असर बोली पर पड़ ही जाता है. मुझे कोई मद्रासी बोली नहीं आती और न मुझे असल द्रावड़ी ज़बान का इल्म है. इसलिये मेरे पास एक ही माप रह जाता है जिससे अंदाज़ा लगाया जा सके कि खड़ी बोली द्रावड़ी ज्यादा है या तामिल. यह माप इ है. यह मैं मानता हूँ कि यह माप कुछ बहुत अच्छा नहीं, लेकिन जो है उसे इस्तेमाल तो करना चाहिये. मेरे ख्याल में जितने लफ्ज़ आम घरों की खड़ी बोली में इ वाले हैं और किसी बोली में नहीं. पंजाबी, सिंधी, राजस्थानी, ब्रज, अवधी, गुजराती, मरहटी, बिहारी, बंगाली की बावत तो मैं अपने इल्म से कह सकता हूँ. तामिल, कन्नड़, मलयालम वगैरा का इल्म नहीं. उन से मुकाबिला करने के लिये मैंने यह लम्बी फेहरिस्त तैयार की है ताकि वह अपनी ज़बान की ऐसी फेहरिस्त बनाएं और जांच सकें.

700 PAGES,

32 ILLUSTRATIONS

2 COLOURED MAPS

"CHINA TODAY"

PRICE

Rs. 7 8 0

BY PANDIT SUNDARLAL

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter...brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

(आत्मा) कहा जाता है और उस आत्मा के अनुसार ही हमारा विधान कहता है कि हमारी बोली उमारी जाये।

गुम्बदी उन लषजों को कहा जाता है जो किसी आवाज की नक़ल में बने हों। खड़ी बोली में यह एक अनोखी बात है कि जितने गुम्बदी लषज उसमें ऐसे हैं जहाँ और बोलियों में र आती हो हमारी बोली में इ आयेगी—जैसे चिड़िया, ककड़ी, खड़का, धाड़, धड़क, धड़ाका, धड़ाधड़, गुलगापाड़ा, बड़बड़ कड़कड़ाता जाड़ा, खड़खड़ा और ऐसे बीसों और लषज हैं। बच्चों की कहानियों में तो ऐसे लषज बच्चों को बहुत प्यारे होते हैं जैसे—सार सम्बड़ सड़ बरसों, हाँडी धोई खड़बड़ क्यों। ऐसी प्यारी आवाज को सिक संस्कृती पंडित ही दोहरा सकते हैं। खूबी यह कि संस्कृत इस द्रावड़ी आवाज से बच न सकी, लेकिन उसे अपनाने की संस्कृत को हिम्मत न पड़ी। करती तो चोरी पकड़ी जाती। संस्कृत बनाने वालों की यह कांशिरा थी कि संस्कृत शुद्ध आर्य भाशा समझी जाये और इसलिये वह संस्कृत को द्रावड़ीपने को छिपाना चाहते थे। संस्कृती पंडित अब भी इसी कांशिरा में हैं।

जब तक कोई विद्वान यह फैसला न करे कि संस्कृत में कौन से लषज आर्य भाशा के हैं और कौन से द्रावड़ी और दूसरी देसी बोलियों के हैं तब तक यह भी फैसला नहीं होता कि खड़ी बोली में कितने लषज द्रावड़ी और कितने आर्य भाशा के हैं। आवाज और प्रामर के हिसाब से तो खड़ी बोली साफ द्रावड़ी जवान है। उसे आर्य भाशा कहना नादानी है।

मिस्टर हेरास (Heras) जो प्राचीन हिन्दी इतिहास के माहिर समझे जाते हैं उनकी 17 बरस खोज करने के बाद यह राय है कि पंजाबी और हिन्दुस्तानी बोलने वालों में द्रावड़ी खून बहुत ज्यादा है बनिस्वत तामिल, तेलगू या मलयालम के बोलने वालों के। हमें यह बात बुरी मालूम होती है क्योंकि हजारों बरस से संस्कृत वाले एक जवान हाकर इस बात पर बड़ा जोर देते हैं कि आर्य बहुत शिक्षित और महापुरुष लोग थे और उन दिनों यहाँ के असती वासी जंगली, कपटी और कमीने थे। यह सच है कि उन किताबों के लिखे जाने के बाद मोहनजोदरो भी निकला, हड़प्पा भी निकला और इस क्रम के बहुत से खंडरात एराक़ वगैरा में भी निकले, जिनसे साफ़ जाहिर है कि इस मामले में हमारी संस्कृत की किताबें सच्ची नहीं। लेकिन हम पर तो उनका कुछ ऐसा जादू चला हुआ है कि हम उन्हें ठीक ही समझते हैं।

यह मैं जानता हूँ कि बोली का नसल से सम्बन्ध जरूरी नहीं। यह मुमकिन है कि दो लोग जिनका आपस में खून का कोई रिश्ता नहीं एक ही बोली बोलते हों और यह भी मुमकिन है कि एक बाप के दो बेटों की बोली बिल्कुल जुदा हो। इसलिये अगर यह भी मान लिया जाये कि खड़ी

(आत्मा) कहा जाता है और इस आत्मा के अनुसार ही हमारा विधान कहता है कि हमारी बोली उमारी जाये।

गम्भीरान लषजों को कहा जाता है जो किसी आवाज की नक़ल में बने हों। खड़ी बोली में यह एक अनोखी बात है कि जितने गुम्बदी लषज उसमें ऐसे हैं जहाँ और बोलियों में र आती हो हमारी बोली में इ आयेगी—जैसे चिड़िया, ककड़ी, खड़का, धाड़, धड़क, धड़ाका, धड़ाधड़, गुलगापाड़ा, बड़बड़ कड़कड़ाता जाड़ा, खड़खड़ा और ऐसे बीसों और लषज हैं। बच्चों की कहानियों में तो ऐसे लषज बच्चों को बहुत प्यारे होते हैं जैसे—सार सम्बड़ सड़ बरसों, हाँडी धोई खड़बड़ क्यों। ऐसी प्यारी आवाज को सिक संस्कृती पंडित ही दोहरा सकते हैं। खूबी यह कि संस्कृत इस द्रावड़ी आवाज से बच न सकी, लेकिन उसे अपनाने की संस्कृत को हिम्मत न पड़ी। करती तो चोरी पकड़ी जाती। संस्कृत बनाने वालों की यह कांशिरा थी कि संस्कृत शुद्ध आर्य भाशा समझी जाये और इसलिये वह संस्कृत को द्रावड़ीपने को छिपाना चाहते थे। संस्कृती पंडित अब भी इसी कांशिरा में हैं।

जब तक कोई विद्वान यह फैसला न करे कि संस्कृत में कौन से लषज आर्य भाशा के हैं और कौन से द्रावड़ी और दूसरी देसी बोलियों के हैं तब तक यह भी फैसला नहीं होता कि खड़ी बोली में कितने लषज द्रावड़ी और कितने आर्य भाशा के हैं। आवाज और प्रामर के हिसाब से तो खड़ी बोली साफ द्रावड़ी जवान है। उसे आर्य भाशा कहना नादानी है।

मिस्टर हेरास (Heras) जो प्राचीन हिन्दी इतिहास के माहिर समझे जाते हैं उनकी 17 बरस खोज करने के बाद यह राय है कि पंजाबी और हिन्दुस्तानी बोलने वालों में द्रावड़ी खून बहुत ज्यादा है बनिस्वत तामिल, तेलगू या मलयालम के बोलने वालों के। हमें यह बात बुरी मालूम होती है क्योंकि हजारों बरस से संस्कृत वाले एक जवान हाकर इस बात पर बड़ा जोर देते हैं कि आर्य बहुत शिक्षित और महापुरुष लोग थे और उन दिनों यहाँ के असती वासी जंगली, कपटी और कमीने थे। यह सच है कि उन किताबों के लिखे जाने के बाद मोहनजोदरो भी निकला, हड़प्पा भी निकला और इस क्रम के बहुत से खंडरात एराक़ वगैरा में भी निकले, जिनसे साफ़ जाहिर है कि इस मामले में हमारी संस्कृत की किताबें सच्ची नहीं। लेकिन हम पर तो उनका कुछ ऐसा जादू चला हुआ है कि हम उन्हें ठीक ही समझते हैं।

यह मैं जानता हूँ कि बोली का नसल से सम्बन्ध जरूरी नहीं। यह मुमकिन है कि दो लोग जिनका आपस में खून का कोई रिश्ता नहीं एक ही बोली बोलते हों और यह भी मुमकिन है कि एक बाप के दो बेटों की बोली बिल्कुल जुदा हो। इसलिये अगर यह भी मान लिया जाये कि खड़ी

پیشہ 54'

دسمبر 54'

دسمبر ۶۴'

झड़कना, खड़ा होना❧, खड़कना खड़काना या खड़खड़ा-
इना, खड़ेड़ना, लड़ना❧, लड़ाना, लड़खड़ाना, लंगड़ाना,
लताड़ना, लथेड़ना, लिबड़ना, लड़ना (काटना), लुड़कना,
लोड़ना (चुनना, ढूँढ़ना), लुढ़कना मुड़ना❧, मोड़ना,
मरोड़ना, निचोड़ना, निबेड़ना, ओड़ना, पड़ना❧, पढ़ना❧,
पढ़ाना, पकड़ना❧, पूड़ना (तैरना), पोड़ना, (मूलना),
पिछड़ना, पछाड़ना, पछाड़ना, फाड़ना❧, फड़कना, फड़फड़ा-
ना, फाड़ना, रिड़कना, रिड़ना, रगड़ना, रबड़ना, सड़ना❧,
सुकड़ना, सोड़ना (मारना), ताड़ना❧, तोड़ना❧, तड़पना,
तड़कना, थड़कना, उड़ाना (भान लेना), तुड़ना, थपड़ना,
उड़ना, उड़ाना, उवड़ना❧, उधेड़ना, उभेड़ना, उभड़ना,
उगाड़ना, उगड़ना, उखड़ना, उखेड़ना, उचड़ना, उजड़ना,
उजाड़ना, उभाड़ना, उमड़ना, उडकना.

(३) हिसाब

गिनती के लपजों को आंके कह जाता है। हमारे बच्चे “अक्कड़ दक्कड़ पूरे सौ” का खेल खेलते हैं और अगरचे एक को इक्कड़ नहीं कहते, दुकड़ी, तिकड़ी चौकड़ी आम बोले जाते हैं। देड़ः, अढ़ाईः, और तीन से आगे साढ़ेः, जोड़ा, जुड़भं, जोड़ी (जानवरों की, तबले की, सुगढ़ की), अड़तीस, अड़तालीस, अड़सठ. जोड़ः जमा को ही नहीं कहते उसके फल का भी जोड़, जोड़ने बचाने वाला और शायद जोरू का लपज भी जोड़ू से निकला हो क्योंकि वीथियां ही अक्सर जोड़ती हैं. पहाड़े (गुने), पैसे का सबसे छोटा भान कौड़ीः और चौथा हिस्सा दमड़ी, अढ़ैया अढ़ाई सेर और घड़ी पांच सेर, कोड़ा (वीस), हज़ार का थैला तोड़ा और सौ लाख का करोड़, तकड़ी (तराजू), उसके दो पलड़े, हाड़ा और धड़ा.

(3) खाना पीना

दिल्ली में दो दालें ज्यादा खाई जाती हैं, उड़द और अरहर या अड़क, लिखने में इ की जगह र लेकिन अक्सर बोलते इ से ही हैं। जैसे लिखने में तो उर्दू बोलने में उड़द, आड़, आमड़ा, लसोड़ा, कढ़ी, खिचड़ी, कढ़ा (हलवा), कढ़ाई गुड़, गंधुड़ा, टिकड़ा और टिकड़ी (बड़ी और छोटी रोटी), टुकड़ा, चुपड़ी, अंगकड़ी जो निरं कायलों पर सिके, परांठता या पठांठता, पूड़ी, कचौड़ी, खस्ता-क वोड़ी, बीड़ी या बीड़ी, पूड़ा, चिलड़ा, बड़ा बड़ियां, छिड़वा, मुरमुड़ा, मरड़ा, रबड़ी, पेड़ा, पकौड़ी, पकीड़े, पाण्डे, पापड़ी, पेड़ी, मंगीड़ी, रथोड़ा, बीड़ा, बीड़ी, गुरगुड़ी, खोपड़ा, ताड़ी, सगड़ी, सिंघाड़ा।

(4) घर

पाह मकान बनाने के लिये और उसमें चोरी करने के लिये, किवाड़❀, जोड़ी, खिड़की❀, पड़ छती, कड़ियां❀,

[illegible]

(2) حساب

گنتی کے (ظاہر) کو آنکھ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہجے (اگر دیکر پڑا سو، کا کھل کھلتے ہیں اور اگرچہ ایک کو اگر نہیں کہتے دیکری، نکری، چوکی عام بولے جاتے ہیں۔ ذیہہ، آدھانی، اور تین سے آگے ساڑھے، جڑو، جڑواں، جڑی، جڑو، جمع کی، طبلہ کی مکن کی) آڑینس، آڑلیس، آڑسہ، جڑو، جمع کو ہی نہیں کہتے اس کے پھل کو بیہ۔ جڑو، جڑنے بچانے والا شاید جڑو کا لفظ ہی جڑو سے نکلا ہو کیونکہ بیجی ہی اکثر جڑتی ہیں۔ پہاڑے (گنے)، پیسہ کا سب سے چھوٹا حصہ دہتری، آڑیا آڑانی سیر اور دہتری پانچ سیر، کڑی (بیس)، شہار کا ٹیلا تڑا اور سو لاکھ کا کڑو، نکری (تارو) اس کے دو پڑے، ہار اور دھوا۔

(3) کھانا پینا

دلی میں دو دالیں زیادہ کھائی جاتی ہیں اُن اور اڑھڑ
یا اُٹھک، کھیتے میں ز کی جگہ ر ایمن اکثر بولتے ز سے ہی
ہیں، جیسے کھیتے میں تو اڑھڑ بولتے ہیں اڑھڑ۔ 'اڑھڑ'، 'اڑھڑ'، 'اڑھڑ'،
'کڑھڑ'، 'کچھڑی'، 'کھڑا (حلو)'، 'کھٹائی'، 'گڑ'، 'گندھڑا'، 'گندھڑا اور
تکڑی (بڑی اور چھوٹی روٹی)'، 'تندڑا'، 'چڑی'، 'انگ کڑی جو
نرے کونوں پر سکے، ہر اُٹھیا یا پڑا اُٹھا'، 'پڑی'، 'کچھڑی'،
'خستہ کچھڑی'، 'بیڑی یا بیڑی'، 'پڑا'، 'چڑا'، 'بڑا'، 'بڑیاں'، 'چڑا'،
'مومڑا'، 'مرڑا'، 'رہڑی'، 'پڑا'، 'کھڑی'، 'بھڑے'، 'باہڑ'، 'پاڑی'، 'پڑی'،
'منگڑی'، 'سہوڑا'، 'بڑا'، 'بیڑی'، 'گڑگڑی'، 'کھوڑا'، 'ٹاڑی'، 'سکڑی'،
'سنگھڑا'۔

४ (4)

پار*، مکان بنانے کے لئے اور اُس میں چوری کرنے کے لئے، کواز*، چوری، کھڑکی*، پرچھتی*، کریں*،

यह जताने के लिये कि इ हमारे लिये कितनी होन्हार और प्यारी आवाज है मैं नीचे कुछ ऐसे लफ्जों को लिखता हूँ जिनमें इ आती है. डिक्शनरी में तो ऐसे और भी बहुत से लफ्ज हैं लेकिन मैं सिर्फ़ उनको ही लेता हूँ जो मामूली घरों की बोल चाल में रोज़ बरते जाते हैं. बहुत से तो उनमें ऐसे हैं जिनका तोड़ ही नहीं. मेहरबानी से उन लफ्जों की तरफ़ ज्यादा ध्यान दें जिन पर निशान है. मेरे विचार में यह लफ्ज हमारी बोली के बुनियादी पत्थर हैं. बुनियादी अंग्रेजी में सिर्फ़ 850 लफ्ज हैं. अगर कभी हमें अज़ल आई और हमने भी अपनी बुनियादी बोली बनाई तो उसमें बहुत से बहुत 1000 लफ्ज होंगे. अगर जैसा इस फ़ेहरिस्त से दिखाई देता है सौ लफ्ज उनमें ऐसे हैं जिनमें इ आती है तो इ का राज़ साफ़ है. अगर आपकी राय में ऐसे पचास लफ्ज भी इ वाले हैं तो इ की प्रधानता में शक़ नहीं रहता. देवनागरी में 33 व्यंजन हैं. मेरे विचार में ऐसा कोई व्यंजन देवनागरी का नहीं जो खड़ी बोली के बुनियादी लफ्जों में इ जितना आता हो. अगर मेरा यह खयाल ठीक़ है तो सोचो तो सही कि कितने कितने लायक़ हैं वह लोग जो खड़ी बोली की लिपि बनाएँ और उसमें वह आवाज जिसका हमारी बोली में सब से बड़ा महत्व (मान) हो उसे अपनी लिपि में जगह न दें. यह इ लफ्ज खड़ी बोली में है. जिस देस में खड़ी बोली ने जन्म लिया उसे बांग्ला कहते हैं. यह बांग्ला में भी बिराजमान है. हिन्दुस्तान के और भी देसों के नाम में पाई जाती है—जैसे कांगड़ा, मारवाड़, मैवाड़, उड़ीया, राढ़ी उत्तर बंगाल.

क्रिया (फ़ेल)

मैं शुरू क्रिया के लफ्जों से करता हूँ क्योंकि क्रिया के लफ्जों को हर बोली में ज्यादा मान दिया जाता है.

अड़ना, अड़ाना, अड़सना, अड़कना, अड़ाना, अड़ालना या उड़ेलना, अड़ना या उभेड़ना (बढ़ना), अलौड़ना, बाड़, बड़, बढ़, बढ़ाना (दूकान बढ़ानी, चूड़ियां बढ़ानी, दया बढ़ाना), बिगड़ना, बिगाड़ना, बड़बड़ाना, बिछड़ना, भिड़ना, भिड़ना या भेड़ना, भड़कना और भड़काना, बिसोड़ना, चिढ़, चिढ़ाना, चिड़ना, चिड़ाना, चीड़ना, छेड़ना, छेड़ना (शुरू करना) चिचोड़ना, छिड़कना, चपड़ना, छोड़ना, छुड़ाना, दौड़ना, धड़कना, दाढ़ना (जलाना) दहाड़ना, गाड़ना, गड़ना, घड़ना, घुड़कना, गिड़गिड़ाना, गुड़गुड़ाना, गेड़ना (घेरना), गीड़ना (कुआ चलाना), गाड़ना, गोड़ना, घुसेड़ना, हाड़ना, हड़पना, हड़कना, जड़ना, जोड़ना, जुड़ना, झड़ना, भाड़ना, भगड़ना, जकड़ना, फ़िड़कना, भिंभाड़ना, कड़कना (बिजली का), कड़कड़ाना, काढ़ना (निकालना, उबालना) कढ़वाना या कढ़लाना, कुड़ना, कुड़ाना, ककड़ना,

ये सब के लै के 7 हमारे लै कन्नी होन्हार और प्यारी आवाज है. मैं निचे कुछ ऐसे लफ्जों को लिखता हूँ जिनमें आनी है. डिक्शनरी में तो ऐसे और भी बहुत से लफ्ज हैं लेकिन मैं सिर्फ़ उनको ही लेता हूँ जो मामूली घरों की बोल चाल में रोज़ बरते जाते हैं. बहुत से तो उनमें ऐसे हैं जिनका तोड़ ही नहीं. मेहरबानी से उन लफ्जों की तरफ़ ज्यादा ध्यान दें जिन पर निशान है. मेरे विचार में यह लफ्ज हमारी बोली के बुनियादी पत्थर हैं. बुनियादी अंग्रेजी में सिर्फ़ 850 लफ्ज हैं. अगर कभी हमें अज़ल आई और हमने भी अपनी बुनियादी बोली बनाई तो उसमें बहुत से बहुत 1000 लफ्ज होंगे. अगर जैसा इस फ़ेहरिस्त से दिखाई देता है सौ लफ्ज उनमें ऐसे हैं जिनमें आनी है तो आनी का राज़ साफ़ है. अगर आपकी राय में ऐसे पचास लफ्ज भी आनी वाले हैं तो आनी की प्रधानता में शक़ नहीं रहता. देवनागरी में 33 व्यंजन हैं. मेरे विचार में ऐसा कोई व्यंजन देवनागरी का नहीं जो खड़ी बोली के बुनियादी लफ्जों में आनी जितना आता हो. अगर मेरा यह खयाल ठीक़ है तो सोचो तो सही कि कितने कितने लायक़ हैं वह लोग जो खड़ी बोली की लिपि बनाएँ और उसमें वह आवाज जिसका हमारी बोली में सब से बड़ा महत्व (मान) हो उसे अपनी लिपि में जगह न दें. यह आनी लफ्ज खड़ी बोली में है. जिस देस में खड़ी बोली ने जन्म लिया उसे बांग्ला कहते हैं. यह बांग्ला में भी बिराजमान है. हिन्दुस्तान के और भी देसों के नाम में पाई जाती है—जैसे कांगड़ा, मारवाड़, मैवाड़, उड़ीया, राढ़ी उत्तर बंगाल.

(1) क्रिया (फ़ेल)

मैं शुरू क्रिया के लफ्जों से करता हूँ क्योंकि क्रिया के लफ्जों को हर बोली में ज्यादा मान दिया जाता है.

अड़ना, अड़ाना, अड़सना, अड़कना, अड़ाना, अड़ालना या उड़ेलना, अड़ना या उभेड़ना (बढ़ना), अलौड़ना, बाड़, बड़, बढ़, बढ़ाना (दूकान बढ़ानी, चूड़ियां बढ़ानी, दया बढ़ाना), बिगड़ना, बिगाड़ना, बड़बड़ाना, बिछड़ना, भिड़ना, भिड़ना या भेड़ना, भड़कना और भड़काना, बिसोड़ना, चिढ़, चिढ़ाना, चिड़ना, चिड़ाना, चीड़ना, छेड़ना, छेड़ना (शुरू करना) चिचोड़ना, छिड़कना, चपड़ना, छोड़ना, छुड़ाना, दौड़ना, धड़कना, दाढ़ना (जलाना) दहाड़ना, गाड़ना, गड़ना, घड़ना, घुड़कना, गिड़गिड़ाना, गुड़गुड़ाना, गेड़ना (घेरना), गीड़ना (कुआ चलाना), गाड़ना, गोड़ना, घुसेड़ना, हाड़ना, हड़पना, हड़कना, जड़ना, जोड़ना, जुड़ना, झड़ना, भाड़ना, भगड़ना, जकड़ना, फ़िड़कना, भिंभाड़ना, कड़कना (बिजली का), कड़कड़ाना, काढ़ना (निकालना, उबालना) कढ़वाना या कढ़लाना, कुड़ना, कुड़ाना, ककड़ना,

यह 'ड' एक अजीब चीज है। शत्रुघ्न सिवाय हिन्दुस्तान के और कहीं नहीं पाई जाती। आर्य भाषा यानी वह बोली जो आर्य हिन्दुस्तान आने से पहले बोला करते थे उसमें गो और बहुत विचित्र आवाजें थीं जैसे ऋ, ॠ, लृ, ॠ, ड, ञ, ए, ष, रा, फ, क और ख, उसमें ड का साया भी न था। चन्द इन्से जवान (भाषा विज्ञान) के माहिरों की यह राय है कि जब आठ दस हजार बरस हुए द्रावड़ी यूरोप से तुर्की, एराक् और समुन्दर के रास्ते हिन्दुस्तान में आये तो उनकी मुठभेड़ यहां कुछ ऐसी क्रौम या क्रौमों से हुई जो या र या ल या र और ल दोनों नहीं बोल सकते थे। द्राविड़ियों और उन लोगों के मिलाप से पैदा हुई यह ड. यानी यह कि अगर हम किसी आवाज की वाबत कह सकते हैं कि वह हमारे देस की हमारी खास अपनी है तो वह है ड. अजब तमाशा है कि हमारे पंडित तो उसे प्रदेसी जताकर निकालना चाहते हैं और यह फिर भी घटने की जगह बढ़ रही है।

इस ड से कुछ अजब सवाल पैदा होते हैं जिन पर विचार करना शायद नामुनासिब न हो। (1) पहला सवाल तो यह है कि यह ड है या ड ? (2) क्या ड हमारी बोली की जड़ है और उसका बढ़ना मुनासिब है ? (3) हमारी बोली द्रावड़ी है या आर्य भाषा ? (4) हमारी बोली असली द्रावड़ी बोली से ज्यादा मिलती है या मद्रास की बोलियों से ? (5) क्या हम द्राविड़ियों की नसल में से हैं या आर्यों की ?

त का मोरधबी है ट और द का मोरधबी है ड. ड भी ट और ड की तरह मोरधबी है लेकिन र का बोलने में जो हेर फेर त और ट के कहने में किया जाता है ठीक वही हेर फेर र और ड के कहने में। देवनागरी में बिन्दी निरी उन आवाजों को जताने के लिये होती है जो हमारे देस की नहीं हैं—जैसे ऋ, ॠ, रा, फ, क, ज. ड को बिन्दी लगाकर ड की आवाज संस्कृति पंडित ही जता सकते हैं। पंडित हिन्दुस्तान में यह अक्षरज की बात नहीं कि देवनागरी लिपी सुधारने के बड़े बड़े विद्वानों की कमेटियां बनीं लेकिन कभी किसी भलेमानुस को यह नहीं सूझा कि वह ड को अपना ले। अपने घर के प्यारे होन्हार बच्चे को तो बिसरा दे और दूसरों के ऐसे बच्चों को जिनकी हम शकल (आवाज) से वाकिक नहीं उन्हें अपनाएं। मसलन ऋ, ष, लृ, कुर्बान जाइये इस पंडितार्थ पर !

ये 'ड' एक अजीब चीज है। शायद सوائे هندुस्तान के और कहीं नहीं पाई जाती। आर्य भाषा यानी वह बोली जो आर्य हिन्दुस्तान आने से पहले बोला करते थे उसमें गो और बहुत विचित्र आवाजें थीं जैसे ऋ, ॠ, लृ, ॠ, ड, ञ, ए, ष, रा, फ, क और ख, उसमें ड का साया भी न था। चन्द इन्से जवान (भाषा विज्ञान) के माहिरों की यह राय है कि जब आठ दस हजार बरस हुए द्रावड़ी यूरोप से तुर्की, एराक् और समुन्दर के रास्ते हिन्दुस्तान में आये तो उनकी मुठभेड़ यहां कुछ ऐसी क्रौम या क्रौमों से हुई जो या र या ल या र और ल दोनों नहीं बोल सकते थे। द्राविड़ियों और उन लोगों के मिलाप से पैदा हुई यह ड. यानी यह कि अगर हम किसी आवाज की वाबत कह सकते हैं कि वह हमारे देस की हमारी खास अपनी है तो वह है ड. अजब तमाशा है कि हमारे पंडित तो उसे प्रदेसी जताकर निकालना चाहते हैं और यह फिर भी घटने की जगह बढ़ रही है।

असल में कुछ अजीब सवाल पैदा होते हैं जिन पर विचार करना शायद नामुनासिब न हो। (1) पहला सवाल तो यह है कि यह ड है या ड ? (2) क्या ड हमारी बोली की जड़ है और उसका बढ़ना मुनासिब है ? (3) हमारी बोली द्रावड़ी है या आर्य भाषा ? (4) हमारी बोली असली द्रावड़ी बोली से ज्यादा मिलती है या मद्रास की बोलियों से ? (5) क्या हम द्राविड़ियों की नसल में से हैं या आर्यों की ?

त का मोरधबी है ट और द का मोरधबी है ड. ड भी ट और ड की तरह मोरधबी है लेकिन र का बोलने में जो हेर फेर त और ट के कहने में किया जाता है ठीक वही हेर फेर र और ड के कहने में। देवनागरी में बिन्दी निरी उन आवाजों को जताने के लिये होती है जो हमारे देस की नहीं हैं—जैसे ऋ, ॠ, रा, फ, क, ज. ड को बिन्दी लगाकर ड की आवाज संस्कृति पंडित ही जता सकते हैं। पंडित हिन्दुस्तान में यह अक्षरज की बात नहीं कि देवनागरी लिपी सुधारने के बड़े बड़े विद्वानों की कमेटियां बनीं लेकिन कभी किसी भलेमानुस को यह नहीं सूझा कि वह ड को अपना ले। अपने घर के प्यारे होन्हार बच्चे को तो बिसरा दे और दूसरों के ऐसे बच्चों को जिनकी हम शकल (आवाज) से वाकिक नहीं उन्हें अपनाएं। मसलन ऋ, ष, लृ, कुर्बान जाइये इस पंडितार्थ पर !

شوق دکھائے گا اور اس کلم میں لگ جائے گا وہ براہمن گنا جائے گا۔ اپنے رجحان، اپنی طبیعت اور اپنی قابلیت کے انوسار ایک ورں سے دوسرے ورں میں جانا سب کے لیے खुला होगा۔ हिन्दुओं की सैकड़ों हजारों जातें, उपजातें और विरादरियां सब तोड़ दी जावेंगी और हमेशा के लिये खत्म हो जावेंगी. छुआछूत मिट जावेगी.

सारे समाज की इस तरह की व्यवस्था धीरे धीरे बिना किसी के साथ जबरदस्ती किये हमें अलग अलग धर्मों और सम्प्रदायों से ऊपर उठा कर उस एक मजहबे इन्सानियत, मानव धर्म, प्रेम धर्म यानी मजहबे इश्क की तरफ ले जावेगी जो सब अलग अलग धर्मों की बुनियाद और सबमें एक बराबर है. वही सच्चा इस्लाम है, वही कुरान का "दीनुल क़य्यम" है, वही इस देश का सत्य सनातन धर्म है. यही समाजी निज़ाम सारी दुनिया में फैल सकता है और दुनिया को एक कर सकता है. आपसी आपाधापी और देशों देशों के बीच के अंधे स्वार्थ को खत्म करने का यह एक उपाय है.

वर्नाश्रम धर्म और कम्युनिज़म

नए चीन के विधान में केवल किसानों और मजदूरों को राज का अधिकारी माना गया है. पर नए चीन के विधान के अनुसार अपने दिमाग से काम करने वाले लोग और दिल और दिमाग दोनों को मिला कर कला और साहित्य की सेवा में लगन से काम करने वाले प्रोफेसर, साहित्यकार और चित्रकार सब "वर्कर" यानी मजदूरों में शामिल हैं और सब एक बराबर आदर के हकदार. ऐसी सूरत में चीनी कम्युनिस्ट विचारधारा के साथ ऊपर की व्यवस्था का कोई विरोध नहीं. सब काम करें, सब अपना अपना काम करें और समाज में सबके एक बराबर हक और सबका एक बराबर मान हो.

दुनिया को अमन के लिये संगठित करना

अगर सब देशों और सब क़ौमों के कुछ बड़े दिल वाले और समझदार आदमी मिलकर सब क़ौमों और सब धर्मों की एक सच्ची लीग बनाकर बैठें और गम्भीरता के साथ सारी इन्सानी क़ौम के लिये इस तरह के समाजी संगठन पर विचार करें और फिर या तो उसे मन्ज़ूर करें और आगे की नसलों को उसके उसूलों की तालीम दें और या कोई इससे बेहतर दूसरा ढंग निकालें, तब ही दुनिया से आदमी आदमी और क़ौमों क़ौमों के बीच की आपाधापी मिट सकती है और दुनिया के लोग सुख चैन से जीवन बिता सकते हैं और इस धरती पर स्वर्ग ला सकते हैं. दुनिया को जंग के खिलाफ "अमन के लिये" टिकाऊ तौर पर संगठित या मुनज्जम करने का यही एक तरीका है.

शوق دکھائے گا اور اس کلم میں لگ جائے گا وہ براہمن گنا جائے گا۔ اپنے رجحان، اپنی طبیعت اور اپنی قابلیت کے انوسار ایک ورں سے دوسرے ورں میں جانا سب کے لیے खुला होगा۔ हिन्दुओं की सैकड़ों हजारों जातें, उपजातें और विरादरियां सब तोड़ दी जावेंगी और हमेशा के लिये खत्म हो जावेंगी. छुआछूत मिट जावेगी.

سارے سماج کی اس طرح کی ویوسٹا دھیرے دھیرے بنا کسی کے ساتھ زبردستی کلمے ہمیں الگ الگ دھرموں اور سمپرदाہوں سے اوپر اٹھاکر اس ایک مذہب انسانیت، مانو دھرم، یونم دھرم یعنی مذہب عشق کی طرف لے جاوے گی جو سب الگ الگ دھرموں کی بنیاد اور سب میں ایک برابر ہے۔ وہی سچا اسلام ہے، وہی قرآن کا "دین القیمہ" ہے وہی اس دیش کا سکیمہ منافتن دہرم ہے۔ یہی سماجی نظام ساری دنیا میں پھیل سکتا ہے اور دنیا کو ایک کر سکتا ہے۔ آپسی آپادھاپی اور دیشوں دیشوں کے بیچ کے اندھے سوارتھ کو ختم کرنے کا یہ ایک اُبلتے ہے۔

ورن آشرم دہرم اور کمیونزم

نئے چین کے ودان میں کپول کسانوں اور مزدوروں کو راج کا اھکائی مانا گیا ہے۔ پر نئے چین کے ودعان کے انوسار اپنے دماغ سے کام کرنے والے لوگ اور دل اور دماغ درنوں کو ملا کر لا اور ساھتھ کی سبوا میں لکن سے کلم کرنے والے پروفیسر، ساھتھگر اور چترکار سب "ورکر" یعنی مزدوروں میں شامل ہیں اور سب ایک برابر آدر کے حقدار۔ ایسی صورت میں چینی کمیونسٹ وچار دھکارا کے ساتھ اوپر کی ویوسٹا کا کوئی درودھ نہیں۔ سب کام کریں، سب اپنا اپنا کلم کریں اور سماج میں سب کے ایک برابر حق اور سب کا ایک برابر مان ہو۔

دنیا کو امن کے لئے سنگتیت کرنا

اگر سب دیشوں اور سب قوموں کے کچھ بڑے دل والے اور سمجھدار آدمی مل کر سب قوموں اور سب دھرموں کی ایک سچی ایک بنا کر بیٹھیں اور گھپیڑنا کے ساتھ ساری انسانی قوم کے لئے اس طرح کے سماجی سنگتیں پر وچار کریں اور پھر یا تو اسے منظور کریں اور آگے کی نسلوں کو اس کے اصولوں کی تعلیم دیں اور یا کوئی اس سے بہتر دسرا دھنگ نکالیں، تب ہی دنیا سے آدمی آدمی اور قوموں قوموں کے بیچ کی آپادھاپی مٹ سکتی ہے اور دنیا کے لوگ سکھ چین سے جیوں بنا سکتے ہیں اور اس دھرتی پر سرگ لا سکتے ہیں۔ دنیا کو جنگ کے خلاف "امن کے لئے" نکاؤ طور پر سنگتیت یا منظام کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

مرد ملتی ہے۔ اس سنگتوں میں ملک، قوم یا نسل کا کوئی فرق نہیں۔ یہ نظام سب انسانوں کے لئے ایک سا ہے چاہے وہ کسی ملک یا کسی نسل کے کیوں نہ ہوں۔ یہ نظام سائنس کے عین انوکھ ہے۔ اس میں جب تجربہ کار ادھیر یا بڑے لوگ روپیہ کمانے کے دھندے کو چھوڑ کر بنا تنخواہ جتنا کی سیوا کرینگے نو نوجوانوں کے لئے میدان کھلا ہوگا اور انہیں راہ دکھانے اور صلیح دینے کے لئے برابر تجربہ کار، نوجوان جن سیوک ملتے رہیں گے۔ سب کو زندگی میں آند ملے گا اور سب کے دل اور دماغ اُن کے نابو میں رہینگے۔ سب سبکی رہینگے۔

سب دھرموں کو میلانے کا तरीکا

ہندوستانی سماج کے اس طرح کے سنگٹن کا کسی خاص دھرم یا دھرمیک (برہمن سے بھی کوئی سمبندھ نہیں۔ ہندوستان اگر اس طرح کے سنگتوں کو اپنا لے تو وہ کیوں اُن لوگوں کا ہی سنگتوں نہیں ہوگا جو اپنے دھندے کرتے ہیں۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد سچے براہمن گئے جانیگے۔ جمیعت المسلما کے سب ممبر، اسکول اور کالجوں کے سب آئیڈیل اور پروفیسر چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا پارسی یا کچھ بھی ہوں، براہمن مانے جانیگے۔ جس کسی کو بھی ودیا پڑھنے پڑھانے کا شوق ہو یا گان دھیان میں آند ملتا ہو وہ براہمن۔ آسے پھر لمبی تنخواہ یا دنیا کی تیپ ناپ یا راج شکتی اپنے ہاتھ میں لینے کی چنتا نہ ہوگی۔ اُس کا آدرش مشہور انگریزی کہارت کے انوسار ”سادہ جیون بنانا اور اُرنچا سوچنا“ ہوگا۔ اسی طرح جو بھی نوجبی سہاٹی یا نوجبی آسرا کا کم کرتا ہے وہ چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو چیتری ہے۔ ہم مولانا شوکت علی کو اُن کے سوہاؤ اور بہادری کے کارن ہمیشہ چیتری مانتے تھے۔ بمبئی کے مسلمان بھوئے اور پارسی سوداگر سب ویسے گئے جاویگے۔ کسان چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو دھرتی سے دھن پیدا کرنے کے کارن ویسے گنا جاوے گا۔ گیتا میں کہیتی کا کام ویشیوں کا کام بتایا گیا ہے۔ دیش بہر کے کیوں شریہ سے کم کرنے والے سب لوگ شوریہ گئے جاویگے۔

پھر اس میں اُرنچا نیچا کوئی نہیں ہوگا۔ براہمن اُرنچا اور شوریہ نیچا یہ غلط خیال سوار نہیں لوگوں نے دیش کی گراوت کے دنوں میں پیدا کر لیا ہے۔ سب سماج کے ایک برابر اُنک، سب کے راج کچ آدی میں ایک برابر حق، سب کو برابر کے سوتے، ایک بار براہمن ہو کر بھی جو دنیا میں رس لینا چہرے دے گا یا کم کر دے گا اور دھن پتورنے کی نکر میں اُنک رہے گا وہ پور ویسے کہا دے گا۔ تجارت کرنے والا جنم سے چاہے کچھ بھی ہو دیش گنا جاوے گا۔ جو محنت مزدوری کرتے کرتے ودیا سیکھنے سہاٹے کا

سب دھرموں کو ملانے کا طریقہ

انسانی سماج کے اس طرح کے سنگتوں کا کسی خاص دھرم یا دھرمیک (برہمن سے بھی کوئی سمبندھ نہیں۔ ہندوستان اگر اس طرح کے سنگتوں کو اپنا لے تو وہ کیوں اُن لوگوں کا ہی سنگتوں نہیں ہوگا جو اپنے دھندے کرتے ہیں۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد سچے براہمن گئے جانیگے۔ جمیعت المسلما کے سب ممبر، اسکول اور کالجوں کے سب آئیڈیل اور پروفیسر چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان، عیسائی ہوں یا پارسی یا کچھ بھی ہوں، براہمن مانے جانیگے۔ جس کسی کو بھی ودیا پڑھنے پڑھانے کا شوق ہو یا گان دھیان میں آند ملتا ہو وہ براہمن۔ آسے پھر لمبی تنخواہ یا دنیا کی تیپ ناپ یا راج شکتی اپنے ہاتھ میں لینے کی چنتا نہ ہوگی۔ اُس کا آدرش مشہور انگریزی کہارت کے انوسار ”سادہ جیون بنانا اور اُرنچا سوچنا“ ہوگا۔ اسی طرح جو بھی نوجبی سہاٹی یا نوجبی آسرا کا کم کرتا ہے وہ چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو چیتری ہے۔ ہم مولانا شوکت علی کو اُن کے سوہاؤ اور بہادری کے کارن ہمیشہ چیتری مانتے تھے۔ بمبئی کے مسلمان بھوئے اور پارسی سوداگر سب ویسے گئے جاویگے۔ کسان چاہے کسی بھی دھرم کا ماننے والا ہو دھرتی سے دھن پیدا کرنے کے کارن ویسے گنا جاوے گا۔ گیتا میں کہیتی کا کام ویشیوں کا کام بتایا گیا ہے۔ دیش بہر کے کیوں شریہ سے کم کرنے والے سب لوگ شوریہ گئے جاویگے۔

پھر اس میں اُرنچا نیچا کوئی نہیں ہوگا۔ براہمن اُرنچا اور شوریہ نیچا یہ غلط خیال سوار نہیں لوگوں نے دیش کی گراوت کے دنوں میں پیدا کر لیا ہے۔ سب سماج کے ایک برابر اُنک، سب کے راج کچ آدی میں ایک برابر حق، سب کو برابر کے سوتے، ایک بار براہمن ہو کر بھی جو دنیا میں رس لینا چہرے دے گا یا کم کر دے گا اور دھن پتورنے کی نکر میں اُنک رہے گا وہ پور ویسے کہا دے گا۔ تجارت کرنے والا جنم سے چاہے کچھ بھی ہو دیش گنا جاوے گا۔ جو محنت مزدوری کرتے کرتے ودیا سیکھنے سہاٹے کا

میں (چھٹا کا)۔ جن لوگوں کی طبیعت اور ان کے کام ستو کی طرف جاتے ہیں وہ براہمن کہلاتے ہیں۔ جن کی طبیعت رجس کی طرف جاتی ہے وہ چترکی کہلاتے ہیں۔ جن کی تمس کی طرف جاتی ہے وہ دیش کہلاتے ہیں۔ جن کے اندر تینوں گن سونے ہوئے سے ہوں وہ شردہ کہلاتے ہیں۔“

جب تک آدمی کے اندر سر، بازو، دھڑ اور ٹانگیں الگ الگ ہیں اور انہیں کے مطابق الگ الگ طبیعتیں دکھائی دیتی ہیں تب تک سب ملکوں اور سب دیشوں میں یہ چار طرح کے لوگ دکھائی دینگے۔ جو سماج اس اصول کے اوپر اپنا ٹھیک ٹھیک سنگتھن دے اور اسی اصول پر سب کے فرض اور سب کے ادھار طے کر دے اسی سماج کا سنگتھن ”آمن یعنی شانتی کے لئے ہے۔“ وہی سماج خوشحال رہے گا۔ اسے کسی دوسرے سے تر نہیں ہوگا۔ وہ دوسروں کے لئے بھی آمن کی مثال قائم کرے گا اور انہیں اس میں ہر طرح مدد دے گا۔ دنیا کی سب قوموں کا ملا کر اس سنگتھن کو چاروں طرف پھیل جائے تو آپ آدمی آدمی میں بیجا ہور، ڈاھ، چلن، لوبہ، لالچ اور آزادمانی دنیا سے ست جاویں۔ سب اپنے اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکیں۔ کسی کو کسی پر حملہ کرنے کا کوئی سبب نہ رہے اور سب سب کے بھلے کے کاموں میں آسانی سے لگ سکیں۔

زندگی کے چار حصے

دنیا میں آمن قائم کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر آدمی عمر کے مطابق برہمنچریہ کا پالن کرے، اپنے کو روکے، اپنی طبیعت کو اپنے قابو میں رکھے، خرد طبیعت کے قابو میں نہ ہو جاوے۔ اسی لئے ہر آدمی کی عمر کے چار حصے کیے گئے ہیں، جنہیں چار اشرم کہتے ہیں—برہمنچریہ، گرمستھ، بانپرستھ اور سنایس۔ اس معاملے میں اگر لوگوں نے اس طرح اپنی طبیعت کو نہ روکا تو یہ کمزوری کی کنی اور دنیا کی سب سے بڑی دشمن ثابت ہوگی۔ زندگی کے تیسرے اور چوتھے حصوں میں تو آدمی کو اپنے کو بالکل ہی روک کر رکھنا چاہئے، کوئی چیز اگر دنیا سے جنگوں کو ختم کرسکتی ہے تو اس طرح کا نینک سنگتھن یعنی اخلاقی نظام ہی کرسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں قدرت کی طاقتوں کو بھی جہاں تک ہوسکے اپنے قابو میں کرکے ان سے کام لینا چاہئے۔ سماج کے اندر کی یہ اخلاقی جنگ جتنی کامیاب ہوگی باہر کی جنگیں اتنی ہی کم ہونگی۔

سماج کے اس طرح کے سنگتھن میں ہر کام کے اندر ایک سنہرا درمیانہ پن رہتا ہے، نہ کسی چیز کی زیادتی نہ کسی چیز کی کمی۔ سب کو اپنی اپنی طرح بڑھنے کا موقع ملے گا۔ سب کی کمزوریوں کا بھی دھیان رکھا جائے گا اور انہیں اپنی کمزوریوں پر قابو حاصل کرنے میں

سماج کے اس طرح کے سنگتھن میں ہر کام کے اندر ایک سنہرا درمیانہ پن رہتا ہے، نہ کسی چیز کی زیادتی نہ کسی چیز کی کمی۔ سب کو اپنی اپنی طرح بڑھنے کا موقع ملے گا۔ سب کی کمزوریوں کا بھی دھیان رکھا جائے گا اور انہیں اپنی کمزوریوں پر قابو حاصل کرنے میں

جسکے اندر چما یعنی معافی کی زبردست شکتی ہے، اُسی کو سچا براہمن کہنا چاہئے۔ کیوں جنم سے نہ کوئی براہمن ہوتا ہے اور نہ کوئی شوفر ہوتا ہے۔ ہر آدمی اپنے کاموں سے اور اپنے رهن سہن کے تعلق سے براہمن یا شوفر ہوتا ہے۔ سورج نکلتا ہے تو دن ہو جاتا ہے۔ رات غونی ہے تو چاند نکلتا ہے۔ پہاڑی اور اُدارنا سے آدمی چپتری ہوتا ہے۔ بدھمتا اور وچار شیلتا سے براہمن ہوتا ہے۔

مہاتما بودھ نے ان چار طرح کے لوگوں اور پیشوں کا صاف ذکر کیا ہے؛ اِس فرق کو مانا ہے اور سچے براہمن کی جگہ جگہ خوب تعریف کی ہے۔ لیکن وہ جنم سے جات کو نہیں مانتے تھے۔ جو لوگ جنم سے جاتی اور اُس کے آدھار پر اپنے کو اُوچا نیچا، نینچا یا خاص چیزوں کا حقدار مانتے ہیں انہیں بدھ نے برا کہا ہے۔ اُن کی رائے ہے کہ ہر آدمی کے گن کرم اُس کی قابلیت، اُس کے دل اور دماغ کی حالت اور اُس کی طبیعت کے انوسار اُس کا پیشہ طے ہوتا چاہئے اور پھر چاروں میں سے کسی ایک ورن میں اُسے گنا جانا چاہئے۔

چھین دھرم اِس معاملے میں اِس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ جین سرنورن میں لکھا ہے کہ:—
”ماشیہ جاتی سب ایک ہے۔ لوگوں کی ورٹی یعنی اُن کے رهن سہن اور کلم کے فرق سے چار جاتیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جو لوگ ٹیک اور پاک زندگی کی پرہیزگیاں کر کے اُنہیں پورا کرتے ہیں وہ براہمن ہیں۔ جو دوسروں کی رکشا کے لئے ہتھیار دھارن کرتے ہیں وہ چپتری ہیں۔ جو سچا اور اُچت واپار کر کے دھن کماتے ہیں وہ ویش ہیں۔ اور جو دوسروں کی سیوا کر کے مزدوری سے گذار کرتے ہیں وہ شوفر۔ آدمی اپنے کاموں سے براہمن ہوتا ہے؛ اپنے کاموں سے چپتری، اپنے کاموں سے ویش اور اپنے کاموں سے شوفر۔ کسی کا جنم اُس کے چہرے پر نہیں لکھا رہتا۔ اُس کے کلم سب کو دکھائی دیتے ہیں۔“

چھین دھرم اِس معاملے میں اِس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ جین سرنورن میں لکھا ہے کہ:—

”مانورث جاتی سب ایک ہے۔ لوگوں کی ورتی یعنی اُن کے رهن سہن اور کلم کے فرق سے چار جاتیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جو لوگ ٹیک اور پاک زندگی کی پرہیزگیاں کر کے اُنہیں پورا کرتے ہیں وہ براہمن ہیں۔ جو دوسروں کی رکشا کے لئے ہتھیار دھارن کرتے ہیں وہ چپتری ہیں۔ جو سچا اور اُچت واپار کر کے دھن کماتے ہیں وہ ویش ہیں۔ اور جو دوسروں کی سیوا کر کے مزدوری سے گذار کرتے ہیں وہ شوفر۔ آدمی اپنے کاموں سے براہمن ہوتا ہے؛ اپنے کاموں سے چپتری، اپنے کاموں سے ویش اور اپنے کاموں سے شوفر۔ کسی کا جنم اُس کے چہرے پر نہیں لکھا رہتا۔ اُس کے کلم سب کو دکھائی دیتے ہیں۔“

ہندو دھرم کرنہوں میں بھی یہی اصول بتایا گیا ہے۔ مہابھارت میں لکھا ہے:—

”دُنیا کے سب آدمی برہما کی اولاد ہیں؛ اِس لئے سب براہمن ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کے ناتے سب بھائی بھائی ہیں۔ شروع میں اُن میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سب کا پیشہ بھی لک بھگ ایک ہی تھا۔ دھیرے دھیرے الگ الگ پیشے اور الگ الگ کلم پیدا ہو گئے جس سے چار ورن بن گئے۔“

گیتا میں شری کُشن نے کہا ہے:—
”اِس پر نے چار ورن لوگوں میں مین اور کرم کے فرق سے بنائے ہیں۔ ہر آدمی اپنے کاموں سے اور اپنے سوہنوں کے گنوں سے اِس ورن یا اُس ورن میں ہوتا ہے۔“

پوشپہ پُران میں لکھا ہے:—

”نہیں طرح کے گن ہوتے ہیں—ستو، رجس اور تمس (ستو میں گیان کا زور ہوتا ہے، رجس میں کلم کا اور تمس

مہابھارت میں لکھا ہے:—
”دُنیا کے سب آدمی برہما کی اولاد ہیں؛ اِس لئے سب براہمن ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کے ناتے سب بھائی بھائی ہیں۔ شروع میں اُن میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سب کا پیشہ بھی لک بھگ ایک ہی تھا۔ دھیرے دھیرے الگ الگ پیشے اور الگ الگ کلم پیدا ہو گئے جس سے چار ورن بن گئے۔“

گیتا میں شری کُشن نے کہا ہے:—
”اِس پر نے چار ورن لوگوں میں مین اور کرم کے فرق سے بنائے ہیں۔ ہر آدمی اپنے کاموں سے اور اپنے سوہنوں کے گنوں سے اِس ورن یا اُس ورن میں ہوتا ہے۔“

پوشپہ پُران میں لکھا ہے:—
”نہیں طرح کے گن ہوتے ہیں—ستو، رجس اور تمس (ستو میں گیان کا زور ہوتا ہے، رجس میں کلم کا اور تمس

पादरी सब लोगों का धोका देकर अपनी छोटी खुदगारजियों का पूरा करने के चक्कर में पड़ जाते हैं। मजहब को भी नया जामा पहनाने की जरूरत पड़ती है। राजकाजी इन्कलाब और मजहबी इन्कलाब दोनों में गहरा सम्बन्ध है। जब दानों को नया रूप दिया जाता है तब एक नई सभ्यता जन्म लेती है। आदमी बीमार पड़ता है तो हकीम डाक्टर की जरूरत होती है। जब किसी सारी क्रीम की आत्मा बिगड़ जाती है तो उसमें नई ईश्वरी रूह फूंकने की जरूरत पड़ती है। कोई न कोई 'खुदा का बेटा', 'अवतार', 'मसीह', 'रसूल' या 'तीर्थंकर' उस क्रीम का इलाज करने के लिये आता है, उसे नया जन्म देता है, नया जिस्म देता है, और सारे समाज का एक सिर से संगठन करता है। जब तक किसी समाज का ठीक तरह से संगठन नहीं होगा अच्छे से अच्छे रूहानी और इखलाकी असूल भी बेकार रहेंगे, चाहे राज पादरी पुरोहितों के हाथों में हो, चाहे कौमी सरदारों के, चाहे पूंजीपतियों के और चाहे आम जनता के। देश का इखलाक यानी सदाचार तब ही उंचा जा सकता है जब आदमी के चारों तरफ के रुमानों को ठीक ठीक समझा जावे और उनके अनुसार कामों का ठीक ठीक बंटवारा किया जावे।

असली इलाज

महात्मा बुद्ध ने और जैन धर्म के कायम करने वाले महावीर स्वामी ने इस उसूल को अच्छी तरह समझा था। उन्होंने जन्म की जातों का तोड़कर इस कुदरती उसूल पर समाज को चलाने की कोशिश की थी। बहुत दरजे तक उन्हें काम-यात्री भी हुई। इसीलिये जो नई सभ्यता उन्होंने कायम की वह लगभग बारह सौ बरस तक खूब चली। उस जमाने में साहित्य और साइन्स दोनों ने खूब तरक्की की, बड़ी बड़ी सल्तनतें कायम हुईं जो अपने जमाने की रोमी, यूनानी, ईरानी और चीनी सल्तनतों से किसी तरह कम न थीं। बदकिस्मती से हमारे अन्दर की अविद्या यानी जहालत और हमारी बुराई की शक्तियां फिर ऊपर आ गईं। हमारा सारा शीराजा फिर बिखर गया।

बौद्ध ग्रंथ "धम्मपद" में एक पूरा चैप्टर है जिसमें यह बताया गया है कि सच्चा ब्राह्मन कौन है। लिखा है :—

"लम्बी जटाएं रख लेने से, या किसी खास घर में पैदा हो जाने से, या किसी खास स्त्री के पेट से पैदा होने के कारन कोई ब्राह्मन नहीं बन जाता, जो कोई सच्चाई पर कायम रहता है और अपना धर्म यानी फर्ज पूरा करता है, वही पाक है और वही ब्राह्मन है। जो तन से, मन से और बचन से कोई बुराई नहीं करता, जो अपने लिये माल असबाब या पैसा जमा नहीं करता, जो सत्र और धीरज के साथ दूसरों के कड़वे शब्दों, बदसलूकी और मार तक को बरदाश्त कर लेता है, जो अपने मन में गुस्से को पैदा नहीं होने देता,

पादरी सब लोगों को धोका देकर अपनी छोटी खुदगारजियों का पूरा करने के चक्कर में पड़ जाते हैं। मजहब को भी नया जामा पहनाने की जरूरत पड़ती है। राजकाजी इन्कलाब और मजहबी इन्कलाब दोनों में गहरा सम्बन्ध है। जब दानों को नया रूप दिया जाता है तब एक नई सभ्यता जन्म लेती है। आदमी बीमार पड़ता है तो हकीम डाक्टर की जरूरत होती है। जब किसी सारी क्रीम की आत्मा बिगड़ जाती है तो उसमें नई ईश्वरी रूह फूंकने की जरूरत पड़ती है। कोई न कोई 'खुदा का बेटा', 'अवतार', 'मसीह', 'रसूल' या 'तीर्थंकर' उस क्रीम का इलाज करने के लिये आता है, उसे नया जन्म देता है, नया जिस्म देता है, और सारे समाज का एक सिर से संगठन करता है। जब तक किसी समाज का ठीक तरह से संगठन नहीं होगा अच्छे से अच्छे रूहानी और इखलाकी असूल भी बेकार रहेंगे, चाहे राज पादरी पुरोहितों के हाथों में हो, चाहे कौमी सरदारों के, चाहे पूंजीपतियों के और चाहे आम जनता के। देश का इखलाक यानी सदाचार तब ही उंचा जा सकता है जब आदमी के चारों तरफ के रुमानों को ठीक ठीक समझा जावे और उनके अनुसार कामों का ठीक ठीक बंटवारा किया जावे।

असली علاج

• پہننا بدنہ نے اور جین دھرم کے قائم کرنے والے مہابیر سوامی نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا۔ انھوں نے جنم کی جائزوں کو توڑ کر اس قدرتی اصول پر سماج کو چلانے کی کوشش کی تھی۔ بہت درجے تک انھیں کامیابی بھی ہوئی۔ اسی لیے جو نئی سہیتا انھوں نے قائم کی وہ لگ بھگ بارہ سو برس تک خرب چلی۔ اُس زمانے میں ساعتیں قائم نہیں تھیں جو اپنے زمانے کی رومی، یونانی، ایرانی اور چینی سلطنتوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ بدقسمتی سے ہمارے اندر کی اودیہ یعنی جہالت اور ہماری برائی کی شکستیں پھر اوپر آ گئیں۔ غمرا سارا شہزادہ پھر بکھر گیا۔

بودہ گرتھ "دعہ پد" میں ایک پورا چپٹر ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ براہمن کون ہے۔ لکھا ہے :—

"لمبی جٹائیں رکھ لینے سے، یا کسی خاص گھر میں پیدا ہو جانے سے، یا کسی خاص رستری کے پیٹ سے پیدا ہونے کے کارن کوئی براہمن نہیں بن جاتا۔ جو کوئی سچائی پر قائم رہتا ہے اور اپنا دعوم یعنی ترض پورا کرتا ہے، وہی پاک ہے اور وہی براہمن ہے۔ جو تن سے، من سے اور بچن سے کوئی برائی نہیں کرتا، جو اپنے لئے مال اسباب یا پیسہ جمع نہیں کرتا، جو صبر اور دھیرج کے ساتھ دوسروں کے کڑے شدید بدسلوکی اور مار تک کو برداشت کر لیتا ہے، جو اپنے من میں غصہ کو پیدا نہیں ہونے دیتا،

ذہم یعنی مذہب انسانیت کی کچھ چنگاریاں ہم میں ابھی تک باقی ہیں۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ باوجود موروثی بن پر اتنا آدھک زور ہونے کے یہاں جاتوں کا اداں بدل برابر ہوتا رہا ہے۔ اکا دکا لوگ ہی نہیں گروہوں کے گروہ ہمیشہ اپنے کو نیچے کی جاتوں سے اٹھا کر برافمن یا چھتری نام دیتے رہے ہیں اور آج کوئی اُن سے وہ نام چھین نہیں سکتا۔ لیکن جو ایک سندھ سائنسی تہنگ سے سب کا آدر مان رکھتے ہوئے شروع کا سنگٹھن تھا وہ جانا رہا۔

یورپ سے یوگابالا

یورپ سے یوگابالا ہندو جات پات ... اس معاملے میں یورپ ہم سے اچھا نہیں رہا۔ ہمارے موروثی بن پر بیجا زور دیا گیا اور یورپ میں اُس کے خلاف آدمی آدمی کے سوارتوں کی فکر اور اُن کے بیچ بیجا اندھے مقابلے پر زور دیا گیا۔ سچ یہ ہے کہ یورپ میں ابھی تک کوئی سماج سنگٹھن ہو ہی نہیں پایا۔ ایک درجے تک موروثی بن بھی سب جگہ چلتا ہے اور قدرتی ہے۔ یورپ میں بھی لاکھوں کوروزوں آدمی اپنے باپ دادا کے ہی پیشوں میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بڑی اچھی نشانی ہے کہ یورپ کے آدھک انت دیشوں میں بچوں کو تعلیم دینے والوں کا دھیان تیزی سے اُس طرف جا رہا ہے کہ چھوٹی عمر سے ہی ہر بچے کے قدرتی رجحان اور اُس کی قابلیت کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے اور اُس کے اُنوسار جیون میں اُسے کلم دھندا دینے کی کوشش کی جاوے۔ کچھ دشوں میں تو اُس دنیا کے خاص ودرواں یا ماعر اسکولوں میں رکھے گئے ہیں۔ نہیں بھی اگر سماج کا ٹکڑا سنگٹھن کیا جاوے گا تو موروثی بن اور آزاد اداں بدل دونوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔ ہاں، بچے کا پیشہ طے کرنے میں اُس کی آزاد طبیعت اور نتھی پسند کا آدھک لحاظ رکھا جائے گا۔

یورپ کی ضرورت

جیسے ہماری راج کلاسی اور مالی زندگی میں رشک، بیشک بن جاتے ہیں، 'لیڈر' (رہبر)، 'میس لیڈر' یعنی گمراہ کرنے والے ہو جاتے ہیں، 'تروستی'، اپنے کو 'بینی فیشوری' بنا بیٹھتے ہیں، دوسروں کو کلائے والے خود اُن دوسروں کو نائے لگتے ہیں، جنتا کے نوکر جنتا کے مالک اور انسر بن بیٹھتے ہیں، جس سے ناگوار بلوے، انقلاب اور کرائتیاں ہوتی رہتی ہیں اور پھر جو اصلی 'بینی فیشوری' ہیں یعنی نام جنتا کے لوگ وہ پھر سے اپنے نئے تروستی مقرر کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مذہب کے معاملے میں بھی ہوتا ہے۔ مذہبی گرو دنیوی طالت چھیننے کے چکر میں پڑ جاتے ہیں اور حکومت کی طالت والے دھارمک گرو بن جاتے کی فکر میں رہتے ہیں۔ 'پروہت'، 'پغندے' ملا اور

ہوتا ہے۔ ہر نئی چیز اپنے سبب کے اندر ہیج روپ میں موجود ہوتا ہے۔ سب ہمیشہ اور ہر جگہ ہیں کیونکہ وہ ایک جس کے اندر یہ سب ہیں ہر جگہ ہے۔

آجکل کی بایولوجی کی سائنس میں اور ہمارے پرانے آئیوید میں دونوں میں وسار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ماں باپ کے دلوں اور دماغوں کی اُس وقت کی حالتیں اور اُس پس کی مادی حالتیں سب ماکر کس طرح ہجے کے اوپر اثر ڈالتی ہیں اور کس طرح ایک ہجے سے دوسرے ہجے میں آنکنت فرق پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب یہ حالات ایک سے ہوتے ہیں تو ہجوں کے روپ رنگ اور دماغ یہی ایک سے ہوتے ہیں۔ یہ بات جوڑوں ہجوں میں خوب دکھائی دیتی ہے۔ ہندستان کی چوتھوں دوا سے بھی ہمیں اِس معاملے میں بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے، جیسے یہ کہ کس وقت کے اور کیسے وقت کے مرد اور عورت کے میل سے کیسی اولاد پیدا ہونی چاہئے۔ ہر ہجے، دو انسانوں سے پیدا ہوتا ہے اور اُن دونوں میں سے بھی ہر ایک دو در سے پیدا ہوا ہے۔ اِس طرح اگر ہم ہجے کو چلتے دھیں تو اِس نے آنت سلسلے میں ہمیں آگے کی ساری سرشتی کے ہجے اور اُس کے سبب مل جاویں گے۔ دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ سب ایک میں ہیں اور سب میں ایک ہے۔ اِس لئے موروثی بن اور اگلاں تبدیلی دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

دنیا کی نئی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی حد تک ان چار قسم کے آدمیوں اور قدرت کے ان دونوں قانونوں کو نگاہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگٹھن کیا ہے۔ اگر ہم دیکھیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگٹھن کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال رہی ہیں۔ ہندستان کی پرانی تہذیب نے اِس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اِس لئے ہندستان کی پرانی تہذیب ایک چینی تہذیب کو چوڑو کر، شاید سب سے زیادہ دین تک زندہ اور پلتی پھولتی رہی۔ پر جب سے ہماری اِس تہذیب کے آگرا، اُس کے رکشک اور شکاک آدمی سرارتھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے آپس کے فرتوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور دوسروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی بن کے اصول سے غلط فائدہ اُٹھانے پر اُنہوں نے سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرانے لگے اور شخصی آزادی اور بدلاؤ کے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرنے لگے تب ہی سے ہندستان میں گمراہی شروع ہو گئی۔ ہماری سماجی تہذیب ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اِس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور بنیادی مانو

ہوتا ہے۔ ہر نئی چیز اپنے سبب کے اندر ہیج روپ میں موجود ہوتا ہے۔ سب ہمیشہ اور ہر جگہ ہیں کیونکہ وہ ایک جس کے اندر یہ سب ہیں ہر جگہ ہے۔

آجکل کی بایولوجی کی سائنس میں اور ہمارے پرانے آئیوید میں دونوں میں وسار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ماں باپ کے دلوں اور دماغوں کی اُس وقت کی حالتیں اور اُس پس کی مادی حالتیں سب ماکر کس طرح ہجے کے اوپر اثر ڈالتی ہیں اور کس طرح ایک ہجے سے دوسرے ہجے میں آنکنت فرق پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب یہ حالات ایک سے ہوتے ہیں تو ہجوں کے روپ رنگ اور دماغ یہی ایک سے ہوتے ہیں۔ یہ بات جوڑوں ہجوں میں خوب دکھائی دیتی ہے۔ ہندستان کی چوتھوں دوا سے بھی ہمیں اِس معاملے میں بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے، جیسے یہ کہ کس وقت کے اور کیسے وقت کے مرد اور عورت کے میل سے کیسی اولاد پیدا ہونی چاہئے۔ ہر ہجے، دو انسانوں سے پیدا ہوتا ہے اور اُن دونوں میں سے بھی ہر ایک دو در سے پیدا ہوا ہے۔ اِس طرح اگر ہم ہجے کو چلتے دھیں تو اِس نے آنت سلسلے میں ہمیں آگے کی ساری سرشتی کے ہجے اور اُس کے سبب مل جاویں گے۔ دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ سب ایک میں ہیں اور سب میں ایک ہے۔ اِس لئے موروثی بن اور اگلاں تبدیلی دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔

دنیا کی نئی اور پرانی سب تہذیبوں نے کسی نہ کسی حد تک ان چار قسم کے آدمیوں اور قدرت کے ان دونوں قانونوں کو نگاہ میں رکھ کر ہی سماج کا سنگٹھن کیا ہے۔ اگر ہم دیکھیں تو جہاں تک ان اصولوں کو نگاہ میں رکھ کر سماج کا سنگٹھن کیا گیا ہے وہاں تک ہی وہ تہذیبیں کامیاب اور خوشحال رہی ہیں۔ ہندستان کی پرانی تہذیب نے اِس اصول کو اچھی طرح سمجھا تھا اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کی تھی۔ شاید اِس لئے ہندستان کی پرانی تہذیب ایک چینی تہذیب کو چوڑو کر، شاید سب سے زیادہ دین تک زندہ اور پلتی پھولتی رہی۔ پر جب سے ہماری اِس تہذیب کے آگرا، اُس کے رکشک اور شکاک آدمی سرارتھی اور خود غرض ہو گئے اور انہوں نے آپس کے فرتوں کو حد سے زیادہ بڑھانا شروع کر دیا، اپنے کو اونچا اور دوسروں کو نیچا کہنے لگے، موروثی بن کے اصول سے غلط فائدہ اُٹھانے پر اُنہوں نے سدا اونچا اور نیچے والوں کو سدا نیچا ٹھہرانے لگے اور شخصی آزادی اور بدلاؤ کے اصولوں کو زبردستی دبانے کی کوشش کرنے لگے تب ہی سے ہندستان میں گمراہی شروع ہو گئی۔ ہماری سماجی تہذیب ابھی تک بالکل مری نہیں ہے۔ اِس کا کارن شاید یہ ہے کہ پرانی روحانیت اور بنیادی مانو

درختوں، پہاڑوں، نদییوں جیسی چیزوں کی پوجا لوگوں کے دیمائوں کو کھد کر دیتی ہے، اُن کی اِرادے کی شکتی کو کمزور کر دیتی ہے، اُن کے اندر سچے کے خلاف اُنہ وشولس بیو دیتی ہے، اِر توموں کو اُنٹی کی جگہ اُرنتی اور برہمانی کی طرف لے جاتی ہے۔

انجیل کے اُردو کے شبدوں میں جو ”سی اور دیوتا“ کی چرچا کی گئی ہے اُس سے مطلب کیوں پتھر کی مورتیوں سے ہی نہیں ہے، اور ایشور کے ”حکم“ کی جو چرچا کی گئی ہے اُس سے مطلب کیوں اِس طرح کی مورتیوں کی پوجا کے خلاف حکم سے ہی نہیں ہے۔ اور سب دوسرے دیوتاؤں سے کہیں بڑے در دیوتا ہیں جنہیں یونانی ”پینکس“ اور ”پرائنکس“ کہا کرتے تھے۔ ان میں پینکس شراب کا اور بڑے کھانے کا دیوتا ہے، اور پرائنکس جنسی بدچلنی (کھولنا) کا دیوتا ہے۔ یہ دونوں دیوتا نہیں سب سے بڑے شیطان ہیں۔ ان دونوں کی پوجا سے جو برائیاں اور گندی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ ”نیمیری یا چوتھی پیڑھی تک“ ہی نہیں اِس سے کہیں زیادہ پیڑھیں تک پہنچتی رہتی ہیں۔ جنسی بدچلنی سے تو دماغ اور جسم دونوں کی طرح طرح کی کمزوریاں اور بیماریاں باپ سے بیٹے کو اور اُس سے اُس کے بیٹے کو ملتی رہتی ہیں۔ اِسی لئے سب مذہبوں میں ان دونوں برائیوں سے بچنے کا ”حکم“ دیا گیا ہے۔ ان حکموں میں سب سے بڑے حکم ویدک یعنی ذاتی کے حکم ہیں۔ یہ ”حکم“ قدرت کے اُتل قانون ہیں۔ قدرت خدا کی قدرت ہے۔ اِس لئے قدرت کے قانون خدا کے حکم ہیں۔ ایشور سے ”پرہم“ دینے یا اُس سے ”نعت“ کرنے کا مطلب انہیں قدرت کے اُتل قانونوں سے پرہم کرنا یا اُن سے نعت کرنا ہے، جس کا مطلب ہے ان قانونوں کو ماننا یا اُن کی طرف سے پیروی کرنا۔ کیونکہ دنیا کی سب چیزیں اور سب ناعے قانون الہ سے ہیں۔

موروثی پن اور ہر ایک کا اپنا اپنا اُٹان

اس سب کے لئے سماج کو ایک ایسے منظم یا نظام کی ضرورت ہے جو مضبوط ہی ہو اور ساتھ ہی لچھلا بھی ہو۔ اور یہاں لے کر تھوڑے چاروں طرح کے انسان قدرت کے دو قانونوں کے آئینے ہوئے ہیں۔ پہلا موروثی پن کا قانون اور دوسرا ہر ایک کی آزاد نجی اُٹان یا بدلتا کا قانون۔ آتما یعنی روح ایک ہے، اِس لئے ہم میں کچھ موروثی گتوں کا ہونا سواہیاوک ہے۔ اُناتما یعنی مادہ طرح طرح کا ہے اِس لئے سب کے الگ الگ روپ ہونا اور اُن روپوں کا بدلتے رہنا بھی قدرت ہی ہے۔ درشن شلستر یعنی فلسفہ میں یہ دونوں قانون ایک دوسرے میں آجاتے ہیں۔ سب بچے ماں باپ کے اندر موجود ہوتے ہیں، اور ہر ماں یا باپ خود اُنکنت پرکھوں کی اولاد

درختوں، پہاڑوں، ندیوں جیسی چیزوں کی پوجا لوگوں کے دیمائوں کو کھد کر دیتی ہے، اُن کی اِرادے کی شکتی کو کمزور کر دیتی ہے، اُن کے اندر سچے کے خلاف اُنہ وشولس بیو دیتی ہے، اِر توموں کو اُنٹی کی جگہ اُرنتی اور برہمانی کی طرف لے جاتی ہے۔

انجیل کے اُردو کے شبدوں میں جو ”سی اور دیوتا“ کی چرچا کی گئی ہے اُس سے مطلب کیوں پتھر کی مورتیوں سے ہی نہیں ہے، اور ایشور کے ”حکم“ کی جو چرچا کی گئی ہے اُس سے مطلب کیوں اِس طرح کی مورتیوں کی پوجا کے خلاف حکم سے ہی نہیں ہے۔ اور سب دوسرے دیوتاؤں سے کہیں بڑے در دیوتا ہیں جنہیں یونانی ”پینکس“ اور ”پرائنکس“ کہا کرتے تھے۔ ان میں پینکس شراب کا اور بڑے کھانے کا دیوتا ہے، اور پرائنکس جنسی بدچلنی (کھولنا) کا دیوتا ہے۔ یہ دونوں دیوتا نہیں سب سے بڑے شیطان ہیں۔ ان دونوں کی پوجا سے جو برائیاں اور گندی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ ”نیمیری یا چوتھی پیڑھی تک“ ہی نہیں اِس سے کہیں زیادہ پیڑھیں تک پہنچتی رہتی ہیں۔ جنسی بدچلنی سے تو دماغ اور جسم دونوں کی طرح طرح کی کمزوریاں اور بیماریاں باپ سے بیٹے کو اور اُس سے اُس کے بیٹے کو ملتی رہتی ہیں۔ اِسی لئے سب مذہبوں میں ان دونوں برائیوں سے بچنے کا ”حکم“ دیا گیا ہے۔ ان حکموں میں سب سے بڑے حکم ویدک یعنی ذاتی کے حکم ہیں۔ یہ ”حکم“ قدرت کے اُتل قانون ہیں۔ قدرت خدا کی قدرت ہے۔ اِس لئے قدرت کے قانون خدا کے حکم ہیں۔ ایشور سے ”پرہم“ دینے یا اُس سے ”نعت“ کرنے کا مطلب انہیں قدرت کے اُتل قانونوں سے پرہم کرنا یا اُن سے نعت کرنا ہے، جس کا مطلب ہے ان قانونوں کو ماننا یا اُن کی طرف سے پیروی کرنا۔ کیونکہ دنیا کی سب چیزیں اور سب ناعے قانون الہ سے ہیں۔

موروثی پن اور ہر ایک کا اپنا اپنا اُٹان

اس سب کے لئے سماج کو ایک ایسے منظم یا نظام کی ضرورت ہے جو مضبوط ہی ہو اور ساتھ ہی لچھلا بھی ہو۔ اور یہاں لے کر تھوڑے چاروں طرح کے انسان قدرت کے دو قانونوں کے آئینے ہوئے ہیں۔ پہلا موروثی پن کا قانون اور دوسرا ہر ایک کی آزاد نجی اُٹان یا بدلتا کا قانون۔ آتما یعنی روح ایک ہے، اِس لئے ہم میں کچھ موروثی گتوں کا ہونا سواہیاوک ہے۔ اُناتما یعنی مادہ طرح طرح کا ہے اِس لئے سب کے الگ الگ روپ ہونا اور اُن روپوں کا بدلتے رہنا بھی قدرت ہی ہے۔ درشن شلستر یعنی فلسفہ میں یہ دونوں قانون ایک دوسرے میں آجاتے ہیں۔ سب بچے ماں باپ کے اندر موجود ہوتے ہیں، اور ہر ماں یا باپ خود اُنکنت پرکھوں کی اولاد

پر اپنا افسر ڈال رہی ہیں وہ معمولی انسانوں کی سوچ پرچہ کے لئے اہم اور اُس کی طاقت کے کام کرنے کے طریقوں سے کہیں زیادہ باریک اور مشکل چیز ہیں۔ لیکن ان طاقتوں کا اثر بہت گہرا، زبردست اور واپاک ہوتا ہے۔

گیتا میں لکھا ہے :—

“آبادی کے نیک کاموں اور کرہانی (یجہ یا نی لیا) سے بارش ہوتی ہے۔ اسی سے ناچ پیدا ہوتا ہے، ناچ سے سب جانداروں کو خوراک ملتی ہے،.....جینسی بد-چلنی (سکر) اس بدچلنی سے سمبندہ رکھنے والے سب کو ترک میں پہنچا دیتی ہے۔”

مولانا رام نے لکھا ہے :—

“جب لوگ جاکت یا نی سہرات دینا بند کر دیتے ہیں تو بدل آنے بند ہوجاتے ہیں اور جب لوگ شہوت کے پیچھے پڑ کر بدچلنی ہوجاتے ہیں تب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔”

انجیل میں بڑے زوردار شدوں میں آدمی کو ہدایت کی گئی ہے کہ :—

“سباغ ایک اٹلاہ کے کسی اور کو اپنا دوتا ن بنانا۔ تو کسی تارہ کی مورتی یا بت بنا کر ن رکھنا، چاہے وہ بت ہوا میں آرنے والی کسی چیز کی شکل میں ہو، چاہے دھرتی پر چلنے والے کسی جاندار کے روپ میں اور چاہے پانی میں رھنے والے کسی پرانی کی شکل میں۔ تم ایسے کسی بت کے سامنے سر نہ جھکانا اور نہ ان کی پوجا سیوا کرنا، کیونکہ میں تمہارا بشور اس معاملے میں بہت قاہ کرتے والا ہوں۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں میں تیسری اور چوتھی پڑتی تک ان کی اولاد کو، ان لوگوں کو جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں، سزا دیتا ہوں اور ان پر جو مجھ سے پریم کرتے ہیں اور میرے حکم مانتے ہیں، دبا دکھلاؤں۔” (انجیل، 20 Exodus)

انجیل کی یہ ہدایت دعیاں سے سمجھنے کی چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی مورتیوں کے پوجنے والوں میں بھی کسی آبسک کی گہری شردھا، اُس کا زبردست وشواس، اُس میں اس طرح کے بھاؤ جگا دیتا ہے کہ اُس کا دل اور دماغ اُس پتھر کی مورتی کے اندر ہاتھ پیر دیکھنے لگتا ہے۔ وہ مورتی اسے جاندار معلوم ہونے لگتی ہے، اُس سے بولنے لگتی ہے، اور تھوڑی دیر کے لئے اُس کی اپنی دل کی حالت کے انوسار اُس کے لئے سچا ورشہ یا سچا شیطان بن جاتی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ آخر آتما سب کے اندر ہے۔ خدا ہر چیز میں ہے۔ بت کے اندر بھی ہے۔ آدمی کی کلہا شکتی اُسے کیا کرنا نہیں دکھا سکتی۔ پر جس طرح کی مورتی پوجا آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، یا اُس سے ملتی جلتی

پڑا اٹھتا ہے اور ذاتی ہیں وہ معمولی انسانوں کی سوچ پرچہ کے لئے اہم اور اُس کی طاقت کے کام کرنے کے طریقوں سے کہیں زیادہ باریک اور مشکل چیز ہیں۔ لیکن ان طاقتوں کا اثر بہت گہرا، زبردست اور واپاک ہوتا ہے۔

گیتا میں لکھا ہے :—

“آدمی کے نیک کاموں اور کرہانی (یجہ یا نی لیا) سے بارش ہوتی ہے۔ اسی سے ناچ پیدا ہوتا ہے، ناچ سے سب جانداروں کو خوراک ملتی ہے،.....جینسی بدچلنی (سکر) اُس بدچلنی سے سمبندہ رکھنے والے سب کو ترک میں پہنچا دیتی ہے۔”

مولانا رام نے لکھا ہے :—

“جب لوگ جاکت یا نی سہرات دینا بند کر دیتے ہیں تو بدل آنے بند ہوجاتے ہیں اور جب لوگ شہوت کے پیچھے پڑ کر بدچلنی ہوجاتے ہیں تب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔”

انجیل میں بڑے زوردار شدوں میں آدمی کو ہدایت کی گئی ہے کہ :—

“سوائے ایک اللہ کے کسی اور کو اپنا دوتا نہ بنانا۔ تم کسی طرح کی مورتی یا بت بنا کر نہ رکھنا، چاہے وہ بت ہوا میں آرنے والی کسی چیز کی شکل میں ہو، چاہے دھرتی پر چلنے والے کسی جاندار کے روپ میں اور چاہے پانی میں رھنے والے کسی پرانی کی شکل میں۔ تم ایسے کسی بت کے سامنے سر نہ جھکانا اور نہ ان کی پوجا سیوا کرنا، کیونکہ میں تمہارا بشور اس معاملے میں بہت قاہ کرتے والا ہوں۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں میں تیسری اور چوتھی پڑتی تک ان کی اولاد کو، ان لوگوں کو جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں، سزا دیتا ہوں اور ان پر جو مجھ سے پریم کرتے ہیں اور میرے حکم مانتے ہیں، دبا دکھلاؤں۔” (انجیل، 20 Exodus)

انجیل کی یہ ہدایت دعیاں سے سمجھنے کی چیز ہے۔ یہ سچ ہے کہ کبھی کبھی مورتیوں کے پوجنے والوں میں بھی کسی آبسک کی گہری شردھا، اُس کا زبردست وشواس، اُس میں اس طرح کے بھاؤ جگا دیتا ہے کہ اُس کا دل اور دماغ اُس پتھر کی مورتی کے اندر ہاتھ پیر دیکھنے لگتا ہے۔ وہ مورتی اسے جاندار معلوم ہونے لگتی ہے، اُس سے بولنے لگتی ہے، اور تھوڑی دیر کے لئے اُس کی اپنی دل کی حالت کے انوسار اُس کے لئے سچا ورشہ یا سچا شیطان بن جاتی ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ آخر آتما سب کے اندر ہے۔ خدا ہر چیز میں ہے۔ بت کے اندر بھی ہے۔ آدمی کی کلہا شکتی اُسے کیا کرنا نہیں دکھا سکتی۔ پر جس طرح کی مورتی پوجا آج دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، یا اُس سے ملتی جلتی

ٹریڈ گیلڈ کرتی ہیں۔ پر ہمارے یہاں थोड़े ही दिनों के अन्दर पेशे या काम से उनका कोई सम्बन्ध नहीं रह गया. यहां तक कि आजकल सिवाय एक पुरोहिताई के काम के बाकी सब काम सब जातियों के लोग बिना किसी फंक्शन के करते हैं. केवल एक पुरोहिताई का काम अब ऐसा रह गया है जिस पर ब्राह्मण जाति में पैदा हुए लोगों का इजारा चला आता है. वह इजारा भी अब धीरे धीरे खत्म हो रहा है.

नई पीढ़ी के लोग नई रोशनी और नई जरूरतों के असर में देश की इस बुराई को समझते जा रहे हैं. देश से बाहर की हवाएं भी अपना काम कर रही हैं. पुराने बन्धन टूट रहे हैं, पर अभी बहुत धीरे. इन बन्धनों के तोड़ने में हमारे सामने लक्ष्य या मकसद, बेलगाम छूट या केवल शोग विलास नहीं होना चाहिये. हमारे सबके सामने लक्ष्य होना चाहिये समाज की और सब की असली और टिकाऊ भलाई.

इसका यह मतलब नहीं कि हमारा देश दुनिया के और देशों से अधिक गिरा हुआ है. कोई देश किसी एक बात में गिरा हुआ है तो कोई किसी दूसरी बात में. इस मामले में सब जगह सुधार की जरूरत और गुन्जाइश है. इन मामलों में टिकाऊ सुधार तब ही हो सकता है जब दुनिया के बच्चों को शिक्षा देने वाले हर लड़के और लड़की के स्वाभाविक 'रुझान' उसकी तबियत और क्राबलियत को ठीक ठीक समझ कर उसी के अनुसार हर एक को तालीम दें और उसी के अनुसार शुरू से हर एक का पेशा और काम तय किया जावे और शिक्षा खतम होने पर उन्हें वैसा ही काम सौंपा जावे. इसके लिये खास समाजी संगठन की जरूरत है.

रोटी का सवाल और जिन्सी सवाल

रोटी का सवाल और जिन्सी सवाल इन दो पर ही आधमी की सारी जिन्दगी चलती है. इन्हें ठीक ठीक हल करना और ठीक क्रावू में रखना हर देश के रहने वालों के लिये जरूरी है. इसक लिये मुनासिब नियम और कानून होने चाहियें जिनका तोड़ना सबसे बड़ा जुर्म समझा जावे. मां का दिल और मां का शरीर इन्साना समाज की सबसे पाक चीज है. यही विधाता का सबसे बड़ा मन्दिर है. जो देश इस मन्दिर का गन्दा करने की या दुख पहुँचाने की अपने लोगों को इजाजत देता है उस पर मनु के शब्दों में— "ईश्वर की तरफ से बिजली गिरती है." यह बिजली या तो दिलों और दिमागों के बिगड़ने की शकल में दिखाई देती है या बीमारियों, महामारियों, जंगों, भूचालों, बाढ़ों, अकालों और ज्वालामुखियों के फूटने की शकल में दिखाई देती है. इनमें से कई तरह की आफतों का सम्बन्ध आधमी के कामों से जाहिरा दिखाई नहीं देता. लेकिन इस सम्बन्ध से इनकार नहीं किया जा सकता. इखलाकी और रुझानी लहरें जिस तरह काम करती हैं और माई दुनिया

قريب گلد کرتی ہیں. پر ہمارے یہاں تھوڑے ہی دنوں کے اندر پشے یا کام سے اُن کا کوئی سمبندھ نہیں رہ گیا. یہاں تک کہ آجکل سوائے ایک پورھتائی کے کام کے باقی سب کام سب جائیوں کے لوگ ہذا کسی فرق کے کرتے ہیں. کہول ایک پورھتائی کا کام اب ایسا رہ گیا ہے جس پر براہمن جاتی میں پیدا ہونے لوگوں کا ایجاری چلا آتا ہے. وہ ایجاری بیی آب دھیرے دھیرے ختم ہو رہا ہے.

نئی پیدہی کے لوگ نئی روشنی اور نئی ضرورتوں کے اثر میں دیش کی اس برائی کو سمجھتے جا رہے ہیں. دیش سے باہر کی ہوائیں بھی اپنا کام کر رہی ہیں. پرانے بندھن ٹوٹ رہے ہیں. پر ابھی بہت دھیرے. ان بندھنوں کے توڑنے میں ہمارے سامنے لکش یا مقصد ہے. کام چھوٹ یا کہول بیوگ ولاں نہیں ہونا چاہئے. ہمارے سب کے سامنے لکش ہرنا چاہئے سماج کی اور سب کی اصلی اور نکار بھالی.

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا دیش دنیا کے اور دیشوں سے اہمک گرا ہوا ہے. کوئی دیش کسی ایک بات میں گرا ہوا ہے تو کوئی کسی دوسری بات میں. اِس معاملے میں سب جگہ سدھار کی ضرورت اور گنجائش ہے. ان معاملوں میں نکار سدھار تب ہی ہو سکتا ہے جب دنیا کے بچوں کو شمشادہ والے غر لڑکے اور ارکی کے سرائیوک 'رجحان' اس کی طبیعت اور قابلیت کو تھیک تھیک سمجھ کر اسی کے انوسار ہر ایک کو تعلیم دیں اور اسی کے انوسار شروع سے ہر ایک کا پیشہ اور کام طے کیا جاوے اور شکشا ختم ہونے پر اُپھیں دیسا ہی کام سونپا جاوے. اِس کے غے خاص سماجی سنگتیں کی ضرورت ہے.

رُئی کا سوال اور جنسی سوال

رُئی کا سوال اور جنسی سوال ان دو پر ہی آسمی کی ساری زندگی چلتی ہے. انہیں تھیک تھیک حل کرنا اور تھیک فابو میں رکھ کر دیش کے رغنے والوں کے لئے ضروری ہے. اِس کے لئے مناسب نیم اور دھنن ہونے چاہئیں جن کا توڑنا سب سے بڑا جرم سمجھا جاوے. مان کا دل اور مان کا شدرپر اِنسانی سماج کی سب سے پاک چیز ہے. یہی ردھانا کا سب سے بڑا مندر ہے. جو دیش اِس مندر کو گندا کرنے کی یا دھ پہنچانے کی اپنے لوگوں کو ایجارت دیتا ہے اُس پر مڑ کے شدھوں میں— "اِشور کی طرف سے بچہ گرتی ہے." یہ بچہ جلی یا نو دلوں اور دماغوں کے بکرنے کی شکل میں دھائی دیتی ہے یا بھاریوں مرہاریوں جنکوں بیونچ'وں' بازعوں' اُلوں اور جوالہٹیوں کے پیرے کی شکل میں دھائی دیتی ہے. ان میں سے کئی طرح کی انتوں کا سمبندھ آدمی کے کلوسرے ظاہر دھائی نہیں دیتا. لیکن اِس سمبندھ سے نکار نہیں دیا جاسکتا. اِخلانی اور روڈنی لہریں جس طرح کام کرتی ہیں اور مادی دنیا

رکنا ہے تو پاک صاف کھانا کھانا چاہئے، شدہ جل پینا چاہئے، ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا چاہئے جن کی عادتیں اچھی اور جن سے ہماری طبیعتیں ملتی ہوں۔ رواہ بھی ایسے لوگوں میں ہی ہونا چاہئے جن کے سر، ہاؤ، وچار، شوق اور طبیعتیں ملتی ہوں۔ پر یہ بات ناسمجھ اور سوارتھی لوگوں کے ہاتھوں میں آتی رہ جاتی ہے۔ سمے کے ساتھ ساتھ پرانی اچھی سے اچھی چیز بھی سڑ جاتی ہے اور نقصان کرنے لگتی ہے۔

دوسرے देशوں میں تو لوگوں نے کبریاں اپنے ایک راجا یا ایک پررہمت کے بارے میں یہ وچار بنا لیا کہ اُسے ایشوری ادھکار ملا ہوا ہے۔ ہم نے اِس دیش میں لاکھوں آدمیوں کی ایک پوری جاتی کے بارے میں یہ مان لیا کہ یہکراں نے جنم سے ہی اُنہیں دوسروں سے اونچا اور دوسروں پر حم چلائے کا حقدار بنا دیا ہے۔ اور جب یہ لوگ جنم سے اونچے ہو گئے تو ہائی لاکھوں کرڑوں لوگ جنم سے ہی نیچے سمجھے جانے لگے۔ ہم نے مان لیا کہ اُنہیں یہکراں نے ان اوپر دالوں کی سیوا کرنے اور اُن کا حکم ماننے کے لئے ہی بنایا ہے۔ دستکاروں، کسانوں، مزدوروں سب کی ہم نے یہی درگت کر ڈالی۔ یہاں تک کہ امریکہ کے حبشی غلاموں کی طرح ہم نے دیش کے لاکھوں اور کرڑوں مرد عورتوں کو اور پیڑھی در پیڑھی اُن کی اولاد کو ہمیشہ کے لئے شوہر، اچھوت اور انتہیج قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس اور سمجھ کی جگہ ہم کہیں ادھک اندھ وٹولسوں، ناسمجھی اور گندگی میں پھنستے چلے گئے۔

ہم گندے اور بیمار لوگوں کے ہاتھوں کا پکا غوا ناپاک کھانا کھاتے ہیں کورل اِس لئے کیونکہ پکائے والا اُسی جاتی کا ہے جس کے ہم ہیں۔ ہمارے یہاں روز بے میل اور بے تکی شادیاں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی جات کا نام ایک ہے۔ ہم اِس طرح کی شادیوں کو 'سورن' کہتے ہیں جس کا مطالبہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ایک درن کے ہیں۔ اصل میں یہ سب شادیاں ادھک تر 'آسورن' ہوتی ہیں۔ سنسکرت قاعدے سے 'ورن' شبد کے تین معنی ہیں:—ایک وہ چیز جو سمج کے اندر اُسی آدمی کی روزی، اُس کے پیٹھے یا اُس کی جگہ کو بیان کرے، دوسرے وہ چیز جسے کوئی آدمی خرد اپنے لئے چاہ یا پسند کرے۔ اِس میں پیشہ بھی آ سکتا ہے، تیسرے وہ چیز جو کسی آدمی کو تھکے ہوئے، جیسے اُس کا رنگ وغیرہ، 'ورن' شبد کے معنی کسی طرح بھی جات نہیں دیتے۔

ادھک تر جاتوں اور آپ جاتوں کے نام، پیشوں اور دھندوں پر ہیں۔ ہو سکتا ہے شروع میں اِس طرح کی جاتوں نے وہ کام کیا ہو جو آج کل دنیا میں ٹرینڈ بونیٹیں یا

رکنا ہے تو پاک صاف کھانا کھانا چاہئے، شدہ جل پینا چاہئے، ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا چاہئے جن کی عادتیں اچھی اور جن سے ہماری طبیعتیں ملتی ہوں۔ رواہ بھی ایسے لوگوں میں ہی ہونا چاہئے جن کے سر، ہاؤ، وچار، شوق اور طبیعتیں ملتی ہوں۔ پر یہ بات ناسمجھ اور سوارتھی لوگوں کے ہاتھوں میں آتی رہ جاتی ہے۔ سمے کے ساتھ ساتھ پرانی اچھی سے اچھی چیز بھی سڑ جاتی ہے اور نقصان کرنے لگتی ہے۔

دوسرے देशوں میں تو لوگوں نے کبریاں اپنے ایک راجا یا ایک پررہمت کے بارے میں یہ وچار بنا لیا کہ اُسے ایشوری ادھکار ملا ہوا ہے۔ ہم نے اِس دیش میں لاکھوں آدمیوں کی ایک پوری جاتی کے بارے میں یہ مان لیا کہ یہکراں نے جنم سے ہی اُنہیں دوسروں سے اونچا اور دوسروں پر حم چلائے کا حقدار بنا دیا ہے۔ اور جب یہ لوگ جنم سے اونچے ہو گئے تو ہائی لاکھوں کرڑوں لوگ جنم سے ہی نیچے سمجھے جانے لگے۔ ہم نے مان لیا کہ اُنہیں یہکراں نے ان اوپر دالوں کی سیوا کرنے اور اُن کا حکم ماننے کے لئے ہی بنایا ہے۔ دستکاروں، کسانوں، مزدوروں سب کی ہم نے یہی درگت کر ڈالی۔ یہاں تک کہ امریکہ کے حبشی غلاموں کی طرح ہم نے دیش کے لاکھوں اور کرڑوں مرد عورتوں کو اور پیڑھی در پیڑھی اُن کی اولاد کو ہمیشہ کے لئے شوہر، اچھوت اور انتہیج قرار دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنس اور سمجھ کی جگہ ہم کہیں ادھک اندھ وٹولسوں، ناسمجھی اور گندگی میں پھنستے چلے گئے۔

ہم گندے اور بیمار لوگوں کے ہاتھوں کا پکا غوا ناپاک کھانا کھاتے ہیں کورل اِس لئے کیونکہ پکائے والا اُسی جاتی کا ہے جس کے ہم ہیں۔ ہمارے یہاں روز بے میل اور بے تکی شادیاں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ لڑکا اور لڑکی دونوں کی جات کا نام ایک ہے۔ ہم اِس طرح کی شادیوں کو 'سورن' کہتے ہیں جس کا مطالبہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں ایک درن کے ہیں۔ اصل میں یہ سب شادیاں ادھک تر 'آسورن' ہوتی ہیں۔ سنسکرت قاعدے سے 'ورن' شبد کے تین معنی ہیں:—ایک وہ چیز جو سمج کے اندر اُسی آدمی کی روزی، اُس کے پیٹھے یا اُس کی جگہ کو بیان کرے، دوسرے وہ چیز جسے کوئی آدمی خرد اپنے لئے چاہ یا پسند کرے۔ اِس میں پیشہ بھی آ سکتا ہے، تیسرے وہ چیز جو کسی آدمی کو تھکے ہوئے، جیسے اُس کا رنگ وغیرہ، 'ورن' شبد کے معنی کسی طرح بھی جات نہیں دیتے۔

ادھک تر جاتوں اور آپ جاتوں کے نام، پیشوں اور دھندوں پر ہیں۔ ہو سکتا ہے شروع میں اِس طرح کی جاتوں نے وہ کام کیا ہو جو آج کل دنیا میں ٹرینڈ بونیٹیں یا

دوہا کہ اس طرح کے دوہانوں کی اولاد کی اور تہی نئی جانیں بنتی چلی گئیں۔ ان جاتوں، آپ جاتوں اور آپ جاتوں کے اندر آپ جاتوں کی گنتی بڑھتی گئی۔ اس طرح دیش میں ہزاروں جانیں بن گئیں، سب ایک دوسرے سے الگ، جن میں نہ ایک سے دوسری میں روتی بیٹی کا سمبندھ ہو سکتا تھا اور نہ کوئی ایک سے دوسری میں آ جا سکتا تھا۔ یہی حال اب تک جاری ہے۔ ان سب کو ایک دور میں پانڈیٹوں والا کہول ایک شہد 'ہندو' رہ گیا ہے جس کا اب سوائے ہندوستانی یا ہندوؤں کے اور کچھ اُرتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ جات یا آپ جات کے آجکل کیوں نہ معنی رہ گئے ہیں کہ کچھ گھرانوں کا ایک گروہ ہے جو کیوں ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ ہی شادی دواہ کرتے ہیں۔ دوسری جات والوں کے ساتھ نہ کھاتے ہیں اور نہ اُن کے ساتھ شادی دواہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ دوسری جات یا آپ جات والوں کے ہاتھ کا چھو ہوا بیوجن بھی اُن کے لئے ناپاک ہے۔ اس چھوچھوت کا کارن شروع میں کچھ ہی رہا ہو—موسکتا ہے یہ چھوچھوت اس قدر سے شروع ہوئی ہو کہ کوئی کسی کو زہر نہ دے دے—پر اب اس رواج میں کوئی سمجھ یا پہلائی کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ ہمارے دیش کے آگے بڑھتے ہیں اس سے یہ ساری گروہ بندی سب سے بڑی رکرت ہے۔

آجکل کی جات پات

سن 1891 کی مرڈم شماری کے अनुसार ہندوؤں کے اندر کُل جاتیوں اور اپجاتیوں کی تاداد دو ہزار تین سو اٹھتر تھی۔ اُس کے بعد بی کچھ جاتیوں ٹوٹ کر اور ٹکڑے ہوتی گئیں اور کچھ ایک دوسرے میں ملتی گئیں۔ سن 1931 کی مرڈم شماری میں سب جاتیوں اور اپجاتیوں کی ٹیک ٹیک گنتی دینے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ راج لکھی چڑیں تک پر اس کا گہرا اور بہت برا اثر پڑا ہے۔ دیش میں سچے اپنا پیدا نہیں ہو پاتی۔ ایمانداری اور قابلیت کو اوپر آنے کا موقع نہیں ملتا۔ بے ایمانی اور گندی گتہندی بڑھتی جا رہی ہے۔ دیش سیڑیوں کا دھیان اس برائی کی طرف نہ لے گا۔ یہ اپنی بہت کم۔ ایکٹک نے سن 1936 میں جب وہ ہندوستان کی مرکزی قانون سبھا کا ممبر تھا ایک قانون الگ الگ جاتیوں میں دواہ شادی جائز قرار دینے جانے کا پیش کیا تھا۔ اُس سے وہ پاس نہ ہو سکا۔ پر اُس کے بعد اس طرح کے قانون پاس ہو چکے ہیں اور کچھ راستے کھلتے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس جات پات کے بغا مٹے دیش اپنا اور آنتی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا۔

سائنس اور سمجھ دونوں کی یہ مانگ ہے کہ ہم ہر کوئی چیز ہر کسی کے ہاتھ سے نہ کھاویں اور نہ ہر کسی کے ساتھ بیاہ شادی کریں۔ اس سمبندھ میں مسجدداری اور ویک سے کام لینا ضروری ہے۔ ہمیں سماج کو تندرست

सुदगरजी और बिगाड़

इन्सानी समाज की चार तरह की शक्तियों की चरचा हम ऊपर कर चुके हैं—विद्या शक्ति, राज शक्ति, धन शक्ति और श्रम यानी मेहनत मजदूरी की शक्ति। इन्सानी समाज की अधिकतर मुसीबतें इसीलिए पैदा होती हैं कि हम इन चार तरह की शक्तियों में समतोल यानी तबाजुन कायम नहीं रख सकते। विद्या यानी इल्म की शक्ति ही अक्सर धर्म मजहब की शक्ति होती है। पर जब विद्वान लोग जो सब को राह दिखाने वाले होते हैं स्वार्थ में पड़ कर धन वजोरे या खुद राज सत्ता हथियाने की सोचने लगते हैं या अत्याचार या राजाओं के हाथ के साधन बन जाते हैं या उन के लिये साधन तैयार करने लगते हैं, तो यह शक्ति समाज के लिये बरकत होने की जगह लानत बन जाती है। आज साइन्स और साइन्सद्वारों की भी यही दुर्गत हो रही है। ग़लत इस्तेमाल से और समतोल न रहने से यही हाल दूसरी शक्तियों का होता है।

अधिकतर देशों में सदियों से दो तरह के लोगों में खींचा-तानी और लड़ाई होती रही है—एक राजा दुनियावी हाकिम और दूसरे धार्मिक गुरु या पंडे पुरोहित. योरप के बीच के जमाने भर में राज शक्ति और धार्मिक शक्ति के बीच की यह खींचातानी जारी रही. यह योरप के ब्राह्मणों और क्षत्रियों की लड़ाई थी. लेकिन आज दुनिया में पैसे की शक्ति ने विद्या या धर्म और राज या हथियार दोनों को कावू में कर लिया है. आज दुनिया के ब्राह्मण और क्षत्री दोनों वैश्य के चंगुल में हैं. साइन्स और राजनीति दोनों अर्थ नीति की गुलाम हैं. और अब ऐसा मालूम होता है कि मजदूरी की ताकत पैसे की ताकत को भी अपने कावू में करती जा रही है. आगे की दुनिया में सब से बड़ी शक्ति जो साइन्स, वहादुरी, राजकाज और पैसा सब पर हावी होगी वह मेहनत मजदूरी की शक्ति है.

इससे साफ़ मालूम होता है कि इन चार तरह की शक्तियों में हम ठीक ठीक बैठ बिठाव नहीं कर पाए, हर एक को अपनी अपनी जगह नहीं दे सके, यानी उनमें समतोल या तबाजुन क़ायम नहीं रख सके. हमारे देश में भी सैकड़ों बरस से स्वार्थी विद्वानों और आचार्यों ने आदमी से उसकी निजी आज़ादी छीन कर एक काम से दूसरे काम या एक पेशे से दूसरे पेशे में जाने के दरवाज़े बिलकुल बन्द कर दिये. नतीजा यह हुआ कि यह चारों जमाअतये इस तरह मीरुसी यानी जन्म की जाते हो गई जिस तरह दुनिया में और कहीं नहीं हैं.

एक और बुरी बात हुई. क़ुदरती तौर पर बावजूद रोक थाम के समय समय पर एक वन से दूसरे में विवाह भी जब तब होते रहे. उधर मौलसीपन का उमूल आही चुका था. नतीजा यह

انسانی سماج کی چار طرح کی شکستوں کی چرچا ہم اوپر کر چکے ہیں۔ سودیا شکتی، راج شکتی، دھن شکتی اور شرم یعنی محنت مزدوری کی شکتی۔ انسانی سماج کی انہک تر مصیبتیں اسی لئے پیدا ہوتی ہیں کہ ہم ان چار طرح کی شکستوں میں سمٹ کر رہتے ہیں تو ان میں قائم نہیں رہ سکتے۔ سودیا یعنی علم کی شکتی ہی اکثر دھرم مذہب کی شکتی ہوتی ہے۔ ہر جب ودوان لوگ جو سب کو راہ دکھانے والے ہوتے تھے سوارتھ میں پڑ کر دھن بھرتے یا خود راج ستا تھتیا نے کی سرچنگ لکھتے تھے یا اٹنچاری راجاؤں کے ہاتھ کے سادھن بن جاتے ہیں یا ان کے لئے سادھن تیار کرنے لگتے ہیں، تو یہ شکتی سماج کے لئے برکت ہونے کی جگہ نعت بن جاتی ہے۔ آج سائنس اور سائنس دانوں کی بھی دگرگت ہو رہی ہے۔ غلط استعمال سے (اور سہولت نہ رہنے سے) یہی حال دوسری شکستیں کا ہونا ہے۔

اداک تر دیشوں میں صدیوں سے در طرح کے لوگوں میں کھینچا تائی اور لڑائی ہوتی رہی ہے۔ ایک راجا یا دنیاوی حاکم اور دوسرے دارامک گورو یا پندے پر دھت . بورپ کے بیچ کے زمانے میں راج شکتی اور دارامک شکتی کے بیچ کی یہ کھینچا تائی جاری رہی . یہ بورپ کے براہمنوں اور چھتریوں کی لڑائی تھی . لیکن آج دنیا میں پیسے کی شکتی نے دنیا یا دھرم اور راج یا اختیار دونوں کو نابو میں کر لیا ہے . آج دنیا کے براہمن اور چھتری دہترن دیش کے چنگل میں ہیں . سائنس اور راج نیتی دونوں ارقہ نیتی کی غلام ہیں . اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مزدوری کی طاقت پیسے کی طاقت کو بھی اپنے نابو میں کرتی جا رہی ہے . آگے کی دنیا میں سب سے بڑی شکتی جو سائنس ، بہادری ، راج کالج آرزو پیسے سب پر تھاری ہوگی وہ محتات مزدوری کی شکتی ہے .

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِن چار طرح کی شکلیوں میں ہم ٹھیک ٹھیک بیٹھ بٹھاکر نہیں کر پائے، ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ نہیں دے سکے، یعنی اُن میں سمتوں یا توازن قائم نہیں رکھ سکے۔ ہمارے دماغ میں بھی سبکوں برس سے سوانحی روائوں اور آجاریوں نے آدمی سے اُس کی نجی آزادی چھین کر ایک کالم سے دوسرے کالم یا ایک پیشے سے دوسرے پیشے میں جانے کے دروازے بالکل بند کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ چاروں جماعتیں اِس طرح موزوں یعنی جام کی جانتی ہو گئیں جس طرح دنیا میں اور کہیں نہیں ہیں۔

ایک اور ہی بات ہوئی . تدریسی طور پر باوجود روک
نہام کے سمے سے پر ایک وزن سے دوسرے میں رواۃ ہی جب
تب ہوتے رہے . اُنہی مہرزی بن کا اصول اُھی چکا تھا . نتیجتاً یہ

अच्छी निगाह से नहीं देखते. यह भी एक खास बात और बड़ी अच्छी बात है कि चीन में यह अलग अलग जमाअतें कभी भी जन्म से यानी पैरुक्त नहीं समझी गईं. इसी वजह से भारत की सी जात पात का बुरा रिवाज चीन में कभी नहीं रहा.

वेदों में जाति भेद का शुरु का रूप

अब हम यह देखें कि हिन्दू धर्म में जातों की तक्कीम का रूप शुरू में यानी वेदों के जमाने में क्या था.

ऋग्वेद में लिखा है :—

“यह जो विश्व रूप महान् पुरुश यानी सारा इन्सानि समाज है इसका सिर और मुंह क्या है, इसकी भुजाएं क्या हैं, इसका थड़ और इसकी जांघें क्या हैं और इसके पैर क्या हैं ? जिस आदमी के अन्दर ब्राह्मन् ज्ञान यानी इल्म और हिकमत है वह इसका सिर और मुंह है और ब्राह्मन् कहलाता है। जो अपनी बहादुरी से दूसरों की रक्षा करने के कारन चमकता है वह इसकी भुजाएं हैं और राजा या क्षत्री कहलाता है। जो धरती के ऊपर जमकर उससे नाज और धन दौलत पैदा करता है वह इसका थड़ और जांघें हैं और वैश्य कहलाता है। जो और सबकी सेवा में लगा रहता और दौड़ता फिरता है वह इसकी टांगें हैं और शूद्र कहलाता है। यह पूरा मनुष्य समाज इन्हीं चार से बना हुआ है। यही था, यही है और यही होगा। इस समाज की व्यापक आत्मा सारी दुनिया को घेरे हुए और अपने अन्दर लिये हुए है और फिर भी सबसे बाहर है।”

यजुर्वेद में लिखा है :—

“ऐ परमेश्वर, सबके मालिक ! हम सबके दिलों में यानी हमारे ब्राह्मणों, हमारे क्षत्रियों, हमारे वैश्यों और हमारे शूद्रों के दिलों में एक दूसरे के लिये प्रेम पैदा कर ताकि हम एक दूसरे को सुख पहुँचा सकें, हम एक दूसरे से सदा मीठी बातें करें, सबके साथ नम्रता का बरताव करें, सब एक दूसरे का भला करें और एक दूसरे की सेवा करें।”

अथर्व वेद में लिखा है :—

“ऐ ईश्वर ! जो इस सारे विश्व के सब हिस्सों को चला रहा है और सब के अन्दर भी जान है ! हम सब को एक दूसरे के साथ प्रेम के मजबूत धागों में बांध दे. हमारे ब्राह्मणों, क्षत्रियों, वैश्यों और शूद्रों को और उन सब को जो हमारे मित्र हैं प्रेम के मजबूत धागों में बांध दे. और जो हमारे शत्रु हैं उन्हें भी हमारा मित्र बना दे.”

अब देखना यह है कि गुरु के चार तरह के लोगों की यह कुदरती तकसीम जो समाज के काम की आसानी के लिये थी बिगड़ कर और गिर कर सैकड़ों जन्म की जातों में कैसे बदल गई.

اچھی نگاہ سے نہیں دیکھئے۔ یہ بھی ایک خاص بات اور بڑی اہم بات ہے کہ چین میں بہ لگ بھگ جماعتیں کہی بھی جام سے یعنی پتھر نہیں سمجھی گئیں۔ اسی وجہ سے ہمارے کی سی جات بات کا برا رواج چین میں کہی نہیں رہا۔

ویدوں میں جاتی فہرہ کا شروع کا روپ

اب ہم یہ دیکھیں کہ ہندو دھرم میں جانوں کی تقسیم کا روپ شروع میں یعنی ویدوں کے زمانے میں کیا تھا ۔

دگ وید میں لکھا ہے :—

”یہ جو رشورپ مہاراجہ یعنی سارا انسانی سماج ہے اس کا سر اور منہ آیا ہے اس کی جانچیں کیا ہیں، اس کا دفتر اور اس کی جانچیں کیا ہیں اور اس کے پیر کیا ہیں؟ جسم آدمی کے اندر ہر عام گیان یعنی علم اور حکمت ہے وہ اس کا سر اور منہ ہر باطن کی کہلانا ہے۔ جو اپنی ہمدردی کے دوسروں کی دکھا کرنے کے کڑن چمکتا ہے وہ اس کی جانچیں ہے اور راجا یا چترپتی کہلاتا ہے۔ جو دھرتی کے اوپر چمکے اس سے تاج اور دھن دولت پیدا کرتا ہے وہ اس کا دفتر اور جانچیں ہے اور ہنر کہلاتا ہے۔ جو اور سب کی سدا میں اٹھتا رہتا اور دوزخا پھرتا ہے وہ اس کی جانچیں ہے اور شہر کہلاتا ہے۔ یہ پورا مشیہ سماج انہیں چار سے بنا ہوا ہے۔ یہی تباہی ہے اور یہی تباہی سماج کی واپاک آواز ساری دنیا کو گونجنے لگتی ہے اور اپنے اندر اٹھنے لگتی ہے اور پھر بس سے بادل ہے۔“

یاجر وید میں لکھا ہے :—

[illegible]

آنہرو وید میں لکھا ہے :۔

”اے ایشور! جو اس سارے رشتہ کے سب حصوں کو چلا رہا ہے اور سب کے اندر ہی جا رہا ہے! تم سب کو ایک دوسرے کے ساتھ پریم کے مقبوضہ دناگوں میں بانٹ دے۔ تمہارے برادریوں، چیتروں، شیڈوں اور شعروں کو اور ان سب کو جو تمہارے شعروں پریم کے مقبوضہ دناگوں میں بانٹ دے۔ اور جو تمہارے شعروں میں آئیں وہی تمہارا مکتبہ ہے۔“

اب دیکھنا یہ کہ شروع کے چار طرح کے لوگوں کی یہ قدرتی قسم جو سماج کے کام کی آسانی کے لئے تھی بگڑ کر اور گر کر میکڑوں جنم کی جائزوں میں کیسے بدل گئی۔

وہوں میں جنہیں براہمن، چتر، اور ویش کہا گیا ہے عربی میں انہیں کو 'اولوالعلم'، 'اولوالعز' اور زراع' کہا گیا ہے۔ یہ تینوں نام قرآن میں بھی آئے ہیں۔ چوتھی طرح کے لوگوں کو عربی اور فارسی میں 'مزدور' کہا جاتا ہے۔ انہیں چاروں کو 'عالم' (یا آمر یا امیر) تاجر اور مزدور بھی کہا جاتا ہے۔ پارسی دھرم میں ان چاروں کو 'آپریمن'، 'ویرجین'، 'خائیتھ' اور 'کولستر' کہتے ہیں۔ ان چاروں پارسی شہدوں کے سنسکرت روپ ہیں آریما، ویویان، نچیتھ اور گولاسی۔

پارسی دھرم کی کتابوں میں ان چاروں کے اور نام بھی آتے ہیں۔ پارسی دھرم گرتھ 'گاہا' میں ان چاروں کی چرچا کرتے ہوئے لکھا ہے:—

“ویش، براہمن اور چتری تینوں کے دنیوی کے دھرم میں پڑ جاتے ہیں۔ ایشور کرے ہمارے ویش کبھی سست یا کھل نہ ہوں، ہمارے چتری کبھی آدھک خوشخوار یا تند نہ ہوں، ہمارے براہمن کبھی اہن پد اور جاہل نہ ہوں، ہمارے شہد جو سبکی سہا کرتے ہیں کبھی ہیمت نہ ہارے۔ پورے وقتوں میں جب دشمن حملہ کرتا ہے تو ہمارے براہمن یا ہمارے ویش کیا کر سکتے ہیں؟ ہمارے چتری ہی یہاں کی مدد سے ہماری رکشا کر سکتے ہیں۔”

انگلینڈ میں ابھی تھوڑے دن پہلے تک وہاں کے لوگ اپنے دیش کے لوگوں کی تین جماعتیں گنایا کرتے تھے—ایک کلرچی یعنی پادری، دوسرے نوپلیٹی یعنی لارڈ خاندان کے لوگ، تیسرے کامنس یعنی عام لوگ۔ اب ان میں ایک چوتھی جماعت اور جڑ گئی ہے، وہ ہے پروپیٹیٹ یعنی مزدوروں اور دستکاروں کی جماعت۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی آبادی کے لگ بھگ اسی طرح کے بتوارے ہیں۔

جاپان میں کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی تھیں—ایک 'کیوگے' یعنی سمراٹ کے خاندان کے لوگ اور درباری امیر امرا، دوسرے 'بوشی' اور 'سامورائی' یعنی چتری اور سپہگیری پیشہ کے لوگ، تیسرے 'ہیمن' یعنی عام لوگ اور چوتھے 'ایتا' اور 'ہیمن' یعنی وہ لوگ جو بالکل بھارت کے آچھوتوں جیسے سمجھے جاتے تھے۔

چین میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر وڈوان لوگ تھے جن میں درباری افسر بھی شامل تھے، دوسرے درجے پر 'کسان' تیسرے درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و باپاری۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ پورے چین میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ چین میں سپاہیوں کو ہمیشہ ایک ہلکی اور 'انڈیج' جماعت کی طرح سمجھا گیا ہے۔ چین جاپان کی لڑائی کے جو بہت دنوں جاری رہی، وہاں سپاہی کی قدر کو بڑھا دیا۔ پھر بھی یہی وجہ ہے کہ چینی لوگ سربراہ سے امن پسند ہیں اور لڑائی کو

چون میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر وڈوان لوگ تھے جن میں درباری افسر بھی شامل تھے، دوسرے درجے پر 'کسان' تیسرے درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و باپاری۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ پورے چین میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ چین میں سپاہیوں کو ہمیشہ ایک ہلکی اور 'انڈیج' جماعت کی طرح سمجھا گیا ہے۔ چین جاپان کی لڑائی کے جو بہت دنوں جاری رہی، وہاں سپاہی کی قدر کو بڑھا دیا۔ پھر بھی یہی وجہ ہے کہ چینی لوگ سربراہ سے امن پسند ہیں اور لڑائی کو

پارسی دھرم کی کتابوں میں ان چاروں کے اور نام بھی آتے ہیں۔ پارسی دھرم گرتھ 'گاہا' میں ان چاروں کی چرچا کرتے ہوئے لکھا ہے:—

“ویش، براہمن اور چتری تینوں دنیوی کے دھرم میں پڑ جاتے ہیں۔ ایشور کرے ہمارے ویش کبھی سست یا کھل نہ ہوں، ہمارے چتری کبھی آدھک خوشخوار یا تند نہ ہوں، ہمارے براہمن کبھی اہن پد اور جاہل نہ ہوں، ہمارے شہد جو سب کی سہا کرتے ہیں کبھی ہیمت نہ ہارے۔ پورے وقتوں میں جب دشمن حملہ کرتا ہے تو ہمارے براہمن یا ہمارے ویش کیا کر سکتے ہیں؟ ہمارے چتری ہی یہاں کی مدد سے ہماری رکشا کر سکتے ہیں۔”

انگلینڈ میں ابھی تھوڑے دن پہلے تک وہاں کے لوگ اپنے دیش کے لوگوں کی تین جماعتیں گنایا کرتے تھے—ایک کلرچی یعنی پادری، دوسرے نوپلیٹی یعنی لارڈ خاندان کے لوگ، تیسرے کامنس یعنی عام لوگ۔ اب ان میں ایک چوتھی جماعت اور جڑ گئی ہے، وہ ہے پروپیٹیٹ یعنی مزدوروں اور دستکاروں کی جماعت۔

یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی آبادی کے لگ بھگ اسی طرح کے بتوارے ہیں۔

جاپان میں کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی تھیں—ایک 'کیوگے' یعنی سمراٹ کے خاندان کے لوگ اور درباری امیر امرا، دوسرے 'بوشی' اور 'سامورائی' یعنی چتری اور سپہگیری پیشہ کے لوگ، تیسرے 'ہیمن' یعنی عام لوگ اور چوتھے 'ایتا' اور 'ہیمن' یعنی وہ لوگ جو بالکل بھارت کے آچھوتوں جیسے سمجھے جاتے تھے۔

چین میں بھی کچھ دنوں پہلے تک چار جماعتیں گنی جاتی تھیں۔ وہاں سب سے اوپر وڈوان لوگ تھے جن میں درباری افسر بھی شامل تھے، دوسرے درجے پر 'کسان' تیسرے درجے پر دستکار اور چوتھے درجے پر سوداگر و باپاری۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ پورے چین میں سپاہیوں کی کوئی خاص جگہ نہیں تھی۔ چین میں سپاہیوں کو ہمیشہ ایک ہلکی اور 'انڈیج' جماعت کی طرح سمجھا گیا ہے۔ چین جاپان کی لڑائی کے جو بہت دنوں جاری رہی، وہاں سپاہی کی قدر کو بڑھا دیا۔ پھر بھی یہی وجہ ہے کہ چینی لوگ سربراہ سے امن پسند ہیں اور لڑائی کو

कम हों, आस पास का पानी और हवा साफ रहे, बीमारियां कम हों, मैला और गन्दगी खाद के काम आवे और इसी तरह के सब के भलाई के काम, यही इस जमाने में देवताओं का कर्जा अदा करने के काम हैं. दूसरा कर्जा अदा करने का तरीका है अच्छे बच्चे पैदा करना और उन्हें पालना और अच्छी तालीम देना. तीसरा कर्जा अदा करने के लिये हमें इल्म यानी विद्या का दूसरों को दान देना चाहिये और अलियों को इस बात में मदद देनी चाहिये कि वह दूसरों को इल्म सिखा सकें. हमारा यह भी फर्ज है कि दुनिया के इस वक्त तक के इल्म और ज्ञान को बढ़ाने में मदद दें. चौथा कर्जा अदा करने के लिये खास उन्न आने के बाद हमें मामूली दुनियादारी और कुनवा परवरी से अलग होकर आत्मा में ध्यान लगाना चाहिये, सब को आत्मा को अपनी आत्मा समझना चाहिये और पूरे दिल से लगातार सब का भला चेतना और चाहना चाहिये.

ऊपर जो कई तरह की चौकड़ियां गिनाई गई हैं उनमें से हर चार एक दूसरे से जुड़ी हुई और एक दूसरे पर निर्भर हैं. उनमें एक दूसरे के साथ वैसा ही सम्बन्ध है जैसा हमारे बदन के अन्दर स्त्रि, हाथ, धड़ और टांगों में. चारों को मिला कर एक पूरा आदमी बनता है. ऐसे ही पूरा समाज इन सब को मिला कर बनता है. इसी तरह इन चारों में से हर एक की बहुत सी शाखें हैं और बहुत बार तो किसी पेशे या काम की बाबत यह तय करना भी मुशकिल हो जाता है कि उसे चारों में से किस के अन्दर गिना जावे. हम इस तरह के जितने बंटवारे करते हैं वह सब केवल इसलिये कर लेते हैं ताकि समाज का काम आसानी से चल सके.

थोड़े से शब्दों में वैदिक जाति भेद की यही असलियत है और यही उसकी बुनियाद है. वेदों में इसे वर्णाश्रम धर्म कहा गया है, यानी यह कि इन्सानी समाज में चार वर्न होते हैं यानी चार तरह के काम और चार तरह के काम करने वाले—ब्राह्मन, क्षत्री, वैश्य और शूद्र, और हर आदमी के जीवन के चार हिस्से हाते हैं—ब्रह्मचारी यानी तालिब-इल्म, गृहस्थ यानी खानेदार, वान प्रस्थ यानी बिना तनखाह का दुनिया का ख़ादिम, और सन्यासी या तारिकुद्दुनिया यानी सब को हुआए, खैर और नेक उपदेश देने वाला.

दूसरे देशों में इस तरह की तफ़्सीम

दूसरे सब धर्मों और देशों में भी इससे मिलते जुलते विचार मौजूद हैं. सबने अपने यहां के इन्सानों की इसी तरह की तफ़्सीम की है. फर्क यह है कि किसी ने एक तरह और किसी ने दूसरी तरह. किसी ने एक पेशे वाले को ज्यादा जरूरी और ऊंचा माना है और किसी ने दूसरे पेशे वाले को. किसी ने लोगों को एक जमाअत या एक पेशे से दूसरी जमाअत या दूसरे पेशे में जाने की खुली इजाजत दी है, किसी ने नहीं दी वगैरा.

कम हों, आस पास का पानी और हवा साफ रहे, बीमारियां कम हों, मैला और गन्दगी क़ाद के काम आवे और इसी तरह के सब के भलाई के काम, यही इस जमाने में देवताओं का कर्जा अदा करने के काम हैं. दूसरा कर्जा अदा करने का तरीका है अच्छे बच्चे पैदा करना और उन्हें पालना और अच्छी तालीम देना. तीसरा कर्जा अदा करने के लिये हमें इल्म यानी विद्या का दूसरों को दान देना चाहिये और अलियों को इस बात में मदद देनी चाहिये कि वह दूसरों को इल्म सिखा सकें. हमारा यह भी फर्ज है कि दुनिया के इस वक्त तक के इल्म और ज्ञान को बढ़ाने में मदद दें. चौथा कर्जा अदा करने के लिये खास उन्न आने के बाद हमें मामूली दुनियादारी और कुनवा परवरी से अलग होकर आत्मा में ध्यान लगाना चाहिये, सब को आत्मा को अपनी आत्मा समझना चाहिये और पूरे दिल से लगातार सब का भला चेतना और चाहना चाहिये.

अपने जो कौनो तरह की चौकड़ियां गिनाई गई हैं उनमें से हर चार एक दूसरे से जुड़ी हुई और एक दूसरे पर निर्भर हैं. उनमें एक दूसरे के साथ वैसा ही सम्बन्ध है जैसा हमारे बदन के अन्दर स्त्रि, हाथ, धड़ और टांगों में. चारों को मिला कर एक पूरा आदमी बनता है. ऐसे ही पूरा समाज इन सब को मिला कर बनता है. इसी तरह इन चारों में से हर एक की बहुत सी शाखें हैं और बहुत बार तो किसी पेशे या काम की बाबत यह तय करना भी मुशकिल हो जाता है कि उसे चारों में से किस के अन्दर गिना जावे. हम इस तरह के जितने बंटवारे करते हैं वह सब केवल इसलिये कर लेते हैं ताकि समाज का काम आसानी से चल सके.

थोड़े से शब्दों में वैदिक जाति भेद की यही असलियत है और यही उसकी बुनियाद है. वेदों में इसे वर्णाश्रम धर्म कहा गया है, यानी यह कि इन्सानी समाज में चार वर्न होते हैं यानी चार तरह के काम और चार तरह के काम करने वाले—ब्राह्मन, क्षत्री, वैश्य और शूद्र, और हर आदमी के जीवन के चार हिस्से हाते हैं—ब्रह्मचारी यानी तालिब-इल्म, गृहस्थ यानी खानेदार, वान प्रस्थ यानी बिना तनखाह का दुनिया का ख़ादिम, और सन्यासी या तारिकुद्दुनिया यानी सब को हुआए, खैर और नेक उपदेश देने वाला.

दूसरे देशों में इस तरह की तफ़्सीम

दूसरे सब धर्मों और देशों में भी इससे मिलते जुलते विचार मौजूद हैं. सबने अपने यहां के इन्सानों की इसी तरह की तफ़्सीम की है. फर्क यह है कि किसी ने एक तरह और किसी ने दूसरी तरह. किसी ने एक पेशे वाले को ज्यादा जरूरी और ऊंचा माना है और किसी ने दूसरे पेशे वाले को. किसी ने लोगों को एक जमाअत या एक पेशे से दूसरी जमाअत या दूसरे पेशे में जाने की खुली इजाजत दी है, किसी ने नहीं दी वगैरा.

چوتھے سب کی سیوا اور مدد کرنا اور اس کے بدلے میں ٹیک ٹیک مزدوری اور منبرنجن اور تعلیم کے موقعے پانا۔

ان ایک الگ ادھکاروں کے علاوہ کچھ ادھکار ایسے بھی ہیں جو سب کے ایک برابر ادھکار ہیں۔ سب کی جیون کی اؤشیمکناٹیں پوری ہونی چاہئیں اور سب کو اپنی اپنی یوگتا کے انوسار سراج کی طرف اپنا فرض پورا کرنے کے لئے سادھن مانے چاہئیں۔ یہ ادھکار ہر آدمی کے جنم کے ادھکار ہیں۔

(9) بڑے لوگوں کے بڑے عمر کے چھوٹی عمر کے لوگوں کی طرف راج کی پرچا کی طرف چار خاص فرض ہیں۔ پہلا فرض ہے سب کو تعلیم دینا، دوسرا سب کی حفاظت یعنی رکشا کرنا، تیسرا سب کا بہت پالنا اور سب کو کھانا، کپڑا اور گھر دینا اور چوتھا سب طرح سے سب کی مدد کرنا۔ فورے سے شدوں میں تعلیم، حفاظت، کھانا اور سیوا این چاروں کا سب کو حق ہے۔

(10) چار ہی طرح کے سنگتوں ہر دیش یا راج کے اندر ضروری ہیں جن سے مل کر ایک اچھا راج بنتا ہے۔ یہ چاروں ایک دوسرے پر بھی تریہو ہیں۔ پہلا تعلیم کا سنگت، دوسرا راج کچی اور فوجی سنگت، تیسرا آرٹھک سنگت اور چوتھا ایڈوگ دغندوں کا سنگت۔

(11) ہر آدمی چار طرح کا فرض اپنے اوپر لے کر پیدا ہوتا ہے۔ ان میں سب سے پہلا فرض ہے پر دیوتاؤں یعنی قدرت کی شکستیاں کا ہے۔ قدرت کی یہ شکستیاں ہی ہمارے سامنے اُس دنیا کو پیش کرتی ہیں جن پر ہماری ساری زندگی اور ہمارا سارا تجربہ تریہو ہے۔ دوسرا فرض ہمارے ان پرکوں کا فرض ہے جنہوں نے ہمیں پیدا کیا اور یہ جسم دیا۔ تیسرا فرض پچلے زمانے کے ان سب سنتوں، مہاتماؤں اور ودوانوں کا فرض ہے جنہوں نے ہمارے لئے گیان کا وہ بھنڈار چھوڑا جو ہمیں دوسرے چانداریوں سے الگ کرنا ہے اور ہمارے جیون کو رونق دیتا ہے۔ چوتھا فرض اُس پرمانما پریشور کا فرض ہے جس سے ہمیں جیون کی وہ چنگاری ملی جسے ہم روح یا آتما کہتے ہیں۔

(12) ان چاروں فرضوں کو ادا کرنے کے چار طریقے ہیں۔ پہلا فرض ادا ہوتا ہے سب کے بدلے کے اس طرح کے کام کرنے سے جیسے درخت لگانا، زمینوں میں پھر سے جنگل لگانا، کنویں، تالاب یا نہریں کھدوانا، کام کے جانوروں اور سندر پشو پکشیوں کی رکشا کرنا اور انہیں بھانا، ہوا کو صاف رکھنا، خوشبو دار چیزیں جلانا، پاک اور اچھی کتابیں پڑھنا۔ ان سب باتوں سے قدرت کا وہ سب بھنڈار پھر سے بھرتا ہے جسے ہم کم میں لاتے ہیں۔ ہماری دماغی طاقتیں اُس سے بڑھتی ہیں۔ ہماری طبیعت پھر سے نازہ ہوتی ہے۔ آج کل کے حالات میں ایسی ترکیبیں کرنا جن سے دھنوں کی مصیبت کم ہو، شہروں کے شور و شر

(5) ہر آدمی میں چار तरह کی ہڈی بھوک ہوتی ہے—ایک مامولی خوانے پینے کی بھوک، دوسری دھن دہلالت جما کرنے کی بھوک، تیسری جینسی بھوک (کام باسنا) اور چوتھی خیل تماشہ اور منورنجن کی بھوک۔

انہیں چاروں کے ماتحت الگ الگ چار طرح کی خوراک دی جوتی ہے—ایک اُن لوگوں کے لئے جو روحانی، دماغی یا علمی کام میں یا سائنس کی کورجوں میں لگے ہونے لگے، دوسری طانت اور جوش دلائے والی خوراک اُن لوگوں کے لئے جنہیں حکومت کرنی ہو، انتظام کرنا ہو، جلدی فیصلے اور جلدی عمل کرنا ہو، یہاں تک کہ سپاہیوں کے لئے ایک حد کے اندر گوشت بھی ہو سکتا ہے، تیسرے وہاں رہیں کے لئے بیت میں دیر تک ٹہرنے والے ناچ اور دودھ کی چیزیں اور چوتھے مزدوروں کے لئے بھاری کھانے جن میں گلی ٹانورجوں کو تانہ آدمی دیر تک محنت کر سکے۔

ان چاروں کے لئے چار طرح کے الگ الگ سامان کی بھی ضرورت پڑتی ہے—جیسے پہلی طرح کے لوگوں کے لئے کتبیں اور سائنسی کوچ کا سامان، دوسری طرح کے لوگوں کے لئے ہتھیار اور اسی طرح کا سامان، تیسری طرح کے لوگوں کے لئے مشینیں، کڑھانے اور پیداوار اور تجارت کے سادھن اور چوتھی طرح کے لوگوں کے لئے محنت مزدوری کے اوزار۔

یوں تو ہر آدمی میں یہ چاروں طرح کی بھوک ہوتی ہے لیکن کسی میں ایک چیز کا زور ہوتا ہے، کسی میں دوسری چیز کا۔ اسی لئے ایک پروفیسر بن جاتا ہے، دوسرا فوجی کپتان، تیسرا سالوگر اور چوتھا چرواہا یا مل مزدور۔

(6) لوگوں میں چار तरह کی ہڈی بھوک ہوتی ہے—ایک دوسروں سے آداب مان کی بھوک، دوسری شاکت یا اختیار کی بھوک، تیسری دھن دہلالت کی بھوک اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی بھوک۔

(7) ہر آدمی میں چار तरह کی شاکتیاں ہوتی ہیں—ایک دھن دہلالت کی شاکت، دوسری شجکتی یا اختیار کی شاکت، تیسری دھن دہلالت کی شاکت اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی شاکت۔

(8) ہر آدمی میں چار तरह کی شاکتیاں ہوتی ہیں—ایک دھن دہلالت کی شاکت، دوسری شجکتی یا اختیار کی شاکت، تیسری دھن دہلالت کی شاکت اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی شاکت۔

(5) ہر آدمی میں چار तरह کی ہڈی بھوک ہوتی ہے—ایک مامولی خوانے پینے کی بھوک، دوسری دھن دہلالت جما کرنے کی بھوک، تیسری جینسی بھوک (کام باسنا) اور چوتھی خیل تماشہ اور منورنجن کی بھوک۔

انہیں چاروں کے ماتحت الگ الگ چار طرح کی خوراک دی جوتی ہے—ایک اُن لوگوں کے لئے جو روحانی، دماغی یا علمی کام میں یا سائنس کی کورجوں میں لگے ہونے لگے، دوسری طانت اور جوش دلائے والی خوراک اُن لوگوں کے لئے جنہیں حکومت کرنی ہو، انتظام کرنا ہو، جلدی فیصلے اور جلدی عمل کرنا ہو، یہاں تک کہ سپاہیوں کے لئے ایک حد کے اندر گوشت بھی ہو سکتا ہے، تیسرے وہاں رہیں کے لئے بیت میں دیر تک ٹہرنے والے ناچ اور دودھ کی چیزیں اور چوتھے مزدوروں کے لئے بھاری کھانے جن میں گلی ٹانورجوں کو تانہ آدمی دیر تک محنت کر سکے۔

ان چاروں کے لئے چار طرح کے الگ الگ سامان کی بھی ضرورت پڑتی ہے—جیسے پہلی طرح کے لوگوں کے لئے کتبیں اور سائنسی کوچ کا سامان، دوسری طرح کے لوگوں کے لئے ہتھیار اور اسی طرح کا سامان، تیسری طرح کے لوگوں کے لئے مشینیں، کڑھانے اور پیداوار اور تجارت کے سادھن اور چوتھی طرح کے لوگوں کے لئے محنت مزدوری کے اوزار۔

یوں تو ہر آدمی میں یہ چاروں طرح کی بھوک ہوتی ہے لیکن کسی میں ایک چیز کا زور ہوتا ہے، کسی میں دوسری چیز کا۔ اسی لئے ایک پروفیسر بن جاتا ہے، دوسرا فوجی کپتان، تیسرا سالوگر اور چوتھا چرواہا یا مل مزدور۔

(6) لوگوں میں چار तरह کی ہڈی بھوک ہوتی ہے—ایک دوسروں سے آداب مان کی بھوک، دوسری شاکت یا اختیار کی بھوک، تیسری دھن دہلالت کی بھوک اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی بھوک۔

(7) ہر آدمی میں چار तरह کی شاکتیاں ہوتی ہیں—ایک دھن دہلالت کی شاکت، دوسری شجکتی یا اختیار کی شاکت، تیسری دھن دہلالت کی شاکت اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی شاکت۔

(8) ہر آدمی میں چار तरह کی شاکتیاں ہوتی ہیں—ایک دھن دہلالت کی شاکت، دوسری شجکتی یا اختیار کی شاکت، تیسری دھن دہلالت کی شاکت اور چوتھی کھانے شوروں کے لئے سٹھ کی شاکت۔

آپنی آپنی तरکب کی کا موائی مل سکے، سب سماج کی سہا کر سکے، سب کے اندر سوارث اور پرمارث دونوں پورے ہو سکے، سب اسی سے بچ کر بیک کی سلاامتی کی راہ چل سکے، سب اپنے اپنے کتہوں اور اذکاروں کو سامک سکے، اور جہاں تک ہو سکتا ہے سبکا سب ترہ ہلا ہو۔ لکھک نے آپنی کھ اذہجی کتاابوں میں جیسے—(1) انشاینٹ ورسیج ماڈن ساڈنٹیفک سوشل اڈزم، (2) دی ساڈنس آف دی سیک، (3) دی ساڈنس آف سوشل آرگنیزیشن میں سماج سگٹن کے اس دنگ کو تککیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے موٹے موٹے ہنیاوی

چار ترہ کے آدمی اور چار چار کی چوکڑیاں

(1) دنیام میں اپنے اپنے سببب، تویات اور کابلیات کے انوسار چار ترہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ آلاگ آلاگ چار ترہ کے ہی کاموں کے کابلی ہوتے ہیں۔ ان میں پہلے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار زیادہ ہوتی ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔

(2) چار ترہ کے ہی پشہ اور کام ہوتے ہیں—ایک ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے پشہ، دوسرے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے، تیسرے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے، چوتھے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے۔ ان چاروں کی فیر آلاگ آلاگ وادھت سہا شاکھ ہیں۔

(3) موٹے طور پر چار ترہ کی ہی آامدنی یا جیویکا ہوتی ہے—ایک ہدیا، پورسکار یا ہنڈ رپ، دوسرے ہنڈ رپ، تیسرا ہنڈ رپ، چوتھے ہنڈ رپ۔ ان چاروں کی فیر آلاگ آلاگ وادھت سہا شاکھ ہیں۔

(4) ہر آدمی کی جیویکا کے ہی چار حصے ہوتے ہیں—پہلا طالبعام یعنی وادھت ہونے کا زمانہ، دوسرا خانہ دار یعنی گروہ کا زمانہ، تیسرا سوارث جتا کی سہا کا، چوتھا یعنی آخری حصہ دنیا سے الگ رہ کر ایلانٹ چنٹن اور منن کا یعنی تارکالدنیا ہو کر ورو ورو کا۔ ان میں پہلے دو حصوں میں آدمی کی نجی اچانیں مناسب حدوں کے اندر چانگی، بڑھتی اور پوری ہوتی چانٹیں، اور دوسرے درجنوں حصوں میں آدمی کی سماجی یعنی پوریکار کی باوانیں بڑھتی، کھلی اور عمل میں آتی چانٹیں۔ اس طرح ہر آدمی کی زندگی کا آخری حصہ سماج کی سہا میں خرچ ہو سکتا ہے۔

ایسی اپنی ترقی کا موقع مل سکے، سب سماج کی سہا کر سکیں، سب کے اندر سوارث اور پرمارث دونوں پورے ہو سکیں، سب آتی سے بچکر بیک کی سلامتی کی راہ چل سکیں، سب اپنے اپنے کتہوں اور اذکاروں کو سامک سکیں، اور جہاں تک ہو سکتا ہے سب کا سب طرح بہلا ہو۔ لیکھک نے اپنی کچھ انگریزی کتابوں میں جیسے—(1) انشاینٹ ورسیج ماڈن ساڈنٹیفک سوشلزم، (2) دی سائنس آف دی سیک، (3) دی سائنس آف سوشل آرگنیزیشن میں سماج سگٹن کے اس دنگ کو تککیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے موٹے موٹے ہنیاوی اصول نیچے دیئے جاتے ہیں:

چار طرح کے آدمی اور چار چار کی چوکڑیاں

(1) دنیا میں اپنے اپنے سبببب، طبعیت اور تابلیت کے انوسار چار طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ الگ الگ چار طرح کے ہی کاموں کے قابل ہوتے ہیں۔ ان میں پہلے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار زیادہ ہوتی ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔ چوتھے وہ لوگ ہیں جن میں ویا اور انا کی اذکار کم ہوتی ہیں۔

(2) چار طرح کے ہی پشہ اور کام ہوتے ہیں—ایک ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے پشہ، دوسرے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے، تیسرے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے، چوتھے ویا اور انا سے سبببب رکھنے والے۔ ان چاروں کی فیر آلاگ آلاگ وادھت سہا شاکھ ہیں۔

(3) موٹے طور پر چار طرح کی ہی آدمی یا جیویکا ہوتی ہے—ایک ہدیا، پورسکار یا ہنڈ رپ، دوسرے ہنڈ رپ، تیسرا ہنڈ رپ، چوتھے ہنڈ رپ۔ ان چاروں کی فیر آلاگ آلاگ وادھت سہا شاکھ ہیں۔

(4) ہر آدمی کی زندگی کے ہی چار حصے ہوتے ہیں—پہلا طالبعام یعنی وادھت ہونے کا زمانہ، دوسرا خانہ دار یعنی گروہ کا زمانہ، تیسرا سوارث جتا کی سہا کا، چوتھا یعنی آخری حصہ دنیا سے الگ رہ کر ایلانٹ چنٹن اور منن کا یعنی تارکالدنیا ہو کر ورو ورو کا۔ ان میں پہلے دو حصوں میں آدمی کی نجی اچانیں مناسب حدوں کے اندر چانگی، بڑھتی اور پوری ہوتی چانٹیں، اور دوسرے درجنوں حصوں میں آدمی کی سماجی یعنی پوریکار کی باوانیں بڑھتی، کھلی اور عمل میں آتی چانٹیں۔ اس طرح ہر آدمی کی زندگی کا آخری حصہ سماج کی سہا میں خرچ ہو سکتا ہے۔

جیون کا मतलब क्या है, दुनिया किधर जा रही है और इन्सान और इन्सानी समाज दोनों के जीवन में 'ईश्वर की इच्छा' क्या है, तब हम समझ सकते हैं कि दुनिया में आदमी का फर्ज क्या है और इन्सानी समाज को किस तरह संभालना, सभारना, रूप देना और चलाना चाहिये, और समाज में और अलग अलग इन इन्सानों में किस तरह का नाता होना चाहिये, किस किस के क्या क्या फर्ज होने चाहिये और किस किस को क्या क्या अधिकार मिलने चाहिये, ताकि हर आदमी हर हालत में अपने फर्ज को समझ सके और पूरा कर सके और सब को रूहानी और जिस्मानी खूराक ठीक ठीक मिल सके, तब ही जीवन का उद्देश्य और ईश्वर की इच्छा पूरी हो सकती है.

कोई आदमी दुनिया में अकेला नहीं होता, वह किसी घर में पैदा होता है और उसका घर किसी न किसी देश या समाज के अन्दर होता है जिसमें उस जैसे बहुत से घर होते हैं, हर आदमी के सुख दुख दूसरों के सुख दुख के साथ बंधे होते हैं, कोई आदमी अपने जीवन में न ईश्वर की इच्छा पूरी कर सकता है, न सुनहरे उसूल पर अमल कर सकता है, और न अपना फर्ज पूरा कर सकता है, जब तक कि वह घर या वह समाज जिसमें वह रहता सहता है इस तरह न बना हो कि दुनिया में अमन रहे और सब सुखी और खुशहाल रहें, यह भी जरूरी है कि हर आदमी की जिन्दगी इस तरह नपी और बंटी हुई हो कि हर आदमी अपने स्वभाव, अपनी योग्यता और अपनी तबियत के अनुसार अपना भला और समाज की सेवा दोनों कर सके, उसे ठीक ठीक तालीम मिल सके, तालीम के बाद उसे और उसके घर वालों को ठीक ठीक काम और ठीक ठीक रोज़ी मिल सके, एक खास उम्र होने पर वह रोज़ी कमाने की मेहनत से छुट्टी पा सके और सबके भले का कोई ऐसा काम मुमत कर सके जो उसकी तबियत और काबलियत दोनों के अनुसार हो, और इस सबके बाद अपनी जिन्दगी के आखीर दिनों में, ज्ञान ध्यान में, सारी दुनिया का भला चेतने में और सबको सबके भले के कामों में लगाए रखने में अपने समय को लगा सके जिससे उसकी आत्मा को शान्ति और दुनिया को उससे लाभ मिले, धर्म वही है जो इस दुनिया में और इसके बाद भी आदमी को सुखी रहने में मदद दे, अब हम यह देखें कि वैदिक धर्म इस जरूरत को किस तरह पूरा करता है.

वैदिक धर्म समाज के संगठन का एक ऐसा ढंग पेश करता है जो बिना धर्म, मजहब, कौम, नसल या किसी तरह के भेद भाव के दुनिया के सब लोगों और सारी मानव जाति पर लग सके, जिसमें सब तरह के आदमी खप सकें, सबको अपने अपने स्वभाव और अपनी अपनी योग्यता के अनुसार काम मिल सके, सबकी जरूरतें पूरी हो सकें, सबको

जिों का مطالب کیا ہے, دنیا کدھر جا رہی ہے اور انسان اور انسانی سماج دونوں کے جیوں میں 'ایشور کی اچھا' کیا ہے, تب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دنیا میں آدمی کا فرض کیا ہے اور انسانی سماج کو کس طرح سنہالنا, سبھارنا, روپ دینا اور چلائنا چاہئے, اور سماج میں اور الگ الگ ان انسانوں میں کس طرح کا ناتا ہونا چاہئے, کس کس کے کیا کیا فرض ہونے چاہئیں اور کس کس کو کیا کیا آدھیکار ملنے چاہئیں, تاکہ ہر آدمی ہر حالت میں اپنے فرض کو سمجھ سکے اور پورا کرسکے اور سب کو روحانی اور جسمانی خوراک ٹھیک ٹھیک مل سکے, تب ہی جیوں کا آدیش اور ایشور کی اچھا بڑی ہو سکتی ہے.

کوئی آدمی دنیا میں اکیلا نہیں ہوتا, وہ کسی گھر میں پیدا ہوتا ہے اور اُس کا گھر کسی نہ کسی دیش یا سماج کے اندر ہوتا ہے جس میں اُس جیسے بہت سے گھر ہوتے ہیں, ہر آدمی کے سکھ دیکھ دوسروں کے سکھ دیکھ کے ساتھ بڑھتے رہتے ہیں, کوئی آدمی اپنے جیوں میں نہ ایشور کی اچھا پوری کرسکتا ہے, نہ سنبھرے اصول پر عمل کرسکتا ہے, اور نہ اپنا فرض پورا کرسکتا ہے, جب تک کہ وہ گھر یا وہ سماج جس میں وہ رہتا رہتا ہے اس طرح نہ بنا ہو کہ دنیا میں اُمن رہے اور سب سبھی اور خوشحال رہیں, یہ بنی ضروری ہے کہ ہر آدمی کی زندگی اس طرح نہی اور بنائی ہوئی ہو کہ ہر آدمی اپنے سربہاؤ, اپنی یوگتا اور اپنی طبیعت کے अनुसार اپنا بھلا اور سماج کی سبھا دیکھ کرسکے, اُسے ٹھیک ٹھیک تعلیم مل سکے, تعلیم کے بعد اُس کے گھر والوں کو ٹھیک ٹھیک کام اور ٹھیک ٹھیک روزی مل سکے, ایک خاص عمر ہونے پر وہ روزی کمانے کی محنت سے چھٹی پاسکے اور سب کے بھلے کے کوئی ایسا کام مفت کرسکے جو اُس کی طبیعت اور قابلیت دونوں کے अनुसार ہو, اور اُس سب کے بعد اپنی زندگی کے آخری دنوں میں گریبان دھوایں میں, ساری دنیا کا بھلا چیتنے میں اور سب کو سب کے بھلے کے کاموں میں لگائے رکھنے میں اپنے سیمے کو لگاسکے جس سے اُس کی آتما کو شانتی اور دنیا کو اُس سے لایہ ملے, دھرم وہی ہے جو اُس دنیا میں اور اُس کے بعد بھی آدمی کو سبھی رکھنے میں مدد دے, اب ہم یہ دیکھیں کہ ویدک دھرم اِس ضرورت کو کس طرح پورا کرتا ہے.

ویدک دھرم سماج کے سنگتوں کا ایک ایسا ڈھنگ پیش کرتا ہے جو بنا دھرم, مذہب, قوم, نسل یا کسی طرح کے بید بھاد کے دنیا کے سب لوگوں اور ساری مانو جاتی پر لگ سکے, جس میں سب طرح کے آدمی کھپ سکیں, سب کو اپنے اپنے سوبھاؤ اور اپنی اپنی یوگتا کے अनुसार کام مل سکے, سب کی ضرورتیں پوری ہوسکیں, سب کو

सवाल यही रहा है कि यह दोनों तरह की खूबियों सब आदमियों को ठीक ठीक और जरूरत के मुताबिक कैसे मिलें। सब धर्मों ने इस सवाल को हल करने की कोशिश की है। पर जब किसी धर्म के ठेकेदारों और आचार्यों में खुदशरजी बढ़ जाती है तो उस धर्म वालों का अमल इस बारे में बिगड़ जाता है और वह धर्म गिरने लगता है। हर उस चीज में जो पैदा हुई है और बढ़ती है, चढ़ाव के बाद उतार आना जरूरी है। फिर एक न एक दिन उसकी मौत भी आवेगी ही, और उसी काम को अधिक अच्छी तरह पूरा करने के लिये उस चीज की जगह कोई नई चीज पैदा होगी। आत्मा या विचार या उसूल वही रहता है, केवल ऊपर का शरीर, ढांचा या रूप बदल जाता है। यही हालत धर्मों की होती है। धर्म की आत्मा अमर है। पर सब धर्मों के ढांचे हालात के अनुसार बदलते रहते हैं। हमारा यह जमाना साइन्स और मशीनों का जमाना है, लोकशाही और समाजवाद का जमाना है, दिल के मुकाबले में यह दिमाग की तरक्की का जमाना है। इसी के अनुसार आजकल का धम और आजकल के सब कायदे कानून होने चाहिये।

केवल यह दुआ करना काफी नहीं है कि 'ईश्वर की इच्छा पूरी हो।' हमें उस इच्छा के पूरा होने में मदद देने के लिये उस जानने और समझने की भी कांशिश करनी चाहिये कि हमारे खास जमाने और खास हालात में ईश्वर की इच्छा क्या है। हम दुनिया में अपना कर्ज पूरा कर सकें। इसके लिये केवल हमारा कर्ज पूरा करने के लिये तैयार रहना ही जरूरी नहीं है। यह भी जरूरी है कि हम जानें और समझें कि हमारा कर्ज क्या है। यह मशहूर "सुनहरा उसूल" है कि 'दूसरों के साथ वैसा ही सलूक करो जैसा तुम चाहते हो कि वह तुम्हारे साथ करें।' बात बहुत अच्छी है। पर इसके लिये यह जानना भी जरूरी है कि वह सलूक क्या होना चाहिये। हमें यह समझना चाहिये कि खास हालात में हमें अपने लिये और दूसरों के लिये क्या चाहना चाहिये और क्या नहीं चाहना चाहिये। हम इस तरह सोच समझ कर नहीं चले गे तो अच्छी से अच्छी नीयत रखते हुए भी दुनिया में बंदअमनी और गड़बड़ पैदा कर देंगे।

यह समझ पूरी पूरी हमें दो जगह से मिलती है। एक दुनिया के उन धर्म ग्रन्थों से जो समय समय के नेक, दूर-दर्शी, बुद्धिमान और सब का भला चाहने वाले अवतारों, ऋषियों, नवियों, रसूलों और महात्माओं से हमें मिले हैं, यानी उन लोगों से मिले हैं जिनके अन्दर ईश्वरी जोत जग रही थी और जिनके अन्दर तरह तरह की असाधारण शक्तियाँ मौजूद थीं, और दूसरे उन ज्ञानियों, आलिमों और साइन्सदानों से मिलती हैं जिनकी असाधारण बुद्धि कुदरत के बड़े से बड़े भेदों को फाड़ कर उन्हें आदमी की सेवा में लगा देती है। इन दोनों से हमें पता चलता है कि इन्सानी

सवाल यही रहा है कि यह दोनों तरह की खूबियों सब आदमियों को ठीक ठीक और जरूरत के मुताबिक कैसे मिलें। सब धर्मों ने इस सवाल को हल करने की कोशिश की है। पर जब किसी धर्म के ठेकेदारों और आचार्यों में खुदशरजी बढ़ जाती है तो उस धर्म वालों का अमल इस बारे में बिगड़ जाता है और वह धर्म गिरने लगता है। हर उस चीज में जो पैदा हुई है और बढ़ती है, चढ़ाव के बाद उतार आना जरूरी है। फिर एक न एक दिन उसकी मौत भी आवेगी ही, और उसी काम को अधिक अच्छी तरह पूरा करने के लिये उस चीज की जगह कोई नई चीज पैदा होगी। आत्मा या विचार या उसूल वही रहता है, केवल ऊपर का शरीर, ढांचा या रूप बदल जाता है। यही हालत धर्मों की होती है। धर्म की आत्मा अमर है। पर सब धर्मों के ढांचे हालात के अनुसार बदलते रहते हैं। हमारा यह जमाना साइन्स और मशीनों का जमाना है, लोकशाही और समाजवाद का जमाना है, दिल के मुकाबले में यह दिमाग की तरक्की का जमाना है। इसी के अनुसार आजकल का धम और आजकल के सब कायदे कानून होने चाहिये।

केवल यह दुआ करना काफी नहीं है कि 'ईश्वर की इच्छा पूरी हो।' हमें उस इच्छा के पूरा होने में मदद देने के लिये उस जानने और समझने की भी कांशिश करनी चाहिये कि हमारे खास जमाने और खास हालात में ईश्वर की इच्छा क्या है। हम दुनिया में अपना कर्ज पूरा कर सकें। इसके लिये केवल हमारा कर्ज पूरा करने के लिये तैयार रहना ही जरूरी नहीं है। यह भी जरूरी है कि हम जानें और समझें कि हमारा कर्ज क्या है। यह मशहूर "सुनहरा उसूल" है कि 'दूसरों के साथ वैसा ही सलूक करो जैसा तुम चाहते हो कि वह तुम्हारे साथ करें।' बात बहुत अच्छी है। पर इसके लिये यह जानना भी जरूरी है कि वह सलूक क्या होना चाहिये। हमें यह समझना चाहिये कि खास हालात में हमें अपने लिये और दूसरों के लिये क्या चाहना चाहिये और क्या नहीं चाहना चाहिये। हम इस तरह सोच समझ कर नहीं चले गे तो अच्छी से अच्छी नीयत रखते हुए भी दुनिया में बंदअमनी और गड़बड़ पैदा कर देंगे।

यह समझ पूरी पूरी हमें दो जगह से मिलती है। एक दुनिया के उन धर्म ग्रन्थों से जो समय समय के नेक, दूर-दर्शी, बुद्धिमान और सब का भला चाहने वाले अवतारों, ऋषियों, नवियों, रसूलों और महात्माओं से हमें मिले हैं, यानी उन लोगों से मिले हैं जिनके अन्दर ईश्वरी जोत जग रही थी और जिनके अन्दर तरह तरह की असाधारण शक्तियाँ मौजूद थीं, और दूसरे उन ज्ञानियों, आलिमों और साइन्सदानों से मिलती हैं जिनकी असाधारण बुद्धि कुदरत के बड़े से बड़े भेदों को फाड़ कर उन्हें आदमी की सेवा में लगा देती है। इन दोनों से हमें पता चलता है कि इन्सानी

جات آدمی، پرم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پڑھنے کا گھر۔ گھر لے پرم کی جھولی۔

جات آدمی، پرم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پڑھنے کا گھر۔ گھر لے پرم کی جھولی۔

ہندو جات پات کی اصلیت، اسکا بورا روپ اور علاج

(ڈاکٹر بھگوانداس)

ہندو جات پات کی اصلیت، اُس کا برا روپ اور علاج

(ڈاکٹر بھگوانداس)

جاتی بھید کی بونیا

ہندوؤں میں ایک خاص رواج جاتی بھید یعنی جاتوں کی تقسیم کا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ کسی دھرم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بات ایک درجے تک ٹھیک ہے اور ایک درجے تک غلط۔ دنیا کی ہر سپینا کا کسی نہ کسی دھرم سے سمجھا رہا ہے اور ہر سپینا میں جاتی بھید کے بیج اور اُس کی کچھ نہ کچھ علامتیں ملتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کی تقسیم انسان کے دنیا میں شامل ہے۔ ہندو دھرم میں اسی چیز نے ایک صاف صاف اور خاص روپ دیا ہے۔ لوگوں کے مال چاروں کے لئے، گھروں، زمینوں کو ٹھیک چلانے کے لئے، لوگوں کی رضا کے لئے آدمی آدمی کے بیج انسان کے لئے اور سارے سماج کو ٹھیک راستے پر چلانے کے لئے سب دھرموں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو ہمیں دھرم اور ہندو دھرم کے ان پر اپنے لوگوں سے عمل کرنا ہے۔ انہیں سے طرح طرح کے ریت رواج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کلم کے لئے ویدک دھرم نے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ بنایا جو دنیا میں انسان اور سماج دونوں کی یہ سب ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ یہی ڈھانچہ سائنس کا جاتی بھید ہے۔

یہ مضمون انا گھرا ہے کہ اسے ذرا اور وسار سے دیکھنا ہوگا۔ انسانی سماج کو شرح سے سب سے بڑی ضرورت خوراک کی ہوتی ہے۔ خوراک دو طرح کی—ایک روحانی یعنی آتما کی خوراک اور دوسری جسمانی یعنی شریروں کی خوراک۔ سماج کے سامنے ہمیشہ سب سے بڑا

جاتی بھید کی بونیا

ہندوؤں میں ایک خاص رواج جاتی بھید یعنی جاتوں کی تقسیم کا ہے۔ سمجھا جاتا ہے کہ کسی دھرم میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ بات ایک درجے تک ٹھیک ہے اور ایک درجے تک غلط۔ دنیا کی ہر سپینا کا کسی نہ کسی دھرم سے سمجھا رہا ہے اور ہر سپینا میں جاتی بھید کے بیج اور اُس کی کچھ نہ کچھ علامتیں ملتی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کی تقسیم انسان کے دنیا میں شامل ہے۔ ہندو دھرم میں اسی چیز نے ایک صاف صاف اور خاص روپ دیا ہے۔ لوگوں کے مال چاروں کے لئے، گھروں، زمینوں کو ٹھیک چلانے کے لئے، لوگوں کی رضا کے لئے آدمی آدمی کے بیج انسان کے لئے اور سارے سماج کو ٹھیک راستے پر چلانے کے لئے سب دھرموں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو ہمیں دھرم اور ہندو دھرم کے ان پر اپنے لوگوں سے عمل کرنا ہے۔ انہیں سے طرح طرح کے ریت رواج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی کلم کے لئے ویدک دھرم نے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ بنایا جو دنیا میں انسان اور سماج دونوں کی یہ سب ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ یہی ڈھانچہ سائنس کا جاتی بھید ہے۔

یہ مضمون انا گھرا ہے کہ اسے ذرا اور وسار سے دیکھنا ہوگا۔ انسانی سماج کو شرح سے سب سے بڑی ضرورت خوراک کی ہوتی ہے۔ خوراک دو طرح کی—ایک روحانی یعنی آتما کی خوراک اور دوسری جسمانی یعنی شریروں کی خوراک۔ سماج کے سامنے ہمیشہ سب سے بڑا

हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

का

ہندستانی کلچر سوسائٹی

माहवारी परचा

ماہواری پرچا

دسمبر 1954 ديسمبر

क्या किस से

सफा ५५९०

با کس سے

- | | | | |
|-----|---|-----|-----|
| 1. | ہندو جات پات کی افسلیخت، اسکا ہرا رٲ اور عالج | | |
| ... | ... ڈاکٹر بھوان داس | ... | ... |
| 2. | د—مدن گوپال | ... | ... |
| 3. | دان کی ارث نیت—فرصممرناثا پاڈے | ... | ... |
| 4. | کولہ چینا ڈوٹری کھانیاں—لرخک فنگ شؑ فنگ؛
انوادک—سندرلال | ... | ... |
| 5. | بهار کے دل کی گھرای مں—سورشرام مارڈ | ... | ... |
| 6. | ہمارى راى—
ڈاکٹر رام منوہر لوہیا کا باشن—سندرلال
فک وئجائنیک کی آراء—سورشرام مارڈ | ... | ... |
| 7. | کولہ کتاوے | ... | ... |

क्रीमत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,
एक परचा—दस आने,

فیضانِ سندھستان میں چھ روپیہ سال، باقر فس روپیہ سال، ایک پرچہ سن آئے،

मैनेजर

میں نے

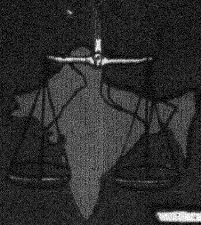
‘नया हिन्द’

’لما نحن‘

146, मुहरीगंज, इलाहाबाद-3

145، مثنوی، گنج، الہ آباد - 3

نیا ہند نئی دنیا



6/11

ایڈیٹر— تارا چند، بگواندین، سیدد، ویشوہارناث پانڈے، سندرلال

ایڈیٹر— تارا چند، بگوان دین، سید محموند، وشوہار ناتھ پانڈے، سندرلال

ناظم ایڈیٹر— سورسہ رام بھائی، مولاوی راجیو

نائب ایڈیٹر— سریش رام بھائی، سنجیو رموی

Osmania University Library,
HYDERABAD (DECCAN)

25 JAN 1955

☆ اس نمبر کے خاص لکھ

☆ اس نمبر کے خاص لکھ

☆ جات پات کی اصلیت، اسکا رپ اور
ایلاز—ڈاکٹر بگواندین

☆ ہندی جات پات کی اصلیت، اس کا رپ اور
—ڈاکٹر بگوان دین

☆ دان کی اہم نیت—ویشوہارناث پانڈے

☆ دان کی اہم نیت—ویشوہار ناتھ پانڈے

☆ کچھ چینی کہانیاں—لکھ کنگ شہ
کینگ؛ انوواک—سندرلال

☆ کچھ چینی کہانیاں—لیکھ کینگ شہ
کینگ؛ انوواک—سندرلال

☆ بھارت کے دل کی گہرائی میں—سورسہ رام بھائی

☆ بھارت کے دل کی گہرائی میں—سریش رام بھائی

☆ ہماری رائے

☆ ہماری رائے

☆ ڈاکٹر رام منوہر لودھیا کا بیان—سندرلال

☆ ڈاکٹر رام منوہر لودھیا کا بیان—سندرلال

ہندی کلتھر سوسائٹی، ایلاہاآد



ہندی کلتھر سوسائٹی

دسمبر 1954

ہندی کلتھر سوسائٹی

ہندی کلتھر سوسائٹی

ہمارے یہاں ملنے والی کتب اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	پام	نوم
1. شہر و شامی	شری اودھیا پراساد گونہلی	8 0 0	لوکک
2. شعر و سخن	"	8 0 0	"
3. گہرے پانی پتھر	"	2 8 0	"
4. ہمارے آرادھہ	شری بنارسی داس	3 0 0	شری ہلاسی داس
5. سلسلہ سون	چترپدی	3 0 0	"
6. دو ہزار ورش پرانی کہانیاں	شری جگدھش چندر	3 0 0	جین
7. گمان گنگا	شری نارائن پراساد جین	6 0 0	"
8. پتو چٹھ	شری شانتی پریم دیویدی	2 0 0	"
9. پنج پردیپ	شانتی ایم. پ.	2 0 0	"
10. آکھ کے تارے	شری کٹھہال مندر	2 0 0	"
11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جین ایم. پ.	5 0 0	"
12. ملن پاملی	شری بچن	4 0 0	"
13. رجت رشمی	ڈاکٹر رام کمار ورما	2 8 0	"
14. مہرے ہاپو	شری تلمہ بھاربا	2 8 0	"
15. وشو سنگھ کی اور	پنڈت سندھلال بھگوان داس کھلا	3 0 0	"
16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	5 0 0	"
17. بھارتیہ شاسن	"	3 0 0	"
18. ناگرک شاستر	"	2 4 0	"
19. سامراج اور اُن کا پتن	"	2 8 0	"
20. بھارتیہ سوادھیتا	"	1 4 0	"
21. ساروشے ارتھ وپرسنہا	"	1 8 0	"
22. ہمارے آدم جاتھان	شری بھگوان داس کھلا اور شری اکھل دے	3 8 0	"
23. ارتھ شاستر شبداولی	شری دیا شکر دوپے ایم. پ. ایل. بی. گجادر پراساد، امبھٹ، بھگوان داس کھلا	2 0 0	"
24. ناگرک شکھا	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0	"
25. راجستھری شاسن	شری دیا شکر دوپے	1 8 0	"
26. جوانو	مہاتما بھگوان داس	3 0 0	"
27. مارلے کی ہمت	"	1 0 0	"
28. مولنا سچ	"	0 8 0	"
29. مہرے تھی	"	1 0 0	"

میلنے کا پتہ—

میلنے کا پتہ—
145، سٹی راج، ہواہاواہ-3.

میلنے کا پتہ—
145، مکتی کنگ، اندھاپان-3.

ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹوروں کو خاص رعایت دی جائیگی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالت میں گاہک کے کیمپے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔ 'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پंडित सुन्दरलाल द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित.

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावर भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज. लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल साढ़े सात रुपये.

फिरकाबन्दी पर बापू

सम्पादक—श्री श्रीकृष्ण दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिकता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुकसानों को समझे और इस अहं को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज. दो सौ सक्के. क्रीमत दोरुपया.

विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाक्कि है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है.

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सक्के 25, दाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

हंदुستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹوروں کو خاص رعایت دی جائیگی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالت میں گاہک کے کیمپے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں لاگو ہوا۔ 'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھک پंडित सुन्दरलाल द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित.

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे. भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावर भाशा. रायल अठपेजी बड़ा साइज. लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीमत केवल साढ़े सात रुपये.

فرقہ بندی پر باپو

سمپادک—شری شریکृष्ण दास

ایس دستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک ہندی جی نے سامپردایکیتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا.

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارتی کسی سامپردایکیتا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے.

سندر جلد. اچھا کاغذ. دو سو صفحے. قیمت دو روپے.

ونوبا کا سندیوش

لکھک—سریس رامभाई

ایک شبد—مہاتما بھگوان دین

ونوبا جی کے بھودان یگہ سے آج سارا دیس واقف ہے. ایس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملےگا کہ یہ بھودان یگہ کب اور کیسے شروع ہوا اور ایس کا مقصد کیا ہے.

پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا. یہ دوسرا ایڈیشن ہے. صفحے 25. دام کپول دو آنے.

میلنے کا پتہ—

مہاجر، 'نیا ہند'، 145، مٹھی گلی، الہ آباد.

سفرائے کو دیکھتے ہوئے اس کتاب کا یہ جتنا ایدیشن کافی سستا ہے حالانکہ یہ اتنا سستا نہیں جتنے سستے دوسرے ملکوں کی سرکاری اپنے پرکاشن بیچتی ہیں۔

—وی۔ نا۔

پریم گیتا

لیکھنے والے: سوامی دیال آنم درشی، پٹان کوٹ، ہ. پی؛ نیکالنے والے: بھئی؛ دام—دو روپیا؛ صفحہ—142۔

یہ کتاب اس مدد کو لے کر لکھی گئی ہے کہ ایشور کی صفات کی پرہیاشا کرنا ایشور سے انکار کرنا ہے، مگر پوری پستک میں اسی ایشور کے نام اور روپوں کا ورثن کیا گیا ہے۔

چھپائی کے لحاظ سے کتاب کے دام زیادہ ہیں۔

—وی۔ نا۔

بچوں کی دیکھ بھال

لیکھنے والے: شری بھادورمل ام. پ.؛ چھاپنے والے: شری بیربھشوانند پرکاشن، ہوشیارپور؛ سرفہ—140؛ دام—ایک روپیا بارہ آنا؛ لکھاوت—ہندی۔

بچوں کے پالنے پوسنے، ان کی دیکھ بھال، ان کی بیماری اور تیمارداری اور ان کی شمشا دیکھا پر یہ ایک بہت اچھے تھنگ سے لکھی ہوئی کتاب ہے۔ ماں باپ کو کس طرح سمجھ بچہ کے ساتھ اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرنی چاہئے اس پر اس کتاب میں خاص زور دیا گیا ہے۔ بچوں کے بارے میں ماں باپ کی تالیمل میں یہ کتاب مددگار ہوگی۔

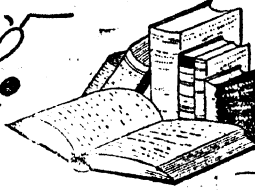
—وی۔ نا۔

بچوں کی دیکھ بھال

—وی۔ نا۔

—وی۔ نا۔

کتاب



کتابیں

حضرت محمدؐ نے اسلام

لیکھنے والے—پंडित सुन्दरलाल; निकालने والے—
नवजीवन प्रकाशन मन्दिर, अहमदाबाद; लिखावट—गुजराती;
दाम—सवा रुपया.

पंडित सुन्दरलाल जी की मशहूर किताब हजरत मुहम्मद
और इस्लाम के गुजराती अनुवाद का यह दूसरा एडीशन है.
इसका आमुख श्री किशोरलाल मशरूवाला का लिखा हुआ
है. हिन्दुस्तान के सभी आलिमों और विद्वानों ने इस किताब
को हिन्दुस्तान में इस क्रिम की अब तक की छपी किताबों
में सबसे उम्दा माना है. हम हर एक गुजराती पढ़ने वाले भाई
इस किताब को खास तौर पर पढ़ने की अपील करते हैं.

—वि० ना०

निर्माण

लिखने वाले—नवल भाई शाह; निकालने वाले—लक्ष्मी
चंद जवेरचन्द संचवी, महावीर साहित्य प्रकाशन मन्दिर,
हठी भाई नी बाड़ी, अहमदाबाद; लिखावट—गुजराती, सके
212, दाम—एक रुपया बारह आना.

नवल भाई शाह की यह नवल कथा स्वराज्य हासिल
करने के बाद हमें अपने देश को किस तरह बनाना और संवारना
है इस पर रोशनी डालती है. निर्माण, जैसा कि इस किताब
का नाम है, अमली बुनियादों पर नया देश गढ़ने के मकसद
से लिखी गई है.

—वि० ना०

पहला पंजसाला प्लान

निकालने वाले—पब्लिकेशन डिवीजन, नई दिल्ली;
सके—376, बहुत सी तसवीरें और नक्शे, लिखावट—उर्दू;
कीमत—दो रुपया.

आजकल जिस पांच साला प्लानिंग की बेहद चर्चा है
उसी का आका इस सरकारी किताब में दिया हुआ है. छपाई

नवम्बर '54

حضرت محمدؐ نے اسلام

لکھنے والے—سندر لال; نکالنے والے—نوجیون پبلکشن
مندیر، احمدآباد؛ لکھاوت—گجراتی؛ دام—سوا روپیہ .

پندت سندر لال جی کی مشہور کتاب حضرت محمدؐ اور اسلام
کے گجراتی آنوو کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے . اس کا آئہ شری
کشور لال مشروالا کا لکھا ہوا ہے . ہندستان کے سبھی عالموں اور
وڈانوں نے اس کتاب کو ہندستان میں اس قسم کی اب تک
کی چھپی کتابوں میں سب سے عمدہ مانا ہے . ہم ہر ایک گجراتی
پڑھنے والے بھائی سے اس کتاب کو خاص طور پر پڑھنے کی اپیل
کرتے ہیں .

—وی . نا .

نرمان

لکھنے والے—نول بھائی شاہ؛ نکالنے والے—اکشمی چند زویر
چند سنگھوی، مہارنر سلتھہ پبلکشن مندیر، ہٹی بھائی نی وازی
احمدآباد؛ لکھاوت—گجراتی؛ صفحے 212؛ دام—ایک روپیہ
بارہ آنہ .

نول بھائی شاہ کی یہ نول کتاب سوراچہ حاصل کرنے کے بعد
ہمیں اپنے دیش کو کس طرح بڈنا اور سنوارنا ہے اس پر روشنی
ڈالتی ہے . نرمان جیسا کہ اس کتاب کا نام ہے عملی بنیادوں
پر نیا دیش گڑھنے کے مقصد سے لکھی گئی ہے .

—وی . نا .

پہلا پانچ سالہ پلان

نکالنے والے—پبلیکیشن ڈویژن، نئی دلی؛ صفحے—376
بہت سی تڈویریں اور نقشے؛ لکھاوت—اُردو؛ قیمت—
دو روپیہ.

آجکل جس پانچ سال پلاننگ کی بے حد چرچا ہے
اسی کا خاکہ اس سرکاری کتاب میں دیا ہوا ہے . چھاپی

(261)

نومبر '54

جواہرلال آج پینسٹ برس کے جوان ہیں اور اس عرصے میں حکومت یا بدوں کا کافی تجربہ حاصل کرچکے ہیں۔ اب وقت آیا ہے کہ وہ اس طرح کی ذمہ داریوں سے الگ ہوں اور ان سب سے کہیں زیادہ اوجھل اور بڑی ذمہ داری کو سنبھالیں۔ وہ ہے سماج کو دھرم سکھانا یعنی سماج میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت پیدا کرنا، بھائی چارہ بڑھانا اور انسان کی شان کو بلند کرنا: یہ ذمہ داری ان کی آج کی چھوٹی یا ہلکی ذمہ داریوں کے مقابلہ میں زیادہ بڑی اور ٹھوس ہے: مالک نے ان کو اتنی سارنہیہ دی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو خوبی کے ساتھ اٹھالیں:

سزجن ہار سے ہم پرارتہنا کرتے ہیں کہ پندت جواہرلال جی کو ہمارے شاستروں کے مطابق سوا سو سال کی پوری عمر دیں اور پریم شکتی کی بنا پر ملک کی نئی رہنمائی کرنے کی طاقت اور ہمت دیں۔

10. 10. '54

—سوریش رام بھائی

—سوریش رام بھائی

30. 10. '54

ہیسا کا سندیہ

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

انوادک—سوریش رام بھائی.

ہیسا کیتاب میں ہجرت ہیسا کے سندیہ کی ویاکھا سے لکھاواہا دنگ سے کی گئی ہے کہ پڑنے والا ہیسا کی سے یہ سمجھ جائیگا کہ ہیسا ہیسا کی کھاس تالین کھا ہے اور ہجرت ہیسا نے انسان-انسان کی برابر، بھائی چارے، پریم اور آہینسا پر کیتنا پور دیا ہے.

مہاتما گاندھی نے اس کیتاب کے بارے میں کہا ہے کہ

“ہر آہستہ سے، چاہے وہ ہیسا ہیسا ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، مہری سفاک ہے کہ اسے پڑے...”

سندر جلد، بھیا کارا، کریب سوا سو صفحے کی کیتاب کا نام صرف ایک روپہ.

میلنے کا پتا.

بھینجر، 'نیا ہینڈ'، 145 سڈیگن، بھیاکارا.

ہیسی کا سندیہ

لکھک—ڈاکٹر جے. سی. کمارپا.

انوادک—سوریش رام بھائی.

اس کیتاب میں حضرت مہسوی کے سندیہ کی ویاکھا ہے۔ اسے لکھاواہا دنگ سے ہیسی کی ہے کہ پڑنے والا ہیسی کی سے یہ سمجھ جائیگا کہ مہسوی دھرم کی خاص تھام کھا ہے اور حضرت مہسوی نے انسان انسان کی برابر بھائی چارے، پریم اور آہینسا پر کیتنا زور دیا ہے.

مہاتما گاندھی نے اس کیتاب کے بارے میں کہا ہے کہ “ہر آہستہ سے، چاہے وہ مہسوی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، مہری سفاک ہے کہ اسے پڑے...”

سندر جلد، بھیا کارا، کریب سوا سو صفحے کی کیتاب کا نام صرف ایک روپہ.

میلنے کا پتہ.

بھینجر، 'نیا ہینڈ'، 145 مہری کڈج، الہ آباد.

आज मुल्क की पहली मांग यह है कि उसकी जड़ मजबूत की जावे। वह जड़ किसी इमारत, सड़क या पैदावार के जरिये नहीं, बल्कि दिलों को जदीक लाने, आपस के भेद भाव मिटाने और प्रेम शक्ति को बुलन्द करने पर ही होगी। और यह इस मुल्क की ही मांग नहीं, सारे आलम की मांग है। असौ दराज से दुनिया ने लवार, कानून और पैसे की ताकतों के तजुबे रके देख लिये। उनसे बम, एटम बम और हाइड्रोजन बम हम तक पहुँचे और इन्सान की हस्ती ही खतर में डाल दी। बक़ बता रहा है कि अब दूसरे तजुबे करें और प्रेम शक्ति को आजमायें और उसकी बिना पर अपने समाज की तामीर करें जिस के अन्दर निजामे हकूमत भी शामिल है।

इस प्रेम शक्ति का एक पायदार, सही और सच्चा नमूना महात्मा गांधी ने हमारे सामने पेश भी किया है। वह शक्ति हम हिन्द वाले पूरी तरह अमल में न ला सके। लेकिन उसके जो भी तजुबे हमने किये उसका नतीजा सारी दुनिया आज जानती है और सी बजह से इस चीज की कदर करती है, उसका लोहा मानती है, जरूरत है कि इस शक्ति के ज्यादा से ज्यादा, बड़े और गहरे पैमाने पर तजुबे किये जायें। इसी रोशनी में हम पंडित जवाहरलाल के उस सरनाम खत का स्वागत करते हैं। जैसा कि उनका खयाल है कि उनका अभी इस दुनिया में बहुत काम करना है, वह हम भी मानते हैं। हम यकीन रखते हैं कि हमारा जो अलमबदर, प्रेम शक्ति की मदद से महात्मा गांधी की रहनुमाई में अग्रेजी ताकत से लड़ा था वह अब उसी प्रेम शक्ति की मदद से हिन्दुस्तान की गरीबी और जेहालत से लड़ेगा, जमाने से लड़ेगा और क्या हिन्दुस्तान को, क्या दुनिया को सच्ची आजादी की ओर असली शान्ति का रास्ता दिखाएगा।

जहां तक मुल्क का काम चलने की बात है हम यही मानते हैं कि पंडित जी हकूमत या कांग्रेस की सदारत से अलग रह कर मुल्क की जो खिदमत अजाम दे सकते हैं वह अन्दर रह कर नहीं। तन्त्र में फंसकर आदमी मंत्री न रह कर तंत्री बन जाता है और उसके दिमारा के दरवाजे बन्द हो जाते हैं। जब किसी मुल्क के ऊँचे से ऊँचे आदमी अपने को तन्त्र में फंसा लेते हैं तो उस मुल्क की तबाही रोके नहीं सकती। हमारी राय तो यह है कि न सिर्फ पंडित जवाहरलाल जी बल्कि मरकजी और सूबे की सरकारों के वह सब मिनिस्टर या ओहदेदार जो छः साल से ज्यादा इस तन्त्र में एह चुके हैं वह अब बाहर आजायें, दूसरों को अपनी जगह भेजें और बाहर से उनको राह दिखाते रहें।

आखिर में एक अर्थ और है। हमारे मुल्क का पुराना और शानदार दस्तूर है कि एक उम्र के बाद आदमी घर की या राज पाट की सब भूमदों से सब तरह बरी होकर जन तम्पक और जनता जनौदन की भक्ति व सेवा में लगे। पंडित

आज मुल्क की पहली मांग यह है कि उसकी जड़ मजबूत की जावे। वह जड़ किसी इमारत, सड़क या पैदावार के जरिये नहीं, बल्कि दिलों को जदीक लाने, आपस के भेद भाव मिटाने और प्रेम शक्ति को बुलन्द करने पर ही होगी। और यह इस मुल्क की ही मांग नहीं, सारे आलम की मांग है। असौ दराज से दुनिया ने लवार, कानून और पैसे की ताकतों के तजुबे रके देख लिये। उनसे बम, एटम बम और हाइड्रोजन बम हम तक पहुँचे और इन्सान की हस्ती ही खतर में डाल दी। बक़ बता रहा है कि अब दूसरे तजुबे करें और प्रेम शक्ति को आजमायें और उसकी बिना पर अपने समाज की तामीर करें जिस के अन्दर निजामे हकूमत भी शामिल है।

अस प्रेम शक्ति का एक पायदार, सही और सच्चा नमूना महात्मा गांधी ने हमारे सामने पेश भी किया है। वह शक्ति हम हिन्द वाले पूरी तरह अमल में न ला सके। लेकिन उसके जो भी तजुबे हमने किये उसका नतीजा सारी दुनिया आज जानती है और सी बजह से इस चीज की कदर करती है, उसका लोहा मानती है, जरूरत है कि इस शक्ति के ज्यादा से ज्यादा, बड़े और गहरे पैमाने पर तजुबे किये जायें। इसी रोशनी में हम पंडित जवाहरलाल के उस सरनाम खत का स्वागत करते हैं। जैसा कि उनका खयाल है कि उनका अभी इस दुनिया में बहुत काम करना है, वह हम भी मानते हैं। हम यकीन रखते हैं कि हमारा जो अलमबदर, प्रेम शक्ति की मदद से महात्मा गांधी की रहनुमाई में अग्रेजी ताकत से लड़ा था वह अब उसी प्रेम शक्ति की मदद से हिन्दुस्तान की गरीबी और जेहालत से लड़ेगा, जमाने से लड़ेगा और क्या हिन्दुस्तान को, क्या दुनिया को सच्ची आजादी की ओर असली शान्ति का रास्ता दिखाएगा।

जहां तक मुल्क का काम चलने की बात है हम यही मानते हैं कि पंडित जी हकूमत या कांग्रेस की सदारत से अलग रह कर मुल्क की जो खिदमत अजाम दे सकते हैं वह अन्दर रह कर नहीं। तन्त्र में फंसकर आदमी मंत्री न रह कर तंत्री बन जाता है और उसके दिमारा के दरवाजे बन्द हो जाते हैं। जब किसी मुल्क के ऊँचे से ऊँचे आदमी अपने को तन्त्र में फंसा लेते हैं तो उस मुल्क की तबाही रोके नहीं सकती। हमारी राय तो यह है कि न सिर्फ पंडित जवाहरलाल जी बल्कि मरकजी और सूबे की सरकारों के वह सब मिनिस्टर या ओहदेदार जो छः साल से ज्यादा इस तन्त्र में एह चुके हैं वह अब बाहर आजायें, दूसरों को अपनी जगह भेजें और बाहर से उनको राह दिखाते रहें।

आखिर में एक अर्थ और है। हमारे मुल्क का पुराना और शानदार दस्तूर है कि एक उम्र के बाद आदमी घर की या राज पाट की सब भूमदों से सब तरह बरी होकर जन तम्पक और जनता जनौदन की भक्ति व सेवा में लगे। पंडित

کریسمت کا فیسلا باندھ کر مہرے میں بیٹھے کر دیتی ہے۔ ہندوستان کے پیرایم منسٹر کے نائے پنڈت جواہر لال آج ہندوستان بھر کی تلوار کی طاقت اور قانون کی طاقت کے بلند نمائندہ رہیں سالر ہیں۔ لیکن ان سب کے علاوہ ایک طاقت اور بھی ہے۔ وہ ہے پریم کی طاقت جسے ٹینک یا اخلاقی طاقت بھی کہہ سکتے ہیں، جس کی تعلیم ہر بچہ کو جنم سے ہی ملتی ہے اور جس پر یہ دنیا تکی ہے۔ آج حکومتیں اس طاقت کو نظر انداز کر رہی ہیں اور تلوار، قانون، پیسہ و دماغ کی طاقتوں کے بل پر بھروسہ رکھی ہیں۔ لیکن زمانہ صاف بتا رہا ہے کہ اگر وہ اپنی روش کو نہیں بدلتی ہیں اور پریم کی طاقت کی بنا پر سماج کی نئی رچنا نہیں ہوتی تو انسان کی ذات کے ہی ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ پیرایم منسٹری کے شکنجے میں جکڑ جانے کے کارن پنڈت جواہر لال اس طاقت سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔ دوسرے شعبوں میں جتنا سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو باسی پن محسوس ہوتا ہے اور پڑھنے یا سوچنے کے لئے بنیادی سواوں پر غور اور صالح کرنے کے لئے ان میں تروپ پیدا ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک مہتمم پرور بات یہ ہے کہ آج ہمارے ملک میں ایک چیز کی خاص کمی نظر آتی ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کھیتی کی پیداوار بڑھی ہے۔ یہاں کی ملوں میں زیادہ مال تیار ہو گیا ہے۔ یہاں کی ندیوں پر ڈال و پالیاں بندھے ہیں۔ نئی سڑکیں، ریلیں اور آمدنیت کے راستے بنے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ملک میں اس طاقت کا احساس نہیں ہوتا جو ایسی حالت میں ہونا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل ثروت رکھے ہیں۔ آپس کا فرق بڑھ رہا ہے۔ چات پت اور چھوٹے چھوٹے گھرا گیس رہا ہے۔ انسان کی آبرو کی قدر کم ہو رہی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت گر رہی ہے اور ملک کمزور ہو رہا ہے۔ ایک لاجاری سی دکھائی پڑتی ہے اور خرد کرنے لائق کام بھی نہ کر کے لوگ عام طور سے سرور کا منہ ناکتے ہیں۔ آزادی کے بعد جو ایک جوش اور حوصلہ سب کو آنا چاہئے تھا وہ غائب ہے۔ مستی کی بجائے سستی ہے۔ فرق دکھائی نہیں پڑتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ سماج کا جو غریب اور کمزور حصہ ہے وہ دن دگنا رات چوگنا غریب اور کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اور اسی کے انداز پر ہم ہندوستان کا عالی شان محل کھڑا کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس محل کی بنیادیں کمزور ہونگی وہ باہر کی ہوا سے کیا، اندر کی ہوا کے بھی چھوٹے برداشت نہیں کرسکیگا۔ ہمارا ماننا ہے کہ اگر ملک کی یہی رفتار جاری رہی اور تلوار، پیسہ، قانون کی طاقتوں کے سہارے ہی ہم خالی بیٹھے رہے تو ہمارا ہوشیہ اچھا نہیں ہے۔

کریسمت کا فیسلا باندھ کر مہرے میں بیٹھے کر دیتی ہے۔ ہندوستان کے پیرایم منسٹر کے نائے پنڈت جواہر لال آج ہندوستان بھر کی تلوار کی طاقت اور قانون کی طاقت کے بلند نمائندہ رہیں سالر ہیں۔ لیکن ان سب کے علاوہ ایک طاقت اور بھی ہے۔ وہ ہے پریم کی طاقت جسے ٹینک یا اخلاقی طاقت بھی کہہ سکتے ہیں، جس کی تعلیم ہر بچہ کو جنم سے ہی ملتی ہے اور جس پر یہ دنیا تکی ہے۔ آج حکومتیں اس طاقت کو نظر انداز کر رہی ہیں اور تلوار، قانون، پیسہ و دماغ کی طاقتوں کے بل پر بھروسہ رکھی ہیں۔ لیکن زمانہ صاف بتا رہا ہے کہ اگر وہ اپنی روش کو نہیں بدلتی ہیں اور پریم کی طاقت کی بنا پر سماج کی نئی رچنا نہیں ہوتی تو انسان کی ذات کے ہی ختم ہونے کا اندیشہ ہے۔ پیرایم منسٹری کے شکنجے میں جکڑ جانے کے کارن پنڈت جواہر لال اس طاقت سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔ دوسرے شعبوں میں جتنا سے اچھوٹے رہ رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو باسی پن محسوس ہوتا ہے اور پڑھنے یا سوچنے کے لئے بنیادی سواوں پر غور اور صالح کرنے کے لئے ان میں تروپ پیدا ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں ایک مہتمم پرور بات یہ ہے کہ آج ہمارے ملک میں ایک چیز کی خاص کمی نظر آتی ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کھیتی کی پیداوار بڑھی ہے۔ یہاں کی ملوں میں زیادہ مال تیار ہو گیا ہے۔ یہاں کی ندیوں پر ڈال و پالیاں بندھے ہیں۔ نئی سڑکیں، ریلیں اور آمدنیت کے راستے بنے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود ملک میں اس طاقت کا احساس نہیں ہوتا جو ایسی حالت میں ہونا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے دل ثروت رکھے ہیں۔ آپس کا فرق بڑھ رہا ہے۔ چات پت اور چھوٹے چھوٹے گھرا گیس رہا ہے۔ انسان کی آبرو کی قدر کم ہو رہی ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی طاقت گر رہی ہے اور ملک کمزور ہو رہا ہے۔ ایک لاجاری سی دکھائی پڑتی ہے اور خرد کرنے لائق کام بھی نہ کر کے لوگ عام طور سے سرور کا منہ ناکتے ہیں۔ آزادی کے بعد جو ایک جوش اور حوصلہ سب کو آنا چاہئے تھا وہ غائب ہے۔ مستی کی بجائے سستی ہے۔ فرق دکھائی نہیں پڑتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ سماج کا جو غریب اور کمزور حصہ ہے وہ دن دگنا رات چوگنا غریب اور کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اور اسی کے انداز پر ہم ہندوستان کا عالی شان محل کھڑا کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس محل کی بنیادیں کمزور ہونگی وہ باہر کی ہوا سے کیا، اندر کی ہوا کے بھی چھوٹے برداشت نہیں کرسکیگا۔ ہمارا ماننا ہے کہ اگر ملک کی یہی رفتار جاری رہی اور تلوار، پیسہ، قانون کی طاقتوں کے سہارے ہی ہم خالی بیٹھے رہے تو ہمارا ہوشیہ اچھا نہیں ہے۔

(iii) ایک کبجہ اکثر لوگ پرچہ دے رہے ہیں اور اخبار والے لکھتے ہیں "نہرو کی موت" یہ کہ "نہرو کے بعد کیا؟" "نہرو کا وارث کون ہوگا؟" یہ سوال ہی مٹنے کے لئے اور قوم کے لئے ایک چٹوٹی ہو جاتا ہے۔ یہ سوچنا تو بڑی بیوقوفانہ بات ہے کہ کوئی بڑی قوم کسی ایک یا دو آدمیوں پر منحصر رہے۔ اس سوال کا اثر مہجہ پر یہی پڑتا ہے کہ اس چٹوٹی کو منظور کروں۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوگا اچھا ہی ہوگا۔"

پنڈت جواہر لال کا یہ خط پڑھ کر ہمیں انتہائی خوشی ہوئی اور ان پرانے جواہر لال کی یاد ہو آئی جو الہ آباد، رائے بریلی اور پٹنہ گڑھ کے گاؤں میں سن 23-24 آزادی اور خرد مختاری کا پیغام لے کر گھومتے تھے، ان جواہر لال کی یاد ہو آئی جنہوں نے 1929 میں ہون آزادی کا ہکل بنایا تھا، ان جواہر لال کی یاد ہو آئی جنہوں نے سن 1942 میں گاندھی جی کی رہنمائی پر انگریزوں کو ہیندوستان سے چلے جانے کے لئے لاکڑا تھا۔ یہ خط ان کی انوکھی آن اور اونچی شان کا عاقل نمونہ ہے۔ یہ انہیں کی بلند ہستی ہے جو اس طرح سوچ سکتی ہے اور اس طرح اپنے دل کی بات ملک کے سامنے رکھ سکتی ہے۔ اپنے اس لہجہ خط کے ذریعہ، انہوں نے ملک کے آگے ایک نئی مثال پیش کی ہے۔ ایسی مثال جس کی سخت ضرورت تھی اور ایسی مثال جو ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں پیش کر سکتا تھا۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری اس خوشی میں بہت سے لوگ—سمجھدار اور افسردہ لوگ—شریک نہ ہونگے۔ اخباروں میں جو بیانات اور مضمون نکلے ہیں ان کی دھن یہی ہے کہ اس وقت تو جواہر لال جی کو کسی حالت میں ملک کی پرانہ منسٹری سے الگ نہیں ہونا چاہئے اور اپنی بات نہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہم ان میں نہیں ہیں۔ ہم اس خیال کے قائل نہیں کہ اگر جواہر لال جی کے علاوہ کوئی دوسرا بیانی یا بہن پرانہ منسٹری کے تاج کو سنبھال لے گا تو ملک کی ناز کو توبہ کا خطرہ ہے۔ اور نہ ہم یہی مانتے ہیں کہ جواہر لال جی یا ان کی جیسی کوئی اور شخصیت ملک اور دنیا کی سب سے بہترین خدمت پرانہ منسٹری کے عہدہ پر رہ کر ہی کر سکتی ہے۔

آج دنیا میں کئی طرح کی طاقتیں کلم کو رہی ہیں—جیسے تلوار کی طاقت جس نے آج ایتھم اور ہائڈروجن بم کی شکل لے لی ہے، پیسے کی طاقت جس نے بڑے بڑے بینکر اور سرمایہ داروں کی شکل لے لی ہے، دماغ کی طاقت جو آج ایک ملک کے آگے دوسرے کو پست کرنے میں چور ہے اور قانون کی طاقت جو بڑی بڑی آبادیوں کی

پنڈت جواہر لال کا یہ خط پڑھ کر ہمیں انتہائی خوشی ہوئی اور ان پرانے جواہر لال کی یاد ہو آئی جو الہ آباد، رائے بریلی اور پٹنہ گڑھ کے گاؤں میں سن 23-24 آزادی اور خرد مختاری کا پیغام لے کر گھومتے تھے، ان جواہر لال کی یاد ہو آئی جنہوں نے 1929 میں ہون آزادی کا ہکل بنایا تھا، ان جواہر لال کی یاد ہو آئی جنہوں نے سن 1942 میں گاندھی جی کی رہنمائی پر انگریزوں کو ہیندوستان سے چلے جانے کے لئے لاکڑا تھا۔ یہ خط ان کی انوکھی آن اور اونچی شان کا عاقل نمونہ ہے۔ یہ انہیں کی بلند ہستی ہے جو اس طرح سوچ سکتی ہے اور اس طرح اپنے دل کی بات ملک کے سامنے رکھ سکتی ہے۔ اپنے اس لہجہ خط کے ذریعہ، انہوں نے ملک کے آگے ایک نئی مثال پیش کی ہے۔ ایسی مثال جس کی سخت ضرورت تھی اور ایسی مثال جو ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں پیش کر سکتا تھا۔

ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہماری اس خوشی میں بہت سے لوگ—سمجھدار اور افسردہ لوگ—شریک نہ ہونگے۔ اخباروں میں جو بیانات اور مضمون نکلے ہیں ان کی دھن یہی ہے کہ اس وقت تو جواہر لال جی کو کسی حالت میں ملک کی پرانہ منسٹری سے الگ نہیں ہونا چاہئے اور اپنی بات نہ نہیں کرنا چاہئے۔ ہم ان میں نہیں ہیں۔ ہم اس خیال کے قائل نہیں کہ اگر جواہر لال جی کے علاوہ کوئی دوسرا بیانی یا بہن پرانہ منسٹری کے تاج کو سنبھال لے گا تو ملک کی ناز کو توبہ کا خطرہ ہے۔ اور نہ ہم یہی مانتے ہیں کہ جواہر لال جی یا ان کی جیسی کوئی اور شخصیت ملک اور دنیا کی سب سے بہترین خدمت پرانہ منسٹری کے عہدہ پر رہ کر ہی کر سکتی ہے۔

آج دنیا میں کئی طرح کی طاقتیں کلم کو رہی ہیں—جیسے تلوار کی طاقت جس نے آج ایتھم اور ہائڈروجن بم کی شکل لے لی ہے، پیسے کی طاقت جس نے بڑے بڑے بینکر اور سرمایہ داروں کی شکل لے لی ہے، دماغ کی طاقت جو آج ایک ملک کے آگے دوسرے کو پست کرنے میں چور ہے اور قانون کی طاقت جو بڑی بڑی آبادیوں کی

جواہر لال جی اور ہندوستان کا بہوشیہ

اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں پنڈت جواہر لال نہرو کا ایک گشتی خط اخباروں میں چھپا جو انہوں نے ملک پر کی صوبہ کی کارنگریس کمیٹیوں کے صدر صاحبان کے نام بھیجا ہے۔ اس مہتوریں چٹھی میں انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ جنوری میں کانگریس کا جو سالانہ جلسہ ہونے جا رہا ہے اس کی صدارت وہ نہ کریں اور ساتھ ہی ساتھ حکومت ہند کی پرائم منسٹری کے کام سے کچھ عرصہ کے لئے ہٹ جائیں۔ انہوں نے اطمینان دلایا ہے کہ ان کے اس خیال کے پیچھے برہمایا یا صحت کی کمزوری کا کوئی اثر کلم نہیں کر رہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

”میں محسوس ہوتا ہوں کہ اپنے اس ملک میں ابھی اور بہت سے کام کرنے ہیں اور میرا نقشہ ہے کہ اس مقصد کے لئے میں اپنے کو تندرست رکھوں گا۔ نہ میں کام یا نمنداری سے ہی ہٹاؤں اور نہ میرا کوئی ارادہ جنگل میں چلے جانے یا پہاڑوں کی راہ پکڑنے کا ہے۔ میں لگتا ہوں کہ کچھ چیزیں انجام دینی ہیں اور جب تک کسی کو اس طرح محسوس ہوتا ہے تب تک اسے کام کرنے کی اور ترقی دینے کی تمنا بنی رہتی ہے۔ میرے اندر وہ زوردار تمنا ہے۔“

”آزادی کے بعد سے پچھلے سات سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر میں کوئی ناامیدی یا استغش بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں اس محسوس ہوتا ہوں کہ نہ صرف میں نے ذاتی طور پر بلکہ سارے ملک نے کامیابی حاصل کی ہے اور آگے بڑھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے ملک میں ترقی کرنا میں اسی وجہ سے ضروری مانتا ہوں کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک نے کچھ کام کیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے اچھی اور مضبوط بنیاد قائم ہو گئی ہے۔ میں دقت کو کام کرنا چاہتا ہوں۔“

لیکن پھر بھی وہ ہٹاؤں کیوں چاہتے ہیں؟ اس کی کئی وجہ ہیں :—

(i) باسی پن (Staleness) کا کچھ عہداسا ہوتا ہے جو مشین کی طرح کام کرنے والے کو لاجبہی طور پر آتا ہے۔

(ii) میں کچھ فرصت چاہتا ہوں تاکہ کچھ پڑ سکوں اور سوچ سکوں۔ ہم لوگ جو سرکاری یا اس طرح کے دوسرے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں ان کے ساتھ ایک بڑی دقت یہ ہو جاتی ہے کہ انہیں پڑھنے اور سوچنے کے لئے وقت نہیں ملتا اور نہ بنیادی معاملوں پر ایک دوسرے سے بات کرنے کا ہی موقع ملتا ہے۔

”میں محسوس ہوتا ہوں کہ اپنے اس ملک میں ابھی اور بہت سے کام کرنے ہیں اور میرا نقشہ ہے کہ اس مقصد کے لئے میں اپنے کو تندرست رکھوں گا۔ نہ میں کام یا نمنداری سے ہی ہٹاؤں اور نہ میرا کوئی ارادہ جنگل میں چلے جانے یا پہاڑوں کی راہ پکڑنے کا ہے۔ میں لگتا ہوں کہ کچھ چیزیں انجام دینی ہیں اور جب تک کسی کو اس طرح محسوس ہوتا ہے تب تک اسے کام کرنے کی اور ترقی دینے کی تمنا بنی رہتی ہے۔ میرے اندر وہ زوردار تمنا ہے۔“

”آزادی کے بعد سے پچھلے سات سالوں میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر میں کوئی ناامیدی یا استغش بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں اس محسوس ہوتا ہوں کہ نہ صرف میں نے ذاتی طور پر بلکہ سارے ملک نے کامیابی حاصل کی ہے اور آگے بڑھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے ملک میں ترقی کرنا میں اسی وجہ سے ضروری مانتا ہوں کیونکہ میں سوچتا ہوں کہ ہمارے ملک نے کچھ کام کیا ہے اور اس کی ترقی کے لئے اچھی اور مضبوط بنیاد قائم ہو گئی ہے۔ میں دقت کو کام کرنا چاہتا ہوں۔“

لیکن پھر بھی وہ ہٹاؤں کیوں چاہتے ہیں؟ اس کی کئی وجہ ہیں :—

(i) باسی پن (Staleness) کا کچھ احساس ہوتا ہے جو مشین کی طرح کام کرنے والے کو لازمی طور پر آتا ہے۔

(ii) میں کچھ فرصت چاہتا ہوں تاکہ کچھ پڑ سکوں اور سوچ سکوں۔ ہم لوگ جو سرکاری یا اس طرح کے دوسرے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں ان کے ساتھ ایک بڑی دقت یہ ہو جاتی ہے کہ انہیں پڑھنے اور سوچنے کے لئے وقت نہیں ملتا اور نہ بنیادی معاملوں پر ایک دوسرے سے بات کرنے کا ہی موقع ملتا ہے۔

یہی ہے اور اس کے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اور اگر رکاوٹیں ہیں جنکی وجہ سے اس تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے تو پھر اس تعلیم کو نالائق کیوں کوسا جانا ہے۔ اس کا بہت خراب اثر اُن لوگوں پر پڑتا ہے جو آج یہ تعلیم حاصل کرتے ہیں یا کراتے ہیں۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ ہندت نہرو نے اس طرح کی بات کہیں جڑیہ یا غصہ میں، اگر کہی ہوگی، کیونکہ وہ بولنے کی خاطر کہی نہیں بولتے ہیں۔ مگر دنیا میں ایک چیز ہوتی ہے جس کا نام ہے ”مجبوری“ جس کی وجہ سے آدمی ایک بات کو صحیح سمجھ کر بھی نہیں کرپاتا اور دوسری بات کو غلط جانتے ہوئے بھی کرنا ہے۔ ایسے کے لئے ہم بھیکران سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اس کے وجار اور عمل میں جو نسلہ ہے اسے دور کر اور جلد سے جلد اس کے عمل کو اس کے وجار کی راہ پر لا دے۔

بہت سوچنے پر ایسا لگتا ہے کہ آج کی تعلیم ہے تو نئی پر آج جو ملک کا سماجی اور آرتھک تھانچہ ہے اس کا آئینہ ہے۔ آج ہمارے سماج میں غائب سے کم کرنے والے کی کوئی عزت نہیں، اور نہیں، کم کام کر کے زیادہ تنخواہ پانے والے کاماں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سرکاری مشینوں کو ایجنٹ، واپاری دائروں کو دیکھتے، عام جنتا میں دیکھتے، سب میں یہی پیمانہ نام ہے۔ اور یہی خوبی اس تعلیم کی یہی ہے کہ اس کو حاصل کر کے کام سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، اور نچلی تنخواہ پانے کی تمنا ہرنے لگتی ہے اور بنا کام کئے کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے جب تک سماج کے پیمانے نہیں بدلتے اور سرکار کے نظریہ میں فرق نہیں آتا تب تک اس تعلیم کو بدلنا اسی طرح ناممکن ہے جیسے بھول ہو کر گلاب پانے کی امید رکھنا۔ اگر تعلیم نئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تعلیم کو چلانے والی سرکار نئی ہے۔ ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ پورے راج کے ساتھ پرانی تعلیم کو بھی رخصت کر دینا تھا اور نئے راج کے ساتھ نئی تعلیم لانا تھا۔ لیکن مدراس میں راجا جی نے اگر کچھ تبدیلی کرنے کی کوشش بھی کی تو نئی سرکار نے اسے ختم کر کے پرانا قدر ا پھر جاری کر دیا! نیا راج، پرانی تعلیم!

اس لئے ہم اپنے دیش کے شاسنوں سے اپیل کرنا چاہتے ہیں کہ اگر انہیں سچ میں آجکل کی تعلیم سے نفرت ہے تو اس کے بدلنے کے لئے ملک کے موجودہ سیاسی اور آرتھک تھانچے کو بدلنا چاہئے۔ یہ تھانچہ ہی نکما ہے۔ اس کے تبدیل ہونے پر تعلیم آپ سے آپ تبدیل ہوجائگی۔

یہی ہے اور اس کے روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ اور اگر رکاوٹیں ہیں جنکی وجہ سے اس تعلیم کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ نہیں ہے تو پھر اس تعلیم کو نالائق کیوں کوسا جانا ہے۔ اس کا بہت خراب اثر اُن لوگوں پر پڑتا ہے جو آج یہ تعلیم حاصل کرتے ہیں یا کراتے ہیں۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ ہندت نہرو نے اس طرح کی بات کہیں جڑیہ یا غصہ میں، اگر کہی ہوگی، کیونکہ وہ بولنے کی خاطر کہی نہیں بولتے ہیں۔ مگر دنیا میں ایک چیز ہوتی ہے جس کا نام ہے ”مجبوری“ جس کی وجہ سے آدمی ایک بات کو صحیح سمجھ کر بھی نہیں کرپاتا اور دوسری بات کو غلط جانتے ہوئے بھی کرنا ہے۔ ایسے کے لئے ہم بھیکران سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اس کے وجار اور عمل میں جو نسلہ ہے اسے دور کر اور جلد سے جلد اس کے عمل کو اس کے وجار کی راہ پر لا دے۔

بہت سوچنے پر ایسا لگتا ہے کہ آج کی تعلیم ہے تو نئی پر آج جو ملک کا سماجی اور آرتھک تھانچہ ہے اس کا آئینہ ہے۔ آج ہمارے سماج میں غائب سے کم کرنے والے کی کوئی عزت نہیں، اور نہیں، کم کام کر کے زیادہ تنخواہ پانے والے کاماں ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سرکاری مشینوں کو ایجنٹ، واپاری دائروں کو دیکھتے، عام جنتا میں دیکھتے، سب میں یہی پیمانہ نام ہے۔ اور یہی خوبی اس تعلیم کی یہی ہے کہ اس کو حاصل کر کے کام سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، اور نچلی تنخواہ پانے کی تمنا ہرنے لگتی ہے اور بنا کام کئے کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اس لئے جب تک سماج کے پیمانے نہیں بدلتے اور سرکار کے نظریہ میں فرق نہیں آتا تب تک اس تعلیم کو بدلنا اسی طرح ناممکن ہے جیسے بھول ہو کر گلاب پانے کی امید رکھنا۔ اگر تعلیم نئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس تعلیم کو چلانے والی سرکار نئی ہے۔ ہونا تو یہی چاہئے تھا کہ پورے راج کے ساتھ پرانی تعلیم کو بھی رخصت کر دینا تھا اور نئے راج کے ساتھ نئی تعلیم لانا تھا۔ لیکن مدراس میں راجا جی نے اگر کچھ تبدیلی کرنے کی کوشش بھی کی تو نئی سرکار نے اسے ختم کر کے پرانا قدر ا پھر جاری کر دیا! نیا راج، پرانی تعلیم!

لیئے پدارتھ کے درجے اور عام جنتا کے لیے پدکار سنانے کے درجے چلائے جائے۔

2. پنچایاتوں کو ملک کی پداوار بدانی چاہیے۔ جب تک دہا کی پداوار نہیں بداتی اور بیکاری مٹانے کی یوجناہیں نہیں کی جاتی تب تک لوگوں کو اٹساہ نہیں آئے گا۔ ہم سنئے ہیں کہ یہاں کی پنچایت والے سڑکیں بنانے میں لگے ہیں جن میں لوگوں کو اٹساہ نہیں آتا۔ سڑکیں کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شہر والے گاؤں والوں کو جا کر لوتے۔

3. پنچایات والوں کو گاؤں کی بیکاری ہٹانی چاہیے۔ جیسے سراجپہ کے لیے ودیشی مال کا بانڈکات کیا گیا تھا اسی طرح گاؤں میں سراجپہ لانے کے لیے شہر سے آنے والے مشین پر ہلے مال کا بانڈکات کرنا ہوگا۔

4. پداوار کا आधार زمین ہے۔ اس واسطے کل زمین گاؤں والوں کی ہونی چاہیے۔ گاؤں کی زمین کا دوبارا بٹوارا ہو اور گاؤں میں کوئی بھی آدمی بے زمین نہ رہے۔

5. گاؤں کی پنچایاتوں کی طاقت لوک شکتی ہی ہے۔ گاؤں والوں کی سبزی کے سوا ایک اور گاؤں والوں کی نگرانی میں پنچایات چلنی چاہیے۔ سرکاری مانیتا ملے یا نہ ملے اس کی چنتا نہیں۔ لوگ اپنی طاقت سے کام کریں۔ پھر سرکار کی جو مدد ملے سو ملے گی۔

سرکاری ہاکیم یا کارکن اور سار्वजनिक कार्य-कर्ता، ہر ایک سے ہماری ارجہ ہے کہ وینوبا جی کے ان سبھوں پر گھراؤ سے بچاؤ کر کے عمل کر کے اور ملک کی طاقت کو مضبوط بنائیں۔

28. 10. 54

—سوریش رامभाई

“एकदम निकम्मी”

हाल ही में मिरजापूर जिले में विद्यार्थियों के सामने तक्रार करते हुए प्रधान मंत्री पण्डित जवाहरलाल नेहरू ने कहा कि यह तालीम जो आजकल दी जा रही है “एकदम निकम्मी” है। जहां तक हमें याद पड़ता है पण्डित जी ने इस तरह की राय पहली बार नहीं दी है, इसके पेशतर बीसों दफा वह यही चीज दूसरे शब्दों में कह चुके हैं और जहां तक हमें याद है राष्ट्रपति बाबू राजेन्द्र प्रसाद ने भी और उनके अलावा दूसरे जिम्मेदार लोगों ने भी इस तरह के क्वाल जाहिर किये हैं। सरदार पटेल भी यही कहा करते थे। मगर अबल हैरान है कि जब उपर से लेकर नीचे तक सब ही इस तरह की बात कहते हैं तो फिर कौन ऐसी रुकावट है कि वही “एकदम निकम्मी” तालीम अभी तक चल रही है, बद

नवम्बर '54

(254)

लئے پڑھائی کے درجے اور عام جنتا کے لیے پدکار سنانے کے درجے چلائے جائیں۔

2. پنچایتوں کو ملک کی پداوار بدانی چاہیے۔ جب تک دیش کی پداوار نہیں بداتی اور بیکاری مٹانے کی یوجناہیں نہیں کی جاتی تب تک لوگوں کو اٹساہ نہیں آئے گا۔ ہم سنئے ہیں کہ یہاں کی پنچایت والے سڑکیں بنانے میں لگے ہیں جن میں لوگوں کو اٹساہ نہیں آتا۔ سڑکیں کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ شہر والے گاؤں والوں کو جا کر لوتے۔

3. پنچایت والوں کو گاؤں کی بیکاری ہٹانی چاہیے۔ جیسے سراجپہ کے لیے ودیشی مال کا بانڈکات کیا گیا تھا اسی طرح گاؤں میں سراجپہ لانے کے لیے شہر سے آنے والے مشین پر ہلے مال کا بانڈکات کرنا ہوگا۔

4. پداوار کا آھار زمین ہے۔ اس واسطے کل زمین گاؤں والوں کی ہونی چاہیے۔ گاؤں کی زمین کا دوبارہ بٹوارہ ہو اور گاؤں میں کوئی بھی آدمی بے زمین نہ رہے۔

5. گاؤں کی پنچایتوں کی طاقت لوک شکتی ہی ہے۔ گاؤں والوں کی مرضی کے مطابق اور گاؤں والوں کی نگرانی میں پنچایت چلنی چاہیے۔ سرکاری مانیتا ملے یا نہ ملے اس کی چنتا نہیں۔ لوگ اپنی طاقت سے کام کریں۔ پھر سرکار کی جو مدد ملے سو ملے گی۔

سرکاری حاکم یا کارکن اور ساراجنک کاریکرتا، ہر ایک سے ہماری عرض ہے کہ وینوبا جی کے ان سبھوں پر گھراؤ سے بچاؤ کر کے عمل کر کے اور ملک کی طاقت کو مضبوط بنائیں۔

—سوریش رامभाई

28. 10. '54

“ایکدم نکمی”

حال ہی میں مرزاپور ضلع میں ودیارتھیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ہمارے پردہمان منتری پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا کہ یہ تعلیم جو آجکل دی جا رہی ہے “ایکدم نکمی” ہے۔ جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے پنڈت جی نے اس طرح کی رائے پہلی بار نہیں دی ہے، اس کے پیشتر بیسیوں دفعہ یہی چیز دوسرے شبہوں میں کہ چکے ہیں اور جہاں تک ہمیں یاد ہے راشٹریتی بابو راجیندر پرشاد نے بھی اور ان کے علاوہ دوسرے ذمہ دار لوگوں نے بھی اس طرح کے خیال ظاہر کیے ہیں۔ سردار پٹیل بھی یہی کہا کرتے تھے۔ مگر ہماری عقل حیران ہے کہ جب اوپر سے لیکر نیچے تک سب ہی اس طرح کی بات کہتے ہیں تو پھر کون ایسی رکاوٹ ہے کہ وہی “ایکدم نکمی” تعلیم ابھی تک چل رہی ہے، بد

نومبر '54

کے لیے پولیس کی ہمدردی لینے کی تاکت مل جائیگی۔ نئیجا یہ ہونے والا ہے کہ آج جو گاؤں کے اندر بھائی چارہ یا پریم اور ایمان رہتی ہے وہ بھی مٹ جائے گا اور آج جس طرح لکھنؤ یا دلی میں نیپٹائیں میں سسکی چلتی ہے اسی طرح گاؤں گاؤں میں بھی چلنے لگے گی، بلکہ کہیں زیادہ بدتر اور شرمناک صورت میں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ سرکاری یا کانگریسی نظریہ میں کہاں چوک ہے؟ جیسا ہم نے ابھی کہا، ان کی نگاہ میں پنچائیت حاکم ہے نہ کہ سبک۔ دوسرے شدتوں میں، آپ پنچائیتوں کو سیاسی و قانونی آزادی جتنی چاہے دے دیجئے، لیکن اگر اسی درجے تک آرٹیک آزادی نہیں دیتے ہیں تو ان کی وہی حالت ہوگی جیسے کہ بنا بنیاد والے مکان کی ہوتی ہے۔ وہ ڈھ جاتا ہے اور اس میں جو رہتا ہے اس کو بھی دبا کر ختم کر دیتا ہے۔

اس لئے ہماری صاف رائے ہے کہ جب تک گاؤں کو آرٹیک آزادی نہیں دی جاتی تب تک یہ ساری کوششیں بیکار ہی ثابت ہونے والی ہیں۔ آرٹیک آزادی سے ہماری مطالبہ ہے کہ گاؤں کی بنیادی ضرورت کی چیزیں جیسے کپڑا، گوشت، تیل، جوتا، درو، تلمن وغیرہ میں ہر گاؤں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہئے اور گاؤں سبھا کو یہ آزادی حاصل ہو کہ اگر اس طرح کا مال باہر سے آئے تو اس کو آئے سے روک دے۔ اگر گاؤں میں مل باہر سے آتا چلا جاتا ہے تو گاؤں میں بے روزگاری بنی رہے گی، چوری ڈکیتی چلیں گی اور آپسی فرق پڑیں گے۔ اس کے علاوہ گاؤں کی تعلیم پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ تعلیم سے ہماری منشا کتابی پڑمائی سے نہیں ہے بلکہ سدا چار اور لوک مرباد کی تعلیم سے ہے۔ پرانے زمانے میں سنتوں اور سادھوں نے جو گوہر گوہر کر گئے پھلایا اور جیسے گاؤں والوں نے ان کے ذریعہ حاصل کیا اس سے جو ان کے سمجھ کا مادہ بنا ہے اس کا مقابلہ شہر والے ابھی نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اندر دو سو سال سے وہ تعلیم ہندو سی ہوئی ہے اور کوئی نیا گراں وہاں نہیں پونج رہا ہے نہ پرانا ہی تازہ ڈالیا جا رہا ہے۔ اس طرح نیپٹک اور آرٹیک دونوں بازوں کی طرف جب تک ہماری سرکاری یا پنچائیتیں توجہ نہیں دیتیں گی تب تک وہ گاؤں کی بہتری اُرد کے اوپر سنبھلی ہو کر رہی نہیں کر سکتیں۔

ہم آجاریہ دھوا جی کے ان سچاؤں کو یہاں دیتے ہیں جو انہوں نے چیمبرن دلع کے سکولی مقام پر پچھلے جن میں پنچائیت کے کارکنوں کے آئے رکھے تھے۔ ان کا کہنا ہے: —

1. جگہ جگہ ایڈلس منزل یعنی پڑھائی گھر ہونا چاہیے جس میں اس زمانہ کے نئے وچار بھی ہلکے جائیں اور سرورڈے و گاندھی سلفیت اور کچھ دارمک کہوں کی تعلیم بھی دی جائے۔ خاص کر چھوٹی عمر والوں کے

ہم انجارجیا وینوبا جی کے ان سچاؤں کو یہاں دیتے ہیں جو انہوں نے چیمبرن دلع کے سکولی مقام پر پچھلے جن میں پنچائیت کے کارکنوں کے آئے رکھے تھے۔ ان کا کہنا ہے: —

1. جگہ جگہ انجریا سبھل یانی پڑائی گھر ہونا چاہیے جس میں اس زمانہ کے نئے وچار بھی ہلکے جائیں اور سرورڈے و گاندھی سلفیت اور کچھ دارمک کہوں کی تعلیم بھی دی جائے۔ خاص کر چھوٹی عمر والوں کے

گاؤں ہیں۔ یو۔ پی۔ پنچایت راج ایکٹ 1947 کے مطابق آج یو۔ پی۔ میں 36,139 گرام پنچائیں اور 8,543 عداوت پنچائیں ہیں۔ گاؤں کے انتظام میں گاؤں سب سے اہمکاروں میں سے کچھ خاص خاص یہ ہوں :-

1. سڑکوں کی रखवाली اور مرمت، روشنی، دوا-دارو، تالیف، سناہی اور مہلوں کا انتظام۔

2. پڑ لگانا، گاؤں کی ترقی کے لیے چوکیدار یا دوسرے لوگوں کا بندوبست کرنا، نئے پل اور پولیاں بنوانا۔

3. اپنے کام کے لیے کوئی بھی زمین حاصل کر لینا۔

4. لگان و دوسرے سرکاری ٹیکس وصول کرنا، گاؤں کے لوگوں کے لیے طرح سے نئے ٹیکس لگانا۔

5. پردیش کی سرکار سے ضرورت پڑنے پر روپیہ لینا اور اس کے ساتھ اپنے کام کے بڑھانے کے سلسلہ میں کوئی معاہدہ کرنا یا ٹھیک لینا۔

اس طرح، کہیں زیادہ، کہیں کم، دوسری ریاستوں میں بھی قدم اٹھائے گئے ہیں۔ لیکن جیسا ہمارے پریمی پائیک جانتے ہیں ان پنچائتوں یا گاؤں سبھاؤں کی وجہ سے نہ تو گاؤں کے چکر کم ہوئے، نہ ان میں امن ہوا اور نہ خوشحالی آئی۔ آئے گاؤں کے روزگار اور بڑی تھنڈے پڑ گئے، چوری وغیرہ بڑے کام ہی زیادہ ہوئے آئے اور سب سے دردناک بات جو ہوتی رہے کہ دیہات کے لوگوں کے دنوں میں آپس میں درمیان اور زیادہ پیدا ہو گئیں۔

مرض بڑھتا گیا جسوں دوا کی کمی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچایت نام کی وہ عظمت ہے کہ وہ کہہ سکر اس کی دھانی دیتی ہے اور اس کے اوپر اپنے کو دربان کرنے کی حاکمیتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے کل پردیشوں کے ان منسٹروں کی جن کا پنچایت سے واسطہ ہے، ایک کانفرنس 25، 26، 27 جن کو شملہ میں ہوئی۔ ایڈمرل کانفرنس ورکنگ کمیٹی نے بھی ایک کمیٹی پنچائتوں کی موجودہ حالت کی جانچ کرنے اور آگے کے لئے سچاؤ دینے کے لئے بنائی۔ ان تمام کانفرنسوں اور کمیٹیوں میں حسب معمول بات چیت ہوئی۔ کمیٹی کی رپورٹ بھی نکل چکی ہے۔ لیکن ان سب میں ایک ہی جڑ کا کام کرنا دیکھتا ہے یا کہنا چاہئے ایک ہی چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ پنچایت کسی طرح سے گاؤں کی بہتر سے بہتر حاکم بنے یعنی گاؤں کو دبا کر اپنے قبضہ میں رکھے۔ لیکن دوسرے پہلو پر کہ وہ گاؤں کے لوگوں کی سچی سے سچی خدمتگار کس طرح بنے، کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ جلد ہی ہمارے دیہات کی پنچائتوں یا گاؤں سبھاؤں کو ہندوستان کے ہندوستان کی ایک طرف سے اور زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے کی اور اُسے وصول کرنے

میں بڑھتا گیا جسوں دوا کی کمی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچایت نام کی وہ عظمت ہے کہ وہ کہہ سکر اس کی دھانی دیتی ہے اور اس کے اوپر اپنے کو دربان کرنے کی حاکمیتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے کل پردیشوں کے ان منسٹروں کی جن کا پنچایت سے واسطہ ہے، ایک کانفرنس 25، 26، 27 جن کو شملہ میں ہوئی۔ ایڈمرل کانفرنس ورکنگ کمیٹی نے بھی ایک کمیٹی پنچائتوں کی موجودہ حالت کی جانچ کرنے اور آگے کے لئے سچاؤ دینے کے لئے بنائی۔ ان تمام کانفرنسوں اور کمیٹیوں میں حسب معمول بات چیت ہوئی۔ کمیٹی کی رپورٹ بھی نکل چکی ہے۔ لیکن ان سب میں ایک ہی جڑ کا کام کرنا دیکھتا ہے یا کہنا چاہئے ایک ہی چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ پنچایت کسی طرح سے گاؤں کی بہتر سے بہتر حاکم بنے یعنی گاؤں کو دبا کر اپنے قبضہ میں رکھے۔ لیکن دوسرے پہلو پر کہ وہ گاؤں کے لوگوں کی سچی سے سچی خدمتگار کس طرح بنے، کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ جلد ہی ہمارے دیہات کی پنچائتوں یا گاؤں سبھاؤں کو ہندوستان کے ہندوستان کی ایک طرف سے اور زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے کی اور اُسے وصول کرنے

میں بڑھتا گیا جسوں دوا کی کمی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پنچایت نام کی وہ عظمت ہے کہ وہ کہہ سکر اس کی دھانی دیتی ہے اور اس کے اوپر اپنے کو دربان کرنے کی حاکمیتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے کل پردیشوں کے ان منسٹروں کی جن کا پنچایت سے واسطہ ہے، ایک کانفرنس 25، 26، 27 جن کو شملہ میں ہوئی۔ ایڈمرل کانفرنس ورکنگ کمیٹی نے بھی ایک کمیٹی پنچائتوں کی موجودہ حالت کی جانچ کرنے اور آگے کے لئے سچاؤ دینے کے لئے بنائی۔ ان تمام کانفرنسوں اور کمیٹیوں میں حسب معمول بات چیت ہوئی۔ کمیٹی کی رپورٹ بھی نکل چکی ہے۔ لیکن ان سب میں ایک ہی جڑ کا کام کرنا دیکھتا ہے یا کہنا چاہئے ایک ہی چیز پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ پنچایت کسی طرح سے گاؤں کی بہتر سے بہتر حاکم بنے یعنی گاؤں کو دبا کر اپنے قبضہ میں رکھے۔ لیکن دوسرے پہلو پر کہ وہ گاؤں کے لوگوں کی سچی سے سچی خدمتگار کس طرح بنے، کوئی دھیان نہیں دیا جاتا۔ ضرورت یہ نظر آتی ہے کہ جلد ہی ہمارے دیہات کی پنچائتوں یا گاؤں سبھاؤں کو ہندوستان کے ہندوستان کی ایک طرف سے اور زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگانے کی اور اُسے وصول کرنے

रास्ता है. पर मैंने फ्रान्स मालूम होता है महात्मा गांधी की तरह अपने देश को बाहर के और अन्दर के दोनों तरह के पापों से छुड़ाना चाहते हैं. इसमें सन्देह नहीं मैंने फ्रांस इस समय की दुनिया के बड़े से बड़े आदिमियों में से हैं.

यह सच है कि फ्रान्स अभी तक साम्राजशाही के पाप से मुक्त नहीं हुआ है. इस नोट के लिखे जाने के समय तक फ्रान्स की तरफ से अफ्रीका के देश भक्तों पर जुल्म हो रहे हैं. फिर भी हम फ्रान्स को श्री मैंने फ्रांस के सामने आने पर दिल से बधाई देते हैं और उनकी कोशिशों की कामयाबी के लिये दुआ करते हैं.

11. 11. '54

—सुन्दरलाल

पंचायतों की आजादी

एक जमाना था जब हमारे पुरखे कहा करते थे कि "कोई नृप होय हमें क्या हानी." इसका मतलब यह था कि राजा कोई भी क्यों न हो, जनता का अपना काम अपने ढंग से चलता था. हर गांव काफ़ी हद तक खुदमुखतार था और बाहर वाले उसकी आजादी में दखल नहीं डाल पाते थे. उस जमाने की खास बात यह थी कि गांव गांव न केवल खेती बल्कि दस्तकारियां भी चलती थीं, गांव की जरूरत का माल—जैसे कपड़ा, तेल, दवा दारू वगैरह—गांव में ही तैयार हो जाता था. दूसरी खास बात यह थी कि गांव के लोगों के भगड़े गांव के अन्दर ही मिल बैठकर तय हो जाते थे, रात को गांव की पंचायत लगती थी और एक मत से जो उसका फैसला होता था वह सब को मंजूर होता था. लेकिन धीरे धीरे पैसे का चलन बढ़ा, गांव में बाहर का माल आना जाना शुरू हुआ और गांव की खुदमुखतारी खतम होने लगी. अंग्रेजों के जमाने में गांव की इन दोनों खासियतों को सख्त चोट पहुंची और हमारे गांव तबाह हो गये. उनका धन्दा ख़तम हो गया, दस्तकारी मानो मिट ही गई और पंचायतों की भी वह शान न रही. गांव वालों के भगड़े शहर की अदालतों में आने लगे और पंच परमेश्वर नाम भर के लिये रह गये. जिन दिनों हम आजादी के लिये अंग्रेजों के खिलाफ लड़ते थे उन दिनों गांव गांव जाकर कहते थे कि आजादी हासिल होने पर गांव की सनथत बढ़ाई जायेगी और यहां की पंचायतों को केवल चलाया ही नहीं जायेगा उन्हें पूरी आजादी भी दी जायेगी ताकि हमारे गांव अपनी तरक्की और अपनी बेहतरी अपनी मर्जी के मुताबिक कर सकें.

अंग्रेजों के जाने के बाद देहली में और सुबो में, सब जगह कांग्रेस की अपनी हकूमत कायम हुई तो उसने पंचायत का सवाल भी हाथ में उठाया. हम यहां उत्तर प्रदेश की मिसाल सामने रखेंगे. उत्तर प्रदेश में एक लाख से कुछ ऊपर (1,01,500)

रास्ते हैं. पर मैंने फ्रान्स मालूम होता है महात्मा गांधी की तरह अपने देश को बाहर के और अन्दर के दोनों तरह के पापों से छुड़ाना चाहते हैं. इसमें सन्देह नहीं मैंने फ्रांस इस समय की दुनिया के बड़े से बड़े आदिमियों में से हैं.

यह सच है कि फ्रान्स अभी तक साम्राजशाही के पाप से मुक्त नहीं हुआ है. इस नोट के लिखे जाने के समय तक फ्रान्स की तरफ से अफ्रीका के देश भक्तों पर जुल्म हो रहे हैं. फिर भी हम फ्रान्स को श्री मैंने फ्रांस के सामने आने पर दिल से बधाई देते हैं और उनकी कोशिशों की कामयाबी के लिये दुआ करते हैं.

—सुन्दरलाल

11. 11. '54

पंचायतों की आजादी

एक जमाना था जब हमारे पुरखे कहा करते थे कि "कोई नृप होय हमें क्या हानी." इसका मतलब यह था कि राजा कोई भी क्यों न हो, जनता का अपना काम अपने ढंग से चलता था. हर गांव काफ़ी हद तक खुदमुखतार था और बाहर वाले उसकी आजादी में दखल नहीं डाल पाते थे. उस जमाने की खास बात यह थी कि गांव गांव न केवल खेती बल्कि दस्तकारियां भी चलती थीं, गांव की जरूरत का माल—जैसे कपड़ा, तेल, दवा दारू वगैरह—गांव में ही तैयार हो जाता था. दूसरी खास बात यह थी कि गांव के लोगों के भगड़े गांव के अन्दर ही मिल बैठकर तय हो जाते थे, रात को गांव की पंचायत लगती थी और एक मत से जो उसका फैसला होता था वह सब को मंजूर होता था. लेकिन धीरे धीरे पैसे का चलन बढ़ा, गांव में बाहर का माल आना जाना शुरू हुआ और गांव की खुदमुखतारी खतम होने लगी. अंग्रेजों के जमाने में गांव की इन दोनों खासियतों को सख्त चोट पहुंची और हमारे गांव तबाह हो गये. उनका धन्दा ख़तम हो गया, दस्तकारी मानो मिट ही गई और पंचायतों की भी वह शान न रही. गांव वालों के भगड़े शहर की अदालतों में आने लगे और पंच परमेश्वर नाम भर के लिये रह गये. जिन दिनों हम आजादी के लिये अंग्रेजों के खिलाफ लड़ते थे उन दिनों गांव गांव जाकर कहते थे कि आजादी हासिल होने पर गांव की सनथत बढ़ाई जायेगी और यहां की पंचायतों को केवल चलाया ही नहीं जायेगा उन्हें पूरी आजादी भी दी जायेगी ताकि हमारे गांव अपनी तरक्की और अपनी बेहतरी अपनी मर्जी के मुताबिक कर सकें.

अंग्रेजों के जाने के बाद देहली में और सुबो में, सब जगह कांग्रेस की अपनी हकूमत कायम हुई तो उसने पंचायत का सवाल भी हाथ में उठाया. हम यहां उत्तर प्रदेश की मिसाल सामने रखेंगे. उत्तर प्रदेश में एक लाख से कुछ ऊपर (1,01,500)

गए थे कि पांच दिन के अन्दर यानी अमुक तारीख के बारह बजे रात तक या इस सवाल का फैसला कर दूंगा या अपने ओहदे से इस्तीफा दे दूंगा। दुनिया की कुछ बड़ी राज-शाक्तियों ने, जिनका असली मामले से कोई सम्बन्ध तक नहीं था, बड़ी बड़ी रुकावटें डालीं। दुनिया हैरान थी कि पांच दिन में क्या हो सकेगा। परमैनेद फ्रान्स ने समय के अन्दर फैसला करा कर ही छोड़ा और फैसला भी वह जो हिन्द चीन की जनता के हक में और दुनिया की शान्ति के हक में था। बात पुरानी हो चुकी। पर हम यहां इसे इसलिये दुहरा रहे हैं कि किसी भी साम्राजवादी देश का, और फ्रान्स अभी तक साम्राजवादी देशों में गिना जाता है और है, इस तरह पक्के इरादे के साथ अपने अधीन देशों को आजाद होने में मदद देना कोई मामूली बात नहीं है। इस नेक काम का सेहरा सब से ज्यादा मैनेद फ्रान्स ही के सर है।

हमारे देश के अन्दर फ्रान्स के जो पुराने कवजे चले आ रहे थे उनका इस शान्ति और सुन्दरता के साथ आजाद किया जाना और भारत में मिलाया जाना भी उन नेक कामों में से है जिनका काफी यश मैनेद फ्रान्स को मिलना चाहिये।

हाल में अखबारों में एक और खबर छपी है जो ऊपर की दोनों बातों से किसी तरह कम महत्व की नहीं है। योरप के देशों में शराब का आम और खुला चलन है। उन सब देशों में इने गिने शराब न पीने वाले भी हैं, पर गिनती की निगाह से दाल में नमक जितने भी नहीं। मैनेद फ्रान्स ने पहले खुद शराब की जगह दूध पीना शुरू किया। उसके बाद उन्होंने अपने देश के अन्दर शराब पर रोक लगाने का बीड़ा उठाया।

कहते हैं पिछले जंग के बाद से शराब का व्याहार फ्रान्स में बहुत बढ़ गया है। उस छोटे से देश के अन्दर तीस लाख से ऊपर शराब की भट्टियां हैं। कहते हैं पिछले साल वहां पन्द्रह हजार आदमी जिगर की ऐसी बीमारियों से मरे जो अधिक शराब पीने से होती हैं। सड़कों की दुर्घटनाओं में जितने आदमी उस साल मरे उन में साठ फीसदी शराब के नशे में थे। सन 1900 में जितनी शराब फ्रान्स में बनी थी उससे पिछले साल पन्द्रह गुना ज्यादा तैयार हुई। मैनेद फ्रान्स की तजवीज है कि शराब की भट्टियों की तादाद बहुत कम कर दी जावे, शराब की तैयारी और बिकरी पर टैक्स बढ़ा दिया जावे, शराब के भवकों पर मीटर लगा दिये जावें, शराब की दुकानें कम कर दी जावें, हफ्ते के कुछ दिन ऐसे तय कर दिये जावें जब देश में कोई शराब न पी सके, शराब पी फिरेने वालों को कड़ी सजाएं दी जावे, वगैरह वगैरह।

देश भर में मैनेद फ्रान्स की इन तजवीजों का जबरदस्त विरोध शुरू हो गया है। आज तक योरप के शायद ही किसी शासक को इस तरह की बात सूझी हो। इसकी हिम्मत कर बैठना और भी बड़ी बात है। सुधार का रास्ता बहुत कठिन

लगे रहे थे कि पांच दिन के अन्दर यानी अमुक तारीख के बारह बजे रात तक या इस सवाल का फैसला कर दूंगा या अपने ओहदे से इस्तीफा दे दूंगा। दुनिया की कुछ बड़ी राज-शाक्तियों ने, जिनका असली मामले से कोई सम्बन्ध तक नहीं था, बड़ी बड़ी रुकावटें डालीं। दुनिया हैरान थी कि पांच दिन में क्या हो सकेगा। परमैनेद फ्रान्स ने समय के अन्दर फैसला करा कर ही छोड़ा और फैसला भी वह जो हिन्द चीन की जनता के हक में और दुनिया की शान्ति के हक में था। बात पुरानी हो चुकी। पर हम यहां इसे इसलिये दुहरा रहे हैं कि किसी भी साम्राजवादी देश का, और फ्रान्स अभी तक साम्राजवादी देशों में गिना जाता है और है, इस तरह पक्के इरादे के साथ अपने अधीन देशों को आजाद होने में मदद देना कोई मामूली बात नहीं है। इस नेक काम का सेहरा सब से ज्यादा मैनेद फ्रान्स ही के सर है।

हमारे देश के अन्दर फ्रान्स के जो पुराने कवजे चले आ रहे थे उनका इस शान्ति और सुन्दरता के साथ आजाद किया जाना और भारत में मिलाया जाना भी उन नेक कामों में से है जिनका काफी यश मैनेद फ्रान्स को मिलना चाहिये।

हाल में अखबारों में एक और खबर छपी है जो ऊपर की दोनों बातों से किसी तरह कम महत्व की नहीं है। योरप के देशों में शराब का आम और खुला चलन है। उन सब देशों में इने गिने शराब न पीने वाले भी हैं, पर गिनती की निगाह से दाल में नमक जितने भी नहीं। मैनेद फ्रान्स ने पहले खुद शराब की जगह दूध पीना शुरू किया। उसके बाद उन्होंने अपने देश के अन्दर शराब पर रोक लगाने का बीड़ा उठाया।

कहते हैं पिछले जंग के बाद से शराब का व्याहार फ्रान्स में बहुत बढ़ गया है। उस छोटे से देश के अन्दर तीस लाख से ऊपर शराब की भट्टियां हैं। कहते हैं पिछले साल वहां पन्द्रह हजार आदमी जिगर की ऐसी बीमारियों से मरे जो अधिक शराब पीने से होती हैं। सड़कों की दुर्घटनाओं में जितने आदमी उस साल मरे उन में साठ फीसदी शराब के नशे में थे। सन 1900 में जितनी शराब फ्रान्स में बनी थी उससे पिछले साल पन्द्रह गुना ज्यादा तैयार हुई। मैनेद फ्रान्स की तजवीज है कि शराब की भट्टियों की तादाद बहुत कम कर दी जावे, शराब की तैयारी और बिकरी पर टैक्स बढ़ा दिया जावे, शराब के भवकों पर मीटर लगा दिये जावें, शराब की दुकानें कम कर दी जावें, हफ्ते के कुछ दिन ऐसे तय कर दिये जावें जब देश में कोई शराब न पी सके, शराब पी फिरेने वालों को कड़ी सजाएं दी जावे, वगैरह वगैरह।

देश भर में मैनेद फ्रान्स की इन तजवीजों का जबरदस्त विरोध शुरू हो गया है। आज तक योरप के शायद ही किसी शासक को इस तरह की बात सूझी हो। इसकी हिम्मत कर बैठना और भी बड़ी बात है। सुधार का रास्ता बहुत कठिन

کے پہاڑ खड़े कर लेना न उनके देश की माली हालत को बहुत अच्छा साबित करता है, न हमें मसावात या बराबरी की तरफ ले जा सकता है और न दूसरे देशों के लिये लाभ-दायक हो सकता है. पर हम फिर यही कहेंगे कि रूस अपनी जगह खुश रहे, अमरीका अपनी जगह खुश रहे और सब अपनी अपनी जगह खुश रहें और कोई किसी को मिटाने की चिन्ता में न पड़े. इस तरह की कोशिश करना भगवान की इच्छा से लड़ना है और किसी भी देश को किसी तरह फल नहीं सकता.

राजकुमारी अमृत कौर ने जो कुछ कहा वह भी कोई नई बात नहीं. हमने बड़े दुख और लज्जा के साथ पढ़ा था कि भारत के मरुमथुमारी कमिशनर ने अपनी रिपोर्ट में यह साफ लिखा है कि अगर साइन्सी तरीकों और दवाओं से बच्चों के पैदा होने को न रोका गया तो भारत की आबादी थोड़े ही दिनों में इतनी बढ़ जाएगी कि सरकार के लिये सब को रोखी दे सकना नामुमकिन होगा. उन्होंने भारत सरकार से सिफारिश की थी कि वह इन तरीकों का अधिक से अधिक प्रचार करे. हमारी सरकार इसका खूब और खुले प्रचार कर भी रही है. बहुत सी चीजों के बाहर के देशों से आने पर यहां रोक थाम है. उन्हें बाहर से लाने के लिये खास परमिट लेने पड़ते हैं. पर हमने बम्बई में अपने व्यापारी दोस्तों से सुना था कि बच्चों की पैदाइश रोकने का सामान उन चीजों में से है जो यहां बाहर के देशों से श्री जनरल लाइसेन्स यानी खुले आम हर कोई जितना चाहे बिना किसी रोक थाम के मंगा सकता है. इस लज्जाजनक विषय पर हम अधिक नहीं लिखना चाहते. पैदाइश रोकने के इन तरीकों से करोड़ों रुपये की दवाएं और गन्दी चीजें हर साल देश में बिकने के साथ साथ लोगों को बदचलनी और काम वृत्ति का भी खुला मैदान मिलता है. इस मामले में हमारी भगवान से प्रार्थना है कि हमारे देश के लोग खासकर हमारे गांव के लोग भले ही राजकुमारी के शब्दों में अन्ध विरवासी बने रहें, पर इस नई तहजीब के गन्दे जाल में फँस कर अपने और अपनी नसलों के बदन, चलन और पैसे तीनों को बरबाद न करें.

चीन हम से बड़ा देश है. वहां की आबादी इस समय सत्तर करोड़ है. वहां की कम्युनिस्ट सरकार पैदाइश रोकने का इस तरह का सामान एक पैसे का भी कहीं से नहीं आने देती और न वहां देश में इस तरह का सामान बनता है. वहां की सरकार इस तरह बच्चों की पैदाइश रोकने के बजाय उन माओं का खास आदर करती है और उन्हें इनाम और बजीके देती है जिन के बहुत बच्चे हों. दस या बारह बच्चों की मां को वहां देश भर में बड़े आदर की निगाह से देखा जाता है. रूस में भी बहुत बच्चों वाली माओं का इसी तरह का आदर होता है और उनके साथ इसी तरह का व्यवहार

के पैदाइश रोकने के दिवस की مالی حالت کو بہت اچھا ثابت کرتا ہے، نہ ہمیں مساوات یا بربادری کی طرف لے جاسکتا ہے اور نہ دوسرے देशوں کے لئے لایہ دلیک ہوسکتا ہے، پر ہم پھر یہی کہیں گے کہ روس اپنی جگہ خوش رہے، امریکہ اپنی جگہ خوش رہے اور سب اپنی اپنی جگہ خوش رہیں اور کوئی کسی کو مٹانے کی چنتا میں نہ پڑے. اس طرح کی کوشش کرنا بھوکا کی اچھا سے لڑنا ہے اور کسی بھی دیش کو کسی طرح پھل نہیں سکتا.

راج کماری اُمرت کور نے جو کچھ کہا وہ بھی کوئی نئی بات نہیں. ہم نے بڑے دک اور لجا کے ساتھ پڑھا تھا کہ بھارت کے مردم شماری کمیشنر نے اپنی رپورٹ میں یہ صاف لکھا ہے کہ اگر سائنسی طریقوں اور درازوں سے بچوں کے پیدا ہونے کو نہ روکا گیا تو بھارت کی آبادی تھوڑے ہی دنوں میں اتنی بڑھ جائیگی کہ سرکار کے لئے سب کو روزی دینا ناممکن ہوگا. انہوں نے بھارت سرکار سے سفارش کی تھی کہ وہ ان طریقوں کا ادھک سے ادھک پرچار کرے. ہماری سرکار اس کا خوب اور کچھ پرچار کر رہی ہے. بہت سی چیزوں کے باہر کے دیشوں سے آئے پر یہاں روک تھام ہے، انہیں باہر سے لانے کے لئے خاص پرمٹ لینے پڑتے ہیں. پر ہم نے بمبئی میں اپنے واپاری دوستوں سے سنا تھا کہ بچوں کی پیدائش روکنے کا سامان ان چیزوں میں سے ہے جو یہاں باہر کے دیشوں سے ذریعہ جنرل لائسنس یعنی کچھ عام ہر کوئی جتنا چاہے بنا کسی روک تھام کے مگنا سکتا ہے. اس اچانک وشے پر ہم ادھک نہیں لکھنا چاہتے. پیدائش روکنے کے ان طریقوں سے کروڑوں روپے کی دولتیں اور گندے چیزیں ہر سال دیش میں بنگلے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بدچلتی اور کم تربیتی کا بھی کھلا میدان ملتا ہے. اس معاملے میں ہماری بھوکاں سے پرارتھنا ہے کہ ہمارے دیش کے لوگ خاصکر ہمارے گاؤں کے لوگ بے ہی راج کماری کے شدوس میں آندہ وشواسی نہ رہیں، پر اس نئی تہذیب کے گندے جال میں پھنسر اپنے اور اپنی تسلیوں کے بدن، چان اور پیسے تینوں کو برباد نہ کریں.

چین ہم سے بڑا دیش ہے. وہاں کی آبادی اسی سے ستر کروڑ ہے. وہاں کی کمیونسٹ سرکار پیدائش روکنے کا اس طرح کا سامان ایک پوسے کا بھی کچھ سے نہیں آئے دیتی اور نہ وہاں دیش میں اس طرح کا سامان بنتا ہے. وہاں کی سرکار اس طرح بچوں کی پیدائش روکنے کے بجائے ان ماؤں کا خاص ادھ کرتی ہے اور انہیں انعام اور رشیت دیتی ہے جن کے بہت بچے ہوں. دس یا بارہ بچوں کی ماں کو وہاں دیش بھر میں بڑے ادھ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے. روس میں بھی بہت بچوں والی ماؤں کا اسی طرح کا ادھ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اسی طرح کا دیکھا

مسلمان سچے جانے والے لوگوں سے زیادہ سچے مسلم اور سچے مومن ثابت ہوئے۔

جہاں تک مذہبی آزادی کا سوال ہے، نشانہ دہی کی ایک بڑی مسجد میں—اور اُس شہر میں بہت سی مسجیدیں ہیں—امام کے ٹھیک پیچھے کھڑے ہو کر نماز کی نماز پڑھتی ہے۔ سیکڑوں مسلمان ہمارے پیچھے تھے۔ مسجد کا صحن ٹھسٹھس بھرا ہوا تھا۔ ہم نے اُن کی عربی لائبریری، اسکول دیکھا، مذہبی تعلیم دی تھی۔ ہم کم سکتے ہیں کہ اس وقت اگر کہیں دنیا میں مکمل مذہبی آزادی ہے تو سوویت روس اور کمیونسٹ چین میں ہے۔ انگریزوں کے قائم کئے کالجوں سے نکلے ہوئے بہت سے مسلمان بابوں کے اسلام کے مقابلے میں اُن کا اسلام کہیں زیادہ مستحکم ہے۔

ہم یہاں روس اور امریکا کا مقابلہ کرتے نہیں بیٹھے، نہ ہمیں اس مقابلے سے کوئی مطلب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ روس اپنی جگہ خوش رہے اور امریکہ اپنی جگہ خوش رہے اور دنیا کے سب دشمن اپنی اپنی جگہ خوش رہیں، اور اپنی اپنی چال چلیں جو انہیں پسند ہو۔ کوئی دوسرے کے کام میں دخل نہ دے۔ کوئی کسی کے ساتھ زبردستی نہ کرے۔ یہی سچی آزادی کا مطلب ہے۔ یہی انسانی برابری کی بنیاد ہے۔ اسی میں سب کا بھلا ہے۔ اُس کے خلاف جو لوگ بھارت میں یا پاکستان میں امریکہ کی مدد سے کمیونسٹ دشمن کو مٹانا چاہتے ہیں انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بیلے ہی امریکہ میں بہت سے مزدوروں کے پاس دو دو موٹریں ہوں، جب کہ روس میں بہت سوں کے پاس ایک بھی موٹر نہیں، لیکن روس میں شاید ٹھونڈے سے بھی کوئی بیکار انسان نہ مل سکے گا اور امریکہ میں وہاں کی سرکاری ریورٹوں کے آئسٹار بیکاروں کی تعداد جنہیں سرکاری ٹیکس پر پالنا پڑتا ہے اور جن کے پاس کوئی کام کرنے کے لئے نہیں ہے اس سے پچاس لاکھ سے اوپر ہے۔ اب اگر ہم انتخاباتی مسامحات یعنی آرٹھک یا مالی برابری کی نگاہ سے دیکھیں تو کمیونسٹ دشمن اس سے دنیا میں سب سے آگے ہیں۔ روس میں بھی غریب اور امیر کا فرق ابھی تک ہے۔ چین میں اُس سے بھی کم، اور امریکہ میں سب سے زیادہ۔ کوئی غریب روسی یا چینی اگر اپنے امیر دشمن بھائی کی طرف دیکھنا چاہے تو اُسے اپنی ٹوپی پیچھے کر جانے کا حق نہیں ہو سکتا، جب کہ ایک امریکی غریب امریکی امیر کی طرف بنا ڈری پیچھے گرلے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ہمارے حساب سے مٹے طور پر چین کے اندر کم سے کم مزدوری اور بڑی سے بڑی تاختواہ کا اوسط ایک اور سات کا ہے، روس میں ایک اور سترہ اور امریکہ میں ایک اور کئی سو۔ جگہ جگہ کا کچا مال ہتھیایا کر اور دنیا کی مذہبیوں پر قبضہ کرکے کسی دیش کے تھوڑے سے آدمیوں کا اپنے یہاں سولے

ہم یہاں روس اور امریکا کا مقابلہ کرتے نہیں بیٹھے، نہ ہمیں اس مقابلے سے کوئی مطلب ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ روس اپنی جگہ خوش رہے اور امریکہ اپنی جگہ خوش رہے اور دنیا کے سب دشمن اپنی اپنی جگہ خوش رہیں، اور اپنی اپنی چال چلیں جو انہیں پسند ہو۔ کوئی دوسرے کے کام میں دخل نہ دے۔ کوئی کسی کے ساتھ زبردستی نہ کرے۔ یہی سچی آزادی کا مطلب ہے۔ یہی انسانی برابری کی بنیاد ہے۔ اسی میں سب کا بھلا ہے۔ اُس کے خلاف جو لوگ بھارت میں یا پاکستان میں امریکہ کی مدد سے کمیونسٹ دشمن کو مٹانا چاہتے ہیں انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بیلے ہی امریکہ میں بہت سے مزدوروں کے پاس دو دو موٹریں ہوں، جب کہ روس میں بہت سوں کے پاس ایک بھی موٹر نہیں، لیکن روس میں شاید ٹھونڈے سے بھی کوئی بیکار انسان نہ مل سکے گا اور امریکہ میں وہاں کی سرکاری ریورٹوں کے آئسٹار بیکاروں کی تعداد جنہیں سرکاری ٹیکس پر پالنا پڑتا ہے اور جن کے پاس کوئی کام کرنے کے لئے نہیں ہے اس سے پچاس لاکھ سے اوپر ہے۔ اب اگر ہم انتخاباتی مسامحات یعنی آرٹھک یا مالی برابری کی نگاہ سے دیکھیں تو کمیونسٹ دشمن اس سے دنیا میں سب سے آگے ہیں۔ روس میں بھی غریب اور امیر کا فرق ابھی تک ہے۔ چین میں اُس سے بھی کم، اور امریکہ میں سب سے زیادہ۔ کوئی غریب روسی یا چینی اگر اپنے امیر دشمن بھائی کی طرف دیکھنا چاہے تو اُسے اپنی ٹوپی پیچھے کر جانے کا حق نہیں ہو سکتا، جب کہ ایک امریکی غریب امریکی امیر کی طرف بنا ڈری پیچھے گرلے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ہمارے حساب سے مٹے طور پر چین کے اندر کم سے کم مزدوری اور بڑی سے بڑی تاختواہ کا اوسط ایک اور سات کا ہے، روس میں ایک اور سترہ اور امریکہ میں ایک اور کئی سو۔ جگہ جگہ کا کچا مال ہتھیایا کر اور دنیا کی مذہبیوں پر قبضہ کرکے کسی دیش کے تھوڑے سے آدمیوں کا اپنے یہاں سولے

آپنا घर बना हुआ है, जिस पर उनकी दूध देने वाली सुन्दर और तन्दुरुस्त गाएँ हैं या दूसरे जानवर पले हुए हैं और जिस पर उनकी अलग छोटी सी खेती बाड़ी और अंगूर की टट्टी है, इस सबकी आमदनी अलग. हमने हिसाब लगा कर देखा कि उजबेकिस्तान के अन्दर चार पांच आदमियों के एक छोटे से किसान कुनबे की आमदनी किसी तरह हमारे सिक्कों में दो हजार रुपये माहवार से कम नहीं होती, और खाने पीने की चीजें मोटे तौर पर दिल्ली या लाहौर से ज्यादा महंगी नहीं हैं. इन खाने पीने की चीजों की बहुतायत तो वहाँ है ही. उजबेकिस्तान के मुसलमान किसानों के घरों में घुस घुसकर हमने अपनी आँखों से उनकी हालत को देखा है. धंदों उनकी मढ़ी, औरतों और बच्चों से बातें की हैं. उनके साथ खाना खाया है. हम पूरी जिम्मेदारी के साथ कह सकते हैं कि उजबेकिस्तान के वह मुसलमान किसान भारत या पाकिस्तान के एक हजार रुपये माहवार तनखावा पाने वाले बाबुओं से कहीं ज्यादा खुश और खुशहाल हैं. उजबेकिस्तान में रुई अधिक होती है. सारे रूस को रुई वहाँ से जाती है. हमने उनके खेतों में पैदा हुए रुई के डोंडों को देखा. हम देख कर रंग रह गए. उनका एक डोंडा भारत या पाकिस्तान के अच्छे से अच्छे रुई के डोंडों से कम से कम बारह गुना बड़ा तो होता ही है. हमें नहीं मालूम कि मिस्टर मुहम्मद अली और उनके हम-खायाल लोग किस कम्युनिज्म को मिटाना चाहते हैं, क्यों मिटाना चाहते हैं और किस विरते पर मिटाना चाहते हैं. पैसे और तलवार ने आज तक दुनिया में न तारीखी ताकतों यानी इतिहासिक शक्तियों की बाढ़ को रोक़ा और न वह रोक़ सकते हैं.

हम यहाँ रूस की, उजबेकिस्तान की या चीन की तालीम, वहाँ के बच्चों की देख रेख, वहाँ के घरलू धंदों और वहाँ की कारीगरियों, दस्तकारियों और कारखानों की चरचा करके इस नोट को लम्बा करना नहीं चाहते. उजबेकिस्तान के किसानों की हालत को भी हमने केवल नमूने के तौर पर बयान किया है. हमें आँख खोल कर दुनिया को देखना चाहिये और बड़े दिल से सबको समझने की कोशिश करनी चाहिये.

अब रही मजहब की बात. रसूल करीम से सैकड़ों बार पूछा गया कि 'इस्लाम' किस कहते हैं, 'मुसलिम' कौन है, 'इमान' का क्या मतलब है और 'मोमिन' की क्या तारीफ़ है? इस तरह की हद्दीस सही बुखारी और सही मुस्लिम में भरी पड़ी हैं. हमें यकीन है कि हमारे यह कहते ही इस तरह की पचासों हद्दीस हर पढ़े लिखे मुसलमान को याद आजायेंगी. यहाँ उन्हें दुहराने की जरूरत नहीं है. हम बड़ी नम्रता और इनकिसार के साथ कहना चाहते हैं कि अगर किसी इनसान के मुस्लिम या मोमिन होने का फैसला उन हद्दीसों की बिना पर किया जावे तो रूस और चीन के लाखों कम्युनिस्ट कहलाने वाले इनसान भारत या पाकिस्तान के लाखों

लिफ़ा ग़ैर बना हुआ है, जिस पर उन की हदूम दिले والी सन्दर्भ और तन्दरست लक्षण हैं या दूसरे जानवर पले हुए हैं और जिस पर उन की अलग छोटी सी खेती बाड़ी और अंगूर की टट्टी है, इस सबकी आमदनी अलग. हमने हिसाब लगा कर देखा कि उजबेकिस्तान के अन्दर चार पांच आदमियों के एक छोटे से किसान कुनबे की आमदनी किसी तरह हमारे सिक्कों में दो हजार रुपये माहवार से कम नहीं होती, और खाने पीने की चीजें मोटे तौर पर दिल्ली या लाहौर से ज्यादा महंगी नहीं हैं. इन खाने पीने की चीजों की बहुतायत तो वहाँ है ही. उजबेकिस्तान के मुसलमान किसानों के घरों में घुस घुसकर हमने अपनी आँखों से उनकी हालत को देखा है. धंदों उनकी मढ़ी, औरतों और बच्चों से बातें की हैं. उनके साथ खाना खाया है. हम पूरी जिम्मेदारी के साथ कह सकते हैं कि उजबेकिस्तान के वह मुसलमान किसान भारत या पाकिस्तान के एक हजार रुपये माहवार तनखावा पाने वाले बाबुओं से कहीं ज्यादा खुश और खुशहाल हैं. उजबेकिस्तान में रुई अधिक होती है. सारे रूस को रुई वहाँ से जाती है. हमने उनके खेतों में पैदा हुए रुई के डोंडों को देखा. हम देख कर रंग रह गए. उनका एक डोंडा भारत या पाकिस्तान के अच्छे से अच्छे रुई के डोंडों से कम से कम बारह गुना बड़ा तो होता ही है. हमें नहीं मालूम कि मिस्टर मुहम्मद अली और उनके हम-खायाल लोग किस कम्युनिज्म को मिटाना चाहते हैं, क्यों मिटाना चाहते हैं और किस विरते पर मिटाना चाहते हैं. पैसे और तलवार ने आज तक दुनिया में न तारीखी ताकतों यानी इतिहासिक शक्तियों की बाढ़ को रोक़ा और न वह रोक़ सकते हैं.

हम यहाँ रूस की, उजबेकिस्तान की या चीन की तालीम, वहाँ के बच्चों की देख रेख, वहाँ के घरलू धंदों और वहाँ की कारीगरियों, दस्तकारियों और कारखानों की चरचा करके इस नोट को लम्बा करना नहीं चाहते. उजबेकिस्तान के किसानों की हालत को भी हमने केवल नमूने के तौर पर बयान किया है. हमें आँख खोल कर दुनिया को देखना चाहिये और बड़े दिल से सबको समझने की कोशिश करनी चाहिये.

अब रही मजहब की बात. रसूल करीम से सैकड़ों बार पूछा गया कि 'इस्लाम' किस कहते हैं, 'मुसलिम' कौन है, 'इमान' का क्या मतलब है और 'मोमिन' की क्या तारीफ़ है? इस तरह की हद्दीस सही बुखारी और सही मुस्लिम में भरी पड़ी हैं. हमें यकीन है कि हमारे यह कहते ही इस तरह की पचासों हद्दीस हर पढ़े लिखे मुसलमान को याद आजायेंगी. यहाँ उन्हें दुहराने की जरूरत नहीं है. हम बड़ी नम्रता और इनकिसार के साथ कहना चाहते हैं कि अगर किसी इनसान के मुस्लिम या मोमिन होने का फैसला उन हद्दीसों की बिना पर किया जावे तो रूस और चीन के लाखों कम्युनिस्ट कहलाने वाले इनसान भारत या पाकिस्तान के लाखों

ہر دیکھا دیا ہو کہ भारत بھی کبھی اسی بے-دینی اور لا-مذہبی کی طرف جا رہا ہے اور भारत کو اس رات رات سے ہٹا کر پھر سے ٹھیک راستے پر لانے کے لئے انہیں خدا اور مذهب سے انکار نہ کرنے والی امریکی سرکار کی مدد کارگر دکھائی دیتی ہو۔

خدا اور مذهب کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ تہذیب دین کے لئے اس سے ہٹ کر ہم مسٹر محمد علی اور اُن کے خیال کے لوگوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی اب تک کی تاریخ اور اس سے کی حالت کو پوری طرح دیکھیں اور دیکھتے ہوئے اس سارے سوال پر غور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ زمانہ ایک نئے اور اونچے معنی میں انسانی مساوات یعنی انسانی برابری کا زمانہ ہے۔ آدمی کے بیچ کی ہزاروں برسوں کی دنیاوں کی تباہیوں کی تباہی کے ساتھ ایک نئی جاتی ہے اور ایک کتبہ بنتی جا رہی ہے۔ ہم نے کلمہ مجید کو بہت پڑھا اور شریعت کے ساتھ انہی بار پڑھا ہے۔ دنیا اس طرف بڑھ رہی ہے جیسے قرآن میں ”اللہ کا کتبہ“ کہا گیا ہے۔ ہزاروں برس سے نیچے دیے ہوئے انسان اور آ رہے ہیں اور بہت دنوں تک اوپر رہا ہے والوں کو اسی برابری کو قائم کرنے کے لئے کچھ نیچے اُترنا پڑ رہا ہے۔ یہ ہے دنیا کی آجکل کی گئی۔ اور یہی مشیعت یعنی ایشور کی لچکا ہے۔ مسٹر محمد علی اور اُن کی طرح سوچنے والے لوگوں کو چاہئے کہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں یا کہیں بی، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کمیونسٹ دیشوں میں سے جنہوں وہ مٹنا چاہ رہے ہیں آج سوویت روس کے اندر مسلم دیش ازبیکستان میں جس کے شہر سمرفند تاشقند اور بخارا کسی سے دنیا کی تہذیب کے مرکز مانے جاتے تھے اور جو آج سے ہر برس پہلے دنیا کے غریب سے غریب اور ویران سے ویران دیشوں میں گنا جاتا تھا۔ آج روسی کمیونزم کے دور میں ایک معمولی کسان کو گول آٹے گھاتے محنت کر کے شام کو جو مزدوری ملتی ہے وہ ہے: چار سیر آلو، دو سیر پیل اور سبزی، تین پاؤ درود، پاؤ بیور گشت اور اُن سب کے علاوہ دس یا بارہ روپے نقد۔ ایک روپے برابری ہوتا ہے ہندوستانی ایک روپیہ دو آٹے کے۔ اگر چار یا پانچ آدمیوں کے کسی کسان کلبہ میں دو آدمی بی، ایک مرد ایک عورت یا دو بیانی یا باپ بیٹے، کھیت میں کام کرتے ہیں تو وہ شام کو اس کا ٹھیک دوگنا سامان گھر لے کر آتے ہیں۔ کلکتہ فارم یعنی مشترکہ کھیتی کی پیداوار کی بکری سے یہ مزدوری، سرکار کا حصہ اور سب خرچ دینے کے بعد جو دس کسان پرووار کو نقد بچتا ہے وہ آٹک۔ اس سب کے علاوہ ہر کسان پرووار کی کچھ نہ کچھ اپنی نجی ملکت کی زمین بھی ہے جس پر اُس پرووار کا

خدا اور مذهب کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ تہذیب دین کے لئے اس سے ہٹ کر ہم مسٹر محمد علی اور اُن کے خیال کے لوگوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی اب تک کی تاریخ اور اس سے کی حالت کو پوری طرح دیکھیں اور دیکھتے ہوئے اس سارے سوال پر غور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ زمانہ ایک نئے اور اونچے معنی میں انسانی مساوات یعنی انسانی برابری کا زمانہ ہے۔ آدمی کے بیچ کی ہزاروں برسوں کی دنیاوں کی تباہیوں کی تباہی کے ساتھ ایک نئی جاتی ہے اور ایک کتبہ بنتی جا رہی ہے۔ ہم نے کلمہ مجید کو بہت پڑھا اور شریعت کے ساتھ انہی بار پڑھا ہے۔ دنیا اس طرف بڑھ رہی ہے جیسے قرآن میں ”اللہ کا کتبہ“ کہا گیا ہے۔ ہزاروں برس سے نیچے دیے ہوئے انسان اور آ رہے ہیں اور بہت دنوں تک اوپر رہا ہے والوں کو اسی برابری کو قائم کرنے کے لئے کچھ نیچے اُترنا پڑ رہا ہے۔ یہ ہے دنیا کی آجکل کی گئی۔ اور یہی مشیعت یعنی ایشور کی لچکا ہے۔ مسٹر محمد علی اور اُن کی طرح سوچنے والے لوگوں کو چاہئے کہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں یا کہیں بی، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کمیونسٹ دیشوں میں سے جنہوں وہ مٹنا چاہ رہے ہیں آج سوویت روس کے اندر مسلم دیش ازبیکستان میں جس کے شہر سمرفند تاشقند اور بخارا کسی سے دنیا کی تہذیب کے مرکز مانے جاتے تھے اور جو آج سے ہر برس پہلے دنیا کے غریب سے غریب اور ویران سے ویران دیشوں میں گنا جاتا تھا۔ آج روسی کمیونزم کے دور میں ایک معمولی کسان کو گول آٹے گھاتے محنت کر کے شام کو جو مزدوری ملتی ہے وہ ہے: چار سیر آلو، دو سیر پیل اور سبزی، تین پاؤ درود، پاؤ بیور گشت اور اُن سب کے علاوہ دس یا بارہ روپے نقد۔ ایک روپے برابری ہوتا ہے ہندوستانی ایک روپیہ دو آٹے کے۔ اگر چار یا پانچ آدمیوں کے کسی کسان کلبہ میں دو آدمی بی، ایک مرد ایک عورت یا دو بیانی یا باپ بیٹے، کھیت میں کام کرتے ہیں تو وہ شام کو اس کا ٹھیک دوگنا سامان گھر لے کر آتے ہیں۔ کلکتہ فارم یعنی مشترکہ کھیتی کی پیداوار کی بکری سے یہ مزدوری، سرکار کا حصہ اور سب خرچ دینے کے بعد جو دس کسان پرووار کو نقد بچتا ہے وہ آٹک۔ اس سب کے علاوہ ہر کسان پرووار کی کچھ نہ کچھ اپنی نجی ملکت کی زمین بھی ہے جس پر اُس پرووار کا

خدا اور مذهب کا معاملہ بڑا نازک معاملہ ہے۔ تہذیب دین کے لئے اس سے ہٹ کر ہم مسٹر محمد علی اور اُن کے خیال کے لوگوں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا کی اب تک کی تاریخ اور اس سے کی حالت کو پوری طرح دیکھیں اور دیکھتے ہوئے اس سارے سوال پر غور کرنے کی کوشش کریں۔ یہ زمانہ ایک نئے اور اونچے معنی میں انسانی مساوات یعنی انسانی برابری کا زمانہ ہے۔ آدمی کے بیچ کی ہزاروں برسوں کی دنیاوں کی تباہیوں کی تباہی کے ساتھ ایک نئی جاتی ہے اور ایک کتبہ بنتی جا رہی ہے۔ ہم نے کلمہ مجید کو بہت پڑھا اور شریعت کے ساتھ انہی بار پڑھا ہے۔ دنیا اس طرف بڑھ رہی ہے جیسے قرآن میں ”اللہ کا کتبہ“ کہا گیا ہے۔ ہزاروں برس سے نیچے دیے ہوئے انسان اور آ رہے ہیں اور بہت دنوں تک اوپر رہا ہے والوں کو اسی برابری کو قائم کرنے کے لئے کچھ نیچے اُترنا پڑ رہا ہے۔ یہ ہے دنیا کی آجکل کی گئی۔ اور یہی مشیعت یعنی ایشور کی لچکا ہے۔ مسٹر محمد علی اور اُن کی طرح سوچنے والے لوگوں کو چاہئے کہ پاکستان میں ہوں یا بھارت میں یا کہیں بی، یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اُن کمیونسٹ دیشوں میں سے جنہوں وہ مٹنا چاہ رہے ہیں آج سوویت روس کے اندر مسلم دیش ازبیکستان میں جس کے شہر سمرفند تاشقند اور بخارا کسی سے دنیا کی تہذیب کے مرکز مانے جاتے تھے اور جو آج سے ہر برس پہلے دنیا کے غریب سے غریب اور ویران سے ویران دیشوں میں گنا جاتا تھا۔ آج روسی کمیونزم کے دور میں ایک معمولی کسان کو گول آٹے گھاتے محنت کر کے شام کو جو مزدوری ملتی ہے وہ ہے: چار سیر آلو، دو سیر پیل اور سبزی، تین پاؤ درود، پاؤ بیور گشت اور اُن سب کے علاوہ دس یا بارہ روپے نقد۔ ایک روپے برابری ہوتا ہے ہندوستانی ایک روپیہ دو آٹے کے۔ اگر چار یا پانچ آدمیوں کے کسی کسان کلبہ میں دو آدمی بی، ایک مرد ایک عورت یا دو بیانی یا باپ بیٹے، کھیت میں کام کرتے ہیں تو وہ شام کو اس کا ٹھیک دوگنا سامان گھر لے کر آتے ہیں۔ کلکتہ فارم یعنی مشترکہ کھیتی کی پیداوار کی بکری سے یہ مزدوری، سرکار کا حصہ اور سب خرچ دینے کے بعد جو دس کسان پرووار کو نقد بچتا ہے وہ آٹک۔ اس سب کے علاوہ ہر کسان پرووار کی کچھ نہ کچھ اپنی نجی ملکت کی زمین بھی ہے جس پر اُس پرووار کا

امریکہ میں مسٹر محمد علی اور راج کمارى امرت کور

حال میں سماچار پत्रوں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی خبریں ایک ساتھ چھپی تھیں۔ پاکستان کے بڑے وزیر مسٹر محمد علی اور بھارت کی صحت وزیر راج کمارى امرت کور دونوں ان دنوں امریکہ میں تھے۔ پہلی خبر یہ تھی کہ مسٹر محمد علی نے وہاں یہ وچار پڑھت کیا کہ دنیا کو بچانے کے لئے دنیا سے کمیونزم کو مٹانا ضروری ہے اور اُسے مٹانے کے دو ہی سادھن ہیں—پیسے اور تلوار۔ اس کے لئے امریکہ، پاکستان اور دوسرے ایسی طرح کے دیشوں کو ملکر کوشش کرنی چاہئے۔ دوسری خبر یہ تھی کہ راج کمارى امرت کور نے امریکی جنتا سے کہا کہ بھارت کے لوگ بڑے کٹر، ہٹ دھرمی اور آندہ وشراسی ہیں، اسی لئے وہ بچوں کی پیدائش کو روکنے کے سائنسی طریقوں کو کلم میں نہیں لاتے۔ اس سے بھارت کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے، یہی بھارت کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ راج کمارى امرت کور نے امریکی جنتا کو یہ بھی سوچنا دی کہ بھارت سرکار ہزاروں اسپتالوں کے ذریعہ اور طرح طرح سے یہ کوشش کر رہی ہے کہ لوگ بڑوں کی پیدائش روکنے کے ان طریقوں کو جانیں، ان کی قدر کریں اور انہیں کلم میں لایں۔ یہ کوشش اک بڑے پیمانے پر گائی گائیں میں کی جا رہی ہے تاکہ دیش بڑھتی ہوئی آبادی کی اس مصیبت سے بچ سکے۔

مسٹر محمد علی کے وچار اس معاملے میں سب کو پہلے سے معلوم تھے۔ راج کمارى امرت کور کے وچار پیدائش روکنے کے سببندہ میں یہی دنیا سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ پھر یہی ان دونوں کی یہ تقریریں سنیں یہ سچے پر مجبور کرتی ہیں کہ پاکستان اور بھارت کھڑ جا رہے ہیں۔

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا نضر ہے۔ چونکہ مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمیونزم اور کمیونسٹوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ اس ناستکنا اور بے دینی کو دنیا سے مقابلے کے لئے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں پھر سے جانے کے لئے انہیں پیسے اور تلوار دو ہی سب سے اچھے سادھن دکھائی دیتے ہیں۔ یہ یہی مدھن ہے کہ چین کے بڑے وزیر چائو۔ این۔ لائی کے بھارت آنے اور جوائے لال جی کے چین جانے جیسی گفتگوں سے اور ایدھر نولا کے نئے کرخانے کی بابت روس اور بھارت کی بات چیت سے مسٹر محمد علی کو یہ

حال میں سماچار پत्रوں کے اندر دو چھوٹی چھوٹی خبریں ایک ساتھ چھپی تھیں۔ پاکستان کے بڑے وزیر مسٹر محمد علی اور بھارت کی صحت وزیر راج کمارى امرت کور دونوں ان دنوں امریکہ میں تھے۔ پہلی خبر یہ تھی کہ مسٹر محمد علی نے وہاں یہ وچار پڑھت کیا کہ دنیا کو بچانے کے لئے دنیا سے کمیونزم کو مٹانا ضروری ہے اور اُسے مٹانے کے دو ہی سادھن ہیں—پیسے اور تلوار۔ اس کے لئے امریکہ، پاکستان اور دوسرے ایسی طرح کے دیشوں کو ملکر کوشش کرنی چاہئے۔ دوسری خبر یہ تھی کہ راج کمارى امرت کور نے امریکی جنتا سے کہا کہ بھارت کے لوگ بڑے کٹر، ہٹ دھرمی اور آندہ وشراسی ہیں، اسی لئے وہ بچوں کی پیدائش کو روکنے کے سائنسی طریقوں کو کلم میں نہیں لاتے۔ اس سے بھارت کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے، یہی بھارت کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ راج کمارى امرت کور نے امریکی جنتا کو یہ بھی سوچنا دی کہ بھارت سرکار ہزاروں اسپتالوں کے ذریعہ اور طرح طرح سے یہ کوشش کر رہی ہے کہ لوگ بڑوں کی پیدائش روکنے کے ان طریقوں کو جانیں، ان کی قدر کریں اور انہیں کلم میں لایں۔ یہ کوشش اک بڑے پیمانے پر گائی گائیں میں کی جا رہی ہے تاکہ دیش بڑھتی ہوئی آبادی کی اس مصیبت سے بچ سکے۔

مسٹر محمد علی کے وچار اس معاملے میں سب کو پہلے سے معلوم تھے۔ راج کمارى امرت کور کے وچار پیدائش روکنے کے سببندہ میں یہی دنیا سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ پھر یہی ان دونوں کی یہ تقریریں سنیں یہ سچے پر مجبور کرتی ہیں کہ پاکستان اور بھارت کھڑ جا رہے ہیں۔

مسٹر محمد علی ایک ایسے راج کے بڑے وزیر کے حیثیت سے بول رہے تھے جو اپنے کو اسلامی راج کہتا ہے، اور جسے اپنے اسلامی ہونے کا نضر ہے۔ چونکہ مسٹر محمد علی اپنے کو مسلمان مانتے اور کہتے ہیں۔ ظاہر ہے انہیں خدا اور مذہب کو نہ مانتے والے کمیونزم اور کمیونسٹوں سے ناراضی ہے اور انہیں ان سے دنیا کو خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ اس ناستکنا اور بے دینی کو دنیا سے مقابلے کے لئے اور خدا اور مذہب کو لوگوں کے دلوں میں پھر سے جانے کے لئے انہیں پیسے اور تلوار دو ہی سب سے اچھے سادھن دکھائی دیتے ہیں۔ یہ یہی مدھن ہے کہ چین کے بڑے وزیر چائو۔ این۔ لائی کے بھارت آنے اور جوائے لال جی کے چین جانے جیسی گفتگوں سے اور ایدھر نولا کے نئے کرخانے کی بابت روس اور بھارت کی بات چیت سے مسٹر محمد علی کو یہ

अधिक हों और उनकी शक्ति सचमुच पड़ी सड़ती हो तो उसमें मशीनों और बिलों पर इस तरह का जोर अर्थशास्त्र की निगाह से समझदारी की बात नहीं मानी जा सकती। न यह विज्ञान यानी साइन्स है और न इसमें जनता का भला (welfare) है। यह है नंगा पूँजीवाद, थोड़े से लोगों को बड़े बड़े मुनाफे कमाने का मौका देना और आम गरीब जनता को उन मुनाफों के लिये चुसने देना।

यह देखकर दिल दुखता है कि आजाद भारत में, पहली आजाद सरकार के नीचे, और महात्मा गांधी के मरने के इतने थोड़े दिनों के अन्दर, बड़ी मशीनों और बड़े पैमाने पर और कम से कम मजदूर लगा कर अधिक से अधिक माल पैदा करने का चसका हम में इतना बढ़ जावे कि देश की परिस्थिति और जनता के असली हित की तरफ हमारी निगाह ही न जा सके। हमें इस सम्बन्ध में महात्मा गांधी के यह शब्द याद आ रहे हैं:—“लोग मजदूरों और मजदूरी की बचत करते चले जाते हैं, यहाँ तक कि हजारों आदमी भूखे मरने के लिये खुली गलियों में जा पड़ते हैं।”

सालुम होता है कि भारत सरकार इस तहक्रीक़ाती कमेटी की सिकारियों से बहुत कुछ सहमत है। यह ऐलान हो चुका है कि तहक्रीक़ाती कमेटी का चेयरमैन ‘तिजारत और उद्योग धन्धों का डिप्टी मिनिस्टर’ बनाया जायगा, इसलिये ताकि वह इस “सोचने समझने बदलाव” (planned conversion) को अमल में लाने में मदद दे सके।

इस सबका निचोड़ यह है कि हमारे गांव, हमारे गरीबों के कोपड़ों, उनकी दस्तकारियों, उनके उद्योग धन्धों, और देश के लाखों बल्कि करोड़ों बेकारों को सब के साथ उस दिन का इन्तज़ार करना चाहिये जिस दिन हमारे चोटी के आदमी इस बात को समझ सकें कि भारत की जनता का भला इस में है कि लोगों के हाथ पैरों की शक्ति और मशीनों की शक्ति दोनों का अपनी अपनी जगह उपयोग किया जावे और स्वतन्त्र कारीगर और दूसरे के लिये मेहनत करने वाला मजदूर दोनों के बीच एक ऐसा उचित, समझदारी का, देश के हालात से मिलता हुआ और अमली सामंजस्य कायम किया जावे, जिससे सब को रोजी मिल सके, आजाद कारीगर के लिये दुनिया में जगह रहे और साइन्स को भी उन्नति का पूरा मैदान मिले। मिल मालिकों की बची खुची ज़ूठन पर हमें लाखों बुनकरों को नहीं पालना, बल्कि हमारे लाखों आजाद बुनकरों के कर्घों से जो मैदान बचे वह मिलों को देना है। हम यदि शान्ति और नज़्हा से समझने की कोशिश करें तो गांधी जी यही चाहते थे और इसी में देश की जनता का भला है।

अदक हों और उन की शक्ति सचमुच पड़ी सड़ती हो तो उसमें मशीनों और बिलों पर इस तरह का जोर अर्थशास्त्र की निगाह से समझदारी की बात नहीं मानी जा सकती। न यह विज्ञान यानी साइन्स है और न इसमें जनता का भला (welfare) है। यह है नंगा पूँजीवाद, थोड़े से लोगों को बड़े बड़े मुनाफे कमाने का मौका देना और आम गरीब जनता को उन मुनाफों के लिये चुसने देना।

ये दिग्गज को दिल दिकता है कि आजाद भारत में, पहली आजाद सरकार के नीचे, और महात्मा गांधी के मरने के इतने थोड़े दिनों के अन्दर, बड़ी मशीनों और बड़े पैमाने पर और कम से कम मजदूर लगा कर अधिक से अधिक माल पैदा करने का चसका हम में इतना बढ़ जावे कि देश की परिस्थिति और जनता के असली हित की तरफ हमारी निगाह ही न जा सके। हमें इस सम्बन्ध में महात्मा गांधी के यह शब्द याद आ रहे हैं:—“लोग मजदूरों और मजदूरी की बचत करते चले जाते हैं, यहाँ तक कि हजारों आदमी भूखे मरने के लिये खुली गलियों में जा पड़ते हैं।”

मعلوم होता है कि भारत सरकार इस तहक्रीक़ाती कमेटी की सिकारियों से बहुत कुछ सहमत है। यह ऐलान हो चुका है कि तहक्रीक़ाती कमेटी का चेयरमैन ‘तिजारत और उद्योग धन्धों का डिप्टी मिनिस्टर’ बनाया जायगा, इसलिये ताकि वह इस “सोचने समझने बदलाव” (planned conversion) को अमल में लाने में मदद दे सके।

इस सब का निचोड़ यह है कि हमारे गांव, हमारे गरीबों के कोपड़ों, उनकी दस्तकारियों, उनके उद्योग धन्धों, और देश के लाखों बल्कि करोड़ों बेकारों को सब के साथ उस दिन का इन्तज़ार करना चाहिये जिस दिन हमारे चोटी के आदमी इस बात को समझ सकें कि भारत की जनता का भला इस में है कि लोगों के हाथ पैरों की शक्ति और मशीनों की शक्ति दोनों का अपनी अपनी जगह उपयोग किया जावे और स्वतन्त्र कारीगर और दूसरे के लिये मेहनत करने वाला मजदूर दोनों के बीच एक ऐसा उचित, समझदारी का, देश के हालात से मिलता हुआ और अमली सामंजस्य कायम किया जावे, जिससे सब को रोजी मिल सके, आजाद कारीगर के लिये दुनिया में जगह रहे और साइन्स को भी उन्नति का पूरा मैदान मिले। मिल मालिकों की बची खुची ज़ूठन पर हमें लाखों बुनकरों को नहीं पालना, बल्कि हमारे लाखों आजाद बुनकरों के कर्घों से जो मैदान बचे वह मिलों को देना है। हम यदि शान्ति और नज़्हा से समझने की कोशिश करें तो गांधी जी यही चाहते थे और इसी में देश की जनता का भला है।

تک اور دوسرا اس کے بعد۔ ہاتھ کرکھوں کو جو ہڑی سی خاص رعایتیں اس سے ملی ہوئی ہیں انہیں پہلے کال میں ”اور ادھک نہیں بھایا جائیگا۔“ اس کے علاوہ کھیتی کے سرکار سے سفارش کی ہے کہ ”ایک خاص اجنسی اس بات کے لئے قائم کی جائے کہ وہ اس بات کو دیکھے کہ اس بدلاؤ میں جو خرچ کرنا پڑیگا اُسے کیسے اور کس تھک سے کیا جائے۔“ سیدھی سادی پولشا میں اس سفارش کا مطالب یہ ہے کہ وہ دھندا جیسے ہم ہاتھ کرکھوں کا دھندا کرتے ہیں دیش کی آرتھک ویسٹا سے ”درجے درجے“ (by stages) بالکل ختم کر دیا جاوے۔ فی الحال تھوڑے سے ایسے کرکھے رہے دیئے جائینگے جو ایسا ”نہیں اور بہت نفیس مال تیار کرتے ہیں“ جسے ویشوں میں بیچ کر پہلے میں ”دیشی سکے“ مل سکتے ہیں۔

یہ ”بدلاؤ“ کا کام پوری یوجنا کے ساتھ کچھ دنوں سے برابر چل رہا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہاتھ بکروں کی بہت بڑی تعداد بالکل بیروزگار ہو چکی ہے، اور جو رہ گئے ہیں اُن میں سے ادھکاتھ، جو چند سال پہلے تک سونتر کارگر تھے، اب تھوڑے سے اُن لوگوں کے لئے روز کی مزدوری کرتے ہیں جن کے پاس تھوڑا بہت پیسہ جمع تھا اور جو آسانی سے پہلے درجے سے نکل کر دوسرے درجے میں پہنچ گئے ہیں اور اب تیسرے درجے میں مل کر اپنا سونتر استتو ختم کر دینے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔

اس ساری سسٹیا میں جو سب سے بڑا پہلو ہے روزگاری کا ہے اُس پر کھیتی نے دھیان تک نہیں دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کھیتی کو سب سے بڑی چٹنا ایسی بات کی تھی کہ کسی طرح کھڑا ملوں کے راستے سے ہاتھ کرکھوں کی اس نمکی اڑچن کو دور کیا جاوے۔ اُس کی نڈا میں ہاتھ کرکھوں کی اڑ کھٹی تھوڑی بہت آپیوگتا ہے تو وہ اتنی ہی کہ اُن کے ذریعہ کچھ ”دیشی سکے“ مل سکیں۔ اسی لئے ”بدلاؤ“ کے زمانے میں ہاتھ کرکھوں میں تیار ہونے ”موتے اور درمیائے مال کے مقابلے میں نفیس اور بہت نفیس مال کو“ اور ”معمولی خاکی مال کے مقابلے میں رگم چھوے بڑیا مال کو“ دوسرے درجے میں ہنے رھنے کی اجازت دی جائے گی، اور سرکار بڑی دیا کر کے انہیں اِس بیچ کے زمانے میں ”زندہ رکھنے کا فیصلہ کر سکتی ہے۔“

اب رہا کھد، سو اُس کے بارے میں کھیتی کی سفارش ہے کہ ایک اور ”خاص تحقیقات کی جانی چاہئے اور چاروں طرف کے چٹنے حالات کھد کے دھندے سے سمجھنے رکھتے ہیں (یا اُس پر اثر رکھتے ہیں) اُن سب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کھد کے دھندے کے بارے میں آخری فیصلہ ہونا چاہئے۔“

جس دیش میں آدمیوں کی کمی ہو اُس میں بڑی ہر کام کے لئے مشینوں اور ملوں پر اِس طرح زور دیا جاوے تو کچھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ پر جس دیش میں آدمی اتنے

कर दुख होता है। कमेटी से जो आशाएं की गई थीं वह सब गलत साबित हुईं।

कमेटी की रिपोर्ट के अनुसार इस समय भारत में कुल इक्कीस लाख नव्वे हजार करघे हैं जिन में केवल बारह लाख ऐसे हैं जो "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे हैं"। रिपोर्ट के यह आंकड़े ठीक नहीं माने जा सकते। कमेटी ने खुद अपनी रिपोर्ट में लिखा है कि उसने "कहीं कहीं जहां तहां नमूने के तौर पर कुछ करघे गिनवा कर उनके आधार पर सारे भारत के लिये यह आंकड़े तैयार कर लिये"। पर यदि इन आंकड़ों को ठीक भी मान लिया जावे तब भी एक बात स्पष्ट है कि कमेटी ने केवल उन करघों को लिया है जो "कमेटी की तहकीकात के समय" चल रहे थे। हमें मालूम है कि इस से कहीं अधिक तादाद उन करघों की है जो कुछ साल पहले तक चल रहे थे और जो अब चीथड़े हुए या जलाने की तीलियां बने हुए कानों में पड़े हैं, और जिन पर काम करने वाले कारीगरों के पास अब सिवा इसके काई चारा नहीं कि या तो कहीं काई और राजी दूढ़े या भूखे मरे"। यू० पी० बुनकर फेडरेशन के सदस्य की हैसियत से दौरा करते हुए उत्तर प्रदेश के कई जिलों के बहुत से गांव में इस तरह के हजारों अमागे बुनकरों, उनके बाल बच्चों और उनके करघों की इस दुर्दशा का हमने अपनी आंखों से देखा है। इस तरह के करघों की आर ध्यान न देने में ही कमेटी को अपने काम में सुविधा दिखाई दी। जो करघे कमेटी की तहकीकात के समय तक चल रहे थे उनमें से भी कमेटी ने जो कुछ सुझाव दिये हैं वह केवल उन करघों के बारे में हैं जो उस समय तक कमेटी की निगाह में "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे थे" यानी जो मिलों के जबरदस्त मुकाबले और चारों तरफ की विराधी परिस्थिति के होते हुए भी किसी तरह थोड़ा बहुत मुनाफा कमा रहे हैं। बाकी सब लगभग पिछतर कीसदी करघों के लिये, जो हमारे आजाद होने के दिन तक चल रहे थे और कुछ अब भी चल रहे हैं, कमेटी के अनुसार अब दुनिया में काई जगह नहीं रही और न रहनी चाहिये।

अब हमें यह देखना है कि जो करघे अभी तक "व्यापारी ढंग से मुनाफा कमा रहे हैं" उनके बारे में कमेटी का क्या सुझाव है। कमेटी ने हमारे सारे कड़े और बुनाई के धन्दे को तीन हिस्सों या तीन दरजों में बांटा है:—एक हाथ करघे, दूसरे छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघे और तीसरे कच्चा मिलें, इसके बाद कमेटी का सुझाव है कि "हाथ करघों के धन्दे को दरजे दरजे बदल कर पहले छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघों के धन्दे में बदल दिया जाय और फिर कच्चा मिलों में बदल दिया जाय"। इस "बदलाव (Conversion)" के समय को दो कालों में बांटा गया है, पहला सन 1960

को डके होता है। कमेटी से जो आशाएँ की गयीं थीं वह सब गलत साबित हो गयीं।

कमेटी की रिपोर्ट के अनुसार इस समय भारत में कुल इक्कीस लाख नव्वे हजार करघे हैं जिन में केवल बारह लाख ऐसे हैं जो "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे हैं"। रिपोर्ट के यह आंकड़े ठीक नहीं माने जा सकते। कमेटी ने खुद अपनी रिपोर्ट में लिखा है कि उसने "कहीं कहीं जहां तहां नमूने के तौर पर कुछ करघे गिनवा कर उनके आधार पर सारे भारत के लिये यह आंकड़े तैयार कर लिये"। पर यदि इन आंकड़ों को ठीक भी मान लिया जावे तब भी एक बात स्पष्ट है कि कमेटी ने केवल उन करघों को लिया है जो "कमेटी की तहकीकात के समय" चल रहे थे। हमें मालूम है कि इस से कहीं अधिक तादाद उन करघों की है जो कुछ साल पहले तक चल रहे थे और जो अब चीथड़े हुए या जलाने की तीलियां बने हुए कानों में पड़े हैं, और जिन पर काम करने वाले कारीगरों के पास अब सिवा इसके काई चारा नहीं कि या तो कहीं काई और राजी दूढ़े या भूखे मरे"। यू० पी० बुनकर फेडरेशन के सदस्य की हैसियत से दौरा करते हुए उत्तर प्रदेश के कई जिलों के बहुत से गांव में इस तरह के हजारों अमागे बुनकरों, उनके बाल बच्चों और उनके करघों की इस दुर्दशा का हमने अपनी आंखों से देखा है। इस तरह के करघों की आर ध्यान न देने में ही कमेटी को अपने काम में सुविधा दिखाई दी। जो करघे कमेटी की तहकीकात के समय तक चल रहे थे उनमें से भी कमेटी ने जो कुछ सुझाव दिये हैं वह केवल उन करघों के बारे में हैं जो उस समय तक कमेटी की निगाह में "व्यापारी ढंग से सफलता के साथ चल रहे थे" यानी जो मिलों के जबरदस्त मुकाबले और चारों तरफ की विराधी परिस्थिति के होते हुए भी किसी तरह थोड़ा बहुत मुनाफा कमा रहे हैं। बाकी सब लगभग पिछतर कीसदी करघों के लिये, जो हमारे आजाद होने के दिन तक चल रहे थे और कुछ अब भी चल रहे हैं, कमेटी के अनुसार अब दुनिया में काई जगह नहीं रही और न रहनी चाहिये।

अब हमें यह देखना है कि जो करघे अभी तक "व्यापारी ढंग से मुनाफा कमा रहे हैं" उनके बारे में कमेटी का क्या सुझाव है। कमेटी ने हमारे सारे कड़े और बुनाई के धन्दे को तीन हिस्सों या तीन दरजों में बांटा है:—एक हाथ करघे, दूसरे छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघे और तीसरे कच्चा मिलें, इसके बाद कमेटी का सुझाव है कि "हाथ करघों के धन्दे को दरजे दरजे बदल कर पहले छोटे पैमाने पर बिजली आदि की शक्ति से चलने वाले करघों के धन्दे में बदल दिया जाय और फिर कच्चा मिलों में बदल दिया जाय"। इस "बदलाव (Conversion)" के समय को दो कालों में बांटा गया है, पहला सन 1960

जनता ने दिल्ली में, लखनऊ में, बाराबंकी में और देश भर में श्री रफी अहमद के लिये जो गहरा प्रेम दर्शाया और उनके चले जाने पर जो शोक मनाया वह जनता के दिल की चीज थी. एक जवाहर लाल जी को छोड़ कर देश भर में शायद ही कोई मिनिस्टर आज आम जनता में इतना सबको प्यारा हो जितना श्री रफी अहमद थे. हमारा उनका भी पच्चीस बरस से ऊपर का गहरा और घनिष्ठ सम्बन्ध था. साम्प्रदायिक मामले में श्री रफी अहमद उतने ही پاک साफ और बेलाग थे जितना कोई भी इन्सान हो सकता है. वह अद्भुत आदमी थे जिन्हें कांग्रेसी और गैर कांग्रेसी, हिन्दू सभाई और जन संघी, सोशलिस्ट और कम्युनिस्ट सब एक बराबर प्यार करते थे और जिन पर सब को एक बराबर भरोसा था, क्योंकि एक पार्टी विरोध के होते हुए भी उनके बड़े दिल के अन्दर सब के लिये जगह थी, वह किसी के साथ घोरियत बरतना न जानते थे, सब को जरूरत के वक्त मदद देते थे, आड़े वक्त में सब के काम आते थे. जनता के सामने इस की सैकड़ों मिसालें हैं. छोटे से छोटे काम करने वालों और जनता के मामूली से मामूली लोगों से वह जिस खुले दिल से मिलते थे उससे मालूम होता था कि हकूमत का घमण्ड उन्हें छू भी नहीं गया था. जिस तरह से उन्होंने कन्दोलों को हटाया और चीजों के भाव कम किये उससे पता चलता था कि वह जनता के आदमी थे, और जनता का हित करने की उनमें सुरू और साहस दोनों मौजूद थे. बड़े दरजे तक वह एक आदर्श शासक और शासकों के लिये एक आदर्श थे. प्रेम, उदारता, सरलता, निस्वार्थता और सेवा भाव की वह मूर्ति थे. लाखों और करोड़ों हिन्दुस्तानियों के दिलों में उनकी याद बरसों बनी रहेगी. हमारी यही ईश्वर से प्रार्थना है कि वह उनकी आत्मा को शान्ति और उनके प्यारे कुटुम्बियों को धीरज दें.

28. 10. '54

— सुन्दरलाल

भारत सरकार और हमारे गरीब बुनकर

हमारा देश जब से आजाद हुआ है तब से हमारी हाथ के कपड़े की दस्तकारी तेजी से मितटी चली जा रही है, जिससे हमारे लाखों बुनकरों और उससे मिलते जुलते धन्दों में लगे हुए दूसरे कारीगरों में बेकारी बढ़ती जा रही है. भारत सरकार ने हाल में एक बुनकरी तहकीकाती कमेटी (टेक्सटाइल इन्कायरी कमेटी) नियुक्त की थी. लोगों को आशा हुई थी कि यह कमेटी सरकार को कुछ ऐसी बातें सुभाएगी जिनसे हमारा हाथ करघों का धन्दा फिर से चमक सके और गांवों और शहरों दोनों में बेकारी घट सके. कमेटी ने अपनी रिपोर्ट सरकार को दे दी. रिपोर्ट को पढ़

नवम्बर '64

(240)

जलता है. दली में, लहेतू में, बारा बंकी में और देश भर में शरी रफी अहमद के लिये जो गहरा प्रेम दर्शाया और उनके चले जाने पर जो शोक मनाया वह जनता के दिल की चीज थी. एक जवाहर लाल जी को छोड़ कर देश भर में शायद ही कोई मिनिस्टर आज आम जनता में इतना सबको प्यारा हो जितना श्री रफी अहमद थे. हमारा उनका भी पच्चीस बरस से ऊपर का गहरा और घनिष्ठ सम्बन्ध था. साम्प्रदायिक मामले में श्री रफी अहमद उतने ही پاک साफ और बेलाग थे जितना कोई भी इन्सान हो सकता है. वह अद्भुत आदमी थे जिन्हें कांग्रेसी और गैर कांग्रेसी, हिन्दू सभाई और जन संघी, सोशलिस्ट और कम्युनिस्ट सब एक बराबर प्यार करते थे और जिन पर सब को एक बराबर भरोसा था, क्योंकि एक पार्टी विरोध के होते हुए भी उनके बड़े दिल के अन्दर सब के लिये जगह थी, वह किसी के साथ घोरियत बरतना न जानते थे, सब को जरूरत के वक्त मदद देते थे, आड़े वक्त में सब के काम आते थे. जनता के सामने इस की सैकड़ों मिसालें हैं. छोटे से छोटे काम करने वालों और जनता के मामूली से मामूली लोगों से वह जिस खुले दिल से मिलते थे उससे मालूम होता था कि हकूमत का घमण्ड उन्हें छू भी नहीं गया था. जिस तरह से उन्होंने कन्दोलों को हटाया और चीजों के भाव कम किये उससे पता चलता था कि वह जनता के आदमी थे, और जनता का हित करने की उनमें सुरू और साहस दोनों मौजूद थे. बड़े दरजे तक वह एक आदर्श शासक और शासकों के लिये एक आदर्श थे. प्रेम, उदारता, सरलता, निस्वार्थता और सेवा भाव की वह मूर्ति थे. लाखों और करोड़ों हिन्दुस्तानियों के दिलों में उनकी याद बरसों बनी रहेगी. हमारी यही ईश्वर से प्रार्थना है कि वह उनकी आत्मा को शान्ति और उनके प्यारे कुटुम्बियों को धीरज दें.

— सुन्दरलाल

28. 10. '54

भारत सरकार और हमारे गरीब बुनकर

हमारा देश जब से आजाद हुआ है तब से हमारी हाथ के कपड़े की दस्तकारी तेजी से मितटी चली जा रही है, जिससे हमारे लाखों बुनकरों और उससे मिलते जुलते धन्दों में लगे हुए दूसरे कारीगरों में बेकारी बढ़ती जा रही है. भारत सरकार ने हाल में एक बुनकरी तहकीकाती कमेटी (टेक्सटाइल इन्कायरी कमेटी) नियुक्त की थी. लोगों को आशा हुई थी कि यह कमेटी सरकार को कुछ ऐसी बातें सुभाएगी जिनसे हमारा हाथ करघों का धन्दा फिर से चमक सके और गांवों और शहरों दोनों में बेकारी घट सके. कमेटी ने अपनी रिपोर्ट सरकार को दे दी. रिपोर्ट को पढ़

नवम्बर '64

—सुन्दरलाल

20 . 10 . '54

نومبر 54'

के पीछे बाथरूम से मिली हुई कीचड़ में पड़ी एक गोल सी अजीब चीज दिखाई दी. उसे इम्तहान के लिये भेजा गया. पता चला कि बम बहुत खतरनाक था. इत्फाक से रात को फँकने वाले का निशाना चूक गया. बम बम्बय कमरे के अंदर गिरने के बजाय कमरे के पीछे की नरम मिट्टी में गिरा और वहाँ फँसकर रह गया. खानसामां की पोशाक में कमरे के पीछे से उस बम को फँकने वाला नौजवान यही ग़िल्यानन्द चैटरजी था. पुलीस फँकने वाले या उसके किसी साथी का सुराज लगा सकी.

इसी तरह की और भी घटनाएँ इस समय हमारी याद के सामने हैं. पर हम यहां बाबू ग़िल्यानन्द की जीवनी लिखने नहीं बैठे. श्री अरविन्द घोषा जिस जमाने में कलकत्ते से बैठे हुए देश के क्रान्तिकारी आन्दोलन की रहनुमाई कर रहे थे उस जमाने में अरविन्द बाबू के और इस प्रान्त के बीच में जो इने गिने लोग सन्देश लाने लेजाने का काम करते थे उनमें से एक बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी थे. लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राय दोनों से उनके गहरे सम्बन्ध थे. यह थी बाबू ग़िल्यानन्द की शुरू की चिन्तनी.

तब से लेकर मौत के दिन तक बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी का सारा जीवन अपनी छोटी सी शक्ति के अनुसार देश की सेवा में ही बीता. सन 1908 के उस उर्दू अखबार "स्वराज्य" के साथ, जिसने भारत भर में शायद सबसे खियादा एडिटर जेल और काले पानी भेजे, बाबू ग़िल्यानन्द का पूरा सम्बन्ध था. हिन्दी अखबार "कर्मयोगी" के जो सन 1909 में निकल कर सन 1910 में बन्द हो गया ग़िल्यानन्द जी मैनेजर थे. प्रयाग पबलिशिंग कम्पनी के जो 'कर्म योगी' निकालती थी ग़िल्यानन्द जी मैनेजिंग डाइरेक्टर थे. सन 1918 के साप्ताहिक "भविष्य" और सन 1919 के दैनिक "भविष्य" दोनों के वह मैनेजर थे. "नया हिन्द" के वह मैनेजर थे ही. अखबारों, खासकर क्रांती अखबारों और प्रेस के काम का उन्हें बहुत गहरा तजुर्बा था.

जन सेवा की भी बाबू ग़िल्यानन्द में गहरी लगन थी. सन 1908 के अवध के भयंकर अकाल से लेकर सन 1934 के बिहार भूकम्प तक जगह जगह उन्होंने जान लड़ा कर और डट कर दुखियों की सेवा की. सन 1919 में इलाहाबाद होमरूल लीग के दफ्तर को बड़ी संभाले हुए थे. सन 1919 के बाद से वह महात्मा गांधी के सच्चे प्रशंसकों में से थे. सन 1930 और सन 1932 के सत्याग्रह आन्दोलनों में उनका घर सब देश भक्तों और काम करने वालों के लिये आश्रय की जगह थी. सन 1980 में बहुत दिनों तक प्रान्तीय कांग्रेस का और आन्दोलन का दोनों का दफ्तर उन्हीं के घर में रहा.

बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी शुरू उमर से लेकर आखीर

के पीछे बाथरूम से मली हुयी कीचड़ में पड़ी एक गोल सी अजीब चीज दिखाई दी. उसे इम्तहान के लिये भेजा गया. पता चला कि बम बहुत खतरनाक था. इत्फाक से रात को फँकने वाले का निशाना चूक गया. बम बम्बय कमरे के अंदर गिरने के बजाय कमरे के पीछे की नरम मिट्टी में गिरा और वहाँ फँसकर रह गया. खानसामां की पोशाक में कमरे के पीछे से उस बम को फँकने वाला नौजवान यही ग़िल्यानन्द चैटरजी था. पुलीस फँकने वाले या उसके किसी साथी का सुराज लगा सकी.

इसी तरह की और भी घटनाएँ इस समय हमारी याद के सामने हैं. पर हम यहां बाबू ग़िल्यानन्द की जीवनी लिखने नहीं बैठे. श्री अरविन्द घोषा जिस जमाने में कलकत्ते से बैठे हुए देश के क्रान्तिकारी आन्दोलन की रहनुमाई कर रहे थे उस जमाने में अरविन्द बाबू के और इस प्रान्त के बीच में जो इने गिने लोग सन्देश लाने लेजाने का काम करते थे उनमें से एक बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी थे. लोकमान्य तिलक और लाला लाजपत राय दोनों से उनके गहरे सम्बन्ध थे. यह थी बाबू ग़िल्यानन्द की शुरू की चिन्तनी.

तब से लेकर मौत के दिन तक बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी का सारा जीवन अपनी छोटी सी शक्ति के अनुसार देश की सेवा में ही बीता. सन 1908 के उस उर्दू अखबार "स्वराज्य" के साथ, जिसने भारत भर में शायद सबसे खियादा एडिटर जेल और काले पानी भेजे, बाबू ग़िल्यानन्द का पूरा सम्बन्ध था. हिन्दी अखबार "कर्मयोगी" के जो सन 1909 में निकल कर सन 1910 में बन्द हो गया ग़िल्यानन्द जी मैनेजर थे. प्रयाग पबलिशिंग कम्पनी के जो 'कर्म योगी' निकालती थी ग़िल्यानन्द जी मैनेजिंग डाइरेक्टर थे. सन 1918 के साप्ताहिक "भविष्य" और सन 1919 के दैनिक "भविष्य" दोनों के वह मैनेजर थे. "नया हिन्द" के वह मैनेजर थे ही. अखबारों, खासकर क्रांती अखबारों और प्रेस के काम का उन्हें बहुत गहरा तजुर्बा था.

जन सेवा की भी बाबू ग़िल्यानन्द में गहरी लगन थी. सन 1908 के अवध के भयंकर अकाल से लेकर सन 1934 के बिहार भूकम्प तक जगह जगह उन्होंने जान लड़ा कर और डट कर दुखियों की सेवा की. सन 1919 में इलाहाबाद होमरूल लीग के दफ्तर को बड़ी संभाले हुए थे. सन 1919 के बाद से वह महात्मा गांधी के सच्चे प्रशंसकों में से थे. सन 1930 और सन 1932 के सत्याग्रह आन्दोलनों में उनका घर सब देश भक्तों और काम करने वालों के लिये आश्रय की जगह थी. सन 1980 में बहुत दिनों तक प्रान्तीय कांग्रेस का और आन्दोलन का दोनों का दफ्तर उन्हीं के घर में रहा.

बाबू ग़िल्यानन्द चैटरजी शुरू उमर से लेकर आखीर के पीछे बाथरूम से मली हुयी कीचड़ में पड़ी एक गोल सी अजीब चीज दिखाई दी. उसे इम्तहान के लिये भेजा गया. पता चला कि बम बहुत खतरनाक था. इत्फाक से रात को फँकने वाले का निशाना चूक गया. बम बम्बय कमरे के अंदर गिरने के बजाय कमरे के पीछे की नरम मिट्टी में गिरा और वहाँ फँसकर रह गया. खानसामां की पोशाक में कमरे के पीछे से उस बम को फँकने वाला नौजवान यही ग़िल्यानन्द चैटरजी था. पुलीस फँकने वाले या उसके किसी साथी का सुराज लगा सकी.

ہماری رات

بابو نیتیانند چترجی

سولہ اکتوبر سن 1954 کو دین کے دو بزرگ ویرا مینٹ پر "نیا ہینڈ" کے سینیئر بابو نیتیانند چترجی کا ہلاہاواہا ہوا۔ بابو نیتیانند نیا ہینڈ پریرار میں سب سے بڑے تے۔ پریرار کے دوسرے لوگ اپنی اپنی عمر کے انوسار انہیں "دادا" یا "بابا" کہا کرتے تے۔ اُن کی عمر لگ بھگ ہرےس کی تھی۔ کئی مہینے سے وہ بیمار چلے آتے تے۔ بیماری کی حالت میں بھی "نیا ہینڈ" پریرار کے دوسرے لوگوں کو آئے دن ہر چہوئے بڑے کلم میں اُن سے جو نیک اور قیمتی صلاح ملتی رھتی تھی۔ اُس کا ملنا اب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ پر آج کل کے زمانے میں عمر کے لحاظ سے اُن کی مرتبہ کوئی اچرج کی بات نہیں تھی۔ اُن کے لئے وہ مانسک اور شاریک کشتوں سے چھٹکارا تھی۔ ہم بھوان سے پرارہتا کرتے ہیں کہ وہ اُن کی اُسا کو شانتی اور اُن کے کشتیوں کو دھیرج دیں۔

بابو نیتیانند اُن پرارے تیاگی دیش بھکتوں میں سے تے۔ چاہوں نے سن 1905 میں بنگال کے دو ٹکڑے کئے جانے کے بعد اُس دیش کو انگریزی راج کے پنجوں سے آزاد کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا اور جن کا سارا جیون اسی دھن میں بیتا۔ اُن پنکتنیوں کے لیوٹیک کا بابو نیتیانند کے ساتھ پورے آرتالیس سال کا گہرا سمبندھ تھا۔ اسی دیش کی آزادی کے انہاس کے بہت سے پنے ایسے ہیں جو آگے کی نسلوں کی نگاہ سے ہمیشہ ارجل ہی رھینگے۔ شاید ہی اچھا بی بی ہے۔ اگہ کی نسلوں پر سب باتوں کو یاد رکھنے کا ہوجہ کیوں ڈالا جائے۔ پیر بی بی اِس اوسر پر ہم بابو نیتیانند کے شروع کے جیون کی ایک چھوٹی سی گٹھا بیان کرتے ہیں۔

آج سے لگ بھگ چیرالیس ہرےس پہلے ایک دن صبح کو کچھ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ پچھلی رات الہ آباد کے انگریزی کلب کے ایک کمرے میں اِس پرانت کے کچھ بڑے بڑے انگریز حاکموں کی ایک بٹھک ہوئی تھی۔ نئے اندولن کو دبانے کی ترکیبیں سرجی جارہی تھیں۔ بیٹھک شانتی سے ہوگئی۔ پر آگے دن صبح کو بیٹھک والے کمرے

بابو نیتیانند چترجی

سن 1954 کو دن کے دو بزرگ ویرا مینٹ پر "نیا ہینڈ" کے سینیئر بابو نیتیانند چترجی کا الہ آباد میں سورگ واس ہو گیا۔ بابو نیتیانند "نیا ہینڈ" پریرار میں سب سے بڑے تے۔ پریرار کے دوسرے لوگ اپنی اپنی عمر کے انوسار انہیں "دادا" یا "بابا" کہا کرتے تے۔ اُن کی عمر لگ بھگ ہرےس کی تھی۔ کئی مہینے سے وہ بیمار چلے آتے تے۔ بیماری کی حالت میں بھی "نیا ہینڈ" پریرار کے دوسرے لوگوں کو آئے دن ہر چہوئے بڑے کلم میں اُن سے جو نیک اور قیمتی صلاح ملتی رھتی تھی۔ اُس کا ملنا اب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ پر آج کل کے زمانے میں عمر کے لحاظ سے اُن کی مرتبہ کوئی اچرج کی بات نہیں تھی۔ اُن کے لئے وہ مانسک اور شاریک کشتوں سے چھٹکارا تھی۔ ہم بھوان سے پرارہتا کرتے ہیں کہ وہ اُن کی اُسا کو شانتی اور اُن کے کشتیوں کو دھیرج دیں۔

بابو نیتیانند اُن پرارے تیاگی دیش بھکتوں میں سے تے۔ چاہوں نے سن 1905 میں بنگال کے دو ٹکڑے کئے جانے کے بعد اُس دیش کو انگریزی راج کے پنجوں سے آزاد کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا اور جن کا سارا جیون اسی دھن میں بیتا۔ اُن پنکتنیوں کے لیوٹیک کا بابو نیتیانند کے ساتھ پورے آرتالیس سال کا گہرا سمبندھ تھا۔ اسی دیش کی آزادی کے انہاس کے بہت سے پنے ایسے ہیں جو آگے کی نسلوں کی نگاہ سے ہمیشہ ارجل ہی رھینگے۔ شاید ہی اچھا بی بی ہے۔ اگہ کی نسلوں پر سب باتوں کو یاد رکھنے کا ہوجہ کیوں ڈالا جائے۔ پیر بی بی اِس اوسر پر ہم بابو نیتیانند کے شروع کے جیون کی ایک چھوٹی سی گٹھا بیان کرتے ہیں۔

آج سے لگ بھگ چیرالیس ہرےس پہلے ایک دن صبح کو کچھ اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ پچھلی رات الہ آباد کے انگریزی کلب کے ایک کمرے میں اِس پرانت کے کچھ بڑے بڑے انگریز حاکموں کی ایک بٹھک ہوئی تھی۔ نئے اندولن کو دبانے کی ترکیبیں سرجی جارہی تھیں۔ بیٹھک شانتی سے ہوگئی۔ پر آگے دن صبح کو بیٹھک والے کمرے

لارٹون کی گردن پر ساں وہ کی آٹھوں کے گرم گرم آٹس ٹپکنے لگے۔ وہ کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھوں میں بڑھی بڑھی ماں کو سمیٹ لیا۔

وہ بولا—”ماں، یہ سچ ہے۔ میں تمہارا ہی بیٹا ہوں۔“

ماں یہ کہانی سن کر کہیں نہ کہیں سے شروع کر کے، سمجھ نہ پائی تھی۔ سسکیاں لیتے لیتے وہ بولی—

”میرا من یہ سوچ کر ہی پھٹا ہے۔ جہاں جاتا ہے۔ زمیندار جگہ کا اٹھنا تو آٹس کی آٹس کی اور سمندر کی گہرائی سے بڑی زیادہ تھا۔ اس کی تو بڑی کٹ کر کٹ کر کٹا دینی چاہیے۔ تمہیں مجھ سے بیس برس تک الگ رکھا گیا۔ سارا پرہیزگار اُدھر چھوٹے چھوٹے رہا۔ بڑی چھوٹے ماں کا راج نہ آتا تو میں شاید تمہیں دیکھ بھی نہ پاتی۔ تمہارے پتا، تمہارے بڑے، تمہاری بہن جیت،... جیت اتنی پیاری لڑکی ہے۔ بیس سال تک وہ میرے ساتھ تکلیف اٹھاتی رہی۔“

وہ بولا—”ماں، یہ سچ ہے۔ میں تمہارا ہی بیٹا ہوں۔“

ماں یہ کہانی سن کر کہیں نہ کہیں سے شروع کر کے، سمجھ نہ پائی تھی۔ سسکیاں لیتے لیتے وہ بولی—

”میرا من یہ سوچ کر ہی گھڑا ہے۔ جہاں جاتا ہے۔ زمیندار جگہ کا اٹھنا تو آٹس کی آٹس کی اور سمندر کی گہرائی سے بڑی زیادہ تھا۔ اس کی تو بڑی کٹ کر کٹ کر کٹا دینی چاہیے۔ تمہیں مجھ سے بیس برس تک الگ رکھا گیا۔ سارا پرہیزگار اُدھر چھوٹے چھوٹے رہا۔ بڑی چھوٹے ماں کا راج نہ آتا تو میں شاید تمہیں دیکھ بھی نہ پاتی۔ تمہارے پتا، تمہارے بڑے، تمہاری بہن جیت،... جیت اتنی پیاری لڑکی ہے۔ بیس سال تک وہ میرے ساتھ تکلیف اٹھاتی رہی۔“

“CHINA TODAY”

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

کے ہضم خرابی کو شریک دینا چاہتی تھی کہ اس کا بھائی آگیا ہے۔

وہ بولی—”ماں، یہ بالکل سچ ہے۔ ایک ہزار بار سچ ہے“ ایک لاکھ بار سچ ہے۔ جس دن تم نے مجھے بتایا تھا اُس کے دوسرے دن میں نے اُس وقت پر زے۔ پنگ سے باتیں کی تھیں۔ جب وہ غلہ پہنچانے گیا تھا، سے نکال کر وہ شینجی! فیڈ گارڈ بھی گیا۔ زے۔ پنگ نے اُسے دھونڈ نکالا۔ میں اُن سے گارڈ کے سرکاری دفتر میں ملکر آ رہی ہوں۔ گارڈ کے میٹر انہیں پہلے آنے سے پہلے نشتہ کرا رہے ہیں۔“

خوشی کے کارن ماں بہ کو اپنا شریک ہلکا کر کر آتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ وہ آند سے دبیر ہو آئیں۔ آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ چھا گیا اور ساری دنیا ناچتی دکھائی دینے لگی۔ چین پیر کے لئے وہ یہ پتی بھول گئیں کہ وہ کہاں بیٹھی ہیں۔ جب تک اُسے ہوش آئے جیڈ جا چکی تھی۔ بوڑھی ماں آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگیں کہ کہیں اب تک سہنا تو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ زمین پر کڑا رکھا تھا، سوئی اور دروازہ بھی دیکھ رہی تھی۔ اُسے سامنے کی سڑک پر آدمیوں کی ایک قطاری اُس کی طرف آتی دکھائی پڑی۔

ماں یہ آنکھیں پٹا پٹا کر دیکھنے لگیں۔ جتنا وہ دیکھنے کا پریقین کرتیں، اُن کی پریشانی اتنی ہی بڑھ جاتی۔ اُس نے اپنے من میں ششپے کر لیا کہ اُس توئی میں اُن کا کوئی لوکا نہیں ہے، وہ اوشیہ ہی کوئی دوسرا دیکھتی ہوگا۔ توئی اُس کے گھر کے نزدیک آگئی تھی، پر اُسے اب بھی صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اب سب لوگ اُس کے قریب آ گئے تھے۔ پھاؤنگ میں اُس کا شریک ملنے لگا۔

جیڈ دوڑتی ہوئی اوپر آئی اور ماں کو سنبھالتے ہوئے بولی—”ماں، یہ دیکھو، بھائی لشینگ آ گئے!“

دھندلائی نظروں سے ماں بہ نے دیکھا کہ اُس کے سامنے ایک امبا آدمی سر جھکاتے کھڑا ہے۔ وہ بولا—”ماں!“ اُس کا گلہ بڑھ آیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے اُس کا منہ اونچا کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ہل بھی نہ سکی۔ تب تک سب آدمی اٹھیا ہوئے تھے اور وہ اُن کے پیچھے گھر گئی۔

جیڈ نے لیمپ جلا کر روشنی کی اور سب لوگوں کو بیٹھایا۔ ماں بہ دھیرے دھیرے اپنے کو پوری طور سے سنبھال چکی تھیں اور اب اُن کی سمجھ میں آیا کہ اُن کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ہاتھ میں لیمپ لیکر اجڑی کے نزدیک گئیں۔ اُس کا سر تھوڑا سا جھکا کر اُس نے اُس کی گردن کے پاس ایک نشان دھونڈنے کا پریقین کیا۔ اُس کے لڑکے کی پیدائش کی نشانی—گردن پر کالا نشان—اُس دیکھتی کی گردن پر تھا۔

”میرے بیٹے!... تم راستو میں لشینگ ہی ہو“ وہ بولی۔

جس دن تم نے مجھے بتایا تھا اُس کے دوسرے دن میں نے اُس وقت پر زے۔ پنگ سے باتیں کی تھیں۔ جب وہ غلہ پہنچانے گیا تھا، سے نکال کر وہ شینجی! فیڈ گارڈ بھی گیا۔ زے۔ پنگ نے اُسے دھونڈ نکالا۔ میں اُن سے گارڈ کے سرکاری دفتر میں ملکر آ رہی ہوں۔ گارڈ کے میٹر انہیں پہلے آنے سے پہلے نشتہ کرا رہے ہیں۔“

خوشی کے کارن ماں بہ کو اپنا شریک ہلکا کر کر آتا ہوا معلوم ہونے لگا۔ وہ آند سے دبیر ہو آئیں۔ آنکھوں کے سامنے دھندلاہٹ چھا گیا اور ساری دنیا ناچتی دکھائی دینے لگی۔ چین پیر کے لئے وہ یہ پتی بھول گئیں کہ وہ کہاں بیٹھی ہیں۔ جب تک اُسے ہوش آئے جیڈ جا چکی تھی۔ بوڑھی ماں آنکھیں مل مل کر دیکھنے لگیں کہ کہیں اب تک سہنا تو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ زمین پر کڑا رکھا تھا، سوئی اور دروازہ بھی دیکھ رہی تھی۔ اُسے سامنے کی سڑک پر آدمیوں کی ایک قطاری اُس کی طرف آتی دکھائی پڑی۔

ماں یہ آنکھیں پٹا پٹا کر دیکھنے لگیں۔ جتنا وہ دیکھنے کا پریقین کرتیں، اُن کی پریشانی اتنی ہی بڑھ جاتی۔ اُس نے اپنے من میں ششپے کر لیا کہ اُس توئی میں اُن کا کوئی لوکا نہیں ہے، وہ اوشیہ ہی کوئی دوسرا دیکھتی ہوگا۔ توئی اُس کے گھر کے نزدیک آگئی تھی، پر اُسے اب بھی صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اب سب لوگ اُس کے قریب آ گئے تھے۔ پھاؤنگ میں اُس کا شریک ملنے لگا۔

جیڈ دوڑتی ہوئی اوپر آئی اور ماں کو سنبھالتے ہوئے بولی—”ماں، یہ دیکھو، بھائی لشینگ آ گئے!“

دھندلائی نظروں سے ماں بہ نے دیکھا کہ اُس کے سامنے ایک امبا آدمی سر جھکاتے کھڑا ہے۔ وہ بولا—”ماں!“ اُس کا گلہ بڑھ آیا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے اُس کا منہ اونچا کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ہل بھی نہ سکی۔ تب تک سب آدمی اٹھیا ہوئے تھے اور وہ اُن کے پیچھے گھر گئی۔

جیڈ نے لیمپ جلا کر روشنی کی اور سب لوگوں کو بیٹھایا۔ ماں بہ دھیرے دھیرے اپنے کو پوری طور سے سنبھال چکی تھیں اور اب اُن کی سمجھ میں آیا کہ اُن کے سامنے کیا ہو رہا ہے۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور ہاتھ میں لیمپ لیکر اجڑی کے نزدیک گئیں۔ اُس کا سر تھوڑا سا جھکا کر اُس نے اُس کی گردن کے پاس ایک نشان دھونڈنے کا پریقین کیا۔ اُس کے لڑکے کی پیدائش کی نشانی—گردن پر کالا نشان—اُس دیکھتی کی گردن پر تھا۔

”میرے بیٹے!... تم راستو میں لشینگ ہی ہو“ وہ بولی۔

पड़ता है, पहिले वह खुद वहां जाकर देखे कि क्या हाल है और फिर बाद में तय किया जायेगा कि आगे क्या हो।”

उसने जेड को चेतावनी दी कि मां येह को अभी कुछ न बताये क्योंकि उनकी उम्मीदों को बढ़ा देने से और उन्हें ज्यादा आतुर बनाने से कोई लाभ नहीं है।

जिस दिन गांव वालों की टोली शहर को जाने वाली थी जेड ने चुपके से वह समझौता पत्र जिससे बच्चों की अदला बदली हुई थी जे-पिंग को दे दिया, गांव के अधिकारियों से उसमें जाने के पहले ही एक परिचय पत्र भी प्राप्त कर लिया।

एक के बाद दूसरा दिन गुजरता गया, गांव की टोली वापस आई और दूसरी बार रास्ता देने के लिये फिर वापस चली गयी, जब भी जेड दूसरी तरफ के ढाल को जाती वह खड़ी होकर जे-पिंग के आने का इन्तजार करती, अब वह आशा लिये हुए आतुर खड़ी रहती थी।

मां येह ने देखा कि आजकल उसकी लड़की जेड ज्यादा चिन्तित रहती है, यदि घर में जेड के पास काम नहीं रहता था तो वह खाना खाते ही भाग निकलती थी।

मां येह एक दिन उस पर नाराज हुई और कहा—“तुम्हारा विवाह होने जा रहा है, पर तुम तैयारियां क्यों नहीं करती? गांव का आवश्यक काम फिर भी हो सकता है।”

एक दिन शाम के बत्त कमरे के कोने में बैठी हुई मां येह लड़की के लिये कुछ अच्छे कपड़े सी रही थीं, सूरज डूबने ही वाला था, थक कर मां येह चूर हो चुकी थीं, वह उठे खड़ी हुई और आंख मलने लगीं, सोचा कि शाम की ठंडक में फसल को पानी ही दे आएं, घर से बाहर निकलते ही देखा कि गांव के सरकारी दफ्तर से जेड दौड़ती हुई चली आ रही है, बूढ़ी मां येह खड़ी, चिन्ता से भरी नजरों से जेड का दौड़ कर आना देखती रही।

हांपती हुई जेड आई और मां के गले में हाथ डाल कर लटकते हुये बोली—“मां, बहुत अच्छी खबर है, बहुत बड़ी बात मुझे कहना है।”

“क्या बात है? तुम हमेशा ऐसा ही कहती हो” मां बोलीं।

जेड ने पहले माथे पर से पसीना पोंछा और बोली—“मां, क्या मेरी बातों पर विश्वास करोगी? भाई आया है! वही भाई जिसके बारे में तुम उस दिन रात में बतला रही थीं!”

“कौन भाई?”

“वही भाई जिसके बदले में तुमने मुझे लिया था, लाशेंग!”

मां येह आश्चर्य चकित रह गई, एक छन रुक कर वह बोली—“जेड, अब तुम बड़ी हो गई हो, बेवकूफी की बातें तुम्हें शोभा नहीं देतीं।”

जेड तो खुशी से पागल हो रही थी, मां के कन्धों को दोनों हाथों से पकड़ कर उन्हें हिलाने लगी, वह मां के शरीर

पोंछा है, पहले वह खुद उसका हाथ धोकर देखा कि क्या हाल है और फिर बाद में तय किया जायेगा कि आगे क्या हो।”

उसने जेड को चेतावनी दी कि मां येह को अभी कुछ न बताये क्योंकि उनकी उम्मीदों को बढ़ा देने से और उन्हें ज्यादा आतुर बनाने से कोई लाभ नहीं है।

जिस दिन गांव वालों की टोली शहर को जाने वाली थी जेड ने चुपके से वह समझौता पत्र जिससे बच्चों की अदला बदली हुई थी जे-पिंग को दे दिया, गांव के अधिकारियों से उसमें जाने के पहले ही एक परिचय पत्र भी प्राप्त कर लिया।

एक के बाद दूसरा दिन गुजरता गया, गांव की टोली वापस आई और दूसरी बार रास्ता देने के लिये फिर वापस चली गयी, जब भी जेड दूसरी तरफ के ढाल को जाती वह खड़ी होकर जे-पिंग के आने का इन्तजार करती, अब वह आशा लिये हुए आतुर खड़ी रहती थी।

मां येह ने देखा कि आजकल उसकी लड़की जेड ज्यादा चिन्तित रहती है, यदि घर में जेड के पास काम नहीं रहता था तो वह खाना खाते ही भाग निकलती थी।

मां येह एक दिन उस पर नाराज हुई और कहा—“तुम्हारा विवाह होने जा रहा है, पर तुम तैयारियां क्यों नहीं करती? गांव का आवश्यक काम फिर भी हो सकता है।”

एक दिन शाम के बत्त कमरे के कोने में बैठी हुई मां येह लड़की के लिये कुछ अच्छे कपड़े सी रही थीं, सूरज डूबने ही वाला था, थक कर मां येह चूर हो चुकी थीं, वह उठे खड़ी हुई और आंख मलने लगीं, सोचा कि शाम की ठंडक में फसल को पानी ही दे आएं, घर से बाहर निकलते ही देखा कि गांव के सरकारी दफ्तर से जेड दौड़ती हुई चली आ रही है, बूढ़ी मां येह खड़ी, चिन्ता से भरी नजरों से जेड का दौड़ कर आना देखती रही।

हांपती हुई जेड आई और मां के गले में हाथ डाल कर लटकते हुये बोली—“मां, बहुत अच्छी खबर है, बहुत बड़ी बात मुझे कहना है।”

“क्या बात है? तुम हमेशा ऐसा ही कहती हो” मां बोलीं।

जेड ने पहले माथे पर से पसीना पोंछा और बोली—“मां, क्या मेरी बातों पर विश्वास करोगी? भाई आया है! वही भाई जिसके बारे में तुम उस दिन रात में बतला रही थीं!”

“कौन भाई?”

“वही भाई जिसके बदले में तुमने मुझे लिया था, लाशेंग!”

मां येह आश्चर्य चकित रह गई, एक छन रुक कर वह बोली—“जेड, अब तुम बड़ी हो गई हो, बेवकूफी की बातें तुम्हें शोभा नहीं देतीं।”

जेड तो खुशी से पागल हो रही थी, मां के कन्धों को दोनों हाथों से पकड़ कर उन्हें हिलाने लगी, वह मां के शरीर

بڑی بڑی مٹھیں بار بار اُتار آتی تھیں۔ حالانکہ اُسے پایا بہت کی سبھی باتیں یاد نہیں تھیں۔ پھر بھی اب وہ اُسے پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیارے تھے پہلے سے بھی زیادہ بڑے اور ہزار گنا زیادہ سہیب معلوم دیتے تھے۔ جیت کی باتیں سن کر ماں بہت فکر کر جیت کو ناکے لگیں۔ اُس کا من بھر آیا۔۔۔۔۔ وہ نہ معلوم کتنی باتیں کہنا چاہتی تھیں۔ جیت کے بولنے کے پہلے ہی ماں بہت نے پوچھا۔ ”جیت! کیا سچ بھئی ہو؟ مجھے سے گھوڑا تو نہیں کرتیں؟ ہم لوگوں کے سنگ رہ کر نہیں اُٹنا دیکھ اُٹھانا بڑا۔۔۔۔۔“

جیت زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہ چلی۔ ماں کے وکس اسٹیل پر سر رکھ کر وہ بیٹھ بیٹھ کر رونے لگی۔

وہ بولی۔ ”ماں، تو میرا کیا کرتی ہو؟ جہاں دار و گھر لڑکیوں کی کوئی کسمت ہی نہیں سمجھتا۔ جیت پر ہزار مہربانیوں کے گھر میں میرے بھائی کو دیتے ہی دیکھ اُٹھانا بڑا۔۔۔۔۔“

ماں بہت لڑکی کے چہرے کو دیکھ کر دھڑک دھڑک کر رہ گئی۔ وہ بولی۔ ”پیاری بچی، تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم جانتی ہو کہ اُچھٹ کیا ہے۔ اب تو چہرہ میں ماز آگئے ہیں اور میں شان کے ساتھ کم سکتی ہوں کہ تمہارا پالنے پوسنے اُچھٹ تنگ سے کیا ہے۔ تمہاری شادی کا دن قریب آنے دیکھ کر میں مجھے تمہارے بھائی کی یاد آتی ہے۔ کون جانتا ہے کہ وہ آج جیت رہے ہیں یا نہیں!“

× × ×
اُس رات جیت جگمگاتی رہی۔ سرپت کی بانی دیوار کے پھروں سے چاندنی کی لکڑی تیرتی لکڑی بن کر آ رہی تھی، پھر بھی وہ سو نہ سکی۔

دوسرے ہی دن اُس نے کل باتیں زبانی۔ پنگ کو بتلایا۔ جیت نے سوام زچوان جانے کی! چہا پرگت کی! کچھ سچ کر زبانی۔ پنگ بولا۔ ”یہ اوشیک نہیں ہے۔ بیدی زمیندار جیت کی بول رہی طرح نہ کیل گئی عورتی تب جیت کی باتیں اوشیک عورتیں۔ زچوان میں تو کتنے پہلے کوشی سندار ہو چکا ہے اور جیت کو سزا بھی مل چکی ہے۔ جہاں تک اسکے زچوان جانے کا پریش ہے! اسے تو یہی معلوم کرنا ہے کہ اُس کا بھائی جیت رہے ہیں یا نہیں؟ بیدی وہ جیت ہو تو کتنی اُٹند کی بات ہوگی۔ لیکن بیدی وہ مر گیا ہو تب تو ماں بہت کا دکھ اور بھی بڑھ جائے گا۔ زبانی۔ پنگ نے جیت کے سامنے اپنے دھار رکھے۔ کچھ ہی دنوں میں اُسے اپنے گاؤں والوں کے ساتھ بڑھ کر، میں غلہ پہونچانے جانا ہے۔ وہاں سے شینجیا فیلڈ گاؤں قریب 60 لی

بڑی بڑی مٹھیں بار بار اُتار آتی تھیں۔ حالانکہ اُسے پایا بہت کی سبھی باتیں یاد نہیں تھیں۔ پھر بھی اب وہ اُسے پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیارے تھے پہلے سے بھی زیادہ بڑے اور ہزار گنا زیادہ سہیب معلوم دیتے تھے۔ جیت کی باتیں سن کر ماں بہت فکر کر جیت کو ناکے لگیں۔ اُس کا من بھر آیا۔۔۔۔۔ وہ نہ معلوم کتنی باتیں کہنا چاہتی تھیں۔ جیت کے بولنے کے پہلے ہی ماں بہت نے پوچھا۔ ”جیت! کیا سچ بھئی ہو؟ مجھے سے گھوڑا تو نہیں کرتیں؟ ہم لوگوں کے سنگ رہ کر نہیں اُٹنا دیکھ اُٹھانا بڑا۔۔۔۔۔“

جیت زیادہ برداشت نہ کر سکی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا بہ چلی۔ ماں کے وکس اسٹیل پر سر رکھ کر وہ بیٹھ بیٹھ کر رونے لگی۔

وہ بولی۔ ”ماں، تم میرا کیا کرتی ہو؟ جہاں دار و گھر لڑکیوں کی کوئی کسمت ہی نہیں سمجھتا۔ جیت پر ہزار مہربانیوں کے گھر میں میرے بھائی کو دیتے ہی دیکھ اُٹھانا بڑا۔۔۔۔۔“

ماں بہت لڑکی کے چہرے کو دیکھ کر دھڑک دھڑک کر رہ گئی۔ وہ بولی۔ ”پیاری بچی، تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ تم جانتی ہو کہ اُچھٹ کیا ہے۔ اب تو چہرہ میں ماز آگئے ہیں اور میں شان کے ساتھ کم سکتی ہوں کہ تمہارا پالنے پوسنے اُچھٹ تنگ سے کیا ہے۔ تمہاری شادی کا دن قریب آنے دیکھ کر میں مجھے تمہارے بھائی کی یاد آتی ہے۔ کون جانتا ہے کہ وہ آج جیت رہے ہیں یا نہیں!“

× × ×
اُس رات جیت جگمگاتی رہی۔ سرپت کی بانی دیوار کے پھروں سے چاندنی کی لکڑی تیرتی لکڑی بن کر آ رہی تھی، پھر بھی وہ سو نہ سکی۔

دوسرے ہی دن اُس نے کل باتیں زبانی۔ پنگ کو بتلایا۔ جیت نے سوام زچوان جانے کی! چہا پرگت کی! کچھ سچ کر زبانی۔ پنگ بولا۔ ”یہ اوشیک نہیں ہے۔ بیدی زمیندار جیت کی بول رہی طرح نہ کیل گئی عورتی تب جیت کی باتیں اوشیک عورتیں۔ زچوان میں تو کتنے پہلے کوشی سندار ہو چکا ہے اور جیت کو سزا بھی مل چکی ہے۔ جہاں تک اسکے زچوان جانے کا پریش ہے! اسے تو یہی معلوم کرنا ہے کہ اُس کا بھائی جیت رہے ہیں یا نہیں؟ بیدی وہ جیت ہو تو کتنی اُٹند کی بات ہوگی۔ لیکن بیدی وہ مر گیا ہو تب تو ماں بہت کا دکھ اور بھی بڑھ جائے گا۔ زبانی۔ پنگ نے جیت کے سامنے اپنے دھار رکھے۔ کچھ ہی دنوں میں اُسے اپنے گاؤں والوں کے ساتھ بڑھ کر، میں غلہ پہونچانے جانا ہے۔ وہاں سے شینجیا فیلڈ گاؤں قریب 60 لی

गांव में आने के तीसरे साल ही पापा येह छुप कर शेंज्या फ्रील्ड गांव में अपने बच्चे को देखने के लिये गये. जब वह लौट कर घर आये तो गुरसे से कांप रहे थे. शेंज्या फ्रील्ड में उसे मालूम हुआ कि उन लोगों के गांव छोड़ देने के बाद जमींदार के घर दो बच्चे पैदा थे थे. यह दोनों ही लड़के थे. इसलिये अब येह का लड़का गुलाम जैसा माना जाता था. उसके कपड़े फटे पुराने होते थे. बार बार मार खाते रहने से उसके बदन पर नीले दाग की धारियां सी पड़ गई थीं. पापा येह छुप कर अपने बेटे से मिले थे और कुछ देर बातें भी कीं थीं. बातें करने के लिये बहुत थोड़ा समय मिल पाया था. फिर भी पापा येह ने देख लिया था कि उनका बेटा बड़ा ही होनहार और नटखट था.

मां येह ने घर की पुरानी कहानी जेड को सुनाते हुये कहा कि शेंज्या फ्रील्ड से लौट कर आने के बाद पापा येह इतने क्रुद्ध थे कि दिन भर उन्होंने खाना ही नहीं खाया. घर में क्रदम रखते ही चिल्लाकर उन्होंने कहा था—“क्या तुम लोग जानते हो अमीर आदमियों का हृदय किस धातु का बना होता है ?”

जेड मां येह की बात शुरू से ही बड़े ध्यान पूर्वक सुन रही थी. जब उसे अपने पिता की बातें मालूम हुईं तो वह बहुत ज्यादा परेशान हो उठी और उसका मन अस्थिर हो उठा. उसने सपने में भी ऐसी बातें नहीं सोची थीं. अपने जीवन में तो जेड ने सदा द्रिष्टता, अभाव, परेशानी ही देखी थी. उसे इसका गुमान भी कैसे हो सकता था कि वह एक जमींदार की बेटी है. उसने हमेशा जमींदारों को, कुमिन्तांग अधिकारियों को, जन-साधारण पर अन्याय ही करते देखा था. उसकी अपनी समझ में जमींदार और उस वर्ग के लोगों में मनुष्यता नाम-मात्र को भी नहीं होती थी, पर फिर भी वह स्वयं उसी वर्ग में पैदा हुई थी. उसका दिमाग चक्कर खाने लगा.

पर धीरे धीरे जेड ने अपने को संभाल लिया. वह मां से बोली—“मां, जमींदार वर्ग के लोगों में दिल नहीं होता, उनमें दिल की जगह पत्थर होता है. यदि कोई जमींदार है तो यह लाजमी है कि वह नृशंस और अत्याचारी होगा. पापा येह वहां गये ही क्यों ? क्या उन्हें जमींदारों की यह विशेषता नहीं मालूम थी ?”

मां येह ने धीरे से सिर हिलाया और कहा—“चिन्तित मत हो. तुम्हारे पिता येह तुम्हें बहुत प्यार करते थे. वह कहा करते थे कि बच्चा बच्चा ही है, चाहे वह लड़का हो या लड़की. प्यारी जेड के भाग्य में तकलीफ उठाना ही लिखा था, तभी तो वह हमारे परिवार में आ पड़ी. यदि तुम्हारा भाई तुम्हें परेशान करता था तो पापा येह उसे बहुत डांटते थे. यही कारन था कि वह तुम से बहुत डरता था.”

जेड की आंखें लाल हो रही थीं. पापा येह की उसे खूबली सी याद थी. उसकी याद में पापा के ऊपरी होठों पर

गुंम में आने के तिसरे साल ही पापा येह छुप कर शेंज्या फ्रील्ड गांव में अपने बच्चे को देखने के लिये गये. जब वह लौट कर घर आये तो गुरसे से कांप रहे थे. शेंज्या फ्रील्ड में उसे मालूम हुआ कि उन लोगों के गांव छोड़ देने के बाद जमींदार के घर दो बच्चे पैदा हो गये थे. यह दोनों ही लड़के थे. इसलिये अब येह का लड़का गुलाम जैसा माना जाता था. उसके कपड़े फटे पुराने होते थे. बार बार मार खाते रहने से उसके बदन पर नीले दाग की धारियां सी पड़ गई थीं. पापा येह छुप कर अपने बेटे से मिले थे और कुछ देर बातें भी कीं थीं. बातें करने के लिये बहुत थोड़ा समय मिल पाया था. फिर भी पापा येह ने देख लिया था कि उनका बेटा बड़ा ही होनहार और नटखट था.

मां येह ने घर की पुरानी कहानी जेड को सुनाते हुये कहा कि शेंज्या फ्रील्ड से लौट कर आने के बाद पापा येह इतने क्रुद्ध थे कि दिन भर उन्होंने खाना ही नहीं खाया. घर में क्रदम रखते ही चिल्लाकर उन्होंने कहा था—“क्या तुम लोग जानते हो अमीर आदमियों का हृदय किस धातु का बना होता है ?”

जेड मां येह की बात शुरू से ही बड़े ध्यान पूर्वक सुन रही थी. जब उसे अपने पिता की बातें मालूम हुईं तो वह बहुत ज्यादा परेशान हो उठी और उसका मन अस्थिर हो उठा. उसने सपने में भी ऐसी बातें नहीं सोची थीं. अपने जीवन में तो जेड ने सदा द्रिष्टता, अभाव, परेशानी ही देखी थी. उसे इसका गुमान भी कैसे हो सकता था कि वह एक जमींदार की बेटी है. उसने हमेशा जमींदारों को, कुमिन्तांग अधिकारियों को, जन-साधारण पर अन्याय ही करते देखा था. उसकी अपनी समझ में जमींदार और उस वर्ग के लोगों में मनुष्यता नाम-मात्र को भी नहीं होती थी, पर फिर भी वह स्वयं उसी वर्ग में पैदा हुई थी. उसका दिमाग चक्कर खाने लगा.

पर धीरे धीरे जेड ने अपने को संभाल लिया. वह मां से बोली—“मां, जमींदार वर्ग के लोगों में दिल नहीं होता, उनमें दिल की जगह पत्थर होता है. यदि कोई जमींदार है तो यह लाजमी है कि वह नृशंस और अत्याचारी होगा. पापा येह वहां गये ही क्यों ? क्या उन्हें जमींदारों की यह विशेषता नहीं मालूम थी ?”

मां येह ने धीरे से सिर हिलाया और कहा—“चिन्तित मत हो. तुम्हारे पिता येह तुम्हें बहुत प्यार करते थे. वह कहा करते थे कि बच्चा बच्चा ही है, चाहे वह लड़का हो या लड़की. प्यारी जेड के भाग्य में तकलीफ उठाना ही लिखा था, तभी तो वह हमारे परिवार में आ पड़ी. यदि तुम्हारा भाई तुम्हें परेशान करता था तो पापा येह उसे बहुत डांटते थे. यही कारन था कि वह तुम से बहुत डरता था.”

जेड की आंखें लाल हो रही थीं. पापा येह की उसे खूबली सी याद थी. उसकी याद में पापा के ऊपरी होठों पर

کے یھاں سے چلے جانے کے سمای تک کا سارچ چلانیے کے لیے بھ انھے پانچ یونٹ چاابل دغا۔

اس پرکار ماں یه کے لکڑکا پغا ہونے کے عک ماہ کے اندر ہی یه پریوار کو شجیا فیلڈ کھیٹ چھڑ دینا پڑا۔ بہت دنوں تک وہ اندر ادھر بیٹکتے رہے اور انت میں زبیران کے سیمانت علاقے کیسچاؤ کی سیماء کے قریب داربا گھاٹی میں ٹہر گئے۔ وہاں بابا یں کوئلہ کھودتے تے، نمک کی چٹانیں کاٹتے تے یا پھر چلانے کی لکڑی کاٹکر بیچتے تے۔ اُن کا جیوں بہت مشکل سے چل پاتا تھا۔

1936 میں بھینکر اگل پڑا۔

یہ اپنے دنوں بڑوں کو لیکر گھر سے نکل پڑے اور بیٹھ مائکتے لگے۔ بھینکر، مائکتے مائکتے وہ زمینداروں کے چپڑے کے پیڑ والے گلاں میں پھرنچے۔ بابا زمیندار لیونے انھیں کچھ کام دیا۔ ملں یہ کھانا بکایا کرتی تھی اور بابا یں کھیٹ میں کام کرتے تھے۔ یونگ، جو اب نو سال کا ہوگیا تھا، زمیندار کی بیٹز بکریاں چرانے جایا کرتا تھا، بڑے تختواہ نہیں ملتی تھی۔ اُن کو کل اننا ہی مل پاتا تھا جس میں وہ اپنا اور اپنی چھوٹی بچی کا پیٹ بھرسکتے تھے۔ زمیندار لیونے کہا کرتا تھا کہ اُس نے یہ دھپتی پر بڑی دبا کی تی۔ ایسی ہی دنیا کی نوکری وہ قریب ایک سال کرتے رہے۔ پھر پایا یہ نے پہاڑ پر تروزی زمین صاف کر کھیتی کرنے کی آکیاں مانگی۔ لیونے انھیں تروزی زمین دے دی اور اُس کا لگان ہتی طے ہوگیا۔ یہی یہ کسی کو بھی پتہ نہیں تھا کہ اُس زمین کا اصلی مالک کون ہے۔

اُس پہاڑی زمین کی مٹی پتھریلی تھی اور اُس کی ت بہت پٹائی تھی۔ وہ کتنی بھی محنت کرتے پر اناج کی بالیاں لمبی نہ ہوتی تھیں اور پٹیلیاں ہی بہت ہی چوٹی ہوتی تھیں۔ اُس معمولی سے بھی رتی فصل کی زانبا ڈرنے کے لئے انھیں جنگلی سورن، چغون، پہاڑی بکریوں آدی سے برابر لوہا لیتے رہنا پڑتا تھا۔ اُس کے بعد ہی انھیں زمیندار لیونے اور کومنتانگ ادیکائی لی کا اترائے سہنا پڑتا تھا اور اُن کی مانگ پوری کرنی پڑتی تھی۔ پایا یہ کو بہت محنت کرنی پڑتی تھی۔ جب وہ تھک کر چڑھو جاتے تے تو ہودغا جھٹ کو کہا کرتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ کھیتی میں لگا دیتا ہوں پر گھر کے جانے کے لئے اُجھ میں نہیں ہے۔ برابر ملنا ہے۔ بھاگے وش پاس پڑوس کے آئہ کسان بیڑے ملنساں تے۔ وہ ایک درسے کی مدد کرنے میں سدوتہر رہتے تے۔ ایک درسے کو بڑی آسانی سے اُدھار دے دیا کرتے تے اور پھر پرکار سہانتا کرتے تے۔ ایسی پرستختیوں میں دنوں سے سٹکورش کرتے شونے یہ دھپتی پھر سے اپنا گھر بسانے میں سہیل عوٹے۔

یہ دھپتی اپنے اُس بچے کے بارے میں سدا چننت رہتے تے جسے انھیں زمیندار چانگ کو دے دینا پڑا تھا۔ نئے

یہ اپنے دونوں بچوں کو لےکر घर سے निकल पड़े और भीख मांगने लगे. भीख मांगते मांगते वह जेजुआन के चीड़ के पेड़ वाले गांव में पहुंचे. यहां जमींदार लियू ने उन्हें कुछ काम दिया. मां येह खाना पकाया करती थी और पापा येह खेत में काम करते थे. यूचिंग, जो अब नौ साल का हो गया था, जमींदार की भेड़वकरियां चराने जाया करता था, पर उसे तनख्वाह नहीं मिलती थी. उनको कुल इतना ही मिल पाता था जिसमें वह अपना और अपनी छोटी बच्ची का पेट भर सकते थे. जमींदार लियू कहा करता था कि उसने येह दम्पति पर बड़ी दया की थी. ऐसी ही दया की नौकरी वह करीब एक साल करते रहे. फिर पापा येह ने पहाड़ पर थोड़ी जमीन साफ कर खेती करने की आज्ञा मांगी. लियू ने उन्हें थोड़ी जमीन दे दी और उसका लगान भी तय हो गया, यद्यपि यह किसी को भी पता नहीं था कि उस जमीन का असली मालिक कौन है.

उस पहाड़ी जमीन की मिट्टी पथरीली थी और उसकी तह बहुत पतली थी. वह कितनी भी मेहनत करते पर अनाज की बालियां लम्बी न होती थीं और फलियां भी बहुत ही छोटी होती थीं. इस मामूली से भी रही फसल की रक्षा करने के लिये उन्हें जंगली सूअरों, चूहों, पहाड़ी वकरियों आदि से बराबर लोहा लेते रहना पड़ता था. इसके बाद भी उन्हें जमींदार लियू और कुमिन्तांग अधिकारी ली का अन्याय सहना पड़ता था और उनकी मांग पूरी करनी पड़ती थी. पापा येह को बहुत मेहनत करनी पड़ती थी. जब वे थक कर चूर हो जाते थे तो बहुधा मल्लाकर कहा करते थे कि मैं अपना सब कुछ खेती में लगा देता हूँ पर घर ले जाने के लिये उपज में नहीं के बराबर मिलता है. भाग्यवश पास पड़ोस के अन्य किसान बड़े मिलनसार थे. वे एक दूसरे की मदद करने में सदैव तत्पर रहते थे. एक दूसरे को बड़ी आसानी से उधार दे दिया करते थे और हर प्रकार सहायता करते थे. ऐसी परिस्थितियों में दिक्कतों से संघर्ष करते हुए येह दम्पति फिर से अपना घर बसाने में सफल हुये.

येह दम्पति अपने उस बच्चे के बारे में सदा चिंतित रहते थे जिसे उन्हें जमींदार जांग को दे देना पड़ा था. नये

इककीस वर्ष पहिले मां येह और उसके पति जेचुआन के रोज्या खेत में जमींदार जांग की जमींदारी में रह कर खेती करते थे. उसकी कोठी के पास ही उनकी फूस की एक मसैया थी. चांद के बारहवें महीने की चौबीसवीं तारीख को रात में जब ठंडी बरकीली हवा चल रही थी मां येह के दूसरा बच्चा हुआ. वह लड़का था. तीन दिन बाद जमींदार की पत्नी के लड़की पैदा हुई. जमींदार जांग के परिवार में पिछली तीन पीढ़ी से एक लड़का बराबर होता आया था जिससे उनका वंश चलता रहता था. जमींदार जांग भी यही चाहता था कि उसे पुत्र की प्राप्ति हो ताकि वह अपना वंश चला सके और जो उसकी सम्पत्ति का अधिकारी हो सके. जब उसके यहां बेटी ही पैदा हुई तो वह बहुत मुनमुनाया. पर वह अपना असन्तोश प्रगट करने में घबराता था क्योंकि उसकी पत्नी धनी और प्रभावशाली परिवार की थी. वह अत्यन्त सुन्दर भी थी. इसलिये जांग उसे प्यार भी करता था और उससे डरता भी बहुत था. उसकी पत्नी उसकी मनोदशा से भली भांति परिचित थी. यद्यपि वह जानती थी कि उसका पति शीघ्र ही कोई उपपत्नी नहीं ले आयेगा पर इसकी सम्भावना तो हमेशा ही थी.

उसने पति से कहा—“तुम तो समझदार और योग्य व्यक्ति हो. कोई ऐसी तरीकब क्यों नहीं सोचते कि घर में एक पुत्र आ जाय.”

X

X

X

नया साल शुरू होने पर जमींदार जांग ने अपने कारिन्दे को येह परिवार से पिछला ऋज वसूल करने के लिये भेजा. इस बार उन्होंने येह परिवार को बहुत तंग किया और जब येह परिवार बहुत ही ज्यादा लाचार हो गया तो यह प्रस्ताव रखवा कि यदि वह अपने नवजात बालक शिशु को उनकी लड़की से बदलने को तैयार हो जायें तो वह लगान के बारे में उनसे कोई समझौता कर लेगे. नहीं तो उनका (येह परिवार वालों का) नया साल बड़ा ही भयंकर बीतेगा. जमींदार के ही हाथों में उन दिनों किसानों का जीवन रहता था. मजबूर होकर, आंखों में आंसू भर कर और मन पर हजारों मन का बोझ लाद कर येह दम्पति ने इसे मंजूर किया. अन्त समय में भी जमींदार ने कुछ नयी और कठोर शर्तें जोड़ दीं. उसी रात शर्तनामा लिखा गया और उस पर हस्ताक्षर किये गये. येह दम्पति ने मंजूर किया कि इस समझौते को वे हमेशा गुप्त रखलेगे, जमींदार की कोठी से 50 ली के क्षेत्र के अन्दर वे नहीं रहेंगे और येह परिवार को कोई भी व्यक्ति जमींदार जांग की जमीन पर कभी कदम नहीं रखलेगा. जांग ने यह वादा किया कि वह जमीन का लगान दो पिकल अनाज की जगह एक पिकल अनाज कर देगा जिसके बदले में वह उनका बैल लेगा. येह परिवार

अग्रेसर रहने वाले मां में और अंस के पति जेचुआन के शिष्टाचार के प्रति जमींदार जांग की जमींदारी में रहकर कहेती कहेती रहे. अंस की कहेती के पास ही अंस की पत्नी की एक मसैया थी. चांद के बारहवें महीने की चौबीसवीं तारीख को रात में जब ठंडी बरकीली हवा चल रही थी मां येह के दूसरा बच्चा हुआ. वह लड़का था. तीन दिन बाद जमींदार की पत्नी के लड़की पैदा हुई. जमींदार जांग के परिवार में पिछली तीन पीढ़ी से एक लड़का बराबर होता आया था जिससे उनका वंश चलता रहता था. जमींदार जांग भी यही चाहता था कि उसे पुत्र की प्राप्ति हो ताकि वह अपना वंश चला सके और जो उसकी सम्पत्ति का अधिकारी हो सके. जब उसके यहां बेटी ही पैदा हुई तो वह बहुत मुनमुनाया. पर वह अपना असन्तोश प्रगट करने में घबराता था क्योंकि उसकी पत्नी धनी और प्रभावशाली परिवार की थी. वह अत्यन्त सुन्दर भी थी. इसलिये जांग उसे प्यार भी करता था और उससे डरता भी बहुत था. उसकी पत्नी उसकी मनोदशा से भली भांति परिचित थी. यद्यपि वह जानती थी कि उसका पति शीघ्र ही कोई उपपत्नी नहीं ले आयेगा पर इसकी सम्भावना तो हमेशा ही थी.

X X X

नया साल शुरू होने पर जमींदार जांग ने अपने कारिन्दे को येह परिवार से पिछला ऋज वसूल करने के लिये भेजा. इस बार उन्होंने येह परिवार को बहुत तंग किया और जब येह परिवार बहुत ही ज्यादा लाचार हो गया तो यह प्रस्ताव रखवा कि यदि वह अपने नवजात बालक शिशु को उनकी लड़की से बदलने को तैयार हो जायें तो वह लगान के बारे में उनसे कोई समझौता कर लेगे. नहीं तो उनका (येह परिवार वालों का) नया साल बड़ा ही भयंकर बीतेगा. जमींदार के ही हाथों में उन दिनों किसानों का जीवन रहता था. मजबूर होकर, आंखों में आंसू भर कर और मन पर हजारों मन का बोझ लाद कर येह दम्पति ने इसे मंजूर किया. अन्त समय में भी जमींदार ने कुछ नयी और कठोर शर्तें जोड़ दीं. उसी रात शर्तनामा लिखा गया और उस पर हस्ताक्षर किये गये. येह दम्पति ने मंजूर किया कि इस समझौते को वे हमेशा गुप्त रखलेगे, जमींदार की कोठी से 50 ली के क्षेत्र के अन्दर वे नहीं रहेंगे और येह परिवार को कोई भी व्यक्ति जमींदार जांग की जमीन पर कभी कदम नहीं रखलेगा. जांग ने यह वादा किया कि वह जमीन का लगान दो पिकल अनाज की जगह एक पिकल अनाज कर देगा जिसके बदले में वह उनका बैल लेगा. येह परिवार

ماں بولی—”یہ تو ٹیک ہے پر کیا یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پردوار کا کوئی سسپہ آج بھی ہاں ہے؟“

جید پریشان ہو گئی۔ اُسے تو یہی معلوم تھا کہ کھچڑ میں اُس کے پردوار کے کل چار سسپہ آئے تھے۔ اُس کی ماں، پتا اور بڑا بیٹا۔ جب وہ سات برس کی تھی اُس کا پتا ایک بار زچچوان گیا تھا۔ جب وہ دس برس کی تھی پھر اُس کا پتا زچچوان گیا تھا۔ اُس کے بعد ہی اُنہوں نے سنا کہ اُس کی مرتد ہو گئی تھی۔ اُس کی ماں کو پورا وشواس تھا کہ اُس کے پتی کی مرتد کا کارن کرپ زمیندار جانگ ہی تھا۔ جب جید فیورہ دیش کی تھی اُس کے بڑے بیٹے کو کومتانگ کے لوگ نوج میں کام کرنے کے لئے پکڑ لے گئے تھے۔ اُس کے بعد اُس کا بھی نام پھر کبھی نہیں سنا گیا۔ اُس کی ماں نے کئی بار سوچا کہ وہ زچچوان جانر زمیندار جانگ سے ملو دو در باہیں کر کے اپنا پرانا حساب چکنا کر لے۔ پر کھچڑ کے سرکاری انسور اور پارٹی کارپہ کرتاؤں نے اسے ویرتہ میں ہی پریشان نہ ہونے کے لئے بہت سمجھایا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ زچچوان کے راستے میں اُونچی پہاڑیاں ہیں اور راستے خراب ہیں اور پور وہ بڑی شوجی ہے۔ پھر چنبر میں ماؤ دورا دی گئی پر پورنا کے بل پر زچچوان کے کسانوں نے سوچ ہی وہاں کے زمیندار سے سبھی کسانوں کے لئے پرانے ظالوں کی قیمت وصول لی ہوگی۔ بچہ کو تو وہ کہیں جلائی نہیں سکتا تھا۔

زمیندار کومتانگ دورا نیکٹ نئی گاؤں کا شاسک بنی تھا۔ جب گاؤں میں اُس کا مقیم ہو رہا تھا اُس نے کئی بار اپنے بریقے کے بارے میں پریشان بھی کئے تھے۔ وہ یہی کہتی تھی کہ اُس کے بریقے کو زمیندار لی - ہی لے گیا تھا۔

جید بولی—”میں جانتی ہوں ماں، भाई यूँग को जमीनदार ले गया है۔“

ماں نے کہا—”میری پیاری بچی، تمہارے ایک भाई और भी है. मैंने तुम्हें बीस बरस तक पाल पोस कर बड़ा किया है पर तुम्हें बराबर अन्धकार में रक्खा है. तुम उसी काराज के पुलिन्दे को लेकर मेरे यहां आई थीं.“ काराज کے پولیندے کی ओर इशारा करते हुए मां की आँखों से आँसू लुढ़क पड़े, पर उसने कौरन पोंछ डाले.

जैड को यह बात सुन कर बड़ा अचम्भा हुआ. वह जैसे आकाश में पहुँच गई हो. उसने पूछा—”मां, क्या यह सच है ?“

बूढ़ी मां ने बेटी की आँखों में आँखें डाल कर कहा—”ध्यान दे कर सुनो. मैंने तुम्हें बीस बरस तक दुख और झुख में अपनी बेटी की तरह पाला है, पर तुम मेरे कोख की जन्मी नहीं हो. जमींदार पाकमाक जांग ही वास्तव में तुम्हारा बाप है !“

جید پریشان ہو گئی۔ اُسے تو یہی معلوم تھا کہ کھچڑ میں اُس کے پردوار کے کل چار سسپہ آئے تھے۔ اُس کی ماں، پتا اور بڑا بیٹا۔ جب وہ سات برس کی تھی اُس کا پتا ایک بار زچچوان گیا تھا۔ جب وہ دس برس کی تھی پھر اُس کا پتا زچچوان گیا تھا۔ اُس کے بعد ہی اُنہوں نے سنا کہ اُس کی مرتد ہو گئی تھی۔ اُس کی ماں کو پورا وشواس تھا کہ اُس کے پتی کی مرتد کا کارن کرپ زمیندار جانگ ہی تھا۔ جب جید فیورہ دیش کی تھی اُس کے بڑے بیٹے کو کومتانگ کے لوگ نوج میں کام کرنے کے لئے پکڑ لے گئے تھے۔ اُس کے بعد اُس کا بھی نام پھر کبھی نہیں سنا گیا۔ اُس کی ماں نے کئی بار سوچا کہ وہ زچچوان جانر زمیندار جانگ سے ملو دو در باہیں کر کے اپنا پرانا حساب چکنا کر لے۔ پر کھچڑ کے سرکاری انسور اور پارٹی کارپہ کرتاؤں نے اسے ویرتہ میں ہی پریشان نہ ہونے کے لئے بہت سمجھایا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ زچچوان کے راستے میں اُونچی پہاڑیاں ہیں اور راستے خراب ہیں اور پور وہ بڑی شوجی ہے۔ پھر چنبر میں ماؤ دورا دی گئی پر پورنا کے بل پر زچچوان کے کسانوں نے سوچ ہی وہاں کے زمیندار سے سبھی کسانوں کے لئے پرانے ظالوں کی قیمت وصول لی ہوگی۔ بچہ کو تو وہ کہیں جلائی نہیں سکتا تھا۔

زمیندار کومتانگ دورا نیکٹ نئی گاؤں کا شاسک بنی تھا۔ جب گاؤں میں اُس کا مقیم ہو رہا تھا اُس نے کئی بار اپنے بریقے کے بارے میں پریشان بھی کئے تھے۔ وہ یہی کہتی تھی کہ اُس کے بریقے کو زمیندار لی - ہی لے گیا تھا۔

جید بولی—”میں جانتی ہوں ماں، भाई यूँग को जमीनदार ले गया है۔“

ماں نے کہا—”میری پیاری بچی، تمہارے ایک भाई और भी है. मैंने तुम्हें बीस बरस तक पाल पोस कर बड़ा किया है पर तुम्हें बराबर अन्धकार में रक्खा है. तुम उसी काराज के पुलिन्दे को लेकर मेरे यहां आई थीं.“ काराज کے پولیندے کی ओर इशारा करते हुए मां की आँखों से आँसू लुढ़क पड़े, पर उसने कौरन पोंछ डाले.

जैड को यह बात सुन कर बड़ा अचम्भा हुआ. वह जैसे आकाश में पहुँच गई हो. उसने पूछा—”मां, क्या यह सच है ?“

बूढ़ी मां ने बेटी की आँखों में आँखें डाल कर कहा—”ध्यान दे कर सुनो. मैंने तुम्हें बीस बरस तक दुख और झुख में अपनी बेटी की तरह पाला है, पर तुम मेरे कोख की जन्मी नहीं हो. जमींदार पाकमाक जांग ही वास्तव में तुम्हारा बाप है !“

یادِ چہرہمیں مائو کا راج نہ آیا ہوتا تو میں تمہارے لئے ایک کتھا بھی نہ خرید سکتی ۔

جیت بولی—”ماں! آج کل دھیز کی کون چنتا کرتا ہے ؟ کھڑا ایک دو دن بعد سی لیا جائیگا ۔“

ماں نے اتر دیا—”ابھ توں مہسے اٹلگا ہی ہونے والی ہو۔ آج رات میں توں سے کھڑے کرنا چاہتی ہوں۔ آج میں تجھے کہیں بھی نہ جانے دوں گی۔“

جیت نے سوچا—”آج میں بہت چننت ہیں۔ شاید وہ زے۔ پنگ کے پہاں چاکر نہیں رہنا چاہتیں۔ پرانے لوگوں کا درشتی کون ہی کچھ دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ لیکن میں بھی کیا کروں؟ ماں کی گردن میں پیٹھکو کھیلنے والی عمر تو اب رہی نہیں۔ ماں کا جبین تو نکلیں میں ہی گزرا ہے۔ انہیں کچھ دن تو آرام کے خوشی کے بتانے کو ماننے ہی چاہئیں۔ مجھے کیا؟ میری عمر تو ابھی کیوں اکیس ورش کی ہی ہے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ کچھ دن بعد ہی شادی ہو جائیگی۔“

اپنی ماں کو سونے کے کمرے میں پہنچاتے ہوئے جیت نے سوچا کہ وہ اپنے دوا کو کچھ ورشوں کے لئے قال دیگی۔

× × ×

لکڑی کے ایک پورانے سندوق سے ماں نے کپڑے میں لپٹا ہوا کاغذ کا ایک پلندا نکالا۔ وہ ایک پرانے دستاویز کو، جو خود وراثت کے کارن پیلا اور جرجر ہو گیا تھا، اپنی بیٹی کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دستاویز کو کمرے میں رکھی چکر میز پر پھیلا دیا اور جیت کو وہیں بیٹھنے کا آدش دیا۔

جیت کو دیکھا گیا کہ سبھی باتیں اسی سونے کے کمرے میں جتنی سرلتا سے اُس نے اپنے من میں طے کر ڈالا تھا۔ کچھ پریشان، کچھ کھوئی کھوئی سی وہ اپنی ماں کے چہرے پر اپنی نظر جٹائے بیٹھی رہی۔ کھپکار کے گل صاف کرنے کے بعد ماں یہ دھیرے سے بولیں—”جیت، تمہیں معلوم ہے، ہم لوگ یہاں کہاں سے آئے ہیں؟“

جیت نے اتر دیا—”ہاں، تمہیں تو بتایا تھا کہ ہم لوگ پہلے دکنی ریجن کے شینجیاں فیلڈ میں رہتے تھے۔“

ماں بولیں—”ٹھیک، پر ہم لوگ وہاں سے کیسے پرائنٹ کے اُس پہاڑی علاقے میں کیوں چلے آئے؟“

جیت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی ماں پرپور کے اُس پرانے انہاس کو کیوں دھرا رہی تھیں۔ پور بھی وہ پرنٹیک ورش کا اتر اپنی پوری جانکاری کے انوسار دیتی تھی۔ اس نے کہا کہ زمیندار جانک لے انہیں وہاں سے نکال دیا تھا۔

جیت نے سوچا—”آج میں بہت چننت ہیں۔ شاید وہ زے۔ پنگ کے پہاں چاکر نہیں رہنا چاہتیں۔ پرانے لوگوں کا درشتی کون ہی کچھ دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ لیکن میں بھی کیا کروں؟ ماں کی گردن میں پیٹھکو کھیلنے والی عمر تو اب رہی نہیں۔ ماں کا جبین تو نکلیں میں ہی گزرا ہے۔ انہیں کچھ دن تو آرام کے خوشی کے بتانے کو ماننے ہی چاہئیں۔ مجھے کیا؟ میری عمر تو ابھی کیوں اکیس ورش کی ہی ہے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ کچھ دن بعد ہی شادی ہو جائیگی۔“

اپنی ماں کو سونے کے کمرے میں پہنچاتے ہوئے جیت نے سوچا کہ وہ اپنے دوا کو کچھ ورشوں کے لئے قال دیگی۔

× × ×

لکڑی کے ایک پورانے سندوق سے ماں نے کپڑے میں لپٹا ہوا کاغذ کا ایک پلندا نکالا۔ وہ ایک پرانے دستاویز کو، جو خود وراثت کے کارن پیلا اور جرجر ہو گیا تھا، اپنی بیٹی کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دستاویز کو کمرے میں رکھی چکر میز پر پھیلا دیا اور جیت کو وہیں بیٹھنے کا آدش دیا۔

جیت کو دیکھا گیا کہ سبھی باتیں اسی سونے کے کمرے میں جتنی سرلتا سے اُس نے اپنے من میں طے کر ڈالا تھا۔ کچھ پریشان، کچھ کھوئی کھوئی سی وہ اپنی ماں کے چہرے پر اپنی نظر جٹائے بیٹھی رہی۔ کھپکار کے گل صاف کرنے کے بعد ماں یہ دھیرے سے بولیں—”جیت، تمہیں معلوم ہے، ہم لوگ یہاں کہاں سے آئے ہیں؟“

جیت نے اتر دیا—”ہاں، تمہیں تو بتایا تھا کہ ہم لوگ پہلے دکنی ریجن کے شینجیاں فیلڈ میں رہتے تھے۔“

ماں بولیں—”ٹھیک، پر ہم لوگ وہاں سے کیسے پرائنٹ کے اُس پہاڑی علاقے میں کیوں چلے آئے؟“

جیت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُس کی ماں پرپور کے اُس پرانے انہاس کو کیوں دھرا رہی تھیں۔ پور بھی وہ پرنٹیک ورش کا اتر اپنی پوری جانکاری کے انوسار دیتی تھی۔ اس نے کہا کہ زمیندار جانک لے انہیں وہاں سے نکال دیا تھا۔

جیت نے سوچا—”آج میں بہت چننت ہیں۔ شاید وہ زے۔ پنگ کے پہاں چاکر نہیں رہنا چاہتیں۔ پرانے لوگوں کا درشتی کون ہی کچھ دوسری طرح کا ہوتا ہے۔ لیکن میں بھی کیا کروں؟ ماں کی گردن میں پیٹھکو کھیلنے والی عمر تو اب رہی نہیں۔ ماں کا جبین تو نکلیں میں ہی گزرا ہے۔ انہیں کچھ دن تو آرام کے خوشی کے بتانے کو ماننے ہی چاہئیں۔ مجھے کیا؟ میری عمر تو ابھی کیوں اکیس ورش کی ہی ہے۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ کچھ دن بعد ہی شادی ہو جائیگی۔“

اپنی ماں کو سونے کے کمرے میں پہنچاتے ہوئے جیت نے سوچا کہ وہ اپنے دوا کو کچھ ورشوں کے لئے قال دیگی۔

× × ×

لکڑی کے ایک پورانے سندوق سے ماں نے کپڑے میں لپٹا ہوا کاغذ کا ایک پلندا نکالا۔ وہ ایک پرانے دستاویز کو، جو خود وراثت کے کارن پیلا اور جرجر ہو گیا تھا، اپنی بیٹی کو دکھانا چاہتی تھی۔ اس نے دستاویز کو کمرے میں رکھی چکر میز پر پھیلا دیا اور جیت کو وہیں بیٹھنے کا آدش دیا۔

جیت کو دیکھا گیا کہ سبھی باتیں اسی سونے کے کمرے میں جتنی سرلتا سے اُس نے اپنے من میں طے کر ڈالا تھا۔ کچھ پریشان، کچھ کھوئی کھوئی سی وہ اپنی ماں کے چہرے پر اپنی نظر جٹائے بیٹھی رہی۔ کھپکار کے گل صاف کرنے کے بعد ماں یہ دھیرے سے بولیں—”جیت، تمہیں معلوم ہے، ہم لوگ یہاں کہاں سے آئے ہیں؟“

“जेड, आज बाहर मत जाओ”, मां ने कहा. “आज हम लोग बैठ कर उन कपड़ों को सियेंगे जो हम लोगों को बिजय के फलस्वरूप उस समय मिले थे जब जर्मींदार की जायदाद का किसानों में बंटवारा हो रहा था. तुम्हारे लिये नये कपड़े बनायेंगे. कल उन्हीं सीकर पूरा कर देंगे. दिन में सुफे ज़्यादा साफ़ दिखाई देता है. प्यारी बच्ची.

”جیت آج باہر۔ مت جا۔“ ماں نے کہا۔ ”آج ہے لوگ
 بیٹھو اُن کیڑوں کو سٹیں گے جو ہم اوگرن کو وچنے کے پھل سوزپ
 اُس سے۔“ لے تھے جب زمہدار کی جائداد کا کسانوں میں تقوار
 ہو رہا تھا۔ تمہارے لئے نئے کیڑے بنائیں گے۔ کل انھیں سی کر پورا
 کر دینگے۔ دن میں کچھ زیادہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ بیماری بچی۔“

सूरज को पच्छिमी पहाड़ों के पीछे छुपे हुए काफी देर हो चुकी थी. जब जेड-येह और जे-पिंग अपने चीड़ के पेड़ों वाले गांव के नजदीक पहुंचे अंधेरा घना हो चला था. वह अपना विवाह करने की नोटिस सरकारी जिला दफ्तर में देकर वापस लौट रहे थे. कुछ ही मिनटों में जेड-येह हांपती हुई अपने घर में दाखिल हुई. इस घर में वह और उसकी मां रहती थी. घर छोटा सा था जिस पर खपरैल पड़ी हुई थी. इसकी दीवारों भी कच्ची थीं और सरपत और पतले बांसों की मदद से बनाई गई थीं.

बूढ़ी मां खाना पका रही थी. वह साठ बरस की हो चली थी. अंधेरे में उसे बर्तन भी नहीं सूझ रहे थे. वह बार बार परेशान हो उठती थी. चूल्हे से निकलने वाली आग की लपटें उस अंधेरे में बिजली का काम देती थीं और इनकी छाया रह रह कर दीवारों पर नाच पड़ती थी.

घर में क्रमद रखते ही जेड ने कहा—“मां, मैं वापस आ गई. अब तुम आराम करो. मैं घर का काम पूरा कर दूंगी.”

चमचा उसके हाथ में देते हुए मां ने दुख भरे स्वर में कहा—“तुम लोग धीरे-धीरे क्यों नहीं चला करतीं ? सांस नहीं लेते बत रहा है.”

दियासलाई दूढ़ कर जेड ने तेल का दिया जलाया. सरकंडे की दीवार से छन छन कर आने वाली शाम की ठंडी हवा उस छोटे से दिये से टकरा रही थी. चूल्हे के नजदीक ही, लकड़ी के एक स्टूल पर मां यह बैठ गई और टिमटिमाती रोशनी में अपनी नजरें जेड पर जमा दीं. लम्बी तनी हुई भौं, गोल गोल काली आंखें, मुंह पर छाई हुई लाली, जेड के अंग अंग से खुशी फूटी पड़ रही थी. अचानक मां के मुंह पर का भाव बदल गया और वह परेशान दिखने लगी. वह कुछ पूछना चाहती थी, पर शब्द उसके मुंह से निकल नहीं रहे थे.

शान्ति भंग करते हुए जेड ही बोली—“मां, हम लोगों ने शुभ दिन तय कर लिया है. जिला-नायक का कहना है कि अगले माह की पांचवीं तारीख को वह हमारे गांव में नये अमान पत्र देंगे. यह दिन बहुत ही खुशी का होगा. उनका कहना है कि हमारा विवाह भी उसी दिन हो. मैंने जे-पिंग से भी बातें कर ली हैं.”

मां, कुछ चौंक कर बोली—“पांचवीं को !” उनकी आंखों से आंसू लुढ़क कर उनके चेहरे की स्फुरियों में दिखाई देने लगे. अपना मुंह दोनों हाथों के बीच कर के वह सुबकने लगीं.

सूरज को पच्छिमी पहाड़ों के पीछे छुपे हुए काफी देर हो चुकी थी. जब जेड-येह और जे-पिंग अपने चीड़ के पेड़ों वाले गांव के नजदीक पहुंचे अंधेरा घना हो चला था. वह अपना विवाह करने की नोटिस सरकारी जिला दफ्तर में देकर वापस लौट रहे थे. कुछ ही मिनटों में जेड-येह हांपती हुई अपने घर में दाखिल हुई. इस घर में वह और उसकी मां रहती थी. घर छोटा सा था जिस पर खपरैल पड़ी हुई थी. इसकी दीवारों भी कच्ची थीं और सरपत और पतले बांसों की मदद से बनाई गई थीं.

बूढ़ी मां खाना पका रही थी. वह साठ बरस की हो चली थी. अंधेरे में उसे बर्तन भी नहीं सूझ रहे थे. वह बार बार परेशान हो उठती थी. चूल्हे से निकलने वाली आग की लपटें उस अंधेरे में बिजली का काम देती थीं और इनकी छाया रह रह कर दीवारों पर नाच पड़ती थी.

घर में क्रमद रखते ही जेड ने कहा—“मां, मैं वापस आ गई. अब तुम आराम करो. मैं घर का काम पूरा कर दूंगी.”

चमचा उसके हाथ में देते हुए मां ने दुख भरे स्वर में कहा—“तुम लोग धीरे-धीरे क्यों नहीं चला करतीं ? सांस नहीं लेते बत रहा है.”

दियासलाई दूढ़ कर जेड ने तेल का दिया जलाया. सरकंडे की दीवार से छन छन कर आने वाली शाम की ठंडी हवा उस छोटे से दिये से टकरा रही थी. चूल्हे के नजदीक ही, लकड़ी के एक स्टूल पर मां यह बैठ गई और टिमटिमाती रोशनी में अपनी नजरें जेड पर जमा दीं. लम्बी तनी हुई भौं, गोल गोल काली आंखें, मुंह पर छाई हुई लाली, जेड के अंग अंग से खुशी फूटी पड़ रही थी. अचानक मां के मुंह पर का भाव बदल गया और वह परेशान दिखने लगी. वह कुछ पूछना चाहती थी, पर शब्द उसके मुंह से निकल नहीं रहे थे.

शान्ति भंग करते हुए जेड ही बोली—“मां, हम लोगों ने शुभ दिन तय कर लिया है. जिला-नायक का कहना है कि अगले माह की पांचवीं तारीख को वह हमारे गांव में नये अमान पत्र देंगे. यह दिन बहुत ही खुशी का होगा. उनका कहना है कि हमारा विवाह भी उसी दिन हो. मैंने जे-पिंग से भी बातें कर ली हैं.”

मां, कुछ चौंक कर बोली—“पांचवीं को !” उनकी आंखों से आंसू लुढ़क कर उनके चेहरे की स्फुरियों में दिखाई देने लगे. अपना मुंह दोनों हाथों के बीच कर के वह सुबकने लगीं.

5. کیا ہم اپنی اورتوں کو برابری کا درجہ دینے کے لئے تیار ہیں؟

5. کیا ہم اپنی عورتوں کو برابری کا درجہ دینے کے لئے تیار ہیں؟

6. کیا ہم پیچیدگی جاتیوں کو جگانے پر تیار ہیں؟

6. کیا ہم پیچیدگی جاتیوں کو جگانے پر تیار ہیں؟

7. کیا ہم پوجیبادی سمٹھاؤں اور تاللقعداری کو میدانے کے لیے تیار ہیں؟

7. کیا ہم پوجیبادی سمٹھاؤں اور تاللقعداری کو میدانے کے لیے تیار ہیں؟

8. کیا ہم تیار ہیں کہ ہندوستان میں سو فیصدی سیکولر راج ہو؟

8. کیا ہم تیار ہیں کہ ہندوستان میں سو فیصدی سیکولر راج ہو؟

9. کیا ہم تیار ہیں کہ تمام ایسی سمٹھاؤں جو سامپروڈاٹک اور راجنیتک ہیں دونوں میں مقادی جائیں؟

9. کیا ہم تیار ہیں کہ تمام ایسی سمٹھاؤں جو سامپروڈاٹک اور راجنیتک ہیں دونوں میں مقادی جائیں؟

10. کیا ہم یہ ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں کہ مذہب سماجی نہیں بلکہ شخصی ہے؟

10. کیا ہم یہ ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں کہ مذہب سماجی نہیں بلکہ شخصی ہے؟

11. کیا ہم تیار ہیں کہ ہمارے پہناوے، بول چال، رہن سہن اور ہمارے ناموں سے مذہب اور فرقہ کی چھاپ مٹا دی جائے؟

11. کیا ہم تیار ہیں کہ ہمارے پہناوے، بول چال، رہن سہن اور ہمارے ناموں سے مذہب اور فرقہ کی چھاپ مٹا دی جائے؟

12. کیا ہم تمام سماجی سمٹھاؤں (جیسے سکول، کالج، اسپتال وغیرہ) کو فرقہ واری اڈا بنانے سے روکیں گے اور انہیں نام اور کلم سے انتہائی سیکولر بنانے کی کوشش کریں گے؟

12. کیا ہم تمام سماجی سمٹھاؤں (جیسے اسکول، کالج، اسپتال وغیرہ) کو فرقہ واری اڈا بنانے سے روکیں گے اور انہیں نام اور کلم سے انتہائی سیکولر بنانے کی کوشش کریں گے؟

13. کیا ہم مچھلی आधार کو छोड़ कर साइन्टिफिक और डेमोक्रेटिक आधार वाले कानून अपना सकते हैं؟

13. کیا ہم مذہبی आधार کو چھوڑ کر سائنٹفک اور ڈیموکریٹک आधार والے قانون اپنا سکتے ہیں؟

14. کیا ہم اورتوں اور اچھوتوں کو سرکاری سہائتا دینے کے لیے تیار ہیں؟

14. کیا ہم عورتوں اور اچھوتوں کو سرکاری سہائتا دینے کے لیے تیار ہیں؟

15. کیا ہم تیار ہیں کہ اس देश का विधान इन चौदह बातों के आधार पर हो؟

15. کیا ہم تیار ہیں کہ اس देश کا ودھان ان چودہ باتوں کے आधार پر ہو؟

یہ سب باتیں یہ ہیں جن کا حل ہماری سمٹھاؤں کا حل ہے۔ اگر ان کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے تو سمجھئے کہ دیش کا کالیاں ہوگیا۔ اور اگر نہیں تو میرا جواب سن لیجئے:

یہ سب باتیں یہ ہیں جن کا حل ہماری سمٹھاؤں کا حل ہے۔ اگر ان کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے تو سمجھئے کہ دیش کا کالیاں ہوگیا۔ اور اگر نہیں تو میرا جواب سن لیجئے:

“ن سمبہوگے تو میت جاؤوگے ऐ हिन्दुवांतां वालों तुम्हारी दास्तां तक भी न होगी दास्तानों में”

”ن سمبہوگے تو میت جاؤ گے اے ہندوستان والو تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستاںوں میں“

“हिन्दुस्तान की कलचरी समस्या”

इस समाज में धना और नफरत ने इन्सानियत के टुकड़े टुकड़े कर दिये हैं, आजादी और डेमोक्रेसी का नाम लेकर इन्सानि सूफबूझ का मजाक न उड़ाएँ, क्या हम सचमुच एक राष्ट्र के लिये एक कलचर चाहते हैं ? अगर हां तो क्या हम तैयार हैं :—

4. क्या हम तैयार हैं कि सरकारी नौकरी पाने और पार्लिमेंट की मेम्बरी ग्रहण करने से पहले अपने जात पात को छोड़ दें ?

”ہندستان کی گاچری سمسیا“

کی منہ بولی گزشتہ سے پہلے اپنے ذات پات کو چھوڑ دیں ؟

مسلمانوں کے میل کا نتیجہ ہیں۔ پورے ہندوستانی ہر چیز کو اُبال کر یا بھات بنا کر درجہ، دہی، مٹھا یا گوشت سے کھاتے تھے۔ آج بھی غریب دیہاتی گھروں، جو چنا، مٹر، جوار، باجرا اور دوسرے اناج اُبال کر کھاتے ہیں۔ تیرے اور درجہ کا استعمال ہمیں مسلمانوں سے ملا ہے۔ یہ درجنوں شہد بھی سنسکرت، پراکرت یا اپبیش کے نہیں ہیں۔ ہندوؤں کی رشتہ گھر جیسی ہوتے جگہ میں ان مسلمان چیزوں کا بائیکاٹ نہ ہو سکا۔

دوسروں کے دینا بھی ہماری سہولت میں اپنا لے گئے ہیں۔ ہندوؤں کا بہت بڑا دینا "شیو" درازوں کا دینا تھا۔ ویدوں کا کھنڈن کرنے والے بدھ جی بھگوان کا اُرتا مانے جاتے ہیں۔ ہندوستانی جیوتش اور دیو مالا یونانی جیوتش اور دیو مالا سے ملتے جلتے ہیں۔ یونانی ہارسکوپ اور ہماری جنم کونڈلی کے ہوڈا چکر ایک ہی ہے۔ یونانیوں کے راس چکر کو آج سبھی ہندوستانی اپنا کہتے ہیں۔ ہماری چکر سنہا کے نسخے بھی یونانی درازوں کے نسخوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آخر یہ تہذیب کے میل جول ہی کے تو نتیجے ہیں۔

دوسروں کے دینا بھی ہماری سہولت میں اپنا لے گئے ہیں۔ ہندوؤں کا بہت بڑا دینا "شیو" درازوں کا دینا تھا۔ ویدوں کا کھنڈن کرنے والے بدھ جی بھگوان کا اُرتا مانے جاتے ہیں۔ ہندوستانی جیوتش اور دیو مالا یونانی جیوتش اور دیو مالا سے ملتے جلتے ہیں۔ یونانی ہارسکوپ اور ہماری جنم کونڈلی کے ہوڈا چکر ایک ہی ہے۔ یونانیوں کے راس چکر کو آج سبھی ہندوستانی اپنا کہتے ہیں۔ ہماری چکر سنہا کے نسخے بھی یونانی درازوں کے نسخوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آخر یہ تہذیب کے میل جول ہی کے تو نتیجے ہیں۔

موہنجودڑو کی لگ بھگ چار ہزار برس پورانی تہذیب کے خاتمے کے بعد دروازہ برس تک آریہ سہولت شلپ کا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اُس سلسلے میں سب سے پہلا چترکار تیسری صدی عیسوی سے پہلے موریوں کے زمانے میں ہوا۔ اشوک کی لائیں، اچنکا کی گہانہیں وغیرہ یونانی اور ایرانی تہذیب کے میل جول کا نتیجہ ہیں۔ چکنے کیموں پر نغروں کی موریتیاں مسوری کی دینیں تھیں اور سائنس کی موریتیاں ایرانی کلا کا پڑاؤ تھیں جو چھٹی صدی عیسوی سے پہلے ایران میں دارا کے سٹے میں انڈر بنائی گئی تھیں۔ اُس کے علاوہ شلاؤں پر شاعری نومن کھدوانے کا رواج بھی ایرانی ہے۔ اشوک سے پہلے کسی ہندوستانی راجا نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی ایسے لائے بنوائے۔ ہندوستانی مورنی کلا میں گاندھار شیلی بھی یونانیوں کی دین ہے۔ آج ہزاروں ہی مورنیاں یونانی تہذیب کی آغاؤں سے متاثرہ ایک ملتی ہیں۔

اسی طرح ہندوستانی درازوں میں بھی یونانی اثر پڑا ہے۔ یہاں کے ناتھوں میں پردے کا رواج نہ تھا۔ دراپ پردے کے لئے سنسکرت کا شدید یونیکا ظاہر کرنا ہے کہ یہ یونانی دن ہے، کیونکہ، ہندوستانی یونانیوں کو یوں کہتے تھے۔

منہج کے دائرے میں بھی تہذیبیں ایک دوسرے سے میل کھاتی رہیں، یونانی، مصری، پیری لوین، پیکنزم (Pagnism) ایک سی ہیں اور دروازائیں بھی ایک ہیں۔ سہولت میں پڑ، پودوں، پہاڑوں، جیوتش اور ندیوں کے پوجنے کا رواج ایک سا تھا اور سبھی دیشوں میں خدا کے تصور کا

مسلمانوں کے میل کا نتیجہ ہیں۔ پورے ہندوستانی ہر چیز کو اُبال کر یا بھات بنا کر درجہ، دہی، مٹھا یا گوشت سے کھاتے تھے۔ آج بھی غریب دیہاتی گھروں، جو چنا، مٹر، جوار، باجرا اور دوسرے اناج اُبال کر کھاتے ہیں۔ تیرے اور درجہ کا استعمال ہمیں مسلمانوں سے ملا ہے۔ یہ درجنوں شہد بھی سنسکرت، پراکرت یا اپبیش کے نہیں ہیں۔ ہندوؤں کی رشتہ گھر جیسی ہوتے جگہ میں ان مسلمان چیزوں کا بائیکاٹ نہ ہو سکا۔

دوسروں کے دینا بھی ہماری سہولت میں اپنا لے گئے ہیں۔ ہندوؤں کا بہت بڑا دینا "شیو" درازوں کا دینا تھا۔ ویدوں کا کھنڈن کرنے والے بدھ جی بھگوان کا اُرتا مانے جاتے ہیں۔ ہندوستانی جیوتش اور دیو مالا یونانی جیوتش اور دیو مالا سے ملتے جلتے ہیں۔ یونانی ہارسکوپ اور ہماری جنم کونڈلی کے ہوڈا چکر ایک ہی ہے۔ یونانیوں کے راس چکر کو آج سبھی ہندوستانی اپنا کہتے ہیں۔ ہماری چکر سنہا کے نسخے بھی یونانی درازوں کے نسخوں سے ملتے جلتے ہیں۔ آخر یہ تہذیب کے میل جول ہی کے تو نتیجے ہیں۔

موہنجودڑو کی لگ بھگ چار ہزار برس پورانی تہذیب کے خاتمے کے بعد دروازہ برس تک آریہ سہولت شلپ کا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اُس سلسلے میں سب سے پہلا چترکار تیسری صدی عیسوی سے پہلے موریوں کے زمانے میں ہوا۔ اشوک کی لائیں، اچنکا کی گہانہیں وغیرہ یونانی اور ایرانی تہذیب کے میل جول کا نتیجہ ہیں۔ چکنے کیموں پر نغروں کی موریتیاں مسوری کی دینیں تھیں اور سائنس کی موریتیاں ایرانی کلا کا پڑاؤ تھیں جو چھٹی صدی عیسوی سے پہلے ایران میں دارا کے سٹے میں انڈر بنائی گئی تھیں۔ اُس کے علاوہ شلاؤں پر شاعری نومن کھدوانے کا رواج بھی ایرانی ہے۔ اشوک سے پہلے کسی ہندوستانی راجا نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی ایسے لائے بنوائے۔ ہندوستانی مورنی کلا میں گاندھار شیلی بھی یونانیوں کی دین ہے۔ آج ہزاروں ہی مورنیاں یونانی تہذیب کی آغاؤں سے متاثرہ ایک ملتی ہیں۔

اسی طرح ہندوستانی درازوں میں بھی یونانی اثر پڑا ہے۔ یہاں کے ناتھوں میں پردے کا رواج نہ تھا۔ دراپ پردے کے لئے سنسکرت کا شدید یونیکا ظاہر کرنا ہے کہ یہ یونانی دن ہے، کیونکہ، ہندوستانی یونانیوں کو یوں کہتے تھے۔

منہج کے دائرے میں بھی تہذیبیں ایک دوسرے سے میل کھاتی رہیں، یونانی، مصری، پیری لوین، پیکنزم (Pagnism) ایک سی ہیں اور دروازائیں بھی ایک ہیں۔ سہولت میں پڑ، پودوں، پہاڑوں، جیوتش اور ندیوں کے پوجنے کا رواج ایک سا تھا اور سبھی دیشوں میں خدا کے تصور کا

‘हिन्दुस्तान में तहजीबों का मेल जोल’

मैंने इस जगह खास तौर पर इस सुर्खी की जरूरत समझी जिसके दो अमर कारन हैं—(1) हर देश के कलचर का सब से अहम और ठिकाऊ पहलू यही है। (2) मैं इतिहास के आधार पर तहजीबों के मेल जोल का खाका पेश करना चाहता हूँ। कलचर में पहनावा, कला और साहित्य के खास स्थान होते हैं। लिहाजा मैं पहनावे से शुरू करता हूँ।

आर्यों के यहां बसने से पहले दो क्रिम के कपड़े पहने जाते थे—एक धोती और दूसरा शाल या चादर। उनके आने पर मदों के पहनावे में पगड़ी और दरापी (एक तरह की बन्डी) और औरतों में चोली का रिवाज हुआ। यह पहनावे मध्य एशिया की देन हैं। चोली और दरापी को छोड़ कर आम जनता आम तौर से बरौर सिबे कपड़े पहनती थी। लेकिन सूती धागे का इस्तेमाल होता था, कम से कम दरापी तो सिली ही जाती थी। आज के वह तमाम लिबास जिन्हें हम हिन्दुस्तानी कहते हैं बिदेसी हैं। अचकन जो लखनऊ के नवाबों और देहली के मुरातों के यहां बदलते बदलते शेरवानी बन गया दर असल पहली सदी ईसवी में कुशानों की देन है। कुशान सिपाहियों और कनिरक की मूर्तियों में भी अचकन दिखाया गया है। गालिबन कुशान इसे मध्य एशिया से लाये थे। कुर्ता हिन्दुस्तानी और यूनानी तहजीब के मेल जोल ने पैदा किया। यूनानी कुर्ते का नाम ट्यूनिक है जो हिन्दुस्तानी कुर्ते से 90 की सदी मिलता जुलता है। कुर्ता किस ज़बान का शब्द है यह नहीं कहा जा सकता। संस्कृत, प्राकृत, पाली या अपभ्रंश किसी से भी इसका नाता नहीं जुड़ता। पाइजामा भी कुशानों की ही देन है जिसको अब मुसलमानी समझा जा रहा है। गांधी टोपी, पुर्तगाली टोपी की तरह है जो मध्य काल में पुर्तगालियों और मिस्रियों से यहां पहुंची थी। औरतों के गहनों में नथ और कान की बालियां मुसलमानों की देन हैं। नथ की तो यहां तक शुद्धि हुई कि यह बाज बाज हिन्दू जातियों में सुहाग की निशानी बन गई, इन गहनों के लिये संस्कृत भाषा में शब्द नहीं हैं और न यह पूरानी मूर्तियों में ही नजर आते हैं।

हमारे बहुत से खाने बिदेसी हैं जिन्हें आज हम भारती भोजन कहते हैं। हमें बहुत से खाने मुसलमानों के सम्पर्क में आने से मिले। हिन्दुस्तान में आम तौर से दूध की मिठाइयों का रिवाज था। मुसलमानों ने हमें अनाज की मिठाइयां भी दीं। हम आज भी गालिबन इसी वजह से पेड़ा, बर्फी जैसी देर में हजम होने वाली मिठाई ब्रत के दिन खाते हैं, लेकिन अनाज नहीं खाते। हल्वा, क़ोर्मा, ज़र्दा, फ़ीरीनी सब की सब मुसलमानों से ही मिली हैं। खुद हल्वाई का लख फारसी है। पूड़ी कचौड़ी और रोटी जैसे खाने भी

‘हिन्दुस्तान में तहजीबों का मेल जोल’

मैंने इस जगह खास तौर पर इस सुर्खी की जरूरत समझी जिसके दो अमर कारन हैं—(1) हर देश के कलचर का सब से अहम और ठिकाऊ पहलू यही है। (2) मैं इतिहास के आधार पर तहजीबों के मेल जोल का खाका पेश करना चाहता हूँ। कलचर में पहनावा, कला और साहित्य के खास स्थान होते हैं। लिहाजा मैं पहनावे से शुरू करता हूँ।

आर्यों के यहां बसने से पहले दो क्रिम के कपड़े पहने जाते थे—एक धोती और दूसरा शाल या चादर। उनके आने पर मदों के पहनावे में पगड़ी और दरापी (एक तरह की बन्डी) और औरतों में चोली का रिवाज हुआ। यह पहनावे मध्य एशिया की देन हैं। चोली और दरापी को छोड़ कर आम जनता आम तौर से बरौर सिबे कपड़े पहनती थी। लेकिन सूती धागे का इस्तेमाल होता था, कम से कम दरापी तो सिली ही जाती थी। आज के वह तमाम लिबास जिन्हें हम हिन्दुस्तानी कहते हैं बिदेसी हैं। अचकन जो लखनऊ के नवाबों और देहली के मुरातों के यहां बदलते बदलते शेरवानी बन गया दर असल पहली सदी ईसवी में कुशानों की देन है। कुशान सिपाहियों और कनिरक की मूर्तियों में भी अचकन दिखाया गया है। गालिबन कुशान इसे मध्य एशिया से लाये थे। कुर्ता हिन्दुस्तानी और यूनानी तहजीब के मेल जोल ने पैदा किया। यूनानी कुर्ते का नाम ट्यूनिक है जो हिन्दुस्तानी कुर्ते से 90 की सदी मिलता जुलता है। कुर्ता किस ज़बान का शब्द है यह नहीं कहा जा सकता। संस्कृत, प्राकृत, पाली या अपभ्रंश किसी से भी इसका नाता नहीं जुड़ता। पाइजामा भी कुशानों की ही देन है जिसको अब मुसलमानी समझा जा रहा है। गांधी टोपी, पुर्तगाली टोपी की तरह है जो मध्य काल में पुर्तगालियों और मिस्रियों से यहां पहुंची थी। औरतों के गहनों में नथ और कान की बालियां मुसलमानों की देन हैं। नथ की तो यहां तक शुद्धि हुई कि यह बाज बाज हिन्दू जातियों में सुहाग की निशानी बन गई, इन गहनों के लिये संस्कृत भाषा में शब्द नहीं हैं और न यह पूरानी मूर्तियों में ही नजर आते हैं।

हमारे बहुत से खाने बिदेसी हैं जिन्हें आज हम भारती भोजन कहते हैं। हमें बहुत से खाने मुसलमानों के सम्पर्क में आने से मिले। हिन्दुस्तान में आम तौर से दूध की मिठाइयों का रिवाज था। मुसलमानों ने हमें अनाज की मिठाइयां भी दीं। हम आज भी गालिबन इसी वजह से पेड़ा, बर्फी जैसी देर में हजम होने वाली मिठाई ब्रत के दिन खाते हैं, लेकिन अनाज नहीं खाते। हल्वा, क़ोर्मा, ज़र्दा, फ़ीरीनी सब की सब मुसलमानों से ही मिली हैं। खुद हल्वाई का लख फारसी है। पूड़ी कचौड़ी और रोटी जैसे खाने भी

دہسی سانچوں میں ڈال لیا گیا ہے۔ نائیک اسٹر بھی بدیسی پرہیزوں سے آداتے بدلتے رہے ہیں۔

3. ہمارا کالچر ہمیشہ سے سائینٹیفک اور ویکاس آسٹیک سائنسوں کا واسیل رہا ہے۔ خواہ ان کو ہڈلائی رنگ سے پش کیا گیا ہو یا دھارمک (creedal). سائنٹک آفکار پر کسی چیز کو گرہن کرنے یا چھوڑنے سے کالچر امر ہونا ہے۔ آج کے سائنس اور مشین کے جگ میں وہی پہارا کام دے سکتا ہے جو کل پزوں سے نہ آسکتا ہے۔ جسٹی اور کام کی سہولیت کے لئے ہمیں دعوتی کے بجائے نیکر اور پتلون ہی پہننا ہوا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے عور سٹسی اور سماجی کارڈز میں سائنٹک طریقوں کو استعمال کریں۔ اگر عقل سے کوئی بات سہمی جائتی ہے تو اس کے اپنائیئے میں عراج ہی کیا ہے، بلا سے وہ رام اور کرشن کے رہن سہن میں نہ رہی ہو۔

4. ہندوستانی کالچر جنسویاتی اور کلاٹمک (sexual and artistic) بنیادیوں پر ہی فکلا فکلا ہے۔ ہمارے ناچ گانے، ہمارا موسیقی، ہمارے سادھتھ، ہمارے تھوہار اور یھاں تک کہ ہمارے رستموریا ج میں بھی انکی بھاپ ہے۔ ہمارے دہوی دہواتوں کی کھانیاں بھی حس و شق کی حدوں سے باہر نہیں ہیں۔ ہمارے مرجردہ لوگ گیت، راک رنگ اور ناچ گانے جو تھوہاروں پر مندروں اور ہر دہواتی گوروں میں سنائی پڑتے ہیں اس کٹھن کو اور بھی صاف کر دیتے ہیں۔ ہمارے گوروں کی تصویروں، مندر کی مورتنوں اور سادھتھ میں ایک آرنجے درجہ کی جنسی مٹاس ہے جو امریکہ اور فرانس کے بال دم اور ہرٹاؤں کو نصیب نہیں۔ یہ جنسی مٹاس چھپچھپی نہیں آتھائی کلاٹک اور بندھے جو بیروتی ہری کو طوائف کی دواں سے آٹھا کر سڑک کے راستے پر کھڑا کر سکتی ہے۔ ہندوستانی کالچر کے اس پہلو میں کچھ ایسی زندگی ہے کہ انھیں چھوڑنے کے بعد کالچر پر مردنی چھا جاتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے کالچر میں تمام مذہبی پابندیوں کو ٹھکرا کر اپنا لیا۔ ہندوستان کی عید، یہاں کی شہبازات اور یہاں کے مسلمانوں کے شادی بیاہ اسلامی نہیں ہندوستانی ہیں۔

5. ہندوستانی کالچر میں ہندوستانی سادگی ہے لیکن اس سادگی کے بھی سامراجی انداز ہیں جو پورے سامنت وادی جگ سے انگریزی سامراج شادی تک بڑا پر پھٹی رہی۔ میں نے روکھا سوکھا کھانا دیکھا لیکن سولے کے برتنوں میں۔ میں نے خوشی سے بیوک سینگے والوں کو دیکھا جو کھی اور اناج جاتی آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ میں نے ایسے نیکھ دیکھے جو مرلے پر ریشمی کن پاتے ہیں۔ کچھ ہندوستانی سادگی پسند ہے، ایسے کالچر میں استھان ملنا چاہئے لیکن سامراج کے اور مذہب کے رندے اس پر نہ چلنے پائیں۔ میں خودکشی کو سادگی نہیں کہہ سکتا۔

3. ہمارا کالچر ہمیشہ سے سائنٹک اور ویکاس سائنسوں کا حاصل رہا ہے خواہ ان کو آٹھانی رنگ سے پیش کیا گیا ہو یا دھارمک (creedal). سائنٹک آفکار پر کسی چیز کو گرہن کرنے یا چھوڑنے سے کالچر امر ہونا ہے۔ آج کے سائنس اور مشین کے جگ میں وہی پہارا کام دے سکتا ہے جو کل پزوں سے نہ آسکتا ہے۔ جسٹی اور کام کی سہولیت کے لئے ہمیں دعوتی کے بجائے نیکر اور پتلون ہی پہننا ہوا۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے عور سٹسی اور سماجی کارڈز میں سائنٹک طریقوں کو استعمال کریں۔ اگر عقل سے کوئی بات سہمی جائتی ہے تو اس کے اپنائیئے میں عراج ہی کیا ہے، بلا سے وہ رام اور کرشن کے رہن سہن میں نہ رہی ہو۔

4. ہندوستانی کالچر جنسویاتی اور کلاٹمک (sexual and artistic) بنیادیوں پر ہی پھلا پھولا ہے۔ ہمارے ناچ گانے، ہمارا موسیقی، ہمارے سادھتھ، ہمارے تھوہار اور یہاں تک کہ ہمارے رسم و رواج میں بھی ان کی بھاپ ہے۔ ہمارے دہوی دہواتوں کی کھانیاں بھی حس و شق کی حدوں سے باہر نہیں ہیں۔ ہمارے مرجردہ لوگ گیت، راک رنگ اور ناچ گانے جو تھوہاروں پر مندروں اور ہر دہواتی گوروں میں سنائی پڑتے ہیں اس کٹھن کو اور بھی صاف کر دیتے ہیں۔ ہمارے گوروں کی تصویروں، مندر کی مورتنوں اور سادھتھ میں ایک آرنجے درجہ کی جنسی مٹاس ہے جو امریکہ اور فرانس کے بال دم اور ہرٹاؤں کو نصیب نہیں۔ یہ جنسی مٹاس چھپچھپی نہیں آتھائی کلاٹک اور بندھے جو بیروتی ہری کو طوائف کی دواں سے آٹھا کر سڑک کے راستے پر کھڑا کر سکتی ہے۔ ہندوستانی کالچر کے اس پہلو میں کچھ ایسی زندگی ہے کہ انھیں چھوڑنے کے بعد کالچر پر مردنی چھا جاتی ہے۔ مسلمانوں نے بھی اپنے کالچر میں تمام مذہبی پابندیوں کو ٹھکرا کر اپنا لیا۔ ہندوستان کی عید، یہاں کی شہبازات اور یہاں کے مسلمانوں کے شادی بیاہ اسلامی نہیں ہندوستانی ہیں۔

5. ہندوستانی کالچر میں ہندوستانی سادگی ہے لیکن اس سادگی کے بھی سامراجی انداز ہیں جو پورے سامنت وادی جگ سے انگریزی سامراج شادی تک بڑا پر پھٹی رہی۔ میں نے روکھا سوکھا کھانا دیکھا لیکن سولے کے برتنوں میں۔ میں نے خوشی سے بیوک سینگے والوں کو دیکھا جو کھی اور اناج جاتی آگ میں جھونک دیتے ہیں۔ میں نے ایسے نیکھ دیکھے جو مرلے پر ریشمی کن پاتے ہیں۔ کچھ ہندوستانی سادگی پسند ہے، ایسے کالچر میں استھان ملنا چاہئے لیکن سامراج کے اور مذہب کے رندے اس پر نہ چلنے پائیں۔ میں خودکشی کو سادگی نہیں کہہ سکتا۔

مسلمانانِ شاہوں کی اس آدرشیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان میں اُنچ نیچ کی گندی بھاؤ پیدا ہو گئی۔ یورپ کی جاتوں کے لیے یہاں کی جامل جنتا میں بھید بھاؤ کو اور مضبوط بنا کر اپنا آؤ سیدھا کیا۔ دھارمک مشنریوں نے بی (چاہے مسلمان ہوں یا عیسائی) یہاں کی جہالت کو پرچار کا سامان بنایا اور ہمیشہ ہندو مسلمان اور شہر براہمن وغیرہ کے اندرونی بھید کو ابارتے رہے۔ عیسائی پادری دلت کو عیسائی بنا کر ان میں براہمنوں سے بزرگ ہونے کا جنون بھرتے رہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں کلچری مت بھید اس چرم سیما پر پہنچ گیا جہاں دیش کلچر کے نام پر دو ٹکڑے ہو گیا۔

اگر ہم رواداری سے آج کے کلچر کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دیش میں جاتی جاتی، پرائٹ پرائٹ، یہاں تک کہ شہر شہر اور دیہات دیہات کے کلچر اور پھاشا میں فرق ہے۔ کوئی بنگالی، کوئی مدراسی، کوئی پنجابی، کوئی یوپی کا نواسی دلچسپی اعتبار سے ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ خوش قسمتی سے پچھلے کچھ دنوں میں انگریزی کلچر اور انگریزی پھاشا نے پورے بھارت کے کلچری اہمیت کے سامنے چٹا دیئے تھے۔ آج ہی اگر پنجابی اور بنگالی میں ردتی بیتی کا سینڈھ ہوتا ہے تو کہنے کو وہ بے ہی ہندستانیت کے نام پر ہو مگر ایسے کاموں میں انگریزی کلچر اور انگریزی اثر آجاکر معلوم ہوتے ہیں، اس کے لئے ہم کو انگریزوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ دعویٰ اور تہذیب میں، کرتے اور آپن میں، پانچامہ اور شلوار میں، تازی تازی میں، مرنچے مرنچے میں، تسبیح اور چنڈی میں چاہے جو بھی بھید بھاؤ ہو لیکن سوت اور قانی کی دنیا میں، گتھے ہوئے چھروں کی دنیا میں تمام فرقوں کے ہندستانی ایک سے نظر آتے ہیں۔ مندریں، مسجدیں، گردواروں اور گرجا گوروں میں چاہے جتنا بی بیرو بھاؤ ہو لیکن ہوتاوں، تفریح گلوں، آرام گروں میں سب ایک سے ہیں۔

’ہندستانی کلچر کے ٹکڑا پہلو‘

’ہندوستانی کلچر کے ٹکڑا پہلو‘

1. لچک (flexibility) — اس ویشی پر کافی بھاس ہو چکی ہے۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ ’انقلاب‘ جو آدمیت کی جان ہے کچانے نہ پڑے اور یہ لچک اُس ہو جائے۔ ہم وقت کے تقاضوں کے انوسار اڈتے بدلتے رہیں، خواہ کلچر ہو یا پھاشا یا کرنی اور معاملہ ہو۔

2. ہندوستانی کلچر کا आधार ہمیشہ سے دھرم رہا ہے اور آج بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی ماننے کو تیار ہیں کہ ہندو دھرم مذہب کے نام پر مذہب نہیں ہے جس کے لئے ہم انگریزی شبد (creed) استعمال کرتے ہیں دراصل ہندوستانی کلچر میں اس کی پردھانتا دھرم کی رواداری اور نیکت بنیادوں پر ہے۔ رواداری کی تو یہ انتہا ہے کہ ہمارے کلچر کی ہر بات بدیسے جسے

مسلمان شاموں کی اس آدرشیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان میں اُنچ نیچ کی گندی بھاؤ پیدا ہو گئی۔ یورپ کی جاتوں کے لیے یہاں کی جامل جنتا میں بھید بھاؤ کو اور مضبوط بنا کر اپنا آؤ سیدھا کیا۔ دھارمک مشنریوں نے بی (چاہے مسلمان ہوں یا عیسائی) یہاں کی جہالت کو پرچار کا سامان بنایا اور ہمیشہ ہندو مسلمان اور شہر براہمن وغیرہ کے اندرونی بھید کو ابارتے رہے۔ عیسائی پادری دلت کو عیسائی بنا کر ان میں براہمنوں سے بزرگ ہونے کا جنون بھرتے رہے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی میں کلچری مت بھید اس چرم سیما پر پہنچ گیا جہاں دیش کلچر کے نام پر دو ٹکڑے ہو گیا۔

اگر ہم رواداری سے آج کے کلچر کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے دیش میں جاتی جاتی، پرائٹ پرائٹ، یہاں تک کہ شہر شہر اور دیہات دیہات کے کلچر اور پھاشا میں فرق ہے۔ کوئی بنگالی، کوئی مدراسی، کوئی پنجابی، کوئی یوپی کا نواسی دلچسپی اعتبار سے ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتا۔ خوش قسمتی سے پچھلے کچھ دنوں میں انگریزی کلچر اور انگریزی پھاشا نے پورے بھارت کے کلچری اہمیت کے سامنے چٹا دیئے تھے۔ آج ہی اگر پنجابی اور بنگالی میں ردتی بیتی کا سینڈھ ہوتا ہے تو کہنے کو وہ بے ہی ہندستانیت کے نام پر ہو مگر ایسے کاموں میں انگریزی کلچر اور انگریزی اثر آجاکر معلوم ہوتے ہیں، اس کے لئے ہم کو انگریزوں کا احسان مند ہونا چاہئے۔ دعویٰ اور تہذیب میں، کرتے اور آپن میں، پانچامہ اور شلوار میں، تازی تازی میں، مرنچے مرنچے میں، تسبیح اور چنڈی میں چاہے جو بھی بھید بھاؤ ہو لیکن سوت اور قانی کی دنیا میں، گتھے ہوئے چھروں کی دنیا میں تمام فرقوں کے ہندستانی ایک سے نظر آتے ہیں۔ مندریں، مسجدیں، گردواروں اور گرجا گوروں میں چاہے جتنا بی بیرو بھاؤ ہو لیکن ہوتاوں، تفریح گلوں، آرام گروں میں سب ایک سے ہیں۔

1. لچک (flexibility) — اس ویشی پر کافی بحث

ہو چکی ہے۔ صرف اتنا کہنا ہے کہ ’انقلاب‘ جو آدمیت کی جان ہے کچانے نہ پڑے اور یہ لچک اُس ہو جائے۔ ہم وقت کے تقاضوں کے انوسار اڈتے بدلتے رہیں، خواہ کلچر ہو یا پھاشا یا کرنی اور معاملہ ہو۔

2. ہندوستانی کلچر کا آدھار ہمیشہ سے دھرم رہا ہے اور آج بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی ماننے کو تیار ہیں کہ ہندو دھرم مذہب کے نام پر مذہب نہیں ہے جس کے لئے ہم انگریزی شبد (creed) استعمال کرتے ہیں دراصل ہندوستانی کلچر میں اس کی پردھانتا دھرم کی رواداری اور نیکت بنیادوں پر ہے۔ رواداری کی تو یہ انتہا ہے کہ ہمارے کلچر کی ہر بات بدیسے جسے

ہاکی رہا۔ یہ دمیں عرصے تک چلتا رہا۔ تب سے نے مہاتما بدھ کو جنم دیا۔ مہاتما بدھ نے آدمی اور آدمیت کا مہلیہ آٹکا، انہوں نے تمام بھارتی جنت کو بھائی چارہ پریم، محبت اور رحم کا سندھیں دیا جسے داتوں نے اپنایا، جس کا راجے مہاراجائوں نے بی سرائگت کیا۔ مگر کچھ عی عرصہ بعد براہمن واد نے شکر اچاریہ اور کمارل پیٹ وغیرہ کو جنم دیا، جنہوں نے بودھوں کو روند ڈالا۔ ایک راشٹر، ایک کلچر کی بنیادیں دی گئی، دھارمک کٹرین پھر ابھرا۔ اس کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں ایک نئی سہیبتا، یوٹی چارہ بن اٹھ ہوئے، اسلام کے نام سے ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہ اسلام شکر اچاریہ اور کمارل پیٹ کے کٹرین پر چڑھنا چلا گیا۔ بھارت واسیوں نے مندر کی جگہ مسجد دیکھ جہاں راجہ، رنک اور نمبر برابر تھے۔ ایسی دشا میں براہمن والی سہیبتا سے ایمان کا بدلہ لیتی ہوئی ہندوستانیہ اسلامی سہیبتا قبول کرنے لگی اور قبول کوئی چلی گئی۔ مگر اسلامی سہیبتا ہی شکر اچاریہ سہیبتا سے اپنا دامن نہ بچا سکی۔ نتیجے کی طور پر اسلام میں بھی آونچ نیچ کا زہر پھیلنے لگ گیا۔ مسلمانوں میں بھی فرتواری جماعتیں بن گئیں اور اسلامی تہذیب میں پڑنے کی شکتی مر گئی۔ مسلمان روزہ والی ہو گئے۔ ہفت دھرمی ایک سیما پر پھونچ گئی۔ اسلام انسانیت کا آخری وکس ہے۔ اس کے آگے وکس کا نام نہ ہو ورنہ ہوشیہ میں براہمن واد کی طرح اس اسلام کو بھی ہو رہا ہستہ سہیبتا پڑے گا..... ان سہیبتائوں کے ٹکڑے سے اور لین دین سے کچھ ترقی پسند سدھارکوں کو سامنا کا سبق دینے کا موقع ملا۔ اس سلسلے میں کبیر اور نانک کے نام آگے آئے۔ کبیر نے براہمن واد اور اسلام کی داخلی سہیبتا کا ننگا روپ عام لوگوں کے سامنے رکھا۔ نانک نے چہوت چہات کو ٹیکرا کر ایک ایشور کی آدلسنا کا گیت گایا۔ اس کے بعد جب دوسری یورپی جاتیوں ہندوستان آئیں تو انہوں نے ہی آدمی پھاٹا، رنہن سہن اور سائنہ وغیرہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک کالچر کے خیال کو برقرار دیا اور سارے دیش میں جاگرن کی لہر دڑ گئی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کالچری ایٹا اب تک قائم نہ ہو سکی۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی سادھارن جنتا سماراجیت اور آونچ نیچ لی آر میں جان بوجھ کر جہالت کا شکار بنائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول براہمنوں، چترپوں اور آونچنی ذات والوں کو برقرار اور من دیا، روندی اور ملی ہوئی جنتوں کی طرف کسی کا دغا ہی نہیں کیا۔ اسلامی سماراج شعلی ہی ترقی پسند عناصر (تکوں) کو ملتی رہی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کالچری ایٹا اب تک قائم نہ ہو سکی۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی سادھارن جنتا سماراجیت اور آونچ نیچ لی آر میں جان بوجھ کر جہالت کا شکار بنائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول براہمنوں، چترپوں اور آونچنی ذات والوں کو برقرار اور من دیا، روندی اور ملی ہوئی جنتوں کی طرف کسی کا دغا ہی نہیں کیا۔ اسلامی سماراج شعلی ہی ترقی پسند عناصر (تکوں) کو ملتی رہی۔

ہندوستان میں سیکڑوں برس کی کوشش پر بھی کالچری ایٹا اب تک قائم نہ ہو سکی۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان کی سادھارن جنتا سماراجیت اور آونچ نیچ لی آر میں جان بوجھ کر جہالت کا شکار بنائی گئی، یہاں تک کہ مسلمان بادشاہوں نے بھی اپنے درباروں میں کیول براہمنوں، چترپوں اور آونچنی ذات والوں کو برقرار اور من دیا، روندی اور ملی ہوئی جنتوں کی طرف کسی کا دغا ہی نہیں کیا۔ اسلامی سماراج شعلی ہی ترقی پسند عناصر (تکوں) کو ملتی رہی۔

उसके सामने चार तरह के खाने, चार तरह की चीजें, जैसे किताब, हथियार, तराजू और गन्दा बर्तन रखे जाते हैं। बच्चा जिस तरह के खाने और जिस क्रिस्म की चीजों की तरफ लपकता है उस से उसके बर्तन का अन्दाजा लगाया जाता है। यह रिवाज बर्तन व्यवस्था की लचक के कारन ही पैदा हुआ था। बच्चा जन्म से तो शूद्र वर्ण का है ही उसके भविष्य के वर्तन का अटकल पचचू मालूम करने के यही सब तरीके पैदा किये गये थे।

समाज में आर्थिक सुखों, दुखों और पेशे की पेचीदगियों ने धीरे धीरे ऊँच नीच की विचार धारा को इतना उभारा कि आपस में एक वर्तन का दूसरे वर्तन से रोटी बेटी का सम्बन्ध बिच्छुल ही टूट गया। इस तरह समाज की आर्थिक व्यवस्था में समानता न होने के कारन धार्मिक कट्टरपन का भयानक भूत ऊँच नीच और छुआ छूत के नाम पर इतना आगे बढ़ा कि आज समाज की पिछली रूप रेखा ही बदल गई, लेकिन इस कर्जी धार्मिक कट्टरपन की आड़ के बावजूद समाज की पाचन शक्ति अपना काम करती रही, हारे हुए क्षत्री शूद्र बन गये, जीते हुए यूनानी, शक और हुन वगैरा राजपूत बनकर क्षत्री बन बैठे और ब्राह्मणों ने उनका खान्दानी सिलसिला चांद और सूरज से मिला दिया।

आखिरकार पूँजीवाद और साम्राज्यी विचार धारा आगे बढ़ी और साथ ही धार्मिक कट्टरपन का भूटा आडम्बर भी ओढ़ती गई। ब्राह्मणों ने वास्तविकता और स्वामिमान को पूँजीवाद के हाथ बेच दिया और भूटे विचारों के नये नये हथियार गढ़ गढ़ कर पूँजीवाद और सामंतवाद को सोंपा। इस तरह अब्बास के असली सुखों का चित्र केवल साम्राज्यी महलों, दरबारों और शहरों तक ही सीमित होकर रह गया। समाजी न्याय का गला दबा दिया गया। बराबरी, भाई चारापन का नाम लेना पाप हो गया। गरीब जनता पर छुआ छूत, बेगार वगैरा दमन के हथियार चलने लगे, पिसी हुई जनता अंधेरी भोपड़ी से कोई कालिदास, कोई विक्रमादित्य, कोई भरथरी हरि और कोई चानक्य न पैदा कर सकी।

‘सुधार की ओर’

नई रोशनी में परखने पर पता लगता है कि हिन्दुस्तानी कलचर हमेशा से ही बीमार सी रही है। उस पर मचा यह कि भारती रहन सहन पर हिन्दू साम्राजशाही और पूँजीवाद

* मुझे इस समय नहीं याद आ रहा है गालिलन मनुस्मृति में इसकी चर्चा है कि जो शब्दों का सही उच्चारण न कर सके वह मलेच्छ है। शूद्र मलेच्छ नहीं होते थे। इसी कारन आदमी जन्म से शूद्र है। यूनानी वगैरा इसी वजह से मलेच्छ कहलाए क्योंकि वह संस्कृत न जानते थे। मलेच्छपन को अपनाने से या दूर कर देने से वर्तन बदल जाता है। इसका भी जिक्र करीब करीब उन्हीं शब्दों में गालिलन मनुस्मृति में है।

अस के सामने चार तरह के काले, चार तरह की चीजें, जैसे किताब, हथियार, तराजू और गन्दा बर्तन रखे जाते हैं। बच्चा जिस तरह के खाने और जिस क्रिस्म की चीजों की तरफ लपकता है उस से उसके बर्तन का अन्दाजा लगाया जाता है। यह रिवाज बर्तन व्यवस्था की लचक के कारन ही पैदा हुआ था। बच्चा जन्म से तो शूद्र वर्ण का है ही उसके भविष्य के वर्तन का अटकल पचचू मालूम करने के यही सब तरीके पैदा किये गये थे।

सिलेज में अर्थात् सड़कें, दुकानें और पेशे की पेचीदगियों ने धीरे धीरे ऊँच नीच की विचार धारा को इतना उभारा कि आपस में एक वर्तन का दूसरे वर्तन से रोटी बेटी का सम्बन्ध बिच्छुल ही टूट गया। इस तरह समाज की आर्थिक व्यवस्था में समानता न होने के कारन धार्मिक कट्टरपन का भयानक भूत ऊँच नीच और छुआ छूत के नाम पर इतना आगे बढ़ा कि आज समाज की पिछली रूप रेखा ही बदल गई, लेकिन इस कर्जी धार्मिक कट्टरपन की आड़ के बावजूद समाज की पाचन शक्ति अपना काम करती रही, हारे हुए क्षत्री शूद्र बन गये, जीते हुए यूनानी, शक और हुन वगैरा राजपूत बनकर क्षत्री बन बैठे और ब्राह्मणों ने उनका खान्दानी सिलसिला चांद और सूरज से मिला दिया।

आखिरकार पूँजीवाद और साम्राज्यी विचार धारा आगे बढ़ी और साथ ही धार्मिक कट्टरपन का भूटा आडम्बर भी ओढ़ती गई। ब्राह्मणों ने वास्तविकता और स्वामिमान को पूँजीवाद के हाथ बेच दिया और भूटे विचारों के नये नये हथियार गढ़ गढ़ कर पूँजीवाद और सामंतवाद को सोंपा। इस तरह अब्बास के असली सुखों का चित्र केवल साम्राज्यी महलों, दरबारों और शहरों तक ही सीमित होकर रह गया। समाजी न्याय का गला दबा दिया गया। बराबरी, भाई चारापन का नाम लेना पाप हो गया। गरीब जनता पर छुआ छूत, बेगार वगैरा दमन के हथियार चलने लगे, पिसी हुई जनता अंधेरी भोपड़ी से कोई कालिदास, कोई विक्रमादित्य, कोई भरथरी हरि और कोई चानक्य न पैदा कर सकी।

‘सुधार की ओर’

नई रोशनी में परखने पर पता लगता है कि हिन्दुस्तानी कलचर हमेशा से ही बीमार सी रही है। उस पर मचा यह कि भारती रहन सहन पर हिन्दू साम्राजशाही और पूँजीवाद

* मुझे इस समय नहीं याद आ रहा है गालिलन मनुस्मृति में इसकी चर्चा है कि जो शब्दों का सही उच्चारण न कर सके वह मलेच्छ है। शूद्र मलेच्छ नहीं होते थे। इसी कारन आदमी जन्म से शूद्र है। यूनानी वगैरा इसी वजह से मलेच्छ कहलाए क्योंकि वह संस्कृत न जानते थे। मलेच्छपन को अपनाने से या दूर कर देने से वर्तन बदल जाता है। इसका भी जिक्र करीब करीब उन्हीं शब्दों में गालिलन मनुस्मृति में है।

اگر پیشہ الگ الگ ذاتوں کے ہونے کا بنیادی بن بن گئے۔ نائی، دھوبی، لہکار، کھار، سونار وغیرہ ذاتیں پیشوں کی بنا پر آج تک باقی جاتی رہیں۔ لیکن ان پیشہ ور ذاتوں میں کوئی چھوٹ چھوٹ نہ تھی، روٹی بقی کا سمیٹنے سے رائج تھا۔ دھوبے دھوبے سے ہی پیشہ ذاتوں اور خاندانوں کے روپ میں آئے۔ ایک ہی پیشہ کے لوگ تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ الگ الگ جگہوں پر جا کر بسنے لگے۔ ان میں جان پہچان اور خاندانی سلسلہ معلوم کرنے کے لئے اُس خاندان یا قبیلے کے بڑے بزرگ کے نام پر گوروار بھی چل پڑا۔ غالباً ذاتوں، گوتروں کے قائم ہوجانے کے بعد جن پیشوں نے جیسی جیسی ارنوک ترقی کی ویسی ویسی اونچ نیچ اور چھو چھوٹ کی وجہ سے اپنی پیدا ہو گئی جس سے اُس زمانے کی سماجک زندگی میں اُنہیں پڑنے لگیں۔ پنڈت سماج کو (جو کہ تمام لوگوں اور لہجوں کا سماج تھا) روک تھام کی سوجھی، لیکن وہ اُس زمانے کو سماج سے آگے نہ سکا، البتہ اُس نے اسے آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے ورن ووسٹیا کا ایک الگ راستہ نکالا۔ پڑے سماج کو چار بڑے درجوں میں بانٹ دیا گیا۔ وہ لوگ جو دنیا پر پڑے پڑے اور پیدا پائے، درجے کا کم کرتے تھے براہمن کہلاتے۔ یہی لوگ راشٹر کے دماغی انگ ہوتے اور راشٹر اور سماج کی ہر سہولت پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ لوگ جو سپاہ گری کا کام کرتے تھے، چیتری کہلاتے۔ یہ راشٹر کے رکچک ہوتے تھے اور چونکہ اُس سے فوجی سرکاریں ہوتی تھیں اُس لئے انہیں میں سے راجہ بھی ہوتے تھے۔ تجارت اور کیتی بازی کا دھندا کرنے والے ویش کہلاتے، لیکن یہ لوگ نہ شلکار ہوتے تھے، نہ دستکار اور نہ ہی خود غل وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ وہ ورن جو ان کموں کو انجام دیتا تھا اور ان تیار ورنوں کی سپلا کرنا تھا، شرد کہلاتا۔ سماج میں ورن ووسٹیا ہوجانے کے بعد بھی ہر ورن میں روٹی بیٹی کے سمیٹنے کی چھوٹ تھی، بلکہ ایک ورن میں پیدا ہونے والا پیشہ تبدیل کرنے کے بعد دوسرے ورن کو اختیار کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر ویدویس جی پیدائش کے اعتبار سے چڑیمار تھے، نارومن کی شرد داسی سے پیدا ہوئے تھے۔ راون پیدائش کے اعتبار سے براہمن تھا جو اپنے کرم سے کچھ کے کچھ ہو گئے۔ یہی بات منوسمرتی کے ایک سورت سے بھی ظاہر ہے اور یہی بات ہندوؤں کے چاروں کوم سنسکار کی بکری ہوتی روپ رہتا ہے یہی ثابت ہوتی ہے۔ جیسے نام کن سنسکار کی رسم میں براہمن جہاں بچوں کا اس کا نام بنانا ہے وہیں وہ بچوں کا ورن ہی بنانا ہے کہ وہ براہمن ورن ہے، دیوار ورن ہے، شرد ورن ہے یا راکشس ورن ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہوں سنسکار سنسکار میں بچوں کو نہلا دھلا کر آچھے کپڑے پہنا کر ایک جگہ بٹھایا جاتا ہے جہاں

اگر پیشہ الگ الگ ذاتوں کے ہونے کا بنیادی بن بن گئے۔ نائی، دھوبی، لہکار، کھار، سونار وغیرہ ذاتیں پیشوں کی بنا پر آج تک باقی جاتی رہیں۔ لیکن ان پیشہ ور ذاتوں میں کوئی چھوٹ چھوٹ نہ تھی، روٹی بقی کا سمیٹنے سے رائج تھا۔ دھوبے دھوبے سے ہی پیشہ ذاتوں اور خاندانوں کے روپ میں آئے۔ ایک ہی پیشہ کے لوگ تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ الگ الگ جگہوں پر جا کر بسنے لگے۔ ان میں جان پہچان اور خاندانی سلسلہ معلوم کرنے کے لئے اُس خاندان یا قبیلے کے بڑے بزرگ کے نام پر گوروار بھی چل پڑا۔ غالباً ذاتوں، گوتروں کے قائم ہوجانے کے بعد جن پیشوں نے جیسی جیسی ارنوک ترقی کی ویسی ویسی اونچ نیچ اور چھو چھوٹ کی وجہ سے اپنی پیدا ہو گئی جس سے اُس زمانے کی سماجک زندگی میں اُنہیں پڑنے لگیں۔ پنڈت سماج کو (جو کہ تمام لوگوں اور لہجوں کا سماج تھا) روک تھام کی سوجھی، لیکن وہ اُس زمانے کو سماج سے آگے نہ سکا، البتہ اُس نے اسے آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے ورن ووسٹیا کا ایک الگ راستہ نکالا۔ پڑے سماج کو چار بڑے درجوں میں بانٹ دیا گیا۔ وہ لوگ جو دنیا پر پڑے پڑے اور پیدا پائے، درجے کا کم کرتے تھے براہمن کہلاتے۔ یہی لوگ راشٹر کے دماغی انگ ہوتے اور راشٹر اور سماج کی ہر سہولت پر چھائے ہوئے تھے۔ وہ لوگ جو سپاہ گری کا کام کرتے تھے، چیتری کہلاتے۔ یہ راشٹر کے رکچک ہوتے تھے اور چونکہ اُس سے فوجی سرکاریں ہوتی تھیں اُس لئے انہیں میں سے راجہ بھی ہوتے تھے۔ تجارت اور کیتی بازی کا دھندا کرنے والے ویش کہلاتے، لیکن یہ لوگ نہ شلکار ہوتے تھے، نہ دستکار اور نہ ہی خود غل وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ وہ ورن جو ان کموں کو انجام دیتا تھا اور ان تیار ورنوں کی سپلا کرنا تھا، شرد کہلاتا۔ سماج میں ورن ووسٹیا ہوجانے کے بعد بھی ہر ورن میں روٹی بیٹی کے سمیٹنے کی چھوٹ تھی، بلکہ ایک ورن میں پیدا ہونے والا پیشہ تبدیل کرنے کے بعد دوسرے ورن کو اختیار کر سکتا تھا۔ مثال کے طور پر ویدویس جی پیدائش کے اعتبار سے چڑیمار تھے، نارومن کی شرد داسی سے پیدا ہوئے تھے۔ راون پیدائش کے اعتبار سے براہمن تھا جو اپنے کرم سے کچھ کے کچھ ہو گئے۔ یہی بات منوسمرتی کے ایک سورت سے بھی ظاہر ہے اور یہی بات ہندوؤں کے چاروں کوم سنسکار کی بکری ہوتی روپ رہتا ہے یہی ثابت ہوتی ہے۔ جیسے نام کن سنسکار کی رسم میں براہمن جہاں بچوں کا اس کا نام بنانا ہے وہیں وہ بچوں کا ورن ہی بنانا ہے کہ وہ براہمن ورن ہے، دیوار ورن ہے، شرد ورن ہے یا راکشس ورن ہے وغیرہ وغیرہ۔ انہوں سنسکار سنسکار میں بچوں کو نہلا دھلا کر آچھے کپڑے پہنا کر ایک جگہ بٹھایا جاتا ہے جہاں

* جنمنا جایتے شبرا: سنسکارا دیج उच्यते:

* جنمنا جایتے شبرا: سنسکارا دیج उच्यते:

ہی۔ اس भावना کے अंतरगत आगे चलकर उस कट्टरपन से काम लिया गया जो देश के लिये रोग बन गया और पूरा समाज झूठे बड़प्पन और तंगनजरी में फँस गया।

आखिर कलचर का सवाल ही क्यों उठा ? देश के कोने कोने में आज “हमारा कलचर—हमारी तहजीब—और हमारी सभ्यता की गूँज सी है, आखिर क्यों ? इसका केवल एक जबाब है कि हिन्दुस्तानी जनता के सामने कौमी नेताओं ने जो इतिहास रखा उसमें गलतबयानी है, तंगनजरी है और झूठा अभिमान है जिसके प्रभाव से जनता अहंकार की भूल भुलैयाँ में फँस गई और उसे कलचर का स्थान, मौजूदा कलचर का रूप और उसके बहाव का रुख नहीं दिखाई पड़ता, हमारी जनता का एक अंग वह है जो देसी और राश्ट्री प्रभावों के कारन पीछे की तरफ देख रहा है और पुराने इस्टैब्लिशमेंट को मदे नजर रखते हुए शुद्धि और पुनर्उद्धार (Revivalism) का हामी है और दूसरा वह है जो पच्छिम की तरफ देख रहा है और अपने कलचर के ढाँचे को पच्छिमी सभ्यता के रंग रूप में बदल देना चाहता है, यह दोनों ही रुझान गलत हैं, तीसरा एक ऐसा भी दल है जो इन्तहाई रवादारी से काम ले रहा है जो देसी और विदेसी सभी प्रभावों को क़बूल करते हुए अपने कलचर को विकास की तरफ ले जा रहा है, वास्तव में यही मूल देश की और देश के कलचर की सेवा और हितवास्त कर रहा है।

भारती कलचर की महानता उसकी लचक और रवादारी में है, पूर्व ऐतिहासिक काल (Pre-historical age) से लेकर आज तक यह लचक और रवादारी कायम है, यहां से कलचर में शक, हुन और यूनानी तूफानों के छोटे मोटे झकले इस तरह पच गए कि हिन्दुस्तानी हवा में उनकी मौजूदगी का कोई जाहिर असर नहीं मालूम पड़ता बल्कि हर विदेसी प्रभाव देसी प्रभावों में दूध और पानी की तरह ऐसा घुल मिल गया कि एक को दूसरे से अलग करना नामुमकिन है।

हमारे कलचर में जात पात की व्यवस्था बहुत पुरानी है और आज तक किसी न किसी पहलू से कायम भी है, जाहिर में उसमें कट्टरपन है लेकिन वास्तव में यह व्यवस्था भी बहुत लचकीली (flexible) रही है जिसके लिये इतिहास खुद गवाह है, इसके अलावा भारती कलचर की पाचन शक्ति भी इस व्यवस्था के लचकीलेपन को साबित करती है।

वैदिक काल का इतिहास इस बात का गवाह है कि लोगों के पुस्तैनी धन्दों पर चलती रहने वाली रस्मों ने ही जातों को जन्म दिया, यह जग लोगों की संसारी जरूरतों के लिये विकास का पहला जुग था, करीब करीब सभी धन्दे पेशे के ऐतबार से बराबर थे, इसलिये पेशों के तब्दील करने की कोई जरूरत न समझी जाती थी, इसी कारन से अलग

भी, اس بھانوا کے انترگت آگے چلکر اُس کٹرپن سے کام لیا گیا جو دیش کے لئے روگ بن گیا اور پورا سماج چھوٹے بڑین اور تنگ نظری میں پھنس گیا۔

آخر کلتچر کا سوال ہی کدوں اُٹھا ؟ دیش کے کولے کولے میں آج ”ہمارا کلتچر“ ہماری تہذیب اور ہماری سیہیت“ کی گولیم سی ہے۔ آخر کیوں ؟ اِس کا کیول ایک جواب ہے کہ هندستانی جنتا کے سامنے قومی نہپاؤں نے جو اِنہاس رکھا اُس میں غلط بیانی ہے، تنگ نظری ہے اور جھوٹا اِہیمان ہے جس کے پریپاؤ سے جنتا اِنگکار کی بیوں بھلیاں میں پھنس گئی، اور اُسے کلتچر کا استِباب، موجدہ کلتچر کا روپ اور اُس کے بھار کا رخ نہیں دکھانی پڑتا۔ ہماری جنتا کا ایک انگ وہ ہے جو دیسی اور راشتری پریپاؤں کے کارن پیچھے کی طرف دیکر رہا ہے اور پورے اِسے بغزرتہ کو مدِظار رکھتے ہوئے شعی اور پندر اِستِمار (Revivalism) کا حامی ہے اور دوسرا وہ ہے جو پیچیم کی طرف دیکر رہا ہے اور اپنے کلتچر کے تھانچے کو پیچھی سیہیتا کے رنگ روپ میں بدل دینا چاہتا ہے۔ یہ دوتوں ہی رجحان غلط ہیں۔ تیسرا ایک ایسا بی دال ہے جو انتہائی رواداری سے کلم لے رہا ہے جو دیسی اور ویدیسی سیہی پریپاؤں کو قبول کرتے ہوئے اپنے کلتچر کو وکس کی طرف لیجا رہا ہے۔ واستو میں یہی گروپ دیش کی اور دیش کے کلتچر کی سیوا اور حفاظت کر رہا ہے۔

بیارتی کلتچر کی مہانتا اُس کی اچک اور رواداری میں ہے۔ پورہ اِتیہاسک کال (Pre-historical age) سے لیکر آج تک یہ اچک اور رواداری قائم ہے۔ یہاں کے کلتچر میں شاک، هن اور یونانی طوفانوں کے چھوٹے موٹے جھولے اِس طرح پیچ گئے کہ هندستانی هوا میں اُن کی موجدگی کا کوئی ظاہر اثر نہیں معلوم پڑتا بلکہ هر ویدیسی پریپاؤ دیسی پریپاؤں میں درودہ اور پاتی کی طرح ایسا گھل مل گیا کہ ایک کو دوسرے سے اِنگ کرنا ناممکن ہے۔

ہمارے کلتچر میں جات پات کی ویرستہا بہت پرائی ہے اور آج تک کسی نہ کسی پہلو سے قائم یہی ہے۔ ظاہر میں اُس میں گزپین ہے لیکن واستو میں یہ ویرستہا یہی بہت لچکیلی (flexible) رہی ہے جس کے لئے اِنہاس خرد گواہ ہے۔ اِس کے علاوہ بھارتی کلتچر کی پاچن شکتی یہی اِس ویرستہا کے لچکیلپن کو ثابت کرتی ہے۔

ویدک کال کا اِنہاس اِس بات کا گواہ ہے کہ لوگوں کے پشتینی دھندوں پر چلتی رہنے والی رسموں نے ہی ذاتوں کو جنم دیا۔ یہ جگ لوگوں کی سنساری ضرورتوں کے لئے وکس کا پہلا جگ تھا۔ قریب قریب سیہی دھندے پیچھے کے اعتبار سے براہر تھے۔ اِس لئے پیشوں کے تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ اِسی کارن سے اِنگ

کو खुدا بنا دیتی ہے اور مادے کا گیان روحانی درشتی کوئوں کو جھٹلا دیتا ہے اور نئے روحانی درشتی کون جو سچ مع بلند ہوتے ہیں معلوم ہو جاتے ہیں۔ سانپ کو سانپ نہ سمجھ کر دیوتا سمجھنا مائی وان کی نہیں ہے، سانپ کو سانپ سمجھنے کے بعد کسی بلند مرتبہ دیوتا کی کھج ادھیاتم وان کی بردہی ہے۔ کٹھ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کی ترقی ایک ساتھ ہوتی ہے اور دونوں کا پتن ہی ایک ساتھ ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بنا دینا ضروری ہے کہ کلچر کا وکس ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری سڑھی پر نہیں ہوا ہے۔ اس میں اکثر ریک، اٹھنا اور گڑا ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اٹھنا سے پتہ چلتا ہے کہ جب ہی کوئی نئی وچار دھارا آئی اور روزی وادیوں (conservatives) نے راستہ میں روزا اٹھایا۔ کئی کئی ان روزی وادیوں کی جیت ہی ہوئی اور کلچر کا وکس کچھ عرصے کے لئے مند ہی پر گیا لیکن پورے طور سے کلچر آگے کی طرف ہی بڑھتا رہا۔ جیسے پریت پر چڑھنے والا کبھی اونچے چڑھتا ہوا دیکائی پڑتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہوا لیکن انت میں وہ اونچائی پر ہی ہوتا ہے۔ کلچر ہی گڑا کو سن کرتے ہوئے اونچا ہی اٹھتا جاتا ہے اور مجموعی حیثیت سے سماج کو فائدہ ہوتا ہے۔

ہندوستانی کالچر کی رپ رے

موجودہ کالچر کی بنیادی رپ رے کلچر کے لئے ہمیں اپنے گذرے ہوئے دنوں کے اٹھنا کی طرف جانا ہوگا، حالانکہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پورچوں میں اٹھنا لکینے کی پرتا نہ تھی، پھر ہی ہمیں کچھ گیان اپنے دیش کے سہتہ، دھرم گرنہوں، شلپ گلن اور اپنے دیش کے چالو رسم رواجوں سے ملتا ہے جو ہمیں اپنے دیش کی پرائی سہیتا کی جھاک دکھا دیتے ہیں۔ اس سے ہم ہندستان کے کلچری وکس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس اندازے سے ہی جو کچھ ہمیں اپنے اٹھنا کا گیان پراپت ہوتا ہے وہ راج مٹوں، درباروں اور ردوائوں کی کلنوں کا اٹھنا ہے۔ وہ سچا بھارت جو یہاں کے دیہاتوں میں پیدا ہوا تھا، جو ہمارے جن سمرہ کا بھارت تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں۔ آئیسویں اور بیسویں صدی کے چاگن کے جگ میں دو وچاروں کے ادھین ہمارے دیش کے اٹھنا کی پستکیں لٹی گئیں۔ پہلی بھاونا میں انگریزیت پر دھماں ہے جس کے کٹھ والے زیادتر انگریز ہیں۔ ان اٹھنا میں انگریزی مت ہے جس میں ہر طرح سے بھارتی کلچر کو انگریزی کلچر سے برا ثابت کرنے کی کوشش کھٹی ہے تاکہ انگریزی راج کی جڑیں مضبوط ہوں۔ دوسری بھاونا نیشنلزم ہے جو پچھلی اٹھنا کاروں کو جواب ہی ہے اور چنوی

کوئی بھی نیا دھرم سہی اُرتھوں میں نیا نہیں ہوتا بلیک چالو
 دھرم یا چالو کلچر کا विकास ہوتا ہے۔

विकास के इसी उसूल के आधार पर इन्सान नेचर की पूजा से चल कर एक ईश्वर की पूजा तक पहुँचा है, जब इन्सान प्यास बुझाने के लिये नदी और तालाबों का मोहताज था, जब वह नहीं सोच सकता था कि यह क्यों सूख जाते हैं, उनमें पानी कहाँ से आता है, पानी हासिल करने के दूसरे क्या साधन हैं, जब वह साये के लिये घने पेड़ों का मोहताज था तो वह नदी, तालाबों और घने पेड़ों की पूजा करने लगा ताकि वह रुठ कर सूख न जाए, जब इन्सान ने कुछ खा खोद कर पानी निकाल लिया, घर बनाकर साया पैदा कर लिया, आग जला कर गरमी पैदा कर ली तो उसकी कल्पना ने पानी के लिये पानी का देवता, आग के लिये आग का देवता पैदा किया और उनकी पूजा करने लगा, जैसे जैसे आग और पानी बरौरा के साइन्टिफिक आधार मालूम होते गये, देवताओं और उनके महत्व में कमी आती गई और आज का इन्सान एक ईश्वर को हर चीज का आधार मानने लगा, जब इन्सान नेचर के हर भेद को अक्ल की पकड़ में पायेगा तो वह यक्तीन खुदा की शक्ति से भी इन्कार कर देगा।

कलचर के सुलभाव और उलभाव या बुलन्दी और फस्ती का सम्बन्ध विज्ञान से बहुत गहरा है, कलचर के धार्मिक मैदान में हर समाज में शुरू में बहुत से देवता माने गये जितने ही ज्यादा देवता थे, समाज में उतनी ही भ्रांतियाँ या लाश्मियाँ थीं, जैसे जैसे साइन्स ने एक एक गुत्थी का सुलभाव पेश किया, देवता घटते गये, पहनावा, रहन सहन, खान पान सभी कुछ साइन्स की खोज पर बदलते रहते हैं।

कलचर दो क्रिस्म का होता है, एक का आधार आत्मा है और दूसरे का प्रकृति, जिन्हें हम अध्यात्मवादी आधार और माटीवादी मादी आधार भी कहते हैं, पहले क्रिस्म के कलचर में क्रायदा कानून, धर्म, साहित्य, विज्ञान, समाज व्यवस्था और राजनीति बरौरा शामिल हैं, क्योंकि यह सब इन्सान के ब्योहारिक जीवन, चरित्र और आत्म विकास पर रोशनी डालते हैं जिनका बाहरी दुनिया से कोई सम्बन्ध नहीं होता, दूसरे क्रिस्म का कलचर बाहरी दुनिया से सम्बन्ध रखता है, जो दुनिया आग, हवा, पानी, धरती, धात, पौदों, जानवरों और दूसरी मादी चीजों से घिरी है, इस कलचर में खेती बाड़ी के तरीके, आने जाने के साधन, धातों के बर्तन, हथियारों आदि के इस्तेमाल शामिल हैं, दोनों क्रिस्म के कलचरों में हदबन्दी की लकीर खींचना कठिन है जिसका खास कारन दोनों का एक दूसरे से उलभाव है, बास्तब में अध्यात्मवादी कलचर माटीवादी कलचर की शुरुआत है, जहालत मादे

وئی بھی نیا دھرم سہی اُرتھوں میں لیا نہیں ہوتا بلکہ چالو
 دھرم یا چالو کلچر کا گلس ہوتا ہے ۔

وکس کے اسی اصول کے آدھار پر انسان نیچر کی پوجا سے چل کر ایک ایشر کی پوجا تک پہنچا ہے، جب انسان پیاں بجھانے کے لئے ندی اور تالابوں کا محتاج تھا، جب وہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ یہ کیوں سوکھ جاتے ہیں، ان میں پانی کہاں سے آتا ہے، پانی حاصل کرنے کے دوسرے کیا سادھن ہیں، جب وہ سایہ کے لئے گھنے پتروں کا محتاج تھا تو وہ ندی، تالابوں اور گھنے پتروں کی پوجا کرنے لگا تاکہ وہ روٹھ کر سوکھ نہ جائیں، جب انسان نے کنواں کھود کر پانی نکال لیا، گھر بنا کر سایہ پیدا کر لیا، آگ جلا کر گرمی پیدا کر لی تو اُس کی کلپنا نے پانی کے لئے پانی کا دیوتا، آگ کے لئے آگ کا دیوتا پیدا کیا اور اُن کی پوجا کرنے لگا، جیسے جیسے آگ اور پانی وغیرہ کے سائنٹک آدھار معلوم ہوتے گئے، دیوتاؤں اور اُن کے مہتمو میں کمی آتی گئی اور آج کا انسان ایک ایشر کو ہر چیز کا آدھار ماننے لگا، جب انسان نیچر کے ہر بید کو عقل کی پکڑ میں پائے گا تو وہ یقیناً خدا کی شکتی سے یہی انکار کر دیتا ۔

کلچر کے سلجھاؤ اور اُلجھاؤ یا بلندی اور پستی کا سببندہ
 وگیان سے بہت گہرا ہے، کلچر کے دھارمک مہدان میں ہر
 ساج میں شروع میں بہت سے دیوتا مانے گئے ہیں، جتنے ہی
 زیادہ دیوتا تھے، ساج میں اتنی ہی پورائتیاں یا لاطمیاں
 تھیں، جیسے جیسے سائنس نے ایک ایک گتھی کا سلجھاؤ پیش
 کیا، دیوتا گھٹتے گئے، پہناوا، رہن سہن، کہاں پان سبھی کچھ
 سائنس کی کھوج پر بدلتے رہتے ہیں ۔

کلچر دو قسم کا ہوتا ہے، ایک کا آدھار آتما ہے اور دوسرے
 کا پوکرتی، جنہیں ہم ادھیاتم وادی آدھار اور مادی وادی
 آدھار بھی کہتے ہیں، پہلے قسم کے کلچر میں دائدہ قانون، دھرم،
 سلطنتیہ، وگیان، ساج ویوستھا اور راج نییتی وغیرہ شامل ہیں،
 کوونکہ یہ سب انسان کے پیوہارک چوون، چتر اور آتم وکس
 پر روشنی ڈالتے ہیں جن کا باعری دنیا سے کوئی سببندہ نہیں
 ہوتا، دوسرے قسم کا کلچر باہری دنیا سے سببندہ رکھتا ہے، جو
 دنیا آگ، ہوا پانی، دھرتی، دھات، پودوں، جانوروں اور
 دوسری مادی چیزوں سے گہری ہے، اس کلچر میں کھیتی باڑی
 کے طریقے، آئے جانے کے سادھن، دھاتوں کے برتن، ہتھیاروں آدمی
 کے استعمال شامل ہیں، دونوں قسم کے کلچروں میں حدبندی
 کی اکھر کھینچنا کٹرن ہے جس کا خالص کارن دونوں
 کا ایک دوسرے سے اُلجھاؤ ہے، راستو میں ادھیاتم وادی
 کلچر مادی وادی کلچر کی شروعات ہے، جہات مادہ

ہندوستانی کالچر

(چرن سرن ناز)

کالچر کیا ہے ؟

کالچر کے سمبندھ میں کچھ کہنے سے پہلے یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ کالچر کیا ہے۔ کسی بھی دیس کا کالچر سے کی بہتی ہوئی دھاروں کے آدگار پر بنتا آیا ہے۔ کلچر اپنی پرکرتی سے وکس مٹ (evolutionary) ہے اور اس لئے کالچر کے وکس کا تاریخی مطالعہ (آئیہاسک اڈھین) سے ہو ہے۔ کالچر کے آئیہاسک وکس کے کچھ اٹل اُصول ہیں جو ہر دیس، ہر قوم کے کالچر پر پرکھے جا سکتے ہیں۔ ہم اپنے لیکچر میں پہلے انہیں اُصولوں پر پرکش ڈالیں گے۔

انسانی سماج اپنی انتہائی جنگلی اوستیا سے منوریکیانک، سائنٹک اور نئے نئے معلومات کے آدگار پر، جنہیں انسانی ضرورتوں نے پیدا کیا، قدم قدم آگے بڑھتا ہوا آج کی سڈری ہوئی حالت (جو اب تک بھی پوری نہیں ہے) پر پہنچا ہے۔ اس پرکار سماج اُس کے کلچری وکس کی ایک سبھی سی ہے، جس کا آپریٹرا اوچھل ہے۔ کسی بھی سے کا کلچر اُس سے کے آدمیوں کے منوریکیانک، دھانی، روحانی اور سائنٹک جانکاری کا محتاج ہے۔ کسی بھی سے کے کلچر کو برا کہنا یا کسی بھی سے کے آدمی کو اسیبہ بٹلانا بڑا غلط ہے۔ جس سے کے لوگوں کے جیوں سمبندھی یا سنسار سمبندھی گیان میں جتنا پہچان ہوتا ہے یا اوچھا ہیں ہوتا ہے، اُس سے کے لوگوں کے کلچر اور دھرم بھی اُسی سیما میں رختے ہیں۔ شروع زمانے میں ساری دنیا میں آدمی کی قربانی کا رواج تھا۔ اُس زمانے میں لوگوں کو کھیتی باڑی کے طریقے نہیں معلوم تھے اور نہ وہ نیچر سے ہی فائدہ اُٹانا جانتے تھے۔ اُن میں سماجی ترقی کی ہی کمی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے کلم لینا اور ایک دوسرے کے کلم انا ہی نہیں جانتے تھے۔ اسی حالت میں اُن کے دیوی دیوتا اگر توہنیا سے خوش ہوتے تھے تو اُس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟ خالص لڑائی کی پرورنی (instinct) کے آدگار پر اُن لوگوں میں ہارے ہوئے کا قتل نام ہی لوائی کا دھرم سمجھا جاتا تھا۔ جب دھیرے دھیرے یہ گیان ہوا کہ انسان انسان کے کلم آ سکتا ہے، وہ پندوار کے کلموں میں، سیوا کرنے میں سہانہ دے سکتا ہے تو قتل عام کی جگہ غلامی لے لے لی اور انسانی پرورنی میں آہستہ آہستہ دیا اور دھرم داخل ہو گئے۔ کالچر خود بخود بننے لگا۔ کوئی بھی نیا کالچر،

ہندوستانی کالچر

(چرن سرن ناز)

کالچر کیا ہے ؟

کالچر کے سمبندھ میں کچھ کہنے سے پہلے یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ کالچر کیا ہے۔ کسی بھی دیس کا کالچر سے کی بہتی ہوئی دھاروں کے آدگار پر بنتا آیا ہے۔ کلچر اپنی پرکرتی سے وکس مٹ (evolutionary) ہے اور اس لئے کالچر کے وکس کا تاریخی مطالعہ (آئیہاسک اڈھین) سے ہو ہے۔ کالچر کے آئیہاسک وکس کے کچھ اٹل اُصول ہیں جو ہر دیس، ہر قوم کے کالچر پر پرکھے جا سکتے ہیں۔ ہم اپنے لیکچر میں پہلے انہیں اُصولوں پر پرکش ڈالیں گے۔

انسانی سماج اپنی انتہائی جنگلی اوستیا سے منوریکیانک، سائنٹک اور نئے نئے معلومات کے آدگار پر، جنہیں انسانی ضرورتوں نے پیدا کیا، قدم قدم آگے بڑھتا ہوا آج کی سڈری ہوئی حالت (جو اب تک بھی پوری نہیں ہے) پر پہنچا ہے۔ اس پرکار سماج اُس کے کلچری وکس کی ایک سبھی سی ہے، جس کا آپریٹرا اوچھل ہے۔ کسی بھی سے کا کلچر اُس سے کے آدمیوں کے منوریکیانک، دھانی، روحانی اور سائنٹک جانکاری کا محتاج ہے۔ کسی بھی سے کے کلچر کو برا کہنا یا کسی بھی سے کے آدمی کو اسیبہ بٹلانا بڑا غلط ہے۔ جس سے کے لوگوں کے جیوں سمبندھی یا سنسار سمبندھی گیان میں جتنا پہچان ہوتا ہے یا اوچھا ہیں ہوتا ہے، اُس سے کے لوگوں کے کلچر اور دھرم بھی اُسی سیما میں رختے ہیں۔ شروع زمانے میں ساری دنیا میں آدمی کی قربانی کا رواج تھا۔ اُس زمانے میں لوگوں کو کھیتی باڑی کے طریقے نہیں معلوم تھے اور نہ وہ نیچر سے ہی فائدہ اُٹانا جانتے تھے۔ اُن میں سماجی ترقی کی ہی کمی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے کلم لینا اور ایک دوسرے کے کلم انا ہی نہیں جانتے تھے۔ اسی حالت میں اُن کے دیوی دیوتا اگر توہنیا سے خوش ہوتے تھے تو اُس میں تعجب کی کیا بات ہے ؟ خالص لڑائی کی پرورنی (instinct) کے آدگار پر اُن لوگوں میں ہارے ہوئے کا قتل نام ہی لوائی کا دھرم سمجھا جاتا تھا۔ جب دھیرے دھیرے یہ گیان ہوا کہ انسان انسان کے کلم آ سکتا ہے، وہ پندوار کے کلموں میں، سیوا کرنے میں سہانہ دے سکتا ہے تو قتل عام کی جگہ غلامی لے لے لی اور انسانی پرورنی میں آہستہ آہستہ دیا اور دھرم داخل ہو گئے۔ کالچر خود بخود بننے لگا۔ کوئی بھی نیا کالچر،

چین کے مہاتما لاوتزے حضرت عیسیٰ سے 604 برس پہلے ہوئے تھے۔ اُن کے آپدیشوں کا چین پر گہرا اثر پڑا۔ لاوتزے کہتے ہیں—

”آدمی کو چاہیے کہ اپنا تمام کام خودی کو اخلگ رکھ کر سارا اور سادہ دنگ سے کرے۔ جسکے کسی بھی کام میں خودی یا غمبند نہ ہو، نہ اپنے پرانے اور تیرے میرے کا فرق ہو، نہ انسان کی سوا اُس کی پوجا ہو۔ یہی آدمی کا ’تاؤ‘ یعنی دھرم ہے۔“

حضرت عیسیٰ نے اسی طرح کا آپدیش دینے ہوئے کہا تھا—
”دیکھو، برتن کے دن بھی نہ خود تو خوب کھاتے ہو اور درسوں کو کشت دینے ہو۔ تم سب طرح کی برائی کرتے رہتے ہو۔ کیا ایسے ہی برتن کی آکھیاں نہ ملتی تھیں؟ کیا یہ برتن ایشور کو منظور ہو سکتا ہے؟ جس برتن کی آکھیاں دی گئی تھیں وہ یہ تھیں—جس برتن میں تمہیں باندھ رکھا ہے اُن کا بندھن توڑ ڈالو، دیکھو کہ آزاد کرو، بھوکے کو اپنی روٹی میں سے روٹی دو، جو بھوکے میں انہیں اپنے گھر میں جگہ دو، جو سڑکے میں انہیں کپڑے پہناؤ۔ سب دیکھ انسانوں کی سیوا میں اپنے کو کھپا ڈالو، یہی سب سے بڑا برتن ہے۔“

بہ ہنگو! جب دھرم پرچار کرتے ہوئے نکلے تو جہاں بھی دیکھیں اور جہاں کا پتہ پائے وہاں ضرور ہی اُن کی سیوا کرتے پھر جائے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو آپدیش دیا کہ—

”بھشو! شکام سیوا ہی پرم دھرم ہے۔ سیوا کا دھرم جانت پات و دھرم کے بھید بھاؤ کو نہیں مانتا۔ بھشو نو (آدمی) کے روپ میں ناراین (اللہ) کو دیکھتا ہے اور جن (انسان) کے روپ میں جنارڈن (خالق) کا درشن کرتا ہے۔ وہ خود دیکھوں اور مصیبتوں کا سراگت کرتا ہے اور اپنی سیوا کے ذریعے اس دھرمی میں سورگ کی رچنا کرتا ہے۔“

سکھوں کے چوتھے گرو کے ایک چیلے جب سنکت میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنے سپرد چھوٹے برتن مانجنے کا کام لیا۔ صبح اُڑتے ہی برتن مانجنے کا کام شروع کرتے تھے اور کلم سمایت کرتے آدمی رات بیت جاتی تھی۔ گرو کے چرنوں میں بیٹھ کر ست سنگ سننے کا بھی انہیں سے نہیں ملتا تھا، جبکہ اُن کے درسے گرو بھائی صبح سے لے کر رات تک برتن اور ست سنگ میں ہی اپنا سے بناتے تھے۔ جب گرو جی نے سدا دی لی تو چننا سنبھتی تھی، گرو کے جو چیلے رات دن بھجن گایا کرتے تھے انہیں میں سے کسی کو گرو اپنا وارث بنائینے۔ لیکن جب گرو کا حکیمانہ کھولا گیا تو اس میں سے اُس چرنے برتن مانجنے والے کا نام نکلا جسے ایک دن بھی بھجن گئے اور سنکت میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور یہی برتن مانجنے والے گرو ارجن دیو کے نام سے سکھوں کے پرستہ گرو مہرے۔

”آدمی کو چاہیے کہ اپنا سب کام خودی کو الگ رکھ کر سارا اور سادہ دنگ سے کرے۔ اُس کے کسی بھی کام میں خودی یا غمبند نہ ہو، نہ اپنے پرانے اور تیرے میرے کا فرق ہو، نہ انسان کی سوا اُس کی پوجا ہو۔ یہی آدمی کا ’تاؤ‘ یعنی دھرم ہے۔“

حضرت عیسیٰ نے اسی طرح کا آپدیش دینے ہوئے کہا تھا—
”دیکھو، برتن کے دن بھی نہ خود تو خوب کھاتے ہو اور درسوں کو کشت دینے ہو۔ تم سب طرح کی برائی کرتے رہتے ہو۔ کیا ایسے ہی برتن کی آکھیاں نہ ملتی تھیں؟ کیا یہ برتن ایشور کو منظور ہو سکتا ہے؟ جس برتن کی آکھیاں دی گئی تھیں وہ یہ تھیں—جس برتن میں تمہیں باندھ رکھا ہے اُن کا بندھن توڑ ڈالو، دیکھو کہ آزاد کرو، بھوکے کو اپنی روٹی میں سے روٹی دو، جو بھوکے میں انہیں اپنے گھر میں جگہ دو، جو سڑکے میں انہیں کپڑے پہناؤ۔ سب دیکھ انسانوں کی سیوا میں اپنے کو کھپا ڈالو، یہی سب سے بڑا برتن ہے۔“

بہ ہنگو! جب دھرم پرچار کرتے ہوئے نکلے تو جہاں بھی دیکھیں اور جہاں کا پتہ پائے وہاں ضرور ہی اُن کی سیوا کرتے پھر جائے۔ انہوں نے اپنے بھائیوں کو آپدیش دیا کہ—
”بھشو! شکام سیوا ہی پرم دھرم ہے۔ سیوا کا دھرم جانت پات و دھرم کے بھید بھاؤ کو نہیں مانتا۔ بھشو نو (آدمی) کے روپ میں ناراین (اللہ) کو دیکھتا ہے اور جن (انسان) کے روپ میں جنارڈن (خالق) کا درشن کرتا ہے۔ وہ خود دیکھوں اور مصیبتوں کا سراگت کرتا ہے اور اپنی سیوا کے ذریعے اس دھرمی میں سورگ کی رچنا کرتا ہے۔“

سکھوں کے چوتھے گرو کے ایک چیلے جب سنکت میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنے سپرد چھوٹے برتن مانجنے کا کام لیا۔ صبح اُڑتے ہی برتن مانجنے کا کام شروع کرتے تھے اور کلم سمایت کرتے آدمی رات بیت جاتی تھی۔ گرو کے چرنوں میں بیٹھ کر ست سنگ سننے کا بھی انہیں سے نہیں ملتا تھا، جبکہ اُن کے درسے گرو بھائی صبح سے لے کر رات تک برتن اور ست سنگ میں ہی اپنا سے بناتے تھے۔ جب گرو جی نے سدا دی لی تو چننا سنبھتی تھی، گرو کے جو چیلے رات دن بھجن گایا کرتے تھے انہیں میں سے کسی کو گرو اپنا وارث بنائینے۔ لیکن جب گرو کا حکیمانہ کھولا گیا تو اس میں سے اُس چرنے برتن مانجنے والے کا نام نکلا جسے ایک دن بھی بھجن گئے اور سنکت میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور یہی برتن مانجنے والے گرو ارجن دیو کے نام سے سکھوں کے پرستہ گرو مہرے۔

”بھشو! شکام سیوا ہی پرم دھرم ہے۔ سیوا کا دھرم جانت پات و دھرم کے بھید بھاؤ کو نہیں مانتا۔ بھشو نو (آدمی) کے روپ میں ناراین (اللہ) کو دیکھتا ہے اور جن (انسان) کے روپ میں جنارڈن (خالق) کا درشن کرتا ہے۔ وہ خود دیکھوں اور مصیبتوں کا سراگت کرتا ہے اور اپنی سیوا کے ذریعے اس دھرمی میں سورگ کی رچنا کرتا ہے۔“

سکھوں کے چوتھے گرو کے ایک چیلے جب سنکت میں شامل ہوئے تو انہوں نے اپنے سپرد چھوٹے برتن مانجنے کا کام لیا۔ صبح اُڑتے ہی برتن مانجنے کا کام شروع کرتے تھے اور کلم سمایت کرتے آدمی رات بیت جاتی تھی۔ گرو کے چرنوں میں بیٹھ کر ست سنگ سننے کا بھی انہیں سے نہیں ملتا تھا، جبکہ اُن کے درسے گرو بھائی صبح سے لے کر رات تک برتن اور ست سنگ میں ہی اپنا سے بناتے تھے۔ جب گرو جی نے سدا دی لی تو چننا سنبھتی تھی، گرو کے جو چیلے رات دن بھجن گایا کرتے تھے انہیں میں سے کسی کو گرو اپنا وارث بنائینے۔ لیکن جب گرو کا حکیمانہ کھولا گیا تو اس میں سے اُس چرنے برتن مانجنے والے کا نام نکلا جسے ایک دن بھی بھجن گئے اور سنکت میں بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اور یہی برتن مانجنے والے گرو ارجن دیو کے نام سے سکھوں کے پرستہ گرو مہرے۔

छायावादी कवियों को एक तरफ रख माखनलाल चतुर्वेदी से लेकर 'बच्चन', 'अंचल' तक के काव्यों में हमें उर्दू शैली और भाव जहाँ कहीं मालूम पड़ते हैं. उर्दू की नई रोमानी कविता ने निसंदेह हिंदी कवियों की कहन पर प्रभाव डाला है.

[आल इंडिया रेडियो के सौजन्य से]

چہایا وادی کویں کو ایک طرف رکھ ماکھن لال چترvedi سے لیکر 'بچن'، 'انچل' تک کے کاویں میں ہمیں اُردو شیلی اور بھاؤ جہاں کہیں معلوم پڑتے ہیں. اُردو کی نئی رومانی کویتا نے نسدیدہ ہندی کی کہن پر پربھاؤ ڈالا ہے.

[آل انڈیا ریڈیو کے سوجنیه سے]

سِوا دھرم

(विश्वम्भरनाथ पांडे)

سِوا دھرم

(وشومیر ناتھ پانڈے)

जैन साधुओं को आदेश देते हुए भगवान महावीर कहते हैं—“अगर कोई साधू किसी रोगी या मुसीबत में पड़े आदमी को छोड़ कर तपस्या करने लगता है, शास्त्र पढ़ने में लग जाता है, तो वह अपराधी है और संघ में रहने के काबिल नहीं है. सेवा खुद एक बड़ा भारी तप है. सेवा करने के लिये सदा दुखियों की, दीन दुखियों की, पलित और दलितों की खोज में रहना चाहिये.”

एक बार मोहम्मद साहब से किसी ने पूछा कि ईमान क्या है ? उन्होंने जवाब दिया—“सब करना और दूसरों की भलाई और सेवा करना.” एक हद्दीस में आता है कि मोहम्मद साहब ने कहा कि “सब इन्सानी समाज अल्लाह का कुनबा है और उन सब में अल्लाह का सबसे प्यारा वह है जो अल्लाह के इस कुनबे की भलाई और सेवा करता है.”

सेवा का महत्व दर्शाते हुए गीता कहती है—

“मोक्ष केवल उन्हीं को मिल सकता है और उन्हीं के पाप धुल सकते हैं जिनकी दुविधा मिट गई है और जिन्होंने अपनी कामनाओं को जीत लिया है और जो सदा सबके भले और सबकी सेवा में लगे रहते हैं.”

गोस्वामी तुलसीदास ने रामायन में लिखा है—

“परहित सरस धर्म नहीं भार्ये,

पर पीड़ा सम नहीं अघ भार्ये.”

शेख सादी ने अपनी मशहूर किताब ‘करीमा’ में लिखा है—

“सच्ची दौलत सेवा से ही मिलती है.

“सेवा से सौभाग्य मिलता है.

“यदि तू सेवा के लिये कमर कस ले तो कभी न मिलने वाली दौलत का दरवाजा तेरे लिये खुल जावेगा.

“सेवा से भीतर की आत्मा रोशन होती है.”

جن سادوئیں کو آدیش دیتے ہوئے بھگوان مہاویر کہتے ہیں—“اگر کوئی سادھو کسی روگی یا مصیبت میں پڑے آدمی کو چھوڑ کر تپسیا کرنے لگتا ہے، شاستر پڑھنے میں لگ جاتا ہے، تو وہ اپراذی ہے اور سنگھ میں رہنے کے قابل نہیں ہے. سِوا خود ایک بڑا بیماری تپ ہے. سِوا کرنے کے لئے سدا دکیہوں کی، دین دکیہوں کی، پتیت اور دلتوں کی کھوج میں رہنا چاہئے.”

ایک بار محمد صاحب سے کسی نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے ؟ انہوں نے جواب دیا—“سب کرنا اور دوسروں کی بھلائی اور سِوا کرنا.” ایک حدیث میں آتا ہے کہ محمد صاحب نے کہا کہ “سب انسانی سماج اللہ کا کتبہ ہے اور اُن سب میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جو اللہ کے اس کتبے کی بھلائی اور سِوا کرنا ہے.”

سِوا کا مہتو درشائے ہوئے گیتا کہتی ہے—

“موت کش کیوں انہیں کو مل سکتا ہے اور انہیں کے پاپ دھل سکتے ہیں جن کی دودھیا مت گئی ہے اور جنہوں نے اپنی کلناؤں کو جیت لیا ہے اور جو سدا سب کے بھلے اور سب کی سِوا میں لگے رہتے ہیں.”

گربوادی نڈسی داس نے راماین میں لکھا ہے—

“پرہمت سرس دھرم نہیں بھائی،

پر پیزا سم نہیں اکھ بھائی.”

شیخ سعیدی نے اپنی مشہور کتاب ‘کریمہ’ میں لکھا ہے—

“سچی دولت سِوا سے ملتی ہے.

“سِوا سے سرپیگاہی ملتا ہے.

“یدی تو سِوا کے لئے کمر کس لے تو کبھی نہ ملنے والی دولت کا دروازہ تیرے لئے کھل جاویگا.

سِوا سے بیہتر کی آتما روشن ہوتی ہے.”

آخرتاً ایک نیڈ نشت ہونے پر دوسرا نیڈ फिर سے بنانا یاں سکتا ہے۔ ایک آجھاتاں اُردو کوی کی یہ اُنتی دیکھئے—

چار تینکے آاشیاں کے جلا گئے تو جلا گئے،
فیر بھی ہو سکتی ہیں شاخ گل بہ تعمیریں بہت۔

کتنی ادھک بھاؤں میں سماتا ہے۔ اس بھاؤ کی سمانا کو نشچے ہی آکسک نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے پرگنی شیل کوی شومنگل سنگھ 'سمن' کی ایک اُنتی بہت پرسدہ ہے—

میں نہیں آیا تمہارے دوار، پتہ ہی مڑ گیا تھا۔

میں نہیں آیا تمہارے دوار، پتہ ہی مڑ گیا تھا۔
پریسی پریمکا کے گہر جان بوجھ کر نہیں گیا، ورن جس راستے پر چل رہا تھا وہ خود ہی ادھر مڑ گیا۔ اب اُردو کا ایک شعر اور غر فرمائیے—

مشکلوں سے لائے تھے سمجھا بچپا کے دل کو ہم،
دل ہمیں سمجھا بچپا کو کوئے جاناں لے چلا۔

میراکیلوں سے لائے تھے سمجھا بچپا کے دل کو ہم،
دل ہمیں سمجھا بچپا کر کئے جاناں لے چلا۔
کویتا کی گھراڑے تک پھنچتے، کانوں میں یہ لائیں
گوجتی ہیں—

کویتا کی گھراڑی تک پھنچتے، کانوں میں یہ لائیں
گوجتی ہیں—

دیل ہمیں سمجھا بچپا کر کئے جاناں لے چلا۔

ہندی میں نرندر شرمہ کی ایک لائیں پر وچار کیجیے—
"فیر ایک بار ساکار بنو مہرے یوگ یوگ کے آکھشپ۔"

دیل ہمیں سمجھا بچپا کر کوئے جاناں لے چلا۔
ہندی میں نرندر شرمہ کی ایک لائن پر وچار کیجئے—

اس مقابلہ میں ڈاکٹر اذیل کی بہت مشہور غزل ہے، اُس کا ایک شعر ملاحظہ ہو—

"پھر ایک بار ساکار بنو میرے یگ یگ کے آکھشپ۔"

کبھی اے حقیقت منتظر، نثار آلبس مجاز میں،
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، تری جبین نیاز میں۔

اُس مقابلہ میں ڈاکٹر اذیل کی بہت مشہور غزل ہے، اُس کا ایک شعر ملاحظہ ہو—

کبھی اے حقیقت منتظر، نثار آلبس مجاز میں،
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں، تری جبین نیاز میں۔

ہندی کے کین کین نوجوان کویوں نے اُردو کے، اُردو کے کین کین شایروں نے ہندی کے کون کون سے باوہ نیرسکوہ اپنا لیے ہیں، اگر اسکی خوج کی جاوے تو اسکا پورا گوشوارا تیار کرنا پڑے گا۔ ہندی میں اُردو کے بھاؤں سے یا اُردو میں ہندی کے بھاؤں سے پیرنا اپنا گناہ نہیں۔ کنتو اُس پر اپنی لہلیت پن کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے۔

ہندی کے کین کین نوجوان کویوں نے اُردو کے، اور اُردو کے کین کین شاعروں نے ہندی کے کون کون سے باوہ نیرسکوہ اپنا لیے ہیں، اگر اُس کی کھچ کی جاوے تو اُس کا پورا گوشوارہ تیار کرنا پڑے گا۔ ہندی میں اُردو کے بھاؤں سے یا اُردو میں ہندی کے بھاؤں سے پیرنا اپنا گناہ نہیں۔ کنتو اُس پر اپنی لہلیت پن کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئے۔

ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مدھعہ کل میں ہندی اور اُردو کے چھپتر میں دو باتیں سمان تھیں : (1) ایک راج دربار تھا (2) صوفیانہ بھکتی پردھان سانسکر تک بھاؤ دھارا۔ ٹھیک اُسی طرح ادھونک گل کے پرانے میں راشترہ بھاؤ دونوں بھاشاؤں میں سمان روپ سے پائے جاتے ہیں۔ حالی کا مسدس اور میتلی شرتو کی بھارت بھارتی ایک ہی راشترہ سمالجک آدرہ سے رنگی ہوئی ہیں۔ سالتھہ کا جاننے والا وڈارتھی یہ نشچے پوروک کہ سکتا ہے بھارت بھارتی مسدس سے پر بھارت ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اذیل، چکبست آدی اُردو کے راشترہ کوی ہندی میں بہت لوک پریہ ہوئے ہیں۔ 'پوساں'، 'پنت'، 'نرالا'، 'مہادیوی ورما' جیسے بکے

ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ مدھعہ کل میں ہندی اور اُردو کے چھپتر میں دو باتیں سمان تھیں : (1) ایک راج دربار تھا (2) صوفیانہ بھکتی پردھان سانسکر تک بھاؤ دھارا۔ ٹھیک اُسی طرح ادھونک گل کے پرانے میں راشترہ بھاؤ دونوں بھاشاؤں میں سمان روپ سے پائے جاتے ہیں۔ حالی کا مسدس اور میتلی شرتو کی بھارت بھارتی ایک ہی راشترہ سمالجک آدرہ سے رنگی ہوئی ہیں۔ سالتھہ کا جاننے والا وڈارتھی یہ نشچے پوروک کہ سکتا ہے بھارت بھارتی مسدس سے پر بھارت ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اذیل، چکبست آدی اُردو کے راشترہ کوی ہندی میں بہت لوک پریہ ہوئے ہیں۔ 'پوساں'، 'پنت'، 'نرالا'، 'مہادیوی ورما' جیسے بکے

ہندی وُردू کاوی کی समानताएँ

इस पंथ को पढ़कर उतरे हुये नरों के मुहावरे का इस्ते-
माल ज़फर की उस मशहूर ग़ज़ल की याद दिलाता है—

“न किसी की चरम का नूर हूँ,
न किसी के दिल का क़रार हूँ.”

जिसका एक मिसरा है—

“जो बिगड़ गया वह नसीब हूँ,
जो उतर गया वो ख़ुमार हूँ.”

छायावाद के बाद हिन्दी में जो अन्य धारायें चलीं, जैसे
माखनलाल चतुर्वेदी, भगवती चरन वर्मा, हरिकृष्ण प्रेमी,
नवीन धारायें, उनमें उर्दू की विशेषता लिये भावों की प्रचुरता
मालूम पड़ती है. साकी, प्याला, शमा, पतंग आदि प्रतीक तो
अब तक चले आ रहे हैं. ‘बच्चन’ की ‘मधुशाला’ तो प्रसिद्ध
ही है. उमर खैयाम के प्रभाव से हिंदी में न मालूम कितने
ही उर्दू, फ़ारسی के रोमान्टिक भावों को आसरा मिला है.
इस तरह हिंदी उर्दू के भावों की बराबरी के अनगिनत
उदाहरन दिये जा सकते हैं. महादेवी वर्मा की यह उक्ति
लीजिये—

एक ज्वाला के बिना मैं राख का घर हूँ.

और इसकी तुलना कीजिये—

आग थे इन्तदाये इश्क में हम,
अब जो है खाक इंतहा यह है.

और दिनकर की यह उक्ति लीजिये—

जब गीतकार मर गया चांद रोने आया,
चांदनी मचलने लगी कफन बन जाने की.

चांदनी के कफन बन जाने की बात ठीक उर्दू में भी
इसी तरह कही गई है. सुनिये उस्ताद जोक का एक शेर है—

अफ़सुरदा दिल के वास्ते क्या चांदनी का लुत्क,
लिपटा पड़ा है जिस तरह मुर्दा कफन के साथ.

और बच्चन ने तो अपनी प्रेरना उर्दू के मयखाने से ही
ली है. उनका एक वाक्य लीजिये—

बजी नफीरी और नमाज़ी भूल गया अस्ता ताला

और उसकी तुलना कीजिये इस शेर से और देखिये
कौन सा ज्यादा बुलंद है—

नमाज़ कैसी कहाँ का रोज़ा,
अभी तो शायले शराब में हूँ.

ख़ुदा की याद आये किस तरह से,
बुतों के क़दरे हवाब में हूँ.

या यह लीजिये बच्चन की एक कविता—

“नीड़ का निर्माण फिर फिर”

अपना घोंसला बनाने, नीड़ का निर्माण करने की बात
खास तौर से उर्दू से ही आई है. चमन, आशियाँ, आशियाँ
पर बिजली गिरना आदि प्रतीक ठीक उर्दू के हैं. फिर से
धुनिये—

“नीड़ का निर्माण फिर फिर”

ہندی اُردو کاوی کی سمائتائیں

اِس پدیده کو پڑھکر اُترے ہوئے نقشے کے متحاورے کا استعمال
ظفر کی اُس مشہور غزل کی یاد دلانا ہے—

”نہ کسی چشم کا نور ہوں،
نہ کسی کے دل کا قرار ہوں.”

جس کا ایک مصرعہ ہے—

”جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں،
جو اُتر گیا وہ خسار ہوں.”

چپایا واد کے بعد ہندی میں جو اُنہی دھاراؤں چلیں،
جیسے ماگھن لال چٹروادی، بیکوئی چرن ورما، شری کرشن پربھی،
نوبین دھاراؤں، اُن میں اُردو کی ویشیشتا لئے بیاہوں کی پرچورنا
معلوم پڑتی ہے. ساقی، پیالہ، شمع، پتنگ آدی پرتیک تو اب
تک چلے آ رہے ہیں. ‘بچن’ کی ‘مدھو شالا’ تو پرسدھ
ہی ہے. عمر خیام کے پربھاؤ سے ہندی میں نہ معلوم کتنے ہی اُردو
فارسے کے رومنٹک بیاہوں کو اُسرا ملا ہے. اِس طرح ہندی اُردو
کے بیاہوں کی برابر ہی کے انکسنت اُداغون دئے جا سکتے ہیں.

مہادیوی ورما کی یہ اُکٹی لیجئے—

ایک جوالا کے بنا میں راگ کا گر ہوں.

اور اِس کی تولنا کیجئے—

اگ نہ ابتدائے عشق میں ہم،
اب جو ہے خاک انتہا یہ ہے.

اور دنکر کی یہ اُکٹی لیجئے—

جب گیتکار مر گیا چاند رونے آیا،
چاندنی مجھے لگی کن بن جائے کو.

چاندنی کے کن بن جانے کی بات ٹھیک اُردو میں بھی اُسی
طرح کہی گئی ہے. سائے اُستاد ذوق کا ایک شعر ہے—

اُسرردہ دل کے واسطے کیا چاندنی کا لطاف،
لہذا بڑا ہے جس طرح مردہ کفن کے ساتھ.

اور بچن نے تو اپنی پرپرنا اُردو کے مینخانے سے ہی لی ہے.
اُن کا ایک واکبہ لیجئے—

بچن نفیری اور نمازی بیول گیا املت تعالیٰ
اور اُس کی تولنا کیجئے اِس شعر سے اور دیکھئے کون سا

زبان بلند ہے—

نماز کیسی کہاں کا روز،
ابھی تو شعل شراب میں ہوں.

خدا کی یاد آئے کس طرح سے،
ہتوں کے تھر حباب میں ہوں.

یا یہ لیجئے بچن کی ایک کویتا—

”نیز کا نرمائے پھر پھر“

اپنا گھونسلہ بنانے، نیز کا نرمائے کرنے کی بات خاص طور
سے اُردو سے ہی آئی ہے. چمن، آشیان، آشیان پر بچلی گرنا آدی

پرتیک ٹھیک اُردو کے ہیں. پھر سے سنبھلئے—

”نیز کا نرمائے پھر پھر“

गालिब ने इसी भाव को मीठा घुमाव दे कर एक जीवन व्याख्या कर दी है.

इशारते क़तरा है दरिया में क़ना हो जाना,
दर्द का हृद से गुज़रना है दवा हो जाना.

इस जीवन व्याख्या के कारन ही ग़ालिब का यह शेर बहुत ही ऊँचे दर्जे का है.

गोस्वामी तुलसीदास की एक उक्ति है—

जित देखूँ तित तोय,
कंकर पथर ठीकरी, भई आरसी मोय.

अर्थात् परब्रह्म की व्यक्त सत्ता में उसकी अव्यक्त सत्ता का सौर्व्य प्रकट हो रहा है. इसी बात को एक उर्दू कवि इस तरह कहता है—

निगाह मेरी हकीकत आशाना मालूम होती है,
नज़र जिस शी पे पड़ती है खुदा मालूम होती है.

हिन्दी के पुराने प्रतीक उर्दू शायरों ने, और आजकल के हिन्दी कवियों ने उर्दू की कहन को बे रोक टोक अपना लिया है.

यह तो केवल भाव परम्परा की बात हुई. मध्य कालीन हिन्दी काव्य में चंद बरदायी से लेकर आगे तक फ़ारसी अरबी शब्द आये हैं. किसी में कम, तो किसी में ज्यादा. जहां काव्य अधिक शुद्ध धार्मिक धरातल पर रहा, फ़ारसी अरबी के शब्दों का प्रयोग कम हुआ, जहां यह धार्मिक धरातल पिछड़ गया वहां फ़ारसी अरबी का बेरोक टोक प्रयोग होने लगा. गोस्वामी तुलसीदास ने खुद अपनी कविता-वली के सुन्दर कांड में फ़ारसी शब्दों का बखूबी इस्तेमाल किया है. यह इस बात का सूचक है कि आम बोलचाल की भाषा में उन दिनों फ़ारसी अरबी शब्दों का बहुतायत से उपयोग होता था. मुसलमान राजाओं के समय में ऐसा होना स्वाभाविक भी है, कबीर से लगा कर भारतेन्दु हरिश्चंद्र तक ऐसी अनेक नफ़्त गिनाई जा सकती हैं जिनमें हिन्दी के मशहूर कवियों ने उर्दू शब्दों को बहुत नकासत और सलीके के साथ इस्तेमाल किया है.

आजकल की कविता के क्षेत्र में हम पर उर्दू का जबरदस्त असर हुआ है. छायावाद के पूर्वकाल में अयोध्यासिंह उपाध्याय के चाखे चौपदे इस बात की मिसाल हैं. हिन्दी साहित्य के विद्यार्थियों को यह मालूम है कि 'प्रसाद' जी का छायावादी काव्य "आसू" अनेक स्थलों पर उर्दू के प्रतीकों और भावों को लेकर चला है—

मादकता से आये तुम
संज्ञा से चले गये थे
हम व्याकुल पड़े बिलखते थे
उतरे हुये नशे से

غالب نے اسی بھاؤ کو میٹھا گھاؤ دیکر ایک جیون ویاکھیا کر دی ہے .

عشرت قطره ہے دریا میں نڈا ہو جانا،
درد کا حد سے گزرتا ہے دریا ہو جانا .

اس جیون کی ویاکھیا کے کارن ہی غالب کا یہ شعر بہت ہی اونچے درجہ کا ہے .

گوسوامی تلسی داس کی ایک اُگتی ہے—

جنت دیکھوں نت تونے،
کنکر پتھر تھیکری، بیٹی آرسی موئے.

ارتھات پرہرم کی ویکت ستا میں اُس کی اربکت ستا کا سوئدریہ پرکت ہو رہا ہے . اسی بات کو ایک اُردو کوی اِس طرح کہتا ہے—

نکبہ میروی حقیقت آشنا معلوم ہوتی ہے،
نظر جس شے پہ پڑتی ہے خدا معلوم ہوتی ہے.

ہندی کے پڑائے پرتیک اُردو شاعروں نے، اور آجکل کے ہندی کویوں نے اُردو کی کہن کو بے روک ٹوک اپنا لیا ہے .

وہ تو کیول بھاؤ پر مہرا کی بات ہوئی . مدھیہ کالین ہندی کاویہ میں چند ہر دانی سے لے کر آگے تک فارسی عربی شبد آئے ہیں . کسی میں کم، تو کسی میں زیادہ . جہاں کاویہ ادھک شدہ دھارمک دھرائل پر رہا، فارسی عربی کے شبدوں کا پریوگ کم ہوا، جہاں یہ دھارمک دھرائل پیچیز گیا وہاں فارسی عربی بے روک ٹوک پریوگ ہونے لگا . گو سوامی تلسی داس نے خود اپنی کویتوالی کے سندر کابت میں فارسی شبدوں کا بخوبی استعمال کیا ہے . یہ اِس بات کا سوچک ہے کہ عام بول چال کی بھاشا میں اُن دنوں فارسی عربی شبدوں کا بھونایت سے اُپیوگ ہوتا تھا . مسلمان راجاؤں کے سہ میں ایسا ہونا سراپاؤک بھی ہے کبیر سے لگا کر بھارتیندو ہریشچند تک ایسی انیک نظام گنائی جا سکتی ہیں جن میں ہندی کے مشہور اویوں نے اُردو شبدوں کو بہت نغاست اور سلیقے کے ساتھ استعمال کیا ہے .

آجکل کی کویتا کے چھیتڑ میں ہم پر اُردو کا زبردست اثر ہوا ہے. چھایا واد کے پرور کال میں ایدھیا سنگ اُبادھیاٹے کے چوکھے چریدے اِس بات کی مثال ہیں . ہندی سلیقتیہ کے ویدارتھیوں کو یہ معلوم ہے کہ 'پرساد' جی کا چھایا وادی کاویہ "آسُو" انیک استھلوں پر اُردو کے پرتیکوں اور بھاؤں کو لے کر چلا ہے .

مادکنا سے آئے تم
سنگیا سے چلے گئے تھے
ہم ویاکل پڑے بلکھتے تھے
اُترے ہوئے نغہ سے

کے پرمبر حضرت محمد کو جگا رہا ہے کي کٹو نمانا کا بکت آا गया. खयाल रहे कि कुरान शरीक में मुहम्मद साहब को एक जगह काली कमली वाले कहा है. साक है कि ऊपर की उर्दू कविता में हिन्दी की भाव शैली तो है ही, हिन्दी के उपादान भी हैं, इस सिलसिले में 'जागिये गोपाल लाल' वाला पद एकदम याद आ जाता है. हिन्दी के लोक गीतों में काली कमली का चित्र आता है. भगवान कृष्ण को भी काली कमरिया वाले कहा गया है.

जिस तरह उर्दू में हिन्दी उपादान, 'प्रतीक और भाव-शैली' प्रकट हुई है, ठीक उसी तरह हिन्दी में उर्दू का सूक्ति-याना रंग भी निखरा है. यह रंग खास उर्दू रंग का है. मलूकदास जी कहते हैं—

दर्द दिवाने बावरे अलमस्त फकीरा,
एक अक्कीदा लै रहे ऐसे मन धीरा.
प्रेम प्याला पीवते बिसरे सब साथी,
आठ पहर यूँ भूमते ज्यों माता हाथी.

एक मिसाल और लीजिये—

इश्क चमन महबूब का जहाँ न जावे कोय,
जावे सो जीवे नहीं जिये सो बौरा होय.
ऐ तबीब उठ जाव घर अबस छुयेगा हाथ,
चढ़ी इश्क की कैफ यह उतरे सिर के साथ.

इसी तरह उर्दू वालों ने भी हिन्दी के पुराने भावों को बहुत भावुकता पूर्वक अपनाया है. इसके लिये एक ही मिसाल काफी है. गोस्वामी तुलसीदास की कहावत है—

कवहुंक अम्ब अवसर पाए,
मेरिये सुधि ध्याइवी कछु करुण कथा सुनाय.

इसी भाव को उर्दू शायर उस्ताद जौक ने यों बयान किया है—

बो कब सुनने लगे क़ासिद मगर हां यूँ सुना देना,
मिला कर दूसरों की दास्तां में दास्तां मेरी.

चूँकि तुलसीदास राम से आत्म निवेदन करना चाहते हैं, इसलिये उनका तर्जबयान दूसरा ही है. लेकिन भाव, जज्बा एक ही है और उस जज्बे के इच्छाएँ के लिये दूसरों के दास्तान के इस्तेमाल की तरकीब भी बिल्कुल एक है. मतलब यह है कि एक चीज है जिसे हम भाव परम्परा कह सकते हैं. इसी भाव परम्परा के साथ कहने का ढंग भी जुड़ा हुआ है. हिन्दी उर्दू की अभ्यंतर बराबरी की जड़ निश्चय ही वह सर्वमान्य भाव परम्परा है जो मध्यकाल की हिन्दी उर्दू की जड़ है.

सिंधु में बिंदु के समा जाने, जीव के परमात्म तत्व में लीन हो जाने वाली भाव परम्परा से जो परिचित हैं, उनके लिये यह काव्य संक्ति नई नहीं है—

“इशरते क़तरा है दरिया में फना हो जाना”

کے پرمبر حضرت محمد کو جگا رہا ہے کہ اُٹھو نماز کا وقت آگیا . خيال رہے کہ قرآن شریف میں محمد صاحب کو ایک جگہ کالی کملی والے کہا ہے. صاف ہے کہ اوپر کی اردو کوبتا میں ہندی کی بیوقوفی تو ہے ہی، ہندی کے اُپا دان بھی ہیں۔ اس سلسلے میں 'جاگئے گپال لال' والا پد ایکدم یاد آجاتا ہے۔ ہندی کے لوک گیتوں میں کالی کملی کا ذکر آتا ہے۔ بھوان کرشن کو بھی کالی کمربا والے کہا گیا ہے۔

جس طرح اردو میں ہندی اُپادان، 'پریتک اور بیوقوفی پرکٹ ہوئی ہے، قہیک اُسی طرح ہندی میں اردو کا صوفیانہ رنگ بھی نکھرا ہے۔ یہ رنگ خاص اردو رنگ کا ہے۔ ملوک داس جی کہتے ہیں—

درد دیوانے باورے المست فقیرا،
ایک عقیدے لے رہے ایسے من دھیرا.
پرہم پیدائے پیوتے بسرے سب ساتھی،
اٹھ پھر یوں چھوٹے چھوٹے مانا غائبی.

ایک مثال اور لیجئے—

عشق چمن معبود کا جہاں نہ جاوے کوئے،
جاوے سو جاوے نہیں جیتے سو بورا ہوئے.
اے طیب اٹھ جاؤ گھر عبث چھوٹا گاہ،
چڑھی عشق کی کیف یہ اُترے سرکے ساتھ.

اُسی طرح اردو واؤں نے بھی ہندی کے پرانے بیوقوف بہت بھارتنا پرورک اپنایا ہے۔ اس کے لئے ایک ہی مثال کافی ہے۔ گوسوامی تلسی داس کی ایک کہاوت ہے—

کہونک امب اوسر پائے،
مڑوئے سدی دھیانوی کچھ کن کٹھا سائے.

اُسی بیوقوف اردو شاعر اُستاد ذوق نے یوں بیان کیا ہے—

وہ کب سننے لگے قاصد مگر ہاں یوں سنا دینا،
ملا کر دوسروں کی داستان میں داستان میری.

چونکہ تلسی داس رام سے آتم نیویدن کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کا طرز بیان دوسرا ہی ہے. لیکن بیوقوف جذبہ ایک ہی ہے اور اس جذبے کے اظہار کے لئے دوسروں کے داستان کے استعمال کی ترکیب بھی بالکل ایک ہے. مطلب یہ ہے کہ ایک چیز ہے جسے ہم بیوقوف پرہمرا کہہ سکتے ہیں. اُسی بیوقوف پرہمرا کے ساتھ کہنے کا قہنگ بھی جڑا ہوا ہے. ہندی اردو کی اُپہمتر بھارتی کی چیز نشی ہے وہ سرمانیہ بیوقوف پرہمرا ہے جو مدھیہ کال کی ہندی اردو کی چیز ہے.

سندھو میں ہندو کے سما جانے، جیو کے پرمانم تتو میں لین ہوجانے والی بیوقوف پرہمرا سے جو پرہجت ہوں، ان کے لئے یہ کاویہ پکتی لنی نہیں ہے—

“عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا”

بیچارہ دھارائیں بھی آپس میں ملی جلیں اور ایک رنگ ہو گئیں۔ کبیر کی یہ لائنیں کون نہیں جانتا—

ہمن ہن عشق مستانہ
ہمن کو ہوشیاری کیا
رہ آزاد یا جگ مہن
ہمن دنیا سے باری کیا
کبیرا عشق کا ماتا
دوئی کو دور کر دل سے
جو چلنا راہ لازم ہے
ہمن سر بوجہ بھاری کیا

کبیر کی اس آگے سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ کبیر بولی کی ایک شیلی اردو کا وکس آگے چل کر اسی تہذیب پر ہوئے والا تھا۔

ہندی میں پریم گائتھیں مشہور ہی ہیں۔ ملک محمد چائسی کی پدماوت اس کے لئے سب سے اد تک مشہور ہے۔ اس شیلی کی پریم کہانیاں مسلمانوں دورا بھی لکھی گئی ہیں۔ ان بھاک اور آداز مسلمانوں نے ہندو جیوں کے ساتھ اپنی سہانہ بھوتی ظہر کی اور فارسی کی مثنوی شیلی کو بھارتیہ درشتی سے سجا کر جلتا کی زبان میں پریم کی پیر کا وزن کیا۔ مزید بات یہ ہے کہ ان کہانیوں کی ہست لہیاں مسلمانوں کے ہی گہروں میں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مدھیہ کال میں صوفی مت، بھکتی سموائے، یوگ اور نانترک مت سدھانت ایک دوسرے میں گہل مل گئے تھے۔ گردھر کی آپسکا میرا عشق کا پھالہ پیتی تھی اور حال آتے آتے پرسدھ ہو کر ناچ اُتھتی تھی، تو ادھر آپسی پریم کی پیر کے ساتھ ہی، یوگیوں کے انوسار سر پرکوت لہنے کی بات بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے ملی جلی وچار دھارا، بڑا دھارا اور کاویہ آپادان کا وستار اور پرچار ہوتا تھا۔ یہی وہ بھومی ہے جس کے سب پرالے زمانے سے ہندی کے بڑا وچار اور اردو میں ہندی کے بڑا وچار اور شیلیاں معلوم ہوتی رہیں جسے—

اٹھ میرے کالی کملی والے،
رات چلی ہے جوغین بن کر،
اوس سے اپنے منہ کو دھو کر،
لٹ چھٹکاے بال سنبھالے۔

اٹھ میرے کالی—
رو کے ہمارا نام جو لے گا،
نالہ دل سے کام جو لے گا،
دھٹ پڑے گا اشراف سے تارے۔
اٹھ میرے کالی—

اردو کی یہ ایک مشہور کہیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا پچھلا پیر ہے اور اُس وقت ایشور اسلام

ہندی میں پریم گائتھیں مشہور ہی ہیں۔ ملک محمد چائسی کی پدماوت اس کے لئے سب سے اد تک مشہور ہے۔ اس شیلی کی پریم کہانیاں مسلمانوں دورا بھی لکھی گئی ہیں۔ ان بھاک اور آداز مسلمانوں نے ہندو جیوں کے ساتھ اپنی سہانہ بھوتی ظہر کی اور فارسی کی مثنوی شیلی کو بھارتیہ درشتی سے سجا کر جلتا کی زبان میں پریم کی پیر کا وزن کیا۔ مزید بات یہ ہے کہ ان کہانیوں کی ہست لہیاں مسلمانوں کے ہی گہروں میں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مدھیہ کال میں صوفی مت، بھکتی سموائے، یوگ اور نانترک مت سدھانت ایک دوسرے میں گہل مل گئے تھے۔ گردھر کی آپسکا میرا عشق کا پھالہ پیتی تھی اور حال آتے آتے پرسدھ ہو کر ناچ اُتھتی تھی، تو ادھر آپسی پریم کی پیر کے ساتھ ہی، یوگیوں کے انوسار سر پرکوت لہنے کی بات بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے ملی جلی وچار دھارا، بڑا دھارا اور کاویہ آپادان کا وستار اور پرچار ہوتا تھا۔ یہی وہ بھومی ہے جس کے سب پرالے زمانے سے ہندی کے بڑا وچار اور اردو میں ہندی کے بڑا وچار اور شیلیاں معلوم ہوتی رہیں جسے—

اٹھ میرے کالی کملی والے،
رات چلی ہے جوغین بن کر،
اوس سے اپنے منہ کو دھو کر،
لٹ چھٹکاے بال سنبھالے۔
اٹھ میرے کالی—
رو کے ہمارا نام جو لے گا،
نالہ دل سے کام جو لے گا،
دھٹ پڑے گا اشراف سے تارے۔
اٹھ میرے کالی—

اردو کی یہ ایک مشہور کہیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا پچھلا پیر ہے اور اُس وقت ایشور اسلام

ہندی میں پریم گائتھیں مشہور ہی ہیں۔ ملک محمد چائسی کی پدماوت اس کے لئے سب سے اد تک مشہور ہے۔ اس شیلی کی پریم کہانیاں مسلمانوں دورا بھی لکھی گئی ہیں۔ ان بھاک اور آداز مسلمانوں نے ہندو جیوں کے ساتھ اپنی سہانہ بھوتی ظہر کی اور فارسی کی مثنوی شیلی کو بھارتیہ درشتی سے سجا کر جلتا کی زبان میں پریم کی پیر کا وزن کیا۔ مزید بات یہ ہے کہ ان کہانیوں کی ہست لہیاں مسلمانوں کے ہی گہروں میں پائی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ مدھیہ کال میں صوفی مت، بھکتی سموائے، یوگ اور نانترک مت سدھانت ایک دوسرے میں گہل مل گئے تھے۔ گردھر کی آپسکا میرا عشق کا پھالہ پیتی تھی اور حال آتے آتے پرسدھ ہو کر ناچ اُتھتی تھی، تو ادھر آپسی پریم کی پیر کے ساتھ ہی، یوگیوں کے انوسار سر پرکوت لہنے کی بات بھی کرتے تھے۔ اس وجہ سے ملی جلی وچار دھارا، بڑا دھارا اور کاویہ آپادان کا وستار اور پرچار ہوتا تھا۔ یہی وہ بھومی ہے جس کے سب پرالے زمانے سے ہندی کے بڑا وچار اور اردو میں ہندی کے بڑا وچار اور شیلیاں معلوم ہوتی رہیں جسے—

اٹھ میرے کالی کملی والے،
رات چلی ہے جوغین بن کر،
اوس سے اپنے منہ کو دھو کر،
لٹ چھٹکاے بال سنبھالے۔
اٹھ میرے کالی—
رو کے ہمارا نام جو لے گا،
نالہ دل سے کام جو لے گا،
دھٹ پڑے گا اشراف سے تارے۔
اٹھ میرے کالی—

اردو کی یہ ایک مشہور کہیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رات کا پچھلا پیر ہے اور اُس وقت ایشور اسلام

ہندی اردو کاویہ کی سمانتائیں

(سوامی کُرنانند سوختا)

ہندی اور اردو کا رشتہ دو بہنوں کا سا ہے، جو
آلگ آلگ گھر پر بٹھائی گئی ہیں۔ چونکہ وہ بہنیں ہیں، اس لئے ان کے
روپ گن سمان ہیں، سوائے اس کے کہ جس گھر وہ بٹھائی گئی
ہیں، اُس کا اثر اُن پر پڑا ہے۔ ہم نے ساجاک سنوار کر بھاشا کو
ہندی بنایا، دوسروں نے باہر سے لائی ہوئی سجاوٹ کی چیزوں
سے سجا کر اُسی بھاشا کو اردو کا نام دے دیا۔ ناموں کے اِس
بہید کے باوجود سانچے تقابلی کے شدہ سودیشیہ بن کر چوت
نہ پہنچے، اِس احتیاط کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اردو کے مشہور
شاعر اُستاد داغ نے زبان کی ویاکھیا کرتے ہوئے غزل کہی ہے—

اب دل ہے مقام دیکسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
اُنٹی ہی تو بس کسر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا
کہتے ہیں اُسے زبان اُردو
جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا

اِس بڑے نام بہید کے ہوتے ہوئے بھی بناوٹ، ادائیگی اور زور کے
لحاظ سے اردو ہندی کی نہ منفی والی سمانتا یعنی برابری اور
ایک سے دوسرے کی ادھک و ستار یا تفصیل سے بتانے کی اُشیکتا
نہیں۔

درشتی کی ویاکھتا (نظار کی سمعت) شاعر یا کوئی کے
سربھاؤ کا ایک گن ہے۔ ایک زبان کے شاعر نے دوسری زبان کے
شاعر کی خوبیوں (وشرائیں) کی جیتوم جیتوم کر داد دی ہے۔
جس بولی سے اُسے واسطہ پڑا اُس نے لفظوں کی مامعیت یا
اصابت کو جان کر اُن لفظوں کے استعمال سے اُس نے اپنی
رچناؤں کو رچا۔ ہندوستان کے سانسکرٹک اُنہاس میں اِس
وچاردار کا اُٹل سب سے پہلے ملک متحدہ چائسی نے کیا تھا—

ترکی، عربی، ہندی، بھاشا جیتیں آئیں
جا میں مارگ پریم کا؛ سب سے سرفہمیں تھیں

اردو بھاشا اور سافیتہ کے گلاس کا اُنہاس لکھنے والے ودوان
امیر خسرو، کبیر، رحیم خاندان، نلسی داس، بہاری وغیرہ
سبکی گنتی اردو کے آئے آنے والے خاکے کی بنیاد رکھنے والوں
میں کرتے ہیں۔ اور یہ سوانہاوک بھی ہے۔ ہمارے اُنہاس کے
بیچ کے زمانے میں ہندی اور مسلمانوں کا جو سملن ہوا اُس کے
نتیجے میں ہمارے یہاں صوفی مت، بگ، بھکتی وغیرہ دھارمک

تورکی، اُترہی، ہندوی، بھاشا جیوا آہا
جامے مارگ پریم کا؛ سب سے سرفہمیں تھیں

اردو بھاشا اور ساہتیہ کے ویکاس کا اِتیہاس لیکنے
والے ویدان اُمری، خسرو، کبیر، رھیم خانانان،
تولسیداس، بھاری واریا سبکی گینتی اردو کے آگے آنے
والے خاکے کی بونیاد رکھنے والوں میں کرتے ہیں، اور یہ
سوانہاوک بھی ہے۔ ہمارے اِتیہاس کے ویکاس کے زمانے میں
ہندی اور مسلمانوں کا جو سملن ہوا اُس کے
نتیجے میں ہمارے یہاں صوفی مت، بگ، بھکتی وغیرہ دھارمک

اس لیے میرے نزدیک تو زندگی بسر کرنے کا بہترین سلیقہ صرف اُسے حاصل ہے جو اس دنیا میں عقلی زندگی بسر کرتا ہے۔ جو دوسروں کو اور اپنے کو تکلیف پہنچائے بغیر اس زندگی کو تمام ذہنی و جسمانی لذتوں سے اس طرح لطف اُٹھاتا ہے جیسے بھٹکے ہوئے کپڑے کو سختی سے تچڑ دیا جاتا ہے۔ ایسا آدمی دوسروں کے بھی کام آتا ہے اور اپنے کام بھی آتا ہے۔ دوسروں کو بھی جہاں تک ممکن ہو سکے خوش رکھتا ہے۔ سوسائٹی کو بھی اُگے بڑھاتا ہے اور خود بھی اُگے بڑھتا ہے۔ خود بھی جیتا ہے اور دوسروں کو بھی جیتنے میں سہارا دیتا ہے۔ اور اُس کے ساتھ ساتھ نہ خدا سے ڈرتا ہے اور نہ بندے سے، بلکہ اُس کے نزدیک جو چہز عقل درست ہوتی ہے، تنکے کی چوٹ اُس کا اعلان کرنا ہے اور پرواہ نہیں کرنا کہ دنیا اُس کی دشمن ہو جائیگی۔ بیشک ایسا انسان اُس زمین کی ایسی دولت ہے کہ اُس کے قدموں کی خاک پر آسمان کے ستاروں کو بھی نیچا کر کیا جاسکتا ہے، اور اُس کے وجود کے دروازے پر چند سورج روشنی کی بھیک مانگنے جاسکتے ہیں۔

لگے ہاتھوں کچھ اپنے متعلق بھی کہوں! یہ صحیح ہے کہ میں بھٹک کر جلد راہ راست پر آجاتا یا جلد آجاتا یا جلد آجاتا کی کوشش ضرور کرتا ہوں، لیکن تجربہ و عقل کے باوجود اب بھی بار بار بھٹک جاتا ہوں۔

کہوں کہ میں اُس قبیلے کے حق میں جس میں کہ میں ایک فرد ہوں شاید یہ بار بار بھٹک جاتا ہی مناسب و مفید ہو! دے معلوم ہے کہ جب ہم بھٹک جاتے ہیں، اُس وقت راہ راست پر ہوتے ہیں یا جس وقت ہم راہ راست پر ہوتے ہیں اُس وقت بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ہم لوگوں پر بڑے انوس یا بڑی خوشی کے ساتھ یہ چسپاں کیا جاسکتا ہے—

اب یہی اک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

اب بھی ایک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

اب بھی ایک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

اب بھی ایک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

اب بھی ایک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

اب بھی ایک عمر پہ جینے کا نہ انداز آیا
زندگی چھوڑ دے پیچھا میرا، میں باز آیا

ایک طبقہ ہے انتہائی . یہ طبقہ ماضی (بہوت) سے مکمل طور پر منہ پھیر کر سوسائٹی کو مستقبل (بیوشیہ) کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ایک طبقہ ہے فلسفیوں اور سائنسدانوں کا۔ یہ طبقہ ہر شے کو فلسفے اور سائنس کی عینک سے دیکھتا ہے اور عقلی زندگی بسر کرنے کا شوق کرتا ہے۔

اس طبقہ کے نزدیک خدا ایک فرضی چیز ہے۔ اخلاق صرف ایک عزائی اور عہد بدلتی ہوئی سوسائٹی کے ساتھ بدلتا اور نیکی بدی کے جدید تصورات (ادھونک مائیتاتیں) پیدا کرتا ہے۔ اس طبقہ کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ انسان ایک مکمل عقلی زندگی بسر کر کے ایسی دماغی کیفیت پیدا کر لے جو جسمانی صحت، قلبی راحت اور ذہنی آسودگی (آرام) کے سازو سامان پیدا کر دے۔

مختصر یہ کہ علت زندگی (زندگی کا لکش) مقصد زندگی اور سلیقہ زندگی کا منہ اس قدر حیرت ناک طور پر پیچیدہ اور اس قدر بے انت پہلاؤں رکھتا ہے کہ انسان جو اپنی تک طالی مکتب سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں کر سکتا ہے، سردست زندگی کی کوئی مکمل شریعت پیش کرنے سے قطعی معذور (اسپاہے) ہے۔

لیکن یہ بی بی کوئی علانہ بات نہ ہوگی کہ اپنی اس مجبوری کے سامنے ہم غایتی پازوں ڈھیلے کردیں اور خاموش ہوکر بیٹھ جائیں۔

بہر حال مذاہب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی اور ذہنی طور پر ندرست اور توی (مضبوط) رہے۔ جسمانی صحت کو برقرار بنانے کے جو اصول ہیں ان سے غور کرنا لکھا آدمی واقف ہے۔ لیکن ذہنی ندرستی کے اصول اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگوں کو بھی معلوم نہیں ہیں۔

فائدہ خیالات: نسلی، مذہبی اور قومی تعصبات اور اس کے ساتھ ہی خوف، غم اور نفرت انسان کے ذہن کو بیمار کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہر صاحب نظر کا فرض ہے کہ وہ تونڈے دل سے اپنے باتن کا جائز دلے اور دیکھے کہ ان امراض میں سے کوئی مرض اس کے ذہن کو دبائے تو نہیں ہوئے ہیں۔

بیمار جسم آسانی سے درست ہو جاتا ہے لیکن بیمار ذہن کا علاج مشکل ہے اور ذہنی امراض سے صرف وہی لوگ نجات حاصل کر سکتے ہیں جنہیں علم حکمت کی دولت حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا دل اس قدر مسرور ہے کہ وہ اس میں غم داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ مرزا غالب نے کہا ہے:—

غم نہیں ہوتا ہے آوازوں کو بیش از یک نس
ہرق سے کرتے نہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم

جینے کا سلیقہ

(جوش ملیح آبادی)

جیندگی کبھی بھر کی جائے، یہ اُن لوگوں سے نہیں پوچھا جا سکتا جنہیں جینے کے لالہ پڑے ہوں۔ وہ لوگ، فاقوں سے جین کا جسم دہلا اور جہالت سے جن کی عقل مٹی ہو، زندگی بسر کرنے کے سلیقے سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں۔ البتہ یہ مثلاً اُن لوگوں کا ہے جنہیں معاشی فراغت (آرتھک نشیجنتا) اور ذہنی بیداری (مانسک ولس) حاصل ہے۔

انسان دھوپنا، سرکھپنا اور پسینہ بہانا ہے، محض اس لئے کہ زندہ رہنے کے واسطے جن چیزوں کی ضرورت ہے انہیں مہیا کر لے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ ایک لمحے کے واسطے یہی اس بات پر غور نہیں کرتا کہ میں یہ جو کچھ خون پسینہ ایک کر رہا ہوں وہ تو محض اس لئے ہے کہ میں زندہ رہ سکوں۔ لیکن زندہ رہنے کا مقصد کیا ہے، کسی کو خراب میں ہی اس کا خیال نہیں آتا۔

ایک طبقہ زندگی کے باب (بارے میں) اس طرح سوچتا ہے کہ اپنی تمام تمنائوں، تمام خواہشوں، غرضیکہ اپنی تمام ہستی کو، اپنے پیدا کرنے والے کی مرضی کے سپرد کر دینا ہی زندگی کا واحد مقصد ہے۔

لیکن ایک طبقہ ایسا ہے، اور یہ بہت ہی بڑا طبقہ ہے، جو خیال کرتا ہے کہ یہاں میں جائے نیکی بدی اور اچھائی برائی، یاروں کو تو اپنے حلوے ماندے سے کام۔ آپ بیلے نو جگ بھلا، جس طرح اور جس ذریعہ سے بن پڑے کماؤ، نوکری کر کے کماؤ—چوری ڈکیتی کر کے کماؤ—میلین اور کارخانے کھول کر کماؤ، امیر بن کر کماؤ، عورت فروش بن کر کماؤ، بھیکے لے کر کماؤ—پیغمبر بن کر کماؤ—اندر ہر طرح اور ہر طریقہ سے کماؤ، و خوب جی بھر کر پورے خلوص کے ساتھ کماؤ—کمائے کرتے مر جاؤ اور اگر آوا گمن ہو تو پیدا ہو پھر کماؤ، پھر کماؤ۔

یہ طبقہ سمجھتا ہے کہ اس کائنات کی عمر کر دیکھتے ہوئے، جو شاید کروڑوں، اربوں سال سے بھی زائد ہو، ہماری یہ بوند ہر ساٹھ ستر سال کی زندگی بھی کوئی ایسی چیز ہے جس پر نگاہ پڑ سکے۔ اس حقیر، بوج اور لچر واقعوں پر غور کرنا ایک اہمکاتہ و منت کی برابری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے بس کھاؤ پیو، مزے آراؤ اور مر جاؤ۔

इनसे मिलते जुलते सब में अलग अलग सन्यास, यति, मंडलेश, साधू, बैरागी, उदासी, मठाधीश, संत, महन्त, फकीर, दरवेश, औलिया, सज्जादा नशीन, शेख, पीर, मुर्शिदा, तकियादार, मिस्कीन, भिक्षु, स्थानकवासी, अमन, थीर, महाथीर, मांक, नन, बरौरा बरौरा सब धर्मों में होते हैं, जिनकी तादाद बहुत पर जिनमें सच्चे साधू या तपस्वी कोई बिरले ही मिलते हैं।

सबके अपने अपने मठ, अखाड़े, धर्मशाला, बिहार, लामासरी, दरगाह, तकिया, खानकाह वगैरा हैं, जिनमें से अधिकतर का इन्तजाम बहुत ही खराब होता है और बहुत से तो पाप के आड़े होते हैं।

मशहूर जर्मन विद्वान मैक्समूलर ने अपनी किताब Chips from a German Workshop में बड़ी तफ़्सील और सुन्दरता के साथ दिखाया है कि तिब्बत के बौद्ध मठों और योरप के ईसाई रोमन कैथलिक गिरजों में एक एक चीज़ और एक एक रिवाज कितने राज़ब के मिलते जुलते हैं।

सब धर्म वालों ने अपने अपने अनगिनत टुकड़े कर रखे हैं। एक एक की बहुत सी अलग अलग सम्प्रदाएँ हैं। बहुत से पंथ हैं। बहुत से फ़िक्के हैं। हिन्दुओं में इनकी तादाद सैकड़ों है। ईसाइयों में भी सैकड़ों है और इसलाम में कम से कम कोड़ियों। यह बात यूँ तो बड़े दुख की बात है पर इससे एक अच्छी बात का पता चलता है कि लोग अपने धर्म के असली रूप को अपनी सूझ बूझ के अनुसार बदल लेते हैं। इसका मतलब यह है कि वह धर्म के मालिक हैं, धर्म उनका मालिक नहीं। इसका यह भी अच्छा सबूत है कि लोग एक मजहब से दूसरे मजहब में भी चले जाते हैं।

हिन्दू धर्म में एक और खास चीज़ है जो मोटे तौर पर कहा जा सकता है कि दूसरे किसी धर्म में नहीं है। वह है हिन्दुओं की जात पात। पर हिन्दू जात पात का मामला इतना पेचीदा और बड़ा है कि उसके लिये अलग लेख की आवश्यकता है।

इन से मिलते जुलते सब में अलग अलग सन्यास, यति, मंडलेश, साधू, बैरागी, उदासी, मठाधीश, संत, महन्त, फकीर, दरवेश, औलिया, सज्जादा नशीन, शेख, पीर, मुर्शिदा, तकियादार, मिस्कीन, भिक्षु, स्थानकवासी, अमन, थीर, महाथीर, मांक, नन, बरौरा बरौरा सब धर्मों में होते हैं, जिनकी तादाद बहुत पर जिनमें सच्चे साधू या तपस्वी कोई बिरले ही मिलते हैं।

सब के अपने अपने मठ, अखाड़े, धर्मशाला, बिहार, लामासरी, दरगाह, तकिया, खानकाह वगैरा हैं, जिनमें से अधिकतर का इन्तजाम बहुत ही खराब होता है और बहुत से तो पाप के आड़े होते हैं।

मशहूर जर्मन विद्वान मैक्समूलर ने अपनी किताब Chips from a German Workshop में बड़ी तफ़्सील और सुन्दरता के साथ दिखाया है कि तिब्बत के बौद्ध मठों और योरप के ईसाई रोमन कैथलिक गिरजों में एक एक चीज़ और एक एक रिवाज कितने राज़ब के मिलते जुलते हैं।

सब धर्म वालों ने अपने अपने अनगिनत टुकड़े कर रखे हैं। एक एक की बहुत सी अलग अलग सम्प्रदाएँ हैं। बहुत से पंथ हैं। बहुत से फ़िक्के हैं। हिन्दुओं में इनकी तादाद सैकड़ों है। ईसाइयों में भी सैकड़ों है और इसलाम में कम से कम कोड़ियों। यह बात यूँ तो बड़े दुख की बात है पर इससे एक अच्छी बात का पता चलता है कि लोग अपने धर्म के असली रूप को अपनी सूझ बूझ के अनुसार बदल लेते हैं। इसका मतलब यह है कि वह धर्म के मालिक हैं, धर्म उनका मालिक नहीं। इसका यह भी अच्छा सबूत है कि लोग एक मजहब से दूसरे मजहब में भी चले जाते हैं।

हिन्दू धर्म में एक और खास चीज़ है जो मोटे तौर पर कहा जा सकता है कि दूसरे किसी धर्म में नहीं है। वह है हिन्दुओं की जात पात। पर हिन्दू जात पात का मामला इतना पेचीदा और बड़ा है कि उसके लिये अलग लेख की आवश्यकता है।

جیون اور آدھک دلچسپ اور خوش کرنے والا ہوتا۔ پر اس کی جگہ آجکل آدھکتر ہنہے دےک کر ایک دوسرے سے چڑھ اور نفرت بڑھتی ہے۔ کارن یہ ہے کہ ہمارے دھارمک نیتا جو رھنمائی کرنے کی جگہ لوگوں کو اور گمراہ کرتے ہیں، اپنے لوگوں میں سسج اور پریم کی جگہ نفرتیں اور غصے آدھک پیدا کرتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے لڑگوں کو یہی بتاتے رھتے ہیں کہ جو لوگ ان کی طر چوٹی نہیں رھتے، ڈاڑھی رھتے ہیں، یا ڈاڑھی نہیں رھتے، چوٹی رھتے ہیں، یا دوسری طرح کے کھڑے پھٹتے ہیں، یا دوسری چیزیں کھاتے پیتے ہیں، یا دوسری بولی بولتے ہیں، یا کسی دوسری بولی میں دعا، پڑھنا کرتے ہیں، وہ سب غیر ہیں جن سے بچنا چاہئے، بلکہ دشمن ہیں جنہیں دباننا چاہئے۔

سب مذہبوں والے اپنی پوجا کے استھانوں کو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں۔ ان ناموں کا آرتھ اکثر ایک سا ہوتا ہے۔ گرجا کو 'خدا کا گھر' بھی کہتے ہیں۔ مندر کو 'دیوالئے' بھی کہتے ہیں۔ اُس کے بھی وہی معنی ہیں۔ مسجد کو 'بیت اللہ' کہتے ہیں۔ اُس کے معنی بھی خدا کا گھر ہے۔ گرجا، مسجد یا مندر بنانے میں سب اونچی اونچی آسان کو چھوئے کی کوشش کرتے والی شکر، گلش، گوبڑ، مغلار، گمبد، دہم، استقبیل وغیرہ بناتے ہیں۔ لوگوں کو پوجا عبادت کے لئے بٹانے کے سب کے کوئی نہ کوئی تھنگ ہیں۔ کوئی آزان دیتے ہیں، کوئی گھنٹا بجاتے ہیں، کوئی گھڑیاں۔ مرے ہوؤں کا کوئی شراہ کرتے ہیں، کوئی نانکھ پڑھتے ہیں، کوئی دعائیں پڑھتے ہیں۔ مڑنے کے بعد کوئی بیج کھاتے ہیں، کوئی کندیری اور کوئی اور اور طرح کی دعائیں دیتے ہیں۔ سب کے کوئی نہ کوئی دھارمک گرو ہوتے ہیں۔ ہندو گرو کے ششیہ ہوتے ہیں، مسلمان پیر کے مرید کہلاتے ہیں، اور عیسائی سینٹ کے تسائیل ہوتے ہیں۔ کوئی آسن پر بیٹھتا ہے، کوئی سجادہ پر۔ کوئی گھنٹے ٹیک کر نماز پڑھتا ہے، کوئی پلوٹھی مار کر ساندھیا کرتا ہے۔ کوئی سائٹانگ دندوت کرتا ہے، کوئی بڑکوما یا طوائف کرتا ہے۔ کوئی پوجا کرنے میں شریو کے الگ الگ بھاگوں کو بار بار ہاتھ لگانا ہے اور الگ الگ ملتر پڑھنا جانا ہے۔ کوئی گھنٹوں کے بل ہڑا ہوجاتا ہے، کوئی اپنی آڑیوں کے بل گھومتا ہے—تھنگ الگ الگ، مطلب سب کا ایک۔

ہندوؤں میں پنڈے، پروفٹ، پجاری، پاچک، دھرمادیکاری اور آچاریہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں مؤزن، مچارو، متولی، ملا، مفتی، عالم، مجتہد، امام اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ پارسیوں میں دستور اور موبد ہوتے ہیں۔ یہودیوں میں اسکرانس، نفربسی اور ربی ہوتے ہیں۔ بودھوں میں پھنکی، لہ، بونز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کے درجنوں نام عیسائیوں میں ہیں وغیرہ وغیرہ

سب مذہبوں والے اپنی پوجا کے استھانوں کو الگ الگ ناموں سے پکارتے ہیں۔ ان ناموں کا آرتھ اکثر ایک سا ہوتا ہے۔ گرجا کو 'خدا کا گھر' بھی کہتے ہیں۔ مندر کو 'دیوالئے' بھی کہتے ہیں۔ اُس کے بھی وہی معنی ہیں۔ مسجد کو 'بیت اللہ' کہتے ہیں۔ اُس کے معنی بھی خدا کا گھر ہے۔ گرجا، مسجد یا مندر بنانے میں سب اونچی اونچی آسان کو چھوئے کی کوشش کرتے والی شکر، گلش، گوبڑ، مغلار، گمبد، دہم، استقبیل وغیرہ بناتے ہیں۔ لوگوں کو پوجا عبادت کے لئے بٹانے کے سب کے کوئی نہ کوئی تھنگ ہیں۔ کوئی آزان دیتے ہیں، کوئی گھنٹا بجاتے ہیں، کوئی گھڑیاں۔ مرے ہوؤں کا کوئی شراہ کرتے ہیں، کوئی نانکھ پڑھتے ہیں، کوئی دعائیں پڑھتے ہیں۔ مڑنے کے بعد کوئی بیج کھاتے ہیں، کوئی کندیری اور کوئی اور اور طرح کی دعائیں دیتے ہیں۔ سب کے کوئی نہ کوئی دھارمک گرو ہوتے ہیں۔ ہندو گرو کے ششیہ ہوتے ہیں، مسلمان پیر کے مرید کہلاتے ہیں، اور عیسائی سینٹ کے تسائیل ہوتے ہیں۔ کوئی آسن پر بیٹھتا ہے، کوئی سجادہ پر۔ کوئی گھنٹے ٹیک کر نماز پڑھتا ہے، کوئی پلوٹھی مار کر ساندھیا کرتا ہے۔ کوئی سائٹانگ دندوت کرتا ہے، کوئی بڑکوما یا طوائف کرتا ہے۔ کوئی پوجا کرنے میں شریو کے الگ الگ بھاگوں کو بار بار ہاتھ لگانا ہے اور الگ الگ ملتر پڑھنا جانا ہے۔ کوئی گھنٹوں کے بل ہڑا ہوجاتا ہے، کوئی اپنی آڑیوں کے بل گھومتا ہے—تھنگ الگ الگ، مطلب سب کا ایک۔

ہندوؤں میں پنڈے، پروفٹ، پجاری، پاچک، دھرمادیکاری اور آچاریہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں میں مؤزن، مچارو، متولی، ملا، مفتی، عالم، مجتہد، امام اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ پارسیوں میں دستور اور موبد ہوتے ہیں۔ یہودیوں میں اسکرانس، نفربسی اور ربی ہوتے ہیں۔ بودھوں میں پھنکی، لہ، بونز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کے درجنوں نام عیسائیوں میں ہیں وغیرہ وغیرہ

رُھ یانی آتما کی درجے بدرجے तरक्की کے لیے ہندو 'योग' اور سکی 'سلوک' دونوں میں ہر طرح کے گوشہ سے پرہیز ضروری بتایا گیا ہے۔ حضرت علی جو سب سے پہلے صوفی مانے جاتے ہیں کہا کرتے تھے کہ:— "اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں مت بنادو۔"

آدمی کی کُدرتی رُھاہیوں اور کمچوریوں کو جہاں ایک طرف کلاہ میں کرنا ضروری ہے وہاں کبھی کبھی اور ایک درجہ تک انہیں کُلیے موقع دینا بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ اسی لئے سب دھرموں میں کسی نہ کسی روپ میں جانوروں کی بلی اور قربانی جیسی چیزیں رکھی گئی ہیں یہ چیزیں سب دھرموں میں ایسی ہی ہیں جیسی ہر آدمی کے شریر کے اندر اور سندر سے سندر آدمی کے اندر ملنے سے پوری ہونی انتہا پر ہوتی ہیں۔ کیوں تیسائیوں، بدھوں اور جینیوں میں قربانی کا رواج نہیں ہے۔ ہر مذہب نے ان چیزوں پر روک تھام بھی لگائی ہے اور روک تھام کے راستے بناے ہیں۔

یہاں میں لکھا ہے:—

"لوگوں میں ستری پوشی کا ایک دوسرے کی طرف چمکاو اور گوشت اور شراب کی اچھا ہوتی ہی ہے۔ اُسے جگانے کی اوشیکتا نہیں پڑتی۔ ان چیزوں پر روک تھام رکھنے کے لئے شادی کا رواج اور ریکوں کا رواج ڈالا گیا ہے۔ ان سے بچے رہنا بہت زیادہ اچھا ہے۔"

انجیل میں لکھا ہے:—

"جو لوگ اپنے کو روک نہیں سکتے انہیں چاہئے کہ شادی کرلیں۔ کیونکہ اندر اندر جلتے رہنے سے شادی کر لینا زیادہ اچھا ہے۔"

ہر دھرم کے ماننے والے کسی نہ کسی طرح کا اپنا باہری نشان بھی رکھتے ہیں۔ کاندی سر پر پیچھے کی طرف چوٹی رکھتے ہیں۔ کوئی دانتی رکھتے ہیں۔ کوئی سب بال بڑھاتے ہیں اور کوئی کچھ بھائیوں کی طرح حص طرح سرمندواتے ہیں۔ کوئی بالیں کندھے کے اوپر سے جھپو ڈالتے ہیں اور ماتھے پر طرح طرح کے ناک گاتے ہیں۔ کوئی کمر کے چاروں طرف زنجار باندھتے ہیں۔ کوئی قرپوں پر ٹال اور ستارے لگاتے ہیں اور کوئی اپنی گردنوں میں کڑیاں لٹکاتے ہیں۔ انگ بیگ سب چتر منتر یا گنتے نمونہ جیسی چیزوں میں بھی وشولس رکھتے ہیں اور انہیں پہنتے ہیں۔ کپڑے وشولس کے گرن ان چیزوں کا ان کے اوپر اثر بھی ہوتا ہے۔ سب دھرم والوں کی خاص خاص پوشائیں ہیں۔ یہ پوشائیں کہیں ثمری یا راتھری مانی جاتی ہیں اور کہیں دھارمک۔ یہ سب انگ انگ چیزیں اگر کیوں لا یا ساندرا کی نگا سے پہنی جائیں تاہ ایک دوسرے کو اچھی لگیں۔ یا اگر ان کے مابہ توہرا بہت سچا ہو سکتی ہوا بھی ہوتا۔ تو ان سب رنگ برنگ چیزوں سے آدمی کی ساندرا بھوتی۔ نئی نئی چیزیں سب کو اچھی لگتی ہیں اور ہمارا سماجی

है. तुम शलत समझते हो. आज का अर्थ वह दाने हैं जिन में अभी अंकुर नहीं फूटे. तुम्हें यज्ञ में बेगुनाह बकरों को नहीं मारना चाहिये. यह भले लोगों का धर्म नहीं है. यह जमाना नेक काम करने का जमाना है. तुम्हें जानवरों की हत्या बन्द कर देनी चाहिये.”

(महाभारत शान्ति पर्व अध्याय 345)

महात्मा बुद्ध ने इस देश में जो बड़े बड़े धार्मिक सुधार किये उन में एक यह था कि उन्होंने जानवरों की कुरबानी को क़रीब क़रीब बन्द कर दिया. मांस का खाना इस देश में वह पूरी तरह बन्द नहीं कर पाए, पर उन्होंने उसे बहुत कम कर दिया और लाखों के जीवन में से बिलकुल भिटा दिया. राजा बिम्बसार के यहां जाकर उन्होंने जानवरों की कुरबानी को रोका. जैन धर्म के मानने वालों में भी जानवरों की हिंसा से और मांस खाने से परहेज किया जाता है.

हज़रत ईसा से पहले यहूदियों में भी जानवरों की कुरबानी का रिवाज था. यहूदी ईश्वर के नाम पर आग में आहुतियां दिया करते थे और उसी में जानवरों को मार कर डाला करते थे. इन्जील में बार बार और जगह जगह इस रिवाज को बन्द करने का उपदेश दिया गया है. लिखा है :-

“जाओ और बात का असली मतलब समझो. मैं (ईश्वर) दया यानी रहम चाहता हूं, कुरबानी नहीं.” (मैथ्यू) “मैं चाहता था तुम्हें ईश्वर का ज्ञान हो. यह नहीं चाहता था कि तुम जानवरों को काट कर आग में उनकी आहुती दो.” (होसिया)

“ईश्वर की आज्ञा मानना जानवरों की कुरबानी करने से अच्छा है और सच्चाई पर ध्यान देना मंडे की चरबी से बेहतर है.” (साम)

“अब्लाह कहता है—“अगर मुझे भूक लगती तब भी मैं तुम से न कहता क्योंकि दुनिया और दुनिया की सब चीजें मेरी हैं. क्या मैं बकरों का गांश खाऊंगा या साड़ों का खून पीऊंगा ? ईश्वर का धन्यवाद दो और नेक काम करने की अपनी प्रतिज्ञाओं को पूरा करो.” (साम्स)

“मैं (अब्लाह) बैलों, मेंढनों या बकरों के खून से खुश नहीं होता. किज़ूल के चढ़ावे मुझे मत चढ़ाओ. नहीं तो जब तुम मुझसे प्रार्थनाएं कराओ, मैं नहीं सुनूंगा, क्योंकि तुम्हारे हाथ खून में रंगे हुए हैं.” (इसाया)

“ईश्वर के सामने अपना दूटा हुआ दिल और अपनी शक्तियों के लिये पछतावा ले कर जाओ. यही सच्ची कुर्बानी है. जो ऐसा करता है ईश्वर उसी का अपनाता है. (साम्स)

“क्या मैं ईश्वर के सामने जले हुए गांश की आहुतियां लेकर जाऊंगा ? क्या मैं साल भर के छोटे छोटे बछड़ों का गांश लेकर जाऊंगा ? क्या हमारा भालिक सैकड़ों में और तेल के दरयाओं से खुश होगा ? उसने हमें नदी का

है. تم غلظا سمجھتے ہو. آج کا ارتہ وہ دانے ہیں جن میں ابھی انکر نہیں پھوٹے. تمہیں یگہ میں بے گناہ بکروں کو نہیں مارنا چاہیے. یہ بیلے لوگوں کا دھرم نہیں ہے. یہ زمانہ نیک کلم کرنے کا زمانہ ہے. تمہیں جانوروں کی عفتیا بند کر دینی چاہیے.” (مہابھارت شانتی پور آدھیاے 345)

مہاتما بدھ نے اس دیش میں جو بڑے دھرمک سدھار کئے ان میں ایک یہ تھا کہ انھوں نے جانوروں کی قربانی کو قریب قریب بند کر دیا. مانس کا کھانا اس دیش میں وہ پوری طرح بند نہیں کر پائے پر انھوں نے اسے بہت کم کر دیا اور لاکھوں کے جیون میں سے بالکل مٹا دیا. راجا بمبار کے یہاں جا کر انھوں نے جانوروں کی قربانی کو روکا. جن دھرم کے ماننے والوں میں بھی جانوروں کی عفتیا سے اور مانس کھانے سے پرہیز کیا جاتا ہے.

حضرت عیسیٰ سے پہلے یہودیوں میں بھی جانوروں کی قربانی کا رواج تھا. یہودی ایشور کے نام پر آگ میں آھوتیاں دیا کرتے تھے اور اسی میں جانوروں کو مار کر ڈالا کرتے تھے. انجیل میں بار بار اور جگہ جگہ اس رواج کو بند کرنے کا اُپدیش دیا گیا ہے. لکھا ہے :-

”جاؤ اور بات کا اصلی مطلب سمجھو. میں (ایشور) دیا یعنی رحم چاہتا ہوں قربانی نہیں.” (میتھیو)

”میں چاہتا تھا تمہیں ایشور کا گیان ہو. یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم جانوروں کو کات کو آگ میں ان کی آھوتی دو.” (عوسیا)

”ایشور کی آگیاں ماننا جانوروں کی قربانی کرنے سے اچھا ہے اور سچائی پر دھیان دینا میڈکے ہی چربی سے بہتر ہے.” (سام)

اللہ کہتا ہے—“اگر مجھے بیوک لگتی تب بھی میں تم سے نہ کہتا کیونکہ دنیا اور دنیا کی سب چیزیں میری ہیں. کیا میں بکروں کا گوشت کھاؤنگا یا سانڈوں کا خون پیؤنگا ؟ ایشور کو دغیتہ واد دو اور نیک کلم کرنے کی اپنی پرتگیاؤں کو پورا کرو.” (سامس)

”میں (اللہ) بیلوں، میںڈوں یا بکروں کے خون سے خوش نہیں ہوتا. بقلوں کے چڑھاوے مجھے مت چڑھاؤ. نہیں تو جب تم مجھے سے پرتگیاں کروگے میں نہیں سنؤنگا کیونکہ تمہارے ساتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں.” (اسیای)

”ایشور کے سامنے اپنا توتا عوا دن اور اپنی غلطیوں کے لئے پچھتاوا لیکر جاؤ. یہی سچی قربانی ہے. جو ایسا کرتا ہے ایشور اسی کو اپنا ہے.” (سامس)

”دیا میں ایشور کے سامنے جلتے ہوئے گوشت کی آھوتیاں لیکر جاؤنگا. دیا میں سال بھر کے چھوٹے چھوٹے بیجڑوں کا گوشت لیکر جاؤنگا دیا غمارا ملک سیکڑوں بیجڑوں اور تیل کے دریاؤں سے خوش ہوگا اس نے ہمیں نیکی کا

کرتے ہیں۔ ہندو چپ کرتے ہیں، مسلمان اذکار، عیسائی لتائی ہند آپوس رکھتے ہیں۔ مہ لمان روزہ اور عیسائی فاسٹ۔ ہندو رتھکا یا جاگرن کرتے ہیں، مسلمان شب بیداری اور عیسائی وچل۔ سب کا مطالب یہی ہے کہ دل اللہ پر جمے اور اللہ دل میں آکر بیٹھے۔

ہندو، مسلمان اور یہودی سب آجکل یہ بھی مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر جانوروں کی بلی دینے یا اُن کی قربانی کرنے سے بیشور اللہ کو خوش کیا جا سکتا ہے۔ سب میں جانوروں کی قربانی کا رواج ہے۔ خوش قسمتی سے سب یہ بھی مانتے ہیں کہ مانس کھانا کبھی کبھی چھوڑ دینے سے روحانی ترقی میں مدد ملتی ہے۔ مسلمان صوفی اِسے ’ترک حیوانات‘ کہتے ہیں اور کبھی کبھی چالیس دن تک اور کوئی کوئی زندگی بھر کے لئے گوشت کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ سب یہ ہی مانتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روکنا، نفس کشی یعنی ترشہ نیاک بڑے اونچے اصول ہیں۔

چالز کی قربانی کا اصلی مطالب یہ ہے کہ شاعرے اندر جو جانور یا درد دیکھا ہوا ہے یعنی ہماری خوشی، غم، کام، درد، لویہ، موہ، ارادکار، انہیں مار ختم کیا جائے۔ دیکر، بیہوشا، گیروڑا، اوتے، لٹے اور آدمی تک کی قربانی ان ہی آیتوں میں کرنی چاہئے۔ پر اتنا بقول یہ ہے کہ شاعرے اندر کی وہی خود اپنے کو بچائے کے لئے قربانی کے اصل مطالب کو ہلا کر شبدوں کو چھٹ جاتی ہے اور اپنی جگہ پر گناہ جانوروں کی بلی چرسا کر اپنی تسلی کر لیتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ اُس ایشور ائمہ کو جو رحمان اور رحیم ہے، جو شیو شکر ہے سوائے آدمی کی خریدی کی قربانی کے اور کوئی قربانی قبول نہیں ہوسکتی۔

ویدک دھرم میں جسے، 'گو مینڈ' کہتے تھے اُسی کو پارسی
د م کی کتب 'زنداوستا' میں 'گومیز' کہا گیا ہے۔ دونوں
لوگ ان کے درسے دوسرے اور اچھے اچھے آرتھ بھی لگاتے تھیں۔ پر جو
تفصل کریمینڈی کی کتابوں میں دی ہوئی ہے وہ بانیِ دزدناک
ہے۔ ہندو مندروں میں خاص کر دیوی مورتیوں کے سامنے بکرے،
بھینسے، مے سرو سب کی درباریاں اچ بھی ہوتی تھیں۔
سب دھرم، اُن نے ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ
ہمیں جلدی سے چلیں ان راجوں سے باہر نکل آنا چاہئے۔

مہابارت کے شانتی پورو میں لکھا ہے کہ ایک بار رشیوں اور دیویوں میں اس بات پر بحث ہوئی کہ یکیتہ میں جانوروں کو مارنا پالنے یا نہیں۔ آخر میں رشیوں نے فیصلہ کیا کہ یکیتہ میں جانوروں کا خون نہیں بہانا چاہیے۔ لکھا ہے کہ:—

”ویدوں کا کہنا یہ ہے کہ دیوتاؤں یعنی ناچ کے دانوں سے
یگیہ کرنا چاہئے۔ ‘اچ‘ شبد کے معنی یہاں دھرا نہیں

मुख को दुगना, चौगुना कर देंगे और सब को सब की अच्छी अच्छी बातों से सीख मिल सकेगी. आज की दुनिया में अलग अलग मुल्कों के शासकों और राजकाजी नेताओं का मिलना जितना जरूरी है उतना ही धार्मिक नेताओं का मिलना जरूरी है. दुनिया एक हांती जा रही है. मिलना हमें है ही, फिर चाहे नकरतों, दंगों और जंगों के लिये अलग अलग संगठन, तनजीमें और पैक्ट करके एक दूसरे से टकराएं और एक दूसरे को मिटाएं और चाहे प्रेम, एकता, अमन और शान्ति के नाम पर एक दूसरे को गले लगाएं. पहला रास्ता बरबादी और मौत का रास्ता है और पाप है. दूसरा रास्ता खुशहाली और जिन्दगी का रास्ता है और यही सच्चा धर्म है. सबके भले का और सब को बराबर बराबर जिस्मानी और रुहानी खूराक पहुंचाने का यही एक रास्ता है.

सब धर्मों में अपने अपने ढंग से संस्कार, सुन्नत, दीक्षा, और बपतिस्मा भी होते हैं. मुसलमान इन्हें 'तकदीस' कहते हैं, हिन्दू 'उपनयन', और पारसी 'नवजात'. मतलब सबका एक है, दिल को साफ करना और ऊंचा ले जाना. हिन्दू धर्म की किताबों में लिखा है कि संस्कार के जरिये आदमी एक तरह फिर से पैदा होता है. हज़रत ईसा इसीलिये कहा करते थे—“फिर से बच्चों की तरह हो जाओ.” इनमें से कुछ तरीके अभी तक बहुत अच्छे तरीके हैं. नहाने, धोने, वजू और पाकी पर इन में बहुत जोर दिया जाता है. पाकी या सफाई पर सबसे ज्यादा जोर शायद पारसी धर्म में दिया गया है. पारसी किताब वेदेदाद में लिखा है:—

“जिन्दगी से उतर कर पाकीजगी आदमी के लिये सबसे अधिक भलाई की चीज है. यह पाकीजगी उसमें आती है जो अपने को पाक विचारों, पाक शब्दों, और पाक कामों से लगातार पाक करता रहता है.”

ईसाइयों में एक कहावत है—“खुदा की अच्छाइयों को अपने अन्दर लाने की कोशिश से उतर कर अगर कोई चीज है तो वह पाकीजगी यानी शुद्धता है.”

कहा जाता है कि किसी नौजवान ईसाई को पादरी बनाने वक्त उससे पूछा गया कि—“पाकीजगी खुदा की अच्छाइयों को अपने अन्दर लाने की कोशिश के ठीक पहले आनी चाहिये या ठीक बाद में ?” उसने जवाब दिया—“पहले भी और बाद में भी.” उसकी बात बिलकुल ठीक थी. पाकीजगी यानी शुद्धता के इसी उंचे असूल को पिछले जमाने के हिन्दू इस बुरी हद तक खींच कर ले गए कि उस से अपने में हज़ारों जातें और उपजातें बना डाली और छुआछूत जैसी बुरी चीज चला दी.

भगवान को याद करते वक्त मन को एक तरफ लगाने के लिये सब धर्मों वाले माला या तसबीह या रोज़री इस्तेमाल

सकें. दुगना चोगना कर दिकें और सब को सब की अच्ची अच्ची बातों से सीख मिल सकें. आज की दुनिया में अलग अलग मुल्कों के शासकों और राजा क़ाज़ी नेतान का मिला जितना जरूरी है उतना ही धार्मिक नेतान का मिलना जरूरी है. दुनिया एक हांती जा रही है. मिलना हमें है ही, फिर चाहे नकरतों, दंगों और जंगों के लिये अलग अलग संगठन, तनजीमें और पैक्ट करके एक दूसरे से टकराएं और एक दूसरे को मिटाएं और चाहे प्रेम, एकता, अमन और शान्ति के नाम पर एक दूसरे को गले लगाएं. पहला रास्ता बरबादी और मौत का रास्ता है और पाप है. दूसरा रास्ता खुशहाली और जिन्दगी का रास्ता है और यही सच्चा धर्म है. सबके भले का और सब को बराबर बराबर जिस्मानी और रुहानी खूराक पहुंचाने का यही एक रास्ता है.

सब धर्मों में अपने अपने ढंग से संस्कार, सुन्नत, दीक्षा और बपतिस्मा भी होते हैं. मुसलमान इन्हें 'तकदीस' कहते हैं, हिन्दू 'उपनयन', और पारसी 'नवजात'. मतलब सबका एक है, दिल को साफ करना और ऊंचा ले जाना. हिन्दू धर्म की किताबों में लिखा है कि संस्कार के जरिये आदमी एक तरह फिर से पैदा होता है. हज़रत ईसा इसीलिये कहा करते थे—“फिर से बच्चों की तरह हो जाओ.” इनमें से कुछ तरीके अभी तक बहुत अच्छे तरीके हैं. नहाने, धोने, वजू और पाकी पर इन में बहुत जोर दिया जाता है. पाकी या सफाई पर सबसे ज्यादा जोर शायद पारसी धर्म में दिया गया है. पारसी किताब वेदेदाद में लिखा है:—

“जिन्दगी से उतर कर पाकीजगी आदमी के लिये सबसे अधिक भलाई की चीज है. यह पाकीजगी उसमें आती है जो अपने को पाक विचारों, पाक शब्दों, और पाक कामों से लगातार पाक करता रहता है.”

ईसाइयों में एक कहावत है—“खुदा की अच्छाइयों को अपने अन्दर लाने की कोशिश से उतर कर अगर कोई चीज है तो वह पाकीजगी यानी शुद्धता है.”

कहा जाता है कि किसी नौजवान ईसाई को पादरी बनाने वक्त उससे पूछा गया कि—“पाकीजगी खुदा की अच्छाइयों को अपने अन्दर लाने की कोशिश के ठीक पहले आनी चाहिये या ठीक बाद में ?” उसने जवाब दिया—“पहले भी और बाद में भी.” उसकी बात बिलकुल ठीक थी. पाकीजगी यानी शुद्धता के इसी उंचे असूल को पिछले जमाने के हिन्दू इस बुरी हद तक खींच कर ले गए कि उस से अपने में हज़ारों जातें और उपजातें बना डाली और छुआछूत जैसी बुरी चीज चला दी.

भगवान को याद करते वक्त मन को एक तरफ लगाने के लिये सब धर्मों वाले माला या तसबीह या रोज़री इस्तेमाल

بھی بہت دور چلے جاتے ہیں اور پریم اور میل ملاپ کی جگہ نفرت اور لڑائی کا کارن بن جاتے ہیں۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ان تیوہاروں کا رنگ روپ بھی کبھی بھی اتنا بدل جاتا ہے کہ تیوہار کی اصابت میں اور اُس کے اچکل کے مٹانے کے تھک میں کوئی ناتا ہی نہیں رہ جاتا۔

یہاں ایک اور بات کی طرف دھیان دینا ضروری ہے۔ لگ بھگ ہر زمانے اور ہر دیش میں شاعری، ناک، ڈراما، ناچنا، گانا، بجانا، چترکاری، پکھیکاری، میناکاری، مکان بنانا، باغ لگانا، کپڑے بنانا، شہر بسانا، جیسی کلاؤں اور کاریگریں کی جتنی اُننتی مذہب سے ہوئی ہے اتنی اور کسی چیز سے نہیں ہوئی۔ دنیا کے بڑے سے بڑے ہنرمندوں اور کلاؤتوں نے ادھکتر مذہب سے ہی نئی نئی سوچ بچھ پائی ہے اور شکتی حاصل کی ہے۔ دنیا بھر میں کلا اور ہنر کے اچھے سے اچھے نمونے مذہب کے میدان میں ہی ملتے ہیں۔ یہ بات ہے بھی قدرتی۔ سچا مذہب وہی ہے جو آدمی کے اندر کی اونچی سے اونچی بھاونوں اور اُمتوں کو چلاوے، آجاگر کرے اور پورا کرے۔ اچھے سے اچھے ہنر اور کلا انہیں بھاونوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ سب کے بیلے کی بھاونوں انہیں بھاونوں میں سے ایک اور شاید سب سے اونچی بھونا ہے۔ اِس بھونا نے دنیا کے کلاؤتوں کو سب کے ادھک اگے بڑھایا ہے۔ مذہب کا بی بی نہیں نچوڑ ہے۔ اِس طرح مذہب لوگوں کو اندر سے سکھ دینے کا بھی بڑا سادھن ہوتا ہے۔ اِسی تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب جب پندے، پروتھوں، ملا، بادریوں کی نالائقی یا نالائقی کی وجہ سے مذہب میں گراوت آئی ہے یا لوگوں کی مادپرستی اور دیشپرستی نے دھرم کو نیچے گھسیٹا ہے تب تب کلا اور ہنر میں بھی پیدا پن، غیریت، نفرت اور آئیائے دکھائی دیتے لگتے ہیں۔ جو چیز آدمی کے دل کے اندر جھار دے کر اُسے صاف کرے گی وہی اُس گھر کو روشن کرے گی اور وہی آدمی کی بھاونوں، کلا اور دستکاریوں کو اونچا لے جانے گی۔

آجکل ہمارے زیادہ تر تیوہار اور ان کے منانے کے ڈنگ ہم سے ایک دوسرے سے علیحدگی اور نفرت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ تیوہار مار کات، خون خرابیوں اور بددلی کی بھاونوں کی جڑ بن رہے ہیں۔ تمام یارپ میں پھیلے ہزار برس تک अधिकतर یہی حال رہا ہے۔ ہندوستان میں آج بھی بہت درجہ تک یہی حال ہے۔ اگر الگ الگ مذہبوں کے آگوا اپنے اپنے دھاتوں کو صاف کر سکیں اور اپنے دلوں کو اونچا لے جا سکیں تو انہیں چاہئے کہ ایک ساتھ مل بیٹھکر پریم کے ساتھ سب دھرموں کے تیوہاروں میں سے خاص خاص کو چن لیں اور پھر اپنے اپنے دھرم کے ماننے والوں کو صلاح دیں کہ ان تیوہاروں کو سب ملکر منائیں۔ اِس طرح ہر دھرم والے اپنے اور دوسروں کے سب کے

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی ہولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر - گھر لئے پریم کی جھولی .

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی ہولی،
'نیا ہند' پھونچے گا گھر - گھر لئے پریم کی جھولی .

دھرموں کے امتزاج امتزاج ریت رواج

(ڈاکٹر بھگوان داس)

دھرموں کے امتزاج امتزاج ریت رواج

(ڈاکٹر بھگوان داس)

دُنیا کے سب دھرموں میں جس طرح بنیادی سچائیاں یا سداچار کے نیام ایک سے ہیں اُسی طرح اُپر کے ریت رواج، کھیل نمائش، خوشی اور رنج کے تیوہار بھی لگ بھگ ایک سے قوتے ہیں . غندوں میں ستیہنارتائن کی کٹھا، غوثی ہے تو مسلمانوں میں مہلود شریف . مسلمان دھرم میں اپنے خاص مہلپشوں کو یاد کرتے ہیں تو غندو پتر پیش میں اپنے پرکھوں کو یاد کرتے ہیں . وہ اگدشی کو برت رکھتے ہیں تو یہ رمضان سے روزے رکھتے ہیں . غندوں کا چاندنارتائن برت تو بالکل رمضان سے ملتا ہوا ہے . اُن کا رام ایلا کا جلوس نکلتا ہے تو اُن کے دادل اور تازیہ نکلتے ہیں . عیسائیوں اور دوسرے دھرم والوں کے بھی ایسی طرح کے خاص خاص تیوہار ہیں . اتوار کے دنوں میں ہی کسی نے کسی کو پاک مان رکھا ہے تو کسی نے کسی کو . بیدک دھرم والے عام طور پر چاند کی غور پوری آتھوں اور گیارھویں تاریخ کو پات مانتے ہیں . یہودی سینچر کو مسلمان جمعہ کو عیسائی اتوار کو . کہیں کہیں غندو منگل کو خاص دن مانتے ہیں . یہی اُن کے الگ الگ آرام کرنے کے دن سمجھے جاتے ہیں .

آدمی کے دل کی مانگ سب جگہ کدورتی تئیر پر اُڑتی ہے وہ کہیں کہیں نمائش چاہتا ہے کہیں ہنسنا کہیں رونا اور کہیں اپنے ایشور اللہ کی یاد میں کھانے پینے کو یہی بھول جانا چاہتا ہے . اندر کی اس مانگ کو پورا کرنے کے لئے طریقے الگ الگ ہیں . یہ بات بھی ہے . انیسویں کیول اتنا ہے کہ یہ کھیل نمائش اور ریت رواج ادھک تو اپنے دھرم کے بنیادی اصولوں سے

آدمی کے دل کی مانگ سب جگہ کدورتی تئیر پر اُڑتی ہے وہ کہیں کہیں نمائش چاہتا ہے کہیں ہنسنا کہیں رونا اور کہیں اپنے ایشور اللہ کی یاد میں کھانے پینے کو یہی بھول جانا چاہتا ہے . اندر کی اس مانگ کو پورا کرنے کے لئے طریقے الگ الگ ہیں . یہ بات بھی ہے . انیسویں کیول اتنا ہے کہ یہ کھیل نمائش اور ریت رواج ادھک تو اپنے دھرم کے بنیادی اصولوں سے

माहवारी परचा

ماہواری پرچا

نومبر 1954 नवम्बर

کتاب کا نام	مترجم کا نام	صفحہ نمبر
1. ہرمی کے الگ الگ ریت و آج—ڈاکٹر بگوان داس	193	...
2. جینے کا سلیقہ—جوش ملیح آبادی	202	..
3. ہندی اردو کلام کی سماعتیں—سوامی کپشتا نند سوختہ	205	...
4. سبھا دھرم—ویشو بھارتیہ	211	...
5. ہندوستانی کلتور—چرن سرن ناتھ	213	...
6. پونرملین ! (کہانی) — لکھنوی — شی-کے آمنوا دھرم—کامیشور آرواں	226	...
7. ہمارے گیت—	237	...
8. ہمارے گیت—	237	...

क्रांत—हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,
एक परचा—दस आने,

قیمت — افغانستان میں چیتہ، روپیہ سال، ہاندر دس روپیہ سال، ایک پوچھ دس آنے.

मैनजर

میں نے کہا

‘नया हिन्दू’

’زیا سندی‘

145. मुट्ठीगंज, इलाहाबाद-3

145. منہی گنج : الہ آباد - 3

نیا ہند تعمیل

6
3 - DEC 1954

3 - DEC 1954

ایڈیٹر - تارا چند، مگواندین، سید محمد، بیگم نارائن، سندرل

ناشر - سندرل

نائب ایڈیٹر - سید محمد، سید محمد، سید محمد

Osmania University
HYDERABAD (DECCA)

اس نمبر کے خاص لکھ

اس نمبر کے خاص لکھ

- ★ دھرم کے خلاف آواز اٹھانے والے ریاض - ڈاکٹر بھگوانداس
- ★ ہندی زبان کی سمجھ بوجھ - سوامی کرشنا
- ★ سبھا دھرم - کرشنا
- ★ ہندوستانی کلاں - چرن سرن نا

- ★ دھرم کے خلاف آواز اٹھانے والے ریاض - ڈاکٹر بھگوانداس
- ★ ہندی زبان کی سمجھ بوجھ - سوامی کرشنا
- ★ سبھا دھرم - کرشنا
- ★ ہندوستانی کلاں - چرن سرن نا

ہماری را

عماری را

- ★ ہمارے سرکار اور ہمارے گریہ کرنے والے - سندرل
- ★ امریکا میں مسٹر محمد علی اور راج کمار - سندرل
- ★ پنڈتوں کی آزادی - سندرل
- ★ جواہر لال نہرو اور ہندوستان کا مستقبل - سندرل

- ★ ہمارے سرکار اور ہمارے گریہ کرنے والے - سندرل
- ★ امریکا میں مسٹر محمد علی اور راج کمار - سندرل
- ★ پنڈتوں کی آزادی - سندرل
- ★ جواہر لال نہرو اور ہندوستان کا مستقبل - سندرل

ہندوستانی کلاں - چرن سرن نا

نومبر 1954

نومبر 1954

نومبر 1954

गीता और کُuran

لےکھک-پंडित सुन्दरलाल

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے میل کی بات ہے۔ گیتا کا بڑھپن، گیتا کے ایک ایک अध्याय کا نیچوڑ، کُuran کا بڑھپن، लगभग 15 खास खास मज़मूनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ्जी ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بلحاظی ایکسا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب انمول ہے۔

پونے تین سو صفحے کی سنددر جلد بلندھی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

हिन्दू मुसलिम एकता

اس کتاب میں وہ چار لکچر جمع کئے گئے ہیں جو پंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे۔

سوی سرفے کی کتاب۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

महात्मा गांधी के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी किरक़ापारस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया۔

ک्रीमत بارہ آنے۔

पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा वनन. इस छोटी सी کتاب में आजकल की मुसीबतों का हल करने के लिए कुछ सुभाव भी पेश किये गए हैं. क्रीमत चार आने.

बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी کتاب में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरक़ेवाराना भगड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुभाई गई है. क्रीमत सिर्फ़ दो आने.

मिबने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुद्रोगंज, इलाहाबाद.

किता اور قُuran

لیکھک—پندت سنددر لال

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے میل کی بات ہے۔ گیتا کا بڑھپن، گیتا کے ایک ایک अध्याय کا نیچوڑ، قُuran کا بڑھپن، लगभग 15 खास खास मज़مूनों पर कुरान की क़रीब 500 आयतों का लफ्जी ترجمہ وغیرہ دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بلحاظی ایکسا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب انمول ہے۔

پونے تین سو صفحے کی سنددر جلد بلندھی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

हिन्दू मुसलिम एकता

اس کتاب میں وہ چار لکچر جمع کئے گئے ہیں جو پंडित जी ने कन्सीलियेटरी बोर्ड ग्वालियर की दावत पर ग्वालियर में दिये थे۔

سوی سرفے کی کتاب۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

महात्मा गान्धेय के बलिदान से सबक

साम्प्रदायिकता यानी किरक़ापारस्ती की बीमारी पर राजकाजी, मजहबी और इतिहासी पहलू से विचार और बसका इलाज इसी ने आखिर में देश पिता महात्मा गांधी तक को हमारे बीच में न रहने दिया۔

ک्रीमत بارہ آنے۔

पंजाब हमें क्या सिखाता है

अक्टूबर सन् 1947 में पच्छिमी और पूरबी पंजाब के बटवारे के बाद वहां की भयंकर बरबादी और आपसी मार काट के कारन लोगों पर जो जो मुसीबतें आई उन का दर्दनाक आंखों देखा वनन. इस छोटी सी کتاب में आजकल की मुसीबतों का हल करने के लिए कुछ सुभाव भी पेश किये गए हैं. क्रीमत चार आने.

बंगाल और उससे सबक

इस छोटी सी کتاب में 1949-50 में पूरबी और पच्छिमी बंगाल के किरक़ेवाराना भगड़ों पर रोशनी डाली गई है और ऐसे भगड़ों को हमेशा के लिए ख़त्म करने की तरकीब भी सुभाई गई है. क्रीमत सिर्फ़ दो आने.

میلے کا پتہ—

مئنيجر، 'نیا ہند' 145، مٹری گنج، ایلہ آباد

ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دাম کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

ہندوستانی کلتور سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائے گی۔ پوری جانکاری کے لیے لکھیے۔

ڈاک یا ریل سب سے ہر حالت میں گاہک کے ذمے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوادی

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں लागू हुआ۔ 'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھنے والے پंडित सुन्दरलाल द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे, भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है۔

भाषान बामहावर भाषा. रायल अठपेजी बड़ा साइज. लगभग चार सौ पन्ने. कपड़े की सुन्दर जिल्द. क्रीम केवल साठे सात रुपये.

بھارت کا ودھان

پورا ہندی انوادی

جو 26 جنوری سن 1950 سے سارے بھارت میں लागू ہوا۔ 'بھارت میں انگریزی راج' کے لکھنے والے پंडित सुन्दरलाल द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित۔

ہر بھارتی کا فرض ہے کہ جس ودھان کے अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे, भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है۔

भाषान बامहावर भाषा. رائل آٹھ پچاسی ہوا سائز. لک بھگ چار سو پچاس. کپڑے کی سندر جلد. قیمت کھول ساڑھے سات روپے۔

فیرکابندی پر باپو

سंपादक—श्री श्रीकृष्ण दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिकता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के मुकसानों को समझे और इस पाहर को अपने अन्दर से साफ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज. दो सौ सके. क्रीम होठपया.

فیرکابندی پر باپو

سंपاदک—شری श्रीकृष्ण दास

اس بک میں سن 1921 سے سن 1948 تک گندھی جی نے سامپردایکیتا کے سوال پر جو کچھ کہا یا لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملے گا.

بھارت نے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہر بھارتی سامپردایکیتا کے نقصان کو سمجھے اور اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے.

سندر جلد. اچھا کاغذ. دو سو صفحے. قیمت دو روپے۔

وینوبہا کا سندنیش

لکھنے والا—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

विनोबाजी के भूदान-यज्ञ से आज सारा देश वाक़िफ है. इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भूदान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मक़सद क्या है. पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सके 25, दाम केवल दो आने.

किताब का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 145, मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

وینوبہا کا سندنیش

لکھنے والا—सुरेश रामभाई

ایک شبد—महात्मा भगवानदीन

وینوبہا جی کے بھودان یجنہ سے آج سارا دیس واقف ہے. اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملے گا کہ یہ بھودان یجنہ کب اور کیسے شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے. پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا. یہ دوسرا ایڈیشن ہے. صفحے 25، دام کھول دو آئے.

میلے کا پتہ—

مینیجر، 'نیا ہند' 145، مڈی گنج، الہ آباد.

को उठाना पड़ेगा और हिम्मत के साथ मैदान में आना होगा. अगर हम यह स्थाल करेंगे कि हमारे बुजुर्ग चचा ताऊ जो सियासी आजादी में अपने को मिटा दिये वही नई लड़ाई में भी आगे बढ़ेंगे तो यह ज्यादाती होगी. यह उम्मीद करना कि वह ऐसा समरस समाज बनाने में मदद देंगे जिसमें कोई किसी को नोचता न हो और जो शासन मुक्त भी हो तो यह नाइन्साफी होगी. क्योंकि अक्सर सिपाही दो लड़ाइयों में नहीं लड़ते हैं. एक लड़ाई के सिपाही दूसरी में कारगर नहीं हुआ करते. हमको अपने उन बुजुर्गों का एहसानमन्द होना चाहिये कि सियासी गुलाबी से मुक्त को मुक्त करके आर्थिक और सामाजिक आजादी के लिये रास्ता साफ कर दिया. अगर उनमें से कुछ हमारे साथ आते हैं तो सर आंखों पर. अगर नहीं आते तो कोई शिकायत नहीं होना चाहिये और हमें अकेले ही चलना होगा. और जब एक रहबर सामने आ गया है तब तो हमें आगे बढ़ने में हिचकना ही नहीं चाहिये. अपने भूदान, सम्पत्तिदान, श्रमदान, बुद्धिदान, और प्रेमदान के प्रोग्रामों के जरिये सन्त विनोबा ने भूदान यज्ञ मूलक ग्राम उद्योग प्रधान अहिंसात्मक क्रान्ति के लिये बिगुल बजा दिया है. वह भाई बहन जो नई मान्यताओं में, अवाम की ताकत में, जन शक्ति में, प्रेम बल में यकीन करते हैं वह इस लड़ाई में शामिल होंगे. इस नई क्रान्ति के लिये एक दो नहीं, सौ पचास नहीं, हजारों और लाखों की तादाद में, हर गांव पीछे पांच या छः लोगों की जरूरत होगी. खुशी की बात है कि उन्होंने आना शुरू कर दिया. हमें उम्मीद है कि वह और अधिक तादाद में आयेगे और भंडा लेकर आगे बढ़ेंगे. मालिक से दुआ है कि नई लड़ाई के नए सिपाहियों को हिम्मत, निडरता और सच्चाई दे ताकि वह क्रदम क्रदम आगे बढ़ते चले जायें और मुक्त के प्रति इस वक़्त अपना कर्ज अदा कर सकें!

16.8. '54

—सुरेशराम भाई

को अँकाना पड़ेगा और हमत के साथ मैदान में आना होगा. अगर हम यह ख्याल करिये के हमारे बزرग चचा ताऊ जोसियासी आजादी में अपने को मिटा दिये वही नई लड़ाई में भी आगे बढ़ेंगे तो यह ज्यादाती होगी. यह उम्मीद करना कि वह ऐसा समरस समाज बनाने में मदद देंगे जिसमें कोई किसी को नोचता न हो और जो शासन मुक्त भी हो तो यह नाइन्साफी होगी. क्योंकि अक्सर सिपाही दो लड़ाइयों में नहीं लड़ते हैं. एक लड़ाई के सिपाही दूसरी में कारगर नहीं हुआ करते. हमको अपने उन बुजुर्गों का एहसानमन्द होना चाहिये कि सियासी गुलाबी से मुक्त को मुक्त करके आर्थिक और सामाजिक आजादी के लिये रास्ता साफ कर दिया. अगर उनमें से कुछ हमारे साथ आते हैं तो सर आंखों पर. अगर नहीं आते तो कोई शिकायत नहीं होना चाहिये और हमें अकेले ही चलना होगा. और जब एक रहबर सामने आ गया है तब तो हमें आगे बढ़ने में हिचकना ही नहीं चाहिये. अपने भूदान, सम्पत्तिदान, श्रमदान, बुद्धिदान, और प्रेमदान के प्रोग्रामों के जरिये सन्त विनोबा ने भूदान यज्ञ मूलक ग्राम उद्योग प्रधान अहिंसात्मक क्रान्ति के लिये बिगुल बजा दिया है. वह भाई बहन जो नई मान्यताओं में, अवाम की ताकत में, जन शक्ति में, प्रेम बल में यकीन करते हैं वह इस लड़ाई में शामिल होंगे. इस नई क्रान्ति के लिये एक दो नहीं, सौ पचास नहीं, हजारों और लाखों की तादाद में, हर गांव पीछे पांच या छः लोगों की जरूरत होगी. खुशी की बात है कि उन्होंने आना शुरू कर दिया. हमें उम्मीद है कि वह और अधिक तादाद में आयेगे और भंडा लेकर आगे बढ़ेंगे. मालिक से दुआ है कि नई लड़ाई के नए सिपाहियों को हिम्मत, निडरता और सच्चाई दे ताकि वह क्रदम क्रदम आगे बढ़ते चले जायें और मुक्त के प्रति इस वक़्त अपना कर्ज अदा कर सकें!

—सुरेशराम भाई

16.8. '54

تیار کریں گے؟ کہا جاتا ہے کہ سوائے اپنی زمینوں کے ان کے پاس تیار کرنے کو اور کچھ ہے ہی نہیں۔ لیکن نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ایک چیز جتنی دیکھنا یا غریب کے پاس ہے اتنی ہی بڑے سے بڑے امیر یا حاکم یا راجا کے پاس ہے۔ وہ ہے مالکی کا خیال۔ اگر امیر کو اپنے چار لاکھ روپے یا چار ہزار ایکڑ زمین کی ملکیت کا ہر وقت دھیان رہتا ہے تو غریب کو اپنے چار پیسے یا چار ہزار زمین کا ہر دم خیال بنا رہتا ہے۔ دونوں کو اپنی ملکیت کا احساس رہتا ہے۔ اس طرح کوکہ ایک امیر ہے اور دوسرا غریب۔ دونوں ایک ہی درجہ میں آجاتے ہیں۔ دونوں کو زیادہ پیسے یا زیادہ زمین کی ملکیت کی تمنا رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے کھلے جانے والے لوگ چھوٹے کھلے جانے والوں کو لوتے ہیں یا ایک دیہاتی کی بیٹیا میں کہیں تو ”نوجھتے“ ہیں حالانکہ محنت کرنے کی طاقت و لائقیت بڑوں کے مقابلہ چھوٹوں میں کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اگر ہم اپنا خاص اور سچا سوراخ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مالکی کے خیال کو اپنے اندر سے نکلنا ہوگا۔ ہم کو اب یہ قبول کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے اس کا مالک وہی ایک پوروردگار، سچن غار ہے اور وہ ہمیں محتض نہائی کے طور پر استعمال کرنے کی خاطر ملتی ہے۔ لہذا غریبوں کو میدان میں آگے بڑھ کر اٹل کرنا ہوگا کہ ہمارے پاس جو زمین ہے وہ کل گاؤں کی ہے اور اب آپس میں ’میں‘ ’میری‘ تو۔ تیری‘ نہیں چلے گی۔ اپنا حق غی گاؤں کی خوا میں بوق بڑ جانے گا اور غریبوں یا چھوٹوں کے زبردست لوگ مت کے آگے امیر یا بڑے پل بڑ بی بی نہیں ٹک سکیں گے۔ وہ بی بی صورت کو دیکھ کر اپنی زمین یا دولت کی مالکی سماج کے سپرد کر دینگے۔ ایسی حالت پیدا ہو جائے گی کہ زمین گاؤں کے لوگ آپس میں مل بیٹھ کر بانٹ لیں گے اور جتنی جس کی ضرورت ہوگی اس کو ملے گی۔ تب مالکی گاؤں کی شوگی اور چونے والا اپنی زمین پر تباہی کے طوفان کی پستی کرے گا۔ تب گاؤں میں ہر ایک کے پاس روزگار ہوگا اور گاؤں کے لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں جیسے کپڑا، گر، تیل، جوتا، دوا دارو وغیرہ اپنے آپ بنا لیں گے۔ تعلیم ہی وہ اپنے تنگ سے اپنے بچوں کو دینگے اور ان کی رہائی عدالت شوگی اور اپنا ہی شانتی و سفاک سفاک شوگی۔ گاؤں گاؤں نہ کوئی بڑ زمین رکھے گا نہ بڑ روزگار۔ سب مل کر کام کریں گے۔ مل کر آرام کریں گے اور مل کر خوشی منائیں گے۔ اس طرح نئی لڑائی سے سماج کے اندر نئی مافیہ نائیں قائم ہونگی اور گرم راج کے لئے راستہ ہلکا۔

اب سوال یہ ہے کہ نئی لڑائی میں شریک کون ہوگا؟ اس کے لئے سہائی کہاں سے ملے گی؟ یہ کام نوجوانوں

اب سوال یہ ہے کہ نئی لڑائی میں شریک کون ہوگا؟ اس کے لئے سہائی کہاں سے ملے گی؟ یہ کام نوجوانوں

آزادی کی لڑائی ختم ہوئی اور دوسری لڑائی، آرتھک اور سماجی آزادی کی لڑائی، شروع ہوئی چلائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس نئی لڑائی کی بنیاد کیا ہو؟ جتنا اس سوچ کو پائے کے لئے کس طرح آگے بڑھے؟ ظاہر ہے کہ اگر ہم لوگ ہتھیار یا فتنے کا سہارا لیتے ہیں تو ضرور غارتگی۔ کیونکہ جن کے ہاتھ میں طاقت آج ہے اور جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے ان کے پاس ایک سے ایک خونخوار ہتھیار ہیں (اور انہیں دوسروں سے مل بھی سکتے ہیں) کہ جن کا ہمیں خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا۔ اگر ہم قانون یا اسمبلی و پارلیمنٹ کا سہارا لیتے ہیں تب بھی غارتگی۔ کیونکہ جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے قانون آج پوری طرح ان کا نامہ دار ہے اور ان کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس وجہ سے دنیا غریبوں کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے—بھی ایک راستہ کہ اپنے بل، اپنی قوت سے لڑیں۔ اور ماک ہی انہیں کی مدد کرنا ہے جو اپنی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے سچا سوچ پائے کا ایک ہی ذریعہ ہے—اپنی شکتی یا جن شکتی مہیا کی جائے۔

اس کے بعد سوال یہ اُٹتا ہے کہ آخر جن شکتی کیسے مہیا ہو؟ اس کا سنبھال کس طرح کیا جائے؟ کون نہیں جانتا کہ هندوستان کی وہ جتنا جو اپنے سر کا پسینہ اپنی تک پہنچی ہے اس کی محنت پر چند دولت مند زندہ ہیں اور جن لاکھوں دیہاتوں میں وہ لوگ رہتے ہیں ان کو چوس کر چند شہر جگمگاتے ہیں۔ پھر یہی ہم سب دکھی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ذرا غور کرنے پر پتہ چلیگا کہ ہم محنت تو کرتے ہیں پر دلوں میں فرق ہے، ایک دوسرے سے زیادہ دوز بھوتے چلے جارہے ہیں۔ آپس میں پیار بہت کم ہے اور دن دن کم ہونا جارہا ہے۔ خاندان بنت رہے ہیں۔ اس پریم کی کمی کی وجہ سے ہماری زندگی ویسی ہی نیرس ہو رہی ہے جیسے وہ نمک چونکے نہ رہ گیا ہو۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے نزدیک آئیں اور دکھ سکھ میں سانبی بنیں۔ جہاں پریم ہے، وہاں سب کچھ ہے۔ جہاں پریم نہیں وہاں کچھ ہی نہیں۔ لیکن پریم کیسے حاصل ہو؟ پریم کی فصل کیسے اُگائی جائے؟ مگر یہ سوال اتنا قدیم نہیں ہے کیونکہ رات دن ہمیں پریم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ سو کس طرح کرنی ہے؟ اپنے کو پیو کر، اپنے کو طرح کی تلافیوں سے دے کر، اپنے آپ کچھ تباہ کر کے، اس کی بیٹی چاہ رہتی ہے کہ بچے کی خاطر اپنے کو پورا مٹا ہی دیں۔ اس سے ہم بہ سبق سیکھتے ہیں کہ پریم وہیں ہے جہاں تباہی ہے، قربانی ہے۔ اس لئے ہم جتنا زیادہ تباہ ایک دوسرے کے لئے کرینگے اتنا ہی آپس میں پریم بڑھے گا۔

آزادی کی لڑائی ختم ہوئی اور دوسری لڑائی، آرتھک اور سماجی آزادی کی لڑائی، شروع ہوئی چلائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس نئی لڑائی کی بنیاد کیا ہو؟ جتنا اس سوچ کو پائے کے لئے کس طرح آگے بڑھے؟ ظاہر ہے کہ اگر ہم لوگ ہتھیار یا فتنے کا سہارا لیتے ہیں تو ضرور غارتگی۔ کیونکہ جن کے ہاتھ میں طاقت آج ہے اور جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے ان کے پاس ایک سے ایک خونخوار ہتھیار ہیں (اور انہیں دوسروں سے مل بھی سکتے ہیں) کہ جن کا ہمیں خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا۔ اگر ہم قانون یا اسمبلی و پارلیمنٹ کا سہارا لیتے ہیں تب بھی غارتگی۔ کیونکہ جن کے خلاف ہمیں لڑنا ہے قانون آج پوری طرح ان کا نامہ دار ہے اور ان کی مرضی پر چلتا ہے۔ اس وجہ سے دنیا غریبوں کے سامنے بس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے—بھی ایک راستہ کہ اپنے بل، اپنی قوت سے لڑیں۔ اور ماک ہی انہیں کی مدد کرنا ہے جو اپنی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے سچا سوچ پائے کا ایک ہی ذریعہ ہے—اپنی شکتی یا جن شکتی مہیا کی جائے۔

اس کے بعد سوال یہ اُٹتا ہے کہ آخر جن شکتی کیسے مہیا ہو؟ اس کا سنبھال کس طرح کیا جائے؟ کون نہیں جانتا کہ هندوستان کی وہ جتنا جو اپنے سر کا پسینہ اپنی تک پہنچی ہے اس کی محنت پر چند دولت مند زندہ ہیں اور جن لاکھوں دیہاتوں میں وہ لوگ رہتے ہیں ان کو چوس کر چند شہر جگمگاتے ہیں۔ پھر یہی ہم سب دکھی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ذرا غور کرنے پر پتہ چلیگا کہ ہم محنت تو کرتے ہیں پر دلوں میں فرق ہے، ایک دوسرے سے زیادہ دوز بھوتے چلے جارہے ہیں۔ آپس میں پیار بہت کم ہے اور دن دن کم ہونا جارہا ہے۔ خاندان بنت رہے ہیں۔ اس پریم کی کمی کی وجہ سے ہماری زندگی ویسی ہی نیرس ہو رہی ہے جیسے وہ نمک چونکے نہ رہ گیا ہو۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک دوسرے کے نزدیک آئیں اور دکھ سکھ میں سانبی بنیں۔ جہاں پریم ہے، وہاں سب کچھ ہے۔ جہاں پریم نہیں وہاں کچھ ہی نہیں۔ لیکن پریم کیسے حاصل ہو؟ پریم کی فصل کیسے اُگائی جائے؟ مگر یہ سوال اتنا قدیم نہیں ہے کیونکہ رات دن ہمیں پریم کی مثالیں ملتی ہیں۔ ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ سو کس طرح کرنی ہے؟ اپنے کو پیو کر، اپنے کو طرح کی تلافیوں سے دے کر، اپنے آپ کچھ تباہ کر کے، اس کی بیٹی چاہ رہتی ہے کہ بچے کی خاطر اپنے کو پورا مٹا ہی دیں۔ اس سے ہم بہ سبق سیکھتے ہیں کہ پریم وہیں ہے جہاں تباہی ہے، قربانی ہے۔ اس لئے ہم جتنا زیادہ تباہ ایک دوسرے کے لئے کرینگے اتنا ہی آپس میں پریم بڑھے گا۔

اس پر کوئی پوچھینگے کہ غریب کے پاس ہے ہی کیا جو

یہ موقع ملا ہے کہ اپنی مرضی کے مطابق، جتنا کی خود مختار طائفت کے آغا، پڑ، اپنے ملک کا نورمان کوسیں۔ لیکن آزادی کے بعد سات سال بیتنے کے باوجود ہندوستان کے عام رہنے والوں کو آزادی کا کوئی خاص مزہ نہیں آیا، زندگی میں کوئی خاص لذت نہیں پیدا ہوئی اور زیادہ تر تو بے کے مقابلہ زیادہ دیکھی ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ آزادی کے ساتھ وہ انقلاب نہیں آیا جو کہ آنا چاہئے تھا۔ کچھ حد تک یہ صحیح ہے کہ ہم نے انفسا کی طائفت سے سواچ لیا۔ مگر یہ کچھ ہی حد تک صحیح ہے کیونکہ اگر عمارت سواچ کے پیچھے سولہ آنے انفسا ہی ہوتی تو آزادی کے بعد جو ہم سب میں سستی اور دہریہ اور دوش ہیں وہ نہ ہوتے۔ اس لئے یہ آزادی محض حکومت کے بدلاؤ کی ہی ایک شکل ہے۔ اس کو انقلاب نہیں کہتے۔ کہیں زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ آزادی کے بے سماج میں جو مانیہ نہیں تھیں وہی آج بھی چالو ہیں۔ جسے آونچا عیدہ، آونچا مکان، آونچا محل، آونچی ذات، آونچی عورت، آونچی دگری، آونچی تختہ خانہ کے کام سے آونچی نذرت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ ناپ عمارت سماج میں دستور بنے رہتے ہیں تو شراکت یا انسانیت کے درجہ میں ہم اور ہمارا ملک اور یہی گریز اور ہندوستان نام کا یہ ذائقہ ہضم نہ کریگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آزادی کی کوئی قیمت نہیں کرتے۔ ہم پھر عرض کریں کہ پہلے دو غول برس کے عمارت انہاس کے اندر یہ سب سے بڑی چیز ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اپنے ملک میں جو آج اصلیت ہے اس سے انہ پناہی جائے۔ عمارت سماج میں بینکی کی حالت دیکھئے۔ ہمیشہ کے جیسا نیچا اور غلام ہے۔ آج بھی غریب اور براہمن ساتھ ساتھ اکثر نہیں دیکھتے۔ ان غریبوں کو عمارت مندر میں جگہ نہیں ہے، پڑ وہ مندر بھی گندگی کے نمونے ہیں اور ان مندروں کے تہیکیدار پندوں کو آتم گیان کتنا ہے یا تہیک چاہتے ہیں یہ تو بھوکوں ہی جانتا ہوگا۔ یا پھر قمار میں گھروں میں اپنی بہنوں کی حالت دیکھئے۔ جو ایک زمانہ میں دیوی تھی آج وہ چولہے کی داسی بنی ہوئی ہے اور اس طرح عمارت سماج کا آدھا حصہ پست پڑا ہے۔ یہ چیزیں اگر بنی رہتی ہیں اور دکھیا کا دکھ نہیں دور ہوتا ہے تو عمارت خیال ہے کہ اپنی آزادی کو بھی ہم زیادہ دن قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے ایک بنیادی انقلاب کی سخت درکار ہے۔ دوسرے لغظوں میں ہمارے یہاں کے غریب سے غریب اور دہلی سے دہلی آدمی کو آرتھک اور سماجی آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ گلاب گلاب کو اپنے وکس و ترقی کی آزادی عزی چاہئے۔ یعنی گرام راج قائم ہونا چاہئے۔ یہ کام جلدی سے جلدی ہونا چاہئے ورنہ ملک خطرہ میں ہے۔ کہہئے مقصد یہ ہے کہ ایک لڑائی یعنی سیاسی

آئی ہوئی ہے، لیکن دکن بہار میں سرکھا پڑ رہا ہے۔ پانی کا یہ بندوقہ ایک دم غلط ہے۔ لیکن یہ غلط اسی وجہ سے ہے کہ زمین کا بندوقہ آپ نے غلط کر رکھا ہے۔ مجھے گاؤں کی کل زمین دان میں دے ڈالنے اور زمین کا دوبارہ بندوقہ کیجئے۔ جس طرح پریم سے گھر میں بچے نہیں اس طرح یہ سب کیجئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ پانی کا یہی بندوقہ ٹھیک طرح سے موچائیگا۔“ اسی طرح انہوں نے ایک جگہ یہ کہا کہ ”بازار کا جو سنکٹ آیا ہے اسے بردان میں بدل سکتے ہیں۔ یہ سنکٹ بھگوان نے آپ کی جانچ کے لئے بھیجا ہے۔ وہ یہ بتاتے ہیں کہ اپنے پاس جو یہی ہے اسے دوسروں کے لئے لٹا کر چلئے۔“ انہوں نے خاص طور سے اپیل واپاری سماج سے کی اور اس سے کہا کہ چیزوں کے دام نہ بڑھائیں۔ بازار کے بعد جو آنتیں آتی ہیں ان کی طرف نیٹائیں یا کارکنوں کا دشیاں کم جانا ہے۔ برسات کے بعد طرح طرح کی بیماریاں اور دوسری مصیبتیں آگھیرتی ہیں۔ اپنے نجی انہوہ کی روشنی میں بابا نے یہ سچھاؤ پیش کیے :

1. پینے کے لئے اُٹے ہوئے پانی کا استعمال کیجئے۔
2. بہت پکے یا سڑے ہوئے پھل اور خراب ترکاریاں نہ کھائیں۔

3. بازار کی مٹھائی اور گندی چیز نہ کھائیے۔

4. گاؤں کو صاف ستھرا رکھئے اور گاؤں کے سب لوگ چھوٹے بڑے امیور غریب و دربارہی شکشک، مل کو پیارو، کدالی اور ٹوکری لے کر لگ جائیں۔

ایک طرف ہمارے نیٹا یا اخبار میں جو بلند آواز سے دروزں روپیہ کی مانگ دلی سرکار سے کر رہے ہیں۔ دوسری طرف ونوبا جی ان کا ہی ایک حصہ بن کر گاؤں کے سبھی رہنے والوں سے پریم سے رہنے اور اپنی مدد خود کرنے کی اپیل کر رہے ہیں۔ پہلی بات کے مقابلہ میں دوسری بات پاگل پن جیسی معلوم ہوگی۔ لیکن وقت جلد ہی یہ ثابت کر دینے والا ہے کہ اپنی مدد خود کرے بغیر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یعنی زمین کی نجی مالکی ختم ہو کر گاؤں کی مالی غمی چلئے اور گاؤں کے قندشوں کو جن کا مرکز چرخہ ہے دوبارہ چلانا چلئے۔ اس کے علاوہ کئی دوسری صورت نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساروجنک کاریہ کرتا اس چیز پر شانتی کے ساتھ غور کریں اور انسانیت کی طرف قدم بڑھائیں۔

— سریش رام پھائی۔

28.9. '54

نئی لڑائی نئے سپاہی

آج سے سات سال پہلے ہم نے جو آزادی حاصل کی وہ ہمارے انہاس کی ایک پرمثال گھنٹا ہے۔ شاید دو ہزار برس کے بعد ہم ہندوستان والوں کو پہلی بار

कि यह कांग्रेसी सरकार निकम्मी है और कोई मदद नहीं करना चाहती. इसके खिलाफ कांग्रेसवाले ऐसी तस्वीर पेश करते थे मानो सरकार ने इस वक़्त जो ख़िदमत की है वह या उससे ज्यादा ख़िदमत न कभी किसी ने की और न की जा सकती है. लेकिन जब अकेले बैठते तो साथ क़बूल करते थे. एक कांग्रेसी भाई ने क़बूल किया कि यह चुनावपूर्व मौसम है और इसका हमें फ़ायदा उठाना चाहिये. दूसरे भाई ने (वह कांग्रेसी M. L. A. थे) कहा कि मदद क्या है अपनी हस्ती साबित करने का एक जरिया है. सौ बातों की एक बात यह है कि इतनी भयानक बाढ़ आने पर भी हमारे नेता या सियासी कारकुन अपने भेद भाव नहीं दूर कर सके और अपनी आदत से बाज़ न आये. नहीं, नहीं, उन्होंने मुल्क का कुछ ख़याल न करके इससे भी अपना निजी फ़ायदा उठाना मुनासिब समझा.

इस बाढ़ से हम जिन नतीजों पर पहुँचे वह यह हैं:

(1) लोगों में एक दूसरे के दुख का एहसास बहुत कम है.

(2) उनके पास करने को कोई काम नहीं है.

(3) उन्हें हैरत होती है कि भला मिलकर भी इस आफ़त का सामना किया जा सकेगा.

सन्त विनोबा को यह सब देख कर बहुत ही तकलीफ़ हुई. लेकिन उनकी प्रार्थना सभाओं में जो इन्तहाई भीड़ होती थी, पांच हज़ार से कम नहीं और कहीं कहीं बीस हज़ार तक, इससे पता चलता था कि जनता इनका संदेश सुनना चाहती है. हर जगह उन्होंने एक चीज़ पर जोर दिया:

“गांवों के अन्दर सब लोग एक ख़ानदान या कुनवे की तरह रहिये. ख़ाली मत बैठिये. कम से कम चख़ ही चलाइये. जिनको कम नक़सान हुआ है वह उनकी मदद करें जिनको ज्यादा नक़सान हुआ है.”

उन्होंने अपने पांव पर खड़े होते और एक दूसरे की मदद करने की अपील की. उन्होंने इस अमर सब की उन्हें याद दिलाई कि बांटने पर दुख घटता है और सुख बढ़ता है. उनके कहने का सार यही था—“अपने सुख दुख में एक हो जाओ.” इसलिये उन्होंने मांग की कि मुझे अब पूरे के पूरे गांव दान में दीजिये. “बाढ़ से यह साफ़ पता चल जाता है कि सारी भूमि गोपाल की है.” और एक दिन एक ज़मींदार साहब बाबा के पास कुछ गुस्से में आ कर बोले—“बड़े दुख की बात है कि जब बाढ़ से हम मरे जा रहे हैं तभी आप दान मांग रहे हैं.” बाबा ने शान्ति के साथ जवाब दिया—“जी हां. इस वजह से दान मांग रहा हूँ क्योंकि आप मरे जा रहे हैं. क्या इस दुनिया से जाने के पहले आप दान कर के नहीं जाना चाहते?” एक दूसरी जगह पर बाबा ने कहा—“उत्तर बिहार में बाढ़

के ये काल्पनिकी सबक नक़्सी है और कौन मदद नहीं करना चाहती. लस के ख़ाफ़ काल्पनिकी वाले ऐसी तस्वीर पेश करते थे मानो सरकार ने लस रीत जो ख़िदमत की है वह या लस से ज्यादा ख़िदमत न कभी किसी ने की और न की जा सकती है. लेकिन जब अकेले बैठते तो साथ क़बूल करते थे. एक कांग्रेसी भाई ने क़बूल किया कि यह चुनावपूर्व मौसम है और इसका हमें फ़ायदा उठाना चाहिये. दूसरे भाई ने (वह कांग्रेसी M. L. A. थे) कहा कि मदद क्या है अपनी हस्ती साबित करने का एक जरिया है. सौ बातों की एक बात यह है कि इतनी भयानक बाढ़ आने पर भी हमारे नेता या सियासी कारकुन अपने भेद भाव नहीं दूर कर सके और अपनी आदत से बाज़ न आये. नहीं, नहीं, उन्होंने मुल्क का कुछ ख़याल न करके इससे भी अपना निजी फ़ायदा उठाना मुनासिब समझा.

लस बाढ़ से हम जिन नतीजों पर पहुँचे वह ये हैं:

(1) लोगों में एक दूसरे के दुख का एहसास बहुत कम है.

(2) उनके पास करने को कोई काम नहीं है.

(3) उन्हें हैरत होती है कि भला मिलकर भी इस आफ़त का सामना किया जा सकेगा.

सन्त विनोबा को यह सब देख कर बहुत ही तकलीफ़ हुई. लेकिन उनकी प्रार्थना सभाओं में जो इन्तहाई भीड़ होती थी, पांच हज़ार से कम नहीं और कहीं कहीं बीस हज़ार तक, इससे पता चलता था कि जनता इनका संदेश सुनना चाहती है. हर जगह उन्होंने एक चीज़ पर जोर दिया:

“गांवों के अन्दर सब लोग एक ख़ानदान या कुनवे की तरह रहिये. ख़ाली मत बैठिये. कम से कम चख़ ही चलाइये. जिनको कम नक़सान हुआ है वह उनकी मदद करें जिनको ज्यादा नक़सान हुआ है.”

उन्होंने अपने पांव पर खड़े होते और एक दूसरे की मदद करने की अपील की. उन्होंने इस अमर सब की उन्हें याद दिलाई कि बांटने पर दुख घटता है और सुख बढ़ता है. उनके कहने का सार यही था—“अपने सुख दुख में एक हो जाओ.” इसलिये उन्होंने मांग की कि मुझे अब पूरे के पूरे गांव दान में दीजिये. “बाढ़ से यह साफ़ पता चल जाता है कि सारी भूमि गोपाल की है.” और एक दिन एक ज़मींदार साहब बाबा के पास कुछ गुस्से में आ कर बोले—“बड़े दुख की बात है कि जब बाढ़ से हम मरे जा रहे हैं तभी आप दान मांग रहे हैं.” बाबा ने शान्ति के साथ जवाब दिया—“जी हां. इस वजह से दान मांग रहा हूँ क्योंकि आप मरे जा रहे हैं. क्या इस दुनिया से जाने के पहले आप दान कर के नहीं जाना चाहते?” एक दूसरी जगह पर बाबा ने कहा—“उत्तर बिहार में बाढ़

दिये हैं। पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके। हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने खुद देखे। लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तकसील दिखला कर सत्र करेंगे, सत्य बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है। इसका राकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार, इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी। साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ। लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे, और तब तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्द 100 बी सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वक्त गुजार रहे थे। उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं। उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था। मानो गांव का थे आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्द (गैर की बुराई)। सब से ज्यादा तकलीफदह बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था। अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था। एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी। पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था।

बाढ़जदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है। नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों। सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है। वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको मेज़ कुर्सी मिल सके, और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तक्रसीम करा देते हैं। नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती। उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है। इसलिये वह महज सत्र करके रह जाते हैं और जो देहात ज्यादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया। इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर कांग्रेसी सियासतदारों ने यह रुख अख्तियार किया

दिये हैं। पर हमारे पास तो कोई ऐसा औजार है नहीं जिसके जरिये से यह नुकसान नापा जा सके, हम तो सिर्फ उन गांव के बारे में कह सकते हैं जो हमने खुद देखे। लिहाजा एक गांव के बारे में नुकसान की तकसील दिखला कर सत्र करेंगे, सत्य बुजुर्ग नाम का गांव नरहन रेलवे स्टेशन के नजदीक है। इसका राकबा 1700 बीघा, आबादी करीब 6000, घर या खानदान करीब एक हजार, इस गांव में तकरीबन तीन-चौथाई मकान गिरे थे और आधी फसल बरबाद हुई थी। साधारण हिसाब से, फसल का नुकसान करीब 76,000 रुपये का हुआ। लेकिन इस सब से ज्यादा नुकसान की बात यह थी कि लोग घरों पर एक दम बेकार बैठे थे, और तब तो अपने घरलू काम में लगी थीं, मगर मर्द 100 बी सदी ही हाथ पर हाथ धरे खाली वक्त गुजार रहे थे। उनको देखकर ऐसा लगता था कि भगवान ने उनके लिये हाथ बिला जरूरत के दिये हैं। उनके पास करने को कतई कोई काम नहीं था। मानो गांव का थे आदमी एक ऐसे मन्दिर का पुजारी था जिसमें तीन देवता थे—सुस्ती, बेकारी और पर-निन्द (गैर की बुराई)। सब से ज्यादा तकलीफदह बात यह थी कि किसी को अपने पड़ोसी के दुख का एहसास नहीं था। अक्सर ऐसा दिखलाई पड़ा कि जो अच्छी तरह खाते पीते, मजा करते थे, उनके ठाठ पहले के जैसे ही जारी थे और गरीब पड़ोसी जिसका मकान गिर गया है, सामान बेकार हो गया है, उसकी तरफ उनका ध्यान जरा भी नहीं जाता था। एक जगह हमने देखा कि एक बुढ़िया जिसका मकान गिर गया है, रो रही थी। पर कोई उसकी मदद को नहीं आता था।

बाढ़जदा लोगों को जो मदद दी गई है उसके बारे में तो जितना कहा जाए थोड़ा है। नेता लोग, एम. एल. ए. और एम. पी. ज्यादातर ऐसे ही गांव तक पहुंच पाते थे जो रेलवे स्टेशन के या मोटर की सड़क के पास हों। सरकारी अक्सर जो इस काम के लिये भेजा जाता है उसे मानो इस काम में कोई दिलचस्पी ही नहीं है। वह गांव के रईस या बड़े बड़े हाथी वाले बाबू साहब के पास पहुंचता है जहां उसको मेज़ कुर्सी मिल सके, और यह बाबू साहब अपने दरबारियों के कहने के मुताबिक सरकारी इमदाद तक्रसीम करा देते हैं। नतीजा यह है कि जिन्हें मदद नहीं मिलनी चाहिये, इन्हें मिल जाती है और जो असल में जरूरतमन्द हैं उनकी सुनवाई भी नहीं होती। उन गरीबों की कहीं पहुंच भी नहीं है। इसलिये वह महज सत्र करके रह जाते हैं और जो देहात ज्यादा अन्दर को हैं वहां तो न कोई मदद गई है और न बाहर से ही कोई पूछने आया। इस इमदाद का एक बड़ा और खतरनाक पहलू यह भी है कि गैर कांग्रेसी सियासतदारों ने यह रुख अख्तियार किया

हम दरभंगा जिले के समस्तीपुर सब डिविजन के सात थानों में गए. ताजपुर, मोहदीनगर, दलसिंगसराय, समस्तीपुर, वारिसनगर, रोटरा और संध्य और सदर सब डिविजन के बहेड़ा और बरौल थानों के कुछ हिस्सों में गए. ज्यादातर सकर बैदल ही रहा मगर पानी गहरा होने पर नाव का भी इस्तेमाल किया. जगह जगह पानी इतना गहरा था कि नाववाले मल्लाहों तक को कोई अन्दाजा उसकी गहराई का नहीं था. क्या दरया और क्या खेत के चूर मिल कर एक हो गए थे और पानी ही पानी नजर आता था. और क्योंकि ऐसी बाढ़ पहले कभी नहीं आई थी इसलिये कोई कह नहीं सकता था कि कहां कितनी गहराई होगी. नतीजा यह हुआ कि जिन फास्तों को तय करने में तीन तीन घंटे लगने चाहिये थे इनकी जगह छः घंटे लगे. कई मुकाम ऐसे थे जैसे संध्य (नरहन स्टेशन के नजदीक), संध्य थाना, पोखराम और बंदा जहां हम सुबह के साढ़े चार बजे के चले चलाए दोपहर के बारह बजे या इस के भी बाढ़ पहुंचे. कभी कभी जब क्रूरत बहुत मेहरबान हो जाती थी तो ऊपर से घनघोर पानी पड़ा करता था और हम लोग वाचा (संत विनोबा को हम इसी नाम से पुकारते हैं) के पीछे बिना किसी छाते या बरसाती के चलते चले जाते थे. कई मुकाम ऐसे थे जैसे पतीली, हांसा, समरथा, संध्य और हतौड़ी जो एकदम जखीरा जैसे मालूम पड़ते थे. उन के चारों तरफ पानी ही पानी था.

इस बाढ़ से नुकसान कितना हुआ इसका ठीक तखमीना तो लगाना नामुमकिन सा ही है. जहां तक देखने से पता चलता था मकान तो अंगिनी गिरे थे. फसलें कितनी बरबाद हुई इस का भी कोई हिसाब नहीं लगाया जा सकता. और न पैसे से इसे चुकाया ही जा सकता है. जानवर भी बीसियों के तादाद में बह गए. खुशी की बात है कि आदमी की जाने बहुत कम गई. जितनी बड़ी यह बाढ़ थी उस लिहाज से जाने बहुत ही थोड़ी, नहीं के बराबर, जाया हुई. इस से पता चलता है कि आम जनता वक्त से जाग गई थी और बहादुरी के साथ उस ने इस आफत का सामना किया. बड़ी खमोशी, हिम्मत और जाबामर्दी के साथ उन्होंने इसका मुकाबला किया जिस पर हर कोई फख्र कर सकता है. बाढ़ का पहला हमला जुलाई के तीसरे हफ्ते में हुआ. ढाई तीन हफ्ते के अन्दर यह बाढ़ घट गई. लेकिन अगस्त के तीसरे हफ्ते में बाढ़ फिर तेजी पकड़ गई और इस मर्तवा पहले के मुकाबले ज्यादा खौफनाक थी. अगस्त के आखरी हफ्ते में वह भी उतर गई. कभी कभी वह फिर भी धमकाती है, लेकिन अब तो वक्त निकल गया और उम्मीद है कि इस साल अब और न आयेगी.

बिहार में बाढ़ से जो नुकसान हुआ है इस का अन्दाजा लगाने हुए एक से एक तीरान्दाजी बयान प्रेस में नेताओं ने

म दिया. गाल के समस्तीपुर सब डिविजन के सात थानों में गए. ताजपुर, मोहदीनगर, दलसिंगसराय, समस्तीपुर, वारिसनगर, रोटरा और संध्य और सदर सब डिविजन के बहेड़ा और बरौल थानों के कुछ हिस्सों में गए. ज्यादातर सकर बैदल ही रहा मगर पानी गहरा होने पर नाव का भी इस्तेमाल किया. जगह जगह पानी इतना गहरा था कि नाववाले मल्लाहों तक को कोई अन्दाजा उसकी गहराई का नहीं था. क्या दरया और क्या खेत के चूर मिल कर एक हो गए थे और पानी ही पानी नजर आता था. और क्योंकि ऐसी बाढ़ पहले कभी नहीं आई थी इसलिये कोई कह नहीं सकता था कि कहां कितनी गहराई होगी. नतीजा यह हुआ कि जिन फास्तों को तय करने में तीन तीन घंटे लगने चाहिये थे इनकी जगह छः घंटे लगे. कई मुकाम ऐसे थे जैसे संध्य (नरहन स्टेशन के नजदीक), संध्य थाना, पोखराम और बंदा जहां हम सुबह के साढ़े चार बजे के चले चलाए दोपहर के बारह बजे या इस के भी बाढ़ पहुंचे. कभी कभी जब क्रूरत बहुत मेहरबान हो जाती थी तो ऊपर से घनघोर पानी पड़ा करता था और हम लोग वाचा (संत विनोबा को हम इसी नाम से पुकारते हैं) के पीछे बिना किसी छाते या बरसाती के चलते चले जाते थे. कई मुकाम ऐसे थे जैसे पतीली, हांसा, समरथा, संध्य और हतौड़ी जो एकदम जखीरा जैसे मालूम पड़ते थे. उन के चारों तरफ पानी ही पानी था.

इस बाढ़ से नुकसान कितना हुआ इसका ठीक तखमीना तो लगाना नामुमकिन सा ही है. जहां तक देखने से पता चलता था मकान तो अंगिनी गिरे थे. फसलें कितनी बरबाद हुई इस का भी कोई हिसाब नहीं लगाया जा सकता. और न पैसे से इसे चुकाया ही जा सकता है. जानवर भी बीसियों के तादाद में बह गए. खुशी की बात है कि आदमी की जाने बहुत कम गई. जितनी बड़ी यह बाढ़ थी उस लिहाज से जाने बहुत ही थोड़ी, नहीं के बराबर, जाया हुई. इस से पता चलता है कि आम जनता वक्त से जाग गई थी और बहादुरी के साथ उस ने इस आफत का सामना किया. बड़ी खमोशी, हिम्मत और जाबामर्दी के साथ उन्होंने इसका मुकाबला किया जिस पर हर कोई फख्र कर सकता है. बाढ़ का पहला हमला जुलाई के तीसरे हफ्ते में हुआ. ढाई तीन हफ्ते के अन्दर यह बाढ़ घट गई. लेकिन अगस्त के तीसरे हफ्ते में बाढ़ फिर तेजी पकड़ गई और इस मर्तवा पहले के मुकाबले ज्यादा खौफनाक थी. अगस्त के आखरी हफ्ते में वह भी उतर गई. कभी कभी वह फिर भी धमकाती है, लेकिन अब तो वक्त निकल गया और उम्मीद है कि इस साल अब और न आयेगी.

مگر پرم کی فصل ہر سال بڑھتی ہی جاتی اور لوگ اپنی قربانی کے لئے ہر دم تیار رہ کر ایک دوسرے کی ہمدردی میں شریک ہو کر سارے ملک کو مضبوط اور قہوس بنالینے جس پر نہ ہمارے حملے کا اثر ہوگا اور اندر بدامنی پیدا ہونے کا تو سوال ہی نہیں۔ ہم یہ خیالی بات نہیں کہ رہے ہیں۔ ایسا زمانہ آئیگا، آ رہا ہے اور آنا شروع ہو گیا ہے۔ یہودان یکہ آندولن کو تہزی بہت چر، کچھ بی کامیابی اب تک ملی وہ پرم کی طانت کی کامیابی کو خوب ظاہر کرتی ہے۔ لیکن ہاں، ٹم قبول کرتے ہیں کہ ویل فیڈرلسٹیت کے مقصد کی طرف جہاں کانگریس اور کانگریسی حکومت کا زور لگ رہا ہے، وہاں دوسری سیاسی پارٹیز، واپاری طبقہ، بڑھ لکھ اور نوکر پیشہ بھائی بھائیوں کا بھی، دراصل ان کا ہلکا اس وقت بہت باری ہے۔ اس کے خلاف گرام راج کی طرف بہت کم ہی طانت اب تک لگی ہے، لیکن جو کچھ لگی ہے وہ جتنا کی اپنی طانت ہے جسے کوئی دوسرا دنیوی سپہا نہیں۔ ان دونوں طانتوں کا مقابلہ ہے کہ ملک ویل فیڈرلسٹیت کی طرف بڑھ یا گرام راج کی طرف۔ آج ملک کے فوجدان بھائی بھائیوں کے آگے سب سے بڑا سوال یہی ہے کہ ان دونوں میں سے وہ کونسی راہ چنتے ہیں اور کس طرف اپنا کندھا لگانا چاہتے ہیں۔

23. 8 '54

—سوریشرام موہی

—سوریش رام بھائی

23. 8. '54

باڑہ پیڑت در بھنگا میں

مگر اس سال کے باڑہ کے عادی ہیں۔ مگر اس سال کے جیسی باڑہ شاید کبھی نہیں آئی۔ شاید ایسی وجہ یہ ہے کہ اس بار کی باڑہ اس بڑی باڑہ کا حصہ ہے جو پنجسی پورب کے کچھ حصوں سے لے کر تھیتی پورب چین تک آئی اور جس نے سب سے زیادہ تہلفی چین میں کی۔ پنچم کے طرف کے دیشوں میں اس کی ختمی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ہندستان میں سب سے زیادہ نقصان آسام کو پہونچا، اس کے بعد بنگال اور پھو بہار۔ لیکن آئر بہار میں چھوٹی بڑی بہت سی ندیاں بہتی ہیں جن کی وجہ سے اس بارہ میں سارے آئر بہار نے ایک بڑے بھاری سمندر کا سا روپ لے لیا، ایسا سمندر جس کے پورب میں کوسی ندی ہے، پنچم میں گندک ندی، آئر میں ہمالیہ پہاڑ اور دکھن میں گنگا۔ اس وجہ سے آئر بہار کو زبردست نقصان پہونچا۔ گندک، بوڑھی گندک، اکھن دئی، باگمتی، کوسی اور ان کی آٹھنٹی چھوٹی بڑی شاخیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتے میں سنت رنوبا جی کے ساتھ ہمارا اتران درہنگا ضلع میں پیدل سفر کر کے کا ہوا جب ہم نے بہت نزدیک سے وشن کی درد بھری حالت کو دیکھا۔

باڑہ پیڑت در بھنگا میں

مگر اس سال کے باڑہ کے عادی ہیں۔ مگر اس سال کے جیسی باڑہ شاید کبھی نہیں آئی۔ شاید ایسی وجہ یہ ہے کہ اس بار کی باڑہ اس بڑی باڑہ کا حصہ ہے جو پنجسی پورب کے کچھ حصوں سے لے کر تھیتی پورب چین تک آئی اور جس نے سب سے زیادہ تہلفی چین میں کی۔ پنچم کے طرف کے دیشوں میں اس کی ختمی کم ہوتی چلی گئی ہے۔ ہندستان میں سب سے زیادہ نقصان آسام کو پہونچا، اس کے بعد بنگال اور پھو بہار۔ لیکن آئر بہار میں چھوٹی بڑی بہت سی ندیاں بہتی ہیں جن کی وجہ سے اس بارہ میں سارے آئر بہار نے ایک بڑے بھاری سمندر کا سا روپ لے لیا، ایسا سمندر جس کے پورب میں کوسی ندی ہے، پنچم میں گندک ندی، آئر میں ہمالیہ پہاڑ اور دکھن میں گنگا۔ اس وجہ سے آئر بہار کو زبردست نقصان پہونچا۔ گندک، بوڑھی گندک، اکھن دئی، باگمتی، کوسی اور ان کی آٹھنٹی چھوٹی بڑی شاخیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔ اگست کے دوسرے اور تیسرے ہفتے میں سنت رنوبا جی کے ساتھ ہمارا اتران درہنگا ضلع میں پیدل سفر کر کے کا ہوا جب ہم نے بہت نزدیک سے وشن کی درد بھری حالت کو دیکھا۔

بناتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جو اس لوٹ کھسوٹ میں ناکامیاب رہتے ہیں ان کے لئے سرکار پنشن دیتی ہے۔ آج ہندوستان میں کئی بیڈیہوا اور درجے بنے ہوئے ہیں۔ ویل فیڈر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہوتے ہیں کہ سماج کے اس ذمہ دار میں اور بھی درازیں پیدا کرنا اور ملک کو کمزور بنانا۔

تیسرا اور سب سے اہم خतरہ یہ ہے کہ باہر سے آکر کسی ملک کا ہمارے ملک پر حملہ ہوتا ہے تو جو مکرکچ یا کنڈر سے ہضم آئے گا وہی لوگ کرکے۔ مان لیجئے کہ دشمن کے در میں آکر یا کسی اور کمزوری سے مرکز نے غارت ڈالنا طے کر دیا تو اس کے معنی ہوئے سارے ملک نے غارت قبول کر لی اور اپنی آزادی ختم۔ یا اسی طرح مرکز نے کسی باہری ملک سے کوئی خاص فوجی سامان خرید کر لیا جسے پاکستان نے امریکہ سے کیا تو ہمارا ملک دوسرے کے ماتحت میں چلا گیا۔ جب جتنا سے صلاح مشورہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے تو جو ناچ دلی والوں کو ناچنا منظور ہو وہی سارے ملک کو ناچا ہوگا۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ویل فیڈر اسٹیٹ میں ملک کے سارے روزگار و کاروبار مرکز کے ماتحت میں آجاتے ہیں۔ تو ایسی طور پر ہمارے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں آج اتنی دردناک بیکاری ہے وہاں وہ اور بھی سنگین ہو جائیگی۔

اس طرح جس پہلو میں ویل فیڈر اسٹیٹ کا خیال و نقشہ ہمارے دیش کے لئے نقصان دہ ہی نہیں تباہ کن ہے۔ ہمیں اس وقت اشتہاری ڈاکٹر راجندر پرشاد کے وہ لفظ یاد آ رہے ہیں جو انہوں نے گت 10 اپریل کو بڑے گرام میں ایک ظاہر سبیا میں کہے تھے۔ انہوں نے قبول کیا تھا کہ آزادی کے بعد جتنا ہم کو بڑا قدم بڑھانے کی بجائے اسے نیچے نیچے دبانوں میں باندھتے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ اچھا ہی نہ آئے گا ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ حال ہی میں کسی صوبہ کے چیف جسٹس نے بی بی اس طرح کے خیال ظاہر کئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ویل فیڈر اسٹیٹ کا خیال محض ودشی ہی نہیں اس کا نمونہ بھی ہمارے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس کے خلاف ہم کو بڑا قدم بڑھانا ہے جس میں درجہ نہ ہو جو پانی کی مانند ایک شمس یا سمرس ہو جہاں حکومت کا سایہ نہ ہو یعنی جو شمس مکت ہو اور جہاں کوئی کسی کو نوچتا یا لوٹتا نہ ہو یعنی جو شوشن رہت ہو۔ اسی کو ہم دوسرے لفظوں میں گرم راج کہہ سکتے ہیں، گرم راج خود مختار ہو اور سب مل کر ہندوستان کے اس طرح کے جزیرے بن جائیں۔ ان جیسے ایک جسم کے جزیرے ناف کان سر وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک ہی خوشی میں دوسرے کی خوشی ہو اور ایک کے لیے میں دوسرے کا دل نہ ہو۔ گرم راج میں کوئی نسل اے نہ آئے

بناتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جو اس لوٹ کھسوٹ میں ناکامیاب رہتے ہیں ان کے لئے سرکار پنشن دیتی ہے۔ آج ہندوستان میں کئی بیڈیہوا اور درجے بنے ہوئے ہیں۔ ویل فیڈر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہوتے ہیں کہ سماج کے اس ذمہ دار میں اور بھی درازیں پیدا کرنا اور ملک کو کمزور بنانا۔

تیسرا اور سب سے اہم خतरہ یہ ہے کہ باہر سے آکر کسی ملک کا ہمارے ملک پر حملہ ہوتا ہے تو جو مکرکچ یا کنڈر سے ہضم آئے گا وہی لوگ کرکے۔ مان لیجئے کہ دشمن کے در میں آکر یا کسی اور کمزوری سے مرکز نے غارت ڈالنا طے کر دیا تو اس کے معنی ہوئے سارے ملک نے غارت قبول کر لی اور اپنی آزادی ختم۔ یا اسی طرح مرکز نے کسی باہری ملک سے کوئی خاص فوجی سامان خرید کر لیا جسے پاکستان نے امریکہ سے کیا تو ہمارا ملک دوسرے کے ماتحت میں چلا گیا۔ جب جتنا سے صلاح مشورہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے تو جو ناچ دلی والوں کو ناچنا منظور ہو وہی سارے ملک کو ناچا ہوگا۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ویل فیڈر اسٹیٹ میں ملک کے سارے روزگار و کاروبار مرکز کے ماتحت میں آجاتے ہیں۔ تو ایسی طور پر ہمارے ہندوستان جیسے ملک میں جہاں آج اتنی دردناک بیکاری ہے وہاں وہ اور بھی سنگین ہو جائیگی۔

اس طرح جس پہلو میں ویل فیڈر اسٹیٹ کا خیال و نقشہ ہمارے دیش کے لئے نقصان دہ ہی نہیں تباہ کن ہے۔ ہمیں اس وقت اشتہاری ڈاکٹر راجندر پرشاد کے وہ لفظ یاد آ رہے ہیں جو انہوں نے گت 10 اپریل کو بڑے گرام میں ایک ظاہر سبیا میں کہے تھے۔ انہوں نے قبول کیا تھا کہ آزادی کے بعد جتنا ہم کو بڑا قدم بڑھانے کی بجائے اسے نیچے نیچے دبانوں میں باندھتے جا رہے ہیں جس کا نتیجہ اچھا ہی نہ آئے گا ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ حال ہی میں کسی صوبہ کے چیف جسٹس نے بی بی اس طرح کے خیال ظاہر کئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ویل فیڈر اسٹیٹ کا خیال محض ودشی ہی نہیں اس کا نمونہ بھی ہمارے لئے موزوں نہیں ہے۔ اس کے خلاف ہم کو بڑا قدم بڑھانا ہے جس میں درجہ نہ ہو جو پانی کی مانند ایک شمس یا سمرس ہو جہاں حکومت کا سایہ نہ ہو یعنی جو شمس مکت ہو اور جہاں کوئی کسی کو نوچتا یا لوٹتا نہ ہو یعنی جو شوشن رہت ہو۔ اسی کو ہم دوسرے لفظوں میں گرم راج کہہ سکتے ہیں، گرم راج خود مختار ہو اور سب مل کر ہندوستان کے اس طرح کے جزیرے بن جائیں۔ ان جیسے ایک جسم کے جزیرے ناف کان سر وغیرہ ہوتے ہیں۔ ایک ہی خوشی میں دوسرے کی خوشی ہو اور ایک کے لیے میں دوسرے کا دل نہ ہو۔ گرم راج میں کوئی نسل اے نہ آئے

یہاں وکیل فیڈر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہونگے کہ ہمارا کھانا پینا، کپڑا لٹا، تالیف، دوا دارو، ہر چیز میں ہم سرکار کے محتاج بن جائیں اور ہماری ہر حرکت یا چہل پہل سرکار کے کنٹرول میں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مان لیجئے، جیسا آج ہے، اُنر بہار میں بازہ آئی، تو اس کے معائنہ کے لئے نئی دلی سے وفد یا کمیشن آئے گا، وہ موقع محل کی جانچ کرے گا، دہلی واپس لوٹ کر اپنی رپورٹ پیش کرے گا، تب دہلی کے دفتر سے پتہ کے دفتر کو حکم جاری ہوئے، پھر پتہ کے دفتر سے کلکتہ کے دفتر میں کلغ درجئے، پھر وہاں سے سب ڈیڑن یا تھانوں میں اور تب کہیں کام کا نمبر آئے گا۔ اس بیچ جو جتنا بازہ سے پریشان ہو رہی ہے وہ تو تباہ ہی ہو جائے گی، کیونکہ وکیل فیڈر اسٹیٹ ہے، ایک دوسرے کی مدد کوئی کرنے گا نہیں، جو کچھ کرے سرکار کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مان لیجئے کہ گوداری ندی میں بھی بازہ آگئی۔ تب دہلی والے سوچئے کہ آندھرا کا مسئلہ زیادہ بھانک ہے یا اُنر بہار کا اور وہ کسے مدد کرے یا نہ کرے یا کس کو مدد کم کرے اور کسی کو زیادہ۔ اتنا لمبا چوڑا ملک، اور اس کی ساری طاقت دہلی میں لا، سمیت دی گئی تو ادھر جتنا ملے ملے کرے گی، ادھر دہلی کے حکام، نار اور فون کی ٹن ٹن سے گھبرا جائیں گے کہ کہاں جائیں کہاں نہ، جائیں، دیا کریں کیا نہ کریں۔ یہ بات ایک دوسری مثال سے زیادہ صاف ہو سکے گی۔ مان لیجئے اس جہاں کے بنانے والے نے یہاں وکیل فیڈر اسٹیٹ بنانے کا طے کیا ہوتا تو اپنے سب بندوں کے دل، دماغ، ناک، کان، آنکھ سب اپنے پاس رکھ ہوتے اور محتض دھڑ و ہڈیاں اُسی کو دے دی ہوتیں۔ اب کسی کو کچھ دیکھنے کی ضرورت پڑی تو اُنکے کے لئے تار بیچ رہا ہے، کسی کو چلنے کی ضرورت پڑی تو رنگ کی مانگ کرنا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ادنا پریشان ہو جاتا۔ ادنا پریشان ہوجانا کہ اُسے دم مارنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ لیکن اُس نے یہ نہ کرکے ہر اُسی کو سوار لہی بنایا، ہر ایک کو سب سادھن دے دیئے اور آزاد چھوڑ دیا۔ اس کا پتل یہ تھا کہ آج وہ شیر ساگر میں ایسے آرام سے سوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کی ہستی تک کو ماننے سے انکار کرتے ہیں!

وکیل فیڈر اسٹیٹ کا دوسرا خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس میں سماج میں بے دہانہ شہوت سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کو ایک دوسرے کو لڑنے و نوجھنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ جو اس فن میں زیادہ ماهر ہوگا اس نے زیادہ کمائی کرلی، اسے زیادہ سہولیت حاصل ہوگئی اور وہ اتنا ہی بڑا اُسی ہوگیا، چاہے وہ بیوپار میں ہو یا سرکاری ملازمت میں۔ اس طرح اور سے نیچے تک درجے پر درجے

یہاں وکیل فیڈر اسٹیٹ بنانے کے معنی ہونگے کہ ہمارا کھانا پینا، کپڑا لٹا، تالیف، دوا دارو، ہر چیز میں ہم سرکار کے محتاج بن جائیں اور ہماری ہر حرکت یا چہل پہل سرکار کے کنٹرول میں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مان لیجئے، جیسا آج ہے، اُنر بہار میں بازہ آئی، تو اس کے معائنہ کے لئے نئی دلی سے وفد یا کمیشن آئے گا، وہ موقع محل کی جانچ کرے گا، دہلی واپس لوٹ کر اپنی رپورٹ پیش کرے گا، تب دہلی کے دفتر سے پتہ کے دفتر کو حکم جاری ہوئے، پھر پتہ کے دفتر سے کلکتہ کے دفتر میں کلغ درجئے، پھر وہاں سے سب ڈیڑن یا تھانوں میں اور تب کہیں کام کا نمبر آئے گا۔ اس بیچ جو جتنا بازہ سے پریشان ہو رہی ہے وہ تو تباہ ہی ہو جائے گی، کیونکہ وکیل فیڈر اسٹیٹ ہے، ایک دوسرے کی مدد کوئی کرنے گا نہیں، جو کچھ کرے سرکار کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مان لیجئے کہ گوداری ندی میں بھی بازہ آگئی۔ تب دہلی والے سوچئے کہ آندھرا کا مسئلہ زیادہ بھانک ہے یا اُنر بہار کا اور وہ کسے مدد کرے یا نہ کرے یا کس کو مدد کم کرے اور کسی کو زیادہ۔ اتنا لمبا چوڑا ملک، اور اس کی ساری طاقت دہلی میں لا، سمیت دی گئی تو ادھر جتنا ملے ملے کرے گی، ادھر دہلی کے حکام، نار اور فون کی ٹن ٹن سے گھبرا جائیں گے کہ کہاں جائیں کہاں نہ، جائیں، دیا کریں کیا نہ کریں۔ یہ بات ایک دوسری مثال سے زیادہ صاف ہو سکے گی۔ مان لیجئے اس جہاں کے بنانے والے نے یہاں وکیل فیڈر اسٹیٹ بنانے کا طے کیا ہوتا تو اپنے سب بندوں کے دل، دماغ، ناک، کان، آنکھ سب اپنے پاس رکھ ہوتے اور محتض دھڑ و ہڈیاں اُسی کو دے دی ہوتیں۔ اب کسی کو کچھ دیکھنے کی ضرورت پڑی تو اُنکے کے لئے تار بیچ رہا ہے، کسی کو چلنے کی ضرورت پڑی تو رنگ کی مانگ کرنا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ ادنا پریشان ہو جاتا۔ ادنا پریشان ہوجانا کہ اُسے دم مارنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ لیکن اُس نے یہ نہ کرکے ہر اُسی کو سوار لہی بنایا، ہر ایک کو سب سادھن دے دیئے اور آزاد چھوڑ دیا۔ اس کا پتل یہ تھا کہ آج وہ شیر ساگر میں ایسے آرام سے سوتا ہے کہ بہت سے لوگ اس کی ہستی تک کو ماننے سے انکار کرتے ہیں!

وکیل فیڈر اسٹیٹ کا دوسرا خطرناک پہلو یہ ہے کہ اس میں سماج میں بے دہانہ شہوت سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کو ایک دوسرے کو لڑنے و نوجھنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ جو اس فن میں زیادہ ماهر ہوگا اس نے زیادہ کمائی کرلی، اسے زیادہ سہولیت حاصل ہوگئی اور وہ اتنا ہی بڑا اُسی ہوگیا، چاہے وہ بیوپار میں ہو یا سرکاری ملازمت میں۔ اس طرح اور سے نیچے تک درجے پر درجے

یہاں پر تیسرے ٹیہراؤ پر وچار کرینگے . اس کا نام ہے "Planned development" (پلانڈ ڈیولپمنٹ) یانی योजना بन्द विकास . اس ٹیہرا کا پہلا جوملا यह है—

"The objective of the Congress is the establishment of a co-operative Commonwealth and a Welfare State."

(کانگرس کا مکتسد है कि एक कोआपरेटिव कामन-वैल्थ और एक वैलफेअर हुकुमत कायम की जाये)

पाठक देखेंगे कि "कोआपरेटिव कामनवैल्थ" और "वैलफेअर" इन दो खयालों के लिये हम कोई देसी लफज नहीं दे सके और हमारा खयाल है कि ऐसा करना नामुमकिन नहीं तो मुश्किल जरूर है क्योंकि उनके पीछे जो विचार है वह कतई अंग्रेजी या मराठी है, यों "वैलफेअर" स्टेट की जगह "कल्याण राज" लफज लिखे जाने लगे हैं लेकिन "वैलफेअर" और "कल्याण" में बहुत भारी फर्क है, शायद उसी तरह का फर्क है जैसा "Stateless" और "शासन मुक्त" में, कैसी बदकिस्मती की बात है कि हिन्दुस्तान जैसे आजाद मुक्त की कांग्रेस जैसी बड़ी और पुरानी संस्था या पार्टी का मक्तसद ऐसे लफजों में जाहिर किया जाये जिसको बाहर वाले तो समझ सकें पर खुद हिन्दुस्तान के लोग नहीं. इससे इस संस्था की गरीब खयाली का पता चलता है और यह भी साफ मालूम हो जाता है कि उसके सोचने का ढंग किस क्रूर प्रदेशी है. जहां विचार'या खयाल की मोहताजगी है वहां किस तरह लोगों के अन्दर नई जान फूँकी जा सकती है हम नहीं समझ सकते.

मामूली तौर से "वैलफेअर" के मानी हैं "बेहतरी." कहते भी हैं कि मैं आपका "वैलफेअर" यानी "बेहतरी" चाहता हूँ. इधर चन्द बरसों से ही इंगलैण्ड और अमरीका में "वैलफेअर स्टेट" का खयाल बुलन्द हुआ है और आम जनता की तरफ से न उठकर हुकुमती दायरों की तरफ से उठा है. उसकी तह में यह जजबा है कि रिआया की बेहतरी का जिम्मा सरकार का है. चुनांचे जित्दगी के ज्यादा से ज्यादा पहलुओं पर सरकार को हावी होना चाहिये. यही वजह है कि आज इंगलैण्ड और अमरीका में, बूढ़े लोग हों या बेरोजगार जवान हों, उनकी परवरिश हुकुमत करती है और बतौर पैशन के उन्हें कुछ देती है. वहां आये दिन हर चीज के लिये कानून बनते चले जा रहे हैं, मानो जनता दिन दिन अपाहिज होती जा रही हो. मगर खैर इंगलैण्ड और अमरीका के पास दौलत, दूसरे मुक्तों पर उनका गुप्त या जाहिर असर है और दुनिया के वह साहकार भी ठेहरे, जिस वजह से वह इस तरह पैशन दे सकते और अपना काम चला सकते हैं. लेकिन हमारे देस की तो हालत ही दूसरी है.

یہاں پر تیسرے ٹیہراؤ پر وچار کرینگے . اس کا نام ہے "Planned development" (پلانڈ ڈیولپمنٹ) یعنی योजना بन्द وکس . اس ٹیہرا کا پہلا جملہ یہ ہے—

"The objective of the Congress is the establishment of a co-operative commonwealth and a Welfare State"

(کانگرس کا مقصد है کہ ایک کوآپریٹو کامن ویلفیہ اور)

ایک ویل فیئر حکومت قائم کی جائے)

پائیک دیکھیں گے کہ "کوآپریٹو کامن ویلفیہ" اور "ویل فیئر" ان دو خیالوں کے لئے ہم کوئی دیسی لفظ نہیں دے سکے اور عمارا خیال ہے کہ ایسا کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ ان کے پیچھے جو وچار ہے وہ قطعی انگریزی یا مغربی ہے. یوں "ویل فیئر اسٹیٹ" کی جگہ "کلیان راج" لفظ لکھ جانے لگے ہیں لیکن "ویل فیئر" اور "کلیان" میں بہت بھاری فرق ہے. شاید اسی طرح کا فرق ہے جیسا "Stateless" اور "شائین مکت" میں. کیسی بدقسمتی کی بات ہے کہ هندوستان جیسے آزاد ملک کی کانگرس جیسی بڑی اور بڑاٹلی سنسٹہ یا پارٹی کا مقصد ایسے لفظوں میں ظاہر کیا جائے جس کو باہر والے تو سمجھ سکیں پر خود هندوستان کے لوگ نہیں. اس سے اس سنسٹہ کی غریب خیالی کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے سوچنے کا تفنگ کس قدر پرندسی ہے. جہاں وچار یا خیال کی محتاجگی ہے وہاں کس طرح لوگوں کے اندر نئی جان بھونکی جا سکتی ہے ہم نہیں سمجھ سکتے.

معمولی طور سے "ویل فیئر" کے معنی عین "بہتری" کہتے ہیں عین کہ میں آپ کا "ویل فیئر" یعنی "بہتری" چاہتا ہوں. ادھر چند برسوں سے ہی انکلیمنڈ اور امریکہ میں "ویل فیئر اسٹیٹ" کا خیال بلند ہوا ہے اور عالم جتنا کی طرف سے نہ اتنے کم حکومتی دائروں کی طرف سے آٹھا ہے. اس کی تم میں یہ جذبہ ہے کہ رہایا کہ بہتری کا ذمہ سرکار کا ہے. چنانچہ زندگی کے زیادہ سے زیادہ پہلوؤں پر سرکار کو حاوی ہونا چاہئے. یہی وجہ ہے کہ آج انکلیمنڈ و امریکہ میں 'بڑے لوگ ہوں یا بے روزگار جوان ہوں' ان کی پرورش حکومت کرتی ہے اور بطور پینشن کے انہیں کچھ دیتی ہے. وہاں آئے دن ہر چیز کے لئے قانون بننے چلے جا رہے ہیں. مانو جتنا دن دن اپنا بھج غوثی جا رہی ہو. مگر خیر انکلیمنڈ اور امریکہ کے پاس دولت دوسرے ملکوں پر ان کا گہمت یا ظاہر اثر ہے اور دنیا کے وہ سالوکار بھی ٹیہرے جس وجہ سے وہ اس طرح پینشن دے سکتے اور اپنا کام چلا سکتے ہیں. لیکن ہمارے دیس کی تو حالت ہی دوسری ہے.

رکن" مانی "راج-رکن" اور "پدم-विभूशन" مانی "सरकार विभूशन." तो जैसा राज वैसा उनका रज और वैसा उनका विभूशन. इसका नतीजा होगा कि आदमी की असली क्राबलियत या हुनर की उतनी कदर नहीं होगी जितनी इस बात की कि हुकूमत की निगाह में वह कहां तक और कितना उपयोगी है और आड़े बक्त काम आनेवाला है. यही वजह है कि आम जनता की निगाह में मैडिल की इज्जत नहीं रहती और शायद इसी वजह से पुराने जमाने में हमारे रिशी, मुनी और विद्वानों ने मैडिल या खिताब की कोई परवाह नहीं की.

इस सिलसिले में एक खयाल और भी आता है. वह यह कि श्री राजा जी और डाक्टर राधा कृशनन को "भारत-रत्न" के मैडिल से क्या नई इज्जत या नई प्रेरणा होसनी वाली है ? शायद इसमें पाने वाले की इतनी इज्जत नहीं जितनी कि देने वाले की. मगर दिल में एक और भी खयाल आये बिना नहीं रहता कि जब डाक्टर राधा कृशनन उप-राष्ट्रपति हैं तो उन्हीं को मैडिल देना कहां तक शोभा की बात है. हम डाक्टर राधा कृशनन को अपने मुल्क की बहुत आला हस्तियों में शुमार करते हैं और मानते हैं कि वह हिन्दुस्तान के उन चन्द खिदमतगारों में से हैं जिन्होंने मुल्क की इज्जत को चार चांद लगाये हैं और दुनिया में उसकी शान बढ़ाई है. लेकिन इस वक्त तो वह सिर्फ एक को, राष्ट्रपति को छोड़ कर, हुकूमत के सब से बड़े आह्वे-दार हैं. राष्ट्रपति की गौरवाजिरी में वही उनका सब काम अंजाम देते हैं. इस तरह यह मैडिल अपने द्वारा ही अपने को देना जैसा लगता है. ईश्वर न करे कि आगे चलकर मौजूदा सरकार या दूसरी सरकारें खुद अपने हाकिमों को इस तरह मैडिल देना शुरू कर दें. तब तो क्या सरकार और क्या पब्लिक, दोनों के लिये शर्म की बात होगी.

हम बड़े अदब के साथ कहना चाहते हैं कि इन मैडिलों से कुल मिलाकर हमें खुशी नहीं हुई और सरकार के इस कारनामे पर हम उसे मुबारकबाद नहीं दे सकते. हमसिफारिश करेंगे कि सरकार इस तरह के नाहक बोझ अपने ऊपर न ले और जो खिताब या मैडिल जिसे मिलना है वह जनता की तरफ से आप से मिलने दें. जैसी जिसकी खिदमत होगी जनता खुद उसे वैसे नाम से पुकारेगी, जैसे उसने तिलक को लोकमान्य और गांधी को महात्मा कहा और कहती रहेगी.

22. 8. '64

—सुरेशराम भाई

“वैलफ्रेडर स्टेट” बनाम ग्राम राज

जुलाई के महीने में कुल हिन्द कांग्रेस कमेटी की एक बैठक अजमेर में हुई. उसमें कुल मिलाकर 13 ठेहराब पास हुए. उनमें से कई महत्वपूर्ण हैं. लेकिन हम इस वक्त

रतन" معنى "راج رتن" اور "پدم ویوشن" معنى "سرکار ویوشن". تو جیسا راج ویسا ان کا رتن اور ویسا ان کا ویوشن. اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی کی اصلی قابلیت یا ہنر کی اتنی قدر نہیں ہوگی جتنی اس بات کی کہ حکومت کی نگاہ میں وہ کہاں تک اور کتنا اُپیوگی ہے اور آئے وقت کام آنے والا ہے. یہی وجہ ہے کہ عام جنتا کی نگاہ میں میڈل کی عزت نہیں رہتی اور شاید اسی وجہ سے پڑے زمانے میں ہمارے رشی، مہی اور ودوانوں نے میڈل یا خطاب کی کوئی پرواہ نہیں کی.

اس سلسلہ میں ایک خیال اور بھی آتا ہے. وہ یہ کہ شری راجا جی اور ڈاکٹر رادھا کرشنن کو "بھارت رتن" کے میڈل سے کیا نئی عزت یا نئی پرہیز حاصل ہوئے والی ہے ؟ شاید اِس میں پانے والے کی اتنی عزت نہیں جتنی کہ دینے والے کی. مگر دل میں ایک اور بھی خیال آئے بنا نہیں رہتا کہ جب ڈاکٹر رادھا کرشنن آپ راشٹر پتی بنیں تو انہیں کو میڈل دینا کہاں تک شوبھا کی بات ہے. ہم ڈاکٹر رادھا کرشنن کو اپنے ملک کی بہت اعلیٰ عسٹیوں میں شمار کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ ہندستان کے ان چند خدمتگاروں میں سے ہیں جنہوں نے ملک کی عزت کو چار چاند لگائے ہیں اور دنیا میں اس کی شان بڑھائی ہے. لیکن اس وقت تو وہ صرف ایک کو، راشٹر پتی کو چھوڑ کر حکومت کے سب سے بڑے عہدیدار ہیں. راشٹر پتی کی غیر حاضری میں وہی ان کا سب کام انجام دیتے ہیں. اِس طرح یہ میڈل اپنے دارا ہی اپنے کو دینا جیسا لگتا ہے. اِشور نہ کرے کہ آگے چل کر موجودہ سرکار یا دوسری سرکاریں خود اپنے خاتموں کو اس طرح میڈل دینا شروع کر دیں. تب تو کیا سرکار اور کہا پبلک دونوں کے لئے شرم کی بات ہوگی.

ہم بڑے ادب کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ ان میڈلوں سے کل ملا کر ہمیں خوشی نہیں ہوئی اور سرکار کے اِس کارنامے پر ہم اِسے مبارکباد نہیں دے سکتے. ہم سفارش کریں گے کہ سرکار اِس طرح کے نافرمانیہ پوز نہ لے اور جو خطاب یا میڈل جسے ملنا ہے وہ جنتا کی طرف سے آپ سے ملنے دے. جیسی جس کی خدمت ہوگی جنتا خود اِسے دینے نام سے پکارے گی، جیسے اس نے تلک کو لوکمانیہ اور گاندھی کو مہاتما کہا اور کہتی رہے گی.

سوریش رام بھائی

22. 8. '54

“ویل فیئر اسٹیٹ” بنام گرام راج

جولائی مہینہ میں کل ہند کانگریس کمیٹی کی ایک بیٹریک اجلاس میں ہوئی. اس میں کل ملا کر 13 ٹھہراؤ پائے ہوئے. ان میں سے کئی مہنہروں ہیں. لیکن ہم اس وقت

چار مہڈیل !

تاریخ 16 اگست کو نئی دہلی سے راشٹریہ کی طرف سے ایک عجیب و غریب اعلان نکلا۔ اس اعلان میں دو طرح کے، یا کہنا چاہئے چار طرح کے، میڈلوں کی تکرریم کا اظہار کیا گیا: — "بیارت رتن"، میڈل اور "پدم ویوشن"، میڈل۔ پدم ویوشن میڈل میں تین درجے یا درجے کے گئے— پہلا درجہ، دوسرا درجہ اور تیسرا درجہ۔ اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ بیارت کے ودھان کی دھارا 18 کے مطابق خطاب نہیں داتے جاسکتے لیکن دیش کے بڑے بڑے سائنس دان، انجینیر، کلارک وغیرہ کو ان کے کام کے علم میں یہ میڈل دئے جارہے ہیں۔

انگریزی دستور کے مطابق میڈل جیانی پر لٹکائے جاتے ہیں اور دربار یا خوشی یا جلسہ کے موقع پر لوگ انہیں لٹا کر آتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سر، خان بہادر، یا رائے بہادر کی طرح لوگ اپنے نام کے آگے "بیارت رتن" یا "پدم ویوشن" لٹک سکتے یا نہیں۔ لیکن نہ کہیں، یہ کوئی اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میڈلوں کی ضرورت کیا پڑتی؟ جواب غوا کے سواؤں کے عوض میں دئے گئے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کا بیبی افساد نہ ہو۔ نو کیا ہم اس کے یہ معنی لگائیں کہ آزاد کشمیر میں بڑے یا اونچے کام کی طرف لوگوں کے اندر پریشانی پیدا کرنے کے لئے اس وقت تک جہاں اونچی تنخواہیں دی جانی ہیں اب (آزادی کے سات سال بعد) میڈل کی بیبی درجہ محسوس کرنے لگی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ انسانی کمزوری (Human weakness) ہے لیکن ہم اسے اپنے ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے یا نیکی کے کام کرنے کے لئے سونے یا چاندی کے میڈلوں سے ہمیں بہلاوا دیا جائے۔ انگریزوں نے اونچی تنخواہ کا قاعدہ جاری کیا کیونکہ انہیں خود اونچی تنخواہیں لینی تھیں اور چائٹیں بیبی تھیں۔ ہم نے اس قاعدہ کو جاری رکھا ہے جس کی وجہ سے جسمانی کام کو یا مانی سے محنت کرنے کو جس نفرت کے ساتھ پہلے دیکھا جاتا تھا آج بیبی اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس دستور کو ختم کرتے، میڈل ہاتھ کا سلسلہ اور جاری کر دیا۔ آئے چل کر ان میڈل والوں یا ان کے چلنے والوں کی ایک جات تھی کبھی ہو جانے والی ہے جو حکومت کی خوشنودی کے نین میں اپنے کو ملے کر لیتی ہے۔ کل نتیجہ یہ ہوا کہ اچھی پریشانی پیدا کرنے کے بجائے نامناسب پریشانی پیدا ہوئی اور لوگوں کے آپس کے فرق اور بیبی بڑھ گئے۔

ظاہر ہے کہ ہر حکمران انعام، انعام یا میڈل اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔ یعنی "بیارت

چار میڈل !

تاریخ 15 اگست کو نئی دہلی سے راشٹریہ کی طرف سے ایک عجیب و غریب اعلان نکلا۔ اس اعلان میں دو طرح کے، یا کہنا چاہئے چار طرح کے، میڈلوں کی تقسیم کا اظہار کیا گیا: — "بیارت رتن"، میڈل اور "پدم ویوشن"، میڈل۔ پدم ویوشن میڈل میں تین درجے یا درجے کے گئے— پہلا درجہ، دوسرا درجہ اور تیسرا درجہ۔ اس اعلان میں یہ بتایا گیا ہے کہ بیارت کے ودھان کی دھارا 18 کے مطابق خطاب نہیں داتے جاسکتے لیکن دیش کے بڑے بڑے سائنس دان، انجینیر، کلارک وغیرہ کو ان کے کام کے علم میں یہ میڈل دئے جارہے ہیں۔

انگریزی دستور کے مطابق میڈل جیانی پر لٹکائے جاتے ہیں اور دربار یا خوشی یا جلسہ کے موقع پر لوگ انہیں لٹا کر آتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ سر، خان بہادر، یا رائے بہادر کی طرح لوگ اپنے نام کے آگے "بیارت رتن" یا "پدم ویوشن" لٹک سکتے یا نہیں۔ لیکن نہ کہیں، یہ کوئی اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان میڈلوں کی ضرورت کیا پڑتی؟ جواب غوا کے سواؤں کے عوض میں دئے گئے ہیں تاکہ دوسرے لوگوں کا بیبی افساد نہ ہو۔ نو کیا ہم اس کے یہ معنی لگائیں کہ آزاد کشمیر میں بڑے یا اونچے کام کی طرف لوگوں کے اندر پریشانی پیدا کرنے کے لئے اس وقت تک جہاں اونچی تنخواہیں دی جانی ہیں اب (آزادی کے سات سال بعد) میڈل کی بیبی درجہ محسوس کرنے لگی۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ انسانی کمزوری (Human weakness) ہے لیکن ہم اسے اپنے ملک کی بدقسمتی سمجھتے ہیں کہ خدمت کرنے یا نیکی کے کام کرنے کے لئے سونے یا چاندی کے میڈلوں سے ہمیں بہلاوا دیا جائے۔ انگریزوں نے اونچی تنخواہ کا قاعدہ جاری کیا کیونکہ انہیں خود اونچی تنخواہیں لینی تھیں اور چائٹیں بیبی تھیں۔ ہم نے اس قاعدہ کو جاری رکھا ہے جس کی وجہ سے جسمانی کام کو یا مانی سے محنت کرنے کو جس نفرت کے ساتھ پہلے دیکھا جاتا تھا آج بیبی اس طرح دیکھا جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اس دستور کو ختم کرتے، میڈل ہاتھ کا سلسلہ اور جاری کر دیا۔ آئے چل کر ان میڈل والوں یا ان کے چلنے والوں کی ایک جات تھی کبھی ہو جانے والی ہے جو حکومت کی خوشنودی کے نین میں اپنے کو ملے کر لیتی ہے۔ کل نتیجہ یہ ہوا کہ اچھی پریشانی پیدا کرنے کے بجائے نامناسب پریشانی پیدا ہوئی اور لوگوں کے آپس کے فرق اور بیبی بڑھ گئے۔

ظاہر ہے کہ ہر حکمران انعام، انعام یا میڈل اپنی مرضی کے مطابق تقسیم کرتی ہے۔ یعنی "بیارت

لوگوں کی جان کے مقابلے اپنی شان کو زیادہ اُرتچا سمجھے۔ اس ٹھہراؤ سے بھی یہ نہیں صاف صاف پتہ چلتا کہ کیا سماج وادی سرکار کسی موتیے پر گولی چلنے کی چھوٹ دیتی یا نہیں؟ اس طرح کانگریس پردھان کا خط اور پرجا سماجواदी پارٹی کے ٹھہراؤ، دونوں اس بات میں چپ ہیں کہ سرکار کی طرف سے گولی چلنی چاہئے یا نہیں۔ اور اگر چلے تو کب؟ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں کے پیچھے ایک ہی جذبہ کلم کر رہا ہے—یہ کہ اپنے گھریلو معاملے میں ہم کو اگنسا اور شانتی کے راستے سے ملے کر لینے چاہئے۔

لیکن سب معاملوں میں، خاص کر آرتھک معاملوں میں، دو فریقوں میں سے ایک فریق سرکار ضرور دھتی ہے۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ ہمارے دیش میں شانتی یا امن کا وائرون تب تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک سرکار اپنے پر کچھ پابندی نہ کرے اور پولیس یا میلٹری کا سہارا نہ لے۔ اس بارے میں ہندوستان میں لوکشاہی راج کے خلیفہ سرکار اور شانتی کے ساتھ چلنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سرکار کی طرف سے یہ صاف ظاہر ہو جائے کہ دیش کے بیہتدی معاملوں میں وہ گولی یا ہنسا کا راستہ نہیں اختیار کرے گی۔

اس سلسلے میں، پانچوں کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ تاریخ 22 جولائی کو، بئرہیا (موجھکرپور جیلا) گاؤں میں پراثرنا پراچن من شری ونوبا جی نے کیا کہا تھا؟ اُن کی رائے ہے:

ساروچنک کارپکوتا بین بین سوالوں کو لے کر اپنے آندولن یا تحریک چلائے دھیں۔ لیکن وہ اس بات کا دھیان رکھیں کہ کسی موقع پر بیہی ہنسا کا راستہ نہ لیا جائے۔ اسی طرح سے سرکار کو بھی یہ اٹلن کر دینا چاہئے کہ دیش کے معاملوں میں وہ کبھی بندرتق کا استعمال نہیں کرے گی۔

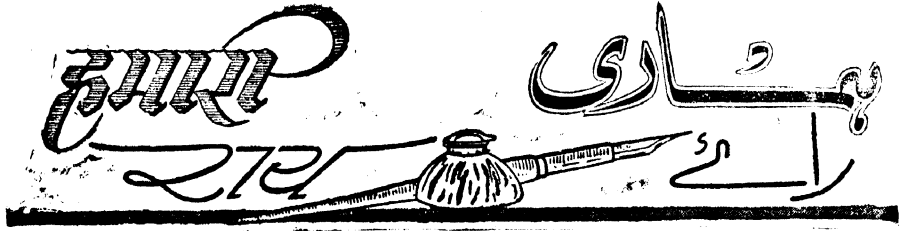
یہ مسئلہ ایسا گمبیر ہے کہ جس پر کیا سرکاری اعلاکار اور کیا راجنٹنک یا ساماجک کارپکوتا، سب کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہئے۔ کیا ہم یہ آمین کریں کہ کانگریس اور پرجا سماج واد پارٹیں کے لوگ—اپنی تندی ساروچنک حیثیت میں اور سرکاری شالسن کے امپردار کی حیثیت میں—یہ ظاہر کرینے کے اپنی ذمہ داریوں اور فرض کو نبھانے میں وہ ہنسا کی طاقتوں کا اشرکے اب نہیں لینے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اس سے ملک کو ایک بڑی اچھی رہنمائی حاصل ہوگی۔ اس سے لوگوں کے اندر ایک زبردست اتم وشوالسن پیدا ہوگا۔ اس سے ہماری شانتی اور ترقی کا راستہ کھل جائے گا اور ہم دنیا کی نگاہ میں بھی، صحیح معنی میں، اُرتچا اُٹھیں گے۔

30. 9. '54

—سوریشرام भाई

—سوریش رام भाई

30. 9. '54



دیش کی مانگ

دیش کی مانگ

حال ہی میں پंडित جواہر لال نہرو نے प्रदेश کانگریس کمیٹیوں کے سہاپتی کے نام ایک چٹھی بھیجی ہے۔ اُس میں اُنہیں نے اِس بات پر بڑا دیکھ ظاہر کیا ہے کہ ہمارے ساروجنک جیون میں لوگوں کا جیکو کسی نہ کسی طرح کی غسانک کرروائی کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اِس تعنگ کو اُنہوں نے خطرناک کہا ہے اور لوکشافی راجیہ کی جڑ کے خلاف بتایا ہے۔ اُن کا یہ بھی کہنا ہے :

جب ہم اپنی آزادی کی لڑائی لڑ رہے تھے تو غسان کے خلاف تھے۔ ایسی صورت میں آج جب ہم نے آزادی حاصل کر لی ہے تب ہمیں غسان کے اور بھی خلاف ہونا چاہئے۔ اُچان تو اپنے سرائوں کو حل کرنے کے لئے ہمارے پاس لوکشافی سائن اور مشینری ہی موجود ہے۔

کانگریس پردیش کی اِس سوچنا کام دل سے سواگت کرتے ہیں۔ اُن کا یہ صلاح دینا کہ اب ہم کو اپنے سوال حل کرنے میں بدوق یا ذندے کی مدد نہیں لینى چاہئے، بہت ہی سہاؤنی صلاح ہے۔ لیکن اُن کی چٹھی سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ کیا وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ سندھان کے سنی پرانتیہ اور کھدیرہ سرکاری گریلو معاملوں میں غسان کا سہارا لینا چورز دیں اور اُن کی پولیس آدی کیوں شانتی مٹے طریقوں پر جنتا کی سیوا کریں۔ ہورے دن ہوئے ڈرائیو - کوچیں پردیش میں گولی چلی ہی۔ اُس گینا پر پرداساچ والی پارٹی نے اپنا بہت انرس پرکت کیا اور تیرے دن ہونے جب دلی میں اُس کی کاربہ سنی کی بینک عربی تو ایک پستاؤ بھی پرداساچ والی پارٹی نے پس کیا۔ اُس میں کہا گیا ہے کہ جب یہ ترفو وہ جنتا کی طرف سے اینٹ پتہ پیٹکے جائیں گے یا یہ سچھا جائے کہ بیڑہ نئی اور خطرناک روپ لے لیگی یا اُس سے شانتی کو خطرہ پیدا ہوگا تو ایسی حالتوں میں پولس کا گوی چلانا یا لوگوں کو مارنا انصاف سے دور ہے۔ اور کوئی بھی لوکشافی سواکہ یہ نہیں برداشت کریگی کہ

کانگریس پرانت کی اِس سچنا کا ہم دل سے स्वागत کرتے ہیں۔ انکا یہ سلاہ دینا کہ اب ہم کو اپنے سوال حل کرنے میں بدوق یا ذندے کی مدد نہیں لینى چاہیے، بہت ہی سہاؤنی صلاح ہے۔ لیکن ان کی چٹھی سے یہ نہیں پتہ چلتا کہ کیا وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ سندھان کے سنی پرانتیہ اور کھدیرہ سرکاری گریلو معاملوں میں غسان کا سہارا لینا چورز دیں اور اُن کی پولیس آدی کیوں شانتی مٹے طریقوں پر جنتا کی سیوا کریں۔ ہورے دن ہوئے ڈرائیو - کوچیں پردیش میں گولی چلی ہی۔ اُس گینا پر پرداساچ والی پارٹی نے اپنا بہت انرس پرکت کیا اور تیرے دن ہونے جب دلی میں اُس کی کاربہ سنی کی بینک عربی تو ایک پستاؤ بھی پرداساچ والی پارٹی نے پس کیا۔ اُس میں کہا گیا ہے کہ جب یہ ترفو وہ جنتا کی طرف سے اینٹ پتہ پیٹکے جائیں گے یا یہ سچھا جائے کہ بیڑہ نئی اور خطرناک روپ لے لیگی یا اُس سے شانتی کو خطرہ پیدا ہوگا تو ایسی حالتوں میں پولس کا گوی چلانا یا لوگوں کو مارنا انصاف سے دور ہے۔ اور کوئی بھی لوکشافی سواکہ یہ نہیں برداشت کریگی کہ

سُنئیے کا کا ساہب !

لیکھنے والی—رہانا، تہیاب جی؛ نیکالنے والے—
ہندوستانی پرچار سبھا؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ—270 دام—دو روپیہ
چار آنہ۔

طیب جی خاندان سے آزادی کے آندولن سے دلچسپی
رکھنے والے سبھی واقف ہیں۔ ریکانہ جی اُسی باغ کی ایک پھل
ہیں۔ کا صاحب نے اچھا ظاہر کی کہ ریکانہ جی اپنے خاندان
کے بارے میں انہیں کچھ سنائیں اور انہوں نے کہا—سُنئیے کا
صاحب ! یہ نام ریکانہ جی کی شہیلی سے میل کھاتا ہے۔
اُن کی قلم ایسی چلتی ہے جیسی اُن کی زبان چلتی ہو۔
کہیں بناوت نہیں، سیدھی سواٹ بات ! جیسے دو آدمی باتیں
کر رہے ہوں۔

ریکانہ جی پارسى ہيں، انگریزی و اتارون میں رہیں،
گجراتی انگریزی کے بعد اُن کی پہلاش بنی۔ پُر ہندی وہ اتنی
اچھی لکھ لیتی ہیں کہ دیکھ کر اشچریہ ہوتا ہے۔

یہ کتاب ایسے نو ایک خاندان کا اُسرن ہے۔ پُر اِس
کے آگے اِس کتاب کا رستار ہے۔ یہ ایک سنیے کا ایک سنگچیت
سماجی اِنہاس ہے۔ اِس میں برے اچھے قصں کا ذکر ہے، اُن
سے سبق ملتے ہیں، اُنہوں نے ہمارے جیون پُر کیا اثر ڈالا، اِس
کی جھانکی ملتی ہے۔

ایک بار جو اِس پستک کو اُتالے گا وہ اِسے بنا پورا کئے نہ
چھوڑے گا، یہ مجھے وشواس ہے۔ اتنی اچھی پستک اور خراب
چھاپائی، یہ دیکھ کر من کہہ جاتا ہے۔ آشا ہے پرنٹشک دربارا اچھے
ٹائپ میں اِس انمول رتن کو چھاپیں گے۔

—مصطفیٰ حیدر نقوی

بہودان تحریک کا خاکہ

لکھنے والے—محمد حسین انصاری تپائی؛ نکالنے والے—
انصاری منزل بھرہی (بنارس)؛ لکھاوت—اُردو؛ صفحہ—
23؛ دام—چار آنہ۔

محمد حسین صاحب انصاری نے گاندھی جی کی بہت
سیوا کی ہے۔ مہاتما جی نے اپنے خط میں انہیں لکھا ہے—
”جس طرح تم نے ہماری سیوا کی ہے ویسے ہندو کی کرتے رہو،
میں تم کو اب یہی اپنا بیٹا ہی مانتا ہوں۔“ انصاری صاحب
گاندھی بہت ہی اور گاندھی جی کے اصولوں پُر چلنا چاہتے
تھیں۔ آجکل دہرباجی کے بہودان پُر اپنی ساری طاقت لگاتے
ہیں۔ سرورڈے ساتھ اردو میں بہت کم ہے۔ انصاری صاحب
نے یہ کتاب لکھ کر بہودان کا پریچھے اُردو پریسی جتنا سے
کرایا ہے۔

اِس کتاب میں بہودان کی تحریک، اُس کی شروعات،
اُس کے درشن، اُس کی ترقی، سب پُر تھوڑی تھوڑی روشنی
پڑتی ہے اور گلوں والا جو شیدوں کے ہونڈر میں نہیں پہنستا
اِس کتاب کو پڑھ کر بہودان کو موئے طور پُر اچھی طرح سمجھ
سکتا ہے۔

—مصطفیٰ حیدر نقوی

بھودان تھریک کا خاکہ

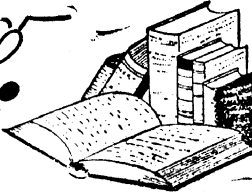
لیکھنے والے—محمّد ہوسن انصاری تپائی؛ نیکالنے
والے—انصاری مَنزل بھراہی (بنارس)؛ لکھاوت—اُردو؛
صفحہ—23؛ دام—چار آنہ۔

محمّد ہوسن صاحب انصاری نے گاوی جی کی بھوت
سوا کی ہے۔ مہاتما جی نے اپنے خط میں انہیں لکھا ہے—
”جس طرح تم نے ہماری سوا کی ہے ویسے ہی دشا کی سوا
کرتے رہو، میں تم کو اب بھی اپنا بھتا ہی مانتا ہوں۔“
انصاری صاحب گاندھی بہت ہی اور گاندھی جی کے اصولوں
پُر چلنا چاہتے تھیں۔ آجکل دہرباجی کے بہودان پُر اپنی
ساری طاقت لگاتے ہیں۔ سرورڈے ساتھ اردو میں بہت کم ہے۔
انصاری صاحب نے یہ کتاب لکھ کر بہودان کا پریچھے اُردو
پریسی جتنا سے کرایا ہے۔

اِس کتاب میں بہودان کی تھریک، اُسکی شروعات،
اُسکے درشن، اُسکی تھریک، سب پُر تھوڑی تھوڑی روشنی
پڑتی ہے اور گاوی جی کے شیدوں کے ہونڈر میں نہیں پہنستا
اِس کتاب کو پڑھ کر بہودان کو موئے طور پُر اچھی طرح
سمجھ سکتا ہے۔

—مصطفیٰ حیدر نقوی

کتابیں



کتابیں

ہندی پاٹا، ولی—دوسری کتاب

ہندی پاٹا، ولی—دوسری کتاب

سंपादक—गिरिराज किरोर, नरेन्द्र अंजरिया; निकालने वाले—गुजराती विद्यापीठ, अहमदाबाद; लिखावट—हिन्दी; सके—178; दाम—एक रुपया चार आना.

یہ पुस्तक विद्यापीठ ने अपनी तीसरी परीक्षा के लिये तैयार की है. इसमें गद्य और पद्य दोनों हैं. इस संग्रह में पाठों और काव्यों के चुनने में भाषा की सरलता और उसके बहाव का ख्याल रखा गया है.

यह पुस्तक हमारी पाठावलियों से बिल्कुल अलग है. हमारी पुस्तकें कठिन, ठस, नीरस और वेमत्तलब सी इसके मुक्ताविले में दीख पड़ती हैं. इस पुस्तक से हमें प्रेरना लेनी चाहिये.

हिन्दी के विकास में अहिन्दी भाषियों ने शायद अधिक सहयोग दिया है, हम तो केवल रोड़े ही अटकाते रहे हैं. हमारी परम्परा रही है कि यदि कोई थोड़ा करे तो हम अधिक आभार मानते हैं. पर हम यह सब कुछ भूल गए हैं. आज अहिन्दी भाषी लेखकों की रचनाएं हमारे कार्स में कहाँ हैं? दक्खिन में बहुत से हिन्दी प्रचारक हिन्दी में रचनाएं करते हैं, पर हम अपने घमंड में उन्हें कोई स्थान नहीं देते.

विद्यापीठ ने यह पुस्तक तैयार करके हमें रास्ता दिखाया है. इसमें हिन्दी के लेखक और अहिन्दी भाषी हिन्दी लेखकों की रचनाएं एक साथ रखी गई हैं, इसमें उर्दू के साथ भी भेद भाव नहीं बरता गया. यह है वह हिन्दी जो सबकी हिन्दी होगी, जो राश्ट्र भाषा होगी. हमारी पुस्तकों की हिन्दी अप्रगतिशील और 'कूप जल' के समान है, वहता नीर इस पुस्तक की हिन्दी है.

आशा है विद्यापीठ दूसरे संग्रह भी शीघ्र निकालेगी और सारे देश में इन संग्रहों का स्वागत होगा.

—मुस्ताफा हैदर नकवी

سंपادک—گری راج کپور، نریندر انجریا؛ نکالنے والے—گجراتی ویدیا پیٹھ، اہمد آباد؛ 178؛ دام—اک روپیہ چار آنہ.

یہ پستک ویدیا پیٹھ نے اپنی تیسری پریشا کے لئے تیار کی ہے. اس میں گدیہ اور پدیہ دونوں ہیں. اس سنگره میں پادھوں اور کادوں کے چننے میں پادشا کی سولتا اور اس کے بہاؤ کا خیال رکھا گیا ہے.

یہ پستک ہماری پاٹاواہوں سے بالکل الگ ہے. ہماری پستکیں کٹھن، ٹوس، نیروس اور بے مطلب سی اس کے مقابلے میں دیکھ پڑتی ہیں. اس پستک سے ہمیں پرپرنا لینا چاہئے.

ہندی کے وکس میں اہندی پادشاہوں نے شاید ادھک سپہوگ دیا ہے، تم تو کیوں رورے ہی اٹکاتے رہے ہیں. ہماری پرمربرا دھی ہے کہ بدی کوئی تہورا کرے تو تم ادھک آہیار مانتے عین. پر تم یہ سب کچھ بیول گئے عین. آج اہندی پادشاہی لیکیکوں کی رچنائیں ہمارے کرس میں کہاں عین؟ دیکھ میں بہت سے ہندی پرچارک ہندی میں رچنائیں کرتے عین، پر ہم اپنے گیمند میں انہیں کوئی استیان نہیں دیتے.

ویدیا پیٹھ نے یہ پستک تیار کر کے ہمیں راستہ دکھایا ہے. اس میں ہندی کے لیکاک اور اہندی پادشاہی لیکیکوں کی رچنائیں ایک ساتھ رکھی گئی ہیں. اس میں اردو کے ساتھ بھی بیدیاوا نہیں برز گیا. یہ ہے وہ ہندی جو سب کی ہندی ہوگی، جو راشٹر پادشاہی ہوگی. ہماری پستکوں کی ہندی اپرگتی شیل اور 'کوب جل' کے سمان ہے، بہتا نیلر اس پستک کی ہندی ہے.

آشا ہے ویدیا پیٹھ دوسرے سنگره بھی شیکھر نکالےگی اور سارے دیش میں ان سنگرہوں کا سواکت ہوگا.

—مصطفیٰ حیدر نقوی

ہولی میں پچاس ساٹھ کی سدی دراوڑی لہجہ ہے، چالیس کی سدی تورکی، آریہ، کاسی، آریہ، کاسی، آریہ، کاسی کے آریہ بارشا کے مشرکال سے پانچ کی سدی لہجہ ہونگے اور وہ بھی زیادہ تر پوجا پائے کے جن کا ہمارے جینوں سے ہمارے کلم دھندوں سے بہت ہی کم واسطہ ہے۔

جو کچھ میں اوپر لکھ آیا ہے اس کا واسطہ ہولی سے ہے، لکھی سے نہیں۔ لکھی کو پندت سادھتہ بھاشا بھی کہتے ہیں جو اصل میں سادھتہ (مری ہوئی) زبان ہے۔ لکھی میں آجکل جو دھاندلی مچانی جا رہی ہے وہ سب پر روشن ہے اور خرابی یہ کہ یہ دھاندلی مچانے والے بڑے مردان اور مہابہو گئے جاتے ہیں، کیونکہ نہ انہوں نے اپنی برلی کہی پڑھی اور نہ کوئی کتاب علم ہولی کی پڑھی۔

تیسرا درشہ اس سے بھی اترکا ہے۔ کیتی بازی اور کپڑا بننے کو چھوڑ کر جتنے لفظ ہانے کے کلم کی بابت ہیں وہ لگ بھگ سب ترکی، فارسی اور دوسری بدیسی زبانوں کے ہیں، روٹی اور تڑا ہی نہیں، پکنا، آبانہ، بیونا اور شاد تانا ہی ترکی ہے۔ یہی حال سینے پر زرنے کا ہے۔ سینا پڑنا ہی نہیں، تریبا، بختیہ، سنجاف، گوت، کرنا، پاجامہ، قمیض، کت و غیرہ تقریباً سبھی بدیسی۔ ترکمان، لہار، راج، مزدور کے جتنے ارزار ہیں ان کا نام بدیسی، یہاں تک کہ مہینہ کھل، برنجی تینوں لفظ ترکی کے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ ہماری کڑی بارانی سپینا جس پر ہم سب ناز کرتے ہیں کتنے پانی میں تھی۔ اور تو اور، پڑنے لکھنے میں بھی نلم، دوات، کفڑ، سیلھی، پنسل وغیرہ سب بدیسی، سنسکرت کا بھی یہی حال ہے۔ لفظ لہی فارسی میں سے لیا گیا میلا، سیلھی اور میلا دھک دوات یونانی میں سے۔

چوتھا درشہ تو عام ہولی کا ایک ان ڈرت ناٹوں ہے جو سب زبانوں پر لاگو ہے، لیکن جو ہماری ہولی میں آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ناٹوں یہ ہے کہ ہولی کا ہولی پر اتر پڑتا ہے، لکھی کا نہیں یا نہیں کے برابر۔ ان د ہزار برسوں میں سنسکرت کا ہماری ہولی پر براہ نام، ساہ پڑا۔ اسی طرح مسلمانوں کی لکھی بھاشا فارسی تھی یا عربی۔ لیکن ہولی ان مسلمانوں کی جو یہاں آئے ترکی تھی، اس لئے بدیسی لفظوں میں اکثر لفظ ترکی کے ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال شاند تہا کی ہے، تمباکو لفظ تو آیا امریکہ سے جہاں سے تمباکو آیا، لیکن اس کے بارے میں اور جتنے لفظ ہماری ہولی میں آئے تقریباً سب ترکی کے ہیں جیسے—حقتہ، قلعی، کلفی، نے، نیچہ، گٹا، چلم، تڑا، سلنے، پچان، شاند حقتہ دینا بھی کسی ترکی لفظ کا ترجمہ ہو۔ صاف ہے کہ ہمارے ہندی والوں کو اس ناٹوں سے اپنی چنگاری بڑھانی چاہیے۔

تیسرا درشہ اس سے بھی اترکا ہے۔ کیتی بازی اور کپڑا بننے کو چھوڑ کر جتنے لفظ ہانے کے کلم کی بابت ہیں وہ لگ بھگ سب ترکی، فارسی اور دوسری بدیسی زبانوں کے ہیں، روٹی اور تڑا ہی نہیں، پکنا، آبانہ، بیونا اور شاد تانا ہی ترکی ہے۔ یہی حال سینے پر زرنے کا ہے۔ سینا پڑنا ہی نہیں، تریبا، بختیہ، سنجاف، گوت، کرنا، پاجامہ، قمیض، کت و غیرہ تقریباً سبھی بدیسی۔ ترکمان، لہار، راج، مزدور کے جتنے ارزار ہیں ان کا نام بدیسی، یہاں تک کہ مہینہ کھل، برنجی تینوں لفظ ترکی کے۔ سمجھ میں نہیں آتا یہ ہماری کڑی بارانی سپینا جس پر ہم سب ناز کرتے ہیں کتنے پانی میں تھی۔ اور تو اور، پڑنے لکھنے میں بھی نلم، دوات، کفڑ، سیلھی، پنسل وغیرہ سب بدیسی، سنسکرت کا بھی یہی حال ہے۔ لفظ لہی فارسی میں سے لیا گیا میلا، سیلھی اور میلا دھک دوات یونانی میں سے۔

چوتھا درشہ تو عام ہولی کا ایک ان ڈرت ناٹوں ہے جو سب زبانوں پر لاگو ہے، لیکن جو ہماری ہولی میں آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ناٹوں یہ ہے کہ ہولی کا ہولی پر اتر پڑتا ہے، لکھی کا نہیں یا نہیں کے برابر۔ ان د ہزار برسوں میں سنسکرت کا ہماری ہولی پر براہ نام، ساہ پڑا۔ اسی طرح مسلمانوں کی لکھی بھاشا فارسی تھی یا عربی۔ لیکن ہولی ان مسلمانوں کی جو یہاں آئے ترکی تھی، اس لئے بدیسی لفظوں میں اکثر لفظ ترکی کے ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال شاند تہا کی ہے، تمباکو لفظ تو آیا امریکہ سے جہاں سے تمباکو آیا، لیکن اس کے بارے میں اور جتنے لفظ ہماری ہولی میں آئے تقریباً سب ترکی کے ہیں جیسے—حقتہ، قلعی، کلفی، نے، نیچہ، گٹا، چلم، تڑا، سلنے، پچان، شاند حقتہ دینا بھی کسی ترکی لفظ کا ترجمہ ہو۔ صاف ہے کہ ہمارے ہندی والوں کو اس ناٹوں سے اپنی چنگاری بڑھانی چاہیے۔

چوتھا درشہ تو عام ہولی کا ایک ان ڈرت ناٹوں ہے جو سب زبانوں پر لاگو ہے، لیکن جو ہماری ہولی میں آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ناٹوں یہ ہے کہ ہولی کا ہولی پر اتر پڑتا ہے، لکھی کا نہیں یا نہیں کے برابر۔ ان د ہزار برسوں میں سنسکرت کا ہماری ہولی پر براہ نام، ساہ پڑا۔ اسی طرح مسلمانوں کی لکھی بھاشا فارسی تھی یا عربی۔ لیکن ہولی ان مسلمانوں کی جو یہاں آئے ترکی تھی، اس لئے بدیسی لفظوں میں اکثر لفظ ترکی کے ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال شاند تہا کی ہے، تمباکو لفظ تو آیا امریکہ سے جہاں سے تمباکو آیا، لیکن اس کے بارے میں اور جتنے لفظ ہماری ہولی میں آئے تقریباً سب ترکی کے ہیں جیسے—حقتہ، قلعی، کلفی، نے، نیچہ، گٹا، چلم، تڑا، سلنے، پچان، شاند حقتہ دینا بھی کسی ترکی لفظ کا ترجمہ ہو۔ صاف ہے کہ ہمارے ہندی والوں کو اس ناٹوں سے اپنی چنگاری بڑھانی چاہیے۔

چوتھا درشہ تو عام ہولی کا ایک ان ڈرت ناٹوں ہے جو سب زبانوں پر لاگو ہے، لیکن جو ہماری ہولی میں آسانی سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ناٹوں یہ ہے کہ ہولی کا ہولی پر اتر پڑتا ہے، لکھی کا نہیں یا نہیں کے برابر۔ ان د ہزار برسوں میں سنسکرت کا ہماری ہولی پر براہ نام، ساہ پڑا۔ اسی طرح مسلمانوں کی لکھی بھاشا فارسی تھی یا عربی۔ لیکن ہولی ان مسلمانوں کی جو یہاں آئے ترکی تھی، اس لئے بدیسی لفظوں میں اکثر لفظ ترکی کے ہیں۔ اس کی سب سے اچھی مثال شاند تہا کی ہے، تمباکو لفظ تو آیا امریکہ سے جہاں سے تمباکو آیا، لیکن اس کے بارے میں اور جتنے لفظ ہماری ہولی میں آئے تقریباً سب ترکی کے ہیں جیسے—حقتہ، قلعی، کلفی، نے، نیچہ، گٹا، چلم، تڑا، سلنے، پچان، شاند حقتہ دینا بھی کسی ترکی لفظ کا ترجمہ ہو۔ صاف ہے کہ ہمارے ہندی والوں کو اس ناٹوں سے اپنی چنگاری بڑھانی چاہیے۔

स्वरों को वह कैसे बोलते थे. द्रावड़ी बोली की वह आवाजें जो आर्य भाषा में वितकुल नहीं थीं—जैसे मोरघन्य ट, ठ, ड, ढ, डे और ए वगैरा—इस भाषा और प्राकृत में जोर पकड़ गई. प्रामर भी बदली. और अगरचे कुछ लक्ष्य आर्य भाषा के और खासकर वह जिनका वास्ता पूजा पाठ से था इस प्राकृत में लिये गये. देसी भाषा के लक्ष्य जो प्राकृत में आये सत्तर, अस्सी कीसदी से कम न थे. फर्क सिर्फ इतना रहा कि देशी भाषा के लक्ष्य जो प्राकृत में लिये गये ज्यों के त्यों लिये गये और आर्य भाषा के जो लिये गये उन्हें छोटा करके और देसी गलों के स्वाफिक बनाकर लिया गया.

इस प्राकृत में से निकली हमारी सारी हिन्दुस्तान की बोलियां और इस प्राकृत में से ही गढ़ी गई वह लिखी भाषा जिससे लोग संस्कृत कहते हैं. लिखी और बोली में बड़ा फर्क यह है कि लिखी के लक्ष्य लम्बे होते रहते हैं और बोली के छोटे. बड़ी कोशिशों से इस लिखी में आर्य भाषा के कुछ लक्ष्य और दूरे से गये, लेकिन फिर भी बहुत से लक्ष्य देसी बोली के ही इसमें लिये गये लेकिन जरा उनकी शकल बिगाड़ कर यानी लम्बी करके. संस्कृत में कितने लक्ष्य आर्य भाषा के और कितने देसी बोली के, इसकी अभी तक किसी ने पूरी जांच नहीं की. लेकिन मेरा अनुमान यह है कि इसमें कम से कम 50 की सदी लक्ष्य द्रावड़ी के, 20 की सदी तुर्की, अरबी वगैरा के हैं जो यहां की प्राकृत में रम गये थे. इन लक्ष्यों को आर्य भाषा का जताने के लिये इन लक्ष्यों की भूटी आर्य धातु (जड़ें) बनाई गयीं और उसपर ऐसा मुलम्मा चढ़ाया गया कि हमारे अक्सर लोग, अनपढ़ ही नहीं विद्वान भी, संस्कृत को शुद्ध आर्य भाषा समझते हैं. जिसे देखो वह यही कहता है कि हिन्दुस्तान की बोलियां संस्कृत में से निकलीं और तमाशा यह है कि इसके सबूत में अक्सर वही शब्द पेश करता है जो संस्कृत ने हमारी देसी बोली से लिये. चुनावे हाल ही में मैंने पंडित सुन्दर लाल जैसे आजाद दिमाग का एक आर्टिकल पढ़ा जिसमें उन्होंने यह साबित करने की कोशिश की थी कि मद्रास की जो द्रावड़ी जवानों कहलाती हैं उनमें बहुत से संस्कृत के लक्ष्य लिये गये हैं और इसलिये मद्रास वालों को हिन्दी सीखने में मुश्किल नहीं होनी चाहिये. मुझे अब याद नहीं कि मिसाल के तौर पर कौन से लक्ष्य पंडित जी ने संस्कृत के बताये थे. लेकिन वह सब नीर, पाप, चोर, बैर, चूमना, माला की क्रिस्म के थे जो संस्कृत ने द्रावड़ी से लिये हैं. यहां इतना और जता देने की जरूरत है कि हमारी हिन्दुस्तानी, पंजाबी, राजस्थानी, ब्रज वगैरा पुरानी द्रावड़ी यानी प्राकृत के बहुत ज्यादा नजदीक हैं बनिसबत तमिल, तैलेगु या मल्यालम के. डाक्टर एच. हेरास (H. Heras) की यह राय सभी मालूम होती है कि हिन्दुस्तानी और पंजाबी बोलियां ही द्रावड़ी से नहीं निकलीं, उनके बोलने वाले भी अस्ती द्रावड़ी हैं. आज हमारी

सबों को वह कैसे बोलते थे. द्रावड़ी बोली की वह आवाजें जो आर्य भाषा में वितकुल नहीं थीं—जैसे मोरघन्य ट, ठ, ड, ढ, डे और ए वगैरा—इस भाषा और प्राकृत में जोर पकड़ गई. प्रामर भी बदली. और अगरचे कुछ लक्ष्य आर्य भाषा के और खासकर वह जिनका वास्ता पूजा पाठ से था इस प्राकृत में लिये गये. देसी भाषा के लक्ष्य जो प्राकृत में आये सत्तर, अस्सी कीसदी से कम न थे. फर्क सिर्फ इतना रहा कि देशी भाषा के लक्ष्य जो प्राकृत में लिये गये ज्यों के त्यों लिये गये और आर्य भाषा के जो लिये गये उन्हें छोटा करके और देसी गलों के स्वाफिक बनाकर लिया गया.

अस प्राकृत में से निकली हमारी सारी हिन्दुस्तान की बोलियां और इस प्राकृत में से ही गढ़ी गई वह लिखी भाषा जिससे लोग संस्कृत कहते हैं. लिखी और बोली में बड़ा फर्क यह है कि लिखी के लक्ष्य लम्बे होते रहते हैं और बोली के छोटे. बड़ी कोशिशों से इस लिखी में आर्य भाषा के कुछ लक्ष्य और दूरे से गये, लेकिन फिर भी बहुत से लक्ष्य देसी बोली के ही इसमें लिये गये लेकिन जरा उनकी शकल बिगाड़ कर यानी लम्बी करके. संस्कृत में कितने लक्ष्य आर्य भाषा के और कितने देसी बोली के, इसकी अभी तक किसी ने पूरी जांच नहीं की. लेकिन मेरा अनुमान यह है कि इसमें कम से कम 50 की सदी लक्ष्य द्रावड़ी के, 20 की सदी तुर्की, अरबी वगैरा के हैं जो यहां की प्राकृत में रम गये थे. इन लक्ष्यों को आर्य भाषा का जताने के लिये इन लक्ष्यों की भूटी आर्य धातु (जड़ें) बनाई गयीं और उसपर ऐसा मुलम्मा चढ़ाया गया कि हमारे अक्सर लोग, अनपढ़ ही नहीं विद्वान भी, संस्कृत को शुद्ध आर्य भाषा समझते हैं. जिसे देखो वह यही कहता है कि हिन्दुस्तान की बोलियां संस्कृत में से निकलीं और तमाशा यह है कि इसके सबूत में अक्सर वही शब्द पेश करता है जो संस्कृत ने हमारी देसी बोली से लिये. चुनावे हाल ही में मैंने पंडित सुन्दर लाल जैसे आजाद दिमाग का एक आर्टिकल पढ़ा जिसमें उन्होंने यह साबित करने की कोशिश की थी कि मद्रास की जो द्रावड़ी जवानों कहलाती हैं उनमें बहुत से संस्कृत के लक्ष्य लिये गये हैं और इसलिये मद्रास वालों को हिन्दी सीखने में मुश्किल नहीं होनी चाहिये. मुझे अब याद नहीं कि मिसाल के तौर पर कौन से लक्ष्य पंडित जी ने संस्कृत के बताये थे. लेकिन वह सब नीर, पाप, चोर, बैर, चूमना, माला की क्रिस्म के थे जो संस्कृत ने द्रावड़ी से लिये हैं. यहां इतना और जता देने की जरूरत है कि हमारी हिन्दुस्तानी, पंजाबी, राजस्थानी, ब्रज वगैरा पुरानी द्रावड़ी यानी प्राकृत के बहुत ज्यादा नजदीक हैं बनिसबत तमिल, तैलेगु या मल्यालम के. डाक्टर एच. हेरास (H. Heras) की यह राय सभी मालूम होती है कि हिन्दुस्तानी और पंजाबी बोलियां ही द्रावड़ी से नहीं निकलीं, उनके बोलने वाले भी अस्ती द्रावड़ी हैं. आज हमारी

چاچی ٹاٹو، ثانی بابا، دادا، دادی، قانا، نانی، ماما، ماسی، موسیٰ
موسا وغیرہ۔ لیکن شادی بیاہ کی رشتہ داریوں میں اکثر آریہ ہاشا آدمی
ہے جیسے ساس، سرور، نندڑی، نندا، سالّا، سالی، درز، دیوانی
جیتا، چھائی، بہو، دعو، سہاگن وغیرہ۔ یہاں دیسی بولی سے
مراد ہے اس بولی کی جو آریوں کے آنے سے پہلے یہاں بولی جاتی
تھی۔ یہ دراوی زبان تھی جس میں مصری، ترکی اور دسبرہ
پچیمی زبانوں کی کئی پٹ تھی۔ آریہ ہاشا سے مراد ہے اس
بولی کی جو آریہ ہندستان میں آنے سے پہلے بولتے تھے۔

نہج کی رشتہ داروں اور بیاہ کی رشتہ داروں میں سے اکثر
 کہیں یہ فوق اُس زمانہ کی یادگار ہے جب آریوں نے ہندوستان
 میں آکر یہاں کے آدمیوں کو تو مار بھگایا اور ان کی عورتوں کو
 زبردستی گھر میں رکھ لیا۔ موجودہ زمانے پرانوں کی کہانیوں
 کے اس میں تو آجکل شک کی گنجائش نہیں کہ جب آریہ
 قوم یہاں آئی تھی وہ چرواہا تھی اور اندھ ادھر گھومتی پھرتی
 تھی۔ نہ انہیں کھیتی باڑی کا کلم اچھی طرح سے آتا تھا نہ وہ
 مکمل وغیرہ بنانا جانتے تھے۔ ان سے یہاں کے لوگ بہت زیادہ
 سلیجے ہوئے تھے۔ جو بچے ہوئے انہوں نے اپنی ماؤں کی بولی
 سیکھی۔ قدرتی طور پر جو ننھی رشتہ داریاں تھیں وہ برادر دیسی
 بولی کی زمین اور جو آریوں سے بیاہ کی سی رشتہ داریاں قائم
 ہوئیں ان پر آریہ بھاشا کا اثر پڑا۔

دوسرا درشیدہ بی بی اس سے ملا جلا ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہے۔ آریہ جب یہاں آئے تو خاصہ اُجڑ تھے۔ یہاں کے دروازی خاصہ سوسنکرت تھے۔ جب دو قومیں ملتی تھیں، ایک اُجڑ اور ایک سوسنکرت، تو چاہے ملکی نفع اُجڑوں کی حقو جو کلچر پیدا ہوتا ہے وہ سارا نہیں تو بہت کچھ سوسنکرت ذریعہ کا ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بی بی ایسا ہی ہوا۔ آریہ اپنے دیوتاؤں—اگنی—اتر—مزیدو وغیرہ کو چھوڑ کر شرجی کے پاؤں پڑے اور پھل کو بچنے لگے جو درہن دروازوں کے دیوتا تھے۔ چونکہ بولی کلچر کا سب سے بڑا انگ ہے اسلئے یہاں ایک ایسی بولی پیدا ہوئی جسے ویدوں کے زمانہ میں پشاش کہتے تھے اور جو بعد میں پراکرت کہلائی۔ اسی میں دروازی 95 فیصدی نہیں تو 90 فیصدی گوس گئی اور آریہ پشاش پچھ رہ گئی۔ سب سے زیادہ اثر تو ان کی آوازیں میں ہوا۔ آریہ پشاش کی جتنی آوازیں ایسی تھیں جو دیسی بولی میں نہیں پائی جاتی تھیں وہ ایسی غائب ہوئیں جیسے گدھے کے سر سے سیلنگ، مثلاً آریہ پشاش کی 'خ'، 'ف'، 'ق' ز جاتی رہیں اور اگر مسلمان ان آوازوں کو پھر پہلے پڑ لاتے تو ہمیں ان کا کیا ہی نہ ہوتا، جیسے ہمیں ان کے سرورں 'رر'، 'رری'، 'ر'، 'روی' کا اب تک گمان نہیں کہ ان

बोली—एक इतिहास (तवारीख)

(मदन गोपाल)

इसम बोली के माहिर कहते हैं कि हर देस की बोली उस देस की पुराने सामाजिक जीवन का सच्चा इतिहास होती है, कितने भूरी हो सकती हैं और अगर वह एक फ़रीक़ या एक फ़रीक़ के दिंडारचियों ने लिखी हों तो अक्सर भूरी होती हैं, लेकिन बोली कभी भूट नहीं बोलती और न बोल सकती है।

बोली के इस एतिहासिक रूप की मिसाल जो आम तौर पर हिन्दुस्तान में मशहूर है वह अंग्रेज़ी की है, जहाँ तक मुझे जानकारी है हमने अपनी किसी बोली के एतिहासिक रूप को परखा ही नहीं, इसलिये मैं पहले अंग्रेज़ी मिसाल दर्ज करता हूँ, ग्यारहवीं सदी में जब विलियम अरवल ने इंग्लिस्तान फ़तह किया तो इंग्लिस्तान में जो बोली बोली जाती थी वह सेक्सन (Saxon) कहलाती थी, विलियम और उसके साथी नार्मन (Norman) एक क्रिस्म की फ़्रांसीसी बोलते थे, उस ज़माने में सोना चांदी तो कम होता था मगर आदमी का धन उसके डंगर (जानवर) हुआ करते थे, हमारे इस शब्द 'धन' के असली माने हैं ही डंगर, जब नार्मनों की हकूमत जम गई तो वह सारे डंगरों के मालिक बन बैठे, जीते डंगरों की रखवाली सेक्सन लोग करते थे, इसलिये जीते डंगरों का नाम भी सेक्सन ही रहा, लेकिन चूँकि उन डंगरों का गोशत खाते थे नार्मन, इसलिये उनके गोशत का नाम नार्मन हुआ, मसलन Cow (गाय) सेक्सन और उसका गोशत Beef नार्मन लफ़्ज़ है, इसी तरह से Sheep (भेड़), Pig (सूअर) और Deer (हिरन) सेक्सन ज़बान के लफ़्ज़ हैं, लेकिन उनके गोशत के लिये Mutton, Pork और Venison तीनों नाम नार्मन बोली के हो गये, जीते और मरे हुए जानवरों के नाम का यह फ़र्क़ ग्यारहवीं सदी की धांधली का एक ऐसा सच्चा नक्शा खींचता है जो जबतक अंग्रेज़ी ज़बान ज़िन्दा है कायम रहेगा।

हमारी बोली में भी हमारे पुराने सामाजिक जीवन की काफ़ी यादगारें कायम हैं, लेकिन चूँकि हमारे देस में हमें अपनी बोली सिखाने का दस्तूर आम नहीं इसलिये वह यादगारें हमारे ध्यान में नहीं लाई जातीं, दो चार नमूने अपनी समझ के अनुसार मैं नीचे दे रहा हूँ।

हमारी बोली में जितनी निज की (पेट की) रित्तेदारियाँ हैं वह सब ठेठ देसी बोली की हैं—जैसे माँ, बाप, बेटा, बेटी, बहन, भाई, भाभी या भावज, जीजा, जीजी, चाचा,

बोली—ایک اتماس (تواریخ)

(مدن گوپال)

عام بولی کے ماہر کہتے ہیں کہ ہر دیس کی بولی اس دیس کی پرانے سماجک جیون کا سچا اتماس ہوتی ہے۔ کتابیں جیونی فوسکتی ہیں اور اگر وہ ایک ذوق کے تغذیہ و جیون نے لکھی ہوں تو اکثر جیونی ہوتی ہیں لیکن بولی کبھی جیورت نہیں بولتی اور نہ بول سکتی ہے۔

بولی کے اس اتماسک روپ کی مثال جو عام طور پر ہندستان میں مشہور ہے انگریزی کی ہے۔ جہاں تک مجھے جانکاری ہے ہم نے اپنی کسی بولی کے اتماسک روپ کو پرکھا ہی نہیں، اس لئے میں پہلے انگریزی مثال درج کرتا ہوں۔ گیارہویں صدی میں جب ولیم اول نے انگلستان فتح کیا تو انگلستان میں جو بولی بولی جاتی تھی، *سیکسن (Saxon) کہلاتی تھی، ولیم اول اس کے ساتھ نارمن (Norman) ایک قسم کی فرانسیسی بولتے تھے، اس زمانہ میں سونا چاندی تو کم ہوتا تو مگر آدمی کا دھن اس کے ڈنگر (جانور) ہوا کرتے تھے، ہمارے اس شدید 'دھن' کے اصلی معنے نہیں تھے ڈنگر، جب نارمنوں کی حکومت جم گئی تو وہ سارے ڈنگروں کے مالک بن بیٹھے، جیتے ڈنگروں کی زکوالی سیکسن لوگ کرتے تھے، اس لئے جیتے ڈنگروں کا نام بنی سیکسن ہی رہا، لیکن چونکہ ان ڈنگروں کا گوشت کاتے تھے نارمن، اس لئے ان کے گوشت کا نام نارمن ہوا، مثلاً Cow (گائے) سیکسن اور اس کا گوشت Beef نارمن لفظ ہے، اسی طرح سے Sheep (بیڑ) Pig (سور) اور Deer (غرن) سیکسن زبان کے لفظ ہیں، لیکن ان کے گوشت کے لئے Venison اور Pork, Mutton تینوں نام نارمن بولی کے ہوئے، جیتے اور مرنے ہوئے جانوروں کے نام کا یہ ذوق گیارہویں صدی کی دماغدلی کا ایک ایسا سچا نقشہ کھینچتا ہے جو جب تک انگریزی زبان زندہ ہے قائم رہیگا۔

ہماری بولی میں بھی ہمارے پرانے سماجک جیون کی کافی یادگاریں قائم ہیں، لیکن چونکہ ہمارے دیس میں ہمیں اپنی بولی سکھانے کا دستور عام نہیں اس لئے وہ یادگاریں ہمارے دھیان میں نہیں لائی جاتی، دو چار نمونے اپنی سمجھ کے انوسار میں نیچے دے رہا ہوں۔

ہماری بولی میں جتنی نہج کی (پیت کی) رشکداریاں ہیں وہ سب زیادہ دیسی بولی کی ہیں—جیسے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی یا بیوا، جیتا، جی جی، چاچا،

دےوتا کی سلاہ سے ऐसा ही कैसला किया था. शायद उसको यह नहीं मालूम था कि नील नदी मित्र में भी बहती है.

नाचते नाचते न्याम न्याम कबीले के जादूगर डाक्टर ने नील नदी के देवता से जिसको वह हर साल भेंट दिया करता था, सलाह करने के लिये नदी में कूद पड़ा. उसकी इस हरकत को देखकर चुनाव बोर्ड के प्रतिधियों ने आश्चर्य के कारन दांतों तले उंगली दबाली. फिर वह बड़े जोश के साथ पानी पर अपनी जादुई छड़ी मारता हुआ धारे की तरफ बढ़ने लगा, पर तुरन्त ही उसने एक डुबकी लगाई. ऊपर उभरने पर इसका मुंह चुनाव की भोपड़ी के सामने था. उसके बाद वह नदी से निकल कर देवता की राय को प्रगट करने के लिये कबीले के सरदार की तरफ बढ़ा. चूंकि नील के देवता ने स्वतंत्र सभा के पक्ष में राय देने की सलाह दी थी, इसलिये सरदार ने पूरे कबीले समेत इसको वाट दिया.

इस चुनाव के नतीजे की घोषणा होते ही सारे मित्र में खुशी की लहर दौड़ गई क्योंकि मित्रियों की सूडान की समस्या पर बर्तानिया ऐसे शक्तिशाली देश के मुकाबले में सफलता प्राप्त हो गई. इसके अलावा इस नतीजे ने स्वेज कैनल की समस्या पर बर्तानिया और मित्र के भगड़े में मित्र की पोजीशन पहले के बनिस्बत अधिक मजबूत कर दी.

वास्तव में इस चुनाव के नतीजे ने बर्तानिया को गहरे सोच में डाल दिया है. स्थिति की गम्भीरता को समझते हुए और सूडान में अपने मिटते हुए प्रभाव को दोबारा जमाने के लिये बर्तानिया ने हाथ पैर मारना शुरू कर दिया है. दुनिया ने इसका पहला प्रदर्शन सूडानी पार्लियामेंट के उद्घाटन के दिन यानी पहली मार्च 4 को देखा जब कि दक्खिनी कबीले और स्वतंत्र सभा के मेम्बरों ने सारे शहर खारतूम में बलवा कर दिया और हवाई अड्डे पर जनरल नजीब के खिलाफ नारे लगाए जहां वह उद्घाटन की रस्म में शामिल होने के लिये काहिरा से हवाई जहाज से आये थे.

इस बलवे के नतीजे में 8 आदिमियों ने अपनी जान से हाथ धोया और सैकड़ों जखमी हुए और पार्लियामेंट का उद्घाटन न हो सका. पर राष्ट्रीय संगठन सभा के नेता और सूडान के नये प्रधानमंत्री इस्माईल अजहरी की सख्त कोशिश और सुरक्षा के विशेष प्रबंध करने पर 10 मार्च 54 को सूडानी पार्लियामेंट का उद्घाटन वहां के गवर्नर जनरल सर राबर्ट हू के हाथों हुआ.

अजहरी के मंत्री मन्डल ने अपने चुनाव के प्रोत्साहन को अमली जामा पहनाने की पूरी कोशिश करना शुरू कर दिया है. पर अब देखना यह है कि बर्तानिया के शङ्खचक्र का मुकाबला करने में कहां तक सफलता हाती है.

दोता की صلاح سے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا . شاید اُس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نیل ندی مصر میں بھی بہتی ہے .

ناچتے ناچتے نیام نیام قبیلے کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے دےوتا سے، جس کو وہ ہر سال بھیجتے دیا کرتا تھا، صلاح کرنے کے لئے ندی میں کھنڈ پڑا. اُس کی اس حرکت کو دیکھ کر چناؤ بورڈ کے پڑتیندھیوں نے آشفترہ کے کراں دانتوں تلے آنکلی دیالی . پھر وہ بڑے جوش کے ساتھ پانی پر اپنی جادوئی چھڑی مارتا ہوا دھارے کی طرف بڑھنے لگا، پر ٹرنٹ ہی اُس نے ایک ڈبکی لگائی. اوپر اُٹھنے پر اُس کا منہ چناؤ کی چھوڑی کے سامنے تھا . اُس کے بعد وہ ندی سے نکل کر دےوتا کی رائے کو پرگٹ کرنے کے لئے قبیلے کے سردار کی طرف بڑھا . چونکہ نیل کے دےوتا نے سوئٹزر سہیا کے پکش میں رائے دینے کی صلاح دی تھی، اُس لئے سردار نے پورے قبیلے سمیت اُس کو ووت دیا .

اِس چناؤ کے نتیجے کی گھوشنا ہوتے ہی سارے مصر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ مصریوں کو سردان کی سمسیا پر برطانیہ ایسے شکستخالی دیش کے مقابلے میں سہیلتا پراپت ہوگئی . اِس کے علاوہ اِس نتیجے نے سوئیز کینال کی سمسیا پر برطانیہ اور مصر کے جھگڑے میں مصر کی پوزیشن پہلے کے بنسبت ادھک مضبوط کردی .

اِستور میں اِس چناؤ کے نتیجے نے برطانیہ کو گہرے سوچ میں ڈال دیا ہے. استہتی کی گمبھیرتا کو سمجھتے ہوئے اور سردان میں اپنے متھے ٹوٹے پڑپڑ کو دوبارہ جمانے کے لئے برطانیہ نے ہتھ پیر مارنا شروع کر دیا ہے . چنانچہ دنیا نے اُس کا پہلا پردرشن سردانی پارلایمانٹ کے آدگائوں کے دن یعنی پہلی مارچ 54 کو دیکھا جب کہ دکنی قبیلے اور سوئٹزر سہیا کے ممبروں نے سارے شہر خارتوم میں بلرہ کر دیا اور سوائی آدے پر جنرل نجیب کے خلف نمبرے لگائے جہاں وہ آدگائوں کی رسم میں شامل ہونے کے لئے ڈھرے سے ہوائی جہاز سے اُٹے تھے .

اِس بلرے کے نتیجے میں 35 آدمیوں نے اپنی جان سے غاتم دھوا اور سیکڑوں زخمی ہوئے اور پارلایمانٹ کا آدگائوں نہ ہوسکا . پر راشڈوی سنگیتن سہیا کے نیٹا اور سردان کے نئے پردھان منتری اسمعیل اظہری کی سخت کرکش اور سرکچیا کے وشیش پربندہ کرنے پر 15 مارچ 54 کو سردانی پارلایمانٹ کا آدگائوں وہاں کے گورنر جنرل سر رابرٹ ہو کے ہاتھوں ہوا .

اظہری کے منتری منڈل نے اپنے چناؤ کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کرکش کرنا شروع کر دیا ہے . پر اب دیکھنا یہ ہے کہ برطانیہ کے شڑیتنر کا مقابلہ کرنے میں کہاں تک سہیلتا ہوتی ہے .

پرتیندیسوں کو نیز جنوب میں پرتینا پڑا۔ امداد دینے والے نکلے اور کالے پیشوں نے تاج شروع کیا۔ اپنے پیشوں کے تاج سے پرتیوات غور بیچ بیچ میں استریل جنگلی نعرے لگاتی تھیں۔ جب سردار نے اپنا باپاں غائب اٹھایا تو ناچنے والوں نے جو کہ ٹیک کر سیٹھ میں تر عوجکے تھے ناچ بند کر دیا۔ پھر ترنت سی عورتوں نے نعرے بجانا شروع کیا جن کی آواز سے جنگل اور ریگستان گونجنے لگے۔ کچھ منٹ کے بعد پورا دیلہ سردار کے سامنے جھک گیا۔ سردار کے دونوں غائب آکٹش کی طرف اٹھانے پر سب لوگوں نے کھڑے غور بڑے زور کا نعرہ لگایا۔ پھر سردار نے کچھ آتشچریجنگ شد کمرے جس کے بعد قبیلے کے سب مردوں نے سردار کا غائب چوما اور آدب کے ساتھ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

راشتری سنگٹن سبھا اور سبھت سبھا کے پرینتینہ املگ بیلکول شانتی پورک خدے ہوا۔ ان ن دلتنے والی رستوں کے سامان ہونے کا ہنٹیا کر رہے تھے۔ حالانکہ دونوں کا کام اپنی اپنی سبھاؤں کے لیے بات پرام کرنا تھا پر وہ جانتے تھے کہ جادوگر ڈاکٹر کے کسےلے پر سارا کبھیلا بوت دے گا اور اس سلسلے میں ان کی کوئی بھی کوشش بالکل بیکار ثابت ہوگی۔

جادوگر ڈاکٹر نے اپنی ہڈیوں اور پران کی دہلی سمیت زمین کے دیوانوں سے علاج کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر ٹیک دیا۔ دیوانوں سے علاج کرنے میں اس کو پانچ منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ یکایک کھڑا ہو گیا۔ اس کا سارا بدن اکڑا ہوا تھا اور اس نے اپنی جادوئی چیز کو آکٹش کی طرف اٹھا دیا۔

دونوں سبھاؤں کے پرینتینہوں نے سمجھ لیا کہ ان کے بیابانہ کے فیصلے کا سب سے آگیا۔ ان کی آنکھیں اس پرک سے چھڑی پر گڑی ہوئی تھیں جیسے کہ وہ گھیرے سے باہر نکل جائیں گی۔ یکایک جادوگر ڈاکٹر نے عورتوں کی نالیوں کی آواز پر بدہ ترتیب شروع کر دیا۔ پھر نہیں بار گہرے جھٹکے کے ساتھ چکر کاٹنے کے بعد وہ راشتری سنگٹن سبھا کے پرینتینہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی چھڑی اٹھارے اس کو آتشچریجنگ دیا۔ اس نے چھڑی کو بڑے آدب سے چوم کر جادوگر ڈاکٹر کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔

ان دو جنگ رستوں کے بعد سردار کھڑا ہو گیا اور چھوٹی کی طرف چل پڑا۔ اس کے لہو پریش شانتی پورک اس کے پیچھے ہوئے تھے۔ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کے انوسار راشتری سنگٹن سبھا کے بخش میں دوت دیں۔

پر نیام نیام نامک امداد جنگلی کبھیلے نے اس کے بالکل اٹھا فیصلہ دیا۔ انہوں نے سونٹنر سبھا کے بخش میں رائے دی کیونکہ ان کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے

پرتیندیسوں کو نیز جنوب میں پرتینا پڑا۔ امداد دینے والے نکلے اور کالے پیشوں نے تاج شروع کیا۔ اپنے پیشوں کے تاج سے پرتیوات غور بیچ بیچ میں استریل جنگلی نعرے لگاتی تھیں۔ جب سردار نے اپنا باپاں غائب اٹھایا تو ناچنے والوں نے جو کہ ٹیک کر سیٹھ میں تر عوجکے تھے ناچ بند کر دیا۔ پھر ترنت سی عورتوں نے نعرے بجانا شروع کیا جن کی آواز سے جنگل اور ریگستان گونجنے لگے۔ کچھ منٹ کے بعد پورا دیلہ سردار کے سامنے جھک گیا۔ سردار کے دونوں غائب آکٹش کی طرف اٹھانے پر سب لوگوں نے کھڑے غور بڑے زور کا نعرہ لگایا۔ پھر سردار نے کچھ آتشچریجنگ شد کمرے جس کے بعد قبیلے کے سب مردوں نے سردار کا غائب چوما اور آدب کے ساتھ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔

راشتری سنگٹن سبھا کے پرینتینہ سبھا کے پرینتینہ املگ بیلکول شانتی پورک خدے ہوا۔ ان ن دلتنے والی رستوں کے سامان ہونے کا ہنٹیا کر رہے تھے۔ حالانکہ دونوں کا کام اپنی اپنی سبھاؤں کے لیے بات پرام کرنا تھا پر وہ جانتے تھے کہ جادوگر ڈاکٹر کے کسےلے پر سارا کبھیلا بوت دے گا اور اس سلسلے میں ان کی کوئی بھی کوشش بالکل بیکار ثابت ہوگی۔

جادوگر ڈاکٹر نے اپنی ہڈیوں اور پران کی دہلی سمیت زمین کے دیوانوں سے علاج کرنے کے لیے اپنا سر زمین پر ٹیک دیا۔ دیوانوں سے علاج کرنے میں اس کو پانچ منٹ لگے۔ اس کے بعد وہ یکایک کھڑا ہو گیا۔ اس کا سارا بدن اکڑا ہوا تھا اور اس نے اپنی جادوئی چیز کو آکٹش کی طرف اٹھا دیا۔

دونوں سبھاؤں کے پرینتینہوں نے سمجھ لیا کہ ان کے بیابانہ کے فیصلے کا سب سے آگیا۔ ان کی آنکھیں اس پرک سے چھڑی پر گڑی ہوئی تھیں جیسے کہ وہ گھیرے سے باہر نکل جائیں گی۔ یکایک جادوگر ڈاکٹر نے عورتوں کی نالیوں کی آواز پر بدہ ترتیب شروع کر دیا۔ پھر نہیں بار گہرے جھٹکے کے ساتھ چکر کاٹنے کے بعد وہ راشتری سنگٹن سبھا کے پرینتینہ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی چھڑی اٹھارے اس کو آتشچریجنگ دیا۔ اس نے چھڑی کو بڑے آدب سے چوم کر جادوگر ڈاکٹر کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔

ان دو جنگ رستوں کے بعد سردار کھڑا ہو گیا اور چھوٹی کی طرف چل پڑا۔ اس کے لہو پریش شانتی پورک اس کے پیچھے ہوئے تھے۔ جادوگر ڈاکٹر کے فیصلے کے انوسار راشتری سنگٹن سبھا کے بخش میں دوت دیں۔

پر نیام نیام نامک امداد جنگلی کبھیلے نے اس کے بالکل اٹھا فیصلہ دیا۔ انہوں نے سونٹنر سبھا کے بخش میں رائے دی کیونکہ ان کے جادوگر ڈاکٹر نے نیل ندی کے

انہیں کارنوں سے راشٹری سنگھن سپہا چناؤ میں باری بہومت سے سپہا ہو گئی اور برطانیہ کی دن سہانتا کے باوجود سوتنتر سپہا بری طرح سے ہار گئی .

دکینی سڈان کے چناؤ کا آئہوں دیکھا حال ایک عربی جرنلسٹ نے یوں لکھا ہے :—

دکین کے پانچ جیلوں میں جہاں حبشی قبیلے آباد ہیں، چناؤ کی کاربہ والی اشجریہ جنک تھنگ سے ہوئی . ووٹر اپنے اہمیدواروں کے پیچھے قطار باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور انٹراشٹری چناؤ بورڈ کے پرتیندھی اُس اہمیدوار کو چن لیتے تھے جسکے پیچھے سب سے اندک ووٹر کھڑے ہوتے تھے. دکین بیاک کے گنجان جنگلی چیمپڑوں میں چناؤ کی کاربہ والی کی سوچنا بکل اور نقاروں سے دی گئی تھی . اپنی جیونینیں کو چھوڑ کر قبیلے کے لوگ اپنے سب سامان اور جانوروں سمیت چناؤ کے کینڈروں کی طرف چل پڑے . کئی دن کے سفر کے بعد اپنے دیش کے بیابانہ کا فیصلہ کرنے کے لئے تہتی دھوپ میں چناؤ کینڈر پر سب اکٹھا ہوئے . کہیں کہیں تو چناؤ پرتیندھیوں کو ووٹنگ کٹی کٹی دن تک مٹائی کرنی پڑی کیونکہ قبیلے ناچ گانے یا اچھی فصل تیار ہونے کے کارن اپنے وشواسوں کے انوسار دھارمک رسموں کے پورا کرنے میں لگے ہوتے تھے .

ان کھٹانڈوں کا اندازہ کرتے ہوئے پہلے ہی سے چناؤ بورڈ نے اپنے پرتیندھیوں کو قبیلوں میں ووٹنگ کرانے کے لئے دو تین ہفتے کا سیمہ دیا تھا تاکہ سب قبیلے آسانی سے ووٹ دے سکیں . بہت سے نپلوتی قبیلے اپنے سب سے اچھے کیزوں کو ہمیں کر دیتے کے لئے آئے . ان کی کمروں میں ایک سفید کپڑا لپٹا تھا اور گلے میں ہڈیوں اور موتیے کا حار تھا . شر قبیلے کا سردار سب سے آگے سائنڈ پر سوار ہوکر چلتا تھا . اُس کے پیچھے قبیلے کا جادوگر ڈاکٹر اپنے ساز و سامان یعنی آدمی کی کپڑیاں، ہڈیاں، جڑی بوٹیاں اور جادوئی لکڑیوں کے ہوتا تھا . اُس کے بعد استریاں اپنے بچوں کو گرد میں لئے ہوئے یا پیٹھ پر باندھے چلتی تھیں . عورتوں کے پیچھے مرد رھتے تھے . کٹھن اور لمبہ راستوں کو طے کرنے کے لئے اُن لوگوں کے پاس قبائلی دھارمک گیتوں کے علاوہ دل بہلانے کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا .

سڈان کے سب سے اندک لڑاکو شیلوک قبیلے کے سب استری پش منزلیں طے کرتے ہوئے چناؤ کے کینڈر تک پہونچے جہاں مٹی اور پھوس کی ایک جیونیری چلچلائی ہوئی دھوپ میں کھڑی تھی . چناؤ پرتیندھیوں نے قبیلے کے سردار اور اُس کے پوسدہ لڑاکو ساتھوں کا بڑے سواگت کیا اور اُس کو موتیوں اور مونڈوں کی مالائیں دی گئیں .

تھوڑی دیر کے بعد قبیلے کا یدہ نرتیہ شروع ہوا جس کو دیکھنے کے لئے امریکہ اور بیلجیم کے

سڈان کے سب سے اذیک لڈاکڑ شیلوک نامک کبیلے کے سب سخی پورسٹ مانفیلے تھ کرتے ہوئے چناؤ کے کینڈر تک پہونچے جہاں مٹی اور پھوس کی ایک جیونیری چلچلائی ہوئی دھوپ میں کھڑی تھی . چناؤ پرتیندھیوں نے کبیلے کے سردار اور اُسکے پرسیدل لڈاکڑ ساٹھیوں کا بڑے سواگت کیا اور اُسکے موٹیاں اور مٹوں کا موٹیاں اور مٹوں کا موٹیاں

ٹوڈی دے کے باڈ کبیلے کا یڈر نٹھ شورو ہوا جسکو دیکھنے کے لئے امریکہ اور بیلجیم کے

بہر حال سنسار کا یہ انوکھا چناؤ 6 نومبر 1953 کو شروع ہوا اور 10 دسمبر 1953 تک جا کر ختم ہوا۔ 16 سالہ غلامی کے بعد سُڈانیوں کو اپنے بیوشیہ کے متعلق فیصلہ کرنے کا موقع ملا۔

یوں تو چار پارٹیاں—راشتری संगठन सभा, स्वतंत्र सभा, सोशलिस्ट पार्टी और दक्खिनी राजनैतिक संस्था—चुनाव के मैदान में उतरीं पर वास्तव में मुक्ताबला पहली दो पार्टियों में ही हुआ. राश्ट्री संगठन सभा 1938 में स्थापित हुई थी. सुडान से बर्तानिया की प्रधानता का अन्त, नील की घाटी का संगठन और देश में सोशलिस्ट शासन की स्थापना. इसके खास उद्देश्य हैं. 1945 ई० में कुछ जाग्रत और इनकलाबी विचार वाले नौजवानों के शामिल हो जाने से इस सभा ने जोर पकड़ना शुरू किया जिसके कारन सुडान में बर्तानिया को अपनी प्रधानता खतरे में पड़ती दिखाई दी और उसकी साजिशों से इस सभा में फूट पड़ गई और वह इसमार्शल अजहरी और मुहम्मद नूरउद्दीन के नेतृत्व में दो भागों में बंट गई. पर नील नदी की घाटी के संगठन और सुडान से बर्तानिया के निकलने की मांग करते रहे. मिश्र में जनरल नजीब के हाथ में शासन आजाने पर दोनों दल फिर अजहरी के नेतृत्व में संगठित हो गये. राश्ट्री संगठन सभा के मुक्ताबले में बर्तानिया ने स्वतंत्र सभा कायम कराई जिस का उद्देश्य सुडान की पूरी आजादी बताया गया. 1945 में बर्तानिया ने इस सभा का शक्तिशाली बनाने के लिये सुडान के बहुत बड़े धार्मिक नेता सर अब्दुर रहमान अल मेहदी को इसका लीडर बनाया. इस लक्ष्य का हासिल करने के लिये बर्तानिया ने दक्खिनी सुडान के काले आदिवासियों में साम्प्रदायिक भावना पैदा करके, इनका स्वतंत्र सभा की सहायता के लिये तैयार किया. वास्तव में स्वतंत्र सभा के लीडरों का काम सरकारी पदों की गहियों पर विराजमान होने के अलावा और कुछ नहीं रहा और इस सभा का असर सिर्फ बर्तानिया की सहायता के कारन रहा. पर जैसे जैसे राश्ट्री भावना उभरती गई इस सभा का प्रभाव भी कम होता गया.

राश्ट्री संगठन सभा ने अपने चुनाव प्रचार में राश्ट्री और धार्मिक भावनाओं को उभारा. इसकी सहायता में मिश्र से आये हुए लाखों परचे बाँटे गये जिससे उनको एक धर्म और एक जात मिश्रियों का साथ देने पर आमादा किया गया था. स्वतंत्र सभा ने अपने चुनाव के प्रोग्राम में सुडान की पूर्ण स्वतंत्रता और जनता के आर्थिक सुधार पर जोर दिया था पर सुडान के 95 वीं सदी अनपढ़ लोगों के लिये पूर्ण स्वतंत्रता और आर्थिक सुधार के शब्द कोई मानी नहीं रखते थे मगर इस्लामी भाई वारे और बड़े भाई के संगठन के नारे अवश्य उनके दिल को मांहने वाले थे.

बेह حال سنسار کا یہ انوکھا چناؤ 6 نومبر 1953 کو شروع ہوا اور 10 دسمبر 1953 تک جا کر ختم ہوا۔ 16 سالہ غلامی کے بعد سُڈانیوں کو اپنے بیوشیہ کے متعلق فیصلہ کرنے کا موقع ملا۔

یوں تو چار پارٹیاں—راشتری संगठन सभा, स्वतंत्र सभा, सोशलिस्ट पार्टी और दक्खिनी राजनैतिक संस्था—चुनाव के मैदान में उतरीं पर वास्तव में मुक्ताबला पहली दो पार्टियों में ही हुआ. राश्ट्री संगठन सभा 1938 में स्थापित हुई थी. सुडान से बर्तानिया की प्रधानता का अन्त, नील की घाटी का संगठन और देश में सोशलिस्ट शासन की स्थापना. इसके खास उद्देश्य हैं. 1945 ई० में कुछ जाग्रत और इनकलाबी विचार वाले नौजवानों के शामिल हो जाने से इस सभा ने जोर पकड़ना शुरू किया जिसके कारन सुडान में बर्तानिया को अपनी प्रधानता खतरे में पड़ती दिखाई दी और उसकी साजिशों से इस सभा में फूट पड़ गई और वह इसमार्शल अजहरी और मुहम्मद नूरउद्दीन के नेतृत्व में दो भागों में बंट गई. पर नील नदी की घाटी के संगठन और सुडान से बर्तानिया के निकलने की मांग करते रहे. मिश्र में जनरल नजीब के हाथ में शासन आजाने पर दोनों दल फिर अजहरी के नेतृत्व में संगठित हो गये. राश्ट्री संगठन सभा के मुक्ताबले में बर्तानिया ने स्वतंत्र सभा कायम कराई जिस का उद्देश्य सुडान की पूरी आजादी बताया गया. 1945 में बर्तानिया ने इस सभा का शक्तिशाली बनाने के लिये सुडान के बहुत बड़े धार्मिक नेता सर अब्दुर रहमान अल मेहदी को इसका लीडर बनाया. इस लक्ष्य का हासिल करने के लिये बर्तानिया ने दक्खिनी सुडान के काले आदिवासियों में साम्प्रदायिक भावना पैदा करके, इनका स्वतंत्र सभा की सहायता के लिये तैयार किया. वास्तव में स्वतंत्र सभा के लीडरों का काम सरकारी पदों की गहियों पर विराजमान होने के अलावा और कुछ नहीं रहा और इस सभा का असर सिर्फ बर्तानिया की सहायता के कारन रहा. पर जैसे जैसे राश्ट्री भावना उभरती गई इस सभा का प्रभाव भी कम होता गया.

राश्ट्री संगठन सभा ने अपने चुनाव प्रचार में राश्ट्री और धार्मिक भावनाओं को उभारा. इसकी सहायता में मिश्र से आये हुए लाखों परचे बाँटे गये जिससे उनको एक धर्म और एक जात मिश्रियों का साथ देने पर आमादा किया गया था. स्वतंत्र सभा ने अपने चुनाव के प्रोग्राम में सुडान की पूर्ण स्वतंत्रता और जनता के आर्थिक सुधार पर जोर दिया था पर सुडान के 95 वीं सदी अनपढ़ लोगों के लिये पूर्ण स्वतंत्रता और आर्थिक सुधार के शब्द कोई मानी नहीं रखते थे मगर इस्लामी भाई वारे और बड़े भाई के संगठन के नारे अवश्य उनके दिल को मांहने वाले थे.

نہیں مصر کے عربوں نے اس دیش کا نام 'سودان' یعنی کالی بستی رکھا۔ پہلے سونتن مہاراجہ محمد علی نے سودان کو اپنے سانشادھیکار میں لے لیا، پر 1841ع میں اُن کی موت کے بعد ان اُترادھیکاریوں کی کمزوری کے کارن سودان میں چاروں طرف گڑبڑ پھیل گئی، جس سے کھن ہوکر درویش نامک سامپردائے کے نیٹا محمد احمد الہدی نے مصری شاسن کے وردہ ودرہ کر دیا اور بڑی گھمسان لڑائیوں کے بعد مصری اور اُن کی سپانٹا پر آئی ہوئی انگریزی سینا کا بالکل صغایا کرکے یورن سونتن پر اپت کر لی۔ پر کچھ ہی سال کے بعد انگریزوں نے لڑکے کچنر کے سیناپتتو میں اُن ٹونک ہتھیاریوں سے ایس ایک بڑی سینا کے ساتھ سودان پر حملہ کر دیا۔ ہتھیاریوں کی کمی اور لڑائی کے تنہیک میں نہیں نہ ہونے کے باوجود دیش بہت درویشوں نے کئی استھانوں پر بڑی ویرنا سے اُس کا سامنا کیا، پر انت میں گھمسان دیکھ کے بعد 1898ع میں خارتوم کے دیکھ میں ہار گئے اور سودان سامراجیہ والی تاج کا ایک انگ بن گیا۔

چونکہ مصر کی زندگی نیل ندی پر نہر رہے اس لئے مصر جتنا سدا سے اچھک رہی ہے کہ پورے نیل ندی پر اُس کی پردہانتا رہے۔ اس لئے انگریزی راجنیکٹ نیٹاؤں نے مصریوں کی اِس بھاؤنا کا خیال رکھتے ہوئے اور اُن کو پرس کرنے کے لئے سودان میں مصر اور برطانیہ کے ساجے کا شاسن استپت کیا، پر اصلیت میں سودان پر شاسن کرنے کا چورن ادھیکار برٹش گورنر جنرل کے ہاتھ میں رکھا گیا۔

مگر مصری نیٹا کی اس طرح کے پردہانتہ سے سنشت نہیں رہے اور سودان کی سسسیا پر مصر میں برطانیہ کے وردہ برابر آواز اُٹھتی رہی اور پردرشن ہوتے رہے۔ 1936ع میں مصر کی آزادی کے بعد سے سودان کو مصر کے ساتھ ملانے کی مانگ اور پکڑی گئی یہاں تک کہ 1941ع میں وند پارٹی کی سرکار کے نالوں کے مصری انگریزی سمجھوتے کو ہز کر مارن (مصر کے بیوپرور راجا) کو سودان کا بھی راجا گھوشت کر دیا۔

جولائی سن 1942 میں مصر میں فوجی کرائتی کے بعد جنرل نجیب کے ہاتھ میں دیش کا شاسن آگیا۔ چونکہ وہ پیدائشی سودانی تھے اس لئے مصریوں کی طرح سودانیوں میں بھی نیل کی گیاتی کے ستبن کی بھاؤنا بہت آتی۔ مصری سرکار کے دباؤ اور سودان میں اُس دن کے اپنے وردہ آندولنوں سے اسمرنہ شو کر برطانیہ نے اِس سسسیا پر عام چٹاؤ کرانے کے لئے یو۔ اے۔ او کے فیصلہ کو سبکار کر لیا۔ امریکہ بیلجیم، بھارت اور پاکستان کے پرتیندھی چٹاؤ ہرے میں شامل تھے۔ بھارت کے پرتیندھی شری شوکار سین اِس ہرے کے ادھیکش چنے گئے۔

چونکہ مصر کی زندگی نیل ندی پر نہر رہے اس لئے مصر جتنا سدا سے اچھک رہی ہے کہ پورے نیل ندی پر اُس کی پردہانتا رہے۔ اس لئے انگریزی راجنیکٹ نیٹاؤں نے مصریوں کی اِس بھاؤنا کا خیال رکھتے ہوئے اور اُن کو پرس کرنے کے لئے سودان میں مصر اور برطانیہ کے ساجے کا شاسن استپت کیا، پر اصلیت میں سودان پر شاسن کرنے کا چورن ادھیکار برٹش گورنر جنرل کے ہاتھ میں رکھا گیا۔

مگر مصری نیٹا کی اس طرح کے پردہانتہ سے سنشت نہیں رہے اور سودان کی سسسیا پر مصر میں برطانیہ کے وردہ برابر آواز اُٹھتی رہی اور پردرشن ہوتے رہے۔ 1936ع میں مصر کی آزادی کے بعد سے سودان کو مصر کے ساتھ ملانے کی مانگ اور پکڑی گئی یہاں تک کہ 1941ع میں وند پارٹی کی سرکار کے نالوں کے مصری انگریزی سمجھوتے کو ہز کر مارن (مصر کے بیوپرور راجا) کو سودان کا بھی راجا گھوشت کر دیا۔

جولائی سن 1942 میں مصر میں فوجی کرائتی کے بعد جنرل نجیب کے ہاتھ میں دیش کا شاسن آگیا۔ چونکہ وہ پیدائشی سودانی تھے اس لئے مصریوں کی طرح سودانیوں میں بھی نیل کی گیاتی کے ستبن کی بھاؤنا بہت آتی۔ مصری سرکار کے دباؤ اور سودان میں اُس دن کے اپنے وردہ آندولنوں سے اسمرنہ شو کر برطانیہ نے اِس سسسیا پر عام چٹاؤ کرانے کے لئے یو۔ اے۔ او کے فیصلہ کو سبکار کر لیا۔ امریکہ بیلجیم، بھارت اور پاکستان کے پرتیندھی چٹاؤ ہرے میں شامل تھے۔ بھارت کے پرتیندھی شری شوکار سین اِس ہرے کے ادھیکش چنے گئے۔

نہیں سکتا کل کیا ہوگا یا اگلے چین ہی کیا ہوگا؟“

بے یارا نے بیل لا کر مرے دیا، اسکا ہوٹل میرے ہوٹل کے دوسری طرف تھا، اسلئے دروازے سے نکلنے ہی ہم لوگ ویزیت دشاں میں مڑ گئے۔ راستے میں تھکنی ہوئیں اور گرتی ہوئی برف منہ پر تھپتھپے دے رہی تھیں ہر میں پرسن چت چلا جا رہا تھا۔ آسمان کالا چلا تھا اور آسمین برف سے لے غولے گھر اور سڑکیں رے رے کر چمک رہی تھیں۔

نہیں سکتا کل کیا ہوگا یا اگلے چین ہی کیا ہوگا؟“

بے یارا نے ہاں لا کر مجھے دیا۔ اُس کا ہونٹ میرے ہونٹ کے دوسری طرف تھا۔ اُس لئے دروازے سے نکلنے ہی ہم لوگ ویزیت دشاں میں مڑ گئے۔ راستے میں تھکنی ہوئیں اور گرتی ہوئی برف منہ پر تھپتھپے دے رہی تھیں ہر میں پرسن چت چلا جا رہا تھا۔ آسمان کالا چلا تھا اور آسمین برف سے لے غولے گھر اور سڑکیں رے رے کر چمک رہی تھیں۔

“سُڈان“

(جَمِیْرِ حَسَن کَاجِیْمِی)

اتر میں مصر، دکن میں برٹش بونگڈا اور بیلجیئم کانگو، پورب میں ایتھوپیا، اتر پورب میں لال ساگر، پچیم میں فرینچ ایکونٹوریل انڈیہ، اتر پچیم میں لیبیا سے سُڈان گھرا ہے۔ اُس کا رقبہ دس لاکھ ورگ میل ہے اور آبادی اسی لاکھ ہے۔ دیش کا اہمتر حصہ، ریکستان اور کم اُچھاڑ ہے۔ دکن بھاگ میں جہاں سال میں دو بار بارش ہوتی ہے، گنجان جنگل نہیں جن میں زبر اور مہوگی کے درز بہوایت سے اُگتے ہیں۔

نیل ندی اسی دیش سے ہو کر گذرتی ہے۔ سفید نیل کینڈریہ اتریت کی وکٹوریہ نامک جیل سے نکل کر سُڈان میں داخل ہوتی ہے۔ خارنوم میں اُس میں ایتھوپیا کے پہاڑوں سے نکلی ہوئی نیلی نیل نامک ندی ملتی ہے۔ نیل ندی کی اُچھاڑ گھاٹی میں زونی بہوایت سے پیدا ہوتی ہے اور دیشوں کو بہاچی جاتی ہے۔ ریکستانی چیتروں میں ببول کے لائپوں پتے اُگے ہیں۔ ان سے بہت بڑی ماترا میں گوند پراپت کی جاتی ہے اور سنسار کے بہت سے دیشوں میں پہنچی جاتی ہے۔ خارنوم یہاں کی راجدھانی ہے اور دیش کا اکیلا اہمتر ڈھانگ پر آباد نگر ہے۔ یہ سفید اور نیلے نیل کے سنگم پر بسا ہوا ہے۔ لال ساگر پر اُسٹیت سُڈان اور سوڈین یہاں کے بندرگاہ عین جو خارنوم اور دوسرے پوسدہ نگر ہرو سے زیات دواڑ ملے ہوتے ہیں۔

لگ بھگ بارہ سو سال پہلے اسلام دھرم یہاں عربوں کے ذریعہ پہنچا۔ یہاں کے نواسی بہت کالے تھے۔ اُس لئے

“سُڈان“

(غمیرِ حَسَن کَاجِیْمِی)

اُتر میں مصر، دکن میں برٹش بونگڈا اور بیلجیئم کانگو، پورب میں ایتھوپیا، اتر پورب میں لال ساگر، پچیم میں فرینچ ایکونٹوریل انڈیہ، اتر پچیم میں لیبیا سے سُڈان گھرا ہے۔ اُس کا رقبہ دس لاکھ ورگ میل ہے اور آبادی اسی لاکھ ہے۔ دیش کا اہمتر حصہ، ریکستان اور کم اُچھاڑ ہے۔ دکن بھاگ میں جہاں سال میں دو بار بارش ہوتی ہے، گنجان جنگل نہیں جن میں زبر اور مہوگی کے درز بہوایت سے اُگتے ہیں۔

نیل ندی اسی دیش سے ہو کر گذرتی ہے۔ سفید نیل کینڈریہ اتریت کی وکٹوریہ نامک جیل سے نکل کر سُڈان میں داخل ہوتی ہے۔ خارنوم میں اُس میں ایتھوپیا کے پہاڑوں سے نکلی ہوئی نیلی نیل نامک ندی ملتی ہے۔ نیل ندی کی اُچھاڑ گھاٹی میں زونی بہوایت سے پیدا ہوتی ہے اور دیشوں کو بہاچی جاتی ہے۔ ریکستانی چیتروں میں ببول کے لائپوں پتے اُگے ہیں۔ ان سے بہت بڑی ماترا میں گوند پراپت کی جاتی ہے اور سنسار کے بہت سے دیشوں میں پہنچی جاتی ہے۔ خارنوم یہاں کی راجدھانی ہے اور دیش کا اکیلا اہمتر ڈھانگ پر آباد نگر ہے۔ یہ سفید اور نیلے نیل کے سنگم پر بسا ہوا ہے۔ لال ساگر پر اُسٹیت سُڈان اور سوڈین یہاں کے بندرگاہ عین جو خارنوم اور دوسرے پوسدہ نگر ہرو سے زیات دواڑ ملے ہوتے ہیں۔

لگ بھگ بارہ سو سال پہلے اسلام دھرم یہاں عربوں کے ذریعہ پہنچا۔ یہاں کے نواسی بہت کالے تھے۔ اُس لئے

”اس جانکاری کے بعد اب میرے پاس کوئی کام تو تھا نہیں۔ لیکن بھولوں کے اُن گنجلوں کا کیا کیا جائے؟ میں نے اُس بدھی استری سے کہا کہ اُنہیں وہ آہ۔ چاؤ کو دے دے۔ آہ۔ چاؤ تو مجھے دیکھ کر ایسا بھاگی تھی جیسے میں کوئی بیڑیا ہوں اور اُسے دبوچ لوں گا۔ میری اچھا تو نہیں تھی کہ یہ بھول میں اُسے دوں۔ پھر بھی میں نے اُنہیں اُس کو دے دیا تاکہ میں ماں سے کم سکوں کہ آہ۔ شن اُنہیں پاتے ہی بڑی پرس ہو گئی تھی جس سے ماں کو سنتوش ہو جائے۔ کون ایسی چھوٹی باتوں کی پرواہ کرتا ہے؟ سب ہی چلتے ہیں کہ کسی پرکار سر پر سے بلا لے۔ نیا سال شروع ہونے ہی میں ادھیان کریم پھر شروع کر دوں گا۔ مجھے کنفرینس کی وجہ شمارا پڑھانی پڑتی ہے۔“

میں نے اُس پر یہ چکت ہو کر بوجھا—”کیا تمہارا دیش کنفرینس ہے؟“

اُس نے اُتر دیا—”اور کیا؟ تم سمجھتے تھے میں انگریزی پڑھتا ہوں۔ پہلے میرے دو ویدیا تھے۔ ایک اردنیسے کی کتاب پڑھتا تھا، دوسرا مینشیس کی۔ حال ہی میں ایک لڑکی نے ”کینن فار گلس“ پڑھنا شروع کیا ہے۔ میں حساب بھی نہیں پڑھتا۔ کارن یہ نہیں ہے کہ میں پڑھنا نہیں سکتا۔ وہ پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔“

”میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح کی کتابیں پڑھتے ہو؟“

”اُن کے باپ چلتے ہیں کہ اُنہیں بھی پڑھنا چاہیے۔ میں تو باہر کا رہنے والا ہوں۔ اُس لئے میرے لئے سب ایک ہی جیسا ہے۔ کون اُن باتوں کی پرواہ کرے؟“

اس کا چہرہ لال ہو گیا تھا جیسے اس نے بہت شراب پی لی ہو، پر آسوں میں وہ جھوٹی نہیں تھی۔ میں نے بنی ایک لمبی سانس لی اور کچھ دیر تک گم سم بیٹھا رہا۔ سب سے پہلے کھٹ کی آواز ہوئی اور کچھ گراہک اُپر کمرے میں آئے۔ پہلا گراہک فائے قد کا گول منہ کا تھا، دوسرا لمبا تھا اور اُس کے چہرے پر لمبی سی لال ناک تھی۔ اس کے پیچھے اور بھی کئی دیکتی تھے۔ اُن کے پد چاپ سے کمرہ ہلنے لگا۔ میں نے لو۔ دی۔ نو کی طرف دیکھا اور پھر بیرو سے بل لانے کے لئے کہا۔

جائے کے لئے تیار ہوتے ہوئے میں نے پرسن کیا—”کیا تمہیں گزر بسر کرنے پور کے لئے تنخواہ مل جاتی ہے؟“

اُس نے اُتر دیا—”مجھے بیس ڈالر پرتی ماہ ملتا ہے اور کم چلا سکے کے لئے اتنا کافی ہے۔“

”آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”اسے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

”کم نہیں سکتا۔ ارادہ کرنے سے بھی کیا فائدہ؟ کیا آج تک اپنی اچھا نوسار کام کر پایا ہوں؟ میں تو اب کسی چیز کے بارے میں تشجیح نہیں دیتا، کھ

ही था, इसलिये मैं इस बार चांग-कू के घर के सामने वाली लकड़ी की ढाल तक गया, दूकानदार की माँ दूकान में थीं, उन्होंने मुझे पहचान लिया और दूकान में आने के लिये कहा, शिष्टाचार की बातें समाप्त होने के बाद मैंने उनसे यहाँ आने का कारन बतलाया, मैंने चांग-कू के बारे में पूछा, मुझे उम्मीद नहीं थी कि वह इतनी लम्बी सांस लेकर बोलेंगी, “कितने दुख की बात है कि आह-शुन के भाग्य में इन सुन्दर फलों का पहिनावा नहीं बड़ा था !”

फिर उसने मुझे पूरी कहानी सुनाई। उसने बतलाया—
“शायद पिछले बसन्त के बाद से ही वह दुबली और पीली
पड़ती दिखाई देने लगी थी। बाद के दिनों में तो वह रंगे
लगती थी और किसी के कारन पूछने पर उत्तर भी नहीं देती
थी। कभी कभी वह रात भर रोती रहती। चांग-कू की वरदाश
से बात बाहर हो जाती तो वह बिगड़ उठता—“इतनी बड़ी
हो जाने पर शादी न हो पाने के कारन ही वह पागल हो
गई है” जब हेमन्त आया, उसं जुकास हो गया और उसने
चापाई पकड़ ली और फिर उसं कभी न छोड़ा। कुछ ही
दिन पहले उसकी मौत हो गई। मरने के समय उसने चांग-
कू को बतलाया कि वह अपने मां के ही समान वीमार हो
गई थी। खांसने से उसे खून आता था और रात में सुखार
भी तेज हो जाता था। उसने अब तक यह बात छिपा रक्खी
थी ताकि उसे परेशानी न हो। एक दिन शाम को उसका
चचा चांग-केंग अपना रूपया मांगने आया। जब उसने रुपये
देने में असमर्थता प्रगट की तो वह मुस्कराते हुये बोला—
“इतना घमंड मत करो। तुम्हारा आदमी तो मेरे जैसा भी
नहीं है。” वह बड़ी परेशान हो गई पर लज्जा के कारन कुछ
भी पूछ न सकती थी, केवल उर सकती थी। रोकर मन हल्का
कर लिया। चांग ने उसे बतलाया कि उसका भावी पति
उसके कितने योग्य था, पर अब तो बहुत देर हो चुकी थी।
उसे विश्वास न हुआ। इसलिये वह बोली—“अच्छा है कि
मैं ऐसी हूँ। किसी को मेरे कारन परेशानी तो नहीं हांती。”

उस बुढ़ी औरत ने भी कहा—“सचमुच यदि उसका पति चांग-केंग जैसा भी न होता तो उसे बहुत कष्ट उठाना पड़ता, कैसा आदमी वह होता ? जब वह उसकी अर्थी को उठवाने आया तो मैंने उसे देखा था, वह साफ कपड़े पहने था और समाज में रहने योग्य था, उसने मुझे बताया था कि नाव पर बड़ी मेहनत से काम करके वह कुछ पैसे बचा सका था ताकि वह शादी कर सके और अब उसकी भावी पत्नी भी मर गयी, अवश्य ही वह भला आदमी रहा होगा चांग-केंग ने इसके बारे में जो कुछ भी कहा भ्रूट था, कितने दुख की बात है कि आह-ध्रुन ने ऐसे पेशेवर भूटे की बातों से बिरावाकर कर लिया और अकारण ही मर गई, पर कोई किसी को क्यों दोष दे जब अपना भाग्य ही खोता हो.”

ہی تھا۔ اس لئے میں اس بار چانگ۔ نو کے گہر کے سامنے والی لکڑی کی ٹال تک گیا۔ دوکاندار کی ماں دوکان میں تھیں۔ اُوروں نے مجھے پہچان لیا اور دوکان میں آنے کے لئے کہا۔ شستچار کی بانیں سہایت غوفے کے بعد میں نے ان سے یہاں آنے کا کراں بتلایا۔ میں نے چانگ۔ نو کے بارے میں پوچھا۔ مجھے اُمید نہیں تھی کہ وہ اتنی لمبی سانس لے کر بولیں گی۔ ”کتنے دُک کی بات ہے کہ آہ۔ شن کے بیگاہہ میں ان سندر پھولوں کا پھیننا نہیں بد تھا۔“

”پھر اُس نے مجھ پوری کہانی سنائی۔ اُس نے بتلایا۔
”شانہ پچھلے بسنت کے بعد سے ہی وہ دہلی اور پرتی دھائی
دینے لگی تھی۔ بعد کے دنوں میں تو وہ روزے لگتی تھی اور
کسی کے گارن بچنے پر اُتر بیٹھ نہیں دیتی تھی۔ کبھی کبھی وہ
رات بھر روتی رہتی۔ چانگ۔ تو کے برداشت سے بات باہر
ہو جاتی تو وہ بکڑ اُٹھتا۔“ اننی بڑی ہو جانے پر شادی نہ ہو
پانے کے گارن ہی وہ پاگل ہو گئی تھی۔“ جب قیامت آیا۔
زخم ہو گیا اور اُس نے چارپائی پر لی اور پھر اُسے کبھی نہ چھوڑا۔
کچھ ہی دن پہلے اُس کی موت ہو گئی۔ مرنے کے سمنے اُس نے
چانگ۔ کو کہنا کہ وہ اپنے مرنے کی سمان بیدار ہو گئی تھی۔
کیاتسنے سے اُسے خون آتا تھا اور رات میں بخار ہی تیز ہو جاتا
تھا۔ اُس نے اب تک یہ بات چھپا رکھی تھی تاہم اُسے پریشانی
نہ ہو۔ ایک دن شام کو اُس کا چچا چانگ۔ کینگ اپنا
دوپہہ مارتے آیا۔ جب اُس نے روئے دیانے میں اُسے دیکھا تو
کی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔“ اپنا قیامت مت کرو۔ تمہارا
آدمی تو میرے جیسا ہی نہیں ہے۔“ وہ بڑی پریشان ہو گئی
پر لمبا کے گارن کچھ ہی بچنے نہ سکتی تھی۔ کیوں رو سکتی
تھی۔ رو کر من شکلا کر لیا۔ چانگ نے کہا۔ بتلایا کہ اُس کا
بیویا پرتی اُس کے گنا بویکے تھا۔ پر اب تو بہت دیر ہو چکی
ہی۔ اُسے دسراں نہ خوا۔ اُس نے بولی۔“ اچھا ہے کہ میں
کسی کو میرے گارن پریشانی تو نہیں رہتی۔“

”اُس بقی عورت نے بی کہا— ”سچ منج یدی اُس کا پتی چانگ - کینگ جیسا بی نہ ہوتا تو اُسے بہت کشت اُٹھانا پڑتا۔ کیسا آدمی وہ ہوتا! جب وہ اُس کی ازنی کو اُٹھوانے آیا تو میں نے اُسے دکھایا۔ وہ صاف کپڑے پہنتا تھا اور سماج میں رفتے ہوئے تھا۔ اُس نے منج بتایا تھا کہ ناؤ پر بڑی محنت سے کام کر کے وہ کچھ پیسے بچا سکا تھا ناندہ وہ شادی کر سکے اور اب اُس کی بیوی پتی بی بی مر گئی۔ اوشیہ ہی وہ بیلا آدمی رہا ہوگا۔ چانگ - کینگ نے اُس کے بارے میں جو کچھ بی بی کہا جھوٹ تھا۔ کتنے دیکھ کی بات ہے کہ آدہ شن نے ایسے پیشہور جوڑے کی بانوں میں دھولیں کر لیا اور اکڑن ہی مر گئی۔ پھر کوئی کسی کو کیوں دیش دے جب اپنا بھائیہ ہی کھوٹا ہو۔“

کے وچار میرے سر پہن ہی تھے۔ دوسرے ہی چہن مجھے اپنے چاروں پر بڑی ہنسی آئی اور میں انہیں بھول بھی گیا۔“

”مجھے معلوم نہیں تھا کہ اُسے ایک بار نقلی پھولوں کے لئے مار پڑ چکی ہے۔ پھر جب ماں نے اس بات کا ذکر کیا، مجھے کھیر کھانے والی گھٹنا یاد آگئی۔ میں نے ناپوہیاں کی دوکانوں میں وہ پھول کھونڈتھا پر وہاں نہ ملا۔ جب میں سیناں گیا تب وہاں سے لایا۔“

باہر کیمولیا کے پیڑ پر لدی ہوئی برف کے پھسل کر گرنے سے ہنکی سی آواز ہوئی اور میرا دھیان بھی اُچٹ گیا۔ برف کے بوجھ سے وہ پیڑ جھکا جا رہا تھا۔ اُس کی ٹہنیاں اب پتھر سی سیدی ہو گئیں اور اُس میں لئے لال پھول اب پہلے سے بنی ادھک چمکنے لگے۔ اکٹس کا سلیتی رنگ بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ گورنوں کی چڑچڑ شروع ہو گئی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ زمین کے برف سے تھکی ہوئے کے کارن انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سب جلدی ہی اپنے گھونسلوں میں چلی گئیں اور ہر طرف پتھر شانتی چھا گئی۔

پتھری کے باہر چھانک کر اُس نے پیاناہ خالی کر دیا اور سگریٹ کے کش کھینچتے ہوئے بولا—”سیناں میں میں نقلی بول خرید پایا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ جن پھولوں کے لئے اُسے مار پڑی تھی وہ ویسے ہی تھے جیسے میں لایا تھا۔ یہ بنی ویلیوٹ (ایک پرکار کا چکننا مخلملی کپڑا) کے بنے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُسے گہرا لال رنگ پسند تھا یا شاکا گئی۔ اُس لئے درنوں رنگ کے ایک ایک گچھے لینا آیا۔“

”آج درپہر کو کھانا کافے کے بعد میں چاک۔ نو کے گھر گیا۔ اُسی کلم کے لئے میں ایک دن زیادہ رک گیا تھا۔ اُس کا گھر ٹیک اُسی جگہ پر پہلے سے جیسا تھا۔ پھر گھر میں ایک عجیب اداسی چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ شاید وہ میرے مستشک کی کوری کا پناہی رہی ہو۔ اس کا لڑکا اور چھوٹی لڑکی آہ۔ چاؤ باہر دروازے پر ہی کھڑے تھے۔ آہ۔ چاؤ پہلے سے بہت بڑی ہو گئی تھی پر اُس کی بہن سے اُس میں بڑی اسمانتا تھی۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ لڑکے سے پچھنے پر پتہ لگا کہ چانگ۔ نو گھر پر نہیں تھا۔“ اور تمہاری بہن؟“ میں نے پوچھا۔ وہ گھر کر میری طرف دیکھنے کا اور پرسن کیا۔“ اُس سے کیا کلم ہے؟“ وہ بڑا بیہانک دیکھنے لگا جیسے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ چپ چاپ میں لوٹ آیا، آجکل میرا یہی حال ہوتا ہے۔۔۔“

”تم انداز نہیں لگا سکتے کہ آجکل مجھے کسی کے یہاں جانے میں کتنا تر لگتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ میرا آنا نہیں پسند کرتے اور اُسی کارن میں سویم اپنے سے گھرنا کرنے لگا گیا ہوں۔ یہ جان کر اب میں کسی کے یہاں جانا بھی نہیں ہوں۔ پر ماں کا سہجنا شوا کلم تو کرنا

باہر کیمولیا کے پیڑ پر لدی ہوئی برف کے پھسل کر گرنے سے ہنکی سی آواز ہوئی اور میرا دھیان بھی اُچٹ گیا۔ برف کے بوجھ سے وہ پیڑ جھکا جا رہا تھا۔ اُس کی ٹہنیاں اب پتھر سی سیدی ہو گئیں اور اُس میں لئے لال پھول اب پہلے سے بنی ادھک چمکنے لگے۔ اکٹس کا سلیتی رنگ بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ گورنوں کی چڑچڑ شروع ہو گئی تھی۔ شام ہو چلی تھی۔ زمین کے برف سے تھکی ہوئے کے کارن انہیں کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ وہ سب جلدی ہی اپنے گھونسلوں میں چلی گئیں اور ہر طرف پتھر شانتی چھا گئی۔

پتھری کے باہر چھانک کر اُس نے پیاناہ خالی کر دیا اور سگریٹ کے کش کھینچتے ہوئے بولا—”سیناں میں میں نقلی بول خرید پایا۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ جن پھولوں کے لئے اُسے مار پڑی تھی وہ ویسے ہی تھے جیسے میں لایا تھا۔ یہ بنی ویلیوٹ (ایک پرکار کا چکننا مخلملی کپڑا) کے بنے تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اُسے گہرا لال رنگ پسند تھا یا شاکا گئی۔ اُس لئے درنوں رنگ کے ایک ایک گچھے لینا آیا۔“

”آج درپہر کو کھانا کافے کے بعد میں چاک۔ نو کے گھر گیا۔ اُسی کلم کے لئے میں ایک دن زیادہ رک گیا تھا۔ اُس کا گھر ٹیک اُسی جگہ پر پہلے سے جیسا تھا۔ پھر گھر میں ایک عجیب اداسی چھائی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ شاید وہ میرے مستشک کی کوری کا پناہی رہی ہو۔ اس کا لڑکا اور چھوٹی لڑکی آہ۔ چاؤ باہر دروازے پر ہی کھڑے تھے۔ آہ۔ چاؤ پہلے سے بہت بڑی ہو گئی تھی پر اُس کی بہن سے اُس میں بڑی اسمانتا تھی۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ گھر کے اندر چلی گئی۔ لڑکے سے پچھنے پر پتہ لگا کہ چانگ۔ نو گھر پر نہیں تھا۔“ اور تمہاری بہن؟“ میں نے پوچھا۔ وہ گھر کر میری طرف دیکھنے کا اور پرسن کیا۔“ اُس سے کیا کلم ہے؟“ وہ بڑا بیہانک دیکھنے لگا جیسے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا ہو۔ چپ چاپ میں لوٹ آیا، آجکل میرا یہی حال ہوتا ہے۔۔۔“

”تم انداز نہیں لگا سکتے کہ آجکل مجھے کسی کے یہاں جانے میں کتنا تر لگتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لوگ میرا آنا نہیں پسند کرتے اور اُسی کارن میں سویم اپنے سے گھرنا کرنے لگا گیا ہوں۔ یہ جان کر اب میں کسی کے یہاں جانا بھی نہیں ہوں۔ پر ماں کا سہجنا شوا کلم تو کرنا

کिसی سڑی کو اپنے والوں میں لال رنگ کے نکللی فूल لگایے دےھا، اُسے بھہ ہتھا سندر لگا کہ بھہ اُسکے لیتے مبلل اڑھی اُور نہ ملنے پر رات بھر روتی رہی، اُسے میں اُس کے پتا نے اُسے مارا ہی، دو میں دن تک اُس کی آنکھیں سوچی رہیں، اُس پر رُک کے لال پھول دوسرے شہر سے آئے تھے اور 'اِس' نگر میں نہیں ملنے تھے، اِس نے اُسے اُن پھولوں کے پانے کی کڑی آشا ہی نہیں تھی، چونکہ میں اِس بار اِدھر آ رہا تھا، مہری ماں نے دو پھول خرید کر اُس کو دینے کے لئے کہا،

”ہس کام سے پریشان ہونے کے بجائے اُسکے خوشی ہی ہونے، آہ-شن کے لئے کچھ کر سکنے کی امید میں میں پرسن ہو اُٹھا، پار سال کے پہلے جب میں ماں کو لوانے آیا تھا چانگ-نو گھر میں ہی تھا اور میں نے اُس سے گناہوں باتیں ہی کی تھیں، اُس نے مجھے اپنے گھر گہروں کے آئے کی کپڑ جس میں وہ چینی ہی ملنے تھے، کپڑے کے لئے نمائندت کیا، یہ تو تم سمجھنا ہی ہو، ملاح کے گھر میں سید چینی ملنے کا مطلب ہے کہ وہ غریب نہیں ہے اور اچھا کھانا پیتا ہے، میں نے نمائندت تو سوچ کر کیا، پر اگرہہ کہ میں بہت تھوڑی ہی کھانگاہ، اُس نے مہری بات کو منظور کرتے ہوئے آہ-شن سے پریشان رہا، اُس کو بیوک نہیں اُٹھی، تم تھوڑا سامان لاؤ، پر اُس میں چینی زیادہ ملا دیا، یہ جب وہ لائی تو میں نے دیکھا کہ وہ تھرا اُٹھا ہوا تھا، شاید میں دن بھر کھانا پیتا رہا، پر ہی میں نے کھانا شروع کر دیا، یہ صحیح ہے کہ میرا پیاناہ چانگ-نو کے ہالے سے چھوڑا تھا، میں نے اُس کے پہلے ایسی کپڑ نہیں کھائی تھی، یہ مہری ہی اور بہت سوادشت تھی، مہری سی کپڑے کے بعد میں کھانا بند کرنے کی غی سوچ رہا تھا، مہری دھڑکی آہ-شن پر پڑی، اُسے دیکھ کر مہری شمت نہیں پڑی، میں کپڑے کی تیلیاں رکھ دیں، میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھ اور نریشا دینوں کے ہی ہار دیکھے—نریشا کے اُس لئے کہ شاید اُس نے اچھی نہ پکائی ہو اور آشا کے اُس لئے کہ تم اور کپڑ تھیں، میں نے سرچا کر دیکھی میں پیلے میں کپڑ پڑی رہنے دیکھا تو اُسے بہت دیکھ رہا، اِس لئے میں نے اُنکی ہی مہری سے کھانا شروع کیا جیسے چانگ-نو کیا تھا، تب میں نے محسوس کیا کہ وہ دستی کپڑے کا کیا مطلب ہونا ہے، مجھے یاد ہے جب مہری پیت میں کپڑوں پر گئے تھے مجھے چینی کے ساتھ دوا کھانی پڑی تھی اور مہری حالت ایسی ہی شگفتی تھی، پر ہی مجھے دیکھ نہیں ہوا کیونکہ جب وہ خالی پیلے آتے تھے اُنکی تو اُس کے شگفتوں پر ستمش کی مستحکم شکیل رہی تھی، اُس دن رات میں بہت حریف ریلے کے کرن پیلے میں مجھے نود نہیں آئی اور کئی کئی ڈکڑوں آتی رہیں پر میں ایشور سے ہی ملتا تھا، آہ-شن ہمیشہ پھرتا رہے، اِس پر رُک

کسی سڑی کو اپنے والوں میں لال رنگ کے نکللی پھول لگائے دیکھا، اُسے وہ لال سندر لگا کہ وہ اُس کے لئے مچل اُٹھی اور نہ ملنے پر رات بھر روتی رہی، اُسے میں اُس کے پتا نے اُسے مارا ہی، دو میں دن تک اُس کی آنکھیں سوچی رہیں، اُس پر رُک کے لال پھول دوسرے شہر سے آئے تھے اور 'اِس' نگر میں نہیں ملنے تھے، اِس نے اُسے اُن پھولوں کے پانے کی کڑی آشا ہی نہیں تھی، چونکہ میں اِس بار اِدھر آ رہا تھا، مہری ماں نے دو پھول خرید کر اُس کو دینے کے لئے کہا،

”اِس کام سے پریشان ہونے کے بجائے اُسکے خوشی ہی ہونے، آہ-شن کے لئے کچھ کر سکنے کی امید میں میں پرسن ہو اُٹھا، پار سال کے پہلے جب میں ماں کو لوانے آیا تھا چانگ-نو گھر میں ہی تھا اور میں نے اُس سے گناہوں باتیں ہی کی تھیں، اُس نے مجھے اپنے گھر گہروں کے آئے کی کپڑ جس میں وہ چینی ہی ملنے تھے، کپڑے کے لئے نمائندت کیا، یہ تو تم سمجھنا ہی ہو، ملاح کے گھر میں سید چینی ملنے کا مطلب ہے کہ وہ غریب نہیں ہے اور اچھا کھانا پیتا ہے، میں نے نمائندت تو سوچ کر کیا، پر اگرہہ کہ میں بہت تھوڑی ہی کھانگاہ، اُس نے مہری بات کو منظور کرتے ہوئے آہ-شن سے پریشان رہا، اُس کو بیوک نہیں اُٹھی، تم تھوڑا سامان لاؤ، پر اُس میں چینی زیادہ ملا دیا، یہ جب وہ لائی تو میں نے دیکھا کہ وہ تھرا اُٹھا ہوا تھا، شاید میں دن بھر کھانا پیتا رہا، پر ہی میں نے کھانا شروع کر دیا، یہ صحیح ہے کہ میرا پیاناہ چانگ-نو کے ہالے سے چھوڑا تھا، میں نے اُس کے پہلے ایسی کپڑ نہیں کھائی تھی، یہ مہری ہی اور بہت سوادشت تھی، مہری سی کپڑے کے بعد میں کھانا بند کرنے کی غی سوچ رہا تھا، مہری دھڑکی آہ-شن پر پڑی، اُسے دیکھ کر مہری شمت نہیں پڑی، میں کپڑے کی تیلیاں رکھ دیں، میں نے اُس کی آنکھوں میں آنکھ اور نریشا دینوں کے ہی ہار دیکھے—نریشا کے اُس لئے کہ شاید اُس نے اچھی نہ پکائی ہو اور آشا کے اُس لئے کہ تم اور کپڑ تھیں، میں نے سرچا کر دیکھی میں پیلے میں کپڑ پڑی رہنے دیکھا تو اُسے بہت دیکھ رہا، اِس لئے میں نے اُنکی ہی مہری سے کھانا شروع کیا جیسے چانگ-نو کیا تھا، تب میں نے محسوس کیا کہ وہ دستی کپڑے کا کیا مطلب ہونا ہے، مجھے یاد ہے جب مہری پیت میں کپڑوں پر گئے تھے مجھے چینی کے ساتھ دوا کھانی پڑی تھی اور مہری حالت ایسی ہی شگفتی تھی، پر ہی مجھے دیکھ نہیں ہوا کیونکہ جب وہ خالی پیلے آتے تھے اُنکی تو اُس کے شگفتوں پر ستمش کی مستحکم شکیل رہی تھی، اُس دن رات میں بہت حریف ریلے کے کرن پیلے میں مجھے نود نہیں آئی اور کئی کئی ڈکڑوں آتی رہیں پر میں ایشور سے ہی ملتا تھا، آہ-شن ہمیشہ پھرتا رہے، اِس پر رُک

ہے.....پر تم میری तरک ऐसे क्यों देख रहे हो ?.....
 क्या मैं सचमुचे बहुत बदल गया हूँ ? मुझे आज भी वह
 दिन یاد है जब हम दोनों ट्यूटेलरी के मन्दिर में जाते थे
 और वहाँ मूर्तियों की दाढ़ी पकड़ कर खींचते थे. दिन दिन
 भर हम लोग वहस करते थे कि चीन में क्रान्तिकारी परि-
 वर्तन कैसे किये जा सकते हैं और कभी कभी तो वहस करते
 करते आपस में लड़ भी जाते थे. लेकिन अब तो मैं बहुत
 शान्त और समझौता करने वाला हूँ. कभी कभी तो मैं
 सोचता हूँ कि यदि मैं अपने पुराने मित्रों से मिलूँ तो वह
 शायद ही मुझे अपना मित्र मानने को तैयार होंगे. जो कुछ
 भी हो, मैं ऐसा हूँ तुम्हारे सामने हूँ.”

उसने रुक कर सिगरेट निकाला और मुंह में रख कर
 उसे जला लिया, फिर बोला—”तुम्हारे चेहरे से तो मुझे
 आभास होता है कि तुममें मेरे लिये अब भी आशा है. यह
 सही है कि पहिले के मुकाबले में मैं बहुत ही कुन्दजेहन हो
 गया हूँ पर कुछ चीजें हैं जिनसे बहुत प्रभावित भी होता हूँ.
 यही कारन है कि तुम्हारे आगे मैं कुतज भी हूँ पर परेशानी
 भी बहुत अनुभव करता हूँ. मुझे दुख इसी बात का है कि
 मेरे उन तमाम दास्तों का जिनमें मेरे बारे में, मेरे भविष्य के
 बारे में अभी भी कुछ आशा है, उन्हें वाद में कुछ दुख होगा.”
 कुछ छन रुक कर उसने सिगरेट के कश खींचे और मुंह
 से धुआँ निकालते हुए फिर बोला—”आज ही यहाँ आन के
 कुछ ही पहले मैंने एक वेबक्री की है पर मैं उस पर खुश
 हूँ. मेरा वह पड़ोसी जो पूरब की तरफ रहता था, चांग-कू
 कहलाता था. वह मल्लाह था. उसके एक लड़की थी जिसका
 नाम था आह-युन. जब तुम मेरे घर आते थे, उसे अवश्य
 देखा होगा. पर तुमने ध्यान नहीं दिया होगा क्योंकि वह
 छोटी थी. बड़ी होने पर भी वह सुन्दरी नहीं हुई. साधारन
 सी लम्बे मुंह की, पीली पड़ कर रह गई, लेकिन उसकी
 आंखें बहुत बड़ी थीं और वरीनियों भी असाधारन रूप से
 बड़ी थीं. ऐसी साफ आंखें थीं कि उसकी सकेदी की तुलना
 उत्तर के आसमान से की जा सकती थी जब हवा न वह
 रही हो और वादल का एक भी टुकड़ा न हो. वह बड़ी योग्य
 लड़की थी. जब वह छोटी थी तभी उसके मां की मृत्यु हो
 गई. अपने छोटे भाई और बहन की देख भाल करने की
 जिम्मेदारी उसी पर आ गई. उसे अपने पिता की भी किक
 करनी पड़ती थी और यह सब वह बड़ी खूबी से कर
 लेती थी. वह कंजूस भी थी. इसलिये धीरे धीरे उसके
 परिवार ने उन्नति कर ली. शायद ही कोई ऐसा पड़ोसी रहा
 हो जो उसकी तारीफ नहीं करता था. चांग-कू भी उसकी
 बड़ाई करता था. इस बार जब मैं घर से आया था
 मां ने उसे याद किया था. बड़े बूढ़ों की याददाश्त बहुत
 अच्छी होती है. मां ने बतलाया कि एक बार आह-युन ने

...ہر تم میری طرف ایسے کیوں دیکھ رہے ہو ؟... کیا میں
 سچ مچ بہت بدل گیا ہوں ؟ مجھے آج بھی وہ دن یاد ہے جب ہم
 دونوں ٹیوٹیلری کے مندر میں جاتے تھے اور وہاں مورتیوں کی داڑھی
 پکڑ کر کھینچتے تھے. دن دن ہم لوگ بحث کرتے تھے کہ
 چین میں کرائیکاری پروپرتی کیسے کئے جاسکتے ہیں اور کبھی
 کبھی تو بحث کرتے کرتے آپس میں لڑ بھی جاتے تھے. لیکن
 اب تو میں بہت شانت اور سمجھوتہ کرنے والا ہوں. کبھی کبھی
 تو میں سوچتا ہوں کہ بچی میں اپنے پرانے متروں سے ملوں تو
 وہ شاید ہی مجھے اپنا متر مانتے کو تیار ہونگے. جو کچھ بچی
 ہو، میں جیسا ہوں تمہارے سامنے ہوں.”

اس نے رک رک کر سگریٹ نکالا اور منہ میں رکھ کر اسے چلا لیا.
 پھر بولا—”تمہارے چہرے سے تو مجھے آभास होता ہے کہ تم
 میں میرے لئے اب بھی آशा ہے. یہ صحیح ہے کہ پہلے کے
 مقابلے میں میں بہت ہی کاڈفٹن ہو گیا ہوں پر کچھ چیزیں
 ہیں جن سے بہت پروبایٹ بھی ہوتا ہوں. یہی کارن ہے کہ
 تمہارے آگے میں ڈرگیکہ ہی ہوں پر پریشانی بھی بہت آنوہو
 کرتا ہوں. مجھے دکھ ایس بات کا ہے کہ میرے ان تمام دوستوں
 کو جنہیں میرے بارے میں، میرے پیشہ کے بارے میں ابھی بھی
 کچھ آशा ہے، انہیں بعد میں کچھ دکھ ہوگا.” کچھ چہن رک کر
 اُس نے سگریٹ کے کش کھینچے اور منہ سے دواں نکالتے ہوئے پھر
 بولا—”آج بھی یہاں آنے کے کچھ عی پلے میں نے ایک بیوٹونی
 کی ہے پر میں اُس پر خوش ہوں. میرا وہ پڑوسی جو پورب
 کی طرف رہتا تھا، چانگ-کے تو کہلاتا تھا. وہ ملاح تھا. اُس کے
 ایک اڑکی بی جس کا نام تھا آہ-شن. جب تم میرے گھر آتے
 تھے، اُسے اوشبہ دیکھا ہوگا. پر تم نے دھیان نہیں دیا ہوگا کیونکہ
 وہ چھوٹی تھی. بڑی ہوئے پر وہ ساندی نہیں ہوئی. ساندی
 سی امی منہ کی، پہلی پیر کر رہ گئی. لیکن اُس کی آنکھیں
 بہت بڑی تھیں اور ہرنیاں بھی اسکاٹارن روپ سے بڑی تھیں.
 ایسی صاف آنکھیں تھیں کہ اُس کی ساندی کی ٹولنا اُن کے
 آسمان سے کی جاسکتی تھی جب ہوا نہ بھی رہی ہو اور دال
 کا ایک ہی ٹکڑا نہ ہو. وہ بڑی ڈرگیکہ لڑکی تھی. جب وہ
 چوٹی تھی تبھی اُس کے ماں کی مرتو ہو گئی. اپنے چھوٹے
 بھائی اور بہن کی دیکھ بھال کرنے کی ذمہداری اُسی پر آگئی.
 اُسے اپنے بچا کی بھی نمکمرنی پڑتی تھی اور یہ سب وہ بڑی خوبی سے
 کر لیتی تھی. وہ کنجوس بھی تھی. اُس لئے دشویرے دشویرے اُس
 کے پروپار نے اتنی کر لی. شاید ہی کوئی ایسا پڑوسی رہا ہو
 جو اُس کی تعریف نہیں کرتا تھا. چانگ-کے تو بھی اُس کی
 بڑائی کرتا تھا. اِس بار جب میں گھر سے یہاں آ رہا تھا، میں
 نے اُسے یاد کیا تھا. بڑے بڑوں کی یادداشت بہت
 اچھی ہوتی ہے. ماں نے بتایا کہ ایک بار آہ-شن نے

को लेकर कन्निरस्तान में गया। यह सोच कर कि मैं अपने प्यारे भाई को फिर से देख सकूंगा, मुझे बड़ी खुशी हुई। मेरे लिये यह एक नया अनुभव था। कन्न के नजदीक पहुंच कर हम लोगों ने देखा कि नदी सचमुच किनारा काट रही थी और पानी कन्न से केवल दो फीट की दूरी पर था। करीब दो साल से उस कन्न पर नदी मिट्टी नहीं लगाई गयी थी। मैं उसी बर्काली जमीन पर खड़ा हो गया और मजदूरों से कहा—“खुदाई शुरू करो।”

मैं बहुत साधारण आदमी हूं। मुझे यह महसूस हुआ कि उस समय मेरी आवाज बड़ी अस्वाभाविक थी और इससे ज्यादा बड़ी आवाज मैंने ज़िन्दगी में और कभी नहीं दी थी। पर मजदूरों के लिये इसमें कोई नयापन नहीं था। वे खोदने में जुट गये, जब वह काफी खोद चुके और ताबूत के घेर तक पहुंच गये, मैंने भांक कर देखा और ताबूत को सचमुच सड़ा हुआ पाया। ताबूत करीब करीब पूरा टूट चुका था। लकड़ी के छोटे छोटे टुकड़े ही धर उभर पड़े थे। मेरे हृदय की धड़कन बढ़ गई। मैं अपने भाई को जो देखने वाला था। पर मुझे घोर आश्चर्य हुआ जब मैंने देखा कि विस्तर, कपड़े, लाश सभी नदारद थीं। मैंने सोचा कि सभी चीजें गल गयी होंगी। पर बाल तो सब से देर में और मुश्किल से गल पाता है। शायद कुछ बाल अब भी पड़े हों। इसलिये मैं कीचड़ में उस स्थान पर जहा तकिया रही होगी उसके बाल ढूँढ़ने लगा, पर कुछ पता न लगा।

मैंने देखा कि उसकी आंखें लाल होती जा रही थीं, पर यह शराब का प्रभाव था। उसने खाया कुछ भी नहीं, केवल शराब पीता रहा और करीब एक फिट पी गया होगा। अब उसकी शकल और चेहरे के हाव भाव वैसे ही हो रहे थे जैसे मैं अपने पुराने दास्त लून्-वी-कू में देखा करता था। मैंने बेयरा से दो फिट शराब और गरम करने को कहा। फिर उसी की तरफ मुड़ कर उसकी बातें सुनने में लग गया।

“वास्तव में उस कन्न को पुरानी जगह से हटाने की कोई आवश्यकता बाक़ी नहीं रह गयी थी। मेरे लिये केवल यही काम बाक़ी था कि जमीन को फिर बराबर करवा दूं और ताबूत को वापस कर दूं। हालांकि ताबूत खरीद कर फिर वापस करना अजीब बात थी और दाम भी कम मिलते पर वह दूकानदार उसे जरूर वापस ले लेता। इस प्रकार मैं अपने खर्च के लिये कुछ पैसों जरूर बचा लेता। पर मैंने ऐसा नहीं किया। मैंने ताबूत में विस्तरा बिछा कर पुरानी कन्न की थोड़ी मिट्टी उसमें रख कर उसको अपने पिता की कन्न के बराल में एक नयी कन्न में रख दिया। चूंकि कन्न के चारों तरफ मुझे ईंट का घेरा बनवाना था इसलिये कल दिन भर मैं उसी में बसत रहा। इस प्रकार से मैंने यह काम पूरा किया, कम से कम मेरी मां को सन्तोश देने के लिये काफ़ी

को लें कर कन्निरस्तान में गया। यह सोच कर कि मैं अपने प्यारे भाई को फिर से देख सकूंगा, मुझे बड़ी खुशी हुई। मेरे लिये यह एक नया अनुभव था। कन्न के नजदीक पहुंच कर हम लोगों ने देखा कि नदी सचमुच किनारा काट रही थी और पानी कन्न से केवल दो फीट की दूरी पर था। करीब दो साल से उस कन्न पर नदी मिट्टी नहीं लगाई गयी थी। मैं उसी बर्काली जमीन पर खड़ा हो गया और मजदूरों से कहा—“खुदाई शुरू करो।”

“मैंने बहुत साधारण आदमी हूं। मुझे यह महसूस हुआ कि उस समय मेरी आवाज बड़ी अस्वाभाविक थी और इससे ज्यादा बड़ी आवाज मैंने ज़िन्दगी में और कभी नहीं दी थी। पर मजदूरों के लिये इसमें कोई नयापन नहीं था। वे खोदने में जुट गये, जब वह काफी खोद चुके और ताबूत के घेर तक पहुंच गये, मैंने भांक कर देखा और ताबूत को सचमुच सड़ा हुआ पाया। ताबूत करीब करीब पूरा टूट चुका था। लकड़ी के छोटे छोटे टुकड़े ही धर उभर पड़े थे। मेरे हृदय की धड़कन बढ़ गई। मैं अपने भाई को जो देखने वाला था। पर मुझे घोर आश्चर्य हुआ जब मैंने देखा कि विस्तर, कपड़े, लाश सभी नदारद थीं। मैंने सोचा कि सभी चीजें गल गयी होंगी। पर बाल तो सब से देर में और मुश्किल से गल पाता है। शायद कुछ बाल अब भी पड़े हों। इसलिये मैं कीचड़ में उस स्थान पर जहा तकिया रही होगी उसके बाल ढूँढ़ने लगा, पर कुछ पता न लगा।

मैंने देखा कि उसकी आंखें लाल होती जा रही थीं, पर यह शराब का प्रभाव था। उसने खाया कुछ भी नहीं, केवल शराब पीता रहा और करीब एक फिट पी गया होगा। अब उसकी शकल और चेहरे के हाव भाव वैसे ही हो रहे थे जैसे मैं अपने पुराने दास्त लून्-वी-कू में देखा करता था। मैंने बेयरा से दो फिट शराब और गरम करने को कहा। फिर उसी की तरफ मुड़ कर उसकी बातें सुनने में लग गया।

“वास्तव में उस कन्न को पुरानी जगह से हटाने की कोई आवश्यकता बाक़ी नहीं रह गयी थी। मेरे लिये केवल यही काम बाक़ी था कि जमीन को फिर बराबर करवा दूं और ताबूत को वापस कर दूं। हालांकि ताबूत खरीद कर फिर वापस करना अजीब बात थी और दाम भी कम मिलते पर वह दूकानदार उसे जरूर वापस ले लेता। इस प्रकार मैं अपने खर्च के लिये कुछ पैसों जरूर बचा लेता। पर मैंने ऐसा नहीं किया। मैंने ताबूत में विस्तरा बिछा कर पुरानी कन्न की थोड़ी मिट्टी उसमें रख कर उसको अपने पिता की कन्न के बराल में एक नयी कन्न में रख दिया। चूंकि कन्न के चारों तरफ मुझे ईंट का घेरा बनवाना था इसलिये कल दिन भर मैं उसी में बसत रहा। इस प्रकार से मैंने यह काम पूरा किया, कम से कम मेरी मां को सन्तोश देने के लिये काफ़ी

مگوا یا جائے۔ انت میں بیڑا کی پسند سے ہی تین چیزیں آئیں—سوکھی تلی پھلیاں، تھنڈا گوشت اور تلی مچھلیاں۔

ایک ہاتھ میں شراب کا ڈبالہ لئے اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے بیچ میں سگریٹ دلائے وہ مسکرا کر بولا—”جب میں لوٹ کر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ میں کتنا بدھو ہوں۔ جب میں چھوڑا تھا یہی مکھیوں کو ایک جگہ اکٹھا دیکھتا تھا تو انہیں کرا کر آڑا دیا کرتا تھا‘ پر دوسرے ہی چپن وہ اُسی جگہ پہر آہٹہتی تھیں۔ حالانکہ یہ کام بدھویں ہی کا تھا اور میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا پر مجھے اُن پر دنیا بھی آجانی تھی۔ میں سوچتا تھا کیا وہ آرکر سویم نہیں جاسکتی تھیں؟“

میں مسکرا کر بولا—”اُر دینا تو مشکل ہے۔ شاید میں بھی اُن مکھیوں کے سامنے ایک چپٹے سے گہرے من ہی گھومتا رہا ہوں۔ لیکن تم کیوں آرکر یہاں واپس آگئے؟“

”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھونٹ من ڈبالہ خالی کر دیا۔ پھر سگریٹ کے کش پر کش کھینچ کر انہیں کھاتے ہوئے بولا—

”بیکار ہی! یہ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائیگا۔“

بیڑا تروت گرم نازی شراب لایا اور اور ٹیبل پر طشتوں

سجا دیں۔ نازی تلی وستوں کی سوگندہ اوپر کے کمرے میں پھیل گئی اور اب کمرے کا آئنا دین زیادہ پرستتا سے ہو رہا تھا۔

وہ بولتا رہا—”تم کو شاید پہلے ہی سے معلوم ہے کہ میرا ایک

چھوٹا بیٹائی تھا جو تین ہی سال کی عمر میں مر گیا تھا اور یہیں

دفن کیا گیا تھا۔ مجھے تو اُس کی شکل کی یاد بھی نہیں

رہی، پر ماں کہتی ہے وہ بڑا پیارا لڑکا تھا اور مجھ سے بہت علاء

تھا۔ اب بھی اُس کی یاد کر کے ماں رونے لگتی ہیں۔ اُس بے

میں ہمارے ایک چچیرے بیائی نے کہا کہ اُس کے قبر کے پاس کی

مٹی بہت نرم ہوگئی ہے اور یہی ہم لوگوں نے مرمت نہ کرانی

تو ندی میں گر جائے گی۔ جب ماں کو یہ معلوم ہوا تو وہ

بہت چٹخت ہوئیں اور کئی رات سو نہ پائیں۔ وہ سویم پتھر

پرتے لیتی ہیں۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ نہ میرے پاس پیسے

تھا نہ سہ۔ اُس سلسلے میں کچھ بھی کر سکا آسمیں دیکھ رہا

تھا۔ اُنھے سال کی چپٹی کے اوسر کا لاپہ آٹیاں میں یہاں آیا

ہوں تاکہ اُس کے قبر کی مرمت کرواؤں۔“

ایک ڈبالہ شراب اور پی کر وہ پھر بولا—”کیا اُر میں بھی ایسی

پرستہتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ وہاں قبر کی موٹی توں میں اور

برف کے نیچے بھی پھول نہیں جمتے۔ اُس لئے گل میں نے ایک چوڑا

سا تابوت خریدا۔ میں نے سوچا کہ قبر میں گڑا مٹا تابوت اوشیہ

خراب ہو گیا ہوگا۔ میں نے کپڑے اور بستر خریدے اور چار مزدوروں

میں سگریٹ دلائے وہ مسکرا کر بولا—

”جب میں لوٹ کر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ میں کتنا بدھو ہوں۔ جب میں چھوڑا تھا یہی مکھیوں کو ایک جگہ اکٹھا دیکھتا تھا تو انہیں کرا کر آڑا دیا کرتا تھا‘ پر دوسرے ہی چپن وہ اُسی جگہ پہر آہٹہتی تھیں۔ حالانکہ یہ کام بدھویں ہی کا تھا اور میں بھی ایسا ہی سمجھتا تھا پر مجھے اُن پر دنیا بھی آجانی تھی۔ میں سوچتا تھا کیا وہ آرکر سویم نہیں جاسکتی تھیں؟“

میں مسکرا کر بولا—”اُر دینا تو مشکل ہے۔ شاید میں بھی اُن مکھیوں کے سامنے ایک چپٹے سے گہرے من ہی گھومتا رہا ہوں۔ لیکن تم کیوں آرکر یہاں واپس آگئے؟“

”بیکار ہی!“ وہ بولا اور ایک ہی گھونٹ من ڈبالہ خالی کر دیا۔ پھر سگریٹ کے کش پر کش کھینچ کر انہیں کھاتے ہوئے بولا—

”بیکار ہی! یہ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائیگا۔“

بیڑا تروت گرم نازی شراب لایا اور اور ٹیبل پر طشتوں

سجا دیں۔ نازی تلی وستوں کی سوگندہ اوپر کے کمرے میں

پھیل گئی اور اب کمرے کا آئنا دین زیادہ پرستتا سے ہو رہا تھا۔

وہ بولتا رہا—”تم کو شاید پہلے ہی سے معلوم ہے کہ میرا ایک

چھوٹا بیٹائی تھا جو تین ہی سال کی عمر میں مر گیا تھا اور یہیں

دفن کیا گیا تھا۔ مجھے تو اُس کی شکل کی یاد بھی نہیں

رہی، پر ماں کہتی ہے وہ بڑا پیارا لڑکا تھا اور مجھ سے بہت علاء

تھا۔ اب بھی اُس کی یاد کر کے ماں رونے لگتی ہیں۔ اُس بے

میں ہمارے ایک چچیرے بیائی نے کہا کہ اُس کے قبر کے پاس کی

مٹی بہت نرم ہوگئی ہے اور یہی ہم لوگوں نے مرمت نہ کرانی

تو ندی میں گر جائے گی۔ جب ماں کو یہ معلوم ہوا تو وہ

بہت چٹخت ہوئیں اور کئی رات سو نہ پائیں۔ وہ سویم پتھر

پرتے لیتی ہیں۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ نہ میرے پاس پیسے

تھا نہ سہ۔ اُس سلسلے میں کچھ بھی کر سکا آسمیں دیکھ رہا

تھا۔ اُنھے سال کی چپٹی کے اوسر کا لاپہ آٹیاں میں یہاں آیا

ہوں تاکہ اُس کے قبر کی مرمت کرواؤں۔“

ایک ڈبالہ شراب اور پی کر وہ پھر بولا—”کیا اُر میں بھی ایسی

پرستہتی کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟ وہاں قبر کی موٹی توں میں اور

برف کے نیچے بھی پھول نہیں جمتے۔ اُس لئے گل میں نے ایک چوڑا

سا تابوت خریدا۔ میں نے سوچا کہ قبر میں گڑا مٹا تابوت اوشیہ

خراب ہو گیا ہوگا۔ میں نے کپڑے اور بستر خریدے اور چار مزدوروں

اس بار سیریز پر کوئی کافی مضمرے مضمرے چھو رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ کوئی گولمک ہی ہوگا۔ جب آخری سیریز پر پیر کی آواز آئی میں نے اپنا سر اٹا کر اس طرح دیکھا جیسے آنے والے کے آنے سے منجھ پڑشانی ہوئی ہو اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اُسکی تنک ہنی آشنا نہیں تھی کہ یہاں میری ایسے ایک متر سے ہیئت عجیبائی۔ شاید وہ مجھے اب بھی متر کہنے دے گا۔ آنے والا میرا سپرائی تھا اور جب میں ادھیانک تھا وہ یہی میرے ساتھ ہی کلم کرتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بدلتا تھا۔ تیر میں اُسے دیکھنے ہی پہنچائی گیا۔ پہلے کے سوسٹے اور پھر تیر لو-وی-و-وی-و-وی کے متالے میں اب وہ تیرا سست ہو گیا تھا۔

”ارے! وی-و-وی-و-وی تم یہاں! مجھے دتی پتر اُمید نہیں تھی کہ تم سے یہاں ہیئت عجیبائی۔“

”اچھا! تم ہو! میں نے یہی کہی نہیں سوچا تھا۔۔۔۔۔“

میں نے اُس سے متالے دینے کے لئے کہا پتر کوئی سچک کے بعد وہ تیار ہوا۔ مجھے یہ بہت تعجب لگا اور میرے من کو تکلیف ہوئی۔ اُس کے بال آج بھی پہلے کی طرح بکیرے تھے اور چہرہ اما اور پلا تھا، وہ اب پہلے سے دیکھا تھا، وہ بڑا شانت تھا۔ سہو ہے اُس کا اتنا سرچکا ہو۔ گئی ہوں کے نیچے اُسکی آنکھوں میں اب ہلے کی دیز، پینی درشتی نہیں تھی۔ پتر جب اُس نے آنکھ کی طرف نظر ڈالی تو مجھے اُسکی آنکھوں میں دھنی پرائی چمک دیکھی تھی جو میں اُسکوں کے دنوں میں دیکھا کرتا تھا۔

میں خرس ہو کر پتر کچھ کرتا ہوا ہوا۔ ”کیوں؟ تم لوگ قریب دس سال بعد مل رہے تھے؟ بہت دن پہلے میں نے سنا تھا کہ تم سیفان میں تو پتر میں اتنا کما اور سست ہوں کہ تمہیں پتر بھی نہ آئے سکا۔“

اُس نے اُسے دیا۔ ”میں ٹیک ہی ہوں۔ قریب دس سال سے میں نابوایان میں ہوں۔ میری مال بھی میرے ساتھ ہے۔ جب میں انڈین واپس لائے آیا تھا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں سے جا چکے ہو۔“

میں نے پشیم کیا۔ ”نابوایان میں کیا کر رہے ہو؟“

”پرائی کے اُدھکاری کے پربار میں پتر رہا ہوں۔“

”اور اُس کے پہلے کیا کرتے تھے؟“

اپنی جیب سے ایک سکرپٹ نکال کر اُس نے جلائی اور مانو سے دھوئیں کے کولے نکالتے ہوئے وہ بولا۔ ”اُس کے پہلے۔۔۔ یورپی کچھ نہیں۔۔۔۔۔ بیکار ہی تھا۔“

اُس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا۔ پیرا کو بلا کر ایک پتالہ اور لانے کے لئے کبکڑ میں نے اپنی حالت سنچیب میں بتادی۔ میں چاہتا رہا کہ وہ بھی جلدی ہی دو پہلے مندا پی کر اپنے کو تیرا کرما لے۔ ہم لوگوں نے ساتھ کپانے کے لئے اور چیزیں ہی منکوائیں۔ پہلے تو ہم لوگ آپس میں ششماچار کا دھیان نہیں رکھتے تھے پتر اُس بار ہم دونوں میں کڑی ہی تشچہ نہیں کرپایا کہ کیا

اس بار سیریز پر کوئی کافی مضمرے مضمرے چھو رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ کوئی گولمک ہی ہوگا۔ جب آخری سیریز پر پیر کی آواز آئی میں نے اپنا سر اٹا کر اس طرح دیکھا جیسے آنے والے کے آنے سے منجھ پڑشانی ہوئی ہو اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ مجھے اُسکی تنک ہنی آشنا نہیں تھی کہ یہاں میری ایسے ایک متر سے ہیئت عجیبائی۔ شاید وہ مجھے اب بھی متر کہنے دے گا۔ آنے والا میرا سپرائی تھا اور جب میں ادھیانک تھا وہ یہی میرے ساتھ ہی کلم کرتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت بدلتا تھا۔ تیر میں اُسے دیکھنے ہی پہنچائی گیا۔ پہلے کے سوسٹے اور پھر تیر لو-وی-و-وی-و-وی کے متالے میں اب وہ تیرا سست ہو گیا تھا۔

”ارے! وی-و-وی-و-وی تم یہاں! مجھے دتی پتر اُمید نہیں تھی کہ تم سے یہاں ہیئت عجیبائی۔“

”اچھا! تم ہو! میں نے یہی کہی نہیں سوچا تھا۔۔۔۔۔“

میں نے اُس سے متالے دینے کے لئے کہا پتر کوئی سچک کے بعد وہ تیار ہوا۔ مجھے یہ بہت تعجب لگا اور میرے من کو تکلیف ہوئی۔ اُس کے بال آج بھی پہلے کی طرح بکیرے تھے اور چہرہ اما اور پلا تھا، وہ اب پہلے سے دیکھا تھا، وہ بڑا شانت تھا۔ سہو ہے اُس کا اتنا سرچکا ہو۔ گئی ہوں کے نیچے اُسکی آنکھوں میں اب ہلے کی دیز، پینی درشتی نہیں تھی۔ پتر جب اُس نے آنکھ کی طرف نظر ڈالی تو مجھے اُسکی آنکھوں میں دھنی پرائی چمک دیکھی تھی جو میں اُسکوں کے دنوں میں دیکھا کرتا تھا۔

میں خرس ہو کر پتر کچھ کرتا ہوا ہوا۔ ”کیوں؟ تم لوگ قریب دس سال بعد مل رہے تھے؟ بہت دن پہلے میں نے سنا تھا کہ تم سیفان میں تو پتر میں اتنا کما اور سست ہوں کہ تمہیں پتر بھی نہ آئے سکا۔“

اُس نے اُسے دیا۔ ”میں ٹیک ہی ہوں۔ قریب دس سال سے میں نابوایان میں ہوں۔ میری مال بھی میرے ساتھ ہے۔ جب میں انڈین واپس لائے آیا تھا تو معلوم ہوا کہ تم یہاں سے جا چکے ہو۔“

میں نے پشیم کیا۔ ”نابوایان میں کیا کر رہے ہو؟“

”پرائی کے اُدھکاری کے پربار میں پتر رہا ہوں۔“

”اور اُس کے پہلے کیا کرتے تھے؟“

اپنی جیب سے ایک سکرپٹ نکال کر اُس نے جلائی اور مانو سے دھوئیں کے کولے نکالتے ہوئے وہ بولا۔ ”اُس کے پہلے۔۔۔ یورپی کچھ نہیں۔۔۔۔۔ بیکار ہی تھا۔“

اُس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا۔ پیرا کو بلا کر ایک پتالہ اور لانے کے لئے کبکڑ میں نے اپنی حالت سنچیب میں بتادی۔ میں چاہتا رہا کہ وہ بھی جلدی ہی دو پہلے مندا پی کر اپنے کو تیرا کرما لے۔ ہم لوگوں نے ساتھ کپانے کے لئے اور چیزیں ہی منکوائیں۔ پہلے تو ہم لوگ آپس میں ششماچار کا دھیان نہیں رکھتے تھے پتر اُس بار ہم دونوں میں کڑی ہی تشچہ نہیں کرپایا کہ کیا

پورانے پانچ ڈبیل لگے ہوئے تھے۔ لیکن دیوار کی کھڑکی میں اب شیشے کے دروازے لگا دیئے گئے تھے جہاں پہلے لکڑی کے دروازے تھے۔

”ایک پھانسی والی شراب، فلیشوں کے دس ٹکڑے اور کاشی ماترا میں چٹنی دو۔“ میں نے آرڈر دیا۔

بھیرا کو یہ آرڈر دیتے ہوئے، میں پیچھے جا کر کھڑکی سے لگی میز کے سہارے بیٹھ گیا۔ اوپر کا کمرہ خالی تھا۔ اس لئے میں سب سے اچھی سیٹ پر بیٹھا تا کہ میں نیچے آنکس کا پورا درشیمہ دیکھ سکوں۔ وہاں شاید شراب کی دوکان کا حصہ نہیں تھا۔ پہلے جب بھی میں یہاں آتا، گھنٹوں ایسے ہی آنکس کو دیکھتا رہتا۔ برف پڑتی دھننے پر بھی میں اکثر گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا۔ پر اب میں آؤں میں رہنے لگا تھا۔ اس لئے یہ درشیمہ میرے لئے نئے تھے۔ فلم کے پیر برف سے غور لے رہے تھے جیسے انھیں برف گرنے سے کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ دالان کے بدل میں ہی اب بھی کیمپلا کا ایک پیر تھا جس میں سرخ لال پھول کھلے تھے۔ گہری سرخی رنگ کی پتلیوں میں، جب برف گر رہی ہو، یہ پھول آگ جیسے چمکتے تھے۔ تھوکی زمین پر پڑی برف، کچھ پگھلتی محسوس ہوئی۔ آؤں کی سوکھی ہڈیوں پر سے جہاں ایک بار وا چلنے سے برف آؤں کو آکس میں دھند بنا دیتی تھی، یہاں کا موسم کتنا پین تھا!

”شراب آگئی، مہوڑے!“ بھیرا نے لاपरवाہی سے کہا اور پھانسی والی شراب کی کھڑکی سے کھانا کھانے کی قیاد لی۔ شراب کی کھڑکی اور رکابیوں میں سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بٹاتے ہوئے میں نے برفوں کو ٹھیک کیا اور پیالے میں شراب ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ ۵ ڈالانہ مہوڑا کچھ آؤں میں نہیں تھا پیر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ آؤں کی سوکھی برف جو پارٹر کی بیانتی آؤں تھی اور یہاں کی کوئل برف جو بدن میں چپک جاتی تھی دونوں ہی مجھے درسوں، باغی معلوم دے رہی تھیں۔ اُنسی پیری مدرا میں ہی میں نے پھانسی منہ سے لگایا۔ شراب اچھی تھی اور پھیلیاں ہی اچھی پکھن تھیں۔ ڈول چٹنی پیری پکھن تھی، پر کیا کیا جائے! اس نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

شاید دوپہر ہونے کے کارن دوکان میں شراب کی دوکان سا دانہ دارن نہیں تھا۔ میں اب تک تین پیالے شراب پی چکا تھا پر ابھی تک باقی چار میزوں خالی ہی پڑتی تھیں۔ میں اکیلا پن محسوس کر رہا تھا، پیر بھی لچھا یہ نہیں تھی کہ اور لوگ بھی آجائیں۔ اس لئے جب میں سیڑھیوں پر کسی کے پیر پڑنے کی آواز سنتا تھا تو میرے اندر استغش کی ہی ہواؤں آتی تھی اور جب سامنے بھیرا ہی دیکھائی پڑتا تھا تو بڑا سنتوش ہوتا تھا۔ اسی طرح میں نے دو پیالے شراب اور پی ڈالی۔

”ایک پھانسی والی شراب، فلیشوں کے دس ٹکڑے اور کاشی ماترا میں چٹنی دو۔“ میں نے آرڈر دیا۔

بھیرا کو یہ آرڈر دیتے ہوئے، میں پیچھے جا کر کھڑکی سے لگی میز کے سہارے بیٹھ گیا۔ اوپر کا کمرہ خالی تھا۔ اس لئے میں سب سے اچھی سیٹ پر بیٹھا تا کہ میں نیچے آنکس کا پورا درشیمہ دیکھ سکوں۔ وہاں شاید شراب کی دوکان کا حصہ نہیں تھا۔ پہلے جب بھی میں یہاں آتا، گھنٹوں ایسے ہی آنکس کو دیکھتا رہتا۔ برف پڑتی دھننے پر بھی میں اکثر گھنٹوں بیٹھا رہتا تھا۔ پر اب میں آؤں میں رہنے لگا تھا۔ اس لئے یہ درشیمہ میرے لئے نئے تھے۔ فلم کے پیر برف سے غور لے رہے تھے جیسے انھیں برف گرنے سے کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ دالان کے بدل میں ہی اب بھی کیمپلا کا ایک پیر تھا جس میں سرخ لال پھول کھلے تھے۔ گہری سرخی رنگ کی پتلیوں میں، جب برف گر رہی ہو، یہ پھول آگ جیسے چمکتے تھے۔ تھوکی زمین پر پڑی برف، کچھ پگھلتی محسوس ہوئی۔ آؤں کی سوکھی ہڈیوں پر سے جہاں ایک بار وا چلنے سے برف آؤں کو آکس میں دھند بنا دیتی تھی، یہاں کا موسم کتنا پین تھا!

”شراب آگئی، مہوڑے!“ بھیرا نے لاपरवाہی سے کہا اور پھانسی والی شراب کی کھڑکی سے کھانا کھانے کی قیاد لی۔ شراب کی کھڑکی اور رکابیوں میں سجا دیں۔ میز کی طرف مڑ کر بٹاتے ہوئے میں نے برفوں کو ٹھیک کیا اور پیالے میں شراب ڈال لی۔ مجھے احساس ہونے لگا کہ ۵ ڈالانہ مہوڑا کچھ آؤں میں نہیں تھا پیر بھی یہاں آئے پر میں اجنبی لگ رہا تھا۔ آؤں کی سوکھی برف جو پارٹر کی بیانتی آؤں تھی اور یہاں کی کوئل برف جو بدن میں چپک جاتی تھی دونوں ہی مجھے درسوں، باغی معلوم دے رہی تھیں۔ اُنسی پیری مدرا میں ہی میں نے پھانسی منہ سے لگایا۔ شراب اچھی تھی اور پھیلیاں ہی اچھی پکھن تھیں۔ ڈول چٹنی پیری پکھن تھی، پر کیا کیا جائے! اس نگر کے لوگ تیز چٹنی پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

شاید دوپہر ہونے کے کارن دوکان میں شراب کی دوکان سا دانہ دارن نہیں تھا۔ میں اب تک تین پیالے شراب پی چکا تھا پر ابھی تک باقی چار میزوں خالی ہی پڑتی تھیں۔ میں اکیلا پن محسوس کر رہا تھا، پیر بھی لچھا یہ نہیں تھی کہ اور لوگ بھی آجائیں۔ اس لئے جب میں سیڑھیوں پر کسی کے پیر پڑنے کی آواز سنتا تھا تو میرے اندر استغش کی ہی ہواؤں آتی تھی اور جب سامنے بھیرا ہی دیکھائی پڑتا تھا تو بڑا سنتوش ہوتا تھا۔ اسی طرح میں نے دو پیالے شراب اور پی ڈالی۔

شاید دوپہر ہونے کے کارن دوکان میں شراب کی دوکان سا دانہ دارن نہیں تھا۔ میں اب تک تین پیالے شراب پی چکا تھا پر ابھی تک باقی چار میزوں خالی ہی پڑتی تھیں۔ میں اکیلا پن محسوس کر رہا تھا، پیر بھی لچھا یہ نہیں تھی کہ اور لوگ بھی آجائیں۔ اس لئے جب میں سیڑھیوں پر کسی کے پیر پڑنے کی آواز سنتا تھا تو میرے اندر استغش کی ہی ہواؤں آتی تھی اور جب سامنے بھیرا ہی دیکھائی پڑتا تھا تو بڑا سنتوش ہوتا تھا۔ اسی طرح میں نے دو پیالے شراب اور پی ڈالی۔

مدیرالای میں

لےکھ—لـشون

انصوادک—کامشور انصوادک

مدیرالے میں

ایکبک—لشون

انصوادک—کامشور انصوادک

اتر سے دیر دکن جاتے سمے میں لیے گاؤں میں بی بی رکا تھا اور وہاں سے ”ایس فور“ کو گیا۔ یہ فکر میرے گاؤں سے لگ بیگ 10 میل کی دہری پر ہے اور ناز سے آگے دن میں ہی وہاں کوئی پہونچ سکتا ہے۔ فورسپ ایک سال تک میں نے یہاں کے ایک اسکول میں پڑھایا ہے۔ ادما جارا بیت چکا تھا، ہرٹ بی بی کو چکی تھی اور اب ٹینڈک کٹی ہوئی تھی۔ گبر کی یاد اور بانرا کی بیکن نے مجھے منجور کر دیا کہ میں لو۔ زہ غزل میں رک کر کچھ دن آرام کروں۔ یہ غزل اس سے پہلے یہاں نہیں تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ میں نے سوچا کہ گنوم پور کو اپنے پڑائے درختوں سے مل لوں۔ پر کسی سے بی بی بینٹ نہ فرمائی۔ وہ سبھی کلمہ دستانوں میں لگ کر باغ چلے گئے تھے۔ جب میں اسکول کے سامنے سے گذرا تو دیکھا اس کا نام اور پانک دھنوں نامی بدل گئے تھے۔ اس شہر کے اٹے میں اب ہوا اچھی تھا۔ دو گھنٹے میں ہی میرا سب اسناد ختم ہو گیا اور یہاں اٹے کا مجھے انسوس ہونے لگا۔

جس غزل میں میں رکا تھا وہاں بی بی کمرے کے اٹے پر دئے جاتے تھے۔ کہتا نہیں دیا جاتا تھا۔ چاول اور درجری چیزیں باغ سے منگائی پڑتی تھیں اور ان کا سواک بیت خراب ہوتا تھا۔ جیسے مٹی سان کو زہ دی تھی۔ زہ کوئی کے باغ ایک دیوار تھی جس پر لالہ دئے دئے پڑ گئے تھے اور گالی جم گئی تھی۔ اوپر آکاش تھا جو سردے کے سامنے سہید پڑ گیا تھا۔ جس کی ساری زندگی ختم ہو چکی تھی۔ ہرٹ بی بی گولے لگی تھی۔ معمولی سا تھلا تھلے دو دو ملا دو حای سے بتانے کا وہاں کوئی سادھن نہ چٹ سکا۔ اس اٹے میں نے سوچا کہ اپنی پڑائی پرچت شراب کی چوٹی سے دھونک پر جائوں سے بتائیں۔ یہ دھونک غزل کے پاس ہی تھی اور دھونک ماس کے نام سے مشہور تھی۔ کمرے میں والا دال کے میں مدرائے کے اٹے چل دیا۔ شراب پینے کے مجھے اپنی اچھا نہیں تھی جتنی اس بات کی کہ کسی پرکار سے بیت چلے۔ بیروں غاس اب بی بی اسی اسخان پڑتا۔ اس کا سائن ہوت ہی نہیں بدلا تھا۔ پر بیروں غاس کے تمام دھونکاری بدل گئے تھے۔ ان میں کوئی مبرا پرچت نہیں تھا۔ یہاں ہی میں اچھائی تھا۔ ایک جانکار کی بیانی میں سبھی سے ہوتا تھا دوسری مبراں پر جا بیٹھا۔ اوپر کے کمرے میں رہی

ज्यादा शिकार होती है, जात पात, छुआछूत, भाषा, पार्टी आदि के कर्कों के कारण आपसी कशमकश जितनी ज्यादा बढ़ती है उतना ही ज्यादा प्रानिंग कमीशन को सुधी होगी।

सौ बातों की एक बात यह है कि प्रानिंग कमीशन ने अपने सामने बड़ी पैमाना और आदर्श रख छोड़े हैं जो पच्छिम के मुक्तों के सामने हैं और जहां प्रेम के मुकामिले कानून व हथियार की पनाह बात बात पर ली जाती है, जहां इन्सान को इन्सान उतना नहीं जितना मशीन का एक पुर्जा समझा जाता है। अगर यही हालत बनी रही तो हमें इसमें कोई शक नहीं है कि हिन्दुस्तान में गरीबी और तबाही तेज रफ्तार से बढ़ेगी और हो सकती है कि जल्दी ही हमें किसी विदेशी ताकत की पनाह लेना पड़े। अब जब सरकार दूसरी योजना पर विचार कर रही है तो बड़े अदब के साथ हम कहना चाहते हैं कि उसे इन महों पर शौर करना चाहिये और इन तीन साल की असलियत की रोशनी में आगे के काम की बुनियाद खड़ी होनी चाहिये, मुक्तों को और मुक्त के हर गांव को अपने पैरों पर खड़ा करने की कोशिश करनी चाहिये और जनता को संघे, सच्चे, ईमान, प्रेम और सेहत के रास्ते पर लाना चाहिये। —सुरेशगाम भाई

ज्यादा शिकार होती है, जात पात, छुआछूत, भाषा, पार्टी आदि के कर्कों के कारण आपसी कशमकश जितनी ज्यादा बढ़ती है उतना ही ज्यादा प्रानिंग कमीशन को सुधी होगी।

सो बातों की एक बात यह है कि प्रानिंग कमीशन ने अपने सामने बड़ी पैमाना और आदर्श रख छोड़े हैं जो पच्छिम के मुक्तों के सामने हैं और जहां प्रेम के मुकामिले कानून व हथियार की पनाह बात बात पर ली जाती है, जहां इन्सान को इन्सान उतना नहीं जितना मशीन का एक पुर्जा समझा जाता है। अगर यही हालत बनी रही तो हमें इसमें कोई शक नहीं है कि हिन्दुस्तान में गरीबी और तबाही तेज रफ्तार से बढ़ेगी और हो सकती है कि जल्दी ही हमें किसी विदेशी ताकत की पनाह लेना पड़े। अब जब सरकार दूसरी योजना पर विचार कर रही है तो बड़े अदब के साथ हम कहना चाहते हैं कि उसे इन महों पर शौर करना चाहिये और इन तीन साल की असलियत की रोशनी में आगे के काम की बुनियाद खड़ी होनी चाहिये, मुक्तों को और मुक्त के हर गांव को अपने पैरों पर खड़ा करने की कोशिश करनी चाहिये और जनता को संघे, सच्चे, ईमान, प्रेम और सेहत के रास्ते पर लाना चाहिये। —सुरेशगाम भाई

—सुरेशगाम भाई

"CHINA TODAY"

700 PAGES,
32 ILLUSTRATIONS
2 COLOURED MAPS

BY PANDIT SUNDARLAL

PRICE

Rs. 7 8 0

A vivid narration of the glorious and wonderful achievements of New China...A picture of China which is both convincing and authentic...the best book that has come out so far on New China in the English language...the most objective in approach and comprehensive in treatment.

—National Herald, Lucknow.

Highly informative...throws vivid light on conditions obtaining in that country...a book which deserves to be widely known

—Leader, Allahabad.

Encyclopaedic...characterized by acute observation of detail as well as by...instinctive grasp of the fundamental perspective...To read it is veritably like accompanying the Mission on its thrilling voyage of discovery in New China.

—Blitz, Bombay

A mine of information which gives a picture of China as nothing else does...the best guide to New China...Those who would like to understand what is happening in New China can do no better than to study it.

—Bharat Jyoti, Bombay

The wealth of information it gives on China new and old...makes fascinating reading...is comprehensive and informative and must therefore interest all students of public affairs.

—Indian Express, Madras

China Today is an eloquent tribute to his (Pandit Sundarlal's) shrewd understanding of men and matter... brings to light the mighty endeavour of the Chinese People to rebuild their great nation on firm new foundations for a tomorrow which is theirs.

—Vigil, Delhi.

رہی تھی۔ مگر حکومت کی مشینری اور اس کے رویے سے وہ اتنا تنگ آگئیں کہ انہوں نے وہ کام چھوڑ دیا اور اب گریسیا کا کام کرنے دشمن چلی گئیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر سرکاری بندوبست میں امن، لگن اور خدمت کی وہ خوبی تو وہ ایسا سرگزشت نہیں کریں۔ حکومت کے نظام کے کورنٹا ہوتے جانے کا اس سے زیادہ کیا نمرہ فرسکتا ہے؟ پلاننگ کمیشن کے ممبر خود اس مشین کا حصہ ہیں۔ اس لئے انہیں اندر ہی اندر اس مشین کی اصلیت کی چٹکاری نہ ہونے پر، عین کوئی تعجب نہیں ہے۔ شہر یا گاؤں، کہیں بی بی چلے جانے سرکاری دفتروں کی حالت پر اور حکموں کے رنگ و بھنگ پر کوئی بی بی دو آنسو بہانے بنا نہیں رہے گا۔

اور جہاں تک دوسرے دعوے کی بات ہے کہ نیا نظریہ پیدا ہو رہا ہے، عین نہیں۔ معلوم کہ شری کرشنا ماحاری کی مراد کیا ہے؟ کیا محض سرکاری نوکریوں میں اضافہ ہوجانے سے نیا نظریہ پیدا ہوجاتا ہے؟ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خود پلاننگ کمیشن کے ممبروں کے وجارے، عمل یا کام میں کوئی نیا نظریہ پیدا ہوا ہے یا نہیں؟ کیا کی ضرورت نہیں کہ محض نچ دفتروں کے رہنے جانے یا دس دس دس سے اونچی دستاویزوں کے آج سے نیا نظریہ نہیں آجائے۔ نیا نظریہ ہم دیکھ سکتے ہیں پلاننگ کمیشن کے ممبروں یا ملک پر نئے مولوں کے لئے زور دے۔ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آج عمارت حکام کی وہی تعیناتیں نہیں ہیں جو پہلے تھیں، جیسے زیادہ سے زیادہ دستاویز، کم سے کم جسمانی کام، نام جتنا سے ایک بقیہ سہن، غائبانہ نمائندگی اور آئندہ بڑی بڑی فوجیں اور بڑے بڑے مختیار وغیرہ؟ کیا آج پیدے کی لاسا اس سے کم ہے جو انگریزی راج کے زمانہ میں تھی؟ کیا آج غائبہ کے کام کے لئے نفرت اس سے کم ہے جو انگریزی دور میں تھی؟ کیا آپس کی چھوڑ چھوڑ اور دوسرے بیہوشی کر رہے ہیں؟ کیا ملک کے اندر چوری، ڈکیتی اور دسری بدامنیوں کم ہوئیں ہیں؟ کیا گاؤں میں پہلے سے زیادہ نشانی، سکون اور منہدیت ہے؟ ستر سوال کے جواب میں دوسرے جواب یہ ہیں کہ "نہیں، نہیں۔" ایسی حالت میں عین نہیں معلوم کہ کس بنا پر پلاننگ کمیشن کے نائب صدر یہ سمجھ رہے ہیں کہ لوگوں کا نظریہ بدل گیا، یا شاید دیہاتوں میں ودیشی یا شہرائی مال پہنچا رہا ہے، دیہات میں سنیما چل جانے، گاؤں میں موٹرین دوزے کو انہیں نے ترقی کی نشانی مان لیا۔ اگر ایسا ہے تو وہی نمونہ کے ساتھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ وہ سخت غلطی ہو گئی۔ اگر یہی ترقی ہے تو کہنا ہوگا کہ جتنا جتنا زیادہ پیسہ، پوست بنتی ہے، غائبہ کا کل غائبہ سے جتنا کم ہوئی ہے، بڑا بڑا ضرورت کے سامان میں دسروں کا محتاج بنتی ہے، چوری، ڈکیتی، غائبہ وغیرہ عینوں کی جتنی

(5) पांचवीं हालत में ऊपर के दोनों दर्जों की आमदनी बढ़ती है और नीचे वालों की घटती है लेकिन कुल की आमदनी दुगुनी हो जाती है.

(6) छठी हालत में मालदार की आमदनी पौने तीन बढ़ती है, साईकिल वाले की वैसी ही बनी रहती है और नीचे वालों की आधी रह जाती है.

(7) सातवीं हालत में मालदार की तीन गुनी के करीब बढ़ती है और नीचे वालों की आमदनी घटकर दसवें हिस्से पर आजाती है !

देखने की बात यह है कि प्रान्तिंग कमीशन की योजना से जो मुल्क की औसत आमदनी दुगुनी होने की कोशिश है सो कौन्सी हालत पैदा होने वाली है. जाहिर है कि क्या पढ़े लिखे लोगों के बीच और क्या देहात के दस्तकारों के बीच वेंरोजगारी बढ़ रही है, यानी समाज के नीचे वाले दोनों दर्जों की आमदनी घट रही है और ऊपर वालों की आमदनी बढ़ रही है. इसलिये ऊपर वाली सूक्तों में से (5), (6) या (7) के जैसी चीज सामने आ रही है, न कि (3) या (4) जैसी और (1) या (2) का तो सवाल उठता ही नहीं. इस लिये हमें इस बात की कोई खुशी महसूस नहीं होती कि इस योजना से मुल्क की आमदनी दुगुनी या इसी तरह आगे के दो बरस में आज से दस बी सदी ज्यादा बढ़ जायेगी. हां मुट्ठी भर लोग जिनके हाथ में रोजगार हैं वह जरूर मालामाल और खुश हो जायेंगे. मगर 85 का दुख बढ़े और 15 का सुख बढ़े तो उसे खुशहाली नहीं बरबादी ही कहा जायेगा. हम तो यहां तक जाने का तैयार हैं कि मुल्क की औसत आमदनी आज के जैसी रहे मगर नीचे वाले 85 का सुख बढ़ जाये और ऊपर के 15 का घट जाये. या अगर ऊपर वालों का न घटे तो कम से कम नीचे वालों का तो न घटे. जब तक हमारे देश की प्रान्तिंग में यह रंग नहीं आता तब तक हमें डर है कि सारी योजनायें मुल्क को अन्दर से कमजोर करेंगी और हमारी आजादी को उनसे जबरदस्त खतरा है.

जहां तक श्री कृष्णामाचार्य का दूसरा दावा है कि हुकूमत के निजाम में सुधार हो रहा है उसके बारे में तो कुछ कहने की जरूरत नहीं है. कौन नहीं जानता कि मुल्क में शिवत-खोरी बढ़ ही रही है. दफ्तर के बाबुओं और चपरासियों का बाहर की आमदनी के बिना अक्सर संतोश ही नहीं होता और पुलिस भी पहले के मुक्काविले कहीं ज्यादा जालिम और मनचली होती जा रही है. और इन्तजाम में बढ़ती हुई खराबी का एक ठोस सबूत हमारे पास और भी है. हमारे प्रेमी पाठक शायद जानते हों कि महात्मा गांधी की सरनाम चेली और सेवक श्री मीरा बहन जिला टेहरी गढ़वाल में बड़े पैमाने पर एक विकास योजना चलाने जा

(5) पांचवीं हालत में ऊपर के दोनों दर्जों की आमदनी बढ़ती है और नीचे वालों की घटती है लेकिन कुल की आमदनी दुगुनी हो जाती है.

(6) छठी हालत में मालदार की आमदनी पौने तीन बढ़ती है, साईकिल वाले की वैसी ही बनी रहती है और नीचे वालों की आधी रह जाती है.

(7) सातवीं हालत में मालदार की तीन गुनी के करीब बढ़ती है और नीचे वालों की आमदनी घटकर दसवें हिस्से पर आजाती है !

दिकाने की बात यह है कि प्लानिंग कमीशन की योजना से जो मुल्क की औसत आमदनी दुगुनी होने की कोशिश है सो कौन्सी हालत पैदा होने वाली है. जाहिर है कि क्या पढ़े लिखे लोगों के बीच और क्या देहात के दस्तकारों के बीच वेंरोजगारी बढ़ रही है, यानी समाज के नीचे वाले दोनों दर्जों की आमदनी घट रही है और ऊपर वालों की आमदनी बढ़ रही है. इसलिये ऊपर वाली सूक्तों में से (5), (6) या (7) के जैसी चीज सामने आ रही है, न कि (3) या (4) जैसी और (1) या (2) का तो सवाल उठता ही नहीं. इस लिये हमें इस बात की कोई खुशी महसूस नहीं होती कि इस योजना से मुल्क की आमदनी दुगुनी या इसी तरह आगे के दो बरस में आज से दस बी सदी ज्यादा बढ़ जायेगी. हां मुट्ठी भर लोग जिनके हाथ में रोजगार हैं वह जरूर मालामाल और खुश हो जायेंगे. मगर 85 का दुख बढ़े और 15 का सुख बढ़े तो उसे खुशहाली नहीं बरबादी ही कहा जायेगा. हम तो यहां तक जाने का तैयार हैं कि मुल्क की औसत आमदनी आज के जैसी रहे मगर नीचे वाले 85 का सुख बढ़ जाये और ऊपर के 15 का घट जाये. या अगर ऊपर वालों का न घटे तो कम से कम नीचे वालों का तो न घटे. जब तक हमारे देश की प्रान्तिंग में यह रंग नहीं आता तब तक हमें डर है कि सारी योजनायें मुल्क को अन्दर से कमजोर करेंगी और हमारी आजादी को उनसे जबरदस्त खतरा है.

जहां तक श्री कृष्णामाचार्य का दूसरा दावा है कि हुकूमत के निजाम में सुधार हो रहा है उसके बारे में तो कुछ कहने की जरूरत नहीं है. कौन नहीं जानता कि मुल्क में शिवत-खोरी बढ़ ही रही है. दफ्तर के बाबुओं और चपरासियों का बाहर की आमदनी के बिना अक्सर संतोश ही नहीं होता और पुलिस भी पहले के मुक्काविले कहीं ज्यादा जालिम और मनचली होती जा रही है. और इन्तजाम में बढ़ती हुई खराबी का एक ठोस सबूत हमारे पास और भी है. हमारे प्रेमी पाठक शायद जानते हों कि महात्मा गांधी की सरनाम चेली और सेवक श्री मीरा बहन जिला टेहरी गढ़वाल में बड़े पैमाने पर एक विकास योजना चलाने जा

ہوگا جو اس سے من مانا نفع کما لیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں شہری کرشنامارچاری کے اس بیان پر کوئی حشری نہیں مٹونی کہ دو سال بعد ملک کی اوسط آمدنی دس فیصدی بڑھ جائے گی۔ سرائی یہ نہیں ہے کہ آمدنی کتنی بڑھتی ہے بلکہ یہ کہ کسی بڑھتی ہے۔

آج ہمارے شہر کیا، دیہات کیا، وٹان کی آبادی کو ہم موٹے طور سے چار حصوں میں باٹ سکتے ہیں: (1) (A) ہاتھی یا موٹر والے یعنی بہت مالدار لوگ، (2) (B) گھوڑا گلی یا سائیکل رکینے والے خرشحال لوگ، (3) (C) سادھان غریب اور (4) (D) بہت غریب جن میں ایک چرن ڈالے کو ملے درسرے کی امید نہیں، ہر سو آدمی بچے غریب پانچ غازی یا موٹر والے ہیں، 10 خرشحال، 40 غریب اور 40 بہت غی غریب۔ ان کی آمدنی کا نسبت آج غریب غریب اس طرح کا ہے:

$$120 : 70 : 9 : 1$$

اس نسبت کے آئندوں میں ترمیم کی گنجائش کتنی ہے۔ بہت غریب اور بہت امیر میں آج ایک اور 120 کے مقابلے کہیں زیادہ کا فرق ہے۔ مگر موٹے طور پر یہ حساب صحیح مانا جاسکتا ہے۔ اب ہم دیکھیں کہ اوسط آمدنی دگنی کرنے کی کیا کیا ضروریں ہیں۔ جیسے سرزمین کو بہت سی غن مگر نیچے والی پر آسانی سے دیان جاتا ہے۔

بقیادی صورت وہ ہے جو ہم نے دہر دی ہے:

$$\begin{aligned} A + B + C + D &= T \\ T = 120 \cdot A + 70 \cdot B + 9 \cdot C + 1 \cdot D &= 220 \end{aligned}$$

اب دنگے کی حالتیں یہ ہیں:

$$\begin{aligned} A + B + 21(C + D) &= 2T \dots (1) \\ 2A + 2B + 2C + 2D &= 2T \dots (2) \\ 2 \cdot 6A + B + C + D &= 2T \dots (3) \\ (2 \cdot 3)A + (1 \cdot 5)B + C + D &= 2T \dots (4) \\ (2 \cdot 4)A + (1 \cdot 5)A + 1/2(C + D) &= 2T \dots (5) \\ (2 \cdot 7)A + B + 1/2(C + D) &= 2T \dots (6) \\ (2 \cdot 8)A + B + 1/10(C + D) &= 2T \dots (7) \end{aligned}$$

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ:

- (1) پہلی حالت میں موٹر یا سائیکل والوں کی آمدنی پہلے جیسی رہتی ہے اور نیچے درجے والوں کی آمدنی بڑھ جاتی ہے جس سے کل آمدنی دگنی ہو جاتی ہے۔
- (2) دوسری حالت میں اوپر سے نیچے تک ہر ایک کی آمدنی ٹیک دگنی کرتی ہے۔
- (3) تیسری حالت میں موٹر والے کی آمدنی تھانی گئی ہے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور دوسرے حصوں کی آمدنی بھی بڑھتی ہے۔
- (4) چوتھی حالت میں اوپر کے درجوں کے درجوں کی آمدنی بڑھتی ہے۔

(3) جیتنے جیادہ لوگوں کو سرکار अपनी मुलाजिमत में ला सके उतना ही लोगों का तजरिया बदला और उनमें नई आदतें، नई जिन्दगी की तड़प पैदा हो गई.

श्री कृष्णामाचारی या प्लानिंग कमिशन की भाशा में हम इन तीनों باتों का तरक्की की कसौटी कह सकते हैं. आज अमरीका और इंग्लंड या यूरोप के दूसरे मुल्कों में ऐसा हो भी रहा है. वहां पर तहजीब या सभ्यता का नाप ही यही है कि आदमी कितना ज्यादा साबुन, तेल, कपड़ा, जूता, मोटर, बिजली वगैरा खर्च करता है. अपने जाती जिसम की वह जितनी ज्यादा खिदमत करता है उतना ही बड़ा चढ़ा माना जाता है और ऊंचा समझा जाता है. आज बताया जाता है कि अमरीका में की आदमी राजाना 160 पौंड काराज खर्च होता है. इसके मानी यह हुण कि हिन्दु-स्तान जैसे मुल्क के आदमी के मुकाबिले जहां सिर्फ एक पौंड काराज खर्च होता है अमरीका का आदमी 160 गुना ज्यादा विद्वान यातालीसयावता है ! मगर कौन नहीं जानता कि यूरोप के मुल्कों में जो ऊंच नीच और भेद भाव हैं, अमीर गरीब का जो कर्क है, समाज के अन्दर जो ऐयाशी, चोरी, डकैती व दूसरे केल हो रहे हैं उनसे ऐशिया के मुल्क जितने दूर रह सके अच्छा है. फिर वह मुल्क कितने ज्यादा भयभीत हैं और वहां की जनता रुपये पैसे के पीछे कितनी पागल है और मशीन की कितनी ज्यादा गुलाम हो गई है. अगर हम हिन्दुस्तान वालों के आगे भी मगरिव के यह आदर्श अपने सामने रहे तो हम उनके बराबर तो तरक्की पर पहुँच ही नहीं सकते, उनके ऐव और खराबियाँ जरूर हमारे अन्दर पर कर लेंगे. इसलिये पच्छिम के पैमाने हमारे ऊपर न लागू हो सकते हैं और न लागू होने चाहिये. हमारे यहाँ तो एक ही पैमाना चल सकता है—इन्सानियत का, सारी दुनिया से भाईचारा और सब की भलाई, पड़ोसी की खिदमत और आपसी मसले या सबालों का हल, कानून या तलवार व बम के जोर से नहीं बल्कि प्रेम से. यही हमारे मुल्क के आर्थिक और सियासी निजाम का आधार होना चाहिये. और इसी लिहाज से हम श्री कृष्णामाचारि के वयान पर साफ साफ विचार करना चाहते हैं.

श्री कृष्णामाचारि ने पंच साला योजना की तीन साल की कामयाबी का खास पहलू यह बनाया है कि मुल्क में पैदावार बहुत काफी बढ़ी है. यह बड़ी खुशी की बात है. मगर महज पैदावार बढ़ना काफी नहीं होता. जरूरी यह है कि जरूरतमन्द को जरूरत की चीज हासिल हो या चीज हासिल करने का जरिया उसे मिले. अगर पैदावार बढ़ती रहे मगर लोगों में जरूरतें पूरा करने की ताकत पहले जैसी ही कमजोर रहे तो वह सोचने की बात है क्योंकि ऐसे इन्कों से महज चन्द व्यापारियों या दूसरे लोगों का ही कायदा

(3) جتنے زیادہ لوگوں کو سرکار اپنی ملازمت میں لا سکے اتنا ہی لوگوں کا نظریہ بدلا اور ان میں نئی عادتیں، نئی زندگی کی تپ پیدا ہو گئی .

شری کرسنا ماچاری یا پلاننگ کمیشن کی بھاشا میں ہم ان تینوں باتوں کو ترقی کی کسوٹی کہہ سکتے ہیں . آج امریکہ اور انگلینڈ یا یورپ کے دوسرے ملکوں میں ایسا ہو رہی رہا ہے . وہاں پر تہذیب یا سہیبتا کا ناپ بھی یہی ہے کہ آدمی کتنا زیادہ صابن، تیل، کپڑا، جوتا، موٹر، بجلی وغیرہ خرچ کرتا ہے . اپنے ذاتی جسم کی وہ جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے اتنا ہی بڑھا چڑھا مانا جاتا ہے اور اونچا سمجھا جاتا ہے . آج بتایا جاتا ہے کہ امریکہ میں فی آدمی روزانہ 160 پونڈ کلڈ خرچ ہوتا ہے . اس کے معنی یہ ہوتا ہے، ہندوستان جیسے ملک کے آدمی کے مقابلہ جہاں صرف ایک پونڈ کلڈ خرچ ہوتا ہے امریکہ کا آدمی 160 گنا زیادہ ودان یا تعلیم یافتہ ہے ! مگر کون نہیں جانتا کہ یورپ کے ملکوں میں جو اونچ نیچ اور بھید ہے، اسی غریب کا جو فرق ہے، سماج کے اندر جو تباہی، چوری ڈکیتی و دوسرے فعل ہو رہے ہیں ان سے ایشیا کے ملک جتنے دور رہ سکیں اچھا ہے . پھر وہ ملک آج کتنے زیادہ بے ہیبت ہیں اور وہاں کی جتنے روپے پیسے کے پیچھے کتنی پاگل ہے اور مشین کی کتنی زیادہ غلام ہو گئی ہے . اگر ہم ہندوستان والوں کے آگے یہی مغرب کے یہ آدرش اپنے سامنے رکھ دے تو ہم ان کے برابر تو ترقی پر پہنچ سکتے ہیں نہیں سکتے، ان کے عیب اور خرابیاں ضرور ہمارے اندر گہر کر لیں گے. اس لئے پیچھے کے پیمانے اور نہ لاگو ہونے چاہئیں . ہمارے یہاں تو ایک ہی پیمانہ چل سکتا ہے— انسانیت کا ساری دنیا سے یہانی چار اور سب کی بھلائی، پیڑوسی کی خدمت اور آپسی مسئلہ یا سوالوں کا حل، قانون یا تلوار و بھم کے زور سے نہیں بلکہ پرہم سے . یہی ہمارے ملک کے ارتکاب اور سیاسی نظام کا آغا رہونا چاہئے . اور ایسی لحاظ سے ہم شری کرسنا ماچاری کے بیان پر صاف صاف وچار کرنا چاہتے ہیں .

شری کرسنا ماچاری نے پہنچ سالہ یوجنا کی تین سال کی کامیابی کا خاص پہلو یہ بتایا ہے کہ ملک میں پیداوار بہت گئی بڑھی ہے . یہ بڑی خوشی کی بات ہے . مگر محض پیداوار بڑھنا کافی نہیں ہوتا . ضروری یہ ہے کہ ضرورت مند کو ضرورت کی چیز حاصل ہو یا چیز حاصل کرنے کا ذریعہ، اسے ملے . اگر پیداوار بڑھتی رہے مگر لوگوں میں ضرورتیں پورا کرنے کی طاقت نہ ملے جیسی ہی کمزور رہے تو وہ سوچنے کی بات ہے کیونکہ ایسے اضافہ سے محض چند واپاریوں یا دوسرے لوگوں کا ہی فائدہ

شری کھنناماچاری نے بتایا کہ یोजना جب سے شروع ہوئی تب سے اب تک کے دوران میں ہندوستان کی مالی حالت بہت کچھ سدھر گئی ہے۔ مثلاً جہاں 1952-53 میں لاکھ 44 تین سو اسی تیار کرنے والے مال کی 1951 میں جہاں 117 اگلیاں ہوئیں، 1952 میں 29 اور 1953 میں 135۔ اس سب سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس یोजना کے پورا ہوتے ہر ملک کی آمدنی دس فیصدی بڑھ جائے گی۔

دوسرے سوال کے جواب میں شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کہتے ہیں کہ پچھلے تین سال میں انتظام کے مختلف حصوں کا پیر سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ایک ویل نیٹور (Welfare) انتظام کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غذائی ذالی جا رہی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں ان کا فرمانا ہے کہ ایسی سہولیت کے ساتھ جس کا پتہ ہی نہیں تھا لوگوں کے اندر کلم کرنے اور سوچ بچار کرنے کی پرانی عادتیں چھوٹ رہی ہیں۔ آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ یोजना کل ملا کر کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے اور اس بات کی پوری امید ہے کہ اس کے مقصد پانچ سال والی مدت میں حاصل ہو گی جلتائے۔

پلاننگ کمیشن کے نائب صدر کے اس بیان پر ہم کیا پلاننگ کمیشن کیا غور کرنا اور کیا صورت کی سوچیں سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکس کی رفتار پانچ سال کی زوروت تیار کرو تو ان 48 زبانوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر ایسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہیں اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری فوقی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ ٹکی گزری حالت ہوگئی کہ انگریزی حکومت کو بھانے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہتھی گئی۔ ٹیک اس طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کے ریڈیو براڈکاسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے فیوں سوال جواب کا نتیجہ اگر صرف انہوں میں کہیں تو یہ ہے:

(1) جناتا کا جیتنا جیادا پسا سرکار خرب کر دے اتنی ہی جیادا مالک کی ترقی۔

(2) ملیوں میں جیتنا جیادا مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

دوسرے سوال کے جواب میں شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کہتے ہیں کہ پچھلے تین سال میں انتظام کے مختلف حصوں کا پیر سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ایک ویل نیٹور (Welfare) انتظام کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے غذائی ذالی جا رہی ہیں۔

تیسرے سوال کے جواب میں ان کا فرمانا ہے کہ ایسی سہولیت کے ساتھ جس کا پتہ ہی نہیں تھا لوگوں کے اندر کلم کرنے اور سوچ بچار کرنے کی پرانی عادتیں چھوٹ رہی ہیں۔ آخر میں انہوں نے اعلان کیا کہ یोजना کل ملا کر کامیابی کے ساتھ چل رہی ہے اور اس بات کی پوری امید ہے کہ اس کے مقصد پانچ سال والی مدت میں حاصل ہو گی جلتائے۔

پلاننگ کمیشن کے نائب صدر کے اس بیان پر ہم کیا پلاننگ کمیشن کیا غور کرنا اور کیا صورت کی سوچیں سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکس کی رفتار پانچ سال کی زوروت تیار کرو تو ان 48 زبانوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر ایسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہیں اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری فوقی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ ٹکی گزری حالت ہوگئی کہ انگریزی حکومت کو بھانے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہتھی گئی۔ ٹیک اس طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کے ریڈیو براڈکاسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے فیوں سوال جواب کا نتیجہ اگر صرف انہوں میں کہیں تو یہ ہے:

(1) جناتا کا جیتنا جیادا پسا سرکار خرب کر دے اتنی ہی جیادا مالک کی ترقی۔

(2) ملیوں میں جیتنا جیادا مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے نائب صدر کے اس بیان پر ہم کیا پلاننگ کمیشن کیا غور کرنا اور کیا صورت کی سوچیں سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکس کی رفتار پانچ سال کی زوروت تیار کرو تو ان 48 زبانوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر ایسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہیں اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری فوقی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ ٹکی گزری حالت ہوگئی کہ انگریزی حکومت کو بھانے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہتھی گئی۔ ٹیک اس طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کے ریڈیو براڈکاسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے فیوں سوال جواب کا نتیجہ اگر صرف انہوں میں کہیں تو یہ ہے:

(1) جناتا کا جیتنا جیادا پسا سرکار خرب کر دے اتنی ہی جیادا مالک کی ترقی۔

(2) ملیوں میں جیتنا جیادا مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے نائب صدر کے اس بیان پر ہم کیا پلاننگ کمیشن کیا غور کرنا اور کیا صورت کی سوچیں سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکس کی رفتار پانچ سال کی زوروت تیار کرو تو ان 48 زبانوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر ایسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہیں اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری فوقی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ ٹکی گزری حالت ہوگئی کہ انگریزی حکومت کو بھانے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہتھی گئی۔ ٹیک اس طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کے ریڈیو براڈکاسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے فیوں سوال جواب کا نتیجہ اگر صرف انہوں میں کہیں تو یہ ہے:

(1) جناتا کا جیتنا جیادا پسا سرکار خرب کر دے اتنی ہی جیادا مالک کی ترقی۔

(2) ملیوں میں جیتنا جیادا مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

پلاننگ کمیشن کے نائب صدر کے اس بیان پر ہم کیا پلاننگ کمیشن کیا غور کرنا اور کیا صورت کی سوچیں سب کو مبارکباد دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کسی انگریز سے کہا جاتا کہ 177 سے لیکر 1947 تک یعنی 190 سال میں ہندوستان کے وکس کی رفتار پانچ سال کی زوروت تیار کرو تو ان 48 زبانوں سے ایسا لگتا کہ ہندوستان دن دردن کی چوکنی ترقی کر رہا ہے اور اگر ایسی طرح حکومت برطانیہ کو موقع ملتا رہے تو 190 سال گواہیں اگلے کچھ سالوں میں ہندوستان کہیں سے کہیں پہنچ جائے گا اور انگریزی حکومت سے بہتر برکت ہندوستان کے لئے کوئی دوسری فوقی نہیں سکتی۔ مگر انہیں گواہ ہے کہ ان 190 برس میں ہندوستان کی وہ ٹکی گزری حالت ہوگئی کہ انگریزی حکومت کو بھانے بنا چارہ نہیں تھا اور آخر وہ ہتھی گئی۔ ٹیک اس طرح کے خیال ہمارے اندر شری وی۔ ٹی۔ کھنناماچاری کے ریڈیو براڈکاسٹ کو پڑھ کر پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے فیوں سوال جواب کا نتیجہ اگر صرف انہوں میں کہیں تو یہ ہے:

(1) جناتا کا جیتنا جیادا پسا سرکار خرب کر دے اتنی ہی جیادا مالک کی ترقی۔

(2) ملیوں میں جیتنا جیادا مال تیار ہو اتنا ہی ملک خوشحال۔

یोजना کے تین سال

ہندو सरकार کی तरک سے مقررہ پانچ برسوں کی योजना کے نام سے جو ایک योजना چل رہی ہے اس کا خاکہ تو پارلیامنٹ کے سامنے ہمارے پرانے پرانے منتری نے دسمبر سن 1952 میں پیرا کیا تھا لیکن اس کا عمل جون 1951 سے شروع کیا گیا تھا چلتا ہے۔ اس طرح اس یोजना کے تین سال پڑے ہوئے اور سن 1954 کی جون سے چوتھا سال شروع ہوا۔ اس موقع پر پلاننگ کمیشن کے نائب صدر شری۔ ی۔ سی۔ کرشناماچاری نے ایک براؤنکاسٹ انگریزی میں کیا جس میں انہوں نے تین سال کے کارناموں پر تکرر سلی کے ساتھ روشنی ڈالی۔

انہوں نے کہا کہ یोजना کو مزید تیز پروجیکٹوں یا کاموں کی کڑی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ اس کوشش کی نمائندگی ہے جو ہندوستان کے لوگ اپنے لئے ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی خاطر کر رہے ہیں۔ شری کرشناماچاری کا کہنا ہے کہ ہم نئے نمونے کا سامان بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کے اندر "نیا نظریہ" بنایا گیا اور نئے رہن سہن کے لئے خواہش پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو دھیان میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے براؤنکاسٹ میں تین سوالوں کے جواب دیے:

1. اس یोजना میں جو پروجیکٹ یا کام ہیں وہ کیسی ترقی کر رہے ہیں؟

2. وکس کی اسکیمیں اور پروگراموں کو خبری سے انجام دینے کے لئے انتظامی اور ٹیکنیکل دائروں میں سدھار کی بنیاد دالی جا رہی ہے یا نہیں؟

3. کیا خاص متعدد میں یعنی نئے نظریہ اور بہتر زندگی کی خواہش پیدا ہونے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہو رہی ہے؟

کہنے کی ضرورت نہیں کہ خود گڑھے ہوئے تینوں سوالوں کے جواب میں شری۔ ی۔ سی۔ کرشناماچاری نے یہی کیا کہ "خوب ہے! خوب ہے!" پہلے سوال کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ سن 1952 کے شروع میں اس یोजना کا تخمینہ 1800 کروڑ روپے کے درجہ تھا۔ دسمبر 1952 میں اس یोजना کی لاگت 2069 کروڑ روپے تھی۔ اب اسے ترقی دے کر 2244 کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ اس میں اب تک جو خرچ ہوا اس کا حساب یہ ہے:

سال	روپے (کروڑ میں)
1951-52	262
1952-53	271
1953-54	412
اور آگے دو سال میں اس طرح اور خرچ کرنا ہے:	
1954-55	565
1955-56	745

یोजना کے تین سال

ہندو سرکار کی طرف سے ملک میں پانچ برسوں کی یोजना کے نام سے جو ایک یोजना چل رہی ہے اس کا خاکہ تو پارلیامنٹ کے سامنے ہمارے پرانے پرانے منتری نے دسمبر سن 1952 میں پیرا کیا تھا لیکن اس کا عمل جون 1951 سے شروع کیا گیا تھا چلتا ہے۔ اس طرح اس یोजना کے تین سال پڑے ہوئے اور سن 1954 کی جون سے چوتھا سال شروع ہوا۔ اس موقع پر پلاننگ کمیشن کے نائب صدر شری۔ ی۔ سی۔ کرشناماچاری نے ایک براؤنکاسٹ انگریزی میں کیا جس میں انہوں نے تین سال کے کارناموں پر تکرر سلی کے ساتھ روشنی ڈالی۔

انہوں نے کہا کہ یोजना کو مزید تیز پروجیکٹوں یا کاموں کی کڑی نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ یہ اس کوشش کی نمائندگی ہے جو ہندوستان کے لوگ اپنے لئے ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی خاطر کر رہے ہیں۔ شری کرشناماچاری کا کہنا ہے کہ ہم نئے نمونے کا سامان بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کے اندر "نیا نظریہ" بنایا گیا اور نئے رہن سہن کے لئے خواہش پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کو دھیان میں رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے براؤنکاسٹ میں تین سوالوں کے جواب دیے:

1. اس یोजना میں جو پروجیکٹ یا کام ہیں وہ کیسی ترقی کر رہے ہیں؟

2. وکس کی اسکیمیں اور پروگراموں کو خبری سے انجام دینے کے لئے انتظامی اور ٹیکنیکل دائروں میں سدھار کی بنیاد دالی جا رہی ہے یا نہیں؟

3. کیا خاص متعدد میں یعنی نئے نظریہ اور بہتر زندگی کی خواہش پیدا ہونے میں کہاں تک کامیابی حاصل ہو رہی ہے؟

کہنے کی ضرورت نہیں کہ خود گڑھے ہوئے تینوں سوالوں کے جواب میں شری۔ ی۔ سی۔ کرشناماچاری نے یہی کیا کہ "خوب ہے! خوب ہے!" پہلے سوال کے جواب میں ان کا کہنا ہے کہ سن 1952 کے شروع میں اس یोजना کا تخمینہ 1800 کروڑ روپے کے درجہ تھا۔ دسمبر 1952 میں اس یोजना کی لاگت 2069 کروڑ روپے تھی۔ اب اسے ترقی دے کر 2244 کروڑ روپے کر دیا گیا ہے۔ اس میں اب تک جو خرچ ہوا اس کا حساب یہ ہے:

سال	روپے (کروڑ میں)
1951-52	262
1952-53	271
1953-54	412
اور آگے دو سال میں اس طرح اور خرچ کرنا ہے:	
1954-55	565
1955-56	745

बेकारी का हल

नाटक, संगीत, समाज, जैसी कलचरी संस्थाएं भी खड़ी हो जाती हैं। नये नये रोजगार निकलते हैं और अच्छे से अच्छे पढ़े लिखे लोगों को भी काम मिलने लगता है।

गांव के इस नये जीवन का अस्तर शहरों पर भी पड़ता है। किसानों और गांव के लोगों का रहन सहन ऊंचा होने लगता है। उनमें तरह तरह की चीजों की मांग बढ़ती है। शहरों के तरह तरह के बने हुए पक्के माल की खान बढ़ती है। उनके मकान बनने लगते हैं। राज मजदूरों और बड़े लाहारों को काम मिलता है। इस सब से गांव और शहर दोनों में बेकारी घटती और सुशहली बढ़ती है। इसी से गांव के लोगों का काम की खोज में शहर आना घटता है। यह सब बातें मिलकर एक ऐसा आर्थिक चक्र चल जाता है जिससे सब जगह नये नये रोजगार खुलने लगते हैं।

मैं फिर कह देना चाहता हूँ कि भूमि का फिर से वंटवारा उन बहुत से कामों में से एक काम है। जिससे देश की बेकारी दूर हो सकती है। और वह एक ऐसा काम है जिससे देश की आम जनता में अपने ऊपर भरोसा पैदा होता है, स्वा-भिमान बढ़ता है, और जनता अपनी छिपी हुई शक्ति को पहचानने लगती है। गांधी जी जिस राम राज की बात कहा करते थे वह हम किसी तरह भी इस देश में ला सकते हैं तो इसी तरह ला सकते हैं। गांवों में ही भारत के असली प्राण हैं। वहीं भारत की सच्ची शक्ति छिपी है।

ईसा का सन्देश

लेखक—डाक्टर जे. सी. कुमारप्पा.

अनुवादक—सुरेश रामभाई.

इस किताब में हज़ारत ईसा के सन्देश की व्याख्या ऐसे लाजवाब ढंग से की गई है कि पढ़ने वाला बड़ी आसानी से यह समझ जायगा कि ईसाई धर्म की खास तालीम क्या है और हज़ारत ईसा ने इनसान-इनसान की बराबरी, भाई चारे, प्रेम और अहिंसा पर कितना जोर दिया है।

महात्मा गांधी ने इस किताब के बारे में कहा है कि "हर आस्तिक से, चाहे वह ईसाई हो या किसी और धर्म का मानने वाला हो, मेरी सिफारिश है कि इसे पढ़ें..."

सुन्दर जिल्द, बढ़िया कागज़, क़रीब सवा सौ सफे की किताबका दाम सिर्फ एक रुपया.

मिलने का पता.

मैनेजर, 'नया हिन्द', 145 मुद्दीगंज, इलाहाबाद.

बिकारी का हल

नाटक, संगीत, समाज, जैसी कलचरी संस्थाएं भी खड़ी हो जाती हैं। नये नये रोजगार निकलते हैं और अच्छे से अच्छे पढ़े लिखे लोगों को भी काम मिलने लगता है।

गांव के इस नये जीवन का अस्तर शहरों पर भी पड़ता है। किसानों और गांव के लोगों का रहन सहन ऊंचा होने लगता है। उनमें तरह तरह की चीजों की मांग बढ़ती है। शहरों के तरह तरह के बने हुए पक्के माल की खान बढ़ती है। उनके मकान बनने लगते हैं। राज मजदूरों और बड़े लाहारों को काम मिलता है। इस सब से गांव और शहर दोनों में बेकारी घटती और सुशहली बढ़ती है। इसी से गांव के लोगों का काम की खोज में शहर आना घटता है। यह सब बातें मिलकर एक ऐसा आर्थिक चक्र चल जाता है जिससे सब जगह नये नये रोजगार खुलने लगते हैं।

मैं फिर कह देना चाहता हूँ कि भूमि का फिर से वंटवारा उन बहुत से कामों में से एक काम है। जिससे देश की बेकारी दूर हो सकती है। और वह एक ऐसा काम है जिससे देश की आम जनता में अपने ऊपर भरोसा पैदा होता है, स्वा-भिमान बढ़ता है, और जनता अपनी छिपी हुई शक्ति को पहचानने लगती है। गांधी जी जिस राम राज की बात कहा करते थे वह हम किसी तरह भी इस देश में ला सकते हैं तो इसी तरह ला सकते हैं। गांवों में ही भारत के असली प्राण हैं। वहीं भारत की सच्ची शक्ति छिपी है।

عیسی کا سندیش

لکھک — ڈاکٹر جے. سی. کماراپا.

انورادک — سورش رام بھائی.

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کے سندیش کی ویاکھوا برسے لاجواب ذہنک سے کی گئی ہے کہ پوچھنے والا ہوی آسانی سے یہ سمجھ جائیگا کہ عیسائی دھرم کی خاص تعلیم کوا ہے اور حضرت عیسیٰ نے انسان انسان کی برابری بھائی چارے، پریم اور اعدسا پر کتنا زور دیا ہے .

”ہر آستک سے، چاہے وہ عیسائی ہو یا کسی اور دھرم کا ماننے والا ہو، مہدی سفارش ہے کہ اسے پڑھ...“

مندر چاند، بڑھیا کاغذ، قریب سوا سو صفحے کی کتاب کا دام صرف ایک روپہ .

ملنے کا پتہ .

مہنجر، ’نیا ہند‘ 145 مودی گنج، الہ آباد .

کितنی بھوم مل سکےگی۔ اس کا ٹیک ٹیک جواب 'بھوم بٹوارا کمیशन' ہی دے سکےگا۔ پر جو آکاڈے ہم مل سکاتے ہیں وہی ان سے موثر طور پر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اتر پردیش زمینداری انمولوں اور بھومی سندھار قانون نے یہ روک لگا دی ہے کہ آگے کے لئے کوئی آدمی تیس ایکڑ سے زیادہ کھیتی کی زمین نہیں خرید سکتا۔ اب اگر تیس ایکڑ سے اوپر کے کھیت اتر پردیش میں بٹوارے کے لئے مل جاویں تو ہمیں پنچاس لاکھ ایکڑ بھومی ملیگی۔ اس سے کئی لاکھ پروواروں کی بیکاری دور ہو سکیگی اور انہیں روزی مل سکیگی۔ الگ الگ پرائنٹوں کی الگ الگ حالت ہے۔ پھر یہی اسی طرح پر ہمیں بمبئی میں 64 لاکھ ایکڑ، مدیمہ پردیش میں 66 لاکھ ایکڑ اور مدراس میں 35 لاکھ ایکڑ بھومی بٹوارے کے لئے مل سکتی ہے۔ یہ کل دو سو پندرہ لاکھ ایکڑ بھومی ہوئی۔ اتنی بھومی پر اگر لوگوں کو سہکاری تنگ سے بسایا جائے تو لگ بھگ بیس لاکھ پروواروں کو آسانی سے کام دیا جاسکتا ہے اور اچھی طرح کھانا، کرا، اور رھنے کو گھر دیا جاسکتا ہے۔ کروڑوں لوگوں کو اس طرح بیکاری اور اردھ بیکاری کے چنگل سے چڑایا جاسکتا ہے۔ یہ تعداد بحث کرنے کی نہیں ہے، بلکہ سمجھداری اور سائنسی تنگ سے زمین کا بٹوارہ کرنے کی ہے۔

آचार्य وینووا باوے کو کہا جاتا ہے۔ کہ ان کے بھومی یکتہ میں کئی لاکھ ایکڑ بھوم دان مل چکی ہے۔ اس طرح ان کی مدد سے ان جیسے سچے لوگوں کا کامیاب بچاوا جا سکتا ہے اور غریبوں کا دکھ جلدی دور کیا جاسکتا ہے۔ نہیں تو آجکل کے ہسبابت سے ان کا کام کئی سہی میں جاکر پورا ہوگا۔ اس طرح کے بٹوارے میں ہمیں یہ بھی دیکھ لینا ہوگا کہ جس کسی کو زمین دی جاوے وہ اُسے اچھی طرح جوت ہو ہی سکتا ہے یا نہیں۔

سرکار کی پہلی پانچ برس کی योजना میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمیں سہکاری کھیتی کو بڑھانا اور مدد دینا چاہئے۔ یہ بات ان جوتوں کے لئے ہی تھیک بیٹھتی ہے اور چل سکتی ہے جو نئی بھومی تیز کر یا بھومی کے لئے بٹوارے میں بنائے گئے ہوں۔ جن لوگوں کو نئے کھیت ملنے وہ ادھم غریب ہی ہونگے۔ پونجی کی ان کے پاس کمی رہےگی۔ سہکاری کھیتی میں، یعنی ملکر کھیتی کرنے میں، انہیں صاف لاکھ دہائی دے گا۔ جن جن دیشوں میں سہکاری کھیتی پھیل ہوئی ہے وہاں کا تجربہ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ بھومی کے لئے بٹوارے سے جن لوگوں کو کھیت ملے ہیں وہی سہکاری کھیتی میں اگوا ہوتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی پر دوسرے لوگ شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح پورے گلوں کے آرتھک اور ساماجک جیون میں ایک نئی لہر دوڑنے لگتی ہے اور سارے گلوں میں ایک نئی جان آجاتی ہے اس سے جتناکے جیون میں اسکول

کتنی بھومی مل سکیگی۔ اس کا ٹیک ٹیک جواب 'بھومی بٹوارہ کمیशन' ہی دے سکےگا۔ پر جو آکاڈے ہم مل سکاتے ہیں وہی ان سے موثر طور پر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اتر پردیش زمینداری انمولوں اور بھومی سندھار قانون نے یہ روک لگا دی ہے کہ آگے کے لئے کوئی آدمی تیس ایکڑ سے زیادہ کھیتی کی زمین نہیں خرید سکتا۔ اب اگر تیس ایکڑ سے اوپر کے کھیت اتر پردیش میں بٹوارے کے لئے مل جاویں تو ہمیں پنچاس لاکھ ایکڑ بھومی ملیگی۔ اس سے کئی لاکھ پروواروں کی بیکاری دور ہو سکیگی اور انہیں روزی مل سکیگی۔ الگ الگ پرائنٹوں کی الگ الگ حالت ہے۔ پھر یہی اسی طرح پر ہمیں بمبئی میں 64 لاکھ ایکڑ، مدیمہ پردیش میں 66 لاکھ ایکڑ اور مدراس میں 35 لاکھ ایکڑ بھومی بٹوارے کے لئے مل سکتی ہے۔ یہ کل دو سو پندرہ لاکھ ایکڑ بھومی ہوئی۔ اتنی بھومی پر اگر لوگوں کو سہکاری تنگ سے بسایا جائے تو لگ بھگ بیس لاکھ پروواروں کو آسانی سے کام دیا جاسکتا ہے اور اچھی طرح کھانا، کرا، اور رھنے کو گھر دیا جاسکتا ہے۔ کروڑوں لوگوں کو اس طرح بیکاری اور اردھ بیکاری کے چنگل سے چڑایا جاسکتا ہے۔ یہ تعداد بحث کرنے کی نہیں ہے، بلکہ سمجھداری اور سائنسی تنگ سے زمین کا بٹوارہ کرنے کی ہے۔

آچارہ وینووا باوے کو کہا جاتا ہے کہ ان کے بھومی یکتہ میں کئی لاکھ ایکڑ بھومی دان میں مل چکی ہے۔ اس طرح ان کی مدد سے ان جیسے سچے لوگوں کا کامیاب بچاوا جا سکتا ہے اور غریبوں کا دکھ جلدی دور کیا جاسکتا ہے۔ نہیں تو آجکل کے ہسبابت سے ان کا کام کئی سہی میں جاکر پورا ہوگا۔ اس طرح کے بٹوارے میں ہمیں یہ بھی دیکھ لینا ہوگا کہ جس کسی کو زمین دی جاوے وہ اُسے اچھی طرح جوت ہو ہی سکتا ہے یا نہیں۔

سرکار کی پہلی پانچ برس کی योजना میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمیں سہکاری کھیتی کو بڑھانا اور مدد دینا چاہئے۔ یہ بات ان جوتوں کے لئے ہی تھیک بیٹھتی ہے اور چل سکتی ہے جو نئی بھومی تیز کر یا بھومی کے لئے بٹوارے میں بنائے گئے ہوں۔ جن لوگوں کو نئے کھیت ملنے وہ ادھم غریب ہی ہونگے۔ پونجی کی ان کے پاس کمی رہےگی۔ سہکاری کھیتی میں، یعنی ملکر کھیتی کرنے میں، انہیں صاف لاکھ دہائی دے گا۔ جن جن دیشوں میں سہکاری کھیتی پھیل ہوئی ہے وہاں کا تجربہ ہمیں یہی بتاتا ہے کہ بھومی کے لئے بٹوارے سے جن لوگوں کو کھیت ملے ہیں وہی سہکاری کھیتی میں اگوا ہوتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی پر دوسرے لوگ شامل ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح پورے گلوں کے آرتھک اور ساماجک جیون میں ایک نئی لہر دوڑنے لگتی ہے اور سارے گلوں میں ایک نئی جان آجاتی ہے اس سے جتناکے جیون میں اسکول

بیکاری کا حل

لیجے ضروری ہے کہ ہر صوبے یا ہر प्रदेश میں ایک 'بھیم بٹوارا کمیशन' بنایا جائے جس کا کام یہ ہو کہ ہر جگہ کی کھیتی کی حالت دیکھ کر یہ طے کرے کہ الگ الگ ضلعوں اور تحصیلوں میں آرٹیکل جوت کیا مانی جائے؟ اُس آرٹیکل جوت سے نکلنے سے آئندہ بھومی کسی کے پاس نہ بچنے دی جائے۔ اِس طرح جتنی زمین ملے اُسے پر زمین کھیت مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔ یہی پھر ہی کچھ زمین بچے تو اُسے اُن کسانوں کو دی جائے جن کے پاس بھومی تو ہے پر آرٹیکل جوت سے کم ہے۔

اِس سبب سے میں ایک سوال یہ اُٹھ سکتا ہے کہ بڑی بڑی جوتوں کو توڑ کر छोटी کر دینے سے देश کی ناज کی पैداوار کم تو نہیں ہو جائیگی، खासकर जबकि अब भी हमारे देश में नाज की कमी है؟

اِس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ہمارے جیسے देश کی حالت میں آرٹیکل جوت، अगर एक खास मात्रा سے کم ہو تب بھی पैदावार کم ہوتی ہے और अगर एक खास मात्रा سے अधिक हो تب भी सारे देश की पैदावार कम होती है۔ हमारे देश के अर्थशास्त्र जानकारों ने छोटी छोटी जوتों के नुकसान को तो सोचा पर इस तरह की बड़ी बड़ी जوتों के नुकसान की तरफ ध्यान नहीं दिया۔ इस तरह की बड़ी बड़ी जوتों की न तो ठीक ठीक जुताई होती है، न ठीक ठीक बोआई۔ ऐसी जوتों का साका काम एक न एक तरह के बेगार के जरिये होता है۔ पुराने जमाने में जब बड़े बड़े जमींदारों और सामंतों का बोलबाला था हर आदमी का मान उतना ही अधिक होता था जितनी उसके पास भूमि होती थी۔ इसी असूल पर हमारे यहां के जमींदारों और ठाकुरों ने भी बड़ी बड़ी जوتों पर कबजा कर रखा था۔ पर इन बड़ी बड़ी जوتों का ठीक प्रबंध बहुत ही कम होता था۔ नतीजा यह कि एक तरफ तो भूमि बेकार पड़ी रहती थी और दूसरी तरफ काम करने वालों का समय बेकार जाता था۔ इस सम्बन्ध में यही हालत आजकल की बड़ी बड़ी जوتों की है۔ ठीक ठीक भूमि बंटवारे का मतलब यह है कि हम दोनो तरफ की इस बुराई को दूर करें۔ हमें विश्वास है कि इससे बेकारी भी घटेगी और देश में नाज की पैदावार भी बढ़ेगी۔

जाहیر ہے کہ بٹوارا کےवल उन بड़ी جوتों का होना चाहिये जिन का प्रबन्ध, जैसा हमने ऊपर बताया, ठीक नहीं है۔ जिन थोड़ी सी बड़ी जوتों पर अच्छी तरह से खेती की जा रही है, चाहे वह खेती आजकल के नये साइन्सी ढंग से होती हो और चाहे उसने हिन्दुस्तानी ढंग से, ऐसी बड़ी जوتों का बंटवारा हमें नहीं करना है۔

अब सवाल यह रहता है कि इस तरह बंटवारे के लिए

بیکاری کا حل

اِس سبب سے میں ایک سوال یہ اُٹھ سکتا ہے کہ بڑی بڑی جوتوں کو توڑ کر छोटी کر دینے سے देश کی नाज की पैदावार کم تو نہیں ہو جائیگی، खासकर जबकि अब भी हमारे देश में नाज की कमी है؟

اِس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ہمارے جیسے देश کی حالت میں آرٹیکل جوت، अगर एक खास मात्रा سے کم ہو تب بھی पैदावार کم ہوتی ہے और अगर एक खास मात्रा سے अधिक हो تب भी सारे देश की पैदावार कम होती है۔ हमारे देश के अर्थशास्त्र जानकारों ने छोटी छोटी जوتों के नुकसान को तो सोचा पर इस तरह की बड़ी बड़ी जوتों के नुकसान की तरफ ध्यान नहीं दिया۔ इस तरह की बड़ी बड़ी जوتों की न तो ठीक ठीक जुताई होती है، न ठीक ठीक बोआई۔ ऐसी जوتों का साका काम एक न एक तरह के बेगार के जरिये होता है۔ पुराने जमाने में जब बड़े बड़े जमींदारों और सामंतों का बोलबाला था हर आदमी का मान उतना ही अधिक होता था जितनी उसके पास भूमि होती थी۔ इसी असूल पर हमारे यहां के जमींदारों और ठाकुरों ने भी बड़ी बड़ी जوتों पर कबजा कर रखा था۔ पर इन बड़ी बड़ी जوتों का ठीक प्रबंध बहुत ही कम होता था۔ नतीजा यह कि एक तरफ तो भूमि बेकार पड़ी रहती थी और दूसरी तरफ काम करने वालों का समय बेकार जाता था۔ इस सम्बन्ध में यही हालत आजकल की बड़ी बड़ी जوتों की है۔ ठीक ठीक भूमि बंटवारे का मतलब यह है कि हम दोनो तरफ की इस बुराई को दूर करें۔ हमें विश्वास है कि इससे बेकारी भी घटेगी और देश में नाज की पैदावार भी बढ़ेगी۔

اِس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ہمارے جیسے देश کی حالت میں آرٹیکل جوت، अगर एक खास मात्रा سے کم ہو تب بھی पैदाوار کم ہوتی ہے اور اگر ایک خاص मात्रا سے آئندہ بھومی کسی کے پاس نہ بچنے دی جائے۔ اِس طرح جتنی زمین ملے اُسے پر زمین کھیت مزدوروں میں بانٹ دی جائے۔ یہی پھر ہی کچھ زمین بچے تو اُسے اُن کسانوں کو دی جائے جن کے پاس بھومی تو ہے پر آرٹیکل جوت سے کم ہے۔

ظاہر ہے کہ بتوارہ کیوں اُن بڑی بڑی جوتوں کا ہونا چاہئے جن کا پرہیز جیسا ہم نے اوپر بتایا، ٹھیک نہیں ہے۔ جن نپوڑی سی بڑی جوتوں پر اچھی طرح سے کھیتی کی جا رہی ہے، چاہے وہ کھیتی آجکل کے نئے سائنسی ڈھنگ سے غرنی ہو اور چاہے پرانے غنڈستانی ڈھنگ سے، ایسی بڑی جوتوں کا بتوارہ ہمیں نہیں کرنا ہے۔

فب سوال یہ رہتا ہے کہ اِس طرح بتوارے کے لئے

پنچ برس کی योजना کو تیسرے سال میں ہی سوارنا اور بدلتا پڑا اور اس سے آگے کے پانچ سال کی جو دوسری ہوگی اس کا روپ ابی سے چمکنے لگا ہے۔ بیکاری نام کے اس مہاروگ سے چمکنے والے کے لئے ہمیں کئی اور قدم بڑھانے ہونگے۔ سرکاری یوجنا میں بھی اس کی کچھ چرچا کی گئی ہے۔ پر اب آئینہ اس بات کی ہے کہ کم سے کم سیم میں م اینہ آرٹیک ڈھانچے کو اس طرح بدلیں کہ بیکاری بی بالکل دور ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ دیش کے ہر آدمی کی مالی حالت اور کلچری جیون دونوں اونچے اٹھ سکیں اور ہمارا دیش اور ہمارا راج سب کے لئے بھائی اور کلیان کا راج ہو۔

سرکاری یوجنا میں بیومی کے نئے سیرے سے بٹوارے کی چرچا بی کی گئی ہے اور یہ اصول بی مان لیا گیا ہے کہ کسی بی ایک کھیتی پیشہ آدمی کے پاس ایک خاص ماترا یا مقدار سے ادھک بیومی نہیں ہونی چاہئے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ ادھک سے ادھک بیومی ایک آدمی کے پاس کتنی ہو؟ سرکاری یوجنا سستی کی رائے ہے کہ یہ ادھک سے ادھک بیومی آرٹیک جوت کا ٹکنا ہونی چاہئے۔ اس سے ادھک بیومی کسی کے پاس نہیں رہنی دینی چاہئے۔ آرٹیک جوت کا مطلب اتنی زمین ہے جتنی میں ایک آدمی کا گذارا اچھی طرح چل سکے۔ سرکاری یوجنا سستی کی رائے میں چار ایکڑ زمین میں ایک آدمی کا گذارا اچھی طرح چل سکتا ہے۔ اس طرح ایک پردیوار میں اگر ہم چار آدمی گن لیں تو ایک کھیت پر دیوار کے لئے پندرہ یا سولہ ایکڑ زمین آرٹیک جوت کہی جاسکتی ہے۔ پر اس بارے میں کوئی کڑا نم نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ دیش کے الگ الگ پرانتوں میں ہی نہیں، ایک ایک پرانت کے الگ الگ حصوں میں بی الگ الگ طرح کی بیومی ہے جس کے کون آرٹیک جوت بھی سب جگہ، الگ الگ ہوگی۔ آج سے پانچ سال پہلے کانگریس کھیتی سیدھا سستی کے سامنے گراہی دیتے ہوئے ہم نے کہا تھا کہ مرٹھ طر پر آئریو دیش میں پندرہ ایکڑ زمین آرٹیک جوت ہے۔ ہم نے یہ بی کہا تھا کہ کھیتی کے کم میں آرٹیک جوت ہمیں اسی طرح ملے کرنی چاہئے جس طرح آئیو دیش میں ہیں یا بڑے بڑے کل گڑخانوں میں ہم ایک مؤدر کی دن بھر کی کم سے کم مؤدری ملے کرتے ہیں۔ دونوں میں نگاہ ٹیک ٹیک اچت سے ادھک بیومی ہے ان سے بیومی لیکر دوسرے کھیتروں میں بانٹنا بہت تھکن کم نہیں ہونا چاہئے۔

ہمارے دیش میں ان سب سواروں کے لئے ٹیک ٹیک آنکڑوں کی بی بہت ہی کمی ہے۔ بیکاری دور کرنے کے لئے سب سے پہلے بیومی کا ٹیک ٹیک بٹوارہ ضروری ہے۔ اس بٹوارے کے

پنچ برس کی योजना کو تیسرے سال میں ہی سوارنا اور بدلتا پڑا اور اس سے آگے کے پانچ سال کی جو دوسری ہوگی اس کا روپ ابی سے چمکنے لگا ہے۔ بیکاری نام کے اس مہاروگ سے چمکنے والے کے لئے ہمیں کئی اور قدم بڑھانے ہونگے۔ سرکاری یوجنا میں بھی اس کی کچھ چرچا کی گئی ہے۔ پر اب آئینہ اس بات کی ہے کہ کم سے کم سیم میں م اینہ آرٹیک ڈھانچے کو اس طرح بدلیں کہ بیکاری بی بالکل دور ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ دیش کے ہر آدمی کی مالی حالت اور کلچری جیون دونوں اونچے اٹھ سکیں اور ہمارا دیش اور ہمارا راج سب کے لئے بھائی اور کلیان کا راج ہو۔

سرکاری یوجنا میں بیومی کے نئے سیرے سے بٹوارے کی چرچا بی کی گئی ہے اور یہ اصول بی مان لیا گیا ہے کہ کسی بی ایک کھیتی پیشہ آدمی کے پاس ایک خاص ماترا یا مقدار سے ادھک بیومی نہیں ہونی چاہئے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ ادھک سے ادھک بیومی ایک آدمی کے پاس کتنی ہو؟ سرکاری یوجنا سستی کی رائے ہے کہ یہ ادھک سے ادھک بیومی آرٹیک جوت کا ٹکنا ہونی چاہئے۔ اس سے ادھک بیومی کسی کے پاس نہیں رہنی دینی چاہئے۔ آرٹیک جوت کا مطلب اتنی زمین ہے جتنی میں ایک آدمی کا گذارا اچھی طرح چل سکے۔ سرکاری یوجنا سستی کی رائے میں چار ایکڑ زمین میں ایک آدمی کا گذارا اچھی طرح چل سکتا ہے۔ اس طرح ایک پردیوار میں اگر ہم چار آدمی گن لیں تو ایک کھیت پر دیوار کے لئے پندرہ یا سولہ ایکڑ زمین آرٹیک جوت کہی جاسکتی ہے۔ پر اس بارے میں کوئی کڑا نم نہیں بنایا جاسکتا۔ کیونکہ دیش کے الگ الگ پرانتوں میں ہی نہیں، ایک ایک پرانت کے الگ الگ حصوں میں بی الگ الگ طرح کی بیومی ہے جس کے کون آرٹیک جوت بھی سب جگہ، الگ الگ ہوگی۔ آج سے پانچ سال پہلے کانگریس کھیتی سیدھا سستی کے سامنے گراہی دیتے ہوئے ہم نے کہا تھا کہ مرٹھ طر پر آئریو دیش میں پندرہ ایکڑ زمین آرٹیک جوت ہے۔ ہم نے یہ بی کہا تھا کہ کھیتی کے کم میں آرٹیک جوت ہمیں اسی طرح ملے کرنی چاہئے جس طرح آئیو دیش میں ہیں یا بڑے بڑے کل گڑخانوں میں ہم ایک مؤدر کی دن بھر کی کم سے کم مؤدری ملے کرتے ہیں۔ دونوں میں نگاہ ٹیک ٹیک اچت سے ادھک بیومی ہے ان سے بیومی لیکر دوسرے کھیتروں میں بانٹنا بہت تھکن کم نہیں ہونا چاہئے۔

बंटे लगभग चार खरब पांच अरब हो जाते हैं। उनका अनुमान है कि सन 1941 में इन चार खरब पांच अरब बंटों में से लगभग आधा समय बेकार गया। यह अनुमान बिलकुल ठीक हो, या न हो पर इस बात में तो कोई संदेह नहीं हो सकता कि इस तरह की छिपी अर्थ बेकारी हमारे देश में बहुत बढ़ी हुई है। इसका केवल यही एक इलाज है कि कुछ लोगों को खेती से हटा कर दूसरे धंधों में लगाया जाय। या खेती के लिये नई भूमि तोड़ी जाय और उस नई भूमि पर या इस तरह की नयी भूमियों पर इनमें से बहुत से लोगों को ले जाकर लगाया और बसाया जाय। अब इसमें यह देखना है कि भूमि के फिर से बंटवारे के जरिये हम सवाल को कहाँ तक और किस तरह हल किया जा सकता है।

भूमि के उचित और ठीक ठीक बंटवारे का असर हमारे शहरों की बेकारी पर भी पड़ेगा। हमारे देश में छोटे छोटे किसान आजकल अपने खेत, घर और गांव छोड़ कर शहरों में नौकरी की खोज में आते रहते हैं। इसका कारन यह नहीं है कि शहर उन्हें अच्छे लगते हैं और वह शहरों के प्रेम से शहरों की तरफ खिंच आते हैं। कारन केवल यह है कि उनके घर और गांव की रोजगारी हालत और खाने पीने, पैसे की तंगी उन्हें घर छोड़ने पर मजबूर कर देती है। हिन्दुस्तान का किसान जन्म और स्मभाव से ही खुली हवा और वहां के प्राकृतिक जीवन का प्रेमी होता है। पर लगान का बोझ, महाजन का कर्जा और तकाजा, घर की गिरती हुई हालत, सब मिलकर उसे मजबूर कर देते हैं कि वह गांव छोड़ कर कहीं और रोज़ी ढूँढ़े। इसलिये यदि भूमि के ठीक ठीक बंटवारे से ऐसी हालत पैदा हो सके जिससे आजकल की एक एक जात या एक एक खेत पर जितने आदमियों का बोझ है वह कम हो जाये और आम किसानों के लिए गांव का रोजगारी और समाजी जीवन इतना अच्छा हो जाये कि वह गांव में ही रह सकें तो गांव के लोगों का शहरों में नौकरी के लिये आना वंद हो जावे या कम से कम बहुत ही कम हो जावे। इस तरह जो लोग गांव से भाग कर शहरों के कारखानों में, मिलों में, घरों की नौकरी में, होटलों में, दफ्तरों में, स्टेशनों पर, रिक्षा चालाने में और तरह तरह के कामों में भरे हुए हैं उनकी तादाद बहुत कम हो जायगी।

सरकारी पंच बरसी योजना में भी यह सुझाव रखा गया है कि जो जमीनें परती पड़ी हुई हैं उन्हें तोड़ कर नये खेत बनाये जायें तो सन 1955-56 तक लगभग 7 लाख एकड़ नई जमीन खेती के लिये मिल सकती है, इसमें से अगर हर खेतिहर को 10 एकड़ भूमि दी जाय तो साढ़े सात लाख खेतिहर परिवारों को बेकारी के चंगुल से छुड़ाया जा सकता है, यहाँ-तक तो बात ठीक है, पर अब इतने ही से काम नहीं चल सकता, देश में बेकारी इतनी तेजी से बढ़ रही है कि सरकारी

گھنٹہ بگ بگ چار کھرب پانچ ارب ہوجاتے ہیں۔ اُن کا انہمان ہے کہ سن 1941 میں اُن چار کھرب پانچ ارب گھنٹوں میں سے لگ بھگ آدھا سہہ بیکار گیا۔ یہ انہومان بالکل ٹھیک ہو یا نہ ہو درِ اس بات میں تو کوئی سندہیں نہیں ہو سکتا کہ اس طرح کی چھٹی امداد بیکاری بھاری دُش میں بہت بڑی ہوتی ہے۔ اُس کا ٹکڑا یہی ایک علاج ہے کہ کچھ لوگوں کو بھیتی سے غنا کر دوسرے دغندھوں میں اٹایا جائے۔ یا بھیتی کے ٹٹے بیوی توڑی جائے اور اُس نئی بیوی پر یا اس طرح کی نئی بیویوں پر اُن میں سے بہت سے لوگوں کو لے جا کر اٹکایا اور بسایا جائے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بیوی کے رہے سے بھوارے کے ذریعے اس سوال کو کہاں تک اور کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔

بیومی کے اُچت اور ٹیک ٹیک بٹوارے کا اثر ہمارے شہروں کی بیکاری پر بھی پڑے گا۔ ہمارے دیش میں چھوٹے چھوٹے کسان آج کل اپنے کیمت گہر اور گُلن چھوڑ کر شہروں میں نوکری کی بوجھ میں آنے رہتے ہن۔ اس کا کارن یہ نہیں ہے کہ شہر انہیں اچھے اگتے نہیں اور وہ شہروں کے پرہم سے شہروں کی طرف کھینچ آتے ہن۔ کارن کیوں یہ ہے کہ ان کے گہر اور گُلن کی روزگاری حالت اور کھانے پینے، پرہے کی تنگی انہیں گہر چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ غنیمت ان کا کسان جنم اور سوہوار ہے ہی کالی قوا اور وہاں کے ہڈرنگ جیون کا پرہی عونا ہے۔ ہڈر گُلن کا رولہ: مہاجن کا دُعا اور ترافہ: گہر کی گرنی عونی حالت: سب کم کر آئے مجبور کر دتے ہن کہ وہ گُلن چھوڑ کر کہیں اور روزی ڈنڈنڈے۔ اس اٹے دی بیومی کے ٹیک ٹیک بٹوارے سے ایسی حالت پیدا عو سکے جس سے آجکل کی ایک ایک جرت یا ایک ایک کیمت ہڈر جاتے آدمہن کا بوجھ ہے وہ کم عوناٹے اور عام کسانوں کے اٹے گُلن کا روزگاری اور ساجی جیون اٹنا اچا عرجالے کہ وہ گُلن میں عی رہ سہن تو گُلن کے ارہوں کا شہروں میں نوکری کے اٹے آنا بند عرجارے یا کم سے کم بہت ہی کم عوجارے۔ اس طرح جو لوگ گُلن سے بیاک کر شہروں کے کُرخانو میں، ملوں میں، گہروں کی نوکری میں، عراٹوں میں، دندوں میں، اسٹیشنوں پر، رکشا چلاتے میں اور طرح طرح کے کاموں میں پورے رہتے ہن ان کی زندان بہت ہی کم عرجالے گی۔

سرکاری پینچ برس بوجھنا میں بی بی سجادہ رکھا گیا ہے کہ جو زمینیں پر پی پڑی غوثی میں انیس تو کر نئے کھیت بنائے جائیں تو سن 56-19 تک ایک ایک 75 لاکھ ایکڑ نئی زمین کھیتی کے لئے مل سکتی ہے۔ اس میں سے اگر ہر کھیت پر کو 10 ایکڑ بیہمی دی جائے تو ساڑھے سات لاکھ کھیت پر بیہمی کو بلائی کے چمکلے سے چھڑایا جاسکتا ہے۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ پر اب اس سے ہم کل نہیں چل سکتا۔ دیش میں ہر ایکڑ ایکڑی سے بڑے رہی ہے کہ سرکاری

होता. फसल बोनो और काटने के समय अधिक काम होता है. पर साल में कुछ महीने ऐसे होते हैं जब किसान अधिकतर बेकार रहता है. इस तरह की मांसभी बेकारी का इलाज एक तो यह है कि उन दिनों सिंचाई यंत्रों का अच्छा प्रबन्ध किया जावे और दूसरे यह कि किसानों के अन्दर उनके घरों में और गांव में छोटे छोटे घरों उद्योग धन्दों को बढ़ाया जावे, जिन से वह बेकार भी न रहें और उनकी आमदनी भी बढ़े.

तीसरी—तीसरी तरह की बेकारी कभी कभी आप दिन की जरूरत की चीजों की मांग एकदम कम हो जाने से पैदा हो जाती है. पूंजीवादी व्यवस्था में यानी सरमायादारी के निष्पत्ति में इस तरह की बेकारी हर आठ दस बरस के बाद एक बार आती ही है. कुछ न कुछ दिनों के बाद या तो लोगों के पास चीजें ज्यादा हो जाती हैं या उनकी खरीदने की ताकत इतनी कम हो जाती है कि इच्छा होते हुए भी वह और चीजें नहीं खरीद सकते. बाजार में चीजें बढ़ जाती हैं और उन चीजों को पैदा करने वाले मजदूर कम से कम कुछ दिनों के लिये बेकार हो जाते हैं. कारखानों में मजदूरों की छुट्टी होने लगती है. कारखानों के मालिक कहने लगते हैं कि माल की पैदावार ज्यादा हो गई, उसे कम करने की जरूरत है. इस तरह की बेकारी भी आजकल हमारे देश में काफी है.

इस तरह की बेकारी लगभग हर देश में हर आठ दस बरस के बाद क्यों आती रहती है इस सवाल पर अर्थशास्त्र के बड़े बड़े विद्वानों की अलग अलग राय है. इस समय हम इन अलग अलग मतों की छान चीन में नहीं पड़ना चाहते. केवल इतना कह देना काफी है कि समय समय पर इस तरह की बेकारी पूंजीवाद यानी सरमायादारी में स्वाभाविक और लाजमी है.

चौथी—चौथी तरह की बेकारी को हम नीम बेकारी या अर्ध बेकारी या छिपी बेकारी भी कह सकते हैं. इसका मतलब यह है कि किसी किसी काम में जितने लोग लगे होते हैं उतनों की उस काम में असल में जरूरत नहीं होती. हम ऊपर कह चुके हैं कि भारतवर्ष अधिकतर गांव में वसा हुआ है. खेतों का धन्धा यहां का सबसे बड़ा धन्धा है. जानकार लोगों की राय है कि आज जितने लोग हमारे यहां खेती के काम में लगे हुए हैं उनमें से यदि कुछ खेती से हटा कर दूसरे कामों में लगा दिये जाय तो उससे देश की नाज की पैदावार हरगिज कम नहीं होगी. अर्थशास्त्र के एक विद्वान का कहना है कि यदि हमारे देश में खेती के काम में लगा हुआ हर मजदूर दिन में आठ घंटे भी काम करे तो साल में हर मजदूर क ढाई हजार घंटे हो जाते हैं. इस तरह खेती में लगे हुए कुल आदमियों के साल भर के

होना. फल बोनो और काटने के सप्ते अन्धक काम होता है. पर साल में कुछ महीने ऐसे होते हैं जब किसान अधिकतर बेकार रहता है. इस तरह की मांसभी बेकारी का इलाज एक तो यह है कि उन दिनों सिंचाई यंत्रों का अच्छा प्रबन्ध किया जावे और दूसरे यह कि किसानों के अन्दर उनके घरों में और गांव में छोटे छोटे घरों उद्योग धन्दों को बढ़ाया जावे, जिन से वह बेकार भी न रहें और उनकी आमदनी भी बढ़े.

तीसरी—तीसरी तरह की बेकारी कभी कभी आप दिन की जरूरत की चीजों की मांग एकदम कम हो जाने से पैदा हो जाती है. पूंजीवादी व्यवस्था में यानी सरमायादारी के निष्पत्ति में इस तरह की बेकारी हर आठ दस बरस के बाद एक बार आती ही है. कुछ न कुछ दिनों के बाद या तो लोगों के पास चीजें ज्यादा हो जाती हैं या उनकी खरीदने की ताकत इतनी कम हो जाती है कि इच्छा होते हुए भी वह और चीजें नहीं खरीद सकते. बाजार में चीजें बढ़ जाती हैं और उन चीजों को पैदा करने वाले मजदूर कम से कम कुछ दिनों के लिये बेकार हो जाते हैं. कारखानों में मजदूरों की छुट्टी होने लगती है. कारखानों के मालिक कहने लगते हैं कि माल की पैदावार ज्यादा हो गई, उसे कम करने की जरूरत है. इस तरह की बेकारी भी आजकल हमारे देश में काफी है.

इस तरह की बेकारी लगभग हर देश में हर आठ दस बरस के बाद क्यों आती रहती है इस सवाल पर अर्थशास्त्र के बड़े बड़े विद्वानों की अलग अलग राय है. इस समय हम इन अलग अलग मतों की छान चीन में नहीं पड़ना चाहते. केवल इतना कह देना काफी है कि समय समय पर इस तरह की बेकारी पूंजीवाद यानी सरमायादारी में स्वाभाविक और लाजमी है.

चौथी—चौथी तरह की बेकारी को हम नीम बेकारी या अर्ध बेकारी या छिपी बेकारी भी कह सकते हैं. इसका मतलब यह है कि किसी किसी काम में जितने लोग लगे होते हैं उतनों की उस काम में असल में जरूरत नहीं होती. हम ऊपर कह चुके हैं कि भारतवर्ष अधिकतर गांव में वसा हुआ है. खेतों का धन्धा यहां का सबसे बड़ा धन्धा है. जानकार लोगों की राय है कि आज जितने लोग हमारे यहां खेती के काम में लगे हुए हैं उनमें से यदि कुछ खेती से हटा कर दूसरे कामों में लगा दिये जाय तो उससे देश की नाज की पैदावार हरगिज कम नहीं होगी. अर्थशास्त्र के एक विद्वान का कहना है कि यदि हमारे देश में खेती के काम में लगा हुआ हर मजदूर दिन में आठ घंटे भी काम करे तो साल में हर मजदूर क ढाई हजार घंटे हो जाते हैं. इस तरह खेती में लगे हुए कुल आदमियों के साल भर के

بیکاری کا حل

((ڈاکٹر وی. وی. سیٹھ، لکھنؤ))

آل انڈیا ریڈیو کے سৌजन्य سے ایک براڈکاسٹ کے आधार پر

ہمارے देश میں بیکاری کا سوال دن دن بڑھتا جا رہا ہے۔ آجکل اسکی बहुत चर्चा है. बेकारी शहरों और कसबों में ही नहीं, गांव में भी पैली हुई है. कहा जाता है कि भारतवर्ष गांव में बसा है. इसका मतलब यह है कि इस मुल्क का सब से बड़ा सवाल गांव का सवाल है. यानी नए भारत की फिर से तामीर गांव से ही शुरू होगी. इसलिये बेकारी का इलाज भी गांव ही से शुरू होना चाहिए. इलाज किसी रोग का होता है. बेकारी भी एक बहुत बड़ा और भयानक सामाजिक रोग है. जिस तरह और रोग कई तरह के होते हैं, जैसे बुखार कई तरह का होता है, उसी तरह बेकारी भी कई तरह की होती है. इन में चार खास तरह की बेकारियां यह हैं :—

पहली—वह बेकारी जो बड़ी मशीनों के चालू हो जाने से पैदा हो जाती है. जब मशीनों का इस्तेमाल बढ़ता है तो उसकी वजह से कुछ लोग बेकार हो जाते हैं. ज्यों ज्यों मशीनें ज़ियादा बढ़िया आती जाती हैं त्यों त्यों बेकारी और बढ़ती जाती है. आजकल भी हिन्दुस्तान के कल कारखानों में यही बात हो रही है. पहले जिस पुतली घर में एक मजदूर दो मशीनें चला सकता था उस में अब वही एक मजदूर पहले से अच्छी मशीनें लग जाने के कारन चार चला सकता है. इस तरह बाक़ी मजदूर बेकार हो जाते हैं. इस तरह की बेकारी का असर सब उद्योग धंदों और त़िजारात में लगे हुए मजदूरों और धीरे धीरे दफ़्तर में काम करने वाले लोगों सब पर पड़ता है. एक समय ऐसा आता है जब इस तरह की बेकारी का असर एक देश के ज़रिये सब देशों पर और सब देशों के रोज़गारी ढांचों पर पड़ता है.

मशीनों से पैदा होने वाली इस बेकारी का असर गांव पर भी पड़ता है. हमारे गांव में जो बेकारी बढ़ती जा रही है उसकी भी एक वजह यह है. मिसाल के लिये पहले गांव में सौ आदमी अपनी बैलगाड़ियां ले कर शहर आते थे और उससे अपनी रोज़ी कमाते थे. पर अब एक ट्रक ने सौ बैलगाड़ी वालों को बेकार कर दिया.

दूसरी—दूसरी तरह की बेकारी मोसमी बेकारी है. खेतिहर देशों में किसानों के लिये पूरे साल भर का काम नहीं

بیکاری کا حل

(ڈاکٹر وی. وی. سیٹھ، لکھنؤ)

آل انڈیا ریڈیو کے سبجینہ سے
ایک براڈکاسٹ کے आधार پر

ہمارے دیش میں بیکاری کا سوال دن دن بڑھتا جا رہا ہے . آجکل اس کی بہت چرچا ہے . بیکاری شہروں اور قصبوں میں ہی نہیں ، گاؤں میں بھی پہلی ہوئی ہے . کہا جاتا ہے کہ ہمارے دیش گاؤں میں بسا ہے . اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ملک کا سب سے بڑا سوال گاؤں کا سوال ہے . یعنی نئے بہارت کی پیر سے تعمیر گاؤں سے ہی شروع ہوگی . اس لئے بیکاری کا علاج بھی گاؤں سے ہی شروع ہونا چاہئے . علاج کسی روگ کا ہوتا ہے . بیکاری بھی ایک بہت بڑا اور یہ ایک سماجک روگ ہے . جس طرح اور روگ کئی طرح کے ہوتے ہیں ، جیسے بخار کئی طرح کا ہوتا ہے . اسی طرح بیکاری بھی کئی طرح کی ہوتی ہے . ان میں چار خاص طرح کی بیکاریاں یہ ہیں :—

پہلی—وہ بیکاری جو بڑی بڑی مشینوں کے چالو ہوجانے سے پیدا ہو جاتی ہے . جب مشینوں کا استعمال بڑھتا ہے تو اُس کی وجہ سے کچھ لوگ بیکار ہو جاتے ہیں . جیسے جیسے مشینیں زیادہ بڑھتی آتی جاتی ہیں انہیں بیکاری اور بڑھتی جاتی ہے . آجکل ہی هندوستان کے کل کارخانوں میں بھی بات ہو رہی ہے . پہلے جس پہلی گھر میں ایک مزدور دو مشینیں چلا سکتا تھا اُس میں اب وہی ایک مزدور پہلے سے اچھی مشینیں لگ جانے کے کارن چار چلا سکتا ہے . اس طرح باقی مزدور بیکار ہو جاتے ہیں . اس طرح کی بیکاری کا اثر سب آدمیوں دفتروں اور تاجرات میں لگے ہوئے مزدوروں اور دھیرے دھیرے دفتر میں کام کرنے والے لوگوں سب پر پڑتا ہے . ایک سے ایسا آتا ہے جب اس طرح کی بیکاری کا اثر ایک دیش کے ذریعہ سب دیشوں پر اور سب دیشوں کے روزگاری ڈھانچوں پر پڑتا ہے .

مشینوں سے پیدا ہونے والی اس بیکاری کا اثر گاؤں پر بھی پڑتا ہے . ہمارے گاؤں میں جو بیکاری بڑھتی جا رہی ہے اُس کی ہی ایک وجہ یہ ہے . مثال کے لئے پہلے گاؤں میں سو آدمی اپنی ہل چلایا کرتے تھے اور آج کل اُس سے اپنی روزی کما لیتے تھے . اب ایک ٹرک نے سو ہل چلائی والوں کو بیکار کر دیا .

دوسری—دوسری طرح کی بیکاری موسمی بیکاری ہے . کھیتہر دیشوں میں کسانوں کے لئے پورے سال ہر کام نہیں

کی ضرورت نہیں، اُس کی جات میں وشواس کافی ہے۔ اِسے درشن سے سبھا میں ایک آدمی چمک سکتا ہے، بہت سے نہیں۔ ارشاد یہ درشن سائنس وادی ہے اور ویدوں کے جن وادی درشن کے آلتا ہے۔

جو نئی جن وادی سہیٹنا اور کلچر آئے گا، وہ ویدوں کے زمانے کی سہیٹنا کی طرح جن وادی ہوگا، لیکن وہ زیادہ خوشحال اور سمون ہوگا کیونکہ اب آدمی کے پاس پیداوار کے سادھن بہت بڑھ گئے ہیں۔ سائنس نے قدرت کے بارے میں بہت سا گیان حاصل کر لیا ہے۔ سائنس کی ایجادوں کو جتنا ادھک جتنا کے ہت کے لئے عمل میں لایا جائے گا، اتنا ہی کل وہ آگے بڑھے گی اتنا ہی لوگوں کو پڑھنے لکھنے، سوچنے، شریہ کو سوسٹہ اور سندھ بنانے کا موقع ملے گا، اور اتنا ہی سبھا میں زیادہ لوگ چمکیں گے۔

ہرزوا سہیٹنا اِس دشا میں ایک حد تک آگے بڑھتی ہے، ڈارون کے وکس واد، ڈکورت کے ہونک واد اور غیکل کے دونڈ آئسک واد کو تو مان لیتی ہے، لیکن اُس کے لئے اِس سے آگے بڑھنا مارکس کے دونڈ آئسک ہونک واد اور اِنہاسک وکس کو ماننا کٹھن ہو جاتا ہے کیونکہ ایسا ماننے سے ہرزوا کلچر کے لیے استتو پر چرت پڑتی ہے کیونکہ اُسے یہ ماننا پڑتا ہے کہ اب سنسار پونجی واد سے نکل کر اپنے قدرتی وکس کے راستے پر ضرور آگے بڑھیں گے اور پونجی وادی زمانے کی ہرزوا کلچر کو نئے جن وادی اور سامیہ وادی کلچر کو استھان دینا ہوگا۔

ہرزوا کلچر یا جینو وگیان شلستوی کے اِنہاؤ میں امریکوں جانیوں، دہرموں، بھاشاؤں اور سہتاؤں کے اوشیش ہی شیش نہیں رہے۔ ٹیپک اسی پروکار کلا کے چھینر میں یہی صحیح آوچنا اور مولیانکن کے اِنہاؤ میں اِنہاؤ ہی جینوں اور کرتیاں اتجانی پڑی رہ جاتی ہیں۔

—چلنہ

—چلنہ

آزادی کی لڑائی میں قومی کالچر بھی ایک بہت بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح قومی آوازوں کی داغ بوز اور منجیلے ورگ کے غائب میں قومی ہتھیار کالچر کا نتیجہ بنی اسی طرے کے غائب میں تھا۔ جس طرح انگریزوں نے کہا تھا کہ پورو کے پاس کچھ بھی اپنا گوہ کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے رشتہ آندولن کے نتیجہ میں ان کے جواب میں کہنا شروع کیا کہ ہمیں پچھیم سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ہے، ہمارا اہمیت (ماضی) بہت ہی شاندار ہے۔ اسے سے ہمیں ہر طرح کی گمان اور شکش مل سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارا اہمیت (ماضی) شاندار ہے، لیکن راجا رام موہن رائے اور گوپال کرشن گوڈے اسی نتیجہ کی اس روایت اور ہمارا کو بیلا دیا کہ ہمیں اپنا اندھ و شولس اور رومی وان چورو کو پچھیم سے نئے وچار سیکھنے چاہئیں۔ کہ جس طرح دیے ہندوستانی کالچر یونان، ایران سے نئے وچار لیکر سوسہ اور سندر بنا یا اسی طرح اب پچھیم سے سائنٹیفک وچار لیکر فی آگے بڑھ سکتا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان میں بیسویں صدی کے شروع تک، جیسا کہ لینن نے سن 1908 میں لکھا تھا، ہندوستان میں گڑخانہ داری ہونے سے مزدوروں کی تعداد اور چیتنا اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے رشتہ آندولن کو ورگ سنگرش کے روپ میں آگے بڑھا سکتے تھے اور ان کے نتیجہ میں مزدور اور محنت کش چیتنا کا جن وادی کالچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ لیکن ہمارے رشتہ آندولن کے منجیلے اور بوزور ورگ کے نتیجہ میں مزدور ورگ اور جن وادی کالچر کو نظر انداز کیا اور ایک اے درشن اور کالچر کو پروتساہن دیا جس کا متعدد یہ سکیانا تھا کہ ہر لوک پیچھے بکوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ ایک نیتنا یا داسی آجی ہماری قوم کی قسمت کو ہار سکتے ہیں۔ ایسے درشن سے ظاہر ہے کہ جن وادی نہیں، جن وادی کالچر جنم لیتا ہے۔ کسی اور کی بات جانے دیجئے۔ گاندھی میں ہندوستان کے سب سے بڑے نیتنا رہے ہیں۔ وہ مارکس وادی اور ترقی پسند کہلاتے رہے ہیں۔ وہ اپنی پسند و شو اور اس کی جھانکیاں میں لپکتے ہیں۔ ”ساندارن مرد اور نورین عام طور پر سانس نہارنا کے نہیں ہوتے۔۔۔ بڑے نیتنا میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں، جن سے وہ ساری جاتی میں جان پیدا کر دتے ہیں اور اُس سے بڑے کام کرنا لیتے ہیں۔“ (صنعت چہ)

یہ اہمیت اور ان کا درشن ہے۔ جس کا مطلب چیتنا کو ایک نیتنا کی پوجا کرنا اور اُس میں اندھی شردھا رکھنا سکیانا ہے۔ اُس کے گلوں اور آندولن کو دیکھنے اور پرکھنے

آزادی کی لڑائی میں قومی کالچر بھی ایک بہت بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح قومی آوازوں کی داغ بوز اور منجیلے ورگ کے غائب میں قومی ہتھیار کالچر کا نتیجہ بنی اسی طرے کے غائب میں تھا۔ جس طرح انگریزوں نے کہا تھا کہ پورو کے پاس کچھ بھی اپنا گوہ کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارے رشتہ آندولن کے نتیجہ میں ان کے جواب میں کہنا شروع کیا کہ ہمیں پچھیم سے کچھ بھی نہیں سیکھنا ہے، ہمارا اہمیت (ماضی) بہت ہی شاندار ہے۔ اسے سے ہمیں ہر طرح کی گمان اور شکش مل سکتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارا اہمیت (ماضی) شاندار ہے، لیکن راجا رام موہن رائے اور گوپال کرشن گوڈے اسی نتیجہ کی اس روایت اور ہمارا کو بیلا دیا کہ ہمیں اپنا اندھ و شولس اور رومی وان چورو کو پچھیم سے نئے وچار سیکھنے چاہئیں۔ کہ جس طرح دیے ہندوستانی کالچر یونان، ایران سے نئے وچار لیکر سوسہ اور سندر بنا یا اسی طرح اب پچھیم سے سائنٹیفک وچار لیکر فی آگے بڑھ سکتا تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ہندوستان میں بیسویں صدی کے شروع تک، جیسا کہ لینن نے سن 1908 میں لکھا تھا، ہندوستان میں گڑخانہ داری ہونے سے مزدوروں کی تعداد اور چیتنا اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے رشتہ آندولن کو ورگ سنگرش کے روپ میں آگے بڑھا سکتے تھے اور ان کے نتیجہ میں مزدور اور محنت کش چیتنا کا جن وادی کالچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ لیکن ہمارے رشتہ آندولن کے منجیلے اور بوزور ورگ کے نتیجہ میں مزدور ورگ اور جن وادی کالچر کو نظر انداز کیا اور ایک اے درشن اور کالچر کو پروتساہن دیا جس کا متعدد یہ سکیانا تھا کہ ہر لوک پیچھے بکوں کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ کچھ ایک نیتنا یا داسی آجی ہماری قوم کی قسمت کو ہار سکتے ہیں۔ ایسے درشن سے ظاہر ہے کہ جن وادی نہیں، جن وادی کالچر جنم لیتا ہے۔ کسی اور کی بات جانے دیجئے۔ گاندھی میں ہندوستان کے سب سے بڑے نیتنا رہے ہیں۔ وہ مارکس وادی اور ترقی پسند کہلاتے رہے ہیں۔ وہ اپنی پسند و شو اور اس کی جھانکیاں میں لپکتے ہیں۔ ”ساندارن مرد اور نورین عام طور پر سانس نہارنا کے نہیں ہوتے۔۔۔ بڑے نیتنا میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں، جن سے وہ ساری جاتی میں جان پیدا کر دتے ہیں اور اُس سے بڑے کام کرنا لیتے ہیں۔“ (صنعت چہ)

یہ اہمیت اور ان کا درشن ہے۔ جس کا مطلب چیتنا کو ایک نیتنا کی پوجا کرنا اور اُس میں اندھی شردھا رکھنا سکیانا ہے۔ اُس کے گلوں اور آندولن کو دیکھنے اور پرکھنے

مکمل سدھندوستان کو ترک کر دینا نہیں بلکہ اس کا شوش کرنا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ جس دیش کا آرٹیکل شوش ہو، اس دیش میں کلچر کے سرورٹ بھی سوئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سچ ہے کہ برٹش راج میں ہمارا دیش کلچر کے معاملے میں بہت پیچھے پڑ گیا اور سامراج نے اپنے ظلم کلچر کو ہمارے اوپر لا دیا۔ لیکن اس بارے میں اتنا ہی کہنا کافی نہیں ہوگا۔ انگریز اپنے دیش میں منجلیے زمانے کی سامنتی سپہیتا سے آگے جا چکے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی وچار دھارا اور نئی سپہیتا لائے تھے جو کافی سائنٹفک تھی۔ ہندستان کی سامنت شاعی اور پرانی سپہیتا سے ان کی سدھی فکر تھی۔ اس لئے انہوں نے سامنت شاعی کے ساتھ ہندستانی سپہیتا کے پیچھے بن کر بھی درز کرنا شروع کیا۔ 'ہندستانی راشٹریتا' کے پتا راجا رام مہن رائے نے بھی اندھ وشواس اور روزنی واد کے خلاف آواز بلند کی، برہم سماج کی نیو ڈالی اور پیچم سے سائنٹفک وچار سپہیتا کی پرورنا دی۔

لیکن انگریزی حکمرانوں کا یہ جوش غدر سن 1897 کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندستان میں اپنی لوٹ کھسوٹ کی حکمت کو پکا کرنے کے لئے ہمارے جنتا کی لوٹ کیسٹ پر پانے والے روزوں سے نانا جزو، ریلستوں میں سامنتوں کو اپنا ظلم بنا کر قائم رکھنے دیا، مہنداری کو پکا کیا اور وکٹوریا کے ایسٹیم اور سپہیتا پرورے فرمان کے ذریعہ مذہبی آزادی کے نام پر، اندھ وشواس، روزنی واد اور تعصب کو مضبوط کرنے کی چھوٹ دی۔

اب برٹش سوکار کا پرانی سامنت شاعی سے نہیں، جنتا سے روئے شروع ہوا۔ اس نے 'وڈرہی' جنتا کو ہر طرح دینا اور کنچلنا شروع کیا۔ لیکن جنتا کو پرست کرنے اور نغنی طور پر ظلم بنانے کے لئے ہمارے دیش کے جن وادی کلچر کو کنچلنا اور دینا بھی ضروری تھا۔ اس لئے ہندستان کے آتھاس کو، جو تمام کلچر کا سرورٹ ہونا ہے غلط رنگ سے پیش کیا گیا۔ حالانکہ ہندستانی جنتا جتنی محتتم کرتی ہے، اتنی شاید کسی اور دیش کی جنتا کو کرنی پڑتی ہو، لیکن ہمیں بتایا گیا کہ ہندستان گرم دیش ہے، اس لئے اس کے واسی سست ہوتے ہیں، سدا ہارے اور ظلم رکھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ پورب کے پاس کچھ بھی گرو کرنے لائق نہیں ہے، اگر آئے ترقی کرنی ہے تو بھول جاتے کہ وہ پورب ہے، آئے سب کچھ پیچم سے سیکھنا ہوگا۔

انیسویں صدی کے آئف اور بیسویں صدی کے شروع میں جب قومی آزادی کا آندولن آگے بڑھا تو قومی کلچر کی طرف بھی لوگوں کا دھیان گیا، کیونکہ قومی

مقصد ہندستان کو ترقی دینا نہیں بلکہ اس کا شوش کرنا تھا۔

یہ ٹھیک ہے کہ جس دیش کا آرٹیکل شوش ہو، اس دیش میں کلچر کے سرورٹ بھی سوئے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ سچ ہے کہ برٹش راج میں ہمارا دیش کلچر کے معاملے میں بہت پیچھے پڑ گیا اور سامراج نے اپنے ظلم کلچر کو ہمارے اوپر لا دیا۔ لیکن اس بارے میں اتنا ہی کہنا کافی نہیں ہوگا۔ انگریز اپنے دیش میں منجلیے زمانے کی سامنتی سپہیتا سے آگے جا چکے تھے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نئی وچار دھارا اور نئی سپہیتا لائے تھے جو کافی سائنٹفک تھی۔ ہندستان کی سامنت شاعی اور پرانی سپہیتا سے ان کی سدھی فکر تھی۔ اس لئے انہوں نے سامنت شاعی کے ساتھ ہندستانی سپہیتا کے پیچھے بن کر بھی درز کرنا شروع کیا۔ 'ہندستانی راشٹریتا' کے پتا راجا رام مہن رائے نے بھی اندھ وشواس اور روزنی واد کے خلاف آواز بلند کی، برہم سماج کی نیو ڈالی اور پیچم سے سائنٹفک وچار سپہیتا کی پرورنا دی۔

لیکن انگریزی حکمرانوں کا یہ جوش غدر سن 1897 کے بعد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہندستان میں اپنی لوٹ کھسوٹ کی حکمت کو پکا کرنے کے لئے ہمارے جنتا کی لوٹ کیسٹ پر پانے والے روزوں سے نانا جزو، ریلستوں میں سامنتوں کو اپنا ظلم بنا کر قائم رکھنے دیا، مہنداری کو پکا کیا اور وکٹوریا کے ایسٹیم اور سپہیتا پرورے فرمان کے ذریعہ مذہبی آزادی کے نام پر، اندھ وشواس، روزنی واد اور تعصب کو مضبوط کرنے کی چھوٹ دی۔

اب برٹش سوکار کا پرانی سامنت شاعی سے نہیں، جنتا سے روئے شروع ہوا۔ اس نے 'وڈرہی' جنتا کو ہر طرح دینا اور کنچلنا شروع کیا۔ لیکن جنتا کو پرست کرنے اور نغنی طور پر ظلم بنانے کے لئے ہمارے دیش کے جن وادی کلچر کو کنچلنا اور دینا بھی ضروری تھا۔ اس لئے ہندستان کے آتھاس کو، جو تمام کلچر کا سرورٹ ہونا ہے غلط رنگ سے پیش کیا گیا۔ حالانکہ ہندستانی جنتا جتنی محتتم کرتی ہے، اتنی شاید کسی اور دیش کی جنتا کو کرنی پڑتی ہو، لیکن ہمیں بتایا گیا کہ ہندستان گرم دیش ہے، اس لئے اس کے واسی سست ہوتے ہیں، سدا ہارے اور ظلم رکھنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ پورب کے پاس کچھ بھی گرو کرنے لائق نہیں ہے، اگر آئے ترقی کرنی ہے تو بھول جاتے کہ وہ پورب ہے، آئے سب کچھ پیچم سے سیکھنا ہوگا۔

انیسویں صدی کے آئف اور بیسویں صدی کے شروع میں جب قومی آزادی کا آندولن آگے بڑھا تو قومی کلچر کی طرف بھی لوگوں کا دھیان گیا، کیونکہ قومی

آرام जनता पर भी बहुत अच्छा प्रभाव पड़ा और हिन्दू मुसलमानों को मजहबी बराबरी मिली. अकबर ने खुर्रेशियों और मुसीबतों में दिन काटे थे और अपनी आंखों से सल्तनतों के उलट फेर देखे थे. जिन्दगी के हस तर्जुमे से उसने समझ लिया था कि जब तक हिन्दू मुसलमान एक दूसरे को गौर समझ कर लड़ते रहेंगे, हिन्दुस्तान में कोई भी राज अधिक दिनों कायम नहीं रह सकता. चुनांचे उसने राजपूतों की तरफ दोस्ती का हाथ बढ़ाया और हिन्दू मुसलमानों में मेल कायम किया. इतना ही नहीं, हिन्दुस्तानी राजनीति की परम्परा को लेकर नया राजकाजी ढांचा बनाया जिसके बारे में जादूनाथ सरकार ने अपनी तारीख में लिखा है कि वह ईरानी राजकाजी ढांचे का हिन्दुस्तानी रूप था. देश की प्रम्परा के मुताबिक गांव की खुदमुखतारी और स्वावलम्बन बहाल की गई.

अमन कायम होने से काम धंधे और व्यापार बढ़ा. लोगों में खुशहाली आई. साहित्य और कला की उन्नति हुई. जब आपस का मेल जोल और प्रेम बढ़ता है और जब आदमी अंधविश्वास और तास्सुब को छोड़ कर स्वतंत्र रूप से सोचने लगता है और जब उसका अपनी निर्माण शक्ति में विश्वास बढ़ता है, तो कलचर और सभ्यता का विकास होता है. मंभले जमाने में हिन्दुस्तानी साहित्य, अद्बब और कला ने बेहद तरक्की की. ताजमहल मंभले जमाने के हमारे कलचर का शाहकार है.

सामंती ढांचे के अन्दर जितनी तरक्की हो सकती थी उतनी हिन्दुस्तान शाजहां के जमाने तक कर चुका था. अब इस ढांचे के अन्दर रह कर आगे बढ़ना मुमकिन नहीं था. इसलिये यह सामंती व्यवस्था औरंगजेब के जमाने में टूटनी शुरू हो गई. पंजाब, महाराष्ट्र और भरतपुर अदि में नई शक्तियां उभरने लगीं. दरअसल सामंतवाद ने जिन जातियों को दबाकर रखा था, वह अब उभर रही थीं. सामंती व्यवस्था की तरक्की में जो व्यापारी पूंजी लगी थी, वह विकास चाहती थी. इसलिये नई शक्तियों के पीछे व्यापारियों का हाथ था. जिसका मतलब है कि हिन्दुस्तान सामंती व्यवस्था से पूंजीवादी व्यवस्था की तरफ बढ़ रहा था.

जब कोई देश एक सामाजिक व्यवस्था से दूसरी सामाजिक व्यवस्था की तरफ जाने लगता है तो उसको वही कष्ट सहना पड़ता है, जो एक मां को बच्चा जनते समय सहना पड़ता है. हमारे देश की अठारहवीं सदी की खाना जंगी का कारन यह था कि पुराना समाज नये समाज को जन्म दे रहा था. उस समय विदेशी व्यापारियों ने दखलवाशी कर के हमारे देश के ऐतिहासिक विकास को रोक दिया और इस खानाजंगी से फायदा उठा कर अंग्रेजों ने एक ऐसा तैरमुल्की राज कायम कर लिया जिसका

عام جنتا پر بھی بہت اچھا پڑھا پڑا اور ہندو مسلمانوں کو مذہبی برابری ملی . اکبر نے خونریزیوں اور مصیبتوں میں دن گاتے تھے اور اپنی آنکھوں سے سلطنتوں کے اُٹ پھو دیکھے تھے . زندگی کے اس تجربے سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ جب تک ہندو مسلمان ایک دوسرے کو غیر سمجھ کر لڑتے رہیں گے ، ہندستان میں کوئی بھی راج ادمک دنوں قائم نہیں رہ سکتا . چنانچہ اُس نے راجپوتوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ہندو مسلمانوں میں میل فام کیا . اتنا ہی نہیں ، ہندستانی راج نیستی کی پرہیز کو لیکر نیا راجکاجی ڈھانچہ بنایا جس کے بارے میں جادو ٹاٹے سرکار نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ ایرانی راجکاجی ڈھانچے کا ہندستانی روپ تھا . دیش کی پرہیز کے مطابق گڑوں کی خود مختاری اور سولہ بین بحال کی گئی .

امن قائم ہونے سے کام دھندے اور ویاپار بڑھا . لوگوں میں خوشحالی آئی . سافتیہ اور گلا کی انتہی ہوئی . جب آپس کا میل جواں اور پریم بڑھتا ہے اور جب کمی اندے وشولس اور تعصب کو چھوڑ کر سوتلتر روپ سے سوچنے لگتا ہے اور جب اُسکا اپنی فرمان شکتی میں وشولس بڑھتا ہے تو کلچر اور سہیتا کا وکس ہوتا ہے . منجیلے زمانے میں ہندستانی سافتیہ ادب اور گلا نے پحد ترقی کی . ناچ منحل منجیلے زمانے کے ہمارے کلچر کا شاعر ہے .

سامنتی ڈھانچے کے اندر جتنی ترقی ہوسکتی تھی اُننی ہندستان شافتیہاں کے زمانے تک کرچکا تھا . اب اس ڈھانچے کے اندر وہ کر آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا . اس لئے یہ سامنتی ویوستہا اورنگزب کے زمانے میں ٹوٹنی شروع ہوگئی . پنجاب ، مہاراشٹر اور بیڑور آدی میں نئی شکتیاں اُبھرنے لگیں . دراصل سلطنت واد نے جن جاتیوں کو دباکر رکھا تھا وہ اب اُبھر رہی تھیں . سامنتی ویوستہا کی ترقی میں جو ویاپاری پونجی لگی تھی وہ وکس چلتی تھی . اس لئے نئی شکتیوں کے پیچھے ویاپاریوں کا ہاتھ تھا . جس کا مطالبہ ہے کہ ہندستان سامنتی ویوستہا سے پونجی وادی ویوستہا کی طرف بڑھ رہا تھا .

جب کوئی دیش ایک ساماچک ویوستہا سے دوسری ساماچک ویوستہا کی طرف جانے لگتا ہے تو اُس کو وہی کشت سہنا پڑتا ہے جو ایک ماں کو بچہ جاننے سے سہنا پڑتا ہے . ہمارے دیش کی اُتیارہویں صدی کی خانہ جنگی کا کارن یہ تھا کہ پرانا سماج نئے سماج کو جنم دے رہا تھا . اُس سہ ویدشی ویاپاریوں نے دخل اندازی کر کے ہمارے دیش کے ایتہاسک وکس کو روک دیا . اور اس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر انگریزوں نے ایک ایسا عیورملکی راج قائم کر لیا جس کا

ماہول اور परम्परा को जरूर अपनाता है, फिर मुसलमान हमलावरों ने हिन्दू औरतों से शादियाँ कीं और बहुत से हिन्दुओं ने इस्लाम कबूल किया. इन औरतों और मर्दों के जोहन में हिन्दुस्तानी दर्शन और परम्परा खूब बस चुकी थी. इसलिये उन्होंने इस्लाम को भी नया रंग दिया जो अरब और ईरान के इस्लाम से सुतलिक था. उसे हिन्दुस्तानी इस्लाम कहा जाय तो गलत नहीं होगा.

हिन्दुस्तान में शीया और सुन्नी दोनों आये और हिन्दुस्तान में जो नये मुसलमान बने उनमें से ब्राह्मण और ऊँची जातियों के लोग तो सैयद और शेख कहाये और दूसरे डोम, भीरासी छोटी जातों में गिने जाने लगे. जब मजहबी जोश खत्म हुआ तो सुन्नी और शीयों में खूब लड़ाइयाँ होने लगीं. सुन्नी और शीया राजे एक दूसरे को हराते लगे. लोगों ने अपनी आँखों देखा कि लड़ाइयाँ मजहब के नाम पर गहियों के लिये हो रही हैं और हविस को मजहब का नाम देकर नाहक खून बहाया जा रहा है.

मुसलमानों के हमलों से जहाँ बहुत मत मतांतर टूटे थे वहाँ जात पात, धर्म कर्म और पूजा पाठ के बंधन सख्त भी हो गये थे. क्योंकि जिन पंडितों और हिन्दुओं ने इस्लाम कबूल करने से इनकार किया था उन्होंने इस्लामी विचारधारा से अपने आप को और अपने हममजहबों को बचाये रखने के लिये विचार और अधविश्वास की दीवारों को और मजबूत बना दिया था.

चार पाँच सदी के खून खराबे, बदअमनी, तात्सुब और अधविश्वास से हिन्दू मुसलमान दोनों ही तंग आ चुके थे और उन्होंने हिन्दू राजाओं को हिन्दुओं के और मुसलमानों को मुसलमानों के खिलाफ लड़ते देख कर लड़ाई को अकारन समझ लिया और हिन्दू मुस्लिम जनता में आपस का मेलजोल बढ़ने लगा. जिससे भक्ति आन्दोलन ने जन्म लिया और इस आन्दोलन को संत, कवियों और सूफी शायरों और दुरवेशों का सहयोग प्राप्त था. कबीर, नानक, तुलसीदास, मुहंनुद्दीन चिश्ती, बाबा करीद, निजामुद्दीन औलिया, रहमान, रसदास, सूरदास, तुत्काराम, वारिसशाह और बुलेशाह ने भक्ति और तसव्वफ के दरिया बहाये. आदमी और आदमी में प्रेम बढ़ाया. इस आन्दोलन ने लोगों के पुराने अक्रीदों को बदल दिया और इन साधु संतों ने अगली तीन चार सदी तक कलचर सभ्यता और समाज पर गहरा असर डाला. उन्होंने वेद, कुरान, मुल्ता और ब्राह्मण को चैलेंज किया और आदमी को जात पात और मजहबी तात्सुब के दलदल से निकाल कर सीधी और सच्ची राह दिखाई.

अकबर ने इसी भक्ति आन्दोलन के असर से दीन-इलाही नाम से अपना दरबारी मजहब चलाया. जिसका

महल और परम्परा को ضرूर اپناتا ہے. پھر مسلمان حملہ آوروں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں اور بہت سے ہندوؤں نے اسلام قبول کیا. ان عورتوں اور مردوں کے ذہن میں ہندستانی دشن اور پرہیزا خوب بس چکی تھی. اس لئے انہوں نے اسلام کو بھی نیا رنگ دیا جو عرب اور ایران کے اسلام سے مختلف تھا. اُسے ہندستانی اسلام کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا.

ہندستان میں شیخ اور سننی دونوں آئے اور ہندستان میں جو نئے مسلمان بنے اُن میں سے برہمن اور اونچی جانوں کے لوگ تو سید اور شیخ کہلائے اور دوسرے درم، میرانی چھوٹی جانوں میں گئے جاتے گئے. جب مذہبی جوش ختم ہوا تو سننی اور شیعوں میں خوب لڑائیاں ہونے لگیں. سننی اور شیخ راجے ایک دوسرے کو ہرا لے گئے. لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ لڑائیاں مذہب کے نام پر گدیوں کے لئے ہو رہی ہیں اور ہوس کو مذہب کا نام دیکر ناحق خون بہایا جا رہا ہے.

مسلمانوں کے حملوں سے جہاں بہت سے متاثر ہوئے تھے وہاں جات پات، دھرم کرم اور پوجا پات کے بندھن سخت بھی ہو گئے تھے. کیونکہ جن پندتوں اور ہندوؤں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تھا انہوں نے اسلامی وچارہزار سے اپنے آپ کو اور اپنے ہم مذہبوں کو بچائے رکھنے کے لئے وچار اور اندہ وشواس کی دیواروں کو اور مضبوط بنا دیا تھا.

چار پانچ صدی کے خون خراپے، بدامنی، نصب اور اندہ وشواس سے ہندو مسلمان دونوں ہی تنگ آچکے تھے اور انہوں نے ہندو راجاؤں کو ہندوؤں کے اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑتے دیکھ کر لڑائی کو اکڑن سمجھ لیا اور ہندو مسلم جنتا میں آپس کا میل جول بڑھنے لگا. جس سے بھکتی آندولن نے جٹم لیا اور اِس آندولن کو سنت، او کوہوں اور صوفی شاعروں اور درویشوں کا سہوگ پراپت تھا. کبیر، نانک، تلسی داس، معین الدین چشتی، بابا فرید، نظام الدین اولیا، رحمان، بس کھان، سوردا، نگارم، وارث شاہ اور بلے شاہ نے بھکتی اور تصوف کے دریا بہائے. آدمی اور آدمی میں پریم بڑھایا. اِس آندولن نے لوگوں کے پرانے عقیدوں کو بدل دیا اور ان سادہ سنوں نے اگلی تین چار صدی تک کلچر، سبوتا اور سماج پر گہرا اثر ڈالا. انہوں نے وید، قرآن، ملا اور برہمن کو چیلنج کیا اور آدمی کو جات پات اور مذہبی انصاف کے دلدل سے نکال کر سیدھی اور سچی راہ دکھائی.

اکبر نے اِسی بھکتی آندولن کے اثر سے دین الہی نام سے اپنا درباری مذہب چلایا. جس کا

जहाँ हिन्दू धर्म पर इस्लाम का असर पड़ा वहाँ इस्लाम भी हिन्दू धर्म से प्रभावित हुए बिना नहीं रह सकता था। कोई भी धर्म या दर्शन जब दूसरे देश में जाता है तो उसके

جہاں ہندو دھرم پر اسلام کا اثر پڑا وہاں اسلام بھی ہندو دھرم سے پرہیزگار غور بن گیا۔ رہ سکتا تھا۔ کوئی بھی دھرم یا دیش جب دوسرے دیش میں جاتا ہے تو اس کے

کلا، ساہتیہ، دشن اور سائس ہر ترہ کے ہان کا سوت (بڑا) جناتا اور اسکا ازملا ہے۔ پداوار کے ساہنوں کی ترکتی رک جانے سے جناتا اور سرکار کا تاللوک دھٹا جاتا ہے، تب یہ سوت بڈ ہو جاتا ہے اور کلاچر پٹھڑا جاتا ہے۔ کلاچر کو فیر آگے بڈانے کے لیے پداوار کے ساہنوں کو آگے بڈانا اور جناتا اور حکومت میں سمبندھ جوڑنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ کام نہیں چل سکتا۔

اس سمبندھ میں کلاچر اور سہیتا اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سے سنگ، کش، ہن کوئی بھی جاتی آئی، اس نے اس کی مہانتا کو سونیکار کیا اور ہمارے سماج نے انہیں اپنے اندر سولیا۔

لیکن باہر کے حملے بڑھتے گئے اور اولجائی کے کالی ساہن نہ ہونے کے کلاں بڑے راج بن بن کر ٹوٹتے رہے اور دیش پور چھوٹی ریسٹوں میں بٹ کر گیا۔ پھر آدمی دنیا میں اپنی زبرداری کو بھول کر دسوی دنیا کی باتیں کرے لگا۔ پھر کتابیں اور نمونوں کو آدمی سے زیادہ اہمیت ملنے لگی۔ جات بات کے جھگڑے بڑھ گئے۔ شنکر اچاریہ نے بدھ مت کے مقابلے میں جو نیا مت چلا، اس میں بیوی مادی دنیا کو نظر انداز کیا گیا۔ بدھ مت سنگھوں کا مت تھا۔ لوگ گڑھستہ چھوڑ کر سنگھوں میں جا رہے تھے جس سے خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ لیکن ہندو مت میں گڑھستہ دھرم کو بھی مہانتا پڑا تھی۔ جو آدمی گڑھستہ کا پالنے اچھی طرح نہیں کرتا تھا، ہندو دھرم اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ شنکر اچاریہ نے بدھ بیکشوں کی طرح گڑھستہ چھوڑ کر ساہو اور مہنت بننے کی ریتی چلائی اور ان ساہنوں اور مہنتوں کے لئے بدھ مت کے سنگھوں کی طرح مٹہ کھولے۔ انہیں بچھن سے مکتی جاننے والے بے عمل آدمی پھر گئے۔ ہمارے سماج کی خرابیاں دور ہونے کی جگہ بڑھتی ہی گئیں۔ شنکر اچاریہ کو دوسرا بدھ قریب ہی کہا جاتا ہے۔ دونوں سہوارادی تھے اور دونوں نے خواہشوں کو چھوڑ کر مکتی کا مارگ بتایا۔ با عمل دنیا کو سنگھوں اور مہنتوں میں تبدیل کیا۔

جب دشن کا عمل سے سمبندھ نہیں رہتا، تو اس کا کام ہاں کی کھال اتارنا ہو جاتا ہے۔ وچاردھارا آگے بڑھنے کے بجائے گول چکر میں یا بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتی ہے، اس سے کلاچر کا وکس بھی رک جاتا ہے۔ اب ہندو دشن اہمیانک واد یا روحانیت کی گتھیاں سلجھا رہا تھا اور اس میں مت متاثر کی کتنی ہی بے کار کی شاخیں پھوٹ آئی تھیں۔ عام آدمی بھرم اور اچرچ میں پڑ گیا تھا۔

اس سمبندھ میں مسلمانوں پر مسلمانوں کا حملہ ہوا اور بے حرکت زندگی میں اٹھل پھل پدا ہوئی۔ بہت سے پنڈت حملے کی زد سے بچنے کے لئے دھن میں چلے گئے

لیکن باہر کے حملے بڑھتے گئے اور اولجائی کے کالی ساہن نہ ہونے کے کلاں بڑے راج بن بن کر ٹوٹتے رہے اور دیش پور چھوٹی ریسٹوں میں بٹ کر گیا۔ پھر آدمی دنیا میں اپنی زبرداری کو بھول کر دسوی دنیا کی باتیں کرے لگا۔ پھر کتابیں اور نمونوں کو آدمی سے زیادہ اہمیت ملنے لگی۔ جات بات کے جھگڑے بڑھ گئے۔ شنکر اچاریہ نے بدھ مت کے مقابلے میں جو نیا مت چلا، اس میں بیوی مادی دنیا کو نظر انداز کیا گیا۔ بدھ مت سنگھوں کا مت تھا۔ لوگ گڑھستہ چھوڑ کر سنگھوں میں جا رہے تھے جس سے خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ لیکن ہندو مت میں گڑھستہ دھرم کو بھی مہانتا پڑا تھی۔ جو آدمی گڑھستہ کا پالنے اچھی طرح نہیں کرتا تھا، ہندو دھرم اسے اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ شنکر اچاریہ نے بدھ بیکشوں کی طرح گڑھستہ چھوڑ کر ساہو اور مہنت بننے کی ریتی چلائی اور ان ساہنوں اور مہنتوں کے لئے بدھ مت کے سنگھوں کی طرح مٹہ کھولے۔ انہیں بچھن سے مکتی جاننے والے بے عمل آدمی پھر گئے۔ ہمارے سماج کی خرابیاں دور ہونے کی جگہ بڑھتی ہی گئیں۔ شنکر اچاریہ کو دوسرا بدھ قریب ہی کہا جاتا ہے۔ دونوں سہوارادی تھے اور دونوں نے خواہشوں کو چھوڑ کر مکتی کا مارگ بتایا۔ با عمل دنیا کو سنگھوں اور مہنتوں میں تبدیل کیا۔

جب دشن کا عمل سے سمبندھ نہیں رہتا، تو اس کا کام ہاں کی کھال اتارنا ہو جاتا ہے۔ وچاردھارا آگے بڑھنے کے بجائے گول چکر میں یا بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگتی ہے، اس سے کلاچر کا وکس بھی رک جاتا ہے۔ اب ہندو دشن اہمیانک واد یا روحانیت کی گتھیاں سلجھا رہا تھا اور اس میں مت متاثر کی کتنی ہی بے کار کی شاخیں پھوٹ آئی تھیں۔ عام آدمی بھرم اور اچرچ میں پڑ گیا تھا۔

اس سمبندھ میں مسلمانوں پر مسلمانوں کا حملہ ہوا اور بے حرکت زندگی میں اٹھل پھل پدا ہوئی۔ بہت سے پنڈت حملے کی زد سے بچنے کے لئے دھن میں چلے گئے

میلایا دیا گیا ہے۔ کھرن ارجن سے کہتے ہیں کہ کھرن کا دھرم لڑنا ہے۔ اپنے اس دھرم کا پالن کرو۔ مرنے مارنے کی چنتا میں نہ پڑو۔ نہ کوئی کسی کو مارنا ہے اور نہ کوئی مرنے ہے۔ اتنا امر ہے وہ مرن نہیں سکتی۔ جیت جاؤ گے تو اس دنیا پر راج کرو گے اور مرجاؤ گے تو سورگ میں راج کرو گے۔ خواہشوں کے ذباک کی جگہ عمل کا پیغام پھر گونج اُٹا۔

پنچ ننتر میں لکھا ہے—”لکشمی تو سننے کے سمان یا عمل لوگوں کو حاصل ہوئی ہے۔“ بیباکیت دیتا ہے، یہ کمزور لوگ کہا کرتے ہیں۔ اس لئے بیباکیت کو چھوڑ کر اپنی شکتی سے پروا نہ کرو۔ اگر یقین کرنے سے ہی کامیابی نہ ہو، تو دیکھنا چلئے کہ یقین میں کیا خرابی ہے۔“ پھر لکھا ہے—”پچھلے جنم میں کئے ہوئے کام کو ہی تقدیر کہتے ہیں۔ اس لئے انہی کو اسیہ چھوڑ کر محنت کرنی چاہئے۔“ اس پستک میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس جاتی کے عمل اور وجہ میں اتنا فرق ہے، وہ ناشی کو پراپت ہوتی ہے۔

عمل کے کلن ہی پھر ایک مضبوط اور بڑا راج قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ تپتی کھیتی باڑی، ویباہ اور لا آگے بڑھ سکتی تھی، تپتی آپس کے جکڑے ختم ہو سکتے تھے، ذہنی باہر کے حیلوں سے دیش کی رکشا ہو سکتی تھی۔ اُس سے آئیل پتیل کا زمانہ تھا۔ روم کا مہان راج ثروت رکھتا تھا۔ سارے دیش کے ایک مضبوط راج کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہی مہابھارت میں لکھا ہے کہ تمہارا سورگ تمہاری راجدیت ہے۔ اور ونسیانت اسیستہ آئی، یورپین دونوں نے بھی لکھا ہے کہ مہابھارت کا بیباکیت نکتہ ایک مرکزی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسی لئے کروچیتور کا مہابھارت پید ہوا تھا۔

اس وچارنارا کو گہت راج میں عملی رہنمائی ملا اور اسی بات کو لیکر مہاکوی کالیداس نے ”رگھوونش“ مہاکاویہ رچا۔ اس میں رامچندر کے پوروج رگھو کو لیکر ایک مہان، پراکرمی اور انصاف پسند راجا کے گن بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ سامنتوا کی ترقی کا زمانہ تھا۔ سامنتوا کی ترقی سے زندگی آگے بڑھ رہی تھی۔ راجا کو جتنا کام سپہیوں پر پڑتا تھا، وہ اتنا تپتا تھا اور اپنے عمل سے ساری چنتا کو حرکت میں لانا تھا، عمل سے اُنکا لوگ اور پزلوک دونوں سورتھ تھے۔ یہاں مادی اور آتمک دلشوں میں ایک پروکار کا میل اور سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ اسی لئے اس زمانے میں مہابھارت اور گیتا کا پرچار خاص طور پر ہوا۔ اسی لئے کلچر کی ترقی ہو سکی۔ کالیداس جیسا مہاکوی پیدا ہوا، کمارل بھٹ نے زمین کے گیونے، چندر گرھن اور سورج گرھن کے نیم معلوم کئے۔

میلایا دیا گیا ہے۔ کھرن ارجن سے کہتے ہیں کہ کھرن کا دھرم لڑنا ہے۔ اپنے اس دھرم کا پالن کرو۔ مرنے مارنے کی چنتا میں نہ پڑو۔ نہ کوئی کسی کو مارنا ہے اور نہ کوئی مرنے ہے۔ اتنا امر ہے وہ مرن نہیں سکتی۔ جیت جاؤ گے تو اس دنیا پر راج کرو گے اور مرجاؤ گے تو سورگ میں راج کرو گے۔ خواہشوں کے ذباک کی جگہ عمل کا پیغام پھر گونج اُٹا۔

پنچ ننتر میں لکھا ہے—”لکشمی تو سننے کے سمان یا عمل لوگوں کو حاصل ہوئی ہے۔“ بیباکیت دیتا ہے، یہ کمزور لوگ کہا کرتے ہیں۔ اس لئے بیباکیت کو چھوڑ کر اپنی شکتی سے پروا نہ کرو۔ اگر یقین کرنے سے ہی کامیابی نہ ہو، تو دیکھنا چلئے کہ یقین میں کیا خرابی ہے۔“ پھر لکھا ہے—”پچھلے جنم میں کئے ہوئے کام کو ہی تقدیر کہتے ہیں۔ اس لئے انہی کو اسیہ چھوڑ کر محنت کرنی چاہئے۔“ اس پستک میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس جاتی کے عمل اور وجہ میں اتنا فرق ہے، وہ ناشی کو پراپت ہوتی ہے۔

عمل کے کلن ہی پھر ایک مضبوط اور بڑا راج قائم کرنے کی ضرورت تھی۔ تپتی کھیتی باڑی، ویباہ اور لا آگے بڑھ سکتی تھی، تپتی آپس کے جکڑے ختم ہو سکتے تھے، ذہنی باہر کے حیلوں سے دیش کی رکشا ہو سکتی تھی۔ اُس سے آئیل پتیل کا زمانہ تھا۔ روم کا مہان راج ثروت رکھتا تھا۔ سارے دیش کے ایک مضبوط راج کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہی مہابھارت میں لکھا ہے کہ تمہارا سورگ تمہاری راجدیت ہے۔ اور ونسیانت اسیستہ آئی، یورپین دونوں نے بھی لکھا ہے کہ مہابھارت کا بیباکیت نکتہ ایک مرکزی حکومت قائم کرنا ہے۔ اسی لئے کروچیتور کا مہابھارت پید ہوا تھا۔

کو بڑی تاملی دیتا تھا۔ گو اس طرح ایک طبقہ محنت سے پست رہا، لیکن ایک طبقہ کو سوچنے سمجھنے کا ادھک موقع ملا، درشن اور کام میں آنتی ہوئی، اور کلچر آگے بڑھتا رہا۔ اور اس زمانہ کا آدمی مادی کم اور آسک ادھک ہو گیا۔

بدھ کے سدھار کے بعد بھی آنا اور غلام کا سینہ نہ رہا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ اشوک نے کلنگ کی تباہی کے بعد لڑائی سے توبہ کر لی، لیکن اس لڑائی سے وہ جو دو لاکھ آدمی غلام بنا کر لائے تھے، انہیں چھوڑ دینے کا کسی انہاس کار نے ذکر نہیں کیا، کیونکہ وہ چھوڑے نہیں گئے۔ بدھ نے بیگمیں میں پشوؤں کی بلی بند کرنے کے لئے افسانہ کا جو پرچار کیا تھا، اسے باقی غلاموں کو شانت کرنے کے لئے بھی کام میں لایا گیا۔

غلامی کی دوسوہتا سے بھی کلچر بہت آگے بڑھا۔ لیکن اب یہ دوسوہتا کٹنے والی نہیں تھی۔ کھیتی باڑی اور دیہات بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ پیداوار کے سدھنوں کے ساتھ نیا راجہ لکھی دہا، چتہ اور نئی وچار سدھارا جام لے رہی تھی۔ اب سدھار سے نہیں تبدیلی سے بھی کلچر آگے بڑھ سکتا تھا۔ کھولنے کے بعد پانی جب دوبارہ ٹھنڈا ہوتا ہے، تو مالت اور گندگی پھر اس میں مل جاتی ہے۔ سنگیوں میں خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ ہیکشو آرام طلب اور نفل میں بال کی کہاں اٹارنے والے بن گئے۔ خولاشوں کے نیاک کے نام پر اس دنیا کی اور زندگی کی ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا جانے لگا۔ انہاس میں اشوک کو 'مہمان' اور دیوانہ پریہ، کم کر بہت غلط اچھالا گیا ہے۔ اشوک کے زمانے میں ہمارا کلچر اتنا ہی آگے بڑھا ہے کہ اشوک نے پتھر کے مکل بنائے۔ اور غلط درشنوں کا پرچار کر کے آدمی کے وچاروں کے گرد ہی دیوار کھڑی کر دی۔ کہاں ہماری پرمپرا یہ تھی کہ جس سبھا میں کوئی آدمی نہ چمکے، یا صرف ایک آدمی چمکے وہ سبھا، سبھا نہیں ہے، کہاں اشوک کا یہ کہنا کہ جیسے باپ اپنے بیٹے کا پالنے کرتا ہے، میں اپنی پرچا کا پالنے کرتا ہوں! کسی راجا یا ایک ویکتی کو ساری قوم کا پتا بننے اور اس کے لئے سوچنے کا کوئی ادھکار نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ پرچس اور پر عمل ہو گئے، اشوک کے بیٹے باہر کے حملوں کو نہیں روک سکے اور موریہ راج نشٹ ہو گیا۔

دراصل یہ پچھری ہوئی غلامی کی دوسوہتا کا فاصل تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرتھک دوسوہتا اور نئی وچار سدھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے بھاگوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

دراصل یہ پچھری ہوئی غلامی کی دوسوہتا کا فاصل تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرتھک دوسوہتا اور نئی وچار سدھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے بھاگوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

دراصل یہ پچھری ہوئی غلامی کی دوسوہتا کا فاصل تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرتھک دوسوہتا اور نئی وچار سدھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے بھاگوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

دراصل یہ پچھری ہوئی غلامی کی دوسوہتا کا فاصل تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرتھک دوسوہتا اور نئی وچار سدھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے بھاگوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

دراصل یہ پچھری ہوئی غلامی کی دوسوہتا کا فاصل تھا۔ اس کے بعد گہتر راج، نئی آرتھک دوسوہتا اور نئی وچار سدھارا پر قائم ہوا۔ مہابھارت اور گیتا کے بھاگوت مت میں اس دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کو

سے یہ کالچر بہت بدنام ہو گیا۔ اس سے ایک راجا کے گھر میں بدعہ کا جنم ہوا اور انہوں نے اس کالچر میں بہت کچھ سدھار کیا۔

سودھار اور تبدیلی میں بڑا فرق ہے۔ کالچر میں تبدیلی تو اس سے آتی ہے جب سودھار کے سادھن بدلتے ہیں اور ان پر قائم سماج بدلتا ہے۔ لیکن سماج ویسا ہی رہتا ہے۔ اس میں جو خرابیاں آجاتی ہیں انہیں اسی سماج کی سیما میں رہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جدید پانی اُبلانے سے پانی پی رہتا ہے، لیکن اس میں جو ملاوٹ آجاتی ہے اُبلنے سے وہ نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ سدھار ہی سماج کے لئے ایسا ہی عمل ہے۔ برہمنوں نے ویدوں کے نام پرگیان اور دنیا کی تجارت شروع کر دی تھی اور اُن کی سرکچیا اور مکتی کے لئے دیوتاؤں کو قربانی دینی شروع کر دی تھی۔ بدعہ نے برہمنوں کی اجاراداری نوزے کے لئے ویدوں کو ماننے سے انکار کیا۔ یگیوں میں قربانی کا وردہ کر کے نیک کاموں اور خواہشوں کے نیاگ کو مکتی یا نروان کا سادھن بنایا۔ بدعہ اُن کو نہیں مانتے تھے لیکن کہتے تھے کہ ایک جنم سے دوسرے جنم میں آدمی کے کاموں کے سنسکار اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ اُن کو نہ مانتے ہوئے ہی بدعہ کا دشمن مادی نہیں آتک تھا۔ اور انہوں نے جس سمانتا کا پرچار کیا وہ ہی مادی نہیں آتک تھی۔ مہرتے طور پر اُن کا کہنا تھا کہ آنا اور غلام دونوں کو موت آتی ہے۔ دونوں موت کے سامنے ایک سمان ہیں۔ اس لئے اُن غم دنیا کی خواہشوں کو چھوڑ کر موت کا حل تقویت دیتے ہیں۔

ہاویل نے اپنے انہاس میں لکھا ہے کہ بدعہ نے جو سنگھ کھوئے تھے اُن میں غلاموں کو داخل نہیں کیا جاتا تھا اور غلاموں کے علاوہ ایسے لوگ ہی داخل نہیں ہو سکتے تھے جنہیں دوسروں کا قرض دیا ہوتا تھا جو اپرادھی اور ڈاکو تھے یا راجا کے گہمچاری تھے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے کے بعد کام کی تقسیم کے کارن غلامی کا زمانہ شروع ہوا جس میں نئے درشنوں اور نئے کالچر نے جنم لیا۔ اس درشن کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ندی کی طرح زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آدمی ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ کسی جنم میں آنا غلام اور غلام آنا ہی سکتا ہے۔ غلام کو سیوا کا کام ایمانداری سے کرنا چاہئے، اس سیوا کا پھل اُسے اگلے جنم میں ملے گا۔ یہ وچار مہنت سے پسپے والے آدمی

سے یہ کالچر بہت بدنام ہو گیا۔ اس سے ایک راجا کے گھر میں بدعہ کا جنم ہوا اور انہوں نے اس کالچر میں بہت کچھ سدھار کیا۔

سودھار اور تبدیلی میں بڑا فرق ہے۔ کالچر میں تبدیلی تو اس سے آتی ہے جب سودھار کے سادھن بدلتے ہیں اور ان پر قائم سماج بدلتا ہے۔ لیکن سماج ویسا ہی رہتا ہے۔ اس میں جو خرابیاں آجاتی ہیں انہیں اسی سماج کی سیما میں رہتے ہوئے دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جدید پانی اُبلانے سے پانی پی رہتا ہے، لیکن اس میں جو ملاوٹ آجاتی ہے اُبلنے سے وہ نیچے بیٹھ جاتی ہے۔ سدھار ہی سماج کے لئے ایسا ہی عمل ہے۔ برہمنوں نے ویدوں کے نام پرگیان اور دنیا کی تجارت شروع کر دی تھی اور اُن کی سرکچیا اور مکتی کے لئے دیوتاؤں کو قربانی دینی شروع کر دی تھی۔ بدعہ نے برہمنوں کی اجاراداری نوزے کے لئے ویدوں کو ماننے سے انکار کیا۔ یگیوں میں قربانی کا وردہ کر کے نیک کاموں اور خواہشوں کے نیاگ کو مکتی یا نروان کا سادھن بنایا۔ بدعہ اُن کو نہیں مانتے تھے لیکن کہتے تھے کہ ایک جنم سے دوسرے جنم میں آدمی کے کاموں کے سنسکار اُس کے ساتھ جاتے ہیں۔

اس کا مطلب ہے کہ اُن کو نہ مانتے ہوئے ہی بدعہ کا دشمن مادی نہیں آتک تھا۔ اور انہوں نے جس سمانتا کا پرچار کیا وہ ہی مادی نہیں آتک تھی۔ مہرتے طور پر اُن کا کہنا تھا کہ آنا اور غلام دونوں کو موت آتی ہے۔ دونوں موت کے سامنے ایک سمان ہیں۔ اس لئے اُن غم دنیا کی خواہشوں کو چھوڑ کر موت کا حل تقویت دیتے ہیں۔

ہاویل نے اپنے انہاس میں لکھا ہے کہ بدعہ نے جو سنگھ کھوئے تھے اُن میں غلاموں کو داخل نہیں کیا جاتا تھا اور غلاموں کے علاوہ ایسے لوگ ہی داخل نہیں ہو سکتے تھے جنہیں دوسروں کا قرض دیا ہوتا تھا جو اپرادھی اور ڈاکو تھے یا راجا کے گہمچاری تھے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے زمانے کے بعد کام کی تقسیم کے کارن غلامی کا زمانہ شروع ہوا جس میں نئے درشنوں اور نئے کالچر نے جنم لیا۔ اس درشن کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ندی کی طرح زندگی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آدمی ایک جنم کے بعد دوسرا جنم لیتا ہے۔ کسی جنم میں آنا غلام اور غلام آنا ہی سکتا ہے۔ غلام کو سیوا کا کام ایمانداری سے کرنا چاہئے، اس سیوا کا پھل اُسے اگلے جنم میں ملے گا۔ یہ وچار مہنت سے پسپے والے آدمی

ویدوں کے زمانے کا کلچر اُس زمانے کے پیداوار کے سانچوں اور راج کچی ثقافت کی وجہ سے پیداوار کا ہی ایک روپ تھا۔ بے شک دیوتاؤں میں اُس سے کے آدمی کا وشواس تھا۔ لیکن اُس نے قدرت جیسی زبردست ووردی کی تباہی سے بچنے کے لئے گھر بنائے تھے، زمین چوتنا اور بونا سیکھا تھا۔ اُس کے علاوہ وہ پشو پالنا تھا، گائے کا دودھ پینا تھا اور اُس سے مکھن نکالتا اور گھوڑے پر چڑھتا تھا۔ اُس نے آگ کو اپنا ساتھی اور مدگار بنایا تھا اور دھات کو تھانسا سیکھ لیا تھا۔ یہ آدمی بہت ہی کامیابی تھی اور اُس سے اپنے آپ میں اُس کا وشواس بڑھتا تھا۔ اپنے اس وشواس کو ظاہر کرنے کے لئے اُس نے غوا سے بھی نیز تریر اور خیال کو ایجاد کیا تھا۔

آدمی ساجی محنت سے قدرت کو جیت رہا تھا۔ سب لوگ آپس میں میل جول سے رہتے تھے۔ سبھی سماج کے فائدے کے لئے کام کرتے تھے۔ سب سুরکشا کے لیے کھادے کھانوں بناتے تھے۔ انہیں کوئی اُچھ نیچ اور جات پات کا بید نہیں تھا۔ لوگ بین بین کام کرتے تھے۔ ہر ایک ایک سماج ایک گھر میں رہتے تھے۔ ایک وید منتر میں کہا ہے—

”میں شلپی ہوں، میرا پیتا وید ہے، اور میری ماں وپلے پاٹھنے کا کام کرتی ہے۔ اگلا اگلا پٹھاں اور مارگوں پر چلتے ہوئے

”میں شلپی ہوں۔ میرا پیتا وید ہے۔ اور میری ماں وپلے پاٹھنے کا کام کرتی ہے۔ الگ الگ پیشوں اور مارگوں پر چلتے ہوئے ہم ایک گھر میں ٹھہرتے ہیں۔“

دوسرے دھرم پیداوار کے سانچوں کی ترقی ہوئی اور محنت تقسیم ہوگئی۔ اُس سے چار دھرم وجود میں آئے۔ ہر دھرم کا کام کیوں پڑھنا پڑھنا رہ گیا۔ محنت سے اُن کا نانا ٹوٹ گیا۔ لیکن آدمی ہمیشہ عمل اور تجربے سے سیکھتا ہے۔ وچار کے ساتھ جب محنت کا پسینہ ملتا ہے۔ تیری اُس کا گیان نازہ رہتا ہے۔ اُس تقسیم کے کارن ویدوں کے زمانے کا سماج ٹوٹنے لگا۔ پھر آریوں نے ہندستان کی دوسری جاتوں کو ”دراوڑ اور کول آدمی“ کو سزا کرنا لیا۔ اُنہیں یا داس بنانا شروع کیا۔ جو کوئی جتنا برا پنڈت ہوتا یا اُسے اتنے ہی اُنک داس دان میں ملنے لگے۔ وچار اور عمل میں جو دراوڑ تھے وہ دھرم دھرم بڑھتی ہی گئی۔ سوچنے اور کام کرنے والوں کی دو جماعتیں بن جانے سے یونان کی پرانی جماعتیں نشت ہوئی تھیں۔ اُس تقسیم کے کارن ویدوں کے زمانے کا پرانا سماج ٹوٹ گیا اور قبیلوں کے الگ الگ راج بنے۔ ان راج یا ریاستوں میں ہر دھرم اور چھتری پڑھتے پڑھتے اور اُنہیں قانون بناتے اور راج کا کام کرتے تھے۔ دوسرے لوگ محنت کر کے اُن کے لئے جہان کے سادہ جہان تھے اور اُن کی سیوا کے لئے داسوں کی بہت بڑی تعداد ہوتی تھی۔

اب ہر دھرم اور چھتری دوسروں کی محنت پر پلنے والا درگ تھا۔ اُنہی نے آدمی کی کامیابی کو دیوتاؤں کی

ایک آدمی چمکے وہ سبھا، سبھا نہیں ہوتی۔ سبھا وہ ہوتی ہے جس میں سب مل کر چمکیں اور ہر ایک آدمی دوسرے کو چمکانے میں مدد دے۔“

”سیہیٹا“ جس کا مطلب تہذیب ہے، سیہا شدید سے بنا ہے۔ تہذیب کا کلچر ہے گہرا سمبندھ ہے۔ تجربے اور عمل سے آئی جتنا اُونچا آہیتا ہے اتنا ہی وہ کلچر یا سنسکرت کہلاتا ہے۔ اور جتنا وہ اِس کلچر کو دیوار میں لاتا ہے اتنا ہی تہذیب آگے بڑھتی ہے۔ کلچر آدمی کے اندر سے سمبندھ رکھتا ہے جس سے اُس کا من اور شوہر سوسٹہ اور مضبوط بنتا ہے۔ تہذیب یا سیہیٹا اِس کلچر کے بغیر روپ کا نام ہے۔ جس دیش یا قوم کے لوگوں کا جتنا اُونچا کلچر ہوگا اتنا ہی وہ منزل چول سے رھینکے، اپنے کام صالح مشورے سے باتیں کریں اور سیہا میں اُونچی اور سچی بات کہیں گے۔ اِن سب باتوں کے گزرنے اور مہذب یا سنسکرت کہلائیں گے۔ اُن کا کلچر اُن کے کوائے پہنکے اور رھنے سننے کو بتا اور کلا میں ظاہر ہوگی۔

جب کسی دُش یا قوم کے لوگ کلچر میں بچہر جانیں
یعنی وہ سچائی اور انصاف کا ساتھ چھوڑ دیں، اُن کی کرنے اور
کہنے میں فرق آجائے، لیکن کھاتے پینے اور رخصتہ سہنے میں ترک
بہرک رہے، یعنی کلچر کے اوڑھی روپ، تہذیب میں ویسی ہی
ترک بہرک رہے، تو وہ تہذیب کو کھالی کھاتی ہے۔ اُس میں
بنات اور پانگھڑ آجاتا ہے۔ وہ تہذیب زندہ، دُشوں تھکے والی
نہیں ہوتی۔

اس کا کارن کیا ہے؟ کلچر اور تہذیب میں تبدیلی کیوں
 آتی ہے؟ دنیا کے شروع سے اب تک ایک ہی کلچر اور تہذیب
 کیوں نہ ہوئی؟ تبدیلی کی کیا ضرورت تھی؟ اگر ضرورت تھی،
 تو کیا اس تبدیلی میں کوئی کرم یا سلسلہ ہے یا وہ تبدیلی
 اچانک آجاتی ہے؟

کسی زمانے میں پیداوار کے جو سادہ سن ہوتے تھے، انہیں کے مطابق اُس زمانے کے سامراج سمبندہ قائم ہوتے تھے اور ایک راج کلچر تھانچا۔ بنتا ہے۔ پھر ان سب کے مریں سے اُس زمانے کی کلچر جنم لیتی ہے۔ ہم کلچر کو پیداوار کے سادہ سنوں اور راج کلچر تھانچے سے الگ نہیں کر سکتے۔ ان زبانوں کا آپس میں گہرا سمبندہ ہے۔ مارتے تنگ نے اپنی پستک ”چین کی نئی چہرہ پریت“ میں کلچر کی دیکھو! اِس طرح کی ہے۔

"A given culture is the ideological reflection of the political economy of a given society."

(یعنی کسی زمانے کا کلیچہ؛ اس زمانے کے سماج کی آرتھک اور جنیٹک ویسٹیا کی وجہ دھار کا عکس یا روپ ہوتا ہے۔)

बजाय उन्हें अपना दोस्त बनाते हैं और समाजी छिन्दगी के नियम बनाते हैं। यह दुनिया को अमल के जरिये तबदील करने का ढंग है।

लेकिन एक दूसरा ढंग है, वह दुनिया को तबदील करने के बजाय अपने आपको भावनाओं और विचारों में तब्दील करने का ढंग है, पहले इसी तरीके का नाम मजहब और फिर दर्शन पड़ा.

यूरोपियन विद्वानों ने वेदों को देवमाला की पुस्तकें लिखा है. इस पर आर्य समाजी विद्वानों को एतराज है. वह कहते हैं कि वेद देवमाला की नहीं दर्शन की पुस्तकें हैं. हमारा खयाल है कि वेदों के बारे में यह दोनों बातें सच हैं. उस समय मनुष्य जो कुछ देखता था उसे अपनी कल्पना से देवता का नाम दे देता था. इस में उस का तजरुबा और दर्शन दोनों शामिल रहते थे. उस समय माही और अध्यात्मिक की बहस में वह नहीं पड़ा था. जिस तरह बच्चे रोटी या फल खाते हैं और ज़िंदा समझ कर उससे बातें भी करते हैं. वेद के जमाने का मनुष्य बच्चे का तरह मासूम था, वह ज़ुदर को भोगता भी था और उसे ज़िंदा समझ कर उससे बातें भी करता था.

वेदों का जमाना हजारों साल तक फैला हुआ है. उस जमाने में आदमी ने दोनों तरफ तरकी की. उसने अपनी शक्ति और समझ के मुताबिक प्रकृति को भी तब्दील किया और उसने अपने आपको भी विचारों और भावनाओं में बदला. वह सूरज से गर्मी हासिल करता था, उसे अपने खेतों को उगाने वाला समझता था, और उसे देवता समझ कर बल और शक्ति मांगता था. सुबह हाती थी, तो वह उमका को देख कर नाच उठता था और फिर क्रुद्धत को अपने मतलब के लिये तब्दील करने को कमर कस लेता था.

उस ज़माने में आदमी आदमी में भेद नहीं था, ज्ञान और धन सबका सामा होता था, लोग ज़र्थों में मिल कर रहते थे, किसी काम को करने से पहले आपस में सलाह मशविरा करते थे, एक वेद मंत्र का अर्थ है—“हम सब आपस में मिल कर रहा करें”, मिल कर आपस में सलाह मशविरा करें, हम सबके विचार या मन एक समान हों,”

सलाह मशविरा के लिये सभायें होती थीं, लिखा है—

“हे सभा ! हम तेरा नाम भली भांति जानते हैं. तुम में मनुष्य इकट्ठे होते हैं, तेरे जो भी सभासद हैं, वह सब सच बोलने वाले हैं.”

इस सभा में सब लोगों को बराबर का दर्जा हासिल था और उन्मीद की जाती थी कि सभी लोग ऊँची और सच्ची बात कहेंगे, लिखा है—

“जिस सभा में सब आदमी न चमकें और जिसमें सिर्फ

بجائے اُنہیں اپنا دوست بناتے ہیں اور سماجی زندگی کے نیم بناتے ہیں۔ یہ دنیا کو عمل کے ذریعہ تبدیل کرنے کا کام ہے۔

لیکن ایک دوسرا دھنگ ہے۔ وہ دنیا کو تبدیل کرنے کے بجائے اپنے آپ کو بیواناؤں اور وچاروں میں تبدیل کرنے کا دھنگ ہے۔ پہلے اسی طریقے کا نام مذہب اور پھر دہرشن پڑا۔

یورپین و درانوں نے ویدوں کو دیو مالا کی پستکیں لکھا ہے۔ اِس پر آریہ سماجی و درانوں کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وید دیو مالا کی نہیں درشن کی پستکیں ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ویدوں کے بارے میں یہ درنوں بائیں سچ ہیں۔ اُس سے مشفقہ جو کچھ دیکھتا تھا اُسے اپنی کلپنا سے دیوتا کا نام دے دیتا تھا۔ اِس میں اُس کا تجربہ اور درشن درنوں شامل رکھے تھے۔ اُس سے مادی اور ادھیاتک کی بحث میں وہ نہیں پڑا تھا۔ جس طرح بچے روتی یا پٹل کھاتے ہیں اور زندہ سبجے کو اُس سے بائیں بھی کرتے ہیں۔ وید کے زمانے کا مشفقہ بچے کی طرح معصوم تھا۔ وہ قدرت کو بیوکنا بھی تھا اور اُسے زندہ سبجے کو اُس سے بائیں بھی کرنا تھا۔

ویدوں کا زمانہ تھوڑوں سال تک پہلے تھا ہے۔ اُس زمانے میں آدمی نے درنوں طرف ترقی کی۔ اُس نے اپنی شکتی اور سمجھ کے مطابق پرکرتی کو بنی تبدیل کیا اور اس نے اپنے آپ کو بنی ورجار اور دیوانوں میں بدلا۔ وہ سورج سے گرمی حاصل کرنا تھا۔ اُسے اپنے کیتوں کو اگنے والا سمجھتا تھا، اور اُسے دھوتا سمجھ کر بل اور شکتی مانگتا تھا۔ صبح بھوتی تھی، تو وہ آگشا کو دیکھ کر ناچ اُٹھتا تھا اور پھر قدرت کو اپنے مطالب کے لئے تبدیل کرنے کو کہہ دس لیتا تھا۔

اُس زمانے میں آدمی آدمی میں پیدا نہیں تھا۔ گیان اور دھن سب کا ساجیلا ہونا تھا۔ لوگ جتنوں میں مل کر رہتے تھے۔ کسی کام کو کرتے سے پہلے آپس میں صلاح مشورہ کرتے تھے۔ ایک دین مفتخر کا بڑا ہے۔ ہم سب آپس میں مل کر رہا کریں، مل کر میں میں صلاح مشورہ کریں۔ ہم سب کے چار یا من ایک سامان ہوں۔“

صلاح مشورہ کے لئے سبائیں ہوتی تھیں۔ لکھا ہے—

”ہے بسوا! ہم تیرا نام بولی بیانت جانتے ہیں، تجھ میں
مشریقہ اگلی شوق نہیں، تیرے جو بی سہارے ہیں، وہ سب
سچ بولنے والے نہیں۔“

اس سہا میں سب لوگوں کو ہرادر کا درجہ حاصل تھا اور
امید کی جانی تھی کہ سبھی لوگ اُونچی اور سچی بات کہیں
گے۔ لکھا ہے—

” جس سبھا میں سب آدمی نہ چمکیں اور جس میں صرف

کا جیکر ہے، وہ اسیریان کے بھی دیوتا تھے۔ پہلے پہل آدمی نے اپنے جہوں کے انہوں اور گیان کو دیو Mythology میں ہی ظاہر کیا کیونکہ وہ اُس سے اپنے گیان کے بنیادی اصولوں کو نہیں سمجھتا تھا۔ دنیا کے بارے میں وہ اپنے گیان کو دیوتا کے نام سے ظاہر کرتا تھا۔ آریہ جب ہندستان میں آئے تو وہ 'اندر' ورن اور سورہ آدی دیوتاؤں کے روپ میں کچھ گیان اور کلچر اپنے ساتھ لائے۔ اُن کے آنے سے پہلے بھی یہاں دراوڑ اور کول بستے تھے۔ وہ بی ہزاروں سال سے قدرت کے بارے میں جانکاری حاصل کرتے اور اُسے عمل میں لاتے رہے تھے۔ اُن کا ایک کلچر تھا جو سندھ میں پھیل پھول رہا تھا۔ مومن جودزو اور ہڈیا کے کھنڈروں کی کھدائی سے پتہ چلا ہے کہ اُن کا کلچر بہت ترقی کرچکا تھا۔ وہ روٹی اُٹاتے تھے، کپڑے پہنتے تھے اور اپنے برتنوں اور دوسری چیزوں پر نشانی کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ مومن جودزو سے ایک نرتکی کی مورتی ملی ہے جو بہت سندر ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اُس سے بھی ناچنے کی کلا بہت آگے بڑھی ہوئی تھی۔ آریوں نے اُن کے تجربے سے فائدہ اُٹھایا۔ انہوں نے اُسویا کے اپنے تجربے کو اِن لوگوں کے تجربے سے ملا کر ایک نئے کلچر کو جنم دیا۔ انہوں نے یہاں آکر نئے تھنگ سے رہنا سہنا اور نئے تھنگ سے سوچنا سیکھا۔ ہندستان ایک وشال دیس ہے۔ اُس کے میدانوں، ندیوں اور پہاڑوں کا نئے آئے والوں پر اثر پڑنا ضروری تھا۔ نئے دیس اور نئے حالات میں رہتے ہوئے اُن کی نظر بہت گہری اور بہت اُونچی ہوگئی۔ نظر بدلنے سے اُن کی دیکھلا کے پرانے معنی بدل گئے اور اُس میں نئے دیوتا بھی شامل ہوئے۔ اِس بارے میں جن لوگوں نے کھوج کی ہے اُن کا کہنا ہے کہ وشنو اور شو بالکل ہندستانی دیوتا ہیں۔ وشنو ایک ہرے ہرے سندر پہاڑ کے پرتیک ہیں اور شو برف سے تھکے کالے ننگے پہاڑ کے پرتیک ہیں۔ آگے چلکر جب آریہ پہاڑوں سے اُتر کر میدانوں میں پہنچے تو اِن دیوتاؤں کے معنی اور بدلے۔ وشنو کلاباب اور خوشحال زندگی کے اور شو ناکام اور نراش زندگی کے پرتیک بن گئے۔ اب مادی اور آتمک درشن الگ الگ ہونے لگا۔

مادی اور آتمک درشنوں کو شروع ہی سے سمجھ لینا ضروری ہے کیونکہ کلچر کو آگے بڑھانے میں اِن دونوں درشنوں کا بڑا ہاتھ ہے اور آج مادی درشن اور آتمک درشن میں زبردست تکرار ہو رہی ہے۔ اِسی تکرار کا فیصلہ ہونا ہے۔

'ٹیکسٹس بک آف مارکسٹ فلسفی' میں لکھا ہے کہ شروع کا آدمی تباہی کی دنیا میں رہتا تھا۔ وہ اپنی سرکچا کے تھنگ سوچتا تھا۔ ایک تھنگ جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں قدرت پر قابو پانے کا ہے۔ ہم گھر بناتے ہیں، کپڑا بناتے ہیں۔ آگ اور بجلی سے دشمنی بُھانے کے

ماہی اور آتمک درشنوں کو شروع ہی سے سمجھ لینا ضروری ہے کیونکہ کلچر کو آگے بڑھانے میں اِن دونوں درشنوں کا بڑا ہاتھ ہے اور آج مادی درشن اور آتمک درشن میں زبردست تکرار ہو رہی ہے۔ اِسی تکرار کا فیصلہ ہونا ہے۔

ٹیکسٹ بک آف مارکسٹ فلسفی میں لکھا ہے کہ شروع کا آدمی تباہی کی دنیا میں رہتا تھا۔ وہ اپنی سرکچا کے تھنگ سوچتا تھا۔ ایک تھنگ جسے ہم اچھی طرح جانتے ہیں قدرت پر قابو پانے کا ہے۔ ہم گھر بناتے ہیں، کپڑا بناتے ہیں۔ آگ اور بجلی سے دشمنی بُھانے کے

دوسری पुस्तक यजुर्वेद है. 'यजुर' का मतलब है—काम में लाना, अमल करना. इसलिये यजुर-वेद का मतलब है जानकारी या ज्ञान को अमल में लाना.

ऋग्वेद और यजुर्वेद के इन अर्थों से हम इन नतीजों पर पहुँचते हैं कि हिन्दुस्तान के शुरू के वाशियों—हमारे पूर्वजों ने—कुदरत के बारे में अधिक से अधिक जानकारी हासिल करने और उसे अमल में लाने की कोशिश की. इस तरह उन्होंने अपने कलचर को आगे बढ़ाया. ज्ञान के बारे में उनके मन में कोई तात्सुव नहीं था. जिस चीज को वह सुक्रीद देखते थे उसी को अपना लेते थे और जिसे अपनाते थे, उस पर अमल करते थे. विद्वानों का कहना है कि वेदों के मंत्र ऋषियों ने बनाये या रचे नहीं, बल्कि देखे हैं. इसका भी यही मतलब हुआ कि वेदों के मंत्र कवि के विचार की उड़ान या कल्पना की चीज नहीं, बल्कि मनुष्य के तजुरुब का निचोड़ है. उसने अपने जीवन में जो कुछ देखा और किया उसे मंत्रों में लिख दिया. जाहिर है कि आदमी जो कुछ देखता और करता है, उसे लिख देना आसान नहीं है. आदमी जो कुछ देखता है और करता है उसके साथ उसका अनजाने ही एक दिमागी सम्बन्ध जुड़ जाता है और इस सम्बन्ध के जरिये वह अपने अंदर एक असर कबूल करता रहता है. यह असर जमा होते होते उसकी आत्मा में एक बीज सा बन जाता है. इस बीज में बहुत से बाहरी तत्व मिले होते हैं. जैसे बीज अंकुर फूटने से पहले जमीन के अन्दर एक छरसे तक पलता रहता है, यह बीज भी आदमी की आत्मा में परवरिश पाता रहता है, और एक दिन अचानक उसका खोल टूट कर अलग हो जाता है और उसमें से एक सुन्दर और कोमल अंकुर फूटता है—यह आदमी का ज्ञान या कलचर का फल होता है, जिसे वह मंत्र, छंद, शेर, नसर, मूर्ति या चित्र में जाहिर करता है. कलचर अतालबी शब्द Cultus से निकला है, जिसका मतलब है जोतना, अपने अन्दर बीज बोना.

वेदों के बनाने वाले बहुत से ऋषि थे. उनमें मर्व भी थे. औरतें भी. यानी वेद मनुष्य के साभे के ज्ञान का भंडार है. कोई भी मंत्र या शेर किसी भी एक आदमी के तजुरुब का नतीजा नहीं होता. एक आदमी दूसरों के तजुरुबों से भी सीखता है. वह जो कुछ करते और कहते हैं, उससे असर लेता है. यह तजुरुब और असर एक पीढ़ी से दूसरी पीढ़ी का विरासत में मिलता है. इसलिये ऋषियों ने जो वेद मन्त्र देखे थे, वह उन सब मनुष्यों के तजुरुब का निचोड़ थे जो उस समय तक कुदरत की जानकारी हासिल करने और उसे अमल में लाने के लिये जुझते रहे थे.

इतिहासकारों का कहना है कि आर्य लोग असीरिया से आये थे क्योंकि वेदों में जित इन्द्र और बरुन आदि देवताओं

दसरी पुस्तक यजुर्वेद है. 'यजुर' का मतलब है—काम में लाना, अमल करना. इसलिये यजुर-वेद का मतलब है जानकारी या ज्ञान को अमल में लाना.

रक वेद और यजुर वेद के ان اربنوں سے ہم ان نتيجوں پر پہونچتے ہیں کہ ہندستان کے شروع کے باشندوں—ہمارے پوروچوں نے—قدرت کے بارے میں ادھک سے ادھک جانکاری حاصل کرنے اور اسے عمل میں لانے کی کوشش کی. اس طرح انہوں نے اپنے کلچر کو آگے بڑھایا. گیان کے بارے میں ان کے من میں کوئی تعصب نہیں تھا. جس چیز کو وہ مہید دیکھتے تھے اسی کو اپنالیتے تھے اور جسے اپناتے تھے، اس پر عمل کرتے تھے. ودرانوں کا کہنا ہے کہ ویدوں کے منتر رشیوں نے بنائے یا رچے نہیں، بلکہ دیکھے ہیں. اس کا یہی یہی مطلب ہوا کہ ویدوں کے منتر کوئی کے وچار کی آڑان یا کلہنا کی چیز نہیں، بلکہ منشیہ کے تجربے کا نتیجہ ہے. اس نے اپنے جیوں میں جو کچھ دیکھا اور کیا اُسے منتروں میں لکھ دیا. ظاہر ہے کہ آدمی جو کچھ دیکھتا اور کرتا ہے، اُسے لکھ دینا آسان نہیں ہے. آدمی جو کچھ دیکھتا ہے اور کرتا ہے اُس کے ساتھ اُس کا اکتانچے ہی ایک دماغی سمبندہ جڑ جاتا ہے اور اس سمبندہ کے ذریعہ وہ اپنے اندر ایک اثر قبول کرنا رہتا ہے. یہ اثر جمع ہوتے ہوتے آتما میں ایک بیج سا بن جاتا ہے. اس بیج میں بہت سے باغی تاتو ملے ہوتے ہیں. جیسے بیج اُنکر پھوٹنے سے پہلے زمین کے اندر ایک عرصے تک پلٹا رہتا ہے، یہ بیج بھی آدمی کی آتما میں پرورش پاتا رہتا ہے. اور ایک دن اچانک اُس کا خول ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور اُس میں سے ایک سندر اور کوئل اُنکر پھوٹتا ہے. یہ آدمی کا گیان یا کلچر کا بدل ہونا ہے، جیسے وہ منتر، چیتو، شعر، نثر، مورتی یا چتر میں ظاہر کرتا ہے. کچر اطلالی شبد Cultus سے نکلا ہے، جسکا مطلب ہے جوٹنا، اپنے اندر بیج ہونا.

ویدوں کے بنانے والے بہت سے رشی تھے. انہیں مرد بھی تھے، عورتیں بھی. یعنی وید منشیہ کے ساجھے کے گیان کا ہندار ہے. کوئی ہی منتر یا شعر کسی ہی ایک آدمی کے تجربے کا نتیجہ نہیں ہوتا. ایک آدمی دوسروں کے تجربوں سے بھی سیکھتا ہے. وہ جو کچھ کرتے اور کہتے ہیں، اُس سے اثر لیتا ہے. یہ تجربہ اور اثر ایک پیڑھی سے دوسری پیڑھی کو وراثت میں ملتا ہے. اس لئے رشیوں نے جو ویدمنتر دیکھے تھے، وہ اُن سب منشیوں کے تجربے کا نتیجہ تھے جو اُس سے تک قدرت کی جانکاری حاصل کرنے اور اُسے عمل میں لانے کے لئے جوجہمے رہے تھے.

اہلسکاروں کا کہنا ہے کہ آریہ لوگ اسیریا سے آئے تھے کیونکہ ویدوں میں جن اندر اور ورن آدمی دیوتاؤں

ہندوستانی کالچر

(ہنسراج رھبر)

[پچھلے سال ہندوستانی کالچر سوسائٹی نے ہندوستانی کالچر پر انعامی لیکچر دیا تھا۔ تیس وارانوں نے اس پرٹی ہوگنا میں بھاگ لیا تھا۔ دیش کے تین ذمہ دار اور بڑے ودوان جیج بنائے گئے تھے۔ انہوں نے محنت سے سارے لیکچروں کو پڑھ کر اپنا فیصلہ دیا ہے۔ ان لیکچروں میں سے کئی کو انعام ملا ہے۔ چاہئے یہ تھا کہ ان لیکچروں کو پہلے چھاپا جاتا جن کو انعام ملا ہے۔ لیکن وہ سب لیکچر انگریزی میں نہیں اور انوواد کرنے میں سب سے لگے گا۔ اس لئے ہم پہلے ان لیکچروں کو چھاپ رہے ہیں جو ہندی اور اردو میں ہیں۔

ان لیکچروں میں جو وچار ظاہر کئے گئے ہیں ان کا 'نیا ہند' سے کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ اس پرٹی ہوگنا میں ہر وچار دھار کے لوگوں نے بھاگ لیا ہے اور اسی لئے ان لیکچروں میں ہر وچار دھار پڑھنے کو ملے گی۔ ہم 'نیا ہند' کے پانچوں کے سامنے یہ سامگری اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ وہ سب وچاروں کو سامنے رکھ کر اپنا وچار بنالیں اور صحیح کالچر کی روپ دیکھا سامنے آسکے—ایڈیٹر]



میرا خیال ہے کہ پرکرتی کے بارے میں ادھک سے ادھک جانکاری حاصل کرنا اور اسے عمل میں لانے کا نام کالچر ہے۔

جس دیش یا جاٹ نے پرکرتی کے بارے میں جتنی ادھک جانکاری حاصل کی اور اپنے جیون میں اس جانکاری پر جتنا عمل کیا اتنا ہی اس کا کالچر اگے بڑھا اور اس دیش یا جاٹ کی ترقی ہوئی۔

ہندستان نے پرکرتی کے بارے میں دھیرے دھیرے جتنا گہرا حاصل کیا اور اس گہرا کو اپنے عملی جیون میں ڈھالا اسی کا نام ہندوستانی کالچر ہے۔

وید—ہندوستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، جتان کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد 'ود' دھاتو سے بنا ہے، جسکا مطلب ہے—جاننا۔ ویدوں میں سب سے پہلی پستک رگ وید ہے، 'رگ' کا مطلب ہے—پستک یا پرکرتی، اور وید کا مطلب ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا مطلب ہواسخرت کے بارے میں جانکاری۔

ہندوستانی کالچر

(ہنسراج رھبر)

[پچھلے سال ہندوستانی کالچر سوسائٹی نے ہندوستانی کالچر پر انعامی لیکچر دیا تھا۔ تیس وارانوں نے اس پرٹی ہوگنا میں بھاگ لیا تھا۔ دیش کے تین ذمہ دار اور بڑے ودوان جیج بنائے گئے تھے۔ انہوں نے محنت سے سارے لیکچروں کو پڑھ کر اپنا فیصلہ دیا ہے۔ ان لیکچروں میں سے کئی کو انعام ملا ہے۔ چاہئے یہ تھا کہ ان لیکچروں کو پہلے چھاپا جاتا جن کو انعام ملا ہے۔ لیکن وہ سب لیکچر انگریزی میں نہیں اور انوواد کرنے میں سب سے لگے گا۔ اس لئے ہم پہلے ان لیکچروں کو چھاپ رہے ہیں جو ہندی اور اردو میں ہیں۔

ان لیکچروں میں جو وچار ظاہر کئے گئے ہیں ان کا 'نیا ہند' سے کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ اس پرٹی ہوگنا میں ہر وچار دھار کے لوگوں نے بھاگ لیا ہے اور اسی لئے ان لیکچروں میں ہر وچار دھار پڑھنے کو ملے گی۔ ہم 'نیا ہند' کے پانچوں کے سامنے یہ سامگری اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ وہ سب وچاروں کو سامنے رکھ کر اپنا وچار بنالیں اور صحیح کالچر کی روپ دیکھا سامنے آسکے—ایڈیٹر]

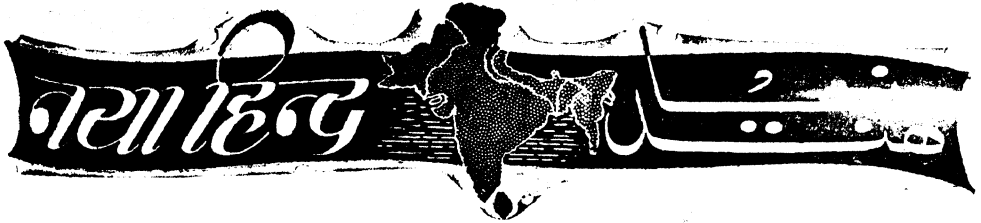


میرا خیال ہے کہ پرکرتی کے بارے میں ادھک سے ادھک جانکاری حاصل کرنا اور اسے عمل میں لانے کا نام کالچر ہے۔

جس دیش یا جاٹ نے پرکرتی کے بارے میں جتنی ادھک جانکاری حاصل کی اور اپنے جیون میں اس جانکاری پر جتنا عمل کیا اتنا ہی اس کا کالچر اگے بڑھا اور اس دیش یا جاٹ کی ترقی ہوئی۔

ہندستان نے پرکرتی کے بارے میں دھیرے دھیرے جتنا گہرا حاصل کیا اور اس گہرا کو اپنے عملی جیون میں ڈھالا اسی کا نام ہندوستانی کالچر ہے۔

وید—ہندستان کے شروع کے باشندوں—آریوں کے، گہرا کے بڈار ہیں اور وہ دنیا کی سب سے پرانی پستکیں مانی جاتی ہیں۔ وید شبد 'ود' دھاتو سے بنا ہے، جسکا مطلب ہے—جاننا۔ ویدوں میں سب سے پہلی پستک رگ وید ہے، 'رگ' کا مطلب ہے—پستک یا پرکرتی، اور وید کا مطلب ہم پہلے بتا چکے ہیں—جانکاری۔ اس لئے رگ وید کا مطلب ہواسخرت کے بارے میں جانکاری۔



जिल्द 17 सितम्बर-अक्तूबर सन '54 नम्बर 3-4 3-4 सتمبر - اکتوبر سن '54 17 جلد

जात आदमी, प्रेम धर्म है, हिन्दुस्तानी बोली,
'नया हिन्द' पहुँचेगा घर-घर लिये प्रेम की भोली.

جانت آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پہنچے گا گھر - گھر لئے پریم کی جھولی .

“किसान राजा”

(जुबैर रिजवी)

मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
ऊँचे परबत मेरे हैं यह नीली छतरी मेरी
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
रंग बिरंगे पेड़ों की यह भूमती डारें मेरी
खलियानों पर मेरा कब्जा धान की बालें मेरी
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
खेत हैं मेरे, सागर मेरा, चंचल लहरें मेरी
मस्त पवन, घनघोर घटाएं, ऊड़ी झीलें मेरी
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
फूल, शगुने, कच्ची कलियां, हरी भरी फुलवारी
खेल का हर हर पौदा मेरा गुलशन की हर क्यारी
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
धरती के सीने में मैंने अपना खून समोया
तपती धूप में नाज उगाने बीज यह मैंने बोया
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
अपने घर में भूक उगाई जग में हुन बरसाया
महलों को उजियारा बख्शा कुटिया को अधियारा
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
दाना दाना आज मगर है एक उपी तलवार
वेहला देगी सारे जग को आज मेरी ललकार
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी
डाली डाली पत्ती पत्ती पर है मेरा अधिकार
मुस्काए है आज दरांती फसल खड़ी तैयार
मैं राजा हूँ इस नगरी का सारी धरती मेरी

“کسان راجہ”

(زبیر رضوی)

میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
اُونچے پریت میرے ہیں یہ نیلی چھتری میری
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
رنگ بزنکے پیڑوں کی یہ جھومتی ڈاریں میری
کھلیاتوں پر میرا قبضہ دھان کی بالیں میری
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
کھیت ہیں میرے، ساگر میرا، چنچل لہریں میری
مست ہوں، گھنگھور گھٹائیں، اُردی جھیلیں میری
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
پھول، شکوئے، کچی کلیاں، ہری پتری پہلواڑی
کھیت کا غر غر پودا میرا گلشن کی غر کیاری
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
دھرتی کے سینے میں میں نے اپنا خون سمویا
تپتی دھوپ میں ناچ اُگاتے بیج یہ میں نے بويا
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
اپنے گھر میں بیوک اُگائی جگ میں ہوں برسایا
محتلوں کو اجیارا بخشا کتیا کو اندھیارا
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
دانہ دانہ آج مگر ہے ایک اپنی تلوار
دھلا دے گی سارے جگ کو آج میری للکار
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری
ڈالی ڈالی پتی پتی پر ہے میرا ادھیکار
مسکائے ہے آج دراٹنی نسل کھڑی تیار
میں راجہ ہوں اس نگر کی ساری دھرتی میری

नया हिन्द
हिन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी

क

माहवारी परचा

सितम्बर-अक्टूबर 1954

نیا ہند

ہندستانی کلچر سوسائٹی

ک

ماہواری پرچا

ستمبر-اکتوبر

क्या किस से

صفحہ سکا

کیا کس سے

1. "किसान राजा" (कविता) — जुबैर रिजवी ... 123 ... 1. "کسان راجہ" (کویتا) — زبیر رضوی
2. हिन्दुस्तानी कलचर — ईसरज रहवर ... 124 ... 2. ہندستانی کلچر — عیس راج رہبر
3. बेकारी का हल — डाक्टर बी. बी. सिंह ... 141 ... 3. بیکاری کا حل — ڈاکٹر بی. بی. سنگھ
4. योजना के तीन साल — सुरेशराम भाई ... 148 ... 4. یोजना کے تین سال — سریش رام بھائی
5. मदिरालय में (कहानी) — लेखक लू-युन-अनु-वादक कामेश्वर अग्रवाल ... 155 ... 5. مدرائے میں (کہانی) — ! بیک لو. شن — انور ادک کامیشور اگروال
6. सूडान — जमीर हसन काजिमी ... 165 ... 6. سڈان — ضمیر حسن کاظمی
7. बोली — एक इतिहास (तवारीख) — मदन गोपाल ... 171 ... 7. بولی — ایک ایتھس (تواریخ)
8. कुछ किताबें ... 175 ... 8. کچھ کتابیں
9. हमारी राय — ... 177 ... 9. ہماری رائے —

देश की मांग — सुरेशराम भाई; चार मैडिल ! —
सुरेशराम भाई; 'वैलकेअर स्टेट' बनाम
ग्रामराज — सुरेशराम भाई; बाद पीड़ित दरभंगा
में — सुरेशराम भाई; नई लड़ाई नये सिपाही —
सुरेशराम भाई.

دش کی مانگ — سریش رام بھائی؛ چار میڈل — سریش
رام بھائی؛ "ویل فیڈر اسٹیٹ" بنام گرام راج — سریش
رام بھائی؛ بازہ پیڑت درہنگا میں — سریش رام بھائی؛
نئی لڑائی نئے سپاہی — سریش رام بھائی.

कीमत — हिन्दुस्तान में छै रुपया साल, बाहर दस रुपया साल,
एक परचा — दस आने.

قیمت — ہندستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ سال،
ایک پرچہ — دس آنے.

मैनेजर

مینیجر

'नया हिन्द'

'نیا ہند'

145, मुहूर्तगंज, इलाहाबाद.

145, مٹھی گنج، الہ آباد.

نیا ہند



تعمیر

26/6

پبلیشر — تاریخہ، مہاراجا رام، سید محمد، بیگم رام، سید محمد

ایڈیٹر — تاریخہ، مہاراجا رام، سید محمد، بیگم رام، سید محمد

ناشر پبلیشر — تاریخہ، مہاراجا رام، سید محمد، بیگم رام، سید محمد

27 OCT 1954

Oriental University Library,
HYDERABAD (DECCA)

اس نمبر کے خاص لیک

اس نمبر کے خاص لیک

- ہندوستانی کلچر — ہنس راج رھبر
- بھکاری کا دل — ڈاکٹر بی. بی. سنگھ
- یोजना کے تین سال — سuresharam भाई
- बोली — एक इतिहास (तवारीख) — मदन गोपाल

- ہندوستانی کلچر — ہنس راج رھبر
- بھکاری کا دل — ڈاکٹر بی. بی. سنگھ
- یोजना کے تین سال — سuresharam भाई
- बोली — एक इतिहास (तवारीख) — मदन गोपाल

हमारी राय

हमारी राय

- देश की मांग — सuresharam भाई
- "वैलकेयर स्टेट" बनाम प्रामराज — सuresharam भाई
- नई लड़ाई नये सिपाही — सuresharam भाई

- देश की मांग — सuresharam भाई
- "वैलकेयर स्टेट" बनाम प्रामराज — सuresharam भाई
- नई लड़ाई नये सिपाही — सuresharam भाई

हिंदुستانی کلچر سوسائٹی، ایٹاहाबाद



सितम्बर • अक्टूबर 1954

सितम्बर दस आता

सितम्बर दस आता

ہمارے یہاں ملنے والی کچھ اور کتابیں

نوٹ:—یہ کتابیں صرف ہندی میں ہیں۔

نام کتاب	لکھک	دائیں	نام کتاب	لکھک	دائیں
1. شعر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گوہلی	8 0 0	1. شعر و شاعری	شری ابودھیا پرساد گوہلی	8 0 0
2. شعر و سخن	"	8 0 0	2. شعر و سخن	"	8 0 0
3. گھرے پانی پتھر	"	2 8 0	3. گھرے پانی پتھر	"	2 8 0
4. ہمارے آزادہ	شری ہمدانی داس	3 0 0	4. ہمارے آزادہ	شری ہمدانی داس	3 0 0
5. سنس مرن	چترودی	3 0 0	5. سنس مرن	چترودی	3 0 0
6. دو ہزار ورہی پرانی کہانیاں	شری جگدیپ چندر جین	3 0 0	6. دو ہزار ورہی پرانی کہانیاں	شری جگدیپ چندر جین	3 0 0
7. گھان گٹا	شری نارائن پرساد جین	6 0 0	7. گھان گٹا	شری نارائن پرساد جین	6 0 0
8. پتھر چٹھ	شری شانتی پریم دودی	2 0 0	8. پتھر چٹھ	شری شانتی پریم دودی	2 0 0
9. پنچ پرندہ	شری ایم . اے	2 0 0	9. پنچ پرندہ	شری ایم . اے	2 0 0
10. آکھ کے تارے دھرتی کے پھول	شری کھمالال مشر پربھاکر	2 0 0	10. آکھ کے تارے دھرتی کے پھول	شری کھمالال مشر پربھاکر	2 0 0
11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جین ایم . اے	5 0 0	11. مکتی دوت	شری ویرندر کمار جین ایم . اے	5 0 0
12. ملن پاملی	شری بھجن	4 0 0	12. ملن پاملی	شری بھجن	4 0 0
13. رجت رشی	ڈاکٹر رامکمار برما	2 8 0	13. رجت رشی	ڈاکٹر رامکمار برما	2 8 0
14. مہرے ہاتھ	شری تلمی بھاریا	2 8 0	14. مہرے ہاتھ	شری تلمی بھاریا	2 8 0
15. وشو سنگھ کی اور	پلڈت سندھال، بھگوان داس کھلا	3 0 0	15. وشو سنگھ کی اور	پلڈت سندھال، بھگوان داس کھلا	3 0 0
16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	5 0 0	16. بھارتیہ ارتھ شاستر	شری بھگوان داس کھلا	5 0 0
17. بھارتیہ شاسن	"	3 0 0	17. بھارتیہ شاسن	"	3 0 0
18. ناگرک شاستر	"	2 4 0	18. ناگرک شاستر	"	2 4 0
19. سامواج اور ان کا پتن	"	2 8 0	19. سامواج اور ان کا پتن	"	2 8 0
20. بھارتیہ स्वाधीनता अन्दोलन	"	1 4 0	20. بھارتیہ स्वाधीनता अन्दोलन	"	1 4 0
21. ضرور دے ارتھ ویستھا	"	1 8 0	21. ضرور دے ارتھ ویستھا	"	1 8 0
22. ہماری آدیم جاتیاں	شری بھگوان داس کھلا اور شری اکیل دتے	3 8 0	22. ہماری آدیم جاتیاں	شری بھگوان داس کھلا اور شری اکیل دتے	3 8 0
23. ارتھ شاستر شبداولی	شری دیا شکر دویہ ایم . اے . ایل ایل . بی . گجادر پرساد، امبھت، بھگوان داس کھلا	2 0 0	23. ارتھ شاستر شبداولی	شری دیا شکر دویہ ایم . اے . ایل ایل . بی . گجادر پرساد، امبھت، بھگوان داس کھلا	2 0 0
24. ناگرک شکشا	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0	24. ناگرک شکشا	شری بھگوان داس کھلا	1 8 0
25. راجندر منڈل شاسن	شری دیا شکر دویہ	1 8 0	25. راجندر منڈل شاسن	شری دیا شکر دویہ	1 8 0
26. جوانو	مہاتما بھگوان دین	3 0 0	26. جوانو	مہاتما بھگوان دین	3 0 0
27. مارنے کی مہمت	"	1 0 0	27. مارنے کی مہمت	"	1 0 0
28. سلونا سچ	"	0 8 0	28. سلونا سچ	"	0 8 0
29. مہرے تھی	"	1 0 0	29. مہرے تھی	"	1 0 0

میلے کا پتہ—

مینیجر 'نیا ہند'
145، سڈی گنج، دھارم پور-3.

مینیجر 'نیا ہند'
145، مکتی گنج، الہ آباد-3.

झंकार

सम्पादक—श्री रघुपति सहाय 'किराक'

पिछले पन्त्रह बरस से आज तक की उरदू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उरदू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उरदू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व किराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उरदू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप ए ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

“इन कविताओं में अन्तर्राष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकार.....वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उरदू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय...”

23-2-52 —रोजाना 'लोकवाणी' जयपुर

“जहां तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं।”

6. 3. 52 —‘विशाल भारत’ कलकत्ता

“झंकार में प्रकाशित 72 उरदू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से अत्यंत प्रोत हैं।”

17-2-52 —‘नव भारत टाइम्स’ दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है।”

13-1-52 —‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

“हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्लायल हैं। यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है।”

8-5-52 —‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“झंकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है।”—‘नया समाज’ कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उरदू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला। सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, उम्दा छपाई, दाम सिर्फ तीन रुपया। दस किताओं की एक साथ खरीदारी पर पचास फ्री सदी कमीशन।

मिलने का पता—

मैनेजर ‘नया हिन्द’ 145, सुदीगंज, इलाहाबाद.

जहेनकार

सम्पादक—शहीद ज़ुल्फ़िकार अली भट्ट ‘फ़राक’

पिछले पंद्रह बरस से आज तक की उरदू की चुनी हुई कविताओं का यह संग्रह पढ़ कर आप को मालूम होगा कि उरदू कविता ने किस तरह खयाली दुनिया को छोड़ कर ज़िन्दगी की सचाइयों से अपना नाता जोड़ लिया है। आज की उरदू शायरी गुल व बुलबुल और वस्ल व किराक तक ही सीमित नहीं है, अब आप को उरदू कविता में किसानों और मजदूरों के दिलों की धड़कनें सुनाई देंगी। गलामी, अन्याय और लूट खसोट के खिलाफ आप ए ऐसी आवाज़ सुनेंगे जो आपके दिल की गहराइयों को छुएगी।

“इन कविताओं में अन्तर्राष्ट्रीय तथा राष्ट्रीय दोनों झलकें मिलती हैं.....सजीव तथा साकार.....वास्तव में हिन्दी संसार में यह प्रयास अनोखा है और उरदू साहित्य के आधुनिक दौर में अद्वितीय...”

23-2-52 —‘रोजाना’ जयपुर

“जहां तक भाव का सम्बन्ध है कविताएं उच्च स्तर की हैं।”

6-3-52 —‘विशाल भारत’ कलकत्ता

“जहेनकार में प्रकाशित 72 उरदू की कविताएं आज ही के युग की समस्याओं से अत्यंत प्रोत हैं।”

17-2-52 —‘नव भारत टाइम्स’ दिल्ली

“हिन्दी के पाठक स्नेह और चाव से इस संग्रह का आनन्द लेंगे और उनसे प्रेरणा ग्रहण करेंगे, यह निश्चित है।”

13-1-52 —‘अमृत पत्रिका’ इलाहाबाद

“हम उन की (कविताओं की) शक्ति, ताज़गी और सूत्र के क्लायल हैं। यह एक नए युग का सन्देश देती हैं...भाषा अधिकतर सरल और बामहावरा है। कहीं कहीं तो ठेठ हिन्दी है।”

8-5-52 —‘जीवन साहित्य’ दिल्ली

“जहेनकार की रचनाओं में युग की पुकार है और भाषा बिलकुल बोल चाल के निकट है।”—‘नया समाज’ कलकत्ता

नागरी लिखावट में ऐसा भरपूर उरदू कविता संग्रह आज तक नहीं निकला। सुन्दर जिल्द, बढ़िया काराज, उम्दा छपाई, दाम सिर्फ तीन रुपया। दस किताओं की एक साथ खरीदारी पर पचास फ्री सदी कमीशन।

मिलने का पता—

मैनेजर ‘नया हिन्द’ 145, सुदीगंज, इलाहाबाद.

गांधी बाबा

लेखक—कुदसिया जैदी

दो शब्द—जवाहरलाल नेहरू

यह अनमोल किताब जन्म से बलिदान तक की गांधी जी की पूरी और सच्ची जीवनी भी है और कहानी भी। हमारे देश में यह पुराना रिवाज रहा है कि माएं अपने बच्चों को महापुरुषों के जीवन चरित कहानी के रूप में सुनाती हैं। इस तरह की कहानियां आम तौर पर वीर राजाओं और उनके युद्धों की कहानियां होती हैं। बेगम कुदसिया जैदी ने, जो महात्मा गांधी की परम भक्त हैं, अपनी इस किताब में गांधीजी की जीवनी और उनका सत्य, अहिंसा, प्रेम और त्याग का उपदेश बच्चों को ऐसी प्यारी, सीधी सादी बोली में और ऐसे ढंग से सुनाया है कि बच्चों के दिल में उतरता चला जाता है। हिन्दी में गांधीजी के ऊपर बच्चों के लिये इससे बढ़कर किताब नहीं है। इसमें कहानी का रस भी है और बच्चों को ऊंचा उठाने वाले उपदेश भी।

पंडित जवाहरलाल नेहरू ने अपने 'दो शब्द' में लिखा है—

“वन्होंने (कुदसिया जैदी ने) यह छोटी सी किताब सच्चे दिल से लिखी है, वह इसे सिर्फ एक किताब नहीं समझतीं। उनके लिये गांधीजी की कहानी एक बहुत ही महत्त्व की और प्यारी चीज है...मुझे खुशी है कि यह किताब लिखी गई है।”

मोटे कापड़ा पर, मोटे टाइप में, बहुत सी रंगीन तस्वीरें, आर्ट पेपर पर सुन्दर रंगीन कवर और दफती की मजबूत जिल्द—दाम केवल दो रुपए

भाषा

लेखक—लाला मदन गोपाल

हिन्दी उर्दू और हिन्दुस्तानी की तकरार पर एक बे लाग राय इस किताब में आपको मिलेगी। राष्ट्र भाषा के सवाल में दिलचस्पी रखने वाले हर भाई-बहन को इस किताब के पढ़ने से फायदा होगा—सोचने की राहें सूझेंगी, जानकारी बढ़ेगी और तरह तरह की तंग नज़रियां मिटेंगी।

क़रीब सवा सौ सफ़े की सुन्दर किताब, दाम डेढ़ रुपया मिलाने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द'

145 सुदीगंज, इलाहाबाद.

गान्धी बाबा

लेखक—क़दसिया जैदी

दो शब्द—जवाहर लाल नेहरू

یہ انمول کتاب جنم سے بگیدان تک کی گاندھی جی کی پوری اور سچی چھوٹی بھی ہے اور کہانی بھی۔ ہمارے دیہی میں یہ پرانا رواج رہا ہے کہ ماٹھوں اپنے بچوں کو مہاپرشوں کے چھون چرت کہانی کے روپ میں سناتی ہیں۔ اس طرح کی کہانیاں عام طور پر ویر راجاؤں اور ان کے پدھوں کی کہانیاں ہوتی ہیں۔ بیگم قدسمہ زیدی نے 'جو مہاتما گاندھی کی پریم بھکت ہیں' اپنی اس کتاب میں گاندھی جی کی چھوٹی اور ان کا سچا 'اھلسا' پریم اور تھاک کا ابدیش بچوں کو ایسی پھاری 'سیدھی سادی' بولی میں اور ایسے ڈھنگ سے سنایا ہے کہ بچوں کے دل میں اترنا چلا جاتا ہے۔ ہمدی میں گاندھی جی کے اوپر بچوں کے لئے اس سے بڑھ کر کتاب نہیں ہے۔ اس میں کہانی کا راس بھی ہے اور بچوں کو اونچا اٹھانے والے ابدیش بھی۔

پلڈت جواہر لال نہرو نے اپنے 'دو شبد' میں لکھا ہے—

”انہوں نے (قدسمہ زیدی نے) یہ چھوٹی سی کتاب سچے دل سے لکھی ہے۔ وہ اسے صرف ایک کتاب نہیں سمجھتیں۔ ان کے لئے گاندھی جی کی کہانی ایک بہت ہی مہتو کی اور پھاری چیز ہے.....مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب لکھی گئی ہے۔“

موٹے کاغذ پر، موٹے ٹائپ میں، بہت سی رنگین تصویریں، آرت پیپر پر سندر رنگین کور اور دفتی کی مضبوط جلد—دوم کیول دو روپے۔

بھاشا

لکھک—لالہ مدن گوپال

ہمدی اُردو اور ہلدستانی کی تکرار پر ایک بے لاگ دائے اس کتاب میں آپ کو ملے گی۔ راشٹر بھاشا کے سوال میں دلچسپی رکھنے والے ہر بھائی بہن کو اس کتاب کے پڑھنے سے فائدہ ہوگا—سوچنے کی راہیں سوچیں گی، جانکاری بڑھے گی اور طرح طرح کی تلگ نظریاں مٹیں گی۔

کریپ سواسو صنعتی کی سندر کتاب، دلم تیرہ روپے۔

ملنے کا پتہ—

مینيجر 'نیا ہند'

145 مٹی لکھ، الہ آباد.

مہاتما گاندھی کی वसीयत

लेखक—श्री मंचर अली सोکھتا

अपने देहान्त से कुछ घण्टे पहले महात्मा गांधी ने कांग्रेस को लोक सेवा संघ में बदल देने के लिए अपनी तजवीज लिखी थी. यह देश के नाम उनकी आखिरी वसीयत है और इसकी व्याख्या गांधी जी के परम भक्त श्री मंचर अली सोकھتا ने की है जो गांधीवाद को समझने और अपनाने वाले देश के इन्ने गिने लोगों में से एक हैं.

गांधीवाद को समझने के लिए इसका पढ़ना बहुत जरूरी है. 225 सफ़े की सुन्दर जिल्द बँधी किताब की क़ीमत सिर्फ़ दो रुपये.

अहिंसात्मक इन्क़लाब का रास्ता

लेखक—श्री मंचर अली सोकھتا

इस छोटी सी किताब को पढ़ कर आपको पता चलेगा कि महात्मा गांधी क्या चाहते थे और किस तरह उनके रास्ते पर चल कर अहिंसात्मक ढंग से देश में इन्क़लाब लाया जा सकता है.

पैंतीस पन्ने की किताब, दाम सिर्फ़ चार आने.

आज के शहीद

सम्पादक—श्री रतन लाल बंसल

उन बहादुरों की कहानियाँ जिन्होंने विदेशी हाकिमों की फैलाई फूट की आग में इनसानियत को भस्म होते देख एक छन की भी देर न की और उसे बुझाने की कोशिश में अपनी जान क़ुरबान कर दी. दाम सिर्फ़ ढाई रुपये.

मुस्लिम देश भक्त

लेखक—श्री रतन लाल बंसल

उन मुसलमान देश भक्तों के जीवन का हाल जिन्होंने अपनी जान हथेली पर रखकर हिन्दुस्तान और विदेशों में रहते हुए भारत माता को गुलामी की जंजीरों से आजाद करने की कोशिश की. किताब बड़े दिलचस्प ढंग से लिखी गई है. क़ीमत सिर्फ़ एक रुपया बारह आने.

मिलाने का पता—

मैनेजर, 'नया हिन्द' 45, छद्दीगंज, इलाहाबाद,

महاتमा गान्धی کی وصیت

لکھک—شری ملظر علی سوختہ

اپنے دیہانت سے کچھ گھنٹے پہلے مہاتما گاندھی نے کانگریس کو لوگ سروس سبھ میں بدل دینے کے لئے اپنی تجویز لکھی تھی. یہ دیہے کے نام انکی آخری وصیت ہے اور اسکی دیاگھیا گاندھی جی کے پریم بھکت شری ملظر علی سوختہ نے کی ہے جو گاندھی واد کو سمجھنے اور اپنانے والے دیہے کے لئے لکھے لوگوں میں سے ایک ہوں.

گاندھی واد کو سمجھنے کے لئے اسکا پڑھنا بہت ضروری ہے. 225 صفحے کی سندر جلد بلندھی کتاب کی قیمت صرف دو روپے.

اھنساتمک انقلاّب کا راستہ

لکھک—شری ملظر علی سوختہ

اس چھوٹی سی کتاب کو پڑھکر آپ کو پتہ چلے گا کہ مہاتما گاندھی کیا چاہتے تھے اور کس طرح اُن کے راستے پر چل کر اھنساتمک قہلک سے دیہے میں انقلاّب لایا جا سکتا ہے.

پہلےتیس پے کی کتاب، دام صرف چار آئے.

آج کے شہید

سمپادک—شری رتن لال بلسل

اُن بہادروں کی کہانیاں چلھوں نے ودیشی حاکیوں کی پھولائی پھوت کی آگ میں انسانیت کو بھسم ہونے دیکھ ایک چھن کی بھی دیر نہ کی اور اُسے بجھانے کی کوشش میں اپنی جان قربان کر دی. دام صرف ڈھائی روپے.

مسلم دیش بھکت

لکھک—شری رتن لال بلسل

اُن مسلمان دیہے بھکتوں کے چھوں کا حال چلھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر ہندستان اور ودیشوں میں دھتے ہوئے بہارت ماتا کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کی کوشش کی. کتاب بڑے دلچسپ قہلک سے لکھی گئی ہے. قیمت صرف ایک روپے بارہ آئے.

ملنے کا پتہ—

مہلچھر، 'نہا ہلد' 145، مٹھی لکھی، الہ آباد.

गीता और کُوران

لےکھک-پंडیت सुन्दरलाल

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتیں ہیں۔ گیتا کا بڑھپن، گیتا کے ایک ایک آیتوں کا نیچوڑ، کُوران کا بڑھپن، لگام 15 کراس کراس مضمونوں پر کُوران کی کُریب 500 آیتوں کا لکھی تہجیما وگہرا دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بلندی ایکسا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب امدول ہے۔
پونے تین سو صلفے کی سنددر جلد بلندی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

ہندو مسلم اکتا

اس کتاب میں وہ چار لکھچر جمع کئے گئے ہیں جو پندیت جی نے کنسلٹیلییڈری بورڈ گوالیئر کی داوت پر گوالیئر میں دیے تھے۔

سوی سلفے کی کتاب۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبک

سامبرداپکتا یعنی فرقہ پرستی کی بھاری پر راج کاچی، مذہبی اور اٹھاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج۔ اسی نے آخر میں دیس پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے ہیچ میں نہ رہنے دیا۔

تہمت بارہ آنے۔

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

اکتوبر سن 1947 میں پندیشی اور پوربی پنجاب کے ہتوارے کے بعد وہاں کی بھیلکر برہادی اور آپسی مار کات کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں اُن کا ہردناک آئیں دیکھا دین۔ اِس چھوٹی سی کتاب میں آچکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سبھاوی ہی پھیں کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آنے۔

بنگال اور اس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوربی اور پندیشی بنگال کے فرقہوارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکیب بھی سبھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آنے۔

سلمان کا پتہ۔۔۔

مہلچر 'نہا ملد' 145 مہل۔ لکھ، اِلہ آباد۔

گیتا اور کُوران

لیکھک-پندیت سنددر لال

اس کتاب میں ہندو دھرم اور اسلام دونوں کے مہل کی باتیں ہیں۔ گیتا کا بڑھپن، گیتا کے ایک ایک آیتوں کا نیچوڑ، کُوران کا بڑھپن، لگام 15 کراس کراس مضمونوں پر کُوران کی کُریب 500 آیتوں کا لکھی تہجیما وگہرا دیا گیا ہے۔

جو لوگ سب دھرموں کی بلندی ایکسا کو جاننا اور سمجھنا چاہیں اُن کے لئے یہ کتاب امدول ہے۔
پونے تین سو صلفے کی سنددر جلد بلندی کتاب کی قیمت صرف ڈھائی روپہ، ڈاک خرچ الگ۔

ہندو مسلم اکتا

اس کتاب میں وہ چار لکھچر جمع کئے گئے ہیں جو پندیت جی نے کنسلٹیلییڈری بورڈ گوالیئر کی داوت پر گوالیئر میں دیے تھے۔

سو صلفے کی کتاب۔ قیمت صرف بارہ آنے۔

مہاتما گاندھی کے بلیدان سے سبق

سامبرداپکتا یعنی فرقہ پرستی کی بھاری پر راج کاچی، مذہبی اور اٹھاسی پہلو سے وچار اور اسکا علاج۔ اسی نے آخر میں دیس پتا مہاتما گاندھی تک کو ہمارے ہیچ میں نہ رہنے دیا۔

تہمت بارہ آنے۔

پنجاب ہمیں کیا سکھاتا ہے

اکتوبر سن 1947 میں پندیشی اور پوربی پنجاب کے ہتوارے کے بعد وہاں کی بھیلکر برہادی اور آپسی مار کات کے کارن لوگوں پر جو جو مصیبتیں آئیں اُن کا ہردناک آئیں دیکھا دین۔ اِس چھوٹی سی کتاب میں آچکل کی مصیبتوں کو حل کرنے کے لئے کچھ سبھاوی ہی پھیں کئے گئے ہیں۔ قیمت چار آنے۔

بنگال اور اس سے سبق

اس چھوٹی سی کتاب میں 1949-50 میں پوربی اور پندیشی بنگال کے فرقہوارانہ جھگڑوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ترکیب بھی سبھائی گئی ہے۔ قیمت صرف دو آنے۔

سلمان کا پتہ۔۔۔

مہلچر 'نہا ملد' 145 مہل۔ لکھ، اِلہ آباد۔

हन्दुस्तानी कलचर सोसाइटी की किताबें

पचास रुपये से ज़ियादा दाम की किताबें खरीदने वालों को और बुकसेलरों को खास रिश्चायत दी जायेगी। पूरी जानकारी के लिए लिखिये.

ढाक या रेल खर्च हर हालत में ग्राहक के जिम्मे होगा.

भारत का विधान

पूरा हिन्दी अनुवाद

जो 26 जनवरी सन 1950 से सारे भारत में लागू हुआ.
'भारत में अंगरेजी राज' के लेखक पंडित सुन्दरलाल
द्वारा मूल अंगरेजी से अनुवादित.

हर भारतवासी का कर्ज है कि जिस विधान के अधीन स्वाधीन भारत का शासन इस समय चल रहा है उसे अच्छी तरह समझे, भारत के हर घर में इस पुस्तक का रहना जरूरी है.

आसान बामहावरा भाशा. रायल अठपेजी बडा साइज.
लगभग चार सौ पन्ने. कपडे की सुन्दर जिल्द. कीमत केवल
साढ़े सात रुपय.

फिरकाबन्दी पर बापू

सम्पादक—श्री श्रीकृष्ण दास

इस पुस्तक में 1921 से सन 1948 तक गांधी जी ने साम्प्रदायिता के सवाल पर जो कुछ कहा या लिखा वह सब आपको एक जगह मिलेगा.

भारत के आजाद होने पर यह और भी जरूरी हो गया है कि हर भारतवासी साम्प्रदायिकता के नुकसानों को समझे और इस ज़हर को अपने अन्दर से साफ़ करे.

सुन्दर जिल्द. अच्छा कागज़. दो सौ सफ़े. क्रीमत
बोरुपया.

विनोबा का सन्देश

लेखक—सुरेश रामभाई

एक शब्द—महात्मा भगवानदीन

है। इस छोटी सी किताब में आपको मिलेगा कि यह भू-दान-यज्ञ कब और कैसे शुरू हुआ और इसका मकसद क्या है। पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया।

पहला एडीशन हाथों हाथ निकल गया. यह दूसरा एडीशन है. सफे 25, वाम केवल दो आने.

मिलने का पता—

मैतेजर, 'नया हिन्द' 145, मुट्ठीगंज, इलाहाबाद.

ہندستانی کلچر سوسائٹی کی کتابیں

پچاس روپے سے زیادہ دام کی کتابیں خریدنے والوں کو اور بکسٹروں کو خاص رعایت دی جائیگی۔ پوری چٹائی کے لئے لکھئے۔

ڈاک یا ریل خرچ ہر حالت میں ٹھیک کے ذمے ہوگا۔

بھارت کا ودھان

پیورا ہندی انوواد

جو 26 جنوری سن 1950 سے عارے بھارت مہس لائو هوا .
'بھارت مہس انگريزي داچ' کے لکھک پندت سدللال
دوارا مول انگريزي سے انوادت .

ہر بھارتی کے لئے یہ فرض ہے کہ جس دھماکے کے ذریعے
ہندوستان کا شاسن اس سے چل رہا ہے اسے اچھی
طرح سمجھئے۔ بھارت کے ہر گھر میں اس پستک کا
ضروری ہے۔

مردوں ہے ۔
 آسان بامعاورہ بہاشا۔ رایل اٹھ پھٹی ہوا سائز ۔ لک
 بھگ چار سو پننے ۔ کپڑے کی سندھ جلد ۔ قہمت کھول
 سارے سات روپے ۔

فرقہ بندی پر باپو

سمپادی—شری شریکرشن داس

اِس بستک میں سن 1921 سے سن 1948 تک
 قندھی جی نے سامہردایکے کے سوال پر جو کچھ کہا یا
 لکھا وہ سب آپکو ایک جگہ ملےگا۔

بھارت کے آزاد ہونے پر یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ
ہر بھارتی اسی سامہودا بہکتا کے نقصان کو سمجھے اور
اس زہر کو اپنے اندر سے صاف کرے ۔

سندر جلد . اچھا کاف . دو سو صفحے . قیمت
دو روپے .

ونوبا کا سندی ش

لہجہ — سریس دام بھائی

ایک شبد—مہاتما بہکوان دین

ونہا جی کے بھودان یکوہ سے آج سارا دیس واقف ہے۔
 اس چھوٹی سی کتاب میں آپکو ملوگا کہ یہ بھودان یکوہ
 کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔

کب اور کب سے شروع ہوا اور اس کا مقصد کیا ہے ۔
پہلے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا ۔ یہ دوسرا ایڈیشن
صفحہ 25، دام کھول دو آئے ۔

مجلسه کا بعد —
 پہلے صدر، 'نہا علیہ'، 145، مکتوبی کتب، 'الآباد،

سرکار کے سامنے विद्यार्थी हाथ फैलाकर कभी नहीं गया. कभी किसी ने नहीं चाहा कि गोरे अफसर जनता के बीच में आकर भापन दें. बल्कि अगर कोई साहसी अंग्रेज या बर्तानी सरकार का हिन्दुस्तानी अफसर बीच में आ भी जाता था तो लोग नफरत से मुंह मोड़ लेते थे. जिस दिन लोग यह समझ लेंगे कि कांग्रेस सरकार जनता की सरकार नहीं है उस दिन कांग्रेस मन्त्रियों के साथ भी लोग यही व्यवहार करेंगे. लेकिन आज कांग्रेस को जनता की सरकार समझा जाता है और इसीलिये दावा है कि मन्त्री को जनता के बीच में आना पड़ेगा. जब मन्त्री इन्कार करते हैं तो यही दावा अधिकार को उकसाता है. जब अधिकार को हिसक हथियार दिखाये जाते हैं तो दूसरी तरफ भी जोश बढ़ता है. तभी यह विचार पैदा होता है कि हमें अपनी मांग के लिये आन्दोलन करना चाहिये. आन्दोलन को दबाने के लिये मन्त्री गोली चलवाने की धमकी देते हैं. इस धमकी को विद्यार्थी सामूहिक रूप से स्वीकार करते हैं एक बात उनके दिल में साफ होती है और वह यह है कि संगठित ताकत के आगे सरकार की फौज और पुलिस हेच है. वह निडर होकर जुलूस ले चलते हैं. सरकार उनमें डर पैदा करने के लिये पुलिस के दस्ते भेजती है. अब यहां संघर्ष चलता है, होड़ लगती है. न जाने क्यों विद्यार्थी इतना मजबूत है कि वह पुलिस से नहीं डरता और यह भी होता है कि पुलिस को अपनी हीनता का अनुभव कराने के लिये वह कभी कभी कुछ अनुचित क्रदम भी उठा लेता है. खिसयानी बिल्ली खम्भा नोचती है. सरकार को जब अपनी हार दिखाई पड़ती है और जब वह देखती है कि उसकी शक्ति को विद्यार्थी हीन मानते हैं तो वह किसी न किसी बहाने से गोली चलाती है. गोया यह बात, ती है कि हम धमकी ही नहीं देते सचमुच हम में शक्ती है.

यही जड़ है जिसकी वजह से बार बार गोली चलती है. सवाल इस बात का नहीं है कि गोली पहले चली कि विद्यार्थियों ने आग पहले लगाई. सवाल यह है कि कांग्रेस सरकार भोज की सरकार है या जनता की. दोनों सूरतों में मन्त्रियों के आचारन में जमीन आसमान का फर्क रहेगा. इसलिये जरूरी है कि कांग्रेसी मन्त्री अपना रास्ता तय कर लें. अगर पुलिस फौज के वह मन्त्री हैं तो उनका मौजूदा रुख किसी को नहीं अखरेगा, फिर गोली चलाने की नौबत नहीं आयगी. अगर वह अपने को जनता का समझते हैं और चाहते हैं कि गोली न चले तो उन्हें अपना मौजूदा व्यवहार बदलना होगा. जितनी जल्दी से जल्दी वह अपने रुख का पेलान कर दें उतना ही अच्छा है.

سرکار کے سامنے ویدارتھی ہاتھ نہ نہیں کیا. کبھی کسی نے نہیں چاہا کہ گورے افسر چلتا کے بچے میں آکر پہنچیں وہیں. بلکہ اگر کوئی ساہسی انگریز یا برطانوی سرکار کا ہندوستانی افسر بچے میں آ بھی جاتا تھا تو لوگ نفرت سے منہ موڑ لیتے تھے. جس دن لوگ یہ سمجھ لیں کہ کانگریس سرکار چلتا کی سرکار نہیں ہے اس دن کانگریس مانتروں کے ساتھ بھی لوگ بھی وہی رویہ کرینگے. لیکن آج کانگریس کو چلتا کی سرکار سمجھا جاتا ہے اور اس لئے معمول ہے کہ مانتروں کو چلتا کے بچے میں آنا پڑیگا. جب مانتروں انکار کرتے ہیں تو یہی معمول اڈھکار کو اُکسانا ہے. جب اڈھکار کو ہنسک ہتکار دکھائے جاتے ہیں تو دوسری طرف بھی جوش پڑھتا ہے. تب ہی یہ وجہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اپنی مانگ کے لئے آندولن کرنا چاہئے. آندولن کو دبانے کے لئے مانتروں کوئی چلوانے کی دھمکی دیتے ہیں. اس دھمکی کو ویدارتھی ساموہک روپ سے سوچکر کرتے ہیں. ایک بات ان کے دل میں صاف ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سلطنت طالت کے آگے سرکار کی فوج اور پولیس وہچ ہے. وہ قدر ہزار جاؤس لے چلتے ہیں. سرکار ان میں قدر پیدا کرنے کے لئے پولیس کے دستہ بھیجتی ہے. اب یہاں سلطنت چلتا ہے، ہور لکیتی ہے. نہ چالے کورں ویدارتھی انلا مضبوط ہے کہ وہ پولیس سے نہیں کرتا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ پولیس کو اپنی ہیلٹا کا انڑہو کرانے کے لئے وہ کبھی کبھی کچھ ان اچت قدم بھی اٹھا لیتا ہے. کوسہانی ہلی کومہا نوچتی ہے. سرکار کو جب اپنی ہار دکھانی پڑتی ہے اور جب وہ دیکھتی ہے کہ اسکی شکتی کو ویدارتھی مہن مانتے میں تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے گولی چلاتی ہے. گویا یہ بتاتی ہے کہ ہم دھمکی ہی نہیں دیتے سچ سچ ہم میں شکتی ہے.

یہی جو ہے جسکی وجہ سے بار بار گولی چلتی ہے. سوال اس بات کا نہیں ہے کہ گولی پہلے چلی کہ ویدارتھیوں نے آگ پہلے لگائی. سوال یہ ہے کہ کانگریس سرکار پولیس فوج کی سرکار ہے یا چلتا کی. دونوں صورتوں میں مانتروں نے آچرن میں زمین آسمان کا فرق دھکا. اس لئے ضروری ہے کہ کانگریسی مانتروں اپنا راستہ طے کران. اگر پولیس فوج کے وہ مانتروں ہوں تو ان کا موجودہ رخ کسی کو نہیں اڈھارے گا. ہور گولی چلانے کی نوبت نہیں آئیگی. اگر وہ اپنے کو چلتا کا سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ گولی نہ چلے تو انہیں اپنا موجودہ رویہ بدلا ہوا. چلتی جلدی سے جلدی وہ اپنے رخ کا اعلان کر دیں انلا ہی اچھا ہے.

सरकार उन लोगों की है जिनके हाथ में पैसा है और लड़के भी उन्हीं के हैं जिनके हक में पैसा है। लड़का बुरा हो या अच्छा पर मां बाप को प्यारा होता है। वह कभी पसन्द नहीं कर सकते कि उनके बच्चों पर गोली चलाई जाये। अगर उनको यकीन हो जाये कि मजदूर और किसानों की तरह ही यह सरकार हमारे बच्चों पर भी गोली चलाती है तो वह अपना सहयोग सरकार से वापस ले लें। सरकार इस बात को समझती है। जब जब विद्यार्थियों पर गोली चलती है, सरकार कहती है कि गुन्डों ने कानून को खतरा में डाल दिया था इसलिये गोली चलानी पड़ी। इस तरह वह विद्यार्थियों को पीछे डाल देती है और गुन्डों को आगे कर देती है और यह सिद्ध करती है कि नागरिकों को आतंक से बचाने के लिये गोली चलाना जरूरी था।

दूसरा सवाल यह भी उठ खड़ा होता है कि विद्यार्थी बार बार सरकार के खिलाफ क्यों खड़े होते हैं। कुछ चीजें तो आम हैं। इन पर बहुत कुछ लिखा जा चुका है। लेकिन एक बात बहुत खास है और आज तक के सारे आन्दोलनों में वह पाई जाती है। वह है मन्त्रियों का अनुचित व्यवहार। जब जब लोग उनसे मिलने जाते हैं और अपनी मांगें उनके सामने रखते हैं तो वह तर्क से नहीं धमकी से जवाब देते हैं। धमकी दूसरे में गुस्सा पैदा करती है। कायर धमकी से दब जाते हैं और हमें, इस बात की खुशी है कि हमारे नौजवान कायर नहीं हैं। इन्दौर की दुर्घटना में भी यह बात साफ दिखाई पड़ती है। एक प्रिन्सिपल का तबादला कर दिया जाता है। उनसे विद्यार्थी अपार श्रद्धा रखते हैं। विद्यार्थी शिक्षा मन्त्री से मिलना चाहते हैं और प्रार्थना करना चाहते हैं कि वह तबादले को रोक दें। दो एक दिन तबादला रुक सकता था। दावत बाजियों से दो एक दिन की कुरसत मन्त्री जी ले सकते थे। अगर मन्त्री जी प्यार से विद्यार्थियों को समझाते और तर्क से उन्हें जीतने की कोशिश करते तो इन्दौर की दुर्घटना न होती। मैं यह नहीं कहता हूँ कि एक दिन में विद्यार्थी मान जाते लेकिन यह जरूर है कि विद्यार्थी जुलूस न निकालते, जोश में न आते और अगर मन्त्री जी के पक्ष में कुछ जान होती तो वह मान भी जाते। आदमियों की जान लेने से बेहतर होता कि सरकार के मन्त्री अपना कुछ समय बर्बाद कर लेते।

मध्य भारत की सरकार को दोष क्या दिया जाय ? हर कांग्रेसी सरकार यही करती है। एक तरफ जनता की सरकार होने का दावा है और दूसरी तरफ पुलिस और फौज का हर बात में सहारा लिया जाता है। दोनों विरोधी बातें हैं। पुलिस और फौज के बल पर राज्य करने वालों के पास जनता के प्रतिनिधि मांग लेकर नहीं जाते। अंग्रेजी

सरकार उन लोगों की है जिन के हाथ में पैसा है और लड़के भी उन्हीं के हैं जिन के हाथ में पैसा है। लड़का बुरा हो या अच्छा पर मां बाप को प्यारा होता है। वह कभी पसन्द नहीं कर सकते कि उनके बच्चों पर गोली चलाई जाये। अगर उनको यकीन हो जाये कि मजदूर और किसानों की तरह ही यह सरकार हमारे बच्चों पर भी गोली चलाती है तो वह अपना सहयोग सरकार से वापस ले लें। सरकार इस बात को समझती है। जब जब विद्यार्थियों पर गोली चलती है, सरकार कहती है कि गुन्डों ने कानून को खतरा में डाल दिया था इसलिये गोली चलानी पड़ी। इस तरह वह विद्यार्थियों को पीछे डाल देती है और गुन्डों को आगे कर देती है और यह सिद्ध करती है कि नागरिकों को आतंक से बचाने के लिये गोली चलाना जरूरी था।

दूसरा सवाल यह भी उठ खड़ा होता है कि विद्यार्थी बार बार सरकार के खिलाफ क्यों खड़े होते हैं। कुछ चीजें तो आम हैं। इन पर बहुत कुछ लिखा जा चुका है। लेकिन एक बात बहुत खास है और आज तक के सारे आन्दोलनों में वह पाई जाती है। वह है मन्त्रियों का अनुचित व्यवहार। जब जब लोग उनसे मिलने जाते हैं और अपनी मांगें उनके सामने रखते हैं तो वह तर्क से नहीं धमकी से जवाब देते हैं। धमकी दूसरे में गुस्सा पैदा करती है। कायर धमकी से दब जाते हैं और हमें, इस बात की खुशी है कि हमारे नौजवान कायर नहीं हैं। इन्दौर की दुर्घटना में भी यह बात साफ दिखाई पड़ती है। एक प्रिन्सिपल का तबादला कर दिया जाता है। उनसे विद्यार्थी अपार श्रद्धा रखते हैं। विद्यार्थी शिक्षा मन्त्री से मिलना चाहते हैं और प्रार्थना करना चाहते हैं कि वह तबादले को रोक दें। दो एक दिन तबादला रुक सकता था। दावत बाजियों से दो एक दिन की कुरसत मन्त्री जी ले सकते थे। अगर मन्त्री जी प्यार से विद्यार्थियों को समझाते और तर्क से उन्हें जीतने की कोशिश करते तो इन्दौर की दुर्घटना न होती। मैं यह नहीं कहता हूँ कि एक दिन में विद्यार्थी मान जाते लेकिन यह जरूर है कि विद्यार्थी जुलूस न निकालते, जोश में न आते और अगर मन्त्री जी के पक्ष में कुछ जान होती तो वह मान भी जाते। आदमियों की जान लेने से बेहतर होता कि सरकार के मन्त्री अपना कुछ समय बर्बाद कर लेते।

मध्य भारत की सरकार को दोष क्या दिया जाय ? हर कांग्रेसी सरकार यही करती है। एक तरफ जनता की सरकार होने का दावा है और दूसरी तरफ पुलिस और फौज का हर बात में सहारा लिया जाता है। दोनों विरोधी बातें हैं। पुलिस और फौज के बल पर राज्य करने वालों के पास जनता के प्रतिनिधि मांग लेकर नहीं जाते। अंग्रेजी

ہندوؤں کی دُورِ پُرتا

ابھی حال میں ہندوؤں میں گولیاں چلتی ہیں۔ سرکار کا کہنا ہے کہ بیرونی قلابے سے باہر ہو گئے ہیں۔ اس لئے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ یہ غلطی ہوتے ہی ملکی مہودے نے دنگ پرکت کیا اور ساری فیکٹریں بند کر دیں۔ انہوں نے اپنے قدم کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہا کہ ہر سرکار کو یہی قدم اٹھانا چاہئے جب قانون کو اس طرح کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ ہمارے پاس اندر کی کوئی ایسی خبر نہیں ہے جس کے انداز پر ہم سچ اور جھوٹ کے پتہ نہیں دے سکتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہائی کورٹ کا جلیا جانا بہت دنگ دنگ ہے۔ اور گولی چلتا اس سے بھی بڑی دنگ ہے۔

آج جب دنگ چلتا ہے تو ہر سوچتے ہیں تو بار بار یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ فیکٹری کون ہیں؟ کیا فیکٹریوں سے مطلب ان لوگوں سے ہے جو عام طور پر سے چوری بد معاشرے کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں ہے کہ یہ ہت اسرار جھوٹ ہے۔ اس طرح کے فیکٹری ہائی کورٹ چلائے نہیں جاتے ہیں اور نہ انہوں نے ملکی سے ملنے میں کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے فیکٹری چلوں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور دوسروں کی جھجھک کا۔ لیکن یہ کہی نہیں ہوسکتا کہ پولیس کی گولی چلتی ہو اور وہ میدان میں قاتل دھن۔ جھوٹ بولنا ایسے بھی شوبھا نہیں دیتا اور اچھے وردہ کی چرت پر الزام لگانا اور بھی بڑی بات ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سرکار انگریزوں کی پرستار کو نہیں ہے۔ انگریزوں کے لئے ہر کانگریسی فیکٹری تھا اور کانگریسیوں کے لئے آج ہر وردہ فیکٹری ہے۔ ہائی کورٹ کو چلانے والوں کو فیکٹری کہہ بلایا ہی پرستہ کی بہانہ کیا کی جانکاری چلتا کوئی چا سکتی تھی۔ شاید اس سے جلتا سرکار کے پتہ کی طرف زیادہ جھکتی۔ ہر لکھا ہے کہ وردہوں کو فیکٹری کہنے کے پتہ کوئی خاص تہہ ہے۔ یہ تہہ کیا ہے؟

ویدائی کسی نے جان چھڑا کہ نام نہیں ہے۔ یہ سیکھا ہے ان لوگ لوگوں کی جو شکشا سستھاؤں میں پڑھتے ہیں۔ یہ کس کے لئے لکھا ہوتا ہے؟ یہ ان کے لئے لکھا ہوتا ہے جو خوشحال ہیں، جو بڑے بڑے مہدوں پر ہیں، جو کارخانے دار ہیں، جو زمیندار ہیں۔ انہوں نے مہاراجوں کی سستھانوں کے بچے دو ایک فی سیکڑہ ایسے ہی ہوتے ہیں جو بڑے اور ہندو گھرانوں سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ فیکٹری کہنے کا یہ ہندو پتہ چاہا ہوا ہے۔ ایسی اولاد کو گالی کھسے دی جائے، اسے دوشی کہتے تھے۔ اس لئے جو فیکٹری ہوتی ہے اسے فیکٹری کے سر ملکہ دیا جاتا ہے۔

اندور کی درگھٹنا

ابھی حال میں ہندوؤں میں گولیاں چلتی ہیں۔ سرکار کا کہنا ہے کہ بیرونی قلابے سے باہر گئے تھے۔ اس لئے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ یہ غلطی ہوتے ہی ملکی مہودے نے دنگ پرکت کیا اور ساری فیکٹریں بند کر دیں۔ انہوں نے اپنے قدم کو ٹھیک ثابت کرنے کے لئے یہ بھی کہا کہ ہر سرکار کو یہی قدم اٹھانا چاہئے جب قانون کو اس طرح کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ ہمارے پاس اندر کی کوئی ایسی خبر نہیں ہے جس کے انداز پر ہم سچ اور جھوٹ کے پتہ نہیں دے سکتے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہائی کورٹ کا جلیا جانا بہت دنگ دنگ ہے۔ اور گولی چلتا اس سے بھی بڑی دنگ ہے۔

آج جب دنگ چلتا ہے تو ہر سوچتے ہیں تو بار بار یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ فیکٹری کون ہیں؟ کیا فیکٹریوں سے مطلب ان لوگوں سے ہے جو عام طور پر سے چوری بد معاشرے کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی جھجھک نہیں ہے کہ یہ ہت اسرار جھوٹ ہے۔ اس طرح کے فیکٹری ہائی کورٹ چلائے نہیں جاتے ہیں اور نہ انہوں نے ملکی سے ملنے میں کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے فیکٹری چلوں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور دوسروں کی جھجھک کا۔ لیکن یہ کہی نہیں ہوسکتا کہ پولیس کی گولی چلتی ہو اور وہ میدان میں قاتل دھن۔ جھوٹ بولنا ایسے بھی شوبھا نہیں دیتا اور اچھے وردہ کی چرت پر الزام لگانا اور بھی بڑی بات ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سرکار انگریزوں کی پرستار کو نہیں ہے۔ انگریزوں کے لئے ہر کانگریسی فیکٹری تھا اور کانگریسیوں کے لئے آج ہر وردہ فیکٹری ہے۔ ہائی کورٹ کو چلانے والوں کو فیکٹری کہہ بلایا ہی پرستہ کی بہانہ کیا کی جانکاری چلتا کوئی چا سکتی تھی۔ شاید اس سے جلتا سرکار کے پتہ کی طرف زیادہ جھکتی۔ ہر لکھا ہے کہ وردہوں کو فیکٹری کہنے کے پتہ کوئی خاص تہہ ہے۔ یہ تہہ کیا ہے؟

ویدائی کسی نے جان چھڑا کہ نام نہیں ہے۔ یہ سیکھا ہے ان لوگ لوگوں کی جو شکشا سستھاؤں میں پڑھتے ہیں۔ یہ کس کے لئے لکھا ہوتا ہے؟ یہ ان کے لئے لکھا ہوتا ہے جو خوشحال ہیں، جو بڑے بڑے مہدوں پر ہیں، جو کارخانے دار ہیں، جو زمیندار ہیں۔ انہوں نے مہاراجوں کی سستھانوں کے بچے دو ایک فی سیکڑہ ایسے ہی ہوتے ہیں جو بڑے اور ہندو گھرانوں سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔ فیکٹری کہنے کا یہ ہندو پتہ چاہا ہوا ہے۔ ایسی اولاد کو گالی کھسے دی جائے، اسے دوشی کہتے تھے۔ اس لئے جو فیکٹری ہوتی ہے اسے فیکٹری کے سر ملکہ دیا جاتا ہے۔

अमरीका कीशिश कर रहा था क्योंकि बिना अंग्रेजी फौजों स्वेज नहर से हटे मित्र मीडो के सम्बन्ध में सोचने पर तैयार नहीं था। शायद अमरीका को यह उम्मीद बंधी है कि मित्र, सुलह के बाद, मीडो में शामिल हो जाएगा।

सुलह की एक शर्त यह है कि यदि तुर्की पर कोई हमला होगा तो नहर स्वेज में अंग्रेज फौजें फिर आजाएंगीं। यह बहुत खतरनाक शर्त है। तुर्की मीडो में है और मीडो रूस के खिलाफ एक फौजी संगठन है जिस के जन्मदाता अमरीकी हैं। अमरीका वाले भूद सूट के हमले का बचपन खड़ा करने में माहिर हैं। कोरिया की मिसाल सामने है। इस तरह जब भी अमरीका का मन स्वेज पर कब्जा कराने का चाहेगा वह तुर्की पर हमले की कहानी गढ़ेगा और बरतानी फौजें फिर मित्र की छाती पर चढ़ बैठेंगीं। बात चीत के बीच अंग्रेजों ने जोर दिया था कि मित्र यह बात मान ले कि यदि ईरान पर हमला होगा तो बरतानी फौजें नहर स्वेज में आजाएंगीं। पर मित्र ने इस बात को नहीं माना और अंग्रेज इस मांग पर डटे रहे। इस सम्बन्ध में तुर्की और ईरान में केवल इतना अन्तर है कि तुर्की मीडो का मेम्बर है और ईरान होने जा रहा है। अगर कल ईरान पर हमला हुआ तो तुर्की मीडो का मेम्बर होने के नाते मैदान में आएगा। तब बरतानी फौजें स्वेज में आजाएंगीं। इस तरह मित्र की आजादी की हर दम खतरा बना रहता है। इसी खिचे मित्र की आजादी की खुशी मनाते समय हम चिन्तित भी हैं।

एक बात का खतरा और दिखाई पड़ रहा है। खटका है कहीं मित्र मीडो में न शामिल हो जाए। क्योंकि सुलह होते ही अमरीकी राजदूत फौजी और आर्थिक सहायता की शैलियाँ लेकर सत्ताधीशों के पास पहुँचने लगे हैं। मित्र के मीडो में न शामिल होने से अभी तक मीडो बन नहीं सका। अमरीका वालों ने मित्र पर बहुत जोर डाला पर उन्होंने देखा कि जब तक बरतानिया स्वेज नहर नहीं छोड़ता मित्र क्लब में नहीं आने का। मित्र छोड़ने का कारन श्री चर्चिल ने यह बताया है कि पेटम वम की लड़ाई में स्वेज का कोई उपयोग नहीं है। लेकिन लगता है इस तुरन्त सुलह के पीछे कोई दूसरा भेद है। वाशिंगटन में आइजनाहावर ने चर्चिल पर जोर दिया कि वह मित्र से समझौता कर लें। चर्चिल को झुकना पड़ा। खुलासा यह है कि जिन परिस्थितियों में यह समझौता हुआ है वह खतरे की सूचक है।

हम आशा करते हैं कि मित्र सतर्क रहेगा और न तो अपनी आजादी को दोबारा खतरे में पड़ने देगा और न बुरी से बुरी परिस्थिति में भी मीडो में शामिल होकर पाँचवा के दूसरे देशों की आजादी को खतरे में नहीं डालेगा।

80.7.54

—मुजीब रिजवी

अमरीके कोशिश कर रहा था कि मीडो में शामिल हो जाए। यह उम्मीद बंधी है कि मित्र, सुलह के बाद, मीडो में शामिल हो जाएगा।

सुलह की एक शर्त यह है कि यदि तुर्की पर कोई हमला होगा तो नहर स्वेज में अंग्रेज फौजें फिर आजाएंगीं। यह बहुत खतरनाक शर्त है। तुर्की मीडो में है और मीडो रूस के खिलाफ एक फौजी संगठन है जिस के जन्मदाता अमरीकी हैं। अमरीका वाले भूद सूट के हमले का बचपन खड़ा करने में माहिर हैं। कोरिया की मिसाल सामने है। इस तरह जब भी अमरीका का मन स्वेज पर कब्जा कराने का चाहेगा वह तुर्की पर हमले की कहानी गढ़ेगा और बरतानी फौजें फिर मित्र की छाती पर चढ़ बैठेंगीं। बात चीत के बीच अंग्रेजों ने जोर दिया था कि मित्र यह बात मान ले कि यदि ईरान पर हमला होगा तो बरतानी फौजें नहर स्वेज में आजाएंगीं। पर मित्र ने इस बात को नहीं माना और अंग्रेज इस मांग पर डटे रहे। इस सम्बन्ध में तुर्की और ईरान में केवल इतना अन्तर है कि तुर्की मीडो का मेम्बर है और ईरान होने जा रहा है। अगर कल ईरान पर हमला हुआ तो तुर्की मीडो का मेम्बर होने के नाते मैदान में आएगा। तब बरतानी फौजें स्वेज में आजाएंगीं। इस तरह मित्र की आजादी की हर दम खतरा बना रहता है। इसी खिचे मित्र की आजादी की खुशी मनाते समय हम चिन्तित भी हैं।

एक बात का खतरा और दिखाई पड़ रहा है। खटका है कहीं मित्र मीडो में न शामिल हो जाए। क्योंकि सुलह होते ही अमरीकी राजदूत फौजी और आर्थिक सहायता की शैलियाँ लेकर सत्ताधीशों के पास पहुँचने लगे हैं। मित्र के मीडो में न शामिल होने से अभी तक मीडो बन नहीं सका। अमरीका वालों ने मित्र पर बहुत जोर डाला पर उन्होंने देखा कि जब तक बरतानिया स्वेज नहर नहीं छोड़ता मित्र क्लब में नहीं आने का। मित्र छोड़ने का कारन श्री चर्चिल ने यह बताया है कि पेटम वम की लड़ाई में स्वेज का कोई उपयोग नहीं है। लेकिन लगता है इस तुरन्त सुलह के पीछे कोई दूसरा भेद है। वाशिंगटन में आइजनाहावर ने चर्चिल पर जोर दिया कि वह मित्र से समझौता कर लें। चर्चिल को झुकना पड़ा। खुलासा यह है कि जिन परिस्थितियों में यह समझौता हुआ है वह खतरे की सूचक है।

—मुजीब रिजवी

80.7.54

इन्हें देनी पड़ी। मिस्त्र को जंगलोलपाशा ऐसे महान पुरुष मिल गए और उनकी शक्ति के सामने अंग्रेजों को अधिक झुकना पड़ा। 1922 में मिस्त्र का अपना राजा हो गया और उसकी अपनी पार्लियामेंट बन गई। इसका मतलब यह नहीं था कि मिस्त्र आजाद हो गया था, गुलामी ने केवल रूप बदल लिया था। अंग्रेज अब भी पूरी तरह से हावी थे, फारुक के समय तक वह मिस्त्र के मामलों में हावी रहे। लेकिन अंग्रेजों का विरोध भी लगातार बढ़ता रहा। मिस्त्र में बड़े बड़े पाशा हैं, यह लोग जमींदार होते हैं। जमींदारों के खून में साजिश होती है। इसीलिये यहां बहुत सी सरकारें बनती बिगड़ती रहीं। लेकिन जो भी सरकार आई उसने अंग्रेजों के मिस्त्र छोड़ने पर जोर दिया।

अंग्रेज स्वेज नहर पर कब्जा रखना चाहते थे क्योंकि पूरबी एशिया के देशों पर वह उसी सुरत में राज कर सकते थे। लेकिन मिस्त्र वाले अंग्रेज कौजों की वापसी की मांग कर रहे थे। अंग्रेज मिस्त्रियों को बहलाना चाहते थे और इस मांग को दबाने के लिये फारुक साहब को इस्तेमाल करते थे। लेकिन जनता में जोश बहुत था और नतीजा फारुक के गद्दी से हटाए जाने में निकला।

अंग्रेजों को शायद उम्मीद थी कि नजीब सरकार बहुत दिन नहीं चल सकेगी, वह अपनी साजिशों पर भी निर्भर करते थे। लेकिन उनकी उम्मीद के खिलाफ नजीब सरकार खतम होने के बजाए मजबूत होती गई और साथ ही लोगों में अंग्रेजों का विरोध भी बढ़ता गया। अंग्रेजों ने सुलह की बात चीत शुरू की। पर उसी दरमियान में करनल नासिर और प्रेसीडेन्ट नजीब के भगड़े खड़े हो गए। अंग्रेजों को एक बार फिर उम्मीद बंधी कि यह सरकार खतम हो जाएगी। लेकिन इस बार भी उनकी आशा पूरी न हुई। कई बार सुलह होने लगी लेकिन अंग्रेजों ने इसी उम्मीद पर सुलह न की। इस गड़बड़ में कनजर-वेटिव पार्टी के नेताओं का भी हाथ था। वह लोग अपनी सरकार को सुलह न करने पर मजबूर करते थे। लेबर पार्टी का भी एक अंग कनजरवेटिव नेताओं से मिल गया था। कहा जाता है कि इडेन साहब हमेशा सुलह के हक में थे। और जब जब चर्चिल साहब को वह तैयार करते थे, पार्टी वाले विरोधी चर्चिल साहब को झुका लेते थे।

लेकिन इस बार इडेन साहब ने चर्चिल साहब को सुलह करने पर तैयार कर ही लिया। इसका श्रेय किसको है? इस प्रश्न पर बहुत से लोग झटकते हैं। ऐसा लगता है कि जहां इडेन साहब हार गए थे वहां डलेस साहब जीत गए हैं। उन्होंने चर्चिल पर जोर डाला कि वह सुलह कर लें और उन्होंने सुलह कर ली। जाहिर है कि इस सुलह की

अंशों दीली थी। मिस्र को डाल लूल पाशा अहम महान पुरष मिल गئے اور ان کی شکتی کے سامنے انگریزوں کو ادھک جھکتا ہوا۔ 1922 میں مصر کا ایلا راجا ہوگا اور اُسکی اپنی پارلیمنٹ بن گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ مصر آزاد ہوگا تھا، غلامی نے کھول روپ بدل لیا تھا۔ انگریز اب بھی بڑی طرح حاوی تھے، فاروق کے سم تک وہ مصر کے معاملات میں حاوی رہے۔ لیکن انگریزوں کا وردہ بھی لگاتار بڑھتا رہا۔ مصر میں بڑے بڑے پاशा ہیں۔ یہ لوگ زمیندار ہوتے ہیں۔ زمینداروں کے خون میں سازش ہوتی ہے۔ اِس لئے یہاں بہت سی سرکاری بلتی بگولتی رہیں۔ لیکن جو بھی سرکار آئی اُس نے انگریزوں کے مصر چھوڑنے پر زور دیا۔

انگریز سویز نہر پر قبضہ رکھنا چاہتے تھے کیونکہ پوربی ایشیا کے دیسوں پر وہ اسی صورت میں راج کر سکتے تھے۔ لیکن مصر والے انگریز فوجوں کی واپسی کی مانگ کر رہے تھے۔ انگریز مصریوں کو بھلانا چاہتے تھے اور اس مانگ کو دبانے کے لئے فاروق صاحب کو استعمال کرتے تھے۔ لیکن چلتا میں جدش بہت تھا اور نتیجہ فاروق کے گدی سے ہٹائے جانے میں نکلا۔

انگریزوں کو شاید اُمید تھی کہ نجیب سرکار بہت دن نہیں چل سکے گی۔ وہ اپنی سازشوں پر بھی برہبر کرتے تھے۔ لیکن اُن کی اُمید کے خلاف نجیب سرکار ختم ہونے کے بجائے مضبوط ہوتی گئی اور ساتھ ہی لوگوں میں انگریزوں کا وردہ بھی بڑھتا گیا۔ انگریزوں صلح کی پادچمت شروع کی۔ پر اسی درمیان میں کرنل ناصر اور پرسونلٹیت نجیب کے جھگڑے ہوئے ہو گئے۔ انگریزوں کو ایک بار پھر اُمید باندھی کہ یہ سرکار ختم ہو جائے گی۔ لیکن اِس بار بھی ان کی آشا پوری نہ ہوئی۔ کئی بار صلح ہونے لگی لیکن انگریزوں نے اسی اُمید پر صلح نہ کی۔ اس کوہو میں کلرز ویٹو پارٹی کے نمائندوں کا بھی ہاتھ تھا۔ یہ لوگ اپنی سرکار کو صلح نہ کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ لہذا پارٹی کا بھی ایک الگ فلزویٹو نمائندوں سے مل گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایکن صاحب ہمیشہ صلح کے حق میں تھے اور جب جب چرچل صاحب کو وہ تیار کرتے تھے، پارٹی والے وردہی چرچل صاحب کو جھکا لیتے تھے۔

لیکن اِس بار ایکن صاحب نے چرچل صاحب کو صلح کرنے پر تیار کر ہی لیا۔ اِس کا شرے کس کو ہے؟ اِس پرشن پر بہت سے لوگ اکتہ ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جہاں ایکن صاحب ہار گئے تھے وہاں ڈلہس صاحب جیت گئے ہیں۔ انہوں نے چرچل پر زور ڈالا کہ وہ صلح کر لیں اور انہوں نے کرلی۔ ظاہر ہے کہ اس صلح کی

حالت میں ہم اس نعرے پر پہنچ سکتے ہیں کہ ہمارے دیکھناک محض پچھلی دیکھناکوں کے نقشوں کی نقل اُڑانا جانتے ہیں اور خود کوئی کام ہی نہیں کر سکتے۔

یہ ایک بہت سخت واقعہ ہے۔ ہم خود اس واقعہ سے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور نہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر سنسیتی کو رنگینہ کے لئے جو سرکاری حکم ہے اسے وہ پورا نہیں کر سکتے ہیں تو اس کے علاوہ کسی دوسرے نتیجہ پر نہیں پہنچا جاسکتا۔ لیکن ہمارے دیگر مہانکوں کی ناکامیابی کی ایک وجہ ضرور ہماری سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ بڑے دیباہداروں نے دیڑی ڈالا ہو۔ اسے کون نہیں جانتا کہ سنسیتی کے رنگ دینے والے پر اس کی پہچان آسانی سے کی جاسکے گی اور پھر بھی کسی شہرت یافتہ بھند ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ سنسیتی کے کاروبار پر بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ سنسیتی کے کارخانہ والوں نے ہمارے دیگر مہانوں کے آٹے دیڑی ڈال دیئے ہوں۔ لیکن اگر یہ صحیح ثابت ہے تب ہمارے دیگر مہانوں کا فرض ہے کہ اس بات کو کلمہ عام طور پر دہیں اور ایلی آہو پر پانی نہ پونے دیں۔ اگر سرکاری کی جانکاری یا فہر جانکاری میں سنسیتی کی مل والے ہمارے دیگر مہانوں کی مصدقہ کو بھڑکایا رہے ہوں تو وہاں کے نام پر ان کو چاہئے کہ دنیا کو بتا دیں کہ یہ اصلیت ہے جو سنسیتی کو رنگینہ سے روک رہی ہے۔ اگر ہمارے دیگر مہانہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو ایک طرف سے سرکاری انہوں بدنام کرے گی جس طرح فائنلٹس مسٹر نے پارلیامنت میں کہا اور دوسری طرف سے وہ جلیقا کا شواہد کوٹھیں گے۔ آزاد اور نوجوان ہندوستان کے دیگر مہانوں کا ایک فرض سب فرضوں سے اوپر ہے اور وہ ہے اپنے انتہہ کرن یا ایمان کے پرتی سچا اور وفادار ہونا۔

14. 6. '54

مصر اور برطانیہ کا سمجھوتا

مصر اور برطانیہ کا جھگڑا 1882 سے شروع ہوتا ہے جب برطانیہ نے فرانس کے ساتھ ملکر مصر پر حملہ کیا تھا۔ کچھ دنوں انگریز اور فرانسیسی ساتھ رہے اور بعد میں سمجھوتہ کر کے مصر پر انگریزوں نے قبضہ جما لیا اور مراکو اور الجزائر پر فرانسیسی راج کرنے لگے۔ یہ دونوں ویدیشی طاقتیں کبھی؟ بھی ان دیہیوں کی چلتا کا دل نہیں چمت پائیں۔ چلتا کے آندولنوں سے مجبور ہوکر سمے سمے پر رجائتوں

आम लोगों की सेहत गिरने के अलावा सच्चे बी का कारोबार व सनअत ठप हो रहे हैं. अपने जवाब में हमारे फाइनेन्स मिनिस्टर ने कहा कि "वनस्पति को रंग देने की बात सरकार ने मान ली है. मगर दिक्कत यही है कि कोई ऐसी मुनासिब चीज अब तक नहीं मिली है जो वनस्पति को रंग भी दे और खुद उसका रंग कभी कोई मिटा न सके."

बड़ी खुशी की बात है कि मुल्क व्यापी वनस्पति के बारे में मांग को हमारी सरकार ने कबूल कर लिया है. मगर इस पर यकीन मुश्किल से आता है कि वनस्पति को रंग देने के लिये मुनासिब चीज अब तक नहीं मिल सकती. आसानी से दिया जा सकने वाला और बेगुनाह पीला रंग बिना किसी दुश्वारी के हल्दी से हासिल किया जा सकता है. हमें मालूम हुआ है कि बंगाल के मशहूर साइंसदां और पुराने ग्राम सेवक डाक्टर सतीश चन्द्रदास गुप्ता ने चुनौती के साथ पेलान किया है कि वनस्पति के रंग देने की चीज न मिल सकने की बात ग़लत है. उनका दावा है कि यह काम बखूबी अन्जाम दिया जा सकता है. लेकिन नज़्ज़ारखाने में तूती की कौन सुनता है. सरकार ने उनकी बात अनसुनी कर दी और वनस्पति दिन दूनी रात चौगुनी रफ़्तार से हमारे घरों, शहरों और कस्बों को तबाह कर रहा है.

अगर सरकार को सचमुच इस बात की फ़िक्र है कि वनस्पति को रंगा जाये तो वह यह काम सतीश बाबू के सिपुर्द कर सकती है और फिर उनके काम की जांच अपने ऐक्स्पर्टों और माहिरों से करा सकती है. या वह अपनी मिनिस्टरि आफ साइन्टिफ़िक रिसोर्सिज़ (Ministry of Scientific Resources) को हुक्म दे सकती है कि फ़लां मुद्दत के अन्दर यह काम कर डालना है. हमारा खयाल है कि सरकार यह काम मजे में करा सकती है क्योंकि उसके मालहत सारे मुल्क में खोज और रिसर्च करने की लैब्रेट्रियां हैं जहां पर यह तक सोचा जा रहा है कि ऐंटम की ताक़त को शान्ति के काम में किस तरह लाया जाये. इतने बड़े काम के सामने वनस्पति को रंगने का काम तो बहुत छोटा मालूम पड़ता है. लेकिन अगर सरकारी लैब्रेट्रियां यह काम नहीं कर पाती हैं तो फिर कौन यकीन करेगा कि वह कोई और बड़ा काम ठीक तरह से कर सकेंगी. अगर बाक़ई हमारे देश के वैज्ञानिक और माहिर लोग वनस्पति के रंगने के काम में फ़तह नहीं पा सके हैं तब तो हमें उनकी अक़ल व क़ाबलियत व जफ़ाकशी के बारे में दोबारा सोचना पड़ेगा और हमारा खयाल है कि फिर इंजीनियरिंग व कौजी वगैरह मद्कर्मों में तो वह और भी नाकारा साबित होंगे. ऐसी

हम लोगों की सेहत करने के एलावे सच्चे बी का कारोबार व सेहत ठप हो रहे हैं. अपने जवाब में हमारे फाइनेन्स मिनिस्टर ने कहा कि "वनस्पति को रंग देने की बात सरकार ने मान ली है. मगर दिक्कत यही है कि कोई ऐसी मुनासिब चीज अब तक नहीं मिली है जो वनस्पति को रंग भी दे और खुद उसका रंग कभी कोई मिटा न सके."

होई खुशी की बात है कि मुल्क व्यापी वनस्पति के बारे में मांग को हमारी सरकार ने कबूल कर लिया है. मगर इस पर यकीन मुश्किल से आता है कि वनस्पति को रंग देने के लिये मुनासिब चीज अब तक नहीं मिल सकती. आसानी से दिया जा सकने वाला और बेगुनाह पीला रंग बिना किसी दुश्वारी के हल्दी से हासिल किया जा सकता है. हमें मालूम हुआ है कि बंगाल के मशहूर साइन्सदां और पुराने ग्राम सेवक डाक्टर सतीश चन्द्रदास गुप्ता ने चुनौती के साथ पेलान किया है कि वनस्पति के रंग देने की चीज न मिल सकने की बात ग़लत है. उनका दावा है कि यह काम बखूबी अन्जाम दिया जा सकता है. लेकिन नज़्ज़ारखाने में तूती की कौन सुनता है. सरकार ने उनकी बात अनसुनी कर दी और वनस्पति दिन दूनी रात चौगुनी रफ़्तार से हमारे घरों, शहरों और कस्बों को तबाह कर रहा है.

अगर सरकार को सचमुच इस बात की फ़िक्र है कि वनस्पति को रंगा जाये तो वह यह काम सतीश बाबू के सिपुर्द कर सकती है और फिर उनके काम की जांच अपने ऐक्स्पर्टों और माहिरों से करा सकती है. या वह अपनी मिनिस्टरि आफ साइन्टिफ़िक रिसोर्सिज़ (Ministry of Scientific Resources) को हुक्म दे सकती है कि फ़लां मुद्दत के अन्दर यह काम कर डालना है. हमारा खयाल है कि सरकार यह काम मजे में करा सकती है क्योंकि उसके मालहत सारे मुल्क में खोज और रिसर्च करने की लैब्रेट्रियां हैं जहां पर यह तक सोचा जा रहा है कि ऐंटम की ताक़त को शान्ति के काम में किस तरह लाया जाये. इतने बड़े काम के सामने वनस्पति को रंगने का काम तो बहुत छोटा मालूम पड़ता है. लेकिन अगर सरकारी लैब्रेट्रियां यह काम नहीं कर पाती हैं तो फिर कौन यकीन करेगा कि वह कोई और बड़ा काम ठीक तरह से कर सकेंगी. अगर बाक़ई हमारे देश के वैज्ञानिक और माहिर लोग वनस्पति के रंगने के काम में फ़तह नहीं पा सके हैं तब तो हमें उनकी अक़ल व क़ाबलियत व जफ़ाकशी के बारे में दोबारा सोचना पड़ेगा और हमारा खयाल है कि फिर इंजीनियरिंग व कौजी वगैरह मद्कर्मों में तो वह और भी नाकारा साबित होंगे. ऐसी

پر کوئی سمجھدار آدمی کیسے پٹھن سکتا ہے کہ جسکو جیتنا چاہیے اتنا ملنے لگا۔ آج بھی ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں کو ہر وقت ہوجن کا ایک جوں بھی تھیک سے کھانا نہیں ملتا۔ اور اگر اس کا ثبوت ہی چاہئے تو نئی دہلی اسٹیشن سے دلی اسٹیشن تک پیدل چل کر مڑے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دور کی بات چھوڑ دیں، دہلی کی پٹری کے پاس وہ تکلفدہ نظارے دیکھنے کو ملے گا جن سے صاف بڑے چل جائے گا کہ فائنلٹس مسٹر صاحب کہاں تک پہنچ بول رہے ہوں۔ یا پھر دلی، بمبئی، کلکتہ یا مدراس کے ہوٹلوں کے آگے جوتھوں کے ڈیموں کو دیکھئے جہاں انسان کی اولاد، کتا اور کوئی ایسے ایسے حصے کے لئے لڑتے دیکھئے ہوں۔ یا ان کو جانے دیں۔ اپنے پڑے لکے نوجوانوں کو لیں۔ ان کے بارے میں تو سرکاری رپورٹوں خود ہی بتاتی ہوں کہ وہ ہر روز گری کے شکار ہوں اور کوئی صورت ان کے کام سے لگنے کی نہیں پیدا ہو رہی ہے۔

اس کے علاوہ ہر آدمی یہ جانتا ہے کہ اناج یا کوئی چھوٹا پودا کرنا ایک بات ہے مگر اس کا تقسیم ہو جانا اور تھوک تقسیم ہو جانا، بالکل دوسری بات ہے۔ پودا ہونے پر ہی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جسکو چھٹا ملنا چاہئے اتنا مل گیا۔ اگر ایسا ہوا کرتا تو شاید اس دنیا کی شکل ہی کچھ دوسری ہوتی اور غریب امیر میں یا مالک مزدور میں آج زمین آسمان کے جیسے فرق نہ ہوتے۔

میں افسوس ہے کہ فائنلٹس مسٹر جیسی ذمہ دار ہستی اس طرح کا پرچار کرے۔ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے سب مسٹر مل کر بھی اگر اصلیت چھپا کر غلط بات کے پرچار میں لگ جائیں تو بھی ان کی مصیبت اسی طرح ہوکر ثابت ہوگی جیسے بہتے پانی کے آگے بالوں کی دیوار کھڑی کرنا۔ اس کے خلاف اگر حالات اصلیت میں آج بھی ہیں تو مشک کی طرح اس کا اثر خود بخود پھیلے گا اور کوئی پرچار کی خاص ضرورت نہیں رہے گی۔ آزاد و نئے ہندوستان کی بنیاد چھوٹے پرچار کے بجائے سچی اصلیت پر کھڑی کرنا ہر انسان کا فرض ہے، پر اگر وہ مستقر ہے تب تو اور بھی زیادہ۔

28. 6. '54

—سوریشرام بائی

ہمیں افسوس ہے کہ فائنلٹس مسٹر جیسی ذمہ دار ہستی اس طرح کا پرچار کرے۔ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے سب مسٹر مل کر بھی اگر اصلیت چھپا کر غلط بات کے پرچار میں لگ جائیں تو بھی ان کی مصیبت اسی طرح ہوکر ثابت ہوگی جیسے بہتے پانی کے آگے بالوں کی دیوار کھڑی کرنا۔ اس کے خلاف اگر حالات اصلیت میں آج بھی ہیں تو مشک کی طرح اس کا اثر خود بخود پھیلے گا اور کوئی پرچار کی خاص ضرورت نہیں رہے گی۔ آزاد و نئے ہندوستان کی بنیاد چھوٹے پرچار کے بجائے سچی اصلیت پر کھڑی کرنا ہر انسان کا فرض ہے، پر اگر وہ مستقر ہے تب تو اور بھی زیادہ۔

ہمیں افسوس ہے کہ فائنلٹس مسٹر جیسی ذمہ دار ہستی اس طرح کا پرچار کرے۔ ہم بڑے ادب کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے سب مسٹر مل کر بھی اگر اصلیت چھپا کر غلط بات کے پرچار میں لگ جائیں تو بھی ان کی مصیبت اسی طرح ہوکر ثابت ہوگی جیسے بہتے پانی کے آگے بالوں کی دیوار کھڑی کرنا۔ اس کے خلاف اگر حالات اصلیت میں آج بھی ہیں تو مشک کی طرح اس کا اثر خود بخود پھیلے گا اور کوئی پرچار کی خاص ضرورت نہیں رہے گی۔ آزاد و نئے ہندوستان کی بنیاد چھوٹے پرچار کے بجائے سچی اصلیت پر کھڑی کرنا ہر انسان کا فرض ہے، پر اگر وہ مستقر ہے تب تو اور بھی زیادہ۔

—سوریشرام بائی

28. 6. '54

ونسپتی اور ہمارے ویگیاٹنگ

پارلیامینٹ کے پچھلے بجٹ اجلاس میں وونسپتی وھی پر بھی کچھ چرچا چلی۔ پہلی بھرتی کی رانی چندراوتی لکشمیپال نے اسے نیکوئی میں دیکھا اور کہا کہ اسے

پارلیامینٹ کے پچھلے بجٹ اجلاس میں وونسپتی وھی پر بھی کچھ چرچا چلی۔ پہلی بھرتی کی رانی چندراوتی لکشمیپال نے اسے نیکوئی میں دیکھا اور کہا کہ اسے

میں ہندوستان سے آنا اور کپڑا ہوتا تھا۔ مگر واقعہ ہے کہ انگریزی عمل داری کے اندر ہندوستان میں جتنے اگال اور ایک سے ایک بھونک اگل، بڑے انجم ہمارے ملک کے انہماں میں کہیں نہیں پڑے۔ اور انکوں کے لحاظ سے یہ ہی آسانی سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے باشندوں کو دھلم سہلے کے لئے مکان کا بندوبست ہے۔

مگر اصلیت کچھ اور ہی ہے۔ مارچ 1953 میں پارلیمینٹ کے سامنے ایک بھان دیتے ہوئے مرکزی قوت منسٹر شری رفیع احمد قزوینی نے کہا تھا کہ اس سال 2 کروڑ 76 لاکھ سے زیادہ یعنی تین کروڑ کے لگ بھگ آدمیوں کو خوراک کی تلکی کا شکار ہونا پڑا۔ انہوں نے تفصیل دیتے ہوئے بتلایا تھا :

مگر اسلیخت کوئی اور ہی ہے۔ مارچ 1953 میں پارلیمینٹ کے سامنے ایک بھان دیتے ہوئے مرکزی قوت منسٹر شری رافی احمد قزوینی نے کہا تھا کہ اس سال 2 کروڑ 76 لاکھ سے زیادہ یعنی تین کروڑ کے لگ بھگ آدمیوں کو خوراک کی تلکی کا شکار ہونا پڑا۔ انہوں نے تفصیل دیتے ہوئے بتلایا تھا :

مگر اصلیت کچھ اور ہی ہے۔ مارچ 1953 میں پارلیمینٹ کے سامنے ایک بھان دیتے ہوئے مرکزی قوت منسٹر شری رفیع احمد قزوینی نے کہا تھا کہ اس سال 2 کروڑ 76 لاکھ سے زیادہ یعنی تین کروڑ کے لگ بھگ آدمیوں کو خوراک کی تلکی کا شکار ہونا پڑا۔ انہوں نے تفصیل دیتے ہوئے بتلایا تھا :

صوبہ	لاکھ میں تعداد
مدراس	85
بمبئی	60
میسور	43
راجستھان	26
وندھہ پردیش	22
مدھہ پردیش	15
چھتر آباد	14
مدھہ بھارت	8
سوراشٹر	3

صوبہ	لاکھ میں تعداد
مدراس	85
بمبئی	60
میسور	43
راجستھان	26
وندھہ پردیش	22
مدھہ پردیش	15
چھتر آباد	14
مدھہ بھارت	8
سوراشٹر	3

انہوں نے یہ بھی کہا کہ بہار، پنجاب، بلتال اور اتر پردیش میں لگے سال اگل کی حالتوں سے زیادہ پریشانی تھی، مگر اس سال نہیں۔

یہ اطلاع رفیع صاحب نے 12 مارچ 1953 کو دی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی دن بھکامہر شہر میں راجستھان فہمیں کمشنر (Famine Commissioner) نے پریس نمائندوں کے سامنے ایک بھان میں کہا کہ اس سال بھکامہر قویڈن کے در تھائی حصے کی حالت بہت خراب ہے اور چار لاکھ سے اوپر آدمی اگل کی گرفت میں ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسی طرح چوندھور اور آدے پور قویڈن کی حالت ہے جہاں 18 لاکھ آدمی اس مہاساری کے شکار ہوئے ہیں۔

یہ اطلاع رفیع صاحب نے 12 مارچ 1953 کو دی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی دن بھکامہر شہر میں راجستھان فہمیں کمشنر (Famine Commissioner) نے پریس نمائندوں کے سامنے ایک بھان میں کہا کہ اس سال بھکامہر قویڈن کے در تھائی حصے کی حالت بہت خراب ہے اور چار لاکھ سے اوپر آدمی اگل کی گرفت میں ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسی طرح چوندھور اور آدے پور قویڈن کی حالت ہے جہاں 18 لاکھ آدمی اس مہاساری کے شکار ہوئے ہیں۔

یہ اطلاع رفیع صاحب نے 12 مارچ 1953 کو دی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی دن بھکامہر شہر میں راجستھان فہمیں کمشنر (Famine Commissioner) نے پریس نمائندوں کے سامنے ایک بھان میں کہا کہ اس سال بھکامہر قویڈن کے در تھائی حصے کی حالت بہت خراب ہے اور چار لاکھ سے اوپر آدمی اگل کی گرفت میں ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ اسی طرح چوندھور اور آدے پور قویڈن کی حالت ہے جہاں 18 لاکھ آدمی اس مہاساری کے شکار ہوئے ہیں۔

بہا کوئی مان لے گا کہ 1953-54 میں ہلاکت ہتہنی بدلتا گئی کہ ہر ایک کو ہر پتہ کھانا ملنے لگا۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا کہ پہلے سالہ پوجنا جسے کہا جاتا ہے وہ 1951 میں شروع ہوئی اور یہ اگل اس کے دوسرے سال میں ہی پڑ گئی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ فائلیٹس اور قوت منسٹریوں کو صوبوں سے خبر آ گئی ہو کہ کافی غلہ 1953-54 میں پیدا ہو گیا ہے۔ مگر اس سے اس نتیجہ

بہا کوئی مان لے گا کہ 1953-54 میں ہلاکت ہتہنی بدلتا گئی کہ ہر ایک کو ہر پتہ کھانا ملنے لگا۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا کہ پہلے سالہ پوجنا جسے کہا جاتا ہے وہ 1951 میں شروع ہوئی اور یہ اگل اس کے دوسرے سال میں ہی پڑ گئی۔ یہ ہو سکتا ہے کہ فائلیٹس اور قوت منسٹریوں کو صوبوں سے خبر آ گئی ہو کہ کافی غلہ 1953-54 میں پیدا ہو گیا ہے۔ مگر اس سے اس نتیجہ

نیکال پڑتے ہیں۔ اس تقریب میں جو اسٹوڈنٹس وہ جگہ جگہ دیکھیں ان میں اصلاح کی جگہ پرچار کی زیادہ مہک آئی ہے۔ انڈیہ تقریبوں میں ایک خطرناک سلوکوش رہتا ہے اور بعض میں صحیح و غریب طور جانکاری بھی ہوتی ہے۔ یہ سب خصوصیت ہمارے کونڈری فائونڈس مسٹر کی ایک اسپیچ میں انہوں جسکی طرف ہم آئے پریمی پاتھوں کا دھیان کھینچنا چاہتے ہیں۔

یہ بھاشن شری چلتا میں دیکھنے نے 25 مئی کو جب وہ بمبئی میں روزور بھٹک آئے انڈیا کے ملازمین کے دھم کے لئے دو کروڑ روپے کے خرچ سے بمبئی ایک ہستی کا اڈکھان کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریب کے دوران میں جو لفظ ہم اس کے کچھ حصہ کا انورڈ ہم نہجے دے رہے ہیں :

”لوگوں کی دو بلدیادی ضرورتیں—خانے اور کپڑے—کا سناٹا سبب و واجب انتظام ہماری پہلی پلچ سالہ پوجنا میں ہوگیا۔ مہرا خیال ہے کہ اب دوسری پلچ سالہ پوجنا میں ضرورت اس بات کی ہے کہ وہاں ہی مکان بنانے کے کام پر زیادہ زور دیا جائے۔ اس میں شہروں کے اندر مکانوں پر زیادہ توجہ دی جائے تاکہ شہروں میں جو کھنڈیاں دانی ہے ان میں کمی آئے اور نئے سلم (Slum) یا گندی بستیوں کا وجود نہ ہو۔ (سٹوڈنٹس میں مئی 27)

”لوگوں کی دو بلدیادی ضرورتیں—خانے اور کپڑے—کا سناٹا سبب و واجب انتظام ہماری پہلی پلچ سالہ پوجنا میں ہوگیا۔ مہرا خیال ہے کہ اب دوسری پلچ سالہ پوجنا میں ضرورت اس بات کی ہے کہ وہاں ہی مکان بنانے کے کام پر زیادہ زور دیا جائے۔ اس میں شہروں کے اندر مکانوں پر زیادہ توجہ دی جائے تاکہ شہروں میں جو کھنڈیاں دانی ہے ان میں کمی آئے اور نئے سلم (Slum) یا گندی بستیوں کا وجود نہ ہو۔ (سٹوڈنٹس میں مئی 27)

شہری دیکھنے کے کہنے کا مڈھا یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین پر دھم والے ہر انسان نام کے ہر پرانی کو اب ضرورت کے لائق کہانا اور کھوا ملنے لگا ہے۔ یعنی سب پر سر روزگار ہوں یا نوکری میں ہوں اور کھانے پہلچے کی کوئی تکلف کسی کو نہیں ہے۔ اور شہری دیکھنے یہ بھی جتنا چاہتے ہیں کہ یہ کمال سرکار کی بھائی پلچ سالہ پوجنا کی کرامات ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے فائونڈس مسٹر جسے جانکار و ذمہ دار آدمی اس تقریب پر کس طرح پہنچ گئے۔ شاید وہ آنکڑوں کے بل پر ایسا کہہ رہے ہوں۔ اڈھر کئی برس سے آزاد بھارت میں اناج باہر سے آ رہا تھا۔ مگر سرکاری ضرورت ہے کہ اس سالے اناج آنا بند ہوگیا ہے۔ بلکہ یہاں تک خبر ہے کہ سرکار چاول باہر بھی بھیجنے والی ہے۔ یہ بھج رہی ہے۔ ذرا دیر کے لئے ہم یہ مان لوں کہ یہ آنکڑے صحیح ہوں اور ہندوستان میں کافی قلت پیدا ہوئے لگا ہے۔ مگر اس سے کوئی یہ تقریب کوسے نکال سکتا ہے کہ ہندوستان کے 36 کروڑ باشندوں کو ضرورت کے لائق اور دولت پہنچانے ملے لگا۔ اگر آنکڑے کے بل پر ہی دائے قائم کرنی ہے تب تو انگریز بھی کہہ سکتے تھے کہ ان کے زمانہ

کے भाइयों का काम केवल कांग्रेस को जिस तरह हो पटखी देना ही रह गया है ? क्या इस से वह हिन्दुओं को बचा लेंगे ? क्या हिन्दुओं को इन गंदे अंधविश्वासों और इन सबके गले रीत रिवाजों में से निकालना या कम से कम निकालने की कोशिश करना उनका धर्म नहीं है ? कांग्रेस के नेताओं और कांग्रेसी अकसरों के बारे में तो इस सम्बन्ध में हम अपनी लेखनी को रोक कर ही रखें तो अच्छा है। उन्होंने राज सत्ता हाथ में ले ली, बहुत बड़ा काम किया। अब उनका काम रह गया है केवल जिस तरह हो सके राजगद्दी संभाले रखना ! हम इस घटना से केवल दो ही नतीजे निकाल सकते हैं :—

पहला यह कि इन बातों में लोगों के साथ किसी तरह की जबरदस्ती नहीं करनी चाहिए। उनके यहां रोज जा कर धरना देना जिसे हम लोग 'सत्याग्रह' कहते हैं, वह भी खास हालतों में, जबरदस्ती हो जाती है। लोगों को बीच बीच में खुद सोचने का मौका भी देना चाहिये। हाँ, उन्हें जाकर प्रेम से समझाना चाहिये, पर वह भी जब वह सुनने को तैयार हों। हमें विश्वास है कि लोगों को सोचने समझने का मौका मिले तो वह आम तौर पर कार्यकर्ताओं से और नेताओं से ज्यादा समझदार होते हैं।

दूसरा यह कि इन अलग अलग धर्मों का जमाना अब दुनिया से हमेशा के लिये उठ चुका। अब सांप निकल चुका केवल हम लकीरें पीट रहे हैं। दुनिया बहुत आगे बढ़ चुकी। अब दुनिया को सड़ी गली रूढ़ियों में फंसे हुए इन अलग अलग धर्मों की जगह एक ऐसे धर्म की जरूरत है, जिसमें कोई पूजा पाठ हो या न हो, ईश्वर पर विश्वास भी हो या न हो, लेकिन इनसानी बराबरी हो, सुदृढ हो, नेकी हो, ईमानदारी हो, सच्चाई हो और इनसानियत हो। इनसानी क्रीम की आगे की चढ़ाई बहुत तेदी और कठिन पहाड़ की चढ़ाई है। सदियों का कचरा कमर पर बांध कर हम इस चढ़ाई को तय नहीं कर सकते। उस चढ़ाई को तय करने के लिये हमें अपने बोझ को हलका करना होगा और हिम्मत और उसूलों की निगाह से अपनी कमर को सीधा रखना होगा।

20. 7. '54

—सुन्दरलाल

असलियत और प्रचार

नई दिल्ली की पार्लियामेन्ट या लोक सभा के लम्बे इजलास की थकान मिटाने के लिये हमारे ज्यादातर मिनिस्टर आराम की खातिर या तो अंग्रेजों की तरह पहाड़ी इलाकों पर चले जाते हैं या मुल्क में सैर सपाटे के लिये

अगस्त '54

के बहालों का काम केवल कांग्रेस को जिस तरह हो पटखी देना ही रह गया है ? क्या इस से वह हिन्दुओं को बचा लेंगे ? क्या हिन्दुओं को इन गंदे अंधविश्वासों और इन सबके गले रीत रिवाजों में से निकालना या कम से कम निकालने की कोशिश करना उनका धर्म नहीं है ? कांग्रेस के नेताओं और कांग्रेसी अकसरों के बारे में तो इस सम्बन्ध में हम अपनी लेखनी को रोक कर ही रखें तो अच्छा है। उन्होंने राज सत्ता हाथ में ले ली, बहुत बड़ा काम किया। अब उनका काम रह गया है केवल जिस तरह हो सके राजगद्दी संभाले रखना ! हम इस घटना से केवल दो ही नतीजे निकाल सकते हैं :—

पहला यह कि इन बातों में लोगों के साथ किसी तरह की जबरदस्ती नहीं करनी चाहिए। उनके यहां रोज जा कर धरना देना जिसे हम लोग 'सत्याग्रह' कहते हैं, वह भी खास हालतों में, जबरदस्ती हो जाती है। लोगों को बीच बीच में खुद सोचने का मौका भी देना चाहिये। हाँ, उन्हें जाकर प्रेम से समझाना चाहिये, पर वह भी जब वह सुनने को तैयार हों। हमें विश्वास है कि लोगों को सोचने समझने का मौका मिले तो वह आम तौर पर कार्यकर्ताओं से और नेताओं से ज्यादा समझदार होते हैं।

दूसरा यह कि इन अलग अलग धर्मों का जमाना अब दुनिया से हमेशा के लिये उठ चुका। अब सांप निकल चुका केवल हम लकीरें पीट रहे हैं। दुनिया बहुत आगे बढ़ चुकी। अब दुनिया को सड़ी गली रूढ़ियों में फंसे हुए इन अलग अलग धर्मों की जगह एक ऐसे धर्म की जरूरत है, जिसमें कोई पूजा पाठ हो या न हो, ईश्वर पर विश्वास भी हो या न हो, लेकिन इनसानी बराबरी हो, सुदृढ हो, नेकी हो, ईमानदारी हो, सच्चाई हो और इनसानियत हो। इनसानी क्रीम की आगे की चढ़ाई बहुत तेदी और कठिन पहाड़ की चढ़ाई है। सदियों का कचरा कमर पर बांध कर हम इस चढ़ाई को तय नहीं कर सकते। उस चढ़ाई को तय करने के लिये हमें अपने बोझ को हलका करना होगा और हिम्मत और उसूलों की निगाह से अपनी कमर को सीधा रखना होगा।

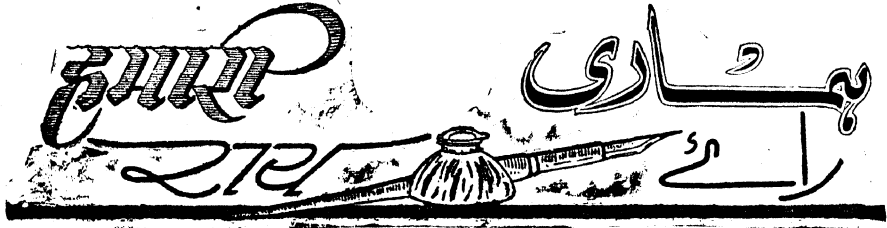
— सुन्दरलाल

20. 7. '54

असलियत और प्रचार

नई दिल्ली की पार्लियामेन्ट या लोक सभा के लम्बे इजलास की थकान मिटाने के लिये हमारे ज्यादातर मिनिस्टर आराम की खातिर या तो अंग्रेजों की तरह पहाड़ी इलाकों पर चले जाते हैं या मुल्क में सैर सपाटे के लिये

अगस्त '54



लुआ लूत

नागपुर से छै मील दूर बहादुरा नाम का एक गांव है। आबादी सब हिन्दुओं की है, जिनमें पचास साठ घर ऊंची जात के हिन्दुओं के हैं और दस पन्द्रह घर हरिजन यानी अछूत समझे जाने वाले हिन्दुओं के। गांव में दो कुएं हैं। ऊंची जात वाले अपने पीने के लिए उन कुओं से पानी भरते हैं, और हरिजन कहलाने वाले गांव से आध मील दूर किसी नाले से पानी भर कर लाते हैं। उन्हें गांव के कुओं से पानी नहीं भरने दिया जाता।

सन 1948 में भारत का विधान पास हो गया। उस में कम से कम कागज के ऊपर लुआ लूत सारे हिन्दुस्तान से मिटा दी गई। बहादुरा के एक नेक हिन्दू लक्ष्मनराव उस्ताद ने चाहा कि उनके गांव के हरिजनों को भी गांव के कुओं से पानी भरने दिया जाय। लोगों को समझाया। ऊंची जात वालों ने न माना। आन्दोलन शुरू हो गया। छै बरस से यह आन्दोलन जारी है। हर हफ्ते बड़े बड़े सुधारक, नेता, गांधी भक्त, यहां तक कि सरकारी अफसर और मिनिस्टर तक बहादुरा जा चुके हैं। हफ्तों वहां बड़े बड़े कैम्प रहे, बड़ी बड़ी सभाएं हुईं। आन्दोलन जारी है। हम भी एक दिन बहादुरा जा चुके हैं। विनोबा भावे, राजेन्द्र बाबू और जवाहरलाल जी के अशीर्वाद तक बहादुरा के आन्दोलन को मिल चुके हैं। पर आज तक बहादुरा गांव के हरिजनों को गांव के कुओं से पानी लेने की इजाजत नहीं मिल सकी।

इस सारे आन्दोलन की एक रिपोर्ट ग्यारह पन्नों की छपी हुई 'नया हिन्दू' में दिव्यु के लिए हमारे पास आई है, और हम से सलाह भी मांगी गई है। हम हैरान हैं और शर्मिन्दा हैं कि क्या कहे, जो धर्म इतना गिर गया हो, वह क्या सचमुच जिन्दा रहने का हक्दार है? और क्या दुनिया उसे जिन्दा रहने दे सकती है? हमारी बातों में कबुआपन हो सकता है। पर हम हैरान हैं कि क्या हमारे हिन्दू सभा और राष्ट्रीय स्वयं सेवक संघ

जहवा चहोत

नाहूर से जेह मेल दूर बेहदुरा नाम का एक गांव है। नेहनी सब हलदों की है, जेहमें पचास साठ घर ऊंची जात के हलदों के हैं और दस पन्द्रह घर हरिजन यानी अछूत समझे जाने वाले हलदों के हैं। गांव में दो कुएं हैं। ऊंची जात वाले अपने पीने के लिए उन कुओं से पानी भरते हैं, और हरिजन कहलाने वाले गांव से आध मील दूर किसी नाले से पानी भर कर लाते हैं। उन्हें गांव के कुओं से पानी नहीं भरने दिया जाता।

सन 1948 में भारत का विधान पास हो गया। उस में कम से कम कागज के ऊपर लुआ लूत सारे हिन्दुस्तान से मिटा दी गई। बहादुरा के एक नेक हिन्दू लक्ष्मनराव उस्ताद ने चाहा कि उनके गांव के हरिजनों को भी गांव के कुओं से पानी भरने दिया जाय। लोगों को समझाया। ऊंची जात वालों ने न माना। आन्दोलन शुरू हो गया। छै बरस से यह आन्दोलन जारी है। हर हफ्ते बड़े बड़े सुधारक, नेता, गांधी भक्त, यहां तक कि सरकारी अफसर और मिनिस्टर तक बहादुरा जा चुके हैं। हफ्तों वहां बड़े बड़े कैम्प रहे, बड़ी बड़ी सभाएं हुईं। आन्दोलन जारी है। हम भी एक दिन बहादुरा जा चुके हैं। विनोबा भावे, राजेन्द्र बाबू और जवाहरलाल जी के अशीर्वाद तक बहादुरा के आन्दोलन को मिल चुके हैं। पर आज तक बहादुरा गांव के हरिजनों को गांव के कुओं से पानी लेने की इजाजत नहीं मिल सकी।

इस सारे आन्दोलन की एक रिपोर्ट ग्यारह पन्नों की छपी हुई 'नया हिन्दू' में दिव्यु के लिए हमारे पास आई है, और हम से सलाह भी मांगी गई है। हम हैरान हैं और शर्मिन्दा हैं कि क्या कहे, जो धर्म इतना गिर गया हो, वह क्या सचमुच जिन्दा रहने का हक्दार है? और क्या दुनिया उसे जिन्दा रहने दे सकती है? हमारी बातों में कबुआपन हो सकता है। पर हम हैरान हैं कि क्या हमारे हिन्दू सभा और राष्ट्रीय स्वयं सेवक संघ

آج کے کوی

لیکھنے والے — لکھتے موہن اوسٹھی؛ نیکالنے والے — کورنٹ پبلشرس؛ سی مال؛ کانپور؛ لکھاوت — مہندی؛ صفحہ — 205؛ دام — تین روپے۔

کلا کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلاکار کو سمجھا جائے۔ دنیا کے بڑے بڑے کلاکار اس بات پر سمجھتے ہیں کہ کلاکار اپنے لوگوں کو سمجھتا ہے، اس سمجھ کو ہم کو دینا ہے اور تب جو چیز لکھتا ہے وہ کامیاب ہوتی ہے۔ بہت سی چیزیں لکھی گئی ہیں اور ناکامیابی کی چیزیں لکھی گئی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ لکھنے کو ہر پہلو سے جانا جائے اور تب ہی اس کی کلا کا صحیح اندازہ کیا جائے گا۔ اسی درستی کو ہے ”آج کے کوی“ لکھی گئی ہے۔

اس پرستک میں چودہ کویوں کا ذکر ہے۔ سب کے سب نئے ہیں، نوجوان ہیں۔ کچھ پرستی شہل ہیں، کچھ اپنے کو پرستی شہل نہیں کہتے۔ اس طرح ایک ساتھ بہت سے روپ اور بہت سے وجہ سامنے آتے ہیں اور سنہ 1945ء کے سلسلہ میں چودہ کویوں نے چتر دئے ہیں اور چتر کے نمونے دیئے ہیں۔ کویوں پر ہمدردی سے بھرے آلوچنا تک نوٹ دیئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اوسٹھی جی نے معرے کی ساتھ سہارا دیا ہے اور انہوں نے ہمدردی ملی چاہی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری کتابیں اوسٹھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں آئے ہیں۔ ان کے کتابوں میں دوسری کوی ہیں اور ساتھ ہی کوی کی اپنی ہوسکتی ہے۔ — مستحباب رضوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اوسٹھی جی نے معرے کی ساتھ سہارا دیا ہے اور انہوں نے ہمدردی ملی چاہی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری کتابیں اوسٹھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں آئے ہیں۔ ان کے کتابوں میں دوسری کوی ہیں اور ساتھ ہی کوی کی اپنی ہوسکتی ہے۔ — مستحباب رضوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ اوسٹھی جی نے معرے کی ساتھ سہارا دیا ہے اور انہوں نے ہمدردی ملی چاہی ہے۔ اس سلسلہ میں دوسری کتابیں اوسٹھی جی لکھ رہے ہیں، جو کوی اس کتاب میں نہیں ہیں، وہ اس میں آئے ہیں۔ ان کے کتابوں میں دوسری کوی ہیں اور ساتھ ہی کوی کی اپنی ہوسکتی ہے۔ — مستحباب رضوی

پروانے کی ڈائری

لیکھنے والے — مہدی اوسٹھی؛ نیکالنے والے — مکتبہ جہانگیر؛ چوک (مقابلہ کوٹوالی)؛ الہ آباد؛ لکھاوت — اردو؛ صفحہ — 154؛ دام — دو روپے چار آنے۔

اس کتاب کا نام ”پروانے کی ڈائری“ ہے لیکن اس میں اس کے خاتوں کا لکھا ہے۔ ڈائری اور خات کے لکھنے میں فرق ہے۔ جو شہلی اور جو دھار دھار اس کتاب میں لکھی گئی ہے وہ قاضی محمد عبدالغفار کی ہے۔ لیکن قاضی صاحب کی کتابیں اونچی ہیں، ان تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہ کم کتاب بہت دلچسپ ہیں ہوتی، اس لیے تازہ انہوں نے اردو سنہ 1945ء کے سلسلہ میں لکھی ہیں۔ ہاشا کے نام پر اس کتاب میں اردو کی پتی پتی پتی نثر ملتی ہے اور انہوں نے نام پر کچھ بھی نہیں دیکھا ہے۔

ادب کی دنیا میں اس کتاب کا کوئی مول نہیں ہے۔ لیکن میں بھلاؤ کے لیے اچھی ہے۔ — مصطفیٰ حیدر

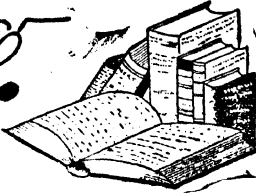
پروانے کی ڈائری

لیکھنے والے — مہدی اوسٹھی؛ نیکالنے والے — مکتبہ جہانگیر؛ چوک (مقابلہ کوٹوالی)؛ الہ آباد؛ لکھاوت — اردو؛ صفحہ — 154؛ دام — دو روپے چار آنے۔

اس کتاب کا نام ”پروانے کی ڈائری“ ہے لیکن اس میں اس کے خاتوں کا لکھا ہے۔ ڈائری اور خات کے لکھنے میں فرق ہے۔ جو شہلی اور جو دھار دھار اس کتاب میں لکھی گئی ہے وہ قاضی محمد عبدالغفار کی ہے۔ لیکن قاضی صاحب کی کتابیں اونچی ہیں، ان تک پہنچنا آسان نہیں ہے۔ یہ کم کتاب بہت دلچسپ ہیں ہوتی، اس لیے تازہ انہوں نے اردو سنہ 1945ء کے سلسلہ میں لکھی ہیں۔ ہاشا کے نام پر اس کتاب میں اردو کی پتی پتی پتی نثر ملتی ہے اور انہوں نے نام پر کچھ بھی نہیں دیکھا ہے۔

ادب کی دنیا میں اس کتاب کا کوئی مول نہیں ہے۔ لیکن میں بھلاؤ کے لیے اچھی ہے۔ — مصطفیٰ حیدر

کتاب گنجینہ



جیندگی مسکرائی

زندگی مسکرائی

لیکھنے والے—کन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर; निकालنے والے—भारती ज्ञान पीठ, काशी; लिखावट हिन्दी; सफ़े—296; दाम चार रुपये.

“जिन्दीगी मुस्कुराई” को पढ़ कर सचमुच जिन्दीगी मुस्कुरा उठती है. पढ़ते जाइये, कभी आप का रस खतम नहीं होगा. जिस पन्ने को खोलेंगे उस पर जिन्दीगी का संदेश अंकित रहेगा. अगर कोई किताब चरित्र निर्माण कर सकती है और नौजवानों को तरक्की की चोटी पर पहुंचा सकती है तो वह “जिन्दीगी मुस्कुराई” है. शौली इतनी रोचक है कि एक दफा किताब उठाकर फिर बन्द करने का दिल नहीं चाहता. हर सतर एक नशतर है जो दिल में गढ़ता जाता है. काश हर नौजवान तक यह किताब पहुंच सके.

इस पुस्तक में प्रभाकर जी के 43 स्केच और निबन्ध हैं. इन रचनाओं की पीठ पर प्रभाकर जी के गहरे अनुभव और तपस्या का हाथ है. हर रचना में नई जिन्दीगी है, नई प्रेरणा है. प्रभाकर जी के बहुत से विचारों से कोई सहमत न हो, यह सम्भव है. लेकिन “जिन्दीगी मुस्कुराई” की महानता से कोई इनकार नहीं कर सकता. अभी तक हिन्दी में अगर कोई रचना है और नौजवानों को बलवान बनाने का दावा कर सकती है तो “जिन्दीगी मुस्कुराई” के अलावा कोई दूसरी रचना नहीं हो सकती.

अगर कोई शुद्ध और सुन्दर भाषा लिखता है तो प्रभाकर जी को उसे गुरु मानना पड़ेगा. इस किताब की भाषा उन सब को चेलेंज करती है जो कहते हैं कि बोल चाल की भाषा और होती है और साहित्य की भाषा और होती है. हिन्दी को संवारने का श्रेय प्रभाकर जी को है और इस अनमोल रत्न के लिये मैं भक्ति से उनके सामने सर झुकाता हूँ.

यह किताब है जिस को यूनिवर्सिटी क्लासों में पढ़ाया जाना चाहिये और लाइब्रेरियों में तो इसे पहुंचना ही चाहिये.

—मुजीब रिखवी

लेखक والے—کدھیا لال میشر پرہاکر؛ نکالنے والے—بھارتیہ ج्ञान پیٹھ، کاشی؛ لکھاوت ہندی؛ صفحہ—296؛ دام چار روپے .

” زندگی مسکرائی “ کو پورے سچ سچ میں زندگی مسکرائی تھی ہے . پڑھتے جائیے، کبھی آپ کا دس ختم نہیں ہوگا . جس پے کو کھولیں گے اس پر زندگی کا سندھیں انکس رہے گا . اگر کوئی کتاب چرتر نرمان کر سکتی ہے اور نوجوانوں کو ترقی کی چوٹی پر پہنچا سکتی ہے تو وہ ” زندگی مسکرائی “ ہے . شولی اتنی روچک ہے کہ ایک دفعہ کتاب اٹھا کر پھر بلند کرنے کا دل نہیں چاہتا . ہر طور ایک نشتر ہے جو دل میں گونا گونا جااتا ہے . کاش ہر نوجوان تک یہ کتاب پہنچ سکے .

اس مسکرم میں پرہاکر جی کے 43 اسکچ اور نبلندھ ہوں . ان رچناؤں کی پڑھتے پر پرہاکر جی کے گہرے انوبھو اور توشہ کا حال ہے . ہر رچنا میں نئی زندگی ہے، نئی پیرنا ہے . پرہاکر جی کے بہت سے وچاروں سے کوئی سہمت نہ ہو، یہ سہبہو ہے . لیکن ” زندگی مسکرائی “ کی مہانتا یہ کوئی انکار نہیں کر سکتا . ابھی تک ہندی میں اگر کوئی رچنا ہے اور نوجوانوں کو بلمان بلندھ دھوی کر سکتی ہے تو وہ ” زندگی مسکرائی “ کے علاوہ کوئی دوسری رچنا نہیں ہو سکتی .

اگر کوئی شدھ اور سندھر بھاشا لکھتا چاہتا ہے تو پرہاکر جی کو اُسے گرو ماننا پویگا . اس کتاب کی بھاشا ان سب کو چھلنج کرتی ہے جو کہتے ہوں کہ بول چال کی بھاشا اور ہوتی ہے اور ساہتھ کی بھاشا اور ہوتی ہے . ہندی کو سدوارنے کا شریعہ پرہاکر جی کو ہے اور اس انمول دھن کے لئرم میں بھکتی سے ان کے سامنے سر جھکاتا ہوں .

یہ وہ کتاب ہے جسکو یونیورسٹی کلاسوں میں ضرور پڑھایا جانا چاہئے اور لائبریریوں میں تو اسے پہنچنا ہی چاہئے .

—محبوب رفوی

आये थे. आज फिर इन्सान खतरे में घिरा है. बच्चे बुढ़े, औरत मर्द सब चीख रहे हैं. डैन्युब का गुस्सा ठण्डा नहीं हो रहा, उसकी भूख नहीं मिट रही. इन्सानियत ने फिर पुकारा. आज यह सिपाही फिर एक साथ मैदान में आ गये.

जब खतरा होता है तो एका बढ़ता है. जब एका होता तो विश्वास बढ़ता है. जब विश्वास होता तो हथियार की जरूरत नहीं होती. बन्दूकें दूर पड़ी हैं—बहुत दूर, आदमियों से बहुत दूर. रूसी बन्दूकें आंख फाड़े अमरीकी बन्दूकों को देख रही हैं. अमरीकी बन्दूकें ताजुब से रूसी बन्दूकों को देख रही हैं, लेकिन खामोश हैं.

सिपाही सब भूल गये हैं—इन्सान हो गये हैं, केवल इन्सान—आदमियों को बचा रहे हैं, बुढ़ों को किनारे पर पहुँचा रहे हैं, बच्चों के सहारे बन रहे हैं. यह सब भूल गये हैं. केवल उन्हें खतरा याद है और खतरे से मानवता को बचाने का फर्ज!

डैन्युब का खतरा मामूली है, बहुत साधारण. इस से भी बड़े खतरे हैं, हिटलर से भी बड़ा खतरा सामने है. एटम बम का खतरा, हाईड्रोजन बम का खतरा, निपाम बम का खतरा. एक-दो, दस-बीस, हजार दस हजार, लाख दस लाख को ही खतरा नहीं है, सारी ज़िन्दगी खतरे में है, सारी मानवता खतरे में है. आज इन्सानियत फिर बुला रही है—अमरीकियों को, रूसियों को—सब को—मेज के लिये. आज रूसी और अमरीकी डैन्युब के खतरे के कारन मिले हैं. एक क्रदम और आगे, मानवता को बचा लो, बन्दूकें फेंक दो, एक दूसरे को गले लगा लो....लेकिन शायद.....ऐसा न हो सके.....शायद हो सके! इन सिपाहियों की आंखें यही कह रही हैं. ज़रा इनमें देखो, ज़रा इनको पढ़ो. दूर नील गगन में आँसुओं की स्कीन पर क्या लिखा है—“हम ज़रूर मिलेंगे, दुनिया की जनता एक है, हम ज़रूर मिलेंगे.....

—मुजीब रिज़वी

आँसे. अज येर अन्सान ख़तरے में लहरा है. बच्चे, बुढ़े, औरत मर्द सब च़ख रहे हैं. डैन्युब का गुस्सा ठण्डा नहीं हो रहा, उसकी भूख नहीं मिट रही. इन्सानियत ने येर पुकारा. आज ये सपाही येर एक साथ मैदान में आ गئے.

जब ख़तरा होता है तो एका बढ़ता है. जब एका होता है तो विश्वास बढ़ता है. जब विश्वास होता तो हथियार की जरूरत नहीं होती. बन्दूकें दूर पड़ी हैं—बहुत दूर, आदमियों से बहुत दूर. रूसी बन्दूकें आंख फाड़े अमरीकी बन्दूकों को देख रही हैं. अमरीकी बन्दूकें ताजुब से रूसी बन्दूकों को देख रही हैं, लेकिन खामोश हैं.

सिपाही सब भूल गये हैं—इन्सान हो गये हैं, केवल इन्सान—आदमियों को बचा रहे हैं, बुढ़ों को किनारे पर पहुँचा रहे हैं, बच्चों के सहारे बन रहे हैं. यह सब भूल गये हैं. केवल उन्हें खतरा याद है और खतरे से मानवता को बचाने का फर्ज!

डैन्युब का ख़तरा मामूली है, बहुत साधारण. इस से भी बड़े ख़तरा सामने है, हिटलर से भी बड़ा ख़तरा सामने है. एटम बम का ख़तरा, हाईड्रोजन बम का ख़तरा, निपाम बम का ख़तरा. एक-दो, दस-बीस, हजार दस हजार, लाख दस लाख को ही ख़तरा नहीं है, सारी ज़िन्दगी ख़तरा में है, सारी मानवता ख़तरा में है. आज इन्सानियत फिर बुला रही है—अमरीकियों को, रूसियों को—सब को—मेज के लिये. आज रूसी और अमरीकी डैन्युब के ख़तरा के कारन मिले हैं. एक क्रदम और आगे, मानवता को बचा लो, बन्दूकें फेंक दो, एक दूसरे को गले लगा लो....लेकिन शायद.....ऐसा न हो सके.....शायद हो सके! इन सिपाहियों की आंखें यही कह रही हैं. ज़रा इनमें देखो, ज़रा इनको पढ़ो. दूर नील गगन में आँसुओं की स्कीन पर क्या लिखा है—“हम ज़रूर मिलेंगे, दुनिया की जनता एक है, हम ज़रूर मिलेंगे.....

—मुजीब रिज़वी

بہت دنوں کی بات نہیں ہے۔ یہ سہاوی قیلموں کے کنارے آئے تھے۔ ایک طرف سے امریکی، دوسری طرف سے روسی۔ جرمن بھاگ رہے تھے، جا رہے تھے، اپنے انت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گولی چلتا ہند ہو گیا تھا۔ ایک نعرہ گونجا۔ اعلان ہوا کہ ہماری جہت ہوئی.... اور سب سہاوی سامنے آئے۔ امریکی سہاوی، روسی سہاوی۔ سب نے ہمدردی رکھ دی۔ کلمہ مل گئے، ایک دوسرے کو اٹھا لیا، ناچنے لگے۔

لیکن یہ کب ہوا؟ جب خطرہ تھا، جب انسانیت پر واکھن نے حملہ کیا تھا، جب زندگی موت کے پلچے میں جکڑ گئی تھی، جب آجائے کو اندھیرا کیا رہا تھا، جب زندگی کی ہر چیز موت سے ڈر رہی تھی۔ اس وقت، اس وقت میں امریکی آئے تھے، روسی آئے تھے، ایک ایک ہو کر آئے تھے..... قیلموں میں کی گواہ ہے۔ جس کنارے ہوتے تھے، روسیوں نے امریکیوں کو ووٹا دیا تھا اور امریکیوں نے روسیوں کو سگریٹ پائے تھے، جہاں انہوں نے جہت کے گتے گئے تھے، جہاں انہوں نے ایک دوسرے کو ہوشیار کی زندگی کا خاکہ بتایا تھا، جہاں ہوتے تھے وہ سب بھول گئے تھے، دل کھل گئے تھے، ہاتھ ہو رہی تھیں، وہ آئندہ بھڑو ہو رہے تھے۔ زمین کا وہ بھاگ جو قیلموں کی لہروں کو گھومے ہوئے تھا اگر پانی میں ڈوبا نہیں ہے تو ضرور گواہی دیتا ہے۔

اس وقت یہ ہی قیلموں میں لہریں اُٹھیں تھیں اور آج ہی آئے رہی ہیں۔ لیکن دونوں کی نیت میں فرق ہے۔ پہلے کی لہروں نے سواکت کیا تھا۔ آج کی لہریں قصہ ہیں، فضیلت ہیں۔

سہاوی ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ روسی سہاوی آئے ہوئے۔ ووٹا کی ہولیں انہوں نے آئے بڑھائیں۔ انہوں نے نعرے لگائے۔ ’دنیا کی چلتا ایک ہے‘۔ امریکی آئے ہوئے۔ ایک قدم، دو قدم۔ منہ پر مسکراہٹ چھا گئی۔ تب ہی کسی نے یاد دلایا کہ آئی موت ہے۔ روسی سہاویوں سے ملے نہیں کہ مہارانی تمہیں پھانسی کے تختے پر لٹکا دیں گے۔ امریکی سہاوی پریشان ہو گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں؟ پوچھتے تھے جانتے یا آئے ہوئے گئے لگ جائیں۔ امریکی سہاویوں کے منہ پر دھک کی ریکھا روسیوں نے دیکھی۔ انہوں نے جیسے پوچھا کہ بھائی، مجھ پر ہیں، کہا کریں۔ اسی منہ بھاشا میں روسیوں نے آکر دیا۔ کوئی بات نہیں ہے۔ تم نے ہماری شہہ کامنا سوچا کر لی ہے، اسکا ہمیں شوق ہے۔ تم ہمیں ایسا دھم نہ سمجھو، بس اتنا ہی ہمیں چاہیے۔

آج یہ سہاوی قیلموں کے کنارے ہر آئے ہیں۔ پہلے ہنگام کو بھاگے آئے تھے۔ ایک خطرہ وہ تھا، اے مٹا لے

آजाادی ہے کھڑے بولنے کی، آजाادی ہے لڑ مار کرنے کی، ہر اس چیز کی آجاادی ہے جسکی آجاادی نہیں ہونی چاہیے۔ کھل ایک بات کی ہی آزا دی نہیں ہے۔ سچ بولنا سب سے بڑا پاپ ہے اور اس کی سزا؟ معلوم ہے کیا ہے؟۔ موت! یہی نہیں کہ اپنی ذمہ داری پر امریکی سچ نہیں بول سکتے۔ بدی انہوں نے دوسرے دیش میں بھی سچ بولنے کی کوشش کی تو انہوں پر ہتھیار ڈال دیا جائے گا۔ دوتاواس کے کمروں میں ٹھونس دیا جائے گا، ہوائی جہاز میں بند کر کے ہوجو خانے میں بھج دیا جائے گا۔ وہاں..... وہاں سدا کے لئے سچ کی آواز شانت کر دی جائے گی۔

ایسی آزا دی کو کوئی کیا کہے!

× × ×
پانی ہے ایک اہم چیز ہے۔ لہرے کینارے سے تھکا رہی ہیں۔ جमीن پیچھے ہٹتی جاتی ہے۔ ہار رہی ہے یا پانی جमीن کو نینگلے جا رہا ہے! ایک بھانک بھانک پھونک رہی ہے، اس میں چھلک رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ پانی بھونک رہتا ہے، فرانا ہے اور پھر پوری طاقت سے کھارے پر حملہ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھارا جائے ہو کہ اسکی ہار نہ چھٹے ہے۔ پر آسانی سے ہار ساندھا وہ نہیں چاہتا۔ دھمکی ہر لڑائی میں آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ شاید لکھتا ہو کھارا اس لئے پھونک رہا ہو!

بلا کا تھکان ہے۔ ڈینٹھ ب نے جیسے کسبم خا لی ہے، پورا جمانا ہوتا، تو پڑا ہوتی، ڈینٹھ ب دھو کی کو مٹ چھا دی جاتی۔ لیکن اس یوگ کا انسٹان! کھ اپنے اوپر अधिक विश्वास کرنے لگا ہے۔ کینارے پر پورہیت نہیں ہے، انجینیئر ہیں، विशेषज्ञ ہیں۔ یोजना بن رہی ہے کہ باڈ کیسے روک دو جائے۔ ڈینٹھ ب رک جائے یہ اسکی شان کے خلاف ہے۔ روکنے کی کوشش ہوئی ہے، اسکا قصہ اور پوچھتا ہے، وہ اور ادھک جوش میں آئی ہے۔

خطرہ بڑھ رہا ہے۔ آسٹریا والے کہا کریں۔ ہاتھ پیر مارتے ہیں، لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔

یہ کیا؟ کوجن آ رہی ہے۔ لیکن یہ کوجن ایک دیش کی نہیں ہے۔ دوست نہیں ہے، ایک طرف امریکی ہیں، دوسری طرف روسی ہیں۔ دونوں طرف سے پچاس پچاس سہائی آ رہے ہیں۔ یہ سہائی ایک دوسرے سے اپریچیت ہیں، ایسی بات نہیں۔ یہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں، خوب پہچانتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی قیدیوں کے کھاروں پر یہ مل چکے ہیں۔ تب قیدیوں نے ان کا سولت کہا تھا۔ لیکن آج ناراض ہے۔ کھوں کا جواب بہت نکھتا ہے، پر اس جواب میں بہت سے بھوکے ہیں، انہاس کے پی پی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

آزا دی ہے چھوٹ بولنے کی، آزا دی ہے لوٹ مار کرنے کی، ہر اس چیز کی آزا دی ہے جس کی آزا دی نہیں ہونی چاہئے۔ کھل ایک بات کی ہی آزا دی نہیں ہے۔ سچ بولنا سب سے بڑا پاپ ہے اور اس کی سزا؟ معلوم ہے کیا ہے؟۔ موت! یہی نہیں کہ اپنی ذمہ داری پر امریکی سچ نہیں بول سکتے۔ بدی انہوں نے دوسرے دیش میں بھی سچ بولنے کی کوشش کی تو انہوں پر ہتھیار ڈال دیا جائے گا۔ دوتاواس کے کمروں میں ٹھونس دیا جائے گا، ہوائی جہاز میں بند کر کے ہوجو خانے میں بھج دیا جائے گا۔ وہاں..... وہاں سدا کے لئے سچ کی آواز شانت کر دی جائے گی۔

ایسی آزا دی کو کوئی کیا کہے!

+ × ×
پانی ہے کہ اموا ہی آتا ہے۔ لہرے کھارے سے تھکا رہی ہیں۔ ذمہ داری بھونک رہی ہے۔ ہار رہی ہے یا پانی ذمہ داری کو ننگلے جا رہا ہے! ایک بھانک بھانک پھونک رہی ہے، اس میں چھلک رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ پانی بھونک رہتا ہے، فرانا ہے اور پھر پوری طاقت سے کھارے پر حملہ کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کھارا جائے ہو کہ اسکی ہار نہ چھٹے ہے۔ پر آسانی سے ہار ساندھا وہ نہیں چاہتا۔ دھمکی ہر لڑائی میں آخری ہتھیار ہوتا ہے۔ شاید لکھتا ہو کھارا اس لئے پھونک رہا ہو!

بلا کا طوفان ہے۔ قیدیوں نے جیسے قسم کھا لی ہے۔ پورا زمانہ ہوتا تو پوجا ہوتی، قیدیوں دیوی کو بھونک چھوٹتی جاتی۔ لیکن اس یگ کا انسان! کچھ اپنے اوپر ادھک وشواس کرنے لگا ہے۔ کھارے پر پورہیت نہیں ہے، انجینیئر ہیں، وشہک ہیں۔ یोजना بن رہی ہے کہ بازہ کیسے روک دی جائے۔ قیدیوں رک جائے، یہ اسکی شان کے خلاف ہے۔ روکنے کی جتنی کوشش ہوئی ہے، اسکا قصہ اور پوچھتا ہے، وہ اور ادھک جوش میں آئی ہے۔

خطرہ بڑھ رہا ہے۔ آسٹریا والے کہا کریں۔ ہاتھ پیر مارتے ہیں، لیکن کامیابی نہیں ہوتی۔

یہ کیا؟ فوج آ رہی۔ لیکن یہ فوج ایک دیش کی نہیں ہے، دوست نہیں ہے۔ ایک طرف امریکی ہیں، دوسری طرف روسی ہیں۔ دونوں طرف سے پچاس پچاس سہائی آ رہے ہیں۔ یہ سہائی ایک دوسرے سے اپریچیت ہیں، ایسی بات نہیں۔ یہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں، خوب پہچانتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی قیدیوں کے کھاروں پر یہ مل چکے ہیں۔ تب قیدیوں نے ان کا سولت کہا تھا۔ لیکن آج ناراض ہے۔ کھوں کا جواب بہت نکھتا ہے، پر اس جواب میں بہت سے بھوکے ہیں، انہاس کے پی پی اس پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔

को खत." मैंने उसे छोड़ दिया, लेकिन दूसरी खबर दबते दबते उस पर नज़र जा पड़ी. सोचा, पढ़ ही लूं. उस औरत लिखा है : "मैं सीलोन से अमरीका क्यों लाई गई हूँ, मेरा क्या दोष है, मेरे पति से मुझे क्यों अलग कर दिया गया है, मेरे पास पैसे नहीं हैं, मैं यहाँ गुज़र कैसे करूँगी.....? मैं अपने पति को बहुत प्यार करती हूँ.....मैं उस से अलग नहीं रह सकती."

मैंने आगे पढ़ना बेकार समझा. सोचा शायद बेचारी को इसलिये बापस भेज दिया गया हो क्योंकि उसने एक सीलोनी से शादी कर ली है. शारी—और एक गोरी अमरीकन की काल सीलोनी के साथ ! लेकिन आगे की खबर और मजेदार है. मैं गौर से पढ़ने लगा. कुछ ऐसा लगने लगा कि मुझे अपने सवाल का जवाब मिल रहा है. उस औरत से ग्रेम उमड़ा, साहायभूति बढ़ी, लेकिन फिर क्या हुआ कि हो न हो उस औरत ने कोई खतरनाक काम किया है. नहीं तो अमरीकी सरकार पागल नहीं है, किसी औरत को उसके पति से छुड़ाकर ले जाना मामूली परिस्थिति में सम्भव में नहीं आ सकता.

मैंने आगे पढ़ा. पता चला कि यह देवी जी श्री जोषक की सिलवा की बीबी हैं. जोषक साहब ने सुप्रीम कोर्ट में दख्खास्त दी कि अमरीकी दूतावास वाले उनकी बीबी को ज़बरदस्ती अमरीका भेज रहें हैं. कोर्ट सीलोनी सरकार को आदेश दे कि वह उसे अमरीका न जाने दे.

कोर्ट के फैसले से पहले मिसेज सिलवा वाशिंगटन में हैं.

शायद सीलोनी सरकार के हाथ बंधे हैं ! एक नागरिक की स्त्री को दूसरे देश वाले पकड़ कर ले गये. सरकार खामोश है, कुछ नहीं बोलती है. पूरब में औरत को घर की इज्जत कहा जाता है. युगों से यह परम्परा चली आई है. जिसने स्त्री पर हाथ डाला, उसने इज्जत पर हाथ डाला. एक नागरिक की इज्जत देश की इज्जत होती है. जान चली जाये लेकिन इज्जत न जाये. पर यह बीती बातें हैं. लोग कहेंगे कि भावुक लोग ऐसी बातों को महत्व देते हैं. जो भी हो. लेकिन मैं सोचता हूँ, सोचने पर मजबूर हूँ. सीलोन की इज्जत दिन दहाड़े अमरीकी लूट कर ले गये और सीलोन सरकार खामोश है !

मिसेज सिलवा का दोष क्या है ? बहुत भयानक दोष है. अमरीकी सरकार को वह उलट देना चाहती थी ? उन्होंने आइजन हावर को क़त्ल कराने की साक्षि की थी ? नहीं, बिल्कुल नहीं. ऐसी कोई बात नहीं. केवल इतना दोष है कि उन्होंने एक किताब लिखी है. उस किताब का नाम है—"रोज़ेन बर्ग—उनका दोष" ?

को खत." मैंने उसे छोड़ दिया, लेकिन दूसरी खबर दबते दबते उस पर नज़र जा पड़ी. सोचा, पढ़ ही लूं. उस औरत लिखा है : "मैं सीलोन से अमरीका क्यों लाई गई हूँ, मेरा क्या दोष है, मेरे पति से मुझे क्यों अलग कर दिया गया है, मेरे पास पैसे नहीं हैं, मैं यहाँ गुज़र कैसे करूँगी.....? मैं अपने पति को बहुत प्यार करती हूँ.....मैं उस से अलग नहीं रह सकती."

मैंने आगे पढ़ना बेकार समझा. सोचा शायद बेचारी को इसलिये बापस भेज दिया गया हो क्योंकि उसने एक सीलोनी से शादी कर ली है. शारी—और एक गोरी अमरीकन की काल सीलोनी के साथ ! लेकिन आगे की खबर और मजेदार है. मैं गौर से पढ़ने लगा. कुछ ऐसा लगने लगा कि मुझे अपने सवाल का जवाब मिल रहा है. उस औरत से ग्रेम उमड़ा, साहायभूति बढ़ी, लेकिन फिर क्या हुआ कि हो न हो उस औरत ने कोई खतरनाक काम किया है. नहीं तो अमरीकी सरकार पागल नहीं है, किसी औरत को उसके पति से छुड़ाकर ले जाना मामूली परिस्थिति में सम्भव में नहीं आ सकता.

मैंने आगे पढ़ा. पता चला कि यह देवी जी श्री जोषक की सिलवा की बीबी हैं. जोषक साहब ने सुप्रीम कोर्ट में दख्खास्त दी कि अमरीकी दूतावास वाले उनकी बीबी को ज़बरदस्ती अमरीका भेज रहें हैं. कोर्ट सीलोनी सरकार को आदेश दे कि वह उसे अमरीका न जाने दे.

कोर्ट के फैसले से पहले मिसेज सिलवा वाशिंगटन में हैं.

शायद सीलोनी सरकार के हाथ बंधे हैं ! एक नागरिक की स्त्री को दूसरे देश वाले पकड़ कर ले गये. सरकार खामोश है, कुछ नहीं बोलती है. पूरब में औरत को घर की इज्जत कहा जाता है. युगों से यह परम्परा चली आई है. जिसने स्त्री पर हाथ डाला, उसने इज्जत पर हाथ डाला. एक नागरिक की इज्जत देश की इज्जत होती है. जान चली जाये लेकिन इज्जत न जाये. पर यह बीती बातें हैं. लोग कहेंगे कि भावुक लोग ऐसी बातों को महत्व देते हैं. जो भी हो. लेकिन मैं सोचता हूँ, सोचने पर मजबूर हूँ. सीलोन की इज्जत दिन दहाड़े अमरीकी लूट कर ले गये और सीलोन सरकार खामोश है !

मैंने आगे पढ़ा. पता चला कि यह देवी जी श्री जोषक की सिलवा की बीबी हैं. जोषक साहब ने सुप्रीम कोर्ट में दख्खास्त दी कि अमरीकी दूतावास वाले उनकी बीबी को ज़बरदस्ती अमरीका भेज रहें हैं. कोर्ट सीलोनी सरकार को आदेश दे कि वह उसे अमरीका न जाने दे.

महाराज तौद पर हाथ घुमाते उधर से गुजरे और उन्होंने कहा—“यह सब झूठ है. कौन है बड़ा विद्वान, जैसे अकबर के बाद सुल्ता पड़ा ही नहीं?”

सब ने सुन लिया, कोई जवाब नहीं दिया.

किसान ने फिर कहा—“बनिया ने पानी गाड़ रखा है. भैया, इन लोगों को अपने सुनाके से मतलब.....!”

विश्वास न करते हुए दूसरों ने गरदन हिलाई. किसान झूठा बनने को तैयार नहीं है. इसने ज़रा जोश में आकर कहा—“तीन साल पहले तो हमारे गांव में ही एक बनिया पकड़ा गया था. बच्चू की खूब पिटाई हुई. आंगन में पानी गाड़ रखा था. गांव वालों ने मिल कर पूजा कराई और पानी सखेड़ा. दूसरे घंटे ही अर्रा तोड़ पानी बरसा.”

विश्वास और अविश्वास के बीच सबने किसान की बात मान ली. सब चुप हो गये.

उसी समय कड़कड़ाहट हुई और टपाटप बूंदें पड़ने लगीं. सब विलाते हुए भागे—“बरसो देव, बरसो, दिल खोल कर बरसो.”

लेकिन दूसरे क्षण धूप निकली हुई है.

× × ×

कल एक मित्र से बात हो रही थी. वह अमरीका हो आये हैं. इन्हें अमरीकी जीवन बहुत अच्छा लगता है. बोले—“अमरीका में हर तरह की आजादी है.”

मैं चुप रहा.

उन्होंने भांपा कि मैं उनकी बात पर यकीन नहीं कर रहा हूं. शीघ्र ही उबल पड़े—“और कोई आजादी हो या न हो, लेकिन जिन्सी आजादी बेवद है, बेवद है.....”

मुझे हंसी आ गई. मुंह दबा कर हंसने को कौन कहे, मैं पूरी ताकत लगा कर हंस पड़ा.

वह कुछ क्षण से गये.

उन मित्र का ही क्या. बहुत से आते हैं, अमरीका की आजादी को सराहते हैं. लेकिन जब जब उनसे प्रश्न किये जाते हैं वह जिन्सी आजादी और यह आजादी और वह आजादी का नाम गिनाने लगते हैं. वह झूठ बोलते हैं, कैसे कहें? वह भरम में हैं? हो सकता है. लेकिन वह भरम में हैं कि मैं भरम में हूँ? प्रश्न उठा और फिर शांत होने का उसने नाम न लिया. नौद गायब हो गई. बरसात की रात में सितारे भी नहीं थे कि सितारे गिनता. घर में मच्छर बहुत हैं. अन्धेरे में उन्हें ही सारता रहा. कोई मच्छर मरा या नहीं, लेकिन कई जगह मेरे बदन में दर्द जरूर होने लगा. जब कुछ सम्भव न हो तो मैं अलबार पढ़ता हूँ. हिन्दुस्तान टाइम्स का पुराना नम्बर ठठा लाया. पढ़ता रहा. एक कोने में खबर छपी थी. हैबिंग थी—“अमरीकी औरत का आइक

महाराज तौद पर हाथ घुमाते अंधरे से कूड़े और अंठों के पैरों से जूझते हैं. कौन है बड़ा विद्वान. जैसे अकबर के बाद सुल्ता पड़ा ही नहीं?”

सब ने मन लगा, कौनी जवाब नहीं दिया.

कसान ने पहर कहा—“भैया ने पानी गाड़ रखा है. भैया, कौनी मर्दे लाजेंगे. इन लोगों को अपने मतलब से मतलब.....”

वहोस ने कर्ते कर्ते हुंते दूसरों ने कर्दन हलानी. कसान जेहुता भल्ले को तदार न्हें है. अस ले डरा जेहु म्हेन आर कहा—“तेन साल पहिले दो हमारे कां म्हेन ही अिक भल्ला पकड़ा रखा था. बच्चू की खूब पिटाई हुनी. अंकन म्हेन पानी गाड़ रखा था. कां वालों ने मिल कर पूजा कराई और पानी सखेड़ा. दूसरे क्हेते ही आर तोड़ पानी बरसा.”

वहोस आर ओहोस के बल्ले सल ले कसान की बात मान ली. सब चप हुंते.

असि से कुकुल्लह हुनी आर त्हातप हुन्दिण हुंते

लेकन. सब क्हेते हुंते भल्ले “बरसो देव, बरसो, दिल खोल कर बरसो.”

लेकन दूसरे जेहन देहुप नकली हुनी है.

× × ×

कल अिक म्त्र से बात हो रही थी. वह अमरीका हो आये हैं. इन्हें अमरीकी जीवन बहुत अच्छा लगता है. बोले—“अमरीका में हर तरह की आजादी है.”

मैं चुप रहा. उन्होंने भांपा कि मैं उनकी बात पर यकीन नहीं कर रहा हूँ. शीघ्र ही उबल पड़े—“और कोई आजादी हो या न हो, लेकिन जिन्सी आजादी बेवद है, बेवद है.....”

मुझे हंसी आ गई. मुंह दबा कर हंसने को कौन कहे, मैं पूरी ताकत लगा कर हंस पड़ा.

वह कुछ क्षण से गये.

उन मित्र का ही क्या. बहुत से आते हैं, अमरीका की आजादी को सराहते हैं. लेकिन जब जब उनसे प्रश्न किये जाते हैं वह जिन्सी आजादी और यह आजादी और वह आजादी का नाम गिनाने लगते हैं. वह झूठ बोलते हैं, कैसे कहें? वह भरम में हैं? हो सकता है. लेकिन वह भरम में हैं कि मैं भरम में हूँ? प्रश्न उठा और फिर शांत होने का उसने नाम न लिया. नौद गायब हो गई. बरसात की रात में सितारे भी नहीं थे कि सितारे गिनता. घर में मच्छर बहुत हैं. अन्धेरे में उन्हें ही सारता रहा. कोई मच्छर मरा या नहीं, लेकिन कई जगह मेरे बदन में दर्द जरूर होने लगा. जब कुछ सम्भव न हो तो मैं अलबार पढ़ता हूँ. हिन्दुस्तान टाइम्स का पुराना नम्बर ठठा लाया. पढ़ता रहा. एक कोने में खबर छपी थी. हैबिंग थी—“अमरीकी औरत का आइक

مہاراج بیگانہ کر بولے—“ہاتھ پاؤں دھونا آج کل ہو رہا ہے۔ مہاراج بڑے رہ رہے ہیں۔ چلو لگا کر ہی لیتا۔ دھرم کرم بھی کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک ایسے ہی سدھار کر لیا ہے۔ پر اتنا بھی پورا نہیں ہوتا پاتا ہے۔ اب تو کھول سات دنہ لڑنا مانجھتا ہوں.....”

مزدور نے پوچھا—“مہاراج پہلے کتنی بار لڑنا مانجھتے تھے؟”

مہاراج نے ہنسا چھوڑتے ہوئے کہا—“چوتھ دفعہ، سب سے..... لیکن کیا کرے، اب پور کھڑوتے لگے ہیں..... جی شیب شمشو، جی شیب شمشو.....”

مہاراج چلے گئے، سب نے جلدی مچائی، دونوں نے پیاس پیاس پچھائی اور آگے آگے استھانوں کے لئے بھاگے۔

سب نے کہا کہ آج پانی پانی بھر کر رہے گا۔ بادل پھر رہے۔ لیکن پانی نہیں بھرے گا۔

برسات میں ڈھک مہینے پانی نہیں بھرے گا۔ پانی نہیں بھرے گا۔ دو چار چھوٹے کو پانی بھرنا نہیں کہتے۔ ہر دھل میں وہ دوپہا آتے رہے کہ پانی نہ رہے گا تو کیا ہوگا؟ ہر ایک سوچ رہا ہے کہ پانی کھوں نہیں بھرے گا؟ چھوٹے آتلی ہاتھوں۔ جس کو جس چھوڑ میں دلچسپی ہے وہ اسی کا رونا روتا ہے۔ لیکن ایک رونا سب کو ہے۔ وہ رونا پھٹ کا ہے۔ پانی نہیں رہے گا تو روٹی نہیں ملے گی!

اسی لمحہ پر پھر لوگ اٹھتے ہیں۔ بحث پانی پر چل رہی ہے۔

پریس کے مزدور نے کہا—“پانی ہرے کہاں سے! ایٹم بم، ہائیڈروجن بم چھوڑا چھوڑا کر بادل سکھا دئے ہوں.....”

تب ہی کسی نے جیسے اس کا سدھار کیا—“بادل کھا سکتے ہیں؟ پانی نہ ہو تو بادل بنے ہی کیوں؟ اس بات پر کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے پھٹنے سے جو گرد اٹھتا ہے، وہ گرد آسمان پر چھا گئی ہے۔ اسی کار پانی نہیں بھرے گا۔”

“کہتے ہیں کہ پانی، آج کل نہیں بھرے گا۔ پانی نہیں بھرے گا۔ آسمان سے ایٹم کے کن گرنے اور ہماری پھل جائے گی۔ دوسرے آدمی نے ویلنگ کہا—“ہوگوں میں“ چاہے روٹی ہو کر، مرنے، مرنے تو ہے ہی۔ جو چاہے کرو بھگوان!“

پاس ہی ایک کسان تھا۔ اس نے سر دھلا دیا۔ کہنے کا मतलब یہ تھا کہ یہ سب باتیں کالہک ہیں۔ اصلی بات وہ سمجھتا ہے۔ تب ہی مزدور نے اسے پھانسی لہا اور بولا—“گاؤں میں تو تیرا تیرا مچھو ہوئی۔“

کسان بولا—“اصل بات میں ہوتا ہے۔ جب راجا کی نہت خراب ہو جاتی ہے تو سوکھا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آفہ بادشاہ کے سم کسی ملے گی۔ لکان پڑا تھا اور کسانوں سے زبردستی لکان وصول تھا۔ اس سم بھی سوکھا پڑا تھا۔“

مہاراج بڑے کر بولے—“ہاتھ پاؤں دھونا آج کل ہو رہا ہے۔ مہاراج بڑے رہ رہے ہیں۔ چلو لگا کر ہی لیتا۔ دھرم کرم بھی کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک ایسے ہی سدھار کر لیا ہے۔ پر اتنا بھی پورا نہیں ہوتا پاتا ہے۔ اب تو کھول سات دنہ لڑنا مانجھتا ہوں.....”

مزدور نے پوچھا—“مہاراج پہلے کتنی بار لڑنا مانجھتے تھے؟”

مہاراج نے ہنسا چھوڑتے ہوئے کہا—“چوتھ دفعہ، سب سے..... لیکن کیا کرے، اب پور کھڑوتے لگے ہیں..... جی شیب شمشو، جی شیب شمشو.....”

مہاراج چلے گئے، سب نے جلدی مچائی، دونوں نے پیاس پیاس پچھائی اور آگے آگے استھانوں کے لئے بھاگے۔

سب نے کہا کہ آج پانی پانی بھر کر رہے گا۔ بادل پھر رہے۔ لیکن پانی نہیں بھرے گا۔

برسات میں ڈھک مہینے پانی نہیں بھرے گا۔ پانی نہیں بھرے گا۔ دو چار چھوٹے کو پانی بھرنا نہیں کہتے۔ ہر دھل میں وہ دوپہا آتے رہے کہ پانی نہ رہے گا تو کیا ہوگا؟ ہر ایک سوچ رہا ہے کہ پانی کھوں نہیں بھرے گا؟ چھوٹے آتلی ہاتھوں۔ جس کو جس چھوڑ میں دلچسپی ہے وہ اسی کا رونا روتا ہے۔ لیکن ایک رونا سب کو ہے۔ وہ رونا پھٹ کا ہے۔ پانی نہیں رہے گا تو روٹی نہیں ملے گی!

اسی لمحہ پر پھر لوگ اٹھتے ہیں۔ بحث پانی پر چل رہی ہے۔

پریس کے مزدور نے کہا—“پانی ہرے کہاں سے! ایٹم بم، ہائیڈروجن بم چھوڑا چھوڑا کر بادل سکھا دئے ہوں.....”

تب ہی کسی نے جیسے اس کا سدھار کیا—“بادل کھا سکتے ہیں؟ پانی نہ ہو تو بادل بنے ہی کیوں؟ اس بات پر کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے پھٹنے سے جو گرد اٹھتا ہے، وہ گرد آسمان پر چھا گئی ہے۔ اسی کار پانی نہیں بھرے گا۔”

“کہتے ہیں کہ پانی، آج کل نہیں بھرے گا۔ پانی نہیں بھرے گا۔ آسمان سے ایٹم کے کن گرنے اور ہماری پھل جائے گی۔ دوسرے آدمی نے ویلنگ کہا—“ہوگوں میں“ چاہے روٹی ہو کر، مرنے، مرنے تو ہے ہی۔ جو چاہے کرو بھگوان!“

پاس ہی ایک کسان تھا۔ اس نے سر دھلا دیا۔ کہنے کا मतलब یہ تھا کہ یہ سب باتیں کالہک ہیں۔ اصلی بات وہ سمجھتا ہے۔ تب ہی مزدور نے اسے پھانسی لہا اور بولا—“گاؤں میں تو تیرا تیرا مچھو ہوئی۔“

کسان بولا—“اصل بات میں ہوتا ہے۔ جب راجا کی نہت خراب ہو جاتی ہے تو سوکھا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آفہ بادشاہ کے سم کسی ملے گی۔ لکان پڑا تھا اور کسانوں سے زبردستی لکان وصول تھا۔ اس سم بھی سوکھا پڑا تھا۔“

बादल आते हैं लोग आसमान को देखते हैं, घिरती घटाओं को देख कर उनके दिल गदगद हो जाते हैं। लेकिन बादल बिना बरसे चले जाते हैं।

एक काइल दबाए बेफिक नौजवान कहता है—“क्या छटा है.....बरसो बादल भूम के! क्या मज्जा आता है। रिम फिम फुआर और खिड़की पर खड़े हो कर सड़क पर भीगने वालों का दृश्य!

उसी समय लकड़ी चीरने वाला मजदूर दरवाजे पर आकर खड़ा होता है। आंख ऊपर उठाता है और कहता है, सांस खींच कर, मन उदास कर के—बरसो देव, काहे गरीबों के पीछे पड़े हो!

कोऊ काहू में मगन, कोऊ काहू में मगन.

एक सौ एक का टीका खींचे, पंडित महाबीर, जनेऊ को कान से बांधे बम्बे पर लोटा धो रहे हैं। मुंह से धिरहा की लय फूट रही है और धोते धोते ‘हरे राम’ भी कह लेते हैं।

पास के प्रेस से एक मजदूर आता है। “महाराज जरा जल्दी करो, पानी पी लूं, काम पर जाना है।”

‘क्या मज्जाक है! लूट मज्जा. कहां काम पर चला है? क्या काली घटा छाई है!’ महाराज आनन्द विमोर हो कर बोले.

मजदूर ने कहा—“इस सब को फुरसत हो तो फिर क्या है! काम नहीं करूंगा तो खाऊंगा क्या?”

“चलते हैं भैंरो का नाम लेकर भंग छानेंगे, मन्दिर के बरामदे में बैठ कर रसखान का पाठ करेंगे, क्या आनन्द आता है!”

“महाराज जल्दी कर दो.”

“क्या बक बक करता है. जरा दूर हठ, छूना न लेना.” मजदूर ने फिर प्रार्थना की.

तब ही दो चार बूँदें टपकीं. महाराज ने बम्बे के नीचे पैर रगड़ते हुए कहा—“धन्य हो भगवान! जै सियाराम चन्द्र की जै!”

बम्बे पर दूसरा आदमी भी आ गया. बसने कहा—“महाराज जल्दी करो.”

बादल आते हैं. लोग आसमान को देखते हैं. कहरनी केहाओं को देखकर आं के दिल कड़ कड़ हो जाते हैं. लेकिन बादल बिना बरसे चले जाते हैं.

एक फांल देबाई के नर नौजवान केहा है—“लेहा केहेहा है.....बरसो बादल जेहम के! केहा मजा आता है. दम जेहम बेवार और केहनी पर केहरे होकर सड़क पर बेहकले वालों का दर्शने! असी मजे अकरी जेहेले वाला मजदूर दरवाजे पर आकर केहा होना है. आंके ओपर आंहाता है और केहा है—सानस केहेले कर’ मनी आदस करके—बरसो देव’ का हे फरेदों के बेहकले परे हो’! कोऊ काहो महेन मकन’ कोऊ काहो महेन मकन.

एक सौ एक का केहा केहेले, पंडित महाबीर’ जेहे को कान से बान्दहे बम्बे पर लोटा देवो रहे हैं. मजे से बरहा की ले पेहोत रही है और देहेते देहेते ‘हरे राम’ भी केहेते हैं.

पास के प्रेस से एक मजदूर आता है. “महाराज जरा जल्दी करो, पानी पी लूं, काम पर जाना है.”

“क्या मज्जाक है. लूट मजा. कहां काम पर चला है? क्या काली घटा छाई है!” महाराज आनन्द विमोर हो कर बोले.

मजदूर ने कहा—“इस सब को फुरसत हो तो फिर क्या है! काम नहीं करूंगा तो खाऊंगा क्या?”

“चलते हैं भैंरो का नाम लेकर भंग छानेंगे, मन्दिर के बरामदे में बैठ कर रसखान का पाठ करेंगे, क्या आनन्द आता है!”

“महाराज जल्दी कर दो.”

“क्या बक बक करता है. जरा दूर हठ, छूना न लेना.” मजदूर ने फिर प्रार्थना की.

तब ही दो चार बूँदें टपकीं. महाराज ने बम्बे के नीचे पैर रगड़ते हुए कहा—“धन्य हो भगवान! जै सियाराम चन्द्र की जै!”

बम्बे पर दूसरा आदमी भी आ गया. बसने कहा—“महाराज जल्दी करो.”

मुझे दिये. मैंने देखा उसके हाथ मिट्टी में खने हुए थे. वह ज़रूर घुटनों के बल चल कर दूकान तक आया होगा. जल्दी जल्दी शराब पी कर दूसरों की हंसी और तानाबाजी की परवाह न करते हुए वह फिर घुटनों के बल ही खिसक खिसक कर वापस चला गया.

उसके बाद फिर काफी दिनों तक कुंग का जिक्र नहीं आया. साल के आखिर में मालिक फिर जब हिसाब बनाने लगा तो उसने कहा—“कुंग पर अभी भी 19 इकबियां बाकी हैं.” शैतानी नाब वाले त्योहार में भी उसने यही कहा, पर उसके बाद हेमन्त के त्योहार के मौके पर हिसाब मिलाते समय उसने यह बात नहीं दुहराई. अगले साल भी कुंग नहीं दिखलाई पड़ा.

तब से आज तक कुंग नहीं दिखलाई पड़ा. शायद वह मर चुका हो, पर उसकी याद हमारे दिल में सदा खिन्दा रहेगी.

مجھے دیکھے . میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ مٹی میں سفر ہوئے تھے . وہ ضرور گھٹلیوں کے بل چلکر دوکان تک آیا ہوگا . جلدی جلدی شراب پی کر دوسروں کی ہنسی اور طعنہ بازی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ پھر گھٹلیوں کے بل ہی کھسک کھسک کر واپس چلا گیا . اس کے بعد پھر کافی دنوں تک کونگ کا ذکر نہیں آیا . سال کے آخر میں مالک پھر جب حساب بنانے لگا تو اس نے کہا—”کونگ پر ابھی بھی 19 ائکھاں باقی ہیں.“ شیطانی ناؤ والے توہار میں بھی اس نے یہی کہا . پھر اس کے بعد ہومنت کے موقع پر حساب ملاتے سمے اس نے یہ بات نہیں دھرائی . اگلے سال بھی کونگ نہیں دکھلائی پڑا .

تب سے آج تک کونگ نہیں دکھلائی پڑا . شاید وہ مرنے چکا ہو، پر اسکی یاد ہمارے دل میں سدا زندہ رہے گی .

بڑے مزیدار آدمی میں منسارام شامتری .

وے کئی بھاشاؤں کے ودوان میں اور ان کا جھون ایک اندر دھوشی جھون ہے، جس میں ایک رنگ سانہ سائے ہوئے میں .

میں دے سدا اپنی پختاؤ ہلدی میں بولتے میں، جس میں فارسی، عربی کا ہشکار اور سندسکرت کا شرنکار ہوتا ہے . ہاں، بولتے بولتے بہارتیہ سندسکرتی پر بات آ جائے، تو بھکتی کی دھارا میں بہنے لگتے میں اور ان کی ہلدی شدہ سندسکرت میں اس طرح بدل جاتی ہے، جس سے لہر میں لہر !

ان کا جھون ایک اندر دھوشی جھون ہے، جس میں انہک رنگ ایک سانہ حمائے ہوئے میں . بہارتیہ سندسکرتی کی شانیت دھارا میں تورتے تورتے وہ انڈر دھوشی راج نہت کے پرچند پرواہ میں کب آ جائیں، اسے کوئی نہیں جانتا . ہاں، یہ اثر دیکھا ہے کہ وہ شانیت سے آسانہ میں آجائیں، تو ان کی شدہ سندسکرتی اکبریتی میں اس طرح بدل جاتی ہے، جس سے گانے پر ریل !

ان کی باتوں آئے بوہتی دھتی میں اور جالے کب انڈر دھوشی راج نہت سے ڈھیر دھون پر آ جاتی میں . کمال یہ ہے کہ ہم ان کی باتوں نہ سمجھ رہے میں، تب بھی یہ سمجھ سکتے میں، کیونکہ اب وہ سامان ہلدی میں بول رہے ہوتے میں .

بڑے مزیدار آدمی میں منسارام شامتری .

—کندھالال ’ہربھاکر‘

बड़े मजेदार आदमी हैं संसाराम शास्त्री.

वे कई भाषाओं के विद्वान हैं और उनका जीवन एक इन्द्र धनुशी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं.

यों वे सदा अपनी पंखिलाऊ हिन्दी में बोलते हैं, जिसमें फारसी अरबी का बहिश्कार और संस्कृत का शृंगार होता है. हाँ, बोलते बोलते भारतीय संस्कृति पर बात आ जाये, तो भक्ति की धारा में बहने लगते हैं और उनकी हिन्दी शुद्ध संस्कृत में इस तरह बदल जाती है, जैसे लहर में लहर !

उनका जीवन एक इन्द्र धनुशी जीवन है, जिसमें अनेक रंग एक साथ समाये हुए हैं. भारतीय संस्कृति की शान्त धारा में तैरते तैरते वे अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति के प्रचंड प्रवाह में कब आ जायें, इसे कोई नहीं जानता. हाँ, यह अकसर देखा है कि वह शान्त से उत्साह में आजायें, तो उनकी शुद्ध संस्कृत अंग्रेजी में इस तरह बदल जाती है, जैसे कांटे पर रेल !

उनकी बातें आगे बढ़ती रहती हैं और जाने कब अन्तर्राष्ट्रीय राजनीति से घरेलू जीवन पर आ जाती हैं. कमाल यह है कि हम उनकी बातें न समझ रहे हों, तब भी यह समझ सकते हैं, क्योंकि अब वे साधारण हिन्दी में बोल रहे होते हैं.

बड़े मजेदार आदमी हैं संसाराम शास्त्री.

—कन्हैयालाल ’प्रभाकर‘

“क्यों ?—“क्या हुआ था ?”

“वह फिर चोरी कर रहा था. इस बार वह मिस्टर लिंग के यहाँ चोरी करने गया था. कितना बुद्ध था वह ! प्रान्त भर में प्रतिष्ठित विद्वान के घर चोरी करने गया था.”

“फिर क्या हुआ ?”

“होता क्या ! पहिले उसने कागज पर लिखा कि उसने चोरी की है. फिर उसे मार पड़ी. क़रीब क़रीब रात भर वह पिटता रहा. उसके पैर टूट गये.”

“फिर उसके बाद ?”

“मालूम नहीं, फिर उसका क्या हुआ. शायद मर गया हो.”

दूकान का मालिक फिर आगे प्रश्न करना बन्द कर अपने काम में लग गया.

हेमन्त के खोहार के बाद, जैसे जैसे जाड़ा बढ़ता गया, ठंडी हवाएं बहने लगीं. मैं अपना अधिकांश समय चूल्हे के नजदीक ही बैठा रहता. अपना रुई का कोट बराबर पहिने रहता. एक दिन दोपहर के समय जब दूकान में कोई भी ग्राहक नहीं था मैं बैठा बैठा ऊंच रहा था तभी किसी ने पुकारा और एक प्याला शराब मांगी.

आचाक्ष हालांकि बहुत ही धीमी थी पर परिचित सी थी. जब मैंने आखें खोलीं तो सामने कोई भी नहीं दिखाई पड़ा. जब मैंने खड़े होकर दरवाजे की तरफ झुक कर भांका तो मेज के क़रीब कुंग-ई-ची को बैठा देखा. वह चटाई पर पलथी मारे बैठा था और फटी पुरानी एक बंडो पहने था. मुझे देखते ही उसने दुहराया—“एक प्याला गरम शराब दो.”

अब मेरे मालिक का ध्यान भी उचट गया और उसने पूछा—“क्या कुंग-ई-ची आया है ? उस पर 19 इकन्नियां बाकी हैं.”

कुंग ने उत्तर दिया—“वह मैं अदा कर दूंगा. आज तो मैं नज़द ले रहा हूँ. हाँ, शराब अच्छी होनी चाहिये.”

मालिक ने पहिले की ही तरह पूछा—“कुंग-ई-ची आजकल फिर चोरी करने लगे ?”

पर इस बार बिगड़ कर जवाब देने के बजाय कुंग बोला—“अपना मज़ाक अपने ही पास रखलो.”

“अच्छा ! यह मज़ाक है ? बताओ तुम्हारे पैर कैसे टूट गये ?”

कुंग ने दबी आवाज़ में उत्तर दिया—“गिर पड़ा था.” उसकी आखें कह रही थीं कि इस बात को यहीं पर खतम कर दिया जाय. अब तक काफी लोग इकट्ठा हो गये थे और सभी हँस रहे थे. शराब गरम कर मैंने उसकी तरफ बढ़ाई और उसने अपनी बंडी के जेब से पैसे निकाल कर

“क्यों ? क्या हुआ था ?”

“वो पहर चोरी कर रहा था. इस बार वो मिस्टर लिंग के यहाँ चोरी करने गया था. कितना बुद्ध था वह ! प्रान्त भर में प्रतिष्ठित विद्वान के घर चोरी करने गया था.”

“फिर क्या हुआ ?”

“होता क्या ! पहिले उसने कागज पर लिखा कि उसने चोरी की है. फिर उसे मार पड़ी. क़रीब क़रीब रात भर वह पिटता रहा. उसके पैर टूट गये.”

“फिर उसके बाद ?”

“मालूम नहीं, पहर अक़ा कहा हो. शायद मर गया हो.”

दुकान का मालिक पहर अक़ा प्रश्न करना बन्द कर अपने काम में लग गया.

हेमन्त के खोहार के बाद, जैसे जैसे जाड़ा बढ़ता गया, ठंडी हवाएं बहने लगीं. मैं अपना अधिकांश समय चूल्हे के नजदीक ही बैठा रहता. अपना रुई का कोट बराबर पहिने रहता. एक दिन दोपहर के समय जब दूकान में कोई भी ग्राहक नहीं था मैं बैठा बैठा ऊंच रहा था तभी किसी ने पुकारा और एक प्याला शराब मांगी.

आचाक्ष हालांकि बहुत ही धीमी थी पर परिचित सी थी. जब मैंने आखें खोलीं तो सामने कोई भी नहीं दिखाई पड़ा. जब मैंने खड़े होकर दरवाजे की तरफ झुक कर भांका तो मेज के क़रीब कुंग-ई-ची को बैठा देखा. वह चटाई पर पलथी मारे बैठा था और फटी पुरानी एक बंडो पहने था. मुझे देखते ही उसने दुहराया—“एक प्याला गरम शराब दो.”

अब मेरे मालिक का ध्यान भी उचट गया और उसने पूछा—“क्या कुंग-ई-ची आया है ? उस पर 19 इकन्नियां बाकी हैं.”

कुंग ने उत्तर दिया—“वह मैं अदा कर दूंगा. आज तो मैं नज़द ले रहा हूँ. हाँ, शराब अच्छी होनी चाहिये.”

मालिक ने पहिले की ही तरह पूछा—“कुंग-ई-ची आजकल फिर चोरी करने लगे ?”

पर इस बार बिगड़ कर जवाब देने के बजाय कुंग बोला—“अपना मज़ाक अपने ही पास रखलो.”

“अच्छा ! यह मज़ाक है ? बताओ तुम्हारे पैर कैसे टूट गये ?”

कुंग ने दबी आवाज़ में उत्तर दिया—“गिर पड़ा था.” उसकी आखें कह रही थीं कि इस बात को यहीं पर खतम कर दिया जाय. अब तक काफी लोग इकट्ठा हो गये थे और सभी हँस रहे थे. शराब गरम कर मैंने उसकी तरफ बढ़ाई और उसने अपनी बंडी के जेब से पैसे निकाल कर

کے بعد بڑی عاجزی کے ساتھ وہ پھر بولا — ”تم نہیں لکھ سکتے؟
 دیکھو میں تمہیں بتانا ہوں۔ آگے سے دھیان رکھنا۔ تم کو
 وہ لکھنا چاہئے کہونکہ آگے جب تم اپنی دوبار
 کھولو گے تو تمکو گراہکوں کا حساب کتاب رکھنا ہی پوئے گا۔“

مجھے وہ دن تو قریب نہیں نظر آ رہا تھا جب میں دوسرے ایسی دکان کھولتا اور پھر مہرا مالک بھی ایذا حساب لکھتے میں اُس اثرا کا استعمال کبھی بھی نہیں کرتا تھا۔ کچھ پریشان ہو کر اور کچھ مسکراتے ہوئے میں نے اُتر دیا۔ ”پو تم بے کون کہتا ہے کہ مجھے بڑھاپا“ تھا اُنشر ”جی“، لہاس کے توجہ میں کی طرح نہیں لکھا جانا ہے

کونگ خڑھ ہوگیا اور موڑ پر ہالہ پٹکتے ہوئے ہوا۔
 ”تھک، تھک! لیکن انٹر ہوئی، تھن چار پروگرام لکھا
 جاتا ہے۔ کہا تمہیں معلوم ہے؟“ میں اُپ گیا تھا۔
 اُسکو ایک ملکی سی قانٹ ہتاکر میں دوسرے کاموں میں
 لگ گیا۔ کونگ سراب میں اُٹکی قالندر مہز پر اُن افشروں
 کو لپکے مجھے دھڑبھڑاتا رہا تھا، پروگرام اس پروگرام
 کا پھر ہوا، دیکھو وہ ہتھائے ہوئے، اس نے لمبی سانس
 لی اور چپ ہوکر بیٹھ گیا۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سرائے میں ہڈی اور گل غبار
سلکڑ ماس پروں کے بچے انکھا ہوجاتے تھے اور کونگ
ای۔ جی کو گھڑ لہتے تھے۔ کونگ اُن میں سے ہر ایک
کو مسالے دار پہلیاں دیتا تھا۔ انہیں کہانے کے بعد بھی
بچے اور پائے کی آشا میں اُسکو گھڑے کھڑے رکھتے تھے۔
پر جب اُس کے ماس پہلیاں ختم ہوجاتی تھیں تو
پہلیات کو امت کر رہے بچوں سے کہتا تھا—”اب آج ختم
ہوگئیں۔ پھر دوسرے دن سہانگی۔“ بچوں کو جھسے
وہراس نہیں ہرنا تھا۔ وہ ایک ایک کر پہلیات دیکھنے
کا پریٹن کرتے اور اُس میں کچھ نہ یاد کرناہیں ہوجاتے اور
پھر دھڑے دھڑے کھل میں لگ جاتے۔

کونگ . ای . چی بہت ہی مزیدار دیکھتی تھا ہر
اُس کے بندہ بھی ہماری دوکان چلتی ہی دھکی تھی .

ہیمنٹ کے تھوہار کے کچھ دن پہلے چپ ہمارے
دکان کا سالک صادقہ حساب کتاب تیار کر رہا تھا حساب
لکھتے لکھتے بولا: رنگ . امی . چپ بہت دنوں سے اُدھر
نہیں آیا . ابھی بھی اُس پر 19 اکٹھاں باقی ہیں .
تب مجھے بھی اُچھا خیال ہوا کہ اُدھر بہت دنوں سے
کونگ . امی . چپ دکان پر نہیں آیا .

ایستقامت گرامکوں میں سے ایک ہوا۔ ”وہ اٹھے بھی
کھسے؟ بچہ ملی بار چم وہ پتا نہا تو اُس کے درون پور
بے کار ہو گئے نہ۔“

कोई निश्चित साधन नहीं था, धीरे धीरे वह बहुत गरीब हो गया और भीक मांगने के लिये मजबूर होने लगा. उसकी लिखावट बड़ी सुन्दर थी, इसलिये उसे नक़ल करने का, दस्तावेज लिखने का काम अकसर मिल जाता था. पर उसमें कमचोरियां भी कम नहीं थीं. वह शराब पीने का आदी था और आलसी भी था. कुछ दिन काम करने के बाद वह अकसर काफ़ी कलम लेकर गायब हो जाता था. उसके बाद फिर कोई रास्ता नहीं रह जाता था, उसे छोटी मोटी चोरियां करती ही पड़ती थीं. जब कई बार ऐसा हुआ तो उसे सबों ने नक़ल करने के लिये काम देना भी बन्द कर दिया. पर उस सराय में उसका व्यवहार आदर्श व्यक्ति का हुआ करता था. वह अपना कर्ज़ हमेशा चुका दिया करता था. ऐसा भी होता था कि जब उसके पास नक़द पैसे नहीं होते थे तो उसका नाम उधार के ग्राहकों की सूची पर आ जाता था पर महीना ख़तम होने के पहिले ही अपना नाम कटवा भी लेता था.

आधा प्याला शराब पीने के बाद कुंग अपनी स्वस्थ प्रकृति को वापस पा जाता था, लेकिन उसी समय कोई प्रश्न कर बैठता—“कुंग-ई-ची, क्या तुम सचमुच पढ़ना जानते हो?”

कुंग उसकी तरफ घृणा भरी नज़रों से देखता, जैसे यह सवाल उसकी इज्ज़त उतारने के लिये किया गया हो. पर दूसरे ग्राहक अपना सवाल पूछते—“यह क्या बात है कि तुमने कोई परीक्षा नहीं पास की?”

तब कुंग परेशान और दुखी दिखने लगता था. उसका चेहरा पीला पड़ जाता था और होंठ बोलने के लिये हिलने लगते थे. पर धीमे स्वर में कही गई उसकी बातें शायद ही किसी की समझ में आती थीं. फिर सब लोग क्रुद्ध मार कर हंसने लगते थे और सराय के वातावरण में जिन्दगी और ताज़गी आ जाती थी.

ऐसे मौकों पर मैं भी ग्राहकों की हंसी खुशी में साथ दे देता था और मालिक की तरफ से मुझे डांट भी नहीं पड़ती थी. दरअसल वह खुद भी कुंग से ऐसे उल्टे सीधे सवाल पूछा करता था. यह साच कर कि दूसरे ग्राहकों से बातें करने में कोई लाभ नहीं है, कुंग दूकान पर बच्चों के बीच खो जाता था एक बार उसने मुझसे पूछा—“क्या तुमने कभी स्कूल में पढ़ा है?”

जब मैंने हाथी भरते हुए सिर हिलाया, उसने कहा—“अच्छा, तब मैं एक सवाल करूंगा? तुम ‘हुई’ अक्षर जो ‘हुई-सियांग’ में आता है कैसे लिखते हो?”

मैं सोचने लगा कि क्या अब एक भिकमंगा मेरी परीक्षा लेगा! मैंने उसकी बातों पर ध्यान नहीं दिया और अपना मुंह दूसरी तरफ मोड़ लिया. कुछ देर चुप रहने

कोई निश्चित साधन नहीं था. धीरे धीरे वह बहुत गरीब हो गया और भीक मांगने के लिये मजबूर होने लगा. उसकी लिखावट बड़ी सुन्दर थी, इसलिये उसे नक़ल करने का, दस्तावेज लिखने का काम अकसर मिल जाता था. पर उसमें कमचोरियां भी कम नहीं थीं. वह शराब पीने का आदी था और आलसी भी था. कुछ दिन काम करने के बाद वह अकसर काफ़ी कलम लेकर गायब हो जाता था. उसके बाद फिर कोई रास्ता नहीं रह जाता था, उसे छोटी मोटी चोरियां करती ही पड़ती थीं. जब कई बार ऐसा हुआ तो उसे सबों ने नक़ल करने के लिये काम देना भी बन्द कर दिया. पर उस सराय में उसका व्यवहार आदर्श व्यक्ति का हुआ करता था. वह अपना कर्ज़ हमेशा चुका दिया करता था. ऐसा भी होता था कि जब उसके पास नक़द पैसे नहीं होते थे तो उसका नाम उधार के ग्राहकों की सूची पर आ जाता था पर महीना ख़तम होने के पहिले ही अपना नाम कटवा भी लेता था.

आधा प्याला शराब पीने के बाद कुंग अपनी स्वस्थ प्रकृति को वापस पा जाता था, लेकिन उसी समय कोई प्रश्न कर बैठता—“कुंग-ई-ची, क्या तुम सचमुच पढ़ना जानते हो?”

कुंग उसकी तरफ घृणा भरी नज़रों से देखता, जैसे यह सवाल उसकी इज्ज़त उतारने के लिये किया गया हो. पर दूसरे ग्राहक अपना सवाल पूछते—“यह क्या बात है कि तुमने कोई परीक्षा नहीं पास की?”

तब कुंग परेशान और दुखी दिखने लगता था. उसका चेहरा पीला पड़ जाता था और होंठ बोलने के लिये हिलने लगते थे. पर धीमे स्वर में कही गई उसकी बातें शायद ही किसी की समझ में आती थीं. फिर सब लोग क्रुद्ध मार कर हंसने लगते थे और सराय के वातावरण में जिन्दगी और ताज़गी आ जाती थी.

ऐसे मौकों पर मैं भी ग्राहकों की हंसी खुशी में साथ दे देता था और मालिक की तरफ से मुझे डांट भी नहीं पड़ती थी. दरअसल वह खुद भी कुंग से ऐसे उल्टे सीधे सवाल पूछा करता था. यह साच कर कि दूसरे ग्राहकों से बातें करने में कोई लाभ नहीं है, कुंग दूकान पर बच्चों के बीच खो जाता था एक बार उसने मुझसे पूछा—“क्या तुमने कभी स्कूल में पढ़ा है?”

जब मैंने हाथी भरते हुए सिर हिलाया, उसने कहा—“अच्छा, तब मैं एक सवाल करूंगा? तुम ‘हुई’ अक्षर जो ‘हुई-सियांग’ में आता है कैसे लिखते हो?”

मैं सोचने लगा कि क्या अब एक भिकमंगा मेरी परीक्षा लेगा! मैंने उसकी बातों पर ध्यान नहीं दिया और अपना मुंह दूसरी तरफ मोड़ लिया. कुछ देर चुप रहने

पर मुझे लुब्ध यह काम पुरा लगता था और मैं असंतुष्ट रहता था। मेरा मालिक बराबरी शकल का व्यक्ति था और ग्राहक सुस्त और थके हुये, कुम्ह बुद्धि वाले होते थे। इसलिये किसी का प्रसन्न वित्त होकर उस दूकान में रहना असम्भव ही था। दूकान में इसी तभी सुनाई पड़ती थी जब कुंग-ई-ची आता था। यही कारन है कि मुझे आज भी उसकी याद है।

ऊँची भोयी के ग्राहकों की आदत के विपरीत लम्बे गाउन वाला कुंग ही अकेला ऐसा ग्राहक था जो मेज के पास खड़ा होकर मदिरा पान करता था। वह ऊँचे क्रद का हट्टा कट्टा आदमी था, फिर भी उसके चेहरे पर पीछापन छाया रहता था और चेहरे की भुर्रियों के बीच अक्सर चोट के निशान भी दिखाई पड़ने लगते थे। उसकी लम्बी दाढ़ी, हमेशा बिना कंधी की हुई रहती थी। दाढ़ी में भी सफ़ेद बालों की धारियाँ दीख जाती थीं। हालाँकि उसका गाउन लम्बा था पर वह इतना गंदा और पेंददार था कि यह साफ पता लग जाता था कि कम से कम 10 बरस से तो घोया न गया होगा। वह बोलता इस तरह था कि आधी बात ही समझ में आती थी। जब भी वह सराय में आता था हर व्यक्ति उसकी तरफ देख कर मुस्कराने लगता और उन में से एक अवश्य कह बैठता — “कुंग-ई-ची, आज तो तुम्हारे चेहरे पर नये घाब के निशान दिखाई पड़ रहे हैं।”

इन बातों की परवाह न करते हुये कुंग-ई-ची मेज के पास आकर दो प्याले शराब और एक प्लेट फलियों का आर्डर देता था और नौ इकन्नियाँ निकाल कर रख देता था। कौरन ही कोई फिर बोल पड़ता — “तुमने फिर चोरी की होगी।”

घूर कर उस व्यक्ति की देखते हुये वह उत्तर देता — “बेकार ही किसी भले आदमी को क्यों बदनाम करते हो?”

“क्या भले आदमी को बदनाम करता हूँ? अभी परसों ही तो अपनी आखों के सामने तुम्हें पिटते हुये देखा है। तुमने ‘हो’ परिवार की किताबें चुराई थीं।”

तब कुंग का चेहरा लाल हो जाता था और अपना विरोध प्रगट करते हुए वह उत्तर देता था — “किताबों का चुराना, चोरी नहीं..... किताबें ले लेना तो विद्वानों की आदत है, इसे चोरी नहीं कहते।” फिर वह प्राचीन ग्रन्थों में से मिलाएँ देने लगता — “बड़ा आदमी वह है जो गरीबी में, अभाव में भी सन्तुष्ट रहता हो।” और फिर उसका धारा प्रवाह भाशन चल निकलता। उस को शायद ही कोई समझ पाता। और तब तक भाशन चलता रहता जब तक सराय का हर ग्राहक इसी से लोट पोट न हो जाता था।

गांव वालों के ही मुँह सुनने को मिला था कि कुंग-ई-ची को प्राचीन ग्रन्थों का अच्छा ज्ञान था। हालाँकि उसने कोई परीक्षा कभी भी नहीं पास की थी। जीवन यापन का भी उसका

पर मज्हे खुद ये काम बरा लगता था और मेहनत सल्लसलत रहता था। मेरा माँक द्रान्ति शकल का रिक्ती था और ग्राहक ससत और नेके होते, कंद बंधी वाले होते थे। अस लूँ किसी का डेस चेत हो कर अस दुकान में रहना सम्भव ही था। दुकान में मलसी तहो सल्लायी होती थी जब कौंक - ای - چی आता था। यही कारन है कि मुझे आज भी उसकी याद है।

अन्जी शरीर की ग्राहकों की आदत के विपरीत लम्बे गाउन वाला कौंक ही अकेला ग्राहक था जो मेज के पास कूवा हो कर मदरा पान करता था। वह अल्ले कद का हट्टा कट्टा आदमी था, फिर भी उसके चेहरे पर पीछापन छाया रहता था और चेहरे की भुर्रियों के बीच अक्सर चोट के निशान भी दिखाई पड़ने लगते थे। उसकी लम्बी दाढ़ी, हमेशा बिना कंधी की होती थी। दाढ़ी में भी सफ़ेद बालों की धारियाँ दीख जाती थीं। हालाँकि उसका गाउन लम्बा था पर वह इतना गंदा और पेंददार था कि कम से कम 10 बरस से तो घोया न गया होगा। वह बोलता इस तरह था कि आधी बात ही समझ में आती थी। जब भी वह सराय में आता था हर व्यक्ति उसकी तरफ देख कर मुस्कराने लगता और उन में से एक अवश्य कह बैठता — “कौंक - ای - چی, आज तो तुम्हारे चेहरे पर नये घाब के निशान दिखाई पड़ रहे हैं।”

इन बातों की परवाह न करते हुये कौंक - ای - چی मेज के पास आकर दो प्याले शराब और एक प्लेट फलियों का आर्डर देता था और नौ इकन्नियाँ निकाल कर रख देता था। कौरन ही कोई फिर बोल पड़ता — “तुमने फिर चोरी की होगी।”

घूर कर उस व्यक्ति की देखते हुये वह उत्तर देता — “बेकार ही किसी भले आदमी को क्यों बदनाम करते हो?”

“क्या भले आदमी को बदनाम करता हूँ? अभी परसों ही तो अपनी आखों के सामने तुम्हें पिटते हुये देखा है। तुमने ‘हो’ परिवार की किताबें चुराई थीं।” तब कौंक का चेहरा लाल हो जाता था और अपना विरोध प्रगट करते हुये वह उत्तर देता था — “किताबों का चुराना, चोरी नहीं..... किताबें ले लेना तो विद्वानों की आदत है, इसे चोरी नहीं कहते।” फिर वह प्राचीन ग्रन्थों में से मिलाएँ देने लगता — “बड़ा आदमी वह है जो गरीबी में, अभाव में भी सन्तुष्ट रहता हो।” और फिर उसका धारा प्रवाह भाशन चल निकलता। उस को शायद ही कोई समझ पाता। और तब तक भाशन चलता रहता जब तक सराय का हर ग्राहक इसी से लोट पोट न हो जाता था।

गांव वालों के ही मुँह सुनने को मिला था कि कुंग-ई-ची को प्राचीन ग्रन्थों का अच्छा ज्ञान था। हालाँकि उसने कोई परीक्षा कभी भी नहीं पास की थी। जीवन यापन का भी उसका

कुंग-ई-ची

अनुवादक—कामेश्वर अग्रवाल

लुचेन में शराब की दुकानें चीन के दूसरे शहरों की तरह नहीं हैं। लुचेन की दुकानों में एक चौकोर तख्ता सड़क की तरफ आगे बढ़ा कर रखा रहता है। उस पर गर्म पानी की केतली रखी रहती है। यह पानी शराब गरम करने के काम आता है। दोपहर में या फिर शाम को काम खतम करने के बाद लोग एक प्याला शराब लेने आते हैं। बीस बरस पहिले एक प्याले का दाम चार आने के करीब होता था पर अब दस आने लगते हैं। मेज के पास खड़े होकर लोग मदिरा पान करते हैं और शरीर को आराम देते हैं। साथ में लोग इकस्री में मसालेदार फलियां या बांस की मुलायम पत्तियों की नमकीन भुजिया लेते हैं। गोश्त खरीदने में बारह इकस्रियां लग जाती हैं। इस दुकान में आने वाले ज्यादातर ग्राहक छोटा कोट पहिनते हैं। उनके पास कभी भी पैसे ज्यादा नहीं होते हैं। लम्बा गाउन पहने हुए ग्राहक ही अन्दर जा कर कमरे में बैठते थे और आराम से शराब पीते हैं, बढ़िया नमकीन और गोश्त खाते हैं।

बारह बरस की उम्र ही से मैं 'सियेन-हेंग सराय' में बेटर का काम करने लगा था। शहर में दाखिल होते ही यह होटल मिलता है। सराय के मालिक का कहना था कि मैं शकल से इतना भौंदू दिखाई देता हूँ कि लम्बा गाउन पहन वाले ऊंची श्रेणी के ग्राहकों के सामने मुझे नहीं भेजा जा सकता। इसलिये मुझे बाहर के कमरे में ही काम करना पड़ता था। अगरचे निचली श्रेणी के ग्राहक आम तरीके से मेरे काम से प्रसन्न रहते थे, लेकिन मुझे परेशान कर देने वालों की संख्या कम न थी। वह देखना चाहते थे कि कहीं मदिरा के प्याले में पानी तो नहीं है। प्याले में पीली शराब का दलना और फिर प्याले का गरम पानी में रखा जाना वह बहुत ध्यान से देखते थे। इन तेज नजरों के सामने शराब में मिलावट कर देना असम्भव था। इसलिये कुछ ही दिनों में मालिक ने यह तय कर दिया कि मैं इस काम के भी योग्य नहीं हूँ मेरी सफाई इतने प्रभावशाली व्यक्ति ने की थी कि दुकान का मालिक मुझे निकाल देने की सोच भी नहीं सकता था, इसलिये मेरा तबादला शराब गरम करने के काम में कर दिया गया।

इसके बाद से मैं बराबर बाहर की मेज के करीब खड़ा होकर शराब गरम करने के काम में लगा रहता था। अगरचे इस काम में मैं दूसरों को संतुष्ट कर देता था

कुंग-ई-ची

अनुवादक—कामेश्वर अग्रवाल

लुचेन में शराब की दुकानें चीन के दूसरे शहरों की तरह नहीं हैं। लुचेन की दुकानों में एक चौकोर तख्ता सड़क की तरफ आगे बढ़ा कर रखा रहता है। उस पर गर्म पानी की केतली रखी रहती है। यह पानी शराब गरम करने के काम आता है। दोपहर में या फिर शाम को काम खतम करने के बाद लोग एक प्याले शराब लेने आते हैं। बीस बरस पहिले एक प्याले का दाम चार आने के करीब होता था पर अब दस आने लगते हैं। मेज के पास खड़े होकर लोग मदिरा पान करते हैं और शरीर को आराम देते हैं। साथ में लोग इकस्री में मसालेदार फलियां या बांस की मुलायम पत्तियों की नमकीन भुजिया लेते हैं। गोश्त खरीदने में बारह इकस्रियां लग जाती हैं। इस दुकान में आने वाले ज्यादातर ग्राहक छोटा कोट पहिनते हैं। उनके पास कभी भी पैसे ज्यादा नहीं होते हैं। लम्बा गाउन पहने हुए ग्राहक ही अन्दर जा कर कमरे में बैठते थे और आराम से शराब पीते हैं, बढ़िया नमकीन और गोश्त खाते हैं।

बारह बरस की उम्र ही से मैं 'सियेन-हेंग सराय' में बेटर का काम करने लगा था। शहर में दाखिल होते ही यह होटल मिलता है। सराय के मालिक का कहना था कि मैं शकल से इतना भौंदू दिखाई देता हूँ कि लम्बा गाउन पहन वाले ऊंची श्रेणी के ग्राहकों के सामने मुझे नहीं भेजा जा सकता। इसलिये मुझे बाहर के कमरे में ही काम करना पड़ता था। अगरचे निचली श्रेणी के ग्राहक आम तरीके से मेरे काम से प्रसन्न रहते थे, लेकिन मुझे परेशान कर देने वालों की संख्या कम न थी। वह देखना चाहते थे कि कहीं मदिरा के प्याले में पानी तो नहीं है। प्याले में पीली शराब का दलना और फिर प्याले का गरम पानी में रखा जाना वह बहुत ध्यान से देखते थे। इन तेज नजरों के सामने शराब में मिलावट कर देना असम्भव था। इसलिये कुछ ही दिनों में मालिक ने यह तय कर दिया कि मैं इस काम के भी योग्य नहीं हूँ मेरी सफाई इतने प्रभावशाली व्यक्ति ने की थी कि दुकान का मालिक मुझे निकाल देने की सोच भी नहीं सकता था, इसलिये मेरा तबादला शराब गरम करने के काम में कर दिया गया।

इसके बाद से मैं बराबर बाहर की मेज के करीब खड़ा होकर शराब गरम करने के काम में लगा रहता था। अगरचे इस काम में मैं दूसरों को संतुष्ट कर देता था

है. क्या बतायें बार, कभी कभी तो मुझे सँपना पड़ता है. जब देखो मेरे नोट ले जाती है. सदा मेरे ही बराब में बैठती है. आज क्लास में बोली कि तबियत नहीं लग रही है. मैंने कहा बिलिये घूम आइये. उसने कहा कि शाम को ठीक छः बजे काफी हावस में मिलूंगी. अकेले आना. जरा घूमने चलेंगे. लेकिन देखा खुद को ? मैं कब से प्रतीक्षा कर रहा हूँ. और आप आई हैं एक गुप्तद लेकर. भाई माफ करना. आज तुम से भी इस औरत की बदौलत झूठ बोलना पड़ा.”

“कोई बात नहीं है आनन्द.” जैसे किसी ने ठठा कर उसे पटक दिया हो और उसको सांस कुछ छनों के बाद आई हो. आगे फिर उसने कहा—“समा कर दो आनन्द. मैं भी छड़ा गया हूँ. इसको मैं जानता हूँ. वार्ड. एम. सी. ए. में मेरे साथ बिलियड खेलती है. इस में शक नहीं कि खेलती खूब है. बार, मुझे क्या मालूम था यह पक्की खुद को है. क्लब में मेरे पीछे पीछे घूमती है. बड़ा प्रेम का दम भरती है. आज बोली कि छः बजे काफी हावस में मिलना. तुमसे कुछ बातें करनी हैं. चलते चलते फिर याद दिलाया और कहा कि देखो अकेले आना. बार, यह लड़कियाँ भी क्या बला होती हैं ! मैंने तुमको टालना चाहा. समा करना भाई बुद्धि भ्रष्ट हो गई थी. देखो, अपने बार के साथ कमीनी कैसी जमी है, जैसे हम लोगों को पहचानती ही नहीं.....!”

उसी समय कान्ता की मेज से एक गुस्से भरी आवाज सुनाई दी—“क्या है ?”

वैरा बिल हाथ में लिये था. उसने कहा—“मेम साहब, बिल.”

“अभी किसने मांगा है ?” कान्ता की आवाज का संतुलन बिगड़ने लगा.

“वह साहब जो आपके साथ बैठे थे ना वह गए.....”

तब ही टोक कर आश्चर्य भरी आवाज से कान्ता ने पूछा—“और बिल.”

“कह गये हैं कि मेम साहब से ले लेना.”

जल भुन कर कान्ता कबाब हो गई. गुस्से से मुंह लाछ हो गया और आते समय जिन आँखों में हंसी थी उनमें क्रोध झलक पड़ा. उसने जोर से बैरे के हाथ के बिल छीन लिया और बोली—“कितने का है ?”

“मैडम, सात रुपये साढ़े पन्नाह आने.”

कान्ता मल्ला कर अपनी कुर्सी से उठी और काउन्टर की तरफ बढ़ी. आनन्द के टेबिल तक पहुंचते पहुंचते वह हॉटों ही हॉटों में भस्माई—“चूना हो गया.”

आनन्द ने गोपाल के कंधे पर एक हाथ जमाया और खुशी से हल्ला कर बोला—“बसो सब को चूना हो गया.”

—मुजीब रिजवी

ह. क्वा बैठाई बार, कभी कभी तो मुझे सँपना पड़ता है. जब देखो मेरे नोट ले जाती है. सदा मेरे ही बराब में बैठती है. आज क्लास में बोली कि तबियत नहीं लग रही है. मैंने कहा बिलिये घूम आइये. उसने कहा कि शाम को ठीक छः बजे काफी हावस में मिलूंगी. अकेले आना. जरा घूमने चलेंगे. लेकिन देखा खुद को ? मैं कब से प्रतीक्षा कर रहा हूँ. और आप आई हैं एक गुप्तद लेकर. भाई माफ करना. आज तुम से भी इस औरत की बदौलत झूठ बोलना पड़ा.”

“कोई बात नहीं है आनन्द.” जैसे किसी ने ठठा कर उसे पटक दिया हो और उसको सांस कुछ छनों के बाद आई हो. आगे फिर उसने कहा—“समा कर दो आनन्द. मैं भी छड़ा गया हूँ. इसको मैं जानता हूँ. वार्ड. एम. सी. ए. में मेरे साथ बिलियड खेलती है. इस में शक नहीं कि खेलती खूब है. बार, मुझे क्या मालूम था यह पक्की खुद को है. क्लब में मेरे पीछे पीछे घूमती है. बड़ा प्रेम का दम भरती है. आज बोली कि छः बजे काफी हावस में मिलना. तुमसे कुछ बातें करनी हैं. चलते चलते फिर याद दिलाया और कहा कि देखो अकेले आना. बार, यह लड़कियाँ भी क्या बला होती हैं ! मैंने तुमको टालना चाहा. समा करना भाई बुद्धि भ्रष्ट हो गई थी. देखो, अपने बार के साथ कमीनी कैसी जमी है, जैसे हम लोगों को पहचानती ही नहीं.....!”

उसी समय कान्ता की मेज से एक गुस्से भरी आवाज सुनाई दी—“क्या है ?”

वैरा बिल हाथ में लिये था. उसने कहा—“मेम साहब, बिल.”

“अभी किसने मांगा है ?” कान्ता की आवाज का संतुलन बिगड़ने लगा.

“वह साहब जो आपके साथ बैठे थे ना वह गए.....”

तब ही टोक कर आश्चर्य भरी आवाज से कान्ता ने पूछा—“और बिल.”

“कह गये हैं कि मेम साहब से ले लेना.”

जल भुन कर कान्ता कबाब हो गई. गुस्से से मुंह लाछ हो गया और आते समय जिन आँखों में हंसी थी उनमें क्रोध झलक पड़ा. उसने जोर से बैरे के हाथ के बिल छीन लिया और बोली—“कितने का है ?”

“मैडम, सात रुपये साढ़े पन्नाह आने.”

कान्ता मल्ला कर अपनी कुर्सी से उठी और काउन्टर की तरफ बढ़ी. आनन्द के टेबिल तक पहुंचते पहुंचते वह हॉटों ही हॉटों में भस्माई—“चूना हो गया.”

आनन्द ने गोपाल के कंधे पर एक हाथ जमाया और खुशी से हल्ला कर बोला—“बसो सब को चूना हो गया.”

—मुजीब रिजवी

पीछे से आकर उसकी कमर पर हाथ रखता और लोगों ने देखा कि उसका ब्लाउज बहुत ही छोटा है। बस इतना कहिये कि बाइस से कुछ बड़ा। उसने कहा—“हजो, क्षमा करना देर हो गई। तुम्हें प्रतीक्षा करनी पड़ी।”

“मैं ही क्या, न जाने कितने वियोग में जला करते हैं, तुम हो भी तो कुछ ऐसी” साथी लड़के ने गद्गद होकर मफाऊ किया।

“हटो” कहते कहते वह हंस पड़ी। न वह हंसी धीमी थी और न बहुत ऊंची। सुरीली, मधुर भनभनाहट के बीच संगीत फैला देने वाली।

यह क्या, आनन्द और गोपाल एक दूसरे के सामने खड़े हैं। आनन्द ने गोपाल को देखा और गोपाल ने आनन्द को।

दोनों की आंखें झुक गईं।

वह लड़की अब अपने टेबिल पर बैठ गई है। टेबिल कोने में है। आनन्द की टेबिल से दो टेबिल और आगे।

लड़का उसके साथ है। बैरा आर्ट ले रहा है। वह दोनों कुछ चुहल कर रहे हैं। केवल मुस्कान भरे चेहरे वीख पड़ते हैं। मौन भाषा का अर्थ लगाने में समय कौन बर्बाद करे !

“आओ गोपाल, काकी पिओ” आनन्द ने निमन्त्रित किया।

आनन्द के मुंह पर लज्जा है और गोपाल शायद किसी अनहोनी से चिढ़ कर आँठ चबा रहा है। गोपाल आनन्द की टेबिल पर बैठ गया। दोनों की आंखें फिर मिलीं और झुक गईं। बैरा ने तभी पूछा—“सर, काकी ?”

“दो काकी, दो मटन कटलेट。”

गोपाल ने पूछा—“आनन्द, तुम्हारी मां बीमार थी, तुम दवा लेने आये थे !”

आनन्द ने कहा—“तुम्हारे भी तो बाप बीमार हैं, तुम इन्जेक्शन देने जा रहे थे。”

दोनों की आंखें फिर मिलीं और एक दूसरे से क्षमा मांगती झुक गईं।

दोनों झेंपे थे और बैरा काकी ‘सर्व’ कर रहा था।

काकी की चुस्की लेते हुये आनन्द ने कहा—“गोपाल, इस लड़की को जानते हो ?”

गोपाल ने जैसे कुछ कहते कहते अपने को रोका और बोला—“नहीं, क्यों ?”

“थार अब तुमसे क्या छुपाएं। तुमसे बढ़कर मेरा कोई दोस्त नहीं है। मैं तुम्हें अपना भाई समझता हूँ। लेकिन जानते हो, आज मैंने तुमको टालना चाहा। जानते हो क्यों ?”

गोपाल ने कुछ कहने के लिये मुँह खोला लेकिन आनन्द ने अवसर नहीं दिया।

आनन्द ने आगे कहा—“इस लड़की का नाम कान्ता है। मेरे साथ पढ़ती है। मुझसे बहुत कुछ मिलकर बातें करती

पढ़ते हैं। अकस्मिक कमर पर हाथ रक्हा और लोको ने देखा कि अकस्मात् बहुत ही चहलता है। बस इतना कहते कि हाथस से कुछ बड़ा। उसने कहा—“हजो, क्षमा करना देर हो गई। तुम्हें प्रतीक्षा करनी पड़ी।”

“मैं ही क्या, न जाने कितने वियोग में जला करते हैं, तुम हो भी तो कुछ ऐसी” साथी लड़के ने गद्गद होकर मफाऊ किया।

“हटो” कहते कहते वह हंस पड़ी। न वह हंसी धीमी थी और न बहुत ऊंची। सुरीली, मधुर भनभनाहट के बीच संगीत फैला देने वाली।

यह क्या, आनन्द और गोपाल एक दूसरे के सामने खड़े हैं। आनन्द ने गोपाल को देखा और गोपाल ने आनन्द को।

दोनों की आंखें झुक गईं।

वह लड़की अब अपने टेबिल पर बैठ गई है। टेबिल कोने में है। आनन्द की टेबिल से दो टेबिल और आगे।

लड़का उसके साथ है। बैरा आर्ट ले रहा है। वह दोनों कुछ चुहल कर रहे हैं। केवल मुस्कान भरे चेहरे वीख पड़ते हैं। मौन भाषा का अर्थ लगाने में समय कौन बर्बाद करे !

“आओ गोपाल, काकी पिओ” आनन्द ने निमन्त्रित किया।

आनन्द के मुंह पर लज्जा है और गोपाल शायद किसी अनहोनी से चिढ़ कर आँठ चबा रहा है। गोपाल आनन्द की टेबिल पर बैठ गया। दोनों की आंखें फिर मिलीं और झुक गईं। बैरा ने तभी पूछा—“सर, काकी ?”

“दो काकी, दो मटन कटलेट。”

गोपाल ने पूछा—“आनन्द, तुम्हारी मां बीमार थी, तुम दवा लेने आये थे !”

आनन्द ने कहा—“तुम्हारे भी तो बाप बीमार हैं, तुम इन्जेक्शन देने जा रहे थे。”

दोनों की आंखें फिर मिलीं और एक दूसरे से क्षमा मांगती झुक गईं।

दोनों झेंपे थे और बैरा काकी ‘सर्व’ कर रहा था।

काकी की चुस्की लेते हुये आनन्द ने कहा—“गोपाल, इस लड़की को जानते हो ?”

गोपाल ने जैसे कुछ कहते कहते अपने को रोका और बोला—“नहीं, क्यों ?”

“थार अब तुमसे क्या छुपाएं। तुमसे बढ़कर मेरा कोई दोस्त नहीं है। मैं तुम्हें अपना भाई समझता हूँ। लेकिन जानते हो, आज मैंने तुमको टालना चाहा। जानते हो क्यों ?”

गोपाल ने कुछ कहने के लिये मुँह खोला लेकिन आनन्द ने अवसर नहीं दिया।

आनन्द ने आगे कहा—“इस लड़की का नाम कान्ता है। मेरे साथ पढ़ती है। मुझसे बहुत कुछ मिलकर बातें करती

سے ملے کمرے میں۔ بھرا آئند کے پاس آنا ہے۔ آئند
اُسکو گھورتا ہے اور کہتا ہے—”تہر جاو، ابھی بتاتا ہوں۔“

بھرا گوبال کے پاس جاتا ہے۔ ہاتھ ہاندہ کر کہو ہوتا
ہے۔ گوبال کہیں کہو ہوتا ہے۔ لیکن ایک چھوڑا آٹھوا ہے جو اُسے
اِس دنیا میں پہنچا آئی ہے۔ وہ ہے اُسکی گھری۔ گوبال
نے ہاتھ اٹھاکر کہوئی دیکھی۔ دس ہی اُسکی نظر بھڑے
پر پڑی۔ کچھ موبواہٹ میں اُس نے کہا—”تہر جاو،
ابھی بتاتا ہوں۔“

بھڑوں کا تو کام ہی ہے کہ وہ گھوم گھوم کر تھکوں پر ہاوی
لوگوں کا آرڈر لیں۔ کہیں کسی کو دوچار سگت سے زیادہ
بہتہما ہو گیا اور اس نے ملہجور سے شکایت کر دی تو
چھٹی کا دردم ہاں پر جائگا۔ ایسے ہی کچھ لوگ ہوتے
ہوئے جو بھڑے کے آئے کی دھری کو تھک سمجھتے ہوں
لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم ہوتی ہے۔ بھرا تو نہم
جانتا ہے اُسے اپواہ سے کہا مطلب۔ دوسرے بھڑے نے آئند
کے سامنے جھک کر بھر پوچھا—”سر؟“

”نہیں، پانی دے جاو“ آئند نے بھا اُس کی طرف
دیکھ کر آرڈر دیا۔

اُسی سم بھرا کہائے جانوالے کسی جگتو نے گوبال
کو بھی چھوڑا۔

”سکرپٹ دے جاو“ گوبال نے ڈانٹ کر کہا اور یہ
بات صاف کر دی کہ اُسکا اس طرح بار بار پوچھنا گوبال
کو اچھا نہیں لگتا۔

دوسرے ملٹ آئند ہائی کا گلاس ملہ سے لکائے تھا اور
گوبال چھت کی اور دھواں آوا رہا تھا اور آٹھوا کے داک
رہا تھا چھت کوئی تصویر اُس کے سامنے کہوئی ہو رہی ہو۔

× × ×

کافی ہاوس کی بھن بھن چھسے ایکدم بلند ہو گئی۔
سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھی ہوئی ہوں۔ ہر
ایک اپنی مہر پر سے چھسے کو دھا ہے—تازے والے تھامت
کی نظر رہتے ہوں۔ لیکن کوئی ہے جو ہلدا دیکھ چلا
آ رہا ہے۔ ایسا تو نہیں کہ اُسے اُسکی اچھا نہیں کہ لوگ
اُسے نہ دیکھیں اور نہ یہ ہی کہ وہ لوگوں کو نہیں دیکھ رہا
ہے۔ شاید وہ جانتا ہے کہ کسی طرف نہ دیکھنے سے سب
طرف سے لوگ اُسے دیکھتے ہوں۔ اُسے انہوہو ہے اور انہوہو
آئند دیکھ کے لٹم کئی ہے۔ دروازے پر اُس نے چھل
کر ڈرا پٹکا۔ پٹکا تو پھر کو، لیکن پھرے بدن میں نہ
جائے کٹلی لچک پھدا ہو گئی۔ یہ لچک چھسے ایک
بجلی ہو اور اُس کی چمک میں لوگوں نے دیکھا کہ وہ
پہلی ساوی اور سفید ہلوز پہنے ہے۔ اُس نے اوپری بدن
کو انا سے ہلایا اور اُنہ ہوی۔ تب ہی ایک ویکتی نے

आँखों में हँसी भर कर और मुँह की सीकर, सर नचाते हुये भोला ने गोपाल को घूरा.

गोपाल भावहीन रहा. वह अपनी घड़ी में मग्न था. भोला ने लाल शीरे में पान डुबो कर मीठा बनाते हुये गोपाल को थमाया और कहा—“किसका इन्तजार है...?”

“नहीं तो.....कहाँ.....?” गोपाल मुँह बनाने लगे. शायद समय में नहीं आया कि उत्तर क्या दें. जल्दी से आँख पर चश्मा चढ़ा लिया और भोला को हुकूम दिया “एक मैक्रोपोल”.

यह लेन देन हो ही रही थी कि पीछे से आनन्द ने ‘हल्लो गोपाल’ का शोर मचाया और साइकिल रोकने के लिये गोपाल के सर का सहारा लिया.

“हैल्लो, पान खाओ आनन्द.....”

“नहीं यार मैं पान तो खाता ही नहीं.”

गोपाल ने फिर घड़ी देखी और ऐसा अभिव्यक्त किया कि जैसे उसे ठीक समय पर जरूरी काम के लिये जाना है.

“जाओ जाओ. फिर कब मिलोगे ? तुमसे तो मिलना ही नहीं होता.” आनन्द ने कहा.

गोपाल ने उत्तर दिया—“नहीं, जल्दी नहीं है” और जैसे किसी बात को छिपाने के लिये उसने शिष्ट जलाने का सहारा लिया.

“मैं तो चला गोपाल.”

“ऐसी भी क्या जल्दी है ?” गोपाल कह तो गया लेकिन शीघ्र ही चैता. जाने या अनजाने उसकी आँख फिर घड़ी पर पहुँच गई.”

आनन्द ने कहा—“यार, तुम्हारे साथ घूमने की तबियत चाहती है, दिख चाहता है कि काकी हाउस चलें. लेकिन क्या बतायें (एक मोटी सी गाली उसने दी, किसी दूसरे को नहीं स्वयं अपनी बहन को). अम्मा को खटिया पकड़ना था तो आज ही कल. बुढ़िया भी समय से बीमार पड़ती है. जब जब मैं अकेला घर पर रहता हूँ उसे कोई रोग आ दबाता है.....”.

तुम्हारी अम्मां कब से बीमार हैं ?” गोपाल ने सहानुभूति प्रकट की.

“दो महीने से भाई. नाक में दम आ गया है. अजीब मुसीबत है. नीकर दवा लाये यह उन्हें पसन्द नहीं है चाहती हैं कि हर समय मैं उनकी पट्टी पकड़े बैठा रहूँ”.

जैसे कुछ सोच कर आनन्द ने आगे कहा—“गुरु तुम्हीं मझे में हो, कोई फिक्र न बिन्ता, मस्त राम घूमते हो, जाओ तुम्हें देर हो रही है”

“अरे कहाँ ? सारी मस्ती घुस गई. भगवान न करे कि घर में कोई छोटा हो. नाक में दम हो गया है. सब रोच जमाते हैं. भाई साहब आई० पे० यस० का इन्तजान

अंत्येयों में हड्डी बहकर और मूत्र को सी कर, नचाते मुँह से गोपाल को घूरा.

गोपाल बेआँखों रहा. वे अपनी घड़ी में मग्न था. भोला ने लाल शीरे में पान डुबो कर मीठा बनाते हुये गोपाल को थमाया और कहा—“किसका इन्तजार है...?”

“नहीं तो.....कहाँ.....?” गोपाल मुँह बनाने लगे. शायद समय में नहीं आया कि उत्तर क्या दें. जल्दी से आँख पर चश्मा चढ़ा लिया और भोला को हुकूम दिया “एक मैक्रोपोल”.

यह लेन देन हो ही रही थी कि पीछे से आनन्द ने ‘हल्लो गोपाल’ का शोर मचाया और साइकिल रोकने के लिये गोपाल के सर का सहारा लिया.

“हैल्लो, पान खाओ आनन्द.....”

“नहीं यार मैं पान तो खाता ही नहीं.”

गोपाल ने फिर घड़ी देखी और ऐसा अभिव्यक्त किया कि जैसे उसे ठीक समय पर जरूरी काम के लिये जाना है.

“जाओ जाओ. फिर कब मिलोगे ? तुमसे तो मिलना ही नहीं होता.” आनन्द ने कहा.

गोपाल ने उत्तर दिया—“नहीं, जल्दी नहीं है” और जैसे किसी बात को छिपाने के लिये उसने शिष्ट जलाने का सहारा लिया.

“मैं तो चला गोपाल.”

“ऐसी भी क्या जल्दी है ?” गोपाल कह तो गया लेकिन शीघ्र ही चैता. जाने या अनजाने उसकी आँख फिर घड़ी पर पहुँच गई.”

आनन्द ने कहा—“यार, तुम्हारे साथ घूमने की तबियत चाहती है, दिख चाहता है कि काकी हाउस चलें. लेकिन क्या बतायें (एक मोटी सी गाली उसने दी, किसी दूसरे को नहीं स्वयं अपनी बहन को). अम्मा को खटिया पकड़ना था तो आज ही कल. बुढ़िया भी समय से बीमार पड़ती है. जब जब मैं अकेला घर पर रहता हूँ उसे कोई रोग आ दबाता है.....”.

तुम्हारी अम्मां कब से बीमार हैं ?” गोपाल ने सहानुभूति प्रकट की.

“दो महीने से भाई. नाक में दम आ गया है. अजीब मुसीबत है. नीकर दवा लाये यह उन्हें पसन्द नहीं है चाहती हैं कि हर समय मैं उनकी पट्टी पकड़े बैठा रहूँ”.

जैसे कुछ सोच कर आनन्द ने आगे कहा—“गुरु तुम्हीं मझे में हो, कोई फिक्र न बिन्ता, मस्त राम घूमते हो, जाओ तुम्हें देर हो रही है”

“अरे कहाँ ? सारी मस्ती घुस गई. भगवान न करे कि घर में कोई छोटा हो. नाक में दम हो गया है. सब रोच जमाते हैं. भाई साहब आई० पे० यस० का इन्तजान

ہولہ کی دکان پر پان، بچی، سیرت، برف کا پانی، کوا کوا تو ملتا ہی ہے۔ اور بھی کئی چھڑوں ملتی ہیں، انکا ہتھار ڈرا چھپ کے ہوتا ہے۔ کچھ لوگ یہاں چھپ کر آتے ہیں اور بہت سے کہہ رہے ہیں اس دکان پر ہتھ لگائے دھتے ہیں۔ یہاں چھڑوں ہی نہیں ملتی ہیں آدمیوں کا ملن بھی ہوتا ہے۔ بدی آپ باہر سے آئے ہوں اور مغروں کا حال چال معلوم کرنا ہو تو ہولہ کی دکان پر چلے جائیے۔ سول لائن ٹوئسٹ والے لگ بیگ مہوی دیکھوں گا حال ہولہ کو معلوم ہے۔ وہ بتا سکتے ہیں کہ آپ کے مٹرکل سول لائن آئے تھے یا نہیں؟ وہ کتنی دیر سول لائن میں رہے، اور کون کون ان کے ساتھ تھا۔ ہولہ کی جانکاری سے ہمیں کچھ لہذا دینا نہیں، ایذا مطلب قبول دکان سے ہے۔ اسی دکان پر گوپال نے سائیکل دیکھی اور دھوپ کا چشمہ ہڑی نواکت سے آزار کر ہوا۔ ”ہولہ“ راجو تو نہیں آیا؟“

”راجو؟“ ہولہ کچھ سوچنے لگے۔ پھر گوپال کی طرف دیکھا اور دوسری پان لگائے ہوئے بولے۔ ”نہیں“ وہ تو نہیں آئے، کل تو تھے اچھا ماں چلتا ہے۔“

کہا نہیں جاسکتا کہ گوپال نے ہولہ کی بات مانی یا نہیں۔ چارے سے کچھ ایسا ضرور لگا کہ راجو کو پوچھنا تو صرف نمسٹ کے روپ میں تھا، آگے کچھ بات نہیں تھی۔ آگے بات بڑھانے ہذا گوپال نے کہا۔ ”ایک پان دینا۔“

”مہتھا؟“

”لہتا میں کب کہاں ہوں؟“

ہولہ برف کی سلی سے ایک لگا لکایا پان اٹھا کر ہاتھوں میں لے کر ہولہ بٹانے لگے۔ تب ہی انہوں نے دیکھا کہ گوپال بار بار کھڑی دیکھ رہے ہیں۔ ہولہ بہت کھاگے ہیں۔ لونڈوں کی دگ دگ پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انکلی سے لوگ تو ہی کارن سے کھڑی دیکھتے ہیں۔ یا تو کسی خاص صدمہ پر کسی لوگ نے سول لائن میں ملنے کا وعدہ کیا ہو اور یا نئی نئی کھڑی خریدی ہو اور بار بار دیکھ کر مغروں کو نمکرت کرنا ہو کہ وہ پوچھ رہے ہیں۔ ”کب خریدی؟“ جواب فوراً دیا جائے گا لیکن اس میں مدد نہیں کہ جسے یہ بات پوچھتی نہیں چاہتے تھی۔ جواب بھی سن لیتے۔ ”مہری بہائی کی بہن نے اپنا دیا ہے۔“ اور بھی جواب دیتے ہیں۔ ہر سب جوابوں کا ساراٹھ ایک ہے۔ ایک لڑکی ہے، سندھ ہے، اُس سے اتنی نزدیکی ہے کہ اُس نے کھڑی ہولہ کی ہے۔

”راجو؟“ ہولہ کچھ سوچنے لگے۔ کیر گوپال کی طرف دیکھا اور ویسے ہی پان لگااتے ہوئے بولا۔ ”نہیں وہ تو نہیں آیا، کچھ تو ہے، اچھا ماں چلتا ہے۔“

کہا نہیں جا سکتا کہ گوپال نے ہولہ کی بات سنی یا نہیں۔ چہرے سے کچھ ایسا پھر لگا کہ راجو کو پوچھنا تو سیکر نامستے کے روپ میں تھا، آگے کچھ بات نہیں تھی۔ آگے بات بڑھانے بیٹا گوپال نے کہا۔ ”ایک پان دینا۔“

”میا؟“

”خڑا میں کب खाता हूँ؟“

ہولہ برف کی سلی سے ایک لگا لگایا پان اٹھا کر ہاتھوں میں لے کر ہولہ بٹانے لگے۔ تب ہی انہوں نے دیکھا کہ گوپال بار بار کھڑی دیکھ رہے ہیں۔ ہولہ بہت کھاگے ہیں۔ لونڈوں کی رگ رگ پہچانتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وٹاویلی سے لڑکے دو ہی کارن سے پھڑی دیتے ہیں، یا تو کسی خاص صدمہ پر کسی لڑکی نے سول لائن میں ملنے کا وعدہ کیا ہو اور یا نئی نئی کھڑی خریدی ہو اور بار بار دیکھ کر مغروں کو نمکرت کرنا ہو کہ وہ پوچھ رہے ہیں۔ ”کب خریدی؟“ جواب فوراً دیا جائے گا لیکن اس میں مدد نہیں کہ جسے یہ بات پوچھتی نہیں چاہتے تھی۔ جواب بھی سن لیتے۔ ”مہری بہائی کی بہن نے اپنا دیا ہے۔“ اور بھی جواب دیتے ہیں۔ ہر سب جوابوں کا ساراٹھ ایک ہے۔ ایک لڑکی ہے، سندھ ہے، اُس سے اتنی نزدیکی ہے کہ اُس نے کھڑی ہولہ کی ہے۔

میں باہر ہے کس بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور کس کے سبھی جمہوریت یعنی جن (Democracy) ہونے میں اور امن پسند ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

میں ظاہر ہے روس بہت آگے بڑھا ہوا ہے اور روس کے سبھی جمہوریت یعنی جن (Democracy) ہونے میں اور امن پسند ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

ہم نے یہاں آپرا وغیرہ دیکھے۔ کل اتوار تھا۔ ایک بڑے آرٹھوڈوکس گرجے میں ہزاروں آدمیوں کو دعا کرتے اور پورے عیسائی رسوم سے بوجا ہاتھ کرتے دیکھا، پادری دیکھے، Nuns دیکھے، سب اپنے اپنے وشواس کے انوسار اپنے اپنے ناموں لکے ہوئے۔ کل درپردہ کو لہن اور ایتھان کی سادھی پر ہندستانی کی طرف سے بول مالا بھی چوہا آئے۔ مالا پر روسی زبان میں یہ لکھا دیا تھا۔

ہم نے یہاں آپرا وغیرہ دیکھے۔ کل اتوار تھا۔ ایک بڑے آرٹھوڈوکس گرجے میں ہزاروں آدمیوں کو دعا کرتے اور پورے عیسائی رسوم سے بوجا ہاتھ کرتے دیکھا، پادری دیکھے، Nuns دیکھے، سب اپنے اپنے وشواس کے انوسار اپنے اپنے ناموں لکے ہوئے۔ کل درپردہ کو لہن اور ایتھان کی سادھی پر ہندستانی کی طرف سے بول مالا بھی چوہا آئے۔ مالا پر روسی زبان میں یہ لکھا دیا تھا۔

India's affectionate homage
to
Lenin & Stalin
Founders of true Democracy
in this world
Indian Peace Delegation
June 1954

India's affectionate homage
to
Lenin & Stalin
Founders of true Democracy
in this world
Indian Peace Delegation
June 1954.

کم سے کم ایک لاکھ آدمیوں کی بھڑک رہی ہوگی، کئی گھنٹے میں سب دیکھ پایے۔ لینن اور سٹالین دونوں اس طرح لہتے ہوئے ہیں مانو سو رہے ہیں۔ روسی چلتا اسی بہکتی سے انہیں دیکھتی ہے جس طرح کوئی اپنے دیوتاؤں کو۔

کم سے کم ایک لاکھ آدمیوں کی بھڑک رہی ہوگی، کئی گھنٹے میں سب دیکھ پائے۔ لینن اور سٹالین دونوں اس طرح لہتے ہوئے ہیں مانو سو رہے ہیں۔ روسی چلتا اسی بہکتی سے انہیں دیکھتی ہے جس طرح کوئی اپنے دیوتاؤں کو۔

ایک دن یہاں کی تعلیم کے قلمک وغیرہ پر نون گھنٹے تہیتی روزہ تعلیم سے لکھتے رہی۔ ہم سب نے نون لے لئے ہیں۔ یہ وہ تو لمبی بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں میں ابھی ان ملکوں سے بہت سیکھتا ہے بشرطیکہ ہم میں ذرا نمرتا آئے اور دنیا بھر کے گورز ہونے کی ایسی قلمک کو ہم چھوڑ دیں۔ پہلے سیکھیں تو پھر کچھ سکھا ہوں سکھوں۔ اب دیو ہوگئی۔ دوسرے ضروری کام ہیں۔ وہاں تم سب کی حالت اور خدو و عافیت کا براہر خیال لگا رہتا ہے۔ ہائی پور۔ خوش رہو۔ تمہارا سفند رال

ایک دن یہاں کی تعلیم کے قلمک وغیرہ پر نون گھنٹے تہیتی روزہ تعلیم سے لکھتے رہی۔ ہم سب نے نون لے لئے ہیں۔ یہ وہ تو لمبی بات ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں میں ابھی ان ملکوں سے بہت سیکھتا ہے بشرطیکہ ہم میں ذرا نمرتا آئے اور دنیا بھر کے گورز ہونے کی ایسی قلمک کو ہم چھوڑ دیں۔ پہلے سیکھیں تو پھر کچھ سکھا ہوں سکھوں۔ اب دیو ہوگئی۔ دوسرے ضروری کام ہیں۔ وہاں تم سب کی حالت اور خدو و عافیت کا براہر خیال لگا رہتا ہے۔ ہائی پور۔ خوش رہو۔ تمہارا سفند رال

توفدار،
سندر لال۔

ہی دیتے ہیں۔ وہاں ایک بڑا Amphi-theatre ہے جس میں 20 ہزار بچے ایک سالہ بچہ لے کر آتے ہیں۔ دونوں طرف کے دروازوں پر چڑھ کر آتے ہیں۔ ایک اور بڑی طرح آزاد کرنے کو ہی تیار اور خواہشمند ہیں۔ چھٹی چڑھتی ہیں امریکہ کا روزہ بہت لگا ہوا ہے۔ پوری چڑھتی ہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عام جلسہ میں مہرے لکھتے ہیں چڑھتے ہیں بہت پسند آئی۔

برلین سے ماسکو آتے ہوئے راستے میں بڑے (Brest) پڑا۔ وہاں کے ریسرچوں نے سٹیشن پر ہی ہم سب کا خوب स्वागत کیا۔ وسی گاڑی میں چینی، جاپانی، بیاتنامی، لکھاوالے، برمی، ویتنامی بھی تھے۔ کوئی بھی نہ تھا۔ خوب رہا۔ پانچ گھنٹے وہاں ٹھہرے۔ ایک اور آگیا۔ وہاں کا گانا بجانا، ناچنا سب دیکھا۔ پختہ اور کارنامہ نے انہیں ہلکے سے گانا بھی سنایا۔ سب کو اچھا لگا۔ خوب وقت لگتا۔

ماسکو میں ہم سارے شہر کا چکر بھی لگا چکے۔ قریب 50 لاکھ کی آبادی ہے۔ 32 ملین تک کی عمارتوں، مینوں اور گلیوں کے گہنے چڑھتے ہیں۔ سب خوش معلوم ہوتے ہیں۔ سب کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ہندستان سے سب کو پریم نظر آتا ہے۔ گاندھی جی کا نام سب جانتے ہیں۔ بہت ہوا آدمی مانتے ہیں۔ جواہر لال جی کی بھی سب کے دل میں عزت ہے۔ آسن کا پرچار یہاں خوب ہے۔ جنگ کا پرچار کرنا قانونی جرم ہے جس پر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ ہم نے یہاں کی زمینوں کے نیچے جالے والی ریل دیکھی۔ برلین میں بھی ایسی ریل ہے، پر ماسکو سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ قریب 60 میل لمبی یہ زمین کے نیچے نیچے جاتی ہے۔ نیچے نیچے اس کی بھی چار مینوں ہیں۔ بیجلی کی کڑیوں سے ایک دوسری مینوں جاتے ہیں اور اسی طرح پھر اوپر آتے ہیں۔ 23 لاکھ آدمی روزانہ اس سے سفر کرتے ہیں۔ ماسکو دریا ماسکو شہر کے نیچے سے بہتا ہے۔ یہ ریل ماسکو نڈی سے ڈھائی سو فٹ نیچے جاتی ہے۔ اسٹیشن بہت بڑے بڑے اور خوبصورت ہیں۔ ہزاروں چترکاریاں ہیں۔ جن کاریگروں نے کام کیا ہے ان کی تصویریں جگہ جگہ ہٹی ہیں۔ ان کے نام کندے ہیں۔ سب جگہ دیواروں پر چلتا کے کام، چلتا کے کارنامے، چلتا کی لکھتا، چلتا کی زندگی، یہی سب دکھائی گئی ہے۔ چھڑ دیکھتے ہی سے سنبھل کر رہتی ہے۔ سائنس کی ترقی ہے۔ مہیہ تو اس سے زیادہ اور جگہ بھی ہوئی، پر یہاں آئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر سچ مچ کہیں چلتا کا راج اور چلتا کا بول بالا ہے تو روس میں ہے۔ مجھے کئی باتیں میں ایشیائی آدمیوں کے خیال سے چھڑ زیادہ پسند ہے۔ چھڑ ہمارے آدمیوں کے زیادہ نزدیک ہے۔ لیکن سائنس

بھی دیکھ رہی ہیں۔ وہاں ایک بڑا Amphi theatre ہے جس میں 20 ہزار بچے ایک سالہ بچہ لے کر آتے ہیں۔ دونوں طرف کے دروازوں پر چڑھ کر آتے ہیں۔ ایک اور بڑی طرح آزاد کرنے کو ہی تیار اور خواہشمند ہیں۔ چھٹی چڑھتی ہیں امریکہ کا روزہ بہت لگا ہوا ہے۔ پوری چڑھتی ہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ عام جلسہ میں مہرے لکھتے ہیں چڑھتے ہیں بہت پسند آئی۔

برلین سے ماسکو آتے ہوئے راستے میں بڑے (Brest) پڑا۔ وہاں کے ریسرچوں نے سٹیشن پر ہی ہم سب کا خوب स्वागत کیا۔ وسی گاڑی میں چینی، جاپانی، بیاتنامی، لکھاوالے، برمی، ویتنامی بھی تھے۔ کوئی بھی نہ تھا۔ خوب رہا۔ پانچ گھنٹے وہاں ٹھہرے۔ ایک اور آگیا۔ وہاں کا گانا بجانا، ناچنا سب دیکھا۔ پختہ اور کارنامہ نے انہیں ہلکے سے گانا بھی سنایا۔ سب کو اچھا لگا۔ خوب وقت لگتا۔

भास्की से-सत

बन्धेमातरम्

Freiheits-Kämpfer
fur Indian

Surendranath Kar
1889-1923

Nripendra Nath Das Gupta
1897-1925

Nilay K. Das Gupta
1934-1938

Ashit Ranjan Sen Gupta
1902-1924

बन्धेमातरम् नागरी हफ्तों में खुदा है, बाक्की रोमन हफ्तों में. जो दो सतरें जर्मन भाशा में हैं उनके मानी हैं :—
“Fighter for the freedom of India यानी हिन्दुस्तान की आजादी के लिये लड़ने वाले.” चार नामों में पहला, दूसरा और चौथा हिन्दुस्तानी क्रान्तिकारी हैं जो अपनी किसी धुन में बर्लिन में आकर मरे और तीसरा एक और क्रान्तिकारी का लड़का है जो बर्लिन में ही पैदा हुआ और यहां ही मर गया. पत्थर के चारों तरफ फूट लगे हुए हैं. एक बूढ़ी जर्मन औरत इन फूलों को देखती रहती है और कभी कभी आकर पानी देती रहती है.

हमें यह भी मालूम हुआ कि पच्छिमी बर्लिन में ही कहीं पर हिन्दुस्तान के एक सुखमान क्रान्तिकारी की भी क़ब्र है. पर हमें उसका पता लगाने और वहां जाने का वक़्त न मिल सका. पच्छिमी बर्लिन होने की वजह से और भी मुश्किल हो गया. हम पूर्वी बर्लिन में ठहरे थे और बीरेन्द्र बाबू अगले ही दिन किसी जरूरी काम से लन्दन चले गये. उस क़ब्र को देखने की हसरत दिल की दिल ही में रह गई.

बर्लिन की बसबाड़ी और बर्बादी के निशान चारों तरफ फैले हुए हैं. चारों तरफ बड़ी बड़ी शानदार इमारतों के खंडर देखकर दुख भी होता है और इशरत भी. फिर भी पूर्वी बर्लिन वाले बहुत कुछ संभाल रहे हैं. उनका मजदूरों और किसानों के लड़कों लड़कियों के लिये एक खास स्कूल देख कर बड़ी तबियत खुश हुई. प्राइमरी पास लोग खिये जाते हैं. तीन साल का कोर्स है. वहां से सीधे यूनिवर्सिटी जा सकते हैं. बहुत अच्छा बोर्डिंग स्कूल है. 800 लड़के लड़कियां रहते हैं. हमने उनसे बातें कीं, उनका रहना खाना देखा. बहुत पसन्द आया. एक Young Pioneers' Republic देखी. कई मील में बहुत खूबसूरत बाग, इमारतें और फ़ील्ड. 7 से 14 साल तक के लड़के लड़कियों के लिये. अपना सब इन्तज़ाम वह खुद करते हैं. कुछ लड़के 15 से 25 तक के उन्हे मदद

मास्को से-सत

بندے - ماترم

Freiheit-Kämpfer
fur Indian

Surendranath Kar
1889-1923

Nripendra Nath Daa Gupta
1897-1925

Nilay K. Das Gupta
1934-1938

Ashit Ranjan Sen Gupta
1902-1924

”بندے ماترم“ ناگزی حرفوں میں کوہا ہے، ہالی روسن حرفوں میں. جو دو سطریں جرمنی ہاشا میں ہیں ان کے معنی ہیں :—
Fighter for the freedom of India, یعنی ہندستان کی آزادی کے لئے لڑنے والے. چار ناموں میں پہلا، دوسرا اور چوتھا ہندستانی کرانتی کاری ہیں جو اپنی کسی دھن میں برلن میں آکر مرے اور تیسرا ایک اور کرانتی کاری کا لڑکا ہے جو برلن میں ہی پیدا ہوا اور یہاں ہی مر گیا. پتھر کے چاروں طرف بھول لکے ہوئے ہیں. ایک ہرڑمی جرمن عورت ان بھولوں کو دیکھتی رہتی ہے اور کبھی کبھی آکر پانی دیتی رہتی ہے.

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ پچھمی برلن میں بھی کچھ پر ہندستان کے ایک مسلمان کرانتی کاری کی بھی قبر ہے. ہر ہمیں اس کا پتہ لگانے اور وہاں جانے کا وقت نہ مل سکا. پچھمی برلن ہونے کی وجہ سے اور بھی مشکل ہوگیا. ہم یورپی برلن میں ٹہرے تھے اور بہریندر بابو اکثر ہی دن کسی ضروری کام سے لندن چلے گئے. اس قبر کو دیکھنے کی حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی.

برلن کی ہم باڑی اور پرہادی کے نشان چاروں طرف بھولے ہوئے ہیں. چاروں طرف بڑی بڑی شاندار عمارتوں کے کھنڈر دیکھ کر دکھ بھی ہوتا ہے اور عذرت بھی. ہر بھی یورپی برلن والے بہت کچھ سنبھال رہے ہیں. اسکا مزدوروں اور کسانوں کے لوگوں لوگوں کے لئے ایک خاص اسکول دیکھ کر بڑی طبعیت خراب ہوئی. ہڈائیں پاس لوگ لگے جاتے ہیں. تین سال کا کورس ہے. وہاں سے سہوہے یونیورسٹی جاسکتے ہیں. بہت اچھا بورڈنگ اسکول ہے. 800 لوگ لوگیاں رہتے ہیں. ہم نے ان سے باتیں کیں. انکا رہنا کھانا دیکھا. بہت پسند آیا. ایک Young Pioneers' Republic دیکھی. کئی مہل میں بہت خوبصورت باغ، عمارتیں اور جھول. 7 سے 14 سال تک کے لوگ لوگوں کے لئے. اپنا سب انتظام وہ خود کرتے ہیں. کچھ لوگ 15 سے 25 تک کے انہیں مدد

توہی ویسی ہی ہے جیسی الزابہاد میں جتوڑی میں ہے۔
 ہر ایک بڑی میں بھی آرد یہاں بھی میں سے جگہ
 برابر دھولی پھلتا رہا۔ آجکل بھی دھولی ہے پھلتا ہوں۔
 جب سے دھولی ہے چلے ہوں صرف ایک دن بڑی میں
 شام کو دو گھنٹے کے لئے سڑوے اور پانچامہ بھی لہا تھا۔ وہ
 واقعہ بھی خاصہ دلچسپ ہے۔

ہوا ہے کہ ایک دن برلن میں اچانک ایک شخص بھرنڈرمانن داس کہتا ہے کہ میں نے مجھے فون کیا ہے کہ وہ مجھ سے ملنے آنا چاہتے ہیں۔ میں نے اسی وقت بلا لیا۔ آدھ گھنٹے میں ایک صاحب، 66 برس کی عمر کے لیکن مضبوط، انگریزی پوچھا 'میں، ہلدستانی'، میرے کمرے میں دکھائی دیئے۔ یہی مصہبت سے ملے۔ پرانے ہلکے ہلکے کے سہ کے ہلدستانی دھیں بہکت اور کرانتی کاری تھے، اب کسی قسم میں انجیلپر میں آؤ زیادہ تر یوروں میں ہی رہتے ہیں۔ آئے جاتے رہتے ہیں۔ خوب باتیں کرتے ہیں۔ وہ مجھ پہچھے میں بران (West Berlin) سہ کو لے گئے۔ یہ ہفت 22 ملٹی کی ہے۔ چلتے وقت کہتے لگے کہ شام کو سردی زیادہ ہو جائے گی' موزہ اور گرم پا جامہ ضرور پہن لے جاؤ۔ میں دھوتی پہنے ہی جانا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بھٹ ہو کر میں اُن کی باتوں میں آ گیا۔ گرم پا جامہ اور موزہ نکال کر پہن لیا۔ بعد میں، معلوم ہوا کہ سردی کا اتنا قہ نہیں تھا جتنا وہ مجھے دھوتی پہنے سانہ لے جاتے ہوئے شرماتے تھے' خاص کر پہچھے میں برلن میں، خیبر اُن کی یہ خواہش بھی آدمی پوری ہوئی۔ کونکہ جب ہم چلے لگے تو کنارپہا بھی تھار ہو گئے اور کنارپہا وہی دھوتی پہنے اور نلکے پاؤں رکھے۔ سہ بہت اچھی دہی۔ انڈر گرائنڈ ریل سے گئے اور گئے۔ یہاں ہمارے دھوتوں اور کپڑوں کو دیکھ کر سہ جگہ، لوگ خوب جمع ہوتے ہیں۔ ہفتوں پہچھے پہچھے چلے لگتے ہیں' لیکن مصہبت کے سانہ، ہلدستان کا حال پوچھتے ہیں اور خوب ہانہ ملتے ہیں۔ بچوں سے تو اس عرصہ میں سہکڑوں ہی سے ہانہ ملنا پڑا ہے۔ ہر جگہ یہی حالت عورتی ہے۔ لوگوں کی آنکھوں میں جو مصہبت اور ہمدردی ہوتی ہے' اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ رنگ کا ابھیمان (Colour Pride) اب دنیا سے جا رہا ہے۔ اس شرم میں کمیونزم کو اور روس کو دنیا ہی ہوا۔ اُس دن کی پہچھے میں برلن کی سہ میں ایک ہفت اور بھی بہت ہی خاص ہوئی۔ شہری ہی۔ اپن۔ داس کہتا ہمیں برلن کے ایک کریمے تویرم میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک جگہ دکھائی جہاں چار ہلدستانیوں کی رائے دی ہے۔ یہ چاروں برلن میں مرے' یہاں ہی پہنکے اور رائے ایک خوبصورت جگہ دیں کر دی گئی۔ چاروں کی ایک ہی جگہ الگ الگ' لیکن پاس پاس۔ اوپر ایک پتھر لگا ہے۔ اُس کے اوپر جو شہد کہتے ہیں وہ چاروں کے تین نیچے نقل کرتا ہیں :

ماسکو سے खत

[पूज्य पंडित जी ने इस खत से पहले एक खत मुझे बर्लिन से लिखा था. एक हफ्ते के बाद यह दूसरा खत है. पहला एयरमेल से आया और जून के पहले हफ्ते में मिला गया. यह खत मामूली डाक से आया और जुलाई के तीसरे हफ्ते में मिला. पहला भी बहुत दिलचस्प था और अन्तरराष्ट्रीय हालात पर काफी रोशनी डालता था. मेरी नालायकी से वह खत खो गया. इस नामाकी गुनाह के लिये नया हिन्द के पाठकों से क्षमा चाहता हूँ. दूसरा खत सेवा में हाज़िर है—सुजीब.]

❖

❖

❖

Room No. 214
Soviet Hotel
Moscow.
6. 6. '54
Sunday.
7. 6. '54.
Monday.

बियर सुजीब,

एक खत तुम्हें बर्लिन से लिखा था. अब तक मिल गया होगा. 29, 30 बर्लिन की सैर करने के बाद 31 मई को हम छै आदमी बर्लिन से बज़रिये रेल मास्को के लिये रवाना हुए और 2 जून की शाम को मास्को पहुँचे. सफर में हर तरह का आराम रहा. हमारे रूसी मेज़बान खासे महमानवाज़ हैं और काफी मोहब्बती. मालूम होता है रूस सचमुच थोरप और एशिया का पुल है और दोनों तरफ के इन्सानों और दिलों को मिलाने का काम सब से अच्छा शायद रूस ही कर सकता है. रास्ते में एक केनेडियन दोस्त से जो यहां भी हमारे साथ ठहरे हुए हैं केनेडा की आज की हालत पर खूब छुटगू दुर्ह. मैंने कुछ नोट कर लिया है.

बर्लिन में सूरज रात को 9 बजे छिपता है और सुबह 3 बजे फिर निकल आता है. यानी रात सिर्फ 6 घंटे की होती है. यहां तो रूस से भी ज्यादा अजीब हालत है. रास्ते में रात को 10 बजे के बाद हम बीच के एक स्टेशन पर खड़े थे. बिलकुल पेसा समां था जैसा इलाहाबाद में जून में शाम को 7 बजे. दिन की रोशनी इतनी काफी थी कि किताब पढ़ी जा सके. सर्गो यहां सब जगह क्रूर

मास्को से खत

[पोजे पंडित जी ने इसी खत से पहले एक खत मुझे बर्लिन से लिखा था. एक हफ्ते के बाद यह दूसरा खत है. पहला अंतर मेल से आया और जून के पहले हफ्ते में मिला. यह खत मामूली डाक से आया और जुलाई के तीसरे हफ्ते में मिला. पहला भी बहुत दिलचस्प था और अन्तर राश्ट्रीय हालत पर काफी रोशनी डालता था. मेरी नालायकी से वह खत खो गया. इस नामाकी गुनाह के लिये नया हिन्द के पाठकों से क्षमा चाहता हूँ. दूसरा खत सेवा में हाज़िर है—सुजीब.]

❖

❖

❖

Room No. 214
Soviet Hotel
Moscow
6. 6. 54.
Sunday
7. 6. 54.
Monday.

बियर सुजीब,

एक खत तुम्हें बर्लिन से लिखा था. अब तक मिल गया होगा. 29, 30 बर्लिन की सैर करने के बाद 31 मई को हम छै आदमी बर्लिन से बज़रिये रेल मास्को के लिये रवाना हुए और 2 जून की शाम को मास्को पहुँचे. सफर में हर तरह का आराम रहा. हमारे रूसी मेज़बान खासे महमानवाज़ हैं और काफी मोहब्बती. मालूम होता है रूस सचमुच थोरप और एशिया का पुल है और दोनों तरफ के इन्सानों और दिलों को मिलाने का काम सब से अच्छा शायद रूस ही कर सकता है. रास्ते में एक केनेडियन दोस्त से जो यहां भी हमारे साथ ठहरे हुए हैं केनेडा की आज की हालत पर खूब छुटगू दुर्ह. मैंने कुछ नोट कर लिया है.

बर्लिन में सूरज रात को 9 बजे छिपता है और सुबह 3 बजे फिर निकल आता है. यानी रात सिर्फ 6 घंटे की होती है. यहां तो रूस से भी ज्यादा अजीब हालत है. रास्ते में रात को 10 बजे के बाद हम बीच के एक स्टेशन पर खड़े थे. बिलकुल पेसा समां था जैसा इलाहाबाद में जून में शाम को 7 बजे. दिन की रोशनी इतनी काफी थी कि किताब पढ़ी जा सके. सर्गो यहां सब जगह क्रूर

बिना सरकारी सहायता के टिक नहीं पाता. 12 अप्रैल सन 1954 के हरिजन में विनोबा जी का मनी बहन पटेल के नाम एक पत्र छपा है. उसमें लिखा है: "कोशिश की जा रही है कि दस्तावेजी कार्रवाई और दाखिल खारिज बिना टिकट और रजिस्ट्री खर्चों के पूरी हो सके". सरकारों से प्रार्थना की जायगी कि वह इस सम्बन्ध में जरूरी कानून और नियम बना दें." यही नहीं, उसी पत्र में आगे लिखा है: "हैदराबाद में सरकार के सहयोग से ज़मीन के बटवारे का काम शुरू कर दिया गया है. इसका नतीजा यह है कि भूदान वाले अब जिन जिन गांवों में जाते हैं वहां और अधिक ज़मीन दान में मिलती है." इस जगह यह बात समझ में नहीं आती कि दान में बढ़ती का श्रेय सरकार के सहयोग का है या ज़मीन के बटवारे का? चाहिए है भूदान को सरकार की मदद जरूरी है, न सिर्फ़ असर डालने के लिये बल्कि कानून बना कर भूदान को कायम करने के लिये भी. फिर यह "हृदय परिवर्तन" कैसा है?

यहां एक सवाल और खड़ा हो जाता है. वह यह है कि क्या बिना राजसत्ता को हाथ में लिये दूसरे आर्थिक और सामाजिक संस्थाओं का सुधार किया जा सकता है? इस पर भी बहुत सोचना है. सर्वोदय के नेता राजसत्ता के बिना दूसरी संस्थाओं का सुधार सम्भव समझते हैं. उनका कहना है कि दूसरी संस्थाओं के सुधार के बाद राजकाजी ताकतें खुद सुधार जायगी. लेकिन व्योहार में हम दूसरी बात देखते हैं. सर्वोदय ने भूदान से ज़मीन की समस्या हल करनी चाही, लेकिन सारे व्यौरों से पता चलता है कि भूदान की जो कुछ भी सफलता है वह सरकारी सहयोग के कारन है. अगर यह बात न होती और राजसत्ता के बग़ैर ज़मीन सुधार हो सकता तो विनोबा जी सरकार से कानून और नियम बनाने की प्रार्थना क्यों करते? होना तो यह चाहिये था कि सुधार हो जाता और सरकार मजबूरन उसे मान लेती. भूदान में मिली ज़मीन के आंकड़ों से भी उलटी बात सिद्ध होती है. जहां जहां कांग्रेस सरकारें बहुत मजबूत हैं वहीं वहीं भूदान में ज़मीन ज्यादा मिली है और वहीं भूदान ज्यादा मजबूत है. यह भी ध्यान देने की बात है.

भूदान के आंकड़े निकलते रहते हैं. सब में मिली ज़मीन और दूसरे साधनों का जिक्र होता है लेकिन सर्वोदय की सब से बड़ी पूंजी "हृदय परिवर्तन" के आंकड़े कभी नहीं निकलते हैं. अगर उन लोगों का नाम मालूम हो जाये तो 'हृदय परिवर्तन' की हम जांच कर सकेंगे. जब दिल बदल जाता है तो रहन सहन, आचार विचार, सब बदल जाते हैं. हमें यह देखना पड़ेगा कि ज़मीन के सम्बन्ध में जिनका दिल बदल जाता है कहीं दूसरे मामलों में उनका दिल काला का काला तो नहीं रहता? आशा है 'हृदय परिवर्तन' करने वाले मुझे इस तजुबे में सहयोग देंगे.

यह सरकारी सहायता के ठीक नहीं पाना. 12 अप्रैल 1954 के हरिजन में विनोबा जी का मनी बहन पटेल के नाम एक पत्र छपा है. उसमें लिखा है: "कोशिश की जा रही है कि दस्तावेजी कार्रवाई और दाखिल खारिज बिना टिकट और रजिस्ट्री खर्चों के पूरी हो सके". सरकारों से प्रार्थना की जायगी कि वह इस सम्बन्ध में जरूरी कानून और नियम बना दें." यही नहीं, उसी पत्र में आगे लिखा है: "हैदराबाद में सरकार के सहयोग से ज़मीन के बटवारे का काम शुरू कर दिया गया है. इसका नतीजा यह है कि भूदान वाले अब जिन जिन गांवों में जाते हैं वहां और अधिक ज़मीन दान में मिलती है." इस जगह यह बात समझ में नहीं आती कि दान में बढ़ती का श्रेय सरकार के सहयोग का है या ज़मीन के बटवारे का? चाहिए है भूदान को सरकार की मदद जरूरी है, न सिर्फ़ असर डालने के लिये बल्कि कानून बना कर भूदान को कायम करने के लिये भी. फिर यह "हृदय परिवर्तन" कैसा है?

यहां एक सवाल और खड़ा हो जाता है. वह यह है कि क्या बिना राजसत्ता को हाथ में लिये दूसरे आर्थिक और सामाजिक संस्थाओं का सुधार किया जा सकता है? इस पर भी बहुत सोचना है. सर्वोदय के नेता राजसत्ता के बिना दूसरी संस्थाओं का सुधार सम्भव समझते हैं. उनका कहना है कि दूसरी संस्थाओं के सुधार के बाद राजकाजी ताकतें खुद सुधार जायगी. लेकिन व्योहार में हम दूसरी बात देखते हैं. सर्वोदय ने भूदान से ज़मीन की समस्या हल करनी चाही, लेकिन सारे व्यौरों से पता चलता है कि भूदान की जो कुछ भी सफलता है वह सरकारी सहयोग के कारन है. अगर यह बात न होती और राजसत्ता के बग़ैर ज़मीन सुधार हो सकता तो विनोबा जी सरकार से कानून और नियम बनाने की प्रार्थना क्यों करते? होना तो यह चाहिये था कि सुधार हो जाता और सरकार मजबूरन उसे मान लेती. भूदान में मिली ज़मीन के आंकड़ों से भी उलटी बात सिद्ध होती है. जहां जहां कांग्रेस सरकारें बहुत मजबूत हैं वहीं वहीं भूदान में ज़मीन ज्यादा मिली है और वहीं भूदान ज्यादा मजबूत है. यह भी ध्यान देने की बात है.

इंधों को अनशन करके समाप्त नहीं करा पाये। समय के झलावा परिस्थिति भी ज़रूरी है। मेवात में परिस्थिति दूसरी थी, इसलिये बिनोबा जी मेवातियों को ज़मीन न दिला सके, लेकिन तिलगाना में जा कर वहाँ बहुत सी ज़मीन मिल गई। बिनोबा जी वही थे, समय वही था, लोगों के हृदय भी वही थे, केवल परिस्थिति बदली हुई थी। इस तरह से हम देखते हैं कि व्यक्ति, समय और परिस्थिति तीनों हृदय परिवर्तन के तिये ज़रूरी हैं। परिस्थिति पर समय और व्यक्ति दोनों निर्भर करते हैं। इस तरह परिस्थिति प्रधान है।

जब परिस्थिति प्रधान है तो हृदय परिवर्तन से पहले उचित परिस्थिति का होना जरूरी है। विनोबा जी के बारे में तो मैं नहीं कह सकती, लेकिन उनके अच्छे काम करने वाले इस सच्चाई को जानते हैं। इसीलिये अपनी कामयाबी के लिये वह परिस्थिति तैय्यार करते हैं। दान देने वाले दो हैं। दोनों को अलग अलग ढंग से दान के लिये तैयार किया जाता है। जमींदार के पास जमीन है और किसान की ताकत को भी अब वह महत्व देने लगा है। जमींदारों के दिमाग में भी यह बात बैठ गई है कि किसान ज़मीन पर क़ब्ज़ा करके ही रहेगा। किसान ज़मींदार का जो फ़गड़वा होगा उसके नतीजे से ज़मींदार को लुहार आता है। इस मनोविज्ञान से भूदान के नेता फायदा उठाते हैं। वह जगह जगह पर खून खराबे और लूट मार के क्रिस्से सुनाते हैं। मुसलमान मौलवी नूह के तूफ़ान से डराता है और विनोबा जी के पन्डे कम्युनिस्टों की बरबादी से डराते हैं और उसे यह अश्वासन देते हैं कि अगर वह अपनी ज़मीन का कुछ हिस्सा भूदान में दे दे तो किसानों के गुस्से को शान्त किया जा सकेगा और वह खून खराबे से बच जायगा। एक तरफ ज़मींदार देखता है कि सब कुछ जा रहा है और दूसरी तरफ बहुत कुछ बच जाने की उसे उम्मीद मालूम होती है। इसलिये वह दान देता है। इसे “हृदय परिवर्तन” कैसे कहूं, मेरी समझ में नहीं आता।

दूसरी तरह के दानी किसान हैं। किसानों से धर्म के नाम पर बपील की जाती है, भूदान के सारे परिभाषिक शब्दों को देख लीजिये। सब ऊपर की बात को साबित करते हैं। ज़मीन तो क्या, धर्म पर हमारा किसान जान भी दे सकता है। कोई माने या न माने लेकिन यह बात बिल्कुल ऐसी ही है कि जैसे ग़राब पिताकर किसी को लूट लिया जाय। इस तरह परिस्थिति पैदा होती है, पर ढाका भी पड़ता है। नशे की बातों को “हृदय परिवर्तन” नहीं कहा जा सकता।

हृदय परिवर्तन के बाद उपरी कन्ट्रोल की जरूरत नहीं रहती, लेकिन आश्चर्य है कि भ्रूशानी हृदय परिवर्तन

دنکوں کو اُنھن کر کے صحابیت نہیں کرا پائی۔ سب سے بڑا فرقہ پرستی بھی ضروری ہے۔ مہوات میں پرستہتی دوسری تھی، اس لئے رنہا جی مہواتوں کو زمین نہ ملا سکے، لیکن للکاتہ میں جا کر اُنھیں بہت سی زمین مل گئی۔ رنہا جی وہی تھے، سب وہی تھے، نوکوں کے ہرے بھی وہی تھے، کھول پرستہتی بدلی ہوئی تھی۔ اِس طرح سے ہم دیکھتے ہوں کہ رنہا جی، سب اور پرستہتی تھیں ہرے پیرورتن کے لئے ضروری ہوں۔ پرستہتی ہر سے اور رنہا جی دونوں نہاد کرتے ہوں۔ اِس طرح پرستہتی پردہاں ہے۔

جب پرسکوئی پردھان ہے تو ”ہردے پرہورتن“ سے پہلے اُچت پرہتہئی کا ہرنا ضروری ہے۔ ونوبا جی کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتی، اُن کے اچھے کام کرنے والے اُس سچائی کو جانتے ہوں۔ اسی لئے اپنی کامیابی کے لئے وہ پرسکوئی تمنا کرتے ہوں، اُن دیکھے والے دو ہوں۔ دونوں کو الگ الگ ڈھنگ سے دان کے لئے تمنا کیا جاتا ہے۔ زہمدار کے پاس زمون ہے اور کسان کی طاقت کو بھی اب وہ سہتو دیکھے لگا ہے۔ زہمداروں کے سامنے میں بھی یہ بات ہیتم کئی ہے کہ کسان زمین پر کھسے کر کے ہی دھکا۔ کسان زہمدار کا جو چھکڑا ہوا اُس کے نتیجے سے زہمدار کو بھڑا انا ہے۔ اِس مقدور کسان سے بہودان کے نیچا فائدہ اُٹھاتے ہوں۔ وہ جگہ جگہ پر خون خرابے اور لوٹسار کے قصے سناتے ہوں۔ مسلمان نرولی نوح کے طوفان سے قبرانا ہے اور ونوبا جی کے پھٹے کھونستوں کی بہادری سے قراتے ہوں اور اُسے یہ اشواہن دیتے ہوں کہ اگر وہ اپنی زمین کا کچھ حصہ بہودان میں دے دے تو کسانوں کے قصے کو شانت کیا جاسکے گا اور وہ خون خرابے سے بچ جائے گا۔ ایک طرف زہمدار دیکھتا ہے کہ صپ کچھ جا رہا ہے اور دوسری طرف بہت کچھ بچ جانے کی آہ اُٹھد معلوم ہوتی ہے۔ اِس لئے وہ دان دیتا ہے۔ اِسے ”ہردے پرہورتن“ کہتے ہیں، سوری مسخہ میں نہیں آتا۔

دوسری طرح کے ذاتی کسان ہیں۔ کسانوں سے دھرم کے نام پر ایفل کی جاتی ہے۔ بھودان کے سارے پارہ بھاشک شیڈوں کو دیکھ لیجئے۔ سب اوپر کی بات کو ثابت کرتے ہیں۔ زمین تو کہا، دھرم پر ہمارا کسان جان بھی دے سکتا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ بات بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے شراب پیلا کر کسی کو لوٹ لیا جائے۔ اس طرح پرستھ کی پیداوار ہونی ہے، پر آقا بھی پڑتا ہے۔ نہ کہ کی باتوں کو ”ہر دے پر پورتن“ نہیں لہا جاسکتا۔

”ہردے پروردن“ کے بعد آپری کنٹرول کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بھونائی ہردے پروردن

सहन हो सका, बाद में डिप्टी साहब ने उन्हें मना किया, लेकिन वह नहीं माने. यहां तक कि गाली गलौज की नौबत पड़च गई. जमींदार साहब फिर भी नहीं माने. डिप्टी साहब गाली दे दे कर हार गये. अन्त में उन्होंने जमींदार से पूछा कि मैं इतनी गाली देता हूँ, आपकी बेइज्जती करता हूँ, फिर आप क्यों आते हैं. उन्होंने कहा जनाब आप गाली आकेले में देते हैं और गाली मुझे लगती नहीं. लेकिन आपके दर्शन से मुझे बहुत फायदा होता है. जब आपकी गाली खाकर मैं वापस जाता हूँ तो गांव के भोले लोग यह नहीं समझते कि आप मुझे गाली देते हैं. वह मुझे और आपको गहरा दोस्त समझते हैं और इसलिये मेरा रोष मानते हैं. सच पूछिये तो इसी गाली के बदौलत मैं अपने इलाके में राज करता हूँ.

यही क्रिस्ता विनोबाजी के साथ भी है. वह कांग्रेस के खिलाफ बोलते रहें, मन्त्रियों को गाली देते रहें, लेकिन मन्त्री और अफसरों को जब लोग विनोबा जी के साथ देखते हैं तो राजसत्ता के असर को स्वीकार करते हैं और राजपुरोहित समझकर विनोबा जी की भक्ति करते हैं. इस तरह हम देखते हैं कि "हृदय परिवर्तन" का असर कम और राजसत्ता का असर ज्यादा भ्रान्त के पीछे काम करता है.

भूदान वालों का कहना है कि वह "हृदय परिवर्तन" से जमीन लेते हैं. यह "हृदय परिवर्तन" है क्या? कुछ लोग यह मानते हैं कि यह एक जादू है, एक चमत्कार है. कुछ लोग यह मानते हैं कि भावनाओं पर हमला करके मनुष्य को अपनी इच्छा के खिलाफ काम करने पर मजबूर किया जाता है. लेकिन मैं मानती हूँ कि हृदय परिवर्तन एक प्रक्रिया है और उसका एक विज्ञान भी है. मैं यह भी मानती हूँ कि कोई भी आदर्श बिना "हृदय परिवर्तन" के हासिल नहीं किया जा सकता. नाम चाहे जो दे लीजिये लेकिन काम वही रहता है. सर्वोदयी हृदय परिवर्तन करता है, कम्युनिस्ट ऐजुकेट करता है. पर प्रक्रिया दोनों एक हैं. जो भी साधन चाहे अखितयार किया जाय, आजीर में इस साधन का तो सहारा लेना ही पड़ता है.

जब यह विज्ञान है तो हमें यह जानना चाहिये कि वह विज्ञान क्या है? वह विज्ञान यह है: हृदय परिवर्तन के लिये व्यक्ति, समय और परिस्थिति का होना जरूरी है. अनशन से हृदय परिवर्तन होता है, लेकिन हर एक के अनशन से नहीं. यह क्यों? क्योंकि उचित व्यक्ति की जरूरत है. उचित व्यक्ति मिल जाने पर भी उचित समय का होना भी जरूरी है. गांधी जी अनशन के लिये उचित व्यक्ति थे, अनशन करके कलकत्ता के दंगे उन्होंने खतम करा दिये. लेकिन वही गांधी जी दूसरे समय दिल्ली के

सेन होसका, बाद में डिप्टी साहब ने उन्हें मना किया, लेकिन वह नहीं माने. यहां तक कि गाली गलौज की नौबत पड़च गयी. जमींदार साहब फिर भी नहीं माने. डिप्टी साहब गाली दे दे कर हार गये. अन्त में उन्होंने जमींदार से पूछा कि मैं इतनी गाली देता हूँ, आपकी बेइज्जती करता हूँ, फिर आप क्यों आते हैं. उन्होंने कहा जनाब आप गाली आकेले में देते हैं और गाली मुझे लगती नहीं. लेकिन आपके दर्शन से मुझे बहुत फायदा होता है. जब आपकी गाली खाकर मैं वापस जाता हूँ तो गांव के भोले लोग यह नहीं समझते कि आप मुझे गाली देते हैं. वह मुझे और आपको गहरा दोस्त समझते हैं और इसलिये मेरा रोष मानते हैं. सच पूछिये तो इसी गाली के बदौलत मैं अपने इलाके में राज करता हूँ.

यही क्रिस्ता विनोबाजी के साथ भी है. वह कांग्रेस के खिलाफ बोलते रहें, मन्त्रियों को गाली देते रहें, लेकिन मन्त्री और अफसरों को जब लोग विनोबा जी के साथ देखते हैं तो राजसत्ता के असर को स्वीकार करते हैं और राजपुरोहित समझकर विनोबा जी की भक्ति करते हैं. इस तरह हम देखते हैं कि "हृदय परिवर्तन" का असर कम और राजसत्ता का असर ज्यादा भ्रान्त के पीछे काम करता है.

भूदान वालों का कहना है कि वह "हृदय परिवर्तन" से जमीन लेते हैं. यह "हृदय परिवर्तन" है क्या? कुछ लोग यह मानते हैं कि यह एक जादू है, एक चमत्कार है. कुछ लोग यह मानते हैं कि भावनाओं पर हमला करके मनुष्य को अपनी इच्छा के खिलाफ काम करने पर मजबूर किया जाता है. लेकिन मैं मानती हूँ कि हृदय परिवर्तन एक प्रक्रिया है और उसका एक विज्ञान भी है. मैं यह भी मानती हूँ कि कोई भी आदर्श बिना "हृदय परिवर्तन" के हासिल नहीं किया जा सकता. नाम चाहे जो दे लीजिये लेकिन काम वही रहता है. सर्वोदयी हृदय परिवर्तन करता है, कम्युनिस्ट ऐजुकेट करता है. पर प्रक्रिया दोनों एक हैं. जो भी साधन चाहे अखितयार किया जाय, आजीर में इस साधन का तो सहारा लेना ही पड़ता है.

जब यह विज्ञान है तो हमें यह जानना चाहिये कि वह विज्ञान क्या है? वह विज्ञान यह है: हृदय परिवर्तन के लिये व्यक्ति, समय और परिस्थिति का होना जरूरी है. अनशन से हृदय परिवर्तन होता है, लेकिन हर एक के अनशन से नहीं. यह क्यों? क्योंकि उचित व्यक्ति की जरूरत है. उचित व्यक्ति मिल जाने पर भी उचित समय का होना भी जरूरी है. गांधी जी अनशन के लिये उचित व्यक्ति थे, अनशन करके कलकत्ता के दंगे उन्होंने खतम करा दिये. लेकिन वही गांधी जी दूसरे समय दिल्ली के

کسے ورمیہ کی مایہ کی بزمکامہ جی وینوہا جی کے ساتھ ہڈے رہے۔ وچے کرسٹم کے کھڈے سے بھی لوگ ہیں بھوان کو بچوہار کا ساہن بنا لیا ہے۔ اسسے بیکہلا جی کی کھڈے پرکاشن سنسٹہاٹوں آتی ہں اور کچھ لوکھک آتے ہیں جن کی کتابیں بھوان سنسٹہاٹوں بھجوتی ہیں۔ بھوان بھوانوں سے سنسٹہاٹوں کے سہ کھا اہمڈ کی جاسکتی ہے؟

جب بھی کوہے بھوان پر پتراسہ کرتا ہے تو اسے بزمیہ پدا لکھا اور پشیمی ویاہار واراہوں کا ماننے والا کھا جاتا ہے۔ یہ خود بہت ہی کمزوری ہے۔ دہل کی کسی ہمشہ این ہالوں پر آتے پر مسجور کرتی ہے۔ پوے لکھ لوگ ہر چوڑ کو مسجور سرتہن کرتے ہیں۔ جب بھوان کی کمزوریوں کو وہ دیکھتے ہیں اور تھوک جواب نہیں پاتے ہیں تو اسے ایسا سہوگ نہیں دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بدھی چوہی بھوان سے الگ ہیں۔ یہی نہیں جانتے پرکھ گاندھی وادی نہتہا بھی اس سے الگ ہیں۔ ان میں ڈانٹر جی۔ سی۔ کمارپا مہرا بہن ایسے دیکھتی ہیں شامل ہیں۔

ہر کام کرنے کے ساہن بھی شڈھ ہونے چاہیے۔ بھوان کے سہوگیوں کی شڈھتا پر ہمیں شک ہے۔ آچارچ نرندھ دھ نے ٹیکہ کھا ہے کہ بھوان میں بزمیہ ہر اور بزمیہ بھوانوں کو ہستہمال کرکے لیا گیا ہے۔ وینوہا جی کا جو پرچار سرکار کرتی ہے کھا وہ اسلئے کرتی ہے کہ وینوہا جی اسکو اکھاڑ دیکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پرچار کا یہ ساہن بھوان کے لئے شڈھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کھا جا سکتا ہے کہ سرکار پرچار کرتی ہے، اسے وینوہا جی کسے روک سکتے ہیں؟ وہ روکوں یا نہ روکوں لیکن یہ وہ ساہن ہے جس سے اثر ہوتا کھا جاتا ہے اور اسی اثر سے قدر ہوتا ہوتا ہے اور قدر سے وینوہا جی کو بزمیہ ملتی ہے۔ مہرے وچار میں اس ساہن کا اہوگ اچت نہیں ہے۔

وینوہا جی کے ساتھ ملتی چلتے ہیں۔ سنا اثر ہے وہ بزمیہ دلاتے ہیں۔ انہیں کے آدیش سے سرکاری اسر وینوہا جی کی نوکری بجاتے ہیں۔ ان کی نوکری بجانا بہت سے لوگوں کا ”ہر دھ پرورتی“ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس بات کو صاف کرنے کے لئے ہر دھ پرورتی ہے کہ میں وہ قصہ لکھ دوں جو ایک مہرے نے مجھے بتایا۔ وہ مہرے چٹکی کلکتہ تھے۔ اچے علاقے میں دورے پر جاپا کرتے تھے۔ جب وہ دورے پر چلتے تھے تو ایک کالہ بد شل زمہندار بھی ان کے ساتھ چلتے تھے۔ دونوں کے خیمے آملے سامنے ہوتے تھے، لیکن بچے کا فاصلہ قریب دو تھیں فرلانگ ہوتا تھا۔ روز صبح زمہندار سہوڈے چٹکی صاحب کے درشن کو آتے تھے۔ دو ایک دفعہ ان کا آنا

جب بھی کوہے بھوان پر پتراسہ کرتا ہے تو اسے بزمیہ پدا لکھا اور پشیمی ویاہار واراہوں کا ماننے والا کھا جاتا ہے۔ یہ خود بہت ہی کمزوری ہے۔ دہل کی کسی ہمشہ این ہالوں پر آتے پر مسجور کرتی ہے۔ پوے لکھ لوگ ہر چوڑ کو مسجور سرتہن کرتے ہیں۔ جب بھوان کی کمزوریوں کو وہ دیکھتے ہیں اور تھوک جواب نہیں پاتے ہیں تو اسے ایسا سہوگ نہیں دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے بدھی چوہی بھوان سے الگ ہیں۔ یہی نہیں جانتے پرکھ گاندھی وادی نہتہا بھی اس سے الگ ہیں۔ ان میں ڈانٹر جی۔ سی۔ کمارپا مہرا بہن ایسے دیکھتی ہیں شامل ہیں۔

ہر کام کرنے کے ساہن بھی شڈھ ہونے چاہیے۔ بھوان کے سہوگیوں کی شڈھتا پر ہمیں شک ہے۔ آچارچ نرندھ دھ نے ٹیکہ کھا ہے کہ بھوان میں بزمیہ ہر اور بزمیہ بھوانوں کو ہستہمال کرکے لیا گیا ہے۔ وینوہا جی کا جو پرچار سرکار کرتی ہے کھا وہ اسلئے کرتی ہے کہ وینوہا جی اسکو اکھاڑ دیکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ پرچار کا یہ ساہن بھوان کے لئے شڈھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کھا جا سکتا ہے کہ سرکار پرچار کرتی ہے، اسے وینوہا جی کسے روک سکتے ہیں؟ وہ روکوں یا نہ روکوں لیکن یہ وہ ساہن ہے جس سے اثر ہوتا کھا جاتا ہے اور اسی اثر سے قدر ہوتا ہوتا ہے اور قدر سے وینوہا جی کو بزمیہ ملتی ہے۔ مہرے وچار میں اس ساہن کا اہوگ اچت نہیں ہے۔

وینوہا جی کے ساتھ ملتی چلتے ہیں۔ سنا اثر ہے وہ بزمیہ دلاتے ہیں۔ انہیں کے آدیش سے سرکاری اسر وینوہا جی کی نوکری بجاتے ہیں۔ ان کی نوکری بجانا بہت سے لوگوں کا ”ہر دھ پرورتی“ کرنے کے لئے کافی ہے۔ اس بات کو صاف کرنے کے لئے ہر دھ پرورتی ہے کہ میں وہ قصہ لکھ دوں جو ایک مہرے نے مجھے بتایا۔ وہ مہرے چٹکی کلکتہ تھے۔ اچے علاقے میں دورے پر جاپا کرتے تھے۔ جب وہ دورے پر چلتے تھے تو ایک کالہ بد شل زمہندار بھی ان کے ساتھ چلتے تھے۔ دونوں کے خیمے آملے سامنے ہوتے تھے، لیکن بچے کا فاصلہ قریب دو تھیں فرلانگ ہوتا تھا۔ روز صبح زمہندار سہوڈے چٹکی صاحب کے درشن کو آتے تھے۔ دو ایک دفعہ ان کا آنا

پر یا آجکل کی کانگریس پر گاندھی جی کا کوئی رنگ دکھائی نہیں پوتا تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ جہاں گاندھی جی ہار لگے کہا وہاں ونوبا جی جیت چاہتے تھے؟ جن شکستوں کا سہارا لے کر گاندھی جی سرورڈے قائم نہ کر سکے کہا ان کا سہارا لے کر ونوبا جی جیت کا سہارا باندھ سکیں گے؟

ونوبا جی انقلب لانا چاہتے ہیں، اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پر ونوبا جی کھول کمانڈر ہیں۔ ان کے پیچھے ہم سے لگاتار ہفت ہفتے ہیں۔ وہی لوگ جلتا کے ہوجاؤں میں کام کرتے ہیں۔ تھکے تھے وہ ونوبا جی کے نام پر کام کرتے ہیں۔ لیکن کل اگر جلتا کو غلط سلط ہاتھوں ونوبا جی کے نام پر بھائی جانے لگے تو اسے وہ یقین کر لیں گے۔ کمانڈر ہالہسی طے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، پر اس حکم اور ہالہسی پر عمل لگاتار ہفتے کرتے ہیں۔ کہا ونوبا جی کے آجکل کے لگاتار ہفتوں پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ کہا اس بات کا رشواہی ہے کہ یہ لگاتار ہفتے اپنی سیٹا اسی قدرے پر چلائے کہ جس پر چلنے کے لئے ونوبا جی انہیں آدھیں دینگے؟ مہرا وچار ہے کہ اگر کسی کو اس بات کا رشواہی ہے تو اسے ان دیکھوں کے بارے میں کچھ کم جانکاری ہے۔ یہ لوگ ونوبا جی کا ساتھ نہیں دینگے اور ونوبا جی کو بس یہی کہہ کر تسلی کرنی پڑے گی کہ کہا کروں، انہوں لوگوں سے تو کام لیتا ہے! اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سادھن رپڑ میں بھی بھودان کا گلاب نہیں ہوتا۔

اوپر جو بات ہم نے کہی ہے اس کے ثبوت میں ہم کچھ لکھنا پڑے گا۔ لیکن ایک لکھ میں سب باتوں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے تھوڑا سا ذکر ان دیکھوں کا ہوسکتا جو ونوبا جی کے خاص اختیارات ہیں۔ نمبر ایک کانگریسی سرکار اور کانگریس کمیٹیاں۔ نمبر دو۔ کچھ ایسویکٹی جو کانگریس سے ملدے ہوئے ہیں اور ونوبا جی کے ساتھ ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو دوسری پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ونوبا جی کے ساتھ ہیں۔ کانگریس سرکار اور کانگریس کمیٹیاں ونوبا جی کا ساتھ دینگے یہ ایک بہم ہے۔ دوسرے طرح کے لگاتار ہفتوں میں باہا راگہو داس ایسویکٹی لوگ ہیں۔ باہا جی کے بارے میں سرورڈے کھڑی نکل رہی ہے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ ان کے چارٹر پر مجھے روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ آج کے وقت پر ونوبا جی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ تیسرے قسم کے دیکھوں میں باہو چھ پڑاؤں نرائن آتے ہیں۔ ان کی قتل مل پتیلی بہت ہی مشہور ہو چکی ہے۔ ایک پارٹی سے یہ ملدے ہیں جو سرورڈے کی اسٹورٹ کو نہیں مانتی۔ پارٹی کا یہ ابھی تک کام بھی کرتے ہیں۔ ۱۹۲۰

ونوبا جی انقلب لانا چاہتے ہیں، اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پر ونوبا جی کھول کمانڈر ہیں۔ ان کے پیچھے ہم سے لگاتار ہفت ہفتے ہیں۔ وہی لوگ جلتا کے ہوجاؤں میں کام کرتے ہیں۔ تھکے تھے وہ ونوبا جی کے نام پر کام کرتے ہیں۔ لیکن کل اگر جلتا کو غلط سلط ہاتھوں ونوبا جی کے نام پر بھائی جانے لگے تو اسے وہ یقین کر لیں گے۔ کمانڈر ہالہسی طے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، پر اس حکم اور ہالہسی پر عمل لگاتار ہفتے کرتے ہیں۔ کہا ونوبا جی کے آجکل کے لگاتار ہفتوں پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ کہا اس بات کا رشواہی ہے کہ یہ لگاتار ہفتے اپنی سیٹا اسی قدرے پر چلائے کہ جس پر چلنے کے لئے ونوبا جی انہیں آدھیں دینگے؟ مہرا وچار ہے کہ اگر کسی کو اس بات کا رشواہی ہے تو اسے ان دیکھوں کے بارے میں کچھ کم جانکاری ہے۔ یہ لوگ ونوبا جی کا ساتھ نہیں دینگے اور ونوبا جی کو بس یہی کہہ کر تسلی کرنی پڑے گی کہ کہا کروں، انہوں لوگوں سے تو کام لیتا ہے! اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سادھن رپڑ میں بھی بھودان کا گلاب نہیں ہوتا۔

ونوبا جی انقلب لانا چاہتے ہیں، اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ پر ونوبا جی کھول کمانڈر ہیں۔ ان کے پیچھے ہم سے لگاتار ہفت ہفتے ہیں۔ وہی لوگ جلتا کے ہوجاؤں میں کام کرتے ہیں۔ تھکے تھے وہ ونوبا جی کے نام پر کام کرتے ہیں۔ لیکن کل اگر جلتا کو غلط سلط ہاتھوں ونوبا جی کے نام پر بھائی جانے لگے تو اسے وہ یقین کر لیں گے۔ کمانڈر ہالہسی طے کرتا ہے اور حکم دیتا ہے، پر اس حکم اور ہالہسی پر عمل لگاتار ہفتے کرتے ہیں۔ کہا ونوبا جی کے آجکل کے لگاتار ہفتوں پر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ کہا اس بات کا رشواہی ہے کہ یہ لگاتار ہفتے اپنی سیٹا اسی قدرے پر چلائے کہ جس پر چلنے کے لئے ونوبا جی انہیں آدھیں دینگے؟ مہرا وچار ہے کہ اگر کسی کو اس بات کا رشواہی ہے تو اسے ان دیکھوں کے بارے میں کچھ کم جانکاری ہے۔ یہ لوگ ونوبا جی کا ساتھ نہیں دینگے اور ونوبا جی کو بس یہی کہہ کر تسلی کرنی پڑے گی کہ کہا کروں، انہوں لوگوں سے تو کام لیتا ہے! اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سادھن رپڑ میں بھی بھودان کا گلاب نہیں ہوتا۔

اوپر جو بات ہم نے کہی ہے اس کے ثبوت میں ہم کچھ لکھنا پڑے گا۔ لیکن ایک لکھ میں سب باتوں نہیں آ سکتیں۔ اس لئے تھوڑا سا ذکر ان دیکھوں کا ہوسکتا جو ونوبا جی کے خاص اختیارات ہیں۔ نمبر ایک کانگریسی سرکار اور کانگریس کمیٹیاں۔ نمبر دو۔ کچھ ایسویکٹی جو کانگریس سے ملدے ہوئے ہیں اور ونوبا جی کے ساتھ ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو دوسری پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ونوبا جی کے ساتھ ہیں۔ کانگریس سرکار اور کانگریس کمیٹیاں ونوبا جی کا ساتھ دینگے یہ ایک بہم ہے۔ دوسرے طرح کے لگاتار ہفتوں میں باہا راگہو داس ایسویکٹی لوگ ہیں۔ باہا جی کے بارے میں سرورڈے کھڑی نکل رہی ہے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ ان کے چارٹر پر مجھے روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ آج کے وقت پر ونوبا جی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ تیسرے قسم کے دیکھوں میں باہو چھ پڑاؤں نرائن آتے ہیں۔ ان کی قتل مل پتیلی بہت ہی مشہور ہو چکی ہے۔ ایک پارٹی سے یہ ملدے ہیں جو سرورڈے کی اسٹورٹ کو نہیں مانتی۔ پارٹی کا یہ ابھی تک کام بھی کرتے ہیں۔ ۱۹۲۰

बादा कि वह धर्म कमन्डल लेकर जनता को आने वाले युगों की तरक्की का सपना दिखाते रहें और जनता में बढ़ती बेचैनी को भगवान का वास्ता दे देकर शान्त रखें. राजपुरोहित जब दिल्ली पधारे तो उनका शानदार स्वागत हुआ. स्वर्गीय पटेल और पण्डित नेहरू के साथ विनोबा जी की तस्वीरें लिचीं. विनोबा जी सरकारी दफ्तरों में भी घूमें और बापू के बाद नायब बापू का दर्जा उन्हें प्रदान कर दिया गया. उनका काम था सरकारी कामों को आशीर्वाद देना, दिन भर चर्खा कातना और शाम को परवचन और प्रार्थना करना. कितने दिन तक वह काम चलता रहा करा कहना कठिन है. बस इतना समझ लीजिये कि जब विनोबा जी ने मेवातियों को जमीन दिखाने पर जोर दिया और स्वर्गीय पटेल की पाखिसी के खिलाफ दो बार दफा वह बोले बस उनका कमा कट गया. इस वक़्त पूरे साधन मेरे पास नहीं हैं जो मैं सरदार पटेल के शब्द भी नक़ल कर सकूँ. लेकिन वह शब्द इतने कड़े थे कि विनोबा जी तुरन्त दिल्ली से वर्षा चले आये. यह ठीक है कि उनके चले मेवात में काम करते रहे लेकिन मुझे खूद तजुर्बा है कि सरकार से निपटने के लिये बार बार विनोबा जी को दिल्ली बुलाया गया, लोग उनसे मिलने वर्षा गये, लेकिन वह दिल्ली नहीं आये. सरकार उसका समर्थन करती है जिसका उपयोग उचित समझती है.

हम विनोबा जी की नेक नीयती में शक नहीं कर सकते. लेकिन इसमें भी विश्वास नहीं कर सकते कि भूदान के समर्थन में कांग्रेस नेकनीयत है. यहां पर यह कहा जा सकता है कि काम विनोबा जी का है, समर्थन जिसका जी चाहे करे. यह भी एक नुक़ता है जो अपनी बुद्धि में नहीं आता. विनोबा जी कांग्रेस से क्यादा चालाक नहीं हैं. सवाल यह चालाकी का है. जाहिर बात है कि विनोबा जी हार जायेंगे. कांग्रेस को अगर यह उम्मीद हो कि वह हार जायगी तो वह समर्थन ही न करे. लोग यह भी कहते हैं कि समय आने पर ही इस बात का फैसला होगा. लेकिन पानी में कूदने से पहले गहराई का अन्दाज़ा कर लेना जरूरी है !

यह भी मान लिया कि विनोबा जी कांग्रेस को हल लेंगे, कांग्रेस से मुद्द भी लेंगे और कांग्रेस को ख़तम भी कर देंगे. इस पर मैं ने बहुत सोचा, गांधी जी के भी तजुर्बे की पढ़ा और सुना. आख़िर दिनों में गांधी जी की जो हासत हो गई थी वह किसी से छिपी नहीं है. गांधी जी विनोबा जी के गुरु थे और उनसे कहीं क्यादा तारतम्य थे. पर जिन लोगों का साथ उन्होंने किया उन्होंने गांधी जी की क़दम क़दम पर फ़ुकाया. इसलिये जब भारत सरकार

चाहा कि वह धर्म कमन्डल ले कर जेल जा ले और जेल में बंद हो जायें तो विनोबा जी ने जेल जाने से इंकार कर दिया. राज प्रोवेंट जब दली पदहार्ये तो उन का शानदार स्वागत हो. सर्वोदय पंचल और पण्डित नेहरू के साथे रनोबा जी की तस्वीरें केहेदल. रनोबा जी सरकारी दफ्तरों में भी लोवें और बापू के भेद नायब बापू का दर्जे अनेहें प्रोदान कर दिया. उन का काम तथा सरकारी कामों को आश्वि दिया. दिन भर चोखे लाता और शाम को प्रोवचन और प्रार्थना करना. कितने दिन तक काम चलता रहा फरा केहेल लेंहन है. इस अला समजे लेंहन के जब रनोबा जी ने मेवातियों को जमीन दिखाने पर जोर दिया और सर्वोदय पंचल की पाखिसी के खिलाफ दो बार दफा वह बोले बस उन का कमा कट गया. इस वक़्त पूरे साधन मेरे पास नहीं हैं जो मैं सरदार पटेल के शब्द भी नक़ल कर सकूँ. लेकिन वह शब्द इतने कड़े थे कि विनोबा जी तुरन्त दिल्ली से वर्षा चले आये. यह ठीक है कि उनके चले मेवात में काम करते रहे लेकिन मुझे खूद तजुर्बा है कि सरकार से निपटने के लिये बार बार विनोबा जी को दिल्ली बुलाया गया, लोग उनसे मिलने वर्षा गये, लेकिन वह दिल्ली नहीं आये. सरकार उसका समर्थन करती है जिसका उपयोग उचित समझती है.

हम रनोबा जी की नेक नीयती में शक नहीं कर सकते. लेकिन इसमें भी विश्वास नहीं कर सकते कि भूदान के समर्थन में कांग्रेस नेकनीयत है. यहां पर यह कहा जा सकता है कि काम विनोबा जी का है, समर्थन जिसका जी चाहे करे. यह भी एक नुक़ता है जो अपनी बुद्धि में नहीं आता. विनोबा जी कांग्रेस से क्यादा चालाक नहीं हैं. सवाल यह चालाकी का है. जाहिर बात है कि विनोबा जी हार जायेंगे. कांग्रेस को अगर यह उम्मीद हो कि वह हार जायगी तो वह समर्थन ही न करे. लोग यह भी कहते हैं कि समय आने पर ही इस बात का फैसला होगा. लेकिन पानी में कूदने से पहले गहराई का अन्दाज़ा कर लेना जरूरी है !

यह भी मान लिया कि विनोबा जी कांग्रेस को हल लेंगे, कांग्रेस से मुद्द भी लेंगे और कांग्रेस को ख़तम भी कर देंगे. इस पर मैं ने बहुत सोचा, गांधी जी के भी तजुर्बे की पढ़ा और सुना. आख़िर दिनों में गांधी जी की जो हासत हो गई थी वह किसी से छिपी नहीं है. गांधी जी विनोबा जी के गुरु थे और उनसे कहीं क्यादा तारतम्य थे. पर जिन लोगों का साथ उन्होंने किया उन्होंने गांधी जी की क़दम क़दम पर फ़ुकाया. इसलिये जब भारत सरकार

के ऊपर बेहद खीर देता है, व्यक्ति को ठीक करके ही वह सर्वोदय खाना चाहता है, इस तरह व्यक्ति प्रधान हुआ, यही बात मेरी समझ में नहीं आती कि व्यक्ति प्रधान है या भगवान ?

इस दार्शनिक बहस को हम छोड़कर सर्वोदय के अमली रूप पर आते हैं, इसका अमली रूप भूदान है, इसके इतिहास में हम बाद में जायेंगे, पहले यह तय कर लें कि भूदान है क्या ? शुरू शुरू में भूदान का मतलब था भारत की भूमि समस्या का हल, अब कहा जाता है कि सर्वोदय खाने का साधन, पहले इस पर विचार कर लें कि भूदान भारत की भूमि समस्या को हल कर सकता है या नहीं, इस पर ज्यादा सोच विचार करने की जरूरत नहीं है, क्योंकि भूदान के नेता भी आज यह मानने लगे हैं कि भूदान से भूमि समस्या का हल नहीं होने का, आचार्य नरेन्द्र देव और मीरा बहन के बहुत से ऐतराज यहां खत्म हो जाते हैं, भूदान अपना दावा छोड़ देता है और अपने को साध्य के बजाय साधन फ़रार देता है,

अब भूदान को साधन रूप में देखना होगा, भूदान के नेताओं का कहना है कि जनता में जागरण पैदा करके नया समाज बनाना है, उनका कहना यह भी है कि भूदान से सिर्फ़ वही लोग हमदर्दी दिखा सकते हैं जो आजकल के शासन को सुधार के नाकाबिल मानते हैं और जिन पर यह बात अच्छी तरह बाहिर हो गई हो कि यह सरकार आने वाले जमाने का कामयाबी के साथ सामना नहीं कर सकती और इसका हटाया जाना ही निहायत जरूरी है, हमें देखना यह पड़ेगा कि भूदान ने अब तक किस हद तक जनता को जगाया है और भूदान के समर्थक कौन हैं ? पहले भूदान के समर्थकों का ले लें, भूदान के समर्थक कांग्रेसी मन्त्री और उनके नीचे काम करने वाले सरकारी अफसर हैं, तो क्या कांग्रेस खुद अपने को मिटा देना चाहती है और नया समाज बनाना चाहती है, नया शासन पैदा करना चाहती है ? क्योंकि समर्थक की कसौटी यही है मेरा विचार है कि इस बात को कोई सुरु बूझ वाला आदमी कभी स्वीकार नहीं करेगा, कांग्रेस ने विनोबा जी का यह पहला बार साथ नहीं दिया, बात पुरानी हो गई है, पर उसे दोहरा देना यहां उचित मालूम होता है, गांधी जी के बाद विनोबा जी बड़ी आबखगत से दिल्ली बुलाये गये, यह कहना बेजा न होगा कि वह राजपुरोहित के रूप में वहां आये थे, यह नहीं कह सकती हूँ कि विनोबा जी को अपनी नई गद्दी का कुछ ज्ञान था यह नहीं, लेकिन दिल्ली के सत्ताधीशों के विमर्श में यह बात साफ़ थी, जनता कांग्रेस से हट रही थी और उसको अपने में मिलाये रखने की जरूरत थी, लाल बुरख़ाड़ों ने राजपुरोहित पद का अविशकार किया और

के ऊपर बेहद खीर देता है, व्यक्ति को ठीक करके ही वह सर्वोदय खाना चाहता है, इस तरह व्यक्ति प्रधान हुआ, यही बात मेरी समझ में नहीं आती कि व्यक्ति प्रधान है या भगवान ?

इस दार्शनिक बहस को हम छोड़कर सर्वोदय के अमली रूप पर आते हैं, इसका अमली रूप भूदान है, इसके इतिहास में हम बाद में जायेंगे, पहले यह तय कर लें कि भूदान है क्या ? शुरू शुरू में भूदान का मतलब था भारत की भूमि समस्या का हल, अब कहा जाता है कि सर्वोदय खाने का साधन, पहले इस पर विचार कर लें कि भूदान भारत की भूमि समस्या को हल कर सकता है या नहीं, इस पर ज्यादा सोच विचार करने की जरूरत नहीं है, क्योंकि भूदान के नेता भी आज यह मानने लगे हैं कि भूदान से भूमि समस्या का हल नहीं होने का, आचार्य नरेन्द्र देव और मीरा बहन के बहुत से ऐतराज यहां खत्म हो जाते हैं, भूदान अपना दावा छोड़ देता है और अपने को साध्य के बजाय साधन फ़रार देता है,

अब भूदान को साधन रूप में देखना होगा, भूदान के नेताओं का कहना है कि जनता में जागरण पैदा करके नया समाज बनाना है, उनका कहना यह भी है कि भूदान से सिर्फ़ वही लोग हमदर्दी दिखा सकते हैं जो आजकल के शासन को सुधार के नाकाबिल मानते हैं और जिन पर यह बात अच्छी तरह बाहिर हो गई हो कि यह सरकार आने वाले जमाने का कामयाबी के साथ सामना नहीं कर सकती और इसका हटाया जाना ही निहायत जरूरी है, हमें देखना यह पड़ेगा कि भूदान ने अब तक किस हद तक जनता को जगाया है और भूदान के समर्थक कौन हैं ? पहले भूदान के समर्थकों का ले लें, भूदान के समर्थक कांग्रेसी मन्त्री और उनके नीचे काम करने वाले सरकारी अफसर हैं, तो क्या कांग्रेस खुद अपने को मिटा देना चाहती है और नया समाज बनाना चाहती है, नया शासन पैदा करना चाहती है ? क्योंकि समर्थक की कसौटी यही है मेरा विचार है कि इस बात को कोई सुरु बूझ वाला आदमी कभी स्वीकार नहीं करेगा, कांग्रेस ने विनोबा जी का यह पहला बार साथ नहीं दिया, बात पुरानी हो गई है, पर उसे दोहरा देना यहां उचित मालूम होता है, गांधी जी के बाद विनोबा जी बड़ी आबखगत से दिल्ली बुलाये गये, यह कहना बेजा न होगा कि वह राजपुरोहित के रूप में वहां आये थे, यह नहीं कह सकती हूँ कि विनोबा जी को अपनी नई गद्दी का कुछ ज्ञान था यह नहीं, लेकिन दिल्ली के सत्ताधीशों के विमर्श में यह बात साफ़ थी, जनता कांग्रेस से हट रही थी और उसको अपने में मिलाये रखने की जरूरत थी, लाल बुरख़ाड़ों ने राजपुरोहित पद का अविशकार किया और

सतीशों से साधन को हासिल किया जाता है उसे साधन कहते हैं। सर्वोदय अगर आदर्श है तो बर्गहीन समाज साधन होगा। यह बात और साफ हो जाती है अगर कम्युनिज्म पर हम रोशनी डालें। कम्युनिज्म एक आदर्श है और मजदूर वर्ग एक साधन है। पहले मजदूर वर्ग दूसरे वर्गों से संघर्ष करेगा, वर्ग बनाने वाले आर्थिक ढाँचों को अपने कब्जे में करेगा, दूसरे वर्गों को मजदूर बना लेगा, फिर राज करेगा और तब कम्युनिज्म के आदर्श तक पहुँचेगा, जहाँ शासन नहीं होगा। यदि सर्वोदय ठीक ढंग से चले तो पहले वर्ग हीन समाज बनाये और तब सर्वोदय को प्राप्त करे। जब समाज बर्गहीन हो जायेगा तो उस एक वर्ग का उदय होगा, सब वर्गों का नहीं। इस तरह फिर भूमि घुमाकर इसी एक नुक़्ते पर पहुँचते हैं कि या सर्वोदय नामी आदर्श का नाम ही रालत है और या फिर सर्वोदय की जो रूप रेखा बताई जाती है वह रालत है। और इससे यह भी नतीजा निकलता है कि एक खास दर्शन को मानने वाले समाज की औरदार मांग के सामने घुटने टेक देते हैं। आज के समाज की मांग है बर्गहीन समाज। सर्वोदय के नेता इस मांग को अपने दर्शन के साथ जोड़ लेते हैं। बीच का अन्तर-विरोध या तो उन्हें दिखाई नहीं पड़ता या वह उसे देखना नहीं चाहते।

सर्वोदय का जोर व्यक्ति पर बहुत है। हो सकता है सर्वोदय का अर्थ यह लगाया जाये कि सर्वोदय समाज में हर व्यक्ति का उदय हो जायगा। यह बात भी कुछ समझ में नहीं आती। सारे व्यक्तियों का एक साथ एक बराबर उदय कैसे हो सकता है ? मानसिक और ज़िस्मानी उदय का सम्बन्ध अर्थ से बहुत है। तो इसका मतलब यह होगा कि आर्थिक ढाँचा बदला जाय और आर्थिक ढाँचा बदल कर अगर सर्वोदय तक पहुँचना है तो वर्ग ख़त्म करने पड़ेंगे। जब वर्ग ख़त्म हो जायेंगे तो फिर वही समस्या खड़ी होगी। तब 'सर्व' में कौन शामिल होंगे जिनका उदय होगा ?

एक बात और समझ में नहीं आती। वह यह है। सर्वोदयी कहते हैं कि भगवान सब कुछ है और भगवान ही के नाम पर वह सब काम करते हैं। जब भगवान सब कुछ हैं तो व्यक्ति कुछ भी नहीं है। लेकिन सर्वोदयी व्यक्ति का नाम लेकर बड़ा तूमार खड़ा करते हैं। कम्युनिज्म कहता है कि व्यक्ति समाज का अंग है और उसे हर काम समाज के हित के लिये करना चाहिये। समाज इस तरह प्रभान हो जाता है और व्यक्ति का महत्व कम हो जाता है। सर्वोदयी इस पर शीर मचाते हैं। वह कहते हैं कि कम्युनिज्म व्यक्ति को ख़त्म कर देता है। पर वह खुद व्यक्ति को भगवान में ख़त्म कर देते हैं। समाज का नाम यदि भगवान रख दिया जाय तो दोनों एक जगह खड़े हैं। लेकिन सर्वोदय व्यक्ति

परियों से सद्मे को हासिल किया जाता है उसे साधन कहते हैं। सर्वोदय अगर आदर्श है तो बर्गहीन समाज साधन होगा। यह बात और साफ हो जाती है अगर कम्युनिज्म पर हम रोशनी डालें। कम्युनिज्म एक आदर्श है और मजदूर वर्ग एक साधन है। पहले मजदूर वर्ग दूसरे वर्गों से संघर्ष करेगा, वर्ग बनाने वाले आर्थिक ढाँचों को अपने कब्जे में करेगा, दूसरे वर्गों को मजदूर बना लेगा, फिर राज करेगा और तब कम्युनिज्म के आदर्श तक पहुँचेगा, जहाँ शासन नहीं होगा। यदि सर्वोदय ठीक ढंग से चले तो पहले वर्ग हीन समाज बनाये और तब सर्वोदय को प्राप्त करे। जब समाज बर्गहीन हो जायेगा तो उस एक वर्ग का उदय होगा, सब वर्गों का नहीं। इस तरह फिर भूमि घुमाकर इसी एक नुक़्ते पर पहुँचते हैं कि या सर्वोदय नामी आदर्श का नाम ही रालत है और या फिर सर्वोदय की जो रूप रेखा बताई जाती है वह रालत है। और इससे यह भी नतीजा निकलता है कि एक खास दर्शन को मानने वाले समाज की औरदार मांग के सामने घुटने टेक देते हैं। आज के समाज की मांग है बर्गहीन समाज। सर्वोदय के नेता इस मांग को अपने दर्शन के साथ जोड़ लेते हैं। बीच का अन्तर-विरोध या तो उन्हें दिखाई नहीं पड़ता या वह उसे देखना नहीं चाहते।

सर्वोदय का जोर व्यक्ति पर बहुत है। हो सकता है सर्वोदय का अर्थ यह लगाया जाये कि सर्वोदय समाज में हर व्यक्ति का उदय हो जायगा। यह बात भी कुछ समझ में नहीं आती। सारे व्यक्तियों का एक साथ एक बराबर उदय कैसे हो सकता है ? मानसिक और ज़िस्मानी उदय का सम्बन्ध अर्थ से बहुत है। तो इसका मतलब यह होगा कि आर्थिक ढाँचा बदला जाय और आर्थिक ढाँचा बदल कर अगर सर्वोदय तक पहुँचना है तो वर्ग ख़त्म करने पड़ेंगे। जब वर्ग ख़त्म हो जायेंगे तो फिर वही समस्या खड़ी होगी। तब 'सर्व' में कौन शामिल होंगे जिनका उदय होगा ?

एक बात और समझ में नहीं आती। वह यह है। सर्वोदयी कहते हैं कि भगवान सब कुछ है और भगवान ही के नाम पर वह सब काम करते हैं। जब भगवान सब कुछ हैं तो व्यक्ति कुछ भी नहीं है। लेकिन सर्वोदयी व्यक्ति का नाम लेकर बड़ा तूमार खड़ा करते हैं। कम्युनिज्म कहता है कि व्यक्ति समाज का अंग है और उसे हर काम समाज के हित के लिये करना चाहिये। समाज इस तरह प्रभान हो जाता है और व्यक्ति का महत्व कम हो जाता है। सर्वोदयी इस पर शीर मचाते हैं। वह कहते हैं कि कम्युनिज्म व्यक्ति को ख़त्म कर देता है। पर वह खुद व्यक्ति को भगवान में ख़त्म कर देते हैं। समाज का नाम यदि भगवान रख दिया जाय तो दोनों एक जगह खड़े हैं। लेकिन सर्वोदय व्यक्ति

خود اپنے ऊपर लागू करेगा. जब वर्ग नहीं होगा तो मतलब यह हुआ कि सब एक वर्ग के हो जायेंगे. जब सब एक वर्ग के हो जायेंगे तो 'सर्व' के 'उदय' की गुंजाइश कहाँ रहेगी ? क्या उस समय दूसरे प्राणी भी शामिल कर लिये जायेंगे ? और अगर नहीं तो सब के उदय का कोई मतलब नहीं है. सारे वर्ग खत्म होकर एक वर्ग बन जायेंगे और उसी वर्ग का उदय होगा. कम्युनिस्ट इस वर्ग को मजदूर कहते हैं. सर्वोद्योग ने अभी तक इसे कोई नाम नहीं दिया. व्योहार और दर्शन में यही विरोध दीख पड़ता है. दर्शन के नाम से ही पता चलता है कि इस आधार पर बने समाज में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा. पर व्योहार इस बात से इन्कार करता है. समझ में नहीं आता कि दर्शन को मान्य या व्यवहार को ?

यदि सर्वोदय में बहुत से वर्ग होंगे और सब का उदय होगा तो कोई न कोई कानून भी होगा और जब कानून होगा तो शासक भी होंगे. और जब शासक होंगे तो सर्वोदय के शासन हीन समाज का सपना भूटा निकलेगा.

सर्वोद्योग का कहना है कि आध्यात्मिक शासन होगा जिसे व्यक्ति अपने ऊपर खुद लागू करेगा. लेकिन प्रश्न है कि क्या यह आध्यात्मिक शासन कोई नई चीज है ? जवाब साफ है. यह चीज नई नहीं है. कब से इसका रिवाज पड़ा इसकी चर्चा बेकार है. लेकिन यह बात साफ है कि आज से नहीं बल्कि हजारों बरस से इस शासन पर जोर दिया जाता रहा है. जितने अवतार आये, पैगम्बर आये, रिशी मुनी और बली आये, सब ने इस पर जोर दिया. और यह बात भी साफ है कि इन लोगों के पैरोकारों की तादाद सर्वोदय के नेताओं के अनुयाइयों की तादाद से बहुत ज्यादा है, श्रद्धा भी अपार है. यही नहीं, सर्वोदय के नेता भी इनमें से किसी न किसी के पैरोकार हैं. सोचना यह पड़ेगा कि जहाँ गुरु हार गये क्या वहाँ चले जीत जायेंगे ? इतिहास बताता है कि आध्यात्मिक शासन समाज पर राज नहीं कर सका. जब अध्यात्मिक शासन ने राज शासन की जगह लेनी चाही तो वह कुल्लू हो गया. फिर क्या उम्मीद की जाय कि आध्यात्मिक शासन इस युग में काम देगा जबकि जनसमूह उससे बैरग ले रहे हैं.

एक मित्र का यह भी कहना है कि सर्वोदय और वर्ग-हीन समाज में कोई विरोध नहीं है. पहले सर्वोदय होगा फिर वर्गहीन समाज. मतलब यह कि आजकल का जो समाज है उसमें वर्ग हैं. इन सब वर्गों का उदय होता रहेगा और फिर यह वर्ग गायब हो जायेंगे. यहाँ यह बात समझ में नहीं आती कि सर्वोदय साधन है या साध्य. सर्वोदय दर्शन है और दर्शन आदर्श को जन्म देता है. इसलिये आदर्श भी सर्वोदय है. आदर्श सदा साध्य होता है और जिन

खुद अगे ओपर लाओ करे گا . جب ورگ نہوں ہوگا تو مطلب یہ ہوا کہ سب ایک ورگ کے ہو جائیں گے . جب سب ایک ورگ کے ہو جائیں گے تو 'سर्व' کے 'اُردے' کی گنجائش کہاں رہے گی ؟ کیا اُس سے دوسرے پرانی بھی شامل کر لیں گے جانوں گے ؟ اور اگر نہوں تو سب کے اُردے کا کوئی مطلب نہوں ہے . سارے ورگ ختم ہوکر ایک ورگ بن جائیں گے اور اُسی ورگ کا اُردے ہوگا . کمونسٹ اِس ورگ کو مزدور کہتے ہیں . سرودیوں نے ابھی تک اُسے کوئی نام نہوں دیا . بھوہار اور درشن میں بھی وردہ دیکھ پڑتا ہے . درشن کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ اُس آدھار پر بلے سماج میں بہت سے ورگ ہونگے اور سب کا اُردے ہوگا . پر بھوہار اِس بات سے انکار کرتا ہے . سمجھ میں نہوں آتا کہ درشن کو مانیں یا بھوہار کو ؟

یہی سرودیوں میں بہت سے ورگ ہونگے اور سب کا اُردے ہوگا تو کوئی نہ کوئی قانون بھی ہوگا اور جب قانون ہوگا تو شاکس بھی ہونگے . اور جب شاکس ہونگے تو سرودیوں کے شاکس میں سماج کا سہلہ چھوٹا نکلے گا .

سرودیوں کا کہنا ہے کہ آدھاتمک شاکس ہوگا جسے دیکھتی اچے اوپر خود لاؤ کرے گا . لیکن پرشن ہے کیا یہ آدھاتمک شاکس کوئی نئی چیز ہے ؟ جواب صاف ہے . یہ چھوڑنگی نہوں ہے . کب سے اِس کا رواج پڑا اُسکی چرچا بھار ہے . لیکن یہ بات صاف ہے کہ آج سے نہوں بلکہ ہزاروں برس سے اِس شاکس پر زور دیا جاتا رہا ہے . جتنے اوتار آئے ، پیغمبر آئے ، رشی مہی اور ولی آئے ، سب نے اِس پر زور دیا . اور یہ بات بھی صاف ہے کہ ان لوگوں کے پیروکاروں کی تعداد سرودیوں کے نمائندوں کے انوادیوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے ، شردھا بھی اپار ہے . یہی نہیں ، سرودیوں کے نمائندے بھی ان میں سے کسی نہ کسی کے پیروکار ہیں . سوچنا یہ دیکھ کہ جہاں کرو مار لگتے تھا وہاں چھلے جھت جائیں گے ؟ اتھاس پھانا ہے کہ آدھاتمک شاکس سماج پر راج نہوں کرے گا . جب آدھاتمک شاکس نے راج شاکس کی جگہ لھلی چاہی تو وہ کورپ ہوگیا . پھر کیا اُمد کی جائے کہ آدھاتمک شاکس اِس یک میں کام دے گا جبکہ جن سدرے اُس سے ویراگ لے رہے ہیں .

ایک مقرر کا یہ بھی کہنا ہے کہ سرودیوں اور ورگ میں سماج میں کوئی وردہ نہوں ہے . پہلے سرودیوں ہوگا پھر ورگ میں سماج . مطلب یہ کہ آجکل کا جو سماج ہے اُس میں ورگ ہیں . ان سب ورگوں کا اُردے ہوتا رہے گا اور پھر یہ ورگ خائب ہو جائیں گے . یہاں یہ بات سمجھ میں نہوں آتی کہ سرودیوں سادھن ہے یا سادھہ ؟ سرودیوں درشن ہے اور درشن آدھن کو جلم دیتا ہے . اِس لہئے آدھن ہی سرودیوں ہے . آدھن سدا سادھہ ہوتا ہے اور جن

सर्वोदय, भूदान और हृदय परिवर्तन

(कुमारी सरोज अग्रवाल)

विशय बहुत गम्भीर है और जिन व्यक्तियों का विशय से सम्बन्ध है वह भी आदर्शनीय और पूजनीय हैं, पर अपने विचार उस हद तक पहुँच चुके हैं जहाँ उन्हें अपने आदर्शनीय और पूजनीय व्यक्तियों के सामने रख देना ही चाहिये। विचारों की दबाने से दो ही नतीजे निकलते हैं। या आगे जानने की उत्कण्ठा सदा के लिये मर जाती है या सोचने विचारने की धारा चक्कर में फँस जाती है और मन और मस्तिष्क की शान्ति को भंग करती है। इसलिये अपने विचार पाठकों के सामने रख रही हूँ ताकि गुरुजनों की कृपा से अपने को भटकाव से बचा लूँ और हो सके तो जो कुछ मैंने इस सस्बन्ध में सीखा, पढ़ा और सुना है उसका कुछ अंश दूसरों को दे सकूँ।

कई बार विचार हुआ कि सर्वोदय, भूदान और हृदय परिवर्तन पर लिखूँ। बिना समझे समर्थन करना मेरी आदत नहीं और बिना समर्थक बने आलोचना करना मुझे भाता नहीं। फिर इस समस्या का हल कैसे होता? जब क्रलम उठाती तो ऐसा लगता कि इस विशय पर अभी पढ़ना बहुत कुछ बाक़ी है। जब आगे पढ़ती तो विरोधी विचार खड़े होने लगते। आज भी मैं चौराहे पर हूँ। सर्वोदय पुरी जाऊँ या उसके विरुद्ध, इसका निर्णय नहीं कर पा रही हूँ। विवश होकर चौराहे से लिख रही हूँ। इसलिये बातें भी चौमुखी होंगी, विचार संगठित नहीं होंगे, उनकी एक लड़ी नहीं होगी। फिर भी वह विचार मेरे ऐसे बहुत से नौजवानों के हृदय में उठते हैं और इन शंकाओं का समाधान सर्वोदय के नेताओं को ताक़त ही देगा।

मैंने 'सर्वोदय' पर बहुत सोचा, सर्वोदय एक आदर्श है, एक दर्शन है। इसकी दर्शन रूप में भी पढ़ा और दर्शन के आधार पर जो व्योहार की इमारत खड़ी की गई है उसको भी खूब देखा। दोनों का मिलान करने पर कुछ विरोधी बातें दिखाई पड़ीं। सर्वोदय में दो शब्द हैं 'सर्व' और 'उदय'। इस तरह सर्वोदय दर्शन का मतलब है सब का उदय। सब में राजा और रंक सब शामिल हैं (यह मेरा कहना नहीं है। सर्वोदय शास्त्री अपने साहित्य में राजा और रंक दोनों के साथ साथ उदय पर बहुत जोर देते हैं)। लेकिन सर्वोदय को जब रूप दिया जाता है तो कहा जाता है कि सर्वोदय समाज में कोई वर्ग नहीं होगा और न कोई शासन होगा। जो शासन होगा वह आध्यात्मिक होगा और व्यक्ति उसे

सरोज के 'बहुदान' और हृदय परिवर्तन

(कुमारी सरोज अग्रवाल)

उसमें अति लम्बे हैं और जिन व्यक्तियों का विशय से सम्बन्ध है वह भी आदर्शनीय और पूजनीय हैं। पर अपने विचार उस हद तक पहुँच चुके हैं जहाँ उन्हें अपने आदर्शनीय और पूजनीय व्यक्तियों के सामने रख देना ही चाहिये। विचारों की दबाने से दो ही नतीजे निकलते हैं। या आगे जानने की उत्कण्ठा सदा के लिये मर जाती है या सोचने विचारने की धारा चक्कर में फँस जाती है और मन और मस्तिष्क की शान्ति को भंग करती है। इसलिये अपने विचार पाठकों के सामने रख रही हूँ ताकि गुरुजनों की कृपा से अपने को भटकाव से बचा लूँ और हो सके तो जो कुछ मैंने इस सस्बन्ध में सीखा, पढ़ा और सुना है उसका कुछ अंश दूसरों को दे सकूँ।

कई बार विचार हुआ कि सर्वोदय, भूदान और हृदय परिवर्तन पर लिखूँ। बिना समझे समर्थन करना मेरी आदत नहीं और बिना समर्थक बने आलोचना करना मुझे भाता नहीं। फिर इस समस्या का हल कैसे होता? जब क्रलम उठाती तो ऐसा लगता कि इस विशय पर अभी पढ़ना बहुत कुछ बाक़ी है। जब आगे पढ़ती तो विरोधी विचार खड़े होने लगते। आज भी मैं चौराहे पर हूँ। सर्वोदय पुरी जाऊँ या उसके विरुद्ध, इसका निर्णय नहीं कर पा रही हूँ। विवश होकर चौराहे से लिख रही हूँ। इसलिये बातें भी चौमुखी होंगी, विचार संगठित नहीं होंगे, उनकी एक लड़ी नहीं होगी। फिर भी वह विचार मेरे ऐसे बहुत से नौजवानों के हृदय में उठते हैं और इन शंकाओं का समाधान सर्वोदय के नेताओं को ताक़त ही देगा।

मैंने 'सर्वोदय' पर बहुत सोचा, सर्वोदय एक आदर्श है, एक दर्शन है। इसकी दर्शन रूप में भी पढ़ा और दर्शन के आधार पर जो व्योहार की इमारत खड़ी की गई है उसको भी खूब देखा। दोनों का मिलान करने पर कुछ विरोधी बातें दिखाई पड़ीं। सर्वोदय में दो शब्द हैं 'सर्व' और 'उदय'। इस तरह सर्वोदय दर्शन का मतलब है सब का उदय। सब में राजा और रंक सब शामिल हैं (यह मेरा कहना नहीं है। सर्वोदय शास्त्री अपने साहित्य में राजा और रंक दोनों के साथ साथ उदय पर बहुत जोर देते हैं)। लेकिन सर्वोदय को जब रूप दिया जाता है तो कहा जाता है कि सर्वोदय समाज में कोई वर्ग नहीं होगा और न कोई शासन होगा। जो शासन होगा वह आध्यात्मिक होगा और व्यक्ति उसे

کو خاص مارگ پر رکھا۔ اس لئے وہ بھارت کی نوپائیاں کے پرہیز پر درخشا رہے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ تھوڑی باتوں میں بتائیں وہ یہ ہیں:—

1. نہر کی بنیاد انگریزوں کے پاس ہے، وہ ہمیں چاہیے۔

2. ان کی ویڈیا کو سیکھنے کے لیے ہمیں ان کی بات سیکھنی چاہیے۔

3. عیسائی کرنے میں نیکوئی دینا کا اثر بھی ہے، جو انہیں پھر دینا دیا۔

4. نیا دنیا بنانے کے لیے ہمیں دھرم دھرم اور مورتی پوجا دینا پڑے گا۔ انہوں نے دھرم دیا۔ ہر دم سماج کی استقامت کی۔

5. یہ سب اپنی اپنی کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ وہ عیسائی نہیں ہیں۔ پھر بھی عیسائی دھرم کا انہوں نے پورا پورا اہتمام کیا اور اس میں عیسائی پادریوں سے بھی اہم نکل گئے۔

6. وہ سب فرانس اور امریکی کرائی کا تھا۔ ان کی قدر انہوں نے کی تھی۔ لیکن بھارت کے بارے میں ان کی شہرہ یہ تھی کہ انگریزی راج بھلے آئے اس سے آگے اٹھاؤں گے تو وہ سراج بن سکے گا۔

انگریزوں نے ایسا راج کس پر کیا ہے اور کس حد تک وہ سب بھلا ہے اس کا صاف چکر دیکھنے کے لئے پانچویں کو اپنی ”ہندوستان انگریزی ویڈیا شاہی“ نام کی کتاب کو سوچتے ہوئے اس بات کو ادھک نہیں بڑھانا چاہتا۔ بھارت کے ویڈیا پر بھی اس کا اثر ہے لگا رہا ہے اس کتاب میں مل سکے گا۔

یہ سب باتیں سب سے پہلے بنگال میں ساک ساک دیکھا ہے۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، کیونکہ نیا راج سب سے پہلے قائم ہوا اور اسی دھارم کے انوسار سارے دھرم میں پھلا۔

کو خاص مارگ پر رکھا۔ اس لئے وہ بھارت کی نوپائیاں کے پرہیز پر درخشا رہے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ تھوڑی باتوں میں بتائیں وہ یہ ہیں:—

1. نہر کی بنیاد انگریزوں کے پاس ہے، وہ ہمیں چاہیے۔

2. ان کی ویڈیا کو سیکھنے کے لیے ہمیں ان کی بات سیکھنی چاہیے۔

3. عیسائی کرنے میں نیکوئی دینا کا اثر بھی ہے، جو انہیں پھر دینا دیا۔

4. نیا دنیا بنانے کے لیے ہمیں دھرم دھرم اور مورتی پوجا دینا پڑے گا۔ انہوں نے دھرم دیا۔ ہر دم سماج کی استقامت کی۔

5. یہ سب اپنی اپنی کرتے ہوئے کرنا چاہیے۔ وہ عیسائی نہیں ہیں۔ پھر بھی عیسائی دھرم کا انہوں نے پورا پورا اہتمام کیا اور اس میں عیسائی پادریوں سے بھی اہم نکل گئے۔

6. وہ سب فرانس اور امریکی کرائی کا تھا۔ ان کی قدر انہوں نے کی تھی۔ لیکن بھارت کے بارے میں ان کی شہرہ یہ تھی کہ انگریزی راج بھلے آئے اس سے آگے اٹھاؤں گے تو وہ سراج بن سکے گا۔

انگریزوں نے ایسا راج کس پر کیا ہے اور کس حد تک وہ سب بھلا ہے اس کا صاف چکر دیکھنے کے لئے پانچویں کو اپنی ”ہندوستان انگریزی ویڈیا شاہی“ نام کی کتاب کو سوچتے ہوئے اس بات کو ادھک نہیں بڑھانا چاہتا۔ بھارت کے ویڈیا پر بھی اس کا اثر ہے لگا رہا ہے اس کتاب میں مل سکے گا۔

یہ سب باتیں سب سے پہلے بنگال میں ساک ساک دیکھا ہے۔ یہ آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، کیونکہ نیا راج سب سے پہلے قائم ہوا اور اسی دھارم کے انوسار سارے دھرم میں پھلا۔

बुद्धिवादी का था. अन्य देशों के साथ व्यापार और उससे प्राप्त धन, उन सुधारों को उस समय नया स्वरूप दे रहा था. लेकिन तब इस बात का किसी को ख्याल न था. यह नया प्रभाव प्रगतिशील था, ऐसा आज हम कह सकते हैं.

भारती प्रजा को ईसाई बनाने में अंग्रेज भी रस लेते थे. यह ठीक है कि जितना पोर्चुगीज प्रजा उसमें रस लेती थी उतना वह नहीं लेते थे. फिर भी उन्होंने भारत में ईसाई मिशन शुरू किये. उस समय बंगाल में डच लोगों की यह प्रवृत्ति लम्बे अरसे से चल रही थी. अंग्रेज अपने व्यापार को ही मुख्य समझते थे. फिर भी धर्मान्तर की उस प्रवृत्ति का त्याग नहीं कर सकते थे. गोरी प्रजा का नई दुनिया में जो प्रयास शुरू हुआ वह इस्लाम का सामना करने के लिये और उसे दबाने के लिये. ऐसा करते करते उन्हें व्यापार की सूझी और उसमें उनके हरीक होकर उन्होंने इस्लामी प्रजा को पीछे हटाया. इस में उन्हें सफलता प्राप्त हुई. इनके धर्म बदलाव के काम का जो मूल आवेग था वह केवल नाम मात्र के लिये खात्मा रहा.

मिशनरियों ने भारत के हिन्दुओं में ईसाई धर्म का प्रचार करने के प्रयत्न शुरू किये. प्रजा जीवन पर इसका प्रभाव तुरंत नजर आने लगा, क्योंकि जैसे पहले हम कह चुके हैं—हम लोग संस्कृति के बारे में जागरूक प्रजा हैं.

यह प्रभाव सामाजिक ही नहीं बल्कि राजकाजी भी था. हमारे समाजिक रस्मों-रिवाज और धार्मिक अचार व रीति पर धर्मियों की आलोचना के पात्र बने. हमारी परम्परओं पर नई आलोचनायें होने लगीं.

खानपान, लगन इत्यादि सभी चीजों में कुछ नया ढंग देखने को मिलने लगा. गोरों के कारन, शराब भी एक प्रतिष्ठित चीज बन सकती है, इसका भी हमें अनुभव हुआ. परिणाम स्वरूप शराब का उपयोग बढ़े, यह स्वाभाविक ही था और कपड़े आदि बातों में भी वैसे ही परिवर्तन का होना स्वाभाविक था.

अंग्रेजों के आने से जो नया युग प्रारंभ हुआ उसके बारे में कुछ और भी ऐसी बातें बताई जा सकती हैं. यह चीजें उस समय की ऐतिहासिक सामग्री की छान बीन करके अधिक साफ बौकस और पूरी करने जैसी हैं. 1757 ईस्वी से लेकर 1800 ईस्वी तक के इस समय की परिस्थिति का संशोधन करके उस समय का सरेख इतिहास अब समाज के सामने रखना चाहिये.

राजा राम मोहन राय ने इस नये युग में पुनरुत्थान का काम किया. भारत को किस प्रकार का रूप रखना चाहिये उसके एक दो मुख्य मुद्दे तय करके उन्होंने प्रजा जीवन

बदलने का काम किया. अंग्रेजों के साथ व्यापार और उससे प्राप्त धन, उन सुधारों को उस समय नया स्वरूप दे रहा था. लेकिन तब इस बात का किसी को ख्याल न था. यह नया प्रभाव प्रगतिशील था, ऐसा आज हम कह सकते हैं.

भारती प्रजा को ईसाई बनाने में अंग्रेज भी रस लेते थे. यह ठीक है कि जितना पोर्चुगीज प्रजा उसमें रस लेती थी उतना वह नहीं लेते थे. फिर भी उन्होंने भारत में ईसाई मिशन शुरू किये. उस समय बंगाल में डच लोगों की यह प्रवृत्ति लम्बे अरसे से चल रही थी. अंग्रेज अपने व्यापार को ही मुख्य समझते थे. फिर भी धर्मान्तर की उस प्रवृत्ति का त्याग नहीं कर सकते थे. गोरी प्रजा का नई दुनिया में जो प्रयास शुरू हुआ वह इस्लाम का सामना करने के लिये और उसे दबाने के लिये. ऐसा करते करते उन्हें व्यापार की सूझी और उसमें उनके हरीक होकर उन्होंने इस्लामी प्रजा को पीछे हटाया. इस में उन्हें सफलता प्राप्त हुई. इनके धर्म बदलाव के काम का जो मूल आवेग था वह केवल नाम मात्र के लिये खात्मा रहा.

मिशनरियों ने भारत के हिन्दुओं में ईसाई धर्म का प्रचार करने के प्रयत्न शुरू किये. प्रजा जीवन पर इसका प्रभाव तुरंत नजर आने लगा, क्योंकि जैसे पहले हम कह चुके हैं—हम लोग संस्कृति के बारे में जागरूक प्रजा हैं.

यह प्रभाव सामाजिक ही नहीं बल्कि राजकाजी भी था. हमारे समाजिक रस्मों-रिवाज और धार्मिक अचार व रीति पर धर्मियों की आलोचना के पात्र बने. हमारी परम्परओं पर नई आलोचनायें होने लगीं.

खानपान, लगन इत्यादि सभी चीजों में कुछ नया ढंग देखने को मिलने लगा. गोरों के कारन, शराब भी एक प्रतिष्ठित चीज बन सकती है, इसका भी हमें अनुभव हुआ. परिणाम स्वरूप शराब का उपयोग बढ़े, यह स्वाभाविक ही था और कपड़े आदि बातों में भी वैसे ही परिवर्तन का होना स्वाभाविक था.

अंग्रेजों के आने से जो नया युग प्रारंभ हुआ उसके बारे में कुछ और भी ऐसी बातें बताई जा सकती हैं. यह चीजें उस समय की ऐतिहासिक सामग्री की छान बीन करके अधिक साफ बौकस और पूरी करने जैसी हैं. 1757 ईस्वी से लेकर 1800 ईस्वी तक के इस समय की परिस्थिति का संशोधन करके उस समय का सरेख इतिहास अब समाज के सामने रखना चाहिये.

राजा राम मोहन राय ने इस नये युग में पुनरुत्थान का काम किया. भारत को किस प्रकार का रूप रखना चाहिये उसके एक दो मुख्य मुद्दे तय करके उन्होंने प्रजा जीवन

1830 عیسوی تک تو آج کے بچہ ہی پاکستان کو
چھوڑ کر یورپ یورپ سارا بھارت انگریزوں کے ہاتھ میں
چلا گیا تھا۔

یہ تھا راج شروع میں میں سمجھتا تھا کہ یہ بلکہ
 سنگرتا کی کال کی آہوستان اور بلڈاؤں کے ظلم کے بعد
 شانتی پران کو بنوایا معلوم ہوا اور اسی وجہ سے جب
 یہاں انگریزوں راج قائم ہوا تو اس میں ہندوستانی بھی
 شامل ہوئے اور انہوں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ
 اپنے دیس کی غلامی کو استعارہ کرنے میں حصہ لے رہے ہیں۔

لہجہ تھا ایک ایسے ساتھ نئے ہرشن اور نئی کہل
پتول تولیا ہی تھا۔ سچ مچ ایک ایسی بہاری سامراج
کرائی ہوئی تھی جس نے اُمت مہن سانسکرت
سورب دھاری کیا اور ہرجا کے جھون پر اثر ڈالا۔ اُس کے
مکھ مٹے۔ مہن دیکھتے چاہتے۔

انگریز راج کرتا بھارت میں دھڑک راج نہیں کرتے تھے۔ شروع میں ہمالیہ، فوجی اور ایسے ہی دوسرے پہاڑی ریگیوں میں رہتے اور مسکوں کی استعمالنا کرکنا آزادانہ تھا لیکن وہ تک نہیں پایا۔ بھارت کے فوجوں سے پانچ پانچ سال کے بعد انگریز بھر جاتے رہے اور بھارت پر راج کرتے رہے۔ مسلمان جس طرح بھارت میں دھڑک بھارت کے بن گئے، ویسے وہ کبھی بھارت کے نہیں بن پائے۔ اسی سے انگریزوں کا راج واقعی راج کہا جاسکا اور ایسا بنا۔ راج کرناؤں کی حدبخت سے انگریز اپنے آپ کو اونچا سمجھیں یہ سواہرگ کہے۔ راج نیچے کے ہڈے سے ہڈے پر بھارت کے سامراج و اتارون میں تو اُسکی سمجھاؤ آدھک تھی۔ اسی پر راج انگریزوں کے راج میں بھڑک بھڑک اور دھڑک اُسوں کے لئے ہون بھڑکے بھڑکے رہے۔

افریقہ میں جس طرح ہستیاں استوائیت ہوتی ہیں اور انگریز وہاں بسے، ایسا بھارت میں نہیں ہوا۔ اس وجہ سے آج جس پرکار دہلی، افریقہ، کینیا وغیرہ دیشوں میں گوری پرچا ہے، اس پرکار بھارت میں بھارتی گوری پرچا کی ہستی نہیں ہے، البتہ افریقہ کی جانی بھارت میں ضرور پیدا ہوئی، لیکن اسکا کارن یہ ہے۔

اُس سہ انگریزی راج کو نوکر ہوں مہوں، رہا یار مہوں
اور لشکر مہوں بھارتی پرچا کے سپہوگ کی ضرورت تھی ۔
اِس کے لئے ایک نئے مہدم درگ کا زمان ہونے لگا
جس کا اثر بھارت کے سامراج چھوٹے پر بھن بھن پرکار
سے ہوا ۔ دونوں پرچاؤں آپس مہوں ملنے لگیں، لہکن
مہانتا کے تاتے نہیں ۔ بھارت اسی کچھ مہوں بھاؤ کو
لے کر چلے رہا تھا ۔

انگریز ہرجا اپنے ساتھ یورپ کا نیا سدھار لے کر آئی تھی۔ وہاں اور دھرم کے بارے میں اس کا سروپ

हमारा यकीन है कि सियासी आजादी की मुस्क को फलरत थी और उसके निमित्त बापू पैदा हुए। उसी तरह आर्थिक आजादी की फलरत है और उसके निमित्त विनोबा हो रहे हैं। सियासी आजादी की तरह आर्थिक आजादी भी आकर रहेगी।

—सुरेश रामभाई

हमारा यकीन है कि सियासी आजादी की मुस्क को फलरत थी और उसके निमित्त बापू पैदा हुए। उसी तरह आर्थिक आजादी की फलरत है और उसके निमित्त विनोबा हो रहे हैं। सियासी आजादी की तरह आर्थिक आजादी भी आकर रहेगी।

—सुरेश रामभाई

राजा राम मोहन राय का युग

लेखक—मगन भाई देसाई

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

राजा राम मोहन राय की पीढ़ी का समय उन्नीसवीं सदी का प्रारम्भ काल था। उस समय बंगाल में अंग्रेजों के नये राज का कारोबार ठीक दंगसे जम चुका था। जहाँ तक बंगाल का सवाल है सन 1757 के बाद के दस साल में वहाँ राज्यक्रान्ति सम्पन्न हो चुकी थी और उस के बाद वहाँ राज का कारोबार व्यवस्थित करने के लिये हेस्टिंग्स और कार्नवालीस जैसे चतुर अंग्रेजों ने काम किया था। पहले के नवाबी राज और मुगल राज में जो बद्धन्तवामी थी उसके मुकाबले में यह नया जमाना किसी हद तक अच्छा और स्थिर मालूम होता था। जनता के कर्ता धर्ता अंग्रेजों से मिलकर व्यापार धंधों से फायदा उठा सकते थे और जमाबंदी के सिद्धसिले में कार्नवालीस ने जमींदार वर्ग की रचना भी कर ली थी।

मुगल सम्राटों में औरंगजेब ने हमारी प्रजा के घर्म और संस्कृति में दखल देकर गलती की थी। इस सम्बन्ध में हमारी प्रजा जागरूक है, यहाँ तक कि जरा ज्यादा नाजुक प्रकृति की भी कही जा सकती है। इससे हम ने उस राज को जहाँ तहाँ से तोड़ डाला। नई रचना करने की जिम्मेदारी उस समय अगर किसी की थी भी तो वह मराठों की कही जा सकती है। लेकिन उस जिम्मेदारी को उठाने में वह नाकामयाब सिद्ध हुए। 1800 ईसवी तक तो उस राज का अंतिम समय नज़र आने लगा। राजकाजी दृष्टि से उस समय भारत खिन्न भिन्न था। उन्नीसवीं सदी के पहले पचीस सालों तक तो सारे रजवाड़े क़रीब क़रीब खत्म हो चुके थे और पूरा भारत अंग्रेजों के हाथ में बसा गया था।

राजा राम मोहन राय का युग

लेखक—मगन भाई देसाई

अनुवादक—कनुभाई नानालाल पटेल

राजा राम मोहन राय की पीढ़ी का समय उन्नीसवीं सदी का प्रारम्भ काल था। उस समय बंगाल में अंग्रेजों के नये राज का कारोबार ठीक दंगसे जम चुका था। जहाँ तक बंगाल का सवाल है सन 1757 के बाद के दस साल में वहाँ राज्यक्रान्ति सम्पन्न हो चुकी थी और उस के बाद वहाँ राज का कारोबार व्यवस्थित करने के लिये हेस्टिंग्स और कार्नवालीस जैसे चतुर अंग्रेजों ने काम किया था। पहले के नवाबी राज और मुगल राज में जो बद्धन्तवामी थी उसके मुकाबले में यह नया जमाना किसी हद तक अच्छा और स्थिर मालूम होता था। जनता के कर्ता धर्ता अंग्रेजों से मिलकर व्यापार धंधों से फायदा उठा सकते थे और जमाबंदी के सिद्धसिले में कार्नवालीस ने जमींदार वर्ग की रचना भी कर ली थी।

मुगल सम्राटों में औरंगजेब ने हमारी प्रजा के घर्म और संस्कृति में दखल देकर गलती की थी। इस सम्बन्ध में हमारी प्रजा जागरूक है, यहाँ तक कि जरा ज्यादा नाजुक प्रकृति की भी कही जा सकती है। इससे हम ने उस राज को जहाँ तहाँ से तोड़ डाला। नई रचना करने की जिम्मेदारी उस समय अगर किसी की थी भी तो वह मराठों की कही जा सकती है। लेकिन उस जिम्मेदारी को उठाने में वह नाकामयाब सिद्ध हुए। 1800 ईसवी तक तो उस राज का अंतिम समय नज़र आने लगा। राजकाजी दृष्टि से उस समय भारत खिन्न भिन्न था। उन्नीसवीं सदी के पहले पचीस सालों तक तो सारे रजवाड़े क़रीब क़रीब खत्म हो चुके थे और पूरा भारत अंग्रेजों के हाथ में बसा गया था।

वह मानता है कि यह बातें सही हैं। वह पूछता है कि ऐसी सूरत में क्या किया जाये। हम उससे अपील करते हैं :

आप इस गम्भीर सवाल पर विचार करें। हमारा ख्याल है कि अब इस देश में धरती की खरीद बिक्री नहीं होनी चाहिये, आपको जितनी जरूरत हो खेती करें मगर खेत पर मालकी अपनी न रहकर गांव की कर दीजिये। खेत गांव का, खेती आपकी। अगर आपको यह बात मंजूर हो तो अपनी जमीन का कुछ हिस्सा दान दीजिये।

वह उस पर गौर करता है और फिर बखूबी दान देता है। अब यह क्या है ? "हृदय परिवर्तन" है या "नैतिक दबाव" है या "समकर्म का काम" है ? हां, इसमें हृदय परिवर्तन जरूर है। मगर असल में यह किसान के घर की तरह, उनका हमदर्द बनकर, उनके सुख दुख में शरीक होना है। वह सहस्रस करता है कि अगर "खेत गांव खेती आपकी" वाली चीज में मान लेता हूँ और मेरी तरह दूसरे सभी शरीरों या दुखी किसान मान लेते हैं तो उसके मानी होते हैं कि गांव के क़रीब अस्सी कीसदी लोग उसे मान गये। फिर आजकल लोकशाही या वोट का जमाना है। अस्सी के आगे बीस की नहीं चलेगी। इस तरह गांव के अन्दर की कुल जमीन गांव की हो जायेगी और जिसे जैसी जरूरत होगी मिलकर आपस में बांट लेंगे। इस तरह शरीर का दान "खेत गांव का खेती आपकी" वाले ख्याल के लिये सम्मति का दान है।

यही कारण है कि शरीरों ने ज़्यादा तादाद में दान दिया। उन्हें देना ही चाहिये। इस वक्त जरूरत है मुल्क को नीचे से, बुनियाद से तामीर करने की। इस काम में बैल वाले या ज़ेबमीन किसानों का जितना ज़्यादा हाथ लगे उतना ही अच्छा है। अगर हाथी घोड़े वाले या अमीर लोग अपना सहयोग नहीं देते तो न दें। कब तक नहीं देंगे ? अगर वह बिलकुल ही अलग रहते हैं तो नीचे वाले उनके यहां काम करने से इन्कार कर सकते हैं, उनके छक्के छुड़ा सकते हैं, क्योंकि नीचे वालों के बल पर ही, उनके कंधे पर ही, उनके सहारे से ही वह जीते हैं। इसलिये यह बड़ी ख़ुशी की बात है कि भूदान आन्दोलन ने शरीरों को मौका दिया और वह आगे बढ़ कर नये भारत की नई रचना के काम में हिस्सा ले रहे हैं। इस से समाज के पुराने मूल्य बदलेंगे, नये मूल्य कायम होंगे। जिस तरह अंग्रेज़ी सरकार के पैरोकारों, सर, या खानबहादुरों या रायबहादुरों के कारण हिन्दुस्तान की सियासी आजादी की नाव नहीं ठहरती, उसी तरह बन्दे ज़मीनदारों या पूँजीपतियों के कारण आर्थिक आजादी की नाव नहीं ठहरती।

वे मानता है कि ये बातें सही हैं। वह पूछता है कि ऐसी सूरत में क्या किया जाये। हम उससे अपील करते हैं :

आप इस गम्भीर सवाल पर विचार करें। हमारा ख्याल है कि अब इस देश में धरती की खरीद बिक्री नहीं होनी चाहिये, आपको जितनी जरूरत हो खेती करें मगर खेत पर मालकी अपनी न रहकर गांव की कर दीजिये। खेत गांव का, खेती आपकी। अगर आपको यह बात मंजूर हो तो अपनी जमीन का कुछ हिस्सा दान दीजिये।

वे उस पर गौर करता है और फिर बखूबी दान देता है। अब यह क्या है ? "हृदय परिवर्तन" है या "नैतिक दबाव" है या "समकर्म का काम" है ? हां, इसमें हृदय परिवर्तन जरूर है। मगर असल में यह किसान के घर की तरह, उनके सुख दुख में शरीक होना है। वह सहस्रस करता है कि अगर "खेत गांव खेती आपकी" वाली चीज में मान लेता हूँ और मेरी तरह दूसरे सभी शरीरों या दुखी किसान मान लेते हैं तो उसके मानी होते हैं कि गांव के क़रीब अस्सी कीसदी लोग उसे मान गये। फिर आजकल लोकशाही या वोट का जमाना है। अस्सी के आगे बीस की नहीं चलेगी। इस तरह गांव के अन्दर की कुल जमीन गांव की हो जायेगी और जिसे जैसी जरूरत होगी मिलकर आपस में बांट लेंगे। इस तरह शरीर का दान "खेत गांव का खेती आपकी" वाले ख्याल के लिये सम्मति का दान है।

यही कारण है कि शरीरों ने ज़्यादा तादाद में दान दिया। उन्हें देना ही चाहिये। इस वक्त जरूरत है मुल्क को नीचे से, बुनियाद से तामीर करने की। इस काम में बैल वाले या ज़ेबमीन किसानों का जितना ज़्यादा हाथ लगे उतना ही अच्छा है। अगर हाथी घोड़े वाले या अमीर लोग अपना सहयोग नहीं देते तो न दें। कब तक नहीं देंगे ? अगर वह बिलकुल ही अलग रहते हैं तो नीचे वाले उनके यहां काम करने से इन्कार कर सकते हैं, उनके छक्के छुड़ा सकते हैं, क्योंकि नीचे वालों के बल पर ही, उनके कंधे पर ही, उनके सहारे से ही वह जीते हैं। इसलिये यह बड़ी ख़ुशी की बात है कि भूदान आन्दोलन ने शरीरों को मौका दिया और वह आगे बढ़ कर नये भारत की नई रचना के काम में हिस्सा ले रहे हैं। इस से समाज के पुराने मूल्य बदलेंगे, नये मूल्य कायम होंगे। जिस तरह अंग्रेज़ी सरकार के पैरोकारों, सर, या खानबहादुरों या रायबहादुरों के कारण हिन्दुस्तान की सियासी आजादी की नाव नहीं ठहरती, उसी तरह बन्दे ज़मीनदारों या पूँजीपतियों के कारण आर्थिक आजादी की नाव नहीं ठहरती।

جا رہا ہے۔ اسلیئے کھانا پینا ہوتا ہے کہ دینے والے کا دل بھل بھل رہا ہے یا اسکا ”ہر دے پروردگار“ ہو رہا ہے جو وہ لہلہ کے بھٹنے دیتا ہے۔ اس میں کافی سچائی ہے۔ لیکن ”ہر دے پروردگار“ کے بارے میں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک جادو ہے جس کا نہ کوئی طریقہ ہے نہ وہاں جو آج تک ایسا رنگ دکھانا ہے اور شکار کرتا ہے۔ دوسرے لوگ یہ مانتے ہیں کہ اس میں مخالف مذہبی بھاونوں یا اخلاقی رجحانوں پر بھڑکا دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ شاید اسی وجہ سے آج کے نزدیک دینوں نے کہا کہ بھودان کا دائرہ محدود ہے اور وہ کوئی نیا جہنم دیش کو نہیں دے سکتا۔ بہت نمرتا کے ساتھ ہماری مرض یہ ہے کہ ”ہر دے پروردگار“ ایک پرکریا کا نام ہے جس کی دیکھنا تک بھودان ہے اور ایسا سچا ترک ہے اور جو دوسرے کسی بھی نام یا سلسلہ کی طرح عملی اور دیوارک ہے۔

مگر سچ بات یہ ہے کہ بھودان کے نام کا جو تہوڑا بہت انوکھو ہم نے کہا ہے اس میں ”ہر دے پروردگار“ لفظوں کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آئی۔ دوسرے ہم نے جانکر بھی ان کا استعمال نہیں کیا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس سے فائدہ زیادہ ہی ہوا۔ سو کہیں اور کیسے؟

اپنے دیہات کی آبادی کو ہم مرنے والوں پر چار حصوں میں بانٹ سکتے ہیں: (1) بڑے زمیندار یا ہاتھی والے، (2) سبھی زمیندار یا گھوڑے والے، (3) غریب کسان یا بھول والے اور (4) گھنٹی پر مزدور یا بے زمین۔ کسی گلوں میں انکی اوسط آبادی یہ ہے:

5 : 12 : 43 : 40

اب ان سب سے بھودان آنڈولن کہا اُٹھد کرتا ہے۔ ہاتھی والے زمیندار تہوڑی زمین رکھکر زیادہ سے زیادہ زمین دان میں دیں، گھوڑے والے بھائی اہلی زمین کا کم سے کم چھٹا حصہ دان میں دیں، اور بھول والے سلکھست روپ میں تہوڑی سی زمین دیں۔ مان لکھتے کہ ہاتھی والے اور گھوڑے والے نہیں ملتے۔ اب چلوں بھول والے کے پاس۔ اس سے ہم کہتے ہیں:

(1) آپ کے پاس جو تہوڑی سی زمین ہے اسے ہاتھی والے یا گھوڑے والے مٹھا لھدا چاہتے ہیں۔
(2) شامی بھاہ یا دوسرے خرچ کے موقع پر آپ اہلی زمین دھن رکھتے اور پھر اسے کھو دیتے ہیں۔

(3) اگر گلوں میں ہونے والے کچے مال کو باہر شہروں یا کارخانوں میں پکا کرنا جاتا ہے اور آپ باہر کا مال ہی لکھتے رہے تو فائدہ توں سہر کا ہو یا لہن چھٹا لک کا آپ کو کہا پچھتے والے؟

کو کیا، دوسروں کو کیا، سبھی لوگوں کو اسے اپنی طرف کھینچ لے لیا ہوگا۔

اب ہم ہمدردی پر دو باتیں کے سوال پر آتے ہیں۔ شروع میں یہ دعا دینا بہتر ہوگا کہ بھودان یکجہ کی تحریک کے ذریعہ (سادھن) کے لئے نہ مقصد، پیچھے بوجھ نہ ہو بلکہ اس کے موافق رہنا چاہیے۔ خود ہی کہا تھا کہ ہری زندگی "بھودان یکجہ" اور گرام ادھوک پر دھان کے ساتھ کھانسی "اس کو انکی مقصد انسانی یا سرور سے سماج یا 'سدرس'، دلت (سوا) سے الگ اور شامیں مکنت سماج قائم کرنا ہے۔ ان نہیں جانتا کہ سرور و چار دھارا کا ایسا روشن 'ایلا شاکر' ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ شاکر پیچھے ہی اگس وادی، سراج وادی یا لوک شامی یا لوک شامی (Welfare) نظاموں کے شاکر و فہرے سے مختلف ہے۔ انہی اس سمجھدہ میں زیادہ سمجھدہ یا ادب تھا کہ ہے۔ لیکن دوسری طرف 'سچ' یہ بھی ہے کہ ویدوں نے کر قرآن ہر ایک تک، پیغمبروں نے جو کچھ کہا یا ان کے علاوہ سلفوں کی جو باتیں ہیں وہ انسانی سماج یا سرور سے سماج کا ہی سمجھدہ ہے۔

دوسرے یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ بھودان دولوں کا مقصد ہے زمین آدمی کو زمین دیکر پورا نہیں و جاننا۔ وہ تو اس کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ آج ساری دنیا میں زمین خریدی ہوئی جاتی ہے، یعنی تجارت کے لئے بن گئی ہے۔ ہندوستان میں اس میں زمینوں کے لئے کے بعد ہی زور پڑا۔ انگریزوں نے ہندوستان کو ایک ہندوستان قائم کر کے ہم بھارت میں ان کی بھارت کو بھارت مانا کہ ہی بھوپاری بھلا دیا! بھودان دولوں اس زیادتی کو 'مٹاؤ' دھرتی مانا کو 'مانا' یا سچ مہابھوت کی گدی پر ہر سے بٹھانا چاہتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ اگر دھرتی بھوپار دیں میں چھ ہرے تک آج کی طرح اور جاری رہا تو دیں نہا کہ بھلا نہیں دھتا۔ آگہ ہر کہ بھودان آدمیوں کا مقصد کہ ہر آدمی مکنت کرے اور پوداوار کرنے کا سادھن حاصل ہو، ملک کا ہر گاؤں اپنے دھروں پر کھو 'عو' ہرے ملک کے سب سوال حل ہوتے ہیں، کھا بھرتی اور یا بھرتی، ہمارے ہر سوال ہرے اور بھرتی کی بھلا پر لی کھتے جانوں اور سارا ملک حکومت نام کی چھڑ سے ادا سے زیادہ مکنت یا ہری ہوکر انسانی راہ پر چلے۔

بھودان اس طرف بھولنے کا پہلا قدم ہے۔ کونکہ نکل کی دنیا میں 'لہنا' اور 'دو' ہی زیادہ تر چلتا ہے، مگر بھودان میں 'لہنا' اور 'دو' پر زور دیا

اب ہم ہمدردی پر دو باتیں کے سوال پر آتے ہیں۔ شروع میں یہ دعا دینا بہتر ہوگا کہ بھودان یکجہ کی تحریک کے ذریعہ (سادھن) کے لئے نہ مقصد، پیچھے بوجھ نہ ہو بلکہ اس کے موافق رہنا چاہیے۔ خود ہی کہا تھا کہ ہری زندگی "بھودان یکجہ" اور گرام ادھوک پر دھان کے ساتھ کھانسی "اس کو انکی مقصد انسانی یا سرور سے سماج یا 'سدرس'، دلت (سوا) سے الگ اور شامیں مکنت سماج قائم کرنا ہے۔ ان نہیں جانتا کہ سرور و چار دھارا کا ایسا روشن 'ایلا شاکر' ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ شاکر پیچھے ہی اگس وادی، سراج وادی یا لوک شامی یا لوک شامی (Welfare) نظاموں کے شاکر و فہرے سے مختلف ہے۔ انہی اس سمجھدہ میں زیادہ سمجھدہ یا ادب تھا کہ ہے۔ لیکن دوسری طرف 'سچ' یہ بھی ہے کہ ویدوں نے کر قرآن ہر ایک تک، پیغمبروں نے جو کچھ کہا یا ان کے علاوہ سلفوں کی جو باتیں ہیں وہ انسانی سماج یا سرور سے سماج کا ہی سمجھدہ ہے۔

دوسرے یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ بھودان دولوں کا مقصد ہے زمین آدمی کو زمین دیکر پورا نہیں و جاننا۔ وہ تو اس کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہے۔ آج ساری دنیا میں زمین خریدی ہوئی جاتی ہے، یعنی تجارت کے لئے بن گئی ہے۔ ہندوستان میں اس میں زمینوں کے لئے کے بعد ہی زور پڑا۔ انگریزوں نے ہندوستان کو ایک ہندوستان قائم کر کے ہم بھارت میں ان کی بھارت کو بھارت مانا کہ ہی بھوپاری بھلا دیا! بھودان دولوں اس زیادتی کو 'مٹاؤ' دھرتی مانا کو 'مانا' یا سچ مہابھوت کی گدی پر ہر سے بٹھانا چاہتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ اگر دھرتی بھوپار دیں میں چھ ہرے تک آج کی طرح اور جاری رہا تو دیں نہا کہ بھلا نہیں دھتا۔ آگہ ہر کہ بھودان آدمیوں کا مقصد کہ ہر آدمی مکنت کرے اور پوداوار کرنے کا سادھن حاصل ہو، ملک کا ہر گاؤں اپنے دھروں پر کھو 'عو' ہرے ملک کے سب سوال حل ہوتے ہیں، کھا بھرتی اور یا بھرتی، ہمارے ہر سوال ہرے اور بھرتی کی بھلا پر لی کھتے جانوں اور سارا ملک حکومت نام کی چھڑ سے ادا سے زیادہ مکنت یا ہری ہوکر انسانی راہ پر چلے۔

بھودان اس طرف بھولنے کا پہلا قدم ہے۔ کونکہ نکل کی دنیا میں 'لہنا' اور 'دو' ہی زیادہ تر چلتا ہے، مگر بھودان میں 'لہنا' اور 'دو' پر زور دیا

تعداد میں آئے ہوں۔ مگر اسکی خاص وجہ یہ ہے۔ انگریزوں کے زمانہ میں ہر ہندوستانی کا فرض تھا، چاہے وہ تعلیم یافتہ ہو یا اپوز، کہ ملک کی آزادی کے لیے لڑنے اٹھائے جائے والے ہر قدم کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرے اور سرکار کو کچھ بھی کرے اسکی مخالفت کرے۔ مگر آزاد ہونے کے بعد یہ صورت بدل گئی۔ 14 اگست 1947 تک جہاں ہر سرکاری ملازم فداوار یا دیہی دروہی سمجھا جاتا تھا 15 اگست 1947 سے وہ دیہی بہکت اور قومی خدمتگار سمجھا جانے لگا۔ اس لیے آجکل ہمارے بہت سے تعلیم یافتہ بھائی اسی میں شگوش اور گرو محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنی طاقت و خوبیوں سرکار کی مدد میں اور موجودہ نظام قائم رکھنے میں لگائیں۔ ان کا ایسا کرنا غلط بھی نہیں ہے۔ ایمان کے ساتھ ان کا یہ خیال ہے کہ سرکار کے ساتھ کدھ سے کدھ لگا کر چلنے پر ملک کی ترقی ہوگی۔ ان کا دھواں اس طرف نہیں جاتا کہ موجودہ سرکار سماج کے انہوں ہتھوں کے سوارہوں کی خوشامدوں میں ہے جن میں بچھری سرکار تھی۔ اس لیے کم لوگ ایسے بچھتے ہیں جو یہ ماننے میں کہ اگر ہندوستان میں سچا سچ اور شائقی قائم کرنا ہے تو ہمیں دروہے ہتھوں کی طرف متطالع ہونا پوچھا۔ اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بھارتی جیسی تصدیق کی طرف ان تعلیم یافتہ لوگوں میں سے کم کا ہی دھواں جاتا ہے۔ ایسی تصدیق جس کا سرکاری اسکیموں سے کوئی واسطہ نہیں ہے، جو موجودہ نظام کا کوئی سپارہا نہیں لیتی اور جو اسے بدل کر ایک نیا سماج بنانے کا بھی دعویٰ کرتی ہے۔ اس لیے کسی بھی قدر سرکاری کام میں جو نئے طریقوں سے ہمارے سماجی آرٹیک اور سماجی مسئلوں کا حل ڈھونڈنا ہو، صرف وہی ہمدردی دکھلا سکتے ہیں جو موجودہ نظام کو ناقابل سدھار مانتے ہیں اور جن پر یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوگئی ہو کہ یہ سرکار آنے والے زمانہ کا کامیابی کے ساتھ سامنا نہیں کر سکتی اور اس کا علاج جانا ہی نہایت ضروری چھوڑ ہے۔ لیکن اس طرح کے ہتھوں والوں میں بھی کئی خیال کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ کچھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آہستہ آہستہ بدلا جائے، کچھ سوچتے ہیں کہ جسے بھی ہو جلدی سے جلدی سے بدلا جائے اور کچھ کا یہ اصرار ہو سکتا ہے کہ تبدیلی تو کرنا ہے اور فوراً کرنا ہے مگر کچھ بلحاظی اصول نہیں چھوڑنا ہوں۔ یہ ایک وجہ ہے کہ ہمارے پورے لکھ بھائی بھلوں کی آوجہ بھارت کی طرف کم لگی ہے۔ لیکن اگر بھارت والوں کا یہ دعویٰ ہے کہ اس سے نیا سماج قائم ہوگا اور نیا انسان دنیا کے سامنے آنے کا تب آج نہیں توکل، پورے لکھ لوگوں

हृदय परिवर्तन और भूदान

हमारे मुल्क की तारीख के विद्वानों के आगे यह एक दिलचस्प सवाल बना रहेगा—अंग्रेजों ने जो अपना राज यहां से हटाया तो “हृदय परिवर्तन” की वजह से या सोच समझकर फायदे की निगाह से या देश काल की हालत से मजबूर होकर ? इसी तरह एक नया सवाल अब और पैदा होता जा रहा है कि भूदान आन्दोलन में शरीब और अमीर लोग जो जमीन दे रहे हैं वह “हृदय परिवर्तन” की वजह से या मजबूरी से या किसी और वजह से. हाल ही में हमारे देश के तोपे हुए नेता और बुजुर्ग, आचार्य नरेन्द्र देव जी ने इस तरह का शक जाहिर किया है. उनका कहना है : क्योंकि भूदान तहरीक का आधार “हृदय परिवर्तन” है इसलिये उसका दायरा बंधा हुआ है और वह कोई नया जीवन दर्शन (फलसफ़ा ज़िन्दगी) नहीं दे सकता. उनका यह भी मत है कि उसमें जमीन अमीरों के मुक़ाबिले शरीबों ने ज्यादा दी है और अमीरों ने जो दी है सो मौक़ा महल की वजह से और कुछ नाखुशी के साथ दी है. भूदान यज्ञ के इस उसूली या तात्विक पहलू पर रोशनी डालने और चर्चा छेड़ने के लिये हम आचार्य नरेन्द्र देव के बहुत अहसानमन्द हैं. हमें यकीन है कि इस चर्चा से हमारे मुल्क के दिमागी काम करने वालों या बुद्धि जीवियों के भी शक कुछ दूर हो जायेंगे और मुल्क के पढ़े लिखे और ऊंचे दर्जे के लोगों का सहयोग भूदान आन्दोलन को मिलेगा.

आज भूदान आन्दोलन को तीन साल से ऊपर हो चुके हैं, उसका पैगाम मुल्क के पांच लाख में से एक लाख गांव तक पहुंच चुका है, करीब तीन लाख लोग दान दे चुके हैं और 34 लाख एकड़ के करीब (यानी मुल्क की जोत की ज़मीन का एक फीसदी) ज़मीन मिल चुकी है. कहने की ज़रूरत नहीं कि अगर इस आन्दोलन को आचार्य नरेन्द्र देव जैसे हिम्मतवादी और मुल्क के तालीम-याक़त दिमाग़दार लोगों की मदद मिल गई होती तो उसने कहीं ज्यादा तरक्की की होती. उनका अलग रहना जहां एक दुख की बात है वहां भूदान वालों के लिये एक सोचने और समझने की भी बात है कि ऐसा क्यों हो रहा है ? इसलिये हम ज़रा तकसील के साथ इस सवाल में जाना चाहते हैं.

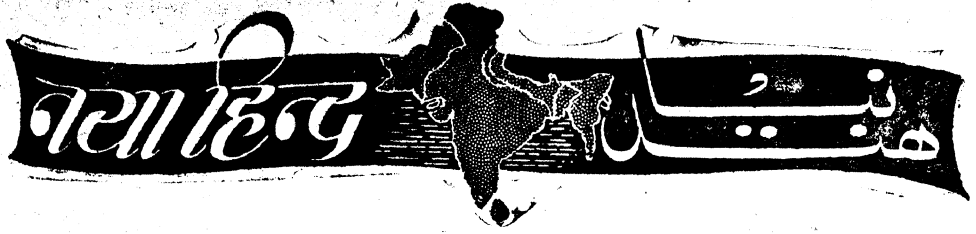
सब से पहले तो हम यह क़बूल करते हैं कि अब तक उसमें ऊंची तालीम पाप हुए या जिन्हें इन्टेलिक्चुअल (Intellectual) कहा जाता है ऐसे लोग बहुत कम

हृदय परिवर्तन और भूदान

हमारे मुल्क की तारीख के विद्वानों के आगे यह एक दिलचस्प सवाल बना रहेगा. अंग्रेजों ने जो अपना राज यहां से हटाया तो “हृदय परिवर्तन” की वजह से या सोच समझकर फायदे की निगाह से या देश काल की हालत से मजबूर होकर ? इसी तरह एक नया सवाल अब और पैदा होता जा रहा है कि भूदान आन्दोलन में शरीब और अमीर लोग जो जमीन दे रहे हैं वह “हृदय परिवर्तन” की वजह से या मजबूरी से या किसी और वजह से. हाल ही में हमारे देश के तोपे हुए नेता और बुजुर्ग, आचार्य नरेन्द्र देव जी ने इस तरह का शक जाहिर किया है. उनका कहना है : क्योंकि भूदान तहरीक का आधार “हृदय परिवर्तन” है इसलिये उसका दायरा बंधा हुआ है और वह कोई नया जीवन दर्शन (फलसफ़ा ज़िन्दगी) नहीं दे सकता. उनका यह भी मत है कि उसमें जमीन अमीरों के मुक़ाबिले शरीबों ने ज्यादा दी है और अमीरों ने जो दी है सो मौक़ा महल की वजह से और कुछ नाखुशी के साथ दी है. भूदान यज्ञ के इस उसूली या तात्विक पहलू पर रोशनी डालने और चर्चा छेड़ने के लिये हम आचार्य नरेन्द्र देव के बहुत अहसानमन्द हैं. हमें यकीन है कि इस चर्चा से हमारे मुल्क के दिमागी काम करने वालों या बुद्धि जीवियों के भी शक कुछ दूर हो जायेंगे और मुल्क के पढ़े लिखे और ऊंचे दर्जे के लोगों का सहयोग भूदान आन्दोलन को मिलेगा.

आज भूदान आन्दोलन को तीन साल से ऊपर हो चुके हैं, उसका पैगाम मुल्क के पांच लाख में से एक लाख गांव तक पहुंच चुका है, करीब तीन लाख लोग दान दे चुके हैं और 34 लाख एकड़ के करीब (यानी मुल्क की जोत की ज़मीन का एक फीसदी) ज़मीन मिल चुकी है. कहने की ज़रूरत नहीं कि अगर इस आन्दोलन को आचार्य नरेन्द्र देव जैसे हिम्मतवादी और मुल्क के तालीम-याक़त दिमाग़दार लोगों की मदद मिल गई होती तो उसने कहीं ज्यादा तरक्की की होती. उनका अलग रहना जहां एक दुख की बात है वहां भूदान वालों के लिये एक सोचने और समझने की भी बात है कि ऐसा क्यों हो रहा है ? इसलिये हम ज़रा तकसील के साथ इस सवाल में जाना चाहते हैं.

सब से पहले तो हम यह क़बूल करते हैं कि अब तक उसमें ऊंची तालीम पाप हुए या जिन्हें इन्टेलिक्चुअल (Intellectual) कहा जाता है ऐसे लोग बहुत कम



جلد 17

اگست سن '54

نمبر 2

نمبر 2

اگست سن '54

جلد 17

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لیتے پریم کی مچولی۔

جات آدمی، پریم دھرم ہے، ہندوستانی بولی،
'نیا ہند' پہنچے گا گھر گھر لیتے پریم کی مچولی۔

اب سوخ کے زمانے آتے ہیں

(واقف راجاکی)

ہم جیون جوت جلاتے ہیں
وہ اندھارا پہلاتے ہیں
ہم آسمن کے نازے لگاتے ہیں
وہ آسمن ہم برساتے ہیں!
ہم رُکھی سُرخی کھاتے ہیں
وہ مکھن دوس بڑاتے ہیں
ہم گم کے مارے روتے ہیں
وہ گیت سُرخی کے گاتے ہیں
ہم دین بھر مہنات کرتے ہیں
وہ بے-مہنات فالت کھاتے ہیں
وہ کہتے ہیں بس کام کرو
پر کام کہاں ہم پاتے ہیں
جو ہونا ہے سو ہو جائے
ہم آگے قدم بڑاتے ہیں
ہم ان کی جگہ کر ڈوڑے
دین راکھت میں جو گناہتے ہیں
تو آکھیں ملکر دیکھ تو لو
ہر شے پہ اچالے چہاتے ہیں
آکھیں پہ ہادل لہرا کر
دھرتی پہ گھر برساتے ہیں
گل کھلتے ہیں پور لکھتے ہیں
پت جھوٹے موسم جاتے ہیں
دین دھرم کے 'واقف' بہت کثرت
اب سوخ کے زمانے آتے ہیں

اب سوخ کے زمانے آتے ہیں

(واقف راجاکی)

ہم جیون جوت جلاتے ہیں
وہ اندھارا پہلاتے ہیں
ہم آسمن کے نازے لگاتے ہیں
وہ آسمن ہم برساتے ہیں!
ہم رُکھی سُرخی کھاتے ہیں
وہ مکھن دوس بڑاتے ہیں
ہم گم کے مارے روتے ہیں
وہ گیت سُرخی کے گاتے ہیں
ہم دین بھر مہنات کرتے ہیں
وہ بے-مہنات فالت کھاتے ہیں
وہ کہتے ہیں بس کام کرو
پر کام کہاں ہم پاتے ہیں
جو ہونا ہے سو ہو جائے
ہم آگے قدم بڑاتے ہیں
ہم ان کی جگہ کر ڈوڑے
دین راکھت میں جو گناہتے ہیں
تو آکھیں ملکر دیکھ تو لو
ہر شے پہ اچالے چہاتے ہیں
آکھیں پہ ہادل لہرا کر
دھرتی پہ گھر برساتے ہیں
گل کھلتے ہیں پور لکھتے ہیں
پت جھوٹے موسم جاتے ہیں
دین دھرم کے 'واقف' بہت کثرت
اب سوخ کے زمانے آتے ہیں

”نہا ہند“
ہندوستانی کلاسیک سوسائٹی

”نہا ہند“
ہندوستانی کلاسیک سوسائٹی

کا
ماہواری پرچا

ماہواری پرچا

اگست 1954

کس سے

سکا

کس سے

1. اب سکہ کے زمانے آتے ہیں (کہہنا) — (واقف زالی) ... 65 ...
2. ہر دے بہر دین اور بہودان — سریش رام بھائی ... 66 ...
3. راجا رام موہن رائے کا یک — لکھنک مگن بھائی دیسائی — انورادک — کانو بھائی نانالال پٹیل ... 71 ...
4. سرودے، بہودان اور ہر دے بہر دین — کمارو سرورج اڈوال ... 75 ...
5. ماسکو سے خط — سندور لال ... 85 ...
6. چونا عوٹا (بھائی) — مسجد رموی ... 90 ...
7. کونگ — اے جی (کہانی) — لکھنک — ابو سن؛ انورادک — کامہشور اڈوال ... 96 ...
8. پرواسی کی ڈاڑھی — سوجیہ ریشوی ... 102 ...
9. کچھ کتابیں ... 109 ...
10. ہماری رائے — ... 111 ...

لکھا کھت — سندور لال؛ اسنلیت اور پرچار — سورشرام بھائی؛ ونسپتی اور ہمارے وکھانک — سریش رام بھائی؛ مصر اور برطانویہ کا مسجدونہ — مسجد رموی؛ اندور لی دہانگہ — مسجد رموی .

چھوچھوت — سندور لال؛ اصلاحت اور پرچار — سریش رام بھائی؛ بدستہتی اور ہمارے وکھانک — سریش رام بھائی؛ مصر اور برطانویہ کا مسجدونہ — مسجد رموی؛ اندور لی دہانگہ — مسجد رموی .

کریمت — ہندوستان میں لکے کپیا سال، باہر دس کپیا سال، ایک پرچا — دس آتے،

لکھت — ہندوستان میں چھ روپے سال، باہر دس روپے سال، ایک پرچہ — دس آتے.

مینہر

مہنچو

”نہا ہند“

”نہا ہند“

146، سڈیگنڈ، ایلانہاواک

146، سڈیگنڈ، ایلانہاواک

نیا ہند

تجلیات

6
MK

ایڈیٹر—تارا چند، بھگوان دین، سیّد مہمّد، بیسبھر ناٹھ، سندرلال

ایڈیٹر—تارا چند، بھگوان دین، سیّد مہمّد، بیسبھر ناٹھ، سندرلال

معاون ایڈیٹر—سورب رام بھائی، سنجیو ریڈی، سنجیو ریڈی

Osmania University Library,
HYDERABAD (DECCAN)

12 AUG 1954

اس نمبر کے خاص لکھ

اس نمبر کے خاص لکھ

- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی

- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی
- ★ ہندو پرچیت اور ہندو—سورب رام بھائی

ہماری رائے :—

- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی

- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی
- ★ لکھنا—سورب رام بھائی

ہندوستان کی سوسائٹی آف لٹریچر، لاہور

اگست 1954

ہندوستان کی سوسائٹی آف لٹریچر

اگست 1954

हमारे यहाँ मिलने वाली कुछ और किताबें

नोट:—यह किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

लक्ष्मी:—ये किताबें सिर्फ हिन्दी में हैं

नाम किताब	लेखक	दाम	लिफ्ट	नाम किताब
1. शेर और शायरी	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	8 0 0	श्री अयोध्या प्रसाद गोयलीय	1. शेर और शायरी
2. शेर और सुखन	"	8 0 0	"	2. शेर और सुखन
3. गहरे पानी पैठ	"	2 8 0	"	3. गहरे पानी पैठ
4. हमारे आराध्य	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	3 0 0	श्री बनारसीदास चतुर्वेदी	4. हमारे आराध्य
5. संस्मरण	"	3 0 0	"	5. संस्मरण
6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियाँ	श्री जगदीशचन्द्र जैन	3 0 0	श्री जगदीशचन्द्र जैन	6. दो हजार वर्ष पुरानी कहानियाँ
7. ज्ञान गंगा	श्री नारायण साद जैन	6 0 0	श्री नारायण साद जैन	7. ज्ञान गंगा
8. पथ चिन्ह	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	2 0 0	श्री शान्ति प्रिय द्विवेदी	8. पथ चिन्ह
9. पंच प्रदीप	शान्ति एम. ए.	2 0 0	शान्ति एम. ए.	9. पंच प्रदीप
10. आकाश के तारे धरती के फूल	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	2 0 0	श्री कन्हैयालाल मिश्र प्रभाकर	10. आकाश के तारे धरती के फूल
11. मुक्ति दूत	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	5 0 0	श्री वीरेन्द्र कुमार जैन एम. ए.	11. मुक्ति दूत
12. मिलन यामिनी	श्री बच्चन	4 0 0	श्री बच्चन	12. मिलन यामिनी
13. रजत रश्मि	डाक्टर रामकुमार वर्मा	2 8 0	डाक्टर रामकुमार वर्मा	13. रजत रश्मि
14. मेरे बापू	श्री तन्मय बुखारिया	2 8 0	श्री तन्मय बुखारिया	14. मेरे बापू
15. विश्व संघ की ओर	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	3 0 0	पंडित सुन्दरलाल भगवानदास केला	15. विश्व संघ की ओर
16. भारतीय अर्थशास्त्र	श्री भगवानदास केला	5 0 0	श्री भगवानदास केला	16. भारतीय अर्थशास्त्र
17. भारतीय शासन	"	3 0 0	"	17. भारतीय शासन
18. नागरिक शास्त्र	"	2 4 0	"	18. नागरिक शास्त्र
19. साम्राज्य और उनका पतन	"	2 8 0	"	19. साम्राज्य और उनका पतन
20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन	"	1 4 0	"	20. भारतीय स्वाधीनता आन्दोलन
21. सदीय अर्थ व्यवस्था	"	1 6 6	"	21. सदीय अर्थ व्यवस्था
22. हमारी आदिम जातियाँ	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	3 8 0	श्री भगवानदास केला और श्री अखिल विनय	22. हमारी आदिम जातियाँ
23. अर्थशास्त्र शब्दावली	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अखिलेश्वर, भगवानदास केला	2 0 0	श्री दया शंकर दुबे, एम. ए. एल. एल. बी. गजाधर प्रसाद, अखिलेश्वर, भगवानदास केला	23. अर्थशास्त्र शब्दावली
24. नागरिक शिक्षा	भगवानदास केला	1 8 0	भगवानदास केला	24. नागरिक शिक्षा
25. राष्ट्र मंडल शासन	श्री दयाशंकर दुबे	1 8 0	श्री दयाशंकर दुबे	25. राष्ट्र मंडल शासन
26. जवानो	महात्मा भगवानदीन	3 0 0	महात्मा भगवानदीन	26. जवानो
27. मारने की हिम्मत !	"	1 0 0	"	27. मारने की हिम्मत !
28. सलौना सच	"	0 8 0	"	28. सलौना सच
29. मेरे साथी	"	1 0 0	"	29. मेरे साथी

मिलने का पता—

मैनेजर 'नया हिन्द'

मैनेजर 'नया हिन्द'

मैनेजर 'नया हिन्द'

ہنسی آتی ہے ان چھ ممبروں کے یہ کہنے پر کہ یہ پردیش اذیت سے نہیں بلکہ ناراضگی سے بھرا ہوا ہے۔

سچ ہے کہ مغل حوڈان ہے کہ اگر ترک انگریزوں نے الگ صوبہ بنا رکھا تھا تو اب بھی وہ الگ پردیش کہوں دے؟ یا اگر گوالیئر اور اندور کو مدھیہ بھارت میں ملا دیا جاسکتا ہے تو بھوپال کو کہوں نہ ملا جائے؟ یا پھر رامپور کو اگر پردیش میں ملائے کی وجہ انگ سے (C) پردیش کہوں نہ قرار دیا جائے؟ یا کئی ریاستوں میں جو جب مدھیہ پردیش نہ ہوا تھا تو اب اسے احمد وندھیا کا درجہ دینے کی بجائے سوراشٹر اور راجستھان کی طرح (B) درجہ میں کہوں نہ رکھا گیا؟ یہ تو ایک اسی طرح کا بے تکاظم نظر آتا ہے جیسا انگریز لوگ متحدہ ہندوستان کے مصلحتاً کرتے تھے۔ لیکن آج ان میں کوئی وزن نہیں معلوم ہوتا۔

مگر جیسا ہم نے اوپر کہا (C) پردیشوں کے چیف ممبروں کو ہم بدھائی دیتے ہیں جو انہوں نے اس خوبصورتی کے ساتھ اپنی ولایت کی ہے۔ ان کے خیال کی ہم قدر کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ نئے صوبے یا بڑے صوبے چاہئے والی جو جماعتیں ہوں وہ اس ممبرانہم سے سبق حاصل کریں کہ کس سطح پر انگریزوں کے ساتھ کوئی بات کہی جانی ہے۔ اس کام میں دماغ کے تھکا دھکے کی جتنی ضرورت ہے اتنی کسی اور چیز کی نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ شاہکار کمیشن کے سامنے سامنے سامنے ممبرانہم (C) پردیش والوں کی طرح سے یہیں ہوں تو اس کا آدھا بوجھ ہٹا ہو جائے اور ملک کی شان ہو۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ کمیشن پورے ہندوستان کے نقشہ کو سامنے رکھتے ہوئے (C) پردیشوں کے ہوشیہ کے بارے میں بھی مناسب رائے قائم کریں گے۔

9. 6. '54

—سوریشرام भाई

پردیشی دامبھائی

9. 6. '54

کے میدان میں ان پر دیشوں نے دوسرے بڑے پر دیشوں کے مقابلے اب تک کہوں زیادہ ترقی کی ہے حالانکہ ہند سرکار سے وابستہ کی منظوری وغیرہ ملنے میں انگر دیر ہی لگی۔

ہم (C) پر دیشوں کے چیف مینسٹروں کو داد دیتے ہیں۔ جس خوبی کے ساتھ انہوں نے اپنا مہمورنگم تیار کیا اس کے لئے ہمارا دلی مبارکباد۔ لیکن ایک کسر باقی رہ گئی۔ وہ یہ کہ جب (C) پر دیشوں نے اس بہترین قہقہے سے کام لیا اور وہاں کی حکومت نے جلتا میں چوہے پیدا کر دکھایا تو یہ چوہے منسٹر مانگ کریں کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ (A) اور (B) پر دیشوں میں سے چوہے چھوٹے حصہ نکال کر (C) کی تعداد بڑھا دی جائے تاکہ سارا ملک زیادہ چوہے سے آگے بڑھے! ہم یہ بھی سفارشی ضرور کرتے مگر دیکھتے کہا میں کہ دہلی پر دیش میں آگے دن چھوڑے اور تو تو میں میں چل رہی ہے۔ ادھر ادھر میں نہیں سنگین حالت ہے اور اسمبلی کہا ہے دانو پھج کی شترنج بن گئی ہے۔ ہر وندہ پر دیش میں ہی ویسا ہی نظارہ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کے گورنر صاحب کو ایک نیا شوق پیدا ہوا ہے۔ ایک تہائی راجدھانی کہو کرنا۔ اس کے لئے انہوں نے امرکٹک کا مقام پسند کیا ہے۔ کچھ دن وہ اور ان کے منسٹر وہاں جا کر رہے ہیں۔ ہمیں دے کہ جلدی میں انہوں روپے کی اسکیم سے وہاں ایٹھوں کے محل چلتا شروع ہو جائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہمارا (A) اور (B) پر دیش کے حکمران یا اسمبلی والوں کو میں اس کے شکار (C) والے ہی بہت زیادہ ہوں۔ شاید فیشن میں شمار کہنے جانے کی وجہ سے وہاں ایسا ہوتا ہو۔ مگر یہ صاف ہے کہ (C) پر دیشوں نے کوئی ایسا تھوس قدم نہیں اٹھایا جس سے وہاں کی جلتا کو کوئی کارگر فائدہ پہونچا ہو۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ (C) پر دیش میں شامل ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوا اور چھا تھم گوہ اور تھو گووالا وغیرہ میں اب وسعت کی گزرت ہے پہونچے لگا اور کہا دورہ، کیا گئی، سبھی اچھی چیزوں کو ناپید کر رہا ہے۔ اس طرح چھو (C) پر دیشوں میں دیہاتی دستکاریاں مت رہی ہیں اور ہکاری بڑھ رہی ہے۔

ہم (C) پر دیشوں کے چیف مینسٹروں کی داد دیتے ہیں۔ جس خوبی کے ساتھ انہوں نے اپنا مہمورنگم تیار کیا اس کے لئے ہمارا دلی مبارکباد۔ لیکن ایک کسر باقی رہ گئی۔ وہ یہ کہ جب (C) پر دیشوں نے اس بہترین قہقہے سے کام لیا اور وہاں کی حکومت نے جلتا میں چوہے پیدا کر دکھایا تو یہ چوہے منسٹر مانگ کریں کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ (A) اور (B) پر دیشوں میں سے چوہے چھوٹے حصہ نکال کر (C) کی تعداد بڑھا دی جائے تاکہ سارا ملک زیادہ چوہے سے آگے بڑھے! ہم یہ بھی سفارشی ضرور کرتے مگر دیکھتے کہا میں کہ دہلی پر دیش میں آگے دن چھوڑے اور تو تو میں میں چل رہی ہے۔ ادھر ادھر میں نہیں سنگین حالت ہے اور اسمبلی کہا ہے دانو پھج کی شترنج بن گئی ہے۔ ہر وندہ پر دیش میں ہی ویسا ہی نظارہ ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کے گورنر صاحب کو ایک نیا شوق پیدا ہوا ہے۔ ایک تہائی راجدھانی کہو کرنا۔ اس کے لئے انہوں نے امرکٹک کا مقام پسند کیا ہے۔ کچھ دن وہ اور ان کے منسٹر وہاں جا کر رہے ہیں۔ ہمیں دے کہ جلدی میں انہوں روپے کی اسکیم سے وہاں ایٹھوں کے محل چلتا شروع ہو جائے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جو ہمارا (A) اور (B) پر دیش کے حکمران یا اسمبلی والوں کو میں اس کے شکار (C) والے ہی بہت زیادہ ہوں۔ شاید فیشن میں شمار کہنے جانے کی وجہ سے وہاں ایسا ہوتا ہو۔ مگر یہ صاف ہے کہ (C) پر دیشوں نے کوئی ایسا تھوس قدم نہیں اٹھایا جس سے وہاں کی جلتا کو کوئی کارگر فائدہ پہونچا ہو۔ ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ (C) پر دیش میں شامل ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوا اور چھا تھم گوہ اور تھو گووالا وغیرہ میں اب وسعت کی گزرت ہے پہونچے لگا اور کہا دورہ، کیا گئی، سبھی اچھی چیزوں کو ناپید کر رہا ہے۔ اس طرح چھو (C) پر دیشوں میں دیہاتی دستکاریاں مت رہی ہیں اور ہکاری بڑھ رہی ہے۔

اس کے علاوہ ان پر دیشوں نے منسٹروں نے اس سادگی کا نمونہ بھی نہیں پیش کیا جو ان سے اُمید کی جا سکتی تھی۔ نہ وہاں کے دوسرے سرکاری خرچوں میں کوئی ایسی کمی دکھائی پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ سمجھا جا سکے کہ کفایت کے لحاظ سے چھوٹے پر دیش دیکھا بہتر ہوا۔

اس کے علاوہ ان پر دیشوں نے منسٹروں نے اس سادگی کا نمونہ بھی نہیں پیش کیا جو ان سے اُمید کی جا سکتی تھی۔ نہ وہاں کے دوسرے سرکاری خرچوں میں کوئی ایسی کمی دکھائی پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ سمجھا جا سکے کہ کفایت کے لحاظ سے چھوٹے پر دیش دیکھا بہتر ہوا۔

اس کے علاوہ ان پر دیشوں نے منسٹروں نے اس سادگی کا نمونہ بھی نہیں پیش کیا جو ان سے اُمید کی جا سکتی تھی۔ نہ وہاں کے دوسرے سرکاری خرچوں میں کوئی ایسی کمی دکھائی پڑتی ہے جس کی وجہ سے یہ سمجھا جا سکے کہ کفایت کے لحاظ سے چھوٹے پر دیش دیکھا بہتر ہوا۔

مई 11-12 تारीخی کی इन छप्पों प्रदेशों के चीफ मिनिस्टर्स की कामन्स से 12 मील दूर 'भागो' नाम के एक ठंडे मुकाम पर हुई जो हिमाचल प्रदेश में पता है. उस कामन्स के सदर अजमेर के चीफ मिनिस्टर श्री हरी भाउ उपाध्याय जी थे. उस कामन्स ने पांच सप्ते का लम्बा एक बयान प्रेस को दिया जो एक मेमोरेण्डम की शकल में उस कमीशन के सामने पेश किया जायेगा जिसके सिपुर्व हिन्दुस्तान के नये नक्शे की तैयारी का काम किया गया है.

इस बयान को देखने पर पता चलता है कि इन प्रदेशों के चीफ मिनिस्टर्स पर नेस्त नाबूद होने का होआ छाया हुआ है और उन्हें काफी डर इस बात का है कि अगर मुल्क के नक्शे में कुछ भी तबदीली की गई है तो पहले हम ही शहीद किये जाने वाले हैं. उनका कहना है कि मुल्क की बह्तरी के लिहाज से यह सुनासिब है कि मौजूदा सियासी निजाम को नहीं बदला जाये. पर अगर कुछ थोड़ी बहुत रद्दोबदल जरूरी समझी जाये भी तो कम से कम (C) दर्जे के प्रदेशों को बदस्तूर बने रहने दिया जाय. इसकी उन्होंने कई वजह गिनाई हैं :-

(1) उनका जन्म किसी इत्फाक से नहीं बल्कि तारीखी सिलसिले से है.

(2) यहां के लोग चाहते हैं कि यह बनी रहे. इसलिये उनकी राय की ठुकराना लोकशाही के खिलाफ होगा और विधान के उसूलों को नजरअन्दाज करना होगा.

(3) यह हालत खयाल है कि यह प्रदेश सरकारों पर बोझ हैं. यह ऐतराज असलियत से दूर है और सिर्फ वही लोग कर सकते हैं जिन्हें हालत की सच्ची जानकारी नहीं है.

(4) हर प्रदेश की आमदनी व खर्च की सूरत बहुत अच्छी है और अगर केन्द्र से कुछ मदद आती है तो केवल उन योजनाओं वौरा के लिये जो केन्द्र की सरकार तजवीज करती है. ऐसी मदद तो (A) और (B) प्रदेशों को भी दी जा रही है.

(5) केन्द्र में आबकारी और आमदनी पर टैक्स से जो रुपया पहुंचता है उसमें वह (A) और (B) प्रदेशों से तो शिरकत करता है मगर (C) से नहीं. इस चीज में हमारा भी हक है जिसको कुछ लोग महसूस नहीं करते.

(6) उन प्रदेशों में लोकशाही या प्रजातन्त्र का नमूना चल रहा है. इसकी वजह से लोगों में एक जोश पैदा हुआ है. इसका नतीजा है कि पंचसाला योजना में जिस दर्जे यहां वाले शिरकत कर सकते हैं उस हद तक दूसरे प्रदेश वाले नहीं कर सकते. यही कारन है कि विकास

में मंदी 11-12 तारीख को इन छप्पों प्रदेशों के चीफ मिनिस्टर्स की कामन्स से 12 मील दूर 'भागो' नाम के एक ठंडे मुकाम पर हुयी जो हिमाचल प्रदेश में पता है. उस कामन्स के सदर अजमेर के चीफ मिनिस्टर श्री हरी भाउ उपाध्याय जी थे. उस कामन्स ने पांच सप्ते का लम्बा एक बयान प्रेस को दिया जो एक मेमोरेण्डम की शकल में उस कमीशन के सामने पेश किया जायेगा जिसके सिपुर्व हिन्दुस्तान के नये नक्शे की तैयारी का काम किया गया है.

اس بیان کو دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ ان پردیشوں کے چیف منسٹروں پر نوست نابود ہونے کا ہوا چھایا ہو اے اور انہیں کافی ڈر اس بات کا ہے کہ اگر ملک کے نقشہ میں کچھ بھی تبدیلی کی گئی تو پہلے ہم ہی شہید کئے جانے والے ہوں. ان کا کہنا ہے کہ ملک کی بہتری کے لحاظ سے یہ مناسب ہے کہ موجودہ سیاسی نظام کو نہیں بدلا جائے. پر اگر کچھ ضروری بہمت رت و بدل ضروری سمجھی جائے بھی تو کم سے کم (C) درجہ کے پردیشوں کو بدستور بلکہ دھم دیا جائے. اسکی انہیں نے کئی وجہ گنائی ہوں :-

(1) ان کا جہم کسی اتفاق سے نہیں بلکہ تاریخی سلسلے سے ہے.

(2) یہاں کے لوگ چاہتے ہوں کہ یہ بلی دھوں. اس لئے انکی راہ کو ٹھکانا لوکشاہی کے خلاف عوا اور دھان کے اصولوں کو نظر انداز کرنا ہوگا.

(3) یہ غلط خیال ہے کہ یہ پردیش مرکزی سرکار پر بوجھ ہوں. یہ اعتراض اصلیت سے دور ہے اور صرف وہی لوگ کر سکتے ہوں جنہیں حالات کی سچی جانکاری نہیں ہے.

(4) ہر پردیش کی آمدنی و خرچ کی صورت بہت اچھی ہے اور اگر گولڈر سے کچھ مدد آتی ہے تو گول ان پرچندوں وادہ کے لئے جو گولڈر کی سرکار تجویز کرتی ہے. ایسی مدد تو (A) اور (B) پردیشوں کو بھی دی جا رہی ہے.

(5) گولڈر میں آبکاری اور آمدنی پر ٹیکس سے جو روپیہ پہنچتا ہے اس میں وہ (A) اور (B) پردیشوں سے تو شریک کرتا ہے مگر (C) سے نہیں. اس چھڑ میں ہمارا بھی حق ہے جس کو کچھ لوگ محسوس نہیں کرتے.

(6) ان پردیشوں میں لوکشاہی یا پرچلتلتر کا نمونہ چل رہا ہے. اسکی وجہ سے لوگوں میں ایک جوش پیدا ہوا ہے. اس کے نتیجہ میں کہ پہلچ سالہ یوجنا میں جس درجہ یہاں والے شریک کر سکتے ہوں اس حد تک دوسرے پردیش والے نہیں کر سکتے. یہی کارن ہے کہ واکس

جو प्रोजेक्ट चला रही है ननमें है। महत्त्व खेती की पैदावार बढ़ाने से कोई फायदा नहीं होने वाला है जबतक गांव की ज़रूरत की दीगर चीज़ें भी गांव में नहीं तैयार होतीं। यानी खेती और ग्राम उद्योग एक ही चीज़ के दो पहलू हैं। या यों कहें कि गांव की एक आंख खेती है तो दूसरी ग्राम उद्योग है। उनमें से एक के भी बिगड़ने पर सारी शकल बिगड़ जाती है।

हम चाहते हैं कि क्या लानिंग कमीशन वाले और क्या सरकारों, क्या सुबे की सब सरकारों सभी इस पहलू पर ज़रा गौर करें और सोचें कि नीलोखेड़ी का सारा काम एक फुलभंडी जैसा हो कर क्यों रह गया? हमारा भरोसा है कि अगर नीलोखेड़ी से सरकार ने ठीक सबक सही तरीक़े पर सीख लिया और उसके मुताबिक सारी स्क्रीमों और योजनाओं में तबदीली कर दी तो अब तक की गई मेहनत फ़िज़ूल न कही जायेगी, क्योंकि सुबह का भूला अगर शाम को घर लौट आये तो भूला नहीं कहा जाता।

9. 6. '54

—सुरेशराम भाई

सी-प्रदेशों का भविष्य

भारत के विधान में तीन तरह की स्टेट या प्रदेश मन्सूर किये जये हैं: (A), (B) और (C)। दर्जा (A) में ज्यादातर वह बड़े प्रदेश हैं जो अंग्रेज़ों के ज़माने में गवर्नरों के सुबे कहलाते थे जैसे यूपी, बम्बई, मद्रास वगैरा। दर्जा (B) में वह इलाक़े हैं जो अंग्रेज़ों के ज़माने में छोटी बड़ी 600 से ऊपर रियासतें थीं और जिन्हें सरदार पटेल ने मिला कर एक बड़ी शकल दी थी, जैसे सीराष्ट्र, मध्य भारत, त्रिकोची वगैरा। दर्जा (C) में वह इलाक़े हैं जो पहले चीक कमिशनर के सुबे कहे जाते थे या रियासतों की शकल में थे। दर्जा (C) में छे प्रदेश हैं: देहली, अजमेर, कुर्ग, भोपाल, हिमाचल और विन्ध्य प्रदेश।

जब से यह (C) प्रदेश बने तब से ही यह सवाल अक़तर लोगों के सामने पैदा होता है कि आखिर उनकी ज़रूरत क्या है? क्या अजमेर को राजस्थान में या भोपाल को मध्य भारत में नहीं शामिल किया जा सकता? फिर यह भी सुनने में आया कि जब पुराने रजवाड़ों को मिलाया जा रहा था उस वक़्त भी (C) रियासतों को अलग न रखने का सोचा जा रहा था मगर कुछ आला शख़्सियतों की निजी पसंदगी और नापसंदगी भी उनके बनने का एक बाइस बन गई। बहरहाल आज, जैसा हमने ऊपर अज़ क़िया, (C) दर्जे में छे प्रदेश हैं।

जुलाई '54

(60)

जो प्रोजेक्ट चला रही है उनमें से कोई फायदा नहीं होने वाला है जबतक गांव की ज़रूरत की दीगर चीज़ें भी गांव में नहीं तैयार होतीं। यानी खेती और ग्राम उद्योग एक ही चीज़ के दो पहलू हैं। या यों कहें कि गांव की एक आंख खेती है तो दूसरी ग्राम उद्योग है। उनमें से एक के भी बिगड़ने पर सारी शकल बिगड़ जाती है।

हम चाहते हैं कि क्या लानिंग कमीशन वाले और क्या सरकारों, क्या सुबे की सब सरकारों सभी इस पहलू पर ज़रा गौर करें और सोचें कि नीलोखेड़ी का सारा काम एक फुलभंडी जैसा हो कर क्यों रह गया? हमारा भरोसा है कि अगर नीलोखेड़ी से सरकार ने ठीक सबक सही तरीक़े पर सीख लिया और उसके मुताबिक सारी स्क्रीमों और योजनाओं में तबदीली कर दी तो अब तक की गई मेहनत फ़िज़ूल न कही जायेगी, क्योंकि सुबह का भूला अगर शाम को घर लौट आये तो भूला नहीं कहा जाता।

—सुरेशराम भाई

9. 6. '54

सी-प्रदेशों का भविष्य

भारत के विधान में तीन तरह की स्टेट या प्रदेश मन्सूर किये जये हैं: (A), (B) और (C)। दर्जा (A) में ज्यादातर वह बड़े प्रदेश हैं जो अंग्रेज़ों के ज़माने में गवर्नरों के सुबे कहलाते थे जैसे यूपी, बम्बई, मद्रास वगैरा। दर्जा (B) में वह इलाक़े हैं जो अंग्रेज़ों के ज़माने में छोटी बड़ी 600 से ऊपर रियासतें थीं और जिन्हें सरदार पटेल ने मिला कर एक बड़ी शकल दी थी, जैसे सीराष्ट्र, मध्य भारत, त्रिकोची वगैरा। दर्जा (C) में वह इलाक़े हैं जो पहले चीक कमिशनर के सुबे कहे जाते थे या रियासतों की शकल में थे। दर्जा (C) में छे प्रदेश हैं: देहली, अजमेर, कुर्ग, भोपाल, हिमाचल और विन्ध्य प्रदेश।

जब से यह (C) प्रदेश बने तब से ही यह सवाल अक़तर लोगों के सामने पैदा होता है कि आखिर उनकी ज़रूरत क्या है? क्या अजमेर को राजस्थान में या भोपाल को मध्य भारत में नहीं शामिल किया जा सकता? फिर यह भी सुनने में आया कि जब पुराने रजवाड़ों को मिलाया जा रहा था उस वक़्त भी (C) रियासतों को अलग न रखने का सोचा जा रहा था मगर कुछ आला शख़्सियतों की निजी पसंदगी और नापसंदगी भी उनके बनने का एक बाइस बन गई। बहरहाल आज, जैसा हमने ऊपर अज़ क़िया, (C) दर्जे में छे प्रदेश हैं।

जुलाई '54

किस नतीजे पर पहुंचे या उन्होंने उससे क्या सफल हासिल किया। हम मानते हैं कि इस तरह की बस्तियां बसाने का उन्हें तजुर्बा नहीं था और यह अपने ढंग की पहली कोशिश थी। जिहादा कुछ न कुछ कमी रह जाना तो क़ुर्रती बात थी। लेकिन हमारा खयाल है कि चाहे कितनी भी ख़ूबी ब होशियारी से नीलोखेड़ी का काम क्यों न किया गया होता नतीजा यही था इससे मिलता जुलता होने वाला था। वजह यह है कि गांव या किसी बस्ती की तामीर का जो सांचा हमारी हकूमत या लानिंग कमीशन के पास है उस सांचे में उस मुल्क के गांव या बस्तियों को नहीं ढाला जा सकता। हमारा अपना खयाल है कि नीलोखेड़ी की नाकामयाबी की बुनियादी वजह सिर्फ एक है। वह यह कि उस बस्ती को खाने, कपड़े और दूसरी बुनियादी ज़रूरतों में अपने पांव पर खड़े करने की कोशिश ही नहीं की गई। कपड़ा और ज़रूरी सामान बाहर से ला ला कर तनख्वाह या पैसे के जोर पर गांव नहीं बसाये जा सकते।

जरा सोचने की बात है कि आज हमारे गांव क्यों तबाह हैं। अनाज तो वहां होता है। मगर अनाज के अलावा बाक़ी सभी सामान जैसे कपड़ा, जूता, बर्तन, पान, बीड़ी, तम्बाकू, तेल वगैरा सभी बाहर से आते हैं। इसका मतलब है कि अनाज तीन सेर की जगह तीन छटांक का भी बिकने लग जाये मगर किसान के पास पैसा रह ही नहीं पायेगा। आज जहां हमारे देहाती भाई बर्बाद हैं शायद ब्याह और गांजा भांग शराब के नशों से, वहां बाज़ार साहूकार, और सरकार मिलकर उनका वजूद मिटा रहे हैं। क्रसुर न सरकार का है न साहूकार का, न बाज़ार, वाले व्यापारियों का, बल्कि उस नज़ाम का जो हमको अंग्रेज़ों से विरासत में मिला है। जो दांचा अंग्रेज़ों ने अपने मतलब के लिये क़ायम किया था वह बदस्तूर चलाया जा रहा है जिसकी वजह से देहातों की हालत दिन दूनी रात चौगुनी खराब हो रही है। जब तक देहातों की दौलत बाहर जाती है तब तक देहातों का भला नहीं हो सकता। दूसरे जगहों में देहातों में होने वाला कच्चा माल वहीं काम में आना चाहिये और वहीं उसका पक्का माल बने और वहीं वह ख़र्च हो और ख़र्च से जो बचे वह शहरों में जाये। अंधे बहरे का मेल हमारे देहातों में नहीं ठेहर सकता। आख़िरी एक की और ज़बान कान दूसरे की रखने से काम नहीं चलेगा। जहां का अनाज वहीं का कपड़ा, तेल वगैरा हो। इन्सान की ज़िस्म की तरह गांव की आर्थिक बनावट भी एक मक़म्मल बीज है जिसमें जोड़ की गुंजाइश नहीं है।

नीलोखेड़ी को उस मुक़म्मल शकल में नहीं खड़ा किया गया जैसी कि ज़रूरत थी। यही क़मी हमारी सरकार

किस नतीजे पर पहुंचे या अंग्रेज़ों ने उससे क्या सफल हासिल किया। हम मानते हैं कि इस तरह की बस्तियां बसाने का उन्हें तजुर्बा नहीं था और यह अपने ढंग की पहली कोशिश थी। जिहादा कुछ न कुछ कमी रह जाना तो क़ुर्रती बात थी। लेकिन हमारा खयाल है कि चाहे कितनी भी ख़ूबी ब होशियारी से नीलोखेड़ी का काम क्यों न किया गया होता नतीजा यही था इससे मिलता जुलता होने वाला था। वजह यह है कि गांव या किसी बस्ती की तामीर का जो सांचा हमारी हकूमत या लानिंग कमीशन के पास है उस सांचे में उस मुल्क के गांव या बस्तियों को नहीं ढाला जा सकता। हमारा अपना खयाल है कि नीलोखेड़ी की नाकामयाबी की बुनियादी वजह सिर्फ एक है। वह यह कि उस बस्ती को खाने, कपड़े और दूसरी बुनियादी ज़रूरतों में अपने पांव पर खड़े करने की कोशिश ही नहीं की गई। कपड़ा और ज़रूरी सामान बाहर से ला ला कर तनख्वाह या पैसे के जोर पर गांव नहीं बसाये जा सकते।

जरा सोचने की बात है कि आज हमारे गांव क्यों तबाह हैं। अनाज तो वहां होता है। मगर अनाज के अलावा बाक़ी सभी सामान जैसे कपड़ा, जूता, बर्तन, पान, बीड़ी, तम्बाकू, तेल वगैरा सभी बाहर से आते हैं। इसका मतलब है कि अनाज तीन सेर की जगह तीन छटांक का भी बिकने लग जाये मगर किसान के पास पैसा रह ही नहीं पायेगा। आज जहां हमारे देहाती भाई बर्बाद हैं शायद ब्याह और गांजा भांग शराब के नशों से, वहां बाज़ार साहूकार, और सरकार मिलकर उनका वजूद मिटा रहे हैं। क्रसुर न सरकार का है न साहूकार का, न बाज़ार, वाले व्यापारियों का, बल्कि उस नज़ाम का जो हमको अंग्रेज़ों से विरासत में मिला है। जो दांचा अंग्रेज़ों ने अपने मतलब के लिये क़ायम किया था वह बदस्तूर चलाया जा रहा है जिसकी वजह से देहातों की हालत दिन दूनी रात चौगुनी खराब हो रही है। जब तक देहातों की दौलत बाहर जाती है तब तक देहातों का भला नहीं हो सकता। दूसरे जगहों में देहातों में होने वाला कच्चा माल वहीं काम में आना चाहिये और वहीं उसका पक्का माल बने और वहीं वह ख़र्च हो और ख़र्च से जो बचे वह शहरों में जाये। अंधे बहरे का मेल हमारे देहातों में नहीं ठेहर सकता। आख़िरी एक की और ज़बान कान दूसरे की रखने से काम नहीं चलेगा। जहां का अनाज वहीं का कपड़ा, तेल वगैरा हो। इन्सान की ज़िस्म की तरह गांव की आर्थिक बनावट भी एक मक़म्मल बीज है जिसमें जोड़ की गुंजाइश नहीं है।

नीलोखेड़ी को उस मुक़म्मल शकल में नहीं खड़ा किया गया जैसी कि ज़रूरत थी। यही क़मी हमारी सरकार

سے بڑھ کر 33 کڑی ہو گئی۔ وہاں کے کارخانے مانو ایکدم بہاد ہو گئے۔

یہ نئی بات ہے 1948 سے لے کر 1953 تک کی گئی سرکاری کوششوں کا۔ چھ سال کی گاڑی کماہی! نیلوالے بھائی بھائی گئے ہم بھائی لگا سکتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کی کیا بددعا ہو گی اور وہ کیا کہتے ہوں گے۔ سرکاری اور اخباری حلقوں کا یہاں یہ ہے کہ یہاں سرکار نے جو اب وہاں کا کام ہاتھ میں لیا ہے تو پہلی جگہ یہ ہے کہ یہاں جو پہلی جگہ (Collective) ملکہت پر زور دیا جاتا تھا اس کی بجائے اب نجی ملکہت پر زور دیا جائے گا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ وہاں کے ارد گرد جو آبپاشی حالت ہے اور وہاں پر بسنے والے زیادہ تر لوگوں کا جو "بہت زیادہ نجی پسند کی طبیعت" ہے اسکی وجہ سے یہ تبدیلی کرنا ضروری ہے۔ وہاں جو انجینئرنگ کا کارخانہ اور ایسے دوسرے چلتے ہیں انہیں ملکہت سرکار نے لے لیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ سرکاری کام کی بدولت اور دوسرے سرکاری محکموں کی مانگ کی وجہ سے نپلو کھڑی کے یہ کارخانے دوبارہ چلتے لگ جائیں گے مگر اس سے کوئی انکار کرے گا کہ نپلو کھڑی کے یہ مقصد تھا اور نہ ہوسکتا ہے۔

جیسا ہم نے اوپر کہا ہم نپلو کھڑی دیکھتے نہیں جا سکتے۔ لیکن وہاں سے آنے والی رپورٹوں کے بھروسے پر ہوتا ہے کہ سرکار کی منشا یہ ہے کہ نپلو کھڑی ایک اچھا خاصہ شہر بن جائے جہاں طرح طرح کے کارخانے اور موجودہ طرز کے کارخانے چلتے ہوں اور سبھی لوگ روزی سے لگے رہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں جو کوآپریٹو چالو کئے گئے وہ کتنی حد تک سچے کوآپریٹو تھے اور کتنی حد تک ان میں سرکاری لوگوں کا حصہ تھا۔ مگر جب ہی مالدار اور افر دار لوگوں کا زیادہ ہوتا تھا۔ مگر وہاں کے کارخانے ختم ہو گئے تو ان سے انحصار بڑھ چلتا ہے کہ ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ ایسی نہیں ہوتیں جو وہاں کے لوگوں کے لئے بہت ضروری ہوں اور نہ ایسی ہوں جو دہلی یا دوسرے بڑے بازاروں میں دیکھیں سے آئے والے یا بڑی بڑی ملوں میں ملے سمان کا مقابلہ کر سکیں۔ ان کی قیمت نہ نپلو کھڑی میں ہوتی اور نہ باہر بازار میں۔ لہذا وہ بے مقصد تھے۔ اس وجہ سے نپلو کھڑی کا سارا کام ٹوٹ گیا اور بے روزگاری کا ہوجانا تعجب کی بات نہیں ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ نپلو کھڑی کی ناکامی کی طرف سے کونسی کمیٹی والے یا کونسی سرکار کے دھمکے ہوئے

یہ نئی بات ہے 1948 سے لے کر 1953 تک کی گئی سرکاری کوششوں کا۔ چھ سال کی گاڑی کماہی! نیلوالے بھائی بھائی گئے ہم بھائی لگا سکتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں کی کیا بددعا ہو گی اور وہ کیا کہتے ہوں گے۔ سرکاری اور اخباری حلقوں کا یہاں یہ ہے کہ یہاں سرکار نے جو اب وہاں کا کام ہاتھ میں لیا ہے تو پہلی جگہ یہ ہے کہ یہاں جو پہلی جگہ (Collective) ملکہت پر زور دیا جاتا تھا اس کی بجائے اب نجی ملکہت پر زور دیا جائے گا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ وہاں کے ارد گرد جو آبپاشی حالت ہے اور وہاں پر بسنے والے زیادہ تر لوگوں کا جو "بہت زیادہ نجی پسند کی طبیعت" ہے اسکی وجہ سے یہ تبدیلی کرنا ضروری ہے۔ وہاں جو انجینئرنگ کا کارخانہ اور ایسے دوسرے چلتے ہیں انہیں ملکہت سرکار نے لے لیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ سرکاری کام کی بدولت اور دوسرے سرکاری محکموں کی مانگ کی وجہ سے نپلو کھڑی کے یہ کارخانے دوبارہ چلتے لگ جائیں گے مگر اس سے کوئی انکار کرے گا کہ نپلو کھڑی کے یہ مقصد تھا اور نہ ہوسکتا ہے۔

جیسا ہم نے اوپر کہا ہم نپلو کھڑی دیکھتے نہیں جا سکتے۔ لیکن وہاں سے آنے والی رپورٹوں کے بھروسے پر ہوتا ہے کہ سرکار کی منشا یہ ہے کہ نپلو کھڑی ایک اچھا خاصہ شہر بن جائے جہاں طرح طرح کے کارخانے اور موجودہ طرز کے کارخانے چلتے ہوں اور سبھی لوگ روزی سے لگے رہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہاں جو کوآپریٹو چالو کئے گئے وہ کتنی حد تک سچے کوآپریٹو تھے اور کتنی حد تک ان میں سرکاری لوگوں کا حصہ تھا۔ مگر جب ہی مالدار اور افر دار لوگوں کا زیادہ ہوتا تھا۔ مگر وہاں کے کارخانے ختم ہو گئے تو ان سے انحصار بڑھ چلتا ہے کہ ان میں جو چیزیں تیار ہوتی ہیں وہ ایسی نہیں ہوتیں جو وہاں کے لوگوں کے لئے بہت ضروری ہوں اور نہ ایسی ہوں جو دہلی یا دوسرے بڑے بازاروں میں دیکھیں سے آئے والے یا بڑی بڑی ملوں میں ملے سمان کا مقابلہ کر سکیں۔ ان کی قیمت نہ نپلو کھڑی میں ہوتی اور نہ باہر بازار میں۔ لہذا وہ بے مقصد تھے۔ اس وجہ سے نپلو کھڑی کا سارا کام ٹوٹ گیا اور بے روزگاری کا ہوجانا تعجب کی بات نہیں ہے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ نپلو کھڑی کی ناکامی کی طرف سے کونسی کمیٹی والے یا کونسی سرکار کے دھمکے ہوئے

पर शक नहीं कर सकते थे. मगर हमें ख्याल आया कि "स्टेड्समैन" ठेठ झंफोची अखबार है और हो सकता है कि उसका नुमाइन्दा बेहती काम का तजुर्बा न रखता हो और इसलिये वह ठीक ठीक न समझ सका हो कि नीलोखेड़ी की असक्षियता क्या है. इसलिये हम अपने पुराने ख्याल पर जमे रहे कि सांनिग कमीशन जब वहां की बाग डोर खिंचे हुए है तो कोई शिकायत की गुंजाइश हो ही नहीं सकती.

लेकिन पिछले तीन महीनों में नीलोखेड़ी के बारे में एक के बाद एक खबरें आना शुरू हुईं जिनसे हम सोचने लगे कि खरूर कोई न कोई घबराहट की बात है और फिर हमें "स्टेड्समैन" के नुमाइन्दे की रिपोर्ट की याद हो आई. माझूम यह हुआ कि पहली जनवरी 1954 को नीलोखेड़ी का इन्तखाम पंजाब सरकार के सिपुर्द कर दिया गया. वहां पर एक के बाद एक दुशवारियां खड़ी होने लगीं और सांनिग कमीशन का सेन्ट्रल कम्युनिटी प्रोजेक्ट ऐडमिनिस्ट्रेशन उनका सामना न कर सका और आखिर वहां की छिन्मेदारी तक वह न संभाल सका. यह भी पता चला कि वहां का काम डांबाडोल देखकर नई दिल्ली सरकार ने दिल्ली यूनिवर्सिटी के अर्थशास्त्र महकमे की शाख देहली स्कूल आफ एकोनामिक्स (Delhi School of Economics) से दरखास्त की कि वहां के काम धाम पर एक रिपोर्ट तैयार करे. यह रिपोर्ट तो हमारे देखने में नहीं आई मगर 27 अप्रैल 1954 के "स्टेड्समैन" के एडोटर के लिखे मसमून में उसके कुछ जुमले लिये गये हैं जो हम यहां देते हैं.

रिपोर्ट तैयार करने के लिये 1519 में से 150 खान्दानों की हालत को गौर से देखा गया. यह 150 खान्दान योंही बिला किसी खास लिहाज के चुन लिये गये. 1952 तक बसाने का काम तो काफी हद तक हो चुका था फिर भी बहुतेरा करने को बाक़ी था. खास बात यह कि जिन लोगों को मुलाजमत पर लगाया गया उनमें 45 कीसदी तो गौर इस्तफ़िल काम पर थे और 35 कीसदी को अपना काम बहुत ही ज्यादा नापसन्द था. मई 1952 में आकर आर्थिक हालत खराब होना शुरू हो गई. सोचा यह गया था कि नीलोखेड़ी बुनियादी खरूरतों के मामले में स्वावलम्बी होगी और जहां तक होगा सहकारी या कोऑपरेटिव ढंग पर उसे चलाया जायेगा. लेकिन देहली स्कूल वालों ने जब 1953 में वहां की जांच दोबारा की तो पता चला कि "1947 और 1951 के बर्षियान जो बसाने का काम किया गया था वह सब खरम व नश्ट हो गया और हालत फिर वह हो गई जो 1947 की अगस्त से दिसम्बर तक यानी नीलोखेड़ी की शुरूआत के बरत थी. बेरोजगारी 5 कीसदी

पर शक नहीं कर सकते थे. मगर हमें ख्याल आया कि "स्टेड्समैन" ठेठ झंफोची अखबार है और हो सकता है कि उसका नुमाइन्दे बेहती काम का तजुर्बा न रखता हो और इसलिये वह ठीक ठीक न समझ सका हो कि नीलोखेड़ी की असक्षियता क्या है. इसलिये हम अपने पुराने ख्याल पर जमे रहे कि सांनिग कमीशन जब वहां की बाग डोर खिंचे हुए है तो कोई शिकायत की गुंजाइश हो ही नहीं सकती.

लेकिन पिछले तीन महीनों में नीलोखेड़ी के बारे में एक के बाद एक खबरें आना शुरू हुईं जिनसे हम सोचने लगे कि खरूर कोई न कोई घबराहट की बात है और फिर हमें "स्टेड्समैन" के नुमाइन्दे की रिपोर्ट की याद हो आई. माझूम यह हुआ कि पहली जनवरी 1954 को नीलोखेड़ी का इन्तखाम पंजाब सरकार के सिपुर्द कर दिया गया. वहां पर एक के बाद एक दुशवारियां खड़ी होने लगीं और सांनिग कमीशन का सेन्ट्रल कम्युनिटी प्रोजेक्ट ऐडमिनिस्ट्रेशन उनका सामना न कर सका और आखिर वहां की छिन्मेदारी तक वह न संभाल सका. यह भी पता चला कि वहां का काम डांबाडोल देखकर नई दिल्ली सरकार ने दिल्ली यूनिवर्सिटी के अर्थशास्त्र महकमे की शाख देहली स्कूल आफ एकोनामिक्स (Delhi School of Economics) से दरखास्त की कि वहां के काम धाम पर एक रिपोर्ट तैयार करे. यह रिपोर्ट तो हमारे देखने में नहीं आई मगर 27 अप्रैल 1954 के "स्टेड्समैन" के एडोटर के लिखे मसमून में उसके कुछ जुमले लिये गये हैं जो हम यहां देते हैं.

रिपोर्ट तैयार करने के लिये 1519 में से 150 खान्दानों की हालत को गौर से देखा गया. यह 150 खान्दान योंही बिला किसी खास लिहाज के चुन लिये गये. 1952 तक बसाने का काम तो काफी हद तक हो चुका था फिर भी बहुतेरा करने को बाक़ी था. खास बात यह कि जिन लोगों को मुलाजमत पर लगाया गया उनमें 45 कीसदी तो गौर इस्तफ़िल काम पर थे और 35 कीसदी को अपना काम बहुत ही ज्यादा नापसन्द था. मई 1952 में आकर आर्थिक हालत खराब होना शुरू हो गई. सोचा यह गया था कि नीलोखेड़ी बुनियादी खरूरतों के मामले में स्वावलम्बी होगी और जहां तक होगा सहकारी या कोऑपरेटिव ढंग पर उसे चलाया जायेगा. लेकिन देहली स्कूल वालों ने जब 1953 में वहां की जांच दोबारा की तो पता चला कि "1947 और 1951 के बर्षियान जो बसाने का काम किया गया था वह सब खरम व नश्ट हो गया और हालत फिर वह हो गई जो 1947 की अगस्त से दिसम्बर तक यानी नीलोखेड़ी की शुरूआत के बरत थी. बेरोजगारी 5 कीसदी

نیلوخےڈی کی فلولہڈی

دو برس پہلے کی بات ہے۔ "نیا ہند" کے پرمی پاٹک جانتے ہیں کہ برفا کے پروفیسر ڈاکٹر داس بنگ اور کئی ساتھیوں کے ساتھ ہم بڑاوا گئے تھے جہاں ہم نے ایک امریکی ماہر کی نگرانی میں چلنے والی گاؤں سدھار پوجنا کو خوب احتیاط سے دیکھا سمجھا تھا۔ ہم اس ٹیم کے پر پھونچے تھے کہ اتار پوجنا ایک گھر پھونک لمانہ ہے جو ہماری دیہاتی جگہ کو اور بھی زیادہ تباہ و برباد کرے گی۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا خیال صحیح تھا۔ انہوں نے دنوں ہمارا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر دعویٰ تک جائیں اور وہاں سے توڑے سے فاصلہ پر پھونچنے کے صوبہ کی حد میں نہلوکھڑی نام کا جو مقام ہے اسے بھی دیکھ لیں، مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا اور ہم اب تک نہلوکھڑی نہیں جاسکے۔

نیلوخےڈی ایک شہرانی بستی (Township) ہے جسے سن 1947 کے بعد سے بڑایا گیا ہے۔ اس کے سبھی باشندے شہرانی ہیں جو پاکستان سے آئے ہیں۔ سن 1952 تک وہاں پر 1519 خاندان بسائے گئے تھے۔ یہاں کا سارا انتظام مرکزی سڑک کی دیکھ دیکھ میں تھا اور سن 1952 کے شروع میں اس کی ساری ذمہ داری پلاننگ کمیشن کی طرف سے سہمٹل کمیونٹی پروجیکٹس ایڈمنسٹریشن (Central Community Projects Administration) نے لے لی۔ بڑاوا کی طرح نیلوخےڈی کی بھی بڑی چرچا تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہاں شہرانی و دیہاتی دونوں طرح کی اسکیم یا کمیونٹی پروجیکٹ چلائی جائے گی اور سارے ملک کے لئے مثال پیش کرنے والا کام کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعوے تھے کہ کاشتکاری بڑھائے، آگے جانے کے ذریعہ بڑھائے، اور اسکول، اسپتال وغیرہ کھولنے کے علاوہ خاص زور "انسان بڑھانے" پر دیا جائے گا۔ ہم اُس وقت تھے کہ چونکہ پلاننگ کمیشن خود نہلوکھڑی کی کھیتی کو دیکھ رہا ہے اسلئے واقعی زوردار تھوڑے نکلنے اور ملک کی نئی تعمیر کا نقشہ ہمارے سامنے آئے گا۔

ہمارا خیال تھا کہ نیلوخےڈی میں ڈنگ سے کام چل رہا ہے مگر 1953 کے شروع میں دہلی کے "سٹڈس مین" اخصبار کے خاص نمائندہ کی ایک حیرت انگیز رپورٹ آئی۔ اس میں لکھا تھا کہ گورنمنٹ کے سرکاری طریقہ پر جو پوجنا وہاں چل رہی ہے وہ ناکام ثابت ہوئی ہے اور پروگرامی و فہرہ شدت سے بڑھ رہی ہے۔ ذمہ دار اخصبار کی طرف سے رپورٹ ہونے کی وجہ سے ہم اس

نیلوکھڑی کی پہل جہڑی

دوسرے برس پہلے کی بات ہے۔ "نیا ہند" کے پرمی پاٹک جانتے ہیں کہ وردھا کے پروفیسر ڈاکٹر داس بنگ اور کئی ساتھیوں کے ساتھ ہم اتار گئے تھے جہاں ہم نے ایک امریکی ماہر کی نگرانی میں چلنے والی گاؤں سدھار پوجنا کو خوب احتیاط سے دیکھا سمجھا تھا۔ ہم اس ٹیم کے پر پھونچے تھے کہ اتار پوجنا ایک گھر پھونک لمانہ ہے جو ہماری دیہاتی جگہ کو اور بھی زیادہ تباہ و برباد کرے گی۔ وقت نے ثابت کر دیا ہے کہ ہمارا خیال صحیح تھا۔ انہوں نے دنوں ہمارا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر دعویٰ تک جائیں اور وہاں سے توڑے سے فاصلہ پر پھونچنے کے صوبہ کی حد میں نہلوکھڑی نام کا جو مقام ہے اسے بھی دیکھ لیں، مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا اور ہم اب تک نہلوکھڑی نہیں جاسکے۔

نہلوکھڑی ایک شہرانی بستی (Township) ہے جسے 1947 کے بعد سے بڑایا گیا ہے۔ اس کے سبھی باشندے شہرانی ہیں جو پاکستان سے آئے ہیں۔ سن 1952 تک وہاں پر 1519 خاندان بسائے گئے تھے۔ یہاں کا سارا انتظام مرکزی سڑک کی دیکھ دیکھ میں تھا اور سن 1952 کے شروع میں اس کی ساری ذمہ داری پلاننگ کمیشن کی طرف سے سہمٹل کمیونٹی پروجیکٹس ایڈمنسٹریشن (Central Community Projects Administration) نے لے لی۔ اتار پوجنا کی طرح نہلوکھڑی کی بھی بڑی چرچا تھی اور کہا جاتا تھا کہ یہاں شہرانی و دیہاتی دونوں طرح کی اسکیم یا کمیونٹی پروجیکٹ چلائی جائے گی اور سارے ملک کے لئے مثال پیش کرنے والا کام کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دعوے تھے کہ کاشتکاری بڑھائے، آگے جانے کے ذریعہ بڑھائے، اور اسکول، اسپتال وغیرہ کھولنے کے علاوہ خاص زور "انسان بڑھانے" پر دیا جائے گا۔ ہم اُس وقت تھے کہ چونکہ پلاننگ کمیشن خود نہلوکھڑی کی کھیتی کو دیکھ رہا ہے اسلئے واقعی زوردار تھوڑے نکلنے اور ملک کی نئی تعمیر کا نقشہ ہمارے سامنے آئے گا۔

ہمارا خیال تھا کہ نہلوکھڑی میں پلاننگ سے کام چل رہا ہے۔ مگر 1953 کے شروع میں دہلی کے "سٹڈس مین" اخصبار کے خاص نمائندہ کی ایک حیرت انگیز رپورٹ آئی۔ اس میں لکھا تھا کہ گورنمنٹ کے سرکاری طریقہ پر جو پوجنا وہاں چل رہی ہے وہ ناکام ثابت ہوئی ہے اور پروگرامی و فہرہ شدت سے بڑھ رہی ہے۔ ذمہ دار اخصبار کی طرف سے رپورٹ ہونے کی وجہ سے ہم اس

योगों ने इस बात की तसदीक कर ली कि अगर मंहगाई की वजह उन्हें ज्यादा मिलना चाहिये तो इस हिसाब से मुल्क के दूसरे लोगों की आमदनियां ज्यादा हो गई हैं, नहीं, उन्हें नहीं खयाल आया. अक्सर इस बात का है कि जब आचार्य कृपलानी जैसे उनके बुजुर्ग साथी ने कांग्रेस वालों को याद दिलाई तब भी उनके ऊपर कोई असर नहीं हुआ. मसल मछलू है कि चिकने घड़े पर पानी का कोई असर ही नहीं होता.

शायद हमारे जवाब में कोई कांग्रेसी भाई कहेंगे कि हमने तनख्वाह वगैरह मुक़रर की तो कौन नाइन्साफी की, अंग्रेजी पार्लियामेंट के मेम्बरों ने तो अपनी तनख्वाह एक हजार पाँड सालाना से डेढ़ हजार पाँड कर ली. इस दलील पर सिवाय तरस खाने के और क्या किया जा सकता है क्योंकि इंगलिस्तान हिन्दुस्तान नहीं है और न हिन्दुस्तान इंगलिस्तान है. लेकिन इंगलिस्तान की पार्लियामेंट वालों की एक खुसूसियत है कि वह एक हद के अन्वर रह कर काम करते हैं और लोक राज का खयाल रखते हैं. यह बात हिन्दुस्तान की पार्लियामेंट वालों के बारे में नहीं कही जा सकती है. कैसे दुख की चीज है कि हमारी पार्लियामेंट के बहुत से मेम्बर लोगों ने अपने रहने के कमरों को किराये पर उठा रक्खा है और जितना किराया खुद नहीं देते उससे ज्यादा अपने किरायेदारों से वसूल कर लेते हैं. यानी अपने कमरों को भी उन्होंने आमदनी का जरिया बना लिया है. अब यह एक ऐसी बात है जिसे ज्ञान कर हर हिन्दुस्तानी की आँखें शर्म से डूब जायेंगी. जब मेम्बर लोग इस तरह नाजाइज आमदनी के पीछे पड़ेंगे तो उनसे मुल्क की बेहतरी की क्या उम्मीद की जा सकती है. उनको खुदगर्जी के पुतले कहा जाये तो बेजा न होगा. एक मछली से सारा तालाब ही गंदा हो जाता है.

तिस पर भी कौन जाने कि हमारे हुक्काम और कांग्रेसी भाई हिन्दुस्तान को इंगलिस्तान बनाने के खयाल देखते हो तो हम उनसे यकीन व नश्रता के साथ कहना चाहते हैं कि हिन्दुस्तान हरगिज इंगलिस्तान नहीं बनेगा, आज अपनी हकूमत के नरो में चूर हो कर कांग्रेस वाले या उनके हमखयाल जिस तरह चाहें जनता को तकलीफ दे लें लेकिन कल, कल नहीं तो परसों, इस मुल्क की जनता अपने पैरों पर खड़ी हो कर गांव गांव "माम राज" क़ायम करेगी और मुल्क के अन्दर इन्साफ बरमान की हकूमत या इन्सानी हकूमत क़ायम करेगी जिसमें मौजूदा पार्लियामेंट जैसी "बाक" और "वैश्या" जमाअतों की कोई जगह नहीं होगी.

लोगों ने इस बात की तसदीक कर ली कि अगर मंहगाई की वजह उन्हें ज्यादा मिलना चाहिये तो इस हिसाब से मुल्क के दूसरे लोगों की आमदनियां ज्यादा हो गई हैं, नहीं, उन्हें नहीं खयाल आया. अक्सर इस बात का है कि जब आचार्य कृपलानी जैसे उनके बुजुर्ग साथी ने कांग्रेस वालों को याद दिलाई तब भी उनके ऊपर कोई असर नहीं हुआ. मसल मछलू है कि चिकने घड़े पर पानी का कोई असर ही नहीं होता.

शायद हमारे जवाब में कोई कांग्रेसी भाई कहेंगे कि हमने तनख्वाह वगैरह मुक़रर की तो कौन नाइन्साफी की, अंग्रेजी पार्लियामेंट के मेम्बरों ने तो अपनी तनख्वाह एक हजार पाँड सालाना से डेढ़ हजार पाँड कर ली. इस दलील पर सिवाय तरस खाने के और क्या किया जा सकता है क्योंकि इंगलिस्तान हिन्दुस्तान नहीं है और न हिन्दुस्तान इंगलिस्तान है. लेकिन इंगलिस्तान की पार्लियामेंट वालों की एक खुसूसियत है कि वह एक हद के अन्वर रह कर काम करते हैं और लोक राज का खयाल रखते हैं. यह बात हिन्दुस्तान की पार्लियामेंट वालों के बारे में नहीं कही जा सकती है. कैसे दुख की चीज है कि हमारी पार्लियामेंट के बहुत से मेम्बर लोगों ने अपने रहने के कमरों को किराये पर उठा रक्खा है और जितना किराया खुद नहीं देते उससे ज्यादा अपने किरायेदारों से वसूल कर लेते हैं. यानी अपने कमरों को भी उन्होंने आमदनी का जरिया बना लिया है. अब यह एक ऐसी बात है जिसे ज्ञान कर हर हिन्दुस्तानी की आँखें शर्म से डूब जायेंगी. जब मेम्बर लोग इस तरह नाजाइज आमदनी के पीछे पड़ेंगे तो उनसे मुल्क की बेहतरी की क्या उम्मीद की जा सकती है. उनको खुदगर्जी के पुतले कहा जाये तो बेजा न होगा. एक मछली से सारा तालाब ही गंदा हो जाता है.

तिस पर भी कौन जाने कि हमारे हुक्काम और कांग्रेसी भाई हिन्दुस्तान को इंगलिस्तान बनाने के खयाल देखते हैं तो हम उनसे यकीन व नश्रता के साथ कहना चाहते हैं कि हिन्दुस्तान हरगिज इंगलिस्तान नहीं बनेगा, आज अपनी हकूमत के नरो में चूर हो कर कांग्रेस वाले या उनके हमखयाल जिस तरह चाहें जनता को तकलीफ दे लें लेकिन कल, कल नहीं तो परसों, इस मुल्क की जनता अपने पैरों पर खड़ी हो कर गांव गांव "माम राज" क़ायम करेगी और मुल्क के अन्दर इन्साफ बरमान की हकूमत या इन्सानी हकूमत क़ायम करेगी जिसमें मौजूदा पार्लियामेंट जैसी "बाक" और "वैश्या" जमाअतों की कोई जगह नहीं होगी.

(iii) मौजूदा दस्तूर के मुताबिक महज चालीस रुपया रोज़ भत्ता.

कांग्रेस की तरफ से आने वाली नई तजवीज की मुखाजिकत आचार्य कृपलानी ने की और इसी तरह कम्युनिस्ट पार्टी के नाइब लीडर प्रोफेसर मुकजी ने भी मगर जहाँ अक्सरयत पर सारे फैसले होते हैं वहाँ कम तादाद वालों की तरफ से अगर कोई अच्छी से अच्छी बात भी पेश की जाये तो वह बेकार सी साबित होती है. ताजुब इस बात का है कि जो नई तजवीज कांग्रेस मेंबर ने पालियामेंट में पेश की वह कांग्रेस की तरफ से इस कमेटी में नहीं पेश की गई जिस के हवाले यह काम गया है. हिन्दुस्तान की कैसी बदकिस्मती है कि इसकी सभा से आला कही जाने वाली पालियामेंट नाम की सभा के मेंबर अपने खाने पीने और रहने सहने के सबालों पर एक राय नहीं हो पाते. इसमें हम कांग्रेस पार्टी को सब में ज्यादा क्रस्रवार ठेहराये बिना नहीं रह सकते.

ऐसी हालत में जब देश की हाकिम कांग्रेस पार्टी के लोग निजी सवालों पर मिल जुल कर अमल नहीं कर सकते तो भला मुक्त की आम जनता से वास्ता रखने वाले और एक से एक पेचीदा सवालों पर किस तर एक राय हो सकते हैं। शायद यह दांश कांग्रेस पार्टी का इतना नहीं जितना पालियामेंट्री निजाम का है, जिस अंग्रेजी पालियामेंट की यह नक़ल है इस पालियामेंट के बारे में संजीदा अंग्रेजों ने 'दुनिया भर की राप का अड्डा', "बच्चा" और "कोई सच्चा इसाई इनका मेम्बर नहीं हो सकता" वगैरा लफ़्ज़ इस्तेमाल किये हैं और महात्मा गांधी जी ने पालियामेंट की मिसाल "एक बाँक औरत और वैश्या" से दी है। महामा गांधी ने यह भी कहा था कि पालियामेंट के मेम्बरों में "न सच्ची ईमानदारी होती है और न जानदार ख़तः करन या ज़मीर।" हिन्दुस्तान की पालियामेंट ने साबित कर दिखाया कि महात्मा गांधी के दोनों बयान सोलह आने सही व वाजिब हैं.

इसके अलावा मामूनी इन्धानी लिहाज से भी देखें तो मानना होगा कि पालियामेन्ट वालों ने यह बिल पास कर के ज्यादाती की है, जिस वक़्त उन्होंने ऊपर वाले बिल को पास किया उस वक़्त उन्होंने अपने दिल पर हाथ रख कर देखा होता कि क्या उन्हें अपनी कांस्टी-जुएनेसी के उन गरीबों की याद है जिन्होंने पुश्त दर पुश्त यह भी नहीं जाना कि भर पेट खाना किस चिड़िया का नाम है, जिसको मुलक की हर तरक्की तबाही एक से एक गहरे सागर में डबी देती है और जिनकी आंखों के आगे राज भले कोई झा जाये उजाला नज़र नहीं आता, या जाने दें उन गरीबों को, क्या हमारे हुकमरां

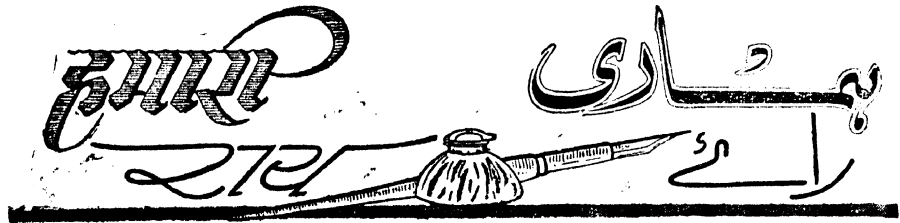
(iii) موجودہ دستور کے مطابق محض چالیس

• 4264 399 46499

کانگریس کی طرف سے آنے والی نئی تجویزیں مختلف آچاریہ کمرلانی نے کی اور اسی طرح کونستانتین پارتی کے نائب لیڈر پروفسور مکرچن نے بھی۔ مگر جہاں اکثریت ہو سارے فیصلے ہوتے ہوں وہاں کم تعداد والوں کی طرف سے اکثر کوئی اچھی سے اچھی بات بھی بھڑکی جائے تو وہ بھڑکا سی ثابت دیتی ہے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ جو نئی تجویز کانگریس ممبر نے پارلیمانٹ میں پیش کی وہ کانگریس کی طرف سے اس کمیٹی میں نہیں پیش کی گئی جس کے حوالے یہ کام کیا گیا تھا۔ ہندوستان کی ہمسایہ بدستھی ہے کہ اسکی سب سے اعلیٰ کمانڈر جانے والی پارلیمانٹ نام کی سبھا کے ممبر اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے سوالوں پر ایک رائے نہیں ہو پاتے۔ اس میں ہم کانگریس پارٹی کو سب سے زیادہ قصوروار ٹھہرائے بلنا نہیں رہ سکتے۔

ایسی حالت میں جب دیہی کی حاکم کانگریس پارٹی کے لوگ نجی سوالوں پر مل جلکر عمل نہیں کر سکتے تو بھلا ملک کی عام جگہ سے واسطہ رکھنے والے اور ایک سے ایک پوچھتے سوالوں پر کس طرح ایک رائے ہو سکتے ہیں۔ شاید یہ دہریہ کانگریس پارٹی کا انداز نہیں جتنا پارلیمانٹری نظام کا ہے۔ جس انگریزی پارلیمانٹ کی یہ نقل ہے اس پارلیمانٹ کے بارے میں مسیحیہ انگریزوں نے ”دنیا بھر کی فہم کا آقا“ ”بچہ“ اور ”دوئی سچا عیسائی ان کا ممبر نہیں ہو سکتا“ وغیرہ لفظ استعمال کئے ہیں اور مہاتما گاندھی نے پارلیمانٹ کی مثال ”ایک ہاتھ عورت اور ویشہ“ سے دی ہے۔ مہاتما گاندھی نے یہی کہا تھا کہ پارلیمانٹ کے ممبروں میں ”نہ سچی ایمانداری ہونی ہے اور نہ جاندار انتہہ کرن یا ضرور“۔ ہندستان کی پارلیمانٹ نے ثابت کر دکھایا کہ مہاتما گاندھی جی کے دونوں بیان سونے آئے صحیح و واجب ہیں۔

اُس کے علاوہ معمولی انسانی لحاظ سے بھی دیکھیں تو سامنا ہوگا کہ پارلیمینٹ والوں نے یہ ہل پاس کر کے زیادتی کی ہے۔ جس وقت انہوں نے اوپر والے ہل کو پاس کیا اس وقت انہوں نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھا ہوتا کہ کیا انہیں ایلی ایلی کانستٹی چوبیسویں کے ان فریہوں کی یاد ہے جنہوں نے پھٹ درپھٹ یہ بھی نہیں جانا کہ پھر پھٹ کھانا کس چوڑا کا نام ہے۔ جن کو ملک کی ہر ترقی تباہی ایک سے ایک کھرے ساگر میں قابو دیتی ہے اور جن کی آنکھوں کے آٹے راج بھلے کوئی آجائے اچالا نظر نہیں آتا۔ یا جانے دیں ان فریہوں کو۔ کیا ہمارے حکمران



انکے من کی موج

انکے من کی موج

نئی دہلی میں جو ہماری پارلیامینٹ (یا لوک سبھا) ہے اسکے ممبروں کو اب تک کوئی تعلقوہ نہیں ملتی تھی۔ جس دن وہ پارلیامینٹ کی بیٹھک میں حاضر ہوں اس دن کا وہ چاندس روپیہ بہتہ لیتے تھے۔ مگر پارلیامینٹ کے پچھلے اجلاس میں 14 مئی کو ایک نیا بل انہوں نے پاس کیا جس کے مطابق انہیں آئندہ یہ چھوڑیں ملے گی :

- (i) تانخواہ چار سو روپیہ ماہوار۔
- (ii) پارلیامینٹ کی بیٹھک میں داخل ہونے پر ایکس (Rs. 21/-) روپیا رोज۔
- (iii) ہندوستان میں کبھی بھی ریل سے جانے کے لیے دوسرے درجے کے دو مفت پاس۔
- (iv) انکو اور انکے خاندان والوں کو بیماری میں مفت دوا وغیرہ۔
- (v) مکان، ٹیلیفون و ڈاک کی سہولیتیں۔
- (vi) کبھی سرکاری کامیٹیوں کے اگر وہ ممبر ہوں تو سرکاری قاعدہ کے مطابق روز نیا بہتہ سفر خرچ وغیرہ۔

پارلیامینٹ کے ممبر خود ہی کانون بنانے والے ہیں، جو چاہے وہ کر سکتے ہیں۔ سناہ یا سکوڈ جو بھی کرے انکے من کی موج ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس بل کے پاس ہوتے وقت جو وقت لیتے تھے اس میں ہفت نہرو دیکر مسٹروں نے حصہ نہیں لیا مگر بل کو یہ شکل کانگریس برقی کے ایک ممبر کی تجویز کے مطابق ہی حاصل ہوئی۔ اسلئے یہ سناہ پوچھا کہ کانگریس مسٹروں اور کانگریس برقی کی برقی صلاح سے یہ کام کیا گیا۔ ویسے اس بل کا مسودہ بنانے کا کام جس کمیٹی کے سپرد ہوا تھا اس نے تو صرف یہ سفارشات کی تھیں :

- (i) تانخواہ تین سو روپیہ ماہوار۔
- (ii) پارلیامینٹ کی بیٹھک میں داخل ہونے پر تیس روپیہ روز یا ان دونوں کی بجائے

نئی دہلی میں جو ہماری پارلیامینٹ (یا لوک سبھا) ہے اسکے ممبروں کو اب تک کوئی تعلقوہ نہیں ملتی تھی۔ جس دن وہ پارلیامینٹ کی بیٹھک میں حاضر ہوں اس دن کا وہ چاندس روپیہ بہتہ لیتے تھے۔ مگر پارلیامینٹ کے پچھلے اجلاس میں 14 مئی کو ایک نیا بل انہوں نے پاس کیا جس کے مطابق انہیں آئندہ یہ چھوڑیں ملے گی :

- (i) تانخواہ چار سو روپیہ ماہوار۔
- (ii) پارلیامینٹ کی بیٹھک میں حاضر ہونے پر ایکس Rs. 21/- روپیہ روز۔
- (iii) ہندوستان میں کبھی بھی ریل سے جانے کے لیے دوسرے درجے کے دو مفت پاس۔
- (iv) انکو اور انکے خاندان والوں کو بیماری میں مفت دوا وغیرہ۔
- (v) مکان، ٹیلیفون و ڈاک کی سہولیتیں۔
- (vi) کبھی سرکاری کامیٹیوں کے اگر وہ ممبر ہوں تو سرکاری قاعدہ کے مطابق روز نیا بہتہ سفر خرچ وغیرہ۔

پارلیامینٹ کے ممبر خود ہی قانون بنانے والے ہوں، جو چاہے وہ کر سکتے ہوں۔ سناہ یا سکوڈ جو بھی کرے انکے من کی موج ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس بل کے پاس ہوتے وقت جو وقت لیتے تھے اس میں ہفت نہرو دیکر مسٹروں نے حصہ نہیں لیا مگر بل کو یہ شکل کانگریس برقی کے ایک ممبر کی تجویز کے مطابق ہی حاصل ہوئی۔ اسلئے یہ سناہ پوچھا کہ کانگریس مسٹروں اور کانگریس برقی کی برقی صلاح سے یہ کام کیا گیا۔ ویسے اس بل کا مسودہ بنانے کا کام جس کمیٹی کے سپرد ہوا تھا اس نے تو صرف یہ سفارشات کی تھیں :

- (i) تانخواہ تین سو روپیہ ماہوار۔
- (ii) پارلیامینٹ کی بیٹھک میں حاضر ہونے پر تیس روپیہ روز یا ان دونوں کی بجائے

”باپ بے“ کا ہیرو بھاروٹ ہے۔ وہ ایک نوجوان آدمی ہے اور ڈاکٹری کا واپار بھی ہے، جنہوں سے نواہیں ہے اور کسی چھوٹے واپس انہیں کرتا۔ اسی نوجوان کے چاروں طرف پورا ناول گھومتا ہے۔ جب یہ ناول پہلے پہل نکلا تھا تو نوجوانوں نے اسکی خوب لے دی۔ چائی۔ وہ لوگ اسکو نوجوانوں پر حملہ سمجھتے تھے۔ لیکن یہ بھارتیہ وادی ناول ہے اور اس سے نوجوانوں کی جو اصلی حالت تھی اس کا چکر اس میں ملتا ہے۔

یہ ناول دنیا کے سامنے مہوں ایک نئی پرمیہ کی بھاد ہے۔ جنہوں کو پرکھتے سمجھتے اور سفوار نے کا سبق اس ناول سے ملتا ہے۔

جامعہ ملیہ اردو اور ہندی کو سامنے کے انمول رتن دیتا رہا ہے۔ نورالکف کے ”باپ بے“ کو پڑھ کر اس نے اپنی پرمیہ کو نہایا ہے۔ لیکن ہم اس ایک شکیت ہے۔ وہ یہ ہے کہ انوار کا استر گرا دیا گیا ہے۔ جامعہ ملیہ نے بہت سے انوار چھاپے ہوں اور وہ ایسے ہوں کہ پڑھکر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ انوار ہیں لیکن ”باپ بے“ کا انوار انوار ہی معلوم ہوتا ہے۔ چھپائی بے حد خراب ہے۔ اس سے پڑھنے میں دھیان ہٹ جاتا ہے اور لطف میں کمی آ جاتی ہے۔ دام بھی زیادہ رکھا گیا ہے۔ آہد ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں یہ کمایا پوری کر لی جائے گی۔

—سوزیہ ریجنی

—محبوب رضوی

شعر

دو ماہی رسالا، ایڈیٹر—اس۔ پ۔ ہوسنی؛ مینجنگ ایڈیٹر—سربہر ڈنڈا؛ میلنے کا پتا—شکر پبلیکیشنس؛ 699 وسمان پورا، ہڈراہاد دکن؛ سالانہ دو روپیہ، ساکا 112. $\frac{20 \times 30}{16}$ میں یہ رسالا نکالتا

ہے۔ ایک کاپی کا دام 16 ہے۔ کور پر خوبصورت کلا ہے۔ اس رسالے کا مکرر جنواہی اور ترکرکی پسند آدھ کی سوا کرنا ہے۔

اس رسالے میں کئی اچھے کلا دیے گئے ہیں۔ اڈ کے اچھے لکھنے والوں کا اس کو سہیوگ ہاسیل ہے۔ کھانیوں، نکر، ونگ اور کلا کر لکھ کر سب اچھے ہیں۔ اڈمید ہے کہ دو چار نمبر نکل کر یہ رسالا بند نہ ہو جائے گا۔

—سوزیہ ریجنی

—محبوب رضوی

شعر

دو ماہی رسالہ؛ ایڈیٹر—س۔ اے۔ حسی؛ مینجنگ ایڈیٹر—سربہر ڈنڈا؛ میلنے کا پتا—شکر پبلیکیشنس؛ 699 وسمان پورا، ہڈراہاد دکن؛ سالانہ دو روپیہ؛ ساکا 112. $\frac{20 \times 30}{16}$ میں یہ رسالا نکالتا

ہے۔ ایک کاپی کا دام 16 ہے۔ کور پر خوبصورت کلا ہے۔ اس رسالے کا مقصد جنواہی اور ترکرکی پسند ادب کی سوا کرنا ہے۔

اس رسالے میں کئی اچھے کلا دیے گئے ہوں۔ اڈ کے اچھے لکھنے والوں کا اس کو سہیوگ حاصل ہے۔ کھانیوں، نکر، ونگ اور کلا کر لکھ کر سب اچھے ہوں۔ آہد ہے کہ دو چار نمبر نکل کر یہ رسالا بند نہ ہو جائے گا۔

میں انوبھ حاصل کیا اور اب ”سےبا پراس“ نام کا ایک ہندی سائیکھ نیکال رہے ہیں۔ اس اخبار کا لکھ ہے—”پراس سےبا ہی، دیش سےبا ہے۔“

اس اخبار میں کسانوں کی متلبن کی باتیں ہوتی ہیں۔ ان کے دیت کی سبناہیں ہوتی ہیں اور اپنے باہی کو بولنے کے لیے انہیں نہ نہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ سب سب اس اخبار سے کسانوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ گاؤں والوں کے لیے بہت اخبار نیکلے ہیں لیکن اس ٹکڑے کا کوئی بھی مہری نظر سے نہیں گزرا۔

اس اخبار کی کھائی بہت ہی سندر ہوتی ہے اور اس کی سجاوٹ من موہک ہوتی ہے۔ یوپی سرکار نے اس اخبار کو مچھری دی ہے۔ اگر جنتا بھی سہاہتا دے تو یہ اخبار نرکی کر سکتا ہے اور دیش کی کچھ نہ کچھ سہا کر سکتا ہے۔

—موجیہ رجبی

میں انوبھ حاصل کیا اور اب ”سہا کرام“ نام کا ایک ہندی سائیکھ نیکال رہے ہیں۔ اس اخبار کا لکھ ہے—”کرام سہا ہی، دیش سہا ہے۔“

اس اخبار میں کسانوں کی متلبن کی باتیں ہوتی ہیں۔ ان کے دیت کی سبناہیں ہوتی ہیں اور اپنے باہی کو بولنے کے لیے انہیں نہ نہ باتیں بتائی جاتی ہیں۔ سب سب اس اخبار سے کسانوں کو بہت فائدہ ہوگا۔ گاؤں والوں کے لیے بہت اخبار نیکلے ہیں لیکن اس ٹکڑے کا کوئی بھی مہری نظر سے نہیں گزرا۔

اس اخبار کی کھائی بہت ہی سندر ہوتی ہے اور اس کی سجاوٹ من موہک ہوتی ہے۔ یوپی سرکار نے اس اخبار کو مچھری دی ہے۔ اگر جنتا بھی سہاہتا دے تو یہ اخبار نرکی کر سکتا ہے اور دیش کی کچھ نہ کچھ سہا کر سکتا ہے۔

—موجیہ رجبی

مخدوم کے سؤ شہر

سکالنے کرنے والے—وامیک جینپوری، بککار خلیفہ، ہکیہا، ککالنے والے—بھارا متبناہن مبخنن، 235 سولپورا، ہدراہاد دکن، لکھاہٹ—وڈ، داس ہار ہانا۔

مخدوم کا ریرہی دینا بکار ہے۔ وڈ کے دو ہار شایریں کا نام جب بھی لیا جاتا ہے مخدوم اس میں لکھ جاتے ہیں۔ ان کے بہت سے دیوان ہیں۔ لیکن اس بھوٹے سے پیکلٹ میں سکالنے کرتاہیں نے کول سؤ شہر بھٹ کر رکھے ہیں۔ شرو میں کاکھی ابھول راککار نے ”مخدوم پر ایک نچر“ کی سولہ سے دو شہر لکھے ہیں۔ کاکھی ساہب نے مخدوم کی شایری پر کاکھی ریشانی ڈالی ہے۔ یہ پیکلٹ مخدوم کی شایری کو نمونے کے طور پر دیش کرنا ہے اور اسے پیکر مچھری دیکھنے کے لوگ مخدوم کی رچناؤں کو دھونڈ کر پیکلے کی کوشش دینے کے۔

—موجیہ رجبی

باپ بے

لکھنے والے—تورگنہک، انوبھ کرنے والے—انوبھ رجبی، نیکالنے والے—سکتہا جاما لیمیتہ دہلی، لکھاہٹ—وڈ، داس—پاچہ رپہی۔

تورگنہک کی گینتی ریس کے مہان ساہتیہکاروں میں ہوتی ہے۔ یہ اپنی رچناہیں میں بھوٹا سہی کے بیک کے یوگ کا بھین کرتے ہیں۔ اس سہی کی باہری ہٹناہیں اور باہیہیں کے بھدھنی باہی کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کا بھین بھی اس طرح دیتے ہیں مانو فوٹو ساہیہ دیکھیں۔

مخدوم کے سؤ شہر

سکالنے کرنے والے—وامیک جینپوری، بککار خلیفہ، ہکیہا، ککالنے والے—بھارا متبناہن مبخنن، 235 سولپورا، ہدراہاد دکن، لکھاہٹ—وڈ، داس ہار ہانا۔

—موجیہ رجبی

باپ بے

لکھنے والے—تورگنہک، انوبھ کرنے والے—انوبھ رجبی، نیکالنے والے—سکتہا جاما لیمیتہ دہلی، لکھاہٹ—وڈ، داس—پاچہ رپہی۔

تورگنہک کی گینتی ریس کے مہان ساہتیہکاروں میں ہوتی ہے۔ یہ اپنی رچناہیں میں بھوٹا سہی کے بیک کے یوگ کا بھین کرتے ہیں۔ اس سہی کی باہری ہٹناہیں اور باہیہیں کے بھدھنی باہی کو وہ اچھی طرح جانتے ہیں اور اس کا بھین بھی اس طرح دیتے ہیں مانو فوٹو ساہیہ دیکھیں۔

डाक्टर जगदीश ने अपनी पुस्तक में लिखा है कि विद्यार्थियों की आपसी सहयोग कमेटियाँ बनी हुई हैं। तेष विद्यार्थी, कमजोर विद्यार्थियों की पूरी सहायता करते हैं। अध्यापक और विद्यार्थी में बहुत सहयोग है।

होइवाजी के समर्थकों को न जाने यह बात कैसी लगे लेकिन चीन ने जो दरा अपनाया है, वह ही तालीम को आगे बढ़ाने में और आम करने में मदद दे सकता है। होइवाजी की जगह पर आपसी सहायता का भाव पैदा किया जाता है।

जब तक अध्यापक परेशान हाल हैं तब तक लोगों को सचची शिक्षा नहीं दी जा सकती है। चीन में अध्यापक की इच्छत बेदद बढ़ गई है। सरकार "अपने अध्यापकों की सुख सुविधाओं का ध्यान रखती है। उन्हें कम कराये पर मकान मिलते हैं और बीमार हो जाने पर उनकी मुफ्त चिकित्सा (इलाज) का प्रबन्ध है।" महिला अध्यापकों को ज़ाबा काल की आठ हफ्ते की छुट्टी मिलती है। यह छुट्टी तनख्वाह समेत होती है।

इसी पुस्तक में चीनी आधुनिक साहित्य पर भी रोशनी डाली गई है। वहाँ के बड़े बड़े लेखकों की जीवनी भी डाक्टर जगदेश ने दी है और साथ में चीनी साहित्य का सुखतिसर इतिहास भी दे दिया है।

अभी तक किसी पुस्तक में नये चीन के जेलों का हाल पढ़ने को नहीं मिला था। डाक्टर जगदीश चन्द्र ने उस पर भी रोशनी डाली है।

जगह-जगह पर इतिहास का पुट मिलता है जो पुस्तक को दिलचस्प बनाता है। आखीर में डाक्टर साधव ने कुछ चीनी शब्दों के उच्चारण भी दिये हैं।

इस पुस्तक में चीन के बड़े बड़े शहरों का संक्षिप्त इतिहास मिलता है, साथ में उन शहरों की मशहूर इमारतों का भी इतिहास दिया गया है। यह पुस्तक चीन को समझने में बहुत हद तक सहायता देता है।

किताब हर एक के पढ़ने की है लेकिन दाम इतना है कि बहुत कम लोग पढ़ पायेंगे। अगर प्रकाशक सस्ते दाम का एडिशन निकाल दें तो अच्छा होगा।

—मुजीब रिज़वी

सेवा ग्राम

एडीटर—ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन; लिखावट—हिन्दी; मिलने का पता—दरयागंज, दहली; सालाना चन्दा—पाँच रुपया; एक कापी का दाम—दो आना।

श्री ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन हाल में अमरीका से जर्नेलिज्म की शिक्षा लेकर वापस आए हैं। कुछ दिन उन्होंने भारत

डाक्टर जगदीश ने अपनी पुस्तक में लिखा है कि विद्यार्थियों की आपसी सहयोग कमेटियाँ बनी हुई हैं। तेष विद्यार्थी, कमजोर विद्यार्थियों की पूरी सहायता करते हैं। अध्यापक और विद्यार्थी में बहुत सहयोग है।

होइवाजी के समर्थकों को न जाने यह बात कैसी लगे लेकिन चीन ने जो दरा अपनाया है, वह ही तालीम को आगे बढ़ाने में और आम करने में मदद दे सकता है। होइवाजी की जगह पर आपसी सहायता का भाव पैदा किया जाता है।

जब तक अध्यापक परेशान हाल हैं तब तक लोगों को सचची शिक्षा नहीं दी जा सकती है। चीन में अध्यापक की इच्छत बेदद बढ़ गई है। सरकार "अपने अध्यापकों की सुख सुविधाओं का ध्यान रखती है। उन्हें कम कराये पर मकान मिलते हैं और बीमार हो जाने पर उनकी मुफ्त चिकित्सा (इलाज) का प्रबन्ध है।" महिला अध्यापकों को ज़ाबा काल की आठ हफ्ते की छुट्टी मिलती है। यह छुट्टी तनख्वाह समेत होती है।

इस पुस्तक में चीनी आधुनिक साहित्य पर भी रोशनी डाली गई है। वहाँ के बड़े बड़े लेखकों की जीवनी भी डाक्टर जगदेश ने दी है और साथ में चीनी साहित्य का सुखतिसर इतिहास भी दे दिया है।

अभी तक किसी पुस्तक में नये चीन के जेलों का हाल पढ़ने को नहीं मिला था। डाक्टर जगदीश चन्द्र ने उस पर भी रोशनी डाली है।

जगह-जगह पर इतिहास का पुट मिलता है जो पुस्तक को दिलचस्प बनाता है। आखीर में डाक्टर साधव ने कुछ चीनी शब्दों के उच्चारण भी दिये हैं।

इस पुस्तक में चीन के बड़े बड़े शहरों का संक्षिप्त इतिहास मिलता है, साथ में उन शहरों की मशहूर इमारतों का भी इतिहास दिया गया है। यह पुस्तक चीन को समझने में बहुत हद तक सहायता देता है।

किताब हर एक के पढ़ने की है लेकिन दाम इतना है कि बहुत कम लोग पढ़ पायेंगे। अगर प्रकाशक सस्ते दाम का एडिशन निकाल दें तो अच्छा होगा।

—मोहब रज़वी

सिवा ग़राम

एडिटर—ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन; लिखावट—हिन्दी; मिलने का पता—दरयागंज, दहली; सालाना चन्दा—पाँच रुपया; एक कापी का दाम—दो आना।

श्री ज्ञानेन्द्र प्रसाद जैन हाल में अमरीका से जर्नेलिज्म की शिक्षा लेकर वापस आए हैं। कुछ दिन उन्होंने भारत

کستائیں

चीनी जनता के बीच

लिखने वाले—डाक्टर जगदीश चन्द्र जैन; निकालने
वाले—पोपिल्स पब्लिशिंग हाउस लिमिटेड बम्बई 4;
लिखावट—हिन्दी; सफ़ेद—256; दाम—चार रुपये.

भारती लेखकों ने नये चीन पर बहुत सी किताबें लिखी हैं। कुछ ने भारत में बैठ कर किताबों की मदद से और कुछ ने वहां जा कर चीजों को समझ कर, लेकिन डाक्टर जगदेश चन्द्र की किताब का मूल्य अधिक है क्यों कि वह पीकिंग यूनिवर्सिटी में सालों हिन्दी पढ़ाते रहे हैं। दूसरी किताबें अगर देखी, सुनी और पढ़ी पर निर्भर करती है। तो जगदीश जी की पुस्तक अनुभव पर निर्भर करती है। अनुभव ही इस किताब को दिलचस्प बनाता है जहां जहां उन्होंने अपने अनुभव चित्रित किये हैं वहां वहां किताब दिल को छूती है, नया चीन के लिये दिल में प्रेम पैदा होता है और जहां जहां उन्होंने आंके गिनाये हैं और ऐसे विषयों पर लिखा है जिन पर पहले ही बहुत कुछ लिखा जा चुका है वहां वहां पुस्तक नीरस हो गई है।

अगर पुस्तक का नाम “चीनी विद्यार्थियों के बीच” होता तो अच्छा होता, असल में उन्हें विद्यार्थियों और अध्यापकों के सम्बन्ध में ही लिखना चाहिये था, दो तीन अध्याय उन्होंने इस सम्बन्ध में लिखे हैं, उनको पढ़ कर आंख खुल जाती है, चीनी विद्यार्थियों के बारे में वह लिखते हैं:—

لکھنے والے—قائد، جگدیش چندر جہن؛ نکالنے والے
—پولیس پبلشنگ ہاؤس لہور، ممبئی 4؛ لکھنا
—مندی؛ صفحہ 256؛ نام—چار روپہ۔

بہاری لکھکوں نے نئے چہن پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ کچھ نے بھارت میں ہتھکڑی کتابیں کی مدد سے اور کچھ نے وہاں جا کر چہڑوں کو سمجھکر۔ لیکن قائد جگدیش چندر کی کتاب کا مولیہ ادھک ہے کیونکہ وہ بھنگک پونہ درستی میں سالوں ہلدی پوعائے رہے ہیں۔ دوسری کتابوں اگر دیکھے، سنی اور پڑھی پر نہرہ کرتی ہیں تو جگدیش جی کی دستک انوبو پر نہرہ کرتی ہے۔ انوبو ہی اس کتاب کو داحتسپ بلڈا ہے۔ جہاں جہاں انہوں نے اپنے انوبو چترت لکھے ہیں وہاں وہاں کتاب دل کو چھوئی ہے، نیا چہن کے لکھ دل میں پرہم پودا عونا ہے اور جہاں جہاں انہوں نے آنکھ لکھائے ہیں ایسے وشوں پر لکھا ہے جن پر پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے وہاں وہاں دستک نہرہس رہنکی ہے۔

اگر پوستک کا نام ”چوہلی“ دیتا رہتوں ہے ہوج
 ہوتا تو اچھا ہوتا۔ اصل میں انہوں دیتا رہتوں ارد
 اداہا کیوں کے سمجھتے میں ہی لکھتا چاہتے تھا۔ دو
 نون اداہے انہوں نے اس سمجھتے میں لکھے ہیں۔ اُن
 کو ہوجکر آنکھ کھل جاتی ہے۔ چوہلی دیتا رہتوں کے
 برابرے میں وہ لکھتے ہیں :-

”میں نے کالی نژادیک سے چہن کے ودیارنہوں کا
اندھوں کرنے کا پروغن (کوشش) کیا اور انہوں سے مل،
سودھا، پریشہ سی، (معدنی) اور انہلت (بہت)
سہی شون (روادار) پایا۔ پرندہ اور نژوتک (بیکار)
واک واک (بحث) میں ایسا سے نشمت کرتے ہوئے
آہوں کہی نہیں دیکھا۔ فیشن کی اور اُن کی رچی
نہیں ہے۔ چہانوں کی ایک کچھا (مقابلہ) چہاتراہوں
دیزہ اندک ہر تہہا شالی جان پڑیں۔ ویکتی واک کے
استہان پر ساموہنگا ٹی سوہتہ بھاون ویدیارنہوں
میں دن پڑ دن پڑ رہی ہے۔“

हासिल करने के लिये बहुत भक्तव्रत इरादे और बहुत बड़ी हिम्मत की जरूरत है. अगर सारे पिछड़े देश इस बात को समझ लेते हैं और एक साथ खड़े हो जाते हैं तो शान्ति बहुत जल्दी क्रायम हो जायेगी. इस काम के लिये हम सबको एक हो जाना चाहिये और हमें यह प्रन करना चाहिये कि सरेंगे तो विश्व शान्ति के लिये और जियेंगे तो विश्व शान्ति के लिये !

حاصل کرنے کے لئے بہت بہت مضبوط ارادے اور بہت بڑی ہمت کی ضرورت ہے . اگر سارے پیچھے رہے دیس اس بات کو سمجھ لیتے ہوں اور ایک ساتھ کھڑے ہو جائے ہوں تو شانتی بہت جلدی قائم ہو جائے گی . اس کام کے لئے ہم سب کو ایک ہو جانا چاہیئے اور ہمیں یہ پر ن کرنا چاہیئے کہ مرہمکے تو دعو شانتی کے لئے اور جنگھمکے تو دعو شانتی کے لئے !

नन्दा कई दिनों से भूका था—पेट की ज्वाला से पीड़ित और रोग से दुखी. उसने देखा—सेठ राम गोपाल मीठे पूड़ों का थाल भरे, देवी कुंड पर बन्दरों को खिलाने जा रहे हैं. गिड़गिड़ा कर नन्दा ने कहा—“सेठ जी ! मैं कई दिनों से भूका हूँ, जान निकली जा रही है. कुछ पूड़े मुझे भी दीजिये.

“अबे भूका है, तो शहर में जा कर मांग ?”

“शहर जाने की हिम्मत नहीं है सेठ जी ! बीमारी ने मुझे चर लिया है भूके की जान बचा ने से तो हनुमान जी आपपर प्रसन्न ही होंगे.”

“अच्छा रहने दे, तुम्हें तेरे उपदेश की जरूरत नहीं है.”

बड़े प्रेम से बन्दरों को खिला कर सेठ जी लौटे तो देखा नन्दा रास्ते पर पड़ा है. घृना के स्वर में आप ही आप बोले—“अभी तो बदमाश भूकों मर रहा था, इतने में सो भी गया !”

यह सुन कर भी नन्दा नहीं जगा. जागने को बह सोया ही न था !

نندا کئی دنوں سے بھوکا تھا—پेट کی جوا سے پیڈیت اور روم سے دکھی . اس نے دیکھا—سٹھ رام گوپال میٹھے پوڑوں کا تھال بھرے، دھوی کڈ پر بندروں کو کھانے جا رہے ہوں . گڈگڈا کر نندا نے کہا—”سٹھ جی ! میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں جان نکلی جا رہی ہے . کچھ پوڑے مجھے بھی دیجئے .“

”اے بھوکا ہے، تو شہر میں جا کر مانگ؟“

”شہر جانے کی ہمت نہیں ہے سٹھ جی ! بیماری نے مجھے چر لیا ہے . بھوکے کی جان بچانے سے

تو ہنومان جی آپ پر برحق ہی ہونگے !“
”اچھا دھلے دے“ مجھے تھرے ایدیس کی ضرورت نہیں ہے .“

بڑے پریم سے بندروں کو کھانے لوتے تو دیکھا نندا راستہ پر پڑا ہے . کھانا کے سور میں آپ ہی آپ بولے—”ابھی تو بدعاش بھوکوں مر رہا تھا“ انہ میں سو رہی تھا !“

یہ سن کر بھی نندا نہیں جگا . چالنے کو وہ سوپا ہی نہ تھا !

आजकल अजीब घटना हो रही है। आदिमी विज्ञान की सहायता से ज्यादा से ज्यादा पैदावार बढ़ाने पर जुटा हुआ है। लेकिन फिर भी इस कोशिश का नतीजा बहुत से देशों की घरीबी नहीं दूर कर पाया। अब भी वहाँ लोग भूख मरते हैं और हर तरह से दुखी हैं। हद यह हो गई है कि ज़िन्दा रहना भी बहुत मुश्किल हो गया है। ज़िन्दागी की फ्रिक् और परेशानी बढ़ती चली जा रही है। आधुनिक हथियार मनुष्य जाति का आत्मा कर सकते हैं। सारे देशों की जनता इन हथियारों की भयानकता से डर रही है।

लड़ाई के आधुनिक तरीकों की जितनी भी निम्नता की जाये कम है। सिवाय नैतिकता का ही सवाल नहीं है। समाजी और आर्थिक दृष्टिकोण से भी यह लड़ाइयाँ बहुत ही भयंकर हैं। साम्राजी जो लड़ाइयाँ जेड़ते हैं उनमें बहुत सी अचानक पीछे तबाह हो जाती है और उन थोड़े से लोगों को भी बहुत ज्यादा फायदा नहीं होता। आम जनता को बरबादी के सिवा और कुछ नहीं मिलता। यही नहीं कि घरबार तबाह होता है बल्कि इससे कहीं ज्यादा बुरी बात यह होती है कि आदिमियों का आचार गिर जाता है और वह जान से मारे जाते हैं। लड़ाइयों की निम्नता करने के लिये बस इतना ही काफी है।

आर्थिक लक्ष

मैंने जो बातें ऊपर कही हैं उनका मतलब एक है दुनिया की सरकारों को चाहिये कि वह ऐसा रास्ता अखिर करे कि वह आम जनता की बुनियादी जरूरतों का पूरा कर सकें और उन्हें जनता को सुख पहुँचाने और उसकी भलाई करने का हर बल्लत ध्यान रहे दौलत किस तरह से इकट्ठा की जाये इसकी चिन्ता उन्हें नहीं होनी चाहिये। जब तक हम अपना दृष्टिकोण नहीं बदलते हैं, जब तक हम जनता की जरूरतों को पूरा नहीं करते हैं, जब तक हम अपने माली ढाँचे को नए सिरे से खड़ा नहीं करते हैं जब तक हम अपनी कोशिशों से जनता की जरूरत का सामान नहीं पैदा करते, जब तक हम अन्तर्राष्ट्रीय व्यापार से फायदा उठाने का मोह नहीं छोड़ते हैं, तब तक हम दुनिया में शान्ति नहीं क़ायम कर सकते हैं। साम्राजी सरकारों से काफ़ी समझौते चाहे जितनी अचानक नोयत से किये जायें वह शान्ति का स्थाई नहीं बना सकते। सच्ची और स्थाई शान्ति केवल उसी बल्लत क़ायम हो सकती है जब हम संगठित हों और उसके लिये हमसोज़ी कोशिश करें। आज की लड़ाई यज़्ज़ीनन आर्थिक गड़बड़ों का नतीजा है। अगर हम अपने आर्थिक ढाँचे को बदल दें तो हम हमेशा के लिये शान्तिमय जीवन बिता सकते हैं। इसको

आज कल मजबूत किताबें हो रही हैं। आदिमी की सहायता से ज्यादा से ज्यादा पैदावार बढ़ाने पर जुटा हुआ है। लेकिन फिर भी इस कोशिश का नतीजा बहुत से देशों की घरीबी नहीं दूर कर पाया। अब भी वहाँ लोग भूख मरते हैं और हर तरह से दुखी हैं। हद यह हो गई है कि ज़िन्दा रहना भी बहुत मुश्किल हो गया है। ज़िन्दागी की फ्रिक् और परेशानी बढ़ती चली जा रही है। आधुनिक हथियार मनुष्य जाति का आत्मा कर सकते हैं। सारे देशों की जनता इन हथियारों की भयानकता से डर रही है।

लौकी के आदमोंक तरीक़ों की जितनी भी निम्नता की जाये कम है। सिवाय नैतिकता का ही सवाल नहीं है। समाजी और आर्थिक दृष्टिकोण से भी यह लड़ाइयाँ बहुत ही भयंकर हैं। साम्राजी जो लड़ाइयाँ जेड़ते हैं उनमें बहुत सी अचानक पीछे तबाह हो जाती है और उन थोड़े से लोगों को भी बहुत ज्यादा फायदा नहीं होता। आम जनता को बरबादी के सिवा और कुछ नहीं मिलता। यही नहीं कि घरबार तबाह होता है बल्कि इससे कहीं ज्यादा बुरी बात यह होती है कि आदिमियों का आचार गिर जाता है और वह जान से मारे जाते हैं। लड़ाइयों की निम्नता करने के लिये बस इतना ही काफी है।

आर्थिक लक्ष

मैंने जो बातें ऊपर कही हैं उनका मतलब एक है दुनिया की सरकारों को चाहिये कि वह ऐसा रास्ता अखिर करे कि वह आम जनता की बुनियादी जरूरतों का पूरा कर सकें और उन्हें जनता को सुख पहुँचाने और उसकी भलाई करने का हर बल्लत ध्यान रहे दौलत किस तरह से इकट्ठा की जाये इसकी चिन्ता उन्हें नहीं होनी चाहिये। जब तक हम अपना दृष्टिकोण नहीं बदलते हैं, जब तक हम जनता की जरूरतों को पूरा नहीं करते हैं, जब तक हम अपने माली ढाँचे को नए सिरे से खड़ा नहीं करते हैं जब तक हम अपनी कोशिशों से जनता की जरूरत का सामान नहीं पैदा करते, जब तक हम अन्तर्राष्ट्रीय व्यापार से फायदा उठाने का मोह नहीं छोड़ते हैं, तब तक हम दुनिया में शान्ति नहीं क़ायम कर सकते हैं। साम्राजी सरकारों से काफ़ी समझौते चाहे जितनी अचानक नोयत से किये जायें वह शान्ति का स्थाई नहीं बना सकते। सच्ची और स्थाई शान्ति केवल उसी बल्लत क़ायम हो सकती है जब हम संगठित हों और उसके लिये हमसोज़ी कोशिश करें। आज की लड़ाई यज़्ज़ीनन आर्थिक गड़बड़ों का नतीजा है। अगर हम अपने आर्थिक ढाँचे को बदल दें तो हम हमेशा के लिये शान्तिमय जीवन बिता सकते हैं। इसको

جاوے اور ایسے لوگوں کو سماج و ردھی سمجھا جانا چاہیئے۔

بازار

جو بھیجے ہم بنائیں ان کے لئے بازار موجود ہونا چاہیئے اور یہ سارا سامان اس پاس کی ملکیوں میں بک جانا چاہیئے۔ ملکیوں پر قبضہ کرنے کی وجہ سے لوٹا ہوا ہوتی ہیں۔ بوطہ نمونہ، چورسلی اور حبابان میں ملکیوں پر اثر جمائے ہوئے لکھی تھیں۔ اس لئے بچھلی ہومانک لڑائی ہوئی تھی۔ جو دہش و کست نہیں ہیں وہ اندوگ میں بڑے دہش کو کچا مال مہیا کرتے ہیں اور اس لئے مال سے جو استعمال کا سامان ملتا ہے اس کو خریدتے ہیں۔ اگر فرانس عہد چھن میں جما رہتا ہے تو اس کا بک بک ہے۔ وہ دہش کو اپنے قلمک پر وکست ہونے کا موقع ملتا چاہیئے۔ باہر سے کوئی دخل اندازی نہیں ہونی چاہیئے۔ ویدھی دخل اندازی و شتر کی سولفٹروا کو ختم کرتی ہے اور لڑائی چھوڑے ہوئے جاتے ہیں۔

خپت میں مینٹا

اگر ہم سب مل کر ویدھی دخل اندازی کو نہیں روک سکتے تو ہمیں بچھوئے دہشوں کی جھٹکا کو سمجھ دینی چاہیئے اور ان میں ایسی حالت پیدا کرنی چاہیئے۔ تاکہ خریدنے کے وقت دوسرے देशوں کے سامان کو اپنے देश کے سامان کے مقابلے میں نہ خریدیں۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس پر عمل بہت ہی مشکل ہے۔ سب کو لالچ ہوتی ہے کہ ویدھی سامان مسک ملے گا اور ویدھی سامان سے اچھا ملے گا لیکن ویدھی مال کو نہ خریدنے کی حالت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اسی سے شامتی استقامت ہوئی۔ اگر وہ مردان میں ہمیں لکھوئے کی نقل دینی پڑے گی۔ اہلی دکھا کے لئے لکھوئے اپنے سارے انگ دہری میں سکھ لیتا ہے۔ ہم کو اپنے رائٹر کو لکھوئے کی کھوپڑی ملنا چاہیئے اور جب کوئی دوسرا رائٹر ہم سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہئے تو ہمیں دہری میں گھس جانا چاہیئے۔

بہت سے لوگ "ویرش منڈی" کی چرچا سے مہینت ہوتے ہیں۔ لیکن اس سوال پر انہوں نے گور نہیں دیا۔ آجکل اس طرح کی چرچا ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ ان سب سمجھدوں میں سرورسٹ وینٹن نے اچھی مثال قائم کی ہے، وہاں ویدھی ہونہار کی اجاراندازی راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ لوگ باہر دہری ہونہاروں کو ویدھی ملکیوں میں گھسے نہیں دیتے اور انہوں نے کاموں سے دوس میں اچھی موزوری ملتی ہے اور کم کرنے والے سکھ جہن بناتے ہیں۔

کھیت میں ہولٹا

اگر ہم سب مل کر ویدھی دخل اندازی کو نہیں روک سکتے تو ہمیں بچھوئے دہشوں کی جھٹکا کو سمجھ دینی چاہیئے اور ان میں ایسی حالت پیدا کرنی چاہیئے۔ تاکہ خریدنے کے وقت دوسرے देशوں کے سامان کو اپنے देश کے سامان کے مقابلے میں نہ خریدیں۔ یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس پر عمل بہت ہی مشکل ہے۔ سب کو لالچ ہوتی ہے کہ ویدھی سامان مسک ملے گا اور ویدھی سامان سے اچھا ملے گا لیکن ویدھی مال کو نہ خریدنے کی حالت پیدا کرنا ضروری ہے۔ اسی سے شامتی استقامت ہوئی۔ اگر وہ مردان میں ہمیں لکھوئے کی نقل دینی پڑے گی۔ اہلی دکھا کے لئے لکھوئے اپنے سارے انگ دہری میں سکھ لیتا ہے۔ ہم کو اپنے رائٹر کو لکھوئے کی کھوپڑی ملنا چاہیئے اور جب کوئی دوسرا رائٹر ہم سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہئے تو ہمیں دہری میں گھس جانا چاہیئے۔

بہت سے لوگ "ویرش منڈی" کی چرچا سے مہینت ہوتے ہیں۔ لیکن اس سوال پر انہوں نے گور نہیں دیا۔ آجکل اس طرح کی چرچا ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے۔ ان سب سمجھدوں میں سرورسٹ وینٹن نے اچھی مثال قائم کی ہے، وہاں ویدھی ہونہار کی اجاراندازی راجہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ لوگ باہر دہری ہونہاروں کو ویدھی ملکیوں میں گھسے نہیں دیتے اور انہوں نے کاموں سے دوس میں اچھی موزوری ملتی ہے اور کم کرنے والے سکھ جہن بناتے ہیں۔

شکلی کا کوئی उपयोग نہیں ہوتا، अगर होता भी है तो पूरा पूरा नहीं होता، इससे चाहिए है कि जहाँ तक मुमकिन हो हमें इस शक्ति से काम लेना चाहिये، ऐसा करने पर कुछ बातों का हमें ध्यान रखना पड़ेगा، पहली बात तो यह है कि जब इन्सान की शक्ति का इस्तेमाल करना है तो "मेहनत बचाव" तरीकों पर ध्यान नहीं देना है، इसके बजाय पैदावार के ऐसे तरीके अपनाने हैं जिसमें बहुत ज्यादा खर्च हाथ बटा सकें، जनता का जो उपलब्ध भाग है इस तरह हम उसकी सुख दे सकते हैं.

मजदूरी

मजदूरी का आधार एक है, काम के बदले में मजदूर को इतनी रकम मिल जानी चाहिये कि उसे जरूरत के अनुसार खाना मिल सके और खाना ऐसा हो जो उसके जिस्म को मजबूत रख सके. मजदूर को ऐसी सुविधा होनी चाहिये जिससे वह उचित स्तर का जीवन बिता सके. लेकिन आजकल चीन्ना के दाम मजदूरी तय करते हैं. इस तरह की प्रथा पूँजीवादी देशों में चालू है. ज्यादातर हालतों में मजदूरी खर्च के समान है. बाजार भाव बढ़ गया है और ज्यादा मुनाफा हुआ तो मजदूरी बढ़ जायेगी, और अगर नहीं तो मजदूरी घटेगी और छटनी हाँगी, लेकिन ऐसा नहीं होना चाहिये. मजदूरी का एक स्तर सुकरार होना चाहिये जिससे कम मजदूरी नहीं मिलेगी. जब फायदा होता है तो मजदूरी बढ़ती है और इसलिये जब बाटा हो तो मजदूरी घटे यह बात उचित नहीं है. मजदूर को इतना तो मिलना ही चाहिये जिससे वह साल भर तक अपनी जरूरतें पूरी कर सके.

हिन्दुस्तान में बहुत से लोग ऐसे हैं जिनके पास खेत नहीं हैं और वह लोग दूसरों के खेतों पर काम करते हैं. यह लोग बरसात के दिनों में ही काम कर पाते हैं और तब भी इन्हें पेट भरने के लिये रांटी नहीं मिल पाती. उन्हें इतना मिलना चाहिये कि वह साल भर तक एक उचित स्तर पर जीवन बिता सकें. इससे खेत की पैदावार का दाम औरन बढ़ जायेगा और पूँजी का बटवारा उचित ढंग से होगा और ज्यादा लोगों को सुख मिल सकेगा.

लोगों का दुखी होना, तनाव को बढ़ाता है. यह वह बीज है जिससे लड़ाई भगड़े पैदा होते हैं.

खेती का स्थान

खेती को उद्योग का दर्जा नहीं मिलना चाहिये. उन सब बुराइयों को हम लोग जानते हैं जिनकी वजह से गेहूँ की अच्छी फसलें जला दी गईं. फसलें इसलिये जलाई गईं ताकि स्टार्क कम हो जाये और गेहूँ का दाम बढ़ जाये. इस तरह की हरकतें समाज विरोधी समझी

शकती का कृषि अंधेरे में नहीं होता. अगर होता भी है तो पूरा पूरा नहीं होता. इस से ظاهر है कि जहाँ तक मुमकिन हो हमें इस शक्ति से काम लेना चाहिये. ऐसा करने में कुछ बातों का हमें ध्यान रखना पड़ेगा. पहली बात तो यह है कि जब इन्सान की शक्ति का इस्तेमाल करना है तो "मेहनत बचाव" तरीकों पर ध्यान नहीं देना है. इसके बजाय पैदावार के ऐसे तरीके अपनाने हैं जिसमें बहुत ज्यादा खर्च हाथ बटा सकें. जनता का जो उपलब्ध भाग है इस तरह हम उसकी सुख दे सकते हैं.

मजदूरी

मजदूरी का आधार एक है. काम के बदले में मजदूर को इतनी रकम मिल जानी चाहिये कि उसे जरूरत के अनुसार खाना मिल सके और खाना ऐसा हो जो उसके जिस्म को मजबूत रख सके. मजदूर को ऐसी सुविधा होनी चाहिये जिससे वह उचित स्तर का जीवन बिता सके. लेकिन आजकल चीन्ना के दाम मजदूरी तय करते हैं. इस तरह की प्रथा पूँजीवादी देशों में चालू है. ज्यादातर हालतों में मजदूरी खर्च के समान है. बाजार भाव बढ़ गया है और ज्यादा मुनाफा हुआ तो मजदूरी बढ़ जायेगी, और अगर नहीं तो मजदूरी घटेगी और छटनी हाँगी, लेकिन ऐसा नहीं होना चाहिये. मजदूरी का एक स्तर सुकरार होना चाहिये जिससे कम मजदूरी नहीं मिलेगी. जब फायदा होता है तो मजदूरी बढ़ती है और इसलिये जब बाटा हो तो मजदूरी घटे यह बात उचित नहीं है. मजदूर को इतना तो मिलना ही चाहिये जिससे वह साल भर तक अपनी जरूरतें पूरी कर सके.

हिन्दुस्तान में बहुत से लोग ऐसे हैं जिनके पास खेत नहीं हैं और वह लोग दूसरों के खेतों पर काम करते हैं. यह लोग बरसात के दिनों में ही काम कर पाते हैं और तब भी इन्हें पेट भरने के लिये रांटी नहीं मिल पाती. उन्हें इतना मिलना चाहिये कि वह साल भर तक एक उचित स्तर पर जीवन बिता सकें. इससे खेत की पैदावार का दाम औरन बढ़ जायेगा और पूँजी का बटवारा उचित ढंग से होगा और ज्यादा लोगों को सुख मिल सकेगा.

लोगों का दुखी होना, तनाव को बढ़ाता है. यह वह बीज है जिससे लड़ाई भगड़े पैदा होते हैं.

खेती का स्थान

खेती को उद्योग का दर्जा नहीं मिलना चाहिये. उन सब बुराइयों को हम लोग जानते हैं जिनकी वजह से गेहूँ की अच्छी फसलें जला दी गईं. फसलें इसलिये जलाई गईं ताकि स्टार्क कम हो जाये और गेहूँ का दाम बढ़ जाये. इस तरह की हरकतें समाज विरोधी समझी

کو پوری کر کے دوسروں کی ضرورت پورا نہیں کرے گا۔ دوسروں کی ضرورت کو وہ پورا کرے گا کہونکہ وہ سمجھو رہے ہیں۔ گھر جانے پر اسے خانا اور کپڑا نہیں سوچنا پڑے گا۔ دوسروں کی ضرورت کو وہ پورا کرے گا کہونکہ وہ سمجھو رہے ہیں۔ گھر جانے پر اسے خانا اور کپڑا نہیں سوچنا پڑے گا۔ دوسروں کی ضرورت کو وہ پورا کرے گا کہونکہ وہ سمجھو رہے ہیں۔ گھر جانے پر اسے خانا اور کپڑا نہیں سوچنا پڑے گا۔

دھاتو روپی ساधन

کسی کھلے گھر میں اگر دولت رکھی ہو تو راہ چلتے آدھی کو لالچ لگتی ہے۔ اگر ہم نہیں چاہتے ہوں کہ چور ہمارے گھر آئیں تو ہمیں اپنا گھر بند رکھنا چاہئے۔ ہمارے پرائونٹ سادھن ہماری دولت ہیں۔ مڈجوریا کوئلے سے مالا مال ہے۔ اسی کوئلے نے جاپان کو مڈجوریا پر قبضہ کرنے کے لئے آفریقا دیا۔ ہمیں اپنے کھدائوں کی ضرورت کے انوسار بھدائی کرنی چاہئے اور اپنی دولت کھود کھود کر دیکھیں تو ہمیں بھی چاہئے۔ جب ہماری زمین کے نیچے چھپی دولت ختم ہو جاتی ہے تب چھپے ہوئے دولت کے لئے ہم دوسرے کی دولت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک سمجھو ہو ہمیں اپنے ہی سادھن کے اوپر زبردستی کرنا چاہئے اور ان سادھن کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے جس سے کہ ان سادھن کو الٹی تسلیں بھی استعمال کر سکیں۔ امریکہ میں پٹرول بے حد خرچ ہوتا ہے۔ اس کا استعمال ہر چہڑے میں ہوتا ہے اسی لئے امریکہ 'ٹرانسپورٹیشن' عراق اور یورپ کے تیل کے بڑے بڑے ذخائر پر غلبہ اور چال بازی ہر طرح سے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس دن میں وہ ایف بونو راشٹر بن گیا ہے۔ اس چہڑے کو ختم کرنے کے لئے ہمیں ایک لمبی یوجنا بلانی پڑے گی۔

پیداوار کے دنگ

ابھی تک ہم نے اس بات پر وجہ دیا ہے کہ ہمیں اپنے پرائونٹ سادھن کو کسے استعمال کرنا چاہئے۔ اب ہمیں اس بات پر دھیان دینا چاہئے کہ اپنے ضروری سامان بنانے میں ہمیں کون سے طریقے اپنانے چاہئیں۔ اس بات پر دھیان ہمیں ان چیزوں میں خاص کر دینا چاہئے جو ابھی پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔

کسی کھلے گھر میں اگر دولت رکھی ہو تو راہ چلتے آدھی کو لالچ لگتی ہے۔ اگر ہم نہیں چاہتے ہوں کہ چور ہمارے گھر آئیں تو ہمیں اپنا گھر بند رکھنا چاہئے۔ ہمارے پرائونٹ سادھن ہماری دولت ہیں۔ مڈجوریا کوئلے سے مالا مال ہے۔ اسی کوئلے نے جاپان کو مڈجوریا پر قبضہ کرنے کے لئے آفریقا دیا۔ ہمیں اپنے کھدائوں کی ضرورت کے انوسار بھدائی کرنی چاہئے اور اپنی دولت کھود کھود کر دیکھیں تو ہمیں بھی چاہئے۔ جب ہماری زمین کے نیچے چھپی دولت ختم ہو جاتی ہے تب چھپے ہوئے دولت کے لئے ہم دوسرے کی دولت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک سمجھو ہو ہمیں اپنے ہی سادھن کے اوپر زبردستی کرنا چاہئے اور ان سادھن کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے جس سے کہ ان سادھن کو الٹی تسلیں بھی استعمال کر سکیں۔ امریکہ میں پٹرول بے حد خرچ ہوتا ہے۔ اس کا استعمال ہر چہڑے میں ہوتا ہے اسی لئے امریکہ 'ٹرانسپورٹیشن' عراق اور یورپ کے تیل کے بڑے بڑے ذخائر پر غلبہ اور چال بازی ہر طرح سے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس دن میں وہ ایف بونو راشٹر بن گیا ہے۔ اس چہڑے کو ختم کرنے کے لئے ہمیں ایک لمبی یوجنا بلانی پڑے گی۔

دھاتو روپی سادھن

کسی کھلے گھر میں اگر دولت رکھی ہو تو راہ چلتے آدھی کو لالچ لگتی ہے۔ اگر ہم نہیں چاہتے ہوں کہ چور ہمارے گھر آئیں تو ہمیں اپنا گھر بند رکھنا چاہئے۔ ہمارے پرائونٹ سادھن ہماری دولت ہیں۔ مڈجوریا کوئلے سے مالا مال ہے۔ اسی کوئلے نے جاپان کو مڈجوریا پر قبضہ کرنے کے لئے آفریقا دیا۔ ہمیں اپنے کھدائوں کی ضرورت کے انوسار بھدائی کرنی چاہئے اور اپنی دولت کھود کھود کر دیکھیں تو ہمیں بھی چاہئے۔ جب ہماری زمین کے نیچے چھپی دولت ختم ہو جاتی ہے تب چھپے ہوئے دولت کے لئے ہم دوسرے کی دولت پر ہاتھ مارنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک سمجھو ہو ہمیں اپنے ہی سادھن کے اوپر زبردستی کرنا چاہئے اور ان سادھن کو اس طرح استعمال کرنا چاہئے جس سے کہ ان سادھن کو الٹی تسلیں بھی استعمال کر سکیں۔ امریکہ میں پٹرول بے حد خرچ ہوتا ہے۔ اس کا استعمال ہر چہڑے میں ہوتا ہے اسی لئے امریکہ 'ٹرانسپورٹیشن' عراق اور یورپ کے تیل کے بڑے بڑے ذخائر پر غلبہ اور چال بازی ہر طرح سے قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ اس دن میں وہ ایف بونو راشٹر بن گیا ہے۔ اس چہڑے کو ختم کرنے کے لئے ہمیں ایک لمبی یوجنا بلانی پڑے گی۔

پیداوار کے دھنگ

ابھی تک ہم نے اس بات پر وجہ دیا ہے کہ ہمیں اپنے پرائونٹ سادھن کو کسے استعمال کرنا چاہئے۔ اب ہمیں اس بات پر دھیان دینا چاہئے کہ اپنے ضروری سامان بنانے میں ہمیں کون سے طریقے اپنانے چاہئیں۔ اس بات پر دھیان ہمیں ان چیزوں میں خاص کر دینا چاہئے جو ابھی پیدا نہیں ہو سکتی ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔ ان چیزوں میں پیداوار دینی پوری طرح درست نہیں ہیں۔

تو ہم سب کو جیہکا دے سکتے ہیں اور تب ہی شامین سے لگو رہ سکتے ہیں۔ لیکن شکری شالی واشتر این سادھن کو مہولے کی کوشش دتے ہیں۔ اس سے واشتر کے بچے نڈا بومکا ہے اور پورس دشمن ہو جاتے ہیں۔

آرتھک یोजना

کم سے کم جو ایک راشٹر جو کر سکتا ہے وہ یہاں ہے کہ اپنی جناتا کو وہ خانا، کپڑا اور مکان سہجیا کرے۔ یہ اسکا لخت ہونا چاہیے۔ اسکے باڈی آگر آسماں، پانی اور دھاتو جیسے ساधन मौजूد ہوں تو ہمیں بھوپار کی ترک کرنا چاہیے اور عیش پرستی کے سامان سہلای کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور تب ہی باہری سامانوں سے اپنے سامانوں کا بدلاؤ کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین پر کسی چیز پر کام ہوگا تو فوراً مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

مثال کے لئے ہند چھن کو لے لیتے ہیں۔ دنیا میں رہو کی جتنی کوشش ہے اس کا پچاسی پرتھست رہو ہند چھن میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ہم لکھا بھی نہیں دیکھتے کہ ہند چھن اپنے رہو کا استعمال کر سکتا ہے۔ جو دیہی آدمیگ میں آئے رہو ہیں اور جنکا وکس ہوتا ہو چکا ہے انہیں کچھ مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی یہ بلہادی ضرورت کسے پوری ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے واشتر کچھ مال کی پوداوار پر کنٹرول رکھیں اور اس کے بھوپار کو اپنی ہاتھ میں رکھیں۔ یہی کرنے کے لئے دیہی دوسرے واشتروں پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ واشتر دوسرے واشتروں نے انہیں دی ہے اور مقام مان رہے ہیں اس کا بلہادی کارن یہی ہے۔ ہند چھن کی جلتا کو اتنی ماترا میں رہو نہیں پیدا کرنا چاہتے۔ اس کے بجائے ایسی چھڑوں کی پوداوار پر انہیں زور دینا چاہتے ہیں جن سے انہیں ٹھکانا مل سکے۔ انہیں پورا مہو ہو سکے اور ان نے مکان کی دقت دور ہو سکے۔ انہیں ایسے بلہادی آدمیگ دھندے کھوے کرنے چاہتے ہیں جس سے اس طرح کا مالی قہار ہو سکے۔ اگر آپ آرتھک چھن کو وہ اس واسطے پر چلے سکیں گے تو دیہی واسطوں کا جن صوبہ سکھ کی حاس سے سیکرگا۔

اسی طرح لکھا میں جائے اور رہو خوب پیدا ہوتی ہے۔ جس دیہی کی آرتھک رہو ایسی ہے اس کا بھوکاں ہی مالک ہے۔ لکھا ایک دیہی ہے۔ ایسا واشتر جس کی سہجی شکری اہمک ہے وہ آسانی سے لکھا کو دھو سکتا ہے اور دیہی آدمیگ پتھوں کی ضرورت کو پورا کرنے پر مجبور نہا جاسکتا ہے۔ ہمارے یہ لکھا اپنی ضرورتوں

کام سے کم جو ایک راشٹر جو کر سکتا ہے وہ یہاں ہے کہ اپنی جناتا کو وہ خانا، کپڑا اور مکان سہجیا کرے۔ یہ اسکا لخت ہونا چاہیے۔ اسکے باڈی آگر آسماں، پانی اور دھاتو جیسے ساधन मौजूद ہوں تو ہمیں بھوپار کی ترک کرنا چاہیے اور عیش پرستی کے سامان سہلای کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور تب ہی باہری سامانوں سے اپنے سامانوں کا بدلاؤ کرنا چاہیے۔ جب بھی زمین پر کسی چیز پر کام ہوگا تو فوراً مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

میسال کے لیے ہندو چین کو لے لیتے ہیں۔ دنیا میں ربح کی جتنی کوشش ہے اس کا پچاسی پرتھست رہو ہندو چین میں پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ہم لکھا بھی نہیں دیکھتے کہ ہندو چین اپنے رہو کا استعمال کر سکتا ہے۔ جو دیہی آدمیگ میں آئے رہو ہیں اور جنکا وکس ہوتا ہو چکا ہے انہیں کچھ مال کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان کی یہ بلہادی ضرورت کسے پوری ہو سکتی ہے؟ اس ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے واشتر کچھ مال کی پوداوار پر کنٹرول رکھیں اور اس کے بھوپار کو اپنی ہاتھ میں رکھیں۔ یہی کرنے کے لئے دیہی دوسرے واشتروں پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ واشتر دوسرے واشتروں نے انہیں دی ہے اور مقام مان رہے ہیں اس کا بلہادی کارن یہی ہے۔ ہندو چین کی جناتا کو اتنی ماترا میں ربح نہیں پیدا کرنا چاہیے۔ اس کے بجائے ایسی چھڑوں کی پوداوار پر انہیں زور دینا چاہتے ہیں جن سے انہیں ٹھکانا مل سکے۔ انہیں پورا مہو ہو سکے اور ان نے مکان کی دقت دور ہو سکے۔ انہیں ایسے بلہادی آدمیگ دھندے کھوے کرنے چاہتے ہیں جس سے اس طرح کا مالی قہار ہو سکے۔ اگر آپ آرتھک چھن کو وہ اس واسطے پر چلے سکیں گے تو دیہی واسطوں کا جن صوبہ سکھ کی حاس سے سیکرگا۔

کاموں سے छوڑی پا گیا۔ اس کے بعد امام صاحب سے ملنا چاہا لیکن بکثرت کی کمی کے کارن نہ مل سکا۔ مگر وہی ساڑھے بارہ بجے یونیورسٹی پہنچنا تھا۔ ہم لوگ یونیورسٹی واپس آ گئے۔

دوسرے دن مینے چین کے انگریزی اخبار 'ہیلی نیوز ریلیف' میں پڑا 'کیسیرک' پورٹنگ شہر میں ساڑھے چھ بجے مصلحیت ہیں جن میں ہزاروں مسلمانوں نے ہمد کی نماز ادا کی۔

کسوں سے چھٹی پا گیا۔ اُس کے بعد امام صاحب سے ملنا چاہا لیکن وقت کی کمی نے کارن نہ مل سکا۔ مگر وہی ساڑھے بارہ بجے یونیورسٹی پہنچنا تھا۔ ہم لوگ یونیورسٹی واپس آ گئے۔

دوسرے دن میں نے چین کے انگریزی اخبار 'ہیلی نیوز ریلیف' میں پڑا کہ صرف ہمدنگ شہر میں ساڑھے چھ بجے زیادہ مسجدیں ہیں جن میں ہزاروں مسلمانوں نے ہمد کی نماز ادا کی۔

انتر راشٹریہ بدامنی—اس کے کارن اور علاج

(ڈاکٹر جے. سی. کمارپا)

[میں نے تیسرے ہفتے میں ورلڈ شانتی کونسل کی बैठक बलिन में हुई है. पण्डित सुन्दरलाल के नेतृत्व में भारत से एक प्रतिनिधि मंडल बलिन गया है. डॉक्टर कुमारपा भी मंडल के साथ हैं. यह मंडल आजकल रूस का दौरा कर रहा है. डॉक्टर कुमारपा ने शान्ति कौंसिल की बैठक में 27 मई को नीचे दिया भाशन दिया है. हम उसे अंग्रेजी से अनुवाद कर के प्रकाशित कर रहे हैं—एडीटर.]

✽

✽

✽

आज यहां इस बात पर विचार करने के लिये इकट्ठा हुये हैं कि दुनिया की आजकल जो हालत है उसमें हम कैसे सुरक्षित रह सकें और किस तरह शान्त रह सकें. ज़िधर भी नजर उठती है हमें बदअमनी दिखाई पड़ती है चाहे समाजिक जीवन हो, चाहे आर्थिक हो, चाहे राजकाजी हो और चाहे निजी मामले हों, सब जगह गड़बड़ है. इसी वजह से राश्ट्रों के बीच भयंकर खिचाव है मेरा समय सीमित है इसलिय मैं बदअमनी के आर्थिक कारनों का ख़ाका ही पेश करूंगा और अपनी बुद्धि के अनुसार उनका इलाज बताने की कोशिश करूंगा.

प्रकृति ने दुनिया के क्यादातर देशों को खदान और दूसरे साधनों से मालामाल किया है. अगर हम अकल से काम लें और इन साधनों को उचित ढंग से इस्तेमाल करें

अंतराष्ट्रीय बदामनी—अस के कारन اور علاج

(डॉक्टर जे. सी. कुमारपा)

[میں نے تیسرے ہفتے میں ورلڈ شانتی کونسل کی बैठك بربلن میں ہوئی ہے. پण्डित सुन्दरलाल के नेतृत्व में भारत से एक प्रतिनिधि मंडल बलिन गया है. डॉक्टर कुमारपा भी मंडल के साथ हैं. यह मंडल आजकल रूस का दौरा कर रहा है. डॉक्टर कुमारपा ने शान्ति कौंसिल की बैठक में 27 मई को नीचे दिया भाशन दिया है. हम उसे अंग्रेजी से अनुवाद कर के प्रकाशित कर रहे हैं—एडीटर.]

✽

✽

✽

آج یہاں اس بات پر دجاہ کرنے کے لئے اٹھا ہوئے ہیں کہ دنیا کی اچکل جو حالت ہے اس میں ہم کوسے سرکچمت رہ سکن اور کس طرح شانتی رہ سکن. جدھر بھی نظر اٹھتی ہے ہمیں بدامنی دکھائی پوتی ہے. چاہے سماجک جہوں ہو، چاہے آرٹھک ہو، چاہے راج کاجی ہو اور چاہے نجی معاملے ہوں، سب جگہ گڑبڑ ہے. اس وجہ سے راشٹروں کے بیچ بولہنگر کھلچکا ہے. مہرا مے مہممت ہے اسلئے میں بدامنی کے آرٹھک کارنوں کا خالہ می پھی کرؤنگا اور اپنی ہمدی نے انوسار ان کا علاج بتانے کی کوشش کرؤنگا.

پرکرتی نے دنیا کے زیادہتر دیہوں کو کھدان اور دوسرے ساधनों سے मलामल किया है. अगर हम अकल से काम लें और इन साधनों को उचित ढंग से इस्तेमाल करें

یہ جیم سے میں سمجھا کہ یہ تبلیغی لکچر کی طرح کی کوئی چیز ہے۔ مسجد کے محرابوں پر سونہرے انواروں میں سجائے ہوئے کے ساتھ عربی آیتوں لکھی تھیں۔ دیواروں پر بہت خوبصورت پینٹنگ تھی۔ آج صبح پانچ بجے میں پہلا موقع تھا کہ مسجد میں ہزاروں چٹائیوں کے درمیان ایلا مہدستان کی اشتعال انگیز لباس پہنائی، پانچواں اور تیسری میں ہونے لگا تھا۔ لوگ مڑ مڑ کر منہ دیکھ رہے تھے اور بچے لگانا تنگی باندھے تھے جسے سلہما دیکھ رہے تھے۔

ابھی امام صاحب کا بھائی نہیں ہوا تھا کہ ایک لڑکی کھڑا ہو کر نمازیں کے پہلے آئی۔ شاید وہ چھٹی لڑکی نہیں تھی۔ اُس نے امام کی اور نمازیں کی کئی تصویریں لیں، پھر اُس نے مہرے تصویر کھینچی کہونکہ مہرے لباس اُس کو عجب لگ رہا تھا۔

تھوڑے ساڑھے دس بجے پہلے ختم ہوا اور نماز کی تیاری شروع ہوئی۔ پہلے امام صاحب پانچ مولاناؤں کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ لمبے لمبے عمامے کی طرح کی کوئی چیز پہنے تھے اور نماز میں سجدہ کی پوز میں تھے۔ سب نمازیں پڑھتے تھے۔ امام نے اُن پانچ مولاناؤں کے ساتھ پہلے کچھ عربی کی آیتیں پڑھیں۔ اُس کے بعد سب نمازیں پکارتی کھڑے ہوئے۔ میں بھی سب کے ساتھ کھڑا ہوئے۔ پھر دو رکعت نماز بالکل اسی طریقہ پر ہوئی جسے مہدستان کی مسجدوں میں ہوتی ہے۔ نماز کے بعد امام نے خطبہ پڑھا اور پھر اُس کے بعد دعا مانگی گئی۔ دعا کے بعد سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور خوش خوش ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگے۔ عید کی نماز کے بعد مہدستان کی طرح یہاں کلمہ نہیں ملتا۔ امام اور پانچ مولانا ایک طرف کھڑے ہوئے اور لوگ لائن لگا کر بار بار بار بار اُن سے مصافحہ کر رہے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بہت سے لوگ مہرے پاس آئے۔ میں نے بھی یہ کہہ کر اُن سے مصافحہ کیا۔

اُس کے بعد میں صحن میں آئے جہاں فلک صاحب اور راجہ صاحب ہزار انتظار کر رہے تھے۔ لگ بھگ ایک ہزار سے زیادہ نمازیں آئے۔ آدھو آدھو خوش خوش تھل رہے تھے۔ میں نے اپنے دھڑے سے مسجد کی اور نمازیوں کی تصویریں کھینچی اور اپنی تصویر بھی امام صاحب کے ساتھ کھینچی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی مہرے تصویر کھینچی گئی۔ اس سب سے فرصت یاد رہی کہ وہاں سے چار ٹکٹ اور امن ڈرائیو نکالے اور بچوں کو ہاتھ دے دیا۔ وہ ایک خوش خوش تھا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ بزرگ اُن کی بہن اور والدہ "نہاویں بھائی، دو" (یعنی یہ تمہارے اُن کی بہن اور والدہ "شہ شہ" تھیں) تھے۔ شہ شہ کو چھٹی پہنچا۔ میں شہ شہ کو دیکھ رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے میں ان سب

تھے جیم سے میں سمجھا کہ یہ تبلیغی لکچر کی طرح کی کوئی چیز ہے۔ مسجد کے محرابوں پر سونہرے انواروں میں سجائے ہوئے کے ساتھ عربی آیتوں لکھی تھیں۔ دیواروں پر بہت خوبصورت پینٹنگ تھی۔ آج صبح پانچ بجے میں پہلا موقع تھا کہ مسجد میں ہزاروں چٹائیوں کے درمیان ایلا مہدستان کی اشتعال انگیز لباس پہنائی، پانچواں اور تیسری میں ہونے لگا تھا۔ لوگ مڑ مڑ کر منہ دیکھ رہے تھے اور بچے لگانا تنگی باندھے تھے جسے سلہما دیکھ رہے تھے۔

ابھی امام صاحب کا بھائی نہیں ہوا تھا کہ ایک لڑکی کھڑا ہو کر نمازیں کے پہلے آئی۔ شاید وہ چھٹی لڑکی نہیں تھی۔ اُس نے امام کی اور نمازیں کی کئی تصویریں لیں، پھر اُس نے مہرے تصویر کھینچی کہونکہ مہرے لباس اُس کو عجب لگ رہا تھا۔

تھوڑے ساڑھے دس بجے پہلے ختم ہوا اور نماز کی تیاری شروع ہوئی۔ پہلے امام صاحب پانچ مولاناؤں کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ لمبے لمبے عمامے کی طرح کی کوئی چیز پہنے تھے اور نماز میں سجدہ کی پوز میں تھے۔ سب نمازیں پڑھتے تھے۔ امام نے اُن پانچ مولاناؤں کے ساتھ پہلے کچھ عربی کی آیتیں پڑھیں۔ اُس کے بعد سب نمازیں پکارتی کھڑے ہوئے۔ میں بھی سب کے ساتھ کھڑا ہوئے۔ پھر دو رکعت نماز بالکل اسی طریقہ پر ہوئی جسے مہدستان کی مسجدوں میں ہوتی ہے۔ نماز کے بعد امام نے خطبہ پڑھا اور پھر اُس کے بعد دعا مانگی گئی۔ دعا کے بعد سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور خوش خوش ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگے۔ عید کی نماز کے بعد مہدستان کی طرح یہاں کلمہ نہیں ملتا۔ امام اور پانچ مولانا ایک طرف کھڑے ہوئے اور لوگ لائن لگا کر بار بار بار بار اُن سے مصافحہ کر رہے تھے۔ میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ بہت سے لوگ مہرے پاس آئے۔ میں نے بھی یہ کہہ کر اُن سے مصافحہ کیا۔

اُس کے بعد میں صحن میں آئے جہاں فلک صاحب اور راجہ صاحب ہزار انتظار کر رہے تھے۔ لگ بھگ ایک ہزار سے زیادہ نمازیں آئے۔ آدھو آدھو خوش خوش تھل رہے تھے۔ میں نے اپنے دھڑے سے مسجد کی اور نمازیوں کی تصویریں کھینچی اور اپنی تصویر بھی امام صاحب کے ساتھ کھینچی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی مہرے تصویر کھینچی گئی۔ اس سب سے فرصت یاد رہی کہ وہاں سے چار ٹکٹ اور امن ڈرائیو نکالے اور بچوں کو ہاتھ دے دیا۔ وہ ایک خوش خوش تھا رہے تھے۔ اُن کے ساتھ بزرگ اُن کی بہن اور والدہ "نہاویں بھائی، دو" (یعنی یہ تمہارے اُن کی بہن اور والدہ "شہ شہ" تھیں) تھے۔ شہ شہ کو چھٹی پہنچا۔ میں شہ شہ کو دیکھ رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے میں ان سب

साढ़े नौ बज बज्ज करके मैं मसजिद के खन्दर बरामदे में गया, वहाँ इमाम साहब साइक्रोफोन पर चीनी भाषा में तक्ररीर कर रहे थे और कभी कभी खरबा पढ़ते जाते

مسجد رنگ نے بتایا کہ یہ بھنگکھی کی سب سے بڑی مسجد ہے اور اس کا نام Tung Sze Pailou ہے۔ انہوں نے یہ بتایا کہ یہ مسجد رنگ خاندان کے سہ ماہی میں بہت اچھی حالت میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل کی چینی سرکار اس معاملے میں بہت دلچسپی لیتی ہے اور دھارمک اسمبلیوں اور پرانے یادگاروں کو اچھی حالت میں رکھنے کے لئے مالی سہولت دیتی ہے۔ انہی میں مسجد کے امام کے لئے صاحب کے ہم لوگوں کو اُن سے ملایا۔ وہ بہت خیر خواہ تھے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو ایک بڑے میں بیٹھایا۔ یہ دھرم رنگکھی کے قسم کا تھا اور مسجد کے ایک دھارے پر تھا۔ اس میں بیٹھنے کے لئے بہت سی بھنگکھی بڑی تھیں۔ کھڑی دیوار کے بعد امام صاحب چلے گئے۔ میں بھی کمرے سے آؤنگر صحن میں چلا آیا، وہاں مرد، عورتیں، بچے، بڑے سب جمع تھے۔ ایک طرف عورتوں کا دھرم تھا جس کے اندر بہت سی بڑھی عورتیں سڑوں پر سفید کلتھوپ پہنے بیٹھی تھیں۔ مرد سڑوں پر سفید گول ٹوپی پہنے تھے۔ لوگ بھی بڑھاپہ مردوں کی طرح سفید ٹوہاں پہنے تھیں۔ یہ بات سنہکھو عجیب لگی۔ ہندستان میں عورتیں مردوں کے ساتھ مسجد میں نہیں آتیں۔ انہیں مرد عورتیں سب ٹھیک رنگ کی پتلون اور اسی رنگ کا کارڈار کرت پہنے ہوتے تھے۔

سازہ نو بجے روضہ کے مہوں مسجد کے اندر ہوا۔
میں گیا ، وہاں امام صاحب مائیکروفون پر چھٹی پہاڑ
میں تقریر کر رہے تھے اور کئی کئی آیتوں پر غمہ جانے

एक छोटा सा छाका लिख रहा हूँ ताकि मेरे देशवासियों को सचचाई समझने में मदद मिले.

ईद के दो दिन पहले मेरे एक चीनी लेखकर दोस्त मिस्टर यन पास आये और कहने लगे कि परसों ईद है. डिपार्टमेंट ने नमाज पढ़ने के लिये आपको पीकिंग शहर की सब से बड़ी मसजिद में भेजने का इन्तजाम किया है. इस बजे सुबह नमाज होगी, आप आठ बजे तैयार हो जाइयेगा. मैंने उनसे कहा—“लेकिन परसों तो मेरा क्लास है, उसका क्या होगा?” उन्होंने जवाब दिया कि ईद के दिन पूरे चीन में तमाम मुसलमानों की छुट्टी होती है, आपको फ़िक्र करने की ज़रूरत नहीं है. जो कुछ हो मुझ से कहिये. मैंने उनका शुक्रिया अदा किया और मैं अपने कमरे में चला आया. दूसरे दिन मैं शाम को टहल कर अपने कमरे में आया तो मालूम हुआ कि मेरे दूसरे चीनी दोस्त मिस्टर फंग, जो हिन्दी डिपार्टमेंट में लेखकर हैं मुझ से मिलने आये थे. मुझको न पाकर मेरी खोज में गये हैं. यह सुनकर मैं कौरन उनकी तलाश में चल पड़ा. अभी मैं थोड़ी ही दूर चला था कि मिस्टर यन मिल गये. सलाम हुआ के बाद उन्होंने बताया कि हमारे डिपार्टमेंट में मिस्टर फंग को मेरा बुधाशिया चुना है और यह कि वह मेरे साथ मसजिद में जायेंगे ताकि वह मुझ को हर चीज़ समझाते जायें और ज़रूरत के वक़्त मेरी मदद करें. मैंने उन से कहा कि मैं मसजिद के इमाम से भी मिलना चाहता हूँ और उनसे आज के चीन में मुसलमानों की हालत, मजहब की आजादी, सरकार की सहायता, इस्लामो जमाअत और उनका काम, उनका चुनाव, आम मुसलमानों पर उनका असर, सूगर और शराब के इस्तेमाल के बारे में आम मुसलमानों का ख़याल, मुसलमानी औरतों की हालत इन सब के बारे में पूछना चाहता हूँ. उन्होंने इमाम का नाम मुझको बताया और कहा कि मिस्टर फंग आपके साथ रहेंगे और वह आपकी मदद करेंगे. इतने में मिस्टर फंग भी आ गये जा मुझको दंडते दंडते इधर निकल आये थे. उन्होंने मुझ से कहा कि कल आठ बजे सुबह आप बिल्कुल तैयार रहियेगा. मैं आपके साथ चलूंगा. मैंने उनसे पूछा कि जिस बस से हम लोग पीकिंग शहर जायेंगे (शहर से हमारी यूनिवर्सिटी लगभग दस मील के फासले पर है) वह कितन बजे छूटता है? उन्होंने कहा कि डिपार्टमेंट ने यूनिवर्सिटी कार का प्रबन्ध किया है, हम जाग उसा स जायेंगे कार आठ बजे डिपार्टमेंट के सामने खड़ी रहेगी. फिर कुछ इधर उधर का बातें करके वह लोग चले गये और मैं यह सोचता हुआ कमरे में लौट आया कि अगर मैं अपने घर लिखू कि यहाँ मुझका इतना आराम है तो क्या लोग यक़ीन कर सकेंगे!

दूसरे दिन नहा धोकर कपड़े बदल ही रहा था कि

ایک چھوٹا سا छाका लिख रहा हूँ ताकि मेरे देशवासियों को सचचाई समझने में मदद मिले .

عید کے دو دن پہلے میرے ایک چھٹی لکچرر دوست مسٹر یان پاس آئے اور کہنے لگے کہ پرسوں عید ہے. قیہارت ملت نے نماز پڑھنے کے لئے آپ کو یوہانک شہر کی سب سے بڑی مسجد میں بھجوانے کا انتظام کیا ہے. دس بجے صبح نماز ہوگی، آپ آٹھ بجے تیار ہو جائیگا. میں نے ان سے کہا—“لوکن پرسوں تو میرا کلاس ہے، اُس کا کیا ہوگا؟“ انہوں نے جواب دیا کہ عید کے دن پورے چین میں تمام مسلمانوں کی چھٹی ہوگی ہے، آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے. جو کچھ ہو مجھ سے کہئے. میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور میں اپنے کمرے میں چلا آیا. دوسرے دن میں شام کو تہل کر اپنے کمرے میں آیا تو معلوم ہوا کہ میرے دوسرے چھٹی دوست مسٹر فنگ جو ہندی قیہارت ملت میں لکچرر ہیں مجھ سے ملنے آئے تھے. مجھکو نہ پا کر میری کھوج میں لگے تھے. یہ سچ کر میں فوراً ان کی تلاش میں چل پڑا. ابھی میں تھوڑی سی دُور چلا تھا کہ مسٹر یان مل گئے. سلام دے کر بعد انہوں نے بتایا کہ ہمارے قیہارت ملت نے مسٹر فنگ کو میرا دو بھائیہ چنا ہے اور یہ کہ وہ میرے ساتھ مسجد میں جائیں گے تاکہ وہ مجھکو ہر چھوڑ چھوڑتے جائوں اور ضرورت کے وقت میری مدد کریں. میں نے ان سے کہا کہ میں مسجد کے امام سے بھی ملنا چاہتا ہوں اور ان سے آج کے چھن میں مسئلہ تہوں کی حالت، مذہبی آزادی، سرکار کی سہانقا، اسلامی جماعتوں اور ان کا کام، ان کا چٹاؤ، عام مسلمانوں پر ان کا اثر، سرور اور شراب کے استعمال کے بارے میں عام مسئلہ بوں کا چھال مسلمانوں کی حالت ان سب کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں. انہوں نے امام کا نام مجھ کو بتایا اور کہا کہ مسٹر فنگ آپ کے ساتھ رہیں گے اور وہ آپ کی مدد کریں گے. انہی میں مسٹر فنگ بھی انکے جو بھائیہ، دو بھائیہ، دو بھائیہ، مکمل آئے تھے. انہوں نے مجھ سے کہا کہ دل آٹھ بجے صبح آپ بیل تیار رکھیں گے. میں آپ کے ساتھ چٹوں گا. میں نے ان سے پوچھا کہ جس بس سے ہم لوگ یوہانک شہر جائیں گے (شہر سے ہماری یونیورسٹی ایک ہوگ دس میل کے فاصلے پر ہے) وہ کتنے بجے چھوٹتی ہے؟ انہوں نے کہا کہ قیہارت ملت نے یونیورسٹی کار کا پر بندہ کیا ہے، ہم لوگ اسی سے جائیں گے. کر آٹھ بجے قیہارت ملت کے سامنے پہنچے رہے گی. پھر کچھ اندر اندر ہی بائیں ڈرے وہ لوگ چلے گئے اور میں یہ سوچتا ہوا کمرے میں لوٹ آیا کہ اگر میں اپنے کمرے میں رہ جاؤں مجھکو ایسا آرام ہے تو کیا لوگ یقین کر سکیں گے!

دوسرے دن صبح نہا دھو کر کپڑے بدل ہی رہا تھا کہ

چینی دوست ہم سے زیادہ ہمارا خیال رکھتے ہیں۔ سنا کرتے تھے کہ ہمارے ایک دوست نے دل کی بات سمجھ میں آجاتی ہے، لیکن یہاں تو یہ کتھوں بالکل سچ ہے۔ اور کسی ضرورت کا احساس ہوا نہیں۔ کہ اگر ہمارے دوستوں کو پتہ چل جاتا ہے اور بلنا کہہ، بلنا چڑھا کہ ہماری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کی ضرورتوں پوری کرنے کے لئے چھٹی بھائی بھائل دیتے ہیں۔ جس دن انہوں ہم لوگوں کی سہوا کرنے کا موقع نہیں ملتا اس دن وہ لوگ بچہ چھو دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اور یہاں کا وائٹوں میں بہت پسند آیا۔ انکا پسند آیا کہ شہدوں میں اسے شہادہ نہیں کر سکتا۔ پرہیز ہو کر ایک دن میں نے اور راجہش لے دیا جی سے کہا کہ ہم لوگ یہاں کم سے کم دس سال کے لئے آئے ہیں۔ دیر سے جی لے ڈاٹر جی سے یہ بات کہ دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں کا بلڈریس ہوس کے لئے سوالات کرتے ہیں۔

ہم لوگ عام چھٹیوں کے لئے ایک تماشہ ہیں۔ ایک دن ہم لوگ ہائی ٹون بازار گئے، ہم لوگوں کو دیکھ کر بچوں کی ایک بھڑو اٹھا ہوئی اور ہر طرف بچے "انڈو رین، انڈو رین" چیلانے لگے۔ راستہ چلتا مشکل ہو گیا۔ ہم لوگ بالکل مداحوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے جن کے ہاتھ بچے ڈالنا ہتھکڑیاں چلتے ہیں اور وہ اپنا بلڈریس لٹکاتے ہوئے آتے ہوئے جاتے ہیں۔ ہم لوگ اپنا جھولا لٹکائے خوشی سے چھوڑتے آتے چلے جا رہے تھے۔ "نی ہاؤ" نی ہاؤ" کہتے آتے ہوئے جاتے تھے۔ وہ لوگ دوسری طرف سے پھر آکر سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہم لوگ بالکل "نئے گاؤں آؤنٹ آیا" کی مثال معلوم ہو رہے تھے۔

اب پیکنگ کی عود کا حال سلوٹھ۔ پیکنگ آئے مجھے ابھی دو مہینہ بھی نہ ہوئے تھے۔ ہلدستان کے زیادہ تر لوگوں کی طرح چھوٹی چھٹی کی مذہبی آزادی کے بارے میں مجھ کو بھی کچھ شک ہی سا تھا، مگر یہاں پر جو کچھ مجھ کو اندہ ہوا اس سے نہ کہل سہرا شک ہی دور ہوا، بلکہ پورا یقین ہو گیا کہ یہاں کے مسلمانوں کو اپنے مذہب، معاملے میں اتنی ہی آزادی ہے جتنی کہ کسی دیش کے مسلمان اپنے لئے سوچ سکتے ہیں۔ شروع شروع میں میں سوچتا تھا کہ اس نئے وائٹوں میں نئے نئے آدمیوں کے درمیان پتہ نہیں ہو رہی عود کیسے گڈے؟ مگر اب کہہ سے یہ نہ ہو سکتا میں کہ چھٹی سہولتوں کے ساتھ 1000 مسلمانوں کے ساتھ ملکر پیکنگ شہر کی سب سے بڑی مسجد میں میں نے نماز پڑھی بہت سے لوگ اس کی کلہا تک نہیں کر سکتے۔ اسی لئے

چینی دوست ہم سے زیادہ ہمارا خیال رکھتے ہیں۔ سنا کرتے تھے کہ ہمارے ایک دوست نے دل کی بات سمجھ میں آجاتی ہے، لیکن یہاں تو یہ کتھوں بالکل سچ ہے۔ اور کسی ضرورت کا احساس ہوا نہیں۔ کہ اگر ہمارے دوستوں کو پتہ چل جاتا ہے اور بلنا کہہ، بلنا چڑھا کہ ہماری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کی ضرورتوں پوری کرنے کے لئے چھٹی بھائی بھائل دیتے ہیں۔ جس دن انہوں ہم لوگوں کی سہوا کرنے کا موقع نہیں ملتا اس دن وہ لوگ بچہ چھو دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ اور یہاں کا وائٹوں میں بہت پسند آیا۔ انکا پسند آیا کہ شہدوں میں اسے شہادہ نہیں کر سکتا۔ پرہیز ہو کر ایک دن میں نے اور راجہش لے دیا جی سے کہا کہ ہم لوگ یہاں کم سے کم دس سال کے لئے آئے ہیں۔ دیر سے جی لے ڈاٹر جی سے یہ بات کہ دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم ان لوگوں کا بلڈریس ہوس کے لئے سوالات کرتے ہیں۔

ہم لوگ عام چھٹیوں کے لئے ایک تماشہ ہیں۔ ایک دن ہم لوگ ہائی ٹون بازار گئے، ہم لوگوں کو دیکھ کر بچوں کی ایک بھڑو اٹھا ہوئی اور ہر طرف بچے "انڈو رین، انڈو رین" چیلانے لگے۔ راستہ چلتا مشکل ہو گیا۔ ہم لوگ بالکل مداحوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے جن کے ہاتھ بچے ڈالنا ہتھکڑیاں چلتے ہیں اور وہ اپنا بلڈریس لٹکاتے ہوئے آتے ہوئے جاتے ہیں۔ ہم لوگ اپنا جھولا لٹکائے خوشی سے چھوڑتے آتے چلے جا رہے تھے۔ "نی ہاؤ" نی ہاؤ" کہتے آتے ہوئے جاتے تھے۔ وہ لوگ دوسری طرف سے پھر آکر سامنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ہم لوگ بالکل "نئے گاؤں آؤنٹ آیا" کی مثال معلوم ہو رہے تھے۔

اب پیکنگ کی عود کا حال سلوٹھ۔ پیکنگ آئے مجھے ابھی دو مہینہ بھی نہ ہوئے تھے۔ ہلدستان کے زیادہ تر لوگوں کی طرح چھوٹی چھٹی کی مذہبی آزادی کے بارے میں مجھ کو بھی کچھ شک ہی سا تھا، مگر یہاں پر جو کچھ مجھ کو اندہ ہوا اس سے نہ کہل سہرا شک ہی دور ہوا، بلکہ پورا یقین ہو گیا کہ یہاں کے مسلمانوں کو اپنے مذہب، معاملے میں اتنی ہی آزادی ہے جتنی کہ کسی دیش کے مسلمان اپنے لئے سوچ سکتے ہیں۔ شروع شروع میں میں سوچتا تھا کہ اس نئے وائٹوں میں نئے نئے آدمیوں کے درمیان پتہ نہیں ہو رہی عود کیسے گڈے؟ مگر اب کہہ سے یہ نہ ہو سکتا میں کہ چھٹی سہولتوں کے ساتھ 1000 مسلمانوں کے ساتھ ملکر پیکنگ شہر کی سب سے بڑی مسجد میں میں نے نماز پڑھی بہت سے لوگ اس کی کلہا تک نہیں کر سکتے۔ اسی لئے

पीکنگ میں मेरी پہلی ईद !

کے اس چتر کو دیکھتے ہیں جو شکسہور نے نورمان کیا ہے۔

چتریں کو جنم دینا لکھن کا سب سے महत्वपूर्ण और सब से मुश्किल काम है. इस का तरीका बहुत पेचंदा है. चित्र निर्माण उस तरह नहीं हो सकता जिस तरह मशीन सामान पैदा करती है. इसलिये मशीन की पैदावार और लकड़ की पैदावार का अनुमूलन करते समय दो अलग दृष्टिकानों का सहारा लेना पड़ेगा.

(सिलसिले के लिये अगला अंक देखिये)

पिकنگ में मेरी पहली ईद !

चित्रों کو جنم دینا لکھن کا سب سے महत्वपूर्ण اور سب سے مشکل کام ہے. اس کا طریقہ بہت پیچیدہ ہے. چتروں پر اس طرح نہیں ہو سکتا جس طرح مشین سامان پیدا کرتی ہے. اس لئے مشین کی پیداوار اور لکڑ کی پیداوار کا اصولوں کے ساتھ دو الگ درستیوں کا سارا اہم ہونا چاہیے.

(سلسلہ کے لئے اگلا اंक دیکھئے)

پ.کنگ میں मेरी पहली ईद !

(लेखक—मुख्तार अहमद ;

[श्री मुख्तार अहमद अभी हाल में पीकिंग गये हैं. पीकिंग यूनीवर्सिटी में वह उर्दू पढ़ाते हैं ऐसे वह 23 अप्रैल सन 1954 ई० को पीकिंग पहुँच गये थे लोकन चानियों की मेहमानदारी ने अवकाश नहीं दिया कि इससे पहले वह कोई पत्र लिख सकें. बकौल उनके चान का वातावरन कुछ इतना पसन्द आया कि वह उसी में रुब कर रह गये. पर अब यकवारगी चौक हैं तो खत लिखने का विचार आया है. आशा है मदान चीन का आखीं देखा हाल 'नया हिन्द' के पाठकों का आगे भा पढ़ने का मिलता रहेगा और हिन्दुस्तान से चीन में जा कर हिन्दी, उर्दू पढ़ाने वाले साथ खत के रूप में हो वहां की जनता, उनकी मेहमानदारी, उनकी चेतना से हमें परिचित कराते रहेंगे—पड़ोतर.]

✽ ✽ ✽

इस साल पीकिंग में मैंने ईद मनाई. उसका वर्नन बाद में करूंगा. पहले अपने बारे में और अपने चीनी दास्तों के बारे में कह लूं.

यहां के लोग बहुत ही अच्छे हैं. हम लोगों की ज़रा सी तकलीफ पर बेचैन हो जाते हैं. हम लोगों को सबसे अच्छा हास्टल दिया गया है. इसमें केवल हिन्दुस्तानी ही रहते हैं. हम लोगों का रसोई घर अलग है इसमें शुद्ध हिन्दुस्तानी खाना पकता है. रसोई घर की मालिक प्रभा भाभा हैं. सब शाकाहारी भोजन करते हैं और मैं भी साग सब्जी का आनन्द लेता हूं.

जुलाई '54

पिकنگ میں میری پہلی عید !

(لکھک—مختار احمد)

[شری مختار احمد ابھی حال میں پیکنگ گئے ہیں. پیکنگ یونیورسٹی میں وہ اردو پڑھاتے ہیں. اسی 23 اپریل سن 1954ء کو پیکنگ پہنچ گئے تھے لیکن چھٹیوں کی مہمانداری نے اراکش نہیں دیا کہ اس سے پہلے وہ کوئی پتہ لکھ سکیں. بقول ان کے چھن کا راتوں دنچہ اندا پسند آیا کہ وہ اسی میں قریب رہ گئے. اب یکوارگی چونکہ میں تو خط لکھنے کا رچا ہوا ہوں. اٹھا ہے یہاں چھن کا آسکھوں دیکھا حال 'نیا ہند' کے پاتھکوں کو آئے بھی پوچھے دو ملتا رہے اور سندھستان سے چھن میں جاکر ملدی' اردو پوچھنے والے ساتھی خط کے روپ میں ہی وہاں کی چھن' ان کی مہمانداری' انکی چھن سے ہمیں پرچت کرتے رہیں گے—پڑتے.]

✽ ✽ ✽

اِس سال پیکنگ میں میں نے عید منائی. اِس کا ورِن بعد میں دوں گے. پہلے اپنے بارے میں اور اپنے چھنی دوستوں کے بارے میں کہوں.

یہاں کے لوگ بہت ہی اچھے ہیں. ہم لوگوں کی ذرا سی تکلف پر بے چہن ہو جاتے ہیں. ہم لوگوں کو سب سے اچھا ہوستل ملے گا دیا گیا ہے. اِس میں دوہل سندھستانی ہی رہتے ہیں. ہم لوگوں کا رَسوئی گھر الگ ہے. اِس میں شہہ سندھستانی ہی رہتا ہے. رَسوئی گھر کی مالک پڑیا بھابی ہیں. سب شاکاہاری ہوچن کرتے ہیں اور میں بھی صاب سبزی کا آئندہ لکھتا ہوں.

(37)

جولائی '54

ऐसे ऐसे अनुभवों का सहारा लिया जाता है जो निराधार हैं। हमें उन उपन्यासों में अपने ही जिवन से काम उत्तेजना प्राप्त करने वाले दो व्यक्ति मिलते हैं जो एक दूसरे से जलते हैं, हमें ऐसी दुखी माँएँ मिलती हैं जो अपने बच्चों से प्यार नहीं कर सकती, ऐसे आदमी दिखाई पड़ते हैं जो बिना किसी कारण के आत्महत्या करते हैं।

अकस्मात् घटना जो आम तरीके से नहीं घटती है लेखक को आकृशित कर सकती है, लेकिन वह उसको शीघ्र ही या कुछ दिनों के बाद ज्यों का त्यों लिख नहीं डालगा। एक आदमी या एक घटना दूसरों की तरह लेखक को भी आश्चर्य में डाल सकती है लेकिन अगर मनुष्य को नैतिक मान्यता उसमें नहीं है तो वह आदमी या घटना लेखक को याद नहीं रह सकती। उपन्यास के चरित्र न तो तस्वीरों का ऐलबम होते हैं और न तो प्रश्नों की ऐसी फाइल होते हैं जो व्यक्तियों के बारे में जानकारी रखने वाले विभाग रेकार्ड के तौर पर रखते हैं। यह चरित्र कालनिक हाते हुए भी वास्तविक होते हैं। लेखक को जीवन का देखने और उसको अर्थ पहनाने का वरदान होता है। इसी वरदान से वह अपनी रचना के चरित्रों में जान पैदा कर देता है।

अपने पैदा किये हुए चरित्रों से लेखक दुनिया को आबाद करता है। ग्रीबोय डोफ ने 'विटवर्कस आ' लिखा। क्या इस रचना से पहले रूस में कोई चात्सकी जैसा आदमी था? बेशक ऐसे लोग थे, लेकिन उनको खुद पता नहीं था कि वह क्या हैं और उनके इर्द गिर्द के लोग भी अच्छी तरह से नहीं जानते थे कि वह क्या हैं। इस पुस्तक के बाद लोगों के बारे में कहा जाने लगा कि "यह एक चात्सकी है।" गोगोल ने बहुत से व्यक्तियों को पीढ़ियों तक जिन्दा रखा। आज भी जब लोग किसी भूटे या डींगयल की बात सुनते हैं तो उसे जलसटाकीफ का नाम देते हैं। नौजवान लोग लीसा, आसया और जीसा नामी लड़कियों से ऐसे प्रेम करते हैं जैसे वह सचमुच ही दुनिया में मौजूद हैं। गोर्की की उपन्यास "माँ" की नायिका हम को इतिहासी व्यक्ति मालूम होती है, हमारे लिये वह ऐसा चरित्र नहीं है जिस का गोर्की ने निर्माण किया है बल्कि वह जाती जागती औरत मालूम होती है।

पाँचवीं सदी में जतलेन्ड में हैमलेट नामी क्या कोई शहजादा था? या डेन्मार्क के इतिहास गढ़ने वालों ने इस नाम के शहजादे का निर्माण किया है? आज इस इतिहासिक सच्चाई से किसी को कोई मतलब नहीं है। डेन्मार्क में हैमलेट की कब्र दिखाई जाती है। वहाँ जाने वाले लोग इस कालनिक कब्र को गौर से देखते हैं। उन्हें इसमें कोई शक नहीं है कि हैमलेट हाइ मांस का पुतला था और वह घरूर इस दुनिया में मौजूद था क्योंकि वह अपने सामने हैमलेट

ऐसे ऐसे अनुभवों का सहारा लेा जाता है जो निराधार हैं। हमें उन उपन्यासों में अपने ही जिवन से काम उत्तेजना प्राप्त करने वाले दो व्यक्ति मिलते हैं जो एक दूसरे से जलते हैं, हमें ऐसी दुखी माँएँ मिलती हैं जो अपने बच्चों से प्यार नहीं कर सकती, ऐसे आदमी दिखाई पड़ते हैं जो बिना किसी कारण के आत्महत्या करते हैं।

अकस्मात् घटना जो आम तरीके से नहीं घटती है लेखक को आकृशित कर सकती है, लेकिन वह उसको शीघ्र ही या कुछ दिनों के बाद ज्यों का त्यों लिख नहीं डालगा। एक आदमी या एक घटना दूसरों की तरह लेखक को भी आश्चर्य में डाल सकती है लेकिन अगर मनुष्य को नैतिक मान्यता उसमें नहीं है तो वह आदमी या घटना लेखक को याद नहीं रह सकती। उपन्यास के चरित्र न तो तस्वीरों का ऐलबम होते हैं और न तो प्रश्नों की ऐसी फाइल होते हैं जो व्यक्तियों के बारे में जानकारी रखने वाले विभाग रेकार्ड के तौर पर रखते हैं। यह चरित्र कालनिक हाते हुए भी वास्तविक होते हैं। लेखक को जीवन का देखने और उसको अर्थ पहनाने का वरदान होता है। इसी वरदान से वह अपनी रचना के चरित्रों में जान पैदा कर देता है।

अपने पैदा किये हुए चरित्रों से लेखक दुनिया को आबाद करता है। ग्रीबोय डोफ ने 'विटवर्कस आ' लिखा। क्या इस रचना से पहले रूस में कोई चात्सकी जैसा आदमी था? बेशक ऐसे लोग थे, लेकिन उनको खुद पता नहीं था कि वह क्या हैं और उनके इर्द गिर्द के लोग भी अच्छी तरह से नहीं जानते थे कि वह क्या हैं। इस पुस्तक के बाद लोगों के बारे में कहा जाने लगा कि "यह एक चात्सकी है।" गोगोल ने बहुत से व्यक्तियों को पीढ़ियों तक जिन्दा रखा। आज भी जब लोग किसी भूटे या डींगयल की बात सुनते हैं तो उसे जलसटाकीफ का नाम देते हैं। नौजवान लोग लीसा, आसया और जीसा नामी लड़कियों से ऐसे प्रेम करते हैं जैसे वह सचमुच ही दुनिया में मौजूद हैं। गोर्की की उपन्यास "माँ" की नायिका हम को इतिहासी व्यक्ति मालूम होती है, हमारे लिये वह ऐसा चरित्र नहीं है जिस का गोर्की ने निर्माण किया है बल्कि वह जाती जागती औरत मालूम होती है।

पाँचवीं सदी में जतलेन्ड में हैमलेट नामी क्या कोई शहजादा था? या डेन्मार्क के इतिहास गढ़ने वालों ने इस नाम के शहजादे का निर्माण किया है? आज इस इतिहासिक सच्चाई से किसी को कोई मतलब नहीं है। डेन्मार्क में हैमलेट की कब्र दिखाई जाती है। वहाँ जाने वाले लोग इस कालनिक कब्र को गौर से देखते हैं। उन्हें इसमें कोई शक नहीं है कि हैमलेट हाइ मांस का पुतला था और वह घरूर इस दुनिया में मौजूद था क्योंकि वह अपने सामने हैमलेट

لیے کलाکار کو فطری دھڑک سے ملنا پڑتا ہے جو دوسروں کا ہے اور جو ہاں میں ہاں کے بارے میں دوسروں نے کہی ہیں انہوں نے بھی اسے سمجھا ہوا ہے۔ تب ہی اس کے چہرے میں سماج کی جھانکی ملتی ہے اور یہ چہرہ ایک نمونہ ہوتا ہے۔ نمونے کے بارے میں جو عام طریقہ سے سمجھا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ گنتی سے نمونے کا کوئی سمجھ نہ نہیں ہے۔ اگر ایلماس کے چہرے کی طرح تھیں لاکھ آدمی ہوں تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ ایک نمونے کا چہرہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس چہرے اور اگر اس چہرے سے مل کے کھائے والے کل تین ہزار آدمی ہوں تو یہ کہنا بھی سمجھو کہ وہ ایک رہا ہے۔ جیسا سماج ہوتا ہے ویسا ہی ایک چہرہ کا چہرہ ہوتا ہے اور چہرے کے پردے پر جو گھٹناؤں ہو رہی ہیں انہیں کو ایک دکھانا ہے۔ چہرے کے کھانے سے باہر کوئی چہرہ وہ پیش نہیں کرتا، وہ آدمیوں اور رشتہوں کا عملی چہرہ ہے۔ جہاں تک گنتی کا سوال ہے وہاں تک چہرے کی چہرے نمونے کے چہرے نہیں ہوں۔ لیکن یہ بھی اچھے سے دیکھو یہ چہرے دل کی دھڑکیں اٹھا اور فیس کو انہوں نے اپنی دھڑکیں میں پیش کیا ہے۔ گنتیوں کے آباء-زاد کے چہرے کا فرمان اس لئے نہیں تھا کہ ان میں انہوں نے ہاں ہے بلکہ اس لئے کہ ان چہرے لوگوں کے لئے سماج نے ایسی پرستہ بنی ہوئی دوہے جس میں وہ ہمیشہ دیکھ رہے ہوں۔ "اندا کہتا" کا یہیم ہے مثال ہے، اس میں بہت گہرائی ہے، لیکن یہ بھی سب لوگ اسے سمجھ لیتے ہیں۔ ہمارے لیے بڑی بڑی ایک آج ان کے ہاں کو ہوں؟ کارن یہ ہے کہ وہ چہرے سے بہتے ہیں اور اپنی دھڑکیں میں ایسے لوگوں کا چہرہ کرتے ہیں جو کسی روپ میں بھی دوسرے سے نہیں ملتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد ہمارے انسان سے زیادہ ہو۔ لیکن ایسے لوگوں کا چہرہ ہاں کے پردے کو نہیں چھوڑتا، ہونکہ ایلماس میں وہ اپنے اور اپنے رنگ کی جھانکی کو دھونڈتا ہے۔ میں نہیں مانتا ہوں کہ ایلماس کے لئے سے میں فرانس کے ہر گلی کوچے میں چہرے ساریل یا لوشون لوگوں مل سکتے تھے۔ ہوا خیال ہے ایسے چہرے ہونے سے ملے ہوں، لیکن یہ چہرے ہاں اور چہرے کو لے-طرح سے پھر دیکھ میں جس سے سے کو پرستہ بنی ہوئی چلتا ہے اور یہی ہوا، وہ چہرے آج بھی موجود ہوں، لیکن ان کا روپ بدل گیا ہے۔ اسی دن سے ایلماس آج تک پڑھے جاتے ہوئے اور ہوشیاری میں ہوتے ہوئے ہوتے ہوئے ہوتے ہوئے۔

آधونیک بھوکا ہیہ وپنیا کے چہرے میں مانسک باہ نہا ہے بلکہ انکا باہار بھوپن پر ہے اور

لئے کلاکار کو فطری دھڑک سے ملنا پڑتا ہے جو دوسروں کا ہے اور جو ہاں میں ہاں کے بارے میں دوسروں نے کہی ہیں انہوں نے بھی اسے سمجھا ہوا ہے۔ تب ہی اس کے چہرے میں سماج کی جھانکی ملتی ہے اور یہ چہرہ ایک نمونہ ہوتا ہے۔ نمونے کے بارے میں جو عام طریقہ سے سمجھا جاتا ہے وہ غلط ہے۔ گنتی سے نمونے کا کوئی سمجھ نہ نہیں ہے۔ اگر ایلماس کے چہرے کی طرح تھیں لاکھ آدمی ہوں تو یہ کہنا ناممکن ہے کہ ایک نمونے کا چہرہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس چہرے اور اگر اس چہرے سے مل کے کھائے والے کل تین ہزار آدمی ہوں تو یہ کہنا بھی سمجھو کہ وہ ایک رہا ہے۔ جیسا سماج ہوتا ہے ویسا ہی ایک چہرہ کا چہرہ ہوتا ہے اور چہرے کے پردے پر جو گھٹناؤں ہو رہی ہیں انہیں کو ایک دکھانا ہے۔ چہرے کے کھانے سے باہر کوئی چہرہ وہ پیش نہیں کرتا، وہ آدمیوں اور رشتہوں کا عملی چہرہ ہے۔ جہاں تک گنتی کا سوال ہے وہاں تک چہرے کی چہرے نمونے کے چہرے نہیں ہوں۔ لیکن یہ بھی اچھے سے دیکھو یہ چہرے دل کی دھڑکیں اٹھا اور فیس کو انہوں نے اپنی دھڑکیں میں پیش کیا ہے۔ گنتیوں کے آباء-زاد کے چہرے کا فرمان اس لئے نہیں تھا کہ ان میں انہوں نے ہاں ہے بلکہ اس لئے کہ ان چہرے لوگوں کے لئے سماج نے ایسی پرستہ بنی ہوئی دوہے جس میں وہ ہمیشہ دیکھ رہے ہوں۔ "اندا کہتا" کا یہیم ہے مثال ہے، اس میں بہت گہرائی ہے، لیکن یہ بھی سب لوگ اسے سمجھ لیتے ہیں۔ ہمارے لیے بڑی بڑی ایک آج ان کے ہاں کو ہوں؟ کارن یہ ہے کہ وہ چہرے سے بہتے ہیں اور اپنی دھڑکیں میں ایسے لوگوں کا چہرہ کرتے ہیں جو کسی روپ میں بھی دوسرے سے نہیں ملتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد ہمارے انسان سے زیادہ ہو۔ لیکن ایسے لوگوں کا چہرہ ہاں کے پردے کو نہیں چھوڑتا، ہونکہ ایلماس میں وہ اپنے اور اپنے رنگ کی جھانکی کو دھونڈتا ہے۔ میں نہیں مانتا ہوں کہ ایلماس کے لئے سے میں فرانس کے ہر گلی کوچے میں چہرے ساریل یا لوشون لوگوں مل سکتے تھے۔ ہوا خیال ہے ایسے چہرے ہونے سے ملے ہوں، لیکن یہ چہرے ہاں اور چہرے کو لے-طرح سے پھر دیکھ میں جس سے سے کو پرستہ بنی ہوئی چلتا ہے اور یہی ہوا، وہ چہرے آج بھی موجود ہوں، لیکن ان کا روپ بدل گیا ہے۔ اسی دن سے ایلماس آج تک پڑھے جاتے ہوئے اور ہوشیاری میں ہوتے ہوئے ہوتے ہوئے ہوتے ہوئے۔

چرित्रوں کا निर्माण करते समय उन तस्वों के हिस्सों को लेखक बदल देता है जिन से कि वह व्यक्ति बना है। उस व्यक्ति की आगे बढ़ने और पीछे हटने की सम्भावना को भी वह बदल देता है।

एक चरित्र में बहुत से व्यक्ति छुपे होते हैं

जब "गोया" ने लड़ाई के भयानक दृश्यों का चित्रन किया तो इन्सानी जिस्म के चीर फाड़ के से निकलने वाले नतीजों की उसने कोई परवाह नहीं की, लेकिन डेढ़ सौ बरस बाद इसकी रचना ने हमें ताजुब में डाल दिया। जिस तरह का चित्रन उस ने उस समय किया है वह बिल्कुल सच है। लड़ाई की जो तस्वीर उसने खींची है वह उन चित्रों के मुकाबिले में सचचाई के बहुत नजदीक है जो कि बैनविस पर लड़ाई का दृश्य खींचने वालों ने हर देश और हर युग में खींची हैं।

आम तरीक़े से नाविल के चरित्र एक व्यक्ति के चरित्र की नक़ल नहीं होते बल्कि वह बहुत से व्यक्तियों के चरित्र की मिली जुली तस्वीर होते हैं। इनको बनाने में लेखक बहुत से व्यक्तियों से मिलता है। अपने निमित्त चरित्र में लेखक अपने जीवन का अनुभव भर देता है। लेखक के उपन्यास और कहानी की पढ़ कर नजदीकी दोस्तों को ताजुब होता है क्योंकि उन्हें पता चलता है कि जानी पहचानी घटनाओं का रूप बदल गया है, क्योंकि उन्हें अपने शब्द दूसरे के मुँह से सुनने को मिलते हैं, क्योंकि उन्हें दिखाई पड़ता है कि लेखक ने अपने एक पुराने दोस्त का ऊपरी दाँचा एक ऐसे व्यक्ति को उड़ा दिया है जिसकी जीवन कथा उस दोस्त से बिल्कुल अलग है।

आधुनिक लेखक के दिमाग में तरह तरह के विचार उठते रहते हैं और वह उन का प्रयोग क्रिया करता है। इन विचारों की जानकारी हासिल करना ज़रा मुश्किल है। हालांकि वह बिल्कुल हमारे बगल में रहता है लेकिन उस क चरित्र और उसकी जीवन कथा से हम पूरी तरह वाक़िफ़ नहीं होते। लेकिन अगर हम इस भेद का मालूम करना चाहते हैं कि प्रमानित उपन्यासों के चरित्र कैसे पैदा हुए हैं तो हम लेखक के पत्रों का सहारा लेना पड़ेगा, उसकी डायरी और नोटबुक की पढ़ना पड़ेगा और उस समय के दूसरे लेखकों के संस्मरण से मदद लेना पड़ेगी। इस तरह हम देखते हैं कि आम तरीक़े से उपन्यास के चरित्र का निर्माण उस व्यक्ति पर आधारित नहीं है जिस के व्याक्तत्व ने लेखक का आकर्षित किया है। लेखक बहुत से स्रोतों के व्याक्तत्व पर विचार करता है और तब जाकर अपने उपन्यास का चरित्र निर्माण करता है।

उपरी नज़र से देख कर रचना के चरित्र नहीं पैदा किये जा सकते, पक्का वास्तविक चरित्र पैदा करने के

जुद्धों का नुस्ख़ा करते हैं। उन दृश्यों के حصों को लेखक बदल देता है जो से कि वह व्यक्ति बना है। उस व्यक्ति की आगे बढ़ने और पीछे हटने की सम्भावना को भी वह बदल देता है।

एक चरित्र में बहुत से व्यक्ति छुपे होते हैं

जब "गोया" ने लौली के बेहानक दृश्यों का चित्रन किया तो इन्सानी जिस्म के चीर फाड़ के से निकलने वाले नतीजों की उसने कोई परवाह नहीं की, लेकिन डेढ़ सौ बरस बाद इसकी रचना ने हमें ताजुब में डाल दिया। जिस तरह का चित्रन उस ने उस समय किया है वह बिल्कुल सच है। लड़ाई की जो तस्वीर उसने खींची है वह उन चित्रों के मुकाबिले में सचचाई के बहुत नजदीक है जो कि बैनविस पर लड़ाई का दृश्य खींचने वालों ने हर देश और हर युग में खींची हैं।

आम तरीक़े से नारल के चरित्र एक व्यक्ति के चरित्र की नक़ल नहीं होते बल्कि वह बहुत से व्यक्तियों के चरित्र की मिली जुली तस्वीर होते हैं। इनको बनाने में लेखक बहुत से व्यक्तियों से मिलता है। अपने निमित्त चरित्र में लेखक अपने जीवन का अनुभव भर देता है। लेखक के उपन्यास और कहानी की पढ़ कर नजदीकी दोस्तों को ताजुब होता है क्योंकि उन्हें पता चलता है कि जानी पहचानी घटनाओं का रूप बदल गया है, क्योंकि उन्हें अपने शब्द दूसरे के मुँह से सुनने को मिलते हैं, क्योंकि उन्हें दिखाई पड़ता है कि लेखक ने अपने एक पुराने दोस्त का ऊपरी दाँचा एक ऐसे व्यक्ति को उड़ा दिया है जिसकी जीवन कथा उस दोस्त से बिल्कुल अलग है।

आधुनिक लेखक के दिमाग में तरह तरह के विचार उठते रहते हैं और वह उन का प्रयोग क्रिया करता है। इन विचारों की जानकारी हासिल करना ज़रा मुश्किल है। हालांकि वह बिल्कुल हमारे बगल में रहता है लेकिन उस क चरित्र और उसकी जीवन कथा से हम पूरी तरह वाक़िफ़ नहीं होते। लेकिन अगर हम इस भेद का मालूम करना चाहते हैं कि प्रमानित उपन्यासों के चरित्र कैसे पैदा हुए हैं तो हम लेखक के पत्रों का सहारा लेना पड़ेगा, उसकी डायरी और नोटबुक की पढ़ना पड़ेगा और उस समय के दूसरे लेखकों के संस्मरण से मदद लेना पड़ेगी। इस तरह हम देखते हैं कि आम तरीक़े से उपन्यास के चरित्र का निर्माण उस व्यक्ति पर आधारित नहीं है जिस के व्याक्तत्व ने लेखक का आकर्षित किया है। लेखक बहुत से स्रोतों के व्याक्तत्व पर विचार करता है और तब जाकर अपने उपन्यास का चरित्र निर्माण करता है।

उपरी नज़र से देख कर रचना के चरित्र नहीं पैदा किये जा सकते, पक्का वास्तविक चरित्र पैदा करने के

ک्यों चाहिये? हमारे यहां बहुत से लेखक हैं. अगर एक लेखक किसी चीज का चित्रन नहीं करता तो दूसरा उस कमी को पूरा कर देगा. कुछ लेखक अपनी कहानियों में सफे के सफे लिख मारते हैं जिनमें हृदय की गरमी नहीं होती है और जो पाठक को अपनी तरफ नहीं खींच पाते हैं. यह हरकत समालोचकों के ऐतराज से बचने के लिये की जाती है कि "लेकिन देखो इसने कलां चीज का चित्रन नहीं किया." यह परिस्थिति बहुत दुःखदायक है.

कभी कभी लेखक से यह भी पूछा जाता है कि वह अपने हीरो के काल्पनिक नाम के पीछे किसी व्यक्ति का चित्रन कर रहा है. बहुत से पाठकों का विचार है कि लेखक उन्हीं व्यक्तियों का चित्रन करता है जो वास्तविक रूप में मौजूद हैं और जिन्हें वह जानता पहचानता है. मेरा विचार है कि लेखक शायद ही ऐसे लोगों को अपने उपन्यासों में जगह देता है जो वास्तविक रूप में मौजूद हों और अगर कभी ऐसे लोगों का चित्रन करता भी है तो उन्हें बदल देता है.

एलक्सि टालस्टाय ने रूस के महान राजा पीटर पर आधारित कर के एक नाविक लिखा है और उससे बहुत पहले "पीटर का समय" नाम की कहानी भी उन्होंने लिखी थी. लेकिन नाविक और कहानी के पीटर में बड़ा अन्तर है. चूँकि लेखक बदल गया था इसलिये उसका हारा में भी तबदिली आ गई. "नाज़मान गाड" नामक उपन्यास का आधार एक सच्चा कहानी है लेकिन उस कहानी में लेखक ने बहुत सी तबदिलियां कर दी हैं.

एक कलाकार प्रकृति की नक़्त नासमझों से नहीं करता. प्रकृति का वह बदलता है और इस बदलाव से ऐसा रूप पैदा करता है जो असली बन जाता है. दा प्रेमियों की बात चात अगर कोई शाटेइंड में लिख ले तो उनका महत्व बहुत नहीं होगा और वह अधिक बनावटी दिखाई पड़ेगी. इसके मुक़ाबले में ऐसा बात चात का चित्रन जब एक महान लेखक करता है तो उसका बड़ा महत्व होता है और वह बातें सच्चा मालूम होता है लेखक इस बात चात को सच्चाई से मिलाता है. कुछ चीजों का छाड़ देता है और कुछ का स्थान बदल देता है और साथ में वह बातें भी जोड़ देता है जो प्रेमियों ने सांचा अवश्य हैं लेकिन जो उनके मुँह से नहीं निकली हैं. रंगान फ़ाट्राफ़ो (जैसे पेन्टिंग, जो फ़ाट्राफ़ो का तरह होता है) व्यक्ति को कुरूप दिखाता है क्योंकि यह उसके ऊपर बनाव का चित्रन करती है और या क्यादा सचदा बाहिरा भावा को दिखा पाता है. असली कलाकार व्यक्त को अन्दरूनी और बाहरी जीवन के मेल को दिखाता है और अपने हीरो के व्यक्तित्व को उभारता है.

لوہک چاہئے؟ ہمارے یہاں بہت سے لوہک ہیں. اگر ایک لوہک کسی چیز کا چترن نہیں کرتا تو دوسرا اس امر کو پورا کر دیتا. کچھ لوہک اپنی کہانیوں میں صاف صاف لکھ مارتے ہیں جن میں ہر قسم کی گرمی نہیں ہوتی ہے اور جو پاتھک کو اپنی طرف نہیں کھینچ پاتے ہیں. یہ حرکت سمالوچکوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے کہ "لوہک دیکھو اس نے ہار کا چترن نہیں کیا." یہ پرستھتی بہت دکھ دیتا ہے.

کبھی کبھی لوہک سے یہ بھی پوچھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہرو کے کاکھک نام کے پیچھے کس شخصیت کا چترن کر رہا ہے. بہت سے پاتھکوں کا وچار ہے کہ لوہک انہیں شخصیتوں کا چترن کرتا ہے جو واقفک روپ میں موجود ہوں اور جنہیں وہ جانتا پہچانتا ہے. مہا وچار ہے کہ لوہک شاید ہی ایسے لوگوں کو اپنے ایلھاسوں میں جگہ دیتا ہے جو واقفک روپ میں موجود ہوں اور اگر کبھی ایسے لوگوں کا چترن کرتا بھی ہے تو انہیں بدل دیتا ہے.

ایکسی شائستائے روس کے مہان راجا پتر. پ. آدھارت کے ایک ناول لکھا ہے اور اس سے بہت پہلے "پتر. سم" نام کی کہانی بھی انہوں نے لکھی تھی. لوہک ناول اور کہانی کے پتر. سم میں بڑا اتر ہے. چونکہ لوہک بدل گیا تھا اسلئے اس نے ہرو میں بھی تبدیلی آگئی. "نودوان گڈ" نامک ایلھاس کا ادھار ایک سچی کہانی ہے لوہک اس کہانی میں لوہک کے بہت سی تبدیلیاں کر دی ہیں.

ایک ناکار پکرتی کی نقل نامسجھی سے نہیں کرتا. پکرتی کو وہ بدلتا ہے اور اس بدلے سے ایسا روپ پیدا کرتا ہے جو اصلی بن جاتا ہے. دو پیرھموں کی بات چیت اور دنی شارت ولفڈ میں لکھ لے تو ان کا بہتو بہت نہیں ہوگا اور وہ ایک ہمارتی دھائی پڑھنی کی اس کے بدلے میں ایسی بات چیت کا چترن جب ایک مہان لوہک کرتا ہے تو اس کا ہوا بہتو ہوتا ہے اور وہ بالوں سچی معلوم ہوتی ہیں. لوہک اس بات چیت کو سچائی سے ملاتا ہے کچھ چھوڑوں کو چھوڑ دیتا ہے کچھ کا استھان بدل دیتا ہے اور ساتھ میں وہ بالوں بھی جوڑ دیتا ہے دو پیرھموں نے سوچی آوشہ میں لکھن جو ان کے ملہ سے بہتو نکلی ہیں. رتھون فوٹو گرافی (جسے پھٹھنگ جو فوٹو گرافی کی طرح ہوتی ہے) ویکٹی کو درپ دھائی ہے لوہک یہ اس نے آڑی ہلائی کا چترن کرتی ہے اور ہا زبہ سے زیادہ ظاہری ہواں کو دہا پاتی ہے. اصلی ناکار ویکٹی کے اندرونی اور باہری چھوٹ کے مول کو دھانے اور اپنے ہرو کے ویکٹو کو اٹھارتا ہے.

چیکوف کے یوگ میں روس میں غور کائناتکاری موجد ہے۔ یہ لوگ بڑھاپے میں اور ان کے اُردے مضبوط ہے۔ لیکن چیکوف نے ان مرد اور عورتوں کا چترن کیا جو کہ جہوں میں ناکام تھے، ہر وقت صہوں کی دنیا میں رہتے تھے، بہت ہی نیک آدمی تھے لیکن زندگی کے بھونڈے بن اور نہجیتا کے ہاتھوں پریشان تھے۔ چیکوف کے سلسلہ میں اور بہتر جب ہم پڑھتے تو ہمیں چیکوف کا یہ روپ دکھائی پڑتا ہے: وہ بہت ہی سچے پرش ہیں، دیکھ میں قویہ دھتے ہیں، کسی کے زور سے بولنے پر جب ہو جاتے ہیں، چہکے چہکے کی پرستہتوں سے دور بھاگتے ہیں اور اپنے ارد گرد کے لوگوں کی دہمکتاؤں اور گمراہوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ ان کا یہی روپ جہوں کا انہوں سادہ ہے، وہ اپنی اسی روپ کے اُردے پر چہکوں کو چلتے تھے اور اسی سے چہکوں کے سہلہ میں ان کے رخ کا پتہ چلتا ہے۔

”پورفوک“ دوستوئی کے اپنی جوانی میں لکھا ہے۔ ”دی برونس کرماچو“ انہوں نے باد میں لکھی۔ لیکن پہلی پستک سے لے کر انت تک انہوں نے عورتوں کے اندر کی دنیا کا گہرا چترن کبھی نہیں کیا۔ انہوں نے عورتوں کو کول بھاگے کا روپ دیا ہے اور وہ دھتے میں ہورو کا بھاگے پلٹنے کے لئے آتی ہیں۔ ان کے اینھاسوں میں نہ آپسی دیم ہے اور نہ دوستی۔ اس بات کا سہلہ خود ان کے چہرے سے ہے۔ یہ چہرے ان کے بھائی، ان کے اکھ میں اور ان کی سخت زندگی میں چہکے ہیں۔

جب کوئی لکھک ایسے لوگوں کا چترن کرتا ہے جنہوں وہ نہیں جانتا یا جنہوں وہ نہیں سمجھتا تو ہمیشہ اسے ناکامی ہوتی ہے۔ لکھک چاہے جس کارن سے ایسا کرے اسے کامیابی کبھی نہیں ہو سکتی۔

پوروائی ویکتی واد کے پرچارک ڈلجام لگانے ہیں کہ ویکتی کو سماج واد میں ختم کر دینا جاتا ہے۔ لیکن واستوکا اس کے خلاف ہے۔ ویکتی کے پہلے پہلے میں سماج واد مدد دیتا ہے۔ امریکہ ایسا دیس ہے جہاں پھدار کے سادہ ویکتیوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، جہاں اس قہلک کے آرتھک تھانچے کی پوجا ہوتی ہے، جہاں پونجی واد کو دھرم کا روپ دے دیا گیا ہے، وہاں ہرور سب کو ایک طرح کے تھانچے میں ڈھالا جا رہا ہے، اس کی آدا، کو ایک چوسا پٹیا جا رہا ہے اور یہ کام خوب توڑی سے ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ہم اس واستوکا کی قدر کرتے ہیں کہ دوسری مرد اور عورت ایک آدرش رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے ہوں ہیں۔ وہ ایک ہوں پر انکی ہلاوت الگ الگ ہے۔ کسی لکھک سے یہ مانگ کھسے کی جاسکتی ہے کہ وہ ہر چہرے کو ہر مشہد کا چترن کرے۔ ہم ایسا کھسے کر سکتے ہیں اور ہمیں ایسا کرنا بھی

यही बात लेखक के साथ भी होनी है. किसी चीज की छाप उसके दिमाग पर पड़ती है और दूसरी चीज से वह कोई दूसरी दिलचस्पी नहीं लेता. इसका कारण यह नहीं है कि लेखक भूलते बहुत हैं या सुस्त होते हैं बल्कि इसका कारण यह है कि लेखकों की प्रकृति और जीवन की विशेषता है. हर लेखक किसी समस्या की तह में पड़ चुका जाता है, किसी के हृदय में उतर जाता है और किसी को बिल्कुल नहीं समझ पाता है और अगर समझता भी है तो उसकी जानकारी ऊपरी होती है. दिलों की कुंजी लेखकों के पास होती है. किसी के पास कम दिलों की कुंजी होती है और किसी के पास ज्यादा दिलों की. लेकिन आज तक कोई ऐसा लेखक नहीं हुआ जो सारे दिलों की कुंजी रखता हो.

हम देखते हैं कि लेखक अपनी रचनाओं में धूम फिर कर वही के वही चरित्र निर्माण करते हैं. जब हम पुराने साहित्य की बात करते हैं तो उसी आधार पर हम "तुर्गेनेव की सुन्दरियाँ" और "वैकोक के चरित्र" की बर्चा करते हैं. इस क्रिस्म के चरित्रों के निर्माण का सम्बन्ध युग से नहीं है, लेखकों की विशेषताओं ने इन्हें खूद चुना है. क्या तुर्गेनेव के युग में मेहनती और शक्ति पोषक स्त्रियाँ नहीं थी? क्या उस युग में भोग विलास से लोग आनन्दित नहीं होते थे? क्या वह अनुमान नहीं करते थे और भविष्यबानी नहीं किया करते थे? क्या उस समय कोई प्रेम सम्बन्ध सुखदायक साधित नहीं हुआ? तुर्गेनेव ने मेहनती और शक्ति उरासक स्त्रियों का चित्रन किया है. सुख देने वाले प्रेम सम्बन्धों का भी वर्नन उन्होंने किया है. लेकिन उन हीरोइन का जो "तुर्गेनेव की सुन्दरियाँ" कहलाते हैं उनका चित्रन उन्होंने खास प्रभाव से किया है और उनको नया अर्थ पहनाया है.

इस बात को तुर्गेनेव के साहित्यिक और दार्शनिक शौकों के आधार पर नहीं बयान किया जा सकता. यह भेद इस बात में भी नहीं है कि तुर्गेनेव गोप्टे या शॉलिंग से प्रेम करते थे. अस्त में तुर्गेनेव को अभागी और पवित्र सुन्दरियों के अक्स की ज़रूरत थी, जिस की मदद से वह "वैकार लोगों" के समाज का चित्रन कर सकें और कुलीन लोगों के बढ़ते हुए समाज की तस्वीर पेश कर सकें. इस पर भी आप यह सोचने पर मजबूर हैं कि इन चित्रों के निर्माण में तुर्गेनेव के अनुभवों का हाथ है. तुर्गेनेव शायद ही किसी ऐसे चित्र से यथार्थ जीवन में मिले हों. लेकिन उन का खूद का चरित्र और जीवन "तुर्गेनेव सुन्दरियों" में से किसी एक चरित्र और उसके भाग्य की अक्सर याद दिलाता है.

येही बात लेखक के साथ भी होती है. किसी चीज की छाप उस के दिमाग पर पड़ती है और दूसरी चीज से वह कोई दूसरी दिलचस्पी नहीं लेता. इस का कारण यह नहीं है कि लेखक भूलते बहुत हैं या सुस्त होते हैं बल्कि इसका कारण यह है कि लेखकों की प्रकृति और जीवन की विशेषता है. हर लेखक किसी समस्या की तह में पड़ चुका जाता है, किसी के हृदय में उतर जाता है और किसी को बिल्कुल नहीं समझ पाता है और अगर समझता भी है तो उसकी जानकारी ऊपरी होती है. दिलों की कुंजी लेखकों के पास होती है. किसी के पास कम दिलों की कुंजी होती है और किसी के पास ज्यादा दिलों की. लेकिन आज तक कोई ऐसा लेखक नहीं हुआ जो सारे दिलों की कुंजी रखता हो.

हम देखते हैं कि लेखक अपनी रचनाओं में धूम फिर कर वही के वही चरित्र निर्माण करते हैं. जब हम पुराने साहित्य की बात करते हैं तो उसी आधार पर हम "तुर्गेनेव की सुन्दरियाँ" और "वैकोक के चरित्र" की बर्चा करते हैं. इस क्रिस्म के चरित्रों के निर्माण का सम्बन्ध युग से नहीं है, लेखकों की विशेषताओं ने इन्हें खूद चुना है. क्या तुर्गेनेव के युग में मेहनती और शक्ति पोषक स्त्रियाँ नहीं थी? क्या उस युग में भोग विलास से लोग आनन्दित नहीं होते थे? क्या वह अनुमान नहीं करते थे और भविष्यबानी नहीं किया करते थे? क्या उस समय कोई प्रेम सम्बन्ध सुखदायक साधित नहीं हुआ? तुर्गेनेव ने मेहनती और शक्ति उरासक स्त्रियों का चित्रन किया है. सुख देने वाले प्रेम सम्बन्धों का भी वर्नन उन्होंने किया है. लेकिन उन हीरोइन का जो "तुर्गेनेव की सुन्दरियाँ" कहलाते हैं उनका चित्रन उन्होंने खास प्रभाव से किया है और उनको नया अर्थ पहनाया है.

इस बात को तुर्गेनेव के साहित्यिक और दार्शनिक शौकों के आधार पर नहीं बयान किया जा सकता. यह भेद इस बात में भी नहीं है कि तुर्गेनेव गोप्टे या शॉलिंग से प्रेम करते थे. अस्त में तुर्गेनेव को अभागी और पवित्र सुन्दरियों के अक्स की ज़रूरत थी, जिस की मदद से वह "वैकार लोगों" के समाज का चित्रन कर सकें और कुलीन लोगों के बढ़ते हुए समाज की तस्वीर पेश कर सकें. इस पर भी आप यह सोचने पर मजबूर हैं कि इन चित्रों के निर्माण में तुर्गेनेव के अनुभवों का हाथ है. तुर्गेनेव शायद ही किसी ऐसे चित्र से यथार्थ जीवन में मिले हों. लेकिन उन का खूद का चरित्र और जीवन "तुर्गेनेव सुन्दरियों" में से किसी एक चरित्र और उसके भाग्य की अक्सर याद दिलाता है.

انکی یونیورسیتیاں بن گئی۔ کورولنکو کو देश निकालا ملا۔ یہ لوگ ساہتہ کے میدان میں جب اترتے تو ان کے پاس درجنوں کتابیں کا مواد تھا، ان کے آئینک گھان کا ہتھار پڑا تھا۔

”ڈیوڈ کپور کولڈ“ ”آئولور ڈسٹر“ اور ”لٹیل ڈوٹ“ لکھنے سے پہلے ڈیکنس نے بھاناکہ परिस्थیتوں کا انوبھ کیا تھا۔ بچپن میں شیشوں کے پھاڑ دے تھے، انہیں سہتیاں مہلنی پڑی تھیں، ایک لوتار کے چر کام کرنا پڑا تھا۔ بالکل نہ ایک دھتر میں کام کیا۔ کچھ دنوں پہلے کرتے رہے جس میں کبھی سہل نہ ہوئے۔ انہوں نے فرانسیسی برزوائی سماج کے ہم قصوں دیکھ سکے، جوش نراشا کا انوبھ کیا اور بعد میں ان سب کا ورنن ایلوی دچھاؤں میں کیا۔

پنڈیوا دی دیشوں میں لکھکر جیویکا کمانا بھوت ہی شیشکال ہے۔ پشور لکھکر بننے سے پہلے پچھم یورپ اور کلاس کر کے امریکا کے بھوت سے مشہور لکھکر یا مچھتری کرتے تھے یا ڈاک بانڈے تھے یا جھانوں پر مال لادے اوتارے تھے۔ ان میں سے کوئی کوئی سڈکوں کے کینارے کوٹو لکھتے تھے۔ کچھ بال بنانے کا پشہ کرتے تھے اور کچھ سونے کی کانوں کی یوگ میں مارے مارے فیرتے تھے۔ ان لاگوں کی بھوت سے انسانیوں سے ملالاکات تھیں۔ ان کو بھوت سے ایل پھل سے گوجرنا پڑا۔ ان انوبھوں سے وپنیا س لکھنے میں ان لکھکوں کا سہا یوتا ملتا۔ انہوں نے پنڈیوا دی سماج کے کالپن کو بھوت انوبھ کیا اور اس سماج کے اس پہلے کا اپنی رچنا میں پورا ورنن کیا۔

آدھن رچنا کی سیدی ہے

رچنا کرنے کے لیے آدھن زکری سیدی ہے۔ لکھکر لکھ کر جو کام کرتا ہے پاٹک بھی کام پڑھ کر کرتا ہے۔ کھانی میں جو تکسلیک ایشاروں میں دی جاتی ہے اسے پاٹک کی کھپنا شکتی پوری کر لیتی ہے۔ یہ کام وہ اپنے انوبھ کے چرے کے اندر ہی کرتا ہے۔ آگ الگ پاٹھک ایلھاس کے الگ الگ چتروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے یا اسے بے رنگ بنا دیتی ہے، چتر کو اوپر اٹھا دیتی ہے یا اس کی اعمت کو بہت ہی کم کر دیتی ہے۔ بہت سی پاٹھک کانفرنسوں میں مچھ اس بات کا انوبھ ہوا ہے۔ ان کانفرنسوں میں جب مہرے ایلھاسوں پر چرچا چلی ہے تو بے اچھا ہی مہر دھان ایلوی بہت سی ساہتیک فلسفوں کی طرف گیا ہے اور اس بات کا بھی انوبھ ہوا ہے کہ مانو پرورنی ایک دوسرے سے کٹتی ہیں۔ پاٹھک ایک چتر کے ہر دے میں آکر جانا ہے لیکن دوسرے کے پرنی وہ آدھن دھتے۔

ان کی یونیورسیتیاں بن گئیں۔ کورولنکو کو देश निकालا ملا۔ یہ لوگ ساہتہ کے میدان میں جب اترتے تو ان کے پاس درجنوں کتابیں کا مواد تھا، ان کے آئینک گھان کا ہتھار پڑا تھا۔

”ڈیوڈ کپور کولڈ“ ”آئولور ڈسٹر“ اور ”لٹیل ڈوٹ“ لکھنے سے پہلے ڈیکنس نے بھاناکہ परिस्थیتوں کا انوبھ کیا تھا۔ بچپن میں شیشوں کے پھاڑ دے تھے، انہیں سہتیاں مہلنی پڑی تھیں، ایک لوتار کے چر کام کرنا پڑا تھا۔ بالکل نہ ایک دھتر میں کام کیا۔ کچھ دنوں پہلے کرتے رہے جس میں کبھی سہل نہ ہوئے۔ انہوں نے فرانسیسی برزوائی سماج کے ہم قصوں دیکھ سکے، جوش نراشا کا انوبھ کیا اور بعد میں ان سب کا ورنن ایلوی دچھاؤں میں کیا۔

پنڈیوا دی دیشوں میں لکھکر جیویکا کمانا بھوت ہی شیشکال ہے۔ پشور لکھکر بننے سے پہلے پچھم یورپ اور کلاس کر کے امریکا کے بھوت سے مشہور لکھکر یا مچھتری کرتے تھے یا ڈاک بانڈے تھے یا جھانوں پر مال لادے اوتارے تھے۔ ان میں سے کوئی کوئی سڈکوں کے کینارے کوٹو لکھتے تھے۔ کچھ بال بنانے کا پشہ کرتے تھے اور کچھ سونے کی کانوں کی یوگ میں مارے مارے فیرتے تھے۔ ان لاگوں کی بھوت سے انسانیوں سے ملالاکات تھیں۔ ان کو بھوت سے ایل پھل سے گوجرنا پڑا۔ ان انوبھوں سے وپنیا س لکھنے میں ان لکھکوں کا سہا یوتا ملتا۔ انہوں نے پنڈیوا دی سماج کے کالپن کو بھوت انوبھ کیا اور اس سماج کے اس پہلے کا اپنی رچنا میں پورا ورنن کیا۔

آدھن رچنا کی سیدی ہے

رچنا کرنے کے لیے آدھن زکری سیدی ہے۔ لکھکر لکھ کر جو کام کرتا ہے پاٹک بھی کام پڑھ کر کرتا ہے۔ کھانی میں جو تکسلیک ایشاروں میں دی جاتی ہے اسے پاٹک کی کھپنا شکتی پوری کر لیتی ہے۔ یہ کام وہ اپنے انوبھ کے چرے کے اندر ہی کرتا ہے۔ آگ الگ پاٹھک ایلھاس کے الگ الگ چتروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی ہے یا اسے بے رنگ بنا دیتی ہے، چتر کو اوپر اٹھا دیتی ہے یا اس کی اعمت کو بہت ہی کم کر دیتی ہے۔ بہت سی پاٹھک کانفرنسوں میں مچھ اس بات کا انوبھ ہوا ہے۔ ان کانفرنسوں میں جب مہرے ایلھاسوں پر چرچا چلی ہے تو بے اچھا ہی مہر دھان ایلوی بہت سی ساہتیک فلسفوں کی طرف گیا ہے اور اس بات کا بھی انوبھ ہوا ہے کہ مانو پرورنی ایک دوسرے سے کٹتی ہیں۔ پاٹھک ایک چتر کے ہر دے میں آکر جانا ہے لیکن دوسرے کے پرنی وہ آدھن دھتے۔

उसने दूसरों से सम्बन्ध स्थापित किये हों, उनकी समझा हो, उन सम्बन्धों के दुख सुख को खुद भोगा हो।

ऊपर जो बात मैंने कही है उससे मेरा मतलब यह नहीं है कि लेखक केवल उन्हीं चीजों का वर्नन करता है जिनका उसे अनुभव है। यही नहीं कि लेखक अपने खुद के अनुभवों को बदल देता है बल्कि वह अपने सुश्राहों को भी बदल देता है। लेकिन वह हमेशा उन लोगों का ही वर्नन करता है जिनके विचारों और भावों को वह समझ सकता है। साहित्य का यह बहुत ही जरूरी तत्व है। चरित्रों के कारनामों को समझने के लिए लेखक के लिए इतना अनुभव जरूरी है जो इस बात को बाहिर कर सके कि वह परिस्थितियां कौन सी थीं और क्यों थीं जिन में चरित्र मरते जीते और काम करते हैं।

बारम्बार हमें यह दिखाई पड़ता है कि एक नौजवान लेखक उमरता है और पूरी तरह चमकने से पहले ही साहित्य का यह सितारा डूब जाता है। पहली पुस्तक निकलती है। उनमें लेखक की प्रतिभा दिखाई पड़ती है, लोगों का ध्यान वह अपनी तरफ खींचती है। लेकिन दूसरी पुस्तक के निकलने की नौबत नहीं आती। इस तरह के कुछ ऐसे भी लेखक हैं जिन को दूसरी पुस्तक भी निकलती है और उसके बाद तीसरी भी पढ़ने को मिलती है। लेकिन इन किताबों को पढ़कर पाठक का भरम दूर हो जाता है। इस तरह की दुखद घटना का सम्बन्ध उन लेखकों की जीवन कथा से होता है। एक नौजवान जीवन के संघर्ष में अमली हिस्सा लेता है। वह एक इंजीनियर है, एक भूमि शस्त्री है, एक विद्यार्थी है, एक मजदूर है। उसे अनुभव होता रहता है और लिखने के लिए उसके पास कुछ जमा होता रहता है। अगर उसके पास रचना करने का प्रतिभा है तो वह पुस्तक के रूप में अपने अनुभव लिखता है। यह पुस्तक कामियाब होती है। लेकिन जब यही नौजवान पेशेवर लेखक बन जाता है तो वह अपने पिछले जीवन से बिल्कुल अलग हो जाता है। उस समय वह नए नए अनुभव नहीं कर पाता, नई नई समस्याएं वह देख नहीं पाता। उस नौजवान लेखक की दूसरी और तीसरी किताबें विफल रहती हैं क्योंकि वह अनुभव के आधार पर नहीं लिखी जाती। ऐसी रचनाओं का आधार अटकल पर होता है। इनको लिखने में लेखक साहित्यिक स्मृतियों पर निर्भर करता है, इन पुस्तकों का दांचा पिटा पिटाया होता है।

याद कीजिए कि पुराने लेखकों का जीवन कितना पेचीदा और टेढ़ा मेढ़ा था। याद कीजिए कि साल्टी कोक सचद्रोनी को बहुत से शहरों में सरकारी नोकरी करनी पड़ी। वहां वह ऊंचे ओखड़े पर रहे। दोस्तोवस्की को गुलामी की सजा मिली। गोर्की जगह जगह मारे मारे फिरे। यही जगहें

अस ने दूसरों से सम्बन्ध स्थापित किये हों, उनको समझा हो, उन सम्बन्धों के दुख सुख को खुद भोगा हो।

ऊपर जो बात मैंने कही है उससे मेरा मतलब यह नहीं है कि लेखक केवल उन्हीं चीजों का वर्नन करता है जिनका उसे अनुभव है। यही नहीं कि लेखक अपने खुद के अनुभवों को बदल देता है बल्कि वह अपने सुश्राहों को भी बदल देता है। लेकिन वह हमेशा उन लोगों का ही वर्नन करता है जिनके विचारों और भावों को वह समझ सकता है। साहित्य का यह बहुत ही जरूरी तत्व है। चरित्रों के कारनामों को समझने के लिए लेखक के लिए इतना अनुभव जरूरी है जो इस बात को बाहिर कर सके कि वह परिस्थितियां कौन सी थीं और क्यों थीं जिन में चरित्र मरते जीते और काम करते हैं।

बारम्बार हमें यह दिखाई पड़ता है कि एक नौजवान लेखक उमरता है और पूरी तरह चमकने से पहले ही साहित्य का यह सितारा डूब जाता है। पहली पुस्तक निकलती है। उनमें लेखक की प्रतिभा दिखाई पड़ती है, लोगों का ध्यान वह अपनी तरफ खींचती है। लेकिन दूसरी पुस्तक के निकलने की नौबत नहीं आती। इस तरह के कुछ ऐसे भी लेखक हैं जिन को दूसरी पुस्तक भी निकलती है और उसके बाद तीसरी भी पढ़ने को मिलती है। लेकिन इन किताबों को पढ़कर पाठक का भरम दूर हो जाता है। इस तरह की दुखद घटना का सम्बन्ध उन लेखकों की जीवन कथा से होता है। एक नौजवान जीवन के संघर्ष में अमली हिस्सा लेता है। वह एक इंजीनियर है, एक भूमि शस्त्री है, एक विद्यार्थी है, एक मजदूर है। उसे अनुभव होता रहता है और लिखने के लिए उसके पास कुछ जमा होता रहता है। अगर उसके पास रचना करने का प्रतिभा है तो वह पुस्तक के रूप में अपने अनुभव लिखता है। यह पुस्तक कामियाब होती है। लेकिन जब यही नौजवान पेशेवर लेखक बन जाता है तो वह अपने पिछले जीवन से बिल्कुल अलग हो जाता है। उस समय वह नए नए अनुभव नहीं कर पाता, नई नई समस्याएं वह देख नहीं पाता। उस नौजवान लेखक की दूसरी और तीसरी किताबें विफल रहती हैं क्योंकि वह अनुभव के आधार पर नहीं लिखी जाती। ऐसी रचनाओं का आधार अटकल पर होता है। इनको लिखने में लेखक साहित्यिक स्मृतियों पर निर्भर करता है, इन पुस्तकों का दांचा पिटा पिटाया होता है।

याद कीजिए कि पुराने लेखकों का जीवन कितना पेचीदा और टेढ़ा मेढ़ा था। याद कीजिए कि साल्टी कोक सचद्रोनी को बहुत से शहरों में सरकारी नोकरी करनी पड़ी। वहां वह ऊंचे ओखड़े पर रहे। दोस्तोवस्की को गुलामी की सजा मिली। गोर्की जगह जगह मारे मारे फिरे। यही जगहें

सेवा" जैसे शब्दों का उपयोग साहित्य चर्चा के सम्बन्ध में लगभग अब हमारे यहां नहीं होता। लेकिन सचमुच ही यह शब्दार्थ से खाली नहीं है, मझाक उड़ाने की चीज नहीं है। इन शब्दों में लेखक के कर्तव्य की उचित समझ छिपी हुई है। लेखक वह आदमी है जो छोटे से जीवन में बहुत से जन्म लेता है, जिसका फर्ज है कि वह जनता के दिल में गरमी पैदा करे, जो जनता में जोश पैदा करने के लिये अपने को साधन के रूप में इस्तेमाल करे। जिसका कर्तव्य है कि वह आदमी के अन्तरात्मा को रौशन करे, जिसे चाहिये कि वह अपने पाठकों के दिमागी जालों और नज़र की धंधलाहट को साफ करे ताकि वह जीवन को अधिक अच्छी तरह देख सकें और ज्यादा जीवन का आनन्द ले सकें, अधिक शान से ज़िन्दगी बिता सकें।

लेखक में सीखने की शक्ति होती है। वह अपनी जनता से प्रेम करता है और उसकी समस्याओं में दिलचस्पी लेता है। लेकिन यह सोचना महज भोलापन है कि लेखक हर तरह के आदमियों को समझ सकता है। सब लोग एक दूसरे के भावों को समझते हैं। इन "सब" में लेखक भी शामिल हैं। लेकिन भावों को समझने की एक सीमा है अपने अनुभवों के घेर से बाहर कोई किसी की भावनाओं को नहीं समझ सकता। एक ऐसा भाव जिस का अनुभव लेखक को नहीं है, जिसका लेखक के मानसिक ढांचे से कोई सम्बन्ध नहीं है, उस भाव को लेखक नहीं समझ सकता। अगर लेखक उस भाव का वर्णन करता है तो उसे उन किताबों का सहारा लेना पड़ेगा जिन में उस खास भाव का वर्णन किया गया है। इस भाव का वर्णन तो हो जायेगा लेकिन इस वर्णन में मामिकता नहीं होगी, सत्य भी नहीं होगा। जिस तरह तर्क शास्त्री बहस में अटकल लगाया करते हैं उसी तरह लेखक अटकल लगाएगा। जिन किताबों या उपन्यास के पन्नों में इस तरह का वर्णन होता है वह नीरस होते हैं और उनकी कोई छाप पाठक के दिल पर नहीं पड़ती।

पश्चिम वालों का विचार है कि जीवन में जो ड्रामे होते हैं उनको लेखक केवल देखा करता है, उनमें हिस्सा नहीं लेता। यह विचार सचाई के विरुद्ध है। लेखक तमाशाई मात्र नहीं है, वह जीवन के मंच पर खेल जाने वाले ड्रामों में भाग लेता है। उपन्यास के पहले अध्याय को लिखने से पहले मर्दानों या सालों तैयारी हानी चाहिए। योजना बनाई जाए, नोट तैयार किये जाएं। लेखक सालों जीवन की समस्याओं के बीच रहा हो, उसने जीवन के सुख दुख खुद फेंक हों, कभी उसका दिल जोश से भर गया हो, उसमें जाग उठी हो और कभी वह निराश हो गया हो,

सब "जैसे" शब्दों का उपयोग साहित्य चर्चा के सम्बन्ध में लगभग अब हमारे यहां नहीं होता। लेकिन सचमुच ही यह शब्दार्थ से खाली नहीं है, मझाक उड़ाने की चीज नहीं है। इन शब्दों में लेखक के कर्तव्य की उचित समझ छिपी हुई है। लेखक वह आदमी है जो छोटे से जीवन में बहुत से जन्म लेता है, जिसका फर्ज है कि वह जनता के दिल में गरमी पैदा करे, जो जनता में जोश पैदा करने के लिये अपने को साधन के रूप में इस्तेमाल करे। जिसका कर्तव्य है कि वह आदमी के अन्तरात्मा को रौशन करे, जिसे चाहिये कि वह अपने पाठकों के दिमागी जालों और नज़र की धंधलाहट को साफ करे ताकि वह जीवन को अधिक अच्छी तरह देख सकें और ज्यादा जीवन का आनन्द ले सकें, अधिक शान से ज़िन्दगी बिता सकें।

लेखक में सीखने की शक्ति होती है। वह अपनी जनता से प्रेम करता है और उसकी समस्याओं में दिलचस्पी लेता है। लेकिन यह सोचना महज भोलापन है कि लेखक हर तरह के आदमियों को समझ सकता है। सब लोग एक दूसरे के भावों को समझते हैं। इन "सब" में लेखक भी शामिल हैं। लेकिन भावों को समझने की एक सीमा है अपने अनुभवों के घेर से बाहर कोई किसी की भावनाओं को नहीं समझ सकता। एक ऐसा भाव जिस का अनुभव लेखक को नहीं है, जिसका लेखक के मानसिक ढांचे से कोई सम्बन्ध नहीं है, उस भाव को लेखक नहीं समझ सकता। अगर लेखक उस भाव का वर्णन करता है तो उसे उन किताबों का सहारा लेना पड़ेगा जिन में उस खास भाव का वर्णन किया गया है। इस भाव का वर्णन तो हो जायेगा लेकिन इस वर्णन में मामिकता नहीं होगी, सत्य भी नहीं होगा। जिस तरह तर्क शास्त्री बहस में अटकल लगाया करते हैं उसी तरह लेखक अटकल लगाएगा। जिन किताबों या उपन्यास के पन्नों में इस तरह का वर्णन होता है वह नीरस होते हैं और उनकी कोई छाप पाठक के दिल पर नहीं पड़ती।

पश्चिम वालों का विचार है कि जीवन में जो ड्रामे होते हैं उनको लेखक केवल देखा करता है, उनमें हिस्सा नहीं लेता। यह विचार सचाई के विरुद्ध है। लेखक तमाशाई मात्र नहीं है, वह जीवन के मंच पर खेल जाने वाले ड्रामों में भाग लेता है। उपन्यास के पहले अध्याय को लिखने से पहले मर्दानों या सालों तैयारी हानी चाहिए। योजना बनाई जाए, नोट तैयार किये जाएं। लेखक सालों जीवन की समस्याओं के बीच रहा हो, उसने जीवन के सुख दुख खुद फेंक हों, कभी उसका दिल जोश से भर गया हो, उसमें जाग उठी हो और कभी वह निराश हो गया हो,

آجہان اور راشتری ٹھمنڈ کی طرف ہوسکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپے چھڑک کر وہ ٹھوسانہ ٹھات بات کا ڈھانچہ، دھرم اور دیہی بھنگی کا نام دے دے۔

پچھلی صدی کے مہمان روسی لےکھک اس بات سے نہیں ڈرتے تھے جسے آجکل آٹھوچکا کہا جاتا ہے۔ جب تاسٹائے سن 1812 کی لڑائی کی چرچا کرتے ہوں تو کہا یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ ان کی سہانہ بھوتی کدھر ہے؟ کہا اس مہوں کسی کو شک ہے کہ "اسپورٹس مہمنس اسکھچو" کے لےکھک کو کون سی چھڑ بھاری ہے اور اس چھڑ سے آپے نفرت ہے۔ روسی سماج کے اونچے طبقے والے پڑھانوں پر دھمیں اور روسی چلتا ہے بھج ہونے والے تکرار کا وزن کرتے سمجھ کہا سالتی کوف مہمچدروں نے نقشہ ہونے کی کوشش کی ہے؟

لےکھک میں کسی کے प्रति ہمہدردی ہونے کا मतलब یہ نہیں ہے کہ وہ ہورنڈے پن اور لچاری سے یکشہات کرے۔ لےکھک "لچ" چم ساز اور پائہنڈ سے نفرت کرسکتا ہے لوکن وہ ایک ٹکڑوس، چم ساز اور پائہنڈی کو انسانی ہمدردی سے ونچت نہیں کرسکتا۔ دنہا کو کالے اور سفید دو ہی رنگ مہوں نہ رنگنا چاہئے۔ پریم کی طرح نفرت کا بھی سمجھدہ چھوٹ اور چلتے پھرتے آدمیوں سے ہوتا ہے نفرت کوئی وچار مہاں نہیں ہے۔

شالو کوف پکھس پائی تھ۔ ان کے آپٹھاس "سائل اپ ٹرنڈ" کا ایک لکھ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کسانوں کی پرستھی مہوں تبدیلی آنے کا مطلب ہے سماج کی ترقی۔ چونکہ ان کی رچنا کا لکھ طے تھا اس لئے وہ کلکوں کی آتما مہوں ٹھس سکے، باہر ہی نہیں رہ گئے۔ اسی لئے ان کی رچنا سطح کے اوپر ہی اوپر نہیں رہ گئی، ایک اشتہار نہیں بن گئی جس مہوں ہونے والی کھٹاٹوں چھوٹ کی تھوں لکھ دی گئی مہوں۔ ان کی رچناؤں مہوں محرومکھانک سچائی پائی جانی ہے، سماج کی سطح کے اندر جو کچھ دھکا ہے اس کا وزن ملتا ہے۔

کلا بگور بہاونا کے نہیں ہوتی

مہرا وچار ہے کہ آج تک کوئی کلا ایسی نہیں ہوئی ہے جسے شدہ کہا جاسکے اور اس مہوں کسی طرح کا ولولہ نہ ہو، جوش نہ ہو۔ مہوں یہ بھی مانتا ہوں کہ بگور بہاونا کے بہوشدہ مہوں بھی کوئی شدہ کلا نہیں ہوسکتی۔

شمالی کے بہتکڑوں رچنا کی کمزوریوں اور دوسری سائنسک ٹرٹیوں سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے لوکن جہاں ٹھنڈک ہو، نوئی املک نہ ہو، نوکی جوش نہ ہو وہاں جوش پیدا دنا، بہاوں مہوں آگ لگانا بہت مشکل ہے۔ "آتما کی پکار پورنا اور

آتما کی پکار پورنا اور دوسری ٹھنڈ کی طرف ہوسکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپے چھڑک کر وہ ٹھوسانہ ٹھات بات کا ڈھانچہ، دھرم اور دیہی بھنگی کا نام دے دے۔

پچھلی صدی کے مہمان روسی لےکھک اس بات سے نہیں ڈرتے تھے جسے آجکل آٹھوچکا کہا جاتا ہے۔ جب تاسٹائے سن 1812 کی لڑائی کی چرچا کرتے ہوں تو کہا یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ ان کی سہانہ بھوتی کدھر ہے؟ کہا اس مہوں کسی کو شک ہے کہ "اسپورٹس مہمنس اسکھچو" کے لےکھک کو کون سی چھڑ بھاری ہے اور اس چھڑ سے آپے نفرت ہے۔ روسی سماج کے اونچے طبقے والے پڑھانوں پر دھمیں اور روسی چلتا ہے بھج ہونے والے تکرار کا وزن کرتے سمجھ کہا سالتی کوف مہمچدروں نے نقشہ ہونے کی کوشش کی ہے؟

لےکھک میں کسی کے प्रति ہمہدردی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہورنڈے پن اور لچاری سے یکشہات کرے۔ لےکھک "لچ" چم ساز اور پائہنڈ سے نفرت کرسکتا ہے لوکن وہ ایک ٹکڑوس، چم ساز اور پائہنڈی کو انسانی ہمدردی سے ونچت نہیں کرسکتا۔ دنہا کو کالے اور سفید دو ہی رنگ مہوں نہ رنگنا چاہئے۔ پریم کی طرح نفرت کا بھی سمجھدہ چھوٹ اور چلتے پھرتے آدمیوں سے ہوتا ہے نفرت کوئی وچار مہاں نہیں ہے۔

شالو کوف پکھس پائی تھ۔ ان کے آپٹھاس "سائل اپ ٹرنڈ" کا ایک لکھ ہے۔ وہ جانتے تھے کہ کسانوں کی پرستھی مہوں تبدیلی آنے کا مطلب ہے سماج کی ترقی۔ چونکہ ان کی رچنا کا لکھ طے تھا اس لئے وہ کلکوں کی آتما مہوں ٹھس سکے، باہر ہی نہیں رہ گئے۔ اسی لئے ان کی رچنا سطح کے اوپر ہی اوپر نہیں رہ گئی، ایک اشتہار نہیں بن گئی جس مہوں ہونے والی کھٹاٹوں چھوٹ کی تھوں لکھ دی گئی مہوں۔ ان کی رچناؤں مہوں محرومکھانک سچائی پائی جانی ہے، سماج کی سطح کے اندر جو کچھ دھکا ہے اس کا وزن ملتا ہے۔

کلا بگور بہاونا کے نہیں ہوتی

مہرا وچار ہے کہ آج تک کوئی کلا ایسی نہیں ہوئی ہے جسے شدہ کہا جاسکے اور اس مہوں کسی طرح کا ولولہ نہ ہو، جوش نہ ہو۔ مہوں یہ بھی مانتا ہوں کہ بگور بہاونا کے بہوشدہ مہوں بھی کوئی شدہ کلا نہیں ہوسکتی۔

شمالی کے بہتکڑوں رچنا کی کمزوریوں اور دوسری سائنسک ٹرٹیوں سے آسانی سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے لوکن جہاں ٹھنڈک ہو، نوئی املک نہ ہو، نوکی جوش نہ ہو وہاں جوش پیدا دنا، بہاوں مہوں آگ لگانا بہت مشکل ہے۔ "آتما کی پکار پورنا اور

गुलाम बन कर, इस जादू का कोई इलाज नहीं है.....” शायद वह सोचने लगा, कुछ चिन्तित सा हुआ और फिर उसी परेशानी में बोला—“पर एक इलाज है, बड़ा कारगर इलाज.....”

झैं बज गए थे, अनिल तकिये में मुंह गड़ाए चारपाई पर पड़े थे। कल्लन, मुराद, नन्कू, राम प्रसाद और दरजनों मझदूर कोठे पर आ गए थे। सबके सब अनिल की तरफ बड़े व्यक्ति जैसे डर कर भाग गया। कल्लन ने कहा—“भैया जी।”

और वह उठकर बैठ गए. एक दफा आख मंली और सब की शकल देख कर मुसकरा दिए. बोले—“यार, रात भर बुरे बुरे सपने देखते रहे, इसलिए उठने में देर हो गई. मुंह हाथ धो लें, बस जुटते हैं काम में.

अवकाश के अधियारे में जो अनिल मर गए थे संघर्ष के उजियाले में वह फिर जी उठे.

فلام بکھر۔ اس جادو کا کوئی علاج نہیں ہے.....“ شاید وہ سوچنے لگا، کچھ چلتکت سا ہوا اور پھر اسی پرورہانی میں ہوا۔ ”پر ایک علاج ہے، ہوا کا گر علاج...“

چہ ہج گئے تھے، اہل تکہہ میں مذہ گوائے چار پائی
 پر پڑے تھے۔ کلن، سوان، ننگو، رام پردھان اور درجیوں مزدور
 کوٹھے پر آئے تھے۔ سب نے سب اہل کی طرف بڑھے۔
 دیکھتی جھوسے قدر کر بھاگ گیا۔ کلن نے کہا—”بھیا جی“

اور وہ اٹھکر بیٹھ گئے۔ ایک دفعہ آئیکہ ملی اور سب کی شکل دیکھ کر مسکرا دیئم۔ ہولے—”یار! رات بھر بڑے بڑے سوتے دیکھتے رہے“ اس لئے آئیکہ مہں دہر ہو گئی۔ ملتے ہاتھ دھو لیں، بس چلتے مہں کام مہں۔

اوکھ کے اندھارے میں جو اُنل ہو گئے تھے سنکھڑھ
کے اچھالے میں رو پڑ جی اُٹھے ۔

लेखक और उसकी कला

(लेखक—एलिया एहरन बर्ग; अनुवादक—मुजीब रिजवी)

(गतांक से आगे)

प्रगतिशील सहित्य और उसका मक़सद

दुर्घा वा विचार धारा के अनुयायी सोवियत लेखकों और पच्छिम के प्रगतिशील लेखकों पर इल्जाम लगाते हैं कि इनकी रचनाओं का आधार अपनी खास विचार धारा को फैलाना होता है। यह लोग कहते हैं कि प्रगतिशील लेखकों की रचनाएं "टेनेडेन्सस" होती हैं। फ्रांसीसी डिक्शनरी के इस शब्द का मतलब है—किसी चीज की तरह भुकाव। यह बिल्कुल कुदरती बात है कि दूसरे लोगों की तरह लेखक भी किसी चीज से प्रेम करे और किसी चीज से नफ़रत। लेखकों और आम लोगों के भावनाओं में अन्तर अरुह है। लेकिन अन्तर इस बात का नहीं है कि लेखक दूसरों की तरह प्रेम और नफ़रत नहीं करता। बल्कि अन्तर इस बात में है कि लेखक की इन्द्रियों आम लोगों की इन्द्रियों से तेज चखती हैं। लेखक जल्द ही ऊपरी खाल का फाड़ कर तह में पहुँच जाता है। एक लेखक का भुकाव न्याय, बद्धि और भाई चारे की तरह हो सकता है, दूसरे का भुकाव समाजी नाबराबरी,

لیکھک اور اُس کی کلا

(لوگوں کو — اہل ہا اہل ہرگ: انورادی — سچو بہ رضوی)

(گمانک سے آگے)

پرگتی، شہل ساهتہ اور اُس کا مقصد

ہوڑا اور چار دھار کے اندرونی سوویت لکھکوں اور چھم کے پرکھی ہیل لکھکوں پر اڑام لکاتے ہیں کہ ان کی چملاؤں کا آدھار اپنی خاصی چار دھار کو پھیلنا ہوتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہرکھی شہل لکھکوں کی چملاؤں ”تھلک پھس“ ہوتی ہیں۔ فرانسیسی تاشفوی کے اس شبد کا مطلب ہے: — کسی چھم کی طرف چھوڑا۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دوسرے لوگوں کی طرح لکھک بھی کسی چھم سے پرہم کرے اور کسی چھم سے نفرت۔ لکھکوں اور عام لوگوں کے پہنائوں میں اتھر ضرور ہے۔ لکھن اتھر اِس بات کا نہیں ہے کہ لکھک دوسروں کی طرح پرہم اور نفرت نہیں کرتا۔ بلکہ اتھر اِس بات میں ہے کہ لکھک کی اندریاں عام لوگوں کی اندریوں سے تھوڑی چلتی ہیں۔ لکھک جلد ہی اڑوی کھول کو بھار کر نہ میں پہنچ جاتا ہے۔ لوگ لکھک کا چھوڑا نہایت بدھی اور بھائی چارے کی طرف ہوسکتا ہے، دوسرے کا چھوڑا سماجی ناہار اور

ہجہ تائے کاہوت ہے، حب چوہیل چک گئیں کہمت.....
اب ہو کچہ نہوں بگوا، اپنے بارے میں سوچو، اب ہی
صلہل جاؤ.....“

انزل میں شاید سنگدھڑ کی طاقت نہیں رہ گئی
تو یہ ہمدردی نے اُن کو مجبور کر دیا تھا۔ وہ اُس ویسکی
سے لپٹ گئے اور ہوش ہوتے ہوئے گر رہ گئے۔ اُس ویسکی نے
اُن پر حملہ کرنا آرمہ کیا اور پھر مسمریزم کا اُن پر ہوا
اُن کو دھماکا۔ اُس ویسکی نے کہا اچھے ہارے میں سوچو اور
انزل اچھے ہارے میں سوچتے لگے۔

”ہاں میں تو کسی نہیں ہوسکتا تھا؟ ضرور ہوسکتا تھا۔
 وہ تھا ہوسکتا تھا بہت اچھا تھا۔ وہ... وہ... وہ...
 میں... میں... میں... وہ... وہ... وہ...
 ہوا... ک... ک... ک... وہ... وہ... وہ...
 مجھے یاد آتی... آتی... آتی... وہ... وہ... وہ...
 یہ بہت کچھ ہے، بہت کچھ، مگر... مگر... مگر...
 نے دیا لیکن... لیکن... لیکن...“

نفل کا وہیستی سماج کی قدر یہاں کر نکل آیا تھا۔ ان کو نسر نسر پر اس نے ایسا جال بس لیا تھا۔ کبھی کبھی اس سہلے سے جاکلے کی وہ پوشش ڈرتے تو وہ انہیں تھوکر دے کر یہ سہ دیتا۔ وہ سوچتے رہے، جو جہوں آج اک ان کا آدرش تھا، اسی سے انہیں نڈت ہونے لگی۔ آج تک جس پتہ پر وہ چلے آئے وہ بھٹکا سمجھ رہے تھے۔ بھیس بھیس میں مڑبڑ کے مقدسے ان کی ڈھانے لگے۔ ان کی دردناک آہیں کٹھ وندنے لگیں تو سہلے انہیں دھتے کا پتھر سمجھ کر انہیں پھینکتے گئے۔ اب راستہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ جہوں کے چہرے ان سے ملنے ہوئے وہ ڈھان کے پتے پر چل رہے تھے اور ڈھلکتے جا رہے تھے۔ اسی سمتھی میں انہوں نے پتا جی سے پھینکت کی۔

”بتا جو‘ مہوں لوٹ آیا“

”میں جانتا تھا بھٹا، کون لو جب تک تمہارے
 ڈھنڈے میں ہوتا ہے، جب ابال ختم ہوگا، خون میں
 تھلک آئے گی۔“ نو آجائے..... اب کہا ارادے ہیں.....؟“
 ”جو آپ کہیں پتا چلے..... میں نوکری کروں؟“ دھن
 کے ڈھنڈے، آپ ہی سہوا دوں گا۔“

”اچھا“ پتا چلی نے ایسے کہا جیسے ان کی مانگی مراد مل گئی ہو۔

اندر والا اطمینان ہے یہ سب دیکھتا رہا اور کہیں
 اٹل کی ٹوٹد اچٹ نہ جائے وہ انہوں کو ہتھ پٹاتا رہا ۔
 بیٹا جی کی ”اچھا“ نے ساتھ اس نے کہا۔ ”جہاں تے مجھ
 نے لے لے لے تم دکھا ہو گے ہوں ہوں سے مہوں نے کت لے لے ۔
 وہ ٹوٹا مہوں نے مہوں نے تم پوچھو گے نہ رچا رہا ۔ اب
 مہوں مہوں نہوں آستے..... پوچھو رہو ہوں کی مہوں

لیکھتا رہتا ہے، تو سالگرہ ملاتی ہو، میں کسی لکھا ہوا دیکھتا ہوں، کہتے کہتے ازل سے کنگڈا دیتے ہوں۔
وہنا ہنسکتی نہیں ہے، جل بہن کڑ کھتی ہے۔ ”یہ سب بکواس ہے۔ اصل میں تم کسی اور سے پرہم کرتے ہو۔“
”ہاں، چھوٹے“

”اے“ وہنا نے کہنے پہلے یہ کہا اور ازل پر نظر ڈالی جس میں ہزاروں اردہ صوفے تھے۔

”نہیں،“ ”ایلا،“ ”سب“ کا انہی ہے، اس لئے سب سے۔“

دونوں کچھ دیر مومن رہے۔ پھر چلنے کی تیاری کرتے ہوئے ازل نے کہا۔ ”وہنا، تم اپنی شادی میں بلانا ضرور“

بھولنا مت، چہل کے باہر رہا تو تمہیں آٹھرواد دینے آؤگا۔“

وہنا دو پڑی۔

”یہ کہا،“ ان کو کہا ہوگیا، ابھی اچھے پہلے تھے، انہوں نے تسوے کہوں بہانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ہی تو وہنا سے کہا تھا کہ اپنی شادی پر ضرور بلانا۔ اور آج جب اُس نے بلایا ہے تو۔ یہ کہا؟ آنکھوں کھلی ہوں اور ان۔ میں سے ترل پدارت اس دھار سے ہوند ہوند چو رہا ہے جیسے کسی دیوتا پر یہم جل چڑھا رہے ہوں!

اندرو والا دیکھتی بول اُٹھا۔ ”اب آئے ہو تھک راستے پر،“

”نہیں کہا جاسکتا کہ شرابی کو نشہ کا آہاس کب ہوتا ہے؟ نشہ پہلے کے بعد یا نشہ آخر کے بعد! شاید آج تک ازل نشہ میں ہدمست تھے، انہوں کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہنا سے ان کا کوئی سمبندھ نہیں ہے، وہ ان چکروں میں نہیں پڑے۔ یہ سب باتوں نشہ کی تھوں۔ اور آج جب نشہ اتر چکا ہے تو انہوں لگ رہا ہے کہ ہنا وہنا روپی شراب ملے ان کا سر درد سے بیٹ جائے گا۔ لیکن بے بس ہوں۔ اب تھو ہاتھ سے چہرہ چکا ہے، رو رہے ہیں۔ کل تک وہنا کے سمبندھ۔ وہ انہوں نے نہیں سوچا تھا۔ شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی ہے، اُس پر کسی دوسرے کا ادھار نہیں۔ جیسے لوگ ٹھہر مومن پڑی چھوڑ کی آہکچھا کرتے ہیں، ہاں ہی کوئے کترے مومن بھٹک دیتے ہیں۔ ازل نے وہنا سے کوئی لگاؤ ظاہر نہیں کیا لیکن وہ کوئے کترے مومن پڑی رہی۔ نہیں تو آج جب وہ دوسرے کی ہو رہی ہے تو انہوں کسک نہ ہوتی، ان کے آنسو نہ آتے۔“

شاید اندر کا دیکھتی انہوں چہلوں کے ناک میں تھا جب کمزوری ازل پر چھا جائے۔ سہانہ ہوتی دکھاتے ہوئے تسلی دیتے ہوئے، چمکانے ہوئے اُس نے کہا۔ ”اب

نہیں کہا جاسکتا کہ شرابی کو نشہ کا آہاس کب ہوتا ہے؟ نشہ پہلے کے بعد یا نشہ آخر کے بعد! شاید آج تک ازل نشہ میں ہدمست تھے، انہوں کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہنا سے ان کا کوئی سمبندھ نہیں ہے، وہ ان چکروں میں نہیں پڑے۔ یہ سب باتوں نشہ کی تھوں۔ اور آج جب نشہ اتر چکا ہے تو انہوں لگ رہا ہے کہ ہنا وہنا روپی شراب ملے ان کا سر درد سے بیٹ جائے گا۔ لیکن بے بس ہوں۔ اب تھو ہاتھ سے چہرہ چکا ہے، رو رہے ہیں۔ کل تک وہنا کے سمبندھ۔ وہ انہوں نے نہیں سوچا تھا۔ شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی ہے، اُس پر کسی دوسرے کا ادھار نہیں۔ جیسے لوگ ٹھہر مومن پڑی چھوڑ کی آہکچھا کرتے ہیں، ہاں ہی کوئے کترے مومن بھٹک دیتے ہیں۔ ازل نے وہنا سے کوئی لگاؤ ظاہر نہیں کیا لیکن وہ کوئے کترے مومن پڑی رہی۔ نہیں تو آج جب وہ دوسرے کی ہو رہی ہے تو انہوں کسک نہ ہوتی، ان کے آنسو نہ آتے۔“

”اے“ وہنا نے کہنے پہلے یہ کہا اور ازل پر نظر ڈالی جس میں ہزاروں اردہ صوفے تھے۔

”نہیں،“ ”ایلا،“ ”سب“ کا انہی ہے، اس لئے سب سے۔“

دونوں کچھ دیر مومن رہے۔ پھر چلنے کی تیاری کرتے ہوئے ازل نے کہا۔ ”وہنا، تم اپنی شادی میں بلانا ضرور“

بھولنا مت، چہل کے باہر رہا تو تمہیں آٹھرواد دینے آؤگا۔“

وہنا دو پڑی۔

”یہ کہا،“ ان کو کہا ہوگیا، ابھی اچھے پہلے تھے، انہوں نے تسوے کہوں بہانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے ہی تو وہنا سے کہا تھا کہ اپنی شادی پر ضرور بلانا۔ اور آج جب اُس نے بلایا ہے تو۔ یہ کہا؟ آنکھوں کھلی ہوں اور ان۔ میں سے ترل پدارت اس دھار سے ہوند ہوند چو رہا ہے جیسے کسی دیوتا پر یہم جل چڑھا رہے ہوں!

اندرو والا دیکھتی بول اُٹھا۔ ”اب آئے ہو تھک راستے پر،“

نہیں کہا جاسکتا کہ شرابی کو نشہ کا آہاس کب ہوتا ہے؟ نشہ پہلے کے بعد یا نشہ آخر کے بعد! شاید آج تک ازل نشہ میں ہدمست تھے، انہوں کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہنا سے ان کا کوئی سمبندھ نہیں ہے، وہ ان چکروں میں نہیں پڑے۔ یہ سب باتوں نشہ کی تھوں۔ اور آج جب نشہ اتر چکا ہے تو انہوں لگ رہا ہے کہ ہنا وہنا روپی شراب ملے ان کا سر درد سے بیٹ جائے گا۔ لیکن بے بس ہوں۔ اب تھو ہاتھ سے چہرہ چکا ہے، رو رہے ہیں۔ کل تک وہنا کے سمبندھ۔ وہ انہوں نے نہیں سوچا تھا۔ شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اپنی ہے، اُس پر کسی دوسرے کا ادھار نہیں۔ جیسے لوگ ٹھہر مومن پڑی چھوڑ کی آہکچھا کرتے ہیں، ہاں ہی کوئے کترے مومن بھٹک دیتے ہیں۔ ازل نے وہنا سے کوئی لگاؤ ظاہر نہیں کیا لیکن وہ کوئے کترے مومن پڑی رہی۔ نہیں تو آج جب وہ دوسرے کی ہو رہی ہے تو انہوں کسک نہ ہوتی، ان کے آنسو نہ آتے۔“

شاید اندر کا دیکھتی انہوں چہلوں کے ناک میں تھا جب کمزوری ازل پر چھا جائے۔ سہانہ ہوتی دکھاتے ہوئے تسلی دیتے ہوئے، چمکانے ہوئے اُس نے کہا۔ ”اب

आनन्द का आभास करता हूँ, जब इनकी जोत होती है तो मुझमें आगे बढ़ने का उत्साह पैदा होता है.....
तुम क्या समझो इन सब बातों की.....”

“भूत, बकवास, अपने को धोका देते हो.....
बनिता की बात करो या, विन्ता की. अकल पर पाले क्यों पड़े हैं?”

“बनिता!” अनिल ने इस तरह कहा जैसे उसे सम्बोधित कर रहे हों. तुरन्त ही उन्होंने काँडे फिर उठा लिया. काँडे एक आईना बन गया जिस में केवल बनिता का चेहरा दिखाई पड़ रहा था और सब कुछ लुप्त हो गया था. अनिल ने बनिता को भगाने की कोशिश नहीं की और उस काँडे पर नज़र जमाए रहे. उन्होंने देखा—

बनिता के घर अनिल जाते हैं. वह पाउडर लगा रही है, अनिल ने पानी का गिलास उस पर उड़ेल दिया है. वह रुष्ट है. लेकिन गुस्से में भी मुस्कान ने पीछा नहीं छोड़ा.....फिर बनिता की माँ आ जाती हैं. वह प्यार से अनिल की बलाएँ लेती हैं, एक लम्बा चिट्ठा खोल कर बैठ जाती हैं और बातें करते करते कहती हैं—

“अनिल, अब शादी कर डालो, क्या बुढ़ाई में व्याह रचाओगे?”

“हां, बावन बरस में, तेजस्वी बच्चे होंगे.” अनिल जवाब देते हैं.

अन्ध के व्यक्ति ने इतमीनान की जैसे सांस ली और सराहना के स्वर में बोला—“हां, अब ठीक है. सांचों, कुछ अपने बारे में सांचों.....”

अनिल जैसे फिर व्यतीत से दामन छुड़ा कर भागे और अन्ध वाले व्यक्ति के पांखें दौड़े और जैसे उसे चेतावनों दी—“बचू! अगर फिर दिखाई पड़े तो कच्चा चबा जाऊंगा.” अनिल ने काँडे उठा कर कुरसी पर रख दिया. कुछ देर आँख बन्द किये लेटे रहे. शायद सो जाते लेकिन बनिता कब मानती है? आधमकी. बाली—“अनिल क्या तुम मुझसे व्याह नहीं कर सकते?”

अनिल ने कहा—“सफ़द हाथी बांधने का सामथ नहीं है.....मेरा जीवन तुम्हारा जीवन दो अलग राहें हैं जो कभी नहीं मिल सकतीं.”

“मैं तुम्हारा जीवन अपनाऊंगी, मुझसे इतने निराश क्यों हो?”

“निराश नहीं हूँ.....तुम मुझसे कुछ मांगांगी, मैं तुम्हें क्या दूंगा? सब ता तो मजदूरों को दे चुका हूँ.....”

“मैं तुम से कुछ नहीं मांगूंगी.”

“वह तो तुम आज ही मांगती हो. देख लो न, तुम सनीमा दिखाने को बुलाती हो, मैं मजदूरों को बरखी

आनंद का आभास करता हूँ, जब इन की जोत होती है तो मुझमें आगे बढ़ने का उत्साह पैदा होता है.....
तुम क्या समझो इन सब बातों को.....”

“जैवत, बकवास, अपने को धोका देते हो.....
बनिता की बात करो या, विन्ता की. अकल पर पाले क्यों पड़े हैं?”

“बनिता!” अनिल ने इस तरह कहा जैसे उसे सम्बोधित कर रहे हों. तुरन्त ही उन्होंने काँडे फिर उठा लिया. काँडे एक आईना बन गया जिस में केवल बनिता का चेहरा दिखाई पड़ रहा था और सब कुछ लुप्त हो गया था. अनिल ने बनिता को भगाने की कोशिश नहीं की और उस काँडे पर नज़र जमाए रहे. उन्होंने देखा—

बनिता के घर अनिल जाते हैं. वह पाउडर लगा रही है, अनिल ने पानी का गिलास उस पर उड़ेल दिया है. वह रुष्ट है. लेकिन गुस्से में भी मुस्कान ने पीछा नहीं छोड़ा.....फिर बनिता की माँ आ जाती हैं. वह प्यार से अनिल की बलाएँ लेती हैं, एक लम्बा चिट्ठा खोल कर बैठ जाती हैं और बातें करते करते कहती हैं—

“अनिल, अब शादी कर डालो, क्या बुढ़ाई में व्याह रचाओगे?”

“हां, बावन बरस में, तेजस्वी बच्चे होंगे.” अनिल जवाब देते हैं.

अन्ध के व्यक्ति ने इतमीनान की जैसे सांस ली और सराहना के स्वर में बोला—“हां, अब ठीक है. सांचों, कुछ अपने बारे में सांचों.....”

अनिल जैसे फिर व्यतीत से दामन छुड़ा कर भागे और अन्ध वाले व्यक्ति के पांखें दौड़े और जैसे उसे चेतावनों दी—“बचू! अगर फिर दिखाई पड़े तो कच्चा चबा जाऊंगा.” अनिल ने काँडे उठा कर कुरसी पर रख दिया. कुछ देर आँख बन्द किये लेटे रहे. शायद सो जाते लेकिन बनिता कब मानती है? आधमकी. बाली—“अनिल क्या तुम मुझसे व्याह नहीं कर सकते?”

अनिल ने कहा—“सफ़द हाथी बांधने का सामथ नहीं है.....मेरा जीवन तुम्हारा जीवन दो अलग राहें हैं जो कभी नहीं मिल सकतीं.”

“मैं तुम्हारा जीवन अपनाऊंगी, मुझसे इतने निराश क्यों हो?”

“निराश नहीं हूँ.....तुम मुझसे कुछ मांगांगी, मैं तुम्हें क्या दूंगा? सब ता तो मजदूरों को दे चुका हूँ.....”

“मैं तुम से कुछ नहीं मांगूंगी.”

“वह तो तुम आज ही मांगती हो. देख लो न, तुम सनीमा दिखाने को बुलाती हो, मैं मजदूरों को बरखी

میں وقتاً بوقت گئی۔ قانون کی کتاب انل نے ساتھ
 پر سلامت لی اور آسمان تازمہ لکھ۔ اچھے ارد گرد
 کی دنیا سے دور کسی آئینہ میں انہوں نے اپنا ویجہ
 دیکھا۔

وَنَعَا فِائِلٌ دُبَّانٌ يَهُودِيٌّ أَتَى هـ. اِنل اس کے آگے جا رہے ہوں۔ وہ دور ہے، کاہنی ہے۔ ”اِنل اِنل“، اِنل کہول مسعرا دبتے میں اور تھوٹک جاتے میں۔ وہ قریب آتی ہے۔ ساری کا یلو تھوٹک کرتی ہے اور دین کو ایک جھٹکا دیتی ہے نہ کہ ہال تھوٹک ہو جائوں۔ پھر کہتی ہے۔

”انل! سہا تم بیمار ہو گئے تھے“ رات تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی“ میں تو دھک سے رہ گئی.....وہ.....“
کہا نام ہے جی اس کا..... وہ تمہارا دوست کہتا تھا.....“ انل اوروں پورن ہنس ہنسے میں اور ہمدے سہما اپنی لٹائی اس کو تھما دیتے میں اور کہتے ہیں—

”دیکھ لو، تھوک ہوں۔“

افل چہمت سے کٹے۔ چاہائی سے اُٹھ۔ ہمدے کے نونچے
حلقہ سدھیا اور اُکر قانون کی کتاب پڑھنے لگے۔ ونقا نے
پھر پڑھیں کھا لیکن اس بار افل سترک تھ اور چہسمے
اُنہوں نے کوچ کر حکم دیا کہ اُتار ونقا کوئی اس سمہ
نہیں آ سکتا، اِس وقت مہن مراد سے ضروری باتوں کر
رہا ہوں۔ ونقا نہوں اُنی آوز شری مراد ہراجمان رہے۔
پڑھتے پڑھتے افل کے مانس بقل پر مراد کا چہر کھلچا۔
دھکی قازمی کا سائن بورڈ لگانے، ایک شہزادی آوڑے وہ
آدمسے کچھ دیر اُپے مقدسے کی باتوں کرتے رہے۔ افل
من ہی من کن کو جواب دیتے رہے۔ دونوں نے پزن کھا
کہ سالک کو ہرا کر رہیں گے، مزدور کی چہمت ہوگی،
اِس مہن تو اُنہوں کبھی شلکا ہی نہیں ہے۔ مراد کمرے سے
نکلے ہوں۔ اٹل ٹائپ کرنے لگتے ہوں۔ مراد باہر نکل
کر دوسرے مزدوروں سے کہتے ہوں۔

”کھا دماغ پاتا ہے اہل ہا ہو..... سچ“ آج تک
 ایسا قابل آدمی تو میں نے دیکھا ہی نہیں..... بڑے
 بڑے دیکھے ہیں..... لیکن ان جیسا نہیں.....
 ہمارے لئے چور چور تائیں مشقوں پر تائیں کر لیتے
 ہیں! دماغ ہے کہ مشقوں.....!“ اہل ہلسی نہیں روک
 سکے اور بولے—

”کتنے بھولے ہیں یہ لوگ!“

”نہا ملتا ہے تمہیں بھڑائی کر کے“ اسد کے

دیکھنے نے پھر ویلنگ کیا۔ اکیس بھڑے سوڑ مہوں

اٹل لے کہا۔ ”چھوٹا - ملتا ہے“ نراشا دور ہو جاتی

ہے۔ مہوں ان کے ہچے جا کر اسد وہوڑ ہو جاتا ہوں، جب

ان کے چلوں سے کر سوڑوں پر چلتا ہوں تو مہوں انک

अनिल ने सारे खतों को सीने से ठाठा कर कुर्सी पर फेंक दिया। लेकिन वह कांड क्यों का क्यों हाथ में लिए रहे। आखिरी उनकी कांड पर नहीं थी लेकिन ऐसा लग रहा था जैसे उसी के सम्बन्ध में वह सोच रहे हैं। अकस्मात धीरे स्वर में उन्होंने कहा—“बनिता !” फिर कांड को भी कुर्सी पर रख दिया।

“बनिता भी गई” अन्दर के व्यक्ति ने कहा।

“गई तो क्या हुआ, उसका ब्याह हो रहा है, अच्छा है,”

“तुम्हें दुख नहीं ?”

“मुझे दुख क्यों ? मुझे ख़शी है”

“भूट मत बोलो, दाईं स पेट मत छिपाओ, समझे। तुम कहते हो कि तुम्हें दुख नहीं है.....”

“मुझे दुख क्यों हो ? वह मेरी कौन थी ? मेरा उसका कोई सम्बन्ध नहीं था।”

“वह तुम्हारी थी, बुद्धू राम वह तुम्हारी थी।”

जैसे इस कथन का सुवृत्त चाहते हों, जैसे वह चाहते हों कि कोई कहता रहे कि “वह तुम्हारा है, सदा से तुम्हारी है” उनके मन पुलकन हुईं। बस इतना कहा जा सकता है कि उन्हें आनन्द आया। लेकिन फिर वह गुम सुम हो गए कुछ देर आसमान पर टकटकी बांधे देखते रहे, फिर उस कांड को ठाठा लिया। दो बार बार पढ़ा और पुलकित स्वर में बोले—“बनिता !”

अन्दर के व्यक्ति ने एक जोर का ठहाका लगाया, हंसता ही चला गया।

जैसे संघ पर चार पकड़ जाए, अनिल लाल हो गए। कांड उठा कर जोर से कुर्सी पर उन्होंने फेंक दिया। कानून की किताब गडाली। नज़ीरों दबने लगे। कल मुराद का मुकदमा है, बेचारे की अठ्ठाईस साल की नौकरी थी। मालिक ने ख़बानी नोटिस दे कर निकाल दिया है। वजह मालिक ही जानता है और शायद अब उसका वकील भी जानकारी रखता हो !

अनिल पढ़ते जाते थे लेकिन केवल आंखों से। मन कहीं और था। एक दो लाइन पढ़ते पढ़ते किताब गायब हो जाती और बनिता सामने खड़ी हो जाती। वह झुंझला कर किताब के पन्ने का हाथ से साफ कर देते। जैसे किताब कोई आईना हो और उस पर बनिता की प्रतिबिम्ब आ रही हो। लेकिन फिर वही बनिता। बनिता हटती है तो मुराद सामने आता है, नज़ीरें, मुकदमों, संघर्ष सब सामने आते हैं और आंख झपकते यह सब गायब हो जाते हैं और बनिता सामने मुकुराने लगती है। बनिता और मुराद में यह संघर्ष चलता रहा। अन्त

अन्त ने सारे खतों को सीने से ठाठा कर कुर्सी पर फेंक दिया। लेकिन वह कांड क्यों का क्यों हाथ में लिए रहे। आखिरी उनकी कांड पर नहीं थी लेकिन ऐसा लग रहा था जैसे उसी के सम्बन्ध में वह सोच रहे हैं। अकस्मात धीरे स्वर में उन्होंने कहा—“बनिता !” फिर कांड को भी कुर्सी पर रख दिया।

“बनिता भी गयी” अन्दर के व्यक्ति ने कहा।

“गयी तो क्या हुआ, उस का ब्याह हो रहा है, अच्छा है,”

“तुमों दुख नहीं ?”

“मुझे दुख क्यों ? मुझे ख़शी है”

“भूट मत बोलो, दाईं स पेट मत छिपाओ, समझे। तुम कहते हो कि तुम्हें दुख नहीं है.....”

“मुझे दुख क्यों हो ? वह मेरी कौन थी ? मेरा उसका कोई सम्बन्ध नहीं था।”

“वह तुम्हारी थी, बुद्धू राम वह तुम्हारी थी।”

जैसे इस कथन का सुवृत्त चाहते हों, जैसे वह चाहते हों कि कोई कहता रहे कि “वह तुम्हारा है, सदा से तुम्हारी है” उनके मन पुलकन हुईं। बस इतना कहा जा सकता है कि उन्हें आनन्द आया। लेकिन फिर वह गुम सुम हो गए कुछ देर आसमान पर टकटकी बांधे देखते रहे, फिर उस कांड को ठाठा लिया। दो बार बार पढ़ा और पुलकित स्वर में बोले—“बनिता !”

अन्दर के व्यक्ति ने एक जोर का ठहाका लगाया, हंसता ही चला गया।

जैसे संघ पर चार पकड़ जाए, अनिल लाल हो गए। कांड उठा कर जोर से कुर्सी पर उन्होंने फेंक दिया। कानून की किताब गडाली। नज़ीरों दबने लगे। कल मुराद का मुकदमा है, बेचारे की अठ्ठाईस साल की नौकरी थी। मालिक ने ख़बानी नोटिस दे कर निकाल दिया है। वजह मालिक ही जानता है और शायद अब उसका वकील भी जानकारी रखता हो !

अनिल पढ़ते जाते थे लेकिन केवल आंखों से। मन कहीं और था। एक दो लाइन पढ़ते पढ़ते किताब गायब हो जाती और बनिता सामने खड़ी हो जाती। वह झुंझला कर किताब के पन्ने का हाथ से साफ कर देते। जैसे किताब कोई आईना हो और उस पर बनिता की प्रतिबिम्ब आ रही हो। लेकिन फिर वही बनिता। बनिता हटती है तो मुराद सामने आता है, नज़ीरें, मुकदमों, संघर्ष सब सामने आते हैं और आंख झपकते यह सब गायब हो जाते हैं और बनिता सामने मुकुराने लगती है। बनिता और मुराद में यह संघर्ष चलता रहा। अन्त

پڑے۔ اسی سم وہ ”کوئی“ زور سے ہنسا۔ وہ کہتا جاتا تھا اور ہنستا جاتا تھا۔

”بھڑھو ہو..... میں ویکتی ہوں، بہت صحت جان ہوں۔ مجھے سماج کی قبرستان میں دفن کر دینا چاہتے ہو.....؟ میں آساناں سے میتنے والا نہ ہوں.....؟ میں آسانی سے میتنے والا نہیں ہوں.....؟ میں آخری دم تک تم سے کہا ہو؟ اس سے بہرے ہو؟ کسی نے تمہیں پوچھا؟ اس سے کہہ دو؟ کسی نے تمہارا ساتھ دیا.....؟ مہرہ رائے منو، مجھے پہلے پہلے دو..... تمہارے پاس سب کچھ ہوگا، مانا کہ مجھے ملانا تمہارا آدھی ہے، لیکن ہر آدھی کے پورا ہونے کا سہ ہوتا ہے۔ تم کوں کھلمے ناروں سے نہیں دے ہو.....؟ تمہیں شواہس ہے کہ مالی قدرتہ تھیک ہو جانے پر میں خود سر جاؤں گا۔ یہ مجھے اصرار نہیں مار دے ہو.....؟ میں خود ہی سر جاؤں گا.....“

انل نے ایک موتی قانونی کتاب اٹھائی، تھیل لھمپ لہا اور سولے کے لھمپ انکری کی طرف چل پڑے۔ جسے ہی مڑے، دیوار پر کھڑے کا پوسٹ باکس دیکھا۔ ایک تھیل کھڑے کا کٹوا اور اس میں بہت سی تھیلیاں۔ ہر تھیلی پر کسی نہ کسی کا نام لکھا ہے۔ انل نے اپنے نام والی تھیلی میں سے ساری ڈاک نکال لی۔ سارا سامان چارپائی پر رکھا اور دوسرے کمرے سے کورسٹا بٹا لایا۔ تھیل لھمپ جلا کر کورسٹا پر رکھا اور تکیوں کا سہارا لے کر چارپائی پر چاروں خانے چت لہٹ گئے۔

”میرے پرشوں کا تم نے اُتر نہیں دیا“ اندر کا ویکتی بولے۔

انل نے اُسکی بات سنی ان سلی کو دی۔ ایک چما ہی لی۔ جانک پر ہاتھ مارا، ایک تھیل دھونی منساں کوٹھ کے کھدے کو چھرتی شاید دوسرے سولے والوں کے کانوں تک بھی پہونچی۔ اوپر والے کوٹھ سے دوسرے سانہی لے گیا۔ ”کہا نہیں تھیں آ رہی؟“

”نہیں، بل مقدمہ میں“ نظریں دیکھ رہا ہوں.....“ انل نے کتاب اٹھائی تھی اور اُس پر نظر کوٹھتے رہے سب دھ گئے۔

پڑھتے پڑھتے انہوں نے کھڑی دیکھی، ایک بیج گئے تھے، بدن تھکان سے چور تھا لیکن نہایت غائب تھی۔ قانون نے دوہرے وقت سے طبیعت اوپ کئی۔ اپنے خطوں کو انہوں نے دہولنا شروع کیا۔ ایک پارٹی سرکلر تھا، ایک ملل کی چٹوٹی تھی، دو تھن مزدوروں کی عرشیاں تھیں اور آخری ایک چھوٹا گڑھ تھا، چھوٹے چھوٹے کھدے کا بھاء ہو رہا ہے۔ اسی کارڈ پر لکھا تھا۔ ”اس ضرور“ آدھ سے ملنا بھی چوروں کی طرح اندر بھاگ مت جانا، سمجھو!۔ رنعا۔“

कल्लन बीराहे पर जा कर बाएं हाथ सड़क पर मुड़ा और अनिल की आंखों से ओझल हो गया। अनिल ने जीने के दरवाजे के ऊपरी कोने को दोनों हाथ के पंजों से खोद से पकड़ा और ऐसी कोशिश की कि जैसे उसके सहारे लटक रहे हों। एक खोर की अंगड़ाई ली अंगड़ाई के साथ साथ मुंह खुला और खुलता ही चला गया, एक हाथ उन्हीं के फँसते होंटों पर रख लिया। फिर "हो" का एक स्वर धीरे से गुंता और ऐसी आवाज हुई जैसे त्र्यंब से एकबारगी लेकिन धारे से सीं कर के हवा निकल गई हो अनिल जीने चढ़ने लगे... अब उनकी हालत बदल गई थी वही थकान, वही खुमार, वही बाफल आंखें, सब कुछ वही था जैसे पहले। कल्लन से मुलाकात के बाद जो स्थिति थी वह जैसा एक निवास थी। एक निवास बदल कर उन्होंने दूसरा बदल लिया था, केवल कल्लन से मुलाकात करने के लिए। अब फिर वही पहला निवास धारन कर लिया है।

अनिल इस बार धीरे धीरे नहीं बल्कि तेजी से सीढ़ियां चढ़ने लगे। आखरी जीने पर पहुंच कर उन्होंने घड़ी देखा। आश्चर्य के स्वर में बोले—“उक आह, बारू बज रहे हैं!” समय की गति के आभास ने उनमें भी तेजी पैदा कर दी। यह विचार उन्हें सता नहीं रहा था कि उन्हें सोना है बल्कि इस विचार से वह चिन्ता ग्रस्त हुए कि कल सुबह उठना है, बहुत से मजदूरों को उन्होंने बुलाया है, उनके मुकदमे के कागज टाईप करने हैं।

जीने से वह दूसरे कमरे में घुसे। यहां पहुंच कर जैसे उन्हें कुछ सुनाई पड़ा। बाहरी कोई नहीं था। कोई था जो अन्दर से कुछ कह रहा था। इस "कोई" को वह अपनी जानकारी में मुरदा बना चुके थे। लेकिन कहीं सांस बाकी थी, अभी इस में ज़िन्दा हो जाने की ताकत थी। वह आज न जाने क्यों जीवन पाने की कांशिश कर रहा था। उन्हांति सुना—

“क्या हर वक्त मुकदमे, अदालत, रिकशे वाले, क्लली, प्रेस, मजदूर, यह कमेटी, वह कमेटी..... कुछ तुम्हारा भी है, कोई तुम्हारा भी है..... तुम्हारी कोई ज़िन्दगी है? न वक्त तुम्हारा न बदन तुम्हारा..... सब के लिए सोचा करते हो। कभी अपने लिए भी कभी कुछ सोचा है.....? तुम का खाने की दिक्कत, पहनने की दिक्कत, सोने की दिक्कत, आराम नहीं, चैन नहीं.....!”

आनत ने होंट चबाए, जैसे उसका सिर कुचल रहे हों। वह अपने कमरे में घुसे। स्विच दबा दी। कुर्सी पर बैठ गए। मेज पर फाइलों का अम्बार था। दो एक का उठा कर वन पर सरसरी नज़र दौड़ाई। फिर उन्हें वहीं रख दिया। एक कोने से ताकिया उठाया और बाहर सोने के लिए चल

लगे। चोराहे पर जा कर बांधों हाथे मुक पर मोटा अल को आँकड़ों से ओझल हो गया। अल ने ज़िन्दा के दरवाजे के ओपनी कोने को दोनों हाथों से खोद से पकड़ा और ऐसी कोशिश की कि जैसे उसके सहारे लटक रहे हों। एक खोर की अंगड़ाई ली अंगड़ाई के साथ साथ मुंह खुला और खुलता ही चला गया, एक हाथ उन्हीं के फँसते होंटों पर रख लिया। फिर "हो" का एक स्वर धीरे से गुंता और ऐसी आवाज हुई जैसे त्र्यंब से एकबारगी लेकिन धारे से सीं कर के हवा निकल गई हो अनिल जीने चढ़ने लगे... अब उनकी हालत बदल गई थी वही थकान, वही खुमार, वही बाफल आंखें, सब कुछ वही था जैसे पहले। कल्लन से मुलाकात के बाद जो स्थिति थी वह जैसा एक निवास थी। एक निवास बदल कर उन्होंने दूसरा बदल लिया था, केवल कल्लन से मुलाकात करने के लिए। अब फिर वही पहला निवास धारन कर लिया है।

अल इस बार दूसरे कमरे में घुसे। यहां पहुंच कर जैसे उन्हें कुछ सुनाई पड़ा। बाहरी कोई नहीं था। कोई था जो अन्दर से कुछ कह रहा था। इस "कोई" को वह अपनी जानकारी में मुरदा बना चुके थे। लेकिन कहीं सांस बाकी थी, अभी इस में ज़िन्दा हो जाने की ताकत थी। वह आज न जाने क्यों जीवन पाने की कांशिश कर रहा था। उन्हांति सुना—

“क्या हर वक्त मुकदमे, अदालत, रिकशे वाले, क्लली, प्रेस, मजदूर, यह कमेटी, वह कमेटी..... कुछ तुम्हारा भी है, कोई तुम्हारा भी है..... तुम्हारी कोई ज़िन्दगी है? न वक्त तुम्हारा न बदन तुम्हारा..... सब के लिए सोचा करते हो। कभी अपने लिए भी कभी कुछ सोचा है.....? तुम का खाने की दिक्कत, पहनने की दिक्कत, सोने की दिक्कत, आराम नहीं, चैन नहीं.....!”

आनत ने होंट चबाए, जैसे उसका सिर कुचल रहे हों। वह अपने कमरे में घुसे। स्विच दबा दी। कुर्सी पर बैठ गए। मेज पर फाइलों का अम्बार था। दो एक का उठा कर वन पर सरसरी नज़र दौड़ाई। फिर उन्हें वहीं रख दिया। एक कोने से ताकिया उठाया और बाहर सोने के लिए चल

लगे। चोराहे पर जा कर बांधों हाथे मुक पर मोटा अल को आँकड़ों से ओझल हो गया। अल ने ज़िन्दा के दरवाजे के ओपनी कोने को दोनों हाथों से खोद से पकड़ा और ऐसी कोशिश की कि जैसे उसके सहारे लटक रहे हों। एक खोर की अंगड़ाई ली अंगड़ाई के साथ साथ मुंह खुला और खुलता ही चला गया, एक हाथ उन्हीं के फँसते होंटों पर रख लिया। फिर "हो" का एक स्वर धीरे से गुंता और ऐसी आवाज हुई जैसे त्र्यंब से एकबारगी लेकिन धारे से सीं कर के हवा निकल गई हो अनिल जीने चढ़ने लगे... अब उनकी हालत बदल गई थी वही थकान, वही खुमार, वही बाफल आंखें, सब कुछ वही था जैसे पहले। कल्लन से मुलाकात के बाद जो स्थिति थी वह जैसा एक निवास थी। एक निवास बदल कर उन्होंने दूसरा बदल लिया था, केवल कल्लन से मुलाकात करने के लिए। अब फिर वही पहला निवास धारन कर लिया है।

”گرمی، تُو مجھے آپ کو ملنا بھی نہیں ملا.....!“
کلن کھتا ہوا زہلے سے اُترنے لگا۔ اس کے سور میں سہانہ ہوتی
سہانہ ہوتی تھی اور ساتھ میں کھتا بھی تھا۔

انل فیر سوچنے لگو۔ سوچتے سوچتے نید کا ایک
مٹکا آیا۔ چارپائی پر لے کر رہے۔ فیر پتا نہیں کیا
ہوا۔ بس اتنا پتا ہے کہ کسی نے جگایا اور ہاتھ میں
شربت کا گلاس دیا اور وہ فٹ فٹ ہی گئے اور گلاس واپس
کوئے سمے انہوں نے اس سور میں کھا جو سے کان کو پھلی
بار دیکھ رہے تھے۔ ”کلن!“

”بھیا جی، میرا چالان ہو گیا ہے، کیا کرے؟ پولیس
والا کہتا تھا کہ لائسنس نہ ہونا ہوا جرم ہے، بڑی
سزا ملتی ہے.....“

انل نے پھلی بار اُسے نظر بھر کر دیکھا اور پھر چارپائی
سے اُٹھ کر اُسکے کندھے پر ہاتھ پھرا اور بولے۔ ”کہہ دے کہوں
ہو، ہم تو زندہ تھے، تم لوگ بہت زیادتی کرتے ہو،
لائسنس کہوں نہیں دیتے.....؟“

”تم کو معلوم نہیں رہا.....؟“

”تم کو معلوم نہیں تھا، یہ بات افسر لوگ تو دے
ماتے تھے، انہوں نے جرمانہ کرنے سے مطلب ہے۔ وہ تو جرمانہ
چاہا، دستخط کسٹھت مشہور تھے۔ بلہاری تھے تھری
رام راجہ، جاؤ، کہہ دے کہ کوئی بات نہیں ہے۔ سو دے
مہونسل بورڈ جا کر لائسنس بدلو لیا۔ اچے یونٹوں نے
سکرپٹری سے مل کر لو، اُن کو ہم چٹھی لکھ دیتے ہیں۔ وہ
لائسنس بدلو دیں گے۔ رشکا تو جمع نہیں دلوایا تھا.....؟“

”وہی تو اور دیتے ہیں.....؟“

”ہاں“ انل نے اُس طرح اُس واقعہ کا اُچھاڑ
کہا جو سے معاملہ بہت گہرا ہے۔
”پھر بھی کہہ دے کہ کوئی بات نہیں ہے۔ کل تھریک
ہو جائے گا۔ رات کو جا کر سو رہو، صبح آجانا، توکن
لائسنس کل بن جائے، کوئی قہر نہیں دھالیں تو نہیں
چاہیے۔“

کلن کی کھراعت کم ہو گئی۔ وہ چلنے لگا۔ انل
اُسے زہلے تک چھوڑنے آئے۔ اُسکی ہڈی پر سہلایا اور
ہلکے کر بولے۔ ”بچو، پولیس والوں نے مرمت تو نہیں
کی.....؟“
”نہیں.....؟“ اور وہ مسکرا دیا۔

زہلے سے اُن کو کلن نے انل کو رو کر دیکھا۔ اُن
آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ بہکتی تھی۔ انل کی سہارا
نہی، پوچھ نہ پوچھ کہ پتہ نہ تھا اور یہ آنکھوں انل سے
دھند پکا کر رہی تھیں کہ کل کوئی آجی تو نہیں آئے
کی، مہرا کام تو ہو جائے گا، آپ صبح ہی مل جائیں گے
نہ۔“ انل نے کہا۔ ”جاؤ جاؤ، صبح آجانا، نہ چلتے رہو،
گہری نیند سونا.....“

”ہاں“ انل نے اس طرح اس واقعہ کا اُچھاڑ
کہا جو سے معاملہ بہت گہرا ہے۔

”فیر بھی پھرانی کی کاہی بات نہیں ہے۔ کلن ٹیک ہوا
جاے گا۔ رات کو جا کر سو رہو، صبح آجانا، لیکن
لائسنس کل بن جائے، کوئی قہر نہیں دھالیں تو نہیں
چاہیے۔“

کلن کی پھرانی کم ہو گئی۔ وہ چلنے لگا۔
انل اسے جانے تک ڈھانڈنے آیا۔ اسکی پیٹ پر ہاتھ
سہلایا اور ہلکے کر بولے۔ ”بچو، پولیس والوں نے
مرمت تو نہیں کی.....؟“

”نہیں.....؟“ اور وہ مسکرا دیا۔

جانے سے اُن کو کلن نے انل کو رو کر دیکھا۔ اُن
آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ بہکتی تھی۔ انل کی سہارا
نہی، پوچھ نہ پوچھ کہ پتہ نہ تھا اور یہ آنکھوں انل سے
دھند پکا کر رہی تھیں کہ کل کوئی آجی تو نہیں آئے
کی، مہرا کام تو ہو جائے گا، آپ صبح ہی مل جائیں گے
نہ۔“ انل نے کہا۔ ”جاؤ جاؤ، صبح آجانا، نہ چلتے رہو،
گہری نیند سونا.....“

”دیکھنے کو جوان۔ مرنے کو پانی ! ایک لٹائی تک تو ہے نہیں، باتیں بناتا ہے۔ چپ رہ یار، کان نہ خا۔“

انیل ریکشا یونین میں بھی کام کرتے ہیں۔ مگر ریکشہ والوں سے رابطہ ہے۔ سب ان کا آدر کرتے ہیں۔ وہ بھی تو آدر کے پتہ۔ دیکھ والے کہتے ہیں۔ ”اے! مشہور نہیں ہیں۔ وہ اپنے لئے کہا کرتے ہیں؟ وہ مشہور ہی کہا جو اپنے لئے کچھ نہ کرے۔ وہ چاہتے تو لاکھوں روپے کسے دے، انہیں تو چار پانچ سو کی نوکری تو کہیں لگی ہی نہیں تھی۔ لیکن نہیں، وہ تو ہم لوگوں کے پدمچہ اپنے کو بہاد کئے ہیں۔ مزدوروں کے ہمت کے آگے انہوں کوئی سدھ ہی نہیں۔“ دیکھ والے جانتے ہیں کہ ان کے پاس کھانے کو بھی پوسہ نہیں ہیں۔ اسی کارن جہاں کسی کے گھر کے آگے انل مل جائیں گے تو انہوں وہ زبردستی کھانے کے لئے پکو کر لے جائے گا۔ جس کے پاس کھانے کو نہ پوسہ ہیں نہ اپنے سم پر خرد کا ادھکار ہو، وہ فلفلس کہہ سکتا ہے، اہل مزدورین کہہ سکتے ہیں؟ لیکن اور دستوں کی طرح مزدورین بھی ضرور ہے۔ انل مزدورین بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان کا مزدورین انوکھا ہے۔ نہ فلم، نہ ڈرامہ، نہ ریڈیو، نہ سلگیت سچا، نہ ناچ، نہ گانا۔ مزدوروں کی کسی۔ توئی میں بہت جاتے ہیں اور کسی کو پکو کر اسکی چھان کتھا سلگے لگتے ہیں۔ وہ پہلے نہیں بتاتا۔ اے وہ بھائیوں! چھوڑتے ہیں۔ سبھی ہلستے ہیں۔ وہ بہر نہیں بتاتا۔ تب انل پتہ تو ننگ کر کہتے ہیں۔ ”بھائی! کچھ طاقت ملے۔ ہلسی کی ایک خوراک تندرستی ہو، پانی پر، تم تو ایسے لکھوس ہو کہ مردہ کے منہ میں پانی بھی نہ چڑھو۔“ انل کی بات اب نہیں ٹالی جاسکتی۔ وہ ویسے اپنی رام نکھار لکھ کر بھگتا جاتا ہے۔ اس کوشتی میں دوسرے پاتروں سے سب کو ہمدردی ہوتی ہے۔ لیکن سب پاتروں میں ایک ابھار ہوتا ایسا ہے جس کی سب ہلسی اڑاتے ہیں۔ وہ بھائی ہے۔ جس کے جو منہ میں آئے کہتے ہیں۔ ہر آدمی تک میں دھتا ہے کہ شہد چورے اور وہ آوازے دھمکے۔ کاش بھائیوں بھائی یہ سب سن سکتی! لیکن کہاں گاؤں میں پھا کی راہ جو بھتی ہوئی وہ اور کہاں ہزاروں لاکھوں کھیتوں کے بار یہ شہر! یہ کہانی کہیں ختم نہیں ہوتی ہے، بھتی ہی جاتی ہے۔ اسکو ختم کرنا پوتا ہے۔ جب انل کو نوکد آئے لکھی وہ پاسے زیادہ ہو جاتا ہے تو کشتی ختم ہو جاتی ہے۔ ہر سکتا ہے پھر کہی اس کہانی کی بارے نہ آئے، یہ بھی ہر سکتا ہے نہ بہر کسی دن ارسہ ہو جائے۔ یہ بھی تو۔ مزدورین ہے؟ نہ اس کا کچھ، نہ اس کا اصل۔ مذہب لکھا ہوا مزدورین! لیکن مزدورین ہوں۔ اہل کرد سے نہیں ہوں۔“ نیا ہند

नहीं किया, यह समझने में उसे देर नहीं लगी, जैसे एक बिजली कौंधी और सावन की अंधेरी रात में घास पर चमकता किसी सुन्दर धसियारिन का बिछिया उसे दिखाई पड़ गया। वह तुरन्त बाहर आ गया। ताला खुल गया था लेकिन दरवाजा उसने नहीं खोला।

“कहो साथी, क्या बात है?” उसने मुँह पर हँसी ओढ़ने की कोशिश की। अपने को हर तरह से तैयार होने की बेकार चेष्टा की। लेकिन जमाहो आ ही गईं। आँखों में भी कुछ तरल भर आया। यह आँसु हरिण नहीं थे। मशीन चलते चलते जाम हो रही थी, उममें तेज दिया गया था। प्रकृति अपना काम करती ही रहती है। वह कोठे पर पड़ी चारपाई पर बैठ गया और आगे के दामन से आँख पोंछ ली।

“आपकी तबीयत कुछ खराब दीख पड़ती है, सिर में दर्द है क्या...?” दूसरे व्यक्ति ने कहा।

“नहीं, मैं बिल्कुल ठीक हूँ... ऐसे ही....” अनिल ने पंसे उत्तर दिया जैसे कह रहे हों कि कोई बात नहीं है। भला मैं कहीं बीमार पड़ सकता हूँ! कहना ठीक नहीं है कि वस्त्र के भाव वइ थे जो शाहजुमा चार सफाई के समय अभिव्यक्त करते हैं! लेकिन वास्तविकता पर जो शब्दों का परदा उन्होंने डाला था उसके अन्दर से भाव की क्रोचम लाइट स्थिति का पूरा चित्र पेश कर रही थी। उन्होंने ठंडी सांस लेकर फिर कहा—“रात बहुत हो गई है, नींद लग रही है। कहो क्या बात है?”

दूसरा व्यक्ति कल्लन है। सोलह या अठारह साल की उम्र होगी। आदमी गम्भीर है। बोलता कम है और काम ज्यादा करता है। पेशा किसानी है और रिकशा चलाने का धंधा करता है। पन्द्रह बीस दिन हुए गांव से आया है। कुछ भी नहीं जानता। पुराने घाग रिकशे वाले गर्व से कहते हैं—“बच्चू! रिकशा चलाना हँसी डट्टा नहीं है, खेत में हँसिया चलाना नहीं है, न बैल के दुम के पीछे टिकटिक करना है। अम्मा का दूध निछल पड़ेगा.....!” वह मुनता रहता है। जवाब में केवल मुस्करा देता है। वह कुछ भी नहीं जानता। उसे केवल इतना मालूम है कि रिकशा कैसे चलाया जाता है, मालिक से रिकशा किन किन शर्तों पर लिया जाता है, उसकी रिकशा मिलने का कौन समय है और उसे रिकशा कब जमा करना है। वह इलाहाबाद के मुहल्ले, सड़कें और स्थान भी नहीं जानता। किराये का दर भा उसे नहीं मालूम। अभी अभी तो आया है। महीने दो महीने में “डरादवर” चाचा के कथना-नुसार बन्ट हो जाएगा। वह जब बात करता है तो पिता की बात करता है, माता की बात करता है, घर वाले की—वह तो है ही नहीं। दूसरे रिकशे वाले तब ही ता कहते हैं

नहीं कहा, यह समझने में उसे देर नहीं लगी। जैसे एक बिजली कौंधी और सावन की अंधेरी रात में घास पर चमकता किसी सुन्दर धसियारिन का बिछिया उसे दिखाई पड़ गया। वह तुरन्त बाहर आ गया। ताला खुल गया था लेकिन दरवाजा उसने नहीं खोला।

“कहो साथी, क्या बात है?” उसने मुँह पर हँसी ओढ़ने की कोशिश की। अपने को हर तरह से तैयार होने की बेकार चेष्टा की। लेकिन जमाहो आ ही गईं। आँखों में भी कुछ तरल भर आया। यह आँसु हरिण नहीं थे। मशीन चलते चलते जाम हो रही थी, उममें तेज दिया गया था। प्रकृति अपना काम करती ही रहती है। वह कोठे पर पड़ी चारपाई पर बैठ गया और आगे के दामन से आँख पोंछ ली।

“आपकी तबीयत कुछ खराब दीख पड़ती है, सिर में दर्द है क्या...?” दूसरे व्यक्ति ने कहा।

“नहीं, मैं बिल्कुल ठीक हूँ... ऐसे ही....” अनिल ने पंसे उत्तर दिया जैसे कह रहे हों कि कोई बात नहीं है। भला मैं कहीं बीमार पड़ सकता हूँ! कहना ठीक नहीं है कि वस्त्र के भाव वइ थे जो शाहजुमा चार सफाई के समय अभिव्यक्त करते हैं! लेकिन वास्तविकता पर जो शब्दों का परदा उन्होंने डाला था उसके अन्दर से भाव की क्रोचम लाइट स्थिति का पूरा चित्र पेश कर रही थी। उन्होंने ठंडी सांस लेकर फिर कहा—“रात बहुत हो गई है, नींद लग रही है। कहो क्या बात है?”

दूसरा व्यक्ति कल्लन है। सोलह या अठारह साल की उम्र होगी। आदमी गम्भीर है। बोलता कम है और काम ज्यादा करता है। पेशा किसानी है और रिकशा चलाने का धंधा करता है। पन्द्रह बीस दिन हुए गांव से आया है। कुछ भी नहीं जानता। पुराने घाग रिकशे वाले गर्व से कहते हैं—“बच्चू! रिकशा चलाना हँसी डट्टा नहीं है, खेत में हँसिया चलाना नहीं है, न बैल के दुम के पीछे टिकटिक करना है। अम्मा का दूध निछल पड़ेगा.....!” वह मुनता रहता है। जवाब में केवल मुस्करा देता है। वह कुछ भी नहीं जानता। उसे केवल इतना मालूम है कि रिकशा कैसे चलाया जाता है, मालिक से रिकशा किन किन शर्तों पर लिया जाता है, उसकी रिकशा मिलने का कौन समय है और उसे रिकशा कब जमा करना है। वह इलाहाबाद के मुहल्ले, सड़कें और स्थान भी नहीं जानता। किराये का दर भा उसे नहीं मालूम। अभी अभी तो आया है। महीने दो महीने में “डरादवर” चाचा के कथना-नुसार बन्ट हो जाएगा। वह जब बात करता है तो पिता की बात करता है, माता की बात करता है, घर वाले की—वह तो है ही नहीं। दूसरे रिकशे वाले तब ही ता कहते हैं

वह छानने लगा. कई कारवाज निकले. रास्ते चलते लोग अपना दुखड़ा उसे लिख कर दे जाते हैं. वह जेब में डाल लेता है और फिर धक्काश के समय सबकी फाइल बना लेता है. मित्र गन उसके जेब को इसी से चलता फिरता रेकार्ड रूम कहते हैं! जो चीज उसको चाहिये वह नहीं मिल रही है.

“बाबू जी, आपके पास आप हैं. दो घंटे से राह जोख रहे हैं” उसके कान में आवाज गई. वह बोला कुछ नहीं. बड़ी बड़ी रोबोली आंखें उसकी तन गई. उसने नजर भर कर उस व्यक्ति की तरफ देखा. वह दरवाजे के बाहर खड़ा था और उससे कुछ कहना चाहता था.

उसे मुंमलाहट हुई. कुत्ते के दोनों जेब उसने उलट दिये. कुछ चिटें गिरीं और उनमें फंसा हुआ कुछ पैसा—कुल एक पैसा और एक इकस्त्री. रात के सत्राटे में इकस्त्री और पैसे ने मिल कर शोर नहीं किया क्योंकि काराजों से इनकी दोस्ती हो गई थी. दोस्त दोस्त के काम न आप तो दोस्ती क्या? पैनों को चोट न आ जाए इसलिये काराज पहले ही फर्श पर बिछ गए. पैसे उसने उठा लिए. हाएं हाथ की हथेली पर रख कर उन्हें देखा, शायद गिन रहा था. फिर अपनी मूर्खता पर मुसकराया और इकस्त्री और पैसे को जेब में ठूंस लिया.

“अनिल बाबू, आप से जरा काम रहा.....” वही आवाज फिर उसके कान में गई. उसने सुना. शायद उत्तर देना चाहा. लेकिन मुंह तक बात आ कर रह गई. उसकी उठी गरदन फिर झुक गई. उसने नाचे गिरे काराजों को का-भाड़ कर फिर जेब के तहखाने में ठूंसना शुरू कर दिया. छन से एक गूंज हुई और लोहे की एक चाबी फर्श पर चमकती हुई दिखाई पड़ी. उसने उसे उठा लिया. इसकी खोज में ता वह अभी तक मक मार रहा था. कोई जानदार वस्तु होती तो वह इस समय जरूर मार बैठता, अगर न मारता तो बिगड़ता जरूर ही. लेकिन क्या करे बेवकूफ तो है नहीं जो मैस के आगे बीन बजाए. काराजों को जेब में ठूंस कर वह आगे बढ़ गया.

तब फिर आवाज आई—“अनिल बाबू, आप से काम रहा.” तुरन्त उसने उत्तर दिया “क्या है?” उसकी आवाज तेज थी. उस आवाज का अर्थ था कि मुझे मत छोड़ो. मैं इस समय कुछ सुनने का तैयार नहीं हूँ. “क्या है?” कह कर वह आगे बढ़ गया. आगे वाले कमरे में रोशनी जलाई और अपने कमरे का दरवाजा खोल दिया. दरवाजा खोलते खोलते वह बदल गया था. वह दुखी था. “क्या है?” उसने मन ही मन में दुहराया कई रूप में “क्या है?” उसके सामने आया. उसकी समझ में आ गया कि इन दोशब्दों से बने वाक्य का उपयोग उसने उचित

तब जेब में ला. क्ली क्ली क्ली. रास्ते चलते लोग अपना दुखड़ा उसे लिख कर दे जाते हैं. वह जेब में डाल लेता है और फिर धक्काश के समय सबकी फाइल बना लेता है. मित्र गन उसके जेब को इसी से चलता फिरता रेकार्ड रूम कहते हैं! जो चीज उसको चाहिये वह नहीं मिल रही है.

“बाबू जी, आपके पास आप हैं. दो घंटे से राह जोख रहे हैं” उसके कान में आवाज गई. वह बोला कुछ नहीं. बड़ी बड़ी रोबोली आंखें उसकी तन गई. उसने नजर भर कर उस व्यक्ति की तरफ देखा. वह दरवाजे के बाहर खड़ा था और उससे कुछ कहना चाहता था.

उसे मुंमलाहट हुई. कुत्ते के दोनों जेब उसने उलट दिये. कुछ चिटें गिरीं और उनमें फंसा हुआ कुछ पैसा—कुल एक पैसा और एक इकस्त्री. रात के सत्राटे में इकस्त्री और पैसे ने मिल कर शोर नहीं किया क्योंकि काराजों से इनकी दोस्ती हो गई थी. दोस्त दोस्त के काम न आप तो दोस्ती क्या? पैनों को चोट न आ जाए इसलिये काराज पहले ही फर्श पर बिछ गए. पैसे उसने उठा लिए. हाएं हाथ की हथेली पर रख कर उन्हें देखा, शायद गिन रहा था. फिर अपनी मूर्खता पर मुसकराया और इकस्त्री और पैसे को जेब में ठूंस लिया.

“अनिल बाबू, आप से जरा काम रहा.....” वही आवाज फिर उसके कान में गई. उसने सुना. शायद उत्तर देना चाहा. लेकिन मुंह तक बात आ कर रह गई. उसकी उठी गरदन फिर झुक गई. उसने नाचे गिरे काराजों को का-भाड़ कर फिर जेब के तहखाने में ठूंसना शुरू कर दिया. छन से एक गूंज हुई और लोहे की एक चाबी फर्श पर चमकती हुई दिखाई पड़ी. उसने उसे उठा लिया. इसकी खोज में ता वह अभी तक मक मार रहा था. कोई जानदार वस्तु होती तो वह इस समय जरूर मार बैठता, अगर न मारता तो बिगड़ता जरूर ही. लेकिन क्या करे बेवकूफ तो है नहीं जो मैस के आगे बीन बजाए. काराजों को जेब में ठूंस कर वह आगे बढ़ गया.

तब फिर आवाज आई—“अनिल बाबू, आप से काम रहा.” तुरन्त उसने उत्तर दिया “क्या है?” उसकी आवाज तेज थी. उस आवाज का अर्थ था कि मुझे मत छोड़ो. मैं इस समय कुछ सुनने का तैयार नहीं हूँ. “क्या है?” कह कर वह आगे बढ़ गया. आगे वाले कमरे में रोशनी जलाई और अपने कमरे का दरवाजा खोल दिया. दरवाजा खोलते खोलते वह बदल गया था. वह दुखी था. “क्या है?” उसने मन ही मन में दुहराया कई रूप में “क्या है?” उसके सामने आया. उसकी समझ में आ गया कि इन दोशब्दों से बने वाक्य का उपयोग उसने उचित

(मुजीब रिजवी)

‘बध्ना, सबेरे छै बजे मिल लेना, यही मिलूंगा’ कहना हुआ वह एक जीना चढ़ गया। एक साथ कई आनाखें आई—“नमस्ते”, जैसे उत्तर देने की वसे इच्छा न हो या उसने नमस्ते के इस शोर को सुना ही न हो, वह दो चार जीने और ऊपर चढ़ गया। तब शायद नाचे खड़े व्यक्त्यों की आवाज परदे फाड़ती हुई उस केन्द्र पर पहुंची जहां से बटन दबते ही कान में घंटी बजने लगती है। वह कुछ चेता एक सीढ़ी और चढ़ते चढ़ते मरियल, धीमी आवाज में बोला—“नमस्ते”, फिर पीछे मुड़ कर देखा। लोग जा चुके थे। उसने लम्बी सांस ली। बाएं हाथ से जीने की दावार का सहारा लिया और दायां हाथ मुंह पर फेरा। छंगुली बाईं आंख पर रक्खी और छंगुड़ा दाईं आंख पर और ऊपर की पलक की पुतली पर दबाने लगा। छंगुड़ा और छंगुली नाक रूपी जीनी दीवार के नाचे आ कर रुक गईं। इन बिन्दुओं पर उसने जरा शक्ति का इस्तेमाल किया। फिर पूरा हाथ मुंह पर मला और पीछे गुददी पर मलता हुआ सीने पर हाथ रोक लिया। ऐसा लगा जैसे कुछ पोंछ रहा हो, लेकिन क्या पोंछ रहा है ? दिन की थकान ?—हो सकता है। दिन भर खटता रहा है। नींद ? यह भी सम्भव है। ग्यारह बज रहे हैं, नींद आ ही रही होगी। लेकिन शायद वह कुछ और पोंछ रहा है। मुंह देखिये, आंख देखिये, चाल देखिये। सब कलई खाल रहे हैं। क्या वह आंसू पोंछ रहा है ? हो सकता है। लेकिन नहीं। उसकी आंखें भीगी नहीं हैं, आंसू गालों पर नहीं ढलके हैं वह जीने पर चढ़ता जाता है और ठंडी सांठ भरता जाता है। जरा पलकें देखिये यह स्थिर क्यों हैं ? क्या उनके पीछे कोई तुकान छिपा है !

वह आखरी सोढ़ी पर पहुँच गया वहीं ठिठका। सारे कोठे पर एक विहंगम दृष्टि डाली। फिर आखें मूकपातीं। ऊपर वाले दांतों की पंक्ति से नीचे वाले दौट का दाहना कोना दबा लिया और जीने से मिले हुए दरवाजे में दाहना पैर रख दिया, उसी समय किसी का आवाज आई, "आ गप," उसने सुना और बस इतना बोल सका— "हां.....!" फिर वह एक क्रदम आगे बढ़ा। बाएं हाथ की तरफ खिंच थी, रोशनी कर दी, उसी कमरे के बाव एक कमरा है और उसी कमरे में उसके कमरे का दरवाजा है, उसने जेब में हाथ डाला और कुछ चीज ढूँढने लगा, लेकिन शायद नहीं मिला। कुर्ते के दानों जेब

ایک رات

(میتھس ریویو)

”اچھ۔“ سوہرے چہ ہتھ مکر اٹھا، یہیں ملوٹکا“ کہتا
ہوا وہ ایک زلمہ چوہ لگا۔ ایک سانہ دتو آواہیں اٹھیں۔
”نستہ۔“ جیسے آتہ پہلے کی اسے اچھا نہ ہو یا اس نے نستہ
اِس شدور کو سنا ہی نہ ہو، وہ دو چار زلمے اور آوے چوہ
لگا۔ تب شاہد نہچے کدوے دیکھتے ہیں ہی آواز پردے پہاڑی
ہوئی اُس کھنڈر پر بیہوشی جہاں سے بہتیں دیتے ہی
کان مہیں کھلتی ہتھ لگتی ہے۔ وہ کچھ چہتا۔ ایک
سوہری اور چومتے چومتے ”میرل“ دعوں آواز مہیں ہوا۔
”نستہ۔“ پھر پوچھ مو کر دیکھا۔ لوگ جا چکے تھے۔
اُس نے ایک اچھی دانس لی۔ ہاتھوں ہاتھ سے زلمے کی
دیوار کا چھارا لیا اور دایاں ہاتھ ملے پر پھرا۔ چھملکی
ہتھیں آنکھ پر رکھی اور انکو تبا داتھیں آنکھ پر اور اوپر فی
پلک کو پھلے پر دہانے لگا۔ انکو تبا اور چھملکی ناک
رونی چھلی دیوار کے نیچے آخر رک گئیں۔ اِن ہتھوں پر
اُس نے ذرا ہتھک کا استعمال کیا۔ پھر پورا ہاتھ ملے پر
ملا اور پوچھ کئی پر ملتا ہوا سہلے پر ہاتھ رک لیا۔
ایسا لگا جیسے کچھ پونچھ رہا ہو، لیکن کہا پونچھ رہا
ہے؟ دن کی تھکن؟—سوہکتا ہے۔ دن بہر تھکتا رہا ہے۔
تھنڈ؟ یہ بہر سمجھو ہے۔ گھارہ ہج رہے ہیں“ نہلد آئی
رہی ہوئی۔ لیکن شاید وہ نیچے اور پونچھ رہا ہے۔ ملے
دیکھئے، آنکھ دیکھئے، چال دیکھئے۔ سب قدامی کھول
رہے ہیں۔ کہا وہ آنسو پونچھ رہا ہے؟ سوہکتا ہے۔
لیکن نہیں۔ اُس کی آنکھیں بہہ سکی نہیں ہیں“ آنسو
گلاب پر نہیں ڈھلکے ہیں۔ وہ زلمہ چوہتا جاتا ہے اور
تھلکی سانسوں بہرنا جاتا ہے۔ ذرا لیکن دیکھئے۔ یہ
استور کہوں ہیں؟ کہا اِن کے پوچھے کوئی طوفان چہتا

[illegible]

تیار ہوا اور اس تہ تیغ کے بعد—
گیارہویں صدی کے آخر تک—ہمارے لوگوں کو محسوس
ہوا کہ صرف سوراچھ ہونا ہی کافی نہیں ہے، ایسا ہونے کے
لئے سوراچھ ہونا چاہئے اور پھر راجہ چلا جانا چاہئے؛
کہونکہ ہم بھی ایک راجہ ہوں۔ اس پر کار کی وشہش
راشتریہ نابالہوں کا آئے پچھلی صدی کا ایک مہان اور
نیا لکھن ہے۔

اس انوہو سے جانا گیا کہ بھارت کو سولڈرنا
پر اپت کرنی چاہئے۔ راشتریہ جدت سے آئے ایک
سولڈر راجہ ہلنا چاہئے؛ ورنہ اسکا وکاس نہیں ہو
سکتا۔ یہ راجا رام موہن رائے نے ایک سے ایک ہونا ہوا
ہو گئے تھا۔

اس وجہ کے کارن ایک ایسا سم آہا کہ انگریز بھی
اچھا یا ان اچھا سے سمجھ لگے کہ بھارت چھوڑے ہوں
ہی ان کا ہمت چھوٹا ہے، ورنہ بھارت تو جائیگا ہی، لیکن
اس نے ساتھ بھارت کی دوستی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے
تھے۔ نتیجہ یہ کہ دونوں دیہ دوستی کے ساتھ الگ ہوئے اور
اس طرح ایک مہان کرانتی ہوئی۔ ہند نے راشتریہ کے طور
پر اور 'پوٹیکل اسٹیمٹ' کی جدت سے نیا جنم لیا۔
ہند کے سانسکریتک وکاس میں یورپ کی یڈ
شامل ہو چکی اور ہماری سانسکریتی اسی ہرمان ہوں
زیادہ وسعت ہو کر پھر سے اس یک ہوں اپنی پراچھن
پاترا آکر ہونے کے قری ہو گئی۔

اس نو پاترا کے سمے ہمارے پرجا کی انما کو آگے بڑھنے
کا ملحقہ گاندھی جی نے دیا۔ ٹیکور کے دہم انوسار ایسا
ہی ملحقہ گیارہویں صدی میں راجا رام موہن رائے نے
اس کال کے لئے دیا تھا جسے ہم اوپر دیکھ چکے ہوں۔

اس پاترا کا انہاس ہماری سولڈرنا کا انہاس ہے۔
وہ ایک سانسکریتک چھوڑ ہے—لوہل راجا جی نہیں۔ اس
انہاس کو ان کے مکھہ مکھہ سولڈرناؤں کے ذریعہ دیکھنے کا
ہم نے سوچ رکھا ہے جن کے دوارا ان کی ہمتی ہوئی پانچ
پوٹھیاں کڈائی جا سکیں۔ ان پوٹھوں کو سلسلہ وار
یکے بعد دیکھئے مگر۔

(باکلی کر)

(باکلی کر)

انگریزی میں 'کونسلرل سٹیٹ' کہا جاتا ہے۔ جسے 'پولیٹیکل سٹیٹ' یا 'نیشنل سٹیٹ' کہا جاتا ہے۔ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔

راجا رام موہن رائے کے بارے میں ایسی باتیں اس وقت ہندوستان میں ایک نئی چیز تھیں۔ اس سے انگریزوں کے مفادات پر راجا رام موہن رائے نے اس کا سانسکرتیک مضمون لکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

انگریزی 'پولیٹیکل سٹیٹ' کی باتیں انگریزوں کے مفادات پر راجا رام موہن رائے نے اس کا سانسکرتیک مضمون لکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

اس وقت کی دہائی کی صورت حال کے مقابلے میں، انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

لیکن دیر دیر سے اس بات کا خیال تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔

انگریزی میں 'کونسلرل سٹیٹ' کہا جاتا ہے۔ جسے 'پولیٹیکل سٹیٹ' یا 'نیشنل سٹیٹ' کہا جاتا ہے۔ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔

راجا رام موہن رائے کے بارے میں ایسی باتیں اس وقت ہندوستان میں ایک نئی چیز تھیں۔ اس سے انگریزوں کے مفادات پر راجا رام موہن رائے نے اس کا سانسکرتیک مضمون لکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

انگریزی 'پولیٹیکل سٹیٹ' کی باتیں انگریزوں کے مفادات پر راجا رام موہن رائے نے اس کا سانسکرتیک مضمون لکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

اس وقت کی دہائی کی صورت حال کے مقابلے میں، انہوں نے دیکھا کہ اس نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔ انگریز، فرانسیسی، اور سنسکرت کے ہم پختہ نے ایک نئی بات کو پاس کرنا چاہیے۔

لیکن دیر دیر سے اس بات کا خیال تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا خیال ہمیں نہیں تھا۔

इस प्रकार के युग परिवर्तन का अन्त भी उसी के अनुरूप हुआ। भारत की पसन्दगी से ही स्वतंत्र भारत का प्रथम गवर्नर जनरल अमेत्र बना। इन दो महापुरुषों की दृष्टि में जो विश्व एकता की भावना और विश्व विजय प्रेम भाव था, उसने इस डेढ़ सौ, दो सौ साल के भारत के इतिहास को गढ़ने का मुख्य काम किया है। इस लम्बे युग का प्रधान सुर यही रहा है, और उसे आगे लेकर विश्व संगीत का जन्म देने का काम हिन्द के इतिहास पर निश्चय रूप से छा पड़ा है।

अमेत्र राज्यकाल की इस सदी का इतिहास कुछ निखर रहा है, इस समय उसका एक और अति महत्त्व का लक्षण भी देखने लायक है, क्योंकि वह इन दो युग पुरुषों के नवविधान का दृष्टि निर्देशक भी है।

इस लक्षण का हमने सरल भाषा में ऊपर देखा। राजा राममोहन राय ने अमेत्र राज्यकाल की स्थापना का मंत्र दिया, गांधी जो उसकी उत्थापना का मंत्र दिया। इस चीज की ज़रा गहराई में जा कर देखने की जरूरत है। इन दोनों समय पर भारत और इंग्लैण्ड के नेताओं ने एक मत से बर्ताव किया। वह ध्यान रखने योग्य चीज हमने ऊपर देखी। ऊपर से देखने पर यह क्या विचित्र लगे ऐसा नहीं है? बीसवीं सदी में अमेत्र राज्य त्याग के लिये तैयार हो और भारतवासियों को उससे पहले की सदी में पर राज्य स्थापना करने के लिये तैयार हो यह घटना सम्झने योग्य है। दूसरे ढंग से कहें तो राजा राममोहन राय जैसे उदारमतवादी व्यक्ति भारत की गुलामों में सहायता दें, यह आज की दृष्टि से विचित्र नज़र आता है। वैसे ही गांधी जैसे 'बसुधैव कुटुम्बकम्' के आदर्श में अन्ध राखने वाले व्यक्ति अमेत्रों को जाने को कहें यह भी उतना ही विचित्र कहा जायगा।

एक दृष्टि से देखें तो यह विचित्रता दूर हो जाती है और इस पूरे युग के इतिहास के क्रमिक विकास को एक धागे में पिरोया जा सकता है। यह दृष्टि हमारी प्रजा के विकास की है जिस के द्वारा इस युग में राज्य संस्था के विषय में हमारे प्रजा के विचारों में नवपूर्ति और नवदर्शन हुआ है। यह वही दृष्टि है। उसे संक्षेप में देखें वरना वास्तव में यह घटना ऐसी गम्भीर बात है कि उसका पूरा विवेचन करने के लिये एक ग्रंथ लिखा जा सकता है।

राजा राम मोहन राय और उनके पहले के समय में राज्य संस्था के बारे में हमारे विचार एक ऐसे प्रकार के थे जो उस समय के यूरप के विचारों से भिन्न थे। हमारी दृष्टि नैतिक धर्म या सस्कृत परायण समाज व्यवस्था की थी जिसके आधार पर राजा और राज्य उसके प्रमुख अंग की हैतियत से रहते थे। हमारे विचार ऐसे थे जिसे

अस प्रकार के एक पर्यवेक्षण का अन्त भी उसी के अनुरूप हुआ। भारत की पसन्दगी से ही स्वतंत्र भारत का प्रथम गवर्नर जनरल अमेत्र बना। इन दो महापुरुषों की दृष्टि में जो विश्व एकता की भावना और विश्व विजय प्रेम भाव था, उसने इस डेढ़ सौ, दो सौ साल के भारत के इतिहास को गढ़ने का मुख्य काम किया है। इस लम्बे युग का प्रधान सुर यही रहा है, और उसे आगे लेकर विश्व संगीत का जन्म देने का काम हिन्द के इतिहास पर निश्चय रूप से छा पड़ा है।

अमेत्र राज्यकाल की इस सदी का इतिहास कुछ निखर रहा है, इस समय उसका एक और अति महत्त्व का लक्षण भी देखने लायक है, क्योंकि वह इन दो युग पुरुषों के नवविधान का दृष्टि निर्देशक भी है।

इस लक्षण का हमने सरल भाषा में ऊपर देखा। राजा राममोहन राय ने अमेत्र राज्यकाल की स्थापना का मंत्र दिया, गांधी जो उसकी उत्थापना का मंत्र दिया। इस चीज की ज़रा गहराई में जा कर देखने की जरूरत है। इन दोनों समय पर भारत और इंग्लैण्ड के नेताओं ने एक मत से बर्ताव किया। वह ध्यान रखने योग्य चीज हमने ऊपर देखी। ऊपर से देखने पर यह क्या विचित्र लगे ऐसा नहीं है? बीसवीं सदी में अमेत्र राज्य त्याग के लिये तैयार हो और भारतवासियों को उससे पहले की सदी में पर राज्य स्थापना करने के लिये तैयार हो यह घटना सम्झने योग्य है। दूसरे ढंग से कहें तो राजा राममोहन राय जैसे उदारमतवादी व्यक्ति भारत की गुलामों में सहायता दें, यह आज की दृष्टि से विचित्र नज़र आता है। वैसे ही गांधी जैसे 'बसुधैव कुटुम्बकम्' के आदर्श में अन्ध राखने वाले व्यक्ति अमेत्रों को जाने को कहें यह भी उतना ही विचित्र कहा जायगा।

एक दृष्टि से देखें तो यह विचित्रता दूर हो जाती है और इस पूरे युग के इतिहास के क्रमिक विकास को एक धागे में पिरोया जा सकता है। यह दृष्टि हमारी प्रजा के विकास की है जिस के द्वारा इस युग में राज्य संस्था के विषय में हमारे प्रजा के विचारों में नवपूर्ति और नवदर्शन हुआ है। यह वही दृष्टि है। उसे संक्षेप में देखें वरना वास्तव में यह घटना ऐसी गम्भीर बात है कि उसका पूरा विवेचन करने के लिये एक ग्रंथ लिखा जा सकता है।

राजा राम मोहन राय और उनके पहले के समय में राज्य संस्था के बारे में हमारे विचार एक ऐसे प्रकार के थे जो उस समय के यूरप के विचारों से भिन्न थे। हमारी दृष्टि नैतिक धर्म या सस्कृत परायण समाज व्यवस्था की थी जिसके आधार पर राजा और राज्य उसके प्रमुख अंग की हैतियत से रहते थे। हमारे विचार ऐसे थे जिसे

विक्रम यात्रा में कदम कदम पर बाधा रूप होने वाली हकावटों को दूर किया और आज के नवयुग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के आधुनिक युग की नींव डाली और उस समय एक ऐसी राष्ट्रीय हलचल उन्होंने शुरू की जिसके घोर पर उस समय की गिरावट से उन्नति के मार्ग पर भारत अग्रसर हुआ.

उसी ढंग से देखने हुए भारत में जो दूसरा नया युग शुरू हुआ वह अंग्रेजों के राज्य के करीब 100 साल बाद भारत की जो परिस्थिति हमारे सामने आने लगी उसमें से पैदा हुआ. राजा राम मोहन राय के आदेशानुसार चलने हुए भारत को जो दूसरा अनुभव हुआ वह था पर राष्ट्र की शुद्धता का, उसके अग्रमान का, राष्ट्रीय आत्मा के ह्रास का, हठ-इच्छा और प्रजा के अपनत्व की अव्यवस्था होने के डर का.

यह नया नतीजा भी उतना ही मर्म भेदी और घातक था. उस समय भी नवपथ प्रदर्शक की जरूरत थी क्योंकि पुराने युग की शिक्षा काफ़ी न थी. उसकी शक्ति कम साबित होती थी. उस समय वैसी ही प्रचंड प्रतिभा वाले भारत के महान पुरुष गांधी जी हमें मिले. तैयार ने जिन शक्तों का उपयोग राजा के लिये किया था, हम इस नये युग का मार्ग दिखाने वाले के लिये भी उन्हीं शक्तों का उपयोग कर सकते हैं.

इस दृष्टि से देखें तो भारत के इन दोनों महापुरुषों की प्रतिभा में काफी समानता थी. दोनों धर्म पुरुष थे, देश भक्त थे, मानवता के प्रेमी थे और महान हिन्दू थे.

ख़ास विशेषता यह कि दोनों अंग्रेज प्रजा के दोस्त थे और हिन्दी तथा अंग्रेज दोनों के इच्छु कल्याण में श्रद्धा रखने वाली एक मिली जुली नीति में विश्वास रखते थे. लेकिन समय का खेन ऐसा था कि एक ने भारत में अंग्रेजी राज्य की स्थापना में योग दिया, दूसरे ने उसे उखाड़ने में. दोनों के काम प्रतापों के हित में थे. बाहरी दृष्टि से देखने पर वह चाहे बिचित्र और विरोधी प्रतीत होते हों, परन्तु ठीक और गौर से देखने पर एक ही प्रकार का काम इन दोनों महापुरुषों ने किया है. दोनों के समकालीन गवर्नर जनरलों को यह करने से एक सुन्दर उदाहरण देखने को मिलता है. दोनों उनके मित्र थे और आपस में मदद करने के लिये उत्सुक थे. बौद्धिक और राम मोहन राय ने और माउन्टबेटन और गांधी जी ने मित्रों की तरह वर्तन किया. दान ने आपस में मदद ला और दो और इस तरह अपने अपने देशों का काम किया.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

राजा राम मोहन राय ने भारत के अन्दर तक रीढ़ की नोक तक आकर आने के लिये एक नये युग के जगत व्यापी मानव प्रेम की हमें शिक्षा दी.

راجا رام मोहन राय से गांधी जी

लेखक—भगनभाई देसाई
अनुवादक—कानुभाई नानालाल पटेल
हिन्द की स्वतंत्रता का इतिहास

राज राममोहन राय का युग यानी ईसवी सन 1772 से 1833 तक रहा है. उस जमाने में अंग्रेजों का राज्य बंगाल में स्थिर हो चुका था और उसकी योग्य स्थापना स्थिर ढंग से करने के बारे में अंग्रेज राज्यकर्ता सोच रहे थे. वह समय अंग्रेजों के राज्य का स्थापना युग था.

गांधी जी का समय ई० सन 1869 से 1948 तक रहा. इस समय में अंग्रेजों का राज्य पूरी तरह से जमकर बाद में खलड़ने लगा. जिस तरह चूल पर की गई छिपाई की पपड़ी खलड़ने से पहले ऊंची नीची होती है वैसा ही कुछ इस समय हुआ. यह समय अंग्रेजी राज्य के खलड़ने का युग था.

स्थापना युग के हिन्द का नेतृत्व राम मोहन राय ने किया. यह जो मैं कहता हूँ वह भारतवर्ष के उस महान पुरुष की किसी प्रकार की निंदा या बुराई के तौर पर नहीं कहता. बल्कि इसमें मैं उनकी पूरी प्रशंसा करता हूँ. उस युग में भारत ने कुछ नया ही अनुभव किया. हथियार होते हुए, शक्ति होते हुए, ताकत होते हुए और पूरी सूरु समझ होते हुए भी सैकड़ों मील दूरी से आये हुए चंद अंग्रेजों के सामने भारत परास्त होकर उनके लोभ और व्यापार का प्रास हुआ और हिन्द का कोई राजा उसे इस प्रकार गुलाम होने से बचा नहीं सका. यह ठीक है जैसा कि अंग्रेज इतिहासकार सिली ने कहा है कि अंग्रेजों ने हमें अपने ही हाथों से, अपने ही धन से और अपने ही लश्कर से परास्त किया और अपना काम निकाला. लेकिन ऐसा होना तो और विचित्र बात है. इस विचित्रता से हमारी प्रजा सहम गई; फिर भी नये राज्यकर्ताओं में हमने कुछ निश्चिन्ता और झूठी सच्ची व्यवस्था की फलक देखी.

इतिहास यह जरूर कहता है जिस प्रकार के विचित्र परिवर्तन के रुख को पहचान कर देश को मार्ग दिखाने की बड़ी जिम्मेदारी राजा राम मोहन राय ने पूरी की. कवि श्री टैगोर के शब्दों में कहें तो—

अपनी प्रतिभा और अडिग आत्मबल के कारण उन्होंने यह समझ लिया कि हमारी राष्ट्रआत्मा को अपने विकास के लिये सर्जनात्मक पुनर्जागरण शुरू करने की कौरन जरूरत है. इस सदी के वह महान पथप्रदर्शक थे. उन्होंने हमारी

जुलाई '54

राजा राम मोहन राय से गान्धेजी

लेखक—मदन भैरवी देसाई
अनुवादक—कानुभाई नानालाल पटेल
हिन्द की स्वतंत्रता का इतिहास

राजा राममोहन राय का एक महत्वपूर्ण सन 1772 से 1833 रहा है. उस जमाने में अंग्रेजों का राज्य बंगाल में स्थिर हो चुका था और उसकी योग्य स्थापना स्थिर ढंग से करने के बारे में अंग्रेज राज्यकर्ता सोच रहे थे. वह समय अंग्रेजों के राज्य का स्थापना युग था.

गान्धेजी का समय ई० सन 1869 से 1948 तक रहा. इस समय में अंग्रेजों का राज्य पूरी तरह से जमकर बाद में खलड़ने लगा. जिस तरह चूल पर की गई छिपाई की पपड़ी खलड़ने से पहले ऊंची नीची होती है वैसा ही कुछ इस समय हुआ. यह समय अंग्रेजी राज्य के खलड़ने का युग था.

स्थापना युग के हिन्द का नेतृत्व राम मोहन राय ने किया. यह जो मैं कहता हूँ वह भारतवर्ष के उस महान पुरुष की किसी प्रकार की निंदा या बुराई के तौर पर नहीं कहता. बल्कि इसमें मैं उनकी पूरी प्रशंसा करता हूँ. उस युग में भारत ने कुछ नया ही अनुभव किया. हथियार होते हुए, शक्ति होते हुए, ताकत होते हुए और पूरी सूरु समझ होते हुए भी सैकड़ों मील दूरी से आये हुए चंद अंग्रेजों के सामने भारत परास्त होकर उनके लोभ और व्यापार का प्रास हुआ और हिन्द का कोई राजा उसे इस प्रकार गुलाम होने से बचा नहीं सका. यह ठीक है जैसा कि अंग्रेज इतिहासकार सिली ने कहा है कि अंग्रेजों ने हमें अपने ही हाथों से, अपने ही धन से और अपने ही लश्कर से परास्त किया और अपना काम निकाला. लेकिन ऐसा होना तो और विचित्र बात है. इस विचित्रता से हमारी प्रजा सहम गई; फिर भी नये राज्यकर्ताओं में हमने कुछ निश्चिन्ता और झूठी सच्ची व्यवस्था की फलक देखी.

इतिहास यह जरूर कहता है कि अंग्रेजों के विचित्र परिवर्तन के रुख को पहचान कर देश को मार्ग दिखाने की बड़ी जिम्मेदारी राजा राम मोहन राय ने पूरी की. कवि श्री टैगोर के शब्दों में कहें तो—

अपनी प्रतिभा और अडिग आत्मबल के कारण उन्होंने यह समझ लिया कि हमारी राष्ट्रआत्मा को अपने विकास के लिये सर्जनात्मक पुनर्जागरण शुरू करने की कौरन जरूरत है. इस सदी के वह महान पथप्रदर्शक थे. उन्होंने हमारी

जुलाई '54

और हृदय को अपील करने का अद्विष्टक तरीका काम में लेते हैं। इस तरह तीन बरस के भीतर जमींदारों ने जेजमीनों में बांटने के लिये 30 लाख एकड़ से ज्यादा जमीन दान में दी है। सन 1957 तक भारत के सारे जेजमीन किसानों में मुक्त बांटने के लिये काफी जमीन प्राप्त करने की और इस तरह खेती के मैदान में पूर्ण अद्विष्टक तरीकों से क्रांति करने की आशा रखी जाती है। जब यह काम हो जायेगा तब आशा है कि जमींदार और किसान साथ साथ काम करेंगे और उनमें से हर एक अपनी बुद्धि और शक्ति का उपयोग सब के भले को आगे बढ़ाने में करेगा।

इससे प्यादा इस संबंध में आपसे कहने का मेरे पास समय नहीं है। लेकिन आप देख सकते हैं कि गांधी जी के नेतृत्व में भारती शान्ति आन्दोलन सिरून युद्ध और नाइन्साफी की निन्दा करने से आगे बढ़ा है और उसन संबंध के सारे कारनों का जड़ से अन्त करने के लिये व्यक्ति और समाज के जीवन में घुसने की कोशिश की है। इस तरह गांधी जी ने शान्ति के लिये भारत की शांघ की एक अहम दिशा प्रदान की है। मैं आशा करता हूँ कि यहां इकट्ठे होने वाले हम लोग इस महान आन्दोलन का अध्यन करेंगे जो गांधी जी ने शुरू किया है क्योंकि हमें लगता है कि मानव सम्बन्धों में रहे सारे संबंधों को दूर करने के लिये ऐसे चौरफाका प्रयत्न हुए बिना युद्ध की निन्दा करने वाली परिशदें भरने से कुछ नहीं होगा। जब तक ब्याक्ति, सामाजिक, राजनीतिक और आर्थिक जीवन से अहिंसा कम न हो, तब तक अन्तर्राष्ट्री शान्ति की आशा रखना बेकार है। यही गांधी जी की खास देन है और भारत में अहिंसा और शान्ति के लिये जो काम हो रहा है उसमें से यही सन्देश में आप के पास जाया हूँ।

اور ہردے کو اچھل کرنے کا اہلکسک طریقہ کام میں لوگے
 ہوں۔ اس طرح تین برس کے بھوتے، زمینداروں نے
 بے زمینوں میں بانٹنے کے لئے 30 لاکھ ایکڑ کے زیادہ زمین
 دان میں دی ہے۔ سن 1957 تک بھارت کے سارے بے
 زمین کسانوں میں مفت بانٹنے کے لئے کافی زمین
 فراہم کرنے کی اور اس طرح کھیتی کے میدان میں
 پورن اہلکسک طریقوں کے کرائی کرنے کی آواز دہکی چلی
 ہے۔ جب یہ کام ہو جائیگا تب آہا ہے کہ زمیندار اور
 کسان ساتھ ساتھ کام کریں گے اور ان میں سے ہر ایک اپنی
 بددی اور شکستی کا اہلکسک سبب کے پہلے کو آگے بڑھانے
 میں کریگا۔

اُس سے زیادہ اِس سبب سے کہ آپ سے کہنے کا
مہرے پاس حصہ نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھ سکتے ہیں
کہ گندھی جی کے نعترو میں بھارتی شاعری آندولن
صرف بدھ اور نائناسالی کی نقدا کرنے سے آگے بڑھا ہے اور
اُس نے سنگھ، رھ کے سارے کارنوں کا جو سے امت کرنے کے
لئے دیکھتی اور سماج کے جھون میں گھسے کی کوشش
کی ہے۔ اِس طرح گاندھی جی نے شاعری کے لئے بھارت
کی شوقہ کی ایک اہم دشا پردان کی ہے۔ میں آغا کرنا
ہوں کہ یہاں اِقتے ہونے والے ہم لوگ اِس مہان آندولن
کا اندھون کریمے جو گندھی جی نے شروع کیا ہے
کہنکے ہمیں لکتا ہے کہ مانو سببوں میں رہے سارے
سہ بڑھ کو دور کرنے کے لئے ایسے چاروں پہنوں ہونے
پنا بدھ کی نقدا کرنے والی پریشدیں ہونے سے کچھ نہیں
ہوا۔ جب تک ونگٹک، ساماچک، راجوٹک اور ادھک
چھون سے اہلسا کم نہ ہو، تب تک انٹر واٹری شاعری
کی آغا رکھنا پکار ہے۔ یہی گاندھی جی کی خاص دین
ہے اور بھارت میں اہلسا اور شاعری کے لئے جو کام ہو
رہا ہے اِس میں سے یہی سندھیں میں آپ کے پاس لیا
ہوں۔

कुछ नट खट जब बुद्ध को काफ़ी गालियां दे
चुके तब बुद्ध हंसते हुए बोले—

“भद्र ! यह तो बताओ, यदि कोई दाता दान करे और भिकारी न ले तो वह वस्तु किस के पास रहेगी ?”

“दाता के पास.”

“ऐसी बात है तो जो तुम गावियां मुझे दे रहे हो,
मैं नहीं लेना चाहता.”

کچھ زمّت کھوت جب ہمدھ کو کافی گالیاں دے چکے

نہ بڑھ سکتے ہوئے ہوں۔

”بہدر! یہ تو بتاؤ، یہی کوئی دانا دلن کرے اور

بھکاری نہ لے نورہ دستو کس کے پاس رہے گی؟“

”وہاں کے پاس“

” اہسی بات ہے تو جو تم گالیاں مچھ دے رہے

ہو، میں نہیں لیتا چاہتا۔“

तब राष्ट्र कपास, रबड़, जूट, वरौदा जैसे कच्चे माल, कोयला और पेट्रोल जैसे ईंधनों, खनिज पदार्थों, युद्ध में काम आने वाले दूसरे पदार्थों और बाजारों के लिये आपस में छीना भपटी मचाते हैं और लड़ते मगड़ते हैं। इसी लिये दुनिया में युद्ध होते हैं। इस तरह जिस युद्ध और साम्राज्यवाद का जन्म होता है, उनका अन्त सिर्फ प्रस्ताव पास करने से नहीं हो सकता।

गांधी जी ने चरखे के लिये जो आन्दोलन किया वह उनकी इस इच्छा का प्रतीक था कि आर्थिक मैदान से युद्ध और साम्राज्यवाद के कारनों का अन्त किया जाये और विकेन्द्रित, स्वावलम्बी ढंग पर गांव का आर्थिक ढांचा खड़ा किया जाये, जिसका मकसद स्थानी कच्चे माल से दूर के बाजारों के लिये नहीं, बल्कि स्थानी जरूरत पूरी करने के लिये उत्पादन करना हो। जब तक शांतिवादी लोग युद्ध और साम्राज्यवाद के इस बिल्कुल साक कारन की अपेक्षा करेंगे और बेअमल बन कर बड़े पैमाने के उत्पादन के सामने मुकते रहेंगे, तब तक भले वह युद्ध और कमजोर देशों के दमन और शोशन के खिलाफ प्रचार करते रहे उसका कोई नतीजा नहीं होगा। उलटे उनका प्रचार इन बुराईयों को बढ़ाने में ही मदद करेगा। इसी लिये गांधी जी ने घरेलू धन्धों और ग्रामोद्योगों का आन्दोलन किया था।

इतना ही नहीं, उद्योगीकरण का मतलब है सुट्टी भर लोगों के हाथ में सत्ता का केन्द्रीकरण और जनता के बहुत बड़े भाग को लाचार और बेबस बनाना। गांधी जी को इस बात का डर था, क्योंकि कुछ लोगों के हाथ में सत्ता का ऐसा केन्द्रीकरण राजासी, शोशन और लड़ाई मगड़ के ही जन्म दे सकता है। इसलिये उन्होंने भारत से आग्रह पूर्वक कहा कि अगर वह शान्तिपूर्ण और अहिंसक बनना चाहता है तो उसे विकेन्द्रित ढंग से घरेलू धन्धों के जरिये उत्पादन करना चाहिये जिसमें व्यक्ति अपने उद्योग धन्धे खुद या पड़ोसियों के सहयोग से चलाता सीखता है।

(ii) खेती

शान्तिवादी को यह देखना चाहिये कि मजदूर को उसके औजार छीन कर गुलाम न बनाया जाये क्योंकि उसका नतीजा देर सबेर शोशन और लड़ाई मगड़ में ही निकलेगा। उदाहरन के लिये जमीन जब जोतने वाले किसान के हाथ में नहीं होती, तब यही होता है। इसलिये गांधी जी के मरने के बाद से शान्ति आन्दोलन में भाग लेने वाले उनके चले जमींदारों से जमीन ले कर काश्तकारों को देने के काम में लगे हुए हैं। उनका तरीका जबरन जमीन छीन लेने का हिंसक तरीका नहीं है; वह जमींदारों की बुद्धि

तब 'अफ़र क्वास', 'रो', 'जोत' और 'जोस' के माल' कोल्ले और पेट्रोल जैसे ईंधनों, केलिंग पदार्थों, यद्ध में काम आने वाले दूसरे पदार्थों और बाजारों के लिये आपस में छीना भपटी मचाते हैं और लड़ते मगड़ते हैं। इसी लिये दुनिया में युद्ध होते हैं। इस तरह जिस युद्ध और साम्राज्यवाद का जन्म होता है, उनका अन्त सिर्फ प्रस्ताव पास करने से नहीं हो सकता।

गन्धम जी ने चरखे के लिये जो आन्दोलन किया वह उनकी इस इच्छा का प्रतीक था कि आर्थिक मैदान से युद्ध और साम्राज्यवाद के कारनों का अन्त किया जाये और विकेन्द्रित, स्वावलम्बी ढंग पर गांव का आर्थिक ढांचा खड़ा किया जाये, जिसका मकसद स्थानी कच्चे माल से दूर के बाजारों के लिये नहीं, बल्कि स्थानी जरूरत पूरी करने के लिये उत्पादन करना हो। जब तक शांतिवादी लोग युद्ध और साम्राज्यवाद के इस बिल्कुल साक कारन की अपेक्षा करेंगे और बेअमल बन कर बड़े पैमाने के उत्पादन के सामने मुकते रहेंगे, तब तक भले वह युद्ध और कमजोर देशों के दमन और शोशन के खिलाफ प्रचार करते रहे उसका कोई नतीजा नहीं होगा। उलटे उनका प्रचार इन बुराईयों को बढ़ाने में ही मदद करेगा। इसी लिये गांधी जी ने घरेलू धन्धों और ग्रामोद्योगों का आन्दोलन किया था।

अला ही नहीं, उद्योगीकरण का मतलब है सुट्टी भर लोगों के हाथ में सत्ता का केन्द्रीकरण और जनता के बहुत बड़े भाग को लाचार और बेबस बनाना। गांधी जी को इस बात का डर था, क्योंकि कुछ लोगों के हाथ में सत्ता का ऐसा केन्द्रीकरण राजासी, शोशन और लड़ाई मगड़ के ही जन्म दे सकता है। इसलिये उन्होंने भारत से आग्रह पूर्वक कहा कि अगर वह शान्तिपूर्ण और अहिंसक बनना चाहता है तो उसे विकेन्द्रित ढंग से घरेलू धन्धों के जरिये उत्पादन करना चाहिये जिसमें व्यक्ति अपने उद्योग धन्धे खुद या पड़ोसियों के सहयोग से चलाता सीखता है।

(ii) केलिंग

शान्तिवादी को यह देखना चाहिये कि मजदूर को उसके औजार छीन कर गुलाम न बनाया जाये क्योंकि उसका नतीजा देर सबेर शोशन और लड़ाई मगड़ में ही निकलेगा। उदाहरन के लिये जमीन जब जोतने वाले किसान के हाथ में नहीं होती, तब यही होता है। इसलिये गांधी जी के मरने के बाद से शान्ति आन्दोलन में भाग लेने वाले उनके चले जमींदारों से जमीन ले कर काश्तकारों को देने के काम में लगे हुए हैं। उनका तरीका जबरन जमीन छीन लेने का हिंसक तरीका नहीं है; वह जमींदारों की बुद्धि

دین میلی ہے اُسہیں انہوں نے بتایا ہے کہ ایک اہلسک آدمی اہلسک سادھوں کے فریہ راجدھتک دس کا زور دھ کہسہ کر سکتا ہے ۔

انہوں نے راجدھتک اوستہا کی بھی حمایت کی تھی، جس میں ستتا مہی بہر لوگوں کے ہاتھ میں نہیں رہتی ۔ آج ہم لوگ شاہی یا لوگوں کے راج کی بات تو نہیں ہیں، لیکن راج میں ستتا کا ٹھنڈیکرن چلتا آج ہوتا ہے، اٹا پہلے ابھی نہیں ہوا تھا ۔ آج راجہ ہمارے یہاں 'پان'، 'مکٹوں'، 'آندھوگوں'، 'ٹھنڈی'، 'وہاڑ'، 'بانجھ'، 'پانڑا'، 'پوس'، آئے جانے کے سادھوں۔۔۔ سچ پوچھا جائے تو ہمارے روز کے چھوٹے بڑے اثر قائمہ والی ہر چھوٹے بڑے کٹرول رکھتا ہے ۔ اس استھتی کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ جب ستتا کچھ شکتی شالی لوگوں یا شاسن کرنے والے کٹھن ہاتھ میں ٹھنڈت ہو جاتی ہے تب لوگوں کو خاصکوں کی ستتا کی پھاس پوری کرنے کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح پردہ میں ڈھمکا جاتا ہے ۔ لوگ اپنے لئے خود سوچنے کے مادی نہ ہونے کے کارن راجہ کے خلاف ٹھہرے نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے شاہک انہوں آسانی سے سہل میں بہرتی کر لیتے ہوں اور دوسرے واہتر سے لواتے ہوں ۔

اسلئے گندھی جی مانتے تھے کہ آج کے ایسے ستتا دھاری راجہ کا است کرنے کا ایک مائر علاج یہ ہے کہ سچی لوگ شاہی یا لوگ راج کی استھائی کی جائے، جو اپنے کام کاج کی خود دھوستہا کرنے والے گاؤں جیسے چھوٹے سمور میں بھی ممکن ہو سکتا ہے ۔ ان گاؤں پر جانوروں کی بلہان پر ہی وہ راشترو کا راجدھتک چھوٹا ہوا کرنے کی آشا رکھتے تھے، جس میں دلہا اور ودیشی معاہدوں جیسے دھوٹوں کی ہی ٹھنڈت دھوستہا ہونی چاہئے ۔

گاندھی جی کی اس سیکھ میں بھی آج کے شانتی وادی کے لئے بھارت کا کافی مسئلہ ہے ۔ ٹھنڈے ایسے راجدھتک دھوستہا میں ہی لوگ ایسا شاسن خود دھوستہا میں اور نہیں وہ اتنے مضبوط بلہکے کہ اپنی مرضی کے خلاف پردہ میں کھسکتے جانے کا قشور زور دھ کر سکیں ۔

3۔ آئینک جہن میں

(i) دھوگ-دھدھ

اسمیں کوئی شک نہی کہ آج دنیا کے راشتروں کے बीच جو کشمکش اور تلافی چلی آ رہی ہے، اسکا کافی بڑا کارن کچھ مال کی اور بازاریوں کی کھوت ہے۔ جب उत्पादन छोटे पैमाने पर होता है, तो स्थानीय कच्चे माल और बाजारों से काम चल जाता है और लड़ाई म्हाके और संघर्ष का कारन नहीं रहता. लेकिन जब उत्पादन बड़े पैमाने पर होता है, जैसा कि उद्योगीकरण में होता है,

انہوں نے راجدھتک اوستہا کی بھی حمایت کی تھی، جس میں ستتا مہی بہر لوگوں کے ہاتھ میں نہیں رہتی ۔ آج ہم لوگ شاہی یا لوگوں کے راج کی بات تو نہیں ہیں، لیکن راج میں ستتا کا ٹھنڈیکرن چلتا آج ہوتا ہے، اٹا پہلے ابھی نہیں ہوا تھا ۔ آج راجہ ہمارے یہاں 'پان'، 'مکٹوں'، 'آندھوگوں'، 'ٹھنڈی'، 'وہاڑ'، 'بانجھ'، 'پانڑا'، 'پوس'، آئے جانے کے سادھوں۔۔۔ سچ پوچھا جائے تو ہمارے روز کے چھوٹے بڑے اثر قائمہ والی ہر چھوٹے بڑے کٹرول رکھتا ہے ۔ اس استھتی کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ جب ستتا کچھ شکتی شالی لوگوں یا شاسن کرنے والے کٹھن ہاتھ میں ٹھنڈت ہو جاتی ہے تب لوگوں کو خاصکوں کی ستتا کی پھاس پوری کرنے کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح پردہ میں ڈھمکا جاتا ہے ۔ لوگ اپنے لئے خود سوچنے کے مادی نہ ہونے کے کارن راجہ کے خلاف ٹھہرے نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے شاہک انہوں آسانی سے سہل میں بہرتی کر لیتے ہوں اور دوسرے واہتر سے لواتے ہوں ۔

اسلئے گندھی جی مانتے تھے کہ آج کے ایسے ستتا دھاری راجہ کا است کرنے کا ایک مائر علاج یہ ہے کہ سچی لوگ شاہی یا لوگ راج کی استھائی کی جائے، جو اپنے کام کاج کی خود دھوستہا کرنے والے گاؤں جیسے چھوٹے سمور میں بھی ممکن ہو سکتا ہے ۔ ان گاؤں پر جانوروں کی بلہان پر ہی وہ راشترو کا راجدھتک چھوٹا ہوا کرنے کی آشا رکھتے تھے، جس میں دلہا اور ودیشی معاہدوں جیسے دھوٹوں کی ہی ٹھنڈت دھوستہا ہونی چاہئے ۔

انہوں نے راجدھتک اوستہا کی بھی حمایت کی تھی، جس میں ستتا مہی بہر لوگوں کے ہاتھ میں نہیں رہتی ۔ آج ہم لوگ شاہی یا لوگوں کے راج کی بات تو نہیں ہیں، لیکن راج میں ستتا کا ٹھنڈیکرن چلتا آج ہوتا ہے، اٹا پہلے ابھی نہیں ہوا تھا ۔ آج راجہ ہمارے یہاں 'پان'، 'مکٹوں'، 'آندھوگوں'، 'ٹھنڈی'، 'وہاڑ'، 'بانجھ'، 'پانڑا'، 'پوس'، آئے جانے کے سادھوں۔۔۔ سچ پوچھا جائے تو ہمارے روز کے چھوٹے بڑے اثر قائمہ والی ہر چھوٹے بڑے کٹرول رکھتا ہے ۔ اس استھتی کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ جب ستتا کچھ شکتی شالی لوگوں یا شاسن کرنے والے کٹھن ہاتھ میں ٹھنڈت ہو جاتی ہے تب لوگوں کو خاصکوں کی ستتا کی پھاس پوری کرنے کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح پردہ میں ڈھمکا جاتا ہے ۔ لوگ اپنے لئے خود سوچنے کے مادی نہ ہونے کے کارن راجہ کے خلاف ٹھہرے نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے شاہک انہوں آسانی سے سہل میں بہرتی کر لیتے ہوں اور دوسرے واہتر سے لواتے ہوں ۔

انہوں نے راجدھتک اوستہا کی بھی حمایت کی تھی، جس میں ستتا مہی بہر لوگوں کے ہاتھ میں نہیں رہتی ۔ آج ہم لوگ شاہی یا لوگوں کے راج کی بات تو نہیں ہیں، لیکن راج میں ستتا کا ٹھنڈیکرن چلتا آج ہوتا ہے، اٹا پہلے ابھی نہیں ہوا تھا ۔ آج راجہ ہمارے یہاں 'پان'، 'مکٹوں'، 'آندھوگوں'، 'ٹھنڈی'، 'وہاڑ'، 'بانجھ'، 'پانڑا'، 'پوس'، آئے جانے کے سادھوں۔۔۔ سچ پوچھا جائے تو ہمارے روز کے چھوٹے بڑے اثر قائمہ والی ہر چھوٹے بڑے کٹرول رکھتا ہے ۔ اس استھتی کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ جب ستتا کچھ شکتی شالی لوگوں یا شاسن کرنے والے کٹھن ہاتھ میں ٹھنڈت ہو جاتی ہے تب لوگوں کو خاصکوں کی ستتا کی پھاس پوری کرنے کے لئے بے زبان جانوروں کی طرح پردہ میں ڈھمکا جاتا ہے ۔ لوگ اپنے لئے خود سوچنے کے مادی نہ ہونے کے کارن راجہ کے خلاف ٹھہرے نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے شاہک انہوں آسانی سے سہل میں بہرتی کر لیتے ہوں اور دوسرے واہتر سے لواتے ہوں ۔

3۔ آئینک جہن میں

(i) دھوگ-دھدھ

اسمیں کوئی شک نہیں کہ آج دنیا کے راشتروں کے बीच جو کشمکش اور تلافی چلی آ رہی ہے، اسکا کافی بڑا کارن کچھ مال کی اور بازاریوں کی کھوت ہے۔ جب उत्पादन छोटे पैमाने पर होता है, तो स्थानीय कच्चे माल और बाजारों से काम चल जाता है और लड़ाई म्हाके और संघर्ष का कारन नहीं रहता. लेकिन जब उत्पादन बड़े पैमाने पर होता है, जैसा कि उद्योगीकरण में होता है,

की स्थापना और प्रचार किया गया। भारत में प्रतिदिन के जीवन में अहिंसा का प्रयोग करने और दुख का अनुभव कर सकने वाले प्राणियों को कष्ट न पहुँचाने या उनकी हत्या न करने की सीख देने की दिशा में यह पहला अमली क्रम था। गांधी जी वैश्व शाकाहारी थे और भारत के हम लोगों को यह देखकर थोड़ा ताज्जुब होता है कि यहां इकट्ठे होने वाले हम में से बहुत से लोगों ने, जो शांतिवाद में विश्वास रखते हैं, अभी तक भोजन के बारे में अहिंसा का पहला अमली प्रयोग भी शुरू नहीं किया है। हमें लगता है कि जब तक हम रोजाना चिन्तनी में—भोजन में भी—अहिंसा की शुरुआत नहीं करते, तब तक पब्लिक जीवन में उसे हासिल करना बहुत कठिन है।

(ii) जो अहिंसा का पालन करे उसमें भारतीय विचार के अनुसार खुद पर भरोसा करने का या आत्म त्याग का भी बड़ा गुण होना ही चाहिये। भोगी मनुष्य वह है जो अपने ही सुख और आनन्द की चिन्ता करता है, ऐसा मनुष्य लाजिमी तौर पर दूसरों के संघर्ष में आता है। लेकिन जो मनुष्य अपने आप पर संयम रख सकता है, वह दूसरों के साथ होने वाले झगड़े से अपने को बचा सकता है, उसकी जरूरतें थोड़ी और सादी होती हैं और जब उसे पता चलता है कि उन जरूरतों की पूर्ति में दूसरों से उसका झगड़ा होता है, तब वह उनके लिये कोशिश करना छोड़ सकता है। इसलिए ऐसी हर चीज से, जो मनुष्य को अपनी इच्छा पर चलने वाला और भोग विलास का दास बनाती है—जैसे शराब या बनावटी साधनों के जरिये बेरोक टोक भोग—इन से बचना चाहिये।

भारत में सदियों से जो सिखाया गया है और गांधी जी ने जिसे बार बार दोहराया है आत्म संयम का यह पाठ अभी हममें से बहुतेरे लोगों को सीखना बाक़ी है 'जो तरह तरह के माल असबाब, धन दौलत वगैरा परिग्रह से अपने को घिरा रखना चाहते हैं और जरूरतें बढ़ाने में विश्वास रखते हैं, परिग्रह का यह कभी न शान्त होने वाला लोभ और स्वेच्छाचार संघर्ष और हिंसा की जन्म देने के सिवा और कुछ कर ही नहीं सकते। इसलिए शांति और अहिंसा के प्रेमी के लिए गांधी जी ने अपने बुजुर्गों की परम्परा के अनुसार ऊँचे से ऊँचे क़ाफ़े के रूप में संक्षेप में यह बता दिया है कि जीवन के हर मैदान में—खान पान, विशय भोग वगैरा हर बात में—ब्रह्मचर्य या कठोर आत्म संयम का पालन किया जाये।

2. राजकाजी जीवन में

लड़ाई भगड़े और युद्ध का एक कारन है लोगों के एक दल के जरिये दूसरे दल का दबाना। जैसा कि आप सब जानते हैं, इस सम्बन्ध में हमें गांधी जी की जो बड़ी

की अस्मिता और प्रचार किया गया। भारत में प्रतिदिन के जीवन में अहिंसा का प्रयोग करने और दुख का अनुभव कर सकने वाले प्राणियों को कष्ट न पहुँचाने या उनकी हत्या न करने की सीख देने की दिशा में यह पहला अमली क्रम था। गांधी जी वैश्व शाकाहारी थे और भारत के हम लोगों को यह देखकर थोड़ा ताज्जुब होता है कि यहां इकट्ठे होने वाले हम में से बहुत से लोगों ने, जो शांतिवाद में विश्वास रखते हैं, अभी तक भोजन के बारे में अहिंसा का पहला अमली प्रयोग भी शुरू नहीं किया है। हमें लगता है कि जब तक हम रोजाना चिन्तनी में—भोजन में भी—अहिंसा की शुरुआत नहीं करते, तब तक पब्लिक जीवन में उसे हासिल करना बहुत कठिन है।

(ii) जो अहिंसा का पालन करे उसमें भारतीय विचार के अनुसार खुद पर भरोसा करने का या आत्म त्याग का भी बड़ा गुण होना ही चाहिये। भोगी मनुष्य वह है जो अपने ही सुख और आनन्द की चिन्ता करता है, ऐसा मनुष्य लाजिमी तौर पर दूसरों के संघर्ष में आता है। लेकिन जो मनुष्य अपने आप पर संयम रख सकता है, वह दूसरों के साथ होने वाले झगड़े से अपने को बचा सकता है, उसकी जरूरतें थोड़ी और सादी होती हैं और जब उसे पता चलता है कि उन जरूरतों की पूर्ति में दूसरों से उसका झगड़ा होता है, तब वह उनके लिये कोशिश करना छोड़ सकता है। इसलिए ऐसी हर चीज से, जो मनुष्य को अपनी इच्छा पर चलने वाला और भोग विलास का दास बनाती है—जैसे शराब या बनावटी साधनों के जरिये बेरोक टोक भोग—इन से बचना चाहिये।

भारत में सदियों से जो सिखाया गया है और गांधी जी ने जिसे बार बार दोहराया है आत्म संयम का यह पाठ अभी हममें से बहुतेरे लोगों को सीखना बाक़ी है 'जो तरह तरह के माल असबाब, धन दौलत वगैरा परिग्रह से अपने को घिरा रखना चाहते हैं और जरूरतें बढ़ाने में विश्वास रखते हैं, परिग्रह का यह कभी न शान्त होने वाला लोभ और स्वेच्छाचार संघर्ष और हिंसा की जन्म देने के सिवा और कुछ कर ही नहीं सकते। इसलिए शांति और अहिंसा के प्रेमी के लिए गांधी जी ने अपने बुजुर्गों की परम्परा के अनुसार ऊँचे से ऊँचे क़ाफ़े के रूप में संक्षेप में यह बता दिया है कि जीवन के हर मैदान में—खान पान, विशय भोग वगैरा हर बात में—ब्रह्मचर्य या कठोर आत्म संयम का पालन किया जाये।

2.—राजकाजी जीवन में

लौकी जेहूँ और जेहूँ का एक कारन है लोगों के एक दल के जरिये दूसरे दल को दबाना। जैसा कि आप सब जानते हैं, इस सम्बन्ध में हमें गांधी जी की जो बड़ी

भारत में शान्ति के लिये आन्दोलन

(डाक्टर भारतन कुमारप्पा)

[इस साल अप्रैल महीने में दुनिया भर के पैसिफिस्ट जापान में जमा हुए थे. डाक्टर कुमारप्पा भारत के गुमाश्ते के रूप में वहां गए थे. उनके भाशन को हम 'हरिजन' से नक़ल करके पाठकों के सामने पेश कर रहे हैं—एडीटर.]

✽ ✽ ✽

हम में से ज्यादातर लोगों को ऐसा लगता है कि शान्ति आन्दोलनों का हाल में ही जन्म हुआ है. लेकिन भारत में शान्ति और अहिंसा का आन्दोलन लगभग दो हजार बरस पहले शुरू हुआ था. हमारे देश के अन्धे से अन्धे अहिंसी मुनियों, पैगम्बरों और साधु संतों की पीढ़ियों ने उसके पीछे अपना गम्भीर विचार और शक्ति लगाई है. इसलिये दस मिनट के समय में भारत के इस आन्दोलन के बारे में कुछ कहने की कोशिश करना बड़ा कठिन है. गांधी जी ने शान्ति के लिये भारत की इस खोज को और आगे बढ़ाया और उसका विकास किया. यहां मुझे शान्ति के लिये गांधी जी ने जो काम किया उसके कुछ बुनियादी उमूलों की चर्चा तक ही ज्यादातर सीमित रहना पड़ेगा.

गांधी जी के नेतृत्व में भारत में जो शान्ति आन्दोलन हुआ, वह सिर्फ युद्ध का विरोध करने और मार काट के भयंकर हथियारों का निन्दा करने से बड़ी आगे बढ़ा हुआ था. लड़ाई से नफरत शान्ति की खोज में केवल पहला कदम है. इस परिशद् में मैंने जो भाशन सुने हैं, उनसे मुझे यह लगता रहा है कि गांधी जी ने शान्ति के मक़सद को आगे बढ़ाने में जो भारी मदद पहुंचाई है, उसे हम में से बहुत से अभी तक भी शायद नहीं समझ पाये हैं.

गांधी जी जानते थे कि केवल युद्ध की निन्दा करने से ही युद्ध बन्द नहीं होंगे. हमें युद्ध के कारणों का जड़ से अंत करना चाहिये. यह कारन क्या हैं ?

1. व्यक्ति के जीवन में

(i) मानव भावना की कठोरता:—भगवान युद्ध के समय से यानी 2500 बरस से भी ज्यादा बरस से भारत में हमें सिखाया गया है कि किसी को क़त्ल न पहुंचाया जाये. लेकिन लोगों को रोज़ रोज़ के जीवन में अहिंसा का व्यवहार करने की आदत डाले बिना ऐसी शिक्षा अपने आप में बेकार साबित होती. इसलिये भारत में शाकाहारवाद

भारत में शान्ति के लिये आन्दोलन

(डॉक्टर भारतन कुमारप्पा)

[इस साल अप्रैल महीने में दुनिया भर के पैसिफिस्ट जापान में जमा हुए थे. डाक्टर कुमारप्पा भारत के गुमाश्ते के रूप में वहां गए थे. उनके भाशन को हम 'हरिजन' से नक़ल करके पाठकों के सामने पेश कर रहे हैं—एडीटर.]

✽ ✽ ✽

हम में से ज्यादातर लोगों को ऐसा लगता है कि शान्ति आन्दोलनों का हाल में ही जन्म हुआ है. लेकिन भारत में शान्ति और अहिंसा का आन्दोलन लगभग दो हजार बरस पहले शुरू हुआ था. हमारे देश के अन्धे से अन्धे अहिंसी मुनियों, पैगम्बरों और साधु संतों की पीढ़ियों ने उसके पीछे अपना गम्भीर विचार और शक्ति लगाई है. इसलिये दस मिनट के समय में भारत के इस आन्दोलन के बारे में कुछ कहने की कोशिश करना बड़ा कठिन है. गांधी जी ने शान्ति के लिये भारत की इस खोज को और आगे बढ़ाया और उसका विकास किया. यहां मुझे शान्ति के लिये गांधी जी ने जो काम किया उसके कुछ बुनियादी उमूलों की चर्चा तक ही ज्यादातर सीमित रहना पड़ेगा.

गांधी जी के नेतृत्व में भारत में जो शान्ति आन्दोलन हुआ, वह सिर्फ युद्ध का विरोध करने और मार काट के भयंकर हथियारों का निन्दा करने से बड़ी आगे बढ़ा हुआ था. लड़ाई से नफरत शान्ति की खोज में केवल पहला कदम है. इस परिशद् में मैंने जो भाशन सुने हैं, उनसे मुझे यह लगता रहा है कि गांधी जी ने शान्ति के मक़सद को आगे बढ़ाने में जो भारी मदद पहुंचाई है, उसे हम में से बहुत से अभी तक भी शायद नहीं समझ पाये हैं.

1. व्यक्ति के जीवन में

(i) मानव भावना की कठोरता:—भगवान युद्ध के समय से यानी 2500 बरस से भी ज्यादा बरस से भारत में हमें सिखाया गया है कि किसी को क़त्ल न पहुंचाया जाये. लेकिन लोगों को रोज़ रोज़ के जीवन में अहिंसा का व्यवहार करने की आदत डाले बिना ऐसी शिक्षा अपने आप में बेकार साबित होती. इसलिये भारत में शाकाहारवाद

رین سوہانی نیل گگن پر تاروں کی دیوالی
کلیاں چٹکے خوشبو جھولے ڈالی ڈالی
سونا اگلے بھڑکا بھڑکے خوں کی ہریالی
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، समय पहचान، तराने घोळ दे

❀

جنگ हुई तो मच जायगी घर घर हाहाकार
टूट टूट कर रह जायेंगे मन बीना के तार
शोर में खो कर रह जायगी पायल की झंकार
परचम खोल दे
آؤ मूर्ख इन्सान، समय पहचान، तराने घोळ दे

❀

नगरी नगरी लूट मचेगी जब होगी बमबारी
गली गली आबाद पड़ेगी, मौत, भूक, बेकारी
जल जायेंगे चाँद सितारे, खेत, चमन, फुलबारी
परचम खोल दे
आؤ मूर्ख इन्सान، समय पहचान، तराने घोळ दे

❀

हो जायेंगे आशाओं के शीशमहल वीरान
संगीनों की नोक पै तौले जायेंगे इन्सान
टूट गिरेंगे मन्दिर मस्जिद चुप होगा भगवान
परचम खोल दे
आؤ मूर्ख इन्सान، समय पहचान، तराने घोळ दे

❀

बोल, कि हम संसार में अब जंग न होने देंगे
सोग में सुन्दर लालों के ममता को न रोने देंगे
घरती के सीने में जंग के बीज न बोने देंगे
परचम खोल दे
आؤ मूर्ख इन्सान، समय पहचान، तराने घोळ दे

وہی پہلی نسل گگن پر تاروں کی دیوالی
کلیاں چٹکے خوشبو جھولے ڈالی ڈالی
سونا اگلے جھولے کھڑوں کی ہریالی
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، سمے پہچان، ترالے کھول دے

❀

جنگ ہوئی تو مچ جائیگی گھر گھر ہاھاکار
ٹوٹ ٹوٹ کر رہ جائیں گے من بھلا کے تار
شور میں کھو کر رہ جائے گی پائل کی جھلکار
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، سمے پہچان، ترالے کھول دے

❀

نگری نگری لوٹ مچے گی جب ہوگی بھاری
گلی گلی آزاد پڑے گی موت، بھوک، بے کاری
جل جائیں گے چاند ستارے، کھیت، چمن، پہاڑی
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، سمے پہچان، ترالے کھول دے

❀

ہو جائیں گے آشاؤں کے شیش محل ویران
سنگینوں کی نوک پر تولے جائیں گے انسان
ٹوٹ گریں گے مندر مسجد چپ ہوگا بھگوان
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، سمے پہچان، ترالے کھول دے

❀

بول، کہ ہم سلسار میں اب جنگ نہ ہونے دیں گے
سوک میں سندر لالوں کے ممتا کو نہ رولے دیں گے
دھرتی کے سولہ میں جنگ کے بیج نہ بونے دیں گے
پرچم کھول دے
آؤ مूर्خہ انسان، سمے پہچان، ترالے کھول دے

جائے آدمی، پریم دھرم ہے، ہندستانی ہولی،
’نہا ہلد‘ پہنچے گا کھر کھر لئے پریم کی جھولی۔

(زبیر دوسو)

*

*

اور موری انسان سے پہچان لے لے گیا ہے

सुधार

जुलाई के अंक में सफ़ेद एक से शुरू होते हैं लेकिन गलती से इस सफ़ेद का नम्बर नहीं बढ़ता जा सका। पाठकों से निवेदन है कि 417 सफ़ेद का सफ़ेद नम्बर एक समझा जाए। बार क्रमों के बाद गलती सुधार ली गई है।

इस गलती के लिये हम पाठकों से क्षमा चाहते हैं.

— मैंने जर

سداھار

جوائی نے ایک مہینہ صلحہ ایک سے شروع کیا۔
 وہیں۔ انہوں نے فطویٰ سے اس بار صلحہ کا سبب نہیں دیا
 جاسکے۔ باتھکوں سے نہیں ہے کہ 417 صلحہ کو صلحہ
 نمبر ایک سمجھا جائے۔ چار قسم کے بعد فطویٰ سدھار
 کر لیں۔

اس فسطوے نے لکھنؤم پاتھکوں سے چھٹا جامعہ میں .

—

ہندوستانی کلتور سوسائٹی

کا

ماہواری پرچا

جولائی 1954

ماہواری پرچا

کتاب کا نام

صفحہ نمبر

کس سے

- 1— پرچم بھول دے (نوبل) — زہر زہری ... 1 ... 1— پرچم بھول دے (نوبل) — زہر زہری
- 2— بھارت میں شانتی کے لئے لکھے آندوان — ڈاکٹر ... 3 ... 2— بھارت میں شانتی کے لئے لکھے آندوان — ڈاکٹر بھارتیہ
- 3— راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی — ایکھک — ... 8 ... 3— راجا رام موہن رائے سے گاندھی جی — ایکھک —
- 4— ایک رات (کہانی) — مونیب ریڈوی ... 13 ... 4— ایک رات (کہانی) — مونیب ریڈوی
- 5— لکھک اور اکھک — لکھک ایلمہ افرین برگ — ... 26 ... 5— لکھک اور اکھک — لکھک ایلمہ افرین برگ —
- 6— پرفیم میں مہری پہل — لکھک — ... 37 ... 6— پرفیم میں مہری پہل — لکھک —
- 7— راجہ راجہ بدامنی — اس نے دن اور رات — ڈاکٹر ... 42 ... 7— راجہ راجہ بدامنی — اس نے دن اور رات — ڈاکٹر
- 8— کچھ کتابیں — ... 19 ... 8— کچھ کتابیں —
- 9— ہمارے راتے — ... 53 ... 9— ہمارے راتے —

ہندوستان میں دس سال، باہر دس سال،
سال، ایک پرچا — دس سال،

مینجر

’نہا ہند‘

145، سڈنگ، دلاہاواہد-3

ہندوستان میں چھ روپیہ سال، باہر دس روپیہ
سال، ایک پرچہ — دس آنے

مہاجر

’نہا ہند‘

145، مہی کچھ، اہاہاد-3

تجربہ کار نیا ہند

عدیٹر—تارا چند، بنگالہ دین، لکھنؤ، بنگالہ دین، بنگالہ دین

ادبیٹر—نارائن چند، بنگالہ دین، بنگالہ دین، بنگالہ دین

ناشر—راجہ رام بھائی، صاحب دھرم، بنگالہ دین، بنگالہ دین

اس نمبر کے خاص لکھ

اس نمبر کے خاص لکھ

- پرچم کھول دے (کہانی) —جیویر راجہ
- ایک رات (کہانی) —صاحب دھرم
- پینکٹ میں سے پہلی عورت —لکھنؤ
- منتظر احمد! انوارک —صاحب دھرم
- انتہا و اشتہار ہذا مئی —اس کے کارن اور علاج
- قاتل، جے، سی، کمار
- پرچم کھول دے (کہانی) —جیویر راجہ
- ایک رات (کہانی) —صاحب دھرم
- پینکٹ میں سے پہلی عورت —لکھنؤ
- منتظر احمد! انوارک —صاحب دھرم
- انتہا و اشتہار ہذا مئی —اس کے کارن اور علاج
- قاتل، جے، سی، کمار

ہماری راہ

- ان کے من کی موج —راجہ رام بھائی
- نیا لکھنؤ کی پہلی چھٹی —راجہ رام بھائی

نیا لکھنؤ، بنگالہ دین، بنگالہ دین



جولائی 1954

نیا لکھنؤ، بنگالہ دین، بنگالہ دین

نیا لکھنؤ، بنگالہ دین، بنگالہ دین

